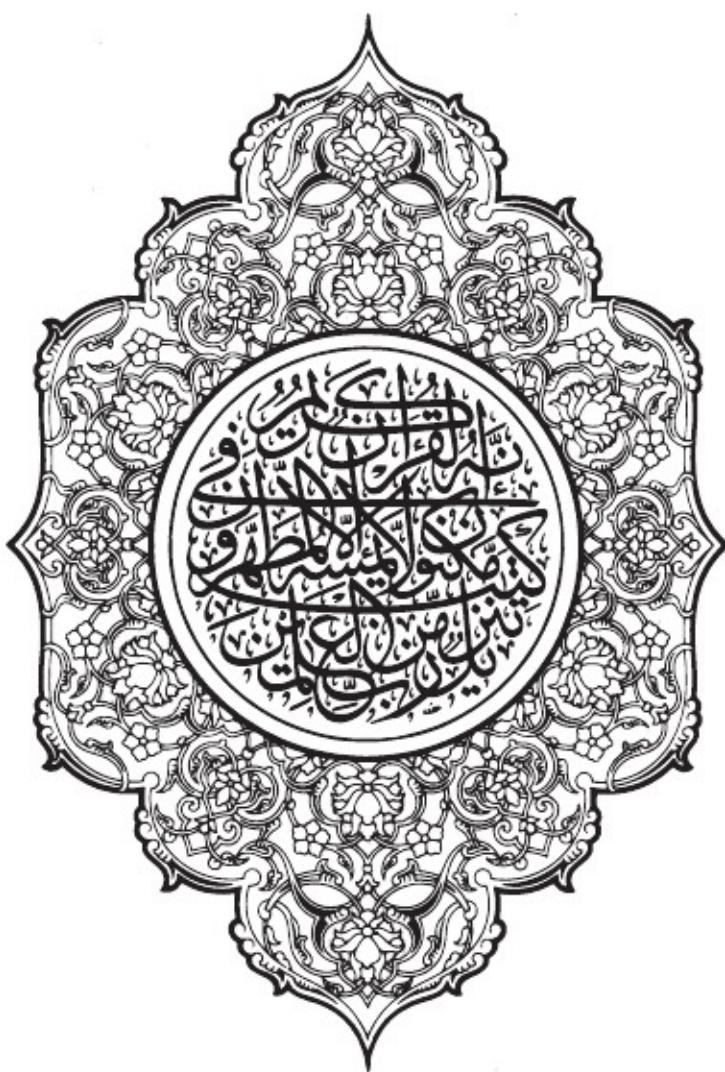


إِنَّمَا يُحَرِّكُونَ الْأَذْكُرَ وَالْأَقْرَبَاتِ



اس قرآن کیم سے تجدید نظر کی طباعت کے حکم دیئے گا شرف فرمادے ملکت سودی عرب خادم حرمین شیعین شاہ عبدالشہب
عبدالحسین بن اے سود کو حمال ہوا۔

شَرَقَ بِالْأَمْرِ بِطَيْبَةِ هَذِهِ الْمُصْنَفِ التَّرِيفِ وَرَحْمَةِ مَعَانِيهِ
خَالِدُ الْجَمَلِ الشَّرِيفِ إِلَيْهِ الْمَلِكُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمُعْتَدِلِ
مَلِكُ الْمَلَكَاتِ كَلَمُ الْمُرْسَلِينَ السُّعُودِ يَكُونُ

وَقَفَّ لِلَّهِ تَعَالَى مِنْ خَادِمِ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ
الْمَلِكُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ آلُ شَعْوَد
وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ



مُحَمَّدُ الْمَلِكُ فَهْدُ الْأَطْنَابِيُّ الْمُصَفِّفُ الشَّرِيفُ

خادم حرمین شیعین شاہ عبداللہ بن عبد العزیز آل سعود
کی جانبے اعلیٰ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے
کے لئے وقتے اس کا بیچنا جائز نہیں ۔



شاہ فہد قرآن کریم پر نشانگ کمپلیکس

مقدمة

يُقْلِمُ مُعَالِي الشَّيْخِ: صَالِحُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ آلِ الشَّيْخِ
وَزَيْرُ الشُّؤُونِ الإِسْلَامِيَّةِ وَالْأَوقَافِ وَالدُّعْوَةِ وَالْإِرشَادِ
الْمُشْرِفُ الْعَامُ عَلَىِ الْجَمْعِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، الْفَاعِلُ فِي كِتَابِهِ الْكَرِيمِ :
﴿... قَدْ جَاءَكُمْ مِنْ أَنْوَارٍ وَكَتَبْتُ مِنْهُ﴾ .
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٌ ، الْفَاعِلُ :
((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعْلَمَ الْقُرْآنَ وَعَلِمَهُ)) .
أَمَّا بَعْدُ :

فَإِنَّفَادًا لِتَوجِيهِاتِ خَادِمِ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ الْمَلِكِ عَبْدَ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ آلِ سَعْدٍ ، حَفَظَهُ اللَّهُ ، بِالْعُنْيَةِ بِكِتَابِ اللَّهِ ، وَالْعَمَلِ عَلَى تَسْيِيرِ نَشْرِهِ ، وَتَوْزِيعِهِ بَيْنِ الْمُسْلِمِينَ فِي مَشَارِقِ الْأَرْضِ
وَمَغَارِبِهَا ، وَتَفْسِيرِهِ ، وَتَرْجِهِ مَعَانِيهِ إِلَى مُخْتَلَفِ لُغَاتِ الْعَالَمِ .

وَإِيمَانًا مِنْ وِزَارَةِ الشُّؤُونِ الإِسْلَامِيَّةِ وَالْأَوقَافِ وَالدُّعْوَةِ وَالْإِرشَادِ بِالْمُلْكَةِ الْعَرَبِيَّةِ
الْسَّعُودِيَّةِ ، بِأَهمِيَّةِ تَرْجِيْهِ مَعَانِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ ، إِلَى جَمِيعِ لُغَاتِ الْعَالَمِ الْمُهِمَّةِ ، تَسْهِيلًا لِفَهْمِهِ عَلَى
الْمُسْلِمِينَ النَّاطِقِينَ بِغَيْرِ الْعَرَبِيَّةِ ، وَتَحْقِيقًا لِلْبَلَاغِ الْمَأْمُورِ بِهِ فِي قَوْلِهِ ﴿بَلَّغُوا عَنِّي وَلَوْ آتَيْ﴾ .

وَخَدْمَةً لِإِخْرَانَا النَّاطِقِينَ بِالْأَرْدِيَّةِ ، يُطَيِّبُ مَجْمُوعَ الْمَلِكِ فَهَدِ لِطَبَاعَةِ الْمَصْفُوفِ
الشَّرِيفِ بِالْمَدِينَةِ الْمُنُورَةِ ، أَنْ يَقْدِمَ لِقَارِئِ الْكَرِيمِ هَذِهِ التَّرْجِيْهُ الْأَرْدِيَّةُ ، الَّتِي قَامَ بِهَا فَضْلَيْلُ الشَّيْخِ
مُحَمَّدُ الْجُونَاكِرِيُّ . مَعَ تَفْسِيرِ فَضْلَيْلِ الشَّيْخِ صَلَاحِ الدِّينِ يُوسُفَ . وَرَاجِعُهَا مِنْ قِبَلِ الْمَجْمُوعِ كُلُّ مَنْ
فَضْلَيْلُ الشَّيْخِينَ دَ . وَصَفِيُّ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَبَاسَ دَ . أَخْزَى جَهَالَ لَقْمَانَ .

وَنَحْمَدُ اللَّهَ سَبَّحَنَهُ وَتَعَالَى أَنْ وَفَقَ لِإِنْجَازِ هَذَا الْعَمَلِ الْعَظِيمِ ، الَّذِي نَرْجُو أَنْ يَكُونَ
خَالِصًا لِوَجْهِ الْكَرِيمِ ، وَأَنْ يَنْفَعَ بِهِ النَّاسُ .

إِنَّا لَنَدْرُكُ أَنْ تَرْجِيْهِ مَعَانِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ ، مَهْمَا بَلَغَتْ دَقْتَهَا سَتَكُونُ قَاصِرَةً عَنْ أَدَاءِ
الْمَعَانِي الْعَظِيمَةِ الَّتِي يَدْلِلُ عَلَيْهَا النَّصُّ الْقَرَآنِيُّ الْمَعْجَزُ ، وَأَنَّ الْمَعَانِي الَّتِي تَزَوَّدُ بِهَا التَّرْجِيْهُ إِنَّمَا هِيَ
حَصِيلَةُ مَا بَلَغَهُ عِلْمُ الْمَتْرُجِمِ فِي فَهْمِ كِتَابِ اللَّهِ الْكَرِيمِ ، وَأَنَّهُ يَعْزِزُهَا مَا يَعْزِزُهَا عَمَلُ الْبَشَرِ كُلُّهُ مِنْ
خَطَا وَنَفْصُ .

وَمِنْ ثُمَّ نَرْجُو مِنْ كُلِّ قَارِئٍ هَذِهِ التَّرْجِيْهِ أَنْ يَسْوَافِ مَجْمُوعَ الْمَلِكِ فَهَدِ لِطَبَاعَةِ الْمَصْفُوفِ
الشَّرِيفِ بِالْمَدِينَةِ الْمُبُوْرَةِ ، بِمَا قَدْ جَدَهُ فِيهَا مِنْ خَطَا وَنَفْصُ أَوْ زِيَادَةٍ ، لِلْفَاقِدَةِ مِنِ الْاِسْتِدَارَاتِ
فِي الْطَّبَعَاتِ الْقَادِمَةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ .

وَاللَّهُ الْمُوْفَقُ ، وَهُوَ الْهَادِي إِلَى سَوَاءِ السَّبِيلِ ، اللَّهُمَّ تَقْبِلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ .

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمة

از قلم عالی اشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل اشیخ
وزیر اسلامی امور اوقاف اور دعوت و ارشاد
گمراں اعلیٰ مجمع الملک فہد

الحمد لله رب العالمين، القائل في كتابه الكريم ﴿فَذَجَأَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ
وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ والصلة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد
القائل: «خيركم من تعلم القرآن وعلمه». أما بعد:

خادم الحرمين الشريفين شاه عبد الله بن عبدالعزيز آل سعود حفظ الله نے کتاب اللہ کی خدمت کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں ان میں قرآن مجید کی طباعت، وسیع پیانے پر مسلمانان عالم میں اس کی تقویم کے اہتمام اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ و تفسیر کی اشاعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔

”وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد“ کی نظر میں عربی زبان سے تاواقف مسلمانوں کے لئے قرآن فتحی کی راہ ہموار کرنے اور تبلیغ کی اس ذمہ داری سے عمدہ برآ ہونے کے لئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی: ”بلغوا عنى ولو آتى“ (میری جانب سے لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو) میں بیان کی گئی ہے، دنیا کی تمام اہم زبانوں میں قرآن مجید کے مطالب کو منتقل کیا جانا انتہائی ضروری ہے۔

خادم الحرمين الشريفین کی اپنی ہدایات اور وزارت برائے اسلامی امور کے اسی احساس کے پیش نظر ”مجمع الملک فہد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة المنورة“ اردو داں قارئین کے استفادہ کے لئے قرآن مجید کا یہ اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

یہ ترجمہ مولانا محمد جو ناگڑھی کے قلم سے ہے اور تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف کے تحریر کردہ ہیں۔ مجمع کی جانب سے نظر ٹالی کام ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس اور ڈاکٹر اختر جمال لقمان ہر دو حضرات نے انجام دیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس عظیم کام کو پایۂ تحکیم تک پہنچانے کی توفیق دی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خدمت قبول فرمائے اور لوگوں کے لئے اسے لفظ بخش بنائے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا کوئی بھی ترجمہ خواہ کیسی ہی وقت نظر سے انجام پایا ہو، ان عظیم معانی کو کماحتہ ادا کرنے سے بہ حال قاصر رہے گا جو اس مجزوانہ متن کے عربی معلومات ہیں۔ نیز یہ کہ ترجمہ میں جن مطالب کو پیش کیا جاتا ہے وہ دراصل مترجم کی قرآن فتحی کا ماحصل ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر انسانی کوشش کی طرح ترجمہ قرآن میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان باقی رہتا ہے۔

اس پناپر قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ انھیں اس ترجمہ میں کسی مقام پر کوئی فروگذشت نظر آئے تو ”مجمع الملک فہد لطباعة المصحف الشريف بالمدينة المنورة“ کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان استدراکات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ والله الموفق، وهو الهدى إلى سوء السبيل۔

اللهم تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

سورة فاتحة (۱) کی ہے، (۲) اس میں سات آیتیں ہیں۔ (۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۖ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان

نہایت رحم والا ہے۔ (۱) (۲)

(۱) سورۃ الفاتحة قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحة کے معنی آغاز اور ابتداء کے ہیں، اس لیے اسے الفاتحة یعنی فاتحة الكتاب کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أَمُّ الْقُرْآنِ ، السَّبِيعُ الْمَتَانِيُّ ، الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ ، الشِّفَاءُ ، الرُّفِيقُ (دم) وَغَيْرُهَا مِنَ الْأَسْمَاءَ۔ اس کا ایک اہم نام "الصلوٰۃ" بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «فَسَمِّنَ الصَّلَاةَ بِيَتْرِينِ وَبَيْنِ عَبْدِنِی»۔ الحدیث (صحیح مسلم - کتاب الصلوٰۃ): «میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے»، مراد سورۃ فاتحة ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و شاء اور اس کی رحمت و ربویت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۃ فاتحة کو "نماز" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کردی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح بخاری و صحیح مسلم)، "اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحة نہیں پڑھی۔" اس حدیث میں (من) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۃ فاتحة پڑھنا ضروری ہے۔

اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت بو جعل ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا «لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأَمْ الْقُرْآنِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْهَا»۔ "تم ایسا ملت کیا کرو (یعنی ساتھ ساتھ مت پڑھا کرو) البتہ سورۃ فاتحة ضرور پڑھا کرو، کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِ الْقُرْآنِ، فَهٗيَ حِدَاجٌ - نَلَاتٌ - غَيْرُ تَنَامٍ»، "جس نے بغیر فاتحة کے نماز پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے" تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ (امام کے پیچے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (إِنَّمَا يَهْبَطُ فِي نَفْسِكَ) (امام کے پیچے تم سورۃ فاتحة اپنے جی میں پڑھو) صحیح مسلم۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے : ﴿ وَإِذَا قِيلَ الْقُرْآنُ فَلَا سَيِّعُوا لَهُ وَأَكْصِنُوا ﴾ (الاعراف - ۲۰۳) ”جب قرآن پڑھا جائے تو سنوار خاموش رہو“ یا حدیث وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِنُوا (بشرط صحت) ”جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو“ کا مطلب یہ ہے کہ جری نمازوں میں مقتدى سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے نہیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورہ فاتحہ کی آیات و تقول کے ساتھ پڑھے تاکہ مقتدى بھی احادیث صحیحہ کے مطابق سورہ فاتحہ پڑھ سکیں، یا امام سورہ فاتحہ کے بعد اتنا سکتہ کرے کہ مقتدى سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔ اس طرح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ میں الحمد للہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورہ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں نکراوے ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔ بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَتَنُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا دیکھیے سورہ اعراف، آیت ۲۰۳ کا حاشیہ (اس مسئلے کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ”تحقيق الكلام“ از مولانا عبد الرحمن مبارک پوری و ”توضیح الكلام“ مولانا ارشاد الحق اثری جفظ اللہ، غیرہ)۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام این تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلف کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدى امام کی قراءت سن رہا ہو تو نہ پڑھے اور اگر نہ سن رہا ہو تو پڑھے (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶۵/۲۳)

(۲) یہ سورت کی ہے۔ کمی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں بھرت (انبوت) سے قبل نازل ہو کیں وہ کمی ہیں، خواہ ان کا نزول کمکرمہ میں ہوا، یا اس کے اطراف و جوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو بھرت کے بعد نازل ہو کیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہو کیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

(۳) بسم اللہ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے، یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے، یا یہ صرف سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے متاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قراء مکہ و کوفہ نے اسے سورہ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے، جبکہ قراء مدینہ، بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورہ نمل کی آیت ۳۰ کے اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جزو ہے۔ اسی طرح جری نمازوں میں اس کے اوپھی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اوپھی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے (فتح القدیر) اکثر علمانے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

(۴) بسم اللہ کے آغاز میں اقرأ، ابدأ یا آئُلُو محفوظ ہے یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا، یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ ہر اہم کام کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، ضواور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سے پہلے أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنا بھی ضروری ہے ﴿ فَإِذَا قِرَأْتَ الْقُرْآنَ فَأَسْتَعِدُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴾ (النحل - ۹۸) ”جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو اللہ کی جناب میں شیطان رجیم سے پناہ مانگو۔“

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝

مَلِكُ يَوْمِ الدِّينِ ۝

سُبْ تَعْرِيفُ اللّٰهِ تَعَالٰى كَيْ لَيْ هَيْ هَيْ جُو تَامِ جَانُونَ كَا
پَانَے والَّاهِي - ۲) (۱)

بِرَا مِيزَانِ نَهَايَتِ رَحْمَ كَرْنَے والَّا - ۳) (۲)
بَدَلَے کَ دُونِ (يَعْنِي قِيَامَتِ) كَما لَكَ هَيْ - ۳) (۳)

(۱) الحمد میں ال، استغراق یا اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، یا اس کے لیے خاص ہیں، کیوں کہ تعریف کا اصل مَسْتَحْقٰن اور سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس لیے حمد (تعریف) کا مَسْتَحْقٰن بھی وہی ہے۔ اللہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ کلمہ شکر ہے جس کی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں لا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَوْأَفْضَلُ الذِّكْرِ اور الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَوْأَفْضَلُ الدُّعَاءِ کہا گیا ہے۔ (ترمذی، نسائی وغیرہ) صحیح مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَنَلٌُ الْمِيزَانَ "الْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان کو بھروسیتا ہے" اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کمانے پر اور پینے پر بنہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحیح مسلم)۔

(۲) رَبُّ اللّٰهِ تَعَالٰى کے اسمائے حُسْنٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات میا کرنے اور اس کو تمحیل تک پہنچانے والے۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ عَالَمِينَ عَالَمٌ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں۔ مثلاً عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں، لیکن رَبِّ الْعَالَمِينَ سب کی ضروریات، ان کے احوال و ظروف اور طبائع و اجسام کے مطابق میا فرماتا ہے۔

(۳) رَحْمَنُ بِرَوْزَنِ فَعْلَانَ اور رَحِيمُ بِرَوْزَنِ فَعَيْلَنَ ہے۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، جن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائی ہے۔ بعض علمائے ہیں: رَحْمَنُ میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے رَحْمَنُ الدُّنْیَا وَالآخِرَةِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافروں موسمن سب فیض یا بہورہ ہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہو گا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہو گی۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ (آمین)

(۴) دنیا میں بھی اگرچہ مكافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا بے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزاوے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں، لیکن آخرت میں تمام اختیارات کمالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: لَئِنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر وہی جواب دے گا: لَهُ الْوَاحِدُ الْفَهَارِ

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھے ہی سے مدد چاہتے ہیں۔^(۱)^(۵)

إِلَّا كُنَّا نَعْبُدُ وَإِلَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ ۝

(صرف ایک غالب اللہ کے لیے) ﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ تَنْفِيْشَ لِتَنْفِيْشٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَ يُمْهَدُ تَنْهِيْهُ ﴾ (الانفطار) "اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہو گا۔" یہ ہو گرا جزا کا دن۔

(۱) عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تزلیل و عاجزی اور کمال خشوع کا اظہار اور بقول ابن کثیر "شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام ہے" یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاصاب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بھی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاصاب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ سید ہمی عبارت (نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِينُكَ) (ہم تیری عبادت کرتے اور تجھے سے مدد چاہتے ہیں) ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول کو فعل پر مقدم کر کے ﴿ إِلَّا كُنَّا نَعْبُدُ وَإِلَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی "ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھے ہی سے مدد چاہتے ہیں" نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سدابہ کر دیا گیا ہے، لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ را پا گیا ہے، وہ مافوق الاصاب اور ماتحت الاصاب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیکار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، یہوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد و مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنیا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ مَنْ أَنْصَارَنِي إِلَى أَنْهَىٰنِي ﴾ (الصف) "اللہ کے دین کے لیے کون میرا مدد گار ہے؟" اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى إِلَيْرَةِ التَّقْوَىٰ ﴾ (المائدۃ - ۲) "نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو ظاہربات ہے کہ یہ تعاون منوع ہے، نہ شرک، بلکہ مطلوب و محمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع و ضار باور کرنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاصاب طریقے سے مدد طلب کرنا، اور اسے خدائی صفات سے متصف ہانتا۔ اسی کا نام شرک ہے، جو بد قسمی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ آعاذنا اللہ مِنْهُ۔ توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصر آیات کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں۔ توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید صفات۔

۱۔ توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدد بر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ

إِهْدِنَا الْقِرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

ہمیں سیدھی (اور پچھی) راہ دکھا۔^(۱) (۲)

وزناوقد کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین کہ کا اعتراف نقل کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ”اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان و زمین میں رزق کون دیتا ہے، یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کوں پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہ دیں گے کہ اللہ“ (یعنی یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔ (سورہ یونس - ۳۱) دوسرے مقام پر فرمایا: اگر آپ ملکہ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ (الزمر - ۳۸) ایک اور مقام پر فرمایا: ”اگر آپ ملکہ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کامال ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔ (المؤمنون - ۸۹-۸۷) وغیرہا مِنَ الْآيَاتِ

۲۔ توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہروہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا کے لئے، یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ صرف یہی عبادات نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا و التجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادات ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ قبرپستی کے مرض میں بیتلاؤ عام و خواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور نذکورہ عبادات کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفن افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں جو سراسر شرک ہے۔

۳۔ توحید صفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں۔ مثلاً جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے، یادوں اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا اس قسم کی اور صفات ایسے ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائیں۔ اگر تسلیم کی جائیں گی تو یہ شرک ہو گا۔ افسوس ہے کہ قبرپستوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انہوں نے اللہ کی نذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شرک کر رکھا ہے۔ آعاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

(۱) ہدایت کے کئی مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچانا۔ اسے عربی میں ارشاد، توفیق، الہام اور دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمًا، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرمًا تاکہ ہمیں تیری رضا (منزل مقصود) حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی "الإِسْلَام" ہے، جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جو

ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا^(۱)، انکی نہیں جن پر غصب کیا گیا (یعنی وہ لوگ جنہوں نے حق کو پہچانا مگر اس پر عمل پیرا نہیں ہوئے)، اور نہ گمراہوں کی^(۲) (یعنی وہ لوگ جو جہالت کے سبب راہ حق سے برگشته ہو گئے)۔ (۷)

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بِغَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ ۝

اب قرآن و احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

(۱) یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے، جن پر تیر انعام ہوا۔ یہ منعم علیہ گروہ ہے انبیاء شداصد لیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورہ نساء میں ہے ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالْعَبْدِيِّينَ وَالشَّهِدَاءِ وَالصَّابِرِينَ وَحَسْنُ أُولَئِكَ رَفِيقًا﴾ (النساء۔ ۶۹) ”اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء صد لیقین، شداصد اور صالحین“ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔“ اس آیت میں یہ بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے، نہ کہ کوئی اور راستہ۔

(۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ مغضوب علیہم (جن پر اللہ کا غصب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ضالین (گمراہوں) سے مراد نصاری (یوسفی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں «لاَ أَغْلَمُ خِلَافًا بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ 『الْمَغْضُوبُ عَلَيْهِمْ』: بِالْيَهُودِ وَ 『الضَّالِّينَ』 بِالنَّصَارَى» (فتح القدير) اس لیے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاری دونوں کی گمراہیوں سے فجع کر رہیں۔ یہود کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے، آیات الہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، حضرت عزیز علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے، اپنے احجار و رہبان کو حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاری کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلوکیا اور انہیں آبنُ اللہ اور ثالثُ ثالثۃ (اللہ کا بیٹا اور تین خدا میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے، تاکہ ادب و نکبت کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورہ فاتحہ کے آخر میں آمین کرنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس لیے امام اور مفتونی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جری نمازوں میں) اپنی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رض بھی، حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی (ابن ماجہ۔ ابن کثیر) بنا بریں آمین اپنی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام رض کا معمول ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ «كَذَلِكَ فَلَيُكُنْ» (اسی طرح ہو) «لَا تُخَيِّبْ رَجَاءَنَا» (ہمیں نا مراد نہ کرنا) «اللَّهُمَّ إِنْ شَجَّبْنَا لَنَا» (اے اللہ ہماری دعا قبول فرمائے)۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة بقرہ مدنی ہے^(۱) اور اس میں دو سچھیاں آیات اور
چالیس روکوئے ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا میراث نہایت رحم
والا ہے۔

الم^(۲) اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں
کوئی شک نہیں،^(۳) پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی
ہے۔^(۴)

الْقَرْآنُ ذَلِكَ الْكِتَابُ لِرَبِّكَ فِيهِ هُدًى لِّلنَّاسِ

(۱) اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا، اس لیے اسے بقرہ (گائے کے واقعہ والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، فَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ» (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ النافلة فی بیته.....) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے البتہ اس کی بعض آیات جنت الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) انہیں حروف مقطوعات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ عیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ واللہ أعلم بِمُرَادِه۔ البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ میں نہیں کہتا کہ آلم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے اور ہر حرف پر ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فیمن قرأ حرفاً.....)

(۳) اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿ تَزَكَّيْنُ الْكِتَابُ لِرَبِّكَ فِيهِ مِنْ رَزْقٍ
الْعَلَيَّيْنَ ﴾ (الم السجدة) بعض علمانے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نہی ہے۔ آپی: لَا تَزَكَّبُوا فِيهِ (اس میں شک نہ کرو۔) علاوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں، جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح و نجات و ابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید و رسالت اور معاد کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۴) دیے تو یہ کتاب الہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے، لیکن اس چشمہ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الہی سے سرشار ہوں گے۔ جن کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، جن کے اندر ہدایت کی طلب، یا مگر اسی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہو گا تو انہیں ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں^(۱) اور نماز کو قائم رکھتے ہیں^(۲) اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں۔^(۳)

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا،^(۴) اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔^(۵)

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔^(۶)

کافروں کو آپ کا ڈرانا، یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْعِقَبَ وَيُقْيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِنَ رَّزْقِهِمْ يُنْفِقُونَ ۝

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقَنُونَ ۝

أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَنْ دَرَأُوهُمْ أَمْ لْمَسْتَرِدُوهُمْ

(۱) اُمُوزَّ غَبَنِيَّہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا اور اک عقل و حواس سے ممکن نہیں۔ جیسے ذات باری تعالیٰ، وحی الٰہی، جنت، دوزخ، ملائکہ، عذاب، قبر اور حشر اساد وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی ماوراء عقل و احساس باتوں پر یقین رکھنا، جزو ایمان ہے اور ان کا انکار کفر و ضلالت ہے۔

(۲) اقامت صلوٰۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے، ورنہ نماز تو منافقین بھی پڑھتے تھے۔

(۳) إِنْفَاقُ كَالنَّظَّامِ ہے، جو صدقات واجبه اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہل ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے، بلکہ ماں باپ اور اہل و عیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔

(۴) پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب بھی ہیں، وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشرع نبوی - حدیث - پر ہی کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی و رسالت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔

(۵) یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ و عمل اور عقیدہ صحیح کا اہتمام کرتے ہیں۔ مخفی زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت و مغفرت کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حالی اور سعادت و کامرانی مل جائے تو سجان اللہ۔ ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرماتا ہے جو صرف کافر ہی نہیں، بلکہ اس کا کفر و عناد اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبول اسلام کی توقع ہی نہیں۔

لَا يُؤْمِنُونَ ①

خَتَّمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ
غَشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ②

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ أَمَّا يَا لَهُ وَإِلَيْهِ الْأُخْرُ وَمَا هُنَّ
يُؤْمِنُونَ ③

ایمان نہ لائیں گے۔ ④

اللَّهُ تَعَالَى نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مرکر
دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا
عذاب ہے۔ ⑤

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللَّه تَعَالَى پر اور قیامت کے
دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے
نہیں ہیں۔ ⑥

(۱) نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ ﷺ کو شش فرماتے، لیکن اللَّه تَعَالَى نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مرلگ چکی تھی (جیسے ابو جہل اور ابو لتب وغیرہ) ورنہ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتیٰ کہ پھر پورا جزیرہ عرب اسلام کے سایہ عاطفت میں آگیا۔

(۲) یہ ان کے عدم ایمان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ کفر و معصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں سے قبول حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لا سکتے ہیں؟ ایمان تو انہی لوگوں کے حصے میں آتا ہے، جو اللَّه تَعَالَى کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان سے معرفت کر دگار حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بر عکس لوگ تو اس حدیث کا مصدقہ ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ”مُوْمِنٌ جَبْ گَنَاهُ كَرْبَلَتْهَا هُنَّ تَوَسُّلٌ إِلَىٰ دُلْ مِيَاهٌ نَقْطَةٌ بِزَرْ“ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پسلے کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ نقطہ سیاہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ ”نبی ﷺ نے فرمایا“ یہی وہ زنگ ہے جسے اللَّه تَعَالَى نے بیان فرمایا ہے ﴿كَلَّا لَيَنْهَا زَرَّ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ نَّاجِمًا لَوْيَكِبُونَ﴾ (المطففين: ۳۳) یعنی ”ان کے کرتوقلوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔“ (ترمذی، تفسیر سورہ مطففين) اسی کیفیت کو قرآن نے ”ختم“ (مرلگ جانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بداعیلوں کا منطقی نتیجہ ہے۔

(۳) یہاں سے تیرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے، مگر وہ اہل ایمان کو فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اطمینان کرتے تھے، اللَّه تَعَالَى نے فرمایا کہ وہ نہ اللَّه کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ وہ توبہ کچھ جانتا ہے اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ اللَّه تَعَالَى وحی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرمادیتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انہی کو پہنچا کر انہوں نے اپنی عاقبت برپا کر لی اور دنیا میں بھی رسو ا ہوئے۔

وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں۔^(۹)

ان کے دلوں میں بیکاری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیکاری میں مزید بڑھا دی^(۱) اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔^(۲)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو
جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے
ہیں۔ (۱۱)

خبردار! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں،^(۲) لیکن شعور (بھج) نہیں رکھتے۔^(۳)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (یعنی صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاو تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لا سیں جیسا یقین و قوف لائے ہیں،^(۳) خبردار ہو جاؤ!

(۱) بیماری سے مراد وہ کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا منافعین کی علامات میں سے ہے، جس سے اعتناب ضروری ہے۔

(۲) فساد، صَلَاحُ کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعتِ الٰہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ مکرات کی کرتے ہیں اور پہاڑ حدودِ الٰہی کو کرتے ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ پر کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشش ہیں۔

(۳) ان منافقین نے ان صحابہ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكُكَ مَا أَنْتَ مُنْتَهٰ يٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ کو ”بے وقوف“ کما، جنوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دربغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ باور کرتے ہیں کہ نعوز باللہ صحابہ کرام اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكُكَ مَا أَنْتَ مُنْتَهٰ يٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ دلوں ایمان ہی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ فرمایا کسی اعلیٰ مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا، بے وقوف نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابہ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكُكَ مَا أَنْتَ مُنْتَهٰ يٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ نے اسی سعادت مندی کا ثبوت میا کیا ہے، اس لیے وہ پکے مومن ہی نہیں، بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انہی کا معتبر ہو گا جو صحابہ کرام ہی کی طرح ایمان لا کیں گے۔ ﴿قَاتَلُوا إِيمَانَكُمْ إِنَّمَا مُنْتَهٰ يٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ يٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَقَدْ أَهْتَدَوْا﴾ - (البقرة - ۷۳)

يُخْدِلُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدُلُونَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ
وَمَا يَشْرُونَ ④

فِي قُلُوبِهِمْ مَرْضٌ لَا فَرَادَهُمْ إِلَّا مَرْضًا وَلَا هُمْ عَذَابٌ
أَلَيْهِمْ بِمَا كَانُوا يَكْنِي بُونٌ ﴿٧﴾

وَإِذَا أُقْيِلَ لَهُمْ لَا يُقْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّا نَعْمَلُ
مُصْلِحُونَ ①

الآن هم المقسىون ولكن لا يشعرون ^(١٢)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ إِمْنُوا كَمَا أَمَّنَ النَّاسُ قَالُوا أَلَا يُؤْمِنُ كُلُّا
أَمَّنَ السُّفَهَاءُ إِنَّ الظَّانَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ
لَا يَعْلَمُونَ ⑭

یقیناً یکی یوقوف ہے، لیکن جانتے نہیں۔^(۱)

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں^(۲) تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں۔^(۳)

اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے^(۴) اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھادیت ہے۔^(۵)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلوں میں خرید لیا، پس نہ تو ان کی تجارت^(۶) نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے۔^(۷)

ان کی مثل اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلانی،

وَإِذَا أَفْوَى الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا إِنَّمَا كُنَّا فِي هُنَّا وَإِذَا حَلَّوْا إِلَى شَيْطَنِيهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا هُنْ مُسْتَهْزِئُونَ^(۸)

أَنَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمْتَهِنُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَلُونَ^(۹)

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُ الصَّلَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا يَحْتَاجُنَّ إِلَيْهَا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ^(۱۰)

مَثَلُهُمْ هَبَطَ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَاحْوَلَهُ^(۱۱)
(۱) ظاہربات ہے کہ نفع عاجل (فوری فائدے) کے لیے نفع آجل (دیرے سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کرونا اور آخرت کی پاسیدار اور دامنی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پر لے درجے کی سفاهت ہے جس کا رنگاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔

(۲) شیاطین سے مراد سردار ان قریش و یہود ہیں جن کے ایما پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، یا منافقین کے اپنے سردار۔

(۳) ”اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزا و استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان سے ایسا ہی معاملہ کرتے ہوئے انہیں ذلت و ادب اور مبتلا کرتا ہے۔ اس کو استہزا سے تعبیر کرنا، زبان کا اسلوب ہے، ورنہ حقیقتاً یہ استہزا نہیں ہے، ان کے فعل استہزا کی سزا ہے جیسے ﴿وَجَزَّاُ سَيِّئَاتَهُمْ مِثْلَهَا﴾ (الشوری) ”برائی کا بدلہ، اسی کی مثل برائی ہے“ میں برائی کے بدلوں کو برائی کہا گیا ہے حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز فعل ہے۔ اسی طرح ﴿يُخْلِي عَوْنَ الَّهَ وَهُوَ خَادِعٌ هُمْ﴾ ﴿وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ﴾ وغیرہ آیات میں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا فرمائے گا۔ جیسا کہ سورہ حمد کی آیت ﴿يَوْمَ يَقُولُ النَّفِقُونَ﴾ الایہ میں وضاحت ہے۔

(۴) تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے، جو سراسر گھٹائے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامدہ پہن کر بھی گھٹائے والی تجارت کی۔ لیکن یہ گھٹائا آخرت کا گھٹائا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا میں ہی اس گھٹائے کا انہیں علم ہو جائے۔ بلکہ دنیا میں تو اس نفاق کے ذریعے سے انہیں جو فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش ہوتے اور اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو بست دانا اور مسلمانوں کو عقل و فرم سے عاری سمجھتے تھے۔

پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جو نہیں دیکھتے۔^(۱۷)

ہرے، گونے، اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں لوٹتے۔^(۱۸)

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیراں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر کڑا کے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔^(۱۹)

قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے، جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو

ذَهَبَ اللَّهُ بِسُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلْمَتِ لَا يَبْغُرُونَ^(۲۰)

ضُمِّنَ بِكُلِّ عُمُّنَ فَهُمْ لَا يَرْجُونَ^(۲۱)

أَوْ كَصِّيتَبِ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلْمَتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي أَذْانِهِمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ حَذَرَ الْمَوْتُ وَاللَّهُ خَيْرٌ بِالْكَفَرِينَ^(۲۲)

يَخَادُ الْبَرْقُ يَخْطُفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّهَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَافِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَعْيِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۲۳)

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے: کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، لیکن پھر جلد ہی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا، اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، دھتنا وہ روشنی بجھ گئی، اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آگئے۔ حلال اور حرام اور خیر و شر کو پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی (فتح القدير)

(۲) یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جس پر کبھی حق واضح ہوتا ہے اور کبھی اس کی بابت وہ ریب و شک میں بدلنا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کے دل ریب و تردد میں اس بارش کی طرح ہیں جو اندھیروں (شکوک، کفر اور نفاق) میں اترتی ہے، گرج چک سے ان کے دل ڈر ڈر جاتے ہیں، حتیٰ کہ خوف کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و دھشت انہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچاسکے گا، کیوں کہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے۔ کبھی حق کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں تو حق کی طرف جھک پڑتے ہیں، لیکن پھر جب اسلام یا مسلمانوں پر مشکلات کا دور آتا ہے تو پھر حیران و سرگردان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) منافقین کا یہ گروہ آخر وقت تک تذبذب اور گوگمو کا شکار اور قبول حق (اسلام) سے محروم رہتا ہے۔

بیکار کر دے۔^(۱) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر تر رکھنے والا ہے۔^(۲۰)

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔^(۲۱)

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار باوجود جانے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔^(۲۲)

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم پچھے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنانا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مدگاروں کو بھی بلا لو۔^(۲۳)

پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے^(۲۴) تو اسے

يَا إِنَّهَا النَّاسُ أَعْبُدُ وَأَرْبَكُ الَّذِينَ خَلَقْتُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَفَقَّهُونَ^(۱)

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالْمَاءَ مَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الْأَرْضِ رِزْقًا كَلَّمَ فَلَا يَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ^(۲)

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأُنْثِي سُورَةٌ مِّنْ
مِّثْلِهِ مَوَادُعًا شَهَدَ أَنَّهُ مِنْ دُونِ الْهُوَاءِ كُنْتُمْ
صَدِيقِيْنَ^(۳)

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَأَنْقُو الْمَارِيَّةِ وَقُوَّدَهَا

(۱) اس میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو سلب کر لے۔ اس لیے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریزان اور اس کے عذاب اور موٹاخذے سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمہاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے، تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادات کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا رنگاب مت کرو۔

(۳) توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے پر جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس کے منزل من اللہ ہونے میں اگر تمہیں شک ہے تو تم اپنے تمام حمایتیوں کو ساتھ ملا کر اس جیسی ایک ہی سورت بنانا کر دکھادو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کی کاوش نہیں ہے، کلام الہی ہی ہے اور ہم پر اور رسالت محمدیہ پر ایمان لا کر جنم کی آگ سے بچنے کی سعی کرنی چاہیے، جو کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے۔

(۴) یہ قرآن کریم کی صداقت کی ایک اور واضح دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام کافروں کو چیلنج دیا گیا، لیکن وہ آج تک اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں اور یقیناً قیامت تک قاصر رہیں گے۔

النَّاسُ وَالْجِمَارَةُ عِدَّتُ لِلْكُفَّارِ ۚ ۷

سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پھر ہیں،^(۱) جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔
^(۲)
^(۳)

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو^(۴) ان جنتوں کی خوشخبریں دو، جن کے نیچے نہیں بس رہی ہیں۔ جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کیسیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے^(۵) اور ان کے لئے یوں یاں ہیں صاف^(۶) تحری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں^(۷)

وَبَشِّرُ الَّذِينَ آتَوْا وَعْدًا فَإِذَا أَتَاهُمْ جِلتٌ بَغْرِيْرٍ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ كَلَمَّا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ شَرْقٍ وَرِزْقًا فَإِنَّهُمْ أَنُوْا هَذَا الَّذِي رُزِقُنَا مِنْ قَبْلٍ وَأُتْوِا يَهُ مُتَكَبِّرِيْنَ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ۧ

(۱) پھر سے مراد بقول ابن عباس گندھک کے پھر ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک پھر کے وہ "أَصْنَام" (بات) بھی جنم کا ایندھن ہوں گے جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿ إِنَّمَا مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُنْعَنِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ ۚ ۚ﴾ (الأنبياء۔ ۹۸) "تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو، جنم کا ایندھن ہوں گے۔"

(۲) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جنم اصل میں کافروں اور مشرکوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے جو اس وقت بھی ثابت ہے۔ یہی سلف امت کا عقیدہ ہے۔ یہ تسلی چیزیں نہیں ہیں، جیسا کہ بعض مجده دین اور منکرین حدیث باور کرتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرمایا کہ ایمان اور عمل صالح ان دونوں کا چوپی وامن کا ساتھ ہے۔ عمل صالح کے بغیر ایمان شر اور نہیں اور ایمان کے بغیر اعمال خیر کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اور عمل صالح کیا ہے؟ جو سنت کے مطابق ہو اور خالص رضائے الہی کی نیت سے کیا جائے۔ خلاف سنت عمل بھی نامقبول اور نمود و نمائش اور ریا کاری کے لیے گئے عمل بھی مردود و مطرود۔

(۴) مُشَابِهَا کا مطلب یا تو جنت کے تمام میوں کا آپس میں ہم شکل ہونا ہے، یا دنیا کے میوں کے ہم شکل ہونا۔ تاہم یہ مشابہت صرف شکل یا نام کی حد تک ہی ہو گی، ورنہ جنت کے میوں کے مزے اور ذاتتے سے دنیا کے میوں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث میں ہے: مَا لَأَعْنَى رَأْنَتْ وَلَا أَذْنَ سَيْعَتْ وَلَا حَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ (صحیح بخاری، تفسیرالم السجدة) "نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا، نہ کسی کان نے ان کی بابت سنا (اور دیکھنا سننا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا گمان بھی نہیں گزرا۔"

(۵) یعنی حیض و نفاس اور دیگر آلاتشوں سے پاک ہوں گی۔

(۶) خُلُودُ کے معنی بیشگی کے ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ بیش کے لیے جنت میں رہیں گے اور خوش رہیں گے اور اہل دوزخ

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرما تا، خواہ چھر کی ہو، یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔^(۱) ایمان والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کرتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مرادی ہے؟ اس کے ذریعہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے^(۲) اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے^(۳)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَغْنُ إِنْ يَضْرِبَ مَثَلًا تَأْبُوغُوهُ فَمَا فَوَّهَا كَفَّارًا
الَّذِينَ أَمْتَوْا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَإِنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا آرَادَ اللَّهُ بِهِذَا مَثَلًا يُفْسِدُ
رِبَّهُ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُفْسِدُ
إِلَّا الْفَسِيقُونَ^(۴)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عهد کو^(۵) توڑ دیتے ہیں اور

الَّذِينَ يَقْضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ

ہمیشہ ہمیش کے لیے جنم میں رہیں گے اور جنم کے عذاب رہیں گے۔ حدیث میں ہے۔ جنت اور جنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا ”اے جنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے۔ جو فرقہ جس حالت میں ہے، اسی حالت میں ہمیشہ رہے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الرفق، باب یدخل الجنۃ سبعون ألفا۔ و صحیح مسلم کتاب الجنۃ)۔

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے دلائل قاطعہ سے قرآن کا مجھہ ہوتا ثابت کر دیا تو کفار نے ایک دوسرے طریقے سے معارضہ کر دیا اور وہ یہ کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کردہ کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات کی توضیح اور کسی حکمت بالغ کے پیش نظر تعمیلات کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اس میں حیا و حجاب بھی نہیں۔ فوْقَهَا جو چھر کے اوپر ہو، یعنی پریا بازو، مراد اس چھر سے بھی حیرت رکھیں۔ یا فوْقَ کے معنی، اس سے بڑھ کر، بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ”چھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز“ کے ہوں گے۔ لفظ فوْقَہَا میں دونوں مفہوم کی گنجائش ہے۔

(۲) اللہ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت و مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ جسے قرآن نے ﴿تُولِه مَا تَوَلَّه﴾ (النساء۔ ۱۱۵) (حس طرف کوئی پھرتا ہے، ہم اسی طرف اس کو پھر دیتے ہیں) اور حدیث میں ”كُلُّ مُسِّرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ“ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اللیل) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فتن، اطاعت الٰہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقی طور پر ایک مومن سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس آیت میں فتن سے مراد اطاعت سے کلی خروج یعنی کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے کہ اس میں مومن کے مقابلے میں کافروں والی صفات کا تذکرہ ہے۔

(۳) مفسرین نے عَهْدٌ کے مختلف مفہوم بیان کیے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اور امر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لیے انہیاً علیم السلام کے ذریعے سے مخلوق کو کی۔ ۲۔ وہ عهد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان ملِّتَهُم کے آجائے کے بعد تمہارے لیے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہو

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاشت اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں^(۱) (۲۷)

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارڈا لے گا، پھر زندہ کرے گا،^(۲) پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۸)

وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا،^(۳) پھر آسمان کی طرف قصد کیا^(۴) اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات آسمان^(۵) بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (۲۹)

مَا أَمْرَاهُهُ بِهِ أَنْ يُوَضَّلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ إِذْلِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ^(۶)

كَيْفَ تَكْفِرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَالًا فَأَحْيَاهَا لَكُنْتُمْ يُبَيِّنُكُمْ شَيْءًا مُّبِينًا لَّهُمَا إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ^(۷)

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَّكُمْ أُسْوَى إِلَى التَّمَاءِ فَتَوَلَّهُنَّ سَبْعَ سَوْفَاتٍ وَهُوَ بِطْلَى شَيْءٍ عَلَيْهِمْ ^(۸)

گا۔ وہ عمدالت جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے (وَإِذَا أَخْذَ رَبِّكَ مِنْ أَبْنَيِ آدَمَ مِنْ طَهُورٍ هُنْ ^(۹)) (الأعراف-۱۷۲) تقضی عمد کا مطلب عمد کی پرواہ کرنا ہے (ابن کثیر) ظاہریات ہے کہ نقصان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ہی ہو گا، اللہ کیا اس کے پیغمبروں اور داعیوں کا کچھ نہ بگڑے گا۔

(۱) آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے۔ پہلی موت سے مراد عدم (نیست یعنی نہ ہونا) ہے اور پہلی زندگی مان کے پیش سے نکل کر موت سے ہمکنار ہونے تک ہے۔ پھر موت آجائے گی اور پھر آخرت کی زندگی دوسری زندگی ہو گی، جس کا انکار کفار اور مکریں قیامت کرتے ہیں۔ شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے کہ قبر کی زندگی (کَمَا هِيَ) دینیوی زندگی میں ہی شامل ہو گی (فتح القدير) صحیح یہ ہے کہ برزخ کی زندگی، حیات آخرت کا پیش خیمه اور اس کا سرnamہ ہے، اس لیے اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے۔

(۲) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی اشیاء مخلوق کے لیے "اصل" حلت ہے۔ الایہ کہ کسی چیز کی حرمت نص سے ثابت ہو (فتح القدير)

(۳) بعض سلف امت نے اس کا ترجمہ "پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا" کیا ہے (صحیح بخاری) اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص موضع پر آسمان دنیا پر نزول، اللہ کی صفات میں سے ہے، جن پر اسی طرح بغیر تاویل کے ایمان رکھنا ضروری ہے جس طرح قرآن یا احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

(۴) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ "آسمان" ایک حصی وجود اور حقیقت ہے۔ محض بلندی کو سماء سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اور حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان ۵۰۰ سال کی مسافت ہے۔ اور زمین کی بابت قرآن کریم میں ہے: ﴿وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلُهُنَّ﴾ (الطلاق-۱۲) (اور زمین بھی آسمان کی مثل

اور جب تیرے رب نے فرشتوں^(۱) سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، تو انہوں^(۲) نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بھائے؟ اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔^(۳)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً فَالْأَرْضُ أَجْنَبُ لِمَنْ أَتَمْتُ فِيهَا وَيُسْفِكُ الدَّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَيْبُهُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

وَعَلَّمَهُ آدَمَ إِنَّمَا كَثِيرًا مُّتَعَظِّمًا عَلَى النَّبِيِّكَةِ فَقَالَ

ہیں) اس سے زمین کی تعداد بھی سات ہی معلوم ہوتی ہے جس کی مزید تائید حدیث نبوی سے ہو جاتی ہے: «مَنْ أَخْذَ شَبَرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يُطْوَقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ» (صحیح بخاری، بده الخلق، ماجاء فی سبع أرضین) ”جس نے نہماں کسی کی ایک باشندہ زمین لے لی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق پہنانے گا۔“ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق ہوئی ہے لیکن سورہ نازعات میں آسمان کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحْمَهَا﴾ (زمین کو اس کے بعد بچھانا) اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ تخلیق پہلے زمین ہی کی ہوئی ہے اور دَخْو (صاف اور ہموار کر کے بچھانا) تخلیق سے مختلف چیز ہے جو آسمان کی تخلیق کے بعد عمل میں آیا۔ (فتح القدير)

(۱) ملائکۃ (فرشتوں) اللہ کی نوری مخلوق ہیں، جن کا مسکن آسمان ہے، جو امراللہ کے بجالانے اور اس کی تمجید و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتاسری نہیں کرتے

(۲) خلیفۃ سے مراد ایسی قوم ہے جو ایک دوسرے کے بعد آئے گی اور یہ کہنا کہ انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا غلیفہ اور نائب ہے غلط ہے۔

(۳) فرشتوں کا یہ کہنا صدیا اعتراض کے طور پر نہیں تھا، بلکہ اس کی حقیقت اور حکمت معلوم کرنے کی غرض سے تھا کہ اے رب اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے، جب کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے؟ اگر مقصود یہ ہے کہ تیری عبادت ہو تو اس کام کے لیے ہم تو موجود ہیں، ہم سے وہ خطرات بھی نہیں جو نئی مخلوق سے متوقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ مصلحت را مدد جانتا ہوں جس کی بنا پر ان ذکر کردہ مفاسد کے باوجود میں اسے پیدا کر رہا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ کیوں کہ ان میں انیباً، شدراً، و صالحین اور زہاد بھی ہوں گے۔ (ابن کثیر)

ذریت آدم کی بابت فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ وہ فساد برپا کرے گی؟ اس کا اندازہ انہوں نے انسانی مخلوق سے پہلے کی مخلوق کے اعمال یا کسی اور طریقے سے کر لیا ہو گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بتلا دیا تھا کہ وہ ایسے ایسے کام بھی کرے گی۔ یوں وہ کلام میں حذف مانتے ہیں کہ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً يَقْنُلُ كَذَا وَكَذَا (فتح القدير)

فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔^(۳۱)

ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔^(۳۲)

اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمانوں کا غیب میں ہی جاتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔^(۳۳)

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو^(۲) تو ابلیس کے سواب سے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا^(۳)

أَنْتُ شُورٌ فِي أَسْنَاءِ هَوْلَةٍ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ^(۲)

قَالُوا سَبِّحْنَاكَ لَعْلَمْنَا إِلَّا مَا عَلِمْنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيُّمْ
الْحَكِيمُ ^(۳)

قَالَ يَا آدَمَ إِنِّي هُنْ مِّا يَا سَبِّحْنَاهُمْ فَلَمَّا آتَيْنَاهُمْ بِمَا سَعَىْ قَالَ
اللَّهُ أَعْلَمْ بِكُلِّ شَيْءٍ إِنِّي أَعْلَمُ بِعِبَادَتِ الشَّمْلَوْتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ
مَأْتِيدُونَ وَمَا لِنَا بِكُلِّ شَيْءٍ ^(۴)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدْ وَالْأَدْمَرْ فَسَجَدَ وَالْأَنْبِيلِسَ مَأْبِنْ

(۱) اماء سے مراد مسمیات (اشخاص و اشیا) کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے القاویاں کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھا دیا۔ پھر جب ان سے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام ان کے نام بتاؤ تو انہوں نے فوراً سب کچھ بیان کر دیا، جو فرشتے بیان نہ کر سکے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیق آدم واضح کر دی۔ دوسرے دنیا کا نظام چلانے کے لیے علم کی اہمیت و فضیلت بیان فرمادی، جب یہ حکمت و اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوئی، تو انہوں نے اپنے قصور علم و فہم کا اعتراف کر لیا۔ فرشتوں کے اس اعتراف سے یہ بھی واضح ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، اللہ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے۔

(۲) علمی فضیلت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی یہ دوسری تکریم ہوئی۔ سجدہ کے معنی ہیں خضوع اور تذلل کے، اس کی انتہا ہے ”زمین پر پیشانی کا نکارنا“ (قرطبی) یہ سجدہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مشور فرمان ہے کہ اگر سجدہ کسی اور کے لیے جائز ہو تو اس میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (سنن ترمذی) تاہم فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، جس سے ان کی تکریم و فضیلت فرشتوں پر واضح کر دی گئی۔ کیوں کہ یہ سجدہ اکرام و تعظیم کے طور پر ہی تھا، نہ کہ عبادت کے طور پر۔ اب تعظیماً بھی کسی کو سجدہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور راندہ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس حسب صراحت قرآن جنات میں سے تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اعزاز فرشتوں میں شامل کر رکھا تھا، اس لیے بجمِ الہی اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری تھا، لیکن اس

اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہو گیا۔^(۱) (۳۴)

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو^(۲) اور جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا^(۳) ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔^(۴)

لیکن شیطان نے ان کو بہکار روہاں سے نکلا، ہی دیا^(۵) اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو^(۶) اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔^(۷)

(حضرت) آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں^(۸) اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔^(۹)

نے حسد اور تکبر کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا حسد اور تکبر وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب دنیاۓ انسانیت میں سب سے پہلے کیا گیا اور اس کا مرتع بابیں تھا۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و تقدیر میں۔

(۲) یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری فضیلت ہے جو جنت کو ان کا مسکن بنانے کا عطا کی گئی۔

(۳) یہ درخت کس چیز کا تھا؟ اس کی بابت قرآن و حدیث میں کوئی صراحة نہیں ہے۔ اس کو گندم کا درخت مشور کر دیا گیا ہے جو بے اصل بات ہے، ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہے، نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے۔

(۴) شیطان نے جنت میں داخل ہو کر روبرو نہیں بہکایا، یا وہ سو سے اندازی کے ذریعے سے، اس کی بابت کوئی صراحة نہیں۔ تاہم یہ واضح ہے کہ جس طرح سجدے کے حکم کے وقت اس نے حکم الہی کے مقابلے میں قیاس سے کام لے کر (کہ میں آدم سے بہتر ہوں) سجدے سے انکار کیا، اسی طرح اس موقعے پر اللہ تعالیٰ کے حکم (ولَا تَنْقِرُنَا) کی تاویل کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو پھلانے میں کامیاب ہو گیا، جس کی تفصیل سورہ اعراف میں آئے گی۔ گویا حکم الہی کے مقابلے میں قیاس اور نص کی دو راز کا تاویل کا ارتکاب بھی سب سے پہلے شیطان نے کیا۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَذَا

(۵) مراد آدم علیہ السلام اور شیطان ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

(۶) حضرت آدم علیہ السلام جب پشیمانی میں ڈوبے دنیا میں تشریف لائے تو توبہ واستغفار میں مصروف ہو گئے۔ اس موقعے پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی و دست گیری فرمائی اور وہ کلمات معافی سخاواری یے جو "الاعراف" میں بیان کیے گئے

وَاسْتَكْبِرُوْكَانَ مِنَ الْكَفِرِيْنَ ⑦

وَقُلْنَا يَا آدُمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَرَوْجُوكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

رَغْدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَغْرِيْسًا هَذِهِ الشَّجَرَةُ

فَنَأْتُوْنَا مِنَ الطَّلِيلِيْنَ ⑧

فَأَزَّهُمَا الشَّيْطَنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا إِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا

اْهِيْطُوا بِعَضُّكُمْ لِيَعْصِيْ عَدُوْكُمْ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقْرَرٌ

وَمُنْتَأْرِى إِلَى جِلْدِكُمْ ⑨

فَلَكُمْ آدُمُ مِنْ زَيْتِهِ كَلِمَتُ فَنَأْتَكَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ الْقَوْابُ

الْوَجِيْحُ ⑩

ہم نے کام تم سب یہاں سے چلے جاؤ، جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابع داری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔ (۳۸)

اور جوانکار کر کے ہماری آئیوں کو جھٹلا کیں، وہ جسمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (۳۹)

اے بنی اسرائیل! (۲) میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عمد کو پورا کرو میں تمہارے عمد کو پورا کروں گا اور مجھے ہی سے ڈرو۔ (۴۰)

قُلْنَا هَفِطْوَاهُمْ بِهَا حَيْبَةً فَإِنَّا يَا تَسْكُنْمُ مِنْ هُدَى فَمَنْ يَتَمَّمْ
هُدَائِي فَلَا كَوْفُونَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ بِغَزْبَنَ (۱)

وَالَّذِينَ لَمْ يَرْفَعُوا كَذَبُوا يَا لَيْتَنَا أَوْلَئِكَ أَصْحَابُ التَّارِخِ
فِيهَا خَلِدُونَ (۲)
يَتَبَعَّجُ إِسْرَائِيلُ أَذْكُرُوا لِعْنَمَيَ الَّتِي أَعْمَلْتُ عَلَيْنَاهُمْ وَأَوْفُوا
بِعَهْدِي أَوْ لِمَنْ يَعْهِدُ كُفُوهُ وَإِنَّمَا فَارْهَبُونَ (۳)

ہیں ﴿رَبَّنَا الَّذِينَ أَنْفَسْنَا وَإِنْ لَمْ تَنْفِرْنَا لَا وَرَحْمَنَا﴾ الآیہ بعض حضرات یہاں ایک موضوع روایت کا سارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے عرش الہی پر لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا دیکھا اور محمد رسول اللہ کے ولیے سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا۔ یہ روایت بے سند ہے اور قرآن کے بھی معارض ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے بھی خلاف ہے۔ تمام انبیاء علیم السلام نے ہمیشہ برہ راست اللہ سے دعا میں کی ہیں، کسی نبی، ولی، بزرگ کا واسطہ اور وسیلہ نہیں پکڑا، اس لیے نبی کریم ﷺ سمیت تمام انبیاء کا طریقہ دعا یہی رہا ہے کہ بغیر کسی واسطے اور ولیے کے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی جائے۔

(۱) قبولیت دعا کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ جنت میں آباد کرنے کے بجائے دنیا میں ہی رہ کر جنت کے حصول کی تلقین فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے سے تمام بنو آدم کو جنت کا یہ راست بتلایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیم السلام کے ذریعے سے میری ہدایت (زندگی گزارنے کے احکام و ضابطے) تم تک پہنچے گی، جو اس کو قبول کرے گا وہ جنت کا مستحق اور بصورت دیگر عذاب الہی کا سزاوار ہو گا۔ ”ان پر خوف نہیں ہو گا“ کا تعلق آخرت سے ہے۔ اُی: فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَ مِنْ أَمْرٍ الآخِرَةِ۔ اور ”حزن نہیں ہو گا“ کا تعلق دنیا سے۔ عَلَى مَا فَاتَهُمْ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا (جوفوت ہو گیا امور دنیا سے یا اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے) جس طرح دوسرے مقام پر ہے، ﴿فَمَنْ أَشْبَعَ هُدَائِي فَلَا يَبْيَضُ وَلَا يَشْتَقُ﴾۔ (ط-۱۲۳) جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، پس وہ (دنیا میں) گمراہ ہو گا اور نہ (آخرت میں) بد جنت۔ ”ابن کثیر(گویا) لَا كَوْفُونَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَكْزَبُونَ“ کا مقام ہر مومن صادق کو حاصل ہے۔ یہ کوئی ایسا مقام نہیں جو صرف بعض اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہو اور پھر اس ”مقام“ کا مفہوم بھی کچھ کاچھ بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام مومنین و متقین بھی اولیاء اللہ ہیں ”اولیاء اللہ“ کوئی الگ مخلوق نہیں۔ ہاں البتہ اولیاء کے درجات میں فرق ہو سکتا ہے۔

(۲) إِسْرَائِيلُ (بمعنی عبد اللہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ یہود کو بنو اسرائیل کہا جاتا ہے یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن سے یہود کے بارہ قبیلے بنے اور ان میں بکثرت انبیاء و رسول ہوئے۔ یہود کو عرب میں اس کی گزشتہ تاریخ اور علم و مذہب سے وابستگی کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل

اور اس کتاب پر ایمان لاو جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس^(۱) کے ساتھ تم ہی پسلے کافرنہ بنو اور میری آئیوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت^(۲) پر نہ فروخت کرو اور صرف مجھے ہی سے ڈرو۔^(۳)

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمہیں تو خود اس کا علم ہے۔^(۴)

اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔^(۵)

کیا لوگوں کو بھلاکیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجود یہ کہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟^(۶)

وَالْمُؤْمِنُوا بِهَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقَةً لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تُنَزَّلُوا أَوَّلَ
كَافِرِيْهُ وَلَا يَشْرُوْهُ بِإِيمَانِنِيْتَهَا قَيْلَادَ وَإِيمَانِيَّ قَاتِلَوْنِ^(۷)

وَلَا تَلِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَلَكُنُّتُمُ الْمُعَقِّدُونَ^(۸)

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَأُتُوا الْأُرْبَةَ وَأَرْكَوْمَعَ الرَّكْعَيْنَ^(۹)

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْإِيمَانِ وَتَنْهَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَنْهَوْنَ
إِيمَانَكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ^(۱۰)

تحا۔ اس لیے انہیں گزشتہ انعامات الہی یاد کرا کے کما جا رہا ہے کہ تم میرا وہ عمد پورا کرو جو تم سے نبی آخر الزمان کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا۔ اگر تم اس عمد کو پورا کرو گے تو میں بھی اپنا عمد پورا کروں گا کہ تم سے وہ بوجھ اتار دیئے جائیں گے جو تمہاری غلطیوں اور کوتایوں کی وجہ سے بطور سزا تم پر لاد دیئے گئے تھے اور تمہیں دوبارہ عروج عطا کیا جائے گا۔ اور مجھ سے ڈرو کہ میں تمہیں مسلسل اس ذلت و ادب اور میں بھلار کھ سکتا ہوں جس میں تم بھی بتلا ہو اور تمہارے آبا و اجداد بھی جتلار ہے۔

(۱) بِهِ کی ضمیر قرآن کی طرف، یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ دونوں ہی قول صحیح ہیں کیونکہ دونوں آپس میں لازم و ملزم ہیں، جس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور جس نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا، اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا (ابن کثیر) ”پسلے کافرنہ بنو“ کا مطلب ہے کہ ایک تو تمہیں جو علم ہے دوسرے اس سے محروم ہیں، اس لیے تمہاری ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے، مدینہ میں یہود کو سب سے پسلے دعوت ایمان دی گئی، ورنہ ہجرت سے پسلے بست سے لوگ قبول اسلام کر چکے تھے۔ اس لیے انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ یہودیوں میں تم اویں کافر مرت بنو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمام یہودیوں کے کفر و جحد و کاربال تم پر پڑے گا۔

(۲) ”تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو“ کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الہی کا سودا کرلو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادوں کو اہمیت نہ دو۔ احکام الہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں بیچ اور من قلیل ہے۔ آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں، لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لیے ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لیے، گریز کرے گا وہ اس وعدہ میں شامل ہو گا۔ (فتح القدير)

اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو^(۱) یہ چیز شاق ہے، مگر رکھنے والوں پر۔^(۲)^(۳۵)

جو جانتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔^(۳۶) اے اولاد یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔^(۳۷)^(۳۸)

وَاسْتَعِنُوا بِالْقَبِيرِ وَالصَّلُوةٌ وَإِنَّهَا لِكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْحَشِيعِينَ^(۱)

الَّذِينَ يَظْنُونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا إِلَيْهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَجْعُونَ^(۲)

يَلْبَسُنَّ إِسْرَاءَءِيلَ إِذْ كَرُوا نَعْيَتِي الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْنَاهُمْ وَأَنَّ

فَكُلُّنَّمَا عَلَى الْغَلِينِ^(۳)

(۱) صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں۔ نماز کے ذریعے سے ایک مومن کا رابطہ و تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہوتا ہے، جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ صبر کے ذریعے سے کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے (إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَرِّعَ إِلَى الصَّلَاةِ) (احمد و أبو داود، حوالہ فتح القدری) ”نبی ملِّیٰ^(۱) کو جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔“

(۲) نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے، لیکن خشوع و خضوع کرنے والوں کے لیے یہ آسان، بلکہ اطمینان اور راحت کا باعث ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ جو قیامت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ گویا قیامت پر یقین اعمال خیر کو آسان کر دیتا اور آخرت سے بے فکری انسان کو بے عمل، بلکہ بد عمل بنادیتی ہے۔

(۳) یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد کرائے جائے ہیں، جوان پر کیے گئے اور ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا جا رہا ہے، جس دن نہ کوئی کسی کے کام آئے گا، نہ سفارش قبول ہوگی، نہ معاوضہ دے کر چھکارا ہو سکے گا، نہ کوئی مدد گار آگے آئے گا۔ ایک انعام یہ بیان فرمایا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی، یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنو اسرائیل کو حاصل تھی جو انہوں نے معصیت الٰہی کا ارتکاب کر کے گنوالی اور امت محمدیہ کو خیزِ اُمَّۃٍ کے لقب سے نوازا گیا۔ اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انعامات الٰہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں، بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں، اور ایمان و عمل سے محرومی پر سلب کر لیے جاتے ہیں، جس طرح امت محمدیہ کی اکثریت بھی اس وقت اپنی بد عملیوں اور شرک و بدعاویں کے ارتکاب کی وجہ سے ”خیزِ اُمَّۃٍ“ کے بجائے ”شرِ اُمَّۃٍ“ بنی ہوئی ہے۔ هدآہا اللہ تعالیٰ

یہود کو یہ دھوکہ بھی تھا کہ ہم تو اللہ کے محظوظ اور چیزیتے ہیں، اس لیے مٹا خذہ آخرت سے حفظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سارا نہیں دے سکے گا، اسی فریب میں امت محمدیہ بھی بتلا ہے اور مسئلہ شفاعت کو (جو اہل سنت کے یہاں مسلم ہے) اپنی بد عملی کا جواز بنا رکھا ہے۔

نبی ملِّیٰ^(۱) یقیناً شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول بھی فرمائے گا (احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے) لیکن یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ إِخْدَاثٌ فِي الدِّينِ (بدعاویں) کے مرکب اس سے محروم ہی رہیں گے۔ نیز بہت سے

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ ہی اسکی بابت کوئی سفارش قبول ہو گی اور نہ کوئی بدلہ اسکے عوض لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔ (۳۸)

اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں^(۱) سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے، اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مریانی تھی۔ (۳۹)

اور جب ہم نے تمہارے لئے^(۲) دریا چیر (پھاڑ) دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظرؤں کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔ (۵۰)

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم نے اس کے بعد پھرزا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے۔ (۳) (۵۱)

وَأَنْقُوا إِيُومًا لَا يَعْنِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ
مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُخْدَدُ مِنْهَا عَذَابٌ وَلَا هُمْ يُغَرَّونَ ⑤

وَإِذْ أَجَجْنَاكُمْ مِنْ إِلَى فِرْعَوْنَ يَسُومُنَّكُمْ بِسُوءِ الْعَذَابِ
يُدَّعَّوْنَ أَبْنَاءَهُ وَيَسْتَعْيِنُونَ بِنِسَاءَهُ وَنِيَ ذِلْكُمْ بَلَاءٌ مِنْ
رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ⑥

وَإِذْ فَرَقْنَا بَلْهُرْ قَبْجِنْكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ
وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ⑦

وَلَا ذُو عَدْنَا مُوسَى أَبْيَعْنَ لَيْلَةً ثُمَّ أَخْدَثْنَاهُ الْعِجْلَ
مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَلِيلُونَ ⑧

گناہ گاروں کو جنم میں سزا دینے کے بعد آپ ﷺ کی شفاعت پر جنم سے نکلا جائے گا، کیا جنم کی یہ چند روزہ سزا قابل برداشت ہے کہ ہم شفاعت پر تکیر کر کے معصیت کا ارتکاب کرتے رہیں؟

(۱) آل فرعون سے مراد صرف فرعون اور اس کے اہل خانہ ہی نہیں، بلکہ فرعون کے تمام پیروکار ہیں۔ جیسا کہ آگے: «أَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ» ہے (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا) یہ غرق ہونے والے فرعون کے گھروالے ہی نہیں تھے، اس کے فوجی اور دیگر پیروکار تھے۔ گویا قرآن میں «آلٰ شَيْعَيْنَ» (پیروکاروں) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اس کی مزید تفصیل "الأحزاب" میں ان شاء اللہ آئے گی۔

(۲) سند رکا یہ پھاڑنا اور اس میں سے راستہ بنادینا، ایک مجرمہ تھا جس کی تفصیل سورہ شعراء میں بیان کی گئی ہے۔ یہ سند رکا مدد و جزر نہیں تھا، جیسا کہ سرید احمد خان اور دیگر منکریں مجرمات کا خیال ہے۔

(۳) یہ گوں سالہ پرستی کا واقعہ اس وقت ہوا جب فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد بنو اسرائیل جزیرہ نماۓ سینا پہنچے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے پیچھے لگ کر پھرزا کی پوجا شروع کر دی۔ انسان کتنا ظاہر پرست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اور نبیوں (حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام) کی موجودگی کے باوصاف پھرزا کے کو اپنا "معبد" سمجھ لیا۔ آج کا مسلمان بھی شرکیہ عقائد و اعمال میں بری طرح بتلا ہے، لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مسلمان مشرک کس طرح ہو سکتا ہے؟ ان مشرک مسلمانوں نے شرک کو پھر کی مورتیوں کے

لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمیں معاف کر دیا،
کما کہ تم شکر کرو۔ (۵۲)

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمہاری
ہدایت کے لئے کتاب اور مجزے عطا فرمائے۔ (۱) (۵۳)

جب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ
اے میری قوم! پھرے کو معبد بنا کر تم نے اپنی جانوں پر
ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف
رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ
تعالیٰ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمہاری توبہ
قبول کی، وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا
ہے۔ (۲) (۵۴)

اور (تم اسے بھی یاد کرو) تم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ
السلام) سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ
دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا
میں) تم پر تمہارے (۳) دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ (۵۵)

لَهُ عَفْوًا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذِلِّكَ لَعْلَكُمْ تَذَكَّرُونَ (۵)

وَإِذَا أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعْلَكُمْ تَهَتَّدُونَ (۶)

وَإِذْ كَانَ مُوسَى لَوْيَه يَقُولُ إِنَّكُمْ ظَمَنْتُمْ أَنفُسَكُمْ
بِإِيمَانِكُمْ إِذْ كُنْتُمْ عَجُولًا فَمَتَّوْا إِلَى بَارِيَكُمْ فَأَقْتَلُوكُمْ أَنفُسَكُمْ
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَهَا يَرِيُكُمْ قَاتَابَ عَلَيْكُمْ مِنْهُ
هُوَ الْوَتَابُ الرَّحِيمُ (۷)

وَإِذْ قُلْنَا لِمُوسَى لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ اللَّهَ يَجْهَنَّمَ
فَأَخْذَنَاكُمُ الصُّعَقَةَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (۸)

پچاریوں کے لیے خاص کر دیا ہے کہ صرف وہی مشرک ہیں۔ جب کہ یہ نام نہاد مسلمان بھی قبروں پر قبور کے ساتھ وہی
کچھ کرتے ہیں جو پھر کے پچاری اپنی مورتیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

(۱) یہ بھی بحر قلزم پار کرنے کے بعد کا واقعہ ہے (ابن کثیر) ممکن ہے کتاب یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا
ہو، کیوں کہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے، یا مجذرات کو فرقان کہا گیا ہے کہ مجذرات بھی حق و
باطل کی پہچان میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(۲) جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے شرک پر متنبہ فرمایا تو پھر انہیں توبہ کا احساس ہوا، توبہ کا طریقہ قتل تجویز کیا گیا:
﴿فَأَقْتَلُوكُمْ أَنفُسَكُمْ﴾ (اپنے کو آپس میں قتل کرو) کی دو تفیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا اور
انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ دوسری یہ کہ ارتکاب شرک کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا اور جو اس سے محفوظ
رہے تھے، انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے قتل کیا۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر)
فتح التدیر

(۳) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ستر (۷۰) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لیے ساتھ لے گئے۔ جب حضرت موسیٰ
علیہ السلام واپس آنے لگے تو انہوں نے کہا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، ہم تیری بات پر یقین

لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔ (۵۶)

اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلوٹی آتارا^(۱) (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (۵۷)

اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں^(۲) جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں بچدے کرتے ہوئے گزو^(۳) اور زبان سے حلم^(۴) کوہم تمہاری خطائیں معاف فرمادیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ (۵۸)

ثُقَ بِعَنْتَكُمْ مِنْ بَعْدِ مُؤْتَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشَكُّرُونَ ۝

وَظَلَّلَنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَقَنْ
وَالسَّلْوَىٰ كُلُّهُ مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ، وَمَا أَظَلَّمُونَا
وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

وَإِذْ قُلْنَا أَدْخُلُوا هُنَّ إِلَّا قُرْبَةٌ فَلَمُّا مِنْهُمْ أَحَبَّ شَيْءًا
رَغَدَ أَوْ أَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حَطَّةٌ لَعَفْرَلَكُمْ
خَطِيلُكُمْ وَسَزَيْدُ الْمُحْسِنِينَ ۝

کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جس پر بطور عتاب ان پر بھلی گری اور مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعا کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ دیکھتے ہوئے بھلی گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں جن پر بھلی گری، آخر دوائل اسے دیکھ رہے تھے، حتیٰ کہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

(۱) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر اور شام کے درمیان میدان تیہ کا واقعہ ہے۔ جب انہوں نے بحکم الٰی علاقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بطور سزا بنا اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں پڑے رہے۔ بعض کے نزدیک یہ تخصیص صحیح نہیں۔ صحراۓ سینا میں اترنے کے بعد جب سب سے پہلے پانی اور کھانے کا مسئلہ درپیش آیا تو اسی وقت یہ انتظام کیا گیا۔

مَنْ، بعض کے نزدیک ترجیح ہے، یا اوس جو درخت یا پھر برگرتی، شد کی طرح میٹھی ہوتی اور خشک ہو کر گوند کی طرح ہو جاتی۔ بعض کے نزدیک شد یا میٹھا پانی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ بھنپی من کی اس قسم سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی "اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا دقت بہم پانچ جاتا تھا، اسی طرح بھنپی بغیر کسی کے بوئے کے پیدا ہو جاتی ہے (تفیرا سن التفاسیر) سلوٹی بیڑا چڑیا کی طرح کا ایک پرندہ تھا جسے ذبح کر کے کھایتے۔ (فتح القدير)

(۲) اس بستی سے مراد جمصور مفسرین کے نزدیک بیت المقدس ہے۔

(۳) سجدہ سے بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ جھکتے ہوئے داخل ہو اور بعض نے سجدہ شکر ہی مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارگاہ الٰی میں عجز و انکسار کا اظہار اور اعتراف شکر کرتے ہوئے داخل ہو۔

(۴) حَطَّةٌ اس کے معنی ہیں "ہمارے گناہ معاف فرمادے۔"

پھر ان ظالموں نے اس بات کو جوان سے کہی گئی تھی^(۱) بدل ڈالی، ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فتن و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب^(۲) نازل کیا۔ (۵۹)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لانھی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ (۶۰)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ہمکڑی، گیسوں، سور اور پیاز دے، آپ نے فرمایا، بہتر چیز کے بدلتے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو! اچھا شر میں جاؤ وہاں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں^(۳) گی۔ ان پر

(۱) اس کی وضاحت ایک حدیث میں آتی ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو حکم دیا گیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں، لیکن وہ سریوں کو زمین پر گھستنے ہوئے داخل ہوئے اور جھٹہ کے بجائے جبہ فی شعرۃ (یعنی گندم بالی میں) کتتے رہے۔ اس سے ان کی اس سرتالی و سرکشی کا، جوان کے اندر پیدا ہو گئی تھی اور احکام الہی سے تخریخ و استہرا کا جس کا ارتکاب انہوں نے کیا، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق و کردار کے لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ پھر احکام الہی کے ساتھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ آسمانی عذاب کیا تھا؟ بعض نے کہا غصب الہی، سخت پلا، طاعون۔ اس آخری معنی کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ طاعون اسی رجز اور عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا۔ تمہاری موجودگی میں کسی جگہ یہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو اور اگر کسی اور علاقے کی بابت تمہیں معلوم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ“ (صحیح مسلم، کتاب السلام بباب الطاعون والطیر، والکھانۃ ونحوها، حدیث ۲۲۱۸)

(۳) یہ واقعہ بعض کے نزدیک تیہ کا اور بعض کے نزدیک صحرائے سینا کا ہے، وہاں پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اپنی لانھی پتھر پر مار۔ چنانچہ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ قبلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا۔ یہ بھی ایک مجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

(۴) یہ قصہ بھی اسی میدان تیہ کا ہے۔ مصر سے مرادیہاں ملک مصر نہیں، بلکہ کوئی ایک شہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں سے

فَبَدَلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَلَا غَيْرُ الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ فَإِنَّ لِنَا
عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ الشَّهَادَةِ إِنَّا كَانُوا
يَقْسِنُونَ^(۵)

وَإِذَا سَتَّقُتِ مُوسَى لِقَوْبِهِ فَقُلْنَا أَصْرِبْ بِعَصَمَكَ الْحَجَرِ
فَإِنْفَجَرَتْ مِنْهُ أَثْنَتَعَشَرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمْتُ كُلَّ أَنْاسٍ
مَشَرِّبِهِمُ الْكَلْوَأَ وَأَشْرَبُوا مِنْ زِرْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْوَزُنِي الْأَرْضُ
مُفْسِدِيْنَ^(۶)

وَإِذْ قُلْنَتْ يَمُوسَى لَنْ تُصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَأَدْعَلَنَا
رَبِّكَ يُحِبِّرُ لَنَا مِمَّا تَنْهَى الْأَرْضُ مِنْ بَقِيلِهَا وَقَتَلَهَا
وَفُؤُمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا مَتَّالْ أَسْتَبَنْ لَوْنَ الْكَذِيْنِ
هُوَ أَذْنِي يَا لَذِيْنِي هُوَ خَيْرُهُ أَهْبِطُوا مَصْرَأَيَّا قَاتَلَنَا
سَالَّتْهُ وَضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْيَالَةُ وَالسَّكَنَةُ وَبَاءَ وَيَغْضَبُ

مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَعْتَدُونَ يَا أَيُّوبَ اللَّهُ
وَقَاتَلُونَ الْمُتَّكَبِينَ يَعْرِفُ الْحَقُّ ذَلِكَ بِمَا عَصَمُوا
وَكَانُوا يَعْتَدُونَ

إِنَّ الَّذِينَ امْتَنَّا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصْرَى وَالظَّبَابُينَ

ذلت اور مسکینی ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کروہ
لوئے^(۱) یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آئیوں کے ساتھ
کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے^(۲) تھے، یہ ان
کی نافرمانیوں اور زیادتوں کا نتیجہ ہے۔^(۳)
^(۴)

مسلمان ہوں، یہودی^(۳) ہوں، نصاری^(۵) ہوں یا
صابی^(۱) ہوں، جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے

کسی بھی شر میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں، دالیں اگاؤ اور کھاؤ۔ انکا یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور
اٹکبار پر منی تھا، اس لئے زجر و توبخ کے انداز میں ان سے کہا گیا ”تمہارے لیے وہاں تمہاری مطلوبہ چیزیں ہیں۔“

(۱) کہاں وہ انعامات و احسانات، جس کی تفصیل گزری؟ اور کہاں وہ ذلت و مسکنت جو بعد میں ان پر مسلط کردی گئی؟ اور
وہ غضب الہی کے مصداق بن گئے، غضب بھی رحمت کی طرح اللہ کی صفت ہے، جس کی تاویل ارادہ عقوبت یا نفس
عقوبت سے کرنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا۔ کہما ہو شانہ۔ (اپنی شان کے لائق)

(۲) یہ ذلت و غضب الہی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آئیوں کا انکار اور اللہ کی طرف بلانے والے انبیاء
علمیم السلام اور داعیان حق کا قتل اور ان کی تذلیل و اہانت، یہ غضب الہی کا باعث ہے۔ کل یہود اس کا ارتکاب کر کے
مغضوب اور ذلیل و رسوا ہوئے تو آج اس کا ارتکاب کرنے والے کس طرح معزز اور سرخرو ہو سکتے ہیں: أَيْنَ مَا كَانُوا
وَحَيْثُ مَا كَانُوا۔ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں؟

(۳) یہ ذلت و مسکنت کی دوسری وجہ ہے۔ عَصَمُوا (نافرمانی کی) کا مطلب ہے جن کاموں سے انہیں روکا گیا تھا، ان کا
ارتکاب کیا اور (يَعْتَدُونَ) کا مطلب ہے مامور بہ کاموں میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اطاعت و فرمانبرداری یہ ہے کہ
منهیات سے باز رہا جائے اور مأمورات کو اس طرح بجالایا جائے جس طرح ان کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہو۔ اپنی طرف
سے کی بیشی یہ زیادتی (أَعْتَدَاء) ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

(۴) بَهُودَهُ (بمعنی محبت) سے یا تَهُودُ (بمعنی توبہ) سے بنا ہے۔ گویا ان کا یہ نام اصل میں توبہ کرنے یا ایک
دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے پڑا۔ تاہم مویں علیہ السلام کے مانے والوں کو یہود کہا جاتا ہے۔

(۵) نَصَارَى، نَصَرَانِی کی جمع ہے۔ جیسے سکاری سکرانی کی جمع ہے۔ اس کا مادہ نظرت ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کی
مد کرنے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑا، ان کو انصار بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا
﴿عَنْ أَنْصَارِ اللَّهِ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو انصاری کہا جاتا ہے، جن کو عیسائی بھی کہتے ہیں۔

(۶) صَابِئِينَ صَابِيَهُ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو یقیناً ابتداؤ کسی دین حق کے پیرو رہے ہوں گے (ای یہ قرآن میں
یہودیت و عیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے) لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آگئی، یا یہ کسی
بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لاندھب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔

دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ادا سی۔^(۱) (۶۲)

مَنْ أَمْنَى بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ أَجْرٌ هُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ^(۷)

(۱) بعض جدید مفسرین کو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے اور اس سے انسوں نے ”وحدت ادیان“ کا فلفہ کشید کرنے کی نہ موم سعی کی ہے۔ یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے، بلکہ جو بھی جس دین کو مانتا ہے اور اس کے مطابق ایمان رکھتا اور اچھے عمل کرتا ہے، اس کی نجات ہو جائے گی۔ یہ فلفہ سخت گمراہ کرن ہے، آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں یہود کی بد عملیوں اور سرکشیوں اور اس کی بنا پر ان کے مستحق عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا تو زہن میں اشکال پیدا ہو سکتا تھا کہ ان یہود میں جو لوگ صحیح، کتاب اللہ کے پیرو اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے والے تھے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ یا کیا معاملہ فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرمادی کہ صرف یہود ہی نہیں، نصاریٰ اور صابیٰ بھی اپنے اپنے وقت میں جنہوں نے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور عمل صالح کرتے رہے، وہ سب نجات اخروی سے ہمکنار ہوں گے اور اسی طرح اب رسالت محمدیہ پر ایمان لانے والے مسلمان بھی اگر صحیح طریقے سے ایمان باللہ والیوم الآخر اور عمل صالح کا اہتمام کریں تو یہ بھی یقیناً آخرت کی ابدی نعمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔ نجات اخروی میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ وہاں بے لاغ فیصلہ ہو گا۔ چاہے مسلمان ہوں یا رسول آخر الزمان مسیح موعودؑ سے پسلے گزر جانے والے یہودی، عیسائی اور صابیٰ وغیرہم۔ اس کی تائید بعض مرسل آثار سے ہوتی ہے، مثلاً مجاہد حضرت سلمان فارسیؓ سے نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی مسیح موعودؑ سے ان اہل دین کے بارے میں پوچھا جو میرے ساتھی تھے، عبادت گزار اور نمازی تھے (یعنی رسالت محمدیہ سے قبل وہ اپنے دین کے پابند تھے) تو اس موقعے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا هُمْ إِلَيْهِمْ أَلَايَةٌ (ابن کثیر) قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے مثلاً ﴿إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا إِسْلَامٌ﴾ (آل عمران-۱۹) ”اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔“ ﴿وَمَنْ يَتَّقِنَ غَيْرَ الْإِسْلَامَ دِينَ فَأُنَّ يُفْلَمَ مِنْهُ﴾ (آل عمران-۸۵) ”جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا مرتباً شی ہو گا، وہ ہرگز مقبول نہیں ہو گا“ اور احادیث میں بھی نبی مسیح موعودؑ نے وضاحت فرمادی کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی، مثلاً فرمایا ”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِلَّا يَسْمَعُ بَنِي رَجُلٍ مِّنْ هُنْدِ الْأَمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ لَا يُؤْمِنُ بَنِي إِلَّا دَخَلَ النَّارَ“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان بررسالة نبینا محمد مسیح موعودؑ) ”تم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری اس امت میں جو شخص بھی میری بامت سن لے، وہ یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جنم میں جائے گا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت ادیان کی گمراہی، جہاں دیگر آیات قرآنی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے، وہاں احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی نہ موم سعی کا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ اسی لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احادیث صحیح کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پر اکھڑا کر دیا^(۱) (اور کما) جو ہم نے تمہیں دیا ہے، اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تاکہ تم نفع سکو۔ (۶۳)

لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے، پھر اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے۔ (۶۴)

اور یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ^(۲) کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم زیل بن در بن جاؤ۔ (۶۵)

اسے ہم نے اگلوں پچھلوں کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا۔ (۶۶)

اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کماکہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے^(۳) تو انہوں نے کہا ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ (۶۷)

وَإِذْ أَخْذَنَا مِنْتَاقَهُمْ وَرَقَمَنَا فَوْقَكُمُ الظُّورُ خُدُودًا مَا
أَتَيْنَكُمْ بِهُنَّا فَقُوَّةٌ وَّإِذْ كُرُوا مَا فِيهِ لَعْنَكُمْ تَنْتَهُونَ ۝

لَئِنْ تَوَكَّلْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهُ لَكُنُتُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبَّتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
كُلُّوْلَاقْرَدَةَ لَحْيَيْنِ ۝

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِلْمَابِينَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً
لِلْمُنْقِيْنَ ۝

وَإِذْ قَاتَلَ مُوسَى لِرَوْيَةِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذَبَّحُوا بَقْرَبَهُ
قَالُوا أَتَشَخَّدُنَا هُنُّوْلَادَ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنَّ الْكُوْنَ مِنْ
الْجَهَلِيْنَ ۝

(۱) جب تورات کے احکام کے متعلق یہود نے ازراہ شرارت کماکہ ہم سے تو ان احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو اللہ تعالیٰ نے طور پر اکھڑا کو سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا، جس سے ڈر کر انہوں نے عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

(۲) سبنت (ہفتہ) کے دن یہودیوں کو مچھلی کاشکار، بلکہ کوئی بھی دنیاوی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے ایک حیلہ اختیار کر کے حکم اللہ سے تجاوز کیا۔ ہفتہ والے دن (بطور امتحان) مچھلیاں زیادہ آتیں، انہوں نے گرے کھو دلیے، تاکہ مچھلیاں ان میں پھنسی رہیں اور پھر اتوار والے دن ان کو پکڑ لیتے۔

(۳) بنی اسرائیل میں ایک لاولد مالدار آدمی تھا جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا، ایک رات اس بھتیجنے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی، صبح قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے کو زمہدار نہ کھرانے لگے، بالآخر بات حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تک پہنچی تو انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا، گائے کا ایک لکڑا مقتول کو مارا گیا جس سے وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے مر گیا (فتح القدر)

انہوں نے کہا اے موی! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے، آپ نے فرمایا وہ کہتا ہے گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہو، نہ پچھے، بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہو، اب جو تمہیں حکم دیا گیا ہے، بجالاؤ۔ (۶۸)

وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے، چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے۔ (۶۹)

وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے، اس قسم کی گائے تو بت ہیں پتہ نہیں چلتا، اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔ (۷۰)

آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی زمین میں ہل جوتے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں، وہ تند رست اور بے داغ ہے۔ انہوں نے کہا، اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے، لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی۔ (۱۷)

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دا، پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ (۱۸)

(۱) انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو حکم الہی پر عمل ہو جاتا، لیکن انہوں نے حکم الہی پر سیدھے طریقے سے عمل کرنے کی بجائے، میں بخیں نکالنا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے، جس پر اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختی کرتا چلا گیا۔ اسی لیے دین میں تعمق اور سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس قتل کا راز فاش کر دیا، دراں حاکمکہ وہ قتل رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر کیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ بیکی یا بدی تم کتنی بھی چھپ کر کرو، اللہ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے خلوت ہو یا جلوٹ ہر وقت اور ہر جگہ اچھے کام ہی کیا کرو اسکے اگر وہ کسی وقت ظاہر بھی ہو جائیں اور لوگوں کے علم میں

قَالُواْ اذْعُنْ لِنَارِبَكَ يُبَيِّنُ لَنَا مَا هِيَ بِأَنَّهُ يَقُولُ
إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا يَكُوْنُ عَوَانٌ بَلْ هُنَّ ذَلِكَ
فَاعْلُمُوا مَا تُمْرِنُونَ ⑥

قَالُواْ اذْعُنْ لِنَارِبَكَ يُبَيِّنُ لَنَا مَا لَوْنَهَا بِأَنَّهُ يَقُولُ
إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفَرَاءُ قَاتِلَةٌ لَوْنَهَا نَسْرُ الظَّيْرِينَ ⑦

قَالُواْ اذْعُنْ لِنَارِبَكَ يُبَيِّنُ لَنَا مَا هِيَ بِأَنَّهُ يَقُولُ
وَلَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمْهَدِنُونَ ⑧

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلْوٌ شَيْرٌ لِلأَرْضِ وَلَا شَقِيقٌ
الْحُرْثٌ مُسْلِمَةٌ لَرِشِيَّةٍ فِيهَا قَالُواْ لَنَّ چَنْتَ بِالْحَقِيقِ
فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ⑨

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَإِذْ رَأَيْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كَلَّتُمْ
تَنَكُّمُونَ ⑩

ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک نکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو، (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لئے اپنی ثانیاں دکھاتا ہے۔^(۱) (۷۳)

پھر اس کے بعد تمہارے دل پھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے،^(۲) بعض پھروں سے تو نرسیں بہ نکلتی ہیں، اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں،^(۳) اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔^(۷۳)

فَقُلْنَا أَضِرُّ بُوُءُ بِعَسْبَمَهَا كَذَلِكَ يُنْهِي اللَّهُ الْمَوْتُ وَيُرِيكُمْ
إِلَيْهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ^(۱)

ثُمَّ قَسْتَ ثُلُوبَكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْجَارَةُ
أَوْ أَشَدُّ صَوْمًا وَإِنَّ مِنَ الْجَارَةِ لَمَآيِّنَ تَجَرُّ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ
مِنْهَا الْمَايِّنَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَايِّنُ وَإِنَّ مِنْهَا الْمَايِّنَوْطُ
مِنْ حَشِيشَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَنِ الْعَمَلِونَ^(۲)

بھی آجائیں تو شرمندگی نہ ہو، بلکہ اس کے احترام و وقار میں اضافہ ہی ہو اور بدی کتنی بھی چھپ کر کیوں نہ کی جائے، اس کے فاش ہونے کا امکان ہے جس سے انسان کی بدنای اور رذالت و رسائی ہوتی ہے۔

(۱) مقتول کے دوبارہ جی اٹھنے سے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کا اعلان فرماتا ہے۔ قیامت والے دن دوبارہ مردوں کا زندہ ہوتا، مکرین قیامت کے لیے ہمیشہ حریت و استعفاب کا باعث رہا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان فرمایا ہے سورہ بقرۃ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال: ﴿ثُمَّ بَعْثَنَا مُّرْكَمْ مِنْ بَعْدِ مُوتِكُمْ﴾ (البقرہ: ۵۶) میں گزر چکی ہے۔ دوسری مثال یہی قصہ ہے۔ تیسرا مثال دوسرے پارے کی آیت نمبر ۲۲۳ ﴿مُوْتَوْا لَهُمْ
أَحِيَا هُمْ﴾ چوتھی آیت نمبر ۲۵۹ ﴿فَأَمَّا نَّهَى اللَّهُ مِنَ النَّاسَ عَمِّرَ تَرْبَعَتَهُ﴾ اور پانچویں مثال اس کے بعد والی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طیور اربعہ (چار چڑیوں) کی ہے۔

(۲) یعنی گزشتہ مجرمات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو گیا، دیکھ کر بھی تمہارے دلوں کے اندرِ إِنَابَةٌ إِلَى اللَّهِ کا داعیہ اور توبہ و استغفار کا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے بر عکس تمہارے دل پھر کی طرح سخت، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ دلوں کا سخت ہو جانا یہ افراد اور امتوں کے لیے سخت تباہ کن، اور اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ دلوں سے اثر پذیری کی صلاحیت سلب اور قبول حق کی استعداد ختم ہو گئی ہے، اس کے بعد اس کی اصلاح کی توقع کم اور مکمل فتاویٰ اور تباہی کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو خاص طور پر تاکید کی گئی ہے: ﴿وَلَا يَنْتَنِوا كَالَّذِينَ
أَوْتُوا الْكِبِرَ مِنْ قَلْبِ قَطَالٍ عَلَيْنَمُ الْمَدْفَقَسَتْ قَلْبُهُمْ﴾ (الحمدیہ- ۱۶) ”اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب دی گئی، لیکن مدت گزرنے پر ان کے دل سخت ہو گئے۔“

(۳) پھروں کی سیگنی کے باوجود ان سے جو جو فائدہ حاصل ہوتے اور جو جو کیفیت ان پر گزرتی ہے، اس کا بیان ہے۔

(مسلمانو!) کیا تم ساری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں، حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی جو کلام اللہ کو سن کر، عقل و علم والے ہوتے ہوئے، پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔^(۱) (۷۵)

جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں،^(۲) اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس تم پر ان کی جھٹ ہو جائے گی۔^(۶) (۷۶)

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتا ہے؟^(۳) (۷۷)

أَفَنَطْبَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فِيْنِيْنَ مُنْهَمْ
يَسْمَعُونَ كَلَمَ اللَّهِ ثُمَّ يُجَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ
وَهُمُ يَعْلَمُوْنَ ④

وَإِذَا الْقُوَّا لِلَّدِيْنِ امْتَوْا قَالُوا إِنَّا أَمْتَهَنَّ وَإِذَا خَلَّ بَعْضُهُمْ
إِلَى بَعْضٍ قَالُوا آتَيْنَا شُوْنَهُمْ بِمَا فَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
لِيَحْكُمُوا بَيْنَهُمْ ۖ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۗ أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ⑤

آولًا يَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَصْرُوْنَ
وَمَا يَعْلَمُوْنَ ⑥

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پھرروں کے اندر بھی ایک قسم کا ادراک و احساس موجود ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ تَبَرَّهُ اللَّهُوْ التَّعْوُتُ التَّبَعُّمُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا وَلَنْ تَنْتَهِي إِلَيْهِ بِمَسِيْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَقْعُدُونَ تَبَيَّخُهُ ۚ ۷﴾ (بی‌اسرائیل۔ ۳۳) (منزد وضاحت کے لیے سورہ بی‌اسرائیل کی آیت ۳۳ کا حاشیہ دیکھئے)۔

(۱) اہل ایمان سے خطاب کر کے یہودیوں کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے، درآں حاکیکہ ان کے پچھلے لوگوں میں ایک فرینق ایسا بھی تھا جو کلام اللہ میں جانتے بو جھتے تحریف (لفظی و معنوی) کرتا تھا۔ یہ استفسام انکاری ہے، یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دنیوی مفادات، یا حربی تھبات کی وجہ سے کلام اللہ میں تحریف نکل کرنے سے گریز نہیں کرتے، وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ اس سے نکل نہیں پاتے۔ امت محمدیہ کے بہت سے علماء مشائخ بھی بدقتی سے قرآن و حدیث میں تحریف کے مرکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جرم سے محفوظ رکھے۔ (دیکھئے سورہ نساء آیت ۷۷ کا حاشیہ)

(۲) یہ بعض یہودیوں کے منافقانہ کروار کی نسبت کشائی ہو رہی ہے کہ وہ مسلمانوں میں تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے، لیکن جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو اپنی کتاب کی ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جس سے رسول علی کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ اس طرح تم خود ہی ایک ایسی جھٹ ان کے ہاتھ میں دے رہے ہو جو وہ تم سارے خلاف بارگاہ اللہ میں پیش کریں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتلاوٰ یا نہ بتلاوٰ اللہ کو تو ہر بات کا علم ہے اور وہ ان باتوں کو تم سارے بتلائے بغیر بھی مسلمانوں پر ظاہر فرما سکتا ہے۔

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور انکل ہی پر ہیں۔^(۱) (۷۸)

ان لوگوں کے لئے ”ویل“ ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کہاتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی لکھائی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے۔^(۲) (۷۹)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جنم میں رہیں گے، ان سے کوکہ کیا تمارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟^(۳) اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا، (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو اللہ کے ذمے وہ باشیں لگاتے ہو^(۴) جنہیں تم نہیں جانتے۔ (۸۰)

وَمِنْهُمْ أَمْيَّنُ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانَ فَلَنْ هُمْ إِلَّا يَنْظُرُونَ ^(۵)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ يَا أَيُّدِيهِ حَمْرَةٌ يَقُولُونَ
هَذَا أَمْنٌ عِنْدَ اللَّهِ لِيَشَرُّ وَإِلَيْهِ تَمَنَّا قَلِيلًا وَيْلٌ لِّلَّهُمَّ إِنَّا
كَجْبَتْ أَيْدِيهِ حَمْرَهُ وَوَيْلٌ لِّلَّهُمَّ إِنَّا يَسِّبُونَ ^(۶)

وَقَالُوا لَنْ نَمْسَأَنَّ النَّارَ إِلَّا إِيمَانَمَعْدُودًا مُقْلُ أَنْخَذْنُمْ
عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا أَفَلَمْ يَخْلُقْ اللَّهُ عَهْدَهُ أَفَرَنَفُولُونَ عَلَى
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ^(۷)

(۱) یہ تو ان کے اہل علم کی باتیں تھیں۔ رہے ان کے ان پڑھ لوگ، وہ کتاب (تورات) سے تو بے خبر ہیں، لیکن وہ آرزو میں ضرور رکھتے ہیں اور گمانوں پر ان کا گزارہ ہے، جس میں انہیں ان کے علانے بتلا کیا ہوا ہے، مثلاً ہم تو اللہ کے چیزیتے ہیں۔ ہم جنم میں اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے اور ہمیں ہمارے بزرگ بخشوالیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے آج کے جاہل مسلمانوں کو بھی علاموں شاخنے ایسے ہی حسین جالوں اور پر فریب وعدوں میں پھسار کھا ہے۔

(۲) یہ یہود کے علاجی جسارت اور خوف اللہ سے بے نیازی کی وضاحت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مسئلے گھرتے ہیں اور بہ بانگ دال یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ حدیث کی رو سے ”وَيْل“ جنم میں ایک وادی بھی ہے جس کی گھرائی اتنی ہے کہ ایک کافر کو اس کی تک گرنے میں چالیس سال لگیں گے۔ (احمد، ترمذی، ابن حبان والحاکم، بحوارۃ فتح القدير) بعض علمانے اس آیت سے قرآن مجید کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔ آیت کا مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا کانے کے لیے کلام اللہ میں تحریف کرتے اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔

(۳) یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہزار سال کے بدلتے ایک دن جنم میں رہیں گے اس حساب سے صرف سات دن جنم میں رہیں گے۔ کچھ کہتے تھے کہ ہم نے چالیس دن پچھڑے کی عبادت کی تھی، چالیس دن جنم میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ سے عمد لیا ہے؟ یہ بھی استفهام انکاری ہے۔ یعنی یہ غلط کہتے ہیں اللہ کے ساتھ اس قسم کا کوئی عمد و بیان نہیں ہے۔

(۴) یعنی تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم اگر جنم میں گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے، تمہاری اپنی طرف سے

یقیناً جس نے بھی برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لئے جنمی ہے۔ (۸۱)

اور جو لوگ ایمان لا سئیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۸۲)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کے سواد و سرے کی عبادت نہ کرنا اور مال باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح قرابداروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہا کرنا، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔ (۸۳)

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں خون نہ بہانا (قتل نہ کرنا) اور آپس والوں کو جلاوطن نہ کرنا، تم نے اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے۔ (۸۴)

بَلْ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ حَطَنَةٌ فَأُولَئِكَ
أَصْحَبُ الظَّلَمَاتِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ①

وَالَّذِينَ أَمْتُوا وَعَمِلُوا الصَّلِيخَتِ أُولَئِكَ أَصْحَبُ
الْجَنَّةَ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ②

وَإِذَا حَدَّ نَاسِيَّاً قَبْرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ
إِلَّا اللَّهُ تَوَبَا إِلَيْهِ الْمُدْرِثُونَ
وَالْيَسْتَغْفِي وَالْمُسْكِنُونَ وَقُولُو اللَّهِ تَعَالَى حُسْنَنَا
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَأَنُو الْرَّكُوٰةَ دُشْمَةَ تَوَلِّتُمْ
لَا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ③

وَإِذَا حَدَّ نَاسِيَّاً قَبْرَ لَاسْقِنْتُوْنَ دَمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ
أَفْسَلُكُمْ قُنْ دِيَارَكُمْ تُخْرِجُوْمُ وَأَنْتُمْ شَهَدُوْنَ ④

ہے اور اس طرح تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو، جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنا وہ اصول بیان فرمائے ہے جس کی رو سے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نیک و بد کو ان کی نیکی اور بدی کی جزاوے گا۔

(۱) یہ یہود کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے جنت و جنم میں جانے کا اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے نامہ اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی، یعنی کفر و شرک (کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے اگر بعض ایجھے عمل بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی بے حیثیت رہیں گے) تو وہ ہمیشہ کے لیے جنمی ہیں اور جو ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے وہ جنتی، اور جو مومن گناہ گار ہوں گے، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گا، وہ چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہ معاف فرمائیا جائے اور سزا کچھ عرصہ جنم میں رکھنے کے بعد یا نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے ان کو جنت میں داخل فرمادے گا، جیسا کہ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

(۲) ان آیات میں پھر وہ عمد بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا، لیکن اس سے بھی انہوں نے اعراض ہی کیا۔ اس عمد میں اولاً صرف ایک اللہ کی عبادت کی تائید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے (جیسا کہ سورہ الأنبياء آیت ۲۵ اور دیگر آیات سے واضح ہے) اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اللہ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر والدین کی اطاعت و فرمان برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تائید سے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اللہ کی عبادت بت ضروری ہے، اسی طرح اس کے بعد والدین کی اطاعت بھی بت ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن میں متعدد مقالات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر

لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسرے کی طرفداری کی، ہاں جب وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیئے، لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟^(۱) تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسولی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ (۸۵)

ثُمَّ أَنْتُمْ هُوَ لَأَ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِيْقَاءَ مِنْكُمْ
قُنْ دِيَارَهُ حَرَّ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْأَثْوَرِ وَالْعُدُوُنَ وَلَنْ
يَأْتُوكُمْ أُسْرَى تُفْدَوْهُمْ وَهُوَ مُحَزَّمٌ عَلَيْكُمْ أَخْرَاجُهُمْ
أَفَقُوْمُونَ بِعَيْنِ الْكَيْثِ وَنَكْفُونَ بِعَيْنِ^۱ فَمَا جَرَأَهُ
مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خَرْزٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ
الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَى آشِدِ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِعَاقِلٍ عَمَّا
يَعْمَلُونَ ^(۲)

والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، اس کے بعد رشتہ داروں، ساتھیوں اور مسکین کے ساتھ حسن سلوک کی تائید اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ اسلام میں بھی ان باتوں کی بڑی تائید ہے، جیسا کہ احادیث رسول ﷺ سے واضح ہے۔ اس عمد میں اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا بھی حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عبادتیں کچھلی شریعتوں میں بھی موجود رہی ہیں جن سے ان کی اہمیت واضح ہے۔ اسلام میں بھی یہ دونوں عبادتیں نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار، یا اس سے اعراض کو کفر کے مترادف سمجھا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمد خلافت میں مانعین زکوٰۃ کے خلاف جماد کرنے سے واضح ہے۔

(۱) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان کی آپس میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ اسی طرح یہود مدنیہ کے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نصیر اور بنو قریظہ۔ یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنو قریظہ اوس کے حلیف (ساتھی) اور بنو قینقاع اور بنو نصیر، خزرج کے حلیف تھے۔ جنگ میں یہ اپنے اپنے حلیفوں (ساتھیوں) کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم نمہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو لوٹتے، اور انہیں جلا وطن کر دیتے۔ دراں حاکیکہ تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا۔ لیکن پھر انہی یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو فدیے دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موم کی ناک بنالیا تھا، بعض چیزوں پر ایمان لاتے اور بعض کو ترک کر دیتے، کسی حکم پر عمل کر لیتے اور کسی وقت شریعت کے حکم کو کوئی اہمیت نہ دیتے۔ قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا، ان کی شریعت میں بھی حرام تھا، ان امور کا تو انہوں نے بے محابا ارتکاب کیا اور فدیے دے کر چھڑا لینے کا جو حکم تھا، اس پر عمل کر لیا۔ حالانکہ اگر پہلے تین امور کا وہ لحاظ رکھتے تو فدیے دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بد لے خرید لیا ہے، ان کے نہ توعذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔^(۱) (۸۶)

ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے چیچے اور رسول بھیجے اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی۔^(۲) لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔^(۳) (۸۷)

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَشْرَدُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْأَجْرَةِ فَلَا يُحَقِّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ أَبْعَدِهِ بِالرُّشْدِ
وَاتَّبَعْنَا عَيْنَى ابْنِ مَرْيَمَ الْمُبِينَ وَاتَّبَعْنَا هُنْ بِرُوحِ الْقُدْسِ
آمَلْكَمَا جَاءَنَا رَسُولٌ بِنَاهَلَ تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ أَسْتَكْبِرُهُمْ
فَقَرِيقًا كَذَبَتُمْ وَفِرِيقًا قَتَلُونَ ﴿٨٧﴾

(۱) یہ شریعت کے کسی حکم کے مان لینے اور کسی کو نظر انداز کر دینے کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی سزا دنیا میں عزت و سرفرازی کی جگہ (جو مکمل شریعت پر عمل کرنے کا تیجہ ہے) ذلت و رسوانی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کے بجائے سخت عذاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض بعض باتوں کامان لینا، یا ان پر عمل کر لینا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ آیت ہم مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کہیں مسلمانوں کی ذلت و رسوانی کی وجہ بھی مسلمانوں کا وہی کردار تو نہیں جو نہ کورہ آیات میں یہودیوں کا بیان کیا گیا ہے؟

(۲) «وَقَفَّيْنَا مِنْ أَبْعَدِهِ بِالرُّشْدِ» کے معنی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسلسل پیغمبر آتے رہے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں انجیا کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ ”بیتات“ سے مigrations مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور اندر ہے کو صحت یا بکار کرنا وغیرہ، جن کا ذکر سورہ آل عمران (آیت ۳۹) میں ہے۔ ”رُوحُ الْقُدْسِ“ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، ان کو روح القدس اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ امر نکونی سے ظہور میں آئے تھے، جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”رُوح“ کہا گیا ہے، اور ”الْقُدْسِ“ سے ذات الہی مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح ترقار دیا ہے، کیونکہ المائدۃ (آیت ۱۰) میں روح القدس اور انجلیل دونوں الگ الگ مذکور ہیں (اس لیے روح القدس سے انجلیل مراد نہیں ہو سکتی) ایک اور آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ”الرُّوحُ الْأَمِينُ“ فرمایا گیا ہے اور آنحضرت ملائیل نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: اللہُمَّ أَتَيْدُهُ بِرُوحِ الْقُدْسِ (اے اللہ روح القدس سے اس کی تائید فرمा) ایک دوسری حدیث میں ہے ”وَجِبْرِيلُ مَعَكَ“ (جبریل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں) معلوم ہوا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہی ہیں (فتح البیان، ابن کثیر بحوالہ اشرف الحواثی)۔

(۳) جیسے حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور حضرت زکریا و سیدنا ملیحہ علیہما السلام کو قتل کیا۔

یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں^(۱)
نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انسیں اللہ
تعالیٰ نے ملعون کر دیا ہے، ان کا ایمان بست ہی تھوڑا
ہے۔^(۲) (۸۸)

اور ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کی
کتاب کو سچا کرنے والی آئی، حالانکہ پسلے یہ خود
(اس کے ذریعہ)^(۳) کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود
آجائے اور باوجود پچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے،
اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔ (۸۹)

بست بری ہے وہ چیز جس کے بد لے انہوں نے اپنے آپ
کو بیچ ڈالا، وہ انکا کفر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات^(۴) سے جل کر کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا،

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ۝ بَلْ لَعْنَهُمُ اللَّهُ يَكْفِرُهُمْ
فَقَلِيلٌ مَا يُؤْمِنُونَ ۝

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِنَا أَنْهُمْ مُّصَدِّقُ لِمَا مَعَهُمْ
وَكَانُوا مِنْ قَبْلٍ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا
جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِإِيمَانِهِ فَلَعْنَةٌ
اللَّوْعَلِ الْكَفِرَيْنَ ۝

بِعِنْدِهَا إِشْرَارٌ وَإِيمَانٌ فَسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا إِيمَانًا أَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدَهُ
أَنْ يُنْزَلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

(۱) یعنی ہم پر اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمیری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر ہے: ﴿ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ۝
إِنَّكُمْ مِّنَ الْغُلْفِ إِلَيْنَا إِلَيْنَاهُ ۝ 』 (ختم السجدة-۵) ”ہمارے دل اس دعوت سے پردے میں ہیں، جس کی طرف تو ہمیں بلا تا ہے۔“
(۲) دلوں پر حق بات کا اثر نہ کرنا، کوئی خمر کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو ملعون ہونے کی علامت ہے، پس ان کا ایمان بھی
تھوڑا ہے (جو عند اللہ نامقبول ہے) یا ان میں ایمان لانے والے کم ہی لوگ ہوں گے۔

(۳) ﴿ يَسْتَفْتِحُونَ ۝ کے ایک معنی یہ ہیں غلبہ اور نصرت کی دعا کرتے تھے، یعنی جب یہ یہود مشرکین سے نکلت کھا
جاتے تو اللہ سے دعا کرتے، یا اللہ آخری نبی جلد مبعوث فرمائے، تاکہ اس سے مل کر ہم ان مشرکین پر غلبہ حاصل کریں یعنی
استِفْتَاح، بمعنی استِبْصَار ہے۔ دوسرے معنی خبر دینے کے ہیں۔ اُنی: يُخْبِرُونَهُمْ بِأَنَّهُ سَيِّئَتْ یعنی یہودی کافروں
کو خبر دیتے کہ عنقریب نبی کی بعثت ہو گی۔ (فتح القدير) لیکن بعثت کے بعد علم رکھنے کے باوجود نبوت محمدی پر محض حد کی
وجہ سے ایمان نہیں لائے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(۴) یعنی اس بات کی معرفت کے بعد بھی، کہ حضرت محمد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، وہی آخری پیغمبر ہیں، جن کے اوصاف تورات و
انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی وجہ سے ہی اہل کتاب ان کے ایک ”نجات دہنہ“ کے طور پر منتظر بھی تھے، لیکن ان پر
محض اس جلن اور حد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری نسل میں سے کیوں نہ ہوئے، جیسا کہ ہمارا گمان
تھا، یعنی ان کا انکار دلا کل پر نہیں، نسلی منافرت اور حد و عناد پر مبنی تھا۔

اس کے باعث یہ لوگ غصب^(۱) پر غصب کے متعلق ہو گئے اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔^(۹۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اماری ہوئی کتاب پر ایمان لا تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر اماری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے۔^(۲) حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جوان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے، کفر کرتے ہیں، اچھا ان سے یہ تو دریافت کریں کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیا کو کیوں قتل کیا؟^(۳)^(۴)^(۵)

تمہارے پاس تو موسیٰ یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی پچھڑا پوچھا^(۶) تم ہو ہی طالم۔^(۷)

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو! تو انہوں نے کہا، ہم نے سن اور نافرمانی کی^(۸) اور ان کے

فَبَأَدُّوْ بِعَصَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكُفَّارِ إِنَّ عَذَابَهُ مُهِمٌِّ^(۹)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَمْنُوا بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَاتِلُوا نُؤْمِنُ
بِهَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ
الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ
أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ^(۱۰)

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبُيُّنَاتِ لَقَدْ أَخْذَتُمُ الْعِجْلَ
مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَلَمُونَ^(۱۱)

وَإِذَا أَخْذَنَا مِنْتَاقَكُمْ وَرَفَعْنَاهُ فَوَقَكُمُ الظُّلُمُ
خُذُوا مَا أَتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَأَسْمَعُوا بِالْوَاسِعَنَا
وَعَصَمِينَا تَوَلَّنُوا فِي الْقُرُبَاتِ لَقَدْ يَوْمُ الْعِجْلَ

(۱) غصب پر غصب کا مطلب ہے بہت زیادہ غصب۔ کیوں کہ بار بار وہ غصب والے کام کرتے رہے، جیسا کہ تفصیل گزری، اور اب محض حد کی وجہ سے قرآن اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔

(۲) یعنی تورات پر ہم ایمان رکھتے ہیں یعنی اس کے بعد ہمیں قرآن پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) یعنی تمہارا تورات پر دعویٰ ایمان بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر تورات پر تمہارا ایمان ہوتا تو انبیا علیم السلام کو تم قتل نہ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی تمہارا انکار محض حد اور عناد پر منی ہے۔

(۴) یہ ان کے انکار اور عناد کی ایک اور دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آیات واضحات اور دلائل قاطعہ اس بات کی لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ معبدوں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن تم نے اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تنگ کیا اور الہ واحد کو چھوڑ کر پچھڑے کو معبدوں بنا لیا۔

(۵) یہ کفر و انکار کی انتہا ہے کہ زبان سے تو اقرار کر سن لیا، یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت کہ ہم نے کون سا عمل کرنا ہے؟

دلوں میں پھرے کی محبت (گویا) پلا دی گئی^(۱) بسب ان کے کفر کے۔^(۲) ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے، اگر تم مومن ہو۔^(۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے، اللہ کے نزدیک اور کسی کے لئے نہیں، تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو۔^(۴)

لیکن اپنی کرتوقلوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے^(۵) اللہ تعالیٰ طالبوں کو خوب جانتا ہے،^(۶)

بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی! آپ انہیں کو پائیں گے۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں^(۷) ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار

يَكُفِّرُهُنَّ قُلْ يَسْمَايَا مَرْكُوفِيَّةَ
إِنَّمَا تُلْكُفُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ^(۸)

قُلْ إِنْ كَانَتْ لِكُنْ الدَّارُ الْأَخْرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَمَتَّهُوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ^(۹)

وَ لَنْ يَعْمَلُوا أَبَدًا إِنَّمَا قَدَّمْتُ أَيْدِيهِمُ
وَاللَّهُ عَلَيْهِ الظَّلِيلُ^(۱۰)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحَدَضَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَ مَنْ
الَّذِينَ أَشْرَكُوا فِيَوْمَ أَحَدُهُمْ لَوْ يَعْتَرَفُ الْفَسَدُ^(۱۱)

(۱) ایک تو محبت خوداً کی چیز ہوتی ہے، کہ انسان کو اندھا اور براہنادیتی ہے۔ دوسرے، اس کو اُشنربُوا (پلا دی گئی) سے تعبیر کیا گیا، کیوں کہ پانی انسان کے رُگ و ریشہ میں خوب دوڑتا ہے جب کہ کھانے کا گزر اس طرح نہیں ہوتا۔ (فتح القدری)

(۲) یعنی عصیان اور پھرے کی محبت و عبادت کی وجہ وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر دعوت مبابرے سے کی ہے، یعنی یہودیوں کو کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اللہ سے محبویت کے دعوے میں سچے ہو تو مبابرہ کرلو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں ملکریہ عرض کریں کہ یا اللہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار کر دے، یہی دعوت انہیں سورت جمع میں بھی دی گئی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مبابرہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے۔ لیکن چوں کہ یہودی بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لیے عیسائیوں ہی کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ یہ ہرگز موت کی آرزو (یعنی مبابرہ) نہیں کریں گے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے (تفسیر ابن کثیر)

(۴) موت کی آرزو تو کجا، یہ تو دنیوی زندگی کے تمام لوگوں حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں، لیکن عمر کی یہ درازی انہیں عذابِ الہی سے بچانیس سکے گی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہودی اپنے ان دعووں میں یکسر جھوٹے تھے کہ وہ اللہ کے محبوب اور چیزیتے ہیں، یا جنت کے مسقیح صرف وہی ہیں اور دوسرے جنمی، کیوں کہ فی الواقع اگر ایسا ہوتا، یا کم از کم انہیں اپنے دعووں کی صداقت پر پورا لیتیں ہوتا، تو یقیناً وہ مبابرہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے، تاکہ ان کی سچائی واضح اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی۔ مبابرے سے پسلے یہودیوں کا اعراض اور گریز اس بات کی نشان وہی کرتا ہے کہ گو وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کر لیتے تھے، لیکن ان کے دل اصل حقیقت سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہو گا جو اللہ نے اپنے نافرمانوں کے لیے طے کر رکھا ہے۔

سال کی عمر چاہتا ہے، گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔^(۹۶)

(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ جو جبریل کا دشمن ہو جس نے آپ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے، جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کی تصدیق کرنے والا اور مومنوں کو ہدایت اور خوشخبری دینے والا ہے۔^(۱) (۹۷)

(تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبراکل اور میکاکل کا دشمن ہو، ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔^(۲) (۹۸)

وَمَا هُوَ بِمُؤْمِنٍ حِزْجٌ هُوَ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَذَّبَ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ إِنَّمَا يَعْمَلُونَ^(۳)

فَإِنْ مَنَّ كَانَ عَذْلًا لِلْجَنَاحِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ
يَأْذُنُ اللَّهُ مُصْدِّقًا لِلْمَبَيْنِ يَدِيهِ وَهُدًى لِّقُبْشَرِيْ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ^(۴)

مَنْ كَانَ عَذْلًا لِلَّهِ وَمَلِكَتِهِ وَرَسُلِهِ وَجَنَاحِيْلَ
وَمِنْكُلَّ فَإِنَّ اللَّهَ عَذْلٌ لِّلْكُفَّارِيْنَ^(۵)

(۱) احادیث میں ہے کہ چند یہودی علمانی ملکہ جہنم کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ ملکہ جہنم نے ان کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے، کیوں کہ نبی کے علاوہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ جب آپ ملکہ جہنم نے ان کے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ملکہ جہنم پر وحی کون لاتا ہے؟ آپ ملکہ جہنم نے فرمایا: جبریل۔ یہود کئے گے: جبریل تو ہمارا دشمن ہے، وہی تو حرب و قتال اور عذاب لے کر اترتا رہا ہے۔ اور اس بھانے سے آپ ملکہ جہنم کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا (ابن کثیر و فتح القدير)۔

(۲) یہود کہتے تھے کہ میکاکل ہمارا دوست ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا یا ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن ہے، وہ اللہ کا بھی دشمن ہے۔ حدیث میں ہے: (مَنْ عَادَى لِبِنِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِي بالْحَرْبِ) (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع) "جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی، اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا ہے" گویا اللہ کے کسی ایک ولی سے دشمنی سارے اولیاء اللہ سے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم نہایت ضروری اور ان سے بغض و عناد اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف اعلان جنگ فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو سورہ یونس، آیت ۶۲-۶۳، لیکن محبت اور تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر گنبد اور قبے بنائے جائیں، ان کی قبروں پر سالانہ عرس کے نام پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا جائے، ان کے نام کی نذر و نیاز اور قبروں کو غسل دیا جائے اور ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور انہیں حاجت ردا، مشکل کشا، نافع و ضار سمجھا جائے، ان کی قبروں پر دوست بست قیام اور ان کی چوکھوں پر سجدہ کیا جائے وغیرہ، جیسا کہ بدقتی سے "اولیاء اللہ کی محبت" کے نام پر یہ کار و بارلات و منات فروغ پذیر ہے۔ حالانکہ یہ "محبت" نہیں ہے، ان کی عبادت ہے، جو شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ عبادت قبور سے محفوظ رکھے۔

اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بد کاروں کے کوئی نہیں کرتا۔ (۹۹) یہ لوگ جب کبھی کوئی عمد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔ (۱۰۰)

جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا، ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیچھے پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے۔ (۱۰۱)

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے، (۱۰۲) اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْيَتْبِعِينَۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا
الْفَسِيقُونَ (۴۶)

أَوْ كَلَمًا غَهْدُوا عَهْدَنَاۗ فَرَيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يُنْهِمُونَ (۴۷)

وَلَئِنْجَاءَهُمْ رَسُولٌ مَّنْ يُنْهِيَ اللَّهُ مُصَدِّقٌ لِمَا أَمَّهُمْ
بَلَّدَ فَرَيْقٌ مِّنَ الظَّنِّيْنَ أَوْ تُوَالِيَتْ بِهِ كِتَابَ اللَّهِ وَرَأَءَهُ
ظُهُورُهُمْ كَانُوهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۴۸)

وَإِذْ بَعُوا مَا تَنْتَلُوُ الشَّيْطَيْنُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَۖ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَيْنَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ
النَّاسُ إِذْ هُرِّبُوا وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمُلْكَيْنِ بِإِيمَانَ

(۱) اللہ تعالیٰ نبی ملئک سلیمان سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے آپ ملئک سلیمان کو بست سی آیات بینات عطا کی ہیں، جن کو دیکھ کر یہود کو بھی ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں خود ان کی کتاب تورات میں بھی آپ ملئک سلیمان کے اوصاف کا ذکر اور آپ ملئک سلیمان پر ایمان لانے کا عمد موجود ہے، لیکن انہوں نے پہلے بھی کسی عمد کی کب پرواکی ہے جو اس عمد کی وہ کریں گے؟ عمد ٹھکنی ان کے ایک گروہ کی ہیشہ عادت رہی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کی کتاب کو بھی اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

(۲) یعنی ان یہودیوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے عمد کی تو کوئی پروا نہیں کی، البتہ شیطان کے پیچھے لگ کرنہ صرف جادو ٹونے پر عمل کرتے رہے، بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی (نحو ز باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادو گر تھے اور جادو کے زور سے ہی حکومت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کا عمل نہیں کرتے تھے، کیوں کہ عمل سحر تو کفر ہے، اس کفر کا ارتکاب حضرت سلیمان علیہ السلام کیوں کر سکتے تھے؟ کتنے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادو گری کا سلسلہ بہت عام ہو گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے سد باب کے لیے جادو کی کتابیں لے کر اپنی کرسی یا تخت کے نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان شیاطین اور جادو گروں نے ان کتابوں کو نکال کرنا صرف لوگوں کو دکھایا، بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت و اقتدار کا راز یہی جادو کا عمل تھا اور اسی بنا پر ان خالموں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی کافر قرار دیا، جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرمائی (ابن کثیر۔ وغیرہ) واللہ اعلم۔

جو اتارا گیا تھا،^(۱) وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے^(۲) جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں^(۳) تو کفرنہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند و یبوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے،^(۴) یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان

هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يَعْلَمُونَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يُقُولُوا إِنَّا
نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا كَافِرُونَ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يَعْرِفُونَ
يَهُ بَيْنَ النَّرَّةِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِصَارِزَينَ يَهُ مِنْ
أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَا يَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا أَنَّهُمْ أَشَدُّهُمْ مَالَهُ

(۱) بعض مفسرین نے وَمَا أَنْزَلَ میں مَا نافیہ مراد لیا ہے اور ہاروت و ماروت پر کسی چیز کے اتنے کی نفی کی ہے، لیکن قرآن کریم کا سایق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اسی لیے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے (ابن کثیر) اسی طرح ہاروت و ماروت کے بارے میں بھی تفاسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ لیکن کوئی صحیح مرفوع روایت اس بارے میں ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تفصیل کے نمایت اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے، ہمیں صرف اس پر اور اسی حد تک ایمان رکھنا چاہیے (تفیر ابن کثیر) قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باہل میں ہاروت و ماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد و اللہ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ یہ معلوم ہوتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انبیاء علیم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ مجزے، جادو سے مختلف چیزیں ہے اور جادو یہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے (اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء کو بھی نعوذ باللہ جادوگر اور شعبدہ باز سمجھنے لگے تھے) اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔

دو سرا مقصد بنو اسرائیل کی اخلاقی گراوٹ کی نشاندہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کس طرح جادو سیکھنے کے لیے ان فرشتوں کے پیچھے پڑے اور یہ بتلانے کے باوجود کہ جادو کفر ہے اور ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں، وہ علم سحر حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑ رہے تھے جس سے انکا مقصد ہنتے ہتے گھروں کو اجاڑنا اور میاں یبوی کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا تھا۔ یعنی یہ ان کے گراوٹ، بگاڑ اور فساوے کے سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی اور اس طرح کے توبہات اور اخلاقی گراوٹ کسی قوم کی انتہائی بگاڑ کی علامت ہیں۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ

(۲) یہ ایسے ہی ہے جیسے باطل کی تردید کے لیے، باطل مذاہب کا علم کسی استاذ سے حاصل کیا جائے، استاذ شاگرد کو اس یقین دہانی پر باطل مذہب کا علم سکھائے کہ وہ اس کی تردید کرے گا۔ لیکن علم حاصل کرنے کے بعد وہ خود بد مذہب ہو جائے، یا اس کا غلط استعمال کرے تو استاذ اس میں قصور و ار نہیں ہو گا۔

(۳) أَنَّا نَحْنُ أَبْتَلَاءٌ وَآخْتِبَارٌ مِنَ اللَّهِ لِعَبَادِهِ هُمُ اللَّهُكَی طرف سے بندوں کے لیے آزمائش ہیں (فتح القدير)

(۴) یہ جادو بھی اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا اذن نہ ہو۔ اس لیے اس کے سیکھنے کا فائدہ بھی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جادو کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر قرار دیا ہے، ہر قسم کی خیر کی طلب اور ضرر کے دفع کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے، کیوں کہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور

پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے، اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بد لے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔ (۱۰۲)

اگر یہ لوگ صاحب ایمان متqi بن جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب انسیں ملتا، اگر یہ جانتے ہوتے۔ (۱۰۳) اے ایمان والو! تم (نبی ﷺ کو) ”راعنا“ نہ کما کرو، بلکہ ”انظرنا“ کو^(۱) یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دروناک عذاب ہے۔ (۱۰۴)

نہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے اس حسد سے کیا ہوا) اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (۱۰۵)

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں، یا بھلا دیں اس سے بہتریا اس جیسی اور لاتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۰۶)

فِ الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقِي يَوْلَمُشَ مَا شَرَوْا يَهْدِ
أَنْفَسُهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ②

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَمْتَوْا وَأَنْقَوْا الْمُتُوبَةَ قِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ③
يَا أَيُّهُ الَّذِينَ أَمْتَوْا لَا تَقُولُوا رَأَيْنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا
وَاسْمَعُو ۖ وَلِلْكَفِرِيْنَ عَذَابٌ أَكْبِرٌ ④

مَا يَوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكُونَ
أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَزْكِنَا وَاللَّهُ يَعْلَمُ
بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَا وَاللَّهُ ذُو الْقَضَى الْعَظِيمُ ⑤

مَا نَسِنَ مِنْ أَيَّةٍ أَوْ نَسِيْمَهَا تَأْتِي بِغَيْرِ مِنْهَا كَمَا مِثْلَهَا إِلَّا
تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥

کائنات میں ہر کام اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(۱) رَأَيْنَا کے معنی ہیں، ہمارا لحاظ اور خیال کیجئے۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے مکمل کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا، لیکن یہودی اپنے بعض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس کے معنی میں تبدلی اور ان کے جذبہ عناد کی تسلی ہو جاتی، مثلاً وہ کہتے رَأَيْنَا (ہمارے چردا ہے) یا رَأَيْنَا (احمق) وغیرہ، جیسے وہ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کی بجائے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ (تم پر موت آئے) کما کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ”انظرنا“ کما کرو۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ، جن میں تنقیص و اہانت کا شابہ ہو، ادب و احترام کے پیش نظر اور سد ذریعہ کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کفار کے ساتھ افعال و اقوال میں مشابحت اختیار کرنے سے بچا جائے، تاکہ مسلمان ”مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ (ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ: وقال الألبانی هذا اسناد حسن، بحوالہ حجاب المرأة ص ۱۰۳) (جو کسی قوم کی مشابحت اختیار کرے گا، وہ انہی میں شمار ہو گا) کی وعید میں داخل نہ ہوں۔

کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے^(۱) اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔^(۲)

کیا تم اپنے رسول سے یہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تھا؟^(۳) (سنہ) ایمان کو کفر سے بدلتے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔^(۴)

اللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قَوْلٍ وَلَا نَصِيرٌ^(۵)

أَمْرُرُبُودُونَ أَنْ تَسْعَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُبِّلَ مُوسَى
مِنْ قَبْلٍ وَمَنْ يَتَبَدَّلْ إِلَّا فَقَدْ ضَلَّ
سَوَاءَ الْتَّيِّنُ^(۶)

(۱) نسخ کے لغوی معنی تو نقل کرنے کے ہیں، لیکن شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں۔ یہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے زمانے میں گے بن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا، بعد میں اسے حرام کر دیا گیا، وغیرہ، اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ”الفوز الکبیر“ میں ان کی تعداد صرف پانچ بیان کی ہے۔ یہ نسخ تین قسم کا ہے۔ ایک تو مطلقاً نسخ حکم یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دیا گیا۔ دوسرا ہے نسخ مع اتنا وہ۔ یعنی پہلے حکم کے الفاظ قرآن مجید میں موجود رکھے گئے ہیں، ان کی تلاوت ہوتی ہے لیکن دوسرا حکم بھی، جو بعد میں نازل کیا گیا، قرآن میں موجود ہے، یعنی ناسخ اور منسوخ دونوں آیات موجود ہیں۔ نسخ کی ایک تیری قسم یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ یعنی قرآن کریم میں نبی ﷺ نے انہیں شامل نہیں فرمایا، لیکن ان کا حکم باقی رکھا گیا۔ جیسے ”الشیخ والشیخة إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ“ (موطا امام مالک) ”شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو یقیناً انہیں سنگار کر دیا جائے“ اس آیت میں نسخ کی پہلی دو قسموں کا بیان ہے 『مَانَتْسَخُ مِنْ أَيْنَةٍ』 میں دوسری قسم اور 『أَوْتَسْخَهَا』 میں پہلی قسم۔ نسخہا (ہم بھلوادیتے ہیں) کا مطلب ہے کہ اس کا حکم اور تلاوت دونوں اخلاقیتے ہیں۔ گویا کہ ہم نے اسے بھلا دیا اور نیا حکم نازل کر دیا۔ یا نبی ﷺ کے قلب سے ہی ہم نے اسے مٹا دیا اور اسے نیا منسیا کر دیا گیا۔ یہودی تورات کو ناقابل نسخ قرار دیتے تھے اور قرآن پر بھی انسوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھے کرے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہو، اسے نافذ کرے اور جسے چاہے منسوخ کر دے۔ یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ بعض قدیم گمراہوں (مثلاً ابو مسلم اصفہانی معترضی) اور آج کل کے بھی بعض مسجدین نے یہودیوں کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو نہ کورہ سطروں میں بیان کی گئی ہے، سلف صالحین کا عقیدہ بھی اثبات نسخ ہی رہا ہے۔

(۲) مسلمانوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر ﷺ سے از راہ سرکشی غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ اس میں اندیشہ کفر ہے۔

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حد و بعض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (۱۰۹)

تم نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ (۱۱۰)

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزو میں ہیں، ان سے کوکہ اگر تم چھے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔ (۱۱۱)

سونا جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے۔ بے شک اسے اس کا رب پورا بدله دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہو گا، نہ غم اور اداسی۔ (۱۱۲)

یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں (۱۱۳) اور نصرانی کہتے ہیں

وَذَكَرِيْهِ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْيَرِدُ وَنَكْمَرِ مِنْ بَعْدِ
إِيمَانِكُمْ لَكُلُّ أَحَدٌ مِنْ عِنْدِنَا أَنْقِبَهُمْ مِنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاقْعُفُوهُمْ وَاصْفَحُوهُمْ يَأْتِي
اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ④

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَأَنُوْالِ الزَّكُوٰۃَ وَمَا نَفَقَ مُؤْمِنٌ
لَا نُفْسِكُمْ مِنْ حَيْرَتِجُدُوا عِنْدَنَا اللَّهُ بِأَنَّ اللَّهَ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑤

وَقَالُوا إِنَّمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوَدًا
أَوْ نَصْرَانِيٌّ إِنَّكَ أَمَانِيْهُمْ قُلْ هَأُنُّوْا
بِرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِيْنَ ⑥
بَلِّ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ إِلَيْهِ وَهُوَ مُخْرِجٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ
رَبِّهِ وَلَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخْرَجُوْنَ ⑦

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَ النَّصْرَانِي عَلَى شَيْءٍ فَوَقَالَتِ النَّصْرَانِي

(۱) یہودیوں کو اسلام اور نبی ﷺ سے جو حسد اور عناد تھا اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کی مدد موم سی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبرا اور درگزر سے کام لیتے ہوئے، ان احکام و فرائض اسلام کو بجالاتے رہو، جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

(۲) یہاں اہل کتاب کے اس غور اور فریب نفس کو پھر بیان کیا جا رہا ہے جس میں وہ بتلاتھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محض ان کی آرزو میں ہیں جن کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

(۳) ﴿ أَسْلَمَ وَجْهَهُ إِلَيْهِ ﴾ کا مطلب ہے محض اللہ کی رضا کے لیے کام کرے اور ﴿ وَهُوَ مُخْرِجٌ ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی سنت کے مطابق۔ قبولیت عمل کے لیے یہ دو بنیادی اصول ہیں اور نجات اخروی انہی اصولوں کے مطابق کیے گئے اعمال صالحہ پر مبنی ہے، نہ کہ محض آرزوؤں پر۔

(۴) یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود ہے، لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحفیض کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس

کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔^(۱) قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان کے درمیان کر دے گا۔^(۲)

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کئے جانے کو روکے^(۳) اور ان کی برپادی کی کوشش کرے،^(۴) ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہئے،^(۵) ان کے لئے دنیا

لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتَّلُوُنَ الْكِتَابَ مُذَلِّلِكَفَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَإِنَّهُ مَخْلُومٌ بِيَدِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ^(۶)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ قَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا إِسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي حَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْعُوهَا إِلَّا خَلَقَنِينَ ذَلِكُمْ فِي الدُّنْيَا خَرُبٌ وَلَمَّا فِي الْآخِرَةِ

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ہونے کی تصدیق ہے، اس کے باوجود یہ یہودیوں کی عکیف کرتے ہیں، یہ گویا اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں بتلا ہونے کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔

(۱) اہل کتاب کے مقابلے میں عرب کے مشرکین ان پڑھ (أُنْبِيَّنَ) تھے، اس لیے انہیں بے علم کہا گیا، لیکن وہ بھی مشرک ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح، اس زعم باطل میں بتلا تھے کہ وہی حق پر ہیں۔ اسی لیے وہ نبی ﷺ کو صابی یعنی بے دین کہا کرتے تھے۔

(۲) جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا، یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عیسائی ہیں، جنہوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے سے روکا اور اس کی تحریب میں حصہ لیا۔ ابن جریر طبری نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصدق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنہوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور یہوں خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا۔ پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہی کردار دھرا یا اور کہا کہ ہم اپنے آباو اجداد کے قاتلوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، حالانکہ خانہ کعبہ میں کسی کو عبادت سے روکنے کی اجازت اور روایت نہیں تھی۔

(۳) تحریب اور برپادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ذھادیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے، بلکہ ان میں اللہ کی عبادت اور ذکر سے روکنا، اقامت شریعت اور مظاہر شرک سے پاک کرنے سے منع کرنا بھی تحریب اور اللہ کے گھروں کو برپا کرنا ہے۔

(۴) یہ الفاظ خبر کے ہیں، لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں تمکن اور غلبہ عطا فرمائے تو تم ان مشرکین کو اس میں صلح اور جزیے کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دیا، چنانچہ جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ نے اعلان فرمایا کہ آئندہ سال کعبہ میں کسی مشرک کو حج کرنے کی اور نگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہو گی اور جس سے

میں بھی رسائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔^(۱۳)

اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کامنہ ہے،^(۱۴) اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔^(۱۵)

یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے زمین و آسمان کی تمام خلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے۔^(۱۶)

وہ زمین اور آسمانوں کا ابتداء پیدا کرنے والا ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔^(۱۷)

ای طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے باتمیں کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں

عَدَابٌ عَظِيمٌ^(۱۸)

وَلِلَّهِ الْشَّرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَإِنَّمَا تُؤْتَوْ أَنْتُمْ وَجْهُ اللَّهِ مَارَ
اللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِ^(۱۹)

وَقَالُوا أَنْفَدَ اللَّهُ وَلَدٌ أَسْجَنَنَا بِلَّهِ مَنِ الْتَّمَوُت
وَالْأَرْضُ مُحْلَّ لَهُ قَنْتُونَ^(۲۰)

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ^(۲۱)

وَقَالَ الظَّاهِرُ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يَعْلَمُنَا اللَّهُ أَوْلَى أَنْ يَعْلَمَنَا

جو معاهدہ ہے، معاهدے کی مدت تک اسے یہاں رہنے کی اجازت ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے کہ ہم نے جو مسلمانوں پر پسلے زیادتیاں کی ہیں، انکے بدالے میں ہمیں سزا سے دوچار یا قتل نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جلد ہی یہ خوشخبری پوری ہو گئی۔

(۱) ہجرت کے بعد جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو اس کا رنج تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں اس وقت نازل ہوئی جب بیت المقدس سے، پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو یہودیوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، بعض کے نزدیک اس کے نزول کا سبب سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے کہ سواری کامنہ جدھر بھی ہو، نماز پڑھ سکتے ہو۔ کبھی چند اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور ان سب کے حکم کے لیے ایک ہی آیت نازل ہو جاتی ہے۔ ایسی آیتوں کے شان نزول میں متعدد روایات مردی ہوتی ہیں، کسی روایت میں ایک سبب نزول کا بیان ہوتا ہے اور کسی میں دوسرے کا۔ یہ آیت بھی اسی قسم کی ہے (ملخص ازانہ التفاسیر)۔

(۲) یعنی وہ اللہ توہ ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے، ہر چیز اس کی فرماں بردار ہے، بلکہ آسمان و زمین کا بغیر کسی نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے۔ علاوه ازیں وہ جو کام کرنا چاہے اس کے لیے اسے صرف لفظ کن کافی ہے۔ ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟

نہیں آتی؟^(۱) اسی طرح ایسی ہی بات ان کے الگوں نے بھی کہی تھی، ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے۔^(۲) ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں۔^(۳)

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارے میں آپ سے پرس ش نہیں ہو گی۔^(۴)

آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں،^(۵) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے^(۶) اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجائے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہو گا اور نہ مددگار۔^(۷)

أَيُّهُكَذِلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَمِيلٌ
قَوْلُهُمْ تَشَابَهُتْ قُلُوهُمْ قَدْبَيْنَا الْأَيْتَ لِقَوْمٍ
يُؤْقَنُونَ^(۸)

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِّرُواْ قَدْنِيْرًا وَلَا شَتَّلْ عَنْ
أَصْحَابِ الْجَحْنَمِ^(۹)

وَلَئِنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا الظَّاهِرِيَ حَتَّى تَتَّقِعَ مِنْهُمْ
فَلْ إِنْ هُدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَى وَلَمَنْ يَبْغُ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ
الَّذِي جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلَيْ وَلَا تَصِيرُ^(۱۰)

(۱) اس سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے یہودیوں کی طرح مطالبه کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا، یا کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں دکھارتا؟ جسے دیکھ کر ہم مسلمان ہو جائیں جس طرح کہ سورہ بنی اسرائیل (آیت ۹۰ تا ۹۳) میں اور دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی مشرکین عرب کے دل، کفر و عناد اور انکار و سرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہو گئے۔ جیسے سورہ زاریات میں فرمایا گیا: ﴿كَذَلِكَ مَا أَقَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ تَسْوِيلِ الْأَقْلَافِ وَأَسْلَاحِ الْمُجْرَمِينَ * أَتَوْ أَصَوَّبُهُمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ﴾ (ان سے پہلے جو بھی رسول آیا، اس کو لوگوں نے جادو گریا دیوانہ ہی کہا۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر جاتے تھے؟ نہیں یہ سب سرکش لوگ ہیں) یعنی قدر مشترک ان سب میں سرکشی کا جذبہ ہے، اس لیے داعیان حق کے سامنے نئے نئے مطالبے رکھتے ہیں، یا نہیں دیوانہ گردانتے ہیں۔

(۳) یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کر لے۔

(۴) جواب اسلام کی صورت میں ہے، جس کی طرف نبی کریم ﷺ دعوت دے رہے ہیں، نہ کہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت۔

(۵) یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجائے کے بعد بھی اگر محض ان برخود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لیے وہ بھی ایسا کام نہ کریں، نہ دین میں مداہنت اور بے جاتا دل کا ارتکاب کریں۔

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے^(۱) اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں،^(۲) وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے۔^(۳)
^(۴) (۱۲۱)

اے اولاد یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو اور میں نے تو تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دے رکھی تھی۔^(۱۲۲)

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی، نہ ان کی مدد کی جائے گی۔^(۱۲۳)

جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا^(۱) اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو

آلَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتَلَوَّهُمْ حَقًّا بِتَلَاوَتِهِ أَوْ لِكَيْفَ يُؤْمِنُونَ
بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّمُورُونَ^(۲)

يَبْنِي إِسْرَاءَءِيلَ أَذْكُرُوا إِعْمَاقَيِ الْقَيْمَعَتِ عَلَيْكُمْ وَآتَنِي
نَصْلَتُكُمْ عَلَى الْعَلِيِّينَ^(۳)

وَأَنْقُوا إِيمَانًا لِلْجَنَاحِيْزِيْ نَهْشُ عَنْ نَفِيْسِ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ^(۴)

وَإِذَا نَسْأَلُ إِبْرَاهِيمَ رَبِّهِ بِكَلِمَاتٍ كَانَتْهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ
لِلنَّاسِ إِمَامًا فَقَالَ وَمَنْ ذُرَّتِيْ قَالَ لَكِتَابٌ حَمْدُكِي

(۱) اہل کتاب کے مخالف لوگوں کے مذموم اخلاق و کردار کی ضروری تفصیل کے بعد ان میں جو کچھ لوگ صالح اور اچھے کردار کے تھے، اس آیت میں ان کی خوبیاں، اور ان کے مومن ہونے کی خبردی جا رہی ہے۔ ان میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، اور ان جیسے دیگر افراد ہیں، جن کو یہودیوں میں سے قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوئی۔

(۲) ”وَهُوَ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔“ کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً (۱) خوب توجہ اور غور سے پڑھتے ہیں۔ جنت کا ذکر آتا ہے تو جنت کا سوال کرتے اور جنم کا ذکر آتا ہے تو اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ (۲) اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھتے اور کلام الہی میں تحریف نہیں کرتے (جیسے دوسرے یہودی کرتے تھے)۔ (۳) اس میں جو کچھ تحریر ہے، لوگوں کو بتلاتے ہیں، اس کی کوئی بات چھپاتے نہیں۔ (۴) اس کی محکم باتوں پر عمل کرتے، مقتابات پر ایمان رکھتے اور جو باتیں سمجھے میں نہیں آتیں، انہیں علماء حل کرتے ہیں (۵) اس کی ایک ایک بات کا اتباع کرتے ہیں (فتح التدیر) واقعہ یہ ہے کہ حق تلاوت میں یہ سارے ہی مضمون داخل ہیں اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو نہ کوہ باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۶) اہل کتاب میں سے جو نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جنم میں جائے گا۔ کَمَا فِي الصَّحِيفَ (ابن کثیر)

(۷) کلمات سے مراد احکام شریعت، مناسک حج، ذرع پر، بحرت، نار نمرود وغیرہ وہ تمام آزمائشیں ہیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزارے گئے اور ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلے میں امام الناس کے منصب پر

اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا، عرض کرنے لگے: اور میری اولاد کو،^(۱) فرمایا میرا وعدہ طالبوں سے نہیں۔ (۱۲۳)

ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنایا،^(۲) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز مقرر کرلو،^(۳) ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَمَنْ أَتَخْدَى وَمَنْ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ
مُصْلِحٌ وَعَنْدَهُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَالسَّبِيلِ أَنْ طَهَرَ إِبْرَاهِيمَ لِلظَّاهِرِينَ
وَالغَيْفَانِينَ وَالرَّكْعَةِ التَّسْجُودِ (١٤)

فائز کیے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں، یہودی، عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں ان کی شخصیت محترم اور پیشوامانی اور سمجھی جاتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا فرمایا، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ التُّبُوتَ وَالْحَكَمَ﴾ (العنکبوت۔ ۲۷) ”ہم نے بوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کر دیا۔“ پس ہر بھی جسے اللہ نے مبعوث کیا اور ہر کتاب جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل فرمائی، اولاد ابراہیم ہی میں یہ سلسلہ رہا۔ (ابن کثیر) اس کے ساتھ ہی یہ فرمाकر کہ ”میرا وعدہ ظالموں سے نہیں“ اس امر کی وضاحت فرمادی کہ ابراہیم کی اتنی اونچی شان اور عناد اللہ منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم میں سے جو ناخلف اور ظالم و مشرک ہوں گے، ان کی شقاوتوں و محرومی کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پیغمبرزادگی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اگر ایمان و عمل صالح نہیں، تو پیغمبرزادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہ الہی میں کیا حیثیت ہو گی؟ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (مَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسرِّعْ بِهِ نَسْبَهُ) (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء... باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن....) (جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا)

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے جو اس کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائیں: ایک ﴿مَثَابَةٌ لِّلْأَنْبِيَاءِ﴾ (لوگوں کے لیے ثواب کی جگہ) دوسرے معنی ہیں بار بار لوث کر آنے کی جگہ۔ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے، دوبارہ سہ بارہ آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تکمیل نہیں ہوتی، بلکہ روز افزودن رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت "امن کی جگہ" یعنی یہاں کسی دشمن کا بھی خوف نہیں رہتا چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے احترام کو باقی رکھا، بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسعہ کی۔

(۳) مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تغیر کعبہ کرتے رہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشانات ہیں۔ اب اس پتھر کو ایک شیئے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، جسے ہر حاجی و معمتم طواف کے دوران باسانی دیکھتا ہے۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔ ﴿وَاتْخِذْ ذُو الْمِنْ

مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ مُصَلّى

السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طوف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔ (۱۲۵)

جب ابراہیم نے کہا، اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شربرا اور بیساں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزیاں دے۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پیشخواہ کی جگہ بری ہے۔ (۱۲۶)

ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرماء تو ہی سننے والا اور جانے والا ہے۔ (۱۲۷)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرماء تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔ (۱۲۸)

اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے رسول بھیج^(۲) جو ان کے پاس تیری آئیں پڑھے، انہیں کتاب و

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّي أَجْعَلْ هَذَا بَدْنًا أَوْنَاجًا وَأَرْذُقْ أَهْلَهُ مِنَ الشَّرَّاتِ مَنْ مِنْهُمْ يَأْتِيَنِ اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْحَفْرَ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأَمْتَعْهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرْهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ وَبَيْسَ الْمَعْبُرِ ۝

وَإِذْرِقْ فَعَلْ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَلْسِعِيْلُ مِنْتَنَاقْبَلْ مِنَ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمَنْ ذَرْتَنَا أَمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرْتَنَا مَنَا سَكَنَ وَتَبَعَ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

رَبَّنَا وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مَّتَّهُمْ يَتَّلَوَّ عَلَيْهِمُ الْبَيْكَ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُرِيكُمُهُمْ إِنَّكَ أَنْتَ

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کیں تھیں، یہ شر امن کا گھوارہ بھی ہے اور وادی غیر ذی زرع (غیر صحیتی والی) ہونے کے باوجود اس میں دنیا بھر کے پھل فroot اور ہر قسم کے غلے کی وہ فراوانی ہے جسے دیکھ کر انسان حیرت و تجھب میں ڈوب جاتا ہے۔

(۲) یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل ملیما السلام کی آخری دعا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد رسول ملیک اہل بیت^{علیہ السلام} کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے نبی ملکہ^{علیہ السلام} نے فرمایا: ”میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں“ (الفتح الربانی، ج ۲۰، ص ۱۸۹ اور ۱۸۷)

حکمت^(۱) سکھائے اور انہیں پاک کرے،^(۲) یقیناً تو غلبہ
والا اور حکمت والا ہے۔^(۳۹)

دین ابراہیم سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض
بے وقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا
تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے
ہے۔^(۴۰)^(۳۰)

جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا، فرمانبردار ہو
جا، انہوں نے کہا، میں نے رب العالمین کی
فرمانبرداری کی۔^(۴۱)^(۳۱)

اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، کہ
ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند
فرمایا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرننا۔^(۴۲)^(۳۲)

الْعَزِيزُ الْعَظِيمُ^(۳)

وَمَنْ يُرِثْ بُعْنَ قَلَّةٍ إِبْرَاهِيمَ الْأَمَنَ سَفَهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ
اُصْطَفَيْنَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ كَمَنَ
الصَّلِيْحِينَ^(۴)

رَأَدَ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ، قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَلَيْمِينَ^(۵)

وَوَضَى بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَنِيهِ وَيَعْقُوبَ بْنَيَّهُ إِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَ
كَمُّ الْدِيْنِ فَلَا تَمُوشْ إِلَّا وَأَنْتُمُ مُسْلِمُونَ^(۶)

(۱) کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث ہے۔ تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب و حکمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نفس تلاوت بھی مقصود اور باعث اجر و ثواب ہے۔ تاہم اگر ان کا مفہوم و مطلب بھی سمجھ میں آتا جائے تو سچان اللہ سونے پر ساکھ ہے۔ لیکن اگر قرآن کا ترجمہ و مطلب نہیں آتا، تب بھی اس کی تلاوت میں کو تباہی جائز نہیں ہے۔ تلاوت بجائے خود ایک الگ اور نیک عمل ہے۔ تاہم اس کے مقاصید اور مطالب سمجھنے کی بھی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

(۲) تلاوت و تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے بعد آپ ﷺ کی بعثت کا یہ چوتھا مقصد ہے کہ انہیں شرک و توهہات کی آلاتشوں سے اور اخلاق و کردار کی کوتاہیوں سے پاک کریں۔

(۳) عربی زبان میں رَغْبَ کا صلہ عن ہو تو اس کے معنی بے رغبتی ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عظمت و فضیلت بیان فرمرا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائی ہے اور یہ بھی وضاحت فرمادی کہ ملت ابراہیم سے اعراض اور بے رغبتی بے وقوفون کا کام ہے، کسی عقل مند سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) یہ فضیلت و برگزیدگی انہیں اس لیے حاصل ہوئی کہ انہوں نے اطاعت و فرماء برداری کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام نے آئینے کی وصیت اپنی اولاد کو بھی فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہی ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے اور قرآن کریم میں دیگر متعدد مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئے گی۔ جیسے ﴿إِنَّ الَّذِينَ عَاهَدُوا اللَّهَ إِذْلَامَتُمْ﴾ (آل عمران: ۱۹) وغیرہ ”اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے“

کیا (حضرت) یعقوب کے انتقال کے وقت تم موجود تھے؟ جب ^(۱) انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبد کی اور آپ کے آباو اجداؤ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) کے معبد کی جو معبد ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ ^(۱۳۳)

یہ جماعت تو گزر چکی، جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم نہیں پوچھ جاؤ گے۔ ^(۲) ^(۱۳۴)

یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ تم کو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیم والے ہیں، اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے اور مشرک نہ تھے۔ ^(۳) ^(۱۳۵)

آمُرْكُنُّهُمْ شَهِدَ آءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمُؤْمِنَ إِذْ قَاتَ
لِيَسْنِيهِ مَا نَعْدُونَ مِنْ بَعْدِيْ فَإِلَوْا عَبْدَ اللَّهِ وَاللهَ
إِلَيْكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَانْسَقَ إِلَهًا وَاجْدَاءَ
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ^(۴)

تَلَكَ أَمَّةٌ قَدْ دَخَلَتْ لَهَا مَا كَبَدَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ
وَلَا تُسْعَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ^(۵)

وَقَالُوا كُنُّوْا هُوُدًا وَنَصَارَىٰ تَهْتَدُوا مُقْلَبُ مَلَةِ إِبْرَاهِيمَ
حَيْنِيْقَا وَمَا كَانَ مِنَ الشَّرِيكِينَ ^(۶)

(۱) یہود کو زجر و توجیح کی جا رہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب (طیہما السلام) نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی، تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ موجود تھے تو یہ کذب و زور اور بہتان ہوا اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا نہ کورہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا، کیوں کہ انہوں نے جو وصیت کی، وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت یا عیسائیت یا وشیت کی۔ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقہ کار میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے (الْأَنْبِيَاءُ أُولَادُ عَلَاتٍ، أَمْهَاتُهُمْ شَنِيٰ، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ) (صحیح بخاری، کتاب الأنبياء، باب واذکر فی الکتاب مریم إِذْ اتَّبَعْتَ مِنْ أَهْلِهَا) ”انبیاء کی جماعت اولاد علات ہیں، انکی ماں میں مختلف (اور باپ ایک) ہے اور ان کا دین ایک ہی ہے۔“

(۲) یہ بھی یہود کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارے آباو اجداؤ میں جو انبیاء و صالحین ہو گز رے ہیں، ان کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے، اس کا صد انسیں ہی ملے گا، تمہیں نہیں، تمہیں تو وہی کچھ ملے گا جو تم کماو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتقاد اور سارا غلط ہے۔ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہی ہے جو پچھلے صالحین کا بھی سرمایہ تھا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات کا بھی واحد ذریعہ ہے۔

(۳) یہودی، مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی، عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان سے کہو ہدایت ملت ابراہیم کی پیروی میں ہے جو حنیف تھا (یعنی اللہ واحد کا پرستار اور سب سے کٹ کر اسی کی عبادت کرنے والا) اور وہ مشرک نہیں تھا۔ جب کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں میں شرک کی آمیزش موجود ہے۔

اے مسلمانو! تم سب کو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم اساعیل اسحاق یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موئی اور عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) دیئے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ ^(۱) (۱۳۶)

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا^(۲) اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ ^(۳) (۱۳۷)

قُولُوا إِنَّا بِإِيمَانِنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْإِبْرَاهِيمَ
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْمُوسَى
وَعِيسَى وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَاهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَا يَنْزَهُنَّ بَيْنَ أَهْدِي
مِنْهُمْ وَمَنْ لَهُ مُسْلِمُونَ ^(۴)

فَإِنَّ الْمُؤْمِنِينَ مَا أَنْتُمْ بِهِ قَادِرُونَ وَإِنْ تَوْكِنُوا
فَإِنَّمَا هُمْ فِي شُقُوقٍ فَسَيَكْفِي لَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ الشَّمِيمُ
الْعَلِيمُ ^(۵)

اور اب بدقتی سے مسلمانوں میں بھی شرک کے مظاہر عام ہیں، اسلام کی تعلیمات اگرچہ بحمد اللہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہیں، جن میں توحید کا تصور بالکل بے غبار اور نمایت واضح ہے، جس سے یہودیت، یہسوسیت اور شیعیت (دو خداوں کے قالئ مذاہب) سے اسلام کا امتیاز نمایاں ہے لیکن مسلمانوں کی ایک بست بڑی تعداد کے اعمال و عقائد میں جو مشرکانہ اقدار و تصورات در آئے ہیں، اس نے اسلام کے امتیاز کو دنیا کی نظروں سے او جھل کر دیا ہے۔ کیوں کہ غیر مذاہب والوں کی دسترس براہ راست قرآن و حدیث تک تو نہیں ہو سکتی، وہ تو مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ کریں گے کہ اسلام میں اور دیگر مشرکانہ تصورات سے آلوہہ مذاہب کے مابین تو کوئی امتیاز ہی نظر نہیں آتا۔ اگلی آیت میں ایمان کا معیار بتایا جا رہا ہے۔

(۱) یعنی ایمان یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی ملایا نازل ہوا سب پر ایمان لایا جائے، کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے۔ کسی ایک کتاب یا نبی کو مانا، کسی کو نہ مانا، یہ انبیاء کے ذریمان تفرق ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے۔ البتہ عمل اب صرف قرآن کریم کے ہی احکام پر ہو گا۔ پچھلی کتابوں میں لکھی ہوئی باقتوں پر نہیں کیوں کہ ایک تو وہ اصلی حالت میں نہیں رہیں، تحریف شدہ ہیں، دوسرے قرآن نے ان سب کو منسوخ کر دیا ہے۔

(۲) صحابہ کرام اللَّهُمَّ إِنِّي نَذَرْتُكَ بِهِمْ أَسِي نَذْرَكَ طَرِيقَتِي بھی اسی نذکورہ طریقے پر ایمان لائے تھے، اس لیے صحابہ اللَّهُمَّ إِنِّي نَذَرْتُكَ بِهِمْ أَسِي نَذْرَكَ طَرِيقَتِي کی مثال دیتے ہوئے کما جا رہا ہے کہ اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح اے صحابہ اللَّهُمَّ إِنِّي نَذَرْتُكَ بِهِمْ أَسِي نَذْرَكَ طَرِيقَتِي! تم ایمان لائے ہو تو پھر یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اگر وہ ضد اور اختلاف میں منہ موڑیں گے، تو گھر انے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں

اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہو گا؟^(۱) ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (۱۳۸) آپ کہہ دیجئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لئے مخلاص ہیں۔^(۲) (۱۳۹)

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو، یا اللہ تعالیٰ؟^(۳) اللہ کے پاس شہادت چھپانے والے سے زیادہ خالم اور کون ہے؟ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل

صَبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صَبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَبْدُوْنَ^(۴)
قُلْ أَمَّا بَعْدُ وَنَحْنُ لَهُ عَبْدُوْنَ وَرَبُّكُمْ وَلَكُمْ أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ عَلِيلُوْنَ^(۵)

آمَّا نَفْلُوْنَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُؤُلَاءِ أَوْنَصْرَائِيْ قُلْ إِنَّمَا أَعْلَمُ أَمْرَ اللَّهِ وَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ كَتَمَ شَهَادَةَ عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ يَعْلَمُ فِي عَمَالِكُمْ^(۶)

گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرنے والا ہے۔ چنانچہ چند سالوں میں ہی یہ وعدہ پورا ہوا اور بنو نفسیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت عثمان بن علیؓ کی شہادت کے وقت ایک مصحف عثمان ان کی اپنی گود میں تھا اور اس آیت کے جملہ ﴿فَسَيَقِنُكُمُ اللَّهُ﴾ پران کے خون کے چھینٹے گرے بلکہ دھار بھی۔ کہا جاتا ہے یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔

(۱) عیسائیوں نے ایک زرد رنگ کا پانی مقرر کر کھا ہے جو ہر عیسائی بچے کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی دیا جاتا ہے جس کو عیسائی بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اس رسم کا نام ان کے ہاں ”پتسر“ ہے۔ یہ ان کے نزدیک بہت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ کسی کو پاک تصور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ اصل رنگ تو اللہ کا رنگ ہے، اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں اور اللہ کے رنگ سے مراد وہ دین فطرت یعنی دین اسلام ہے، جس کی طرف ہر بھی نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی۔ یعنی دعوت توحید۔

(۲) کیا تم ہم سے اس بارے میں جھگڑتے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی کے لیے اخلاق و نیازمندی کے جذبات رکھتے ہیں اور اس کے اوامر کا اتباع اور زواجر سے اجتناب کرتے ہیں، حالانکہ وہ ہمارا رب ہی نہیں، تمہارا بھی ہے اور تمہیں بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو ہم کرتے ہیں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمہارا عمل تمہارے ساتھ، ہمارا عمل ہمارے ساتھ۔ ہم تو اسی کے لیے اخلاق عمل کا اہتمام کرنے والے ہیں۔

(۳) تم کہتے ہو کہ یہ انبیا اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرماتا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ زیادہ علم اللہ کو ہے یا تمہیں؟۔

نہیں۔^(۱)
(۱۳۰)

یہ امت ہے جو گزر چکی، جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تم سارے لئے، تم ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہ کئے جاؤ گے۔^(۲)
(۱۳۱)

تَلُكَ أَنَّهُ قَدْ خَلَقَتْ لَهَا مَا كَيْبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ
وَلَا تُنْعِلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۳)

(۱) تمیں معلوم ہے کہ یہ انبیا یہودی یا عیسائی نہیں تھے، اسی طرح تمہاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نشانیاں بھی موجود ہیں، لیکن تم ان شہادتوں کو لوگوں سے چھپا کر ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔
(۲) اس آیت میں پھر کسب و عمل کی اہمیت بیان فرمایا کہ بزرگوں کی طرف انتساب یا ان پر اعتماد کو بے فائدہ قرار دیا گیا۔
کیوں کہ من بطأبه عمله لم يسع به نسبه (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن)، ”جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا“ مطلب ہے کہ اسلاف کی نیکیوں سے تمیں کوئی فائدہ اور ان کے گناہوں پر تم سے مؤاخذہ نہیں ہو گا، بلکہ ان کے عملوں کی بابت تم سے یا تمہارے عملوں کی بابت ان سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَتَرَدَّرُ وَلَا زَرَّةٌ فَوْزَرَ أُخْرَى﴾ (فاطر - ۱۸) ﴿وَأَنْ لَيْسَ إِلَّا إِنْ كَانَ إِلَامًا سَطْعًا﴾ (انجم - ۳۹) ”کوئی کسی کا بوجہ نہیں اٹھائے گا۔“ ”انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی سعی اس نے کی۔“

عنقریب نادان لوگ کمیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے^(۱) وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔ (۱۳۲)

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے^(۲) تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں، جس قبلہ پر تم پسلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ

سَيَقُولُ الشَّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الْأَكْثَرُ
كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ إِنَّهُ الْمُشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَعْدِي مِنْ يَشَاءُ
إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ^(۳)

وَنَذَلَكَ جَعَلْنَاكُمْ أَمَةً وَسَطَّلَتْكُنُوا شَهَدَةً عَلَى النَّاسِ وَلَيَوْمَ
الرَّسُولُ عَلَيْهِ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا
إِلَانَعْلَمُ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِنْ يَنْقُلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ
وَإِنْ كَانَتِ الْكَبِيرَةُ الْأَعْلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ
لِيُضِيعُ إِنَّمَا أَنْكُلُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَّحِيمٌ^(۴)

(۱) جب آنحضرت ملائیل کے سے بھرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ۱۶۷ء میں تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، درآں حائیکہ آپ ملائیل کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھی جائے جو قبلہ ابراہیم ہے۔ اس کے لیے آپ ملائیل دعا بھی فرماتے اور بار بار آسمان کی طرف نظر بھی اٹھاتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے تحويل قبلہ کا حکم دے دیا، جس پر یہودیوں اور منافقین نے شور مجا دیا، حالانکہ نماز اللہ کی ایک عبادت ہے اور عبادت میں عابد کو جس طرح حکم ہوتا ہے، اس طرح کرنے کا وہ پابند ہوتا ہے، اس لیے جس طرف اللہ نے رخ پھر دیا، اس طرف پھر جانا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں جس اللہ کی عبادت کرنی ہے مشرق، مغرب ساری جستیں اسی کی ہیں، اس لیے جتوں کی کوئی اہمیت نہیں، ہر جدت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس جدت کو اختیار کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہو۔ تحويل قبلہ کا یہ حکم نماز عصر کے وقت آیا اور عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔

(۲) وَسَطْ کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں، لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے، یعنی جس طرح تمہیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا ہے، اسی طرح تمہیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے «لَيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَنَذَلَكُوا شَهَدَةً عَلَى النَّاسِ» (سورہ الحج ۲۸-۲۷) ”رسول تم پر اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔“ اس کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے قیامت والے دن پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کمیں گے ہاں محمد ملائیل اور ان کی امت، چنانچہ یہ امت گواہی دے گی۔ اس لیے اس کا ترجمہ عادل بھی کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) ایک معنی وسط کے اعتدال کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی امت معتدل یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے اعتبار سے ہے کہ اس میں اعتدال ہے، افراط و تفریط نہیں۔

جاتا ہے^(۱) گو یہ کام مشکل ہے، مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا^(۲) اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مریانی کرنے والے ہے۔ (۱۳۳)

ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ کو اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے آپ خوش ہو جائیں، آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور آپ جہاں کہیں ہوں اپنا منہ اسی طرف پھیرا کریں۔ اہل کتاب کو اس بات کے اللہ کی طرف سے برحق ہونے کا قطعی علم ہے^(۳) اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں۔ (۱۳۴)

اور آپ اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دیں لیکن

قُدُّرَى تَقْبِيلَ وَجْهِكَ فِي السَّبَاءِ فَلَنُولِينَكَ قِبْلَهَ تَرْضِيهَا فَوَلَيْ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ وَحَيْثُ مَا نَذَرْتُمْ فَوَلُوا وَجْهَكُمْ
شَطْرَهُ وَلَئِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ وَمِنْ رَبِّهِ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَنِّيْعَمَلُوْنَ ۝

وَلَئِنْ أَيَّتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ إِيَّاهٍ تَأْتِيَعُوا بِقِبْلَتَكَ

(۱) یہ تحویل قبلہ کی ایک غرض بیان کی گئی ہے، مومنین صادقین تو رسول اللہ ﷺ کے اشارہ ابرو کے منتظر رہا کرتے تھے، اس لیے ان کے لیے تواہر سے ادھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا بلکہ ایک مقام پر تو عین نماز کی حالت میں جب کہ وہ رکوع میں تھے یہ حکم پہنچا تو انہوں نے رکوع ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ مسجد قبیین (یعنی وہ مسجد جس میں ایک نمازوں دو قبلوں کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی) کہلاتی ہے اور ایسا ہی واقعہ مسجد قبا میں بھی ہوا۔ لِنَعْلَمَ (تاکہ ہم جان لیں) اللہ کو تو پہلے بھی علم تھا، اس کا مطلب ہے تاکہ ہم اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کر دیں تاکہ لوگوں کے سامنے بھی دونوں قسم کے لوگ واضح ہو جائیں (فتح القدر)

(۲) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازوں پر ہنے کے زمانے میں نوت ہو چکے تھے، یا ہم جتنے عرصے اس طرف رخ کر کے نمازوں پر ہنے رہے ہیں یہ ضائع ہو گئیں، یا شاید ان کا ثواب نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نمازوں ضائع نہیں ہوں گی، تمہیں پورا ثواب ملے گا۔ یہاں نماز کو ایمان سے تعبیر کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان تب ہی معتبر ہے جب نماز اور دیگر احکام اللہ کی پابندی ہو گی۔

(۳)۔ اہل کتاب کے مختلف صحیحوں میں خانہ کعبہ کے قبلہ آخر الانباء ہونے کے واضح اشارات موجود ہیں۔ اس لیے اس کا برحق ہونا نہیں یقینی طور پر معلوم تھا، مگر ان کا نسلی غور و حمد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔

وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے^(۱) اور نہ آپ ان کے قبلے کو مانے والے ہیں^(۲) اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کو مانے والے ہیں^(۳) اور اگر آپ باوجود یہ کہ آپ کے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں تو بالیقین آپ بھی طالموں میں سے ہو جائیں گے۔^(۴) (۲۵)

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔^(۵) (۲۶)

آپ کے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے، خبردار آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔^(۶) (۷) تم ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے^(۷)

وَمَا أَنْتَ بِإِيمَانِ قَبْلَهُ وَمَا يَعْصُمُ إِيمَانُكَ بَعْدَهُ فَلَا يَنْهَاكُ عَنِ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا تَمِّنَ الظَّلَمِيْنَ ۝

الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ لَا يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَلَئِنْ اتَّبَعُتْ أَهْوَاءَهُمْ فَمَنْ بَعْدَ مَا جَاءَكُمْ مِنْ

فِرْيقًا مِنْهُمْ لَيَكُتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

الْحَقُّ مِنْ زَيْنَكَ فَلَا تَأْتُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِّينَ ۝

وَلَكُلُّ قِبْلَةٌ هُوَ مُوْلَيْهَا فَانْسِيْقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا أَنْكُنْتُمْ ۝

(۱) کیوں کہ یہود کی مخالفت توحید و عناد کی بنابر ہے، اس لیے دلائل کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ گویا اثر پذیری کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا دل صاف ہو۔

(۲) کیونکہ آپ ﷺ وحی الہی کے پابند ہیں، جب شک آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ایسا حکم نہ ملے آپ انکے قبلے کو کیوں کراختیار کر سکتے ہیں۔

(۳) یہود کا قبلہ صخرہ بیت المقدس اور عیسائیوں کا بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔ جب اہل کتاب کے یہ دو گروہ بھی ایک قبلے پر متفق نہیں تو مسلمانوں سے کیوں یہ موقع کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ان کی موافقت کریں گے۔

(۴) یہ وعدہ پسلے بھی گزر چکی ہے، مقصد امت کو متینہ کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کے علم کے باوجود اہل بدعت کے پیچھے لگنا، ظلم اور گمراہی ہے۔

(۵) یہاں اہل کتاب کے ایک فرق کو حق کے چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ ان میں ایک فرق عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا بھی تھا جو اپنے صدق و صفائی باطنی کی وجہ سے مشرف ہے اسلام ہوا۔

(۶) پیغمبر ﷺ طرف سے جو بھی حکم اترتا ہے، وہ یقیناً حق ہے، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۷) یعنی ہر مذہب والے نے اپنا پسندیدہ قبلہ بنا رکھا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک مذہب نے اپنا ایک منہاج اور طریقہ بنا رکھا ہے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے: ﴿ إِنَّمَا جَعَلْنَا مِنْكُمُ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَاءَكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أَمَّةً وَاحِدَةً وَلَكُمْ لِيَنْتَهُوكُمْ فِي مَا تَشَاءُونَ ۚ ۝ (المائدۃ۔ ۳۸) یعنی اللہ تعالیٰ

نکیوں کی طرف دوڑو۔ جہاں کیسی بھی تم ہو گے، اللہ تمہیں لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۳۸)

آپ جہاں سے نکلیں اپنا منہ (نمایز کے لئے) مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں، یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔ (۱۳۹)

اور جس جگہ سے آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کمیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو^(۱) تاکہ لوگوں کی کوئی جھٹ تم پر باقی نہ رہ جائے^(۲) سوائے ان لوگوں کے جنوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے^(۳) تم ان سے نہ ڈرو^(۴) مجھے ہی سے ڈرو اور تاکہ

یا اُت پکُّو اللہ جَبِيعاًدَانَ اللہ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑤

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَهْكَ شَطَرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَلَا هُنَّ لِلْحَقِّ مِنْ زَرِيكَ وَمَا اللہ يَعْلَمُ بِمَا تَمَلَّقُونَ ⑥

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَهْكَ شَطَرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ تَأْكُنُتُمْ فَوَلُوا وَجْهَكُمْ شَطَرَةَ لِنَلَّا يُكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ هُنَّ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا يَخْشُوْهُمْ وَإِخْشُوْنِي وَلَا يَرْهُنْ
نَعْمَلُنِي عَنِّيْلَهُ وَلَعَلَّكُمْ تَهْدُونَ ⑦

نے ہدایت اور ضلالت دونوں کی وضاحت کے بعد انسان کو ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کی جو آزادی دی ہے، اس کی وجہ سے مختلف طریقے اور دستور لوگوں نے بنالیے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی راستے یعنی ہدایت کے راستے پر چلا سکتا تھا، لیکن یہ سلب اختیارات کے بغیر ممکن نہ تھا اور اختیار دینے سے مقصود ان کا اتحان ہے۔ اس لیے اے مسلمان! تم تو خیرات کی طرف سبقت کرو، یعنی نیکی اور بھلائی ہی کے راستے پر گامزن رہو اور یہ دھی الہی اور اتباع رسول ﷺ کا راستہ ہے جس سے دیگر اہل ادیان محروم ہیں۔

(۱) قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم تین مرتبہ دہرا یا گیا ہے، یا تو اس کی تاکید اور اہمیت واضح کرنے کے لیے 'یا یہ چوں کہ نئی حکم کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے ذہنی خلجان دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دھرا کر لوں میں راجح کر دیا جائے، یا تعدد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی، وہاں اسے بیان کیا۔ دوسری علت، ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لیے ایک مستقل مرکز کا وجود ہے، وہاں اسے دہرا یا۔ تیسرا، علت مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے، وہاں اسے بیان کیا گیا ہے (فتح القدير)

(۲) یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور نماز یہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے ہیں۔

(۳) یہاں ظَلَمُوا سے مراد معاندین (عناد رکھنے والے) ہیں یعنی اہل کتب میں سے جو معاندین ہیں، وہ یہ جانے کے باوجود کہ پیغمبر آخرا زماں ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہو گا، وہ بطور عناد کمیں گے کہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنانا کریے پیغمبر ﷺ بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہو گیا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

(۴) ظالموں سے نہ ڈرو۔ یعنی مشرکوں کی باتوں کی پرواست کرو۔ انہوں نے کما تھا کہ محمد (ﷺ) نے ہمارا قبلہ تو اختیار

میں اپنی نعمت تم پر پوری کرو اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ۔ (۱۵۰)

جس^(۱) طرح ہم نے تم میں تمیس میں سے رسول بھیجا جو ہماری آئیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمیس پاک کرتا ہے اور تمیس کتاب و حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔ (۱۵۱)

اس لئے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمیس یاد کرو گا، میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔ (۱۵۲)

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو، اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (۱۵۳)

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيهِمْ رُسُولًا يَنذِّلُونَا عَلَيْهِمْ إِنْتَنَا وَيَرْتَأِنَّهُ
وَيَعْلَمُكُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وَيَعْلَمُكُمُ الْأَنْوَافُ لَمْ يَنْذِلْنَا عَلَيْكُمُونَ ۝

فَإِذَا كُرُونَىٰ أَذْكُرُنَّهُ وَأُشْكُرُنَّهُ لَوْلَا كُلُّ كُفُورٍ ۝

لَا يَعْلَمُ الَّذِينَ آمَنُوا سَيِّئُنَّوْا بِالصَّدْرِ وَالصَّلْوَةِ إِنَّ اللَّهَ مَمْ
الصَّرِيبُونَ ۝

کر لیا ہے، عنقریب ہمارا دین بھی اپنالیں گے۔ ”مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔“ جو حکم میں دیتا رہوں، اس پر بلا خوف عمل کرتے رہو۔ تحويل قبلہ کو اتمام نعمت اور ہدایت یافتگی سے تعبیر فرمایا کہ حکم الہی پر عمل کرنا یقیناً انسان کو انعام و اکرام کا مستحق بھی بناتا ہے اور ہدایت کی توفیق بھی اسے نصیب ہوتی ہے۔

(۱) کما (جس طرح) کا تعلق ماقبل کلام سے ہے، یعنی یہ اتمام نعمت اور توفیق ہدایت تمیس اس طرح میں جس طرح اس سے پہلے تمہارے اندر تمیس میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارا تزکیہ کرتا، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور جن کا تمیس علم نہیں، وہ سکھلاتا ہے۔

(۲) پس ان نعمتوں پر تم میرا ذکر اور شکر کرو۔ کفران نعمت مت کرو۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کو یاد کرنا ہے، یعنی اس کی تسبیح، تسلیل اور تکبیر بلند کرو اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا ہے۔ خداداد قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنا، یہ اللہ کی نا شکر گزاری (کفران نعمت) ہے۔ شکر کرنے پر مزید احسانات کی نوید اور ناشکری پر عذاب شدید کی وعدہ ہے۔ ﴿ لَيْنَ شَكَرْتُمْ لَآذِنِنِّي مَكُومَ وَلَيْنَ كَفَرْتُمْ عَذَابَنَ عَذَابَنَ لَشَيْدُدُ ﴾ (ابراهیم۔ ۷)

(۳) انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام و راحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی۔ نعمت میں شکر الہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں“ صحیح مسلم 'كتاب الزهد والرقائق' باب المؤمن أمرہ کلہ خبر حدیث (۲۹۹) صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا، احکام الیہ کے بجالانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انہیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا

اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کرو^(۱) وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے۔ (۱۵۳)

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے بھوک پیاس سے مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔ (۱۵۵)

جنہیں، جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (۱۵۶)

ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (۱۵۷)

صفا اور حromo اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں،^(۳) اس لئے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں^(۴) اپنی خوشی سے بھلائی

وَلَا تَقُولُوا لِمَنِ يُشَقِّلُ فِي سَيِّئِ الْأَمْوَاتِ إِنَّهُمْ بِلِ أَحْيَاهُ وَلَكِنْ
لَا تَشْعُرُونَ^(۵)
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْحَقْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَلَا كُنْسٌ وَالشَّرَاثٌ وَبَيْرَ الظَّيْرِينَ^(۶)

الَّذِينَ إِذَا آصَابَهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لَكُلُّهُ وَإِنَّا إِلَيْهِ
رَجِعُونَ^(۷)

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ نَّحْنُ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهَمَّدُونَ^(۸)

إِنَّ الصَّفَا وَالمرْوَأَ مِنْ شَعَابِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ
فَلَاجُنَاحٌ عَلَيْهِ أَنْ يَتَطَوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَعَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ

ہے۔ اللہ کی پسندیدہ بالوں پر عمل کرنا چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ بالوں سے بچتا چاہے خواہشات ولذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔ (ابن کثیر)

(۱) شدائد کو مردہ نہ کہنا، ان کے اعزاز و تکریم کے لیے ہے۔ یہ زندگی برزخ کی زندگی ہے جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ زندگی علیٰ قدر مراتب انبیاء و موسیٰن، حتیٰ کہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ شہید کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف (یا سینہ) میں جمال چاہتی ہے پھر تی ہے (ابن کثیر، نیز دریکھیہ آل عمران۔ ۱۶۹)

(۲) ان آیات میں صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبریں ہیں۔ حدیث میں نقصان کے وقت «إِنَّ اللَّهَ وَإِنَّ الَّيْهُ وَرَجِعُونَ» کے ساتھ «اللَّهُمَّ أَجْرُنِي فِي مُصِيبَتِي، وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا» پڑھنے کی بھی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند المصيبة، حدیث ۶۱۸)

(۳) شعائر شعیرۃ کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں، یہاں حج کے وہ مناسک (مثلاً موقف، سعی، نحر، ہدی (قریانی) کو اشعار کرنا وغیرہ) مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

(۴) صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنا، حج کا ایک رکن ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ اللَّهُمَّ كَوَّيْهَا کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے

اللَّهُ شَاكِرٌ عَلَيْهِ ⑩

کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جانے والا ہے۔ (۱۵۸)

جو لوگ ہماری آتاری ہوئی دلیلوں اور بہادیت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کرچکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ (۱۵۹)

مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں۔ (۱۶۰)

یقیناً جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (۱۶۱)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْثُرُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْمُدْبِرِيْنَ بَعْدِ
مَا يَتَّهِلُهُ لِلثَّالِثِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُ اللَّهُ
وَيَلْعَنُهُمُ الْعَيْنُونَ ⑪

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَئِكَ أَتُؤْبُ
عَلَيْهِمْ وَأَنَّ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ⑫

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَا تُؤْتُوا وَهُمْ لُكَارٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ
كُفْرُهُمْ وَأَنَّ اللَّهُ وَالنَّبِيَّ وَالثَّالِثُ أَجْمَعِينَ ⑬

فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوس فرماتا: (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطْوِفَ بِهِمَا) (اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں) پھر اس کی شان نزول بیان فرمائی کہ انصار قبول اسلام سے قبل مناہ طاغیہ (بت) کے نام کا تبلیغ پکارتے، جس کی وہ مثل پہاڑی پر عبادت کرتے تھے اور پھر مکہ پہنچ کرایے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انسوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج باب وجوب الصفا والمروة) بعض حضرات نے اس کا پس مظراں طرح بیان فرمایا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت (اساف) اور مروہ پہاڑی پر نائلہ بت رکھا ہوا تھا، جنہیں وہ سعی کے دوران بوسہ دیتے یا چھوتے۔ جب لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو، کیوں کہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور خلش کو دور فرمادیا۔ اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمه مروہ پر ہوتا ہے۔ (ایسر الفتاویں)

(۱)- اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں، انہیں چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: «مَنْ سُنِّلَ عَنِ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ، الْجِمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِلِجَامِ مِنْ نَّا» (ابوداؤد، کتاب العلم باب کراہیۃ منع العلم، وسنن ترمذی حدیث ۶۵) و قال حدیث حسن: «جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کا اس کو علم تھا اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن آگ کی لگام اس کے منہ میں دی جائے گی۔»

(۲)- اس سے معلوم ہوا کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمه کفر ہوا ہے، ان پر لعنت جائز ہے، لیکن ان کے

جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان نیں ڈھیل دی جائے گی۔ (۱۲۲)

تم سب کامعبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برق نہیں^(۱) وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا صبران ہے۔ (۱۲۳)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کثیتوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندوں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر، مردہ زمین کو زندہ کرونا،^(۲) اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلانا دینا، ہواوں کے رخ بدلتا، اور بادل، جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عکندوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔ (۱۲۴)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے

علاوه کسی بھی بڑے سے بڑے گھنگار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ ممکن ہے مرنے سے پہلے اس نے توبہ نصوح کر لی ہو یا اللہ نے اس کے دیگر نیک اعمال کی وجہ سے اس کی غلطیوں پر قلم عفو پھیر دیا ہو۔ جس کا علم ہمیں نہیں ہو سکتا۔ البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے، ان کے مرتعجیں کی بابت کما جا سکتا ہے کہ یہ لعنت والے کام کر رہے ہیں، ان سے اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو یہ بارگاہ الٰہی میں ملعون قرار پا سکتے ہیں۔

(۱) اس آیت میں پھر دعوت توحید دی گئی ہے۔ یہ دعوت توحید مشرکین کہ کے لیے ناقابل فہم تھی، انہوں نے کہا: «أَجَّلَ اللَّهُمَّ إِلَيْهِ أَنْجِنَا إِنَّ هَذَا شَفَاعَى مَحْبُوبٍ» (سورہ ص: ۵) کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنایا یہ تو بڑی عجیب بات ہے!۔ اس لیے اگلی آیت میں اس توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

(۲) یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کے متعلق سات اہم امور کا اس میں سمجھا تذکرہ ہے، جو کسی اور آیت میں نہیں۔

۱۔ آسمان اور زمین کی پیدائش، جن کی وسعت و عظمت محتاج بیان ہی نہیں۔

۲۔ رات اور دن کا کیسے بعد دیگرے آتا، دن کو روشنی اور رات کو اندھیرا کرنا تاکہ کاروبار معاش بھی ہو سکے اور آرام بھی۔ پھر رات کا لباس اور دن کا چھوٹا ہونا اور پھر اس کے بر عکس دن کا لباس اور رات کا چھوٹا ہونا۔

۳۔ سمندر میں کثیتوں اور جمازوں کا چلننا، جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اور نہوں کے حاب سے

خَلِدِينَ فِيهَا لَا يَعْفَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ^(۱۲۵)

فَاللَّهُمَّ إِلَهُ الْإِلَهُ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ^(۱۲۶)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَآخْتِلَافِ الْأَيَّلِ وَالْأَهَارِ
وَالْفَلَكِ الَّتِي تَجْزِي فِي الْبَرِّ بِمَا يَنْتَفِعُ النَّاسُ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
مِنَ السَّمَاءِ مِنْ كَلَّا فَأَحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَعْدَ فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَكَرٍ وَّتَصْرِيفِ الْتَّرِيجِ وَالْتَّحَاجَبِ
الشَّغَرِيْبُونَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا يَلِيهِ الْقَوْمُ يَعْقِلُونَ ^(۱۲۷)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَكْنِي مِنْ دُوْنِ اِنْهَا كَذَبَتْهُوْنَ كَيْفَ

ہونی چاہئے^(۱) اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں^(۲) کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔ (۱۴۵)

جس وقت پیشوں لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے۔ (۱۴۶)

اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُ حُجَّةً لِلَّهِ وَلَوْنَتِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ
يَرُونَ الْعَذَابَ لَكُنَ الْفُؤَادَ يَلْجُؤُهُمْ إِذَا
اللَّهُ شَدِيدُ الْعَذَابِ^(۱)

إِذْ تَبَرَّزُ الَّذِينَ أَتَيْعُوا مِنَ الَّذِينَ أَتَبْعَوْا وَرَأَوْا الْعَذَابَ
وَتَقْطَعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ^(۲)

سامان رزق و آسانش بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔

۳۔ بارش جو زمین کی شادابی و رو سیدگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

۴۔ ہر قسم کے جانوروں کی پیدائش، جو نقل و حمل، محنتی باڑی اور جنگ میں بھی کام میں آتے ہیں اور انسانی خوراک کی بھی ایک بڑی مقدار ان سے پوری ہوتی ہے۔

۵۔ ہر قسم کی ہوائیں مٹھنڈی بھی، گرم بھی، بار آور بھی اور غیر بار آور بھی، شرقی غربی بھی اور شمالی جنوبی بھی۔ انسانی زندگی اور ان کی ضروریات کے مطابق۔

۶۔ بادل جنہیں اللہ تعالیٰ جماں چاہتا ہے، برساتا ہے۔ یہ سارے امور کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ کیا اس تحقیق میں اور اس نظم و تدبیر میں اس کا کوئی شرک ہے؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسروں کو معبدو اور حاجت رو سمجھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

(۱) مذکورہ دلائل و اخنه اور برائیں قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنایتے ہیں اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بعثت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں، بلکہ اسلام کے نام لیواوں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے، انہوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماوی و طلا اور قبلہ حاجات بنارکھا ہے، بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح کھلتا ہے جس طرح مشرکین کہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی، جس کا نقشہ اللہ نے اس آیت میں کھینچا ہے: ﴿وَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَحْدَهُ شَهَادَتُ قُلُوبُ الَّذِينَ لَدُنْهُمْ مُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذَكَرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ لَرَأَهُمْ يَنْتَهِيُونَ﴾ (سورہ الزمر: ۲۵) اور جب تھا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل سکڑ جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ "اشتَاءَتْ دلوں کا تنگ ہونا)

(۲) تاہم اہل ایمان کو مشرکین کے بر عکس اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ مشرکین جب سمندر

اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے، کاش ہم دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا ان کو حضرت دلانے کو یہ ہرگز جنم سے نہ نکلیں گے۔^(۱) (۱۲۷)

لوگوں زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ پر نہ چلو،^(۲) وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۱۲۸)

وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں۔ (۱۲۹)

اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کر دہ

وَقَالَ الَّذِينَ أَكْبَرُوا لَوْلَا أَنَّ لَنَا كَثِيرًا فَنَتَبَذَّلُ مِنْهُمْ كَمَا بَذَلْنَا وَإِنَّا مَكْنَلِيَّا بِهِمُ الَّذِي أَعْمَلُوا هُنَّ حَسَدَتٌ عَلَيْهِمْ
وَنَاهُمْ بِخُبُونِ جَنَّاتِنَا مِنَ النَّارِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُّكُمْ مُتَكَافِئُونَ إِلَّا لِطَبِيعَةِ الْأَرْضِ حَلَّ لِطَبِيعَةٍ وَلَا تَنْهِي عَنِ
خُطُولِ السَّيِّطِينِ ۝ إِنَّهُ لَكُمْ عَذَابٌ قَبِيبٌ ۝

إِنَّمَا يَا مُرْكَمْ بِالشَّوَّهِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَنِ اللَّهِ
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَشْيَعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَاتُلُوا إِلَيْنَاهُ
مَا أَفْيَنَا عَلَيْهِ أَبَاءَنَا ۝ وَلَوْ كَانَ أَبَا فُهْرٌ
لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا ۝ وَلَا يَقْنَدُونَ ۝

وغیرہ میں بچھس جاتے ہیں تو وہاں انہیں اپنے معبدوں بھول جاتے ہیں اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔
﴿فَإِذَا كَبُوْلَنِ الْقَاتِلِ دَعَوْا اللَّهَ مُجْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (العنکبوت - ۱۵) ﴿وَإِذَا أَعْشَيْهِمْ مُؤْمِنِجَالْفَلَلِ دَعَوْاللَهَ مُغْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (لقمان - ۳۲) ﴿وَهُنَّا كُلُّمَا حِجَطْرِمْ دَعَوْاللَهَ مُغْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (یونس - ۲۲) ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین سخت مصیبت میں مدد کے لئے صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں۔

(۱) آخرت میں پیروں اور گدی نشینوں کی بے بسی اور بے وقاری پر مشرکین حضرت کریں گے لیکن وہاں اس حضرت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ کاش دنیا میں ہی وہ شرک سے توبہ کر لیں۔

(۲) یعنی شیطان کے پیچھے لگ کر اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام مت کرو۔ جس طرح مشرکین نے کیا کہ اپنے بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو وہ حرام کر لیتے تھے، جس کی تفصیل سورۃ الانعام میں آئے گی۔ حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا، پس شیطانوں نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، وہ اس نے ان پر حرام کر دیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہ و اہلہہ، باب الصفات الشیءیں کی کہاں جانے والیں اور اہل الجنۃ و اہل السار۔

راہ ہوں۔^(۱) (۱۷۰)

کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چروں ہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) وہ ہرے گونے اور انہے ہیں، انہیں عقل نہیں۔^(۲) (۱۷۱)

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔^(۳) (۱۷۲)

تم پر مردہ اور (بماہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی

وَمِثْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَعَذَلُ الَّذِينَ يَتَنَعَّمُ بِمَا لَا يَمْعَلُ إِلَّا
دُعَاءُهُمْ أَمْدَدٌ صُفْرٌ بَكُلٌّ عُنْيٌ فَهُمْ لَا يَقْعُلُونَ^(۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ أُمُوْرُكُمْ طَبِيعَتِ مَا رَأَيْتُمْ
وَأَشْكُرُوا لِيَهُ إِنْ كُنْتُمْ إِيمَانَهُ تَعْبُدُونَ^(۵)

إِنَّمَا حَرَمَ عَنِكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَكَ
لِفَغْرِ اللَّهِ قَمَنْ أَصْطُرَّهُ غَيْرَ بَاغِ وَلَا عَادِ فَلَا إِنْحِلَّ عَنِيهِ إِنَّ اللَّهَ

(۱) آج بھی اہل بدعت کو سمجھایا جائے کہ ان بدعتات کی دین میں کوئی اصل نہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ رسیں تو ہمارے آباو اجداد سے چلی آ رہی ہیں۔ حالانکہ آباو اجداد بھی دینی بصیرت سے بے بھرہ اور حدایت سے محروم رہ کتے ہیں، اس لیے دلائل شریعت کے مقابلے میں آبابرستی یا اپنے انسے و علمکی اتباع غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دلمل سے نکالے۔

(۲) ان کافروں کی مثال جنہوں نے تقلید آبائیں اپنی عقل و فہم کو معطل کر رکھا ہے، ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چروہا بلتا اور پکارتا ہے وہ جانور آواز تو سنتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اسی طرح یہ مقلدین بھی ہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، انہے ہیں کہ حق کے دیکھنے سے عاجز ہیں اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید و سنت کے سمجھنے سے قادر ہیں۔ یہاں دعا سے قریب کی آواز اور ندا سے دور کی آواز مراد ہے۔

(۳) اس میں اہل ایمان کو ان تمام پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم ہے جو اللہ نے حلال کی ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تاکید ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی حلال کرده چیزیں ہی پاک اور طیب ہیں، حرام کرده اشیا پاک نہیں، چاہے وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب ہوں (جیسے اہل یورپ کو سور کا گوشت بڑا مرغوب ہے) دوسرایہ کہ بتوں کے نام پر منسوب جانوروں اور اشیا کو مشرکین اپنے اوپر جو حرام کر لیتے تھے (جس کی تفصیل سورۃ الانعام میں ہے) مشرکین کا یہ عمل غلط ہے اور اس طرح ایک حلال چیز حرام نہیں ہوتی، تم ان کی طرح ان کو حرام مت کرو (حرام صرف وہی ہیں جس کی تفصیل اس کے بعد والی آیت میں ہے)، تیسرا یہ کہ اگر تم صرف ایک اللہ کے عبادت گزار ہو تو ادائے شکر کا اہتمام کرو۔

(۴) اس آیت میں چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اسے کلمہ حصر (إنما) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے ذہن

عَوْرَتِ حِيمٍ ④

کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا امیران ہے۔ (۱۷۳)
بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اماری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقیناً مانو کہ یہ اپنے بیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ ان میں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۷۴)
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کوہدایت کے بدلتے اور عذاب کو مغفرت کے بدلتے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا عذاب کتنا برداشت کرنے والے ہیں۔ (۱۷۵)

ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھی کتاب

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَسْرُؤُنَ
يَهُ شَهَادَةَ إِلَيْكَ مَا يَا لَكُونَ فِي بُطُونِهِمُ الْأَكَارَ
وَلَا يَكْلِمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُرَدِّكُمُ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑤

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْرَكُوا الصَّلَةَ بِالْمُهْدَىٰ وَالْعَدَابَ
بِالْمُغْفِرَةِ فَهَمَا أَصْبَرُهُمْ عَلَى النَّارِ ⑥

ذَلِكَ يَأْنَى اللَّهُ تَرَزَّلُ الْكِتَابَ بِالْحَقِيقَةِ وَإِنَّ الَّذِينَ

میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چار چیزیں ہیں، جب کہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں حرام ہیں۔ اس لیے اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حرام ایک خاص سیاق میں آیا ہے، یعنی مشرکین کے اس فعل کے ضمن میں کہ وہ حلال جانوروں کو بھی، حرام قرار دے لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں، حرام تو صرف یہ ہیں۔ اس لیے یہ حصر اضافی ہے، یعنی اس کے علاوہ بھی دیگر محظمات ہیں جو یہاں مذکور نہیں۔ دوسرے، حدیث میں دو اصول، جانوروں کی حلت و حرمت کے لیے، بیان کردیے گئے ہیں، وہ آیت کی صحیح تفسیر کے طور پر سامنے رہنے چاہیں۔ درندوں میں ذو ناب (وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذو غلب (جو پنج سے شکار کرے) حرام ہیں۔ تیسرا، جن جانوروں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، مثلاً گدھا، کتا وغیرہ وہ بھی حرام ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلا ہے کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح دین کا مأخذ اور دین میں جھٹکے ہے اور دین دونوں کے ماننے سے مکمل ہوتا ہے، نہ کہ حدیث کو نظر انداز کر کے، صرف قرآن سے۔ مردہ سے مراد ہر وہ حلال جانور ہے، جو بغیر ذبح کیے طبعی طور پر یا کسی حادثے سے (جسکی تفصیل المائدہ میں ہے) مر گیا ہو۔ یا شرعی طریقے کے خلاف اسے ذبح کیا گیا ہو، مثلاً گلا گھوٹ دیا جائے، یا پھر اور لکڑی وغیرہ سے مارا جائے، یا جس طرح آجکل مشینی ذبح کا طریقہ ہے جس میں جھٹکے سے مارا جاتا ہے۔ البتہ حدیث میں دو مردار جانور حلال قرار دیے گئے ہیں۔ ایک مچھلی، دوسری مڈی، وہ اس حکم میت سے مستثنی ہیں۔ خون سے مراد دم مفتوح ہے یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلا اور بہتا ہے۔ گوشت کے ساتھ جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ حلال ہے۔ یہاں بھی دو خون حدیث کی رو سے حلال ہیں: کلپی اور تلی۔ خنزیر یعنی سور کا گوشت، یہ بے غیرتی میں بدترین جانور ہے، اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے وَمَا أَهِلٌ وَهُ جانور یا کوئی اور چیز جسے غیر اللہ کے نام پر پکارا جائے۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔ جیسے مشرکین عرب لات و عزیزی وغیرہ کے ناموں پر ذبح کرتے تھے یا

الْخَتَّافُونَ فِي الْكِتَابِ لِئَلَّا يَشْكُونَ بِعَيْنٍ^{۷۶}

اتاری اور اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور
کے خلاف میں ہیں۔ (۱۷۶)

ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی
نہیں^(۱) بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر،

لَيْسَ الْبَرَّ أَنْ تُؤْتُوا بِعِوْهَمُ قَبْلَ الْمُشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ
وَلَكِنَ الْبَرَّ مَنْ أَمْنَى بِاللَّهِ وَالْيَوْمَ الْآخِرِ وَالْمُلْكَةَ وَالْكِتَابِ

اگ کے نام پر، جیسے جو سی کرتے تھے۔

اور اسی میں وہ جانور بھی آجاتے ہیں جو جاہل مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت و محبت، ان کی خوشنودی و تقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے ڈرتے اور امید رکھتے ہوئے، قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں، یا مجاہرین کو بزرگوں کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں (جیسے بست سے بزرگوں کی قبروں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں مثلاً "داتا" صاحب کی نیاز کے لیے بکرے یا مل جمع کرائے جائیں)، ان جانوروں کو، چاہے ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یہ حرام ہی ہوں گے۔ کیوں کہ اس سے مقصود، رضائے الہی نہیں، رضائے اہل قبور اور تعظیم لغير اللہ، یا خوف یا رجاء من غیر اللہ (غیر اللہ سے مافق الأسباب طریقے سے ڈریا امید) ہے، جو شرک ہے۔ اسی طریقے سے جانوروں کے علاوہ جو اشیا بھی غیر اللہ کے نام پر نذر نیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی، حرام ہوں گی، جیسے قبروں پر لے جا کریا وہاں سے خرید کر، قبور کے ارد گرد فقراء و مساکین پر دیگوں اور لئکروں کی، یا مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم، یا وہاں صندوقی میں نذر نیاز کے پیے ڈالنا، یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ پہنچانا، یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں، کیوں کہ یہ سب غیر اللہ کی نذر نیاز کی صورت ہیں اور نذر بھی۔ نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی طرح، ایک عبادت ہے، اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے: «أَمْلَعُونَ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ». (صحیح الجامع الصفیر وزیادته البانی-ج ۲ ص ۳۰۲۲) جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا، وہ ملعون ہے۔

تفیر عزیزی میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری ہے: «أَجَمَعَ الْعُلَمَاءُ لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحةً، يُرِيدُ بِذَبِيحةِ
النَّقْرَبِ إِلَى غَيْرِ اللَّهِ، صَارَ مُرْتَدًا وَذَبِيحةً مُرْتَدًا» — (تفسیر عزیزی ص ۲۱۱ بحوالہ اشرف الحواشی) (علماء اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہو گا۔

(۱) یہ آیت قبلے کے ضمن میں ہی نازل ہوئی۔ ایک تو یہودی اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مغربی حصہ ہے) اور نصاری اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مشرقی حصہ ہے) بڑی اہمیت دے رہے تھے اور اس پر فخر کر رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے تحويل قبلہ پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے، جس سے بعض مسلمان بھی بعض دفعہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال و اخلاق کو اپناتا ہے جس کی تاکید اس نے فرمائی ہے۔ پھر آگے ان عقائد و اعمال کا بیان ہے۔ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اسے

قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، قیمتوں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، تسلیم کرے، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی چے لوگ ہیں اور یہی پر ہیز گار ہیں۔ (۱۷۷)

اے ایمان والوں تم پر مقتولوں کا تقاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدے، غلام غلام کے بدے، عورت عورت کے بدے۔ ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی

وَالثَّئِيْنَ وَأَنَّ الْهَالَ عَلَى حُبِّهِ ذُوِّيِّ الْقُرْبَى وَالسَّعْدِيِّينَ
وَالسَّكِيْنِ وَأَبْنَى التَّيْمِيلَ وَالشَّاهِدِيْنَ وَفِيِ الرِّيقَابِ
وَأَقَامَ الْقَسْلَوَةَ وَأَنَّ الزَّكُوَّةَ وَالْمُؤْفَقَنَ يَعْهِدُهُمْ إِذَا
عَهْدُهُمْ وَالظَّيْرِيْنَ فِي الْبَاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَجِينَ
الْبَارِسُ أَوْلَيْكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَأَوْلَيْكَ هُمُ الْمُعْتَقُونَ ④

يَا أَيُّهُمُ الَّذِيْنَ أَمْنَوْا لِيْبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرُّ
يَا لِلْخُرُّ وَالْعَبْدُ يَا لِلْعَبْدِ وَالْأَنْثِي يَا لِلْأَنْثِي مَنْ عُنِيَ لَهُ مِنْ أَجِيمٍ

اپنی ذات و صفات میں کیتا، تمام عیوب سے پاک و منزہ اور قرآن و حدیث میں بیان کردہ تمام صفات باری کو بغیر کسی تاویل یا تعطیل یا تکمیل کے تسلیم کیا جائے۔ آخرت کے روز جزا ہونے، حشر شر اور جنت و دوزخ پر یقین رکھا جائے۔ ان ایمانیات کے ساتھ ان اعمال کو اپنایا جائے جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔ علیٰ حُبَّہ میں (۵) ضمیر مال کی طرف راجع ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے۔ البَاسَاءِ سے غُر و سُتی اور شدت فقر الضَّرَّاءِ سے نقصان یا بیماری اور الْبَأْسِ سے لڑائی اور اس کی شدت مراد ہے۔ ان تینوں حالتوں میں صبر کرنا، یعنی احکامات الیہ سے سرموا نحراف نہ کرنا نہایت کٹھن ہوتا ہے اس لیے ان حالتوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔

(۱) زمانہ جامیت میں کوئی نظم اور قانون تو تھا نہیں، اس لیے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے، ظلم و جور کا ارتکاب کر لیتے۔ ایک ظلم کی شکل یہ تھی کہ کسی طاقت ور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہو جاتا توہ صرف قاتل کو قتل کرنے کے بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو، بلکہ بسا اوقات پورے قبیلے ہی کو تسمیس کرنے کی کوشش کرتے اور عورت کے بدے مرد کو اور غلام کے بدے آزاد کو قتل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق و امتیاز کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو قاتل ہو گا، قصاص (بدے) میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔ قاتل آزاد ہے تو بدے میں وہی آزاد، غلام ہے تو بدے میں وہی غلام اور عورت ہے تو بدے میں وہی عورت ہی قتل کی جائے گی، نہ کہ غلام کی جگہ آزاد اور عورت کی جگہ مرد، یا ایک مرد کے بدے میں متعدد مرد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اگر عورت کو قتل کر دے تو قصاص میں کوئی عورت قتل کی جائے گی، یا عورت مرد کو قتل کر دے تو کسی مرد کو قتل کیا جائے گا (جیسا کہ ظاہری الفاظ سے مفہوم نکلتا ہے) بلکہ یہ الفاظ شان نزول کے اعتبار سے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا، چاہے مرد ہو

طرف سے کچھ معاف دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے۔^(۱) تمارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے^(۲) اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دروناک عذاب ہو گا۔^(۳) (۱۷۸)

عقلندو! قصاص میں تمارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے^(۴) (۱۷۹)

تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے

شَفِيْقٌ اَيْمَانُ الْمَعْرُوفِ وَآذَانُ الْنَّاسِ يَا حَسَنَيْنِ ذَلِكَ تَغْفِيْتُ تِنْ
تَبَلُّو وَرَحْمَةٌ فَإِنْ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۵)

وَلَكُمْ فِي الْقَصَاصِ حَيْوًا يَأْوِي إِلَيْهِمْ

عَلَّاقَلُو تَسْقُونَ^(۶)

لِتَبْعَثَ عَلَيْكُمْ اَذًانَ حَضْرَاحَدَلُّ الْمَوْتِ إِنْ تَرَكُ خَدِرًا لِوَمَيْتَهُ^(۷)

یا عورت، طاقتور ہو یا کمزور۔ «الْمُسْلِمُونَ تَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ»۔ الحدیث (سنن أبي داود، کتاب الجهاد، باب فی السریہ، ترد علی اهل العسکر) "تمام مسلمانوں کے خون (مرد ہو یا عورت) برابر ہیں۔" گویا آیت کا وہی مفہوم ہے جو قرآن کریم کی دوسری آیت ﴿الْتَّفَسْ يَا التَّفَسِ﴾ (المائدۃ، ۲۵) کا ہے۔ اختلاف نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن جمصور علماء اس کے قائل نہیں، کیوں کہ حدیث میں وضاحت ہے: «لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ» (صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب لا یقتل المسلم بالكافر)، "مسلمان" کافر کے بدے قتل نہیں کیا جائے گا" (فتح القدیر) مزید مکھیے آیت ۲۵، سورۃ المائدۃ۔

(۱)- معافی کی دو صورتیں ہیں: ایک بغیر معاوضہ مالی یعنی دیت لیے بغیر ہی محض رضاۓ اللہ کے لیے معاف کر دنا، دوسری صورت، قصاص کی بجائے دیت قبول کر لینا، اگر یہ دوسری صورت اختیار کی جائے تو کہا جا رہا ہے کہ طالب دیت بھلائی کا اتباع کرے۔ ﴿وَآذَانُ الْنَّاسِ يَا حَسَنَيْنِ﴾ میں قاتل کو کہا جا رہا ہے کہ بغیر شک کیے اپنے طریقے سے دیت کی ادائیگی کرے۔ اولیائے مقتول نے اس کی جان بخشی کر کے اس پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دے۔ ﴿فَهُنَّ

جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن)

(۲)- یہ تخفیف اور رحمت (یعنی قصاص، معافی یا دیت تین صورتیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تم پر ہوتی ہے ورنہ اس سے قبل اہل تورات کے لیے قصاص یا معافی تھی، دیت نہیں تھی اور اہل انجلیل (عیسائیوں) میں صرف معافی ہی تھی، قصاص تھا نہ دیت۔ (ابن کثیر)

(۳)- قبول دیت یا اخذ دیت کے بعد قتل بھی کر دے تو یہ سرکشی اور زیادتی ہے جس کی سزا اسے دنیا و آخرت میں بھکتنی ہو گی۔

(۴)- جب قاتل کو یہ خوف ہو گا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں ہو گی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے، وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل و خوزیزی سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جا سکتا ہے

لِلْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقَّا عَلَى الْمُتَقْبِلِينَ ﴿١٠﴾

گے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے،^(۱)

پہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔ (۱۸۰)

اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہو گا، واقعی اللہ تعالیٰ سننے والا جانے والا ہے۔ (۱۸۱)

ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے^(۲) پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کر دے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا امریکا ہے۔ (۱۸۲)

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو^(۳) (۱۸۳)

فَمَنْ بَذَكَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا أُنْهَى عَنِ الْأَذِنِ
يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِ ﴿١١﴾

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُؤْمِنٍ جَنَّفَاهُ إِنَّمَا فَاصْلَحَهُ بَدِيقَةً
فَلَا إِنْهَى عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ امْتَوْأَكُبَّ عَلَيْكُمُ الْقِيَامُ كَمَا كُبِّ
عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ ﴿١٣﴾

جمالت اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات الحمد للہ موجود ہیں۔ کاش دوسرے اسلامی ممالک بھی اسلامی حدود کا نفاذ کر کے اپنے عوام کو یہ پر سکون زندگی میا کر سکیں۔

(۱) وصیت کرنے کا یہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا۔ اب یہ منسوخ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے «إِنَّ اللَّهَ فَذَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ» (آخر جه السنن۔ بحوالہ ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (یعنی ورثا کے حصے مقرر کر دیے ہیں) پس اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔ البتہ اب ایسے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں، یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لیے کی جاسکتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد ثلث (ایک تماں) مال ہے، اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔

(صحیح بخاری، کتاب الفرائض باب میراث البنات)

(۲) جَنَّفَا (ماکل ہونا) کا مطلب ہے غلطی یا بھول سے کسی ایک رشتہ دار کی طرف زیادہ ماکل ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرے اور اِنْهَا سے مراد ہے جان بوجہ کرایا کرے (ایسرا الفتاویٰ) اِنْهَا سے مراد گناہ کی وصیت ہے جس کا بدنا اور اس پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں عدل و انصاف کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ دنیا سے جاتے جاتے بھی ظلم کا رتکاب، اس کے اخروی نجات کے نقطہ نظر سے خت خطرناک ہے۔

(۳) صِيَام، صَوْم (روزہ) کا مصدر ہے جس کے شرعی معنی ہیں، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور یوں سے ہم بستی کرنے سے اللہ کی رضا کے لیے، رکے رہنا، یہ عبادت چوں کر نفس کی طمارت اور ترکیہ کے لیے

گفتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گفتی کو پورا ^(۱) کر لے اور اس کی طاقت رکھنے والے ^(۲) فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں، پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے ^(۳) لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو۔ (۱۸۳)

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ^(۴) جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و

إِنَّمَا تَعْدُو دُّنْيَاً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَرِنَصًا أَوْ عَلَى سَبَرِ
فَعِدَّهَا إِنَّمَا تَأْخِرُهُ دَوْعَةٌ لِّلَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ
طَعَامٌ مُّسِكِنٌ فَمَنْ تَطَّعَ حَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَنَّ
تَصُومُوا حَيْرًا لَّكُمْ إِنْ لَّدُنْهُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۶۰﴾

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلْعَالَمِينَ
وَبِيَتْنَا تِبَانَ الْهُدُى وَالْفُرْقَانِ تَمَّ شَهِدًا مِّنْكُمْ

بہت اہم ہے، اس لیے اسے تم سے پہلی اموتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور تقویٰ انسان کے اخلاق و کردار کے سوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

(۱)- یہ بیمار اور مسافر کو رخصت دے دی گئی ہے کہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان المبارک میں جتنے روزے نہ رکھ سکے ہوں، وہ بعد میں رکھ کر گفتی پوری کر لیں۔

(۲) يُطِيقُونَهُ كَاتِرْجَهْ بَنَجَشْمُونَهُ ”نَمَائِيْتْ مَشْقَتْ سَرْ رُوزَهْ رَكَهْ سَكِينْ“ کیا گیا ہے (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، امام بخاری نے بھی اسے پسند کیا ہے) یعنی جو شخص زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری کی وجہ سے جس سے شفایا بیلی کی امید نہ ہو، روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے، وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے دے، لیکن جسمور مفسرین نے اس کا ترجمہ ”طاقت رکھتے ہیں“ ہی کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزے کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے طاقت رکھنے والوں کو بھی رخصت دے دی گئی تھی کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو اس کے بد لے ایک مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔ لیکن بعد میں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلِيَصْنَعْهُ﴾ کے ذریعے اسے منسوخ کر کے ہر صاحب طاقت کے لیے روزہ فرض کر دیا گیا، تاہم زیادہ بوڑھے، داعی مریض کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیں اور حاصلہ (حمل والی) اور مُزِّصَعَةً (دووہ پلانے والی) عورتیں اگر مشقت محسوس کریں تو وہ مریض کے حکم میں ہوں گی یعنی وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزے کی قضاہیں (تحفۃ الأحوذی شرح ترمذی)

(۳) جو خوشی سے ایک مسکین کی بجائے دویا تین مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

(۴) رمضان میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل ہو گیا بلکہ یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بیت العِزَّہ میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسب حالات ۲۳ سالوں تک اترتا رہا۔ (ابن کثیر) اس لئے یہ کہنا کہ قرآن رمضان میں، یا لیلۃ القدر، یا لیلۃ مبارکہ میں اترتا۔ یہ سب صحیح ہے کیوں کہ لوح محفوظ سے تو رمضان میں ہی اترتا ہے اور لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ یہ ایک ہی رات ہے یعنی قدر کی رات، جو رمضان میں ہی آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور پہلی

باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس
سمینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہئے، ہاں جو بیمار ہو یا
مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی
چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے،
ختنی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ
تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور
اس کا شکر کرو۔ (۱۸۵)

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال
کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر
پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول
کرتا ہوں^(۱) اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری
بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی

الشَّهْرُ قَلِيلٌ مِّنْ كَانَ مَرْيَضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعَدَهُ
فَنْ أَكَلَمْ أَخْرَى يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُرِيدَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُذَّرَ
وَلِيُتَمِيلُ الْعِدَّةَ وَلِيُتَغَيِّرُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَاهِدِكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشَكُّرُونَ ۝

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادٌنِي عَنِّي قَالَنِي قَرِيبٌ إِجِيدُ دَعْوَةَ
الْدَّاعِ إِذَا دَعَنِي قَلِيلٌ حِيجِيُّوْلِي وَلِيُؤْمِنُوا بِنَعْلَمُهُ
بَيْسِدُوْنَ ۝

وہی، جو غار حرام میں آئی، وہ رمضان میں آئی۔ اس اعتبار سے قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں نہایت گرا تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اس ماہ مبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی آپ ﷺ نے رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا رمضان کی تین راتوں (۲۳، ۲۴، ۲۵) اور ۷ (۲) میں آپ ﷺ نے صحابہؓ کو باجماعت قیام اللیل بھی کرایا، جس کو اب تراویح کہا جاتا ہے (صحیح ترمذی و صحیح ابن ماجہ، البالی) یہ تراویح آخر رکعت مع وتر گیارہ رکعات تھیں جس کی صراحة حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (جو قیام اللیل مروی وغیرہ میں ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت (صحیح بخاری) میں موجود ہے۔ نبی ﷺ کا ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ چونکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا ثابت ہے اس وجہ سے محض نفل کی نیت سے میں رکعتیں یا اس سے کم یا زیادہ پڑھی جا سکتی ہیں۔

(۱) رمضان المبارک کے احکام و مسائل کے درمیان دعا کا مسئلہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ رمضان میں دعا کی بھی بڑی فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً افطاری کے وقت کو قبولیت دعا کا خاص وقت بتایا گیا ہے (مسند احمد، ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،بحوالہ ابن کثیر) تاہم قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان آداب و شرائط کو ملاحظہ رکھا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو یہاں بیان کیے گئے ہیں: ایک اللہ پر صحیح معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت و فرمانبرداری۔ اسی طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع و خضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

بھلائی کا باعث ہے۔ (۱۸۶)

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمارے لئے حلال کیا گیا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو، تمہاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائے درگزر فرمایا، اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے، تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاکہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔^(۱) پھر رات تک روزے کو پورا کرو^(۲) اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔^(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں۔ (۱۸۷)

أَحْلَكُمْ أَئِلَّةَ الْقِيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَاءِكُمْ هُنَّ
لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْثُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عِلْمَ اللَّهِ أَنَّكُمْ لَكُنُّ
عَنْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ قَنَابٌ عَلَيْكُمْ وَعَفَاعَتْكُمْ فَإِذَا
بَأْشِرُوكُنَّ وَابْتَغُوا مَا لَكُبَّ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرُبُوا حَلِيلٌ
يَكْبَيْنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَيْضُ مِنَ الْغَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْجَبَرِ
ثُمَّ أَتَتُو الْقِيَامَ إِلَى الظَّلَلِ وَلَا تَبَأْشِرُوكُنَّ وَأَنْتُمْ
عَكْفُونَ فِي الْمَسْجِدِ يُتْلَكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُو هَذَهِ
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ أَيْتِهِ لِلْمَلَائِكَةِ لَعَلَّهُمْ يَتَقَوَّنُ^(۴)

(۱)- ابتدائے اسلام میں ایک حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشا کی نماز یا سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہریات ہے یہ پابندی سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں پابندیاں اٹھالیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ الرَّفَثُ سے مراد بیوی سے ہم بستی کرنا ہے الْخَيْطُ الْأَيْضُ سے صبح صادق، اور الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ (سیاہ دھاری) سے مراد رات ہے (ابن کثیر)

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں روزہ رکھا جاسکتا ہے، کیوں کہ مجھ تک اللہ تعالیٰ نے مذکورہ امور کی اجازت دی ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

(۲)- یعنی رات ہوتے ہی (غروب شمس کے فوراً بعد) روزہ افطار کرو۔ تاخیر مت کرو، جیسا کہ حدیث میں بھی روزہ جلد افطار کرنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ دوسرا یہ کہ وصال مت کرو۔ وصال کا مطلب ہے ایک روزہ افطار کیے بغیر دوسرے روزہ رکھ لینا۔ اس سے نبی ﷺ نے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے۔ (كتب حدیث)

(۳)- اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت اور بوس و کنار کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ ملاقات اور بات چیت جائز ہے۔ ﴿عَكْفُونَ فِي الْمَسْجِدِ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات نے بھی مسجد میں اعتکاف کیا ہے۔ اس لیے عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھنا صحیح نہیں۔ البتہ مسجد میں ان کے لیے ہر چیز کا مردوں سے الگ انتظام کرنا ضروری ہے، تاکہ مردوں سے کسی طرح کا اخلاط نہ ہو، جب

اور ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔^(۱) (۱۸۸)

لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقت اور حج کے موسم کے لئے ہے (حرام کی حالت میں) اور گھروں کے پیچھے سے تھمارا آنا کچھ نیکی نہیں، بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متqi ہو۔ اور گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو^(۲)

اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۱۸۹)
لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو،^(۳) اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ (۱۹۰)

وَلَا تَأْكِلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْتَهُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَدْلُوْا بِهَا
إِلَى الْحُكَمَاءِ لَتَأْكِلُوا فِرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْأَنْجَوْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ^(۴)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَكْلِهِ قُلْ هُنَّ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ
وَالْحَجَّةِ وَلَيْسَ الْبَرُّ يَأْنَ ثَائُو الْبُرُّوْتَ مِنْ
ظَهُورِهَا وَلَكِنَ الْبَرُّ مَنْ أَئْتَهُ وَأَنْتُو الْبُرُّوْتَ
مِنْ أَبْوَابِهَا وَأَنْتُو اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ^(۵)

وَقَاتُلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَرْبَطُونَكُمْ
وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ^(۶)

تک مسجد میں معقول، محفوظ اور مردوں سے بالکل الگ انتظام نہ ہو، عورتوں کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے اور عورتوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک نفلی عبادت ہی ہے، جب تک پوری طرح تحفظ نہ ہو، اس نفلی عبادت سے گریز بہتر ہے۔ فتنہ کا اصول ہے: (دَرْءُ الْمَفَاسِدِ يَقْدُمُ عَلَى جَلْبِ الْمَصَالِحِ)۔ (مصالح کے حصول کے مقابلے میں مفاسد سے پچھا اور ان کو تاثراً زیادہ ضروری ہے)

(۱)- ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو، لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو، اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے اور اس طرح دوسرے کا حق غصب کر لے۔ یہ ظلم ہے اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کر سکتا۔ یہ ظالم عند اللہ مجرم ہو گا۔ (ابن کثیر)

(۲)- انصار اور دوسرے عرب جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کا حرام باندھ لیتے اور پھر کسی خاص ضرورت کے لیے گھر آنے کی ضرورت پڑ جاتی تو دروازے سے آنے کی بجائے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر اندر آتے، اس کو وہ نیکی سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے (ایسا تفاسیر)

(۳) اس آیت میں پہلی مرتبہ ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں سے آمادہ قتال رہتے تھے۔ تاہم زیادتی سے منع فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مثلہ مت کرو، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو جن کا جنگ میں حصہ نہ ہو، اسی طرح درخت وغیرہ جلا دئنا، یا جانوروں کو بغیر مصلحت کے مار ڈالنا بھی زیادتی ہے، جن سے بچا جائے۔ (ابن کثیر)

انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمیس نکلا ہے اور (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے^(۱) اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو^(۲) کافروں کا بدلہ یہی ہے۔ (۱۹۱)

اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا امریان ہے۔ (۱۹۲)
ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ مث جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آ جائے، اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔ (۱۹۳)

حرمت والے میں منے حرمت والے مینوں کے بد لے ہیں اور حرمتیں ادلے بد لے کی ہیں^(۳) جو تم پر زیادتی کرے

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَفْقِهُمْ وَآخِرُ جُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَسْدُّ مِنَ الْفَتْنَىٰ وَلَا تُقْتَلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقْتَلُوكُمْ فِيهَا فَإِنْ مُتَلَوِّكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ بَعْدَ إِلَّا كَمْ جَرَأَ الْكُفَّارُ إِنَّ

فَإِنْ اتَّهَمُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۴)
وَقْتُلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا يَكُونُ فِتْنَةٌ وَّلَا يَكُونُ الدِّينُ بِلَوْ فَإِنْ اتَّهَمُوا فَلَا عُذْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ^(۵)

أَشْهُرُ الْحَرَامِ يَا الشَّهْرُ الْحَرَامِ وَالْعُرْمَتُ قِصَاصُهُمْ

(۱)- کہ میں مسلمان چوں کہ کمزور اور منتشر تھے، اس لیے کفار سے قتال منوع تھا، بحربت کے بعد مسلمانوں کی ساری قوت مدینہ میں مجتمع ہو گئی تو پھر ان کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ ابتداء میں آپ صرف انہی سے لڑتے جو مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کرتے، اس کے بعد اس میں مزید توسعی کر دی گئی اور مسلمانوں نے حسب ضرورت کفار کے علاقوں میں بھی جا کر جہاد کیا۔ قرآن کریم نے آغیتاء (زیادتی کرنے) سے منع فرمایا، اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے شکر کو تاکید فرماتے کہ خیانت، بد عملی اور مثله نہ کرنا، نہ بچوں، عورتوں اور گرجوں میں معروف عبادت درویشوں کو قتل کرنا۔ اسی طرح درختوں کے جلانے اور حیوانات کو بغیر کسی مصلحت کے مارنے سے بھی منع فرماتے (ابن کثیر۔ بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ) «حَيْثُ تَفْقِهُمْ» (جهاں بھی پاؤ) کا مطلب ہے تمکنتم مِنْ فِتَالِهِمْ ان کو قتل کرنے کی قدرت تمیس حاصل ہو جائے (ایسر التفاسیر) «وَقَوْنَ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ» یعنی جس طرح کفار نے تمیس کہ سے نکالا تھا، اسی طرح تم بھی ان کو کہ سے نکال باہر کرو۔ چنانچہ فتح کہ کے بعد جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے انہیں مدت معابده ختم ہونے کے بعد وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ فتنہ سے مراد، کفر و شرک ہے۔ یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

(۲)- حدود حرم میں قتال منع ہے، لیکن اگر کفار اس کی حرمت کو محوظ نہ رکھیں اور تم سے لڑیں تو تمیس بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔

(۳) ۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابہ رض کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے گئے تھے، لیکن کفار کہ نے انہیں کہ نہیں جانے دیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ سال مسلمان تین دن کے لیے عمرہ کرنے کی غرض سے کہ آسکیں گے۔ یہ

تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ (۱۹۳)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو^(۱) اور سلوک و احسان کرو، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۱۹۵)

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو،^(۲) ہاں اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، اسے کرڈا لو^(۳) اور اپنے سر نہ منڈوا اور جب تک کہ قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے^(۴) البتہ تم میں سے جو بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سرمنڈا لے) تو اس

اعْتَدْتِي عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُ وَاعْلَمُ بِمَا يُوَثِّلُ مَا اعْتَدْتِي عَنْكُمْ
وَأَنْقُو اللَّهُ وَاعْلَمُ بِأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ^(۵)

وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُنْقُوا يَارَبِّكُمْ إِلَيْكُمْ
وَأَحِسْنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ^(۶)

وَاتَّهُوا الْحَجَّ وَالْعُمرَةَ يَلْهُو فَإِنْ أَحْمَرْتُمْ فَذَلِكَ أَسْتَيْسِرَ
مِنَ الْهَدَى وَلَا حَلْقُوا وَرَسْكُمْ حَلْقَى يَبْلُغُ الْمَدْيُ مَحْلَهُ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ فَرِيضاً أَوْ يَمْأُوذَى مِنْ رَأْسِهِ فَفَدَيْهُ
فَمَنْ صَيَّامَ أَوْ صَدَقَةً أَوْ نُسُكَ فَإِذَا آتَيْتُمْ فَمَنْ تَنْهَى

مہینہ تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب دوسرے سال مسلمان حسب معاهده اسی مہینے میں عمرہ کرنے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی اگر کفار مکہ اس مہینے کی حرمت پاہل کر کے (گزشتہ سال کی طرح) تمہیں کسے میں جانے سے روکیں تو تم بھی اس کی حرمت کو نظر انداز کر کے ان سے بھر پور مقابلہ کرو۔ حرمتوں کو ملحوظ رکھنے میں بدله ہے، یعنی وہ حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی رکھو، بصورت دیگر تم بھی حرمت کو نظر انداز کر کے کفار کو عبرت ناک سبق سکھاؤ (ابن کثیر)

(۱) اس سے بعض لوگوں نے ترک اتفاق، بعض نے ترک جہاد اور بعض نے گناہ پر گناہ کیے جانا مراد لیا ہے۔ اور یہ ساری ہی صورتیں ہلاکت کی ہیں، جہاد چھوڑ دو گے، یا جہاد میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرو گے تو یقیناً وہ من قوی ہو گا اور تم کمزور۔ نتیجہ بتاہی ہے۔

(۲) یعنی حج یا عمرے کا حرام باندھ لو تو پھر اس کا پورا کرنا ضروری ہے، چاہے نفلی حج و عمرہ ہو۔ (ایسرا الفاسیر)

(۳) اگر راستے میں دشمن یا شدید بیماری کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے تو ایک جانور (ہدی)۔ ایک بکری اور گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ جو بھی میسر ہو، وہیں ذبح کر کے سرمنڈا لو اور حلال ہو جاؤ، جیسے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رض نے وہیں حدیبیہ میں قربانیاں ذبح کی تھیں اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے (فتح القدیر) اور آئندہ سال اس کی قضاو جیسے نبی ﷺ نے ۶ ہجری والے عمرے کی قضاۓ ہجری میں دی۔

(۴)- اس کا عطف وَاتَّهُوا الْحَجَّ پر ہے اور اس کا تعلق حالت امن سے ہے، یعنی امن کی حالت میں اس وقت تک سر نہ منڈا (حرام کھول کر حلال نہ ہو) جب تک تمام مناسک حج پورے نہ کرو۔

پر فدیہ ہے، 'خواہ روزے رکھ لے'، خواہ صدقہ دے دے، 'خواہ قربانی کرے'^(۱) پس جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرے سے لے کر حج تمتع کرے، پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کروائے، جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے توحیج کے دنوں میں رکھ لے اور سات و اپسی میں،^(۲) یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں،^(۳) لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت

عذاب والا ہے۔ (۱۹۶)

حج کے میں مقرر ہیں^(۴) اس لئے جو شخص ان میں حج

بِالْعُمَرَةِ إِلَى الْحَجَّ فَمَا أَسْتَهِنَّ مَنْ لَمْ يَجِدْ
فَصَيَّامُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجَّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْكُمْ عَشَرَةً
كَامِلَةً ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي السَّجْدَةِ الْحَرَامَ
وَأَتَقْوُ اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَيِّدَ الْعَطَابَ

الْحَجَّ أَشْهُرٌ مَعْلُومٌ فَمَنْ قَرَضَ فِيمَنْ حَجَّ فَلَارَفَعَ

(۱)- یعنی اس کو ایسی تکلیف ہو جائے کہ سر کے بال منڈانے پڑ جائیں تو اس کا فدیہ ضروری ہے۔ حدیث کی رو سے ایسا شخص ۶ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، یا ایک بکری ذبح کر دے، یا تین دن کے روزے رکھے۔ روزوں کے علاوہ پہلے دو فدیوں کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کھانا اور خون کمہ میں ہی دے، بعض کہتے ہیں کہ روزوں کی طرح اس کے لیے بھی کوئی خاص جگہ معین نہیں ہے۔ امام شوکانی نے اسی رائے کی تائید کی ہے (فتح القدیر)

(۲) حج کی تین قسمیں ہیں ڈافر اد۔ صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا۔ قرآن^۱ حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھنا۔ ان دونوں صورتوں میں تمام مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کو لانا جائز نہیں ہے۔ حج ٹمشیع۔ اس میں بھی حج و عمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے، لیکن پہلے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ کر کے پھر احرام کھول دیا جاتا ہے اور پھر ۸ زوال الحجہ کو حج کے لیے مکہ سے ہی دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے، تمتع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ گویا درمیان میں احرام کھول کر فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ حج قرآن اور حج تمتع دونوں میں ایک ہدی (یعنی ایک بکری یا پھر اونٹ یا گائے کے ساتوں حصے) کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس آیت میں اسی حج تمتع کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ متنع حسب طاقت ۱۰ زوال الحجہ کو ایک جانور کی قربانی دے، اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے گھر جا کر رکھے۔ ایام حج، جن میں روزے رکھنے ہیں، ۹ ذی الحجہ (یوم عرفات) سے پہلے، یا پھر ایام تشریق ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی تمتع اور اس کی وجہ سے ہدی یا روزے صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، مراد اس سے حدود حرم میں یا اتنی مسافت پر رہنے والے ہیں کہ ان کے سفر پر قصر کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر)

(۴)- اور یہ ہیں شوال، زوال القعدہ اور زوال الحجہ کے پہلے دس دن۔ مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال میں ہر وقت جائز ہے، لیکن حج صرف مخصوص دونوں میں ہی ہوتا ہے، اس لیے اس کا احرام حج کے علاوہ باندھنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر)

لازم کر لے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھکڑے کرنے سے بچتا رہے،^(۱) تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر تو شہ اللہ تعالیٰ کا ذرور ہے^(۲) اور اے عقائد و امتحانے سے ڈرتے رہا کرو۔^(۳) (۱۹)

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں^(۴) جب تم عرفات سے لوٹو تو مشرح رام کے پاس ذکر الہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے

وَلَا فُوقَ وَلَا حِدَالَ فِي الْحَجَّةِ وَمَا تَفَلَّوْا مِنْ حَيْثُ يَعْلَمُهُ
إِنَّهُ وَتَرَدُّدُوا فَإِنَّ حَيْثُ الرَّادُ التَّقْوَىٰ
وَأَنَّقُونَ يَأْوِي إِلَيْهِ الْأَلْبَابُ^(۵)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ
فَإِذَا أَفْضَلْتُمْ مِنْ عَرَفَتْ فَإِذَا ذَكَرُوا اللَّهَ عِثْدًا
الْمُشْعَرُ الْحَرَامُ وَإِذَا كُرُوْهُ كَمَا هَذِهِكُمْ وَإِنْ
كُنْتُمْ قَبْلَهُ لَيْمَنَ الصَّالِيْنَ^(۶)

مسئلہ: حج قرآن یا افراد کا احرام اہل مکہ کے اندر سے ہی باندھیں گے۔ البتہ حج تمعن کی صورت میں عمرے کے احرام کے لیے حرم سے باہر حل میں جانا ان کے لیے ضروری ہے۔ افتتاح الباری، کتاب الحج و أبواب العمرۃ و موطا، إمام مالک، اسی طرح آفاقی لوگ حج تمعن میں ۸ زوالجہ کو مکہ سے ہی احرام باندھیں گے۔ البتہ بعض علماء کے نزدیک اہل مکہ کو عمرے کے احرام کے لیے حدود حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے وہ ہر طرح کے حج اور عمرے کے لیے اپنی اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں۔

تبیینہ: حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے صرف دو قسم کے عمرے ثابت ہیں۔ ایک وہ جو حج تمعن کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور دو سراوہ عمرہ مفرودہ جو ایام حج کے علاوہ صرف عمرے کی نیت سے ہی سفر کر کے کیا جائے۔ باقی حرم سے جا کر کسی قریب ترین حل سے عمرے کے لیے احرام باندھ کر آنا غیر مشرع ہے۔ (اللایہ کہ جن کے احوال و ظروف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے ہوں) (زاد المعاد، حج ۲، طبع جدید) نوٹ: حدود حرم سے باہر کے علاقے کو حل اور بیرون میقات سے آنے والے حجاج کو آفاقی کہا جاتا ہے۔

(۱)- صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ہے «مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ؛ خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيْوَمَ وَلَدَنَتُهُ أُفْهَمَ». (صحیح بخاری، کتاب المحرر، باب قول الله عزوجل فلا رفت) "جس نے حج کیا اور شوہانی بالتوں اور فرق و فجور سے بچا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے، جیسے اس دن پاک تھا جب اس کی مال نے جنا تھا۔"

(۲)- تقویٰ سے مراد یہاں سوال سے بچتا ہے۔ بعض لوگ بغیر زاد راہ لیے حج کے لیے گھر سے نکل پڑتے اور کہتے کہ ہمارا اللہ پر توکل ہے۔ اللہ نے توکل کے اس مفہوم کو غلط قرار دیا اور زاد راہ لینے کی تاکید فرمائی۔

(۳)- فضل سے مراد تجارت اور کاروبار ہے، یعنی سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تَحْتَ^(۱) (۱۹۸)

پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشش والا امیران ہے۔^(۳)

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے پاپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ^(۴) بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔^(۵)

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے^(۶) اور آخرت میں بھی بھلائی عطا

ثُمَّ أَفْيَضُوا مِنْ حَيْثُ أَقَاضَ النَّاسُ وَأَسْتَغْفِرُوا
اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَعْلَمُ^(۷)

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَأُذْكُرُوا اللَّهُ
كَذِيرُكُمْ إِبَاءَكُمْ أَذْشَدُ ذُكْرًا فِينَ الْمَآسِ
مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي
الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ^(۸)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ

(۱)- ۹ زوال الحجہ کو زوال آناتب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف، حج کا سب سے اہم رکن ہے، جس کی بابت حدیث میں کہا گیا ہے۔ «الحج عرفة» (عرفات میں وقوف ہی حج ہے) یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے، بلکہ مزدلفہ پنج کر مغرب کی تین رکعات اور عشا کی دو رکعت (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے، کیوں کہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر اللہ کی تاکید ہے۔ یہاں رات گزارنی ہے، فجر کی نماز غلشن (اندھیرے) میں یعنی اول وقت میں پڑھ کر طلوع آناتب تک ذکر میں مشغول رہا جائے، طلوع آناتب کے بعد منی جایا جائے۔

(۲)- مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عرفات جانا اور وہاں وقوف کر کے واپس آنا ضروری ہے، لیکن عرفات چوں کہ حرم سے باہر ہے اس لیے قریش مکہ عرفات تک نہیں جاتے تھے، بلکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے، چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جمال سے سب لوگ لوٹ کر آتے ہیں وہیں سے لوٹ کر آؤ یعنی عرفات سے۔

(۳)- عرب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد منی میں میلہ لگاتے اور آباوجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے، مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ جب تم ما ذوالحجہ کو نکلریاں مارنے، قربانی کرنے، سرمنڈانے، طواف کعبہ اور سعی صفا و مروہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منی میں قیام کرتا ہے تو وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو، جیسے جالمیت میں تم اپنے آبا کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

(۴)- یعنی اعمال خیر کی توفیق، یعنی اہل ایمان دنیا میں بھی دنیا طلب نہیں کرتے، بلکہ نیکی کی ہی توفیق طلب کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے۔ طواف کے دوران لوگ ہر چکر کی الگ الگ دعا پڑھتے ہیں جو خود ساختہ ہیں، ان کے بجائے طواف کے وقت یہی دعا (رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ) رکن یہاں اور جراسود کے درمیان پڑھنا منون عمل ہے۔

فُرْمَا وَرَهْمَى عَذَابُ جَنَّمَ سَنَجَاتٍ دَعَى۔ (۲۰۱)
يَوْمَ وَلَوْكٌ هُنَّ جُنَاحَى اَنَّ كَعَالَ كَاحِصَهُ هُنَّ اَوْرَ
اللَّهُ تَعَالَى جَلَد حَسَابٍ لَيْنَهُ وَالاَهَى۔ (۲۰۲)

اوْرَ اللَّهُ تَعَالَى كَيْ يَادَانَ گَنَتِي كَيْ چَندَ دَنَوْنَ (ایام تشریق)
مِنْ كَرُو، (۱) دَوْنَ كَيْ جَلَدِي كَرَنَهُ وَالَّهُ پَرَ بَھِي كَوَيْ گَنَاهُ
نَهِيْنَ، اوْرَ جَوْ پَيْچَھَهُ رَهْ جَائَهُ اَسَ پَرَ بَھِي كَوَيْ گَنَاهُ نَهِيْنَ، (۲)
يَوْمَ پَرَ ہَيْزَ گَارَ كَيْ لَتَهُ هُنَّ اَوْرَ اللَّهُ تَعَالَى سَهَرَتَهُ رَهْ
اوْرَ جَانَ رَکْھُوكَهُ تَمَ سَبَ اَسِيَ كَيْ طَرَفَ جَعَ كَتَهُ جَاؤَ
گَئَے۔ (۲۰۳)

بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر
دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے،
حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑا لو ہے۔ (۲۰۴)

جب وہ لوث کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور
کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور
اللَّهُ تَعَالَى فَسَادَ كَوْنَابِنَدَ كَرَتَهُ۔ (۲۰۵)

اور جب اس سے کما جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور

وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَاعَدَابَ النَّارِ ۚ ۷
أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُواۖ وَاللَّهُ سَرِيعٌ
الْحُسَابٌ ۚ ۸

وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ يَعْجَلُ
فِي يَوْمَيْنِ فَلَلَا إِثْمٌ عَلَيْهِۖ وَمَنْ يَأْخِرَ فَلَا
إِثْمٌ عَلَيْهِۖ لِمَنِ اشْغَلَهُ وَالْقَوْالِهَ وَاعْلَمُوا
الْكُفَّارُ إِلَيْهِ تُعْتَرُفُونَ ۚ ۹

وَمَنِ النَّاسِ مَنْ يُعَجِّبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُنَهِّدُ
اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِۖ وَهُوَ أَكْلُ الْجِنَاصَامِ ۚ ۱۰

وَإِذَا نَوَى سَطْنٌ فِي الْأَرْضِ لِيُقْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرَثَ وَالثَّنَلَۖ وَاللَّهُ لَا يُعِبُّ الْفَسَادَ ۚ ۱۱

وَلَا تَقِيلَ لَهُ اتْقِنَةُ اللَّهُ أَخْدَثَهُ الْعِزَّةُ بِالْأَنْوَافِ

(۱)- مراد ایام تشریق ہیں، یعنی ۱۲ اور ۱۳ اذوالحجہ۔ ان میں ذکر الہی، یعنی بہ آواز بلند تکبیرات مسنون ہیں، صرف فرض نمازوں کے بعد ہی نہیں (جیسا کہ ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر مشور ہے) بلکہ ہر وقت یہ تکبیرات پڑھی جائیں «اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَاللَّهُ الْحَمْدُ» کنکریاں مارتے وقت ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھنی مسنون ہے۔ (میل الاول طار، ج ۵ ص ۸۶)

(۲)- رمی بجمار (جمرات کو کنکریاں مارنا) ۳ دن افضل ہیں، لیکن اگر کوئی دو دن (۱۲ اذوالحجہ) کو کنکریاں مار کر منی سے واپس آجائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

(۳) بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت ایک منافق اخس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن صحیح تربات یہ ہے کہ اس سے مراد سارے ہی منافقین اور مکابرین ہیں، جن میں یہ نہ موم اوصاف پائے جائیں جو قرآن نے اس کے ضمن میں بیان فرمائے ہیں۔

تعصب اے گناہ پر آمادہ کر^(۱) دیتا ہے، ایسے کے لئے بس جسم ہی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔ (۲۰۶)

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی محرومی کرنے والا ہے۔ (۲۰۷)

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو^(۳) وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۲۰۸)

فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلِئِنْ أَهَادُ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِكُ نَفْسَهُ أَبْتَغَاهُ مَرْضَاتٍ
اللَّهُوَدُ اللَّهُ سَرُّهُ وَقُوَّتُهُ بِالْعِبَادَةِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنُوا ادْخُلُوا فِي التَّسْلِيمَ

كُلُّ أُنَافِدِهِ سَوْلَاتٍ عَيْنُوا خُطُوبَ التَّحْسِينِ إِنَّهُ

لَكُمْ عَدُوٌّ قَوْمٌ

(۱) ﴿أَخَذَتُهُ الْعَرْضَةُ بِالْأَنْوَهِ﴾ تکبر اور غور اسے گناہ پر ابھارتا ہے۔ عزت کے معنی غور و انانیت کے ہیں۔

(۲) یہ آیت کہتے ہیں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو کافروں نے کہا کہ یہ مال سب یہاں کا مکملیا ہوا ہے، اسے ہم ساتھ نہیں لے جانے دیں گے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے یہ سارا مال ان کے حوالے کر دیا اور دین ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا "صہیب نے نفع بخش تجارت کی ہے" دو مرتبہ فرمایا (فتح القدير) لیکن یہ آیت بھی عام ہے، جو تمام مومنین، متقین اور دنیا کے مقابلے میں دین کو اور آخرت کو ترجیح دینے والوں کو شامل ہے، کیوں کہ اس قسم کی تمام آیات کے بارے میں، جو کسی خاص شخص یا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئیں یہ اصول ہے: (العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب) یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہو گا، سبب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس اخس بن شریق (جس کا ذکر چھپلی آیت میں ہوا) برے کردار کا ایک نمونہ ہے جو ہر اس شخص پر صادق آئے گا جو اس حصے برے کردار کا حامل ہو گا اور صہیب رضی اللہ عنہ خیر اور کمال ایمان کی ایک مثال ہیں ہر اس شخص کے لیے جوان صفات خیر و کمال سے متصف ہو گا۔

(۳)- اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس طرح نہ کرو کہ جو باتیں تمہاری مصلحتوں اور خواہشات کے مطابق ہوں، ان پر تو عمل کرلو اور دوسرا سے حکموں کو نظر انداز کر دو۔ اسی طرح جو دین تم چھوڑ آئے ہو، اس کی بھی نفعی کر دی گئی اور آج کل کے سیکورڈز، ہن کی تردید بھی، جو اسلام کو مکمل طور پر اپانے کے لیے تیار نہیں، بلکہ دین کو عبادات، یعنی مساجد تک محدود کرنا، اور سیاست اور ایوان حکومت سے دیں نکالا رہنا چاہتا ہے۔ اسی طرح عوام کو بھی سمجھایا جا رہا ہے جو رسوم و رواج اور علاقائی ثقافت و روایات کو پسند کرتے ہیں اور انہیں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، جیسے مرگ اور شادی بیاہ کی معرفانہ اور ہندوانہ رسوم اور دیگر رواج۔ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، جو تمہیں مذکورہ خلاف اسلام باتوں کے لیے حسین فلسفے تراش کر پیش کرتا، برائیوں پر خوش نما غلاف چڑھاتا اور بدعات کو بھی نیکی باور کرتا ہے، تاکہ اس کے دام ہم رنگ زمیں میں پھنسے رہو۔

اگر تم با وجود تمارے پاس دلیلیں آجائے کے بھی پھل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ (۲۰۹)

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام انتساب کچھا^(۱) دیا جائے، اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔ (۲۱۰)

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں^(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدلتا ہے (وہ جان لے)^(۳) کہ اللہ تعالیٰ بھی ختم عذابوں والا ہے۔ (۲۱۱)

کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی ہے، وہ ایمان والوں سے نہیں مذاق کرتے ہیں،^(۴) حالانکہ پرہیز گار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا

فَإِنْ رَلَّهُمْ مِنْهُ مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَ تَكُونُ الْمُبِينُ
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَنِّيْزٌ حَكِيمٌ ﴿۷﴾

هَلْ يَنْظَرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ بِنِ ظُلْلَىٰ مِنَ
الْفَمَاءِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ
وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَمُ الْأُمُورُ ﴿۸﴾

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كُمْ أَتَيْنَاهُمْ مِنْ أَيْمَانِهِ
وَمَنْ يُبَدِّلُ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُ
فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۹﴾

رُبَّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا النَّحْيَا الدُّنْيَا وَيَسْرُونَ مِنَ الَّذِينَ
أَمْنُوا وَالَّذِينَ اتَّقُوا فَوْهَمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ
مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

(۱) یہ یا تو قیامت کا منظر ہے جیسا کہ بعض تفسیری روایات میں ہے۔ (ابن کثیر) یعنی کیا یہ قیامت بپا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں؟ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں اور بادلوں کے سامنے میں ان کے سامنے آئے اور فصلہ چکائے، تب وہ ایمان لا سیں گے۔ لیکن ایسا اسلام قابل قبول ہی نہیں، اس لیے قبول اسلام میں تاخیر مت کرو اور فوراً اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لو۔

(۲) مُلْأَعْصَمَ مُوسَى، جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جادو گروں کا توڑ کیا، سمندر سے راستہ بنایا، پھر سے بارہ چشمے جاری کیے، بادلوں کا سایہ، من و سلوئی کا نزول وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے احکام اللہ سے اعراض کیا۔

(۳) نعمت کے بدلنے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بدلنے انہوں نے کفر اور اعراض کا راستہ اپنایا۔

(۴) چوں کہ مسلمانوں کی اکثریت غرباً پر مشتمل تھی جو دنیوی آسائشوں اور سولتوں سے محروم تھے، اس لیے کافر یعنی قریش کہ ان کا نماق اڑاتے تھے، جیسا کہ اہل ثروت کا ہر دور میں شیوه رہا ہے۔

ہے۔^(۱)
(۲۱۲)

در اصل لوگ ایک ہی گروہ تھے^(۲)، اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ اور صرف ان ہی لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی، اپنے پاس دلائل آپکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا^(۳) اس لئے اللہ پاک نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی^(۴) اور اللہ

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ الرَّسُولَ
مُبَشِّرًا وَمُنذِّرًا وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ يَا إِلَهُ
لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا
اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا
جَاءَنَّهُمُ الْبَيِّنَاتُ
الَّذِينَ آمَنُوا لَمَّا
اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ يَا ذَرْهُ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ
وَالَّذِينَ يَعْدِلُونَ مِنْ
إِلَيْهِ الْمُشَفِّقُونَ^(۵)

(۱) اہل ایمان کے نقر اور سادگی کا کفار بواستہ او تسلیخ اڑاتے، اس کا ذکر فرمایا کہ کما جا رہا ہے کہ قیامت والے دن یہی فقر اپنے تقویٰ کی بدولت بلند و بالا ہوں گے ”بے حساب روزی“ کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان فقر اپر بھی فتوحات کے دروازے کھول دیے، جن سے سامان دنیا اور رزق کی فراوانی ہو گئی۔

(۲) یعنی توحید پر۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام، یعنی دس صدیوں تک لوگ توحید پر، جس کی تعلیم انہیا دیتے رہے، قائم رہے۔ آیت میں مفسرین صحابہ نے فَأَخْتَلَفُوا مَحْذُوفٌ مَانَا هے، یعنی اس کے بعد شیطان کی دسوسرہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک و مظاہر بر سی عام ہو گئی۔ فَبَعَثَ اس کا عطف فَأَخْتَلَفُوا (جو مَحْذُوفٌ ہے) پر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اور حق اور توحید کو قائم و واضح کریں (ابن کثیر)

(۳)- اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس انحراف کا منبع بغض و عناد بنتا ہے، امت مسلمہ میں بھی جب تک یہ انحراف نہیں آیا، یہ امت اپنی اصل پر قائم اور اختلافات کی شدت سے محفوظ رہی، لیکن انہی تقیید اور بدعتات نے حق سے گریز کا جو راستہ کھولا، اس سے اختلافات کا دائرہ پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا، تا آنکہ اتحاد امت ایک ناممکن چیز بن کر رہ گیا ہے فہمی اللہُ الْمُسْلِمِینَ۔

(۴)- چنانچہ مثلاً اہل کتاب نے جمعہ میں اختلاف کیا، یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنا مقدس دن قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعے کا دن اختیار کرنے کی ہدایت دے دی۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہود نے ان کی مکنذیب کی اور ان کی والدہ حضرت مریم پر بہتان باندھا، اس کے بر عکس عیسائیوں نے ان کو اللہ کا بیٹا اور اللہ بنادیا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ان کے بارے میں صحیح موقف اپنائے کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ کے پیغمبر اور اس کے فرماں بردار بندے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی انہوں نے اختلاف کیا، ایک نے

جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہی کرتا ہے۔^(۲۱۳)

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔^(۱) انہیں یہاں اور مصیبیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔^(۲)
^(۳) (۲۱۴)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرج کریں؟ آپ کہ دیجئے جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور قیمتوں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے^(۳) اور تم جو کچھ بھلانی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا عالم ہے۔
^(۴) (۲۱۵)

أَمْ حَيْثُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتُكُمْ مَمْلَكُ الدِّينِ
خَلَوَ اِمْنَقْلَمْ مَسْتَهُمُ الْبَاسُ اَوْ الْفَرَاءُ
وَرُلْزُلُوا حَتَّى يَقُولُ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ امْنَوْا
مَعَهُ مَمْلَكُ نَصْرَاللَّهِ اَلَا إِنَّ نَصْرَاللَّهِ قَرِيبٌ^(۵)

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنِيقُونَ قُلْ مَا آنفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ
فَلَنُوَالِّدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْمِتْنَى وَالسَّيْكَنَى وَابْنِ
السَّيْبِيلِ وَمَا تَعْلَمُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ^(۶)

یہودی اور دوسرے نے نصرانی کما مسلمانوں کو اللہ نے صحیح بات بتائی کہ وہ ﴿جَنِينَاً مُسْلِمَنَا﴾ تھے اور اس طرح کے دیگر کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن یعنی اپنے فضل سے مسلمانوں کو صراط مستقیم دکھائی۔

(۱) هجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کو یہودیوں، منافقوں اور مشرکین عرب سے مختلف قسم کی ایذا کیں اور تکلیفیں پہنچیں تو بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی، جس پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی اور خود نبی ﷺ نے بھی فرمایا "تم سے پسلے لوگوں کو ان کے سر سے لے کر پیروں تک آرے سے چیرا گیا اور لوہے کی گنگی سے ان کے گوشت پوست کو نوچا گیا، لیکن یہ ظلم و شدوان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکا" پھر فرمایا "اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ اس معاملے کو مکمل (یعنی اسلام کو غالب) فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صنائع سے حضرموت تک تناضر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ذرہ نہ ہو گا۔ الحدیث (صحیح بخاری، کتاب الإکراه، باب من اختصار الضرب والقتل والهوان على الكفر) مقصود نبی ﷺ کا مسلمانوں کے اندر حوصلہ اور استقامت کا عزم پیدا کرنا تھا۔

(۲) اس لیے «كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ». (ہر آنے والی چیز، قریب ہے) اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی مدد قریبی ہے، اس لیے وہ قریب ہی ہے۔

(۳)- بعض صحابہ ﷺ کے استفار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کیے جا رہے ہیں، یعنی یہ سب سے زیادہ تمہارے مالی تعاون کے سختی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتفاق کا یہ حکم صدقات نافلہ سے متعلق ہے، زکوٰۃ سے متعلق

تم پر جہاد فرض کیا گیا کوہ تمیس و شوار معلوم ہو، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔^(۱) (۲۱۶)

لوگ آپ سے حرمت والے میمنوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان میں لڑائی کرنا برا گناہ ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی برا گناہ ہے یہ فتنہ قتل سے بھی برا گناہ ہے،^(۲) یہ لوگ تم سے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ أَكْمَلُهُ لَكُمْ وَعَنِّي أَنْ تَكُونُوا شَيْئًا
وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَنِّي أَنْ تُعْجِبُوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ^{۳۴}

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحُرَامِ قَتَالٌ فِيهِ قُتْلٌ قَتَالٌ فِيهِ
كَبِيرٌ وَصَدَّاعٌ عَنْ سَيِّطِلِ اللَّهُو لَعْرِيَهِ وَالسَّيِّجِدِ الْحُرَامِ
وَإِخْرَاجٌ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرٌ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفَتْنَةُ أَكْبَرُ مِنْ
الْقَتْلِ وَلَا يَرَأُونَ يُقَاتِلُونَ كُمْ حَتَّى يَرَوُوكُمْ عَنْ
دِينِكُمْ إِنْ أَسْتَطَاعُو أَوْ مَنْ يَرِتَدِدُ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ

نہیں۔ کیوں کہ ماں باپ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔ حضرت میمون بن میران نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا "مال خرچ کرنے کی ان جگہوں میں نہ طبلہ سارنگی کا ذکر ہے اور نہ چوبی تصویروں اور دیواروں پر لٹکائے جانے والے آرائشی پردوں کا" مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر مال خرچ کرنا ناپسندیدہ اور اسراف ہے۔ افسوس ہے کہ آج یہ مسرفانہ اور ناپسندیدہ اخراجات ہماری زندگی کا اس طرح لازمی حصہ بن گئے ہیں کہ اس میں کراہت کا کوئی پسلو ہی ہماری نظروں میں نہیں رہا۔

(۱) جہاد کے حکم کی ایک مثال دے کر اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرو، چاہے تمیس وہ گران اور ناگوار ہی لگے۔ اس لیے کہ اس کے انجام اور نتیجے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے، اس میں تمہارے لیے بہتری ہو۔ جیسے جہاد کے نتیجے میں تمیس فتح و غلبہ، عزت و سربلندی اور مال و اسباب مل سکتا ہے، اسی طرح تم جس کو پسند کرو، (یعنی جہاد کے بجائے گھر میں بیٹھ رہنا) اس کا نتیجہ تمہارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے، یعنی دشمن تم پر غالب آجائے اور تمیس ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

(۲) رجب، زوال القعدہ، زوال الحجہ اور محرم۔ یہ چار مینے زمانہ جاہلیت میں بھی حرمت والے سمجھے جاتے تھے، جن میں قبال و جdal ناپسندیدہ تھا۔ اسلام نے بھی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان فوجی دستے کے ہاتھوں رجب کے مینے میں ایک کافر قتل ہو گیا اور بعض کافر قیدی بنالیے گئے۔ مسلمانوں کے علم میں یہ نہیں تھا کہ رجب شروع ہو گیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ دیکھو یہ حرمت والے مینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے،

لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں^(۱) اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مرس، ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جسمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جسم میں ہی رہیں گے۔^(۲) (۲۷)

البستہ ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت اللہ کے امیدوار ہیں، اللہ تعالیٰ بت بخشے والا اور بت مربانی کرنے والا ہے۔^(۳) (۲۸)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے^(۴) اور

فَيَمْتُ وَهُوَ كَا فِرْ قَأْوِلِكَ حَمَطْتُ أَعْمَالَهُمْ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَوْلَئِكَ أَصْحَابُ الْثَّارِ هُمْ فِيهَا
خَلِدُونَ^(۵)

إِنَّ الَّذِينَ امْسَوْا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَهَدُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أَوْلَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَفُورٌ زَجِيلٌ^(۶)

يَسْتَلُوكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ فُلْ فِيهِمَا لَثْكَمِيرٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ لَفْعِهِمَا.

جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مینے میں قتل بڑا گناہ ہے، لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو اپنا عمل نظر نہیں آتا؟ یہ خود اس سے بھی بڑے جرام کے مرتكب ہیں یہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلے پرانہوں نے مجبور کر دیا۔ علاوه ازیں کفر و شرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدھ قتل حرمت والے مینے میں ہو گیا تو کیا ہوا؟ اس پر واویلا کرنے کے بجائے ان کو اپنا نامہ سیاہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔

(۱) جب یہ اپنی شرارتوں، سازشوں اور تمہیں مرتد بنانے کی کوششوں سے باز آنے والے نہیں تو پھر تم ان سے مقاتله کرنے میں شر حرام کی وجہ سے کیوں رکے رہو؟

(۲) جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی مرتد ہو جائے (اگر وہ توبہ نہ کرے) تو اس کی دنیوی سزا قتل ہے۔ حدیث میں ہے: «مَنْ بَدَلَ دِينَهُ فَاقْتُلُونَهُ» (اصحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب لا یعذب بعذاب اللہ)، آیت میں اس کی اخروی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حالت میں کیسے گئے اعمال صالحہ بھی کفر و ارتداد کی وجہ سے کاendum ہو جائیں گے اور جس طرح ایمان قبول کرنے سے انسان کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح کفر و ارتداد سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ تاہم قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ جب اعمال اسی وقت ہو گا جب خاتمه کفر پر ہو گا، اگر موت سے پہلے تائب ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہو گا، یعنی مرتد کی توبہ مقبول ہے۔

(۳) بڑا گناہ تو دین کے اعتبار سے ہے۔

لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ^(۱) ہے۔ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہ دیجئے حاجت سے زائد چیز،^(۲) اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے احکام صاف تمہارے لئے بیان فرمرا ہے، تاکہ تم سوچ سمجھ سکو،^(۳)

دنیا اور آخرت کے امور کو۔ اور تجوہ سے قیمتوں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں^(۴) آپ کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنِفِّقُونَ هُنَّ عَنِ الْعَفْوِ كَذَلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لِكُلِّ الْأَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝

فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَمِّيِّ مُقْلِنْ إِصْلَامُ
لَهُمْ خَيْرٌ وَلَنْ تُعْلَمُ لَطْوُهُمْ فَإِخْوَانَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

(۱) فائدوں کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً شراب سے وقٹی طور پر بدن میں چستی و مستعدی اور بعض ذہنوں میں تیزی آجائی ہے۔ جنسی وقت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کے لیے اس کا استعمال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی خرید و فروخت نفع بخش کاروبار ہے۔ جو ایں بھی بعض دفعہ آدمی جیت جاتا ہے تو اس کو کچھ مال مل جاتا ہے، لیکن یہ فائدے ان نقصانات و مفاسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقول اور اس کے دین کو ان سے پہنچتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ”ان کا گناہ“ ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔ اس طرح اس آیت میں شراب اور جو اکو حرام تو قرار نہیں دیا گیا، تاہم اس کے لیے تمہید باندھ دی گئی ہے۔ اس آیت سے ایک بہت اہم اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز میں چاہے وہ کتنی بھی بری ہو، کچھ نہ کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً ریڈ یو، ای وی اور دیگر اس قسم کی ایجادوں ہیں اور لوگ ان کے بعض فوائد بیان کر کے اپنے نفس کو دھوکہ دے لیتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ فوائد اور نقصانات کا تقابل کیا ہے۔ خاص طور پر دین اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے۔ اگر دینی نقطہ نظر سے نقصانات و مفاسد زیادہ ہیں تو تھوڑے سے دنیوی فائدوں کی خاطر اسے جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

(۲) اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے، یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا، جس پر فرضیت زکوٰۃ کے بعد عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے، یا اس کے معنی ہیں مَا سَهَلَ وَتَيْسَرَ وَلَمْ يَشُقْ عَلَى الْقَلْبِ (فتح القدر) ”جو آسان اور سولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے“ اسلام نے یقیناً اتفاق کی بڑی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے، اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع کیا ہے کہ کل کو تمہیں یا تمہارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

(۳) جب قیمتوں کا مال علمًا کھانے والوں کے لیے وعید نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ذرگے اور قیمتوں کی ہر چیز الگ کردی حتیٰ کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی، تو اسے بھی استعمال نہ کرتے اور وہ خراب ہو جاتی، اس ذرگے کے کمیں ہم بھی اس وعدے کے مستحق نہ قرار پا جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر)

بہتر ہے، تم اگر ان کامال اپنے مال میں ملا جی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، بد نیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا،^(۱) یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ (۲۲۰)

اور شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو،^(۲) ایمان والی لوندی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے، گو تمہیں مشرک ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ جنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے، وہ اپنی آئیں لوگوں کے لئے بیان فرمارہا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۲۲۱)

آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہ

مِنَ الْمُفْلِحِينَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَا يَعْلَمُكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ^(۲)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ وَلَمَّا مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ قَنْ مُشْرِكَةٌ وَلَنَا أَعْجَبَنَا وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُو وَلَعَبْدُ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ قَنْ مُشْرِكٌ وَلَنَا أَعْجَبَنَا أُولَئِكَ يَدْعُونَ إِلَىٰ الشَّرِّ وَإِنَّهُ يَدْعُوا إِلَىٰ الْجَنَّةِ وَالْمَعْفَرَةِ يَأْذُنُهُ وَيُبَيِّنُ إِلَيْهِ لِلْمَنَاسِ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُونَ ^(۳)

وَيُسْتَأْنِذُوكُمْ عَنِ الْمَحِيطِ فَقُلْ هُوَ ذَوُّ الْحِلَالِ وَالْمَنَاءُ فِي

(۱) یعنی تمہیں بغرض اصلاح و بہتری بھی، ان کامال اپنے مال میں ملانے کی اجازت نہ دیتا۔

(۲) مشرکہ عورتوں سے مراد ہوتیں کی پچاری عورتیں ہیں۔ کیوں کہ اہل کتاب (یہودی یا یہسائی) عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے۔ البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہو سکتا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے (ابن کثیر) آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی بر巴دی قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب نسب، حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔“ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔ (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح، باب الائفاء فی الدین۔ و صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین) اسی طرح آپ ﷺ نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متعال قرار دیا ہے۔ فرمایا: خیر متعال الدنیا المرأة الصالحة (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متعال الدنیا المرأة الصالحة)

وَتَجْعَلَنَّ كَهْنَگی ہے، حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو^(۱) اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں^(۲) تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمیس اجازت دی^(۳) ہے، اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (۲۲۲)

تماری بیویاں تماری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو^(۴) آؤ اور اپنے لئے (نیک اعمال) آگے

الْمُحِیْضِ وَلَا نَقْرَبُوهُنَّ حَتَّیٰ يَظْهَرُنَّ فَإِذَا نَظَرُهُنَّ فَأُنْوَهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمْرَكُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ^(۵)

(۱) بلوغت کے بعد ہر عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ عادت کے خلاف بیماری کی وجہ سے خون آتا ہے، اسے استحافہ کہتے ہیں، جس کا حکم حیض سے مختلف ہے۔ حیض کے ایام میں عورت کے لئے نماز معاف ہے اور روزے رکھنے منوع ہیں، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ مرد کے لیے صرف ہم بستری منع ہے، البتہ بوس و کنار جائز ہے۔ اسی طرح عورت ان دنوں میں کھانا پکانا اور دیگر گھر کا ہر کام کر سکتی ہے، لیکن یہودیوں میں ان دنوں میں عورت کو بالکل نجس سمجھا جاتا تھا، وہ اس کے ساتھ اخلاق اور کھانا پینا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت اتری، جس میں صرف جماع کرنے سے روکا گیا۔ علیحدہ رہنے اور قریب نہ جانے کا مطلب صرف جماع سے ممانعت ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

(۲) جب وہ پاک ہو جائیں۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں "ایک خون بند ہو جائے" یعنی پھر غسل کیے بغیر بھی پاک ہیں، مرد کے لیے ان سے مبادرت کرنا جائز ہے۔ ابن حزم اور بعض ائمہ اس کے قائل ہیں۔ علامہ البالی نے بھی اس کی تائید کی ہے (آداب الزفاف ص ۳۷) دوسرے معنی ہیں، خون بند ہونے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے عورت جب تک غسل نہ کر لے، اس سے مبادرت حرام رہے گی۔ امام شوکانی نے اس کو راجح قرار دیا ہے (فتح القدر) ہمارے نزدیک دونوں مسلم قابل عمل ہیں، لیکن دوسرا قابل ترجیح ہے۔

(۳) "جہاں سے اجازت دی ہے" یعنی شرمگاہ سے۔ کیوں کہ حالتِ حیض میں بھی اسی کے استعمال سے روکا گیا تھا اور اب پاک ہونے کے بعد جو اجازت دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب اسی (فرج، شرمگاہ) کی اجازت ہے، نہ کہ کسی اور حصے کی۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کی دبر کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی مزید صراحةً کر دی گئی ہے۔

(۴) یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو پیٹ کے بل لٹا کر (مذبہہ)، مبادرت کی جائے تو پچھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ مبادرت آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر، جس طرح چاہو، جائز ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔ بعض لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں

إِنَّا ذُلُوكُهُ حَرَثٌ لَكُمْ فَإِنْ تَوَحِّدُوا كُلُّ أُنْ شَنْشُونُ وَقَدِ مُؤْمِنٌ لِأَنْفُسِكُمْ وَأَنْقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقُوْهُ وَبَشِّرُ

الْمُؤْمِنِينَ ۝

بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم
اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوش خبری سن
ویجھے۔ (۲۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا (اس طرح) نشانہ نہ بناؤ کہ
بھلائی اور پر ہیز گاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح
کو چھوڑ بیٹھو^(۱) اور اللہ تعالیٰ سننے والا جانے والا
ہے۔ (۲۲۴)

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ
نہ ہوں^(۲) ہاں اس کی پکڑاں چیز بر ہے جو تمہارے دلوں
کا فعل ہو، اللہ تعالیٰ بخششے والا اور بربدار ہے۔ (۲۲۵)

جو لوگ اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی) فتنیں
کھائیں، ان کے لئے چار مینے کی مدت^(۳) ہے، پھر اگر
وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخششے والا مریان
ہے۔ (۲۲۶)

وَلَا جَعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَنَّا يَكُونُ أَنْ تَبَرُّوا وَتَنْقُضُوا
وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلَيْهِ ۝

لَا يُؤَاخِذُنَّ كُوْنَهُ بِالْغَوْنَىٰ إِنَّمَا يَنْهَا وَلِكُنْ يُؤَاخِذُنَّ كُوْنَهُ
بِمَا كَبَثَ ثُلُوبَكُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نَسَاءِهِمْ تَرْبُصُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ
فَآتُوهُنَّا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(جس طرح چاہو) میں تو در بھی آجائی ہے، اللہ اور کام کا استعمال بھی جائز ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ جب قرآن نے
عورت کو کھیتی قرار دیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کے لیے یہ کام جارہا ہے کہ ”اپنی
کھیتیوں میں جس طرح چاہو، آؤ“ اور یہ کھیتی (موضع ولد) صرف فرج ہے نہ کہ دبر۔ بہر حال یہ غیر فطری فعل ہے
ایسے شخص کو جو اپنی عورت کی دبر استعمال کرتا ہے ملعون قرار دیا گیا ہے (بحوالہ ابن کثیر و فتح القدیر)

(۱) یعنی غصے میں اس طرح کی قسم مت کھاؤ کہ میں فلاں کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا، فلاں سے نہیں بولوں گا، فلاں کے
درمیان صلح نہیں کروں گا۔ اس قسم کی قسموں کے لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کھالو تو انہیں توڑو اور قسم کا کفارہ
ادا کرو (کفارہ قسم کے لیے دیکھیے: سورۃ المائدۃ، آیت ۸۹)

(۲) یعنی جو غیر ارادی اور عادات کے طور پر ہوں۔ البته عدم جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

(۳) اینلاہ کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے ایک مینے یا دو مینے (شلا) تعلق
نہیں رکھوں گا۔ پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں، ہاں اگر مدت پوری ہونے سے قبل
تعلق قائم کرے گا تو کفارہ قسم ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر چار مینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کی تعین کے بغیر قسم کھانا
ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق
قائم کر لیں، یا پھر اسے طلاق دے دیں (اسے چار مینے سے زیادہ مغلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت میں اسے

اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں^(۱) تو اللہ تعالیٰ سنے والا،
جانے والا ہے۔ (۲۲۷)

طلاق والی عورت میں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے
رکھیں،^(۲) انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں
جو پیدا کیا ہوا سے چھپا میں،^(۳) اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور
قیامت کے دن پر ایمان ہو، ان کے خاوند اس مدت میں
انہیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں اگر ان کا ارادہ
اصلاح کا ہو۔^(۴) اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں

وَلَمْ يَعْزِمُوا التَّطْلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِمْ ۝

وَالْمُطْلَقُتُ يَرَكِضُنَّ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُونٍ وَلَا يَجِدُ
لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمُنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْجَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ
يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبِعُولَتِهِنَّ أَحَقُّ بِرَدَاهِنَّ
فِي ذَلِكَرَانُ أَرَادُوا صَلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَلَمْ يَجِدُ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةً

کفارہ قسم ادا کرنا ہو گا اور دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ وہ اس سے تعلق قائم کرے، یا طلاق دے، تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔
(تفسیر ابن کثیر)

(۱) ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار میں گزرتے ہی از خود طلاق واقع نہیں ہو گی (جیسا کہ بعض علماء مسلم ہے)
بلکہ خاوند کے طلاق دینے سے طلاق ہو گی، جس پر اسے عدالت بھی مجبور کرے گی۔ جیسا کہ جمیون علماء مسلم ہے۔
(ابن کثیر)

(۲) اس سے وہ مطلقة عورت مراد ہے جو حالہ بھی نہ ہو (کیوں کہ حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے) جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو، وہ بھی نہ ہو (کیوں کہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں ہے) آس بھی نہ ہو، یعنی جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو (کیوں کہ ان کی عدت تین میں ہے) گویا یہاں مذکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخلہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے اور وہ ہے تین قروء۔ جس کے معنی طربا تین حیض کے ہیں۔ یعنی تین طربا تین حیض عدت گزار کے وہ دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی معنی صحیح قرار دیے ہیں، اس لیے دونوں کی گنجائش ہے (ابن کثیر و فتح القدير)

(۳) اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپا میں، مثلاً کہ طلاق کے بعد مجھے ایک یا دو حیض آئے ہیں، در آں حالیکہ اسے تینوں حیض آچکے ہوں۔ مقصد پسلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو) یا اگر رجوع کرنا نہ چاہتی ہو تو یہ کہہ دے کہ مجھے تو تین حیض آچکے ہیں جب کہ واقعۃ ایمانہ ہو، تاکہ خاوند کا حق رجوع ثابت نہ ہو سکے۔ اسی طرح حمل نہ چھپا میں، کیوں کہ اس طرح دوسری جگہ شادی کرنے کی صورت میں نسب میں اخلاط ہو جائے گا۔ نظر وہ پسلے خاوند کا ہو گا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا۔ یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

(۴) رجوع کرنے سے خاوند کا مقصد اگر تنگ کرنا نہ ہو تو عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کے ولی کو اس حق میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔

جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ۔^(۱) ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔^(۲۲۸)

یہ طلاقیں دو مرتبہ^(۳) ہیں، پھر یا تو اچھائی سے روکنا^(۴) یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے^(۵) اور تمیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیث قائم نہ رکھ

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ^(۶)

الظَّلَاقُ مَرْتَبَتُنَّ فَأَمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيفٍ
بِإِحْسَانٍ وَلَا يَجْعَلُ لِكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِنْهَا
أَتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافُ الْأَيُّوبُ مَا حَدُودَ اللَّهِ

(۱) یعنی دونوں کے حقوق ایک دوسرے سے ملے جلتے ہیں، جن کے پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں، تاہم مردوں کو عورت پر فضیلت یا درجہ حاصل ہے، مثلاً نظری توقیں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دو گناہونے میں، قوامیت اور حاکیت میں اور اختیار طلاق و رجوع (وغیرہ) میں۔

(۲) یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو (عدت کے اندر) رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے۔ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسرا مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانہ جالمیت میں یہ حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، آدی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، اس طرح اسے نہ بسا تھا، نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔ اور پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سوالت سے محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہیئت کے لیے جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ علاوه ازیں اللہ تعالیٰ نے "طلقتان" (دو طلاقیں) نہیں فرمایا بلکہ الطلاقُ مَرْتَبَتُنَّ (طلاق دو مرتبہ) فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انہیں بیک وقت نافذ کرونا حکمت اللہ کے خلاف ہے۔ حکمت اللہ اسی بات کی متفضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) مرد کو سوچنے سمجھتے اور جلد بازی یا غصے میں کیے گئے کام کے ازالے کا موقع دیا جائے، یہ حکمت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے میں ہی باقی رہتی ہے، نہ کہ تینوں کو بیک وقت نافذ کر کے سوچنے اور غلطی کا ازالہ کرنے کی سوالت سے محروم کر دینے کی صورت میں، (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب مجموعہ مقالات علمیہ بابت۔ ایک مجلس کی تین طلاق۔ اور "اختلاف امت اور صراط مستقیم"۔ نیز معلوم ہونا چاہئے کہ بہت سے علماء ایک مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہونے ہی کافتوئی دیتے ہیں۔

(۳) یعنی رجوع کر کے اچھے طریقے سے اسے بنانا۔

(۴) یعنی تیسرا مرتبہ طلاق دے کر۔

سکنے کا خوف ہو، اس لئے اگر تمہیں ذر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے، اس میں دونوں پر گناہ نہیں^(۱) یہ اللہ کی حدود ہیں خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔^(۲۲۹)

پھر اگر اس کو (تیری بار) طلاق دے دے تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جوں کر لینے میں کوئی گناہ نہیں^(۳) بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ جانتے والوں کے لئے بیان فرمارہا ہے۔^(۲۳۰)

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساو، یا بحلائی کے ساتھ

فَإِنْ خَفَثُوا لَا يُقْبِلُمَا حَدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ يَهُ تِلْكَ حَدُودُ اللَّهِ فَلَا يَعْتَدُونَ وَمَنْ يَتَعَدَّ حَدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ^(۱)

فَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا تَحْلِنَّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَثِّ شَنْكِهِ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ طَلَقَاهُنَّ أَنْ يُقْبِلُمَا حَدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حَدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِلنَّاسِ يَعْلَمُونَ^(۲)

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا كُفَّرْنَ أَجَلَهُنَّ فَآتُمُوكُلُهُنَّ بِمَعْرُوفِهِنَّ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفِهِنَّ

(۱) اس میں خلح کا بیان ہے، یعنی عورت خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو اس صورت میں خاوند عورت سے اپنا دیا ہوا مردواپس لے سکتا ہے۔ خاوند اگر علیحدگی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اگر وہ اسے نہ مانے تو عدالت نکاح فتح کر دے گی۔ گویا خلح بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فتح بھی۔ دونوں صورتوں میں عدت ایک چیز ہے (ابو داود، ترمذی، نسائی و الحاکم۔ فتح القدری) عورت کو یہ حق دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی خخت تاکید کی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے خاوند سے علیحدگی یعنی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو نبی ﷺ نے ایسی عورتوں کے لیے یہ خخت وعدہ بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پہنچ سکے گی۔ (ابن کثیر وغیرہ)

(۲) اس طلاق سے تیری طلاق مراد ہے۔ یعنی تیری طلاق کے بعد خاوند اب نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح۔ البتہ یہ عورت کسی اور جگہ نکاح کر لے اور دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے، یا فوت ہو جائے تو اس کے بعد زوج اول سے اس کا نکاح جائز ہو گا۔ لیکن اس کے لیے بعض ملکوں میں جو حلالہ کا طریقہ رائج ہے، یہ لعنتی فعل ہے۔ نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حلالہ کی غرض سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں ہے، زنا کاری ہے۔ اس نکاح سے عورت پسلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو گی۔

الگ کرو^(۱) اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لئے نہ روکو، جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ^(۲) بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے، اسے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (۲۳۱)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔^(۳) یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و

وَلَا تُنْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَخَذُوا إِلَيْتِ اللَّهِ
هُرُوا وَإِذَا كُرُوا يَغْمَتْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةَ يَعْظِلُكُمْ يَهُ وَأَتَعْوَدُ
اللَّهَ وَأَعْمَلُوا أَنَّ اللَّهَ يُكْلِلُ شَيْءٍ عَلَيْهِ ۝

وَلَا طَلَقُوكُمُ الْإِنْسَاءَ قَبْدَعْنَ أَجَدَهُنَّ فَلَا
تَعْمَلُوهُنَّ أَنْ تَنْكِمُنَ أَزْوَاجُهُنَّ إِذَا تَرَكُفُوا
بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

(۱) ﴿الطلاقُ مَرْضٌ﴾ میں بتایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ رجوع عدت کے اندر اندر ہو سکتا ہے، عدت گزرنے کے بعد نہیں۔ اس لیے یہ تکرار نہیں ہے جس طرح کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے۔

(۲) بعض لوگ مذاق میں طلاق دے دیتے، یا نکاح کر لیتے، یا آزاد کر دیتے ہیں، پھر کتنے کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اللہ نے اسے آیاتِ الہی سے استہراً قرار دیا، جس سے مقصود اس سے روکنا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذاق سے بھی اگر کوئی مذکورہ کام کرے گا تو وہ حقیقت ہی سمجھا جائے گا اور مذاق کی طلاق، یا نکاح یا آزادی نافذ ہو جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)۔

(۳) اس مطلقہ عورت کی بابت ایک تیرا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ عدت گزرنے کے بعد (پہلی یادو سری طلاق کے بعد) اگر سابقہ خاوند یوں باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو مت روکو۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ ہوا تو عورت کے بھائی نے انکار کر دیا جس پر یہ آیت اتری (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لانکاح إلا بولی) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق ولایت غلط طریقے سے استعمال کرنے سے روکا ہے۔ اس کی مزید تائید حدیث نبوی ﷺ سے ہوتی ہے: «لَا نِكَاحٌ إِلَّا بُوْرَى» (ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں) (رواہ الحمسة إلا النسانی، ا روایۃ الغلیل ج ۱ ص ۲۲۵۔ صحیحه الالبانی) ایک اور روایت میں ہے۔ ایمما امرأة نَكَحَتْ بَغْيَرِ إِذْنٍ وَلِيَهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ (حوالہ مذکور و صحیحه ایضاً الالبانی) جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا، پس اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس

ذِلِكُمْ أَزْكِيَ لَكُمْ وَأَظْهِرْ وَاللَّهُ يَعْلَمْ
وَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

وَالْوَالِدُتُ يُرِضِيْعَنَ أَوْلَادُهُنَ حَوْلَنِيْنَ كَامْلَيْنِ لِمَنْ آرَادَ أَنْ
يُتَقْرِبَ إِلَيْهِنَّ وَعَلَى الْوَالِدَتِ لَهُ زِيَّةٌ فَهُنَّ دَيْكُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ
لَا يَخْفَى نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لِكُفَّارَ وَالْمُجْرِمِينَ لَوْلَاهَا وَلَمَوْلَاهُ

ایمان ہو، اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔
اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۲۳۲)

ماں میں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلا میں جن کا راہ
دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو^(۱) اور جن
کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق
دستور کے ہو۔^(۲) ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے

کائنات باطل ہے.... (حوالہ مذکور) ان احادیث کو علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی، دیگر محدثین کی طرح، صحیح اور احسن
تسلیم کیا ہے۔ فیض الباری، ج ۲، کتاب النکاح) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت کے ولیوں کو بھی عورت پر جبر
کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رضامندی کو بھی ضرور لمحظ رکھیں۔ اگر ولی
عورت کی رضامندی کو نظر انداز کر کے زبردستی نکاح کر دے تو شریعت نے عورت کو ذریعہ عدالت نکاح فتح کرنے کا
اختیار دیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نکاح میں دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے، کوئی ایک فریق بھی من مانی نہ
کرے۔ اگر عورت من مانے طریقے سے ولی کی اجازت نظر انداز کرے گی تو وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہو گا اور ولی زبردستی
کرے گا اور لڑکی کے مفادات کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح دے گا تو عدالت ایسے ولی کو حق ولایت سے محروم
کر کے ولی بعد کے ذریعے سے یا خود ولی بن کر اس عورت کے نکاح کا فریضہ انجام دے گی۔ «فَإِنْ اشْتَجَرُوا فَالْسُّلْطَانُ
وَلِيٌّ مَنْ لَا وَلِيٌّ لَهَا» (ارواء الغلیل)

(۱) اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو
وہ دو سال پورے دودھ پلانے۔ ان الفاظ سے اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کی بھی گنجائش نہیں ہے، دوسری بات
یہ معلوم ہوئی کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً
روایت ہے: ((لَا يُحْرِمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي النَّدْيِ، وَكَانَ قَبْلَ الْبَيْطَامِ)). (الترمذی، کتاب الرضاع،
باب ماجاء أَنَ الرِّضَاْعَةَ لَا تَحْرِمُ إِلَّا فِي الصَّغْرِ دُونَ الْحَوْلَيْنِ)، ”وَهِيَ رِضَاعٌ (دودھ پلانا) حِرْمَتْ ثَابَتْ كَرَّتْ
ہے، جو چھاتی سے نکل کر آنتوں کو پھاڑے اور یہ دودھ چھڑانے (کی مدت) سے پہلے ہو۔“ چنانچہ اس مدت کے اندر کوئی
بچہ کسی عورت کا اس طریقہ سے دودھ پی لے گا، جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، تو ان کے درمیان رضاعت کا وہ
رشتہ قائم ہو جائے گا، جس کے بعد رضائی بن بھائیوں میں آپس میں اسی طرح نکاح حرام ہو گا جس طرح نبی بن
بھائیوں میں حرام ہوتا ہے۔ ((يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ)). (صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب
الشہادة علی الانساب والرضاع المستفيض والموت القديم) ”رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جائیں
گے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔“

(۲) مَوْلُودَ لَهُ سے مراد باپ ہے۔ طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے

جتنی اس کی طاقت ہو۔ مان کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے۔^(۱) وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے، پھر اگر دونوں (یعنی مان باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلاونے کا ہوتا بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو مطابق دستور کے جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو،^(۲) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی دلکشی بھال کر رہا ہے۔^(۳) (۲۳۳)

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور یوں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار میٹنے اور دس (دون) عدت میں رکھیں،^(۴) پھر جب مدت ختم کر لیں تو جو

لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَ الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَ افْصَالًا عَنْ تَرَاضِ قِنْهُمَا وَتَشَاءُرِ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا فَلَمْ يَأْذِنْهُمْ سَدْرُ فَسُوعًا وَلَادُكُمْ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَمْتُمْ تَأْتِيهِمْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْتُمُ الظَّاهِرُ وَأَعْلَمُ بِأَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ عَيْلَوْنَ بَعْيَرِ^(۵)

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَدَرُونَ أَزْوَاجَهُمْ إِذْ يَرْكَضُنَ بِأَنْفُسِهِنَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا أَبْلَغُنَ أَجَلَهُمْ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ

معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق مطلقہ عورت کی روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو، جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نمایت آسمانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

(۱) مان کو تکلیف پہنچانی یہ ہے کہ مثلاً مان بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے، مگر ماتا کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچے زبردستی اس سے چھین لیا جائے، یا یہ کہ بغیر خرچ کی ذمہ داری اٹھائے، اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ مان دودھ پلانے سے انکار کر دے، یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا، اس سے مالی مطالبه کرے۔

(۲) باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی مان کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں، تاکہ نہ عورت کو تکلیف ہو اور نہ بچے کی پرورش اور نگهداری مسٹریٹ ہو۔

(۳) یہ مان کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلانے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کا مأوی (معاویہ) دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

(۴) یہ عدت وفات ہر عورت کے لیے ہے، چاہے مد خولہ ہو یا غیر مد خولہ، جوان ہو یا بڑھی۔ البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنی ہے، کیوں کہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ﴿وَأُولُكُ الْأَحَدِ الْأَجَلُونَ أَجَلُهُنَّ مَنْ يَقْصُمُ حَلْمُهُنَّ﴾ — (الطلاق)، ”حمل“ والی عورتوں کی مدت وضع حمل ہے۔ اس عدت وفات میں عورت کو زیب و زینت کی (حتیٰ کہ سرمد لگانے کی بھی) اور خاوند کے مکان سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ مطلقہ رجیعہ کے لیے عدت کے اندر رزیب و زینت منوع نہیں ہے اور

اچھائی کے ساتھ وہ اپنے لئے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں^(۱) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے۔ (۲۳۲)

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارہ کنایتہ ان عورتوں سے نکاح کی بابت کرو، یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور ان کو یاد کرو گے، لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرلو^(۲) ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو^(۳) اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کرو، جان رکھو کہ

فِيمَا فَعَلْتُمْ فِي آنِفُسِهِنَّ بِمَا يَعْرُوفُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَعْمَلُونَ حَسْبٌ

وَلَاجْنَاحَمْ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضْتُمْ يَا مُنْخَلِبَةَ النَّسَاءِ أَوْ الْكُنْثُمْ
فِي آنِفُسِكُمْ عِلْمَ اللَّهُ أَكْلَمْ سَتْدَنْ كُلُّوْنَهُنْ وَلِكُنْ لَأُنْوَادُهُنْ
سَرَّ إِلَّا إِنْ تَقُولُوا أَقْوَلَمَعْرُوفًا وَلَا عِزْمُوْأَعْقَدَةَ النِّكَاحِ
حَتَّى يَبْلُغَ الْكِبَرُ أَجْهَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي
آنِفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ حَلِيمٌ

مطلقہ باشہ میں اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ زیب و زینت اختیار کریں اور اولیا کی اجازت و مشاورت سے کسی اور جگہ نکاح کا بندوبست کریں، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے تم پر بھی (اے عورت کے ولیوں) کوئی گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود کے عقد ثانی کو برا سمجھنا چاہیے، نہ اس میں رکاوٹ ڈالنی چاہیے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے اثرات سے ہمارے معاشرے میں یہ چیز بیانی جاتی ہے۔

(۲) یہ یہودیہ عورت، جس کو تین طلاقیں مل چکی ہوں، یعنی طلاق باشہ۔ ان کی بابت کما جا رہا ہے کہ عدت کے دوران ان سے اشارے کنایتے میں تو تم نکاح کا پیغام دے سکتے ہو (مثلاً میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے، یا میں نیک عورت کی تلاش میں ہوں، غیرہ) لیکن ان سے کوئی خفیہ وعدہ مت لو اور نہ مدت گزرنے سے قبل عقد نکاح پختہ کرو۔ لیکن وہ عورت جس کو خاوند نے ایک یادو طلاقیں دی ہیں، اس کو عدت کے اندر اشارے کنائے میں بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں، کیوں کہ جب تک عدت نہیں گزر جاتی، اس پر خاوند کا ہی حق ہے۔ ممکن ہے خاوند رجوع ہی کر لے۔

مسئلہ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاہل لوگ عدت کے اندر ہی نکاح کر لیتے ہیں، اس کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کرادی جائے اور اگر ہم بستری ہو گئی ہے تو بھی تفریق تو ضروری ہے، تاہم دوبارہ ان کے درمیان عدت گزرنے کے بعد نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان اب کبھی باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کے لیے ابد احرام ہیں، لیکن جسمور علماء ان کے درمیان نکاح کے جواز کے قائل ہیں (تفسیر ابن کثیر)

(۳) اس سے مراد بھی وہی تعریض و کنایت ہے جس کا حکم پسلے دیا گیا ہے، مثلاً میں تیرے معاملے میں رغبت رکھتا ہوں، یا ولی سے کہ کہ اس کے نکاح کی بابت فیصلہ کرنے سے قبل مجھے اطلاع ضرور کرنا۔ وغیرہ، (ابن کثیر)

الله تعالیٰ کو تمہارے والوں کی باتوں کا بھی علم ہے، تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے۔ (۲۳۵)

اگر تم عورتوں کو بغیر باتھ لگائے اور بغیر مرمقر کئے طلاق دے تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔ خوشحال اپنے انداز سے اور سکنست اپنی طاقت کے مطابق دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔ (۱) (۲۳۶)

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں باتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مربجھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مرکا آدھا مردے دو، یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں (۲) یا وہ شخص معاف کروے جس کے

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَنْ تَمْتُوهُنَّ أَوْ تَغْرِيْضُهُنَّ فِرْيَضَةٌ هُوَ مَيْعُونَ عَلَى الْمُؤْسِرِ قَدَرُهُ وَ عَلَى النَّفِيرِ قَدَرُهُ مَنْ تَأْعَالَ الْمَعْرُوفَ فِي حَقَّ الْمُحْسِنِينَ ②

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْتُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْنَا لَهُنَّ فِرْيَضَةً فَيُنْصَفُ مَا فَرَضْنَا لِإِنَّ أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَغْفِلُوا أَذْنِيْبِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَإِنْ يَعْفُوا أَقْرَبُ الْمُتَعْقُولِ وَ لَا تَنْهُوُ الْفَضْلَ بِنَكْلِمْ لِإِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③

(۱) یہ اس عورت کی بابت حکم ہے کہ نکاح کے وقت مرمقر نہیں ہوا تھا اور خاوند نے خلوت صحیح یعنی ہم بستی کے بغیر طلاق بھی دے دی تو اسے کچھ نہ کچھ فائدہ دے کر رخصت کرو۔ یہ فائدہ (متعد طلاق) ہر شخص کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے۔ خوش حال اپنی حیثیت اور نگذست اپنی طاقت کے مطابق دے۔ تاہم محینین کے لیے ہے یہ ضروری۔ اس متعہ کی تعین بھی کی گئی ہے، کسی نے کہا، خادم۔ کسی نے کہا ۵۰۰ درہم۔ کسی نے کہا ایک یا چند سوت، وغیرہ۔ بہر حال یہ تعین شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ متعد طلاق ہر قسم کی طلاق یا فتح عورت کو دینا ضروری ہے، یا خاص اسی عورت کی بابت حکم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ قرآن کریم کی بعض اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر قسم کی طلاق یا فتح عورت کے لیے ہے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ اس حکم متعہ میں جو حکمت اور فوائد ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ تلخی، کشیدگی اور اختلاف کے موقع پر، جو طلاق کا سبب ہوتا ہے، احسان کرنا اور عورت کی دلچسپی و دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصومتوں کے سد باب کا نامیت اہم ذریعہ ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس احسان و سلوک کے بجائے، مطلقہ کو ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس کے تعلقات بیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

(۲) یہ دوسری صورت ہے کہ ماس (خلوت صحیح) سے قبل ہی طلاق دے دی اور حق مرمجری مقرر تھا۔ اس صورت میں خاوند کے لیے ضروری ہے کہ نصف مراد اکرے۔ الایہ کہ عورت اپنای حق معاف کر دے۔ اس صورت میں خاوند کو کچھ نہیں دینا پڑے گا۔

ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے^(۱) تمہارا معاف کر دنا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ (۲۳۷)

نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز کی^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے لئے با ادب کھڑے رہا کرو۔ (۲۳۸) اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سی یا سوار ہی سی، ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ انسے تمہیں

حَافِظُوا عَلَى الْقَلَوَاتِ وَالصَّلَاةَ الْوُسْطَى وَقُوْمُوا بِهِ

قَنْتِينَ ۲۲

فَإِنْ خَفِتُمْ فَرِجَالًا أَوْ زَوْجًا نَّاجِيَةً فَإِذَا أَمْنَدُمْ فَاقْلُرُوا إِلَهَكُمْ

عَلَمْكُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا لَعَلَمْتُمْ ۚ ۲۲

(۱) اس سے مراد خاوند ہے، کیوں کہ نکاح کی گرہ (اس کا توڑنا اور باقی رکھنا) اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نصف حق مر معاف کر دے، یعنی ادا شدہ حق مر میں سے نصف مر و اپس لینے کی بجائے، اپنا یہ حق (نصف مر) معاف کر دے اور پورے کا پورا مر عورت کو دے دے۔ اس سے آگے آپس میں فضل و احسان کو نہ بھولنے کی تاکید کر کے حق مر میں بھی اسی فضل و احسان کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

لاحظہ: بعض نے ﴿بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ سے عورت کا ولی مراد لیا ہے کہ عورت معاف کر دے یا اس کا ولی معاف کر دے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ ایک تو عورت کے ولی کے ہاتھ میں عقدہ نکاح نہیں، دوسرے مر عورت کا حق اور اس کا مال ہے، اسے معاف کرنے کا حق بھی ولی کو حاصل نہیں۔ اس لیے وہی تفسیر صحیح ہے جو آغاز میں کی گئی ہے (فتح التدریج)

ضروری وضاحت: طلاق یا فت عورتوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ جن کا حق مر بھی مقرر ہے، خاوند نے مجتمع بھی کی ہے ان کو پورا حق مر دیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت ۲۲۹ میں اس کی تفصیل ہے۔ ۲۔ حق مر بھی مقرر نہیں، مجتمع بھی نہیں کی گئی، ان کو صرف متعدد طلاق دیا جائے گا۔ ۳۔ حق مر مقرر ہے، لیکن مجتمع نہیں کی گئی، ان کو نصف مر دینا ضروری ہے (ان دونوں کی تفصیل، زیر نظر آیت میں ہے) ۴۔ مجتمع کی گئی ہے، لیکن حق مر مقرر نہیں، ان کے لیے مرشد کا مطلب ہے اس عورت کی قوم میں جور و اج ہے، یا اس جیسی عورت کے لیے بالعموم جتنا مر مقرر کیا جاتا ہو۔ (نیل الاوطار و عنون المعبود)

(۲) درمیان والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے جس کو اس حدیث رسول ﷺ نے معین کر دیا ہے جس میں آپ ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز کو صَلَاةَ وُسْطَى قرار دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء علی المشرکین بالهزيمة و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الدلیل لمن قال الصلاة الوسطی۔۔۔)

اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔^(۱) (۲۳۹)

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور یویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی یویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں^(۲) انہیں کوئی نہ نکالے، ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں، اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔^(۳) (۲۴۰)

طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دنیا پر ہیز گاروں پر لازم ہے۔^(۴) (۲۴۱)

اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرمارہا ہے تاکہ تم سمجھو۔^(۵) (۲۴۲)

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ، پھر

وَالَّذِينَ يُتَوَقَّونَ مِنْكُمْ وَيَدْرُونَ أَرْوَاجَهُوَيَةً
لِلَّازِوْجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ عَيْنَهُ حَرَابِهِ فَإِنْ خَرْجَنَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ
وَإِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ^(۶)

وَلِلْمُطْلَقِتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقَاعَلِ الْمُتَقِّنِ^(۷)

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ اِلَيْهِ لَعْكَمْ تَعْقِلُونَ^(۸)

الْأَمْرَ إِلَى الَّذِينَ حَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمُ الْأُنْوَنُ حَدَّرَ الْمَوْتَ
فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوْتُوْسْ شَاهِيْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلِ عَلَّ
النَّاسِ وَلَكِنَ الْكَثُرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ^(۹)

(۱) یعنی دشمن سے خوف کے وقت جس طرح بھی ممکن ہے، پیدا ہوئے، سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لو۔ تاہم جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح سکھلایا گیا ہے۔

(۲) یہ آیت گو ترتیب میں مؤخر ہے، مگر منسخ ہے، ناخ آیت پسلے گزر چکی ہے، جس میں عدت وفات ۲ میںنے ۱۰ ادن بتلائی گئی۔ علاوه ازیں آیت مواریث نے یویوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب خاوند کو عورت کے لیے کسی بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش (سکنی) کی اور نہ نان و نفقہ کی۔

(۳) یہ حکم عام ہے جو ہر مطلق عورت کو شامل ہے۔ اس میں تفرقی کے وقت جس حسن سلوک اور تطییب قلوب کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں۔ کاش مسلمان اس نہایت ہی اہم نصیحت پر عمل کریں، جسے انہوں نے بالکل فراموش کر رکھا ہے۔ آج کل کے بعض "مجتہدین" نے "متاع" اور متنعوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ کو اپنی جائیداد میں سے باقاعدہ حصہ دو، یا عمر بھر تان و نفقہ دیتے رہو۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں، بھلا جس عورت کو مرد نے نہایت ناپسندیدہ سمجھ کر اپنی زندگی سے ہی خارج کر دیا، وہ ساری عمر کس طرح اس کے اخراجات کی ادائیگی کے لیے تیار ہو گا؟

انہیں زندہ کرو یا^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشرکرے ہیں۔ (۲۲۳)

اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے (۲۲۴)

ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض^(۲) دے پس اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے، اللہ ہی تخلیٰ اور کشاوگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۲۵)

کیا آپ نے (حضرت) موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا^(۳) جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللہِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَيِّدُ الْعِلَمِينَ

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ فَرْضًا حَسْنًا فَيُضِيقُهُ اللَّهُ أَضْعَافًا
كَبِيرًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَيَعْصِي وَيَعْلَمُ مَا يَعْمَلُونَ

أَلْحَنْتَ إِلَى الْمُلَائِكَةِ أَنِّي أَسْرَءَ إِنِّي مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ
قَالُوا إِنَّمَا لَكُمْ بَعْثَةُ لَنَا مِلَكًا تُعَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ

(۱) یہ واقعہ سابقہ کسی امت کا ہے، جس کی تفصیل کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں کی گئی۔ تفسیری روایات میں اسے بنی اسرائیل کے زمانے کا واقعہ اور اس پیغمبر کا نام، جس کی دعا سے انہیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرمایا، حزقیل بتلایا گیا ہے۔ یہ جہاد میں قتل کے ذر سے، یا وباً یا باری طاعون کے خوف سے اپنے گروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، تاکہ موت کے منہ میں جانے سے نفع جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مار کر ایک تو یہ بتلایا کہ اللہ کی تقدیر سے تم نفع کر کیں نہیں جاسکتے۔ دوسرایہ کہ انسانوں کی آخری جائے پناہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ تمام انسانوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا۔ جس طرح اللہ نے ان کو مار کر زندہ کر دیا۔ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے اس واقعے کے بیان میں یہی حکمت ہے کہ جہاد سے جی مت چڑا، موت و حیات تو اللہ کے قبیلے میں ہے اور اس موت کا وقت بھی متعین ہے جسے جہاد سے گریز و فرار کر کے تم ثال نہیں سکتے۔

(۲) فَرَضْ حَسَنْ سے مراد اللہ کی راہ میں اور جہاد میں مال خرچ کرنا ہے یعنی جان کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل مت کرو۔ رزق کی کشاوگی اور کمی بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ دونوں طریقوں سے تمہاری آزمائش کرتا ہے۔ کبھی رزق میں کمی کر کے اور کبھی اس میں فراوانی کر کے۔ پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تو کمی بھی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اس میں کئی کمی گناہ اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی و روحاںی طور پر اس میں برکت ڈال کر اور آخرت میں تو یقیناً اس میں اضافہ حیران کن ہو گا۔

(۳) ملائکہ کی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل و عقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں تلاذ کے لغوی معنی (بھرنے کے ہیں) (ایسرا التغایر) جس پیغمبر کا یہاں

سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بناد جئے^(۱) تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جماد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ ممکن ہے جماد فرض ہو جانے کے بعد تم جماد نہ کرو، انہوں نے کہا بھلا، ہم اللہ کی راہ میں جماد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجازے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔ پھر جب ان پر جماد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ طالموں کو خوب جانتا ہے۔ (۲۳۶)

اور انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنادیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو، اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ

هَلْ عَسِيْتُمْ إِنْ كَيْتَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ الْأَنْقَاتِ لِنَوَادَ قَالُوا
وَمَا لَنَا أَلَّا نَقْاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجُنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَآبَانِنَا فَلَمَّا كَيْتَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا لَا قَدِيلًا
قَنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيهِ بِالظَّلَمِينَ ④

وَقَالَ رَبُّهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مِلِيجًا
قَالُوا أَتَيْتُمْ بِيُونَ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَمَنْ أَحْقَى بِالْمُلْكِ
مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَهُ
عَلَيْكُمْ وَرَزَّاكُمْ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْإِيمَانِ وَاللَّهُ يُؤْتِ
مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِ ⑤

ذکر ہے اس کا نام شمولیٰ بتالیا جاتا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ عرصے تک تو نھیک رہے، پھر ان میں انحراف آگیا، دین میں بدعت ایجاد کر لیں۔ حتیٰ کہ بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انہیاں کو روکتے رہے، لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنمیوں نے ان کے علاقے بھی چھین لیے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بھی بنالیا، ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، بالآخر بعض لوگوں کی دعاویٰ سے شمولیٰ نبی پیدا ہوئے، جنمیوں نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ انہوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔ پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو، لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہیں رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔

(۱) نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ، بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہت جائز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مطالبے کو رد فرمادیتا، لیکن اللہ نے اس معاملے کو رد نہیں فرمایا، بلکہ طالوت کو ان کے لئے بادشاہ مقرر کر دیا، جیسا کہ آگے آرہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اگر مطلق العنان نہیں ہے بلکہ وہ احکام الہی کا پابند اور عدل و انصاف کرنے والا ہے تو اس کی بادشاہت جائز ہی نہیں، بلکہ مطلوب و محبوب بھی ہے۔ مزید دیکھئے: سورۃ المائدۃ، آیت ۲۰ کا حاشیہ۔

کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی
ہے^(۱) بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ
تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔ (۲۳۷)

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی
ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق^(۲) آ
جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دفعی ہے
اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترک ہے، فرشتے
اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمہارے لئے کھلی دلیل
ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ (۲۳۸)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ أَنَّ يَأْتِيَكُمُ الْكَابُوتُ زُفْرَةٌ
سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّنْ تَرَكَ الْمُؤْمِنِيْ وَالْمُهُوَّنَ
عَنِ الْمُهَلَّكَةِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيْةً لِّكُمْ إِنْ كُنُّتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(۱) حضرت طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ یہ غریب اور ایک عام فوجی تھے، جس پر انہوں نے اعتراض کیا۔ پیغمبر نے کہا کہ یہ میرا انتخاب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں قیادت و سیادت کے لیے مال سے زیادہ عقل و علم اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت ہے اور طالوت اس میں تم سب میں متاز ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس منصب کے لیے چن لیا ہے۔ وہ واسع الفضل ہے، جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت و عنایات سے نوازا تا ہے۔ علیم ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ بادشاہت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں ہے (معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں بتلایا گیا کہ یہ تقریبی اللہ کی طرف سے ہے تو اس کے لیے انہوں نے مزید کسی نشانی کا مطالبہ کیا، تاکہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔ چنانچہ اُنکی آیت میں ایک اور نشانی کا بیان ہے۔)

(۲) صندوق یعنی تابوت، جو توب سے ہے، جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ کیوں کہ بنی اسرائیل تبرک کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے (فتح القدير) اس تابوت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، یہ تابوت بھی ان کے دشمن ان سے چھین کر لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعے سے حضرت طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا۔ جسے دیکھ کر بنی اسرائیل خوش بھی ہوئے اور اسے طالوت کی بادشاہی کے لیے منجاب اللہ نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ان کے لیے ایک اعجاز (آیت) اور فتح و سکینت کا سبب قرار دیا۔ سکینت کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول ہے جو وہ اپنے خاص بندوں پر نازل فرماتا ہے اور جس کی وجہ سے جنگ کی خون ریز معرکہ آرائیوں میں جس سے بڑے بڑے شیردل بھی کانپ کانپ اٹھتے ہیں، اہل ایمان کے دل دشمن کے خوف اور بہت سے خالی اور فتح و کامرانی کی امید سے لبریز ہوتے ہیں۔

جب (حضرت) طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کما سنوالہ تعالیٰ تمیس ایک نر^(۱) سے آزمانے والا ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چھے وہ میرا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔ لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا^(۲) (حضرت) طالوت مومنین سمیت جب نرسے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔^(۳) لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا، با اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں، اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (۲۳۹)

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَدِئُ الْحُكْمِ يَنْهَا
فَهُنَّ شَرِيكُونَ مِنْهُ فَلَمَّا يَرَى مِنْ أَنْهِيَطَعَهُ فَإِنَّهُ يَرَى إِلَيْنَاهُ
أَغْرَى عَرْفَةً بَيْنَهُ فَتَرَبُّو إِمْمَانُهُ إِلَّا قَلِيلٌ لِمَنْ هُنْ فَلَمَّا جَاءَهُ
هُوَ وَالَّذِينَ امْتَوْعَمُهُ فَلَمَّا لَرَأَاهُمْ جَاءَهُمْ بِالْجُنُودِ
قَالَ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ أَتَهُمْ مُلْقُو الْأَيْمَانِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ
غَلَبُتْ فِتْنَةُ كَثِيرَةٍ لِمَنْ لَمْ يَأْذِنِ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

وَلَمَّا بَرَزَ الْجَالُوتُ وَجُنُودُهُ قَالَ وَارِبَّا أَفِرَغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَنَتَّبَعْ أَقْدَامَنَا وَأَصْرَنَا عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

(۱) یہ نسراروں اور فلسطین کے درمیان ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، یا ہم دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت تو اس کی اہمیت دو چند، بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ دوسرے، جنگ میں کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فوجی اس دوران بھوک، پیاس اور دیگر شدائد کو نمایت صبرا اور حوصلے سے برداشت کریں۔ چنانچہ ان دونوں بالوں کی تربیت اور امتحان کے لیے طالوت نے کہا کہ نسر پر تمہاری پہلی آزمائش ہو گی۔ جس نے پانی پی لیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ لیکن اس تنبیہ کے باوجود اکثریت نے پانی پی لیا۔ ان کی تعداد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ اسی طرح نہ پہنچنے والوں کی تعداد ۳۱۳ تا ۳۱۵ گئی ہے، جو صحابہ بدرا کی تعداد ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) ان اہل ایمان نے بھی، ابتداءً جب دشمن کی بڑی تعداد دیکھی تو اپنی قلیل تعداد کے پیش نظر اس رائے کا اظہار کیا، جس پر ان کے علماء اور ان سے زیادہ پختہ یقین رکھنے والوں نے کہا کہ کامیابی، تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں، بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے اور اللہ کی تائید کے لیے صبر کا اہتمام ضروری ہے۔

مبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر
ہماری مدد فرم۔^(۲۵۰)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو
ٹکست دے دی اور (حضرت) داود (علیہ السلام) کے
ہاتھوں جالوت قتل ہوا^(۲) اور اللہ تعالیٰ نے داود (علیہ
السلام) کو مملکت و حکمت^(۳) اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا
فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا
تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا
فضل و کرم کرنے والا ہے۔^(۴) (۲۵۱)

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقُتِلَ دَاوُدُ جَانُونَ وَاللَّهُ أَكْبَرُ
وَالْجَلِيلَةَ وَعَلَيْهِ مِنَا يَشَاءُ وَلَوْلَا دُفُرُ اللَّهِ الْمَنَاسَ
بَعْضُهُمْ بِعَيْنِ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلِكَنَ اللَّهُ
ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَلَمِينَ ^(۵)

(۱) جالوت اس دشمن قوم کا کمانڈر اور سربراہ تھا جس سے طالوت اور ان کے رفتار کا مقابلہ تھا۔ یہ قوم عمالقہ تھی جو اپنے وقت کی بڑی جنگجو اور بہادر قوم سمجھی جاتی تھی۔ ان کی اسی شرست کے پیش نظر، عین معزکہ آرائی کے وقت اہل ایمان نے بارگاہ الہی میں صبر و ثبات اور کفر کے مقابلے میں ایمان کی فتح و کامیابی کی دعا مانگی۔ گویا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلبگار رہیں، جیسے جنگ بدروں میں نبی مسیح^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے نہایت الحاج و زاری سے فتح و نصرت کی دعا میں مانگیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل تعداد کافروں کی بڑی تعداد پر غالب آئی۔

(۲) حضرت داود علیہ السلام بھی، جو ابھی پیغمبر تھے نہ بادشاہ، اس لشکر طالوت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل تھے۔ ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جالوت کا خاتمہ کیا اور ان تھوڑے سے اہل ایمان کے ذریعے سے ایک بڑی قوم کو ٹکست فاش دلوائی۔

(۳) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت بھی۔ حکمت سے بعض نے نبوت، بعض نے صنعت آہن گری اور بعض نے ان امور کی سمجھ مرادی ہے، جو اس موقعہ جنگ پر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے سے فیصلہ کرنے ثابت ہوئے۔

(۴) اس میں اللہ کی ایک سنت الہی کا بیان ہے کہ وہ انسانوں کے ہی ایک گروہ کے ذریعے سے، دوسرے انسانی گروہ کے ظلم اور اقتدار کا خاتمہ فرماتا رہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور کسی ایک ہی گروہ کو یہی شر قوت و اختیار سے بہرہ دے رکھتا تو یہ زمین ظلم و فساد سے بھر جاتی۔ اس لیے یہ قانون الہی اہل دنیا کے لیے فضل الہی کا خاص مظہر ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ حج کی آیت ۳۸ اور ۳۰ میں بھی فرمایا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی آئیں ہیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ
آپ پر پڑتے ہیں، بالیقین آپ رسولوں میں سے
ہیں^(۱) (۲۵۲)

بِلَكَ أَيُّهُ اللَّهُ تَشْتُرُهُ فَاعْلَمُكَ بِالْحَقِّ وَأَنَّكَ لَيْسَ
الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾

(۱) یہ گزشتہ واقعات، جو آپ ﷺ پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں، اے محمد (ﷺ) یقیناً آپ کی رسالت و صداقت کی دلیل ہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے یہ نہ کسی کتاب میں پڑھے ہیں، نہ کسی سے سنبھالے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جو ذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرمارہا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر گزشتہ امتوں کے واقعات کے بیان کو آپ ﷺ کی صداقت کے لیے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے^(۱) ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کئے ہیں، اور ہم نے عیینی بن مریم کو مجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔^(۲) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آجائے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے، لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے،^(۳) لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (۲۵۳)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَصَلَّيْنَا بِعَضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُمْ
مَنْ كَلَمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ
مَرْيَمَ الْبَيْتَنَتِ وَآتَيْدُنَاهُ يَرْوِحَ الْقَدْسَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلَ
الَّذِينَ مِنْ أَعْدَاءِ هُنَّ قُنْبَّاً جَاءُهُمُ الْبَيْتَنَتِ وَلَكِنَّهُنْ تَعْقِلُونَ
فِيهِمْ قُنْبَّاً أَمَّنْ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلَوْا
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعُلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٥٣﴾

(۱) قرآن نے ایک دوسرے مقام پر بھی اسے بیان کیا ہے ﴿ وَلَقَدْ فَصَلَنَا بَعْضَ الْتَّيْمَنَ عَلَى تَبَغِيفٍ ﴾ (بنی اسرائیل ۵۵) ”ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے“ اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ بنی ملائکہ نے جو فرمایا ہے « لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ » (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ الاعراف، باب ۱۲۵۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسی) ”تم مجھے انبیا کے درمیان فضیلت مت دو“ تو اس سے ایک کی دوسرے پر فضیلت کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ یہ امت کو انبیا علیم السلام کی بابت ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ تمہیں چونکہ تمام بالتوں اور ان امتیازات کا، جن کی بنا پر انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، پورا علم نہیں ہے۔ اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیا کی کسر شان ہو۔ ورنہ بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر نبی ملائکہ کی فضیلت و اشرفیت مسلسلہ اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدر، الشوکانی)

(۲) مراد وہ میجرات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے، مثلاً احیائے موتی (مردوں کو زندہ کرنا) وغیرہ۔ جس کی تفصیل سورہ آل عمران میں آئے گی۔ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزرتا ہے۔

(۳) اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ مطلب اس کا یہ نہیں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ دین میں اختلاف پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اس کی پسند (رضاء) تو یہ ہے کہ تمام انسان اس کی نازل کردہ شریعت کو اپنا کرنا رجنم سے بچ جائیں۔ اسی لیے اس نے کتابیں اتاریں، انبیا علیم السلام کا سلسلہ قائم کیا تا آنکہ نبی کریم ﷺ پر رسالت کا خاتمه فرمادیا۔ تاہم اس کے بعد بھی خلفا اور علماء دعاۃ کے ذریعے سے دعوت حق اور امر بالمعروف و نهى عن المنکر کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور اس کی سخت اہمیت و تاکید بیان فرمائی گئی۔ کس لیے؟ اسی لیے تاکہ لوگ اللہ کے پسندیدہ راستے کو اختیار کریں۔ لیکن چونکہ اس نے ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں کی نشان دہی کر کے انسانوں کو

اے ایمان والوا! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت^(۱) اور کافر ہی طالم ہیں۔ (۲۵۳)

اللہ تعالیٰ ہی معبد برحق ہے جس کے سوا کوئی معبد نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اوٹگھے آئے نہ نیند، اس کی ملکیت میں زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں ہیں۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے،^(۲) اس کی کرسی کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّفَعُوا مِمَّا رَزَقْنَا لَهُمْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ الْلَّا يَعْلَمُ فِيهِ وَلَا حَلَةٌ وَلَا شَفاعةٌ وَلَا كُفْرٌ فَوْنَ هُمُ الظَّالِمُونَ ②

اللَّهُ أَلَا إِلَهَ إِلَهُ الْحَمْدُ لَهُ أَتَأْخُذُهُ بِسَنَةٍ وَلَا تُؤْمِنُ
لَهُ مَلَكُ السَّمَاوَاتِ وَمَلَكُ الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ
عِنْدَهُ إِلَّا بِذِنْهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يُحِيطُونَ بِكُنْيَةِ مَنْ عَلَيْهِ إِلَيْهَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا يَنْبُودُهُ حَظْفُمَاً وَ فَوْ
الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ③

کوئی ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ بطور امتحان اسے اختیار اور ارادہ کی آزادی سے نوازا ہے، اس لیے کوئی اس اختیار کا صحیح استعمال کر کے مومن بن جاتا ہے اور کوئی اس اختیار و آزادی کا غلط استعمال کر کے کافر۔ یہ گویا اس کی حکمت و مشیت ہے، جو اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔

(۱) یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین اپنے اپنے پیشواؤں یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا انتہا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جوبات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں۔ اسی کو وہ شفاعت کرتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اڑ کر بینھے جائیں گے، اور بخشوا کرائیں گے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایسی کسی شفاعت کا کوئی وجود نہیں۔ پھر اس کے بعد آیت الکری میں اور دوسری متعدد آیات و احادیث میں بتایا گیا کہ اللہ کے یہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہو گی، مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے۔ جنہیں اللہ اجازت دے گا۔ اور صرف اسی بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا۔ اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا۔ یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیا و رسول بھی، اور شداؤ صالحین بھی۔ مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہو گا۔ بلکہ اس کے بر عکس یہ لوگ خود اللہ کے خوف سے اس قدر لرزائی و ترسائی ہوں گے کہ ان کے چہروں کا رنگ اڑ رہا ہو گا۔ ﴿ وَلَا يَنْفَعُونَ إِلَّا لِيَسْتَهْزَىءُهُمْ مِنْ خَيْرِهِمْ مُشْفِقُونَ ﴾ (الأنبياء - ۲۸) -

(۲) یہ آیت الکری ہے جس کی بڑی فضیلت صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً یہ آیت قرآن کی اعظم آیت ہے۔ اس کے پڑھنے سے رات کو شیطان سے تحفظ رہتا ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے وغیرہ (اہن کشرا یہ اللہ

وَسَعْتُ^(۱) نَزِمَّنْ وَآسَانَ كَوْغَيْرَ رَكَاهَهُ اَوْرَ اللَّهُ تَعَالَى
اَنَّ كَيْ حَفَاظَتْ سَهْ تَحْكَمَتْ اَوْرَنَهُ اَكَتَاتَهُهُ، وَهُوَ تَبَتْ
بَلَندَ اَوْرَ بَهْتَ بَرَادَهُهُ (۲۵۵)

دِينَ کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت
سے روشن ہو چکی ہے،^(۲) اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشُدُ مِنَ الْغَيْرِ فَمَن يَكْفُرُ
بِالظَّاغُورَتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْغَرْوَةِ

تعالیٰ کی صفات جلال، اس کی علوشان اور اس کی قدرت و عظمت پر مبنی نہایت جامع آیت ہے۔

(۱) کُرْزِیٰ سے بعض نے مَوْضِعُ قَدَمَيْنِ (قدم رکھنے کی جگہ)، بعض نے علم، بعض نے قدرت و عظمت، بعض نے بادشاہی اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔ لیکن صفات باری تعالیٰ کے بارے میں محدثین اور سلف کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس طرح قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کی بغیر تاویل اور کیفیت بیان کیے، ان پر ایمان رکھا جائے۔ اس لیے یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ فی الواقع کرسی ہے جو عرش سے الگ ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے، اس پر وہ کس طرح بیٹھتا ہے؟ اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔

(۲) اس کی شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ انصار کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے، پھر جب یہ انصار مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی بن چکے تھے، زبردستی مسلمان بنانا چاہا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شان نزول کے اس اعتبار سے بعض مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے یعنی مسلمان مملکت میں رہنے والے اہل کتاب، اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں، تو انہیں قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے، یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے۔ تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جماد ایک الگ اور جبر و اکراہ سے مختلف چیز ہے۔ مقصد معاشرے سے اس وقت کا زور اور دباؤ ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں روڑہ بی ہوئی ہو۔ تاکہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام میں داخل ہو جائے۔ چونکہ روڑہ بننے والی طاقتیں رہ کر ابھرتی رہیں گی اس لیے جماد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی، جیسا کہ حدیث میں ہے «الْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ» (جماد قیامت تک جاری رہے گا) خود نبی ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جماد کیا ہے اور فرمایا ہے۔ «أُمِرْتُ أَنْ أَقْاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا» الحدیث۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الإیمان، باب فِی ان تابوا و اقاموا الصلوٰة) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جماد کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔ اسی طرح سزاۓ ارتداد (قتل) سے بھی اس آیت کا کوئی نکراو نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ ایسا باور کرتے ہیں۔) کیونکہ ارتداد کی سزا۔ قتل۔ سے مقصود جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہ جانے کی اجازت تو بے شک دی جاسکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر اس سے بغاوت و انحراف کی

کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جانے والا ہے۔ (۲۵۶)

ایمان لانے والوں کا کار ساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاً شیاطین ہیں۔ وہ انیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ (۲۵۷)

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مرتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مرتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔ اب تو وہ کافر بھونچ کارہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲۵۸)

یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا اس کی

اجازت نہیں دی جا سکتی لہذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے۔ کیونکہ اگر یہ اجازت دے دی جاتی تو نظریاتی اساس منعدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انوار کی پھیلتی جو اسلامی معاشرے کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر، قتل، چوری، زنا، ڈاکہ اور حرابہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جا سکتی، اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔ یہ جبر و اکراہ نہیں ہے۔ بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح میں انصاف ہے جس طرح قتل و غارت گری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزا نہیں دینا یعنی انصاف ہے۔ ایک کامقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کامقصد ملک کو شروع فساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد، ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں۔ آج اکثر اسلامی ممالک ان دونوں ہی مقاصد کو نظر انداز کر کے جن الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دو چار ہیں، محتاج وضاحت نہیں۔

اَوْتُقُّ لَا اِنْفَصَامَ لَهَا۝ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلَيْهِ ۝

اَللَّهُ قَرِئَ الَّذِينَ اَمْوَالُهُمْ لَا يَرْجُهُمْ مِنَ الظُّلْمِ۝ اَلِ التَّوْرَةُ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا۝ اَوْلَئِكَ هُمُ الظَّاغُونُ۝ يُنْهَىٰ جُوْهُمْ مِنَ التَّوْرَةِ
إِلَى الظُّلْمِ۝ اُولَئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ۝ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ۝

اَكْحَرَ رَأَىَ الَّذِي حَاجَرَ إِبْرَاهِيمَ فِي زَرَّةٍ۝ اَنَّ اَنْشَهُ اَللَّهُ
اَمْلُكَ۝ اَذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُنْهِيَ وَيُمْبِيُّ۝ قَالَ كَمَا
اَنْهِيَ وَأَمْبِيُّ۝ قَالَ اِبْرَاهِيمُ فَقَالَ اللَّهُ يَأْتِيَ بِالثَّمَنِ مِنَ
الْمَشْرِقِ۝ قَاتِلُ بِهَا مِنَ الْغَنَوْبِ۝ فَبُهْتَ الَّذِي كَفَرَ۝ وَاللَّهُ
لَا يَهُدِي الْقَوْمَ الظَّلِمِيْنَ ۝

اُوْ كَلَذِنِيْ مَرَعَلِيْ قَرِيْبَهُ وَهِيَ حَلْوَيَهُ عَلَى عُرُوشَهُ۝
قَالَ اَنِيْ يُنْهِيَ هَذِنَهُ اَللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا۝ قَأَمَاتَهُ اَللَّهُ۝

موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟^(۱) تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لئے، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنا مت دت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ،^(۲) فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا، پھر اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کے بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۳) (۲۵۹)

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟^(۴) (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا، کیا تمہیں

مائۃ عامِ ثمّ بعثة قالَ كُلَّ بَيْتٍ قَالَ كُلَّ بَيْتٍ يَوْمًا
أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ بَيْتٍ مَايَةً عَامِ فَانظُرْ إِلَى حَمَارِكَ
طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَهُ يَسِّهَهُ وَانظُرْ إِلَى حَمَارِكَ
وَلِنَجْعَلَكَ أَيَّهُمْ لِمَنِ اسْتَوْهَا لَهُمَا تَبَيَّنَ لَهُ
كَيْفَ تُشْرُهَا تُمْكِنْ سُوْهَا لَهُمَا تَبَيَّنَ لَهُ
قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۶﴾

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيْ كَيْمَتُ تُبَيْحِي الْمُؤْمِنَ قَالَ أَوْلَمْ
تُؤْمِنَنْ قَالَ بَلْ وَلَكِنْ لِيَطْبِقَنْ قَلْبِيْنِيْ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةَ
مِنَ الظَّلِفِ فَصُرْهُنْ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنْ

(۱) اُز کالذی کا عطف پسلے واقعہ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے (پسلے واقعہ کی طرح) اس شخص کے قصے پر نظر نہیں ڈالی جو ایک بستی سے گزرا..... یہ شخص کون تھا؟ اس کی بابت مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور حضرت عزیز کا نام ہے جس کے بعض صحابہ و تابعین قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس سے پسلے کے واقعہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام و نمرود) میں صانع یعنی باری تعالیٰ کا اثبات تھا اور اس دوسرے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت احیائے موتی کا اثبات ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اور اس کے گدھے کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا، حتیٰ کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ وہی اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ جب وہ سو سال کے بعد زندہ کر سکتا ہے تو ہزاروں سال کے بعد بھی زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ جب وہ شخص مذکور مرا تھا، اس وقت کچھ دن چڑھا ہوا تھا اور جب زندہ ہوا تو بھی شام نہیں ہوئی تھی، اس سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن گزر گیا ہے اور اگر یہ آج ہی کا واقعہ ہے تو دن کا کچھ حصہ ہی گزرا ہے۔ جب کہ واقعہ یہ تھا کہ اس کی موت پر سو سال گزر چکے تھے۔

(۳) یعنی یقین تو مجھے پسلے بھی تھا لیکن اب یعنی مشاہدے کے بعد میرے یقین اور علم میں مزید پختگی اور اضافہ ہو گیا ہے۔

(۴) یہ احیائے موتی کا دوسرا واقعہ ہے جو ایک نمایت جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش اور ان کے اطمینان قلب کے لیے دکھایا گیا۔ یہ چار پرندے کوں کوں سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کیے ہیں لیکن ناموں کی

ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسلیم ہو جائے گی، فرمایا چار پرندوں کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو، تم سارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکموں والا ہے^(۲۶۰)

جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرج کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے^(۱) اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے^(۲۶۱)

جُرْهَةً أَتُخَادُهُنَّ يَا تَبَّانِكَ سَعْيًا، وَاعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ^(۲)

مَقْلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَيِّئِ الْحُكْمِ حَيْثَ أَتَبْتَأْتُ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُبْلَكٍ مَا لَهُ حَكْمٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِمُ عَلِيِّمُ ^(۳)

تعین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے اللہ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کیے۔ بس یہ چار مختلف پرندے تھے۔ فَصُرْهُنَّ کے ایک معنی أَمْلَهُنَّ کے گئے ہیں یعنی ان کو ”ہلا لے“ (مانوس کر لے) تاکہ زندہ ہونے کے بعد ان کو آسانی سے پہچان لے کہ یہ وہی پرندے ہیں اور کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔ اس معنی کے اعتبار سے پھر اس کے بعد ثُمَّ قَطَعُهُنَّ (پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے) مذکور ماننا پڑے گا۔ دوسرے معنی قَطَعُهُنَّ (ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پاڑوں پر ان کے اجزاء بآہم ملا کر رکھ دے، پھر تو آواز دے تو وہ زندہ ہو کر تیرے پاس آجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعض جدید و قدیم مفسرین نے (جو صحابہ و تابعین کی تفسیر اور سلف کے منبغ و مسلک کو اہمیت نہیں دیتے) فَصُرْهُنَّ کا ترجمہ صرف ”ہلا لے“ کا کیا ہے۔ اور ان کے ٹکڑے کرنے اور پاڑوں پر ان کے اجزاء بکھیرنے اور پھر اللہ کی قدرت سے ان کے جزو نے کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں، اس سے واقعہ کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور مردے کو زندہ کر دکھانے کا سوال جوں کا توں قائم رہتا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفت احیائے موتی اور اس کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے۔ ایک حدیث میں ہے نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کا تذکرہ کر کے فرمایا ”نَخْنُ أَحَقُّ بِالشُّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ“ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر) ”ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے حق دار ہیں۔“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا، لہذا ہمیں ان سے زیادہ شک کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ بلکہ مطلب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نقی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مسئلے میں شک نہیں کیا اگر انہوں نے شک کا اظہار کیا ہوتا تو ہم یقیناً شک کرنے میں ان سے زیادہ حق دار ہوتے (مزید وضاحت کے لیے دیکھئے فتح القدر۔ اللشکانی)

(۱) یہ اتفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت ہے۔ اس سے مراد اگر جماد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جماد میں خرج کی گئی

جو لوگ اپنامال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرج کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں،^(۱) ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ ادا س ہوں گے۔ (۲۶۲)

زرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو^(۲) اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے، (۲۶۳)

اے ایمان والوا! اپنی خیرات کو احسان جتا کرو اور ایذا پہنچا کر

الَّذِينَ يُنْفِعُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَيِّئِنَ الْوَقْتِ لَا يُنْتَهُونَ
مَا أَنْفَقُوا مِنْ قَوْلًا ذَرْيَ لَهُمْ أَجْرٌ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَلَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

قُولٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتَبَعَّهَا أَذْيٌ
وَإِنَّهُ عَنِ الْحَلِيمٌ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا أَصْدَقَاتِكُمْ بِالْمَيْنِ وَالْأَذْيِ

رقم کا یہ ثواب ہو گا اور اگر اس سے مراد تمام مصارف خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات و صدقات نافلہ کی ہو گی اور دیگر نیکیاں «الْحَسَنَةُ بَعْشُرُ أَمْثَالِهَا» (ایک نیکی کا اجر دس گنا) کی ذیل میں آئیں گی۔ (فتح القدیر) گویا نفقات و صدقات کا عام اجر و ثواب، دیگر امور خیر سے زیادہ ہے۔ اتفاق فی سبیل اللہ کی اس اہمیت و فضیلت کی وجہ بھی واضح ہے کہ جب تک سامان و اسلحہ جنگ کا انتظام نہیں ہو گا، فوج کی کارکردگی بھی صفر ہو گی اور سامان و اسلحہ رقم کے بغیر میانا نہیں کیے جاسکتے۔

(۱) اتفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہو گی جو مال خرج کر کے احسان نہیں جلتا نہ زبان سے ایسا کلمہ تحیر ادا کرتا ہے جس سے کسی غریب، محتاج کی عزت نفس محروم ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے۔ کیونکہ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا، ان میں ایک احسان جلتا نہ والا ہے (مسلم، کتاب الإیمان، باب غلط تحريم إمسال الإزار والمن بالمعطية)۔

(۲) سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا یا دعا یہی کلمات (الله تعالیٰ تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے نوازے وغیرہ) سے اس کو جواب دینا قول معروف ہے اور مَغْفِرَةً کا مطلب سائل کے فقر اور اس کی حاجت کالوگوں کے سامنے عدم اطمینان اور اس کی پرده پوشی ہے اور اگر سائل کے منہ سے کوئی نازی بابات نکل جائے تو اس سے چشم پوشی بھی اس میں شامل ہے۔ یعنی سائل سے نرمی و شفقت اور چشم پوشی، پرده پوشی، اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو لوگوں میں ذیل و رسو اکر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے «الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ» (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان أنَّ اسَمَ الصَّدَقَةِ بَقِعٌ عَلَى كُلِّ نُوْعٍ مِنَ الْمَعْرُوفِ، (پاکیزہ کلمہ بھی صدقہ ہے) نیز نبی ﷺ نے فرمایا "تم کسی بھی معروف (نیکی) کو حیرمت سمجھو، اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔ «لَا تَخْرِقَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاهُ يَوْجِه طَلْقًا» (مسلم، کتاب البر، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء)۔

بریاد نہ کرو! جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرج کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے نہ قیامت پر، اس کی مثال اس صاف پھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زور دار مینے برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے،^(۱) ان ریا کاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز باخہ نہیں لگتی اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو (سیدھی) راہ نہیں دکھاتا۔ (۲۶۳)

ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرج کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اپنی زمین پر ہو^(۲) اور زور دار بارش اس پر برسے اور وہ اپنا چھل دگنا لاوے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (۲۶۵)

كَالَّذِي يُتْفِقُ مَالَهُ رِقَاءُ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمَ الْآخِرُ فَمَنْ لَهُ كِتَابٌ صَعُوبَانِ عَلَيْهِ تَرَابٌ فَأَصَابَهُ
وَإِلَّا قَرَرَهُ صَدُّدُ الْأَيْمَارُونَ عَلَى شَيْءٍ مُّتَنَاهِ كَبُوْلًا وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۴۷﴾

وَمَنْ أَكَلَ الْأَيْمَارَ يُنْفَقُونَ أَمْوَالَهُمُ أَبْتِغَاهُ مَرْضَاتِ اللَّهِ
وَتَشْيِيْتَاهُ مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَيْلَ جَنَاحَ لِرَبِّوْةَ أَصَابَهَا وَإِلَّا
فَأَتَتْ أَكْلَهَا ضَغْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصْبِبَا وَإِلَّا قُطْلُهُ مَوَالِهِ
بِمَا أَعْمَلُوا بَصِيرٌ ﴿۴۸﴾

(۱) اس میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کر کے احسان جتنا اور تکلیف دہ باتیں کرنا، اہل ایمان کا شیوه نہیں، بلکہ ان لوگوں کا وظیہ ہے جو منافق ہیں اور ریا کاری کے لیے خرج کرتے ہیں۔ دوسرے، ایسے خرج کی مثال صاف چنان کی ہی ہے جس پر کچھ مٹی ہو، کوئی شخص پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس میں بیج بودے لیکن بارش کا ایک جھٹکا پڑتے ہی وہ ساری مٹی اس سے اتر جائے اور وہ پھر مٹی سے بالکل صاف ہو جائے۔ یعنی جس طرح بارش اس پھر کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی، اسی طرح ریا کار کو بھی اس کے صدقہ کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

(۲) یہ ان اہل ایمان کی مثال ہے جو اللہ کی رضا کے لیے خرج کرتے ہیں، ان کا خرج کیا ہوا مال اس باغ کی مانند ہے جو پر فضا اور بلند چوٹی پر ہو، کہ اگر زور دار بارش ہو تو اپنا چھل دگناوے ورنہ ہلکی سی پھوار اور شبتم بھی اس کو کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے نفقات بھی، چاہے کم ہو یا زیادہ، عند اللہ کئی کئی گنا اجر و ثواب کے باعث ہوں گے جتنے اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اتنی کثرت سے درخت ہوں جو زمین کو ڈھانک لیں یا وہ باغ، جس کے چاروں طرف باڑھ ہو اور باڑھ کی وجہ سے باغ نظروں سے پوشیدہ ہو۔ یہ جن سے ماخوذ ہے، جن اس مخلوق کا نام ہے جو نظر نہیں آتی، پیش کے پچ کو جنین کما جاتا ہے کہ وہ بھی نظر نہیں آتا، دیوانگی کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور جنت کو بھی اس لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مستور ہے۔ زینوہ اپنی زمین کو کہتے ہیں۔ وَإِلَّا تَيزِ
بارش۔

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باعث ہو، جس میں نہیں بہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں، اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو، اس کے نسخے نسخے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باعث کو بگولا لگ جائے جس میں آگ بھی ہو، پس وہ باعث جل جائے،^(۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غورو فکر کرو۔ (۲۶۶)

اے ایمان والوا اپنی پاکیزہ کمالی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو،^(۲) ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد

أَيُوْذَا حَدَّكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَمَّةٌ مِّنْ تَهْنِيلٍ وَّأَعْنَابٍ
تَهْوِي مِنْ تَهْنِيَّهَا الْأَنْهَرُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الشَّمَوْرَاتِ
وَأَصَابَةَ الْكَبَرِ وَلَهُ ذُرَّةٌ ضَعَافَةٌ فَإِصَابَهَا
إِغْصَارٌ فِيهَا نَازِفًا خَتَّرَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
لَكُمُ الْآيَتِ لَعَلَّمُتُكُمْ تَسْقُلُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْقُوا مِنْ طَيِّبِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا
أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيْمَنُوا الْغَيْرَىٰ مِنْهُ
تُنْفِعُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخْذِيْهِ إِلَّا أَنْ تُعَمِّضُوا

(۱) اسی ریاکاری کے نقصانات کو واضح کرنے اور اس سے بچنے کے لیے مزید مثال دی جا رہی ہے کہ جس طرح ایک شخص کا باعث ہو جس میں ہر طرح کے پھل ہوں (یعنی اس سے بھرپور آدمی کی امید ہو)، وہ شخص بوڑھا ہو جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں (یعنی وہ خود بھی ضعف پیری اور کیرنسی کی وجہ سے محنت و مشقت سے عاجز ہو چکا ہو اور اولاد بھی اس کے بڑھاپے کا سارا توکیا؟ خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ ہو) اس حالت میں تیز و تنہ ہوا میں چلیں اور اس کا سارا باعث جل جائے۔ اب نہ وہ خود دوبارہ اس باعث کو آباد کرنے کے قابل رہانے اس کی اولاد۔ یہی حال ان ریاکار خرچ کرنے والوں کا قیامت کے دن ہو گا۔ کہ نفاق و ریاکاری کی وجہ سے ان کے سارے اعمال اکارت چلے جائیں گے جب کہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہو گی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی سہلت و فرست نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا یہی حال ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اور حضرت عمر بن عوف رضی اللہ عنہما نے اس مثال کا مصدق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جاں میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں بر بار ہو جاتی ہیں (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، فتح القدير، للشوکانی و تفسیر ابن حجریر طبری)۔

(۲) صدقے کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ من وادی اور ریاکاری سے پاک ہو (جیسا کہ گذشتہ آیات میں بتایا گیا ہے) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کمالی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار (تجارت و صنعت) کے زریعے سے ہو یا فضل اور باغات کی پیداوار سے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”خبیث چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد مت کرو۔“ تو خبیث سے ایک تو وہ چیزیں مراد ہیں جو غلط کمالی سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ حدیث

نہ کرنا، جسے تم خود لینے والے نہیں ہو، ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو،^(۱) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔^(۲)

شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے جایی کا حکم دیتا ہے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔^(۴)

وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا^(۵)

فِيهِ وَأَعْلَمُنَا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِّيْ حَمِيدٌ ۝

أَشْيَطُنُ يَعْدُكُ الْفَقْرُ وَيَأْمُرُكُ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعْدُكُ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِمُ ۝

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ لُوتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتَ حَمِيدًا كَثِيرًا وَمَا يَدْعُكُ إِلَّا ذُلُولُ الْأَذْلَابِ ۝

میں ہے «إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَنْبَغِلُ إِلَّا طَيِّبًا» (اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک (حلال) چیز ہی قبول فرماتا ہے۔) دوسرے خبیث کے معنی روی اور نکی چیز کے ہیں، روی چیزیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کی جائیں، جیسا کہ آیت ﴿لَئِنْ تَنَالُوا إِلَيْهِ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مَا تَجْنَبُونَ﴾ کا بھی مفاد ہے۔ اس کی شان نزول کی روایت میں بتایا گیا ہے کہ بعض انصار مدینہ خراب اور نکی کھجوریں بطور صدقہ مسجد میں دے جاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدير۔ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ)۔

(۱) یعنی جس طرح تم خود روی چیزیں لینا پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ کی راہ میں بھی اچھی چیزیں خرچ کرو۔

(۲) یعنی بھلے کام میں مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈرا تا ہے کہ مفلس اور فلاش ہو جاؤ گے۔ لیکن برے کام پر خرچ کرنا ہو تو ایسے اندیشوں کو نزدیک نہیں پہنچنے دیتا۔ بلکہ ان برے کاموں کو اس طرح سجا اور سنوار کر پیش کرتا ہے اور ان کے لیے خفظہ آرزوؤں کو اس طرح جگاتا ہے کہ ان پر انسان بڑی سے بڑی رقم بے دھڑک خرچ کر دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد، مدرسے یا اور کسی کار خیر کے لیے کوئی چندہ لینے پہنچ جائے تو صاحب مال سو، دوسو کے لیے بار بار اپنے حساب کی جانچ پڑتاں کرتا ہے۔ اور مانگنے والے کو با اوقات کئی کئی بار دوڑتا اور پلٹاتا ہے۔ لیکن یہی شخص سینما، ٹیلی ویژن، شراب، بد کاری اور مقدے بازی وغیرہ کے جاں میں پھنستا ہے تو اپنا مال بے تحاشا خرچ کرتا ہے۔ اور اس سے کسی قسم کی بچکاہت اور ترد کاظموں نہیں ہوتا۔

(۳) حکمة سے بعض کے نزدیک، عقل و فہم، علم اور بعض کے نزدیک اصابت رائے، قرآن کے ناخ و منسوخ کا علم و فہم، قوت فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب و سنت کا علم و فہم ہے یا سارے ہی مفہوم اس کے مصادق میں شامل ہو سکتے ہیں۔ صحیح وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ”دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاغباط فی العلم والحكمة۔ مسلم، کتاب صلاۃ)

اور فضیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔ (۲۶۹)

تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو^(۱) اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے، اور طالبوں کا کوئی مددگار نہیں (۲۷۰)

اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے،^(۲) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو منادے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے،^(۳) (۲۷۱)

انہیں ہدایت پر لاکھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو بھلی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے۔ تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا

وَمَا أَنْفَقُتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أُوْنَدَرُّتُمْ مِنْ ثَدْرٍ
فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝

إِنْ تُبْدِلُوا الصَّدَقَاتِ فَإِنَّمَا هِيَ إِذَا
وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ كَفَرُوا
مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ حَمِيرٌ ۝

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدًى مُّهْمَّٰهُ وَلِكُنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
وَمَا أَنْفَقُوا مِنْ حَيْثُ فَلَآنْفَقُكُمْ وَمَا أَنْفَقُونَ
إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا أَنْفَقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوْقَنُ
إِلَيْكُمْ وَأَنَّمُّ لَا يَنْظَلُونَ ۝

المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه ...

(۱) نذر کا مطلب ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں ابتلاء سے نجات مل گئی تو میں اللہ کی راہ میں اتنا صدقہ کروں گا۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نافرمانی یا ناجائز کام کی نذر مانی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ نذر بھی، نماز روزہ کی طرح عبادت ہے۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی نذر ماننا اس کی عبادت کرنا ہے جو شرک ہے، جیسا کہ آج کل مشور قبروں پر نذر نیاز کا یہ سلسلہ عام ہے، اللہ تعالیٰ اس شرک سے بچائے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے کسی ایسی صورت کے کہ علاویہ صدقہ دینے میں لوگوں کے لیے ترغیب کا پہلو ہو۔ اگر ریا کاری کا جذبہ شامل نہ ہو تو ایسے موقعوں پر پہل کرنے والے جو خاص فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، وہ احادیث سے واضح ہے۔ تاہم اس قسم کی مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر خاموشی سے صدقہ و خیرات کرنا ہی بہتر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو قیامت کے دن عرشِ اللہ کا سایہ نصیب ہو گا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہو گا جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے باسیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہیں چلا کہ اس کے دامیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ صدقے میں اخفاکی افضیلت کو بعض علمانے صرف نفی صدقات تک محدود رکھا ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں اظہار کو بہتر سمجھا ہے۔ لیکن قرآن کا عموم صدقات نافلہ اور واجبہ دونوں کو شامل ہے (ابن کثیر) اور حدیث کا عموم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

چاہیے تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ
تمہیں دیا جائے گا^(۱) اور تمہارا حق نہ مارا جائے
گا۔ (۲۷۲)

صدقات کے مستحق صرف وہ غربا ہیں جو اللہ کی راہ میں
روک دیئے گئے، جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے^(۲) نادان
لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال
کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں
پہچان لیں گے وہ لوگوں سے چھٹ کر سوال نہیں
کرتے،^(۳) تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا
جانے والا ہے۔ (۲۷۳)

لِلنَّفَرَاءِ الَّذِينَ أُخْمَرُوا فِي سَيِّئِ الْهُوَ
لَا يَسْتَطِعُونَ صَرْبَانِ الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
أَغْنِيَاءُ مِنَ الْمُعْقَلَفُونَ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَهُمْ لَا يَسْتَلُونَ
النَّاسَ إِلَّا حَافَّا مَوْمَاثِنَفُقُوا مِنْ حَيْثُ قَاتَ اللَّهُ
بِهِ عَلَيْهِ ۝

(۱) تفسیری روایات میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے مشرک رشته داروں کی مدد کرنا جائز نہیں
سمجھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت کے راستے پر لگارنا یہ صرف اللہ کے
اختیار میں ہے۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ تم لوگوں کے ساتھ بھی خرچ کرو گے، اس کا پورا اجر ملے گا جس سے یہ معلوم
ہوا کہ غیر مسلم رشته داروں کے ساتھ بھی صلوٰ رحمی کرنا باعث اجر ہے۔ تاہم زکوٰۃ صرف مسلمانوں کا حق ہے یہ کسی
غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی۔

(۲) اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جو کہ سے مدینہ آئے اور اللہ کے راستے میں ہر چیز سے کٹ گئے۔ دینی علوم حاصل
کرنے والے طلباء اور علماء بھی اس کی ذیل میں آسکتے ہیں۔

(۳) گویا اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و غربت کے باوجود وہ تَعَفَّفُ (سوال سے بچتا) اختیار کرتے اور إِلْحَاف (چھٹ کر
سوال کرنا) سے گریز کرتے ہیں۔ بعض نے الحاف کے معنی کے ہیں، بالکل سوال نہ کرنا کیونکہ ان کی پہلی صفت عفت
بیان کی گئی ہے (فُقْرُ الْقَدِيرِ) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاج و زاری نہیں کرتے اور جس چیز کی انہیں ضرورت
نہیں ہے اسے لوگوں سے طلب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ الحاف یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود (بطور پیش)
لوگوں سے مانگے اس مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ "مسکین وہ نہیں ہے جو ایک دو
دو کھجور یا ایک ایک، دو دو لمحے کے لیے در در پر جا کر سوال کرتا ہے۔ مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے" پھر نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ﴿لَا يَسْتَلُونَ النَّاسَ إِلَّا حَافَّا مَوْمَاثَنَفُقُوا مِنْ حَيْثُ قَاتَ اللَّهُ بِهِ عَلَيْهِ ۝﴾ کا حوالہ پیش فرمایا (صحیح بخاری، تفسیر و الزکاۃ)۔ اس لیے پیشہ ور
گد اگروں کی بجائے، مہاجرین، دین کے طلباء اور سفید پوش ضرورت مندوں کا پتہ چلا کر ان کی امداد کرنی چاہیے۔ جو
سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسان کی عزت نفس اور خودداری کے خلاف

جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں
ان کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس اجر ہے اور نہ
انہیں خوف ہے اور نہ غمینی۔ (۲۷۳)

سود خور^(۱) لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْأَيْمَلِ وَالنَّهَارِ سِرًا
وَعَلَيْنِهِ فَلَهُمْ أَجْرٌ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶﴾
الَّذِينَ يَا كُلُّهُمْ إِلَّا كَمَا يَعْمَلُ الَّذِي

ہے۔ علاوه ازیں حدیث میں آتا ہے کہ جس کے پاس مایغنى ہو (یعنی اتنا سامان ہو جو اس کو کفایت کرتا ہو) لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے سوال کرے گا، تو قیامت والے دن اس کے چرے پر زخم ہوں گے۔ (رواہ اہل السنن الاربعة۔ ترمذی، کتاب الزکاۃ) اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ ہمیشہ لوگوں سے سوال کرنے والے کے چرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہو گا۔ (حوالہ مشکلۃ کتاب الزکاۃ: باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له)

(۱) رِبَوَا کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اور شریعت میں اس کا اطلاق رِبَا الفضل اور رِبَا النَّسِيْبَةِ پر ہوتا ہے۔ رِبَا الفضل، اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیاء میں کی بیشی یا نقد و ادھار کی وجہ سے ہوتا ہے (جس کی تفصیل حدیث میں ہے)۔ مثلاً گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرے یہاں بید (باتھوں ہاتھ) ہو۔ اس میں کی بیشی ہو گی تو بھی اور باتھوں ہاتھ ہونے کی وجہے ایک نقد اور دو سرا دھار یا دونوں ہی ادھار ہوں، تب بھی سود ہے) رِبَا النَّسِيْبَةِ کا مطلب ہے کسی کو (مثلاً) ۶ مینے کے لیے اس شرط پر سوروپے دینا، کہ واپسی ۱۲۵ روپے ہو گی۔ ۱۲۵ روپے ۶ مینے کی مملت کے لیے جائیں حضرت علی بن ابی ذئبؑ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مِنْفَعَةً فَهُوَ رِبَا» (فیض القدیر شرح الجامع الصفیر، ج ۵، ص ۲۸) (قرض پر لیا گیا نفع سود ہے) یہ قرضہ ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لیے دونوں قسم کے قرضوں پر لیا گیا سود حرام ہے اور زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضوں کا رواج تھا۔ شریعت نے بغیر کسی قسم کی تفریق کے دونوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضہ (جو عام طور پر بنک سے لیا جاتا ہے) اس پر اضافہ 'سود نہیں' ہے۔ اس لیے کہ قرض لینے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کا کچھ حصہ وہ بُنک کو یا قرض دہنہ کو لوٹا دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کی قباحت ان مسجد دین کو نظر نہیں آتی جو اس کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس میں بڑی قباحتیں ہیں۔ مثلاً قرض لے کر کاروبار کرنے والے کامنافع تو یقینی نہیں ہے۔ بلکہ، منافع تو کجا اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے۔ بعض دفعہ کاروبار میں ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔ جب کہ اس کے بر عکس قرض دہنہ (چاہے وہ بنک ہو یا کوئی ساہو کار) کامنافع متعین ہے جس کی ادائیگی ہر صورت میں لازمی ہے۔ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوه ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دینیوی غرض و منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے معاشرے میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے بر عکس سودی نظام سے سگ دل اور

طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنادے،^(۱)
یہ اس لئے کہ یہ کماکرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی
کی طرح ہے،^(۲) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا
اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی
نصیحت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا^(۳)
اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے،^(۴) اور جو پھر
دوبارہ (حرام کی طرف) لوٹا، وہ جنمی ہے، ایسے لوگ ہیش
ہی اس میں رہیں گے۔^(۵)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے^(۶) اور
اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنگار سے محبت نہیں
کرتا۔^(۷)

بے شک جو لوگ ایمان کے ساتھ (سنن کے مطابق)

يَسْأَخْبَطُهُ الشَّيْطَنُ مِنَ الْمَيْنَ ذَلِكَ يَا لَهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ
مِثْلُ الْرِّبَوْا وَاحْلَلَ اللَّهُ الْبَيْعُ وَحَرَمَ الْرِّبَوْا فَمَنْ حَاجَهُ
مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَإِنَّهُ فَلَهُ تَائِسَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ
وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَضَعُبُ النَّارَ هُمْ فِيهَا حَلِيلُونَ^(۸)

يَسْأَخْبَطُ اللَّهُ الْرِّبَوْا وَيُرِيَ الْقَدَّاقَتِ وَاللَّهُ لَذُجْبُ الْقُلُّ
كَلَّا إِلَيْهِمْ^(۹)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

خود غرضی کو فروغ ملتا ہے۔ ایک سرمائے دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی ہے چاہے معاشرے میں ضرورت
مند، بیماری، بھوک، افلاس سے کراہ رہے ہوں یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شفاوت و سُنگدی کو
کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال سود مطلقًا حرام
ہے چاہے ذاتی ضرورت کے لیے یا نفع کے لیے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر۔

(۱) سود خور کی یہ کیفیت قبر سے اٹھتے وقت یا میدان محسوس ہوگی۔

(۲) حالانکہ تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں نفع نقصان کا امکان رہتا
ہے، جب کہ سود میں یہ دونوں چیزوں مفقود ہیں، علاوہ ازیں بیع کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر یہ دونوں
ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟

(۳) قبول ایمان یا توبہ کے بعد چھپلے سود پر گرفت نہیں ہوگی۔

(۴) کہ وہ توبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے یا سوء عمل اور فساد نیت کی وجہ سے اسے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔
اسی لیے اس کے بعد دوبارہ سود لینے والے کے لیے وعدہ ہے۔

(۵) یہ سود کی معنوی اور روحانی مضرتوں اور صدقے کی برکتوں کا بیان ہے۔ سود میں بظاہر بڑھوڑی نظر آتی ہے لیکن
معنوی حساب سے یا مال (انجام) کے اعتبار سے سودی رقم ہلاکت و بربادی ہی کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف
اب یورپی ماہرین میعشت بھی کرنے لگے ہیں۔

نیک کام کرتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کا جران کے رب تعالیٰ کے پاس ہے، ان پر نہ تو کوئی خوف ہے، نہ ادائی اور غم۔^(۲۷)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑو، اگر تم صحیح ایمان والے ہو۔^(۲۸)

اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ^(۱)، ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرنے تم پر ظلم کیا جائے^(۲)۔^(۲۹)

اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک ملت دینی چاہئے اور صدقہ کرو تو تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم میں علم ہو۔^(۳۰)

وَإِنَّ الظَّالِمَةَ لَهُمْ أَجْرٌ هُوَ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخْزَنُونَ ^(۴)

يَا أَيُّهُمَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَيْتَيْ
إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ^(۵)

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَإِذَا ذُوِّبَ حَرْبٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا
شُبُّثُ قَلْمَرُ عَوْسُ أَمْوَالَكُمْ لَا تَنْظِلُونَ
وَلَا ظَلَمَوْنَ ^(۶)

وَلَا كَانَ ذُو عُشْرَةَ فَنِظَرَةً إِلَى مَيْسَرَةٍ فَأَنْ تَصَدَّقُوا
خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ^(۷)

(۱) یہ ایسی سخت وعید ہے جو اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو، تو خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور بازند آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے (ابن کثیر)

(۲) تم اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ظلم ہو گا اور اگر تمہیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہو گا۔

(۳) زمانہ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود و رسود، اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا، جس سے وہ تحوڑی سی رقم ایک پاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے بر عکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لیتا تو در کنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک اسے ملت دے دو اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس با برکت اور پر رحمت نظام الٰہی کو نہ اپنا کیس تو اس میں اسلام کا یہ قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت و افادیت کو سمجھ سکیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدله دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔^(۱) (۲۸۱)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو،^(۲) اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھئے، کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے بھی لکھ رہا چاہئے اور جس کے ذمہ حق ہو^(۳) وہ لکھوادے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوادے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوادے اور اپنے میں سے دو مرد

وَأَنْقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ شُرُّكَوْنَ كُلُّ نَفْسٍ
ئَاكِبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

يَا أَيُّهُ الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا آتَيْتُمْ بِمَيْدَنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمٍ
فَإِنْجُبُوهُ وَلَا يَكُبُّتْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ
يَكْتُبَ كُمَا عَلِمَ اللَّهُ فَيَكْتُبُ وَلَا يُنْهَى اللَّهُ عَنِ عَلِيهِ الْحُقْقُ
وَلِيَكُتُبَ اللَّهُ رَبُّهُ وَلَا يَبْخُسُ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ
الْحُقْقُ سَيِّفِهَا أَوْ ضَعِيفِهَا أَوْ لَا يَسْتَطِعُهُ أَنْ يُبَلِّغَ هُوَ فَلَيُبَلِّغَ
وَلِلَّهِ بِالْعَدْلِ وَالسَّيِّدُمُ وَالشَّهِيدُمْ مِنْ يَعْلَمُهُ فَإِنْ
أَنْ يَكُونُتَا رَجُلُيْنِ فَرِجَلٌ وَامْرَأَتُهُ وَمَنْ تَرَضَوْنَ مِنْ
الشَّهِيدَاءِ أَنْ تَعْصِلَ إِحْدَاهُمَا فَتَذَكَّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى
وَلَا يَأْبَ الشَّهِيدَاءِ أَمَّا مَا دُعْمُوا وَلَا شَهَمُوا أَمَّا نَكْتُبُهُ

(۱) بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کرم ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ دنیا سے رحلت فرمائے۔ ملک بن حسان (ابن کثیر)

(۲) جب سودی نظام کی سختی سے ممافعت اور صدقات و خیرات کی تاکید بیان کی گئی تو پھر ایسے معاشرے میں دیون (قرضوں) کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ سود تو دیے ہی حرام ہے اور ہر شخص صدقہ و خیرات کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہر شخص صدقہ لینا پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر اپنی ضروریات و حاجات پوری کرنے کے لیے قرض ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا برا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس میں بے احتیاطی یا تسلی جھگڑوں کا باعث بھی ہے۔ اس لیے اس آیت میں، جسے آپ اللہ کما جاتا ہے اور جو قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلے میں ضروری ہدایات دی ہیں تاکہ یہ ناگزیر ضرورت لڑائی جھگڑے کا باعث نہ بنے۔ اس کے لیے ایک حکم یہ دیا گیا ہے کہ مدت کا تعین کرو، دوسرا یہ کہ اسے لکھ لو، تیسرا یہ کہ اس پر دو مسلمان مرد کو، یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

(۳) اس سے مراد مقروض ہے یعنی وہ اللہ سے ڈرتا ہوا رقم کی صحیح تعداد لکھوادے، اس میں کسی نہ کرے۔ آگے کہا جا رہا ہے کہ یہ مقروض اگر کم عقل یا کمزور پچھہ یا مجنوں ہے تو اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھوادے تاک صاحب حق (قرض دینے والے) کو نقصان نہ ہو۔

گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرلو،^(۱) تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے^(۲) اور گواہوں کو چاہئے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بمت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک و شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے،^(۳) ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر

صَغِيرًا وَكَيْرًا إِلَى أَحَبِلَهُ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَأَذْنَى الْكَرْتَانِيُّوْ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَافِرَةً
تُدْبِرُ وَتَهَايَنَّ كُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ إِلَّا
تَكْتُبُوهَا وَآشْهِدُوْ إِلَّا تَبَأْنَهُمْ مَوْلَانِيَّهُ كَاتِبٌ
وَلَا شَهِيدٌ دُوْهُ وَإِنْ تَقْعُلُوا فَإِنَّهُ فُتُوقٌ بِكُمْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ يَحْكُمُ شَيْءًا عَلَيْهِ^(۴)

(۱) یعنی جن کی دین داری اور عدالت پر تم مطمین ہو۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس نص سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ نیز مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں، سوائے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعا کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جب کہ دوسرے گواہ کی جگہ مدعا قسم کھالے۔ فتحہ احتجاف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، جب کہ محدثین اس کے قائل ہیں، کیونکہ حدیث سے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے اور دو عورتیں جب ایک مرد گواہ کے برابر ہیں تو دو عورتوں اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی جائز ہو گا۔ (فتح القدر)

(۲) یہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت و حکمت ہے۔ یعنی عورت عقل اور یاد و اشت میں مرد سے کمزور ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں بھی عورت کو ناقص العقل کہا گیا ہے) اس میں عورت کے استخفا اور فروعتی کا اظہار نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ باور کرتے ہیں) بلکہ ایک فطری کمزوری کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر مبنی ہے۔ مکابرة کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو اور بات ہے۔ لیکن حقائق و واقعات کے اعتبار سے یہ ناقابل تردید ہے۔

(۳) یہ لکھنے کے فوائد ہیں کہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے (گواہی بھی درست رہے گی) (کہ گواہ کے فوت یا غائب ہونے کی صورت میں بھی تحریر کام آئے گی) اور شک و شبہ سے بھی فریقین محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ شک پڑنے کی صورت میں تحریر دیکھ کر شک دور کر لیا جاسکتا ہے۔

لیا کرو^(۱) اور (یاد رکھو کہ) نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو^(۲) اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو،^(۳) اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانے والا ہے (۲۸۲) اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو،^(۴) ہاں اگر آپس میں ایک دوسرا سے مطمئن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔^(۵) اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپا لے وہ گنگا درد والا ہے^(۶) اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۲۸۳)

وَإِن كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ فَلَا تَجِدُوا كَاتِبًا فِي هِنْ مَقْبُوضَةً فِي قَانِ
أَوْنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلَيَوْدُّ الَّذِي أُوتُونَ أَمَانَةً وَلَيَنْهَى اللَّهُ
رَبَّهُ وَلَا يَنْكِنُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْنِمُهَا فَإِنَّهُ إِلَّا كُفَّارٌ قَلْبُهُ
وَاللَّهُ يُعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلَيْهِ ﴿۷﴾

(۱) یہ وہ خرید و فروخت ہے جس میں ادھار ہو یا سودا طے ہو جانے کے بعد بھی انحراف کا خطرو ہو۔ ورنہ اس سے پہلے نقد سودے کو لکھنے سے مستثنی کر دیا گیا ہے۔ بعض نے اس بیع سے مکان دکان، باغ یا حیوانات کی بیع مرادی ہے۔ (ایسرا
التخاسیر)

(۲) ان کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ دور دراز کے علاقے میں ان کو بلا یا جائے کہ جس سے ان کی مصروفیات میں حرج یا کاروبار میں نقصان ہو یا ان کو جھوٹی بات لکھنے یا اس کی گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔

(۳) یعنی جن باتوں کی تاکید کی گئی ہے، ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے، ان سے اجتناب کرو۔

(۴) اگر سفر میں قرض کا معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے اور وہاں لکھنے والا یا کاغذ پہنچنے اور غیرہ نہ ملے تو اس کی تباہ صورت بتلائی جا رہی ہے کہ قرض لینے والا کوئی چیز دائن (قرض دینے والے) کے پاس رہن (گروہی) رکھ دے۔ اس سے گروہی کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروہی رکھی تھی۔ (حجیمین) تاہم اگر مزہونہ (گروہی رکھی ہوئی چیز) ایسی ہے جس سے نفع موصول ہوتا ہے تو اس نفع کا حق دار مالک ہو گا نہ کہ دائن۔ البتہ اس پر دائن کا اگر کچھ خرچ ہوتا ہے تو اس سے وہ اپنا خرچہ وصول کر سکتا ہے۔ باقی نفع مالک کو ادا کرنا ضروری ہے۔

(۵) یعنی اگر ایک دوسرا سے پر اعتماد ہو تو بغیر گروہی رکھے بھی ادھار کا معاملہ کر سکتے ہو۔ امانت سے مراد یہاں قرض ہے، اللہ سے ڈرتے ہوئے اسے صحیح طریقے سے ادا کرے۔

(۶) گواہی کا چھپانا بکیرہ گناہ ہے، اس لیے اس پر سخت وعید یہاں قرآن میں اور احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے۔ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا پھپاؤ، اللہ تعالیٰ اس کا حساب تم سے لے گا۔^(۱) پھر جسے چاہے

بِلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ فَإِنْ شَاءُ فَعَدْلًا مَا فِي
أَنْفُسِكُمْ أَوْ تَخْفُوهُ يُحَاكِسُكُمْ بِهِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي
عِنْدِكُمْ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

لیے صحیح گواہی دینے کی فضیلت بھی بڑی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”وَهُوَ سب سے بہتر گواہ ہے جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی از خود گواہی کے لیے پیش ہو جائے“ «أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ الَّذِي يَأْتِي
بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا» (صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب بیان خیر الشہود) ایک دوسری روایت میں
بدترین گواہ کی نشان دہی بھی فرمادی گئی ہے۔ «أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِشَرَّ الشُّهَدَاءِ؟ الَّذِينَ يَشْهُدُونَ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشَهِدُوا»
(صحیح بخاری، کتاب الرقاۃ۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة) کیا میں تمیس وہ گواہ نہ بتاؤں جو بدترین
گواہ ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی گواہی دیتے ہیں۔ مطلب ہے یعنی جھوٹی گواہی دے کر گناہ
کبیرہ کے مرکب ہوتے ہیں۔ نیز آیت میں دل کا خاص ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ کہتاں دل کا فضل ہے۔ علاوہ ازیں
دل تمام اعضا کا سردار ہے اور یہ ایسا مغفہ گوشت ہے کہ اگر یہ صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر اس میں فساد آ
جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ «أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْعَةً إِذَا صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ؛ وَإِذَا فَسَدَ
فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقُلُبُ»۔ (صحیح بخاری، کتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ الدين)

(۱) احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بڑے پریشان ہوئے۔ انہوں نے دربار رسالت میں
حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نماز، روزہ، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ یہ سارے اعمال، جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ہم بجا
لاتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں۔ لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا
اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت سے ہی ماورا ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرمادیا ہے۔ نبی
کریم ﷺ نے فرمایا۔ فی الحال تم «سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا» ہی کو۔ چنانچہ صحابہ ﷺ کے جذبہ سمع و طاعت کو دیکھتے ہوئے
اللہ تعالیٰ نے اسے آیت ﴿لَا يَكْلُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَنَا﴾ (الله تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں
درست) سے منسوخ فرمادیا (ابن کثیر و فتح القدیر) صحیحین و سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ «إِنَّ اللَّهَ تَحَاوَزَ
لِيْنِ عَنْ أُمَّتِي مَا وَسَوَّسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَنَكَّلْ» (صحیح بخاری، کتاب العتق، باب الخطأ و
النسیان فی العتاق۔۔۔ و مسلم، کتاب الإيمان، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس....) (الله تعالیٰ نے میری
امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے۔ البتہ ان پر گرفت ہو گی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار زبان
سے کر دیا جائے) اس سے معلوم ہوا کہ دل میں گزرنے والے خیالات پر محاسبہ نہیں ہو گا، صرف ان پر محاسبہ ہو گا جو
پختہ عزم و ارادہ میں ڈھل جائیں یا عمل کا قالب اختیار کر لیں۔ اس کے بر عکس امام ابن حجر بر طربی کا خیال ہے کہ یہ
آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ محاسبہ معاقبہ کو لازم نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا بھی محاسبہ کرے،
اس کو سزا بھی ضرور دے، بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا کرے گا، لیکن بہت سے لوگ ہوں گے کہ محاسبہ کرنے کے

بخش اور جسے چاہے سزادے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۸۳)

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفہیق نہیں کرتے،^(۱) انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سن اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے، (۲۸۵)

اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے اور جو برائی وہ

امَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ
كُلُّ أَمَّنَ يَأْتِهُ وَمَلِكُكُهُ وَلَكُمْ وَرُسُلُهُ لَا تُنَزِّعُنَّ
بَيْنَ أَهْدِيْمَنْ رَسُولِهِ وَقَالُوا سِمِعْنَا وَأَطْعَنَّا
غُفرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمُصِيرُ ⑥

لَا يَجِدُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا فُسْعَدَ لَهَا مَا كَسِبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
كَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ تَسْيِنَا أَوْ أَخْطَأْنَا إِنْ تَبْتَأْ

بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا بلکہ بعض کے ساتھ تو یہ معاملہ فرمائے گا کہ اس کا ایک ایک گناہ یاد کرا کے ان کا اس سے اعتراض کروائے گا اور پھر فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں ان پر پردہ ڈالے رکھا، جا آج میں ان کو معاف کرتا ہوں (یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم و غیرہ میں ہے: بحوالہ ابن کثیر) اور بعض علماء کہا ہے کہ یہاں شخص اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ اسے وضاحت کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے دل میں جو شبهہ اس آیت سے پیدا ہوا تھا، اسے آیت ﴿لَا يَجِدُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا فُسْعَدَ لَهَا مَا كَسِبَتْ﴾ اور حدیث «إِنَّ اللَّهَ تَجَاؤَرَ لِنِي عَنْ أُمَّتِي...» وغیرہ سے دور کر دیا گیا۔ اس طرح ناخ منسون ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۱) اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے جن پر اہل ایمان کو ایمان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت ﴿لَا يَجِدُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا فُسْعَدَ لَهَا مَا كَسِبَتْ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسانوں کو کسی ایسی بات کا مکلف نہیں کیا ہے جو ان کی طاقت سے بالا ہو۔ ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں“ (صحیح بخاری۔ ابن کثیر) یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ کو معراج کی رات جو تین چیزیں ملیں، ان میں سے ایک سورہ بقرہ کی یہ آخری دو آیات بھی ہیں۔ (صحیح مسلم، باب فی ذکر سدرۃ المنتshi) کئی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورہ کی آخری آیات آپ ﷺ کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش اللہ کے نیچے ہے۔ اور یہ آیات آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں (احمد،نسائی، طبرانی، بیهقی، حاکم دارمی وغیرہ۔ درمنشور حضرت معاذ بن جہش اس سورت کے خاتمے پر آمین کہا کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پسلے لوگوں پر ڈالتا ہے، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگز فرمایا اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر ا تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرمایا۔ (۲۸۶)

سورہ آل عمران مدنی ہے۔ اس میں دو سو آیات اور بیس روکوئے ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو براہمیان نمایت رحم والا ہے۔

الْأَمْ (۱)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے۔ (۲)

وَلَا تَعْجِلْ عَلَيْنَا أَضْرَارَ الْكَاتَبَتْهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِنَا إِذْ نَبَأْنَا وَلَا هُمْ لَنَا مَا لَا طَاقَةَ لِنَاهِيَهُ وَاعْفُ عَنَّا
وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا نَاهِيَهُ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكُفَّارِ (۱)

سُورَةُ الْعَنكَبُوتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَوْمُ (۱)

اللَّهُ أَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَقُّ الْقَيْمُ (۲)

☆ یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں مختلف اوقات میں ہجرت کے بعد اتری ہیں۔ اور اس کا ابتدائی حصہ یعنی ۸۳ آیات تک عیسائیوں کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے جو ہجری میں نبی مسیح ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ عیسائیوں نے آکر بنی ملکہ ﷺ سے اپنے عیسائی عقائد اور اسلام کے بارے میں مذاکرہ و مباحثہ کیا، جس کا رد کرتے ہوئے انہیں دعوت مبارکہ بھی دی گئی، جسکی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱) حَقٌّ اور قَيْمَ اللَّهُ تعالِیٰ کی خاص صفات ہیں جی کا مطلب وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔ قیوم کا مطلب ساری کائنات کا قائم رکھنے والا، محافظ اور نگران، ساری کائنات اس کی محتاج وہ کسی کا محتاج نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں سے ایک مانتے تھے۔ گویا ان کو کما جا رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانہ مولادت بھی تخلیق کائنات سے بست عرصے بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ یا اللہ کا بینا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انہیں مخلوق کے بجائے الوہی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا۔ نیزان پر موت بھی نہیں آئی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے بھی ہمکنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے بقول ہمکنار ہو چکے۔ احادیث میں آتا ہے کہ تین آئتوں میں اللہ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سے دعا کی جائے تو وہ رو نہیں ہوتی۔ ایک یہی آل عمران کی آیت۔ دوسری آیت الکرسی میں ﴿اللَّهُ أَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَقُّ الْقَيْمُ﴾ تیری سورہ طہ میں ﴿وَعَدَنَا الْوَجْهُ الْمُلِيقُ الْقَيْمُ﴾ (ابن کثیر۔ تفسیر آیت الکرسی)

جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے،^(۱) جو اپنے سے پسلے کی تصدیق کرنے والی ہے، اسی نے اس سے پسلے تورات اور انجیل کو اتارا تھا۔^(۲)

اس سے پسلے، لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر،^(۳) اور قرآن بھی اسی نے اتارا،^(۴) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، بدلمہ لینے والا ہے۔^(۵)

یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔^(۶)

وہ مال کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بنا تا ہے۔^(۷) اس کے سوا کوئی معبد برحق نہیں وہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔^(۸)

تَوَلَ عَلَيْكَ الْكِتَبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
وَأَنْزَلَ الْحُكْمَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝

مِنْ قَبْلِ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِآيَاتِ اللَّهِ لَمُّهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو الْإِنْعَاجِمِ ۝

إِنَّ اللَّهَ لَأَيْحُقُ عَلَيْهِ شَفَقٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاوَاتِ ۝

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ كِيفَ يَشَاءُ مِلَادَهُ إِلَّا
هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(۱) یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی مشک نہیں۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

(۲) اس سے پسلے انبیا پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے یعنی جو باقی ان میں درج تھیں، ان کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پسلے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔ اگر یہ کسی اور کی طرف سے یا انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہوتا تو ان میں باہم مطابقت کے بجائے خلافت ہوتی۔

(۳) یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں، اس لیے کہ ان کے اتارنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ تاہم اس کے بعد وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ دوبارہ کہہ کروضاحت فرمادی۔ کہ مگراب تورات و انجیل کا دور ختم ہو گیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے، وہ فرقان ہے اور اب صرف وہی حق و باطل کی پہچان ہے، اس کو سچا مانے بغیر عنده اللہ کوئی مسلمان اور مومن نہیں۔

(۴) خوب صورت یا بد صورت، مذکر یا مونث، نیک بخت یا بد بخت، ناقص الخلق یا تام الخلق۔ جب رحم مادر میں یہ سارے تصرفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کس طرح ہو سکتے ہیں جو خود بھی اسی مرحلہ تخلیق سے گزر کر دنیا میں آئے ہیں جس کا سلسلہ اللہ نے رحم مادر میں قائم فرمایا ہے۔

وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض تشابہ آیتیں ہیں۔^(۱) پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی تشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے، حالانکہ ان کے حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا^(۲) اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا سکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ إِلَيْكَ مُحَكَّمٌ
هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَآخُرُ مُتَشَبِّهُمْ فَأَنَّا لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
رَّءُوفٌ فَيَتَبَعِّدُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ إِبْرَيْعَانَ الْفُتُنَةَ
وَابْتَغَاهُمْ تَأْوِيلُهُ وَمَا يَعْلَمُهُ تَأْوِيلُهُ إِلَّا اللَّهُ وَالظَّيْعُونَ
فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ أَمْنَابِهِ كُلُّهُ مَنْ عَنِّيْدَرَتِنَا وَمَا يَدْرِي
إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ①

(۱)۔ مُحکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں ادما رو نواہی، احکام و مسائل اور فقصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم واضح اور اصل ہے، اور ان کے سمجھنے میں کسی کوشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے بر عکس آیات مُتشابہات ہیں مثلاً اللہ کی ہستی، قضا و قدر کے مسائل، جنت و دوزخ، ملائکہ و غیرہ یعنی ماوراء عقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو۔ اسی لیے آگے کہا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات تشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے سے ”فتنة“ برباکرتے ہیں۔ جیسے عیسائی ہیں۔ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبد اللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے۔ لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے، اس سے اپنے گمراہ کرن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں۔ یہی حال اہل بدعت کا ہے۔ قرآن کے واضح عقائد کے بر عکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھر رکھے ہیں، وہ انہی مُتشابہات کو بنیاد بناتے ہیں اور بسا اوقات مُحکمات کو بھی اپنے فلسفیانہ استدلال کے گورکھ دھنے سے مُتشابہات بنادیتے ہیں۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ۔ ان کے بر عکس صحیح العقیدہ مسلمان مُحکمات پر عمل کرتا ہے اور مُتشابہات کے مفہوم کو بھی (اگر اس میں اشتباہ ہو) مُحکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ قرآن نے انہی کو ”اصل کتاب“ قرار دیا ہے۔ جس سے وہ فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور عقائد کی گمراہی سے بھی جَعَلَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ

(۲) تاویل کے ایک معنی تو ہیں ”کسی چیز کی اصل حقیقت“ اس معنی کے اعتبار سے إِلَّا اللَّهُ پر وقف ضروری ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت واضح طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی جاتا ہے۔ تاویل کے دوسرے معنی ہیں ”کسی چیز کی تفسیر و تعبیر اور بیان و توضیح“ اس اعتبار سے إِلَّا اللَّهُ پر وقف کے بجائے ﴿وَالظَّيْعُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ پر بھی وقف کیا جاسکتا ہے کیونکہ مضبوط علم والے بھی صحیح تفسیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں۔ ”تاویل“ کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (ملخص از ابن کثیر)

نیحیت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں۔ (۷)

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرم، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔ (۸)

اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۹)

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی، یہ تو جنم کا ایندھن ہی ہیں۔ (۱۰)

جیسا آل فرعون کا حال ہوا، اور انکا جوان سے پہلے تھے، انہوں نے ہماری آئیوں کو جھٹالیا، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر کپڑ لیا، اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (۱۱)

کافروں سے کہہ دیجئے! کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے^(۱) اور جنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۱۲)

یقیناً تم سارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو کتم گئی تھیں، ایک جماعت تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھتے تھے^(۲) اور اللہ تعالیٰ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا وَهُبْ لَنَا مِنْ أَنْدُنَا
رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَكَابُ ⑦

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَادِيبٍ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لِأَعْلَمُ
الْبَيْعَادُ ⑧

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ
مَنْ أَنْتُهُ شَيْئًا وَأَوْلَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ ⑨

كَذَابٌ إِلَى فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَبُوا إِلَيْنَا
فَأَخَذَنَاهُمْ هُمْ بِذُو يَدْهُ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑩

فُلْلَلِدِنِينَ كَفَرُوا سَطْعَلَبُونَ وَمُخْتَرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ
وَبِئْسَ الْمَهَادُ ⑪

فَذُكَّرَ كَانَ لَكُمْ أَيَّهُ فِي فِتْنَتِنَ التَّقَتَّاً، إِنَّهُ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَأَخْرِي كَافِرَةً بِرَوْنَاهُمْ وَمُثْلِهِمْ رَأَى الْعَيْنَ وَاللَّهُ
يُوَبِدُ بِتَصْرِهِ مَنْ يَتَأَذَّمَ فِي ذَلِكَ لِعْبَرَةٌ لَا أُولَئِ
الْأَبْصَارُ ⑫

(۱) یہاں کافروں سے مراد یہودی ہیں۔ اور یہ پیش گوئی جلد ہی پوری ہو گئی۔ چنانچہ بنو قینقاع اور بنو نضیر جلاوطن کیے گئے، بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ پھر خبر فتح ہو گیا اور تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا (فتح التدیر)

(۲) یعنی ہر فرق، دوسرے فرق کو اپنے سے دو گناہ کھاتا تھا۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، انہیں مسلمان دو ہزار کے قریب دکھائی دیتے تھے۔ مقصد اس سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بھانا تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر (یا ۳۱۳) تھی، انہیں کافر ۶۰۰ کے درمیان نظر آتے تھے۔ دراں حالیکہ ان کی اصل تعداد

جسے چاہے اپنی مدد سے قویٰ کرتا ہے۔ یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ (۱۳)

مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزمن کر دی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹی اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی،^(۱) یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے (۱۴)

رُتِّينَ لِلثَّالِثِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْمُبْنَيْنَ
وَالْفَنَاطِيرُ الْمُقْنَطِرَةُ مِنَ الدَّهَبِ وَالْفَضَّةِ وَالْحَنْبَلِ
الْمُسَوَّمَةُ وَالْأَنْعَامُ وَالْحَرَثُ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْهَآبِ ⑤

ہزار کے قریب (۳۶) تھی مقصد اس سے مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں اضافہ کرنا تھا۔ اپنے سے تین گناہ کیجھ کر ممکن تھا مسلمان مرعوب ہو جاتے۔ جب وہ تین گناہ کے بجائے دو گناہ نظر آئے تو ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ لیکن یہ دگنا دیکھنے کی کیفیت ابتداء میں تھی، پھر جب دونوں گروہ آئنے سامنے صفات آ را ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بر عکس دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تاکہ کوئی بھی فریق لڑائی سے گریزناہ کرے بلکہ ہر ایک پیش قدمی کی کوشش کرے (اہن کیشرا یہ تفصیل سورۃ الأنفال۔ آیت ۳۲ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ جنگ بدرا کا واقعہ ہے جو بحربت کے بعد دوسرے سال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پیش آیا۔ یہ کئی لحاظ سے نمایت اہم جنگ تھی۔ ایک تو اس لیے کہ یہ پہلی جنگ تھی۔ دوسرے، یہ جنگی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی۔ مسلمان ابو سفیان کے قافلے کے قافلے کے لیے نکلے تھے جو شام سے سامان تجارت لے کر کہہ جا رہا تھا، مگر اطلاع مل جانے کی وجہ سے وہ اپنا قافلہ تو پچا کر لے گیا، لیکن کفار مکہ اپنی طاقت و کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں پر چڑھ دوڑے اور مقام بدرا میں یہ پہلا معزکہ بربا ہوا۔ تیسرا، اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی، چوتھے، اس میں کافروں کو عبرت ناک ٹکست ہوئی، جس سے آئندہ کے لیے کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔

(۱) شَهَوَاتٌ سے مراد یہاں مُشْتَهَيَاتٌ ہیں یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں۔ اسی لیے ان میں رغبت اور ان کی محبت ناپسندیدہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے۔ ان کی تزیین بھی اللہ کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهُ لَذَّتُهُوُفُمْ﴾ (الکھف۔ ۷) (اہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں) سب سے پہلے عورت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہر بالغ انسان کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور سب سے زیادہ مرغوب بھی۔ خود نبی ﷺ کا فرمان ہے: «جُبَّتِ إِلَيْهِ النِّسَاءُ وَالطِّبِّ» (مسند احمد) ”عورت اور خوب شو مجھے محبوب ہیں۔“ اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو ”دنیا کی سب سے بہتر متعال“ قرار دیا ہے ”خَيْرٌ مَتَاعُ الدُّنْيَا الْمَرَأَةُ الصَّالِحةُ“ اس لیے اس کی محبت شریعت کے دائرے سے تجاوز نہ کرے تو یہ بہترین رفق زندگی بھی ہے اور زاد آخرت بھی۔ ورنہ یہی عورت مرد کے لیے سب سے بہتر فتنہ ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے: ”مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ“ (صحیح بخاری کتاب

آپ کہ دیجئے؟ کیا میں تمہیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس جتنیں ہیں جن کے نیچے نہیں بھسہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے^(۱) اور پاکیزہ بیویاں^(۲) اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔^(۱۵)

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا کچے اس لئے ہمارے گناہ معاف فرماء اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔^(۱۶)

قُلْ أَوْنِسْكُمْ غَيْرُ قُنْ ذِلْكُمْ لِلَّذِينَ أَنْفَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ
جَهْنَمْ بَحْرُى مِنْ عَنْهُمَا الْأَنْهَرُ خَلِيلُّيْنَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ
مُّظْهَرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنْ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِإِعْبَادِهِ

۴۷

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَمْنًا فَاخْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقَنَا
عَذَابَ الْكَلَّارِ

السکاح، باب ما یستقی من شؤم المرأة، ”میرے بعد جو فتنے رونما ہوں گے، ان میں مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا ہے۔“ اسی طرح بیٹوں کی محبت ہے۔ اگر اس سے مقصد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور بقاوی تکثیر نسل ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «تَرَوْجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ؛ فَإِنَّمِي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأَمْمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ میں قیامت والے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا) اس آیت سے رہبانیت کی تردید اور تحریک خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ بَيْنَ جمْ جمَعْ ہے۔ مال و دولت سے بھی مقصود قیام میعشت، صدقة و خیرات اور اسے امور خیر میں خرج کرنا اور سوال سے پچنا ہے تاکہ اللہ کی رضا حاصل ہو، تو اس کی محبت بھی عین مطلوب ہے ورنہ مذموم۔ گھوڑوں سے مقصد، جہاد کی تیاری، دیگر جانوروں سے کھتی باڑی اور بار بارواری کا کام لینا اور زمین سے اس کی پیداوار حاصل کرنا ہو تو یہ سب پسندیدہ ہیں اور اگر مقصود محض دنیا کمانا اور پھر اس پر فخر و غور کا اظہار کرنا اور یادِ الٰہی سے غافل ہو کر عیش و عشرت سے زندگی گزارنا ہے تو یہ سب مفید چیزیں اس کے لیے وباں جان ثابت ہوں گی۔ فَنَاطِبُرُ
فِنَطَارُ (خزانہ) کی جمع ہے۔ مراد ہے خزانے یعنی سونے چاندی اور مال و دولت کی فراوانی اور کثرت۔ الْمُسَوْمَةُ وَهُ
گھوڑے جو چاگاہ میں چرنسے کے لیے چھوڑے گئے ہوں۔ یا جہاد کے لیے تیار کیے گئے ہوں یا نشان زدہ، جن پر امتیاز
کے لیے کوئی نشان یا نمبر لگادیا جائے (فتح القدير و ابن کثیر)

(۱)- اس آیت میں اہل ایمان کو بتلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مذکورہ چیزوں میں ہی مت کھو جانا، بلکہ ان سے بہتر توہہ زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں جو رب کے پاس ہیں، جن کے مستحق اہل تقویٰ ہی ہوں گے۔ اس لیے تم تقویٰ اختیار کرو۔ اگر یہ تمارے اندر پیدا ہو گیا تو یقیناً تم دین و دنیا کی بھلاکیاں اپنے دامن میں سمیٹ لو گے۔

(۲)- پاکیزہ، یعنی وہ دنیاوی میل کچیل، حیض و نفاس اور دیگر آلودگیوں سے پاک ہوں گی اور پاک دامن ہوں گی۔ اس سے اگلی دو آیات میں اہل تقویٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔

جو صبر کرنے والے اور رج بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرج کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔ (۱۷)

اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں^(۱) اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (۱۸)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے،^(۲)

الظَّاهِرِينَ وَالظَّاهِرَاتِ وَالظَّاهِرَاتِ وَالظَّاهِرَاتِ
وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالاسْحَارِ^(۳)

شَهَدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمُ
قَائِمًا بِالْقِسْطِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ^(۴)

إِنَّ الَّذِينَ عَمِدُوا عَلَى إِسْلَامٍ قَوْمًا اخْتَلَفُ الَّذِينَ

(۱) - شادوت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا، اس کے ذریعے سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (فتح القدیر) فرشتے اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب و سنت کے علم سے بسرہ ورہیں (فتح القدیر)

(۲) اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید و رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین و ایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے۔ اب مخفی یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کر لینا یہ اسلام نہیں نہ اس سے نجات آخرت ہی ملے گی۔ ایمان و اسلام اور دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی ایک معبود کی عبادت کی جائے، محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیا پر ایمان لایا جائے۔ اور نبی ﷺ کی ذات پر رسالت کا خاتمه تسلیم کیا جائے اور ایمانیات کے ساتھ ساتھ وہ عقائد و اعمال اختیار کیے جائیں جو قرآن کریم میں یا حدیث رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب اس دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عند اللہ قبول نہیں ہو گا۔ ﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ إِسْلَامَ دِينَنَا فَأُنَّ نُيَقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَيْرِينَ ﴾ (آل عمران- ۸۵) نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔ ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾ (الأعراف- ۱۵۸) ”کہہ دیجئے! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ ﴿ تَبَرَّكَ اللَّهُ تَعَالَى الْقُرْآنُ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَلَمِينَ تَبَرَّكَ ﴾ (الفرقان- ۱) ”برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ جماںوں کا ڈرانے والا ہو“ اور حدیث میں ہے، ”نبی ﷺ نے فرمایا“ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ”جو یہودی یا نصرانی مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا، وہ جنمی ہے۔“ (صحیح مسلم) مزید فرمایا ”بُعْثَتْ إِلَى الْأَخْمَرِ وَالْأَسْوَدِ“ (میں احمر و اسود (یعنی تمام انسانوں کے لیے) نبی بناؤ کر بھیجا گیا ہوں) اسی لیے آپ ﷺ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں ائمہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی (صحیح بن ماجہ)۔ بحوالہ ابن کثیر

اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجائے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے^(۱) اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے^(۲) اللہ تعالیٰ اس کا جلد حساب لینے والا ہے۔^(۱۹)

پھر بھی اگر یہ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہہ دیں کہ میں اور میرے تابعوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سرتیم خم کر دیا ہے اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں^(۳) سے کہہ دیجئے! کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعوں بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں، تو آپ پر صرف پنچار بنا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے۔^(۲۰)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناقن نبیوں کو قتل کر دلتے ہیں اور جو لوگ عدل و انصاف کی بات کمیں انہیں بھی قتل کر دلتے ہیں،^(۴) تو اے نبی!

أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَاصُنْ بَعْدَ مَا جَاءَهُمْ الْعِلْمُ بَعْثَى
بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرُ بِاِيمَانِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ
الْحِسَابُ ⑩

فَإِنْ حَاجُوكُمْ فَقْلُ أَسْلَمَتْ وَجْهِي بِلِهِ وَمِنْ أَكْبَعِنْ
وَقْلُ إِلَيْنِي أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمَمِنْ أَسْلَمَتْهُمْ فَإِنْ
أَسْلَمُوا فَقِدْ أَهْتَدَ وَإِنْ تُؤْكِدُ فِي أَنْتَمْ أَعْنَيْكَ الْبَلْمُ
وَاللَّهُ بِعِصْمِيْرِ بِالْعِبَادَ ⑪

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاِيمَانِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ
يُغَيِّرُ حَقَّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَا مُرْوُنَ يَا قَسْطَمِيْنَ
النَّاسُ فَبَيْرُهُمْ بِعَدَ اِپَ آلِيُّو ⑫

(۱) ان کے اس باہمی اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو ایک ہی دین کے مانے والوں نے آپس میں بیباک کر کھاتا ہوا میٹھا میٹھا یہودیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں، اسی طرح عیسائیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں۔ پھر وہ اختلاف بھی مراد ہے جو اہل کتاب کے درمیان آپس میں تھا۔ اور جس کی بنا پر یہودی نصرانیوں کو اور نصرانی یہودیوں کو کہا کرتے تھے ”تم کسی چیز پر نہیں ہو“۔ نبوت محمدی ﷺ اور نبوت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ علاوه ازیں یہ سارے اختلافات دلائل کی بنیاد پر نہیں تھے، محض حسد اور بغض و عناد کی وجہ سے تھے یعنی وہ لوگ حق کو جانے اور پچانے کے باوجود محض اپنے خیالی دنیاوی مفہوم کے چکر میں غلط بات پر جنے رہتے اور اس کو دین باور کرتے تھے۔ تاکہ ان کی ناک بھی اوپنی رہے اور ان کا عوامی حقہ ارادت بھی قائم رہے۔ افسوس آج مسلمان علمائی ایک بڑی تعداد ٹھیک ان ہی غلط مقاصد کے لیے ٹھیک اسی غلط ڈگر پر چل رہی ہے۔ هَذَا هُمُ الْهُ وَإِنَّا -

(۲) یہاں ان آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو اسلام کے دین الہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) ان پڑھ لوگوں سے مراد مشرکین عرب ہیں جو اہل کتاب کے مقابلے میں بالعموم ان پڑھ تھے۔

(۴) یعنی ان کی سرکشی و بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی انسوں نے ناقن قتل نہیں کیا بلکہ ان تک کو بھی قتل کر دا جو عدل و انصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین مخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نهى عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ نبیوں کے ساتھ ان کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت و فضیلت بھی واضح کر دی۔

انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے! (۲۱)

ان کے اعمال دنیا و آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ (۲۲)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپ کے فیصلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے۔ (۲۳)

اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے پنے چند دن ہی آگ جائے گی، ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ (۲۴) (۲۵)

پس کیا حال ہو گا جبکہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے؟ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۲۶)

آپ کہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جمانت کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲۷)

أولئكَ الَّذِينَ حَيَطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نُصْرَىٰ (۲۸)

اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَعْمَلُونَ إِنَّمَا يَنْهَا مَنْ كَثِيرٌ يُدْعَى عَوْنَٰ إِلَىٰ كِتْبٍ

الَّهُ لِيَحْكُمْ بَيْنَهُمْ لَئِنْ يَتَوَلَّ قَوْمٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُغْرَّرُونَ (۲۹)

ذَلِكَ يَا أَيُّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ إِلَّا إِيمَانُ أَعْمَدُ ذِرَّةً وَغَرَّهُمْ

فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا فِيهِ رَوْنَ (۳۰)

فَلَيَقُولُ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبٌ فِيهِ وَوَقِيتُ مُلْكُنْ قُلْقُلُنْ

مَا كَسَبُتُ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۳۱)

قُلْ اللَّهُمَّ يُلْكَ الْمُلْكُ تُؤْمِنُ الْمُلْكَ مَنْ شَاءَ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ

مَنْ شَاءَ وَتَعْزِيزُ مَنْ شَاءَ وَتَنْزِيلُ مَنْ شَاءَ إِنِّي لِلْحَمْدُ لَهُ

إِنَّكَ عَلَىٰ هُنْكَلَ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۳۲)

(۱)- ان اہل کتاب سے مراد میں کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام، مسلمانوں اور نبی ﷺ کے خلاف مکروہ ساز شوں میں مصروف رہے تا آنکہ ان کے دو قبیلے جلاوطن اور ایک قبیلہ قتل کر دیا گیا۔

(۲)- یعنی کتاب اللہ کے ماننے سے گریزو اعراض کی وجہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جنم میں جائیں گے ہی نہیں، اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے۔ اور انہی من گھڑت باتوں نے انہیں دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے۔

(۳)- قیامت والے دن ان کے یہ دعوے اور غلط عقائد کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ بے لاغ انصاف کے ذریعے سے ہر نفس کو، اس کے کیے کا پورا پورا بدل دے گا، کسی پر ظلم نہیں ہو گا۔

(۴)- اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اطمینان ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات

تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے،^(۱) تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے،^(۲) تو ہی ہے کہ چھے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے۔^(۳)

مومنوں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں^(۴) اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی

شُوَّهُ الْأَيْنَ فِي النَّهَارِ وَشُوَّهُ النَّهَارِ فِي الْأَيْنِ وَتَغْوِيْجُ الْجَنَّةِ
مِنَ الْمُبَدِّيْتِ وَتَغْوِيْجُ الْمُبَدِّيْتِ مِنَ الْجَنِّ وَتَرْزُقُ مَنْ شَاءَ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ④

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكُفَّارَ أَوْلَيَاءَ مِنْ دُونِ

الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ

کا مالک وہی ہے۔ **الْخَيْرُ بِيَدِكَ** کی بجائے **بِيَدِكَ الْخَيْرُ** (خبر کی تقدیم کے ساتھ) سے مقصود تخصیص ہے یعنی تمام بھلائیاں صرف تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تیرے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔ ”شَر“ کا خالق بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ذکر صرف خیر کا کیا گیا ہے، شر کا نہیں۔ اس لیے کہ خیر اللہ کا فضل محض ہے، بخلاف شر کے کہ یہ انسان کے اپنے عمل کا بدله ہے جو اسے پہنچتا ہے یا اس لیے کہ شر بھی اس کے قضا و قدر کا حصہ ہے جو خیر کو متضمن ہے، اس اعتبار سے اس کے تمام افعال خیر ہیں۔ **فَأَفْعَالُهُ كُلُّهَا خَيْرٌ** (فتح القدير)

(۱)- رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا مطلب موسمی تغیرات ہیں۔ رات لمبی ہوتی ہے تو دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور دوسرے موسم میں اس کے بر عکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یعنی کبھی رات کا حصہ دن میں اور کبھی دن کا حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے رات اور دن چھوٹے یا بڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲)- جیسے نطفہ (مردہ) پسلے زندہ انسان سے نکالتا ہے پھر اس مردہ (نطفہ) سے انسان۔ اسی طرح مردہ انڈے سے پسلے مرغی اور پھر زندہ مرغی سے انڈہ (مردہ) یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا فرماتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت معاذ بن جہنم نے نبی ﷺ سے اپنے اوپر قرض کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم آیت ﴿قُلِ اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَلِكَ الْمُلْكُ﴾ (آل عمران) پڑھ کر یہ دعا کرو (رَحْمَنَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا تَعْطِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمَا وَتَنْعِمُ مَنْ تَشَاءُ، ارْحَمْنِي رَحْمَةً تُغْنِنِي بِمَا عَنِّي رَحْمَةً مَنْ سِوَاكَ، اللَّهُمَّ أَغْنِنِنِي مِنَ الْفَقْرِ، وَاقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”یہ ایسی دعا ہے کہ تم پر احد پہاڑ جتنا قرض بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا تہوارے لیے انتظام فرمادے گا۔“

(مجموع الزوائد ۱۰/۱۸۶۔ رجال ثقات)

(۳)- اولیا ولی کی جمع ہے۔ ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دل محبت اور خصوصی تعلق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اہل ایمان کا ولی قرار دیا ہے۔ ﴿أَللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (البقرة۔ ۲۵۷) یعنی ”اللہ اہل ایمان کا ولی ہے۔“ مطلب یہ ہوا کہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے محبت اور خصوصی تعلق ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں۔ کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی دشمن ہیں۔ تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان

کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شرے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو،^(۱) اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔^(۲۸)

کہہ دیجئے! کہ خواہ تم اپنے سینوں کی باشیں چھپاؤ خواہ ظاہر کرو اللہ تعالیٰ (بہر حال) جانتا ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۲۹)

جس دن ہر نفس (شخص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برایوں کو موجود پالے گا، آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برایوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مریان ہے۔^(۳۰)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو،^(۳۱) خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور

إِلَآن تَسْقُوا إِنَّهُمْ نَفَّةٌ وَيَحْدِرُكُمُ اللَّهُ
نَفَّةٌ هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ^(۲)

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمُهُ اللَّهُ
وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۳)

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا أَعْمَلَتْ مِنْ خَيْرٍ فَغَنِرَ أَقْرَبَ إِلَيْهَا مِنْ
سُوءٍ مُّتَوْذَلَوْا نَبَيِّنَاهَا وَبَيْنَهَا أَمْدَأْ بَيْعِيدَ أَوْ يَحْدِرُ كُلُّهُ اللَّهُ
نَفَّةٌ هُوَ إِلَيْهِ الْمَعْوَذَةُ بِالْعِيَادِ^(۴)

قُلْ إِنَّ اللَّهَ يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَإِنَّهُمْ يُعْبُدُونَ يُعْبُدُونَ اللَّهَ وَيَغْفِرُ لَكُمْ
ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۵)

کافروں کی موالات (دوستی) اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البتہ حب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معابدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی۔ اسی طرح جو کافر، مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے (جس کی تفصیل سورہ متحہ میں ہے) کیونکہ یہ سارے معاملات، موالات (دوستی و محبت) سے مختلف ہے۔

(۱)- یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو کسی کافر حکومت میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اطمینان دوستی کے بغیر ان کے شرے پچانہ ممکن نہ ہو تو وہ زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اطمینان کر سکتے ہیں۔

(۲)- یہود اور نصاریٰ دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے، بالخصوص عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم ملیحہ السلام کی تعظیم و محبت میں جواناً غلو کیا کہ انہیں درجہ الوہیت پر فائز کر دیا، اس کی بابت بھی ان کا خیال تھا کہ ہم اس طرح اللہ کا قرب اور اس کی رضا و محبت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے دعووں اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میرے آخری پیغمبر پر ایمان لاو اور اس کا اتباع کرو۔ اس آیت نے تمام دعوے داران محبت کے لیے ایک کسوٹی اور معیار مہیا کر دیا ہے کہ محبت الہی کا طالب اگر اتباع محمد ﷺ کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے، تو پھر تو یقیناً وہ کامیاب ہے

تمہارے گناہ معاف فرمادے گا^(۱) اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا عمران ہے^(۲)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ
منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں
کرتا۔^(۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جمانت کے لوگوں میں سے
آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو، ابراہیم
(علیہ السلام) کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب
فرمایا۔^(۴)

قُلْ أَطِيعُ اللَّهَ وَالرَّسُولَ، فَإِنْ تَوْكُدُ فَإِنَّ اللَّهَ
أَلْعَجُّ بِالْكَفَّارِ^(۵)

إِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَ أَدْمَرَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عُمَرَ عَلَى
الْعَلَمَيْنِ^(۶)

اور اپنے دعوے میں سچا ہے، ورنہ وہ جھوٹا بھی ہے اور اس مقصد کے حصول میں ناکام بھی رہے گا۔ نبی ﷺ کا بھی
فرمان ہے «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌ» (تفہیم علیہ) جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا معاملہ نہیں ہے یعنی
ہمارے ہتھے ہوئے طریقے سے مختلف ہے تو وہ مسترد ہے۔

(۱)- یعنی اتباع رسول ﷺ کی وجہ سے تمہارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے بلکہ تم محب سے محبوب بن جاؤ گے۔ اور
یہ کتنا اوپر مقام ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ایک انسان کو محبویت کا مقام مل جائے۔

(۲)- اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول ﷺ کی پھر تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر
ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ
اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔ اس آیت میں حجت حدیث کے مکرین اور اتباع رسول ﷺ
سے گریز کرنے والوں دونوں کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں
جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

(۳)- انجیا علیم السلام کے خاندانوں میں دو عمران ہوئے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ وہارون ملیحہ السلام کے والد اور
دوسرے حضرت مریم ملیحہ السلام کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں اور اس
خاندان کو بلند درجہ حضرت مریم ملیحہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا اور حضرت
مریم ملیحہ السلام کی والدہ کاتنام مفسرین نے حنۃ بنت فاقوذ لکھا ہے (تفہیر قرطبی و ابن کثیر) اس آیت میں اللہ تبارک و
تعالیٰ نے آل عمران کے علاوہ مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں جہانوں پر فضیلت
عطافرمائی۔ ان میں پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح
پھونکی، انہیں مسجد و ملائکہ بنایا، اسما کا علم انہیں عطا کیا اور انہیں جنت میں رہائش پذیر کیا، جس سے پھر انہیں زمین میں

(۱) کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں
اور اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔ (۳۳)

جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے
پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد
کرنے (۲) کی نذر مانی، تو میری طرف سے قبول فرمایا یقیناً
تو خوب سننے والا اور پوری طرح جانے والا ہے۔ (۳۵)
جب بچی کو جناتو کہنے لگیں کہ پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی،
اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا
لڑکی جیسا نہیں (۳) میں نے اس کا نام مریم رکھا، (۴) میں
اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں
دیتی ہوں۔ (۵) (۳۶)

ذِرْيَةٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعِيشٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلَيْهِ ۝

إِذْ قَاتَلَتْ اُمَّرَاتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِتِيَّ وَذَرْرُثُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي
مُحَرَّرًا فَتَعَبَّلْ مِنْ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَاتَلَتْ رَبِّ إِتِيَّ وَضَعَفَهَا أُنْثى وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِمَا وَضَعَتْ ۚ وَلَيْسَ الدُّكَّارُ كَالْأُنْثى ۖ وَإِنَّ سَمِيعَهَا مَرِيمَ
وَإِنَّهُ أَعْيُنُهَا بِكَ وَذَرِّيَّهَا مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِينِ ۝

بھیج دیا گیا جس میں اس کی بستی تھیں۔ دوسرے حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انہیں اس وقت رسول بن اکر
بھیجا گیا جب لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتیں کو معبدوں بنا لیا، انہیں عمر طویل عطا کی گئی، انہوں نے اپنی قوم کو سازی ہے نو سو
سال تبلیغ کی، لیکن چند افراد کے سوا، کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ بالآخر آپ کی بد دعا سے اہل ایمان کے سوا، دوسرے
تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا۔ آل ابراہیم کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان میں انبیاء و سلاطین کا سلسلہ قائم کیا اور بیشتر پیغمبر آپ ہی
کی نسل سے ہوئے۔ حتیٰ کہ علی الاطلاق کائنات میں سب سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے بیٹے، اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔

(۱)- یادو سرے معنی ہیں دین میں ایک دوسرے کے معاون اور مرد گار۔

(۲)- مُحَرَّرًا (تیرے نام آزاد) کا مطلب تیری عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف۔

(۳)- اس جملے میں حضرت کاظمار بھی ہے اور عذر بھی۔ حضرت، اس طرح کہ میری امید کے بر عکس لڑکی ہوئی ہے اور
عذر، اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر
طریقے سے کر سکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہی ہے۔ (فتح القدير)

(۴)- حافظ ابن کثیر نے اس سے اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچے کا نام ولادت کے پہلے روز
رکھنا چاہیے اور ساتویں دن نام رکھنے والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن القیم نے تمام احادیث پر بحث کر
کے آخر میں لکھا ہے کہ پہلے روز، تیرے روز یا ساتویں روز نام رکھا جا سکتا ہے، اس مسئلے میں گنجائش ہے۔ وَالْأَمْرُ فِيهِ
وَاسِعٌ (تحفۃ المودود)

(۵)- اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مس کرتا

پس اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پروردش دی۔ اس کی خیر خبر لینے والا زکریا (علیہ السلام) کو بنایا،^(۱) جب کبھی زکریا (علیہ السلام) ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے،^(۲) وہ پوچھتے اے مریم! یہ روزی تم سارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہے چاہے بے شمار روزی دے۔^(۳)

اسی جگہ زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد

فَقَبَّلَهَا رَبُّهَا يَقْبُولُ حَسَنَ وَأَنْتَهَا بَنِيًا حَسَنًا وَلَقَلَّهَا زَكَرِيَا مُكْلِمًا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَا الْمُحَرَّابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَعْرِيْحَانِي لِكِهْنَدَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءْ يَغْيِيْحَانِي

۲)

هُنَالِكَ دَعَازْ كَرِيَارَبَةَ قَالَ رَبِّ هَبْلِيْ مِنْ لَدُنْكَ ذَرْيَةَ طَبِيَّةَ إِنَّكَ سَيِّمُ الدُّعَاءَ ۴)

(چھوتا) ہے جس سے وہ چیختا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مس شیطان سے حضرت مریم علیہما السلام اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو محفوظ رکھا ہے۔ «مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُوْلَدُ إِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُوْلَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّهِ إِيَّاهُ، إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا» (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، مسلم، کتاب الفضائل)

(۱) حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت مریم علیہما السلام کے خالو بھی تھے، اس لیے بھی، علاوه ازیں اپنے وقت کے پیغمبر ہونے کے لحاظ سے بھی وہی سب سے بہتر کفیل بن سکتے تھے جو حضرت مریم علیہما السلام کی مادی ضروریات اور علمی و اخلاقی تربیت کے تقاضوں کا صحیح اہتمام کر سکتے تھے۔

(۲) مِنْخَرَابٍ سے مراد جگرو ہے جس میں حضرت مریم علیہما السلام رہائش پذیر تھیں۔ رزق سے مراد پھل۔ یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے، گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں ان کے کمرے میں موجود ہوتے، دوسرے حضرت زکریا علیہ السلام یا کوئی اور شخص لا کر دینے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے از رہا تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ انہوں نے کہا اللہ کی طرف سے۔ یہ گوا حضرت مریم علیہما السلام کی کرامت تھی۔ مججزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے یعنی جو ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہو۔ یہ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے مججزہ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برق ہیں۔ تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ وہ مججزہ اور کرامت، جب چاہے، صادر کر دے۔ اس لیے مججزہ اور کرامت اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے، جیسا کہ اہل بدعت اولیا کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انہیں شرکیہ عقیدوں میں بتلا کر دیتے ہیں اس کی مزید دضاحت بعض مججزات کے ضمن میں آئے گی۔

عطافرما' بے شک تو دعا کا شنے والا ہے۔ (۳۸)

پس فرشتوں نے انہیں آواز دی، جب کہ وہ مجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی اکی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو^(۱) اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا،^(۲) سردار، ضابط نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے۔ (۳۹)

کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں پچ کیسے ہو گا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ (۴۰)

کہنے لگے پروردگار! میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے، فرمایا، نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا، صرف اشارے سے سمجھائے گا، تو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کر اور صبح و شام اسی کی تسبیح بیان۔ (۴۱)

فَنَادَهُنَّ الْمَلِكَةَ وَهُوَ قَالِمٌ يُصْلِلُ فِي الْبَحْرَابِ
أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكُ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلْمَةٍ مِّنْ أَنْذِلَنَا
وَحَصُورًا ذَيَّبًا مِّنَ الظَّالِمِينَ (۷)

قَالَ رَبِّي أَلِيْكُونُ لِلْعِلْمِ وَقَدْ بَلَغْنِي الْكَبُرُ وَأَمْرَأَ
عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعُلُ مَا يَشَاءُ (۸)

قَالَ رَبِّي أَجْعَلْ لِيْ إِيمَانَ قَالَ إِيْتُكَ الْأَنْكَلَمَ النَّاسَ
ثَلَثَةَ إِيمَانَ الْأَرْمَازُواذُ كُرْزَيَكَ كَشِيدًا وَسَيِّدَهُ
بِالْعَشَقِ وَالْإِنْكَارِ (۹)

(۱) ہے موسیٰ پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے۔ چنانچہ بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھ گئے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔

(۲) اللہ کے کلمے کی تصدیق سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے۔ گویا حضرت بھی، حضرت عیسیٰ ملیماً السلام سے بڑے ہوئے۔ دونوں آپس میں خالہ زاد تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ سیداً کے معنی ہیں سردار حصوراً کے معنی ہیں، گناہوں سے پاک یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھلتے گویا کہ ان کو ان سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی حَصُورٌ بِمَعْنَى مَخْصُورٍ بعض نے اس کے معنی نامد کے کیے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ ایک عیب ہے جب کہ یہاں ان کا ذکر مدرج اور فضیلت کے طور پر کیا گیا ہے۔

(۳) بڑھاپے میں مجزانہ طور پر اولاد کی خوش خبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے تیری زبان بند ہو جائے گی۔ جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہو گی لیکن تو اس خاموشی میں کثرت سے صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کیا کر۔ تاکہ اس نعمت الٰہی کا جو تجھے ملنے والی ہے، شکر ادا ہو۔ یہ گویا سبق دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طلب کے مطابق تمہیں مزید نعمتوں سے نوازے تو اسی حساب سے اس کا شکر بھی زیادہ سے زیادہ کرو۔

اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا۔^(۱) (۳۲)

اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔^(۲) (۳۳)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں، تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے گا؟ اور نہ تو ان کے چھڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔^(۳) (۳۴)

وَإِذْ قَالَتِ الْمُلِئَةُ يَمْرِئُهُ إِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَكَ وَطَهَرَكَ وَأَصْطَفَكَ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَلِيِّينَ ②

لَعَزَّ حَقْيَّ لِرَبِّكَ وَاسْمُدُّ وَارْكَعْ مَرَّةً لِرَبِّكَعِنَ ③

ذَلِكَ مِنْ آتِيَّةِ الْغَيْبِ نُوَحِّيْهُ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهُمْ إِذْ يُنْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ إِنَّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْصُّوْنَ ④

(۱)- حضرت مریم ملیما السلام کا یہ شرف و فضل ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم ملیما السلام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی خَبِيرُ نِسَائِهَا (سب عورتوں میں بہتر) کہا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں چار عورتوں کو کامل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مریم، حضرت آیہ (فرعون کی بیوی)، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت دیگر تمام عورتوں پر ایسے ہے جیسے شرید کو تمام کھانوں پر فوکیت حاصل ہے۔ (ابن کثیر) اور ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ملکہ کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے (ابن کثیر) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی یا یہ کہ اپنے اپنے زمانے میں فضیلت رکھتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲)- آج کل کے اہل بدعت نے نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ان کے اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ گھر رکھا ہے۔ اس آیت سے ان دونوں عقیدوں کی واضح تردید ہوتی ہے۔

اگر آپ نبی ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ”ہم غیب کی خبریں آپ کو بیان کر رہے ہیں“ کیونکہ جس کو پہلے ہی علم ہو، اس کو اس طرح نہیں کہا جاتا اور اسی طرح حاضر و ناظر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب لوگ قرعد اندازی کے لیے قلم ڈال رہے تھے۔ قرعد اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت مریم ملیما السلام کی کفالت کے اور بھی کئی خواہش مند تھے۔ ﴿ذَلِكَ مِنْ آتِيَّةِ الْغَيْبِ نُوَحِّيْهُ إِلَيْكَ﴾ ہے سے نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی صداقت کا اثبات بھی ہے جس میں یہودی اور عیسائی شک کرتے تھے کیونکہ وہی شریعت پیغمبر پر ہی آتی ہے، غیر پیغمبر پر نہیں۔

جب فرشتوں نے کہا۔ میریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے^(۱) کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسح عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ میرے مقربین میں سے ہے۔^(۲۵)

وہ لوگوں سے اپنے گوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیز عمر میں بھی^(۳) اور وہ نیک لوگوں میں سے ہو گا۔^(۳۶)

لَذُقَالَتِ الْمُلْكَةُ لِيَوْمٍ إِنَّ اللَّهَ يَعِظُكُ بِجَلَلِهِ مِنْهُ فَإِنَّهُ
السَّيِّدُ عِنْدَ أَبْنَى مَرْيَمَ وَجِهِهَا فِي الدُّنْيَا
وَالآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقْرَبِينَ ۝

وَيُبَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝

(۱)- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ یعنی کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت اعجازی شان کی مظرا اور عام انسانی اصول کے بر عکس، باپ کے بغیر، اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمہ کن کی تخلیق ہے۔

(۲)- مسح مسح سے ہے آئی: مسح الأرض یعنی کثرت سے زمین کی سیاحت کرنے والا، یا اس کے معنی ہاتھ پھیرنے والا ہے، کیونکہ آپ ہاتھ پھیر کر مریضوں کو باذن اللہ شفایا ب فرماتے تھے۔ ان دونوں معنوں کے اعتبار سے یہ فَعِيلٌ بمعنی فاعل ہے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے دجال کو جو مسح کہا جاتا ہے وہ یا تو بمعنی مفعول یعنی مَسْحُ الْعَيْنِ (اس کی ایک آنکھ کافی ہو گی) کے اعتبار سے ہے یا وہ بھی چونکہ کثرت سے دنیا میں پھرے گا اور مکہ اور مدینہ کے سوا ہر جگہ پہنچے گا، (بخاری و مسلم) اور بعض روایات میں بیت المقدس کا بھی ذکر ہے اس لیے اسے بھی الْمَسِيحُ الدَّجَائُ کہا جاتا ہے۔ عام اہل تفسیر نے عموماً یہی بات درج کی ہے۔ کچھ اور محققین کہتے ہیں کہ مسح یہود و نصاریٰ کی اصطلاح میں بڑے مامور من اللہ پیغمبر کو کہتے ہیں، یعنی ان کی یہ اصطلاح تقریباً او لواحزم پیغمبر کے ہم معنی ہے۔ دجال کو مسح اس لیے کہا گیا ہے کہ یہود کو جس انقلاب آفریں مسح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور جس کے وہ غلط طور پر اب بھی منتظر ہیں، دجال اسی مسح کے نام پر آئے گا یعنی اپنے آپ کو وہی مسح قرار دے گا۔ مگر وہ اپنے اس دعویٰ سمیت تمام دعوؤں میں دجل و فریب کا اتنا بڑا پیکر ہو گا کہ اولین و آخرین میں اس کی کوئی مثال نہ ہو گی اس لیے وہ الدجال کملائے گا۔ اور عیسیٰ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ عربی اور عاسیَ یَعُوسُ سے مشتق ہے جس کے معنی سیاست و قیادت کے ہیں (قرطبی و فتح القدير)

(۳)- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مہند^(۴) (گوارے) میں گفتگو کرنے کا ذکر خود قرآن کریم کی سورہ میریم میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں دو بچوں کا ذکر اور ہے۔ ایک صاحب جرجی اور ایک اسرائیلی عورت کا بچہ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب میریم) اس روایت میں جن تین بچوں کا ذکر ہے، ان سب کا تعلق بنو اسرائیل سے ہے، کیونکہ ان کے علاوہ صحیح مسلم میں اصحاب الاغدوں کے قصے میں بھی شیر خوار بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ اور حضرت یوسف کی بابت فیصلہ کرنے والے شاہد کے بارے میں جو مشورہ ہے کہ وہ بچہ تھا، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ دُوْلَخِیَّہ (داڑھی والا) تھا (الفیفہ۔ رقم ۸۸۱) کھلل^(۵) (ادھیز عمر) میں کلام کرنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ بڑے ہو کرو جی اور رسالت سے سرفراز کیے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا قیامت کے قریب جب جب آسمان سے نزول

کہنے لگیں الی مجھے لڑکا کیسے ہو گا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، فرشتے نے کہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتا ہے^(۱) (۲۷)

اللہ تعالیٰ اسے لکھنا^(۲) اور حکمت اور توراة اور انجیل سکھائے گا۔ (۲۸)

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا، کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں،^(۳) پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادرزاداں ہے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں^(۴) اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا

قالَ رَبِّي أَنِّي يَقُولُ لِي وَلَدُكُولَمْ يَمْسَسْنِي بَثَرْ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ لَنْ فَيَكُونُ ④

وَيَعْلَمُهُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وَالْتُّورَةُ وَالْأَنْجِيلُ ⑤

وَرَسُولُ اللَّهِ يَبْيَنُ إِسْرَائِيلَ ۚ إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْيَةِ مِنْ رَبِّكُمْ
إِنِّي آخْلُقُ الْكُمَّنَ الظَّلَّمَنَ كَمِنْتُهُ الظَّلِيمُ فَأَنْفَثُ فِيهِ
فَيَكُونُ طَبِيعَةً إِذْنِ اللَّهِ وَأَبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَنْرَصَ
وَأَنْجِي الْمُؤْقَنَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأَنْتَنِمُ بِمَا تَنْكُلُونَ
وَمَا أَنَّدَهُ خَرُونَ فِي بَيْوِنَكَهُنَّا نَقْ فِي ذَلِكَ لَاهِيَّهُ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ⑥

ہو گا جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے جو صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے، تو اس وقت جو وہ اسلام کی تبلیغ کریں گے، وہ کلام مراد ہے۔ (تفہیم ابن کثیر و قرطبی)

(۱)- تیرا تعجب بجا، لیکن قدرت الہی کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، وہ توجہ چاہے اسباب عادیہ و ظاہریہ کا سلسلہ ختم کر کے حکم کن سے پلک جھپکتے میں، جو چاہے کر دے۔

(۲)- کتاب سے مراد کتابت (لکھنا) ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے یا انجیل و تورات کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا (قرطبی) یا تورات و انجیل، الکتابت اور الْحِكْمَةُ کی تفسیر ہے۔

(۳)- آخْلُقُ لَكُمْ - ای: أَصْوَرُ وَأَقْيَرُ لَكُمْ (قرطبی) یعنی غلتی یا پیدائش کے معنی میں نہیں ہے، اس پر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ یا اس کے معنی ظاہری شکل و صورت گھرنے اور بنانے کے ہیں۔

(۴)- دوبارہ بازن اللہ (اللہ کے حکم سے) کہنے سے مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں۔ نہیں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہی ہوں۔ یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے، مجرہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بھی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق مجرے عطا فرمائے تاکہ اس کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ

دیتا ہوں، اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان
لانے والے ہو۔ (۴۹)

اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے
ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں
حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں^(۱) اور میں
تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں، اس لئے
تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمابندواری کرو! (۵۰)
لیکن مانو! میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے، تم سب اسی کی
عبارت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ (۵۱)

مُرْجُبٌ حَضْرَتُ عِيسَىٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس
کر لیا^(۲) تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے

وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْوُرْقَةِ وَلَا حِلَالَ لِكُلِّ بَعْضٍ
الَّذِي هُرِمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْنَاهُمْ بِأَيَّهِ مِنْ رَّيْكُمْ فَاقْتُلُوا
إِنَّ اللَّهَ رَبِّنِي وَرَبِّكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ هَذَا أَصْرَاطٌ مُّسَيْقَةٌ^(۳)
اللَّهُ وَآتِيَعُونَ

إِنَّ اللَّهَ رَبِّنِي وَرَبِّكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ هَذَا أَصْرَاطٌ مُّسَيْقَةٌ

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفَّارَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ
قَالَ الْحَوَارِيُّونَ حَنْنُ أَنْصَارَ اللَّهِ إِمَّا بِاللَّهِ وَآشْهَدُ

السلام کے زمانے میں جادو گری کا بڑا زور تھا، انہیں ایسا مججزہ عطا فرمایا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادو گر اپنا کرتے
وکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہو گئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انہیں مردہ کو زندہ کر دینے، مادر زادا ندھے اور کوڑھی کو اچھا کر
دینے کا مججزہ عطا فرمایا گیا جو کوئی بھی بڑا سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ہمارے پیغمبر نبی
کریم ﷺ کے دور میں شعرو ادب اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصح و بلغہ اور پر اعجاز کلام
عواطہ فرمایا گیا، جس کی نظری پیش کرنے سے دنیا بھر کے فحشا و بلخا اور ادب و شعر اعجاز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز
ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔ (ابن کثیر)

(۱)- اس سے مراد یا تو وہ بعض چیزیں ہیں جو بطور سزا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دی تھیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو ان کے علماء
نے اجتہاد کے ذریعے سے حرام کی تھیں اور اجتہاد میں ان سے غلطی کا ارتکاب ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس
غلطی کا ازالہ کر کے انہیں حلal قرار دیا۔ (ابن کثیر)

(۲)- یعنی اللہ کی عبادت کرنے میں اور اس کے سامنے ذلت و عاجزی کے اظہار میں میں اور تم دونوں برابر ہیں۔ اس لیے
سیدھا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

(۳)- یعنی ایسی گری سازیں اور مخلوق کو حرکتیں جو کفر یعنی حضرت مسیح کی رسالت کے انکار پر منی تھیں۔

بِكَمْ مُسْلِمُونَ

والاکون کون ہے؟^(۱) حواریوں^(۲) نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم تابعدار ہیں۔ (۵۲)

اے ہمارے پالنے والے معبودا، ہم تیری اتاری ہوئی وحی
پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی، پس
تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔ (۵۳)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مک خفیہ تدبیر کی) اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بستر ہے۔^(۵۳)

رَبَّنَا أَمْنًا بِمَا أَنْزَلْتَ وَأَشْبَعْنَا الرَّسُولَ فَإِنَّا كُلُّنَا

مَعَ الشُّهِيدِيْنَ

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكَرِينَ ﴿٦٥﴾

(۱)- بہت سے نبیوں نے اپنی قوم کے ہاتھوں نگ آکر ظاہری اسباب کے مطابق اپنی قوم کے باشور لوگوں سے مدد طلب کی ہے۔ جس طرح خود نبی ﷺ نے بھی ابتداء میں، جب قریش آپ کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بننے ہوئے تھے، تو آپ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے پر آمادہ کرتے تھے ماکہ آپ رب کا کلام لوگوں تک پہنچا سکیں، جس پر انصار نے لبیک کما اور نبی ﷺ کی انسوں نے قبل بھرت اور بعد بھرت مدد کی۔ اسی طرح یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد طلب فرمائی۔ یہ وہ مدد نہیں ہے جو مافق الاصاب طریقے سے طلب کی جاتی ہے کیونکہ وہ تو شرک ہے اور ہر بھی شرک کے سد باب ہی کے لیے آتا رہا ہے، پھر وہ خود شرک کا ارتکاب کس طرح کر سکتے تھے؟ لیکن قبرِ ستون کی غلط روشن قابلِ ماتم ہے کہ وہ فوت شدہ اشخاص سے مدد مانگنے کے جواز کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول من انصاری اللہ سے استدلال کرتے ہیں؟ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ إِلَيْنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّ كُوْهِدَائِيْتْ نصیب فرمائے۔

(۲) حواریوں، حواری کی جمع ہے بمعنی انصار (مدگار) جس طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيًّا الزَّبِيرَ» (صحیح بخاری کتاب الجهاد باب فضل الطلیعۃ) ”ہر نبی کا کوئی مدگار خاص ہوتا ہے اور میرا مدگار زبیر ہے۔“

(۳)- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیر نگیں تھا، یہاں ان کی طرف سے جو حکمران مقرر تھا وہ کافر تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس حکمران کے کان بھرد دیئے کہ یہ نَمُوذِ باللّٰهِ بغیر باپ کے اور فسادی ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفظت آسمان پر اٹھالیا اور ان کی جگہ ان کے ہم شلک ایک آدمی کو انہوں نے سولی دے دی، اور سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے تکرّ عربی زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اور اس معنی میں یہاں اللہ تعالیٰ کو خَبِيرَ الْمَاكِرِينَ کہا گیا ہے۔ گویا یہ کمر، عیسیٰ (بر) بھی ہو سکتا ہے، اگر غلط مقصد کے لیے ہو اور خیر (اچھا) بھی ہو سکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لیے ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں^(۱) اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں^(۲) اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر غالب کرنے والا ہوں قیامت کے دن تک،^(۳) پھر تم سب کا لوٹا میری ہی طرف ہے میں ہی تمہارے آپس کے تمام تراختلافات کا نیصلہ کروں گا۔^(۴)

پھر کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔^(۵) لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔^(۶)

إِذَا قَاتَ اللَّهُ يُعِيشُتَ إِنِّي مُتَوَقِّفٌ كَمَا رَأَيْتُكَ إِنَّهُ
وَمُظَاهِرٌ لِمَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاجْعَلُ الَّذِينَ أَتَبَعُوكَ
فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَكُمْ
فَإِنَّكُمْ بَيْنَنَا فِيمَا أُنْشِئْتُمْ فِيهِ تَخْتَلُقُونَ ۝

فَأَنَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأَعْدَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي
الْأَنْتِيَاءِ وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نُصِيبٍ ۝
وَأَنَّا الَّذِينَ أَمْتَوْا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ فَيَوْمَ قِيَمَهُ
أَجْوَرُهُمْ وَاللَّهُ لَأَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝

(۱)- المتنی کا مصدر رتوں اور مادہ و فی ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں، انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اسی لیے کہ اس کے جسمانی اختیارات کامل طور پر سلب کر لیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے۔ نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کردیے جاتے ہیں اس لیے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی اور اصل معنی پورا پورا لینے کے ہی ہیں۔ ﴿إِذَا مُتَوَقِّفٌ كَمَا رَأَيْتُكَ﴾ میں یہ اسی اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن میں اے عیسیٰ علیہ السلام تجھے یہودیوں کی سازش سے بچا کر پورا پورا اپنی طرف آسانوں پر اٹھا لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بعض نے اس کے مجازی معنی کی شرط استعمال کے مطابق موت ہی کے معنی کیے ہیں لیکن اس کے ساتھ انہوں نے کہا ہے کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے لیکن رَأَيْتُكَ (میں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں) کے معنی مقدم ہیں اور مُتَوَقِّفٌ (فوت کرنے والا ہوں) کے معنی متاخر، لیکن میں تجھے آساناً پر اٹھا لوں گا اور پھر جب دوبارہ دنیا میں نزول ہو گا تو اس وقت موت سے ہمکنار کروں گا۔ یعنی یہودیوں کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہو گا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی۔ (فتح القدير و ابن کثیر)

(۲)- اس سے مراد ان الزامات سے پاکیزگی ہے جن سے یہودی آپ کو متمم کرتے تھے، نبی ﷺ کے ذریعے سے آپ کی صفائی دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی۔

(۳)- اس سے مراد یا تو نصاریٰ کا وہ دنیاوی غلبہ ہے جو یہودیوں پر قیامت تک رہے گا گو وہ اپنے غلط عقائد کی وجہ سے نجات اخروی سے محروم ہی رہیں گے۔ یا امت محمدیہ کے افراد کا غلبہ ہے جو در حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیا کی تصدیق کرتے اور ان کے صحیح اور غیر محرف دین کی پیروی کرتے ہیں۔

یہ ہے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آئیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہیں۔ (۵۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو بہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنایا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا! (۵۹)

تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ (۶۰)

اس لئے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجائے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ اتنا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔ (۶۱)

یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبد برحق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور بے شک غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (۶۲)

ذلِكَ نَسْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَتِ وَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ ⑥

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ اَدَمَ خَلْقَةٌ
مِنْ شَرَابٍ لَّهُ قَالَ لَهُ كُنْ فَكَوَّنْ ⑦

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ⑧

قَنْ حَاجَجَكَ فِيْنِ مِنْ بَعْدِ مَلْجَأِكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
تَعَالَى وَانْدُعْ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَيَسِّرْنَا وَرِسَّرْنَا
وَأَنْفَسْنَا وَأَنْفَسَكُمْ لَكُمْ تَبَّعِهِمْ فَنَجِّلْ لَعْنَتَ اللَّهِ
عَلَى الْكَذَّابِينَ ⑨

إِنَّ هَذَا إِلَهُ الْقَصْصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ
وَلَمَّا نَهَى اللَّهُ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑩

(۱)- یہ آیت مبایبلہ کھلاتی ہے۔ مبایبلہ کے معنی ہیں دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بدعا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف و نزاع ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہ الہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اس پر لعنت فرم۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۹ ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی مسیح ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ جو غلو آمیز عقاومد رکھتے تھے اس پر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔ بالآخر یہ آیت نازل ہوئی اور نبی مسیح ﷺ نے انہیں مبایبلہ کی دعوت دی۔ حضرت علی ہوش، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا، اور عیسائیوں سے کہا کہ تم بھی اپنے اہل و عیال کو بلا لو اور پھر مل کر جھوٹے پر لعنت کی بدعا کریں۔ عیسائیوں نے باہم مشورہ کے بعد مبایبلہ کرنے سے گریز کیا اور پیش کش کی کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ نبی مسیح ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرمادیا جس کی وصولی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ابو عییدہ بن جراح ہوش کو، جنہیں آپ ﷺ نے امین امت کا خطاب عنایت فرمایا تھا، ان کے ساتھ بھیجا (ملخص از تفسیر ابن کثیر و فتح القدر وغیرہ) اس سے اگلی آیت میں اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کو دعوت توحید وی جاری ہے۔

فَإِنْ تَوَلُّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ بِالنَّفِيْدِيْنَ ۝

پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر
فسادیوں کو جانے والا ہے۔ (۶۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات
کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ
کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو
شریک بنائیں،^(۱) نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک
دوسرے کو ہی رب بنائیں۔^(۲) پس اگر وہ منہ پھیر لیں
تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں^(۳) (۶۴)

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کی بابت کیوں جھگڑتے ہو
حالانکہ تورات و انجلیں تو ان کے بعد نازل کی گئیں، کیا تم
پھر بھی نہیں صحیح ہے؟^(۴) (۶۵)

فُلْ يَا هَلَ الْكِتَابِ تَعَالَوَ إِلَى كَلِمَةٍ سَوَّاهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَلَا يَعْبُدُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نُشَرِّكُ إِلَّا شَيْئًا وَلَا يَتَخَذُ بَعْضَنَا
بَعْضًا أَرْبَابًا مَّنْ دُونَ اللَّهِ فَقَاتَنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا
اَشْهَدُو اِنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

يَا هَلَ الْكِتَابِ لَمْ يَحْمِلُّنَّ فِي زَرْبِهِمْ وَلَا أَنْزَلَتِ الْوَزْرَ
وَالْإِنْجِيلُ إِلَامٌ بَعْدَهُ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(۱) کسی بت کونہ صلیب کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ بلکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں جیسا کہ تمام انبیا کی
دعوت رہی ہے۔

(۲) یہ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے حضرت مسیح اور حضرت عزیز علیہما السلام کی رو بیت (رب ہونے)
کا جو عقیدہ گھر رکھا ہے یہ غلط ہے، وہ رب نہیں ہیں انسان ہی ہیں۔ دوسرًا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے اپنے
احبار و رہبان کو حلال و حرام کرنے کا جواختیار دے رکھا ہے، یہ بھی ان کو رب بناتا ہے جیسا کہ آیت — ﴿إِنَّهُمْ
أَحَبُّ أَرْجُمَهُ﴾ اس پر شاہد ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے، حلال و حرام کا اختیار بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدير)۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ہر قل شاہ روم کو مکتب تحریر فرمایا اور
اس میں اس آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی اور اسے کہا کہ تو مسلمان ہو جائے گا تو تجھے دہرا اجر
ملے گا، ورنہ ساری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا۔ «فَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَءَيْنَ، فَإِنْ تَوَلَّتْ، فَإِنَّ
عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيْسِيْنَ» (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحى نمبر)، «اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا۔
اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دو گناہ اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے قبول اسلام سے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہی ہو
گا۔» کیونکہ رعایا کے عدم قبول اسلام کا سبب تو ہی ہو گا۔ اس آیت میں مذکور تین نکات یعنی ۱۔ صرف اللہ کی عبادت
کرنا ۲۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ نہ رانا ۳۔ اور کسی کو شریعت سازی کا خدا کی مقام نہ دینا وہ کلمہ سواء ہے
جس پر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی گئی۔ لذا اس امت کے شیرازہ کو جمع کرنے کے لیے بھی ان ہی تینوں نکات اور
اس کلمہ سواء کو بد رجہ اولیٰ اساس و بنیاد بنانا چاہیے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ

سنواتم لوگ اس میں جھگڑے کچے جس کا تمہیں علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں؟^(۱) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے^(۲۶) ابراہیم تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرف (غالص) مسلمان تھے،^(۳) وہ مشرک بھی نہ تھے^(۴) (۲۷)

سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے،^(۵) مومنوں کا ولی اور سارا اللہ ہی ہے^(۶) (۲۸) اہل کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں، دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں۔^(۷) (۲۹)

هَأَنْتُمْ هُؤُلَاءِ حَاجَجُوكُمْ فِيمَا لَكُمْ يَهْ عِلْمٌ فَلِمَّا تَعَاجَلُونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ يَهْ عِلْمٌ وَإِنَّمَا يَعْلَمُ وَأَنَّمَا لَا يَعْلَمُونَ^(۸)

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَا كَانَ حَنِيفًا شُعْلِمِيًّا وَمَا كَانَ مِنَ الظُّرُفِكِينَ^(۹)

إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يَأْتِي بِرَهِيمَ لِلَّذِينَ أَشْبَعُوا وَهَذَا الَّذِي وَالَّذِينَ أَمْتَوْا وَإِنَّهُ وَلِلَّهِ الْمُؤْمِنِينَ^(۱۰)

وَذَنْتَ كُلَّ أَيْنَةً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْيُضْلُّنَّكُمْ وَمَا يُضْلُّنَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ^(۱۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، حالانکہ تورات، جس پر یہودی ایمان رکھتے تھے، اور انجلی جسے عیسائی مانتے تھے، دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد نازل ہوئیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کس طرح ہو سکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا اور حضرت ابراہیم و عیسیٰ ملیما السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ تھا (قرطبی)

(۱)- تمہارے علم و دیانت کا تو یہ حال ہے کہ جن چیزوں کا تمہیں علم ہے یعنی اپنے دین اور اپنی کتاب کا، اس کی بابت تمہارے جھگڑے (جس کا ذکر کچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے) بے اصل بھی ہیں اور بے عقلی کا منظر بھی۔ تو پھر تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں سرے سے علم ہی نہیں ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان اور ان کی ملت خینیہ کے بارے میں، جس کی اساس توحید و اخلاق پر ہے۔

(۲)- ﴿حَيْنِيَّا مُسْلِمِيًّا﴾ (یک طرف غالص مسلمان) یعنی شرک سے بیزار اور صرف خداۓ واحد کے پرستار۔

(۳) اسی لیے قرآن کریم میں نبی کرم ملکہ^(۱۲۳) کو ملت ابراہیم کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿إِنَّ اتِّبَاعَ مَلِكَةَ إِبْرَاهِيمَ حَيْنِيَّا﴾ (النحل، ۱۲۳) علاوه ازیں حدیث میں ہے رسول اللہ ملکہ^(۱۲۴) نے فرمایا (إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَادَةً مِنَ النَّبِيِّنَ، وَإِنَّ وَلِيَّ مِنْهُمْ أَبِي دَخْلِيلٍ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ) (ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ دوست ہوتے ہیں، میرے ولی (دوست) ان میں سے میرے باپ اور میرے رب کے خلیل (abraہیم علیہ السلام ہیں)۔ پھر آپ ملکہ^(۱۲۵) نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ترمذی بحوالہ ابن کثیر) (۴)- یہ یہودیوں کے اس حد و بعض کی وضاحت ہے جو وہ اہل ایمان سے رکھتے تھے اور اسی عناد کی وجہ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح وہ خود ہی بے شوری میں اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔

اے اہل کتاب تم (باوجود قائل ہونے کے پھر بھی) دانتے
اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو؟^(۱) (۷۰)

اے اہل کتاب! باوجود جانے کے حق و باطل کو کیوں خلط
مطفر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟^(۲) (۷۱)

اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں
پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاو اور شام کے
وقت کافر بن جاؤ، تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔^(۳) (۷۲)

اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا
یقین نہ کرو۔^(۴) آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت تو
اللہ ہی کی ہدایت ہے^(۵) (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَمْ تَكُفُّنَنْ بِإِيمَانِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ
نَشَهِدُونَ ①

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَمْ تَلِسُّونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَلَكُمْ
أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ②

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِيمَانُ الَّذِي أَنْزَلْ عَلَى النَّبِيِّ
أَمْنَوْ أَوْجَهَ النَّهَارِ وَاللَّيْلَ وَالْخَرَةَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ③

وَلَا تُؤْمِنُوا بِالْأَيَّمَنَ تَبِعَهُ دِينُكُمْ فَإِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ
أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أَفْتَنْتُمْ أَوْ يُحَاكِمُونَ حِدْنَ
رَبِّكُمْ فَإِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتَيْهِ مَنْ يَشَاءُ ④

(۱) قائل ہونے کا مطلب ہے کہ تمہیں نبی کریم ﷺ کی صفات و تھانیت کا علم ہے۔

(۲) اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرام کی نشاندہی کر کے انہیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے، پلا جرم حق و باطل اور جھوٹ کو خلط مطفر کرنا تاکہ لوگوں پر حق اور باطل واضح نہ ہو سکے۔ دوسرا کتنا حق۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے، انہیں لوگوں سے چھپانا، تاکہ نبی ﷺ کی صفات کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہو سکے۔ اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بد بختی ووچند ہو گئی تھی۔ ان کے جرام کی نشان وہی سورہ بقرہ میں بھی کی گئی ہے ﴿ وَلَا تَلِسُّوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَلَكُمْ^{وَأَنْتُمْ} تَعْلَمُونَ ﴾ (البقرة - ۲۲۰)

”حق“ کو باطل کے ساتھ مت ملاو اور حق مت چھپاو اور تم جانتے ہو۔“ اہل کتاب کے لفظ کو بعض مفسرین نے عام رکھا ہے، جس میں یہود و نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ یعنی دونوں کو ان جرام مذکورہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد صرف وہ قابل یہود ہیں جو مذینے میں رہائش پذیر تھے۔ ہنر قریظہ، ہنر نصیر، اور ہنر قینقاع۔ زیارہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا براہ راست انہی سے معاملہ تھا اور یہی نبی ﷺ کی خلافت میں پیش پیش تھے۔

(۳) یہ یہودیوں کے ایک اور مکار کا ذکر ہے۔ جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے باہم طے کیا کہ صبح کو مسلمان ہو جائیں اور شام کو کافر تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی اپنے اسلام کے بارے میں شک پیدا ہو کہ یہ لوگ قبول اسلام کے بعد دوبارہ اپنے دین میں واپس چلے گئے ہیں تو ممکن ہے کہ اسلام میں ایسے عیوب اور خامیاں ہوں جو ان کے علم میں آئی ہوں۔

(۴) یہ آپس میں انہوں نے ایک دوسرے کو کہا۔ کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب (یہود) کے سوا کسی اور کسی بات پر یقین مت رکھنا۔

(۵) یہ ایک جملہ مفترضہ ہے جس کا مقابل اور ما بعد سے تعلق نہیں ہے۔ صرف ان کے مکروہیلہ کی اصل حقیقت اس

وَاللَّهُ وَاسْمُهُ عَلَيْهِ ۝

بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم
دیئے گئے ہو،^(۱) یا یہ کہ یہ تم سے تمارے رب کے پاس
بھکرا کریں گے، آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی
کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اسے دے، اللہ تعالیٰ
و سعیت والا اور جانے والا ہے۔^(۲)

وہ اپنی رحمت کے ساتھ ہے چاہے مخصوص کر لے اور
اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔^(۳)

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنا
دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے
بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا

يَخْتَصُ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمُ ۝

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ يَقْتَلُهُ رَبُّهُ إِلَيْكَ
وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينِنَا يَرُدُّ إِلَيْكَ

سے واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے جیلوں سے کچھ نہیں ہو گا کیونکہ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو ہدایت
دے دے یا دینا چاہے، تمارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

(۱) یہ بھی یہودیوں کا قول ہے اور اس کا عطف وَلَا تُؤْمِنُوا پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمارے اندر نبوت
وغیرہ رہی ہے، یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور اس طرح یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی حق ہو سکتا ہے۔

(۲) اس آیت کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماجب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ
دن چڑھتے ایمان لاو اور دن اترتے کفر کرو تاکہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذذب ہو کر مرد ہو جائیں تو ان
شاگردوں کو مزید یہ تائید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہر اسلامان ہونا، حقیقت اور واقعۃ مسلمان نہ ہو جانا، بلکہ یہودی ہی
رہنا۔ اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و قضل تمیس دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا
جا سکتا ہے، یا تمارے بجائے کوئی اور حق پر ہے جو تمارے خلاف اللہ کے نزدیک جنت قائم کر سکتا ہے۔ اور تمیس غلط
ٹھہرا سکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے جملہ مفترضہ کو چھوڑ کر عند ربکم تک کل کا کل یہود کا قول ہو گا۔ دوسرے معنی یہ ہیں
کہ اے یہودیو! تم حق کو دیا بانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمیس اس بات
کا غم اور جلن ہے کہ جیسا علم و قضل، وحی و شریعت اور دین تمیس دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و قضل اور دین کسی اور کو
کیوں دے دیا گیا۔ دوسرا تمیس یہ اندیشہ اور خطرہ بھی ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی، اور اس نے اپنی جڑیں
مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمیس دنیا میں جو جاہ و وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا۔ بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے
اس کا پردہ بھی فاش ہو جائے گا۔ اور اس بنا پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمارے خلاف جنت قائم کر بیٹھیں گے۔
حالانکہ تمیس معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے۔ اور یہ کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ وہ اپنا فضل ہے
چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے۔

نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں (غیر یہودی) کے حق کا کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جانے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کرتے ہیں۔^(۱) (۷۵)

کیوں نہیں (مُؤْاخذة ہو گا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا کرے اور پرہیز گاری کرے، تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔^(۲) (۷۶)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عمد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بچ دلتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔^(۳) (۷۷)

إِلَمَأَدْمَتَ عَلَيْهِ قَبْمَأْذِلَكَ يَا أَنَّهُمْ قَاتُلُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمَمِ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذَبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ④

بَلِّ مَنْ أَوْقَ بِعَقِيدَهِ وَأَنْقَلَ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَقِينَ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ يَشْرُونَ بِعَمَدِ اللَّهِ وَأَنْتَ نِعَمْ شَمَائِلًا أُولَئِكَ لِإِخْلَاقِ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَهِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑥

(۱) أُمَّتِينَ (ان پڑھ۔ جاہل) سے مراد مشرکین عرب ہیں یہود کے خائن لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ چونکہ مشرک ہیں اس لیے ان کا مال ہڑپ کر لینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کامال ہڑپ کر جانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ اور بعض تفسیری روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی یہ سن کر فرمایا کہ ”اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا“ زمانہ عجائبیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تملے ہیں، سوائے امانت کے کہ وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی، چاہے وہ کسی نیکو کار کی ہو یا بد کار کی۔ (ابن کثیر و فتح القدير) افسوس ہے کہ یہود کی طرح آج بعض مسلمان بھی مشرکین کامال ہڑپ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ دارالحرب کا سود جائز ہے۔ اور حربی کے مال کے لیے کوئی عصمت نہیں۔

(۲) ”قرار پورا کرے“ کا مطلب، وہ عمد پورا کرے جو اہل کتاب سے یا ہر نبی کے واسطے سے ان کی امتوں سے نبی ﷺ پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا ہے اور ”پرہیز گاری کرے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچے اور ان باتوں پر عمل کرے جو نبی ﷺ بیان فرمائیں۔ ایسے لوگ یقیناً مُؤْاخذةَ الْهَى سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ محبوب باری تعالیٰ ہوں گے۔

(۳) مذکورہ افراد کے بر عکس دوسرے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دو طرح کے لوگوں کو شامل ہے ایک تو وہ لوگ جو عمدِ الٰہی اور اپنی قسموں کو پس پشت ڈال کر تھوڑے سے دینی مفادات کے لیے نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچتے یا کسی کامال ہڑپ کر جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی کامال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غصب ناک ہو گا“ (صحیح بخاری، کتاب المساقۃ، باب الخصومة فی البشر والقضاء فیها۔

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں، اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانتہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔^(۱) (۷۸)

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے، یہ لاائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ،^(۲) تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔^(۳) (۷۹)

وَإِنْ مِنْهُ لَفِرْيَقًا يَلْوَنَ الْأَسْنَةَ هُمْ بِالْكِتَابِ لَيَخْسَبُونَ
إِنَّ الْكِتَابَ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ
اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذَبُ
وَهُمْ يَنْكِلُمُونَ^(۴)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيهِ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالثِّبَةَ
ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُلُّنَا عَبْدُهُمْ إِذَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ
كُلُّنَا رَبُّنَا إِنَّمَا كُنُّمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَمَا كُنُّمْ
تَدْرِسُونَ^(۵)

مسلم، کتاب الإیمان، باب وعید من اقطع حق مسلم... نیز فرمایا تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا، ان میں ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعے سے اپنا سودا پیچتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان غلط تحریم إسbal الازار... متعدد احادیث میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (ابن کثیر و فتح القدر))

(۱) یہ یہود کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے کتاب الہی (تورات) میں نہ صرف تحریف و تبدیلی کی بلکہ دو جرم اور بھی کیے کہ ایک تو زبان کو مروڑ کر کتاب کے الفاظ پڑھتے جس سے عوام کو خلاف واقعہ تاثر دینے میں وہ کامیاب رہتے۔ دوسرے، وہ اپنی خود ساختہ بالوں کو من عند اللہ باور کرتے۔ بدقتی سے امت محمدیہ کے مذہبی پیشواؤں میں بھی، نبی ﷺ کی پیش گوئی «لَتَبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» (تم اپنے سے پہلی امتوں کی قدم بقدم پیروی کرو گے) کے مطابق بکثرت ایسے لوگ ہیں جو دنیوی اغراض، یا جماعتی تعصب یا فتنی جمود کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں۔ پڑھتے قرآن کی آیت ہیں اور مسئلہ اپنا خود ساختہ بیان کرتے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے مسئلہ قرآن سے بیان کیا ہے دراں حالیکہ اس مسئلے کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یا پھر آیات میں معنوی تحریف و ملع سازی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ باور یہی کرایا جائے کہ یہ من عند اللہ ہے۔ آعاذنا اللہ مِنْهُ۔

(۲) یہ عیسائیوں کے ضمن میں کما جا رہا ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا یا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنہیں کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پچاری اور بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ۔ ربیانی رب کی طرف منسوب ہے، الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ (فتح القدر)

(۳) یعنی کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس کے نتیجے میں رب کی شناخت اور رب سے خصوصی ربط و تعلق قائم ہونا چاہیے۔

اور یہ نہیں (ہو سکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔^(۱) (۸۰)

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عمد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کوچ تاتے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔^(۲) فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا توب اگواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں (۸۱)

پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَسْجُدُوا إِنَّ الْمَلِكَةَ وَالثَّمِيقَةَ
أَرْبَابًا إِنَّا يَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ^۱

وَإِذَا حَدَّ اللَّهُ مِيقَاتَ النَّبِيِّنَ لَمَّا أَتَيْتُكُمُ مِنْ كِتَابٍ
وَجِئْتُمُنَّى بِهِ وَلَتَنْتَصِرُنَّ إِذْ قَالَ أَقْرَبُهُمْ وَأَخْدُمُ
عَلَى ذَلِكُمْ أَصْرُنِي قَالُوا أَقْرَبْنَا لَهُ قَالَ فَاقْشِمْدُوا
وَأَنَا مَعْلُومٌ مِنَ الشَّهِيدِينَ^۲

فَمَنْ تَوَلَّ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَسِّقُونَ^۳

اسی طرح کتاب اللہ کا علم رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی قرآن کی تعلیم دے۔ اس آیت سے واضح ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیں، تو کسی اور کو یہ حق کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے؟ (تفیر ابن کثیر)

(۱) یعنی نبیوں اور فرشتوں (یا کسی اور کو) رب والی صفات کا حامل باور کرنا یہ کفر ہے۔ تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد ایک نبی یہ کام بھلا کس طرح کر سکتا ہے؟ کیونکہ نبی کا کام تو ایمان کی دعوت رہتا ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا نام ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول میں یہ بات بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ آپ کو سجدہ کریں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدير) اور بعض نے اس کی شان نزول میں یہ کہا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جمع ہو کر نبی ﷺ سے کما کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت و پرستش کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی پناہ، اس بات سے کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا حکم دیں، اللہ نے مجھے نہ اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا حکم ہی دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر۔ بحوالہ سیرۃ ابن ہشام)

(۲) یعنی ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اس کی زندگی اور دور نبوت میں اگر دوسرا نبی آئے گا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہو گا، جب نبی کی موجودگی میں آئے وائلے نبی پر خود اس نبی کو ایمان لانا ضروری ہے تو ان کی امتوں کے لیے تو اس نے نبی پر ایمان لانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے "رسُولٌ مَصْدِيقٌ" سے الرَّسُولُ کا مفہوم مراد لیا ہے یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت تمام نبیوں سے عمد لیا گیا کہ اگر ان کے دور میں وہ آجائیں تو اپنی نبوت ختم کر کے ان پر ایمان لانا ہو گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلے معنی میں ہی یہ دوسرا مفہوم از خود آ جاتا ہے۔ اس لیے الفاظ

نافرمان ہیں^(۱) (۸۲)

کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے،^(۲) سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۸۳)

آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے، ان سب پر ایمان لائے،^(۳) ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں

أَفَغَيَرِ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ الْمُسْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكُرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

فَلْ أَمْلَأَ اللَّهُ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَمَا أَنْزَلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أَنْقَلَ مُوسَىٰ
وَعِنْتَنِي وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَتْبَهُمْ كَلْفَرْقٌ بَيْنَ أَحَدِهِمْ نَمْ
وَعَنْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

قرآن کے اعتبار سے پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے اور اس مفہوم کے لحاظ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ نبوت محمدی کے سراج منیر کے بعد کسی بھی نبی کا چراغ نہیں جل سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن حفیظ تورات کے اور اراق پڑھ رہے تھے تو نبی ﷺ یہ دیکھ کر غصب ناک ہوئے اور فرمایا کہ "تم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے" (مسند احمد، بحوالہ ابن کثیر) بحال اب قیامت تک واجب الاتبع صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور نجات انسی کی اطاعت میں مخصر ہے نہ کہ کسی امام کی اندھی تقليد یا کسی بزرگ کی بیعت میں۔ جب کسی پیغمبر کا سکر اب نہیں چل سکتا تو کسی اور کسی ذات غیر مشروط اطاعت کی مستحق کیوں کرو ہو سکتی ہے؟ اصر بمعنی عدم اور زمدہ ہے۔

(۱) یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر اہل مذاہب کو تنیسہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد بھی ان پر ایمان لانے کے بجائے اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنا اس عدم کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے واسطے سے ہرامت سے لیا اور اس عدم سے انحراف کفر ہے۔ فتنہ یہاں کفر کے معنی میں ہے کیونکہ نبوت محمدی سے انکار صرف فتنہ نہیں، سراسر کفر ہے۔

(۲) جب آسمان اور زمین کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے باہر نہیں، چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ تو پھر تم اس کے سامنے قبول اسلام سے کیوں گریز کرتے ہو؟ اگلی آیات میں ایمان لانے کا طریقہ بتا کر (کہ ہر نبی اور ہر منزل کتب پر بغیر تفہیق کے ایمان لانا ضروری ہے) پھر کما جا رہا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں ہو گا، کسی اور دین کے پیروکاروں کے حصے میں سوائے گھانے کے اور کچھ نہیں آئے گا۔

(۳) یعنی تمام پچے نبیوں پر ایمان لانا کا وہ اپنے وقت میں اللہ کی طرف سے مبووث تھے، نیزان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان کی بابت بھی یہ عقیدہ رکھنا کا وہ آسمانی کتابیں تھیں جو واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔

کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ (۸۳)

جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔ (۸۵)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آجائے کے بعد کافر ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔ (۸۶) ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ (۸۷)

جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا نہ انہیں محنت دی جائے گی۔ (۸۸)

مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے

ٹک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مریان ہے۔ (۸۹)

بے ٹک جو لوگ (۱) اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، (۲) یہی گمراہ لوگ ہیں۔ (۹۰)

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامَ دِينًا فَلَن يُفْلَمْ مَنْهُ
وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الظَّالِمِينَ ④

كَيْفَ يَعْدِي اللَّهُ قَوْمًا كُفَّارًا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا
أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهُدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ④

أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ كُفْرُهُمْ لِعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَكَةِ
وَالنَّاسُ أَجْمَعُونَ ④

خَلِيلُوْنَ فِيهَا لَا يُقْنَعُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظَرُونَ ④

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ أَعْبُدُ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا شَفَائِنَ اللَّهِ
عَفْوُرُ وَرَجِيمُ ④

إِنَّ الَّذِينَ كُفَّارًا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ارْدَادُوا إِلَيْهِمْ أَنَّ
تُقْبَلَ تَوْتِيْهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ④

ضروری ہے۔ گواب عمل صرف قرآن کریم ہی پر ہو گا، کیونکہ قرآن نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔

(۱) انصار میں سے ایک مسلمان مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جاما، لیکن جلد ہی اسے ندامت ہوئی اور اس نے لوگوں کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ (هَلْ لَيْسَ مِنْ تَوْبَةً) (کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟) اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے کیونکہ اس نے حق کو پہچانے کے بعد بغض و عناد اور سرکشی سے حق سے اعراض و انکار کیا۔ تاہم اگر کوئی خلوص دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، اس کی توبہ قابل قبول ہے۔

(۲) اس آیت میں ان کی سزا میان کی جا رہی ہے جو مرتد ہونے کے بعد توبہ کی توفیق سے محروم رہیں اور کفر پر ان کا انتقال ہو۔

(۳) اس سے وہ توبہ مراد ہے جو موت کے وقت ہو۔ ورنہ توبہ کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ اس سے

ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو ندیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہ لوگ ہیں جنکے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔^(۱) ^(۹۱)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَا تُؤْمِنُوا بِهِ لَقَدْ فَلَّئُكُمْ يَقْبَلُ
مِنْ أَحَدٍ هُمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْا فَتَدِي بِهِ
أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نُصْرَفِينَ ^(۲)

پہلی آیت میں بھی قبولیت توبہ کا اثبات ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار توبہ کی اہمیت اور قبولیت کو بیان فرمایا ہے ﴿ وَقَوَالَذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادَةٍ ﴾ (الشوری - ۲۵) ﴿ الَّذِي يَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادَةٍ ﴾ (التوبۃ - ۱۰۳) ”کیا انسوں نے نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے“ اور احادیث میں بھی یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ اس لیے اس آیت سے مراد آخری سانس کی توبہ ہے جو نامقبول ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ایک اور مقام پر ہے ﴿ وَلَيَسْتَ الْتَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشَّيْطَانَ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَهْدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ
إِنِّي (النساء - ۱۸) ”ان کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو برائی کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے میری توبہ“۔ حدیث میں بھی ہے ((إِنَّ اللَّهَ يَقْبُلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرِّغِرْ)) (منڈ احمد، ترمذی، بحوالہ فیض القدری شرح الجامع الصیغیر) ”اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اسے موت کا اچھوٹہ لگے“ یعنی جان کرنی کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک جنہی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا تو اس عذاب نار کے بد لے اسے رہنا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا ”ہاں“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔ (منڈ احمد و حکذا اخراج البخاری و مسلم۔ ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے جنم کا داعی عذاب ہے۔ اس نے اگر دنیا میں کچھ اچھے کام بھی کیے ہوں گے تو کفر کی وجہ سے وہ بھی ضائع ہی جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن جدعان کی بابت پوچھا گیا کہ وہ مسمان نواز، غریب پرور تھا اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا، کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”نہیں“ کیونکہ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص وہاں زمین بھر سونا بطور فدیہ دے کر یہ چاہے کہ وہ عذاب جنم سے نفع جائے تو یہ ممکن نہیں ہو گا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس ہو گا ہی کیا؟ اور اگر بالفرض اس کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں اور انہیں دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہے تو یہ بھی نہیں ہو گا، کیونکہ اس سے وہ معاوضہ یا فدیہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا عَذَابٌ وَلَا تَنْفَعُهَا سَفَاعَةٌ ﴾ (البقرة، ۱۲۳) ”اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش اسے فائدہ پہنچائے گی۔ ﴿ لَا يَنْعِيرُ فِيهِ وَلَا يَعْلَمُ ﴾ (سورہ ابراہیم، ۳۱) ”اس دن میں کوئی خرید و فروخت ہو گی نہ کوئی دوستی (ہی کام آئے گی)۔“

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خروج نہ کرے گے ہرگز بھائی نہ پاؤ گے،^(۱) اور تم جو خروج کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔^(۲) (۹۲)

توراة کے نزول سے پہلے (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سواتام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم پچھے ہو تو توراة لے آؤ اور پڑھ سناؤ۔^(۳) (۹۳)

لَئِنْ تَنَالُوا الْبَرَّ حَتَّىٰ شُفِّقُوا إِمَّا يَجْعَلُونَهُ وَمَا يُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

كُلُّ الظَّعَامَ كَانَ حِلًا لِّيَنِيَ إِسْرَاءِيلَ إِلَّا مَا حَذَّمَ إِنْ سَرَأْنِي عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ مَبْلِيلٍ أَنْ تُذَلِّلَ التَّوْرِيهَ قُلْنَ قَاتُوا بِالْتَّوْرِيهَ قَاتُلُوهَا إِنْ كُلْتُمْ صَدِيقِينَ

(۱) بر (بنی بھائی) سے مراد یہاں عمل صالح یا جنت ہے (فتح القدیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابو طلحہ النصاری (رضی اللہ عنہ) جو مدینہ میں اصحاب حیثیت میں سے تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ! یہ رہا باغ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اسے اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ تو بت نفع بخش مال ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔“ چنانچہ آپ ﷺ کے مشورے سے انہوں نے اسے اپنے اقارب اور عم زادوں میں تقسیم کر دیا۔ (مسند احمد) اسی طرح اور بھی متعدد صحابہ نے اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خروج کیں۔ ممّا تُحِبُّونَ میں میں تبعیض کے لیے ہے یعنی ساری پسندیدہ چیزیں خروج کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ۔ اس لیے کوشش یہی ہوئی چاہیے کہ اچھی چیز صدقہ کی جائے۔ یہ افضل اور اکمل درجہ حاصل کرنے کا طریقہ ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کمتر چیز یا اپنی ضرورت سے زائد فالتو چیز یا استعمال شدہ پرانی چیز کا صدقہ نہیں کیا جا سکتا یا اس کا اجر نہیں ملے گا۔ اس قسم کی چیزوں کا صدقہ کرنا بھی یقیناً جائز اور باعث اجر ہے گوکمال و افضیلت محبوب چیز کے خروج کرنے میں ہے۔

(۲) تم جو کچھ بھی خروج کر دے گے، اچھی یا بُری چیز، اللہ اسے جانتا ہے، اس کے مطابق جزا سے نوازے گا۔

(۳) یہ اور مابعد کی دو آیتیں یہود کے اس اعتراض پر نازل ہوئیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ دین ابراہیم کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جب کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دو دین ابراہیم میں حرام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود کا دعویٰ غلط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ ہاں البتہ بعض چیزیں اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور وہ یہی اونٹ کا گوشت اور اس کا دو دین کا دو دین تھا (اس کی ایک وجہ نذر یا بیماری تھی) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فعل بھی نزول تورات سے پہلے کا ہے، اس لیے کہ تورات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر تم کس طرح مذکورہ دعویٰ کر سکتے ہو؟ علاوہ ازیں تورات میں بعض چیزیں تم (یہودیوں) پر تمہارے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ (سورہ الانعام۔ ۶۱۔ النساء۔ ۱۹۰) اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو تورات لا اؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ چیزیں

اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان
باندھیں وہی ظالم ہیں۔ (۹۳)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے تم سب ابراہیم حنفی کے
ملت کی پیروی کرو، جو مشرک نہ تھے۔ (۹۵)

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے
جو مکہ (شریف) میں ہے^(۱) جو تمام دنیا کے لئے برکت و
ہدایت والا ہے۔ (۹۶)

جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اس میں
جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے^(۲) اللہ تعالیٰ نے ان
لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج
فرض کر دیا ہے۔^(۳) اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ
(اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پروا ہے^(۴) (۹۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں
کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ

حرام نہیں تھیں اور تم پر بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں تو اس کی وجہ تھماری ظلم و زیادتی تھی یعنی ان کی حرمت بطور سزا
تھی۔ (ایسر التفاسیر)

(۱) یہ یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ محمد بن عثیمین
اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا تھا ایسے دعویٰ بھی غلط ہے۔ پہلا گھر، جو اللہ کی
عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

(۲) اس میں قال، "خوں ریزی، شکار تھی" کہ درخت تک کا کائنات منوع ہے (صحیحین)

(۳) "راہ پا سکتے ہوں" کا مطلب زاد راہ کی استطاعت اور فراہمی ہے۔ یعنی اتنا خرچ کہ سفر کے اخراجات پورے ہو
جائیں۔ علاوہ ازیں استطاعت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ راستہ پر امن ہو اور جان و مال محفوظ رہے، اسی طرح
یہ بھی ضروری ہے کہ صحت و تند رسی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ نیز عورت کے لیے محروم بھی ضروری ہے۔ (فتح
القدیر) یہ آیت ہر صاحب استطاعت کے لیے وجوب حج کی دلیل ہے اور احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ
یہ عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے (تفسیر ابن کثیر)

(۴) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے "کفر" سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت میں اور اس کی تائید
میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ احادیث و آثار میں بھی ایسے شخص کے لیے سخت و عید آئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَإِنْ أَفْتَرَ عَلَى اللَّهِ الْكَذَبَ مِنْ أَنْ يَقْدِرْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۚ ۴۰

فُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ إِيمَانٌ حَنِيفٌ وَمَا كَانَ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وَفِيمَ لِلثَّالِثِ لِلَّذِي يَبْلُغُهُ مُبَرْكًا وَهُدًى لِلْعَلَمِينَ ۚ ۴۱

رِبِّيَا لَيْلَتُ بَيْتِ مَقَامٍ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ أَمِنًا وَلَمْ يَ

عَلَى النَّاسِ جُنُونٌ إِلَّا بِمَنْ اسْتَكْعَرَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ

كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ عَنِّي عَنِ الْعَلَمِينَ ۚ ۴۲

فُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَمْ تَكُنُوْنَ بِإِيمَانِ اللَّهِ وَاللَّهُ

شَهِيدٌ عَلَى مَا عَمِلُوكُمْ ۚ ۴۳

تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ (۹۸)

ان اہل کتاب سے کوکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹوٹتے ہو، حالانکہ تم خود شاہد ہو،^(۱) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ (۹۹)

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد کافر بنادیں^(۲) گے۔ (۱۰۰)

(گویہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجود یہ کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تحام لے^(۳) تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھادی گئی۔ (۱۰۱)

فُلْ يَاهِلَ الْكِتَابِ لَوْ تَصْدُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ أَمَنَ
يَبْعُونَهَا عَوْجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ إِذَا وَمَالَ اللَّهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُونَ (۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ رُطْبَيْعَةً فَرِيقًا يَنْدَدُونَ أَوْثُوا
الْكِتَابَ يَرْدُو كُلَّهُ بَعْدَ إِيمَانِكُلُّهُ كُفَّارٍ يُنَزِّعُونَ (۵)

وَكَيْفَ يَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُشَتَّلُ عَلَيْنَا إِلَيْهِ وَفِيهِمُ رَسُولُهُ
وَمَنْ يَعْصِمْ بِإِيمَانِهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ (۶)

(۱) یعنی تم جانتے ہو کہ یہ دین اسلام حق ہے، اس کے داعی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ باتیں ان کتابوں میں درج ہیں جو تمہارے انبیا پر اتریں اور جنہیں تم پڑھتے ہو۔

(۲) یہودیوں کے کمروں فریب اور ان کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوششوں کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی ان کی سازشوں سے ہشیار رہو اور قرآن کی تلاوت کرنے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موجود ہونے کے باوجود کہیں یہود کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔ اس کا پس منظر تفسیری روایات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرخ ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ شاس بن قیس یہودی ان کے پاس سے گزر اور ان کا باہمی پیار دیکھ کر جل بھن گیا کہ پسلے یہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور اب اسلام کی برکت سے باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اس نے ایک نوجوان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ان کے درمیان جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ کرے جو بھرت سے ذرا پسلے ان کے درمیان برباہی تھی اور انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جور زمیہ اشعار کے تھے وہ ان کو سنائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جس پر ان دونوں قبیلوں کے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ دینے لگے یہاں تک کہ ہتھیار اٹھانے کے لیے لکار اور پکار شروع ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں باہم قتال بھی شروع ہو جائے کہ اتنے میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے اور انہیں سمجھایا اور وہ باز آگئے اس پر یہ آیات بھی اور جو آگے آرہی ہیں وہ بھی نازل ہوئیں (تفسیر ابن کثیر، فتح القدير وغیرہ)

(۳) أَعْتِصَمْ بِإِيمَانِهِ کے معنی ہیں۔ اللہ کے دین کو مضبوطی سے قحام لیتا اور اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنا۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ذر و جتنا اس سے ڈرنا چاہئے^(۱) اور دیکھو مرتبے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ (۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تحام لو^(۲) اور پھوٹ نہ ڈالو^(۳) اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مرباںی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ پکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (۱۰۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ قَوَّا اللَّهَ حَقَّ تُقْبِهِ وَلَا تَنْوِيْشَ
إِلَّا وَأَنْكُلُمُ مُسْلِمُونَ ⑦

وَاعْتِصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَرْجِعُوا وَإِذْكُرُوا نِعْمَاتَ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَّ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَضْحَمُتُمْ يَنْعِمَتِهِ
إِخْرَاجَنَا وَكُنْتُمْ تَعْلَمُ شَفَاقَهُ ۝ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَ كُمْ
مِنْهَا ۝ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ إِلَيْهِ لَعْلَكُمْ تَهْتَدُونَ ⑧

(۱) اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے صحابہ رض پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿فَإِنَّقُولُوا اللَّهَ مَا أَنْسَطَعْتُمُ﴾ "اللہ سے اپنی طاقت کے مطابق ڈرو" نازل فرمادی۔ لیکن اسے ناخ کی بجائے اس کی میسین (بیان و توضیح کرنے والی) قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ناخ دیں مانتا چاہئے جہاں دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں یہ تطبیق ممکن ہے۔ معنی یہ ہوں گے "اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَابِهِ مَا أَنْسَطَعْتُمُ" "اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے کا حق ہے" (فتح القدير)

(۲) تقویٰ کے بعد آغْنِصَمْ بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا، — "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تحام لیں" کادرس دے کر واضح کر دیا کہ نجات بھی انہی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی انہی پر قائم ہو سکتا اور رہ سکتا ہے۔

(۳) وَلَا تَرْجِعُوا "اور پھوٹ نہ ڈالو" کے ذریعے فرقہ بندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجیے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی، قرآن و حدیث کے فم اور اس کی توضیح و تعبیر میں کچھ باہم اختلاف، یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ و تابعین کے عمد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن اور حدیث رسول ﷺ لیکن جب شخصیات کے نام پر دیstan فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت و عقیدت کے یہ مرکز و محور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال و افکار اولین حیثیت کے اور اللہ رسول اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہیں سے امت مسلمہ کے افراق کے الیمنے کا آغاز ہوا جو دن بہ دن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہوئی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔ (۱۰۳)

تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجائے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا^(۱) اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (۱۰۵)
جس دن بعض چرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ،^(۲)
سیاہ چرے والوں (سے کما جائے گا) کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ (۱۰۶)
اور سفید چرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمہ رہیں گے۔ (۱۰۷)

اے نبی! ہم ان حقانی آئیوں کی تلاوت آپ پر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا رادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں۔ (۱۰۸)
اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔ (۱۰۹)

وَلَنَكُنْ مِنَ الْمُكْفُرِينَ يَأْتِيَنَّهُمْ مُرْسَلُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهْنَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ قَرَءُوا أَخْتَنَقُوا مِنْ أَبْعَدِ مَا جَاءَهُمْ
الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

يَوْمَ الْجِيْشِ وَجْهًا وَسُوْدًا وَجْهًا فَإِنَّمَا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ
وَجْهُهُمْ الْفَرَّارُ ثُمَّ بَعْدَ إِيمَانِهِمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ
إِنَّمَا أَنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضُّتْ وَجْهُهُمْ فِيْ رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا
خَلِيدُوْنَ ۝

تَلْكَأَ إِيْتُ اللَّهُ نَسْلُوْهَا عَلَيْنَا بِالْحَقِّ وَمَا أَنَّهُ
يُرِيدُ طَلْبًا لِلْعِلْمِيْنَ ۝

وَبِلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ شُرْجَعُ
الْأُمُورُ ۝

(۱) روشن دلیلیں آجائے کے بعد تفرقہ ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف و تفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا۔ اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جھے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روشن اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں انہیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ مگر وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جھے ہوئے ہیں اور اپنی عقل و ذہانت کا سارا جو ہر سابقہ امتوں کی طرح تاویل و تحریف کے مکروہ شغل میں ضائع کر رہے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت و جماعت اور اہل بدعت و افتراق مراد لیے ہیں۔ (ابن کثیر و فتح القديب) جس سے معلوم ہوا کہ اسلام وہی ہے جس پر اہل سنت و جماعت عمل پیرا ہیں اور اہل بدعت و اہل افتراق اس نعمت اسلام سے محروم ہیں جو ذریعہ نجات ہے۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو،^(۱) اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں ایمان والے بھی ہیں^(۲) لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔^(۳)

یہ تمہیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے، اگر لڑائی کا موقعہ آجائے تو پیغمبہر موزلیں گے، پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔^(۴)

كُلُّهُمْ خَيْرٌ أَمْةٌ أُخْرَجَتْ لِلْمُتَّارِسِ تَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاوُنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَلَوْ أَمِنَ أَهْلُ الْكِتَابَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ
وَأَكْثَرُهُمُ الْفَسِيقُونَ ^(۵)

لَنْ يَفْرُغُ لَكُمُ الْأَذْيَى وَإِنْ يُقْاتِلُوكُمْ يُوْلَوْكُمْ
الْأَدْبَارُ شَهُولُ لَا يُنْصَرُونَ ^(۶)

(۱) اس آیت میں امت مسلمہ کو "خیرامت" قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کروی گئی ہے جو امر بالمعروف نہیں عن المکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو "خیرامت" ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی نہاد سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود و معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف و نہی المکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ ان کی صفت بیان کی گئی ہے 『كَلُوَالَّذِي يَتَنَاهُونَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ』 (المائدۃ ۲۹) "وَ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے" اور یہاں اسی آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ امر بالمعروف یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اکثر علماء کے خیال میں یہ فرض کفایہ ہے یعنی علمائی ذمے داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیونکہ معروف و مکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضہ تبلیغ و دعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ جیسے جماد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔

(۲) جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تاہم ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اس لیے "منہم" میں مِنْ، تَبْعِيضُ کے لیے ہے۔

(۳) اذی (ستانے) سے مراد زبانی بہتان تراشی اور افتراء ہے جس سے دل کو وقتی طور پر ضرور تکلیف پہنچتی ہے تاہم میدان حرب و ضرب میں یہ تمہیں شکست نہیں دے سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ سے بھی یہودیوں کو نکناپڑا، پھر خبر فتح ہو گیا اور وہاں سے بھی نکلے، اسی طرح شام کے علاقوں میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تا آنکہ حروب صلیبیہ میں عیسائیوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور بیت المقدس پر قابض بھی ہو گئے مگر اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۹۰ سال کے بعد اگزار کرالیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی ایمانی کمزوری کے نتیجہ میں یہود و نصاریٰ کی مشترکہ سازشوں اور کوششوں سے بیت المقدس پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تاہم ایک

ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں،^(۱) یہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی، یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آئیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیا کو قتل کرتے تھے، یہ بد لہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا۔^(۲) (۱۲)

یہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔ (۱۳)

یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور براویوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ یہ نیک بخت لوگوں میں سے ہیں۔ (۱۴)

یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔ (۱۵)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الدَّلَّةُ أَيْنَ مَا لَقِفُوا إِلَّا يُعَذَّبُونَ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
وَحَبْلُهُ مِنَ النَّاسِ وَبَأْمُو بِغَصَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ
الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ يَا أَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِالْإِيمَانِ
وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَمُوا
وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (۱۶)

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَمَّهُ قَاتَلَهُمْ يَتَشَدَّلُونَ
إِنَّمَا أَنْهَاكُمْ أَنَّمَا تَيْسِيلُ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (۱۷)

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ
فِي الْخَيْرِتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (۱۸)

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ حَيْثُ فَلَئِنْ يُكْفِرُوهُ تَوَالَّهُ
عَلَيْهِمُ الْأَنْتِقِينَ (۱۹)

وقت آئے گا کہ یہ صورت حال تبدیل ہو جائے گی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد عیسائیت کا خاتم اور اسلام کا غلبہ یقینی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) یہودیوں پر جو ذلت و مکنت، غضب الہی کے نتیجے میں مسلط کی گئی ہے، اس سے وقت طور پر بچاؤ کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں آ جائیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ یا اسلامی مملکت میں جزیہ دے کر ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کر لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے، اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی مملکت کی بجائے عام مسلمان ان کو پناہ دے دیں جیسا کہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے اور اسلامی مملکت کے حکمرانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ادنیٰ مسلمان کی دی گئی پناہ کو بھی رد نہ کریں۔ دوسرایہ کہ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ الناس عام ہے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شامل ہیں۔

(۲) یہ ان کے کرتوں میں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

(۳) یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں جن کی نہ ملت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے، بلکہ ان میں کچھ ابھے لوگ بھی

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی، یہ تو جسمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔^(۱۶)

یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تھس نہ س کر دیا۔^(۱۷) اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔^(۱۸)

اے ایمان والو! تم اپنا ولی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کونہ بناؤ۔^(۱۹) (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ
مِّنَ الْتَّوْسِيَّةِ إِنَّا لِكَ أَصْحَبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ^(۲۰)

مَثْلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَّنْ يُرِيدُ فِيهَا
صِرَاطَ الْمَبْتُوحَ حَرُثَ قَوْمٌ طَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكُتُهُ وَمَا
ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنَّ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ^(۲۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَنْعُوذُ بِإِيمَانَهُ مِنْ ذُنُوكُمْ
لَا يَأْلُو لَنَفْلُوكُمْ خَيْرًا وَذُنُوكُمْ قَدْ بَدَأْتُ الْبَغْضَاءَ

ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، اُسد بن عبید، ثعلبة بن سعیہ اور اُسیدین سعیہ وغیرہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے نوازا اور ان میں اہل ایمان و تقویٰ والی خوبیاں پائی جاتی ہیں زرضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ قاتمه کے معنی ہیں، شریعت کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والی یسنجدوں کا مطلب، رات کو قیام کرتے یعنی تجد پڑھتے اور نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں۔ اس مقام پر امر بالمعروف کے معنی بعض نے یہ کہے ہیں کہ وہ نبی ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دیتے اور آپ ﷺ کی مخالفت کرنے سے روکتے ہیں۔ اسی گروہ کا ذکر آگے بھی کیا گیا ہے۔ ﴿وَإِن
مِنْ أَهْلِ الْحَكْمِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ خَيْرٌ مُّخْبِرُهُمْ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران، ۱۹۹)

(۱) قیامت والے دن کافروں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے نہ اولاد حتیٰ کہ رفاهی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر وہ جو خرچ کرتے ہیں، وہ بھی بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ایمان نہیں ہو گا، رفاهی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا میں کتنی ہی شرمت ہو جائے، آخرت میں ان کا کوئی صد نہیں ملے گا، وہاں تو ان کے لیے جنم کا دامنی عذاب ہے۔

(۲) یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اس کی اہمیت کے پیش نظر پھر دہرا یا جارہا ہے۔ بطانت، ولی دوست اور رازدار کو کہا جاتا ہے۔ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں جو جذبات و عزادم رکھتے ہیں، ان میں سے جن کا وہ اطمینان کرتے اور جنہیں اپنے سینوں میں مخفی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نشاندہی فرمادی ہے یہ اور اس قسم کی دیگر آیات کے پیش نظر ہی علماء فقہاء نے تحریر کیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ہاشمی نے ایک ذی (غیر مسلم) کو کاتب (سکریٹری) رکھ لیا، حضرت عمر بن حیثیؓ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انسیں سختی سے ڈالا اور فرمایا کہ ”تم انسیں اپنے قریب نہ کرو جب کہ اللہ نے انسیں دور

تمہاری تباہی میں کوئی کسرا خانمیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو،^(۱) ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جوان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لیے آئیں بیان کردیں۔^(۲)

اگر عقلمند ہو (تو غور کرو) ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو^(۳) اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو، (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تھائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں^(۴) کہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔^(۵)

تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں! اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں،^(۶) تم اگر صبر کرو اور پرہیز

مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَعْنِيْ مُصْدُورُهُمُ الْبَرْقُ الْأَلْيَتْ
إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ^(۷)

هَانِتُمْ أَوْلَاهُمْ بِحِبْوَنَهُمْ وَلَا يُجِيبُونَكُمْ وَلَمْ يُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ
كُلُّهُ وَلَذَا الْقَوْمُ قَالُوا إِمَّا كَاذِبٌ وَلَذَا أَخْلَوْا عَصْمًا عَلَيْكُمْ
الْكَانِمُ مِنَ الْغَيْظِ فَلْمُؤْمِنُوا يَقْتَلُوكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ
بِدَاتِ الصُّدُورِ^(۸)

إِنْ تَمْسِكُمْ حَسَنَةً تَسْوِهُمْ وَلَمْ تُصْبِكُمْ سَيِّئَةً
يَقْرَحُوا بِهَا فَلَمْ تَصِرُّوا وَلَمْ تَقْوُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ

کر دیا ہے، ان کو عزت نہ بخشو جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کر دیا ہے اور انہیں امین و رازدار مت بناؤ جب کہ اللہ نے انہیں خائن قرار دیا ہے۔ "حضرت عمر بن حیث نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ "اس زمانے میں اہل کتاب کو سیکرٹری اور امین بنانے کی وجہ سے احوال بدل گئے ہیں اور اسی وجہ سے غبی لوگ سردار اور امراء بن گئے ہیں" (تفہیم قرطبی)۔ بد فتنتی سے آج کے اسلامی ممالک میں بھی قرآن کریم کے اس نہایت اہم حکم کو اہمیت نہیں دی جا رہی ہے اور اس کے بر عکس غیر مسلم بڑے بڑے اہم عمدوں اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں جن کے نقصانات واضح ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اپنی داخلی اور خارجی دونوں پالیسیوں میں اس حکم کی رعایت کریں تو یقیناً بت سے مفاسد اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

(۱) لَا يَأْلُونَ كَوْتَاهِي اور کمی نہیں کریں گے خبائلا کے معنی فساد اور ہلاکت کے ہیں مَا عَيْشُمْ (جس سے تم مشقت اور تکلیف میں پڑو) عنَتْ بمعنی مشفَّةٍ

(۲) تم ان منافقین کی نماز اور انظمار ایمان کیوجہ سے ان کی بابت دھوکے کاشکار ہو جاتے ہو اور ان سے محبت رکھتے ہو۔

(۳) عَصَنَ يَعْصُمْ کے معنی دانت سے کامنے کے ہیں۔ یہ ان کے غیظ و غصب کی شدت کا بیان ہے، جیسا کہ اگلی آیت

﴿ إِنْ تَمْسِكُمْ ﴾ میں بھی ان کی اسی کیفیت کا اظہار ہے۔

(۴) اس میں منافقین کی اس شدید عداوت کا ذکر ہے جو انہیں مومنوں کے ساتھ تھی اور وہ یہ کہ جب مسلمانوں کو

شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مُجِيبٌ ﴿١٣﴾

گاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔^(۲۰)

اے نبی! اس وقت کو بھی یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے سورچوں پر باقاعدہ^(۲) بٹھا رہے تھے اللہ تعالیٰ سنے جانتے والا ہے۔^(۲۱)

وَإِذْ عَدَوْتَ مِنْ أَهْلَكَ تُبَوَّبُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقَاتَلِ وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِ ﴿١٤﴾

خوش حالی میر آتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تائید و نصرت ملتی اور مسلمانوں کی تعداد و قوت میں اضافہ ہوتا تو منافقین کو بہت برا لگتا اور اگر مسلمان قحط سالی یا سیکنڈ سی میں بٹلا ہوتے، یا اللہ کی مشیت و مصلحت سے دشمن، وقت طور پر مسلمانوں پر غالب آجاتے (جیسے جنگ احمد میں ہوا) تو بڑے خوش ہوتے۔ مقصد بتلانے سے یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہ حال ہو، کیا وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ان سے محبت کی پیغامیں بڑھائیں اور انہیں اپنا رازداں اور دوست بنائیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاری سے بھی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر ہے) اسی لیے کہ وہ بھی مسلمانوں سے نفرت و عداوت رکھتے، ان کی کامیابیوں سے ناخوش اور ان کی ناکامیوں سے خوش ہوتے ہیں۔

(۱) یہ ان کے مکروہ فریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہے۔ گویا منافقین اور دیگر اعداءِ اسلام و مسلمین کی سازشوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔ اس صبر اور تقویٰ کے فقدان نے غیر مسلموں کی سازشوں کو کامیاب بنار کھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کافروں کی یہ کامیابی مادی اسباب و سائل کی فراوانی اور سامنہ و نیکنالوگی میں ان کی ترقی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی پستی وزوال کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ اپنے دین پر استقامت (جو صبر کا متقاضی ہے) سے محروم اور تقویٰ سے عاری ہو گئے ہیں جو مسلمان کی کامیابی کی کلید اور تائیدِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

(۲) جمصور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد جنگ احمد کا واقعہ ہے جو شوال ۳ ہجری میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر مختصر ایسا ہے کہ جب جنگ بد ر ۲ ہجری میں کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے تو ان کفار کے لیے یہ بڑی بد نتائی کا باعث اور ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست انتقامی جنگ کی تیاری کی جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ ادھر مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ کافر تین ہزار کی تعداد میں احمد پہاڑ کے قریب نیمہ زن ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہ کر لڑیں یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں، بعض صحابہؓ نے اندر رہ کر ہی مقابلہ کا مشورہ دیا اور رئیس المناافقین عبد اللہ بن ابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے بر عکس بعض پر جوش صحابہؓ نے جنہیں جنگ بد ر میں حمد لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کی حمایت کی۔ آپ ﷺ اندر مجرمے میں تشریف لے گئے

جب تمہاری دو جماعتیں پست ہوتی کا ارادہ کر چکی تھیں،^(۱) اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور مددگار ہے۔^(۲) اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔^(۳) (۲۲)

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم نمایت گری ہوئی حالت میں تھے،^(۴) اس لیے اللہ ہی سے ڈرو! (نه کسی اور سے) تاکہ تمہیں شکرگزاری کی توفیق ہو۔^(۵) (۲۳)

(اور یہ شکرگزاری باعث نصرت و امداد ہو) جب آپ مومنوں کو تسلی دے رہے تھے، کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی نہ ہو گا؟^(۶) (۲۴)

کیوں نہیں، بلکہ اگر تم صبرو پھر ہیزگاری کرو اور یہ لوگ اسی دم تمہارے پاس آ جائیں تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا^(۷) جو

إذ هَدَتْ طَّاغِيَنْ مِنْكُمْ أَنْ قَتَلُوا وَاللَّهُ قَاتِلُهُمَا وَعَلَى
اللَّهِ فَلِيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

وَلَقَدْ تَصَرَّفَ اللَّهُ بِهَدْيٍ وَأَنْكُمْ أَذَلَّةٌ إِنَّمَا تَنْفُوا اللَّهَ
عَلَّمَكُمْ شَكُونَ ۝

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمْدَدُوكُمْ بِشَلَّةٍ
إِنِّي مِنَ الْمَلِكَةِ مُنْزَلِيَنَ ۝

بَلْ إِنْ تَصْبِرُ فَوَأَتَتْكُمْ فُورَهُمْ هَذَا
يُمْدِدُكُمْ بِكِبِيرٍ عَمْسَةَ النَّفَقَةِ مُنْزَلِيَنَ ۝

اور جب تمہیار پن کر باہر آئے، دوسری رائے والوں کو نہ امت ہوئی کہ شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی خواہش کے بر عکس باہر نکلنے پر مجبور کر کے ٹھیک نہیں کیا چنانچہ انہوں نے کما یا رسول اللہ ﷺ! آپ اگر اندر رہ کر مقابلہ کرنا پسند فرمائیں تو اندر رہی رہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لباس حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے لاٹق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔ چنانچہ مسلمان ایک ہزار کی تعداد میں روانہ ہو گئے مگر صحیح دم جب مقام شوط پر پہنچے تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت یہ کہہ کر واپس آگیا کہ اس کی رائے نہیں مانی گئی۔ خواہ مخواہ جان دینے کا کیا فائدہ؟ اس کے اس فیصلے سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے اور انہوں نے بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ (ابن کثیر)

(۱) یہ اوس اور خزر ج کے دو قبیلے (بنو حارثہ اور بنو سلمہ) تھے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور ان کی کمزوری کو دور فرمائیں کی بہت باندھ دی۔

(۳) ہے اعتبار قلت تعداد اور قلت سامان کے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان ۳۱۳ تھے اور یہ بھی بے سرو سامان۔ صرف دو گھوڑے اور ستراؤ نہ تھے، باقی سب پیدل تھے (ابن کثیر)

(۴) مسلمان بدر کی جانب محض قافلہ قریش پر جو تقریباً نہ تھا چھاپ مارنے نکلے تھے۔ مگر بدر پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ مکہ

شاندار ہوں گے۔^(۱)

اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہے، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔^(۲)

(اس امداد الہی کا مقصد یہ تھا کہ اللہ) کافروں کی ایک جماعت کو کاثر دے یا انہیں ذلیل کر دالے اور (سارے کے سارے) نامراد ہو کرو اپس چلے جائیں^(۳) (۷۶)

اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں،^(۴) اللہ تعالیٰ

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَكُمْ وَلَتَطْبَعُنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَظِيمِ^(۵)

لِيَقْطَعَ طَرْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا فَإِذَا كَبَّهُ فَيَقْبَلُونَ
خَلَّبِينَ^(۶)

لَئِنْ لَكُمْ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ فَأُوْبِتُ عَلَيْهِمْ أَوْبَتْهُمْ

سے مشرکین کا ایک لشکر جرار پورے غیظ و غصب اور جوش و خروش کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی صفائی میں گھبراہٹ، تشویش اور جوش قیال کا ملا جلا ردعمل ہوا اور انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا و فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پسلے ایک ہزار پھر تین ہزار فرشتے اتارنے کی بشارت دی اور مزید وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے اور مشرکین اسی حالت غیظ و غصب میں آدھکے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غصب برقرار رہ سکا۔ (بدر پنجھنے سے پسلے ہی ان میں بچوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ مکہ پلٹ گیا اور باقی جو بدر آئے ان میں سے اکثر سرداروں کی رائے تھی کہ لڑائی نہ کی جائے (اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہ آسکی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تعداد پوری کی گئی۔
(۱) یعنی پہچان کے لیے ان کی مخصوص علامت ہو گی۔

(۲) یہ اللہ غالب و کار فرما کی مدد کا نتیجہ بتلایا جا رہا ہے۔ سورہ انفال میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتلائی گئی ہے ﴿إِذْ سَمِعُوا مِنْ رَبِّهِمْ فَاسْتَجَابُوا لَكُمْ أَنِّي مُمْدُودٌ بِالْفُقْرِ مِنَ الْمُلْكِ﴾ (الأنفال-۹) ”جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سننے ہوئے کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا“ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے واقعتاً تو ایک ہزار ہی نازل ہوئے اور مسلمانوں کے حوصلے اور تسلی کے لیے تمیں ہزار کا اور پھر پانچ ہزار کا مزید مشروط وعدہ کیا گیا۔ پھر حسب حالات مسلمانوں کی تسلی کے نقطہ نظر سے بھی ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک یہ تمیں ہزار پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا کیونکہ مقصد تو مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنا تھا، ورنہ اصل مدد گار تو اللہ تعالیٰ ہی تھا اور وہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں مسلمانوں کو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی، کفر کی طاقت کمزور ہوئی اور کافروں کا گھنیڈخاک میں مل گیا۔ (ایسرا التفاسیر)

(۳) یعنی ان کافروں کو ہدایت دنیا یا ان کے معاملے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنگ احمد میں نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا تو آپ

چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے^(۱) یا عذاب دے، کیونکہ
وہ ظالم ہیں۔ (۱۲۸)

آسانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، وہ
جسے چاہے بخشنے جسے چاہے عذاب کرے، اللہ تعالیٰ بخشش
کرنے والا مریان ہے۔ (۱۲۹)

اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ،^(۲) اور اللہ
تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہیں نجات ملے۔ (۱۳۰)

اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی
ہے۔ (۱۳۱)

فَإِنَّمَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَأْكُلُوا الرِّبَّوَا أَفْعَالُهَا
مُضْعَفَةٌ ۖ وَأَنْقُوا اللَّهَ لَعْنَكُمْ تُغْلِخُونَ ۝

وَأَنْهُوا النَّاسَ إِلَىٰ أُعَذَّبٍ لِّكُفَّارِنَّ ۝

مُلَّا شَحَّابٌ نے فرمایا ”وہ قوم کس طرح فلاج یا ب ہو گی جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا“ گویا آپ مُلَّا شَحَّابٌ نے ان کی ہدایت سے نامیدی ظاہر فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ مُلَّا شَحَّابٌ نے بعض کفار کے لیے قوت نازلہ کا بھی اہتمام فرمایا جس میں ان کے لیے بدعا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ آپ مُلَّا شَحَّابٌ نے بدعا کا سلسہ بند فرمادیا۔ (ابن کثیر و فتح القدير) اس آیت سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہئے جو نبی کریم مُلَّا شَحَّابٌ کو مختار کل قرار دیتے ہیں کہ آپ مُلَّا شَحَّابٌ کو تو اتنا اختیار بھی نہ تھا کہ کسی کو راست پر لگادیں حالانکہ آپ مُلَّا شَحَّابٌ اسی راستے کی طرف بلانے کے لیے بھیج گئے تھے۔

(۱) یہ قبلیہ جن کے لیے بدعا فرماتے رہے اللہ کی توفیق سے سب مسلمان ہو گئے۔ جن سے معلوم ہوا کہ مختار کل اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۲) چونکہ غزوہ احد میں ناکامی رسول مُلَّا شَحَّابٌ کی نافرمانی اور مال دنیا کے لائق کے سب ہوئی تھی اس لیے اب طمع دنیا کی سب سے زیادہ بھیانک اور مستقل شکل سود سے منع کیا جا رہا ہے اور اطاعت کیشی کی تاکید کی جا رہی ہے اور بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ کا یہ مطلب نہیں بڑھا چڑھا کرنے ہو تو مطلق سود جائز ہے۔ بلکہ سود کم ہو یا زیادہ مفرد ہو یا مركب، مطلقًا حرام ہے جیسا کہ پسلے گزر چکا ہے۔ یہ قید نبی (حرمت) کے لیے بطور شرط نہیں ہے بلکہ واقعہ کی رعایت کے طور پر ہے یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی، اس کا بیان و اظہار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادا یگی کی مدت آجائی اور ادا یگی ممکن نہ ہوتی تو مزید مدت میں اضافے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا جس کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بھی بڑھ چڑھ کر کمیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادا یگی ناممکن ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے تنبیہ بھی مقصود ہے کہ سود خوری سے بازنہ آئے تو یہ فعل حرام تمہیں کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ و رسول سے مخارب ہے۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۱۳۲)

اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو^(۱) جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۳)

جو لوگ آسمانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرج کرتے ہیں،^(۲) غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں،^(۳) اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔ (۱۳۴)

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں،^(۴) فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ (۱۳۵)

انہیں کابد لہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہیں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے۔ (۱۳۶)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ تَعَلَّمُوا مِنْ حَمْوَنْ

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ وَمَنْ رَتَّلَهُ وَجَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ
وَالْأَرْضُ أَعْدَثُ لِلْمُتَّقِينَ

الَّذِينَ يَسْفَعُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالْفَرَّاءِ وَالْكَظِيمِينَ الْغَيْظِ
وَالْعَافِفِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجْحَشُوا أَوْظَلَمُوا أَنْفَسَهُمْ ذَكْرُ اللَّهِ
فَإِنْ سَعَفُرُوا إِلَيْهِ تُوبُوهُ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ
وَلَهُ يُحِسْرُ وَاعْلَمُ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ

أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَتِّهِمْ وَجَنَّتُ تَجْنُو
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِيلُهُنَّ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَبْلِيَّينَ

(۱) مال و دولت دنیا کے پچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کے بجائے، اللہ و رسول کی اطاعت کا اور اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو متین کے لیے اللہ نے تیار کی ہے۔ چنانچہ آگے متین کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

(۲) یعنی محض خوش حالی میں ہی نہیں، تگ دستی کے موقع پر بھی خرج کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حال اور ہر موقع پر اللہ کی راہ میں خرج کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جب غصہ انہیں بھڑکاتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں یعنی اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کو معاف کر دیتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔

(۴) یعنی جب ان سے بہ تقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ واستغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گز رچکے ہیں، سوزمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹانے والوں کا کیا انجام ہوا؟۔^(۱) (۷۸)

عام لوگوں کے لیے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔^(۲) (۱۳۸)

تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو۔^(۳) (۱۳۹)

اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، ہم ان دونوں کو لوگوں کے درمیان اولتے بدلتے رہتے ہیں۔^(۴) (ٹکست احمد) اس لیے تھی

قَدْ خَدَنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سَنَنٌ فَيَرْجُونَ الْأَرْضَ فَإِنْ أَنْظَرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ النَّذْكَرِينَ

هذا بیان لِلثَّائِسِ وَهُدًى وَمُوعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ

وَلَا يَهْتَوْا لَا تَحْزِنُوا وَأَنْذِلُوا الْعَلَوَنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

إِنْ يَمْسِكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَ الْعَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتَلْكَ الأَيَّامُ نَدَا وَلَهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ

(۱) جنگ احمد میں مسلمانوں کا لشکر سات سو فراد پر مشتمل تھا، جس میں سے ۵۰ تیر اندازوں کا ایک دستہ آپ نے عبد اللہ ابن جبیر رض کی قیادت میں ایک پہاڑی پر مقرر فرمادیا اور انہیں تاکید کر دی کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست، تم یہاں سے نہ ہلنا اور تمہارا کام یہ ہے کہ جو گھر سوار تمہاری طرف آئے تیروں سے اسے پیچھے دھکیل دینا۔ لیکن جب مسلمان فتح یاب ہو گئے اور مال و اسباب سینئے گے تو اس دستے میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مقصد تو یہ تھا کہ جب تک جنگ جاری رہے یہیں بنتے رہنا، لیکن جب یہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور کفار بھاگ رہے ہیں تو یہاں رہنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی وہاں سے ہٹ کر مال و اسباب جمع کرنا شروع کر دیا اور وہاں نبی کریم ﷺ کے فرمان کی اطاعت میں صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔ جس سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور ان کے گھر سوار پلٹ کر وہیں سے مسلمانوں کے عقب میں جا پہنچے اور ان پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں افراطی مج گئی اور وہ غیر متوقع حملے سے سخت سرایمہ ہو گئے جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر بہت تکلیف ہوئی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دے رہا ہے کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ تاہم بالآخر تباہی و بر بادی اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والوں کا ہی مقدار بھی ہے۔

(۲) گزشتہ جنگ میں تمہیں جو نقصان پہنچا ہے، اس سے نہ ست ہو اور نہ اس پر غم کھاؤ کیونکہ اگر تمہارے اندر ایمانی قوت موجود رہی تو غالب و کامران تم ہی رہو گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی قوت کا اصل راز اور ان کی کامیابی کی بنیاد واضح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد مسلمان ہر مرکے میں سرخ رو ہی رہے ہیں۔

(۳) ایک اور انداز سے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر جنگ احمد میں تمہارے کچھ لوگ زخمی ہوئے ہیں تو کیا ہوا؟ تمہارے مخالف بھی تو (جنگ بد ریں) اور احمد کی ابتداء میں اسی طرح زخمی ہو چکے ہیں اور اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ فتح و ٹکست کے ایام کو اوتا بدلتا رہتا ہے۔ کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شادوت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔^(۱۳۰)

(یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔^(۱۳۱)

کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے،^(۲) حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جماد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔؟^(۳)^(۱۳۲)

الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذُونَ مِنْكُمْ شَهِيدًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ^(۱۶)

فَلَمَّا حَصَضَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْعَنُ الْكُفَّارُ^(۱۷)

أَمْ حَبَّنُخُ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ جَهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ الظَّاهِرِينَ^(۱۸)

(۱) احمد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست ان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی، اس میں بھی مستقبل کے لیے کئی حکمیں پہنچیں۔ جنیں اللہ تعالیٰ آگے بیان فرمرا رہا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے (کیونکہ صبر و استقامت ایمان کا تقاضا ہے) جنگ کی شدت اور مصیبتوں میں جنوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، یقیناً وہ سب مومن ہیں۔ دوسری یہ کہ کچھ لوگوں کو شادوت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ تیسرا یہ کہ ایمان والوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دے۔ تَنَحِيَضُ کے ایک معنی اختیار (چن لینا) کے لیے گئے ہیں۔ ایک معنی تطہیر اور ایک معنی تخلیص کے کیے گئے ہیں۔ آخری دونوں کا مطلب گناہوں سے پاکی اور خلاصی ہے۔ (فتح القدير) مرحوم مترجم نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ چوتھی، یہ کہ کافروں کو ہٹا دے۔ وہ اس طرح کہ وقتی فتح یابی سے ان کی سرکشی اور عکبر میں اضافہ ہو گا اور یہی چیز ان کی تباہی و ہلاکت کا سبب بنے گی۔

(۲) یعنی بغیر قتال و شدائد کی آزمائش کے تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ نہیں بلکہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو آزمائش میں پورے اتریں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿أَمْ حَبَّنُخُ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ حَنَّوْا مِنْ قَبْلِ كُمْ مَسْتَهْمُ الْبَاسَّةُ وَالظَّرَاءُ وَرَأْلِزُلُوا﴾ (البقرة-۲۱۳) کیا تم نے گماں کیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھی، انہیں تنگ دستی اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب ہلائے گے۔ مزید فرمایا ﴿أَحَبَّ النَّاسُ أَنْ يُتَرَكُوا أَنْ يَقُولُوا أَمْنًا وَهُمْ لَا يُفَتَّنُونَ﴾ (العنکبوت-۲) کیا لوگ گماں کرتے ہیں کہ انہیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟“

(۳) یہ مضمون اس سے پہلے سورہ بقرۃ میں گزر چکا ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے پھر بیان کیا جا رہا ہے کہ جنت یوں ہی نہیں مل جائے گی، اس کے لیے پہلے تمہیں آزمائش کی بھی سے گزارا اور میدان جماد میں آزمایا جائے گا وہاں نرخہ اعدا میں گھر کر تم سرفوشی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہو یا نہیں؟

جنگ سے پہلے تو تم شادت کی آروزی میں تھے^(۱) اب اسے
اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔^(۲) (۳۳)

(حضرت) محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں،^(۳) ان سے
پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو
جائے یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں
کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو
ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا،^(۴) عنقریب اللہ تعالیٰ

وَلَقَدْ كَانُوا مُنَاهِذِي الْمُؤْمِنَاتِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيهُ الْمُقْتَلَةُ فَقَدْ
رَأَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَا يَظْرُفُونَ ﴿۶﴾
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَقَ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
أَفَلَمْ يَرَ مَا أَوْقَطْنَا عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ
يَنْقَلِبْ عَلَى عِقْبَيْهِ فَلَنْ يُضْرَأَ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي
اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۷﴾

(۱) یہ اشارہ ان صحابہ رض کی طرف ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ایک احساس محرومی رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ میدان کارزار گرم ہو تو وہ بھی کافروں کی سرکوبی کر کے جہاد کی فضیلت حاصل کریں۔ انہی صحابہ رض نے جنگ احمد میں جوش جہاد سے کام لیتے ہوئے مدینہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی فتح کافروں کے اچانک حملے سے شکست میں تبدیل ہو گئی (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) تو یہ پر جوش مجاہدین بھی سراسیگی کا شکار ہو گئے اور بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) اور بہت تھوڑے لوگ ہی ثابت قدم رہے۔ (فتح القدیر) اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ”تم دشمن سے مدد بھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت طلب کیا کرو تاہم جب از خود حالات ایسے بن جائیں کہ تمہیں دشمن سے لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات جان لو کہ جنت تواروں کے سائے تھے ہے“ (صحیح بن ماجہ، بحوالہ ابن کثیر)

(۲) رَأَيْتُمُوهُ اور تَنَظُّرُونَ۔ دونوں کے ایک ہی معنی یعنی دیکھنے کے ہیں۔ تأکید اور مبالغے کے لیے دو لفظ لائے گئے ہیں۔ یعنی تواروں کی چمک، نیزوں کی تیزی، تیروں کی یلغار اور جان بازوں کی صفات آرائی میں میں تم نے موت کا خوب مشاہدہ کر لیا۔ (ابن کثیر وفتح القدیر)

(۳) محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں ”یعنی ان کا امتیاز بھی وصف رسالت ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالآخر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

(۴) جنگ احمد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا ان پر موت کا وارد ہو جانا، کوئی نی بات تو نہیں ہے۔ پچھلے انبیاء علیم السلام بھی قتل اور موت سے ہمکار ہو چکے ہیں۔ اگر آپ ﷺ بھی (بالفرض) اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے ہی پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحہ وفات کے وقت جب حضرت عمر رض شدت جذبات میں وفات نبوی کا انکار کر رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رض نے نمایت حکمت سے کام لیتے ہوئے منبر رسول ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر انہی آیات کی تلاوت کی، جس

شکرگزاروں کو نیک بدلہ دے گا^(۱) (۱۳۳)

بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے، دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ بھی دیں گے۔^(۲) اور احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے۔^(۳) (۱۳۵)

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انہیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ ستر ہے اور نہ دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے۔^(۴) (۱۳۶)

وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جوبے جازیا دتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرماؤ اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرماؤ، ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔^(۵) (۱۳۷)

اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔^(۶) (۱۳۸)

وَمَا كَانَ لِنَفِيْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا يَلَدُنَ اللَّهِ كِتْبًا مُؤَجَّلًا
وَمَنْ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُشَرِّدُ
ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجِزِي الشَّاكِرِينَ^(۷)

وَكَانَ مِنْ تَبِيْقِ مُتَّلَّعَمَةِ رِبِّيْلُوْنَ كَثِيرًا
وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا أَضَاعُفُوا
وَمَا أُسْكَانُوا وَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ^(۸)

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا الْغَفِيرُ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَإِنْرَاقَنَا فِي آمْرِنَا وَثَبَّتَ آفُدَّا مَنَا
وَأَنْصُرَنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكُفَّارِينَ^(۹)

فَاتَّهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَخُسْنَ ثَوَابَ الْآخِرَةِ
وَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ^(۱۰)

سے حضرت عمر بن بشیرؓ بھی متاثر ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی اتری ہیں۔

(۱) یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو جنوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ کی نعمتوں کا عملی شکردا کیا۔

(۲) یہ کمزوری اور بزدیلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کما جا رہا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی، پھر بھاگنے یا بزدیلی دکھانے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح محض دنیا طلب کرنے سے کچھ دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے بر عکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی، دنیا بھی اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے۔ آگے مزید حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے پچھلے انبیاء علیهم السلام اور ان کے پیروکاروں کے صبرا و رثابت قدمی کی مثالیں دی جا رہی ہیں۔

(۳) یعنی ان کو جو جنگ کی شدتؤں میں پست ہمت نہیں ہوتے اور ضعف اور کمزوری نہیں دکھاتے۔

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلاندیں گے، (یعنی تمہیں مرتد بنادیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (۱۴۹)

بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بستین مددگار ہے۔ (۱۵۰)

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری،^(۲) ان کا ٹھکانہ جنم ہے، اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے۔ (۱۵۱)

اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دھلایا جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں کاثر ہے تھے۔^(۳) یہاں تک کہ جب تم

يَا إِنَّهَا الَّذِينَ أَمْتُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
يَرُدُّ ذُكْرُهُ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَتَنَقْبِطُوا خَسِيرِينَ ⑦

بِلِ اللَّهِ مَوْلَاهُمْ وَهُوَ خَيْرُ التَّحْسِيرِينَ ⑧

سَنُلْقِقُ فِي ثَلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعَابَ بِمَا أَشْرَكُوا
يَا لَنَّهُم مَا لَهُ يُنَزَّلُ بِهِ سُلْطَنًا وَمَا وَلَهُمُ النَّازَةُ وَ
يُنَشَّ مَثُوَى الظَّلِيمِينَ ⑨

وَلَقَدْ صَدَقُوكُمُ اللَّهُ وَغَدَةً إِذَا حَشُونَهُمْ بِإِذْنِهِ
حَتَّىٰ إِذَا فَيَشْلُمُ وَتَنَازَعُتُمُ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ

(۱) یہ ضمون پسلے بھی گزر چکا ہے، یہاں پھر دھرایا جا رہا ہے کیونکہ احمد کی شکست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض کفار یا منافقین مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ۔ ایسے میں مسلمانوں کو کہا گیا کہ کافروں کی اطاعت ہلاکت و خران کا باعث ہے۔ کامیابی اللہ کی اطاعت ہی میں ہے اور اس سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔

(۲) مسلمانوں کی شکست دیکھتے ہوئے بعض کافروں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ موقع مسلمانوں کے بالکلی خاتمه کے لیے بڑا چھا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رب ڈال دیا۔ پھر انہیں اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا حوصلہ ہوا (فتح القدير) صحیح کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ نصرت بالرغب مسیرۃ شہر دشمن کے دل میں ایک مینے کی مسافت پر میرا رب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے۔ ”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا رب مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی امت یعنی مسلمانوں کا رب بھی مشرکوں پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان کا شرک ہے۔ گویا شرک کرنے والوں کا دل دوسروں کی بیت سے لزاں و ترساں رہتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مشرکانہ عقائد و اعمال میں باتلا ہوئی ہے، دشمن ان سے مروعہ ہونے کی بجائے وہ دشمنوں سے مروعہ ہیں۔

(۳) اس وعدے سے بعض مفسرین نے تین ہزار اور ۵ ہزار فرشتوں کا نزول مراد لیا ہے لیکن یہ رائے سرے سے صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ نزول صرف جگ بدرا کے ساتھ مخصوص تھا۔ باقی رہا وہ وعدہ جو اس آیت میں مذکور

نے پست ہتھی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی،^(۱) اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تمہیں دکھادی،^(۲) تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے^(۳) اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا^(۴) تو پھر اس نے تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے^(۵) اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمادیا اور ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔^(۶) (۱۵۲)

جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے^(۷) اور کسی کی طرف

قِنْ بَعْدِ مَا أَرَكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَّ عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (۸)

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ قَوْلَ الرَّسُولِ

ہے تو اس سے مراد فتح و نصرت کا وہ عام وعدہ ہے جو اہل اسلام کے لیے اور اس کے رسول کی طرف سے بت پہلے سے کیا جا پکا تھا۔ حتیٰ کہ بعض آئیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کے مطابق ابتدائے جنگ میں مسلمان غالب و فاتح رہے جس کی طرف ﴿إِذْ تُحْسُنُهُمْ بِإِذْنِهِ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) اس تنازع اور عصیان سے مراد ۵۰ تیراندازوں کا وہ اختلاف ہے جو فتح و غلبہ دیکھ کر ان کے اندر رواج ہوا اور جس کی وجہ سے کافروں کو پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے کا موقع ملا۔

(۲) اس سے مراد وہ فتح ہے جو ابتدائیں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔

(۳) یعنی مال غنیمت، جس کے لیے انہوں نے وہ پہاڑی چھوڑ دی جس کے نہ چھوڑنے کی انسیں تائید کی گئی تھی۔

(۴) وہ لوگ ہیں جنہوں نے مورچہ چھوڑنے سے منع کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ ڈالنے رہنے کا عزم ظاہر کیا۔

(۵) یعنی غلبہ عطا کرنے کے بعد پھر تمہیں شکست دے کر ان کا فردوں سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔

(۶) اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس شرف و فضل کا اظہار ہے جو ان کی کوتاہیوں کے باوجود اللہ نے ان پر فرمایا۔ یعنی ان کی غلطیوں کی وضاحت کر کے آئندہ اس کا اعادہ نہ کریں، اللہ نے ان کے لیے معافی کا اعلان کر دیا تاکہ کوئی بد باطن ان پر زبان طعن دراز نہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کریم میں ان کے لیے عفو عام کا اعلان فرمادیا تو اب کسی کے لیے طعن و تشنیع کی گنجائش کمال رہ گئی؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حج کے موقعے پر ایک شخص نے حضرت عثمان بن علی پر بعض اعتراضات کیے کہ وہ جنگ بدر میں، بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے۔ نیز یوم احد میں فرار ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمر بن شریش نے فرمایا کہ جنگ بدر میں تو انکی الہیہ (بنت رسول ﷺ) بیمار تھیں، بیعت رضوان کے موقع پر آپ رسول ﷺ کے سفیر بکر مکہ گئے ہوئے تھے اور یوم احد کے فرار کو اللہ نے

معاف فرمادیا ہے۔ (ملخصاً۔ صحیح بخاری، غزوۃ احمد)

(۷) کفار کے یکبارگی اچانک حملے سے مسلمانوں میں جو بھگد ڈی گئی اور مسلمانوں کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ

توجه تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے،^(۱) بس تمہیں غم پر غم پہنچا^(۲) تاکہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ پہنچنے والی (تکلیف) پر اداس ہو،^(۳) اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔^(۴) (۱۵۳)

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیزد آنے لگی۔^(۵) ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی،^(۶) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے^(۷) اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز

بَيْدَ غُولَمْ فِي أُخْرِكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمَّاً بِغَمَّةٍ لِكَيْلَا
تَحْزِنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ
وَاللَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ^(۸)

لَئِنْ تَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغُمَّ أَمْنَةٌ تُعَاصِيَنِي كَلِيفَةٌ
قِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ مَدْعَهْتُهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظْهُونَ بِاللَّهِ عَنِ الْعَقْ
ظُلَّنَ أَجَاهِيلَيْهِ يَقُولُونَ كُلُّ لَنَّا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ
الْأَمْرُ كُلُّهُ بِلَهِ يَعْلَمُ فِي أَنْفُسِهِمْ تَالِيْبُدُونَ لَكَ يَقُولُونَ

اس کا نقشہ بیان کیا جا رہا ہے۔ تُضِعِدُونَ إِصْعَادَسے ہے جس کے معنی اپنی رو بھاگے جانے یا وادی کی طرف چڑھے جانے یا بھاگنے کے ہیں۔ (اطبری)

(۱) نبی ﷺ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے اور مسلمانوں کو پکارتے رہے۔ «إِلَيْ عِبَادَ اللَّهِ ! إِلَيْ عِبَادَ اللَّهِ !» بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ! اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ۔ لیکن سراسیمگی کے عالم میں یہ پکار کون سنتا؟

(۲) فَأَثَابُكُمْ تمہاری کو تباہی کے بدالے میں تمہیں غم پر غم دیا گئा بِغَمَّ بمعنی غمًا علیِّ غمٍ این جریر اور ابن کثیر کے اختیار کردہ راجح قول کے مطابق پسلے غم سے مراد ہے، مال غنیمت اور کفار پر فتح و ظفر سے محرومی کاغم اور دوسرا غم سے مراد ہے مسلمانوں کی شہادت، ان کے زخمی ہونے، نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اور آپ ﷺ کی خبر شہادت سے پہنچنے والا غم۔

(۳) یعنی یہ غم پر غم اس لیے دیا تاکہ تمہارے اندر شدائد برداشت کرنے کی قوت اور عزم و حوصلہ پیدا ہو۔ جب یہ قوت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو فوت شدہ چیز پر غم اور پہنچنے والے شدائے پر ملاں نہیں ہوتا۔

(۴) مذکورہ سراسیمگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور میدان جنگ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر اونگھے سلط کر دی۔ یہ اونگھے اللہ کی طرف سے سکینت اور نفرت کی دلیل تھی۔ حضرت ابو طلحہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھے چھائی جا رہی تھی حتیٰ کہ میری تکوار کی مرتبہ میرے ہاتھ سے گری میں اسے پکڑتا، وہ پھر گر جاتی، پھر پکڑتا اور پھر گر جاتی۔ (صحیح بخاری) نعمان امّۃ سے بدل ہے۔ طائفۃ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے (فتح القدير)

(۵) اس سے مراد منافقین ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں ان کو تو اپنی جانوں ہی کی فکر تھی۔

(۶) وہ یہ تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا معاملہ باطل ہے، یہ جس دین کی دعوت دیتے ہیں، اس کا مستقبل مخدوش ہے، انہیں

کا اختیار ہے؟^(۱) آپ کہہ دیجئے کہ کام کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے،^(۲) یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید آپ کو نہیں بتاتے،^(۳) کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کیجئے جاتے۔^(۴) آپ کہہ دیجئے کہ گو تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قست میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے،^(۵) اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کے اندر کی چیز کا آزمانا اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اس کو پاک کرنا تھا،^(۶) اور اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید سے آگاہ ہے۔^(۷) (۱۵۳)

تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھے دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مذبھیز ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض

نَوْحَانَ لَنَا مِنَ الْمُرْسَلِينَ تَأْتَنَا هُنَّا قُلْ وَلَدْنَا فِي بَيْوَكْشٍ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلَمْ يَنْتَلِ اَنَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلَمْ يَخْصُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنَّهُ عَلَيْهِ بِذَاتِ الصُّدُورِ

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْجَمِيعُونَ إِنَّمَا أَسْتَرِلُهُمُ الشَّيْطَنُ بِعِظِيمٍ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَ اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ

اللہ کی مدھی حاصل نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱) یعنی کیا اب ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فتح و نصرت کا امکان ہے؟ یا یہ کہ کیا ہماری بھی کوئی بات چل سکتی ہے اور مانی جا سکتی ہے؟

(۲) تمہارے یادشمن کے اختیار میں نہیں ہے، مدد بھی اسی کی طرف سے آئے گی اور کامیابی بھی اس کے حکم سے ہوگی اور امر و نہی بھی اسی کا ہو گا۔

(۳) اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں، ظاہریہ کرتے ہیں کہ وہ رہنمائی کے طالب ہیں۔

(۴) یہ وہ آپس میں کہتے یا اپنے دل میں کہتے تھے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس قسم کی باتوں کا کیا فائدہ؟ موت تو ہر صورت میں آئی ہے اور اسی جگہ پر آئی ہے جمال اللہ کی طرف سے لکھ دی گئی ہے۔ اگر تم گھروں میں بیٹھے ہوتے اور تمہاری موت کی مقتل میں لکھی ہوتی تو تمہیں قضا ضرور وہاں کھینچ لے جاتی؟

(۶) یہ جو کچھ ہوا اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ تمہارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے یعنی ایمان، اسے آزمائے (ماک منافق الگ ہو جائیں) اور پھر تمہارے دلوں کو شیطانی و ساؤس سے پاک کر دے۔

(۷) یعنی اس کو تو علم ہے کہ مخلص مسلمان کون ہے اور نفاق کا البادہ کس نے اوڑھ رکھا ہے؟ جماد کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے مومن اور منافق کھل کر سامنے آ جاتے ہیں جنہیں عام لوگ بھی پھر دیکھ اور پچھان لیتے ہیں۔

اللهَ عَفُوٌّ حِلْمٌ

کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھلانے میں آگئے^(۱)
لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا^(۲) اللہ
تعالیٰ ہے بخشنے والا اور تحمل والا۔ (۱۵۵)

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنوں
نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر
میں ہوں یا جہاد میں ہوں، کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس
ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے،^(۳) اس کی وجہ یہ
تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی ولی حضرت کا سبب بنا
دے،^(۴) اللہ تعالیٰ جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ
تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے۔ (۱۵۶)

قسم ہے اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیجے جاؤ یا اپنی
موت مرو تو بے شک اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت اس

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَنْغُثُوا كَاتِنِينَ كَفَرُوا وَقَاتَلُوا
لِإِخْرَاجِهِمْ لَا يَأْذِنُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا عَزِيزًا لَّوْ كَانُوا
عَنْدَنَا مَا مَأْتُوا وَمَا قَاتَلُوا يَعْلَمُ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةٌ فِي
قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُعْلِمُ وَلِمُؤْمِنِتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ

وَلَئِنْ قَاتَلُوكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُنْهَمْ لَمَعْذِرَهُ لَمَنْ يَنْهَا
وَرَحْمَهُ خَيْرٌ مَّا يَجْمَعُونَ

(۱) یعنی احمد میں مسلمانوں سے جو لغزش اور کوتاہی ہوئی اس کی وجہ ان کی کچھل بعض کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے
شیطان اس روز بھی انہیں پھلانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس طرح بعض سلف کا قول ہے کہ ”نیکی کا بدله یہ بھی ہے کہ
اس کے بعد مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی کا بدله یہ ہے کہ اس کے بعد مزید برائی کا راستہ کھلتا اور ہموار ہوتا ہے۔“

(۲) اللہ تعالیٰ صحابہ رض کی لغزشوں، ان کے نتائج اور حکمتوں کے بیان کے بعد پھر اپنی طرف سے ان کے معانی کا
اعلان فرماتا ہے۔ جس سے ایک تو ان کا محبوب بارگاہ الہی ہونا واضح ہے اور دوسرے، عام مومنین کو تنبیہ ہے کہ ان
مومنین صادقین کو جب اللہ نے معاف فرمادیا ہے تو اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ انہیں ہدف ملامت یا نشانہ تنقید
بنائے۔

(۳) اہل ایمان کو اس فساد عقیدہ سے روکا جا رہے ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیونکہ یہ عقیدہ بزرگی کی بنیاد
ہے اس کے بر عکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، نیز یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس
سے انسان کے اندر رعزم و حوصلہ اور اللہ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) مذکورہ فساد عقیدہ ولی حضرت کا ہی سبب بنتا ہے کہ اگر وہ سفر پر یا میدان جنگ میں نہ جاتے بلکہ گھر میں ہی رہتے تو
موت کے آغوش میں جانے سے نفع جاتے۔ درآں حالیکہ موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آجائی ہے، فَإِنَّ مَا
تَلْقَنُوا يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ وَلَوْ كَنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةً (النساء-۸۷) ”تم جہاں کیسی بھی ہو، موت تمہیں پالے گی اگرچہ تم
ہو مضبوط قلعوں میں۔“ اس لیے اس حضرت سے مسلمان ہی نفع سکتے ہیں جن کے عقیدے صحیح ہیں۔

سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔^(۱) (۱۵۷)

بایقین خواہ تم مرجاً یا مارڈا لے جاؤ جمع تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کئے جاؤ گے۔^(۱۵۸)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان^(۲) کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں،^(۳) پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں،^(۴) بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے

وَلَيْهِ مُنْتَهٌ أَوْ قَيْلَتُهُ لَا إِلَهَ مُخْفِرُونَ^(۱)

فِيمَا أَحْمَدَهُ إِنَّ اللَّهَ لِنَعْلَمُ لَهُمْ وَلَوْكَنْتَ فَطَاغَ عَلَيْنَ الْقُلُوبَ
لَا نَفْصُوْمُ أَمْ حَوْلَكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَانْتَغِرْ لَهُمْ
وَشَاءُوْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَّمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ^(۲)

(۱) موت تو ہر صورت میں آئی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے تو یہ دنیا کے مال و اسباب سے بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے۔ اس لئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے گریز نہیں، اس میں رغبت اور شوق ہونا چاہئے کہ اس طرح رحمت و مغفرت الہی یقینی ہو جاتی ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

(۲) نبی ﷺ جو صاحب خلق عظیم تھے، اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر پر ایک احسان کا ذکر فرمرا ہے کہ آپ ﷺ کے اندر جو نرمی اور ملامت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مریانی کا نتیجہ ہے اور یہ زمی دعوت و تبلیغ کے لئے نمایت ضروری ہے۔ اگر آپ ﷺ کے اندر یہ نہ ہوتی بلکہ اس کے بر عکس آپ ﷺ تند خوار سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کی بجائے، آپ ﷺ سے دور بھاگتے۔ اس لئے آپ درگزر سے ہی کام لیتے رہئے۔

(۳) یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لئے مشورہ کر لیا کریں۔ اس آیت سے مشاورت کی اہمیت، افادیت اور اس کی ضرورت و مشرعیت ثابت ہوتی ہے۔ مشاورت کا یہ حکم بعض کے نزدیک وجوب کے لئے اور بعض کے نزدیک استحبک کے لئے ہے (ابن کثیر)۔ امام شوکانی لکھتے ہیں ”حکمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انہیں علم نہیں ہے۔ یا ان کے بارے میں انہیں اشکال ہیں۔ فوج کے سربراہوں سے فوجی معاملات میں، سربراہوؤں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور مباحثت حکام و والیاں سے ان کے علاقوں کی ضروریات و ترجیحات کے سلسلے میں مشورہ کریں“۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمان کے وجوب عزل پر کوئی اختلاف نہیں ہے جو اہل علم و اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا۔ یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہو گا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ (فتح القدير)

(۴) یعنی مشاورت کے بعد جس پر آپ کی رائے پختہ ہو جائے، پھر اللہ پر توکل کر کے اسے کرگز ریئے۔ اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ مشاورت کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمان ہی کا ہو گا نہ کہ ارباب مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا

والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۱۵۹)

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (۱۶۰)

ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہو گا، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ (۱۶۱)

کیا پس وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے درپے ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراًضکی لے کر لوٹا ہے؟ اور جس کی جگہ جنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔ (۱۶۲)

اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور ان کے تمام اعمال کو اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے۔ (۱۶۳)

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا،^(۲) جو انہیں اس کی

إِنَّ يَمْصُرُ كُلُّ أَنْهُوْ فَلَا غَالِبٌ لَّهُمْ وَلَنْ يَخْدُلْ لَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي
يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغْلِبْ وَمَنْ يَغْلِبْ يَأْتِ بِمَا غَلَبَ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ تُثَوَّقُ كُلُّ نَفْسٍ تَأْكِبُتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

أَفَمَنْ أَتَبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ يَأْتِ بِسَخْطِهِ مِنَ اللَّهِ وَمَا لَوْهُ
جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

هُوَ دَرْجَتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٌ لِّهَا يَعْمَلُونَ ۝

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ
يَنَذِلُّ عَلَيْهِمْ لِيَتَهُ وَيَنْزِلُّ عَلَيْهِمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۝

کہ جمборیت میں ہے۔ دوسری یہ کہ سارا اعتماد و توکل اللہ کی ذات پر ہونہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل و فرم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

(۱) جنگ احمد کے دوران جو لوگ، سورچہ چھوڑ کر مال غنیمت سمیئے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پنچے تو سارا مال غنیمت دوسرے لوگ سمیٹ لے جائیں گے اس پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کر لیا کہ اس مال میں سے تمہارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا۔ کیا تمہیں قائد غزوہ محمد ﷺ کی امانت پر اطمینان نہیں۔ یاد رکھو کہ ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خیانت، نبوت کے منافی ہے۔ اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس کی نبوت پر یقین کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ خیانت بت براگناہ ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت آتی ہے۔

(۲) نبی کے بشر اور انسانوں میں سے ہی ہونے کو اللہ تعالیٰ ایک احسان کے طور پر بیان کر رہا ہے اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تدوہ اپنی قوم کی زبان اور لمحے میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھتا ہر شخص کے لئے آسان

آئین پڑھ کر ناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت^(۱) سکھاتا ہے، یقیناً^(۲) یہ سب اس سے پہلے کھلی گراہی میں تھے۔^(۳)

(کیا بات ہے) کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچاپکے،^(۴) تو یہ کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آگئی؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ خود تمہاری طرف سے

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفْيُ صَلِيلٍ مُّبِينٍ ^(۵)

أَولَئِكَ أَصَابَتُهُمْ مُّؤْمِنَةٌ قَدْ أَصَبَتْهُمْ وَمُّثِلَّهُمْ فَلَمْ يَأْتِ هُدَا
قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ رَبِّكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ^(۶)

ہو گا۔ دوسرے، لوگ ہم جس ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کی قریب ہوں گے۔ تیرے انسان کے لئے انسان، یعنی بشر کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجود ان و شعور کی گمراہیوں اور باریکیوں کا دراک کر سکتا ہے۔ اس لئے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ و دعوت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اس لئے جتنے بھی انبیا آئے ہیں سب کے سب بشری ہی تھے۔ قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا جَاءَ إِلَيْهِمْ ﴾ (یوسف - ۱۰۹) ”ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ مرد تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے” ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا
قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا نَهَمُّ لَيَ أَكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ﴾ (سورہ الفرقان - ۲۰) ”ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔“ اور خود بھی ﷺ کی زبان مبارک سے کھلوایا گیا ﴿ قُلْ إِنَّمَا الْأَبْيَاضَ مِنْ شَلَامٍ بُوَحْيَ إِلَيَّ ﴾ (سورہ حُمَّ السَّجْدَة - ۲۰) ”آپ ﷺ کہہ دیجئے میں بھی تو تمہاری طرح صرف بشری ہوں البتہ بھج پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔“ آج بہت سے افراد اس چیز کو نہیں سمجھتے اور انحراف کا شکار ہیں۔

(۱) اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ تلاوت آیات۔ ۲۔ تزکیہ۔ ۳۔ تعلیم کتاب و حکمت۔ تعلیم کتاب میں تلاوت از خود آجائی ہے، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے، تلاوت کے بغیر تعلیم کا تصور ہی نہیں۔ اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس نکتے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور نیک عمل ہے، چاہے پڑھنے والا اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ لیکن جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اتنی فہم و استعداد بہم نہ پہنچ جائے، تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت جائز نہیں۔ تزکیہ سے مراد عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہے، جس طرح آپ ﷺ نے انہیں شرک سے ہٹا کر توحید پر لگایا اسی طرح نہایت بد اخلاق اور بد اطوار قوم کو اخلاق و کردار کی رفتگوں سے ہمکنار کر دیا، حکمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک حدیث ہے۔

(۲) یہ إِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الْمُنَفَّلَةِ ہے یعنی «إن» (تحقیق، یقیناً بلاشبہ) کے معنی ہیں۔

(۳) یعنی احمد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے تو بدر میں تم نے ستر کافر قتل کئے تھے اور ستر قیدی بنائے تھے۔

ہے،^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۶۵)

اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں
مذہبیں ہوئی تھیں، وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس
لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہری طور پر جان
لے۔ (۱۶۶)

اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے^(۲) جن سے کہا گیا کہ آؤ
اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ تو وہ کہنے لگے
کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے،^(۳) وہ
اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے،^(۴)
اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں
نہیں،^(۵) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے
ہیں۔ (۱۶۷)

یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی
بات کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے

وَمَا أَصَابُكُمْ يَوْمَ التَّقْيَةِ الْجَمِيعُونَ فِيمَا ذِنْتُمُ اللَّهُ وَلِيَعْلَمُ
الْمُؤْمِنُينَ ﴿۷﴾

وَلِيَعْلَمُ الَّذِينَ نَافَعُوا وَقَدْلَمَ لَمْ تَعْلَمُوا قَاتِلُوا فِي سَيِّئِي
اللَّهُ أَوْ أَدْفَعُوا مَقَاتِلَ الَّذِينَ لَمْ يَعْلَمُوا فَتَأْلَأْ لَا يَتَعْنَكُمْ هُنَّ الظُّلْمُ
يَوْمَئِنَ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ يَا فَوَاهِمْ كَالَّذِينَ
فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُبُونَ ﴿۸﴾

الَّذِينَ قَاتَلُوا إِلَىٰ إِخْرَاجِهِمْ وَقَعْدُوا إِلَىٰ طَاعُونَا مَا قَاتَلُوا نَفْلٌ

(۱) یعنی تمہاری اس غلطی کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کے باوجود پہاڑی مورچہ چھوڑ کر تم نے کی
تھی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری کہ اس غلطی کی وجہ سے کافروں کے ایک دستے کو اس درے سے دوبارہ حملہ
کرنے کا موقع مل گیا۔

(۲) یعنی احمد میں تمہیں جو کچھ نقصان پہنچا، وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچا ہے (ما کہ آئندہ تم اطاعت رسول کا کما حقہ اہتمام
کرو) علاوہ ازیں اس کا ایک مقصد مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز کرنا بھی تھا۔

(۳) لڑائی جانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی آپ لوگ لڑائی لانے چل رہے ہوتے تو ہم بھی ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو
لڑائی کے بجائے اپنے آپ کو بتاہی کے دہانے میں جھوٹنے جا رہے ہیں۔ ایسے غلط کام میں ہم کیوں آپ کا ساتھ دیں۔ یہ
عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس لئے کہا کہ ان کی بات نہیں مالی گئی تھی اور اس وقت کہا جب وہ مقام شوطر پر
پہنچ کر واپس ہو رہے تھے اور عبد اللہ بن حرام انصاری رض انہیں سمجھا بجا کر شریک جنگ کرنے کی کوشش کر رہے
تھے۔ (قد رے تفصیل گزر چکی ہے)

(۴) اپنے نفاق اور ان باتوں کی وجہ سے جوانبوں نے کیں۔

(۵) یعنی زبان سے تو ظاہر کیا جو نہ کور ہوا لیکن دل میں یہ تھا کہ ہماری علیحدگی سے ایک تو مسلمانوں کے اندر بھی ضعف

جاتے۔ کہہ دیجئے کہ اگر تم پچھے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو۔^(۱) (۱۶۸)

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کی پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں۔^(۲) (۱۶۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جوانیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جواب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں،^(۳) اس پر کہ انھیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۱۷۰)

فَادْعُوا عَنِ الْفَسِيلِ الْمَوْتَ إِنْ كَانُوا مُصَدِّقِينَ ^(۴)

وَلَا تَخْبِئْنَ الَّذِينَ قُتُلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالَهُمْ أَبْلَى حَيَاةً
عِنْدَ رَبِيعِ الْعَوْنَانِ ^(۵)

فَرَحِيْنَ بِمَا آتَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَشْرِفُونَ بِالَّذِينَ لَمْ
يَلْعَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَا لَوْفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَعْلَمُونَ ^(۶)

پیدا ہو گا۔ دوسرے، کافروں کو فائدہ ہو گا۔ مقصد اسلام، مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ کو نقصان پہنچانا تھا۔

(۱) یہ منافقین کے اس قول کا رد ہے کہ "اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اگر تم پچھے ہو تو اپنے سے موت ٹال کر دکھاؤ" مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں۔ موت بھی جہاں اور جیسے مقدر ہے، وہاں اور اسی صورت میں آکر رہے گی۔ اس لئے جہاد اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے گریزوں فرار یہ کسی کو موت کے شکنے سے نہیں بچا سکتا۔

(۲) شدائی یہ زندگی حقیقی ہے یا مجازی، یقیناً حقیقی ہے لیکن اس کا شعور اہل دنیا کو نہیں (جیسا کہ قرآن نے وضاحت کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو (سورہ بقرۃ آیت نمبر ۱۵۲) پھر اس زندگی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں قبروں میں ان کی روحلیں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہاں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوڑ ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت کے پھلوں کی خوبیوں میں انسیں آتی ہیں جن سے ان کے مشام جان معطر رہتے ہیں۔ لیکن حدیث سے ایک تیری شکل معلوم ہوتی ہے اس لئے وہی صحیح ہے، وہ یہ کہ ان کی روحلیں سبز پرندوں کے جوف یا سینوں میں داخل کر دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتی پھرتی اور اسکی نعمتوں سے متعین ہوتی ہیں (فتح القدير بحوالہ صحیح مسلم، کتاب الہمارۃ)

(۳) یعنی وہ اہل اسلام جو ان کے پیچھے دنیا میں زندہ ہیں یا ماصروف جہاد ہیں، ان کی بابت وہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش وہ بھی شادت سے ہمکنار ہو کر یہاں ہم جیسی پر لطف زندگی حاصل کریں۔ شدائے احمد نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں، انہیں ہمارے حالات اور پر سرست زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے؟ تاکہ وہ جنگ و جہاد سے اعراض نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں تمہاری یہ بات ان تک پہنچاویتا ہوں" اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (مسند احمد / ۳۶۵-۳۶۶ سنن ابی داود، کتاب الجہاد، علاوه ازیں متعدد احادیث

وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا۔^(۱) (۱۷۱)

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پر ہیز گاری برتنی ان کے لئے بہت زیادہ اجر ہے۔^(۲) (۱۷۲)

يَسْبِّهُ رُونَ يَنْعِمُهُ مَنْ أَنْهَ وَفَضْلٍ وَّقَاتَ اللَّهَ الْأَنْعَمُ أَخْرَى
الْمُؤْمِنِينَ^(۴)

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا آتَاهُمْ
الْفَرْحَةُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَأَنَّقُوا أَجْرًا عَظِيمًا^(۵)

سے شادوت کی فضیلت ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا «إِنَّمَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ، لَهَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ، يَسْرُهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيدُ، فَإِنَّهُ يَسْرُهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَةً أُخْرَى لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ»۔ (مند أحمد ۳-۶۲) صحیح مسلم، کتاب الہمارۃ، باب فضل الشہادۃ (کوئی مرنے والی جان، جس کو اللہ کے ہاں اچھا مقام حاصل ہے، دنیا میں لوٹا پسند نہیں کرتی۔ البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آتا پسند کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ یہ آرزو وہ اس لیے کرتا ہے کہ شادوت کی فضیلت کا وہ مشاہدہ کر لیتا ہے۔) حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے کہا کہ مجھ سے اپنی کسی آرزو کا اطمینار کر (تاکہ میں اسے پورا کر دوں) تیرے باپ نے جواب دیا کہ میری تو صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ تو ممکن نہیں ہے اس لیے کہ میرا فیصلہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جا سکتا۔

(۱) یہ استبشار، پلے استبشار کی تاکید اور اس بات کا بیان ہے کہ ان کی خوشی مخفی خوف و حزن کے فقدان کی ہی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے بے پایاں فضل و کرم کی وجہ سے بھی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے پہلی خوشی کا تعلق دنیا میں رہ جانے والے بھائیوں کی وجہ سے اور یہ دوسری خوشی اس انعام و اکرام کی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خود ان پر ہوا۔ (فتح القدیر)

(۲) جب مشرکین جنگ احمد سے واپس ہوئے تو راستے میں انہیں خیال آیا کہ ہم نے تو ایک نمایت سنری موقع ضائع کر دیا۔ مسلمان غلکت خور دیگی کی وجہ سے بے حوصلہ اور خوف زدہ تھے۔ انہیں اس سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر رہنا چاہئے تھا تاکہ اسلام کا یہ پودا اپنی سرزی میں (مدینہ) سے ہی نیست و نابود ہو جائے۔ ادھر مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ کو بھی اندریشہ ہوا کہ شاید وہ پھر پلٹ آئیں لہذا آپ ﷺ نے صحابہ کو لڑنے کے لئے آمادہ کیا آپ ﷺ کے کہنے پر صحابہ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے مقتولین و مجوہین کی وجہ سے دل گرفتہ اور محروم و مغموم تھے، تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ جب مدینہ سے ۸ میل کے فاصلے پر واقع "حراء الاسد" پر پہنچا تو مشرکین کو خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کا ارادہ بدل گیا اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے بجائے کہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء بھی

وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کماکہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھادیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کار ساز ہے۔^(۱) (۱۷۳)

(نتیجہ یہ ہوا کہ) اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے،^(۲) انہیں کوئی برائی نہ پہنچی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔^(۱) (۱۷۳)

یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں

أَلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَأَخْتَهُمْ
فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۝ ۷۰ ۷۱ قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنَعْمَلُ وَكِيلٌ ۝

فَإِنْ قَلَبُوا إِنْعَمَةً مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّهُ يَمْسَحُهُمْ سُوءٌ وَّلَيْسُ
رِضْوَانَ اللَّهِ وَلَيْسُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٌ ۝

إِنَّمَا ذِلِّكُ الشَّيْطَنُ يُعَزِّفُ أَقْلَمَيَا ۝ ۷۲ فَلَا يَغْنِي فُؤُدُهُمْ وَخَالُونَ

مدینہ واپس آگئے۔ آیت میں مسلمانوں کے اسی جذبہ اطاعت اللہ و رسول کی تعریف کی گئی ہے بعض نے اس کا سبب نزول حضرت ابوسفیان کی اس دھمکی کو بتایا ہے کہ آئندہ سال بد ر صغیر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہو گا۔ (ابوسفیان ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جس پر مسلمانوں نے بھی اللہ و رسول کی اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جہاد میں بھرپور حصہ لینے کا عزم کر لیا۔ (ملحق از فتح القدیر دا بن کیش مگر یہ آخری قول ساقی سے میل نہیں کھاتا)

(۱) حمراء الاسد اور کما جاتا ہے کہ بد ر صغیر کے موقع پر ابوسفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل کیں اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین مکہ لڑائی کے لئے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ بعض روایات کی رو سے یہ کام شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعے سے لیا۔ لیکن مسلمان اس قسم کی افواہیں سن کر خوف زدہ ہونے کی بجائے، مزید عزم و ولولہ سے سرشار ہو گئے جس کو یہاں ایمان کی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ ایمان جتنا پختہ ہو گا، جہاد کا عزم اور ولولہ بھی اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان جامد قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتلاء و مصیبت کے وقت اہل ایمان کا شیوه اللہ پر اعتماد و توکل ہے۔ اسی لئے حدیث میں بھی حَسْبُنَا اللَّهُ وَنَعْمَلُ وَكِيلٌ پڑھنے کی فضیلت وارد ہے۔ نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ (فتح القدیر)

(۲) نعمت سے مراد سلامتی ہے اور فضل سے مراد وہ نفع ہے جو بد ر صغیر میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے بد ر صغیر میں ایک گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خرید کر فروخت کیا جس سے نفع حاصل ہوا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر)

إِنْ كُلُّهُمْ مُؤْمِنُونَ ④

سے ڈرتا ہے^(۱) تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔^(۲) (۱۷۵)

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غناک نہ کریں، یقین مانو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے آخرت کا کوئی حصہ عطا نہ کرے،^(۳) اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (۱۷۶)

کفر کو ایمان کے بد لے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان ہی کے لئے المناک عذاب ہے۔ (۱۷۸)

کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، یہ مہلت تو اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں،^(۴) ان ہی کے لئے ذیل کرنے والا عذاب

وَلَا يَخْرُنُكُلَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفَّارِ أَهْمَنَ لَنْ يَفْرُوا اللَّهَ شَيْئًا
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَمْ يَعْلَمُوا بِعَظَمَتِهِ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُ الْكُفَّارَ إِلَيْهِمْ لَنْ يَفْرُوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَمْ
عَدَ أَنْ يَلْهُمُ ⑥

وَلَا يَحْسَبُنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَمَانَتِيْلَهُمْ حَيْثُ لَا يَقِيمُونَ
إِنَّمَا تَنْهَى لَهُمْ لِيَرْدَادُوا إِنَّمَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِمِّ ⑦

(۱) یعنی تمہیں اس وسو سے اور وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ بڑے مضبوط اور طاقتور ہیں۔

(۲) یعنی جب وہ تمہیں اس وہم میں بٹتا کرے تو تم صرف مجھ پر ہی بھروسہ رکھو اور میری ہی طرف رجوع کرو! میں تمہیں کافی ہو جاؤں گا اور تمہارا ناصر رہوں گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكُلِّ عَنْدَهُ﴾ (الزمر: ۳۶) ”کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟“ - مزید ملاحظہ ہوں۔ ﴿كَتَبَ اللَّهُ لِكُلِّ غَلَبَةٍ أَنَّا دُرْسِلُونَ﴾ وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ

(۳) نبی ﷺ کے اندر اس بات کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں، اسی لئے ان کے انکار اور تحذیب سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ﷺ غلیگین نہ ہوں، یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنی ہی آخرت برپا کر رہے ہیں۔

(۴) اس میں اللہ کے قانون اعمال (مملت دینے) کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق کافروں کو مہلت عطا فرماتا ہے، وقتی طور پر انہیں دنیا کی فراغت و خوش حالی سے، فتوحات سے اور مال و اولاد سے نوازتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر اللہ کی نعمتوں سے فیض یا ب ہونے والے نیکی اور اطاعت اللہ کا راست اختیار نہیں کرتے تو یہ دنیوی نعمتیں، فضل اللہ نہیں مملت اللہ ہے۔ جس سے ان کے کفر و فسق میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بالآخر وہ جنم کے دامنی عذاب کے مستحق قرار پا جاتے ہیں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ مثلاً ﴿أَيَّصُّبُونَ أَنَّا نَنْذِلُهُمْ بِهِ مِنْ تَالٍ وَبَيْنَنِ ۗ * شَارِعٌ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ تَبْلُلٌ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (المؤمنون: ۵۵-۵۶) ”کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کے مال و اولاد میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ ہم ان کے لئے بھائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ نہیں بلکہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔“

ہے۔ (۱۷۸)

جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ ایمان والوں کونہ چھوڑ دے گا جب تک کہ پاک اور نپاک کو الگ الگ نہ کر دے،^(۱) اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگہ کروے،^(۲) بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے،^(۳) اس لئے تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو، اگر تم ایمان لاو اور تقویٰ کرو تو تمہارے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ (۱۷۹)

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَنْدَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَكْثَرُهُ عَلَيْهِ وَحْتَلِ يَوْمٍ
الْغَيْبُ مِنَ الظَّلِيلِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِعَكُمْ عَنِ الْغَيْبِ
وَلَكُنَّ اللَّهُ يَعْلَمُ مَنْ زُسْلِمَ مَنْ يُشَاءُ فَإِنَّمَا يَأْنِي اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَمَا نَعْلَمُ إِذْنُمُنَا وَأَنَّقُوا فَلَمَّا آتُهُمْ أَجْرًا عَظِيمًا

(۱) اس لئے اللہ تعالیٰ ابتلاء کی بھی سے ضرور گزارتا ہے تاکہ اس کے دوست واضح اور دشمن ذیل ہو جائیں۔ مومن صابر، منافق سے الگ ہو جائے جس طرح احد میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آزمایا جس سے ان کے ایمان، صبر و ثبات اور جذبہ اطاعت کا اظہار ہوا اور منافقین نے اپنے اوپر جو نفاق کا پردہ ڈال رکھا تھا وہ بے نقاب ہو گیا۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح ابتلاء کے ذریعے سے لوگوں کے حالات اور ان کے ظاہر و باطن کو نمایاں نہ کرے تو تمہارے پاس کوئی غیب کا علم تو ہے نہیں کہ جس سے تم پر یہ چیزیں منکشف ہو جائیں اور تم جان سکو کہ کون منافق ہے اور کون مومن خالص؟

(۳) ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر منافقین کا اور ان کے حالات اور ان کی سازشوں کا راز فاش ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ بھی کسی کسی وقت اور کسی کسی نبی پر ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر نبی بھی (جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے) منافقین کے اندر ورنی نفاق اور ان کے مکروہید سے بے خبر ہی رہتا ہے (جس طرح کہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اعراب اور اہل مدینہ میں جو منافق ہیں اے پیغمبرا آپ ﷺ ان کو نہیں جانتے، ہم نہیں جانتے ہیں) اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب کا علم ہم صرف اپنے رسولوں کو ہی عطا کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی منصبی ضرورت ہے۔ اس دھی الہی اور امور غیبی کے ذریعے سے ہی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اپنے کو اللہ کا رسول ثابت کرتے ہیں؟ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے ﴿عَلَيْهِ الْغَيْبُ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا * إِلَّا مَنِ اتَّضَى مِنْ رَسُولِ﴾

(الجن- ۲۶، ۲۷) ”عالم الغیب (اللہ تعالیٰ ہے) اور وہ اپنے غیب سے پسندیدہ رسولوں کو ہی خبردار کرتا ہے“ ظاہربات ہے یہ امور غیبیہ وہی ہوتے ہیں جن کا تعلق منصب و فرائض رسالت کی ادائیگی سے ہوتا ہے نہ کہ ما کائن و مَا يَكُونُ جو کچھ ہو چکا اور آئندہ قیامت تک جو ہونے والا ہے“ کا علم۔ جیسا کہ بعض اہل باطل اس طرح کا علم غیب انبیا علیم السلام کے لیے اور کچھ اپنے ”ائزہ معصومین“ کے لیے پادر کرتے ہیں۔

جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوں کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوں کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے،^(۱) آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔^(۲) (۱۸۰)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سن جنوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تو نگریں^(۲) ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے۔ اور ان کا انبیا کو بلا وجہ قتل کرنا بھی،^(۳) اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے والا عذاب چکھو!۔^(۴) (۱۸۱)

یہ تمہارے پیش کردہ اعمال کا بدله ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔^(۵) (۱۸۲)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجئے

وَلَا يَخْسِبُ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا أَنْتَمُ هُنَّا نَهُوكُمْ أَنَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيْطَرُوْنَ مَا بَخْلُوْا يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ إِلَيْهِ يَوْمَ الْحِسَابِ وَالْأَرْضُ مَوْلَانَا يَعْلَمُ مَا عَمِلُوْنَ خَيْرٌ ۝

لَقَدْ سَيِّدَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَّهُمْ أَغْنِيَاءٌ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَمَنْهُمْ إِلَّا نَيَّابٌ إِنَّمَا يَعْلَمُ حَقَّهُ ۝ وَنَهْوُنُ ذُوقُ عَادَاتِ الْحَرَنِيَّةِ ۝

ذَلِكَ يَمَّا قَدَّمْتُ أَيْدِيْكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَالِمٍ لِلْعَبْدِ ۝

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ مَحْمَدٌ إِلَيْنَا أَلَا نُؤْمِنُ بِرَسُولِ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّازِلُ مَنْ قَدْ جَاءَكُمْ مُّرِئِيْلُ ۝

(۱) اس میں اس بخیل کا بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا حتیٰ کہ اس میں سے فرض زکوٰۃ بھی نہیں نکالتا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اس کے مال کو ایک زہریلا اور نہایت خوفناک سانپ بنانکر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس کی باخچیں پکڑے گا اور کے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ «مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَا لَا فَلَمْ يُؤْذِ زَكَانَهُ، مُثِيلٌ لَهُ شُجَاعًا أَفْرَعَ، لَهُ زَبِينَاتٌ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»۔ اصحح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب تفسیر آل عمران۔ کتاب الزکاۃ۔ حدیث نمبر ۵۵

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا « مَنْ ذَا الَّذِي نَيْرَضُ اللَّهُ قَرْضاً حَسَنًا ۝ » (البقرة۔ ۲۳۵) ”کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے“ تو یہود نے کہا مے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ا! تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ابن کثیر)

(۳) یعنی مذکورہ قول جس میں اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اسی طرح ان کے (اسلاف) کا انبیا علیم السلام کو ناحق قتل کرنا، ان کے یہ سارے جرائم اللہ کی بارگاہ میں درج ہیں، جن پر وہ جنم کی آگ میں واخل ہوں گے۔

کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول دیگر معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو تو پھر تم نے انہیں کیوں مارڈا؟۔^(۱) (۱۸۳)

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹا کیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے۔^(۲) (۱۸۴)

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے بد لے پورے پورے دیئے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جس^(۳) ہے۔ (۱۸۵)

مِنْ قَبْلِ يَأْتِيَنَّتِ وَبِالْآتِيَ فَلَتَّمُ فَلَمَّا قَاتَتْهُمُوهُ
إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ^(۱)

قَالَ كَذَّبُوكُ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلُ مِنْ قَبْلِكَ حَاجَأُو
بِالْبَيِّنَاتِ وَالثُّرُورِ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ^(۲)

كُلُّ نَفِيْسٍ ذَاهِيْةُ الْوَوْتُ وَإِنَّمَا تُوَقَّوْنَ أَجُورُكُمْ
يَوْمَ الْحِيَةِ فَمَنْ رُحْزَمَ عَنِ النَّارِ وَأَدْخَلَ
الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحِيَةُ الدُّنْيَا
إِلَامْتَاعُ الْغَرُورِ^(۳)

(۱) اس میں یہود کی ایک اور بات کی تکذیب کی جا رہی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ تم صرف اس رسول کو ماننا جس کی دعا پر آسمان سے آگ آئے اور قربانی و صدقات کو جلاڑا لے۔ مطلب یہ تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے ذریعے سے اس معجزے کا چونکہ صدور نہیں ہوا۔ اس لئے بحکم الہی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ایمان لانا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے حالانکہ پہلے نبیوں میں ایسے نبی بھی آئے کہ جن کی دعا سے آسمان سے آگ آتی اور اہل ایمان کے صدقات اور قربانیوں کو کھا جاتی۔ جو ایک طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ اللہ کی راہ میں پیش کردہ صدقہ یا قربانی بارگاہ الہی میں قبول ہو گئی۔ دوسری طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ نبی برحق ہے۔ لیکن ان یہودیوں نے ان نبیوں اور رسولوں کی بھی تکذیب ہی کی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تم نے ایسے پیغمبروں کو کیوں جھٹایا اور انہیں قتل کیا جو تمہاری طلب کردہ نشانی ہی لے کر آئے تھے“

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی ان کث بھیوں سے بدلتے ہوں۔ ایسا معاملہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے۔

(۳) اس آیت میں ایک تو اس اٹھ حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے، اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہو گا، اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تیرا، کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ کامیاب اصل میں وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے، جو اس سے دامن پچاکر نکل گیا، وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام و نامراد ہے۔

بیقیناً تمہارے مالوں اور جانوں سے تمہاری آزمائش کی جائے گی^(۱) اور یہ بھی یقین ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی اور اگر تم صبر کرو اور پر ہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی بہت کام ہے۔^(۲) (۱۸۶)

اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عمد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عمد کو اپنی پیچھے پیچھے

لَتُبْكُوْتُ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفِسِكُمْ وَلَتَسْمَعَ مِنَ الظِّنَّينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الظِّنَّينَ أَشْرَكُوا إِذْنِي كَثِيرًا، وَإِنْ تَصِدُّرُوا وَتَتَقْرُبُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَنْهُمُ الْأُمُورُ

وَإِذَا خَدَ اللَّهُ مِنْ يَقِنَّا قَالَ الظِّنَّى أُوتُوا الْكِتَابَ لِتَبَيَّنَهُ لِلثَّالِثِينَ وَلَا يَكُنُّ مُدْفَنَّوْنَ وَرَأَهُ ظُهُورُهُمْ

(۱) اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمائے کا بیان ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۵ میں گزر چکا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ رَبِّيْسَ الْمَافِقِينَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ ابِيْ نَعْمَانَ کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدرا بھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادۃ بن زیٹ کی عیادت کے لئے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مجلس میں مشرکین، یہود اور عبد اللہ بن ابی دغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی سواری سے جو گردانٹی، اس نے اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا اور آپ ﷺ نے انیں نھر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبد اللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ وہاں بعض مسلمان بھی تھے، انہوں نے اس کے بر عکس آپ ﷺ کی تحسین فرمائی، قریب تھا کہ ان کے مابین جھگڑا ہو جائے، آپ ﷺ نے ان سب کو خاموش کرایا۔ پھر آپ ﷺ حضرت سعد بن زیٹ کے پاس پہنچے تو انیں بھی یہ واقعہ سنایا جس پر انہوں نے فرمایا کہ عبد اللہ بن ابی یہ باتیں اس لئے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل، یہاں کے باشندگان کو اس کی تاج پوشی کرنی تھی، آپ ﷺ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس کا اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا مظہر ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ در گزر ہی سے کام لیں۔ (اصحیح البخاری کتاب التفسیر ملخصہ)

(۲) اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ نبی ﷺ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز سے طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح مشرکین عرب کا حال تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ میں آنے کے بعد منافقین بالخصوص ان کار میں عبد اللہ بن ابی بھی آپ ﷺ کی شان میں احتخاف کرتا رہتا تھا۔ آپ کے مدینہ آنے سے قبل اہل مدینہ اپنا سردار بنانے لگے تھے اور اس کے سر پر تاج سیادت رکھنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی کہ آپ ﷺ کے آنے سے اس کا یہ سارا خواب بکھر کر رہ گیا، جس کا اسے شدید صدمہ تھا چنانچہ انتقام کے طور پر بھی یہ شخص آپ کے خلاف سب و شتم کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا (جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالے سے اس کی ضروری تفصیل گزشتہ حاشیہ میں ہی بیان کی گئی ہے) ان حالات میں مسلمانوں کو غفو و در گزر اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ جس سے

ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔ ^(۱) (۱۸۷)

وہ لوگ جو اپنے کرتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جوانوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں آپ انہیں عذاب سے چھکارا میں نہ سمجھنے ان کے لئے تو ورنماں کا عذاب ہے۔ ^(۲) (۱۸۸)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ^(۳) (۱۸۹)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھر میں یقیناً عقائد و نکاحوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ ^(۴) (۱۹۰)

وَ اشْتَرَوْا بِهِ تَمَنًا قَبِيلًا فَيُمَسَّ مَا يَشْتَرُونَ ^(۵)

لَا تَخْبِقَ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ بِمَا أَتَوْا وَمَجْبُونَ أَنْ يُحْمَدُوا
بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَعْصِمُهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ^(۶)

وَإِلَهُكُمُ الْتَّمَوُتُ وَالْأَرْضُ وَاللَّهُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ^(۷)

إِنَّ فِي خَلْقِ التَّمَوُتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ إِلَيْنِ
وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ^(۸)

معلوم ہوا کہ داعیان حق کا اذیتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا اس راہ حق کے ناگزیر مرحلوں میں سے ہے اور اس کا علاج صبر فی اللہ، استعانت بالله اور رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں (ابن کثیر)

(۱) اس میں اہل کتاب کو زجر و توبخ کی جا رہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عمد لیا تھا کہ کتاب اللہ (تورات اور انجلیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبی کی جو صفات ہیں، انہیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انہیں چھپا میں گے نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مغادرات کے لئے اللہ کے اس عمد کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ گویا اہل علم کو تلقین و تنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے، جس سے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہو سکتی ہو، وہ لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہئے اور دنیوی اغراض و مغادرات کی خاطران کو چھپانا بست بڑا جرم ہے۔ قیامت والے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی (امکانی الحدیث)

(۲) اس میں ایسے لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو صرف اپنے واقعی کارناموں پر ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنا مے بھی درج یا ظاہر کے جائیں جو انہوں نے نہیں کئے ہوتے۔ یہ بیماری جس طرح عمد رسالت کے بعض لوگوں میں تھی جن کے پیش نظر آیات کا نزول ہوا۔ اسی طرح آج بھی جاہ پسند قسم کے لوگوں اور پروپیگنڈے اور دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے سے بننے والے لیڈروں میں یہ بیماری عام ہے۔ أَعَذَنَا اللَّهُ مِنْهُ

آیت کے سبق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کتاب اللہ میں تحریف و کتمان کے مجرم تھے، مگر وہ اپنے ان کرتوں پر خوش ہوتے تھے، یہی حال آج کے باطل گروہوں کا بھی ہے، وہ بھی لوگوں کو گمراہ کر کے غلط رہنمائی کر کے اور آیات اللہ میں معنوی تحریف و تلبیس کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اہل حق ہیں اور یہ کہ ان کے دجل و فریب کاری کی انہیں داد دی جائے۔ فَاتَّهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ

(۳) یعنی جو لوگ زمین و آسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار و رموز پر غور کرتے ہیں، انہیں کائنات کے خالق

جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کرونوں پر لیئے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غورو فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔^(۱) (۱۹۱)

اے ہمارے پانے والے! تو جسے جنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا، اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔ (۱۹۲)

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيمًا وَ قُعُودًا وَ عَلَى جُنُوبِهِمْ
وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا
خَلَقْتَ هَذَا بِإِطْلَاقٍ بُخْتَكَ فَقَنَاعَدَابَ الظَّالِمِينَ

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ
مِنْ أَنْصَارٍ^(۲)

اور اس کے اصل فرمادہ اکی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل و عریض کائنات کا یہ لگا بندھا نظام، جس میں ذرا خلل واقع نہیں ہوتا، یقیناً اس کے پیچے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی اور اس کی مدیر کر رہی ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات۔ آگے انہی اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں پر لیئے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں.... حدیث میں آتا ہے کہ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ سَلَةَ كَرَآخْ سُورَتِ تَكَ يَه آیاتِ نَبِيِّ كَرِيمِ ﷺ رات کو جب تحد کے لئے اٹھتے تو پڑھتے اور اس کے بعد وضو کرتے (صحیح بخاری، کتاب الفیر۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرها، باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل و قیامہ)

(۱) ان دس آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت و طاقت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ نشانیاں ضرور ہیں لیکن کن کے لیے؟ اہل عقل و دانش کے لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان عجائبات تخلیق اور قدرت الیہ کو دیکھ کر بھی جس شخص کو باری تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو، وہ اہل دانش ہی نہیں۔ لیکن یہ الیہ بھی بڑا عجیب ہے کہ عالم اسلام میں ”دانش ور“ سمجھا ہی اس کو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشكیک کاشکار ہو۔ فَإِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ دوسری آیت میں اہل دانش کے ذوق ذکر الہی اور ان کا آسمان و زمین کی تخلیق میں غورو فکر کرنے کا بیان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ”کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو کروٹ کے مل لیئے لیئے ہی نماز پڑھ لو“ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ) ایسے لوگ جو ہر وقت اللہ کو یاد کرتے اور رکھتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جن سے خالق کائنات کی عظمت و قدرت، اس کا علم و اختیار اور اس کی رحمت و ربویت کی صحیح معرفت انہیں حاصل ہوتی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ رب کائنات نے یہ کائنات یوں ہی بے مقصد نہیں بنائی ہے بلکہ اس سے مقصد بندوں کا امتحان ہے۔ جو امتحان میں کامیاب ہو گیا، اس کے لئے ابد الاباد تک جنت کی نعمتیں ہیں اور جو ناکام ہوا اس کے لئے عذاب نار ہے۔ اس لئے وہ عذاب نار سے بچنے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد والی تین آیات میں بھی مغفرت اور قیامت کے دن کی رسوای سے بچنے کی دعا میں ہیں۔

اے ہمارے رب! ہم نے شاکہ منادی کرنے والا بآواز
بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان
لاو، پس ہم ایمان لائے۔ یا اللہ! اب تو ہمارے گناہ
معاف فرمایا اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور
ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔ (۱۹۳)

اے ہمارے پالنے والے معبدو! ہمیں وہ دے جس کا
 وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور
ہمیں قیامت کے دن رسوانہ کر، یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں
کرتا۔ (۱۹۴)

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی^(۱) کہ تم میں
سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا
عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا،^(۲) تم آپس میں ایک
دوسرے کے ہم جنس ہو،^(۳) اس لئے وہ لوگ جنوں
نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور
جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنوں نے جہاد کیا
اور شہید کئے گئے، میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان
سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُتَادِيَّا يُتَادِي لِلإِيمَانِ
أَنْ أَمُؤْا بِرَتِّكُمْ فَأَمَّا قَرْبَنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
وَكَفِرْ عَنَّا سَيِّئَاتَنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ^(۱)

رَبَّنَا وَإِنَّا مَا وَعَدْنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُغْرِيَنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ
إِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْبِيْعَادَ^(۲)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مَنْ
ذَكَرَ أَوْ أَنْتُ بِعَصْمَكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا
وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَيِّئِنَّ وَقْتَلُوا وَفَتَلُوا
لَا كُفَّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَهُمْ جَنَّتٍ بَعْرِي
مِنْ تَحْيَتِهَا الْأَنْهَرُ تَوَابًا مِنْ عَنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ
عِنْدَهُ حُسْنُ التَّوَابِ^(۳)

(۱) فَاسْتَجَابَ يَهُمْ أَجَابَ يَعْنِي "قبول فرمائی" کے معنی میں ہے (فتح القدير)

(۲) مرد ہو یا عورت کی وضاحت اس لئے کر دی کہ اسلام نے بعض معاملات میں، مرد اور عورت کے درمیان ان کے ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے۔ مثلاً قوامیت و حاکیت میں، کب معاش کی ذمہ داری میں، جہاد میں حصہ لینے میں اور رواشت میں نصف حصہ ملنے میں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزا میں بھی شاید مرد و عورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو گا بلکہ ہر نیک کا جواہر ایک مرد کو ملے گا، وہ نیک اگر ایک عورت کرے گی تو اس کو بھی وہی اجر ملے گا۔

(۳) یہ جملہ مفترض ہے اور اس کا مقصد پچھلے نکتے کی ہی وضاحت ہے یعنی اجر و اطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی ہو یعنی ایک جیسے ہی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفیر طبری، ابن کثیر و فتح القدير)

جاوں گا جن کے نیچے نہیں بس رہی ہیں، یہ ہے ثواب
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین
ثواب ہے۔^(۱۹۵)

تجھے کافروں کا شروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال
دے۔^(۱۹۶)

یہ تو بت ہی تھوڑا فائدہ ہے،^(۲) اس کے بعد ان کا ٹھکانہ
تو جنم ہے اور وہ بڑی جگہ ہے۔^(۱۹۷)

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے
جنتیں ہیں جن کے نیچے نہیں جاری ہیں، ان میں وہ یہ مشہ
رہیں گے یہ مسمانی ہے اللہ کی طرف سے اور نیک
کاروں کے لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بت ہی
بہتر ہے۔^(۳)^(۱۹۸)

لَا يَغْرِيَنَكَ تَنَّلُبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْأَلَادِ^(۱)

مَتَّعْ قَبِيلٍ شَهْمًا وَنُهُمْ جَهَنَّمُ وَإِنْسَ الْمَهَادُ^(۲)

لِكِنَ الَّذِينَ اتَّقَوا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّتٌ بَخِيرٌ مِنْ عَنْتَهَا الْأَنْهَرُ
خَلِيدِينَ فِيهَا لَنْ لَا قَنْ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ
خَيْرٌ لِلَّذِينَ ابْرَارٌ^(۳)

(۱) خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے شروں میں چلنے پھرنے سے مراد تجارت و کاروبار کے
لئے ایک شر سے دوسرا یہ شریا ایک ملک سے دوسرا ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر و سائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار
کے وسعت و فروع کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے، اس سے اہل
ایمان کو دھوکہ میں بٹلانیسیں ہونا چاہئے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہئے، جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جنم کا
دائیگی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر بٹلا ہوں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد مقامات پر بیان کیا گیا
ہے۔ مثلاً ﴿مَا يَجِدُونَ فِيَ أَيْتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرِيَنَكَ تَنَّلُبُهُمْ فِي الْأَلَادِ﴾ (سورہ المؤمن-۳) ”اللہ کی آئیوں میں وہی
لوگ بھگڑتے ہیں جو کافر ہیں، پس ان کا شروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى
اللَّهِ الْحَكْمَ بَلَّا يَقْلِبُونَ * مَتَّعْ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ (سورہ یونس-۲۹، ۳۰)۔ ﴿تُبَيَّنُهُمْ قَبِيلًا لَّمَنْ نَضَطَرُهُمْ إِلَى
عَذَابٍ عَلَيْهِمْ﴾ (سورہ لقمان-۲۲)

(۲) یعنی یہ دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، درحقیقت متع قلیل ہی ہیں۔
کیونکہ بالآخر انہیں فنا ہوتا ہے اور ان کے بھی فنا ہونے سے پہلے وہ حضرات خود فنا ہو جائیں گے، جو ان کے حصول کی
کوششوں میں اللہ کو بھی فراموش کئے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدود کو بھی پامال کرتے ہیں۔

(۳) ان کے بر عکس جو تقویٰ اور خداخونی کی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ گو دنیا میں ان کے پاس خدا
فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی، مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آئیوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے بھی نہیں،^(۱) ان کا بدله ان کے رب کے پاس ہے،

یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۱۹۹)

اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو^(۲) اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔ (۲۰۰)

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا
وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ خَيْرٌ مِّنْ يَلَهُ لَا يَشْرُكُونَ بِإِيمَانِ اللَّهِ
شَمَاءَ أَقْلَيْلًا وَأَلْيَكَ أَنْمَمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ
سَرِيعُ الْحِسَابِ ^(۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَاصْبِرُوا وَرَابِطُوا وَاعْفُوا اللَّهُ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ^(۲)

غالق و مالک ہے اور وہاں ان ابرار (نیک لوگوں) کو جو اجر و صد ملے گا، وہ اس سے بہت بہتر ہو گا جو دنیا میں کافروں کو عارضی طور پر ملتا ہے۔

(۱) اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے اہل کتاب سے متاز کر دیا، جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا، آیات اللہ میں تحریف و تلبیس کرنا اور دنیا کے عارضی اور فلسفی مفہادات کے لئے کم تر علم کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ کی آئیوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء و مشائخ دنیوی اغراض کے لئے آیات اللہ میں تحریف یا ان کے مفہوم کے بیان میں دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں، وہ ایمان و تقویٰ سے محروم ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور انہوں نے دین حق کو اپنایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۲) صبر کو یعنی طاعات کے اختیار کرنے اور شهوات و لذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔ مُصَابَرَةً (صَابِرُوا) جنگ کی شدوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا، یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ اس لئے اسے علیحدہ بیان فرمایا۔ زِبْطُوا میدان جنگ یا مجاز جنگ میں سورچہ بند ہو کر ہمہ وقت چوکنا اور جہاد کے لئے تیار رہنا مرابط ہے۔ یہ بھی بڑے عزم و حوصلہ کا کام ہے۔ اسی لئے حدیث میں اس کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ «رِبَاطُ يَوْمِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْها» (صحیح بخاری، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ) ”اللہ کے راستے (جہاد) میں ایک دن پڑا وہ ڈالنا۔ (یعنی سورچہ بند ہونا) دنیا و مافہما سے بہتر ہے۔“ علاوه ازیں حدیث میں مکارہ (یعنی ناگواری کے حالات میں) مکمل و ضوکرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الحمارۃ) ---

سُورَةُ النِّسَاءِ

سورہ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھتر آیات اور
چوبیس روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو براہمیان نہایت رحم
والا ہے۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمیں ایک
جان سے پیدا کیا^(۱) اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے
ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں، اس
اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے ملتے ہو
اور رشتہ ناطے توڑنے سے بھی بچو^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ
تم پر نگہبان ہے۔^(۳)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّنْ تَغْيِيرٍ
وَاحْدَةٌ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا
وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلَ لَوْنَ يَهُ وَالْأَرْحَامَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَّقِيبًا ①

☆ نساء کے معنی ہیں ”عورتیں“ اس سورت میں عورتوں کے بہت سے اہم مسائل کا تذکرہ ہے۔ اس لئے اسے سورہ
نساء کہا جاتا ہے۔

(۱) ”ایک جان“ سے مراد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور خلقِ مِنْهَا زوجہا میں مِنْہَا سے وہی ”جان“
یعنی آدم علیہ السلام مراد ہیں یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حوا کو پیدا کیا۔ حضرت حوا حضرت
آدم علیہ السلام سے کس طرح پیدا ہوئیں اس میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قول مردی ہے کہ حضرت
حوا مرد (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا ہوئیں۔ یعنی ان کی بائیں پسلی سے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے۔
”إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَعْلَاهُ“ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، صحیح مسلم، کتاب
الرضاع) کہ ”عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ثیڑھا حصہ، اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تو
اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کبھی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“
بعض علمانے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول رائے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے
الفاظ خلقِ مِنْہَا سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے حضرت حوا کی تخلیق اسی نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدم کہا جاتا ہے۔

(۲) وَالْأَزْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے یعنی رحموں (رشتوں ناطوں) کو توڑنے سے بھی بچو اُزَحَامُ، رَحْمٌ کی جمع ہے۔ مراد
رشتے داریاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں۔ اس سے محروم اور غیر محروم دونوں رشتے مراد ہیں رشتہ ناطوں
کا توڑنا سخت کبیرہ گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں قربت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور
ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تائید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صدر حمی کہا جاتا ہے۔

وَإِنُّوا إِلَيْنَا أَمْوَالُهُمْ وَلَا تَنْبَدِلُوا الْحِيْثُ بِالظِّيْقَبِ
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ
خُوبِيًّا كَيْمِرًا ①

اور تمیموں کو ان کے مال دے دو اور پاک اور حلال چیز کے بد لے ناپاک اور حرام چیز نہ لو، اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھانے جاؤ، بے شک یہ بست برداگناہ ہے۔ ②

اگر تمیس ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمیس اچھی لگیں تم ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمیس برا بری نہ کر سکتے کاخوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لوندی ③ یہ زیادہ قریب ہے، کہ (ایسا کرنے سے نا انصافی اور) ایک

وَلَنْ خَفْتُمُ أَلَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَإِنَّكُمْ هُوَا
مَآطِابٌ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَتَّنِي وَثُلَّتَ
وَرُبُعٌ، فَلَنْ خَفْتُمُ أَلَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ
أَوْ مَالَكَتْ أَيْمَانَكُمْ ذَلِكَ آدُنٌ أَلَا تَعْلُوُوا ④

(۱) یتیم جب بالغ اور باشمور ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ خبیث سے گھٹیا چیزیں اور طیب سے عمدہ چیزیں مراد ہیں یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گفتگی پوری کرنے کے لئے گھٹیا چیزیں ان کے بد لے میں رکھ دو۔ ان گھٹیا چیزوں کو خبیث (ناپاک) اور عمدہ چیزوں کو طیب (پاک) سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس طرح بد لایا گیا مال، جو اگرچہ اصل میں تو طیب (پاک اور حلال) ہے لیکن تمہاری اس بد دیانتی نے اس میں خباثت داخل کر دی اور وہ اب طیب نہیں رہا، بلکہ تمہارے حق میں وہ خبیث (ناپاک اور حرام) ہو گیا۔ اسی طرح بد دیانتی سے ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانا بھی منوع ہے ورنہ اگر مقصد خیر خواہی ہو تو ان کے مال کو اپنے مال میں ملانا جائز ہے۔

(۲) اس کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مردی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کے زیر پرورش ہوتی تو وہ اس کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا لیکن اس کو دوسری عورتوں کی طرح پورا حق مرد دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا کہ اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو، تمہارے لئے دوسری عورتوں تک سے تم نکاح کرنے کا راستہ کھلا ہے (صحیح بخاری، کتاب التغیر) بلکہ ایک کے بجائے دو سے تین سے حتیٰ کہ چار عورتوں تک سے تم نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو۔ ورنہ ایک سے ہی نکاح کرو یا اس کے بجائے لوندی پر گزارا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مرد (اگر وہ ضرورت مند ہے) تو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی مزید صراحة اور تحدید کر دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو چار سے زائد شادیاں کیں وہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے جس پر کسی امتی کے لئے عمل کرنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر)

طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔^(١) (٣)

اور عورتوں کو ان کے مرضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مرضی دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھالو۔^(٣)

بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، ہاں انہیں اس مال سے کھلاو، پلاو، پسناؤ اور ٹھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کرو۔^(٥)

اور قیمتوں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو، مال داروں کو چاہئے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں، ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھالے، پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ بنالو، دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔^(٢) (٦)

وَإِنَّ الْنِّسَاءَ صَدُّقَتْهُنَّ بِنَحْلَةٍ فَإِنْ طَمَنَ لَكُمْ
عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَيْئَا مَأْمُرُكُمْ^(٧)

وَلَا يُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيمًا
فَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ
قُولًا مَعْرُوفًا^(٨)

وَابْتَلُو الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ أَنْتُمْ
مِنْهُمْ حُرُسُدًا فَأَذْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تُمْكِلُوهَا
إِسْرَاقًا وَبِدَارًا أَنْ يَكُنْ بَرُوًادًا وَمَنْ كَانَ عَنْهُ
فَلِيَسْتَعْفِفْ فَوْلَادًا وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ
فَإِذَا دَفَعْتُمُ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ
وَكَفِيْ بِاللَّهِ حَسِينًا^(٩)

(١) یعنی ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں انصاف کا اہتمام بہت مشکل ہے جس کی طرف قلبی میلان زیادہ ہو گا، ضروریات زندگی کی فراہمی میں زیادہ توجہ بھی اسی کی طرف ہو گی۔ بیویوں کے درمیان وہ انصاف کرنے میں ناکام رہے گا اور اللہ کے ہاں مجرم قرار پائے گا۔ قرآن نے اس حقیقت کو دوسرے مقام پر نمایت بلیغان انداز میں اس طرح بیان فرمایا ﴿وَلَنْ تُنْتَصِرُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ
حَرَضْتُمْ فَلَا تَنْبِلُوْا أَنْتُمُ الْيَتَامَى فَتَذَرُّوْهُمْ كَالْمَعْقُلَةِ﴾ (سورۃ النِّسَاء۔ ٢٩) اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہ رکھو گے کہ بیویوں کے درمیان انصاف کر سکو، اگرچہ تم اس کا اہتمام کرو۔ (اس لئے اتنا تو کرو) کہ ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیویوں کو بچ اور ہرگز میں لٹکا رکھو۔ "اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ شادی کرنا اور بیویوں کے ساتھ انصاف نہ کرنا نامناسب اور نمایت خطرناک ہے۔

(٢) قیمتوں کے مال کے بارے میں ضروری بدلایات دینے کے بعد یہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بیتم کمال

مال باب اور خویش و اقارب کے ترک میں مروعوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو مال مال باب اور خویش و اقارب چھوڑ مرس) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔^(۱) (۷)

اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بست انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو۔^(۲) (۸)

اور چاہئے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے (نخنے نسخے) ناتوان پچھے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو

لِلْتَرْجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدُونَ وَالْأَقْرَبُونَ
وَلِلْئِسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدُونَ وَالْأَقْرَبُونَ
مِمَّا قَلَ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ، نَصِيبًا مَفْرُوضًا ①

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى
وَالسُّكِينُ فَأَذْرِكُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ
قُولًا مَعْرُوفًا ②

وَلِيُخْشِنَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ حَلْفَهِمْ ذُرَيْةً

تمہارے پاس رہا، تم نے اس کی کس طرح حفاظت کی اور جب مال ان کے سپرد کیا تو اس میں کوئی کمی بیشی یا کسی قسم کی تبدیلی کی یا نہیں؟ عام لوگوں کو تو تمہاری امانت داری یا خیانت کاشاید پڑتا ہے۔ لیکن اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ یقیناً جب تم اس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو تم سے حساب لے گا۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر یعنی ابوذر! میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور تمہارے لئے وہی چیز پسند کرتا ہوں، جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیرناہ بننا نہ کسی یتیم کے مال کا والی اور سپرست" (صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ)

(۱) اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے بڑے جوڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مروعوں کی طرح عورتیں اور بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گی، انہیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ بڑی کا حصہ بڑے کے حصے سے نصف ہے (جیسا کہ ۳ آیات کے بعد مذکور ہے) یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا احتیفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مرکی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اسے ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گناہ زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ اس لئے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

(۲) اے بعض علمانے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تربات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں، بلکہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے۔ کہ امداد کے مستحق رشتے داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں، انہیں بھی تقسیم کے وقت کچھ دے دو۔ نیزان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔ دولت کو آتے ہوئے دیکھ کر قارون و فرعون نہ بنو۔

جانے کا اندیشہ رہتا ہے، (تو ان کی چاہت کیا ہوتی) پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر جھی تملی بات کما کریں۔^(۱) (۶)
جو لوگ ناقہ ظلم سے قیمتوں کامال کھاجاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔^(۱۰)

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے^(۳) اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متعدد کے کا دو تھائی ملے گا۔^(۳) اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو

ِضَعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلَيَسْتَعُوا إِلَهٌ
وَلَيُقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا

إِنَّ الَّذِينَ يَا كُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَمَّى طَلْمَانًا
يَا كُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَضْلُونَ سَعِيدًا

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي مِثْلُ حَظِ الْأُتْشَيْنِ إِنَّ كُلَّ
نِسَاءٍ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ شُلْكَانَاتٍ إِذَا وَلَدْتُمْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا
النِّصْفُ وَلَا تَوْيِهٌ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا الشُّدُّسُ وَمِنَالَكَ إِنْ

(۱) بعض مفرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیا ہیں (جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو بیتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے منے کے بعد کیا جانا پسند کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ قیمتوں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، قطع نظر اس کے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تاکہ وہ نہ حق اللہ میں کوتاہی کر سکنے حقوق بندی آدم میں اور وصیت میں وہ ان دونوں باتوں کو ملاحظہ رکھے۔ اگر وہ خوب صاحب حیثیت ہے تو ایک تھائی مال کی وصیت ایسے لوگوں کے حق میں ضرور کرے جو اس کے قربی رشتہ داروں میں غریب اور مستحق امداد ہیں یا پھر کسی دینی مقصد اور ادارے پر خرچ کرنے کی وصیت کرے تاکہ یہ مال اس کے لئے زاد آخرت بن جائے اور اگر وہ صاحب حیثیت نہیں ہے تو اسے تھائی مال میں وصیت کرنے سے روکا جائے تاکہ اس کے اہل خانہ بعد میں مفلسی اور احتیاج سے دوچار نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی اپنے ورثا کو محروم کرنا چاہے تو اس سے اس کو منع کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اگر ان کے بعد ان کے بچے فقر و فاقہ سے دوچار ہو جائیں تو اس کے تصور سے ان پر کیا گزرے گی۔ اس تفصیل سے مذکورہ سارے ہی مخاطبین اس کا مصدقہ ہیں۔ (تفسیر قرطبی و فتح القدیر)

(۲) اس کی حکمت اور اس کا مبنی بر عدل و انصاف ہونا ہم واضح کر آئے ہیں۔ ورثا میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں تو پھر اس اصول کے مطابق تقسیم ہوگی۔ لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی سب وارث ہوں گی۔ حتیٰ کہ جنین (مال کے پیٹ میں زیر پرورش بچہ) بھی وارث ہو گا۔ البتہ کافروں لا دار وارث نہ ہوگی۔

(۳) یعنی بیٹا کوئی نہ ہو تو مال کا دو تھائی (یعنی کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے) دو سے زائد لڑکیوں کو دیئے جائیں گے اور اگر صرف دو ہی لڑکیاں ہوں، تب بھی انہیں دو تھائی حصہ ہی دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سعد بن

اس کے لئے آدھا ہے اور میت کے مال باب پ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو،^(۱) اور اگر اولاد نہ ہو اور مال باب پ وارث ہوتے ہوں تو اس کی مال کے لئے تیرا حصہ ہے،^(۲) ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی مال کا چھٹا حصہ ہے۔^(۳) یہ حصے اس وصیت (کی

کَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَرِثَهُ أَبُوهُ فَلِأَبْيَهُ الْثَّلِاثُ
فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِإِخْوَةِ السَّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
يُوصَىٰ بِهَا وَدِيَنْ أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَنْدِرُونَ إِنَّهُمْ أَقْرَبُ
لِكُمْ نَفْعًا فِي هُنْدَةٍ مِنَ الْهُنْدَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِمَا حَكِيمًا^(۱)

ربیعہ بن شہر احمد میں شہید ہو گئے اور ان کی دلوڑیاں تھیں۔ مگر سعد کے سارے مال پر ان کے ایک بھائی نے قبضہ کر لیا تو نبی ﷺ نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا سے دو ٹمث مال دلوایا (ترمذی، ابو داود، ابن ماجہ، کتاب الفراتض) علاوہ ازیں سورہ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بھینیں ہوں تو ان کے لئے بھی دو تھائی حصہ ہے لہذا جب دو بھینیں دو تھائی مال کی وارث ہوں گی تو دو بھینیاں بطريق اولی دو تھائی مال کی وارث ہوں گی جس طرح دو بھنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انسیں دو سے زیادہ بھینیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے (فتح القدير) خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو دونوں صورتوں میں مال متروکہ سے دو تھائی لڑکیوں کا حصہ ہو گا۔ باقی مال عصبه میں تقسیم ہو گا۔

(۱) مال باب پ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ پہلی صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد بھی ہو تو مرنے والے کے مال باب پ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا یعنی باقی دو تھائی مال اولاد پر تقسیم ہو جائے گا البتہ اگر مرنے والے کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اس میں سے چونکہ صرف نصف مال (یعنی چھ حصوں میں سے ۳ حصے) بیٹی کے ہوں گے اور ایک سدس (چھٹا حصہ) مال کو اور ایک سدس باب پ کو دینے کے بعد مزید ایک سدس باقی نفع جائے گا اس لئے بچنے والا یہ سدس بطور عصبه باب پ کے حصہ میں جائے گا یعنی اس صورت میں باب پ کو دو سدس میں گے، ایک باب کی حیثیت سے دوسرے، عصبه ہونے کی حیثیت سے۔

(۲) یہ دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتاپوتی بھی اولاد میں اجماعاً شامل ہیں) اس صورت میں مال کے لئے تیرا حصہ ہے اور باقی دو حصے (جو مال کے حصے میں دو گناہیں) باب پ کو بطور عصبه ملیں گے اور اگر مال باب پ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی تفصیل آرہی ہے) انکاں کر باقی مال میں سے مال کے لئے ٹمث (تیرا حصہ) اور باقی باب پ کے لئے ہو گا۔

(۳) تیسرا صورت یہ ہے کہ مال باب پ کے ساتھ، مرنے والے کے بھائی بسن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے (یعنی) ہوں یعنی ایک ہی مال باب پ کی اولاد ہوں۔ یا باب پ ایک ہو، ماں میں مختلف ہوں یعنی علاتی بھائی بسن ہوں یا مال ایک ہو، باب پ مختلف ہوں یعنی اخیانی بھائی بسن ہوں۔ اگرچہ یہ بھائی بسن میت کے باب پ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے۔ لیکن مال کے لئے جب (نقسان کا سبب) بن جائیں گے یعنی جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو مال کے ٹمث

مکمل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے،^(۱) یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتون والا ہے۔^(۲)

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مرس اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے۔^(۳) اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا،^(۴) اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ كُفِيْكُنَ لَهُنَّ لَهُنَّ وَلَدُّ قَانُونَ
كَانَ لَهُنَّ وَلَدُّ فَلَكُوكُنَ الرُّثُبُعُ وَمَاتَرَكُونَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
يُوصِيُّنَ بِهَا أَوْدِينُ وَلَهُنَ الرُّثُبُعُ وَمَاتَرَكُونَ لَهُنَّ
لَكُمْ وَلَدُّ قَانُونَ كَانَ لَكُمْ وَلَدُّ فَلَهُنَ الشُّنُّ وَمَاتَرَكُونَ
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْدِينُ وَلَنْ كَانَ رَجُلٌ
يُورُثُ كَلَلَةً أَوْ أُمْرَأَةً وَلَهُ أَخْرُ أَوْ أُخْرُ فِلْحٌ وَاحِدٌ مِنْهَا
السُّدُسُ قَانُونَ الْكُلُّ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُنِيَ الْكُلُّ
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيُّنَ بِهَا أَوْدِينُ غَيْرُ مُضَارٍ وَصِيَّةٍ
مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ الْحَلِيمُ^(۵)

(تیرے حصے) کو سدس (چھٹے حصے) میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال (۶/۵) باپ کے حصہ میں چلا جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جسمور کے نزدیک دو بھائیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا نہ کرو ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک بھائی یا بن ہو تو اس صورت میں مال میں مال کا حصہ ستمت برقرار رہے گا۔ وہ سدس میں تبدیل نہیں ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) اس لئے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو؛ بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جس کا جتنا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، وہ ان کو دو۔

(۲) اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہیں، اس پر امت کے علماء کا اجماع ہے (فتح القدر) و ابن کثیر اسی طرح مرنے والے شوہر کی اولاد خواہ اس کی وارث ہونے والی موجودہ بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح مرنے والی عورت کی اولاد اس کے وارث ہونے والے موجودہ خاوند سے ہو یا پسلے کے کسی خاوند سے۔

(۳) بیوی اگر ایک ہو گی تو بھی اسے چوتھایا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں گی تو بھی یہی حصہ ان کے درمیان

ہو،^(۱) اور اس کا ایک بھائی یا ایک بُن ہو^(۲) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں،^(۳) اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد^(۴) جب کہ اور لوں

تقسیم ہو گا، ایک ایک کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ نہیں ملے گا، یہ بھی اجتماعی مسئلہ ہے (فتح القدر)

(۱) کلالہ سے مراد وہ میت ہے جس کا باپ ہونہ بینا۔ یہ اکمل سے مشق ہے۔ اکمل ایسی چیز کو کہتے ہیں جو کہ سر کو اس کے اطراف (کناروں) سے گیر لے۔ کلالہ کو بھی کلالہ اس لئے کہتے ہیں کہ اصول و فروع کے اعتبار سے تو اس کا وارث نہ بنے لیکن اطراف و جوانب سے وارث قرار پا جائے (فتح القدر) وابن کشیر اور کما جاتا ہے کہ کلالہ کل سے مشق ہے جس کے معنی ہیں تحکم جانا۔ گویا اس شخص تک پہنچتے پہنچتے سلسلہ نسل و نسب تحکم گیا اور آگے نہ چل سکا۔

(۲) اس سے مراد اخیانی بُن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہو باپ الگ کیونکہ یعنی بھائی بُن یا علاتی بُن بھائی کا حصہ میراث اس طرح نہیں ہے اور اس کا بیان اسی صورت کے اخیر میں آ رہا ہے اور یہ مسئلہ بھی اجتماعی ہے (فتح القدر) اور دراصل نسل کے لئے مردوزن ﷺ مثل حَقَّ الْأَنْثِيَّنِ کا قانون چلتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ بیٹی بیٹیوں کے لئے اس جگہ اور بُن بھائیوں کے لئے آخری آیت نامے میں ہر دو جگہ یہی قانون ہے البتہ صرف ماں کی اولاد میں چونکہ نسل کا حصہ نہیں ہوتا اس لئے وہاں ہر ایک کو برابر کا حصہ دیا جاتا ہے۔ بہر حال ایک بھائی یا ایک بُن کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۳) ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ نیزان میں مذکرا اور مونث کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ بلا تفریق سب کو مساوی حصہ ملے گا، مرد ہو یا عورت۔

مُلْحُوظ: ماں زاد یعنی اخیانی بھائی بعض احکام میں دوسرے وارثوں سے مختلف ہیں۔ ۱۔ یہ صرف اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں۔ ۲۔ ان کے مرد اور عورت حصے میں مساوی ہوں گے۔ ۳۔ یہ اس وقت وارث ہوں گے جب کہ میت کلالہ ہو۔ پس باپ دادا بینا اور پوتے وغیرہ کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ ۴۔ ان کے مرد اور عورت کتنے بھی زیادہ ہوں، ان کا حصہ ثلث (ایک تہائی) سے زیادہ نہیں ہو گا اور جیسا کہ اوپر کہا گیا ان کو اپنے مرنے والے اخیانی بھائی سے جو مال ملے گا اس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہو گا یہ نہیں کہ مرد کو عورت سے دو گناہ دیا جائے۔ حضرت عمر بن عثمان نے اپنے دور غلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا اور امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عثمان نے یہ فیصلہ یقیناً اس وقت ہی کیا ہو گا جب ان کے پاس نبی ﷺ کی کوئی حدیث ہوگی۔ (ابن کشیر)

(۴) میراث کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تیری مرتبہ کہا جا رہا ہے کہ ورثے کی تقسیم، وصیت پر عمل کرنے اور فرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ سب سے پہلے قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی اور وصیت پر عمل اس کے بعد کیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ

کا نقصان نہ کیا گیا ہو^(۱) یہ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا ہے بربار۔^(۲)

یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہیں بھس رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۳)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدود سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لئے رسا کن عذاب ہے۔^(۴)

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے،^(۵) یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلُهُ جَنَّةً
تَبَرُّجُهُ مِنْ تَعْجِمَ الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ^(۶)

وَمَنْ يَغْصُنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَعْدَ حُدُودَهُ يُدْخِلُهُ
نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ^(۷)

وَالِّيَّ يَأْتِنَنَّ الْفَاجِحَةَ مِنْ يَسِّيرَكُمْ
فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةَ مِنْكُمْ فَإِنْ
شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُسُيُوتِ حَتَّى
يَتَوَفَّهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَيِّلًا^(۸)

نے تینوں جگہ وصیت کا ذکر دین (قرض) سے پہلے کیا حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے دین کا ذکر پہلے ہونا چاہئے تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کو تو لوگ اہمیت دیتے ہیں، نہ بھی دیں تو لینے والے زبردستی بھی وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن وصیت پر عمل کرنے کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس معاملے میں تسابیل یا تغافل سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے وصیت کا پہلے ذکر فرمائیں کہ اہمیت واضح کر دی گئی۔ (روح المعانی)

ملحوظہ: اگر یوں کا حق مراد اس کی کیا گیا ہو تو وہ بھی دین (قرض) میں شمار ہو گا اور اس کی ادائیگی بھی وراثت کی تقسیم سے پہلے ضروری ہے۔ نیز عورت کا حصہ شرعی اس مرکے علاوہ ہو گا۔

(۱) بایس طور کہ وصیت کے ذریعے سے کسی دارث کو محروم کر دیا جائے یا کسی کا حصہ گھٹا بڑھا دیا جائے یا یوں ہی وارثوں کو نقصان پہنچائے کے لئے کہہ دے کہ فلاں شخص سے میں نے اتنا قرض لیا ہے درآں حالیکہ کچھ بھی نہ لیا ہو۔ گویا اضرار کا تعلق وصیت اور دین دونوں سے ہے اور دونوں کے ذریعے سے نقصان پہنچانا منوع اور کبیرہ گناہ ہے۔ نیز اسی وصیت بھی باطل ہو گی۔

(۲) یہ بدکار عورتوں کی بدکاری کی وہ سزا ہے جو ابتدائے اسلام میں، جب کہ زنا کی سزا متعین نہیں ہوئی تھی، عارضی

راستہ نکالے۔^(۱)

تم میں سے جو دو افراد ایسا کام کر لیں^(۲) انھیں ایذا دو^(۳)
اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیرلو، بے
شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا
ہے۔^(۴)

اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ
نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آ جائیں
اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے،
اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔^(۵)

ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک
کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ

وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَإِذْ وُهْمَهُمْ قَاتَنْتَهَا بَأْوَأْصْلَحَهَا
فَإِغْرِضُوهُمْ عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّجِيْمًا^(۶)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشَّوَّءَ بِجَهَّالَةٍ
ثُمَّ يَتُوَبُونَ مِنْ قَرْبَيْهِ فَأُولَئِكَ يَتُوَبُ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ فَوَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا^(۷)

وَلَكِيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الشَّيْئَاتِ حَتَّى
إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ اثْنَانَ

طور پر مقرر کی گئی تھی ہاں یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں ایک سے دس تک کی گنتی میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ عدد
نمذک ہو گا تو محدود مومنت ہو گا تو محدود نہ کر۔ یہاں اربعہ (یعنی ۳ کا عدد) مومنت ہے، اس لئے اس کا محدود
جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور محفوظ ہے، یقیناً ذکر آئے گا اور وہ ہے رجال یعنی اربعہ رجال جس سے یہ بات واضح طور پر
معلوم ہوتی ہے کہ اثبات زنا کے لئے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا خت مقرر کی گئی ہے،
اس کے اثبات کے لئے گواہوں کی کڑی شرط عائد کردی گئی ہے یعنی چار مسلمان مرد یعنی گواہ، اس کے بغیر شرعی سزا کا
اثبات ممکن نہیں ہو گا۔

(۱) اس راستے سے مراد زنا کی وہ سزا ہے جو بعد میں مقرر کی گئی یعنی شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لئے رجم
اور غیر شادی شدہ بدکار مرد و عورت کے لئے سو کوڑے کی سزا۔ (جس کی تفصیل سورہ نور اور احادیث صحیحہ میں
موجود ہے)

(۲) بعض نے اس سے افلام بازی مرادی ہے یعنی عمل احوالات۔ دو مردوں کا ہی آپس میں بد فعلی کرنا اور بعض نے اس
سے باکرہ مرد و عورت مراد لئے ہیں اور اس سے قبل کی آیت کو انہوں محسنات یعنی شادی شدہ کے ساتھ خاص کیا ہے
اور بعض نے اس تثنیہ کے صیغہ سے مرد اور عورت مراد لئے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ باکرہ ہوں یا شادی شدہ۔ ابن
جریر طبری نے دوسرے مفہوم یعنی باکرہ (مرد و عورت) کو ترجیح دی ہے۔ اور پہلی آیت میں بیان کردہ سزا کو بنی اسرائیل کی
بتلائی ہوئی سزا سزاۓ رجم سے اور اس آیت میں بیان کردہ سزا کو سورہ نور میں بیان کردہ سو کوڑے کی سزا سے منسخ
قرار دیا ہے۔ (تفیری طبری)

(۳) یعنی زبان سے زجر و توبخ اور ملامت یا ہاتھ سے کچھ زد و کوب کر لینا۔ اب یہ منسون ہے، جیسا کہ گزر۔

دے کہ میں نے اب توبہ کی^(۱) اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر پر ہی مر جائیں، یہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۸)

ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی صورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو^(۲) انہیں اس لئے روکنے رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے کچھ لے لو^(۳) ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں^(۴) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودو باش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔ (۱۹)

اور اگر تم ایک یوں کی جگہ دوسری یوں کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کاخزانہ دے رکھا ہو تو بھی

وَلَا الَّذِينَ يَمْوِلُونَ وَهُمْ لَغَافِرُونَ أُولَئِكَ
أَغْنَتْنَا اللَّهُمَّ عَذَابَ الْيَمِنِ

يَا أَيُّهُ الَّذِينَ امْتَوْلَدْجَلُ لَكُمْ آنَ شَرِّ الْتَّسَاءَ كَرَهُهَا وَلَا
تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذَهَّبُوا بِعِصْمِ مَا أَتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَالِمُونَ هُنْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ
فَعَسَىَ أَنْ يَكُوْهُوا سَيِّئًا وَمَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَشْتَبِدَّا إِلَّا رُوْجَ مَكَانَ رُوْجَ وَإِنْتَشَرَ حَدْمُهُنَّ
قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ سَيِّئًا أَتَأْخُذُونَهُ بِهَتَا؟

(۱) اس سے واضح ہے کہ موت کے وقت کی گئی توبہ غیر مقبول ہے، جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے اس کی ضروری تفصیل آل عمران کی آیت ۹۰ میں گزر چکی ہے۔

(۲) اسلام سے قبل عورت پر ایک یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ شوہر کے مرجانے پر اس کے گھر کے لوگ اس کے مال کی طرح اس کی عورت کے بھی زبردستی و ارث بن بینتھے تھے اور خود اپنی مرضی سے، اس کی رضامندی کے بغیر اس سے نکاح کر لیتے یا اپنے بھائی، بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیتے، حتیٰ کہ سوتیلا بینا تک بھی مرنے والے باپ کی عورت سے نکاح کر لیتایا اگر چاہتے تو اسے کسی بھی جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتے اور وہ ساری عمر یوں ہی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع فرمادیا۔

(۳) ایک ظلم یہ بھی عورت پر کیا جاتا تھا کہ اگر خاوند کو وہ پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھنکارا حاصل کرنا چاہتا تو از خود اس کو طلاق نہ دیتا (جس طرح ایسی صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے) بلکہ اسے خوب تنگ کرتا ہے کہ وہ مجبور ہو کر حق مربا جو کچھ خاوند نے اسے دیا ہوتا، از خود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے۔ اسلام نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

(۴) کھلی برائی سے مراد بد کاری یا بد زبانی اور نافرمانی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں البتہ یہ اجازت دی گئی ہے کہ خاوند اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے کہ وہ اس کا دیا ہوا مال یا حق مربا واپس کر کے خلخ کرانے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ خلخ کی صورت میں خاوند کو حق مربا واپس لینے کا حق دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹)

(۵) یہ یوں کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے اس

وَإِنَّا مِنْهُمْ بِمُيْنَا ①

اس میں سے کچھ نہ لو^(۱) کیا تم اسے ناچ اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے۔^(۲۰)

تم اسے کیسے لے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو^(۳)
اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عمد و پیان لے رکھا ہے۔^(۴)
اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں
نے نکاح کیا ہے^(۵) مگر جو گزر چکا ہے، یہ بے حیائی کا کام

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَآخَذُنَّ مِنْكُمْ
تِبْيَانًا قَاتِلًا ②

وَلَا تَنْكِحُوا نَافِحَةً أَبَا أُوكُلُّتِنَ النَّسَاءَ إِلَّا مَا قَدْ سَعَتْ

کی بڑی وضاحت اور تأکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے «لَا يَنْهَا مُؤْمِنَةٌ إِنْ سَخَطَ مِنْهَا خُلُقًا، رَضِيَّ مِنْهَا آخَر» (صحیح مسلم۔ کتاب الرضا) ”مؤمن مرد (شوہر) موسمنہ عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عارت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہو گی“ مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اور نشوز و عصیان کے علاوہ اگر بیوی میں کچھ اور کوتا ہیاں ہوں جن کی وجہ سے خاوند اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر اور برداشت سے کام لے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس کے لئے خیر کشیر پیدا فرمادے یعنی نیک اولادے دے یا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے۔ وغیرہ وغیرہ۔ افسوس ہے کہ مسلمان قرآن و حدیث کی ان ہدایات کے بر عکس ذرا ذرا اسی باتوں میں اپنی یو یوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں اور اس طرح اسلام کے عطا کردہ حق طلاق کو نہایت ظالمانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق تو انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کے لئے دیا گیا تھا، نہ کہ گھر اجاڑنے، عورتوں پر ظلم کرنے اور بچوں کی زندگیاں خراب کرنے کے لئے۔ علاوہ ازیں اس طرح یہ اسلام کی بد ناتی کا بھی باعث بنتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دے کر عورت پر ظلم کرنے کا اختیار اسے دے دیا۔ یوں اسلام کی ایک بست بڑی خوبی کو خرابی اور ظلم باور کرایا جاتا ہے۔

(۱) خود طلاق دینے کی صورت میں حق مرد اپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ فِنَطَارٌ خزانے اور مال کشیر کو کہتے ہیں یعنی کتنا بھی حق مرد دیا ہو اپس نہیں لے سکتے۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ ظلم (بہتان) اور کھلا گناہ ہو گا۔

(۲) ”ایک دوسرے سے مل چکے ہو“ کا مطلب ہم بستری ہے۔ ہے اللہ تعالیٰ نے کنایت یہ بیان فرمایا ہے۔

(۳) ”مضبوط عمد و پیان“ سے وہ عمد مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم ”اسے اچھے طریقے سے آباد کرنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا“

(۴) زمانہ جاہلیت میں سوتیلے بنیے اپنے باپ کی بیوی سے (یعنی سوتیلی ماں سے) نکاح کر لیتے تھے، اس سے روکا جا رہا ہے، کہ یہ بست ہی بے حیائی کا کام ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا نَافِحَةً أَبَا أُوكُلُّتِنَ﴾ کا عموم ایسی عورت سے نکاح کو منوع قرار دیتا ہے جس سے اس کے باپ نے نکاح کیا لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت ابن عباس بن عثیمین سے بھی یہ بات مردی ہے۔ اور علماء اسی کے قائل ہیں (تفیر طبری)

اور بعض کا سبب ہے اور بڑی بری را ہے۔ (۲۲) حرام کی گئیں^(۱) تم پر تمہاری ماں میں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بھینیں، تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خلاں میں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ ماں میں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بھینیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پروش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کرچکے ہو، ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صلبی سے بیٹوں کی بیویاں اور

إِنَّهُ كَانَ فَاجِحَةَ وَمَقْتَلَةً وَسَاءَ سَيِّلًا ﴿٦﴾

حُرِمَتْ عَلَيْكُمْ أَمْهَاتُكُمْ وَبَنِتُكُمْ وَأَخْوَاتُكُمْ وَعَنْتُكُمْ وَخَلْتُكُمْ
وَبَنْتُ الْأَعْوَادِ وَبَنْتُ الْأَخْرَى وَأَمْهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْتُمْ وَأَخْوَاتُكُمْ
مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأَمْهَاتُ نِسَاءِكُمْ وَرَبَّاتُكُمُ الَّتِي فِي جُهُورِكُمْ
مِنْ نِسَاءِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ قَاتِلُتُكُمْ وَدَخَلْتُمْ بِهِنَّ
فَلَأَجْنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَالِيْلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ
وَأَنْ يَجْمِعُوا بَيْنَ الرُّغْنَيْنِ إِلَامًا قَدْ سَلَّفَ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧﴾

(۱) جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ ان میں سات محربات نسب، سات رضاعی اور چار سرالی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث رسول سے ثابت ہے کہ بھتیجی اور پھوپھی اور بھائی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ سات نسبی محربات میں ماں میں، بیٹیاں، بھینیں، پھوپھیاں، خلاں میں، بھتیجی اور بھائی ہیں اور سات رضاعی محربات میں رضاعی ماں میں، رضاعی بیٹیاں، رضاعی بھینیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خلاں میں رضاعی بھتیجیاں اور رضاعی بھائیاں اور سرالی محربات میں ساس، رباپ (مدخلہ بیوی کی پسلے خاوند سے لڑکیاں) بسو اور دو سنگی بہنوں کا جمع کرنا ہے۔ ان کے علاوہ باپ کی منکوحہ (جس کا ذکر کراس سے پہلی آیات میں ہے) اور حدیث کے مطابق بیوی جب تک عقد نکاح میں ہے اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ اور اس کی بھائی سے بھی نکاح حرام ہے۔ محربات نسبی کی تفصیل: اُمَّهَاتُ (ماں میں) میں ماؤں کی ماں میں (بیانیاں) ان کی دادیاں اور باپ کی ماں میں (دادیاں، پردادیاں اور ان سے آگے تک) شامل ہیں۔ بَنَاتُ (بیٹیاں) میں پوتیاں، نواسیاں اور پوتیوں، نواسیوں کی بیٹیاں (ینچے تک) شامل ہیں۔ زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی، بیٹی میں شامل ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ اُمَّهَ ثالثاً سے بیٹی میں شامل کرتے ہیں اور اس سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں۔ البتہ امام شافعی کہتے ہیں کہ وہ بنت شرعی نہیں ہے۔ پس جس طرح ﴿يُؤْصِنُكُوكُلَّهُ فِي أَوْلَادِكُم﴾ (الله تعالیٰ تمہیں اولاد میں مال متزوکہ تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے) میں داخل نہیں اور بالا جماع وہ وارث نہیں۔ اسی طرح وہ اس آیت میں بھی داخل نہیں۔ والله اعلم (ابن کثیر) أَخْوَاتُ (بھینیں) یعنی ہوں یا اخیانی و علائی عَمَّاتُ (پھوپھیاں) اس میں باپ کی سب مذکور اصول یعنی نانا، دادا کی تینوں قسموں کی بھینیں شامل ہیں۔ خَالَاتُ (خلاں میں) اس میں ماں کی سب مذکور اصول (یعنی نانی دادی) کی تینوں قسموں کی بھینیں شامل ہیں۔ بھتیجیاں، اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ اور بلا بواسطہ (یا صلبی و فرعی) شامل ہیں۔ بھائیاں، اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد بواسطہ و بلا بواسطہ (یا صلبی و فرعی) شامل ہیں۔

تمہارا دو بھنوں کا جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا، یقیناً اللہ
تعالیٰ بخشے والا امیران ہے۔ (۲۳)

قسم دوم، محمرات رضاعیہ: رضاعی مال، جس کا دوہ تم نے مدت رضاعت (یعنی دو سال) کے اندر پیا ہو۔ رضاعی بسن، وہ عورت جسکو تمہاری حقیقی یا رضاعی مال نے دوہ پلایا، تمہارے ساتھ پلایا یا تم سے پسلے یا بعد تمہارے اور بہن بھائیوں کے ساتھ پلایا۔ یا جس عورت کی حقیقی یا رضاعی مال نے تمہیں دوہ پلایا، چاہے مختلف اوقات میں پلایا ہو۔ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتہ حرام ہو جائیں گے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رضاعی مال بننے والی عورت کی نسبی و رضاعی اولاد دوہ پینے والے بچے کی بسن بھائی، اس عورت کا شوہر اس کا باپ اور اس مرد کی بھینیں، اس کی پھوپھیاں، اس عورت کی بھینیں، خلا کیں اور اس عورت کے جیٹھے، دیور، اس کے رضاعی پچا، تایا بن جائیں گے اور اس دوہ پینے والے بچے کی نسبی بسن بھائی وغیرہ اس گھرانہ پر رضاعت کی بنا پر حرام نہ ہونگے۔

قسم سوم سرالی محمرات: یہوی کی مال یعنی ساس (اس میں یہوی کی نالی دادی بھی داخل ہے) اگر کسی عورت سے نکاح کر کے بغیر ہم بستری کے ہی طلاق دے دی ہو، تب بھی اس کی مال (ساس) سے نکاح حرام ہو گا۔ البتہ کسی عورت سے نکاح کر کے اسے بغیر مبادرت کے طلاق دے دی ہو تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہو گا۔ (فتح القدير)

رَبِّيْنَةَ: یہوی کے پسلے خاوند سے لڑکی۔ اسکی حرمت مشروط ہے یعنی اس کی مال سے اگر مبادرت کر لی گئی ہو گی تو ریبہ سے نکاح حرام، بصورت دیگر حلال ہو گا۔ فیْ حَخْزُورِكُمْ (وہ ریبہ جو تمہاری گود میں پرورش پائیں) یہ قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے، بطور شرط کے نہیں ہے۔ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بھی زیر پرورش یا مقیم ہو گی۔ تب بھی اس سے نکاح حرام ہو گا۔ حَلَالُ يَهْ حَلِيلَةَ کی جمع ہے یہ حل محل (اترنا) سے فَعِيلَةَ کے وزن پر بمعنی فاعلہ ہے۔ یہوی کو حلیلہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے یہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔ بیٹوں میں پوتے نواسے بھی داخل ہیں یعنی انکی یہویوں سے بھی نکاح حرام ہو گا۔ اسی طرح رضاعی اولاد کے جوڑے بھی حرام ہوں گے مِنْ أَصْلَابِكُمْ (تمہارے صلبی بیٹوں کی یہویوں) کی قید سے یہ واضح ہو گیا کہ لے پالک بیٹوں کی یہویوں سے نکاح حرام نہیں ہے۔ دو بھینیں (رضاعی ہوں یا نسبی) ان سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ البتہ ایک کی وفات کے بعد دی طلاق کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد دوسرا بھن سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح چار یہویوں میں سے ایک کو طلاق دینے سے پانچوں نکاح کی اجازت نہیں جب تک طلاق یافتہ عورت عدت سے فارغ نہ ہو جائے۔

ملحوظہ: زنا سے حرمت ثابت ہو گی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بد کاری کی تو اس بد کاری کی وجہ سے وہ عورت اس پر حرام نہیں ہو گی اسی طرح اگر انکی یہوی کی مال (ساس) سے یا اسکی بیٹی سے (جود و سرے دی طلاق کے لئے دیکھئے، فتح القدير) احتفاظ اور دیگر بعض علمائی رائے میں زنا کاری سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اول الذکر مسلم کی تائید بعض احادیث سے ہوتی ہے۔

وَالْمُحَصَّنُ مِنَ النِّسَاءِ لَا مَأْمُلَكُتْ أَيْمَانُكُمْ بِعَذَابٍ
إِنَّهُ عَلَيْكُمْ وَأَجْلُ لَكُمْ مَا تَدْرِي إِذْ لَكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا مَا نَهَاكُمْ
عَنْهُ مُفْرِحُونَ عَيْرُ مُسْفِرِحِينَ قَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَإِنُّهُنَّ
أَجْوَهُنَّ قِرْبَةٌ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ هِمَّا تَرَصَّدُوْهُ مِنْ بَعْدِ
الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِمَا حِكْمَةً ۝

اور (حرام کی گئیں) شوہروالی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آجائیں،^(۱) اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں، اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے میرے تم ان سے نکاح کرنا چاہو بरے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لئے،^(۲) اس لیے جن سے تم

(۱) قرآن کریم میں إِخْصَانٌ چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ (۱) شادی (۲) آزادی (۳) پاک دامتی (۴) اور اسلام۔ اس اعتبار سے محسنات کے چار مطلب ہیں (۱) شادی شدہ عورتیں (۲) آزاد عورتیں (۳) پاک دامتی عورتیں (۴) اور مسلمان عورتیں۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب بعض جنگوں میں کافروں کی عورتیں بھی مسلمانوں کی قید میں آگئیں تو مسلمانوں نے ان سے ہم بستری کرنے میں کراہت محسوس کی کیونکہ وہ شادی شدہ تھیں۔ صحابہ رض نے نبی ﷺ سے پوچھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) جس سے یہ معلوم ہوا کہ جنگ میں حاصل ہونے والی کافر عورتیں، جب مسلمانوں کی لوئڈیاں بن جائیں تو شادی شدہ ہونے کے باوجود ان سے مباشرت کرنا جائز ہے۔ البتہ استبرائے رحم ضروری ہے۔ یعنی ایک حیض آنے کے بعد یا حاملہ ہیں تو وضع محل کے بعد ان سے جنسی تعلق قائم کیا جائے۔

لوئڈی کا مسئلہ: نزول قرآن کے وقت غلام اور لوئڈیوں کا سلسلہ عام تھا جسے قرآن نے بند نہیں کیا، البتہ ان کے بارے میں ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ جس سے غلاموں اور لوئڈیوں کو زیادہ سے زیادہ سوتیں حاصل ہوں تاکہ غلامی کی حوصلہ ٹھکنی ہو۔ اس کے دو ذریعے تھے۔ ایک تو بعض خاندان صدیوں سے ایسے چلے آ رہے تھے کہ ان کے مرد اور عورت فروخت کر دیئے جاتے تھے۔ یہی خریدے ہوئے مرد و عورت غلام اور لوئڈی کملاتے تھے۔ مالک کو ان سے ہر طرح کے استمتع (فائدہ اٹھانے) کا حق حاصل ہوتا تھا۔ دوسرا ذریعہ جنگ میں قیدیوں والا تھا، کہ کافروں کی قیدی عورتوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور وہ ان کی لوئڈیاں بن کر ان کے پاس رہتی تھیں۔ قیدیوں کے لیے یہ بہترین حل تھا۔ کیونکہ اگر انہیں معاشرے میں یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو معاشرے میں ان کے ذریعے سے فساد پیدا ہوتا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "الرق فی الاسلام" اسلام میں غلامی کی حقیقت از مولانا سعید احمد اکبر آبادی) بہر حال مسلمان شادی شدہ عورتیں تو یہی ہی حرام ہیں تاہم کافر عورتیں بھی حرام ہی ہیں الایہ کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ اس صورت میں استبرائے رحم کے بعد وہ ان کے لیے حلال ہیں۔

(۲) یعنی مذکورہ محربات قرآنی اور حدیثی کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ چار چیزیں اس میں ہوں۔ اول یہ کہ طلب کرو آن تَبْتَغُوا یعنی دونوں طرف سے ایجاد و قبول ہو۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مراد ادا کرنا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان کو شادی کی قید (دائیگی قبضے) میں لانا مقصود ہو۔ صرف شہوت رانی غرض نہ ہو (جیسے زنا میں یا اس

فائدہ اخھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مردے دو،^(۱) اور مر
مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے
کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں،^(۲) بے شک اللہ تعالیٰ
علم والا حکمت والا ہے۔ (۲۳)

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے
نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان
لوئذیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ
تمہارے اعمال کو بخوبی جانتے والا ہے، تم سب آپس میں
ایک ہی تو ہو، اس لئے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان
سے نکاح کرلو،^(۳) اور قاعدہ کے مطابق ان کے مردان کو
دو، وہ پاک دامن ہوں نہ کہ علائیہ بدکاری کرنے
والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، پس جب یہ لوئذیاں
نکاح میں آجائیں پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں تو انہیں

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْهُمْ طَوْلًا أَنْ يَتَكَبَّرَ الْمُحَصَّنُونَ
فَإِنْ تَأْنِكُنَّ إِيمَانَكُمْ فَلَا يَنْهَا اللَّهُمَّ إِنَّ اللَّهَ أَغَمَّ
بِإِيمَانِكُمْ بِعَضُوكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَإِنْ يَجْوَهُنَّ بِإِذْنِ
أَهْلِهِنَّ وَأَتُوهُنَّ أَجْوَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحَصَّنٌ عَدْمُ مُسْفِحَةٍ
وَلَا مُتَّخِذٌ أَخْدَانٍ فَإِذَا أَحْسِنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِنَاصِحَةٍ
فَعَلَيْهِنَّ نَصِفُ مَا عَلَى الْمُحَصَّنِ مِنْ العَذَابِ ذَلِكَ
لِمَنْ خَشِنَ الْعَنْتَ مِنْكُمْ وَأَنَّ تَصِيرُوا إِخْرَاجَكُمْ
وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ④

متعہ میں ہوتا ہے جو شیعوں میں راجح ہے یعنی جنسی خواہش کی تسلیم کے لیے چند روز یا چند گھنٹوں کا نکاح۔ چو تھی، یہ
کہ چھپی یا ری دوستی نہ ہو بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔ یہ چاروں شرطیں اس آیت سے مستفادہ ہیں۔ اس
سے جہاں شیعوں کے متعہ کا بطلان ہوتا ہے وہیں مروجہ حلالہ کا بھی ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی
عورت کو نکاح کی دائی قید میں لانا نہیں ہوتا، بلکہ عرف ایک رات کے لیے مقرر اور معہود زہنی ہے۔
(۱) یہ اس امر کی تاکید ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح شرعی کے ذریعے سے استمتع اور تلذذ کرو۔ انہیں ان کا مقرر
کر دہ مر ضرور ادا کرو۔

(۲) اس میں آپس کی رضامندی سے مریم کی بیشی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

ملحوظہ: ”استمتع“ کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متعہ کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد نکاح کے بعد
صحبت و مباشرت کا استمتع ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ متعہ ابتدائی اسلام میں جائز رہا ہے اور اس کا جواز
اس آیت کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ اس رواج کی بنیاد پر تھا جو اسلام سے قبل چلا آ رہا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے نہایت واضح
الفاظ میں اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ لوئذیوں کا مالک ہی لوئذیوں کا ولی ہے، لوئذی کا کسی جگہ نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا
جا سکتا۔ اسی طرح غلام بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ نکاح نہیں کر سکتا۔

آدمی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔^(۱)
 کنیزوں سے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان لوگوں کے لئے
 ہے جنمیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا
 بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت
 والا ہے۔^(۲) (۲۵)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان
 کرے اور تمہیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر
 چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے، اور اللہ تعالیٰ جانے
 والا حکمت والا ہے۔^(۳) (۲۶)

اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ
 خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت
 دور ہو جاؤ۔^(۴) (۲۷)

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے کیونکہ انسان
 کمزور پیدا کیا گیا ہے۔^(۵) (۲۸)

اے ایمان والوں اپنے آپ کے مال ناجائز طریقہ سے
 مت کھاؤ،^(۶) مگر یہ کہ تمہاری آپ کی رضامندی سے

بِرِّيْدُ اللَّهُ لِبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهُدِيْمُ سَنَّ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
 وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَأَنَّهُ عَلَيْهِ حَكِيمٌ

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَعُوْبَ عَلَيْكُمْ وَبِرِّيْدُ الَّذِينَ يَتَّمِعُونَ الشَّهَوَةَ

أَنْ يَبْيُأُ مِنَ الْعَظِيْمَ

بِرِّيْدُ اللَّهُ أَنْ يُغَفِّنَ عَنْكُمْ وَحْدَيْقَ إِلَيْسَانُ صَيْعِيْماً

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا مَوَالِكَ لِكُنْدَلَمْ يَا بَاطِلَ

(۱) یعنی لوندیوں کو سو (۱۰۰) کے بجائے (نصف یعنی) پچاس کوڑوں کی سزادی جائے گی۔ گویا ان کے لیے سزاۓ رجم نہیں

ہے کیونکہ وہ نصف نہیں ہو سکتی اور غیر شادی شدہ لوندی کو تعریری سزا ہوگی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

(۲) یعنی لوندیوں سے شادی کی اجازت ایسے لوگوں کے لیے ہے جو جوانی کے جذبات پر کشوں رکھنے کی طاقت نہ رکھتے
 ہوں اور بد کاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کسی آزاد
 خاندانی عورت سے شادی کے قابل نہ ہو جائے۔

(۳) أَنْ تَمِيلُوا یعنی حق سے باطل کی طرف جھک جاؤ۔

(۴) اس کمزوری کی وجہ سے اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ممکن آسانیاں اسے فراہم
 کی ہیں۔ انسیں میں سے لوندیوں سے شادی کی اجازت ہے۔ بعض نے اس ضعف کا تعلق عورتوں سے بتایا ہے یعنی عورت
 کے بارے میں کمزور ہے، اسی لیے عورتیں بھی باوجود نقصان عقل کے، اس کو آسانی سے اپنے دام میں پھسالیتی ہیں۔

(۵) بَاطِلٌ میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ وہ تمام کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع

ہو خرید و فروخت،^(۱) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مریان ہے۔^(۲۹)

اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا^(۳۰) تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے۔^(۳۰)

اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا^(۳۱) ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے۔^(۳۱)

اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں سے جسہ ہے جوانوں نے کمیا اور عورتوں کے

إِلَآنٌ تَلَوْنَ بِجَاهَةٍ عَنْ تَرَايِضِ مَكْلُومٍ وَلَا هَتَّلَوْا أَنفَسَكُمْ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ يَكْرُمُ رَحِيمًا^(۱)

وَمَنْ يَقْعُلْ ذَلِكَ عَدُوًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهُ نَارًا وَكَانَ
ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا^(۲)

إِنْ تَجْنِبُوا الْبَلَرَ وَأَنْهَوْنَ عَنْهُ نُكْفَرٌ عَنْكُمْ سَيَأْلُكُمْ
وَنُنْذِلُ خَلْكُمْ مُذَلَّلًا كَرِيمًا^(۳)

وَلَا تَسْتَهِنُوا مَا أَنْتُمْ^۱ اللَّهُ يَهُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ
مِمَّا الْكَنْبُوامُ وَلِلْنِسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا الْكَنْبُونَ وَسَعْلُو اللَّهَ^(۴)

کیا ہے، جیسے قمار، ربا، وغیرہ۔ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے۔ مثلاً بلا ضرورت فونوگرافی، ریڈیو، تلویزیون اور فلمیں اور نخش کیسٹیں وغیرہ۔ ان کا بناتا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔ (۱) اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیا کا ہو۔ حرام اشیا کا کاروبار باہمی رضامندی کے باوجود ناجائزی رہے گا۔ علاوہ ازیں رضامندی میں خیار مجلس کاملہ بھی آ جاتا ہے یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سودا فتح کرنے کا اختیار رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے **البَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا** اصحیح بخاری و مسلم۔ کتاب **البیع**، ”دونوں باہم سودا کرنے والوں کو جب تک جدا نہ ہوں، اختیار ہے۔“

(۲) اس سے مراد خود کشی بھی ہو سکتی جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔

(۳) یعنی منہیات کا ارتکاب، جانتے بوجھتے، ظلم و تعدی سے کرے گا۔

(۴) کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ گناہ ہیں جن پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ جس پر قرآن میں یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے، بعض کہتے ہیں ہر وہ کام جس سے اللہ نے یا اس کے رسول نے بطور تحريم کے روکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی گناہ میں پائی جائے تو وہ کبیرہ ہے۔ احادیث میں مختلف کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے جنہیں بعض علمانے ایک کتاب میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے الكبائر للذهبی، الرواجر عن اقتراف الكبائر للهیتمی وغیرہ۔ یہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان کبیرہ گناہوں مثلاً شرک، عقوق والدین، جھوٹ وغیرہ سے احتساب کرے گا تو ہم اس کے صغيرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ سورہ نجم میں بھی یہ

لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمیا، اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو،^(۱) یقیناً اللہ ہر چیز کا جانے والا ہے۔^(۲)

ماں باپ یا قرابت دار جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیے ہیں^(۳) اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں معاملہ کیا ہے انہیں ان کا حصہ دو حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔^(۴)

مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

وَلَكُلِّ جَعْلَنَا مَوْلَىٰ وَمَنْأَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ نَصِيبُهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

مضمون بیان کیا گیا ہے، البتہ وہاں کبار کے ساتھ فواحش (بے جیائی کے کاموں) سے اجتناب کو بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ علاوه ازیں صغیرہ گناہوں پر اصرار و مداومت بھی صغیرہ گناہوں کو کبار بنادیتے ہیں۔ اسی طرح اجتناب کبار کے ساتھ احکام و فرائض اسلام کی پابندی اور اعمال صالحہ کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے۔ صحابہ کرام رض نے شریعت کے اس مزاج کو سمجھ لیا تھا، اس لئے انہوں نے صرف وعدہ مغفرت پر ہی تکمیل نہیں کیا، بلکہ مغفرت و رحمت الہی کے یقینی حصول کے لیے مذکورہ تمام ہی باتوں کا اہتمام کیا۔ جب کہ ہمارا دامن عمل سے تو خالی ہے لیکن ہمارے قلب امیدوں اور آرزوؤں سے معمور ہیں۔

(۱) اس کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رض نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شادت پاتے ہیں۔ ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں۔ ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۲۲) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہئے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح، ان کا پورا پورا صلحہ انسیں ملے گا۔ علاوه ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہئے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد، صلاحیت اور قوت کا کام جو فرق ہے، وہ تقدیرت کا ایک اعلیٰ فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

(۲) مَوْلَىٰ کی جمع ہے۔ مَوْلَىٰ کے کمی معنی ہیں دوست، آزاد کر دہ غلام، چچا زاد، پڑو سی۔ لیکن یہاں اس سے مراد ورثا ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مرد عورت جو کچھ چھوڑ جائیں گے، اس کے وارث ان کے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے۔

(۳) اس آیت کے مکمل یا منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر طبری وغیرہ اسے غیر منسوخ

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں،^(۱) پس نیک

أَتَرْجَمَ قَوْمٌ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَلَ اللَّهُ بَعْضَهُ عَلَى
بَعْضٍ ۚ أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالظِّلْحُ فِتْنَةٌ لِّجِهَتِ

(محکم) مانتے ہیں اور آیمانُکُمْ (معاہدہ) سے مراد وہ حلف اور معاہدہ لیتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اسلام سے قبل دو شخص یا دو قبیلوں کے درمیان ہوا اور اسلام کے بعد بھی وہ چلا آ رہا تھا۔ نَصِيَّبُهُمْ (حصہ) سے مراد اسی حلف اور معاہدے کی پابندی کے مطابق تعاون و تناصر کا حصہ ہے اور ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ آیمانُکُمْ سے ان کے نزدیک وہ معاہدہ ہے جو هجرت کے بعد ایک انصاری اور مهاجر کے درمیان اخوت کی صورت میں ہوا تھا۔ اس میں ایک مهاجر، انصاری کے مال کا اس کے رشتہ داروں کی بجائے، وارث ہوتا تھا لیکن یہ چونکہ ایک عارضی انتظام تھا، اس لیے پھر ﴿وَإِذْلُولُ الْأَذْهَامِ بَعْضُهُمُ أَوْلَى بِتَعْقِيبٍ فِي كِتْبِ اللَّهِ﴾ (الأنفال: ۵۷) ”رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں“ نازل فرمائے منسوخ کر دیا گیا۔ اب ﴿فَإِنْهُمْ نَصِيَّبُهُمْ﴾ سے مراد دوستی و محبت اور ایک دوسرے کی مدد ہے اور بطور وصیت کچھ دے دینا بھی اس میں شامل ہے۔ موالات عقد، موالات حلف یا موالات اخوت میں اب وراثت کا تصور نہیں ہو گا۔ اہل علم کے ایک گروہ نے اس سے مراد ایسے دو شخصوں کو لیا جن میں سے کم از کم ایک لاوارث ہے۔ اور ایک دوسرے شخص سے یہ طے کرتا ہے کہ میں تمہارا مولیٰ ہوں۔ اگر کوئی جنایت کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مارا جاؤں تو میری دیت لے لینا۔ اس لاوارث کی وفات کے بعد اس کا مال مذکورہ شخص لے گا۔ بشرطیکہ واقعہ اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ بعض دوسرے اہل علم نے اس آیت کا ایک اور معنی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿وَالَّذِينَ عَذَّبْتَ آيَاتِنِّي﴾ سے مراد یہوی اور شوہر ہیں اور اس کا عطف الْأَقْرَبُونَ پر ہے۔ یعنی یہ ہیں کہ ”ماں باپ نے“ قرابت داروں نے اور جن کو تمہارا عمدہ دیا جائے اور آپس میں باندھ چکا ہے (یعنی شوہر یا یہوی) انہوں نے جو کچھ چھوڑا اس کے حقدار یعنی حصے دار ہم نے مقرر کر دیے ہیں۔ اللہ ان حقداروں کو ان کے حصے دے دو“ گویا پچھے آیات میراث میں تفصیلًا جو حصے بیان کئے گئے تھے یہاں اجمالاً ان کی ادائیگی کی تائید مزید کی گئی ہے۔

(۱) اس میں مرد کی حاکیت و قوامیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وہی ہے جو مردانہ قوت و دماغی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔ دوسری وجہ کسی ہے، جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنیالا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے جنسی اسلام نے عورت کی عفت و حیا اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لیے ضروری قرار دیا ہے، عورت کو معاشری جسمیلوں سے دور رکھا ہے۔ عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ”وَهُوَ قَوْمٌ هُرَّگُزْ فَلَاحٌ يَابْ نَمِیْسٌ ہوَگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیے۔“

فرمانبردار عورتیں خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمیس خوف ہوا نہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو،^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور برداشتی والا ہے (۳۴)

اگر تمیس میاں یوں کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھروں والوں میں سے مقرر کرو،^(۲) اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاب کرادے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا پوری خبر والا ہے۔ (۳۵)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو

لِلْغَيْبِ بِمَا حَفَظَ اللَّهُ وَالِّيَّنِ تَخَافُونَ شُوَّهَنَ فَيُظْهُنَ
وَاهْجُرُوهُنَ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَ قَانْ أَطْعَنَكُمْ
فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَ سَيِّلَادَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهَا كَيْمَرًا ^(۳)

وَإِنْ خَفْتُمُ شَقَاقَ بَيْنَهُمَا فَابْعُثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ
وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ تُرِنْدَا لِأَصْلَاحٍ يُوقِّعِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِمَا حَمِيرًا ^(۴)

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا شُرِكَ لَهُ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

(۱) نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کا نہ ہے، دوسرے نمبر پر ان سے وقتی اور عارضی علیحدگی ہے جو سمجھ دار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو ہلکی سی مار کی اجازت ہے۔ لیکن یہ مار و حشانہ اور ظالمانہ نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا وظیرو ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس ظلم کی اجازت کسی مرد کو نہیں دی ہے۔ اگر وہ اصلاح کر لے تو پھر راستہ تلاش نہ کرو یعنی مار پیٹ نہ کرو تنگ نہ کرو، یا طلاق نہ دو، گویا طلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب کوئی اور چارہ کار باتی نہ رہے۔ لیکن مرد اس حق کو بھی بست ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات میں فوراً طلاق دے ذاتے ہیں اور اپنی زندگی بھی برباد کرتے ہیں، عورت کی بھی اور بچے ہوں تو ان کی بھی۔

(۲) گھر کے اندر نہ کوہہ تینوں طریقے کا رگر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کما کہ حکمین (فصلہ کرنے والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً ان کی سعی اصلاح کامیاب ہو گی۔ تاہم ناکامی کی صورت میں حکمین کو تفریق ہیں ازوجین یعنی طلاق کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کو حاکم مجاز کے حکم یا زوجین کے توکیل بالفرقہ (جدائی کے لئے وکیل بنانا) کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور جسمور علماء اس کے بغیر اس اختیار کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر طبری، فتح القدیر تفسیر ابن کثیر

اور رشتہ داروں سے اور قیمتوں سے اور میکتوں سے اور قربات دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے^(۱) اور پلو کے ساتھی سے^(۲) اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں، (غلام کنیرا)^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شخی خوروں کو بند نہیں فرماتا۔^(۴) (۳۶)

جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں ہم نے ان کافروں کے لئے ذات کی مارتیار کر رکھی ہے۔ (۷)

اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرج کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نہیں اور ساتھی شیطان ہو،^(۵)

وَبَيْنِ الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَمَّىٰ وَالْمُسَكِّنِينَ وَالْجَارِ فِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارُ الْجُنُبُ وَالصَّاحِبُ يَا لِجَنْبُ وَابْنُ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُفَّارٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ غُنْتًا لِأَفْخُوزًا^(۶)

إِنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا أَنْشَأَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدُنَا لِلْكُفَّارِ إِنَّمَا يَأْمُرُنَا اللَّهُ وَلَا يَأْمُرُنَا إِلَيْهِ وَلَا يَنْهَا عَنِ الْمُحْسِنِينَ^(۷)

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنْ الشَّيْطَنُ

(۱) الْجَارِ الْجُنُبُ قربات دار پڑوی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ایسا پڑوی جس سے قربات داری نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوی سے بہ حیثیت پڑوی کے حسن سلوک کیا جائے، وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار جس طرح کہ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔

(۲) اس سے مراد رفیق سفر، شریک کار، یوں اور وہ شخص ہے جو فائدے کی امید پر کسی کی قربت و ہم نشیں اختیار کرے۔ بلکہ اس کی تعریف میں وہ لوگ بھی آئکتے ہیں جنہیں تحصیل علم، تعلم صناعت (کوئی کام سکھنے) کے لیے یا کسی کاروباری سلسلے میں آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے۔ (فتح القدير)

(۳) اس میں گھر، دکان اور کارخانوں، ملوں کے ملازم اور نوکر چاکر بھی آ جاتے ہیں۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید احادیث میں آئی ہے۔

(۴) فخر و غور اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ ”وَهُوَ مَنْ خَلَقَ جَنَّتَ مِنْ نَارٍ“ (صحیح مسلم کتاب الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه حدیث نمبر ۹۱) یہاں کبر کی بطور خاص نہ مذمت سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادات اور جن لوگوں سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس پر عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل کبر سے خالی ہو گا۔ مُتَكَبِّر اور مغفرور شخص صحیح معنوں میں نہ حق عبادات ادا کر سکتا ہے اور نہ اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام۔

(۵) بخل (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا) یا خرچ تو کرنا لیکن ریا کاری یعنی نمود و نمائش کے لیے کرنا۔ یہ دونوں باقیں

لَهُ قُرْيَا فَسَاءَ قَرْيَا ۝

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْلَا مُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِرُّهُمْ عَلَيْهِمْ ۝

وہ بد تین ساتھی ہے۔ (۳۸)

بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جوانیں دے رکھا ہے اس میں سے خرج کرتے، اللہ تعالیٰ انسیں خوب جانے والا ہے۔ (۳۹)

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دو گنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے۔ (۴۰)

پس کیا حال ہو گا جس وقت کہ ہرامت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنانا کر لائیں گے۔ (۴۱)

إِنَّ اللَّهَ لَأَلِيمٌ وَشَّاقٌ ذَرَّةٌ وَانْتُ حَسَنَةٌ يُضِعِّفُهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

فَلَيْلُهُ إِذَا حِمْنَاهُنْ كُلُّ أُمَّةٍ إِشْهِيدُ وَجْنَابَكَ عَلَىٰ هُوَ شَهِيدٌ ۝

اللہ کو سخت نہیں اور ان کی نہ موت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہاں قرآن کریم میں ان دونوں باتوں کو کافروں کا شیوه اور ان لوگوں کا وطیرہ بتایا گیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

(۱) ہرامت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دے گا کہ یا اللہ! ہم نے تو تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا، اب انہوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کرم ملئکِ الہم کی گواہی دیں گے کہ یا اللہ! یہ سچے ہیں۔ آپ ملئکِ الہم گواہی اس قرآن کی وجہ سے دیں گے جو آپ ملئکِ الہم پر نازل ہوا اور جس میں گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت بھی حسب ضرورت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک سخت مقام ہو گا، اس کا تصور ہی لرزہ برانداز کر دینے والا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کرم ملئکِ الہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی خواہش ظاہر فرمائی، وہ سناتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ ملئکِ الہم نے فرمایا بس، 'اب کافی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ ملئکِ الہم کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (صحیح بخاری فضائل القرآن) بعض لوگ کہتے ہیں کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لیے وہ "شہید" (گواہ) کے معنی "حاضر ناظر" کے کرتے ہیں اور یوں نبی ملئکِ الہم کو "حاضر ناظر" باور کرتے ہیں۔ لیکن نبی ملئکِ الہم کو حاضر ناظر سمجھنا، یہ آپ ملئکِ الہم کو اللہ کی صفت میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے کیوں کہ حاضر ناظر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ "شہید" کے لفظ سے ان کا استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ شادوت یقینی علم کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے اور قرآن میں میان کردہ حقائق و واقعات سے زیادہ یقینی علم کس کا ہو سکتا ہے؟ اسی یقینی علم کی بنیاد پر خود امت محمدیہ کو بھی قرآن نے ﴿شہدَهُ عَلَىٰ النَّاسِ﴾ (تمام کائنات کے لوگوں پر گواہ) کہا ہے۔ اگر گواہی کے لیے حاضر ناظر ہونا ضروری ہے تو پھر امت محمدیہ کے ہر فرد کو حاضر ناظر مانا پڑے گا۔ برعکالت نبی ملئکِ الہم کے بارے میں یہ عقیدہ مشرکانہ اور بے بنیاد ہے۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

جس روز کافر اور رسول کے نامن آرزو کریں گے کہ کاش! انہیں زمین کے ساتھ ہمار کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ (۳۲)

اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ،^(۱) جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے ن لگواور جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو،^(۲) ہاں اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے^(۳) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قفائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔^(۴) بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، سمجھنے والا ہے۔ (۳۳)

يَوْمَئِذٍ يَوْدَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْسَطُوا
بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَتَّمُمُونَ اللَّهَ حَدِيبَةً ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَإِنْ سُكْرٌ
حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقْوُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَلَيْهِ سَبِيلٌ
حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا، وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٌ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاهَةٍ
أَحَدُ مِنْكُمْ مِنَ الْفَارِطِ أَوْ لِمَسْتُمُ الْيَتَامَةَ فَلَا مَنْ يَجِدُ وَ
مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا اطْبَابًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ
وَلَنِيمَكُلْفَانَ اللَّهُ كَانَ عَفْوًا أَغْفُرًا ۝

(۱) یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا کہ ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دعوت میں شراب نوشی کے بعد جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو نشے میں قرآن کے الفاظ بھی امام صاحب غلط پڑھ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ترمذی، تفسیر سورۃ النساء) جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔ گویا اس وقت صرف نماز کے وقت کے قریب شراب نوشی سے منع کیا گیا۔ بالکل ممانعت اور حرمت کا حکم اس کے بعد نازل ہوا۔ (یہ شراب کی بابت دوسرا حکم ہے جو مشروط ہے)

(۲) یعنی نیاپاکی کی حالت میں بھی نماز مت پڑھو۔ کیونکہ نماز کے لیے طہارت ضروری ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسافری کی حالت میں اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھ لو (جیسا کہ بعض نے کہا ہے) بلکہ جسمور علام کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں تم مسجد کے اندر مت بیٹھو، البتہ مسجد کے اندر سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہو بعض صحابہ کے مکان اس طرح تھے کہ انھیں ہر صورت میں مسجد بنوی کے اندر سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ یہ رخصت ان ہی کے پیش نظر دی گئی ہے۔ (ابن کثیر اور نہ مسافر کا حکم آگے آ رہا ہے۔

(۴) بیمار سے مراد، وہ بیمار ہے جسے وضو کرنے سے نقصان یا بیماری میں اضافے کا اندیشہ ہو۔ (۲) مسافر عام ہے، المسافر کیا ہو یا مختصر۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیم کرنے کی اجازت ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں یہ اجازت تو مقیم کو بھی حاصل ہے، لیکن بیمار اور مسافر کو چونکہ اس قسم کی ضرورت عام طور پر پیش آتی تھی اس لیے بطور خاص ان کے لیے

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ (۳۴)

اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کادوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کامدگار ہونا بس ہے۔ (۳۵)

بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس کے بغیر کہ تو ساجئے^(۱) اور ہماری رعایت کرا (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پچھ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمابندواری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لغت کی ہے۔ پس یہ

أَلْفَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نِصْبَهَا مِنَ الْكِتَابِ يَشْرُونَ الصَّلَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضَلُّوا السَّبِيلَ ۝

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِآعْدَاءِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيَّا وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا بِحَرْقَوْنَ الْكَلِوَّعَ عَنْ تَمَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُشَمَّعَ وَرَأَيْنَا لَيْكَارَأْسِنَتَهُمْ وَطَعَنَتِ الرَّدِيْنَ وَلَوْلَاهُمْ قَاتُلَوْا سِمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظَرْنَا الْكَانَ خَيْرَ الْهُمْ وَأَفْوَمَ وَلِكَنْ لَعْنَهُمُ اللَّهُ يَكْفِي هُنْ فَلَائِيُّمُونَ إِلَاقْبِيلًا ۝

اجازت بیان کردی گئی ہے۔ (۳) قضاۓ حاجت سے آنے والا، ان کو بھی پانی نہ ملنے کی صورت میں تم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ تم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ ہاتھ زمین پر مار کر کلائی تک دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لے۔ (کہنیوں تک ضروری نہیں) اور منہ پر بھی پھیر لے قالَ فِي التَّيْمِمِ: «ضَرَبَةً لِلْوَجْهِ وَالْكَفَيْنِ» (مسند احمد۔ عمارہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۲) نبی ﷺ نے تم کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں ہتھیلوں اور چہرے کے لیے ایک ہی مرتبہ مارنا ہے۔ «صَعِيدًا أَطْبَيْنَا» سے مراد ”پاک مٹی“ ہے۔ زمین سے نکلنے والی ہر چیز نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت کردی گئی ہے۔ «جَعَلَتْ تُرْبَتَهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ» (اصحیح مسلم۔ کتاب المساجد) جب ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بنادی گئی ہے۔

(۱) یہودیوں کی خبائشوں اور شرارتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ”ہم نے سنا“ کے ساتھ ہی کہہ دیتے لیکن ہم نافرمانی کریں گے یعنی اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ دل میں کہتے یا اپنے ساتھیوں سے کہتے یا شوخ پشممانہ جسارت کا ارتکاب کرتے ہوئے منہ پر کہتے۔ اسی طرح غیر مُسْمَع (تیری بات نہ سنی جائے) یہ بد دعا کے طور پر کہتے یعنی تیری بات مقبول نہ ہو۔ رَاعِنَا کی بابت دیکھئے سورہ البقرۃ آیت ۱۰۲ کا حاشیہ۔

بَتْ هِيَ كَمْ إِيمَانٍ لَا تَهِيَّ (۳۶)

اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے، اس پر ایمان لاو اس سے پسلے کہ ہم چرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پینچہ کی طرف کر دیں،^(۲) یا ان پر لعنت بھیجنیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی^(۳) اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا گیا۔^(۴) (۳۷)

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشت اور اس کے سوا چاہے چاہے بخش دیتا ہے^(۵) اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔^(۶) (۳۸)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے، کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۷) (۳۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ أَمْنُوا بِمَا أَنزَلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ فَمِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْظِيمَ وُجُوهًا فَرَزَّهَا عَلَىٰ أَذْبَارِهَا أَوْ لَعْنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ الشَّيْطَنِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا

إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْفُرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ وَيَعْفُرُ مَا دُونَ ذِلْكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكَ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِشَاعَةَ غَيْرِهَا

أَلَّا تَرَى الَّذِينَ يَرْكُونَ أَنفُسَهُمْ دَبَّلَ اللَّهُ يُرَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَقَبِيلًا

(۱) یعنی ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں۔ پسلے گزر چکا ہے کہ یہود میں سے ایمان لانے والوں کی تعداد اس تک بھی نہیں پہنچت۔ یا یہ معنی ہیں کہ بہت ہی کم بالتوں پر ایمان لانے ہے۔ جب کہ ایمان نافع یہ ہے کہ سب بالتوں پر ایمان لایا جائے۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں تمہارے کروتوں کی پاداش میں یہ سزا دے سکتا ہے۔

(۳) یہ قصہ سورہ اعراف میں آئے گا، کچھ اشارہ پسلے بھی گزر چکا ہے۔ یعنی تم بھی ان کی طرح ملعون قرار پا سکتے ہو۔

(۴) یعنی جب وہ کسی بات کا حکم کر دے تو نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ اسے روک ہی سکتا ہے۔

(۵) یعنی ایسے گناہ جن سے مومن توبہ کیے بغیر ہی مر جائیں، اللہ تعالیٰ اگر کسی کے لیے چاہے گا، تو بغیر کسی قسم کی سزا دیئے معاف فرمادے گا اور بہت سوں کو سزا کے بعد اور بہت سوں کو نبی ﷺ کی شفاعت پر معاف فرمادے گا۔ لیکن شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہو گا کیونکہ شرک پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔

(۶) دوسرے مقام پر فرمایا ہے ﴿إِنَّ الشَّرْكَ لَكُلُومٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمان) ”شرک ظلم عظیم ہے“ حدیث میں اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الشَّرْكُ بِاللَّهِ ...

(۷) یہود اپنے منہ میاں مخصوص بننے تھے مثلاً ہم اللہ کے بیٹے ہیں وغیرہ، اللہ نے فرمایا ترکیہ کا اختیار بھی

دیکھو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں^(۱) اور یہ (حرکت) صریح گناہ ہونے کے لئے کافی ہے۔^(۲) ^(۵۰)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو بت کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔^(۳) ^(۵۱)

أَنْظُرْ كَيْفَ يَقْتَلُونَ عَلَى اللَّهِ الظَّنْ بَ وَكَفَرْ بَهُ
إِنَّمَا تَمْبَينَا^(۱)

أَنَّهُمْ تَرَى الَّذِينَ أَوْتُوا الصِّرَاطَ مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ
بِالْجُبْرِ وَالظَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ إِنَّمَا كُفُرُ وَاهْلَهُ
أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ امْتَوْسِيلًا^(۲)

اللہ کو ہے اور اس کا علم بھی اسی کو ہے۔ فتیل کھجور کی گشسل کے کٹاؤ پر جو دھاگے یا سوت کی طرح نکلتا یا دکھائی رہتا ہے اس کو کہا جاتا ہے۔ یعنی اتنا سالم بھی نہیں کیا جائے گا۔

(۱) یعنی مذکورہ دعوائے تزکیہ کر کے۔

(۲) یعنی ان کی یہ حرکت اپنی پاکیزگی کا ادعا ان کے کذب و افتراء کے لیے کافی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت اور اس کی شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کی مدح و توصیف بالخصوص تزکیہ نفوس کا دعویٰ کرنا صحیح اور جائز نہیں۔ اسی بات کو قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا۔ ﴿فَلَا يَرُونَ أَنفُسَهُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِهِنَّ أَنْتُمْ﴾ — (النجم: ۳۲) ”اپنے نفوس کی پاکیزگی اور ستائش مت کرو، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم میں متکی کون ہے؟“ حدیث میں ہے حضرت مقدم اد بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے ہمیں علم دیا کہ ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈال دیں“ آنَ تَحْمُلُ فِي وُجُوهِ الْمَدَاحِينَ التَّرَابَ (صحیح مسلم، کتاب الزحد) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو ایک دوسرے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے ساتھی ساتھی نے اپنے ساتھی کی گردان کاٹ دی ”پھر فرمایا کہ“ اگر تم میں سے کسی کو کسی کی لامحالہ تعریف کرنی ہے تو اس طرح کما کرے اُخْسِيْهَ كَذَا میں اسے اس طرح گمان کرتا ہوں۔ اللہ پر کسی کا تزکیہ بیان نہ کرے۔“ (صحیح بخاری کتاب الشہادات والادب۔ مسلم، کتاب الزهد)

(۳) اس آیت میں یہودیوں کے ایک اور فعل پر تجھب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ جنت (بت، کاہن یا ساحر) اور طاغوت (جمحوٹ معبودوں) پر ایمان رکھتے اور کفار مکہ کو مسلمانوں سے زیادہ بدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ جنت کے یہ سارے مذکورہ معنی کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے «إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالظَّرْقَ وَالطِّبَرَةَ مِنَ الْجِنَّتِ» (سنن ابی داود، کتاب الطب)، ”پرندے اڑا کر، خط کھینچ کر، بد خالی اور بد شگونی لینا یہ جنت سے ہیں۔“ یعنی یہ سب شیطانی کام ہیں اور یہود میں بھی یہ چیزیں عام تھیں۔ طاغوت کے ایک معنی شیطان بھی کیے گئے ہیں۔ دراصل معبودان باطل کی پرستش، شیطان ہی کی پرستش ہے۔ اس لیے شیطان بھی یقیناً طاغوت میں شامل ہے۔

کی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کر دے، تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔ (۵۲)

کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ کسی کو ایک کھجور کی گشٹلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔ (۵۳)

یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، (۲) پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے۔ (۵۴)

پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے، (۳) اور جنم کا جلانا کافی ہے۔ (۵۵)

جن لوگوں نے ہماری آئیوں سے کفر کیا، انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے (۴) جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنُ اللَّهُ فَلَنْ يَعْلَمَ
لَهُ نِصْيَرًا ۝

أَمَّرَهُمْ بِصَيْبَرٍ مِّنَ الْمُدُكْ قَادِ الْأَلَيْوَنَ النَّاسَ
نَقِيرًا ۝

أَمْ يَعْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا أَنْتُمْ بِهِ مِنْ فَضْلِهِ
فَقَدْ أَتَيْنَاكُمْ إِبْرَاهِيمَ الْكِبْرَى وَالْحَكْمَةَ
وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝

فَيَنْهَا مَنْ أَمَنَ بِهِ وَمِنْهَا مَنْ صَدَّعَهُ وَكُفَّى بِجَهَنَّمَ
سَعِيدًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا إِنَّا نَسُوقَ نُصْلِيهِمْ نَارًا هُكْمًا نَضْعِفُهُ

(۱) یہ استفهام انکاری ہے یعنی بادشاہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ یہود اتنے بخیل ہیں کہ لوگوں کو بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جس سے کھجور کی گشٹلی کا شگاف ہی پر ہو جاتا۔ نَقِيرًا

اس نقطے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گشٹلی کے اوپر ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) ام (یا) بل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی بلکہ یہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر دوسروں میں نبی (یعنی آخری نبی) کیوں بنایا؟ نبوت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے۔

(۳) یعنی بنی اسرائیل کو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اور آل میں سے ہیں، ہم نے نبوت بھی دی اور بڑی سلطنت و بادشاہی بھی۔ پھر بھی یہود کے یہ سارے لوگ ان پر ایمان نہیں لائے۔ کچھ ایمان لائے اور کچھ نے اعراض کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! اگر یہ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لارہے ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ان کی تو تاریخ ہی نبیوں کی مکملیت سے بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ اپنی نسل کے نبیوں پر بھی یہ ایمان نہیں لائے۔ بعض نے آمَنَ بِهِ میں ہا کامرجع نبی ﷺ کو بتلایا ہے یعنی ان یہود میں سے کچھ نبی ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا۔ ان منکرین نبوت کا انجمام جنم ہے۔

(۴) یعنی جنم میں اہل کتاب کے منکرین ہی نہیں جائیں گے، بلکہ دیگر تمام کفار کا نہ کانہ بھی جنم ہی ہے۔

ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں،^(۱) یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ (۵۶)
اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کے^(۲) ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لئے وہاں صاف سحری یویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں (اور پوری راحت) میں لے جائیں گے۔ (۵۷)^(۳)

جُلُودُهُمْ بَدَلَنَّهُمْ جُلُودًا عَيْرَهَا لَيْدُ وَقُوَّالْعَذَابَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ^(۴)
وَالَّذِينَ أَمْتَوْا وَعَلَوْا الصَّلِيلَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّتَ تَبَوَّئُنِي مِنْ
تَعْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِيلَيْنَ فِيهَا أَبَدٌ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ
وَنُدْخِلُهُمْ فَلَلَّا ظَلِيلًا ^(۵)

(۱) یہ جنم کے عذاب کی سختی، تسلیل اور دوام کا بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول بعض آثار میں بتایا گیا ہے۔ کھالوں کی یہ تبدیلی دن میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں مرتبہ عمل میں آئے گی اور مسند احمد کی روایت کی رو سے جنمی جنم میں اتنے فربہ ہو جائیں گے کہ ان کے کانوں کی لو سے پچھپے گردن تک کافاصلہ سات سو سال کی مسافت جتنا ہو گا، ان کی کھال کی موٹائی سترياشت اور دواڑھ احمد پہاڑ جتنی ہو گی۔

(۲) کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے لیے جوابدی نعمتیں ہیں، ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جو اعمال صالح کی دولت سے ملا مال ہوں گے۔ جَعَلَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ — اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالح کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایمان، عمل صالح کے بغیر ایسے ہی ہے جیسے پھول ہو مگر خوبصورت کے بغیر درخت ہو لیکن بے شر۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السَّلَامُ وَآلُهُ وَسَلَامٍ وَآمِينُ اور خیر القرون کے دورے مسلمانوں نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ ان کی زندگیاں ایمان کے پھل۔ اعمال صالح سے ملا مال تھیں۔ اس دور میں بے عمل یا بد عملی کے ساتھ ایمان کا تصور ہی نہیں تھا۔ اس کے بر عکس آج ایمان صرف زبانی جمع خرچ کا نام رہ گیا ہے۔ اعمال صالح سے دعوے داران ایمان کا دامن خالی ہے۔ هَدَانَا اللَّهُ تَعَالَى۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے عمل کرتا ہے جو اعمال صالح کی زیل میں آتے ہیں۔ مثلاً راست بازی، امانت و دیانت، ہمدردی و غم گساری اور دمگرا اخلاقی خوبیاں۔ لیکن ایمان کی دولت سے یہ محروم ہے تو اس کے یہ اعمال دنیا میں تو اس کی شہرت و نیک نای کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو گی اس لیے کہ ان کا سرچشمہ ایمان نہیں ہے جو اچھے اعمال کو عند اللہ بار آور بناتا ہے بلکہ صرف اور صرف دنیوی مفادات یا قومی اخلاق و عادات ان کی بنیاد ہے۔

(۳) گھنی، گھری، عمدہ اور پاکیزہ چھاؤں جس کو ترجیح میں ”پوری راحت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے ”جنت میں ایک درخت ہے جس کا سایہ اتنا ہے کہ ایک سوار سو سال میں بھی اسے طے نہیں کر سکے گا یہ شجرۃ الخلد ہے۔ (مسند احمد، جلد ۲ ص ۵۵، وأصله فی البخاری، کتاب بدء الخلق بباب نمبر ۸، ماجاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة)

اللہ تعالیٰ تمیس تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ!^(۱) اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو!^(۲) یقیناً وہ بستر چیز ہے جس کی نصیحت تمیس اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔^(۳) بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔^(۴) (۵۸)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔^(۵) پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو

إِنَّ اللَّهَ يَا مَرْكُومُ أَنْ تَوَدُّوا الْأَمْنِيَّتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ
بِيَمِينِ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ بِمَا يَعْمَلُونَ
اللَّهُ كَانَ سَيِّئًا بِإِصْبَارٍ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَئِكُمْ
الْأَمْرُ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَلُوكُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ

(۱) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہؓ کی شان میں، جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان وکلید بردار چلے آرہے تھے، نازل ہوئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف وغیرہ کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے، طلب فرمایا اور انہیں خانہ کعبہ کی چاہیاں دے کر فرمایا ”یہ تمہاری چاہیاں ہیں آج کا دن وفا اور یتکی کا دن ہے“ این کثیر آیت کا یہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں۔ دونوں کو تاکید ہے کہ امانتیں انہیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں۔ اس میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوں۔ ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ یہ بحفظت عند اللہ لوبادی جائیں۔ دوسرے عمدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیجے جائیں، محض سیاسی بنیاد یا انسلی و وطنی بنیاد یا قرابت و خاندان کی بنیاد یا کوئہ ستم کی بنیاد پر عمدہ و منصب دینا اس آیت کے خلاف ہے۔

(۲) اس میں حکام کو بطور خاص عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ ”حاکم جب تک ظلم نہ کرے، اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام)

(۳) یعنی امانتیں اہل لوگوں کے پردازنا اور عدل و انصاف میا کرنا۔

(۴) اولو الامر (اپنے میں سے اختیار والے) سے مراد بعض کے نزدیک امرا و حکام اور بعض کے نزدیک علماء فقیہاء ہیں مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کیونکہ ﴿لَهُ الْحُكْمُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف-۵۲) ”خبردار مخلوق بھی اسی کی ہے، حکم بھی اسی کا ہے“ ﴿إِنَّ الْحُكْمَ لِإِلَهِكُو﴾ (یوسف-۳۰) ”حکم صرف اللہ ہی کا ہے“ لیکن چونکہ رسول ﷺ غالباً مشائے اللہ ہی کا مظہر اور اس کی مرضیات کا نمائندہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول ﷺ کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ رسول ﷺ

تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔^(۱) (۵۹)

کیا آپ نے انسیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس

وَالرَّسُولُ إِنَّكُنُمُ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٦﴾

الْفَرَّارِ إِلَى الَّذِينَ يَرْجِعُونَ أَهُمْ أَمْنَوْا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ
وَمَا أُنزِلَ مِنْ قِبِيلَكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَعَاهَدُوكُمْ إِلَى الظَّاغُوتِ

کی اطاعت در اصل اللہ کی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ يُطِيعَ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النِّسَاءُ ۸۰) "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی" جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث بھی اسی طرح دین کا ماغذہ ہے جس طرح قرآن کریم۔ تاہم امراء حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا فائز کرتے ہیں۔ یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور تنگداشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امراء حکام کی اطاعت اگرچہ ضروری ہے لیکن وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ مشروط ہے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ۔ اسی لیے أطْبَعُوا اللَّهَ كَبَدِ الْأَمْرِ كَمَا أَطْبَعُوا الرَّسُولَ تو کما کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل اور واجب ہیں لیکن أطْبَعُوا أُولَى الْأَمْرِ نہیں کہا کیونکہ أُولَى الْأَمْرِ کی اطاعت مستقل نہیں اور حدیث میں بھی کہا گیا ہے۔ «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (وقال الألبانى حدیث صحیح۔ مشکوٰ نمبر ۲۶۶۶ فی لفظ لمسلم لاطاعة فی معصية الله كتاب الإمارة باب وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية حدیث نمبر ۱۸۳۰ او «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» (صحیح بخاری كتاب الأحكام باب نمبر ۲) «السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلِّإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً». "معصیت میں اطاعت نہیں" اطاعت صرف معروف میں ہے۔ "یہی حال علماء فقہاء کا بھی ہے۔ (اگر اولو الامریں ان کو بھی شامل کیا جائے) یعنی ان کی اطاعت اس لیے کرنی ہوگی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرمودات بیان کرتے ہیں اور اس کے دین کی طرف ارشاد وہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء فقہاء بھی دینی امور و معاملات میں حکام کی طرح یقیناً مرچع عوام ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت بھی صرف اس وقت تک کی جائے گی جب تک کہ عوام کو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بتائیں لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں تو عوام کے لیے ان کی اطاعت بھی ضروری نہیں بلکہ انحراف کی صورت میں جانتے بوجھتے ان کی اطاعت کرنا سخت معصیت اور گناہ ہے۔

(۱) اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد، قرآن کریم اور رسول ﷺ سے مراد ادب حدیث رسول ہے۔ یہ تنازعات کے ختم کرنے کے لیے ایک بہترین اصول بتلا دیا گیا ہے۔ اس اصول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تیری شخصیت کی اطاعت واجب نہیں۔ جس طرح تقلید شخصی یا تقلید معین کے قائلین نے ایک تیری اطاعت کو واجب قرار دے رکھا ہے اور اسی تیری اطاعت نے، جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے، مسلمانوں کو امت متحده کی بجائے امت منتشرہ بنا رکھا ہے اور ان کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنادیا ہے۔

پران کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکار دور ڈال دے۔ (۲۰)

ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں۔ (۲۱)

پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل مlap ہی کاتھا۔ (۲۲)

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے، آپ ان سے چشم پوشی کیجئے، انہیں نصیحت کرتے رہیے اور انہیں وہ بات کہئے! جوان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔ (۲۳)

وَقَدْ أَمْرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَنُ أَن يُضْلِلَهُمْ ضَلَالًا بَعْدَ إِيمَانًا

رَأَيْتَ الْمُنْفِقِينَ يَصْدُونَ عَنْكَ مُذْدُودًا

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا آتَنَا لَهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنْفِقِينَ يَصْدُونَ عَنْكَ مُذْدُودًا

فَلَيْكُنْ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ يَمْأَأَقْدَمُتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِإِيمَانِهِنَّ أَرَدُنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعَظِيمُهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا لَيَلْبِسُ

(۱) یہ آیات ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو اپنا فیصلہ عدالت میں لے جانے کے بجائے سرداران یہودیا سرداران قریش کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ تاہم اس کا حکم عام ہے اور اس میں تمام وہ لوگ شامل ہیں جو کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے لئے ان دونوں کو چھوڑ کر کسی اور کسی طرف جاتے ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کا حال تو یہ ہوتا ہے ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا إِسْمَاعِيلَ وَأَطْعَنُاهُ﴾ (النور-۵۱) کہ جب انہیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ سمعنا و آطعنا ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ”یہ لوگ کامیاب ہیں۔“

(۲) یعنی جب اپنے اس کرتوت کی وجہ سے عتاب الہی کا شکار ہو کر مصیبتوں میں چھنتے ہیں تو پھر آکر کہتے ہیں کہ کسی دوسری جگہ جانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ وہاں سے ہم فیصلہ کروائیں یا آپ ملکہ نبیلہ سے زیادہ ہمیں وہاں انصاف ملے گا بلکہ مقصد صلح اور مlap کرنا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم ان کے دلوں کے تمام بھیدوں سے واقف ہیں (جس پر ہم انہیں جزاویں گے) لیکن

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے،^(۱) تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا امریان پاتے۔ (۲۴)

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں^(۲) (۲۵)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْلَا هُمْ إِذْظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْجَدُوا اللَّهَ تَوَابًا رَّحِيمًا ۝

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُواكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَعْدُوا نِقْيَهُمْ حَرَجًا مِّنَاقَبَيْتَ وَيَسِّلُمُوا إِذْنِيَّمَا ۝

اے پیغمبر! آپ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے درگز رہی فرمائیے اور وعظ و نصیحت اور قول بلیخ کے ذریعے سے ان کے اندر کی اصلاح کی کوشش جاری رکھئے! جس سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کی سازش کو عفو و درگزر، وعظ و نصیحت اور قول بلیخ کے ذریعے سے ہی ناکام بنانے کی سعی کی جائی چاہئے۔

(۱) مغفرت کے لئے بارگاہ الٰہی میں ہی توبہ و استغفار ضروری اور کافی ہے۔ لیکن یہاں ان کو کہا گیا کہ اے پیغمبر! وہ تیرے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور تو بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتا۔ یہ اس لئے کہ چونکہ انہوں نے فعل خصومات (جھگڑوں کے فیصلے) کے لئے دوسروں کی طرف رجوع کر کے آپ ملئیلہ کا انتخاف کیا تھا۔ اس لئے اس کے ازالے کے لئے آپ ملئیلہ کے پاس آنے کی تائید کی۔

(۲) اس آیت کی شان نزول میں ایک یہودی اور مسلمان کا واقعہ عموماً بیان کیا جاتا ہے جو بارگاہ رسالت سے فیصلے کے باوجود حضرت عمر بن حیثیت سے فیصلہ کروانے گیا جس پر حضرت عمر بن حیثیت نے اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ لیکن سنداً یہ واقعہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر نے بھی وضاحت کی ہے۔ صحیح واقعہ جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے وہ یہ ہے کہ حضرت زیر بن حیثیت کا جو رسول اللہ ملئیلہ کے پھوپھی زاد تھے۔ اور ایک آدمی کا کھیت کو سیراب کرنے والے (نالے) کے پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ نبی ملئیلہ تک پہنچا آپ ملئیلہ نے صورت حال کا جائزہ لے کر جو فیصلہ دیا تو وہ اتفاق سے حضرت زیر بن حیثیت کے حق میں تھا، جس پر دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ ملئیلہ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے کہ وہ آپ ملئیلہ کا پھوپھی زاد ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی صحیح بخاری تفسیر سورۃ النساء، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ملئیلہ کی کسی بات یا فیصلے سے اختلاف تو کجا، دل میں اختباض بھی محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ یہ آیت بھی منکرین حدیث کے لیے

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو! یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ! تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجالاتے اور اگر یہ وہی کریں جس کی انسیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو۔^(۱) (۲۶)

اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔ (۲۷)
اور یقیناً انہیں راہ راست دکھادیں۔ (۲۸)

اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرماتہاری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔^(۲) (۲۹)

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ قُتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوْ أُخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ فَعَلُوا إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُؤْمِنُونَ يِهْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَبْغِيَةً^(۳)
وَلَذِ الْأَذِنَهُمْ مِنْ لَذَنَّ أَجْرٍ أَعْظَمُهُمْ^(۴)
وَلَهُمْ دَيْنٌ هُمْ بِهِ مِرَاطِلًا مُسْتَقِيمًا^(۵)
وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشَّهِيدَ وَالصَّلِحِينَ وَحَسْنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا^(۶)

تو ہے ہی دیگر افراد کے لیے بھی لمحہ فکر یہ ہے جو قول امام کے مقابلے میں حدیث صحیح سے انقباض ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ یا تو کھلے لفظوں میں اسے مانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یا اس کی دوراز کار تاویل کر کے یا شفہ راویوں کو ضعیف باور کر کے مسترد کرنے کی نہ موم سعی کرتے ہیں۔

(۱) آیت میں انہی نافرمان قسم کے لوگوں کی جلت رویہ کی طرف اشارہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر انہیں حکم دیا جاتا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو، جب یہ آسان باتوں پر عمل نہیں کر سکے تو اس پر عمل کس طرح کر سکتے تھے؟ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق ان کی بابت فرمایا ہے جو یقیناً واقعات کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سخت کاموں پر عمل تو یقیناً مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ بہت شفیق اور مریان ہے، اس کے احکامات بھی آسان ہیں۔ اس لیے اگر وہ ان کاموں پر چلیں جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور ثابت تدبی کا باعث ہو۔ کیونکہ ایمان اطاعت سے زیادہ اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ نیکی سے نیکی کا راستہ کھلتا اور بدی سے بدی متولد ہوتی ہے۔ لیکن اس کا راستہ کشاوہ اور آسان ہوتا ہے۔

(۲) اللہ و رسول کی اطاعت کا صلہ بتلایا جا رہا ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے «الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَ» (صحیح بخاری کتاب الآداب باب نمبر ۲۹، علامہ حب اللہ عزوجل مسلم کتاب البر والصلة والآداب باب المرء مع من أحب حدیث نمبر ۱۱۳۰) آدمی انہی کے ساتھ ہو گا جن سے اس کو محبت ہو گی۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ «صحابہ التَّقْوَۃِ» کو جتنی خوشی اس فرمان رسول کو سن کر ہوئی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت پسند کرتے تھے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ بعض صحابہ التَّقْوَۃِ نے نبی ﷺ سے

یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ
جانے والا۔^(۱)

اے مسلمانو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو^(۲) پھر گروہ گروہ
بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے ہو کر نکل کھڑے
ہو!^(۳)

اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے
ہیں،^(۴) پھر اگر تمیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ
موجود نہ تھا۔^(۵)

اور اگر تمیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل^(۶) مل جائے تو اس
طرح کہ گویا تم میں ان میں دوستی تھی ہی نہیں،^(۷) کہتے

ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكُنْ يَا لَهُ عَلَيْمًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا حَذِيرَةٍ فَإِنْفِرُوا
شَيْطَانَ أَوْ إِنْفِرُوا جَمِيعًا ۝

وَإِنْ مِنْكُمْ لَمْ يَكُنْ لَّيْطَهَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالَ
قَدْ أَعْلَمُ اللَّهُ عَلَىٰ إِذْلَمُ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۝

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولُنَّ كَانَ لَهُ
كُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَأْلِمُنَّ كُنْتُ مَعَهُمْ

یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ ملکہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہمیں اس سے فروٹر مقام ہی ملے گا اور یوں ہم آپ ملکہ کی اس صحبت و رفاقت اور دیدار سے محروم رہیں گے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ان کی تسلی کا سامان فرمایا۔ (ابن کثیر) بعض صحابہ رض نے بطور خاص نبی ملکہ سے جنت میں رفاقت کی درخواست کی «أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ» جس پر نبی ملکہ نے انہیں کثرت سے نفلی نماز پڑھنے کی تائید فرمائی «فَأَعْنَتِي عَلَىٰ نَفْسِكَ بِكَثِيرَةِ السُّجُودِ» (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل السجود والحت عليه حدیث نمبر ۳۸۸) «پس تم کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرو۔» علاوه ازیں ایک اور حدیث ہے۔ «الثَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ» (ترمذی)۔ کتاب البیوع بباب ماجاء فی التجار و تسمیة النبی صلی اللہ علیہ و آله و سلیمان راست باز امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہو گا۔ «صدیقیت، کمال ایمان و کمال اطاعت کا نام ہے، نبوت کے بعد اس کا مقام ہے، امت محمدیہ میں اس مقام میں حضرت ابو بکر صدیق رض سب سے متاز ہیں۔ اور اسی لیے بالاتفاق غیر انبیاء میں وہ نبی ملکہ کے بعد افضل ہیں، صالح وہ ہے جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کامل طور پر ادا کرے اور ان میں کوتاہی نہ کرے۔

(۱) حِذْرَكُمْ (اپنا بچاؤ اختیار کرو) اسلحہ اور سامان جنگ اور دیگر ذرائع سے۔

(۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ پس و پیش کا مطلب، جماد میں جانے سے گریز کرتے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔

(۳) یعنی جنگ میں فتح و غلبہ اور غنیمت۔

(۴) یعنی گواہہ تمہارے اہل دین میں سے ہی نہیں بلکہ اجنبی ہیں۔

فَأَفْوَزَ فَوْزًا عَظِيمًا ④

ہیں کاش! میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔^(۱) (۷۳)

پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بد لے بیج چکے ہیں،^(۲) انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شادت پا لے یا غالب آجائے، یقیناً ہم اسے بت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔^(۳) (۷۴)

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناقواں مردوں، عورتوں اور نسخے نسخے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حماقی مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بننا۔^(۴) (۷۵)

فَلَيَقَايِلُ فِي سَيِّلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
بِالآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلُ فِي سَيِّلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُ
أُو يَعْلَمْ فَتُوَفَّ نُؤْتِيهَا أَجْرًا عَظِيمًا ⑤

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَيِّلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعِفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوُلُودِ إِنَّ الَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا أَخْرُجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقُرْبَةِ الظَّالِمُوْهُ أَهْلُهَا
وَاجْعَلْنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلَدِيَا قَوْا جَعْلْنَا
مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ⑥

(۱) یعنی مال غنیمت سے حصہ حاصل کرتا جو اہل دنیا کا سب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔

(۲) شَرَعِیٰ یَسْرِیٰ کے معنی بیچنے کے بھی آتے ہیں اور خریدنے کے بھی۔ متن میں پہلا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے اس اعتبار سے فَلَيَقَايِلُ کافاعل ﴿الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ﴾ بنے گا لیکن اگر اس کے معنی خریدنے کے کیے جائیں تو اس صورت میں الَّذِينَ مفعول بنے گا اور فَلَيَقَايِلُ کافاعل، الْمُؤْمِنُ النَّافِرُ (راہ جہاد میں کوچ کرنے والے مومن) محدود ہو گا۔ مومن ان لوگوں سے لڑیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا خریدی۔ یعنی جنہوں نے دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر اپنے دین کو فروخت کر دیا۔ مراد متفقین اور کافرین ہوں گے۔ (اہن کثیر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے)

(۳) ظالموں کی بستی سے مراد (نزوں کے اعتبار سے) مکہ ہے۔ ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان مستقعدین کو کفار سے نجات دلانے کے لیے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء کہا کہ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور نرغہ کفار میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے جہاد کریں۔ یہ جہاد کی دوسری قسم ہے۔ پہلی قسم ہے اعلاءَ کلِمَةِ اللَّهِ یعنی دین کی نشوواشاعت اور کلِمَةِ اللَّهِ کے غلبے کے لیے لڑنا جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں اور بال بعد کی آیت میں ہے۔

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور وہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔^(۱) پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو! یقین مانو کہ شیطانی حیلہ (بالکل بودا اور) سخت کمزور ہے۔^(۲) ^(۳)

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے رب اتو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟^(۴)

الَّذِينَ امْتُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الظَّالِمِينَ فَقَاتَلُوا أَوْلِيَاءَ اللّهِ الشَّيْطَنِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَنِ كَانَ ضَعِيفًا

أَللّهُ تَرَأَى الَّذِينَ قَيْلَ لَهُمْ كُفُوَاً بِيَدِكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَأَنُوَّرُ الرَّكُوعَ فَلَمَّا لَمَّا لَمَّا عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فِرَنْتُمْ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشِيهِ اللّهُ أَوْ أَشَدَّ خَشِيهِ وَقَالُوا إِنَّا لَمَّا كُنْتُمْ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا أَخْرَجْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٌ قُلْ

(۱) مومن اور کافر، دونوں کو جنگوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن دونوں کے مقاصد جنگ میں عظیم فرق ہے، مومن اللہ کے لئے لڑتا ہے، محض طلب دنیا یا ہوس ملک گیری کی خاطر نہیں۔ جب کہ کافر کا مقصد یہی دنیا اور اس کے مغادرات ہوتے ہیں۔

(۲) مومنوں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ طاغوتی مقاصد کے لئے چیلے اور کمر کمزور ہوتے ہیں، ان کے ظاہری اسباب کی فرادانی اور کثرت تعداد سے مت ڈرو تماری ایمانی قوت اور عزم جہاد کے مقابلے میں شیطان کے یہ چیلے نہیں ٹھہر سکتے۔

(۳) کے میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی خواہش کے باوجود انہیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو بالتوں کی تاکید کی جاتی رہی، ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویے کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ دوسرے یہ کہ نماز زکوٰۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تا کہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضمبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے۔ لیکن بھرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہو گئی تو پھر انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی اور جب اجازت دے دی گئی تو بعض لوگوں نے کمزوری اور پست ہمتی کا ظہمار کیا۔ اس پر آیت میں کہی دوڑ کی ان کی آرزو یاد لانا کہ ما جارہا ہے کہ اب یہ مسلمان حکم جہاد سن کر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہیں جب کہ یہ حکم جہاد خود ان کی اپنی خواہش کے مطابق ہے۔ آیت قرآن میں تحریف: آیت کا پہلا حصہ جس میں کفت آئندی (لڑائی سے ہاتھ روکے رکھنے) کا حکم ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع الی din نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کی حالت میں ہاتھوں کو روک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک

کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جیئے دی؟^(۱) آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی سودمندی تو بست ہی کم ہے اور پرہیز گاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی تم روانہ رکھا جائے گا۔^(۲)

تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمیں آپکے گی، گو تم مضبوط قلعوں میں ہو^(۳) اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔^(۴) انہیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے

مَتَّعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَى وَلَا يُظْلَمُونَ
فَتَبَّاعًا ⑤

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُ الْمَوْتُ وَلَوْكُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ
مُشَيَّدَةً وَإِنْ تُصْبِهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هُنَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
وَإِنْ تُصْبِهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هُنَّا مِنْ عِنْدِكُمْ قُلْ مُلِئَ
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَا إِلَّا الْقَوْمُ لَا يَعْلَمُونَ يَقْهَمُونَ
حَدِيثًا ⑥

انتہائی غلط اور رواہیات استدلال ہے۔ اس کے لئے ان صاحب نے آیت کے الفاظ میں بھی تحریف کی اور معنی میں بھی۔ یعنی لفظی اور معنوی دونوں قسم کے تحریف سے کام لیا ہے۔

(۱) اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس حکم کو کچھ اور مدت کے لئے موخر کیوں نہ کر دیا یعنی آجھل قریب سے مراد موت یا فرض جہاد کی مدت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۲) ایسے کذور مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے کما جا رہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا فانی اور اس کا فائدہ عارضی ہے جس کے لئے تم کچھ مہلت طلب کر رہے ہو۔ اس کے مقابلے میں آخرت بہت بہتر اور پایدار ہے جس کے اطاعت اللہ کے صلے میں تم سزاوار ہو گے۔ دوسرے یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو، موت تو اپنے وقت پر آکر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بینہ جاؤ پھر جہاد سے گریز کا کیا فائدہ؟ مضبوط برجوں سے مراد مضبوط اور بلند وبالا فصیلوں والے قلعے ہیں۔

ملحوظہ: بعض مسلمانوں کا چونکہ یہ خوف بھی طبی تھا۔ اسی طرح تا خیر کی خواہش بھی بطور اعتراض یا انکار نہ تھی، بلکہ طبی خوف کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا اور نہایت مضبوط دلاکل سے انہیں سارا اور حوصلہ دیا۔

(۳) یہاں سے پھر منافقین کی باتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سابقہ امت کے منکرین کی طرح انہوں نے بھی کماکہ بھلائی (خوش حالی، غلے کی پیداوار، مال و اولاد کی فراوانی وغیرہ) اللہ کی طرف سے ہے اور برائی (قط سالی، مال و دولت میں کی وغیرہ) اے محمد! تیری طرف سے ہے یعنی تیرے دین اختیار کرنے کے نتیجے میں یہ اتنا آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”جب ان کو بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں، یہ ہمارے لیے ہے (یعنی ہم اس کے مستحق ہیں) اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں سے بد شکونی پکرتے ہیں، (یعنی نعوذ بالله ان کی نحودت کا نتیجہ بتلاتے ہیں)“ (الاعراف-۱۳۱)

کے بھی قریب نہیں۔^(۱) (۷۸)

تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے^(۲)
اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے
ہے،^(۳) ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر
بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔ (۷۹)

اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اطاعت کرے اسی
نے اللہ تعالیٰ کی فرماتبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم
نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنانا کر نہیں بھیجا۔ (۸۰)

یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے، پھر جب آپ کے پاس سے
اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کی ایک جماعت، جو بات
آپ نے یا اس نے کہی ہے اس کے خلاف راتوں کو
مشورے کرتی ہے،^(۴) ان کی راتوں کی بات چیت اللہ
لکھ رہا ہے، تو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ حَسَنَةٍ فَإِنَّ اللَّهَ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ سَيِّئَةٍ فَإِنَّ
نَفِثَةً وَأَرْسَلْنَاكُمْ لِلْتَّائِسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا^(۵)

مَنْ يُطِيعُ الرَّسُولَ فَقَدْ أَتَى أَعْلَمَ الْهُدَىٰ وَمَنْ تَوَلَّ فَمَا
أَرْسَلْنَاكُمْ عَلَيْهِ حُكْمٌ فَلَا يُحِيطُ بِهِ^(۶)

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيْتَ طَابِقَةٌ
وَنَهُومُ عَيْرَ الْأَنْوَىٰ تَقُولُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا يَبْرِئُ مَنْ فَأَعْرَضَ
عَنْهُمْ وَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَنَفِي بِاللَّهِ وَكِيلًا^(۷)

(۱) یعنی بھلائی اور برائی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہے لیکن یہ لوگ قلت فہم و علم اور کثرت جہل و ظلم کی وجہ سے
اس بات کو سمجھ نہیں پاتے۔

(۲) یعنی اس کے فضل و کرم سے ہے یعنی کسی نیکی یا اطاعت کا صد نہیں ہے۔ کیونکہ نیکی کی توفیق بھی دینے والا اللہ
تعالیٰ ہی ہے۔ علاوه ازیں اسکی نعمتیں اتنی بے پایاں ہیں کہ ایک انسان کی عبادت و طاعت اس کے مقابلے میں کوئی
حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اسی لیے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا جنت میں جو بھی جائے گا، محض اللہ کی رحمت سے
جائے گا (اپنے عمل کی وجہ سے نہیں) صحابہ ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ولا انت آپ ﷺ بھی اللہ کی رحمت کے
بغیر جنت میں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں جب تک اللہ مجھے بھی اپنے دامان رحمت میں نہیں ڈھانک
لے گاجنت میں نہیں جاؤں گا۔“ (صحیح بخاری کتاب الرقاق باب القصد والسدامة علی العمل۔ ۱۸)

(۳) یہ برائی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے۔ جیسا کہ کل من عند اللہ سے واضح ہے لیکن یہ برائی کسی گناہ
کی عقوبت یا اس کا بدله ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ تمہارے نفس سے ہے یعنی تمہاری غلطیوں کو تباہیوں اور گناہوں
کا نتیجہ ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَهَا كَبَّتْ أَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْعُ عَنْ كَثِيرٍ ﴾ (الشوری۔ ۳۰)

”تمہیں جو مصیبہ پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہ تو معاف ہی فرمادیتا ہے۔“

(۴) یعنی یہ منافقین آپ ﷺ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ راتوں کو ان کے بر عکس باتیں کرتے اور

بھروسہ رکھیں، اللہ تعالیٰ کافی کار ساز ہے۔ (۸۱)
 کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ
 کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت
 کچھ اختلاف یافتے۔ (۸۲) ^(۱)

جمال انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تھے تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں^(۲) اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو مددووے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔ (۸۳)

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْكَانَ مِنْ عَنْدِي عِبْرَانُ اللَّهِ
لَوْجَدَ وَاقِعًا احْتِلَافًا كَثِيرًا ⑥

وَإِذْ أَجَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ أَذَا عُوَايَهُ وَلَوْرَدَةُ
 إِلَى الرَّسُولِ وَلَلَّا أُولَئِكُمْ هُنَّ عَلَيْهِ الظَّاهِرَةُ
 مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ رَبِّكُمُ الشَّيْطَانُ
 إِلَّا فَقِيلَ (٤٠)

سازشوں کے جال بنتے ہیں۔ آپ ملٹیپل ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں۔ ان کی باتیں اور سازشیں آپ ملٹیپل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی کیونکہ آپ کاؤکیل اور کار ساز اللہ ہے۔

(۱) قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے اس میں غور و تدبر کی تاکید کی جا رہی ہے اور اس کی صداقت جانچنے کے لئے ایک معیار بھی بتایا گیا ہے کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہوتا (جیسا کہ کفار کا خیال ہے) تو اس کے مضمین اور بیان کردہ واقعات میں تعارض و تناقض ہوتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کوئی چھوٹی سے کتاب نہیں ہے۔ ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے، جس کا ہر حصہ ابیاز و بلاغت میں ممتاز ہے۔ حالانکہ انسان کی بنائی ہوئی بڑی تصنیف میں زبان کا معیار اور اس کی فصاحت و بلاغت قائم نہیں رہتی۔ دوسرے، اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جنہیں اللہ علام الغیوب کے سوا کوئی اور بیان نہیں کر سکتا۔ تیرے ان حکایات و قصص میں نہ باہمی تعارض و تضاد ہے اور نہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا کوئی جزویہ قرآن کی کسی اصل سے نکلا تا ہے۔ حالانکہ ایک انسان گزشتہ واقعات بیان کرے تو تسلیم کی کریاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تفصیلات میں تعارض و تضاد واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے ان تمام انسانی کوتایوں سے مبراہونے کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ یقیناً کلامِ الٰہی ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

(۲) یہ بعض کمزور اور جلد باز مسلمانوں کا رویہ، ان کی اصلاح کی غرض سے بیان کیا جا رہا ہے۔ امن کی خبر سے مراد مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ہلاکت و شکست کی خبر ہے۔ (جس کو سن کر امن اور اطہیناں کی لہروڑ جاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ پ्र اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جو نقصان کا باعث بن سکتی ہے) اور خوف کی خبر

تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے، ہاں ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ تعالیٰ سخت قوت والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔ (۸۳)

جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر تدریت رکھتے والا ہے۔ (۸۵)

اور جب تمیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو،^(۱) بے شبه اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (۸۶)

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے (آنے) میں کوئی شک نہیں، اللہ تعالیٰ سے زیادہ کچی بات والا اور کون ہو گا۔ (۸۷)

فَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يُكَفَّرُ إِلٰا نَفْسَكَ وَحْدَهُ
الْمُؤْمِنُونَ حَمَدَهُ اللّٰهُ أَنْ يَعْلَمَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللّٰهُ أَشَدُ
بَلَاسًا وَأَشَدُ تَنَكِيلًا ۝

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُونُ لَهُ تَصْيِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ
شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُونُ لَهُ كَفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
مُّقْبِلاً ۝

وَإِذَا حِسِّيْتُمُ يَسْجِدِيْهِ فَحِيْتُمُ بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِّيْبًا ۝

اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لِيَعْلَمُ عِنْكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَمةِ لَرَبِّ فِيهِ
وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ وَحْدَهُ ۝

سے مراد مسلمانوں کی شکست اور ان کے قتل و ہلاکت کی خبر ہے (جس سے مسلمانوں میں افرادگی پھیلنے اور ان کے حوصلے پست ہونے کا امکان ہوتا ہے) اس لیے انہیں کما جا رہا ہے کہ اس قسم کی خبریں، چاہے امن کی ہوں یا خوف کی انہیں سن کر عام لوگوں میں پھیلانے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچاویا اہل علم و تحقیق میں انہیں پہنچا دو تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو اس وقت اس سے مسلمانوں کا باخبر ہونا مفید ہے یا بے خبر رہنا نفع ہے؟ یہ اصول و لیے تو عام حالات میں بھی بڑا ہم اور نہایت مفید ہے لیکن عین حالت جنگ میں تو اس کی اہمیت و افادیت بہت ہی زیادہ ہے۔ استنباط کا مادہ نبط ہے نبط اس پانی کو کہتے ہیں جو کنوں اکھو دتے وقت سب سے پہلے نکلتا ہے۔ اسی لیے استنباط تحقیق اور بات کی تہ تک پہنچنے کو کما جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۱) تَحْيَةً اصل میں تَحْمِيَةً (تفعلہ) ہے۔ یا کے یا میں ادغام کے بعد تَحْمِيَةً ہو گیا۔ اس کے معنی ہیں۔ درازی عمر کی دعا (الدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ) یہاں یہ سلام کرنے کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر) زیادہ اچھا جواب دینے کی تغیر حديث میں اس طرح آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں درحمة اللہ کا اضافہ اور السلام علیکم و رحمة اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ

تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟^(۱) انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے۔^(۲) اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گراہ کے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو، جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔^(۳) (۸۸)

ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافروں ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک یہ اسلام کی خاطرو طن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ،^(۴) پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو

فَمَا الْكُفْرُ فِي الْمُنْفَقِينَ فَمَنْ يَعْمَلْ إِلَّا كُفَّارٌ بِمَا كَسَبُوا
أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَ اللَّهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ
فَلَنْ يَجِدَ لَهُ سَيِّلًا^(۵)

وَذُو الْوَتْنَفُّ وَنَ كَمَا كَفَرُوا فَنَكُونُونَ سَوَاءٌ كَلَا
تَنْجِدُونَ مِنْهُمْ أَفْلَيَا ظَاهِرٍ يَهَا جِرْوَا فِي سَيِّئِ الْهَوْقَانِ
تَوَلُّوْ فَخُدُّوْهُمْ وَأَفْتُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدُّ ثَوْهُمْ

کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کے تو پھر اضافے کے بغیر انہی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ (ابن کثیر) ایک اور حدیث میں ہے کہ صرف السلام علیکم کرنے سے دس نیکیاں اس کے ساتھ و رحمۃ اللہ کرنے سے میں نیکیاں اور برکاتہ بھی کرنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (مسند احمد، جلد ۲ ص ۳۲۹، ۳۳۰) یاد رہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ لیکن اہل ذمہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنا ہو تو ایک تو ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ دوسرے اضافہ نہ کیا جائے بلکہ صرف علیکم کے ساتھ جواب دیا جائے۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستیدان، مسلم، کتاب السلام)

(۱) یہ استفہام انکار کے لئے ہے، یعنی تمہارے درمیان ان منافقین کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ان منافقین سے مراد وہ ہیں جو احمد کی جنگ میں مدینہ سے کچھ دور جا کر واپس آگئے تھے، کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ (صحیح بخاری سورۃ النساء صحیح مسلم کتاب المنافقین) جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان منافقین کے بارے میں اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ بن گئے، ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقین سے (بھی) لڑنا چاہئے۔ دوسرا گروہ اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔

(۲) کَسَبُوا (اعمال) سے مراد، رسول کی مخالفت اور جہاد سے اعراض ہے اَزْكَسْهُمْ اوندھا کر دیا۔ یعنی جس کفر و ضلالت سے نکلے تھے، اسی میں جتلہ کر دیا، یا اس کے سبب ہلاک کر دیا۔

(۳) جس کو اللہ گراہ کر دے یعنی مسلسل کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہرگاہے، انہیں کوئی راہ یا ب نہیں کر سکتا۔

(۴) بھرت (ترک و طن) اس بات کی دلیل ہو گی کہ اب یہ مخلص مسلمان بن گئے ہیں۔ اس صورت میں ان سے دوستی اور محبت جائز ہو گی۔

انہیں پکڑو^(۱) اور قتل کرو جماں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں،^(۲) خبردار! ان میں سے کسی کو اپنا رفق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔ (۸۹)

سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاملہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں^(۳) اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں^(۴) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے،^(۵) پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں،^(۶) تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی۔ (۹۰)

وَلَا تَتَعْذُّلُ عَنْهُمْ وَلَا يَأْتُوكُمْ أَنَصِيرًا ۝

إِلَّا الَّذِينَ يَصْلُوْنَ إِلَى قَوْمٍ أَبْيَنْنَا وَبِيَهُمْ مِّيقَاتٌ
أَوْ جَاءُوكُمْ حَصَرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوكُمْ
فَوْهُجٌ وَلَوْشَاءُ اللَّهُ أَسْطَطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقْتَلُوكُمْ فَإِنَّ
أَعْتَزُّ بِكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوْلُ إِلَيْكُمُ الشَّكْرُ فَمَا
جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝

(۱) یعنی جب تمہیں ان پر قدرت و طاقت حاصل ہو جائے۔

(۲) حل ہو یا حرم۔

(۳) یعنی جن سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے دو قسم کے لوگ مستثنی ہیں۔ ایک وہ لوگ، جو ایسی قوم سے ربط و تعلق رکھتے ہیں یعنی ایسی قوم کے فرد ہیں یا اس کی پناہ میں ہیں جس قوم سے تمہارا معاملہ ہے۔ دوسرے وہ جو تمہارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہیں کہ وہ اپنی قوم سے مل کر تم سے یا تم سے مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں یعنی تمہاری حمایت میں لڑنا پسند کرتے ہیں نہ تمہاری مخالفت میں۔

(۴) یعنی یہ اللہ کا احسان ہے کہ ان کو لڑائی سے الگ کر دیا اور نہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کی حمایت میں لڑنے کا خیال پیدا کر دیتا تو یقیناً وہ بھی تم سے لڑتے۔ اس لئے اگر واقعی یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش رہیں تو تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام مت کرو۔

(۵) کنارہ کش رہیں، نہ لڑیں، تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں، سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ تاکید اور وضاحت کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تاکہ مسلمان ان کے بارے میں محتاط رہیں کیونکہ جو جنگ و قتال سے پسلے ہی عیحدہ ہیں اور ان کی یہ عیحدگی مسلمانوں کے مفاد میں بھی ہے، اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان اور احسان کے ذکر کیا ہے، تو ان کے بارے میں چھیڑ چھاڑ کارویہ یا غیر محتاط طرز عمل ان کے اندر بھی مخالفت و مخاصمت کا جذبہ بیدار کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس لیے جب تک وہ مذکورہ حال پر قائم رہیں، ان سے مت ٹزو! اس کی مثال وہ

تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں۔ اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں^(۱) (لیکن) جب کبھی فتنہ انگلیزی^(۲) کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں، پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کا سلسلہ جنبانی نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں،^(۳) تو انہیں پکڑو اور مار ڈاوجہاں کہیں بھی پالو! یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر جست عنایت فرمائی ہے۔^(۴)

کسی مومن کو دوسرا سے مومن کا قتل کر دیا زبانیں^(۵) مگر غلطی سے ہو جائے^(۶) (تو اور بات ہے) جو شخص کسی

سَيَجِدُونَ الْخَرَبَنَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمُنُوكُمْ وَيَا مَنْوِا
قَوْمَهُمْ كَلَمَادُوا إِلَى الْفِتْنَةِ أَرْكَسُوا فِيهَا فَإِنْ
لَمْ يَعْتَزِ لَوْكُمْ وَيُلْقَوَا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُوا
أَيْدِيْهُمْ فَخَذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَفْتَشُو هُنْ
وَأُولَئِكُمْ جَعَلْنَا الْكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا تِبْيَانًا^(۷)

وَمَا كَانَ لِيُؤْمِنُ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَا وَمَنْ قَاتَ مُؤْمِنًا خَطَا
لَمْ يُغَيِّرْ رَقْبَةً مُؤْمِنًا وَدِيَهُ مُكْلَمَةً إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَقْتَلَ قَوْافِلَ

جماعت بھی ہے جس کا تعلق بنی ہاشم سے تھا، یہ جنگ بدروالے دن مشرکین مکہ کے ساتھ میدان جنگ میں تو آئے تھے، لیکن یہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنا پسند نہیں کرتے تھے، جیسے حضرت عباس^(۸) عم رسول وغیرہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اسی لیے ظاہری طور پر کافروں کے کیمپ میں تھے۔ اس لیے نبی ﷺ نے حضرت عباس^(۹) کو قتل کرنے سے روک دیا اور انہیں صرف قیدی بنانے پر اکتفا کیا۔ سلیمان مسالمة^(۱۰) یعنی صلح کے معنی میں ہے۔ (۱۱) یہ ایک تیرے گروہ کا ذکر ہے جو منافقین کا تھا۔ یہ مسلمانوں کے پاس آتے تو اسلام کا اظہار کرتے ہاکہ مسلمانوں سے محفوظ رہیں، اپنی قوم کے پاس جاتے تو شرک و بت پرستی کرتے تاکہ وہ انہیں اپنا ہی ہم نہ بھیں اور یوں دونوں سے مفادفات حاصل کرتے۔

(۲) الفتنہ سے مراد شرک بھی ہو سکتا ہے۔ اُزِيْسُوا فِيهَا اسی شرک میں لوٹائیے جاتے۔ یا الفتنہ سے مراد قال ہے کہ جب انہیں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی طرف بلایا یعنی لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

(۳) يُلْقُوا اور يَكْفُوا کا عطف يَعْتَزِ لَوْكُمْ پر ہے یعنی سب نفی کے معنی میں ہیں، سب میں لم گئے گا۔

(۴) اس بات پر کہ واقعی ان کے دلوں میں نفاق اور ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بعض و عناد ہے، تب یہ تو وہ بہ اونی کوش دوبارہ فتنے (شرک یا تمہارے خلاف آمادہ قال ہونے) میں بدلنا ہو گئے۔

(۵) یہ نفی۔ نفی کے معنی میں ہے جو حرمت کی مقاضی ہے یعنی ایک مومن کا دوسرا سے مومن کو قتل کرنا منوع اور حرام ہے جیسے «وَمَا كَانَ لِكُوَنْ تُؤْذَنُ وَارْسُولُ اللَّهِ» (الاحزاب-۵۲) ”تمہارے یہ لاکن نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاؤ“ یعنی حرام ہے۔

(۶) غلطی کے اسباب و وجہ متعدد ہو سکتے ہیں۔ مقصد ہے کہ نیت اور ارادہ قتل کا نہ ہو۔ مگر بوجہ قتل ہو جائے۔

مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو خون بھاپنچانا ہے۔^(۱) ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں^(۲) اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان، تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازمی ہے۔^(۳) اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عمد و پیمان ہے تو خون بھالازم ہے، جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی (ضروری ہے)،^(۴) پس جو

كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّنَا وَهُوُمُونَ فَعَزِيزٌ رَّبَّهُ مُؤْمِنٌ وَلَنْ
كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْتَهُمْ وَبَيْنَهُمْ حَيْثَاكُمْ فَبِيَةٌ مُّسْلِمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ
وَعَزِيزٌ رَّبَّهُ مُؤْمِنٌ فَعَنْ أَنْ يَعْجُدُ فَصِيَامُ شَهْرٍ مُّتَنَبِّعِينَ
تَوْبَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْحِكْمَةُ

(۴)

(۱) یہ قتل خطلا کا جرمانہ بیان کیا جا رہا ہے جو دو چیزیں ہیں۔ ایک بطور کفارہ واستغفار ہے۔ یعنی مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور دوسرا چیز بطور حق العباد کے ہے اور وہ ہے، دِبَّتَهُ (خون بھا۔) مقتول کے خون کے بد لے میں جو چیز مقتول کے وارثوں کو دی جائے وہ دیت ہے۔ اور دیت کی مقدار احادیث کی رو سے سوا نٹ یا اس کے مساوی قیمت سونے، چاندی یا کرنی کی شکل میں ہوگی۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ قتل عمر میں قصاص یا دیت مغلظہ ہے اور دیت مغلظہ کی مقدار سوا نٹ ہے جو عمر اور وصف کے لحاظ سے تین قسم یا تین معیار کے ہوں گے۔ جب کہ قتل خطلا میں صرف دیت ہے۔ قصاص نہیں ہے۔ اس دیت کی مقدار سوا نٹ ہے مگر معیار اتنا کڑا نہیں۔ علاوه ازیں اس دیت کی قیمت سنن ابی داؤد کی حدیث میں ۸۰۰ سورہ نار یا ۸ ہزار درہم اور ترمذی کی روایت میں بارہ ہزار درہم بتائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر بن ابی شریعت نے اپنے دور خلافت میں قیمت دیت میں کمی بیشی اور مختلف پیشوں والوں کے اعتبار سے اس کی مختلف نوعیتیں مقرر فرمائی تھیں: (ارواء الغلیل، جلد ۸) جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دیت (سوانح) کی بیان اور اس کی قیمت ہر دور کے اعتبار سے مقرر کی جائے گی۔ (تفصیل کے لئے شروح حدیث و کتب فقہ ملاحظہ ہوں)

(۲) معاف کر دینے کو صدقہ سے تحریر کرنے سے مقدم معافی کی تغییر رہتا ہے۔

(۳) یعنی اس صورت میں دیت نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ اس کے وارث حربی کافر ہیں، اس لئے وہ مسلمان کی دیت لینے کے حق دار نہیں۔ بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس مسلمان نے اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ بھرت نہیں کی، جب کہ بھرت کی اس وقت بڑی تاکید تھی۔ اس کو تاہی کی وجہ سے اس کے خون کی حرمت کم ہے۔ (فتح القدير)

(۴) یہ ایک تیسری صورت ہے، اس میں بھی وہی کفارہ اور دیت ہے جو پہلی صورت میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر

نہ پائے اس کے ذمے دو مینے کے لگاتار روزے ہیں،^(۱) اللہ تعالیٰ سے بخوانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانے والا اور حکمت والا ہے۔^(۹۲)

اور جو کوئی کسی مومن کو قصدًا قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غصب ہے،^(۲) اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار رکھا ہے۔^(۳)^(۹۳)

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَبَدِّلًا فَجِزَاؤهُ جَهَنَّمُ حَالِدًا إِنَّمَا وَغَضَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَةُ اللَّهِ عَدَابًا عَظِيمًا^(۱)

مقتول معاشر (زمی) ہو تو اس کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہو گی، کیونکہ حدیث میں کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف بیان کی گئی ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس تیری صورت میں بھی مقتول مسلمان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

(۱) یعنی اگر گردن آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پہلی صورت اور اس آخری صورت میں دیت کے ساتھ مسلسل لگاتار (بغیر ناخ کے) دو مینے کے روزے ہیں۔ اگر درمیان میں ناخ ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ضروری ہوں گے۔ البتہ عذر شرعی کی وجہ سے ناخ ہونے کی صورت میں نئے سرے سے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے حیض، نفاس یا شدید بیماری، بجروزہ رکھنے میں مانع ہو۔ سفر کے عذر شرعی ہونے میں اختلاف ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یہ قتل عمد کی سزا ہے۔ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ قتل خطا (جس کا ذکر ما قبل کی آیت میں ہے) (۲) قتل شبہ عمد جو حدیث سے ثابت ہے۔ (۳) قتل عمد جس کا مطلب ہے، ارادہ اور نیت سے کسی کو قتل کرنا اور اس کے لیے وہ آلہ استعمال کرنا جس سے فی الواقع عادتاً قتل کیا جا رہا ہے جیسے تکوار، خیروغیرہ۔ آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت و عید بیان کی گئی ہے۔ مثلاً اس کی سزا جنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنا ہو گا، نیز اللہ کا غصب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہو گا۔ اتنی سخت سزا میں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ احادیث میں بھی اس کی سخت نہیں اور اس پر سخت و عید میں بیان کی گئی ہیں۔

(۳) مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ بعض علماء کو رہ سخت و عیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قاتل نہیں۔ لیکن قرآن و حدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہرگناہ معاف ہو سکتا ہے۔ ﴿إِلَامَنَ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (الفرقان-۷۰) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں۔ ہرگناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا یا بہت بڑا توبہ النصوح سے اس کی معافی ممکن ہے۔ یہاں اس کی سزا جنم جو بیان کی گئی ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کی یہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ اس جرم پر اسے دے سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خلود (ہمیشہ جنم میں رہنے) کا مطلب بھی مُكْتَطْ طَوِيلٌ (لبی مدت) ہے۔ کیونکہ جنم میں خلود کافروں اور مشرکوں کے لیے ہی ہے۔ علاوه ازیں قتل کا تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بھی اس کی

اے ایمان والوا جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔^(۱) تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔^(۲) پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لذاتم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم سارے اعمال سے باخبر ہے۔^(۳)

اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جماد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں،^(۴) اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جماد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر

يَا إِنَّهَا الَّتِينَ أَمْوَالَهُمْ أَدَارُوا هُنَّ فِي سَيِّئِ الْأَعْمَالِ فَتَبَيَّنُوا
وَلَا يَقُولُونَ لِمَنْ أَنْفَقُوا إِنَّمَا إِنْفَاقُكُمُ السَّلَامُ لَمَّا شَاءَ مُؤْمِنًا بِتَعْبُونَ عَرَضَ
الْعِيُوبَ الْذُّنُوبَ فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَايِرٌ كَثِيرٌ كَذَلِكَ كُلُّ نَفْسٍ مَّا فِي
هُنَّ أَنَّ اللَّهَ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا أَنْعَمَ لَكُمْ خَيْرًا^(۵)

لَا يَنْتَهُ الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِيِ الْقُرْبَةِ وَالْمُجْهَدُونَ
فِي سَيِّئِ الْأَعْمَالِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضْلَ اللَّهِ الْمُجْهَدِينَ
يَا مُؤْمِنَاهُمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَعْدِيْنَ دَرَجَةٌ وَمُلْكًا وَعَدَ اللَّهُ
الْحُسْنَى وَفَضْلَ اللَّهِ الْمُجْهَدِينَ عَلَى الْقَعْدِيْنَ أَجْرًا عَظِيمًا^(۶)

تلائی اور ازالہ فرماسکتا ہے اس طرح مقتول کو بھی بدله مل جائے گا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائے گی۔ (فتح القدير و ابن کثیر)
(۱) احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کی علاقے سے گزرے جہاں ایک چڑواہا بکریاں چراہا تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر چڑواہے نے سلام کیا، بعض صحابہ نے سمجھا کہ شاید وہ جان بچانے کے لئے اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بغیر تحقیق کے اسے قتل کر دیا اور بکریاں (اطور مال غنیمت) لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، ترمذی تفسیر سورۃ النساء) بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں پہلے تم بھی اس چڑواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے (صحیح بخاری، کتاب الدیبات) مطلب یہ تھا کہ اس قتل کا کوئی جواز نہیں تھا۔

(۲) یعنی تمہیں چند بکریاں، اس مقتول سے حاصل ہو گئیں، یہ کچھ بھی نہیں، اللہ کے پاس اس سے کہیں زیارت بہتر غنیمتیں ہیں جو اللہ و رسول کی اطاعت کی وجہ سے تمہیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں تو ان کا لمنا یقینی ہے۔

(۳) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جماد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں تو حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نایبنا صالح) وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معدود ہیں جس کی وجہ سے ہم جماد میں حصہ لینے سے محروم ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گھر میں بیٹھ رہنے کی وجہ سے جماد میں حصہ لینے والوں کے برابر ہم اجر و ثواب حاصل نہیں کر سکیں گے در آں حالیکہ ہمارا گھر میں بیٹھ رہنا بطور شوق، یا جان کی حفاظت کے نہیں ہے بلکہ عذر شرعی کی وجہ سے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرُ أُولِيِ الْقُرْبَةِ﴾ (بغیر عذر کے) کا استثنہ نازل فرمادیا یعنی عذر کے ساتھ بیٹھ رہنے والے مجہدین کے ساتھ اجر میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ «جَبَّهَهُمُ الْعُذْرُ» (ان کو عذر نے روکا ہوا ہے) (صحیح بخاری، کتاب الجمار)

ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا،^(۱) ہے لیکن مجاہدین کو
بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی
ہے۔^(۹۵)

اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور
رحمت کی بھی اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم
کرنے والا ہے۔^(۹۶)

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے
ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال
میں تھے؟^(۲) یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور
مغلوب تھے۔^(۳) فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین
کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہ لوگ ہیں جن کا
ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔^(۹۷)

ذَرْجَتِ قِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَّجِيمًا^(۱)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّهُ الْمَلِئَةُ طَالِبِيَ أَنْفِسِهِمْ
قَالُوا فِيمَا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي
الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ كُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَهَا جُرُوا
فِيهَا فَإِنَّكَ مَا ذَاهِمُ جَهَنَّمُ
وَسَاءَتْ مَصِيرًا^(۲)

(۱) یعنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو جو فضیلت حاصل ہوگی، جہاد میں حصہ نہ لینے والے اگرچہ اس سے محروم رہیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے دونوں کے ساتھ ہی بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس سے علانے استدلال کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں، فرض کافی ہے۔ یعنی اگر بقدر ضرورت آدمی جہاد میں حصہ لے لیں تو اس علاقے کے دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی یہ فرض ادا شدہ سمجھا جائے گا۔

(۲) یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں مسلمان تو ہو چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے آبائی علاقے اور خاندان چھوڑ کر ہجرت کرنے سے گریز کیا۔ جب کہ مسلمانوں کی قوت کو ایک جگہ مجتمع کرنے کے لئے ہجرت کا نامیت تاکیدی حکم مسلمانوں کو دیا جا چکا تھا۔ اس لئے جن لوگوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا، ان کو یہاں ظالم قرار دیا گیا ہے اور ان کا ٹھکانہ جنم بتلایا گیا ہے۔ جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حالات و ظروف کے اعتبار سے اسلام کے بعض احکام کفر یا اسلام کے مترادف بن جاتے ہیں جیسے اس موقع پر ہجرت اسلام اور اس سے گریز کفر کے مترادف قرار پایا۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ ایسے دارالکفر سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل اور وہاں رہنا کفر اور اہل کفر کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔

(۳) یہاں ارض (جگہ) سے مراد شان نزول کے اعتبار سے مکہ اور اس کا قرب و جوار ہے اور آگے ارض اللہ سے مراد مدینہ ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی پہلی جگہ سے مراد ارض کفار ہوگی۔ جہاں اسلام پر عمل مشکل ہو اور ارض اللہ سے مراد ہر وہ جگہ ہوگی جہاں انسان اللہ کے دین پر عمل کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے جائے۔

مگر جو مرد عورتیں اور بچے ہے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے۔^(۱) (۹۸) بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔^(۹۹) جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا، وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی،^(۲) اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آپکے دا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا،^(۳) اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا میریا ہے۔^(۱۰۰)

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفُونَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوَلَدَاتِ
لَا يُسْتَطِعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سِيمِيلًا ۝
فَأَوْلَئِكَ هُنَّا اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَعَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ
عَفْوًا أَغْفُورًا ۝

وَمَنْ يُهَايِرُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَعْجِدُ فِي الْأَرْضِ
مُرَاغِمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ تَخْرُجَ مِنْ بَيْتِه
مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ
فَقَدْ وَقَعَ أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا أَرْجِيَّمًا ۝

(۱) یہ ان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھرت سے مستثنی کرنے کا حکم ہے جو اس کے وسائل سے محروم اور راستے سے بھی بے خبر تھے۔ بچے اگرچہ شرعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے لیکن یہاں ان کا ذکر بھرت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ بچے تک بھی بھرت کریں یا پھر یہاں بچوں سے مراد قریب البلوغت بچے ہوں گے۔

(۲) اس میں بھرت کی ترغیب اور مشرکین سے مفارقت اختیار کرنے کی تلقین ہے۔ مُرَاغَمًا کے معنی جگہ، جائے قیام یا جائے پناہ ہے۔ اور سَعَةَ سے رزق یا جگہوں اور ملکوں کی کشادگی و فراخی ہے۔

(۳) اس میں نیت کے مطابق اجر و ثواب ملنے کی یقین دہانی ہے چاہے موت کی وجہ سے وہ اس عمل کے مکمل کرنے سے قاصر رہا ہو۔ جیسا کہ گزشتہ امتوں میں سے ایک سو افراد کے قاتل کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ جو توبہ کے لئے نیکوں کی ایک بستی میں جا رہا تھا کہ راستے میں موت آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے نیکوں کی بستی کو، بہ نسبت دوسری بستی کے قریب تر کر دیا جس کی وجہ سے اسے ملائکہ رحمت اپنے ساتھ لے گئے (صحیح بخاری، کتاب الأنبياء، باب ماذکر عن بنی إسرائيل نمبر ۵۳ و مسلم کتاب التوبۃ، باب قبول توبۃ القاتل وَإِنْ كثُرْ قُتْلُهُ، اسی طرح جو شخص بھرت کی نیت سے گھر سے نکلے لیکن راستے میں ہی اسے موت آجائے تو اسے اللہ کی طرف سے بھرت کا ثواب ضرور ملے گا، کوئی وہ بھرت کے عمل کو پایا یہ تک بھی نہ پہنچا سکا ہو۔ جیسے حدیث میں بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْيَنِيَّاتِ»، «عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے»، «وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرٍ يَعْلَمُ مَا نَوَى»، آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے بھرت کی پس، اس کی بھرت ان ہی کے لئے ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے بھرت کی پس اس کی بھرت اسی کے لئے ہے جس نیت سے اس نے بھرت کی۔ (صحیح بخاری، باب بدء الوحی و مسلم، کتاب الإمارۃ) یہ حکم عام ہے جو دین کے ہر کام کو شامل ہے۔ یعنی اس کو کرتے وقت اللہ کی رضا پیش نظر ہوگی تو وہ مقبول، ورنہ مردود ہو گا۔

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے،^(۱) یقیناً کافر تھارے کھلے دشمن ہیں۔^(۲) جب تم ان میں ہو اور ان کے لئے نماز کھڑی کرو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ اپنے تھیار لئے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے تھیار لئے رہے، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے تھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ، تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں،^(۳) ہاں اپنے تھیار

وَإِذَا أَصْرَبْتُمُ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَعْصِرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خَفْتُمْ أَنْ يَقْتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَفَرِيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝^(۱)
وَإِذَا كُنْتُمْ فِي هُجُونٍ فَاقْتُلُوا لَهُمُ الْأَصْلَوَةَ فَلَنْ تَعْلَمُوا مَنْ هُمْ مَعَكُمْ وَلَيَأْخُذُوهُمْ أَخْرَى لَمْ يُصْلُوْا فَلَيُصْلُوْا مِنْ وَرَاءِكُمْ مُّوَلَّتَاهُمْ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصْلُوْا فَلَيُصْلُوْا مَعَكُمْ وَلَيَأْخُذُوهُمْ أَخْدُرُهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَلِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ تَعْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِهِمْ وَأَمْعَيْتُكُمْ فَيَبْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً تَوْحِيدَهُمْ وَلَا جُنَاحٌ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ آذِيَّةٌ فِيْ مَطِيرٍ أَوْ كُنْدُوْمٍ مُّرْضِيٍّ أَنْ تَصْعُوْ أَسْلِحَتَكُمْ ۝

(۱) اس میں حالت سفر میں نماز قصر کرنے (دو گانہ ادا کرنے) کی اجازت دی جا رہی ہے۔ إِنْ خَفْشُمْ "اگر تمہیں ڈر ہو....." غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس وقت پورا عرب دار الحرب بنا ہوا تھا۔ کسی طرف کا بھی سفر خطرات سے خالی نہیں تھا۔ یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ سفر میں خوف ہو تو قصر کی اجازت ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اور بھی بعض مقالات پر اس قسم کی قیدیں بیان کی گئی ہیں جو اتفاقی یعنی غالب احوال کے اعتبار سے مثلاً ﴿لَا تَأْكُلُوا إِلَيْتُمْ أَصْعَافًا مُّضَعَّفَةً﴾ (آل عمران-۱۳۰)
﴿وَلَا تَكُونُوا مُّقْتَلِيْنَ عَلَى إِلْعَاعَلَنَ أَذْقَنَ تَحْسِنُتَا﴾ (النور-۳۳) تم اپنی لوگوں کو بد کاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے پختا چاہیں۔
چونکہ پختا چاہتی تھیں، اس لئے اللہ نے اسے بیان فرمادیا۔ یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بد کاری پر آمادہ ہوں تو پھر تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم ان سے بد کاری کروالیا کرو ﴿ وَرَبِّكُمُ الَّتِيْ فِيْ جُنُونٍ لَّمْ يَقْنُتْ شَكَلَكُمْ ۝ وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ﴾ (النساء-۲۳) بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ذہن میں بھی یہ اشکال آیا کہ اب تو امن ہے، ہمیں سفر میں نماز قصر نہیں کرنی چاہئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے صدقہ ہے، اس کے صدقے تو قبول کرو۔" (مسند احمد جلد ا، ص ۲۵۶، ۲۵۷ و صحیح مسلم، کتاب المسافرین اور دیگر کتب حدیث)

ملحوظہ: سفر کی مسافت اور ایام قصر کی تعین میں کافی اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ۳ فرخ (یعنی ۹ کوس) والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (تلل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۲۰) اسی طرح بہت سے محققین علماء بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ دوران سفر کسی ایک مقام پر تین یا چار دن سے زیادہ قیام کی نیت نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو پھر نماز قصر کی اجازت نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرعاۃ المفاتیح)

(۲) اس آیت میں صلوٰۃ الخوف کی اجازت بلکہ حکم دیا جا رہا ہے۔ صلوٰۃ الخوف کے معنی ہیں، خوف کی نماز۔ یہ اس وقت

اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو یا بوجہ بارش کے یا بسبب بیمار ہو جانے کے اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔^(۱۰۲)

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو^(۱) اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو!^(۲) یقیناً نمازوں پر مقررہ وقت پر فرض ہے،^(۳)

وَخُذْ وَاحِدُ رَبَّكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعْدَى لِلْكُفَّارِ عَذَابًا شَهِيدًا

فَإِذَا قَصَدْتُمُ الصَّلَاةَ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ قِيمًا وَقَعْدًا
وَعَلَى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا أَطْمَأْنَتُمْ فَأَقِمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ
الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كَثِيرًا مُوْقُوتًا

مشروع ہے جب مسلمان اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لئے تیار کھڑی ہوں اور ایک لمحے کی بھی غفلت مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک ثابت ہو سکتی ہو۔ ایسے حالات میں اگر نماز کا وقت ہو جائے تو صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا حکم ہے، جس کی مختلف صورتیں حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ دشمن کے بال مقابل کھڑا رہا اک کافروں کو حملہ کرنے کی جست نہ ہوا اور ایک حصے نے آکر بنی ملکہ^(۱) کے پیچے نماز پڑھی۔ جب یہ حصہ نماز سے فارغ ہو گیا تو یہ پہلے کی جگہ مورچہ زن ہو گیا اور مورچہ زن حصہ نماز کے لئے آگیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ملکہ^(۲) نے دونوں حصوں کو ایک ایک رکعت نماز پڑھائی، اس طرح آپ ملکہ^(۳) کی دور رکعت اور باقی فوجیوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ بعض میں آتا ہے کہ دو دور رکعات پڑھائیں، اس طرح آپ کی چار رکعت اور فوجیوں کی دو دور رکعت ہوئیں اور بعض میں آتا ہے کہ ایک رکعت پڑھ کر التیحیات کی طرح بیٹھنے رہے، فوجیوں نے کھڑے ہو کر اپنے طور پر ایک رکعت اور پڑھ کر دو رکعات پوری کیں اور دشمن کے سامنے جا کر ڈٹ گئے۔ دوسرے حصے نے آکر بنی ملکہ^(۴) کے پیچے نماز پڑھی، آپ ملکہ^(۵) نے انہیں بھی ایک رکعت پڑھائی اور التیحیات میں بیٹھے گئے اور اس وقت تک بیٹھنے رہے جب تک فوجیوں نے دوسری رکعت پوری نہیں کر لی۔ پھر ان کے ساتھ آپ ملکہ^(۶) نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح آپ ملکہ^(۷) کی بھی دور رکعت اور فوج کے دونوں حصوں کی بھی دور رکعات ہوئیں۔ (دیکھئے کتب حدیث)

(۱) مراد یہی خوف کی نماز ہے اس میں چونکہ تخفیف کر دی گئی ہے، اس لئے اس کی تلافی کے لئے کما جا رہے کہ کھڑے، بیٹھنے، لیئے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

(۲) اس سے مراد ہے کہ جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے تو پھر نماز کو اس کے اس طریقے کے مطابق پڑھنا ہے جو عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔

(۳) اس میں نماز کو مقرر وقت میں پڑھنے کی تائید ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر شرعی عذر کے دونمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کم از کم ایک نماز غیر وقت میں پڑھی جائے گی جو اس آیت کے خلاف ہے۔

ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھنے رہوا^(۱) اگر تمیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ امیدیں رکھتے ہو، جو امیدیں انہیں نہیں،^(۲) اور اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے۔ (۱۰۳)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے^(۳) اور خیانت کرنے والوں^(۴) کے حماقی نہ بنو۔ (۱۰۵)

وَلَا يَهُنُوا فِي ابْتِغَاهِ الْقُوَّةِ إِنْ تَكُونُوا أَنَّا مُؤْمِنُوْنَ
فَإِنَّهُمْ يَأْكُلُونَ كَمَا أَنَّا مُؤْمِنُوْنَ وَرَجُوْنَ مِنَ النَّوْمِ
لَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَا حَيَّنَا ۝

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ بِالْعِينِ لِتَعْلَمُوْنَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَيْتُكُمْ
اللَّهُمَّ وَلَا تَنْهَى لِلْخَانِيْنَ خَصِّيْمًا ۝

(۱) یعنی اپنے دشمن کے تعاقب کرنے میں کمزوری مت دکھاؤ، بلکہ ان کے خلاف بھرپور جدوجہد کرو اور گھات لگا کر بیٹھو۔
 (۲) یعنی زخم تو تمیں بھی اور انہیں بھی دونوں کو پہنچے ہیں لیکن ان زخموں پر تمیں تو اللہ سے اجر کی امید ہے لیکن وہ اس کی امید نہیں رکھتے۔ اس لئے اجر آخرت کے حصول کے لئے جو محنت و کاؤش تم کر سکتے ہو، وہ کافر نہیں کر سکتے۔
 (۳) ان آیات (۱۰۳ سے ۱۰۳ تک) کی شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طمعہ یا بشیر بن ابیرق نے ایک انصاری کی زرہ چراں، جب اس کا چرچا ہوا اور اس کو اپنی چوری کے بے نقاب ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے وہ ذرہ ایک یہودی کے گھر پھینک دی اور بنی ظفر کے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر بنی ملکہ[ؑ] کی خدمت میں پہنچ گیا، ان سب نے کہا کہ زرہ چوری کرنے والا فلاں یہودی ہے۔ یہودی نبی ملکہ[ؑ] کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ بنی ابیرق نے زرہ چوری کر کے میرے گھر پھینک دی ہے۔ بنی ظفر اور بنی ابیرق (طمعہ یا بشیر وغیرہ) ہشیار تھے اور نبی ملکہ[ؑ] کو باور کرتے رہے کہ چور یہودی ہی ہے اور وہ طمعہ پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ نبی ملکہ[ؑ] بھی ان کی چکنی چیزی باتوں سے متاثر ہو گئے اور قریب تھا کہ اس انصاری کو چوری کے الزام سے بری کر کے یہودی پر چوری کی فرد جرم عائد فرمادیتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ جس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ملکہ[ؑ] بھی بہ حیثیت ایک انسان کے غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ ملکہ[ؑ] پر فوراً صور تحوال واضح ہو جاتی۔ تیسرا بات یہ معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی حق کے پوشیدہ رہ جانے اور اس سے ادھر ادھر ہو جانے کا مرحلہ آجائے تو فوراً اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرماتا اور اس کی اصلاح فرمادیتا ہے جیسا کہ عصمت انبیا کا تقاضا ہے۔ یہ وہ مقام عصمت ہے جو انبیا کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

(۴) اس سے مراد وہی نبی ابیرق ہیں۔ جنہوں نے چوری خود کی لیکن اپنی چرب زبانی سے یہودی کو چور باور کرنے پر تسلی ہوئے تھے۔ اگلی آیات میں بھی ان کے اور ان کے حامیوں کے غلط کردار کو نمایاں کر کے نبی ملکہ[ؑ] کو خبردار کیا جا رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگوا^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا، مرباںی کرنے والا ہے۔ (۱۰۶)

اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دعا باز گنگار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔ (۱۰۷)

وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔ (۱۰۸)

ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ اور وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟^(۲) (۱۰۹)

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، مرباںی کرنے والا پائے گا۔ (۱۱۰)

وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

وَلَا يَجِدُنَّ عَنِ الَّذِينَ يَعْتَدُونَ أَنْفُسَهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَأَيْحُجُّ مِنْ كَانَ حَوْانًا أَيْثِمًا ۝

يَسْتَخْفُونَ مِنَ التَّابِسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعْهُمْ إِذَا يَبْيَسُونَ تَأْلِيمُهُ مِنَ الْقُوَّلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝

فَإِنَّمَا هُؤُلَاءِ جَاهَدُ لَنُّهُ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُ فَرِيقُهُمْ الظَّالِمُوْمُ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ۝

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَعْدُدُ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

(۱) یعنی بغیر تحقیق کئے آپ ﷺ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے، اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرقین میں سے جب تک کسی کی بابت پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے، اس کی حمایت ووکالت کرنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اگر کوئی فرقہ دھوکے اور فریب اور اپنی چرب زبانی سے عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے گا در آں حاکیک وہ صاحب حق نہ ہو تو ایسے فیصلے کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا خبردار! میں ایک انسان ہی ہوں اور جس طرح میں ستا ہوں، اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے ایک شخص اپنی دلیل و مجت پیش کرنے میں تیز طرار اور ہشیار ہو اور میں اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں و رآن حاکیک وہ حق پر نہ ہو اور اس طرح میں دوسرے مسلمان کا حق اسے دے دوں، اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ آگ کا نکلا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری، کتاب الشهادة والحیل والاحکام۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ)

(۲) یعنی جب اس گناہ کی وجہ سے اس کا مٹا خذہ ہو گا تو کون اللہ کی گرفت سے اسے بچا سکے گا؟

اور جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے^(۱) اور اللہ بخوبی جانے والا اور پوری حکمت والا ہے۔^(۳)

اور جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمہ تھوپ دے، اس نے بہت بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا۔^(۲)^(۴)

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تو تجھے بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا،^(۳) مگر دراصل یہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں، یہ تمرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا^(۴) اور اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔^(۵)

وَمَنْ يَكْسِبْ إِلَّا نَفْسَهُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَوْلَى
عَلِيهِمَا حَمْكِمًا^(۶)

وَمَنْ يَكْسِبْ خَلِيلَهُ أَوْ إِشَائِرَتَهُ تَرْمِيهٌ بِهِ بَرِئٌ فَقَدِ احْتَمَلَ
بِهِمَا نَارًا وَإِنَّمَا يُمْبَيِّنَا^(۷)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى فِي هُنَّهُ
أَنْ يُضْلُوكَ وَمَا يُضْلُوكَ إِلَّا نَفْسُهُمْ وَمَا يَعْلَمُونَ كَمْ مِنْ
شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلِمَكَ
مَا لَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا^(۸)

(۱) اس مضمون کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَلَا تَتَرُدْ وَلَا زَرْعٌ قَذْرَاءُ خَرْيٌ ﴾ (بی‌ اسرائیل-۱۵) ”کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“ یعنی کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہو گا، ہر نفس کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کما کر ساختہ لے گیا ہو گا۔

(۲) جس طرح بنو ایزرق نے کیا کہ چوری خود کی اور تہمت کسی اور پر دھر دی۔ یہ زجر و توبخ عام ہے۔ جو بنو ایزرق کو بھی شامل ہے اور ان کو بھی جوان کی سی بد خصلتوں کے حال اور ان جیسے برے کاموں کے مرکب ہوں گے۔

(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیا علیم السلام کے لئے فرمایا ہے جو انبیا پر اللہ کے فضل خاص اور اس کی رحمت خاصہ کا مظہر ہے۔ طائفہ (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنو ایزرق کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے جس سے یہ اندریشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ اس شخص کو چوری کے الزام سے بری کر دیں گے، جو فی الواقع چور تھا۔

(۴) یہ دوسرے فضل و احسان کا ذکر ہے جو آپ ﷺ پر کتاب و حکمت (سنن) نازل فرمایا اور ضروری باتوں کا علم دے کر فرمایا گیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَنْفُسِكُنَا لِتَذَكَّرَ بِالْكِتَابِ وَلَا إِلَهَ مُّلْكُ الْأَمْمَانِ ﴾ (الشوری-۵۲)

”اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف (قرآن لے کر) ایک فرشتہ اپنے حکم سے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟“ ﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوا أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ﴾ (القصص-۸۶)

”اور تجھے یہ موقع نہیں تھی کہ تجھ پر کتاب اتاری جائے گی، مگر تیرے رب کی رحمت سے (یہ کتاب اتاری گئی)“ ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ ﷺ پر فضل و احسان فرمایا اور کتاب و حکمت بھی عطا فرمائی، ان کے علاوہ ویگر بہت سی باتوں کا آپ ﷺ کو علم

ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں،^(۱) ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے^(۲) اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے^(۳) اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے^(۴)

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر

لَا خَيْرٌ فِي كُثُرٍ قَنْ تَجُونُهُمْ إِلَامَ أَمْرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ اِصْلَامٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ إِنْعِقَاءً مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسُوقَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا^(۵)

وَمَنْ يُشَارِقَ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُؤْلِهِ

دیا گیا جن سے آپ ﷺ بے خبر تھے۔ یہ بھی گویا آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نظر ہے کیونکہ جو خود عالم الغیب ہو، اسے تو کسی اور سے علم حاصل کرنے کی ضرروت ہی نہیں ہوتی اور جسے دوسرے سے معلومات حاصل ہوں، وہی کے ذریعے سے یا کسی اور طریقے سے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔

(۱) تَجْوَى (سرگوشی) سے مراد وہ باتیں ہیں جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف یا ایک دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔

(۲) یعنی صدقہ خیرات، معروف (جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے) اور اصلاح بین الناس کے بارے میں مشورے، خیر پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ان امور کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔

(۳) کیونکہ اگر اخلاص (یعنی رضائے الہی کا مقصد) نہیں ہو گا تو بڑے سے بڑا عمل بھی نہ صرف ضائع جائے گا بلکہ وبال جان بن جائے گا۔ نعموذ بالله من الربا و النفاق۔

(۴) احادیث میں اعمال مذکورہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اللہ کی راہ میں حلال کمائی سے ایک سمجھور کے برابر صدقہ بھی احمد پیار جتنا ہو جائے گا (صحیح مسلم، کتاب الزکوة)، نیک بات کی اشاعت بھی بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح رشتہ داروں، دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کراؤنا، بہت بڑا عمل ہے۔ ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقات و خیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے۔ فرمایا «أَلَا أَخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟» قالوا بَلَى: قال: «إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ»، قال: «وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِفَةُ» (ابوداؤد، کتاب البر، من مسن احمد ۶/ ۲۲۵، ۲۲۲) حتیٰ کہ صلح کرانے والے کو جھوٹ تک بولنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ اسے ایک دوسرے کو قریب لانے کے لئے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے۔ «لَيْسَ الْكَذَابُ الَّذِي يُصلحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْهَا خَيْرًا أوْ يَقُولُ خَيْرًا» (بخاری، کتاب الصلح مسلم والترمذی، کتاب البر، ابوداؤد، کتاب الأدب) ”وَهُوَ شَخْصٌ جَحْوَثًا نَهْيَنَّ هُوَ جَوَّاگُوْنَ کے درمیان صلح کرانے کے لئے اچھی بات پھیلاتا یا اچھی بات کرتا ہے۔“

دیں گے جدھروہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے،^(۱) وہ پہنچنے کی بست ہی بری جگہ ہے۔ (۱۵)

اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (۱۶)

یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں^(۲) اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوچھتے ہیں۔ (۱۷) (۷)

مَا تَوَلَّ وَنُصِّلِهِ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا^(۸)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ وَيَعْفُرُ مَا دُوْنَ ذَلِكَ
لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلَالًا بَعْدَهُ^(۹)

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِهِ إِلَّا إِنْثَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ
إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا^(۱۰)

(۱) ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی، دین اسلام سے خروج ہے جس پر یہاں جنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مومنین سے مراد صحابہ کرام ﷺ ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان آیات کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی گروہ مومنین موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔ اس لئے رسول ﷺ کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اس لئے صحابہ کرام ﷺ کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر و ضلال ہی ہے۔ بعض علماء نے سبیل المومنین سے مراد اجماع امت یا یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی مسئلے میں امت کے تمام علماء فقہاء کا اتفاق۔ یا کسی مسئلے پر صحابہ کرام ﷺ کا اتفاق یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ تاہم صحابہ کرام ﷺ کا اتفاق تو بست سے مسائل میں ملتا ہے یعنی اجماع کی یہ صورت تولتی ہے۔ لیکن اجماع صحابہ ﷺ کے بعد کسی مسئلے میں پوری امت کے اجماع و اتفاق کے دعوے تو بست سے مسائل میں کئے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل بست ہی کم ہیں۔ جن میں فی الواقع امت کے تمام علماء فقہاء کا اتفاق ہو۔ تاہم ایسے جو مسائل بھی ہیں، ان کا انکار بھی صحابہ ﷺ کے اجماع کے انکار کی طرح، کفر ہے۔ اس لئے کہ صحیح حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔“ (صحیح ترمذی للألبانی جلد نمبر ۲۵۹)

(۲) إِنَّثَ (عورتیں) سے مراد یا توهہ بست ہیں جن کے نام مونث تھے جیسے لات، عزی، مناء، نائلہ وغیرہ۔ یا مراد فرشتے ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

(۳) بتوں، فرشتوں اور دیگر ہستیوں کی عبادت دراصل شیطان کی عبادت ہے۔ کیونکہ شیطان ہی انسان کو اللہ کے در سے چھڑا کر دوسروں کے آستانوں اور چوکھوں پر جھکاتا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ
تیرے بندوں میں سے میں مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں
گا۔^(۱)
^(۲)

اور انہیں راہ سے بہ کاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا
رہوں گا^(۳) اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر
دیں،^(۴) اور ان سے کوئی گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی
صورت کو بگاڑ دیں،^(۵) سنوا! جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان
کو اپنارفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔^(۶)
وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا، اور سبز باغ دکھاتا
رہے گا، (مگر یاد رکھو!) شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں
وہ سراسر فریب کاریاں ہیں۔^(۷)
یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جنم ہے، جہاں سے انہیں
چھکارانہ ملے گا۔^(۸)

۱۷۹۷۰ اللہ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَقَالَ لَا تَجِدُنَّ مِنْ عِبَادَتِكَ نَصِيبًا
مَفْرُوضًا^(۹)

۱۷۹۷۱ وَلَا يُفْلِمُهُمْ وَلَا يُمْنِيَهُمْ وَلَا يُرْتَهِمْ فَلَمَبَتَكُنْ أَذَانَ
الْأَنْعَامِ وَلَا يُرْتَهِمْ فَلَيَعْتَدُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِدُ
الشَّيْطَنَ وَلَيَأْتِ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَرَّ خَرَانًا مُبْشِّرًا^(۱۰)
۱۷۹۷۲ يَعِدُهُمْ وَمَنْ يُتَّهِمُهُ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَنُ إِلَّا فَرَوْزًا^(۱۱)

۱۷۹۷۳ أُولَئِكَ مَا وَهُوَ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَمَّا مَجِعُصًا^(۱۲)

(۱) مقرر شدہ حصہ سے، مراد وہ نذر و نیاز بھی ہو سکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں مدفن اشخاص کے نام
نکالتے ہیں اور جہنمیوں کا وہ کوٹ بھی ہو سکتا ہے جنہیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جنم میں لے جائے گا۔

(۲) یہ وہ باطل امیدیں ہیں جو شیطان کے وسوسوں اور دخل اندازی سے پیدا ہوتی اور انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔

(۳) یہ بھی رہ اور سائبہ جانوروں کی علامتیں اور صورتیں ہیں۔ مشرکین ان کو بتوں کے نام وقف کرتے تو شناخت کے
لئے ان کا کان وغیرہ چیر دیا کرتے تھے۔

(۴) تَغْيِيرُ خَلْقِ اللَّهِ (اللہ کی تخلیق کو بدلتا) کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہی جس کا ابھی یہاں ذکر ہوا یعنی کان
وغیرہ کاٹنا، چیرنا، سوراخ کرنا، ان کے علاوہ اور کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، پھر اور آگ وغیرہ اشیا
 مختلف مقاصد کے لئے بنائی ہیں، لیکن مشرکین نے ان کے مقصد تخلیق کو بدلت کر ان کو معبد بنالیا۔ یا تغیر کا مطلب تغیر
 فطرت ہے، یا حلت و حرمت میں تبدیلی ہے۔ وغیرہ۔ اسی تغیر میں مردوں کی نس بندی کر کے اور اسی طرح عورتوں کے
 آپریشن کر کے انہیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینا۔ میک اپ کے نام پر ابروؤں کے بال وغیرہ اکھاڑ کر
 اپنی صورتوں کو مسح کرنا اور وشم (یعنی گود نے گدوانا) وغیرہ بھی شامل ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں جن سے پچنا ضروری
 ہے۔ البتہ جانوروں کو اس لئے خصی کرنا کہ ان سے زیادہ انتقام ہو سکے یا ان کا گوشت زیادہ بہتر ہو سکے یا اسی قسم کا کوئی
 اور صحیح مقصد ہو، تو جائز ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خصی جانور قربانی میں ذبح فرمائے
 ہیں۔ اگر جانور کو خصی کرنے کا جواز نہ ہو تو آپ ﷺ ان کی قربانی نہ کرتے۔

اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں، جہاں یہ ابد الایاد رہیں گے، یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر چاہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟^(۱) (۱۲۲)

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے، جو برا کرے گا اسکی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد، اللہ کے پاس کر سکے۔ (۱۲۳)

جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے، یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گھٹلی کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔^(۲) (۱۲۴)

باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے؟ جو اپنے کو اللہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَدِلَخُلُومُجَبَّتٍ
تَجْرِي مِنْ عَنْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِيلِينَ فِيهَا آبَدًا وَعَدَ اللَّهُ
حَقَّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝

لَئِنْ يَأْمَنْتُكُمْ وَلَا أَمَانَ فِي أَهْلِ الْكُنْشِ مَنْ يَعْمَلْ
سُوءً إِنْجَزَهُ ۝ وَلَا يَعْدُلُهُ مَنْ دُونَ اللَّهِ وَلِيَأْ
وَلَا نَصِيرًا ۝

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝

وَمَنْ أَخْسَنْ دِينًا مَمَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

(۱) شیطانی وعدے تو سراسر دھوکہ اور فریب ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں اللہ کے وعدے جو اس نے اہل ایمان سے کئے ہیں پچے اور برحق ہیں، اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے؟ لیکن انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ چہوں کی بات کو کم مانتا ہے اور بھنوں کے تیچھے زیادہ چلتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لجھے کہ شیطانی چیزوں کا چلن عام ہے اور ربائی کاموں کو اختیار کرنے والے ہر دور میں اور ہر جگہ کم ہی رہے ہیں اور کم ہی ہیں ﴿ وَقَبِيلٌ مِنْ عَبْدَادِ الشَّكُورِ ﴾ (سبا-۱۳) ”میرے شکر گزار بندے کم ہی ہیں“

(۲) جیسا کہ پسلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے متعلق بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی خوش فہمیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کی کامیابی محض امیدوں اور آرزوؤں سے نہیں ملے گی۔ اس کے لئے تو ایمان اور عمل صالح کی پونچی ضروری ہے۔ اگر اس کے بر عکس نامہ اعمال میں برا بیاں ہوں گی تو اسے ہر صورت میں اس کی سزا بھکتنی ہو گی، وہاں کوئی ایسا دوست یا مددگار نہیں ہو گا جو برائی کی سزا سے بچا سکے۔ آیت میں اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی خطاب فرمایا ہے تاکہ وہ بھی یہود و نصاریٰ کی سی غلط فہمیوں، خوش فہمیوں اور عمل سے خالی آرزوؤں اور تمناؤؤں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔ لیکن افسوس مسلمان اس تنبیہ کے باوجود انہیں خام خیالیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں سابقہ اتنیں گرفتار ہوئیں۔ اور آج بے عملی اور بد عملی مسلمان کا بھی شعار بنی ہوئی ہے اور اس کے باوجود وہ امت مرحومہ کملانے پر مصر ہے۔ هذانا اللہ تعالیٰ۔

کے تابع کر دے اور ہو بھی نیکو کار، ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کر رہا ہو اور ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنایا ہے^(۱) (۲۵)

آسانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔^(۲) (۲۶)

آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں،^(۳) آپ کہہ دیجئے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے^(۴) اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی

وَاتَّبَعَ مَلَةً إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا^(۱)

وَلَلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ مُّحِيطًا^(۲)

وَيَسْأَلُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتَنُكُمْ فِيهَا وَمَا
يُشَلِّ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي مِنْهَا النِّسَاءُ الَّتِي لَا
تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُلِّبْتُ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعِفَيْنَ مِنَ الْوُلْدَانِ وَأَنْ تَقْوِمُوا لِيَتَسْعَى

(۱) یہاں کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا جا رہا ہے۔ معیار یہ ہے کہ اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے، محض بن جائے اور ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرے اور نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ خلیل کے معنی ہیں کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح راخ ہو جائے کہ کسی اور کے لئے اس میں جگہ نہ رہے۔ خلیل (بروزن فعل) بمعنی فاعل ہے جیسے علیم بمعنی عالم اور بعض کہتے ہیں کہ بمعنی مفعول ہے۔ جیسے حبیب بمعنی محبوب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یقیناً اللہ کے محب بھی تھے اور محبوب بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام (فتح القدیر)۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے ”اللہ نے مجھے بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔“ (صحیح مسلم، کتاب المساجد)

(۲) عورتوں کے بارے میں جو سوالات ہوتے رہتے تھے، یہاں سے ان کے جوابات دیئے جا رہے ہیں۔

(۳) وَمَا يَنْلَى عَلَيْكُمْ — اس کا عطف اللہ يُفْتَنُكُمْ — پر ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی بait وضاحت فرماتا ہے اور کتاب اللہ کی وہ آیات وضاحت کرتی ہیں جو اس سے قبل یتیم لڑکوں کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں۔ مراد ہے سورہ نساء کی آیت ۲۳ جس میں ان لوگوں کو اس بے انصافی سے روکا گیا ہے کہ وہ یتیم لڑکی سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی تو کر لیتے تھے لیکن مرشد دینے سے گریز کرتے تھے۔

رغبت رکھتے ہو^(۱) اور کمزور بچوں کے بارے میں^(۲) اور اس بارے میں کہ تیبیوں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔^(۳) تم جو نیک کام کرو، بے شبه اللہ اے پوری طرح جانے والا ہے۔^(۴)

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔^(۵) صلح بست بہتر چیز ہے، طمع ہر ہر نفس

بِالْقُسْطِ وَمَا نَعْلَمُ أَمْنٌ خَيْرٌ قَوْنَ اللَّهُ كَانَ بِهِ عَلِيهِما

وَإِنْ امْرَأً خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوذًا فَإِغْرِاصًا فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُضْلِلُ حَابِيَنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ حَيْثُ
وَاحْضَرَتِ الْأَنْفُسُ الشَّهْمَ وَإِنْ شُخْنُوا وَتَعَوَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ

(۱) اس کے دو ترجیح کئے گئے ہیں، ایک تو یہی جو مرحوم مترجم نے کیا ہے، اس میں فی الفاظ مخدوف ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ عن کالفاظ مخدوف مان کر کیا گیا ہے یعنی تَرَغَبُونَ عَنْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ، ”تمہیں ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو“ رغب کا صد عن آئے تو معنی اعراض اور بے رحمتی کے ہوتے ہیں۔ جیسے ﴿ وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ قِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ ﴾ میں ہے یہ گویا دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ یتیم لڑکی بعض دفعہ بد صورت ہوتی تو اس کے ولی یا اس کے ساتھ وراثت میں شریک دوسرے و رثا خود بھی اس کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتے اور کسی دوسری جگہ بھی اس کا نکاح نہ کرتے، تاکہ کوئی اور شخص اس کے حصہ جائیداد میں شریک نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی صورت کی طرح ظلم کی اس دوسری صورت سے بھی منع فرمایا۔

(۲) اس کا عطف یتامی النساء۔ پر ہے۔ یعنی (وَمَا يُنْهَى عَلَيْكُمْ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ وَفِي الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوَلِدَانِ) ”یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر جو پڑھا جاتا ہے (سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳) اور کمزور بچوں کی بابت جو پڑھا جاتا ہے“ اس سے مراد قرآن کا حکم ﴿ يُؤْصِنُكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ﴾ ہے جس میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ جب کہ زمانہ جالمیت میں صرف بڑے لڑکوں کو ہی وارث سمجھا جاتا تھا، چھوٹے کمزور بچے اور عورتیں وراثت سے محروم ہوتی تھیں۔ شریعت نے سب کو وارث قرار دیا۔

(۳) اس کا عطف بھی یتامی النساء۔ پر ہے۔ یعنی کتاب اللہ کا یہ حکم بھی تم پر پڑھا جاتا ہے کہ تیبیوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔ یتیم بچی صاحب جمال ہوت بھی اور بد صورت ہوت بھی۔ دونوں صورتوں میں انصاف کرو (جیسا کہ تفصیل گزری)

(۴) خاوند اگر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو ناپسند کرے اور اس سے دور رہتا (نشوز) اور اعراض کرنا معمول بنالے یا ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں کسی کم تر خوب صورت بیوی سے اعراض کرے تو عورت اپنا کچھ حق چھوڑ کر (مر سے یاتان و نفقہ سے یا باری سے) خاوند سے مصالحت کر لے تو اس مصالحت میں خاوند یا بیوی پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ صلح بہر حال بہتر ہے۔ حضرت ام المؤمنین سودۃ اللہ علیہما نبہ نے بھی بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ اللہ علیہما کے لئے ہے کہ دی تھی جسے نبی ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم۔ کتاب النکاح)

میں شامل کر دی گئی ہے۔^(۱) اگر تم اچھا سلوک کرو اور پہیز گاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے۔^(۲۸)

تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام یوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لئے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسرا کو ادھر لکھتی ہوئی نہ چھوڑو^(۳) اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔^(۲۹)

اور اگر میاں یوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا،^(۴) اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔^(۳۰)

كَانَ إِيمَانَهُمْ أَجْيَادًا ^(۱۸)

وَلَنْ تَسْتَطِعُوْا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْخَرَضُمْ
فَلَا تَبِيلُوا أَهْلَ الْبَيْلِ فَتَذَرُّوْفَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَلَنْ تُصْلِحُوا
وَتَعْوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ^(۱۹)

وَلَنْ يَتَفَرَّقَا يَعْنِي اللَّهُ كَلَّا مِنْ سَعْيِهِ وَكَانَ
اللَّهُ وَاسِعًا حِكْمَتِهِ ^(۲۰)

(۱) شُجُل اور طمع کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے یعنی ہر نفس اپنے مفاد میں بُجل اور طمع سے کام لیتا ہے۔

(۲) یہ ایک دوسری صورت ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ یوں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ محبت، فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے۔ خود نبی ﷺ کو بھی اپنی یوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہؓ سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو عند اللہ قابل مؤاخذه نہیں۔ جس طرح کہ نبی ﷺ نے اس کامنایت عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی محبت کی وجہ سے دوسری یوں کے حقوق کی ادائیگی میں بست کوتاہی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی ”محبوب یوں“ کی طرح دوسری یوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور انہیں معلقة (در میان میں لکھی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں، نہ انہیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے ”جس شخص کی دو یوں ہوں اور وہ ایک کی طرف ہی مائل ہو (یعنی دوسری کو نظر انداز کئے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (یعنی نصف) ساقط ہو گا۔ (ترمذی، کتاب النکاح)

(۳) یہ تیسرا صورت ہے کہ کوشش کے باوجود اگر بناہ کی صورت نہ بنے تو پھر طلاق کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ ممکن ہے علیحدگی کے بعد مرد کو مطلوبہ صفات والی یوں اور عورت کو مطلوبہ صفات والامردیل جائے۔ اسلام میں طلاق

زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پسلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو کہ اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بہت بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ (۱۳۱)

اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کار ساز کافی ہے۔ (۱۳۲)

اگر سے منظور ہو تو اے لوگوا وہ تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (۱۳۳)

جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا ثواب موجود ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔ (۱۳۴)

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَلَقَدْ وَصَّلَنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِنَّا لَكُمْ أَنْقُوْلَهُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَنِّيَّا حَمِيدًا ﴿۱۷﴾

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۸﴾

إِنَّ يَشَايِدُهُنَّ كُلُّ أَيْثَارِ النَّاسِ وَيَأْتِيْتُ بِآخِرِيْنَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَلِكَ قَدِيرًا ﴿۱۹﴾

مَنْ كَانَ يُرِيدُ تَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ تَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَوْكِنُهُ كَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بِعَصِيرًا ﴿۲۰﴾

کو اگرچہ سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے اَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ الطَّلاقُ (رواه ابو داود مسکونہ، "طلاق حلال تو ہے لیکن یہ ایسا حلال ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے) "اس کے باوجود اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ بعض دفعہ حالات ایسے موڑ پر بیٹھ جاتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ مذکورہ حدیث میں صحت اسناد کے اعتبار سے اگرچہ ضعف ہے تاہم قرآن و سنت کی نصوص سے یہ واضح ہے کہ یہ حق اسی وقت استعمال کرنا چاہئے جب بنا کی کوئی صورت کسی طرح بھی نہ بن سکے۔

ملحوظہ: حدیث مذکورہ اَبْغَضُ الْحَلَالِ ...، کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے (ارواء الغلیل، نمبر ۲۰۳۰) تاہم عذر شرعی کے بغیر طلاق کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ و کاملہ کا اظہار ہے جب کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے وَإِنْ شَتَّوْلَوْيَسْبِيلُوْنَ قَوْمًا عَيْدَرْكُلَّهُ لَأِلَّا كُوْنُوا مَمْثَالَكُمْ ۚ (محمد-۳۸) "اگر تم پھر و گے تو وہ تمہاری جگہ اور وہ کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے"

(۲) جیسے کوئی شخص جماں صرف مال غنیمت کے حصول کے لئے کرے تو کتنی نادانی کی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں کا ثواب عطا فرمائے پر قادر ہے تو پھر اس سے ایک ہی چیز کیوں طلب کی جائے؟ انسان دونوں ہی کا طالب کیوں نہ بنے؟

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مفہومی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کے لئے بھی گواہی دینے والے بن جاؤ، گوہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے،^(۱) وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے،^(۲) اس لئے تم خواہش نفس کے چیچے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ رہا^(۳) اور اگر تم نے کچھ بیانی یا پہلو تھی کی^(۴) تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔^(۱۳۵)

يَا إِنَّهَا الَّذِينَ أَمْتَوا لِلْجُنُونَ قَوْمَنَّ بِالْقِسْطِ شَهِدَ أَعْلَمُهُو
وَلَوْعَلَّ أَنْفِسُكُمْ أَوْالُو الْلَّدَنِ وَالْأَقْرَبَنِ إِنْ يَكُنْ غَنِيَّا
أَوْ فَقِيرٌ أَفَلَهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَاتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا
وَلَنْ تَنْلُوَ أَوْ تُغْرِبُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ حَمِيلًا ۝

(۱) اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل و انصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تائید فرمارہا ہے چاہے اس کی وجہ سے انہیں یا ان کے والدین اور رشتہ داروں کو نقصان ہی اٹھانا پڑے۔ اس لئے کہ حق سب پر حاکم ہے اور سب پر مقدم ہے۔

(۲) یعنی کسی مال دار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے نہ کسی فقیر کے فقر کا اندیشه تمہیں بھی بات کرنے سے روکے بلکہ اللہ ان دونوں سے تمہارے زیادہ قریب اور مقدم ہے۔

(۳) یعنی خواہش نفس، عصیت یا بغض تمہیں انصاف کرنے سے نہ روک دے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَا يَجِرْ مَنْكُمْ شَنَآنُ قُوُمٌ عَلَى الْأَنْعِدِ لَوْا﴾ (المائدۃ ۸-۸) ”تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔“

(۴) تَلُوْزاً لیبی سے ہے جو تحریف اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلب شادوت میں تحریف و تغیر ہے اور اعراض سے مراد شادوت کا کہمانا (چھپانا) اور اس کا ترک کرنا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ اس آیت میں عدل و انصاف کی تائید اور اس کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً:

☆ ہر حال میں عدل کرو اس سے سرمونخاف نہ کرو، کسی ملامت گر کی ملامت اور کوئی اور محرك اس میں رکاوٹ نہ بنے۔ بلکہ اس کے قیام میں تم ایک دوسرے کے معافون اور دست و بازو بنو۔

☆ صرف اللہ کی رضا تمہارے پیش نظر ہو، کیونکہ اس صورت میں تم تحریف، تبدیل اور کہمان سے گریز کرو گے اور تمہارا فیصلہ عدل کی میزان میں پورا اترے گا۔

☆ عدل و انصاف کی زد اگر تم پر یا تمہارے والدین پر یا دیگر قریبی رشتہ داروں پر بھی پڑے، تب بھی تم پر وامت کرو اور اپنی اور ان کی رعایت کے مقابلے میں عدل کے تقاضوں کو اہمیت دو۔

☆ کسی مال دار کی اس کی تو نگری کی وجہ سے رعایت نہ کرو اور کسی تنگ دست کے فقر سے خوف مت کھاؤ کیونکہ وہی

اے ایمان والوا اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاوا! جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اسکی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بست بڑی دور کی گمراہی میں جا

(۱۳۶)۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے، اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشنے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سمجھائے گا۔ (۱۳۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِالرَّسُولِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلْنَا عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلْنَا مِنْ قَبْلِهِ وَمَنْ يُكَفِّرْ بِاللهِ وَمَلِكِهِ وَكَتْبِهِ وَرَسُولِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعْدَ إِيمَانًا

(۲)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَذَادُوا كُفَّرَ الْمُكْفِرِينَ إِنَّ اللَّهَ لِيَعْلَمُ أَهْمَّهُمْ وَلَا يَلِمُهُمْ بِمَا فِي إِيمَانِهِمْ ۖ

(۳)

جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس میں ہے؟

☆ فیضے میں خواہش نفس، عصبیت اور دشمنی آڑے نہیں آئی چاہئے۔ بلکہ ان سب کو نظر انداز کر کے بے لگ عدل کرو۔ عدل کا یہ اہتمام جس معاشرے میں ہو گا، وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نازول ہو گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس نکتے کو بھی خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ بن شوہر کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تجھیں لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے انہیں رشوٹ کی پیشکش کی تاکہ وہ کچھ نری سے کام لیں۔ انہوں نے فرمایا ”اللہ کی قسم“ میں اس کی طرف سے نمازدہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محظوظ ہے اور تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمہارے معاملے میں انصاف نہ کروں۔ ”یہ سن کر انہوں نے کہا“ اسی عدل کی وجہ سے آسمان و زمین کا یہ نظام قائم ہے“ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) ایمان والوں کو ایمان لانے کی تائید، تحصیل حاصل والی بات نہیں، بلکہ کمال ایمان اور اس پر استقرار و اثبات کا حکم ہے۔ جیسے ﴿إِهْدِنَا الْقِرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ﴾ کا مفہوم ہے۔

(۲) بعض مفسرین نے اس سے مراد یہو ہے ہیں۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، لیکن حضرت عزیز علیہ السلام کا انکار کیا، پھر حضرت عزیز علیہ السلام پر ایمان لائے تو حضرت میسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا بھی انکار کیا اور بعض نے اس سے مراد منافقین لئے ہیں، چونکہ مقصداں کا مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا، اس لئے وہ بار بار اپنی مسلمانی کا ذہنونگ رچاتے تھے بالآخر کفر و ضلالت میں اتنے بڑھ گئے کہ ان کی ہدایت کی امید منقطع ہو گئی۔

منافقون کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے۔ (۱۳۸)

جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں،^(۱) کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔^(۲) (۱۳۹)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجھ میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنة) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو،^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جنم میں جمع کرنے والا ہے۔ (۱۴۰)

بَيْرَ الْمُنْفِقِينَ يَا أَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَكْبَارًا

إِلَّاَنِيُّونَ يَعْجِذُونَ الْكُفَّارُ إِنَّمَا مِنْ دُولَةِ الْمُؤْمِنِينَ
أَيْتَنَعْوُنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَعَدُوا يَرْبَطُونَ
بِهَا وَيَسْهُرُ أَبْهَامًا فَلَا تَقْدُرُونَ وَأَمْعَهُمْ حَتَّى يَغُصُّوا فِي
حَدِيثِ غَيْرِهِ إِنَّمَا إِذَا مُشْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ
الْمُنْفِقِينَ وَالْكُفَّارِ إِنَّ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا

(۱) جس طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ منافقین کافروں کے پاس جا کر یہی کہتے تھے کہ ہم تو حقیقت میں تمہارے ہی ساتھی ہیں، مسلمانوں سے تو ہم یوں ہی استہرا کرتے ہیں۔

(۲) یعنی عزت، کافروں کے ساتھ موالات و محبت سے نہیں ملے گی، کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزت اپنے ماننے والوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿مَنْ يَعْلَمْ بِعِزَّةِ اللَّهِ فَلَمَّا آتَاهُمْ جَنِيعًا﴾ — (فاطر-۱۰) ”جو عزت کا طالب ہے“ تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ ”عزت سب کی سب اللہ کے لئے ہے“ اور فرمایا ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكُنَّ الْمُنْفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ — (المنافقون-۸) ”عزت اللہ کے لئے ہے اس کے رسول کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔ یعنی وہ نفاق کے ذریعے سے اور کافروں سے دوستی کے ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ درآں حالیکہ یہ طریقہ زلت و خواری کا ہے، عزت کا نہیں۔

(۳) یعنی منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں، جہاں آیات اللہ کا استہرا کیا جاتا ہو، بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گے۔ جیسے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔“ (مسند احمد جلد اص ۲۰ جلد ص ۲۲۹) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا، جن میں اللہ و رسول ﷺ کے احکام کا قول آیا عملًا مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل امرا، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی یاہ اور سالگرہ دعیرہ کی تقریبات میں کیا جاتا ہے، سخت گناہ ہے۔ ﴿إِنَّمَا إِذَا مُشْلُهُمْ﴾ کی دعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کیکی طاری کر

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟^(۱) پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا^(۲) اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔^(۳)

بے شک منافق اللہ سے چال بازیاں کر رہے ہیں اور وہ

الَّذِينَ يَرْبِضُونَ يَكُمْ ۝ قَدْ كَانَ لَكُوْفَهُ مِنَ اللَّهِ قَالُوا۝
أَنْهُنَّ مَعْلُومُ ۝ وَلَنْ كَانَ لِلْكَافِرِ مِنْ نَصِيبٍ ۝ قَالُوا۝ أَلَمْ
نَسْتَحِظُ عَلَيْنَا ۝ وَنَنْعَلِمُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ اللَّهُ يَعْلَمُ بِنِيمَكُمْ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۝ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِ مِنْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سِيلًا ۝

إِنَّ النَّفِيقِينَ يُخْلِدُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعٌ هُنُّ وَلَذَا قَاتَمُوا۝

دینے کے لئے کافی ہے بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔

(۱) یعنی ہم تم پر غالب آنے لگے تھے لیکن تمیں اپنا ساتھی سمجھ کر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے تمیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا۔ مطلب یہ کہ تمیں غلبہ ہماری اس دوغلی پالیسی کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے۔ جو ہم نے مسلمانوں میں ظاہری طور پر شامل ہو کر اپنائے رکھی۔ لیکن درپرده ان کو نقصان پہنچانے میں ہم نے کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی تا آنکہ تم ان پر غالب آگئے۔ یہ منافقین کا قول ہے جو انہوں نے کافروں سے کہا۔

(۲) یعنی دنیا میں تم نے دھوکے اور فریب سے وقتی طور پر کچھ کامیابی حاصل کر لی۔ لیکن قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان باطنی جذبات و کیفیات کی روشنی میں ہو گا جنہیں تم سینوں میں چھپائے ہوئے تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو سینوں کے رازوں کو بھی خوب جانتا ہے اور پھر اس پر جو وہ سزادے گا تو معلوم ہو گا کہ دنیا میں مناقبت اختیار کر کے نمایت خارے کا سودا کیا تھا، جس پر جنم کا دامگی عذاب بھگلتا ہو گا۔ آغاڈنا اللہ مِنْهُ۔

(۳) یعنی غلبہ نہ دے گا۔ اس کے مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) اہل اسلام کا یہ غلبہ قیامت والے دن ہو گا^(۲) ججت اور دلائل کے اعتبار سے کافر مسلمانوں پر غالب نہیں آسکتے۔ (۳) کافروں کا ایسا غلبہ نہیں ہو گا کہ مسلمان کی دولت و شوکت کا بالکل ہی خاتمه ہو جائے گا اور وہ حرف غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے ہی محوجاً میں۔ ایک حدیث صحیح سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے^(۴) جب تک مسلمان اپنے دین کے عامل، باطل سے غیر راضی اور منکرات سے روکنے والے رہیں گے، کافر ان پر غالب نہ آسکیں گے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں کہ ”یہ سب سے عمدہ معنی ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کافرمان ہے۔

﴿ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَبَثَ أَيْدِيَكُمْ ﴾ — (الشوری ۳۰) ”اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، سو تمہارے اپنے فعلوں کی وجہ سے“ (فتح القدير) گویا مسلمانوں کی مغلوبیت ان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔

انہیں اس چالبازی کا بدله دینے والا ہے^(۱) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں^(۲) صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں،^(۳) اور یاد الٰی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔^(۴) (۱۳۲)

وہ درمیان میں ہی معلق ڈمگار ہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف^(۵) اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔ (۱۳۳)

إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُلَّا يَوْمَ النَّاسَ وَلَا يَدْكُرُونَ
اللَّهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾

مُذَبِّدِينَ بَيْنَ ذَلِكَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَاهُ وَمَنْ
يُضْلِلُ اللَّهُ فَلَنْ يَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿۳﴾

(۱) اس کی مختصر توضیح سورہ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔

(۲) نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور اشرف ترین فرض ہے اور اس میں بھی وہ کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے تھے کیونکہ ان کا قلب ایمان، خیثت الٰی اور خلوص سے محروم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عشا اور فجر کی نماز بطور خاص ان پر بست بخاری تھی جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے «أَنْقُلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الِعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ ..». (صحیح بخاری، مواقیت الصلاۃ - صحیح مسلم، کتاب المساجد) ”منافق پر عشا اور فجر کی نماز سب سے زیادہ بھاری ہے۔“

(۳) یہ نماز بھی وہ صرف ریا کاری اور دکھاوے کے لئے پڑھتے تھے، تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔

(۴) اللہ کا ذکر تو برائے نام کرتے ہیں یا نماز مختصری پڑھتے ہیں ای لا یُصَلُّوْنَ إِلَّا صَلَاةً قَلِيلَةً جب نماز اخلاص، خیثت الٰی اور خشوع سے خالی ہو تو اطمینان سے نماز کی ادائیگی نمایت گرا ہوتی ہے۔ جیسا کہ ﴿وَإِنَّهَا لَبَيِّنَةٌ إِلَّا عَنِ الظَّاهِرِينَ﴾ (البقرة-۲۵) سے واضح ہے۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان (یعنی غروب کے قریب) ہو جاتا ہے تو امتحنا ہے اور چار ٹھوٹگیں مار لیتا ہے.....(صحیح مسلم، کتاب المساجد، موطأ کتاب القرآن)

(۵) کافروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ اور مونوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاہر آو باطناؤہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ ظاہر ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہے تو باطن کافروں کے ساتھ اور بعض منافق تو کفر و ایمان کے درمیان متغیر اور تذبذب ہی کا شکار رہتے تھے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے ”منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو جفتی کے لئے دو روپوں کے درمیان متعدد رہتی ہے، (بکرے کی تلاش میں) کبھی ایک روپ کی طرف جاتی ہے، کبھی دوسرے کی طرف“ (صحیح مسلم، کتاب المنافقین)

اے ایمان والوا مونوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف جھت قائم کرلو۔^(۱) (۱۳۳)

منافق تو یقیناً جنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے،^(۲) ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مدد گار پا لے۔^(۳) (۱۳۵) ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لئے دینداری کریں تو یہ لوگ مونوں کے ساتھ ہیں،^(۴) (۱۳۶) اللہ تعالیٰ مونوں کو بہت بڑا اجر دے گا۔

اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور اور با ایمان رہو،^(۵) اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔^(۶) (۱۳۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُو الْكُفَّارَ بَيْنَ أَوْلَيَّ أَمْرٍ مِّنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّهُمْ يُدُونَ أَنْ يَعْجَلُوا لِلَّهِ عَلَيْنَكُمْ سُلْطَانًا ۝ ۱۷۱

إِنَّ الْمُنَفِّقِينَ فِي الدَّرُكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نِصْيَارًا ۝

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَاصْلَحُوا وَأَعْصَمُوا بِاللَّهِ وَآخْلَصُوا دِينَهُمْ بِاللَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسُوقَ يُوتَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ إِلَيْهِ إِنْ شَكَرُوكُمْ وَامْتَسَرُوكُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلَيْهِمَا ۝

(۱) یعنی اللہ نے تمہیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر تم دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو یہ دلیل سیاکر رہے ہو کہ وہ تمہیں بھی سزادے سکے (یعنی معصیت الہی اور حکم عدالتی کی وجہ سے)

(۲) جنم کا سب سے نچلا طبقہ ہاویہ کھلاتا ہے۔ أَعَادَنَا اللَّهُ مِنْهَا مُنَافِقِينَ کی مذکورہ عادات و صفات سے ہم سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بچائے۔

(۳) یعنی منافقین میں سے جو ان چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا، وہ جنم میں جانے کے بجائے جنت میں اہل ایمان کے ساتھ ہو گا۔

(۴) شکر گزاری کا مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عمل صالح کا اہتمام کرنا۔ یہ گویا اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ہے اور ایمان سے مراد اللہ کی توحید و ربوبیت پر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے۔

(۵) یعنی جو اس کا شکر کرے گا، وہ قدر کرے گا، جو دل سے ایمان لائے گا، وہ اس کو جان لے گا اور اس کے مطابق وہ بہترین جزا سے نوازے گا۔

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے^(۱) اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے۔^(۱۳۸)

اگر تم کسی نیکی کو علاویہ کرو یا پوشیدہ، یا کسی برائی سے درگزر کرو،^(۲) پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے۔^(۱۳۹)

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهَرُ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَمْ ظُلْمٌ
وَكَانَ اللَّهُ سَيِّدًا عَلَيْهَا^(۱۴۰)

إِنْ شِدْدَةُ أَخْيَرٍ أَوْ غَفْرَةُ أَوْ تَغْفِلَةُ عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
غَفْرًا أَقْدِيرًا^(۱۴۱)

(۱) شریعت نے تأکید کی ہے کہ کسی کے اندر برائی دیکھو تو اس کا چرچاہ کرو، بلکہ تمہائی میں اس کو سمجھاؤ، الایہ کہ کوئی دینی مصلحت ہو۔ اسی طرح کھلے عام اور علی الاعلان برائی کرنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو برائی کا ارتکاب دیے ہی ممنوع ہے، چاہے پر دے کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا اسے بر سر عام کیا جائے یہ مزید ایک جرم ہے اور اس کی وجہ سے اس برائی کا جرم دو چند بلکہ دو چند بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کے الفاظ مذکورہ دونوں قسم کی برا یوں کے اظہار سے ممانعت کو شامل ہیں اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی شخص کو اس کی کردہ یا تاکرده حرکت پر برا بھلا کما جائے۔ البتہ اس سے ایک استثنہ ہے کہ ظالم کے ظلم کو تم لوگوں کے سامنے بیان کر سکتے ہو۔ جس سے ایک فائدہ یہ متوقع ہے کہ شاید وہ ظلم سے باز آجائے یا اس کی تلافی کی سعی کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے میرا پڑو سی ایذا دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا ”تم اپنا سامان نکال کر باہر راستے میں رکھ دو“ اس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جو بھی گزرتا اس سے پوچھتا، وہ پڑو سی کے ظالمانہ رویے کی وضاحت کرتا تو سن کر ہر رہ گزر اس پر لعنت ملامت کرتا۔ پڑو سی نے یہ صور تحال دیکھ کر معدترت کر لی اور آئندہ کے لیے ایذا نہ پہنچانے کا فیصلہ کر لیا اور اس سے اپنا سامان اندر رکھنے کی اتجہا کی۔ (سنن ابی داود۔ کتاب الأدب)

(۲) کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم یا برائی کا ارتکاب کرے تو شریعت نے اس حد تک بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ جس حد تک اس پر ظلم ہوا ہے۔ **الْمُسْتَبَانِ مَا قَالَا، فَعَلَى الْبَادِيِّ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ** (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب النہی من السباب، حدیث نمبر ۳۵۸) ”آپ میں گالی گلوچ کرنے والے دو شخص جو کچھ کہیں اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے (بشرطیکہ) مظلوم (یعنی ہے پہلے گالی دی گئی اور اس نے جواب میں گالی دی) زیارتی نہ کرے۔“ لیکن بدلہ لینے کی اجازت کے ساتھ ساتھ معافی اور درگزر کو زیادہ پسند فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود باوجود قدرت کاملہ کے عفو و درگزر سے کام لینے والا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿ وَجَزَّاً وَاسِنَةً سَيِّئَةً مُّشَبَّهًا، فَمَنْ عَفَّاً وَأَصْلَمَ فَأَجْرُهُ عَنَّ اللَّهِ ﴾ (الشوری - ۳۰) برائی کا بدلہ، اسی کی مثل برائی ہے، مگر جو درگزر کرے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور حدیث میں بھی ہے ”معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔“ صحیح مسلم کتاب البر والصلة والأدب باب استحباب العفو والتواضع۔

جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے میں میں کوئی راہ نکالیں۔ (۱۵۰)

یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں،^(۱) اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔ (۱۵۱)

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے یہ ہیں جنہیں اللہ ان کو پورا ثواب دے گا^(۲) اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ (۱۵۲)

آپ سے یہ اہل کتاب و رخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائیں،^(۳) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی و رخواست

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ يَا شَهَدَ وَرَسُولَهُ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَقْرَئُوا
بَيْنَ الْأَنْوَافِ وَرَسُولُهُ وَيَقُولُونَ تُؤْمِنُ بِعِصْمَنِ وَنَكْفُرُ بِعِصْمَنِ
وَيُرِيدُونَ أَنْ يَخْنُدُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَيِّلًا ۝

أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ
عَذَابًا مُهِمًّا ۝

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَمْ يُنْقُضُوا بَيْنَ أَحَدِيْنِهِمْ
أُولَئِكَ سَوْقَيْنِيْرَمْ أَجْوَلْمَ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا إِنْجِمًا ۝

يَسْلَكُ أَهْلُ الْكِتَابَ أَنْ شَرِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابٌ مِنَ السَّمَاءِ
فَقَدْ سَأَلَ الْمُوسَى الْكَبَرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرَأَنَا اللَّهَ جَهَرَةً
فَأَخَذَ تَهْمُ الْقِعَدَةَ بِظُلْمِهِ ثُمَّ اتَّخَذَ وَالْعِجْلَ

(۱) اہل کتاب کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ وہ بعض نبیوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں۔ جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسایوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیا علیم السلام کے درمیان تفرق کرنے والے یہ پکے کافر ہیں۔

(۲) یہ ایمانداروں کا شیوه بتایا کہ وہ سب انہیا علیم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ہیں کہ وہ کسی بھی نبی کا انکار نہیں کرتے۔ اس آیت سے بھی ”وَحدَتُ ادِيَانَ“ کی لفظی ہوتی ہے جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اور وہ ان غیر مسلموں کو بھی نجات یافت سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمدیہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اگر اس آخری رسالت کا انکار ہو گا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ غیر معتبر اور نامقبول ہے (مزید دیکھیے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ کا حاشیہ)

(۳) یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے کر آئے، اسی طرح آپ بھی آسمان پر جا کر لکھا ہوا قرآن مجید لے کر آئیں۔ یہ مطالبہ محض عناد، بخود اور تعنت کی بنا پر تھا۔

کی تھی کہ ہمیں سحملم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھادے، پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑا کے کی بجلی آپڑی پھر باوجود یہ کہ ان کے پاس بست دلیلیں پہنچ چکی تھیں انہوں نے پھرے کو اپنا معبود بنایا، لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرمادیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ (اور صریح دلیل) عنایت فرمائی۔ (۱۵۳)

اور ان کا قول لینے کے لیے ہم نے ان کے سروں پر طور پاڑ لاکھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں جاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سخت قول و قرار لیے۔ (۱۵۴)

(یہ سزا تھی) بہ سبب ان کی عدم شکنی کے اور احکام الہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناقص قتل کر ڈالنے کے،^(۱) اور اس سبب سے کہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ حالانکہ وراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مر لگادی ہے، اس لیے یہ قدر قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۵)

اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بست بہتان باندھنے کے باعث۔^(۲) (۱۵۶)

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَأَعْنَى
ذَلِكَ وَإِنَّا مُوسَى سُلْطَنًا مُّؤْمِنًا ۝

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِيَدِنَا قَوْمٌ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا
الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبِيلِ وَأَخْدُنَا
مِنْهُمْ قِنْثَاقًا غَلِيلًا ۝

فِيمَا نَفَضَهُمْ مِّنَ أَقْحَامٍ وَكُفَّرُهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقُلْنَا لَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ
يَغْيِرُهُنَّى وَقَوْلُهُمْ كُلُّهُ مُنْسَاغُلُتٌ بِلَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا كُفَّرُهُنَّ
فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

وَكَلَّفْهُمْ وَقَوْلُهُمْ عَلَى مَرْبِحٍ بِهِمْ نَاتٍ عَظِيمًا ۝

وَقَوْلُهُمْ إِنَّا قَاتَلْنَا السَّيِّدَ هُرَيْثَى ابْنَ مَرْبِحٍ رَسُولَ
اللَّهِ وَمَا قَاتَلُوا وَمَا صَلَبُوا وَلَكِنْ شِيشَةَ لَهُمْ

(۱) تقدیری عبارت یوں ہو گی **فِينَقْضِيهِمْ مِّيشَاقَهُمْ لَعَنَاهُمْ** یعنی ہم نے ان کے نقض میشان، کفر بیانات اللہ اور قتل انبیا وغیرہ کی وجہ سے ان پر لعنت کی یا سزا دی۔

(۲) اس سے مراد یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم ملیما السلام پر بد کاری کی تھت ہے۔ آج بھی بعض نہاد محققین اس بہتان عظیم کو ایک "حقیقت ثابتہ" باور کرنے پر تھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف نجار (تعوذ بالله) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے مجرمانہ ولادت کا بھی انکار کرتے ہیں۔

قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا^(۱) بلکہ ان کے لیے ان (عیسیٰ) کا شبیہ بنا دیا گیا تھا۔^(۲) یقین جانو کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخيینی باتوں پر عمل کرنے کے^(۳) اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا۔^(۴)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا^(۵) اور اللہ بڑا

وَإِنَّ الَّذِينَ احْتَلُفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ تِبْنَةٌ
مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا إِتَابَةُ الظَّنِّ
وَمَا قَاتَلُوهُ بِيَقِنَّا^(۶)

بِلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا^(۷)

(۱) اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے نہ سولی چڑھانے میں۔ جیسا کہ ان کا منصوبہ تھا۔ جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ کے حاشیے میں مختصر تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے حواریوں کو جن کی تعداد ۱۲ یا ۱۷ تھی، جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے؟ تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شکل و صورت میری جیسی بنا دی جائے۔ ایک نوجوان اس کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے آسمان پر اٹھایا گیا۔ بعد میں یہودی آئے اور انہوں نے اس نوجوان کو لے جا کر سولی پر چڑھادیا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا گیا تھا۔ یہودی یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے درآں ہایکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے وہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے۔ (ابن کثیر فتح القدیر)

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شخص کو قتل کرنے کے بعد ایک گروہ تو یہی کھاتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا، جب کہ دوسرا گروہ جسے یہ اندازہ ہو گیا کہ مصلوب شخص عیسیٰ علیہ السلام نہیں، کوئی اور ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور مصلوب ہونے کا انکار کرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو خود عیسائیوں کے نظریہ فرقے نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم کے لحاظ سے تو سولی دے دیئے گئے لیکن لاہوت (خداوندی) کے اعتبار سے نہیں۔ مکانیہ فرقے نے کہا کہ یہ قتل و ملب ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے مکمل طور پر ہوا ہے (فتح القدیر)، بہرحال وہ اختلاف تردید اور شک کا شکار رہے۔

(۴) یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور متواتر صحیح احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ یہ احادیث حدیث کی تمام کتابوں کے علاوہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی وارد ہیں۔ ان احادیث میں آسمان پر اٹھائے جانے کے علاوہ قیامت کے قریب ان کے نزول کا اور دیگر بہت سی باتوں کا تذکرہ ہے۔ امام ابن کثیر یہ تمام روایات ذکر کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں ”پس یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے“

زبردست اور پوری حکمت و الا ہے۔^(۱) (۱۵۸)

اہل کتاب میں ایک بھی ایمان نبچے گا جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے^(۲) اور

وَلَمْ يَنْهَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا^(۳)

متواتر ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابو امامہ، نواس بن سمعان، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، مجع بن جاریہ، ابی سریجہ اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان احادیث میں آپ کے نزول کی صفت اور جگہ کا بیان ہے، آپ علیہ السلام دمشق میں منارہ شرقہ کے پاس اس وقت اتریں گے جب فجر کی نماز کے لیے اقامت ہو رہی ہو گی۔ آپ خزریر کو قتل کریں گے، صلیب توڑیں گے، جزیہ معاف کر دیں گے، ان کے دور میں سب مسلمان ہو جائیں گے، دجال کا قتل بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو گا اور یا جوج و ماجون کا ظہور و فساد بھی آپ کی موجودگی میں ہو گا، بالآخر آپ ہی کی بد دعا سے ان کی ہلاکت واقع ہو گی۔

(۱) وہ زبردست اور غالب ہے، اس کے ارادہ اور میثت کو کوئی ثال نہیں سکتا اور جو اس کی پناہ میں آجائے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ حکیم بھی ہے، وہ جو فیصلہ بھی کرتا ہے، حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

(۲) قبل موتہ میں "ہ" کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک اہل کتاب (نصاری) ہیں اور مطلب یہ کہ ہر عیسائی موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ گو موت کے وقت کا ایمان نافع نہیں۔ لیکن سلف اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب ان کا دوبارہ دنیا میں نزول ہو گا اور وہ دجال کو قتل کر کے اسلام کا بول بالا کریں گے تو اس وقت جتنے یہودی اور عیسائی ہوں گے ان کو بھی قتل کر دیں گے اور روئے زمین پر مسلمان کے سوا کوئی اور باقی نہ بچے گا اس طرح اس دنیا میں جتنے بھی اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے پہلے ان پر ایمان لا کر اس دنیا سے گزر جکیں گے۔ خواہ ان کا ایمان کسی بھی ڈھنگ کا ہو۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ضرور ایک وقت آئے گا کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل بن کرنازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خزریر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھادیں گے اور مال کی اتنی بہتات ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں ہو گا۔ (یعنی صدقہ خیرات لینے والا کوئی نہیں ہو گا) حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو ﴿وَلَمْ يَنْهَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ (اصحیح بخاری۔ کتاب الائجاء) یہ احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ انہیں تواتر کا درجہ حاصل ہے اور انہی متواتر صحیح روایات کی بنیاد پر اہلسنت کے تمام مکاتب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دنیا میں ان کا نزول ہو گا اور دجال کا اور تمام ادیان کا خاتمه فرمائے کرا اسلام کو غالب فرمائیں گے۔ یا جوج و ماجون کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی موجودگی میں ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہی اس فتنے کا بھی خاتمه ہو گا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔

قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔^(۱) (۱۵۹)

جو نفس چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث۔^(۲) (۱۶۰)

اور سود جس سے منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کامال ناقص مار کھانے کے باعث اور ان میں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لیے المناک عذاب میا کر رکھا ہے۔^(۳) (۱۶۱)

لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں^(۴) اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں^(۵) اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں^(۶) اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں^(۷) یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے اجر عطا فرمائیں گے۔^(۸) (۱۶۲)

فِيظَلِمُونَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمَنَا عَلَيْهِمْ طَبِيبَاتِ أُجُلَتْ لَهُمْ
وَيَصِدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا^(۹)

وَأَخْذِهِمْ إِلَيْرِبَا وَقَدْ نَهَا عَنْهُ وَأَطْلَاهُمْ أَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَيْاطِلِ وَاعْتَدَنَا لِكُلِّ فَرَّارٍ مِنْهُمْ عَدَآءًا أَلِيمًا^(۱۰)

لِكِنَ الرَّسُوْلُ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ
بِمَا أُنزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزَلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقْرِبُونَ الصَّلَاةَ
وَالْمُؤْمِنُونَ الزَّكُوَّةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأُولَئِكَ
سُنُوتُهُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ^(۱۱)

(۱) یہ گواہی اپنی پہلی زندگی کے حالات سے متعلق ہو گی۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کے آخر میں وضاحت ہے ﴿وَكُلُّنُّ
عَلَيْهِمْ شَهِيدٌ أَنَّا دَمْتُ فِيهِمْ﴾ ”میں جب تک ان میں موجود رہا، ان کے حالات سے باخبر رہا۔“

(۲) یعنی ان کے ان جرائم و معاصی کی وجہ سے بطور سزا بہت سی حلال چیزیں ہم نے ان پر حرام کر دی تھیں۔ (جن کی تفصیل سورہ الأنعام-۱۳۶ میں ہے)

(۳) ان سے مراد عبد اللہ بن سلام بن بشیر وغیرہ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

(۴) ان سے مراد بھی وہ اہل ایمان ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے یا پھر مساجرین و انصار مراد ہیں۔ یعنی شریعت کا پختہ علم رکھنے والے اور کمال ایمان سے متصف لوگ ان معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔

(۵) اس سے مراد زکوٰۃ اموال ہے یا زکوٰۃ نفوس یعنی اپنے اخلاق و کردار کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کرنا، یادوں ہی مراد ہیں۔

(۶) یعنی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معیوب نہیں۔ نیز بعثت بعد الموت اور عملوں پر جزا و سزا کا یقین رکھتے ہیں۔

یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور یاہو اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف۔^(۱) اور ہم نے داود (علیم السلام) کو زبور عطا فرمائی۔^(۲)

اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں^(۳) اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے^(۴) اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔^(۵)

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكُمْ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّنَ مِنْ بَعْدِهِ
وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطَ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسَلِيمَنَ
وَاتَّيْنَا دَادًا وَذُئْبَرًا

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلٍ وَرُسُلًا لَّهُ
نَقْصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَمُ اللَّهِ مُؤْنَسٌ شَكْلِيْمَا

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا اور یوں نبی مسیح^{صلی اللہ علیہ وسلم} کی وحی و رسالت سے بھی انکار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر) جس میں مذکورہ قول کارد کرتے ہوئے رسالت محمدیہ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کا اثبات کیا گیا ہے۔

(۲) جن نبیوں اور رسولوں کے اسمائے گرائی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں ان کی تعداد ۲۳ یا ۲۵ ہے۔ (۱) آدم (۲) اور لیس (۳) نوح (۴) ہود (۵) صالح (۶) ابراہیم (۷) لوط (۸) اسماعیل (۹) اسحاق (۱۰) یعقوب (۱۱) یوسف (۱۲) ایوب (۱۳) شعیب (۱۴) موسیٰ (۱۵) ہارون (۱۶) یونس (۱۷) داود (۱۸) سلیمان (۱۹) الیاس (۲۰) ایسح (۲۱) زکریا (۲۲) مجی (۲۳) عیسیٰ (۲۴) زوالکفل۔ (اکثر مفسرین کے نزدیک)^(۲) حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہ وسلم علیم اجمیعین۔

(۳) جن انبیا اور رسول کے نام اور واقعات قرآن میں بیان نہیں کیے گئے، ان کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک حدیث میں جو بہت مشہور ہے ایک لاکھ ۲۳ ہزار اور ایک حدیث میں ۸ ہزار تعداد بتلائی گئی ہے۔ لیکن یہ روایات سخت ضعیف ہیں۔ قرآن و حدیث سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار و حالات میں مبشرین و منذرین (انبیا) آتے رہے ہیں۔ بالآخر یہ سلسلہ عنبوت حضرت محمد^{صلی اللہ علیہ وسلم} پر ختم فرمادیا گیا۔ آپ سے پہلے کتنے نبی آئے؟ ان کی صحیح تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہم آپ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کے بعد جتنے بھی دعوے دار ان نبوت ہو گزرے یا ہوں گے، سب کے سب دجال اور کذاب ہیں اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور امت محمدیہ سے الگ ایک متوازی امت ہیں۔ جیسے امت بابیہ، بہائیہ اور امت مرزائیہ وغیرہ۔ اسی طرح مرتضیٰ قاریانی کو صحیح موعود مانے والے لاہوری مرتضیٰ بھی۔

(۴) یہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص صفت ہے جس میں وہ دوسرے انبیا سے ممتاز ہیں۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت

ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے^(۱) تاکہ لوگوں کی کوئی جھٹ اور الزام رسولوں کے بھینے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہنے جائے^(۲)۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالباً اور بڑا بآجھت ہے۔^(۳) (۱۶۵)

جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔^(۱۶۶)

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے۔^(۱۶۷)

جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشنے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔^(۱۶۸)

بجز جنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔^(۱۶۹)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آگیا ہے، پس تم ایمان لاو تاکہ تمہارے لئے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہروہ

رُسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ إِنَّا لَيَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَىٰ اللَّهِ
حُجَّةٌ بَعْدَ الرَّسُولِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا^(۱)

لَكِنَّ اللَّهَ يَشَهِّدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنَّ زَلَّهُ بِعِلْمِهِ وَالْمُتَّكِّهُ
يَشَهِّدُونَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا^(۲)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ
صَلُّوا ضَلَالًا لَّا يَعْلَمُ^(۳)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَظْلَمُوا الْمُرْسَلِينَ اللَّهُ لِيغْفِرُ أَنَّمَا
وَلَكُلَّ يَدٍ يَرْتَمِي طَرِيقًا^(۴)

إِلَّا طَرِيقٌ جَهَنَّمُ خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَلِكَ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا^(۵)

إِيَّاهُمَا النَّاسُ قَدْ جَاءُكُمْ بِالرَّسُولِ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّهِمْ فَأَمْنُوا^(۶)
خَيْرُ الْكُوَادِنَ تَكُفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ مَعَ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

کی رو سے امام ابن کثیر نے اس صفت ہم کلائی میں حضرت آدم علیہ السلام و حضرت محمد ﷺ کو بھی شریک مانا ہے۔

تفسیر ابن کثیر زیر آیت « تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَلَّنَا بِعَصْبُهُمْ عَلَىٰ بَعْضِهِنَّ »

(۱) ایمان والوں کو جنت اور اس کی خوشخبری دنا اور کافروں کو اللہ کے عذاب اور بھڑکتی ہوئی جنم سے ڈرانا۔

(۲) یعنی نبوت یا انذار و تبیہ کا یہ سلسلہ ہم نے اس لیے قائم فرمایا کہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمیں تو تیرا پیغام پہنچاہی نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا « وَلَوْلَا أَهْلَكْنَاهُمْ بَعْدَ آپِي قِيلَهُ لَقَاتُوا رَبِّنَا لَوْلَا أَرْسَلَنَا إِلَيْنَا رَسُولًا فَتَنَعَّمُ إِلَيْكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَبْدِلَنَّ وَمَغْزِنِي^(۶) » (ط - ۱۳۲) ”اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھینے سے) پلے ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوہونے سے پیش تیری آیات کی پیروی کر لیتے۔“

(۳) کیونکہ مسلسل کفر اور ظلم کا ارتکاب کر کے، انہوں نے اپنے دلوں کو سیاہ کر لیا ہے جس سے اب ان کی ہدایت و مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے،^(۱) اور اللہ دانا ہے
حکمت والا ہے۔ (۷۰)

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر
جاوے^(۲) اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کبو، صحیح عیسیٰ بن
مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس
کے کلمہ (کن سے پیدا شدہ) ہیں، جسے مریم (ملیما السلام)

فَالْأَرْضُ مَوْلَانَا اللَّهُ عَلَيْهِ حَمْدٌ وَكَفِيلٌ

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُبُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تُقْوَلُوا عَلَى اللَّهِ
إِلَّا الْحَقُّ إِنَّمَا الْمُسَيْحُ عِيسَى ابْنُ مُرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ
أَقْفَاهَا إِلَى مَرِيَمَ وَرُوحُهُ مِنْهُ فَإِنَّمَا يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا

(۱) یعنی تمہارے کفر سے اللہ کا کیا بگڑے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا ﴿ إِنْ تَكُنْ فَإِنَّمَا
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا أَقْرَأَنَّ اللَّهَ لَعْنَقَ حَمِيدٌ ﴾ (ابراهیم-۸) "اگر تم اور روئے زمین پر بننے والے سب کے سب کفر کا
راستہ اختیار کر لیں تو وہ اللہ کا کیا بگاڑیں گے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ تو بے پروا تعریف کیا گیا ہے۔" اور حدیث قدسی میں ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو
جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقدی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہو گا اور اگر تمہارے اول و آخر اور
انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان ہو تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی
کمی نہیں ہو گی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس
کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہو گی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے
سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔" (اصحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظالم)

(۲) غُلوٰ کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا۔ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ
کے بارے میں کیا کہ انہیں رسالت و بندگی کے مقام سے اخحاک را وہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح
عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلوٰ کا مظاہرہ کرتے ہوئے، معمصون بناًذالا اور
ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نواز دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ إِنَّمَا هُوَ أَنْتَخَذُ وَأَحْبَارُهُمْ وَرُهْبَانُهُمْ أَرْبَابُ أَمْنٍ دُونَ
إِنَّمَا ۝ (التوبہ-۳۱) "انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوارب بنا لیا۔" یہ رب بنا ناحدیث کے مطابق، ان کے
حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔ دراں حالیکے یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے لیکن اہل کتاب نے یہ
حق بھی اپنے علماء غیرہ کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کو دین میں اسی غلوٰ سے منع فرمایا ہے۔ نبی ملئیلہ
نے بھی عیسائیوں کے اس غلوٰ کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا۔ «لَا تُنْظِرُونِي سَكَمًا أَطْرَطْتُ النَّصَارَى
عِنْسَى ابْنَ مَرِيَمَ؛ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَنَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ». (صحیح بخاری - کتاب الانبیاء مسند احمد جلد ا صفحہ ۲۳ نیز
دیکھئے مسند احمد جلد ا صفحہ ۱۵۳) "تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو
بڑھایا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کننا" لیکن افسوس امت محمدیہ اس کے باوجود
بھی اس غلوٰ سے محفوظ نہ رہ سکی جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمدیہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو

کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح^(۱) ہیں اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کو کہ اللہ تین ہیں^(۲) اس سے باز آ جاؤ کہ تمہارے لیے بستری ہے، اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔ (۱۷۱)

معجم (علیہ السلام) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی نگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو،^(۳) اس کی بندگی سے جو بھی دل چراۓ اور تکبر و انکار کرے، اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا۔ (۱۷۲)

تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ إِنَّهُمْ أَحَدٌ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَّاحِدٌ
سُبْحَنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَارِقُ السَّمَاوَاتِ وَمَارِقُ
الْأَرْضِ وَكُلُّ يَارَلِهِ وَكِيلًا^(۴)

لَنْ يُسْتَنِكِفَ الْمُسِيْحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلِكَةُ
الْمُقْرَبُونَ وَمَنْ يُسْتَنِكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسْتَكْبِرُ
فَسَيَّخْشُرُهُمُ الْيَوْمَ جَمِيعًا^(۵)

خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا جو دراصل عیسائیوں کا وظیرہ تھا۔ اسی طرح علماء نقہا کو بھی دین کا شارح اور مفسر مانتے کے بجائے ان کو شارع (شریعت سازی کا اختیار رکھنے والے) بنا دیا ہے۔ فَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ پنج فرمایا نبی ﷺ نے «لَتَبَعُّنَ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذَرَ النَّعْلَ بِالنَّعْلِ» ”جس طرح ایک جوتا دوسرا جوتے کے برابر ہوتا ہے، بالکل اسی طرح تم پچھلی امتوں کی پیروی کرو گے“ یعنی ان کے قدم بقدم چلو گے۔

(۱) کلمۃ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کُنْ سے باپ کے بغیر ان کی تخلیق ہوئی اور یہ لفظ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت مریم علیہ السلام تک پہنچا گیا۔ روح اللہ کا مطلب وہ نفخہ (پھونک) ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت مریم علیہ السلام کے گریبان میں پھونکا، جسے اللہ تعالیٰ نے باپ کے نطفہ کے قائم مقام کر دیا۔ یوں عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلہ بھی ہیں جو فرشتے نے حضرت مریم علیہ السلام کی طرف ڈالا اور اس کی وہ روح ہیں، جسے لے کر جبریل علیہ السلام مریم علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے۔ (تفہیر ابن کثیر)

(۲) عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ پھر جو اللہ مانتے ہیں وہ أَقَانِيمُ نَلَادَةٍ (تین خداوں) کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثالث ثلاثہ (تین سے ایک) ہونے کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین خدا کرنے سے باز آ جاؤ، اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بعض لوگوں نے فرشتوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ توبہ کے سب اللہ کے بندے ہیں اور اس سے انسیں قطعاً کوئی انکار نہیں ہے۔ تم انسیں اللہ یا اس کی الوہیت میں شریک کس بنیاد پر بناتے ہو؟

پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کئے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا^(۱) اور جن لوگوں نے نگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا،^(۲) انہیں المناک عذاب دے گا^(۳) اور وہ اپنے لئے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی، اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے۔^(۴)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مند اور دلیل آپنی^(۵) اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتاردیا ہے۔^(۶)

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط کیا،^(۷) انہیں تو وہ غنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھادے گا۔^(۸)

آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بیٹا ہو تو اس

فَإِنَّمَا الَّذِينَ امْتَأْنَوْا حِمْلُوا الصَّلِيْحَاتِ فَيُؤْمِنُهُمُ الْجُوْرُهُمْ وَبَزِيْدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْفَعُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذَّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَعْدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَلِيلًا وَلَا نَصِيرًا^(۹)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مَمْبُداً^(۱۰)

فَإِنَّمَا الَّذِينَ امْتَأْنَوْا بِاللَّهِ وَأَعْتَصَمُوا بِهِ سَيِّدُ خَلْقِهِ فِي رَحْمَةِ مِنْهُ وَفَضْلِهِ قَيْمَدِيْهُمْ لِلَّهِ وَهُوَ أَمَّا مُسْتَقِيمًا^(۱۱)

يَسْتَقْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُعَيِّنُكُمْ فِي الْكَلَّةِ إِنْ أَمْرُوا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ بِرِّهَا^(۱۲)

(۱) بعض نے اس "زیادہ" سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو شفاعت کا حق عطا فرمائے گا، یہ اذن شفاعت پا کر جن کی بابت اللہ چاہے گا یہ شفاعت کریں گے۔

(۲) یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت سے رکے رہے اور اس سے انکار و تکبر کرتے رہے۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِنِي سَيِّدِ الْخُلُقِنَ جَهَنَّمَ ذَرِّيْوْنَ﴾ (المؤمن - ۶۰)

"بے شک جو لوگ میری عبادت سے انکبار (انکار و تکبر) کرتے ہیں، یقیناً ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

(۴) بربان، ایسی دلیل قاطع، جس کے بعد کسی کو عذر کی گنجائش نہ رہے اور ایسی جنت جس سے ان کے شہمات زائل ہو جائیں، اسی لیے آگے اسے نور سے تعبیر فرمایا۔

(۵) اس سے مراد قرآن کریم ہے جو کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہدایت کا نور ہے۔ ضلالت کی پگڈنڈیوں میں صراط مستقیم اور جبل اللہ التین ہے۔ پس اس کے مطابق ایمان لانے والے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔

کے لئے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے^(۱) اور وہ بھائی اس بھن کا وارث ہو گا اگر اس کے اولاد نہ ہو۔^(۲) پس اگر بھنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کادو تماں ملے گا۔^(۳) اور اگر کسی شخص اس ناطے کے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے،^(۴) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرمرا رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔^(۵)

إِنَّمَا يَرِيَنَّ لَهَا أَوْلَادُهُ قَاتِلُونَ كَانَتَا أَشْتَهِيْنَ فَلَمَّا مَاتُوا إِلَيْهِمَا الْثَّلَاثُونَ مَتَا
تَرَكُوكُمْ كَمَا نَوَّا لِحَوَّةً رِجَالُ الْقَنَاءِ أَفْلَكَ كُرْمِشُ حَطَّرُ
الْأَنْبَيْنَ طَيْبَيْنَ اللَّهُ لِكُمْ أَنْ تَضْلُوْا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْهِ^(۶)

۷

(۱) کالاہ کے بارے میں پسلے گزر چکا ہے کہ اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ ہونہ بیٹا۔ یہاں پھر اس کی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں نے کالاہ اس شخص کو قرار دیا ہے جس کا صرف بیٹا نہ ہو۔ یعنی باپ موجود ہو، لیکن یہ صحیح نہیں۔ کالاہ کی پہلی تعریف ہی صحیح ہے۔ کیونکہ باپ کی موجودگی میں بھن سرے سے وارث ہی نہیں ہوتی۔ باپ اس کے حق میں حاجب بن جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرمرا رہا ہے کہ اگر اس کی بھن ہو تو وہ اس کے نصف مال کی وارث ہوگی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کالاہ وہ ہے کہ بیٹے کے ساتھ جس کا باپ بھی نہ ہو۔ یوں بیٹے کی نفی تو نص سے ثابت ہے اور باپ کی نفی اشارۃ النص سے ثابت ہو جاتی ہے۔

ملحوظہ: بیٹے سے مراد بیٹا اور پوتا دونوں ہیں۔ اسی طرح بھن سے مراد سگی بھن یا علائی (باپ شریک) بھن ہے (ایسر الفاسیر) احادیث سے ثابت ہے کہ کالاہ کی بھن کے ساتھ بیٹی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف اور بھن کو نصف اور بیٹی اور پوتی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس (چھٹا حصہ) اور بھن کو باقی یعنی ثلث ویا گیا۔ (فتح القدير و ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اولاد موجود ہو تو بھن کو بحیثیت ذوی الفروض کچھ نہیں ملے گا۔ اب اگر وہ اولاد بیٹا ہو تو کسی اور حیثیت سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر بیٹی ہو تو بھن اس کے ساتھ عصبه ہو جائے گی اور مابینی لے لے گی۔ یہ مابینی ایک بیٹی کی موجودگی میں نصف اور ایک سے زائد کی موجودگی میں ثلث ہو گا۔

(۲) اسی طرح باپ بھی نہ ہو۔ اس لئے کہ باپ بھائی سے قریب ہے، باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہی نہیں ہوتا اگر اس کالاہ عورت کا خالوندیا کوئی مال جایا بھائی ہو گا تو ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا وارث بھائی قرار پائے گا۔
(ابن کثیر)

(۳) یہی حکم دو سے زائد بھنوں کی صورت میں بھی ہو گا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ کالاہ شخص کی دو یا دو سے زائد بھنیں ہوں تو انہیں کل مال کا دو تماں حصہ ملے گا۔

(۴) یعنی کالاہ کے وارث مخلوط (مرد اور عورت دونوں) ہوں تو پھر ”ایک مرد دو عورت کے برابر“ کے اصول پر ورنے کی تقسیم ہوگی۔

شُورَةُ الْمَائِدَةِ

سورہ مائدہ مدنی ہے اس میں ایک سورہ آئیں اور رسولہ
رسویں ہیں

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا میراث نہیں اور رسولہ
والا ہے۔

اے ایمان والو! عمد و پیمان پورے کرو،^(۱) تمہارے لئے
مویشی چوپائے حلال کئے گئے ہیں^(۲) بجز ان کے جن کے
نام پڑھ کر سنادیئے جائیں گے^(۳) مگر حالاتِ حرام میں
شکار کو حلال جانے والے نہ بننا، یقیناً اللہ جو چاہے حکم
کرتا ہے۔^(۴)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو^(۵)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ قُوَّا بِالْعُقُودِ فَإِذْ أَجْلَتُ لَكُمْ بِهِمَةَ
الْأَنْعَامِ لِمَا يُنْهَى عَنْكُمْ عَنِ الْعُلُمِ الصَّيْدُ وَأَنْتُمْ حُمْرَانَ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا تَرْبِدُ^(۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ أَتَتُمُوا شَعَاعَ إِلَهِكُمْ وَلَا إِلَهَ حَرَامٌ

(۱) عُقُود عَقْد کی جمع ہے، جس کے معنی گردہ لگانے کے لئے بھی ہوتا ہے
اور پختہ عمد و پیمان کرنے پر بھی۔ یہاں اس سے مراد احکامِ الہی ہیں جن کا اللہ نے انسانوں کو ملکت ٹھرا دیا ہے اور
عدم و پیمان و معاملات بھی ہیں جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ دونوں کا ایقا ضروری ہے۔

(۲) بَهِيمَةٌ چوپائے (چار نانگوں والے جانور) کو کما جاتا ہے۔ اس کا مادہ بَهِيمَ، بَهِيَمَ ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کی
گفتگو اور عقل و فہم میں چونکہ ابہام ہے، اس لیے ان کو بَهِيمَہ کہا جاتا ہے۔ اَنْعَامُ اُونَثُ گائے، بکری اور بھیڑ کو کما
جاتا ہے کیونکہ ان کی چال میں نری ہوتی ہے۔ یہ بَهِيمَہ الْأَنْعَامِ نزاور مادہ مل کر آٹھ تیس ہیں، جن کی
تفصیل سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۳۳ میں آئے گی علاوہ ازیں جو جانور و حشی کملاتے ہیں مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ، جن کا
عمویہ شکار کیا جاتا ہے، یہ بھی حلال ہیں۔ البتہ حالاتِ حرام میں ان کا اور دیگر پرندوں کا شکار منوع ہے۔ سنت میں بیان
کردہ اصول کی رو سے جو جانور ذُرُف ناب اور جو پرندے ذُرُف مخلب نہیں ہیں، وہ سب حلال ہیں، جیسا کہ سورہ بقرۃ آیت
نمبر ۳۷ کے حاشیے میں تفصیل گزرا چکی ہے۔ ذُرُف ناب کا مطلب ہے وہ جانور جو اپنے کچلی کے دانت سے اپنا شکار پکڑتا ہو
اور چیرتا ہو، مثلاً شیر، چیتا، کتا، بھیڑا وغیرہ اور ذُرُف مخلب کا مطلب ہے وہ پرندہ جو اپنے پنجے سے اپنا شکار جھپٹتا پکڑتا ہو۔
مشاشکہ، باز، شاہین، عقاب وغیرہ۔

(۳) ان کی تفصیل آیت نمبر ۳ میں آرہی ہے۔

(۴) شَعَاعَ، شَعِيزَۃٌ کی جمع ہے، اس سے مراد حرماتِ اللہ ہیں (جن کی تعظیم و حرمت اللہ نے مقرر فرمائی ہے) بعض نے
اسے عام رکھا ہے اور بعض کے نزدیک یہاں حج و عمرے کے مناسک مراد ہیں یعنی ان کی بے حرمتی اور بے تو قیری نہ
کرو۔ اسی طرح حج و عمرے کی ادائیگی میں کسی کے درمیان رکاوٹ بھی مت بنو، کہ یہ بھی بے حرمتی ہی ہے۔

نہ ادب والے مینوں کی^(۱) نہ حرم میں قربان ہونے والے اور پڑے پہنانے گئے جانوروں کی جو کعبہ کو جا رہے ہوں^(۲) اور نہ ان لوگوں کی جوبیت اللہ کے قصد سے اپنے رب تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں،^(۳) ہاں جب تم احرام اتار ڈال تو شکار کھیل سکتے ہو،^(۴) جن لوگوں نے تمیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ،^(۵) نیکی اور پر ہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں

وَلَا الْهُدَىٰ وَلَا الْقَلَادَةُ وَلَا إِنِّي الْبَيْتُ الْحَرَامُ يَبْغِعُونَ
فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَّلْتُمْ فَاصْطَادُوا
وَلَا يَحِمِّلُوكُمْ شَنَآنٌ قَوْمٌ أَنْ صَدَّكُمْ عَنِ الْمُسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ
تَعْتَدُوْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ إِلَيْهِ الرُّقُوْنَ وَلَا تَعْلَمُونَ عَلَى إِلَاهٍ
وَالْعُدُوْا إِنَّ وَالْعَوْالِمَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۚ ۲

(۱) ﴿الثَّمَرُ الْحَرَامُ﴾ مراد اس سے جس ہے یعنی حرمت والے چاروں مینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) کی حرمت برقرار رکھو اور ان میں قبال مت کرو۔ بعض نے اس سے صرف ایک ممینہ یعنی ماہ ذوالحجہ (حج کا ممینہ) مراد لیا ہے۔ بعض نے اس حکم کو ﴿فَاقْتُلُوا الظِّبَابَيْنَ حَيْثُ وَجَدُوكُمْ﴾ سے منسخ مانا ہے۔ مگر اس کی ضرورت نہیں۔ دونوں احکام کے اپنے اپنے دائرے ہیں، جن میں تعارض نہیں۔

(۲) ہندی ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی حرم میں قربان کرنے کے لئے ساتھ لے جاتے تھے۔ قلائد قلادة کی جمع ہے جو گلے کے پڑے کو کہا جاتا ہے، یہاں حج یا عمرہ کے موقع پر قربان کے جانے والے ان جانوروں کو مراد لیا گیا ہے۔ جن کے گلوں میں علامت اور نشانی کے طور پر جوتے یا پڑے ڈال دیئے جاتے تھے پس قلائد سے مقصود وہی جانور ہوئے جنہیں حرم لے جایا جاتا تھا۔ یہ حدی کی مزید تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی سے چھیننا جائے نہ ان کے حرم تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔

(۳) یعنی حج و عمرہ کی نیت سے یا تجارت و کاروبار کی غرض سے حرم جانے والوں کو مت روکنے انہیں غنک کرو۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ احکام اس وقت کے ہیں جب مسلمان اور مشرک اکٹھے حج و عمرہ کرتے تھے۔ لیکن جب آیت ﴿إِنَّمَا النَّشِيرُكُونَ بَعْسٌ كَلَاقِهِمْ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بَعْدَ عَلِيهِمْ هَذَا﴾ (التوبہ-۲۸) "مشرکین تو پلید ہیں، پس اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں" نازل ہو گئی، تو مشرکین کی حد تک یہ حکم منسخ ہو گیا۔ بعض کے نزدیک یہ آیت محکم یعنی غیر منسخ ہے اور یہ حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ (فتح القدير)

(۴) یہاں امراباحت یعنی جواز بتلانے کے لیے ہے۔ یعنی جب تم احرام کھول دو تو شکار کرنا تمہارے لیے جائز ہے۔

(۵) یعنی گو تمیں ان مشرکین نے ۶ ہجری میں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا لیکن تم ان کے اس روکنے کی وجہ سے ان کے ساتھ زیادتی والا رویہ اختیار مت کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی حلم اور عفو کا سبق دیا جا رہا ہے۔

مدونہ کرو،^(۱) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔^(۲)

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرا کامن پکارا گیا ہو^(۳) اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو^(۴) اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو^(۵) اور جو اپنی جگہ سے گر کر مرا ہو^(۶) اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو^(۷) اور جسے درندوں نے چھاڑ کھایا ہو^(۸) لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں^(۹)

حِمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَحُجُورُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَكَ لِغَيْرِهِ
الَّتِي هُنَّ مُنْهَقَةٌ وَالْمُوْقُوذَةُ وَالْمُنْتَدِيَةُ وَالْمُنْطَبِعَةُ وَمَا
أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَرْتُمْ وَمَا دُبِغَ عَلَى التُّصِيبِ وَلَنْ تَسْتَقِيمُوا
بِالْأَذْكَرِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ إِلَيْهِمْ يُبَيِّنُ اللَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِيَنِكُمْ
فَلَا تَعْشُوْهُ وَلَا حُشُونَ إِلَيْهِمْ أَكْلُمُتُ الْكُوْكُبِ وَبِكُمْ وَأَنْتُمْ

(۱) یہ ایک نمایت اہم اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ جو ایک مسلمان کے لیے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان اس اصول کو اپنا سکیں۔

(۲) یہاں سے ان محرومات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کا حوالہ سورت کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ آیت کا انتا حصہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ (دیکھیے آیت نمبر ۲۷۳)

(۳) گلا کوئی شخص گھونٹ دے یا کسی چیز میں پھنس کر خود گلا گھٹ جائے۔ دونوں صورتوں میں مردہ جانور حرام ہے۔

(۴) کسی نے پھر، لاثی یا کوئی اور چیز ماری جس سے وہ بغیر ذبح کیے مر گیا۔ زمانہ جامیت میں ایسے جانوروں کو کھایا جاتا تھا۔ شریعت نے منع کر دیا۔

بندوق کا شکار: بندوق کا شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بندوق کے شکار کو حلال قرار دیا ہے۔ (فتح القدر) یعنی اگر بسم اللہ پڑھ کر گولی چلانی گئی اور شکار ذبح سے پہلے ہی مر گیا تو اس کا کھانا اس قول کے مطابق حلال ہے۔

(۵) چاہے خود گرا ہو یا کسی نے پہاڑ وغیرہ سے دھکا دے کر گرا یا ہو۔

(۶) نَطِيْحَةٌ، مَنْطُوْحَةٌ کے معنی میں ہے۔ یعنی کسی نے اسے نکر مار دی اور بغیر ذبح کیے وہ مر گیا۔

(۷) یعنی شیر، چیتا اور بھیڑا وغیرہ جسے ذو ناب (کھلیوں سے شکار کرنے والے درندوں میں سے کسی نے اسے کھایا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ زمانہ جامیت میں مر جانے کے باوجود ایسے جانور کو کھایا جاتا تھا۔

(۸) جمہور مفسرین کے نزدیک یہ احتشان تمام مذکورہ جانوروں کے لیے ہے یعنی مُنْخِنَةٌ، مَوْقُوذَةٌ، مُتَرَدِّيَةٌ، نَطِيْحَةٌ اور درندوں کا کھایا ہوا، اگر تم انہیں اس حال میں پالو کہ ان میں زندگی کے آثار موجود ہوں اور پھر تم انہیں شرعی طریقے سے ذبح کر لو تو تمہارے لیے ان کا کھانا حلال ہو گا۔ زندگی کی علامت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پھر کے او رٹا نہیں مارے۔ اگر چھری پھیرتے وقت یہ اضطراب و حرکت نہ ہو تو سمجھ لو یہ مردہ ہے۔ ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ

اور جو آستانوں پر ذنع کیا گیا ہو^(۱) اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو^(۲) یہ سب بدترین گناہ ہیں، آج کفار تمہارے دین سے نامید ہو گئے، خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا، آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کامیابان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا امیر ہے۔^(۳)

عَلَيْكُمْ نِعْمَةٌ وَرَضِيَتُ لَكُمُ الْإِسْلَامُ وَمِنَ الْمُنَّاهِينَ أَضْطُرَرُ فِي
نَحْمَصَةٍ غَيْرِ مَهَا نَفِ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑥

پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاتا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذنع کے علاوہ نحر بھی مشروع ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لبے پر چھری ماری جائے (اوٹ کو نحر کیا جاتا ہے) جس سے زخہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہیں اور سارا خون بہس جاتا ہے۔

(۱) مشرکین اپنے بتوں کے قریب پھریا کوئی چیز نصب کر کے ایک خاص جگہ بناتے تھے۔ جسے نسبت (تحان یا آستانہ) کہتے تھے۔ اسی پر وہ بتوں کے نام نذر کئے گئے جانوروں کو ذنع کرتے تھے یعنی یہ ﴿وَمَا أَهْلَنَ يَهْ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ ہی کی ایک شکل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آستانوں، مقبروں اور درگاہوں پر، جہاں لوگ طلب حاجات کے لئے جاتے ہیں اور وہاں مدفون افراد کی خوشنودی کے لئے جانور (مرغا، بکرا وغیرہ) ذنع کرتے ہیں، یا کپکی ہوئی دیگیں تقسیم کرتے ہیں، ان کا کھانا حرام ہے یہ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ میں داخل ہیں۔

(۲) ﴿وَأَنَّ تَشْقِيمُوا بِالْأَذْكَرِ﴾ کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک تیروں کے ذریعے تقسیم کرنا دوسرے، تیروں کے ذریعے قسم معلوم کرنا، پہلے معنی کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جوئے وغیرہ میں ذنع شدہ جانور کی تقسیم کے لیے یہ تیر ہوتے تھے جس میں کسی کو کچھ مل جاتا، کوئی محروم رہ جاتا۔ دوسرے، معنی کی رو سے کہا گیا ہے کہ اسلام سے مراد تیر ہیں جن سے وہ کسی کام کا آغاز کرتے وقت فال لیا کرتے تھے۔ انہوں نے تین قسم کے تیر بنا کر کے تھے۔ ایک افعُل (کر) دوسرے میں لَا تَقْعَل (نه کر) اور تیسرے میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ افعُل والا تیر نکل آتا تو وہ کام کر لیا جاتا، لَا تَقْعَل والا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا تیر نکل آتا تو پھر دوبارہ فال نکلتے۔ یہ بھی گویا کہانت اور استِمْدَاد بغیرِ اللہ کی شکل ہے اس لیے اسے بھی حرام کر دیا گیا استقمام کے معنی طلب قسم ہیں۔ یعنی تیروں سے قسم طلب کرتے تھے۔

(۳) یہ بھوک کی اضطراری کیفیت میں مذکورہ محبتات کے کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مقصد اللہ کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو، صرف جان بچانا مطلوب ہو۔

آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ کہ دیجئے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں،^(۱) اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہے یعنی جنہیں تم تھوڑا بست وہ سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہے^(۲) پس جس شکار کو وہ تمہارے لئے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھالو اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کر لیا کرو۔^(۳) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو،

بِقِيَّةِ اللَّهِ تَعَالَى جَلَدَ حَسَابٍ لِيَنْهَا وَالاَهِيَّ۔^(۴)

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذیجہ تمہارے لئے حلال ہے^(۵) اور تمہارا ذیجہ ان کے لئے حلال ہے، اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک

بِسْلُونَكَ مَاذَا أَحْلَلَ لَهُمْ قُلْ أَحْلُلَ لِكُلِّ الظَّبَابِ وَمَا عَلِمْنَاهُ مِنْ
الْجَوَارِ حَمْكَلِينَ تَعْلَمُونَهُ مِمَّا عَلِمْنَا لَهُمْ فَلَمْ يُؤْمِنُوا
أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَأَذْكُرُوا السُّمَاءَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَأَتَقْتُلُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
سَرِيعُ الْحِسَابِ ②

الْيَوْمَ أَحْلَلَ لِكُلِّ الظَّبَابِ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلٌّ
لِكُلِّهِ وَطَعَامُ الْمُحْلَّمِ حَلٌّ لِكُلِّهِ وَالْمُحْسَنُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُعْصِنُ
مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ بَقِيلِكُلِّهِ إِذَا أَتَيْتُهُمْ هُنَّ أَجْوَهُنَّ

(۱) اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو حلال ہیں۔ ہر حلال طیب ہے اور ہر حرام خبیث۔

(۲) جَوَارِحُ، جَارِحُ کی جمع ہے جو کا سب (کمانے والا) کے معنی میں ہے۔ مراد شکاری کتا، باز، چیتا، شکرا اور دیگر شکاری پرندے اور درندے ہیں۔ مَكْلِينَ کا مطلب ہے شکار پر چھوڑنے سے پہلے ان کو شکار کے لیے سدھایا گیا ہو۔ سدھانے کا مطلب ہے جب اسے شکار پر چھوڑا جائے۔ تو دوڑتا ہوا جائے، جب روک دیا جائے تو رک جائے اور بلایا جائے تو واپس آجائے۔

(۳) ایسے سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔ ایک یہ کہ اسے شکار کے لیے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔ دوسری یہ کہ شکاری جانور شکار کر کے اپنے مالک کے لیے رکھ چھوڑے اور اسی کا انتظار کرے، خود نہ کھائے۔ حتیٰ کہ اگر اس نے اسے مار بھی ڈالا ہو، تب بھی وہ مقتول شکار شدہ جانور حلال ہو گا بشرطیکہ اس کے شکار میں سدھائے اور چھوڑے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کی شرکت نہ ہو۔ (صحیح بخاری)

كتاب الذبائح والصيد مسلم، كتاب الصيد

(۴) اہل کتاب کا وہی ذیجہ حلال ہو گا جس میں خون بہہ گیا ہو۔ گویا ان کا مشینی ذیجہ حلال نہیں ہے، کیونکہ اس میں خون بننے کی ایک بنیادی شرط مفقود ہے۔

وامن عورتیں بھی حلال ہیں^(۱) جب کہ تم ان کے مرا دا کرو، اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بد کاری کرو، منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔^(۵)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے انھو تو اپنے منہ کو،^(۲)
اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو^(۳) اپنے سروں
کا مسح کرو^(۴) اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو،^(۵)

مُعْصِنِينَ عَيْرٌ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَخَذِّنِي آخِدَانَ وَمَنْ يَكْفُرُ
بِالإِيمَانِ فَقَدْ حَطَّ عَمَلَهُ وَهُوَ فِي الْأُخْرَةِ مِنَ الْخَيْرِينَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْوَالَهُ أَقْتُلُمْ إِلَى الصَّلَاةِ قَاتِلُمْ
وَجُوْهَرُكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ إِلَى الْمَرْأَةِ وَأَسْحَابُهُ وَرُؤْسُكُمْ وَأَجْلَلُكُمْ
إِلَى الْكَعْبَيْنِ قَدْنَ كُنْتُمْ جُنْبًا فَأَطْهَرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ

(۱) اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاکدا من کی قید ہے، جو آج کل اکثر اہل کتاب کی عورتوں میں مفقود ہے۔ دوسرے، اس کے بعد فرمایا گیا جو ایمان کے ساتھ کفر کرے، اس کے عمل بر باد ہو گئے۔ اس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بت ہی خسارہ کا سودا ہو گا اور آج کل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں ایمان کو جو شدید خطرات لائق ہوتے ہیں، محتاج وضاحت نہیں۔ درآں حایکہ ایمان کو بچانا فرض ہے۔ ایک جائز کام کے لیے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ اس لیے اسکا جواز بھی اس وقت تک ناقابل عمل رہے گا، جب تک مذکورہ دونوں چیزوں مفقود نہ ہو جائیں۔ علاوه ازیں آج کل کے اہل کتاب ویسے بھی اپنے دین سے بالکل ہی بیگانہ بلکہ بیزار اور باغی ہیں۔ اس حالت میں کیا وہ واقعی اہل کتاب میں شمار بھی ہو سکتے ہیں؟ والله اعلم۔

(۲) ”منہ دھوو“ یعنی ایک ایک، دو دو یا تین تین مرتبہ دونوں ہتھیلیاں دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنے کے بعد۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ منہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے۔

(۳) سچ پورے سر کا کیا جائے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اپنے ہاتھ آگے سے چیچھے گدی تک لے جائے اور پھر وہاں سے آگے کو لائے جماں سے شروع کیا تھا۔ اسی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لے۔ اگر سر پر پگڑی یا عمامہ ہو تو حدیث کی رو سے موزوں کی طرح اس پر بھی سچ جائز ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الحمارۃ) علاوه ازیں ایک مرتبہ ہی اس طرح مسح کر لینا کافی ہے۔

(۴) أَزْجَلَكُمْ کا عطف رُجُوهَكُمْ پر ہے یعنی اپنے پیر ٹخنوں تک دھوو! اور اگر موزے یا جراہیں پسی ہوئی ہیں (بشر طیکہ وضو کی حالت میں پسی ہوں) تو حدیث کی رو سے پیر دھونے کی بجائے جراہوں پر مسح بھی جائز ہے۔

ملحوظہ:- ۱- اگر پسلے سے باوضو ہو تو نیا وضو کرتا ضروری نہیں۔ تاہم ہر نماز کے لیے تازہ وضو بہتر ہے۔ ۲- وضو سے پسلے نیت فرض ہے۔ ۳- وضو سے پسلے بسم اللہ پڑھنی بھی ضروری ہے۔ ۴- داڑھی گھنی ہو تو اس کا غلال کیا جائے۔

اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرو،^(۱) ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تمہم کرو، اسے اپنے چروں پر اور ہاتھوں پر مل لو^(۲) اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی خلگی ڈالنا نہیں چاہتا^(۳) بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھروسہ نعمت دینے کا ہے،^(۴) تاکہ تم شکردا کرتے رہو۔^(۵)

تم پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عمد کو بھی جس کا تم سے معالہ ہے ہوا ہے

مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَابِطِ
أَوْ لَمْسَتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَرْجِعُوهُنَّا مَنِيمُوا صَوِيْدًا
طَيْبًا فَإِذَا مَسَحُوا بِعُجُونَهُنَّ وَأَيْدِيهِنَّ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ
لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَلَكُنْ يُرِيدُ لِيُظْهِرَ كُلُّهُ
لِيُتَمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

وَإِذْ لَرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِنْ ثَاقَةِ الَّذِي
وَأَنْفَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمُ سَمِعْنَا وَأَطْعَنَا

۵۔ اعضا کو ترتیب وارد ہوایا جائے۔ ۶۔ ان کے درمیان فاصلہ نہ کیا جائے۔ یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرا عضو کے دھونے میں دیر نہ کی جائے۔ بلکہ سب اعضا تسلیل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھونے جائیں۔ ۷۔ اعضا وضو میں سے کسی بھی عضو کا کوئی حصہ خلک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہو گا۔ ۸۔ کوئی عضو بھی تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھوایا جائے۔ ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر و ایسر التفاسیر)

(۱) جنابت سے مراد وہ ناپاکی ہے جو احتلام یا یبوی سے ہم بستی کرنے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے اور اسی حکم میں حیض اور نفاس بھی داخل ہے۔ جب حیض یا نفاس کا خون بند ہو جائے تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے طمارت یعنی غسل ضروری ہے۔ البتہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تمہیں کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح القدیر و ایسر التفاسیر)

(۲) اس کی مختصر تشریح اور تمہم کا طریقہ سورہ النساء کی آیت نمبر ۲۳ میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی شان نزول کی بات آتا ہے کہ ایک سفر میں بیداء کے مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں رکنایا رکر رہنا پڑا۔ صحیح کی نماز کے لیے لوگوں کے پاس پانی نہ تھا اور تلاش ہوئی تو پانی دستیاب بھی نہیں ہوا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تمہم کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت اسید بن حیضر رضی اللہ عنہ نے آیت سن کر کہا اے آل ابی بکر! تمہاری وجہ سے اللہ نے لوگوں کے لیے برکتیں نازل فرمائی ہیں اور یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ (تم لوگوں کے لیے سرپا برکت ہو۔) (صحیح بخاری۔ سورۃ المائدۃ)

(۳) اسی لیے تمہم کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔

(۴) اسی لیے حدیث میں وضو کرنے کے بعد دعا کرنے کی ترغیب ہے۔ دعاوں کی کتابوں سے یہ دعا یاد کر لی جائے۔

جبکہ تم نے کہا ہم نے نا اور مانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جانے والا ہے۔ (۷) اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ،^(۱) کسی قوم کی عدالت تہمیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے،^(۲) عدل کیا کرو جو پر ہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ (۸)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لا سیں اور نیک کام کریں ان کے لئے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔^(۹)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ
دو زخی ہیں۔ (۱۰)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا^(۳) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی یہ بھروسہ کرنا چاہئے۔ (۱۱)

(۲-۱) پہلے جملے کی تشریح سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵ میں اور دوسرے جملہ کی سورۃ المائدۃ کے آغاز میں گز رچکی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو حدیث میں آتا ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے مجھے عطا یہ دیا تو میری والدہ نے کہا، اس عطا پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی۔ چنانچہ میرے والدی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطا یہ دیا ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ سے ڈرو! اور اولاد کے درمیان انصاف کرو" اور فرمایا کہ "میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا" (صحیح بخاری و مسلم)

(۳) اس کی شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً اس اعرابی کا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپسی پر ایک درخت کے سامنے میں آرام فرماتھے، تلوار درخت سے لگلی ہوئی تھی۔ اس اعرابی نے تلوار پکڑ کر

وَأَنْقُوا النَّاسَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑥

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُوْنُوا قَوْمِينَ يَلْكُو شَهَدَاءَ
بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى
أَكَعْدِ لُوازِعِ دُلُواشْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ
وَاسْتَقُوا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ لِّبِلَادِ الْعَمَلَوْنَ ⑥

**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ امْتَنَّا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا يَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ** ①

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا رَبَّيْتَنَا أَوْ لَكَ أَصْحَبٌ
الْعَجَبُ (١)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نَعْمَتُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ
هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيهِمْ فَكَفَّ
أَيْدِيهِمْ عَنْكُمْ وَأَنْقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَقِيلَتْ
الْآتِيَةُ مِنْ رَبِّكُمْ ۝

كتاب الله

(۳) اس کی شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً اس اعرابی کا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپسی پر ایک درخت کے سامنے میں آرام فرماتھے، تلوار درخت سے لگلی ہوئی تھی۔ اس اعرابی نے تلوار پکڑ کر

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عمد و بیان لیا^(۱) اور انی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے^(۲) اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بھر رہے ہیں، اب اس عمد و بیان کے بعد بھی تم میں سے جوانکاری ہو جائے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔^(۳)

وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِنْتَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعْثَنَا مِنْهُمْ أُشْرِقَنَّ قَيْتَبِيَاً وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقْسَمْتُ الْقَضْوَةَ وَاتَّبَعْتُ الرِّزْكَوَةَ وَامْتَثَّمْ بِرُسْلِيْنَ وَعَزَّزْتُ تَوْهِمَمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسْنًا لَا كِفَرَانَ عَنْكُمْ سَيِّتاً إِلَّا مَوْلَادُ خَلْكُمْ جَنَّتٌ بَغْرِيْرُ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ فَلَلَ سَوَاءَ الشِّئْلُ

آپ ﷺ پر سوت لی اور کہنے لگا۔ اے محمد! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے بلا تامل فرمایا ”اللہ“ (یعنی اللہ بچائے گا) یہ کہنا تھا کہ تواریخ کے ہاتھ سے گر گئی۔ بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے خلاف، جب کہ آپ ﷺ وہاں تشریف فرماتے، دھوکہ اور فریب سے نقصان پہنچانے کی سازش تیار کی تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے جو دو عامری شخص قتل ہو گئے تھے، ان کی دیت کی ادائیگی میں یہودیوں کے قبیلے بنو نصر سے حسب معاهده جو تعاون لینا تھا، اس کے لئے نبی کریم ﷺ اپنے رفقہ سیت وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بینے گئے۔ انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ اوپر سے چکلی کا پھر آپ ﷺ پر گرا دیا جائے، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا۔ ممکن ہے کہ ان سارے ہی واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ کیونکہ ایک آیت کے نزول کے کئی اسباب و عوامل ہو سکتے ہیں۔ (تفہیم ابن کثیر، ایسرالتفاسیر و فتح القدير)

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ عمد اور میثاق پورا کرنے کی تاکید کی جو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے لیا اور انہیں قیام حق اور شادت عدل کا حکم دیا اور انہیں وہ انعامات یاد کرائے جوان پر ظاہراً و بالاتفاق ہوئے اور بالخصوص یہ بات کہ انہیں حق و صواب کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی تو اب اس مقام پر اس عمد کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو نبی اسرائیل سے لیا گیا اور جس میں وہ ناکام رہے۔ یہ گویا بالواسطہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی کہیں بنا اسرائیل کی طرح عمد و میثاق کو پامال کرنا شروع نہ کرو۔

(۲) اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جبارہ سے قتال کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں پر بارہ نیت مقرر فرمادیئے تاکہ وہ انہیں جنگ کے لئے تیار بھی کریں، ان کی قیادت و رہنمائی بھی کریں اور دیگر معاملات کا انتظام بھی کریں۔

پھر ان کی عدم شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں^(۱) اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے^(۲) ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی^(۳) ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں^(۴) پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ^(۵) بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۶)

بِمَا نَقْضَيْهُمْ وَمِمَّا فَهُمْ لَعْنُهُ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قُسْيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَاتَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَطَامَتَا ذِكْرُ رَايِهِ وَلَا تَزَالَ تَظْلِيمُ عَلَىٰ خَلْقَنَا مِنْهُ فَإِلَيْلًا مِنْهُمْ فَاقْعُفْ عَنْهُمْ وَاصْفَعْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ^(۷)

(۱) یعنی اتنے انتظامات اور عدم مواعید کے باوجود بنا سرا میل نے عدم شکنی کی، جس کی بنا پر وہ لعنت الہی کے متحقّق ہے۔ اس لعنت کے دینی نتائج یہ سامنے آئے کہ ایک 'ان' کے دل سخت کر دیئے گئے جس سے ان کے دل اثر پذیری سے محروم ہو گئے اور انہیا کے وعظ و نصیحت ان کے لئے بے کار ہو گئے، دوسرے یہ کہ وہ کلمات الہی میں تحریف کرنے لگ گئے۔ یہ تحریف لفظی اور معنوی دونوں طرح کی ہوتی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی عقل و فہم میں کبھی آگئی ہے اور ان کی جسارتوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں تک میں تصرف کرنے سے انہیں گریز نہیں۔ بدقتی سے اس قساوت قلبی اور کلمات الہی میں تحریف سے امت محمدیہ کے افراد بھی محفوظ نہیں رہے۔ مسلمان کھلانے والے عوام نہیں خواص بھی، جملہ ہی نہیں علمابھی، ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور احکام الہی کی یاد دہانی ان کے لئے بیکار ہے، وہ سن کر ان سے ذرا اثر قبول نہیں کرتے اور جن غفلتوں اور کوتاهیوں کا وہ شکار ہیں، ان سے تائب نہیں ہوتے۔ اسی طرح اپنی بدعات، خود ساختہ مزعومات اور اپنے تاویلات باطلہ کے اثبات کے لئے کلام الہی میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔

(۲) یہ تمیرانی توجہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام الہی پر عمل کرنے میں انہیں کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں رہی بلکہ بے عملی اور بد عملی ان کا شعار بن گئی اور وہ پستی کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے دل سلیم رہے نہ ان کی فطرت مستقیم۔

(۳) یعنی شذر، خیانت اور کمر، ان کے کردار کا جزو بن گیا ہے جس کے نمونے ہر وقت آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔

(۴) یہ تھوڑے سے لوگ وہی ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی تعداد دوسرے بھی کم تھی۔

(۵) غنو و درگزر کا یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اس کی جگہ حکم دیا گیا ﴿فَأَوْلُوا الْأَذْيَنَ لِيُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَلَا يَأْلِمُوا الْآخِرَةَ﴾ (التوبہ: ۲۹) "ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے" بعض کے نزدیک غنو و درگزر کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ایک اہم حکم ہے، حالات و ظروف کے مطابق اسے بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس سے بھی بعض دفعہ وہ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں جن کے لیے قال کا حکم ہے۔

اور جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں^(۱) ہم نے ان سے بھی عمد و بیان لیا، انہوں نے بھی اس کا برا حسد فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بعض و عداوت ڈال دی جو تاقیامت رہے گی^(۲) اور جو کچھ یہ کرتے تھے عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں سب بتا دے گا۔^(۳)

اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آچکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی بکثرت ایسی باشیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے^(۴) اور بہت سی بالتوں سے درگزر کرتا ہے، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔^(۵)

وَمَنِ الظَّالِمُونَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَانِيَ أَخْذُنَا مِنْ شَاقَهُمْ
فَنَسُوا حَظَّاً مِّنَ الْكِتَابِ مَا دُكَّرُوا بِهِ فَإِنَّمَا يَنْهَا مُ
الْعَدَادَةُ وَالْبَغْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَسَوْفَ
يُبَيَّنُ هُمُ الَّذِينَ لَمْ يَعْلَمُوا

۱۷۷

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ
كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُحْفَظُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ مِّنْ ذَلِكَ مَنْ أَنْتُمْ تُؤْمِنُونَ
وَكِتَابٌ مُّبِينٌ^(۶)

(۱) نصاریٰ نصرۃ "مد" سے ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوال ﴿مَنْ أَنْصَارَهُ إِلَى اللَّهِ﴾ "اللہ کے دین میں کون میرا مددگار ہے؟" کے جواب میں ان کے چند مخلص پیرو کاروں نے جواب دیا تھا ﴿مَنْ أَنْصَارَ اللَّهَ﴾ "ہم اللہ کے مددگار ہیں" اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی یہود کی طرح اہل کتاب ہیں۔ ان سے بھی اللہ نے عمد لیا، لیکن انہوں نے بھی اس کی پرواہ نہیں کی، اس کے نتیجے میں ان کے دل بھی اثر پذیری سے خالی اور ان کے کردار کھو کھلے ہو گئے۔

(۲) یہ عمد الہی سے انحراف اور بے عملی کی وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قیامت تک کے لیے مسلط کر دی گئی۔ چنانچہ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے شدید نفرت و عناد رکھتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے معبد میں عبادت نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ پر بھی یہ سزا مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ امت بھی کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے، جن کے درمیان شدید اختلافات اور نفرت و عناد کی دیواریں حائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

(۳) یعنی انہوں نے تورات و انجیل میں جو تبدیلیاں اور تحریفات کیں، انہیں طشت از بام کیا اور جن کو وہ چھپاتے تھے، ظاہر کیا، جیسے سزاۓ رجم۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

(۴) نُور اور کتابٌ ثِيَنْ و نُونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان واؤ، مغاریت مصدق اور نہیں مغاریت معنی کے لئے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے جس میں کما جا رہا ہے یہ نہیں بیہدی بیہدی "کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے" اگر نور اور کتاب یہ دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ یہ نہیں بیہدی بیہدی ہوتے "یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے سے ہدایت فرماتا ہے" قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہو گیا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد ایک ہی چیز یعنی قرآن کریم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نور سے آنحضرت ﷺ اور

جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضاۓ رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔ (۱۶)

یقیناً وہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دیتا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمانوں و زمین اور دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۷)

يَهُدِيُّ إِلَيْهِ اللَّهُ مَنْ أَتَبَعَ رُضْوَانَهُ سُبْلَ الشَّلِيمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلْمِ إِلَى النُّورِ يَادِنَهُ وَيَهُدِيُّهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ⑯

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَآتَهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑯

کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ جیسا کہ وہ اہل بدعت باور کرتے ہیں جنوں نے نبی کریم ﷺ کی بابت نُور مِنْ نُورِ اللہ کا عقیدہ گھر رکھا ہے۔ اور آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس خانہ ساز عقیدے کے اثاثات کے لئے ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے ساری کائنات پیدا کی۔ حالانکہ یہ حدیث، حدیث کے کسی بھی مستند مجموعے میں موجود نہیں ہے علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلْمَ» یہ روایت ترمذی اور ابو داؤد میں ہے۔ محدث البالی لکھتے ہیں (فالحدیثُ صَحِيحٌ بِلَا رِيبٍ، وَهُوَ مِنَ الْأَدْلَةِ الظَّاهِرَةِ عَلَى بُطْلَانِ الحديثِ المشهورِ) (أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورٌ نِبِيلٌ يَا جَابِرُ) (تعليقات المشكولة جلد اصل ۳۲) ”مشهور حدیث جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، باطل ہے۔ (خلاصہ ترجیح)

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور ملکیت تمام کا بیان فرمایا ہے۔ مقصد عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت صحیح کار د و ابطال ہے۔ حضرت مسیح کے میں اللہ ہونے کے قائل پہلے تو کچھ ہی لوگ تھے یعنی ایک ہی فرقہ۔ یعقوبیہ۔ کا یہ عقیدہ تھا لیکن اب تقریباً تمام عیسائی الوہیت مسیح کے کسی نہ کسی انداز سے قائل ہیں۔ اسی لیے میسیح میں اب عقیدہ تسلیت یا اقانیم ملائکہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بہر حال قرآن نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ کسی پیغمبر اور رسول کو الٰہی صفات سے متصف قرار دینا کفر صریح ہے۔ اس کفر کا ارتکاب عیسائیوں نے، حضرت مسیح کو اللہ قرار دے کر کیا، اگر کوئی اور گروہ یا فرقہ کسی اور پیغمبر کو بشریت و رسالت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرے گا تو وہ بھی اسی کفر کا ارتکاب کرے گا، فَنَمُوذِ باللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْعِقِيدَةِ الْفَاسِدَةِ۔

یہود و نصاریٰ کتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں،^(۱) آپ کہ دیجئے کہ پھر تمہارے گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟^(۲) نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے،^(۳) زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹا ہے۔^(۴)

اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقت کے بعد آپنچا ہے۔ جو تمہارے لئے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلاکی، برائی سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آپنچا^(۵) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۶)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالظَّاهِرِيُّونَ مَنْ هُنَّ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَجْنَادُهُ قُلْ فَلَمَّا
يُعَذَّبُ الْكُفَّارُ لُوِيَّلُهُ بِلَّا إِنْدُمْ بَرَّ مَنْ حَلَقَ لِيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ
وَلِيَعْذِبُ مَنْ يَشَاءُ لَوْلَا لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ^(۷)

يَا أَهْلَ الْكِتَابَ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يَسِّينَ لَكُمْ عَلَىٰ نُورٍ وَمَنْ
الرُّؤْسُلُ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ أَبْيَانٍ فَلَا نَنْدِرُ فَقَدْ جَاءَكُمْ
بِشَيْرٍ وَنَذِيرٍ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۸)

(۱) یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا۔ اور اپنے آپ کو بھی ابناء اللہ (اللہ کے بیٹے) اور اس کا محبوب قرار دے لیا۔ بعض کتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ مذوف ہے یعنی اتباع ابناء اللہ ہم ”اللہ کے بیٹوں“ (عزیر و سمع) کے پیروکار ہیں۔ دونوں مفہوموں میں سے کوئی سائبھی مفہوم مراد لیا جائے، اس سے ان کے تقاضا اور اللہ کے بارے میں بے جا اعتماد کا ظہار ہوتا ہے، جس کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

(۲) اس میں ان کے مذکورہ تقاضوں کا بے بنیاد ہونا واضح کر دیا گیا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب اور چیختے ہوئے یا محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم جو چاہو کرو، اللہ تعالیٰ تم سے باز پرس ہی نہیں کرے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ، دعووں کی بنیاد پر نہیں ہوتا نہ قیامت والے دن ہو گا، بلکہ وہ تو ایمان و تقویٰ اور عمل دیکھتا ہے اور دنیا میں بھی اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتا ہے اور قیامت والے دن بھی اسی اصول پر فیصلہ ہو گا۔

(۳) تاہم یہ عذاب یا مغفرت کا فیصلہ اسی مطابق ہو گا، جس کی اس نے وضاحت فرمادی ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت اور اہل کفر و فتن کے لیے عذاب، تمام انسانوں کا فیصلہ اسی کے مطابق ہو گا۔ اے اہل کتاب! تم بھی اسی کی پیدا کردہ مخلوق یعنی انسان ہو۔ تمہاری بابت فیصلہ دیگر انسانی مخلوق سے مختلف کیوں کر ہو گا؟

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو تقریباً ۵۰۰ سال کا فاصلہ ہے یہ

اور یاد کرو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا^(۱) اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔^(۲) اے میری قوم والو! اس مقدس زمین^(۳) میں داخل ہو جاؤ

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقُولُ إِنَّمَا أَذْكُرُ وَإِنْعَمَّةَ اللَّهِ عَلَيْنَا لَمْ
إِذْ جَعَلَ فِيهَا آنِيمَاتٍ وَجَعَلَهُمْ مُلُوكًا وَأَشْكُمْ مَا لَمْ
يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَلَمِينَ ④

يَقُولُمَا دَخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ

زمانہ فترت کھلاتا ہے۔ اہل کتاب کو کہا جا رہا ہے کہ اس فترت کے بعد ہم نے اپنا آخری رسول ﷺ بھیج دیا ہے۔ اب تم یہ بھی نہ کہہ سکو گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر و نذر پیغمبری نہیں آیا۔

(۱) پیشتر انیابی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں جن کا سلسلہ حضرت عیلیٰ علیہ السلام پر ختم کر دیا گیا اور آخری پیغمبر بنو اسرائیل سے ہوئے ﷺ۔ اسی طرح متعدد بادشاہ بھی بنی اسرائیل میں ہوئے اور بعض نبیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ملوکیت (بادشاہت) سے نوازا۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوت کی طرح ملوکیت (بادشاہت) بھی اللہ کا انعام ہے، جسے علی الاطلاق برآ سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اگر ملوکیت بری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بادشاہ بناتا نہ اس کا ذکر انعام کے طور پر فرماتا، جیسا کہ یہاں ہے آج کل مغربی جمورویت کا کابوس اس طرح ذہنوں پر مسلط ہے اور شاطر ان مغرب نے اس کا افسوس اس طرح پھونکا ہے کہ مغربی افکار کے اسی اہل سیاست ہی نہیں بلکہ اصحاب جبہ و دستار بھی ہیں۔ بہر حال ملوکیت یا شخصی حکومت، اگر بادشاہ اور حکمران عادل و متقی ہو تو جمورویت سے ہزار درجے بہتر ہے۔

(۲) یہ اشارہ ہے ان انعامات اور مجذبات کی طرف، جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے۔ جیسے من و سلوئی کا نزول، بادلوں کا سایہ، فرعون سے نجات کے لیے دریا سے راستہ بناریانا۔ وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانے میں فضیلت اور اونچے مقام کی حامل تھی لیکن پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت و بعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہو گیا ہے۔ ﴿كُنْتُ خَيْرَ أَقْوَافِ الْأَنْذَارِ﴾ (آل عمران۔ ۱۰) تم بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے بنایا گیا ہے لیکن یہ بھی مشروط ہے اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ جو اسی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَّاءُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو) اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس مقصد کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے خیرامت ہونے کا اعزاز برقرار رکھ سکے۔

(۳) بنو اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن بیت المقدس تھا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے امارت مصر کے زمانے میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے تھے اور پھر تب سے اس وقت تک مصر ہی میں رہے، جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں راتوں رات (فرعون سے چھپ کر) مصر سے نکال نہیں لے گئے۔ اس وقت بیت المقدس پر عماقہ کی حکمرانی تھی جو ایک بہادر قوم تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بیت المقدس جا کر آباد

جو اللہ تعالیٰ نے تمارے نام لکھ دی ہے^(۱) اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو^(۲) لیکہ پھر نقصان میں جا پڑو۔ (۲۱)

انہوں نے جواب دیا کہ اے موی وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم (جنوہی) چلے جائیں گے۔ (۲۲)

دو شخصوں نے جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ، دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے، اور تم اگر مومن ہو تو تمیس اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ (۲۳)

قوم نے جواب دیا کہ اے موی! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لئے تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑلو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ (۲۴)

وَلَا تَرْتَدْوْ أَعَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ تَتَنَقِّلُوْ أَخْيَرِكُمْ ①

قَالَ الْوَالِيُّوْسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ۚ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلُهَا حَتَّىٰ يَهْجُوْهُمْ ۖ إِنَّمَا يَنْهَا جُوْمَانُهَا فَإِنَّا ذَلِكُمْ غَلُوْنَ ②

قَالَ رَجُلُّنِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوهُمْ بِالْبَابِ ۚ فَإِذَا دَخَلُتُمْهُوْ فَلَنَّكُمْ غَلُوْنُ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنَّمَا كُنُّوكُمْ مُؤْمِنِينَ ③

قَالَ الْوَالِيُّوْسَى إِنَّا لَنْ نَدْخُلُهَا أَبَدًا إِنَّا دَمْعُهَا فَادْهَبْ ۚ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَّا قَعْدُوْنَ ④

ہونے کا عزم کیا تو اس کے لیے وہاں قابض عماقہ سے جماد ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور نصرت الہی کی بشارت بھی سنائی۔ لیکن اس کے باوجود بنا سرا ایل عماقہ سے لڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ (ابن کثیر)

(۱) اس سے مراد وہی فتح و نصرت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جماد کی صورت میں ان سے کر رکھا تھا۔

(۲) یعنی جماد سے اعراض مت کرو۔

(۳) بنا سرا ایل عماقہ کی بہادری کی شہرت سے مرعوب ہو گئے اور پسلے مرحلے پر ہی ہمت ہار بیٹھے۔ اور جماد سے دست بردار ہو گئے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی کوئی پرواہ کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت پر یقین کیا۔ اور وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔

(۴) قوم موسیٰ علیہ السلام میں سے صرف یہ دو شخص صحیح معنوں میں ایماندار نہ لئے، جنہیں نصرت الہی پر یقین تھا، انہوں نے قوم کو سمجھایا کہ تم ہمت تو کرو، پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تمیس غلبہ عطا فرماتا ہے۔

(۵) لیکن اس کے باوجود بنا سرا ایل نے بد ترین بزدلی، سوء ادبی اور تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تو اور تم ارب جا کر لڑے۔ اس کے بر عکس جب جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں

مویٰ (علیہ السلام) کرنے لگے الٰہی مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں اور ان نافرانوں میں جدائی کر دے۔^(۱) (۲۵)

ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ خانہ بدوش اور ہرا صحراء رگداں پھرتے رہیں گے^(۲) اس لئے تم ان فاسقون کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔^(۳) (۲۶)

آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انسیں سنا دو،^(۴) ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان

قَالَ رَبِّي إِنِّي لَا أَمِلُكُ إِلَّا نَفْسِي وَآخِنَى فَأَفْرَقْتَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمَ الْفَسِيقِينَ ^(۵)

قَالَ فَإِنَّهَا لَحُرْمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتَبَاهُوْنَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمَ الْفَسِيقِينَ ^(۶)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ بِنَا أَبْنَى ادْمَرْ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَ أُثْرَبَانَاقْتُلُّ ^(۷)
مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يَتَبَيَّنْ مِنَ الْأُخْرَ قَالَ لَا قَتْلَكَ قَالَ

نے قلت تعداد و قلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصہ لینے کے لیے بھرپور عزم کاظمار کیا اور یہ بھی کہا کہ ”یا رسول اللہ! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم مویٰ نے مویٰ علیہ السلام کو کہا تھا۔“ (صحیح بخاری۔

كتاب المغازي والتفسير

(۱) اس میں نافران قوم کے مقابلے میں اپنی بے بسی کاظمار بھی ہے اور براءت کا اعلان بھی۔

(۲) یہ میدان تیہ کھلاتا ہے، جس میں چالیس سال یہ قوم اپنی نافرانی اور جہاد سے اعراض کی وجہ سے سرگردان رہی۔ اس میدان میں اس کے باوجود ان پر من و سلوی کا نزول ہوا، جس سے اکتا کر انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ روز روز ایک ہی کھانا کھا کر ہمارا جی بھر گیا ہے۔ اپنے رب سے دعا کر کہ وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور دالیں ہمارے لیے پیدا فرمائے۔ یہیں ان پر بادلوں کا سایہ ہوا، پھر پر حضرت مویٰ علیہ السلام کی لامھی مارنے سے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چیختے جاری ہوئے، اور اس طرح کے دیگر انعامات ہوتے رہے۔ چالیس سال بعد پھر ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ یہ بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے۔

(۳) پیغمبر، دعوت و تبلیغ کے باوجود جب دیکھتا ہے کہ میری قوم سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں، جس میں اس کے لیے دین و دنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں ہیں تو فطری طور پر اس کو سخت افسوس اور دلی قلق ہوتا ہے۔ یہی نبی ﷺ کا بھی حال ہوتا تھا، جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے۔ لیکن آیت میں حضرت مویٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے کما جا رہا ہے کہ جب تو نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا اور پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچا ریا اور اپنی قوم کو ایک عظیم الشان کامیابی کے نقطہ آغاز پر لا کھڑا کیا۔ لیکن اب وہ اپنی دون ہمتی اور بد دماغی کے سبب تیری بات مانے کو تیار نہیں تو تو اپنے فرض سے سبک دوش ہو گیا اور اب تجھے ان کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسے موقع پر غمگینی تو ایک فطری چیز ہے۔ لیکن مراد اس تسلی سے یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے بعد اب تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

(۴) آدم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں کے نام ہاتھیں اور قاتل تھے۔

میں سے ایک کی نذر تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی^(۱) تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔^(۲۷)

گوتہ میرے قتل کے لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا، میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔^(۲۸)

میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے^(۲۹) اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے، ظالموں کا کی بدله ہے۔^(۳۰)

پس اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر

إِنَّمَا يَتَّقِبَلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ⑥

لَهُنَّ بَسْطَكٌ إِلَيْهِ يَدَكُ لِتَقْتُلُنِي مَا أَنَا بِأَبْيَانٍ سِطْرَتِيَّدَيَ إِلَيْكَ
لِأَقْتَلُكَ إِلَيْنِي أَخَانُ اللَّهَ رَبَّ الْعَلَمِينَ ⑦

إِنِّي أُرْبِدُ أَنْ تَبُوأْ أَيْثَمٍ وَإِنِّي مُكَفَّلُونَ مِنْ
أَضْحِيَ النَّارَ وَذَلِكَ جَزْءُ الظَّالِمِينَ ⑧

فَطَوَّعْتُ لَهُنَّفُسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَمَهُ مِنَ الْخَيْرِينَ ⑨

(۱) یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں۔ البتہ مشور یہ ہے کہ ابتداء میں حضرت آدم و حوا کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی۔ دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی، ایک حمل کے بن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہائل کے ساتھ پیدا ہونے والی بن بد صورت تھی، جب کہ قاتل کے ساتھ پیدا ہونے والی بن خوبصورت تھی۔ اس وقت کے اصول کے مطابق ہائل کا نکاح قاتل کی بن کے ساتھ اور قاتل کا نکاح ہائل کی بن کے ساتھ ہونا تھا۔ لیکن قاتل چاہتا تھا کہ وہ ہائل کے بن کی بجائے اپنی ہی جوas کے قبول ہونے کی دلیل تھی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی، ہائل نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی اور قاتل نے گندم کی بالی قربانی میں پیش کی، ہائل کی قربانی قبول ہونے پر قاتل حد کاشکار ہو گیا۔

(۲) میرے گناہ کا مطلب، قتل کا وہ گناہ ہے جو مجھے اس وقت ہو تاجب میں تجھے قتل کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے پوچھا قاتل کا جنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے، مقتول جنم میں کیوں جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔ (صحیح بخاری

دیا اور اس نے اسے قتل کر دیا، جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا۔^(۳۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوئے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا اسکے اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے، وہ کہنے لگا، ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوئے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفننا دیتا؟ پھر تو (براہی) پشمن اور شرمندہ ہو گیا۔^(۳۱)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد چانے والا ہو، قتل کر دیا لے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا^(۳۲) اور ان کے پاس

فَبَعَثَ اللَّهُ عَرَابًا يَتَحَثُّ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيهِ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يُوَيْلَتِي أَعْجَزُتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْعَرَابَ فَأَوْارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ فَاصْبَهَ مِنَ الشَّدِيمِ^۷

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ هَكَيْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ قَسَادًا فِي الْأَرْضِ فَكَانَ مَا قَتَلَ النَّاسَ جَنِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَنِهِمْ رُسُلُنَا بِأَبْيَانٍ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ

(۱) چنانچہ حدیث میں آتا ہے «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ إِلَّا كَانَ عَلَى أَبْنَى آدَمَ الْأُولُ كِفْلٌ مِنْ ذَمِهَا، لَا نَهُ كَانَ أَوْلَ مِنْ سَنَ القتل» (صحیح بخاری، کتاب الأنبياء، مسلم، کتاب الفسامة) "جو قتل بھی ظلمًا ہوتا ہے، (قاتل کے ساتھ) اس کے خون ناحن کا بوجھ آدم کے اس پسلے بیٹھ پڑھی ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا کام کیا" امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "ظاہریات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قabil کو babil کے قتل ناحن کی سزا دنیا میں ہی فوری طور پر دے دی گئی تھی۔" حدیث میں آتا ہے بنی ملکیہ نے فرمایا «مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجَدَرُ أَنْ يُعَذَّلَ اللَّهُ عُقُوبَتُهُ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدْعِرُ لِصَاحِبِهِ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطْبِعَةِ الرَّحِمِ» (ابوداؤد، کتاب الأدب، ابن ماجہ، کتاب الزهد و مسنند احمدہ)^(۳۸-۳۶) "بغی (ظلم و زیادتی) اور قطع رحمی یہ دونوں گناہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتكبین کو دنیا میں ہی جلد سزا دے دے، تاہم آخرت کی سزا اس کے علاوہ اس کے لیے ذخیرہ ہو گی جو انہیں وہاں بھگتی ہو گی" اور قabil میں یہ دونوں گناہ جمع ہو گئے تھے۔ "فَإِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (ابن کثیر)

(۲) اس قتل ناحن کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کے لیے بنو اسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور محکم ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہیں تھا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن ربیعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن (بصری) سے پوچھا ہے آیت ہمارے لیے بھی ہے جس طرح بنو اسرائیل کے لیے تھی "انہوں نے فرمایا" ہاں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبد نہیں۔ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہیں تھے" (تفیر ابن کثیر)

ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔^(۱) (۳۲)

جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھاویے جائیں یا مختلف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے،^(۲) یہ تو ہوئی ان کی دینیوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔^(۳) (۳۳)

ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمْ يُشْرِفُنَّ ^۴

إِنَّمَا جَزَّ الظَّالِمِينَ بِمَا رُبُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَسَعْوَنَ
فِي الْأَرْضِ فَسَادُهُمْ أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يُصْلَبُوا أَوْ تُعَذَّبُهُمْ
أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خَلَافِ أَوْ يُنْقَوْمَ مِنَ
الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خَرْزٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي
الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ^۵

(۱) اس میں یہود کو زجر و توبخ ہے کہ ان کے پاس انبیاء دلائل و برائیں لے کر آتے رہے۔ لیکن ان کا رویہ ہمیشہ حد سے تجاوز کرنے والا ہی رہا۔ اس میں گویا نبی ملکہ نبی کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ آپ کو قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی جو سازشیں کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ان کی ساری تاریخ ہی مکرو فساد سے بھری ہوئی ہے۔ آپ براہما اللہ پر بھروسہ رکھیں جو خیر المکارین ہے۔ تمام سازشوں سے بہتر تبدیل کرنے والا ہے۔

(۲) اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ عکل اور عربہ قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے، انہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو نبی ملکہ نبی نے انہیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو، اللہ تعالیٰ شفاعة عطا فرمائے گا۔ چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہو گئے لیکن اس کے بعد انہوں نے اونٹوں کے رکھوا لے اور چڑوا ہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ جب نبی ملکہ نبی کو اس امر کی اطلاع ملی تو آپ ملکہ نبی نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جو انہیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔ نبی ملکہ نبی نے ان کے ہاتھ پیر مختلف جانب سے کاٹ ڈالے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں، (کیونکہ انہوں نے بھی چڑوا ہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا) پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہیں مر گئے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ انہوں نے چوری بھی کی، قتل بھی کیا، ایمان لانے کے بعد کفر بھی کیا اور اللہ و رسول کے ساتھ مبارکہ بھی (صحیح بخاری کتاب الدیبات، والطب والتفسیر۔ صحیح مسلم کتاب القسامۃ) یہ آیت مبارکہ کھلاتی ہے۔ اس کا حکم عام ہے یعنی مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے۔ مبارکہ کا مطلب ہے۔ کسی منظم اور مسلح جنچے کا اسلامی حکومت کے دائرے میں یا اس کے قریب صحرا وغیرہ میں راہ چلتے قافلوں اور افراد اور گروہوں پر حملے کرنا، قتل و غارت گری کرنا، سلب و نسب، اغوا اور آبروریزی کرنا وغیرہ اس کی جو ۳ سزا کیسیں بیان کی گئی ہیں، امام (ظیفۃ وقت) کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے، دے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اگر مبارکین نے قتل و سلب کیا اور وہشت گردی کی تو انہیں قتل اور رسول کی سزا دی جائے گی اور جس نے صرف قتل کیا

ہاں جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر
قاپو پالو^(۱) تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور
رحم و کرم والا ہے۔ (۳۴)

مسلمانوں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش
کرو^(۲) اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا
ہو۔ (۳۵)

یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ آنَّ تَقْدِيرُهُ وَاعْلَمُهُمْ
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ وَابْنَهُ عَلَيْهِ
الْوَيْسِيلَةُ وَجَاهِهِ دُوَافِي سَيِّلِهِ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ^(۴)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْا نَأَنَّ لَهُمْ مَنَافِي الْأَرْضِ

مال نہیں لیا، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے قتل کیا اور مال بھی چھینا، اس کا ایک دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ
اور دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور جس نے نہ قتل کیا نہ مال لیا، صرف دہشت گردی کی اسے جلاوطن کر دیا جائے گا۔
لیکن امام شوکانی فرماتے ہیں پہلی بات صحیح ہے کہ سزادینے میں امام کو اختیار حاصل ہے۔ (فتح القدير)

(۱) یعنی گرفتار ہونے سے پہلے اگر وہ توبہ کر کے اسلامی حکومت کی اطاعت کا اعلان کر دیں تو پھر انہیں معاف کر دیا جائے
گا، مذکورہ سزا میں نہیں دی جائیں گی۔ لیکن پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ سزاوں کی معافی کے ساتھ انہوں نے قتل کر
کے یا مال لوٹ کر یا آبروریزی کر کے بندوں پر جودست درازی کی یہ جرام بھی معاف ہو جائیں گے یا ان کا بدله لیا
جائے گا، بعض علماء کے نزدیک یہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ ان کا تقصیص لیا جائے گا۔ امام شوکانی اور امام ابن کثیر کارخان
اس طرف ہے کہ مطلقاً نہیں معاف کر دیا جائے گا اور اسی کو ظاہر آیت کا مقتضی بتلایا ہے۔ البتہ گرفتاری کے بعد توبہ
سے جرام معاف نہیں ہوں گے۔ وہ مستحق سزا ہوں گے۔ (فتح القدير و ابن کثیر)

(۲) وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ ”اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ
تلاش کرو“ کا مطلب ہو گا ایسے اعمال اختیار کرو جس سے تمہیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔ امام
شوکانی فرماتے ہیں ((إِنَّ الْوَسِيلَةَ - الَّتِي هِيَ الْقُرْبَةُ - تَصْدُقُ عَلَى التَّقْوَى وَعَلَى غَيْرِهَا مِنْ حِصَالِ الْخَيْرِ، الَّتِي
يَنْقَرِبُ الْعِبَادُ بِهَا إِلَى رَبِّهِمْ)) ”وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے، تقویٰ اور دیگر خصال خیر صادق آتا ہے جن کے
ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں“ اسی طرح منیات و محربات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب
حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے منیات و محربات کا ترک بھی قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ لیکن جاہلوں نے اس حقیقی وسیلے کو چھوڑ
کر قبروں میں مدفنوں لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں اس مقام
محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی ﷺ کو عطا فرمایا جائے گا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا جو اذان کے بعد میرے
لئے یہ دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہو گا (صحیح بخاری۔ کتاب الأذان، صحیح مسلم،
کتاب الصلوٰۃ، دعائے وسیلہ جو اذان کے بعد پڑھنی منسون ہے «اللَّهُمَّ ارْبَبِ هَذِهِ الدَّعْوَةِ النَّافِعَةِ، وَالصَّلُوٰۃِ
الْقَائِمَةِ؛ أَتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْنَتَهُ مَقَاماً مَخْمُوذَا الَّذِي وَعَدْتَهُ»۔

زمیں میں ہے بلکہ اسی کے مثل اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن کے عذاب کے بد لے فدیے میں دننا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا فدیہ قبول کر لیا جائے، ان کے لئے تو در دن اک عذاب ہی ہے۔^(۱) (۳۶)

یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے، ان کے لئے تو دوایی عذاب ہیں۔^(۲) (۳۷)

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔^(۳) یہ بدلہ ہے اس کا جوانہوں نے کیا، عذاب اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت و حکمت والا ہے۔^(۴) (۳۸)

جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے^(۵)

جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَقْتَدُوا إِنَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا تُقْسَىٰ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۶)

يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ الدَّارِ وَمَا هُمْ بِخَرِيجِنَّ وَهُنَّا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ^(۷)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطُعُوا أَيْدِيهِمْ جَزَاءً إِنَّمَا كَسِبَّا نَكَالًا مَّنْ أَنْهَىٰ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ^(۸)

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۹)

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ ایک جسمی کو جنم سے نکال کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا ”تو نے اپنی آرام گاہ کیسی پائی؟“ وہ کہے گا ”بد ترین آرام گاہ“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”کیا تو زمین بھر سونادیہ دے کر اس سے چھکارا حاصل کرنا پسند کرے گا؟“ وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا تو نے وہاں اس کی پروا نیں کی اور اسے دوبارہ جنم میں ڈال دیا جائے گا (صحیح مسلم، صفة القيامة، صحيح بخاری، کتاب الرفق والأنبياء)

(۲) یہ آیت کافروں کے حق میں ہے، کیونکہ مومنوں کو بالآخر سزا کے بعد جنم سے نکال لیا جائے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

(۳) بعض فقماطاہری کے نزدیک سرقہ کا یہ حکم عام ہے چوری تھوڑی سی چیز کی ہو یا زیادہ کی۔ اسی طرح وہ حرز (محفوظ گلہ) میں رکھی ہو یا غیر حرز میں۔ ہر صورت میں چوری کی سزادی جائے گی۔ جب کہ دوسرے فقماطاہری کے لیے حرز اور نصاب کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ پھر نصاب کی تعین میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک نصاب ربع دینار یا تین درهم (یا ان کے مساوی قیمت کی چیز) ہے، اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کالا جائے گا۔ اسی طرح ہاتھ رسخ (پسچوں) سے کاٹے جائیں گے۔ کہنی یا کندھے سے نہیں۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ (تفصیلات کے لیے کتب حدیث و فقہ اور تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے)

(۴) اس توبہ سے مراد عند اللہ قبول توبہ ہے۔ یہ نہیں کہ توبہ سے چوری یا کسی اور قابل حد جرم کی سزا معاف ہو جائے گی۔ حدود توبہ سے معاف نہیں ہوں گی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا میرانی کرنے والا

ہے۔ (۳۹)

کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے زمین و آسمان کی بادشاہت ہے؟ جسے چاہے سزادے اور جسے چاہے معاف کر دے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴۰) اے رسول! آپ ان لوگوں کے پیچے نہ کڑیمیے جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان (منافقوں) میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل با ایمان نہیں^(۱) اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جواب تک آپ کے پاس نہیں آئے، وہ کلمات کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر انہیں متغیر کر دیا کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لیں اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تحملگ^(۲) رہنا اور جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو آپ اس کے لیے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوانی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑی سخت سزا ہے۔ (۴۱)

اللَّهُ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ طَلْقٍ شَفِيفٍ قَدِيرٌ^(۳)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَمْعِنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفَّارِ
مِنَ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ أَمْ كَانُوا فَوَاهِمُهُمْ وَلَا هُنْ ثُوَّابُ
لِقَوْمٍ إِخْرَجُوكُمْ لَا هُنْ يَأْتُوكُمْ مَعِيرُونَ الْكَلِمَاتُ مِنْ بَعْدِ
مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِينَا هَذَا فَخَذُوهُ وَإِنْ
كُنْ تُؤْتُوهُ فَاحْدَرُوهُ وَمَنْ يُرِيدُ اللَّهُ فِتْنَةً فَلْيَنْ
تَمْلِكَ لَهُ مِنَ الدِّينِ شَيْئًا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِيدُ
اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خَرْبٌ
وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ^(۴)

(۱) نبی کریم ﷺ کو اہل کفر و شرک کے ایمان نہ لانے اور ہدایت کا راستہ نہ اپنانے پر جو قلق اور افسوس ہوتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ اپنے چیغبر کو زیادہ غم نہ کرنے کی ہدایت فرمرا ہے تاکہ اس اعتبار سے آپ کو تسلی رہے کہ ایسے لوگوں کی بابت عند اللہ مجھ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

(۲) آیت نمبر ۴۲ تا ۴۴ کی شان نزول میں دو واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک تو دو شادی شدہ یہودی زانیوں (مردو عورت) کا۔ انہوں نے اپنی کتاب تورات میں تو روبدل کر ڈالا تھا، علاوہ ازیں اس کی کئی باتوں پر عمل بھی نہیں کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک حکم رجم بھی تھا جو ان کی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے لئے تھا اور اب بھی موجود ہے لیکن وہ چونکہ اس سزا سے بچنا چاہتے تھے اس لئے آپس میں فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں اگر انہوں نے ہمارے ایجاد کردہ طریقہ کے مطابق کوڑے مارنے اور منہ کلالا کرنے کی سزا کا فیصلہ کیا تو مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ دیا تو نہیں

یہ کان لگانکر جھوٹ کے سنے والے^(۱) اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں، اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے آپس کافیلہ کرو خواہ ان کو مٹال دو، اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی یہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے۔ (۲۲)

(تعجب کی بات ہے کہ) وہ کیسے اپنے پاس تورات ہوتے ہوئے جس میں احکام الٰہی ہیں تم کو منصف بناتے ہیں پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں، دراصل یہ ایمان و یقین والے ہی نہیں۔ (۲۳)

سَمَاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْلُونَ لِلسُّخْتَةِ قَلْنَ جَاءُوكُلَّ قَاكُمْ
بِدِنْهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ شُعْرُ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضْرُوكُ
شَيْءًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَأَحْكُمْ بِدِنْهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ ④

وَكَيْفَ يُعَجِّلُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ
ثُمَّ يَتَوَلَّونَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ
بِالْمُؤْمِنِينَ ⑤

مانیں گے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں رجم کی بابت کیا ہے؟ انہوں نے کہا تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور رسوا کرنا ہے۔ عبد اللہ بن سلام ہبھٹھ نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، جاؤ تورات لاو، تورات لا کروہ پڑھنے لگے تو آیت رجم پر باٹھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھ دیں۔ عبد اللہ بن سلام ہبھٹھ نے کہا ہاتھ اٹھاؤ، ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم تھی۔ بالآخر انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ محمد ﷺ عج کہتے ہیں، تورات میں آیت رجم موجود ہے۔ چنانچہ دونوں زانیوں کو سنگار کر دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو میمجن و دیگر کتب حدیث) ایک دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یہود کا ایک قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے یہودی قبیلے سے زیادہ معزز اور محترم سمجھتا تھا اور اسی کے مطابق اپنے مقتول کی دیت سو و سق اور دوسرے قبیلے کے مقتول کی پچاس و سق مقرر کر رکھی تھی۔ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کے دوسرے قبیلے کو کچھ حوصلہ ہوا جس کے مقتول کی دیت نصف تھی اور اس نے دیت سو و سق دینے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان اس مسئلے پر لڑائی چھڑ جاتی، لیکن ان کے سمجھدار لوگ نبی ﷺ سے فیصلہ کرانے پر رضا مند ہو گئے اس موقعے پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مند احمد میں ہے جس کی سند کو شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ مند احمد جلد ا، ص ۲۳۶۔ حدیث نمبر ۲۲۲) امام ابن کثیر فرماتے ہیں ممکن ہے دونوں سبب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اور ان سب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا ہو (ابن کثیر)

(۱) سَمَاعُونَ کے معنی ”بہت زیادہ سننے والے“ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، جاسوی کرنے کے لیے زیادہ باتیں سننا یا دوسروں کی باتیں ماننے اور قبول کرنے کے لیے سننا۔ بعض مفسرین نے پہلے معنی مراد ہے ہیں اور بعض نے دوسرے۔

ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے، یہودیوں میں^(۱) اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مانے والے انبیاء (علیہم السلام)^(۲) اور اہل اللہ اور علمائی فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔^(۳) اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے^(۴) اب تمہیں چاہئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میراڑ رکھو، میری آئیوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو،^(۵) جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وجہ کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختے) کافر ہیں۔^(۶) (۲۲)

اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بد لے جان اور آنکھ کے بد لے آنکھ اور ناک کے بد لے ناک اور کان کے بد لے کان اور دانت کے بد لے دانت اور خاص زخموں کا بھی

إِنَّا أَنْزَلْنَا التُّورَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا
الشَّيْءَيْنَ الَّذِينَ آسَلَمُوا إِلَيْنَا إِنَّهُمْ هَادُوا وَالرَّجُلُّيْنَ
وَالْأَعْبَارُ بِمَا اسْتَحْفَظُ لَنَا مِنْ كِتْبِ اللَّهِ وَكَانُوا
عَلَيْهِ شَهَدَاءَ فَلَا يَنْكُنُوا إِلَيْنَا سَاسَ وَأَخْتَنُونَ وَلَا يَشَرُّوا
بِمَا يَتَّبِعُنَّا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
فَأُولَئِكَ هُمُ الْكُفَّارُونَ ۝

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ يَالنَّفْسِ ۚ وَالْعَيْنَ
يَالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ يَالْأَنْفِ وَالْأَذْنُ يَالْأَذْنِ وَالْيَسْنَ
يَالْيَسْنِ ۖ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ

(۱) ﴿ يَلَّذِيْنَ هَادُوا ۚ ۝ اس کا تعلق یَحْكُمُ سے ہے۔ یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلے کرتے تھے۔

(۲) أَسْلَمُوا يَهُودَيَنَّ کی صفت بیان کی کہ وہ سارے انبیاء دین اسلام ہی کے پیرو کار تھے جس کی طرف محمد ﷺ دعوت دے رہے ہیں۔ یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی رہا ہے۔ اسلام جس کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ہر بھی نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی دعوت توحید و اخلاص پیش کی ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ إِلَلَهٔ إِلَّا إِنَّا فَاعْبُدُونَ ۚ ۝ (الأنبياء: ۲۵) ” ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب کو یہی وجہ کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ ” اسی کو قرآن میں الدین بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳ ﴿ شَرَعْ لَكُمْ مِنَ الْدِيْنِ مَا وَهَىَ يَهُوَ عَلَيْهَا ۚ ۝ الایت میں کہا گیا ہے، جس میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو آپ سے قبل دیگر انبیاء کے لیے کیا تھا۔

(۳) چنانچہ انہوں نے تورات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا، جس طرح بعد میں لوگوں نے کیا۔

(۴) کہ یہ کتاب کمی میشی سے محفوظ ہے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

(۵) یعنی لوگوں سے ڈر کر تورات کے اصل احکام پر پردہ مت ڈالونے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے ان میں رد وبدل کرو۔

(۶) پھر تم کیسے ایمان کے بد لے کفر پر راضی ہو گئے ہو؟

بدلہ ہے،^(۱) پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔^(۲) (۳۵)

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے^(۳) اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی

كَفَارَةً لَهُ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ④

وَقَيْنَاءُ عَلَى إِنَّا رَاهُمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التُّورَةِ وَإِنَّهُمْ لِإِنْجِيلٍ فِيهِ هُدَىٰ وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التُّورَةِ وَهُدَىٰ وَمُوعِظَةٌ لِلْمُسَيْقَيْنَ ۵

(۱) جب تورات میں جان کے بد لے جان اور زخموں میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا تو پھر یہودیوں کے ایک قبیلے (بنو نضیر) کا دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کے ساتھ اس کے بر عکس معاملہ کرنا اور اپنے مقتول کی دہت دوسرے قبیلے کے مقتول کی بہ نسبت دو گنارکھنے کا کیا جواز ہے؟ جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزری۔

(۲) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس قبیلے نے مذکورہ فیصلہ کیا تھا، یہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے خلاف تھا اور اس طرح انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا۔ گویا انسان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ احکامات اللہ کو اپنائے، اسی کے مطابق فیصلے کرے اور زندگی کے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو بارگاہ اللہ میں ظالم متصور ہو گا، فاسق متصور ہو گا اور کافر متصور ہو گا۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں لفظ استعمال کر کے اپنے غصب اور ناراضگی کا بھرپور اظمار فرمادیا۔ اس کے بعد بھی انسان اپنے ہی خود ساختہ قوانین یا اپنی خواہشات ہی کو اہمیت دے تو اس سے زیادہ بد قسمتی کیا ہو گی؟

ملحوظہ: علمائے اصولیین نے لکھا ہے کہ پچھلی شریعت کا حکم، اگر اللہ نے برقرار رکھا ہے تو ہمارے لیے بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس آیت میں بیان کردہ حکم غیر منسوخ ہے اس لیے یہ بھی شریعت اسلامیہ ہی کے احکام ہیں جیسا کہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے ﴿النَّفْسُ يَا اللَّهُ لَهُ﴾ (جان، بد لے جان کے) کے عموم سے دو صورتیں خارج ہوں گی۔ کہ کوئی مسلمان اگر کسی کافر کو قتل کر دے تو قصاص میں اس کافر کے بد لے مسلمان کو، اسی طرح غلام کے بد لے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری و نیل الاوطار وغیرہ)

(۳) یعنی انبیاء سالبین کے فوراً بعد، متصل ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اس کی تکذیب کرنے والے نہیں، جو اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسی اللہ کے فرستادہ ہیں جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی، تو اس کے باوجود بھی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ ان کی تکفیر اور تنقیص و اہانت کی۔

تصديق کرتی تھی اور وہ سراسر بدایت و نصیحت تھی پارسا لوگوں کے لئے۔^(۱) (۳۶)

اور انجلیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجلیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں^(۲) اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ (بد کار) فاسق ہیں۔^(۳)

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظت ہے۔^(۴) اس لئے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے

وَلَيَحْكُمُ أهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفُسِيقُونَ ④

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمَنْ
الْكِتَابَ وَمَهِيمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بِمِنْهُ ۖ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
وَلَا تَأْتِيْمُ أَهْوَاءَهُمْ عَنْهَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا

(۱) یعنی جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ تھی۔ اسی طرح انجلیل کے نزول کے بعد اب یہی حیثیت انجلیل کو حاصل ہو گئی اور پھر قرآن کریم کے نزول کے بعد تورات و انجلیل اور دیگر صحائف آسمانی پر عمل منسوخ ہو گیا اور ہدایت و نجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم رہ گیا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرمادیا۔ یہ گویا اسی بات کا اعلان ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فلاج و کامیابی اسی قرآن سے وابستہ ہے۔ جو اس سے جڑ گیا، سرخور ہے گا۔ جو کٹ گیا ناکامی و نامرادی اس کا مقدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”وحدت ادیان“ کا فلسفہ یکسر غلط ہے، حق ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، متعدد نہیں۔ حق کے سواد و سری چیزیں باطل ہیں۔ تورات اپنے دور کا حق تھی، اس کے بعد انجلیل اپنے دور کا حق تھی انجلیل کے نزول کے بعد تورات پر عمل کرنا جائز نہیں تھا۔ اور جب قرآن نازل ہو گیا تو انجلیل منسوخ ہو گئی، انجلیل پر عمل کرنا جائز نہیں رہا اور صرف قرآن ہی واحد نظام عمل اور نجات کے لئے قبل عمل رہ گیا۔ اس پر ایمان لائے بغیر یعنی نبوت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو تسلیم کئے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مزید ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ آیت ۶۲ کا حاشیہ۔

(۲) اہل انجلیل کو یہ حکم اس وقت تک تھا، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ تھا۔ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور نبوت بھی ختم ہو گیا۔ اور انجلیل کی پیروی کا حکم بھی۔ اب ایماندار وہی سمجھا جائے گا جو رسالت محمدی پر ایمان لائے گا اور قرآن کریم کی اتباع کرے گا۔

(۳) ہر آسمانی کتاب اپنے سے ما قبل کتاب کی مصدق رہی ہے جس طرح قرآن پچھلی تمام کتابوں کا مصدق ہے اور تصدیق کا مطلب ہے کہ یہ ساری کتابیں فی الواقع اللہ کی نازل کردہ ہیں۔ لیکن قرآن مصدق ہونے کے ساتھ ساتھ مہینہن (محافظ، امین، شاہد اور حاکم) بھی ہے۔ یعنی پچھلی کتابوں میں چونکہ تحریف و تغیریب بھی ہوئی ہے اس لئے قرآن کا فیصلہ ناطق ہو گا، جس کو یہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح ہے۔ باقی باطل ہے۔

ساتھ حکم کیجئے،^(۱) اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائے^(۲) تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔^(۳) اگر منظور مولیٰ ہو تا تو تم سب کو ایک ہی امت بنادیتا، لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمیں دیا ہے اس میں تمیں آزمائے،^(۴) تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو، تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمیں ہروہ چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔^(۵)

آپ ان کے معاملات میں خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ

مِنْكُمْ شَرِيعَةٌ وَمِنْهَاجٌ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى لَكُمْ أَمْةٌ
وَاجِدَةٌ وَلِكُنْ لِبَنُوكُمْ فِي مَا أَشَكُمْ فَاسْتَقِفُوا
الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجُوكُمْ جَمِيعًا فَإِنْتُمْ كُلُّهُمْ بِهَا
كُلُّهُمْ فِيهِ تَحْتَلُونَ ۝

وَأَنِ اخْلُمْ بِيَنْهُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَعْبُدُوهُمْ
وَاحْذَدُهُمْ أَنْ يَفْتَنُوكُمْ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

(۱) اس سے پہلے آیت نمبر ۲۲ میں نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ ان کے معاملات کے فیصلے کریں یا نہ کریں۔ آپ کی مرضی ہے۔ لیکن اب اس کی جگہ یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے آپس کے معاملات میں بھی قرآن کریم کے مطابق فیصلے فرمائیں۔

(۲) یہ دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر لوگوں کی خواہشوں اور آرایا ان کے خود ساختہ مزاعم و افکار کے مطابق فیصلے کرنا گراہی ہے، جس کی اجازت جب پیغمبر کو نہیں ہے تو کسی اور کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟

(۳) اس سے مراد کچھلی شریعتیں ہیں جن کے بعض فروعی احکامات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک شریعت میں بعض چیزیں حرام تو دوسری میں حلال تھیں، بعض میں کسی مسئلے میں تشدید تھی تو دوسری میں تخفیف، لیکن دین سب کا ایک یعنی توحید پر مبنی تھا۔ اس لحاظ سے سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ اس مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ((نَحْنُ مَعَاشِيرُ الْأَنْبِيَاءِ إِنْحَوْنَ لَعْلَاتٍ، دِينُنَا وَاجِدٌ)) (صحیح بخاری) ”ہم انہیا کی جماعت علیٰ بھائی ہیں۔ ہمارا دین ایک ہے“ علیٰ بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی ماں میں تو مختلف ہوں باپ ایک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین ایک ہی تھا اور شریعتیں (دستور اور طریقے) مختلف تھیں۔ لیکن شریعت محمدیہ کے بعد اب ساری شریعتیں بھی منسوخ ہو گئیں ہیں اور اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک۔

(۴) یعنی نزول قرآن کے بعد اب نجات تو اگرچہ اسی سے وابستہ ہے لیکن اس راہ نجات کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جر نہیں کیا ہے۔ ورنہ وہ چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا، لیکن اس طرح تمہاری آزمائش ممکن نہ ہوتی، جب کہ وہ تمیں آزمانا چاہتا ہے۔

کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھرنے کریں، اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے اور اکثر لوگ نافرمان ہی ہوتے ہیں۔^(۴۹)

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں^(۴۹) یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟۔^(۵۰)

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ^(۳۹) یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔^(۴۰) تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، طالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔^(۵۱)

إِلَيْكُمْ قَانُونَا فَاعْلَمُ أَمَّا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ
بِعَصْبَعِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ
كَفِيلُونَ ۝

أَخْلَمُ الْجَاهِلِيَّةَ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنْ مِنَ اللَّهِ
حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوَقِّنُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَقْتَلُنَّ أَذْيَادًا
بَعْضُهُمْ أَذْيَادٌ لَّا يَبْغُونَ وَمَنْ يَتَوَهَّمْ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّلِيمِينَ ۝

(۱) اب قرآن اور اسلام کے سوا سب جاہلیت ہے، کیا یہ اب بھی روشنی اور ہدایت (اسلام) کو چھوڑ کر جاہلیت ہی کے متلاشی اور طالب ہیں؟ یہ استفهام، انکار اور توبخ کے لیے ہے اور ”فَا“ لفظ مقدر پر عطف ہے اور معنی ہیں، « یُغَرِّضُونَ عَنْ حُكْمِكَ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَيَتَوَلَّنَّ عَنْهُ، يَتَنَعَّمُ حُكْمُ الْجَاهِلِيَّةِ » ”تیرے اس فیصلے سے جو اللہ نے تجوہ پر نازل کیا ہے یہ اعراض کرتے اور پیچہ پھیرتے ہیں اور جاہلیت کے طریقوں کے متلاشی ہیں“ (فتح القدير)

(۲) حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا ((أَيْضُضُ النَّاسَ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ثَلَاثَةً: مُبَتَّئٌ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةُ الْجَاهِلِيَّةِ، وَطَالِبٌ دَمَ امْرَءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِّيُرِيقَ دَمَهُ)) (صحیح بخاری۔ کتاب الدیبات) ”اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی ہو اور جو ناحق کسی کا خون بمانے کا طالب ہو“

(۳) اس میں یہود و نصاریٰ سے موالات و محبت کا رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور اس پر اتنی سخت وعید بیان فرمائی کہ جوان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا۔ (مزید دیکھئے سورہ آل عمران آیت ۲۸، اور آیت ۱۸ کا حاشیہ)

(۴) قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اگرچہ آپس میں عقائد کے لحاظ سے شدید اختلاف اور باہمی بغض و عناد ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون بازو اور محافظ ہیں۔

(۵) ان آیات کی شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت النصاریٰ ہی بیان اور رئیس المناقین عبد اللہ بن ابی دونوں ہی عمد جاہلیت سے یہود کے حليف چلے آرہے تھے۔ جب بدمر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو عبد اللہ

آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے^(۱) وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کتنے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے^(۲) بت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے۔^(۳) یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے^(۴) پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر (بے طرح) نامہ ہونے لگیں گے۔^(۵)

اور ایمان والے کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغ سے اللہ کی فتیمیں کھا کھا کر کتنے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔^(۶)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے^(۷) تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی^(۸)

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَسْأَلُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشِي أَنْ تُصِيبَنَا دَاءٌ أَبْرَأَهُ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَا بِالْفَتْنَةِ أَوْ أَنْ يُرِقَّنُ عِنْدِهِ فَيُصِيبُهُؤَاوَاعِلَ مَا أَسْرَوْا فِي أَنْفُسِهِمْ ثَدِيمُنَ

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهُلَّ الَّذِينَ آفَسُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعْلُومُ حِكْمَتُ أَعْمَالِهِمْ فَاصْبِرُوا خَلِيلُنَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُجَاهِهِمْ وَمُجَاهِهِمْ أَذْلَلُ عَلَى النَّوْمِينَ أَعْرَقُهُ

بن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ اوہ بنو قینقاع کے یہودیوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد فتنہ برپا کیا اور وہ کس لئے گئے، جس پر حضرت عبادہ جی شری نے تو اپنے یہودی حیلفوں سے اعلان براءت کر دیا۔ لیکن عبد اللہ بن ابی نے اس کے بر عکس یہودیوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۱) اس سے مراد نفاق ہے۔ یعنی منافقین یہودیوں سے محبت اور دستی میں جلدی کر رہے ہیں۔

(۲) یعنی مسلمانوں کو مغلکت ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی کچھ نقصان اٹھانا پڑے۔ یہودیوں سے دستی ہو گی تو ایسے موقع پر ہمارے بڑے کام آئے گی۔

(۳) یعنی مسلمانوں کو۔

(۴) یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کر دے یہ اشارہ ہے بنو قریظہ کے قتل اور ان کی اولاد کے قیدی بنانے اور بنو نصریر کی جلا وطنی وغیرہ کی طرف، جس کا وقوع مستقبل قریب میں ہی ہوا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق فرمایا، جس کا وقوع نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ہوا۔ اس فتنہ ارتدار کے خاتمے کا شرف حضرت ابو بکر صدیق بن عاصی اور ان کے رفقاؤ حاصل ہوا۔

(۶) مرتدین کے مقابلے میں جس قوم کو اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا ان کی ۲ نمایاں صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ ۱۔ اللہ سے محبت کرنا اور اس کا محبوب ہونا۔ ۲۔ اہل ایمان کے لیے نرم اور کفار پر سخت ہونا۔ ۳۔ اللہ کی راہ میں جماو کرنا۔ ۴۔ اور

وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے،^(۱) یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔^(۵۳)

(مسلمانو)! تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں^(۲) جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع و خضوع) کرنے والے ہیں۔^(۵۵)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔^(۳)^(۵۶)

عَلَى الْكُفَّارِ إِنَّ رَبَّهُمْ لَمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَحْمِلُونَ
لَوْمَةً لِأَنَّهُمْ ذَلِكَ فَضْلُّ اللَّهِ يُؤْتَيهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ أَهْلِ اللَّهِ
وَإِيمَانُهُمْ عَلَيْهِمْ^(۴)

إِنَّمَا يُكَلِّمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا إِذْنُهُنَّ يُقْرَئُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكُوٰةَ وَهُمْ رَكِعُونَ^(۵)
وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَأُنَّ حِزْبَ
اللَّهِ هُمُ الظَّالِمُونَ^(۶)

اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السَّلَامُ ان صفات اور خوبیوں کا مظرا تم تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مشرف فرمایا اور دنیا میں ہی اپنی رضامندی کی سند سے نواز دیا۔

(۱) یہ ان اہل ایمان کی چوتھی صفت ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت و فرمان اللہ علیہم السَّلَامُ میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ ہو گی۔ یہ بھی بڑی اہم صفت ہے۔ معاشرے میں جن برایوں کا چلن عام ہو جائے، ان کے خلاف نیکی پر استقامت اور اللہ کے حکمتوں کی اطاعت اس صفت کے بغیر ممکن نہیں۔ ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو برائی، معصیت الہی اور معاشرتی خرابیوں سے اپنادا من بچانا چاہتے ہیں لیکن ملامت گروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔ نتیجتاً وہ ان برایوں کی دلدل سے نکل نہیں پاتے اور حق و باطل سے بچنے کی توفیق سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو نہ کوہ صفات حاصل ہو جائیں تو یہ اللہ کا ان پر خاص فضل ہے۔

(۲) جب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو اب اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پھر وہ دوستی کن سے کریں؟ فرمایا کہ اہل ایمان کے دوست سب سے پسلے اللہ اور اس کے رسول ہیں اور پھر ان کے ماننے والے اہل ایمان ہیں۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

(۳) یہ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) کی نشاندہی اور اس کے غلبے کی نوید سنائی جا رہی ہے۔ حزب اللہ وہی ہے جس کا تعلق صرف اللہ، رسول اور مominین سے ہو اور کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے چاہے وہ ان کے قریبی رشتہ دار

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو
ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں (خواہ) وہ ان میں سے ہوں جو
تم سے پہلے کتاب دیئے گئے یا کفار ہوں^(۱) اگر تم مومن
ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ (۵۷)

اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل
ٹھیکرا لیتے ہیں۔^(۲) یہ اس واسطے کہ بے عقل
ہیں۔ (۵۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَقْرَبُوا إِلَيْنَا مِنْ حَمَامٍ فَلَا يُنْكِمُ
هُرُوزًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ
وَالْكُفَّارُ أَوْلَى بِأَمْرٍ وَإِنَّمَا وَأَنْقُوَ اللَّهُ إِنْ كُنُّوكُمْ مُؤْمِنِينَ^(۳)

وَإِذَا نَادَيْتُمُوا إِلَيْكُمُ الصلوةَ اتَّخَذُوهَا هُرُوزًا وَلَعِبًا
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ^(۴)

ہوں، وہ محبت و موالات کا تعلق نہ رکھیں۔ جیسا کہ سورہ مجادلہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ”تم اللہ اور یوم آخرت پر
ایمان رکھنے والوں کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں،
چاہے وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے ہوں، ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان اور قبلے کے لوگ ہوں“ پھر خوشخبری
دی گئی کہ ”یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جنہیں اللہ کی مدد حاصل ہے، انہیں ہی اللہ تعالیٰ جنت میں
داخل فرمائے گا..... اور یہی حزب اللہ ہے، کامیابی جس کا مقدار ہے۔“ (سورہ مجادلہ آخری آیت)

(۱) اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں۔ یہاں پھر یہی تاکید کی گئی ہے کہ دین کو کھیل مذاق بنانے
والے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اس لیے ان کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو گوزمارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو
پھر آ جاتا ہے، بکیر کے وقت پھر پیشہ پھیر کر چل دیتا ہے، جب بکیر ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ کر نمازیوں کے دلوں میں
وسے پیدا کرتا ہے۔ الحدیث (صحیح بخاری۔ کتاب الاذان، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، شیطان ہی کی
طرح شیطان کے پیروکاروں کو اذان کی آواز اچھی نہیں لگتی، اس لیے وہ اس کامذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی
معلوم ہوا کہ حدیث رسول ﷺ بھی قرآن کی طرح دین کا مأخذ اور اسی طرح جماعت ہے۔ کیونکہ قرآن نے نماز کے لیے
”ندا“ کا تذکر کیا ہے لیکن یہ ”ندا“ کس طرح دی جائے گی؟ اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں
ہے۔ یہ چیز حدیث سے ثابت ہیں، جو اس کی محبت اور مأخذ دین ہونے پر دلیل ہیں۔ محبت حدیث کا مطلب: حدیث
کے مأخذ دین اور محبت شرعیہ ہونے کا مطلب ہے، کہ جس طرح قرآن کریم کی نص سے ثابت ہونے والے احکام و
فرائض پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہونے والے احکام کامانا
بھی فرض، ان پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ تاہم حدیث کا صحیح مرفاع اور متصل ہونا ضروری ہے۔ صحیح
حدیث چاہے متواتر ہو یا آحاد، قولی ہو، فعلی ہو یا تقریری۔ یہ سب قابل عمل ہیں۔ حدیث کا خبر واحد کی بنیاد پر، یا قرآن
سے زائد ہونے کی بنیاد پر یا ائمہ کے قیاس و اجتہادات کی بنیاد پر یا راوی کی عدم فتاہت کے دعوئی کی بنیاد پر یا عقلی

آپ کہ دیجئے اے یہودیو اور نصرانیو! تم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پسلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں اکثر فاسن ہیں۔ (۵۹)

کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو بذر اور سور بنا دیا اور جہنوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھکنے والے ہیں۔ (۶۰)

اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی اور یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۶۱)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ مَلَكُوتُنَا مَنْ كَلَّا إِلَّا أَنَّ أَمْنَى
إِلَيْهِ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِ
وَأَنَّ أَنْذِرَنَا فِسْقُونَ ۝

قُلْ هُنَّ الظَّاهِرُونَ مِنْ ذَلِكَ مَوْبِدٍ
عِنْدَ اللَّهِ مَنْ كَلَّا
اللَّهُ وَغَضِيبٌ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْفَرَادَةَ وَالْخَنَازِيرَ
وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ
الشَّيْءِ ۝

وَإِذَا جَاءَكُمْ قَالُوا أَمْنَى وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ
قَدْ حَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَلَّوْا يَكْتُمُونَ ۝

استحالے کی بنیاد پر یا اسی قسم کے دیگر دعوؤں کی بنیاد پر، رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ سب حدیث سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) یعنی تم تو (اے اہل کتاب!) ہم سے یوں ہی ناراض ہو جب کہ ہمارا قصور اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم اللہ پر اور قرآن کریم اور اس سے قبل اتاری گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی قصور یا عیب ہے؟ یعنی یہ عیب اور مذمت والی بات نہیں، جیسا کہ تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اتنا منقطع ہے۔ البتہ ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ بدترین لوگ اور گمراہ ترین لوگ، جو نفرت اور مذمت کے قبل ہیں، کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت اور اس کا غصب ہوا اور جن میں سے بعض کو اللہ نے بذر اور سور بنا دیا اور جہنوں نے طاغوت کی پوجا کی۔ اور اس آئینے میں تم اپنا چھوڑ اور کردار دیکھ لو! کہ یہ کن کی تاریخ ہے اور کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟

(۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ جو نبی ﷺ کی خدمت میں کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں اور اسی کفر کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں، آپ ﷺ کی صحبت اور آپ کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ دل میں تو کفر چھپا ہوتا

آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کھانے کی طرف لپک رہے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں۔ (۲۲)

انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ بالوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے، بے شک برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ (۲۳) ^(۱)

اور یہودیوں نے کما کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ^(۲) انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرج کرتا ہے اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی

وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدُوانِ
وَأَكُلُّهُمُ السُّحْطَ لِئِنْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

لَوْلَا يَنْهَمُ الْرَّازِيُّونَ وَالْجَهَارُ عَنْ قَوْلِهِمْ
الْإِثْمُ وَأَكُلُّهُمُ السُّحْطَ لِئِنْ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غَلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنَاهُمْ
قَالُوا إِنَّ يَدَهُ مَبْوَطَةٌ لَيَقْبَقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِدُنَّ كَثِيرًا
مِنْهُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُكَ مِنْ زَرِيكَ طَعْمَيَا نَا وَلَكُفْرًا وَالْقِنَاعَيْنَهُمْ
الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَلَكُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا

ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے مقصد ہدایت کا حصول نہیں، بلکہ دھوکہ اور فریب دینا ہوتا ہے۔ تو پھر ایسی حاضری سے فائدہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟

(۱) یہ علم و مشائخ دین اور عباد و زہاد پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمہارے سامنے فتن و فجور اور حرام خوری کا راتکاب کرتی ہے لیکن تم انہیں منع نہیں کرتے۔ ایسے حالات میں تمہاری یہ خاموشی بست بڑا جرم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نهى عن المنکر کی کتنی اہمیت اور اس کے ترک پر کتنی سخت وعید ہے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی یہ مضمون وضاحت اور کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یہ وہی بات ہے جو سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۱ میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی راہ میں خرج کرنے کی ترغیب دی اور اسے اللہ کو قرض حسن دینے سے تعبیر کیا تو ان یہودیوں نے کما کہ ”اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے“ لوگوں سے قرض مانگ رہا ہے اور وہ تعبیر کے اس حسن کونہ سمجھ کر جو اس میں پناہ تھا۔ یعنی سب کچھ اللہ کا داریا ہوا ہے۔ اور اللہ کے دینے ہوئے مال میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرج کرونا، کوئی قرض نہیں ہے۔ لیکن یہ اس کی کمال مریانی ہے کہ وہ اس پر بھی خوب اجر عطا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک دانے کو سات سات سو دانے تک بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے قرض حسن سے اسی لیے تعبیر فرمایا کہ جتنا تم خرج کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی گناہ تھیں واپس لوٹائے گا۔ مغلولة کے معنی بَخِيلَةُ (بُخْلَةُ) کیے گئے ہیں۔ یعنی یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعاً بندھے ہوئے ہیں، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرج کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاتھ تو انی کے

جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو سرکشی اور کفر میں اور بڑھادیتا ہے اور ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لئے عداوت اور بعض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بچھادیتا ہے^(۱) یہ ملک بھر میں شروف ساد چاہتے پھرتے ہیں^(۲) اور اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔ (۶۲) اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے^(۳) تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرمادیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے۔ (۶۵)

اور اگر یہ لوگ توراة و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ

لِلْعَربِ أَطْفَالَهَا اللَّهُ وَيَسِّعُونَ فِي الْأَرْضِ فَنَادَاهُمْ اللَّهُ أَلا
يُحِبُّ الْمُقْسِدِينَ ⑥

وَلَوْاَنَّ أَهْلَ الْكِتَابَ أَمْتَوْا أَنْقُولَ الْكَفَرِنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَا دَخْلَهُمْ جَنَّتِ النَّعِيْمِ ⑦

وَلَوْاَنَّهُمْ أَقَامُوا الْكُوْرِبَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ

بندھے ہوئے ہیں یعنی بخلی انہی کا شیوه ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوتے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے۔ خرج کرتا ہے۔ وہ واسع الفضل اور جزِيل العطاء ہے، تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ نیز اس نے اپنی خلوقات کے لیے تمام حاجات و ضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے، ہمیں رات یادوں کو، سفر میں اور حضر میں اور دیگر تمام احوال میں جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے یا پڑ سکتی ہے، سب وہی مہیا کرتا ہے۔ ﴿ وَالشَّكِّمُونَ كُلُّ مَا سَأَلُتُهُمْ وَلَمْ يَعْدُوا فِيمَا هُنَّ لِلْهُ لَهُ شُفُّوْهَا لَنَّ الْإِنْسَانَ لَكَلُومٌ كُفَّارٌ ﴾ (سورہ ابراہیم، ۳۲) ”تم نے جو کچھ اس سے مانگا، وہ اس نے تمیں دیا، اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ تم گن نہیں سکتے، انسان ہی نادان اور نہایت ناٹکرا ہے۔“ حدیث میں بھی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن خرج کرتا ہے لیکن کوئی کمی نہیں آتی، زرادی کیمتو تو، جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں وہ خرج کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کمی نہیں آتی..... (البخاری، کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء۔ مسلم، کتاب الرذکلوۃ، باب الحث علی النفقۃ)

(۱) یعنی یہ جب بھی آپ کے خلاف کوئی سازش کرتے یا لڑائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باطل کر دیتا اور ان کی سازش کو اپنی پر الثار رہتا ہے اور ان کو ”چاہ کن را چاہ در پیش“ کی صورت حال سے دوچار کر دیتا ہے۔

(۲) ان کی عادت ثانیہ ہے کہ ہمیشہ زمین میں فساد پھیلانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں دراں حاکم اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں فرماتا۔

(۳) یعنی وہ ایمان، جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، ان میں سب سے اہم محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا

تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، ان کے پورے پابند رہتے^(۱) تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے،^(۲) ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روشن کی ہے، باقی ان میں سے بہت سے لوگوں کے برے اعمال ہیں۔^(۳) (۶۶)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پسخواجہ تھے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی^(۴) اور آپ کو

رَبِّهِمْ لَا كُوَايْنُ فَوَّهُمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ فِيْهُمْ
أَمَّهُمْ مُّقْصِدَةُ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۖ

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَلَنْ لَكُمْ تَفْعُلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصُمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ

ہے، جیسا کہ ان پر نازل شدہ کتابوں میں بھی ان کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ وَأَنْقُوا اور اللہ کی معاصی سے بچتے، جن میں سب سے اہم وہ شرک ہے جس میں وہ بنتا ہیں اور وہ موجود ہے جو آخری رسول کے ساتھ وہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

(۱) تورات اور انجیل کے پابند رہنے کا مطلب، ان کے ان احکام کی پابندی ہے جو ان میں انہیں دیئے گئے، اور انہی میں ایک حکم آخری نبی پر ایمان لانا بھی تھا۔ اور وَمَا أُنْزِلَ سے مراد تمام آسمانی کتب پر ایمان لانا ہے جن میں قرآن کریم بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کر لیتے۔

(۲) اوپر نیچے کا ذکر یا تو بطور مبالغہ ہے، یعنی کثرت سے اور انواع و اقسام کے رزق اللہ تعالیٰ میا فرماتا۔ یا اوپر سے مراد آسمان ہے یعنی حسب ضرورت خوب بارشیں برساتا اور ”نیچے“ سے مراد زمین ہے۔ یعنی زمین اس بارش کو اپنے اندر جذب کر کے خوب پیداوار دیتی۔ نیجتاً شادابی اور خوش حالی کا دور دورہ ہو جاتا۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا « وَلَوْلَاقَ أَهْلَ الْقُرْبَى أَمْتَأْنُوا وَلَنَقُوا فَتَحْنَنَّ عَلَيْهِمْ بَرَكَتٌ مِّنَ الشَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ ۝ (الأعراف ۹۶) اگر بستیوں والے ایمان لائے ہوتے اور انسوں نے تقویٰ اختیار کیا ہوتا تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کے (دروازے) کھول دیتے۔ ”

(۳) لیکن ان کی اکثریت نے ایمان کا یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر مصرا اور رسالت محمدی سے انکار پر اڑتے ہوئے ہیں۔ اسی اصرار اور انکار کو یہاں برے اعمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درمیانہ روشن کی ایک جماعت سے مراد عبد اللہ بن سلام بیٹھا ہے^(۵) افراد ہیں جو یہود مدنہ میں سے مسلمان ہوئے۔

(۴) اس حکم کا مفاد یہ ہے کہ جو کچھ آپ ملکہ^(۶) پر نازل کیا گیا ہے، بلا کم و کاست اور بلا خوف لومتہ لام آپ لوگوں تک پسخواجہ^(۷) آپ ملکہ^(۸) نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ^(۹) فرماتی ہیں کہ ”جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی ملکہ^(۱۰) نے کچھ چھپا لیا، اس نے یقیناً جھوٹ کہا۔“ (صحیح بخاری) ^(۱۱۵۵) اور حضرت علی بیٹھے سے بھی جب سوال کیا گیا کہ تمہارے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعے سے نازل شدہ کوئی بات ہے؟ تو انسوں نے قسم کھا کر نفی فرمائی اور فرمایا اُلاؤ فَهُمَا يُعْطِينَهُ اللَّهُ رَجُلًا (البٰتِهُ قرآن کافیم ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی کو بھی عطا فرمادے) (صحیح بخاری)۔ نمبر -۳۱۹

الله تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا^(۱) بے شک اللہ تعالیٰ کافر
لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر
نہیں جب تک کہ تورات و انجیل کو اور جو کچھ تمہاری
طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ
کرو، جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے
اترا ہے وہ ان میں سے بستوں کو شرارت اور انکار میں
اور بھی بڑھائے گا ہی،^(۲) تو آپ ان کافروں پر غمگین نہ

ہوں۔ (۲۸)

لَا يَهُدِي الْقَوْمَ الظَّفِيرِينَ ④

قُلْ يَا أَفَلَمْ يَرَوْا إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَىٰكُمْ هَذِهِ الْأُورُوزَةَ
وَالْأَنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رِزْقٍ وَلَكُمْ يَنْهَا كَثِيرًا
مِنْهُمْ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ وَمِنْ رَتِيكَ طَغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا
تَأْسَ عَلَى الْقَوْمَ الظَّفِيرِينَ ⑤

اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کے ایک لاکھ یا ایک لاکھ چالیس ہزار کے جم غیر میں فرمایا "تم میرے
بارے میں کیا کہو گے؟" انہوں نے کہا (نَشَهَدُ أَنِّكَ فَذَبْلُتَ، وَأَدْبَتَ، وَنَصَّخْتَ) (هم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ
کا پیغام دیا اور ادا کر دیا اور خیر خواہی فرمادی۔ "آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اللَّهُمَّ
هَلْ بَلْغَتُ (تین مرتبہ) يَا اللَّهُمَّ فَاشْهَدْ (تین مرتبہ) (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی
الله علیہ وسلم)" یعنی اے اللہ! میں نے تمہارا پیغام پہنچا دیا، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ۔"

(۱) یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے مجرمانہ طریقہ پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت اس
آیت کے نزول سے بہت قبل اللہ تعالیٰ نے پسلے آپ کے پچا ابو طالب کے دل میں آپ کی طبعی محبت ڈال دی، اور وہ
آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کا کفر پر قائم رہنا بھی شاید انہی اسباب کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اگر وہ
مسلمان ہو جاتے تو شاید سردار ان قریش کے دل میں ان کی وہ ہمیت و عظمت نہ رہتی جو ان کے ہم نہ ہب ہونے کی
صورت میں آخر وقت تک رہی۔ پھر ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض سردار ان قریش کے ذریعہ پھر انصار مدینہ
کے ذریعے سے آپ کا تحفظ فرمایا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہو گئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب (پرے وغیرہ) اٹھوا
دیئے۔ اس کے بعد بارہا سو گھنین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے حفاظت فرمائی۔ چنانچہ وحی کے ذریعے سے اللہ نے وقت
فوقاً یہودیوں کے مکروکید سے مطلع فرمایا کہ خطرے کے موقع پر بچایا اور گھسان کی جنگوں میں کفار کے انتہائی پر خطر
حملوں سے بھی آپ کو محفوظ رکھا۔ ذلک مِنْ قُدْرَةِ اللَّهِ وَقَدْرَةُ بِمَا شَاءَ، وَلَا يَرُدُّ قَدَرَ اللَّهِ وَقَضَاءُهُ أَحَدٌ وَلَا يَعْلَمُهُ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ۔

(۲) یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے۔ یعنی جس طرح بعض اعمال و اشیاء سے اہل
ایمان کے ایمان و تقدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تمرد سے کفر و طغیان میں

مسلمان، یہودی، ستارہ پرست اور نصرانی کوئی ہو، جو بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا۔^(۱) (۶۹)

ہم نے بالیقین بنا اسرائیل سے عمد و بیان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا، جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی مثا کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا۔^(۲)

اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑنہ ہو گی، پس اندھے برے بن بیٹھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے برے ہو گئے۔^(۳) اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔^(۴)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِرُونَ وَالنَّصْرَى
مَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمَ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ^(۵)

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَنْسَنَاهُمْ رُسُلًا مِّنْهُمْ
جَاءَهُمْ مِّنْ رَبِّهِمْ بِالْحَقِيقَةِ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ حِلٍّ
وَقَرِئُوا مِنْهُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۶)

وَحَسِبُوا أَنَّا لَا نَعْلَمُ فِيهِ قُوَّةً وَصَمَوَاثِمَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
ثُمَّ عَمِلُوا وَصَمَوَادِيرَ وَنِهَارَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ^(۷)

لَقَدْ كَفَرَ الظَّاهِرُونَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْبَيِّنُ أَبْيَانٌ مُّرَفَّعٌ وَقَالَ

زیادتی ہوتی ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ الْغَيْرُ
هُدُّى وَرِشْدٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي أَذْنِهِمْ وَقُرْآنٌ عَنِّي أُولَئِكَ يُنَذَّلُونَ مِنْ مَكَانٍ بَعْدِ يُعْلَمُ^(۸)﴾ (حُمَّ السَّجْدَة) - ۳۳ "فرما دیجئے یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرائی (بہراپن) ہے اور یہ ان پر اندھاپن ہے۔ گرانی کے سبب ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔" ﴿ وَنَذَلُّ مِنَ الْقُرْآنِ نَاهُو شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَنْزَلُ الظَّالِمِينَ إِلَّا فَسَارًا^(۹)﴾ اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔"

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بقرۃ کی آیت ۶۲ میں بیان ہوا ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔

(۲) یعنی سمجھے یہ تھے کہ کوئی سزا مرتب نہ ہو گی۔ لیکن مذکورہ اصول الہی کے مطابق یہ سزا مرتب ہوئی کہ یہ حق کے دیکھنے سے مزید اندھے اور حق کے سختے سے مزید برے ہو گئے اور توبہ کے بعد پھر یہی عمل انہوں نے دھرا یا ہے تو اس کی وہی سزا بھی دوبارہ مرتب ہوئی۔

مریم ہی اللہ ہے^(۱) حالانکہ خود مسح نے ان سے کما تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کارب ہے،^(۲) یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جنم ہی ہے اور گنگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔^(۳) (۷۲)

وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنوں نے کما، اللہ تین میں کا تیرا ہے،^(۴) دراصل سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی معبد

الْمَسِيْحُ يَلْهَى اَسْرَاءَ يُلَّا اَعْبُدُ وَاللَّهُ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَاْنَةَ
مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ
وَمَاْوَاهُ النَّاسُ وَالظَّلَمِيْمُ مِنْ اَنْصَارٍ^(۵)

لَقَدْ كَفَرَ الظَّدِيْنُ قَالُوا نَأَنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٌ إِلَّا
إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلَا يُشَرِّكُ بِهِ وَاعْلَمُهُمْ لَيَسْتَنَّ الظَّدِيْنُ كَفَرُوا

(۱) یہی مضمون آیت نمبر ۷۲ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر میں اس کا پھر ذکر فرمایا۔ اس میں ان کے اس فرقے کے کفر کا اظمار ہے جو حضرت مسح علیہ السلام کے عین اللہ ہونے کا قائل ہے۔

(۲) چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی مسح ابن مریم علیہما السلام نے عالم شیر خوارگی میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کہ بچے اس عمر میں قوت گویائی نہیں رکھتے) سب سے پہلے اپنی زبان سے اپنی عبودیت ہی کا اظمار فرمایا، «إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ أَلِّيْفِ الْكِتَابِ وَجَعَلَنِيْ تَبَّيَّنَا» (سورہ مریم، ۳۰) ”میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں“ مجھے اس نے کتاب بھی عطا کی ہے۔ ”حضرت مسح علیہ السلام نے یہ نہیں کہا“ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں۔ صرف یہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور عمر کوولت میں بھی انسوں نے یہی دعوت دی ﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ فَاعْبُدُمُوْهُ هَذَا صَراطُ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ (آل عمران، ۵۱) یہ وہی الفاظ ہیں جو مال کی گود میں بھی کہے تھے (ملاحظہ ہو سورہ مریم، ۳۶) اور جب قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہو گا، جس کی خبر صحیح احادیث میں دی گئی ہے اور جس پر اہل سنت کا اجماع ہے، تب بھی وہ نبی ملئیکوں کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف ہی بلا کیس گے، نہ کہ اپنی عبادت کی طرف۔

(۳) حضرت مسح علیہ السلام نے اپنی بندگی اور رسالت کا اظمار اللہ کے حکم اور مشیت سے اس وقت بھی فرمایا تھا جب وہ ماں کی گود میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں تھے۔ پھر سن کوولت میں یہ اعلان فرمایا۔ اور ساتھ ہی شرک کی شاعت و قباحت بھی بیان فرمادی کہ شرک پر جنت حرام ہے اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہو گا جو اسے جنم سے نکال لائے، جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں۔

(۴) یہ عیسائیوں کے دوسرے فرقے کا ذکر ہے جو تین خداوں کا قائل ہے، جن کو وہ اُنَّا بِنِمْ مُلَائِكَةَ کہتے ہیں۔ ان کی تعبیر و تشرع میں اگرچہ خود ان کے مابین اختلاف ہے۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ انسوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہما السلام کو بھی اللہ (معبد) قرار دے لیا ہے، جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا۔ ﴿وَأَنْتَأَقْلَمْتَ لِلْكَلَّاسِ اتَّخِذْدُونِي وَأَنْقِلَعِيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

مِنْهُو عَذَابٌ أَلِيمٌ ④

نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے، انہیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (۷۳)

یہ لوگ کیوں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ توبت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مریان ہے۔ (۷۴)

مسیح ابن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں^(۱) دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے،^(۲) آپ دیکھئے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔ (۷۵)

آپ کہہ دیجیئے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جونہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اللہ کملایا پہلے عقیدے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر سے تعییر فرمایا۔

أَفَلَا يَتَوَسَّلُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ هُنَّا لِلَّهِ خَفُورُ زَجِيبُو ⑤

مَا لِمُسِيْحِ ابْنِ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ حَكَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَنَّهُ
صِدِّيقَةٌ مَحَانَيَا لِكُلِّ الظَّعَامِ أَنْظَرَ كِيفَ نَبِيُّنَاهُمُ الْأَبْيَتِ
ثُمَّ أَنْظَرَ أَنْوَافَكُوْنَ ⑥

قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَا لَا يَعْلَمُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا
وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑦

(المائدۃ - ۱۱۶) کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو، اللہ کے سوا معبود بنالینا؟ " اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ اور مریم، ملیما السلام ان دونوں کو عیساوی نے الہ بنیا، اور اللہ تیرا الہ ہوا، جو ثالث ثالثۃ (تمن میں کا تیرا کملایا) پہلے عقیدے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر سے تعییر فرمایا۔

(۱) صِدِّيقَةٌ کے معنی مومنہ اور ولیہ کے ہیں یعنی وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبیہ (پیغمبر) نہیں تھیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے اور انہوں نے حضرت مریم ملیما السلام سمیت، حضرت سارہ (ام اسحاق علیہ السلام) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو نبیہ قرار دیا ہے۔ استدلال اس بات سے کیا ہے کہ اول الذکر دونوں سے فرشتوں نے آکر گفتگو کی اور حضرت ام موسیٰ کو خود اللہ تعالیٰ نے دھی کی۔ یہ گفتگو اور دھی نبوت کی دلیل ہے۔ لیکن جمصور علماء کے نزدیک یہ دلیل ایسی نہیں جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے۔ قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجیے، وہ مرد تھے۔ (سورہ یوسف - ۱۰۹)

(۲) یہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم ملیما السلام دونوں کی الوہیت (الہ ہونے) کی نفی اور بشریت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کھانا پینا، یہ انسانی حوانج و ضروریات میں سے ہے۔ جو الہ ہو، وہ تو ان چیزوں سے ماوراء بلکہ وراء الوراء ہوتا ہے۔

ہی خوب سننے اور پوری طرح جانے والا ہے۔^(۱) (۷۶) کہہ دیجئے اے اہل کتاب! اپنے دین میں نا حق غلو اور زیادتی نہ کرو^(۲) اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی چیزوں نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہک بھی چکے ہیں^(۳) اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ (۷۷) بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبانی لعنت کی گئی^(۴) اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔^(۵) (۷۸)

آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابَ لَا تَغْنُو فِي دِينِكُمْ عَنْ بَعْرَةِ الْحَقِيقَةِ
وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلَّوْا مِنْ قَبْلِ
وَأَصْلَوْا كَثِيرًا وَضَلَّوْا عَنْ سَوَاءِ التَّبِيِّنِ^(۶)

لِعْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاؤَدَ
وَعَيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ حَذَّلَكَ بِهِمَا عَصَمَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ^(۷)

كَانُوا لَا يَتَنَاهُونَ عَنْ مُنْكِرٍ فَعَلُوَهُ لِيُشَّ مَا كَانُوا

(۱) یہ مشرکوں کی کم عقلی کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ ایسوں کو انہوں نے معبد بنار کھا ہے جو کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، بلکہ نفع نقصان پہنچانا تو کجا، وہ تو کسی کی بات سننے اور کسی کا حال جانے کی ہی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ قدرت صرف اللہ ہی کے اندر ہے۔ اس لیے حاجت رو امشکل کشا بھی صرف وہی ہے۔

(۲) یعنی اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جن کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، اس میں مبالغہ کر کے انہیں منصب نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز ملت کرو، جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے معاملے میں تم نے کیا۔ غلو ہر دور میں شرک اور گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ انسان کو جس سے عقیدت و محبت ہوتی ہے، وہ اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے۔ وہ امام اور دینی قائد ہے تو اس کو پیغمبر کی طرح مخصوص سمجھنا اور پیغمبر کو خدا کی صفات سے متصف ماننا عام بات ہے، بد قسمی سے مسلمان بھی اس غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ انہوں نے بعض ائمہ کی شان میں بھی غلو کیا اور ان کی رائے اور قول، حتیٰ کہ ان کی طرف منسوب فتویٰ اور فقہ کو بھی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترجیح دے دی۔

(۳) یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو، جو ایک نبی کو اللہ بنایا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

(۴) یعنی زبور میں جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اور انجلیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اب یہی لعنت قرآن کریم کے ذریعے سے ان پر کی جا رہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت اور خیر سے دوری ہے۔

(۵) یہ لعنت کے اسباب ہیں۔ ۱۔ عصیان، یعنی واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کر کے۔ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی۔ ۲۔ اور اعتنیاء، یعنی دین میں غلو اور بدعتات ایجاد کر کے انہوں نے حد سے تجاوز کیا۔

يَفْعَلُونَ ④

تھے روکتے نہ تھے^(۱) جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت
برا تھا۔^(۷۹)

ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ
کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انہوں نے اپنے
لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے
نارا پس ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔^(۲)^(۸۰)

اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی پر اور جوانا زل کیا گیا ہے اس
پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے، لیکن ان
میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں۔^(۳)^(۸۱)

یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں
اور مشرکوں کو پائیں گے^(۴) اور ایمان والوں سے سب

شَرِيْكَيْشِرِيْرَامِنْهُرِيْتَوْلُونَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ وَالْيُسْرَىْنَ مَاقَدَّمَتْ
لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ
خَلِدُونَ ⑤

وَلَوْ كَانُواْ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّبِّيْتِيْ وَمَا أُنْزَلَ إِلَيْهِمَا
إِنْ خَدُوْهُمْ أَوْ لِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ
فَسِقُوْنَ ⑥

لَتَجْدَنَ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِيْنَ امْتَنَوا إِلَيْهِمْ
وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُواْ وَلَتَعْدَنَ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّاً ۝

(۱) اس پر مستزادیہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ جو بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ بعض مفسرین نے
اسی ترک نہی کو عصیان اور اعتدال قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ
روکنا، بہت بڑا جرم اور لعنت و غضب الہی کا سبب ہے۔ حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعدیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔
ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”سب سے پرانقش جو بنی اسرائیل میں داخل ہوا یہ تحاکہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو
برائی کرتے ہوئے دیکھتا تو کہتا اللہ سے ڈر اور یہ برائی چھوڑ دے، یہ تیرے لیے جائز نہیں۔ لیکن دوسرے روز پھر اسی کے
ساتھ اسے کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں کوئی عاریا شرم محسوس نہ ہوتی“ (یعنی اس کا ہم نوالہ و ہم پیالہ اور ہم نشیں بن جاتا)
درآں حاکیکہ ایمان کا تقاضا اس سے نفرت اور ترک تعلق تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان آپس میں عداوت ڈال دی
اور وہ لعنت الہی کے مستحق قرار پائے“ پھر فرمایا کہ ”اللہ کی قسم! تم ضرور لوگوں کو یہی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکا کرو، ظالم کا
ہاتھ پکڑ لیا کرو (ورنہ تم سارا حال بھی یہی ہو گا).....“ الحدیث (ابوداؤد۔ کتاب الملاحم نمبر ۳۲۲۶) ایک دوسری روایت میں
اس فریضے کے ترک پر یہ وعدہ سنائی گئی ہے کہ تم عذاب الہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعا میں بھی مانگو گے تو قبول
نہیں ہوں گی۔ (مندادحمد جلد ۵۔ ص ۳۸۸)

(۲) یہ اہل کفر سے دوستانہ تعلق کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر نارا پس ہوا اور اسی نارا پسی کا نتیجہ جنم کا دامنی عذاب ہے۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر صحیح معنوں میں ایمان ہو گا، وہ کافروں سے کبھی دوستی نہیں کرے گا۔

(۴) اس لیے کہ یہودیوں کے اندر عناد و حسود، حق سے اعراض و اشکار اور اہل علم و ایمان کی تنقیص کا جذبہ بہت پایا

سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً نہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں علماء و عبادت کے لیے گوشہ نشین افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ ^(۱) (۸۲)

لِلَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الظَّنُونَ فَإِنَّمَا الظَّنُونَ نَصْرَىٰ ذَلِكَ
بِأَنَّ مَنْ هُوَ قَسِيْسٌ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ
لَا يَسْتَكْبِرُونَ ^(۲)

جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی بھی کئی مرتبہ سازش کی، آپ ﷺ پر جادو بھی کیا اور ہر طرح نقصان پہنچانے کی مذموم سُقیٰ کی۔ اور اس معاملے میں مشرکین کا حال بھی یہی ہے۔

(۱) رُهْبَانٌ سے مراد نیک، عبادت گزار اور گوشہ نشین لوگ اور قسیسین سے مراد علماء و خطبا ہیں، یعنی ان عیسائیوں میں علم و تواضع ہے، اس لیے ان میں یہودیوں کی طرح محدود و استکبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دین مسیحی میں نرمی اور عفو و درگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، حتیٰ کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوئی تمہارے دامیں رخسار پر مارے تو بیاں رخسار بھی اس کو پیش کر دو۔ یعنی لڑو مت۔ ان وجوہ سے یہ مسلمانوں کے، بہ نسبت یہودیوں کے زیادہ قریب ہیں۔ عیسائیوں کا یہ وصف یہودیوں کے مقابلے میں ہے۔ تاہم جہاں تک اسلام و شرمنی کا تعلق ہے، کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ، اسلام کے خلاف یہ عناد عیسائیوں میں بھی موجود ہے، جیسا کہ صلیب و ہلال کی صدیوں پر محیط معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی مل کر سرگرم عمل ہیں۔ اسی لیے قرآن نے دونوں سے ہی دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور جب وہ رسول کی طرف نازل کر دہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھیں آنسو سے بھتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔ (۸۳)

اور ہمارے پاس کون ساعد رہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کر دے گا۔ (۱۴) (۸۳)

وَإِذَا سِمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَي الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ
تَفِيقُشُ مِنَ الدَّمْعِ وَمِنَ الْعَزَفِ قَوْلُونَ رَبِّنَا أَمَّا
فَأَكْتُبُنَا مَعَ الشَّهِيدِينَ (۷)

وَمَالَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَظَمَّعْ أَنْ يُدْخِلَنَا
رَبِّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّلِحِينَ (۸)

(۱) جسے میں، جہاں مسلمان کی زندگی میں دو مرتبہ بھرت کر کے گئے۔ اضحیمة نجاشی کی حکومت تھی، یہ عیسائی مملکت تھی۔ یہ آیات جسے میں رہنے والے عیسائیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں تاہم روایات کی رو سے نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری ہبیش کو اپنا مکتوب دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جو انہوں نے جا کر اسے سنایا، نجاشی نے وہ مکتوب سن کر جسے میں موجود صادرین اور حضرت جعفر بن ابی طالب ہبیش کو اپنے پاس بلایا اور اپنے علماء اور عباد و زہاد (قیسین) کو بھی جمع کر لیا، پھر حضرت جعفر ہبیش کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر ہبیش نے سورہ مریم پڑھی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت اور ان کی عبیدیت و رسالت کا ذکر ہے جسے سن کر وہ بڑے تاثر ہوئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے کچھ علامی ملٹیپلیکیٹ کے پاس سمجھے تھے، جب آپ ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایمان لے آئے۔ (فتح القدير) آیات میں قرآن کریم من کران پر جواہر ہوا اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کے ایمان لانے کا تذکرہ ہے قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر اس قسم کے عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ﴿ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْجِنَّةِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَيْرٌ إِنَّمَا يَنْهَا هُنَّ هُنَّ أَهْلُ كِتَابٍ ۚ (۹۹)﴾ (سورہ آل عمران) ”یقیناً اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جوان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں“ وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ اور حدیث میں آتا ہے کہ جب نجاشی کی موت کی خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جسے میں تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھو! چنانچہ ایک صمرا ملٹیپلیکیٹ نے اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا فرمائی۔ صحیح بخاری، مناقب الانصار و کتاب الجنائز میں آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا فرمائی۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، ایک اور حدیث میں ایسے اہل کتاب کی بابت، جو نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے بتلایا گیا ہے کہ انہیں دو گناہ جر ملے گا بخاری۔ کتاب العلم و کتاب النکاح

اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہیں جاری ہوں گی، یہ ان میں ہیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بد لہ ہے۔ (۸۵)
اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھلاتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ (۸۶)

اے ایمان والوا! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو^(۱) اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۸۷)

اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۸۸)

فَإِنَّهُمْ أَنَّهُمُ الظَّالِمُونَ تَحْمِلُنَّ مِنْ تَحْمِلَ الْأَنْهَى خَلِدِينَ
فِيهَا وَذِلِكَ جَزَاءُ الْمُخْسِنِينَ ﴿۷﴾

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا يَا يَتَّبِعُنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ﴿۸﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتَ مَا أَحَلَ اللَّهُ لَكُمْ
وَلَا تَعْنَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْنَدِينَ ﴿۹﴾

وَكُلُّوا مِنَ الْأَرْضِ قَلِيلًا وَآتُوا اللَّهَ الْذِي
أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

(۱) حدیث میں آتا ہے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آگر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو نفسانی شوت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے، جس پر آیت نازل ہوئی۔ (صحیح ترمذی۔ لالبانی، جلد ۲ ص ۳۶) اسی طرح سبب نزول کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ رض زہد و عبادت کی غرض سے بعض حلال چیزوں سے (مثلاً) عورت سے نکاح کرنے، رات کے وقت سونے، دن کے وقت کھانے پینے سے) اعتناب کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔ حضرت عثمان بن مظعون رض نے بھی اپنی بیوی سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، ان کی بیوی کی شکایت پر آپ ﷺ نے انہیں بھی اس سے روکا۔ (كتب حدیث) بہر حال اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی بھی چیز کو حرام کر لینا یا اس سے ویسے ہی پرہیز کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کا تعلق مکولات و مشروبات سے ہو یا مرباں سے ہو یا مرغوبات و جائز خواہشات سے۔

مسئلہ:- اس طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے گا تو وہ حرام نہیں ہوگی، سو اے عورت کے۔ البتہ اس صورت میں بعض علامیہ کہتے ہیں کہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہو گا اور بعض کے نزدیک کفارہ ضروری نہیں۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو بھی کفارہ بھیں ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ بیان فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام کر لینا، یہ قسم کھانے کے مرتبے میں ہے جو تکفیر (یعنی کفارہ ادا کرنے) کا مقتضی ہے۔ لیکن یہ استدلال احادیث صحیحہ کی موجودگی میں محل نظر ہے۔ فالصَّيْحَنْ مَا قَالَهُ الشَّوَّكَانِيُّ.

الله تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے موآخذہ نہیں فرماتا لیکن موآخذہ اس پر فرماتا ہے کہ تم جن قسموں کو مضبوط کر دو۔^(۱) اس کا کفارہ وس محتاجوں کو کھانا رہنا ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھروالوں کو کھلاتے ہو^(۲) یا ان کو کپڑا رہنا^(۳) یا ایک غلام یا لوٹی آزاد کرنا ہے^(۴) اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں^(۵) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھو! اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔^(۶)

اے ایمان والو! باتیں یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانے کے تیریہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِالْغَوْنِ إِنَّمَا يُؤَاخِذُكُمُ
بِمَا عَفَدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَارَتُهُ أَطْعَامٌ عَشَرَةً مَسِكِينٌ
مِنْ أَوْسَطِ مَا نَظَعْمُونَ أَهْلِنِكُمْ أَوْ كُسوَّتْهُمْ أَوْ مَخْرُوبُ رَقَبَةٍ
فَمَنْ لَمْ يَعِدْ نَصِيَامٌ ثَلَاثَةً أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَارَةً إِيمَانِكُمْ
إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا إِيمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ
إِلَيْهِ لَعَلَّكُمْ تَشَكُّرُونَ^(۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ
رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ^(۸)

(۱) قسم جس کو عربی میں حلف یا بیمین کہتے ہیں جن کی جمع اخلاف اور ایمان ہے، تین قسم کی ہیں۔ الْغَوْ۔ غَمُوس٢۔ مَعْقَدَةٌ لَغَوْ: وہ قسم ہے جو انسان بات بات میں عادتاً بغیر ارادہ اور نیت کے کھاتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی موآخذہ نہیں۔ غَمُوس٣: وہ جھوٹی قسم ہے جو انسان دھوکہ اور فریب دینے کے لئے کھائے۔ یہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبر اکباز ہے۔ لیکن اس پر کفارہ نہیں۔ مَعْقَدَةٌ: وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تائید اور چنگلی کے لئے ارادۃ اور نیت کھائے، ایسی قسم اگر توڑے گا تو اس کا وہ کفارہ ہے جو آگے آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔

(۲) اس کھانے کی مقدار میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، اس لئے اختلاف ہے۔ البتہ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے، جس میں رمضان میں روزے کی حالت میں یوں سے ہم بستری کرنے والے کے کفارہ کا ذکر ہے، ایک مد (قریباً ۱۰/ چھٹا نک) فی مسکین خوراک قرار دی ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کفارہ جماع ادا کرنے کے لئے ۱۵ صاع کھجوریں دی تھیں، جنہیں ساخھ مسکینوں پر تقسیم کرنا تھا۔ ایک صاع میں ۳۰ مد ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بغیر سالن کے دس مسکینوں کے لئے دس مد (یعنی سواچھ سیراچھ کلو) خوراک کفارہ ہو گی۔ (ابن کثیر)

(۳) لباس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بظاہر مراد جوڑا ہے جس میں انسان نماز پڑھ سکے۔ بعض علماء خوراک اور لباس دونوں کے لئے عرف کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ (حاشیہ ابن کثیر، تحت آیت زیر بحث)

(۴) بعض علاقوں خطاکی دیت پر قیاس کرتے ہوئے لوٹی، غلام کے لئے ایمان کی شرط عائد کرتے ہیں۔ امام شوکانی کہتے ہیں، آیت میں عموم ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔

(۵) یعنی جس کو مکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ روزے اس کی قسم کا کفارہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء پر رکھنے کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں طرح جائز ہیں۔

ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔^(۱) (۹۰)

شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے^(۲) سو اب بھی باز آ جاؤ۔^(۳) (۹۱)

اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔ اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا رہا ہے۔^(۴) (۹۲)

ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے

إِنَّهَا يُرِيدُ الشَّيْطَنُ أَنْ يُؤْقَعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْأَيْلَهِ وَيَصْدُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهُنَّ أَنْتُمْ تُنْهَىُونَ^(۴)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَآتِيُّوا الرَّسُولَ وَاحْدَدُوا فَإِنْ تَوَلَّنَّ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ^(۵)

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا إِذَا مَا أَنْتُمْ أَعْتَدْتُمْ وَعَلَى الصَّلِحَاتِ ثُمَّ أَنْقَوْا مَمْنُوا إِذَا أَنْقَوْا

(۱) یہ شراب کے بارے میں تیرا حکم ہے۔ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی۔ لیکن یہاں اسے اور اس کے ساتھ، جو اپرستش گاہوں یا تھانوں اور فال کے تیروں کو رجس (پلید) اور شیطانی کام قرار دے کر صاف لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دے دیا گیا ہے۔ علاوه ازیں اس آیت میں شراب اور جو اکے مزید نقصانات بیان کر کے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ جس سے مقصود اہل ایمان کی آزمائش ہے۔ چنانچہ جو اہل ایمان تھے، وہ تو منشاء اللہی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہو گئے۔ اور کہا انتہیتنا رہنا! ”اے رب ہم باز آگئے“ (مسند احمد جلد ۲، صفحہ ۲۵) لیکن آج کل کے بعض ”وانشور“ کہتے ہیں کہ اللہ نے شراب کو حرام کہاں قرار دیا ہے؟^۶

بریں عقل و دانش بیا یہ گریست

یعنی شراب کو رجس (پلیدی) اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم دیا، نیز اس اجتناب کو باعث فلاح قرار دینا، ان ”مجتهدین“ کے نزدیک حرمت کے لئے کافی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک پلید کام بھی جائز ہے، شیطانی کام بھی جائز ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اجتناب کا حکم دے، وہ بھی جائز ہے اور جس کی بابت کہے کہ اس کا ارتکاب عدم فلاح اور اس کا ترک فلاح کا باعث ہے، وہ بھی جائز ہے۔ إِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِحُونَ۔

(۲) یہ شراب اور جو اکے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات ہیں، جو محتاج وضاحت نہیں ہیں۔ اسی لئے شراب کو ام البنیاث کہا جاتا ہے اور جو بھی ایسی بری لست ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور پیشینی جا گیرداروں کو مفلس و قلاش بنادیتی ہے۔ أَعَذَنَا اللَّهُ مِنْهُمَا۔

ہوں جبکہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز گاری کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں پھر پرہیز گاری کرتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں، اللہ ایسے نیکوں کا رہنمائی سے محبت رکھتا ہے۔^(۱) ^(۹۳)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا^(۲) جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پنج سکیں گے^(۳) تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کر لے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے سوجو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے واسطے دروناک سزا ہے۔^(۹۳)

اے ایمان والو! (وحشی) شکار کو قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو۔^(۴) اور جو شخص تم میں سے اس کو

وَأَحْسَنُوا مَا لَهُمْ بِهِ يُحِبُّونَ

يَا أَيُّهُمَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَيْهِمُ الْكُفَّارُ هُنَّ مِنَ الظَّاهِرِينَ إِنَّمَا أَنْهَاكُمُ الْأَغْرِيَةُ عَنِ الْقَدْرِيَّةِ فَإِنَّمَا يَنْهَاكُمُ الْمُجْنَفُونَ

وَرِمَّا حَكَمْتُمْ لِي عِلْمَ اللَّهِ مَنْ يَخْافُهُ إِلَّا غَيْرُهُ فَإِنَّمَا يَنْهَاكُمُ الْمُجْنَفُونَ

ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۵)

يَا أَيُّهُمَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَإِنْ قُتِلَ مُؤْمِنٌ حُرْمَةٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مُنْكَرٌ

فَتَنْهَى اللَّهُ عَنِ الْمُعْصِيَةِ يَعْلَمُ بِهِ ذَوَاعْدِلٍ

(۱) حرمت شراب کے بعد بعض صحابہ رض کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے کئی ساتھی جنگوں میں شہید یا ویسے ہی فوت ہو گئے۔ جب کہ وہ شراب پیتے رہے ہیں۔ تو اس آیت میں اس شہبے کا ذریحہ کر دیا گیا کہ ان کا خاتمه ایمان و تقویٰ پر ہی ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔

(۲) شکار عربوں کی معاش کا ایک اہم عنصر تھا، اس نے حالت احرام میں اس کی ممانعت کر کے ان کا امتحان لیا گیا۔ خاص طور پر حدیبیہ میں قیام کے دوران کثرت سے شکار صحابہ رض کے قریب آتے، لیکن انہی ایام میں ان ۳ آیات کا نزول ہوا جن میں اس سے متعلقہ احکام بیان فرمائے گئے۔

(۳) قریب کا شکار یا چھوٹے جانور عام طور پر ہاتھ ہی سے پکڑنے جاتے ہیں اور دور کے یا بڑے جانوروں کے لئے تیر اور نیزے استعمال ہوتے تھے۔ اس نے صرف ان دونوں کا یہ ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مراد یہ ہے کہ جس طرح بھی اور جس چیز سے بھی شکار کیا جائے، احرام کی حالت میں منوع ہے۔

(۴) امام شافعی نے اس سے مراد، صرف ان جانوروں کا قتل یا ہے جو ماؤں اللحم ہیں یعنی جو کھانے کے کام میں آتے ہیں۔ دوسرے بری جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن جمصور علماء کے نزدیک اس میں کوئی تفرقہ نہیں، ماؤں اور غیر ماؤں دونوں قسم کے جانور اس میں شامل ہیں۔ البتہ ان موزی جانوروں کا قتل جائز ہے جن کا استثناء احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں کو، چیل، پچھو، چوہا اور باڈلا کتا۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب مایندب للمحرم

جان بوجھ کر قتل کرے گا^(۱) تو اس پر فدیہ واجب ہو گا جو کہ مساوی ہو گا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے^(۲) جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں^(۳) خواہ وہ فدیہ خاص چوپا یوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچایا جائے^(۴) اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں^(۵) تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے، اللہ

مَنْلُوْهَدُّيَّاللَّيْغَ الْكَعْبَةَ أَوْ كَفَارَةً طَعَامُ مَسِكِينٍ أَوْ عَدْلٌ
ذَلِكَ صِيَامًا لِيَدُوقَ وَبَالْأَمْرِ إِعْفَالَهُ عَنِ الْمَسَكِينِ وَمَنْ عَادَ
فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ وَّانِصَارٌ^(۶)

وغيره قتلہ من الدواب فی الحل والحرم، وموطأ امام مالک) حضرت نافع سے سانپ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، اس کے قتل میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اور امام احمد اور امام مالک اور دیگر علماء بھی یہی ہے، درندے، چیتے اور شیر کو کلب عقور (کائٹے والے کتے) میں شامل کر کے حالت احرام میں ان کے قتل کی بھی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) ”جان بوجھ کر“ کے الفاظ سے بعض علماء یہ استدلال کیا ہے کہ بغیر ارادہ کے یعنی بھول کر قتل کر دے تو اس کے لئے فدیہ نہیں ہے۔ لیکن جمصور علماء کے نزدیک بھول کر، یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہو گا۔ متعینداً کی قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط نہیں ہے۔

(۲) مساوی جانور (یا اس جیسے جانور) سے مراد خلقت یعنی تدو قامت میں مساوی ہونا ہے۔ قیمت میں مساوی ہونا نہیں ہے، جیسا کہ احتراف کا مسلک ہے۔ مثلاً اگر ہرن کو قتل کیا ہے تو اس کی مثل (مساوی) بکری ہے۔ گائے کی مثل نیل گائے ہے۔ وغیرہ۔ البتہ جانور کا مثل نہ مل سکتا ہو، وہاں اس کی قیمت بطور فدیہ لے کر کہ پہنچا دی جائے گی۔

(۳) کہ مقتول جانور کی مثل (مساوی) فلاں جانور ہے اور اگر وہ غیر مثل ہے یا مثل دستیاب نہیں ہے تو اس کی اتنی قیمت ہے۔ اس قیمت سے غلہ خرید کر مکہ کے مساکین ایک مدد کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ احتراف کے نزدیک فی مسکین دو مدہیں۔

(۴) یہ فدیہ، جانور یا اس کی قیمت، کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے، (فتح القدير) یعنی ان کی تقسیم حرم مکہ کی حدود میں رہنے والے مساکین پر ہو گی۔

(۵) اور (یا) تخيیر کے لئے ہے یعنی کفارہ، اطعم مساکین ہو یا اس کے برابر روزے۔ دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا جائز ہے۔ مقتول جانور کے حساب سے طعام میں جس طرح کی بیشی ہو گی، روزوں میں بھی کی بیشی ہو گی۔ مثلاً حرم (احرام والے) نے ہرن قتل کیا ہے تو اس کی مثل بکری ہے، یہ فدیہ حرم مکہ میں ذبح کیا جائے گا، اگر یہ نہ ملے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے مطابق چھ مساکین کو کھانا یا تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر اس نے بارہ سنگھا، سانہری یا اس جیسا کوئی جانور قتل کیا ہے تو اس کی مثل گائے ہے، اگر یہ دستیاب نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو تو بیس

تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ انقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انقام لینے والا۔ (۹۵)

تمارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔^(۱) تمارے فائدہ کے واسطے اور مسافروں کے واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ (۹۶)

اللہ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے ممینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں^(۲) یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بے شک اللہ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتا ہے اور بے شک اللہ سب چیزوں کو خوب جانتا ہے۔ (۹۷)

أَحَلَّ لِكُو صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَلَمَهُ مَتَاعُ الْكُلُّ وَ لِلشَّيْءِ أَنْ يُحْرَمَ
عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَادُمُّ حُرْمَةً وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْذَى
بَخْرُونَ ^(۴۷)

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيمًا لِلنَّاسِ وَالثَّمَرَ
الْحَرَامَ وَالْهَدَى وَالْقَلَابَدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ
يَكُلُّ شَيْءٍ عَلَيْهِ ^(۴۸)

مسکین کو کھانا یا میں دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ یا ایسا جانور (شرط مرغ یا گور خروغیرہ) قتل کیا ہے جس کی مثل اونٹ ہے تو اس کی عدم دستیابی کی صورت میں ۳۰ مسکین کو کھانا یا ۳۰ دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (ابن کثیر)
(۱) صَيْدُ سے مراد زندہ جانور اور طَعَامُهُ سے مراد وہ مردہ (مچھلی وغیرہ) ہے جسے سمندر یا دریا باہر پھینک دے یا پانی کے اوپر آجائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی وضاحت ہے کہ سمندر کا مردار حلال ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن کثیر اور نسل الاول طار وغیرہ)

(۲) کعبہ کو الیت الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا، درخت کا نٹا وغیرہ حرام ہیں۔ اسی طرح اس میں اگر باپ کے قاتل سے بھی سامنا ہو جاتا تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے قیامتا لِلنَّاسِ (لوگوں کے قیام اور گزران کا باعث) قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے سے اہل مکہ کا نظم و انصرام بھی صحیح ہے اور ان کی معاشی ضروریات کی فراہمی کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح حرمت والے ممینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور حرم) اور حرم میں جانے والے جانور (حدی اور قلائد) بھی قیامتا لِلنَّاسِ ہیں کہ تمام چیزوں سے بھی اہل مکہ کو نہ کوہہ فوائد حاصل ہوتے تھے۔

تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا بھی ہے۔ (۹۸) رسول کے ذمہ تو صرف پنچا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو۔ (۹۹)

آپ فرمادیجئے کہ نیا پاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو نیا پاک کی کثرت بھلی لگتی ہو^(۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو! تاکہ تم کامیاب ہو۔ (۱۰۰)

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کوہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمیں ناگوار ہوں اور اگر تم زمانہ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی^(۲) سوالات گزشتہ اللہ نے معاف کر دیئے اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑے حلم والا ہے۔ (۱۰۱)

ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان باتوں کے منکر ہو گئے۔ (۱۰۲)

إِعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

مَاعَلَ الرَّسُولُ إِلَّا بَلَغَهُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَبْدُونَ
وَمَا تَكْثُرُونَ ^(۴)

فُلْ لَأَيْسَرُوا الْخَيْرُ وَالظَّلَمُ وَلَوْ أَجْبَرْتَ كُلَّهُ
الْخَيْرِ فَأَنْفَقُوا اللَّهَ يَأْوِلُ الْأَبْلَابَ لَعَلَمُنْ تَفْلِحُونَ ^(۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَسِيْلُوا عَنْ أَشْيَاءِ رَبِّهِنَّ لَمْ يَنْدِلُ
سَوْكُمْ وَإِنْ سَنْلُوا عَنْهَا حَمِيمٌ يُرَزَّلُ الْقُرْآنُ لَمْ يَنْدِلُ
لَكُمْ عَفَانِ اللَّهُ عَنْهَا وَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ^(۶)

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كُفَّارِينَ ^(۷)

(۱) خَيْرِت (نیا پاک) سے مراد حرام یا کافر یا گناہ گاریا رہی۔ طیب (پاک) سے مراد طلال یا مومن یا فرمائیا اور عمر مدد چیز ہے یا یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبث (نیا پاکی) ہو گی وہ کفر ہو، فتنہ و فجور ہو، اشیا و اقوال ہوں، کثرت کے باوجود وہ ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جن میں پاکیزگی ہو۔ یہ دونوں کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ خبث کی وجہ سے اس چیز کی منفعت اور برکت ختم ہو جاتی ہے جب کہ جس چیز میں پاکیزگی ہو گی اس سے اس کی منفعت اور برکت میں اضافہ ہو گا۔

(۲) یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت تھی۔ خود نبی ﷺ بھی صحابہ ﷺ کو زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ”مسلمانوں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام کر دی گئی درآں حاکم اس سے قبل وہ حلال تھی۔“ (صحیح بخاری، نمبر ۲۸۹، صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب توفیرہ ﷺ و ترك إکشار سؤالہ)

(۳) کیس اس کوتاہی کے مرکب تم بھی نہ ہو جاؤ۔ جس طرح ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے“ ایک شخص نے سوال کیا؟“ کیا ہر سال؟ ”آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، پھر آپ

الله تعالیٰ نے نہ بھیرہ کو مشرع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو^(۱) لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔ (۱۰۳)

مَاجَعَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَبَبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَمِيلًا
قَلَّكَ الَّذِينُ كَفَرُوا يَقْرَئُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذَبَ
وَالْكَرْهُمُ لَا يَعْقِلُونَ ۝

مشیعہ نے فرمایا کہ ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہوتا۔“ (صحیح مسلم، کتاب الحج حدیث نمبر ۲۱۲ و مسند احمد، سنن ابن داود، نسائی، ابن ماجہ) اسی لئے بعض مفسرین نے عَفَا اللَّهُ عَنْهَا کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس چیز کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے، پس وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے معاف کر دیا ہے۔ پس تم بھی ان کی بابت خاموش رہو، جس طرح وہ خاموش رہا۔ (ابن کثیر) ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس مضموم کو باس الفاظ بیان فرمایا، ذروني ما تُرْكُشْ؛ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ، وَأَخْتَلَافُهُمْ عَلَى أُنْبِيَاِنَهُمْ (صحیح مسلم، کتاب ویاب مذکون) ”تمہیں جن چیزوں کی بابت نہیں بتایا گیا، تم مجھ سے ان کی بابت سوال مت کرو، اس لئے کہ تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ان کا کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف بھی تھا۔“

(۱) یہ ان جانوروں کی قسمیں ہیں جو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ ان کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رض سے صحیح بخاری میں اس کی تفسیر حسب ذیل نقل کی گئی ہے۔ بَحِيرَةٌ وَهُ جَانُورٌ، جَسْ كَ دُودُهِ دُوْهَنَا چَحُورُهُ دُيَا جَاتَا وَرَكَمَا جَاتَا كَ يَهُ بَتُوْنَ كَ لَئَنَهُ ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ سَائِيَّةٌ وَهُ جَانُورٌ، جَسْ كَ دُودُهِ اوْ نَمْنَى، جَسْ سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی۔ (یعنی ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی، ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی) ایسی او نمٹی کو بھی وہ بتوں کے لئے آزاد چھوڑ دیتے تھے اسے نہ سواری کے لئے استعمال کرتے نہ بار برواری کے لئے۔ وَصِيلَةٌ وَهُ اوْ نَمْنَى، جَسْ سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی۔ (یعنی ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی، ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی) ایسی او نمٹی کو بھی وہ بتوں کے لئے آزاد چھوڑ دیتے تھے اور حَامٌ : وَهُ زَاوِنَتٌ ہے، جَسْ کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوتے۔ (اور نسل کافی بڑھ جاتی) تو اس سے بھی بار برواری یا سواری کا کام نہ لیتے اور بتوں کے لئے چھوڑ دیتے اور اسے وہ حای کرتے۔ اسی روایت میں یہ حدیث بھی بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بتوں کے جانور آزاد چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خراگی تھا۔ نبی ﷺ نے اسی فرماتے ہیں کہ ”میں نے اسے جنم میں انتزیاں کھینچتے ہوئے دیکھا“ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ المائدۃ) آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو اس طرح مشرع نہیں کیا ہے، کیونکہ اس نے تو نذر نیاز صرف اپنے لیے خاص کر رکھی ہے۔ بتوں کے لئے یہ نذر نیاز کے طریقے مشرکوں نے ایجاد کئے ہیں اور بتوں اور معبودان باطل کے نام پر جانور چھوڑنے اور نذر نیاز پیش کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی مشرکوں میں بلکہ بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی قائم و جاری ہے۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ.

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا، کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ (۱۰۴)

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تم سارا کوئی نقصان نہیں۔^(۱) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو بتلاوے گا جو کچھ تم سب کرتے تھے۔ (۱۰۵)

اے ایمان والو! تم سارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم میں سے ہوں^(۲) یا غیر لوگوں میں سے دو

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسِبْنَا مَا وَاجَدْنَا عَلَيْهَا يَا أَيُّهَا الْأَوَّلُوْنَ أَوْلَوْنَا أَيْ وُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْهِمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ شَاءَ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيَنْتَهِمْ بِمَا كُنْتمْ تَعْمَلُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا حَرَرَ أَحَدُكُمُ الْمُؤْمِنُ حِينَ الْوَقِيَّةِ إِثْنُونَ ذَوَاعْدُلٍ مِنْكُمْ أَوْ أَخْرَنِ مِنْ عَنْدِكُمْ حِينَ أَنْتُمْ ضَرَبُتُمُ فِي الْأَرْضِ فَاصْبِرُوكُمْ مُهْبِيَّةُ الْمُؤْمِنُ

(۱) بعض لوگوں کے ذہن میں ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کر لی جائے تو کافی ہے۔ امر بالمعروف و نهى عن المنکر ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہیں اہم ہے۔ اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کر دے گا تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا؟ جب کہ قرآن نے اہنڈیشم (جب تم خود ہدایت پر چل رہے ہو) کی شرط عائد کی ہے۔ اسی لئے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو انسوں نے فرمایا کہ ”لوگو! تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو، میں نے تو نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جب لوگ براہی ہوتے ہوئے دیکھ لیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔“ (مسند احمد، جلد اصہ ترمذی نمبر ۲۱۷، ابوداؤد نمبر ۲۲۲۸) اس لئے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تم سارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا براہی سے بازنہ آئیں تو تم سارے لئے یہ نقصان وہ نہیں ہے جب کہ تم خود نیکی پر قائم اور براہی سے مجتنب ہو۔ البتہ ایک صورت میں امر بالمعروف و نهى عن المنکر کا ترک جائز ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اندر اس کی طاقت نہ پائے اور اس سے اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اس صورت میں فِإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَافُ الإِيمَانِ کے تحت اس کی گنجائش ہے۔ آیت بھی اس صورت کی متحمل ہے۔

(۲) ”تم میں سے ہوں“ کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ موصی

شخص ہوں اگر تم کیس سفر میں گئے ہو اور تمہیں موت آجائے^(۱) اگر تم کوشہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے^(۲) اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے، ہم اس حالت میں سخت گنگار ہوں گے۔^(۱۰۶)

پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتكب ہوئے ہیں^(۳) تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا رتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے^(۴) یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ راست ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا، ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے۔^(۱۰۷)

حَسْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيَقُولُنَا اللَّهُ إِنَّا إِذْبَثْنَا لَأَنَّشَرَرِيْ يَهِ شَهَادَةَ شَهَادَةَ لَوْكَانَ ذَاقُرْبَى وَلَأَنَّكُنْ شَهَادَةَ اللَّهُ إِنَّا إِذَا أَذَّيْنَ الْأَثِيْنَ ۝

فَإِنْ عُذْرَ عَلَى أَنَّهَا اسْتَحْقَقَ إِنْهَا فَأَخْرَجَنَ يَقُولُنَّ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحْقَقَ عَلَيْنَمُ الْأَوْلَيْنَ فَيَقُولُنَّ يَا اللَّهُ شَهَادَتْنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا مَا عَنَّدَنَا إِنَّا إِذَا كَنِّ الظَّلِيمِينَ ۝

(وصیت کرنے والے) کے قبیلے سے ہوں۔ اسی طرح ﴿اَخْرَنِ مِنْ غَيْرِ كُمْ﴾ میں دو مفہوم ہوں گے یعنی من غیر کُم سے مراد یا غیر مسلم (اہل کتاب) ہوں گے یا موصی کے قبیلے کے علاوہ کسی اور قبیلے سے۔

(۱) یعنی سفر میں کوئی ایسا شدید بیمار ہو جائے کہ جس سے زندہ بچنے کی امید نہ ہو تو وہ سفر میں دو عادل گواہ بنا کر جو وصیت کرنا چاہے، کر دے۔

(۲) یعنی مرنے والے موصی کے درہا کوٹک پڑ جائے کہ ان اوصیا نے مال میں خیانت یا تبدیلی کی ہے تو وہ نماز کے بعد یعنی لوگوں کی موجودگی میں ان سے قسم لیں اور وہ قسم کھا کے کہیں ہم اپنی قسم کے عوض دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ یعنی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے ہیں۔

(۳) یعنی جھوٹی قسمیں کھائیں ہیں۔

(۴) اَوْلَيَانِ، اَوْلَيَانِ کا تثنیہ ہے، مراد ہے میت یعنی موصی (وصیت کرنے والے) کے قریب ترین دو رشتے دار ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحْقَقَ عَلَيْنَمُ﴾ — کا مطلب یہ ہے جن کے مقابلے پر گناہ کا رتکاب ہوا تھا۔ یعنی جھوٹی قسم کا رتکاب کر کے ان کو ملنے والا مال ہڑپ کر لیا تھا۔ الْأَوْلَيَانِ یہ یا تو ہمَا مبتدا مذوف کی خبر ہے یا پُتو مان یا آخران کی ضمیر سے بدل ہے۔ یعنی یہ دو قربی رشتے دار، ان کی جھوٹی قسموں کے مقابلے میں اپنی قسم دیں گے۔

یہ قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو نھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں اللہ پر جائیں گی^(۱) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنوا اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (۱۰۸)

جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں^(۲) تو ہی بے شک پوشیدہ بالوں کو پورا جاننے والا ہے۔ (۱۰۹)

ذلِکَ أَذْنَ آنَ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَى وَجْهِهَا وَيَخْلُفُونَ آنَ
تَرْدَأْمَهُنَّ بَعْدَ آمَارَتِهِمْ وَأَنْقُوَالَّهُ وَاسْمَعُوا وَاللَّهُ
لَا يَهُدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا إِجْبَرْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ
لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَمُ الْغَيْبِ ۝

(۱) یہ اس فائدے کا ذکر ہے جو اس حکم میں پنسا ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ یہ کہ یہ طریقہ اختیار کرنے میں او صیحا صحیح صحیح گواہی دیں گے کیونکہ انہیں خطرہ ہو گا کہ اگر ہم نے خیانت یا دروغ گوئی یا تبدیلی کا ارتکاب کیا تو یہ کاروائیاں خود ہم پر الٹ سکتی ہیں۔ اس واقعہ کی شان نزول میں بدیل بن ابی مریم کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شام تجارت کی غرض سے گئے، وہاں بیمار اور قریب المرگ ہو گئے، ان کے پاس سامان اور چاندی کا ایک پیالہ تھا، جو انہوں نے دو عیسائیوں کے پرد کر کے اپنے رشتہ داروں تک پہنچانے کی وصیت کر دی اور خود فوت ہو گئے، یہ دونوں وصی جب واپس آئے تو پیالہ تو انہوں نے بیچ کر پیسے آپس میں تقسیم کر لئے اور باقی سامان و رہا کو پہنچا دیا۔ سامان میں ایک رقصہ بھی تھا جس میں سامان کی فہرست تھی جس کی رو سے چاندی کا پیالہ گم تھا، ان سے کما گیا تو انہوں نے جھوٹی قسم کھالی لیکن بعد میں پتہ چل گیا کہ وہ پیالہ انہوں نے فلاں صراف کو بیچا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان غیر مسلموں کے مقابلے میں قسمیں کھا کر ان سے پیالے کی رقم وصول کی۔ یہ روایت تو سند ضعیف ہے۔ (ترمذی نمبر ۴۰۵۶) به تحقیق احمد شاکر۔ مصری تاہم ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس رض سے بھی مختصر ایہ مروی ہے، جسے علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ترمذی جلد ۲ نمبر ۴۳۴۹)

(۲) انبیاء علیم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا یا برا جو بھی معاملہ کیا، اس کا علم تو یقیناً انہیں ہو گا لیکن وہ اپنے علم کی نفی یا تو محشر کی ہولناکیوں اور اللہ جل جلالہ کی بہت وعظت کی وجہ سے کریں گے یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہو گا۔ علاوه ازیں باطنی امور کا علم تو کیتاً صرف اللہ ہی کو ہے۔ اسی لئے وہ کمیں گے عالم الغیوب تو تو ہی ہے نہ کہ ہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور سل عالم الغیوب نہیں ہوتے، عالم الغیوب صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کو جتنا کچھ بھی علم ہوتا ہے، اولًا تو اس کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جو فرائض رسالت کی ادائیگی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ ثانیاً ان سے بھی ان کو بذریعہ وحی ہی آگاہ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عالم الغیوب وہ ہوتا ہے جس کو ہر چیز کا علم ذاتی

جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تم ساری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو روح القدس^(۱) سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گو دیں بھی^(۲) اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی باشیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی^(۳) اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرند بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے^(۴) اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے^(۵) پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔^(۶)

طور پر ہو، نہ کہ کسی کے بتلانے پر اور جس کو بتلانے پر کسی چیز کا علم حاصل ہوا سے عالم الغیب نہیں کہا جاتا، نہ وہ عالم الغیب ہوتا ہی ہے۔ فَافْهَمُوهُمْ وَنَذَّبِرُهُمْ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ

(۱) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۸ میں گزرا۔

(۲) گو دیں اس وقت کلام کیا، جب حضرت مریم طیہا السلام اپنے اس نو مولود (پچھے) کو لے کر اپنی قوم میں آئیں اور انہوں نے اس پچھے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی کے عالم میں کلام کیا اور بڑی عمر میں کلام سے مراد نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوت و تبلیغ ہے۔

(۳) اس کی وضاحت سورہ آل عمران کی آیت ۲۸ میں گزر چکی ہے۔

(۴) ان مجذرات کا ذکر بھی مذکورہ سورت کی آیت ۲۹ میں گزر چکا ہے۔

(۵) یہ اشارہ ہے اس سازش کی طرف جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی دینے کے لئے تیار کی تھی۔ جس سے اللہ نے بچا کر انہیں آسمان پر اٹھالیا تھا۔ ملاحظہ ہو جا شیہ سورہ آل عمران آیت ۵۳۔

(۶) ہر بُنیٰ کے مخالفین، آیاتِ الٰہی اور مجذرات دیکھ کر انہیں جادو ہی قرار دیتے رہے ہیں۔ حالانکہ جادو تو شعبدہ بازی کا ایک فن ہے، جس سے انبیاء علیمِ السلام کو کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے مجذرات

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْلَمُ أَبْنَى مُرِيمَمْ إِذْ كُنْتَ نَعْمَنْتَ عَلَيْكَ وَعَلَى
وَالْدَّيْتَكَ إِذْ أَيَّتْدُنْكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ سُكْلَمُ النَّاسَ
فِي الْمَهْدِ وَكَمْلًا وَلَذِعْلَمَتْكَ الْكِبَرَ وَالْحِكْمَةَ وَالْتَّوْرَةَ
وَالْأَجْنِيَنَ وَلَذِ تَخْلُقُ مِنَ الْقَلْبِنَ كَهْنَةَ الظَّلِيلِ
بِإِذْ فَتَنَّهُ فِيهَا فَتَنَّوْنَ طَيْرًا يَأْذِنَ وَتُبْرِئُ
الْأَكْبَرَهُ وَالْأَبْرَصَ يَأْذِنَ وَلَذِخْرِجُ الْمَوْقِي يَأْذِنَ
وَلَذِ كَعْنَتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جَنَّهُ
بِالْمَجِنَّتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
هَذَا إِلَّا سَحْرُمَنِينَ ①

اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا^(۱) کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاو، انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہئے کہ ہم پورے فرمائیں بردار ہیں۔^(۲)

وہ وقت یاد کے قابل ہے جب کہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرمادے؟^(۳) آپ نے

وَلَاذَا وَحَيْتُ رَأَى الْحَوَارِيْنَ أَنَّ أَمْوَالِيْنَ وَبِرَسُولِيْ

قَالُواً أَمْنًا وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ^(۴)

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيْنَ يَعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ
رَبُّكَ أَنْ يُثْرِلَ عَلَيْنَا مَكْلِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ
إِنَّهُ عَلَيَّ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ^(۵)

قادر مطلق، اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا مظہر ہوتے تھے، کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے اور اس کی مشیت وقدرت سے ہوتے تھے۔ کسی نبی کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کوئی مججزہ صادر کر کے دکھایتا، اسی لئے یہاں بھی دیکھ لجھتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر مججزے کے ساتھ اللہ نے چار مرتبہ یہ فرمایا ”بِإِذْنِنِي“ کہ ”ہر مججزہ میرے حکم سے ہوا ہے۔“ یہ وجہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے مشرکین کہ نے مختلف مججزات کے دکھانے کا مطالبہ کیا جس کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۳-۹۶ میں ذکر کی گئی ہے تو اس کے جواب میں نبی ﷺ نے یہی فرمایا ﴿بَسْجَنَ رَبِّنَ هَلْ كُنْدَلَ لِلْأَبْرَارِ شُوْلَا﴾ ”میرا رب پاک ہے (یعنی وہ تو اس کمزوری سے پاک ہے کہ وہ یہ چیزیں نہ دکھائے) وہ تو دکھا سکتا ہے لیکن اس کی حکمت اس کی مقتضی ہے یا نہیں؟ یا کب مقتضی ہو گی؟ اس کا علم اسی کو ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے (لیکن میں تو صرف بشرط اور رسول ہوں) ”یعنی میرے اندر یہ مججزات دکھانے کی اپنے طور پر طاقت نہیں ہے۔ برعکس انبویا کے مججزات کا جادو سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جادو گر اس کا توزیع میا کر لیتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہے کہ دنیا بھر کے جمع شدہ بڑے بڑے جادو گر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مججزے کا توزیع کر سکے اور جب ان کو مججزہ اور جادو کا فرق واضح طور پر معلوم ہو گیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

(۱) حَوَارِيْنَ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی اور مددگار بنے۔ ان کی تعداد ۱۲ ایمان کی جاتی ہے۔ وہی سے مراد یہاں وہ وحی نہیں ہے جو بذریعہ فرشتہ انبویا علیم السلام پر نازل ہوتی تھی بلکہ یہ وحی امام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کے دلوں میں القا کر دی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت میریم علیہما السلام کو اسی قسم کا امام ہوا جسے قرآن نے وحی ہی سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) مائِدَةَ، ایسے برتن (سینی، پلیٹ یا ٹرے وغیرہ) کو کہتے ہیں جس میں کھانا ہو۔ اسی لئے دستِ خوان بھی اس کا ترجمہ کر لیا جاتا ہے کیونکہ اس پر بھی کھانا چنا ہوتا ہے۔ سورت کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں اس کا ذکر ہے حَوَارِيْنَ نے مزید اطمینان قلب کے لیے یہ مطالبہ کیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مشاہدے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔

فرمایا کہ اللہ سے ڈراؤ اگر تم ایمان والے ہو۔^(۱) (۱۲)

وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے حق بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔^(۲) (۱۳)

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ اے ہمارے پورو دگار! ہم پر آسان سے کھانا نازل فرماؤ کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد کے ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے^(۲) اور تیری طرف

قَالُوا إِنَّنِي أَنَا كُلٌّ مِنْهَا وَنَطَمِئِنَ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمُ أَنَّ قَدْ صَدَقَنَا وَنَنْؤُنَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّهِيدِينَ^(۳)

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ إِنَّا نُزَّلْنَا عَلَيْنَا مَلِيْدَةً مِنَ السَّكَّاءِ
نَلَوْنُ لَنَا يَعْيِدَ الْأَوْلَانَا وَالْآخِرَانَا وَإِيَّاهُ مِنْكَ وَأَرْزَقْنَا
وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ^(۴)

(۱) یعنی یہ سوال مت کرو، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش کا سبب بن جائے کیونکہ حسب طلب مجذہ دکھائے جانے کے بعد اس قوم کی طرف سے ایمان میں کمزوری عذاب کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس مطالبے سے روکا اور انہیں اللہ سے ڈرایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے وحی کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم نبیہؓ تھیں، اس لئے کہ ان پر بھی اللہ کی طرف سے وحی آئی تھی، صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہ وحی، وحی اسلام ہی تھی، جیسے یہاں ﴿أَوْحَيْتُ رَأِيَ الْخَوَافِقِ﴾ میں ہے یہ وحی رسالت نہیں ہے۔

(۲) اسلامی شریعتوں میں عید کا مطلب یہ نہیں رہا ہے کہ قویٰ توار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت کے ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و سرست کاظمار کیا جائے، چراغاں کیا جائے اور جشن منایا جائے، جیسا کہ آج کل اس کا یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کے مطابق توار منائے جاتے ہیں۔ بلکہ آسمانی شریعتوں میں اس کی حیثیت ایک ملی تقریب کی ہوتی ہے، جس کا ہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تکبیر و تحمید کے زمزے بلند کرے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید بنانے کی جس خواہش کاظمار کیا ہے اس سے ان کا مطلب یہی ہے کہ ہم تعریف و تجدید اور تکبیر و تحمید کریں۔ بعض اہل بدعت اس "عید مائدہ" سے "عید میلاد" کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے، جسے اگر اسلام برقرار رکھنا چاہتا تو وضاحت کر دی جاتی۔ دوسرے یہ پیغمبر کی زبان سے "عید" بنانے کی خواہش کاظمار ہوا تھا اور پیغمبر بھی اللہ کے حکم سے شرعی احکام بیان کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ تیرے عید کا مفہوم و مطلب بھی وہ ہوتا ہے جو نہ کورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ "عید میلاد" میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ لہذا "عید میلاد" کے بدعت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اسلام میں صرف دو ہی عیدیں ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں، "عید الفطر" اور "عید الاضحیٰ"۔ ان کے علاوہ کوئی تیری عید نہیں ہے۔

سے ایک نشانی ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرمادے
اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔ (۱۱۳)
حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر
نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اس
کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا
دلوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ
دلوں گا۔ (۱۱۴)

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا
کہ اے عیسیٰ ابن مريم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا
تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبدوں قرار
دے لو! ^(۲) عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تو مجھ کو منزہ

أَعْذِبُهُ عَذَابًا لَا أَعْذِبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٤﴾

وَلَذْ قَالَ اللَّهُ يَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ أَتَخْدُونَنِي
وَأَرَقَ الْهَمَّينِ مِنْ دُونِنِ اللَّهِ قَالَ سِجْنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ
مَالِكِينَ لِي وَيَحْقِيقُ لِي مَنْ كُنْتَ قُلْتَهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي

(۱) یہ مائِنَدَةُ (خوان طعام) آسمان سے اترایا نہیں؟ اس کی بابت کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث نہیں۔ جمصور علام (امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری سمیت) اس کے نزول کے قائل ہیں اور ان کا استدلال قرآن کے الفاظ ﴿إِنَّمَا يَنْهَا عَنِ الْعَيْنِ﴾ سے ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً چاہے لیکن اسے اللہ کی طرف سے یقین و عده قرار دینا اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اگلے الفاظ فَمَنْ يَكْفُرُ بِأَوْعَدِ اللَّهِ فَمَنْ يَرَهُ فَمَا أَنْهَا عَنِ الْعَيْنِ اس وعدے کو مشروط ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے دوسرے علمائے کتبے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط سن کر انہوں نے کہا کہ پھر ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جس کے بعد اس کا نزول نہیں ہوا۔ امام ابن کثیر نے ان آثار کی اسناد کو جو امام مجاہد اور حضرت حسن بن بصری سے منقول ہیں، صحیح قرار دیا ہے۔ نیز کہا ہے کہ ان آثار کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نزول ما نہ کی کوئی شریعت عیسائیوں میں ہے، نہ ان کی کتابوں میں درج ہے۔ حالانکہ اگر یہ نازل ہوا ہوتا تو اسے ان کے ہاں مشور بھی ہونا چاہئے تھا اور کتابوں میں بھی تواتر سے یا کم از کم آحاد سے نقل ہونا چاہئے تھا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

(۲) یہ سوال قیامت والے دن ہو گا اور مقصد اس سے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبد بنالینے والوں کی زجر و توبیخ ہے کہ جن کو تم معبد اور حاجت روائی کرتے تھے، وہ تو خود اللہ کی پارگاہ میں جواب دہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم ملیما السلام کو بھی اللہ (معبد) بنایا ہے۔ تیسرا بات یہ معلوم ہوئی کہ مِنْ دُونِ اللَّهِ (اللہ کے سوا معبد) وہی نہیں ہیں جنہیں مشرکین نے پھر لکڑی کی مورتیوں کی شکل میں بنانے کی پوچش کی؛ جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست علماء پنے عوام کو یہ باور کرا کے مغالطہ دیتے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے نیک بندے بھی مِنْ دُونِ اللَّهِ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی بھی انداز سے عبادت کی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کی عیسائیوں نے کی۔

سمحتا ہوں، مجھ کو کسی طرح زیبانہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہو گا تو مجھ کو اس کا علم ہو گا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔^(۱) تمام غیبوں کا جانے والا تو ہی ہے۔^(۲)

میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمara بھی رب ہے۔^(۳) میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا۔^(۴) اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔^(۵)

وَلَا عَلِمَنَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَمُ الْغُيُوبِ^(۶)

مَأْفَلْتُ لَمْ إِلَّا مَا أَمْرَتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُ وَاللَّهُ بِقِيَّ وَرَبُّكُمْ
وَلَدْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا إِنَّمَا مُتَّقِيْهُمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ
أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ حَلِيلُ كُلِّ شَهِيدٍ^(۷)

أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ حَلِيلُ كُلِّ شَهِيدٍ^(۸)

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتنے واضح الفاظ میں اپنی بابت علم غیر کی نفی فرمائے ہیں۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید و عبادت رب کی یہ دعوت عالم شیرخوارگی میں بھی دی، جیسا کہ سورہ مریم میں ہے اور عمر بن جوانی و کولت میں بھی۔

(۳) تَوَفَّيْتَنِي کا مطلب ہے جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھایا جیسا کہ اس کی تفصیل سورہ آل عمران کی آیت ۵۵ میں گزر چکی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پیغمبروں کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے یا جس کا مشاہدہ وہ اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا۔ جب کہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جسے بغیر کسی کے بتائے ہر چیز کا علم ہوتا ہے اور اس کا علم ازل سے ابد تک پر محیط ہوتا ہے۔ یہ صفت علم اللہ کے سوا کسی اور کے اندر نہیں۔ اس لئے عالم الغیب صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ میدان محشر میں نبی ﷺ کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو فرشتے ان کو پکڑ کر دوسری طرف لے جائیں گے، آپ ﷺ نے فرمائیں گے ان کو آنے دو یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے آپ کو بتلائیں گے، إِنَّكَ لَا تَذَرِّنِي مَا أَخْدُثُو بَعْدَكَ (اے محمد ﷺ) آپ ﷺ نہیں جانتے کہ آپ ﷺ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں "جب آپ ﷺ یہ سئیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) ﴿ وَلَدْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا إِنَّمَا مُتَّقِيْهُمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ ﴾ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ المائدۃ و کتاب الانبیاء، صحیح مسلم، باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القيمة)۔

اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرمادے تو توز بردست ہے حکمت والا ہے۔^(۱۸)

اللہ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ پچھے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا^(۱۹) ان کو بلاغ ملیں گے جن کے نیچے نہیں جاری ہوں گی جن میں وہ یہی شہ کور ہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ بڑی (بھاری) کامیابی ہے۔^(۲۰)

اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔^(۲۱)

سورہ انعام کی ہے اس میں ایک سو پنیشہ آیتیں اور میں روکیں ہیں۔

شرع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو کہ نہایت مریان بڑا رحم والا ہے۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا^(۲۲) پھر بھی کافر

إِنْ لَعْنَةُ الْهُمَّةِ فِي الْهُمَّةِ عَبَادُكَ وَلَمْ يَغْرِبْ لَهُمْ قَاتِلُكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ^(۱۶)

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْقُضُ الصِّدِّيقِينَ صَدِيقُهُمْ لَهُمْ جَنَاحَتُ بَغْرِيْنِ
مِنْ تَعْقِيْهِ الْأَمْرُ خَلِدِيْنِ وَمِنْهَا أَبَدًا رَغْفَى اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضِيَّا
عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ^(۱۷)

يَلْهُمُكُ الشَّمُوْتُ وَالْأَرْضُ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۱۸)

شُورَةُ الْأَنْعَمَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الْفَلَمِيْنَ
وَالْأُورَةَ لِلَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِرْتَهَمُ بِعَدَلَوْنَ^(۱۹)

(۱) یعنی مطلب یہ کہ یا اللہ! ان کا معاملہ تیری مشیت کے سپرد ہے، اس لئے کہ تو فَعَالٌ لِمَا يُرِيدُ بھی ہے، (جو چاہے کر سکتا ہے) اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہے۔ ﴿ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴾ (الأنبياء - ۲۲) ”اللہ جو کچھ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی۔“ گویا آیت میں اللہ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بی کاظمار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی اور پھر ان دونوں باقوں کے حوالے سے عفو و مغفرت کی التجاہی۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب و بلیغ آیت ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ پر نوافل میں اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار ہر رکعت میں اسے ہی پڑھتے رہے، حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ (مسند احمد جلد ۵، ص ۱۳۹)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں۔ يَنْفَعُ الْمُوَحِدِينَ تَوْجِيدُهُمْ وَهُوَ دُنْ ایسا ہو گا کہ صرف توحید ہی موحدین کو نفع پہنچائے گی، یعنی مشرکین کی معافی اور مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

(۳) ظلمات سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی یا کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی مراد ہے۔ نور کے

لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔^(۱)

وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا^(۲) پھر ایک وقت معین کیا^(۳) اور (دوسرा) معین وقت خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے^(۴) پھر بھی تم شک رکھتے ہو۔^(۵)

اور وہی ہے معبد برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتا ہے اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔^(۶)

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ تَصْنَعُ أَجَلًا وَاجْلَ مُسْتَئِنٍ
عِنْدَكُمْ أَنْتُمْ مُنَتَّرُونَ ②

وَهُوَ اللَّهُ فِي التَّمَوُتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ بِإِيمَنِكُمْ وَجَهَرَكُمْ
وَيَعْلَمُ مَا تَنْسِبُونَ ③

مقابلے میں ظلمات کو جمع ذکر کیا گیا ہے، اس لئے کہ ظلمات کے اسباب بھی بہت سے ہیں اور اس کی انواع بھی متعدد ہیں اور نور کا ذکر بطور جنس ہے جو اپنی تمام انواع کو شامل ہے۔ (فتح القدير) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ ہدایت اور ایمان کا راستہ ایک ہی ہے، چار یا پانچ یا متعدد نہیں ہیں، اس لئے نور کو واحد ذکر کیا گیا ہے۔
(۱) یعنی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک نہ رہاتے ہیں۔

(۲) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو، جو تمہاری اصل ہیں اور جن سے تم سب لٹکے ہو۔ اس کا ایک دوسرامطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم جو خوارک اور غذا میں کھاتے ہو، سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور انہی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم ماوری میں جا کر تحملیں انسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا تمہاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔
(۳) یعنی موت کا وقت۔

(۴) یعنی آخرت کا وقت، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ گویا پہلی اجل سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی عمر ہے اور دوسری اجل سمنی ہے۔ مراد انسان کی موت سے لے کر وقوع قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے، جس کے بعد وہ زوال و فنا سے دو چار ہو جائے گی اور ایک دوسری دنیا یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

(۵) یعنی قیامت کے وقوع میں جیسا کہ کفار و مشرکین کما کرتے تھے کہ جب ہم مرکر مٹی میں مل جائیں گے تو کس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کیا جاسکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے تمیں پہلی مرتبہ پیدا کیا دوبارہ بھی وہی اللہ تمیں زندہ کرے گا (سورۃ النین)

(۶) اہل سنت یعنی سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو عرش پر ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے لیکن اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے یعنی اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ البتہ بعض گمراہ فرقہ اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور وہ اس آیت سے اپنے اس عقیدے کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ جس طرح غلط ہے یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کو آسمانوں اور زمین میں اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کی حکمرانی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کو معبد برحق سمجھا اور

اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔^(۲)

انہوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھٹلایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی، سو جلدی ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزا کیا کرتے تھے۔^(۱)^(۵)

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بار شیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا^(۲) اور ان کے بعد دوسرا جماعتوں کو پیدا کر دیا۔^(۳)^(۴)

اور اگر ہم کافر پر لکھا ہوا کوئی نوشته آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ أَيْقُونَ إِلَيْهِمْ رَّبُّهُمْ إِلَّا كَانُوا
عَنْهَا مُغْرِضُينَ^(۶)

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ الَّذِي جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنَّهُمْ أَكَانُوا
يَهُ يَتَهَمِّزُونَ^(۷)

اللَّهُ يَرْوَأُكُفَّارَ أَهْلَكَنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنَيْنِ مَكْنُثُهُمْ فِي الْأَرْضِ
مَا لَكُمْ بِهِنْكُمْ وَإِنْ سُلْطَنًا لَتَهَمَّ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا
الْأَهْرَافَ تَغْرِي مِنْ تَغْرِيَةِ مَا هَلَكُنَّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا
مِنْ بَعْدِهِمْ قُرْنَيْنِ أَخَرَيْنَ^(۸)

وَلَوْزَلَنَا عَلَيْكَ كَثِيرًا فِي قُرْطَابَسْ فَلَمْ سُوْدُ بِأَيْدِيْنِ يُؤْمِنُ لَقَالَ
الَّذِينَ كَفَرُوا لَمْ هَذَا إِلَّا سُحُورٌ مُّبِينٌ^(۹)

مانا جاتا ہے، وہ اللہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو، سب کو جانتا ہے۔ (فتح القدر) اس کی اور بھی بعض توجیمات کی گئی ہیں جنہیں اہل علم تفسیروں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً تفسیر طبری و ابن کثیر وغیرہ۔

(۱) یعنی اس اعراض اور حکمذیب کا وباں انہیں پہنچے گا اس وقت انہیں احساس ہو گا کہ کاش! ہم اس کتاب برحق کی حکمذیب اور اس کا استہزانہ کرتے۔

(۲) یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں در آں حایکہ وہ طاقت و قوت میں بھی تم سے کہیں زیادہ تھیں اور خوش حالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھ کر تھیں، تو تمہیں ہلاک کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوش حالی سے یہ نہیں سمجھ لیتا چاہئے کہ وہ بہت کامیاب و کامران ہے۔ یہ استدرج و امہال کی وہ صورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے۔ لیکن جب یہ مملت عمل ختم ہو جاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوش حالیاں انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔

(۳) تاکہ انہیں بھی بچھلی قوموں کی طرح آزمائیں۔

یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو
ہے۔^(۷)^(۸)

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں
نہیں اتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ
ہی ختم ہو جاتا۔ پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔^(۹)^(۱۰)

وَقَالُوا لَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ مِنْكُوْنَ وَلَا أَنْزَلْنَا مَكَانًا لِّكُوْنَ
الْأَمْرُ مُنْهَى لَا يُنْظَرُونَ ⑤

(۱) یہ ان کے عناو جمود اور مکابرہ کا اظہار ہے کہ اتنے واضح نوشۂ اللہ کے باوجود وہ اسے مانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور اسے ایک ساحرانہ کرت قرار دیں گے۔ جیسے قرآن مجید کے دو سری مقام پر فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَلَوْفَتَهُنَا عَلَيْهِمْ بَالْأَمْرِ فَظَلَّلُوا فِيهِ بَرْجُونَ * لَقَالُوا إِنَّا سَكَرْتُ إِبْصَارَنَا إِلَيْنَاهُ عَنْ قَوْمٍ مَّسْخُونَنَ ﴾ (الحجر، ۱۵-۱۶) ”اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں تب بھی کیسی گے ہماری آنکھیں متواہی ہو گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، ﴿ فَلَمْ يَرُوا إِنْفَاقَنَ الشَّهَادَةِ إِلَيْهِنَّا تَوَلُّوا سَاحَلَ بَرْجِهِمْ بَرْجُونَ ﴾ (الطور، ۲۲) ”اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا مکڑا بھی دیکھ لیں تو کیسی گے کہ تباہ تباہ ہیں۔“ یعنی عذاب اللہ کی کوئی نہ کوئی ایسی توجیہ کر لیں گے کہ جس میں مشیت اللہ کا کوئی دخل انہیں تسلیم کرنا نہ پڑے۔ حالاں کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جتنے بھی انبیا و رسول بھیجے وہ انسانوں میں سے ہی تھے اور ہر قوم میں اسی کے ایک فرد کو تھی ورسالت سے نواز دیا جاتا تھا۔ یہ اس لئے کہ اس کے بغیر کوئی رسول فریضہ تبلیغ و دعوت ادا ہی نہیں کر سکتا تھا، مثلاً اگر فرشتوں کو اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجا تو ایک تو وہ انسانی زبان میں گفتگو ہی نہ کر پاتے دوسرے وہ انسانی جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے انسان کے مختلف حالات میں مختلف کیفیات و جذبات کے سمجھنے سے بھی قادر رہتے۔ ایسی صورت میں ہدایت و رہنمائی کا فریضہ کس طرح انجام دے سکتے تھے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں کو ہی نبی اور رسول بنا یا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَّوْلًا فِينَ أَنْفُسِهِمْ ﴾ (آل عمران، ۱۹۳) ”اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب کہ انسی کی جانوں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا،“ لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لیے حیرت و استحباب کا باعث رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں، فرشتوں میں سے ہونا چاہئے گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی۔ جیسا کہ آج کل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں۔ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ اہلَ كَفْرٍ وَ شَرْكٍ، رسولوں کی بشریت کا تو انکار کرنیں سکتے تھے، کیونکہ وہ ان کے خاندان، حسب نبہ ہر چیز سے واقف ہوتے تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کرتے رہے۔ جبکہ آج کل کے اہل بدعت رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ برعکس اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر ہم کافروں کے مطالبے پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجیے یا اس رسول کی تصدیق کے

اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جواب اشکال کر رہے ہیں۔^(۹)

اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزا کیا گیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمثیر اڑاتے تھے۔^(۱۰)

آپ فرمادیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھر وہ پھر دیکھ لوا کہ مکذب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔^(۱۱)

آپ کہیئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملکیت ہے، آپ کہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، اللہ نے میریانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمایا ہے^(۱۲) تم کو اللہ قیامت کے روز جمع کرے گا، اس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھانٹے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔^(۱۳)

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَّهُ أَعْلَمُ
عَلَيْهِمْ مَا يَلِسُونَ ①

وَلَقَدْ أَسْتَهْزَى بِرُسُلِنَا مِنْ قَبْلِكَ هَذَا قَاتِلُ
بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ②

قُلْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُنْذَنِينَ ③

قُلْ لَهُنَّ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ يَلَهُ كَتَبَ عَلَى
نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ كَيْ جَعَلَنَا إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَارِبَّ فِيَهُ
الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ④

لئے ہم کوئی فرشتہ ناصل کر دیتے (جیسا کہ یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے) اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لاتے تو انہیں مملت دیئے بغیر بلاک کر دیا جاتا۔

(۱) یعنی اگر ہم فرشتہ ہی کو رسول ﷺ بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کرتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ فرشتہ کی اصل شکل میں تو آنہیں سکتا تھا، کیونکہ اس طرح انسان اس سے خوف زدہ ہونے اور قریب و مانوس ہونے کے بجائے، دور بھاگتے اس لئے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا۔ لیکن یہ تمہارے لیڈر پھری ہی اعتراض اور شبہ پیش کرتے کہ یہ تو انسان ہی ہے، جو اس وقت بھی وہ رسول کی بشریت کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں تو پھر فرشتے کے بھیجنے کا بھی کیا فائدہ؟

(۲) جس طرح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش پر یہ لکھ دیا ہے رَحْمَتِنِي تَغْلِبُ غَصَبِي“ (صحیح بخاری، کتاب التوحید، وبدء الخلق، مسلم کتاب التوبۃ) ”یقیناً میری رحمت میرے غصب پر غالب ہے“ لیکن یہ رحمت قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لئے ہو گی، کافروں کے لئے رب سخت غصب ناک ہو گا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کی رحمت یقیناً عام ہے، جس سے مومن اور کافر نیک اور بد، فرمائیں بردار اور نافرمان سب ہی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بھی روزی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بند

اور اللہ ہی کی ملک ہیں وہ سب کچھ جورات میں اور دن میں رہتی ہیں اور وہ بڑا سختے والا بڑا جانے والا ہے۔^(۱۳)

آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا، جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اس کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا، اور کسی کو معبد قرار دوں،^(۱۴) آپ فرمادیجھے کہ مجھے کوئی حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تو مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔^(۱۵)

آپ کہہ دیجھے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔^(۱۶)

جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے تو اس پر اللہ نے بڑا حم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔^(۱۷)
اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اور اگر تجھ

وَلَهُ مَأْسَكُنَ فِي الْيَلَى وَالْهَمَارِ وَهُوَ الشَّمِيمُ الْعَلِيمُ^(۱۸)

قُلْ أَغْيِرَ اللَّهُ أَمْغِدُ وَلِيًّا قَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ إِنِّي أُمْرُتُ أَنَّ الْكُوْنَ أَقْلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا كُوْنَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ^(۱۹)

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ^(۲۰)

مَنْ يُصْرَفُ عَنْهُ يَوْمَئِنْ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ^(۲۱)

وَإِنْ يَمْسِسَكَ اللَّهُ بِصُرُّقَلَا كَلْشَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَلَنْ

نہیں کرتا، لیکن اس کی رحمت کا یہ عموم صرف دنیا کی حد تک ہے۔ آخرت میں جو کہ دار الحذا ہے، وہاں اللہ کی صفت عدل کا کامل ظہور ہو گا، جس کے نتیجے میں اہل ایمان و امام رحمت میں جگہ پائیں گے اور اہل کفر و فتن جنم کے دائیٰ عذاب کے مستحق نہیں گے۔ اسی لئے قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ ﴿ وَرَحْمَةً وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَلَّهُمْ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَلَيُؤْتُنُونَ الرِّزْكَ وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتِيُنَا يُؤْمِنُونَ ﴾ — (الاعراف ۱۵۶) اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آئیوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(۱) وَلَيٰ سے مراد یہاں معبد ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے ورنہ دوست بنانا تو جائز ہے۔

(۲) یعنی اگر میں نے بھی رب کی نافرمانی کرتے ہوئے، اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبد بنالیا تو میں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکوں گا۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ قَمْنَ رُجُزَةً عَنِ التَّارِدِ وَأَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ (آل عمران - ۱۸۵) ”جو آگ سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا“ اس لئے کہ کامیاب ہو گیا، خارے سے بچ جانے اور نفع حاصل کر لینے کا نام ہے۔ اور جنت سے بڑھ کر نفع کیا ہو گا؟

کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔^(۱۷)

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے^(۲)
اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا
ہے۔^(۱۸)

آپ کہیے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے، آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے^(۲۳) اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراوں^(۲۴) کیا تم صحیح یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبد بھی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمادیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبد ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔^(۱۹)

يَمْسَكُ بِغَيْرِ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۱۶)

وَهُوَ الْقَاهُرُ فَوْقَ عِبَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْغَيْرُ^(۱۷)

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلْ اللَّهُ شَهِيدٌ بِأَيِّنِي وَبِنِّكُمْ
وَأَوْحِيَ إِلَيْكُمْ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَ رُكْمَتِهِ وَمَنْ يَلْعَمْ إِبْرَاهِيمَ
لَتَشَهَّدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ إِلَهَ أُخْرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ إِلَّا
هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ وَإِنِّي بِرَبِّي مُتَّسِرُّكُونَ^(۱۸)

(۱) یعنی نفع و ضرر کا مالک، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس کے حکم و قضا کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اللَّهُمَّ لَامَانَعْ لِمَا أَغْطَيْتَ، وَلَا مُغْطِي لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام والقدر والدعوات۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ والمساجد) ”جس کو تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں“ اور جس سے تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی“ نبی ﷺ نے ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

(۲) یعنی تمام گروہ میں اس کے سامنے جگی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر لوگ اس کے سامنے بے بس ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے اور تمام کائنات اس کی مطیع ہے وہ اپنے ہر کام میں حکیم ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے، پس اسے معلوم ہے کہ اس کے احسان و عطا کا کون مستحق ہے اور کون غیر مستحق۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں۔

(۴) ریبع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب جس کے پاس بھی یہ قرآن پہنچ جائے۔ اگر وہ سچا قیمع رسول ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف اسی طرح بلائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی اور اس طرح ذرائے جس طرح آپ ﷺ نے لوگوں کو ڈرایا۔ (ابن کثیر)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھانے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔^(۲۰)

اور اس سے زیادہ بے انصاف کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا بتالے ایسے بے انصافوں کو کامیابی نہ ہوگی۔^(۲۱)

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء، جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے، کہاں گئے؟۔^(۲۲)

الَّذِينَ أَتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرُفُونَهُ كَمَا يَعْرُفُونَ آبَانَاهُمْ
الَّذِينَ حَسُرَوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ①

وَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ إِنْ فَتَرَىٰ عَلَىٰ إِلَهَكُنْبَآءًا وَ كَذَابَ يَأْيَتْهُ إِنَّهُ
أَرْيَقْلِهُ الظَّلَمُونَ ②

وَيَوْمَ تَخْرُجُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ
شَرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزَعَّمُونَ ③

(۱) یَعْرُفُونَہُ میں ضمیر کا مرجع رسول ملکیت ہے یعنی اہل کتاب آپ ملکیت ہے کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ ملکیت ہے کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے منتظر بھی تھے۔ اس لئے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَذَرِّي فَتَلْكَ مُصِبَّةٌ * وَإِنْ كُنْتَ تَذَرِّي فَالْمُصِبَّةُ أَغْظَمُ.

(۲) اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے تاہم اگر علم ہے تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے) یعنی جس طرح اللہ پر جھوٹ گھرنے والا (یعنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا) سب سے بڑا ظالم ہے، اسی طرح وہ بھی بڑا ظالم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے پے رسول کی مکذب کرے۔ جھوٹے دعوائے نبوت پر اتنی سخت وعید کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ متعدد لوگوں نے ہر دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے کئے ہیں اور یوں یقیناً نبی ملکیت ہے کی یہ پیش گوئی پوری ہو گئی کہ تمیں جھوٹے دجال ہو گے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہو گا کہ وہ نبی ہے۔ گذشتہ صدی میں بھی قادیانی کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آج اس کے پیروکار اسے اس لئے سچا نبی اور بعض صحیح موعود مانتے ہیں کہ اسے ایک قلیل تعداد نبی مانتی ہے۔ حالانکہ کچھ لوگوں کا کسی جھوٹے کو سچا مان لینا، اس کی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صداقت کے لئے تو قرآن و حدیث کے واضح دلائل کی ضرورت ہے۔

(۳) جب یہ دونوں ہی ظالم ہیں تو نہ مفتری (جھوٹ گھرنے والا) کامیاب ہو گا اور نہ مکذب (جھٹلانے والا) اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے انعام پر اچھی طرح غور کر لے۔

پھر ان کے شرک کا نجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو گا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے۔^(۱) (۲۳)

ذراد کیھو تو انہوں نے کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موت تراشا کرتے تھے وہ سب غائب ہو گئے۔^(۲) (۲۳)

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں^(۳) اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کافیوں میں ذات دے رکھی ہے^(۴) اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں تو بھی ان پر کبھی ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ

نَهُوكُمْ فَتَّهُمْ لَا إِنْ قَالُوا إِنَّهُ رَبُّنَا لَكُمْ
مُّشْرِكُينَ ^(۵)

أَنْظُرْنَاهُنَّ كَذَبُوا عَلَى آنفِيهِمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ^(۶)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْنَا وَجَعَلَنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكْثَرَهُمْ أَنْ
يَقْهِهُهُ وَفِي أَذْانِهِمْ وَقُرُونَ يَرْعَأُكُلَّ أَيْمَانِهِمْ مُّنْوِا
بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكُلَّ يُحَاجِدُ لِوَنَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ
هُدَا إِلَّا سَاطِعِ الْأَقْوَلِينَ ^(۷)

(۱) فتنہ کے ایک معنی جحت اور ایک معنی معدرت کے کئے گئے ہیں۔ بالآخر یہ جحت یا معدرت پیش کر کے چھکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔ اور امام ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں ٹمَ لَمْ يَكُنْ قِبْلَهُمْ عِنْدَ فِتْنَتِنَا إِنَّهُمْ أَغْنَى زَارًا مِعًا سَلَفَ مِنْهُمْ مِنَ الشَّرِيكِ بِاللَّهِ۔ — (جب ہم انہیں سوال کی بھی میں جھوٹکیں گے تو دنیا میں انہوں نے جو شرک کیا، اس کی معدرت کے لئے یہ کہ بغیر ان کے لئے چارہ نہیں ہو گا کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے) یہاں یہ اشکال پیش نہ آئے کہ وہاں تو انہوں کے ہاتھ پیر گواہی دیں گے اور زبانوں پر تو مرس لگادی جائیں گی، پھر یہ انکار کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ دیا ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو یہ باہم مشورہ کر کے اپنے شرک کرنے سے ہی انکار کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ ان کے مومنوں پر مرس لگادے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا اس کی گواہی دیں گے اور پھر یہ اللہ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ (ابن کثیر)

(۲) لیکن وہاں اس کذب صریح کا کوئی فائدہ انہیں نہیں ہو گا، جس طرح بعض دفعہ دنیا میں انسان ایسا محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے معبود ان باطل بھی، جن کو وہ اللہ کا شریک اپنا حمایتی و مددگار اور سفارشی سمجھتے تھے، غائب ہوں گے اور وہاں ان پر شرک کی حقیقت واضح ہو گی، لیکن وہاں اس کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔

(۳) یعنی یہ مشرکین آپ کے پاس آکر قرآن تو سنتے ہیں لیکن چونکہ مقصد طلب ہدایت نہیں، اس لئے بے فائدہ ہے۔

(۴) علاوہ ازیں مجازاً علیٰ كُفْرِهِمْ ان کے کفر کے نتیجے میں ان کے دلوں پر بھی ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کافیوں میں ذات جس کی وجہ سے ان کے دل حق بات سمجھنے سے قاصر اور ان کے کافی حق کو سننے سے عاجز ہیں۔

جھکھتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔^(۲۵)

اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور دور رہتے ہیں^(۲۶) اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔^(۲۷)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ وزن کے پاس کھڑے کئے جائیں^(۲۸) تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔^(۲۹)

بلکہ جس چیز کو اس کے قبل چھپایا کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئی ہے^(۳۰) اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیئے

وَهُرِيَّهُونَ عَنْهُ وَيَنْهُونَ عَنْهُ وَإِنْ يَعْلَمُونَ
إِلَّا أَنفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ^(۳۱)

وَلَوْ تَرَى إِذْ وُقْفَوْعَالَ النَّارِ فَقَالُوا لَيَقْتَنَا أُرْدُ وَلَا نَكْنَبَ
يَا لَيْتَ رَبِّنَا وَنَنْجُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ^(۳۲)

بَلْ بَدَ الْهُمَّ مَا كَلَّا فَلَا يُخْلُونَ مِنْ قَبْلِ وَلَوْرَدِ الْعَادِ^(۳۳)

(۱) اب وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس گئے ہیں کہ بڑے سے بڑا مجرم بھی دیکھ لیں، تب بھی ایمان لانے کی توفیق سے محروم رہیں گے اور ان کا عناد و محدود اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو پہلے لوگوں کی بے سند کمانیاں کہتے ہیں۔
(۲) یعنی عام لوگوں کو آپ ﷺ سے اور قرآن سے روکتے ہیں تاکہ وہ ایمان نہ لا سیں اور خود بھی دور دور رہتے ہیں۔
(۳) لیکن لوگوں کو روکنا اور خود بھی دور رہنا، اس سے ہمارا یا ہمارے پیغمبر ﷺ کا کیا بگزے گا؟ اس طرح کے کام کر کے وہ خود ہی بے شوری میں اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔

(۴) یہاں "لُو" کا جواب مخدوف ہے تقدیری عبارت یوں ہو گی "تو آپ کو ہونا ک منظر نظر آئے گا"۔

(۵) لیکن وہاں سے دوبارہ دنیا میں آتا ممکن ہی نہیں ہو گا کہ وہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کر سکیں۔ کافروں کی اس آرزو کا قرآن نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ مثلاً ﴿رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ حُدْنَا فَإِنَّا ظَلَمُونَ * قَالَ اخْتَنَوْفَاهُنَا وَلَا نَحْكَمُونَ﴾ (المؤمنون - ۱۰۸) اے ہمارے رب! ہمیں اس جنم سے نکال لے اگر ہم دوبارہ تیری نافرمانی کریں تو یقیناً ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اسی میں ذلیل و خوار پڑے رہو، مجھ سے بات نہ کرو۔ ﴿رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَمَعْنَا فَارِجُونَا نَسْمَلْ صَلَحًا لَا مُوْقِتُونَ﴾ (المل السجدة - ۱۰۹) اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں، اب ہمیں یقین آگیا ہے۔

(۶) بُلْ جو اِضْرَاب (یعنی پہلی بات سے گریز کرنے) کے لئے آتا ہے۔ اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) ان کے لئے وہ کفر اور عناد و تکفیر ظاہر ہو جائے گی، جو اس سے قبل وہ دنیا یا آخرت میں چھپاتے تھے۔ یعنی جس کا انکار

جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔^(۲۸)

اور یہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہماری زندگی ہے اور ہم زندہ نہ کئے جائیں گے۔^(۲۹)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بے شک قسم اپنے رب کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو۔^(۳۰)

بے شک خارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی، یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دھستا آپنے گا، کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوتی، اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی آنکھوں پر لاوے ہوں گے، خوب سن لو کہ بڑی ہوگی وہ چیز جس کو وہ لاویں گے۔^(۳۱)

لِمَانْهُوْ أَعْنَهُ وَلَنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ⑥

وَقَالُوا لَنْ هُنَّ إِلَاحِيَا لَنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ
يَمْبَعُوْثِينَ ⑦

وَلَوْ تَرَى إِذْ وَقْفُوا عَلَى رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هَذَا يَالْحَقُّ
قَالُوا بَلْ وَرَبِّنَا أَقَالَ فَذَوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفِرُونَ ⑧

قَدْ حِسَرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءَ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُنَّهُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَحْسِنُنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ
يَخْجُلُونَ أَوْرَادُهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِنَّ الْأَسَاءَ مَا يَرِزُونَ ⑨

کرتے تھے، جیسے وہاں بھی ابتداءً کہیں گے (﴿مَا لَكُمْ مُشْرِكُينَ﴾) (ہم تو مشرک ہی نہ تھے) (۲) یا رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کا علم جوان کے دلوں میں تھا، لیکن اپنے پیروکاروں سے چھپاتے تھے۔ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ (۳) یا منافقین کا وہ نفاق وہاں ظاہر ہو جائے گا جسے وہ دنیا میں اہل ایمان سے چھپاتے تھے۔ (تفیر ابن کثیر)

(۱) یعنی دوبارہ دنیا میں آنے کی خواہش ایمان لانے کے لئے نہیں، صرف عذاب سے بچنے کے لئے ہے، جوان پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا اور جس کا وہ معاملہ کر لیں گے ورنہ اگر یہ دنیا میں دوبارہ بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔

(۲) یہ بَعْثَ بَعْدَ الْمَوْتِ (مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے) کا انکار ہے جو ہر کافر کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ہی دراصل ان کے کفر و عصیان کی سب سے بڑی وجہ ہے ورنہ اگر انسان کے دل میں صحیح معنوں میں اس عقیدہ آخرت کی صداقت راخ ہو جائے تو کفر و عصیان کے راستے سے فوراً تاب ہو جائے۔

(۳) یعنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراض کر لیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے۔ لیکن وہاں اس اعتراض کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ اب تو اپنے کفر کے بدالے میں عذاب کامزہ چکھو۔

(۴) اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے اپنی کوتاہیوں پر جس طرح

اور دنیاوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لمو و لعب کے۔
اور دار آخرت متقيوں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے
سمجھتے نہیں ہو۔ (۳۲)

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم
کرتے ہیں، سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ
ظالم تو اللہ کی آئتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (۳۳)

اور بست سے پغیر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی
محذیب کی جا چکی ہے سوانحوں نے اس پر صبری کیا، ان
کی محذیب کی گئی اور ان کو ایذا میں پچھائی گئیں یہاں
تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی (۲) اور اللہ کی باتوں کا کوئی

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعْبٌ وَلَمُؤْكَلَّدًا إِلَّا خَرَثَةٌ خَيْرٌ لِلَّذِينَ
يَتَّقَوْنَ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ④

قَدْ نَعْلَمَ أَنَّهُ لِيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ قَاتِلُهُ
لَا يَلْكِنْ بُوْنَكَ وَلِكُنَ الظَّلِيمُونَ يَا أَيُّهُ اللَّهُ يَعْجَدُونَ ⑤

وَلَقَدْ كُلِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَى مَا كُلِّبُوا
وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَهُمُ نُصْرًا وَلَا مُبْدِلًا لِكَلِمَاتِ اللَّهِ
وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ شَبَآءِ الْمُرْسَلِينَ ⑥

نادم ہوں گے اور برے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لادے ہوں گے آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے فَرَطْنَا فِيهَا میں
ضمیر الساعة کی طرف راجع ہے یعنی قیامت کی تیاری اور تصدیق کے معاملے میں جو کوتاہی ہم سے ہوئی۔ یا الصفة
(سودا) کی طرف راجع ہے، جو اگرچہ عبارت میں موجود نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کننا ہے۔ اس لئے کہ نقصان
سودے میں ہی ہوتا ہے اور مراد اس سودے سے وہ ہے جو ایمان کے بد لے کفر خرید کر انہوں نے کیا۔ یعنی یہ سودا کر
کے ہم نے سخت کوتاہی کی یا حبیاۃ کی طرف راجع ہے یعنی ہم نے اپنی زندگی میں برا یوں اور کفر و شرک کا ارتکاب
کر کے جو کوتاہیاں کیس۔ (فتح القدیر)

(۱) نبی ﷺ کو کفار کی طرف سے اپنی محذیب کی وجہ سے جو غم و حزن پہنچا، اس کے ازالے اور آپ کی تسلی کے لئے
فرمایا جا رہا ہے کہ یہ محذیب آپ کی نہیں۔ (آپ کو توه صادق و امین مانتے ہیں) دراصل یہ آیات اللہ کی محذیب ہے
اور یہ ایک ظلم ہے۔ جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ ترمذی وغیرہ کی ایک روایت میں ہے کہ ابو جمل نے ایک بار
رسول اللہ ﷺ سے کہا اے محمد (ﷺ) ۱) ہم تم کو نہیں بلکہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو جھلاتے ہیں۔ اس پر یہ
آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کی یہ روایت اگرچہ سند ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح روایات سے اس امر کی تصدیق ہوتی
ہے کہ کفار کہ نبی ﷺ کی امانت و دیانت اور صداقت کے قائل تھے، لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کی رسالت پر
ایمان لانے سے گریزاں رہے۔ آج بھی جو لوگ نبی ﷺ کے حسن اخلاق، رفت کردار اور امانت و صداقت کو تو خوب
جھوم جھوم کر بیان کرتے اور اس موضوع پر فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں لیکن اتباع رسول ﷺ میں وہ
انقباض محسوس کرتے آپ کی بات کے مقابلے میں فقد و قیاس اور اقوال ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں، انہیں سوچنا چاہئے کہ یہ
کس کا کردار ہے جسے انہوں نے اپنایا ہوا ہے؟

(۲) نبی ﷺ کی مزید تسلی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ یہ پسلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پغیر کا انکار کر رہے ہیں بلکہ

بدلے والا نہیں^(۱) اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض خبریں پہنچ چکی ہیں۔^(۲) (۳۴)

اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرگ نیک یا آسمان میں کوئی سیرھی ڈھونڈ لو پھر کوئی مجذہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ کو منظور ہو تا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا^(۳) سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے۔^(۴) (۳۵)

وَلَنْ كَانَ كَيْدُ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ أَسْتَطَعْتُ أَنْ تَبْتَغِي
نَفَقَّاً فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْمَانًا فِي السَّمَاءِ فَتَابِعْهُمْ حَيْثُ يَأْتُو وَلَنْ شَاءَ اللَّهُ
لَجَعَّهُمْ عَلَى الْهُدَى فَلَا تَلْكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ (۷)

اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں جن کی مکذبی کی جاتی رہی ہے۔ پس آپ بھی ان کی اقتدا کرتے ہوئے اسی طرح صبرا و حوصلے سے کام لیں جس طرح انہوں نے مکذب اور ایذا پر صبر سے کام لیا، حتیٰ کہ آپ کے پاس بھی اسی طرح ہماری مدد آجائے، جس طرح پہلے رسولوں کی ہم نے مدد کی اور ہم اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے ﴿إِنَّا نَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمْ﴾ (المؤمنون - ۵) ”یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور اہل ایمان کی مدد کریں گے“ ﴿كِتَابُ اللَّهِ لَا يَخْلُبُنَّ أَنَا وَرِبِّي﴾ (المجادلة - ۲۱) اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے“ وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ . (مثلاً الصافات - ۱۷۱، ۱۷۲)

(۱) بلکہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ آپ کافروں پر غالب و منصور رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) جن سے واضح ہے کہ ابتداء میں گوان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا، انہیں ایذا کیسی پہنچائیں اور ان کے لئے عرصہ حیات نجک کر دیا، لیکن بالآخر اللہ کی نصرت سے کامیابی و کامرانی اور نجات ابدی انہی کا مقدر بنی۔

(۳) نبی ﷺ کو معاذین و کافرین کی مکذبی سے جو گرانی اور مشقت ہوتی تھی، اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرمایا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے ہونا ہی تھا اور اللہ کے حکم کے بغیر آپ ان کو قبول اسلام پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ اگر آپ کوئی سرگ کھو دکریا آسمان پر سیرھی لگا کر بھی کوئی نشانی ان کو لا کر دکھادیں، تو اول تو آپ کے لیے ایسا کرنا محال ہے اور اگر بالفرض آپ ایسا کر دکھائیں بھی تو یہ ایمان لانے کے نہیں۔ کیوں کہ ان کا ایمان نہ لانا، اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت ہے جس کا مکمل احاطہ انسانی عقل و فہم نہیں کر سکتے۔ البتہ جس کی ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اختیار و ارادے کی آزادی دے کر آزمارہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو ہدایت کے ایک راستے پر لا گاویا مشکل کام نہ تھا، اس کے لیے لفظ ”کُن“ سے پلک جھکتے میں یہ کام ہو سکتا ہے۔

(۴) یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ حسرت و افسوس نہ کریں کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر سے ہے، اس لیے اسے اللہ ہی کے پرد کر دیں، وہی اس کی حکمت و مصلحت کو بہتر سمجھتا ہے۔

وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔^(١) اور مردوں کو اللہ زندہ کر کے اٹھائے گا پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے۔^(٣٦)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی مججزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے آپ فرمایا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ مججزہ نازل فرمادے^(٢) لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں۔^(٣) (٣٧)

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرندے جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں،^(٤) ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی^(٥) پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے۔^(٦) (٣٨)

إِنَّمَا يَنْهَا عَنِ الظَّمَانِ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ تَوْبَقَ يَعْثُدُهُمْ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

وَقَالُوا أَلَوْلَا يُنْزَلَ عَلَيْهِ أَيَّهُمْ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنْزِلَ إِنَّمَا يَنْهَا عَنِ الظَّمَانِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

وَمَا مِنْ ذَا بِهِ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٌ يَطِيرُ بِحَاجَتِهِ إِلَّا أَمْرٌ

أَمْرَ اللَّهُ مَا تَرَكَنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ لَنَّهُ

إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْمِلُونَ

(۱) اور ان کافروں کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے مردوں کی ہوتی ہے جس طرح وہ سننے اور سمجھنے کی قدرت سے محروم ہیں، یہ بھی چونکہ اپنی عقل و فہم سے حق کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اس لیے یہ بھی مردہ ہی ہیں۔

(۲) یعنی ایسا مججزہ، جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے، جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے فرشتہ اترے، یا پہاڑ ان پر اٹھا کر بلند کر دیا جائے، جس طرح بنی اسرائیل پر کیا گیا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تو یقیناً ایسا کر سکتا ہے لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ پھر انسانوں کے اہلا کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوه ازیں ان کے مطالبے پر اگر کوئی مججزہ دکھلایا جاتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو پھر فوراً انہیں اسی دنیا ہی میں سخت سزادے دی جاتی۔ یوں گویا اللہ کی اس حکمت میں بھی انہی کار دنیاوی فائدہ ہے۔

(۳) جو اللہ کے حکم و مشیت کی حکمت بالغہ کا اور اک نہیں کر سکتے۔

(۴) یعنی انہیں بھی اللہ نے اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح تمہیں پیدا کیا، اسی طرح انہیں روزی دیتا ہے جس طرح تمہیں دیتا ہے اور تمہاری ہی طرح وہ بھی اس کی قدرت و علم کے تحت داخل ہیں۔

(۵) کتاب (دفتر) سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی وہاں ہر چیز درج ہے یا مراد قرآن ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَتَرَيَّنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَتَبْيَانَ إِلَيْكُلَّ شَيْءٍ﴾ (النحل - ٨٩)

ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا میان ہے۔“ یہاں پر سیاق کے لحاظ سے پہلا منعی اقرب ہے۔

(۶) یعنی تمام مذکورہ گروہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اس سے علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح تمام انسانوں کو زندہ کر کے ان کا حساب کتاب لیا جائے گا، جانوروں اور دیگر تمام خلوقات کو بھی زندہ کر کے ان کا بھی حساب

اور جو لوگ ہماری آئتوں کی مکذب کرتے ہیں وہ تو طرح طرح کی نلمتوں میں بھرے گوئے ہو رہے ہیں، اللہ جس کو چاہے بے راہ کر دے اور وہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگادے۔^(۱) (۳۹)

آپ کہتے کہ اپنا حال تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپنے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کوپکاروگے۔ اگر تم پچھے ہو۔^(۲) (۴۰)

بلکہ خاص اسی کوپکاروگے، پھر جس کے لئے تم پکاروگے اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ گے۔^(۳) (۴۱)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْيَقِنِ أَصْحَمُهُمْ وَلَكُمْ فِي الظُّلْمِ مَا مَنَّ يَئِسَّ اللَّهُ
يُصْلِلُهُ وَمَنْ يَئِسَّ يَجْعَلُهُ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْقَطِيْو
﴿۱﴾

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَشْكُّ عَذَابَ اللَّهِ وَأَتَشْكُّ السَّاعَةَ أَغْيَرَ اللَّهِ
تَدْعُونَ إِنْ كُنُتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲﴾

بَلْ إِنَّا لَنَدْعُونَ فَيَكْتُشُفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ
مَا شَرِكُونَ ﴿۳﴾

کتاب ہو گا۔ جس طرح ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا، کسی سینگ والی بکری نے اگر بغیر سینگ والی بکری پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو قیامت والے دن سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم۔ نمبر ۱۹۹)^(۱) بعض علمانے حشر سے مراد صرف موت لی ہے۔ یعنی سب کو موت آئے گی۔ اور بعض علمانے کہا ہے کہ یہاں حشر سے مراد کفار کا حشر ہے۔ اور درمیان میں مزید جو باتیں آئی ہیں، وہ جملہ معرضہ کے طور پر ہیں۔ اور حدیث مذکور (جس میں بکری سے بدلہ لیے جانے کا ذکر ہے) بطور تمثیل ہے جس سے مقصد قیامت کے حساب و کتاب کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔ یا یہ کہ حیوانات میں سے صرف ظالم اور مظلوم کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کو بدلہ دلا دیا جائے گا۔ پھر دونوں محدود کر دیئے جائیں گے۔ (فتح القدیر وغیرہ) اس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) آیات اللہ کی مکذب کرنے والے چونکہ اپنے کانوں سے حق بات سنتے نہیں اور اپنی زبانوں سے حق بات بولتے نہیں، اس لیے وہ ایسے ہی ہیں جیسے گوئے اور بھرے ہوتے ہیں۔ علاوه ازیں یہ کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھی گھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس سے ان کی اصلاح ہو سکے۔ پس ان کے حواس گویا مسلوب ہو گئے جن سے کسی حال میں وہ فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔ پھر فرمایا: تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لگادے۔ لیکن اس کا یہ فیصلہ یوں ہی اہل ثہ نہیں ہو جاتا بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، گمراہ اسی کو کرتا ہے جو خود گمراہی میں پھنسا ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کی وہ سعی کرتا ہے نہ نکلنے کو وہ پسند ہی کرتا ہے۔ (مزید دیکھئے سورہ بقرۃ آیت ۲۶ کا حاشیہ)

(۲) أَرَأَيْتُمْ میں کاف اور سیم خطاب کے لیے ہے اس کے معنی آخر بُرُونی (مجھے بتاؤ یا خبر دو) کے ہیں۔ اس مضمون کو بھی قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے (دیکھئے سورہ بقرۃ آیت ۱۶۵ کا حاشیہ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید انسانی نظرت

اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے گزر چکی ہیں پیغمبر نبیح تھے، سو ہم نے ان کو تنگ دستی اور بیماری سے پکڑا تاکہ وہ اطمینان عجز کر سکیں۔ (۳۲)

سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انسوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی؟ لیکن ان کے قلوب سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر دیا۔ (۳۳)

پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترائے ہم نے ان کو دفتار پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔ (۳۴)

پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پرو رودگار ہے۔ (۳۵)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا أَمْمَةً مِّنْ قَبْلِكَ فَأَخْذَنَاهُمْ بِمَا فِي الْأَيْمَانِ وَالظَّرَاءِ
لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ②

فَلَمَّا آتَدْجَاءُهُمْ بِأُسْنَا صَرَعُوا وَلَكِنْ قَسَّتْ قُلُوبُهُمْ وَرَأَيْنَ
لَهُمُ الشَّيْطَنُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ③

فَلَمَّا نَسُوا مَا دُكُرُوا بِهِ فَتَعَنَّا عَلَيْهُمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ
حَتَّىٰ إِذَا فَرَحُوا بِمَا أَتُوا أَخْذَنَاهُمْ بِغَيْرَةٍ فَإِذَا هُمْ
مُبْلِسُونَ ④

فَقُطِّمَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑤

کی آواز ہے۔ انسان ماحول، یا آباو اجداد کی تقلید ناسدید میں مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا رہتا ہے اور غیر اللہ کو اپنا حاجت رواؤ مشکل کشا سمجھتا رہتا ہے، نذر نیاز بھی انہی کے نام کی نکالتا ہے، لیکن جب کسی ابتلاء سے دوچار ہوتا ہے تو پھر یہ سب بھول جاتا ہے اور فطرت ان سب پر غالب آ جاتی ہے اور بے اختیار انسان پھر اسی ذات کو پکارتا ہے جس کو پکارنا چاہیے۔ کاش! لوگ اسی فطرت پر قائم رہیں کہ نجات اخروی تو مکمل طور پر اسی صدائے فطرت یعنی توحید کے اختیار کرنے میں ہی ہے۔

(۱) قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو زنگ آلو کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کے عذاب بھی انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں۔ پھر ان کے ہاتھ طلب مغفرت کے لیے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے، ان کے دل اس کی بارگاہ میں نہیں مجھکتے اور ان کے رخص اصلاح کی طرف نہیں مرتے۔ بلکہ اپنی بد اعمالیوں پر تاویلات و توجیمات کے حصیں غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتی ہیں۔ اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لیے خوبصورت بنادیا ہوتا ہے۔

(۲) اس میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم بعض دفعہ و قتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس میں خوب مگن ہو جاتی ہیں اور اپنی مادی خوش حال و ترقی پر اترانے لگ جاتی ہیں تو پھر ہم اچانک انہیں اپنے مؤاذنے کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کی

آپ کہتے کہ یہ بتلوا اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماحت اور بصارت بالکل لے اور تمہارے دلوں پر میرکر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبدوں ہے کہ یہ تم کو پھر دے دے۔ آپ دیکھتے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں۔^(۱) (۲۶)

آپ کہتے کہ یہ بتلوا اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آپ پرے خواہ اچانک یا اعلانیہ تو کیا جزا ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائے گا۔^(۲) (۲۷)

قُلْ أَرَيْتُمْ إِنْ أَخْذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَأَخْتَمْ
عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ أَنْهَىَ اللَّهَ يَأْتِيَنَّهُمْ بِهٗ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
الْأَيْتِ ثُمَّ هُمْ يَصِدِّقُونَ ^(۳)

قُلْ أَرَيْتُمْ إِنْ أَشْكُمُ عَذَابَ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهَرَةً هَلْ
يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ^(۴)

جز ہی کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ "استدراج" (ڈھیل دینا) ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد، جلد ۲، صفحہ ۲۲۵) قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ دنیوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس فرد یا قوم کو یہ حاصل ہو تو وہ اللہ کی چیزی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے، جیسا کہ بعض لوگ ایسا سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو انہیں ﴿أَنَّ الْأَرْضَ يَرْتَهِلَا عَبَادِيَ الصَّلِيمُونَ﴾ (الأنبياء: ۵۰) کا مصدق قرار دے کر انہیں "اللہ کے نیک بندے" تک قرار دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کتنا غلط ہے، مگر اہم قوموں یا افراد کی دنیوی خوش حالی، ابتلاء اور مہلت کے طور پر ہے نہ کہ یہ ان کے کفر و معاصی کا صلہ ہے۔

(۱) آنکھیں، کان اور دل، یہ انسان کے نمایت اہم اعضا و جوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کی وہ خصوصیات سلب کر لے جو اللہ نے ان کے اندر رکھی ہیں یعنی سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی خصوصیات، جس طرح کافروں کے یہ اعضا ان خصوصیات سے محروم ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ چاہے تو اعضا کو ویسے ہی ختم کر دے، وہ دونوں ہی باتوں پر قادر ہے، اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، مگر یہ کہ وہ خود کسی کو بچانا چاہے۔ آیات کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرنے کا مطلب ہے کبھی انذار و تبیہ اور ترغیب و ترهیب کے ذریعے سے، اور کبھی کسی اور ذریعے سے۔

(۲) بَغْتَةً (بے خبری) سے مراد رات اور جَهَرَةً (خبرداری) سے دن مراد ہے، جسے سورہ یونس میں ﴿بَيَّنَاتٌ فِي نَهَارٍ﴾ (سورہ یونس: ۵۰) سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی دن کو عذاب آجائے یا رات کو۔ یا پھر بَغْتَةً وہ عذاب ہے جو اچانک بغیر تمہید اور مقدمات کے آجائے اور جَهَرَةً وہ عذاب جو تمہید اور مقدمات کے بعد آئے۔ یہ عذاب جو قوموں کی ہلاکت کے لیے آتا ہے۔ ان ہی پر آتا ہے جو ظالم ہوتی ہیں یعنی کفر و طغیان اور معصیت الہی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں۔

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرامیں^(۱) پھر جو ایمان لے آئے اور درستی کر لے سوان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔^(۲) (۳۸)

اور جو لوگ ہماری آئیتوں کو جھوٹا بتلانیں ان کو عذاب پہنچے گا بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔^(۳) (۳۹)

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وہی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں^(۴) آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے۔^(۵) سو کیا تم غور نہیں کرتے؟^(۶)

وَمَا تُؤْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبْتَدِئُونَ وَمُنْذَرِيْنَ فَمَنْ أَمَّنَ وَأَصْلَحَ فَلَأَخْوَفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِاِلْيَتْنَا يَمْتَهِمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَصْنُعُونَ

قُلْ لَا أُقُولُ لِكُوْنِي خَلَقْنَاكُمْ اَنْتُمْ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لِكُوْنِي مَلْكٌ اِنْ اَتَيْتُمْ اِلَيْنِي بِحَيٍّ اِنْ هُنْ هُنْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ

(۱) وہ اطاعت گزاروں کو ان نعمتوں اور اجر جزیل کی خوش خبری دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جنت کی صورت میں ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اور نافرمانوں کو ان عذابوں سے ڈراستے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے جہنم کی صورت میں تیار کیے ہوئے ہیں۔

(۲) مستقبل (یعنی آخرت) میں پیش آنے والے حالات کا انہیں اندیشہ نہیں اور اپنے پیچھے دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے یا دنیا کی جو آسودگیاں وہ حاصل نہ کر سکے، اس پر وہ مغموم نہیں ہوں گے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا ولی اور کار ساز وہ رب ہے جو دونوں ہی جہانوں کا رب ہے۔

(۳) یعنی ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ انہوں نے تکفیر و تکذیب کا راستہ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی پرواہ نہیں کی اور اس کے محارم و مناہی کا ارتکاب بلکہ اس کی حرمتوں کو پامال کیا۔

(۴) میرے پاس اللہ کے خزانے بھی نہیں (جس سے مراد ہر طرح کی قدرت و طاقت ہے) کہ میں تمہیں اللہ کے اذن و مشیت کے بغیر کوئی ایسا برا مجذہ صادر کر کے دکھائیں، جیسا کہ تم چاہتے ہو، جسے دیکھ کر تمہیں میری صداقت کا لقین ہو جائے۔ میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے میں تمہیں مطلع کر دوں، مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے ایسے خرق عادات امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے بالا ہوں۔ میں تو صرف اس وہی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اس میں حدیث بھی شامل ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا اُزِّيْنَتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ "مجھے قرآن کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا یہ مثل حدیث رسول ﷺ ہی ہے۔

(۵) یہ استفهام انکار کے لیے ہے یعنی اندھا اور بینا، مگر اس اور ہدایت یافتہ اور مومن و کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندریشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہو گا اور نہ کوئی شفیع ہو گا، اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں۔^(۱) (۵۱)

اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں۔ ورنہ آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔^(۲) (۵۲)

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں، کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے۔^(۳) کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شکر

وَأَنْذِرْنِي إِلَيْهِ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ أَنْ يُخْتَرُوا إِلَيْ رَبِّهِمْ لَكِنْ
لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِنِي وَلَا شَفِيهِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ^(۴)

وَلَا تَنْظُرْنِي إِلَيْهِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَوَةِ وَالْعَنَتِ
يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلِيَّكَ مِنْ حَسَابِهِمْ مِنْ شَئِيْ وَ
مَا مِنْ حَسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَئِيْ فَتَنَزَّلُ دَهْمُ
فَنَكُونَ مِنَ الظَّلِيمِيْنَ^(۵)

وَكَذِلِكَ فَنَذَّلَ بَعْضُهُمْ بِعَيْضٍ لِيَقُولُوا أَهُؤُلَاءِ مَنْ أَنْتُمْ
عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا لَآيُّهُمْ أَنْتُمْ بِأَعْلَمُ بِالشَّكَرِيْنَ^(۶)

(۱) یعنی انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے، ورنہ جو بعثت بعد الموت اور حشر و نشر پر لقین ہی نہیں رکھتے، وہ اپنے کفر و جود پر ہی قائم رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں ان اہل کتاب اور کافروں اور مشرکوں کا رد بھی ہے جو اپنے آبا اور اپنے بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ نیز کار ساز اور سفارشی نہیں ہو گا کا مطلب، یعنی ان کے لیے جو عذاب جنم کے مستحق قرار پا چکے ہوں گے۔ ورنہ مومنوں کے لیے تو اللہ نیک بندے، اللہ کے حکم سے سفارش کریں گے۔ یعنی شفاعت کی نفی اہل کفر و شرک کے لیے ہے اور اس کا اثبات ان کے لیے جو گناہ گار مومن و موحد ہوں گے، اسی طرح دونوں قسم کی آیات میں کوئی تعارض بھی نہیں رہتا۔

(۲) یعنی یہ بے سار اور غریب مسلمان، جو بڑے اخلاص سے رات دن اپنے رب کو پکارتے ہیں یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکین کے اس طعن یا مطالبه سے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ارد گرد تو غریب و فقر کا ہی ہجوم رہتا ہے ذرا نہیں ہنا و تو ہم بھی تمہارے ساتھ بیٹھیں، ان غربا کو اپنے سے دور رہنا کرنا، بالخصوص جب کہ آپ کا کوئی حساب ان کے متعلق نہیں اور ان کا آپ کے متعلق نہیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ ظلم ہو گا جو آپ کے شایان شان نہیں۔ مقصداً مت کو سمجھانا ہے کہ بے وسائل لوگوں کو حضرت سمجھنا یا ان کی صحبت سے گریز کرنا اور ان سے وابستگی نہ رکھنا، یہ نادانوں کا کام ہے۔ اہل ایمان کا نہیں۔ اہل ایمان تو اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں چاہے وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہوں۔

(۳) ابتداء میں اکثر غریب، غلام قسم کے لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے یہی چیز رؤسائے کفار کی آزمائش کا ذریعہ

گزاروں کو خوب جانتا ہے۔^(۱) (۵۳)

اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آئیوں پر ایمان رکھتے ہیں تو (یوں) کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے^(۲) تمہارے رب نے میرانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے^(۳) کہ جو شخص تم میں سے برا کام کر بیٹھے جمالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ (کی) یہ شان ہے کہ وہ (وہ) بڑی مغفرت کرنے والا ہے بڑی رحمت والا ہے۔^(۴) (۵۳)

اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔ (۵۵)

وَلَا أَجَدُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنَ بِإِيمَانًا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ
رَبِّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ حَمِلَ مِنْكُمْ سُوءً إِبْرَاهِيمَ
ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَهُ فَإِنَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۵)

وَكَذِلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَتِ وَلِتَشَبَّهُنَّ بِسَيِّئِ الْمُعْبَرِينَ^(۶)

بن گئی اور وہ ان غریبوں کا مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا، انہیں تعزیب و اذیت سے بھی دوچار کرتے اور کہتے کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ مقصد ان کا یہ تھا کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی اللہ کا احسان ہوتا تو یہ سب سے پہلے ہم پر ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَوْكَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ﴾ (الاحقاف۔ ۱۱) "اگر یہ بہتر چیز ہوتی تو اس کے قبول کرنے میں یہ ہم سے سبقت نہ کرتے" یعنی ان ضعفا کے مقابلے میں ہم پہلے مسلمان ہوتے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، ثناہ بائٹھ اور ریسانہ کرو فروغیرہ نہیں دیکھتا، وہ تدوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گزار بندے اور حق شناس کون ہیں؟ پس اس نے جن کے اندر شکر گزاری کی خوبی دیکھی، انہیں ایمان کی سعادت سے سرفراز کر دیا جس طرح حدیث میں آتا ہے۔ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے رنگ نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دل اور تمہارے عمل دیکھتا ہے۔" (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمنه وعرضه)

(۲) یعنی ان پر سلام کر کے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی حکیم اور قدر افزائی کریں۔

(۳) اور انہیں خوشخبری دیں کہ تفضل و احسان کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار بندوں پر اپنی رحمت کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہو گیا تو اس نے عرش پر لکھ دیا "إِنَّ رَحْمَتِي نَعْلَمُ غَضَبِي" (صحیح بخاری و مسلم) "میری رحمت" میرے غضب پر غالب ہے۔"

(۴) اس میں بھی اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کیونکہ ان ہی کی یہ صفت ہے کہ اگر نادانی سے یا بہ تقاضائے بشریت کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ گناہ پر اصرار اور دوام اور توبہ و انبات سے اعراض نہیں کرتے۔

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کو تم لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پا رتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہ کروں گا کیوں کہ اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ راست پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔^(۱) (۵۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے^(۲) اور تم اس کی مکنذیب کرتے ہو، جس چیز کی تم جلد بازی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے^(۳) اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے^(۴) اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔^(۵) (۵۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو میرا اور تمہارا باہمی قصہ فیصل^(۶) ہو

قُلْ إِنِّيٌّ نَهِيَّتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ
قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَنْهَىٰ قَدْ صَلَّتُ إِذَا وَمَا أَنَا مِنْ
الْمُهْتَدِينَ^(۷)

قُلْ إِنِّيٌّ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّيٍّ وَكَذَّابٌ كُوْنِيْهُ مَا عَنِيْدِيْ مَا
تَسْعَعُ عَلَيْهِ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ يَعْلَمُ الْعَقْدَ وَهُوَ
خَيْرُ الْفَضِيلِينَ^(۸)

قُلْ لَوْاْنَ عِنْدِيْ مَا تَسْعَعُ عَلَيْهِ لَقُضَى الْأَمْرُ بِيَدِيْ
وَبِيَدِنِّهِ وَإِنَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ^(۹)

(۱) یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح اللہ کی عبادت کرنے کے بجائے تمہاری خواہشات کے مطابق غیر اللہ کی عبادت شروع کر دوں تو یقیناً میں بھی گراہ ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت پر ستش سب سے بڑی گراہی ہے لیکن بد قسمی سے یہ گراہی اتنی ہی عام بھی ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی بھی ایک بست بڑی تعداد اس میں بتلا ہے۔ هَدَاهُمُ اللَّهُ تَعَالَى۔

(۲) مراد وہ شریعت ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ پر نازل کی گئی، جس میں توحید کو اولین حیثیت حاصل ہے۔ «إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَلَا إِلَى أُمُوَالِكُمْ، وَلِكُنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحیح مسلم و مسند أحمد ۲/۲۸۵، ۲۸۶۔ ابن ماجہ، کتاب الرہد، باب القناعة)

(۳) تمام کائنات پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے تم جو چاہتے ہو کہ جلد ہی اللہ کا عذاب تم پر آجائے تاکہ تمہیں میری صداقت یا کذب کا پتہ چل جائے، تو یہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے تو تمہاری خواہش کے مطابق جلدی عذاب بھیج کر تمہیں منبہ یا بتاہ کر دے اور چاہے تو اس وقت تک تمہیں مسلط ہے جب تک اس کی حکمت اس کی مقتضی ہو۔

(۴) یَعْصُ قَصْصَ سے ہے یعنی يَعْصُ قَصَصَ الْحَقِّ (حق باتیں بیان کرتا یا بتلاتا ہے) یا فَصَّ أَثْرَهُ (کسی کے پیچھے پیروی کرنا) سے ہے یعنی يَتَبَعُ الْحَقَّ فِيمَا يَحْكُمُ بِهِ (اپنے فیصلوں میں وہ حق کی پیروی کرتا ہے یعنی حق کے مطابق فیصلے کرتا ہے)۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے طلب کرنے پر فوراً عذاب بھیج دتا یا اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں یہ چیز دے دتا تو پھر

چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۵۸)

اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا۔ بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پانی نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب میں میں ہیں۔ (۵۹)

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو (ایک گونہ) قبض کر دیتا ہے^(۲) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ يَعْلَمُ بِأَنِ الْبَرَّ وَالْبَحْرُ مَا
تَقْطُعُ مِنْ وَرْقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا إِلَّا حَتَّىٰ فِي ظُلُمَتِ الْأَرْضِ وَلَا طَفِيفٌ
وَلَا يَأْبِي إِلَافٍ كِتَابٌ مُبِينٌ ⑩

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَقَّلُهُ يَائِيلٌ وَيَعْلَمُ تَاجِرَ حَكْمٍ بِالنَّهَارِ
ثُمَّ يَعْتَثِرُ فِيهِ لِيُقْضَى أَجَلُ مُسْتَقْدِمٍ ثُمَّ إِلَيْهِ مُرْجَعُكُلُومَةٍ

تمہاری خواہش کے مطابق عذاب بھیج کر جلد ہی فیصلہ کرو دیا جاتا۔ لیکن یہ معاملہ چونکہ کلینٹ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے اس نے مجھے اس کا اختیار دیا ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ میری درخواست پر فوراً عذاب نازل فرمادے۔ ضروری وضاحت: حدیث میں جو آتا ہے کہ ایک موقعے پر اللہ کے حکم سے پہاڑوں کا فرشتہ نبی ﷺ کے خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں ساری آبادی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان کچل دوں آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”نہیں“ بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اللہ کی عبادت کرنے والا پیدا فرمائے گا، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ہمارا میں گے” (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ آمِنَ
وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ وَصَحِيحُ مُسْلِمٍ، کتابُ الْجَهَادِ بَابُ مَالِقِ النَّبِيِّ مِنْ أَذْنِ الْمُشْرِكِينَ) یہ حدیث آیت زیر وضاحت کے خلاف نہیں ہے، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آیت میں عذاب طلب کرنے پر عذاب دینے کا اظہار ہے جب کہ اس حدیث میں مشرکین کے طلب کیے بغیر صرف ان کی ایذا وہی کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے جسے آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

(۱) ”کتاب مُبِینٌ“ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے غیب کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں، اس لیے کفار و مشرکین اور معاذین کو کب عذاب دیا جائے؟ اس کا علم بھی صرف اسی کو ہے اور وہی اپنی حکمت کے مطابق اس کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ مفاتیح الغیب پانچ ہیں قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا پچہ، آئندہ کل میں پیش آنے والے واقعات، اور موت کما آئے گی۔ ان پانچوں امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الأنعام)

(۲) یہاں نیند کو وفات سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی لیے اسے وفات اصغر اور موت کو وفات اکبر کہا جاتا ہے۔ (وفات کی وضاحت کے لیے دیکھیے آل عمران کی آیت ۵۵ کا حاشیہ)

جاتا ہے پھر تم کو جگا اخہتا ہے^(۱) تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے^(۲) پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے^(۳) پھر تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ (۶۰)

اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور تم پر غمداشت رکھنے والے بھیجا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آپنچتی ہے، اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ (۶۱) ^(۴)

پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے۔ ^(۵)

خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہو گا اور وہ بہت جلد حساب لے گا۔ (۶۲)

يُؤْتَىكُمْ بِمَا كُنْتمْ تَعْمَلُونَ ﷺ

وَهُوَ الْفَاعِلُ كُوْنَ عِبَادَةٍ وَّ يُرِيسُ عَلَيْنَا حَفْظَةٌ تَحْتَ رِدَاجَةٍ
أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ تَوْقِيْتُهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُقْرَبُونَ ﷺ

ثُمَّ دُوَّلَ أَلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِيقَةُ الْأَلَّهُ الْحَكْمُ وَهُوَ أَوْسَرُ
الْحَسِيبَيْنَ ﷺ

(۱) یعنی دن کے وقت روح واپس لوٹا کر زندہ کر دیتا ہے۔

(۲) یعنی یہ سلسلہ شب و روز اور وفاتِ اصغر سے ہمکنار ہو کر دن کو پھر انہ کھڑے ہونے کا معمول، انسان کی وفاتِ اکبر تک جاری رہے گا۔

(۳) یعنی پھر قیامت والے دن زندہ ہو کر سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

(۴) یعنی اپنے اس مفوذه کام میں اور روح کی حفاظت میں بلکہ وہ فرشتے، مرنے والا اگر نیک ہوتا ہے تو اس کی روح علیئیں میں اور اگر بد ہوتا ہے تو سیخیں میں بھیج دیتا ہے۔

(۵) آیت میں ردوا (لوٹائے جائیں گے) کا مرتع بعض نے فرشتوں کو قرار دیا ہے یعنی قبض روح کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ جاتے ہیں۔ اور بعض نے اس کا مرتع تمام لوگوں کو بنا�ا ہے۔ یعنی سب لوگ حشر کے بعد اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے (پیش کیے جائیں گے) اور پھر وہ سب کافیصلہ فرمائے گا۔ آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو رسول (جمع کے صیغہ کے ساتھ) بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہریہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والا فرشتے ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے۔ ﴿أَنَّهُ يَتَوَقَّى الْأَنْفُسَ حِلْيَنَ مَوْتِهَا﴾ (الزمر: ۲۲) ”اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی رو حسین قبض کر لیتا ہے“ اور اس کی نسبت ایک فرشتے (ملک الموت) کی طرف بھی کی گئی ہے۔ ﴿فَلَنْ يَتَوَفَّنَ مَنْكُ
الْمَوْتُ الَّذِي دُرِّكَ بِكُمْ﴾ (آلہ المسجدۃ: ۱۱) ”کہہ دو تمہاری رو حسین وہ فرشتہ موت قبض کرتا ہے جو تمہارے لیے مقرر کیا گیا ہے“ اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے، جیسا کہ اس مقام پر ہے اور اسی طرح سورہ نساء آیت ۷۶ اور الأنعام آیت ۹۳ میں بھی ہے۔ اس لیے اللہ کی طرف اس مقام پر ہے، جیسا کہ اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل امر

آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی
ظلمات سے نجات دیتا ہے۔ تم اس کو پکارتے ہو گرگڑا کر
اور پچکے چکے، کہ اگر تو ہم کو ان سے نجات دے دے تو
ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (۶۳)
آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور
ہرغم سے، تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔ (۶۴)

آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب
تمہارے اوپر سے بھیج دے^(۱) یا تمہارے پاؤں تلے
سے^(۲) یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑادے اور
تمہارے ایک کو دوسرا کی لڑائی چھادے۔ آپ^(۳)
دیکھیے تو سی ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے
بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں۔ (۶۵)

قُلْ مَنْ يُنْهِيْكُمْ مِنْ طَلْمَتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا
وَخَفْقَيْهِ لِئِنْ أَجْهَنَّمْ هَذِهِ لَنْكَوْنَةُ مِنَ الشَّيْكِرِينَ ^(۱)
قُلْ إِنَّهُ يُنْجِيْكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كُرْبَ ثُمَّ إِنْ كُوْثِرُكُمْ ^(۲)

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىَ أَنْ يَعْلَمَ عَلَيْكُمْ عَدَابًا مَنْ فَوْقَكُمْ
أَوْ مِنْ تَحْتِكُمْ أَوْ يَلْسِكُمْ شَيْعًا وَيُنْدِيقُ بَعْضَكُمْ
بَأَسْبَعِ بَعْضٍ أَنْظَرَكُمْ نُصْرَفُ الْأَيَّتِ لِعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ^(۳)

(حکم دینے والا) بلکہ فاعلِ حقیقی ہے۔ متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ملک الموت کے مدودگار ہیں، وہ رگوں، شریانوں، پٹھوں سے روح نکلنے اور اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے کائنے کا کام کرتے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ پھر آخر میں وہ روح قبض کر کے آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۲۵) حافظ ابن کثیر، امام شوکانی اور جمصور علام اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے جیسا کہ سورہ الْمَسْدَدَۃ کی آیت سے اور مسند احمد (جلد ۲، صفحہ ۲۸) میں حضرت براء بن عازب رض کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور جہاں جمع کے میخے میں ان کا ذکر ہے تو وہ اس کے اعوان و انصار ہیں۔ اور بعض آثار میں ملک الموت کا نام ”عَزْرَا تَلِيل“ بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ الْمَسْدَدَۃ۔ واللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۱) یعنی آسمان سے، جیسے بارش کی کثرت، یا ہوا، پھر کے ذریعے سے عذاب۔ یا امراء حکام کی طرف سے ظلم و ستم۔

(۲) جیسے دھنسایا جانا، طوفانی سیالاں، جس میں سب کچھ غرق ہو جائے۔ یا مراد ہے ماتحتوں، غلاموں اور نوکروں چاکروں کی طرف سے عذاب کہ وہ بدروانت اور خائن ہو جائیں۔

(۳) يَلْسِكُمْ آیی: يَخْلُطُ أَمْرَكُمْ تمہارے معاملے کو خلط ملطراً یا مشتبہ کر دے جس کی وجہ سے تم گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جاؤ۔ وَيُنْدِيقَ آیی: يَقْتَلُ بَعْضَكُمْ بَعْضًا فَتَذَبَّقَ كُلُّ طَافِفَةٍ أَلْأَخْرَى الْمَحْرَبِ۔ تمہارا ایک، دوسرا کو قتل کرے۔ اس طرح ہر گروہ دوسرا گروہ کو لڑائی کامزہ چھائے (ایسرا الفتاہیر احادیث میں آتا ہے ہی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعا میں کیں۔ ۱۔ میری امت غرق کے ذریعے ہلاک نہ کی جائے۔ ۲۔ قحط عام کے ذریعے اس کی تباہی نہ ہو۔ ۳۔ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعا میں قبول فرمائیں۔ اور تیسرا دعا

اور آپ کی قوم^(۱) اس کی بخوبی کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں۔^(۲) (۲۶)

ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ (۲۷)

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے خالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔^(۳) (۲۸)

اور جو لوگ پر ہیز گار ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا^(۴) اور لیکن ان کے ذمہ فسیحت کرونا ہے شاید

وَلَدَبِ يَهُوَ قَوْمُكَ وَهُوَ عَنِّيْتُ قُلْ أَسْتُ عَلَيْكُمْ بِرَبِّكُمْ ۝

إِنَّمَا يَنْهَا مُسْكِنَةً وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَغْوِضُونَ فِيَّ إِنَّمَا فَاعْرُضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ
يَغْوِصُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِذَا يُشَيِّنُكَ الشَّيْطَنُ فَلَا تَقْعُدْ
بَعْدَ الدِّرْكِ الْكُرْبَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّلِيمِينَ ۝

وَمَا عَلِمَ الَّذِينَ يَغْوِضُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ
ذَكْرُهُ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

سے مجھے روک دیا۔ (صحیح مسلم، نمبر ۲۲۱۶) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ امت محمدیہ میں اختلاف و انشقاق واقع ہو گا اور اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی اور قرآن و حدیث سے اعراض ہو گا جس کے نتیجے میں عذاب کی اس صورت سے امت محمدیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ گویا اس کا تعلق اس سنت اللہ سے ہے جو قوموں کے اخلاق و کردار کے بارے میں ہمیشہ رہی ہے۔ جس میں تبدیلی ممکن نہیں ہے ﴿فَلَمْ تَجِدْ لِسْتَنَتِ اللَّهِ بَيْدِيلًا وَلَمْ يَجِدْ لِسْتَنَتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ (فاطر۔ ۳۲)

(۱) بد کا مرجع قرآن ہے یا عذاب (فتح القدیر)

(۲) یعنی مجھے اس امر کا مکلف نہیں کیا گیا ہے کہ میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لگا کرہی چھوڑوں۔ بلکہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلَيَعْمَلْ مِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلَيَكْسُرْ﴾ (الکھف۔ ۲۹)

(۳) آیت میں خطاب اگرچہ نبی مسیح موعود سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے جسے قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورہ نساء آیت نمبر ۲۰ میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو یا عملہ ان کا استخفاف کیا جا رہا ہو یا اہل بدعت و اہل زنجی اپنی تاویلات رکیکہ اور توجیہات سخیفہ کے ذریعے سے آیات اللہ کو توڑ مروڑ رہے ہوں۔ ایسی مجالس میں غلط باتوں پر تقدیم کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے، بصورت دیگر سخت گناہ اور غصب اللہ کا باعث ہے۔

(۴) مِنْ حِسَابِهِمْ کا تعلق آیات اللہ کا استہزا کرنے والوں سے ہے۔ یعنی جو لوگ ایسی مجالس سے اجتناب کریں گے، تو استہزا ایات اللہ کا جو گناہ، استہزا کرنے والوں کو طے گا، وہ اس گناہ سے محفوظ رہیں گے۔

وَهُبْحِي تَقْوَى اخْتِيَارِكُرِيسِ۔^(١) (٢٩)

اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح انہ پھنس جائے^(٢) کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تو بھی اس سے نہ لیا جائے۔^(٣) ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے، ان کے لیے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لئے ہو گا اور دردناک سزا ہو گی اپنے کفر کے سبب۔^(٤)

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے اور کیا ہم ائمہ پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کر دی ہے، جیسے کوئی شخص ہو کہ

وَذِرَ الَّذِينَ أَخْذُوا وَدِيْنَهُمْ لَعْنَاهُمْ أَهْمَاءٌ وَغَرَّهُمُ الْحَيَاةُ
الَّذِيْنَأَوْ ذَكَرْنَاهُ أَنْ تُبَشِّلَ نَفْسٍ بِمَا كَبَّتْ لَيْسَ لَهَا
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِلَّهِ شَفِيعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ
لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا إِلَّا بِكَلَمَةِ اللَّهِ أُبْلِغُهَا كَسْبُهُ لِهِمْ
شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ لِلَّهِ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ^(٥)

قُلْ آنَدْحُوْمُونْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْقُعُنَا وَلَا يَنْهَرِزُنَا وَلَا يَدْعُنَا
أَعْقَلْنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَانَذِي اسْتَهْوَتُهُ الشَّيْطَنُ
فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهَا أَهْمَانِيْ تَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى اتَّهَنَا.

(١) یعنی اجتناب و علیحدگی کے باوجود وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نهى عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کرتے رہیں۔ شاید وہ بھی اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں۔

(٢) تُبَشِّل، ای: لِنَلَأْ تُبَشِّلَ بَشِّلَ کے اصل معنی تو منع کے ہیں، اسی سے ہے شُجَاعٌ بَاسِلٌ لیکن یہاں اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ ۱- تُسْلِمُ (سونپ دیئے جائیں۔ ۲- تُفْضَحُ رسو اکر دیا جائے) ۳- تُؤَاخِذُ (مواخذه کیا جائے) ۴- تُجَازِي (بدلہ دیا جائے) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سب کے معنی قریب قریب ایک ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہیں اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو، جو اس نے کمایا، اس کے بد لے ہلاکت کے سپرد کر دیا جائے۔ یا رسولی اس کا مقدر بن جائے یا وہ مواخذه اور مجازات کی گرفت میں آجائے۔ ان تمام مفہوم کو فاضل مترجم نے ”پھنس نہ جائے“ سے تعبیر کیا ہے۔

(٣) دنیا میں انسان عام طور پر کسی کی سفارش سے یا مالی معاوضہ دے کر چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں یہ تینوں ذریعے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ ہو گا جو انہیں اللہ کی گرفت سے بچائے، نہ کوئی سفارش ہو گا جو انہیں عذاب اللہ سے نجات دلادے اور نہ کسی کے پاس معاوضہ دینے کے لیے کچھ ہو گا، اگر بالفرض ہو بھی تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ دے کر چھوٹ جائے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقالات پر بیان ہوا ہے۔

اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہوا اور وہ بھکلتا پھرتا ہو، اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلارہے ہوں کہ ہمارے پاس آ۔^(۱) آپ کہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے^(۲) اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے مطیع ہو جائیں۔^(۳) اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو^(۴) اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔^(۵) اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا^(۶)

فَإِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَأَمْرُنَا إِلَيْكُمْ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

وَإِنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقُوا هُوَ الَّذِي إِلَيْهِ
تُخْرُونَ ﴿١١﴾

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحُقْقَادِ وَيَوْمَ

(۱) یہ ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ان ساتھیوں سے پچھڑ جائے جو سیدھے راستے پر جا رہے ہوں۔ اور پچھڑ جانے والا جنگلوں میں جہان و پریشان بھکلتا پھر رہا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن جہانی میں اسے کچھ بھائی نہ دے رہا ہو۔ یا جنات کے زخمی میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستے کی طرف مراجعت اس کے لیے ممکن نہ رہی ہو۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک اختیار کر کے جو گراہ ہو گیا ہے، وہ بھکٹے ہوئے راہی کی طرح ہدایت کی طرف نہیں آ سکتا۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقرر کر دی ہے تو یقیناً اللہ کی توفیق سے وہ راہ یاب ہو جائے گا۔ کیونکہ ہدایت پر چلا دیتا، اسی کا کام ہے۔ جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا گیا۔ ﴿قَاتَ اللَّهُ لَكَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نُصْبَوْنَ﴾ (النحل۔ ۷۷) ”اگر تو ان کی ہدایت کی خواہش رکھتا ہے (تو کیا؟) بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا، جس کو وہ گراہ کر دے، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہو گا۔“ لیکن یہ ہدایت اور گراہی اسی اصول کے تحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنایا ہوا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یوں ہی جسے چاہے گراہ اور جسے چاہے راہ یاب کرے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت متعدد جگہ کی جا چکی ہے۔

(۳) وَأَنْ أَقِيمُوا كَاعْتِفَ لِنُسْلِمَ پر ہے یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں اور اس سے ڈریں۔ تسلیم و انتیار الہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقتامتِ صلوٰۃ کا دیا گیا ہے جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقویٰ اور خشوع کے بغیر ممکن نہیں ﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ﴾ (البقرة۔ ۲۵)

(۴) حق کے ساتھ یا باقائدہ پیدا کیا، یعنی ان کو عباث اور بے فائدہ (کھیل کو دے کر طور پر) پیدا نہیں کیا، بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اس اللہ کو یاد رکھا اور اس کا شکردا کیا جائے جس نے یہ سب کچھ بنایا۔

اور^(۱) جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا تو ہو جا بس وہ ہو پڑے گا۔ اس کا کہنا حق اور با اثر ہے۔ اور ساری حکومت خاص اسی کی ہو گی جب کہ صور میں پھونک ماری جائے گی^(۲) وہ جانے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر کھنے والا۔^(۳)

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باب آزر^(۴) سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبدود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تمی ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔^(۵)

اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات و کھلائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں^(۶)^(۷)

يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُبَيِّنُ
فِي الصُّورِ عِلْمًا لِغَيْبٍ وَالشَّهَادَةُ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْأَنْبِيَّرُ^(۸)

وَإِذَا قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَإِزْرَاءَتْجَنَدُ أَصْنَامُ الْعَةِ إِنِّي
آرِيكَ وَقَوْمِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ^(۹)

وَكَذَلِكَ تُرْبَى إِبْرَاهِيمُ مَلْكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ
مِنَ الْمُؤْفَقِينَ^(۱۰)

(۱) یوْمَ فعل محفوظ وَأَذْكُرْ یا وَأَنْقُوا کی وجہ سے منسوب ہے۔ یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈروا کہ اس کے لفظ گئن (ہو جا) سے وہ جو چاہے گا، ہو جائے گا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حساب کتاب کے کئھن مراحل بھی بڑی سرعت کے ساتھ طے ہو جائیں گے۔ لیکن کن کے لیے؟ ایمان داروں کے لیے۔ دوسروں کو تو یہ دن ہزار سال یا پچاس ہزار سال کی طرح بھاری لگے گا۔

(۲) صُورَ سے مراد وہ نر سنگایا بغل ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ”اسر افیل اسے منه میں لیے اور اپنی پیشانی جھکائے، حکم الٰہ کے منتظر کھڑے ہیں کہ جب انہیں کما جائے تو اس میں پھونک دیں“ (ابن کثیر) ابو داود اور ترمذی میں ہے الصور قرن یسفیخ فیہ (نمبر ۳۷۳۲ - ۳۰۳۰ و ۳۲۳۳) ”صور ایک قرن (نر سنگا) ہے جس میں پھونکا جائے گا“ بعض علماء نزدیک تین نفحے ہوں گے، نفحۃ الصُّنْق (جس سے تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے) نفحۃُ الْفَنَاءِ جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے۔ نفحۃُ الْإِنْشَاءِ جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء آخری دو نفحوں کے ہی قائل ہیں۔

(۳) سور نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے دو نام ذکر کرتے ہیں، آزر اور تارخ۔ ممکن ہے دو سر نام لقب ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آزر آپ کے چچا کا نام تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ قرآن نے آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے طور پر ذکر کیا ہے، لذایکی صحیح ہے۔

(۴) ملکوٹ، مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے رغبۃ سے رغبۃ سے رغبۃ اس سے مراد مخلوقات ہے، جیسا کہ

پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھائی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا^(۱) (۲۷)

پھر جب چاند کو دیکھا چلتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرے رب نے ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ (۲۷)

پھر جب آفتاب کو دیکھا چلتا ہوا تو فرمایا کہ^(۲) یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔^(۳) (۲۸)

فَلَمَّا جَاءَ عَلَيْهِ الْأَيْمَنُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّيْ فَلَمَّا أَقْلَمَ
قَالَ لَا أُحِبُّ الْأَفْلَمِينَ ④

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ أَرْغَانًا قَالَ هَذَا رَبِّيْ فَلَمَّا أَقْلَمَ قَالَ لَمْ يَنْ
كُونْدِيْنَ رَبِّيْ لَا كَوْنَنَ مِنَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ⑤

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَارِقَةً قَالَ هَذَا رَبِّيْ هَذَا الْكَبِيرُ فَلَمَّا أَقْلَمَ
قَالَ يَقُولُ مَرْأَتِيْ بِرَبِّيْ مَنْتَشِرُكُونَ ⑥

ترجمہ میں یہی مفہوم اختیار کیا گیا ہے۔ یا ربوبیت والوہیت ہے یعنی ہم نے اس کو یہ دکھلائی اور اس کی معرفت کی توفیق دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرش سے لے کر اسفل ارض تک کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ (فتح القدر)

(۱) یعنی غروب ہونے والے معبودوں کو پسند نہیں کرتا، اس لیے کہ غروب، تغیر حال پر دلالت کرتا ہے جو حادث ہونے کی دلیل ہے اور جو حادث ہو معبود نہیں ہو سکتا۔

(۲) شمس (سورج) عربی میں مؤنث ہے۔ لیکن اسم اشارہ مذکور ہے۔ مراد الطالع ہے یعنی یہ طلوع ہونے والا سورج، میرا رب ہے۔ کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ جس طرح کہ سورج پرستوں کو مغالطہ لگا اور وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اجرام سماویہ میں سورج سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن ہے اور انسانی زندگی کے باقاو وجود کے لیے اس کی اہمیت و افادیت محتاج وضاحت نہیں۔ اسی لیے مظاہر پرستوں میں سورج کی پرستش عام رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت لطیف پیرائے میں چاند سورج کے پچاریوں پر ان کے معبودوں کی بے چیختی کو واضح فرمایا۔

(۳) یعنی ان تمام چیزوں سے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو، میں بیزار ہوں۔ اس لیے کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کبھی طلوع ہوتے، کبھی غروب ہوتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہیں اور ان کا خالق کوئی اور ہے جس کے حکم کے یہ تابع ہیں۔ جب یہ خود مخلوق اور کسی کے تابع ہیں تو کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟

میں اپنارخ اس کی طرف کرتا ہوں^(۱) جس نے آسمانوں
اور زمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں
میں سے نہیں ہوں۔^(۲)

اور ان سے ان کی قوم نے جدت کرنا شروع کیا،^(۳) آپ
نے فرمایا کیا تم اللہ کے کے معاملہ میں مجھ سے جدت
کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے اور میں
ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو
نہیں ڈرتا ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے میرا
پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم
پھر بھی خیال نہیں کرتے۔^(۴)

اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک
بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے

إِنِّي وَجْهُتُ وَجْهَهُ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَيْثَا شَاءَ مَا
أَنَّا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ⑤

وَحَاجَةُ قَوْمٍ مَّا قَالَ أَنْجَاهُوْنَ فِي اللَّهِ وَقَدْ هَذَبُوا
وَلَا أَخَافُ مَا تُثْرِكُونَ يَهُ إِلَّا أَنْ يَتَأَمَّرَ بِقَوْمٍ
وَسَيَرَبِّيْكُمْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا، أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ⑥

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكُوكُمْ وَلَا يَخَافُونَ أَنَّمَا أَشْرَكُوكُمْ بِاللَّهِ
مَا لَفْتُنَّ إِلَيْهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَنَّى لِلَّهِ يُغَيِّرُ أَحَقَّ بِالْأَمْرِ

مشور ہے کہ اس وقت کے باشا نمود نے اپنے ایک خواب اور کاہنوں کی تعبیر کی وجہ سے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انہی ایام میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے انہیں ایک غار میں رکھا گیا تھا کہ نمود اور اس کے کارندوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ وہیں غار میں جب کچھ شور آیا اور چند سورج دیکھے تو یہ تاثرات ظاہر فرمائے، لیکن یہ غار والی بات مستند نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم سے گفتگو اور مکالے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں کی ہیں، اسی لیے آخر میں قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے نہ مرائے ہوئے شریکوں سے بیزار ہوں۔ اور مقصد اس مکالے سے معبد ان باطل کی اصل حقیقت کی وضاحت تھی۔

(۱) رخ یا چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ چہرے سے ہی انسان کی اصل شناخت ہوتی ہے، مراد اس سے شخص ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبادت اور توحید سے مقصود اللہ عز و جل ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔

(۲) جب قوم نے توحید کا یہ وعظ سنایا جس میں ان کے خود ساختہ معبدوں کی تردید بھی تھی تو انہوں نے بھی اپنے دلائل دینے شروع کیے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے بھی اپنے شرک کے لیے کچھ نہ کچھ دلائل تراش رکھتے تھے۔ جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جاسکتا ہے۔ جتنے بھی مشرکانہ عقائد رکھنے والے گروہ ہیں، سب نے اپنے اپنے عوام کو مطمئن کرنے اور رکھنے کے لیے ایسے "سارے" "خلاص کر رکھنے ہیں جن کو وہ "دلائل" سمجھتے ہیں یا جن سے کم از کم دام تزویر میں پہنچنے ہوئے عوام کو جال میں پھنسائے رکھا جاسکتا ہے۔

إِنْ لَتَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

الله کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھرا�ا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سوان و جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے^(۱) اگر تم خبر رکھتے ہو۔ (۸۱)

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔ (۸۲)

اور یہ ہماری جنت تھی وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی^(۳) ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کارب بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ (۸۳)

الَّذِينَ أَمْتَوا لَهُنَّ يَسُورًا مَا نَهُمْ بِهِ يُظْلَمُونَ أَوْلَئِكَ هُمُ الْأَمْنُ
وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٦٧﴾

وَتِلْكَ جَنَّتُنَا أَتَيْنَا لَهَا بِرْهِيمَ عَلَى تَوْمِهِ تَرْفَعُ دَرَجَتِ
مَنْ شَاءَ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلَيْهِ ﴿٦٨﴾

(۱) یعنی مومن اور مشرک میں سے؟ مومن کے پاس تو توحید کے بھرپور دلائل ہیں، جب کہ مشرک کے پاس اللہ کی اتاری ہوئی دلیل کوئی نہیں، صرف اوہام باطلہ ہیں یا دور از کار تاویلات۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امن اور نجات کا مستحق کون ہو گا؟

(۲) آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رض نے ظلم کا عام مطلب (کوتاہی، غلطی، گناہ، زیادتی وغیرہ) سمجھا، جس سے وہ پریشان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کرنے لگے اُئُنَّا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُمْ میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ جس طرح حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا تھا ﴿إِنَّ الظُّلُمَ كَظُلُمٍ عَظِيمٍ﴾ (لقمان: ۱۱۰) یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔"

(صحیح بخاری، تفسیر سورہ الأنعام)

(۳) یعنی توحید اللہ پر ایسی جنت اور دلیل، جس کا کوئی جواب ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے نہ بن پڑا۔ اور وہ بعض کے نزدیک یہ قول تھا، ﴿وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكُوكُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزِلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَحَدًا بِالْأَمْنِ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور کہا ﴿الَّذِينَ أَمْتَوا لَهُنَّ يَسُورًا مَا نَهُمْ بِهِ يُظْلَمُونَ أَوْلَئِكَ هُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ -

اور ہم نے ان کو اسحق دیا اور یعقوب^(۱) ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے^(۲) داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں (۸۳) اور (نیز) ذکریا کو اور یحیٰ کو اور عیسیٰ کو^(۳) اور الیاس کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ (۸۵)

اور نیز اسماعیل کو اور یحیٰ کو اور یونس کو اور لوط کو اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔ (۸۶)

وَهَبْنَا لِهِ إِسْخَنَ وَيَعْقُوبَ كَلَاهَدَنَا وَنُوحاً هَدَنَا
مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ ذُرْيَتِهِ دَاؤِدَ وَسَلَيْمَانَ وَأَتُوْبَ وَيُوسُفَ
وَمُؤْلِى وَهُرُونَ وَكَذَلِكَ بَخْرَى الْمُحْسِنِينَ ۝

وَزَكْرِيَا وَيَحْيَى وَعِنْصَرِي وَالْيَاسَ كُلُّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝

وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَنُونَسَ وَلُوطًا وَكَلَافِلَنَا
عَلَى الْغَلِيمِينَ ۝

(۱) یعنی بڑھاپے میں، جب کہ وہ اولاد سے نا امید ہو گئے تھے، جیسا کہ سورہ ہود، آیت ۷۲، ۷۳ میں ہے، پھر بیٹے کے ساتھ ایسے پوتے کی بھی بشارت دی جو یعقوب (علیہ السلام) ہو گا، جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ اس کے بعد ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا، اس لیے کہ یہ عقب (بچپے) سے مشتق ہے۔

(۲) ذُرْيَتِهِ میں ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ وہی اقرب ہیں۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو۔ اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔ اس لیے کہ ساری گنگوانی کے ضمن میں ہو رہی ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ پھر ”لوط علیہ السلام“ کا ذکر اس فہرست میں نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ذریت ابراہیم علیہ السلام میں سے نہیں ہیں۔ وہ ان کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام، ”لوط علیہ السلام“ کے باپ نہیں، چچا ہیں۔ لیکن بطور تعلیب انہیں بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال قرآن مجید میں ہے۔ جمال حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب علیہ السلام کے آبائیں شمار کیا گیا ہے جب کہ وہ ان کے چچا تھے۔ (دیکھیے سورہ بقرۃ آیت ۱۳۳)

(۳) عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اس لیے کیا گیا ہے (حالانکہ ان کا باپ نہیں تھا) کہ لڑکی کی اولاد بھی ذریت رجال میں ہی شمار ہوتی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے حضرت صن جانشین (اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رض کے صاحبزادے) کو اپنا بیٹا فرمایا ”إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ، مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی للحسن بن علی، ابنی هذاسید) (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

اور نیزان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو،^(۱) اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔^(۸۷)

اللہ کی ہدایت ہی ہے جس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر فرضایہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔^(۲)^(۸۸)

یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور بیوت عطا کی تھی سو اگر یہ لوگ بیوت کا انکار کریں^(۳) تو ہم نے اس کے لیے ایسے بہت سے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں^(۴)^(۸۹)

یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی انہی کے طریق پر چلیے^(۵) آپ کہہ دیجیئے کہ میں

وَمِنْ أَهْلَهُمْ دُرْتَنِمْ وَلَحْوَانِهِمْ وَاجْبَيْنِهِمْ وَهَدَيْنِهِمْ
إِلَى صَرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ^(۶)

ذَلِكَ هُدَى اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةِ وَلَوْ
أَشْرَكُوا بِالْعَبْدِ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۷)

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَقَاتَ
يَكْفُرُ بِهَا فَهُوَ لَاهٌ فَقَدْ وَكَلَّا لَهَا قَوْمًا لَيُسْتُو
بِهَا كَيْفَرُوا^(۸)

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فِيهِمْ أَفْتَدَهُ
فُلُلْ لَا أَسْلَكُمُ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ

(۱) آبائے اصول اور ذریات سے فروع مراد ہیں۔ یعنی ان کے اصول و فروع اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو ہم نے مقام اجنبیا اور ہدایت سے نوازا۔ اجنبیاء کے معنی ہیں چن لینا اور اپنے خاص بندوں میں شمار کرنا اور ان کے ساتھ ملا لینا۔ یہ جَبَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ (میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا) سے مشتق ہے۔ پس اجنبیاء کا مطلب ہو گا اپنے خاص بندوں میں ملا لینا۔ اضطیفاء، تخلیص اور اختیار بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ جس کا مفعول مصطفیٰ (مجتبی) مخلص اور مختار ہے۔ (فتح القدير)

(۲) اخبارہ انبیا کے اسماے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے سارے اعمال بر باد ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے مقام پر نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﷺ لہٰنَ أَشْرَكَتْ لِيَخْبَثَنَ عَمَلَكَ ﷺ (الزمر۔ ۲۵) ”اے پیغمبر! اگر تو نے بھی شرک کیا تو تیرے سارے عمل بر باد ہو جائیں گے۔“ حالانکہ پیغمبروں سے شرک کا صدور ممکن نہیں۔ مقصد امتوں کو شرک کی خطرناکی اور بہاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔

(۳) اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین، مشرکین اور کفار ہیں۔

(۴) اس سے مراد مهاجرین و انصار اور قیامت تک آنے والے ایماندار ہیں۔

(۵) اس سے مراد انبیا مذکورین ہیں۔ ان کی اقتدا کا حکم مسئلہ توحید میں اور ان احکام و شرائع میں ہے جو منسوخ نہیں

لِلْعَلَمِينَ ۝

تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا^(۱) یہ تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔^(۲) (۹۰)

اور ان لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر کرنا واجب تھی ویسی قدر نہ کی جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی^(۳) آپ یہ کہیئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لیے وہ بُداشت ہے جس کو تم نے ان متفرق

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذَا قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ
مِّنْ شَيْءٍ فَلْمَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَكُمْ بِهِ مُوسَىٰ نُوحًا
وَهُدًى لِلْإِنْسَانِ يَعْلَمُونَهُ قَرَاطِيسٌ بَيْدُونَهَا وَغَفُونَ كَثِيرٌ
وَعِلْمَهُمُ تَامٌ تَعْلَمُوا أَنَّهُمْ لَا يَأْتُونَ خُلْقُ اللَّهِ لَهُ ذَرْهُمْ

ہوئے۔ (فتح القدیر) کیونکہ اصول دین تمام شریعتوں میں ایک ہی رہے ہیں گو شرائع اور مناجع میں کچھ کچھ اختلاف رہا۔ جیسا کہ آیت ﴿شَرَعَ لَكُمُ مِّنَ الَّذِينَ مَا وَظَاهِرَ لَهُ تُوحِّدُهُ﴾ (الشوریٰ - ۳۳) سے واضح ہے۔

(۱) یعنی تبلیغ و دعوت کا، کیونکہ مجھے اس کا وہ صد ہی کافی ہے جو آخرت میں عند اللہ ملے گا۔

(۲) جہان والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ پس یہ قرآن انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کرے گا اور ضلالت کی گذنڈیوں سے نکال کر ایمان کی صراط مستقیم پر گامزن کر دے گا۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے، ورنہ دیدہ کو کیا نظر آئے کیا رکھیے۔ والا معاملہ ہو گا۔

(۳) قدَرْ کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور یہ کسی چیز کی اصل حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین کہہ ارسال رسول اور ازال کتب کا انکار کرتے ہیں، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انہیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے۔ علاوه ازیں اسی عدم معرفت الہی کی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کی معرفت سے بھی قادر رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام کس طرح نازل ہو سکتا ہے؟ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ بَجْنَانٌ أَوْ حِسَابٌ إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنْذِرَهُمُ الْهُدَى
اللَّآئَنَ فَاللَّآئَبُ ابْعَثَ اللَّهُ بَنَّرًا تَسْتُولُا﴾ (یونس - ۲) کیا یہ بات لوگوں کے لیے باعث تجуб ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کر کے اسے لوگوں کو ڈرانے پر مامور کر دیا ہے؟“ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَذِجَادَهُمُ الْهُدَى
اللَّآئَنَ فَاللَّآئَبُ ابْعَثَ اللَّهُ بَنَّرًا تَسْتُولُا﴾ (بنی اسرائیل - ۹۰) ہدایت آجائے کے بعد لوگ اسے قبول کرنے سے اس لیے رک گئے کہ انسوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟“ اس کی کچھ تفصیل اس سے قبل آیت نمبر ۸ کے حاشیے میں بھی گزر چکی ہے۔ آیت زیر وضاحت میں بھی انسوں نے اپنے اسی خیال کی بنیاد پر اس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو ان سے پوچھو! موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ (جس کو یہ بھی مانتے ہیں)

فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ④

اور اق میں رکھ چھوڑا^(۱) ہے جن کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے^(۲) پھر ان کو ان کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجئے^(۳) ۹۱)

اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈرا میں۔ اور جو لوگ آخرت کا لیقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔ ۹۲)

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تھمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور

وَهَذَا إِكْتَبَرَ أَنْزَلْنَاهُ مُبَرَّكَ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أَمْرَ الْقُرْآنِ وَمَنْ حَوَّلَهَا وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يَعْلَمُفُظُونَ ۴۰

وَمَنْ أَطْلَكَهُ مِنْ إِنْ فَتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِنْ بِإِلَّا وَقَالَ أُوْحَى إِلَيْهِ وَلَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأَنْثُلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَئِنْرَى إِذْ الظَّالِمُونَ فِي نَعْمَلِ الْمُؤْمِنَ وَالْمُلِكَةَ بِالْأَسْطُولَ

(۱) آیت کی ذکورہ تفسیر کے مطابق اب یہود سے خطاب کر کے کما جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اور اق میں رکھتے ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو، ظاہر کر دیتے ہو اور جن کو چاہتے ہو، چھپا لیتے ہو۔ جیسے رجم کامسلکے یا نبی مسیح^{صلی اللہ علیہ وسلم} کی صفات کامسلکے ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری وغیرہ نے يَجْعَلُونَہُ اور يَنْدُونَہَا صیغہ غائب کے ساتھ والی قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ کلی آیت ہے۔ اس میں یہود سے خطاب کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور بعض مفسرین نے پوری آیت کو ہی یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت و رسالت کا جواب انکار ہے اسے یہود کی ہٹ دھرمی، ضد اور عناد پر بنی قول قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں۔ ایک پوری آیت کو یہود سے، دوسرے پوری آیت کو مشرکین سے متعلق اور تیسرا آیت کے ابتدائی حصے کو مشرکین سے متعلق اور يَجْعَلُونَہُ سے یہود سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ وَاللهُ أَعْلَمُ۔

(۲) یہود سے متعلق ماننے کی صورت میں اس کی تفسیر ہو گی کہ تورات کے ذریعے سے تمہیں بتائی گئیں، بصورت دیگر قرآن کے ذریعے سے۔

(۳) یہ مَنْ أَنْزَلَ (کس نے اتارا) کا جواب ہے۔

جو شخص یوں کے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے اسی طرح کامیں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کی سزادی جائے گی^(۱) اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے، اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔^(۲) (۹۳)

اور تم ہمارے پاس تنا نہ آگئے^(۳) جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی

آيُّهُمْ أَخْرُجُوا أَنفُسَكُمْ إِلَيْمَ بُخْزُونَ عَذَابَ الْهُنُونِ إِنَّا
كُنَّا نُنَظِّرُ لَنَا عَلَى اللَّهِ عَبْدًا حَقِيقَةً وَكُنَّا نُؤْخَذُ عَنْ أَيْمَانِهِ
كُنَّا نَكْبِرُونَ (۴)

وَلَقَدْ جَنَّمُونَا فُرَادِيَ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوْلَ مَرَّةً وَتَرَكْنَاهُمْ
تَأْخُذُنَاهُمْ وَلَا يَظْهُرُونَ مُكَانَةً وَمَا تَرَى مَعَكُمْ شَفَاعَاءَ لِلَّذِينَ
رَعَمْتُمْ أَهْمَهُمْ فِي كُلِّ شَرِّكُوْنَا، لَقَدْ نَقْطَعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ

(۱) ظالم سے مراد ہر ظالم ہے اور اس میں کتاب اللہ کا انکار کرنے والے اور جھوٹے مدعیان نبوت سب سے پہلے شامل ہیں۔ غمروات سے موت کی سختیاں مراد ہیں۔ ”فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔“ یعنی جان نکالنے کے لیے۔ الیوم (آج) سے مراد بغض روح کا دن ہے اور یہی عذاب کے آغاز کا وقت بھی ہے جس کا مبدأ قبر ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے۔ ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے قبل، یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کملاتی ہے۔ چاہے اسے کسی درندے نے کھالیا ہو، اس کی لاش سمندر کی موجودوں کی نذر ہو گئی ہو یا اسے جلا کر راکھ بنا دیا گیا قبر میں دفن دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

(۲) اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگانے میں انسال کتب اور ارسال رسول کا انکار بھی ہے اور جھوٹا دعوائے نبوت بھی ہے۔ اسی طرح نبوت و رسالت کا انکار و اسکبار ہے۔ ان دونوں وجوه سے انہیں ذلت و رسوانی کا عذاب دیا جائے گا۔

(۳) فُرَادِيَ فَزْدُ کی جمع ہے جس طرح سُکَارَی سُكُنَارَی کی اور کُسَالَی کُسَلَانَی کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ تم علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے میرے پاس آوے گے۔ تمہارے ساتھ نہ مال ہو گانہ اولاً اور نہ وہ معبد، جن کو تم نے اللہ کا شریک اور اپنام دگار سمجھ رکھا تھا۔ یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں فائدہ پہنچانے پر قادر نہ ہو گی۔ اگلے جملوں میں انہی امور کی مزید وضاحت ہے۔

نیت تم دعوی رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعوی سب تم سے گیا گزرا ہوا۔ (۹۳)

بے شک اللہ تعالیٰ دانہ کو اور گھٹلیوں کو چھاڑنے والا ہے،^(۱) وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے^(۲) اور وہ بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے^(۳) اللہ تعالیٰ یہ ہے، سو تم کہاں اٹھے چلے جا رہے ہو۔ (۹۵)

وہ صح کا نکلنے والا ہے^(۴) اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے^(۵) اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔^(۶) یہ ٹھہرائی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے

مَا كُنْتُ تَرْعَمُونَ ۝

إِنَّ اللَّهَ فِيلَقُ الْحَيَّ وَالنَّوْيَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيْتِ وَمُخْرِجُ الْمَيْتِ مِنَ الْحَيَّ ذَلِكُ اللَّهُ فَلَمَّا تُؤْفَوُنَ ۝

فَالِّيْلُ الْإِصْبَارُ وَجَعَلَ أَئِمَّةَ سَكَنَةً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا
ذَلِكَ تَعْلِيَةُ الرَّبِّيْزِ الْعَلِيِّينَ ۝

(۱) یہاں سے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور کارگیری کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا:- اللہ تعالیٰ دانے (حب) اور گھٹلی (نواہ، جمع نوی) کو، جسے کاشت کا رzemین کی تہ میں دبا دیتا ہے، چھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت پیدا فرماتا ہے۔ زمین ایک ہوتی ہے، پانی بھی، جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن جس چیز کے وہ دانے یا گھٹلیاں ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کے درخت ان سے پیدا فرماتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی ہے، جو یہ کام کرتا ہو یا کر سکتا ہو؟

(۲) یعنی دانے اور گھٹلیوں سے درخت اگادیتا ہے جس میں زندگی ہوتی ہے اور وہ بڑھتا، پھیلتا اور پھل یا غلہ دیتا ہے یا وہ خوبصور، رنگ برنگ کے پھول ہوتے ہیں جن کو دیکھ یا سو نگہ کر انہی فرحت و انبساط محسوس کرتا یا نظرے اور انڈے سے انسان اور حیوانات پیدا کرتا ہے۔

(۳) یعنی حیوانات سے انڈے، جو مردہ کے حکم میں ہیں۔ جی اور میت کی تعبیر مومن اور کافر سے بھی کی گئی ہے، یعنی مومن کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کر دیتا ہے۔

(۴) انڈہیرے اور روشنی کا خالق بھی وہی ہے۔ وہ رات کی تاریکی سے صح روشن پیدا کرتا ہے جس سے ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔

(۵) یعنی رات کو تاریکیوں میں بدل دیتا ہے تاکہ لوگ روشنی کی تمام مصروفیات ترک کر کے آرام کر سکیں۔

(۶) یعنی دونوں کے لیے ایک حساب بھی مقدر ہے جس میں کوئی تغیر و اضطراب نہیں ہوتا، بلکہ دونوں کی اپنی اپنی منزلیں ہیں، جن پر وہ گرمی اور سردی میں روای رہتے ہیں۔ جس کی بنیاد پر سردی میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی اور

بڑے علم والا ہے۔ (۹۶)

اور وہ ایسا ہے جس نے تمارے لئے ستاروں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھروں میں، خشکی میں اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو۔^(۱) بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں۔ (۹۷)

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی^(۲) بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ (۹۸)

اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی بر سایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا^(۳) پھر ہم نے

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لِكُلِّ النَّجْوَمَ لِتَهْتَدُ وَإِلَيْهَا فِي ظُلْمَتِ
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَلَنَا الْآيَتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (۴)

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ كُلَّ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةً فَسَتَّرَ
وَمُسْتَوْدَعَ، قَدْ فَصَلَنَا الْآيَتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (۵)

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَا شَاءَ فَأَخْرَجَنَا لِهِ بَيَانَ كُلِّ
شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ حَفْرًا تُخْرُجُ مِنْهُ حَبَّاتٍ إِلَيْاً وَمَنْالْغَنِيلِ

گرمی میں اس کے برعکس دن لبے اور رات میں چھوٹی ہو جاتی ہیں۔ جس کی تفصیل سورہ یونس۔ ۵، سورۃ النین ۳۰ اور سورۃ اعراف ۵۲ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

(۱) ستاروں کا یہاں یہ ایک فائدہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ان کے دو مقصد اور ہیں جو دوسرے مقام پر بیان کیے گئے ہیں۔ آسمانوں کی زینت اور شیطانوں کی مرمت۔ ژُجُومًا لِلشَّيْطَنِ - یعنی شیطان آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔ بعض سلف کا قول ہے مَنْ اعْتَقَدَ فِي هَذِهِ النَّجْوَمَ عَيْنَ ثَلَاثَةَ، فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذَبَ عَلَى اللَّهِ إِنْ تَبَوَّلَ كَثِيرًا لِلشَّيْطَنِ - ایک شخص کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ "اس سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے ملک میں جو علم نجوم کا چرچا ہے جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ بے بنیاد بھی ہے اور شریعت کے خلاف بھی۔ چنانچہ ایک حدیث میں اسے جادو ہی کا ایک شعبدہ (حصہ) بتلایا گیا ہے۔ مَنْ افْتَبَسَ عَلَيْمًا مِنَ النَّجْوَمِ أَفْتَبَسَ شُعْبَةَ مِنَ السِّخْرِ زَادَ مَا زَادَ (حسنہ الالبانی صحیح ابی داود رقم ۳۹۰۵)

(۲) اکثر مفسرین کے نزدیک مُشْتَفَرٌ سے رحم مادر اور مُشْتَوَدَعٌ سے صلب پدر مراد ہے۔ (فتح القدير، ابن کثیر)

(۳) یہاں سے اس کی ایک اور عجیب صنعت (کارگری) کا بیان ہو رہا ہے یعنی بارش کا پانی۔ جس سے وہ ہر قسم کے

اس سے بزر شاخ نکالی^(۱) کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکلتے ہیں^(۲) اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گھے میں سے خوشے ہیں جو نیچے کو لئے جاتے ہیں^(۳) اور انگوروں کے باغ اور زیتون^(۴) اور انار کہ بعض ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھوان میں دلائل ہیں^(۵) ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۶)

اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹھے اور بیٹھیاں بلا سند

مِنْ طَلْعَهَا قِنْوَانُ دَائِيَّةٌ وَجَنْتُ مِنْ أَعْنَابٍ وَالرَّيْثُونَ
وَالرُّمَانَ مُشْتَبِهً وَغَيْرَ مُتَشَابِهٖ أَنْظَرُوا إِلَى شَرَرِهِ
إِذَا آتَمُرَ وَبَيْعَةٌ إِنَّ فِي ذَلِكُمْ لَذَّاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ^(۷)

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شَرِكَاءَ الْجِنَّ وَخَلْقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَدَتِ
بِعِزْرٍ عَلَيْهِ سُجْنَهُ وَنَالَ عَذَابَ صَفْوَنَ^(۸)

درخت پیدا فرماتا ہے۔

(۱) اس سے مراد وہ بزر شاخیں اور کونسلیں ہیں جو زمین میں دبے ہوئے دانے سے اللہ تعالیٰ زمین کے اوپر ظاہر فرماتا ہے، پھر وہ پودا یا درخت نشوونما پاتا ہے۔

(۲) یعنی ان بزر شاخوں سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکلتے ہیں۔ جس طرح گندم اور چاول کی بالياں ہوتی ہیں۔ مراد یہ سب غله جات ہیں مثلاً جو، جوار، باجرہ، مکھی، گندم اور چاول وغیرہ۔

(۳) قِنْوَانُ قِنْوَانُ کی جمع ہے جیسے صِنْوُ اور صِنْوَانُ ہے۔ مراد خوشے ہیں۔ طَلْعُ وہ گاہجا یا گچھا ہے جو کھجور کی ابتدائی شکل ہے، یہی بڑھ کر خوشہ بنتا ہے اور پھر وہ رطب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دَائِيَّةٌ سے مراد وہ خوشے ہیں جو قریب ہوں۔ اور کچھ خوشے دور بھی ہوتے ہیں جن تک ہاتھ نہیں پہنچتے۔ بطور احتیان دانیہ کا ذکر فرمادیا ہے، مطلب ہے۔

مِنْهَا دَائِيَّةٌ وَمِنْهَا بَعِينَةٌ (کچھ خوشے قریب ہیں اور کچھ دور) بَعِينَةٌ مَحْذُوفٌ ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) جنات زیتون اور رمان یہ سب منصوب ہیں، جن کا عطف نبات پر ہے۔ یعنی فَأَخْرَجَنَا بِهِ جَنَاتٍ یعنی بارش کے پانی سے ہم نے انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار پیدا کیے۔

(۵) یعنی بعض اوصاف میں یہ باہم ملتے جلتے ہیں اور بعض میں ملتے جلتے نہیں ہیں۔ یا ان کے پتے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ پھل نہیں ملتے، یا شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن مزے اور ذاتے میں باہم مختلف ہیں۔

(۶) یعنی مذکورہ تمام چیزوں میں خالق کائنات کے کمال قدرت اور اس کی حکمت و رحمت کے دلائل ہیں۔

تراش رکھی ہیں اور وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جو
یہ کرتے ہیں۔ (۱۰۰)

وہ آسمانوں اور زمین کا موجود ہے، اللہ تعالیٰ کے اولاد کماں
ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی یہوی تو ہے نہیں اور اللہ
تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا^(۱) اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا
ہے۔ (۱۰۱)

یہ ہے اللہ تعالیٰ تم سارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت
کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، تو تم اس کی
عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کار ساز ہے۔ (۱۰۲)

اس کو تو کسی کی نگاہِ محیط نہیں ہو سکتی^(۲) اور وہ سب

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنَّ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

ذِلِكُمْ أَنَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكُنْ ۝ (۱۰۳)

لَا تُنْدِرُكُمُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ

(۱) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اس
لائق ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے، عبادت میں کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے۔ لیکن لوگوں نے اس ذات
واحد کو چھوڑ کر جنوں کو اس کا شریک بنارکھا ہے، حالانکہ وہ خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ مشرکین عبادت تو بتوں کی یا
قبوں میں مدفن اشخاص کی کرتے ہیں لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے۔ بات
در اصل یہ ہے کہ جنات سے مراد شیاطین ہیں اور شیاطین کے کہنے سے ہی شرک کیا جاتا ہے اس لیے گویا شیطان ہی کی
عبادت کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ یہاں کیا گیا ہے مثلاً سورۃ نساء۔ ۷۸۔ سورۃ مریم۔ ۳۲،
پیغمبر ۶۰، سورۃ سبأ۔ ۳۱۔

(۲) أَبْصَارُ بَصَرٍ (نگاہ) کی جمع ہے یعنی انسان کی آنکھیں اللہ کی حقیقت کی کند تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اور اگر اس سے مراد
روئیت بصری ہو تو اس کا تعلق دنیا سے ہو گا یعنی دنیا کی آنکھ سے کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ تاہم یہ صحیح اور متواتر
روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی اس کے دیدار سے
مشرف ہوں گے۔ اس لیے مغزلہ کا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا،
دنیا میں نہ آخرت میں، صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ اسی لیے حضرت عائشہ رض بھی اس
آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتی تھیں، جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ نے (شبِ معراج میں) اللہ
تعالیٰ کی زیارت کی ہے، اس نے قطعاً جھوٹ بولا ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الأنعام) کیونکہ اس آیت کی
رو سے پیغمبر سمیت کوئی بھی اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہو گا۔ جیسے
دوسرے مقام پر قرآن نے اس کا اثبات فرمایا۔ «وَجُوَّهٌ يُوَمِّنُنَا بَغْرَةً * إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ» (القيمة) کئی چھرے اس دن تروتازہ

(۱۷) الحَمْدُ لِلّٰهِ

نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر
ہے۔ (۱۰۳)

اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق
بینی کے ذرائع پہنچ کے ہیں سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا
فائدہ کرے گا اور جو شخص اندر ہے گا وہ اپنا نقصان کرے
گا،^(۱) اور میں تمہارا انگر ان نہیں ہوں۔ (۲) (۱۰۳)

اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان
کرتے ہیں تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ
لیا ہے^(۳) اور تاکہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب
ظاہر کر دیں۔ (۱۰۵)

آپ خود اس طریق پر چلتے رہئے جس کی وجہ آپ کے
رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَارُكُمْ مِنْ رَّيْلٍ مَّنْ أَبْصَرَ فِلَقَنِيهَا وَمَنْ
عَيْنَ فَعَلَكُهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِعَفْنِيطٍ (۷)

وَكَذَلِكَ تُصَرِّفُ الْأَلْيَتْ وَلَمَعُولُوا دَرَسْتَ وَلَنِسْتَ
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (۸)

إِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَّيْلٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَغْرِضُ
عَنِ الْمُشْرِكِينَ (۹)

ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

(۱) بَصَارُ بَصِيرَةٌ کی جمع ہے۔ جو اصل میں دل کی روشنی کا نام ہے۔ یہاں مراد وہ دل و برائیں ہیں جو قرآن نے جگہ جگہ
اور بار بار بیان کیے ہیں اور جنہیں نبی ﷺ نے بھی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ جو ان دلائل کو دیکھ کر بدایت کاراستہ اپنالے
گا، اس میں اسی کافائدہ ہے، نہیں اپنائے گا، تو اسی کا نقصان ہے۔ جیسے فرمایا ﴿مِنْ اهْتَدَ فَإِلَّا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ هُنَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ (بی اسرائیل-۱۵) اس کا مطلب بھی وہی ہے جو زیر وضاحت آیت کا ہے۔

(۲) بلکہ صرف مبلغ، داعی اور بشیر و نذر ہوں۔ راہ پر چلا دنیا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۳) یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے
گلتے ہیں کہ محمد ﷺ کیس سے پڑھ کر اور سیکھ کر آیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ
هَذَا لَا إِلَهَ إِلَّا إِنْفَلُوكُهُ وَأَعْنَاهُ عَلَيْكُومُ الْحُرُونُ فَقَدْ جَاءَنُوكُمْ مُّلْمَأً وَرِزْقًا * وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَقْلَمِينَ أَكْتَبَهَا﴾ (الفرقان-۵-۲)

”کافروں نے کہا“ یہ قرآن تو اس کا اپنا گھر ہوا ہے، جس پر دوسروں نے بھی اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ ایسا دعویٰ کر
کے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ نیز انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، ”جس کو اس نے لکھ رکھا ہے۔“
حالانکہ بات یہ نہیں ہے، جس طرح یہ سمجھتے یاد گوئی کرتے ہیں بلکہ مقصد اس تفصیل سے سمجھدار لوگوں کے لیے تبیین
و تشریع ہے تاکہ ان پر جنت پوری ہو جائے۔

تعالیٰ کے سوا کوئی لا تک عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ تکھے۔ (۱۰۶)

اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے^(۱) اور ہم نے آپ کو ان کا انگر ان نہیں بنایا۔ اور نہ آپ ان پر مختار ہیں! (۱۰۷)

اور گالی مت دوان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جمل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے^(۲) ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۰۸)

اور ان لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ^(۳) اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے^(۴) تو

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوكُمْ وَمَا جَعَلْنَاكُمْ عَلَيْهِمْ حَفِظًا
وَمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ⑤

وَلَا سُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُبُونَ اللَّهَ عَدُوًا
يُغَيِّرُ عَلَيْهِمْ مَكَانِكُمْ زَيَّنَاهُ الْجُنُلُ أَمْثَلَهُمْ مُثَلَّةً إِلَى رَبِّهِمْ
مَرْجِعُهُمْ فَيَنْتَهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑥

وَاقْسُمُوا بِاللَّهِ جَهَدًا إِيمَانَهُمْ لِمَنْ جَاءَ نَهْرًا يَهُ كَيْوَمُونَ
بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْأَيْتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشَعِّرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا

(۱) اس لکھتے کی وضاحت پسلے کی جا چکی ہے کہ اللہ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور، اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔ تاہم اس نے اس پر انسانوں کو مجبور نہیں کیا کیونکہ جبر کی صورت میں انسان کی آزمائش نہ ہوتی، ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسے اختیارات ہیں کہ وہ چاہے تو کوئی انسان شرک کرنے پر قادر ہی نہ ہو سکے۔ (مزید دیکھئے سورہ بقرۃ آیت ۲۵۳ اور سورہ الانعام آیت ۳۵ کا حاشیہ)

(۲) یہ مضمون بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مقصد نبی ﷺ کی داعیانہ اور مبلغانہ حیثیت کی وضاحت ہے جو منصب رسالت کا تقاضا ہے اور آپ صرف اسی حد تک مکلف تھے۔ اس سے زیادہ آپ کے پاس اگر اختیارات ہوتے تو آپ اپنے محسن چچا ابو طالب کو ضرور مسلمان کر لیتے، جن کے قبول اسلام کی آپ شدید خواہش رکھتے تھے۔

(۳) یہ سذریعہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ اگر ایک مباح کام، اس سے بھی زیادہ بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہاں اس مباح کام کا ترک رانج اور بہتر ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ تم کسی کے مال باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لیے گالی کا سبب بن جاؤ گے (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الكبائر و اثکبرها، امام شوکانی لکھتے ہیں یہ آیت سذرائع کے لیے اصل اصلیل ہے۔ (فتح القدیر))

(۴) جَهَدَ أَيْمَانَهُمْ، آئی: حَلَفُوا أَيْمَانًا مُؤْكَدَةً۔ بڑی تاکید سے قسمیں کھائیں۔

(۵) یعنی کوئی بڑا مجرم جوان کی خواہش کے مطابق ہو، جیسے عصائی موسیٰ علیہ السلام، احیائے موتی اور نادم شہود

جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤﴾

وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب اللہ کے قبضہ میں ہیں^(۱) اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آجائیں گی یہ لوگ تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔^(۱۰۹)

اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں^(۲) گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔^(۱۱۰)

وَنَقِيلُبْ أَفْدَتَهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ كَمَا لَهُ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْلَ مَرَّةً وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٥﴾

وغيرہ جیسا۔

(۱) ان کا یہ مطالبہ خرق عادت تعتن و عناد کے طور پر ہے، طلب ہدایت کی نیت سے نہیں ہے۔ تاہم ان نشانیوں کا ظہور تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے، وہ چاہے تو ان کا مطالبہ پورا کرو۔ بعض مرسل روایات میں ہے کہ کفار مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ صفا پہاڑ سونے کا بنادیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے، جس پر جریل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اگر اس کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے تو پھر انہیں ہلاک کر دیا جائے گا، جسے نبی ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ (ابن کثیر)۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تو اس کا و بال ان پر اس طرح پڑا کہ آئندہ بھی ان کے ایمان لانے کا امکان ختم ہو گیا۔ دلوں اور نگاہوں کو پھیر دینے کا یہی مفہوم ہے۔ (ابن کثیر)

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو صحیح دیتے^(۱) اور ان سے مردے باتمیں کرنے لگتے^(۲) اور ہم تمام موجودات کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے رو برو لا کر جمع کر دیتے ہیں^(۳) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے ہاں اگر اللہ ہی چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتمیں کرتے ہیں۔^(۴)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن،^(۵) جن میں سے بعض بعضوں کو چکنی چڑھی یا توں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں^(۶) اور اگر اللہ تعالیٰ

وَلَوْلَا تَنَاهَى إِلَيْهِمُ الْمُلَّكَةُ وَكَلَمَهُمُ الْمُؤْنَقُ وَ
حَشَرَنَا عَلَيْهِمْ كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا نَأْتَاهُمْ مِمَّا أَنَا مُيَسِّرٌ
إِنَّهُ وَلِكُنَّ الْكُثُرُ فِيهِمْ يَمْجَدُونَ^(۷)

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانَ الْأَدْمَسَ وَالْجِنَّ
يُوَحِّنْ بَعْضَهُمُ الْأَلِلَّ بَعْضَهُمْ زُخْرُفَ الْقَوْلُ غُرْوَرًا وَلَوْشَاءَ
رَبِّكَ مَا فَعَلُوا فَذَرُهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ^(۸)

(۱) جیسا کہ وہ بار بار اس کا مطالبہ ہمارے پیغمبر سے کرتے ہیں۔

(۲) اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کر دیتے۔

(۳) دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نشانیاں وہ طلب کرتے ہیں، وہ سب ان کے رو برو پیش کر دیتے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز جمع ہو کر گروہ در گروہ یہ گواہی دے کہ پیغمبروں کا سلسلہ برحق ہے تو ان تمام نشانیوں اور مطالبیوں کے پورا کر دینے کے باوجود یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ مگر جس کو اللہ چاہے۔ اسی مفہوم کی یہ آیت بھی ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِيلُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ * وَلَوْجَاءُهُمْ كُلُّ إِيمَانٍ حَتَّىٰ يَرِوُا الْعَذَابَ أَلَّا يَنْتَهِ﴾ (سورہ یونس ۹۶-۹۷)

”جن پر تمیرے رب کی بات ثابت ہو گئی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آجائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔“

(۴) اور یہ جہالت کی باتمیں ہی ان کے اور حق قبول کرنے کے درمیان حائل ہیں۔ اگر جہالت کا پردہ اٹھ جائے تو شاید حق ان کی سمجھ میں آجائے اور پھر اللہ کی مشیت سے حق کو اپنا بھی لیں۔

(۵) یہ وہی بات ہے جو مختلف انداز میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیا گزرے، ان کی مکملیت کی گئی، انہیں ایذا میں دی گئیں وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے صبرا اور حوصلے سے کام لیا، آپ بھی ان دشمنان حق کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے پیروکار جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اور یہ وہ ہیں جو دونوں گروہوں میں سے سرکش، باغی اور متکبر قسم کے ہیں۔

(۶) وَخَيْرٌ خَيْرٍ بَاتٍ كُوْكَبَتْ ہیں یعنی انسانوں اور جنوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو چالا بازیاں اور حیلے سکھاتے

چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے^(۱) سوان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔^(۲)

اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کر لیں اور تاکہ مرٹکب ہو جائیں ان امور کے جن کے وہ مرٹکب ہوتے تھے۔^(۳) (۱۳)

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے، اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔^(۴) (۱۳)

آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے،^(۵) اس کے کلام کا کوئی بد لئے والا

وَلَتَصْنَعُ إِلَيْهِ أَفْدَاهُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
وَلِلَّهِ الرُّضُوُّ وَلِيَقْتَدِرُ فُؤَامًا هُمْ مُغَرَّبُونَ^(۶)

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِيْ حَكْمًا وَهُوَ الْأَنْبِيَّ أَنْزَلَ لِلْكِتَابِ
مُفْصَلًا وَالَّذِينَ أَتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ
مِنْ رَبِّكَ يَا الْحَقِّ فَلَا يَكُونُنَّ مِنَ الْمُمْتَرِّينَ^(۷)

وَتَمَّتْ كِلَمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلْمَتِهِ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ^(۸)

ہیں۔ تاکہ لوگوں کو دھوکے اور فریب میں بٹلا کر سکیں۔ یہ بات عام مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ شیطانی کاموں میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں جسکی وجہ سے برائی بست جلدی فروغ پا جاتی ہے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ تو ان شیطانی ہمکنندوں کو ناکام بنانے پر قادر ہے لیکن وہ بالجرا ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا اس کے نظام اور اصول کے خلاف ہے جو اس نے اپنی مشیت کے تحت اختیار کیا ہے، جس کی عکیسیں وہ بہتر جانتا ہے۔

(۲) یعنی شیطانی و مساوس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی اسے پسند کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس حساب سے لوگوں کے اندر عقیدہ آخرت کے بارے میں ضعف پیدا ہو رہا ہے، اسی حساب سے لوگ شیطانی جاں میں پھنس رہے ہیں۔

(۳) آپ کو خطاب کر کے دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے۔

(۴) اخبار و واقعات کے لحاظ سے سچا ہے اور احکام و مسائل کے اعتبار سے عادل ہے یعنی اس کا ہر امر اور نبی عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی باتوں کا حکم دیا ہے جن میں انسانوں کا فائدہ ہے اور انہی چیزوں سے روکا ہے جن

تھیں^(۱) اور وہ خوب سننے والا خوب جانے والا ہے۔^(۲)
 اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا
 مانے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ
 محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باقی
 کرتے ہیں۔^(۳)^(۴)

بالتقین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ
 سے بے راہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے
 جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔^(۵)

سو جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اس میں سے
 کھاؤ! اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔^(۶)^(۷)

وَإِنْ تُطْعِنُ أَكْثَرَهُمْ فِي الْأَرْضِ يُضْلُلُوهُ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
 إِنْ يَدْعُونَ إِلَّا لَهُنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَحْرُصُونَ^(۸)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضْلُلُ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
 بِالْمُهْتَدِينَ^(۹)

فَكُلُّوا مِنْذَرًا كَرَاسُهُ اللَّهُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِإِيمَانِهِ مُؤْمِنِينَ^(۱۰)

میں نقصان اور فساد ہے۔ گو انسان اپنی نادانی یا اغواۓ شیطانی کی وجہ سے اس حقیقت کو نہ سمجھ سکیں۔

(۱) یعنی کوئی ایسا نہیں جو رب کے کسی حکم میں تبدیلی کر دے، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتوں نہیں۔

(۲) یعنی بندوں کے اقوال سننے والا اور ان کی ایک ایک حرکت و ادا کو جانے والا ہے اور وہ اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔

(۳) قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا بھی، واقعے کے طور پر ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ وَلَوْ تَعْرَضُوا لَمْ يُؤْمِنُوا ﴾ "سورہ یوسف: ۱۰۳" "آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق و صداقت کے راستے پر چلنے والے لوگ ہیش تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ جس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حق و باطل کا معیار، دلائل و برائین ہیں، لوگوں کی اکثریت واقلیت نہیں۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو اکثریت نے اختیار کیا ہوا ہو، وہ حق ہو اور اقلیت میں رہنے والے باطل پر ہوں۔ بلکہ مذکورہ حقیقت قرآنی کی رو سے یہ زیادہ ممکن ہے کہ اہل حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں اور اہل باطل اکثریت میں۔ جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت ۳۷ فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے صرف ایک فرقہ صحتی ہو گا، باقی سب جنہی۔ اور اس جنہی فرقے کی نشانی آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ جو مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي "میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہو گا" "ابو داود کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، نمبر ۲۵۹۶۔ ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجھاء فی افتراق هذہ الأُمَّةِ وَقد حسنہ الترمذی فی بعض النسخ وأقرہ الآلبانی فی الطحاویہ، حدیث نمبر ۲۶۳

(۴) یعنی جس جانور پر شکار کرتے وقت یا ذبح یا نحر کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھالو بشر طیکہ وہ ان جانوروں میں سے ہوں جن کا کھانا مباح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر عمدًا ان موقعوں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حلال

اور آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے،^(۱) مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے اور یہ یقین بات ہے کہ بت سے آدمی اپنے خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے۔^(۲)

اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی۔^(۳)

اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام نافرمانی کا ہے^(۴) اور یقیناً شیاطین اپنے

وَمَا لَكُمْ أَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَلَ
لَكُمْ مَا حَرَمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا أَصْطَرْتُهُ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيرًا
لَيُفْسِدُونَ بِمَا هُوَ بِهِمْ بَغِيٌّ عِلْمٌ مَّا يَرَى رَبُّكَ هُوَ أَعْلَمُ
بِالْعَمَلِينَ^(۵)

وَذَرُوا أَثَارَ الْأَنْوَارَ وَبَاطِنَةَ إِنَّ الَّذِينَ يَكْبِرُونَ إِلَّا
سَيِّئُونَ بِمَا كَانُوا يَقْتَدِرُونَ^(۶)

وَلَرَأَكُوا مِمَّا أَهْمَى ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ

وطیب نہیں البتہ اس سے ایسی صورت مستثنی ہے کہ جس میں یہ التباس ہو کہ ذبح کے وقت ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رض نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں (اس سے مراد وہ اعرابی تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلامی تعلیم و تربیت سے پوری طرح بہرہ و رہی نہیں تھے) ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْثُمْ وَكُلُّوَا (صحیح بخاری۔ باب ذبیحة الأعراب نمبر ۵۵۰)^(۷) ”تم اللہ کا نام لے کر اسے کھالو“ یعنی التباس (شبہ) کی صورت میں یہ رخصت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر قسم کے جانور کا گوشت بسم اللہ پڑھ لینے سے حلال ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی منذیوں اور دکانوں پر ملنے والا گوشت حلال ہے۔ ہاں اگر کسی کو وہم اور التباس ہو تو وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔

(۱) جس کی تفصیل اسی سورت میں آگئے آرہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور سورتوں نیز احادیث میں محربات کی تفصیل بیان کردی گئی ہے۔ ان کے علاوہ باقی حلال ہیں اور حرام جانور بھی عند الاضطرار سدر مقن کی حد تک جائز ہیں۔

(۲) یعنی عمداً اللہ کا نام جس جانور پر نہ لیا گیا، اس کا کھانا فرق اور ناجائز ہے۔ حضرت ابن عباس رض نے اس کے بیان کے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”بھول جانے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا“ اور امام بخاری کا رجحان بھی یہی ہے اور یہی احتفاف کا مسلک ہے تاہم امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ دونوں صورتوں میں حلال ہے چاہے وہ اللہ کا نام لے یا عدم اچھوڑ دے اور وہ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانور سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال کریں^(۱) اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔^(۲۱)

ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔^(۲) اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال خوش نما معلوم ہوا کرتے ہیں۔^(۲۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرام کا مرکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں فریب کریں۔^(۳)

الشَّيَاطِينَ لَيُوَجُّونَ إِلَى أُولَئِئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ
أَكْعَمْتُهُمْ لَأَنَّمَا لَهُمْ شَرُونَ^(۱)

أَوْمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ ثُورًا تَبَشِّرُ بِهِ
فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلَهُ فِي الظُّلْمَتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا
كَذَلِكَ زُبِّتِ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۲)

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْبَةٍ أَكْبَرَ مُتَجَرِّدًا لِيَتَكَبَّرُوا

(۱) شیطان نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے سے یہ بات پھیلائی کہ یہ مسلمان اللہ کے ذبح کئے ہوئے جانور (یعنی مردہ) کو تو حرام اور اپنے ہاتھ سے ذبح شدہ کو حلال قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان اور اس کے دوستوں کے وسوسوں کے پیچھے مت لگو، جو جانور مردہ ہے یعنی بغیر ذبح کئے مرگیا (سوائے سمندری میت کے کہ وہ حلال ہے) اس پر چونکہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس لئے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

(۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو میت (مردہ) اور مومن کو حی (زندہ) قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ کافر کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھکٹا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بر بادی ہے اور مومن کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے سے زندہ فرمادیتا ہے جس سے زندگی کی راہیں اس کے لئے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایمان وہدایت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ کامیابی و کامرانی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿أَللَّهُ وَلِنَّ الَّذِينَ امْتُوا لِغَيْرِ جُهُودِهِمْ مِّنَ الظُّلْمَتِ إِلَى التُّوْرَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلَئِنَّهُمُ الطَّاغُوتُ يَخْرُجُونَهُمْ مِّنَ التُّوْرَةِ إِلَى الظُّلْمَتِ﴾ (سورہ البقرہ - ۲۵۲) ﴿مَكَنَ الْقَرِيقَيْنِ بِالْأَخْمَى وَالْأَكْمَهِ وَالْبَصِيرِ وَالسَّبِيعِ هُنَّ مُتَوَّبِّينَ مَتَّلِكُوا﴾ (سورہ هود - ۲۳) اور ﴿وَمَا يَنْتَوْيُ الْأَعْنَى وَالْبَصِيرُ * وَلَا الظُّلْمَتُ وَلَا التُّوْرُ * وَلَا الظَّلَلُ وَلَا الْحَرُورُ * وَمَا يَنْتَوْيُ الْجَنَّى وَلَا الْأَمْوَاتُ﴾ (سورہ فاطر - ۲۲-۲۴)

(۳) اُکابر، اُکبَر کی جمع ہے، مراد کافروں اور فاسقوں کے سر غنے اور کھڑے ہیں کیونکہ یہی انبیا اور داعیان حق کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور عام لوگ تو صرف ان کے پیچھے لگنے والے ہوتے ہیں، اس لئے ان کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے لوگ عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں، اس

اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ فریب کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔ (۱) (۲۳)

اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے، اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے؟ (۲) عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ہے اللہ کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچ گی اور ان کی شرارتول کے مقابلے میں سزاۓ سخت۔ (۲۴)

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے، (۳) اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر نیپاکی مسلط کر دیتا ہے۔ (۴) (۲۵)

اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آئیوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔ (۲۶)

فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْقُبِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

وَإِذَا جَاءَهُمْ هُمْ إِيمَانٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيِّدُ الظِّلَّاتِ الَّذِينَ أَجْرَمُوا أَصْغَارًا عِنْدَ اللَّهِ وَعَدَابٌ شَدِيدٌ إِنَّمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ۝

فَمَنْ يُرِدُ اللَّهُ أَنْ يَهُدِيَ يَشْرَحْ صَدَرَكَ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدُ أَنْ يُضْلَلَ يَجْعَلْ صَدَرَكَ ضَيْقًا حَرَجًا كَانَهَا يَضَعَدُ فِي السَّمَاءِ إِنَّمَا كَانَ لَكَ يَجْعَلُ اللَّهُ إِلَيْهِ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

وَهَذَا صَرَاطُ رَبِّنِكَ مُسْقِيًّا قَدْ فَصَلَنَا الْأَيْتَ لِقَوْمٍ يَدْكُرُونَ ۝

لئے مخالفت حق میں بھی متاز ہوتے ہیں (یہی مضمون سورہ سبا کی آیات ۳۱ تا ۳۳ سورہ زخرف ۲۳۔ سورہ نوح ۲۲ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے)۔

(۱) یعنی ان کی اپنی شرارت کا وباں اور اسی طرح ان کے پیچے لگنے والے لوگوں کا وباں، انہی پر پڑے گا (مزید دیکھئے سورہ عنکبوت ۱۳۔ سورہ نحل ۲۵)

(۲) یعنی ان کے پاس بھی فرشتے وہی لے کر آئیں اور ان کے رسول پر بھی نبوت و رسالت کا تاج رکھا جائے۔

(۳) یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کام ہے کیونکہ وہی ہربات کی حکمت و مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا باہل ہے؟ مکہ کا کوئی چودھری ورثی میں یا جناب عبداللہ و حضرت آمنہ کا دریتیم؟

(۴) یعنی جس طرح زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح جس شخص کے میںے کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں توحید اور ایمان کا داخلہ ممکن نہیں ہے۔ الایہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا سینہ اس کے لئے کھول دے۔

(۵) یعنی جس طرح سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح رجس میں بٹلا کر دیتا ہے۔ رجس سے مراد پیدی یا عذاب یا شیطان کا تسلط ہے۔

ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔^(۱) (۲۷)

اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کرے گا، (کے گا) اے جماعت جنات کی! تم نے انسانوں میں سے بہت سے اپنا لیے^(۲) جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا^(۳) اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپنچے جو تو نے ہمارے لئے معین فرمائی،^(۴) اللہ فرمائے گا کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں بھیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ ہی کو

لَهُمْ دُرُّ السَّلَمٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ لِنَفْهُمْ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ^(۵)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا إِيمَانُهُمْ يَعْلَمُ الْجِنُّ قَدِ اسْتَكْثَرُوكُمْ
مِنَ الْإِنْسَنِ وَقَالَ أَفْلَيْتُهُمْ مِنَ الْإِنْسَنِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
بِعَصْنَانِ بَعِيشٍ وَلَكُنَا أَجْلَنَا الَّذِي أَجْلَنَا لَنَا، قَالَ
اللَّا إِلَهَ مِنْ كُمْ خَلِدُونَ فِيهَا لَا إِلَهَ شَاءَ إِلَهَ
رَبِّكَ حَكِيمٌ عَلَيْهِ^(۶)

(۱) یعنی جس طرح دنیا میں اہل ایمان کفر و ضلالت کے کنج راستوں سے نج کر ایمان و بدایت کی صراط مستقیم پر گامزد رہے، اب آخرت میں بھی ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا، ان کے نیک عملوں کی وجہ سے دوست اور کارساز ہے۔

(۲) یعنی انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو تم نے گمراہ کر کے اپنا پیرو کار بنالیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ یسین میں فرمایا: ”اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کر دیا تھا کہ تم شیطان کی پوچامت کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے اور اس شیطان نے تمہاری ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر دیا ہے کیا پس تم نہیں سمجھتے؟ (یسین - ۶۰ / ۶۲)

(۳) جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا ان کو اپنا پیرو کار بنالا کرنے سے تلذذ حاصل کرنا ہے اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ شیطانوں نے گناہوں کو ان کے لئے خوبصورت بنا دیا ہے انہوں نے قبول کیا اور گناہوں کی لذت میں پھنسنے رہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان ان غبی خبروں کی تصدیق کرتے رہے جو شیاطین و جنات کی طرف سے کہانت کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں۔ یہ گویا جنات نے انسانوں کو بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی یا انکل پچو باتوں سے لطف انداز ہوتے اور کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیاوی مفادات حاصل کرتے رہے۔

(۴) یعنی قیامت واقع ہو گئی جسے ہم دنیا میں مانتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب جنم تمہارا داعی ٹھکانہ ہے۔

منظور ہو تو دوسری بات ہے۔^(۱) بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ (۲۸)

اور اسی طرح ہم نے بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب۔^(۲) (۲۹)

اے جنات اور انسانوں کی جماعت! کیا تمارے پاس تم میں سے ہی پیغمبر نہیں آئے تھے،^(۳) جو تم سے میرے احکام بیان کرتے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیتے؟ وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں اور ان کو دنیاوی زندگی نے بھول میں ڈالے رکھا اور یہ لوگ اقرار کرنے والے ہوں گے کہ وہ کافر تھے۔^(۴) (۳۰)

یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر

وَكَذَلِكَ نُؤْتِي بَعْضَ الظَّلِيمِينَ بَعْضًا إِنَّمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

يَمْعَثِرُ الْجِنِّ وَالإِنْسَانُ أَلْهُمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مُّنْكَمُ
يَقْصُدُونَ عَلَيْكُمْ أَيْتُكُمْ وَيَنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمَ حِكْمَةٍ
هُنَّا أَقْلَوْا شَهْدَنَا عَلَى آنفُسِنَا وَخَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَى آنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِيْنَ ۝

ذَلِكَ أَنْ لَهُ يَكُونُ رَبُّكَ مُهْلِكٌ الْقُرْبَى بِطُلْمٍ وَآهْلَهَا

(۱) اور اللہ کی مشیت کفار کے لئے جنم کا داعی عذاب ہی ہے جس کی اس نے بار بار قرآن کریم میں وضاحت کی ہے۔ بنا بریں اس سے کسی کو مغالٹے کا شکار نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ اختنا اللہ تعالیٰ کے مطلق ارادہ کے بیان کے لئے ہے جسے کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا اس لئے اگر وہ کفار کو جنم سے نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے اس سے نہ وہ عاجز ہے نہ کوئی دوسرا روکنے والا۔ (ایسر التفاسیر)

(۲) یعنی جنم میں جیسا کہ ترجیح سے واضح ہے۔ دوسرے مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے کا ساتھی اور مددگار بنایا (جیسا کہ گذشتہ آیت میں گذر رہا) اسی طرح ہم ظالموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ایک ظالم کو دوسرے ظالم پر ہم سلط کر دیتے ہیں اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک و تباہ کرتا ہے اور ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم سے لے لیتے ہیں۔

(۳) رسالت و نبوت کے معاملے میں جنات انسانوں کے ہی تابع ہیں ورنہ جنات میں الگ نبی نہیں آئے البتہ رسولوں کا پیغام پہنچانے والے اور منذرین جنات میں ہوتے رہے ہیں جو اپنی قوم کے جنوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور دیتے ہیں۔ لیکن ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ جنات کا وجود انسان کے پسلے سے ہی ہے تو ان کی ہدایت کے لئے انھیں میں سے کوئی نبی آیا ہو گا پھر آدم علیہ السلام کے وجود کے بعد ہو سکتا ہے وہ انسانی نبیوں کے تابع رہے ہوں، البتہ نبی کریم ﷺ کی رسالت بہر حال تمام جن و انس کے لئے ہے اس میں کوئی شہر نہیں

(۴) میدان حشر میں کافر مختلف پیشترے بد لیں گے، کبھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے (الانعام، ۲۳) اور کبھی اقرار کے بغیر چارہ نہیں ہو گا، جیسے یہاں ان کا اقرار نقل کیا گیا ہے۔

غَفِلُونَ ①

کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی
کے رہنے والے^(۱) بے خبر ہوں۔ (۱۳۱)

اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب درجے میں
گے اور آپ کا رب^(۲) ان کے اعمال سے بے خبر نہیں
ہے۔ (۱۳۲)

اور آپ کا رب بالکل غنی ہے رحمت والا ہے۔ (۳) اگر
وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو
چاہے تمہاری جگہ آباد کروے جیسا کہ تم کو ایک دوسری
قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ (۴) (۱۳۳)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ بے شک آنے والی
چیز ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ (۵) (۱۳۴)

آپ یہ فرمادیجھے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل
کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں، (۶) سواب جلد ہی

وَلِكُلٍ دَرَجٌ مُّهَاجِلُوا مَوْمَارَبَكَ يَغَافِلُ
عَمَّا يَعْمَلُونَ ②

وَرَبُّكَ الْغَيْرُ ذُو الرَّحْمَةِ إِنْ يَشَاءْ يُذْهَلُ
وَيَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِ كُمْ مَا يَشَاءْ كُمْ أَنْشَأَ كُمْ مِنْ
ذُرَيْثَةٍ قَوْمٌ الْخَرِيفُونَ ③

إِنَّ مَا تُوَعَّدُونَ لَآتٍ وَمَا آنُوكُمْ بِمُعْجِزِينَ ④

قُلْ يَقُولُ مَا عَمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَتَوْفِ

(۱) یعنی رسولوں کے ذریعے سے جب تک اپنی جنت قائم نہیں کر دتا، ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ یہی بات سورہ فاطر آیت ۲۳۔ سورہ نحل ۲۶۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۵ اور سورہ ملک ۸۹ وغیرہ میں بیان کی گئی ہے۔

(۲) یعنی ہر انسان اور جن کے، ان کے باہمی درجات میں، عملوں کے مطابق، فرق و تفاوت ہو گا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جنتی اور جہنمی ہوں گے۔

(۳) وہ غنی (بے نیاز) ہے اپنی مخلوقات سے۔ ان کا محتاج ہے نہ ان کی عبادتوں کا ضرورت مند ہے، ان کا ایمان اس کے لئے نفع مند ہے نہ ان کا کفر اس کے لئے ضرر رسان لیکن اس شان غنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لئے رحیم بھی ہے۔ اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

(۴) یہ اس کی بے پناہ قوت اور غیر محدود قدرت کا اظہار ہے۔ جس طرح بچھلی کئی قوموں کو اس نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کھڑا کیا، وہ اب بھی اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے تمہیں نیست و نابود کروے اور تمہاری جگہ ایسی قوم پیدا کر دے جو تم جیسی نہ ہو۔ (مزید ملاحظہ ہو سورہ نساء ۱۳۳۔ سورہ ابراہیم ۲۰۔ سورہ فاطر ۱۵۔ ۱۷۔ سورہ محمد (مشتمل) ۳۸)

(۵) اس سے مراد قیامت ہے۔ ”اور تم عاجز نہیں کر سکتے“ کا مطلب ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے چاہے تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو چکے ہو۔

(۶) یہ کفر اور معصیت پر قائم رہنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سخت وعید ہے جیسا کہ اگلے الفاظ سے بھی واضح ہے۔

تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم کا انعام کارکس کے لیے نافع ہو گا۔ یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہو گی۔^(۱) (۱۳۵)

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھتی اور مواثی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبدوں کا ہے،^(۲) پھر جو چیزان کے معبدوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی^(۳) اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبدوں کی طرف پہنچ جاتی ہے^(۴) کیا برافیصلہ وہ کرتے ہیں۔^(۵) (۱۳۶)

اور اسی طرح بست سے مشرکین کے خیال میں ان کے

تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ
إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ②

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَ أَمِينَ الْحَرَثَ وَالْأَنْعَامَ نَصِيبًا
فَقَاتَلُوا هذَا إِلَيْهِ بِرَغْمِهِمْ وَهَذَا الشَّرَكَ لَنَا
فَمَا كَانَ لِشَرِكَةِ أَيْمَهُمْ فَلَا يَصِلُّ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ
يَلِهُ فَهُوَ يَصِلُّ إِلَى شَرِكَةِ أَيْمَهُمْ سَاءَ مَا يَأْخُذُمُونَ ③

وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ

جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اغْمِلُوهُا عَلَى مَكَانِتِكُمْ إِنَّا نُنَظِّرُ فِيمَا يَعْمَلُونَ * وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنَظِّرُونَ ﴾ (سورہ ہود۔ ۱۲۲-۱۲۱) جو ایمان نہیں لاتے، ان سے کہہ دیجئے! کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل کرتے ہیں اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔^(۱)

(۱) جیسا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کر دکھایا،^(۲) بھری میں مکہ فتح ہو گیا اور اس کے فتح کے بعد عرب قبائل جو ق در جوں مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا اور یہ دائرة پھر پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

(۲) اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ و عمل کا ایک نمونہ بتایا گیا ہے جو انہوں نے اپنے طور پر گھر رکھے تھے۔ وہ زمینی پیداوار اور مال مولیشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لئے اور کچھ اپنے خود ساختہ معبدوں کے لئے مقرر کر لیتے۔ اللہ کے حصے کو مہماں، فقراء اور صدر حمی پر خرچ کرتے اور بتوں کے حصے کو بتوں کے مجاہرین اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے۔ پھر اگر بتوں کے مقررہ حصے میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصے میں سے نکال کر اس میں شامل کر لیتے اور اس کے بر عکس معاملہ ہو تا تو بتوں کے حصے میں سے نہ نکلتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے۔

(۳) یعنی اللہ کے حصے میں کسی کی صورت میں بتوں کے مقررہ حصے میں سے تصدقات و خیرات نہ کرتے۔

(۴) ہاں اگر بتوں کے مقررہ حصے میں کسی ہو جاتی تو وہ اللہ کے مقررہ حصے سے لے کر بتوں کے مصالح اور ضروریات پر خرچ کر لیتے۔ یعنی اللہ کے مقابلے میں بتوں کی عظمت اور ان کا خوف ان کے دلوں میں زیادہ تھا جس کا مشاہدہ آج کے مشرکین کے رویے سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مسخن بنا رکھا ہے^(۱) تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کرویں^(۲) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے^(۳) تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یوں نہیں رہنے دیتے^(۴) (۱۳۷)

اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کچھ مواثی ہیں اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں^(۵) اور مواثی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی^(۶) اور کچھ مواثی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے مخفی اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر۔^(۷) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیے دیتا ہے۔ (۱۳۸)

أَوْلَادِهِمْ شَرَكَأُفْهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَمْسُوا عَلَيْهِمْ
دِينَهُمْ وَلَوْشَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرُهُمْ
وَمَا يَفْدَرُونَ (۱۳۷)

وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ جِجْرَلَابِطَعْمَهَا إِلَامَنْ
نَشَأُبِزَعِيهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرْمَتْ طُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ
لَأَيْدِكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتَرَاءَ عَلَيْهِ شَيْجِزِيَّهُمْ
بِمَا كَانُوا يَفْدَرُونَ (۱۳۸)

(۱) یہ اشارہ ہے ان کے بچیوں کے زندہ درگور کر دینے یا بتوں کی بھینٹ چڑھانے کی طرف۔

(۲) یعنی ان کے دین میں شرک کی آمیزش کر دیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات اور قدرت سے، ان کے ارادہ و اختیار کی آزادی کو سلب کر لیتا، تو پھر یقیناً یہ وہ کام نہ کرتے جو نہ کور ہوئے لیکن ایسا کرنا چونکہ جبر ہوتا، جس میں انسان کی آزمائش نہیں ہو سکتی تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر آزمانا چاہتا ہے، اس لئے اللہ نے جبر نہیں فرمایا۔

(۴) اس میں ان کی جانلی شریعت اور اباضل کی تین صورتیں اور بیان فرمائی ہیں۔ حِجْرٌ (بمعنی منع) اگرچہ مصدر ہے لیکن مفعول یعنی مَحْجُورٌ (منوع) کے معنی میں ہے۔ یہ پہلی صورت ہے کہ یہ جانور یا فلاں کھیت کی پیداوار، ان کا استعمال منوع ہے۔ اسے صرف وہی کھائے گا جسے ہم اجازت دیں گے۔ یہ اجازت بتوں کے خادم اور مجاورین ہی کے لئے ہوتی۔

(۵) یہ دوسری صورت ہے کہ وہ مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیتے جن سے وہ بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے۔ جیسے بَحِيرَةَ سَابِيَّةَ وَغَيْرَهُ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

(۶) یہ تیسرا صورت ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت صرف اپنے بتوں کا نام لیتے، اللہ کا نام نہ لیتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان جانوروں پر بینچہ کروہ حج کے لئے نہ جاتے۔ برعکس یہ ساری صورتیں گھری ہوئی تو ان کی اپنی تھیں لیکن وہ اللہ پر افترا باندھتے یعنی یہ باور کرتے کہ اللہ کے حکم سے ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔

اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیزان مواثی کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں سب برابر ہیں۔ ابھی اللہ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزادیے دیتا ہے^(۱) بلاشبہ وہ حکمت والا ہے اور وہ بڑا علم والا ہے۔^(۲) (۱۴۹)

واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنوں نے اپنی اولاد کو محض براہ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر دیا اور جو چیزیں ان کو اللہ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کر لیا محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر۔ بے شک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے۔^(۱۴۰)

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں^(۳) اور زیتون اور انار جو باہم

وَقَالُوا مَا فِيْ بَطْوَنِ هَذِهِ الْأَعْلَمُ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا
وَمُحَرَّمٌ عَلَى آذْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ
شَرٌّ كَمَا مُسَيَّبُهُنَّ بِهِ وَصَفَّهُمْ إِلَهٌ حَكِيمٌ عَلَيْهِمْ^(۱)

قَدْ خَسِرَ أَذْيَانُّ مَتَلَوْ أَوْلَادَهُمْ سَقَهَا بِعَيْرٍ
عَلَيْهِ وَحَرَمُوا مَارَرَ قَهْمُ اللَّهُ أَفْتَرَ أَعْلَمَ اللَّهُ قَدْ
صَلَوَأَوْمَا كَانُوا مُهَتَّدِينَ^(۲)

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَمِيعًا مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَهُ
مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلُ وَالرِّزْقُ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ
وَالرَّيْثُونَ وَالرِّزْمَانَ مُشَاهِدَهَا وَغَيْرَ مُشَاهِدَهُ^(۳)

(۱) یہ ایک اور شکل ہے کہ جو جانوروں اپنے بتوں کے نام وقف کرتے، ان میں سے بعض کے بارے میں کہتے کہ ان کا دودھ اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا زندہ بچہ صرف ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے، عورتوں کے لئے حرام ہے۔ ہاں اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت برابر ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو غلط بیانی کرتے ہیں اور اللہ پر افترا باندھتے ہیں، ان پر عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں سزادے گا۔ وہ اپنے فیصلوں میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے بارے میں پوری طرح علم رکھنے والا ہے اور اپنے علم و حکمت کے مطابق وہ جزا و سزا کا اہتمام فرمائے گا۔

(۳) مَعْرُوشَاتٍ کا مادہ عَزْشٌ ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں۔ مراد معروشات سے بعض درختوں کی وہ بیلیں ہیں جو ٹیوں (چھپروں، منڈریوں وغیرہ) پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور اور بعض ترکاریوں کی بیلیں ہیں۔ اور غیر معروشات، وہ درخت ہیں جن کی بیلیں اور نہیں چڑھائی جاتیں بلکہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں، جیسے خربوزہ اور تربوز وغیرہ کی بیلیں ہیں یا وہ تنے دار درخت ہیں جو نیل کی شکل میں نہیں ہوتے۔ یہ تمام بیلیں، درخت اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں، جن کے ذاتے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور زیتون و انار، ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے،^(۱) ان سب کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اسکے کامنے کے دن دیا کرو^(۲) اور حد سے^(۳) مت گزرو یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔^(۴) (۱۳۱)

اور مواثی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے^(۵) (پیدا کیے) جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے کھاؤ^(۶) اور شیطان کے قدم بعدم مت چلو،^(۷) بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (۱۳۲)

كُلُّوْا مِنْ ثَمَرَةٍ إِذَا آتَاهُمْ رَأْوَاحَقَةً يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُنْسِرُ فُؤَادَهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرْشًا كُلُّوْا مِنَ أَرْقَلُمُ اللَّهُ وَلَا تَنْهِي عَنِ الْخُطُوبِ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُوْدُ وَمُبْيِنٌ ۝

(۱) اس کے لئے دیکھئے آیت ۹۹ کا حاشیہ۔

(۲) یعنی جب کھیت سے غلہ کاٹ کر صاف کر لو اور پھل ورختوں سے توڑلو، تو اس کا حق ادا کرو۔ اس حق سے مراد بعض علماء کے نزدیک نفلی صدقہ ہے اور بعض کے نزدیک صدقۂ واجبہ یعنی عشر، دسوال حصہ (اگر زمین بارانی ہو) یا نصف عشر یعنی بیسوال حصہ (اگر زمین کنویں، ٹیوب ویل یا نہری پانی سے سیراب کی جاتی ہو)

(۳) یعنی صدقۂ خیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں اس کا تعلق حکام سے ہے یعنی صدقۂ ورثۃ کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کرو اور امام اہن کیش فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کی رو سے زیادہ صحیح یہ بات لگتی ہے کہ کھانے میں اسراف مت کرو کیونکہ بیمار خوری عقل اور جسم دونوں کے لئے مضر ہے۔ اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اس لئے سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا ہے، جس سے واضح ہے کہ کھانے پینے میں بھی اعتدال بہت ضروری اور اس سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہے۔ آج کل مسلمانوں نے اس اسراف کو اپنی امارت کے اظہار کی علامت بنا لیا ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِحُونَ۔

(۴) اس لئے اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے، صدقۂ خیرات دینے میں نہ کسی اور چیز میں۔ ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی مطلوب و محبوب ہے اور اسی کی تائید کی گئی ہے۔

(۵) حُمُولَة (بوجہ اٹھانے والے) سے مراد، اونٹ، نیل، گدھا، چخروں گیرہ ہیں، جو بار برداری کے کام میں آتے ہیں اور فَرْشًا سے مراد زمین سے لگے ہوئے جانور۔ جیسے بکری وغیرہ جس کا تم دودھ پینتے یا گوشت کھاتے ہو۔

(۶) یعنی پھلوں، کھیتوں اور چوپاپیوں سے۔ ان سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ان کو تمہارے لئے خوارک بنا لیا ہے۔

(۷) جس طرح مشرکین اس کے پیچھے لگ گئے اور حلال جانوروں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا گوا اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کو حلال کر لیتا یہ شیطان کی پیروی ہے۔

(پیدا کیے) آٹھ نزوں مادہ^(۱) یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم^(۲) آپ کیسے کہ کیا اللہ نے ان دونوں نزوں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیش میں لئے ہوئے ہوں؟^(۳) تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر سچے ہو۔^(۴) (۱۳۳)

اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم^(۵) آپ کیسے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نزوں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیش میں لئے ہوئے ہوں؟ کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا؟^(۶) تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو

ثَنِينَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ النَّفَّارِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزَانِيَّتِينَ
قُلْ إِنَّ اللَّهَ كَرِيمٌ حَرَمَ أَمَّا الْأَنْتَيَّنَ
أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ
أَرْحَامُ الْأَنْتَيَّنَ طَبَّشُونَ بِعَلَمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ^(۷)

وَمِنَ الْأَلْبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ
قُلْ إِنَّ اللَّهَ كَرِيمٌ
حَرَمَ أَمَّا الْأَنْتَيَّنَ
أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأَنْتَيَّنَ
أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَضَكُمُ اللَّهُ بِهِدَى فَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ
إِنْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيَضُلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ

(۱) یعنی اُنْشَأَ ثَمَانِيَّةَ أَزْوَاجٍ (اسی اللہ نے آٹھ زوج پیدا کئے) اُزْوَاجُ، زَوْجٌ کی جمع ہے۔ ایک ہی جنس کے زراور مادہ کو زوج (جوڑا) کما جاتا ہے اور ان دونوں کے ایک ایک فرد کو بھی زوج کہ لیا جاتا ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے کے لئے زوج ہوتا ہے۔ قرآن کے اس مقام پر بھی ازواج، افراد ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ۱۸ افراد اللہ نے پیدا کئے جو باہم ایک دوسرے کا جوڑا ہیں۔ یہ نہیں کہ زوج (معنی جوڑے) پیدا کئے کیوں کہ اس طرح تعداد ۸ کے بجائے ۱۶ ہو جائے گی جو آیت کے اگلے حصہ کے مطابق نہیں ہے۔

(۲) یہ ثَمَانِيَّةَ سے بدل ہے اور مراد دو قسم سے زراور مادہ ہے یعنی بھیڑ سے زراور مادہ اور بکری سے زراور مادہ پیدا کئے (بھیڑ میں ہی وجبہ چھڑا بھی شامل ہے)

(۳) مشرکین جو بعض جانوروں کو اپنے طور پر ہی حرام کر لیتے تھے، اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نزوں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا اس سچے کو جو دونوں ماداؤں کے پیش میں ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو کسی کو بھی حرام نہیں کیا ہے۔

(۴) تمہارے پاس حرام قرار دینے کی کوئی یقینی دلیل ہے تو پیش کرو کہ بَحِيرَةٌ، سَائِنَةٌ وَصِيلَةٌ اور حَامٌ وَغَيْرَه اس دلیل کی بنیاد پر حرام ہیں۔

(۵) یہ بھی ثَمَانِيَّةَ سے بدل ہے اور یہاں بھی دو دو قسم سے دونوں کے زراور مادہ مراد ہیں اور یوں یہ آٹھ قسمیں پوری ہو گئیں۔

(۶) یعنی تم جو بعض جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو، کیا جب اللہ نے ان کی حرمت کا حکم دیا تو تم اس کے پاس موجود تھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو ان کی حرمت کا کوئی حکم ہی نہیں دیا۔ یہ سب تمہارا افتراض ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

الله تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے،^(۱) تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھلاتا۔^(۲)

آپ کہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو۔^(۳) پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور الرحيم ہے۔^(۴)

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّلِمِينَ^(۵)

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوتِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعَةٍ يَطْعَمُهُ
إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ
خَنْدِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فُسْقًا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ يَهُوَ فَإِنَّ
أَضْطَرَّ غَيْرَ بَاغِثٍ لِلْعَادِ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۶)

(۱) یعنی یہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن الحبیب کو جہنم میں اپنی انتزیاب کھینچتے ہوئے دیکھا، اس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر وسیلہ اور حام و غیرہ جانور چھوڑنے کا سلسہ شروع کیا تھا (صحيح بخاری، تفسیر سورۃ المائدۃ۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب النار یدخلها الجبارون والجنۃ... یدخلها الضعفاء) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ عمرو بن الحبیب قبیلے کے سرداروں میں سے تھا جو جرم قبیلے کے بعد خانہ کعبہ کا والی بنا تھا، اس نے سب سے پہلے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی اور حجاز میں بت قائم کر کے لوگوں کو ان کی عبادات کرنے کی دعوت دی اور مشرکانہ رسمیں جاری کیں (ابن کثیر)، بحال مقصود آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آئھہ قسم کے جانور پیدا کر کے بندوں پر احسان فرمایا ہے، ان میں سے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر لینا، اللہ کے احسان کو رد کرنا بھی ہے اور شرک کا رتکاب بھی۔

(۲) اس آیت میں جن چار محمرات کا ذکر ہے، اس کی ضروری تفصیل سورۃ بقرہ ۱۷۳ کے حاشیے میں گذر چکی ہے۔ یہاں یہ نکتہ مزید قابل وضاحت ہے کہ ان چار محمرات کا ذکر کلمہ حصر سے کیا گیا ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار قسموں کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ اور جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس سے قبل مشرکین کے جاہلیانہ طریقوں اور ان کے رد کا بیان چلا آرہا ہے۔ ان ہی میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا ہے جو انہوں نے اپنے طور پر حرام کر کر کھتے تھے، اس سیاق اور ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے اس میں تو اس سے مقصود مشرکین کے حرام کردہ جانوروں کی حلت ہے یعنی وہ حرام نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے جن محمرات کا ذکر کیا ہے ان میں تو وہ شامل ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ حرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا بھی ذکر ضرور کرتا۔ امام شوکانی نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ اگر یہ آیت کمی نہ ہوتی تو پھر یقیناً

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے^(۱) اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جوان کی پشت پر پیا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو بڈی سے ملی ہو۔^(۲) ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی^(۳) اور ہم یقیناً پچ ہیں۔^(۴) (۱۲۶)

پھر اگر یہ آپ کو کاذب کیس تو آپ فرمادیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے^(۵) اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ملے گا۔^(۶) (۱۲۷)

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَمَنَا كُلَّ ذُي طَفْعٍ وَمِنَ الْبَقَرِ
وَالْغَنِيمَةِ حَرَمَنَا عَلَيْهِمْ سُحْوَمَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلُتُ
ظَاهِرُهُمَا وَالْحَوَافِيَّاً أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظِيمٍ
ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِمَا عَصَمُوْهُ وَإِنَّ الْمُصْدِقُونَ ۝

فَإِنْ كَذَّبُوكُمْ فَقُلْ رَبِّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسْعَادٍ وَلَا يُرِدُ
بِأَسْهَلَةٍ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

حرمات کا حصر قابل تسلیم تھا لیکن چونکہ اس کے بعد خود قرآن نے المائدہ میں بعض اور حرمات کا ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی کچھ حرمات بیان فرمائیں ہیں، تو اب وہ بھی ان میں شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ نے پرندوں اور پرندوں کے حل و حرمت معلوم کرنے کے لئے دو اصول بیان فرمادیئے ہیں جن کی وضاحت بھی مذکورہ محلہ حاشیہ میں موجود ہے۔ اُن فسقا کا عطف لَخَمَ خِنْزِيرٍ پر ہے۔ اس نے منصوب ہے، معنی ہیں اُنی: ذبیح عَلَی الأَصْنَامِ "وَهُنَّ مَوْلَوْهُنَّ"۔ فتنہ کا عطف لَخَمَ خِنْزِيرٍ پر ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانوروں پر گو عن الدُّنْعَ اللَّهُ كَانَمْ لِيَا جَاءَ، تب بھی حرام ہوں گے کیونکہ ان سے اللہ کا تقرب نہیں، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہے۔ فتنہ رب کی اطاعت سے خروج کا نام ہے۔ رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے اور صرف اسی کے تقرب و نیاز کے لئے کیا جائے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو یہی فتنہ اور شرک ہے۔

(۱) ناخن والے جانور سے مراد وہ ہاتھ والے جانور ہیں جن کی انگلیاں کچھی ہوئی یعنی جدا جانا ہوں۔ جیسے اونٹ، شتر مرغ، بُطْنَ، قاز، گائے اور بکری وغیرہ۔ ایسے سب چند پرند حرام تھے۔ گویا صرف وہ جانور اور پرندے ان کے لئے حلال تھے جن کے پنج کھلے ہوں۔

(۲) یعنی جو چربی گائے یا بکری کی پشت پر ہو (یا دنبے کی چکتی ہو) یا انتڑیوں (یا اوچھہ) یا ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ چربی کی یہ مقدار حلال تھی۔

(۳) یہ چیزیں ہم نے بطور سزا ان پر حرام کی تھیں یعنی یہود کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ یہ چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی تھیں اور ہم تو ان کے اتباع میں ان کو حرام سمجھتے ہیں۔

(۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود یقیناً اپنے مذکورہ دعوے میں جھوٹے ہیں۔

(۵) اس نے مکذب کے باوجود عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

(۶) یعنی مملت دینے کا مطلب ہمیشہ کے لئے عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا نہیں ہے۔ وہ جب بھی عذاب دینے کا فیصلہ

یہ مشرکین (یوں) کیسیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہ سکتے۔^(۱) اسی طرح جو لوگ ان سے پسلے ہو جکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔^(۲) آپ کیسے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے رو برو ظاہر کرو۔^(۳) تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل انکل سے باتیں بناتے ہو۔^(۴)

آپ کیسے کہ بس پوری جھٹت اللہ ہی کی رہی۔ پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لے آتا۔^(۵)

آپ کیسے کہ اپنے گواہوں کو لاو جو اس بات پر شادست دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے،^(۶) پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو آپ اس کی شادست^(۷) نہ دیجئے اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت سمجھے! جو ہماری آئیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو نہ صوراتے ہیں۔^(۸)

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَنْتُمْ نَوْشَأَهُمَا إِنْ شَرَكْنَا بِأَلَا
إِنَّا وَنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَبَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ
مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَعْلَمُونَ إِلَّا الْقَلْنَ وَلَنْ
أَنْتُمُ الْأَغْرِصُونَ^(۹)

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَمْ يَشَأْ لَهُمَا كُمْ أَجْمَعِينَ^(۱۰)

قُلْ هَلْمَ شُهَدَاءُكُمُ الَّذِينَ يَشْهُدُونَ أَنَّ اللَّهَ
حَرَمَهُمْ هَذَا فَإِنْ شَهَدُوا فَأَلَا تَشْهُدُ مَعَهُمْ وَلَا تَنْهِمُ
أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِأَيْمَنِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَيْهُمْ يَعْدَلُونَ^(۱۱)

کرے گا تو پھر اسے کوئی نال نہیں سکے گا۔

(۱) یہ وہی مغالطہ ہے جو مشیتِ اللہ اور رضاۓ اللہ کو ہم معنی سمجھ لینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس کی وضاحت پسلے کی جا چکی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ اگر یہ شرک اللہ کی رضاۓ کا مظہر تھا تو پھر ان پر عذاب کیوں آیا؟ عذابِ اللہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضاۓ اللہ اور چیز۔

(۳) یعنی اپنے دعوے پر تمہارے پاس دلیل ہے تو پیش کرو! لیکن ان کے پاس دلیل کہاں؟ وہاں تو صرف اوہاں و نہ نہیں ہی ہیں۔

(۴) یعنی وہ جانور، جن کو مشرکین حرام قرار دیئے ہوئے تھے۔

(۵) کیوں کہ ان کے پاس سوائے کذب و افتراء کے کچھ نہیں۔

(۶) یعنی اس کا عدل (برا بر کا) نہ کر کر شرک کرتے ہیں۔

آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن (یعنی جن کی مخالفت) کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمادیا ہے،^(۱) وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھراو۔^(۲) اور مال باب کے ساتھ احسان کرو^(۳) اور اپنی اولاد کو افلas کے سبب قتل مت کرو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں^(۴) اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں خواہ پوشیدہ، اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ^(۵) ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (۱۵۱)

فُلْ تَعَالَوْ أَتْلُ مَا حَرَمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَا تُشْرِكُوا بِهِ
شَيْئًا وَإِلَوْالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أُولَادَهُمْ مِنْ
إِمْلَاقِ ثَنَنْ تَرْزُقُكُمْ وَلَا يَأْهُمْ وَلَا تَرْجِعُوا الْفَوَاحِشَ مَا
كَلَّهُ مِنْهَا وَمَا بَطَلَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفَسَ الَّتِي حَرَمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَمْكُمْ يَهْ لَعْلَمْ تَعْقِلُونَ ⑥

(۱) یعنی حرام وہ نہیں ہیں جن کو تم نے بلا دلیل مَا أَنْزَلَ اللَّهُ، محض اپنے اوہام بالعلمہ اور نظنون فاسدہ کی غنیاد پر حرام قرار دے رکھا ہے۔ بلکہ حرام تو وہ چیزیں ہیں جن کو تمہارے رب نے حرام کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا پیدا کرنے والا اور تمہارا پالنہار وہی ہے اور ہر چیز کا علم بھی اسی کے پاس ہے۔ اس لئے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال اور جس چیز کو چاہے حرام کرے۔ چنانچہ میں تمہیں ان باتوں کی تفصیل بتلاتا ہوں جن کی تاکید تمہارے رب نے کی ہے۔

(۲) أَلَا تُشْرِكُوا سے پہلے أَوْصَاصُمْ مَحْذُوفٌ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو تم شریک مت ٹھراو۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، جس کے لئے معافی نہیں، شرک پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ قرآن مجید میں یہ ساری چیزیں مختلف انداز سے بار بار بیان ہوئی ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی احادیث میں ان کو تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمادیا ہے اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ لوگ شیطان کے برکاوے میں آکر شرک کا عام ارتکاب کرتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی توحید و اطاعت کے بعد یہاں بھی (اور قرآن کے دوسرے مقالات پر بھی) والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطاعت رب کے بعد اطاعت والدین کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی نے اس روایت صفری (والدین کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک) کے تقاضے پورے نہیں کئے تو وہ روایت کبری کے تقاضے بھی پورے کرنے میں ناکام رہے گا۔

(۴) زمانہ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آج کل ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور و شور سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

(۵) یعنی قصاص کے طور پر، نہ صرف جائز ہے بلکہ اگر مقتول کے وارث معاف نہ کریں تو یہ قتل نمایت ضروری ہے۔

﴿وَلَكُنْ فِي الْقَصَاصِ حَيْثُوا ه﴾ (البقرة - ۱۷۹) ”قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔“

اور میتم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے^(۱) اور ناپ تول پوری پوری کرو، انصاف کے ساتھ،^(۲) ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔^(۳) اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، گوہ شخص قربات دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عمد کیا اس کو پورا کرو، ان کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تائیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔^(۴) (۱۵۲)

اور یہ کہ یہ دین^(۵) میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو^(۶) اور دوسرا را ہوں پر مت چلو کہ وہ را ہیں

وَلَا تَقْرِبُوا مَالَ الْيَتَامَةِ إِلَّا بِالْيَتِيمِ هِيَ أَحْسَنُ حَثْيٌ
يَبْلُغُ أَشْدَدَهُ وَأَوْفُوا الْكَيْنَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا تَكْفِي
نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَا تَكُلُّمُ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى
وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَضَلَّمُ يَهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ^(۷)

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمًا فَإِنِّي وَوْدَهُ وَلَا تَنْبِهُوا السُّبُلَ

(۱) جس میتم کی کفالت تم ساری ذمہ داری قرار پائے، تو اس کی ہر طرح خیر خواہی کرنا تمہارا فرض ہے۔ اسی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے اس مال سے یعنی وراثت میں سے اس کو حصہ ملا ہے، چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین اور جائیداد کی صورت میں، تاہم ابھی وہ اس کی حفاظت کرنے کی الیت نہیں رکھتا۔ اس کے مال کی اس وقت تک پورے خلوص سے حفاظت کی جائے جب تک وہ بلوغت اور شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ یہ نہ ہو کہ کفالت کے نام پر، اس کی عمر شعور سے پہلے ہی اس کے مال یا جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

(۲) ناپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت تو پورا ناپ یا تول کر لینا، گردیتے وقت ایسا نہ کرنا بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم رہنا، یہ نہیت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ قوم شعیب میں یہی اخلاقی بیماری تھی جوان کی تباہی کے من جملہ اسباب میں سے تھی۔

(۳) یہاں اس بات کے بیان سے یہ مقصد ہے کہ جن باتوں کی تائید کر رہے ہیں، یہ ایسے نہیں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کا حکم ہی نہ دیتے۔ اس لئے کہ طاقت سے بڑھ کر ہم کسی کو مکلف ہی نہیں ٹھہراتے۔ اس لئے اگر نجات اخروی اور دنیا میں بھی عزت و سرفرازی چاہتے ہو تو ان احکام الہی پر عمل کرو اور ان سے گریزت کرو۔

(۴) ہذا (یہ) سے مراد قرآن مجید یا دین اسلام یا وہ احکام ہیں جو بطور خاص اس سورت میں بیان کئے گئے ہیں اور وہ ہیں توحید، معاد اور رسالت۔ اور یہی اسلام کے اصول ثلاثة ہیں جن کے گرد پورا دین گھومتا ہے۔ اس لئے جو بھی مراد لیا جائے مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

(۵) صراط مستقیم کو واحد کے میثے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی، یا قرآن کی، یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں۔ اس لئے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہی ملت مسلمہ کی وحدت و اجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ حالانکہ اسے تائید کی گئی ہے۔

تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پر ہیزگاری اختیار کرو۔ (۱۵۳)

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں۔ (۱۵۴)

اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی،^(۲) سواس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ (۱۵۵)

کہیں تم لوگ یوں^(۳) نہ کو کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے ان پر نازل ہوئی تھی، اور ہم ان

تَغْرِيقَ يَكُونُ عَنْ سَيِّلِهِ ذَلِكُمْ وَصَلَكُمْ يَهُ لَعْلَكُمْ تَتَفَوَّنَ ⑥

ثُمَّ أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَهَمَّاً عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا
لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ يَلْقَاهُ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ⑦

وَهَذَا إِكْتَبَ آنْزَلْنَاهُ مُبَرَّكًا فَاتِّبِعُوهُ وَاقْتُوا الْعَلَّامُ
تُرْحَمُونَ ⑧

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا آنْزَلَ الْكِتَابَ عَلَى كَلِيفَتَنِينَ مِنْ قَبْلِنَا
وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ⑨

کہ ”دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی“۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَنْ أَقْتَنُوا الَّذِينَ دَرَأَتْتَغْرِيقَهُنَّ﴾ (الشوریٰ)، ”دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو“ گویا اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ”یہ اللہ کا سید ہمار است ہے“۔ اور چند خطوط اس کی دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا ”یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے“۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو زیر وضاحت ہے۔ (مند احمد، جلد ۱، ص ۲۶۵، ۲۳۵)۔ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے ویکھنے مند احمد بہ تعليق احمد شاکر نمبر ۳۱۳۲ بلکہ ابن ماجہ کی روایت میں صراحة ہے کہ دو دو خط داہنے اور بائیں کھینچے۔ یعنی کل چار خطوط کھینچے اور انہیں شیطان کا راستہ بتایا۔

(۱) قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے جو متعدد جگہ دہرا یا گیا ہے کہ جمال قرآن کا ذکر کر رہتا ہے تو وہاں تورات کا اور جہاں تورات کا ذکر ہو وہاں قرآن کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں حافظ ابن کثیر نے نقل کی ہیں۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں تورات کا اور اس کے اس وصف کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جس میں ان کی دینی ضروریات کی تمام باتیں تفصیل سے بیان کی گئی تھیں اور وہ بدایت و رحمت کا باعث تھی۔

(۲) اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں دین و دنیا کی برکتیں اور بھلاکیاں ہیں۔

(۳) یعنی یہ قرآن اس لئے اتارا تاکہ تم یہ نہ کہو۔ دو فرقوں سے مراد یہ وہ نصاری ہیں۔

کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے۔^(۱) (۱۵۶)
 یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ راست پر ہوتے۔ سواب تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے۔^(۲) اب اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو ہماری ان آئیوں کو جھوٹا بتائے اور اس سے روکے۔^(۳) ہم جلد ہی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آئیوں سے روکتے ہیں ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔^(۴) (۱۵۷)

کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی (بڑی) نشانی آئے؟^(۵) جس روز آپ کے رب

أَفْتَوَلُوا لَوْاً فَأَنْزَلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لِكُلِّ أَهْدَى وَنَهُمْ
 فَقَدْ جَاءُكُمْ بِهِنَّةٍ مِّنْ رَّيْكُمْ وَهُدُىٰ وَرَحْمَةٌ فَعَنْ
 أَنْكُمْ مِّنْ كَذِبَ رِبَّكُمْ إِلَيْهِ وَصَدَقَ عَنْهُمْ سَجْرِي
 الَّذِينَ يَصْدِقُونَ عَنْ إِيمَانِهِنَّ أَسْوَءُ الْعَدَابِ يَمْهَا
 كَانُوا يَصْدِقُونَ^(۶)

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا إِنَّ شَأْنَهُمُ الْمَلِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِي
 بَعْضُ آيَتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُونَ^(۷)

(۱) اس لئے کہ وہ ہماری زبان میں نہ تھی۔ چنانچہ اس عذر کو قرآن عربی میں اتار کر ختم کر دیا۔

(۲) گویا یہ عذر بھی تم نہیں کر سکتے۔

(۳) یعنی کتاب ہدایت و رحمت کے نزول کے بعد اب جو شخص ہدایت (اسلام) کا راستہ اختیار کر کے رحمت الہی کا مستحق نہیں بنتا، بلکہ تکذیب و اعراض کا راستہ اپناتا ہے، تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ صدف کے معنی اعراض کرنے کے بھی کئے گئے ہیں اور دوسروں کو روکنے کے بھی۔

(۴) قرآن مجید کے نزول اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے ذریعے سے ہم نے جنت قائم کر دی ہے۔ اب بھی اگر یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یعنی ان کی رو حسین قبض کرنے کے لئے، اس وقت یہ ایمان لا ایں گے؟ یا آپ کا رب ان کے پاس آئے، یعنی قیامت بہپا ہو جائے اور وہ اللہ کے رو بروپیش کے جائیں۔ اس وقت یہ ایمان لا ایں گے؟ یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے۔ جیسے قیامت کے قریب سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ تو اس قسم کی بڑی نشانی دیکھ کر یہ ایمان لا ایں گے؟ اگلے جملے میں وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر یہ اس انتظار میں ہیں تو بتہی نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ بڑی نشانی کے ظہور کے بعد کافر کا ایمان اور فاسق و فاجر شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ صحیح حدیث ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ سورج (مشرق کے بجائے) مغرب سے طلوع ہو پس جب ایسا ہو گا اور لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ ﴿لَا يَنْفَعُنَّقَسْمًا إِيمَانُهَا لَوْلَا تَكُونُ أَمْنَتُهُنَّ مِنْ قَبْلٍ﴾ یعنی اس وقت ایمان لانا کسی کو نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہو گا (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ الأنعام)

کی کوئی بڑی نشانی آپسے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پسلے سے ایمان نہیں رکھتا۔^(۱) یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔^(۲) آپ فرمادیجھے کہ تم مفترر ہو، ہم بھی مفترر ہیں۔^(۳) (۱۵۸)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے،^(۴) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ پھر ان کو ان کا کیا ہوا جلا دیں گے۔ (۱۵۹)

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گناہ میں گے^(۵) اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی^(۶) اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا۔ (۱۶۰)

إِيمَانُهُ الْمُكَانُ أَمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أُوكَبَدَتْ فِي إِيمَانِهِ لَا يُغَرِّقُ
أَنْتَظِرُوا إِنَّا مُنْذِرُونَ (۶۶)

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شَيْعَةً لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ
إِنَّهَا أَمْرُهُمْ إِلَى أَنْتُو تُحِبُّنَّهُمْ بِمَا كُلُّوا يَعْلَمُونَ (۶۷)

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ أَثْرَأْمَلَاهَا وَمَنْ جَاءَ بِالْسَّيِّئَةِ
فَلَا يُجْزِي إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۶۸)

(۱) یعنی کافر کا ایمان فائدہ مند، یعنی قبول نہیں ہو گا۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ کوئی گناہ گار مومن گناہوں سے توبہ کرے گا تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی اور اس کے بعد عمل صالح غیر مقبول ہو گا۔ جیسا کہ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) یہ ایمان نہ لانے والوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے لئے تهدید و دعید ہے۔ قرآن کریم میں یہی مضمون سورہ محمد ۱۱۸ اور سورہ مومن ۸۳، ۸۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۴) اس سے بعض لوگ یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں جو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض مشرکین مراد لیتے ہیں کہ کچھ مشرک ملائکہ کی، کچھ ستاروں کی، کچھ مختلف بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن یہ آیت عام ہے کفار و مشرکین سیست وہ سب لوگ اس میں داخل ہیں جو اللہ کے دین کو اور رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر دوسرا دین یا دوسرے طریقے کو اختیار کر کے تفرق و تحزب کا راستہ اپناتے ہیں۔ شیعما کے معنی فرقے اور گروہ، اور یہ بات ہر اس قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملے میں مجتمع تھی لیکن پھر ان کے مختلف افراد نے اپنے کسی بڑے کی رائے کو ہی مستند اور حرف آخر قرار دے کر اپنا راستہ الگ کر لیا، چاہے وہ رائے حق و صواب کے خلاف ہی ہو (فتح القدير)۔

(۵) یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کا بیان ہے جو اہل ایمان کے ساتھ وہ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدله دس نیکیوں کے برابر عطا فرمائے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے۔ ورنہ قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا جر کنی کہنی سو گناہ بلکہ ہزاروں گناہ تک ملے گا۔

(۶) یعنی جن گناہوں کی سزا مقرر نہیں ہے، اور اس کے ارتکاب کے بعد اس نے اس سے توبہ بھی نہیں کی یا اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب نہ آئیں، یا اللہ نے اپنے فضل خاص سے اسے معاف نہیں فرمادیا (کیونکہ ان تمام سورتوں میں

آپ کہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے کہ وہ ایک دین مستحکم ہے جو طریقہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کا جو اللہ کی طرف یکسو تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ (۱۶۱)

آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مننا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ (۱۶۲)

اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب مانے والوں میں سے پہلا ہوں۔ (۱۶۳)

آپ فرمادیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا^(۲) اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا

قُلْ إِنِّي هَدَىٰنِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ وَّدِينًا قَمِّا مَلَةً
إِبْرَهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۱)

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي يَلِه
رَبِّ الْعَالَمِينَ (۲)

لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذِلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَقُولُ الْمُسْلِمِينَ (۳)

قُلْ أَغَيْرُ اللَّهِ أَبْغِي رَبِّا وَهُوَ أَكْلِ شَيْءٍ وَلَا يَنْكِبُ كُلُّ نَفْسٍ
إِلَّا عَيْنَهَا وَلَا تَرْزُقُ وَارِدَةٌ وَلَا حَرَقَةٌ إِلَّا رَبِّكَهُ وَجْهُكَ

مجازات کا قانون بروئے عمل نہیں آئے گا تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی براہی کی سزادے گا اور اس کے برابری دے گا۔

(۱) توحید الوہیت کی بھی دعوت تمام انبیاء نے دی، جس طرح یہاں آخری پیغمبر کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ ”مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب مانے والوں سے پہلا ہوں۔“ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیا بھیجے، سب کو بھی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو“ (الانبیاء - ۲۵) چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہ اعلان فرمایا ﴿ وَأَمْرُتُ أَنَّ الْكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾ (یونس - ۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کماکہ انسِلِم (فرمانبردار ہو جا) تو انہوں نے فرمایا ﴿ أَسْلَمْتُ لِرَبِّي
الْعَالَمِينَ ﴾ (البقرة - ۱۱) ”میں رب العالمین کے لئے مسلمان یعنی فرمانبردار ہو گیا“ حضرت ابراہیم علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی ﴿ فَلَا تَنْهُوْنُ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾ (البقرة - ۲۲) ”تمہیں موت اسلام پر آئی چاہیے“ حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی ﴿ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا ﴾ (یوسف - ۱۰) ”مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھانا۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ﴿ فَعَلَيْهِ تَوَكُّلُوا إِنَّنِي مُسْلِمٌ ﴾ (یونس - ۸۲) اگر تم مسلمان ہو تو اسی اللہ پر بھروسہ کرو۔ ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا ﴿ وَاشْهَدُ بِإِنَّنِي مُسْلِمٌ ﴾ (المائدۃ - ۱۱) اسی طرح اور بھی تمام انبیا اور ان کے مخلص پیروکاروں نے اسی اسلام کو اپنایا جس میں توحید الوہیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ گو بعض بعض شرعی احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

(۲) یہاں رب سے مراد وہی اللہ مانتا ہے جس کا انکار مشرکین کرتے رہے ہیں اور جو اس کی رو بیت کا تقاضا ہے۔ لیکن

ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔^(۱) پھر تم سب کو اپنے رب کی پاس جانا ہو گا۔ پھر وہ تم کو جتلائے گا جس جسی میں تم اختلاف کرتے تھے۔^(۲) (۱۶۳)

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا^(۳) اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں۔^(۴) بالیقین آپ کا رب جلد سزادی نے والا ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا ہے اور بالیقین کرنے والا ہے۔^(۵) (۱۶۵)

سورہ اعراف کی ہے اس میں دو سوچہ آئیں اور چوبیں روکوئے ہیں

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا امیران نہایت رحم والا ہے۔

المص۔^(۱)

یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرامیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو^(۵) اور فتح ہے ایمان

فَإِنَّهُمْ لَا يَكُونُونَ مِثْلَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَرَبُّهُمْ فَوْقَ كُلِّ عَبْدٍ^(۶)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَبَّهُمْ فَوْقَ كُلِّ عَبْدٍ
دَرَجَتِ الْيَتَمَّوْمَةِ فِي مَا أَنْتُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۚ وَإِنَّهُ
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۷)

سُورَةُ الْأَعْرَافِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ^(۸)

الْمَصَّ^(۱)

كُلُّ أُنْزَلٍ إِلَيْكَ فَلَا يَكُونُ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ فِيمُنْهُ
لِتُنذِرَ رِبِّهِ وَذَكْرُهُ لِلْمُؤْمِنِينَ^(۲)

شرکیں اس کی ربویت کو تو مانتے تھے۔ اور اس میں کسی کو شرک نہیں گردانتے تھے لیکن اس کی الوہیت میں شرک ثہراتے تھے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا پورا انتظام فرمائے گا اور جس نے۔ اچھا یا برا۔ جو کچھ کیا ہو گا، اس کے مطابق جزا و سزادے گا، تسلیک پر اچھی جزا اور بدی پر سزادے گا اور اور ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالے گا۔

(۲) اس لیے اگر تم اس دعوت توحید کو نہیں مانتے جو تمام انبیا کی مشترکہ دعوت رہی ہے تو تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کیے جاتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں ہی ہمارا تمہارا فیصلہ ہو گا۔

(۳) یعنی حکمران بناء کر اختیارات سے نوازا۔ یا ایک کے بعد دوسرے کو اس کا وارث (خلیفہ) بنایا۔

(۴) یعنی فقر و غنا، علم و جمل، صحت اور بیماری، جس کو جو کچھ دیا ہے، اسی میں اس کی آزمائش ہے۔

(۵) یعنی اس کے ابلاغ سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کہیں کافر میری تکذیب نہ کریں اور مجھے ایذا نہ پہنچائیں اس لئے

والوں کے لئے۔^(۲)

تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے^(۱) اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھر سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔^(۳)

اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچایا ایسی حالت میں کہ وہ دوپر کے وقت آرام میں تھے۔^(۴)

سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منه سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔^(۵)

پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔^(۶)

إِتَّبَعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْنَاهُ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ⑥

وَكَمْ مِنْ قَرِيبٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهُمْ بِآثَارِنَا إِنَّمَا أُوْهِنُ قَلِيلُونَ ⑦

فَمَا كَانَ دَعْوَهُمْ إِذْ جَاءُهُمْ بِآثَارَ إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا أَنَا مُكْفِرُونَ ⑧
ظَلَمِيْنَ ⑨

فَلَكَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلُ إِلَيْهِمْ وَلَكَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلُ إِلَيْهِمْ ⑩

کہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے یا حرج شک کے معنی میں ہے یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں آپ اپنے سینے میں شک محسوس نہ کریں۔ یہ نبی بطور تعریض ہے اور اصل مخاطب امت ہے کہ وہ شک نہ کرے۔

(۱) جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی حدیث، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔“ ان دونوں کا اتباع ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کا اتباع ضروری نہیں بلکہ ان کا انکار لازمی ہے۔ جیسا کہ اگلے فقرے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی مت کرو۔ جس طرح زمانہ جامیت میں سرداروں اور بخوبیوں کی بات کوہی اہمیت دی جاتی ہے حتیٰ کہ حلال و حرام میں بھی ان کو سند تسلیم کیا جاتا تھا۔

(۲) قاتلُونَ قاتلُوْنَ سے ہے، جو دوپر کے وقت استراحت (آرام کرنے) کو کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا عذاب اچانک ایسے وقوں میں آیا جب وہ آرام و راحت کے لئے بے خبر بستروں میں آسودہ خواب تھے۔

(۳) لیکن عذاب آجائے کے بعد ایسے اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسا کہ پہلے وضاحت گذر چکی ہے ﴿فَلَمَّا يَكُنْ يَنْفَعُهُمْ إِذَا نَهُمْ لَتَّازَا وَأَبَاسُنَا﴾ (المؤمن - ۸۵) جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا، ان کے لئے نفع مند نہیں ہوا۔

(۴) امتوں سے یہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس پیغمبر آئے تھے؟ انہوں نے تمہیں ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہاں وہ جواب

پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے رو برو بیان کر دیں گے۔^(۱) اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔^(۷)

اور اس روز وزن بھی بحق ہے پھر جس شخص کا پلا بھاری ہو گا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔^(۸)

اور جس شخص کا پلا ہلکا ہو گا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آئیوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔^(۹)

اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان رزق پیدا کیا، تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔^(۱۰)

اور ہم نے تم کو پیدا کیا،^(۱۱) پھر ہم ہی نے تمہاری

فَلَنَقْصَنَ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا لَنَا غَائِبِينَ ⑥

وَالْوُرْنُ يَوْمَئِنَ الْحَقِّ فَمَنْ تَعْلَمَ مَوَازِينَ
فَأُولَئِكَ هُوَ النَّفِلُونَ ⑦

وَمَنْ خَلَقَ مَوَازِينَ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ حَسِرُوا أَنفُسَهُمْ
بِمَا كَانُوا يَأْتِي نَأْيَظِلُمُونَ ⑧

وَلَقَدْ مَكَنَّكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ
فَإِنَّمَا تَشْكُونَ ⑨

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ تَمَثُلَ صَوْرَنَاكُمْ تَمَثُلَا لِلْمَلِئَةِ اسْجُدُوا

دیں گے کہ ہاں! یا اللہ تیرے پیغمبر تو یقیناً ہمارے پاس آئے تھے لیکن ہماری ہی قسم پھوٹی تھی کہ ہم نے ان کی پروا نیں کی اور پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا بیگام اپنی امتیوں کو پہنچایا تھا؟ اور انہوں نے اس کے مقابلے میں کیا رویہ اختیار کیا؟ پیغمبر اس سوال کا جواب دیں گے۔ جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقالات پر موجود ہے۔

(۱) چونکہ ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کا علم رکھتے ہیں اس لئے ہم پھر دونوں (امتیوں اور پیغمبروں) کے سامنے ساری باتیں بیان کریں گے اور جو جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا، ان کے سامنے رکھ دیں گے۔

(۲) ان آیات میں وزن اعمال کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت والے دن ہو گا اور جسے قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ اور احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ترازو میں اعمال تو لے جائیں گے، جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا، وہ کامیاب ہو گا اور جس کا بدیوں والا پلڑا بھاری ہو گا، وہ ناکام ہو گا۔ یہ اعمال کس طرح تو لے جائیں گے جب کہ یہ اعراض ہیں یعنی ان کا ظاہری وجود اور جسم نہیں ہے؟ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کو اجسام میں تبدیل فرمادے گا اور ان کا وزن ہو گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ صحیفے اور رجزت تو لے جائیں گے جن میں انسان کے اعمال درج ہوں گے۔ تیسرا رائے یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا۔ تینوں مسلکوں والوں کے پاس اپنے ملک کی حمایت میں صحیح احادیث و آثار موجود ہیں، اس لئے امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تینوں ہی باتیں صحیح ہو سکتی ہیں ممکن ہے کبھی اعمال، کبھی صحیفے اور کبھی صاحب عمل کو تولا جائے (دلائل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر) بہر حال میزان اور وزن اعمال کا مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار یا اس کی تاویل گمراہی ہے۔ اور موجودہ دور میں تو اس کے انکار کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں کہ بے وزن چیزیں بھی تولی جانے لگی ہیں۔

(۳) خَلَقْنَاكُمْ میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے لیکن مراد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کما کہ آدم کو سجدہ کرو سوب نے سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (۱)

حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تو تجھ کو اس سے کون امرمانع ہے،^(۱) جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا، کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔^(۲)

حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر^(۳) تجھ کو کوئی حق

لِإِدْمَقَسَجَدُوَالْأَزَلِيَّدِسَلَّمَ يَكِنْ مِنَ الشَّجَدِينَ ①

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَا تَسْجُدُ إِذَا أَمْرُكَ قَالَ أَنْخَيْتُهُ لِخَلْقِنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ②

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا لَيْكُنْ لَكَ أَنْ تَنْذِيرَ فِيهَا فَأُخْرِجْ رَأْنَكَ

(۱) آلاً تَسْبِحُدَ میں لازم ہے یعنی آنَّ تَسْمَدَ (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا) یا عبارت مذوف ہے یعنی "تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے" (ابن کثیر در فتح القدر) شیطان، فرشتوں میں سے نہیں تھا، بلکہ خود قرآن کی صراحت کے بموجب وہ جنت میں سے تھا۔ (الکھف: ۵۰) لیکن آسمان پر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سجدہ حکم میں شامل تھا جو اللہ نے فرشتوں کو دیا تھا۔ اسی لئے اس سے باز پرس بھی ہوئی اور اس پر عتاب بھی نازل ہوا۔ اگر وہ اس حکم میں شامل ہی نہ ہوتا تو اس سے باز پرس ہوتی نہ وہ راندہ درگاہ قرار پاتا۔

(۲) شیطان کا یہ عذر "غدر گناہ بد تراز گناہ" کا آئینہ دار ہے۔ ایک تو اس کا یہ سمجھنا کہ افضل کو منقول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جاسکتا، غلط ہے۔ اس لئے کہ اصل چیز تو اللہ کا حکم ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں افضل وغیر افضل کی بحث اللہ سے سرتباً ہے۔ دوسرے، اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے۔ لیکن اس نے اس شرف و عظمت کو نظر انداز کر دیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھوکی۔ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے؟ تیرا، نص کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا، جو کسی بھی اللہ کو مانے والے کاشیوں نہیں ہو سکتا۔ علاوه ازیں اس کا قیاس بھی قیاس فاسد تھا۔ آگ، مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ آگ میں سوائے تیزی، بھڑکنے اور جلانے کے کیا ہے؟ جب کہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے، اس میں نبات و نمو، زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ یہ صفات آگ سے بہر حال بہتر اور زیادہ مفید ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ "فرشے نور سے، ابلیس آگ کی لپٹ سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔" (صحیح مسلم کتاب الزهد، باب

فِي أَحَادِيثِ مُتَفَرِّقَةٍ)

(۳) مِنْهَا کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کو قرار دیا ہے اور بعض نے اس مرتبہ کو جو ملکوت اعلیٰ میں اسے حاصل تھا۔ فاضل مترجم نے اسی دوسرے مفہوم کے مطابق آسمان ترجمہ کیا ہے۔

حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل بے
شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔^(۱۳)^(۱۴)

اس نے کہا کہ مجھ کو مملت دینے کی قیامت کے دن
تک۔^(۱۵)

الله تعالیٰ نے فرمایا مجھ کو مملت دی گئی۔^(۱۶)^(۱۷)

اس نے کہا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ
کیا ہے^(۱۸) میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ
کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔^(۱۹)

پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے
پیچھے سے بھی اور ان کی وادی کی جانب سے بھی اور ان کی
بانیں جانب سے بھی^(۲۰) اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر
گزارنہ پائیے گا۔^(۲۱)

الله تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا
جو شخص ان میں سے تیرا کھانا نے گا میں ضرور تم سب
سے جنم کو بھر دوں گا۔^(۲۲)

مِنَ الظَّاغِرِيْنَ^(۲۳)

قَالَ أَنْظُرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبَعَّثُونَ^(۲۴)

قَالَ إِنَّكَ مِنَ النَّانِظِرِيْنَ^(۲۵)

قَالَ فِيمَا أَغْوَيْتِنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صَرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْفَ^(۲۶)

لَمْ يَأْتِنَاهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
شَمَائِلِهِمْ وَلَا يَعْجَدُ الْكَوْكُبُ شِيكِرِيْنَ^(۲۷)

قَالَ أَخْرُجْ مِنْهَا مَدْرُوْنَ وَمَا تَدْرُوْنَ الْمَنْ يَسْعَكُونَ وَمِنْهُمْ لَامِشَنَّ
حَيَّهُمْ مِنْكُمْ أَجْمَعِيْنَ^(۲۸)

(۱) اللہ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام و تعظیم کا نہیں، ذلت و خواری کا مستحق ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مملت عطا فرمادی جو اس کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق
تحی جس کا پورا علم اسی کو ہے۔ تاہم ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کی وہ آزمائش کر کے گا کہ کون
رحمان کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا پیجری؟

(۳) گمراہ تو وہ اللہ کی تکوینی مشیت کے تحت ہوا۔ لیکن اس نے اسے بھی مشرکوں کی طرح الزام بنالیا، جس طرح وہ کہتے
تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ ہر خیر اور شر کے راستے پر میں بیٹھوں گا۔ خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں
پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار کرنے کی ترغیب دوں گا۔

(۵) شَاكِرِينَ کے دوسرے معنی مُوَحِّدِينَ کے کئے گئے ہیں۔ یعنی اکثر لوگوں کو میں شرک میں بٹلا کر دوں گا۔ شیطان
نے اپنا یہ گمان فی الواقع سچا کر دکھایا ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ أَيْلِيْسُ ظَلَّةً فَأَشَبَّهُمْ إِلَّا فَرِيْقًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (سورہ
سباء۔ ۲۰) ”شیطان نے اپنا گمان سچا کر دکھایا“ اور مومنوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب لوگ اس کے پیچھے لگ گئے۔
اسی لئے احادیث میں شیطان سے پناہ مانگنے کی اور قرآن میں اس کے مکروہ کی سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ، اور اس درخت کے پاس مت جاؤ^(۱) ورنہ تم دونوں طالموں میں سے ہو جاؤ گے۔^(۱۹)

پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ^(۲) ڈالتا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دو سرے سے پوشیدہ تھیں دونوں کے رو برو بے پرده^(۳) کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا، مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کمیں فرشتے ہو جاؤ یا کمیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔^(۲۰) اور ان دونوں کے رو برو قسم کھائی کہ یقین جانیتے میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔^(۲۱)

سو ان دونوں کو فریب سے نیچے^(۲۲) لے آیا پس ان

وَيَا دَمَشْكُنْ أَنْتَ وَرَجُلُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شُئْتُمَا
وَلَا هُرَبْتَ أَهْذِهِ التَّجَرْجِرَةَ فَتَلَوَنَا مِنَ الظَّلِيمِينَ^(۲۳)

فَوَسُوسَ لَهُمَا الشَّيْطَنُ بِيَدِي لَهُمَا وَرِي عَنْهُمَا مِنْ
سَوْأِقَمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا بِمَاعِنْ هَذِهِ التَّجَرْجِرَةِ
إِلَّا أَنْ تَلَوَنَا مَلَكِنِي أَوْ تَلَوَنَا مِنَ الْغَلِيلِينَ^(۲۴)
وَقَاسَهُمَا إِنِّي لَكُلَّمَيْنَ النَّصِيحِينَ^(۲۵)

فَلَمْ يَلْمِدْهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَ التَّجَرْجِرَةَ بَدَأْتَهُمَا سَوْأِقَمَا وَطَفِقَا

(۱) یعنی صرف اس ایک درخت کو چھوڑ کر جہاں سے اور جتنا چاہو، کھاؤ۔ ایک درخت کا پھل کھانے کی پابندی آزمائش کے طور پر عائد کر دی۔

(۲) وَسُوَسَةُ اور وِسْوَاسُ زَكْرَلَةُ اور زِلْزَالُ کے وزن پر ہے۔ پست آواز اور نفس کی بات۔ شیطان دل میں جو بری باشیں ڈالتا ہے، اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔

(۳) یعنی شیطان کا مقصد اس بکاوے سے حضرت آدم و حوا کو اس لباس جنت سے محروم کر کے انہیں شرمندہ کرنا تھا، جو انہیں جنت میں پہننے کے لئے دیا گیا تھا سوآت، سوءۃ (شرم گاہ) کی جمع ہے۔ شرم گاہ کو سوءۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھا جاتا ہے۔

(۴) جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم علیہ السلام و حوا کو حاصل تھیں، اس کے حوالے سے شیطان نے دونوں کو بہلایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ تھیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا، اسی لئے اس درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی تأشیری یہ ہے کہ جو اسے کھایتا ہے، وہ فرشتہ بن جاتا ہے یا راہی زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا، جس سے حضرت آدم علیہ السلام و حوا متاثر ہو گئے اس لئے کہ اللہ والے، اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

(۵) تَذَلِّيَةُ اور إِذْلَاءُ کے معنی ہیں کسی چیز کو اپر سے نیچے چھوڑ دینا۔ گویا شیطان ان کو مرتبہ علیا سے اتار کر منوع درخت کا پھل کھانے تک لے آیا۔

دونوں نے جب درخت کو چکھا دنوں کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے رو برو بے پردہ ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے^(۱) اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے؟^(۲) (۲۲)

دونوں نے کہاے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔^(۳) (۲۳)

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے

يَخْصِّصُنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمْ أَنَّهُمْ أَنَّهُمْ عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقْلَى كُلَّكُلَّانَ الشَّيْطَانَ لِمَاعَدُهُمْ بِمِنْهُنَّ^(۴)

فَإِلَرَبِّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا إِنَّا لَعُزْمَنَاهُمْ وَتَرَحَّمْنَا لِنَكُونَنَّ مِنَ الْخَيْرِينَ^(۵)

قَالَ أَهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِيَعْصِي عَدُوَّهُ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ

(۱) یہ اس معصیت کا اثر ظاہر ہوا جو آدم علیہ السلام و حواسے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر ہوئی اور پھر دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔ وہب بن منبه کہتے ہیں کہ اس سے قبل انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نورانی لباس ملا ہوا تھا، جو اگرچہ غیر مرئی تھا لیکن ایک دوسرے کی شرم گاہ کے لئے ساتر (پردہ پوش) تھا۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی اس تنبیہ کے باوجود تم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے جال بڑے حسین اور دلفریب ہوتے ہیں اور جن سے نیچے کے لئے بڑی کاوش و مخت اور ہر وقت اس سے چوکنارہنے کی ضرورت ہے۔

(۳) توبہ واستغفار کے یہ وہی کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سکھے، جیسا کہ سورہ بقرہ، آیت ۷۳ میں صراحت ہے (دیکھئے آیت مذکورہ کا حاشیہ) گویا شیطان نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تو اس کے بعد وہ اس پر نہ صرف اڑ گیا بلکہ اس کے جواز و ابیات میں عقلی و قیاسی دلائل دینے لگا۔ نیجتوں وہ راندہ درگاہ اور ہمیشہ کے لئے ملعون قرار پایا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار اور بار بار گاہ اللہی میں توبہ واستغفار کا اہتمام کیا۔ تو اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق قرار پائے۔ یوں گویا دونوں راستوں کی نشان دہی ہو گئی، شیطانی راستے کی بھی اور اللہ والوں کے راستے کی بھی۔ گناہ کر کے اس پر اترانا، اصرار کرنا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ”دلائل“ کے انبار فراہم کرنا، شیطانی راستے ہے۔ اور گناہ کے بعد احساس ندامت سے مغلوب ہو کر بار گاہ اللہی میں جھک جانا اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا، بندگان اللہی کا راستے ہے۔ اللہم! اجعلنا مِنْهُمْ.

زمیں میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک۔ (۲۴)

فرمایا تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر نکالے جاؤ گے۔ (۲۵)

اے آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے^(۱) اور تقوے کالباس،^(۲) یہ اس سے بڑھ کر ہے۔^(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ (۲۶)

اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا ایسی حالت میں ان کالباس بھی اتروا دیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا شکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔^(۴) ہم نے

مُسْتَقْرِئُونَ وَمَتَّاعُ الْجَنَّةِ ④

قَالَ فِيمَا تَحْيُونَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِمَّا أَخْرَجُونَ ⑤

يَبْعَدُ أَدْمَرْ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِيَاسًا يُولَمِي سَوَابِكُمْ وَرِيشًا
وَلِيَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ خَيْرٌ ذَلِكَ مَنْ أَيْتَ اللَّهُ لِعْلَمْ
يَدِكُرُونَ ⑥

يَبْعَدُ أَدْمَرْ لِأَفْتَنَكُمُ الشَّيْطَنُ كَمَا أَخْرَجَ أَبْوَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ
يَنْزَعُ عَنْهُمْ لِيَاسًا هَمَالَهُمْ مَاسَوْلَهُمْ إِنَّهُ يَرِكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ
حَيْثُ لَا تَرَوْهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطَنَ أَوْلَيَاءَ لِلَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ ⑦

(۱) سوآت، جسم کے وہ حصے جنہیں چھپانا ضروری ہے۔ جیسے شرم گاہ اور رینشا وہ لباس جو حسن و رعنائی کے لئے پہنا جائے۔ گویا لباس کی پہلی قسم ضروریات سے اور دوسری قسم تکملہ و اضافہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کے لباس کے لئے سامان اور مواد پیدا فرمایا۔

(۲) اس سے مراد بعض کے نزدیک وہ لباس ہے جو متین قیامت والے دن پہنیں گے۔ بعض کے نزدیک ایمان، بعض کے نزدیک عمل صالح، خیثت الہی وغیرہ ہیں۔ مفہوم سب کا تقریباً ایک ہے کہ ایسا لباس جسے پہن کر انسان تکبر کرنے کے بجائے اللہ سے ڈرے اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کرے۔

(۳) اس سے یہ مفہوم بھی نکلا ہے کہ زیب و زینت اور آرائش کے لئے بھی اگرچہ لباس پہنانا جائز ہے۔ تاہم لباس میں ایسی سادگی زیادہ پسندیدہ ہے جو انسان کے زہد و درع اور تقویٰ کی مظہر ہو۔ علاوه ازیں نیا لباس پہن کر یہ دعا بھی پڑھی جائے، کیونکہ نبی ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِيَ بِهِ عَوْزَتِي وَأَنْجَمَلُ بِهِ فِي حَيَاتِي» (ترمذی، ابواب الدعوات۔ ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب ما یقول الرجل إذالبس ثواباً جديداً) "تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسا لباس پہنایا جس سے میں اپناستر چھپا لوں اور اپنی زندگی میں اس سے زینت حاصل کروں"۔

(۴) اس میں اہل ایمان کو شیطان اور اس کے قبلے یعنی چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں وہ تمہاری غفلت اور

شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں
لاتے۔^(۱) (۲۷)

اور وہ لوگ جب کوئی نخش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ
ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ نے
بھی ہم کو یہ بتایا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نخش
بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو
جس کی تم سند نہیں رکھتے؟۔^(۲) (۲۸)

آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا^(۳)

وَإِذَا فَعَلُوا فَاجْهَنَّمَ قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا أَبَدَنَا وَاللَّهُ أَمْرَنَا
بِعَمَلٍ إِنَّ اللَّهَ لَدِيْمُرِبِ الْحَقَّنَا إِنَّقُولُونَ عَلَى اللَّهِ
مَا لَا نَعْلَمُونَ^(۴)

فُلْ أَمْرَرِبِي بِالْقُسْطُ وَأَقِيمُوا وَجُوهُكُمْ عِنْدَنَّنِ

ستی سے فائدہ اٹھا کر تمہیں بھی اس طرح فتنے اور گمراہی میں نہ ڈال دے جس طرح تمہارے ماں باپ (آدم و حوا) کو
اس نے جنت سے نکلا دیا اور لباس جنت بھی اتروا دیا۔ بالخصوص جب کہ وہ نظر بھی نہیں آتے۔ تو اس سے بچنے کا
اهتمام اور فکر بھی زیادہ ہونی چاہئے۔

(۱) یعنی بے ایمان قسم کے لوگ ہی اس کے دوست اور اس کے خاص شکار ہیں۔ تاہم اہل ایمان پر بھی وہ ڈورے ڈالتا
رہتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو شرک خفی، (ریا کاری) اور شرک جلی میں ہی ان کو بھلا کر دیتا ہے اور یوں ان کو بھی ایمان کے
بعد ایمان صحیح کی پونجی سے محروم کر دیتا ہے۔

(۲) اسلام سے قبل مشرکین بیت اللہ کا نگاہ طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت کو اختیار کر کے طواف کرتے
ہیں جو اس وقت تھی جب ہمیں ہماری ماں نے جناہا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اس کی یہ تاویل کرتے تھے کہ ہم جو لباس
پہنے ہوتے ہیں اس میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں، اس لئے اس لباس میں طواف کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ وہ
لباس اتار کر طواف کرتے اور عورتیں بھی نگلی طواف کرتیں، صرف اپنی شرمگاہ پر کوئی کپڑا یا چھڑے کا نکزار کہ لیتیں۔
اپنے اس شرمناک فعل کے لئے دو عذر انہوں نے اور پیش کئے۔ ایک تو یہ کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس طرح ہی
کرتے پایا ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ کس طرح ہو سکتا
ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دے؟ یعنی تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جو اس نے نہیں کی۔ اس آیت میں ان
مقلدین کے لئے بڑی زجر و توبخ ہے جو آب پرستی، پیر پرستی اور شخصیت پرستی میں بھلا ہیں، جب انہیں بھی حق کی بات
بتالائی جاتی ہے تو اس کے مقابلے میں یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے یہی کرتے آئے ہیں یا ہمارے امام اور پیر
و شیخ کا یہی حکم ہے۔ یہی وہ خصلت ہے جس کی وجہ سے یہودی، یہودیت پر، نصرانی نصرانیت پر اور بدعتی بدعتوں پر قائم
رہے۔ (فتح القدیر)

(۳) انصاف سے مراد یہاں بعض کے نزدیک لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یعنی توحید ہے۔

اور یہ کہ تم ہر بھجہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو^(۱) اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھو۔ تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔ (۲۹)

بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راست پر ہیں۔ (۳۰)

اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔^(۳۱) اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔^(۳۲)

آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب

مَسِيْحٌ۝ وَادْعُوْهُ۝ مُغْلِصِينَ۝ لَهُ۝ الْيَٰٰنَ۝ هَكَّا بَدَّا لَكُمْ
تَعْوِدُوْنَ۝ ⑦

فِرِيقٌ۝ اهْمَدَىٰ وَفِرِيقٌ۝ احْمَقَىٰ عَلَيْهِمُ الْقَلْلَةُ۝ إِنَّهُمْ
الْتَّخَذُوا۝ الشَّيْطَنِيْنَ۝ أَفْلَيْأَاءَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ۝
وَيَحْسَبُوْنَ۝ أَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ۝ ⑧

يَٰٰنِي۝ ادْمَحْدُوا۝ زِيَّنَتُكُمْ۝ عَنْدَكُمْ۝ مَسِيْحٌ۝ وَكُلُّوْا۝ وَأَشْرَبُوْا۝ وَلَا
ثَرْفُوْا۝ إِنَّهُ۝ لَكُلُّهُ۝ الشَّرِيفِيْنَ۝ ⑨

فُلُّ مَنْ حَرَمَ زِيَّنَةَ اللَّهِ۝ إِنَّهُ۝ أَخْرَجَ لِعَيْمَادَهُ۝ وَالظَّبِيبَتِ مِنَ

(۱) امام شوکانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”اپنی نمازوں میں اپنا رخ قلبے کی طرف کرلو، چاہے تم کسی بھی مسجد میں ہو“ اور امام ابن کثیر نے اس سے استقامت بمعنی متابعت رسول مرادی ہے اور اگلے جملے سے اخلاص اللہ اور کہا ہے کہ ہر عمل کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرے خالص رضاۓ اللہ کے لئے ہو۔ آیت میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

(۲) آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اس کا سبب نزول بھی مشرکین کے ننگے طواف سے متعلق ہے۔ اس لئے انہیں کہا گیا کہ لباس پہن کر اللہ کی عبادت کرو اور طواف کرو۔

(۳) إِسْرَافٌ (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”جو چاہو، کھاؤ۔ جو چاہو پہنوا البتہ دو باتوں سے گریز کرو۔ اسراف اور تکبر سے (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم زینة الله ...) بعض سلف کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَكُلُّوْا۝ وَأَشْرَبُوْا۝﴾ اس آدمی آیت میں ساری طب جمع فرمادی ہے۔ (ابن کثیر)

بعض کہتے ہیں زینت سے وہ لباس مراد ہے جو آرائش کے لئے پہنا جائے۔ جس سے ان کے نزدیک نماز اور طواف کے وقت ترکیں کا حکم نکلتا ہے۔ اس آیت سے نماز میں ستر عورت کے وجوب پر بھی استدلال کیا گیا ہے بلکہ احادیث کی رو سے ستر عورت (گھنون) سے لے کر ناف تک کے حصے کو ڈھانپنا ہر حال میں ضروری ہے چاہے آدمی خلوت میں ہی ہو۔ (فتح القدير) جمعہ اور عید کے دن خوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے کہ یہ بھی زینت کا حصہ ہے۔ (ابن کثیر)

زینت کو، جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاں طور پر کہ قیامت کے روز خالص ہوں گی اہل ایمان کے لئے، دنیوی زندگی میں مومنوں کے لئے بھی ہیں۔^(۱) ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔^(۲)

الرَّزْقُ ثُلُّ هُنَّ الَّذِينَ أَمْتُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً
يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَذَلِكَ تُؤْكَلُ الْأَيْمَانُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ^(۳)

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فخش بالتوں کو جو علانیہ ہیں^(۴) اور جو پوشیدہ ہیں اور ہرگناہ کی بات کو اور ناقص کسی پر ظلم کرنے کو^(۵) اور

ثُلُّ إِيمَانِ حَمَرَّتِ الْفَوَاحِشَ مَا كَطَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَالْإِثْمُ
وَالْبَغْيُ بِغَيْرِ الْعِقَدِ وَأَنْ شُرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا

(۱) مشرکین نے جس طرح طواف کے وقت لباس پہنے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا، اسی طرح بعض حلال چیزوں بھی بطور تقرب الہی اپنے اوپر حرام کر لی تھیں (جیسا کہ بعض صوفیا بھی ایسا کرتے ہیں) نیز بست سی حلال چیزوں اپنے بتوں کے نام وقف کر دینے کی وجہ سے حرام گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگوں کی زینت کے لئے (مثلاً لباس وغیرہ) اور کھانے کی عمدہ چیزوں بھائی ہیں، انہیں کون حرام کرنے والا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حرام کر لینے سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں حرام نہیں ہو جائیں گی، وہ حلال ہی رہیں گی۔ یہ حلال و طیب چیزوں اصلًا اللہ نے اہل ایمان ہی کے لئے بنائی ہیں۔ گوکفار بھی ان سے فیض یاب اور ممتنع ہو لیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں وہ مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ باستع اور عارضی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تحریکی مشیت اور حکمت ہے۔ تاہم قیامت والے دن یہ نعمتیں صرف اہل ایمان کے لئے ہوں گی کیونکہ کافروں پر جس طرح جنت حرام ہوگی، اسی طرح مکولات و مشروبات بھی حرام ہوں گے۔

(۲) علانیہ فخش بالتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اٹوں پر جا کر بد کاری اور پوشیدہ سے مراد کسی ”گرل فرینڈ“ سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک اول الذکر سے مراد محرومین سے نکاح کرنا ہے جو منوع ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کسی ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے (جیسے فلمیں، ڈرامے، اٹی وی، وی سی آر، فخش اخبارات و رسائل، رقص و سرود اور مجرموں کی محفوظیں، عورتوں کی بے پردوگی اور مردوں سے ان کا بے باکان اخلاق، مندی اور شادی کی رسماں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہر وغیرہ، یہ سب فواحش ظاہر ہیں۔ (أَعَذَنَا اللَّهُ مِنْهَا)۔

(۳) گناہ اللہ کی نافرمانی کا نام ہے اور ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ”گناہ دہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں

اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک نہ رہا جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔ (۳۳)

اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین^(۱) ہے سو جس وقت اُنکی میعاد معین آجائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ (۳۴)

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس پیغمبر آسمیں جو تم ہی میں سے ہوں جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور درستی کرے سوان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۳۵)
اور جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھٹلا کیں اور ان سے تکبیر کریں وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۳۶)

وَإِنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا يَعْلَمُونَ ④

وَلِكُلِّ أَنْوَاعِ الْأَجْلِ فَإِذَا حَاجَهُ أَجَلُهُمْ لَا يَتَأْخُرُونَ سَاعَةً
وَلَا يَسْتَقْبِلُونَ ⑤

يَنْقِيَ أَدْمَرًا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْنَاهُمْ أَيْتَنِيَ
أَنْتُمْ وَأَصْلَمُمْ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزُنُونَ ⑥

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَتِنَا وَأَسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ
هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ⑦

کے اس پر مطلع ہونے کو توبرا سمجھے۔ (صحیح مسلم، کتاب البر) بعض کہتے ہیں گناہ وہ ہے جس کا اثر کرنیوالے کی اپنی ذات تک محدود ہو اور بغی یہ ہے کہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچیں یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق کا مطلب، ناقص، ظلم و زیادتی مثلاً لوگوں کا حق غصب کر لینا، کسی کامال تھیا لینا، ناجائز مارنا پیٹنا اور سب و شتم کر کے بے عزتی کرنا وغیرہ ہے۔

(۱) میعاد معین سے مراد وہ مملت عمل ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ ہر گروہ کو آزمائے کے لئے عطا فرماتا ہے کہ وہ اس مملت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت و سرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مملت بعض دفعہ ان کی پوری زندگیوں تک ممتد ہوتی ہے۔ یعنی دنیوی زندگی میں وہ گرفت نہیں فرماتا بلکہ صرف آخرت میں ہی وہ سزادے گا ان کی اجل مسکی قیامت کا دن ہی ہے اور جن کو دنیا میں وہ عذاب سے دوچار کر دیتا ہے، ان کی اجل مسکی وہ ہے جب ان کا موآخذہ فرماتا ہے۔

(۲) یہ ان اہل ایمان کا حسن انجام بیان کیا گیا ہے جو تقویٰ اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے۔ قرآن نے ایمان کے ساتھ، اکثر جگہ، عمل صالح کا ذکر ضرور کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو گا۔

(۳) اس میں اہل ایمان کے بر عکس ان لوگوں کا بر انجام بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے احکام کی مکنذیب اور ان کے مقابلے

سو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آئیوں کو جھوٹا بتائے، ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ کتاب سے ہے وہ ان کو مل جائے گا،^(۱) یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو کمیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ کمیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔^(۲)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی، ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی^(۳) یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو

فَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ أَفْرَارِي عَنِ اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذِبَ بِإِيمَنِهِ
أُولَئِكَ يَنَّا لَهُمْ نَوْبَةٌ مِّنَ الْكَبِيرِ حَتَّى إِذَا جَاءَهُنَّا
رَسُلُنَا يَتَوَفَّهُمْ وَلَا يُؤْمِنُ مَا كُنُّوا
دُونَ اللَّهِ قَالُوا صَلَوةُ عَنْنَا وَشَهِدُوا عَلَى آنِفِيهِمْ أَهُمْ
كَانُوا لَكُفَّارٍ^(۴)

قَالَ أَدْخُلُوهُنَّا إِمَامَهُوَ قَدْ خَلَقْنَاهُنَّ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ
فِي النَّارِ كُلُّهُمَا دَخَلَتْ أَمَّهُ لَعْنَتُ أَخْتَهَا حَتَّى إِذَا أَذْكُرْنَا فِيهَا
جَيْبِعًا قَالَتْ أَخْرُونَهُمْ لَا يُؤْلِمُهُمْ رَبَّنَا هُوَ أَضْلَلُنَا فَإِنَّا
عَدَّا بَآضْعَافًا مِنَ النَّارِ قَالَ لِلْجُنُلِ ضُعْفٌ

میں اعتبار کرتے ہیں۔ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کا انجام بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کردار کو اپنا میں جس کا انجام اچھا ہے اور اس کردار سے بچیں جس کا انجام برا ہے۔

(۱) اس کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک معنی عمل، رزق اور عمر کے کئے گئے ہیں۔ یعنی ان کے مقدار میں جو عمر اور رزق ہے اسے پورا کر لینے، اور جتنی عمر ہے، اس کو گزار لینے کے بعد بالآخر موت سے ہمکنار ہوں گے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے ﴿لَئِنِ الَّذِينَ يَفْرَرُونَ عَنِ اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُغْلِبُونَ * مَنَاعُ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ الآیۃ (ایونس - ۶۹) ”جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے، دنیا کا چند روزہ فائدہ اٹھا کر، بالآخر ہمارے پاس ہی انسیں لوٹ کر آتا ہے....)

(۲) اُمَّہ، اُمَّۃ کی جمع ہے۔ مراد وہ فرقہ اور گروہ ہیں جو کفر و شقاو اور شرک و بخندیب میں ایک جیسے ہوں گے۔ فی بمعنی مع بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم سے پہلے انسانوں اور جنوں میں جو گروہ تم جیسے یہاں آچکے ہیں، ان کے ساتھ جنم میں داخل ہو جاؤ یا ان میں شامل ہو جاؤ۔

(۳) ﴿لَعْنَتُ أَخْتَهَا﴾ اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔ اُخت بمن کو کہتے ہیں۔ ایک جماعت (امت) کو دوسری جماعت (امت) کی بمن بے اعتبار دین، یا گمراہی کے کہا گیا۔ یعنی دونوں ہی ایک غلط مذہب کے پیرو یا گمراہ تھے یا جنم کے ساتھی ہونے کے اعتبار سے ان کو ایک دوسری کی بمن قرار دیا گیا ہے۔

جائیں گے^(۱) تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کمیں گے^(۲) کہ ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا سوان کو دوزخ کا عذاب دو گناہے۔^(۳) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ سب ہی کادو گنا ہے،^(۴) لیکن تم کو خبر نہیں۔^(۵)

اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کمیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فویت نہیں سو تم بھی اپنی کمالی کے بدالے میں عذاب کامزہ چکھو۔^(۶)

جن لوگوں نے ہماری آئیوں کو جھٹالایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے^(۷) اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب

وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ^(۸)

وَقَالَتْ أُولَئِمْ إِلَخْرَافُهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ
فَدُوْقُوا عَذَابًا بِمَا كُنُوكُنْتُمْ تَكْسِبُونَ^(۹)

إِنَّ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا نَعْلَمُ لَهُمْ
أَبُوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلْهَمَهُمُ^(۱۰)

(۱) اَدَارُكُوا کے معنی ہیں تَدَارُکُوا جب ایک دوسرے کو ملیں گے اور باہم اکٹھے ہوں گے۔

(۲) اُخْرَى (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اُولَئِي (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔ یا اُخْرَى سے اَتَيْبَاعُ (بیروکار) اور اُولَئِي سے مَتَبَعُ لیڈر اور سردار ہیں۔ ان کا جرم چونکہ زیادہ شدید ہے کہ خود بھی راہ حق سے دور رہے اور دوسروں کو بھی کوشش کر کے اس سے دور رکھا، اس لئے یہ اپنے اتباع سے پہلے جنم میں جائیں گے۔

(۳) جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ جتنی کمیں گے۔ ﴿رَبِّنَا إِنَّا أَطْعَنَا سَادَتَنَا وَكِبَرَتَنَا فَاقْلَعُونَا التَّبَيْلَةَ * رَبِّنَا إِنَّهُمْ ضُعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَذَابُ لَعْنَاهُمْ كَبِيرًا﴾ (الأحزاب - ۶۷، ۶۸) ”اے ہمارے رب! ہم تو اپنے سرداروں اور بڑوں کے پیچے لگے رہے، پس انہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کیا، یا اللہ ان کو دو گنا عذاب دے اور ان کو بڑی لعنت کر“

(۴) یعنی اب ایک دوسرے کو طعنے دینے، کونے اور ایک دوسرے پر الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی جگہ بڑے مجرم ہو اور تم سب ہی دو گنے عذاب کے مستحق ہو۔ اتباع اور متبعین کا یہ مکالہ سورہ سبا۔ ۳۱، ۳۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) اس سے بعض نے اعمال، بعض نے ارواح اور بعض نے دعا مرادی ہے۔ یعنی ان کے عملوں، یا روحوں یا دعا کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، یعنی اعمال اور دعا قبول نہیں ہوتی اور رو میں واپس زمیں میں لوٹادی جاتی ہیں (جیسا کہ منداد حمد، جلد ۲ / صفحہ ۳۶۵، ۳۶۶ کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے) امام شوکانی فرماتے ہیں کہ تینوں ہی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔

تک کہ اونٹ سوئی کے ناک کے اندر سے نہ چلا جائے^(۱)
اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (۲۰)

ان کے لئے آش دوزخ کا بچھونا ہو گا اور ان کے اوپر
(اسی کا) اوڑھنا ہو گا^(۲) اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا
دیتے ہیں۔ (۲۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ہم
کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی کامکلف نہیں
بناتے^(۳) وہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ
ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۲)

اور جو کچھ ان کے دلوں میں (کینہ) تھا ہم اس کو دور کر
دیں گے۔^(۴) ان کے نیچے نہیں جاری ہوں گی۔ اور وہ

سَيِّئَ الْجِنَابَاتُ وَكَذِيلَكَ تَبْغِيَ الْمُعْرِمِينَ ⑤

لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ وَهَذَا وَقْتُنَ فَوْقَمْ عَوَاشٍ وَكَذِيلَكَ تَبْغِيَ
الظَّلِيمِينَ ⑥

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَحَاتِ لَا يُنْكَفِتُ نَفْسًا إِلَّا وُسِعَهَا
أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ⑦

وَنَزَعْنَا مَآفِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلْنَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِمُ الْأَنْهَرَ

(۱) یہ تعلیق بالحال ہے جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناک سے گذرنا ممکن نہیں، اسی طرح اہل کفر کا جنت میں داخل ممکن نہیں۔ اونٹ کی مثال بیان فرمائی اس لئے کہ اونٹ عربوں میں متعارف تھا اور جسمانی اعتبار سے ایک بڑا جانور تھا۔ اور سوئی کا ناک (سوراخ) یہ اپنے باریک اور تنگ ہونے کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ ان دونوں کے ذکر نے اس تعلیق بالحال کے مفہوم کو غایبت درجے واضح کر دیا ہے۔ تعلیق بالحال کا مطلب ہے، ایسی چیز کے ساتھ مشروط کر دینا ہونا ممکن ہو۔ جیسے اونٹ سوئی کے ناک میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اب کسی چیز کے وقوع کو، اونٹ کے سوئی کے ناک میں داخل ہونے کے ساتھ مشروط کر دینا، تعلیق بالحال ہے۔

(۲) غَوَاشٍ، غَاشِيَةٌ کی جمع ہے۔ ڈھانپ لینے والی۔ یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا ہو گا یعنی اوپر سے بھی آگ نے ان کو ڈھانپا یعنی گھیرا ہو گا۔

(۳) یہ جملہ معترض ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ایمان اور عمل صالح یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جو انسانی طاقت سے زیادہ ہوں اور انسان ان پر عمل کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ ہر انسان ان کو بہ آسانی اپنا سکتا ہے اور ان کے تدقیقات کو بروئے عمل لاسکتا ہے۔

(۴) غِلْ اس کینہ اور بعض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر یہ انعام بھی فرمائے گا کہ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے خلاف بعض وعداوت کے جو جذبات ہوں گے، وہ دور کر دے گا، پھر ان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں آئینے کی طرح صاف ہو جائیں گے، کسی کے بارے میں دل میں کوئی کدورت اور وعداوت نہیں رہے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجات و منازل کا جو تقاؤت ہو گا، اس پر وہ ایک دوسرے سے حد نہیں کریں گے۔ پلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو، جنت اور دوزخ

لوگ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ بوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کونہ پہنچاتا۔^(۱) واقعی ہمارے رب کے پیغمبر کبھی باتیں لے کر آئے تھے۔ اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ اس جنت کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے اعمال کے بدلتے۔^(۲) (۳۳)

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اسکو واقعہ کے مطابق پایا، سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو واقعہ کے مطابق پایا؟^(۳) وہ کہیں گے ہاں،

وَقَالُواَعْمَدُنَا اللَّهُ الَّذِي هَدَنَا إِلَيْهَا وَمَا كُنَّا لِيَنْهَا بِإِيمَانِنَا
أَنْ هَدَنَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُّ أَنْ
يُلْكُمُ الْجِنَّةَ أَوْ رُتْمُونَ قَبْلًا كُنُّنَا تَعْمَلُونَ ⑦

وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدْنَا
رَبِّنَا حَقَّا فَهُلْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا فَلَمْ يَحْقُمْنَا قَالُواْنَعَمْ، فَإِذَنْ
مُؤْذِنْ بَيْنَهُمْ أَنْ عَنْهُ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ⑧

کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوں گی، ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دیا دلایا جائے گا، حتیٰ کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انہیں جنت میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی (صحیح بخاری - کتاب المعلم، باب قصاص المظلوم) جیسے صحابہ کرام رض کی باہمی رنجشیں ہیں جو سیاسی رقبات میں ان کے درمیان ہوئیں۔ حضرت علی رض کا قول ہے ”مجھے امید ہے کہ میں عثمان رض اور طلحہ رض و زبیر رض، ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے ﴿ وَتَرَعَنَ مَلَكِيْفِ صُدُورِ هِمْ مِنْ غَيْرِهِ ﴾ (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ ہدایت جس سے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انہیں بارگاہ الہی میں قبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے۔ اگر یہ رحمت اور فضل الہی نہ ہوتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔ اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ”یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو گی۔“ صحابہ رض نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ﷺ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں بھی، اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ رحمت الہی مجھے اپنے دامن میں نہیں سیٹ لے گی۔“ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل۔ صحیح مسلم، کتاب صفة القيامة، باب لن يدخل أحد الجنۃ بعمله۔

(۲) یہ تصریح کچھی بات اور حدیث مذکور کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ نیک عمل کی توفیق بھی بجائے خود اللہ کا فضل و احسان ہے۔

(۳) یہی بات نبی ﷺ نے جنگ بدر میں جو کافر مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنوئیں میں پھینک دی گئی تھیں۔ انہیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی، جس پر حضرت عمر رض نے کہا تھا ”آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرمائے ہیں

پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ
اللہ کی مارہوان خالموں پر۔ (۳۳)

جو اللہ کی راہ سے اعراض کرتے تھے اور اس میں کبھی
تلash کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر
تھے۔ (۳۵)

اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہو گی^(۱) اور اعراف کے
اوپر بہت سے آدمی ہوں گے وہ لوگ،^(۲) ہر ایک کو ان کے
قیافہ سے پچانیں گے^(۳) اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے،
السلام علیکم! ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں
ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔^(۴)
اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف پھریں گی تو
کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے
ساتھ شامل نہ کر۔ (۷)

الَّذِينَ يَصْدُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْعَثُونَهَا عَوَاجًا وَهُمْ
بِالْجُنُونِ كُفَّارٌ ④

وَبَيْدَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِحَالٌ يَعْرِثُونَ كَلَائِيمِهِمْ
وَنَادَهُ الْأَصْحَابُ الْجَنَّةَ أَنْ سَلَمْ عَلَيْنَا لَمَّا يَدْخُلُوهَا
وَهُمْ يَطْمَئِنُونَ ⑤

وَإِذَا حِرِفتُ أَبْصَارُهُمْ تَلَقَّأَمَعَيْنِ التَّارِقَالُوا رَبَّنَا لَا
يَجْعَلُنَا مِمَّا تَوَرِّمُ الظَّالِمِينَ ⑥

جو ہلاک ہو چکے ہیں "آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی قسم" میں انہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں،
لیکن اب وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے" صحیح مسلم - کتاب الجنۃ - باب عرض مقعد المیت من
الجنۃ او النادروالبخاری - کتاب المغاری - باب قتل ابی جہل

(۱) "ان دونوں کے درمیان" سے مراد جنت دوزخ کے درمیان یا کافروں اور مونوں کے درمیان ہے۔ حِجَابٌ
(آڑ) سے وہ فصیل (دیوار) مراد ہے جس کا ذکر سورہ حیدر میں ہے۔ ﴿فَصَرَبَ بَيْنَهُمْ بِسُورَةٍ بَاتِ﴾ (الحیدر۔ ۳) "پس
ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی؛ جس میں ایک دروازہ ہو گا" یہی اعراف کی دیوار ہے۔

(۲) یہ کون ہوں گے؟ ان کی تعین میں مفسرین کے درمیان خاصاً اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں
گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں جنم میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے مانع ہوں
گی اور یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہونے تک وہ درمیان میں معلق رہیں گے۔

(۳) سِینِمَاءَ کے معنی علامت کے ہیں۔ جنتیوں کے چہرے روشن اور تروتازہ اور جہنمیوں کے چہرے سیاہ اور آنکھیں
نیلی ہوں گی۔ اس طرح وہ دونوں قسم کے لوگوں کو پہچان لیں گے۔

(۴) یہاں يَطْمَئِنُونَ کے معنی بعض لوگوں نے يَغْلِمُونَ کے کئے ہیں یعنی ان کو علم ہو گا کہ وہ عنقریب جنت میں
داخل کر دیئے جائیں گے۔

اور اہل اعراف بت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پچانیں گے پکاریں گے کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا۔^(۱) (۳۸)

کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر^(۲) رحمت نہ کرے گا، ان کو یوں حکم ہو گا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم مغموم ہو گے۔^(۳) (۳۹)

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو، جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کر دی ہے۔^(۴) (۵۰)

جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو لبو و لعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم (بھی) آج کے روز ان کا نام بھول جائیں گے جیسا کہ وہ

وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجَالًا يَعْرُفُونَهُمْ بِسِيمَتِهِمْ قَالُوا
مَا أَغْنَى عَنْهُمْ جَمِيعُكُمْ وَمَا لَكُنُوكُنْ تَسْكِبُونَ^(۵)

أَهْوَالُ الَّذِينَ أَقْسَمُمُ لَا يَنْهَا اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا جَنَّةً
لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا نَدْرَأُنَّكُمْ^(۶)

وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفْضُوا عَلَيْنَا مَنْ
الْمَوَأْرِقَةَ رَزَقَنَا اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُ مَا عَلَى
الْكُفَّارِ^(۷)

الَّذِينَ أَخْدُوا دِينَهُمْ لَهُوا وَلَبَاءٌ وَغَرَبَهُمْ الْجِيَوْهُ الدُّنْيَا
فَالْيَوْمَ نَنْسِمُ كَمَا نَسِيْلَهُمْ هَذَا وَمَا كَانُوا بِإِلَيْنَا
يَجْهَدُونَ^(۸)

(۱) یہ اہل دوزخ ہوں گے جن کو اصحاب الاعراف ان کی علامتوں سے پچان لیں گے اور وہ اپنے جھٹے اور دوسری چیزوں پر جو گھنڈ کرتے تھے، اس کے حوالے سے انہیں یاد دلائیں گے کہ یہ چیزیں تمہارے کچھ کام نہ آئیں۔

(۲) اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو دنیا میں غریب و مسکین اور مفلس و نادر قسم کے تھے جن کا استہزا مذکورہ متکبرین اڑایا کرتے تھے اور کما کرتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے محبوب ہوتے تو ان کا دنیا میں یہ حال ہوتا؟ پھر مزید جسارت کرتے ہوئے دعویٰ کرتے کہ قیامت والے دن بھی اللہ کی رحمت ہم پر ہو گی (جس طرح دنیا میں ہو رہی ہے) نہ کہ ان پر۔ بعض نے اس کا قائل اصحاب الاعراف کو بتلایا ہے اور بعض کہتے ہیں جب اصحاب الاعراف جنتیوں کو یہ کہیں گے ”تمہارا جھٹہ اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا“ تو اس وقت اللہ کی طرف سے جنتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ”یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں ہو گی۔“ (تفسیر ابن کثیر)

(۳) جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ کھانے پینے کی نعمتیں قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لئے ہوں گی۔ ﴿ خَالِصَةُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ﴾ (آیت نمبر ۳۲) یہاں اس کی مزید وضاحت جنتیوں کی زبان سے کردی گئی ہے۔

اس دن کو بھول^(۱) گئے اور جیسا یہ ہماری آئتوں کا انکار کرتے تھے۔ (۵۱)

اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا ہے،^(۲) وہ ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے ہیں۔ (۵۲)

ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے،^(۳) جس روز اسکا اخیر نتیجہ پیش آئے گا اور اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے

وَلَقَدْ جَنَّهُمْ بِكِتْبٍ فَضْلَلُهُمْ عَلَى عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةٌ
لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ⑤

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُمْ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ
الَّذِينَ نَسُوا مِنْ قَبْلِ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحِقِّ

(۱) حدیث میں آتا ہے، 'قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے کہے گا' یہاں میں نے تجھے یہوی بچے نہیں دیے تھے؟ تجھے عزت و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیے تھے؟ اور کیا تو سرداری کرتے ہوئے لوگوں سے چنگی وصول نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں؟ یا اللہ یہ سب باقی صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا، 'کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا۔ نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، "پس جس طرح تو مجھے بھولا رہا، آج میں تجھے بھول جاتا ہوں" (صحیح مسلم۔ کتاب الرحمہ) قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کو لوہ و لعب بنانے والے وہی ہوتے ہیں جو دنیا کے فریب میں بٹلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں سے چونکہ آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف نکل جاتا ہے۔ اس لئے وہ دین میں بھی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں، اضافہ کر لیتے ہیں اور دین کے جس حصے کو چاہتے ہیں عملًا کا عدم کر دیتے ہیں یا انہیں کھیل کو دکارنگ دے دیتے ہیں۔ اس لیے دین میں اپنی طرف سے بدعاں کا اضافہ کر کے اپنی کو اصل اہمیت دینا (جیسا کہ اہل بدعت کا شیوه ہے) یہ بہت برا جرم ہے، کیونکہ اس سے دین کھیل کو دن کر رہ جاتا ہے اور احکام و فرائض پر عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ جہنمیوں کے ضمن میں ہی فرمارہا ہے کہ ہم نے تو اپنے علم کامل کے مطابق ایسی کتاب بھیج دی تھی جس میں ہر چیز کو بھول کر بیان کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، تو ان کی بد قسمی، ورنہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے، وہ ہدایت و رحمت الہی سے فیض یا بہتر گویا ہم نے تو ﴿ وَمَا لَكُمْ مِعْذِلَيْنَ حَتَّىٰ يَبْعَثَ رَسُولًا ﴾ (سورہ بنی اسرائیل۔ ۱۵) "جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام جنت نہیں کر دیتے، ہم عذاب نہیں دیتے" کے مطابق اہتمام کر دیا تھا۔

(۳) تاویل کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام۔ یعنی کتاب الہی کے ذریعے سے وعدے، وعدید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سواب وہ انجام ان کے سامنے آگیا۔

ہوئے تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر
چیزی باتیں لائے تھے، سواب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے
کہ وہ ہماری سفارش کروے یا کیا ہم پھر واپس بھیجے جا
سکتے ہیں تاکہ ہم لوگ ان اعمال کے، جن کو ہم کیا کرتے
تھے برخلاف دوسرے اعمال کریں۔ بے شک ان لوگوں
نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو جو باتیں
تراثتے تھے سب گم ہو گئیں۔^(۱) (۵۳)

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں
اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے،^(۲) پھر عرش پر قائم
ہوا۔^(۳) وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ

فَهُمْ لَنَا مِنْ شَقَاعَةٍ فَيَشْفَعُونَا إِنْ هُدٌ فَتَعْمَلُ غَيْرُ الظَّنِّ
لَكُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَرُوْا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا
يَفْدِرُونَ ^٤

(۱) یعنی یہ جس انجام کے منتظر تھے، اس کے سامنے آجائے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی۔ وہ معبود بھی ان سے گم ہو جائیں گے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ
کر عبادت کرتے تھے، وہ ان کی مدد کر سکیں گے نہ سفارش اور نہ عذاب جنم سے چھڑاہی سکیں گے۔

(۲) یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ جمعہ کے دن ہی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ ہفتے
والے دن کہتے ہیں کوئی تخلیق نہیں ہوئی، اسی لئے اسے یوم البست کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سبت کے معنی قطع (کامٹے) کے
ہیں یعنی اس دن تخلیق کا کام قطع ہو گیا۔ پھر اس دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن، جو طلوع شمس سے شروع ہوتا
ہے اور غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے۔ یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے؟ جس طرح کہ اللہ کے یہاں کے دن کی گنتی
ہے، یا جس طرح قیامت کے دن کے بارے میں آتا ہے۔ بظاہر یہ دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک تو
اس وقت سورج چاند کا یہ نظام ہی نہیں تھا، آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد یہ یہ نظام قائم ہوا دوسرے یہ عالم بالا کا واقعہ
ہے جس کو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اس لئے اس دن کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بستر جانتا ہے۔ ہم قطعیت کے
ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علاوه ازیں اللہ تعالیٰ تو لفظ کُنْ سے سب کچھ پیدا کر سکتا تھا، اس کے باوجود اس نے ہر چیز
کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا اس کی بھی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم بعض علماء اس کی ایک حکمت
لوگوں کو آرام، وقار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمْ۔

(۳) آسٹنواء کے معنی علو اور استقرار کے ہیں سلف نے بلا کیف و بلا تشیہ یہی معنی مراد لئے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر
بلند اور مستقر ہے۔ لیکن کس طرح، کس کیفیت کے ساتھ، اسے ہم بیان نہیں کر سکتے نہ کسی کے ساتھ تشیہ ہی دے
سکتے ہیں۔ نعیم بن حماد کا قول ہے ”جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ تشیہ دے اس نے بھی کفر کیا اور جس نے اللہ کی، اپنے
بارے میں بیان کرده کسی بات کا انکار کیا، اس نے بھی کفر کیا“ اور اللہ کے بارے میں اس کی یا اس کے رسول کی بیان

وہ شب اس دن کو جلدی سے آلتی ہے^(۱) اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ (۵۳)

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گرگرا کر کے بھی اور چکے چکے بھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حمد سے نکل جائیں۔ (۵۵)

اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کردی گئی ہے، فساد مت پھیلاوا اور تم اللہ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔ (۲) (۵۶)

اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواں کو بھیجا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں،^(۳) یہاں تک کہ جب

جِئِيشَاتِ الشَّمْسَ وَالْقَمَرِ وَالثَّجَوْمَ مَسْخَرِتٍ يَأْمُرُهُمْ أَلَا
لَهُ الْغُلْنَى وَالْأَمْرَتَ بِكَانَ اللَّهُ رَبُّ الْعَلَمِينَ (۶)

أَدْعُوكُمْ رَبِّنَا تَفَرَّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ (۷)

وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ اصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا
وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (۸)

وَهُوَ الَّذِي يُرِسِّلُ النَّرِيمَةَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيِ رَحْمَتِهِ

کردہ بات کو بیان کرنا، تشبیہ نہیں ہے۔ اس لئے جو باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں نص سے ثابت ہیں، ان پر بلا تاویل اور بلا کیف و تشبیہ ایمان رکھنا ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) حَيْثِنَا کے معنی ہیں نہایت تیزی سے اور مطلب ہے کہ ایک کے بعد دوسرا فوراً آ جاتا ہے۔ یعنی دن کی روشنی آتی ہے تو رات کی تاریکی فوراً کافور ہو جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن کا اجالا ختم ہو جاتا ہے اور سب دور و نزدیک سیاہی چھا جاتی ہے۔

(۲) ان آیات میں چار چیزوں کی تلقین کی گئی ہے، ۱۔ اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری اور خفیہ طریقے سے دعا کی جائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ ”لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو (یعنی آواز پست رکھو) تم جس کو پکار رہے ہو، وہ ہرما ہے نہ غائب، وہ تمہاری دعائیں سننے والا اور قریب ہے (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء إِذَا علّاقبة، مسلم، کتاب الجنۃ، باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

۲۔ دعائیں زیادتی نہ کی جائے یعنی اپنی حیثیت اور مرتبے سے بڑھ کر دعائے کی جائے۔ ۳۔ اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا جائے یعنی اللہ کی نافرمانیاں کر کے فساد پھیلانے میں حصہ نہ لیا جائے۔ ۴۔ اس کے عذاب کا ذر بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی۔ اس طریقے سے دعا کرنے والے محسینین ہیں۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان کے قریب ہے۔

(۳) اپنی الوہیت و ربوبیت کے اثبات میں اللہ تعالیٰ مزید دلائل بیان فرمائے کہ پھر اس سے احیاء موتی کا اثبات فرمائا ہے

وہ ہوا کیس بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں،^(۱) تو ہم اس بادل کو کسی خلک سر زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی بر ساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکلتے ہیں۔^(۲) یوں ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو۔^(۳) (۵۷) (۵۸)

اور جو ستری سر زمین ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے،^(۴) اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں۔^(۵)

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو

حَتَّىٰ إِذَا أَقْلَتُ سَحَابًا يَعْقَلُ الْمُسْقَنُهُ لِيَسْكُنِي مَيْتَتٍ فَأَنْزَلْنَا يَوْمَ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الشَّمَرَاتِ كَذَلِكَ تُخْرِجُ الْمُؤْمِنُ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَحْرُجُ نَهَائِهِ يَأْذِنُ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبَثَ لَا يَخْرُجُهُ إِلَّا نَكِدَ أَكَذِلِكَ تُصَرِّفُ الْأَبْيَاتُ لِقَوْمٍ يَسْكُنُونَ ۝

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَقُولُمْ اعْبُدُ وَاللَّهَ مَا

بُشْرًا بَشِيرًا کی جمع ہے رَحْمَةً سے مراد یہاں مَطَرَ (بارش) ہے یعنی بارش سے پہلے وہ ٹھنڈی ہوا کیس چلاتا ہے جو بارش کی نوید ہوتی ہیں۔

(۱) بھاری بادل سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں۔

(۲) ہر قسم کے پھل، بجور گنوں میں، ذائقوں میں، خوشبوؤں میں اور شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

(۳) جس طرح ہم پانی کے ذریعے سے مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن تمام انسانوں کو، جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوں گے، ہم دوبارہ زندہ کریں گے اور پھر ان کا حساب لیں گے۔

(۴) علاوه ازیں یہ تمثیل بھی ہو سکتی ہے۔ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ سے مراد سریع الفسم اور الْبَلَدُ الْخَبِيثُ سے کندڑ ہیں، وعظ و نصیحت قبول کرنے والا دل اور اس کے بر عکس دل۔ قلب مومن یا قلب منافق یا پاکیزہ انسان اور نپاک انسان۔ مومن، پاکیزہ انسان اور وعظ و نصیحت قبول کرنے والا دل بارش کو قبول کرنے والی زمین کی طرح، آیات الٰہی کو سن کر ایمان و عمل صالح میں مزید پختہ ہوتا ہے اور دوسرا دل اس کے بر عکس زمین شور کی طرح ہے جو بارش کا پانی قبول ہی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی ٹکنی اور برائے نام ہوتی ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ”مَجْهَهُ اللَّهُ تَعَالَى نَعْلَمُ نَعْلَمُ جَهَنَّمَ نَعْلَمُ جَنَّةَ النَّعِيمِ“ اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر بر سری۔ اس کے جو حصے زر خیز تھے، انہوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چارہ اور گھاس خوب اگایا (یعنی بھر پور پیداوار دی) اور اس کے بعض حصے سخت تھے، جنہوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب

انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمara معبود ہونے کے قابل نہیں، مجھ کو تمara لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ (۵۹)

ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہم تم کو صرخ غلطی میں دیکھتے ہیں۔ (۶۰)

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔ (۶۱) تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمara خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں۔ (۶۲)

اور کیا تم اس بات سے تجب کرتے ہو کہ تمara پروردگار کی طرف سے تمara پاس ایک ایسے شخص کی معرفت، جو تمara ہی جنس کا ہے، کوئی نصیحت کی بات آگئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈرجاؤ (۶۳) اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

لَكُنَّا لِلْوَغْيَرِهِ إِنَّ أَخَافُ عَلَيْهِ عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ⑩

قَالَ الْمَلَائِمُنْ قَوْمَهَا إِنَّا لَنَرَيْكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ⑪

قَالَ يَقُولُ لَيْسَ إِنِّي صَلَّيْهُ وَلَكِنِّي رَسُولُ مَنْ زَرَّ
الْعَلَمِينَ ⑫

إِنَّكُمْ لَرَسُلُتِ رَبِّنِي وَأَنْصَحُكُمْ وَأَعْلَمُكُمْ
النَّوْمَالْعَلَمِينَ ⑬

أَوْعِجَبُتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذُكْرِي مَنْ زَرَكُمْ عَلَى رَجْلِ قَنْكُمْ
لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرَحَّمُونَ ⑭

نہیں ہوا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود بھی پیا۔ کھیتیوں کو بھی سیراب کیا اور کاشت کاری کی اور زمین کا کچھ حصہ بالکل چھیل تھا، جس نے پانی رو کا اور نہ کچھ اگایا۔ پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کی دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا، اس سے اس نے نفع اٹھایا، پس خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھلایا اور مثال اس شخص کی بھی ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل من علم و علوم

(۱) شرک اس طرح انسانی عقل کو ماوف کر دیتا ہے کہ انسان کو ہدایت، گمراہی اور گمراہی، ہدایت نظر آتی ہے۔ چنانچہ قوم نوح کی بھی یہی قلبی ماہیت ہوئی، ان کو حضرت نوح علیہ السلام، جو اللہ کی توحید کی طرف اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے، نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ كُرَّةِ نَظَرٍ آتَتَهُ تھے۔

تھا جو ناخوب، بذریعہ وہی خوب ہوا کہ غالماً میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(۲) حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرنوں یاد پشتون کا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آرہے تھے پھر سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم

سوہ لوگ ان کی مکنذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور ان کو جوان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آئیوں کو جھٹالیا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندر ہے ہو رہے تھے۔^(۱) (۶۳)

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔^(۲) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، سو کیا تم نہیں ڈرتے۔^(۴) (۶۵)

ان کی قوم میں جو بڑے لوگ کافر تھے انہوں نے کہا ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں۔^(۳) اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں۔^(۶۶)

انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم

فَكَذَّبُوهُ فَأَبْيَهُنَّهُ وَأَنِّي نَّمَّعَهُ فِي الْقُلُوبِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا يَا لَيْتَهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا أَقْوَمُ أَعْمَلِيْنَ ۝

وَلَإِنْ عَلِمْتَ أَخْلَاهُمْ هُوَدًا قَالَ يَقُولُمْ أَعْمَدُ وَاللهُ مَالِكُ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝

قَالَ الْمَلَائِكَةُ كَفَرُوا مِنْ قَوْمَهُ إِنَّا لَنَّا نَكِنْكَ بِفِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظَرْنَاهُ مِنَ الْحَكَمِيْنَ ۝

قَالَ يَقُولُمْ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ ذَلِيقٌ رَسُولٌ مَنْ

کے صالحین فوت ہو گئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں (عبادت خانے) قائم کر دیں اور ان کی تصویریں بھی وہاں لٹکا دیں، مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح ان کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الہی میں ان کی مشابحت اختیار کریں گے۔ جب کچھ وقت گزرا تو انہوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنادیے اور پھر کچھ اور عرصہ گزرنے کے بعد یہ مجسمے بتوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی پوچاپاٹ شروع ہو گئی اور قوم نوح کے یہ صالحین وَذُسْوَاعُ يَعْوِقُ، يَعْوُثُ اور نَسْرٌ معبود بن گئے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان میں نبی ہنا کر بھیجا جسنوں نے ساڑھے نو سال تبلیغ کی۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا، کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کیا بالآخر اہل ایمان کے سواب کو غرق کر دیا گیا۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ قوم نوح نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ان ہی میں کا ایک آدمی نبی بن کر آگیا جو انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرارہا ہے؟ یعنی ان کے خیال میں بوت کے لئے انہاں موزوں نہیں۔

(۱) یعنی حق سے، حق کو دیکھتے تھے نہ اسے اپنانے کے لئے تیار تھے۔

(۲) یہ قوم عاد، عاد اولیٰ ہے جن کی رہائش یمن میں ریتلے پہاڑوں میں تھی اور اپنی قوت و طاقت میں بے مثال تھی۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام، جو اسی قوم کے ایک فرد تھے، نبی بن کر آئے۔

(۳) یہ کم عقلی ان کے نزدیک یہ تھی کہ بتوں کو جھوڑ کر، جن کی عبادت ان کے آباد اجداد سے ہوتی آرہی تھی، الہ واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔

عقلی نہیں لیکن میں پروردگارِ عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر
ہوں۔ (۶۷)

تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا
اماندار خیرخواہ ہوں۔ (۶۸)

اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے
پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی
معرفت، جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ
گئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ
اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا اور ڈیل ڈول
میں تم کو پھیلاو زیادہ دیا،^(۱) سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کروتا
کہ تم کو فلاح ہو۔ (۶۹)

انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے
ہیں کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو
ہمارے باپ دادا پوچھتے تھے ان کو چھوڑ دیں،^(۲) پس ہم
کو جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس
منگوادو اگر تم سچے ہو۔^(۳) (۷۰)

رَبُّ الْعَلَمَيْنَ ④

أَبْلَغَنَّمُ رَسُلَّتِ رَبِّيْ وَأَنَّا لَكُمْ نَا صَحْهَ أَمِينُ ⑤

أَوْجَبْنَّلُوْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرِيْقُنْ رَبِّيْلُ عَلَ رَحْمَلِ مِنْكُمْ
لِيَنْدِرَكُمْ وَأَذْكُرُوْ لَأَذْجَعَلَكُمْ خَلْفَأَمِنْ بَعْدَ
قَوْمَنُوْجَ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَخْنَطَةَ، فَأَذْكُرُوْ لَأَذْ
اللَّوْلَعَلَكُمْ شَلْلُوْنَ ⑥

قَالُوْ أَجِنْدَنَالْتَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهَا وَنَدَرَمَا كَانَ يَعْبُدُ
اَبَا اُونَا، قَالَتَنَا إِيمَانَتِعْدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ ⑦

(۱) ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ﴿لَمْ يُخْلِقْ مِثْلَهَا فِي الْبَلَادِ﴾ (النَّجْرٌ-۸) "اس جیسی قوت والی
قوم پیدا نہیں کی گئی" اپنی اسی قوت کے گھمنڈ میں بٹلا ہو کر اس نے کمامنِ اشَدُّ مِنَّا فُوَّہَ "ہم سے زیادہ طاقت و رکون
ہے؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جس نے ائمیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ قوت والا ہے" (حمد سجدۃ-۱۵)

(۲) آباو اجداد کی تقلید، ہر دور میں گمراہی کی بنیاد رہی ہے۔ قوم عاد نے بھی یہی "دلیل" پیش کی اور شرک کو چھوڑ کر،
توحید کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بدقتی سے مسلمانوں میں بھی اپنے بڑوں کی تقلید کی یہ بیماری عام ہے۔

(۳) جس طرح قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے جواب میں کاتحا۔ ﴿اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا فُوَّاهَتْنِي
مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا بَحَارَةَ وَمِنَ السَّمَاءِ أَوْفِنَا بِعَدَدِ أَلْيُوْ﴾ — (الأنفال-۳۲) "اے اللہ! اگر یہ حق ہے تیری
طرف سے تو ہم پر آسمان سے پھراؤ کی بارش بر سایا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے۔" یعنی شرک کرتے کرتے
شرک کی مت بھی ماری جاتی ہے۔ حالانکہ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ کما جاتا یا اللہ اگر یہ حق ہے اور تیری ہی طرف
سے ہے تو ہمیں اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرم۔ برعکس قوم عاد نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے کہا یا کہ
اگر تو چاہے تو اپنے اللہ سے کہہ جس عذاب سے وہ ڈرا تا ہے، بھیج دے۔

انہوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب^(۱) اور غصب آیا ہی چاہتا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو^(۲) جن کو تم نے اور تم سارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے؟ ان کے معبوو ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ سو تم منتظر ہو میں بھی تم سارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔^(۳)

غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی، جنہوں نے ہماری آئیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔^(۴)^(۵)

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔^(۶) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَصَبٌ
أَجْحَادٌ لَوْنَبِينِ فِي أَسْمَاءٍ سَمَيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَابْنَ أُكْمَمٍ
نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ فَإِنْ تَظَرُّو إِلَيْنِي مَعْلَمٌ مِّنَ
الْمُنْتَقِيَّينَ^(۷)

فَاجْبِيْثُهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مَّنَّا وَ قَطَعْنَادَإِبْرَاهِيمَ
الَّذِينَ كَذَّبُوا يَا إِيْتَنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ^(۸)

وَلَلِلَّهِ شَمُودٌ أَخَاهُمْ صِلْحَانَ قَالَ يَقُولُ أَعْبُدُ وَاللَّهُ مَا
لَكُمْ مِّنْ إِلَهٍ عَيْرَهُ قَدْ جَاءَكُمْ بِيَدِنَّهُ مِنْ رَّبِّكُمْ

(۱) رِجْسٌ کے معنی تو پلیدی کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ مقلوب (بدلا ہوا) ہے رِجزٌ سے۔ جس کے معنی عذاب کے ہیں۔ یا پھر رِجْسٌ یہاں ناراضی اور غصب کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) اس سے مراد وہ نام ہیں جو انہوں نے اپنے معبودوں کے رکھے ہوئے تھے، مثلاً صَدَّاً صُمُودً، هَبَّا، وغیرہ جیسے قوم نوح کے پانچ بست تھے جن کے نام اللہ نے قرآن میں ذکر کئے ہیں جیسے مشرکین عرب کے بتوں کے نام تھے۔ لَاتُ، عُزَّىٰ مَنَّاتُ، هُبَلُّ وغیرہ یا جیسے آج کل کے مشرکانہ عقائد و اعمال میں ملوث لوگوں نے نام رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً ”دَاتَّا تَنْجَنْ بَخْش“ ”خَوَاجَهُ غَرِيبُ نَوَاز“ ”بَابَا فَرِيدُ شَكْرَنْج“ ”مَشْكُلُ كَشا“ وغیرہ جن کے معبوو یا مشکل کشا و گنج بخش وغیرہ ہونے کی کوئی دلیل ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

(۳) اس قوم پر باد تند کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جاری رہا، جس نے ہر چیز کو ترس نہ کر کے رکھ دیا اور یہ قوم عاد کے لوگ، جنہیں اپنی قوت پر بڑانا تھا، ان کے لاشے کھجور کے کٹھے ہوئے توں کی طرح زمین پر پڑے نظر آتے تھے۔ (دیکھے سورۃ الحلقۃ۔ ۸-۶، سورۃ هود۔ ۵۶-۵۳، سورۃ احقاف۔ ۲۲-۲۵، وغيرہ مامن الالیات)

(۴) یہ ثمود، حجاز اور شام کے درمیان وادی القری میں رہائش پذیر تھے۔ ۹/ ہجری میں توبک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا ان کے مساکن اور وادی سے گزر ہوا، جس پر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ معذب قوموں کے علاقے سے گزر تو روتے ہوئے یعنی عذاب اللہ سے پناہ مانگتے ہوئے گزر واصحیج بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی مواضع الخسف، صحیح مسلم، کتاب الرزہد، باب لاتدخلوا مساکن

عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پر دور گار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سواس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسکو براہی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کہ کیسی تم کو دروٹاک عذاب آپکڑے۔ (۷۳)

اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین پر رہنے کا نہ کانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو،^(۱) اور پہاڑوں کو تراش تراش کران میں گھر بناتے ہو،^(۲) سو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مرت پھیلاو۔^(۳) (۷۳)

ان کی قوم میں جو متكلب سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا، کیا تم کو اس بات کا لیقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ

الذین ظلموا انفسهم إلآن تكونوا باكين، ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام نبی بن کر بھیجے گئے۔ یہ عاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پھر کی چنان سے ایک اونٹنی نکال کر دکھا جسے ہم نکلتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے عمد لیا کہ اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرمادی۔ اس اونٹنی کی بابت انہیں تائید کر دی گئی کہ اسی بری نیت سے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے ورنہ عذاب اللہ کی گرفت میں آجائے گے۔ لیکن ان خالموں نے اس اس اونٹنی کو بھی قتل کر دیا، جس کے تین دن بعد انہیں چلکھاڑا صینچنا۔ سخت چیخ اور رجفہ۔ زلزلہ کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا، جس سے وہ اپنے گھروں میں اونڈھے کے اونڈھے پڑے رہ گئے۔

(۱) اس کا مطلب ہے کہ نرم زمین سے مٹی لے لے کر انہیں تیار کرتے ہو اور ان انہوں سے محل، جیسے آج بھی بھٹوں پر اسی طرح مٹی سے انہیں تیار کی جاتی ہیں۔

(۲) یہ ان کی قوت، صلاحیت بدن اور مہارت فن کا اظہار ہے۔

(۳) یعنی ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو، نہ کہ کفران نعمت اور معصیت کا ارتکاب کر کے فساد پھیلاو۔

هذِه نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ أَيَّةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِيَّ
أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُهَا إِسْرَهُ فَيَا خُذْهُمْ عَذَابَ الْيَمِّ^(۱)

وَإِذْ كُرُوذَ إِذْ جَعَلْنَاهُمْ خَلَقَاهُمْ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَآكِمْ
فِي الْأَرْضِ شَنَخْدُونَ مِنْ سُهُولِهَا فَصُورًا وَسَجَنُونَ
إِيجَانَ بِيُوتَهَا فَإِذْ كُرُوذَ الْأَرْأَدَ اللَّهُ وَلَا تَعْثَوْنَ فِي الْأَرْضِ
مُفَسِّدِينَ^(۲)

قَالَ الْمَلَائِكَةُ إِنَّا سَتَلَدُرُوا مِنْ قَوْمٍ لِّلَّذِينَ
أَسْتُضْعِفُوا لَهُمْ أَمَّنْ مِنْهُمْ أَعْلَمُونَ أَنَّ ضَلَالًا
مُرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَالْوَلَاءُ إِلَيْنَا أَرْسَلَ بِهِ

مُؤْمِنُونَ ④

بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے
کر بھیجا گیا ہے۔ ① (۷۵)

وہ مذکور لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے
ہوئے ہو، ہم تو اس کے منکر ہیں۔ ② (۷۶)

پس انہوں نے اس اوثنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار
کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! جس
کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایے اگر آپ
پس بھیریں۔ ③ (۷۷)

پس ان کو زلزلہ نے آپکردا ④ اور وہ اپنے گھروں میں
اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ ⑤ (۷۸)

اس وقت (صالح علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے، اور
فرمانے لگے ⑥ کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے
پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی
لیکن تم لوگ خیرخواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ ⑦ (۷۹)

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھیجا ⑧ جبکہ انہوں نے اپنی
قوم سے فرمایا کہ تم ایسا نخش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے
کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا۔ ⑨ (۸۰)

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِينَ أَمْنَثْنَا بِهِ
كُفَّارُونَ ⑩

فَعَقَرُوا الْثَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا
يَصْلِحُ إِلَيْنَا بِمَا أَنْعَدْنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ
الْمُرْسَلِينَ ⑪

فَأَخَذَنَاهُمُ الرَّجْفَةُ فَاصْبُرُوا فِي دَارِهِمْ جِنَاحِينَ ⑫

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ وَقَالَ يَقُولُمْ لَقَدْ أَبْلَغْنَاكُمْ رِسَالَةَ رَبِّنِ
وَنَصَحَّتْ لَكُمْ وَلَكُمْ لَا يُبَجِّلُونَ النَّصِحَّةَ ⑬

وَلُؤْطِإِذْ قَالَ لِقَوْمَهُ أَتَا تُؤْنَى الْفَاجِشَةَ مَا سَبَقَنَّ
بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْغَلَمِينَ ⑭

(۱) یعنی جو دعوت توحید وہ لے کر آئے ہیں، وہ چونکہ نظرت کی آواز ہے، ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ باقی رہی یہ
بات کہ صالح واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ جو ان کا سوال تھا، اس سے ان اہل ایمان نے تعریض ہی نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے
رسول من اللہ ہونے کو وہ بحث کے قابل ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ان کی رسالت ایک مسلمہ حقیقت
و صداقت تھی۔ جیسا کہ فی الواقع تھی۔

(۲) اس معقول جواب کے باوجود وہ اپنے احکام اور انکار پر اثر رہے۔

(۳) یہاں رَجْفَةُ (زلزلے) کا ذکر ہے۔ دوسرے مقام پر صَبَيْحَةُ (جیخ) کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قسم کا
عذاب ان پر آیا۔ اور سے سخت جیخ اور نیچے سے زلزلہ۔ ان دونوں عذابوں نے انہیں تسلیم کر کے رکھ دیا۔

(۴) یہ یا تو ہلاکت سے قبل کا خطاب ہے یا پھر ہلاکت کے بعد اسی طرح کا خطاب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے
جنگ بد رخت ہونے کے بعد قلیب بدر میں مشرکین کی لاشوں سے خطاب فرمایا تھا۔

(۵) حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سنتی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں

تم مردوں کے ساتھ شوت رانی کرتے ہو^(۱) عورتوں کو
چھوڑ کر،^(۲) بلکہ تم توحیدی سے گزر گئے ہو^(۳)
اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، بجز اس کے کہ
آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال
دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔^(۴)

إِنَّمَا لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهُودًا مِّنْ ذُوْنِ النِّسَاءِ
بَلْ أَنَّمَا قَوْمٌ مُّسِيرُ فُؤَادٍ^(۱)

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرُجُوهُمْ
قِنْ قَرِيبَكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاشٌ يَتَظَاهِرُونَ^(۲)

میں سے تھے پھر خود ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک علاقے میں نبی بنایا کہ بھیجا۔ یہ علاقہ اردن اور بیت المقدس کے درمیان تھا جسے سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ زمین سربزو شاداب تھی اور یہاں ہر طرح کے غلے اور پھلوں کی کثرت تھی۔ قرآن نے اس جگہ کو مُؤْنَثَةً یا مُؤْنَثَنَاتًَ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے غالباً سب سے پہلے یادِ دعوت توحید کے ساتھ ہی، (جو ہر نبی کی بنیادی دعوت تھی اور سب سے پہلے وہ اسی کی دعوت اپنی قوم کو دیتے تھے۔ جیسا کہ پچھلے نبیوں کے حالات میں، جن کا ذکر ابھی گذر رہے، دیکھا جا سکتا ہے۔) جو دوسری بڑی خرابی مردوں سے ساتھ بد فعلی، قوم لوط میں تھی، اس کی شناخت و قباحت بیان فرمائی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم لوط نے کیا، اس گناہ کا نام ہی لواطت پڑ گیا۔ اس نے مناسب سمجھا گیا کہ پہلے قوم کو اس جرم کی خطرناکی سے آگاہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے دعوت توحید بھی یہاں پہنچ چکی ہو گی۔ لواطت کی سزا میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے یعنی مجرم اگر شادی شدہ ہو تو رجم، غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑے۔ بعض کے نزدیک اس کی سزا ہی رجم ہے چاہے مجرم کیسا بھی ہو اور بعض کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دینا چاہئے۔ البتہ امام ابوحنیفہ صرف تعزیری سزا کے قائل ہیں، حد کے نہیں (تحفة الأحوذی جلد ۶ ص ۲۱)

(۱) یعنی مردوں کے پاس تم اس بے حیائی کے کام کے لئے محض شوت رانی کی غرض سے آتے ہو، اس کے علاوہ تمہاری اور کوئی غرض ایسی نہیں ہوتی جو موافق عقل ہو۔ اس لحاظ سے وہ بالکل بہائم کی طرح تھے جو محض شوت رانی کے لئے ایک دوسرے پر چڑھتے ہیں۔

(۲) جو قضائے شوت کا اصل محل اور حصول لذت کی اصل جگہ ہے۔ یہ ان کی فطرت کے مinx ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ نے مرد کی جنسی لذت کی تکیین کے لئے عورت کی شرم گاہ کو اس کا محل اور موضع بنایا ہے اور ان ظالموں نے اس سے تجاوز کر کے مرد کی دبر کو اس کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

(۳) لیکن اب اسی فطرت صحیح سے انحراف اور حدود اللہ سے تجاوز کو مغرب کی "مندب" قوموں نے اختیار کر لیا ہے تو یہ انسانوں کا "بنیادی حق" قرار پا گیا ہے جس سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ اب وہاں لواطت کو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ سرے سے جرم ہی نہیں رہا۔ فَإِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

(۴) یہ حضرت لوط کو بستی سے نکالنے کی علت ہے۔ باقی ان کی پاکیزگی کا اظہار یا تو حقیقت کے طور پر ہے اور مقصد ان

سوہم نے لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے گھروالوں کو بچا لیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے۔^(۱) (۸۳)

اور ہم نے ان پر خاص طرح کامینہ^(۲) بر سایا پس دیکھو تو سی ان مجرموں کا انعام کیسا ہوا؟^(۳) (۸۳)

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔^(۴) انہوں نے فرمایا میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ پس تم ناپ اور قول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان

فَإِبْيَانُهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا أُمَّرَاءَ هُنَّ كَانُوا
مِنَ الْغَيْرِ بَلْ

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا مَا نُظْرَكُيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُجْرِمِينَ

وَإِلَى مَدِينَ أَخَاهُ شَعِيْبًا قَالَ يَعُوْمَرُ اعْبُدُ وَاللهِ
مَا لَكُمْ قُنْ الْيَوْمَ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَ شَكُّ بَيْتَهُ مِنْ
رَّيْكُمْ قَادُوْلِكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُو النَّاسَ
آشِيَاءُ هُمْ وَلَا تَقْسِيدُوْلَ في الْأَرْضِ بَعْدَ اصْلَاهِهَا

کا یہ ہوا کہ یہ لوگ اس برائی سے بچنا چاہتے ہیں، اس لئے ہتر ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ہماری بستی ہی میں نہ رہیں یا استہزا اور تمثیر کے طور پر انہوں نے ایسا کہا۔

(۱) إِنَّهَا كَانَتْ مِنَ الْبَاقِينَ فِي عَذَابِ اللَّهِ، یعنی وہ ان لوگوں میں باقی رہ گئی جن پر اللہ کا عذاب آیا۔ کیونکہ وہ بھی مسلمان نہیں تھی اور اس کی ہمدردیاں بھی مجرمین کے ساتھ تھیں بعض نے اس کا ترجمہ ”ہلاک ہونے والوں میں سے“ کیا ہے۔ لیکن یہ لازمی معنی ہیں، اصل معنی وہی ہیں۔

(۲) یہ خاص طرح کامینہ کیا تھا؟ پھر وہ کامینہ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجْنِيلَةٍ
تَنْضُودَ﴾ (ھود۔ ۸۲) ”ہم نے ان پر تباہ کیا تھا“ پھر وہ کامینہ کی بارش بر سائی“ اس سے پہلے فرمایا ﴿جَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِنَهَا﴾
”ہم نے اس بستی کو والٹ کر دیجئے اور پر کر دیا۔“

(۳) یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دیکھئے تو سی، جو لوگ علامیہ اللہ کی معاصی کا ارتکاب اور پیغمبروں کی حکم دیب کرتے ہیں، ان کا انعام کیا ہوتا ہے؟

(۴) مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا، پھر انہی کی نسل پر مبنی قبیلے کا نام بھی مدین اور جس بستی میں یہ رہائش پذیر تھے، اس کا نام بھی مدین پڑ گیا۔ یوں اس کا اطلاق قبیلے اور بستی دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ بستی حجاز کے راستے میں ”معان“ کے قریب ہے۔ انہی کو قرآن میں دوسرے مقام پر أَصْحَابُ الْأَيْكَةَ (بن کے رہنے والے) بھی کہا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نبی بناء کر بھیج گئے۔ (دیکھئے الشرعا: ۲۶: ۷۶ کا حاشیہ)

مُخْوَلَتَهُ: ہر بھی کو اس قوم کا بھائی کہا گیا ہے، جس کا مطلب اسی قوم اور قبیلے کا فرد ہے، جس کو بعض جگہ رسول اللہ مِنْهُمْ یا مِنْ أَنفُسِهِمْ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور مطلب ان سب کا یہ ہے کہ رسول اور بھی انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی بدایت کے لئے چن لیتا ہے اور وہی کے ذریعے سے اس پر اپنی کتاب اور احکام نازل فرماتا ہے۔

کی چیزیں کم کر کے مت^(۱) دواور روئے زمین میں، اس کے بعد کہ اسکی درستی کروئی گئی، فسامت پھیلاو، یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔ (۸۵)

اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والے کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اس میں بھی کی تلاش میں لگے رہو۔^(۲) اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔ (۸۶)

اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر، جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا، ایمان لے آئے ہیں اور کچھ ایمان نہیں لائے ہیں تو ذرا خسرو جاؤ! یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کئے دیتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔^(۳) (۸۷)

ذِلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنَّ الْمُنْتَهَى مُؤْمِنُونَ ۝

وَلَا تَقْعُدُوا إِلَيْنِي صِرَاطِي ثُوَّدُونَ وَتَصْدُقُونَ عَنِ
سَيِّئِ الْأَعْمَالِ مِنْ أَمْنَ يَهُ وَتَبْغُونَهَا عَوْجَاءً وَإِذْ كُرُوا
إِذْ كُثُرُمْ قَلِيلًا فَكَثُرَمْ وَأَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝

وَإِنْ كَانَ طَلَبَنَّهُ مُنْتَهَىً أَمْنُوا بِالْآذِنِي
أَرْسَلْتُ بِهِ وَطَلَبَنَهُ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَصْبَرُوا حَتَّى
يَحُكُمَ اللَّهُ بِمِنَّا وَهُوَ خَيْرُ الْحُكَمِينَ ۝

(۱) دعوت توحید کے بعد، اس قوم میں ناپ تول میں کی کی جو بڑی خرابی تھی، اس سے اسے منع فرمایا اور پورا پورا ناپ اور تول کر دینے کی تلقین کی۔ یہ کوتاہی بھی بہت خطرناک ہے جس سے اس قوم کی اخلاقی پستی اور گراوٹ کا پتہ چلتا ہے جس کے اندر یہ ہو۔ یہ بدترین خیات ہے کہ پیسے پورے لئے جائیں اور چیز کم دی جائے۔ اسی لئے سورہ مطفین میں ایسے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔

(۲) اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے اللہ کے راستے میں کجیاں تلاش کرنا۔ یہ ہر دور کے نافرمانوں کا محبوب مشغله رہا ہے جس کے نمونے آج کل کے مجددین اور فرنگیت زدہ لوگوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ۔ علاوہ ازیں راستے میں بیٹھنے کے اور بھی کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً لوگوں کو ستانے کے لئے بیٹھنا، جیسے عام طور پر اوباش قسم کے لوگوں کا شیوه ہے۔ یا حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانے والے راستوں میں بیٹھنا تاکہ ان کے پاس جانے والوں کو روکیں اور ان سے انیں بد نہیں کریں، جیسے قریش مکہ کرتے تھے یادیں کے راستوں پر بیٹھنا اور اس را پر چلنے والوں کو روکنا۔ یوں لوث مار کی غرض سے ناکوں پر بیٹھنا تاکہ آنے جانے والوں کا مال سلب کر لیں۔ یا بعض کے نزدیک محسول اور چنگی وصول کرنے کے لئے ان کا راستوں پر بیٹھنا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ سارے ہی مفہوم صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ یہ سب ہی کچھ کرتے ہوں (فتح القدر)۔

(۳) کفر پر صبر کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اسکے لیے تهدید اور سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کافیصلہ اہل حق کا اہل باطل پر فتح و غلبہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَتَرَكُصُولَا نَأَمْعَلُمُ مَنْ تَصْنَعُونَ ﴾ (الشوریۃ۔ ۵۲)

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کماکہ اے شعیب! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے الایہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ۔^(۱) شعیب (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔^(۲) (۸۸)

ہم تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تھمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی^(۳) اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں، لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو۔^(۴) ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم اللہ ہی پر

قَالَ الْمَلَكُ الَّذِينَ أُسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَفْرِجَتَكَ
يُشَعِّيبُ وَالَّذِينَ أَمْتُوا مَعَكَ مِنْ قَرْبَتِنَا أُولَئِنَّا فِي رِبَّنَا
قَالَ أَوْلَئِنَّا كَرِهِنَ ۝

قَدِ افْتَرَنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنَّا فِي مِكَافَكٍ بَعْدَ إِذْ جَنَّنَا
اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا
وَسَعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا مَعَ الْلَّهِ تَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ أَنْهُمْ يَهْدِنَا
وَبَيْنَ قَوْمَنَا لِيَنْهَى وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَتَحِينَ ۝

(۱) ان سرداروں کے متکبر اور سرکشی کا اندازہ سمجھے کہ انہوں نے ایمان و توحید کی دعوت کو ہی رو نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر کے اللہ کے پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب پر واپس آ جاؤ، نہیں تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فرم ہے، کیونکہ انہوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی ملت آبائی کی طرف لوٹنے کی دعوت اس لحاظ سے تھی کہ وہ انہیں بھی نبوت اور تبلیغ و دعوت سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے، گو حقیقتاً ایسا نہ ہو۔ یا بطور تغییب انہیں بھی شامل کر لیا ہو۔

(۲) یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ہمہ انکار کے لیے اور رواو حالیہ ہے۔ یعنی کیا تم ہمیں اپنے مذہب کی طرف لوٹاؤ گے یا ہمیں اپنے بستی سے نکال دو گے درآں حايكہ ہم اس مذہب کی طرف لوٹا اور اس بستی سے نکلنا پسند نہ کرتے ہوں؟ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تم ہمیں ان میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرو۔

(۳) یعنی اگر ہم دوبارہ اس دین آبائی کی طرف لوٹ آئے، جس سے اللہ نے ہمیں نجات دی، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے ایمان و توحید کی دعوت دے کر اللہ پر جھوٹ باندھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری طرف سے ایسا ہو۔

(۴) اپنا عزم ظاہر کرنے کے بعد معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا۔ یعنی ہم تو اپنی رضامندی سے اب کفر کی طرف

بھروسہ رکھتے ہیں۔^(۱) اے ہمارے پورو دگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔^(۲) (۸۹)

اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی راہ پر چلو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔^(۳) (۹۰)

پس ان کو زلزلے نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اونڈھے کے اونڈھے پڑے رہ گئے۔^(۴) (۹۱)

جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہو گئی جیسے ان گھروں میں کبھی بے ہی

وَقَالَ الْمَلَكُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْنَهُ لَيْسَ أَتَبْعَثُمْ شُعَيْبًا
إِنَّمَا إِذَا تَخْرُجُونَ ۝

فَأَخَذْنَهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوكُمْ فِي دَارِهِمْ جِهِنَّمَ ۝

الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَمَا أَنَّهُمْ لَغَنَّوْا فِيمَا لَمْ يَرُوا

نہیں لوٹ سکتے۔ ہاں اگر اللہ چاہے توبات اور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ﴿ حَتَّىٰ يَلِيهِ الْجَمَلُ فِي سَجَنِ الْجَنَّاتِ ﴾ کی طرح تعلیق بالحال ہے۔

(۱) کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت رکھے گا اور ہمارے اور کفر و اہل کفر کے درمیان حائل رہے گا، ہم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے گا اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

(۲) اور اللہ جب فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ یہی ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو بچا کر مکنہ ہیں اور مُنکرین کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ گویا عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ ہے۔

(۳) اپنے آبائی نہ ہب کو چھوڑنا اور ناپ توں میں کمی نہ کرنا، یہ ان کے نزدیک خسارے والی بات تھی درآں حایکہ ان دونوں باتوں میں ان ہی کافر نہ تھا۔ لیکن دنیا والوں کی نظر میں تو نفع عاجل (دنیا میں فوراً حاصل ہو جانے والا نفع) ہی سب کچھ ہوتا ہے جو ناپ توں میں ڈنڈی مار کر انہیں حاصل ہو رہا تھا، وہ اہل ایمان کی طرح آخرت کے نفع آجل (دری میں ملنے والے نفع) کے لیے اسے کیوں چھوڑتے؟

(۴) یہاں رَجْفَةُ (زلزلہ) کا لفظ آیا ہے اور سورہ ہود آیت ۹۳ میں صَبَنَحَةُ (چیخ) کا لفظ ہے اور سورہ شراء۔ ۱۸۹ میں ظُلَّةُ (بادل کا سایہ) کے الفاظ ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عذاب میں ساری ہی چیزوں کا اجتماع ہوا۔ یعنی سائے والے دن ان پر عذاب آیا۔ پسلے بادل نے ان پر سایہ کیا جس میں شعلے، چنگاریاں اور آگ کے بھجوکے تھے، پھر آسمان سے سخت چیخ آئی اور زمین سے بھونچاں، جس سے ان کی رو جیں پرواز کر گئیں اور بے جان لاشے ہو کر پرندوں کی طرح گھنٹوں میں منہ دے کر اونڈھے کے اونڈھے پڑے رہ گئے۔

نہ تھے۔^(۱) جنوں نے شیعہ (علیہ السلام) کی مکنیب کی تھی وہی خارے میں پڑ گئے۔^(۲) (۹۲)

اس وقت شیعہ (علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمائے گئے کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی۔ پھر میں ان کافروں کو پر کیوں رنج کروں۔^(۳) (۹۳)

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف میں نہ پکڑا ہوتا کہ وہ گزر گرا کیں۔^(۴) (۹۳)

پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی، یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے کہ ہمارے آبا و اجداد کو بھی تسلی اور راحت پیش آئی تھی تو ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا^(۵) اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔ (۹۵)

شَعِيبًا كَانُوا هُمُ الظَّالِمُونَ^(۶)

مَتَوَلِ عَنْهُمْ وَقَالَ يَقُولُمْ لَقَدْ أَبْلَغْنَاكُمُ رَسُولُنَا
وَنَصَحَّثُكُمْ فَكَيْفَ أَسْتَأْنِي قَوْمٌ كُفَّارٌ^(۷)

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ إِلَّا أَخْذَنَا أَهْلَهَا إِلَى الْأَسْأَاءِ
وَالْقَرَاءَ لَعَلَّهُمْ يَعْزَزُونَ^(۸)

ثُرَبَدَ لِمَا مَكَانَ السَّيِّئَةُ الْحَسَنَةُ حَتَّى عَفَوَ وَقَلَّ أَقْدَمَشَ
إِبَاءَنَ الْفَرَاءُ وَالسَّرَّاءُ فَلَخَدَنَهُمْ بَعْتَهُ وَهُمْ لَا يَسْعُونَ^(۹)

(۱) یعنی جس بستی سے یہ اللہ کے رسول اور ان کے پیروکاروں کو نکلنے پر تلے ہوئے تھے، اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہونے کے بعد ایسے ہو گئے جیسے وہ یہاں رہتے ہی نہ تھے۔

(۲) یعنی خارے میں وہ لوگ رہے جنہوں نے پیغمبر کی مکنیب کی نہ کہ پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے۔ اور خارہ بھی دونوں جہانوں میں۔ دنیا میں بھی ذلت کا عذاب چکھا اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ عذاب شدید ان کے لیے تیار ہے۔

(۳) عذاب و تباہی کے بعد جب وہ وہاں سے چلے، تو انہوں نے وفور جذبات میں یہ بتیں کیں۔ اور ساتھ ہی کہا کہ جب میں نے حق تسلیخ ادا کر دیا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا، تو اب میں ایسے لوگوں پر افسوس کروں تو کیوں کروں؟ جو اس کے باوجود اپنے کفر اور شرک پر ڈالے رہے۔

(۴) بَأْسَاءُ وَهُ تَكْلِيفِيں جو انسان کے بدن کو لاحق ہوں یعنی بیماری اور ضرر اسے مراد فقر و تنگ دستی۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی بستی میں بھی ہم نے رسول بھیجا، انہوں نے اس کی مکنیب کی جس کی پاداش میں ہم نے ان کو بیماری اور محتاجی میں بجلاؤ کر دیا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی بارگاہ میں گزر گرا کیں۔

(۵) یعنی فقر و بیماری کے ابتلاء سے بھی جب ان کے اندر رجوع الی اللہ کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تو ہم نے ان کی تنگ دستی کو خوش حالی سے اور بیماری کو صحت و عافیت سے بدل دیا تاکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ لیکن اس انقلاب حال سے بھی

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے مکنذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ (۶)

کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔ (۷)

اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے کھیلوں میں مشغول ہوں۔ (۸)

کیا پس وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سوال اللہ کی پکڑ سے بجزان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔ (۹)

وَلَوْلَاقَ أَهْلُ الْقُرْآنِ أَمْنُوا وَأَتَقْوَى لِفَتَحِنَّاعَلَيْهِمْ بَرَكَتٌ
مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلِكُنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْ نَهْمٌ
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۱۰)

أَفَأَمَنَ أَهْلُ الْقُرْآنِ أَنْ يَأْتِيهِمْ بَأْسُنَا بَيَانًا وَهُمْ
لَا يُمُونُ (۱۱)

أَوَأَمَنَ أَهْلُ الْقُرْآنِ أَنْ يَأْتِيهِمْ بَأْسُنَا ضَعْفًا
وَهُمْ يَلْعَبُونَ (۱۲)

أَفَأَمْنُوا مَكْرُوهُهُ فَلَا يَأْمُنُ مَكْرُوهُهُ إِلَّا الْقَوْمُ
الظَّالِمُونَ (۱۳)

ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور انہوں نے کہا کہ یہ تو ہمیشہ سے ہی ہوتا چلا آ رہا ہے کہ کبھی تنگی آگئی کبھی خوش حالی آگئی، کبھی بیماری تو کبھی صحت، کبھی فقیری تو کبھی امیری۔ یعنی تنگ دستی کا پہلا علاج ان کے لیے موثر ثابت ہوا، نہ خوش حالی، ان کے اصلاح احوال کے لیے کارگر ثابت ہوئی۔ وہ اسے لیل و نیار کی گردش ہی سمجھتے رہے اور اس کے پیچھے کار فرما قادرت اللہ اور اس کے ارادہ کو سمجھنے میں ناکام رہے تو ہم نے پھر انہیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ اسی لیے حدیث میں مومنوں کا معاملہ اس کے بر عکس بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ وہ آرام و راحت ملنے پر اللہ کا شکردا کرتے ہیں اور تکلیف پختنے پر صبر سے کام لیتے ہیں، یوں دونوں ہی حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر کا باعث ہوتی ہیں۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الزهد بباب المؤمن أمرہ کلہ خیر)

(۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پسلے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان و تقویٰ ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنالیں تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یعنی حسب ضرورت انہیں آسمان سے بارش میا فرماتا ہے اور زمین اس سے سیراب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے۔ نسبتاً خوش حالی و فراوانی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ لیکن اس کے بر عکس مکنذیب اور کفر کا راستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ کے عذاب کی سختی نہ رجاتی ہیں، پھرپتہ نہیں ہو سکا کہ شب و روز کی کس گھنٹی میں عذاب آجائے اور ہنسی کھیلتی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈر بنا کر رکھ دے۔ اس لیے اللہ کی ان مدیروں سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بے خوفی کا نتیجہ سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں۔ مُنْكَر کے مفہوم کی وضاحت کے لیے دیکھئے سورہ آل عمران آیت ۵۲ کا حاشرہ۔

اور کیا ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے وہاں کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد (ان واقعات مذکورہ نے) یہ بات نہیں بتائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان کو ہلاک کر دیں اور ہم ان کے دلوں پر بندگا دیں، پس وہ نہ سن سکیں۔^(۱) (۱۰۰)

ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر مجذبات لے کر آئے،^(۲) پھر جس چیز کو انسوں نے ابتداء میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے،^(۳) اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بندگا دیتا ہے۔ (۱۰۱)

أَوْلَمْ يَهْدِي لِلنَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ أَبْعَدِ أَهْلِهَا
أَنْ تُؤْشَأَ أَصَبْنَاهُمْ بِدُنُوبِهِمْ وَنَظِبَعُ عَلَى فُلُونِهِمْ
فَهُمْ لَا يَمْعُونَ^(۱)

إِنَّكَ الَّذِي نَعْصَى عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَابِهَا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا إِلَّا يُؤْمِنُوا إِلَّا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلِنَ
كَذَّلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكُفَّارِ^(۲)

(۱) یعنی گناہوں کے نتیجے میں عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر بھی قفل لگ جاتے ہیں، پھر بڑے بڑے عذاب بھی انہیں خواب غفلت سے بیدار نہیں کرپاتے۔ دیگر بعض مقالات کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کیا، ہم چاہیں تو تمہیں بھی تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیں اور دوسرا بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مرگا دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز کے لیے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں۔ پھر انذار اور وعظ و نصیحت ان کے لئے بیکار ہو جاتے ہیں۔ آیت میں ہدایت تَبَيِّنُ (وضاحت) کے معنی میں ہے، اسی لئے لام کے ساتھ متعددی ہے۔
أَوْلَمْ يَهْدِي لِلنَّذِينَ، یعنی کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔

(۲) جس طرح گزشتہ صفات میں چند انبیاء کا ذکر گزرا۔ بَيَّنَاتٌ سے مراد دلائل و براہین اور مجذبات دونوں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے جب تک ہم نے جدت تمام نہیں کر دی، ہم نے انہیں ہلاک نہیں کیا۔ کیونکہ ﴿وَمَا كُنَّا
مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ يَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل ۵) ”جب تک ہم رسول نہیں بھیج دیتے۔ عذاب نازل نہیں کرتے۔“

(۳) اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یوم میثاق کو جب ان سے عمد لیا گیا تھا تو یہ اللہ کے علم میں ایمان لانے والے نہ تھے، اس لیے جب ان کے پاس رسول آئے تو اللہ کے علم کے مطابق ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ ان کی تقدیر میں ہی ایمان نہیں تھا جسے اللہ نے اپنے علم کے مطابق لکھ دیا تھا۔ جس کو حدیث میں فَكُلُّ مُبِيْرٍ لَمَا خُلِقَ لَهُ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ اللہیل) سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے۔ گویا ابتداء جس چیز کی وہ تکذیب کر چکے تھے، یہی گناہ ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو اگلے جملے میں مرگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا يَشْرُكُهُمْ أَنَّهُ إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ * وَتَلَبِّيَ أَفْيَدَهُمْ وَأَعْصَارَهُمْ كَمَا لَفَتُنُّهُمْ بِإِيمَانِهِ أَوْلَمْ مَرْءُوا﴾

اور اکثر لوگوں میں ہم نے وقارے عمدہ نہ دیکھا^(۱) اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا۔^(۲)

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امرا کے پاس بھیجا،^(۳) مگر ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا؟^(۴)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے پیغبر ہوں۔^(۵)

میرے لئے یہی شایان ہے کہ بجزع کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں، میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں،^(۶) سوتھی بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔^(۷)

وَمَا وَجَدْنَا إِلَّا كُثُرًا هُمُّ مُؤْمِنُونَ وَلَنْ وَجَدْنَا إِلَّا تَرَهُمْ لَفْسِيقِينَ^(۸)

ثُمَّ بَعْثَتْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسَىٰ يَا يَسِيرًا إِلَى فَرْعَوْنَ وَمَلَكَهِ فَظَلَمُوكُمْ بِهَا إِنَّا نُنَظِّرُ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ^(۹)

وَقَالَ مُوسَىٰ يُغَرِّ عَوْنَٰ أَتَى رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ^(۱۰)

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَكُوْلَ عَلَى الْمُوْلَٰ الْحَقِيقٌ قَدْ جَنَّتْمُ بِسِيَّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَنْسِلْ مَعِيَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ^(۱۱)

(الأنعام: ۱۰۰، ۱۰۹) ”او تمیس کیا معلوم ہے یہ تو ایسے (بد بخت) ہیں کہ ان کے پاس نشانیاں بھی آجائیں تب بھی ایمان نہ لا سکیں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الثالث دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لا سکیں گے)۔

(۱) اس سے بعض نے عمدالت، جو عالم ارادج میں لیا گیا تھا، بعض نے عذاب مالنے کے لیے پیغبروں سے جو عمد کرتے تھے، وہ عمد اور بعض نے عام عمد مراد لیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ اور یہ عمد شکنی، چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہو، فتنہ ہی ہے۔

(۲) یہاں سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو نہ کورہ انبیا کے بعد آئے جو جلیل القدر پیغبر تھے، جنہیں فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و مجازات دے کر بھیجا گیا تھا۔

(۳) یعنی انسیں غرق کر دیا گیا، جیسا کہ آگے آئے گا۔

(۴) جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ رسول ہوں۔ اس مجازے اور بڑی دلیل کی تفصیل بھی آگے آرہی ہے۔

(۵) بنی اسرائیل، جن کا اصل مسکن شام کا علاقہ تھا، حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانے میں مصر چلے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فرعون نے ان کو غلام بنا لیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم کرتا تھا، جس کی تفصیل پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ فرعون اور اس کے درباری امرا نے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی

فرعون نے کہا، اگر آپ کوئی مجذہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے! اگر آپ سچے ہیں۔ (۱۰۶)
پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا، سو دھننا وہ صاف ایک اڑو ہابن گیا۔ (۷)

اور اپنا ہاتھ باہر نکلا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے رو برو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔ (۱۰۸)

قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ (۲) (۱۰۹)

یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔ (۱۱۰)

انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مملت دیجئے اور شہروں میں ہر کاروں کو بھیج دیجئے۔ (۱۱۱)

کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔ (۱۱۲) (۱۱۳)

قَالَ إِنِّي مُنْتَجِهٌ بِإِيمَانِ قَاتِلٍ يَهَاكُنْ كُنْتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ ①

فَالْقُلْ عَصَمَهُ فَإِذَا هِيَ ثَعَبَانٌ مُّمِينٌ ②

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ ③

قَالَ الْمَلَكُونْ قَوْمُ فَرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّاحِرُ عَلِيمٌ ④

لَئِنْدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنَ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ⑤

قَالُوا أَرْجِعْهُ وَآخِهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ خَشِيرِينَ ⑥

يَا نُوكَ بَحْلَلْ سَعِيرَ عَلَيْهِ ⑦

دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ دوسرا مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ یہ اپنے آبائی مسکن میں جا کر عزت و احترام کی زندگی گزاریں اور اللہ کی عبادت کریں۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دو بڑے مجذے انہیں عطا فرمائے تھے، اپنی صداقت کے لیے انہیں پیش کر دیا۔

(۲) مجذے دیکھ کر، ایمان لانے کے بجائے، فرعون کے درباریوں نے اسے جادو قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے جس سے اس کا مقصد تمہاری حکومت کو ختم کرنا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا زور اور اس کا عام چلن تھا، اس لیے انہوں نے مجذات کو بھی جادو سمجھا، جن میں سرے سے انسان کا دخل ہی نہیں ہوتا۔ خالص اللہ کی مشیت سے ظہور میں آتے ہیں۔ تاہم اس عنوان سے فرعون کے درباریوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون کو برداشت کا موقع مل گیا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ مجذات کو بھی انہوں نے جادو سمجھا اور جادو کے ذریعے سے اس کا توزیع میا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا "اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری زمین سے نکال دے؟ پس ہم بھی اس جیسا جادو تیرے مقابلے میں لا میں گے، اس کے لیے کسی

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے، کنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صد ملے گا؟^(۱۳) فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔^(۱۴)

ان ساروں نے عرض کیا کہ اے موی! خواہ آپ ڈالئے اور یا ہم ہی ڈالیں؟^(۱۵)

(مویٰ علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو،^(۱۶) پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو و کھلایا۔^(۱۷)

وَجَاءَ السَّمْرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّا لَنَا أَجْرًا إِنْ كُنَّا مُنْفَعِينَ
الْغَلَبِيُّونَ^(۱۸)

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الظَّاهِرِيُّونَ^(۱۹)

قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّا أَنْتَ تُنَزِّقُ وَلَمَّا كُنْتَ تُنَزِّقُنَّ شَعْنَ الْمُلْقِيُّونَ^(۲۰)

قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّا أَلْقُوا سَحَرُوا أَعْدَمُ النَّاسِ وَأَسْرَهُبُوهُمْ
وَجَاءُو بِسُخْرَةٍ عَظِيمٍ^(۲۱)

ہمارا جگہ اور وقت کا ہم تعین کر لیں جس کی دونوں پاندی کریں، حضرت مویٰ علیہ السلام نے کہا کہ نوروز کا دن اور چاشت کا وقت ہے، اس حاب سے لوگ جمع ہو جائیں۔ (سورہ ط-۵۷-۵۹)

(۱) جادوگر، چوں کہ طالب دنیا تھے، دنیا کمانے کے لیے ہی شعبدہ بازی کافن سیکھتے تھے، اس لیے انہوں نے موقع غنیمت جانا کہ اس وقت تو بادشاہ کو ہماری ضرورت لاحق ہوئی ہے، کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا مطالبة اجرت، کامیابی کی صورت میں پیش کر دیا، جس پر فرعون نے کہا کہ اجرت ہی نہیں بلکہ تم میرے مقریبین میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔

(۲) جادوگروں نے یہ اختیار اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرنے کی وجہ سے دیا۔ انہیں پورا یقین تھا کہ ہمارے جادو کے مقابلے میں مویٰ علیہ السلام کا مججزہ، ہے وہ ایک کرت ہی سمجھتے تھے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اگر مویٰ علیہ السلام کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کا موقع دے بھی دیا تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، ہم اس کے کرتب کا توڑ ببر صورت میا کر لیں گے۔

(۳) لیکن مویٰ علیہ السلام چونکہ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کی تائید انہیں حاصل تھی، اس لیے انہیں اپنے اللہ کی مدد کا یقین تھا، لہذا انہوں نے بغیر کسی خوف اور تامل کے جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم جو دکھانا چاہتے ہو، دکھاؤ! علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ جادوگروں کے پیش کردہ جادو کا توڑ جب حضرت مویٰ علیہ السلام کی طرف سے مجزانہ انداز میں پیش ہو گا تو یہ لوگوں کے لیے زیادہ متاثر کن ہو گا، جس سے ان کی صداقت واضح تر ہو گی اور لوگوں کے لیے ایمان لانا سل ہو جائے گا۔

(۴) بعض آثار میں بتایا گیا ہے کہ یہ جادوگر ۷۰ ہزار کی تعداد میں تھے۔ بظاہر یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں، جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لانچی میدان میں چینی، جود کھینے والوں کو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ یہ گویا بزم خویش بست بڑا جادو تھا جو انہوں نے پیش کیا۔

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اپنا عصاؤں
دیکھئے! سو عصا کا ذرا ناتھا کہ اس نے ان کے سارے بنے
بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔^(۱) ^(۲)

پس حق ظاہر ہو گیا اور انہوں نے جو کچھ بنا�ا تھا سب جاتا
رہا۔^(۳)

پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر
پھرے۔^(۴)

اور وہ جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے۔^(۵)
کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔^(۶)
جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔^(۷)

فرعون کرنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بغیر اس کے
کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بے شک یہ سازش تھی جس
پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے اس شر میں تاکہ تم سب اس
شر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سواب تم
کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔^(۸)

وَأَوْحَيْنَا لِمُوسَىٰ أَنَّ الَّذِي عَصَمَ لَهُ قَادَرٌ هَلْقَنْ
مَا يَا فِدْكُونَ^(۹)

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۱۰)

فَقُلْبُلُوْاهُنَّا لَكَ وَأَنْقَلْبُلُوْاصِغَرُونَ^(۱۱)

وَالْقَنَ السَّحَرَةُ سَجِدُونَ^(۱۲)

قَالُواْ أَمْتَأْبِرُ الْعَالَمِينَ^(۱۳)

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَرُونَ^(۱۴)

قَالَ فِرْعَوْنُ أَمْنَثُرُ بِهِ قَبْلَ أَنْ اذْنَ لَكُمْ إِنْ هَذَا
لَمَكْرُ مَكْرُتُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لَمْ يُخْرُجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسُوقَ
عَلَمُونَ^(۱۵)

(۱) لیکن یہ جو کچھ بھی تھا، ایک تخلیل، شعبدہ بازی اور جادو تھا جو حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام
کے لامھی ڈالتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا اور لامھی نے ایک خوفناک اثر دھے کی شکل اختیار کر کے سب کچھ نگل لیا۔

(۲) جادوگروں نے جو جادو کے فن اور اس کی اصل حقیقت کو جانتے تھے، یہ دیکھاتو سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے
جو کچھ یہاں پیش کیا ہے، جادو نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی مدد سے ہی اس نے یہ مجھہ پیش کیا ہے۔
جس نے آن واحد میں ہم سب کے کرتبوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر
دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ باطل، باطل ہے چاہے اس پر کتنے ہی حسین غلاف چڑھا لیے جائیں اور حق، حق ہے
چاہے اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیئے جائیں، تاہم حق کا ذکر نکانج کر رہتا ہے۔

(۳) سجدے میں گر کر انہوں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کیا جس سے فرعونیوں کو مغالطہ ہو سکتا تھا کہ یہ
سجدہ فرعون کو کیا گیا ہے جس کی الوہیت کے وہ قائل تھے، اس لئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا
رب کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ سجدہ ہم جہانوں کے رب کو ہی کر رہے ہیں۔ لوگوں کے خود ساختہ کسی رب کو نہیں۔

(۴) یہ جو کچھ ہوا، فرعون کے لیے بڑا حیران کن اور تعجب خیز تھا، اس لیے اسے اور تو کچھ نہیں سو جھا، اس نے یہی کہ

میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکادوں گا۔^(۱) (۱۲۳)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم (مرکر) اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے۔^(۲) (۱۲۵)

اور تو نے ہم میں کو ناسیب دیکھا ہے۔ بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے،^(۳) جب وہ ہمارے پاس آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرمایا^(۴) اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔^(۵) (۱۲۶)

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موئی (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھر س،^(۶) اور وہ آپ کو اور آپ

لَا قَطْعَنَّ أَيْدِيهِ كُفُّوْرَ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خَلَافٍ تُمَلَّأُ صَلَبِنَّكُمْ
أَجْمَعِينَ^(۷)

قَالُوا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ^(۸)

وَمَا تَنْقُمُ مِنَ الْأَنْهَىٰ إِنَّمَا يَاٰتِ رَبِّنَا مَا جَاءَنَا نَارَ رَبِّنَا
أَفَرَغَ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوْفِيقًا مُشْلِمِينَ^(۹)

وَقَالَ الْمَلَكُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَدْرُ مُؤْمِنِي وَقَوْمِهِ
لِيَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذْرَكُ وَإِلَهَتَكَ قَالَ سَقْنَيْهِ

دیا کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو اور اس کا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ اچھا! اس کا انجام عنقریب تمیں معلوم ہو جائے گا۔

(۱) یعنی دیاں پاؤں اور بیاں ہاتھ یا بیاں پاؤں اور دیاں ہاتھ، پھر ہی نہیں، سولی پر چڑھا کر تمیں نشان عبرت بھی بنا دوں گا۔

(۲) اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا تو تجھے بھی اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس جرم کی سخت سزا دے گا، اس لیے کہ ہم سب کو مرکر اسی کے پاس جانا ہے، اس کی سزا سے کون بچ سکتا ہے؟ گویا فرعون کے عذاب دنیا کے مقابلے میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ موت تو ہمیں آئی ہی آئی ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا کہ موت سولی پر آئے یا کسی اور طریقے سے؟

(۳) یعنی تیرے نزدیک ہمارا یہی عیب ہے۔ جس پر تو ہم سے ناراض ہو گیا ہے اور ہمیں سزا دینے پر قتل گیا ہے۔ دراں حالیکہ یہ سرے سے عیب ہی نہیں ہے۔ یہ تو خوبی ہے، بت بڑی خوبی کہ جب حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو کر آگئی تو ہم نے اس کے مقابلے میں تمام دنیاوی مفادات مُخکرا دیئے اور حقیقت کو اپنالیا۔ پھر انہوں نے اپناروئے سخن فرعون سے پھیر کر اللہ کی طرف کر لیا اور اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہو گئے۔

(۴) تاکہ ہم تیرے اس دشمن کے عذاب کو برداشت کر لیں، اور حق میں متصل اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔

(۵) اس دنیاوی آزمائش سے ہمارے اندر ایمان سے انحراف آئے نہ کسی اور فتنے میں ہم بیٹلا ہوں۔

(۶) یہ ہر دور کے مفسدین کا شیوه رہا ہے کہ وہ اللہ والوں کو فسادی اور ان کی دعوت ایمان و توحید کو فساد سے تغیر کرتے ہیں۔ فرعونیوں نے بھی یہی کہا۔

کے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔^(۱) فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا ذور ہے۔^(۲) (۲۷) (۲۸)

مویٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کا سارا حاصل کرو اور صبر کرو، یہ زین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بن دے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔^(۳) (۲۸)

قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی^(۴) اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔^(۵) مویٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزین کا خلیفہ بنا

آبِنَاءَهُمْ وَنَسَّتْجِنِي نَسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوَقَهُمْ قَهْرُونَ^(۶)

قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ
الْأَرْضَ يَلْهُةٌ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
وَالْعَاقِةُ لِلْمُتَقْبِلِينَ^(۷)

قَالُوا أَوْذِنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا يَحْتَنِنَاهُ
قَالَ عَلَيَّ رَبِّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي
الْأَرْضِ فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ^(۸)

(۱) فرعون کو بھی اگرچہ دعواے ربوبیت تھا ﴿أَنَّا بِكُلِّ الْأَعْلَى﴾ میں تمہارا بڑا رب ہوں ”(وہ کہا کرتا تھا) لیکن دوسرے چھوٹے معبود بھی تھے جن کے ذریعے سے لوگ فرعون کا تقرب حاصل کرتے تھے۔

(۲) ہمارے اس انتظام میں یہ رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ قتل ابتداء کا یہ پروگرام فرعونیوں کے کہنے سے بنایا گیا اس سے قبل بھی، جب مویٰ (علیہ السلام) کی ولادت نہیں ہوئی تھی، مویٰ (علیہ السلام) کے بعد ازاولادت خاتمے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے نو مولود بچوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مویٰ (علیہ السلام) کی ولادت کے بعد ان کو بچانے کی یہ تدبیر کی کہ مویٰ (علیہ السلام) کو خود فرعون کے محل میں پہنچوا کر اسی کی گود میں ان کی پروردش کروائی۔ فَلِلَّهِ الْمُكْرُ جَمِيعًا۔

(۳) جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو حضرت مویٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد حاصل کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے تو زمین کا اقتدار بالآخر تمہیں ہی ملے گا۔

(۴) یہ اشارہ ہے ان مظالم کی طرف جو ولادت مویٰ (علیہ السلام) سے قبل ان پر ہوتے رہے۔

(۵) جادوگروں کے دافعے کے بعد ظلم و ستم کا یہ نیادور ہے، جو مویٰ (علیہ السلام) کے آنے کے بعد شروع ہوا۔

وَدَعَهُمْ تَسْمِارًا طَرْزَ عَمَلٍ دَيْكَيْهِ گا۔^(۱)

او، هم نے فرعون والوں کو بیٹلا کیا تھا سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔^(۲)

سوجب ان پر خوشحالی آجائی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بد حالی پیش آتی تو موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کی خوست بثاتے۔^(۳) یاد رکھو کہ ان کی خوست اللہ تعالیٰ کے پاس ہے،^(۴) لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۵)

اور یوں کہتے کہی ہی بات ہمارے سامنے لاو کہ ان کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاو جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔^(۶)

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالْتِبْيَانِ وَنَقَضْنَا مِنَ الشَّرِّ إِلَّا مَاهُمْ يَدْرِكُونَ^(۷)

فَإِذَا أَجَاءَهُمُ الْحَسَنَةَ قَالُوا نَاهِنَّ وَإِنْ تُعْصِمُهُمْ سَيِّئَةً
يَظْهِرُ وَإِيمُونِي وَمَنْ مَعَهُ الْأَرَى نَاهِنَّ طَلِيلُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ
وَلِكُنَّ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^(۸)

وَقَالُوا مَهِمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ أَيْتَةٍ لَتُسْحِرَنَا بِهَا فَنَاخْنَ
لَكَ بِمُؤْمِنِينَ^(۹)

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ گھبراو نہیں، بہت جلد اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے، زمین میں تمیس اقتدار عطا فرمائے گا۔ اور پھر تمہاری آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہو گا۔ ابھی تو تکلیفوں کے ذریعے سے آزمائے جا رہے ہو، پھر انعام و اکرام کی بارش کر کے اور اختیار و اقتدار سے بہرہ مند کر کے تمیس آزمایا جائے گا۔

(۲) آل فِرْعَوْنَ سے مراد، فرعون کی قوم ہے۔ اور سینیں سے تھوڑے سالی۔ یعنی بارش کے فقدان اور درختوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی۔ مقصد اس آزمائش سے یہ تھا کہ اس ظلم اور اسکبار سے باز آجائیں جس میں وہ بدلاتھے۔

(۳) حَسَنَةٌ (بھلائی) سے مراد غلے اور پھلوں کی فراوانی اور سیئَة (برائی) سے اس کے بر عکس اور تھوڑے سالی اور پیداوار میں کمی۔ حَسَنَةٌ کا سارا کریث خود لے لیتے کہ یہ ہماری محنت کا شہر ہے اور بدحالی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو قرار دیتے کہ یہ تم لوگوں کی خوست کے اثرات ہمارے ملک پر پڑ رہے ہیں۔

(۴) طَائِرٌ کے معنی ہیں ”اڑنے والا“ یعنی پرنده۔ چوں کہ پرندے کے بائیں یا دائیں اڑنے سے وہ لوگ نیک فالی یا بدفالی یا کرتے تھے۔ اس لیے یہ لفظ مطلق فال کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر یا شر، جو خوش حال یا تھوڑے سالی کی وجہ سے انہیں پہنچتا ہے، اس کے اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار اس کا سبب نہیں۔ ﴿ طَلِيلُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ الْمُطلبُ ہو گا کہ ان کی بد شگونی کا سبب اللہ کے علم میں ہے اور وہ ان کا کفر و انکار ہے نہ کہ کچھ اور۔ یا اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی وجہ ان کا کفر ہے۔

(۵) یہ اسی کفر و جہود کا اظہار ہے جس میں وہ بدلاتھے اور مجرمات و آیات الٰہی کو اب بھی وہ جادو گری باور کرتے یا کرتے تھے۔

پھر، ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور مذیاں اور گھن کا کیرا اور مینڈک اور خون، کہ یہ سب کھلے کھلے مجزے تھے۔^(۱)
سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرام
پیشہ۔ (۱۳۳)

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے
موی! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر
دیجیے! جس کا اس نے آپ سے عمد کر رکھا ہے، اگر
آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ
کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو
بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ (۱۳۴)

پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ
اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے، تو وہ فوراً ہی عمد شکنی
کرنے لگتے۔ (۱۳۵)^(۲)

فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الظُّفَرَ وَالْجَرَادَ وَالثَّمَنَ وَالضَّفَادَعَ
وَالدَّمَ الْيَتِ مُفَصَّلَيْتِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا
قَوْمًا مَّاجِرِيْمِنَ ^(۲)

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الْرِّجْزُ قَالُوا يَمُوسَى ادْعُنَا بَرَبَّكَ يَمَّا
عَهْدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الْرِّجْزَ لَتُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنْ يُسْلِمَنَّ مَعَكَ بَنْيَ إِسْرَاءِيلَ ^(۲)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْرِّجْزَ إِلَّا أَجَلَ هُمْ بِلِغْوَةٍ إِذَا
هُمْ يَنْتَلُونَ ^(۲)

(۱) طوفان سے سیاہ یا کشت بارش، جس سے ہر چیز غرق ہو گئی، یا کشت اموات مراد ہے، جس سے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ جرأت مذکو کہتے ہیں، مذکو دل کا حملہ فصلوں کی ویرانی کے لیے مشور ہے۔ یہ مذیاں ان کے غلوں اور پھلوں کی فصلوں کو کھا کر چٹ کر جاتیں۔ فُمَلٌ سے مراد ہوں ہیں جو انسان کے جسم، کپڑے اور بالوں میں ہو جاتی ہیں یا گھن کا کیرا ہے جو غلے میں لگ جاتا ہے تو اس کے پیشتر ہے کو ختم کر دیتا ہے۔ جوڑ سے انسان کو گھن بھی آتی ہے اور اس کی کشت سے سخت پریشانی بھی۔ اور جب یہ بطور عذاب ہوں تو اس سے لاحق ہونے والی پریشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح گھن کا عذاب بھی معیشت کو کھو کھلا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ ضَفَادَعُ، ضَفَادَعَہُ کی جمع ہے یہ مینڈک کو کہتے ہیں جو پانی اور جو ہڑوں، چھپڑوں میں ہوتا ہے۔ یہ مینڈک ان کے کھانوں میں، بستروں میں، ابلے ہوئے غلوں میں غرض ہر جگہ اور ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہو گئے، جس سے ان کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا حرام ہو گیا۔ دم (خون) سے مراد ہے پانی کا خون بن جانا، یوں پانی پینا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ بعض نے خون سے مراد نکسیر کی بیماری لی ہے۔ یعنی ہر شخص کی ناک سے خون جاری ہو گیا آیات مُفَصَّلَاتُ یہ کھلے اور جداجد انجزے تھے، جو وقفہ و قفقے سے ان کے پاس آئے۔

(۲) یعنی ایک عذاب آتا تو اس سے نگ آ کر موی علیہ السلام کے پاس آتے، ان کی دعا سے وہ ٹل جاتا تو ایمان لانے کے بجائے، پھر اس کفر و شرک پر جنے رہتے۔ پھر دوسرا عذاب آ جاتا تو پھر اسی طرح کرتے۔ یوں کچھ کچھ و قفوں سے پانچ عذاب ان پر آئے۔ لیکن ان کے دلوں میں جو رعوبت اور دماغوں میں جو تکبر تھا، وہ حق کی راہ میں ان کے لیے زنجیر پابنا رہا اور اتنی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہے۔

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آئیوں کو جھلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے۔^(۱) (۱۳۶)

اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے۔^(۲) اس سر زمین کے پورب پچھم کامالک بنادیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے^(۳) اور آپ کے رب کانیک وعدہ بني اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا^(۴) اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اوپنچی اوپنچی عمارتیں

فَإِنْقَمَّنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ يَا نَاهُمْ كَذَّبُوا
يَا لَيْتَنَا وَكَانُوا عَمَّاً غَفَلُيْنَ^(۵)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا إِسْتَعْفَافُونَ مَشَارِقَ
الْأَرْضِ وَمَغَارَبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَنَعْلَمُ كَلِمَتَ رَبِّكَ
الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَاءِيلَ لَا يَمْأَصِبُّ رَوَادَ مَرْبُنا
مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ^(۶)

(۱) اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے باوجود وہ ایمان لانے کے لیے اور خواب غفلت سے بیدار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بالآخر نہیں دریا میں غرق کر دیا گیا، جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

(۲) یعنی بني اسرائیل کو، جن کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم روا رکھتا تھا۔ اس بنا پر وہ فی الواقع مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ مغلوب اور غلام تھے۔ لیکن جب اللہ نے چاہا تو اسی مغلوب اور غلام قوم کو زمین کا وارث بنادیا۔

﴿ وَتَعْزِيزُ مَنْ تَكَبَّلَ مِنْ تَشَاؤ﴾ (آل عمران-۲۶)

(۳) زمین سے مراد شام کا علاقہ فلسطین ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کے بعد بني اسرائیل کو غلبہ عطا فرمایا، شام میں بني اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاروں علیہ السلام کی وفات کے بعد اس وقت گئے جب حضرت یوسف بن نون نے عمالقہ کو شکست دے کر بني اسرائیل کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔ اور زمین کے ان حصوں میں برکتیں رکھیں، یعنی شام کے علاقے میں۔ جو بکثرت انبیا کا مسکن و مدفن رہا اور ظاہری شاوابی و خوش حالی میں بھی متاز ہے۔ یعنی ظاہری و باطنی دونوں قسم کی برکتوں سے یہ زمین مالا مال رہی ہے۔ مشارق مشرق کی جمع اور مغارب مغرب کی جمع ہے۔ حالانکہ مشرق اور مغرب ایک ایک ہی ہیں۔ جمع سے مراد اس ارض پا برکت کے مشرقی اور مغربی حصے ہیں یعنی جماعت مشرق و مغرب۔

(۴) یہ وعدہ یہی ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی آیت ۱۲۸ و ۱۲۹ میں فرمایا گیا ہے اور سورہ فصل میں بھی۔ ﴿ وَنَوْيِنْدَ أَنْ تَنْهَنَ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعَفُوا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَهُمْ أَبْيَةً وَجَعَلَهُمُ الْوَرِثَيْنَ * وَنَهَنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنَزَرَى فِرْعَوْنَ وَهَامَنْ وَجَوْهَرَهَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴾ (القصص ۱۰-۱۵) ”ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا بنا کیں اور ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قوت و طاقت دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھاویں جس سے وہ ڈرتے ہیں“ اور یہ فضل و احسان اس صبر کی وجہ سے ہوا جس کا مظاہرہ انہوں نے فرعونی نظام کے مقابلے میں کیا۔

بُوَاتِ تَحْتَ سَبْ كُوْدَرْ هَمْ بِرْ هَمْ كُرْ دِيَا۔^(١)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک معبد ایسا ہی مقرر کر دیجئے! جیسے ان کے یہ معبدوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جمالت ہے۔^(٢)

یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔^(٣)

فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبد و تجویز کر دوں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔^(٤)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچالیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ذاتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ

وَجَوَزْ نَارًا يَدِينَ إِسْرَاءَلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْ أَعْلَمَ قَوْمٍ يَعْلَمُونَ
عَلَى أَصْنَامِ رَهْمَمْ قَالَوْ إِيمُوسَيْ أَجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا إِلَهُمْ
الْهُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ^(٥)

إِنَّ هُولَاءِ مُتَدَبِّرِ مَا هُمْ فِيهِ وَبِطْلٌ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ^(٦)

قَالَ أَغْيِرَ اللَّهُ أَبْيَقَنْ لِهَا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى
الْعَلَمَيْنَ^(٧)

وَإِذَا نَجَّيْنَاهُمْ مِنْ إِلَى فَرْعَوْنَ يَسْوُمُونَكُو سُوْءَ الْعَذَابِ
يَقْتَلُونَ أَبْنَاءَكُو وَيَسْتَحْيِيُونَ نِسَاءَكُو وَفِي ذَلِكُمْ
بَلَكَاهُمْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ^(٨)

(١) مصنوعات سے مراد کارخانے، عمارتیں اور ہتھیار وغیرہ ہیں اور یَغْرِشُونَ (جو وہ بلند کرتے تھے) سے مراد اونچی اونچی عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں اور انگوروں وغیرہ کے باغات بھی جو وہ چھپروں پر پھیلاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی شری عمارتیں، ہتھیار اور دیگر سامان بھی تباہ کر دیا اور ان کے باغات بھی۔

(٢) اس سے بڑی جمالت اور نادانی کیا ہو گی کہ جس اللہ نے انہیں فرعون جیسے بڑے دشمن سے نہ صرف نجات دی، بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اسے اس کے لشکر سیست غرق کر دیا اور انہیں مجرمانہ طریق سے دریا عبور کروایا۔ وہ دریا پار کرتے ہی اس اللہ کو بھول کر پتھر کے خود تراشیدہ معبد تلاش کرنے لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ یہ بت گائے کی شکل کے تھے جو پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔

(٣) یعنی یہ سورتیوں کے پچاری جن کے حال نے تمہیں بھی دھوکے میں ڈال دیا، ان کا مقرر تباہی اور ان کا یہ فعل باطل اور خسارے کا باعث ہے۔

(٤) کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کیے اور تمہیں جہانوں پر فضیلت بھی عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمہارے لیے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں؟ یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشاہی میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ ہے۔

چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔^(۱) (۳۱)

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تمیں راتوں کا وعدہ کیا اور دس رات مزید سے ان تمیں راتوں کو پورا کیا۔ سوان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس رات کا ہو گیا۔^(۲) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا کہ میرے بعد ان کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بد نظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔^(۳) (۳۲)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے^(۴) لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو

وَوَعَدْنَا مُوسَى تَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَّنَا بِعَشِيرَةَ فَتَحَّهَ
مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوسَى لِرَبِّهِ
هُرُونَ اخْلُقْنِي فِي قَوْمٍ وَأَصْلِهُ وَلَا تَنْهِيَّ سَبِيلَ
الْمُفْسِدِينَ ④

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِيُبَيِّنَاتِنَا وَكَلَمَةَ رَبِّهِ قَالَ رَبِّيَ أَرِنِي
أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَبَّنِي وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ
فَإِنَّ أَسْتَقِرُّ مَكَانَهُ فَقُوْفَ تَرَبَّنِي فَلَمَّا تَجَلَّ رَبِّهِ
لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَنَّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ
قَالَ سُبْحَنَكَ تُبَتُّ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ④

(۱) یہ وہی آزمائشیں ہیں جن کا ذکر سورہ بقرہ میں بھی گزر اور سورہ ابراہیم میں بھی آئے گا۔

(۲) فرعون اور اس کے شکر کے غرق کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی کتاب انہیں دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمیں راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کرو دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو، جو ان کے بھائی، بھی تھے اور بنی بھی، اپنا جانشین مقرر کرو دیا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے رہیں اور انہیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

(۳) حضرت ہارون علیہ السلام خود بنی تھے اور اصلاح کا کام ان کے فرانس مختصی میں شامل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں محض تذکیر و تنیبہ کے طور پر یہ نصیحتیں کیں، میقات سے یہاں مراد وقت معین ہے۔

(۴) جب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے اور وہاں اللہ نے ان سے براہ راست گفتگو کی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا، اور اپنے اس شوق کا اظہار ربت ارینہ کہہ کر کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَنْ تَرَبَّنِي ”تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا“ اس سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ نے کہا کہ لَنْ تَفْنِي تَأْلِيْد (ہیشہ کی نفی) کے لیے آتا ہے۔ اس لیے اللہ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ لیکن معتزلہ کا یہ مسلک صحیح احادیث

گے۔ پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پر خپے اڑا دیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔^(۱) پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جانب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں۔^(۲) (۱۳۳)

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے اور لوگوں پر تم کو اعتماد دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔^(۳) (۱۳۴)

اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی فصحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی،^(۴) تم ان کو پوری طاقت سے

قَالَ يَهُوسَى إِنِّي أَصْطَفْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسْلَاتِي وَ
بِكَلَامِي ۝ فَخُذْ مَا أَتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَنَفْسِيَّاً
إِلَكُلِّ شَيْءٍ ۝ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأَمْرُ قَوْمَكَ يَا خُذْهَا ۝

کے خلاف ہے۔ متواتر، صحیح اور قوی روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدارِ الہی سے مشرف ہوں گے۔ تمام اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ اس نفی رویت کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ دنیا میں کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرمادے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکے۔

(۱) یعنی وہ پہاڑ بھی رب کی تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”قیامت والے دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے“ (یہ بے ہوشی امام ابن کثیر کے بقول میدانِ محشر میں اس وقت ہو گی جب اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے نزولِ اجلال فرمائے گا) اور جب ہوش میں آئے گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھا کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انہیں کوہ طور کی بے ہوشی کے بد لے میں میدانِ محشر کی بے ہوشی سے مستثنی رکھا گیا۔“

(صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ الأعراف۔ صحیح مسلم۔ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

(۲) تیری عظمت و جلالت کا اور اس بات کا کہ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، دنیا میں تیرے دیدار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

(۳) یہ ہم کلای کا دوسرا موقف تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشرف کیا گیا۔ اس سے قبل جب آگ لینے کے تھے تو اللہ نے ہم کلامی سے نوازا تھا اور پیغمبری عطا فرمائی تھی۔

(۴) گویا تورات تختیوں کی شکل میں عطا فرمائی گئی جس میں ان کے لیے دینی احکام، امر و نهى اور ترغیب و تہیب کی پوری تفصیل تھی۔

بِأَحْسِنَهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفِسْقِينَ ⑤

پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں،^(۱) اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔^(۲) (۱۳۵)

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں،^(۳) اور اگر ہدایت کاراستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کاراستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔^(۴) یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آئیوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔^(۵) (۱۳۶)

سَأَقِرُّ عَنِ الْيَتَىَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ إِغْرِيْ
الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ اِيَّةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا
سَيِّئَلَ الرُّشْدَ لَا يَعْجِدُهُ سَيِّئَلَ وَإِنْ يَرَوْا سَيِّئَلَ الْغَيْ
يَتَّخِذُونَهُ سَيِّئَلَ ذَلِكَ يَا إِنْهُمْ كَذَّبُوا يَا يَتَّبَعُونَ كَذَّابُونَ
عَنْهُمَا غَفِيلُونَ ⑥

(۱) یعنی رخصتوں کی ہی تلاش میں نہ رہیں جیسا کہ سولت پسندوں کا حال ہوتا ہے۔

(۲) مقام (دار) سے مراد یا تو انجام یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمہیں حکمرانی عطا کروں گا اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت عماقۃ کی حکمرانی تھی۔ جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن کثیر)

(۳) تکبر کا مطلب ہے اللہ کی آیات و احکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گردانا۔ یہ تکبر، انسان کے لیے زیب نہیں۔ کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر، خالق کا مقابلہ کرنا اور اس کے احکام و ہدایات سے اعراض و غفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسی لیے تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس آیت میں تکبر کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں آیات اللہ سے دور ہی رکھتا ہے اور پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انہیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿رَأَى الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِبَّ رَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ * وَلَوْجَاءَنَّهُمْ بَلْ كُلُّ أَيَّةٍ حَتَّى يَرَوُ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ (سورہ یونس۔ ۹۶۔ ۹۷) ”جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی وہ ایمان نہیں لائیں گے، چاہے ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آجائے۔ حتیٰ کہ وہ در دن اک عذاب دیکھ لیں۔“

(۴) اس میں احکام اللہ سے اعراض کرنے والوں کی ایک اور عادت یا نفیات کا بیان ہے کہ ہدایت کی کوئی بات ان کے سامنے آئے تو اسے تو نہیں مانتے، البتہ گمراہی کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اسے فوراً اپنا لیتے اور رہ عمل بنالیتے ہیں۔ قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا ہر دور میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آج ہم بھی ہر جگہ اور ہر معاشرے میں حتیٰ کہ مسلمان معاشروں میں بھی یہی کچھ دیکھ رہے ہیں کہ نیکی منہ چھپائے پھر رہی ہے اور بدی کو ہر کوئی لپک کر اختیار کر رہا ہے۔

(۵) یہ اس بات کا سبب بتایا جا رہا ہے کہ لوگ نیکی کے مقابلے میں بدی کو اور حق کے مقابلے میں باطل کو کیوں زیادہ اختیار کرتے ہیں؟ یہ سبب ہے آیات اللہ کی تکذیب اور ان سے غفلت و اعراض کا۔ یہ ہر معاشرے میں عام ہے۔

اور یہ لوگ جنوں نے ہماری آئیوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھلایا ان کے سب کام غارت گئے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔^(۱) (۷۳)

اور موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں کا ایک پچھرا معبود ٹھہرالیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور بڑی بے انصافی کام کیا۔^(۲) (۷۴)

اور جب نادم ہوئے^(۳) اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گزرے ہو جائیں گے۔^(۴) (۷۵)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءَ الْآخِرَةِ حَقِيقَتُ
أَعْمَالُهُمْ هُنَّ مَنْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۵)

وَلَقَدْ قَوْمٌ مُّوْسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلْيَّهُمْ عَجَلَاجَدَّا
لَهُ خُواَدَ الْحُمَرِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ هُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا
إِنَّهُمْ دُوَّهُ وَكَانُوا أَظْلَمِ الظَّالِمِينَ^(۶)

وَلَمَّا سُقِطَ فِي آيَدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا لَا قَالُوا
لَيْسَ لَهُمْ بِهِمْ بَشَّارٌ بَّلْ وَيَغْفِرُ لَنَا اللَّهُوَنَّ مِنَ
الْخَسِيرِينَ^(۷)

(۱) اس میں آیات اللہ کی مخدیب اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ چونکہ ان کے عمل کی اساس عدل و حق نہیں، ظلم و باطل ہے۔ اس لیے ان کے نامہ اعمال میں شری شر ہو گا جس کی کوئی قیمت اللہ کے ہاں نہ ہو گی۔ ہاں اس شر کا بدله ان کو وہاں ضرور دیا جائے گا۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے تو پیچھے سے سامری ناہی شخص نے سونے کے زیورات اکٹھے کر کے ایک پچھرا تیار کیا جس میں اس نے جریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی بھی، جو اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی شامل کر دی، جس میں اللہ نے زندگی کی تاثیر رکھی تھی، جس کی وجہ سے پچھرا کچھ پچھ بیل کی آواز نکالتا تھا۔ (گو واضح کلام کرنے اور رہنمائی کرنے سے عاجز تھا جیسا کہ قرآن کے الفاظ واضح کر رہے ہیں) اس میں اختلاف ہے کہ وہ فی الواقع گوشت پوست کا پچھرا بن گیا تھا، یا تھا وہ سونے کا ہی۔ لیکن کسی طریقے سے اس میں ہوا داخل ہوتی تو گائے، بیل کی سی آواز اس میں سے نکلتی۔ (ابن کثیر) اس آواز سے سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ تمہارا معبود تو یہ ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں اور وہ معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں۔ (یہ واقعہ سورہ طہ میں آئے گا)

(۳) سُقِطَ فِي آيَدِيهِمْ محاورہ ہے جس کے معنی نادم ہونا ہیں، یہ نہادت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ہوئی، جب انہوں نے آکر اس پر ان کی زجو تو نج کی، جیسا کہ سورہ طہ میں ہے۔ یہاں اسے مقدم اس لیے کرو دیا گیا ہے کہ ان کا فعل اور قول اکٹھا ہو جائے۔ (فتح التدریج)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی بربادی جانشینی کی؟ کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی، اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں^(۱) اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھینٹئے گے۔ ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے ماں جائے!^(۲) ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر دالیں^(۳) تو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنساؤ^(۴) اور مجھ کو ان طالبوں کے ذیل میں مت شمار کرو۔^(۵) (۱۵۰)

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضِبَانَ أَيْسَفًا قَالَ يَنْسَمَا خَلَقْتُكُمْ مِنْ أَبْعَدِي أَجْهَلُكُمْ أَمْرِي إِلَكُمْ وَالْقِيَ الْأَلوَاهُ وَأَخْذَ بِرَأْسِ أَخْيَهِ بَجْرَةَ الْإِلَهِ قَالَ أَبْنَ أَمْرَانِ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونَ وَكَادُوا يَقْتَلُونَنِي فَلَمَّا تَشَيَّطَ فِي الْأَعْدَاءِ وَلَا يَجْعَلُنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّلِيلِينَ^(۶)

(۱) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر دیکھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو ختح غضب ناک ہوئے اور جلدی میں تختیاں بھی، جو کوہ طور سے لائے تھے، ایسے طور پر رکھیں کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوا کہ انہوں نے یہ پھینک دی ہیں، جسے قرآن نے ”ڈال دیں“ سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم اگر پھینک بھی دی ہوں تو اس میں سوء ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان کا تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا، بلکہ دینی غیرت و محیت میں بے خود ہو کر غیر اختراری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔

(۲) حضرت ہارون علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام آپس میں سے بھائی تھے، لیکن یہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے ”ماں جائے“ اس لیے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پہلو زیادہ ہے۔

(۳) حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اپنا عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ قوم کو شرک جیسے جرم عظیم سے روکنے میں ناکام رہے۔ ایک اپنی کمزوری اور دوسرا، بنی اسرائیل کا عناد اور سرکشی کر وہ انہیں قتل تک کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے اور انہیں اپنی جان بچانے کے لیے خاموش ہونا پڑا، جس کی اجازت ایسے موقعوں پر اللہ نے دی ہے۔

(۴) میری ہی سرزنش کرنے سے دشمن خوش ہوں گے، جب کہ یہ موقع تو دشمنوں کی سرکوبی اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کا ہے۔

(۵) اور ویسے بھی عقیدہ و عمل میں مجھے کس طرح ان کے ساتھ شمار کیا جاسکتا ہے؟ میں نے نہ شرک کا راتکاب کیا، نہ اس کی اجازت دی، نہ اس پر خوش ہوا، صرف خاموش رہا اور اس کے لیے بھی میرے پاس معقول عذر موجود ہے، پھر میرا شمار طالبوں (مشرکوں) کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا مانگی۔

موئی (عليه السلام) نے کماکہ اے میرے رب! میری خط معااف فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔^(۱۵۱)

بے شک جن لوگوں نے گو سالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی^(۱) اور ہم افترا پر دازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔^(۲)^(۱۵۲)

اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کے پھروہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دیئے والا رحمت کرنے والا ہے۔^(۳)^(۱۵۳)

اور جب موئی (عليه السلام) کا غصہ فرد ہوا تو ان تختیوں کو اٹھایا اور ان کے مضامین میں^(۴) ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے بایت اور رحمت تھی۔^(۵)^(۱۵۴)

قَالَ رَبِّ الْغَفُولِ وَلَا يَخْفِي وَأَدْعُوكُنَافِ رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الظَّاجِبِينَ^(۱)

إِنَّ الَّذِينَ اخْذُوا الْعِجْلَ سَيِّنَ الْهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَذَلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ بَيْزِي الْمُفْتَدِرِينَ^(۲)

وَالَّذِينَ عَمِلُوا الصَّيَّابَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَأَمْتَأْنَى إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا الْغَفُورُ رَحِيمٌ^(۳)

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ شُوَسَى الغَضَبِ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ وَفِي دُسْخِنَتِهَا هُدُّى وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ هُوَ لَرِبِّهِمْ يَرْهِبُونَ^(۴)

(۱) اللہ کا غصب یہ تھا کہ توبہ کے لیے قتل ضروری قرار پایا۔ اور اس سے قبل جب تک جیتے رہے، ذلت و رسائی کے وہ متحق قرار پائے۔

(۲) اور یہ سزا ان ہی کے لیے خاص نہیں ہے، جو بھی اللہ پر افترا کرتا ہے، اس کو ہم یہی سزا دیتے ہیں۔

(۳) ہاں جنوں نے توبہ کر لی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بشرطیکہ خالص توبہ ہو۔

(۴) نُسْخَة، فُنْدَةٌ کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔ یہ اس اصل کو بھی کہتے ہیں جس سے نقل کیا جائے اور نقل شدہ کو بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں نسخہ سے مراد یہ تو وہ اصل الواح ہیں جن پر تورات لکھی گئی تھی، یا اس سے مراد وہ دوسرا نسخہ ہے جو تختیاں زور سے چھکنے کی وجہ سے ثوٹ جانے کے بعد اس سے نقل کر کے تیار کیا گیا تھا۔ تاہم صحیح بات پہلی ہی لگتی ہے۔ کیونکہ آگے چل کر آتا ہے کہ حضرت موئی علیہ السلام نے ان ”تختیوں کو اٹھایا“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تختیاں ثوٹی نہیں تھیں۔ برعکس اس کا مرادی مفہوم ”مضامین“ ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

(۵) تورات کو بھی، قرآن کریم کی طرح، انہی لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں، کیونکہ اصل فائدہ آسمانی کتابوں سے ایسے ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ تو چونکہ اپنے کانوں کو حق کے سننے سے آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے بند کے ہوتے ہیں، اس چشمہ فیض سے وہ بالعموم محروم ہی رہتے ہیں۔

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین کے لئے منتخب کئے، سو جب ان کو زلزلہ نے آپکرا^(۱) تو موسیٰ (علیہ السلام) عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! اگر تمھر کو یہ منظور ہوتا تو اس سے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کرو دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفون کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھ۔ تو ہی تو ہمارا کار ساز ہے پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرمادی اور تو سب معاف دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے۔^(۲) (۱۵۵)

وَلَخْتَارَ مُؤْسِىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لَمْ يَقُلْ إِنَّا أَخْذَنَا
الرَّجْفَةَ تَالَّرَبَّ تُوْشِنَتْ أَهْلَكَتْهُمْ مِنْ قَبْلِ وَرَأَيَّنَى أَهْلَكَنَا
بِمَا فَعَلَ الشُّعَمَاءُ وَمَا إِنْ هِيَ إِلَّا فَتَنَتْ شُصُلُّ بِعَامَنْ
شَاءَ أَوْ نَهَمُّى مَنْ نَشَاءَ أَنْتَ وَلَيْلَنَا فَاغْفِرْنَا وَارْحَمْنَا
وَلَنْتَ خَيْرُ الْغَفِرِينَ ②

(۱) ان ستر آدمیوں کی تفصیل اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے ستر آدمی پنے اور انہیں کوہ طور پر لے گئے، جہاں بطور عذاب انہیں ہلاک کر دیا گیا، جس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا.....

(۲) بنی اسرائیل کے یہ ستر آدمی کون تھے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے تورات کے احکام انہیں سنائے تو انہوں نے کہا ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے؟ ہم توجہ تک خود اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں، اسے نہیں مانیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ستر برگزیدہ آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے ہم کلام ہوا جسے ان لوگوں نے بھی سنائیں۔ لیکن وہاں انہوں نے ایک نیا مطالبہ کر دیا کہ ہم توجہ تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے پھرے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معدترت کے لیے کوہ طور پر لے جائے گئے تھے اور وہاں جا کر انہوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تیسرا رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنمیں نے بنی اسرائیل کو پھرے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا لیکن انہیں اس سے منع نہیں کیا۔ ایک چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنمیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کے لیے چنا گیا تھا، وہاں جا کر انہوں نے اللہ سے دعائیں کیے۔ جن میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ ”یا اللہ ہمیں تو وہ کچھ عطا فرم، جو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا نہیں کیا اور نہ آئندہ وہ کسی کو عطا کرنا۔“ اللہ تعالیٰ کو یہ دعا پسند نہیں آئی، جس پر وہ زلزلے کے ذریعے سے ہلاک کر دیئے گئے۔ زیادہ مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں اور انہوں نے وہی واقعہ قرار دیا ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ آیت ۵۶ میں آیا ہے۔ جہاں ان پر صاعقه (بجلی کی کڑک) سے موت وارد

اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔^(۲) تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آئیوں پر ایمان لاتے ہیں۔^(۳)

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔^(۴) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں^(۵) اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے^(۶) ان کو دور کرتے

وَأَكْتُبْ لِنَافِقِ هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَرِفْ الأَخْرَةِ إِنَّا
هُدْنَا لِلَّهِ كَمَا قَالَ عَذَابِ أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءَ وَرَحْمَةَ
وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَعَوَّنُونَ وَرَبُّنُّوْنَ
الرَّكُوَةَ وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتِنَا يَوْمَ الْمُؤْمِنُونَ^(۷)

أَكْنِيْنَ يَتَعَوَّنُونَ الرَّسُولُ النَّبِيُّ الْأَنْبَى الَّذِي
يَجْهَدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُ فِي التَّوْرِيَةِ وَالْإِنجِيلِ
يَا مَرْفُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا مُحْمَّدُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحَلِّ
لَهُمُ الظَّلَمَيْتِ وَمَحْمُومُ عَلَيْهِمُ الْعَبْدَيْتَ وَيَضْعِمُ عَنْهُمْ
إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ

ہونے کا ذکر ہے اور یہاں رَجْفَةُ (زلزال) سے موت کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے دونوں ہی عذاب آئے ہوں اور پر سے بکلی کی کڑک اور نیچے سے زلزال۔ برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا و ارجاع کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے قبل اس وقت ہلاک کرتا جب یہ پچھرے کی عبادت میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔
(۱) یعنی توبہ کرتے ہیں۔

(۲) یہ اس کی وسعت رحمت ہی ہے کہ دنیا میں صالح و فاسق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے ”اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ۱۰۰ حصے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم۔ نمبر ۲۰۸ وابن ماجہ۔ نمبر ۲۹۳

(۳) یہ آیت بھی اس امر کی وضاحت کے لیے نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسالت محمد یہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں اور ایمان وہی معتبر ہے جس کی تفصیلات محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے بھی تصور ”وَحدَتُ ادِيَانَ“ کی جڑکت جاتی ہے۔

(۴) معروف، وہ ہے جسے شریعت نے اچھا اور مکر، وہ ہے جسے شریعت نے برا قرار دیا ہے۔

(۵) یہ بوجھ اور طوق وہ ہیں جو چھپلی شریعت میں تھے، مثلاً نفس کے بد لے نفس کا قتل ضروری تھا، (دیت یا معافی نہیں

ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔^(۱) (۱۵۷)

آپ کہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاو اور اس کے نبی ای پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو

امْنُوا يَهُ وَعَزَّرُوا وَنَصَرُوا وَاتَّبَعُوا النُّورَ
الَّذِي أَنْشَرَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا
إِلَذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُنْجِي
وَيُبَوِّبُ فَمَنْ مُوَا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَرَسُولِهِ الْبَيِّنُ الْأَقِيمُ الَّذِي
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

تحی) یا جس کپڑے کو نجاست لگ جاتی، اس کا قطع کرنا ضروری تھا، شریعت اسلامیہ نے اسے صرف دھونے کا حکم دیا۔ جس طرح قصاص میں دیت اور معافی کی بھی اجازت دی۔ وغیرہ اور آپ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ”مجھے آسان دین خیفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔“ (مسند احمد جلد ۵۔ ص ۲۲۶۔ جلد ۶، ص ۲۲۳) لیکن افسوس! اس امت نے اپنے طور پر رسوم و روانج کے بہت سے بوجھ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور جاہلیت کے طوق زیب گلوکار لیے ہیں، جن سے شادی اور مرگ دونوں عذاب بن گئے ہیں۔ هَدَاهَا اللَّهُ تَعَالَى۔

(۱) ان آخری الفاظ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ جو رسالت محمدیہ پر ایمان نہیں لائیں گے، وہ کامیاب نہیں، خاسراور ناکام ہوں گے۔ علاوه ازیں کامیابی سے مراد بھی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم رسالت محمدیہ پر ایمان نہ رکھتی ہو اور اسے دنیاوی خوش حالی و فراؤانی حاصل ہو۔ جس طرح اس وقت مغربی اور یورپی اور دیگر بعض قوموں کا حال ہے کہ وہ عیسائی یا یسودی یا کافرو مشرک ہونے کے باوجود ماوی ترقی اور خوش حالی میں متاز ہیں۔ لیکن ان کی یہ ترقی عارضی و بطور امتحان و استدراج ہے۔ یہ ان کی اخروی کامیابی کی صفات یا علامت نہیں۔ اسی طرح ﴿وَاتَّبِعُوا النُّورَ أَيُّهَا الْمُشْرِقُونَ ۝﴾ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ المائدہ کی آیت ۱۵ میں نور سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ (جیسا وہاں بھی وضاحت کی گئی تھی) کیوں کہ جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہ قرآن مجید ہی ہے۔ اس لیے اس ”نور“ سے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مراد نہیں ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ آپ کی صفات میں ایک صفت نور بھی ہے۔ جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ لیکن آپ کے نوری صفت ہونے سے آپ کا نُورٌ مِنْ نُورِ اللَّهِ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، جس طرح اہل بدعت یہ ثابت کرتے ہیں۔ (مزید دیکھئے سورۃ المائدۃ آیت ۱۵ کا حاشیہ)

تکہ تم راہ پر آ جاؤ۔^(۱) (۱۵۸)

اور قومِ موی میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف بھی کرتی ہے۔^(۲) (۱۵۹)

اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی^(۳) اور ہم نے موی (علیہ السلام) کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پھر پر مارو پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا۔ اور ہم نے ان پر ابر کو سایہ گلن کیا اور ان کو من وسلوی (ترنجین اور بیش) پہنچائیں، کھاؤ نہیں چیزوں

وَمَنْ قَوْمٌ مُّوسَىٰ اِنَّهُ يَهُدُونَ بِالْحُقْقِ وَيَهُدِّي
يَعْدِلُونَ^(۴)

وَقَطْعُنُّهُمُ اثْنَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اَمْبَاءَ وَأُوحِيَنَا إِلَى
مُوسَىٰ إِذَا سَسَّقْهُ قَوْمُهُ كَمَا أَخْرُوبُ بِعَصَابَ الْحَجَرِ
فَانْجَسَّتْ مِنْهُ اَذْنَتَاهُ عَشْرَةَ عَيْنَاتٍ قَدْ عِلِّمَ كُلُّ اَنَّاٰسٍ
مَشْرَبَهُمْ وَظَلَّلَنَا عَلَيْهُمُ الْغَيَّامُ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ
الْمَنَّ وَالسَّلُوٰي مَكْلُوٰا مِنْ طَيِّبَاتِ مَارَنَ قَذْكُمْ وَ
مَا ظَلَمُوْنَا وَلَكِنْ كَانُوا اَنْفَسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ^(۵)

(۱) یہ آیت بھی رسالتِ محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے کائنات کے انسانو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یوں آپ ﷺ پوری بنی نوع انسانی کے نجات و ہندہ اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں، نہ کسی اور تہہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔ اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپ ﷺ کو النبی الای کہا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ اسی کے معنی ہیں ان پڑھ۔ یعنی آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں کیے، کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے جو قرآن کریم پیش کیا، اس کے اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے فضحاو بلغا عاجز آگئے اور آپ نے جو تعلیمات پیش کیں، ان کی صداقت و حقانیت کی ایک دنیا معرفت ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی اللہ کے چے رسول ہیں ورنہ ایک ایسی نہ ایسا قرآن پیش کر سکتا ہے اور نہ ایسی تعلیمات بیان کر سکتا ہے جو عدل و انصاف کا ہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انہیں اپنانے بغیر دنیا حقیقی امن و سکون اور راحت و عافیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

(۲) اس سے مراد وہی چند لوگ ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

(۳) اَسْبَاطٌ، سِبْطٌ کی جمع ہے۔ بمعنی پوتا۔ یہاں اس باطقبائل کے معنی میں ہیں۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے معرض وجود میں آئے، ہر قبیلے پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نقيب (گلران) بھی مقرر فرمادیا تھا، وَبَعْدَنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشْرَ نَقِيبًا تھا (المائدۃ۔ ۱۲) یہاں اللہ تعالیٰ ان بارہ قبیلوں کے بعض بعض صفات میں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کی بنا پر ان کے الگ الگ گروہ ہونے کو بطور اقتضان کے ذکر فرمادیا ہے۔

سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ (۱۶۰)

اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا، ہم تمہاری خطا میں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دیں گے۔ (۱۶۱)

سو بدل ڈالا ان طالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی، اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے۔ (۱۶۲)

اور آپ ان لوگوں سے،^(۲) اس بستی والوں کا^(۳) جو کہ دریائے (شور) کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھئے! جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں، اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں، ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا

وَإِذْقِيلَ لَهُمْ أَسْكَنْتُهُمْ إِلَيْهِ الْقُرْبَىٰ وَكُلُّوْا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حَطَّةٌ قَادْخُلُوا بَابَ سُجْدَةٍ
تَعْفِرُ لَكُمْ خَطِيْنَتِكُمْ سَبَرِيْدُ الْمُحْسِنِينَ (۱۶۰)

فَبَدَأَ الَّذِينَ كَلَمُوا مِنْهُمْ قُوْلًا عَيْرَ الَّذِي قِيلَ
لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رُجَزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا
كَانُوا يَظْلِمُونَ ۝

وَسَلَّمُهُمْ عَنِ الْقُرْبَىٰ إِلَيْهِ كَانَتْ حَاضِرَةً
الْبَحْرُ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبُّتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ
يَوْمَ سَبُّتِهِمْ شَرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِقُونَ لَا تَأْتِيهِمْ
كُذَلِكَ ثَبَلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُدُونَ ۝

(۱) ۱۶۰ تا ۱۶۲ آیات میں جو باقیں بیان کی گئی ہیں، یہ وہ ہیں جو پارہ الٰم، سورہ بقرہ کے آغاز میں بیان کی گئی ہیں۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائی جائے۔

(۲) وَسَلَّمُهُمْ میں «ہم» ضمیر سے مراد یہود ہیں۔ یعنی ان سے پوچھئے۔ اس میں یہودیوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس واقعے کا علم نبی کریم ﷺ کو بھی ہے جو آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر آپ ﷺ کو اس واقعے کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳) اس بستی کی تعین میں اختلاف ہے، کوئی اس کا نام ایله کوئی طبریہ کوئی ایلیا اور کوئی شام کی کوئی بستی، جو سند رکے قریب تھی، بتلاتا ہے۔ مفسرین کا زیادہ رجحان ”ایله“ کی طرف ہے جو مدن اور کوہ طور کے درمیان دریائے قلزم کے ساحل پر تھی۔

کرتے تھے۔^(۱) (۱۶۳)

اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے؟^(۲) انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید یہ ڈرجائیں۔^(۳) (۱۶۴)

سوجب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا^(۳) تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک

وَإِذْ قَاتَلَتْ أَمَّةٌ مِّنْهُمْ لَمْ يَغْلُظُنَّ قَوْمًا لِّأَنَّ اللَّهَ مُهِلٌ لِّكُلِّ هُوَ أَوْ
مُعَذِّبٌ هُمْ عَذَابُهُمْ عَذَابٌ أَسَدٌ يُدَا فَالْأُولُونَ مَعْذِرٌ قَاتِلٌ إِلَى رَيْبِهِمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَنْقُونَ^(۴)

فَلَمَّا نَسِوا مَا ذُكْرُوا يَهُ أَغْيَبُنَا اللَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّقُوهِ
وَأَخَذُنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا إِعْدَادٍ إِلَيْهِمْ إِنَّمَا كَانُوا
يَفْسُدُونَ^(۵)

(۱) حِبْنَانٌ حُوتُ (محملی) کی جمع ہے۔ شُرَعًا شَارِعٌ کی جمع ہے۔ معنی ہیں پانی کے اوپر ابھر کر آنے والیاں۔ یہ یہودیوں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہیں جس میں انہیں ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن بطور آزمائش ہفتے والے دن مچھلیاں کثرت سے آتیں اور پانی کے اوپر ظاہر ہو ہو کر انہیں دعوت شکار دیتیں۔ اور جب یہ دن گزر جاتا تو اس طرح نہ آتیں۔ بالآخر یہودیوں نے ایک حیلہ کر کے حکم الٰہی سے تجاوز کیا کہ گڑھے کھو دیتے تا کہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو پھر انہیں پکڑ لیتے۔

(۲) اس جماعت سے صالحین کی وہ جماعت مراد ہے جو اس حیلے کا ارتکاب بھی نہیں کرتی تھی اور حیلہ گروں کو سمجھا سمجھا کر ان کی اصلاح سے مایوس بھی ہو گئی تھی۔ تاہم کچھ اور لوگ بھی سمجھانے والے تھے جو انہیں وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ صالحین کی یہ جماعت انہیں یہ کہتی کہ ایسے لوگوں کو وعظ و نصیحت کا کیا فائدہ جن کی قسمت میں ہلاکت و عذاب الٰہی ہے۔ یا اس جماعت سے وہی نافرمان اور تجاوز کرنے والے مراد ہیں، جب ان کو وعظ کرنے والے نصیحت کرتے تو یہ کہتے کہ جب تمہارے خیال میں ہلاکت یا عذاب الٰہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ہمیں کیوں وعظ کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ایک تو اپنے رب کے سامنے مغفرت پیش کرنے کے لیے تاکہ ہم تو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ معصیت الٰہی کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھنا اور پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی جرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت ہو سکتی ہے۔ اور دوسرافائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ حکم الٰہی سے تجاوز کرنے سے باز ہی آ جائیں۔ پہلی تفسیر کی رو سے یہ تین جماعتیں ہوئیں۔ ۱- نافرمان اور شکار کرنے والی جماعت ۲- وہ جماعت جو بالکل کنارہ کش ہو گئی نہ وہ نافرمانوں میں تھی نہ منع کرنے والوں میں ۳- وہ جماعت جو نافرمان بھی نہیں تھی۔ اور بالکل کنارہ کش بھی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ نافرمانوں کو منع کرتی تھی۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ دو جماعتیں ہوں گی۔ ایک نافرمانوں کی اور دوسری منع کرنے والوں کی۔

(۳) یعنی وعظ و نصیحت کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور نافرمانی پر اڑے رہے۔

سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا
کرتے تھے۔^(۱) (۱۶۵)

یعنی جب وہ، جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس
میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا تم ذلیل
بند رہن جاؤ۔^(۲) (۱۶۶)

اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ آپ کے رب نے یہ بات
بتلاوی کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے شخص کو ضرور
سلط کرتا رہے گا جو ان کو سزاۓ شدید کی تکلیف پہنچاتا
رہے گا،^(۳) بلاشبہ آپ کا رب جلدی ہی سزادے دیتا
ہے اور بلاشبہ وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت
والا ہے۔^(۴) (۱۶۷)

اور ہم نے دنیا میں ان کی مختلف جماعتیں کر دیں۔ بعض
ان میں نیک تھے اور بعض ان میں اور طرح تھے اور ہم

فَلَمَّا أَعْتَدْنَا عَنْ مَا نَهَى عَنْهُ فَلَمَّا كُونُوا
قَرَدَهُ خَسِينُونَ^(۵)

وَإِذْ تَأْذَنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَيْ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ
يَشْوِمُهُمْ وَمَوْسُوَةُ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۚ وَإِنَّهُ
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۶)

وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَمَّا مِنْهُمُ الظَّالِمُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ
ذَلِكَ وَبَلَوْنَهُمْ بِالْمَسْنَتِ وَالْأَيْتَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ^(۷)

(۱) یعنی وہ ظالم بھی تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انہیں جنم کا
ایندھن بنالیا اور فاسق بھی کہ اللہ کے حکموں سے سرتباں کو انہوں نے اپنا شیوه اور وظیفہ بنالیا۔

(۲) عَنَّوَا کے معنی ہیں، جنہوں نے اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف
ہے کہ نجات پانے والے صرف وہی تھے، جو منع کرتے تھے اور باقی دونوں عذاب اللہ کی زد میں آئے؟ یا زد میں
آنے والے صرف معصیت کار تھے؟ اور باقی دو جماعتیں نجات پانے والی تھیں؟ امام ابن کثیر نے دوسری رائے کو
ترجیح دی ہے۔

(۳) تَأْذَنَ، إِذْنَانْ بمعنی إِغْلَامٍ (خبر دنیا، بتلاوی) سے باب تفعیل ہے۔ یعنی وہ وقت بھی یاد کرو! جب آپ کے رب نے
ان یہودیوں کو اچھی طرح باخبر کر دیا یا بتلاویا تھا لَيَبْعَثَنَّ میں لام تاکید ہے جو قسم کے معنی کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی قسم کا
کرنہ ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرمرا ہا ہے کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو سلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت
عذاب میں بتلار کھیں گے، چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت و مسکنت اور غلامی و محکومی کی تاریخ ہے جس کی خبر
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے۔ اسرائیل کی موجودہ حکومت قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کے خلاف نہیں ہے
اس لیے کہ وہ قرآن ہی کے بیان کردہ احتشان و حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی مظہر ہے جو قرآنی حقیقت کے خلاف نہیں بلکہ اس کی
مؤید ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے آل عمران۔ ۱۱۲ کا حاشیہ)

(۴) یعنی اگر ان میں سے کوئی توبہ کر کے مسلمان ہو جائے گا تو وہ اس ذلت و سوء عذاب سے بچ جائے گا۔

ان کو خوش حالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ
شاید باز آ جائیں۔^(۱) (۲۸)

پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے^(۲) کہ
کتاب کو ان سے حاصل کیا وہ اس دنیا کے فانی کا مال
متاع لے لیتے ہیں^(۳) اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور
مغفرت ہو جائے گی^(۴) حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی
مال متاع آنے لگے تو اس کو بھی لے لیں گے۔ کیا ان
سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ
کی طرف بچو جن بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ
کریں،^(۵) اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو
پڑھ لیا^(۶) اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے
جو تقویٰ رکھتے ہیں، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ (۱۶۹)

اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے
ہیں، ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ
کریں گے۔^(۷) (۱۷۰)

فَخَلَفَ مِنْهُمْ خَلْفٌ وَرُثُوا الْكِتَابَ يَا خُذُونَ عَرَضَ
هُذَا الَّذِي وَيَقُولُونَ سَيَغْرِبُنَا وَإِنْ يَأْتِهُمْ عَرَضٌ مِثْلُهِ
يَا خُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذُ عَنْهُمْ شَيْئًا الْكِتَابُ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى
إِنَّهُوَ إِلَّا حَقٌّ وَدَرِسُوا مَا فِيهِ وَاللَّهُ أَلْعَزُهُ خَيْرُ الْمُنْذِنِينَ
يَقُولُونَ أَنَّا لَا قُوَّلُونَ^(۸)

وَالَّذِينَ يُمْتَكِّنُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لِلنَّٰفِيْمُ
أَجْرًا الْمُصْلِحِيْنَ^(۹)

(۱) اس میں یہود کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے اور ان میں سے بعض کے نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اور ان کو دونوں طریقوں سے آزمائے جانے کا بیان ہے کہ شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔

(۲) خَلْفُ (لام پر فتح کے ساتھ) اولاد صالح کو اور خَلْفُ (بُسْكُونِ اللَّامِ) نالائق اولاد کو کہتے ہیں۔ اردو میں بھی نا خلف کی ترکیب نالائق اولاد کے معنی میں مستعمل ہے۔

(۳) آذنی، دُنُوٰ (قریب) سے ماخوذ ہے یعنی قریب کا مال حاصل کرتے ہیں جس سے دنیا مراد ہے یا یہ دناءہ سے ماخوذ ہے جس سے مراد حقیر اور گراپا مال ہے۔ مطلب دونوں سے ان کے دنیا کے مال و متاع کے حرص کی وضاحت ہے۔

(۴) یعنی طالب دنیا ہونے کے باوجود مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ جیسے آج کل کے مسلمانوں کا بھی حال ہے۔

(۵) اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے باز نہیں آتے، مثلاً وہی مغفرت کی بات، جو اور پر گزری۔

(۶) اس کا ایک دوسرا مفہوم مٹانا بھی ہو سکتا ہے، جیسے درست الرِّبْيَحُ الْأَنَارُ (ہوانے نشانات مٹاؤالے) یعنی کتاب کی باتوں کو مٹاؤالا، محکر دیا یعنی ان پر عمل ترک کر دیا۔

(۷) ان لوگوں میں سے جو تقویٰ کا راست اختیار کر لیں، کتاب کو مفہومی سے قائم لیں، جس سے مراد اصلی تورات ہے

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب ان پر گرا اور کما کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ قبول کرو اور یاد رکھو جو حکام اس میں ہیں اس سے توقع ہے کہ تم متqi بن جاؤ۔^(۱) (۱۷۱)

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں؟ ہم سب گواہ بنتے ہیں۔^(۲) اکر تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ (۱۷۲)

وَإِذْ نَقْنَا الْجَبَلَ تَوْقِهُ كَانَهُ فُلْلَةٌ وَكَنْتُمْ أَكْثَرُهُ وَاقِعَةً يَوْمَهُ
خُدُّوْمًا أَتَيْنَكُمْ بِهُنَّةً وَإِذْ كُرُونَا مَا فِيهِ لَعْلَكُمْ تَعْمَلُونَ^(۱)

وَإِذْ أَخْدَرْنَاكَ مِنْ أَبْيَنِ الْأَدْمَرِ مِنْ طَهُورِهِ
ذُرْرَرِيَّ تَهْرُوْ أَشْهَدَ مُهُولَ عَلَى آنْفُسِهِمْ أَلْسُنُ
بِرَبِّكُمْ تَقَالُوا بِإِلَيْشَهْدُنَا إِنَّ تَقُولُوا يَوْمَهُ
الْقِيمَةُ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ^(۲)

اور جس پر عمل کرتے ہوئے نبوت محمدی پر ایمان لے آئیں، نمازوں وغیرہ کی پابندی کریں، تو اللہ ایسے مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ اس میں ان اہل کتاب (سیاق کلام سے یہاں بطور خاص یہود) کا ذکر ہے جو تقویٰ، تمکہ بالکتاب اور اقامت صلوٰۃ کا اہتمام کریں اور ان کے لیے آخرت کی خوش خبری ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور رسالت محمدیہ پر ایمان لے آئیں۔ کیونکہ اب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں۔

(۱) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے۔ تو انہوں نے پھر حسب عادت ان پر عمل کرنے سے انکار و اعراض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو بلند کر دیا کہ تم پر گرا کر تمہیں کچل دیا جائے گا، جس سے ڈرتے ہوئے انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا عمد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رفع جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبے پر پیش آیا، جب انہوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کو ہمارے اوپر بلند کر کے دکھائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے وَاللهُ أَعْلَمُ۔ یہاں مطلق پہاڑ کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے قبل سورہ بقرہ آیت ۶۳ اور آیت ۹۳ میں دو جگہ اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، وہاں اس کا نام صراحة کے ساتھ کہ طور بتایا گیا ہے۔

(۲) یہ عہدِ اللہ است کھلا تا ہے جو اللہ است بربکم سے بنی ہوئی ترکیب ہے۔ یہ عمد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا۔ اس کی تفصیل ایک صحیح حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ”عرفہ والے دن نعمان جگہ میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح آدم سے عمد (یثاق) لیا۔ پس آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے پوچھا، ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ سب نے کہا ”بلی، شہذنا“ ”کیوں نہیں۔ ہم سب رب ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔“ - (مسند احمد۔ جلد ا، ص ۴۲ والحاکم۔ جلد

یا یوں کو کہ پہلے پہلے شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے، سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کوہلا کت میں ڈال دے گا؟^(۱) (۷۳)

ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آ جائیں۔ (۷۴)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔^(۲) (۷۵)

اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی

أَوْقَعُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ إِبْرَاهِيمَ فِي مَا مَنَّ
بَعْدِهِمْ أَفَهُمْ لَكُنَّا يَسْأَلُونَ ⑥

وَكَذَلِكَ نَقُولُ الْآيَتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ⑦

وَإِنْ لَكُمْ نَبَأَ الَّذِي أَتَيْنَاهُ إِبْرَاهِيمَ فَإِنَّكُمْ مِنْهَا
قَاتِلُّهُ الشَّيْطَنُ فَكَانَ مِنَ الظَّاغِنِينَ ⑧

وَلَوْشَتُنَا لِوَعْنَاهُ بِهَا وَلَكَنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَأَتَاهُ
هُوَهُ فَنِتَّلَهُ كَمَثِيلَ الْكَلْبِ إِنْ تَعْمَلُ عَلَيْهِ يَلْعَثُ

^(۱) ص ۵۲۲، وصححه وافقه الذهبي، امام شوکانی اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں وَإِسْنَادُهُ لَا مَطْعَنَ فِيهِ (فتح القدير) ”اس کی سند میں کوئی طعن نہیں“ نیز امام شوکانی فرماتے ہیں۔ ”یہ عالم ذر کملاتا ہے اس کی یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول اور کسی اور مفہوم کی طرف جانا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مرفوع حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر بھی محول کرنا جائز نہیں ہے۔ ”بِرَحْالِ اللَّهِ كَيْ رَبُوبِيَتِ كَيْ يَهُوَ كَوَاهِي هُرَانِسَانِ كَيْ فَطَرَتِ مِنْ وَدِيَتِ ہے۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”ہرچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا جوسی بنادیتے ہیں۔ جس طرح جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، اس کا ناک، کان کٹا نہیں ہوتا۔“ (صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز و مسلم۔ کتاب القدر) اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین (فتری) سے گمراہ کر دیتا ہے۔ الحدیث (صحیح مسلم۔ کتاب الجنۃ) یہ فطرت یا دین فطرت، یہی رب کی توحید اور اس کی نازل کردہ شریعت ہے جواب اسلام کی صورت میں محفوظ اور موجود ہے۔

^(۲) یعنی ہم نے یہ اخذ عمد اور اپنی ربوبیت کی گواہی اس لیے لی تاکہ تم یہ عذر پیش نہ کر سکو کہ ہم تو غافل تھے یا ہمارے باپ دادا شرک کرتے آئے تھے، یہ عذر قیامت والے دن بارگاہ الہی میں مسouع نہیں ہوں گے۔

^(۳) مفرین نے اسے کسی ایک معین شخص سے متعلق قرار دیا ہے جسے کتاب الہی کا علم حاصل تھا لیکن پھر وہ دنیا اور شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو گیا۔ تاہم اس کی تعین میں کوئی مستند بات مروی بھی نہیں۔ اس لیے اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عام ہے اور ایسے افراد ہر امت اور ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، جو بھی اس صفت کا حامل ہو گا، وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔

نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی ہی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے^(۱) یعنی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آئیوں کو جھٹایا۔ سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔^(۲) (۱۷۶)

ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے^(۳) جو ہماری آیات کو جھٹاتے ہیں اور وہ اپنا نقسان کرتے ہیں۔^(۴) (۱۷۷)

جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ خسارے میں پڑنے والے ہیں۔^(۵) (۱۷۸)

اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں،^(۶) جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپاپیوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی

أَوْتَرْكُهُ يَلْهُثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِإِيمَانِنَا فَاقْصُصْ الْقَصَصَ لَعَنْهُمْ يَنْكِرُونَ^(۱)

سَاءَ مَثَلًا لِلنَّاسِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِإِيمَانِنَا وَأَنْفَسُهُمْ كَانُوا
يَظْلِمُونَ^(۲)

مَنْ يَكْفُدَ اللَّهَ فَهُوَ الْمُهْتَدِيُّ وَمَنْ يُضْلَلْ فَأُولَئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ^(۳)

وَلَقَدْ ذَرَنَا لِلْجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْأَنْجَنَ لِهُمْ قُلُوبٌ لَا
يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبَصِّرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَذْنُونَ
لَا يَسْمَعُونَ بِهَا لَأُولَئِكَ كَالْغَارَبِلُ هُمْ أَضَلُّ
أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ^(۴)

(۱) لَهُثُ کتے ہیں تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان کے باہر نکلنے کو۔ کتے کی یہ عادت ہے کہ تم اسے ڈانٹوڑپنوا اس کے حال پر چھوڑ دو، دونوں حالتوں میں وہ بھونکنے سے باز نہیں آتا، اسی طرح اس کی یہ عادت بھی ہے کہ وہ شکم پیر ہو یا بھوکا، تند رست ہو یا بیمار، تھکا ماندہ ہو یا تو اتا، ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپا رہتا ہے۔ یعنی حال ایسے شخص کا ہے، اسے وعظ کرو یا نہ کرو، اس کا عالم ایک ہی رہے گا اور دنیا کے مال و متعہ کے لیے اس کی راہ بیچتی رہے گی۔

(۲) اور اس قسم کے لوگوں سے عبرت حاصل کر کے، گمراہی سے بچیں اور حق کو اپنایں۔

(۳) مثلاً تیز ہے۔ اصل عبارت یوں ہو گی سَاءَ مَثَلًا! مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِإِيمَانِنَا۔ یہ اس کے قانون مشیت کا بیان ہے جس کی وضاحت پسلے دو تین مرتبہ کی جا چکی ہے۔

(۴) اس کا تعلق تقدیر سے ہے۔ یعنی ہر انسان اور جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ وہ دنیا میں جا کر اچھے یا بُرے کیا عمل کرے گا، اس کے مطابق اس نے لکھ رکھا ہے۔ یہاں انہی دوزخیوں کا ذکر ہے جنہیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ والے ہی کام کرنے تھے۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کر کے بتا دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر یہ چیزیں اسی انداز میں ہوں جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، تو سمجھ لو کہ اس کا نجام برآ ہے۔

زیادہ گمراہ ہیں۔^(۱) میں لوگ غافل ہیں۔^(۲)

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سوان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو^(۳) اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کچھ روی کرتے ہیں،^(۴) ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔^(۵)

وَيَلِهِ الْإِسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الظَّنِينَ يُلْهَدُونَ
فِي أَسْمَائِهِ شَيْجَزُونَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

(۱) یعنی دل، آنکہ کان یہ چیزیں اللہ نے اس لیے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے، اس کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سنے۔ لیکن جو شخص ان مشاعر سے یہ کام نہیں لیتا، وہ گویا ان سے عدم انتفاع (فادہ نہ اٹھانے) میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ اس لیے کہ چوپائیے تو پھر بھی اپنے نفع نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے نفع کر رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنے والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے منفرد چیز کوں سی ہے اور مضر کوں سی؟ اسی لیے اگلے جملے میں انہیں غافل بھی کہا گیا ہے۔

(۲) حُسْنَىٰ أَخْسَنُ کی تائیث ہے۔ اللہ کے ان اچھے ناموں سے مراد اللہ کے وہ نام ہیں جن سے اس کی مختلف صفات، اس کی عظمت و جلالت اور اس کی قدرت و طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ان کی تعداد ۹۹ (ایک کم سو بتائی گئی)۔ اور فرمایا کہ ”جو ان کو شمار کرے گا، جنت میں داخل ہو گا“ اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق کو پسند فرماتا ہے۔ ”بخاری“ کتاب الدعوات“باب لله مائتة اسم غير واحد۔“ مسلم“كتاب الذكر، باب في أسماء الله تعالى وفضل من أحصها“ شمار کرنے کا مطلب ہے، ان پر ایمان لانا“ یا ان کو گنتا اور انہیں ایک ایک کر کے بطور تبرک اخلاص کے ساتھ پڑھنا“ یا ان کا حفظ، ان کے معانی کا جانتا اور ان سے اپنے کو متصف کرنا۔ (مرقة شرح مشکوہ“ کتاب الدعوات، باب أسماء الله تعالى) بعض روایات میں ان ۹۹ ناموں کو ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں اور علمانے انہیں درج قرار دیا ہے یعنی راویوں کا اضافہ۔ وہ نبی ﷺ کی حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ نیز علمانے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اللہ کے ناموں کی تعداد ۹۹ میں مختص نہیں ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ (ابن کثیر فتح القدری)

(۳) الحاد کے معنی ہیں کسی ایک طرف مائل ہونا۔ اسی سے مدد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو ایک طرف بنائی جاتی ہے۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کچھ روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کچھ روی) کی تین صورتیں ہیں۔ ۱- اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کر دی جائے۔ جیسے مشرکین نے کیا۔ مثلاً اللہ کے ذاتی نام سے اپنے ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی ناموں عزیز سے عزیز بنا لیا۔ ۲- یا اللہ کے ناموں میں اپنی طرف سے اضافے کر لیا، جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔ ۳- یا اس کے ناموں میں کسی کردی جائے مثلاً اسے کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔ (فتح القدری) اللہ کے ناموں میں الحاد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں تاویل یا تعطیل یا تشبیہ سے کام لیا جائے (ایسرا الفاسیر) جس طرح مفترزل، معلله اور مشبه وغیرہ گمراہ

اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔ (۱۸۱)

اور جو لوگ ہماری آیات کو جھلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج (گرفت میں) لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ (۱۸۲)

اور ان کو مملت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ (۱۸۳)

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔ (۱۸۴)

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کی ہیں اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آپنخی ہو۔ (۱۸۵) پھر قرآن کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لا سکیں گے؟

وَمِنْ خَلْقَنَا مَتَّهُدُونَ يَأْتِيَنَا وَبِهِ يَعْلَمُونَ ۖ

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنُسْتَدِرُ جَهَنَّمَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۖ

وَأَمْلَى لَهُمْ أَنَّ كَيْدُنِي مَتَّيْنُ ۚ

أَوَكُمْ يَتَكَبَّرُوا مِنْ صَاحِبِهِمْ مِنْ چَنْيَةِ إِنْ هُوَ إِلَّا نَزِيرٌ ۚ

مُهِمُّنُ ۚ

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلْكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَقَتَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَإِنْ عَلِيَّ أَنْ يَكُونَ قَدِ اغْرَبَ أَجَاهِدُهُمْ مِنْ حَدِيثٍ بَعْدَهُ، يُؤْمِنُونَ ۚ

وَمُهِمُّنُ ۚ

فرقوں کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سب سے نفع کر رہو۔

(۱) یہ وہی استدرج و اعمال ہے جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ افراد اور قوموں کو دیتا ہے۔ پھر جب اس کی مشیت مؤاخذه کرنے کی ہوتی ہے تو کوئی اس سے بچانے پر قادر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

(۲) صاحب سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کی بابت مشرکین کبھی ساحر اور کبھی جنون (نعواز بالله) کتھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے عدم تفکر کا نتیجہ ہے۔ وہ تو ہمارا پیغام برہے جو ہمارے احکام پہنچانے والا اور ان سے غفلت و اعراض کرنے والوں کو ڈرانے والا ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر بھی اگر یہ غور کریں تو یقیناً یہ اللہ پر ایمان لے آئیں، اس کے رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت اختیار کر لیں اور انہوں نے جو اللہ کے شریک بنارکے ہیں، انہیں چھوڑ دیں اور اس بات سے ڈریں کہ انہیں موت اس حال میں آجائے کہ وہ کفر پر قائم ہوں۔

(۴) حدیث سے مراد یہاں قرآن کریم ہے۔ یعنی نبی ﷺ کے انذار و تدید اور قرآن کریم کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لا سکیں تو ان سے بڑھ کر انہیں ڈرانے والی چیز اور کیا ہوگی جو اللہ کی طرف سے نازل ہو اور پھر یہ اس پر ایمان لا سکیں؟

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔ (۱۸۶)

یہ لوگ آپ سے قیامت^(۱) کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا؟^(۲) آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے،^(۳) اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہرنہ کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری (حاوٹہ) ہو گا^(۴) وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں۔^(۵) آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۱۸۷)

آپ فرمادیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا،^(۶) مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہو تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان

مَنْ يُفْسِلَ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَدْرُمُ فِي طُغْيَانِهِ
يَعْمَلُونَ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ إِنَّمَا مُرْسَلُهَا أَنْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
رَبِّنَّا إِنْ يَعْلَمُهَا إِلَّا وَقَدْ هُنَّ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْأَرْضُ مَلَكُ الْإِلَهِ
إِلَّا بِعِنْدِهِ يَسْأَلُونَكَ كَمْ كَثِيرٌ عَمِّهَا أَنْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ
وَلَكِنَّ الظَّالِمَاتِ لَا يَعْلَمُونَ

قُلْ لَا إِمْلَكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ
كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سُكْنَىٰ تُمَرِّدُ مِنَ الْحَمْدِ وَمَا مَسَنَىٰ
السُّوْمَرُونَ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِّيرٌ لِّقَوْمٍ يُقْبَلُونَ

(۱) ساعت کے معنی گھری (لحہ یا پل) کے ہیں۔ قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اچانک اس طرح آجائے گی کہ پل بھر میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی یا سرعت حساب کے اعتبار سے قیامت کی گھری کو ساعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) أَزْسَئِي بُرْزَسِيْ کے معنی اثبات و وقوع کے ہیں، یعنی کب یہ قیامت ثابت یا واقع ہو گی؟

(۳) یعنی اس کا یقین علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی کو، اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں، وہی اس کو اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

(۴) اس کے ایک دوسرے معنی ہیں۔ اس کا علم آسمان اور زمین والوں پر بھاری ہے، کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفی چیز دلوں پر بھاری ہوتی ہے۔

(۵) حَقِّيْ كَتَتِ ہیں پیچھے پڑ کر سوال کرنے اور تحقیق کرنے کو۔ یعنی یہ آپ مُلَيْکُ الْعَالَمِینَ سے قیامت کے بارے میں اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ نے رب کے پیچھے پڑ کر اس کی بابت ضروری علم حاصل کر رکھا ہے۔

لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۱) (۱۸۸)

وَهُنَّاَنِيٌ خَلَقَنِيٌ تَفْنِيٌ وَاحِدَةٌ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجًا
كَيْمًا^(۲) أَوْرَاسِيٍ سَأَسْكُنُكَ بِهَا^(۳) تَمَكَّنَتْ حَمَلَتْ حَمَلَتْ
جُوَزَيْ سَأَحْصَلَ كَرَيْ^(۴) پُھرَجَبَ مِيَانَ نَيْ
بِيَوِيٍ سَأَقْرَبَتْ كَيْ تَوَ^(۵) اَسَ كَوْ حَمَلَ رَهْ گِيَا ہَلَكَ سَا۔ سُوَوَهْ

هُوَالَّذِي خَلَقَنِيٌ تَفْنِيٌ وَاحِدَةٌ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجًا
لِيَسْكُنَ لِيَهَا فَلَمَّا تَقْشَمَاهُ حَمَلَتْ حَمَلَتْ حَمَلَتْ حَمَلَتْ
فَلَمَّا آتَتْكَمَتْ دَعَوَ اللَّهَ رَبَّهُمَا لِيَنْتَهَا صَالِحًا لِيَنْتَهَا
مِنَ الشَّيْكُورِينَ^(۶)

(۱) یہ آیت اس بات میں کتنی واضح ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں۔ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن ظلم اور جمالت کی انتہا ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ ﷺ کو عالم الغیب باور کرتے ہیں۔ حالانکہ بعض جنگلوں میں آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قوم کیے فلاج یا ب ہو گی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا، کتب حدیث میں یہ واقعات بھی اور ذیل کے واقعات بھی درج ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تمٹت گئی تو آپ پورا ایک مہینہ سخت مضطرب اور نہایت پریشان رہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، جسے آپ نے بھی تناول فرمایا اور صحابہ نے بھی، حتیٰ کہ بعض صحابہ تو کھانے کے زہر سے ہلاک ہی ہو گئے اور خود نبی ﷺ عمر بھرا س زہر کے اثرات محسوس فرماتے رہے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہے کہ آپ کو عدم علم کی وجہ سے تکلیف پہنچی، نقصان اٹھانا پڑا، جس سے قرآن کی بیان کردہ حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ ”اگر میں غیب جانتا ہو تو مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی۔“

(۲) ابتداءً یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ اسی لیے ان کو انسان اول اور ابو البشر کہا جاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد حضرت حوا ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوج نہیں۔ ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، جس طرح کہ منھا کی ضمیر سے، جو نفس واحدۃ کی طرف راجح ہے، واضح ہے، (مزید دیکھئے سورہ نساء آیت ۱۸ کا حاشیہ) (۴) یعنی اس سے اطمینان و سکون حاصل کرے۔ اس لیے کہ ایک جنس اپنے ہی ہم جنس سے صحیح معنوں میں مانوس اور قریب ہو سکتی ہے جو سکون حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ قربت کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَمِنْ إِيمَانَهُ أَنَّ خَلَقَ لِكُلِّ قِنْدِنٍ أَنْشِيَّمُ أَزْوَاجَ النَّسَلَةِ لِلَّهِ يَأْتِيَهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوْدَةٌ وَرَحْمَةٌ ۚ ۷۱﴾ (روم - ۷۱) ”اللہ کی نشاییوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تممارے لیے تم ہی میں سے (یا تمماری جنس ہی میں سے) جوڑے پیدا کیے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تممارے درمیان اس نے پیار و محبت رکھ دی۔ یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے جو جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب و انس حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جو باہمی پیار میاں یوی کے درمیان ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا۔

(۵) یعنی یہ نسل انسانی اس طرح بڑھی اور آگے چل کر جب ان میں سے ایک زوج یعنی میاں یوی نے ایک دوسرے سے قربت کی۔ نَسَّاَهَا کے معنی یوی سے ہم بستری کرنا ہیں۔ یعنی وطنی کرنے کے لیے ڈھانپا۔

اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی،^(۱) پھر جب وہ بو جمل
ہو گئی تو دونوں میاں یہوی اللہ سے جوان کا مالک ہے دعا
کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو
ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔^(۲) (۱۸۹)

سوجب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ
کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے
لگے،^(۳) سوال اللہ پاک ہے ان کے شرک سے۔ (۱۹۰)

کیا ایسوس کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر
سکیں اور وہ خود ہی پیدا کئے گئے ہوں۔^(۴) (۱۹۱)
اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے اور وہ خود بھی
مدد نہیں کر سکتے۔^(۱۹۲)

اور اگر تم ان کو کوئی بات بتانے کو پکارو تو تمہارے کہنے
پر نہ چلیں^(۵) تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں
خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو۔^(۱۹۳)

فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَهُ شَرِيكًا فِيهَا إِذْ هُمَا فَتَعَلَّمُ اللَّهُ عَنِ ابْنَائِهِمْ كُونَ^(۶)

إِيْشُرُكُونَ مَا لِإِغْنَاثٍ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ^(۷)

وَلَا يَسْتَطِعُونَ لَهُمْ صُرَاوْلَا إِنْفَسْهُمْ يَنْصُرُونَ^(۸)

وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ عَنِّيْكُمْ
أَدْعَوْتُمُهُمْ أَمْ أَنْتُ صَادِقُونَ^(۹)

(۱) یعنی حمل کے ابتدائی ایام میں حتیٰ کہ نطفے سے علقة اور علقة سے مضغة بننے تک، حمل خفیف ہی رہتا ہے، محسوس بھی نہیں ہوتا اور عورت کو زیادہ گرانی بھی نہیں ہوتی۔

(۲) بو جمل ہو جانے سے مراد، جب بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے تو جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا جاتا ہے، والدین کے دل میں خطرات اور توهہات پیدا ہوتے جاتے ہیں (بالخصوص جب عورت کو اٹھرا کی بیماری ہو) تو انسانی فطرت ہے کہ خطرات میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ وہ دونوں اللہ سے دعا میں کرتے ہیں اور شکر گزاری کا عدد کرتے ہیں۔

(۳) شریک قرار دینے سے مراد یا تو بچے کا نام ایسا رکھنا ہے، مثلاً امام بخش، پیراں دت، عبد شمس، بندہ علی، وغیرہ، جس سے یہ اطمینان ہوتا ہو کہ یہ بچہ فلاں بزرگ، فلاں پیر کی (نحو زبانہ) نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اپنے اس عقیدے کا اطمینان کرے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں قبر پر گئے تھے جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ یا کسی مردہ کے نام کی نذر نیاز دے یا بچے کو کسی قبر پر لے جا کر اس کا ماتھا وہاں نکالے کہ ان کے طفیل بچہ ہوا ہے۔ یہ ساری صورتیں اللہ کا شریک ٹھہرانے کی ہیں، جو بد قسمی سے مسلمان عوام میں بھی عام ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرمائہ ہے۔

(۴) یعنی تمہاری بتلائی ہوئی بات پر عمل نہیں کریں گے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اگر تم ان سے رشد و ہدایت طلب کرو تو وہ تمہاری بات نہیں مانیں گے، نہ تمہیں کوئی جواب ہی دیں گے (فتنۃ القدر)

وَاقِتٍ تمَّ اللَّهُ كُوچھُو زَكَر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم
ہی جیسے بندے ہیں^(۱) سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ
تمہارا کہنا کرو دیں اگر تم پچے ہو۔ (۱۹۳)

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ
ہیں جن سے وہ کسی چیز کو تحام سکیں، یا ان کی آنکھیں ہیں
جن سے وہ دیکھتے ہوں، یا ان کے کان ہیں جن سے وہ
ستے ہیں^(۲) آپ کہہ دیجئے! تم اپنے سب شر کا کو بلا
لو، پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھ کو ذرا مملت
مت دو۔ (۱۹۵)

یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل
فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔ (۱۹۶)

اور تم جن لوگوں کی اللہ کوچھُو زکر عبادت کرتے ہو وہ
تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے
ہیں۔ (۱۹۷)

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ عَبَادًا مُشَالَّكُمْ
فَلَا دُعْوَهُمْ فَلَمْ يَسْتَعْجِلُوكُمْ إِنَّمَا تُنْهَا مُصْدِقِينَ ۝

آَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَفْرَاهُمْ أَيْدِيهِ طَبَّسُونَ بِهَا كَأْمَلَهُمْ
أَعْيُنٌ يَبْهِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَذْنٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قَلْ
أَدْعُو أُشْرِكَاهُمْ تَخْكِيدُونَ فَلَا تُنْظَرُونَ ۝

إِنَّ رَبَّكَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّ الصَّلِحِينَ ۝

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُوْنِهِ لَا يَسْتَطِعُونَ نَعْرُكُهُ وَلَا
أَنْفَسُهُمْ يَضْرُبُونَ ۝

(۱) یعنی جب وہ زندہ تھے۔ بلکہ اب تو تم خود ان سے زیادہ کامل ہو، اب وہ دیکھنے نہیں سکتے، تم دیکھتے ہو۔ وہ سن نہیں
سکتے، تم سننے ہو۔ وہ کسی کی بات سمجھنے نہیں سکتے، تم سمجھتے ہو۔ وہ جواب نہیں دے سکتے، تم دیتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا
کہ مشرکین، جن کی مورتیاں بنا کر پوچھتے تھے، وہ بھی پسلے اللہ کے بندے یعنی انسان ہی تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام
کی قوم کے پانچ بتوں کی بابت صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔

(۲) یعنی اب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی دیکھنے، سننے، سمجھنے اور چلنے کی
طااقت ختم ہو گئی۔ اب ان کی طرف منسوب یا تو پھر بالکل گزی کی خود تراشیدہ مورتیاں ہیں یا گنبد، قبے اور آستانے ہیں جو
ان کی قبروں پر بنائیے گئے اور یوں استخوان فروشی کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔

اگرچہ پذیر ہے آدم، جو اس ہیں لات و منات

(۳) یعنی اگر تم اپنے دعوے میں پچے ہو کہ یہ تمہارے مددگار ہیں تو ان سے کو کہ میرے خلاف تدبیر کریں۔

(۴) جو اپنی مدد آپ کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہوئے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ سین^(۱) اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ (۱۹۸)

آپ درگز کو اختیار کریں^(۲) نیک کام کی تعلیم دیں^(۳)
اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں۔ (۱۹۹)

اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے^(۴) بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جانے والا ہے۔ (۲۰۰)

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آ جاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں، سو

وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَمْعُوا وَتَرْهِمْ يَنْظَرُونَ إِلَيْكَ
وَهُمْ لَا يُبصِّرُونَ^(۵)

خُذِ الْعُفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَهَلِينَ^(۶)

وَإِنَّمَا تُرْغَبُكَ مِنَ الشَّيْطَنِ تَرْغُمٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ
سَيِّدُ الْعَالَمِينَ^(۷)

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقُوا لَا أَمْسَهُمْ طَيْفٌ مِّنَ الشَّيْطَنِ تَنَذَّرُوا
فَإِذَا هُمْ مُبْصَرُونَ^(۸)

(۱) اس کا وہی مفہوم ہے جو آیت ۱۹۳ کا ہے۔

(۲) بعض علمانے اس کے معنی کے ہیں خُذْمَا عَفَالَكَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ای: مَا فَضَلَ یعنی ”جو ضرورت سے زائد مال ہو، وہ لے لو“ اور یہ زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل کا حکم ہے۔ (فتح الباری، جلد ۸، ص ۳۰۵) لیکن دوسرے مفسرین نے اس سے اخلاقی ہدایت یعنی عفو و درگز مراد لیا ہے اور امام ابن جریر اور امام بخاری وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے اس کی تفسیر میں حضرت عمر بن علیؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عیینہ بن حسن حضرت عمر بن علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر ان پر تنقید کرنے لگے کہ آپ ہمیں نہ پوری عطا دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہیں جس پر حضرت عمر بن علیؓ غصب ناک ہوئے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر بن علیؓ کے مشیر جربن قیس نے (جو عیینہ کے بھتیجے تھے) حضرت عمر بن علیؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بنی اسرائیل کو حکم فرمایا تھا۔ «خُذِ الْعُفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَهَلِينَ» — درگز کو اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ اور یہ بھی جاہلوں میں سے ہے۔ ”جس پر حضرت عمر بن علیؓ نے درگز فرمادیا موسَّکَانَ وَقَافَا عِنْدَ كِتَابِ اللَّهِ اور حضرت عمر بن علیؓ اللہ کی کتاب کا حکم من کر فوراً گروں خم کر دینے والے تھے۔“ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ الاعراف) اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ظلم کے مقابلے میں معاف کر دینے، قطع رحمی کے مقابلے میں صلی رحمی اور برائی کے بدالے احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۳) عُرْفُ سے مراد معروف یعنی نیکی ہے۔

(۴) یعنی جب آپ نیکی کا حکم دینے میں انتام جھٹ کر چکیں اور پھر بھی وہ نہ مانیں تو ان سے اعراض فرمائیں اور ان کے جھکڑوں اور حماقتوں کا جواب نہ دیں۔

(۵) اور اس موقع پر اگر آپ کو شیطان اشتعال میں لانے کی کوشش کرے تو آپ اللہ کی پناہ طلب فرمائیں۔

یکاں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔^(۱) (۲۰۱)

اور جو شیاطین کے تابع ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں پس وہ باز نہیں آتے۔^(۲) (۲۰۲)

اور جب آپ کوئی مجذہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ مجذہ کیوں نہ لائے؟^(۳) آپ فرماتے ہیں کہ اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے یہ گویا بست سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔^(۴) (۲۰۳)

اور جب قرآن پڑھا جائیا کرے تو اس کی طرف کان لگادیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔^(۵) (۲۰۴)

وَإِخْوَانُهُمْ يَمْدُدُونَهُمْ فِي الْغَيْرِ لَا يُقْبَرُونَ ①

وَإِذَا أَرْأَتُهُمْ يَأْتِيهِ قَالُوا لَوْلَا أَجْتَبَيْتَهُمْ قُلْ إِنَّمَا أَنْتَ بَشَرٌ
مَا يُؤْمِنُ إِلَيْنَا مِنْ زَرْقَنْ هَذَا بَصَلَهُرُونْ زَيْلَهُ وَهَدْدَى
وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ②

وَإِذَا قِرَئَ الْقُرْآنُ فَلَا سُمِعُوا لَهُ وَلَنْصُوتُ الْعَكْلُ
ثُرَّهُمُونَ ③

(۱) اس میں اہل تقویٰ کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ شیطان سے چوکنا رہتے ہیں۔ طائف یا طیف، اس تخیل کو کہتے ہیں جو دل میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔ یہاں اسے شیطانی وسوسے کے معنی میں استعمال کیا گیا، کیونکہ وسوسہ شیطانی بھی خیالی تصورات کے مشابہ ہے۔ (فتح القدری)

(۲) یعنی شیطان کافروں کو گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، پھر وہ کافر (گمراہی کی طرف جانے میں) یا شیطان انکو لے جانے میں کو تماہی کی نہیں کرتے۔ یعنی لا یَفْصِرُونَ کافاعل کافر بھی بن سکتے ہیں اور إِخْوَانُ الْكُفَّارِ شیاطین بھی۔

(۳) مراد ایسا مجذہ ہے جو ان کے کہنے پر ان کی خواہش کے مطابق ظاہر کر کے دکھایا جائے۔ جیسے ان کے بعض مطالبات سورہ بنی اسرائیل، آیت ۹۰-۹۳ میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۴) لَوْلَا أَجْتَبَيْتَهُمْ کے معنی ہیں، تو اپنے پاس سے ہی کیوں نہیں بنالاتا؟ اس کے جواب میں بتلایا گیا کہ آپ فرمادیں، مجذہات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے میں تو صرف وحی الہی کا پیرو کار ہوں۔ ہاں البتہ یہ قرآن جو میرے پاس آیا ہے، یہ بجائے خود ایک بست بڑا مجذہ ہے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بazaar (دلائل و برائین) اور ہدایت و رحمت ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایمان لانے والا ہو۔

(۵) یہ ان کافروں کو کما جا رہا ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے وقت شور کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو کہتے تھے ﴿لَا تَسْمَعُوهُنَّ الْقُرْآنَ وَالْغَوْلُ فِيهِ﴾ (حلٰم السجدہ ۲۶) یہ قرآن مت سنو اور شور کرو۔ ان سے کہا گیا کہ اس کے بجائے تم اگر غور سے سنو اور خاموش رہو تو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نواز دے۔ اور یوں تم رحمت الہی کے مستحق بن جاؤ۔

بعض ائمہ دین اسے عام مراد لیتے ہیں یعنی جب بھی قرآن پڑھا جائے، چاہے نماز ہو یا غیر نماز، سب کو خاموشی سے قرآن

اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا۔ (۲۰۵)

بیقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ (۲۰۶)

سورہ انفال مدنی ہے اور اس کی بچھتر آیات اور دوسرے رکوع ہیں

میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت محیان بذریح کرنے والا ہے
یہ لوگ آپ سے غیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں،^(۱)

وَإِذْ كُرِّزَ بَكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرَّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ
الْجَهَرِ مِنَ القُولِ بِالْغُدُوِّ وَالاَصْلِ وَلَا تَكُنْ
مِنَ الغَيْلَانِ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَارِبَكَ لَا يَنْتَهُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ
وَيَسْتَهِونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝

سُورَةُ الْأَنْفَالِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ إِلَهُوَ وَالرَّبُّوْلِ فَاقْتُلُوا

سنے کا حکم ہے اور پھر وہ اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے جری نمازوں میں مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے کو بھی اس قرآنی حکم کے خلاف بتاتے ہیں۔ لیکن دوسرے علمائی رائے یہ ہے کہ جری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی تائید نبی ﷺ نے صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کو صرف کفار کے متعلق ہی سمجھنا صحیح ہے، جیسا کہ اس کے کمی ہونے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے عام سمجھا جائے تو بھی اس عموم سے نبی ﷺ نے مقتدیوں کو خارج فرمادیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جری نمازوں میں مقتدیوں کا سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہو گا۔ کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح و قوی احادیث سے ثابت ہے۔ بنابریں جس طرح اور بعض عمومات قرآنی کی تخصیص احادیث کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے، مثلاً آیت ﴿أَتَرَأَيْتَهُ وَالَّذِي فَلَجُلْدُوا﴾ الایة (النور: ۲) کے عموم سے شادی شدہ زانی کا اخراج، اور (السارق والسارقہ) کے عموم سے ایسے چور کا اخراج یا تخصیص جس نے رفع دینار سے کم مالیت کی چیز چوری کی ہو یا چوری شدہ چیز، حرز میں نہ رکھی ہو۔ وغیرہ۔ اسی طرح ﴿فَلَسْتَهُمْ أَهْوَانَهُ وَلَكُنْتُمْ ۚ﴾ کے عمومی حکم سے مقتدی خارج ہوں گے اور ان کے لیے جری نمازوں میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہو گا، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی تائید فرمائی ہے (جیسا کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں یہ احادیث بیان کی گئی ہیں)

(۱) انفال، نقل کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں، یہ اس مال و اسباب کو کہا جاتا ہے، جو کافروں کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے، جسے غیمت بھی کہا جاتا ہے اسے نفل (زیادہ) اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو کچھل اموتوں پر حرام تھیں۔ یہ گویا امت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے یا اس لیے کہ جو اجر سے (جو آخرت میں ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو بعض دفعہ دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔

آپ فرمادیجئے! کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں،^(۱) سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔^(۲)^(۳)

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔^(۴)^(۵)

اللَّهُ وَأَصْلِحُوا دَارَتَ بَيْنَكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ①

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجَلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا أُتْلِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأُشْكُوكَ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلِ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ②

(۱) یعنی اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔ اللہ کا رسول، اللہ کے حکم سے اسے تقسیم فرمائے گا۔ نہ کہ تم آپس میں جس طرح چاہو اسے تقسیم کرلو۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ کوہہ تینوں باتوں پر عمل کے بغیر ایمان کامل نہیں۔ اس سے تقویٰ، اصلاح ذات الین اور اللہ اور رسول کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے۔ خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور پر عمل نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ مال کی تقسیم میں باہمی فساد کا بھی شدید اندریشہ رہتا ہے، اس کے علاج کے لیے اصلاح ذات الین پر زور دیا۔ ہیرا پھیری اور خیانت کا بھی امکاں رہتا ہے اس کے لیے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کے باوجود بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور رسول کی اطاعت میں مضر ہے۔

(۳) ان آیات میں اہل ایمان کی ۲۲ صفات بیان کی گئی ہیں: ۱۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں نہ کہ صرف اللہ کی یعنی قرآن کی۔ ۲۔ اللہ کا ذکر سن کر، اللہ کی جلالت و عظمت سے ان کے دل کا نپا اٹھتے ہیں۔ ۳۔ تلاوت قرآن سے ان کے ایمانوں میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے) اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا مطلب ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یعنی اسباب سے اعراض و گریز بھی نہیں کرتے کیونکہ انہیں اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے، لیکن اسباب ظاہری کوہی سب کچھ نہیں سمجھ لیتے بلکہ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل کا فرمائشیت الہی ہی ہے، اس لیے جب تک اللہ کی مشیت بھی نہیں ہوگی، یہ ظاہری اسباب کچھ نہیں کر سکیں گے اور اس یقین و اعتماد کی بنیاد پر پھر وہ اللہ کی مدد و اعانت حاصل کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے۔ آگے ان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لیے اللہ کی طرف سے پچھے مومن ہونے کا سرشیفیت اور مغفرت و رحمت الہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔ جَعَلَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شمار فرمائے)۔

جنگ بدر کا پس منظر: جنگ بدر، جو ۲۴ ہجری میں ہوئی، کافروں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی۔ علاوه ازیں یہ

جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔^(۳)

چے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔^(۴)

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو روانہ کیا^(۱) اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں صحیح تھی۔^(۲)^(۵)

وہ اس حق کے بارے میں، اس کے بعد کہ اس کا

الَّذِينَ يُقْيِمُونَ الصَّلَاةَ وَمَمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٧﴾

أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقِيقَةُهُمْ درَجَتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٨﴾

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبِّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِيقَةِ وَإِنَّ قِرْبَاتِكَ
الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ ﴿٩﴾

يُجَاهِدُونَكَ فِي الْحَقِيقَةِ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَمَا يُسَافِرُونَ إِلَى الْمَوْتِ

منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اچانک ہوئی۔ نیز بے سرو سامانی کی وجہ سے بعض مسلمان ذہنی طور پر اس کے لیے تیار بھی نہیں تھے۔ مختصر اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ ابو سفیان کی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سر کردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے کہہ جا رہا تھا، چونکہ مسلمانوں کا بھی بہت سامال و اسباب ہجرت کی وجہ سے کہہ رہ گیا تھا، یا کافروں نے چھین لیا تھا، نیز کافروں کی قوت و شوکت کو تو زنا بھی مقتضائے وقت تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور مسلمان اس نیت سے مدینہ سے چل پڑے۔ ابو سفیان کو بھی اس امر کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے ایک تو اپناراست تبدیل کر لیا۔ دوسرے، کہ اطلاع بھجوادی جس کی بنابر ابوجمل ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے بدر کی جانب چل پڑا، نبی ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابہ کرام کے سامنے معاملہ رکھ دیا اور اللہ کا وعدہ بھی بتلایا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور لشکر) میں سے ایک چیز تمہیں ضرور حاصل ہوگی۔ تاہم پھر بھی لڑائی میں بعض صحابہ نے تردد کا اظہار اور تجارتی قافلے کے تعاقب کا مشورہ دیا، جب کہ دوسرے تمام صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنے میں بھرپور تعاون کا لیقین دلایا۔ اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

(۱) یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا ہوا تھا۔ پھر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کامیون سے نکلا، اور پھر آگے چل کر تجارتی قافلے کے بجائے، لشکر قریش سے مدد بھیزرا جانا گو بعض طبائع کے لیے ناگوار تھا، لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا ہو گا۔

(۲) یہ ناگواری لشکر قریش سے لڑنے کے معاملے میں تھی، جس کا اظہار چند ایک افراد کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ بھی صرف بے سرو سامانی تھی۔ اس کا تعلق مدینہ سے نکلنے سے نہیں ہے۔

وَهُوَ يَنْظُرُونَ ⑥

ظہور ہو گیا تھا^(۱) آپ سے اس طرح جھکڑ رہے تھے کہ
گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ
دیکھ رہے ہیں۔^(۲)

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم سے ان
دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے
ہاتھ آجائے گی^(۳) اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح
جماعت تمہارے ہاتھ آجائے^(۴) اور اللہ تعالیٰ کو یہ
منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے
اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے۔^(۵)

تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے گو
یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔^(۶)

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد
کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو
ایک ہزار فرشتوں سے مددوں گا جو لگاتار چلے آئیں
گے۔^(۷)

وَإِذْ يُعْدَ لِكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّاغِتَيْنَ أَنَّهَا لَكُمْ
وَتَوَدُّونَ أَنْ غَيْرَ دَائِتِ الشُّوَكَةِ تَلْعُونُ لَكُمْ
وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ تُجْعَلُ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ
الْكُفَّارِينَ ⑦

لِيُجْعَلُ الْحَقَّ وَيُبْطَلَ الْبَاطِلُ وَلَوْكَرَ الْمُجْرِمُونَ ⑧

إِذْ تَسْتَعْيِدُونَ رَبَّكُمْ فَأَسْتَجَابَ لَكُمْ إِذْ مُسْأَلُوكُمْ بِالْفِتْنَةِ
مِنَ الْمَلِكَةِ مُرْدِفِينَ ⑨

(۱) یعنی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ قافلہ تو نجع کرنکل گیا ہے اور اب لشکر قریش ہی سامنے ہے جس سے لڑائی ناگزیر ہے۔

(۲) یہ بے سرو سامانی کی حالت میں لڑنے کی وجہ سے بعض مسلمانوں کی جو کیفیت تھیں، اس کا اظہار ہے۔

(۳) یعنی یا تو تجارتی قافلہ تمہیں مل جائے گا، جس سے تمہیں بغیر لڑائی کے وافرماں و اسباب مل جائے گا، بصورت دیگر
لشکر قریش سے تمہارا مقابلہ ہو گا اور تمہیں غالبہ ہو گا اور مال غنیمت ملے گا۔

(۴) یعنی تجارتی قافلہ، تاکہ بغیر لڑے مال ہاتھ آجائے۔

(۵) لیکن اللہ اس کے بر عکس یہ چاہتا تھا کہ لشکر قریش سے تمہاری جنگ ہو تاکہ کفر کی قوت و شوکت ثوٹ جائے گو یہ
امر مجرموں (مشرکوں) کے لیے ناگوار ہی ہو۔

(۶) اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی، جب کہ کافروں سے ۳۰۰ (یعنی ہزار کے قریب) تھے، پھر مسلمان نتھے
اور بے سرو سامان تھے جب کہ کافروں کے پاس اسلحے کی بھی فراوانی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کا سارا صرف اللہ
ہی کی ذات تھی، جس سے وہ گزرنا کر مدد کی فریادیں کر رہے تھے۔ خود نبی کریم ﷺ ایک خیمے میں نمایت الحاج و
زاری سے معروف دعا تھے۔ (صحیح بخاری)۔ کتاب المغازی (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول کیں اور ایک ہزار فرشتے
ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل لگاتار مسلمانوں کی مدد کے لیے آگئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ
بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے
اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے^(۱) جو کہ
زبردست حکمت والا ہے۔^(۲)

اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم پر اوں گھ طاری کر رہا تھا
انپی طرف سے چین دینے کے لئے^(۳) اور تم پر آسمان
سے پانی بر سار ہا تھا کہ اس پانی کے ذریعے سے تم کو پاک کر
دے اور تم سے شیطانی و سوسہ کو رفع کر دے^(۴) اور
تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما
دے۔^(۵)

اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کارب فرشتوں کو حکم
دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی
ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے
دیتا ہوں،^(۶) سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرِيَ وَلَخَلِيلِهِ فِي هُنَّا كُلُّمَا النَّصْرُ إِلَّا
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

إِذْ يُغْشِيَنَّكُمُ الظُّنَّاسَ أَمْنَةً مِنْهُ وَيُبَرِّئُ عَلَيْكُمُ مِنْ
الشَّمَاءِ مَا إِلَّا يُظْهِرُكُمْ بِهِ وَيُدْهِبَ عَنْكُمُ رِجْزَ
الشَّيْطَنِ وَلِيَرِيظَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُتَبَّتِّئَ بِهِ الْأَقْدَامُ

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَيْكُمْ كَلَمًا مَعْكُمْ فَتَشِّنُّو الَّذِينَ أَمْنُوا
سَأَلُنَّقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّغْبَ فَأَاضِرُّهُمْ فَوْقَ
الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوهُمْهُ كُلُّ بَنَانِ

(۱) یعنی فرشتوں کا نزول تو صرف خوش خبری اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد تو اللہ کی طرف
سے تھی، جو فرشتوں کے بغیر بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا تاہم اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فرشتوں نے عمل جنگ میں
 حصہ نہیں لیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں فرشتوں نے عملی حصہ لیا اور کئی کافروں کو انہوں نے ہتھیں کیا،
 دیکھئے (صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ کتاب المعازی و فضائل الصحابة)

(۲) جنگ احمد کی طرح جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اوں گھ طاری کر دی، جس سے ان کے دلوں کے بوجھ
ہلکے ہو گئے اور اطمینان و سکون کی ایک خاص یقینت ان پر طاری ہو گئی۔

(۳) تیر انعام یہ کیا کہ بارش نازل فرمادی، جس سے ایک تو رتیلی زمین میں نقل و حرکت آسان ہو گئی۔ دوسرے وضو
و طہارت میں آسانی ہو گئی۔ تیرے اس سے شیطانی و سوسوں کا ازالہ فرمادیا گیا جو وہ اہل ایمان کے دلوں میں ڈال رہا تھا
کہ تم اللہ کے نیک بندے ہوتے ہوئے بھی پانی سے دور ہو، دوسرے جنابت کی حالت میں تم لڑو گے تو کیسے اللہ کی
رحمت و نصرت تمیں حاصل ہو گی؟ تیرے تم پیاسے ہو، جب کہ تمہارے دشمن سیراب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۴) یہ چوتھا انعام ہے جو دلوں اور قدموں کو مضبوط کر کے کیا گیا۔

(۵) یہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اور خاص اپنی طرف سے جس جس حریقے سے مسلمانوں کی بدر میں مدد
فرمائی، اس کا بیان ہے۔

مارو۔^(۱)
(۱۲)

یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سوبے شک اللہ تعالیٰ سخت سزادی نے والا ہے۔^(۱۳)

سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔^(۱۴)

اے ایمان والوا! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا۔^(۱۵)

اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینٹرا بدلتا ہو یا جو (اپنی) جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنی ہے۔^(۱۶) باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غصب میں آجائے گا اور اس کا

ذلِکَ يَاَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ^(۱۷)

ذلِكُمْ فَذَوْقُوهُ وَأَنَّ لِلْكُفَّارِينَ عَذَابَ النَّارِ^(۱۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِتَلُوكُمْ إِلَيْهِمْ كَفَرُوا وَرَحِمُوا فَلَا تُؤْلُمُوهُمُ الْأَدْبَارُ^(۱۹)

وَمَنْ يُؤْلِمُهُ بِمُؤْمِنٍ ذُبْرَةً إِلَّا مُتَحَرِّكًا لِقَتَالٍ أَوْ مُتَحَدِّثًا إِلَى فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا أُنْوَهُ بِجَهَنَّمْ وَلِمَنِ الْمُصِيرُ^(۲۰)

(۱) بنان۔ ہاتھوں اور پیروں کے پور۔ یعنی ان کی انگلیوں کے اطراف (کنارے)، یہ اطراف کاٹ دیئے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ ہاتھوں سے تکوار چلانے کے اور پیروں سے بھاگنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

(۲) زَخْفَأَ کے معنی ہیں ایک دوسرے کے مقابل اور دو بدو ہونا۔ یعنی مسلمان اور کافر جب ایک دوسرے کے بال مقابل صاف آرا ہوں تو پیغہ پھیر کر بھاگنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے آجِتَبُوا السَّبْعَ الْمُؤْنِقَاتِ ”سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو!“ ان سات میں ایک وَالْتَّوْلَى يَوْمَ الزَّخْفِ ”مقابلے والے دن پیغہ پھیر جانا ہے“

(صحیح بخاری، نمبر ۲۲۲، کتاب الوصایا و صحیح مسلم، کتاب الإیمان)

(۳) گزشتہ آیت میں پیغہ پھیرنے سے جو منع کیا گیا ہے، دو صورتیں اس سے مستثنی ہیں: ایک تحرف کی اور دوسری تحریز کی۔ تَحَرُّفُ کے معنی ہیں ایک طرف پھر جانا۔ یعنی لڑائی میں جنگی چال کے طور پر یادشمن کو دھوکے میں ڈالنے کی غرض سے لڑتا ایک طرف پھر جائے، دشمن یہ سمجھے کہ شاید یہ تکلت خورده ہو کر بھاگ رہا ہے لیکن پھر وہ ایک دم پینٹرا بدل کر اچانک دشمن پر حملہ کر دے۔ یہ پیغہ پھیرنا نہیں ہے بلکہ یہ جنگی چال ہے جو بعض وفع ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ تَحَمِّلُ کے معنی ملنے اور پناہ لینے کے ہیں۔ کوئی مجاہد لڑتا ایک تباہ جائے تو بہ لطائف الحبل میدان جنگ سے ایک طرف ہو جائے، تاکہ وہ اپنی جماعت کی طرف پناہ حاصل کرے اور اس کی مدد سے دوبارہ حملہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

ٹھکانہ دوزخ ہو گا وہ بہت ہی بڑی جگہ ہے^(۱) (۱۶)

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا۔^(۲) اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں چینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ چینکی^(۳) اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے^(۴) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جانے والا ہے۔^(۵) (۱۷)

(ایک بات تو) یہ ہوئی اور (دوسری بات یہ ہے) اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا۔^(۶) (۱۸)

اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آموجود ہوا^(۷) اور اگر باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ

فَلَمَّا نَقْتُلُهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ مَتَّلَّهُمْ وَمَا رَأَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ
وَلَكِنَّ اللَّهَ رَأَى وَلَيَسْ إِلَّا مُؤْمِنٌ مِّنْهُ بِلَادِهِ حَسَنًا أَنَّ
اللَّهَ سَيِّدُ عَلَيْهِمْ^(۸)

ذَلِكُواَنَّ اللَّهَ مُؤْمِنٌ كَبِيرٌ الْكُفَّارُونَ^(۹)

إِنْ سَتَّقِيْعُواْ فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ شَنَّهُواْ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّهُوَ وَإِنْ تَعُودُواْ نَعْدُ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فَيَنْكُمْ شَيْئًا وَلَوْ
كَثُرَتْ وَإِنَّ اللَّهَ مَمَّا مُؤْمِنُونَ^(۱۰)

(۱) یعنی نہ کورہ دو صورتوں کے علاوہ کوئی شخص میدان جنگ سے پیٹھے پھیرے گا، اس کے لیے یہ سخت وعدہ ہے۔

(۲) یعنی جنگ بدر کی ساری صورت حال تمہارے سامنے رکھ دی گئی ہے اور جس جس طرح اللہ نے تمہاری وہاں مدد فرمائی، اس کی وضاحت کے بعد تم یہ نہ سمجھ لینا کہ کافروں کا قتل یہ تمہارا کارنامہ ہے۔ نہیں، بلکہ یہ اللہ کی اس مدد کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے تمہیں یہ طاقت حاصل ہوئی۔ اس لیے دراصل انہیں قتل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(۳) جنگ بدر میں نبی ﷺ نے کنگریوں کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کی طرف چینکی تھی، جسے ایک تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مونہوں اور آنکھوں تک پہنچایا اور دوسرے، اس میں یہ تأشیر یہ افرادی کہ اس سے ان کی آنکھیں چند ہیاگئیں اور انہیں کچھ بچھائی نہیں دیتا تھا، یہ مجرہ بھی، جو اس وقت اللہ کی مدد سے ظاہر ہوا، مسلمانوں کی کامیابی میں بست مددگار ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمرا ہے کہ اے پیغمبر! کنگریاں بے شک آپ نے چینکی تھیں، لیکن اس میں تأشیر ہم نے پیدا کی تھی، اگر ہم اس میں یہ تأشیر پیدا نہ کرتے تو یہ کنگریاں کیا کر سکتی تھیں؟ اس لیے یہ بھی دراصل ہمارا ہی کام تھا کہ آپ کا۔

(۴) بلاء یہاں سخت کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کی یہ تائید و نصرت، اللہ کا انعام ہے جو مونہوں پر ہوا۔

(۵) دوسرامقدمہ اس کا کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنا تھا۔

(۶) ابو جمل وغیرہ روسائے قریش نے مک سے نکلتے وقت دعا کی تھی کہ ”یا اللہ ہم میں سے جو تیر ازیادہ نافرمان اور قاطع رحم ہے، کل کو تو اسے ہلاک کر دے“ اپنے طور پر وہ مسلمانوں کو قاطع رحم اور نافرمان سمجھتے تھے، اس لیے اس قسم کی دعا کی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح فصیب فرمادی تو اللہ تعالیٰ ان کافروں سے کہہ رہا ہے کہ تم فتح یعنی حق اور باطل کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے ہے تھے تو وہ فیصلہ تو سامنے آ چکا ہے، اس لیے اب تم کفر سے باز آ جاؤ تو تمہارے

آئے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔^(۱۹)

اے ایمان والوا اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور اس (کا کہنا مانے) سے روگردانی مت کرو سنتے جانتے ہوئے۔^(۲۰)

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے (ساتے کچھ) نہیں۔^(۲۱)

بے شک بدترین خلاقِ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بھرے ہیں گوئے ہیں جو کہ (ذرا) نہیں سمجھتے۔^(۲۲)

اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو سنتے کی توفیق دے دیتا^(۲۳) اور اگر ان کو اب سادے تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخص کرتے ہوئے۔^(۲۴)

اے ایمان والوا تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ، جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے

لیے ہتر ہے اور اگر پھر تم دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے میں آؤ گے تو ہم بھی دوبارہ ان کی مدد کریں گے اور تمہاری جماعت کثرت کے باوجود تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔

(۱) یعنی سن لینے کے باوجود عمل نہ کرنا، یہ کافروں کا طریقہ ہے، تم اس رویے سے بچو۔ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو بھرہ گونگا، غیر عاقل اور بدترین خلاق قرار دیا گیا ہے۔ دوابت، دابة کی جمع ہے، جو بھی زمین پر چلنے پھرنے والی چیز ہے وہ دابت ہے۔ مراد مخلوقات ہے۔ یعنی یہ سب سے بدتر ہیں جو حق کے معاملے میں بھرے گونگے اور غیر عاقل ہیں۔

(۲) اسی بات کو قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿ لَمَّا قُلُوبُ الْفَاسِدِينَ لَا يَفْقَهُونَ بِعِلْمٍ وَلَمْ يَحْمِلُّنَّ عِيْنَ لَيْبِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ إِذْنُ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا لَوْلَيْكَ حَالَغَامِيْلُ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكُمُ الظَّاغِنُونَ ﴾ (الأعراف، ۷۹) ان کے دل ہیں، لیکن ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں، لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں یہ پوپائے کی طرح ہیں، پہکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ (اللہ سے) بے خبر ہیں۔

(۳) یعنی ان کے سماں کو نافع بنایا کر ان کو فہم صحیح عطا فرمارتا، جس سے وہ حق کو قبول کر لیتے اور اسے اپنا لیتے۔ لیکن چونکہ ان کے اندر خیر یعنی حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ فہم صحیح سے ہی محروم ہیں۔

(۴) پہلے سماں سے مراد سماں نافع ہے۔ اس دوسرے سماں سے مراد مطلق سماں ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تُؤْلُمُوا
عَنْهُ وَأَنْذِلُهُمْ تَسْمِعُونَ^(۱)

وَلَا تَنْكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ^(۲)

إِنَّ شَرَ الدَّوَابِ عِنْدَ اللَّهِ الصُّرُمُ الْبُكُمُ الَّذِينَ
لَا يَعْقِلُونَ^(۳)

وَلَوْ عِلْمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرٌ لِأَسْعَهُمْ وَلَوْ أَسْعَهُمْ
لَتَوْلُّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ^(۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُو لِهِنَّوْ وَلَا تَرْسُوْلِ إِذَا

ہوں۔^(۱) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے^(۲) اور بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔^(۳)

اور تم ایسے وہاں سے بچوں کہ جو خاص کر صرف ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرکب ہوئے ہیں^(۴) اور یہ جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے^(۵)

دَعَاكُمْ لِمَا يُخْيِّنُكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْوُلُ بَيْنَ الْمَرْءَةِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُنْشَرُونَ^(۶)

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّكُمْ خَآصَةٌ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ^(۷)

(۱) لِمَا يُخْيِّنُكُمْ ایسی چیزوں کی طرف جس سے تمہیں زندگی ملے۔ بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے کہ اس میں تمہاری زندگی کا سرو سامان ہے۔ بعض نے قرآن کے اوامر و نوادری اور احکام شرعیہ مراد لیے ہیں، جن میں جہاد بھی آجاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ اور رسول اللہ کی بات مانو، اور اس پر عمل کرو، اسی میں تمہاری زندگی ہے۔

(۲) یعنی موت وارد کر کے، جس کامزہ ہر نفس کو چکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تمہیں موت آجائے، اللہ اور رسول کی بات مان لو اور اس پر عمل کرلو۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے جس طرح قریب ہے اس میں اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ امام ابن جریر نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان اس کی مشیت کے بغیر کسی چیز کو پانیں سکتا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے کہ مسلمان دشمن کی کثرت سے خوف زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں کے درمیان حائل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں موجود خوف کو امن سے بدل دیا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں (فتح القدیر) امام ابن جریر نے بیان کردہ مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے، جن میں دین پر ثابت قدیمی کی دعا میں کرنے کی تائید کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بُنِي آدم کے دل، ایک دل کی طرح رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، انیں جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے" پھر آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی۔ اللَّهُمَّ مُصْرِفَ الْقُلُوبِ، صَرِفْ قُلُوبَنَا إِلَى طَاعَتِكَ (صحیح مسلم۔ کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء) اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ بعض روایات میں ثبت قلنیٰ علیٰ دینِ نک اسنن ترمذی۔ أبواب القدر کے الفاظ ہیں۔

(۳) اس سے مراد یا تو بندوں کا ایک دوسرے پر تسلط ہے جو بلا تخصیص، عام و خاص پر ظلم کرتے ہیں، یا وہ عام عذاب ہیں جو کثرت بارش یا سیلاں وغیرہ ارضی و سماوی آفات کی صورت میں آتے ہیں اور نیک و بد سب ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں، یا بعض احادیث میں امر بالمعروف و نهى عن المکر کے ترک کی وجہ سے عذاب کی جو وعدہ بیان نہ ہے ذہبہ مراد ہے۔

اور اس حالت کو یاد کرو! جب کہ تم زمین میں قلیل تھے، کمزور شمار کے جاتے تھے۔ اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوجہ کھوٹ نہ لیں، سوال اللہ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نیس نیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو۔^(۲۶)

اے ایمان والوا! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو۔^(۲۷)

اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے۔^(۲۸) اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔^(۲۹)

اے ایمان والوا! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے

وَإِذْ كُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَاتِلُونَ مُسْتَصْعِدُونَ فِي الْأَرْضِ تَحْمِلُونَ
أَنْ تَيْتَعْظِلُوكُمُ النَّاسُ فَلَا يُكَلُّمُونَ وَإِذْ كُلُّمُونَ يُنَصِّرُهُ وَرَزَقَكُمُ
قَنَ الظَّلَيْبَيْتَ لَعَلَّكُمْ تَشَكَّرُونَ^(۳۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا
أَعْنَتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ^(۳۱)

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَنْ لَدُكُمْ فِتْنَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ
عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ^(۳۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَشَقُّوا اللَّهَ يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا

(۱) اس میں کسی زندگی کے شدائے و خطرات کا بیان اور اس کے بعد مدنی زندگی میں مسلمان جس آرام و راحت اور آسودگی سے بغفل اللہ ہمکنار ہوئے، اس کا تذکرہ ہے۔

(۲) اللہ اور رسول کے حقوق میں خیانت یہ ہے کہ جلوت میں اللہ اور رسول ملکیتی کا تابع دار بن کر رہے اور خلوت میں اس کے بر عکس معصیت کار۔ اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ فرانس میں سے کسی فرض کا ترک اور نواہی میں سے کسی بات کا رتکاب کیا جائے۔ اور ﴿وَتَخُونُوا أَمْنِتِكُمْ﴾ کا مطلب ایک شخص دوسرے کے پاس جو امانت رکھواتا ہے اس میں خیانت نہ کرے۔ نبی ﷺ نے بھی امانت کی حفاظت کی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے: لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا أَعْهَدَ لَهُ^(۳۳) امسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ و قال الألبانی حدیث جید تعلیقات الألبانی علی المشکوٰۃ: ”اس کا ایمان نہیں“ جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین نہیں، جس کے اندر عدم کی پابندی کا احساس نہیں۔“

(۳) مال اور اولاد کی محبت ہی عام طور پر انسان کو خیانت پر اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریز پر مجبور کرتی ہے۔ اس لیے ان کو قند (آزمائش) قرار دیا گیا ہے، یعنی اس کے ذریعے سے انسان کی آزمائش ہوتی ہے کہ ان کی محبت میں امانت اور اطاعت کے تقاضے پورے کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ پورے کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہے۔ بصورت دیگر ناکام۔ اس صورت میں یہی مال اور اولاد اس کے لیے عذاب اللہ کا باعث بن جائیں گے۔

گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ
بڑے فضل والا ہے۔^(۱) ^(۲۹)

اور اس واقعہ کا بھی ذکر کجئے! جب کہ کافر لوگ آپ کی
نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں، یا آپ
کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج وطن کر دیں^(۲) اور وہ تو
اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور
سب سے زیادہ مُحکم تدبیر والا اللہ ہے۔^(۳) ^(۳۰)

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو
کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس کے برابر
ہم بھی کہہ دیں، یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں
ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں۔^(۳۱)

اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن

وَيَكْفِرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتُكُمْ وَيَغْفِرُ لَكُمْ وَإِنَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمُ^(۱)

وَإِذَا يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُنْتَهُوا أَوْ يُقْتَلُوا
أَوْ يُخْرَجُوا كَمَنْ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ
خَيْرُ الْمَكْرِيرِينَ^(۲)

وَإِذَا اتَّخَلَ عَلَيْهِمْ إِنْتَنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْنَشَاءَ
لَقُلْنَا بِمِثْلِ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ
الْأَقْلِيلِينَ^(۳)

وَإِذَا قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ

(۱) تقویٰ کا مطلب ہے، اور اہلی کی مخالفت اور اس کے مناوی کے ارتکاب سے بچتا۔ اور فرقان کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں مثلاً ایسی چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی بدولت دل مضبوط، بصیرت تیز تر اور ہدایت کا راستہ واضح تر ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر، جب عام انسان التباس و اشتباہ کی وادیوں میں بھلک رہے ہوں، صراطِ مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے۔ علاوه ازیں فتح و نصرت اور نجات و مخرج بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔ اور سارے ہی معانی مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ تقویٰ سے یقیناً یہ سارے ہی فوائد حاصل ہوتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ 'کفار سینات'، 'مغفرتِ ذنب' اور 'فضل عظیم' بھی حاصل ہوتا ہے۔

(۲) یہ اس سازش کا تذکرہ ہے جو رو سائے کہنے نے ایک رات دارالنحوہ میں تیار کی تھی اور بالآخر یہ طے پایا تھا کہ مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کو آپ کے قتل پر مأمور کیا جائے تاکہ کسی ایک کو قتل کے بدله میں قتل نہ کیا جائے بلکہ دیت دے کر جان چھوٹ جائے۔

(۳) چنانچہ اس سازش کے تحت ایک رات یہ نوجوان آپ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ آپ ملٹیپل
باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ملٹیپل کو اس سازش سے آگاہ فرمادیا اور آپ ملٹیپل نے گھر سے
باہر نکلنے وقت میں کی ایک مٹھی لی اور ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے نکل گئے، کسی کو آپ ملٹیپل کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں
لگا، حتیٰ کہ آپ غار ثور میں پہنچ گئے۔ یہ کافروں کے مقابلے میں اللہ کی تدبیر تھی۔ جس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔
(مکر کے معنی کے لیے دیکھئے: آل عمران۔ ۵۳ کا عاشیہ)

آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پھر بر سا
یا ہم پر کوئی در دن اک عذاب واقع کر دے۔ (۳۲)

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے
ہوئے ان کو عذاب دے^(۱) اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا
اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔ (۳۳)

اور ان میں کیا بات ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے
حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں، جب کہ وہ
لوگ اس مسجد کے متولی نہیں۔ اس کے متولی تو سوا
متقیوں کے اور اشخاص نہیں، لیکن ان میں اکثر لوگ علم
نہیں رکھتے۔ (۳۴)

اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی یہیں بجانا اور
تالیاں بجانا۔ (۳۵) سو اپنے کفر کے سبب اس عذاب
کا مزہ چکھو۔ (۳۶)

فَأَمْطِرُ عَلَيْنَا بَحَرًا مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ أَثْنَانًا
بَعْدَ أَبِيلِهِ ⑦

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَعْنِيهِ بِهِمْ وَإِنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ
مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْعَفُونَ ⑧

وَمَا لَهُمْ أَلَا يَعْدِي بِهِمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصْدُونَ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْعَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ لِهِ إِنْ أَوْلَيَاهُ إِلَّا الْمُتَقْبَلُونَ
وَلِكُنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑨

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءَ
وَتَصْدِيَةً فَنَذُوقُ الْعَذَابَ بِمَا لَكُنُوا تَكْفِرُونَ ⑩

(۱) یعنی پیغمبر کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا، اس لحاظ سے آپ ﷺ کا وجود گرامی بھی ان کے حفظ و امان کا سبب تھا۔

(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آئندہ مسلمان ہو کر استغفار کریں گے، یا یہ کہ طواف کرتے وقت مشرکین غُفرانِ رَبِّنَا غُفرانِ رَبِّنَا کما کرتے تھے۔

(۳) یعنی وہ مشرکین اپنے آپ کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) کا متولی سمجھتے تھے اور اس اعتبار سے جس کو چاہتے طواف کی اجازت دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی وہ مسجد حرام میں آنے سے روکتے تھے۔ دراں حالیہ کہ وہ اس کے متولی ہی نہیں تھے، تَحْكِمَا (زبردستی) بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس کے متولی تو متقی افراد ہی بن سکتے ہیں نہ کہ مشرک۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے، اس سے مراد فتح مکہ ہے جو مشرکین کے لیے عذاب الیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل کی آیت میں جس عذاب کی نظری ہے، جو پیغمبر کی موجودگی یا استغفار کرتے رہنے کی وجہ سے نہیں آتا، اس سے مراد عذاب استیصال اور ہلاکت کلی ہے۔ عبرت و تنیبہ کے طور پر چھوٹے موٹے عذاب اس کے منافی نہیں۔

(۴) مشرکین جس طرح بیت اللہ کا نیگا طواف کرتے تھے، اسی طرح طواف کے دوران وہ انگلیاں منہ میں ڈال کر یہیں اور ہاتھوں سے تالیاں بجائے۔ اس کو بھی وہ عبادت اور نیکی تصور کرتے تھے، جس طرح آج بھی جاہل صوفی مسجدوں اور آستانوں میں رقص کرتے، ڈھونل پیٹتے اور دھمایں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہی ہماری نماز اور عبادات ہے۔ ناج ناج کر ہم اپنے یار (اللہ) کو منالیں گے کے نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْخُرَافَاتِ۔

بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرج کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرج کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حرمت ہو جائیں گے۔ پھر مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔^(۱) (۳۶)

تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے^(۲) اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے، پس ان سب کو اکٹھا ڈھیر کر دے پھر ان سب کو جنم میں ڈال دے۔ ایسے لوگ پورے خارے میں ہیں۔^(۳) (۳۷)

آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے! کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَ هَا شَيْءًا تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلِبُونَ هُوَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ يُخْرُجُونَ^(۱)

لِيَبْيَرِزَ اللَّهُ الْخَيْرَ مِنَ الظَّلَمِ وَيَجْعَلَ الْخَيْرَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَيَرْكِمُهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَئِكَ هُوَ الْخَيْرُونَ^(۲)

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ يَنْهَوْا يَعْمَلُونَ هُمْ مَا قَدْ سَلَفَ^{*}
وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنُّتُ الْأَوَّلِينَ^(۳)

(۱) جب قریش مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خورده اصحاب مکہ واپس گئے۔ ادھر سے ابوسفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لے کر وہاں پہنچ چکے تھے تو کچھ لوگ، جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، ابوسفیان اور جن کا اس تجارتی سامان میں حصہ تھا، ان کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ وہ اس مال کو مسلمانوں سے بدلتے کے لیے استعمال کریں۔ مسلمانوں نے ہمیں برا سخت نقصان پہنچایا ہے اس لیے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہی لوگوں یا اسی قسم کا کروار اپنانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کر لیں لیکن ان کے حصے میں سوائے حرمت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا اٹھکانہ جنم ہو گا۔

(۲) یہ علیحدگی یا تو آخرت میں ہو گی کہ اہل سعادت کو اہل شفاوت سے الگ کر دیا جائے گا، جیسا کہ فرمایا۔ ﴿ وَمَتَّلِذَا
الْيَوْمَ إِنَّمَا النَّجْمُونَ ﴾ (سورہ یسٰس۔ ۵۹) ”اے نناہ گارو! آج الگ ہو جاؤ“ یعنی نیک لوگوں سے اور مجرموں یعنی کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو اکٹھا کر کے سب کو جنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پھر اس کا تعلق دنیا سے ہے اور لام تقلیل کے لیے ہے۔ یعنی کافر اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جو مال خرچ کر رہے ہیں، ہم ان کو ایسا کرنے کا موقع دیں گے تا کہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے، کافر کو مومن سے اور منافق کو مخلص سے علیحدہ کر دے۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے، کفار کے زریعے سے ہم تم ساری آزمائش کریں گے، وہ تم سے لڑیں گے اور ہم انہیں ان کے مال بھی لڑائی پر خرچ کرنے کی قدرت دیں گے تاکہ خبیث طیب سے متاز ہو جائے۔ پھر وہ خبیث کو ایک دوسرے سے ملا دے گا یعنی سب کو جمع کر دے گا۔ (ابن کثیر)

سب معاف کر دیئے جائیں گے^(۱) اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو (کفار) سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے۔^(۲) (۳۸)

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔^(۳) اور دین اللہ ہی کا ہو جائے،^(۴) پھر اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔^(۵) (۳۹)

اور اگر روگردانی کریں^(۶) تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے،^(۷) وہ بہت اچھا کارساز ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔^(۸) (۴۰)

وَقَاتِلُهُمْ حَتَّى لَا يَكُونَ فِتْنَةً وَّيَكُونَ الَّذِينُ قُلْلَهُ
يَلْهُو فَإِنْ أَنْتُمْ هُوَا فَقَاتَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ^(۹)

وَإِنْ تَوَلُّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَكُكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى
وَنِعْمَ النَّصِيرُ^(۱۰)

(۱) باز آ جانے کا مطلب 'مسلمان ہوتا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے "جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنا لیا، اس سے اس کے ان گناہوں کی باز پرس نہیں ہو گی جو اس نے جالمیت میں کیے ہوں گے اور جس نے اسلام لا کر بھی برائی نہ چھوڑی، اس سے اگلے پچھلے سب عملوں کا مٹا خدھہ ہو گا۔" (صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین و صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب هل یؤاخذ بِأَعْمَالِ الْجَاهِلِیَّةِ) ایک اور حدیث میں ہے الإِسْلَامُ يَجْبُّ مَا قَبْلَهُ (مسند احمد، جلد ۲، ص ۹۹) "اسلام ما قبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

(۲) یعنی اگر وہ اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جلد یا بے دری عذاب اللہ کے موردنہ کر رہیں گے۔

(۳) قتنہ سے مراد شرک ہے۔ یعنی اس وقت تک جہاد جاری رکھو، جب تک شرک کا خاتمه نہ ہو جائے۔

(۴) یعنی اللہ کی توحید کا پھریا چار دنگ عالم میں لرا جائے۔

(۵) یعنی تمہارے لیے ان کا ظاہری اسلام ہی کافی ہے، باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو، کیونکہ اس کو ظاہر و باطن ہر چیز کا علم ہے۔

(۶) یعنی اسلام قبول نہ کریں اور اپنے کفر اور تمہاری مخالفت پر مصروف رہیں۔

(۷) یعنی تمہارے دشمنوں پر تمہارا مددگار اور تمہارا حامی و محافظ ہے۔

(۸) پس کامیاب بھی وہی ہو گا جس کا مولیٰ اللہ ہو، اور غالب بھی وہی ہو گا جس کا مددگار وہ ہو۔

جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو^(۱) اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قربت داروں کا اور تیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا،^(۲) اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتارا ہے،^(۳) جو دن حق و باطل کی جدائی کا تھا^(۴) جس دن دو فوجیں بھڑکئی تھیں۔^(۵)

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۶)

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَغْنَمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ بِلِهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ وَآتَيْنَاكُمْ مِنْ كُنْتُمْ أَمْنَهُمْ بِإِنَّهُ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقْسِيمِ الْجَمِيعُونَ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۷)

(۱) غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو کافروں سے 'کافروں پر لڑائی میں فتح و غلبہ حاصل ہونے کے بعد' حاصل ہو۔ پہلی امتوں میں اس کے لیے یہ طریقہ تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کافروں سے حاصل کردہ سارے مال ایک جگہ ڈھیر کر دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر بھسم کر دیا جاتی۔ لیکن امت مسلمہ کے لیے یہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ اور جو مال بغیر لڑائی کے صلح کے ذریعے یا جزیہ و خراج سے وصول ہو، اسے فینیہ کہا جاتا ہے۔ کبھی غنیمت کو بھی فینیہ سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔ من شیء سے مراد جو کچھ بھی ہو۔ یعنی تھوڑا ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا معمولی، سب کو جمع کر کے اس کی تقسیم حسب ضابط کی جائے گی۔ کسی سپاہی کو اس میں سے کوئی چیز تقسیم سے قبل اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۲) اللہ کا لفظ تو بطور تبرک، نیز اس لیے ہے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ مراد اللہ اور اس کے رسول کے حصہ سے ایک ہی ہے، یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں بھی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔ پانچواں حصہ، جسے عربی میں خس کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کے پھر بانچ حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (اور آپ ﷺ کے بعد اسے مغار عاصمہ میں خرچ کیا جائے گا) جیسا کہ خود آپ ﷺ بھی یہ حصہ مسلمانوں پر ہی خرچ فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا بھی ہے۔ وَالخُمُسُ مَرْدُوذٌ عَلَيْكُمْ (سنن النسائي وصحح البخاري في صحيح النسائي / ۳۸۵۸ ومسند أحمد جلد ۵، ص ۳۱۹) یعنی "میرا جو پانچواں حصہ ہے وہ بھی مسلمانوں کے مصالح پر ہی خرچ ہوتا ہے" دوسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت داروں کا، پھر تیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ خس حسب ضرورت خرچ کیا جائے گا۔

(۳) اس نزول سے مراد فرشتوں کا اور آیات اللہ (مجھرات وغیرہ) کا نزول ہے جو بد رہیں ہوا۔

(۴) بد رکی جنگ ۲/۱ هجری / ۱۱ رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس دن کو یوم الفرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ تھی اور مسلمانوں کو فتح و غلبہ دے کر واضح کر دیا گیا کہ اسلام حق ہے اور کفر و شرک باطل ہے۔

(۵) یعنی مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں۔

جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے^(۱) اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔^(۲) اگر تم آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم وقت معین پر پہنچنے میں مختلف ہو جاتے۔^(۳) لیکن اللہ کو تو ایک کام کرہی ڈالنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا مگر جو ہلاک ہو، دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔^(۴) بیشک اللہ بہت سننے والا خوب جانے والا ہے۔^(۵)

جب کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی، اگر ان کی زیادتی دکھاتا تو تم بزدول ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا، وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے۔^(۶)

إِذَا نَّمَّ بِالْعُدُوَّةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدُوَّةِ الْقُصُوىٰ وَ
الرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدُ شَهْرَ لِخَتْلَفُتُمْ فِي
الْمُبِيدِ لَوْلَا كُنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَقْعُولًا لَيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيْنَةٍ وَيَعْلَمُ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيْنَةٍ
وَإِنَّ اللَّهَ لِسَيِّمِ عَلِيهِمْ^(۷)

إِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْلَا كُنْتُمْ
كَثِيرُ الظَّلَمِ لَوْلَا زَعَمْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنْ
اللَّهُ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلَيْمٌ بِذَاتِ الْقُدُورِ^(۸)

(۱) دُنْيَا دُنْوٰ سے ہے بمعنی قریب۔ مراد ہے وہ کنارہ جو مدینہ شر کے قریب تھا۔ قصوی کہتے ہیں دور کو۔ کافر اس کنارے پر تھے جو مدینہ سے نبٹا دور تھا۔

(۲) اس سے مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جو حضرت ابو سفیان بنی لہش، کی قیادت میں شام سے کہ جا رہا تھا اور جسے حاصل کرنے کے لیے ہی دراصل مسلمان اس طرف آئے تھے۔ یہ پہاڑ سے بہت دور مغرب کی طرف نشیب میں تھا، جب کہ بدر کا مقام، جہاں جنگ ہوئی، بلندی پر تھا۔

(۳) یعنی اگر جنگ کے لیے باقاعدہ دن اور تاریخ کا ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ یا اعلان ہوتا تو ممکن بلکہ یقین تھا کہ کوئی فریق لڑائی کے بغیر ہی پسائی اختیار کر لیتا۔ لیکن چونکہ اس جنگ کا ہونا اللہ نے لکھ رکھا تھا، اس لیے ایسے اسباب پیدا کر دیئے گئے کہ دونوں فریق بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل بغیر پیشگی وعدہ وعدہ کے صفات ادا ہو جائیں۔

(۴) یہ علت ہے اللہ کی اس تقدیری مشیت کی جس کے تحت بدر میں فریقین کا جماعت ہوا، مگر جو ایمان پر زندہ رہے تو وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ اسلام حق ہے کیونکہ اس کی حقانیت کا مشاہدہ وہ بدر میں کر چکا ہے اور جو کفر کے ساتھ ہلاک ہو تو وہ بھی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کیونکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین کا راستہ گمراہی اور باطل کا راستہ ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی دکھائی اور وہی تعداد آپ نے صحابہ کرام

جبکہ اس نے بوقت ملاقات انہیں تماری نگاہوں میں بہت کم دکھائے اور تمیں ان کی نگاہوں میں کم دکھائے^(۱) تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچا دے جو کرنے ہی تھا^(۲) اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔^(۳۴)

اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑجاو تو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تاکہ تمیں کامیابی حاصل ہو۔^(۳۵)

اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تماری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و سار رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔^(۳۶)

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذْ أَتَيْتُمُ فِي آعِنْدِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَاتِلُكُمْ فِي آعِنْدِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا وَإِنَّ اللَّهَ شُرُجَةُ الْأُمُورِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيمْتُمْ فَمَّا فَاثْبُتوْ أَوْ أَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا عَلَكُمْ شُفْلُهُونَ

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَقَسْطًا وَتَذَهَّبُ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

کے سامنے بیان فرمائی، جس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے، اگر اس کے بر عکس کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو صحابہ میں پست ہتی پیدا ہونے اور باہمی اختلاف کا اندر یہ شہر تھا۔ لیکن اللہ نے ان دونوں باتوں سے بچالیا۔

(۱) تاکہ وہ کافر بھی تم سے خوف کھا کر پیچھے نہ ہیں۔ پسلا واقعہ خواب کا تھا اور یہ دکھانا عین قابل کے وقت تھا، جیسا کہ الفاظ قرآنی سے واضح ہے۔ تاہم یہ معاملہ ابتداء میں تھا۔ لیکن جب باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی تو پھر کافروں کو مسلمان اپنے سے دو گناہ نظر آتے تھے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں زیادہ دکھانے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ کثرت دیکھ کر ان کے اندر مسلمانوں کا خوف اور وہشت بینہ جائے، جس سے ان کے اندر بزدلی اور پست ہتی پیدا ہو، اس کے بر عکس پہلے کم دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ لڑنے سے گریز نہ کریں۔

(۲) اس سب کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہوا تھا، وہ پورا ہو جائے۔ اس لیے اس نے اسکے اسباب پیدا فرمادیے۔

(۳) اب مسلمانوں کو لڑائی کے وہ آداب بتائے جا رہے ہیں جن کو دشمن سے مقابلے کے وقت لمحظہ رکھنا ضروری ہے سب سے پہلی بات ثبات قدی اور استقلال ہے، کیونکہ اس کے بغیر میدان جنگ میں نہ رہنا ممکن ہی نہیں ہے تاہم اس سے تحرف اور تحریز کی وہ دونوں صورتیں مستثنی ہوں گی جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ ثبات قدی کے لیے بھی تحرف یا تحریز ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ تاکہ مسلمان اگر تھوڑے ہوں تو اللہ کی مدد کے طالب رہیں اور اللہ بھی کثرت ذکر کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ رہے اور اگر مسلمان تعداد میں زیادہ ہوں تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب اور غور پیدا نہ ہو، بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر ہی رہے۔

(۴) تیسرا ہدایت، اللہ اور رسول کی اطاعت، ظاہریات ہے ان نازک حالات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کتنی سخت خطرناک ہو سکتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے لیے ویسے تو ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ تاہم

ان لوگوں جیسے نہ بوجواتراتے ہوئے اور لوگوں میں خود نمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے،^(۱) جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے۔^(۲)

جبکہ ان کے اعمال کو شیطان انھیں زینت دار دکھارتا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آ سکتا، میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں نمودار ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا میں تو تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔^(۳) میں اللہ سے ڈرتا ہوں،^(۴) اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔^(۵)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ حَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَرِنَاءً
الثَّالِثُ وَيَصْدُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
يَعْمَلُونَ مُجِيدٌ^(۶)

وَإِذْ رَأَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَهُمَا إِلَيْكُم
الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَازَ لَكُمْ فَلَمَّا تَرَأَتِ الْفَئَثَنَ
نَكَضَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بِرِّي مُنْكَضُ إِنِّي آرِي مَالَكَتَرَوْنَ
إِنِّي آخَافُ إِلَهَهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ^(۷)

میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے اور اس موقع پر تھوڑی سی بھی نافرمانی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ چوتھی ہدایت کہ آپس میں تنازع اور اختلاف نہ کرو، اس سے تم بزول ہو جاؤ گے اور ہوا کھڑا جائے گی۔ اور پانچویں ہدایت کہ صبر کرو! یعنی جنگ میں کتنی بھی شدت آجائے اور تمیس کرنے بھی کٹھن مراحل سے گزرنما پڑے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں فرمایا۔ ”لوگو! دشمن سے نہ بھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو! تاہم جب کبھی دشمن سے لڑائی کا موقعہ پیدا ہو جائے تو صبر کرو (یعنی جم کر لڑو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے“ (صحیح بخاری۔ کتاب الجنہاد، باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا لَمْ يَقْاتِلُ أُولُو النَّهَارَ أَخْرَى الْقَتَالِ حَتَّى تَرْزُلَ الشَّمْسُ)

(۱) مشرکین مکہ، جب اپنے قافلے کی حفاظت اور لڑائی کی نیت سے نکلے، تو بڑے اتراتے اور فخر و غور کرتے ہوئے نکلے، مسلمانوں کو اس کافرانہ شیوے سے روکا گیا ہے۔

(۲) مشرکین جب مکہ سے روانہ ہوئے تو انہیں اپنے حریف قبلیے بنی بکر بن کنانہ سے اندیشہ تھا کہ وہ پیچھے سے انہیں نقصان نہ پہنچائے، چنانچہ شیطان سرaque بن مالک کی صورت بنا کر آیا، جو بنی بکر بن کنانہ کے ایک سردار تھے، اور انہیں نہ صرف فتح و غلبہ کی بشارت دی بلکہ اپنی حمایت کا بھی پورا یقین دلایا۔ لیکن جب ملائکہ کی صورت میں امداد الہی اسے نظر آئی تو ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔

(۳) اللہ کا خوف تو اس کے دل میں کیا ہونا تھا؟ تاہم اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ کی خاص مدد حاصل ہے۔ مشرکین ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔

(۴) ممکن ہے یہ شیطان کے کلام کا حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانہ ہو۔

جبکہ منافق کہ رہے تھے اور وہ بھی جن کے دلوں میں روگ تھا^(۱) کہ انہیں تو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے^(۲) جو بھی اللہ پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ بلاشک و شبہ غلبے والا اور حکمت والا ہے۔^(۳) (۳۹)

کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور سرینوں پر مار مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم جلنے کا عذاب چکھو۔^(۴) (۵۰)

یہ بسبب ان کاموں کے جو تمہارے ہاتھوں نے پلے ہی بھیج رکھا ہے پیشک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔^(۵) (۵۱)

إِذْ يَقُولُ الْمُنْفَقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ عَزَّ
هُوَلَاهُ دِيَمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ^(۶)

وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَقَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُلْكَةُ يَضْرِبُونَ
وُجُوهُهُمْ وَأَدْبَارُهُمْ وَذُو قَوْاعِدَابِ الْعَرْبِ^(۷)

ذَلِكَ يُبَاقَدَ مَا أَبْدَيْكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ
بِظَلَامٍ لِلْعَبَيْدِ^(۸)

(۱) اس سے مراد یا تو وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مسلمانوں کی کامیابی کے بارے میں انہیں شک تھا، یا اس سے مراد مشرکین ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ میں رہنے والے یہودی مراد ہوں۔

(۲) یعنی ان کی تعداد تو دیکھو اور سرو سامان کا جو حال ہے، وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن یہ مقابلہ کرنے چلے ہیں مشرکین کہ سے، جو تعداد میں بھی ان سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر طرح کے سامان حرب اور وسائل سے ملا مال بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال دیا ہے۔ اور یہ موٹی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان اہل دنیا کو اہل ایمان کے عزم و ثبات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جن کا توکل اللہ کی ذات پر ہے، جو غالب ہے یعنی اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ بے سار انہیں چھوڑتا اور حکیم بھی ہے اس کے ہر فعل میں حکمت بالغہ ہے جس کے اور اک سے انسانی عقلیں قادر ہیں۔

(۴) بعض مفسرین نے اسے جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی بابت قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سے مروی ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف آتے تو مسلمان ان کے چہروں پر تلواریں مارتے، جس سے بچنے کے لیے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے تو فرشتے ان کی دبروں پر تلواریں مارتے۔ لیکن یہ آیت عام ہے جو ہر کافروں مشرک کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے ان کے منہوں اور پیٹھوں (یا دبروں یعنی چوڑوں) پر مارتے ہیں، جس طرح سورہ انعام میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿ وَالْمُلْكَةُ هَلَيْسْطُولِ الدِّيْنِوْهُ ﴾ (آیت۔ ۹۳) ”فرشتے ان کو مارنے کے لیے ہاتھ دراز کرتے ہیں“ اور بعض کے نزدیک فرشتوں کی یہ مار قیامت والے دن جنم کی طرف لے جاتے ہوئے ہو گی اور داروغہ جنم کے گا ”تم جلنے کا عذاب چکھو“

(۵) یہ ضرب و عذاب تمہارے اپنے کرتوں کا نتیجہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے، بلکہ وہ تو عادل ہے جو ہر قسم کے ظلم و جور سے پاک ہے۔ حدیث قدسی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندوں! میں

مثل فرعونیوں کے حال کے اور ان سے الگوں کے،^(۱) کہ انہوں نے اللہ کی آئیوں سے کفر کیا پس اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں کپڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً قوت والا اور سخت عذاب والا ہے۔^(۵۲)

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرمائے کہ پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی^(۲) اور یہ کہ اللہ سننے والا جانے والا ہے۔^(۵۳)

مثل حالت فرعونیوں کے اور ان سے پہلے کے لوگوں کے کہ انہوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹائیں۔ پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انہیں بر باد کیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا۔ یہ سارے ظالم تھے۔^(۳)^(۵۴)

تمام جانداروں سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر

کَدَآپِ إِلِي فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا لَا يَأْتِيَنَّهُمْ
فَلَخَدَهُمُ اللَّهُ يَدُؤُبُهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ^(۱)

ذَلِكَ يَأْنَ اللَّهَ لَمْ يَكُنْ مُغْتَرِّاً بِعِصَمِهِ أَنْعَمَهُ اللَّهُ عَلَى قَوْمٍ حَتَّى
يُغَيِّرُهُ وَإِمَّا يَأْنَفِسُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِمْ^(۲)

كَدَآپِ إِلِي فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا يَأْنَ
رَبِّهِمْ فَأَهْلَكَهُمْ يَدُؤُبُهُمْ وَأَغْرَقَهُمْ إِلَيْ فِرْعَوْنَ وَكُلُّ
كَانُوا أَظْلَمُ مِنْ^(۳)

إِنَّ شَرَ الدَّوَآتِ يَعْنَدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ^(۴)

نے اپنے نفس پر ظلم حرام کیا ہے اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں نے شمار کر کے رکھے ہوئے ہیں، پس جو اپنے اعمال میں بھلائی پائے، اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے بر عکس پائے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔ (صحیح مسلم کتاب البر بباب تحريم الظلم)

(۱) دَآپُ کے معنی ہیں عادت۔ کاف تشبیہ کے لیے ہے۔ یعنی ان مشرکین کی عادت یا حال، اللہ کے پیغمبروں کے جھلانے میں، اسی طرح ہے جس طرح فرعون اور اس سے قبل دیگر مکذبین کی عادت یا حال تھا۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم کفران نعمت کا راستہ اختیار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نوای سے اعراض کر کے اپنے احوال و اخلاق کو نہیں بدل لیتی، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اپنی نعمتیں سلب فرمایتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ گویا تبدیلی کا مطلب یہی ہے کہ قوم گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت اللہ کا راستہ اختیار کرے۔

(۳) یہ اسی بات کی تاکید ہے جو پہلے گزری، البتہ اس میں پلاکت کی صورت کا اضافہ ہے کہ انہیں غرق کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ واضح کر دیا کہ اللہ نے ان کو غرق کر کے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے وَمَأْرِبُكَ بِظَلَامٍ لِلْعَيْنِ^(۱) (مُمَسْدَدَةٌ)^(۲)

کریں، پھر وہ ایمان نہ لائیں۔^(۱) (۵۵)

جن سے آپ نے عمد و بیان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عمد و بیان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔^(۲) (۵۶)

پس جب کبھی توڑائی میں ان پر غالب آجائے انہیں ایسی مار مار کر ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں^(۳) ہو سکتا ہے کہ وہ عبرت حاصل کریں۔ (۵۷)

اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ذرہ ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے،^(۴) اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔^(۵) (۵۸)

کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے۔ یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے۔ (۵۹)

تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری

الَّذِينَ عَاهَدُتَ مِنْهُمْ ثُمَّ نَسُفَّرُونَ عَاهَدُهُمْ فِي كُلِّ
مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَشْكُونَ^(۶)

فَإِمَّا تَسْتَغْفِرُهُمْ فِي الْحَرْبِ فَإِنَّهُمْ مَنْ خَلَقْهُمْ لِعِلْمِ
يَدْكُرُونَ^(۷)

وَإِمَّا تَغْفِلَنَّ مِنْ فَوْمِ رِخْيَانَةٍ فَإِنَّهُمْ أَلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَابِيْنَ^(۸)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ^(۹)

وَأَعْدُوا لَهُمْ مَا أُسْتَطَعُمُ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ زِبَاطِ الْغَيْبِ^(۱۰)

(۱) شَرُّ النَّاسِ (لوگوں میں سب سے بدتر) کے بجائے انہیں شَرَّ الدَّوَّابِ کہا گیا ہے۔ جو لغوی معنی کے لحاظ سے تو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال چوپایوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا کافروں کا تعلق انسانوں سے ہی نہیں۔ کفر کا ارتکاب کر کے وہ جانور بلکہ جانوروں میں بھی سب سے بدتر جانور بن گئے ہیں۔

(۲) یہ کافروں ہی کی ایک عادت بیان کی گئی ہے کہ ہر بار نقض عمد کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے عواقب سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہودیوں کے قبلے بنو قریظہ کو مراد لیا ہے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاهدہ تھا کہ وہ کافروں کی مدد نہیں کریں گے لیکن انہوں نے اس کی پاسداری نہیں کی۔

(۳) شَرِّذَبِهِمْ کا مطلب ہے کہ ان کو ایسی مار مار کر جس سے ان کے چیچھے، ان کے حمایتیوں اور ساتھیوں میں بھگد رنج جائے، حتیٰ کہ وہ آپ کی طرف اس اندیشے سے رخ ہی نہ کریں کہ کہیں ان کا بھی وہی حشرہ ہو جوان کے پیش روؤں کا ہوا ہے۔

(۴) خیانت سے مراد ہے معاهد قوم سے نقض عمد کا خطro۔ اور عَلَى سَوَاءٍ (برا برابری کی حالت میں) کا مطلب ہے کہ انہیں باقاعدہ مطلع کیا جائے کہ آئندہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاهدہ نہیں۔ تاکہ دونوں فریق اپنے طور پر اپنی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، کوئی ایک فریق لا علمی اور مخالفتی میں نہ مارا جائے۔

(۵) یعنی یہ نقض عمد اگر مسلمانوں کی طرف سے بھی ہو تو یہ خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، اور رومیوں کے درمیان معاهدہ تھا۔ جب معاهدے کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نے

کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی^(۱) کہ اس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں خوب جان رہا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا۔ (۶۰)
اگر وہ صلح کی طرف بھیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ،^(۲) یقیناً وہ بت سننے جانے والا ہے۔ (۶۱)

اگر وہ تجھ سے دعایازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تجھے کافی ہے، اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے۔ (۶۲)

ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین

تُرْهُونَ يَهُ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوُّهُ وَآخَرُونَ مِنْ دُونِهِمْ
لَا نَعْلَمُ وَنَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ وَمَا شَفَقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلٍ
إِنَّهُمْ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ⑥

وَإِنْ جَنَحُوا لِلشَّرِّ فَاجْنَحُهُ لَهُمْ وَتَوَسَّلُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑦

وَإِنْ شَرِيدُوا أَنْ يَعْذَّبُهُمْ فَإِنَّ حَسِبَكَ اللَّهُ هُوَ الْعَذَّابُ
إِنَّكَ بِنَصْرَهُ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ⑧

وَالَّذِي بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْأَنْفَقُتْ مَالَى الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَفْتَ

روم کی سرزمیں کے قریب اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ معاهدے کی مدت ختم ہوتے ہی رومیوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبس رضی اللہ عنہ کے علم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تیاری آئی تو انہوں نے اسے غدر سے تعبیر فرمایا اور ایک حدیث رسول بیان فرمائے کہ خلاف ورزی قرار دیا، جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ (مسند احمد جلد ۵، ص ۳۳۳۔ أبو داود کتاب الجهاد، باب فی الإمام یکون بینه و بین العدو عهد فی سیر نحوه (إليه)۔ ترمذی، أبواب السیر، باب ماجاء فی الغدر)

(۱) فُوَّةٌ کی تفسیر بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی تیر اندازی (صحیح مسلم۔ کتاب الإمارة، باب فضل الرمي والتحت عليه، ودبگر کتب حدیث) کوئکہ اس دور میں یہ بہت برا جنگی ہتھیار اور نہایت اہم فن تھا، جس طرح گھوڑے جنگ کے لیے ناگزیر ضرورت تھے، جیسا کہ اس آیت سے بھی واضح ہے۔ لیکن اب تیر اندازی اور گھوڑوں کی یہ جنگی اہمیت اور افادیت و ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے «وَأَعْذُّوا لَهُمْ مَا أَسْتَطَعْتُمْ» کے تحت آج کل کے جنگی ہتھیاروں (مثلاً میزاں، نینک، بم اور جنگی جہاز اور بحری جنگ کے لیے آبدوزیں وغیرہ) کی تیاری ضروری ہے۔

(۲) یعنی اگر حالات جنگ کے بجائے صلح کے مقاضی ہوں اور دشمن بھی مائل ہے صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکہ اور فریب ہو، تب بھی گھبرا نے کی ضرورت نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، یقیناً اللہ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا، اور وہ آپ کو کافی ہے۔ لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مغادہ ہو۔ لیکن جب معاملہ اس کے بر عکس ہو، مسلمان قوت و

بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلِكَنَّ اللَّهَ أَكْفَافَهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ^(۱)

میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کاسارا بھی خرج کرڈا تا تو بھی
ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں
الفٹ ڈال دی ہے^(۲) وہ غالب حکموں والا ہے۔ (۶۳)
اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری
پیروی کر رہے ہیں۔ (۶۳)
اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلاؤ^(۳) اگر تم میں
یاًيَهَا الَّتِي حَسِبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ^(۴)
یاًيَهَا الَّتِي حَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقُتْلَى إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ

وسائل میں ممتاز ہوں اور کافر کمزور اور ہزیمت خورہ تو اس صورت میں صلح کے بجائے کافروں کی قوت و شوکت کو
توڑنا ضروری ہے۔ (سورہ محمد ۳۵) ﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا يَكُونَ فِتْنَةٌ فَإِذَا كُلُّ الَّذِينَ كُلُّهُمْ يُلْهُو ﴾ (الأنفال ۳۹)
(۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک بڑے احسان
کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعے سے مدد فرمائی، وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن
گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پسلے جو عدالت تھی، اسے محبت والفت میں تبدیل فرمادیا۔ پسلے وہ ایک
دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایک دوسرے کے جاثر بن گئے، پسلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے، اب
آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو اس طرح ختم کر کے، یا ہم پیار اور محبت پیدا کر دیا، یہ اللہ
تعالیٰ کی خاص مریانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کار فرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر
خرج کر دیئے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر سورہ آل عمران ۱۰۳ -
﴿ إِذْ لَكُنُوكُمْ أَعْدَادٌ فَأَلْقَنَّ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ لُلْبَلَغُ ﴾ میں بھی فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غنائم حنین کے موقع پر انصار
سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”اے جماعت انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے
تمہیں ہدایت نصیب فرمائی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے تمہیں میرے ذریعے سے خوش حال کر دیا اور تم ایک دوسرے سے
الگ الگ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمہیں آپس میں جوڑ دیا“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوبات کرتے، انصار اس کے
جواب میں یہی کہتے ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمَّنْ“۔ ”اللہ اور اس کے رسول کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں“۔ (صحیح
بخاری، کتاب المغاری، باب غزوۃ الطائف، صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم

علی الإسلام)

(۲) تَخْرِيصُ کے معنی ہیں ترغیب میں مبالغہ کرنا یعنی خوب رغبت دلانا اور شوق پیدا کرنا۔ چنانچہ اس کے مطابق نبی صلی
الله علیہ وسلم جنگ سے قبل صحابہ کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے۔ جیسا کہ بدرا کے موقع پر،
جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آموجود ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا ”ایسی جنت
میں جانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے“ ایک صحابی عمر بن حمام پنی شوشہ نے کہا
”اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہاں“ اس پر نجح ہجہ کہا یعنی

بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے، تو دوسرا پر غالب رہیں گے۔ اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے^(۱) اس واسطے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ (۲۵)

اچھا اب اللہ تمہارا بوجہ ہلکا کرتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسرا پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے،^(۲) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔^(۳) (۲۶)

نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چلتیں جب تک کہ ملک میں اچھی خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے۔ تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے^(۴) اور اللہ زور آور باحکمت ہے۔ (۲۷)

عِشْرُونَ صَرِّونَ يَغْلِبُوا مَا نَتَيْنَ وَلَنْ يَكُنْ مُّنْكَرٌ
مِائَةٌ يَغْلِبُوا الْفَاقِهِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا نَهْوُ قَوْمٍ
لَا يَفْقَهُونَ^(۵)

أَثْنَانَ حَفَّ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعِلْمَ أَنَّ فِيهِمْ ضَعْلًا فَإِنْ يَكُنْ
مُّنْكَرٌ مِائَةٌ صَلِّرَةٌ يَغْلِبُوا مَا نَتَيْنَ وَلَنْ يَكُنْ مُّنْكَرٌ أَلْفٌ
يَغْلِبُوا الْقَوْمَ يَادُنَ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ^(۶)

نَاكَانَ لِيَتَيْنِي أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُشْخَنَ فِي الْأَرْضِ
يُرِيدُونَ عَرْضَ الدُّنْيَا إِنَّ اللَّهَ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَأَنَّ اللَّهَ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ^(۷)

خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانے والوں میں سے ہوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس میں جانے والوں میں سے ہو گے۔“ چنانچہ انسوں نے اپنی تماوار کی میان توڑا دی اور سمجھو ریں نکال کر کھانے لگے، پھر جو بچیں، ہاتھ سے پھینک دیں اور کہا۔ ”ان کے کھانے تک میں زندہ رہا تو یہ تو طویل زندگی ہو گی“ پھر آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے لگے، حتیٰ کہ عروس شادوت سے ہمکنار ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب ثبوت الجنۃ للشهید)

(۱) یہ مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ تمہارے ثابت قدی سے لڑنے والے میں مجاهد دو سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے۔

(۲) پچھلا حکم صحابہ رضی اللہ عنہم پر گزا، کیونکہ اس کا مطلب تھا، ایک مسلمان دس کافروں کے لیے، میں دو سو کے لیے اور سو ایک ہزار کے لیے کافی ہیں اور کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو تو جہاد فرض اور اس سے گریز ناجائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرمایا ایک اور دس کا تناسب کم کر کے ایک اور دو کا تناسب کر دیا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الأنفال) اب اس تناسب پر جہاد ضروری اور اس سے کم پر غیر ضروری ہے۔

(۳) یہ کہہ کر صبر و ثبات قدی کی اہمیت بیان فرمادی کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے اس کا اہتمام ضروری ہے۔

(۴) جنگ بد ر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنالیے گئے۔ یہ کفر و اسلام کا چونکہ پہلا معرکہ تھا۔ اس لیے قیدیوں

اگر پسلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ
ہوتی^(۱) تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس بارے میں تمہیں کوئی
بڑی سزا ہوتی۔ (۶۸)

پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے،
خوب کھاؤ پیو^(۲) اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ
غفور و رحیم ہے۔ (۶۹)

كُوْلَا كِتَبٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لِمَسْكُمْ فِيمَا أَخْذَتُمْ
عَدَابٌ عَظِيمٌ^(۳)

فَكُلُّهُ مَا تَأْغِيْتُمْ حَلَالًا طَهِيْرًا وَأَنْقُوْلَهُ إِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۴)

کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ ان کی بابت احکام پوری طرح واضح نہیں تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان کو قتل کر دیا جائے یا ندیے لے کر چھوڑ دیا جائے؟ جواز کی حد تک دونوں ہی باتوں کی گنجائش تھی۔ اسی لیے دونوں ہی باتیں زیر غور آئیں۔ لیکن بعض دفعہ جواز و عدم جواز سے قطع نظر حالات و ظروف کے اعتبار سے زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں بھی ضرورت زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی تھی۔ لیکن جواز کو سامنے رکھتے ہوئے کم تر صورت اختیار کر لی گئی، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ مشورے میں حضرت عمر بن الخطب وغیرہ نے یہ مشورہ دیا کہ کفر کی قوت و شوکت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ یہ کفار اور کافروں کے سراغنے ہیں، یہ آزاد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زیادہ ساز شیں کریں گے۔ جبکہ حضرت ابو بکر بن الخطب وغیرہ کی رائے اس کے بر عکس یہ تھی کہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے اور اس مال سے آئندہ جنگ کی تیاری کی جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا جس پر یہ اور اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں ﴿حَتَّىٰ يُتَشَدَّقَ فِي الْأَرْضِ﴾ کا مطلب ہے کہ اگر ملک میں کفر کا غالبہ ہے (جیسا کہ اس وقت عرب میں کفر کا غالبہ تھا) تو کافروں کی خون ریزی کر کے کفر کی قوت کو توڑنا ضروری ہے۔ اس نکتے کو نظر انداز کر کے تم نے جو فدیہ قبول کیا ہے تو گویا، زیادہ بہتر صورت کو چھوڑ کر کم تر صورت کو اختیار کیا ہے جو تمہاری غلطی ہے۔ بعد میں جب کفر کا غالبہ ختم ہو گیا تو قیدیوں کے بارے میں امام وقت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کر دے، فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لے اور چاہے تو ان کو غلام بنالے، حالات و ظروف کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔

(۱) اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ لکھی ہوئی بات کیا تھی؟ بعض نے کہا کہ اس سے مال غنیمت کی حلت مراد ہے یعنی چونکہ یہ نوشۃ تقدیر تھا کہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال ہو گا، اس لیے تم نے فدیہ لے کر ایک جائز کام ہی کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اتو فدیہ لینے کی وجہ سے تمہیں عذاب عظیم پہنچتا۔ بعض نے اہل بد رکی مغفرت اس سے مراد ہے، بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کو عذاب میں مانع ہونا مراد لیا ہے وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدر)

(۲) اس میں مال غنیمت کی حلت و پاکیزگی کو بیان کر کے فدیے کا جواز بیان فرمادیا گیا۔ جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ ”لکھی ہوئی بات“ سے مراد شاید یہی حلت غنائم ہے۔

اے نبی! اپنے ہاتھ تلے کے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں نیک نیت دیکھے گا^(۱) تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا^(۲) اور پھر گناہ بھی معاف فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا میران ہے ہی۔^(۳)

اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا خیال کریں گے تو یہ تو اس سے پسلے خود اللہ کی خیانت کر چکے ہیں آخر اس نے انہیں گرفتار کرایا،^(۴) اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔^(۵)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جماو کیا^(۶) اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی،^(۷) یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفت ہیں،^(۸) اور جو ایمان تولائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔^(۹) ہاں اگر وہ تم سے دین

يَا أَيُّهُ الَّهُمَّ تُلْقِنَّ فِي أَيْدِيهِمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنِّي عَلَمَ أَنَّهُمْ فِي
فُلُولُكُمْ خَيْرٌ يُؤْتَكُمْ خَيْرٌ مِمَّا أَخْذَ مِنْكُمْ وَلَا يَعْلَمُونَ لَكُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ
رَحْمَةٌ

وَإِنْ يُرِيدُوا إِخْرَاجَنَا فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مَنْ قَبْلُ فَأَمْلَأْنَ
مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا هُوَ الْجَمِيعُ وَجَهَدُوا بِمَا مَوَالُهُمْ وَأَنْتُمْ مُهَاجِرُونَ
سَبِيلُ اللَّهِ وَالَّذِينَ أَوْفُوا ذَرَرُوا وَأُولَئِكَ بَعْضُهُمُ أُولَئِكَ
بَعْضٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَا جَرُوا مَالَكُمْ مِنْ وَلَا يَتَّهِمُ
مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَا جَرُوا وَإِنْ اسْتَهْرُوكُمْ فِي الَّذِينَ فَعَلَيْكُمُ
النَّصْرُ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيَانًا وَاللَّهُ بِمَا

(۱) یعنی ایمان و اسلام لانے کی نیت اور اسے قبول کرنے کا جذبہ۔

(۲) یعنی جو ندیہ تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمہیں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کے بعد عطا فرمادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، وغیرہ جو ان قیدیوں میں تھے، مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اللہ نے انہیں دنیوی مال و دولت سے بھی خوب نوازا۔

(۳) یعنی زبان سے تو اظہار اسلام کر دیں لیکن مقصد دھوکہ دینا ہو، تو اس سے قبل انہوں نے کفر و شرک کا رات رکاب کر کے کیا حاصل کیا؟ یہی کہ وہ مسلمانوں کے قیدی بن گئے، اس لیے آئندہ بھی اگر وہ شرک کے راستے پر قائم رہے تو اس سے مزید ذلت و رسائی کے سوا انہیں کچھ اور حاصل نہیں ہو گا۔

(۴) یہ صحابہ مهاجرین کہلاتے ہیں جو فضیلت میں صحابہ میں اول نمبر ہیں۔

(۵) یہ انصار کہلاتے ہیں۔ یہ فضیلت میں دوسرے نمبر ہیں۔

(۶) یعنی ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مهاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمادیا تھا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بننے تھے (بعد میں وراشت کا حکم منسوخ ہو گیا)

(۷) یہ صحابہ کی تیسرا قسم ہے جو مهاجرین و انصار کے علاوہ ہیں۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے ہی علاقوں اور قبیلوں

تَعْمَلُونَ بِصَدِّيقٍ ⑦

کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے،^(۱) سو اے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عمد و بیان ہے،^(۲) تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ خوب دیکھتا ہے۔^(۳)

کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہو گا اور زبردست فساد ہو جائے گا۔^(۴)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی۔ یہ لوگ بعض مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔^(۵)

اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔ پس یہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں^(۶) اور رشتہ ناتے والے ان میں سے بعض بعض

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِعَصْمَهُمْ أَوْ لَيَأْتِ بَعْضُ إِلَاقْعُلُهُ تَلَكْ فَتَنَّهُنَّ
الْأَرضَ وَقَسَادَ كَبِيرٍ ⑧

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَا جَرَوْا وَجَهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ أَوْرَادُوا نَصْرًا وَأَولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَمَلُهُمْ
مَعْفَرَةً وَرِيْدَقْ كَبِيرٌ ⑨

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَا جَرَوْا وَجَهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ
مُنْكَمُ وَأُولُو الْإِرْحَامِ بَعْضُهُمُ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ⑩

میں مقیم رہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری حمایت یا وراثت کے وہ سخت نہیں۔

(۱) مشرکین کے خلاف اگر ان کو تمہاری مدد کی ضرورت پیش آجائے تو پھر ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔

(۲) ہاں اگر وہ تم سے ایسی قوم کے خلاف مدد کے خواہش مند ہوں کہ تمہارے اور ان کے درمیان صلح کا اور جنگ نہ کرنے کا معابدہ ہے تو پھر ان مسلمانوں کی حمایت کے مقابلے میں، معابرے کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔

(۳) یعنی جس طرح کافر ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی ہیں اسی طرح اگر تم نے بھی ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی حمایت اور کافروں سے عدم موالات نہ کی تو پھر بڑا فتنہ اور فساد ہو گا۔ اور وہ یہ کہ مومن اور کافر کے باہمی اخلاق اور محبت و موالات سے دین کے معاملے میں اشتباہ اور مدد اہانت پیدا ہوگی۔ بعض نے «بعضُهُمْ أَوْلَيَاءُ بَعْضٍ» سے، وارث ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی کافر ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر تم وراثت میں کفرو ایمان کو نظر انداز کر کے محض قربات کو سامنے رکھو گے تو اس سے بڑا فتنہ اور فساد پیدا ہو گا۔

(۴) یہ مهاجرین و انصار کے انہی دو گروہوں کا ذکر ہے، جو پہلے بھی گزر ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر ان کی فضیلت کے سلسلے میں ہے۔ جب کہ پہلے ان کا ذکر آپس میں ایک دوسرے کی حمایت و نفرت کا و جوب بیان کرنے کے لیے تھا۔

(۵) یہ ایک چوتھے گروہ کا ذکر ہے جو فضیلت میں پہلے دو گروہوں کے بعد اور تیرے گروہ سے، (جنہوں نے ہجرت

سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم میں،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ
ہر چیز کا جانے والا ہے۔^(۲۵)

سورہ توبہ علیٰ ہے اور اس میں ایک سوانحیں آئیں اور
سولہ روکن ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے بیزاری کا اعلان
ہے۔^(۲) ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے
عہد و پیمان کیا تھا۔^(۳)

پس (اے مشرکو!) تم ملک میں چار میں تک تو چل پھر
لو،^(۴) جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو،

سُبُّوكُ الْعُونَتِيَّةِ

بَرَأَهُ مِنَ الْهُوَ وَرَسُولُهُ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدُوكُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

فَسَيُخُوافُ الْأَرْضَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُغْرِيِ اللَّهِ

نہیں کی تھی،) پہلے ہے۔

(۱) اخت یا حلف کی بنیاد پر وراثت میں جو حصہ دار بنتے تھے، اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اب وارث صرف وہی ہوں گے جو نبی اور سرالی رشتہوں میں نسلک ہوں گے۔ اللہ کی کتاب یا اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اصل حکم یہی تھا۔ لیکن اخت کی بنیاد پر صرف عارضی طور پر ایک دوسرے کا وارث بنادیا گیا تھا، جواب ضرورت ختم ہونے پر غیر ضروری ہو گیا اور اصل حکم نافذ کر دیا گیا۔

☆ وجہ تفسیہ: اس کے مفسرین نے متعدد نام ذکر کئے ہیں لیکن زیادہ مشہور دو ہیں۔ ایک توبہ، اس لیے کہ اس میں بعض مومنین کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرا نام براءت ہے۔ اس لیے کہ اس میں مشرکین سے براءت کا اعلان عام ہے۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحيم درج نہیں ہے۔ اس کی بھی متعدد وجوہات کتب تفسیر میں درج ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورہ افال اور سورہ توبہ ان دونوں کے مضامین میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ سورت گویا سورہ افال کا تمہد یا باقیہ ہے۔ یہ سات بڑی سورتوں میں ساتوں بڑی سورت ہے جنہیں سبع طوال کہا جاتا ہے۔

(۲) فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کو قرآن کریم کی یہ آیات اور یہ احکام دے کر بھیجا تاکہ وہ کے میں ان کا عام اعلان کر دیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا عرباں طواف نہیں کرے گا بلکہ آئندہ سال سے کسی مشرک کو بیت اللہ کے حج کی ہی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحیح بخاری کتاب الصلاۃ، باب ما یسترم من العورۃ مسلم کتاب الحج باب لا یحج البيت المشرک)

(۳) یہ اعلان براءت ان مشرکین کے لیے تھا جن سے غیر مؤقت معابده تھا یا چار میں سے کم کا تھا یا جن سے چار میں سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی پاسداری کا اہتمام نہیں تھا۔ ان سب کو چار میں سے کم میں

وَأَنَّ اللَّهَ مُخِزِي الْكُفَّارِ ②

اور یہ (بھی یاد رہے) کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔^(۱)
^(۲)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو بڑے حج کے دن^(۳) صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے پیزار ہے، اور اس کا رسول بھی، اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہر انہیں سکتے۔ اور کافروں کو دکھ کی مار کی خبر پہنچا دیجئے۔^(۴)

بجز ان مشرکوں کے جن سے تمہارا معاهدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاهدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو،^(۵) اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔^(۶)

وَإِذَا نَبَغَتِ الْأَيَّلُونَ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحِجَّةِ الْكَبِيرَ أَنَّ اللَّهَ يَرَقِي فِينَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِنْ شَاءُمْ فَهُوَ حِيمٌ لَكُمْ وَإِنْ تَوَكِّلُمُ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَذَابُ مُخِزِي اللَّهِ وَمَبْشِرُ الظَّالِمِينَ كُفُّرٌ وَآبَادَابِ الْيَوْمِ ③

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدُوكُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْفَضُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظْهِرُوكُمْ أَحَدًا فَإِنَّمَا عَاهَدُوكُمْ إِلَى مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَقِنِينَ ④

رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انہیں یہاں رہنے کی اجازت ہو گی، بصورت دیگران کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ چارہ مینے کے بعد جزیرہ عرب سے نکل جائیں، اگر دونوں صورتوں میں سے وہ کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے، جن سے لڑنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گا اسکے جزیرہ عرب کفر و شرک کی تاریکیوں سے صاف ہو جائے۔

(۱) یعنی یہ مملت اس لیے نہیں دی جا رہی ہے کہ فی الحال تمہارے خلاف کارروائی ممکن نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد صرف تمہاری بھلائی اور خیر خواہی ہے تاکہ جو توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہے، وہ مسلمان ہو جائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ تمہاری بابت اللہ کی جو تقدیر و مشیت ہے، اسے تم تال نہیں سکتے اور اللہ کی طرف سے مسلط ذات و رسولی سے تم نج نہیں سکتے۔

(۲) صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم الحج (۱۰/ ذوالحجہ) کا دن ہے (ترمذی، نمبر ۹۵، بخاری، نمبر ۲۶۵۵، مسلم، نمبر ۱۸۲) اسی دن منی میں اعلان براعت سنایا گیا۔ ۱۰/ ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اسی لیے کہا گیا کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کئے جاتے ہیں۔ اور عوام عمرے کو حج اصغر کہا کرتے تھے۔ اس لیے عمرے سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جو حج جعد والے دن آئے، وہ حج اکبر ہے، یہ بے اصل بات ہے۔

(۳) یہ مشرکین کی چوتھی قسم ہے۔ ان سے جتنی مدت کا معاهدہ تھا، اس مدت تک انہیں رہنے کی اجازت دے دی گئی،

پھر حرمت والے میمنوں^(۱) کے گزرتے ہی مشرکوں کو جماں پاؤ قتل کرو^(۲) انھیں گرفتار کرو،^(۳) ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھٹائی میں جائیں گے،^(۴) ہاں اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑو۔^(۵) یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مریان ہے۔^(۶)

فَإِذَا أَنْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدُوكُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوهُمْ لَهُمْ كُلُّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقْامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوهُمْ إِلَيْكُمْ فَلَا يُؤْتُوا هُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۷)

کیونکہ انہوں نے معابدے کی پاسداری کی اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی اس کی پاسداری کو ضروری قرار دیا گیا۔

(۱) ان حرمت والے میمنوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی چار مہینے ہیں جو حرمت والے ہیں۔ یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور حرم۔ اور اعلان براءت ۱۰/ ذوالحجہ کو کیا گیا۔ اس اعتبار سے گویا اعلان کے بعد پچاس دن کی مملکت انھیں دی گئی۔ کیونکہ حرمت والے میمنوں کے گزرنے کے بعد مشرکین کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں أَشْهُرُ حُرُمٌ سے مراد وہ حرمت والے میمنے نہیں ہیں بلکہ ۱۰ ذوالحجہ سے لے کر ۱۰ ربیع الثانی تک کے چار مہینے مراد ہیں۔ انھیں أَشْهُرُ حُرُمٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ اعلان براءت کی رو سے ان چار میمنوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں تھی۔ اعلان براءت کی رو سے یہ تاویل مناسب معلوم ہوتی ہے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۲) بعض مفسرین نے اس حکم کو عام رکھا ہے یعنی حل یا حرم میں، جماں بھی پاؤ، قتل کرو۔ اور بعض مفسرین نے ﴿ وَلَا تُقْتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقْتَلُوكُمْ فَإِنَّمَا تُلْوِكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ﴾ (البقرة ۱۹۱) مسجد حرام کے پاس ان سے مت لڑو! یہاں تک کہ وہ خود تم سے لڑیں، اگر وہ لڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے، اس آیت سے تخصیص کی ہے اور صرف حدود حرم سے باہر حل میں قتل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر) یعنی انھیں قیدی بنا لو یا قتل کر دو۔

(۳) یعنی اس بات پر احتفاظ کرو کہ وہ تمہیں ملیں تو تم کا رروائی کرو۔ بلکہ جماں جماں ان کے حصار، قلعے اور پناہ گاہیں ہیں، وہاں وہاں ان کی گھات میں رہو۔ حتیٰ کہ تمہاری اجازت کے بغیر ان کے لیے نقل و حرکت ممکن نہ رہے۔

(۴) یعنی کوئی کارروائی ان کے خلاف نہ کی جائے، کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ گویا قبول اسلام کے بعد اقامات صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا اہتمام ضروری ہے، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ترک کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف، اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جہاد کیا۔ اور فرمایا وَاللَّهُ لَا أَقْاتِلُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ (متفق علیہ، بحوالہ مشکلۃ کتاب الزکوٰۃ، فصل

اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے۔^(۱) یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے علم ہیں۔^(۲) ^(۳)

مشرکوں کے لئے عمد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے عمد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے،^(۴) جب تک وہ لوگ تم سے معاهدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو،^(۵) اللہ تعالیٰ متقيوں سے محبت رکھتا ہے۔^(۶) ^(۷)

ان کے وعدوں کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہو جائے تو نہ یہ قربات داری کا خیال کریں نہ عمد و پیمان کا،^(۸) اپنی

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ إِسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْعَ كَلْمَةَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلَغَهُ مَا مَنَّهُ ذَلِكَ بِالْهُدُوْفِ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ^(۹)

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ غَهْدُهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْعَرَامِ فَمَا اسْتَأْمَنُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا إِلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَقِيْنَ^(۱۰)

كَيْفَ وَإِنْ تَظَهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقِبُوْا فِيمَا إِلَّا ذَمَّةٌ يُرْضِعُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكَثَرُهُمْ

ثالث، "اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور بڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کریں گے۔" یعنی نماز تو پڑھیں لیکن زکوٰۃ ادا کرنے سے گریز کریں۔

(۱) اس آیت میں مذکورہ جبی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو یعنی اسے اپنی حفظ و امان میں رکھو ماکہ کوئی مسلمان اسے قتل نہ کر سکے۔ اور ماکہ اسے اللہ کی باتیں سننے اور اسلام کے سمجھنے کا موقعہ ملے، ممکن ہے اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے۔ لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی امان کی پاسداری آخر تک کرنی ہے، جب تک وہ اپنے مستقر تک بخیریت واپس نہیں پہنچ جاتا، اس کی جان کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔

(۲) یعنی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ کی رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ ممکن ہے اللہ اور رسول کی باتیں ان کے علم میں آئیں اور مسلمانوں کا اخلاق و کردار وہ دیکھیں تو اسلام کی حقانیت و صداقت کے وہ قائل ہو جائیں اور اسلام قبول کر کے آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔ جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے کافر امان طلب کر کے مدینہ آتے جاتے رہے تو انیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے مشابہ سے اسلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

(۳) یہ استفهام نفی کے لیے ہے، یعنی جن مشرکین سے تمہارا معاهدہ ہے، ان کے علاوہ اب کسی سے معاهدہ باقی نہیں رہا ہے۔

(۴) یعنی عمد کی پاسداری، اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ امر ہے۔ اس لیے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔

(۵) کیف، پھر بطور تاکید، نفی کے لیے ہے۔ إِنَّ کے معنی قربات (رشتہ داری) اور ذمَّةٌ کے معنی عمد کے ہیں۔ یعنی ان

فِي سُقُونٍ ۝

زبانوں سے تو تمیس پر چا رہے ہیں لیکن ان کے دل نہیں مانتے ان میں سے اکثر توقاً فاسق ہیں۔ (۸)

انہوں نے اللہ کی آئتوں کو بہت کم قیمت پر بیج دیا اور اس کی راہ سے روکا۔ بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ (۹)

یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتہ داری کا یا عمد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے، یہ ہیں ہی حد سے گزرنے والے۔ (۱۰)

اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں، تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ (۱۱) ہم تو جانے والوں کے لیے اپنی آئیتیں کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں۔ (۱۲)

إِشْرَقُوا بِأَيْلِتِ اللَّهِ ثُمَّنَا قَلِيلًا فَصَدُّ وَاعْنَ سَيِّلَهُ
إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا لِذَمَّةٍ مَّا ذَرُوا لِهِ
هُمُ الْمُعْتَدِلُونَ ۝

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاتَّوَالرِّكُوٰةَ فَإِنَّهُمْ كُفَّرٍ
الَّذِينَ وَنَفَّضُ الْأَيْتَ لِقَوْمٍ تَعْلَمُونَ ۝

مشرکین کی زبانی با توں کا کیا اعتبار، جب کہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر یہ تم پر غالب آجائیں تو کسی قربت اور عمد کا پاس نہیں کریں گے۔ بعض مفسرین کے نزدیک پہلا کیف مشرکین کے لیے ہے اور دوسرا سے یہودی مراد ہیں، کیونکہ ان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آئتوں کو کم قیمت پر بیج دیتے ہیں۔ اور یہ وطیہ یہودیوں ہی کا رہا ہے۔

(۱) بار بار وضاحت سے مقصود مشرکین اور یہود کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے نقاب کرنا ہے۔

(۲) نماز، توحید و رسالت کے اقرار کے بعد، اسلام کا سب سے اہم رکن ہے جو اللہ کا حق ہے، اس میں اللہ کی عبادت کے مختلف پہلو ہیں۔ اس میں دست بستہ قیام ہے، رکوع و سجود ہے، دعا و مناجات ہے، اللہ کی عظمت و جلالت کا اور اپنی عاجزی و بے کسی کا اظہار ہے۔ عبادت کی یہ ساری صورتیں اور قسمیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ نماز کے بعد دوسرا اہم فریضہ زکوٰۃ ہے، جس میں عبادتی پہلو کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ زکوٰۃ سے معاشرے کے اور زکوٰۃ دینے والے کے قبیلے کے ضرورت مند، مفلس و نادر اور معدور و محتاج لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی شہادت کے بعد ان ہی دو چیزوں کو نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں" صحیح بخاری۔ کتاب الإیمان۔ باب فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ، مسلم، کتاب الإیمان، باب الْأُمْرِ بِعَالَ النَّاسِ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کا قول ہے۔ وَمَنْ لَمْ يَزِكْ فَلَا صَلَاةَ لَهُ (حوالہ مذکورہ) "جس نے زکوٰۃ نہیں دی، اس کی نماز بھی نہیں"۔

اگر یہ لوگ عمد و بیان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سردار ان کفر سے بھڑجاو۔ ان کی قسمیں^(۱) کوئی چیز نہیں، ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں۔^(۲)

تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے کیوں تیار نہیں ہوتے^(۲) جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کی فکر میں ہیں^(۳) اور خود ہی اول بار انہوں نے تم سے چھیڑ کی ہے۔^(۴) کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا ذر رکھو بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔^(۵)

ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں

وَإِنْ تَكْثُرُ أَيْمَانَهُمْ فَإِنْ يَعْدُ عَهْدَهُمْ
وَطَعْنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوهُمْ أَيْمَنَةَ الْكُفَّارِ
إِنَّهُمْ لَا إِيمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَتَّهَمُونَ^(۶)

الآتُقَاتُلُونَ قَوْمًا نَكْثُرُ أَيْمَانَهُمْ وَمَنْتُوا
بِلَا حِرَاجٍ الرَّسُولُ وَهُمْ بَدَأُوا كُلُّ مَرَّةٍ
أَتَخْشُوْهُمْ فَاللَّهُ أَحْقَى أَنْ تَخْشُوهُ إِنَّ اللَّهَ مُوْلَى مُؤْمِنِينَ^(۷)

فَاتُلُوهُمْ يُعَذَّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيهِمْ وَبِجُنُاحِهِمْ وَبِنُصُورِهِمْ عَلَيْهِمْ

(۱) اینماں، بینین کی جمع ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں۔ ائمہ، امام کی جمع ہے۔ مراد پیشووا اور لیڈر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ عمد توڑ دیں، اور دین میں طعن کریں، تو ظاہری طور پر یہ قسمیں بھی کھائیں تو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ کفر کے ان پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ ممکن ہے اس طرح اپنے کفر سے یہ باز آ جائیں۔ اس سے احتلاف نے استدلال کیا ہے کہ ذی (اسلامی) مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم، اگر تنقض عمد نہیں کرتا۔ البتہ دین اسلام میں طعن کرتا ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن نے اس سے قتال کے لیے دو چیزیں ذکر کی ہیں، اس لیے جب تک دونوں چیزوں کا صدور نہیں ہو گا، وہ قتال کا مستحق نہیں ہو گا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی اور دیگر علماء طعن فی الدین کو تنقض عمد بھی قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک اس میں دونوں ہی چیزیں آجائی ہیں، لہذا اس ذی کا قتل جائز ہے، اسی طرح تنقض عمد کی صورت میں بھی قتل جائز ہے۔ (فتح القدری)

(۲) الاحرف تحضیف ہے، جس سے رغبت دلائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دے رہا ہے۔

(۳) اس سے مراد دارالنحوہ کی وہ مشاورت ہے جس میں روئائے کہنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلاوطن کرنے، قید کرنے یا قتل کرنے کی تجویزوں پر غور کیا۔

(۴) اس سے مراد یا تو بدر کی جنگ میں مشرکین کہہ کارویہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے گئے۔ لیکن اس کے باوجود کہ انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ قافلہ نجک کر نکل گیا ہے، وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کرتے اور چھیڑ خالی کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بالآخر جنگ ہو کر رہی۔ یا اس سے مراد قبیلہ بنی بکر کی وہ امداد ہے جو قریش نے ان کی کی، جب کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علیف قبیلے خزاد پر چڑھائی کی تھی دراں حایکہ قریش کی یہ امداد معابدے کی خلاف ورزی تھی۔

عذاب دے گا، انہیں ذلیل و رسو اکرے گا، تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے لیے بھنڈے کرے گا۔^(۱۳) اور ان کے دل کاغم و غصہ دور کرے گا^(۱۴) اور وہ جس کی طرف چاہتا ہے رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ اللہ جانتا ہے۔ اللہ جانتا ہے۔^(۱۵)

کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے^(۱۶) حالانکہ اب تک اللہ نے تم میں سے انہیں ممتاز نہیں کیا جو مجاهد ہیں^(۱۷) اور جنوں نے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور موننوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔^(۱۸) اللہ خوب خبردار ہے جو تم کر رہے ہو۔^(۱۹)

لائق نہیں کہ مشرک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ در آں حائیکہ وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں،^(۲۰) ان

وَيَشْفُ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝

وَيُدْهِنُ عَيْنَ طَافُلُوْجُمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

أَمْ حَبَّبْتُمْ أَن تُرْكُوا وَلَمَّا يَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ جَهَدُوا مِنْهُمْ وَلَمْ يَسْخَدُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا سُوْلِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلَيَنْجُهُ اللَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ إِنْ يَعْمَلُوا مِسْجِدَ اللَّهِ شَهِيدِينَ عَلَىٰ

(۱) یعنی جب مسلمان کمزور تھے تو یہ مشرکین ان پر ظلم و ستم کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے بڑے دکھی اور مجروح تھے۔ جب تمہارے ہاتھوں وہ قتل ہوں گے اور ذلت و رسوانی ان کے حصے میں آئے گی تو فطری بات ہے کہ اس سے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے بھنڈے اور دلوں کا غصہ فرو ہو گا۔

(۲) یعنی بغیر امتحان اور آزمائش کے۔

(۳) گویا جہاد کے زریعے امتحان لیا گیا۔

(۲۱) وَلَيَنْجُهُ گھرے اور دلی دوست کو کہتے ہیں مسلمانوں کو چونکہ 'اللہ' اور رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے اور دوستانہ تعلقات رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا، لذای بھی آزمائش کا ایک ذریعہ تھا، جس سے مخلص موننوں کو دوسروں سے ممتاز کیا گیا۔

(۲۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے ہی ہر چیز کا علم ہے۔ لیکن جہاد کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مخلص اور غیر مخلص، فرماں بردار اور نافرمان بندے نہیاں ہو کر سامنے آجائے ہیں، جنہیں ہر شخص دیکھے اور پہچان لیتا ہے۔

(۲۳) مَسَاجِدُ اللَّهِ سے مراد مسجد حرام ہے۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ و مرکز ہے یا عربوں میں واحد کے لیے بھی جمع کا استعمال جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (یعنی مسجد حرام) کو تعمیر یا آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر و شرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ جیسے وہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے لَيَئِنَكَ الْأَشْرِيكَ لَكَ، إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ (صحیح مسلم۔ باب التلبیۃ) یا اس سے مراد وہ

کے اعمال غارت و اکارت ہیں، اور وہ دائمی طور پر جنمی
ہیں۔ ^(۱) ^(۲)

اللہ کی مسجدوں کی رونق و آبادی تو ان کے حصے میں ہے جو
اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نمازوں کے
پابند ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے
ہوں، توقع ہے کہ یہ لوگ یقیناً ہدایت یافتے ہیں۔ ^(۳) ^(۴)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا رینا اور مسجد حرام کی خدمت
کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن
پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ اللہ کے
زدویک برابر کے نہیں ^(۵) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت

أَنْفِسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَئِكَ حَيَطَّعُتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ
خَلِدُونَ ^(۶)

إِنَّمَا يَعْمَلُ مسجِدَ اللَّهِ مَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَأَنَّ الرِّزْكَوْةَ وَلَمْ يَنْهَى إِلَّا لِلَّهِ فَعَلَىٰ أُولَئِكَ أَنْ
يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ^(۷)

أَجَعَلْنُّ سِقَايَةَ الْحَاجَةِ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كُلَّهُ
أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللَّهِ وَلَهُ لَا يَهْتَدِي الْقَوْمُ
الظَّلِيمُونَ ^(۸)

اعتراف ہے جو ہر مدھب والا کرتا ہے کہ میں یہودی، نصرانی، صابی یا مشرک ہوں (فتح القدير)

(۱) یعنی ان کے وہ عمل جو بظاہر نیک لگتے ہیں، جیسے طواف و عمرہ اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ کیونکہ ایمان کے بغیر یہ اعمال ایسے درخت کی طرح ہیں جو بے شریں یا ان پھولوں کی طرح ہیں جن میں خوبشو نہیں ہے۔

(۲) جس طرح حدیث میں بھی ہے، ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِذَا أَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ، فَأَشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ“ (ترمذی، تفسیر سورۃ الشویبة) ”جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد میں پابندی سے آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔“ قرآن کریم میں یہاں بھی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نماز، زکوٰۃ اور خشیت اللہ ہے۔ جس سے نماز، زکوٰۃ اور تقویٰ کی اہمیت واضح ہے۔

(۳) مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے، اس پر انہیں بڑا فخر تھا اور اس کے مقابلے میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم سقایت حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یا وہ رکھو! اللہ کے زدویک یہ برابر نہیں۔ بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں، چاہے وہ صورۃ خیر ہی ہو۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت کے جملے ﴿ حَيَطَّعُتْ أَعْمَالُهُمْ ﴾ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ بعض روایت میں اس کا سبب نزول مسلمانوں کی آپس میں ایک گفتگو کو بتالیا گیا ہے کہ ایک روز منبر نبوی کے قریب کچھ مسلمان جمع تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد میرے زدویک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا، مسجد حرام کو آباد کرنا ہے۔ تیسرا نے کہا، بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ان تمام عملوں سے بہتر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب انہیں اس طرح باہم تکرار کرتے ہوئے سناتا تو انہیں ڈائٹا اور فرمایا کہ منبر رسول ﷺ کے پاس آوازیں اوپھی مت کرو۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ راوی حدیث حضرت نعمان بن بشیرؓ بن الشیبؓ کہتے ہیں کہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی

نہیں دیتا۔^(۱۹)

جو لوگ ایمان لائے، هجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جماد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبے والے ہیں، اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔^(۲۰)
انھیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور جنتوں کی، ان کے لیے وہاں دوامی نعمت ہے۔^(۲۱)

وہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑے ثواب ہیں۔^(۲۲)

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گنگار

آلَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعَظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ وَأُولَئِكَ
هُمُ الْفَلَقَارُونَ^(۲۳)

يَبْشِرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَلَّتْ لَهُ حِفْظُهَا
نَعِيمٌ مُّقِيمٌ^(۲۴)

خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ^(۲۵)

إِنَّمَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَنْهَانُو إِلَيْهِمْ كُمْ وَإِخْوَانَكُمْ
أَوْ لِيَمَّا إِنَّمَا اسْتَحْبَطُ الْكُفَّارَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ
قَاتِلُكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ^(۲۶)

اس گفتگو کی بابت استفسار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الإمارۃ، باب فضل الشہادة فی سبیل اللہ) جس میں گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ، سب سے زیادہ اہمیت و فضیلت والے عمل ہیں۔ گفتگو کے حوالے سے اصل اہمیت و فضیلت تو جہاد کی بیان کرنی تھی لیکن ایمان باللہ کے بغیر چونکہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں، اس لیے پہلے اسے بیان کیا گیا۔ بہر حال اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ دوسرا یہ معلوم ہوا کہ اس کا سبب نزول مشرکین کے مزعومات فاسدہ کے علاوہ خود مسلمانوں کا بھی اپنے اپنے طور پر بعض عملوں کو بعض پر زیادہ اہمیت دیتا تھا، جب کہ یہ کام شارع کا ہے نہ کہ مومنوں کا۔ مومنوں کا کام تو ہر اس بات پر عمل کرنا ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے انسیں بتالی جائے۔

(۱) یعنی یہ لوگ چاہے کیسے بھی دعوے کریں، حقیقت میں ظالم ہیں یعنی مشرک ہیں، اس لیے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس ظلم کی وجہ سے یہ ہدایت اللہ سے محروم ہیں۔ اس لیے ان کا اور مسلمانوں کا، جو ہدایت اللہ سے بھروسہ ہیں، آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

(۲) ان آیات میں ان اہل ایمان کی فضیلت بیان کی گئی جنوں نے هجرت کی اور اپنی جان مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ فرمایا۔ اللہ کے ہاں انسی کا درج سب سے بلند ہے اور یہی کامیاب ہیں، یہی اللہ کی رحمت و رضامندی اور دامغی نعمتوں کے مستحق ہیں نہ کہ وہ جو خود اپنے منہ میاں مشحوب نہ ہے اور اپنے آبائی طور طریقوں کو ہی ایمان باللہ کے مقابلے میں عزیز رکھتے ہیں۔

ظالم ہے۔^(۱)

آپ کہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بڑے کے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حولیاں جنمیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جماد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب لے آئے۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۲)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے بت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ

فُلُونَ كَانُوا إِلَيْهِمْ وَآهَنَا إِلَيْهِمْ وَإِخْوَانَكُمْ وَأَذْوَاجُكُمْ
وَعِشْرِينَ ثُلُثَةَ وَأَمْوَالٍ مُّاقِرَّرَ قِنْوَهَا وَتِجَارَةً تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسِكَنُ تَرْفَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ الْأَنْهَى
وَرَسُولُهُ وَجَهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَنَّ اللَّهُ
بِأَشْرِقَهُ وَاللَّهُ لَا يَهُدِي الْقَوْمَ الْفَسِيقِينَ^(۳)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنٍ كَثِيرَةٍ فِيَوْمَ
حُسْنِيْنِ إِذَا عَجَبْتُمُ كُنْتُمْ فَلَمَّا تَفَعَّنْتُمْ
شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ إِنَّمَا رَحْبَتْ تُمَّ

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو۔ سورۃ آل عمران آیت ۲۸-۲۸۔ سورۃ المائدۃ آیت ۱۵ اور سورۃ المجادلۃ ۲۲) یہاں جما و بھرت کے موضوع کے ضمن میں (چونکہ اس کی اہمیت واضح ہے اس لیے) اسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے یعنی جما و بھرت میں تمہارے لیے تمہارے باپوں اور بھائیوں وغیرہ کی محبت آڑے نہ آئے، کیونکہ اگر وہ ابھی تک کافر ہیں، تو پھر وہ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے؛ بلکہ وہ تو تمہارے دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے محبت کا تعلق رکھو گے تو یاد رکھو تم ظالم قرار پاؤ گے۔

(۲) اس آیت میں بھی اس مضمون مسبق کو بڑے مؤکد انداز میں بیان کیا گیا ہے عشیرۃ اسم جمع ہے، وہ قریب ترین رشتے دار جن کے ساتھ آدمی زندگی کے شب و روز گزارتا ہے، یعنی کنبہ، قبیلہ۔ اقراف، کسب (کمالی) کے معنی کے لیے آتا ہے۔ تجارت، سودے کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں جس سے مقصد نفع کا حصول ہو۔ کساد، مندے کو کہتے ہیں یعنی سامان فروخت موجود ہو لیکن خریدار نہ ہوں یا اس چیز کا وقت گزر چکا ہو، جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے۔ دونوں صورتیں مندے کی ہیں۔ مساکن سے مراد وہ گھر ہیں جنمیں انسان موسم کے شدائی و حادث سے بچنے، آبر و مندانہ طریقے سے رہنے سننے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے تعمیر کرتا ہے، یہ ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں اور ان کی اہمیت و افادیت بھی ناگزیر اور قلوب انسانی میں ان سب کی محبت بھی طبعی ہے (جو نہ موم نہیں) لیکن اگر ان کی محبت اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اور اللہ کی راہ میں جما و کرنے میں مانع ہو جائے تو یہ بات اللہ کو سخت ناپسندیدہ اور اس کی ناراضی کا باعث ہے۔ اور یہ وہ فرق (نا فرمائی) ہے جس سے انسان اللہ کی ہدایت سے محروم ہو۔

وَلَمْ يَعْلَمُ مُدْبِرِينَ ۝

دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر جنگ ہو گئی پھر تم
پیچھے پھیر کر مڑ گئے۔ (۲۵)

پھر اللہ نے اپنی طرف کی تسلیم اپنے نبی پر اور
مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھے
نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ ان کفار
کا یہی بدله تھا۔ (۲۶)

پھر اس کے بعد بھی جس پر چاہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی
توجه فرمائے گا^(۱) اللہ ہی بخشش و میراثی کرنے والا ہے۔ (۲۷)

نَفَرَ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَأَنْزَلَ جُنُودَ الْمُرْتَهِّلَةِ وَعَذَابَ الظَّالِمِينَ كَفَرُوا
وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكُفَّارِ ۝

ثُقَيْتُُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ
غَفُورٌ لِّجِنَّمِ ۝

سکتا ہے۔ جس طرح کہ آخری الفاظ تهدید سے واضح ہے۔ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مضمون کو
وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر حضرت عمر بن حین نے کہا: ”یا رسول اللہ! مجھے آپ اپنے نفس کے سوا، ہر
چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تک میں اس کے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں،
اس وقت تک وہ مومن نہیں۔“ حضرت عمر بن حین نے کہا ”پس واللہ! اب آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب
ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے عمر! اب تم مومن ہو۔“ اصحاب بخاری۔ کتاب الایمان والندور۔ باب کیف
کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک دوسری روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قسم ہے اس
ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں، جب تک میں اس کو، اس
کے والد سے، اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ، محبوب نہ ہو جاؤں۔“ اصحاب بخاری۔ کتاب الایمان۔
باب حب الرسول ﷺ من الإيمان۔ مسلم کتاب الإيمان، باب بیان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة
الإيمان، ایک اور حدیث میں جمار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ”جب تم بینع عینۃ (کسی کو مدعا میعدہ کے لیے چیز
ادھار دے کر، پھر اس سے کم قیمت پر خرید لینا) اختیار کر لو گے اور گاہیوں کی دیں پکڑ کر کھٹی باڑی پر راضی و قانع ہو جاؤ
گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط فرمادے گا جس سے تم اس وقت تک نہ نکل سکو گے،
جب تک اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب النہی عن العینۃ۔ مسند احمد،
جلد ۲، ص ۳۲)

(۱) حین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں ہوازن اور تنقیف رہتے تھے، یہ دونوں قبیلے تیراندازی میں
مشور تھے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے تھے جس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ
ہزار کا لشکر لے کر ان قبیلوں سے جنگ کے لیے حین تشریف لے گئے، یہ فتح مکہ کے ۱۸، ۱۹ دجن بعد، شوال کا واقعہ ہے۔
ذکورہ قبیلوں نے بھرپور تیاری کر رکھی تھی اور مختلف کمین گاہوں میں تیراندازوں کو مقرر کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں میں

اے ایمان والو! بے شک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں^(۱) وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ چھلنے پائیں^(۲) اگر تمیں مغلی کا خوف ہے تو اللہ تمیں دولت مند کر دے گا اپنے فضل سے اگر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنُوا إِنَّمَا النُّشُرُ كُوْنَ بِجَسْ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَلِمْهُ هَذَا وَإِنْ خَفِّمْ عَلِيْلَهُ
فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللَّهُ مِنْ فَصِيلَهُ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيْلُو حَكِيمٌ^(۳)

یہ عجب پیدا ہو گیا کہ آج کم از کم قلت کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہوں گے۔ یعنی اللہ کی مدد کے بجائے، اپنی کثرت تعداد پر اعتاد زیادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عجب اور یہ کلمہ پسند نہیں آیا۔ نتیجتاً جب ہوازن کے تیر اندازوں نے مختلف کمین گاہوں سے مسلمانوں کے لشکر پر یک بارگی تیر اندازی کی تو اس غیر متوقع اور اچانک تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سوکے قریب مسلمان رہ گئے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو پیکار رہے تھے ”اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں“ کبھی یہ رجزیہ کلمہ پڑھتے اتنا النبیٰ لا کذب - اتنا ابنُ عبدالمطلب پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو (جو نمایت بلند آواز تھے) حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے آواز دیں۔ چنانچہ ان کی ندان کر مسلمان سخت پیشان ہوئے اور دوبارہ میدان میں آگئے اور پھر اس طرح جم کر لائے کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کی بھی مدد پھر اس طرح حاصل ہوئی کہ ایک تو ان پر سکینت نازل فرمائی گئی، جس سے ان کے دلوں سے دشمن کا خوف دور ہو گیا۔ دوسرے، فرشتوں کا نزول ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے چھ ہزار کافروں کو قیدی بنایا (جنہیں بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر چھوڑ دیا گیا) اور بہت سامال غنیمت حاصل ہوا۔ جنگ کے بعد ان کے بہت سے سردار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہاں ۳ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا مختصر آزاد کر فرمایا ہے۔

(۱) مشرک کے بخس (پلید، ناپاک) ہونے کا مطلب، عقائد و اعمال کے لحاظ سے ناپاک ہونا ہے۔ بعض کے نزدیک مشرک ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہے۔ کیونکہ وہ طمارت (صفائی و پاکیزگی) کا اس طرح اہتمام نہیں کرتا، جس کا حکم شریعت نے دیا ہے۔

(۲) یہ وہی حکم ہے جو سن ۹ ہجری میں اعلان براءت کے ساتھ کیا گیا تھا، جس کی تفصیل پسلے گزر چکی ہے یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے۔ ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثماںہ بن اثمال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد، پورا حرم ہے۔ یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ منوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنی کیا گیا ہے اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اپنے دور حکومت میں یہود و نصاریٰ کو بھی مسلمانوں کی مسجدوں میں داخلے سے ممانعت کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (ابن کثیر)

چاہے^(۱) اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (۲۸)

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ (۲۹)

یہود کستہ ہیں عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کستہ ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔ (۳۰)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے^(۳۱) اور مریم کے بیٹے مسیح کو حلال نہ

قَاتِلُوا الَّذِينَ آتَوْا إِيمَانَ بِاللَّهِ وَلَا يَأْتِيُونَ بِالْأَخْرَى
وَلَا يُحِرِّمُونَ مَا حَرَمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ
بِدِينِ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعَطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَدِهِمْ وَهُمْ ضَفَرُونَ^(۱)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عَزِيزُ رَبِّنَا اللَّهُ وَقَالَتِ التَّصْرِي
الْمُسِيْحُ ابْنُ اللَّهِ وَذَلِكَ قَوْلُهُمْ يَا أَفْوَاهُمْ
يُضَاهِئُونَ كَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
قَبْلٍ فَاتَّلَمُّ اللَّهُ أَعْلَمُ يُؤْفَلُونَ^(۲)

إِنَّهُدُوا أَحْبَارَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ
دُونِ اللَّهِ وَالْمُسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَمَا أَصْرَفَهُ^(۳)

(۱) مشرکین کی ممافعت سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی ہے، یہ متاثر ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس مغلی (یعنی کاروبار کی کمی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا چنانچہ فتوحات کی وجہ سے کثرت سے مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا اور پھرہ بہ تدریج سارا عرب بھی مسلمان ہو گیا اور حج کے موسم میں حاجیوں کی ریل چیل پھرایی طرح ہو گئی جس طرح پہلے تھی بلکہ اس سے کمیں زیادہ ہو گئی اور جو مسلسل روز افزول ہی ہے۔

(۲) مشرکین سے قتال عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جا رہا ہے (اگر وہ اسلام نہ قبول کریں) یا پھر وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں۔ جزیہ، ایک معین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں۔ اس کے بدله میں ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمے داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔ یہود و نصاریٰ باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، ان کی بابت کہا گیا کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اس سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان جب تک اللہ پر اس طرح ایمان نہ رکھے جس طرح اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بتایا ہے، اس وقت تک اس کا ایمان باللہ قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ ان کے ایمان باللہ کو غیر معتبر اس لیے قرار دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیز و حضرت مسیح ملیما السلام کی ابنت (یعنی بینا ہونے کا) اور الوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا تھا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے۔

(۳) اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم بن بشیر کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی

انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبد نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔^(۳۱)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھاویں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں۔^(۳۲)

اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے^(۳۳)

إِلَّا مَيَعْبُدُ إِلَهًا وَاحِدًا، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ.
سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشَرِّكُونَ^(۳۴)

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفَئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْتُ
اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُثْقِلَ نُورَهُ وَلَوْكِرَةُ الْكُفَّارُونَ^(۳۵)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الَّذِينَ كُفِّرُهُ وَلَوْكِرَةُ الْمُشَرِّكُونَ^(۳۶)

اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علمائی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ، انہوں نے ان کو رب بنا لیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”یہ تھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی۔ لیکن یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علمائے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا، اس کو حرام ہی سمجھا۔ یہی ان کی عبادت کرتا ہے۔“ (صحیح ترمذی۔ لالبانی۔ نمبر ۲۲۸۱)

کیونکہ حرام و حلال کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنفسیہ ہے جنہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں کو تحلیل و تحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن و حدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

(۱) یعنی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، یہود و نصاریٰ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جدال و افتراء سے مٹاویں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو یا چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھادے۔ پس! جس طرح یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کا مٹانا بھی ناممکن ہے۔ وہ تمام دنیوں پر غالب آکر رہے گا۔ جیسا کہ اگلے جملے میں اللہ نے فرمایا۔ کافر کے لغوی معنی ہیں چھپانے والا اسی لیے رات کو بھی ”کافر“ کہا جاتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اندر ہیروں میں چھپا لیتی ہے۔ کاشت کار کو بھی ”کافر“ کہتے ہیں کیونکہ وہ غلے کے دنوں کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ گویا کافر بھی اللہ کے نور کو چھپانا چاہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کفر و نفاق اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض و عناد چھپائے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔

(۲) دلائل و برائین کے لحاظ سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے۔ تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انہیں دنیوی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اور اب بھی مسلمان اگر اپنے دین کے عامل بن جائیں تو ان کا غلبہ یقینی ہے، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب و فاتح ہو گا۔ شرط یہی ہے کہ مسلمان حزب اللہ بن جائیں۔

اگرچہ مشرک بر امامیں۔ (۳۳)

اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں^(۱) اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔ (۳۴)

جس دن اس خزانے کو آتشِ روزخ میں پایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیشیں داغی جائیں گی (ان سے کما جائے گا) یہ ہے تھے تم نے اپنے لیے خزانہ بنانے کا رکھا تھا۔ پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔ (۳۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانَ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصْدُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْرِزُونَ إِلَى هَبَّ وَالْفَضَّةَ وَلَا يُنْفِعُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرُهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

يَوْمَ يُحْمَى عَيْنَاهَا فِي نَارٍ جَهَنَّمَ فَتَكُونُى بِهَا جَاهَهُهُمْ وَجَنُوبُهُمْ وَظَهُورُهُمْ هُنَّ أَمَانَتُرُّهُمْ لَا نَفِسٌ كُمْ فَذُو وَقْوَى فَالْكُنُثُ لَكَرِزُونَ (۴۰)

(۱) اخبار، حبڑ کی جمع ہے۔ یہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقے سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو۔ خوبصورت اور منقول کپڑے کو ثوبتِ محبہ کہا جاتا ہے مراد علمائے یہود ہیں۔ رہبان راہب کی جمع ہے جو رہبنت سے مشتق ہے۔ اس سے مراد علمائے نصاری ہیں بعض کے نزدیک یہ صوفیائے نصاری ہیں۔ علمائے لیے ان کے ہاں قسینین کا لفظ ہے۔ یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحريف و تغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں دوسرے اس طرح لوگوں سے مال ایشیتے، جوان کے لیے باطل اور حرام تھا۔ بدقتی سے بہت سے علمائے مسلمین کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا مصدقہ ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا، لَتَبَعُّنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اصْحَيْ بخاری کتاب الاعتصام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان باب کاعنوان ہے) ”تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پروردی کرو گے“۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کا حکم ہے۔ زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے کے بعد زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ نے مال کی طمارت کا ذریعہ بنادیا ہے۔ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں ہے اور جس مال سے زکوٰۃ ادا شہ کی جائے وہ کنز (خزانہ) ہے جس پر یہ قرآنی وعدہ ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ”جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا قیامت والے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنادیا جائے گا، جس سے اس کے دونوں پہلوؤں کو پیشانی کو اور کمر کو داغا جائے گا۔ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہو گا اور لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک اس کا یہی حال رہے گا اس کے بعد جنت یا جہنم میں اسے لے جایا جائے گا (صحیح مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ، باب إِنَّمَا مَانِع الزِّكُوٰۃِ) یہ بگڑے ہوئے علماء اور صوفیا کے بعد بگڑے ہوئے اہل سرمایہ ہیں تینوں طبقے عوام کے بگاڑیں سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ «اللَّهُمَّ اخْفِظْنَا مِنْهُمْ»۔

میمنوں کی گفتگی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت و ادب کے ہیں۔^(۱) یہی درست دن ہے،^(۲) تم ان میمنوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو^(۳) اور تم تمام مشرکوں سے جماد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں^(۴) اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقيوں کے ساتھ ہے۔^(۵)

میمنوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے^(۶) اس سے

إِنْ عِدَّةَ الشَّهُورُ عِنْدَ اللَّهِ أَثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي
كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا
أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيْمُونَ فَلَا تَظْلِمُوا
فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا
يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ النَّصِيقِينَ^(۷)
إِنَّمَا الظَّنِّيْنُ زِيَادَةً فِي الْكُفَّرِ يُضَلُّ بِهِ الظَّاهِرُونَ

(۱) فی کتاب اللہ سے مراد لوح حفوظ یعنی تقدیر الہی ہے۔ یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ میمنے مقرر فرمائے ہیں، جن میں چار حرمت والے ہیں جن میں قیال و جدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔ اسی بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ”زمانہ گھوم گھما کر پھرا سی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی۔ سال بارہ میمنوں کا ہے، جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے درپے۔ زوال القعدہ، زوال الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر، جو جمادی الآخری اور شعبان کے درمیان ہے“ (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر، سورۃ توبۃ و صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب تغليظ تحريم الدماء...) زمانہ اسی حالت پر آگیا ہے کام مطلب، مشرکین عرب میمنوں میں جو تاخیر و تقدیم کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اس کا خاتمه ہے۔

(۲) یعنی ان میمنوں کا اسی ترتیب سے ہوتا جو اللہ نے رکھی ہے اور جن میں چار حرمت والے ہیں۔ اور یہی حساب صحیح اور عدد مکمل ہے۔

(۳) یعنی ان حرمت والے میمنوں میں قیال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے۔

(۴) لیکن حرمت والے میمنے گزرنے کے بعد الایہ کہ وہ لڑنے پر مجبور کر دیں، پھر حرمت والے میمنوں میں بھی تمہارے لیے لڑنا جائز ہو گا۔

(۵) نَسِيْنِیْءُ کے معنی، پیچھے کرنے کے ہیں۔ عربوں میں بھی حرمت والے میمنوں میں قیال و جدال اور لوٹ مار کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسلسل تین میمنے، ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، قتل و غارت سے اجتناب، ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس لیے اس کا حل انہوں نے یہ نکال رکھا تھا کہ جس حرمت والے میمنے میں وہ قتل و غارت گری کرنا چاہتے، اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں میمنے حرمت والا ہو گا۔ مثلاً محروم کے میمنے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا ممینہ قرار دے دیتے، اس طرح حرمت والے میمنوں میں وہ تقدیم و تاخیر اور ادل بدل کرتے رہتے تھے۔ اس کو نَسِيْنِیْءُ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ کفر میں زیادتی ہے کیونکہ اس ادل بدل

وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں، کہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں^(۱) پھر اسے حلال بنا لیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے انہیں ان کے برے کام بھلے دکھا دیئے گئے ہیں اور قوم کفار کی اللہ رہنمائی نہیں فرماتا۔ (۳۷)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین سے لگے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگانی پر ہی رنجھ گئے ہو۔ سنو! دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں کچھ یوں نہیں ہے۔ (۳۸)

اگر تم نے کوچ نہ کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دروناک سزا دے گا اور تمہارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا، تم اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے^(۲) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳۹)

يُحِلُّونَهَا عَامًا وَيُحِمِّلُونَهَا عَامًا لِيُوَاطِّنُوا عَدَدًا مَاحِمَّرَهُ
اللَّهُ فَيُجْلِّوُ مَا حَرَمَ اللَّهُ زِينَ لَهُمْ سُوءٌ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ
لَا يَهِدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۷﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا الْكُفُّرُ إِذَا قُبِضُوا فِي سَيِّئِهِ
اللَّهُ أَنَّا أَقْلَمُهُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضِيهِمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنْ
الْآخِرَةِ فَمَا تَأْمُلُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۸﴾

إِلَّا تُنْفِرُوا إِعْدَادًا كُمْ عَدَادًا إِلَيْهَا وَيُسْبِدُنَّ قَوْمًا غَيْرَكُمْ
وَلَا تَنْفِرُوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۹﴾

سے مقصود لڑائی اور دنیاوی مفادات کے حصول کے سوا کچھ نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے خاتمے کا اعلان یہ کہ کفر فرمادیا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت میں آگیا ہے۔ یعنی اب آئندہ مہینوں کی یہ ترتیب اسی طرح رہے گی جس طرح ابتدائے کائنات سے چلی آری ہے۔

(۱) یعنی ایک مہینے کی حرمت تو ۷ کراس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دینے سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینے حرمت والے رکھے ہیں، ان کی گنتی پوری رہے، یعنی گنتی پوری کرنے میں اللہ کی موافقت کرتے تھے لیکن اللہ نے قبال و جبال اور غارت گری سے جو منع کیا تھا، اس کی انہیں کوئی پرواہ تھی، بلکہ انہی خالانہ کارروائیوں کے لیے ہی وہ اول بدل کرتے تھے۔

(۲) روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ شوال سن ۹/ ہجری کا واقعہ ہے۔ موسم سخت گری کا تھا اور سفر بہت لمبا تھا۔ بعض مسلمانوں اور منافقین پر یہ حکم گرا، جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انہیں

اگر تم ان (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انھیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، وہ میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے،^(۱) پس جناب باری نے اپنی طرف سے تسلیم اس پر نازل فرمایا کہ ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں،^(۲) اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند و عزیز تواللہ کا کلمہ ہی ہے،^(۳) اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔^(۴) نکل کھڑے ہو جاؤ ملکے پہلے ہو تو بھی اور بھاری بھر کم ہو

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثُمَّإِنَّ أَنْتَيْنَ إِذْ هُمَّا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ
لَا تَخْرُنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا قَاتَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْنَا
وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرُوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا
الشُّفْلَ وَكَلِمَةُ اللَّهُ هِيَ الْعُلْيَا وَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ^(۵)
إِنْفِرُوا خِنْقاً فَإِذَا لَّا وَجَاهُهُمْ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفِسِكُمْ

ز جرو تو نج کی گئی ہے۔ یہ جنگ تبوک کھلاتی ہے جو حقیقت میں ہوئی نہیں۔ ۲۰ روز مسلمان ملک شام کے قریب تبوک میں رہ کر واپس آگئے۔ اس کو بیش العسرہ کما جاتا ہے کیونکہ اس لبے سفر میں اس لشکر کو کافی دقوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اثَّاقْلُتُمْ، یعنی سستی کرتے اور پیچھے رہنا چاہتے ہو۔ اس کا مظاہرہ بعض لوگوں کی طرف سے ہوا لیکن اس کو منسوب سب کی طرف کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

(۱) جماد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کما جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہی تھی اور اپنے ساتھی (یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا "غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے" اس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں۔ "جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر ان مشرکین نے (جو) ہمارے تعاقب میں ہیں اپنے قدموں پر نظر ڈال تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یا آبا بکر! مَا ظُنِّكَ بِاَثْنَيْنِ اللَّهُ ثَالِثُهُمَا (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ التوبۃ) "اے ابو بکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیر میرا اللہ ہے" یعنی اللہ کی مدد اور اس کی نصرت جن کے شامل حال ہے۔

(۲) یہ مدد کی وہ دو صورتیں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی گئی۔ ایک سکینت، دوسری فرشتوں کی تائید۔

(۳) کافروں کے کلمے سے شرک اور کلمہ اللہ سے توحید مراد ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ ایک شخص بہادری کے جو ہر دکھانے کے لیے لڑتا ہے، ایک قابلی عصیت و حیث میں لڑتا ہے، ایک اور ریا کاری کے لیے لڑتا ہے۔ ان میں سے فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا "جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، وہ فی سبیل اللہ ہے"۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من سائل وهو قائم عالم المجالس او مسلم، کتاب الإمارۃ، باب من قاتل لتكون كلامة الله هي العليا)

تو بھی،^(۱) اور راہ رب میں اپنی مال و جان سے جماد کرو،
یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔^(۲)

اگر جلد وصول ہونے والا مال و اسباب ہوتا^(۳) اور ہلاکا سفر
ہوتا تو یہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے^(۴) لیکن ان پر تودوری
اور دراز کی مشکل پڑی۔ اب تو یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے
کہ اگر ہم میں قوت و طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ
نکلتے، یہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں^(۵)
ان کے جھوٹا ہونے کا سچا علم اللہ کو ہے۔^(۶)

اللہ تجھے معاف فرمادے، تو نے انھیں کیوں اجازت دے
دی؟ بغیر اس کے کہ تیرے سامنے سے لوگ کھل جائیں
اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لے۔^(۷)

فِي سَيِّئِ الْهُدَىٰ لِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

لَوْكَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَا تَجِدُوْكَ
وَلَكِنْ بَعْدَثَ عَلَيْهِمُ الشَّفَةُ وَسَيَحْلِفُونَ يَأْتِيَهُ
لُوْاسْتَطْعُنَا لَغَرْجَنًا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكُنْ بُونَ ۝

عَفَا اللَّهُ عَنْكُمْ لَمَّا آذَنْتُ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمْ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَمْ يَتَعْلَمُ الظَّالِمِينَ ۝

(۱) اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں مثلاً انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر۔ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ غریب ہو یا امیر جوان ہو یا بوجھا۔ پیدا ہو یا سوار۔ عیال دار ہو یا اہل و عیال کے بغیر۔ وہ پیش قدمی کرنے والوں میں سے ہو یا پیچھے لشکر میں شامل۔ امام شوکانی فرماتے ہیں۔ آیت کا حمل تمام معانی پر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ”تم کوچ کرو، چاہے نقل و حرکت تم پر بھاری ہو یا ہلکی“۔ اور اس مفہوم میں مذکورہ تمام مفہوم آجائے ہیں۔

(۲) یہاں سے ان لوگوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جنہوں نے عذر معدۃ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی تھی دراں حالیکہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر نہیں تھا۔ عَرَضٌ سے مراد جو دنیوی منافع سامنے آئیں، مطلب ہے مال نعمت۔

(۳) یعنی آپ ﷺ کے ساتھ شریک جماد ہوتے۔ لیکن سفر کی دوری نے انہیں جیلے تراشنے پر مجبور کر دیا۔

(۴) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر۔ کیونکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ بکیرہ ہے۔

(۵) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کما جا رہا ہے کہ جماد میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والوں کو تو نے کیوں بغیری تحقیق کیے کہ اس کے پاس معقول عذر بھی ہے یا نہیں؟ اجازت دے دی؟ لیکن اس تحقیق میں بھی پیار کا پہلو غالب ہے، اس لیے اس کو تاہی پر معانی کی وضاحت پلے کر دی گئی ہے۔ یاد رہے یہ تنبیہ اس لیے کی گئی ہے کہ اجازت دینے میں عجلت کی گئی اور پورے طور پر تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ورنہ تحقیق کے بعد ضرورت مندوں کو اجازت دینے کی آپ کو اجازت حاصل تھی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے ﴿فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكُمْ لَيَعْصِمُ شَانِعُهُمْ فَأَذِنُ لَهُمْ لَمَّا شَتَّتَ هُنْهُمْ﴾ (السورہ ۶۲) ”جب یہ لوگ تجھ سے اپنے بعض کاموں کی وجہ سے اجازت مانگیں، تو جس کو تو چاہے، اجازت دے دے۔“ جس کو چاہے، ”کامطلب یہ ہے جس کے پاس معقول عذر ہو، اسے اجازت دینے کا حق تجھے حاصل ہے۔

اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جماد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں کریں گے،^(۱) اور اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کو خوب جانتا ہے۔^(۲۴)

یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنہیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ہی سرگردان ہیں۔^(۲۵)

اگر ان کا ارادہ جماد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لیے سامان کی تیاری کر رکھتے^(۲۶) لیکن اللہ کو ان کا انہنا پسند ہی نہ تھا اس لیے انہیں حرکت سے ہی

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
أَنْ يُجَاهِدُوا يَا أَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ
بِالْمُتَقْبِلِينَ ④

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَإِنْ تَأْبِتُ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْجِهِمْ
يَرَدُّونَ ⑤

وَلَوْأَرَادُوا الْخُروجَ لَا عُذُّ وَاللَّهُ عُذَّةٌ وَالْكُنْكُنَةُ
اللَّهُ أَنْشَأَهُمْ فَتَبَطَّهُمْ وَقَيْلَ اقْعُدُوا
مَعَ الْقَعِدِيْنَ ⑥

(۱) یہ مخلص ایمان واروں کا کردار بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کی توقعات یہ ہے کہ وہ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اور بڑھ چڑھ کر جماد میں حصہ لیتے ہیں۔

(۲) یہ ان منافقین کا بیان ہے جنہوں نے جھوٹے حیلے تراش کر رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جماد میں نہ جانے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ ان کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی عدم ایمان نے انہیں جماد سے گریز پر مجبور کیا ہے۔ اگر ایمان ان کے دلوں میں راحخ ہوتا تو نہ جماد سے یہ بھاگتے نہ شکوک و شبمات ان کے دلوں میں پیدا ہوتے۔

لحوظہ: خیال رہے کہ اس جماد میں شرکت کے معاملے میں مسلمانوں کی چار قسمیں تھیں۔
پہلی قسم: وہ مسلمان جو بلا تامل تیار ہو گئے۔ دوسرے، وہ جنہیں ابتداءً تردد ہوا اور ان کے دل ڈولے، لیکن پھر جلد ہی اس تردد سے نکل آئے۔ تیسرا، وہ جو ضعف اور بیماری یا سواری اور سفر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے فی الواقع جانے سے معدور تھے اور جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تھی۔ (ان کا ذکر آیت ۹۱-۹۲ میں ہے) چوتھی قسم، وہ جو محض کالمی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو توبہ اور سزا کے لیے پیش کر دیا۔ ان کے علاوہ باقی منافقین اور ان کے جاسوس تھے۔ یہاں مسلمانوں کے پہلے گروہ اور منافقین کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کی باقی تین قسموں کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

(۳) یہ انہی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے جنہوں نے جھوٹ بول کر اجازت حاصل کی تھی کہ اگر وہ جماد میں جانے کا ارادہ رکھتے تو یقیناً اس کے لیے تیاری کرتے۔

روک دیا^(۱) اور کہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو۔^(۲) (۳۶)

اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لیے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے^(۳) بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑادیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے^(۴) ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں،^(۵) اور اللہ ان طالموں کو خوب جانتا ہے۔^(۶) (۷)

یہ تو اس سے پسلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تمہارے لیے کاموں کو اسٹ پلٹ کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ حق آپنچا اور اللہ کا حکم غالب آگیا^(۶) باوجود یہ کہ وہ ناخوشی میں ہی رہے۔^(۷) (۳۸)

لَوْخَرْجُواۤ فِيۤكُمْ مَاۤنَّاۤدُكُمْ إِلَّاۤخَبَارًاۤ
وَلَاۤ أَوْضَعُواۤ خَلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ
وَفِيۤكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ الْقَلِيلُينَ^(۸)

لَقَدِ ابْتَغُواۤ الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلٍ وَقَلْبُواۤكَ الْأُمُورَ
حَتَّىٰ جَاءَهُ الْحُقْقَىٰ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كُلُّهُمْ^(۹)

رُهُونَ^(۱۰)

(۱) فَبَطَّلُهُمْ کے معنی ہیں انکو روک دیا یعنی، پیچھے رہنا ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا گیا، پس وہ ست ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے (ایسا تفاسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں ان کی شرارتیں اور سازشیں تھیں، اس لیے اللہ کی تقدیری مشیت یہی تھی کہ وہ نہ جائیں۔

(۲) یہ یا تو اسی مشیت اللہ کی تعبیر ہے جو تقدیر اکھی ہوئی تھی۔ یا بطور تاراضی اور غصب کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کما گیا ہے کہ اچھا ٹھیک ہے تم عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کی صفائی میں شامل ہو کر ان کی طرح گھروں میں بیٹھ رہو۔

(۳) یہ منافقین اگر اسلامی شکر کے ساتھ شریک ہوتے تو یہ غلط رائے اور مشورے دے کر مسلمانوں میں انتشار ہی کا باعث بنتے۔

(۴) إِنْصَاعُ کے معنی ہوتے ہیں، اپنی سواری کو تیزی سے دوڑانا۔ مطلب یہ ہے کہ چغل خوری وغیرہ کے ذریعے سے تمہارے اندر فتنہ بپاکرنے میں وہ کوئی وقیفہ فروگراشت نہ کرتے اور فتنے سے مطلب اتحاد کو پارہ کروانا اور ان کے مابین باہمی عداوت و نفرت پیدا کروانا ہے۔

(۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی جاسوسی کرنے والے کچھ لوگ مومنین کے ساتھ بھی شکر میں موجود تھے جو منافقین کو مسلمانوں کی خبر سپھیا کرتے تھے۔

(۶) اسی لیے اس نے گزشتہ اور آئندہ امور کی تھیں اطلاع دے دی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ منافقین جو ساتھ نہیں گئے تو تمہارے حق میں اچھا ہی ہوا، اگر یہ جاتے تو یہ یہ خرابیاں ان کی وجہ سے پیدا ہوتیں۔

(۷) یعنی یہ منافقین تو جب سے آپ مدینہ میں آئے ہیں، آپ کے خلاف فتنے تلاش کرنے اور معاملات کو بگاڑنے میں

ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے مجھے فتنے میں نہ ڈالیے، آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑھکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔^(۴۹)

آپ کو اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں بر الگتا ہے اور کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پسلے سے ہی درست کر لیا تھا، پھر تو بڑے ہی ارتاء ہوئے لوٹتے ہیں۔^(۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کہ کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی وہ ہمارا کار ساز اور مولیٰ ہے۔ مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔^(۵۱)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَذْدَنْ لِي وَلَا نَشَرْتَنِي أَلَا فِي
الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لِمُجِيْطَةٍ يَا الْكَفَرِينَ^(۷)

إِنْ تُصْبِّتَ حَسَنَةً كَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصْبِّتَ مُحْبَبَةً
يَقُولُوا قَدْ أَخْدَنَا إِنَّمَا مِنْ قَبْلِ وَيَقُولُوا وَهُمْ
فَرِحُونَ^(۸)

فُلْ لَنْ يُصِيبَنَا لَا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا
وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَسْتَوْكِلُ الْمُؤْمِنُونَ^(۹)

سرگرم رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بد رہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و غلبہ عطا فرمادیا، جوان کے لیے بہت ہی ناگوار تھا۔ اسی طرح جنگ احمد کے موقع پر بھی ان منافقین نے راستے سے ہی واپس ہو کر مشکلات پیدا کرنے کی اور اس کے بعد بھی ہر موقع پر بگاڑ کی کوششیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مکفی ہو گیا اور اکثر عرب مسلمان ہو گئے جس پر کف حرث و افسوس مل رہے ہیں۔

(۱) ”مجھے فتنے میں نہ ڈالیے“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے تو مجھے بغیر اجازت رکنے پر سخت گناہ ہو گا۔ اس اعتبار سے فتنہ گناہ کے معنی میں ہو گا۔ یعنی مجھے گناہ میں نہ ڈالیے، دوسرا مطلب فتنے کا ہلاکت ہے یعنی مجھے ساتھ لے جا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں کہا جاتا ہے کہ جد بن قیس نے عرض کیا کہ مجھے ساتھ نہ لے جائیں، روم کی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہ کر سکوں گا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ پھیر لیا اور اجازت دے دی۔ بعد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”فتنه میں تو وہ گرچے ہیں“ یعنی جہاد سے پچھے رہنا اور اس سے گریز کرنا، بجائے خود ایک فتنہ اور سخت گناہ کا کام ہے جس میں یہ ملوث ہی ہیں۔ اور مرنے کے بعد جنم ان کو گھیر لینے والی ہے، جس سے فرار کا کوئی راستہ ان کے لیے نہیں ہو گا۔

(۲) سیاق کلام کے اعتبار سے حَسَنَةٌ سے یہاں کامیابی اور غیمت اور سَيْئَةٌ سے ناکامی، نکست اور اسی قسم کے نقصانات جو جنگ میں متوقع ہوتے ہیں، مراد ہیں۔ اس میں ان کے اس خبث بالطفی کا ظہار ہے جو منافقین کے دلوں میں تھا۔ اس لیے کہ مصیبت پر خوش ہونا اور بھلائی حاصل ہونے پر رنج و تکلیف محسوس کرنا، غایت عداوت کی دلیل ہے۔

(۳) یہ منافقین کے جواب میں مسلمانوں کے صبر و ثبات اور حوصلے کے لیے فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کی طرف سے مقدر کام ہر صورت میں ہونا ہے اور جو بھی مصیبت یا بھلائی ہمیں پہنچتی ہے، اسی تقدیری الہی کا حصہ ہے، تو انسان کے لیے مصیبت کا برداشت کرنا آسان اور اس کے حوصلے میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔

کہ دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کر رہے ہو وہ دو بھلائیوں میں سے ایک ہے^(۱) اور تم تھمارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے کوئی سزا تمہیں دے یا ہمارے ہاتھوں سے،^(۲) پس ایک طرف تم منتظر رہو دوسری جانب تھمارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں۔ (۵۲)

کہہ دیجئے کہ تم خوش یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا،^(۳) یقیناً تم فاسق لوگ ہو۔ (۵۳)

کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوانحیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور بڑی کاملی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں۔^(۴) (۵۳)

فُلْ هَلْ شَرِّيْضُونَ بِنَالاَلَا حَدَى الْحُسَنَيْنِ
وَنَعْنُ شَرِّيْضُ بِكَلْمَانَ يُصِيْبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ
قَنْ عَنْدَهُ أَوْ بِأَيْدِيْنَا فَرِّصُوْرَأَنَامَعَكُمْ
مُتَرَّيْضُونَ ④

فُلْ اَنْفَقُوا طُوعًا وَكَرْهًا لَنْ يُتَقْبَلَ مِنْكُمْ اِنْكُمْ لَكُنْتُمْ
وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقُهُمْ اَلَا اَنَّهُمْ كَفَرُوا
بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ اَلَا وَهُمْ
كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ اَلَا وَهُمْ كِرْهُونَ ⑤

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقُهُمْ اَلَا اَنَّهُمْ كَفَرُوا
بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ اَلَا وَهُمْ
كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ اَلَا وَهُمْ كِرْهُونَ ⑥

(۱) یعنی کامیابی یا شہادت، ان دونوں میں سے جو چیز بھی ہمیں حاصل ہو، ہمارے لیے حند (بھلانی) ہے۔

(۲) یعنی ہم تھمارے بارے میں دو برائیوں میں سے ایک برائی کا انتظار کر رہے ہیں کہ یا تو آسمان سے اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یا ہمارے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ تمہیں (قتل کرنے، یا قیدی بننے وغیرہ قسم کی) سزا میں دے۔ وہ دونوں پائقوں پر قادر ہے۔

(۳) اَنْفَقُوا اَمْرَكَا صِيدَهُ - لیکن یہاں یہ یا تو شرط اور جزا کے معنی میں ہے۔ یعنی اگر تم خرچ کرو گے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یا یہ امر بمعنی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں باتیں برابر ہیں، خرچ کرو یا نہ کرو۔ اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تب بھی نامقبول ہے۔ کیونکہ قبولیت کے لیے ایمان شرط اول ہے اور وہی تھمارے اندر مفقود ہے اور ناخوشی سے خرچ کیا ہوا مال، اللہ کے ہاں ویسے ہی مردود ہے، اس لیے کہ وہاں قصد صحیح موجود نہیں ہے جو قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے ﴿إِسْتَغْفِرَ لَهُمْ أَلَا تَتَقْرِبُ لَهُمْ﴾ (الثوبۃ۔ ۸۰) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (یعنی دونوں باتیں برابر ہیں)

(۴) اس میں ان کے صدقات کے عدم قبول کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک ان کا کفر و فتن۔ دوسرا، کاملی سے نماز پڑھنا، اس لیے کہ وہ نماز پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے ترک کی سزا سے انہیں کوئی خوف ہے۔ کیونکہ رجاء و خوف، یہ بھی ایمان کی علامت ہے جس سے یہ محروم ہیں۔ اور تیرا کراہت سے خرچ کرنا۔ اور جس کام میں دل کی رضانہ ہو، وہ قبول کس طرح ہو سکتا ہے؟ بشرطیہ تینوں وجوہات ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک وجہ بھی عمل کی نامقبولیت کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ تینوں وجوہات جمال جمع ہو جائیں تو اس عمل کے مردو دبارگاہ اللہی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

پس آپ کو ان کے مال و اولاد تجھ میں نہ ڈال دیں۔^(۱) اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انھیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے^(۲) اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں۔^(۳) (۵۵)

یہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے لوگ ہیں، حالانکہ وہ دراصل تمہارے نہیں بات صرف اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔^(۴) (۵۶)

اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غاریا کوئی بھی سرگھانے کی جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کر لئے بھاگ چھوٹیں۔^(۵) (۵۷)

ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں،^(۶) اگر انھیں اس میں سے مل

كَلَّا تَعْبُدُكَ أَمْوَالَهُمْ وَلَا أَنْكِدُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَعْلَمَ بَأْنَمْ
بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَرْهِقُ أَنفُسَهُمْ وَهُمْ كُفَّارُونَ ۝

وَيَهْلِكُونَ بِاللَّهِ إِنَّمَا لَهُنَّمُ وَمَا هُمْ بِمِنْكُمْ وَلَكُنْهُمْ قَوْمٌ
يَفْرَقُونَ ۝

لَوْيَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغْرِبٍ أَوْ مُدَخَّلًا لَوْكَ إِلَيْهِ
وَهُمْ يَجْهَوُنَ ۝

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أَعْطَوْهُمْ مِنْهَا
رَضْوًا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوهُمْ بَلَى ذَاهِمُ يَسْعَطُونَ ۝

(۱) اس لیے کہ یہ سب بطور آزمائش ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿ وَلَا تَمْدَدَنَ عَيْنِيكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاكُمْ بِهِ زَرْهَةَ الْحَيَاةِ
الَّذِي نَاهَىٰ إِنْتَنَهُمْ فِيهَا ۚ ﴾ (اطہ۔ ۳۱) ”اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے، تاکہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا۔“ اور فرمایا ﴿ أَيَصِيبُونَ أَنْمَانِنَّهُمْ بِهِ مِنْ ثَالِثٍ وَيَنْهَىٰ * نُكَلِّغُ
لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلَىٰ لَا يَشْعُرُونَ ۚ ﴾ (المؤمنون۔ ۵۶-۵۵) کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں ہم جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔

(۲) امام ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری نے اس سے زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ مراد لیا ہے۔ یعنی ان منافقین سے زکوٰۃ و صدقات تو (جو وہ مسلمان ظاہر کرنے کے لیے دیتے ہیں) دنیا میں قبول کرنے جائیں تاکہ اس طریقے سے ان کو مالی مار بھی دنیا میں دی جائے۔

(۳) تاہم ان کی موت کفر ہی کی حالت میں آئے گی۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے پیغمبر کو صدق دل سے مانے کے لیے تیار نہیں اور اپنے کفر و نفاق پر ہی بدستور قائم و مصروف ہیں۔

(۴) اس ڈر اور خوف کی وجہ سے جھوٹی قسمیں کھا کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم میں سے ہی ہیں۔

(۵) یعنی نمایت تیزی سے دوڑ کر وہ ان پناہ گاہوں میں چلے جائیں، اس لیے کہ تم سے ان کا جتنا کچھ بھی تعلق ہے، وہ محبت و خلوص پر نہیں، ”عناد“ نفرت اور کراہت پر ہے۔

(۶) یہ ان کی ایک اور بہت بڑی کوتاہی کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو (نعواز بالله) صدقات و غنائم کی تقسیم میں غیر منصف باور کرتے، جس طرح ابن ذی الخواصہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ملائیں

جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگز کھڑے ہوئے۔^(۱) (۵۸)

اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی، ہم تو اللہ کی ذات سے ہی توقع رکھنے والے ہیں۔^(۲) (۵۹)

صدقة صرف فقروں^(۳) کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گروں چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضِيُّوا مَا أَتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا
حَسِبْنَا اللَّهَ سَيِّدُنَا اللَّهُ مِنْ قَضِيلِهِ وَرَسُولُهُ
إِنَّا إِلَى اللَّهِ وَغَيْرُهُ مُنَوْهُونَ^(۴)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسِكِينِ وَالْعَمِيلِينَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤْمِنَةِ قُلُوبُهُمْ وَرِفِيْ الرِّقَابِ وَالغَرِيمِينَ وَفِي
سَيِّدِ اللَّهِ وَابْنِ السَّيِّدِ فِيْضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ

ایک مرتبہ تقيیم فرمادی تھے کہ اس نے کہا "النصاف سے کام مجھے!" آپ ﷺ نے فرمایا "افوس ہے تجھ پر، اگر میں ہی النصف نہیں کروں گا تو پھر اور وون کرے گا؟" الحدیث (صحیح بخاری۔ کتاب المناقب، باب علامات النبوة صحیح مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ، باب ذکر الخوارج....)

(۱) گویا اس الزام تراشی کا مقصد محض مالی مفادات کا حصول تھا کہ اس طرح ان سے ڈرتے ہوئے انہیں زیادہ حصہ دیا جائے، یا وہ مستحق ہوں یا نہ ہوں، انہیں حصہ ضرور دیا جائے۔

(۲) اس آیت میں اس طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے صدقات کے مستحق لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ صدقات سے مراد یہاں صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ ہے۔ آیت کا آغاز إِنَّمَا سے کیا گیا ہے جو قصر کے صیغوں میں سے ہے اور الصدقات میں لام تعریف جس کے لیے ہے۔ یعنی صدقات کی یہ جنس (زکوٰۃ) ان آٹھوں قسموں میں مقصود ہے جن کا ذکر آیت میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور مصرف پر زکوٰۃ کی رقم کا استعمال صحیح نہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ان آٹھوں مصارف پر تقيیم کرنا ضروری ہے یا ان میں سے جس مصرف یا مصارف پر امام یا زکوٰۃ ادا کرنے والا، مناسب سمجھے، حسب ضرورت خرچ کر سکتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ پہلی رائے کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام ابو حیفہ وغیرہما دوسری رائے کے۔ اور یہ دوسری رائے ہی زیادہ صحیح ہے۔ امام شافعی کی رائے کی رو سے زکوٰۃ کی رقم آٹھوں مصارف پر خرچ کرنا ضروری ہے، یعنی اقتضاۓ ضرورت اور مصالح دیکھے بغیر رقم کے آٹھوں جگہ پر کچھ کچھ رقم خرچ کی جائے۔ جبکہ دوسری رائے کے مطابق ضرورت اور مصالح کا اعتبار ضروری ہے، جس مصرف پر رقم خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت یا مصالح کسی ایک مصرف پر خرچ کرنے کے مقتضی ہوں، تو وہاں ضرورت اور مصالح کے لحاظ سے زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے گی، چاہے دوسرے مصارف پر خرچ کرنے کے لیے رقم نہ پچے۔ اس رائے میں جو معقولیت ہے، وہ پہلی رائے میں نہیں ہے۔

عَلِيُّوْ حَكِيمُ

راہرو مسافروں کے لیے،^(۱) فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔^(۲)

(۱) ان مصارف ثمانیہ کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱- فقیر اور مسکین چونکہ قریب ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی ہوتا ہے یعنی فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ لیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کی الگ الگ تعریف میں خاص اختلاف ہے۔ تاہم دونوں کے مفہوم میں یہ بات تقطیعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم اور وسائل سے محروم ہوں، ان کو فقیر اور مسکین کہا جاتا ہے۔ مسکین کی تعریف میں ایک حدیث آتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "مسکین وہ گھومنے پھرنے والا نہیں ہے جو ایک ایک یادو دو لقے یا کھجور کے لیے گھر گھر پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے، نہ وہ ایسی مسکنت اپنے اوپر طاری رکھے کہ لوگ غریب اور مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔" (صحیح بخاری و مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ) حدیث میں گویا اصل مسکین شخص مذکور کو قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، وغیرہ سے مسکین کی تعریف یہ منقول ہے کہ جو گدا اگر ہو، گھوم پھر کر اور لوگوں کے چیچے پڑ کر مانگتا ہو۔ اور فقیر وہ ہے جو نادار ہونے کے باوجود سوال سے بچے اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے (ابن کثیر)

۲- عاملین سے مراد حکومت کے وہ اہل کار ہیں جو زکوٰۃ و صدقات کی وصولی و تقسیم اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں۔

۳- مؤلفۃ القلوب، ایک تو وہ کافر ہے جو کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر یہ امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ دوسرے، وہ نو مسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ تیرے، وہ افراد بھی ہیں جن کو امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے اور اس طرح وہ قریب کے کمزور مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صورتیں تالیف قلب کی ہیں جن پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ چاہے مذکورہ افراد مال دار ہی ہوں۔ احتفاظ کے نزدیک یہ مصرف ختم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حالات و ظروف کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔

۴- گرد نیں آزاد کرنے میں۔ بعض علمانے اس سے صرف مکاتب غلام مراد لیے ہیں۔ اور دیگر علمانے مکاتب وغیر مکاتب ہر قسم کے غلام مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

۵- غارمین سے ایک تو وہ مقروض مراد ہیں جو اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے میں لوگوں کے زیر بار ہو گئے اور ان کے پاس نقدر قدم بھی نہیں ہے اور ایسا سامان بھی نہیں ہے جسے بچ کر وہ قرض ادا کر سکیں۔ دوسرے وہ زمہ دار اصحاب ضمانت ہیں جنہوں نے کسی کی ضمانت دی اور پھر وہ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پا گئے، یا کسی کی فعل تباہ یا کاروبار خارے کا شکار ہو گیا اور اس بنیاد پر وہ مقروض ہو گیا۔ ان سب افراد کی زکوٰۃ کی مدد سے امداد کرنا جائز ہے۔

۶- فی سبیل اللہ سے مراد جماد ہے۔ یعنی جنگی سامان و ضروریات اور مجاهد (چاہے وہ مالدار ہی ہو) پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح بعض علماء کے نزدیک تبلیغ و

ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ وہ کان تمارے بھلے کے لیے ہے^(۱) وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہل ایمان ہیں یہ ان کے لیے رحمت ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔^(۲)

محض تمہیں خوش کرنے کے لیے تمہارے سامنے اللہ کی فتنیں کھا جاتے ہیں حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول رضا مند کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔^(۳) کیا یہ نہیں جانتے کہ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لیے یقیناً وزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسولی ہے۔^(۴) منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا گا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں انھیں تلا دے۔ کہہ دیجئے کہ تم مذاق اڑاتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دکب رہے ہو۔^(۵)

اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں نہ بول رہے تھے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ، اس کی آسمیں اور اس کا رسول ہی تمہارے نہیں مذاق

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُنَ النَّبِيُّ وَيَقُولُونَ هُوَذُنْ قُلْ
أَذْنُ حَيْرٍ لَكُمْ بُؤْمُنْ بِاللَّهِ وَبُؤْمُنْ لِلْمُؤْمِنِينَ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ ذِلِّيْنَ امْتَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُنَ
رَسُولُ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۶)

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ
أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ^(۷)

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّهُ
نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْغَرْبُ الْعَظِيمُ^(۸)

يَحْذِرُ الْمُنْفَقِعُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَذِّهُمْ
بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ مُقْلِيلٌ اسْتَهِزَءُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ
مَا تَحْذَرُونَ^(۹)

وَلِئِنْ سَأَلْتُهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كَنَّا نَعْوَضُ وَنَلْعَبُ^(۱۰)
إِنَّ اللَّهَ وَآيَتِهِ وَرَسُولُهُ لَكُنُّنَا سَتَهِزُونَ

دعوت بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیونکہ اس سے بھی مقصد، جہاد کی طرح، اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔

۸۔ آبِن السَّبِیْل سے مراد مسافر ہے۔ یعنی اگر کوئی مسافر، سفر میں مستحق امداد ہو گیا ہے تو چاہے وہ اپنے گھر یا وطن میں صاحب حیثیت ہی ہو، اس کی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے۔

(۱) یہاں سے پھر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک ہرزہ سرائی انہوں نے پہ کی کہ یہ کان کا کچا (بلکا) ہے، مطلب ہے کہ یہ ہر ایک کی بات سن لیتا ہے (یہ گویا آپ ﷺ کے حلم و کرم اور عفو و صفح کی صفت سے ان کو دھوکہ ہوا) اللہ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا پیغمبر شوفساد کی کوئی بات نہیں ستا جو بھی ستتا ہے، تمہارے لیے اس میں خیر اور بھلائی ہے۔

کے لیے رہ گئے ہیں؟^(۱) (۲۵)

تم بھانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے،^(۲) اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگز ربھی کر لیں^(۳) تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی شکنیں سزا بھی دیں گے۔^(۴) (۲۶)

تمام منافق مردو عورت آپس میں ایک ہی ہیں،^(۵) یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں،^(۶) یہ اللہ کو بھول گئے اللہ نے انہیں بھلا دیا۔^(۷) پیشک منافق ہی فاسق و بد کروار ہیں۔ (۲۷)

لَا يَعْتَذِرُ أَفَدَ كَفَرُكُمْ بَعْدَ إِيمَانَكُمْ إِنْ تَعْفُ عَنْ طَالِبَةٍ مَنْكُمْ نَعْذِبُ طَالِبَةً إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝

أَلِّيْنِفِقُونَ وَالْمُنِفِقُونَ بَعْضُهُمُ مِنْ بَعْضٍ مِّيَامُرُونَ بِالْمُنْتَكِرِ وَيَنْهُونَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَنْهِيُونَ أَيْدِيهِمْ مُنْسَاوَاللَّهِ فَسِيَّهُمْ إِنَّ الْمُنِفِقِينَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

(۱) منافقین آیات الہی کاملاً اڑاتے، مومنین کا استہزا کرتے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کرنے سے گریزناہ کرتے جس کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے بعض مسلمانوں کو اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاتی۔ لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں نہیں مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نہیں مذاق کے لیے کیا تمہارے سامنے اللہ اور اس کی آیات اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر مقصد تمہارا آپس میں نہیں مذاق ہی ہو تو اس میں اللہ، اس کی آیات و رسول درمیان میں کیوں آتا۔ یہ یقیناً تمہارے اس خبث اور نفاق کا اظہار ہے جو آیات الہی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمہارے دلوں میں موجود ہے۔

(۲) یعنی تم جو ایمان ظاہر کرتے رہے ہو۔ اللہ اور رسول کے استہزا کے بعد، اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اول تو وہ بھی نفاق پر ہی مبنی تھا۔ تاہم اس کی بدولت ظاہری طور پر مسلمانوں میں تمہارا شمار ہو تو تھا اب اس کی بھی گنجائش ختم ہو گئی ہے۔

(۳) اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے توبہ کر لی اور مخلص مسلمان بن گئے۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور کفر و نفاق پر اڑتے رہے۔ اسی لیے اس عذاب کی علت بھی بیان کردی گئی ہے کہ وہ مجرم تھے۔

(۵) منافقین، جو حلف اٹھا کر مسلمانوں کو باور کرتے تھے کہ "ہم تم ہی میں سے ہیں" اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی، کہ ایمان والوں سے ان کا کیا تعلق؟ البتہ یہ سب منافق، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی ہیں۔ یعنی کفر و نفاق میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ آگے ان کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جو مومنین کی صفات کے بالکل反 اٹھ اور بر عکس ہیں۔

(۶) اس سے مراد بجل ہے۔ یعنی مومن کی صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور منافق کی اس کے بر عکس بجل، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔

(۷) یعنی اللہ تعالیٰ بھی ان سے ایسا معاملہ کرے گا کہ گوا اس نے انہیں بھلا دیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا

اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں یہ ہیشہ رہنے والے ہیں، وہی انھیں کافی ہے ان پر اللہ کی پھٹکار ہے، اور ان ہی کے لیے دامغی عذاب ہے۔ (۲۸)

مثلاً ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے، تم میں سے وہ زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال و اولاد والے تھے پس وہ اپنا دینی حصہ برداشت گئے پھر تم نے بھی اپنا حصہ برداشت لیا (۲۹) جیسے تم سے پہلے کے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جیسے کہ انہوں نے کی تھی۔ (۳۰) ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے۔

یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں (۳۱)

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنِفِقِينَ وَالْمُنِفِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ
خَلِيلِيْنَ فِيهَا هُنَّ حَمِيْدُهُنَّ وَأَعْنَتُهُنَّ اللَّهُ وَلَهُ
عَذَابٌ شَعِيْمٌ ۝

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ فُؤَدًا وَأَكْثَرًا
أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعُوهُ
بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ
وَخُصُّصُمُ الْكَلِّيْنِ خَاصُّوْا أُولَئِكَ حِجَطُتْ أَعْمَالَهُمْ فِي
الْدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

﴿ إِنَّمَا يَنْهَا مَا يَنْهَا لَقَدْ يَوْمَ هُنَّا ﴾ (سورہ الجاثیہ - ۲۲) "آج ہم تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم ہماری ملاقات کے اس دن کو بھولے ہوئے تھے"۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے دنیا میں اللہ کے احکامات کو چھوڑے رکھا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا۔ گویا نیسان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف علم بلاغت کے اصول مشاکلت کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی ذات نیسان سے پاک ہے (فتح القدير)
(۱) یعنی تمہارا حال بھی اعمال اور انجام کے اعتبار سے امم ماضیہ کے کافروں جیسا ہی ہے۔ اب غائب کی بجائے، منافقین سے خطاب کیا جا رہا ہے۔

(۲) خلاق کا دوسرا ترجمہ دنیوی حصہ بھی کیا گیا ہے۔ یعنی تمہاری تقدیر میں دنیا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے، وہ برداشت لو، جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے اپنا حصہ برداشت اور پھر موت یا عذاب سے ہم کنار ہو گئے۔

(۳) یعنی آیات الہی اور اللہ کے پیغمبروں کی مکملیت کے لیے۔ یا دوسرا مفہوم ہے کہ دنیا کے اسباب اور لہو و لعب میں جس طرح وہ مگن رہے، تمہارا بھی یہی حال ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ضرور متابعت کرو گے۔ باشت بہ باشت، ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھے ہوں تو تم بھی ضرور گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا، کیا اس سے آپ کی مراد اہل کتاب ہیں؟ آپ نے فرمایا، اور کون؟" صحیح بخاری، کتاب الاعتصام مسلم، کتاب العلم۔ البتہ ہاتھ بہ ہاتھ (باعاً بیاع) کے الفاظ ان میں نہیں ہیں۔ یہ تفسیر طبری میں منقول ایک اثر میں ہے۔

(۴) اُولئکَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نہ کوہ صفات و عادات کے حامل ہیں، شہین بھی اور مشہہ بہم بھی۔ یعنی جس طرح وہ خاسر

کیا انھیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں، قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور اہل مؤتفکات (الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے) کی،^(۱) ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے،^(۲) اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے اپر ظلم کیا۔^(۳) ^(۴)

مومن مردوں عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مدعاوں اور) دوست ہیں،^(۵) وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں

اللَّهُ يَأْتِيهِمْ بِنَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمٌ نُّوحٌ وَعَادٌ وَثَمُودٌ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالنَّوْتَرِيكَةِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبُشِّرَى فَهَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمُهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنفَسَهُمْ يَظْلِمُونَ^(۶)

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلَيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

و نامدار ہے، تم بھی اسی طرح رہو گے۔ حالانکہ وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس کے باوجود وہ عذاب الٰہی سے نہ پنج سکے تو تم جوان سے ہر لحاظ سے کم ہو، کس طرح اللہ کی گرفت سے پنج سکتے ہو۔

(۱) یہاں ان چھ قوموں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا مسکن ملک شام رہا ہے۔ یہ بلاد عرب کے قریب ہے اور ان کی کچھ باتیں انہوں نے شاید آباد اجداد سے سنی بھی ہوں۔ قوم نوح، جو طوفان میں غرق کر دی گئی۔ قوم عاد، جو قوت و طاقت میں متاز ہونے کے باوجود باد تند سے ہلاک کر دی گئی۔ قوم ثمود، جسے آسمانی چیخ سے ہلاک کیا گیا۔ قوم ابراہیم، جس کے باشاہ نمرود بن کنعان بن کوش کو چھر سے مروا دیا گیا۔ اصحاب مدین (حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم)، جنہیں چیخ، زلزلہ اور بادلوں کے سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ اور اہل مؤتفکات۔ اس سے مراد قوم لوط ہے جن کی بستی کا نام "سدوم" تھا۔ انتفاض کے معنی ہیں انقلاب۔ الٹ پلٹ دینا۔ ان پر ایک تو آسان سے پھر بر سائے گئے۔ دوسرے، ان کی بستی کو اپر اٹھا کر پنج پھینکا گیا۔ جس سے پوری بستی اور پنج ہو گئی اس اعتبار سے انہیں اصحاب مؤتفکات کہا جاتا ہے۔

(۲) ان سب قوموں کے پاس، ان کے پیغمبر، جوان، ہی کی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا، آئے۔ لیکن انہوں نے ان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ بلکہ مخدیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا، جس کا نتیجہ بالآخر عذاب الٰہی کی شکل میں نکلا۔

(۳) یعنی یہ عذاب، ان کے ظلم پر استرار اور دوام کا نتیجہ ہے۔ یوں ہی بلاوجہ عذاب الٰہی کا شکار نہیں ہوئے۔

(۴) منافقین کی صفات نہ مومن کے مقابلے میں مومنین کی صفات محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت، وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون و غم خوار ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضَهُ بَعْضًا» (صحیح بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب تشبیث الأصحاب فی المسجد وغیره۔ مسلم۔ باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضدهم) "مومن" مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک ایسٹ دوسری ایسٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِهِمْ، وَتَرَاحِمِهِمْ، كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضُوٌّ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ» (صحیح مسلم۔ باب مذکور، والبخاری۔ کتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم) "مومنوں کی مثال" آپس میں ایک دوسرے کے

اور برائوں سے روکتے ہیں،^(۱) نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں،^(۲) یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بست جلد رحم فرمائے گا یہیک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔^(۳)

ان ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نرس لرس لے رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان صاف سترے پاکیزہ محلات^(۴) کا جوان ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں، اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے،^(۵) یہی زبردست کامیابی ہے۔^(۶)

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو،^(۷)

وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكُوּةَ وَيُطْهِيُونَ
اللَّهُ وَرَسُولُهُ أُولَئِكَ سَيِّدُ حَمْمَرَاللَّهِ إِنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ بِرِحْمَتِهِ^(۸)

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَرُ خَلِيلِهِنَّ فِيهَا وَمَسِكَنٌ طَيِّبَةٌ فِي جَنَّتِ عَدْنٍ
وَرَضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ^(۹)
يَا أَيُّهَا الَّذِي جَاهَدَ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَأَغْلَظَ عَلَيْهِمْ

ساتھ محبت کرنے اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کاشکار ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔

(۱) یہ اہل ایمان کی دوسری خاص صفت ہے معروف وہ ہے جسے شریعت نے معروف (یعنی نیکی اور بحلائی) اور منکروہ ہے جسے شریعت نے منکر (یعنی برا) قرار دیا ہے۔ نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا یا برا کہیں۔

(۲) نماز، حقوق اللہ میں نمایاں ترین عبادت ہے اور زکوٰۃ، حقوق العباد کے لحاظ سے، امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ان دونوں کا بطور خاص تذکرہ کر کے فرمادیا گیا کہ وہ ہر معاملے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

(۳) جو موتی اور یاقوت سے تیار کیے گئے ہوں گے۔ عدن کے کئی معنی کیے گئے ہیں۔ ایک معنی ہمیشگی کے ہیں۔

(۴) حدیث میں بھی آتا ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں کے بعد اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت رضائے اللہ کی صورت میں ملے گی۔ (صحیح بخاری و مسلم۔ کتاب الرفق و کتاب الجنۃ)

(۵) اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی مخاطب آپ ﷺ کی امت ہے۔ کافروں کے ساتھ منافقین سے بھی جہاد کرنے کا جو حکم ہے، اس کی بابت اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اگر منافقین کا نفاق اور ان کی سازشیں بے نقاب ہو جائیں تو ان سے بھی اسی طرح جہاد کیا جائے، جس طرح کافروں سے کیا جاتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ انہیں زبان سے وعظ و نصیحت کی جائے۔ یا وہ اخلاقی جرام کا ارتکاب کریں تو ان پر حدود نافذ کی جائیں۔ تیسرا رائے یہ ہے کہ جہاد کا حکم کفار سے متعلق ہے اور سختی کرنے کا منافقین سے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان آراء میں آپس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں، اس لیے کہ حالات و ظروف کے مطابق ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔

وَمَا ذَرْتُمْ جَهَنَّمَ وَلِيُشَانُ الْمُصِيرُ ۚ

اور ان پر سخت ہو جاؤ^(۱) ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے، جو
نہایت بدترین جگہ ہے۔^(۲) (۷۳)

یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا،
حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ
اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں^(۳) اور انہوں نے اس
کام کا قصد بھی کیا جو پورانہ کر سکے۔^(۴) یہ صرف اسی بات کا
انتقام لے رہے ہیں کہ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور
اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دولت مند کر دیا،^(۵) اگر یہ اب

يَعْلَمُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُواۖ وَلَقَدْ قَالُواۖ كَلِمَةُ الْكُفَّارِ وَكَفَرُواۖ
بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ وَيَقْرَأُونَ مَا لَمْ يَنْزَلْ لَهُۖ وَمَا نَقَمُواۖ إِلَّا أَنَّ
أَغْنَنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِۖ فَإِنَّ يَوْمَ الْحِسْبَارَ يُحَذِّرُ
هُمْۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْاۖ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًاۖ فِي
الْدُّنْيَا وَالْآخِرَةِۖ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَذْفَافِ مِنْ

(۱) فلکتہ، رائتہ کی خدہ ہے، جس کے معنی نرمی اور شفقت کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے فلکتہ کے معنی سختی اور قوت سے
دشمنوں کے خلاف اندام ہے۔ محض زبان کی سختی مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی مبانی
کے ہی خلاف ہے، اسے آپ ﷺ اختیار کر سکتے تھے نہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کا حکم آپ کو مل سکتا تھا۔

(۲) جہاد اور سختی کے حکم کا تعلق دنیا سے ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔

(۳) مفسرین نے اس کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں، جن میں منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
شان میں گستاخانہ کلمات کے۔ جسے بعض مسلمانوں نے سن لیا اور انہوں نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا، لیکن آپ
کے استفار پر مکر گئے بلکہ حلف تک اٹھایا کہ انہوں نے ایسی بات نہیں کی۔ جس پر یہ آیت اتری۔ اس سے یہ بھی معلوم
ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا
مسلمان نہیں رہ سکتا۔

(۴) اس کی بابت بھی بعض واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً تبوک سے واپسی پر منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے خلاف ایک سازش کی جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے کہ دس بارہ منافقین ایک گھٹائی میں آپ کے چیچپے لگ
 گئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی شکر سے الگ تقریباً تماگزر رہے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ پر حملہ کر
 کے آپ کا کام تمام کر دیں گے اس کی اطلاع وحی کے ذریعے سے آپ کو دے دی گئی، جس سے آپ نے بچاؤ کر لیا۔

(۵) مسلمانوں کی بھرت کے بعد، مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وہاں تجارت اور کاروبار کو
بھی فروغ ملا، اور اہل مدینہ کی معاشی حالت بہت اچھی ہو گئی۔ منافقین مدینہ کو بھی اس سے خوب فائدہ حاصل ہوا۔ اللہ
 تعالیٰ اس آیت میں یہی فرمارہا ہے کہ کیا ان کو اس بات کی ناراضی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے غنی بنا دیا ہے؟
 یعنی یہ ناراضی اور غصب والی بات تو نہیں، بلکہ ان کو تو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے انہیں فتو و نگد دستی سے
 نکال کر خوش حال بنایا۔

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس لیے ہے کہ اس غنا اور تو نگری کا ظاہری سبب

بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے، اور اگر منہ موڑے رہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ کھڑا ہو گا۔ (۷۴)

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عمد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ و خیرات کریں گے اور پکی طرح نیکوکاروں میں ہو جائیں گے۔ (۷۵)

لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا تو یہ اس میں بخیل کرنے لگے اور ثالث مثال کر کے منہ موڑ لیا۔ (۷۶) پس اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملنے کے دنوں تک، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کا خلاف کیا اور کیوں کہ جھوٹ بولتے رہے۔ (۷۷)

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں سے خبردار ہے۔ (۷۸)

جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھوں کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنمیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں، پس یہ ان کا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی بنی تھی، ورنہ حقیقت میں غنی بنا نے والا تو اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ اس لیے آیت میں من فضلہ واحد کی ضمیر ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا۔

(۱) اس آیت کو بعض مفسرین نے ایک صحابی حضرت شعبہ بن حاطب النصاری کے بارے میں قرار دیا ہے۔ لیکن سند ایسا صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی منافقین کا ایک اور کردار بیان کیا گیا ہے۔

(۲) اس میں ان منافقین کے لیے سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پروا نہیں کرتے۔ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے۔ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہے۔

قَلِيلٌ وَلَا يَصِيرُ (۷۹)

وَمِنْهُمْ مَنْ حَمَدَ اللَّهَ لِمَنْ أَتَنَا مِنْ فَضْلِهِ لَتَضَدَّ قَنَّ

وَلَنَنْكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ (۸۰)

فَلَمَّا أَتَاهُمُ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَنُوكِنُوا وَهُمْ مُعْرَضُونَ (۸۱)

فَأَعْقَبَهُمْ نَفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمٍ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَقُوا
اللَّهُمَّ مَا عَدْنَا وَبِمَا كَانُوا يَكْنِدُونَ (۸۲)

أَكْمَلَ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سَرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ

اللَّهُ عَلَمُ الْغَيُوبِ (۸۳)

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الظَّالِمِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي
الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَاجْهَدَهُمْ

مذاق اڑاتے ہیں،^(۱) اللہ بھی ان سے تمثیر کرتا ہے^(۲)
انھی کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۳)

ان کے لیے تو استغفار کریا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ بھی
ان کے لیے استغفار کرے تو بھی اللہ انھیں ہرگز نہ
بنخشنے گا^(۴) یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس
کے رسول سے کفر کیا ہے^(۵) ایسے فاسق لوگوں کو رب
کریم ہدایت نہیں دیتا۔^(۶)

فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخْرَا لِهُمْ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۷)

إِسْتَغْفِرَ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ إِنْ تَسْغُفُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
كُلُّنَّ يَغْفِرُ لَهُمْ لَهُمْ ذَلِكَ يَا لَهُمْ كَمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ
وَاللَّهُ لَأَيْمَدِي الْقَوْمُ الظَّيْقَنُ^(۸)

(۱) مُطْوِعِينَ کے معنی ہیں، صدقات واجبه کے علاوہ اپنی خوشی سے مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔ "جمد" کے معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو مال دار تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی محنت و مشقت سے کمائے ہوئے تھوڑے سے مال میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آیت میں منافقین کی ایک اور نمایت قیچ حرکت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں سے چندے کی اپیل فرماتے تو مسلمان آپ کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے حسب استطاعت اس میں حصہ لیتے۔ کسی کے پاس زیادہ مال ہوتا، وہ زیادہ صدقہ دیتا جس کے پاس تھوڑا ہوتا، وہ تھوڑا دیتا۔ یہ منافقین دونوں قسم کے مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے۔ زیادہ دینے والوں کی بابت کہتے کہ اس کا مقصد ریا کاری اور نمود نماش ہے اور تھوڑا دینے والوں کو کہتے کہ تیرے اس مال سے کیا بنے گا؟ یا اللہ تعالیٰ تیرے اس صدقے سے بے نیاز ہے۔ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ توبۃ۔ مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب الحمل اجرہ یتصدق بها۔۔۔) یوں وہ منافقین مسلمانوں کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے۔

(۲) یعنی مومنین سے استہزا کا بدله انہیں اس طرح دیتا ہے کہ انہیں ذلیل و رسو اکرتا ہے۔ اس کا تعلق باب مشاکلت سے ہے جو علم بلاغت کا ایک اصول ہے یا یہ بدعا ہے اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسی طرح استہزا کا معاملہ کرے جس طرح یہ مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) ستر کا عدد مبالغہ اور سکھیر کے لیے ہے۔ یعنی تو کتنی ہی کثرت سے ان کے لیے استغفار کر لے، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر ان کو معافی مل جائے گی۔

(۴) یہ عدم مغفرت کی علت بیان کر دی گئی ہے تاکہ لوگ کسی کی سفارش کی امید پر نہ رہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی پوچھی لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر یہ زاد آخرت کسی کے پاس نہیں ہو گا تو ایسے کافروں اور نافرمانوں کی کوئی شفاعت ہی نہیں کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے شفاعت کی اجازت ہی نہیں دے گا۔

(۵) اس ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جو انسان کو مطلوب (ایمان) تک پہنچادیتی ہے۔ ورنہ ہدایت بمعنی رہنمائی یعنی راستے کی نشان وہی۔ اس کا اہتمام تو دنیا میں ہر مومن و کافر کے لیے کر دیا گیا ہے ﴿إِنَّا هَدَيْنَا إِلَيْنَا السَّيِّئَاتِ إِنَّا شَاءَ كَرَّأَ إِنَّمَا كَفُورًا﴾ (الدھر۔۳) ﴿وَهَدَيْنَا إِلَيْنَا الْجَنَاحَيْنِ﴾ (البلد۔۱۰) اور ہم نے اس کو (خیرو شر کے) کے دونوں رستے دکھادیے ہیں۔

پچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں^(۱) انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا پسند رکھا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ کہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ بست ہی سخت گرم ہے، کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے۔^(۲) (۸۱)

پس انھیں چاہیے کہ بہت کم نہیں اور بہت زیادہ روئیں^(۳) بدلتے میں اس کے جو یہ کرتے تھے۔ (۸۲)

پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی کسی جماعت^(۴) کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے پھر یہ آپ سے میدان جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں^(۵) تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔ تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا^(۶) پس تم پچھے رہ جانے والوں میں ہی

فِيَرَ الْمُغَلَّقُونَ بِمَقْعِدِهِمْ خَلَفَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَفُورُهُمْ أَنْ يُجَاهِدُوا
بِأَنَّمَا الْمُعْرُمُ وَأَنْتَمُ هُمْ فِي سَيِّئِ الْأَذْنَابِ وَقَاتِلُوا إِلَّا تَنْزَهُوا فِي النَّارِ
فَإِنَّ نَارًا جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانَ الْمُؤْمِنُونَ^(۷)

فَلَيَضْحَكُوا قَلِيلًا لَّا يَلْبَكُوا كَثِيرًا جَزَاءً لِّمَا
كَانُوا يَكْسِبُونَ^(۸)

فَإِنْ تَرْجِعُوهُمْ إِلَى طَاغِيفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوكَ لِلْمُخْرُوجِ
فَقُلْ لَّهُنَّ غَرُّ جُوامِعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تَقْاتِلُو أَمَعِي عَدُوًا إِنَّمَا
رَضِيَتُمُّ بِالْقَعْدَةِ أَوْلَى مَرَقَّةٍ فَاقْعُدُوا وَامْعِنُ الْغَلِفِينَ^(۹)

(۱) یہ ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک میں نہیں گئے اور جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کر لی۔ خلاف کے معنی ہیں، پچھے یا مخالفت۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد آپ کے پیچھے یا آپ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھ رہے۔

(۲) یعنی اگر ان کو یہ علم ہو تاکہ جنم کی آگ کی گرمی کے مقابلے میں، دنیا کی گرمی کوئی حیثیت نہیں رکھتی، تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی یہ آگ جنم کی آگ کا ۲۰۰۰ وار حصہ ہے۔ یعنی جنم کی آگ کی شدت دنیا کی آگ سے زیادہ ہے (صحيح بخاری۔ بدء الخلق باب صفة النار اللهم احفظنا منها فَلِيلًا اور كَثِيرًا یا تو مصادریت (یعنی ضِخْنَکَا فَلِيلًا اور بِكَاءَ كَثِيرًا یا ظرفیت یعنی (زَمَانًا فَلِيلًا وَزَمَانًا كَثِيرًا) کی بنیاد پر منسوب ہے۔ اور امر کے دونوں صیغے بمعنی خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نہیں گے تو تھوڑا اور روئیں گے بہت زیادہ۔

(۳) منافقین کی جماعت مراد ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت تبوک سے مدینہ واپس لے آئے جہاں یہ پچھے رہ جانے والے منافقین بھی ہیں۔

(۴) یعنی کسی اور جنگ کے لیے، ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کریں۔

(۵) یہ آئندہ ساتھ نہ لے جانے کی علت ہے کہ تم پہلی مرتبہ ساتھ نہیں گئے۔ لذا اب تم اس لائق نہیں کہ تمہیں کسی بھی جنگ میں ساتھ لے جایا جائے۔

بیٹھے رہو۔^(۱)
(۸۳)

ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کے جنازے کی
ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے
ہوں۔^(۲) یہ اللہ اور اس کے رسول کے مکر ہیں اور
مرتے دم تک بد کار بے اطاعت رہے ہیں۔^(۳)
(۸۴)

آپ کو ان کے مال و اولاد کچھ بھی بھلے نہ لگیں! اللہ کی
چاہت یہی ہے کہ انہیں ان چیزوں سے دنیوی سزادے
اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں۔^(۴)
(۸۵)

وَلَا تُنْصِلْ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَا تَأْتِيَ أَوْ لَا تَقْعُدْ عَلَىٰ قَبْرِهِ

إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاِلَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَمَا أُنزِلَ وَهُمْ فَسُوقُونَ^(۵)

وَلَا سُبِّبْكَ أَمْوَالَهُمْ وَلَا كَفَرُوا بِمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ

بِمَا فِي الدُّنْيَا وَتَرَهُقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُنَّ كَفَرُونَ^(۶)

(۱) یعنی اب تمہاری اوقات یہی ہے کہ تم عورتوں، بچوں اور بڑھوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو، جو جنگ میں شرکت کرنے کے بجائے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے تاکہ ان کے اس ہم و غم اور حسرت میں اور اضافہ ہو جو انہیں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے تھا۔ (اگر تھا)

(۲) یہ آیت اگرچہ رئیس المناقیفین عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ہر شخص جس کی موت کفر و نفاق پر ہو، وہ اس میں شامل ہے۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ (جو مسلمان اور باپ ہی کے ہم نام تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کما کہ ایک تو آپ (اطلور تبرک) اپنی قیص عنایت فرمادیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنا دوں۔ دو سرا، آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاویں۔ آپ نے قیص بھی عنایت فرمادی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ حضرت عمر بن بیٹھ نے آپ ﷺ سے کما کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا ہے، آپ کیوں اس کے حق میں دعاۓ مغفرت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے" یعنی روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں فرمائے گا" تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لیے استغفار کرلوں گا" چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھادی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی کر آئندہ کے لیے منافقین کے حق میں دعاۓ مغفرت کی قطعی ممانعت فرمادی۔ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ براءۃ و مسلم کتاب صفات المناقیفین و احکامہم)

(۳) یہ نماز جنازہ اور دعاۓ مغفرت نہ کرنے کی علت ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا خاتمه کفر و فتن پر ہو، ان کی نہ نماز جنازہ پڑھنی چاہیے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کو دفایا جا چکا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوا یا اور اپنے گھنٹوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب دہن تھوا، اپنی قیص اسے پہنائی (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب لبس القمیص و کتاب الجنائز۔ صحیح مسلم۔ کتاب صفات المناقیفین و احکامہم)

جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاو اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ آپ کے پاس آ کر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں میں ہی چھوڑ دیجئے۔^(۱) (۸۶)

یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ربیح گئے اور ان کے والوں پر مرلگا دی گئی اب وہ کچھ سمجھ عقل نہیں رکھتے۔^(۲) (۸۷)

لیکن خود رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھ کے ایمان والے اپنے والوں اور جانوں سے جاد کرتے ہیں، یہی لوگ بھلاسیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔^(۳) (۸۸)

انہی کے لیے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہیں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۴) (۸۹)

وَإِذَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ أَنَّ امْنَوْا بِاللَّهِ وَجَاهُدُوا مَعَ رَسُولِهِ
اسْتَأْذِنُكُمْ أَوْلُ الظَّلُولِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَاكُنَّ مَعَ الْقَوْدِينَ^(۱)

رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْغَوَافِ وَطَمِيعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَنْقَعِدُونَ^(۲)

لِكِنَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ امْنَوْا مَعَهُ جَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفَسُهُمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرُ وَأُولَئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ^(۳)

أَعْذَّ اللَّهُ لَهُمْ جَهَنَّمُ تَبَرُّرُ مِنْ تَحْتِهِمَا الْأَنْهَرُ غَلِيلُونَ
فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ^(۴)

جس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہو گا، اسے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

(۱) یہ انہی منافقین کا ذکر ہے جنہوں نے جیلے تراش کر پیچھے رہنا پسند کیا اُولُو الطَّوْلِ سے مراد ہے صاحب حیثیت، مال دار طبقہ، یعنی اس طبقے کو پیچھے تو نہیں رہنا چاہیے تھا، کیونکہ اس کے پاس اللہ کا دیبا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ قاعِدینَ سے مراد بعض مجروریوں کے تحت گھروں میں رک جانے والے افراد ہیں، جیسا کہ اُنگی آیت میں ان کو خَوَالِفُ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو خَالِفَةُ کی جمع ہے۔ یعنی، پیچھے رہنے والی عورتیں۔

(۲) والوں پر مرلگ جانا، یہ مسلسل گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وضاحت پسلے کی جا چکی ہے، اس کے بعد انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتا ہے۔

(۳) ان منافقین کے بر عکس اہل ایمان کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں اور والوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں انہیں اپنی جانوں کی پرواہ ہے اور نہ والوں کی۔ ان کے نزدیک اللہ کا حکم سب پر بالاتر ہے۔ انہی کے لیے خیرات ہیں یعنی آخرت کی بھلائیاں اور جنت کی نعمتیں۔ اور بعض کے نزدیک دین و دنیا کے منافع اور یہی لوگ فلاح یا ب اور فوز عظیم کے حال ہوں گے۔

بادیہ نشینوں میں سے عذر والے لوگ حاضر ہوئے کہ انہیں رخصت دے دی جائے اور وہ بیٹھ رہے جنوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے جھوٹی باتیں بنائی تھیں۔ اب تو ان میں جتنے کفار ہیں انہیں دکھ دینے والی مار پیچ کر رہے گی۔^(۱) ^(۹۰)

ضعیفوں پر اور بیکاروں پر اور ان پر جن کے پاس خرج کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں، ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے۔^(۲) ^(۹۱)

ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری سیا کر دیں تو آپ جواب دیتے

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الظَّالِمُونَ
كَذَّبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الظَّالِمُونَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ^(۴)

لَمَّا عَلَى الْضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمُرْضِيِّ وَلَا عَلَى الظَّالِمِينَ
لَا يَهْدُونَ مَا يَنْفَعُونَ حَرَجٌ لَّا نَصْحُوكُلَّهُ وَرَسُولُهُ
مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَيِّئَاتِهِ وَلَهُ الْغُفْرَانُ وَجِيلٌ ^(۵)

وَلَا عَلَى الظَّالِمِينَ إِذَا أَتَوْكُلْتَ عَلَيْهِمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ
مَا أَحِمْلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ تُكَوِّنُوا وَأَعْدَدْتُهُمْ بَقِيَّضُ مِنَ الدَّمْعِ

(۱) ان مُعَذَّرِینَ کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شر سے دور رہنے والے وہ اعرابی ہیں جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کی۔ دوسری قسم ان میں وہ تھی جنہوں نے آکر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹھ رہے۔ اس طرح گویا آیت میں منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور عذاب الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں اور مِنْهُمْ سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے اور بیٹھ رہنے والے دونوں مراد ہوں گے اور دوسرے مفسرین نے مُعَذَّرُونَ سے مراد ایسے بادیہ نشین مسلمان ہیں جنہوں نے معقول عذر پیش کر کے اجازت لی تھی۔ اور مُعَذَّرُونَ ان کے نزدیک اصل میں مُعْتَذِرُونَ ہے۔ تاکو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے اور معتذر کے معنی ہیں، واقعی عذر رکھنے والا۔ اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے منافقین، جو بغیر عذر پیش کیے بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصے میں جو وعدہ ہے، اسی دوسرے گروہ کے لیے ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۲) اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو واقعی معدور تھے اور ان کا عذر بھی واضح تھا۔ مثلاً۔ ضعیف و ناتوان یعنی بوڑھے قسم کے لوگ، اور نایبنا یا لگزے وغیرہ معدورین بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ بعض نے ان کو بیکاروں میں شامل کیا ہے۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ جن کے پاس جماد کے اخراجات نہیں تھے اور بیت المال بھی ان کے اخراجات کا محتمل نہیں تھا۔ اللہ اور رسول کی خیر خواہی سے مراد ہے، جماد کی ان کے دلوں میں تڑپ، مجاهدین سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول کے دشمنوں سے عداوت، اور حتی الامکان اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے محسین، اگر جہاد میں شرکت کرنے سے معدور ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

ہیں کہ میں تو تمہاری سواری کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا، تو وہ رنج و غم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بھاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انھیں خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی میر نہیں۔^(۱) (۹۲)

بیشک انھیں لوگوں پر راہ الزام ہے جو باوجود دولتمند ہونے کے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ یہ خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں اور ان کے دلوں پر مرخد اوندی لگ چکی ہے جس سے وہ محض بے علم ہو گئے ہیں۔^(۲) (۹۳)

حَزَنَ الْأَنْجَدُو أَمَا يَنْفِعُونَ ^(۴)

إِنَّمَا الشَّيْءُ عَلَى الْأَذْيَانِ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ
رَضُوا بِآنِ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَافِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى
قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ^(۵)

(۱) یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جن کے پاس اپنی سواریاں بھی نہیں تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں سواریاں پیش کرنے سے معدورت کی جس پر انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو روائی ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ گویا مخلص مسلمان، جو کسی بھی لحاظ سے معقول عذر رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کہ ہر ظاہر و باطن سے باخبر ہے، ان کو جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معدوریں کے بارے میں جہاد میں شریک لوگوں سے فرمایا کہ ”تمارے پیچھے مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں“ صحابہ کرام نے پوچھا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جب کہ وہ مدینے میں بیٹھے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ (صحیح بخاری۔ کتاب الجنہ۔ باب من حبسه العذر عن الغزو و صحیح مسلم۔ کتاب الامارة۔ باب ثواب من حبسه عن الغزو مرض...) ”عذر نے ان کو وہاں روک دیا ہے۔“

(۲) یہ منافقین ہیں جن کا ذکر آیت ۸۶، ۸۷ میں گزرا۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر مخلص مسلمانوں کے مقابلے میں ہوا ہے کہ تَبَيَّنَ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا کہ چیزیں اپنی ضد سے بچالی جاتی ہیں۔ خَوَافِ، خَالِفَ کی جمع ہے (پیچھے رہنے والی) مراد عورتیں، بچے، معدور اور شدید بیمار اور بوڑھے ہیں جو جگ میں شرکت سے معدور ہیں۔ لَا يَعْلَمُونَ، کامطلب ہے وہ نہیں جانتے کہ پیچھے رہنا کتنا بڑا جرم ہے، ورنہ شاید وہ رسول ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔

یہ لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچانہ سمجھیں گے، اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکا ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جانے والا ہے پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ (۹۳)

ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاجائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کے بد لے جنہیں وہ کیا کرتے تھے۔ (۹۵)

یہ اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔^(۱) (۹۶)

يَعْتَدِلُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعُتُمُ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَأْتِ
يَعْتَدِلُونَ إِذَا نَوَمُنَّ لَكُمْ قَدْ بَنَاهَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِ الْحَمَّةِ
سَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ لَمْ يَرَهُمْ إِلَّا عَلِمَ الْغَيْبَ
وَالشَّهَادَةُ فِي إِيمَانِكُمْ بِمَا كُنْتمْ تَعْمَلُونَ ۝

سَيَخْلِفُونَ بِإِلَهِهِ لَكُمْ إِذَا النَّقْبَتُمُ إِلَيْهِمْ لِمُغَرِّضٍ وَاعْتَدُهُمْ
فَأَغْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رُجُسٌ وَمَا ذَرَهُمْ جَهَنَّمُ حِزَابُهُمْ
كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِرَضْمَوْاعَنْهُمْ قَلَّتْ رَضْمَوْاعَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ
لَا يَرْضِي عَنِ الْقَوْمِ الْفَسِيقِينَ ۝

(۱) ان تین آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو توبہ کے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بخیریت واپسی پر اپنے عذر پیش کر کے ان کی نظروں میں وفادار بننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تم ان کے پاس آؤ گے تو یہ عذر پیش کریں گے، تم ان سے کہہ دو۔ کہ ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اصل حالات سے ہمیں باخبر کر دیا ہے۔ اب تمہارے جھوٹے عذروں کا ہم اعتبار کس طرح کر سکتے ہیں؟ البتہ ان عذروں کی حقیقت مستقبل قریب میں مزید واضح ہو جائے گی، تمہارا عمل، جسے اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور رسول ﷺ کی نظر بھی اس پر ہے، تمہارے عذروں کی حقیقت کو خود بے نقاب کر دے گا۔ اور اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو پھر بھی فریب اور مغالطہ دینے میں کامیاب رہے تو بالآخر ایک وقت وہ تو آئے گا ہی، جب تم ایسی ذات کی بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو خوب جانتی ہے۔ اسے تو تم بھر صورت دھوکہ نہیں دے سکتے، وہ اللہ تمہارا سارا کچھ تمہارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے لوٹنے پر یہ قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض یعنی درگزر کر دو۔ پس تم انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ لوگ اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے پلید ہیں، انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا بدله جنم ہی ہے تیری آیت میں فرمایا: یہ تمہیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ لیکن ان نادانوں کو یہ پتہ نہیں کہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی

وہ ساتی لوگ کفر اور نفاق میں بست ہی سخت ہیں^(۱) اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے^(۲) ہیں اور اللہ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔^(۳)

اور ان دیساتیوں میں سے بعض^(۴) ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ سمجھتے ہیں^(۵) اور تم مسلمانوں کے واسطے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں،^(۶) برا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے^(۷) اور اللہ سننے والا جانتے والا ہے۔^(۸)

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفَّارًا وَنَفَاقًا وَأَجْدَرُ الْأَيَّلَمُوا
حُدُودًا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حِكْمَةٌ^(۹)

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَخَذُ مَا يُنْقِضُ مَعْرِمًا وَيَرْجِعُ
بِكُمُ الدَّوَارَ إِلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءَةِ وَاللَّهُ
سَيِّدُ الْعِلَمِ^(۱۰)

جاوہرانہوں نے جس فتنے یعنی اطاعت الٰی سے گریزو فرار کا راستہ اختیار کیا ہے اس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی کیوں کر ہو سکتا ہے؟

(۱) مذکورہ آیات میں ان منافقین کا تذکرہ تھا جو مدینہ شر میں رہائش پذیر تھے۔ اور کچھ منافقین وہ بھی تھے جو بادیہ نہیں یعنی مدینہ کے باہر دیساوں میں رہتے تھے دیسات کے ان باشندوں کو اعراب کہا جاتا ہے جو اعرابی کی جمع ہے۔ شریوں کے اخلاق و کردار کے مقابلے میں جس طرح ان کے اخلاق و کردار میں درشتی اور کھرو را پن زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں جو کافرو نفاق تھے وہ کافرو نفاق میں بھی شریوں سے زیادہ سخت اور احکام شریعت سے زیادہ بے خبر تھے۔ اس آیت میں انہی کا تذکرہ اور ان کے اسی کردار کی وضاحت ہے۔ بعض احادیث سے بھی ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک موقع پر کچھ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا أَنْقَبْلُونَ صِبَيَانَكُمْ ”کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟“ صحابہ رض نے عرض کیا ”ہاں“ انہوں نے کہا ”واللہ! ہم تو بوسہ نہیں دیتے“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا ”اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحم و شفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے؟“ صحیح بخاری کتاب الأدب باب رحمة الولد و تقبیله و معانقته۔

صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة صلی اللہ علیہ وسلم الصبيان والعيال)

(۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ وہ شر سے دور رہتے ہیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی باتیں سننے کا اتفاق ان کو نہیں ہوتا۔

(۳) اب ان دیساتیوں کی دو قسمیں بیان کی جا رہی ہیں یہ پہلی قسم ہے۔

(۴) غُرم، تاؤان اور جرم نے کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسا خرچ ہو جو انسان کو نہایت ناگواری سے ناچار کرنا پڑ جاتا ہے۔

(۵) دَوَانِرُ، دَائِرَةُ کی جمع ہے، گردش زمانہ یعنی مصائب و آلام یعنی وہ منتظر رہتے ہیں کہ مسلمان زمانے کی گردشوں یعنی مصائب کا شکار ہوں۔

(۶) یہ بدعا یا خبر ہے کہ زمانے کی گردش ان پر ہی پڑے۔ کیونکہ وہی اس کے مستحق ہیں۔

اور بعض اہل دینات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرج کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں،^(۱) یاد رکھو کہ ان کا یہ خرج کرنا بیشک ان کے لیے موجب قربت ہے، ان کو اللہ تعالیٰ ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔^(۲) اللہ تعالیٰ بری مغفرت والا بری رحمت والا ہے۔^(۳)

اور جو مهاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں^(۴) اللہ ان سب

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ
مَا يُنْفِقُ قُرْبَةً يَعْتَدُ اللَّهُ وَصَلَوَاتُ الرَّسُولِ إِلَّا
إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيِّدُ خَلْقِهِ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ
اللَّهَ عَفُورٌ حَمِيمٌ^(۵)

وَالشَّيْقُونَ الظَّالِمُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ
أَتَبْعَوْهُمْ بِإِحْسَانٍ زَرْفَى اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُمْ وَأَعْذَلُهُمْ

(۱) یہ اعراب کی دوسری قسم ہے جن کو اللہ نے شرسے دور رہنے کے باوجود اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اس ایمان کی بدولت ان سے وہ جمالت بھی دور فرمادی جو بدوبیت کی وجہ سے اہل بادیہ میں عام طور پر ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں خرج کردہ مال کو جرمانہ سمجھنے کے بجائے اللہ کے قرب کا اور رسول ﷺ کی دعا میں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کی طرف، جو صدقہ دینے والوں کے بارے میں آپ ﷺ کا تھا۔ یعنی آپ ﷺ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صدقہ لانے والے کے لیے آپ ﷺ نے دعا فرمائی اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى۔ (صحیح بخاری نمبر، ۳۶۶، صحیح مسلم، نمبر، ۵۶۷) اے اللہ! ابو اوفی کی آل پر رحمت نازل فرما۔

(۲) یہ خوش خبری ہے کہ اللہ کا قرب انسیں حاصل ہے اور اللہ کی رحمت کے وہ مستحق ہیں۔

(۳) اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک مهاجرین کا، جنہوں نے دین کی خاطر، اللہ اور رسول ﷺ کے حکم پر، مکہ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آگئے۔ دوسرے انصار، جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت فرمائی اور مدینہ آنے والے مهاجرین کی بھی خوب پذیرائی اور تواضع کی۔ اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں ان دونوں گروہوں کے سابقون اولوں کا ذکر فرمایا ہے، یعنی دونوں گروہوں میں سے وہ افراد جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی۔ اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سابقون اولوں وہ ہیں جنہوں نے دونوں قبائل کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ یعنی تحولیم قبلہ سے پہلے مسلمان ہونے والے مهاجرین و انصار۔ بعض کے نزدیک یہ وہ صحابہ الْمُتَّعِنُونَ ہیں جو حدیبیہ میں بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ بعض کے نزدیک یہ اہل بدر ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ تیری قسم وہ ہے جو ان مهاجرین و انصار کے خلوص اور احسان کے ساتھ پیروکار ہیں۔ اس کردہ سے مراد بعض کے نزدیک اصطلاحی تابعین ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا لیکن صحابہ کرام الْمُتَّعِنُونَ کی محبت سے مشرف ہوئے

سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ میا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہیں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے^(۱) یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۱۰۰)

اور کچھ تمہارے گرد پیش والوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے^(۲) ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے،^(۳) ان کو ہم جانتے ہیں ہم ان کو دہری سزا دیں گے،^(۴) پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ (۱۰۱)

جَنَّتٌ تَعْرُىٰ تَعْمَلَهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَذَلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝

وَمِنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۚ وَمِنْ أَهْلِ
الْمُدِينَةِ شَرِدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا يَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ
نَعْلَمُهُمْ ۖ سَعِدَ بِهِمْ مَرْتَبَتِنَ نُقَيِّرُهُمْ وَنَهْلِكُهُمْ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝

اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی قیامت تک جتنے بھی انصار و مهاجرین سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان ہیں، وہ اس میں شامل ہیں۔ ان میں اصطلاحی تابعین بھی آجاتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ کامطلب ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں قبول فرمائیں، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمادیا اور وہ ان پر ناراض نہیں۔ کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت کیوں دی جاتی؟ جو اسی آیت میں دی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رضائے الہی مؤقت اور عارضی نہیں، بلکہ دائمی ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام اللّٰهُمَّ كَمَا تَعْلَمَ کو مرتد ہو جانا تھا (جیسا کہ ایک باطل ثولے کا عقیدہ ہے) تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی بشارت سے نہ نوازتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ نے ان کی ساری لغزشیں معاف فرمادیں تو اب تنفیص و تنقید کے طور پر ان کی کوتا ہیوں کا تذکرہ کرنا کسی مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی محبت اور پیروی رضائے الہی کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور بغض و عناد رضائے الہی سے محرومی کا باعث ہے۔ فَإِنَّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالآمِنِ إِنْ كُنْشَمْ تَعْلَمُونَ۔

(۲) مرد اور تمرد کے معنی ہیں۔ نرمی، ملامت (چکناہت) اور تجدُّد۔ چنانچہ اس شاخ کو جو بغیر پتے کے ہو، وہ گھوڑا جو بغیر بال کے ہو، وہ لڑکا جس کے چرے پر بال نہ ہوں، ان سب کو امرد کہا جاتا ہے اور شیخے کو صرخ مَرَدُّ أَيْنِي مُجْرَدُ كَمَا جَاءَتَ ہے۔ «مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ» کے معنی ہوں گے تجدُّدوا عَلَى النِّفَاقِ، گویا انہوں نے نفاق کے لیے اپنے آپ کو خالص اور تنہ کر لیا، یعنی اس پر ان کا اصرار اور استمرار ہے۔

(۳) کتنے واضح الفاظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی ہے۔ کاش اہل بدعت کو قرآن سمجھنے کی توفیق نصیب ہو۔

(۴) اس سے مراد بعض کے نزدیک دنیا کی ذلت و رسوانی اور پھر آخرت کا عذاب ہے اور بعض کے نزدیک دنیا میں ہی دہری سزا ہے۔

(۱) اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں جنہوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور کچھ برے۔ (۲) اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ (۳) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ (۱۰۲)

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں اور ان کے لیے دعا کیجئے، (۴) بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجبطمینان ہے اور اللہ تعالیٰ خوب ستا ہے خوب جانتا ہے۔ (۱۰۳)

کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے (۵) اور یہ کہ

وَالْأَخْرَوْنَ أَعْذَرُوا يَنْ لُوْبِهِمْ حَلْطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَأَخْرَسِهِمْ
عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوَبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ سَيِّئُمْ عَلَيْهِمْ

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُظْهِرُهُمْ وَتُرْكِيهِمْ بِهَا وَصَلَّ
عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ سَيِّئُمْ عَلَيْهِمْ

أَلْرَبِيعُمْنَوْأَنَّ اللَّهُ هُوَيَعْبُلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادَهِ وَيَأْخُذُ
الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَالثَّوَابُ الرَّحِيمُ

(۱) یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جو بغیر عذر کے محض تسلیم کی وجہ سے تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے بلکہ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اور اعتراف گناہ کر لیا۔

(۲) بھلے سے مراد وہ اعمال صالح ہیں جو جماد میں پیچھے رہ جانے سے پہلے وہ کرتے رہے ہیں جن میں مختلف جنگوں میں شرکت بھی ہے اور ”کچھ برے“ سے مراد یہی تبوک کے موقع پر ان کا پیچھے رہنا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے امید، یقین کافائدہ دیتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رجوع فرمائیں کہ اعتراف گناہ کو توبہ کے قائم مقام قرار دے کر انہیں معاف فرمادیا۔

(۴) یہ حکم عام ہے۔ صدقے سے مراد فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے اور نفلی صدقہ بھی۔ نبی ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرمادیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ و صدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طمارت و پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں صدقے کو صدقہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرج کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ دینے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے۔ جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دعا کرنے کا حکم دیا، اور آپ ﷺ اس کے مطابق دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس حکم کے عموم سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی امام وقت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جماد ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

(۵) صدقات قبول فرماتا ہے کا مطلب (بشریکہ وہ حلال کمالی سے ہو) اس میں اضافہ فرماتا ہے۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہارے صدقے کی اس طرح پروشن کرتا ہے جس طرح تم میں

اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں
کامل ہے۔^(۱۰۳)

کہہ دیجئے کہ تم عمل کیے جاؤ تمہارے عمل اللہ خود دیکھے
لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھے لیں
گے) اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی
اور کھلی چیزوں کا جانے والا ہے۔ سو وہ تم کو تمہارا سب کیا
ہوا بتلا دے گا۔^(۱۰۴)

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے
تک ملتے ہیں^(۲) ان کو سزا دے گا^(۳) یا ان کی توبہ
قبول کر لے گا^(۴) اور اللہ خوب جانے والا ہے بڑا
حکمت والا ہے۔^(۱۰۵)

اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد
بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور
ایمانداروں میں تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا
سامان کریں جو اس سے پہلے سے اللہ اور رسول کا مخالف
ہے،^(۵) اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور

وَقُلْ أَعْمَلُوا فَسَيَرِي اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ
وَسَرِدُونَ إِلَى عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيَنْتَهُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ^(۱۰۶)

وَالْخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِنَّا يَعْلَمُ بِهِمْ وَإِنَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ
وَاللَّهُ عَلَيْهِ حَكْمٌ^(۱۰۷)

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا أَضْرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيَقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِينَ وَلِرَصَادِ الْمِنْ حَارِبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ
قَبْلٍ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى وَاللَّهُ يَشَهِدُ
إِنَّهُمْ لَكُلُّ بُوْنَ^(۱۰۸)

سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے، حتیٰ کہ ایک کھجور کے برابر صدقہ (بڑھ بڑھ کر) احمد پہاڑ کی
مثل ہو جاتا ہے۔ (اصحیح بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ، و مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ)

(۱) رویت کا مطلب دیکھنا اور جانا ہے۔ یعنی تمہارے عملوں کو اللہ تعالیٰ ہی نہیں دیکھتا، بلکہ ان کا علم اللہ کے رسول اور
مومنوں کو بھی (بذریعہ وحی) ہو جاتا ہے۔ (یہ منافقین ہی کے ضمن میں کما جا رہا ہے) اس مفہوم کی آیت پہلے بھی گزر چکی
ہے۔ یہاں مومنین کا بھی اضافہ ہے جن کو اللہ کے رسول ملئیں ہیں کے بتلانے سے علم ہو جاتا ہے۔

(۲) جنگ توبہ میں چیچپے رہنے والے ایک تو منافق تھے، دوسرے۔ وہ جو بلا عذر چیچپے رہ گئے تھے۔ اور انہوں نے اپنی
غلطی کا اعتراف کر لیا تھا لیکن انہیں معافی عطا نہیں کی گئی تھی۔ اس آیت میں اسی گروہ کا ذکر ہے جن کے معاملے کو مؤخر
کر دیا گیا تھا۔ (یہ تین افراد تھے، جن کا ذکر آگے آ رہا ہے)

(۳) اگر وہ اپنی غلطی پر مصروف ہے۔

(۴) اگر وہ خالص توبہ کر لیں گے۔

(۵) اس میں منافقین کی ایک اور نمایت فتح حرکت کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مسجد بنائی۔ اور نبی ملئیں ہی کو یہ باور

ہماری کچھ نیت نہیں، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔^(۱)
^(۲) (۱۰۷)

آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔^(۳) البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں،^(۴) اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں،^(۵) اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔^(۶)

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو، یا وہ

لَا تَقْمِمُ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدًا إِسَّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَقْلِبِ يَوْمٍ
أَحَقُّ أَنْ تَقْعُدَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُجْهَنُونَ أَنَّ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ
يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝

أَفَمَنْ أَشَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ
أَمْ مَنْ أَشَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَاعَةٍ غَرْبِيٍّ هَارِقًا لَهُ كَيْرَهُ فِي

کرایا کہ بارش، سردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور جانے میں وقت پیش آتی ہے۔ ان کی سوالت کے لیے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ آپ ﷺ وہاں چل کر نماز پڑھیں تاکہ ہمیں برکت حاصل ہو۔ آپ ﷺ اس وقت تجوہ کے لیے پابہ رکاب تھے، آپ ﷺ نے واپسی پر نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن واپسی پر وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اصل مقاصد کو بے نقاب کر دیا کہ اس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، کفر پھیلانا، مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا، اور اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں کے لیے کمین گاہ میا کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فریب دیتا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے مکرو فریب سے بچایا اور فرمایا کہ ان کی نیت صحیح نہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں، اس میں جھوٹے ہیں۔

(۲) یعنی آپ ﷺ نے وہاں جا کر نماز پڑھنے کا جو وعدہ فرمایا ہے، اس کے مطابق وہاں جا کر نماز پڑھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے چند ساتھیوں کو بھیج کر وہ مسجد ڈھاڈی اور اسے ختم کر دیا۔ اس سے علمانے استدلال کیا ہے کہ جو مسجد اللہ کی عبادات کے بجائے، مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کی غرض سے بنائی جائے، وہ مسجد ضرار ہے، اس کو ڈھاڈیا جائے تاکہ مسلمانوں میں تفرقہ و انتشار پیدا نہ ہو۔

(۳) اس سے مراد کون سی مسجد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مسجد قبا اور بعض نے مسجد نبوی ﷺ قرار دیا ہے۔ سلف کی ایک جماعت دونوں کی قائل رہی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت سے اگر مسجد قبا مراد ہے تو بعض احادیث میں مسجد نبوی کو ﴿إِسَّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ﴾ کا مصدق قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی مناقبات نہیں۔ اس لیے کہ اگر مسجد قبا کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ اول یوم سے ہی اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو مسجد نبوی تو بطریق اولیٰ اس صفت کی حامل اور اس کی مصدق ہے۔

(۴) حدیث میں آتا ہے کہ اس سے مراد اہل قبا ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طہارت کی تعریف فرمائی ہے، تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ڈھیلے استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ پانی بھی استعمال

شخص کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھٹائی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو، رکھی ہو، پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے،^(۱) اور اللہ تعالیٰ ایسے طالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتا۔^(۲)

ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے، ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کی بنیاد پر (کائنات بن کر) کھلتی رہے گی، ہاں مگر ان کے دل ہی اگر پاش پاش ہو جائیں^(۳) تو خیر، اور اللہ تعالیٰ بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے۔^(۴)

blaspheming the God who has created them, they say: "We have been given this from our fathers." Say: "Indeed, God only creates once, and those who do not believe in the resurrection will be losers."^(۵) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔^(۶) وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عمد کو کون پورا کرنے والا ہے،^(۷) تو تم لوگ اپنی

نار جھکوئو اَنَّ اللَّهَ لَا يَهُدِي النَّقْمَانِ^(۸)

لَا يَرَأُنَّا بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رَبِيعَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنَّ

نَعَظَمْ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حَلِيمٌ^(۹)

إِنَّ اللَّهَ أَشَدَّ رَأْيِي مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ
يَا أَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُونَ وَ
يُقْتَلُونَ تَوَدُّ أَعْلَمُهُ حَقَّاقِ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ
وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْقَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَأَسْتَبِرُوا
إِبْرَيْكُمُ الَّذِي بَأْيَاعْتَمُوْيَهُ وَذَلِكَ هُوَ الْقَوْزُ الْعَظِيمُ^(۱۰)

کرتے ہیں۔ (بکوالہ ابن کثیر) امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی قدمی مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی غرض سے تعمیر کی گئی ہوں، نیز صالحین کی جماعت اور ایسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے جو مکمل و ضوکرنے اور طہارت و پاکیزگی کا صحیح صحیح اہتمام کرنے والے ہوں۔

(۱) اس میں مومن اور منافق کے عمل کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ مومن کا عمل اللہ کے تقویٰ پر اور اس کی رضامندی کے لیے ہوتا ہے، جب کہ منافق کا عمل ریا کاری اور فساد پر مبنی ہوتا ہے، جو اس حصہ زمین کی طرح ہے جس کے نیچے سے وادی کا پانی گزرتا ہے اور مٹی کو ساتھ بھالے جاتا ہے۔ وہ حصہ نیچے سے کھوکھلا رہ جاتا ہے جس پر کوئی تعمیر کر لی جائے تو فوراً گر پڑے گی۔ ان منافقین کا مسجد بنانے کا عمل بھی ایسا ہی ہے جو انہیں جنم میں ساتھ لے گرے گا۔

(۲) دل پاش پاش ہو جائیں، کام مطلب موت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ یعنی موت تک یہ عمارت ان کے دلوں میں مزید شک و نفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بنی رہے گی، جس طرح کہ پچھرے کے پیخاریوں میں پچھرے کی محبت رچ بس گئی تھی۔

(۳) یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل و کرم کا بیان ہے کہ اس نے موننوں کو، ان کے جان و مال کے عوض، جو انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے، جنت عطا فرمادی، جب کہ یہ جان و مال بھی اسی کا عطیہ ہے۔ پھر قیمت اور معاوضہ بھی جو عطا کیا یعنی جنت۔ وہ نہایت ہی بیش قیمت ہے۔

(۴) یہ اسی سودے کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچا وعدہ چھپلی کتابوں میں بھی اور قرآن میں بھی کیا ہے۔ اور اللہ سے

اس بیچ پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرا�ا ہے خوشی مناؤ،^(۱) اور یہ بڑی کامیابی ہے۔^(۲)

وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، (یا راہ حق میں سفر کرنے والے) رکوع اور سجده کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے ہیں^(۳) اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری ساختیجھے۔^(۴) (۱۲)

پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ

الثَّابِطُونَ الْعَبْدُونَ الْحَمِيدُونَ السَّائِلُونَ الرَّكِعُونَ
الشَّاجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالثَّاہُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

مَا كَانَ لِلْيَتَّبِعِيَ وَالَّذِينَ أَمْنَوْا أَنْ يَسْتَعْفِفُوا
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ

زیادہ عمد کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

(۱) یہ مسلمانوں کو کما جا رہا ہے لیکن یہ خوشی اسی وقت منائی جا سکتی ہے جب مسلمان کو بھی یہ سودا منظور ہو۔ یعنی اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے انہیں دریغ نہ ہو۔

(۲) یہ انہی مومنوں کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں جن کی جانب اور مالوں کا سودا اللہ نے کر لیا ہے۔ وہ توبہ کرنے والے، یعنی گناہوں اور فوایش سے پابندی سے اپنے رب کی عبادت کرنے والے، زبان سے اللہ کی حمد و شاہیان کرنے والے اور دیگر ان صفات کے حامل ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ سیاحت سے مراد اکثر مفسرین نے روزے لیے ہیں اور اسی کو اب ان کثیر نے صحیح ترین اور مشور ترین قول قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس سے جاد مراد لیا ہے۔ تاہم سیاحت سے زمین کی سیاحت مراد نہیں ہے جس طرح کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ اسی طرح اللہ کی عبادت کے لیے پیاروں کی چوپیوں غاروں اور سنسان بیابانوں میں جا کر ذیرے لگایا تھا اس سے مراد نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ رہبانیت اور جوگی پن کا ایک حصہ ہے جو اسلام میں نہیں ہے۔ البتہ فتوؤں کے ایام میں اپنے دین کو بچانے کے لیے شروں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں جا کر رہنے کی اجازت حدیث میں دی گئی ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الإیمان، باب "من الدین الفوار من الفتنه" و کتاب الفتن بباب التعریب۔ ای السکنی مع الأعراب۔ فی الفتنہ)

(۳) مطلب یہ ہے کہ مومن کامل وہ ہے جو قول و عمل میں اسلام کی تعلیمات کا عمدہ نمونہ ہو اور ان چیزوں سے بچنے والا ہو جن سے اللہ نے اسے روک دیا ہے اور یوں اللہ کی حدود کو پامال نہیں، بلکہ ان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ ایسے ہی کامل مومن خوشخبری کے مستحق ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے قرآن میں ﴿اَمْتُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحِ﴾ کے الفاظ میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اعمال صالحہ کی قدرے تفصیل بیان کردی گئی ہے۔

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيلِ ①

رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔^(۱) (۱۱۳)

اور ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے،^(۲) واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے نرم دل اور بردار تھے۔^(۳) (۱۱۳)

اور اللہ ایسا نہیں کہا کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بعد میں گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتا دے جن سے وہ بچیں^(۴) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

وَمَا كَانَ اسْتَغْفَارًا إِلَّا هِيَ مُؤْمِنَةٌ
وَعَدَهَا إِيمَانًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَذُولٌ تَلَهُ تَبَرَّأَ مِنْهُ
إِنَّ إِلَهَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ حَلِيمٌ ②

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلِّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَثَّ
يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَعَقَّبُونَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ ③

(۱) اس کی تفسیر صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار ابوطالب کا آخری وقت آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے جبکہ ان کے پاس ابو جمل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”بچا جان لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ هُوَ لَيْسَ“ تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے جنت پیش کر سکوں، ابو جمل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا ”اے ابوطالب کیا عبدالمطلب کے ذہب سے انحراف کرو گے؟“ (یعنی مرتبہ وقت یہ کیا کرنے لگے ہو؟ حتیٰ کہ اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے روک نہیں دیا جائے گا، میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔“ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر، سورۃ التوبۃ) اور سورۃ قصص کی آیت ۵۶ ﴿إِنَّكَ لَا تَهُدُ دُولَيْمَانَ أَنْجَبَتْ﴾ بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی۔ مند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب فرمائی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی (مسند احمد، ج ۵، ص ۳۵۵) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مشرک قوم کے لیے جو دعا فرمائی تھی اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ ”یا اللہ میری قوم بے علم ہے اس کی مغفرت فرمادے“ یہ آیت کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا مطلب ان کے لیے ہدایت کی دعا ہے۔ (یعنی وہ میرے مقام و مرتبہ سے نا آشنا ہے، اسے ہدایت سے نواز دے تاکہ وہ مغفرت کی اہل ہو جائے۔ اور زندہ کفار و مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنی جائز ہے۔

(۲) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی جب یہ بات واضح ہو گئی کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے اور جنمی ہے تو انہوں نے اس سے اظہار براءت کر دیا اور اس کے بعد مغفرت کی دعا نہیں کی۔

(۳) اور ابتداء میں باپ کے لیے مغفرت کی دعا بھی اپنے اسی مزاج کی نرمی اور حلیمی کی وجہ سے کی تھی۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے سے روکا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے ایسا کیا تھا،

خوب جانتا ہے۔ (۱۵)

blasibah اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ وہی جلاتا اور مارتا ہے، اور تمہارا اللہ کے سوانہ کوئی یار ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔ (۱۶)

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مساجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا،^(۱) اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔^(۲) پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مریان ہے۔ (۱۷)

اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ متوقی چھوڑ دیا گیا تھا۔^(۳) یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فرانی

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعْلَمُ وَيُبَيَّنُ
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ قَوْلٍ وَلَا نَصِيرٌ^(۱۸)

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى الْيَتِي وَالْمُهَجِّرِينَ وَالْأَنصَارِ
الَّذِينَ أَشْبَعُوا فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا
كَادَ يَرْجُعُ قُلُوبُ فَرِيقٍ فَنَهُمْ شُكْرٌ تَابَ عَلَيْهِمُ إِنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ^(۱۹)

وَعَلَى الْكُلُّ شَهَادَةُ الَّذِينَ خُلِقُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
الْأَرْضُ بِمَا رَحِبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَاهِرًا أَنَّ

یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ایسا کر کے انسوں نے گراہی کا کام تو نہیں کیا۔؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب تک بچنے والے کاموں کی وضاحت نہیں فرمادیتا، اس وقت تک اس پر مواعذہ بھی نہیں فرماتا نہ اسے گراہی قرار دیتا ہے البتہ جب ان کاموں سے نہیں بچتا، جن سے روکا جا چکا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اسے گراہ کر دیتا ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے اس حکم سے قبل اپنے فوت شدہ شرک رشتے داروں کے لیے مغفرت کی دعا میں کی ہیں ان کا مواعذہ نہیں ہو گا، کیونکہ انہیں مسئلے کا اس وقت علم ہی نہیں تھا۔

(۱) جنگ تبوک کے سفر و "تنگی کا وقت" قرار دیا۔ اس لیے کہ ایک تو موسم سخت گرمی کا تھا۔ دوسرے، فصلیں تیار تھیں۔ تیرے، سفر خاص المباہ تھا اور چوتھے و سائیں کی بھی کی تھی۔ اسی لیے اسے "جَيْشُ الْعُسْرَةِ" (تنگی کا قافلہ یا اشکر) کہا جاتا ہے۔ توبہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پہلے گناہ یا غلطی کا رتکاب ہو۔ اس کے بغیر بھی رفع درجات اور غیر شعوری طور پر ہو جانے والی کوتا ہیوں کے لیے توبہ ہوتی ہے۔ یہاں مساجرین و انصار کے اس پہلے گروہ کی توبہ اسی مفہوم میں ہے جنہوں نے بلا تامل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم جہاد پر لبیک کہا۔

(۲) یہ اس دوسرے گروہ کا ذکر ہے جسے مذکورہ وجہ سے ابتداءً تردد ہوا۔ لیکن پھر جلد ہی وہ اس کیفیت سے نکل آیا اور بخوبی جہاد میں شریک ہوا۔ دلوں میں تزلزل سے مراد دین کے بارے میں کوئی تزلزل یا شبہ نہیں ہے بلکہ مذکورہ دنیاوی اسباب کی وجہ سے شریک جہاد ہونے میں جو تذبذب اور تردد تھا، وہ مراد ہے۔

(۳) خُلِفُوا، کاہی مطلب ہے جو مُزِّجَوْنَ کا ہے یعنی جن کا معاملہ موخر اور متوقی۔ یا گیا تھا اور پچاس دن کے بعد انکی توبہ قبول ہوئی۔ یہ تین صحابہ تھے۔ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور بلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ یہ تینوں نہایت مغلص

کے ان پر ٹنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے ٹنگ آگئے^(۱) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجو اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔^(۲) بیکث اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا ہے۔^(۳)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور پھوں کے ساتھ رہو۔^(۴)

مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو رہلاتی ان کے گرد دوپیش ہیں ان کو یہ زیبانہ تھا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں^(۵) اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز

لَا مَلَجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُرَّابٌ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمَاءُ الرَّحِيمُ^(۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَوَّا اللَّهَ وَلَوْلَا مَعَ الصَّدِيقِينَ^(۷)

نَأَكَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَغْرَابِ
أَنْ يَتَخَلَّقُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغِبُوا إِلَيْهِمْ مُعْنَى
نَفْسِهِ ذَلِكَ يَا أَيُّهُمْ لَا يُعِيشُهُمْ ظَهَارًا وَلَا نَصْبَ

مسلمان تھے۔ اس سے قبل ہر غزوہ میں یہ شریک ہوتے رہے۔ اس غزوہ توبہ کی میں صرف تسلیہ شریک نہیں ہوئے۔ بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو سوچا کہ ایک غلطی (پیچھے رہنے کی) تو ہو ہی گئی ہے۔ لیکن اب منافقین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹا عذر پیش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر اپنی غلطی کا صاف اعتراف کر لیا اور اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نبی ﷺ نے انکے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ وہ انکے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے گا۔ تاہم اس دوران آپ نے صحابہ کرام اللَّهُ عَلَيْهِ كَوَافِرُهُ کو ان تینوں افراد سے تعلق قائم رکھنے تھی کہ بات چیت تک کرنے سے روک دیا۔ اور چالیس راتوں کے بعد انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی یوں سے بھی دور رہیں چنانچہ یوں سے بھی جدا تی عمل میں آگئی مزید دس دن گزرے تو توبہ قبول کر لی گئی اور نہ کوہ آیت نازل ہوئی۔ (اس واقعے کی پوری تفصیل حضرت کعب بن مالک رض سے مردی حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو، صحیح بخاری۔ کتاب المغاری باب غزوۃ توبہ۔ مسلم کتاب التوبۃ باب حدیث توبۃ کعب بن مالک)

(۱) یہ ان ایام کی کیفیت کا بیان ہے جس سے سو شل بائیکاٹ کی وجہ سے انہیں گزرنما پڑا۔

(۲) یعنی چچا پاس دن کے بعد اللہ نے ان کی آہ و زاری اور توبہ قبول فرمائی۔

(۳) صحابی ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابہ کی غلطی نہ صرف معاف فرمادی بلکہ ان کی توبہ کو قرآن بنا کر نازل فرمادی۔ رضی اللہ عنہم و رضوانہم۔ اس لیے مومنین کو حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور پھوں کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تقویٰ (یعنی اللہ کا خوف) ہو گا وہ صحابی ہو گا اور جو جھوٹا ہو گا، سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ مومن سے کچھ اور کوتا یوں کا صدور تو ہو سکتا ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔

(۴) جنگ توبہ کیں شرکت کے لیے چونکہ عام منادی کر دی گئی تھی، اس لیے مغضورین، بوڑھے اور دیگر شرعی غدر

سمجھیں،^(١) یہ اس سبب سے کہ^(٢) ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو تکان پنچی اور جو بھوک لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجب غیظ ہوا ہو^(٣) اور دشمنوں کی جو کچھ خبری،^(٤) ان سب پر ان کے نام (ایک ایک) نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا جریضان نہیں کرتا۔^(٥)

اور جو کچھ چھوٹا بڑا انہوں نے خرج کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے،^(٦) یہ سب بھی ان

وَلَا يَعْمَلُهُ فِي سَبِيلِ اللہِ وَلَا يَطْغُونَ مَوْطِئًا يَعْيُطُ
الْكُفَارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا لَا كِتَابٌ لَهُمْ يَهْدِيهِ
عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَذِيقِينُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كِبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ
وَادِيًّا لَا كِتَابٌ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا

رکھنے والوں کے علاوہ، سب کے لیے اس میں شرکت ضروری تھی لیکن پھر بھی جو سکان مدینہ یا اطراف مدینہ میں سے اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر و توبخ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔

(۱) یعنی یہ بھی ان کے لیے زیانیں کہ خود اپنی جانوں کا تو تحفظ کر لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے تحفظ کا انہیں خیال نہ ہو۔ بلکہ انہیں رسول ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے سے زیادہ ان کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲) ذلیک سے پیچھے نہ رہنے کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی انہیں اس لیے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو پیاس، تھکاوٹ، بھوک پنچی گی یا ایسے اقدامات، جن سے کافروں کے غیظ و غصب میں اضافہ ہو گا، اسی طرح دشمنوں کے آدمیوں کو قتل یا ان کو قیدی بناؤ گے، یہ سب کے سب کام عمل صالح لکھے جائیں گے یعنی عمل صالح صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی مسجد میں یا کسی ایک گوشے میں بیٹھ کر نوافل، تلاوت، ذکر الہی وغیرہ کرے بلکہ جہاد میں پیش آنے والی ہر تکلیف اور پریشانی، حتیٰ کہ وہ کارروائیاں بھی جن سے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا ہو یا غیظ بھڑک کے، ان میں سے ہر ایک چیز اللہ کے ہاں عمل صالح لکھی جائے گی۔ اس لیے محض شوق عبادت میں بھی جہاد سے گریز صحیح نہیں، چہ جائیکہ بغیر عذر کے ہی آدمی جہاد سے جی چرائے؟

(۳) اس سے مراد پیادہ، یا گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہو کر ایسے علاقوں سے گزرنا ہے کہ ان کے قدموں کی چاپوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے دشمن کے دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے اور ان کی آتش غیظ بھڑک اٹھے۔

(۴) (وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا) (التوبہ۔ ٢٠) دشمن سے کوئی چیز لیتے ہیں یا ان کی خبر لیتے ہیں“ سے مراد، ان کے آدمیوں کو قتل یا قیدی کرتے ہیں یا انہیں شکست سے دوچار کرتے اور مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔

(۵) پہاڑوں کے درمیان کے میدان اور پہاڑی کی گزرگاہ کو وادی کہتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق وادیاں اور علاقوں ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی خرچ کرو گے اسی طرح جتنے بھی میدان یا علاقے طے کرو گے، یعنی جہاد میں تھوڑا یا زیادہ سفر کرو گے۔ یہ سب نکیاں تمہارے نمائہ اعمال میں درج ہوں گی جن پر اللہ تعالیٰ اچھا سے اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

يَعْمَلُونَ ①

کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا اچھے سے
اچھا بدلہ دے۔ ۱۲۱)

اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل
کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی
جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ
دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم
کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرامیں تاکہ وہ ڈر
جائیں۔ ۱۲۲)

اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس
پاس ہیں ۱۲۳) اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَةً فَلَوْلَا فَنَرَ مِنْ كُلِّ
فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَابِقَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلَيُنذِرُوا
قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْدَرُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلْوَنُكُمْ مِنْ
الْكُفَّارِ وَلْيَحْدُوْا فِي كُلِّ غُلْظَةٍ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ

(۱) بعض مفسرین کے نزدیک اس کا تعلق بھی حکم جہاد سے ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی آیات میں جب پیچھے رہنے والوں کے لیے سخت و عید اور زجر و توبیخ بیان کی گئی تو صحابہ کرام رض بڑے محتاط ہو گئے اور جب بھی جہاد کا مرحلہ آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ آیت میں انہیں حکم دیا گیا کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہوتا کہ جس میں ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ تبوک میں ضروری تھا) بلکہ ایک گروہ کی ہی شرکت کافی ہے۔ ان کے نزدیک لِيَتَفَقَّهُوا کا مخاطب پیچھے رہ جانے والا طائفہ ہے۔ یعنی ایک گروہ جہاد پر چلا جائے وَتَبَقَّى طَائِفَةٌ (یہ مخدوف ہو گا) اور ایک گروہ پیچھے رہے، جو دین کا علم حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آئیں تو انہیں بھی احکام دین سے آگاہ کر کے انہیں ڈرامیں۔ دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان، اس کی ترغیب اور طریقے کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت یا قبیلے میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر بارچھوڑیں اور مدارس و مراکز علم میں جا کر اسے حاصل کریں اور پھر آکر اپنی قوم میں وعظ و نصیحت کریں۔ دین میں تفقہ حاصل کرنے کا مطلب اور نواہی کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ اوس امر الہی کو بجالا کسکے اور نواہی سے دامن کشاں رہے اور اپنی قوم کے اندر بھی امر بالمعروف و نهى عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔

(۲) اس میں کافروں سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ اور الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جزیرہ عرب میں آباد مشرکین سے قال کیا، جب ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ، طائف، یمن، یمانہ، ہجر، خیر، حضرموت وغیرہ اقلیم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمادیا اور عرب کے سارے قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمایا اور ۹/۶ تھجڑی میں رومیوں سے قتال کے لیے تبوک تشریف لے گئے جو جزیرہ عرب سے قریب ہے۔ اسی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال فرمایا اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔

الْمُتَقِّنُونَ ①

چاہیے۔^(۱) اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متqi لوگوں کے ساتھ ہے۔^(۲)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے،^(۳) سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔^(۴)

اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے۔^(۵)

وَلَذَا مَا أَنْزَلْتُ سُورَةً فَيَنْهُمُونَ يَقُولُونَ إِنْ كُنْتُمْ زَادْتُهُ هذِهِ إِيمَانًا فَإِمَّا الَّذِينَ يُنَزَّلُونَ فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ②

وَإِمَّا الَّذِينَ قِيلُوا لَهُمْ مَرْضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسٌ إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَا تُؤْتُوا وَهُمْ كَفِرُونَ ③

(۱) یعنی کافروں کے لیے، مسلمانوں کے دلوں میں نرمی نہیں بختنی ہوئی چاہیے جیسا کہ ﴿ إِشَدَّ أَوْعَلَ النَّفَارِ حَمَّا تَبَيَّنَمْ ﴾ (الفتح ۲۹) صحابہ کی صفت بیان کی گئی۔ اسی طرح ﴿ إِذْلَكَ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ أَعْزَّهُ عَلَى الْكُفَّارِ ۚ ﴾ (الحادیۃ ۵۳) اہل ایمان کی صفت ہے۔

(۲) اس سورت میں منافقین کے کروار کی جو ناقاب کشائی کی گئی ہے، یہ آیات اس کا بقیہ اور تتمہ ہیں۔ اس میں بتایا جا رہا ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت یا اس کا کوئی حصہ نازل ہوتا اور ان کے علم میں بات آتی تو وہ استهزہ اور نماق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ اس سے تم میں ہے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو بھی سورت اترتی ہے اس سے اہل ایمان کے ایمان میں ضرور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ایمان کے اضافے پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جس طرح کہ محمد شین کا مسلک ہے۔

(۴) روگ سے مراد نماق اور آیات الہی کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں۔ فرمایا: البتہ یہ سورت منافقین کو ان کے نماق اور خبث میں اور بڑھاتی ہے اور وہ اپنے کفر و نماق میں اس طرح پختہ تر ہو جاتے ہیں کہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ ”ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومین کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ظالموں کے خسارے میں اضافہ ہی فرماتا ہے“ (بی اسرائیل ۸۲) یہ گویا ان کی بد بختنی کی انتہا ہے کہ جس سے لوگوں کے دل ہدایت پاتے ہیں۔ وہی باقی ان کی مغلات و ہلاکت کا باعث ثابت ہوتی ہیں جس طرح کسی شخص کا مزاج اور معدہ بگز جائے تو وہی غذا کیسیں، جن سے لوگ قوت اور لذت حاصل کرتے ہیں، اس کی بیماری میں مزید بگاڑ اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔

اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یادو بار کسی نہ کسی آفت میں چھٹے رہتے ہیں^(۱) پھر بھی نہ توبہ کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔ (۲۶)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چل دیتے ہیں^(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کا دل پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ (۲۷)

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں^(۳) جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے^(۴) جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشند رہتے ہیں^(۵) ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی

أَوْ لَا يَرَوْنَ أَهْمَّ يُفْتَنُونَ فِي الْأَرْضِ عَلِمَ مَرْءَةٌ أَوْ مَرْتَبَتُنِي شَهْرًا لَا يَتُؤْمِنُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ①

وَإِذَا مَا أَنزَلْنَا سُورَةً نَظَرُ عَصْمَهُ إِلَى بَعْضِهِنْ بَلْ يَرَكُمُ مِنْ أَحَدٍ شَهْرًا نَصَرَفُهُ أَصْرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ يَا أَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ②

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ③

(۱) یُفْتَنُونَ کے معنی ہیں۔ آزمائے جاتے ہیں۔ آفت سے مراد یا تو آسمانی آفات ہیں مثلاً تحط سالی وغیرہ (مگر یہ بعید ہے) یا جسمانی بیماریاں اور تکالیف ہیں یا غزوہات ہیں جن میں شرکت کے موقع پر ان کی آزمائش ہوتی تھی۔ سیاق کلام کے اعتبار سے یہ مضموم زیادہ صحیح ہے۔

(۲) یعنی ان کی موجودگی میں سورت نازل ہوتی جس میں منافقین کی شرارتیں اور سازشوں کی طرف اشارہ ہوتا تو پھر یہ دیکھ کر کہ مسلمان انہیں دیکھ تو نہیں رہے، خاموشی سے کھسک جاتے۔

(۳) یعنی آیات اللہ میں غور و تدبر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں کو خیر اور بدایت سے پھیر دیا ہے۔

(۴) سورت کے آخر میں مسلمانوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جو احسان عظیم فرمایا گیا، اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ تمہاری جنس سے یعنی جنس بشریت سے ہیں (وہ نور یا کچھ اور نہیں) جیسا کہ فاد عقیدہ کے شکار لوگ عوام کو اس قسم کے گور کھ دھنے میں پختاتے ہیں۔

(۵) عَنَتْ ایسی چیزیں جن سے انسان کو تکلیف ہو، اس میں دنیاوی مشقتیں اور اخروی عذاب دونوں آجاتے ہیں۔ اس پیغمبر، تمہاری ہر قسم کی تکلیف و مشقت، گراں گزرتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں آسان دین خیپنی دے کر بھیجا گیا ہوں“ (مسند احمد۔ جلد ۵، ص ۲۲۶، جلد ۶، ص ۲۳۳) ایک اور حدیث میں فرمایا۔ إِنَّ هَذَا الدِّينَ يُسْنَرُ بے شک یہ دین آسان ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الإیمان)

(۶) تمہاری بدایت اور تمہاری دنیوی و اخروی منفعت کے خواہش مند ہیں۔ اور تمہارا جنم میں جانا پسند نہیں فرماتے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں تمہیں تمہاری پتوں سے کپڑا کپڑا کر کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی نار جنم میں داخل ہوتے ہو۔ (صحیح بخاری کتاب الرفق بباب نمبر ۲۶) (الانتهاء من المعاصي)

شفیق اور میریان ہیں۔^(۱) (۱۲۸)

پھر اگر روگردانی کریں^(۲) تو آپ کہ دیجئے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے،^(۳) اس کے سوا کوئی معبد نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔^(۴) (۱۲۹)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، عَلَيْهِ تَوَكِّلُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ^(۱)

سورہ یونس کی ہے اور اس کی ایک سونو آیتیں ہیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

سُورَةُ يُونُسَ

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نسایت میریان بذریعہ رحم والا ہے۔

الرَّبِّ يَعْلَمُ حَكْمَ كِتَابٍ كَيْ أَيْتَنِي ہیں۔^(۵) (۱)

کیا ان لوگوں کو اس بات سے تجب^(۶) ہوا کہ ہم نے ان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ^(۷)

الرَّسُولُ لِكَلِمَاتِ رَبِّكَ حَكِيمٌ^(۸)

أَكَانَ لِلثَّالِثِينَ عَجَبًا أَوْ حِينَماً إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ ذِرَّةً لِلثَّالِثَاسَ

(۱) یہ آپ کی چو تھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ صفات کی مظہر ہیں۔ یقیناً آپ ﷺ صاحبِ غلقِ عظیم ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۲) یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دینِ رحمت سے۔
(۳) جو کفر و اعراض کرنے والوں کے کمر و کید سے مجھے بچائے گا۔

(۴) حضرت ابوالدرداء رض فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت حسنی اللہ (الآلیۃ) صحیح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہموم (فلک و مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (سنن أبي داود۔ نمبر ۱۵۰۸۱)

☆ یہ سورت کی ہے۔ البتہ اس کی دو آیات اور بعض نے تین آیات کو منی قرار دیا ہے۔ (فتح القدير)
(۵) الحَكِيمُ، کتاب یعنی قرآن مجید کی صفت ہے۔ اس کے ایک تو وہی معنی ہیں جو ترجیح میں اختیار کیے گئے ہیں۔ اس کے اور بھی کئی معنی کئے گئے ہیں۔ مثلاً الْمُحْكَمُ، یعنی حلال و حرام اور حدود و احکام میں محکم (مضبوط) ہے۔ حکیم بمعنی حاکم۔ یعنی اختلافات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب (البقرۃ۔ ۲۳) حکیم بمعنی مکحوم فیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔

(۶) استفهام انکار تجب کے لیے ہے، جس میں توجیح کا پہلو بھی شامل ہے۔ یعنی اس بات پر تجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی ایک آدمی کو وحی و رسالت کے لیے چن لیا، کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ صحیح معنوں میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا تو فرشتہ یا جن ہوتا، اور دونوں ہی صورتوں میں

میں سے ایک شخص کے پاس وہی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر جو مرتبہ^(۱) ملے گا۔ کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔^(۲)

بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا^(۳) وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔^(۴) اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنے والا نہیں^(۵) ایسا اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو،^(۶) کیا تم پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔^(۷)

وَيَشِّرِّدُ الظَّالِمِينَ أَمْنَوْا أَنَّ لَهُمْ قَدَّمَ صَدِيقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ
الْكُفَّارُونَ إِنَّ هَذَا لَكَثِيرٌ مُّبِينٌ^(۸)

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سَبْعةِ يَوْمٍ
ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ
بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ^(۹)

رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا، اس لیے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کے بجائے وحشت محسوس کرتے۔ دوسرے، ان کے لیے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر ہم کسی جن یا فرشتے کو انسانی قلب میں بھیجنے تو پھر وہی اعتراض آتا کہ یہ تو ہماری طرح کا ہی انسان ہے۔ اس لیے ان کے اس تجرب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

(۱) ﴿قَدَّمَ صَدِيقٍ﴾ کامطلب 'بلند مرتبہ' اجر حسن اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو ایک مومن آگے بھیجا ہے۔

(۲) کافروں کو جب انکار کے لیے کوئی اور بات نہیں سمجھتی تو یہ کہ کچھ نکارا حاصل کر لیتے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ۔

(۳) اس کی وضاحت کے لیے دیکھئے سورہ اعراف آیت ۵۲ کا حاشیہ۔

(۴) یعنی آسمان و زمین کی تخلیق کر کے اس نے ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ساری کائنات کا نظم و تدبیر وہ اس طرح کر رہا ہے کہ کبھی کسی کا آپس میں تصادم نہیں ہوا، ہر چیز اس کے حکم پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہے۔

(۵) مشرکین و کفار، جو اصل مخاطب تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت، جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑوا میں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت بھی صرف انی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ ﴿وَلَا يَتَنَعَّمُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَقَى﴾ (الأنبياء: ۲۸-۲۹) ﴿لَا تَغْنِي شَفَاعَةُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ آنَّ يَأْذِنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَرَبِّهِمْ^(۱۰)

(النجم: ۲۶)

(۶) یعنی ایسا اللہ، جو کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا مدبر و منتظم بھی علاوہ ازیں تمام اختیارات کا بھی کلی طور پر وہی مالک ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے، اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تاکہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کے انساف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہو گا ان کے کفر کی وجہ سے۔^(۱)^(۲)

وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنا یا اور چاند کو نور انی بنا یا^(۳) اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔^(۴) اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلارہا ہے جو دلنش رکھتے ہیں۔^(۵)

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدُلُ الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيدُهُ لِبَيْزَى النَّبِيِّنَ أَمْوَالَهُمْ وَعَمَلَهُمُ الظَّلِيمُ بِالْقِسْطِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَلُّوْا
يُفَرِّوْنَ ⑤

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ
لِتَعْلَمُوا عَدَدَ الْتِينَيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا لِلْعِظَى
يُعَصِّلُ الْأَيْمَنَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ⑥

(۱) اس آیت میں قیامت کے وقوع، بارگاہ الٰہی میں سب کی حاضری، اور جزا و سزا کا بیان ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے متعدد مقالات پر بیان ہوا ہے۔

(۲) ضِيَاءٌ ضَوْءٌ کے ہم معنی ہے۔ مضافت یہاں محفوظ ہے ذَاتَ ضِيَاءٍ وَالْقَمَرَ ذَا نُورِ سُورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنا یا۔ یا پھر انہیں مبالغے پر محمول کیا جائے گویا کہ یہ بذاتِ خود ضیا اور نور ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کی تدبیر کے ذکر کے بعد بطور مثال کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق تدبیر کائنات سے ہے، جس میں سورج اور چاند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ سورج کی حرارت و چیش اور اس کی روشنی، کس قدر ناگزیر ہے اس سے ہر باشур آدمی واقف ہے۔ اسی طرح چاند کی نورانیت کا جو لطف اور اس کے فوائد ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ حکما کا خیال ہے کہ سورج کی روشنی بالذات ہے اور چاند کی نورانیت بالعرض ہے جو سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔ (فتح القدير) واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) یعنی ہم نے چاند کی چال کی منزلیں مقرر کر دی ہیں ان منزلوں سے مراد وہ مسافت ہے جو وہ ایک رات اور ایک دن میں اپنی مخصوص حرکت یا چال کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہ ۲۸ منزلیں ہیں۔ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے جس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر ہر در تک بڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ چودھویں شب یا چودھویں منزل پر وہ مکمل (بدر کامل) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سکڑنا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں چھپا رہتا ہے۔ اور پھر ہلاں بن کر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم برسوں کی گنتی

بلاشبہ رات اور دن کے کیکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو اللہ کا ذر رکھتے ہیں۔ (۶)

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگائیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ (۷)

ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ (۸)

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ان کے مقصد تک پہنچا دے گا^(۹) نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نریں جاری ہوں گی۔ (۹)

ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی "سبحان اللہ" ^(۱۰) اور ان کا

إِنَّ فِي الْخَلْقِ لِيَنْهَا وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَلِمُّ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَأَطْهَمَ أُنُوْبَاهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ الْيَتَامَى غَفِلُونَ ①

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَأَطْهَمَ أُنُوْبَاهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ الْيَتَامَى غَفِلُونَ ②

أُولَئِكَ مَا وَلَهُمُ النَّازُورُ بِمَا كَلُّوا يَكْسِبُونَ ③

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلِمُوا الصِّلَاحَ يَهُدُونَهُمْ رَبُّهُمْ يَا نِسَانَهُمْ مُّخْرِجُهُمْ مِّنْ تَحْتِمِ الْأَفْرُقْ فِي جَهَنَّمِ التَّعْبِيَّ ④

دَعُوهُمْ فِيهَا وُسْبِحَنَكَ اللَّهُمَّ وَتَحْمِلُهُمْ فِيهَا لَسْلُوكُ الْخُرُّ

اور حساب معلوم کر سکو۔ یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی میئے اور سال بختے ہیں جن سے تمہیں ہر چیز کا حساب کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ یعنی سال ۱۲ میئے کا، میں ۲۹، ۳۰ دن کا۔ ایک دن ۲۲ گھنٹے یعنی رات اور دن کا۔ جو ایام استوا میں ۱۲، ۱۳ گھنٹے اور سردی گرمی میں کم و بیش ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازل قمر سے وابستہ نہیں۔ دینی منافع بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طلوع ہلال سے حج، صیام رمضان، اشرحرم اور دیگر عبادات کی تعین ہوتی ہے جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

(۱) اس کے ایک دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے سبب، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کے لیے پل صراط سے گزرنا آسان فرمادے گا، اس صورت میں یہ "با" بسیت کے لیے ہے۔ بعض کے نزدیک یہ استعانت کے لیے ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کے لیے ایک نور مہیا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ چلیں گے، جیسا کہ سورہ حمد میں اس کا ذکر آتا ہے۔

(۲) یعنی اہل جنت، اللہ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ "اہل جنت کی زبانوں پر تسبیح و تحمید کا اس طرح المام ہو گا جس طرح سانس کا المام کیا جاتا ہے" (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہ، باب فی صفات الجنۃ و اهلہها و تسبیحہم فیہا بکرۃ و عشیٰ) یعنی جس طرح بے اختیار سانس کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد و تسبیح الہی کے ترانے رہیں گے۔

بائی سلام یہ ہو گا ”السلام علیکم“^(۱) اور ان کی اخیریات یہ ہو گی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جمانت کا رب ہے۔^(۲)

اور اگر اللہ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ فائدہ کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کاپورا ہو چکا ہوتا۔^(۳) سو ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھکتے رہیں۔^(۴)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیئے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں

دَعُونِهِمْ أَنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ

وَلَوْ يَعْجِلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الْكَثَرِ أُسْتَعْجَلُهُمْ بِالْحَيَاةِ لَقُضِيَ
إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرَ اللَّهُدُّلَّهُ لِلَّهِ رَجُونَ إِقَادَةَ نَافِعٍ
طُعَمَّيَانِ يَعْمَرُ بَعْدَهُمْ ۚ

^(۱) ۹۷-۹۸

وَإِذَا مَسَّ الْأَنْسَانَ الْقُرْدَعَانَا لِعَنْتَهُ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّةً مَرَّ كَانُ لَهُ يَدْعُنَا إِلَى ضَرِّ
مَسْهَةٍ كَذَلِكَ زُرْتَنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

^(۲) ۶۰-۶۱

(۱) یعنی ایک دوسرے کو اس طرح سلام کریں گے، یہ فرشتہ بھی انسیں سلام عرض کریں گے۔

(۲) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح انسان خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے، اللہ کے پیغمبروں سے کہتا ہے کہ اگر تم پچھے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کے اس مطالبے کے مطابق ہم جلدی عذاب بھیج دیتے تو کبھی کے یہ موت اور ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم مصلحت دے کر انہیں پورا موقع دیتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس طرح انسان اپنے لیے خیر اور بھلائی کی دعا میں مانگتا ہے جنہیں ہم قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لیے اور اپنی اولاد وغیرہ کے لیے بد دعا میں کرتا ہے، جنہیں ہم اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے تو ہلاکت مانگ رہا ہے، مگر اس کے دل میں ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بد دعاوں کے مطابق، انہیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں، تو پھر جلد ہی یہ لوگ موت اور تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ”تم اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال و کاروبار کے لیے بد دعا میں مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بد دعا میں، اس گھڑی کو پالیں، جس میں اللہ کی طرف سے دعا میں قبول کی جاتی ہیں، پس وہ تمہاری بد دعا میں قبول فرمائے۔“ (سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب النہی عن آن یدعو الإِنْسَانَ عَلَى أَهْلِهِ وَمَالِهِ۔

ومسلم، کتاب الزهد، فی حدیث جابر الطویل)

پکارا ہی نہ تھا،^(۱) ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لیے اسی طرح خوشنما بنا دیا گیا ہے۔^(۲)

اور ہم نے تم سے پسلے بست سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے، اور وہ ایسے کہ تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔^(۳)

پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا^(۴) تا کہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔^(۵)

اور جب ان کے سامنے ہماری آئیں پڑھی جاتی ہیں^(۶) جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی

وَلَقَدْ أَهْلَكَنَا الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِنَا لَمَّا ظَلَمْنَا وَجَاءَنَا
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ بَعْثَرَى
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ^(۷)

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كِيفَ
تَعْمَلُونَ^(۸)

وَإِذَا شُئْلَ عَلَيْهِمْ إِيَّا شَيْئَنِيْتَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ
لِقَاءَنَا إِنَّكَ تَعْمَلُ مِنْ غَيْرِ هُدًى أَوْ بِدَلَّةٍ قُلْ مَا يَكُونُ لَنِي
أَنْ أَبْدِلَهُمْ وَمَنْ تَلْقَيَ نَصْيَّ إِنْ أَكْبِحُ إِلَامًا يُوحَى إِلَيَّ^(۹)

(۱) یہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسانوں کی اکثریت کا شیوه ہے۔ بلکہ بست سے اللہ کے مانے والے بھی اس کو تھا کیا عام ارتکاب کرتے ہیں کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہو رہا ہے، دعا میں کی جا رہی ہیں، توبہ واستغفار کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ کڑا وقت نکال دیتا ہے تو پھر بارگاہ الٰہی میں دعا و تضرع سے بھی غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ نے ان کی دعا میں قبول کر کے انہیں جس انتہا اور مصیبت سے نجات دی، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

(۲) یہ ترکیم عمل، بطور آزمائش اور صلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، دوسوں کے ذریعے سے شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور انسان کے اس نفس کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے جو انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ «إِنَّ النَّفْسَ لَآمَارَةٌ بِنَاسِ شَوَّهٍ» (یوسف: ۵۲) تاہم اس کاشکار ہوتے وہی لوگ ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ یہاں معنی یہ ہوئے کہ ان کے لیے دعا سے اعراض، شکر الٰہی سے غفلت اور شهوت و خواہشات کے ساتھ اشغال کو مزین کر دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یہ کفار مکہ کو تنیس ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح تم بھی ہلاکت سے دوچار ہو سکتے ہو۔

(۴) خلاف، خلیفہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں گزشتہ امتوں کا جانشین۔ یا ایک دوسرے کا جانشین۔

(۵) یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اوہیت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

دو سرا قرآن لایے^(۱) یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں
اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں^(۲) بس میں تو اسی کا
اتباع کروں گا جو میرے پاس وہی کے ذریعہ سے پہنچا ہے،
اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن
کے عذاب کا اندریشہ رکھتا ہوں۔^(۳) (۱۵)

آپ یوں کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو منظور ہو تاونہ تو میں تم کو
وہ پڑھ کر سنتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا
کیونکہ میں اس سے پہلے تو ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں
رہ چکا ہوں۔ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔^(۴) (۱۶)

سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ
باندھے یا اس کی آئتوں کو جھوٹا بتلائے، یقیناً ایسے مجرموں
کو اصلاً فلاح نہ ہوگی۔^(۵) (۱۷)

اور یہ لوگ اللہ کے سوا^(۶) ایسی چیزوں کی عبادت

لَئِنَّ أَخَانُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمَ عَظِيمٍ^(۷)

قُلْ لَوْ شَاوَاللَّهُ مَا شَأْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرِكُهُمْ بِمَا فَعَدْتُمْ
لَمْ يَكُنْ فِي الْكُلُومِ عَمُورًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ^(۸)

فَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَكَذَبَ بِإِلَيْهِ
إِنَّهُ لَا يُغْنِيهِ الْمُجْرِمُونَ^(۹)

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَا لَا يَضْرِبُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

(۱) مطلب یہ ہے کہ یا تو اس قرآن مجید کی جگہ قرآن ہی دوسرا لائیں یا پھر اس میں ہماری حسب خواہش تبدیلی کر دیں۔

(۲) یعنی مجھ سے دونوں باتیں ممکن نہیں میرے اختیار میں ہی نہیں۔

(۳) یہ اس کی مزید تاکید ہے۔ میں تو صرف اسی بات کا پیرو ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کا میں ارتکاب کروں گا تو یوم عظیم کے عذاب سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

(۴) یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہتا تو میں نہ تمہیں پڑھ کر سنتا آنہ تمہیں اس کی کوئی اطلاع ہی ہوتی۔ بعض نے آذراً اکُمْ بِهِ کے معنی کے ہیں أَعْلَمَكُمْ بِهِ عَلَى لِسَانِي، کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بابت کچھ نہ بتلاتا۔

(۵) اور تم بھی جانتے ہو کہ دعواۓ نبوت سے قبل چالیس سال میں نے تمہارے اندر گزارے ہیں۔ کیا میں نے کسی استاذ سے کچھ سیکھا ہے؟ اسی طرح تم میری امانت و صداقت کے بھی قائل رہے ہو۔ کیا بہ یہ ممکن ہے کہ میں اللہ پر افتراض ہنا شروع کر دوں؟ مطلب ان دونوں باتوں کا یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے نہ میں نے کسی سے سن یا سیکھ کر اسے بیان کیا ہے اور نہ یوں ہی جھوٹ موت اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

(۶) یعنی اللہ کی عبادت سے تجاوز کر کے نہ کہ بالکلیہ اللہ کی عبادت ترک کر کے۔ کیونکہ مشرکین اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اور غیر اللہ کی بھی۔

کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں^(۱) اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔^(۲) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں،^(۳) وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔^(۴)

اور تمام لوگ ایک ہی امت کے تھے پھر انہوں نے اختلاف پیدا کر لیا^(۵) اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔^(۶)

اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی جانب

وَيَقُولُونَ هُوَ الَّذِي شَفَعَ عَوْنَى عِنْدَ اللَّهِ فَلَمَّا أَتَاهُمْ مَا
اللَّهُ بِمَا لَأَيْمَنَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
سُبْحَانَهُ وَتَعَلَّمَ عَمَّا يَشَاءُ كُوْنَ^(۷)

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أَمْةً وَاحِدَةً فَآخْتَلَغُوا مَوْلَوْلَا
كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لِقْضَى بَيْنَهُمْ فَيَمَا فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ^(۸)

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهَا آيَةٌ مِّنْ رَبِّهِ

(۱) جب کہ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو بدلا اور اپنے نافرمانوں کو سزا دینے پر قادر ہو۔

(۲) یعنی ان کی سفارش سے اللہ ہماری ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ ہماری بگڑی بنا دیتا ہے یا ہمارے دشمن کی بنی ہوئی بگاڑ دیتا ہے۔ یعنی مشرکین بھی اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان کو نفع ضرر میں مستقل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

(۳) یعنی اللہ کو تو اس بات کا علم نہیں کہ اس کا کوئی شریک بھی ہے یا اس کی بارگاہ میں سفارشی بھی ہوں گے؟ گویا یہ مشرکین اللہ کو خبر دیتے ہیں کہ تجھے گو خبر نہیں۔ لیکن ہم تجھے بتلاتے ہیں کہ تیرے شریک بھی ہیں اور سفارشی بھی ہیں جو اپنے عقیدت مندوں کی سفارش کریں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کی یہ باتیں بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے۔

(۵) یعنی یہ شرک، لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے پہل اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تمام لوگ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقے پر تھے اور وہ اسلام ہے جس میں توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام تک لوگ اسی توحید پر قائم رہے۔ پھر ان میں اختلاف ہو گیا اور کچھ لوگوں نے اللہ کے ساتھ، دوسروں کو بھی معبود، حاجت رو اور مشکل کشا سمجھنا شروع کر دیا۔

(۶) یعنی اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ اتمام جنت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دینا ہے، اسی طرح اس نے مخلوق کے لیے ایک وقت موعود کا تعین نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ان کے مابین اختلافات کا فیصلہ اور مومنوں کو سعادت مند اور کافروں کو عذاب و مشقت میں بدلنا کر چکا ہوتا۔

سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی؟^(۱) سو آپ فرمادیجھے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے^(۲) سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمارے ساتھ منتظر ہوں۔^(۳)

اور جب ہم لوگوں کو اس امر کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کامزہ چکھا دیتے ہیں^(۴) تو وہ فوراً ہی ہماری آئیتوں کے بارے میں چالیں چلنے لگتے ہیں،^(۵) آپ کہہ دیجھے کہ اللہ چال چلنے میں تم سے زیادہ تیز ہے،^(۶) بالیقین ہمارے فرشتے تماری سب چالوں کو لکھ رہے ہیں۔^(۷)

وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے،^(۸) یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ

فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَإِنَّنَّا طَرَفٌ إِلَيْهِ مَعْلُومٌ
مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ ①

وَإِذَا أَذْنَنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ أَنْ بَعْدَ ضَرَّاءً مَسْتَهِمْ رَأَى اللَّهَ كَفِيرًا
فَنَّا يَأْنَثُنَا قُلِّ اللَّهُ أَكْبَرُ مَنْ كَفَرَ لَنَّ رُسُلَنَا لَيَكْتُبُونَ مَا تَنْكِرُونَ ②

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَرْحَافِ إِذَا أَنْتُمْ فِي الْفَلَكِ ۚ وَ
جَرَّانِ ۖ يَوْمَ يُرِيْجُ طَبِيعَةً ۖ فَرِحُوا بِهَا جَاءَنَّهَا رَمْحٌ عَاصِفٌ

(۱) اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح مجرز ہے، جیسے قوم شہود کے لیے او نہنی کاظموں ہوا۔ ان کے لیے صفا پاڑی کو سونے کایا کے کے پہاڑوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نرسیں اور باغات بنانے کیا اور اس قسم کا کوئی مجرزہ صادر کر کے دکھلایا جائے۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی خواہشات کے مطابق وہ مجرزے تو ظاہر کر کے دکھلا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو فوراً وہ ہلاک کر دیتا ہے۔ اس لیے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ کسی قوم کے لیے اس کی خواہشات کے مطابق مجرزے ظاہر کر دینا، اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اس بات کا علم بھی صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ مجرزے اگر ان کو نہ دکھائے گئے تو انہیں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسی لیے آگے فرمایا، ”تم بھی انتظار کرو“، میں بھی تمارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

(۳) مصیبت کے بعد نعمت کا مطلب ہے، ”خنگی، قحط سالی اور آلام و مصائب کے بعد، رزق کی فراوانی، اسباب معیشت کی ارزانی وغیرہ۔

(۴) اس کا مطلب ہے کہ وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر اور ان پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یعنی یہ ان کی وہ بری تدبیر ہے جو وہ اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ کی تدبیر، ان سے کہیں زیادہ تیز ہے جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا موآخذہ کرنے پر قادر ہے، وہ جب چاہے ان کی گرفت کر سکتا ہے، فوراً بھی اور اگر اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہو تو بعد میں بھی۔ مگر، عربی زبان میں خفیہ تدبیر اور حکمت عملی کو کہتے ہیں، جو اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ یہاں اللہ کی عقوبات اور گرفت کو مکر سے تعبیر گیا گیا ہے۔

(۶) يُسَيِّرُكُمْ، وہ تمہیں چلاتا یا چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ ”خشکی میں۔“ یعنی اس نے تمہیں قدم عطا

کشیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (برے) آگھرے،^(۱) (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں^(۲) کہ اگر تو ہم کو اس سے بچا لے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔^(۳)

وَجَاءُهُ الْمُؤْمِنُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَاهِرًا لِمَنْ أُحِيطَ بِهِ دُعَوَا
إِنَّهُ مُخْلِصٌ لِهِ الْيَتَمَّ هَلَّ عَنِ الْجَنَاحِ مَنْ هَذِهِ الْأَنْوَاعُ
مِنَ الشَّيْكُرُونَ ^(۴)

کیے جن سے تم چلتے ہو، سواریاں میا کیں، جن پر سوار ہو کر دور دراز کے سفر کرتے ہو۔ "اور سمندر میں" یعنی اللہ نے تمہیں کشیاں اور جہاز بنانے کی عقل اور سمجھ دی، تم نے وہ بنا میں اور ان کے ذریعے سے سمندروں کا سفر کرتے ہو۔ (۱) أُحِيطَ بِهِمْ کا مطلب ہے، جس طرح دشمن کسی قوم یا شرکا احاطہ یعنی محاصرہ کر لیتا ہے اور پھر وہ دشمن کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں، اسی طرح وہ جب سخت ہواں کے تھپیزوں اور تلاطم خیز موجودوں میں گھر جاتے ہیں اور موت ان کو سامنے نظر آتی ہے۔

(۲) یعنی پھر وہ دعائیں غیر اللہ کی ملاوٹ نہیں کرتے جس طرح عام حالات میں کرتے ہیں۔ عام حالات میں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ بھی اللہ کے بندے ہیں، انہیں بھی اللہ نے اختیارات سے نواز رکھا ہے اور انہی کے ذریعے سے ہم اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ لیکن جب اس طرح شدائد میں گھر جاتے ہیں تو یہ سارے شیطانی فلسفے بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ یاد رہ جاتا ہے اور پھر صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی فطرت میں اللہ واحد کی طرف رجوع کا جذبہ دیعت کیا گیا ہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہو کر اس جذبے یا فطرت کو دباریتا ہے لیکن مصیبت میں یہ جذبہ ابھر آتا ہے اور یہ فطرت عود کر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توحید، فطرت انسانی کی آواز اور اصل چیز ہے، جس سے انسان کو انحراف نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے انحراف فطرت سے انحراف ہے جو سراسر گمراہی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مشرکین، جب اس طرح مصائب میں گھر جاتے تو وہ اپنے خود ساختہ معبدوں کے بجائے، صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے چنانچہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل رض کے بارے میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے، تو کشتی طوفانی ہواں کی زد میں آگئی، جس پر ملاح نے کشتی میں سوار لوگوں سے کہا کہ آج اللہ واحد سے دعا کرو، تمہیں اس طوفان سے اس کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رض کہتے ہیں، میں نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے۔ اور یہی بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کر لیا اگر یہاں سے میں زندہ بچ کر نکل گیا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کروں گا۔ چنانچہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ اسنن نسائی، أبو داود۔ نمبر ۲۶۸۳۔ وذکرہ الألبانی فی

پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحن سرکشی کرنے لگتے ہیں^(۱) اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لیے وباں ہونے والی ہے^(۲) دنیاوی زندگی کے (چند) فائدے ہیں، پھر ہمارے پاس تم کو آتا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو بتلادیں گے۔ (۲۳)

پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی بر سایا پھر اس سے زمین کی باتات، جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلی۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم (عذاب) آپر اسوس ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا^(۳) کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔ (۲۳)

فَلَمَّا آتَجْهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ يَعْثِرُونَ الْحَقَّ مِنَ أَنَّهَا النَّاسُ إِنَّمَا يَغْنِيُنَّ عَنِ الْأَنْفُسِ كُلُّ مَتَاعٍ حَيَوَةُ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مُرْجَعُكُمْ فَنَلَّيْتُمْ كُلُّ بِيَدِكُنُّمْ تَعْمَلُونَ ③

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كُلُّمَا كُنْزَنَّهُ مِنَ السَّمَاءِ فَلَفَتَكُلُّا
يَهْبَكُلُّ الْأَرْضِ وَمَمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّى إِذَا
أَخْذَتِ الْأَرْضَ رُحْرَقَهَا وَأَزْيَنَتْ وَطَنَ أَهْلَهَا أَهْمُمْ
قَدْرُونَ عَلَيْهَا أَتَهَا أَمْرَنَا لِيُلَّا أَوْهَمَ رَأْجَعْلَهَا
حَوْيِيدًا كَانَ لَمْ تَعْنَ يَا لَمْسُ بَكَذِلِكَ تَنْقُصُنَ
الْأَلْيَتِ لِلْقَوْمِ يَتَغَلَّبُونَ ④

”الصحیحة“ نمبر ۲۲، ۲۲^۱ لیکن افسوس! امت محمدیہ کے عوام اس طرح شرک میں پھنسے ہوئے ہیں کہ شدائد و آلام میں بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے، فوت شدہ بزرگوں کو ہی مشکل کشا بھختے اور انہی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ آه! فَلَيْتَكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًّا.

(۱) یہ انسان کی اسی ناشکری کی عادت کا ذکر ہے جس کا تذکرہ ابھی آیت ۱۲ میں بھی گزرا، اور قرآن میں اور بھی متعدد مقامات پر اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم یہ ناشکری اور سرکشی کرلو، چار روزہ متاع زندگی سے فائدہ اٹھا کر بالآخر تمہیں ہمارے ہی پاس آتا ہے، پھر ہم تمہیں، جو کچھ تم کرتے رہے ہو گے، بتلائیں گے یعنی ان پر سزا دیں گے۔

(۳) حَصِينِدًا فَعِيلَ بمعنی مفعول ہے اُنی: مَخْصُودًا یعنی ایسی کھیتی ہے جسے کاث کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہو اور کھیت صاف ہو گیا ہو۔ دنیا کی زندگی کو اس طرح کھیتی سے تشبیہ دے کر اس کے عارضی پن اور ناپائیداری کو واضح کیا گیا ہے کہ کھیت بھی بارش کے پانی سے نشوونما پاتی اور سربزو شاداب ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اسے کاث کر فنا کے گھات اتار دیا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلا تا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ (۲۵)

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں بھی^(۱) اور ان کے چروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت^(۲) یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۶)

اور جن لوگوں نے بد کام کیے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی^(۳) اور ان کو ذلت چھائے گی، ان کو اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔^(۴) کیوں ان کے چروں پر اندر ہیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۷)

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے^(۵) پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور

(۱) اس زیادہ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن حدیث میں اس کی تفسیر دیدار باری تعالیٰ سے کی گئی ہے جس سے اہل جنت کو جنت اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد، مشرف کیا جائے گا۔ صحیح مسلم کتاب الإیمان، باب إثبات رؤیة المؤمنين في الآخرة لربهم

(۲) گزشتہ آیت میں اہل جنت کا تذکرہ تھا، اس میں بتایا گیا تھا کہ انیں ان کے نیک عملوں کی جزا کئی کئی گناہ ملے گی اور پھر مزید دیدار الہی سے نوازے جائیں گے۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ملے گا۔ سیستان سے مراد کفر و شرک اور دیگر معاصی ہیں۔

(۳) جس طرح کہ اہل ایمان کو بچانے والا اللہ تعالیٰ ہو گا اسی طرح انہیں اس روز اپنے فضل خاص سے نوازے گا علاوہ ازیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو شفاعت کی اجازت بھی دے گا، جن کی شفاعت بھی وہ قبول فرمائے گا۔

(۴) یہ مبالغہ ہے کہ ان کے چرے اتنے سخت سیاہ ہوں گے۔ اس کے بر عکس اہل ایمان کے چرے تروتازہ اور روشن ہوں گے جس طرح سورہ آل عمران، آیت ۱۰۶۔ ﴿يَوْمَ يَجْعَلُ فَلَمَّا نُقْدَرُ مِنْهُ أَحَدًا﴾ الکھف۔ ۲۷۔ ہم ان سب کو اکھا کریں گے۔ اور سورہ قیامت میں ہے۔

(۵) جَمِيعًا سے مراد ازل سے ابد تک کے تمام اہل زمین اور جنات ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا۔ جس طرح کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَحَرَثُنَاهُمْ فَلَمَّا نُقْدَرُ مِنْهُ أَحَدًا﴾ الکھف۔ ۲۷۔ ”ہم ان سب کو اکھا کریں گے، کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔“

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَمَهْمُوْ مَنْ يَشَاءُ
إِلَى صَرَاطِ صَقِيقٍ^(۶)
لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا حُسْنًا وَزِيَادَةً وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهُهُمْ قَبْرَوْلًا
ذَلِكَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَلِيلُونَ^(۷)

وَاللَّذِينَ كَبُوا النَّيَّاتِ حَزَّ أَسْبَدَةٌ يُبَشِّرُهُمْ بِأَنَّهُمْ ذَلِكَهُ
مَا لَهُمْ مِنْ لِلَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَانُوا أَغْشَيْتُ وُجُوهَهُمْ قَطْعاً
مَنْ أَتَيْنَاهُ مُظْلِلًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَلِيلُونَ^(۸)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا لَمَّا نَقْوُلُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ
أَنَّكُمْ وَشَرِكَاؤُكُمْ فَنَهَيْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ

تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھرو^(۱) پھر ہم ان کے آپس میں
چھوٹ ڈال دیں گے^(۲) اور ان کے وہ شرکا کہیں گے کہ
تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ (۲۸)

سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر،
کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔ (۲۹)

اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کی ہوئے کاموں کی جائیج
کر لے گا^(۳) اور یہ لوگ اللہ کی طرف جوان کا مالک
حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ باندھا
کرتے تھے سب ان سے غائب ہو جائیں گے۔ (۳۰)

مَا كُنْتُ حُكْمًا لِّيَا نَأَعْبُدُهُو نَ

فَكُلِّي بِاللَّهِ شَهِيدًا إِيَّنَا وَبِيَنَمَا نَكَلَ عَنْ عِبَادَتِكُمْ
لَغْفِيلَنَ

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلَّنَفِيسْ مَا أَسْلَفْتُ وَدُولَلَ اللَّهُ مَوْلَاهُمْ
الْحَقُّ وَصَلَّ عَنْهُمْ كَمَا كَلَّوْا يَنْهَوْنَ

(۱) ان کے مقابلے میں اہل ایمان کو دوسری طرف کر دیا جائے گا۔ یعنی اہل ایمان اور اہل کفر و شرک دونوں کو الگ الگ ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا۔ جیسے فرمایا ﴿ وَمَتَّلِذُوا لِيَوْمَ تَهْشِمُونَ ﴾ (سورہ یسٰس: ۵۹) ﴿ يَوْمَ هِيَذِ يَضَدُّ غُونَ ﴾ (الروم: ۳۳) اس دن لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ یعنی دو گروہوں میں۔ اُینی: يَصِيرُونَ صِدْعَيْنِ۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی دنیا میں ان کے درمیان آپس میں جو خصوصی تعلق تھا، وہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے معبد اس بات کا ہی انکار کریں گے کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے، ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے، ان کے نام کی نذر نیاز دیتے تھے۔

(۳) یہ انکار کی وجہ ہے کہ ہمیں تو کچھ پڑتا ہی نہیں، تم کیا کچھ کرتے تھے اور ہم جھوٹ بول رہے ہوں تو ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ کافی ہے، اس کی گواہی کے بعد کسی اور ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ مشرکین جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے، وہ محض پتھر کی سورتیاں نہیں تھیں (جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کو جائز ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات تو بتوں کے لیے ہیں) بلکہ وہ عقل و شور رکھنے والے افراد ہی ہوتے تھے جن کے مرنے کے بعد لوگ ان کے مجسے اور بت بنا کر پوچھنے شروع کر دیتے تھے۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے جس کی تصریح صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد، انسان کتنا بھی نیک ہو، حتیٰ کہ نبی و رسول ہو۔ اسے دنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے متبوعین اور عقیدت مندا سے مدد کے لیے پکارتے ہیں اس کے نام کی نذر نیاز دیتے ہیں، اس کی قبر پر میلے ٹھیلے کا انتظام کرتے ہیں، لیکن وہ بے خبر ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا انکار ایسے لوگ قیامت والے دن کریں گے۔ یہی بات سورہ احتفال آیت ۵، ۶ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

(۴) یعنی جان لے گایا مزہ چکھ لے گا۔

(۵) یعنی کوئی معبد اور ”مشکل کشا“ وہاں کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کی مشکل کشائی پر قادر نہیں ہو گا۔

آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ

(۱) ”اللہ“ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔ (۳۱)
سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ہے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجزگرامی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟ (۳۲)

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے، تمام فاسق لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔ (۳۳)

آپ یوں کہیے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی پیدا کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ

قُلْ مَنْ يَرْزُقُهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْنٌ يَنْهَاكُ السَّمْعُ وَالْأَبْصَارُ وَمَنْ يُنْهِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيَّتِ وَمَنْ يُنْهِجُ الْمَيَّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يَدْرِي الْأَمْرَ فَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَشْقَونَ (۱)

فَذَلِكُوا لِلَّهِ رَبِّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الْأَقْلَمُ فَإِنَّ فِي تُصْرَفُونَ (۲)

كَذَلِكَ حَقُّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لِلْأُوْمَنُونَ (۳)

قُلْ هُنْ مِنْ شُرَكَاءِكُمْ مِنْ يَبْدَأُونَ الْخَلْقَ مُثْبِتُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ يَبْدَأُ الْخَلْقَ مُثْبِتُهُ فَإِنَّ تُؤْفَكُونَ (۴)

(۱) اس آیت سے بھی واضح ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی مالکیت، خالقیت، ربوبیت اور اس کے مدبر الامور ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ اس کی الوہیت میں دوسروں کو شریک نہ مراتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنم کا بیندھن قرار دیا۔ آج کل کے مدعیان ایمان بھی اسی توحید الوہیت کے مکر ہیں۔ فَتَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ (هَدَاهُمُ اللَّهُ تَعَالَى).

(۲) یعنی رب اور اللہ (معبوو) تو یہی ہے، جس کے بارے میں تمہیں خود اعتراف ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور مدبر وہی ہے، پھر اس معبد کو چھوڑ کر جو تم دوسرے معبد بنائے پھرتے ہو، وہ گرامی کے سوا کچھ نہیں تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟ تم کہاں پھرے جاتے ہو؟

(۳) یعنی جس طرح یہ مشرکین تمام تراعتراف کے باوجود اپنے شرک پر قائم ہیں اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اسی طرح تیرے رب کی یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو ہدایت اور ایمان انہیں کس طرح نصیب ہو سکتا ہے؟ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿ وَلَكِنْ حَقُّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الظَّمَرَاءِ ﴾ (الزمراء)، لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہو گئی ہے۔

بھی پیدا کرے گا۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟^(۱)
 آپ کہنے کہ تمہارے شرکا میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے۔^(۲) تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوچتے؟^(۳) پس تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔^(۴)

اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں۔ یقیناً گمان، حق (کی معرفت) میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا^(۵) یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے۔^(۶)

فُلْ هُلْ مِنْ شَجَرَةٍ كُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ فَإِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
 إِلَى الْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَدٌ أَنْ يُتَّبِعَ أَمْنَ لَا يَهْدِي
 إِلَآنْ يَهْدِي فَالْكُمْ كَيْفَ تَعْلَمُونَ^(۷)

وَمَا يَنْتَهِي الْكُرْهُمُ إِلَّا طَنَانُ الظَّنِّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا
 إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ لِمَا يَفْعَلُونَ^(۸)

(۱) مشرکین کے شرک کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے لیے ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتاؤ جنہیں تم اللہ کا شریک گردانتے ہو، کیا انہوں نے اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے؟ یا دوبارہ اسے پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ پہلی مرتبہ بھی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور روز قیامت دوبارہ وہی سب کو زندہ کرے گا۔ تو پھر تم ہدایت کا راستہ چھوڑ کر، کہاں پھرے جا رہے ہو؟

(۲) یعنی بھلکے ہوئے مسافرین راہ کو راستہ بتانے والا اور دلوں کو گراہی سے ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان کے شرکا میں سے کوئی ایسا نہیں جو یہ کام کر سکے۔

(۳) یعنی پھر پیروی کے لائق کون ہے؟ وہ شخص جو دیکھا سنا اور لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟ یا وہ جواندھے اور بھرے ہونے کی وجہ سے خود راستے پر چل بھی نہیں سکتا، جب تک کہ دوسرے لوگ اسے راستے پر نہ ڈال دیں یا ہاتھ پکڑ کر نہ لے جائیں؟

(۴) یعنی تمساری عقولوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کس طرح اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر نہ رکھائے جا رہے ہو؟ اور اللہ کے ساتھ تم دوسروں کو بھی شریک عبادت بنارہے ہو؟ جب کہ ان دلائل کا تقاضا ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبدوں مانا جائے اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے لیے خاص مانی جائیں۔

(۵) لیکن بات یہ ہے کہ لوگ محض انکل پچھا باتوں پر چلنے والے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلے میں اوہاں و خیالات اور ظن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ قرآن میں ظن، یقین اور گمان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہے۔

(۶) یعنی اس ہٹ دھرمی کی وہ سزا دے گا۔ کہ دلائل نہ رکھنے کے باوجود یہ محض اوہاں باطلہ اور ظنون فاسدہ کے پیچھے گئے رہے اور عقل و فہم سے زرا کام نہ لیا۔

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر (اپنے ہی سے) گھڑ لیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تو (ان کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل (نازل) ہو چکی ہیں^(۱) اور کتاب (احکام ضروریہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے^(۲) اس میں کوئی بات شک کی نہیں^(۳) کہ رب العالمین کی طرف سے ہے^(۴)-^(۵) (۳۷)

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاو اور جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلا لو اگر تم پچھے ہو۔^(۶) (۳۸)

بلکہ ایسی چیز کی مکذب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے^(۷) اور ہنوز ان کو اس کا اخیر نتیجہ نہیں ملا۔

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَرِبِّ فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝

أَمْ يَقُولُونَ إِنَّهُ مُؤْمِنٌ فَلْئَنْ قَاتُوا إِسْرَارَةً مِثْلَهِ وَادْعُوا مَنْ اسْتَطَعُوهُ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ إِنْ كَانُوا صَدِيقِينَ ۝

بَلْ لَكُمْ بُوَا بِمَا أَنْتُمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَكُمْ يَا تَهْمَةٌ تَلْوِيْلَهُ لَكَذِلِكَ لَكَذِلِكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَاتَلُوكُمْ فَإِنْظُرْ كُفَّارَ كَانَ

(۱) جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے چھپلی کتابیں نازل فرمائی تھیں۔

(۲) یعنی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تفصیل بیان کرنے والا۔

(۳) اس کی تعلیمات میں، اس کے بیان کردہ فصوص و واقعات میں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں۔

(۴) یہ سب باتیں واضح کرتی ہیں کہ یہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے، جو ماضی اور مستقبل کو جانے والا ہے۔

(۵) ان تمام حقائق و دلائل کے بعد بھی، اگر تم سارے دعویٰ یہی ہے کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گھڑا ہوا ہے، تو وہ بھی تم ساری ہی طرح کا ایک انسان ہے، تم ساری زبان بھی اسی کی طرح علی ہے۔ وہ تو ایک ہے، تم اگر اپنے دعوے میں پچھے ہو تو تم دنیا بھر کے اویسوں، فصحا و بلغا کو اور اہل علم و اہل قلم کو جمع کرلو اور اس قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل بناؤ کر پیش کر دو۔ قرآن کریم کا یہ پیغام آج تک باقی ہے، اس کا جواب نہیں ملا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن، کسی انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ فی الواقع کلام الٰہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتراء ہے۔

(۶) یعنی قرآن میں تدبر اور اس کے معانی پر غور کیے بغیر، اس کی مکذبی پر تل گئے۔

(۷) یعنی قرآن نے جو پچھلے واقعات اور مستقبل کے امکانات بیان کئے ہیں، اس کی پوری صحائی اور حقیقت بھی ان پر واضح نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہی مکذب شروع کر دی، یا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے قرآن پر کماقہ تدبر کئے بغیر ہی اس کی مکذبی کر دی حالانکہ اگر وہ صحیح معنوں میں اس پر تدبر کرتے اور ان امور پر غور کرتے، جو اس کے کلام الٰہی

عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ④

جو لوگ ان سے پسلے ہوئے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی
جھٹلایا تھا، سو دیکھ لجئے ان طالبوں کا نجام کیسا ہوا؟^(۳۹)

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں
گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور
آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔^(۴۰)

اور اگر آپ کو جھلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجئے کہ میرے لیے
میرا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل، تم میرے عمل سے
بری ہو اور میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔^(۴۱)

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کاں
لگائے بیٹھے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو
سمجھ بھی نہ ہو؟^(۴۲)

وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ
بِالْفَقِيرِينَ ⑤

وَإِنْ كَذَّ بُوكَ فَقْلُ لِيْ حَمِيلٍ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيْثُونَ
مَمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِّيْتُ مِمَّا تَعْمَلُونَ ⑥

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَعِيْدُونَ إِلَيْكَ أَفَإِنَّكَ تُسْعِيْمُ الظَّمَّ وَلَكُمْ كُلُّهُ
لَرِيْعَقُلُونَ ⑦

ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یقیناً اس کے فہم اور معانی کے دروازے ان پر کھل جاتے۔ اس صورت میں تاویل کے معنی، قرآن کریم کے اسرار و معارف اور لطائف و معانی کے واضح ہو جانے کے ہوں گے۔

(۱) یہ ان کفار و مشرکین کو تنبیہ و تهدید ہے۔ کہ تمہاری طرح چھپلی قوموں نے بھی آیات اللہ کی حکمذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا نجام ہوا؟ اگر تم اس حکمذیب سے بازنہ آئے تو تمہارا نجام بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۲) وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے؟ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ اور گراہی کا مستحق کون ہے؟ اس کے لیے گراہی کا راستہ چوپٹ کھول دیتا ہے۔ وہ عادل ہے، اس کے کسی کام میں ظلم کا شائਬہ نہیں۔ جو جس بات کا مستحق ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ چیز اس کو عطا کر دیتا ہے۔

(۳) یعنی تمام تر سمجھانے اور ولائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھلانے سے بازنہ آئیں تو پھر آپ یہ کہہ دیں، 'مطلوب یہ ہے کہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے، سو وہ میں کرچکا ہوں۔ اب نہ تم میرے عمل کے ذمہ دار ہو، نہ میں تمہارے عمل کا سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے یا بے عمل کی باز پرس ہو گی۔ یہ وہی بات ہے جو ﴿ قُلْ يَا يَاهُ الْكُفَّارُونَ * لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ *﴾ میں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں کسی تھی۔ ﴿ إِنَّا إِذْءَنَّا مُّؤْمِنَوْمُ وَمِنَ الْكُفَّارِ نَأْنِكُمْ *﴾ الآیۃ (المتحنۃ۔ ۲) "بے شک ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں۔"

(۴) یعنی ظاہری طور پر وہ قرآن تو سنتے ہیں، لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں، اس لیے انہیں، اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جس طرح ایک بھرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب برا غیر عاقل بھی ہو۔ کیونکہ عقل مند بھرے پھر بھی اشاروں سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ان کی مثل تو غیر عاقل بھرے کی طرح ہے جو بالکل ہی بے بہرہ رہتا ہے۔

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کو تک رہے ہیں۔ پھر کیا آپ انہوں کو راستہ دکھانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو؟^(۳۳)

یہ یقینی بات ہے کہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔^(۳۴)

اور ان کو وہ دن یادو دلائیے جس میں اللہ ان کو (اپنے حضور) جمع کرے گا (تو ان کو ایسا محسوس ہو گا) کہ گویا وہ (دنیا میں) سارے دن کی ایک آدھ گھنٹی رہے ہوں گے^(۳۵) اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کو ٹھہرے ہوں^(۳۶)۔ واقع خارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي النَّعْمَ وَلَوْكَانُوا لَيَبْصُرُونَ ۝

إِنَّ اللَّهَ لَا يُظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفَاصُهُمْ يُظْلِمُونَ ۝

وَيَوْمَ يَخْرُجُونَ كَمَا كُنُوا لَمْ يَبْلُغُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ الْأَمْرِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَرَّ الظَّنُّ كَذَبُوا يُلْقَاءُ اللَّهُ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

(۱) اسی طرح بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں، لیکن مقصد ان کا بھی چونکہ کچھ اور ہوتا ہے، اس لیے انہیں بھی اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جس طرح ایک اندھے کو نہیں ہوتا۔ بالخصوص وہ اندھا جو بصارت کے ساتھ بصیرت سے بھی محروم ہو۔ کیونکہ بعض اندھے، جنہیں دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، وہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہونے کے باوجود بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اندھا جو دل کی بصیرت سے بھی محروم ہو۔ مقصد ان باتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے۔ جس طرح ایک حکیم اور طبیب کو جب معلوم ہو جائے کہ مریض علاج کرانے میں سنجیدہ نہیں اور وہ میری ہدایات اور علاج کی پروا نہیں کرتا، تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور وہ اس پر اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ساری صلاحیتوں سے نوازا ہے، آنکھیں بھی دی ہیں، جن سے دیکھ سکتے ہیں، کان دیئے ہیں، جن سے سن سکتے ہیں، عقل و بصیرت دی ہے جن سے حق اور باطل اور جھوٹ اور رج کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے وہ حق کا راستہ نہیں اپناتے، تو پھر یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے۔

(۳) یعنی محشر کی سختیاں دیکھ کر انہیں دنیا کی ساری لذتیں بھول جائیں گی اور دنیا کی زندگی انہیں ایسے معلوم ہو گی گویا وہ دنیا میں ایک آدھ گھنٹی ہی رہے ہیں۔ ﴿لَعْرِيَلَبْشُوا لِلَا عَشَيَّةَ وَأَضْحَيَهَا﴾ (النازعات ۳۶)

(۴) محشر میں مختلف حالیں ہوں گی، جنہیں قرآن میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک وقت یہ بھی ہو گا جب ایک دوسرے کو پہچانیں گے، بعض موقع ایسے آئیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام دھریں گے، اور بعض موقعوں پر ایسی دہشت طاری ہو گی کہ ﴿فَلَا أَنْسَابَ يَبْيَنُهُمْ يَوْمَ مِيْدَنٍ وَلَا يَسْأَلُونَ﴾ (المؤمنون ۱۰۰) کہ ”آپس میں ایک دوسرے کی رشتہ داریوں کا پتہ ہو گا اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔“

کو جھلایا اور وہ دایت پانے والے نہ تھے۔^(۲۵)

اور جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ
توڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلادیں یا (ان کے ظہور سے پہلے)
ہم آپ کو وفات دے دیں، تو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی
ہے۔ پھر اللہ ان کے سب افعال پر گواہ ہے۔^(۲۶)

اور ہرامت کے لیے ایک رسول ہے، سوجب ان کا وہ
رسول آجھتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا
ہے،^(۲۷) اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔^(۲۷)

وَإِنَّا لَيُبَيِّنُكَ بَعْضَ الَّذِي نَعْدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّهُمْ كَمَا فَلَيْنَا

مَرْجِعُهُمْ حَرْثُ اللَّهِ شَهِيدٌ عَلَى مَا يَعْلَمُونَ ۚ ^(۲)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ بِيَنَّهُمْ

يَا لَقْسُطٍ وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ^(۲)

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کفار کے بارے میں جو وعدے کر رہے ہیں کہ اگر انہوں نے کفر و شرک
پر اصرار جاری رکھا تو ان پر بھی اسی طرح عذاب الہی آسکتا ہے۔ جس طرح بچھلی قوموں پر آیا، ان میں سے بعض اگر ہم
آپ کی زندگی میں بھیج دیں تو یہ بھی ممکن ہے، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اگر آپ اس سے پہلے ہی
دنیا سے اٹھا لیے گئے، تب بھی کوئی بات نہیں، ان کافروں کو بالآخر ہمارے ہی پاس آتا ہے۔ ان کے سارے اعمال و احوال
کی ہمیں اطلاع ہے، وہاں یہ ہمارے عذاب سے کس طرح نفع سکیں گے؟ یعنی دنیا میں تو ہماری مخصوص حکمت کی وجہ
سے ممکن ہے کہ عذاب سے نفع جائیں لیکن آخرت میں تو ان کے لیے ہمارے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہو گا کیونکہ
قيامت کے وقوع کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہاں اطاعت گزاروں کو ان کی اطاعت کا صلہ اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانی کی
سزا دی جائے۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہرامت میں ہم رسول بھیجتے رہے۔ اور جب رسول اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر چکتا تو پھر ان
کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتے۔ یعنی پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے اور دوسروں کو بلاک کر
دیتے۔ کیونکہ، ﴿ وَمَا لَكُمْ مَعْذِلَيْنَ حَتَّىٰ يَبْعَثَ رَسُولًا ۚ ﴾ (بنی إسرائیل۔ ۱۵) ”اور ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے
پہلے ہی عذاب دینے لگیں۔“ اور اس فیصلے میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ظلم توبہ جب بغیر کناہ کے ان پر
عذاب بھیج دیا جاتا یا بغیر جھت تمام کئے، ان کا مٹا خذہ کر لیا جاتا۔ (فتح القدیر) دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا
تعلق قیامت سے ہے یعنی قیامت والے دن ہرامت جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو گی، تو اس امت میں بھیجا گیا رسول
بھی ساتھ ہو گا۔ سب کے اعمال نامے بھی ہوں گے اور فرشتے بھی بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اور یوں ہرامت اور اس کے
رسول کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ امت محمدیہ کا فیصلہ سب سے پہلے کیا
جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا ”ہم اگرچہ سب کے بعد آنے والے ہیں، لیکن قیامت کو سب سے آگے ہوں گے، اور تمام
ملحوقات سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا۔“ (صحیح مسلم۔ کتاب الجمعة، باب هداۃ هذه الامة لیوم
الجمعة)۔ (تفیر ابن کثیر)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا؟ اگر تم سچے ہو۔^(۲۸)

آپ فرمادیجھے کہ میں اپنی ذات کے لیے تو کسی نفع کا اور کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔ ہرامت کے لیے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آپنچتا ہے تو ایک گھنٹی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔^(۲۹)

آپ فرمادیجھے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپزے یادن کو تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔^(۳۰)

کیا پھر جب وہ آہی پڑے گا اس پر ایمان لاوے گے۔ ہاں اب مانا!^(۳۱) حالانکہ تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔^(۵۱)

پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو تو

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنُّوا صَادِقِينَ ⑥

فُلْ لَأَمْلَكُ لِنَفْسِي ضَرَّاً وَلَا فَعَلاً إِلَّا شَاءَ اللَّهُ بِلِكْلِ أَمْلَكَ
آجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً
وَلَا يَسْتَقْبِلُونَ ⑦

فُلْ أَرْعَبَهُمُ الْأَنْتَكُمْ عَذَابُهُمْ بَيْانًا أَوْ هَلَاً مَاذَا يَسْتَعْجِلُ
مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ⑧

أَكْحَذَ إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنَتْهُ بِهِ الْأَنْ وَقَدْ كُنْتُمْ
بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ⑨

ثُقُوقِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخَلِيلِ هَلْ يُجْزِيُونَ

(۱) یہ مشرکین کے عذاب الہی مانگنے پر کما جا رہا ہے کہ میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ چنانچہ کہ میں کسی دوسرے کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں۔ ہاں یہ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مشیت کے مطابق ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ علاوه ازیں اللہ نے ہرامت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے، اس وقت موعود تک وہ مملت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ وقت آ جاتا ہے تو پھر وہ ایک گھنٹی پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

تبیہ : یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ جب افضل الخلق، سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں، تو آپ کے بعد انسانوں میں اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجت برآری اور مشکل کشائی پر قادر ہو؟ اسی طرح خود اللہ کے پیغمبر سے مد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، "یا رسول اللہ مدد" اور "اغشی یا رسول اللہ" وغیرہ الفاظ سے استغاثہ واستعانت کرنا، کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت اور اس قسم کی دیگر واضح تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ یہ شرک کی ذیل میں آتا ہے۔ فَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا۔

(۲) یعنی عذاب تو ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے جس سے دل نفرت کرتے اور طبیعتیں انکار کرتی ہیں، پھر یہ اس میں کیا خوبی دیکھتے ہیں کہ اسے جلدی طلب کرتے ہیں؟

(۳) لیکن عذاب آنے کے بعد مانے کا کیا فائدہ؟

تمہارے کیے کاہی بدله ملا ہے۔ (۵۲)

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب
واقعی چھ ہے؟^(۱) آپ فرمایجھے کہ ہاں قسم ہے میرے
رب کی وہ واقعی چھ ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز
نہیں کر سکتے۔ (۵۳)

اور اگر ہر جان، جس نے ظلم (شک) کیا ہے، کے پاس
اتنا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تب بھی اس کو دے کر
اپنی جان بچانے لگے^(۲) اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو
پیشمانی کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کا فیصلہ انصاف کے
ساتھ ہو گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔ (۵۴)

یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں
سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا
ہے لیکن بت سے آدمی علم ہی نہیں رکھتے۔ (۵۵)

وہی جان ذات ہے وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے
پاس لائے جاؤ گے۔^(۳) (۵۶)

إِلَيْهَا الْكُنُونُ تَبَيَّبُونَ ⑥

وَيَتَنَبِّئُونَ أَحَقُّ هُوَ قُلُّ إِلَيْهِ لَعْنَةٌ وَمَا لَهُ بِغَيْرِهِنَّ ⑦

وَأَنَّا نَعْلَمُ كُلُّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَا فَدَنْتِيهِ وَأَسْرَوْنَا الْنَّذَامَةَ
لَتَأْرُكُ الْعَذَابَ وَقُطْفَى بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ⑧

أَلَا إِنَّ يَتَوَمَّ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَيْنَا وَمَعَ الدُّنْوَحَ
وَلَكِنَّ الْكُثُرُ مُلْكًا لَا يَعْلَمُونَ ⑨

هُوَ بَخِي وَبُيُّبُتْ وَالَّذِي هُوَ رَجَعُونَ ⑩

(۱) یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ یہ معاد و قیامت اور انسانوں کے مٹی ہو جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا ایک برق بات ہے؟
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجھے کہ تمہارا مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا، اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے سے
عاجز نہیں کر سکتا۔ اس لیے یقیناً یہ ہو کر رہے گا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت کی نظر قرآن میں مزید صرف ۲
آیتیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ تم کھا کر معاد کے وقوع کا اعلان کریں۔ ایک سورہ سبا،
آیت ۳ اور دوسرے سورہ تغابن، آیت ۷۔

(۲) یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لیے آمادہ ہو گا۔ لیکن وہاں کسی کے پاس ہو گا
ہی کیا؟ مطلب یہ ہے کہ عذاب سے چھکارے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔

(۳) ان آیات میں آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ، وعدہ الہی کے برق ہونے، زندگی اور
موت پر اس کے اختیارات اور اس کی بارگاہ میں سب کی حاضری کا بیان ہے، جس سے مقصد گزشتہ باتوں ہی کی تائید و توضیح
ہے کہ جو ذات اتنے اختیارات کی مالک ہے، اس کی گرفت سے بچ کر کوئی کام جا سکتا ہے؟ اور اس نے حساب کتاب
کے لیے جو ایک دن مقرر کیا ہوا ہے، اسے کون ثال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ ایک دن ضرور آئے گا اور ہر
نیک و بد کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے^(۱) اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے^(۲) اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔^(۳) (۵۷)

آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔^(۴) وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔ (۵۸)

آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔^(۵) آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے

يَا إِنَّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءُوكُم مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاقًا لَّهُمَا
فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

قُلْ يَعْصِي اللَّهَ وَرَبَّهُمْ تَهْ ۖ فَإِذَا لَكَ فَلَيْفَرُوا هُوَ خَيْرٌ
مَّا تَبَرَّجُمُونَ ۝

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لِكُمْ مِّنْ رَّزْقٍ فَاجْعَلُمُوهُ مِنْهُ حَرَامًا
وَحَلَالًا ۖ قُلْ أَلَّا أَنَّ لِكُمْ عَلَى اللَّهِ قُنْقُرُونَ ۝

(۱) یعنی جو قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ہے۔ وعظ کے اصل معنی ہیں عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا تربیب سے۔ اور واعظ کی مثال، طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم و صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس طرح قرآن بھی ترغیب و تربیب دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برپا دہو سکتی ہے۔

(۲) یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور عقائد حقہ کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ اور کفر و نفاق کی جو گندگی و پلیدی ہوتی ہے، اسے صاف کرتا ہے۔

(۳) یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ ویسے تو یہ قرآن سارے جماں والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انہی کے لیے اسے ہدایت و رحمت قرار دیا گیا ہے، اس مضمون کو قرآن کریم میں سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۲ اور سورہ الہم السجدة، آیت ۲۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (نیز ﴿هُدًى لِّلْمُشْتَقِّينَ﴾ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں)

(۴) خوشی، اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے یعنی ان کے دلوں میں فرحت اور اطمینان کی کیفیت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوشی کے اظہار کے لیے جلسے جلوسوں کا، چراغوں کا اور اس قسم کے غلط کام اور اسراف بے جا کا اہتمام کرو۔ جیسا کہ آج کل اہل بدعت اس آیت سے ”جشن عید میلاد“ اور اس کی غلط رسوم کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

(۵) اس سے مراد وہی بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے ناموں پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے، جس کی

حکم دیا تھایا اللہ پر افتراء ہی کرتے ہو؟ (۵۹)

اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا مگان ہے؟^(۱) واقعی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے^(۲) لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔^(۳) (۶۰)

اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجلہ ان احوال کے آپ کمیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے^(۴) (۶۱)

وَمَا أَطْلَنَ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ عَلَى اللَّهِ الَّذِي بَيْوَمِ الْقِيَمَةِ أَنَّ
إِنَّهُ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝

وَمَا لَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَنْلَوْنَهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ
مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شَهُودًا إِذْ تُفْصِلُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزِزُ
عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالٍ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ لَا فِي نَيْمَانِ مُبِينٍ ۝

تفصیل سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

(۱) یعنی قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان سے کیا معاملہ فرمائے گا۔

(۲) کہ وہ انسانوں کا دنیا میں فوراً مٹا خذہ نہیں کرتا، بلکہ اس کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی نعمتیں بلا تفریق مومن و کافر، سب کو دیتا ہے۔ یا جو چیزیں انسانوں کے لیے مفید اور ضروری ہیں، انہیں حلال اور جائز قرار دیا ہے، انہیں حرام نہیں کیا۔

(۳) یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، یا اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں۔

(۴) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھنٹی انسانوں پر اس کی نظر ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۃ الانعام، آیت ۵۹ میں گزر چکا ہے کہ ”اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں، جنمیں وہی جانتا ہے۔ اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے، اور کوئی پتا نہیں جھوڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندر ہیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے“ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت ۳۸، اور سورۃ ہود کی آیت ۶ میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جب واقعی یہ ہے کہ وہ آسمان و زمین میں موجود اشیا کی حرکتوں کو جانتا ہے تو وہ انسانوں اور جنون کی ان حرکات و اعمال سے کیوں کربے خبر رہ سکتا ہے جو اللہ کی عبادت کے مکلف اور مامور ہیں؟

یاد رکھو اللہ کے دوستوں^(۱) پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔^(۲) (۶۲)

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (براہیوں سے) پر ہیز رکھتے ہیں۔^(۳) (۶۳)

ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی^(۴) اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔^(۵) (۶۴)

اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ تمام تغلبہ اللہ ہی کے لیے ہے وہ ستاجانتا ہے۔^(۶) (۶۵)

اللَّٰهُ أَوْلَىٰ بِأَنَّهُ لَا يَخْوُفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخْرُجُونَ ﴿۷﴾

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۸﴾

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَنْدِيْلُ
لِكَلْمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۹﴾

وَلَا يَخْرُجُنَّكَ قَوْلَهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ إِلَّا هُوَ جَمِيعًا
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۰﴾

(۱) نافرانوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کا ذکر فرماتا ہے اور وہ ہیں اولیاء اللہ۔ اولیاء ولی کی جمع ہے، جس کے معنی لغت میں قربت کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے، وہ سچے اور مخلص مومن جہنوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔ اسی لیے اگلی آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرمائی، جو ایمان لائے اور جہنوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایمان و تقویٰ ہی اللہ کے قرب کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے، اس لحاظ سے ہر متقدی مومن اللہ کا ولی ہے۔ لوگ ولایت کے لیے اظہار کرامت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے بنائے ہوئے دلیلوں کے لیے جھوٹی پچی کرتیں مشور کرتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کرامت کا ولایت سے چوپی دامن کا ساتھ ہے نہ اس کے لیے شرط۔ یہ ایک الگ چیز ہے کہ اگر کسی سے کرامت ظاہر ہو جائے تو اللہ کی مشیت ہے، اس میں اس بزرگ کی مشیت شامل نہیں ہے۔ لیکن کسی متقدی مومن اور تمنع سنت سے کرامت کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کی ولایت میں کوئی شک نہیں۔

(۲) خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم (حزن) کا ماضی سے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انسوں نے زندگی خدا خونی کے ساتھ گزاری ہوتی ہے۔ اس لیے قیامت کی ہونا کیوں کا اتنا خوف ان پر نہیں ہو گا، جس طرح دوسروں کو ہو گا۔ بلکہ وہ اپنے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اللہ کی رحمت و فضل خاص کے امیدوار اور اس کے ساتھ حسن نظر رکھنے والے ہوں گے۔ اسی طرح دنیا میں وہ جو کچھ چھوڑ گئے ہوں گے یا دنیا کی لذتیں انہیں حاصل نہ ہو سکی ہوں گی، ان پر انہیں کوئی حزن و ملال نہیں ہو گا۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مطلوبہ چیزیں انہیں نہ ملیں، اس پر وہ غم و حزن کا مظاہرہ نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی قضاۃ و تقدیر ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں کوئی کدوڑت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان کے دل قضاۓ الہی پر مسورو مطمئن رہتے ہیں۔

(۳) دنیا میں خوشخبری سے مراد، روایائے صادقہ ہیں یا وہ خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ایک مومن کو دیتے ہیں، جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں
ہیں یہ سب اللہ ہی کے ہیں اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر
دوسرے شرکا کی عبادت کر رہے ہیں کس چیز کی اتباع کر
رہے ہیں۔ محض بے سند خیال کی اتباع کر رہے ہیں اور
محض انھیں لگا رہے ہیں۔^(۱) (۶۶)

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس
میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ دیکھنے بھالنے
کا ذریعہ ہے، تحقیق اس میں دلائل ہیں ان لوگوں کے
لیے جو سنتے ہیں۔^(۲) (۶۷)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو کسی کا
محتاج نہیں^(۳) اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے
اور جو کچھ زمین میں ہے۔^(۴) تمہارے پاس اس پر کوئی
دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم
علم نہیں رکھتے۔^(۵) (۶۸)

أَلَا إِنَّ الْمُؤْمِنَ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَنْتَهِي
إِلَيْهِنَّ يَدْعُونَ مِنْ ذُوْنِ اللَّهِ شَرِكَاءِ إِنَّ
يَكْبِيُونَ إِلَّا لِلَّهِنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَيْمَانَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالثَّمَارَ
مُبْعِرًا إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَتٍ لِّقَوْمٍ يَتَمَمُونَ ۝

فَإِنَّمَا يَنْقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا يَعْلَمُونَ ۝

(۱) یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ہانا، کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ یہ محض ظن و تخيین اور رائے و قیاس کی کرشمہ سازی ہے۔ آج اگر انسان اپنے قوائے عقل و فہم کو صحیح طریقے سے استعمال میں لائے تو یقیناً اس پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جس طرح وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسرے کیوں کراس کے شریک ہو سکتے ہیں؟

(۲) اور جو کسی کا محتاج نہ ہو، اسے اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اولاد تو سارے کے لیے ہی ہوتی ہے اور جب وہ سارے کا محتاج نہیں تو پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت؟

(۳) جب آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ہے تو ہر چیز اسی کی مملوک اور غلام ہوئی۔ پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے، جسے کچھ مدد اور سارے کی ضرورت ہو۔ اور جس کا حکم آسمان و زمین کی ہر چیز برقرار چلتا ہو، اسے کیا ضرورت لاحق ہو سکتی ہے؟ علاوه اذیں اولاد کی ضرورت وہ شخص بھی محسوس کرتا ہے جو اپنے بعد مملوکات کا وارث دیکھنا یا بنانا پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو توفاقی نہیں ہے اس لیے اللہ کے لیے اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿نَحْمَدُ اللَّهَ تَعَالَى أَنَّهُ أَنْدَلَّ لِلْأَنْجَانِ هَذَا ۗ أَنَّ دَعَوَ اللَّهَ تَعَالَى وَكَلَّا ۗ﴾ (مریم ۹۱-۹۰)
”اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں رحمن کی اولاد ہے، قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔“

آپ کہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افtra
کرتے ہیں،^(۱) وہ کامیاب نہ ہوں گے۔^(۲) (۲۹)

یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش ہے پھر ہمارے پاس ان کو آتا ہے
پھر تم ان کو ان کے کفر کے بد لے سخت عذاب چکھائیں
گے۔^(۳۰)

اور آپ ان کو نوح (علیہ اسلام) کا قصہ پڑھ کر سنائے
جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم!
اگر تم کو میرا رہنا اور احکام اللہ کی نصیحت کرنا بھاری
معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔ تم اپنی
تدبیر مع اپنے شرکا کے پختہ کرلو^(۳۱) پھر تمہاری تدبیر
تمہاری گھنٹن کا باعث نہ ہونی چاہیے۔^(۳۲) پھر میرے
ساتھ کر گزرو اور مجھ کو مملت نہ دو۔^(۳۳)

پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی

قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْرَّوْنَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا
يُفْلِحُونَ ۝

مَتَّأْتُ فِي الدُّنْيَا أَثْخَدَ لِيَنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نَذِيرُهُمْ
الْعَذَابُ الشَّدِيدُ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

وَإِنْ عَلَيْهِمْ نِسَاءٌ نُوحٌ رَأَذَ قَالَ لِقَوْمِهِ يَقُولُ مَنْ كَانَ كَيْرًا عَلَيْهِمْ
مَقْتَلُهُ وَمَنْ كَيْرٌ بِإِيمَانِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكِّلُ فَأَجْمِعُوا
أَمْرَكُمْ وَمُنْتَرِكُمْ كَذَلِكُمْ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غَنِمَةٌ تَمَاقُضُ الْأَنَّ وَ
لَا تُنْظَرُونَ^(۴)

فَإِنْ تَوْكِنُوهُ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرُهُ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

(۱) افtra کے معنی جھوٹی بات کرنے کے ہیں۔ اس کے بعد مزید "جھوٹ" کا اضافہ تاکید کے لیے ہے۔

(۲) اس سے واضح ہے کہ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی یعنی اللہ کے غصب اور اس کے عذاب سے نجات ہے محض دنیا کی عارضی خوش حالی، کامیابی نہیں۔ جیسا کہ بت سے لوگ کافروں کی عارضی خوش حالی سے مغایطے کا اور شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ "یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش کر لیں پھر ہمارے ہی پاس ان کو آتا ہے" یعنی یہ دنیا کا عیش آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل اور تھوڑا سا ہے جو شمار میں نہیں۔ اس کے بعد انہیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کافروں، مشرکوں اور اللہ کے نافرمانوں کی دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقیاں، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ قومیں کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ یہ مادی کامیابیاں، ان کی جمد مسلسل کا شہر ہیں جو اسباب ظاہری کے مطابق ہر اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہیں جو اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی طرح محنت کرے گی، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ علاوه ازیں یہ عارضی کامیابیاں اللہ کے قانون مملت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہیں۔ جس کی وضاحت اس سے قبل بعض جگہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

(۳) یعنی جن کو تم نے اللہ کا شریک نہ کھرا رکھا ہے ان کی مدد بھی حاصل کرلو، (اگر وہ تمہارے زعم کے مطابق تمہاری مدد کر سکتے ہیں)

(۴) غُمَّۃَ کے دوسرے معنی ہیں، ابہام اور پوشیدگی۔ یعنی میرے خلاف تمہاری تدبیر واضح اور غیر بھم ہونی چاہیے۔

وَأَمْرُتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ④

معاوضہ تو نہیں مانگا^(۱) میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔^(۲) (۷۲)

سو وہ لوگ ان کو جھلاتے رہے^(۳) پس ہم نے ان کو اور جوان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو جانشین بنایا^(۴) اور جنوں نے ہماری آئیوں کو جھلایا تھا ان کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہیے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جوڑ رائے جا چکے تھے۔^(۵)

پھر نوح (علیہ السلام) کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے^(۶) پس جس چیز کو انہوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے۔^(۷) اللہ تعالیٰ اسی طرح حدے

فَلَكَذِبُهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلِيلَ
وَأَغْرِقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِإِيمَانِنَا فَأَنْظَرْنَا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُنْذَرِينَ ⑧

ثُمَّ بَعْثَنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
فَمَا كَانُوا يُؤْمِنُوا بِهَا كَذَّبُواهُمْ مِنْ قَبْلِ مَكَانِكَ تَطْبِعُهُمْ عَلَى
فُلُوبِ الْمُعْتَدِلِينَ ⑨

(۱) کہ جس کی وجہ سے تم یہ تہمت لگا سکو کہ دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو مال و دولت کا اکٹھا کرنا ہے۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیا کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ گو شرائع مختلف اور مناج متعدد ہے۔ جیسا کہ آیت ﴿ لِلَّّٰهِ جَعَلْنَا مِنْكُمُ شَرِيعَةً وَمِنْهَا جَاءَ ﴾ (المائدۃ ۳۸) سے واضح ہے۔ لیکن دین سب کا اسلام تھا، ملاحظہ ہو سورۃ النمل^{۹۱}-سورۃ البقرۃ^{۱۳۲-۱۳۱}، سورۃ یوسف^{۱۰۱}-سورۃ یونس^{۸۲}، سورۃ الاعراف^{۱۲۶}، سورۃ النمل^{۳۲}-سورۃ المائدۃ^{۳۳} اور سورۃ الانعام^{۱۶۲}، سورۃ الحجۃ^{۱۶۳} اور سورۃ الرعد^{۱۲۳}۔

(۳) یعنی قوم نوح علیہ السلام نے تمام ترویظ و نصیحت کے باوجود تکذیب کاراستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا اور باقی سب کو حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کو بھی غرق کر دیا۔

(۴) یعنی زمین میں ان بچنے والوں کو ان سے پسلے کے لوگوں کا جانشین بنایا۔ پھر انسانوں کی آئندہ نسل انہی لوگوں بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

(۵) یعنی ایسے دلائل و مجرمات لے کر آئے جو اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ واقعی یہ اللہ کے پے رسول ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رہنمائی کے لیے معموث فرمایا ہے۔

(۶) لیکن یہ امیں رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں لا سکیں، محض اس لیے کہ جب اول اول یہ رسول ان کے پاس آئے تو فوراً بغیر غور و فکر کئے ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ پہلی مرتبہ کا انکار ان کے لیے مستقل حجاب بن گیا۔ اور وہ یہی سوچتے رہے کہ ہم تو پسلے انکار کر چکے ہیں، اب اس کو کیا مانتا؟ نیجتاً ایمان سے وہ محروم رہے۔

بڑھنے والوں کے دلوں پر بندگا دیتا ہے۔^(۱) (۷۳)

پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو،^(۲) فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔^(۳) سوانحوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ مجرم قوم تھے۔^(۴) (۷۵)

پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔^(۵) (۷۶)

موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جب کہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو کیا یہ جادو ہے، حالانکہ جادو گر کامیاب نہیں ہوا کرتے۔^(۶) (۷۷)

وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ

لئے بعثتاً مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسِيٌّ وَهَرُونَ إِلَى فَرْعَوْنَ وَهَامَانَ
بِأَيْمَانِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا أَقْوَمَا مُجْرِمِينَ ④

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا هَذَا السِّحْرُ الْمُبِينُ ⑤

قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَنَا جَاءَهُ كُمَّا سِحْرُهُ هَذَا وَلَا يَعْلَمُ
السِّحْرُونَ ⑥

قَالُوا إِنْ هُنَّا إِلَّا تَفْتَنَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ أَبَاهُنَا وَتَكُونُ لِكُمَا
الْكِبِيرُونَ أَفِ الْأَرْضُ دُوَّاقُنْ لِكُمَا لِمُؤْمِنِينَ ⑦

(۱) یعنی جس طرح ان گزشتہ قوموں پر ان کے کفر و بکنذیب کی وجہ سے میریں لگتی رہی ہیں اسی طرح آئندہ بھی جو قوم رسولوں کو جھٹائے گی اور اللہ کی آئتوں کا انکار کرے گی، ان کے دلوں پر مر لگتی رہے گی اور ہدایت سے وہ اسی طرح محروم رہے گی، جس طرح گزشتہ قومیں محروم رہیں۔

(۲) رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد، حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کا ذکر کیا جا رہا ہے، دراصل ہائیکہ رسول کے تحت میں وہ بھی آجائتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا شمار جیل القدر رسولوں میں ہوتا ہے، اس لیے خصوصی طور پر ان کا الگ ذکر فرمایا۔

(۳) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے یہ 'مجازات' بالخصوص نو آیات میفات، جن کا ذکر اللہ نے سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۰۱ میں کیا ہے۔ مشورہ ہیں۔

(۴) یعنی چونکہ وہ بڑے بڑے جرائم اور گناہوں کے عادی تھے۔ اس لیے انہوں نے اللہ کے بھیجھے ہوئے رسول کے ساتھ بھی اشکبار کا معاملہ کیا۔ کیونکہ ایک گناہ، دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا اور گناہوں پر اصرار بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی جرأت پیدا کر دیتا ہے۔

(۵) جب انکار کے لیے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی تو اس سے چھکارا حاصل کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے۔

(۶) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، 'زر اسوجہ تو سی'، حق کی دعوت اور صحیح بات کو تم جادو کہتے ہو، بھلا یہ جادو ہے؟ جادو گر تو کامیاب ہی نہیں ہوتے۔ یعنی مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے اور ناپسندیدہ انجام سے بچنے میں وہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ اور میں تو اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ کی مدد حاصل ہے اور اس کی طرف سے مجھے مجازات اور آیات میفات عطا کی گئی ہیں مجھے حromo ساحری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اللہ کے عطا کردہ مجازات کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟

داووں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے^(۱) اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔^(۲۸) اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادو گروں کو حاضر کرو۔^(۲۹)

پھر جب جادو گر آئے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔^(۳۰)

سوجب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے،^(۳۱) اللہ ایسے فاریوں کا کام بننے نہیں دیتا۔^(۳۲)^(۳۳)

اور اللہ تعالیٰ حق کو اپنے فرمان سے^(۳۴) ثابت کر دیتا ہے گو محروم کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔^(۳۵)

پس موسیٰ (علیہ السلام) پرانی کی قوم میں سے صرف قدرے

وَقَالَ فَرْعَوْنُ إِنَّنِي بِكُلِّ سِعْدٍ عَلَيْهِ^(۴۰)

فَلَمَّا أَلْقَاهُ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَقْوَامًا أَنْذَمْتُمُونَ^(۴۱)

فَلَمَّا أَلْقَاهُ الْقَوَافِلَ مُوسَىٰ مَلِجَتْهُ بِهِ التَّعْرُقُ إِنَّ اللَّهَ سَيَبْطَلُهُ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْصُلُهُ عَمَلَ الْمُقْسِدِينَ^(۴۲)

وَيَخْبُئُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَأَنْوَرُهُ الْجُرْمُونَ^(۴۳)

فَهَآءَمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَادُرِيَّةً مِنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ حَوْفِ قَنْ فَرْعَوْنَ

(۱) یہ منکرین کی دیگر کٹ جھیاں ہیں جو دلائل سے عاجز آکر پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہمیں ہمارے آباء و اجداد کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو، دوسرے یہ کہ ہمیں جاہ و ریاست حاصل ہے، اسے ہم سے چھین کر خود اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ اس لیے ہم تو کبھی بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی تقلید آباء پر اصرار اور دنیوی جاہ و مرتبت کی خواہش نے انہیں ایمان لانے سے روکے رکھا۔ اس کے بعد آگے وہی قصد ہے کہ فرعون نے ماہر جادو گروں کو بلایا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور جادو گروں کا مقابلہ ہوا، جیسا کہ سورہ اعراف میں گزر اور سورہ طہ میں بھی اس کی کچھ تفصیل آئے گی۔

(۲) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بھلا جھوٹ بھی، بیچ کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ جادو گروں نے، چاہے وہ اپنے فن میں کتنے ہی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، جو کچھ پیش کیا، وہ جادو ہی تھا اور نظر کی شعبدہ بازی ہی تھی اور جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ کے حکم سے اپنا عاصا پھینکا تو اس نے ساری شعبدہ بازیوں کو آن واحد میں ختم کر دیا۔

(۳) اور یہ جادو گر بھی مفسدین تھے۔ جنہوں نے مخفی دنیا کمانے کے لیے جادو گری کافن سیکھا ہوا تھا اور جادو کے کرتب دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل فساد کو کس طرح سنوار سکتا تھا؟

(۴) یا کلمات سے مراد وہ دلائل و برائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں میں اتارتا رہا ہے جو پیغمبروں کو وہ عطا فرماتا تھا۔ یا وہ مجرازات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیا کے ہاتھوں سے صادر ہوتے تھے، یا اللہ کا وہ حکم ہے جو وہ لفظ کُن سے صادر فرماتا ہے۔

قليل آدمي ايمان لائے^(۱) وہ بھي فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کميس ان کو تکليف پہنچائے^(۲) اور واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا، اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد سے باہر ہو جاتا تھا۔^(۳) (۸۳)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔^(۴) (۸۴)

انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا۔ (۸۵)

وَمَلَكَ الْهُجَّانَ يَقْتَلُهُمْ وَلَئَنَّ فِرْعَوْنَ لَعَلِيٌّ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لِيَنِّ الْمُشْرِفِينَ ۝

وَقَالَ مُوسَىٰ يَقُومُوا يَقُومُوا لَكُنُّمُ أَمْنَثُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكِّلُوا إِنَّ ۝
كُنُّمُ مُسْلِمِينَ ۝

فَقَالُوا أَعْلَمُ اللَّهُ تَوَكَّلْنَا ۝ رَبَّنَا الْأَجَعِذْنَا يَقْتَلُنَّهُ الْقَوْمُ
الظَّالِمِينَ ۝

(۱) قَوْمِهِ کے "ہ" کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ آیت میں ضمیر سے پہلے انہی کا ذکر ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائے۔ لیکن امام ابن کثیر وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تو ایک رسول اور نجات دہنہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں انہیں مل گئے اور اس اعتبار سے سارے بنی اسرائیل (سوائے قارون کے) ان پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ ﴿ ذُرِّيَّةً مِّنْ قَوْمِهِ ۚ ۝ سے مراد، فرعون کی قوم سے تھوڑے سے لوگ ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ انہی میں سے اس کی بیوی (حضرت آسیہ) بھی ہیں۔

(۲) قرآن کریم کی یہ صراحت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ فرعون کی قوم میں سے تھے، کیونکہ انہی کو فرعون اور اس کے درباریوں اور حکام سے تکلیف پہنچائے جانے کا ڈر تھا۔ بنی اسرائیل، دیسے تو فرعون کی غلامی و مخلوقی کی ذلت ایک عرصے سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا انہیں اس وجہ سے مزید تکالیف کا اندیشہ تھا۔

(۳) اور ایمان لانے والے اس کے اسی ظلم و ستم کی عادت سے خوف زدہ تھے۔

(۴) بنی اسرائیل، فرعون کی طرف سے جس ذلت و رسوانی کا شکار تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی اس میں کمی نہیں آئی، اس لیے وہ سخت پریشان تھے، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے یہ تک کہہ دیا، اے موسیٰ! جس طرح تیرے آنے سے پہلے ہم فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے تکلیفوں میں بٹلا تھے، تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا تھا کہ امید ہے کہ میرا رب جلد ہی تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم صرف ایک اللہ سے مدد چاہو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ (لاحظہ ہو، سورۃ الاعراف آیات ۱۲۸-۱۲۹) یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تلقین کی کہ اگر تم اللہ کے سچے فرمانبردار ہو تو اسی پر توکل کرو۔

اور ہم کو اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات
دے۔^(۸۶)

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کے پاس
وہی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے مصر میں
گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز
پڑھنے کی جگہ قرار دے لو^(۲) اور نماز کے پابند رہو اور
آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں۔^(۸۷)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اے ہمارے رب! تو
نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور
طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیئے۔ اے ہمارے
رب! (ای واطے دیئے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ
کریں۔ اے ہمارے رب! انکے مالوں کو نیست و نابود کر
دے اور انکے دلوں کو سخت کر دے^(۳) سو یہ ایمان نہ لانے
پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔^(۴)

وَيَعْتَذِرُونَ إِلَىٰ مُوسَىٰ وَلَخِيَهُ أَنْ تَبَوَّأَ الْقَوْمَ كُمَا

وَمُضَرَّ بِهِمْ تَوْتَاً وَاجْعَلُوا بِهِمْ كُلَّهُمْ قَبْلَةً ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۖ
وَبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ^(۵)

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ أَتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَكَةَ زَيْنَةَ
وَأَمْوَالَ الْأَنْوَارِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ رَبَّنَا لِمَ يُصْلَوُ أَعْنَ سَيِّدِنَا
إِطْمَسَ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَأَشَدَّ عَلَىٰ قُلُوبَهُمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ
يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ^(۶)

(۱) اللہ پر توکل کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعائیں بھی کیں۔ اور یقیناً اہل ایمان کے لیے یہ ایک بہت بڑا اختیار بھی ہے اور سارا بھی۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ہی مسجدیں بنالو اور ان کا رخ اپنے قبلے (بیت المقدس) کی طرف کرلو۔ تاکہ تمہیں عبادت کرنے کے لیے باہر کنسیوں وغیرہ میں جانے کی ضرورت ہی نہ رہے، جہاں تمہیں فرعون کے کارندوں کے ظلم و ستم کا ذر رہتا ہے۔

(۳) جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم پر وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور اس طرح مجرمات دیکھ کر بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو پھر ان کے حق میں بدعا فرمائی، جسے اللہ نے یہاں نقل فرمایا ہے۔

(۴) یعنی اگر یہ ایمان لا میں بھی تو عذاب دیکھنے کے بعد لا میں، جو ان کے لیے نفع بخش نہیں ہو گا۔ یہاں ذہن میں یہ اشکال نہیں آتا چاہیے کہ پیغمبر توہداشت کی دعا کرتے ہیں نہ کہ ہلاکت کی بد دعا۔ اس لیے کہ دعوت و تبلیغ اور ہر طرح سے اتمام جنت کے بعد، جب یہ واضح ہو جائے کہ اب ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے، تو پھر آخری چارہ کاری کی رہ جاتا ہے کہ اس قوم کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ گویا اللہ کی مشیت ہی ہوتی ہے جو بے اختیار پیغمبر کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر اپنی قوم کے بارے میں بدعا فرمائی،

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سوم ثابت قدم رہو^(۱) اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔^(۲) (۸۹)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا^(۳) پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا^(۴) تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبد نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔^(۵)

(جواب دیا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پسلے سر کشی

قَالَ قَدْ أُحِبَّتْ دَعْوَتُكُمَا فَأَسْتَيْمَا وَلَا تَنْبِغِيْنَ سَيِّلَ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ^(۶)

وَجَوَزَ لَنِي بَدَنَى إِنَّمَّا الْجَرْفَ قَاتِلَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجَوْدَةُ بَقِيَا
وَعَدُوا مَحْتَلِي إِذَا دَرَكَهُ الْفَرْقُ قَالَ أَمْنَتْ أَنَّهُ لِإِلَهٍ إِلَّا
الَّذِي أَمْنَتْ يِهَ بِهِ وَالسَّرَّاءِ يِلَّ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ^(۷)

آتُنَّ وَقْتَ عَصَيْتَ قَبْلُ وَلَنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ^(۸)

﴿رَبَّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الظَّالِمِينَ دَيَّارًا﴾ (نوح: ۲۶) "اے رب زمین پر ایک کافر کو بھی بسانہ رہنے دے۔"

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اپنی بد دعا پر قائم رہنا، چاہے اس کے ظہور میں تاخیر ہو جائے۔ کیونکہ تمہاری دعا تو یقیناً قبول کر لی گئی ہے لیکن ہم اسے عملی جامہ کب پہنائیں گے؟ یہ غالباً ہماری مشیت و حکمت پر موقوف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس بد دعا کے چالیس سال بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک کی گئی اور بد دعا کے مطابق فرعون جب ڈوبنے لگا، تو اس وقت اس نے ایمان لانے کا اعلان کیا، جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ سرا مطلب اس کا یہ ہے کہ تم اپنی تبلیغ و دعوت بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی اور اس کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی جدوجہد جاری رکھو۔

(۲) یعنی جو لوگ اللہ کی سنت، اس کے قانون، اور اس کی مصلحتوں اور حکمتوں کو نہیں جانتے، تم ان کی طرح مت ہونا بلکہ اب انتظار اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جلد یا بے دیر اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ کیوں کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

(۳) یعنی سند رکو چاہز کر، اس میں خلک راستہ بنا دیا۔ (جس طرح کہ سورہ بقرہ آیت ۵۰ میں گزر اور مزید تفصیل سورہ شراء میں آئے گی) اور تمہیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔

(۴) یعنی اللہ کے حکم سے مجرمانہ طریق پر بنے ہوئے خلک راستے پر، جس پر چل کر موئی علیہ السلام اور ان کی قوم نے سند رپار کیا تھا، فرعون اور اس کا لشکر بھی سند رپار کرنے کی غرض سے چلنا شروع ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ موئی علیہ السلام بنی اسرائیل کو جو میری غلامی سے نجات دلانے کے لیے راتوں رات لے آیا تو اسے دوبارہ قید غلامی میں لا یا جائے۔ جب فرعون اور اس کا لشکر، اس سند رپاری راستے میں داخل ہو گیا تو اللہ نے سند رکو حسب سابق جاری ہو جانے کا حکم دے دیا۔ نتیجتاً فرعون سمیت سب کے سب غرق دریا ہو گئے۔

کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔^(۱) (۶۱)

سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے نشان عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں^(۲) اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔^(۳) (۶۲)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانہ رہنے کو دیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں کھانے کو دیں۔ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا ہماں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔^(۴) یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔^(۵) (۶۳)

پھر اگر آپ اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھیے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔^(۶) (۶۴)

فَإِلَيْهِمْ نُنْهَا يَبْدِلُنَّكَ لِتَتَّوَلَّنَ لِمَنْ خَلْفَكَ أَيْهَا وَأَنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنِ الْيَتِيمَ الْغَلِيلُونَ ۝

وَلَقَدْ بَوَأْنَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ مُبْرَأً صَدِيقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَقُوا حَتَّى جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِذَنَ رَبِّكَ يَقُولُ بَدَنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيهَا كَانُوا فِيهِ يَغْتَلُونَ ۝

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ تَمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَتُصَلِّ الَّذِينَ يَقُولُونَ وَنَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا فِي الْأَيْمَانِ مِنْ رِبِّكَ فَلَا تَكُونُنَّ مِنَ الْمُنْتَرِينَ ۝

(۱) اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اب ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت تو نافرمانیوں اور فساد انگیزوں میں بتلا رہا۔

(۲) جب فرعون غرق ہو گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا، اس نے اس کی لاش کو باہر خٹکی پر پھینک دیا، جس کا مشاہدہ پھر سب نے کیا۔ مشہور ہے کہ آج بھی یہ لاش مصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(۳) یعنی ایک تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے، آپس میں اختلاف شروع کر دیا، پھر یہ اختلاف بھی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے نہیں کیا، بلکہ علم آجائے کے بعد کیا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اختلاف محض عناد اور تکبری بنياد پر تھا۔

(۴) یہ خطاب یا تو عام انسانوں کو ہے یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وہی کے بارے میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ”جو کتاب پڑھتے ہیں، ان سے پوچھ لیں“ کا مطلب ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں، (تورات و انجیل وغیرہ) یعنی جن کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں ان سے اس قرآن کی بابت معلوم کریں کیونکہ ان میں اس کی نشانیاں اور آخری پیغمبر کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آئتوں کو جھٹلایا، کیس آپ خسارہ پانے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔^(۹۵)

یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت
ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ (۹۶)

گوان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔ (۹۷) (۲)

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا
سوائے یونس (علیہ السلام) کی قوم کے۔^(۳) جب وہ ایمان

وَلَا تُكُونُنَّ مِنَ الظَّالِمِينَ كَذَّابِيَّاتِ اللَّهِ فَتَكُونُنَّ مِنَ
الْخَسِيرِينَ ⑩

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤﴾

وَلَوْجَاءُهُمْ كُلُّ أَيْمَانٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ أَلَا لَمْ يَأْتِ

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرِيهٌ أَمْنَتْ فَنَعَهَا إِيمَانُهَا لِأَقْوَمٍ يُونِسٌ

(۱) یہ بھی دراصل مخاطب امت کو سمجھا جا رہا ہے کہ تکنیک خرمان اور تباہی کا راستہ ہے۔

(۲) یہ وہی لوگ ہیں جو کفر و معصیت الٰہی میں اتنے غرق ہو چکے ہوتے ہیں کہ کوئی وعظ ان پر اثر نہیں کرتا اور کوئی دلیل ان کے لیے کارگر نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ نافرمانیاں کر کر کے قبول حق کی فطری استعداد و صلاحیت کو وہ ختم کر لئے ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں اگر کھلتی ہیں تو اس وقت 'جب عذاب الٰہی ان کے سروں پر آ جاتا ہے'، تب وہ ایمان اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ ﴿لَمْ يَكُنْ يَنْقَعِمُ فِي أَيَّامِهِ كَمَا رَأَوْبَاسْنَا﴾ (المؤمن-۸۵) "جب وہ ہمارا عذاب دیکھے (اس وقت) ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔"

(۳) لَوْلَا يَهَادِيَ الْخَفِيفُ كَمَا لَيْءَ هَلَّا كَمَا مَعْنَى مِنْهُ لِيْعِنِي جَنْ بَسْتِيُونْ كُوْهْمَ نَهْلَاكْ كِيَا، اَنْ مِنْ كُوْئِي اِيكْ بَسْتِي بَجْهِي اِلِيْ
كِيُونْ نَهْ هُوْلِيْ جُوايِسِ اِيمَانْ لَاتِي جُواسْ كَمَلِيْ فَالْكَدِيْرِيْ مَنْدِهْ هُوتَاهْ بَاهْ صَرْفِ يُونِسِ عَلِيِّهِ السَّلَامِ كِيْ قَوْمِ اِيْكِيْ هُوْلِيْ هَيْ كَمْ جَبْ وَهِ
اِيمَانْ لَهْ آلِيْ تَوَالِدِهْ نَهْ اَسْ سَعْدَابِ دُورِ كِرْدِيَا- اَسْ كَامْخَصِرِيْسِ مَظْرِيْيِهْ هَيْ كَمْ يُونِسِ عَلِيِّهِ السَّلَامِ نَهْ جَبِ دِيْكَهَا كِيْ اَنْ كِيْ تَبْلِغِ
وَدُعْوَتِ سَهْ اَنْ كِيْ قَوْمِ مَتَاثِرِ نَهِيْسِ هُورِهِيْ تَوَانِسُونْ نَهْ اَپِنِيْ قَوْمِ مِنْ اَعْلَانِ كِرْدِيَا كِيْ فَلَاسِ فَلَاسِ دُونِ تَمِ پِرْعَذَابِ آجَائِيْهِ گَاوِرِ خَوْدِ
وَهَاهِ سَهْ نَكْلِ گَيْ- جَبِ عَذَابِ بَادِلِيْ کِيْ طَرَحِ اَنِ پِرْأَمَدِ آيَا تَوَهِ بَچُونْ، عَوْرَتِوْنِ حَتِيْ کِيْ جَانُورُوْنِ سَمِيتِ اِيكِ مِيدَانِ مِيْسِ جَمِ جَمِ هَوْ
گَيْهِ اَوْرِ اللَّهِ کِيْ بَارِگَاهِ مِيْسِ عَاجِزِيْ وَاعْسَارِيْ اَوْرِ تَوبَهِ وَاسْتَغْفَارِ شَرْوَعِ كِرْدِيَا- اللَّهُ تَعَالَى نَهْ اَنْ کِيْ تَوَبَهِ قَبُولِ فَرْمَا کِرَانِ سَعْدَابِ
ثَالِ دِيَا، حَضِرَتِ يُونِسِ عَلِيِّهِ السَّلَامِ آنِيْ جَانِيْ وَالِيْ مَسَافِرُوْنِ سَهْ اَپِنِيْ قَوْمِ کَا حَالِ مَعْلُومِ كَرْتَهِ رَهِتَهِ تَهِيْ، اَنَسِیْ جَبِ مَعْلُومِ هَوَا
کِهِ اللَّهُ تَعَالَى نَهْ اَنْ کِيْ قَوْمِ سَعْدَابِ ثَالِ دِيَا هَيْ، تَوَانِسُونْ نَهْ اَپِنِيْ بَلْكِدِيْبِ کَمَ بَعْدِ اَسْ قَوْمِ مِنْ جَانَابِندِ نَهِيْسِ کِيَا بَلْكِدِهِ اَنْ سَهْ
نَارِ اِرضِ هَوْ كِروْهِ کِيْ اَوْرِ طَرَفِ رَوَانَهِ هَوْ گَيْ، جَسِ پِرَوَهِ کِشْتِيْ کَا وَاقِعَهِ پِيشِ آيَا، جَسِ کِيْ تَفْصِيلِ اَپِنِيْ مَقَامِ پِرْ آئَيَهِيْ- (فَحْقُ الْقَدِيرِ)
الْبَتَّةِ مَفْرِينِ کَيْ دَرِيَانِ اَسْ اَمْرِيْمِ اِخْتِلَافِ هَيْ کِهِ قَوْمِ يُونِسِ اِيمَانْ کِبِ لَاتِي؟ عَذَابِ دِيْكَهِ کِرْلَاتِيْ، جَبِ کِهِ اِيمَانْ لَانا تَافِعِ نَهِيْسِ
هَوْتَاهْ- لِيْكِنِ اللَّهُ تَعَالَى نَهْ اَسْ قَانُونِ سَهْ مَسْتَقِيْنِ کَرْکَےِ اَسْ کِيْ اِيمَانْ کَوْبُولِ کِرْلِيَا- یَا بَجْهِيْ عَذَابِ نَهِيْسِ آيَا تَهَا لَعْنِيْ وَهِ

لے آئے تو ہم نے رسولی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے (کاموں) دیا۔^(۱) (۹۸)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے،^(۲) تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں۔^(۹۹)

حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا اللہ کے حکم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔^(۳) (۱۰۰)

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیاں

لَهَا أَمْتَأْكِلُنَا عَنْهُمْ عَذَابٌ أَيْمَنِي فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَمَعَنْهُمْ إِلَى حَيَّنِي^(۴)

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَمْ يَكُنْ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ بَهِيجًا أَفَلَمْ يَرَهُ
النَّاسَ حَتَّى يَأْتُونَ مُؤْمِنِينَ^(۵)

وَمَا كَانَ لِنَفِيْسٍ أَنْ يُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْجَلِ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقُلُونَ^(۶)

فَإِنْفَرِدُوا مَذَاقِ النَّسْوَتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَعْنِي الْأَيْكَ
وَالثَّدْرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ^(۷)

مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم نے قوم یونس کا إلَّا کے ساتھ جو اتنا کیا ہے وہ پہلی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۱) قرآن نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے، اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی، اس لیے بعض مفسرین کے خیال میں اخروی عذاب ان سے ختم نہیں کیا گیا۔ لیکن جب قرآن نے یہ وضاحت کردی کہ دنیوی عذاب، ایمان لانے کی وجہ سے ٹالا گیا تھا، تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے۔ کیوں کہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس اپنے ایمان پر قائم رہی ہو گی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی۔ البتہ بصورت دیگر عذاب سے پختا صرف دنیا کی حد تک ہی ہو گا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمَ۔

(۲) لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ یہ اس کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے، جسے مکمل طور پر وہی جانتا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ میثت اللہ، جو حکمت بالغہ اور مصلحت راجحہ پر ہتھی ہے، اس کی متفہی نہیں۔ اس لیے آگے فرمایا کہ آپ لوگوں کو زبردستی ایمان لانے پر کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟ جب کہ آپ کے اندر اس کی طاقت ہے نہ اس کے آپ ملکف ہی ہیں۔

(۳) گندگی سے مراد عذاب یا کفر ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ کی آیات پر غور نہیں کرتے، وہ کفر میں ہی بتلا رہتے ہیں اور یوں عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں۔^(۱۰۱)

سوہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پسلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرمادیجھے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔^(۱۰۲)

پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچالیتے تھے، اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔^(۱۰۳)

آپ کہ دیجئے^(۲) کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو،^(۳) لیکن ہاں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے۔^(۴) اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔^(۱۰۴)

اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر (اس) دین کی طرف کر

فَهُلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَمْ يَنْتَظِرُوا إِلَّا مَعَكُمْ مِنَ الْمُسْتَظْرِفِينَ^(۵)

لَئِنْ كُنْتُمْ بِرُسْلَنَا وَالَّذِينَ امْنَأْنَا لَكُمْ هَذِهِ الْأَعْلَمُ بِهِمُ الْمُؤْمِنُونَ^(۶)

فَلْ يَأْتِهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِ فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكُنْ أَعْبُدُ اللَّهَ أَنَّمِّي يَتَوَفَّكُمْ وَأَمْرُتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ^(۷)

وَإِنْ أَقْمَ وَجْهَكَ لِلَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا وَلَا تَنْهَنَّ مِنْ

(۱) یعنی یہ لوگ، جن پر کوئی دلیل اور دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی، لہذا ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جائے جن سے کچھلی امتیں گزر چکی ہیں۔ یعنی اہل ایمان کو بچا کر (جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت ہے) باقی سب کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اگر اسی بات کا انتظار ہے تو تھیک ہے، تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔

(۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمرا ہے کہ آپ تمام لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ میرا طریقہ اور مشرکین کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

(۳) یعنی اگر تم میرے دین کے بارے میں شک کرتے ہو، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے اور یہی دین حق ہے نہ کہ کوئی اور تواریخ کو کہ میں ان معبودوں کی کبھی اور کسی حال میں عبادت نہیں کروں گا، جن کی تم کرتے ہو۔

(۴) یعنی موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے جب وہ چاہے تمہیں ہلاک کر سکتا ہے، کیونکہ انسانوں کی جانیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

لینا،^(۱) اور کبھی مشرکوں میں سے نہ ہونا۔^(۱۰۵)
اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ
کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر ایسا کیا
تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ
گے۔^(۲)^(۱۰۶)

اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی
اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا
چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں،^(۳) وہ اپنا
فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاوار کر دے اور
وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔^(۴)^(۱۰۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق تھا رے
رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے،^(۵) اس لیے جو شخص راہ
راست پر آجائے سو وہ اپنے واسطے راہ راست پر آئے

المُشْرِكُونَ ④

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْعَكُ وَلَا يَصْرُكُ قَوْنَ
فَعَلَتْ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ⑤

وَلَمْ يَمْسُكْ اللَّهُ بِنَفْقَةٍ فَلَا كَاشِفَ لَهَا إِلَّا هُوَ وَلَمْ يُرِدْ لَهَا
غَيْرَ فَلَرَأَدَ لِفَضْلِهِ يُصْبِبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةِ وَهُوَ
الْغَفُورُ الرَّاجِحُ ⑥

فُلْ يَا إِنَّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءُوكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ
اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ

(۱) حَيْنِقُ کے معنی ہیں۔ یک سو، یعنی ہر دین کو چھوڑ کر صرف دین اسلام کو اپنانا اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونا۔

(۲) یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو آپ پکاریں گے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں، تو یہ ظلم کا ارتکاب ہو گا۔ ظلم کے معنی ہیں وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحْلِهِ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ رہنا۔ عبادت چونکہ صرف اس اللہ کا حق ہے جس نے تمام کائنات بنائی ہے اور تمام اسباب حیات بھی وہی سیا کرتا ہے تو اس مستحق عبادت ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا گویا عبادت کا نہایت ہی غلط استعمال ہے۔ اسی لیے شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اصل مخاطب افراد انسانی اور امت محمدیہ ہے۔

(۳) خیر کو یہاں فضل سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھلائی کا معاملہ فرماتا ہے، اعمال کے اعتبار سے اگرچہ بندے اس کے مستحق نہیں۔ لیکن یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ اعمال سے قطع نظر کرتے ہوئے، انسانوں پر پھر بھی رحم و کرم فرماتا ہے۔

(۴) حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے جس میں توحید اللہ اور رسالت محمدیہ پر ایمان نہایت ضروری ہے۔

گا^(۱) اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا^(۲) اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔^(۳) (۱۰۸)

اور آپ اس کی اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وہی بھیجی جاتی ہے اور صبر کر جئے^(۴) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے۔^(۵) (۱۰۹)

سورہ ہود کی ہے اور اس کی ایک سو تیس آیتیں اور دس روغ ہیں

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت نہیں بردا رحم والا ہے۔

عَلَيْهَا وَمَا آنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٌ ﴿۷﴾

وَاثِبُمْ مَا يُوحَى إِلَيْكُمْ وَاصْبِرُ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَكَمِينَ ﴿۸﴾

سُبُّوْلُهُ هُوَذَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(۱) یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہو گا کہ قیامت والے دن اللہ کے عذاب سے نجی جائے گا۔

(۲) یعنی اس کا نقصان اور وہاں اسی پر پڑے گا کہ قیامت کو جنم کی آگ میں جلے گا۔ گویا کوئی ہدایت کاراستہ اپنائے گا، تو اس سے کوئی اللہ کی طاقت میں اضافہ نہیں ہو جائے گا اور اگر کوئی کفر و ضلالت کو اختیار کرے گا تو اس سے اللہ کی حکومت و طاقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو جائے گا۔ گویا ایمان و ہدایت کی ترغیب اور کفر و ضلالت سے نجتنے کی تائید و تہیب، دونوں سے مقصداً انسانوں ہی کی بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ کی اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔

(۳) یعنی یہ ذمہ داری مجھے نہیں سونپی گئی ہے کہ میں ہر صورت میں تھیں مسلمان ہنا کر چھوڑوں بلکہ میں تو صرف بشیر اور نذیر اور مبلغ اور داعی ہوں۔ میرا کام صرف اہل ایمان کو خوشخبری دینا، نافرمانوں کو اللہ کے عذاب اور اس کے مٹاخذے سے ڈرانا اور اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ ہے۔ کوئی اس دعوت کو مان کر ایمان لاتا ہے تو ٹھیک ہے، کوئی نہیں مانتا، تو میں اس بات کا مکلف نہیں ہوں کہ اس سے زبردستی منوا کر چھوڑوں۔

(۴) اللہ تعالیٰ جس چیز کی وجی کرے، اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، جس کا امر کرے، اسے عمل میں لا کیں، جس سے رو کے، رک جائیں اور کسی چیز میں کوتاہی نہ کریں۔ اور وحی کی اطاعت و اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، مخالفین کی طرف سے جو ایذا کیں پہنچیں اور تبلیغ و دعوت کی راہ میں جن دشواریوں سے گزرنا پڑے، ان پر صبر کریں اور ثابت قدمی سے سب کا مقابلہ کریں۔

(۵) کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے، اس کی قدرت و طاقت بھی وسیع ہے اور اس کی رحمت بھی عام ہے۔ اس لیے اس سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

☆ اس سورت میں بھی ان قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات اللہ اور پیغمبروں کی مکذبی کر کے عذاب اللہ کا نشانہ بنیں اور تاریخ کے صفحات سے یا تو حرف غلط کی طرح مت گئیں، یا اور اق تاریخ پر عبرت کا نمونہ بنی موجود ہیں۔ اسی لیے حدیث

الرَّحِيمُ بِهِ الْحِكْمَةُ إِنَّهُ تَعْلَمُ فِي صَلَبِكَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَيْرٍ ①
ہیں،^(۱) پھر صاف بیان کی گئی ہیں^(۲) ایک حکیم باخبر
کی طرف سے۔^(۳) ^(۴)

یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی
طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔^(۲)
اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر
اسی کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو وقت مقرر تک اچھا
سامان^(۳) (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے
کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے
رہے تو مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے دن^(۵) کے
عذاب کا اندیشہ ہے۔^(۳)

تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری
قدرت رکھتا ہے۔^(۳)

أَكَذَّ بِعِدْنَى إِلَّا اللَّهُ إِنَّهُ لِكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ ②

إِنَّمَا تَعْلَمُ مَنْ يَعْلَمُ وَمَنْ يُؤْتَ مَنْ يُؤْتَ ۚ إِنَّمَا تَعْلَمُ مَنْ يَعْلَمُ ۖ

وَإِنْ أَسْتَغْفِرُ لِوَالَّذِي تَعْلَمْتُ ۗ وَبِهِ إِنَّمَا تَعْلَمُ مَمْتَاعًا حَسَنًا إِلَّا
أَجَلَ شَرَّىٰ وَرِبُوتٍ ۗ كُلُّ ذِي فَضْلٍ فَضْلُهُ ۗ وَإِنْ تَوَلَّ أَفَإِنِّي
أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ③

إِنَّ اللَّهَ فَرِجَعُهُمْ وَمَوْعِلُهُمْ كُلُّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ④

میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا بات ہے آپ بوڑھے سے
نظر آتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مجھے سورہ ہود، واقعہ، عم، قیساء لون اور إذا الشمس کورت وغیرہ
نے بوڑھا کر دیا ہے۔“ (ترمذی - نمبر ۳۲۹ - صحیح ترمذی للألبانی / ۳ / ۱۱۳)

(۱) یعنی الفاظ و نظم کے اعتبار سے اتنی محکم اور پختہ ہیں کہ ان کی ترکیب اور معنی میں کوئی غلط نہیں۔

(۲) پھر اس میں احکام و شرائع، موعظ و فصل، عقائد و ایمانیات اور آداب و اخلاق جس طرح وضاحت اور تفصیل سے
بیان کئے گئے ہیں، پچھلی کتابوں میں اس کی نظر نہیں آئی۔

(۳) یعنی اپنے اقوال میں حکیم ہے، اس لیے اس کی طرف سے نازل کردہ باتیں حکمت سے خالی نہیں اور وہ خبیر بھی ہے یعنی
تمام معاملات اور ان کے انجام سے باخبر ہے۔ اس لیے اس کی باتوں پر عمل کرنے سے ہی انسان برے انجام سے فیکلتا ہے۔

(۴) یہاں اس سامان دنیا کو جس کو قرآن نے عام طور پر ”متاع غور“ دھوکے کا سامان۔ کہا ہے، یہاں اسے ”متاع
حسن“ قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آخرت سے غافل ہو کر متاع دنیا سے استفادہ کر لے گا، اس کے لیے یہ
متاع غور ہے، کیونکہ اس کے بعد اسے برے انجام سے دوچار ہونا ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے
فائدہ اٹھائے گا، اس کے لیے یہ چند روزہ سامان زندگی متاع حسن ہے، کیونکہ اس نے اسے اللہ کے احکام کے مطابق برتا ہے۔

(۵) بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کیے دیتے ہیں ماکہ
اپنی باتیں (اللہ) سے چھپا سکیں۔^(۱) یاد رکھو کہ وہ لوگ
جس وقت اپنے کپڑے لپٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب
جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔
بایقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔^(۵)

أَلَا إِنَّهُمْ يَعْمَلُونَ صُدُورَهُمْ لَيَسْتَخْفُوا مِنْهُ اللَّهُ أَكْبَرُ يَسْعَلُونَ
شَيْءًا بَمْ يَعْلَمُ تَائِيَرُونَ وَمَا يَعْلَمُونَ إِنَّهُ عَلَيْهِ نِذَارٌ
الْفُدُورُ ⑤

(۱) اس کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، اس لیے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے۔ تاہم صحیح بخاری (تفسیر سورہ ہود) میں بیان کردہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غلبہ حیا کی وجہ سے قضاۓ حاجت اور یوں سے ہم بستی کے وقت برہنہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اس لیے ایسے موقعوں پر وہ شرم گاہ کو چھپانے کے لیے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ رات کو اندر ہیرے میں جب وہ بستروں میں اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے تھے، تو اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا اور ان کی چھپی اور علاویہ بالوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ شرم و حیا کا جذبہ اپنی جگہ بست اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اور افراط بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ جس ذات کی خاطروہ ایسا کرتے ہیں اس سے تو پھر بھی وہ نہیں چھپ سکتے، تو پھر اس طرح کے تکلف کا کیا فائدہ؟

زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں^(۱) وہی ان کے رہنے سنتے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے^(۲) کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔^(۳)

اللہ ہی وہ ہے جس نے چھوٹ میں آسمان و زمین کو پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا^(۴) تاکہ وہ تمیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے،^(۵) اگر آپ ان سے کہیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے تو کافر لوگ پلٹ کر جواب دیں گے کہ یہ تو ناصاف صاف جادو ہی ہے۔^(۶)

وَمَا مِنْ ذَاكِرٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رَّدُّهُ ثُمَّ
وَيَعْلَمُ مُسْتَقْرَرُهَا وَمُسْتَوْدِعَهَا كُلُّ شَيْءٍ فِي كِتَابٍ مَّيْتِينَ^(۷)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سُكُونٍ أَتَاهُمْ مَوْكَانٌ
عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَمْهُوكُمْ أَيُّهُمْ أَحَسَنُ عَمَلاً وَلَئِنْ قُلْتَ
إِنَّكُمْ مَيْتُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولُنَّ لِيَقُولُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ
هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مِّنْ يَّدِيْنِ^(۸)

(۱) یعنی وہ کفیل اور ذمے دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری۔ ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق وہ خوراک میا کرتا ہے۔

(۲) مستقر اور مستودع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک مفہوم سیر (یعنی زمین میں چل پھر کر جماں رک جائے) مستقر ہے اور جس کو مٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے۔ بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور باپ کی صلب مستودع ہے اور بعض کے نزدیک زندگی میں انسان یا حیوان جماں رہائش پذیر ہو، وہ اس کا مستقر ہے اور جماں مرنے کے بعد دفن ہو، وہ مستودع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) امام شوکانی کہتے ہیں، مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے وہ حصہ زمین ہے جس میں دفن ہو اور امام حاکم کی ایک روایت کی بنیاد پر اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال جو بھی مطلب لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے مستقر و مستودع کا علم ہے، اس لیے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے اور ذمے دار ہے اور وہ اپنی ذمے داری پوری کرتا ہے۔

(۳) یہی بات صحیح احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل، مخلوقات کی تقدیر لکھی، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔“ (صحیح مسلم، کتاب

القدر، نیز دیکھئے، صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق)

(۴) یعنی یہ آسمان و زمین یوں ہی عبث اور بلا مقصد نہیں بنائے بلکہ اس سے مقصود انسانوں (اور جنوں) کی آزمائش ہے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے؟

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔ اس لیے کہ اچھا عمل وہ ہوتا ہے جو صرف رضاۓ الٰہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا، پھر وہ چاہے کتنا بھی زیادہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

اور اگر ہم ان سے عذاب کو گئی چنی مدت تک کے لیے پیچھے ڈال دیں تو یہ ضرور پکارا ٹھیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روکے ہوئے ہے، سنوا! جس دن وہ ان کے پاس آئے گا پھر ان سے ٹلنے والا نہیں پھر تو جس چیز کی نہیں اڑا رہے تھے وہ انہیں گھیر لے گی۔^(۱)

اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اس سے لے لیں تو وہ بست ہی نامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے۔^(۲)^(۳)

اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی رہیں،^(۴) یقیناً وہ بڑا ہی اترانے والا شخی خور ہے۔^(۵)^(۶)

وَلَئِنْ أَخْرُونَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَى أَنَّهُ مَعْدُودٌ فَلَيَقُولُنَّ
مَا يَحْسُنُهُ إِلَّا يَوْمَ رَأَيْهِمْ لَمَّا مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ
مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ^(۷)

وَلَئِنْ أَذْفَنَ الْإِنْسَانَ مِنَارَحْمَةٍ ثُمَّ تَرَعَّنَهَا مِنْهُ إِنَّهُ
كَيْوُسٌ كَفُورٌ^(۸)

وَلَئِنْ أَذْفَنَهُ نَعْمَاءً بَعْدَ ضَرَّاءً مَسْتَهْلِكًا لَيَقُولُنَّ ذَهَبَ
السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفِرْمَقْخُورٌ^(۹)

(۱) یہاں استعمال (جلد طلب کرنے) کو استہزا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ استعمال 'بطور استہزا' ہی ہوتا تھا۔ بہر حال مقصود یہ سمجھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں جتلانا نہیں ہونا چاہیے، اس کی گرفت کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔

(۲) انسانوں میں عام طور پر جو نہ موم صفات پائی جاتی ہیں اس میں اور اگلی آیت میں ان کا بیان ہے۔ نامیدی کا تعلق مستقبل سے ہے اور ناشکری کا ماضی و حال سے۔

(۳) یعنی سمجھتا ہے کہ سختیوں کا دور گزر گیا ہے، اب اسے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

آئت کے مختلف مفہوم: آیت نمبر ۸ میں آئتہ کا لفظ آیا ہے۔ یہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ام سے مشتق ہے، جس کے معنی قصد کے ہیں۔ یہاں اس کے معنی اس وقت اور مدت کے ہیں جو نزول عذاب کے لیے مقصود ہے، (فتح القدیر) سورہ یوسف کی آیت ۲۵ ﴿وَإِذْ كُرِبَّ أَنَّهُ﴾ میں بھی یہی مفہوم ہے اس کے علاوہ جن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے، ان میں ایک امام و پیشووا ہے۔ جیسے ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أَنَّهُ﴾ (النحل، ۲۰) ملت اور دین ہے، جیسے ﴿إِنَّا وَجَدْنَا إِلَيْكُمْ تَأْغِيلَ أَنَّهُ﴾ (الزخرف، ۲۲) جماعت اور طائفہ ہے، جیسے ﴿وَلَئِنْ كَوَدَدْ مَاءَ مَدَنَّ وَجَدَ عَلَيْهِ
أَنَّهُ مِنَ النَّاسِ﴾ (القصص، ۲۲) ﴿وَمِنْ قَوْمٍ مُؤْسَنِي أَنَّهُ﴾ (الأعراف، ۵۹) وغیرہ۔ وہ مخصوص گروہ، یا قوم ہے، جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہو۔ ﴿وَلِكُلِّ أَنَّهُ رَسُولٌ﴾ (یونس، ۲۷) اس کو امت دعوت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح پیغمبر پر ایمان لانے والوں کو بھی امت یا امت اتباع یا امت اجابت کہا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۴) یعنی جو کچھ اس کے پاس ہے، اس پر اتراتا اور دوسروں پر فخر و غور کا اظمار کرتا ہے۔ تاہم ان صفات مذکورہ سے اہل ایمان اور صاحب اعمال صالحہ متعلقی ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا نیک^(۱) بدلہ بھی۔^(۲)

پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس سے آپ کا دل تنگ ہے، صرف ان کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتر؟! یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا، سن لیجئے! آپ تو صرف ڈرانے والے ہی

ہیں^(۳) اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے۔^(۴)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے۔ جواب دیجئے کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوانحے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو۔^(۵)

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَتَ أُولَئِكَ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَيْرٌ^(۱)

فَلَعْنَاكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَى إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ
صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كُتُبٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ
مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ^(۲)

أَمْ يَقُولُونَ إِنَّرَبُهُ قُلْ فَأَتُوَاعْثِرُ سُورِ مِثْلِهِ مُفَرَّغَتِي وَ
ادْعُوا مِنْ أَسْطَاعُكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنُوكُ صَدِيقُنَّ^(۳)

(۱) یعنی اہل ایمان، راحت و فراغت ہو یا تنگی اور مصیبت، دونوں حالتوں میں اللہ کے احکام کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کا کر فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، اس میں اس کے لیے بہتری کا پہلو ہوتا ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے، جو اس کے لیے بہتر (یعنی اجر کا باعث) ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتر (یعنی اجر و ثواب کا باعث) ہے یہ امتیاز ایک مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب المؤمن امرہ کلہ خیر، اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ”مومن کو جو بھی فکر و غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اسے کائنات ہم بتاتے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی غلطیاں معاف فرمادیتا ہے۔“ (مسند احمد، جلد ۳، ص ۲۲، سورہ معارج کی آیات ۱۹، ۲۲ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۲) مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہتے رہتے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا، یا اس کی طرف کوئی خزانہ کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔ (الفرقان ۸) ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ”ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ آپ کی بابت جو باتیں کہتے ہیں، ان سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے“ (سورۃ الحجر ۹۸) اس آیت میں انہی بالتوں کے حوالے سے کما جا رہا ہے کہ شاید آپ کا سینہ تنگ ہو اور کچھ باتیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں اور وہ مشرکین پر گراں گزرتی ہیں، ممکن ہے آپ وہ انہیں سنا پسند نہ کریں۔ آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ آپ ہر صورت میں کئے جائیں۔

(۳) امام ابن کثیر کہتے ہیں کہ پسلے اللہ تعالیٰ نے چیخنے والے کو کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ

پھر اگر وہ تم ساری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے
جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور
یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں، پس کیا تم مسلمان
ہوتے ہو؟^(۱) ^(۲)

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفہ ہوا چاہتا
ہو، ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدله) یمیں بھرپور
پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انہیں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔^(۱۵)
ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے
آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا
ہوا گا وہاں سب اکارت ہے اور جو کچھ ان کے اعمال تھے
سب برپا ہونے والے ہیں۔^(۱۶)

فَإِنَّمَا يَنْتَجِيُونَ الْكُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا كَانُوا نَذِيرًا يَعْلَمُ اللَّهُ وَأَنَّ لَأَلَّهِ إِلَاهٌ فَهُنَّ لَنَّهُ مُسْلِمُونَ ^(۱۷)

مَنْ كَانَ بِرِيدُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزَيَّنَهَا لِوَاقِفٍ إِلَيْهَا أَعْمَالُهُ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا الْيَخْسُونَ ^(۱۸)

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْأَخْرَى إِلَّا ثَارَ وَحَبَطَ مَا سَعَوْا فِيهَا وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ^(۱۹)

و سلم) کا بنا یا ہوا قرآن ہے، تو اس کی نظر پیش کر کے دکھلا دو، اور تم جس کی چاہو، مدد حاصل کرو، لیکن تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ فرمایا ﴿فَلَمَّا آتَيْنَا إِنْسَانًا وَلِجْنَى عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلِنَجْعَلَهُمْ لِيَعْقِفَنَّظَهِرًا﴾ —
(بنی اسرائیل۔ ۸۸) ”اعلان کر دیجئے! کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں، تو
ان سب سے اس کے مثل لانا مشکل ہے، گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔“
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج دیا کہ پورا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو۔ جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ پھر تیرے نمبر پر چیلنج دیا کہ چلو ایک سورت بنا کر پیش کر دو جیسا کہ سورہ یونس کی آیت ۱۳۹ اور سورہ بقرہ کے آغاز میں فرمایا (تفصیر ابن کثیر، زیر بحث آیت سورہ یونس) اور اس بناء پر آخری چیلنج یہ ہو سکتا ہے کہ اس جیسی ایک بات ہی بنا کر پیش کر دو۔ ﴿فَلَيَأْتُوا صَدِيقَيْنِي مِثْلَهِ إِنْ كَانُوا صَدِيقَيْنِ﴾ — (الطور۔ ۲۲) مگر ترتیب نزول سے چیلنج کی اس ترتیب کی تائید نہیں ہوتی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۱) یعنی کیا اس کے بعد بھی کہ تم اس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہو، یہ ماننے کے لیے ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، آمادہ نہیں ہوا ورنہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو؟

(۲) ان دو آیات کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ اس میں اہل ریا کا ذکر ہے، بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہو دو نصاریٰ ہیں اور بعض کے نزدیک اس میں طالبان دنیا کا ذکر ہے۔ کیونکہ دنیا دار بھی جو بعض اچھے عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی جزا انہیں دنیا میں دے دیتا ہے، آخرت میں ان کے لیے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کو قرآن مجید میں سورہ بنی اسرائیل، آیات ۱۸، ۲۱ اور سورہ شوریٰ، آیت ۲۰ میں بیان کیا گیا ہے۔

کیا وہ شخص جو اپنے رب کے پاس کی دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف کا گواہ ہو اور اس سے پہلے موئی کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوں اور رحمت ہے (اور لوگ کے برابر ہو سکتا ہے؟)۔^(۱) یہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں،^(۲) اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جنم^(۳) ہے، پس تو اس میں کسی قسم کے شبے میں نہ رہ، یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے

اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بِيَنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ وَيَتَلَوُهُ شَاهِدًا مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبُ مُوسَىٰ إِمَامًاٰ فَرَحْمَةً أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ يَهُ وَمَنْ يَكُفِّرْ بِهِ مِنَ الْكُفَّارِ فَالَّذِيْ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُنْ فِيْ مُرْبَطٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلَكِنَّ الْكُفَّارَ لَا يُؤْمِنُونَ^(۴)

(۱) منکرین اور کافرین کے مقابلے میں اہل فطرت اور اہل ایمان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ”اپنے رب کی طرف سے دلیل“ سے مراد وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہے اللہ واحد کا اعتراف اور اسی کی عبادت۔ جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”ہرچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصاریٰ، یا مجوہی بنادیتے ہیں.....“ (صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز و مسلم۔ کتاب القدر) یَتَلَوُهُ کے معنی ہیں، اس کے پیچھے۔ یعنی اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو، گواہ سے مراد قرآن، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو اس فطرت صحیح کی طرف دعوت دیتے اور اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے موئی علیہ السلام کی کتاب تورات بھی جو پیشوں بھی ہے اور رحمت کا سبب بھی ہے۔ یعنی یہ کتاب موئی علیہ السلام بھی قرآن پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو منکروں کا فریضہ اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر قائم ہے، اس پر ایک گواہ (قرآن، یا پیغمبر اسلام ﷺ) بھی ہے، اسی طرح اس سے قبل نازل ہونے والی کتاب، تورات، میں بھی اس کے لیے پیشوں والی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور وہ ایمان لے آتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک مومن ہے اور دوسرا کافر۔ ایک ہر طرح کے دلائل سے لیس ہے دوسرا بالکل خالی ہے۔

(۲) یعنی جن کے اندر رند کورہ اوصاف پائے جائیں گے وہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کیں گے۔

(۳) تمام فرقوں سے مراد، روئے زمین پر پائے جانے والے مذاہب ہیں، یہودی، عیسائی، زرتشتی، بدھ مت، مجوہی اور مشرکین و کفار وغیرہم، جو بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے گا، اس کاٹھکانا جنم ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے ”قُسْمٌ هُوَ، اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت کے جس یہودی، یا عیسائی نے بھی میری نبوت کی بابت سناؤ پھر مجھ پر ایمان نہیں لایا، وہ جنم میں جائے گا“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان بررسالہ۔ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم إلی جمیع الناس) یہ مضمون اس سے قبل سورہ بقرہ، آیت ۶۲ اور سورہ نساء آیت ۱۵۰ میں بھی گزر چکا ہے۔

نہیں ہوتے۔^(۱) (۱۷)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ
باندھے^(۲) یہ لوگ اپنے پورو دگار کے سامنے پیش کیے
جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں
جنہوں نے اپنے پورو دگار پر جھوٹ باندھا، خبردار ہو کر
اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔^(۳) (۱۸)

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کبھی تلاش کر
لیتے ہیں۔^(۴) یہی آخرت کے منکر ہیں۔^(۱۹)

نہ یہ لوگ دنیا میں اللہ کو ہرا سکے اور نہ ان کا کوئی حمایت
اللہ کے سوا ہوا، ان کے لیے عذاب دگنا کیا جائے گا نہ یہ
سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے۔^(۵) (۲۰)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِنَ الْمُنَّافِقِ إِنَّ اللَّهَ كَذِيلُ الْمُنَافِقِ يُعَزِّزُهُنَّ
عَلَى رِيَاهُمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هُؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَّبُوا عَلَى
رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

الَّذِينَ يَصْدُقُونَ عَنْ سَيِّئِاتِهِمْ وَيَغْوِيَهُمْ عَوْجًا وَهُمْ
يَالْآخِرَةِ هُمْ كُفَّارُونَ ۝

أُولَئِكَ لَمْ يَكُنُوا مُعْجِزِيْنَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ
مِنْ ذُوْنٍ إِنَّ اللَّهَ مِنْ أَوْلَيَاءِ الْمُصْنَعِ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا
يَسْتَطِعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يَبْصِرُونَ ۝

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ «وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصُتْ بِهِمُ الْمُنَمِّنِينَ» — (سورہ یوسف۔ ۱۰۳) ”تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لا سکتے گے۔“ «وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ إِيمَانُهُمْ فَلَمَّا قَاتَبَهُمُ
إِلَّا فَرِيقٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ» (سورہ سبا۔ ۲۰) ”بلیں نے اپنا گمان سچا کر دکھایا،“ مومنوں کے ایک گروہ کے سوا، سب اس کے
پیرو کار بن گئے۔

(۲) یعنی جن کو اللہ نے کائنات میں تصرف کرنے کا یا آخرت میں شفاعت کا اختیار نہیں دیا ہے، ان کی بابت یہ کہا جائے
کہ اللہ نے انہیں یہ اختیار دیا ہے۔

(۳) حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے کہ ”قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن سے اس کے گناہوں کا
اقرار و اعتراف کروائے گا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو نے فلاں گناہ بھی کیا تھا، فلاں بھی کیا تھا، وہ مومن کے گا کہ ہاں ٹھیک
ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے ان گناہوں پر دنیا میں بھی پردہ ڈالے رکھا تھا، جا آج بھی انہیں معاف کرتا ہوں۔ لیکن
دوسرے لوگ یا کافروں کا معاملہ ایسا ہو گا کہ انہیں گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ یہ گواہی دیں گے کہ یہی وہ
لوگ ہیں، ”جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔“ (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ ہود)

(۴) یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے، اس میں کبھی تلاش کرتے اور لوگوں کو اس سے تنفر کرتے ہیں۔

(۵) یعنی ان کا حق سے اعراض اور بغض اس انتہا پر پہنچا ہوا تھا کہ یہ اسے سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یا
یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کو کان اور آنکھیں تو دی تھیں لیکن انہوں نے ان سے حق کی بات نہ سنی اور نہ دیکھی۔ گویا
«فَمَا آغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَنْفَدَ تُهْمَمُهُمْ مِنْ شَيْءٍ» (سورہ الأحقاف۔ ۲۶) ”نہ ان کے کانوں نے انہیں کوئی
فائدہ پہنچایا، نہ ان کی آنکھوں اور دلوں نے“ کیونکہ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کے دیکھنے سے انہیں بنے رہے،

یہی ہیں جنوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا، جو انسوں نے گھر رکھا تھا۔ (۲۱)

بیشک یہی لوگ آخرت میں زیاد کارہوں گے۔ (۲۲)

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انسوں نے کام بھی نیک کیے اور اپنے پالنے والے کی طرف جھکتے رہے، وہی جنت میں جانے والے ہیں، جماں وہ ہیشہ ہی رہنے والے ہیں۔ (۲۳)

ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے، بھرے اور دیکھنے، سننے والے جیسی ہے۔^(۱) کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ (۲۴)

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بنادر کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف ہو شیار کر دینے والا ہوں۔ (۲۵)

کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو،^(۲) مجھے تو تم پر

اوَّلُهُمَّ الَّذِينَ حَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ^(۳)

لَكَرَمَ أَنْهُمْ فِي الْأَخْرَاءِ هُمُ الْأَخْرَؤُنَ^(۴)

إِنَّ الَّذِينَ امْتَوَّأْعَمُوا الصِّلَاحَتِ وَأَخْبَثُوا إِلَى رَبِّهِمْ
أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ^(۵)

مَثْلُ الْفَرِيقَيْنِ كَلَّا لَعَلَىٰ وَالْأَقْدَمِ وَالْبَصِيرِ وَالشَّيْءِ يَهْلِكُ
يَسْتَوِينَ مَثْلًا فَلَا تَذَرْنَاهُنَّ^(۶)

وَلَقَدْ أَنْسَلْنَا تُوحِّدًا إِلَىٰ قَوْمَهُ إِنِّي لَكُوْنُ ذِي رُمَيْنٍ^(۷)

أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

جس طرح کہ وہ جنم میں داخل ہوتے ہوئے کہیں گے، ﴿لَوْلَا تَأْتَيْتُمْ أَوْلَئِكُمْ مَا ظَهَرَ مِنْهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الملک: ۱۰)۔
”اگر ہم سننے اور عقل سے کام لیتے تو آج جنم میں نہ جاتے۔“

(۱) چھلی آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بد بختوں، دونوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس میں دونوں کی مثال بیان فرمایا کہ دونوں کی حقیقت کو مزید واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا، ایک کی مثال اندھے اور بھرے کی طرح ہے اور دوسرا کی مثال دیکھنے اور سننے والے کی طرح۔ کافر دنیا میں حق کا روئے زیاد دیکھنے سے محروم اور آخرت میں نجات کے راستے سے بے بھرہ، اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بے بھرہ ہوتا ہے، اسی لیے ایسی باتوں سے محروم رہتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں۔ اس کے بر عکس مومن سمجھ دار، حق کو دیکھنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے، دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شبہات کا ازالہ کرتا اور باطل سے احتساب کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفهام نفی کے لئے ہے۔ یعنی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَالِئِرُونَ﴾ اسورة الحشر: ۲۰۔ ”جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں“ ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا ”اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اندھیرے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندے اور مردے برابر نہیں۔“ اسورة فاطر: ۲۰-۲۱۔

(۲) یہ وہی دعوت توحید ہے جو ہر بھی نے آگر اپنی اپنی قوم کو دی۔ جس طرح فرمایا ﴿وَمَا تَسْتَأْنِيْنَ مَنْ يَسْتُوِي إِلَّا

در دن اک دن کے عذاب کا خوف ^(۱) ہے۔ (۲۶)
 اس کی قوم کے کافروں کے سرداروں نے جواب دیا کہ
 ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں ^(۲) اور تیرے
 تا بعد اروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر
 سوائے بچ ^(۳) لوگوں کے ^(۴) اور کوئی نہیں جو بے سوچے
 سمجھے (تمہاری پیروی کر رہے ہیں)، ہم تو تمہاری کسی قسم
 کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے، بلکہ ہم تو تمہیں
 جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔ (۲۷)

اللّٰهُمَّ إِنَّا نُسَبِّحُكَ وَإِنَّا نُسَمِّي مَا شَاءَتْ لِلْأَنْوَارُ
فَقَالَ الْمَلَائِكَةُ يَعْلَمُ أَنَّكَ فَرِيقُ الْمُجْرِمِينَ
فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّمَا يَعْلَمُ أَنَّكَ أَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمٌ
كَلِمَاتُكَ تَطْلُبُنَا وَمَا تَرَدَّدْتَ فِي سَخْنِكَ
كَلِمَاتُكَ تَطْلُبُنَا وَمَا تَرَدَّدْتَ فِي سَخْنِكَ

نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِي (الأنبياء-٢٥) ”جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔“

(4) یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لائے اور اس دعوت توحید کو نہیں اپنایا تو عذاب اللہ سے نہیں بچ سکو گے۔

(۲) یہ وہی شبہ ہے، جس کی پلے کنی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا اجتماع برا عجیب تھا، جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول ﷺ سے انکار کرتے ہیں۔

(۳) حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتداء میں اس کو اپنانے والے یہیشہ وہ لوگ ہوتے جنہیں معاشرے میں بے نوا اور کم تر سمجھا جاتا تھا اور صاحب حیثیت اور خوش حال طبق اس سے محروم رہتا۔ حتیٰ کہ یہ پیغمبروں کے پیروکاروں کی علامت بن گئی۔ چنانچہ جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان ہاشمیؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت باتیں پوچھیں تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ ”اس کے پیروکار معاشرے کے معزز سمجھے جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟“ تو حضرت ابوسفیان ہاشمیؓ نے جواب میں کہا ”کمزور لوگ“۔ جس پر ہرقل نے کہا ”رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں“ (صحیح بخاری حدیث نمبر-۷) قرآن کریم میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خوش حال طبقہ ہی سب سے پہلے پیغمبروں کی مکذیب کرتا رہا ہے۔ (سورہ زخرف-۲۳) اور یہ اہل ایمان کی دنیوی حیثیت تھی اور جس کے اعتبار سے اہل کفر انہیں حقیر اور کم تر سمجھتے تھے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حق کے پیروکار معزز اور اشراف ہیں چاہے وہ مال و دولت کے اعتبار سے فروٹر ہی ہوں اور حق کا انکار کرنے والے حقیر اور بے حیثیت ہیں چاہے وہ دنیوی اعتبار سے مال دار ہی ہوں۔

(۳) اہل ایمان چونکہ، اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے، اس لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے سوچ سمجھ دالے ہیں کہ اللہ کا رسول انہیں جس طرف موڑ دیتا ہے، یہ مژ جاتے ہیں جس چیز سے روک دیتا ہے، رک جاتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی خوبی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ لیکن اہل کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی ”عیب“ ہے۔

نوح نے کہا، میری قوم والوا مجھے بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس کی کوئی رحمت عطا کی ہو،^(۱) پھر وہ تمہاری نگاہوں میں^(۲) نہ آئی تو کیا زبردستی میں اسے تمہارے گلے منڈھ دوں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔^(۳) (۲۸)

میری قوم والوا میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔^(۴) میرا ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں،^(۵) انہیں اپنے رب سے ملتا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جمالت کر رہے ہو۔^(۶) (۲۹)

میری قوم کے لوگو! اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کون کر سکتا

قالَ يَقُولُ أَرْعَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بِيَتَنِّي مِنْ رَبِّي وَأَشْفَنِي
رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ فَعَيْتُ عَلَيْكُمْ أَنْلِزِمْكُمُوهَا
وَأَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ ⑥

وَيَقُولُ لَا إِنْ شَاءَكُمْ عَلَيْهِ مَا لَأَنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا آتَا^۱
يَطْلَبُهُ الَّذِينَ أَمْتَوْلَاهُمْ مُلْقُوا إِلَيْهِمْ وَلِكُنْيَةَ أَرْكَلُهُ قَوْمًا
بِعَجَمَلُونَ ⑦

وَيَقُولُ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرِدْتِمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ⑧

(۱) بَيْنَتَهُ سے مراد ایمان و یقین ہے اور رحمت سے مراد نبوت۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو سرفراز کیا تھا۔

(۲) یعنی تم اس کے دیکھنے سے اندر ہے ہو گئے۔ چنانچہ تم نے نہ اس کی قدر پچانی اور نہ اسے اپنا نے پر آمادہ ہوئے، بلکہ اس کی عکذیب اور رد کے درپے ہو گئے۔

(۳) جب یہ بات ہے تو یہ ہدایت و رحمت تمہارے حصے میں کس طرح آسکتی ہے؟

(۴) تاکہ تمہارے دماغوں میں یہ شبہ نہ آجائے کہ اس دعواۓ نبوت سے اس کا مقصد تو دولت دنیا کشا کرنا ہے۔ میں تو یہ کام صرف اللہ کے حکم پر اور اسی کی رضا کے لیے کر رہا ہوں، وہی مجھے اس کا اجر بھی دے گا۔

(۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے بھی معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو حضرت نوح علیہ السلام سے اپنی مجلس یا اپنے قرب سے دور رکھنے کا مطالبہ کیا ہو گا؛ جس طرح رؤسائے کہنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا مطالبہ کیا تھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیات نازل فرمائیں تھیں ﴿وَلَا تَنْظُرْ إِلَيْهِنَّ
يَدُعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشَّيْنِ﴾ (سورہ الاعم ۵۲) ”اے پیغمبر! ان لوگوں کو اپنے سے دور مرت کرنا جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔“ - ﴿وَاصِدِرْ نَسْكَمْ إِلَيْهِنَّ يَدُعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشَّيْنِ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَكَ عَنْهُمْ﴾ — (الکھف) (۲۸) اپنے نفوں کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑے رکھیے اجو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں، اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں، آپ کی آنکھیں ان سے گزر کر کسی اور کسی طرف تجاوز نہ کریں۔“

(۶) یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا اور پھر انہیں قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا، یہ تمہاری جمالت ہے۔ یہ لوگ تو اس لاٹ ہیں کہ انہیں سر آنکھوں پر بھایا جائے نہ کہ دور دھنکارا جائے۔

ہے؟^(۱) کیا تم کچھ بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔^(۲۰)

میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں،
(سنوا!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں یہ کہتا ہوں
کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر
تمہاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں اُنہیں اللہ تعالیٰ کوئی
نعمت دے گا ہی نہیں،^(۲) ان کے دل میں جو ہے اسے
اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر میں ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا
شمار طالموں میں ہو جائے گا۔^(۳۱)

(قوم کے لوگوں نے) کہاے نوح! تو نے ہم سے بحث کر
لی اور خوب بحث کر لی۔^(۳۲) اب تو جس چیز سے ہمیں
دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ، اگر تو چھوں میں
ہے۔^(۵)
^(۳۲)

جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے
اور ہاں تم اسے ہرانے والے نہیں ہو۔^(۳۳)

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنِّي خَرَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا
أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَرَدَّرَى أَعْيُنُهُمْ لِنِيُؤْتِيهِمُ
اللَّهُ خَيْرًا أَلَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ مُّلْكِ إِذَا لَدُنَّ
الظَّلَمِينَ^(۲)

قَالُوا يَا نَبِيُّنَا قَدْ جَاءَذْلِنَا فَلَمَّا كُلِّتَ جِدَالُنَا فَإِنَّا لِمَا أَنْعَدْنَا^(۳)
إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

قَالَ إِنَّمَا يَنْهَاكُمْ بِيَوْمِ اللَّهِ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُ بِمُعْجِزِينَ^(۴)

(۱) گویا ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا، اللہ کے غصب اور ناراضی کا باعث ہے۔

(۲) بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں ایمان کی صورت میں خیر عظیم عطا کر رکھا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی جنت کی نعمتوں سے لطف اندو زہوں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا، تو بلند مرتبے سے ہمکنار ہوں گے۔ گویا تمہارا ان کو حقیر سمجھنا ان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں، البتہ تم ہی عند اللہ مجرم ٹھہرو گے کہ اللہ کے نیک بندوں کو، جن کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے، تم حقیر اور فرمادیے سمجھتے ہو۔

(۳) کیونکہ میں ان کی بابت ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں، صرف اللہ جانتا ہے، تو یہ ظلم ہے۔

(۴) لیکن اس کے باوجود ہم ایمان نہیں لائے۔

(۵) یہ وہی حماقت ہے جس کا ارتکاب گمراہ قومیں کرتی آئی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر سے کہتی رہی ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا کر ہمیں تباہ کروادے۔ حالانکہ ان میں عقل ہوتی تو وہ کہتیں کہ اگر تو سچا ہے اور واقعی اللہ کا رسول ہے، تو ہمارے لیے بھی دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سینہ بھی کھوں دے تاکہ ہم اسے اپنالیں۔

(۶) یعنی عذاب کا آنا غالص اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ نہیں ہے کہ جب میں چاہوں، تم پر عذاب آجائے۔ تاہم جب اللہ عذاب کافیصلہ کر لے گایا بھیج دے گا، تو پھر اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

تمہیں میری خیرخواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی گوئیں
کتنی ہی تمہاری خیرخواہی کیوں نہ چاہوں، بشرطیکہ اللہ کا
ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو،^(۱) وہی تم سب کا پروردگار
ہے^(۲) اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۳۲)

کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑلیا ہے؟ تو
جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑلیا ہو تو میرا گناہ
مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر
رہے ہو۔^(۳) (۳۵)

نوح کی طرف وہی سمجھی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان
لا چکے ان کے سوا اور کوئی اب ایمان لائے گا ہی نہیں،
پس تو ان کے کاموں پر غلکیں نہ ہو۔^(۴) (۳۶)

وَلَا يَسْفَعُكُمْ نُصْمَى إِنْ أَرْدُثُ أَنْ أَنْصَمَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ
أَنْ يُؤْيِدَكُمْ هُوَ أَنْكُثُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۷﴾

أَمْ يَقُولُونَ إِنَّا فَتَرَاهُمْ قُلْ إِنْ أَفْتَرَاهُمْ فَعَلَّمَ إِجْرَاءَهُ وَإِنَّا
بِرَبِّي مُسْتَأْنِجِرُهُمْ ﴿۸﴾

وَأَوْحَى إِلَى نُوحَ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَامُنْ قَدَّامَ
فَلَا تَبْسِطْ إِيمَانَكَ أَنْوَابَ يَقْعُدُونَ ﴿۹﴾

(۱) إِغْوَاءً: بمعنی اضلال (گمراہ کرنا) ہے۔ یعنی تمہارا کفر و حodo اگر اس مقام پر پہنچ چکا ہے، جہاں سے کسی انسان کا پلٹ کر آنا اور ہدایت کو اپنالیتاً ناممکن ہے، تو اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مر لگادینا کہا جاتا ہے، جس کے بعد ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بھی اسی خطرناک موڑ تک پہنچ چکے ہو تو پھر میں تمہاری خیرخواہی بھی کرنی چاہوں یعنی ہدایت پر لانے کی اور زیادہ کوششیں کروں، تو یہ کوشش اور خیرخواہی تمہارے لیے مفید نہیں، کیونکہ تم گمراہی کے آخری مقام پر پہنچ چکے ہو۔

(۲) ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ تمہیں تمہارے عملوں کی جززادے گا۔ نیکوں کو ان کے نیک عمل کی جزا اور بروں کو ان کی برائی کی سزادادے گا۔

(۳) بعض مفسرین کے نزدیک یہ مکالہ قوم نوح علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن میرا گمراہا ہوا ہے اور میں اللہ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹا ہوں تو یہ میرا جرم ہے، اس کی سزا میں ہی بھکتوں گا۔ لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو، جس سے میں بری ہوں، اس کا بھی تمہیں پتہ ہے؟ اس کا دبال تو مجھ پر نہیں، تم پر ہی پڑے گا کیا اس کی بھی تمہیں کچھ فکر ہے؟

(۴) یہ اس وقت کہا گیا کہ جب قوم نوح علیہ السلام نے عذاب کا مطالبہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی کہ یارب! زمین پر ایک کافر بھی بنے والا نہ رہنے دے۔ اللہ نے فرمایا، اب مزید کوئی ایمان نہیں لائے گا، تو ان پر غم مت کھا۔

اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وجی سے تیار کر^(۱) اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کروہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں۔^(۲)^(۳)

وہ (نوح) کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے،^(۴) وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن نہیں گے جیسے تم ہم پر ہنتے ہو۔^(۵)

تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہیشکلی کی سزا^(۶) اتر آئے۔^(۷)

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپنچا اور تنور ابلنے لگا^(۸) ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے)

وَاصْنَعْ الْفُلْكَ رِيَاعِينَا وَوَحِينَا وَلَا تَخْاطِبْنِي فِي
الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ۝

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَلَكُمَا مَرْعَلَيْهِ مَكْلَمَنْ قَوْيَهِ سِخْرَوْا مُنْهَهَ
قَالَ إِنْ تَخْرُوْا مِنْنَا فَإِنَّا نَعْزُرُ مِنْكُمْ كَمَا سَخَرُونَ ۝

فَسُوفَ تَعْلَمُونَ مِنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيْهُ وَيَحْلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ نَا وَفَارَ التَّوْرُ قُلْنَا أَخْمَلْ فِيْنَا مِنْ نُحْنَ

(۱) "یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے" اور "ہماری دیکھ بھال میں" اس آیت میں اللہ رب العزت کے لئے صفت "عین" کا اثبات ہے جس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اور "ہماری وجی سے" کا مطلب اس کے طول و عرض وغیرہ کی جو کیفیات ہم نے بتالی ہیں، اس طرح اسے بنا۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے کشتی کے طول و عرض، اس کی منزلوں اور کس قسم کی لکڑی اور دیگر سامان اس میں استعمال کیا گیا، اس کی تفصیل بیان کی ہے؛ جو ظاہر ہاتھ ہے کہ کسی مستند مأخذ پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

(۲) بعض نے اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی الہیہ کو لیا ہے جو مومن نہیں تھے اور غرق ہونے والوں میں سے تھے۔ بعض نے اس سے غرق ہونے والی پوری قوم مرادی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی مہلت طلب مت کرنا کیونکہ اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آگیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے جلدی نہ کریں، وقت مقرر میں یہ سب غرق ہو جائیں گے، (فتح القدر)

(۳) مثلاً کہتے، نوح! نبی بننے بنتے اب بڑھنی بن گئے ہو؟ یا اے نوح! خشکی میں کشتی کس لیے تیار کر رہے ہو؟

(۴) اس سے مراد جنم کا دامگی عذاب ہے، جو اس دنیوی عذاب کے بعد ان کے لیے تیار ہے۔

(۵) اس سے بعض نے روٹی پکانے والے تنور، بعض نے مخصوص جگہیں مثلاً عین الورده اور بعض نے سطح زمین مراد لی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آخری مفہوم کو ترجیح دی ہے یعنی ساری زمین ہی چشوں کی طرح ابل پڑی، اور سے آسانی کی بارش نے رہی سی کسر پوری کر دی۔

جوڑے (یعنی) دو (جانور، ایک نر اور ایک مادہ) سوار کر لے^(۱) اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی، سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے^(۲) اور سب ایمان والوں کو بھی،^(۳) اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔^(۴)

نوح علیہ السلام نے کہا، اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلتا اور ٹھہرنا ہے،^(۵) یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے۔^(۶)

وہ کشتی انہیں پہاڑوں جیسی موجودوں میں لے کر جا رہی

رَوْجَانِينَ أَشْتَهِينَ وَأَهْلَكَ إِلَامَنَ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقُولُ
وَمَنْ أَمَنَ وَمَا أَمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَنِيلُ^(۷)

وَقَالَ رَبُّكَ لِوَافِيهِ لِاسْمِ اللَّهِ بِمَنْهُ رَبُّهَا وَمُرْسِلُهَا إِنَّ رَبَّنِي لَغَفُورٌ
لَّعْنِيهِ^(۸)

وَهُنَّ بَعْضُهُنَّ بِهِمْ فِي مَوْهَةٍ كَائِنُوا بِالْبَالِ وَنَادَى بِعُوْمِ إِبْرَهِ

(۱) اس سے مراد مذکور اور مؤنث یعنی نر اور مادہ ہے۔ اس طرح ہر ذی روح مخلوق کا جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ نباتات بھی رکھے گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۲) یعنی جن کا غرق ہونا تقدیرِ الہی میں ثابت ہے۔ اس سے مراد عام کفار ہیں، یا یہ استثناء اہلکَ سے ہے یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کرائے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی بات سبقت کر گئی ہے یعنی ایک بیٹا (کنعان یا۔ یام) اور حضرت نوح علیہ السلام کی الہیہ (وَاعِلَة) یہ دونوں کافر تھے، ان کو کشتی میں بیٹھنے والوں سے مستثنی کر دیا گیا۔

(۳) یعنی سب اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرائے۔

(۴) بعض نے ان کی کل تعداد (مرد اور عورت ملاکر) ۸۰ اور بعض نے اس سے بھی کم بتائی ہے۔ ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے، جو ایمان لانے والوں میں شامل تھے، سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں اور چوتھی بیوی، یام کی تھی، جو کافر تھا، لیکن اس کی بیوی مسلمان ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار تھی۔ (ابن کثیر)

(۵) یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا پانی کی سطح پر چلتا اور اسی کے نام پر اس کا ٹھہرنا ہے۔ اس سے ایک مقصد اہل ایمان کو تسلی اور حوصلہ دینا بھی تھا کہ بلا خوف و خطر کشتی میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ہی اس کشتی کا محافظ اور نگران ہے، اسی کے حکم سے چلے گی اور اسی کے حکم سے ٹھہرے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ ”اے نوح! جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں آرام سے بیٹھ جائیں تو کو۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَخْلَنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّلِيمِينَ * وَقُلْ رَبِّنَا إِنَّا لَنَا مِنْهُ مَذَلَّا
مُبَرَّجاً وَأَنَّا لَنَا خَيْرٌ مِنْ الظَّالِمِينَ﴾ (المؤمنون - ۲۸)

”سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے بارکت اتارنا اتار اور توہی بسترا تار نے والا ہے۔“

بعض علمائے کشتی یا سواری پر بیٹھتے وقت ﴿بِسَمِ اللَّهِ بِمَنْهُ رَبُّهَا وَمُرْسِلُهَا﴾۔ کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ مگر حدیث سے ﴿سَبِّخَنَ الَّذِي سَخَّرَنَا هَذَا أَمَالَنَا لَهُ مُغْرِيَنِينَ * وَلَا إِلَّا رَيَّنَا النَّقْلَمُونَ﴾ پڑھنا ثابت ہے۔

تھی^(۱) اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے لڑکے کو جو ایک کنارے پر تھا، پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں میں شامل نہ رہ۔^(۲) (۳۲)

اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آجائیں گا جو مجھے پانی سے بچائے گا،^(۳) نوح علیہ السلام نے کہا آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔^(۴) (۳۳)

فرمادیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا^(۵) اور اے آسمان بس کر حکم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا

وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَبْتَغِي أَزْكَبَ مَعْنَاوَ لَا تَكُونُ مَعَ الظَّفَرِينَ ⑦

قَالَ سَلَوَى إِلَى جَبَيلَ يَقُولُ مَنْ أَمَّا مَاءُ قَالَ لِعَاصِمَ
الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَامَ رَحْمَةً وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَهَانَ
مِنَ الْمُنْقَرِقِينَ ⑧

وَقَلْ يَأْرُضُ الْبَلْقَى مَاءُكَ وَيَسْمَاءُ أَقْلَقَى وَغَيْضَ الْمَاءِ

(۱) یعنی جب زمین پر پانی تھا، حتیٰ کہ پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دامن میں سیٹئے، اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ کی طرح رواں دواں تھی۔ ورنہ اتنے طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا۔ «إِنَّا نَأَطْعَمُ الْمَاءَ حَمَلَنَّكُمْ فِي الْجَارِيَةِ لِنَجْعَلَنَا الْمُمْدُنِّكَةَ وَتَعِيهَا آذُنٌ وَاعِيَةٌ» (الحاقة۔ ۱۳) جب پانی میں طغیانی آگئی تو اس وقت ہم نے تمیس کشتی میں چڑھایا تاکہ اسے تمارے لیے فصیحت اور یادگار بنادیں اور تاکہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

﴿ وَمَلَئَهُ عَلَى ذَاتِ الْوَاهِرِ وَدُبُرِ ﴾ عَيْرِي بِأَعْيُنِنَا جَرَأْتِنَّ كَانَ لُغْرِ ﴾ (القمر۔ ۱۳) اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی میں سوار کر لیا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدله اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔

(۲) یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام "یام" تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

(۳) اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کر لوں گا، وہاں پانی کیوں کر پہنچ سکے گا؟ باپ بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی کی زد میں لے لیا۔

(۴) نگلنا، کا استعمال جانور کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی خوراک کو نگل جاتا ہے۔ یہاں پانی کے خشک ہونے کو نگل جانے سے تغیر کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ پانی بت درج خشک نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ کے حکم سے زمین نے سارا پانی دفعتاً اس طرح اپنے اندر نگل لیا جس طرح جانور لقرہ نگل جاتا ہے۔

کر دیا گیا^(۱) اور کشتی "جودی" نامی^(۲) پھاڑ پر جا لگی اور فرمادیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو۔^(۳)^(۴)

نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ میرے رب میرا بینا تو میرے گھروالوں میں سے ہے، یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔^(۵)^(۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے،^(۷) اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں^(۸) تجھے ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو،^(۹)

وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بَعْدَ الْلَّقْوُمِ
الظَّلِيلِينَ^(۱۰)

وَنَادَى تُوحُّدَ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي مِنْ أَهْلِ وَائِقٍ
وَعَدْكَ الْحَقِّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ^(۱۱)

قَالَ يَنْهُوكُرَاهَ لَئِسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَنَكَ
تَسْلِمُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ أَعْظَمَكَ أَنْ تَكُونَ مِنْ
الْجَهَلِينَ^(۱۲)

(۱) یعنی تمام کافروں کو غرق آب کر دیا گیا۔

(۲) جودی، پھاڑ کا نام ہے جو بقول بعض موصل کے قریب ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی اسی کے قریب آباد تھی۔

(۳) بُعْدٌ یہ ہلاکت اور لعنت الہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں بطور خاص غصب الہی کی مستحق بننے والی قوموں کے لیے اسے کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام نے غالباً شفقت پدری کے جذبے سے مغلوب ہو کر بارگاہ الہی میں یہ دعا کی اور بعض کہتے ہیں کہ انہیں یہ خیال تھا کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے گا، اس لیے اس کے بارے میں یہ استدعا کی۔

(۵) حضرت نوح علیہ السلام نے قربت نبی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنا بینا قرار دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد پر قربت دین کے اعتبار سے اس بات کی نفعی فرمائی کہ وہ تیرے گھرانے سے ہے۔ اس لیے کہ ایک نبی کا اصل گھرانہ تو ہی ہے جو اس پر ایمان لائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو چاہے وہ نبی کا باپ ہو، بینا ہو یا یہوی، وہ نبی کے گھرانے کا فرد نہیں۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں ہو گا، اسے اللہ کے عذاب سے اللہ کا پیغمبر بھی بچانے پر قادر نہیں۔ آج کل لوگ پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں سے وابستگی کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے حالانکہ جب عمل صالح کے بغیر نبی سے نسبی قربت بھی کام نہیں آتی، تو یہ وابستگیاں کیا کام آسکتی ہیں؟

(۷) اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمادیتا ہے۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے علم ہوا کہ ان کی درخواست قبول نہیں ہو گی تو یقیناً وہ اس سے پرہیز فرماتے۔

میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جالوں میں سے اپنا شمار
کرنے سے باز رہے۔^(۱) (۳۶)

نوح نے کہا میرے پالنما میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس
بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو اگر
تو مجھے نہ بخشنے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا، تو میں خسارہ
پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔^(۲) (۳۷)

فرمادیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان
برکتوں کے ساتھ اتر،^(۳) جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ
کی بہت سی جماعتوں پر^(۴) اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی
جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں
ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔^(۵) (۳۸)

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وجہ ہم
آپ کی طرف کرتے ہیں انہیں اس سے پہلے آپ
جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم،^(۶) اس لیے آپ صبر

قَالَ رَبِّي أَنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أُسْأَلَ كَمَ الْيَسْرَى لِي يَهْ عَلَمُ وَإِلَّا
تَعْفُرُ لِي وَتَرْحَمُنِي أَكُنْ مِنَ الْخَسِيرِينَ ^(۷)

قَبْلَ يَوْمٍ أَهْبَطْتِ سَلَمًا وَبَرَكَتِ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّهِ
مَمْنُونَ مَعَكَ وَأَمْمَوْ سَنْتَعْهُمْ لَئِنْ يَمْتَهِنُهُمْ مِنْ أَعْذَابِ إِلَيْهِ ^(۸)

إِنَّكَ مِنْ أَئْنَاءِ الْغَيْبِ تُؤْجِحُهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ
وَلَا قَوْمٌ كَمِنْ قَبْلِ هَذَا قَاصِدُهُنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ^(۹)

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو نصیحت ہے، جس کا مقصد ان کو اس مقام بلند پر فائز کرنا ہے جو
علمائے عالیمن کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہے۔

(۲) جب حضرت نوح علیہ السلام یہ بات جان گئے کہ ان کا سوال واقع کے مطابق نہیں تھا، تو فوراً اس سے رجوع فرمایا
اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت و مغفرت کے طالب ہوئے۔

(۳) یہ اترنا کشی سے یا اس پہاڑ سے ہے جس پر کشتی جا کر ٹھہر گئی تھی۔

(۴) اس سے مراد یا تو وہ گروہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، یا آئندہ ہونے والے وہ گروہ
ہیں جو ان کی نسل سے ہونے والے تھے۔ اگلے فقرے کے پیش نظر یہ دوسرا مضموم زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یہ وہ گروہ ہیں جو کشتی میں نجع جانے والوں کی نسل سے قیامت تک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو دنیا کی
چند روزہ زندگی گزارنے کے لیے ہم دنیا کا ساز و سامان ضرور دیں گے لیکن بالآخر عذاب ایم سے دوچار ہوں گے۔

(۶) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور آپ سے علم غیب کی نفع کی جا رہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن
سے ہم آپ کو خبردار کر رہے ہیں ورنہ آپ اور آپ کی قوم ان سے لا علم تھی۔

کرتے رہیے (یقین مانئے) کہ انجام کار پر ہیزگاروں
کے لیے ہی ہے۔^(۱)

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہو دکو ہم^(۲) نے بھیجا،
اس نے کما میری قوم والو! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس
کے سوا تمہارا کوئی معبد نہیں، تم تو صرف بہتان باندھ
رہے ہو۔^(۳)^(۴)

اے میری قوم امیں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں
مانگتا، میرا اجراس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے
تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔^(۵)^(۶)

اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی
تفصیلوں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ
کرو، تاکہ وہ برستے والے بادل تم پر بھیج دے اور

وَاللَّٰهُ أَعْلَمُ بِأَخَاهُمْ هُوَ الْأَعْلَمُ قَالَ يَقُولُ مَنْ أَعْبُدُ وَاللَّٰهُ مَا لَكُمْ مِنْ
إِلٰهٌ غَيْرُهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ^(۷)

يَقُولُ مَنْ لَا إِلٰهَ لَكُمْ عَلَيْهِ أَجْرٌ إِنْ أَجْرٍ إِلَّا لِلْأَعْلَمِ الَّذِي
فَطَرَنِي إِنَّمَا أَفَلَّا تَعْقِلُونَ^(۸)

وَلَيَقُولُ مَنْ أَسْتَغْفِرُ فَوَارَبَكُمْ شَرَّ ثُوبَوْاللَّٰهِ يُرِسِّلُ السَّمَاءَ
عَلَيْكُمْ مَدْرَأً وَيَزِدُ كُلُّ قُوَّةٍ إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَنْوِي

(۱) یعنی آپ ﷺ کی قوم آپ کی جو حکمیت کر رہی ہے اور آپ ﷺ کو ایذا کیسی پہنچا رہی ہے، اس پر صبر سے کام
لے جئے، اس لیے کہ ہم آپ کے مددگار ہیں اور حسن انجام آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے، جو تقویٰ کی
صفت سے متصف ہیں۔ عاقبت دنیا و آخرت کے اچھے انجام کو کہتے ہیں۔ اس میں متفقین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ
ابتداء میں چاہے انہیں کتنا بھی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے، تاہم بالآخر اللہ کی مدد و نصرت اور حسن انجام کے وہی مستحق
ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّا نَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آتَيْنَا نَحْنُ أَنْتُمْ يَقُولُمُ الْأَشْهَادُ﴾ —
(المؤمنون: ۱۵) یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی
دینے والے کھڑے ہوں گے۔

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ حِلْيَتُنَا بِعِبَادَاتِ الْمُرْسَلِينَ * إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمُنْصُرُونَ * وَإِنَّ جُنُدَنَا كَالَّهُمُ الْغَلِيبُونَ﴾ (الصفات: ۱۷۲) اور البتہ ہمارا
 وعدہ پسلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ وہ مظفر و منصور ہوں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب اور برتر
رہے گا۔

(۲) بھائی سے مراد انہی ہی کی قوم کا ایک فرد۔

(۳) یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک نہ کر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔

(۴) اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو بغیر اجرت اور لاچ کے تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہے، وہ تمہارا خیر خواہ ہے۔ آیت میں
یاقوٰم اسے دعوت کا ایک طریق کار معلوم ہوتا ہے یعنی بجائے یہ کہنے کے "اے کافرو" اے مشرکو" اے میری قوم سے
مخاطب کیا گیا ہے۔

مُجْرِمِينَ ①

تمہاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھاوے^(۱) اور تم جرم کرتے ہوئے روگروانی نہ کرو۔^(۲) (۵۲)

انہوں نے کہا اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کرنے سے اپنے معبدوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔^(۳) (۵۳)

بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تو ہمارے کسی معبد کے برے جھپٹے میں آگیا ہے۔^(۴) اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں، جنہیں تم شریک بنارہے ہو۔^(۵) (۵۳)

قَالُوا يَهُودُ مَا حَفِظْنَا بَيْتَنَاهُ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِ الْهَيْثَنَا
عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ⑥

إِنْ تَقُولُ إِلَّا عَذَّرْتَكَ بَعْضُ الْهَيْثَنَا سُوْهٌ قَالَ إِنِّي أَشْهُدُ اللَّهَ
وَأَشْهُدُوا إِلَىٰ بَرَّكَ مَتَّعْنَرِكُونَ ⑦

(۱) حضرت ہود علیہ السلام نے توبہ و استغفار کی تلقین اپنی امت یعنی اپنی قوم کو کی اور اس کے وہ فوائد بیان فرمائے جو توبہ و استغفار کرنے والی قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں اور بھی بعض مقالات پر یہ فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ (لاحظہ ہو سورہ نوح ۱۱) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے۔ مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هِمَّ فَرَجَّا، وَمَنْ كُلِّ ضَيْقٍ مَخْرَجٌ وَرَزْقٌ مِنْ حَيْثُ لَا يَخْتَسِبُ (ابوداؤد۔ کتاب الوتر۔ باب فی الاستغفار۔ نمبر ۱۵۱۸۔ وابن ماجہ، نمبر ۳۸۱۹) ”جو بابندی سے استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر فکر سے کشادگی“ اور ہر تنگی سے راستہ بناتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جو اس کے وہم و مگان میں بھی نہیں ہوتی۔“

(۲) یعنی میں تمہیں جو دعوت دے رہا ہوں، اس سے اعراض اور اپنے کفر پر اصرار مت کرو۔ ایسا کرو گے تو اللہ کی بارگاہ میں مجرم اور گناہ گار بن کر پیش ہو گے۔

(۳) ایک نبی دلائل و براہین کی پوری قوت اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ لیکن شپرہ چشوں کو وہ نظر نہیں آتے قوم ہود علیہ السلام نے بھی اسی ڈھنائی کاماظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم بغیر دلیل کے محض تیرے کرنے سے اپنے معبدوں کو کس طرح چھوڑ دیں؟

(۴) یعنی تو جو ہمارے معبدوں کی تو ہیں اور گستاخی کرتا ہے کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معبدوں نے ہی تیری اس گستاخی پر تجھے کچھ کر دیا ہے۔ اور تیرا دماغ ماوف ہو گیا ہے۔ جیسے آج کل کے نام نہاد مسلمان بھی اس قسم کے توهات کا شکار ہیں، جب انہیں کہا جاتا ہے کہ یہ فوت شدہ اشخاص اور بزرگ کچھ نہیں کر سکتے، تو کہتے ہیں کہ یہ ان کی شان میں گستاخی ہے اور خطرہ ہے کہ اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کا وہ بیڑا غرق کر دیں۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذِهِ الْخُرَافَاتِ وَالْأَكَاذِبِ۔

(۵) یعنی میں ان تمام بتوں اور معبدوں سے بیزار ہوں اور تمہارا یہ عقیدہ کہ انہوں نے مجھے کچھ کر دیا ہے، بالکل غلط ہے، ان کے اندر یہ قدرت ہی نہیں کہ کسی کو مافق الاصاب طریقے سے نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔

اچھا تم سب مل کر میرے خلاف چالیں چل لو اور مجھے
بالکل مملت بھی نہ دو۔^(۱) (۵۵)

میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہے، جو میرا اور تم
سب کا پرو ر دگار ہے جتنے بھی پاؤں دھرنے والے ہیں
سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے^(۲) ہے۔ یقیناً میرا رب
بالکل صحیح راہ پر ہے۔^(۳) (۵۶)

پس اگر تم روگردانی کرو تو کرو میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا
چکا جو دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔^(۴) میرا رب
تمہارے قائم مقام اور لوگوں کو کر دے گا اور تم اس کا
کچھ بھی بگاڑنہ سکو گے،^(۵) یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر
نمگبان ہے۔^(۶) (۵۷)

اور جب ہمارا حکم آپنچا تو ہم نے ہود کو اور اس کے
مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا

مِنْ دُونِهِ فَيُنْدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۝

إِنَّ تَوْكِيدَ عَلَى اللَّهِ رَبِّنَا وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآتَةٍ إِلَّا هُوَ
أَخْذُنَا مِنْهَا إِنَّ رَبِّنَا عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

فَإِنْ تَوَلَّ وَاقْتَدْنَا بِكَلْغَنَتِكُمْ تَأْوِيلُكُمْ وَيَسْعَلُكُمْ
رَبِّنَا قَوْمًا عَيْرَلَمْ وَلَا نَضْرُونَكُمْ شَيْئًا إِنَّ رَبِّنَا عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ حَقِيقٌ ۝

وَلَمَّا جَاءَهُ أَمْرُنَا بِخَيْرِنَا هُوَدَ أَوَ الَّذِينَ أَمْنَوْا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنْنَا

(۱) اور اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے بلکہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بت کچھ کر سکتے ہیں تو لوایں حاضر ہوں، تم اور تمہارے معبدوں سب مل کر میرے خلاف کچھ کر کے دکھاؤ۔ مزید اس سے نبی کے اس انداز کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر بصیرت پر ہوتا ہے کہ اسے اپنے حق پر ہونے کا یقین ہوتا ہے۔

(۲) یعنی جس ذات کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ و تصرف ہے، وہ وہی ذات ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے، میرا تو کل اسی پر ہے۔ مقصداں الفاظ سے حضرت ہود علیہ السلام کا یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا کر کھا ہے، ان پر بھی اللہ ہی کا قبضہ و تصرف ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو جائے کر سکتا ہے، وہ کسی کا کچھ نہیں کر سکتے۔

(۳) یعنی وہ جو توحید کی دعوت دے رہا ہے یقیناً یہ دعوت ہی صراط مستقیم ہے، اسی پر چل کر نجات اور کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہو اور اس صراط مستقیم سے اعراض و اخراف تباہی و بر بادی کا باعث ہے۔

(۴) یعنی اس کے بعد میری ذمے داری ختم اور تم پر جنت تمام ہو گئی۔

(۵) یعنی تمہیں تباہ کر کے تمہاری زمینوں اور املاک کا وہ دوسروں کو مالک بنادے، تو وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بلکہ وہ اپنی مشیت و حکمت کے مطابق ایسا کرتا رہتا ہے۔

(۶) یقیناً وہ مجھے تمہارے مکرو فریب اور سازشوں سے بھی محفوظ رکھے گا اور شیطان چالوں سے بھی بچائے گا۔ علاوہ ازیں ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق اچھی اور بُری جزا بھی دے گا۔

فرمائی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچا
لیا۔^(۱) (۵۸)

یہ تھی قوم عاد، جنہوں نے اپنے رب کی آئیوں کا انکار کیا
اور اس کے رسولوں کی^(۲) نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش
نافرمان کے حکم کی تابعداری کی۔^(۳) (۵۹)

دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے
دن بھی،^(۴) دیکھ لو قوم عاد نے اپنے رب سے کفر کیا، ہو د
کی قوم عاد پر دوری ہو۔^(۵) (۶۰)

اور قوم شمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،^(۶) اس

وَبَيْتُهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيلٍ^(۶)

وَتَلَكَّ عَذَابٌ جَدُّوا بِإِيمَانِ رَبِّهِمْ وَعَصَمُوا سُلَّةَ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ رَبِّهِمْ
جَبَّارٌ عَنِيهِمْ^(۷)

وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ الْأَكَانَ عَادًا
كُفَّارٌ وَرَاهِهِمْ الْأَبْعَدُ لِلْعَادِ قَوْمٌ هُودٌ^(۸)

وَاللَّهُ شَوُدٌ أَخَاهُمْ صَلِحًا قَالَ يَقُومُ أَعْبُدُ وَاللَّهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٌ^(۹)

(۱) سخت عذاب سے مراد وہی الرِّينَحُ الْعَقِيمَ تیز آندھی کا عذاب ہے جس کے ذریعے سے حضرت ہو دعیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا اور جس سے حضرت ہو دعیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا گیا۔

(۲) عاد کی طرف صرف ایک نبی حضرت ہو دعیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے، یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اس سے یا تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک رسول کی تکذیب، یہ گویا تمام رسولوں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ تمام رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم اپنے کفر و انکار میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ حضرت ہو دعیہ السلام کے بعد اگر ہم اس قوم میں متعدد رسول بھی بھیجتے تو یہ قوم ان سب کی تکذیب ہی کرتی۔ اور اس سے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ وہ کسی بھی رسول پر ایمان لے آتی۔ یا ہو سکتا ہے کہ اور بھی انبیا بھیجے گئے ہوں اور اس قوم نے ہر ایک کی تکذیب کی۔

(۳) یعنی اللہ کے پیغمبروں کی تو تکذیب کی لیکن جو لوگ اللہ کے حکمتوں سے سرکشی کرنے والے اور نافرمان تھے، ان کی اس قوم نے پیروی کی۔

(۴) لعنة کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری، امور خیر سے محرومی اور لوگوں کی طرف سے ملامت و بیزاری۔ دنیا میں یہ لعنت اس طرح کہ اہل ایمان میں ان کا ذکر، یہی ملامت و بیزاری کے انداز میں ہو گا اور قیامت میں اس طرح کہ وہاں علی روؤس الاشاد ذلت و رسوانی سے دوچار اور عذاب الہی میں بتلا ہوں گے۔

(۵) بُعْدُ کا یہ لفظ رحمت سے دوری اور لعنت ہلاکت کے معنی کے لیے ہے، جیسا کہ اس سے قبل بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔

(۶) وَإِلَىٰ ثَمُودَ عَطْفٌ ہے ما قبل پر۔ یعنی وَأَزْسَلَنَا إِلَىٰ ثَمُودَ ہم نے شمود کی طرف بھیجا۔ یہ قوم توبوک اور مدینہ کے درمیان میان صاحل (جمرا) میں رہائش پذیر تھی اور یہ قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہاں بھی شمود کا بھائی کہا ہے، جس سے مراد انہی کے خاندان اور قبیلے کا ایک فرد ہے۔

نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبد نہیں،^(۱) اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے^(۲) اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے،^(۳) پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ پیشک میرا رب قریب اور دعاوں کا قبول کرنے والا ہے۔^(۴)

انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے، کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے، ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے۔^(۵)

اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگوں از رابتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس کی رحمت عطا کی ہو،^(۶) پھر

عَيْرَةٌ هُوَ اثْنَا كُلُّهُ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرُ كُلُّهُ مِنْهَا فَأَسْتَغْفِرُ لَهُ
لَهُ تَوْلِيَةٌ إِنَّ رَبَّنِي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ^(۷)

قَالَ أَيْضَلُهُ قَدْ لَمْتَنِي أَمْرُجُوا قَبْلَ هَذَا التَّهْنَانَ أَنْ تَعْدُ مَا
يَعْبُدُ أَبَا وَنَانَ الْفِي شَقِيقَتَنِي عَوْنَالَيْهِ مُرْبُوبٌ^(۸)

قَالَ يَقُولُ أَرَدْنِي عَرَانَ كَنْتُ عَلَى بَيْتَنِي مِنْ رَّبِّي وَاتَّقِي مِنْهُ
رَحْمَةً فَمَنْ يَتَّصُرُ فِي مِنَ اللَّهِ إِنْ خَصَّيْتَنَاهُ فَمَا تَرِيدُ وَبَيْنَهُ
مُخْبِيْرٌ^(۹)

(۱) حضرت صالح علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، جس طرح کہ تمام انبیاء کا طریق رہا ہے۔

(۲) یعنی ابتداءً تمہیں زمین سے پیدا کیا، وہ اس طرح کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور تمام انسان صلب آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے یوں گواہا تمام انسانوں کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو کچھ کھاتے ہو، سب زمین ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں جا کر وجود انسانی کا باعث ہوتا ہے۔

(۳) یعنی تمہارے اندر زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کی، جس سے تم رہائش کے لیے مکان تعمیر کرتے، خوراک کے لیے کاشت کاری کرتے اور دیگر ضروریات زندگی سیا کرنے کے لیے صنعت و حرفت سے کام لیتے ہو۔

(۴) یعنی چیزیں اپنی قوم میں چونکہ اخلاق و کردار اور امانت و دیانت میں ممتاز ہوتا ہے، اس لیے قوم کی اس سے اچھی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اسی اعتبار سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان سے یہ کہا۔ لیکن دعوت توحید دیتے ہی ان کی امیدوں کا یہ مرکز، ان کی آنکھوں کا کاشابن گیا اور اس دین میں شک کا انہمار کیا جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام انہیں بلا رہے تھے یعنی دین توحید۔

(۵) بَيْتَنِي سے مراد وہ ایمان و یقین ہے، جو اللہ تعالیٰ پیغمبر کو عطا فرماتا ہے اور رحمت سے نبوت۔ جیسا کہ پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔

اگر میں نے اس کی نافرمانی کر^(۱) لی تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔^(۲) (۶۳)

اور اسے میری قوم والوایہ اللہ کی بھیجی ہوئی اور نہیں ہے جو تمہارے لیے ایک معجزہ ہے اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ ورنہ فوری عذاب تمیس پکڑ لے گا۔^(۳) (۶۳)

پھر بھی ان لوگوں نے اس اور نہیں کے پاؤں کاٹ ڈالے، اس پر صالح نے کہا کہ اچھا تم اپنے گروں میں تین تین دن تک تورہ سہ لو، یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔^(۴) (۶۵)

پھر جب ہمارا فرمان آپنچا،^(۵) ہم نے صالح کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس سے بھی بچالیا اور اس دن کی رسائی سے بھی۔ یقیناً تیرا رب نہایت توانا اور غالب ہے۔^(۶) (۶۶)

وَنَقُومُ هُنْدَهُ نَاقَةُ اللَّهِ الْكَوَافِرُ فَذَرُوهَا تَأْكُلُنَّ فِيَ أَرْضِ اللَّهِ
وَلَا تَشْوِهَا إِسْوَهًا فَإِنَّهُمْ لَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝

فَعَرَقُ وَهَا فَقَالَ شَعُورًا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ إِيمَانٌ مَذِلَّكَ وَعْدٌ غَيْرُ
مَكْذُوبٍ ۝

فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَاجِيَنَا صِلْحَانَ وَالَّذِينَ أَمْنَوْا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَنَا
وَمَنْ خَرَىٰ يَوْمَهُنَّ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْعَوْنَىٰ الْعَزِيزُ ۝

(۱) نافرمانی سے مراد یہ ہے کہ اگر میں تمیس حق کی طرف اور اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلانا چھوڑ دوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔

(۲) یعنی اگر میں ایسا کروں تو تم مجھے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچاسکتے، البتہ اس طرح تم میرے نقصان و خسارے میں ہی اضافہ کرو گے۔

(۳) یہ وہی اور نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کہنے پر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پہاڑ یا ایک چٹان سے برآمد فرمائی۔ اسی لیے اسے «نَاقَةُ اللَّهِ» (اللہ کی اور نہیں) کہا گیا ہے کیونکہ یہ خالص اللہ کے حکم سے مجازاً طور پر مذکورہ خلاف عادت طریقے سے ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی بابت انہیں تاکید کردی گئی تھی کہ اسے ایذا نہ پہنچانا، ورنہ تم عذاب الہی کی گرفت میں آجائے گے۔

(۴) لیکن ان ظالموں نے اس زبردست معجزے کے باوجود نہ صرف ایمان لانے سے گریز کیا بلکہ حکم الہی سے صریح سرتباً کرتے ہوئے اسے مار ڈالا، جس کے بعد انہیں تین دن کی مملت دے دی گئی کہ تین دن کے بعد تمیس عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دیا جائے گا۔

(۵) اس سے مراد ہی عذاب ہے جو وعدے کے مطابق چوتھے دن آیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے سوا، سب کو ہلاک کر دیا گیا۔

اور ظالموں کو بڑے زور کی چلکھاڑ نے آدیوچا^(۱) پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔^(۲)

ایسے کہ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے،^(۳) آگاہ رہو کر قوم ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو! ان ثمودیوں پر پھٹکار ہے۔^(۴)

اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے^(۵) اور سلام کہا،^(۶) انہوں نے بھی جواب سلام دیا^(۷) اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا پھرزا لے آئے۔^(۸)

وَلَمَّا دَخَلَ الظَّاهِرَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُنُبِينَ ۝

كَانَ لَهُمْ يَقْتَوْفِيهَا الْأَرَانُ ثُمَّوْدَ أَنْفَرُهُمْ أَلَّا بُعْدُ؟
لَشَمْوَدَ ۝

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلًا إِنْ هُمْ بِالْبَشَرِ قَالُوا سَلَّمًا قَالَ سَلَّمًا
فَمَا لِلْإِثْمِ أَنْ جَاءَ بِهِمْ حَنِينٌ ۝

(۱) یہ عذاب صَبَيْحَةُ (چبح، زور کی کڑک) کی صورت میں آیا، بعض کے نزدیک یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چبح تھی اور بعض کے نزدیک آسمان سے آئی تھی۔ جس سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی، اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہی بھونچال (رجفہ) بھی آیا، جس نے سب کچھ توبلا کر دیا (جیسا کہ سورہ اعراف ۲۸ میں ﴿فَآخَذَنَّهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ کے الفاظ ہیں)۔

(۲) جس طرح پرنده مرنے کے بعد زمین پر مٹی کے ساتھ پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ موت سے ہم کنار ہو کر منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔

(۳) ان کی بستی یا خود یہ لوگ یاد نہیں ہی، اس طرح حرف غلط کی طرح مٹا دیئے گئے گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔

(۴) یہ دراصل حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصے کا ایک حصہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پچازاد بھائی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی بحیرہ میت کے جنوب مشرق میں تھی، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں مقیم تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ تو ان کی طرف فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے قوم لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اور انہیں بیٹی کی بشارت دی۔

(۵) یعنی سَلَّمَنَا عَلَيْنَكَ سَلَامًا ”ہم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔“

(۶) جس طرح پہلا سلام ایک فعل مقدر کے ساتھ منسوب تھا۔ اسی طرح یہ سلام بتدا یا خبر ہونے کی بنابر مرفع ہے، عبارت ہوگی أَمْرُكُمْ سَلَامٌ یا عَلَيْكُمْ سَلَامٌ

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور کھانے پینے سے معدوز ہیں، بلکہ انہوں نے انہیں مہمان سمجھا اور فوراً مہمانوں کی خاطر واضح کے لیے بھنا ہوا پھر والا کران کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو حاضر خدمت کر دیا جائے۔

اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی اس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو ان سے اجنبیت محسوس کر کے دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے،^(۱) انہوں نے کماڑو نہیں ہم تو قوم لوٹ کی طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں۔^(۲)

اس کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی،^(۳) تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی۔^(۴)

وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے ہیں یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے!^(۵)

فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ تم پر اے اس گھر کے لوگوں اللہ کی رحمت

فَلَتَّارَاكَيْدَيْهُمْ لَأَنَّصُلُ إِلَيْهِنَّكَرْمُهُمْ وَأَوْجَسْ مِنْهُمْ حِيفَةٌ
قَالُوا لَا خَفَّ إِنَّا أُولَئِكَ الَّذِينَ قَوْمُ لُوطٍ ۝

وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرَنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِهِ
إِسْحَاقَ يَعْوَبَ ۝

قَالَتْ يَوْيِلْكَى إِلَدُو وَأَنَا بَعْجُوزُ وَهَذَا بَعْلُ شَيْخَانَ هَذَا
لَكَنِي عَجِيْبٌ ۝

قَالُوا أَنَّعْجَجِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَنُ اللَّهُ وَبَرَّهُهُ عَلَيْنَمُ أَهْلَ

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھ رہے نہیں رہے، تو انہیں خوف محسوس ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ چیز معروف تھی کہ آئے ہوئے مہمان اگر ضیافت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کسی اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا پچھرا بھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے۔

(۲) اس خوف کو فرشتوں نے محسوس کیا، یا تو ان آثار سے جو ایسے موقعوں پر انسان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں، یا اپنی گفتگو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اظہار فرمایا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے 『إِنَّمَنْكُلُو وَجَلُونَ』 (الحجر، ۵۰) ”ہمیں تو تم سے ذر لگتا ہے۔“ چنانچہ فرشتوں نے کماڑو نہیں، آپ جو سمجھ رہے ہیں، ہم وہ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گے ہیں اور ہم قوم لوٹ علیہ السلام کی طرف جا رہے ہیں۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی الہیہ کیوں نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ قوم لوٹ علیہ السلام کی فساد انگیزوں سے وہ بھی آگاہ تھیں، ان کی ہلاکت کی خبر سے انہوں نے سرت محسوس کی۔ بعض کہتے ہیں اس لیے نہیں آئی کہ دیکھو آسمانوں سے ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ قوم غفلت کا شکار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تأخیر ہے۔ اور اس ہنسنے کا تعلق اس بشارت سے ہے جو فرشتوں نے اس بوڑھے جوڑے کو دی۔ واللہ اعلم۔

(۴) یہ الہیہ حضرت سارہ تھیں، جو خود بھی بوڑھی تھیں اور ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے، اس لیے تعجب ایک فطری امر تھا، جس کا اظہار ان سے ہوا۔

(۵) یہ استفهام انکار کے لیے ہے۔ یعنی تو اللہ تعالیٰ کے قضاقد رپر کس طرح تعجب کا اظہار کرتی ہے جبکہ اس کے لیے کوئی چیز

الْبَيْتَ إِنَّهُ حَمِيدٌ تَّحْمِيدٌ ①

اور اس کی برکتیں نازل ہوں،^(۱) بیشک اللہ حمد و شنا کا سزاوار اور بڑی شان والا ہے۔ (۷۳)

جب ابراہیم کا ذر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوٹ کے بارے میں کہنے سننے لگے۔^(۲) (۷۴)

یقیناً ابراہیم بست تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے۔ (۷۵)

اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجئے، آپ کے رب کا حکم آپ پنچا ہے، اور ان پر نہ ثالے جانے والا عذاب ضرور آنے والا ہے۔^(۳) (۷۶)

جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوٹ کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے۔^(۴) (۷۷)

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْغْ وَجَاءَتْهُ الْمُنْذِرِيُّونَ مُجَادِلِينَ فِيْ قَوْمٍ لَوْطٍ ②

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيلٌ وَآتَاهُ مُنْذِرٌ ③

بِلَابْرَاهِيمَ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرِيَّكَ وَإِنَّهُمْ أَتَيْهُمْ عَذَابًا غَيْرَ مُرْدُودٍ ④

وَلَمَّا جَاءَتْ رَسْلَنَا الْوَطَاسِيَّ بِهِمْ وَصَاقَ بِهِمْ دُرْعًا قَالَ هَذَا يَوْمُ عَصِينِي ⑤

مشکل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب عادیہ ہی کا محتاج ہے، وہ تو جو چاہے، اس کے لفظ کُنْ (ہوجا) سے معرض وجود میں آ جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی الیہ محترمہ کو یہاں فرشتوں نے "اہل بیت" سے یاد کیا اور دوسرے ان کے لیے جمع مذکر مخاطب (علَيْكُمْ) کا صیغہ استعمال کیا۔ جس سے ایک بات تو یہ ثابت ہو گئی کہ "اہل بیت" میں سب سے پہلے انسان کی بیوی شامل ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ "اہل بیت" کے لیے جمع مذکر کے صینے کا استعمال بھی جائز ہے۔ جیسا کہ سورہ احزاب، ۳۳ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا ہے اور انہیں جمع مذکر کے صینے سے مخاطب بھی کیا ہے۔

(۲) اس مجادلے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کما کہ جس بستی کو تم ہلاک کرنے جا رہے ہو، اسی میں حضرت لوٹ علیہ السلام بھی موجود ہیں۔ جس پر فرشتوں نے کہا "ہم جانتے ہیں کہ لوٹ علیہ السلام بھی وہاں رہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو اور ان کے گھروالوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے"۔ (العکبوت-۳۲)

(۳) یہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کما کہ اب اس بحث و تکرار کا کوئی فائدہ نہیں، اسے چھوڑیے! اللہ کا وہ حکم (ہلاکت کا) آچکا ہے، جو اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ اور اب یہ عذاب نہ کسی کے مجادلے سے رکے گا نہ کسی کی دعا سے ملے گا۔

(۴) حضرت لوٹ علیہ السلام کی اس سخت پریشانی کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے نو عمر نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے، جو بے ریش تھے، جس سے حضرت لوٹ علیہ السلام نے اپنی قوم کی عادت قیچی کے پیش نظر سخت خطرہ محسوس

اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آپنی، وہ تو پسلے ہی سے بد کاریوں میں بیٹلا تھی،^(۱) لوط علیہ السلام نے کما اے قوم کے لوگو! یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمہارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں،^(۲) اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوانہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں۔^(۳) (۷۸)

انہوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تو ہماری اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے۔^(۴) (۷۹)

لوط علیہ السلام نے کما کاش کر مجھے میں تم سے مقابلہ کرنے

وَجَاءَهُ قَوْمٌ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلٍ كَانُوا يَعْمَلُونَ
الشَّيْءَاتِ قَالَ يَقُولُمْ هُؤُلَاءِ بَنَانِي مُنَاهِرُكُمْ فَأَتَعْوَالُهُ
وَلَا تُخْرُوْنِ فِي ضَيْقٍ أَلِيْسَ مَنْكُرُ رَجُلٍ رَّشِيدٍ^(۵)

قَالُوا لَقَدْ عِلِّمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ
لَتَعْلَمُ مَا لَنْنَا^(۶)

قَالَ لَوْلَئِنِي لَكُمْ فُتُّةٌ أَذْلِي إِلَى رُكْنِ شَرِيدٍ^(۷)

کیا۔ کیونکہ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آنے والے یہ نوجوان، مہمان نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو اس قوم کو ہلاک کرنے کے لیے ہی آئے ہیں۔

(۱) جب اغلام بازی کے ان مریضوں کو پتہ چلا کہ چند خوب رو نوجوان لوط علیہ السلام کے گھر آئے ہیں تو دوڑے ہوئے آئے اور انہیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا، تاکہ ان سے اپنی غلط خواہشات پوری کریں۔

(۲) یعنی تمہیں اگر جنسی خواہش ہی کی تکمیل مقصود ہے تو اس کے لیے میری اپنی بیٹیاں موجود ہیں، جن سے تم نکاح کر لو اور اپنا مقصد پورا کرلو۔ یہ تمہارے لیے ہر طرح سے بہتر ہے۔ بعض نے کہا کہ بنات سے مراد عام عورتیں ہیں اور انہیں اپنی لڑکیاں اس لیے کہا ہے کہ پیغمبر اپنی امت کے لیے بنزلہ باپ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے لیے عورتیں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور اپنا مقصد پورا کرو! (ابن کثیر)

(۳) یعنی میرے گھر آئے مہمانوں کے ساتھ زیادتی اور زبردستی کر کے مجھے رسوانہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا سمجھدار نہیں ہے، جو میزبانی کے تقاضوں اور اس کی نزاکت کو سمجھ سکے؟ اور تمہیں اپنے برے ارادوں سے روک سکتے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ساری باتیں اس بنیاد پر کیں کہ وہ ان فرشتوں کو فی الواقع نووارد مسافر اور مہمان ہی سمجھتے رہے۔ اس لیے وہ بجا طور پر ان کی حفاظت کو اپنی عزت و وقار کے لیے ضروری سمجھتے رہے۔ اگر ان کو پتہ چل جاتا یا وہ عالم الغیب ہوتے، تو ظاہر بات ہے کہ انہیں یہ پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی، جو انہیں ہوئی اور جس کا نقشہ یہاں قرآن مجید نے کھینچا ہے۔

(۴) یعنی ایک جائز اور فطری طریقے کو انہوں نے بالکل رد کر دیا اور غیر فطری کام اور بے حیائی پر اصرار کیا، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قوم اپنی اس بے حیائی کی عادت خبیث میں کتنی آگے جا چکی تھی اور کس قدر راندھی ہو گئی تھی۔

کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑتا۔^(۱) (۸۰)
 اب فرشتوں نے کما اے لوٹا! ہم تیرے پروردگار کے
 بھیجے ہوئے ہیں ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں پس
 تو اپنے گھروالوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔
 تم میں سے کسی کو مژکر بھی نہ دیکھنا چاہیے، بجز تیری
 بیوی کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان
 سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے وعدے کا وقت صح کا ہے، کیا
 صح بالکل قریب نہیں۔^(۲) (۸۱)

پھر جب ہمارا حکم آپنخا، ہم نے اس بستی کو زیر وزبر کر دیا
 اور کاحصہ نیچے کر دیا اور ان پر سنکریلے پھر بر سائے جوڑے
 بہت تھے۔^(۳) (۸۲)

تیرے رب کی طرف سے نشان دار تھے اور وہ ان
 ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے۔^(۴) (۸۳)

فَالْوَالِيُّونُ طَرَاثُ رَبِّكَ لَنْ يَصْلُوَ إِلَيْكَ فَأَسْرِيْ
 بِإِهْلِكَ بِقِطْعِيْمٍ مِنَ الْيَنِّيْلِ وَلَا يَلْقَيْتُ مِنْكُوْ أَحَدًا لَا
 امْرَأَتِكَ إِنَّهُ مُصِيْبَهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ
 أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ①

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مِنْ نَاجِعَلَنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا
 حِجَارَةً مِنْ سِجِيلٍ كَمَنْضُودٍ ②

مُسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّلَمِيْنَ بَعِيْدٌ ③

(۱) قوت سے اپنے دست و بازو اور اپنے وسائل کی قوت مراد ہے اور رکن شدید (مضبوط آسرا) سے
 خاندان، قبیلہ یا اسی قسم کا کوئی مضبوط سمارا مراد ہے۔ یعنی نہایت بے بسی کے عالم میں آرزو کر رہے ہیں کہ کاش! میرے
 اپنے پاس کوئی قوت ہوتی یا کسی خاندان اور قبیلے کی پناہ اور مدد مجھے حاصل ہوتی تو آج مجھے مسامنوں کی وجہ سے یہ ذلت و
 رسولی نہ ہوتی، میں ان بد مقاشوں سے نہ کیا اور مسامنوں کی حفاظت کر لیتا۔ حضرت لوٹ علیہ السلام کی یہ آرزو، اللہ
 تعالیٰ پر توکل کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ ظاہری اسباب کے مطابق ہے۔ اور توکل علی اللہ کا صحیح مفہوم و مطلب بھی یہی ہے
 کہ پہلے تمام ظاہری اسباب و وسائل بروئے کار لائے جائیں اور پھر اللہ پر توکل کیا جائے۔ یہ توکل کا نہایت غلط مفہوم
 ہے کہ ہاتھ پر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور کوکہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے۔ اس لیے حضرت لوٹ علیہ السلام نے جو کچھ کہا، ظاہری
 اسباب کے اعتبار سے بالکل بجا کما۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کا پیغمبر جس طرح عالم الغیب نہیں ہوتا، اسی طرح
 وہ مختار کل بھی نہیں ہوتا، (جیسا کہ آج کل لوگوں نے یہ عقیدہ گھر لیا ہے) اگر نبی دنیا میں اختیارات سے بہرہ ور ہوتے تو
 یقیناً حضرت لوٹ علیہ السلام اپنی بے بسی کا اور اس آرزو کا اطمینانہ کرتے جو انہوں نے مذکورہ الفاظ میں کیا۔

(۲) جب فرشتوں نے حضرت لوٹ علیہ السلام کی بے بسی اور ان کی قوم کی سرکشی کا مشاہدہ کر لیا تو بولے، اے لوٹا!
 گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تک توکیا، اب یہ تجھ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب رات کے ایک حصے میں، سوائے
 بیوی کے، اپنے گھروالوں کو لے کر یہاں سے نکل جا! صح ہوتے ہی اس بستی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

(۳) اس آیت میں ہی کا مرتع بعض مفرین کے نزدیک وہ نشان زدہ سنکریلے پھر ہیں جو ان پر بر سائے گئے اور بعض

اور ہم نے مدین والوں^(۱) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبد نہیں اور تم ناپ توں میں بھی کمی نہ کرو^(۲) میں تو تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں^(۳) اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف (بھی) ہے۔^(۴) (۸۲)

اے میری قوم! ناپ توں انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو^(۵) اور زمین میں فساد

وَإِلَى مَدَنِنَا أَخَاهُمْ شَعِيبًا قَالَ يَقُولُمْ أَعْبُدُ وَاللهُ مَالَكُمْ مِنَ الْوَعِيرَةِ وَلَا تَنْقُضُوا الْمَكَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرِكُمْ بِخَيْرِ رَبِّنَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ مُحِيطٍ ۝

وَيَقُولُمْ أَوْفُوا الْمَكَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتَوِفُوا لِأَرْضِ مُغْسِيَنَ ۝

کے نزدیک اس کا مرجع وہ بستیاں ہیں جو ہلاک کی گئیں اور جو شام اور مدینہ کے درمیان تھیں اور ظالمین سے مراد مشرکین کمہ اور دیگر مکمل ہیں۔ مقصد ان کوڈ رانا ہے کہ تمہارا حشر بھی ویسا ہو سکتا ہے جس سے گزشتہ قومیں دوچار ہوئیں۔

(۱) مدین کی تحقیق کے لیے دیکھنے سورۃ الاعراف، آیت ۸۵ کا حاشیہ۔

(۲) توحید کی دعوت دینے کے بعد، اس قوم میں جو نمایاں اخلاقی خرابی۔ ناپ توں میں کمی۔ کی تھی، اس سے انہیں منع فرمایا۔ ان کا معمول یہ بن چکا تھا کہ جب ان کے پاس فروخت کنندہ (بالغ) اپنی چیز لے کر آتا تو اس سے ناپ اور توں میں زائد چیز لیتے اور جب خریدار (مشتری) کو کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ میں بھی کمی کر کے دیتے اور توں میں بھی ڈنڈی کار لیتے۔

(۳) یہ اس منع کرنے کی علت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل کر رہا ہے اور اس نے تمہیں آسودگی اور مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر تم یہ فتح حرکت کیوں کرتے ہو؟

(۴) یہ دوسرا علت ہے کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے بازندہ آئے تو پھر اندیشہ ہے کہ قیامت والے دن کے عذاب سے تم نہ بچ سکو۔ گھیرنے والے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کوئی گناہ گار مٹا غذہ الہی سے بچ سکے گا نہ بھاگ کر کسی چھپ سکے گا۔

(۵) انبیا علیهم السلام کی دعوت دو اہم بنیادوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ۱۔ حقوق اللہ کی ادائیگی۔ ۲۔ حقوق العباد کی ادائیگی۔ اول الذکر کی طرف لفظہ (اعبُدُوا اللَّهَ) اور آخر الذکر کی جانب (وَلَا تَنْقُضُوا الْمَكَالَ) سے اشارہ کیا گیا اور اب تاکید کے طور پر انہیں انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ توں کا حکم دیا جا رہا ہے اور لوگوں کو چیزیں کم کر کے دینے سے منع کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی ایک بست بڑا جرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورت میں اس جرم کی شاعت و تباہت اور اس کی اخروی سزا میان فرمائی ہے۔ ﴿وَنَّى لِلْمُطْفَفِينَ * الَّذِينَ إِذَا أَكْنَلُوا عَنِ الْأَنْوَافِ سِيَّئَاتِهِنَّ * وَإِذَا كَلَّا لَوْهُمْ أَوْ قَدْرُهُمْ يُخْبِرُوْنَ﴾ (سورۃ المطففين ۳۱) مطففین کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کریا توں کر دیتے ہیں، تو کم کر کے دیتے ہیں۔“

اور خرابی نہ مچاؤ۔^(۱) (۸۵)

اللہ تعالیٰ کا حلال کیا ہوا جو نفع رہے تمارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو،^(۲) میں تم پر کچھ نگہبان (اور داروغہ) نہیں ہوں۔^(۳) (۸۶)

انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! کیا تیری صلاة^(۴) تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبدوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے ماں میں جو کچھ چاہیں اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں^(۵) تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔^(۶) (۸۷)

کما میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے،^(۷) میرا یہ ارادہ

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرُ الْكُرْمَانُ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحِفْظٍ^(۸)

قَالُوا إِشْعَيْبُ أَصْلُوْتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَرُكَ مَا يَعْبُدُ أَبَاً وَنَّا
أَوْ أَنْ تَقْعُلَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ أَنْتَوْ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيلُ
الرَّئِشِيدُ^(۹)

قَالَ يَقُولُ أَرَأَيْتُكَ لَكُنْتُ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رِزْقِنِي وَرَزْقِنِي
مِنْهُ رِزْنُ فَاحَسَنَا وَمَا أَرِيدُ أَنْ أَخْالِفَكُمْ إِلَى مَا

(۱) اللہ کی نافرمانی سے، بالخصوص جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے یہاں ناپ تول کی کی بیشی میں ہے، زمین میں یقیناً فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے انہیں منع کیا گیا۔

(۲) ﴿بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرُ الْكُرْمَانُ﴾ سے مراد، وہ نفع ہے جو ناپ تول میں کسی قسم کی کی کیے بغیر، دیانت داری کے ساتھ سودا دینے کے بعد حاصل ہو۔ یہ چونکہ حلال و طیب ہے اور خیر و برکت بھی اسی میں ہے، اس لیے اللہ کا بقیہ قرار دیا گیا ہے۔

(۳) یعنی میں تمہیں صرف تبلیغ کر سکتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔ لیکن براویوں سے میں تمہیں روک دوں یا اس پر سزا دوں، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ ان دونوں باتوں کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

(۴) صَلَوةً سے مراد، عبادت، دین یا تلاوت ہے۔

(۵) اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک زکوٰۃ و صدقات ہیں جس کا حکم ہر آسمانی مذہب میں دیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم سے زکوٰۃ و صدقات کا اخراج، اللہ کے نافرمانوں پر نہایت شاق گزرتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم اپنی محنت و لیاقت سے مال کماتے ہیں تو اس کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں ہم پر پابندی کیوں ہو؟ اور اس کا کچھ حصہ ایک مخصوص مذکور یہ نکلنے پر ہمیں مجبور کیوں کیا جائے؟ اسی طریقے سے کمالی اور تجارت میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پابندی بھی ایسے لوگوں پر نہایت گراں گزرتی ہے، ممکن ہے ناپ تول میں کسی سے روکنے کو بھی انہوں نے اپنے مالی تصرفات میں دخل در معمولات سمجھا ہو۔ اور ان الفاظ میں اس سے انکار کیا ہو۔ دونوں ہی مفہوم اس کے صحیح ہیں۔

(۶) حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے یہ الفاظ انہوں نے بطور استہزا کے۔

(۷) رزق حسن کا دوسرا مفہوم نبوت بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

بالکل نہیں کہ تمہارا خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں،^(۱) میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔^(۲) میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے،^(۳) اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ (۸۸)

اور اے میری قوم (کے لوگو!) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو میری مخالفت ان عذابوں کا مستحق بنادے جو قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچے ہیں۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔^(۴) (۸۹)

تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، یقین مانو کہ میرا رب بڑی محربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ (۹۰)

انہوں نے کہاے شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں^(۵) اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں،^(۶) اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تو تجھے سنگار کر دیتے،^(۷) اور ہم تجھے کوئی حیثیت والی ہستی

أَنْهُمْ كُمْ عَنْهُ إِنْ أُرْبِدُ إِلَّا إِلَاصْلَامَ مَا أَسْتَطَعْتُ
وَمَا أَنْوَفْتُ إِلَّا يَا لَهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ
أُنِيبُ^(۸)

وَيَقُولُ لَا يَمْهُرُ مِنْكُمْ شَعَارٌ إِنْ يُصِيبُكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ
قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَلِيْحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ
يَعْجِدُ^(۹)

وَاسْتَغْفِرُ وَإِنَّكُمْ لَعَنْ نُوْبَوَا إِلَيْهِ زَانَ رَبِّ رَحِيمٍ وَدُودٍ^(۱۰)

قَالُوا إِنَّشَعِيبَ مَا نَقَقَهُ كَثِيرًا مِنَ الْقُولُ وَإِنَّا لَنَرَكَ
فِينَا ضَعِيفُمَا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعِزِيزٍ^(۱۱)

(۱) یعنی جس کام سے میں تمہیں روکوں، تم سے خلاف ہو کر، وہ میں خود کروں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

(۲) میں تمہیں جس کام کے کرنے یا جس سے رکنے کا حکم دیتا ہوں، اس سے مقصداپنی مقدور بھر، تمہاری اصلاح ہی ہے۔

(۳) یعنی حق تک پہنچنے کا جو میرا ارادہ ہے، وہ اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے، اس لیے تمام معاملات میں میرا بھروسہ اسی پر ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

(۴) یعنی ان کی جگہ تم سے دور نہیں، یا اس سبب میں تم سے دور نہیں جوان کے عذاب کا موجب بنا۔

(۵) یہ یا تو انہوں نے بطور مذاق اور تحریک کہا دراں حالیکہ ان کی باتیں ان کے لیے ناقابل فہم نہیں تھیں۔ اس صورت میں یہاں فہم کی نفی مجاز ہو گی۔ یا ان کا مقصد ان بالتوں کے سمجھنے سے محدود ری کا اظہار ہے جن کا تعلق غیب سے ہے۔ مثلاً بعث بعد الموت، حشر نشر، جنت و دوزخ وغیرہ اس لحاظ سے، فہم کی نفی حقیقتاً ہو گی۔

(۶) یہ کمزوری جسمانی لحاظ سے تھی، جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بینائی کمزور تھی یا وہ نحیف ولا غر جسم کے تھے یا اس اعتبار سے انہیں کمزور کہا کہ وہ خود بھی مخالفین سے تنامقابلہ کرنے کی سخت نہیں رکھتے تھے۔

(۷) حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ کما جاتا ہے کہ ان کا پشتیبان نہیں تھا، لیکن وہ قبیلہ چونکہ کفر و شرک میں اپنی ہی

نہیں گنتے۔^(۱)

(۹۱)

انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہیں کہ تم نے اسے پس پشت ڈال^(۲) دیا ہے یقیناً میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو سب کو گھیرے ہوئے ہے۔^(۹۲)

(۹۲)

اے میری قوم کے لوگو! اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور کون ہے جو جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ خلتر ہوں۔^(۳)^(۹۳)

جب ہمارا حکم (عذاب) آپنچا ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ (تمام) مومنوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو سخت چنگھاڑ کے عذاب

قَالَ يَقُولُمْ أَرْهَقْتِي أَغْرِيْكُلْمَنْ اللَّهُ وَأَنْخَذْتُمْهُ
وَرَأَءَكُمْ ظَهُرْتِي إِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُونَ يُحِيطُ^(۱)

وَلَقَوْرُمْ أَعْمَلْتُمْ أَعَلْمَكُلْمَنْ لَيْنَ عَامِلْسَوْقَ تَعْلَمُونَ لَمْ
مَنْ يَأْتِيْوْ عَدَابَ يَخْزِيْهِ وَمَنْ هُوكَذِبِيْ وَارْتَقِبُوا لَيْنَ

مَعْكُمْ رَقِيبِ^(۲)

وَلَتَاجَاءَ أَمْرُنَا لَجَنِينَا شَعِيبَيْهَا قَالَنِينَ أَمْنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةِ
مَنَّا وَأَخْذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا لِلْقِيَّةِ فَاصْبَحُوا فِي

قوم کے ساتھ تھا، اس لیے اپنے ہم مذهب ہونے کی وجہ سے اس قبیلے کا لفاظ، بہرحال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے میں مانع تھا۔

(۱) لیکن چونکہ تیرے قبیلے کی حیثیت بہرحال ہمارے دلوں میں موجود ہے، اس لیے ہم درگزر سے کام لے رہے ہیں۔
(۲) کہ تم مجھے تو میرے قبیلے کی وجہ سے نظر انداز کر رہے ہو۔ لیکن جس اللہ نے مجھے منصب نبوت سے نوازا ہے، اس کی کوئی عظمت اور اس منصب کا کوئی احترام تمہارے دلوں میں نہیں ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے أَغْرِيْكُلْمَنْ میتی (مجھ سے زیادہ ذی عزت) کی بجائے أَغْرِيْكُلْمَنْ میتی (اللہ سے زیادہ ذی عزت) کہا، جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کی توہین یہ دراصل اللہ کی توہین ہے۔ اس لیے کہ نبی اللہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے اب علمائے حق کی توہین اور ان کو حفیر سمجھنا یہ اللہ کے دین کی توہین اور اس کا استخفاف ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے دین کے نمائندے ہیں۔ وَأَنْخَذْتُمْهُ میں ہا کا مرتع اللہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اس معاملے کو جسے لے کر اس نے مجھے بھیجا ہے، اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی کوئی پروا تم نے نہیں کی۔

(۳) جب انہوں نے دیکھا کہ یہ قوم اپنے کفر و شرک پر مصر ہے اور روعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا، تو کہا چھاتم اپنی ڈرگ پر چلتے رہو، عنقریب تمہیں جھوٹے پے کا اور اس بات کا کہ رسوا کن عذاب کا مستحق کون ہے؟ علم ہو جائے گا۔

دِيَارِهِمْ جِئْمِينَ ③

نے دھر دبوچا^(۱) جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ہو گئے۔ (۹۳)

گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بے ہی نہ تھے، آگاہ رہو مدین کے لیے بھی ویسی ہی دوری^(۲) ہو جسی دوري شمود کو ہوئی۔ (۹۵)

اور یقیناً ہم نے ہی موکی کو اپنی آیات اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ (۹۶)

فرعون اور اس کے سرداروں^(۳) کی طرف، پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی حکم درست تھا ہی نہیں۔ (۹۷)

وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو دوزخ میں جا کھڑا کرے گا،^(۴) وہ بہت ہی برا گھاث^(۵) ہے جس پر لاکھرے کیے جائیں گے۔ (۹۸)

كَانَ لَمْ يَغْنُوا فِيهَا أَلَا بُعْدَ الْمَدِينَ كَمَا بَعْدَتْ ثَمُودٌ ④

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِإِيمَنًا وَسُلْطَنِينَ ⑤

إِلَى فَرْعَوْنَ وَمَلَائِيمَهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فَرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فَرْعَوْنَ ذَرَ شَيْنِيدَ ⑥

يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْدَهُمُ النَّارُ وَيُبَشِّرُ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ⑦

(۱) اس چیز سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور اس کے معا بعد ہی بھو نچال بھی آیا، جیسا کہ سورہ اعراف-۹۱ اور سورہ عنكبوت ۲۰ میں ہے۔

(۲) یعنی لعنت، پھٹکار، اللہ کی رحمت سے محرومی اور دوری۔

(۳) آیات سے بعض کے نزدیک تورات اور سلطان میں سے مigrations مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آیات سے، آیات تسعہ اور سلطان میں (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے۔ عصا، اگرچہ آیات تسعہ میں شامل ہے لیکن یہ میجرہ چونکہ نہایت ہی عظیم الشان تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) ملائِق قوم کے اشراف اور ممتاز قسم کے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ (اس کی تشریع پلے گزر چکی ہے) فرعون کے ساتھ، اس کے دربار کے ممتاز لوگوں کا نام اس لیے لیا گیا ہے کہ اشراف قوم ہی ہر معاملے کے ذمے دار ہوتے تھے اور قوم ان ہی کے پیچھے چلتی تھی۔ اگر یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو یقیناً فرعون کی ساری قوم ایمان لے آتی۔

(۵) رَشِيدٌ ذی رشد کے معنی میں ہے۔ یعنی بات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رشد و ہدایت والی تھی، لیکن اسے ان لوگوں نے رد کر دیا اور فرعون کی بات جو رشد و ہدایت سے دور تھی، اس کی انہوں نے پیروی کی۔

(۶) یعنی فرعون، جس طرح دنیا میں ان کا رہبر اور پیش رو تھا، قیامت والے دن بھی یہ آگے ہی ہو گا اور اپنی قوم کو اپنی قیادت میں جنم میں لے کر جائے گا۔

(۷) وِزْدَ پانی کے گھاث کو کہتے ہیں، جمال پیاس بجھاتے ہیں۔ لیکن یہاں جنم کو رد کہا گیا ہے۔ متوذہ وہ مقام یا

ان پر تو اس دنیا میں بھی لعنت چکار دی گئی اور قیامت کے
دن بھی^(۱) بر انعام ہے جو دیا گیا۔^(۲) (۹۹)

بستیوں کی یہ بعض خبریں جنہیں ہم تیرے سامنے بیان
فرما رہے ہیں ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض
(کی فصلیں) کث گئی ہیں۔^(۳) (۱۰۰)

ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا،^(۴) بلکہ خدا نہیں نے ہی
اپنے اوپر ظلم کیا،^(۵) اور انہیں ان کے معبودوں نے کوئی
فائدہ نہ پہنچایا جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے، جب
کہ تیرے پروردگار کا حکم آپنچا، بلکہ اور ان کا نقصان ہی
انہوں نے بڑھا دیا۔^(۶) (۱۰۱)

تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ
بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی
پکڑ کر دینے والی اور نمایت^(۷) سخت ہے۔ (۱۰۲)

وَأَتَيْهُمْ فِي هَذِهِ الْمُنَّةِ قَيْوَمَ الْقِيمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ
الْمَرْفُوذُ^(۸)

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرْآنِ نَعْصُهُ عَلَيْكُمْ مِنْهَا قَلْهُ وَحَصِيدُ^(۹)

وَمَا ظَلَّنَنَّهُمْ وَلَكِنْ ظَلَّمُوا أَنفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ
الْهَمَّهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمْ يَجِدُهُمْ
رَبِّكَ وَمَا زَادُهُمْ عِزْرًا سَيِّئُ^(۱۰)

وَكَذَلِكَ أَخْذُرِتِكَ إِذَا أَخْذَ الْقُرْآنِ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ
أَخْذَهَا اللَّهُ شَدِيدٌ^(۱۱)

گھٹ لیعنی جنم جس میں لوگ لے جائے جائیں گے یعنی جگہ بھی بڑی اور جانے والے بھی بڑے۔ آعاذنا اللہ مِنْہَا۔

(۱) لعنة سے پہنچا کار اور رحمت الہی سے دوری و محرومی ہے گویا دنیا میں بھی وہ رحمت الہی سے محروم اور آخرت میں
بھی اس سے محروم ہی رہیں گے، اگر ایمان نہ لائے۔

(۲) رِفْد انعام اور علیے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں لعنت کو رِفْد کہا گیا ہے۔ اسی لیے اسے بر انعام قرار دیا گیا۔ مَرْفُوذَ سے مراد
وہ انعام جو کسی کو دیا جائے۔ یہ الرِّفْد کی تاکید ہے۔

(۳) قَاتَمَ سے مراد وہ بستیاں، جو اپنی چھتوں پر قائم ہیں اور حَصِيدُ بمعنی محسود سے مراد وہ بستیاں جو کئی ہوئی
کھیتیوں کی طرح نابود ہو گئیں۔ یعنی جن گزشتہ بستیوں کے واقعات ہم بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض تو اب بھی
موجود ہیں، جن کے آثار و کھنڈرات نشان عبرت ہیں اور بعض بالکل ہی صفحہ ہستی سے معدوم ہو گئیں اور ان کا وجود
صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا ہے۔

(۴) ان کو عذاب اور ہلاکت سے دوچار کر کے۔

(۵) کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے۔

(۶) جب کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ انہیں نقصان سے بچائیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو واضح ہو
گیا کہ ان کا یہ عقیدہ فاسد تھا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔

(۷) یعنی جس طرح گزشتہ بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و بریاد کیا، آئندہ بھی وہ ظالموں کی اسی طرح گرفت کرنے پر قادر ہے۔

یقیناً اس میں ^(۱) ان لوگوں کے لیے نشان عبرت ہے جو قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔ ^(۲) ^(۱۰۳)

اسے ہم جو ملتوی کرتے ہیں وہ صرف ایک مدت معین تک ہے۔ ^(۳) ^(۱۰۴)

جس دن وہ آجائے گی مجال نہ ہوگی کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی کر ^(۴) لے، سوان میں کوئی بدجنت ہو گا اور کوئی نیک بجنت۔ ^(۵) ^(۱۰۵)

لیکن جو بدجنت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں چھینیں گے چلا کیں گے۔ ^(۱۰۶)

وہ دیہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان و زمین برقرار رہیں ^(۵) سوائے اس وقت کے جو تمara رب

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَاءً لِمَنْ خَانَ عَذَابَ الْغَرْرَةِ ذَلِكَ يَوْمٌ
عَمَّوْعَدَهُ اللَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ^(۷)

وَمَا أَنْوَحْرَةُ إِلَّا كِلَيلٌ مَّعْدُودٌ ^(۸)

يَوْمَ يَأْتِ لَا يَحْكُمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَإِنَّهُ شَرِيفٌ
وَسَعِيدٌ ^(۹)

فَأَنَّا لِلنِّينَ شَقَّوْافِيَ النَّارِ لَهُمْ فِيهَا رَفِيْرِ
وَشَهِيْقٌ ^(۱۰)

خَلِدِيْنَ فِيهَا مَادَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَامَشَاءَ رَبِّنَ

حدیث میں آتا ہے، ”بَنِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْرَمَا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ لِلظَّالِمِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ اللَّهُ تَعَالَى يَقِينًا ظَالِمٌ“ کو مسلط رہتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرنے پر آتا ہے تو پھر اس طرح اچانک کرتا ہے کہ پھر مسلط نہیں دیتا۔“

(۱) یعنی موآخذة الْهَنْيَ میں یا ان واقعات میں جو عبرت و موعظت کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔
(۲) یعنی حساب اور بدالے کے لیے۔

(۳) یعنی قیامت کے دن میں تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت معین کیا ہوا ہے۔ جب وہ وقت مقرر آجائے گا، تو ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہوگی۔

(۴) گنگونہ کرنے سے مراد، کسی کو اللہ تعالیٰ سے کسی طرح کی بات یا شفاعت کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ الایہ کہ وہ اجازت دے دے۔ طویل حدیث شفاعت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرَّسُولُ وَدَعْوَى الرَّسُولُ يَوْمَئِذٍ؛ اللَّهُمَّ سَلِيمٌ سَلِيمٌ (اصحیح بخاری۔ کتاب الإیمان، باب فضل السجود، ومسلم، کتاب الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیۃ)، ”اس دن انبیا کے علاوہ کسی کو گنگوکی ہمت نہ ہوگی اور انہیا کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہو گا کہ یا اللہ! ہمیں بچالے، ہمیں بچالے۔“

(۵) ان الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ کافروں کے لیے جنم کا عذاب دائی نہیں ہے بلکہ موت ہے یعنی اس وقت تک رہے گا، جب تک آسمان و زمین رہیں گے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں ﴿ مَادَامَتِ السَّمَوَاتُ

چاہے۔^(۱) یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزتا ہے۔^(۱۰۷)

لیکن جو نیک بخت کیے گئے وہ جنت میں ہوں گے جماں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہے مگر جو تیرا پروردگار چاہے۔^(۲) یہ بے انتہا بخش ہے۔^(۳)^(۱۰۸)

إِنَّ رَبَّكَ فَقَالُ لِمَا يُرِيدُ

وَأَنَّا لَنْدِينَ سُعْدُ وَاقِفِي الْجَحَّةِ خَلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ
وَالْأَرْضُ إِلَمَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاهُ غَيْرَ مَجْدُوذٌ

وَالْأَرْضُ هُوَ الْأَلْعَابُ کے روزمرہ کی گفتگو اور محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کا دوام ثابت کرنا مقصود ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ ‘هذا دَائِمٌ’ دَوَامِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (یہ چیز اسی طرح ہمیشہ رہے گی جس طرح آسمان و زمین کا دوام ہے) اسی محاورے کو قرآن کریم میں استعمال کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کفر و شرک جنم میں ہمیشہ رہیں گے جس کو قرآن نے متعدد جگہ ﴿خَلِدِينَ فِيهَا بَدْلٌ﴾ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ایک دوسرा مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان و زمین سے مراد، جنس ہے۔ یعنی دنیا کے آسمان و زمین اور ہیں جو فنا ہو جائیں گے لیکن آخرت کے آسمان و زمین ان کے علاوہ اور ہوں گے؛ جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، ﴿يَوْمَ تَبَدَّلُ الْأَرْضُ
غَيْرُ الْأَرْضِ وَالْتَّمَوْتُ﴾ (سورة إبراهیم۔ ۲۸) ”اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے)“ اور آخرت کے یہ آسمان و زمین، جنت اور دوزخ کی طرح ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہی آسمان و زمین مراد ہے، نہ کہ دنیا کے آسمان و زمین، جو فنا ہو جائیں گے۔ (ابن کثیر) ان دونوں مفہوموں میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لے لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور وہ اشکال پیدا نہیں ہوتا جونہ کور ہوا۔ امام شوکانی نے اس کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے ہیں جنہیں اہل علم ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ (فتح القدير)

(۱) اس استثناء کے بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ صحیح مفہوم یہی ہے کہ یہ استثناء ان گناہ گاروں کے لیے ہے جو اہل توحید و اہل ایمان ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس سے ما قبل آیت میں شَقِّيٌّ کا لفظ عام یعنی کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہو گا اور ﴿إِلَمَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ سے عاصی مونوں کا استثناء ہو جائے گا۔ اور مَا شَاءَ میں مَا، مَنْ کے معنی میں ہے۔

(۲) یہ استثناء بھی عصاة اہل ایمان کے لیے ہے۔ یعنی دیگر جنتیوں کی طرح یہ نافرمان مومن ہمیشہ سے جنت میں نہیں رہیں ہوں گے۔ بلکہ ابتداء میں ان کا کچھ عرصہ جنم میں گزرے گا اور پھر انہیا اور اہل ایمان کی سفارش سے ان کو جنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے یہ باتیں ثابت ہیں۔

(۳) غیر مجدوذ کے معنی ہیں غیر مقطوع۔ یعنی نہ ختم ہونے والی عطا۔ اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن گناہ گاروں کو جنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، یہ دخول عارضی نہیں، ہمیشہ کے لیے ہو گا اور تمام جنتی ہمیشہ اللہ کی عطا اور اس کی نعمتوں سے لطف انداز ہوتے رہیں گے، اس میں کبھی انقطع نہیں ہو گا۔

اس لئے آپ ان چیزوں سے شک و شبہ میں نہ رہیں جنیں یہ لوگ پوچھ رہے ہیں، ان کی پوجا تو اس طرح ہے جس طرح ان کے باپ دادوں کی اس سے پہلے تھی۔ ہم ان سب کو ان کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کسی کے دینے والے ہی ہیں۔ ^(۱) _(۱۰۹)

یقیناً ہم نے مویٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی۔ پھر اس میں اختلاف کیا گیا، ^(۲) اگر پہلے ہی آپ کے رب کی بات صادر نہ ہو گئی ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ کر دیا جاتا، ^(۳) انہیں تو اس میں سخت شبہ ہے۔ ^(۴)

یقیناً ان میں سے ہر ایک جب ان کے رو برو جائے گا تو آپ کارب اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدل دے گا۔ پیشک وہ جو کر رہے ہیں ان سے وہ باخبر ہے۔ ^(۵)

پس آپ جنمے رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے نہ بڑھنا، ^(۶) اللہ تمہارے تمام اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ ^(۷)

فَلَاتَّكُرِيْهُ وَمَا يَعْبُدُ هُؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كُمَا
يَعْبُدُ ابْنَا وَهُمْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوْهُمْ لَصِيْهُهُ عَذَّرَ
مَنْقُوْصٌ ^(۸)

وَلَقَدْ أَنْتَمُوسَى الْكِتَابَ فَالْخُلُّتَ فِيهِ وَلَوْلَا حِلْمَةُ
سَبَقْتُمْ مِنْ زَرِّكَ لَغُصَّيْ بَيْنَهُمْ وَلَأَنَّهُمْ لَكُنْ شَلِّقَتْهُ
مُرِيْبٌ ^(۹)

وَلَئِنْ كُلَّا لَنَا الْيَوْمَ قَيْدَهُمْ رَبُّكَ أَعْلَاهُمْ إِنَّهُ يَعْلَمُونَ
حَمِيْرٌ ^(۱۰)

فَأَسْتَقْعُدُ كَمَا أُمْرُتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَقْطُعُ إِلَّا إِنَّهُ يَعْلَمُ
يَعْلَمُونَ بَصِيرٌ ^(۱۱)

(۱) اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وہ مستحق ہوں گے، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔
(۲) یعنی کسی نے اس کتاب کو مانا اور کسی نے نہیں مانا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ پچھلے انبیا کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا آیا ہے، کچھ لوگ ان پر ایمان لانے والے ہوتے اور دوسرے مکذب کرنے والے۔ اس لیے آپ اپنی مکذب سے نہ گھبرا میں۔

(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر کیا ہوا نہ ہوتا تو وہ انہیں فوراً ہلاک کر دیتا۔

(۴) اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے، جو دشمن کے مقابلے کے لیے ایک بہت براہمیار ہے۔ دوسرے طُغیان یعنی بُغْنی (حد سے بڑھ جانے) سے روکا گیا ہے، جو اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفتہ کردار کے لیے بہت ضروری ہے۔ حتیٰ کہ یہ تجاوز، دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں ہے۔

دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا اور نہ تمہیں بھی (دو زخمی)
کی) آگ لگ جائے گی^(۱) اور اللہ کے سوا اور تمہارا مد و گار
نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیے جاؤ گے۔^(۲)

دن کے دونوں سروں میں نماز بپار کہ اور رات کی کئی
ساعتوں میں بھی،^(۳) یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی
ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے
لئے۔^(۴)

آپ صبر کرتے رہیے یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا
اجر ضائع نہیں کرتا۔^(۵)

وَلَا تَرْكُنُ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَسْكُمُ النَّازُ وَمَا الْكُوْنُ ذُونٌ
إِنَّمَا مَنْ أَوْلَيَهُمْ بِغُلَامَشَرُونَ^(۶)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرِيقَ النَّهَارِ وَنُلْفَاقِ الْأَيَّلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ
يُدْرِجُونَ الْشَّيْءَاتِ ذَلِكَ ذَكْرُنَا لِلَّهِ كَوْنُ^(۷)

وَاصِرْرَقَانَ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ^(۸)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ ظالموں کے ساتھ نرمی اور مذاہت کرتے ہوئے ان سے مدد حاصل مت کرو۔ اس سے ان کو یہ تاثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری بالوں کو بھی پسند کرتے ہو۔ اس طرح یہ تمہارا ایک بڑا جرم بن جائے گا جو تمہیں بھی ان کے ساتھ نار جنم کا مستحق بنا سکتا ہے۔ اس سے ظالم حکمرانوں کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی ممانعت نکلتی ہے۔ الایہ کہ مصلحت عامہ یا دینی منافع مقاضی ہوں۔ ایسی صورت میں دل سے نفرت رکھتے ہوئے ان سے ربط و تعلق کی اجازت ہوگی۔ جیسا کہ بعض احادیث سے واضح ہے۔

(۲) ”دونوں سروں“ سے مراد بعض نے صحیح اور مغرب، بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا وقت مراد لیا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ آیت معراج سے قبل نازل ہوئی ہو، جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں، ایک طلوع شمس سے قبل اور ایک غروب سے قبل اور رات کے پچھلے پر میں نماز تجد۔ پھر نماز تجدامت سے معاف کر دی گئی، پھر اس کا وجوب بقول بعض آپ ﷺ سے بھی ساقط کر دیا گیا۔ (ابن کثیر) وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۳) جس طرح کہ احادیث میں بھی اسے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً پانچ نمازیں، جمع دوسرے جمع تک اور رمضان دوسرے رمضان تک، ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے“ (صحیح مسلم۔ کتاب الطهارة۔ باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة)
ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”بتلاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر بڑی نہر ہو، وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو،“ کیا اس کے بعد اس کے جسم پر میل کھیل باتی رہے گا؟ صحابہ ﷺ نے عرض کیا ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسی طرح پانچ نمازیں ہیں، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے“ (بخاری۔ کتاب المواقیت، باب الصلوات الخمس کفارہ، مسلم کتاب المساجد، باب المشی إلى الصلوة تمحى به الخطايا وترفع به الدرجات)

پس کیوں نہ تم سے پلے زمانے کے لوگوں میں سے
ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے
سے روکتے، سوائے ان چند کے جنہیں ہم نے ان
میں سے نجات دی تھی،^(۱) ظالم لوگ تو اس چیز کے
پیچھے پڑ گئے جس میں انیں آسودگی وی گئی تھی اور وہ
گنگا رہتے۔^(۲) ^(۳)

آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر
دے اور وہاں کے لوگ نیکو کار ہوں۔^(۷)

اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر
ایک گروہ کر دیتا۔ وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں
گے۔^(۱۸)

بجزان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے، انیں تو اسی لیے
پیدا کیا ہے،^(۳) اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہے کہ
میں جنم کو جنوں اور انسانوں سب سے پر کروں گا۔^(۴)

فَلَوْلَا حَانَ مِنَ الْقُرْبَوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أَوْ لَوْأَبْيَتَهُ يَتَهَوَّنَ
عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مَّنْ أَجْبَيْنَا مِنْهُمْ
وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَرْفَوْا فِيهِ وَكَانُوا
مُجْرِمِينَ^(۵)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُغْلِبَ الْقُرْبَىٰ بِظُلْمٍ وَّأَهْلَقَهَا
مُصْلِحُونَ^(۶)

وَلَوْشَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاِحْدَةً وَلَا يَرَوْنَ
عَنْتَلِينَ^(۷)

الْأَمْنُ تَحْمِرْ رَبُّكَ وَلِذِلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَبَتَّلَ كُلُّهُ
رَبُّكَ لِأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسُ أَجْمَعُونَ^(۸)

(۱) یعنی گزشتہ امتوں میں سے ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو اہل شر اور اہل مکر کو شر، مکرات اور فساد سے
روکتے؟ پھر فرمایا، ایسے لوگ تھے تو سی، لیکن بت تھوڑے۔ جنہیں ہم نے اس وقت نجات دے دی، جب دوسروں کو
عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔

(۲) یعنی یہ ظالم، اپنے ظلم پر قائم اور اپنی مدھوشیوں میں مست رہے حتیٰ کہ عذاب نے انیں آلیا۔

(۳) ”ایسی لیے“ کامطلب بعض نے اختلاف اور بعض نے رحمت لیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہ ہو گا کہ ہم نے
انسانوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو دین حق سے اختلاف کا راستہ اختیار کرے گا، وہ آزمائش میں ناکام اور جو اسے
اپنالے گا، وہ کامیاب اور رحمت الہی کا مستحق ہو گا۔

(۴) یعنی اللہ کی تقدیر اور قضاء میں یہ بات ثابت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جنم کے
مستحق ہوں گے اور جنت و جنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
”جنت اور دوزخ آپس میں بھگڑپڑیں، جنت نے کہا“ کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرے
کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟“ جنم نے کہا ”میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔“ اللہ تعالیٰ
نے جنت سے فرمایا ”تو میری رحمت کی مظہر ہے،“ تیرے ذریعے سے میں جس پر چاہوں اپنارحم کروں۔ اور جنم سے اللہ تعالیٰ

رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تکیئن کے لیے بیان فرمائے ہیں۔ آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لیے۔ (۱۲۰)

ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے طور پر عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل میں مشغول ہیں۔ (۱۲۱) اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔ (۱۲۲)

زمینوں اور آسمانوں کا عالم غیر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، تمام معاملات کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے، پس تجھے اسی کی عبادات کرنی چاہیے اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔ (۱۲۳)

سورہ یوسف کی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الرُّؤْشُنَ كَتَابٌ كَيْفَيْتُكُمْ ۝

وَمَنْ لَا يَقْضِي عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرَّسُولِ مَا شِئْتُ بِهِ فَوَادَهُ
وَجَاءَكَذَّا فِي هَذِهِ الْحَقِّ وَمَوْعِدَةُ وَذِكْرِي لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانِتِكُمْ
إِنَّا عَمِلْنَا ۝

وَأَنْتَطِرُوْنَا إِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝
وَلِلَّهِ غَيْبُ الْمَوْتُ وَالْأَرْضُ وَالْيَوْمُ يُرْجَعُ الْأَنْفُسُ كُلُّهُ فَاعْبُدُهُ
وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا تَبَرَّكَ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

سُورَةُ الْيُوسُفِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرَّحْمَنُ كَيْفَيْتُكُمْ ۝

نے فرمایا تو میرے عذاب کی مظہر ہے تیرے ذریعے سے میں جس کو چاہوں سزاووں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور روزخ دنوں کو بھر دے گا۔ جنت میں بیش اس کا فضل ہو گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی۔ اور جنم، جنمیوں کی کثرت کے باوجودہ ھل میں ہزینہ کا نعروہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جنم پکارائیں گے۔ فقط قطف، وَعِزَّتِكَ "بس، بس" تیری عزت و جلال کی قسم "اصحیح بخاری۔ کتاب التوحید، باب ماجاء، فی قولہ تعالیٰ إِن رحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ، وَتَفْسِيرُ سُورَةِ قَ، مُسْلِمٌ، کتاب الجنۃ، باب النار، يدخلها الجبارون والجنۃ يدخلها الضعفاء،

(۱) یعنی عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن انجام کس کے حصے میں آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہو اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور پورا جزیرہ عرب اسلام کے زیر نگین آگیا۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ②

یقیناً ہم نے اس کو قرآن عربی نازل فرمایا ہے کہ تم سمجھ سکو۔^(۱)
^(۲)

ہم آپ کے سامنے بہترین بیان^(۲) پیش کرتے ہیں اس وجہ سے کہ ہم نے آپ کی جانب یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔^(۳)

جب کہ یوسف^(۴) نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابا جان

نَحْنُ نَهْضُ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْءَانَ ۗ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَيْسَ الْغَفِيلُونَ ⑤

إِذَا قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِي رَأَيْتُ أَحَدَ عَثَرَ

(۱) آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد، لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ کتاب اس زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ سکیں، اس لیے ہر آسمانی کتاب اسی قومی زبان میں نازل ہوئی، جس قوم کی ہدایت کے لئے وہ اتاری گئی تھی۔ قرآن کریم کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے، اس لیے قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔ علاوہ ازیں عربی زبان اپنی فصاحت و بلاغت اور اعجاز اور ادائے معانی کے لحاظ سے دنیا کی بہترین زبان ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اشرف الکتب (قرآن مجید) کو اشرف اللغات (عربی) میں اشرف الرسل (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اشرف الملائکہ (جبرايل) کے ذریعے سے نازل فرمایا اور کہ، جہاں اس کا آغاز ہوا، دنیا کا اشرف ترین مقام ہے اور جس میں میں اس کے نزول کی ابتداء ہوئی وہ بھی اشرف ترین میں۔ رمضان ہے۔

(۲) قَصَصُ یہ مصدر ہے، معنی ہیں کسی چیز کے پیچھے لگنا، مطلب دلچسپ واقعہ ہے۔ قصہ، محض کمالی یا طبع زاد افسانے کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ ماضی میں گزر جانے والے واقعے کے بیان کو (یعنی اس کے پیچھے لگنے کو) قصہ کہا جاتا ہے۔ یہ گویا اخبار ماضیہ کا واقعی اور حقیقی بیان ہے اور اس واقعے میں حد و عناد کا انجام، تاسید اللہ کی کرشمہ سازیاں، نفس امارہ کی شورشیں اور سر کشیوں کا نتیجہ اور دیگر انسانی عوارض و حوادث کا نہایت دلچسپ بیان اور بڑے عبرت انگیز پہلو ہیں، اس لیے اسے قرآن نے احسن القصص (بہترین بیان) سے تعبیر کیا ہے۔

(۳) قرآن کریم کے ان الفاظ سے بھی واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے خر قرار نہ دیتا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ملئیل اللہ کے پے نبی ہیں کیونکہ آپ پر وحی کے ذریعے سے ہی یہ سچا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نہ کسی کے شاگرد تھے کہ کسی استاذ سے سیکھ کر بیان فرمادیتے، نہ کسی اور سے ہی ایسا تعلق تھا کہ جس سے سن کرتا رہنے کا یہ واقعہ اپنے اہم جزئیات کے ساتھ آپ نشر کر دیتے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے سے آپ پر نازل فرمایا ہے جیسا کہ اس مقام پر صراحت کی گئی ہے۔

(۴) یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم کے سامنے یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ باپ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اور حدیث میں بھی یہ نسب بیان کیا گیا ہے، 'الکریم ابنُ الکریم ابنِ الکریم یُوسُفُ بْنُ یَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ' (منڈ احمد۔ جلد ۲، ص ۹۶)

میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو^(۱) دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔^(۲)

یعقوب علیہ السلام نے کہا پیارے بچے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں،^(۳) شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔^(۴) اور اسی طرح^(۵) تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا^(۶) اور یعقوب کے گھر والوں کو بھی،^(۷) جیسے کہ اس نے اس سے پسلے تیرے دادا اور پردا دادا یعنی ابراہیم و اسحاق کو بھی بھرپور اپنی نعمت

کوئیْنَأَقْتَصُصُ زَيَادَةً عَلَى إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُ وَالكَّ^۸

كَيْدُ أَنَّ الشَّيْطَنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ^۹

وَكَذَلِكَ يَعْتَصِمُكَ رَبُّكَ وَعِلْمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ
الْأَحَادِيثِ وَيُمْنَعُكَ مِنْ تَأْتِيهِ عَلَيْكَ وَعَلَى إِلَيْكَ يَعْقُوبَ كَمَا آتَتْهُ
عَلَى آبَوِيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ
عَلَيْهِ حَكِيمٌ^{۱۰}

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں جو گیارہ ہی تھے اور چاند سورج سے مراد مال اور باب ہیں اور خواب کی تعبیر چالیس یا اسی سال کے بعد اس وقت سامنے آئی جب یہ سارے بھائی اپنے والدین سمیت مصر گئے اور وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، جیسا کہ یہ تفصیل سورت کے آخر میں آئے گی۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگایا کہ ان کا یہ بیٹا عظمت شان کا حامل ہو گا، اس لیے انہیں اندریشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کر کے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں، بنابریں انہوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرمادیا۔

(۳) یہ بھائیوں کے مکروہ فریب کی وجہ بیان فرمادی کہ شیطان چونکہ انسان کا ازالی دشمن ہے۔ اس لیے وہ انسانوں کو بہکانے، گمراہ کرنے اور انہیں حسد و بعض میں بتلا کرنے میں ہر وقت کوشش اور تاک میں رہتا ہے۔ چنانچہ یہ شیطان کے لیے بڑا اچھا موقع تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کے دلوں میں حسد و بعض کی آگ بھڑکا دے۔ جیسا کہ فی الواقع بعد میں اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندریشہ درست ثابت ہوا۔

(۴) یعنی جس طرح تجھے تیرے رب نے نمایت عظمت والا خواب دکھانے کے لیے جن لیا، اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدگی بھی عطا کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ تأویل الاحادیث کے اصل معنی باتوں کی تہ تک پہنچانا ہے۔ یہاں خواب کی تعبیر مراد ہے۔

(۵) اس سے مراد نبوت ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ یا وہ انعامات ہیں جن سے مصر میں یوسف علیہ السلام نوازے گئے۔

(۶) اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، ان کی اولاد وغیرہم ہیں، جو بعد میں انعامات الہی کے مستحق ہے۔

وی، یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمت والا ہے۔^(۱)

یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لئے (بڑی) نشانیاں^(۲) ہیں۔^(۷)

جب کہ انہوں نے کماکہ یوسف اور اس کا بھائی^(۳) بہ نسبت ہمارے باب کو بہت زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم (طاقوتو) جماعت^(۴) ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں۔^(۵)^(۸)

یوسف کو تو مار ہی ڈالویا اسے کسی (نامعلوم) جگہ پھینک دو کہ تمہارے والد کا رخ صرف تمہاری طرف ہی ہو جائے۔ اس کے بعد تم نیک ہو جانا۔^(۹)

ان میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندر ھے کنوئیں (کی تھیں) میں ڈال آؤ کہ^(۱۰) اسے کوئی آتا جاتا) قافلہ اٹھا لے جائے اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو۔^(۷)^(۱۰)

(۱) یعنی اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ان بھائیوں کے نام اور ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْرَوْهُ أَحَدٌ إِلَى إِبْرَاهِيمَ نَمَّا

إِذْ قَالُوا إِلَيْكُمْ يُوسُفُ وَأَخْوَهُ أَحَدٌ إِلَى إِبْرَاهِيمَ نَمَّا
وَنَحْنُ عَصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَعِنْهُ ضَلِّلَ مُبِينٌ^(۱)

إِنَّمَّا لَوْلَى يُوسُفَ أَوْ افَاطَرَ حُوَّهُ أَرْضًا يَخْلُلُ لَكُمْ وَجْهٌ أَيْنَكُمْ
وَلَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَلِحِينَ^(۲)

قَالَ قَائِلٌ مَنْهُمْ لَقَتَلُوا يُوسُفَ وَالْقُوَّةُ فِي عَيْنَتِ الْجَبَّ
يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنُوكُ فِعْلِينَ^(۳)

(۲) ”اس کا بھائی“ سے مراد بنیامین ہے۔

(۳) یعنی ہم دس بھائی طاقتو جماعت اور اکثریت میں ہیں، جب کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین (جن کی ماں یا ماں میں الگ تھیں) صرف دو ہیں، اس کے باوجود باب کی آنکھوں کا نور اور دل کا سورہ ہیں۔

(۴) یہاں مثلاں سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باب سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے زیادہ محبت کی صورت میں صادر ہوئی۔

(۵) اس سے مراد تائب ہو جاتا ہے یعنی کنویں میں ڈال کر یا قتل کر کے اللہ سے اس گناہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔

(۶) جُب، کنویں کو اور غَيَابَةُ اس کی تھی اور گمراہی کو کہتے ہیں۔ کنوں ویسے بھی گمراہی ہوتا ہے اور اس میں گری ہوئی چیز کسی کو نظر نہیں آتی۔ جب اس کے ساتھ کنویں کی گمراہی کا بھی ذکر کیا تو گویا مبالغہ کا اظہار کیا۔

(۷) یعنی آنے جانے والے نوار و مسافر، جب پانی کی تلاش میں کنویں پر آئیں گے تو ممکن ہے کسی کے علم میں آجائے کہ کنویں میں کوئی انسان گرا ہوا ہے اور وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ تجویز ایک بھائی نے از را شفت

انہوں نے کہا ابا! آخر آپ یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔^(۱) ^(۲)

کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب کھائے پئے اور کھلیے،^(۳) اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔^(۴)

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا اسے تمہارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ تمہاری غفلت میں اسے بھیڑا کھا جائے۔^(۵)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی (زور آور) جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑا کھا جائے تو ہم بالکل نکتے ہیں۔^(۶)

پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ اسے غیر آباد گرے کنوئیں کی تھیں میں پھینک دیں، ہم نے یوسف (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ یقیناً (وقت

قَالُوا يَا بَنَامَالَكَ لَا تَأْمَنَنَا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونَ^(۱)

أَرْسَلَهُ مَعَنَا عَذَّابًا إِنَّ رَبَّهُمْ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ^(۲)

قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذَهَّبُوا يَهُوَ وَآخَافُ أَنْ يَأْكُلُهُ
الَّذِي بُرُّ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ^(۳)

قَالُوا إِنْ أَكَلَهُ الَّذِي بُرُّ وَنَحْنُ عُصَبَةٌ
إِنَّا لَدُهُ الْخِسْرُونَ^(۴)

فَلَمَّا ذَهَبُوا يَهُوَ وَاجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي عَيْبَتِ الْجَبَّ
وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لِتَنْتَهِمُ بِأَمْرِهِ مَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ^(۵)

پیش کی۔ قتل کے مقابلے میں یہ تجویز واقعہ ہمدردی کے جذبات ہی کی حامل ہے۔ بھائیوں کی آتش حدا تھی بھڑکی ہوئی تھی کہ یہ تجویز بھی اس نے ڈرتے ڈرتے ہی پیش کی کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی تو یہ کام اس طرح کرو۔

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہو گی اور باپ نے انکار کر دیا ہو گا۔

(۲) کھیل اور تفریخ کا رجحان، انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لیے جائز کھیل اور تفریخ پر اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں بھی پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی ان کی اجازت ہے لیکن مشروط۔ یعنی ایسے کھیل اور تفریخ جائز ہیں جن میں شرعی قباحت نہ ہو یا محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کو دی کہ حد تک کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کو دیں مددوш ہو جاؤ اور اسے بھیڑا کھا جائے۔ کیوں کہ کھلے میدانوں اور صحرائوں میں وہاں بھیڑیے عام تھے۔

(۳) یہ باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑا یوسف علیہ السلام کو کھا جائے۔

آرہا ہے کہ تو انہیں اس ماجرا کی خبر اس حال میں دے گا
کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں۔^(۱۵)

اور عشاء کے وقت (وہ سب) اپنے باپ کے پاس روتے
ہوئے پہنچے^(۱۶)

اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے
اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا
پس اسے بھیڑا کھا گیا، آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے،
گوہم بالکل پچھے ہی ہوں۔^(۱۷)

اور یوسف کے کرتے کو جھوٹ موت کے خون سے خون
آلود بھی کر لائے تھے، باپ نے کہایوں نہیں، بلکہ تم نے
اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے۔ پس صبر ہی بستر^(۱۸)

وَجَاءُوا بِأَبَاهُمْ عَشَاءً يَبْلُوْنَ ۚ

قَالُوا يَا أَبَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْبِقُ وَرَدَّنَا يُوسُفَ عِنْدَ
مَتَاعِنَا فَأَكْلَهُ الْيَتَمْ وَنَاهَا أَنْتَ مُؤْمِنٌ لَنَا
وَلَوْلَا كَا صَدِيقٌ ۝

وَجَاءُوْ عَلَىٰ قَبِيْصِهِ يَدَمِ كَذِيْبَ قَالَ بَنْ سَوْلَتْ
لَكُوْنَاقْسُلُوكَ أَمْرًا فَصَبَرْ حَيْيِلْ وَاللهُ الْمُسْتَعَنْ

(۱) قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منسوبے کے مطابق انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کتویں میں پھینک دیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور حوصلے کے لئے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بلند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی بھیک مانگتے ہوئے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انہیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کا سانگ دلانہ معاملہ کیا تھا، جسے سن کروہ جیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت اگرچہ پچھے تھے، لیکن جو پچھے نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن میں بھی وحی آجائی ہے جیسے حضرت عیسیٰ و میخائیل وغیرہم علیهم السلام پر آئی۔

(۲) یعنی اگر ہم آپ کے نزویک ثقة اور اہل صدق ہوتے، تب بھی یوسف علیہ السلام کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تقدیق نہ کرتے، اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متم اور مشکوک افراد کی ہی ہے، اب آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کر لیں گے؟

(۳) کہتے ہیں کہ ایک بکری کا پچھہ ذبح کر کے یوسف علیہ السلام کی قیص خون میں لت پت کر لی اور یہ بھول گئے کہ بھیڑا اگر یوسف علیہ السلام کو کھاتا تو قیص کو بھی تو پھنسنا تھا، قیص ثابت کی ثابت ہی تھی، جس کو دیکھ کر، علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا ہے جو تم بیان کر رہے ہو، بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنالی ہے۔ تاہم چونکہ ‘جو ہونا تھا’ ہو چکا تھا، حضرت یعقوب اس کی تفصیل سے بے خبر تھے، اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سارا نہ تھا۔

عَلَىٰ مَا نَصَّفُونَ ⑯

ہے، اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی
طلب ہے۔^(۱۸)

اور ایک قافلہ آیا اور انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو
بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکایا، کہنے لگا وہ وہ خوشی کی بات
ہے یہ تو ایک لڑکا ہے،^(۲) انہوں نے اسے مال تجارت
قرار دے کر چھپا^(۳) دیا اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر تھا جو

وَجَاهَتْ سَيَّارَةً فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِمْ فَأَدْلَمْ لَدُونَهُ قَالَ
لِيُشْرِكُوا هَذَا أَغْلَمُ وَأَسْرُوَةُ بِضَاعَةٍ وَاللَّهُ عَلَيْهِ
بِمَا يَعْمَلُونَ ⑭

(۱) منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تھمت لگائی تو انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افہام و ارشاد کے جواب میں فرمایا تھا وَاللَّهِ لَا أَجِدُ لِي وَلَا لَكُمْ مِثْلًا إِلَّا أَبْيَسُوفْ ﴿۷﴾ فَصَبَرْ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعْنَى عَلَىٰ مَا نَصَّفُونَ ۴۴
(صحیح بخاری، تفسیر سورہ یوسف) "اللہ کی قسم میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جس سے یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا اور انہوں نے فَصَبَرْ جَمِيلٌ کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا تھا، یعنی میرے لیے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

(۲) وارد، اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے کے لیے پانی وغیرہ کا انتظام کرنے کی غرض سے قافلے کے آگے آگے چلتا ہے۔ تاکہ مناسب جگہ دیکھ کر قافلے کو نھر ریا جاسکے۔ یہ وارد (قافلے کے لیے پانی لانے والا) جب کنویں پر آیا اور اپنا ڈول نیچے لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی پکڑ لی، وارد نے ایک خوش شکل بچہ دیکھا تو اسے اوپر کھینچ لیا اور بڑا خوش ہوا۔

(۳) بِضَاعَةً، سامان تجارت کو کہتے ہیں اَسَرُّوَةً کافاً عل کون ہے؟ یعنی یوسف کو سامان تجارت سمجھ کر چھپا نے والا کون ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے برادران یوسف علیہ السلام کو فاعل قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ڈول کے ساتھ یوسف علیہ السلام بھی کنویں سے باہر نکل آئے تو وہاں یہ بھائی بھی موجود تھے، تاہم انہوں نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا، یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی قتل کے اندیشے سے اپنا بھائی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ بھائیوں نے انہیں فروختی قرار دیا تو خاموش رہے اور اپنا فروخت ہونا پسند کر لیا۔ چنانچہ اس وارد نے اہل قافلہ کو خوش خبری سنائی کہ ایک بچہ فروخت ہو رہا ہے۔ مگر یہ بات سیاق سے میل کھاتی نظر نہیں آتی۔ ان کے برخلاف امام شوکانی نے اَسَرُّوَةً کافاً عل وارد اور اس کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے کہ انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کنویں سے نکلا ہے کیونکہ اس طرح تمام اہل قافلہ اس "سامان تجارت" میں شریک ہو جاتے بلکہ اہل قافلہ کو انہوں نے جا کر یہ بتلایا کہ کنویں کے مالکوں نے یہ بچہ ان کے پرد کیا ہے تاکہ اسے وہ مصر جا کر بچ دیں۔ مگر اقرب ترین بات یہ ہے کہ اہل قافلہ نے بچے کو سامان تجارت قرار دے کر چھپا لیا کہ کہیں اس کے عزیز و اقارب اس کی تلاش میں نہ آپنچھیں۔ اور یوں لینے کے دینے پڑ جائیں کیونکہ بچہ ہونا اور کنویں میں پایا جانا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ کہیں قریب ہی کا رہنے والا ہے اور کھلیتے کو دتے آگرا ہے۔

وَهُكُرَبَهُ^(۱) تَحْتَهُ-^(۱۹)

اوْرَانْهُوْلُ^(۲) نَزَّ اَسَبَتْ هِيْ بِلْكِلْ قِيمَتْ پِرْ گُنْتِيْ کَے چند
وَرَهْمُوْلُ پَرْ هِيْ بَنْجَ ڈَالَا^(۳) وَهُ توْ یُوسُفَ کَے بَارَے مِنْ بَتْ
هِيْ بَيْ رَغْبَتْ تَحْتَهُ-^(۴)^(۲۰)

مَصْرُوْلُوْلُ مِنْ سَے جِسَنَ اَسَے خَرِيدَ اَتَھَا سَنَ اَپَنِيْ
بِيْوِيْ^(۲۱) سَے كَما کَہ اَسَبَتْ عَزْتَ وَاحْتَرَامَ کَے سَاتِھَ
رَكْھُوْ، بَتْ مَكْنَنَ ہِيْ کَہ يَہِيْ مِنْ فَادِه پِنْجَارَے يَا اَسَے هِمَ
اَپَنِيْا بِيْهِ بِنَالِیْسَ، يُوْلِیْسَ هِمَنَ نَمَرِکِی سَرِزِمِنَ مِنْ یُوسُفَ
كَادِمَ جَمَا^(۵) دِیَا^(۶) کَہ هِمَ اَسَے خَوَابَ کَیْ تَعْبِيرَ کَچْھَ عَلَمَ سَکَھَا
دِیْسَ۔ اللَّهُ اَپَنِے اَرَادَے پَرْ غَالِبَ ہِيْ لَیْکِنَ اَکْشَلُوْگَ بَے
عَلَمَ ہُوتَے ہِیْسَ-^(۲۱)

اوْرَ جَبْ (یُوسُفَ) پِنْجَارِیْ کَیْ عَرَمَ کَوْ پِنْجَ گَئَهِ هِمَنَ اَسَے

وَشَرَوْهُ بِسَمِيْنَ بِجَنْبِیْسَ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٌ، وَكَانَوْ اَفْيَهُ
مِنَ الرَّهِيْدِيْنَ^(۷)

وَقَالَ الَّذِي اَشْتَرَهُ مِنْ قَصْرَ لِامْرَأَتِهِ اَكْرِمِيْ مَثُونَهُ
عَلَى اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ يَنْجَدَنَا وَلَدَّا وَكَذَلِكَ مَكْتَالِيْوُسُفَ
فِي الْأَرْضِ وَلَعْنِيلَمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيْثِ وَاللهُ غَالِبٌ
عَلَى اَمْرِهِ وَلِكِنَ الْكُثُرُ النَّاسُ لَا يَعْلَمُونَ^(۸)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشْدَدَهُ اَتَيْنَاهُ حَكْمًا وَعَلْمًا وَكَذَلِكَ

(۱) یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا، اللہ کو اس کا علم تھا۔ لیکن اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے ہونے دیا کہ تقدیر الٰہی بروئے کار آئے۔ علاوه ازیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بتلارہا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ یقیناً ایذا پیش کر رہے ہیں اور میں انہیں اس سے روکنے پر قادر بھی ہوں۔ لیکن میں اسی طرح انہیں مسلط دے رہا ہوں جس طرح برادران یوسف علیہ السلام کو مسلط دی تھی۔ اور پھر بالآخر میں نے یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت پر جا بٹھایا اور اس کے بھائیوں کو عاجز و لاچار کر کے اس کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ اے پیغمبرا! ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اسی طرح سرخو ہوں گے اور یہ سرداران قریش آپ کے اشارہ ابرا و اور جنبش اب کے منتظر ہوں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وقت جلد ہی آپ پیش کرے۔

(۲) بھائیوں یا دوسری تفسیر کی رو سے اہل قافلہ نے بیجا۔

(۳) کیونکہ گری پڑی چیز انسان کو یوں ہی بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے، اس لیے چاہے وہ کتنی بھی قیمتی ہو، اس کی صحیح قدر و قیمت انسان پر واضح نہیں ہوتی۔

(۴) کما جاتا ہے کہ مصر پر اس وقت ریان بن ولید حکمران تھا، اور یہ عزیز مصر، جس نے یوسف علیہ السلام کو خریدا، اس کا وزیر خزانہ تھا، اس کی بیوی کا نام بعض نے راعیل اور بعض نے زیخا بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

(۵) یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے ظالم بھائیوں سے نجات دی، اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزی میں ایک معقول اچھا ٹھکانہ عطا کیا۔

بَغْرِي التَّعْسِينِ ۚ ۲۲

قوت فیصلہ اور علم دیا،^(۱) ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔^(۲۲)

اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے، یوسف کو بہلانا پہلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کھنے لگی لو آ جاؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا۔^(۲۳)

اس عورت نے یوسف کی طرف کا قصد کیا اور یوسف اس^(۲۴) کا قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ

وَرَأَدَتُهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَقَ الْبَوَابَ
وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِلَهِ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَشَاءِيْ
إِنَّمَّا لِيْنِيْلُ الظَّلِيمُونَ^(۲۵)

وَلَقَدْ هَمَتْ يَهُ وَهَمَّ يَهَا لَوْلَا إِنْ رَبِّهَا حَمَّانَ رَبِّهَا

(۱) یعنی نبوت یا نبوت سے قبل کی دانائی اور قوت فیصلہ۔

(۲) یہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ عزیز مصر کی یوں، جس کو اس کے خاوند نے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اکرام و احترام کے ساتھ رکھے، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور انہیں دعوت گناہ دینے لگی، جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔

(۳) بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ﴿لَوْلَا أَنْ رَأَى بُزْهَانَ رَبِّهِ لَفَعَلَ مَا هَمَّ بِهِ﴾ کا تعلق ما قبل یعنی ﴿وَهَمَّ يَهَا﴾ سے نہیں بلکہ اس کا جواب مذوف ہے یعنی ﴿لَوْلَا أَنْ رَأَى بُزْهَانَ رَبِّهِ لَفَعَلَ مَا هَمَّ بِهِ﴾ ترجمہ یہ ہو گا کہ اگر یوسف علیہ السلام اللہ کی دلیل نہ دیکھتے تو جس چیز کا قصد کیا تھا وہ کر گزرتے۔ یہ ترجمہ اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے لَوْلَا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے قصد ہی نہیں کیا، ان مفسرین نے اسے علی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کئے ہیں کہ قصد تو یوسف علیہ السلام نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیاری نہیں تھا بلکہ عزیز مصر کی یوں کی ترغیب اور دباؤ اس میں شامل تھا۔ دوسرے یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے، اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے (فتح القدیر، ابن کثیر) مگر محققین اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یوسف علیہ السلام بھی اس کا قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی بہانہ نہ دیکھتے ہوتے۔ یعنی انہوں نے اپنے رب کی بہانہ دیکھ رکھی تھی۔ اس لیے عزیز مصر کی یوں کا قصد ہی نہیں کیا۔ بلکہ دعوت گناہ ملتے ہی پکارائے ﴿مَعَاذَ اللَّهُ إِنْ لَمْ يَبْتَلِنَّهُ قَدْ نَهَىٰ كَمَّا نَهَا﴾ کے یہ معنی نہیں کہ نفس میں یہ جان اور تحریک ہی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ جان اور تحریک ہی پیدا ہو جانا الگ بات ہے۔ اور قصد کر لینا الگ بات ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر سرے سے یہ جان اور تحریک ہی پیدا نہ ہو تو ایسے شخص کا گناہ سے نجع جانا کوئی کمال نہیں۔ کمال توبہ ہی ہے کہ نفس کے اندر داعیہ اور تحریک پیدا ہو اور پھر انسان اس پر کنٹول کرے اور گناہ سے نجع جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔

دیکھتے،^(۱) یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے براہی اور بے حیائی دور کر دیں۔^(۲) پیشک وہ ہمارے پنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔^(۲۳)

دونوں دروازے کی طرف دوڑے^(۳) اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ دالا اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا، تو کہنے لگی جو شخص تیری یہودی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اور کوئی دروناک سزا دی جائے۔^(۴)^(۵)^(۶)

یوسف نے کہایہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی،^(۷) اور عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی^(۸) دی کہ

گَذَلَكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفُحْشَاءَ، إِنَّهُ مِنْ عِبَادَنَا الْمُخْلُصِينَ ^(۹)

وَاسْتَبَقَ الْبَابَ وَقَدَّتْ قَيْصَةً مِنْ دُبْرِهِ أَلْفِيَا
سَيِّدَهَا الْكَلَّالُ الْبَابِ قَالَتْ مَا حَاجَنِي مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ
سُوءٌ إِلَّا أَنْ يُسْعِنَ أَوْعَدَابَ إِلَيْمُ ^(۱۰)

قَالَ هَيْ رَأَوْدَثِنِي عَنْ تَقْرِيْبِي وَشَهَدَ شَاهِدُونَ أَهْلِهَا

(۱) یہاں پہلی تفسیر کی بناء پر لولہ کا جواب مذکوف ہے، لفَعَلَ مَا هَمْ بِهِ، یعنی اگر یوسف علیہ السلام رب کی برہان نہ دیکھتے تو جو قصد کیا تھا، کر گزرتے۔ یہ برہان کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی ایسی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے داعیئے کے دبانے اور رد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے۔

(۲) یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو برہان دکھا کر، براہی یا اس کے ارادے سے بچالیا، اسی طرح ہم نے اسے ہر معاملے میں براہی اور بے حیائی کی باتوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ وہ ہمارے پنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

(۳) جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت براہی کے ارتکاب پر مصر ہے، تو وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، یوسف علیہ السلام کے پیچھے انہیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔

(۴) یعنی خاوند کو دیکھتے ہی خود معموم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف علیہ السلام کو قرار دے کر ان کے لیے سزا بھی تجویز کر دی۔ حالانکہ صورت حال اس کے بر عکس تھی، مجرم خود تھی جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ اور اس براہی سے بچنے کے خواہش مند اور اس کے لیے کوشش تھے۔

(۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ عورت تمام الزام ان پر دھر رہی ہے تو صورت حال واضح کر دی اور کہا کہ مجھے براہی پر مجبور کرنے والی یہی ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے باہر دروازے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔

(۶) یہ انہی کے خاندان کا کوئی سمجھہ دار آدمی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا۔ فیصلے کو یہاں شادت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، کیون

اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت کچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔^(۲۶)

اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے چھڑا گیا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف پھوٹوں میں سے ہے۔^(۲۷)
خاوند نے جو دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے کی جانب سے چھڑا گیا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے، پیشک تمہاری چال بازی بست بڑی ہے۔^(۲۸)

یوسف اب اس بات کو آتی جاتی کرو^(۲۹) اور (اے عورت) تو اپنے گناہ سے توبہ کر، پیشک تو گنگاروں میں سے ہے۔^(۳۰)

اور شر کی عورتوں میں چرچا ہونے لگا کہ عزیز کی بیوی اپنے (جوان) غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے بھلانے پھلانے میں لگی رہتی ہے، ان کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے، ہمارے خیال میں تو وہ صرخ گمراہی میں ہے۔^(۳۱)

إِنْ كَانَ قَيْبِصَةً قُدَّمْ مِنْ قَبْلِ فَصَدَّقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَذِيبِ^(۲۵)

وَإِنْ كَانَ قَيْبِصَةً قُدَّمْ مِنْ دُبْرِ فَكَذَّبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ^(۲۶)

فَلَمَّا رَأَى قَيْبِصَةً قُدَّمْ مِنْ دُبْرِ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِ كُنْ عَظِيمٌ^(۲۷)

يُوسُفُ أَغْرِضُ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْرِفُ لِذَنِبِكَ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ^(۲۸)

وَقَالَ فِتْنَةً فِي الْمَدِينَةِ أَمْرَاتُ الْعَزِيزِ شَرَّادُ قَشْهَا
عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًا إِذَا تَرَاهَا
فِي ضَلَالٍ مُّبِينِ^(۲۹)

کہ معاملہ ابھی تحقیق طلب تھا۔ شیر خوار بچے کی شادوت والی بات مستند روایات سے ثابت نہیں۔ صحیحین میں تین شیر خوار بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے جن میں یہ چوتھا نہیں ہے جس کا ذکر اس مقام پر کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا۔ یہ نہ اللہ کا قول ہے اور نہ ہر عورت کے بارے میں صحیح۔ اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر عورت کو مکروہ فریب کا پتلا باور کرانا، قرآن کا ہرگز مثال نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ اس جملے سے عورت کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔

(۲) یعنی اس کا چرچا مamt کرو۔

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامتی واضح ہو گئی تھی۔

(۴) جس طرح خوشبو کو پردوں سے چھپا لیا نہیں جا سکتا، عشق و محبت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ گو عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اسے نظر انداز کرنے کی تلقین کی اور یقیناً آپ کی زبان مبارک پر اس کا کبھی ذکر بھی نہیں آیا ہو گا، اس کے باوجود یہ واقعہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور زنان مصر میں اس کا چرچا عام ہو گیا، عورتیں تجب کرنے لگیں کہ عشق کرنا ہی تھا تو کسی پیکر حسن و جمال سے کیا جاتا، یہ کیا اپنے ہی غلام پر زخم افریفته ہو گئی، یہ تو اس کی بہت ہی نادانی ہے۔

اس نے جب ان کی اس پر فریب غیبت کا حال سناتے انہیں بلوا بھیجا^(۱) اور ان کے لیے ایک مجلس مرتب^(۲) کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی۔ اور کہا اے یوسف! ان کے سامنے چلے آؤ،^(۳) ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے،^(۴) اور زبان سے نکل گیا کہ حاشا اللہ! یہ انسان تو ہرگز نہیں، یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے۔^(۵) (۳۱)

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَا كَرِهَتْ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَخْتَدَتْ لَهُنَّ مِنْهَا
وَأَنْتَ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِلْيَانًا وَقَالَتِ الْأُخْرُجُ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا
رَأَيْنَاهُ الْكَبْرَى وَقَطَعْنَ أَيْدِيهِنَّ وَقُلْنَ حَاشَ اللَّهُ مَا هَذَا بَشَرًا
إِنْ هُدَى الْأَمْلَكُ كَرِيمٌ^(۶)

(۱) زنان مصر کی عالمگیری با توں اور طعن و ملامت کو مکرم سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ان عورتوں کو بھی یوسف کے بے مثال حسن و جمال کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ وہ اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے اس مکر (خیہ تدبیر) میں کامیاب ہو گئیں اور امراۃ العزیز نے یہ بتلانے کے لیے کہ میں جس پر فریفته ہوئی ہوں، محض ایک غلام یا عام آدمی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باطن کے ایسے حسن سے آراستہ ہے کہ اسے دیکھ کر نقد دل و جان ہار جانا کوئی انسوئی بات نہیں، ان عورتوں کی ضیافت کا اہتمام کیا اور انہیں دعوت طعام دی۔

(۲) یعنی ایسی نشت کا ہیں بنا میں جن میں تکیے لگے ہوئے تھے، جیسا کہ آج کل بھی عربوں میں ایسی فرشی نشت کا ہیں عام ہیں حتیٰ کہ ہو ٹلوں اور ریستورانوں میں بھی ان کا اہتمام ہے۔

(۳) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے چھپائے رکھا، جب سب عورتوں نے ہاتھوں میں چھڑیاں پکڑ لیں تو امراۃ العزیز (زیخا) نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

(۴) یعنی حسن یوسف علیہ السلام کی جلوہ آرائی دیکھ کر ایک تو ان کی عظمت و جلال شان کا اعتراف کیا اور دوسرے، ان پر بے خودی و وار فتنگی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ چھڑیاں اپنے ہی ہاتھوں پر چلا لیں، جس سے ان کے ہاتھ زخمی اور خون آکو دہ ہو گئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء)

(۵) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتے شکل و صورت میں انسان سے بہتر یا افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کو تو انسانوں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انسان کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں صراحةً کہ ہم نے اسے احسن تقویم (بترین انداز) میں پیدا کیا ہے۔ ان عورتوں نے بشریت کی نفی محض اس لیے کہ انہوں نے حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر دیکھا تھا جو انسانی شکل میں کبھی ان کی نظروں سے نہیں گزرا تھا اور انہوں نے فرشتہ اس لیے قرار دیا کہ عام انسان یہی سمجھتا ہے کہ فرشتے ذات و صفات کے لحاظ سے ایسی شکل رکھتے ہیں جو انسانی شکل سے بالاتر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیا کی غیر معمولی خصوصیات و امتیازات کی بناء پر انہیں انسانیت سے نکال کر نورانی خلوق قرار دینا، ہر دوسرے کے ایسے لوگوں کا شیوه رہا ہے جو نبوت اور اس کے مقام سے نآشنا ہوتے ہیں۔

اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا، یہی ہیں جن کے
بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں،^(۱) میں نے ہرچند
اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا،
اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو
یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بیشک یہ بہت ہی بے عزت
ہو گا۔^(۲) (۳۲)

یوسف علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس
بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو
مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے، اگر تو نے ان کا فن فریب
مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا
اور بالکل نادانوں میں جاملوں گا۔^(۳) (۳۳)

اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں
کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیے، یقیناً وہ سننے والا جانے والا
ہے۔^(۳۴)

پھر ان تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں یہی
مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لیے قید

قَالَتْ فَذِلِكُنَّ الَّذِي لَسْتُنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَأَوْذَتِهِ عَنْ نَفِيْهِ
فَأَسْعَصَهُمْ وَلَئِنْ كَوَفَعْلَ مَا أَمْرَهُ لَيَسْجُنَنَّ
وَلَيَكُونُنَا مِنَ الصَّغِيرِينَ ③

قَالَ رَبُّ الْجِنِّينَ أَحَبُّ إِلَيَّ مَمَالِيدُ الْخُوَيْنِيَّ إِلَيْهِ
وَإِلَّا نَصَرْفُ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكْنُ
مِنَ الْجَهَلِينَ ④

فَأَسْجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَقَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ
الْتَّمِيمُ الْعَلِيمُ ⑤

لَهُبَّهُ الْهُمَّقُنَّ بَعْدَ مَارَأُوا الْأَيْتَ لَيَسْجُنَنَّهُ حَتَّىٰ جَنِينَ ⑥

(۱) جب امراء العزیز نے دیکھا کہ اس کی چال کامیاب رہی ہے اور عورتیں یوسف علیہ السلام کے جلوہ حسن آراء سے
مبہوت و مدھوش ہو گئیں تو کہنے لگی کہ اس کی ایک جھلک سے تمہارا یہ حال ہو گیا ہے تو کیا تم اب بھی مجھے اس کی محبت
میں گرفتار ہونے پر طعنہ زنی کرو گی؟ یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔

(۲) عورتوں کی یہ مدھوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہو گیا اور شرم و حیا کے سارے جواب دور کر کے اس نے اپنے برے
ارادے کا ایک مرتبہ پھر انظمار کیا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا اپنے دل میں کی۔ اس لیے کہ ایک مومن کے لیے دعا بھی ایک ہتھیار ہے۔
حدیث میں آتا ہے، سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص
ہے جسے ایک ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ و منصب کی بھی حاصل ہو۔ لیکن وہ
اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو ”اللہ سے ڈرتا ہوں“۔ صحیح بخاری۔ کتاب الأذان، باب من جلس فی
المسجد ينتظر الصلوة وفضل المساجد و مسلم، کتاب الزکوة باب فضل إخفاء الصدقة

خانہ میں رکھیں۔^(۱) (۳۵)

اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کماکہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب چھوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کماکہ نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روئی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔^(۲) (۳۶)

یوسف نے کما تھیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تھیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے،^(۳) میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی

وَدَخَلَ مَعَهُ الْيَتَمَّ فَقَالَ أَحَدُ هُمَّالِيَّ أَرَيْتَ أَعْصِرُ خَمْرًا
وَقَالَ الْخَرْجَانِيُّ أَرَيْتَ أَعْوَلَ فَوَقَ رَأْيِيْ خُبْرًا تَلَقَّى الظَّيْرُونَ
نِسْنَاتٍ وَلِيَلَّمَ إِنَّا نَرِكَ مِنَ الْمُعْسِنِينَ ^(۴)

قَالَ لَأَيَّا يَكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيهِ إِلَّا بَنَاتُكُمَا يَنْأُونِيهِ
فَمِنْ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكُمَا مَاعْلَمُنِي رَبِّيْ إِنْ شَرَكَ مَلَكٌ
قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ لَفِرُونَ ^(۵)

(۱) عفت و پاک دامنی واضح ہو جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کو حوالہ زندگی کرنے میں یہی مصلحت ان کے پیش نظر ہو سکتی تھی کہ عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی بیوی سے دور رکھنا چاہتا ہو گا تاکہ وہ دوبارہ یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ وہ ایسا ارادہ رکھتی تھی۔

(۲) یہ دونوں نوجوان شاہی دوبار سے متعلق تھے۔ ایک شراب پلانے پر مامور تھا اور دوسرا نان بائی تھا۔ کسی حرکت پر دونوں کو پس دیوار زندگی کر دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت تقویٰ و راست بازی اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے جیل میں ویگر تمام قیدیوں سے ممتاز تھے۔ علاوه ازیں خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم اور ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھا تو تدریجی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف انہوں نے رجوع کیا اور کہا ہمیں آپ محین میں سے نظر آتے ہیں۔ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلائیں۔ محن کے ایک معنی بعض نے یہ بھی کہنے ہیں کہ خواب کی تعبیر آپ اچھی کر لیتے ہیں۔

(۳) یعنی میں جو تعبیر بتلاؤں گا، وہ کاہنوں اور نجومیوں کی طرح ظن و تجھیں پر مبنی نہیں ہو گی؛ جس میں خطاب اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ بلکہ میری تعبیر یقینی علم پر مبنی ہو گی جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا ہے، جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔

مگر ہیں۔^(۳۷)

میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے دین کا،^(۳۸) ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں،^(۳۹) ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔^(۴۰)

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! ^(۴۱) کیا متفق کئی ایک پروروگار بھتر ہیں؟^(۴۲) یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟^(۴۳)

اس کے سواتم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی،^(۴۴) فرمائزروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا

وَاتَّجَعَتِ الْمَلَكَاتِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ شُرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ الْأَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ^(۴۵)

يَصَاغِي السَّاجِنُونَ أَرْبَابُ مُتَقْرَبُونَ خَيْرُ أَمْرِ اللَّهِ الْوَاحِدُ الْفَهَارُ^(۴۶)

مَا نَعْبُدُونَ مِنْ دُوَرِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَبِأَوْلَمِ مَا آنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِنِعْمَةٍ أَمْرَأَ لَا تَعْبُدُ وَإِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الَّذِينَ الْقَيْمُ وَلَكِنَّ الْأَكْثَرَ

(۱) یہ الہام اور علم الہی (جن سے آپ کو نواز گیا) کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ میں نے ان لوگوں کا نہ ہب چھوڑ دیا جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس کے سطے میں اللہ تعالیٰ کے یہ اعلمات مجھ پر ہوئے۔

(۲) اجداد کو بھی آباء کہا، اس لیے کہ وہ بھی آباء ہی ہیں۔ پھر ترتیب میں بھی جدا علی (ابراہیم علیہ السلام) پھر جدا قرب (اسحاق علیہ السلام) اور پھر باپ (یعقوب علیہ السلام) کا ذکر کیا۔ یعنی پلے، پلی اصل، پھر دوسری اصل اور پھر تیسرا اصل بیان کی۔

(۳) وہی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین تعلیم اور دعوت ہوتی تھی۔

(۴) قید خانے کے ساتھی، اس لیے قرار دیا کہ یہ سب ایک عرصے سے جیل میں محبوس چلے آرہے تھے۔

(۵) تفرق زوات، صفات اور عدو کے لحاظ سے ہے۔ یعنی وہ رب، جو ذات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفق، صفات میں ایک دوسرے سے مختلف ۔۔۔۔ اور تعداد میں باہم متناہی ہیں۔ وہ بھتر ہیں یا وہ اللہ، جو اپنی ذات و صفات میں متفرد ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے؟

(۶) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا نام معبدوں نے خود ہی رکھ لیا ہے، دراں حائل کہ وہ معبدوں ہیں نہ ان کی بابت کوئی دلیل اللہ نے اتاری ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان معبدوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں، مثلاً خواجه

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ④

فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست^(۱) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۲)^(۳۰)

اے میرے قید خانے کے رفیقو!^(۴) تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا،^(۵) لیکن دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوج نوج کھائیں گے،^(۶) تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔^(۷)^(۳۱)

اور جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دنا، پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے

يَصَاحِبِ السِّجْنِ أَمَا آخَدْتُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ حَمْرًا،
وَأَمَا الْأَخْرُفَ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الظَّلِيرُ مِنْ رَأْسِهِ فَضَى
الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ شُتَّقْتُينِ ⑦

وَقَالَ لِلَّذِي ظَلَّ أَنَّهُ نَاجِيَ مِنْهُمَا أَذْكُرُ فِي عِنْدِ
رَبِّكَ فَأَنْتَ الشَّيْطَنُ ذَكْرَ رَبِّهِ فَلَمَّا شَرِفَ السِّجْنُ

غريب نواز، گنج بخش، کرنی والا، کرم والا وغیرہ یہ سب تمارے خود ساختہ ہیں، ان کی کوئی ولیل اللہ نے نہیں اتاری۔

(۱) یہی دین، جس کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، درست اور قیم ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

(۲) جس کی وجہ سے اکثر لوگ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، ﴿وَمَا يُؤْمِنُونَ أَكْثَرُهُمْ بِأَنَّهُمْ لَا هُوَ مُشْرِكُونَ﴾ (سورہ یوسف - ۱۰۶) ”ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔“ اور فرمایا ﴿وَمَا أَكْثَرُ الْكَاشِيْنَ وَلَوْ
حَوْصَتِ بِهُمُّ الْمِنَّى﴾ (سورہ یوسف - ۱۰۳) ”اے پیغمبر تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں
ہیں۔“

(۳) توحید کا وعظ کرنے کے بعد اب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرمائے ہیں۔

(۴) یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے کو انگور کا شیرہ تیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تاہم آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کی تعین نہیں کی تاکہ مرنے والا پسلے ہی غم و حزن میں بٹانا ہو جائے۔

(۵) یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے سر پر خواب میں روٹیاں اٹھائے دیکھا تھا۔

(۶) یعنی تقدیرِ الٰہی میں پسلے سے یہ بات ثابت ہے اور جو تعبیر میں نے بتائی ہے، لا محالة واقع ہو کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”خواب“ جب تک اس کی تعبیر نہ کی جائے، پرندے کے پاؤں پر ہے۔ جب اس کی تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد، بکوالہ ابن کثیر)

بِضُّعَ سِنِينَ ②

ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے میں ہی کاٹے۔^(۱)
(۲۲)

بادشاہ نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات مولیٰ تازی فربہ گائیں ہیں جن کو سات لا غردیلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں ہری ہری اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے دربار یو! میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو۔^(۲)
(۲۳)

انہوں نے جواب دیا کہ یہ تواریخے اڑاتے پریشان خواب ہیں اور ایسے شور یدہ پریشان خوابوں کی تعبیر جانے والے ہم نہیں۔^(۳)
(۲۴)

ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا اسے مدت کے بعد یاد آگیا اور کہنے لگا میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤ دوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔^(۴)
(۲۵)

وَقَالَ الْمَلِكُ رَأَىَ أَرْبَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ
سَبْعَ عَيْنَافٌ وَسَبْعَ سُبْلَاتٍ حُضْرٌ وَأَخْرَى بِسْتَ يَأْكُلُهُنَّ
الْمَلَكُ أَفْتَوَنَ فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمُ لِلَّهُ يَا أَعْبُدُونَ ②

قَالُوا أَضْغَاثٌ أَحْلَامٌ وَمَا كُنُّ يَشَوِّلُ الْأَحْلَامَ يَعْلَمُونَ ③

وَقَالَ الَّذِي بَجَاهَ مِنْهُمَا وَإِذْ كَرِبَ أَمْتَهَ آنَّا أَنْبَثْنَا فِي أُولَئِكُمْ
فَأَنْسِلُونَ ④

(۱) بِضُعَ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے عدد کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہب بن منبه کا قول ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام آزمائش میں اور یوسف علیہ السلام قید خانے میں سات سال رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال رہا۔ اور بعض کے نزدیک بارہ سال اور بعض کے نزدیک چودہ سال قید خانے میں رہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) أَضْغَاثٌ ضِغْثٌ کی جمع ہے جس کے معنی گھاس کے گھنے کے ہیں۔ أَحْلَامٌ حَلْمٌ (معنی خواب) کی جمع ہے۔ اضغاث احلام کے معنی ہوں گے خواب ہائے پریشان، یا خیالات منتشرہ، جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ یہ خواب اس بادشاہ کو آیا، عزیز مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس خواب کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کی رہائی عمل میں لالی تھی۔ چنانچہ بادشاہ کے دربار یوں، کاہنوں اور نجومیوں نے اس خواب پریشان کی تعبیر بتلانے سے بعجز کا انطمار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نجومیوں کے اس قول کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں تھے نہ اس کی انہوں نے نفی کی، انہوں نے صرف اس خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا انطمار کیا۔

(۳) یہ قید کے دو ساتھیوں میں سے ایک نجات پانے والا تھا، جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کما تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا، تاکہ میری بھی رہائی کی صورت بن سکے۔ اسے اچانک یاد آیا اور اس نے کما کہ مجھے مہلت دو، میں تمہیں اگر

اے یوسف! اے بہت بڑے پچے یوسف! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتالیے کہ سات موئی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دبلي پتی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بھی بالکل خشک ہیں، تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں کہ وہ سب جان لیں۔ (۳۶)

یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے درپے لگاتار حسب عادت غلہ بولیا کرنا، اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے۔ (۳۷)

اس کے بعد سات سال نمایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے، جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا،^(۱) سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھتے ہو۔ (۳۸)

اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش بر سائی جائے گی اور اس میں (شیرہ انگور بھی) خوب

يُوسُفُ أَيُّهَا الصَّدِيقُ أَقْتَنَافِ سَبْعَ بَقَرَاتٍ يَمَانٌ يَأْكُلُهُنْ سَبْعَ عِجَابٍ وَسَبْعَ سُبْلَاتٍ حُضْرُوا لَغْرَ يُدْسِتُ أَعْلَى أَرْجُعِ الْأَنْسَ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

قَالَ رَزَّاعُونَ سَبْعَ بَيْنِينَ دَآبَا فَمَا حَصَدُتْ هُنْ فَذَرُوهُ فِي سُبْلَيْهِ لَا قَلِيلًا مَمَانَا لَكُلُونَ ﴿٧﴾

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعُ شِدَادِيَّا لَكُلُونَ مَا قَدَّ مُمْلُمْ لَهُنْ إِلَّا قَلِيلًا تُخْصِنُونَ ﴿٨﴾

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٩﴾

اس کی تعبیر بتلاتا ہوں۔ چنانچہ وہ نکل کر سیدھا یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا، اور خواب کی تفصیل بتلا کر اس کی تعبیر کی بابت پوچھا۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی نوازا تھا۔ اس لیے وہ اس خواب کی تفصیل تک فوراً پہنچ گئے۔ انہوں نے موئی تازہ سات گائیوں سے ایسے سات سال مراد لیے جن میں خوب پیداوار ہو گی، اور سات دبلي پتی گائیوں سے اس کے بر عکس سات سال خشک سالی کے۔ اسی طرح سات سبز خوشوں سے مراد لیا کہ زمین خوب پیداوار دے گی اور سات خشک خوشوں کا مطلب یہ ہے کہ ان سات سالوں میں زمین کی پیداوار نہیں ہو گی۔ اور پھر اس کے لیے تدبیر بھی بتلائی کہ سات سال تم متواتر کاشتکاری کرو اور جو غلہ تیار ہو، اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی سنبھال کر رکھو تاکہ ان میں غلہ زیادہ محفوظ رہے، پھر جب سات سال قحط کے آئیں گے تو یہ غلہ تمہارے کام آئے گا جس کا ذخیرہ تم اب کرو گے۔

(۲) مِمَّا تُخْصِنُونَ سے مراد وہ دانے ہیں جو دوبارہ کاشت کے لیے محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔

نچوڑیں گے۔^(۱)

اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لاو،^(۲) جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو انسوں نے کہا، اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کر ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے^(۳) تھے؟ ان کے حیلے کو (صحیح طور پر) جانے والا میرا پروردگار ہی ہے۔^(۴)

بادشاہ نے پوچھا اے عورتو! اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے جب تم داؤ فریب کر کے یوسف کو اس کی دلی فشا سے برکانا چاہتی تھیں، انسوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ ہم نے یوسف میں کوئی براہی نہیں^(۵) پائی، پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو چی بات نہتر آئی۔ میں نے ہی اسے ورغلایا تھا، اس کے جی سے، اور یقیناً وہ پھوں میں

وَقَالَ الْمَلِكُ الْمُتَّقُونَ يَا فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْهُ إِلَى رَبِّكَ فَسَأْلُهُ مَا بَأْلُ النِّسَوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ أَيْدِيهِنَ إِنَّ رَبَّنِي بَيْدِهِنَ عَلِيمٌ^(۶)

قَالَ مَا لَخَطَبْكُنَّ إِذَا وَدَنَ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ حَاشِيَةَ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ إِنِّي حَضَرْتُ الْحُقْقَانِ إِنَّا نَارٌ أَوْدُثُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لِيَنَ الصَّدِيقُينَ^(۷)

(۱) یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد پھر خوب بارش ہو گی، جس کے نتیجے میں کثرت سے پیداوار ہو گی اور تم انگوروں سے اس کا شیرہ نچوڑو گے، زیتون سے تل نکالو گے اور جانوروں سے دودھ دو ہو گے۔ خواب کی اس تعبیر کو خواب سے کسی لطیف مناسبت حاصل ہے، جسے صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسا صحیح وجدان، ذوق سلیم اور ملکہ راستہ عطا فرمادے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص تعبیر دریافت کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے تعبیر بتالی تو وہ اس تعبیر سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بتالی ہوئی تدبیر سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ شخص، جسے ایک عرصے سے حوالہ زندگی کیا ہوا ہے، غیر معمولی علم و فضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے، تو انسوں نے اس طرح محض عنایت خروانہ سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ اپنے کردار کی رفت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے۔ کیونکہ داعیِ الہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفت اور بہت ضروری ہے۔

(۴) بادشاہ کے استفسار پر تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔

سے ہے۔^(۱)
(۵۱)

(یوسف علیہ السلام نے کہا) یہ اس واسطے کہ (عزیز)
جان لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی خیانت
نہیں کی^(۲) اور یہ بھی کہ اللہ دغبازوں کے ہتھیار
چلنے نہیں دیتا۔^(۳) (۵۲)

ذلکَ لِيَعْلَمَ أَنَّ لَوْ أَخْنَهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
كَيْدَ الْجَاهِلِينَ ⑥

(۱) اب امراء العزیز (زیخا) کے لیے بھی یہ اعتراف کے بغیر چارہ نہیں رہا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہے اور یہ پیش
دستی میری ہی طرف سے ہوئی تھی، اس فرشتہ صفت انسان کا اس لغوش سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) جب جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ ساری تفصیل بتائی گئی تو اسے سن کر یوسف علیہ السلام نے یہ کہا اور
بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس جا کر انہوں نے یہ کہا اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی زیخا کا ہی قول ہے اور مطلب
یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بھی اسے غلط طور پر مشموم کر کے خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی بلکہ امانت
کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں، یا یہ مطلب ہے کہ میں نے اپنے خاوند کی خیانت نہیں
کی اور کسی بڑے گناہ میں واقع نہیں ہوئی۔ امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(۳) کہ وہ اپنے مکرو فریب میں ہمیشہ کامیاب ہی رہیں۔ بلکہ ان کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے۔ بالآخر جیت حق اور اہل
حق ہی کی ہوتی ہے گو عارضی طور پر اہل حق کو آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔

میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔^(۱) بیٹک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے،^(۲) مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے،^(۳) یقیناً میرا پالنے والا بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے۔^(۴)

پادشاہ نے کما اسے میرے پاس لاو کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کرلوں،^(۵) پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔^(۶)

(یوسف نے) کما آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے،^(۷)

وَقَالَ الْمَلِكُ اتْسُونَى يَهَآ أَسْتَخْلَصْهُ لِنَفْسِي فَقَاتَكَهُ

قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۝

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَانَةِ الْأَرْضِ إِنَّ حَفِظَتْ عَلَيْمٌ ۝

(۱) اسے اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا قول تسلیم کیا جائے تو بطور کسر نفسی کے ہے، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی پاک دامنی ہر طرح سے ثابت ہو چکی تھی۔ اور اگر یہ عزیزة مصر کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو یہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام کو بدلانے اور پھسلانے کا اعتراف کر لیا۔

(۲) یہ اس نے اپنی غلطی کی توجیہ یا اس کی علت بیان کی کہ انسان کا نفس ہی ایسا ہے کہ اسے برائی پر ابھارتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔

(۳) یعنی نفس کی شرارتوں سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔

(۴) جب پادشاہ (ربان بن ولید) پر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کے ساتھ ان کے کروار کی رفت اور پاک دامنی بھی واضح ہو گئی، تو اس نے حکم دیا کہ انہیں میرے سامنے پیش کرو، میں انہیں اپنے لیے منتخب کرنا یعنی اپنا مصاحب اور مشیر خاص بنانا چاہتا ہوں۔

(۵) مَكِينٌ مَرْتَبَةٌ وَالْأَمِينُ رَموزُ مُلْكَتِ كَارَازِ دَانَ۔

(۶) خَزَانَةُ - خِزَانَةُ کی جمع ہے۔ خزانہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ زمین کے خزانوں سے مراد وہ گودام ہیں جہاں غلہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں (خواب کی تعبیر کی رو سے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں، اس سے نہنے کے لیے مناسب انتظامات کے جاسکیں اور غلہ کی معقول مقدار بچا کر رکھی جاسکے۔ عام حالات میں اگرچہ عمدہ و منصب کی طلب جائز نہیں ہے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اقدام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات دریش ہیں اور ان سے نہنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں، تو وہ اپنی

میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔^(۱) (۵۵)

اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک کا قبضہ دے دیا۔ کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سے،^(۲) ہم ہے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیکو کاروں کا ثواب صالح نہیں کرتے۔^(۳) (۵۶)

یقیناً ایمان داروں اور پرہیزگاروں کا آخری اجر بہت ہی بہتر ہے۔ (۵۷)

یوسف کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس گئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور انہوں نے اسے نہ پہچانا۔^(۴) (۵۸)

وَكَذَلِكَ مَكَّنَاهُ يُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَبْرُئُ مِنْهَا حِبْطَةٌ يَشَاءُ
نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُنْهِي عَمَّا جَرَأَ الْمُجْنِينُ^(۱)

وَلَأَجْرٌ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ^(۲)

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفُوهُمْ وَهُمْ
لَهُمْ مُنْكِرُونَ^(۳)

المیت کے مطابق اس مخصوص عمدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے۔ علاوه ازیں حضرت یوسف علیہ السلام نے تو سرے سے عمدہ و منصب طلب ہی نہیں کیا، البتہ جب بادشاہ مصر نے انہیں اس کی پیشکش کی تو پھر ایسے عمدے کی خواہش کی جس میں انہوں نے ملک اور قوم کی خدمت کا پہلو نہیاں دیکھا۔

(۱) حَفِظْ میں اس کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ اسے کسی بھی غیر ضروری مصرف میں خرچ نہیں کروں گا، علینہم اس کو جمع کرنے اور خرچ کرنے اور اس کے رکھنے اور نکالنے کا بخوبی علم رکھتا ہوں۔

(۲) یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف علیہ السلام کرتے، اور سر زمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہتے، وہ رہتے، پورا مصر ان کے زیر نگین تھا۔

(۳) یہ گویا اجر تھا ان کے اس صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انہوں نے کیا اور اس ثابت قدی کا جو زیخاری کی دعوت گناہ کے مقابلے میں اختیار کی اور اس اولو العزی کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ منصب وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ عزیز مصر فائز تھا، جس کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو درگلانے کی مذموم سعی کی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے کہ عزیز مصر، جس کا نام اٹھیر تھا، فوت ہو گیا تو اس کے بعد زیخاری کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے ہو گیا اور دوپچے بھی ہوئے، ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام میشا تھا، افرائیم ہی یوش بن نون اور حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت کے والد تھے۔ (تفیر ابن کثیر) لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں اس لیے نکاح والی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ علاوه ازیں اس عورت سے جس کردار کا مظاہرہ ہوا، اس کے ہوتے ہوئے ایک بی کے حرم سے اس کی وابستگی، نہایت نامناسب بات لگتی ہے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حالی کے سات سال گزرنے کے بعد نقطہ سالی شروع ہو گئی جس نے ملک مصر

جب انہیں ان کا اس باب میا کر دیا تو کھا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترن میزبانی کرنے والوں میں۔^(۱) (۵۹)

لپس اگر تم اسے لے کر پاس نہ آئے تو میری طرف سے
تمہیں کوئی ناپ بھی نہ ملے گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ
پہنچ لگنا۔^(۲۰)

انہوں نے کہا اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت پھسلائیں گے اور پوری کوشش کریں گے۔^(۲)
اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ ان کی پونچی انہی کی

وَلَتَاجَهُنَّهُمْ بِهَا زَهْرَةً قَالَ النَّبُوْنِيْ يَا نَجِيْلَكُمْ مِنْ أَيْمَكُمْ أَلَا
تَرَوْنَ لَيْلَةً أَوْ فِي الْكَيْنَى وَأَنَا خَيْرُ الْمُتَرَبِّلِينَ ⑥

فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كِيلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا نَقْبُولُونَ

قالوا سترأو دعنته أبااه وانا الفاعلون

وَقَالَ لِفْتَنَةٍ اجْعَلُوا إِصْبَاعَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

کے تمام علاقوں اور شرروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے، جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رہائش پذیر تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے صن تدبیر سے اس قحط سالی سے نہنے کے جواناتظمات کیے تھے، وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے کے لیے آرہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ شرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غلہ فروخت کر رہا ہے۔ چنانچہ باپ کے حکم پر یہ برادران یوسف علیہ السلام بھی گھر کی پونجی لے کر غلے کے حصول کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے، جہاں حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرماتھے۔ جنہیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے لیکن یوسف علیہ السلام نے اینے بھائیوں کو پہچان لیا۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے باشیں پوچھیں تو انہوں نے جماں اور سب کچھ بتایا، یہ بھی بتا دیا کہ ہم دس بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے دو علاتی بھائی (یعنی دو سری ماں سے) اور بھی ہیں، ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہو گیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہے، اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کماکہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ناپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر مدارات بھی خوب کرتا ہوں۔

(۲) تریغیب کے ساتھ یہ دھمکی ہے کہ اگر گیارہویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمیس غلہ ملے گا نہ میری طرف سے اس خاطر مدارات کا اہتمام ہو گا۔

(۳) یعنی ہم اپنے باپ کو اس بھائی کو لانے کے لیے پھلا میں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔

(۳) فیضان (نوجوانوں) سے مراد یہاں وہ نوکر چاکر اور خادم و غلام ہیں جو دربار شاہی میں مامور رہتے۔

بوریوں میں رکھ دو^(۱) کہ جب لوٹ کر اپنے اہل و عیال میں جائیں اور پونجیوں کو پچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں۔^(۲)

جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ ہم سے تو غلہ کا ناپ روک لیا گیا۔^(۳) اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجئے کہ ہم پیانہ بھر کر لائیں، ہم اس کی نگرانی کے ذمہ دار ہیں۔^(۴)

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ مجھے تو اس کی بابت تم سارا بس ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا،^(۵) بس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور وہ سب مریانوں سے بڑا مریان ہے۔^(۶)

جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو اپنا سرمایہ موجود پایا جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے اے ہمارے باپ ہمیں اور کیا چاہیے۔^(۷) دیکھئے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں

يَعْرِفُونَهَا إِذَا اقْلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ^(۷)

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ قَالُوا يَا آبَانَا مَنْعِنَةِ مِنَ الظِّلِّينَ
فَأَرْسَلَ مَعَنًا أَخَانَا نَكْتَلَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفَظُونَ^(۸)

قَالَ هَلْ أَمْنَكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنَتُمْ عَلَى أَخْيَوِي مِنْ قَبْلِ
فَاللَّهُ خَيْرٌ حَفَظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ^(۹)

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا إِصْنَاعَهُمْ رَدَّتْ إِلَيْهِمْ
قَالُوا يَا آبَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ بِضَاعَتْ رَدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرٌ

(۱) اس سے مراد وہ پونجی ہے جو غلہ خریدنے کے لیے برادران یوسف علیہ السلام ساتھ لائے تھے رحال (کجاوے) سے مراد ان کا سامان ہے۔ پونجی، پچکے سے ان کے سامانوں میں اس لیے رکھوادی کہ ممکن ہے دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس مزید پونجی نہ ہو تو یہی پونجی لے کر آجائیں۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے غلہ بنیامیں کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں جائے گا تو غلہ نہیں ملے گا۔ اس لیے اسے ضرور ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں دوبارہ بھی اسی طرح غلہ مل سکے، جس طرح اس دفعہ ملا ہے۔ اور اس طرح کا اندیشہ نہ کریں جو یوسف علیہ السلام کو بھیجتے ہوئے کیا تھا، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

(۳) یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا، وہ سامنے ہے۔ اب میں تمہارا کس طرح اعتبار کروں؟

(۴) تاہم چونکہ غلے کی ضرورت شدید تھی، اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامیں کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

(۵) یعنی بادشاہ کے اس حسن سلوک کے بعد کہ اس نے ہماری خاطر تواضع بھی خوب کی اور ہماری پونجی بھی واپس کر دی، اور ہمیں کیا چاہیے؟

واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو رسلا دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کاغذہ زیادہ لائیں گے۔^(۱) یہ ناپ تو بہت آسان ہے۔^(۲) (۲۵)

یعقوب (علیہ السلام) نے کہا! میں تو اسے ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پنچاڑو گے، سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔^(۳) جب انہوں نے پاک قول قرار دے دیا تو انہوں نے

کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔ (۲۶) اور (یعقوب علیہ السلام) نے کہا اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ کئی جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا۔^(۴) میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی

آہنَّا وَخَفَظَ أَخَنَا وَنَزَدَ ذِكْرَ كَيْلَ يَسِيرٌ^(۵)

قَالَ لَنْ أَرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونَ مُوْثَقَاتِنَ إِنَّهُ
لَتَأْتِنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْقِفَهُ قَالَ
اللَّهُ عَلَىٰ مَا تَفْعَلُ وَكَيْلٌ^(۶)

وَقَالَ يَسِيرٌ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابِ وَاجِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ
آبَوَابِ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أَعْنَى عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ
إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوْكِيدٌ وَعَلَيْهِ فَلَيَسْتَوْكِلٌ

(۱) کیونکہ فی کس ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا، غلد دیا جاتا تھا، بنیامین کی وجہ سے ایک اونٹ کے بوجھ بھر غلدہ مزید ملتا۔
(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے ایک بار شتر غلدہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، آسان ہے۔ دوسرے مطلب یہ ہے کہ ڈلک کا اشارہ اس غلدے کی طرف ہے جو ساتھ لائے تھے اور یسیز بمعنی قلینل ہے۔ یعنی جو غلدہ ہم ساتھ لائے ہیں، قلیل ہے، بنیامین کے ساتھ جانے سے ہمیں کچھ غلدہ اور مل جائے گا تو اچھی ہی بات ہے، ہماری ضرورت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہو سکے گی۔

(۳) یعنی تمہیں اجتماعی مصیبت پیش آجائے یا تم سب بلاک یا گرفتار ہو جاؤ، جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو، تو اور بات ہے، اس صورت میں تم معدور ہو گے۔

(۴) جب بنیامین سمیت گیارہ بھائی مصروف جانے لگے، تو یہ ہدایت دی، کیونکہ ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے، جو قدو قامت اور شکل و صورت میں بھی ممتاز ہوں، جب اکٹھے ایک ہی جگہ یا ایک ساتھ کمیں سے گزریں تو عموماً انہیں لوگ تعجب یا حد کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی چیز نظر لگنے کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ انہیں نظر بد سے بچانے کے لیے بطور تدبیریہ حکم دیا۔ ”نظر کا لگ جانا حق ہے۔“ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً العین حَقٌ ”نظر کا لگ جانا حق ہے۔“ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب العین حق۔ وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی، اور آپ ﷺ نے نظر بد سے بچنے کے لیے دعا یہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے ہیں۔ مثلاً فرمایا کہ

اللَّهُوَكُونَ ④

چیز کو تم سے مال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔^(۱) میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔^(۲۷)

جب وہ انہی راستوں سے جن کا حکم ان کے والد نے انہیں دیا تھا، گئے۔ کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جوبات مقرر کر دی ہے وہ اس سے انہیں ذرا بھی بچا لے۔ مگر یعقوب (علیہ السلام) کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) جسے اس نے پورا کر لیا،^(۲۸) بلاشبہ وہ ہمارے سکھائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۲۹)

یہ سب جب یوسف کے پاس پہنچ گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں، پس یہ جو کچھ کرتے رہے اس کا کچھ رنج نہ کر۔^(۳۰)

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمْرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُعْنِي
عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسٍ يَعْوَبُ
فَضَهَأْرَاهُ لَذُوذِ عِلْمٍ لِمَا عَلِمَنَهُ وَلِكَنَ الْأَثْرُ
الثَّالِثُ لَا يَعْلَمُونَ^{۳۱}

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوْى إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا
أَخُوكَ فَلَمَّا تَبَثَّسَ بِهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^{۳۲}

جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو «بَارَكَ اللَّهُ كُم»۔ (موطاً إمام مالك، باب الوضوء من العين۔ تعلیقات مشکوٰۃ الہباني۔ نمبر ۲۸۶) جس کی نظر لگے، اس کو کما جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا یہ پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو، (حوالہ مذکور) اسی طرح «مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ لِإِلَّا بِاللَّهِ» پڑھنا قرآن سے ثابت ہے، (سورہ کف - ۳۹) «قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْقَلْقَنِ» اور «قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الثَّالِثِ» نظر کے لیے بطور دم پڑھنا چاہیے۔ (جامع ترمذی ابوبالطب، باب ماجاء فی الرقيقة بالمعوذتين)

(۱) یعنی یہ تکید بطور ظاہری اسباب، احتیاط اور تدبیر کے ہے جسے اختیار کرنے کا انسانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ تاہم اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضائیں تبدیلی نہیں آسکتی۔ ہو گاوہ ہی، جو اس کی قضاۓ مطابق اس کا حکم ہو گا۔

(۲) یعنی اس تدبیر سے اللہ کی تقدیر کو ٹھلا نہیں جاسکتا تھا۔ تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام کے جی میں جو (نظر یہ لگ جانے کا) اندریشہ تھا، اس کے پیش نظر انہوں نے ایسا کہا۔

(۳) یعنی یہ تدبیر وحی الہی کی روشنی میں تھی اور یہ عقیدہ بھی کہ حذر (احتیاطی تدبیر) قدر کو نہیں بدل سکتی، اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علم پر مبنی تھا، جس سے اکثر لوگ بے بسرہ ہیں۔

(۴) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھرا دیا گیا۔ یوں بنیامین جب اکیلے رہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں تھا اگل ایک کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں ان سے باہمیں کہیں بچھلی باہمیں ہتلہ کر کہا کہ ان بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، اس پر رنج نہ کرو اور بعض کہتے ہیں کہ بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کرنا تھا، اس سے بھی انہیں آگاہ کرو یا تھا مگر وہ پریشان نہ ہوں۔ (ابن کثیر)

پھر جب انہیں ان کا سامان اس باب ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی کے اس باب میں پانی پینے کا پالہ^(۱) رکھ دیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! تم لوگ تو چور ہو۔^(۲) ^(۳) ^(۴)

انہوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمہاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟^(۵) ^(۶)

جواب دیا کہ شاہی پیانہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کاغذ ملے گا۔ اس وعدے کا میں شامن ہوں۔^(۷) ^(۸)

انہوں نے کما اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں۔^(۹) ^(۱۰)

انہوں نے کہا اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہو؟^(۱۱) ^(۱۲)

فَلَمَّا جَهَزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْمَلِ
أَجْبَاهُ شَرَادَنَ مُؤَذَنٌ أَتَتْهَا الْعَبْرَانُكُلُّ سَرِقُونَ^(۱)

قَالُوا وَآقِبُوا عَلَيْهِمْ مَا ذَانُقِدُونَ^(۲)

قَالُوا نَفِقْدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلَمَّا جَاءَهُ جَمْلٌ
بَعْلِيرٌ وَأَنَابِهِ زَعِيمٌ^(۳)

قَالُوا تَالَّهُ لَقَدْ عَلِمْنَا مَا جَعَلَنَا لَنْفِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا
كُنَّا سَرِقِينَ^(۴)

قَالُوا فَمَا جَرَأَ فَهُنَّ كُنُتُمْ كُنْدِينَ^(۵)

(۱) مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ سقاۓ (پانی پینے کا برتن) سونے یا چاندی کا تھا، پانی پینے کے علاوہ غلہ ناپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا۔ اے چپکے سے بینا میں کے سامان میں رکھ دیا گیا۔

(۲) الیبر اصلًا ان اونٹوں، گدھوں یا چھر کو کہا جاتا ہے جن پر غلہ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔ یہاں مراد اصحاب العیر یعنی قافلے والے ہیں۔

(۳) چوری کی یہ نسبت اپنی جگہ صحیح تھی کیونکہ منادی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سوچے سمجھے منصوبے سے آگہ نہیں تھا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا حال تو چوروں کا سا ہے کہ بادشاہ کا پالہ، بادشاہ کی رضا مندی کے بغیر تمہارے سامان کے اندر ہے۔

(۴) یعنی میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تفتیش سے قبل ہی جو شخص یہ جام شاہی ہمارے حوالے کر دے گا تو اسے انعام یا اجرت کے طور پر اتنا غلہ دیا جائے گا جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

(۵) برادران یوسف علیہ السلام چونکہ اس منصوبے سے بے خرستے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے تیار کیا تھا، اس لیے قسم کھا کر انہوں نے اپنے چور ہونے کی اور زمین میں فساد بپا کرنے کی نفی کی۔

(۶) یعنی اگر تمہارے سامان میں وہ شاہی پالہ مل گیا تو پھر اس کی کیا سزا ہو گی؟

جواب دیا کہ اس کی سزا یکی ہے کہ جس کے اسباب میں سے پایا جائے وہی اس کا بد لہ ہے۔^(۱) ہم تو ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔^(۲) ^(۳) ^(۴)

پس یوسف نے ان کے سامان کی تلاش شروع کی، اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، پھر اس پیمانہ کو اپنے بھائی کے سامان (زنگیل) سے نکلا۔^(۵) ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔^(۶) اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کونہ لے سکتا تھا^(۷) مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں،^(۸) ہر ذی علم پر فویت رکھنے والا و سرازی علم موجود ہے۔^(۹) ^(۱۰)

انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔^(۱۱)

قَالُوا جَزَاؤهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَازِأٌ هَذِهِكَذِلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ^(۱۲)

فَبَدَأَ إِلَيْهِمْ قَبْلَ وَعَاءَ أَخْبِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجُهَا مِنْ وَعَاءَ أَخْبِيهِ كَذِلِكَ كَذِلِكَ نَالِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَا خُذْ أَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ تَرْفَعُ دَرَجَتَ مَنْ نَشَاءَ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْهِ ^(۱۳)

قَالُوا إِنْ يَسِيقُ فَقَدْ سَرَقَ أَخُوهُهُ مِنْ قَبْلٍ فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَدِّلْهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرِيكَانَا

(۱) یعنی چور کو کچھ عرصے کے لیے اس شخص کے پرد کر دیا جاتا تھا۔ جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں سزا تھی، جس کے مطابق یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سزا تجویز کی۔

(۲) یہ قول بھی برادران یوسف علیہ السلام ہی کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کے مصاہبین کا قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم بھی ظالموں کو ایسی ہی سزادیتے ہیں۔ لیکن آیت کا اگلا تکڑا کہ ”بادشاہ کے دین میں وہ اپنے بھائی کو کپڑنے سکتے تھے“ اس قول کی نفی کرتا ہے۔

(۳) پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی میں، آخر میں بنی امیں کا سامان دیکھا تاکہ انہیں شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

(۴) یعنی ہم نے وحی کے ذریعے سے یوسف علیہ السلام کو یہ تدبیر سمجھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیله اور کید کی ہو، جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔ (فتح القدر)

(۵) یعنی بادشاہ کام مریم جو قانون اور دستور راجح تھا، اس کی رو سے بنی امیں کو اس طرح روکنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اہل قائلہ سے ہی پوچھا کہ بتاؤ! اس جرم کی کیا سزا ہو؟

(۶) جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی عنایات اور مریانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا۔

(۷) یعنی ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے اس لیے کوئی صاحب علم اس دھوکے میں بٹلانے ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

(۸) یہ انہوں نے اپنی پاکیزگی و شرافت کے اظہار کے لیے کہا۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنی امیں، ان کے سے

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصْنَعُونَ^(۱)

یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہرنہ کیا۔ کما کہ تم بد ترجمہ میں ہو،^(۱) اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔^(۲) انسوں نے کما کہ اے عزیز مصر!^(۳) اس کے والد بہت بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بد لے ہم میں سے کسی کو لے لجھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں۔^(۴)

یوسف (علیہ السلام) نے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً نا انصافی کرنے والے ہو جائیں گے۔^(۵)

جب یہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔^(۶) ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کما

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَيَّ شَيْخًا كَمِيرًا فَخُذْ
أَحَدَنَا مَكَانَةً إِنَّا نَرَكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ^(۷)

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَأْخُذَ إِلَامِنَ وَجَدَنَ امْتَاعَنَا عِنْدَهُ
إِنَّا لِلظَّالِمِينَ^(۸)

فَلَمَّا اسْتَيْسَوْا مِنْهُ خَلَصُوا نَجَّى، قَالَ كَمِيرُهُمْ

اور حقیقی بھائی نہیں تھے، علاقی بھائی تھے۔ بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام کی چوری کے لیے دور از کارباتیں نقل کی ہیں جو کسی مستند مأخذ پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انسوں نے اپنے کو تو نمایت بالاخلاق اور باکردار باور کرایا اور یوسف علیہ السلام اور بنیامن کو کمزور کردار کا اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے، انہیں چور اور بے ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسوں نے یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کے انتساب میں صریح کذب بیانی کا ارتکاب کیا۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اس لیے کما کہ اس وقت اصل اختیارات حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے پاس تھے، بادشاہ صرف برائے نام ہی فرمائی روائے مصر تھا۔

(۳) باپ تو یقیناً بوڑھے ہی تھے، لیکن یہاں ان کا اصل مقصد بنیامن کو چھڑانا تھا۔ ان کے ذہن میں وہی یوسف علیہ السلام والی بات تھی کہ کہیں ہمیں پھر دوبارہ بنیامن کے بغیر باپ کے پاس نہ جانا پڑے اور باپ ہم سے کہیں کہ تم نے میرے بنیامن کو بھی یوسف علیہ السلام کی طرح کہیں گم کر دیا۔ اس لیے یوسف علیہ السلام کے احسانات کے حوالے سے یہ بات کی کہ شاید وہ یہ احسان بھی کر دیں کہ بنیامن کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیں۔

(۴) یہ جواب اس لیے دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اصل مقصد تو بنیامن ہی کو روکنا تھا۔

(۵) کیونکہ بنیامن کو چھوڑ کر جانا، ان کے لیے نمایت کھن بن مرحلہ تھا، وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ اس

تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ قول قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کوتاہی کر چکے ہو۔ پس میں تو اس سرزین سے نہ ملوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں^(۱) یا اللہ تعالیٰ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔^(۲) (۸۰)

تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کو کہ اب اجی! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہم جانتے تھے۔^(۳) ہم کچھ غیب کی حفاظت کرنے والے نہ تھے۔^(۴) (۸۱)

آپ اس شر کے لوگوں سے دریافت فرمائیں جہاں ہم تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں۔^(۵) (۸۲)

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاهُكُمْ قَدْ أَخْذَ عَلَيْكُمْ مَوْرِثَةَ أَهْلِهِ
إِنَّهُوَ مِنْ قَبْلِ مَا فَرَطْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَمْ يَرْجِعْ
الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي إِنِّي أَوْحَيْتُمُ اللَّهُ لِيٌ وَهُوَ
خَيْرُ الْعَكِيمِينَ ﴿۷﴾

إِرْجِعُونَا إِلَيْنَا كُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ إِنْتَ كَسَرْقَ
وَمَا شَهَدْتَنَا إِلَّا بِمَا عِلْمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ
حَفِظْنِ ﴿۸﴾

وَسَئَلَ الْقَرِيْبَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيْرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا
فِيهَا وَإِنَّ الصَّدِيقَوْنَ ﴿۹﴾

لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟

(۱) اس بڑے بھائی نے اس صورت حال میں باپ کا سامنے کرنے کی اپنے اندر سکت اور ہمت نہیں پائی، تو صاف کہہ دیا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خود والد صاحب تفتیش کر کے میری بے گناہی کا یقین نہ کر لیں اور مجھے آنے کی اجازت نہ دیں۔

(۲) اللہ میرے لیے معاملہ فیصل کر دے۔ کامطلب یہ ہے کہ کسی طرح یوسف علیہ السلام (عزیز مصر) بنیامیں کو چھوڑ دے اور میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت عطا کر دے کہ میں بنیامیں کو تکوار یعنی طاقت کے ذریعے سے چھوڑا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔

(۳) یعنی ہم نے جو عمد کیا تھا کہ ہم بنیامیں کو بہ حفاظت واپس لے آئیں گے، تو یہ ہم نے اپنے علم کے مطابق عمد کیا تھا، بعد میں جو واقعہ پیش آگیا اور جس کی وجہ سے بنیامیں کو ہمیں چھوڑنا پڑا، یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم نے چوری کی جو سزا بیان کی تھی کہ چور کو ہی چوری کے بد لے میں رکھ لیا جائے، تو یہ سزا ہم نے اپنے علم کے مطابق ہی تجویز کی تھی، اس میں کسی قسم کی بدنیتی شامل نہیں تھی۔ لیکن پھر یہ اتفاق کی بات تھی کہ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو سرو قد کٹورا بنیامیں کے سامان سے نکل آیا۔

(۴) یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ہم بے خبر تھے۔

(۵) الْقَرِيْبَةَ سے مراد مصر ہے، جہاں وہ غلمہ لینے گئے تھے، مطلب اہل مصر ہیں۔ اسی طرح وَالْعِيْرَ سے مراد اصحاب العیر یعنی

(یعقوب علیہ السلام نے) کہا یہ تو نہیں، بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنالی،^(۱) پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ قریب^(۲) ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس ہی پہنچا دے۔ وہ ہی علم و حکمت والا ہے۔^(۳) (۸۳)

پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے یوسف!^(۴) ان کی آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی تھیں^(۵) اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے۔^(۶) (۸۴)

بیٹوں نے کہا اللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں۔^(۷) (۸۵) انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں، مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں

قالَ بَنُو سَوْلَتْ لَكُمْ أَنْسُكُمْ أَمْرًا فَصَرِّحَ مِنْهُ^۱
عَنِ اللَّهِ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَيْبًا إِنَّهُ هُوَ
الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ^۲

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَرِي عَلَى يُوسُفَ وَابْيَضْتَ
عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ^۳

قَالُوا تَاللَّهُ تَفْتَوَانَدْ لِيُوسُفَ حَتَّىٰ تَلُونَ حَرَضًا
أَوْ تَلُونَ مِنَ الْهَلِيلِكِينَ^۴
قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَشَّيْ وَحْزَنَ إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ
إِنَّمَا مَا لَا تَعْلَمُونَ^۵

اہل قافلہ ہیں۔ آپ مصر جا کر اہل مصر سے اور اس قافلے والوں سے، جو ہمارے ساتھ آیا ہے، پوچھ لیں کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں، وہ حق ہے، اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام چونکہ حقیقت حال سے بے خرچے اور اللہ تعالیٰ نے بھی وہی کے ذریعے سے انہیں حقیقت واقعہ سے آگاہ نہیں فرمایا۔ اس لیے وہ یہی سمجھے کہ میرے ان بیٹوں نے جس طرح اس سے قبل یوسف علیہ السلام کے معاملے میں اپنی طرف سے بات گھڑ کر بیان کی تھی، اب پھر اسی طرح انہوں نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے۔ بنیامین کے ساتھ انہوں نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس کا یقینی علم تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس نہیں تھا، تاہم یوسف علیہ السلام کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے ان کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں بجا طور پر شکوک و شہمات تھے۔

(۲) اب پھر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم صبر کے ساتھ امید کا دامن بھی نہیں چھوڑا، جمیعتاً سے مراد یوسف علیہ السلام، بنیامین اور وہ بڑا بیٹا ہے جو مارے شرم کے وہیں مصر میں رک گیا تھا کہ یا تو والد صاحب مجھے اسی طرح آنے کی اجازت دے دیں یا پھر میں کسی طریقے سے بنیامین کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

(۳) یعنی اس تازہ صدے نے یوسف علیہ السلام کی جدائی کے قدیم صدے کو بھی تازہ کر دیا۔

(۴) یعنی آنکھوں کی سیاہی، مارے غم کے سفیدی میں بدل گئی تھی۔

(۵) حَرَضُ، اس جسمانی عارضے یا ضعف عقل کو کہتے ہیں جو بڑھا پے، عشق یا پے درپے صدمات کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتا ہے، یوسف علیہ السلام کے ذکر سے بھائیوں کی آتش حسد پھر بڑک اٹھی، اور اپنے باپ کو یہ کہا۔

معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔^(۱) (۸۶)

میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو^(۲) اور اللہ کی رحمت سے نامید نہ ہو۔ یقیناً رب کی رحمت سے نامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔^(۳) (۸۷)

پھر جب یہ لوگ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے^(۴) تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔^(۵) ہم حقیر پوچھی لائے ہیں پس آپ ہمیں پورے غلہ کا ناپ دیجئے^(۶) اور ہم پر خیرات کیجئے،^(۷) اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدله دیتا ہے۔ (۸۸)

یوسف نے کہا جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟^(۸) (۸۹)

يَعْلَمُ إِذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخْيَهُ وَلَا تَأْتِنُوهُ
مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِشُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْكُفَّارُونَ ۝

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا إِنَّهَا الْعِزِّةُ مَسْنَانَا وَاهْدِنَا
الظَّرُورَ وَجِئْنَا بِضَاعَةً مُّرْجِحَةً فَأَوْفِنَا لَنَا الْكِيلَ
وَتَصَدَّقَ عَلَيْنَا دَلَانٌ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ الْمُتَصَدِّقِينَ ۝

قَالَ هَلْ عِلْمَنِّمَا أَعْلَمُمْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ
إِذَا نَوْمُ جَهْلُونَ ۝

(۱) اس سے مراد یا تودہ خواب ہے جس کی بابت انہیں یقین تھا کہ اس کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور وہ یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں گے یا ان کا یہ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ موجود ہیں، اور اس سے زندگی میں ضرور ملاقات ہوگی۔

(۲) چنانچہ اسی یقین سے سرشار ہو کر انہوں نے اپنے بیٹوں کو یہ حکم دیا۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَنْ يَقْنَطْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾ (الحجر: ۵۱) ”گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے نامید ہوتے ہیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو سخت سے سخت حالات میں بھی صبر و رضا کا اور اللہ کی رحمت و امداد کی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

(۴) یعنی غلہ لینے کے لیے ہم جو شن (قیمت) لے کر آئے ہیں، وہ نمایت قلیل اور حقیر ہے۔

(۵) یعنی ہماری حقیر پوچھی کونہ دیکھیں، ہمیں اس کے بد لے میں پورا ناپ دیں۔

(۶) یعنی ہماری حقیر پوچھی قبول کر کے ہم پر احسان اور خیرات کریں۔ اور بعض مفرین نے اس کے معنی کے ہیں کہ ہمارے بھائی بنپا میں کو آزاد کر کے ہم پر احسان فرمائیں۔

(۷) جب انہوں نے نمایت عاجزی کے انداز میں صدقہ و خیرات یا بھائی کی رہائی کی اپیل کی تو ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے، ضعف اور بیٹھی کی جدائی کے صدے کا بھی ذکر کیا، جس سے یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا، آنکھیں نمناک ہو گئیں اور انکشاف حال پر مجبور ہو گئے۔ تاہم بھائیوں کی زیادتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اخلاق کریمانہ کا بھی اظہار فرمادیا کہ یہ کام تم نے ایسی حالت میں کیا جب تم جاہل اور نادان تھے۔

انہوں نے کہا کیا۔ (واقعی) تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے۔^(۱) جواب دیا کہ ہاں میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکو کار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔^(۲) (۹۰)

انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل حق ہے کہ ہم خطا کار تھے۔^(۳) (۹۱)

جواب دیا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔^(۴) اللہ تمہیں بخشنے وہ سب مریانوں سے برا مہربان ہے۔^(۵) (۹۲)

میرا یہ کرتا تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں،^(۶) اور آجائیں اور اپنے تمام

قالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا آتِيَنِي
قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا مِنْ تَحْقِيقٍ وَبَصِيرَةٌ قَاتَ اللَّهُ
لَا يُضِيمُهُ أَجْرُ الْمُحْسِنِينَ ④

قَالُوا إِنَّهُ لَقَدْ أَشْرَكَ اللَّهَ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا
لَخَطِيلِينَ ⑤

قَالَ لَا تَرْجِعِنِي عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لِكُمْ وَهُوَ
أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ⑥

إِذْهَبُوا إِقْبَابِيَّ هَذَا فَالْقُوَّةُ عَلَى وَجْهِهِ إِنْ يَأْتِ
بَصِيرَةٌ وَأَنْوَنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ⑦

(۱) بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف علیہ السلام کا تذکرہ سنा، جسے انہوں نے بچپن میں کنغان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا، تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کام بادشاہ، یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف علیہ السلام کے قھے کا سے کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟

(۲) سوال کے جواب میں اقرار و اعتراف کے ساتھ، اللہ کے احسان کا ذکر اور صبر و تقویٰ کے نتائج حسنہ بھی بیان کر کے بتلا دیا کہ تم نے تو مجھے ہلاک کرنے میں کوئی واقعیت فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی، بلکہ مصر کی فرمادی روائی بھی عطا فرمادی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

(۳) بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتایی کا اعتراف کر لیا۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی پیغمبرانہ غفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے فرمادیا کہ جو ہوا، سو ہوا۔ آج تمہیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ کے ان کفار اور سردار ان قریش کو، جو آپ کے خون کے پیاس سے تھے اور آپ کو طرح کی ایذا میں پہنچائی تھیں، یہی الفاظ ارشاد فرمادیا کرائیں معاف فرمادیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) قیص کے چہرے پر پڑنے سے آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا، ایک اعجاز اور کرامت کے طور پر تھا۔

خاندان کو میرے پاس لے آو۔^(۱) (۹۳)

جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کماکہ مجھے تو
یوسف کی خوبیوں کی تعریف کیا ہے اگر تم مجھے شہیا ہوا قرار نہ
دو۔^(۲) (۹۳)

وہ کہنے لگے کہ اللہ آپ اپنے اسی پرانے خط^(۳) میں
بیٹا ہیں۔ (۹۵)

جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ
کرتا ڈالا اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے۔^(۴) کہا! کیا میں تم
سے نہ کما کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باشیں جانتا
ہوں جو تم نہیں جانتے۔^(۵) (۹۶)

انہوں نے کہا اباجی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش
طلب کیجئے بیٹک ہم قصوروار ہیں۔ (۹۷)

کما اچھا میں جلد ہی تمہارے لیے اپنے پرو رگار سے
بخشن ماگنوں گا،^(۶) وہ بست برابر بخشش والا اور نمایت مریانی

وَلَمَّا فَصَلَّتِ الْعِرْقَاقَ أَبْوُهُمْ إِذِ الْجُدُرُ يَرْجُحُونَ
يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تَفَنِّدُونَ^(۷)

قَالُوا إِنَّا لَنَا إِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ كَمَا قَدْرُكَ

فَلَمَّا آتَاهُنَّا جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْفَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَأَرْتَدَ بَصِيرَاهُ
قَالَ أَلَمْ أَقْلِلْ لَكُمْ إِذِنَّا عَلَمُوْمِنَ اللَّهُ مَا لَا يَعْلَمُونَ^(۸)

قَالُوا يَا أَبَانَا أَسْتَغْفِرُ لَنَا دُونَ بَنَانَا كُلُّا خَطِيْبِينَ^(۹)

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لِكُمْ زِيْنَةُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ^(۱۰)

(۱) یہ یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصرا نے کی دعوت دی۔

(۲) اوہریہ قیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اور ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعجاز کے طور پر
حضرت یوسف علیہ السلام کی خوبیوں کی تعریف کی گئی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی، جب تک اللہ تعالیٰ
کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے، پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، چاہے بیٹا اپنے شر کے کسی کنوں ہی میں کیوں نہ ہو؟ اور جب اللہ
انظام فرمادے تو پھر مصر جیسے دور دراز کے علاقے سے بھی بیٹے کی خوبیوں کی خوبی آ جاتی ہے۔

(۳) ضَلَالٌ سے مراد، دامنه محبت کی وہ دار قیلی ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے
ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے، ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی یعنی یوسف علیہ السلام کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ
گزر جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کی محبت دل سے نہیں گئی۔

(۴) یعنی جب وہ خوش خبری دینے والا آگیا اور آگر وہ قیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چرے پر ڈال دی تو اس سے
محجرانہ طور پر ان کی بینائی بحال ہو گئی۔

(۵) کیونکہ میرے پاس ایک ذریعہ علم وحی بھی ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے سے اللہ
تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو حالات سے حسب مشیت و مصلحت آگاہ کرتا رہتا ہے۔

(۶) فی الغور مغفرت کی دعا کرنے کے بعد دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، مقصود یہ تھا کہ رات کے پچھلے پر میں، جو اللہ کے

کرنے والا ہے۔^(۹۸)

جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی^(۹۹) اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن و امان کے ساتھ مصر میں آؤ۔^(۱۰۰)

اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ^(۱۰۱) کو اونچا بٹھایا اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔^(۱۰۲) تب کہا کہ اب اجی! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے^(۱۰۳) میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکلا^(۱۰۴) اور آپ لوگوں کو صحراء سے آیا^(۱۰۵) اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ يُوسُفَ أَوَى إِلَيْهِ أَبُوهُهُ وَقَالَ ادْخُلُوا
وَرَفِعَ أَبُوهُهُ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ
يَا أَبَتْ هَذَا أَتَأْتُكُمْ بِدِيَّتِي مِنْ قَبْلٍ قَدْ جَعَلْتَهَا رِبًّي
حَطَّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِنِي إِذَا أَخْرَجْتَنِي مِنَ السَّجْنِ وَجَاءَ
يُكَوِّنُ مِنَ الْبَدْءِ وَمِنْ بَعْدِ أَنْ تَزَعَّمَ الشَّيْطَنُ بِيَنِي
وَبَيْنَ إِحْرَاقِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ

خاص بندوں کا اللہ کی عبادت کرنے کا خاص وقت ہوتا ہے، اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ دوسری بات یہ کہ بھائیوں کی زیادتی یوسف علیہ السلام پر تھی۔ ان سے مشورہ لینا ضروری تھا۔ اس لئے انہوں نے تاخیر کی اور فوراً مغفرت کی دعائیں کی۔

(۱) یعنی عزت و احترام کے ساتھ انہیں اپنے پاس جگہ دی اور ان کا خوب اکرام کیا۔

(۲) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سوتیلی ماں اور سگی غالہ تھیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کی حقیقی ماں بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہو گئی تھیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی وفات کے بعد اس کی ہمیشہ سے نکاح کر لیا تھا۔ یہی غالہ اب حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر گئی تھیں (فتح القدر) لیکن امام ابن جریر طبری نے اس کے بر عکس یہ کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ فوت نہیں ہوئی تھیں اور وہی حقیقی والدہ ساتھ تھیں۔ (ابن کثیر)

(۳) بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ادب و تعظیم کے طور پر یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔ لیکن ﴿ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ﴾ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ زمین پر یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ یعنی یہ سجدہ، سجدہ ہی کے معنی میں ہے۔ تاہم یہ سجدہ تعظیمی ہے سجدہ عبادت نہیں اور سجدہ تعظیمی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ اسلام میں شرک کے سدباب کے لیے سجدہ تعظیمی کو بھی حرام کر دیا گیا ہے اور اب سجدہ تعظیمی بھی کسی کے لیے جائز نہیں۔

(۴) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا۔ اتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شاہی پر بٹھایا اور والدین سمیت تمام بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا۔

(۵) اللہ کے احسانات میں کوئی سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ اخلاق نبوی ہے۔

(۶) مصر جیسے متمدن علاقے کے مقابلے میں کنعان کی حیثیت ایک صحرائی تھی، اس لیے اسے بَذُوَّسے تعبیر کیا۔

الْعَلِيُّ الْحَكِيمُ

مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔^(۱) میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت علم و حکمت والا ہے۔^(۲)

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا^(۲) اور تو
نے مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی۔^(۳) اے آسمان و زمین
کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی
(دost) اور کارساز ہے، تو مجھے اسلام کی حالت میں
فوت کر اور نیکوں میں ملاوے۔^(۴)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے۔^(۵) (۱۰۲)

رَبِّ قَدَّاسَتِنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَمْتِنِي مِنْ تَأْوِيلِ
الْأَحَادِيثِ فَأَطْرَالَتِنِي وَالْأَرْضُ أَنْتَ وَلِي فِي الدِّينِ
وَالْآخِرَةِ تَوْفِيقِنِي مُسْلِمًا وَالْجَعْنَى يَا الصَّلِحِينَ ⑩

ذلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوَجِّهُ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ
لَدَيْهِمْ لَا جَمِيعُهُمْ أَمْرُهُمْ وَهُمْ يَمْرُونَ ١٠

(۱) یہ بھی اخلاق کریمانہ کا ایک نمونہ ہے کہ بھائیوں کو ذرا موردا الزام نہیں ٹھہرایا اور شیطان کو اس کارستانی کا باعث قرار دیا۔

(۲) یعنی ملک مصر کی فرماز و ای عطا فرمائی، جیسا کہ تفصیل گزری۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، جن پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا اور خاص یاتوں کا علم انہیں عطا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس علم نبوت کی روشنی میں پیغمبر خوابوں کی تعبیر بھی صحیح طور پر کر لیتے تھے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس فن تعبیر میں خصوصی ملکہ حاصل تھا، جیسا کہ قید کے ساتھیوں کے خواب کی اور سات موٹی گائپوں کے خواب کی تعبیر یہ لے گزری۔

(۲۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر جو احسانات کیے، انہیں یاد کر کے اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا تذکرہ کر کے دعا فرمائے ہیں کہ جب مجھے موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے آبا اور اجداد، حضرت ابراہیم و اسحاق ملیما السلام وغیرہ مراد ہیں۔ بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی۔ حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے، آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔

(۵) یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ، جب کہ انہیں کنویں میں پھینک آئے یا مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں یعنی ان کو یہ کہ کر کے یوسف علیہ السلام کو بھیڑا کھا گیا ہے اور یہ اس کی قیص ہے، جو خون میں لٹ پت ہے۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم تھا۔ لیکن یہ نفی مطلق علم کی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو آگاہ فرمادیا۔ یہ نفی مشابہ کی ہے کہ اس

گو آپ لاکھ چاہیں لیکن اکثر لوگ ایمان دار نہ ہوں گے۔^(۱)
^(۱۰۳)

وَمَا أَنْبَرْتُ إِلَيْكُم مِّنْ حَرَثٍ بِمُؤْمِنِينَ ④

آپ ان سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے ہیں۔^(۲) یہ تو تمام دنیا کے لیے نزدیکی نصیحت ہی نصیحت ہے۔^(۳)
^(۱۰۴)

وَمَا أَنْبَرْتُ إِلَيْكُم مِّنْ حَرَثٍ مِّنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ لَذُكْرٌ لِّلْعَالِمِينَ ⑤

آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں۔^(۴)
^(۱۰۵)

وَكَائِنُ مِنْ أَيْقُونَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَهُرُونَ

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ⑥

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔^(۵)
^(۱۰۶)

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ وَهُمْ مُشْرِكُونَ ⑦

وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی آپ کا رابطہ و تعلق نہیں رہا ہے جن سے آپ نے نہ ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو اس واقعہ غیب کی خبر دی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پروجی نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح علم غیب اور مشاہدے کی نفی فرمائی ہے۔ (مثلاً ملاحظہ ہو، سورہ آل عمران ۷، ۳۳۔ القصص ۳۵، ۳۶۔ سورہ ص ۶۹-۷۰)

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پچھلے واقعات سے آگاہ فرمرا ہے ماکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے نجات ابدی کے مستحق بن جائیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے کیونکہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات تو سنتے ہیں لیکن عبرت پذیری کے لیے نہیں، صرف دلچسپی اور لذت کے لئے۔ اس لیے وہ ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

(۲) کہ جس سے ان کو یہ شبہ ہو کہ یہ دعواۓ نبوت تو صرف پیسے جمع کرنے کا بہانہ ہے۔

(۳) ماکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ اب دنیا کے لوگ اگر اس سے آنکھیں پھیرے رکھیں اور اس سے ہدایت حاصل نہ کریں تو لوگوں کا تصور اور ان کی بد قسمتی ہے، قرآن تو فی الواقع اہل دنیا کی ہدایت اور نصیحت ہی کے لیے آیا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

(۴) آسمان و زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک خالق و صانع ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخدا ہے اور ایک مدرس ہے جو ان کا ایسا انظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا ہے اور ان میں کبھی آپس میں نکراو اور تصادم نہیں ہوا ہے۔ لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتے ہیں ان پر غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

(۵) یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ

کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب آجائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ بے خبر ہی ہوں۔ (۱۰۷)

آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے متبوعین اللہ کی طرف بلارہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔^(۱) اور اللہ پاک ہے^(۲) اور میں مشرکوں میں نہیں۔^(۳)

آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول مجھے یہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وہی نازل فرماتے گئے۔^(۳) کیا زمین میں چل پھر کرانہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پر ہیز گاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔ (۱۰۹)

أَوْ تَائِبُهُمْ السَّاعَةُ بَعْدَهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (١٥)

قُلْ هَذِهِ سَيِّئَاتٌ أَدْعُوا إِلَيْنَا اللَّهُ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنْ
تَبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (١٠)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا جَاءَ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ
أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَّ إِلَّا خَرَقَ خَيْرُ الْلَّذِينَ آتَقْوَاهُمْ فَلَا تَعْقِلُونَ ۝

آسمان و زمین کا خالق، 'مالک' را ذوق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھرا لیتے ہیں اور یوں اکثر لوگ مشک ہیں۔ یعنی ہر دوڑ میں لوگ توحیدِ ربویت کے تو قائل رہے ہیں لیکن توحیدِ الوبیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آج کے قبر پر ستون کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفاتِ الوبیت کا حامل سمجھ کر انہیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں اور عبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجا لاتے ہیں۔ **أَعَاذُنَا اللَّهُ مِنْهُ**.

(۱) یعنی یہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے بلکہ ہر پیغمبر کی راہ رہی ہے، اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار پورے یقین اور لاکل شرعی کے ساتھ لوگوں کو بلاتے ہیں۔

(۲) یعنی میں اس کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، مشیل یا وزیر و مشیر یا اولاد اور بیوی ہو۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

(۳) یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ تمام نبی مرد ہی ہوئے ہیں، عورتوں میں سے کسی کو نبوت کا مقام نہیں ملا، اسی طرح ان کا تعلق قریہ سے تھا، جو قبہ دیبات اور شرب کوشالیہ ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل بادیہ (صحرا نشینوں) میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اہل بادیہ نسبتاً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھدرے ہوتے ہیں اور شہری ان کی نسبت زم‘ دھجے اور با اخلاق ہوتے ہیں اور یہ خوبیاں نبوت کے لیے ضروری ہیں۔

یہاں تک کہ جب رسول نامید ہونے لگے^(۱) اور وہ (قوم کے لوگ) خیال کرنے لگے کہ انہیں جھوٹ کہا گیا۔ فوراً ہی ہماری مددان کے پاس آپنی^(۲) جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی۔^(۳) بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گناہ گاروں سے واپس نہیں کیا جاتا۔^(۴)

ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے، یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پسلے کی ہیں، کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے ہر چیز کو اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان دار لوگوں کے لیے۔^(۵)

حَتَّىٰ إِذَا أَسْتَيْسَ الرُّسُلَ وَكَلَّتِ الْأَنْهَمُ قَدْ كُلِّنَ بُوَاجَاءُهُمْ
نَصَرَنَا فَقَتَلُنَا مَنْ نَشَاءَ وَلَا يَرِدُ بِأَسْنَانِعِنَ الْقَوْمِ
الْمُجْرِمِينَ ۝

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِلْأُولَائِ الْأَلْيَابِ مَا كَانَ
حَدَّبِينَ لِيُفْتَرِي وَلَكِنْ تَصْبِيْقَ الْأَذْنِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
تَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدُىٰ وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(۱) یہ ما یوسی اپنی قوم کے ایمان لانے کے سلسلے میں ہوئی۔

(۲) قراءات کے اعتبار سے اس آیت کی کئی مفہوم بیان کئے ہیں لیکن سب سے مناسب مفہوم یہ ہے کہ ظُنُوا کا فاعل قوم یعنی کفار کو قرار دیا جائے یعنی کفار عذاب کی دھمکی پر پسلے توڑے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں ہے، (جیسا کہ پیغمبر کی طرف سے دعویٰ ہو رہا ہے) اور نہ آتا نظر ہی آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں سے بھی یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ کی قوم پر عذاب میں جو تاخیر ہو رہی ہے، اس سے گھبرا نے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی قوموں پر بھی عذاب میں بڑی بڑی تاخیر روا رکھی گئی ہے اور اللہ کی مشیت و حکمت کے مطابق انہیں خوب خوب مملت دی گئی، حتیٰ کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے ما یوس ہو گئے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید انہیں عذاب کا یوں ہی جھوٹ موت کہہ دیا گیا ہے۔

(۳) اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قانون مملت کا بیان ہے، 'جو وہ نافرمانوں کو دیتا ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں وہ اپنے پیغمبروں کی خواہش کے بر عکس بھی زیادہ سے زیادہ مملت عطا کرتا ہے،' جلدی نہیں کرتا، یہاں تک کہ بعض دفعہ پیغمبر کے ماننے والے بھی عذاب سے ما یوس ہو کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ان سے یوں ہی جھوٹ موت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ محض ایسے وسو سے کا پیدا ہو جانا ایمان کی منافی نہیں ہے۔

(۴) یہ نجات پانے والے اہل ایمان ہی ہوتے تھے۔

(۵) یعنی یہ قرآن، جس میں یہ قصہ یوسف علیہ السلام اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، کوئی گھڑا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضروری باتوں کی تفصیل ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت۔

سورة رعد مدنی ہے اور اس میں تین تایس آیات اور
چھ روکوں ہیں۔

شُورَةُ الرَّعْدِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مریان بڑا
رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْمَرْصُدُكَ إِلَيْكَ الْكِتَابُ وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رِبِّكَ الْحَقُّ
وَلَكُنَّ الْكُفَّارُ الظَّالِمُونَ ①

الل م ر- یہ قرآن کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ کی
طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے، سب
حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (۱)

اللدوہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر کھا
ہے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ پھر وہ عرش پر قرار پکڑے
ہوئے ہے (۱) اسی نے سورج اور چاند کو ما تھتی میں لگار کھا
ہے۔ ہر ایک میعاد معین پر گشت کر رہا ہے، (۲) وہی کام کی

أَنَّهُ اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوُهُنَا مُمْسَطَّوِينَ عَلَى
الْعَرَشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلُّ شَجَرٍ لِكَلِيلٍ مُسَمَّىٰ
يُدْبِرُ الْأَمْرُ فَقَدْ أَلْيَتِ لَعْلَكُمْ يَلْقَاءُ رَبَّكُمْ تُوقَنُونَ ②

(۱) استوا علی العرش کا مفہوم اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا ہے۔ محمد شین کا
یہی مسلک ہے وہ اس کی تاویل نہیں کرتے، جیسے بعض دوسرے گروہ اس میں اور دیگر صفات الہی میں تاویل کرتے ہیں۔
تاہم محمد شین کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت نہ بیان کی جاسکتی ہے اور نہ اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ لیس
﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری : ۱۱)

(۲) اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک وقت مقرر تک یعنی قیامت تک اللہ کے حکم سے چلتے رہیں گے، جیسا کہ فرمایا
﴿وَالثَّمَسُ بَغْرِي لِتُسْتَعِرَ لَهَا ذَلِكَ شَدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيِّ﴾ (یس- ۲۸) ”اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چل رہا
ہے۔“ دوسرے معنی یہ ہیں کہ چاند اور سورج دونوں اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، سورج اپنا
دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں کامل کر لیتا ہے۔ جس طرح فرمایا ﴿وَالثَّمَسُ قَدَّارُهُ مَنَازِلَ﴾ (یس- ۳۹) ”ہم نے
چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔“ سات بڑے بڑے سیارے ہیں جن میں سے دو چاند اور سورج ہیں۔ یہاں صرف ان دو
کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہی دو سب سے زیادہ بڑے اور اہم ہیں۔ جب یہ دونوں بھی اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو دوسرے
سیارے تو بطریق اولیٰ اس کے تابع ہوں گے۔ اور جب یہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو یہ معبد نہیں ہو سکتے، معبد تو وہی ہے
جس نے ان کو مسخر کیا ہوا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿لَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمَسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَلَا يَسْجُدُونَ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنَّ الْكُفَّارَ إِنَّهُمْ لَا يَعْدُونَ﴾
(حم السجدۃ - ۳۷) ”سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا،
اگر تم صرف اس کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔“ ﴿وَالثَّمَسُ وَالْقَمَرُ وَالثَّجْوِمُ مَسْخَرَتُ أَمْرٌ﴾ (الأعراف- ۵۳) ”سورج
چاند اور تارے، سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔“

تدبیر کرتا ہے وہ اپنے نشانات کھول کر بیان کر رہا ہے
کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔ (۲)

اسی نے زمین پھیلا کر بچھا دی ہے اور اس میں پہاڑ اور
نہریں پیدا کر دی ہیں۔^(۱) اور اس میں ہر قسم کے پھلوں
کے جوڑے دو ہرے دو ہرے پیدا کر دیے ہیں،^(۲) وہ
رات کو دن سے چھاپ دیتا ہے۔ یقیناً غور و فکر کرنے والوں
کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔^(۳)

اور زمین میں مختلف نکڑے ایک دوسرے سے لگتے
لگتے ہیں^(۴) اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیت
ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، شاخ دار اور بعض
ایسے ہیں^(۵) جو بے شاخ ہیں سب ایک ہی پانی پلائے
جاتے ہیں۔ پھر بھی ہم ایک کو ایک پر پھلوں میں برتری
دیتے ہیں^(۶) اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی
نشانیاں ہیں۔^(۷)

وَهُوَ الَّذِي مَدَ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَابِيَّاً وَأَنْهَارًا وَمِنْ
كُلِّ الْمَرْتَبٍ جَعَلَ فِيهَا رَوَابِيَّاً وَمِنْ أَنْبِيَاءِ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِلْقَوْمِ يَقْتَلُونَ ⑥

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّبَغَّرٌ وَجَعَلَ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرَّ عَوْنَاحٍ
صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُمْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَلُقِيمٍ بَعْضَهَا
عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكْلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِلْقَوْمِ يَقْتَلُونَ ⑦

(۱) زمین کے طول و عرض کا اندازہ بھی عام لوگوں کے لیے مشکل ہے اور بلند و بالا پہاڑوں کے ذریعے سے زمین میں گوا
میخیں گاڑی ہیں، 'نہروں'، 'درباؤں' اور چشمتوں کا ایسا سلسلہ قائم کیا کہ جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتے ہیں اور اپنے
کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا ہوتے ہیں، جن کی شکلیں بھی ایک
دوسرے سے مختلف اور ذاتے بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔

(۲) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ زراور مادہ دونوں بنائے۔ جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔
دوسرा مطلب (جوڑے جوڑے کا) یہ ہے کہ میٹھا اور کھٹا، سرد اور گرم، سیاہ اور سفید اور ذاتہ دار و بد ذاتہ، اس طرح
ایک دوسرے سے مختلف اور متفاہ فسیں پیدا کیں۔

(۳) مُتَجَوِّرٌ۔ ایک دوسرے کے قریب اور متصل یعنی زمین کا ایک حصہ شاداب اور زرخیز ہے۔ خوب پیدا اوار دیتا ہے۔
اس کے ساتھ ہی زمین شور ہے، جس میں کسی قسم کی بھی پیداوار نہیں ہوتی۔

(۴) صِنْوَانٌ کے ایک معنی طے ہوئے اور غَيْرُ صِنْوَانٍ کے جدا جدا کیے گئے ہیں۔ دوسرامعنی 'صِنْوَانٌ' ایک درخت، جس کی
کئی شاخیں اور تنتے ہوں، جیسے انار، انجر، اور بعض کھجوریں۔ اور غَيْرُ صِنْوَانٍ جو اس طرح نہ ہو بلکہ ایک ہی تتنے والا ہو۔

(۵) یعنی زمین بھی ایک 'پانی' ہوا بھی ایک۔ لیکن پھل اور غلہ مختلف قسم کے اور ان کے ذاتے اور شکلیں بھی ایک
دوسرے سے مختلف۔

اگر تجھے تجھ ہو تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نتی پیدائش میں ہوں گے؟^(۱) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پور و دگار سے کفر کیا۔ یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور یہی ہیں جو جنم کے رہنے والے ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔^(۵)

اور جو تجھ سے (سزا کی طلبی میں) جلدی کر رہے ہیں راحت سے پہلے ہی، یقیناً ان سے پہلے سزا میں (اطور مثال) گزر چکی ہیں،^(۲) اور بیشک تیر ارب البتہ بخشنے والا ہے لوگوں کے بے جا ظلم پر بھی۔^(۳) اور یہ بھی یقین بات ہے کہ تیر ارب بڑی سخت سزادی نے والا بھی ہے۔^(۴)

وَإِنْ تَعْجَبْ فَفَعَجْبْ قَوْلُهُمْ إِذَا لَكَنَّا شَرِّاً مَعْنَى لَفْنِ خَلْقٍ
جَدِيدٍ هُوَ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذْ تَهْمَهُ وَأُولَئِكَ الْأَفْلَقُ فِيَّ
أَعْنَانِهِمْ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ التَّلَارِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ۝

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالثِّيمَةِ قَبْلِ الْحُسْنَةِ وَقَدْ حَلَتْ مِنْ
بَيْلِهِمُ الْمُثْلُثُ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلْمُتَابِسِ عَلَى
ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

(۱) یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کیا، اس کے لئے دوبارہ اس چیز کا بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ لیکن کفار یہ عجیب بات کہتے ہیں کہ دوبارہ ہم کیسے پیدا کیے جائیں گے؟

(۲) یعنی عذاب الہی سے قوموں اور بستیوں کی تباہی کی کمی مثاہیں پہلے گزر چکی ہیں، اس کے باوجود یہ عذاب جلدی مانگتے ہیں؟ یہ کفار کے جواب میں کہا گیا جو کہتے تھے کہ اے پیغمبر! اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ، جس سے تو ہمیں ڈراما رہتا ہے۔

(۳) یعنی لوگوں کے ظلم و معصیت کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنی تاخیر کرتا ہے کہ معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس کے حلم و کرم اور عفو و درگزرا کا نتیجہ ہے ورنہ اگر وہ فوراً موئاخذہ کرنے اور عذاب دینے پر آجائے تو روئے زمین پر کوئی انسان ہی باقی نہ رہے۔ ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسُ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكُوا
عَلَىٰ قَلْفُرَهَا مِنْ ذَآبَةٍ﴾ (سورہ فاطر: ۵۵) اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دار و گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک تنفس کونہ چھوڑتا۔

(۴) یہ اللہ کی دوسری صفت کا بیان ہے تاکہ انسان صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ رکھے، اس کے دوسرے پہلو کو بھی دیکھتا رہے۔ کیونکہ ایک ہی رخ اور ایک ہی پہلو کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بہت سی چیزیں او جمل رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں جماں اللہ کی صفت رحمی و غفوری کا بیان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری صفت قماری و جباری کا بیان بھی ملتا ہے، جیسا کہ یہاں بھی ہے تاکہ رجا (امید) اور خوف، دونوں پہلو سامنے رہیں، کیونکہ اگر امید ہی امید سامنے رہے تو انسان معصیت الہی پر دلیر ہو جاتا ہے اور اگر خوف ہی خوف ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہے تو اللہ کی رحمت سے مایوسی ہو جاتی ہے اور دونوں ہی باتیں غلط اور انسان کے لیے تباہ کن ہیں۔ اسی لیے کما جاتا ہے «الإيمانُ

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی (مجہرہ) کیوں نہیں اتاری گئی۔ بات یہ ہے کہ آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں^(۱) اور ہر قوم کے لیے ہادی ہے۔^(۲) ^(۷)

ماہہ اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے^(۳) اور پیٹ کا گھٹنا بڑھنا بھی،^(۴) ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے۔^(۵) ^(۸)

ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے (سب سے) بڑا اور (سب سے) بلند و بالا۔^(۹)

وَيَقُولُ الْكُفَّارُ كَهْرَبٌ وَأَنْوَلٌ أَنْزَلَ عَلَيْهِ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ
إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِنٌ مُّرَوٌّ إِلَّا كُلُّ قَوْمٍ هَادٍ^۶

أَللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَنَأْعِيشُ الْأَرْجَامُ
وَمَا تَرَدَّدَ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ كَيْفَدًا^۷

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَيْدُ الْمُتَعَالِ^۸

بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ”ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے“ یعنی دونوں باتوں کے درمیان اعتدال و توازن کا نام ایمان ہے۔ انسان اللہ کے عذاب کے خوف سے بے پرواہ ہو اور نہ اس کی رحمت سے مایوس۔ (اس مضمون کے ملاحظے کے لیے دیکھئے سورۃ الانعام، ۷-۳- سورۃ الاعراف، ۱۶، سورۃ الحجر، ۴۹-۵۰)

(۱) ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات و ضروریات اور اپنی مشیت و مصلحت کے مطابق کچھ نشانیاں اور مجذرات عطا فرمائے۔ لیکن کافر اپنے حسب نشانیاں مجذرات کے طالب ہوتے رہے ہیں۔ جیسے کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ جب ان کی خواہش کے مطابق مجذرہ صادر کر کے نہ دکھایا جاتا تو کہتے کہ اس پر کوئی نشان (مجہرہ) نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر! تیرا کام صرف انذار و تبلیغ ہے۔ وہ تو کرتا رہ۔ کوئی مانے نہ مانے، اس سے تجھے کوئی غرض نہیں، اس لیے کہ ہدایت و دنیا یہ ہمارا کام ہے۔ تیرا کام راستہ دکھانا ہے، اس راستے پر چلا دینا یہ تیرا نہیں، ہمارا کام ہے۔

(۲) یعنی ہر قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہادی ضرور بھیجا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قوموں نے ہدایت کا راستہ اپنایا یا نہیں اپنایا۔ لیکن یہ راستے کی نشاندہی کرنے کے لیے پیغمبر ہر قوم کے اندر ضرور آیا ﴿وَإِنْ مِنْ أَكْثَرِهِ
إِلَّا خَلَقْنَاهُنَّ ذِيَرٍ﴾ (اطر، ۲۲) ”ہرامت میں ایک نذر ضرور آیا ہے۔“

(۳) رحم مادر میں کیا ہے، زر ہے یا ماہہ، خوب صورت ہے یا بد صورت، نیک ہے یا بد، طویل عمر ہے یا قصیر عمر؟ یہ سب باتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(۴) اس سے مراد حمل کی مدت ہے جو عام طور پر تو ۹ میں ہوتی ہے لیکن گھنٹی بڑھتی بھی ہے، کسی وقت یہ مدت ۱۰ میں ہے اور کسی وقت ۷، ۸ میں ہو جاتی ہے، اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

(۵) یعنی کسی کی زندگی کتنی ہے؟ اسے رزق سے کتنا حصہ ملے گا؟ اس کا پورا اندازہ اللہ کو ہے۔

تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کرنا اور باؤ از بلند اسے
کرنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو،
سب اللہ پر برابر ویکساں ہیں۔ (۱۰)

اس کے پھرے دار^(۱) انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو
اللہ کے حکم سے اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ کسی قوم کی
حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ
بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔ ^(۲) اللہ تعالیٰ جب کسی
قوم کی سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور
سوائے اس کے کوئی بھی ان کا کار ساز نہیں۔ (۱۱)

وہ اللہ ہی ہے جو تمہیں بھلی کی چمک ڈرانے اور امید
ولانے کے لیے دکھاتا ہے ^(۳) اور بھاری بادلوں کو پیدا
کرتا ہے۔ (۱۲)

گرج اس کی تسبیح و تعریف کرتی ہے اور فرشتے بھی، اس
کے خوف سے۔ ^(۴) وہی آسمان سے بھلیاں گرتا ہے اور
جس پر چاہتا ہے اس پر ڈالتا ہے ^(۵) کفار اللہ کی بابت لڑ
چکر رہے ہیں اور اللہ سخت قوت والا ہے۔ ^(۶)

سَوَاءٌ مِّنْ مَنْ أَسْرَ القُولَ وَمَنْ جَهَرَ يَهُ
مُشَخِّفٌ بِالْيَلٍ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ①

لَهُ مُعَقِّبٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمَنْ حَلَّهُ يَحْفَظُونَهُ
إِنْ أَمْرًا شَوَّانَ اللَّهُ لَا يَعْدِلُ مَا يَقُولُهُ حَتَّىٰ يُعَذِّرُ وَمَا
يَأْكُلُهُمْ فَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقُوَّمٍ سُوءً فَلَمَّا هُمْ وَمَا لَهُمْ
مِّنْ دُرْبٍ هُمْ مُّؤْلَىٰ ②

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرَقَ حَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَشِّئُ الشَّجَابَ
الْتَّعَالَ ③

وَيَسِّعُ الرَّأْدَ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَكَةُ مِنْ خَيْرِهِ وَبِرْسَلِ
الصَّوَاعقِ مَيْصِبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ
فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمَعَالِ ④

(۱) مُعَقِّباتُ، مُعَقِّبةٌ کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے
کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آجاتے ہیں شام کے جاتے ہیں تو دن کے آجاتے ہیں۔

(۲) اس کی تشریع کے لیے دیکھئے سورہ افال آیت ۵۳ کا حاشیہ۔

(۳) جس سے راہ گیر مسافر ڈرتے ہیں اور گھروں میں مقیم کسان اور کاشت کار اس کی برکت و منفعت کی امید رکھتے ہیں۔
(۴) بھاری بادلوں سے مراد وہ بادل ہیں جن میں بارش کاپانی ہوتا ہے۔

(۵) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے "فَلَنْ ذَنْ شَنِ الْأَبْيَهُ بِحَمْدِهِ" (بینی إسرائیل: ۳۳) "ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے"۔

(۶) یعنی اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے، ہلاک کر دلتا ہے۔

(۷) مِحَالٌ کے معنی قوت، مٹاخذہ اور تدبیر وغیرہ کے کیے گئے ہیں۔ یعنی وہ بڑی قوت والا، نہایت مٹاخذہ کرنے والا اور
تدبیر کرنے والا ہے۔

اسی کو پکارنا حق ہے۔^(۱) جو لوگ اور وہ کو اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں،^(۲) ان منکروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے۔^(۳)^(۱۴)

اللہ ہی کے لیے زمین اور آسمانوں کی سب مخلوق خوشی اور رنا خوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سامنے بھی صبح و شام۔^(۴)^(۱۵)

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْجُودُونَ
لَهُمْ شَفَاعَةٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى الْمَاءِ لَيَبْلُغُ فَاءُ وَسَاهُو
بِبَالِغِهِ وَمَادِعَاتُ الْكُفَّارِ إِلَّا فِي ضَلَالٍ^(۱۶)



وَنَّهَىٰ مُسَمِّدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكُرْهًا
وَظَلَّمُهُمْ بِالْغَدْوِ وَالْأَصَالِ^(۱۷)

(۱) یعنی خوف اور امید کے وقت اسی ایک اللہ کو پکارنا صحیح ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا اور قبول فرماتا ہے یا دعوت، عبادت کے معنی میں ہے یعنی، اسی کی عبادت حق اور صحیح ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کیونکہ کائنات کا خالق، مالک اور مدبر صرف وہی ہے اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

(۲) یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلائے کر پانی سے کہ کہ تو میرے منہ تک آجائے، ظاہر بات ہے کہ پانی جامد چیز ہے، اسے پتہ نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ مشرک، اللہ کے سوا، جن کو پکارتے ہیں، انہیں نہ یہ پتہ ہے کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے۔ اور نہ اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔

(۳) اور بے فائدہ بھی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کو کوئی نفع نہیں ہو گا۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا بیان ہے کہ ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے اور ہر چیز اس کے ماتحت اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہے، چاہے مومنوں کی طرح خوشی سے کرے یا مشرکوں کی طرح ناخوشی سے۔ اور ان کے سامنے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿أَوَلَمْ يَرَ إِلَيْهِ مَا لَخَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَقْبَلُهُ عَنِ الْمُبْيَتِينَ وَالشَّمَاءِ لِلَّهِ
سُجَّدَ إِلَيْهِ وَهُمْ دُخُرُونَ﴾ (اسورہ النحل۔ ۲۸) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، ان کے سامنے داہنے اور بائیس سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔“ اس سجدے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یا دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ کافر سیست تمام مخلوق اللہ کے حکم کے تابع ہے، کسی میں اس سے سرتالی کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صحت دے، بیمار کرے، غنی کر دے یا فقیر بنادے، زندگی دے یا موت سے

آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا پرو رگار کون ہے؟ کہہ دیجئے! اللہ۔^(۱) کہہ دیجئے! کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔^(۲) کہہ دیجئے کہ کیا انہا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ یا کیا انہیں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔^(۳) کیا جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے کہ ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی ہو، کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے^(۴) اور زبردست غالب ہے۔^(۵)

اسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنی اپنی وسعت کے مطابق نالے بہ سے نکلے۔^(۶) پھر پانی کے ریلے نے اوپر

قُلْ مَنْ زَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قُلْ اللَّهُ قُلْ إِنَّا لَنَخْذِلُهُمْ
مِّنْ دُونِهِ أَوْ لِيَأْزِلَّنَا لَنَنْكِلُهُمْ نَفْعًا وَلَأَضَرُّهُمْ
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْنَىٰ وَالْبَصِيرَةُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي
الظُّلْمَتُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ حَلَقُوا كَحْلَقَهُ
نَشَابَةَ الْحَلَقِ عَلَيْهِمْ قُلْ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ
الْوَاحِدُ الْفَهَّارُ^(۷)

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أُودِيَةُ بِقَدِيرَهَا
فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا إِلَيْهَا وَمِمَّا يُوقَدُ فَنَ

ہمکنار کرے۔ ان تکوئی احکام میں کسی کافر کو بھی مجال انکار نہیں۔

(۱) یہاں تو پیغمبر کی زبان سے اقرار ہے۔ لیکن قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ مشرکین کا جواب بھی یہی ہوتا تھا۔

(۲) یعنی جب تمہیں اقرار و اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا رب اللہ ہے جو تمام اختیارات کا بلا شرکت غیر مالک ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر ایسے کوئیں اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہو جو اپنی بابت بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔

(۳) یعنی جس طرح انہا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح موحد اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ موحد کا دل توحید کی بصیرت سے معمور ہے، جب کہ مشرک اس سے محروم ہے۔ موحد کی آنکھیں ہیں، وہ توحید کا نور دیکھتا ہے اور مشرک کو یہ نور توحید نظر نہیں آتا، اس لیے وہ انہا ہے۔ اسی طرح، جس طرح انہیں اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ کا پچاری، جس کا دل نورانیت سے بھرا ہوا ہے، اور ایک مشرک، جو جہالت و توہمات کے انہیروں میں بھک رہا ہے، برابر نہیں ہو سکتے؟

(۴) یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ یہ کسی شہبے کا شکار ہو گئے ہوں بلکہ یہ مانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔

(۵) بِقَدِيرَهَا (وسعت کے مطابق) کا مطلب ہے۔ نالے یعنی وادی (دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ) ٹنگ ہو تو کم پانی، کشادہ ہو تو زیادہ پانی اٹھاتی ہے۔ یعنی نزول قرآن کو، جو بدایت اور بیان کا جامع ہے، بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے۔ اور وادیوں کو تشبیہ دی ہے دلوں کے ساتھ۔ اس لیے کہ وادیوں (نالوں) میں پانی جا کر ٹھہرتا ہے، جس طرح قرآن اور ایمان مونوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔

چڑھے جھاگ کو اٹھالیا،^(۱) اور اس چیز میں بھی جس کو آگ میں ڈال کر پاتے ہیں زیور یا ساز و سامان کے لیے اسی طرح کے جھاگ ہیں،^(۲) اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے،^(۳) اب جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے^(۴) لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے،^(۵) اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔^(۶) (۷)

جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کی حکم برداری نہ کی اگر ان کے لیے زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی ہو تو وہ سب

عَلَيْهِ فِي التَّارِيْخِ تَعَالَى حِلْيَةٌ اُوْمَتَّأْعِزَّ زَبْدٌ مِّثْلُهُ
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْجَاطِلَهُ فَإِنَّمَا
الْزَبْدُ فِيَّنْ هَبْ جُحْفَاءً وَأَمَّا مَا يَسْتَفْعُ النَّاسُ
فَيَسْكُنُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالُ

سُوْءُ الْحِسَابِ ۝ وَمَا وَمَّا هُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَهَادُ ۝

(۱) اس جھاگ سے، جو پانی کے اوپر آ جاتا ہے اور جو مضھل اور ختم ہو جاتا ہے اور ہوا میں جسے اڑا لے جاتی ہیں کفر مراد ہے، جو جھاگ ہی کی طرح اڑ جانے والا اور ختم ہو جانے والا ہے۔

(۲) یہ دوسری مثال ہے کہ تابنے، پیتل، سیسے یا سونے چاندی کو زیور یا سامان وغیرہ بنانے کے لیے آگ میں پایا جاتا ہے تو اس پر بھی جھاگ آ جاتا ہے۔ اس جھاگ سے مراد میں کچل ہے جو ان دھاتوں کے اندر رہتا ہے۔ آگ میں پانے سے وہ جھاگ کی شکل میں اور آ جاتا ہے۔ پھر یہ جھاگ بھی دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتا ہے اور دھات اصلی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔

(۳) یعنی جب حق اور باطل کا آپس میں اجتماع اور نکراو ہوتا ہے تو باطل کو اسی طرح ثبات اور دوام نہیں ہوتا، جس طرح سیلابی ریلے کا جھاگ پانی کے ساتھ، دھاتوں کا جھاگ، جن کو آگ میں پیا جاتا ہے، دھاتوں کے ساتھ بالی نہیں رہتا۔ بلکہ مضمحل اور ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) یعنی اس سے کوئی نفع نہیں ہوتا، کیوں کہ جھاگ پانی یا دھات کے ساتھ باقی رہتا ہی نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ بیٹھ جاتا ہے پا ہوا کم اسے اڑالے جاتی ہیں۔ باطل کی مثال بھی جھاگ ہی کی طرح ہے۔

(۵) یعنی پانی اور سونا چاندی، تانا، پینٹل وغیرہ یہ چیزیں باقی رہتی ہیں جن سے لوگ متعین اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حق باقی رہتا ہے جس کے وجود کو بھی زوال نہیں اور جس کا نفع بھی دائمی ہے۔

(۶) یعنی بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، جیسے یہاں دو مثالیں بیان فرمائیں اور اسی طرح سورہ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔ اسی طرح سورہ نور، آیات ۳۹، ۴۰ میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اور احادیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثالوں کے ذریعے سے لوگوں کو بہت سی

کچھ اپنے بد لے میں دے دیں۔^(۱) یہی ہیں جن کے لیے
برا حساب ہے^(۲) اور جن کا نٹھکانہ جنم ہے جو بہت بری
گلہ ہے۔^(۱۸)

کیا وہ ایک شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ
کے رب کی جانب سے جو اتمارا گیا ہے وہ حق ہے، اس
شخص جیسا ہو سکتا ہے جو انہا ہو^(۳) فیصلت تو وہی قبول
کرتے ہیں جو عقلاً ہوں۔^(۴)^(۵)

جو اللہ کے عمد (و پیمان) کو پورا کرتے ہیں^(۶) اور قول و
قرار کو توڑتے نہیں۔^(۷)^(۸)

اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے
جوڑتے ہیں^(۹) اور وہ اپنے پروڈگار سے ڈرتے ہیں اور
حساب کی سختی کا اندازہ رکھتے ہیں۔^(۱۰)

أَفَمَنْ يَعْلَمُ إِنَّمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْ رَبِّكَ أَنَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ عَنِي
إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ^(۱۱)

الَّذِينَ يُؤْفَنَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيَثَاقَ^(۱۲)

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمْرَاهُمْ بِهِ أَنْ يُوَصَّلَ وَيَغْشَوْنَ رَبَّهُمْ
وَيَخَافُونَ سُوءَ الحِسَابِ^(۱۳)

بائیں سمجھائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

(۱) یہ مضمون اس سے قبل بھی دو تین جگہ گزر چکا ہے۔

(۲) کیونکہ ان سے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب لیا جائے گا اور ان کا معاملہ مَنْ ثُرِقَشَ الْحِسَابَ عُذْتَ (جس سے حساب میں جرح کی گئی اس کا پچھا مشکل ہو گا) وہ عذاب سے دوچار ہو کر ہی رہے گا) کا آئینہ دار ہو گا۔ اسی لیے آگے فرمایا اور ان کا نٹھکانہ جنم ہے۔

(۳) یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت و صداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا انہا ہو یعنی اسے قرآن کی صداقت میں شک ہو، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفهام، انکار کے لیے ہے یعنی یہ دونوں اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح جھاگ اور پانی یا سونا، تانبہ اور اس کی میل کچیل برابر نہیں ہو سکتے۔

(۴) یعنی جن کے پاس قلب سلیم اور عقل صحیح نہ ہو اور جہنوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کے زنگ سے آلوہہ اور اپنی عقولوں کو خراب کر لیا ہو، وہ اس قرآن سے فیصلت حاصل ہی نہیں کر سکتے۔

(۵) یہ اہل دانش کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ اللہ کے عمد سے مراد، اس کے احکام (اوامر و نوای) ہیں جنہیں وہ بجا لاتے ہیں۔ یا وہ عمد ہے، جو عہدِ انسنت کھلاتا ہے، جس کی تفصیل سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔

(۶) اس سے مراد وہ باہمی معاملہ ہے اور وعدے ہیں جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں یا وہ جوان کے اور ان کے رب کے درمیان ہیں۔

(۷) یعنی رشتہوں اور قرابتوں کو توڑتے نہیں ہیں، بلکہ ان کو جوڑتے اور صدر جمی کرتے ہیں۔

اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں،^(۱) اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں^(۲) اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خروج کرتے ہیں^(۳) اور برائی کو بھی بھلائی سے ملاتے ہیں،^(۴) انہی کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔^(۵)

بیشہ رہنے کے باغات^(۶) جہاں یہ خود جائیں گے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو نیکوکار ہوں گے،^(۷) ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے۔^(۸)

وَالَّذِينَ صَبَرُوا إِلَيْهَا وَجْهَ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يَرِدُونَ عَلَيْهِمْ وَيَنْدَرُونَ بِالْحَسَنَاتِ السَّيِّئَاتِ
أُولَئِكَ لَهُمْ عُقُوبَ الدَّارِ^(۹)

جَنَّتُ عَدِّنِ يَدْخُلُونَهَا مَنْ صَلَّمَ مِنْ أَبْيَامِ وَأَزْوَاجِهِ
وَذُرِّيَّتِهِ وَالْمَلِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ^(۱۰)

(۱) اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ صبر کی ایک قسم ہے۔ تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے۔ اہل دانش دونوں قسم کا صبر کرتے ہیں۔

(۲) ان کی حدود و مواقیت، خشوع و خضوع اور اعتدال ارکان کے ساتھ۔ نہ کہ اپنے من مانے طریقے سے۔

(۳) یعنی جہاں جہاں اور جب جب بھی، خروج کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اپنوں اور بیگانوں میں اور خفیہ اور علانیہ خروج کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آتا ہے تو وہ اس کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں، یا غفو و درگز را اور صبر جیل سے کام لیتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿إِذْعُنْ يَا أَيُّوبَ إِذْ أَحْسَنَ فَإِذَا الَّذِي يَعْمَلُكَ وَيَبْيَثُكَ عَدَا وَأَوْ كَانَهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ (حمد السعدۃ: ۲۲) "برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا ہو (اگر تم ایسا کرو گے) تو وہ شخص جو تمہارا دشمن ہے، ایسا ہو جائے گا گویا وہ تمہارا اگرادرست ہے۔"

(۵) یعنی جوان اعلیٰ اخلاق کے حامل اور نمذکورہ خویوں سے متصف ہوں گے، ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔

(۶) عدن کے معنی ہیں اقامت۔ یعنی بیشہ رہنے والے باغات۔

(۷) یعنی اس طرح نیک قربات داروں کو آپس میں جمع کر دے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتیٰ کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرمادے گا تاکہ وہ اپنے قربات دار کے ساتھ جمع ہو جائے۔ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ أَمْنَوْا إِلَيْهِمْ ذُرْيَةً مِمَّا يَأْمَانُ الْحَقْنَابِهِمْ ذُرْيَتِهِمْ وَمَا أَنْتَمْ بِهِمْ شَفِيفٌ﴾ (الطور: ۲۱)

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ملادیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ان کے عملوں سے ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں"۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ نیک رشتے داروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرمادے گا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایمان اور عمل صالح کی پوچھی نہیں ہوگی، تو وہ جنت میں نہیں جائے گا، چاہے اس کے دوسرے نہایت قریبی رشتے دار جنت میں چلے گئے ہوں۔ کیونکہ جنت میں داخلہ

کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، صبر کے بد لے، کیا ہی اچھا
 (بد لے) سے اس دار آخرت کا۔ (۲۳)

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا أَصْبَرِّمْ فَنَعَمْ عَقْبَى الدَّارِ

اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑ نے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لغتیں ہیں اور ان کے لیے برآگھر ہے۔ (۲۵) ^(۱)

وَالَّذِينَ يُنْقَضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ يُسْأَلُهُ وَيَنْقَضُونَ
مَا أَمْرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصِّلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ
لَهُمُ الْعَذَابُ وَلَمْ يَوْمَ سُوءُ الدَّارِ ⑭

اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور
گھٹاتا ہے^(۲) یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہو گئے۔^(۳)
حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلے میں نہایت (حیرا) پونجی
ہے۔^(۴)

الْحَمْوَةُ الدُّسَانِيُّ الْأَخْرَقُ الْكَمَانِعُ^{٢٠}

حسب نسب کی بنیاد پر نہیں، ایمان و عمل کی بنیاد پر ہو گا «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْتَغْ فِي نَسْبَةٍ» (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن) ”جسے اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں پڑھائے گا۔“

(4) یہ نیکوں کے ساتھ بروں کا حشریان فرمادیا تاکہ انسان اس حشر سے بچنے کی کوشش کرے۔

(۲) جب کافروں اور مشرکوں کے لیے یہ کہا کہ ان کے لیے برا گھر ہے، تو ہن میں یہ اشکال آسکتا ہے کہ دنیا میں تو انہیں ہر طرح کی آسائشیں اور سولتیں میاہیں۔ اس کے ازالے کے لیے فرمایا کہ دنیوی اسباب اور رزق کی کمی میشی یہ اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت، جس کو صرف وہی جانتا ہے، کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم۔ رزق کی فراوانی، اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے اور کمی کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے۔

(۳) کسی کو اگر دنیا کامال زیادہ مل رہا ہے، باوجود یہکہ وہ اللہ کا نافرمان ہے تو یہ مقام فرحت و سرت نہیں، کیونکہ یہ استدراج ہے، مملت ہے پتہ نہیں کب یہ مملت ختم ہو جائے اور اللہ کی پکڑ کے شکنے میں آجائے۔

(۳) حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی حیثیت، آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے، تو دیکھے سمندر کے پانی کے مقابلے میں اس کی انگلی میں کتنا پانی آیا ہے؟ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب فناء الدنیا و بیان الحشر يوم القيمة) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بکری کے ایک مردہ بچے کے پاس سے ہوا، تو اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم دنیا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مردہ، اپنے مالکوں کے نزدیک اس وقت حیر تھا جب انہوں نے اسے پھینکا۔ (صحیح مسلم)

كتاب الزهد والرقاق

کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی (مجزہ) کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جواب دے دیجئے کہ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف بھکے اسے راستہ دکھادیتا ہے۔ (۲۷)

جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔ (۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے خوشحالی ہے (۲۹) اور بہترین ٹھکانا۔

اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا ہے (۳۰) جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ آپ انہیں ہماری طرف سے جو وحی آپ پر اتری ہے پڑھ کر سنائی یہ اللہ رحمن کے منکر ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ میرا پانے والا تو وہی ہے اس کے سوا درحقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں، (۳۱) اسی کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میرا رجوع ہے۔ (۳۰)

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْثِلَ عَلَيْهِ إِيمَانُهُ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُعْلَمُ مِنْ يَشَاءُ وَيَعْلَمُ إِلَيْهِ مَمَّا يَنْبَغِي

الَّذِينَ أَمْنَأْنَا وَطَهَرْنَا فَلَوْلَا هُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا يَذَرُكُمْ اللَّهُ تَطْهِيْنَ الْقُلُوبَ

الَّذِينَ أَمْنَأْنَا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ وَحْنُ مَالِ

الَّذِينَ أَمْنَأْنَا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ وَحْنُ مَالِ

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أَنْتَةِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أَمْمٌ لِتَتَّلَوَّنَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكُو وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالْوَحْمَنِ مُلْهُورِنَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَعَلَيْهِ تَوْكِيدُ وَإِلَيْهِ مَسَابِ

(۱) اللہ کے ذکر سے مراد اس کی توحید کا بیان ہے جس سے مشرکوں کے دلوں میں انتباہ پیدا ہو جاتا ہے، یا اس کی عبادت، تلاوت قرآن، نوافل اور دعا و مناجات ہے جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے یا اس کے احکام و فرماں کی اطاعت و بجا آوری ہے، جس کے بغیر اہل ایمان و تقویٰ بے قرار رہتے ہیں۔

(۲) طوبیٰ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً خیر، حسنی، کرامت، رشک، جنت میں مخصوص درخت یا مخصوص مقام وغیرہ۔ مفہوم سب کا ایک ہی ہے یعنی جنت میں اچھا مقام اور اس کی نعمتیں اور لذتیں۔

(۳) جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لیے بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجتے تھے، ان کی بھی اسی طرح مکذب کی گئی جس طرح آپ کی کی گئی اور جس طرح مکذب کے نتیجے میں وہ قومیں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں، انہیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہیے۔

(۴) مشرکین مکہ رحمن کے لفظ سے برا بدکتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب بسم اللہ الرحمن الرحیم کے الفاظ لکھے گئے تو انسوں نے کہا یہ رحمن رحیم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ (ابن کثیر)

(۵) یعنی رحمن، میرا وہ رب ہے جس کے سوا کوئی موجود نہیں۔

اگر (بالفرض) کسی قرآن (آسمانی کتاب) کے ذریعہ پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین نکڑے نکڑے کر دی جاتی یا مردوں سے باتیں کر دی جاتیں (پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے) بات یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے،^(۱) تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دل جھی نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے۔ کفار کو تو ان کے کفر کے بد لے ہیشہ ہی کوئی نہ کوئی سخت سزا پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب نازل ہوتی رہے گی^(۲) تاو قتیلہ وعدہ الہی آپنے۔^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔^(۴)

یقیناً آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا اور میں نے بھی کافروں کو ڈھیل دی تھی پھر انہیں پکڑ لیا تھا، پس میرا عذاب کیسار ہا؟^(۵)^(۶)

وَلَوْاَنَ قُرْآنًا سِيرَتُ يَهِيَّجَالُ أَوْطَعَتُ بِهِ الْأَرْضُ
أَوْ كَلَمُهُ يَهِيَّجُ الْمَوْتَىٰ بِلِتَهُ الْمُرْجَحِيَّةُ أَفَلَمْ يَلْتَهِ الَّذِينَ أَنْوَاهُنَّ
لَوْيَشَاءَ اللَّهُ أَهْدَى النَّاسَ حَمِيمًا وَلَإِزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ
بِمَا صَنَعُوا قَرَعَةً أَوْ عَلْ قَرِيبًا مِنْ دَارِهِمْ حَمِيمًا وَعَدَ اللَّهُ أَهْدَى
اللَّهُ لِلْخُلُفُ الْبِيَعَادَ^۷

وَلَقَدِ اسْتَهْزَئَ بِرُسُلِنَّ مِنْ قَبْلِكَ فَأَنْتَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَتَهْ
لَخْدَهُمْ كَلِيفَ كَانَ عَقَابٌ^۸

(۱) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہر آسمانی کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے، جس طرح کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”حضرت واود علیہ السلام، جانور کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور اتنی دیر میں ایک مرتبہ قرآن کا اور د کر لیتے“۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى و آتیسا داود زبورا) یہاں ظاہریات ہے قرآن سے مراد زبور ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر پہلے کوئی آسمانی کتاب ایسی نازل ہوئی ہوتی کہ ہے سن کر پہاڑ روائی دواں ہو جاتے یا زمین کی مسافت طے ہو جاتی یا مردے بول اٹھتے تو قرآن کریم کے اندر یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ موجود ہوتی، کیونکہ یہ اعجاز و بلاعث میں پچھلی تمام کتابوں سے فائق ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعے سے یہ مجذرات ظاہر ہوتے، تب بھی یہ کفار ایمان نہ لاتے، کیوں کہ ایمان لانا نہ لانا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، مجرموں پر نہیں۔ اسی لیے فرمایا، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۲) جوان کے مشاہدے یا علم میں ضرور آئے گی ماکروہ عبرت پکڑ سکیں۔

(۳) یعنی قیامت واقع ہو جائے، یا اہل اسلام کو قطعی فتح و غلبہ حاصل ہو جائے۔

(۴) حدیث میں بھی آتا ہے «إِنَّ اللَّهَ لِيَنْهِيَ لِلظَّالِمِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ»، ”الله تعالیٰ ظالم کو مسلط دیے جاتا ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں“۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی

آیا وہ اللہ جو نگہبانی کرنے والا ہے ہر شخص کی، اس کے
کیے ہوئے اعمال پر،^(۱) ان لوگوں نے اللہ کے شریک
ٹھہرائے ہیں کہہ دیجئے ذرا ان کے نام تو لو،^(۲) کیا تم اللہ
کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں، یا
صرف اوپری اوپری باتیں بتا رہے^(۳) ہو، بات اصل یہ
ہے کہ کفر کرنے والوں کے لئے ان کے مکر سجادیے گئے
ہیں،^(۴) اور وہ صحیح راہ سے روک دیئے گئے ہیں، اور
جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ دکھانے والا
کوئی نہیں۔^(۵) (۳۳)

أَفَنْ هُوَ قَاءٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَبَتْ وَجَعَلُوا لِهِ شُرَكَاءٌ
قُلْ سَمِّهُمْ أَمْ تَسْتَعْنُهُمْ بِالْأَيَّلِهِ فِي الْأَرْضِ أَعْرِظْهُمْ مِنَ الْقَوْلِ
بَلْ رَبُّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَنْ
يُضْلِلِ اللَّهُ عَمَّا مَأْمَأَهُ مِنْ هَادِ (٢)

يُضْلِلُ اللَّهُ قَمَالَهُ مِنْ هَذِهِ

﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُرَتِكَ إِذَا أَخْذَ الْقُرْبَى وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنْ أَخْذَهَا لِيْلَمْ شَدِيدٌ﴾ سورہ هود ۱۰۲: "اُسی طرح تیرے رب کی کپڑا ہے جب وہ ظلم کی مرکب بستیوں کو کپڑتا ہے۔ یقیناً اس کی کپڑا بہت ہی الٰم ناک اور سخت ہے۔" (صحیح بخاری تفسیر

(۱) یہاں اس کا جواب مذکور ہے۔ یعنی کیا اللہ رب العزت اور وہ معبدوں باطل برابر ہو سکتے ہیں جن کی یہ عبادت کرتے ہیں، جو کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر، نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ عقل و شعور سے بہرہ ور ہیں۔
 (۲) یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تاکہ انہیں پہچان سکیں اس لیے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ اس لیے آگے فرمایا۔ کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں، یعنی ان کا وجود ہی نہیں۔ اس لیے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا، اس رتو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

(۳) یہاں ظاہر ظن کے معنی میں ہے یعنی یا یہ صرف ان کی ظنی باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کی عبادت اس گمان پر کرتے ہو کہ یہ نفع نقصان پہنچائے ہیں اور تم نے ان کے نام بھی معمود رکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ”یہ تمہارے اور تمہارے باپوں کے رکھے ہوئے نام ہیں، جن کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ یہ صرف گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔“ (النجم: ۲۳)

(۳) کمر سے مراد، ان کے وہ غلط عقائد و اعمال ہیں جن میں شیطان نے ان کو پھنسا رکھا ہے، شیطان نے گمراہیوں پر بھی حسین غلاف جزء ہار کھے ہیں۔

(۵) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمَنْ يُرِدُ اللَّهُ فَتَنَّهُ فَلَمَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْءًا﴾ (سورہ الحادیۃ: ۳۱) "جس کو اللہ گراہ کرنے کا ارادہ کر لے تو اللہ سے اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا" اور فرمایا ﴿إِنَّمَا يُخَرِّضُ عَلَىٰ هُدًىٰ مُّهَمَّةً فَلَمَنْ لَا يَهْمِدُ مَنْ يُهِمِّلُ وَمَا لَهُمْ بِئْصِرَىٰ﴾ (سورہ النحل: ۲۷) "اگر تم ان کی ہدایت کی خواہش رکھتے ہو تو (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے وہ گراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔"

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے،^(۱) اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے۔^(۲) انہیں اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی بھی نہیں۔^(۳)

اس جنت کی صفت، جس کا وعدہ پر ہیزگاروں کو دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نرس بہ رہی ہیں۔ اس کامیوہ ہیکلی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام پر ہیزگاروں کا،^(۴) اور کافروں کا انجام کارروزخ ہے۔^(۵)

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے^(۶) وہ تو جو کچھ آپ پر اتنا را جاتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں^(۷) اور دوسرے فرقے اس کی بعض بالتوں کے منکر ہیں۔^(۸) آپ اعلان کر دیجئے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور اسی کی جانب میرا لوٹنا ہے۔^(۹)

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابٌ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا
لَهُمْ مِنْ إِنْفِرَادٍ وَإِنْ قِيلَ لَهُمْ مِنْ وَاقِعٍ^(۱۰)

مَثُلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَقْبِلُونَ، تَجْرِي مِنْ تَحْمِيمَ الْأَنْهَارِ
الْكَلْمَادُ إِيمُونَ وَظِلَّهَا يَنْلَكِ عَشَبَ الَّذِينَ آتَوْا وَتَخْفَبُ
الْكَفِيرُونَ النَّارُ^(۱۱)

وَالَّذِينَ أَتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرُجُونَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكُ
وَمِنَ الْأَكْرَابِ مَنْ يُتَكَبِّرُ بَعْضَهُ فَلَنْ إِنَّمَا أُمْرُ
أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا إِشْرَاعَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَلَيْهِ مَا بِ^(۱۲)

(۱) اس سے مراد قتل اور اسیری ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں ان کافروں کے ہے میں آتی ہے۔

(۲) جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لعان کرنے والے جوڑے سے فرمایا تھا «إِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهُونُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ» (صحیح مسلم۔ کتاب اللعن). دنیا کا عذاب، عذاب آخرت سے بہت ہلکا ہے۔ «علاوه ازیں دنیا کا عذاب (جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی ہو) عارضی اور فانی ہے اور آخرت کا عذاب دائمی ہے، اسے زوال و فنا نہیں۔ مزید برآں جنم کی آگ، دنیا کی آگ کی نسبت ۶۹ گناہ تیز ہے۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں۔ اس لیے عذاب کے سخت ہونے میں کیا شے ہو سکتا ہے۔

(۳) اہل کفار کے انجام بد کے ساتھ اہل ایمان کا حسن انجام بیان فرمادیا تاکہ جنت کے حصول میں رغبت اور شوق پیدا ہو، اس مقام پر امام ابن کثیر نے جنت کی نعمتوں، لذتوں اور ان کی خصوصی کیفیات پر مشتمل احادیث بیان فرمائی ہیں، جنہیں وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۴) اس سے مراد مسلمان ہیں اور مطلب ہے جو قرآن کے مقتضیاً عمل کرتے ہیں۔

(۵) یعنی قرآن کے صدق کے ولاں و شواہد دیکھ کر مزید خوش ہوتے ہیں۔

(۶) اس سے مراد یہود و نصاری اور کفار و مشرکین ہیں۔ بعض کے نزدیک کتاب سے مراد، تورات و انجلیل ہے، ان میں سے جو مسلمان ہوئے، وہ خوش ہوتے ہیں اور انکار کرنے والے وہ یہود و نصاری ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے۔

اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان اتارا ہے۔^(۱) اگر آپ نے ان کی خواہشوں^(۲) کی پیروی کر لی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے^(۳) تو اللہ (کے عذابوں) سے آپ کو کوئی حماقی ملے گا اور نہ بچانے والا۔^(۴)

ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو یوں بچوں والا بنایا تھا،^(۵) اسی رسول سے نہیں ہو سکتا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی اجازت کے لے

وَكَذِلِكَ أَنْزَلْنَا هُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَمْ يَنْتَهِ أَتَّبَعَتْ أَهْوَاءَهُمْ
بَعْدَ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ لِمَا لَكُمْ مِنْ دُلُوبٍ
وَلَا وَاقِفٌ^(۶)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا
وَدُرْرِيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِالْغَيْرِ إِلَّا يَأْذِنُ
اللَّهُ لِكُلِّ أَجَلٍ كَيْفَ^(۷)

(۱) یعنی جس طرح آپ سے پہلے رسولوں پر کتابیں مقامی زبانوں میں نازل کیں، اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی زبان میں اتارا، اس لیے کہ آپ کے مخاطب اولین اہل عرب ہیں، جو صرف عربی زبان ہی جانتے ہیں۔ اگر یہ قرآن کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو ان کی سمجھتے سے بالا ہوتا اور قبول ہدایت میں ان کے لیے عذر بن جاتا۔ ہم نے قرآن کو عربی میں اتار کر یہ عذر بھی دور کر دیا۔

(۲) اس سے مراد اہل کتاب کی بعض وہ خواہشیں ہیں جو وہ چاہتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان انہیں اختیار کریں۔ مثلاً بیت المقدس کو ہمیشہ کے لیے قبلہ بنائے رکھنا اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کرنا، وغیرہ۔

(۳) اس سے مراد وہ علم ہے جو وہی کے ذریعے سے آپ کو عطا کیا گیا جس میں اہل کتاب کے معتقدات کی حقیقت بھی آپ پر واضح کر دی گئی۔

(۴) یہ دراصل امت کے اہل علم کو تنیسہ ہے کہ وہ دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح احکام کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(۵) یعنی آپ سمیت جتنے بھی رسول اور نبی آئے، سب بشری تھے، جن کا اپنا خاندان اور قبیلہ تھا اور یوں بچے تھے، وہ فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق۔ بلکہ جس بشری میں سے تھے۔ کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان سے مانوس ہونا اور ان کے قریب ہونا ناممکن تھا، جس سے ان کو بھیجنے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا اور اگر وہ فرشتے، بشری جائے میں آتے، تو دنیا میں نہ ان کا خاندان اور قبیلہ ہوتا اور نہ ان کے یوں بچے ہوتے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء و حیثیت جس کے، بشری تھے، بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے، مذکورہ آیت میں ازواجا سے رہبانیت کی تردید اور ذریۃ سے خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ذریۃ جمع ہے کم از کم تین ہوں گے۔

آئے،^(١) ہر مقررہ وعدے کی ایک لکھت ہے۔^(٢) (٣٨)

اللہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح
محفوظ اسی کے پاس ہے۔^(٣) (٣٩)

ان سے کیے ہوئے وعدوں میں سے کوئی اگر ہم آپ کو
وکھادیں یا آپ کو ہم فوت کر لیں تو آپ پر تو صرف پہنچا
وینا ہی ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہی ہے۔^(٤) (٣٠)

کیا وہ نہیں دیکھتے؟ کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ هُوَ عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝

وَإِنْ تَأْمُرْنَاهُ بِعَصَمِ الظِّنَّ تَعْدُهُمُوا نَسْوَةً قَيْنَكَ
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝

أَوْلَئِرْ وَالثَّانِي الْأَرْضَ تَقْصُّهَا مِنْ أَطْلَافِهَا وَاللَّهُ يَعْلَمُ

(١) یعنی مجذرات کا صدور، رسولوں کے اختیار میں نہیں کہ جب ان سے مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے صادر کر کے وکھادیں بلکہ یہ کلیتاً اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ مجذزے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس طرح اور کب و کھلایا جائے؟

(٢) یعنی اللہ نے جس چیز کا بھی وعدہ کیا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت موعد پر اس کا وقوع ہو کر رہے گا، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت لکھل کتاب
آجَلٌ ہے۔ اور مطلب ہے کہ ہر وہ امر جسے اللہ نے لکھ رکھا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ یعنی معاملہ، کفار کے
ارادے اور مختار نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

(٣) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ وہ جس حکم کو چاہے منسون کر دے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ دوسرے معنی ہیں کہ
اس نے جو تقدیر لکھ رکھی ہے، اس میں وہ محو و اثبات کرتا رہتا ہے، اسی کے پاس لوح محفوظ ہے۔ اس کی تائید بعض
احادیث و آثار سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”آدمی گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے،
دعا سے تقدیر بدلت جاتی ہے اور صدر حسینی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے“ (مسند احمد جلد ٥، ص ٢٧٧) بعض صحابہ سے یہ
دعا منقول ہے «اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَبِيرًا أَشْقِيَاءَ فَامْحُنَا وَأَكْثِنَا سُعَادًا، وَإِنْ كُنْتَ كَبِيرًا سُعَادًا فَأَنْبِثْنَا،
فَإِنَّكَ تَمْحُزُ مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ». حضرت عمر بن عثمان سے منقول ہے کہ وہ دوران طواف روتے
ہوئے یہ دعا پڑھتے «اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَبِيرًا عَلَيَّ شِفَوَةٌ أَوْ ذَنْبًا فَامْحُنِّهِ، فَإِنَّكَ تَمْحُزُ مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ، وَعِنْدَكَ
أُمُّ الْكِتَابِ، فَاجْعَلْنِي سَعَادَةً وَمَغْفِرَةً» (ابن کثیر) اے اللہ اگر تو نے مجھ پر بد بختی اور گناہ لکھا ہے تو اسے مٹا دے، اس
لیے کہ تو جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے، تیرے پاس ہی لوح محفوظ ہے، پس تو بد بختی کو سعادت اور مغفرت سے
بدل دے۔ اس مفہوم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو آتا ہے «جَفَّ الْقَلْمُ بِمَا هُوَ كَانِ» (صحیح بخاری۔ نمبر
٥٠٧٦) ”جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔“ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ محو و اثبات بھی منحلہ قضاو
تقدیر ہی کے ہے۔ (فتح القدر)

گھٹاتے چلے آرہے ہیں،^(۱) اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پچھے ڈالنے والا نہیں،^(۲) وہ جلد حساب لینے والا ہے۔^(۳)

ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنی مکاری میں کی نہ کی تھی، لیکن تمام مدیرین اللہ ہی کی ہیں،^(۴) جو شخص جو کچھ کر رہا ہے اللہ کے علم میں ہے۔^(۵) کافروں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ (اس) جہان کی جزاکس کے لئے ہے؟^(۶)

یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ آپ جواب دیجئے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا کافی ہے^(۷) اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔^(۸)

سورہ ابراہیم کی ہے اور اس کی باون آیتیں اور سات روکوں ہیں

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت سرمیان بڑا رحم والا ہے۔

لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ⑥

وَقَدْ مَنَّا لِلَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَمَّا هُمْ كَرُوجُوا يَعْلَمُ
مَا نَكْسِبُ لِنَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الظَّالِمُونَ عَقْبَى الدَّارِ ⑦

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَسْتَ مُرْسَلًا فَلَمَّا كَفَرُوا شَهِيدًا
بَيْنَنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ⑧

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(۱) یعنی عرب کی سرزمیں مشرکین پر بتدرج تھگ ہو رہی ہے اور اسلام کو غلبہ و عروج حاصل ہو رہا ہے۔

(۲) یعنی کوئی اللہ کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا۔

(۳) یعنی مشرکین مکہ سے قبل بھی لوگ رسولوں کے مقابلے میں مکر کرتے رہے ہیں، لیکن اللہ کی مدیر کے مقابلے میں ان کی کوئی مدیر اور حیله کا رگر نہیں ہوا، اسی طرح آئندہ بھی ان کا کوئی کمر اللہ کی مشیت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔

(۴) وہ اس کے مطابق جزا اور سزادے گا، یہ کو اس کی نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

(۵) پس وہ جانتا ہے کہ میں اس کا سچا رسول اور اس کے پیغام کا داعی ہوں اور تم جھوٹے ہو۔

(۶) کتاب سے مراد جس کتاب ہے اور مراد تورات اور انجیل کا علم ہے۔ یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، مسلمان فارسی اور تیم داری وغیرہم رضی اللہ عنہم یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عرب کے مشرکین اہم معاملات میں اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے اور ان سے پوچھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ اہل کتاب جانتے ہیں، ان سے تم پوچھ لو۔ بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حاملین علم کتاب، مسلمان ہیں۔ اور بعض نے کتاب سے مراد لوح محفوظی ہے۔ یعنی جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ مگر پہلا مفہوم زیادہ درست ہے۔

الرایہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجائے کی طرف لا میں،^(۱) ان کے پور دگار کے حکم^(۲) سے، زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف۔^(۳)

جس اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کافروں کے لیے تو سخت عذاب کی خرابی ہے۔^(۴) جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں شیرخ پن پیدا کرنا چاہتے ہیں۔^(۵) یہی لوگ پر لے درجے کی گمراہی میں ہیں۔^(۶)

ہم نے ہر ہر بھی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔ اب اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے، اور جسے چاہے راہ دکھادے، وہ

الزَّكِيرُتُ أَنْزَلَنَا إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلْمَاتِ إِلَى
النُّورِ إِذَا ذِيَّنَ لَهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ①

اللَّهُ أَلَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَوَيْلٌ لِلْكُفَّارِ
مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ②

لِلَّذِينَ يَسْتَحْيِئُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ
سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْعُدُونَهَا عَوْجًا أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ بَيِّنٍ ③

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمَهُ لِيَبْيَانَ لِمَمْ
فَيُصِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ④

(۱) جس طرح دوسرے مقام پر بھی اللہ نے فرمایا۔ ﴿ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ مَا يَتَبَيَّنُ لِتُخْرِجَ كُلَّ مَنْ مِنَ الظُّلْمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ ﴾ (سورہ الحدید: ۹) ”وہی ذات ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل فرماتی ہے تاکہ وہ تمیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاے۔“ ﴿ أَللَّهُ وَلِلَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلْمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ ﴾ (البقرۃ: ۲۵۷) ”اللہ ایمان داروں کا دوست ہے، وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔“

(۲) یعنی پیغمبر کا کام ہدایت کا راست دکھانا ہے لیکن اگر کوئی اس راستے کو اختیار کر لیتا ہے تو یہ صرف اللہ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے کیونکہ اصل ہادی وہی ہے۔ اس کی مشیت اگر نہ ہو، تو پیغمبر کتنا بھی وعظ و نصیحت کر لے، لوگ ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے، جس کی متعدد مثالیں انبیاء سابقین میں موجود ہیں اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود شدید خواہش کے اپنے مہیاں پچاabo طالب کو مسلمان نہ کر سکے۔

(۳) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے میکھ نکالتے اور انہیں منع کر کے پیش کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض و خواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔

(۴) اس لیے کہ ان میں مذکورہ متعدد خرایاں جمع ہو گئی ہیں۔ مثلاً آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں کبھی تلاش کرنا۔

(۵) پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے، تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو قومی زبان میں بھیجا ہاکہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

غلبہ اور حکمت والا ہے۔^(۱) ^(۲)

(یاد رکھو جب کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تو اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال^(۳) اور انہیں اللہ کے احسانات یاد دلا۔^(۴) اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے۔^(۵) ^(۶)

جس وقت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے وہ احسانات یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں، جبکہ اس نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمہیں بڑے دکھ پہنچاتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے، اس میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش^(۵) تھی۔^(۶)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ إِلَيْنَا أَنَّ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلْمِ
إِلَى التَّوْبَةِ وَذَكَرْهُمْ بِإِيمَانِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيقَةً لِكُلِّ
صَبَّارٍ شَكُورٍ^(۷)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِذْ كُرُوا فِيمَهُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ
أَجْبَكُمْ مِنْ إِلَى فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ
وَيُذَّهَّبُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكَمْ
بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ^(۸)

(۱) لیکن اس بیان و تشریع کے باوجود ہدایت اسے مل گی جسے اللہ چاہے گا۔

(۲) یعنی جس طرح اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی، تاکہ آپ اپنی قوم کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لا سیں۔ اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو مجرازات و دلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہ انہیں کفر و جعل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کریں۔ آیات سے مراد وہ مجرازات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، یادوں مجرازات ہیں جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں کیا گیا ہے۔

(۳) آیات اللہ سے مراد اللہ کے وہ احسانات ہیں جو بنی اسرائیل پر کیے گئے جن کی تفصیل پہلے کتنی مرتبہ گزر چکی ہے۔ یا ایام و قائم کے معنی میں ہے یعنی وہ واقعات ان کو یاد دلا، جن سے وہ گزر چکے ہیں جن میں ان پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں بھی آرہا ہے۔

(۴) صبرا در شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اور ایمان کا مدار ان پر ہے۔ اس لیے یہاں صرف ان دو کا تذکرہ کیا گیا ہے و دونوں مبانے کے صینے ہیں۔ صبا، بہت صبر کرنے والا۔ شکر، بہت شکر کرنے والا۔ اور صبر کو شکر پر مقدم کیا ہے۔ اس لیے کہ شکر، صبر ہی کا نتیجہ ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”موسیٰ“ موسیٰ کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جس امر کا بھی فیصلہ کرے، وہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر اسے کوئی خوشی پہنچے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔“

صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب "الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كَلْهُ خِيرًا"

(۵) یعنی جس طرح یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی اسی طرح اس سے نجات اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اسی لیے بعض مترجمین نے بلاء کا ترجمہ آزمائش اور بعض نے احسان کیا ہے۔

اور جب تمہارے پروگار نے تمہیں آگاہ^(۱) کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بیشک میں تمہیں زیادہ^(۲) دلوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔^(۳)^(۷)

موئی (علیہ السلام) نے کہا کہ اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں^(۴) والا ہے۔^(۸)

کیا تمہارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں

وَإِذْ تَأْذَنَ رَبُّكُمْ لِهِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَيْسَ
كَفَرَ تَعْلَمَ عَدَائِنَ لَكُشْدِيدُ^(۵)

وَقَالَ مُوسَى إِنِّي أَنْكِرُ فَأَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا إِنَّمَا أَنْكِرَ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ^(۶)

أَلَّا يَأْتِكُمْ بِنَبَؤَةِ الظِّينَ وَمِنْ مَبْلِكِكُمْ قَوْمٌ نُوحٌ وَعَادٌ

(۱) تَأْذَنَ کے معنی أَغْلَمْكُمْ بِوَعْدِهِ لَكُمْ اس نے اپنے وعدے سے تمہیں آگاہ اور خبردار کر دیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قسم کے معنی میں ہو یعنی جب تمہارے رب نے اپنی عزت و جلال اور کربیاتی کی قسم کھا کر کہا۔ (ابن کثیر)

(۲) سخت پر شکر کرنے پر مزید انعامات سے نوازوں گا۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفران نعمت (ناشکری) اللہ کو سخت ناپسند ہے جس پر اس نے سخت عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاوندوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جنم میں جائے گی۔ (صحیح مسلم، العیدین، اول کتاب الصلوٰۃ)

(۴) مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی شکر گزاری کرے گا تو اس میں اسی کافائدہ ہے۔ ناشکری کرے گا تو اللہ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ تو بے نیاز ہے۔ سارا جہاں ناشکر گزار ہو جائے تو اس کا کیا بگزے گا؟ جس طرح حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے «يَا عَبْدِي! لَوْ أَنَّ أَوْلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلَى أَنْقَى قُلُوبٍ رَجُلٌ وَاحِدٌ مِنْكُمْ، مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِيٍّ شَيْئًا، يَا عَبْدِي! لَوْ أَنَّ أَوْلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قُلُوبٍ رَجُلٌ وَاحِدٌ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَلِكَ فِي مُلْكِيٍّ شَيْئًا، يَا عَبْدِي! لَوْ أَنَّ أَوْلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، فَسَأُلُّونِي فَأَعْطِيَنُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَةً، مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِيٍّ شَيْئًا، إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا دَخَلَ فِي الْبَخْرِ»۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظلم) «اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر اور اسی طرح تمام انسان اور جن، اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں، جو تم میں سب سے زیادہ متقدی اور پرہیزگار ہو، (یعنی کوئی بھی نافرمان نہ رہے) تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہو گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں، جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کی واقع نہیں ہو گی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول و آخر اور انسان و جن، سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں، پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہو گی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔ فَسَبِّحَاهُ وَتَعَالَى الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

آئیں؟ یعنی قوم نوح کی اور عاد و ثمود کی اور ان کے بعد والوں کی جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول محبزے لائے، لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبایا^(۱) اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے، ہم اس کے منکر ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلارہے ہو، ہمیں تو اس میں بڑا بھاری شے^(۲) ہے^(۳)

ان کے رسولوں نے انہیں کماکر کیا حق تعالیٰ کے بارے میں تمیسٹک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تو تمیس اس لیے بلا رہا ہے کہ تمہارے تمام گناہ معاف فرمادے،^(۳) اور ایک مقرر وقت تک تمیس مملت عطا فرمائے، انہوں نے کماکر تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو^(۴) تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداوں کی عبادات سے روک دو جن کی عبادات ہمارے باب پ

وَشُودَةٌ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ
إِلَّا إِنَّمَا جَاءَتْهُمُ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُوا
أَيْدِيهِمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كُفَّارٌ نَّا بِمَا أَنْسَلَتْ
نَّا هُوَ وَإِنَّا لِغُصْنٍ شَكِّيْلٍ مَمَانِدٍ خُونِنَا لِلَّهِيْهِ مُؤْمِنٌ ①

فَالْكُلُّ رُسُلٌ مُّهَمٌّ أَنِّي اللَّهُ شَاهٍ فَإِطْرِ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ فَيَدْ عُوْكُمْ لِيغْفِرَ لِكُمْ مَنْ ذُنُوبُكُمْ
وَيُؤْخِرَ كُمْ إِلَى آجِيلِ مُسْئِلَةٍ قَالُوا لَنْ أَنْتُمْ
الْأَشْرِقُ مِثْلَنَا تُرْبِدُونَ أَنْ تَصْدُوْنَا عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ أَبَاؤُنَا فَاقْتُلُونَا إِسْلَمٌ مُّهِمِّينَ ﴿٦﴾

(۱) مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ ۱- مثلاً انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں رکھ لیے اور کماکہ ہمارا تو صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔ ۲- انہوں نے اپنی انگلیوں سے اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے کماکہ خاموش رہا اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔ ۳- انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر استہزا اور تعجب کے طور پر رکھ لیے جس طرح کوئی شخص نہیں ضبط کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ ۴- انہوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔ ۵- بطور غیظ و غضب کے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لے لیے۔ جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے۔ ﴿عَصَوْا عَلَيْنَا كُلُّ الْكَافِرِ مِنْ الْفَيْظِ﴾ (آل عمران: ۱۹) ”وَهُمْ پر اپنی انگلیاں غیظ و غضب سے کاٹتے ہیں۔“ امام شوکانی اور امام طبری نے اسی آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔

(۲) مُرِینَت، یعنی ایساٹک کہ جس سے نفس سخت تلق اور اضطراب میں بچتا ہے۔

(۳) یعنی تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے، جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایمان و توحید کی دعوت بھی صرف اس لیے دے رہا ہے کہ تمہیں گناہوں سے پاک کر دے۔ اس کے باوجود تم اس خالق ارض و سما کو مانے کے لیے تپار نہیں اور اس کی دعوت سے تمہیں انکار ہے؟

(۳) یہ وہی اشکال ہے جو کافروں کو پیش آتا رہا کہ انسان ہو کر کس طرح کوئی وحی الٰہی اور نبوت و رسالت کا مستحق ہو سکتا ہے؟

ادا کرتے رہے۔^(۱) اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو۔^(۲)^(۱۰)

ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو چجھے ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔^(۳) اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی مجرمہ تمہیں لا دکھائیں^(۴) اور ایمان والوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔^(۵)^(۶)

آخر کیا واجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں بھالی ہیں۔ واللہ جو ایذا میں تم ہمیں دو گے ہم ان پر صبر ہی کریں گے۔ توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں۔^(۷)^(۸)

کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنَّمَا تَعْمَلُونَ إِلَّا بِثِرْبَةِ الْكُلُومْ وَلِكُنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ عَلَى مَنْ يَأْتُهُمْ مِّنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَهُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ①

وَمَا لَنَا أَنْ نَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَنَا اللَّهُ بِسَبِيلِنَا وَلَنَصِيرَنَّ عَلَى مَا أَذْيَتُمُونَا وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ②

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَيْهِمْ أَنْتُمْ خَرَجْتُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ

(۱) یہ دوسری رکاوٹ ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کس طرح چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے رہے ہیں؟ جب کہ تمہارا مقصد ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا کر الہ واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔

(۲) دلائل و مجزات تو ہر نبی کے ساتھ ہوتے تھے، اس سے مراد ایسی دلیل یا مجرمہ ہے جس کے دیکھنے کے وہ آرزو مند ہوتے تھے، جیسے مشرکین مکہ نے حضور ﷺ سے مختلف قسم کے مجزات طلب کیے تھے، جس کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل میں آئے گا۔

(۳) رسولوں نے پسلے اشکال کا جواب دیا کہ یقیناً ہم تمہارے جیسے بشر ہی ہیں۔ لیکن تمہارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی بعض انسانوں کو وحی و رسالت کے لیے چن لیتا ہے اور تم سب میں سے یہ احسان اللہ نے ہم پر فرمایا ہے۔

(۴) ان کے حسب فنا مجرمے کے سلسلے میں رسولوں نے جواب دیا کہ مجرمے کا صدور ہمارے اختیار میں نہیں، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(۵) یہاں مومنین سے مراد اولاً خود انبیا ہیں، یعنی ہمیں سارا بھروسہ اللہ پر ہی رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ آگے فرمایا ”آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں“۔

(۶) کہ وہی کفار کی شرارتوں اور سفاہتوں سے بچانے والا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم سے مجزات طلب نہ کریں، اللہ پر توکل کریں، اس کی مشیت ہو گی تو مجرمہ ظاہر فرمادے گا، ورنہ نہیں۔

کردیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ تو ان کے پوروگار نے ان کی طرف وہی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی عارت کر دیں گے۔^(۱) (۱۳)

اور ان کے بعد ہم خود تمہیں اس زمین میں بسائیں گے۔^(۲) یہ ہے ان کے لیے جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ذر رکھیں اور میری وعدے سے خوفزدہ رہیں۔^(۳) (۱۴) اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا^(۴) اور تمام سرکش صدی لوگ نامراد ہو گئے۔^(۵)

اس کے سامنے دوزخ ہے جہاں وہ پیپ کاپانی پلایا جائے

لَتَعُودُنَّ فِي مَلِيْكَتِهِ فَأَوْتَنِي النَّقْوَمُ رَبِّهِمْ لَكُلْكَنَّ
الظَّلَمِيْنَ^(۶)

وَلَنُشْكِنُوكُمُ الْأَرْضَ مِنْ أَعْدِي هُمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ
مَقَابِي وَخَافَ وَعِيْدَ^(۷)

وَاسْغَقُوكُمُ وَحَالَبَ كُلُّ جَيْرَةٍ عَنِيدَ^(۸)

مِنْ قَرَآبَهِ جَهَنَّمُ وَتُسْقِي مِنْ مَاءً صَدِيدَ^(۹)

(۱) جیسے اور بھی کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَقَدْ سَيَّقْتُ لِكُلِّ مِنْكُمْ بِإِيمَانِ الْمُرْسَلِينَ * إِنَّهُمْ هُمُ الْمُنْصُورُونَ * وَلَئِنْ جُنْدَنَ لَهُمْ الْغَلِيْبُونَ﴾ (سورہ الصافات۔۱۷-۲۸) اور پسلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں کہ بے شک وہ منصور اور کامیاب ہوں گے اور ہمارا شکر بھی غالب ہو گا^(۱۰) ﴿كَتَبَ اللَّهُ لِلْأَغْلَبِينَ أَنَا وَرَسُولِيْنَ﴾ (المجادلة۔۲۱) ”اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے۔

(۲) یہ مضمون بھی اللہ نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے مثلاً^(۱۱) ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ آنَ الْأَرْضَ يَرْجُهُمْ أَعْبَادُهِيْ
الظَّلِيقُونَ﴾ — (الأنبیاء۔۵۰-۵۱) ”ہم نے لکھ دیا زبور میں، نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے۔“ (مزید دیکھئے سورہ الاعراف۔۱۲۸، ۱۳۷) چنانچہ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی، آپ کو بادل خواستہ کئے سے نکلتا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فتحانے کے میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکائے، کھڑے آپ کے اشارہ ابو رو کے منتظر تھے۔ لیکن آپ ملائیں نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ کہہ کر سب کو معاف فرمادیا۔ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ۔

(۳) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَأَتَامَنَ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَفَى النَّفَرَ عَنِ الْهَوَى * فَإِنَّ الْجَنَّةَ هُنَّ الْمَأْوَى﴾ (النازعات۔۳۰-۳۱) ”جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکے رکھا، یقیناً جنت اس کا اٹھکانہ ہے۔“ ﴿وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ بَعْدَنَ﴾ (الرحمن۔۳۶) ”جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔“

(۴) اس کا فاعل ظالم مشرک بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے بالآخر اللہ سے فیصلہ طلب کیا۔ یعنی اگر یہ رسول چے ہیں تو یا اللہ ہم کو اپنے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دے جیسے مشرکین مکنے کما۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكُمْ فَأَمْطِرُ عَلَيْكُمْ بَحَارَةَ وَمِنَ السَّمَاءِ أَوْ اثْبِتُنَا بِعَدَّ أَلْيُوبَ﴾ (سورہ الأنفال۔۲۲) اور جب کہ ان لوگوں نے کما، اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پھر بر سا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔“ یا

گا۔^(۱)

جسے بمشکل گھونٹ گھونٹ پئے گا۔ پھر بھی اسے گلے سے اتارنے کے گا اور اسے ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مرنے والا نہیں۔^(۲) پھر اس کے پیچے بھی سخت عذاب ہے۔^(۳)

ان لوگوں کی مثال جنوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا، ان کے اعمال مثل اس راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔^(۴) جو بھی انسوں نے کیا اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، یہی دور کی گمراہی ہے۔^(۵)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو بہترین مدیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے۔^(۶)

اللہ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں۔^(۷)

سب کے سب اللہ کے سامنے رو برو کھڑے ہوں گے۔^(۸)
اس وقت کمزور لوگ بڑائی والوں سے کہیں گے کہ ہم تو

جس طرح جنگ بدر کے موقع پر بھی مشرکین مکنے اسی قسم کی آرزو کی تھی جس کا ذکر اللہ نے (الأنفال-۱۹) میں کیا ہے۔
یا اس کا فاعل رسول ہوں کہ انسوں نے اللہ سے فتح و نصرت کی دعائیں کیں، جنہیں اللہ نے قبول کیا۔

(۱) صَدِينَدْ پیپ اور خون جو جہنمیوں کے گوشت اور ان کی کھالوں سے بہا ہو گا۔ بعض احادیث میں اسے «عصارۃُ اهل النَّارِ» (مندرجہ جلد ۵، صفحہ ۱۷۱) جہنمیوں کے جسم سے نچوڑا ہوا) اور بعض احادیث میں ہے کہ یہ صدید اتنا گرم اور کھوتا ہوا ہو گا کہ ان کے منہ کے قریب پہنچتے ہی ان کے چہرے کی کھال جھلس کر گر پڑے گی اور اس کا ایک گھونٹ پیتے ہی ان کے پیٹ کی آنسی پا خانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

(۲) یعنی انواع و اقسام کے عذاب چکھ کروہ موت کی آرزو کرے گا۔ لیکن، موت وہاں کہاں؟ وہاں تو اسی طرح دائی عذاب ہو گا۔

(۳) قیامت والے دن کافروں کے عملوں کا بھی یہی حال ہو گا کہ اس کا کوئی اجر و ثواب انسیں نہیں ملے گا۔

(۴) یعنی اگر تم نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمیں ہلاک کر کے، تمہاری جگہ نئی مخلوق پیدا کر دے۔ (یہی مضمون اللہ نے سورہ فاطر-۱۵، سورہ محمد-۳۸، المائدہ-۵۳ اور سورہ نساء-۱۳۳ میں بھی بیان کیا ہے۔)

(۵) یعنی سب میدان محشر میں اللہ کے رو برو ہوں گے، کوئی کہیں چھپ نہ سکے گا۔

يَجْرِعُهُ وَلَا يَحْكُمُ يُمْغَفِّلُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ
مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمُبَدِّلٍ وَمِنْ قَرَابَهُ عَذَابٌ غَيْظٌ^(۱)

مَثِيلُ الظِّينِ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَمَا دَلَّ اشْتَدَّتْ بِهِ
الْتَّرِبَةُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقُولُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ
ذَلِكَ هُوَ الظَّلَلُ الْبَعِيدُ^(۲)

الْمُرْتَأَنَ اللَّهُ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحُكْمِ إِنَّ يَشَاءُ يُنْهِكُ
وَيَأْتِيُ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ^(۳)

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ^(۴)
وَرَزُّهُ إِلَيْهِ جَمِيعًا فَقَالَ الْمُضْعَفُونَ إِنَّ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا
لَنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهُنَّ أَنُثُمْ مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ

تمارے تابع دار تھے، تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ہم سے دور کر سکتے والے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی ضرور تمہاری رہنمائی کرتے، اب تو ہم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ہی برابر ہے ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔^(۱) (۲۱)

جب اور کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان^(۲) کے گا کہ اللہ نے تو تمیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کیے تھے ان کا خلاف کیا،^(۳) میرا تم پر کوئی دباؤ تو تھا ہی نہیں،^(۴) ہاں میں نے تمیں پکارا اور تم نے میری مان لی،^(۵) پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے آپ کو

شَيْءٌ قَالُوا وَهَدَنَا اللَّهُ لَهُدَىٰكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْزَعَنَا أَمْ
صَبَرْنَا مَا مَلَأْنَا مِنْ حَيْثُ مِنْ^(۶)

وَقَالَ الشَّيْطَنُ لَنَا قِضَيْتَ لَنَا إِنَّ اللَّهَ وَعَدَ كُمْ وَعَدَ الْعَيْنَ
وَوَعَدْنَاكُمْ فَأَخْلَفْنَاكُمْ وَمَا كَانَ لِلَّهِ كَمْ مِنْ سُلْطَنٍ
إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَأَسْتَجَبْتُكُمْ لِي فَلَا تَأْتُونِي وَلَوْمًا
آفْسَكْمَ مَا أَنَا بِمُصْرِحٍ بِخَلْقِكُمْ وَمَا أَنْتُ بِمُصْرِحٍ إِنِّي كَفَرْتُ
بِمَا أَشَرَّكُشُونَ مِنْ قَبْلٍ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ

(۱) بعض کہتے ہیں کہ جسمی آپس میں کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لیے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گزر گزاتے تھے، آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ و زاری کریں چنانچہ وہ روئیں گے اور خوب آہ و زاری کریں گے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا، پھر کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ملی، چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں، پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے، لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا، پس اس وقت وہ کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع و فزع، اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ ان کی باہمی گفتگو جنم کے اندر ہو گی۔ قرآن کریم میں اس کو اور بھی کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ مومن ۷، ۳۸-۳۹، سورہ اعراف ۳۸-۳۹، سورۃ الاحزاب ۶۸-۶۹ اس کے علاوہ وہ آپس میں جھگڑیں گے بھی اور ایک دوسرے پر گمراہ کرنے کا الزام دھریں گے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جھگڑا میدان محشر میں ہو گا۔ اس کی مزید تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورہ سباء ۳۳-۳۱ میں بیان فرمائی ہے۔

(۲) یعنی اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جنم میں چلے جائیں گے تو شیطان جہنمیوں سے کے گا۔

(۳) اللہ نے جو وعدے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے کئے تھے کہ نجات میرے پیغمبروں پر ایمان لانے میں ہے، وہ حق تھے ان کے مقابلے میں میرے وعدے تو سراسر دھوکہ اور فریب تھے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا ﴿يَعِدُهُمْ وَيُنَبِّئُهُمْ وَمَا^(۷)
يَعِدُهُمُ الظَّيْطَانُ إِلَّا فَرَوْزًا﴾ (النساء: ۲۰) ”شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے لیکن شیطان کے یہ وعدے محض دھوکہ ہیں۔“

(۴) دوسرا یہ کہ میری باتوں میں کوئی دلیل و جدت نہیں ہوتی تھی، نہ میرا کوئی دباؤ ہی تم پر تھا۔

(۵) ہاں میری صرف دعوت اور پکار تھی، تم نے میری بے دلیل پکار کو تو مان لیا اور پیغمبروں کی دلیل و جدت سے بھرپور باتوں کو رد کر دیا۔

عَذَابُ الْيَمِنٍ^{۱۴}

لامت کرو،^(۱) نہ میں تمہارا فریادرس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے،^(۲) میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے،^(۳) یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۴) (۲۲)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں انہیں یعنیگی ہو گی اپنے رب کے حکم سے۔^(۵) جہاں ان کا خیر مقدم سلام سے ہو گا۔^(۶) (۲۳)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی، مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شنیاں آسمان میں ہیں۔^(۷) (۲۴)

جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا۔^(۸)

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا إِذْنَ رَبِّهِمْ
عَيْنَتِهِمْ فِيهَا سَلَامٌ^۹

أَلْفَرْ تَرْكِيفَ صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيْبَةً كَشَجَرَةً
طَيْبَةً أَصْلَهَا ثَلَاثَةٌ وَفَرَعَهَا فِي الشَّمَاءِ^{۱۰}

نُورٌ أَكْلَهَا كُلَّ حَيْنٍ إِذْنَ رَبِّهَا وَيَقْرُبُ اللَّهُ الْمَثَانِ

(۱) اس لیے کہ قصور سارا تمہارا اپنا ہی ہے، تم نے عقل و شعور سے زرا کام نہ لیا، دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کر دیا، اور مجردد عوے کے پیچھے لگے رہے، جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی۔

(۲) یعنی نہ میں تمہیں اس عذاب سے نکلا سکتا ہوں جس میں تم بٹتا ہو اور نہ تم اس قرود غصب سے مجھے بچا سکتے ہو جو اللہ کی طرف سے مجھ پر ہے۔

(۳) مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں، اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک گردانے رہے تو تمہاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی تھی اور اس کی مدیر بھی وہی کرتا رہا، بھلا اس کا کوئی شریک کیوں کر ہو سکتا تھا؟

(۴) بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ بھی شیطان ہی کا ہے اور یہ اس کے مذکورہ خطے کا تتمہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا کلام مِنْ قَبْلٍ پِرْ خَتَمٌ ہو گیا، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۵) یہ اہل شقاوت و اہل کفر کے مقابلے میں اہل سعادت اور اہل ایمان کا تذکرہ ہے۔ ان کا ذکر کران کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر اہل ایمان والا کردار اپنائے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

(۶) یعنی آپس میں ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہو گا۔ علاوہ ازیں فرشتے بھی ہر ہر دروازے سے داخل ہو کر انہیں سلام عرض کریں گے۔

(۷) اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے، جو گری ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالح شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر گھنٹی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ کلمہ طیبہ سے

ہے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۲۵)

اور نیاپ بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں۔ (۲۶)

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، (۲۷) ہاں نالنصاف لوگوں کو اللہ بہکار دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے۔ (۲۸)

لِلنَّاسِ لَعَذَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (۲)

وَمِثْلُ كَلْمَةٍ خَيْثَةٍ شَجَرَةٌ خَيْثَةٌ إِجْتَمَعَتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (۳)

يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّالِثِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُنَبِّئُ اللَّهُ الظَّلِيمِينَ وَيَعْلَمُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (۴)

اسلام، يَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَرَبُّ الشَّجَرِ طَيِّبَةٌ سَمْكُهُ كَبُورٌ كَادَ رَدْخَتْ مَرَادٌ هُبَّهُ۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الفهم فی العلم، مسلم، کتاب صفة القيامة، باب مثل المؤمن مثل النخلة)

(۱) کلمہ خیثہ سے مراد کفر اور شجرہ خیثہ سے خظل (اندر رائے) کا درخت مراد ہے۔ جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جاتی ہے۔ یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں۔ نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں، نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درج پاتے ہیں۔

(۲) اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ”موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان، ﴿يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کا (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ ابراہیم و صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها، باب عرض مقعد المبت علیہ و اثبات عذاب القبر) ایک اور حدیث میں ہے کہ ”جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جو توں کی آہست سنتا ہے۔ پس اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اخا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے، وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے اسے جنم کاٹھکانہ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی جگہ تیرے لیے جنت میں ٹھکانہ بنادیا ہے۔ پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور اس کی قبر ستر باتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو قیامت تک نعمتوں سے بھر دیا جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم، باب مذکور) ایک اثر میں ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے مَنْ رَبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ تَبَيَّنَكَ؟ تَبَيَّنَ رَبُّكَ؟ تَبَيَّنَ دِينُكَ؟ اور تیرا پیغمبر کون ہے؟ پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے ربِّيَ اللَّهُ (میرا ربِّ اللَّهِ ہے)، وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ (میرا دینِ اسلام ہے) اور نبیِّيَ مُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اور میرے پیغمبر محمد صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہیں)۔ (تفسیر ابن کثیر)

کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنوں نے اللہ کی نعمت کے بد لے نا شکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا۔^(۱) (۲۸)

یعنی دوزخ میں جس میں یہ سب جائیں گے، جو بدترین ٹھکانا ہے۔^(۲۹)

انہوں نے اللہ کے ہمسر بنا لیے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ خیر مزے کر لو تمہاری بازگشت تو آخر جنم ہی ہے۔^(۳۰) (۳۰)

میرے ایمان والے بندوں سے کہہ دیجئے کہ نمازوں کو قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں اس سے پلے کے وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی اور محبت۔^(۳۱) (۳۱)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کثیروں کو تمہارے بس

اللّٰهُ عَزَّالِيَ الَّذِينَ يَدْلُوُنَعْمَاتَ اللَّهِ كُفَّارًا وَلَحَلُوْأَقَوْمَهُمْ
دَارُ الْبَوَارِ^(۱)

جَهَنَّمَ عَصْلُونَهَا وَيُنَسَّ الْقَارُ^(۲)

وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنَّدَادَالْيُضْلُّا عَنْ سَبِيلِهِ
فَلْ تَبْغُوا فَلَمَّا مَصْنِدَكُمْ إِلَى النَّارِ^(۳)

فَلْ لِعَبَادَى الَّذِينَ آمَنُوا يُقْيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا
مِثَارِزَ ثَنَمُ سِرًا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ
يَوْمًا لَبَيْعُ فِيهِ وَلَأَخْلَلُ^(۴)

اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَا مَاءَ فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الشَّرَابَاتِ رِزْقًا لِّلْأَنْوَارِ
وَسَعَرَلَكَ الْفَلَكَ لِتَجْرِي فِي الْعَمَرِ بِأَمْرِهِ وَسَعَرَ

(۱) اس کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں، (بخاری)۔ تفسیر سورہ ابراہیم (جنہوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بد ریں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کروایا، تاہم اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رحمت للعلیین اور لوگوں کے لیے نعمت الیہ بنانے کا بھیجا، پس جس نے اس نعمت کی قدر کی، اسے قبول کیا، وہ جنتی ہو گیا اور جس نے اس نعمت کو رد کر دیا اور کفر اختیار کیے رکھا، وہ جنتی قرار پایا۔

(۲) یہ تهدید و توعیج ہے کہ دنیا میں تم جو کچھ چاہو کر لو، مگر کب تک؟ بالآخر تمہارا ٹھکانہ جنم ہے۔

(۳) نمازو کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر اور تعديل ارکان کے ساتھ اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اتفاق کا مطلب ہے کہ زکوٰۃ ادا کی جائے، اقارب کے ساتھ صلد رحمی کی جائے اور دیگر ضرورت مندوں پر احسان کیا جائے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی ذات اور اپنی ضروریات پر تو بلہ دریغ خوب خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے۔ قیامت کا دن ایسا ہو گا کہ جہاں نہ خرید و فروخت ممکن ہو گی نہ کوئی دوستی ہی کسی کے کام آئے گی۔

لَكُمُ الْاَنْهَارُ ۝

میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھر۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں۔^(۱) (۳۲)

اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مخزن کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں^(۲) اور رات ون کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔^(۳) (۳۳)

اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے۔^(۴) اگر تم اللہ کے احسان گتنا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔^(۵) یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔^(۶) (۳۴)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ دَأَبَيْنَ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ
النَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝

وَالشَّمْنَقَمَنْ ۗ مُلِلَ مَا سَكَنَمُوْهُ ۖ وَلَنْ تَعْدُوا عَمَّتَ الْهُوَ
لَا هُصُوْهَا ۗ إِنَّ إِنْسَانَ لَظَلَوْمٌ كُفَّارٌ ۝

(۱) اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر جوانع میں کے ہیں، ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا آسمان کو چھٹت اور زمین کو پچھوٹا بیلا۔ آسمان سے بارش نازل فرمائے مختلف قسم کے درخت اور فصلیں اگائیں، جن میں لذت و قوت کے لیے میوے اور فروٹ بھی ہیں اور انواع و اقسام کے غلے بھی جن کے رنگ اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور زانٹے، خوبیوں اور فوائد بھی مختلف ہیں۔ کثیتوں اور جمازوں کو خدمت میں لگادیا کہ وہ تلاطم خیز موجودوں پر چلتے ہیں، انسانوں کو بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور سامان تجارت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ زمینوں اور پہاڑوں سے چشمے اور نہریں جاری کر دیں تاکہ تم بھی سیراب ہو اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرو۔

(۲) یعنی مسلسل چلتے رہتے ہیں، کبھی ٹھرتے نہیں رات کو، نہ دن کو۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں لیکن کبھی ان کا باہمی تصادم اور نکراو نہیں ہوتا۔

(۳) رات اور دن، ان کا باہمی تفاوت جاری رہتا ہے۔ کبھی رات، دن کا کچھ حصہ لے کر لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن، رات کا کچھ حصہ لے کر لمبا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ابتدائے کائنات سے چل رہا ہے، اس میں یک سرمو فرق نہیں آیا۔ (۴) یعنی اس نے تمہاری ضرورت کی تمام چیزوں میا کیں جو تم اس سے طلب کرتے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں جسے تم طلب کرتے ہو، وہ بھی دیتا ہے اور جسے نہیں مانگتے، لیکن اسے پتہ ہے کہ وہ تمہاری ضرورت ہے، وہ بھی دیتا ہے۔ غرض تمہیں زندگی گزارنے کی تمام سولتیں فراہم کرتا ہے۔

(۵) یعنی اللہ کی نعمتیں ان گنتیں ہیں انہیں کوئی حیطہ شمار میں ہی نہیں لاسکتا۔ چہ جائید کوئی ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے۔ ایک اثر میں حضرت داود علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے۔ انسوں نے کہا "اے رب اے رب اے رب! میرا شکر ادا کر دیا جب کہ شکر بجائے خود تیری طرف سے مجھ پر ایک نعت ہے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے داود! اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جب کہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ یا اللہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔" (تفہیر ابن کثیر)

(۶) اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غفلت کی وجہ سے انسان اپنے نفس کے ساتھ ظلم اور بے انصافی کرتا ہے۔ بالخصوص کافر، جو بالکل ہی اللہ سے غافل ہے۔

(ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شر کو امن والا بنا دے،^(۱) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے۔^(۲)

اے میرے پالنے والے معبوداً انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے۔^(۳) پس میری تابداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے۔^(۴)

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد^(۵) اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں،^(۶) پس تو کچھ لوگوں^(۷) کے دلوں کو ان کی طرف

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّي أَجْعَلْ هَذَا الْبَدْرَ أَمْنًا
وَاجْبُنِي وَبَنِي أَنْ تَعْبُدُ الْأَصْنَامَ ۝

رَبِّ إِنَّمَا أَضَلَّنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ
تَبَعَ عَنِّي فَإِنَّهُ مِنِي وَمَنْ عَصَمَنِي فَإِنَّكَ عَفْوُرٌ
رَحِيمٌ ۝

رَبَّنَا لِئَلَّا أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرَ ذُرِّيَّ
ذُرَّةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمٍ لِرَبَّنَا لِي قِيمُوا
الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْدَةً مِنَ النَّاسِ تَهُوَى إِلَيْهِمْ

(۱) "اس شر" سے مراد کہ ہے۔ دیگر دعاوں سے قبل یہ دعا کی کہ اے امن والا بنا دے، اس لیے کہ امن ہو گا تو لوگ دوسری نعمتوں سے بھی صحیح معنوں میں متعین ہو سکیں گے، ورنہ امن و سکون کے بغیر تمام آسانیوں اور رسولوں کے باوجود خوف اور دہشت کے سامنے انسان کو مضطرب اور پریشان رکھتے ہیں۔ جیسے آج کل کے عام معاشروں کا حال ہے۔ سوائے سعودی عرب کے۔ وہاں اس دعا کی برکت سے اور اسلامی حدود کے نفاذ سے آج بھی ایک مثالی امن قائم ہے صَانَهَا اللَّهُ عَنِ الشُّرُورِ وَالْفَتَنِ یہاں انعامات الیہ کے ضمن میں اے بیان فرمایا کہ اشارہ کردیا کہ قریش جہاں اللہ کے دیگر انعامات سے غافل ہیں۔ اس خصوصی انعام سے بھی غافل ہیں کہ اس نے انہیں مکہ جیسے امن والے شر کا باشندہ بنایا۔

(۲) گمراہ کرنے کی نسبت ان پتھر کی سورتیوں کی طرف کی جن کی مشرکین عبادات کرتے تھے، باوجود اس بات کے کہ وہ غیر عاقل ہیں، کیونکہ وہ گمراہی کا باعث تھیں اور ہیں۔

(۳) مِنْ ذُرِّيَّتِي میں مِنْ تَبِعِيْفِ کے لیے ہے یعنی بعض اولاد۔ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آئھے صلبی بیٹے تھے، جن میں سے صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا۔ (فتح القدر)

(۴) عبادات میں سے صرف نماز کا ذکر کیا، جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے۔

(۵) یہاں بھی منْ تَبِعِيْفِ کے لیے ہے۔ کہ کچھ لوگ، مراد اس سے مسلمان ہیں۔ چنانچہ دیکھ لجھئے کہ کس طرح دنیا بھر کے مسلمان مکہ کمرہ میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے علاوہ بھی سارا سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام أَفْتَدَ النَّاسَ (لوگوں کے دلوں) کہتے تو عیسائی، یہودی، موسیٰ اور دیگر تمام لوگ مکہ پہنچتے۔ مِنَ النَّاسِ کے مِنْ نے اس دعا کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔ (ابن کثیر)

ماں کر دے۔ اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرمًا^(۱)
تاکہ یہ شکر گزاری کریں۔ (۳۷)

اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں
اور جو ظاہر کریں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ
نہیں۔ (۳۸)

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل و
اسحاق (علیہما السلام) عطا فرمائے۔ کچھ شک نہیں کہ میرا
پالنہار اللہ دعاوں کا سنبھالا ہے۔ (۳۹)

اے میرے پالے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد
سے بھی، اے ہمارے رب میری دعائیوں فرم۔ (۴۰)

اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں
باپ کو بھی بخش^(۲) اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن

وَادْرُبُوهُمْ مِنَ الشَّمَرَاتِ لَعَلَهُمْ يَشْكُرُونَ ⑦

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا تُخْفِي وَمَا تُعْلِمُ وَمَا يَخْفِي
عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاوَاءِ ⑧

الْحَمْدُ لِلَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَهَبَ لِنَا عَلَى الْكَبِيرِ أَسْمَاعِيلَ
وَلَسْعَقَنَا إِنَّ رَبِّنَا لَسَيِّدِنَا الدُّعَاءِ ⑨

رَبِّنَا اجْعَلْنَا مُقِيمِ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذَرِيَّتِنَا رَبَّنَا
وَتَعَبَّلْنَا دُعَاءَ ⑩

رَبَّنَا اغْفِرْنَا وَلِوَالِدَيْنَا وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ
يَقُولُ الْحُسَابُ ⑪

(۱) اس دعا کی تاثیر بھی دیکھ لی جائے کہ مکہ جیسی بے آب و گیاه سرزمین میں، جہاں کوئی پھل دار درخت نہیں، دنیا بھر کے پھل اور میوے نہیں فراوانی کے ساتھ میا ہیں اور جو کے موقع پر بھی، جب کہ لاکھوں افراد مزید وہاں پہنچ جاتے ہیں، پھلوں کی فراوانی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وَهُذَا مِنْ لُطْفِ اللَّهِ تَعَالَى وَكَرَمِهِ وَرَحْمَتِهِ وَبَرَكَتِهِ، أَسْتِجَابَهُ لِخَلِيلِهِ إِبْرَاهِيمَ۔ عَلَيْهِ السَّلَامُ کہا جاتا ہے کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مانگی، جب کہ پہلی دعا (امن والا بنا دے) اس وقت مانگی، جب اپنی الہیہ اور شیر خوار بچے اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ (ابن کثیر)

(۲) مطلب یہ ہے کہ میری دعا کے مقصد کو تو بخوبی جانتا ہے، اس شروالوں کے لیے دعا سے اصل مقصد تیری رضا ہے تو تو ہر چیز کی حقیقت کو خوب جانتا ہے، آسمان و زمین کی کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں۔

(۳) اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی دعا مانگی، جیسے اس سے قبل بھی اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی یہ دعا مانگی کہ انہیں پتھر کی مورتیوں کو پونے سے بچا کر رکھنا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے دین کے داعیوں کو اپنے گھر والوں کی ہدایت اور ان کی دینی تعلیم و تربیت سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ تبلیغ و دعوت میں انہیں اولیت دینی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا ﴿ وَكَذَرَعَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ (الشعراء۔ ۲۲۲) ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے!“۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جب کہ ابھی ان پر اپنے باپ کا عذر اللہ ہونا واضح نہیں ہوا تھا، جب یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اطمینان برائت کر دیا۔ اس لیے کہ مشرکین کے لیے دعا کرنا جائز نہیں چاہے وہ قرابت قریبہ ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

حساب ہونے لگے۔^(۳۱)

ناانصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھو وہ تو انہیں اس دن تک مملت دیے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔^(۳۲)

وہ اپنے سراپا اٹھائے دوڑ بھاگ کر رہے ہوں گے،^(۳۳)
خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی اور ان کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے۔^(۳۴)

لوگوں کو اس دن سے ہوشیار کر دے جب کہ ان کے پاس عذاب آجائے گا، اور خالم کمیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں بہت تھوڑے قریب کے وقت تک کی ہی مملت دے کہ ہم تیری تبلیغ مان لیں اور تیرے پیغمبروں کی تابعداری میں لگ جائیں۔ کیا تم اس سے پہلے بھی قسمیں نہیں کھا رہے تھے؟ کہ تمہارے لیے دنیا سے ملنایی نہیں۔^(۳۵)

اور کیا تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے ستے نہ تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کیا تم پر وہ معاملہ کھانا نہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کچھ کیا۔ ہم نے (تو تمہارے سمجھانے کو) بہت سی مثالیں بیان کر دی تھیں۔^(۳۶)

وَلَا تَنْسِبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ
إِنَّمَا يُؤْخِرُهُمْ لِيَوْمٍ شَهَدُوا إِلَيْهِ الْأَبْصَارُ ۖ

مُهْطِعِينَ مُقْنِيِّيْرُؤُوسِهِمْ لَآيَرِتَذِإِيْهِمْ
طَرْفُهُمْ وَأَقْدَتْهُمْ هَوَاءُ ۖ

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ
ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرُونَا إِلَى أَجَلِ قَوْيِّيْنَ تَجْبُ دَعْوَاتِكَ وَنَتَّيْعَ
الرَّوْسُلَ مَا وَأْنَحْتَلُونَ تَأْقِسِلُمْ مِنْ قَبْلِ مَالَكِ الدِّينِ زَوَالِ ۖ

وَسَلَّمْ فِي مَسِيْكِنِ الَّذِينَ كَلَمْوَأَنْفَسِهِمْ وَبَيْنَ الْمَكَافِرِ
فَعَلَمْنَا يِهِمْ وَضَرَبْنَا لِكُلِّ الْمَثَالَ ۖ

(۱) یعنی قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے۔ اگر دنیا میں اللہ نے کسی کو زیادہ مملت دے دی اور اس کے مرنے تک اس کا مٹااغذہ نہیں کیا تو قیامت کے دن تو وہ مٹااغذہ الہی سے نہیں پیٹ سکے گا، جو کافروں کے لیے اتنا ہولناک دن ہو گا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

(۲) مُهْطِعِينَ - تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا (مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ) (القمر:۸) "بلانے والے کی طرف دوڑیں گے" مُقْنِيِّرُؤُوسِهِمْ حیرت سے ان کے سراٹھے ہوئے ہوں گے۔

(۳) جو ہولناکیاں وہ دیکھیں گے اور جو فکر اور خوف اپنے بارے میں انہیں ہو گا، ان کے پیش نظر ان کی آنکھیں ایک لحظہ کے لیے بھی پست نہیں ہوں گی اور کثرت خوف سے ان کے دل گرے ہوئے اور خالی ہوں گے۔

(۴) یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کھاتے تھے کہ کوئی حساب کتاب اور جنت و دوزخ نہیں، اور دوبارہ کے زندہ ہونا ہے۔

(۵) یعنی عبرت کے لیے ہم نے تو ان چھپلی قوموں کے واقعات بیان کر دیئے ہیں، جن کے گھروں میں اب تم آباد ہو اور

یہ اپنی اپنی چالیس چل رہے ہیں اور اللہ کو ان کی تمام چالوں کا عالم ہے^(۱) اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے مل جائیں۔^(۲) (۳۶)

آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے نبیوں سے وعدہ خلافی کرے گا،^(۳) اللہ بڑا ہی غالب اور بدله لینے والا ہے۔^(۴) (۳۷)

جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان^(۵) بھی، اور سب کے سب اللہ واحد غلبے والے کے رو برو ہوں گے۔^(۳۸)

آپ اس دن گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ زنجیروں میں ملے جلے ایک جگہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔^(۳۹)

وَقَدْ مَكْرُوهٌ مَّكْرُوهٌ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُوهٌ وَلَنْ كَانَ مَكْرُوهٌ لِتَرْوُلِ مِنْهُ الْجَهَالُ ④

فَلَا يَحْسَبَنَّ اللَّهَ غُلَمًا وَعِنْهُ رُسُلٌ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ وَإِنَّمَا يَنْتَقِيمُ ⑤

يَوْمَ تَبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرُ الْأَرْضِ وَالثَّمَوْتُ وَهَرَبُوا لِنَفْلِهِ
الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑥

وَتَرَى النُّجُومَ مِنْ يَوْمَ أَبْيَدَ مُقَرَّنَيْنَ فِي الْأَصْفَادِ ⑦

ان کے کھنڈرات بھی تمیں دعوت غور و فکر دے رہے ہیں۔ اگر تم ان سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تم ساری مرضی۔ پھر تم بھی اسی انجام کے لیے تیار رہو۔

(۱) یہ جملہ حالیہ ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ جو کیا وہ کیا، دراں حایکہ انہوں نے باطل کے اثبات اور حق کے رد کرنے کے لیے مقدور بھر جیے اور مکر کیے اور اللہ کو ان تمام چالوں کا عالم ہے یعنی اس کے پاس درج ہے جس کی وہ ان کو سزا دے گا۔

(۲) کیونکہ اگر پہاڑ مل گئے ہوتے تو اپنی جگہ برقرار نہ ہوتے، جب کہ سب پہاڑ اپنی اپنی جگہ ثابت اور برقرار ہیں۔ یہ ان نافیہ کی صورت میں ہے۔ دوسرے معنی *إِنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الْمُنَقْلَةِ* کے لیے گئے ہیں۔ یعنی یقیناً ان کے مکروتاتے بڑے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے مل جاتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس نے ان کے مکروں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جیسے مشرکین کے شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿نَحَادُّ الْمَوْتَ يَعْتَظِمُ مِنْهُ وَتَشَقَّقُ الْأَرْضُ وَغَرَّ الْجَاهَلُ هُنَّا * أَنْ دَعَوْلَةَ الْمُنْجِنِينَ وَلَكُمَا هُنَّا﴾ (سورہ مریم ۱۹۰)

(۳) قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر کہ انہوں نے کما اللہ رحمن کی اولاد ہے۔

(۴) یعنی اللہ نے اپنے رسولوں سے دنیا اور آخرت میں مدد کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً سچا ہے، اس سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

(۵) یعنی اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے بدله لینے والا ہے۔

(۶) امام شوکانی فرماتے ہیں کہ آیت میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ تبدیلی صفات کے لحاظ سے ہو یا ذات کے لحاظ سے۔ یعنی یہ آسمان و زمین اپنے صفات کے اعتبار سے بدلت جائیں گے یا ویسے ہی ذاتی طور پر یہ تبدیلی آئے گی، نہ یہ زمین رہے گی نہ یہ آسمان۔ زمین بھی کوئی کوئی اور آسمان بھی کوئی اور۔ حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان کے لباس گندھ کے ہوں گے^(۱) اور آگ ان کے چروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی۔^(۵۰)

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دے، بیشک اللہ تعالیٰ کو حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگنے کی۔^(۵۱)

یہ قرآن^(۲) تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ ہوشیار کر دیے جائیں اور بخوبی معلوم کر لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقلمند لوگ سوچ سمجھ لیں۔^(۵۲)

سورہ جحر کی ہے اور اس کی ننانوے آیتیں ہیں اور چھ روکوئے ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مریان بڑا رحم والا ہے۔

الرَّبُّ يَكْتَبُ الْحَيَّ كی آیتیں ہیں اور کھلے اور روشن قرآن کی۔^(۳)^(۴)

سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطْرَانٍ وَتَغْشَى وُجُوهُهُمُ النَّارُ ۝

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

هَذَا بَلَغُ لِلنَّاسِ وَلَيُنَذَّرُوا بِهِ وَلَيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَإِنْهُ وَاحِدٌ
وَلَيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ مُّنَاهَىٰ إِلَيْهِ الْأَلْبَابُ ۝

سُورَةُ الْجَرْحٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

الرَّقْبَ تَلْكَ إِلَيْكَ الْحَكْمُ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝

«يُخْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى أَرْضِ بَيْضَاءَ عَفَرَاءَ، كَفُرْصَةَ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيهَا عَلَمٌ لَّاَحِدٌ». (صحیح مسلم)
صفة القيامة: باب في البعث والنشور "قيامت والے دن لوگ سفید بھوری زمین پر اکٹھے ہوں گے جو میدہ کی روئی کی طرح ہوگی۔ اس میں کسی کا کوئی جھنڈا (یا عالمی نشان) نہیں ہو گا۔" حضرت عائشہ^{رض} نے پوچھا کہ جب یہ آسمان و زمین بدل دیئے جائیں گے تو پھر لوگ اس دن کہاں ہوں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صراط پر" یعنی پل صراط پر۔ (حوالہ مذکور) ایک یہودی کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لوگ اس دن پل کے قریب اندھیرے میں ہوں گے"۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الحیض۔ باب بیان صفة منی الرجل)

(۱) جو آگ سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ علاوہ ازیں آگ نے ان کے چروں کو بھی ڈھانکا ہوا ہو گا۔

(۲) یہ اشارہ قرآن کی طرف ہے، یا کچھلی تفصیلات کی طرف، جو ﴿وَلَا تَحْسَنَ اللَّهَ غَافِلًا﴾ سے بیان کی گئی ہیں۔

(۳) کتاب اور قرآن میں سے مراد قرآن کریم ہی ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جس طرح ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ (الماندہ، ۱۵) میں نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کریم کی تحریر تفہیم شان کے لیے ہے یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت عظمت و شان والا ہے۔

وہ بھی وقت ہو گا کہ کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے۔^(۱)^(۲)

آپ انہیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جوہی) امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجئے یہ خودا بھی جان لیں گے۔^(۳)^(۴)
کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے مقررہ نوشته تھا۔^(۳)

کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے رہتا ہے۔^(۳)^(۵)

انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے۔^(۶)

اگر تو سچا ہی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا۔^(۷)

ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں اور اس وقت وہ مہلت دیے گئے نہیں ہوتے۔^(۸)

رُبَّمَا يَوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا كَانُوا مُسْلِمِينَ ①

ذَرُهُمْ يَأْكُلُوا وَيَمْسَعُوا وَيُلْهِهُمُ الْأَمْلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ②

وَمَا أَهْلَكَنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ③

مَا تَبَيَّنَ مِنْ أُمَّةٍ أَجْلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ④

وَقَالُوا يَا يَهُوا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الْكِتَابُ لَكُلُّكُمْ لَكَجُنُونٌ ⑤

لَوْ مَا تَأْتَنَا بِالْمُلِّكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑥

مَا نَزَّلْنَا الْمُلِّكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرُونَ ⑦

(۱) یہ آرزو کب کریں گے؟ موت کے وقت، جب فرشتے انہیں جنم کی آگ دکھاتے ہیں یا جب جنم میں ٹلے جائیں گے یا اس وقت جب گناہ گار ایمانداروں کو کچھ عرصہ بطور سزا، جنم میں رکھنے کے بعد جنم سے نکلا جائے گا یا میدان محشر میں، جہاں حساب کتاب ہو رہا ہو گا اور کافر دیکھیں گے کہ مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے۔ رُبَّمَا اصل میں تو تکشیر کے لیے ہے لیکن کبھی تقلیل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی طرف سے یہ آرزو ہر موقعے پر ہوتی رہے گی لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

(۲) یہ تمدید و توثیق ہے کہ یہ کافر و مشرک اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آرہے ہیں تو انہیں چھوڑ دیجئے، یہ دنیاوی لذتوں سے محظوظ ہو لیں اور اپنی امیدیں بر لائیں۔ عنقریب انہیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

(۳) جس بستی کو بھی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں، تو فوراً ہلاک نہیں کر دالتے، بلکہ ہم ایک وقت مقرر کئے ہوئے ہیں، اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دے دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے تو انہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے پھر وہ اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوتے۔

(۴) یہ کافروں کے کفر و عناد کا بیان ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے اور کہتے کہ اگر تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ کہ وہ فرشتے ہمارے پاس بھیجے تاکہ وہ تیری رسالت کی تصدیق کریں یا ہمیں ہلاک کر دیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے ہم حق کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب ہماری حکمت و میثت عذاب بھیجنے کی مقتضی

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محفوظ ہیں۔^(۹)

ہم نے آپ سے پہلے اگلی امتوں میں بھی اپنے رسول (برا بر) بھیجے۔^(۱۰)

اور (لیکن) جو بھی رسول آتا وہ اس کامداق اڑاتے۔^(۱۱)
گناہ گاروں کے دلوں میں ہم اسی طرح یہی رچا دیا کرتے ہیں۔^(۱۲)

وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً اگلوں کا طریقہ گزرا ہوا ہے۔^(۱۳)

إِنَّا هُنَّ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَنْوَافِ لِحَفِظُونَ ①

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيعَةِ الْأَوَّلِينَ ②

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا يَهْتَهِرُونَ ③
كَذَلِكَ تَسْلَكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ④

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ⑤

ہوتی ہے تو پھر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور پھر وہ مہلت نہیں دیے جاتے، فوراً ہلاک کر دیے جاتے ہیں۔

(۱) یعنی اس کو دست بردازی سے اور تحریف و تغیر سے بچانا یہ ہمارا کام ہے۔ چنانچہ قرآن آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ اتراتھا، گمراہ فرقے اپنے انہیں گمراہانہ عقائد کے اثبات کے لیے اس کی آیات میں معنوی تحریف توکرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں لیکن پچھلی کتابوں کی طرح یہ لفظی تحریف اور تغیر سے محفوظ ہے۔ علاوه ازیں اہل حق کی ایک جماعت بھی تحریفات معنوی کا پردہ چاک کرنے کے لیے ہر دور میں موجود ہی ہے، جو ان کے گمراہانہ عقائد اور غلط استدلالات کے تاریخ پر بکھیرتی رہی ہے اور آج بھی وہ اس حاضر پر سرگرم عمل ہے۔ علاوه ازیں قرآن کو یہاں "ذکر" (نصیحت) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے اہل جہان کے لیے "ذکر" (یادوہاںی اور نصیحت ہونے) کے پہلو کو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات کو بھی محفوظ کر کے، قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے۔ گویا قرآن کریم اور سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور رسول کو حاصل نہیں ہوا۔

(۲) یہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی، ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔

(۳) یعنی کفر اور رسولوں کا استہزا ہم مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں یا رچا دیتے ہیں، یہ نسبت اللہ نے اپنی طرف اس لیے کی کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے گو ان کا یہ فعل ان کی مسلسل معصیت کے نتیجے میں اللہ کی مشیت سے رونما ہوا۔

(۴) یعنی ان کے ہلاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو اللہ نے پہلے سے مقرر کر رکھا ہے کہ تکذیب و استہزا کے بعد وہ قوموں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔

اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ
وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں۔^(۱۳)

تب بھی یہی کیسیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے
 بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔^(۱۴)^(۱۵)

یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں^(۱۶) اور دیکھنے والوں
کے لیے اسے سجاداً دیا گیا ہے۔^(۱۷)

اور اسے ہر مردوں شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔^(۱۸)^(۱۹)
ہاں مگر جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے اس کے پیچھے

وَلَوْفَتَخْنَأَ عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلَّوْا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝

لَقَالُوا إِنَّا سَيَرَكُ بِصَارَنَا بَلْ مَنْ هُنَّ وَمَمْسُورُونَ ۝

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيْتَهَا لِلنَّظِيرِينَ ۝

وَحَفِظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَنٍ رَّجِيمٍ ۝

إِلَمَنِ اسْتَرَقَ السَّمَمَ فَأَتَبَعَهُ شَهَابٌ مُّبِينٌ ۝

(۱) یعنی ان کا کفر و عناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو رہا ایک طرف، اگر خود ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور یہ ان دروازوں سے آسمان پر آئیں جائیں، تب بھی انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے اور رسولوں کی تصدیق نہ کریں بلکہ یہ کیسیں کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آسمان پر آجاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۲) بُرُوجُ بُرُوجُ کی جمع ہے، جس کے معنی ظہور کے ہیں۔ اسی سے تبرُّجُ ہے جو عورت کے اظہار زینت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آسمان کے ستاروں کو بُرُوج کہا گیا ہے کیوں کہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بُرُوج سے مراد شمس و قمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں، جو ان کے لیے مقرر ہیں۔ اور یہ ۱۲ ہیں، حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ عرب ان سیاروں کی مزلوں اور ان کے ذریعے سے موسم کا حال معلوم کرتے تھے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ ان سے تغیریز ہونے والے واقعات و حوادث جانے کا دعویٰ کرنا، جیسے آج کل بھی جاہلوں میں اس کا خاصاً چرچا ہے۔ اور لوگوں کی قسمتوں کو ان کے ذریعے سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ ان کا کوئی تعلق دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث سے نہیں ہوتا، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف مشیت الٰہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برجوں یا ستاروں کا ذکر اپنی قدرت اور بے مثال صنعت کے طور پر کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ واضح کیا ہے کہ یہ آسمان کی زینت بھی ہیں۔

(۳) رَجِيمٌ مَّزِجُومٌ کے معنی میں ہے۔ رَجْم کے معنی سنگار کرنے یعنی پھرمانے کے ہیں۔ شیطان کو رجیم اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جب آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا تو آسمان سے شاب ثاقب اس پر نوٹ کر گرتے۔ پھر رجیم ملعون و مردوں کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کیوں کہ جسے سنگار کیا جاتا ہے اسے ہر طرف سے لعنت ملامت بھی کی جاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ہم نے آسمانوں کی حفاظت فرمائی ہر شیطان رجیم سے۔ یعنی ان ستاروں کے ذریعے سے کیوں کہ یہ شیطان کو مار کر بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

وَهَلَّتْ هَوَا (كُلَا شَعْدَل) لَّغَّتْ هَيْ - ^(۱) (۱۸)

اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اور اس پر (اُمل) پہاڑ
ڈال دیئے ہیں، اور اس میں ہم نے ہر چیز ایک معین
مقدار سے اگادی ہے۔ ^(۲) (۱۹)

اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنادی ہیں ^(۳) اور
جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو۔ ^(۴) (۲۰)

اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے
پاس ہیں، ^(۵) اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ انداز
سے اتارتے ہیں۔ ^(۶) (۲۱)

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَهَا وَالْقَيْنَاءِ فِيهَا وَأَوْسَى وَأَنْبَثْنَا فِيهَا
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ^(۷)

وَجَعَلْنَا الْكُفُّرَ فِيهَا مَعَايِشٍ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقَيْنَ ^(۸)

وَإِنْ قِنْ شَيْءٌ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَانَةٌ وَمَا نُنْزِلُهُ
إِلَّا بِقَدْرٍ مَعْلُومٍ ^(۹)

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں پر باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں، جن پر شہاب ثاقب ٹوٹ کر گرتے ہیں، جن سے کچھ تو جل مرجاتے ہیں اور کچھ نجع جاتے ہیں اور بعض سن آتے ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتا ہے، تو فرشتے اسے سن کر اپنے پریا بازو پھر پھردا تے ہیں، (بعض) مکنت کے اظہار کے طور پر) گواہ کسی چنان پر زنجیر کی آواز ہے۔ پھر جب فرشتوں کے دلوں سے اللہ کا خوف دور ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں، اس نے جو کہا، حق کہا اور وہ بلند اور بڑا ہے (اس کے بعد اللہ کا وہ فیصلہ اور پر سے نیچے تک کیے بعد ویگرے سنایا جاتا ہے۔) اس موقع پر شیطان چوری چھپے بات سننے ہیں۔ اور یہ چوری چھپے بات سننے والے شیطان، تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں اور وہ ایک آدھ کلمہ سن کر اپنے دوست نجومی یا کامن کے کان میں پھونک دیتے ہیں، وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بیان کرتا ہے۔ (طفا۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ جم)

(۲) مَوْزُونٌ بمعنی مَعْلُومٌ یا بہ اندازہ یعنی حسب ضرورت۔

(۳) مَعَايِشٌ، مَعِينَةٌ کی جمع ہے۔ یعنی زمین میں تمہاری معيشت اور گزران کے لیے بیشتر اسباب و وسائل پیدا کر دیے۔

(۴) اس سے مراد نوکر چاکر، غلام اور جانور ہیں۔ یعنی جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا ہے، جن پر تم سواری بھی کرتے ہو، سامان بھی لاو کر لے جاتے ہو اور انہیں ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہو۔ غلام اونٹیاں ہیں جن سے تم خدمت گزاری کا کام لیتے ہو۔ یہ اگرچہ سب تمہارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، تم نہیں ہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم ان کے رازق ہو، اگر تم انہیں کھانا نہیں دو گے تو بھوکے مرجائیں گے۔

(۵) بعض نے خزانے سے مراد بارش لی ہے کیونکہ بارش ہی پیداوار کا ذریعہ ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد تمام کائنات کے خزانے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ حسب مشیت و ارادہ عدم سے وجود میں لا تارہتا ہے۔

اور ہم صحیح ہیں بو جھل ہوائیں،^(۱) پھر آسمان سے پانی
برسا کروہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ کرنے
والے نہیں ہو۔^(۲) (۲۲)

ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی (بالآخر)
وارث ہیں۔^(۲۳)

اور تم میں سے آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے
بھی ہمارے علم میں ہیں۔^(۲۴)

آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ بڑی
حکموں والا برے علم والا ہے۔^(۲۵)

یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی گھنکھناتی مٹی سے،
پیدا فرمایا ہے۔^(۲۶)

اور اس سے پلے جنات کو ہم نے لو والی آگ^(۲۷) سے
پیدا کیا۔^(۲۸)

وَأَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَوَاقَةَ قَاتِلِنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَسْعَيْنَاهُمْ وَمَا أَنْشَأْنَاهُ بِخَزَنَتِنَا^(۱)

وَإِنَّ الْحَمْنَى وَنَبِيَّتُ وَحْمَنَ الْوَرِثَةَ^(۲)

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَأْخِرِينَ^(۳)

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْسِرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلَيْهِ^(۴)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَّا
مَسْنُونٍ^(۵)

وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلٍ مِنْ تَارِ السَّمَوَرِ^(۶)

(۱) ہواں کو بو جھل، اس لیے کہا کہ یہ ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن میں پانی ہوتا ہے۔ جس طرح لفَّحَةٌ حاملہ او نمنی کو
کما جاتا ہے جو بیٹھ میں بچہ اٹھائے ہوتی ہے۔

(۲) یعنی یہ پانی جو ہم اترتے ہیں، اسے تم ذخیرہ کر کے رکھنے پر بھی قادر نہیں ہو۔ یہ ہماری ہی تدرست و رحمت ہے کہ
ہم اس پانی کو چشمیں، کنوں اور نرسوں کے ذریعے سے محفوظ رکھتے ہیں، ورنہ اگر ہم چاہیں تو پانی کی سطح اتنی پیچی کر دیں
کہ چشمیں اور کنوں سے پانی لینا تمہارے لیے ممکن نہ رہے، جس طرح بعض علاقوں میں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنی
تدرست کا نمونہ دکھاتا ہے اللہُمَّ أَخْفَظْنَا مِنْهُ۔

(۳) مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ خشک مٹی، تراب، بھیگی، ہوئی طین، گوند ہی ہوئی بدبو دار
﴿حَمَّا مَسْنُونٍ﴾ یہ حَمَّا مَسْنُونٍ خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگے تو صَلَصَالٍ اور جب اسے آگ میں پکایا جائے تو فَخَازٌ
(ٹھیکری) کھلاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خاکی کا
پتلا حَمَّا مَسْنُونٍ (گوند ہی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبو دار) مٹی سے بنایا گیا، جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا (یعنی مصال) ہو
گیا۔ تو اس میں روح پھوکنی گئی، اسی صَلَصَالٍ کو قرآن میں دوسری جگہ کَالْفَخَار (غمار کی مانند) کہا گیا ہے۔ ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ
مِنْ صَلَصَالٍ كَالْفَخَار﴾ (الرَّحْمَن - ۳۰) ”پیدا کیا انسان کو گھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکر۔“

(۴) جِنْ کو جن اس لیے کما جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ سورہ رحمٰن میں جنات کی تخلیق ﴿شَلَّيْهِ قَنْعَلَدِ﴾

اور جب تیرے پور دگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کو کالی اور سڑی ہوئی گھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ (۲۸)

توجب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ (۲۹)

چنانچہ تمام فرشتوں نے سب کے سب نے سجدہ کر لیا۔ (۳۰)
مگر ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت کرنے سے (صاف) انکار کر دیا۔ (۳۱)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (۳۲)

وہ بولا کہ میں ایسا نہیں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی گھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (۳۳)

فرمایا اب تو بہشت سے نکل جائیوں کہ تو راندہ درگاہ ہے۔ (۳۴)

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت کے دن تک۔ (۳۵)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالقُ أَبْشِرُكُمْ
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاسَتُونِ ④

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعَ عَلَهُ سَجِيدُونَ ⑤

فَسَجَدَتِ الْمَلِكَةُ كُلُّمَا أَجْمَعُونَ ⑥
إِلَّا إِلِينُسُ إِنِّي أَنْ يَكُونَ مَعَ الشَّيْعِيدِينَ ⑦

قَالَ يَأَيُّلِيسُ مَالِكُ الْأَكْلَوْنَ مَعَ الطَّيْعِيدِينَ ⑧

قَالَ لَمْ أَنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ
مِّنْ حَمَاسَتُونِ ⑨

قَالَ فَأَخْرُجْهُ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيعٌ لَّا

وَلَئِنْ عَلِيِّكَ اللَّعْنَةُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ⑩

سے بتالی گئی ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہی کہا گیا ہے، «خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ ثُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُ مِنْ مَارِيجٍ مِنْ ثَأَرٍ وَخُلِقَ آدُمٌ مِمَّا وُصِّفَ لَكُمْ» (کتاب الزهد، باب فی احادیث متفرقة) اس اعتبار سے لو والی آگ یا آگ کے شعلے کا ایک ہی مطلب ہو گا۔

(۱) سجدے کا یہ حکم بطور تعظیم کے تھا، عبادت کے طور پر نہیں۔ اور یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا، اس لیے اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں۔ تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) شیطان نے انکار کی وجہ حضرت آدم علیہ السلام کا غاکی اور بشر ہونا بتالیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اور بشر کو اس کی بشریت کی بنابر حقیر اور کم تر سمجھنایہ شیطان کا فلسفہ ہے، جو اہل حق کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اہل حق انبیاء علیم السلام کی بشریت کے منکر نہیں، اس لیے کہ ان کی بشریت کو خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علاوه ازیں بشریت سے ان کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے اس دن تک کی ڈھیل
دے کہ لوگ دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں۔ (۳۶)
فرمایا کہ اچھا تو ان میں سے ہے جنہیں ملت ملی
ہے۔ (۳۷)

روز مقرر کے وقت تک کی۔ (۳۸)
(شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے
گراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان
کے لئے معاصی کو مزین کروں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا
بھی۔ (۳۹)

سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے
ہیں۔ (۴۰)

ارشاد ہوا کہ ہاں یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ
ہے۔ (۴۱)

میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں، (۴۲) لیکن ہاں جو گراہ
لوگ تیری پیروی کریں۔ (۴۲)

یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جنم ہے۔ (۴۳) (۴۳)
جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ان

قالَ رَبِّيْ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ④

قالَ فَإِنَّكَ مِنَ النَّظَرِيْنَ ④

إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ④

قالَ رَبِّيْ إِنَّمَا أَعْوَيْتِي لِأَرْتَيْنَ لَهُمْ فِي
الْأَرْضِ وَلَا غُوَيْتُهُمْ أَجْمَعِينَ ④

إِلَاعْبَادَةِ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ④

قالَ هَذَا صَرَاطٌ عَلَىٰ مُسْتَقِيمٍ ④

إِنَّ عَبَادَيْ لَيْسَ كَمَنْ كَمَنْ مُسْلِمُنَ الْأَمْنِ
إِنَّمَا تَبَعَكَ مِنَ الْغَوَيْنَ ④

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ④
لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ يُلْكِلُ بَابٌ مِنْهُمْ جُزُّ مَقْسُومٍ ④

(۱) یعنی تم سب کو بالآخر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، جنہوں نے میرا اور میرے رسولوں کا انتابع کیا ہو گا، میں انہیں
اچھی جزا دوں گا اور جو شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ہو گا اسے سخت سزادوں گا جو جنم کی صورت
میں تیار ہے۔

(۲) یعنی میرے نیک بندوں پر تیرادؤ نہیں چلے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہو گا، بلکہ
مطلوب یہ ہے کہ ان سے ایسا گناہ نہیں ہو گا کہ جس کے بعد وہ نادم اور تائب نہ ہوں کیوں کہ وہی گناہ انسان کی ہلاکت کا
باعث ہے کہ جس کے بعد انسان کے اندر ندامت کا احساس اور توبہ و انبات الی اللہ کا داعیہ پیدا نہ ہو۔ ایسے گناہ کے بعد
ہی انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے، اور بالآخر دامگی تباہی و ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور اہل ایمان کی صفت یہ
ہے کہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فور توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس سے نجتنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جتنے بھی تیرے پیرو کار ہوں گے، سب جنم کا ایندھن بنیں گے۔

کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے۔^(۱) (۳۳)

پہیز گار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔^(۲) (۳۵)

(ان سے کماجائے گا) سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔^(۳) (۳۶)

ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے،^(۴) وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔^(۵) (۳۷)

نہ تو وہاں انہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔^(۶) (۳۸)

میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بست ہی بخشنے والا اور بڑا ہی میریان ہوں۔^(۷) (۳۹)

إِنَّ الْمُكْتَفَيْنَ فِيْ جَنَّتٍ وَّعِيُونَ ⑦

أَدْخُلُوهَا إِسْلَامٌ أَمْنٌ ⑧

وَنَزَّعَنَّا مِنْ فِيْ مَدُورٍ هُمْ قِنْ غَلٰ إِخْوَانًا عَلَى
سُرُرٍ مُتَقَبِّلِينَ ⑨

لَا يَسْهُمُ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِنْهَا بِمُحْرَجٍ ⑩

نَيْنٌ عَبَادٌ أَنِّي أَنَا الْفَقُورُ الرَّاجِمُ ⑪

(۱) یعنی ہر دروازہ مخصوص قسم کے لوگوں کے لیے خاص ہو گا۔ مثلاً ایک دروازہ مشرکوں کے لیے، ایک دہریوں کے لیے، ایک زندیقوں کے لیے، ایک زانیوں، سودخوروں، چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ یاسات دروازوں سے مراد سات طبقیں اور درجے ہیں۔ پہلا طبق یا درجہ جنم ہے، دوسرا نعلیٰ، پھر حلمہ، پھر سیر، پھر سقر، پھر جحیم، پھر باویہ، سب سے اوپر والا درجہ موحدین کے لیے ہو گا۔ جنہیں کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد یا سفارش پر نکال لیا جائے گا۔ دوسرے میں یہودی، تیسرے میں عیسائی، چوتھے میں صابی، پانچویں میں محبی، چھٹے میں مشرکین اور ساتویں میں منافقین، ہوں گے۔ سب سے اوپر والے درجے کا نام جنم ہے اس کے بعد اسی ترتیب سے نام ہیں۔ (فتح القدیر)

(۲) جنم اور اہل جنم کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ جنت میں جانے کی ترغیب ہو۔ متفقین سے مراد شرک سے بچنے والے موحدین ہیں اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان جو تمام معاصی سے بچتے رہے۔ جنات سے مراد باغات اور عُینوں سے نہرس مراد ہیں۔ یہ باغات اور نہرس یا تو تمام متفقین کے لیے مشترکہ ہوں گی، یا ہر ایک کے لیے الگ الگ باغات اور نہرس یا ایک ایک باغ اور نہرس ہوگی۔

(۳) سلامتی ہر قسم کی آفات سے اور امن ہر قسم کے خوف سے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا فرشتے اہل جنت کو سلامتی کی دعاءیں گے۔ یا اللہ کی طرف سے ان کی سلامتی اور امن کا اعلان ہو گا۔

(۴) دنیا میں ان کے درمیان جو آپس میں حسد اور بغض و عداوت کے جذبات رہے ہوں گے، وہ ان کے سینوں سے نکال دیے جائیں گے اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے دل آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوں گے۔

اور ساتھ ہی میرے عذاب بھی نہایت دردناک ہیں۔ (۵۰)

انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا (بھی) حال سادو۔ (۵۱)

کہ جب انہوں نے ان کے پاس آکر سلام کھاتے انہوں نے کہا کہ ہم کوتوم سے ڈر لگتا ہے۔ (۵۲)

انہوں نے کہا تو نہیں، ہم تجھے ایک صاحب علم فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔ (۵۳)

کہا، کیا اس بڑھاپے کے آجائے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو؟ یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ (۵۴)

انہوں نے کہا ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔ (۵۵)

کہا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے نامید تو صرف گراہ اور بسکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ (۵۶)

پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمہارا ایسا کیا اہم کام ہے؟ (۵۷)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (۵۸)

وَأَنَّ عَذَابَهُ الْعَذَابُ الْكَلِيمُ ⑥

وَنَذِنَهُمْ عَنْ صَيْفِ إِلَرْفِيمُ ⑦

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ثَالِثًا إِنَّا مُنْكُرُ وَجْلُونَ ⑧

قَالُوا لَا تَوْجَلُ إِنَّا نَيْرُكَ بِغُلَمٍ عَلَيْهِ ⑨

قَالَ أَبْشِرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسْتَبِنَيَ الْكَبْرُقِيمَ

تَبَشِّرُونَ ⑩

قَالُوا بَشَرْنَاكَ بِالْحَقِيقَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الظَّنِيظِينَ ⑪

قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُونَ ⑫

قَالَ فَمَا حَطَبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ⑬

قَالُوا إِنَّا أُرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ⑯

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان فرشتوں سے ڈر اس لیے محسوس ہوا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیار کردہ بھنا ہوا پچھرا نہیں کھایا، جیسا کہ سورہ ہود میں تفصیل گزرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کو بھی غب کا علم نہیں ہوتا، اگر پیغمبر عالم الغیب ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ جاتے کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ فرشتے انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔

(۲) کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں وہ ہربات پر قادر ہے، کوئی بات اس کے لیے ناممکن نہیں۔

(۳) یعنی اولاد کے ہونے پر میں جو تعجب اور حیرت کا اظہار کر رہا ہوں تو صرف اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کر رہا ہوں یہ بات نہیں ہے کہ میں اپنے رب کی رحمت سے نامید ہوں۔ رب کی رحمت سے نامید تو گراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں آئے ہیں بلکہ ان کی آمد کا اصل مقصد کوئی اور ہے۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا۔

مگر خاندان لوٹ کر ہم ان سب کو تو ضرور بچالیں گے۔^(۵۹)
سوائے اس (لوٹ) کی بیوی کے کہ ہم نے اسے رکنے اور
باقی رہ جانے والوں میں مقرر کر دیا ہے۔^(۶۰)

جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوٹ کے پاس پہنچے۔^(۶۱)
تو انہوں (لوٹ علیہ السلام) نے کہا تم لوگ تو کچھ انجان
سے معلوم ہو رہے ہو۔^(۶۲)

انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں
جس میں یہ لوگ شک شبہ کر رہے تھے۔^(۶۳)

ہم تو تیرے پاس (صرخ) حق لائے ہیں اور ہیں بھی بالکل
پچے۔^(۶۴)

اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصہ میں
چل دے اور آپ ان کے پیچھے رہنا،^(۶۵) اور (خبردار) تم
میں سے کوئی (پیچھے) مرکر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں
حکم کیا جا رہا ہے وہاں چلے جانا۔^(۶۶)

اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ صبح ہوتے
ہوتے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی۔^(۶۷)
اور شروالے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔^(۶۸)

إِلَّا إِلَّا لُوطٌ إِنَّ الْمُنْجُوْهُمُ أَجْمَعِينَ ۝
إِلَّا امْرَأَةٌ قَدَرَنَا إِنَّهَا الْأَيْمَنَ الْغَيْرِيْنَ ۝

فَلَمَّا جَاءَ إِلَّا لُوطٌ إِنَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝
قَالَ إِنَّمَا قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ ۝

قَالُوا بَلْ يَحْشُلُكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَتَّرَوْنَ ۝

وَأَتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الصَّدِيقُوْنَ ۝

فَأَشِرِّيْا مِلْكَ يَقْطَعِيْرَ مِنَ الْيَيْلِ وَأَثْقَمَ دَبَارَهُ
وَلَا يَتَّقِيْتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ شُؤْمُوْنَ ۝

وَقَصِيْنَالِيْلَيْوَذِلَّكَ الْمَرْأَتَ دَإِرَهُؤَلَاءَ مَقْطُوْرَهُ

مُضِيْجِيْنَ ۝
وَجَاهَ أَهْلُ الْبَدِيْنَةَ يَسْتَبِيْرُوْنَ ۝

(۱) یہ فرشتے حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور حضرت لوٹ علیہ السلام کے لیے بالکل انجان تھے، اس لیے انہوں نے ان سے اجبیت اور بیگانگی کا ظلمار کیا۔

(۲) یعنی عذاب الٰہی۔ جس میں تیری قوم کو شک ہے کہ وہ آبھی سکتا ہے؟

(۳) اس صرخ حق سے بھی عذاب مراد ہے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے، اس لیے انہوں نے کہا ہم ہیں بھی بالکل پچے۔ یعنی عذاب کی جوبات ہم کر رہے ہیں۔ اس میں پچے ہیں۔ اب اس قوم کی تباہی کا وقت بالکل قریب آپنچا ہے۔

(۴) تاکہ کوئی مومن پیچھے نہ رہے، تو ان کو آگے کرتا رہے۔

(۵) یعنی لوٹ علیہ السلام کو وہی کے ذریعے سے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہونے تک ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی، یا دابر سے مراد وہ آخری آدمی ہے جو باقی رہ جائے گا، فرمایا، وہ بھی صبح ہونے تک بلاک کر دیا جائے گا۔

(۶) اور تو حضرت لوٹ علیہ السلام کے گھر میں قوم کی ہلاکت کا یہ فیصلہ ہو رہا تھا۔ اور ہر قوم لوٹ کو پتہ چلا کہ لوٹ علیہ السلام

(لوط عليه السلام نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوانہ کرو۔^(۱) (۲۸)

قَالَ إِنَّ هُوَ لَا يَضِيقُ فَلَا تَفْضُحُونِ^{۶۰}

الله تعالیٰ سے ڈر اور مجھے رسوانہ کرو۔^(۲۹)
وہ بولے کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کی تھیکداری) سے منع نہیں کر رکھا؟^(۲) (۷۰)

وَأَتَقْوُ اللَّهَ وَلَا تُخْزِنُ^{۶۱}
قَالُوا أَوْلَمْ نَهَكَ عَنِ الْعَلَمِينَ^{۶۲}

(لوط عليه السلام نے) کہا اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری پچیاں موجود ہیں۔^(۳) (۱۷)

قَالَ هُوَ لَا يَسْأَلُ إِنْ كُنْتُمْ غَيْلِيْنَ^{۶۳}

تیری عمر کی قسم! وہ تو اپنی بدستی میں سرگردان تھے۔^(۳) (۷۲)

لَعْمَكُمْ إِنَّهُمْ لَفِي سُكُونٍ يَعْمَلُونَ^{۶۴}

پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک بڑے زور کی آواز نے

فَأَخَذَنَهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ^{۶۵}

کے گھر میں خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو اپنی امرد پرستی کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور خوشی خوشی حضرت لوٹ عليه السلام کے پاس آئے اور مطالبة کیا کہ ان نوجوانوں کو ان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے بے حیائی کا ارتکاب کر کے اپنی تسلیم کر سکیں۔

(۱) حضرت لوٹ عليه السلام نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مہمان ہیں انہیں میں کس طرح تمہارے سپرد کر سکتا ہوں، اس میں تو میری رسوای ہے۔

(۲) انہوں نے ڈھنائی اور بد اخلاقی کام مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے لوٹ! تو ان اجنیوں کا کیا لگتا ہے؟ اور کیوں ان کی حمایت کرتا ہے؟ کیا ہم نے تجھے منع نہیں کیا ہے کہ اجنیوں کی حمایت نہ کیا کر، یا ان کو اپنا مہمان نہ بنایا کرایہ ساری گفتگو اس وقت ہوئی جب کہ حضرت لوٹ عليه السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ اجنبی مہمان اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور وہ اسی ناہنجار قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں جو ان فرشتوں کے ساتھ بد فعلی کے لیے مصر تھی، جیسا کہ سورہ ہود میں یہ تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں ان کے فرشتے ہونے کا ذکر پہلے آگیا ہے۔

(۳) یعنی ان سے تم نکاح کر لو یا پھر اپنی قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کہا، یعنی تم عورتوں سے نکاح کرو یا جن کے جبار عقد میں عورتیں ہیں، وہ ان سے اپنی خواہش پوری کریں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمाकر، ان کی زندگی کی قسم کھارہا ہے، جس سے آپ کا شرف و فضل واضح ہے۔ تاہم کسی اور کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کسی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حاکم مطلق ہے، وہ جس کی چاہے قسم کھائے، اس سے کون پوچھنے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح شراب کے نشے میں دمٹ انسان کی عقل ماوف ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ اپنی بدستی اور گمراہی میں اتنے سرگردان تھے کہ حضرت لوٹ عليه السلام کی اتنی معقول بات بھی ان کی سمجھے میں نہیں آپا۔

پکڑ لیا۔^(۱)
(۷۳)

بالآخر هم نے اس شر کو اپر تلے کر دیا^(۲) اور ان لوگوں پر
کنکروالے پتھر^(۳) بر سائے۔^(۷۴)

بلاشبہ بصیرت والوں کے لیے^(۴) اس میں بہت سی
نشانیاں ہیں۔^(۷۵)

یہ بستی ایسی راہ پر ہے جو برابر چلتی رہتی (عام گذرگاہ)
(۵) ہے۔^(۷۶)

اور اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔^(۷۷)
ایک بستی کے رہنے والے بھی بڑے ظالم تھے۔^(۷۸)

فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافَلَهَا وَأَمْضَنَا عَلَيْهِمْ جَهَنَّمَ
فَنِسْجِيلُ^(۱)

إِنْ فِي ذَلِكَ لَا يَنْتَهِ لِلْمُتَوَسِّمِينَ^(۲)

وَإِنَّهَا لِإِسْبَيْلِ مُقِيمٍ^(۳)

إِنْ فِي ذَلِكَ لَا يَنْتَهِ لِلْمُتَوَسِّمِينَ^(۴)
وَإِنْ كَانَ أَعْصَمُ الْأَيْكَةَ لَظَلَّمِينَ^(۵)

(۱) ایک چنگھاڑے، جب کہ سورج طلوع ہو چکا تھا، ان کا خاتمہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زور دار آواز حضرت جبرائیل
علیہ السلام کی تھی۔

(۲) کما جاتا ہے کہ ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر اپر آسمان پر لے جایا گیا اور وہاں سے ان کو الٹا کر زمین پر پھینک دیا
گیا۔ یوں اپر والا حصہ نیچے اور نیچلا حصہ اپر کر کے تہ و بالا کر دیا گیا، اور کما جاتا ہے کہ اس سے مراد محض اس بستی کا
چھتوں سمیت زمین بوس ہو جانا ہے۔

(۳) اس کے بعد ان پر کنکر قسم کے مخصوص پتھر بر سائے گئے۔ اس طرح گویا تین قسم کے عذابوں سے انہیں دوچار کر
کے نشان عبرت بنادیا گیا۔

(۴) گھری نظر سے جائزہ لینے اور غور و فکر کرنے والوں کو متوسیمین کما جاتا ہے۔ متوسیمین کے لیے اس واقعے میں
عبرت کے پہلو اور نشانیاں ہیں۔

(۵) مراد شاہراہ عام ہے۔ یعنی قوم لوٹ کی بستیاں مدینے سے شام کو جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہیں۔ ہر آنے جانے والے
کو انی بستیوں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں یہ پانچ بستیاں تھیں۔ سدوم (یہ مرکزی بستی تھی) صبغۃ، صعوۃ
عشرۃ اور دُوْمَا کما جاتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنے بازو پر انہیں اٹھایا اور آسمان پر چڑھ گئے حتیٰ کہ آسمان والوں
نے ان کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کے بولنے کی آوازیں سنیں اور پھر ان کو زمین پر دے مارا (ابن کیثرا) مگر اس بات
کی کوئی سند نہیں ہے۔

(۶) آیکھہ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ اس بستی میں گھنے درخت ہوں گے۔ اس لیے انہیں أصحاب الأیکھہ (بن یا جنگل
والے) کہا گیا ہے۔ مراد اس سے قوم شعیب ہے اور ان کا زمان حضرت لوٹ علیہ السلام کے بعد ہے اور ان کا علاقہ حجاز اور
شام کے درمیان قوم لوٹ کی بستیوں کے قریب ہی تھا۔ اسے مدین کما جاتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے

جن سے (آخر) ہم نے انتقام لے ہی لیا۔ یہ دونوں شر کھلے (عام) راستے پر ہیں۔^(۱) (۷۹)

اور جھروالوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔^(۲) (۸۰)
اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی عطا فرمائیں (لیکن)
تاہم وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔^(۳) (۸۱)

یہ لوگ پھاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے، بے خوف ہو کر۔^(۴) (۸۲)

آخر انہیں بھی صبح ہوتے ہوتے چنگھاڑنے آدبو چا۔^(۵) (۸۳)
پس ان کی کسی تدبیر و عمل نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔^(۶) (۸۳)
ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب
چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے،^(۷) اور قیامت

فَأَنْتَمُنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمْ لِيَمَأْمَلُونَ مُؤْمِنُونَ^(۸)

وَلَقَدْ كَذَبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلُونَ^(۹)
وَأَتَيْنَاهُمْ إِلَيْنَا فَكَانُوا عَنْهُمْ مُغَيْرُضُونَ^(۱۰)

وَكَانُوا يَنْجُونَ مِنَ الْجَبَلِ بُيُوتًا أَمْنِينَ^(۱۱)

فَلَخَدَ تَهْمُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحُونَ^(۱۲)

فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْبِرُونَ^(۱۳)

وَمَا لَخَقْنَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْعَقْدِ^(۱۴)
وَإِنَّ السَّاعَةَ لِلِّا تَيَّأْ فَاصْفِقُ الصَّفْحَ الْجَيْلَ^(۱۵)

کا نام تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام پڑ گیا تھا۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے، رہنمی ان کا شیوه اور کم تو لنا اور کم ناپنا ان کا وظیرو تھا، ان پر جب عذاب آیا تو ایک تو بادل ان پر سایہ فگن ہو گیا پھر چنگھاڑ اور بھونچال نے مل کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(۱) إِيمَانُ ثَبِينَ کے معنی بھی شاہراہ عام کے ہیں، جہاں سے شب و روز لوگ گزرتے ہیں۔ دونوں شر سے مراد قوم لوط کا شر اور قوم شعیب کا مسکن۔ مدین۔ مراد ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہی تھے۔

(۲) حجر حضرت صالح عليه السلام کی قوم۔ شمود۔ کی بستیوں کا نام تھا۔ انہیں أَصْحَابُ الْحِجْرِ (حجر والے) کہا گیا ہے۔ یہ بستی مدینہ اور تبوک کے درمیان تھی۔ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالح عليه السلام کو جھٹلایا۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا“ یہ اس لیے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب ایسے ہی ہے جیسے سارے پیغمبروں کی تکذیب۔

(۳) ان نشانیوں میں وہ اونٹنی بھی تھی جوان کے کنہ پر ایک چٹان سے بطور مجده ظاہر کی گئی تھی، لیکن ظالموں نے اسے بھی قتل کر دیا۔

(۴) یعنی بغیر کسی خوف یا احتیاج کے پھاڑ تراش لیا کرتے تھے۔ ہجری میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بستی سے گزرے تو آپ ﷺ نے سر پر کپڑا پیٹھ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گزو (ابن کثیر) صحیح بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ نمبر ۲۲۸۵، مسلم نمبر ۲۲۳۳۔

(۵) حضرت صالح عليه السلام نے انہیں کماکہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا، چنانچہ چوتھے روز ان پر یہ عذاب آگیا۔

(۶) حق سے مراد وہ فوائد و مصالح ہیں جو آسمان و زمین کی پیدائش سے مقصود ہیں۔ یا حق سے مراد محسن (نیکوکار) کو اس

ضرور ضرور آنے والی ہے۔ پس تو حسن و خوبی (اور اچھائی) سے درگزر کر لے۔ (۸۵)

یقیناً تیرا پروردگار ہی پیدا کرنے والا اور جانے والا ہے۔ (۸۶)

یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں (۱) کہ دہرانی جاتی ہیں اور عظیم قرآن بھی دے رکھا ہے۔ (۸۷) آپ ہرگز اپنی نظریں اس چیز کی طرف نہ دوڑائیں، جس سے ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو بہرہ مند کر رکھا ہے، نہ ان پر آپ افسوس کریں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں۔ (۲) (۸۸)

اور کہہ دیجئے کہ میں تو کھلم کھلاڑرانے والا ہوں۔ (۸۹) جیسے کہ ہم نے ان تقسیم کرنے والوں پر اتمارا۔ (۳) (۹۰)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلُقُ الْعَلِيُّمُ ④

وَلَقَدْ أَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ
الْعَظِيمَ ⑤

لَا تَمْدَنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَكَثْنَا بِهِ أَذْوَاجَ مَنْتَهُمْ
وَلَا تَحْرَنْ عَلَيْهِمْ وَاحْفِصْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ⑥

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبَيِّنُ ⑦
كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْرِئِينَ ⑧

کی نیکی کا اور بد کار کو اس کی برائی کا بدلہ دینا ہے۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا "اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تاکہ وہ بروں کو ان کی برائیوں کا اور نیکیوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دے (ابن حجر۔ ۳۱) (۱) سَبْعُ مَثَانِي سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔ یہ سات آیتیں ہیں اور جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (مثانی کے معنی بار بار دہرانے کے کیے گئے ہیں) حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الحجر) ایک اور حدیث میں فرمایا "أُمُّ الْقُرْآنِ
هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ" (حوالہ مذکور) سورہ فاتحہ قرآن کا ایک جزء ہے اس لیے قرآن عظیم کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی ہم نے سورہ فاتحہ اور قرآن عظیم جیسی نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں، اس لیے دنیا اور اس کی زیستیں اور ان مختلف قسم کے اہل دنیا کی طرف نظر نہ دوڑائیں جن کو دنیاۓ فانی کی عارضی چیزیں ہم نے دی ہیں اور وہ جو آپ کی مکنذیب کرتے ہیں، اس پر غم نہ کھائیں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں، یعنی ان کے لیے زری اور محبت کا رویہ اپنا کیں۔ اس محاورہ کی اصل یہ ہے کہ جب پرمنہ اپنے بچوں کو اپنے سایہ شفقت میں لیتا ہے تو ان کو اپنے بازوؤں لیعنی پروں میں لے لیتا ہے۔ یوں یہ ترکیب زری پیار و محبت کا رویہ اپنانے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔

(۳) بعض مفسرین کے نزدیک انزلنَا کا مفعول العذاب مذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھول کر ڈرانے والا

جنوں نے اس کتاب الٰٰ کے تکڑے تکڑے کر دیے۔^(۹۱)
قسم ہے تیرے پالنے والے کی! ہم ان سب سے ضرور باز
پرس کریں گے۔^(۹۲)

ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔^(۹۳)
پس آپ^(۱) اس حکم کو جو آپ کو کیا جا رہا ہے کھول کرنا
دیجئے! اور مشرکوں سے منه پھیر لیجئے۔^(۹۴)
آپ سے جو لوگ مسخر اپن کرتے ہیں ان کی سزا کے لیے
ہم کافی ہیں۔^(۹۵)

جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبدود مقرر کرتے ہیں انہیں
عنقریب معلوم ہو جائے گا۔^(۹۶)
ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ
ہوتا ہے۔^(۹۷)

آپ اپنے پروڈگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہیں اور
تجده کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔^(۹۸)
اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ
کو موت آجائے۔^(۹۹)

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِصْبَيْنَ ④
فَوَرَّيْكَ لَنْشَكَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ ⑤

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑥
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمِنُ وَأَغْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ⑦

إِنَّ الْكَفِّيْنَ الْمُسْتَقْبَلِيْنَ ⑧

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَّا الْخَصُّوْفَ يَعْلَمُوْنَ ⑨

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضْلِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ⑩

فَسَيِّدُنَا مُحَمَّدُ رَبِّنَا وَكُنْ مِنَ الشَّاجِدِيْنَ ⑪

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ⑫

ہوں عذاب سے، مثل اس عذاب کے جو مُفْتَسِمِيْنَ پر نازل ہوا مُفْتَسِمِيْنَ کون ہیں؟ جنوں نے کتاب الٰٰ کے تکڑے تکڑے کر دیے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کی قوم مراد ہے جنوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، اس کے بعض حصے کو شعر، بعض کو سحر (جادو) بعض کو کہانت اور بعض کو اساطیر الالوین (پہلوں کی کہانیاں) قرار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مُفْتَسِمِيْنَ سے اہل کتاب اور قرآن سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ انہوں نے ان آسمانی کتابوں کو متفرق اجزاء میں بانٹ دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ صالح علیہ السلام اور ان کے گھروں والوں کو رات کے اندر ہیرے میں قتل کر دیں گے۔ ﴿تَقَاسِمُوا بِاللَّهِ مَا نَهَىٰهُ وَأَهْلَهُ﴾ (النمل۔ ۲۹)

اور آسمانی کتاب کو تکڑے تکڑے کر دیا۔ عِصْبَيْنَ کے ایک معنی یہ بھی کہے گئے ہیں کہ اس کی بعض باتوں پر ایمان رکھنا اور بعض کے ساتھ کفر کرنا۔

(۱) أَصْدَعَ کے معنی ہیں کھول کر بیان کرنا، اس آیت کے نزول سے قبل آپ چھپ کر تبلیغ فرماتے تھے، اس کے بعد آپ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ (فتح القدير)

(۲) مشرکین آپ کو ساحر، مجعون، کاہن وغیرہ کہتے جس سے بشری جلت کی وجہ سے آپ کبیدہ خاطر ہوتے، اللہ تعالیٰ

سورہ نحل کی ہے اور اس کی ایک سو اٹھائیں آیتیں اور سولہ روکوئے ہیں۔

شُورَىُّ الْخَلِيل

مشروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نمایت میران بڑا
رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَنْ أَمْرَاهُو فَلَا تَسْتَعِجِلُهُ سُبْحَانَهُ وَتَعْلَمْ عَمَّا
يُتَكَبِّرُونَ ①

يُذَلِّ الْمُلْكَةُ بِالرُّؤْجِهِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ

مِنْ عِبَادَةِ أَنَّ أَنْذِرْ رُؤْجَةَ الْأَنْذِرَ إِلَيْهِ الْأَنْذِرَ لِقَوْنٍ ⑤

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ يَا مَنْ يَعْلَمُ عَهَادَتِكُونَ ②

نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ حمد و شکر کریں، نماز پڑھیں اور اپنے رب کی عبادت کریں، اس سے آپ کو قلبی سکون بھی ملے گا اور اللہ کی مدد بھی حاصل ہوگی، سحدے سے یہاں نماز اور یقین سے مرادِ موت ہے۔

(۱) اس سے مراد قیامت ہے، یعنی وہ قیامت قریب آگئی ہے جسے تم دور سمجھتے تھے، پس جلدی نہ مچاؤ، یا وہ عذاب مراد ہے جسے مشرکین طلب کرتے تھے۔ اسے مستقبل کے بجائے ماضی کے صفحے سے بیان کیا، کیونکہ اس کا موقع یقینی ہے۔

(۲) رُوح سے مراد وہی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْنَا رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا لَنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ ذَلِيلٌ هُنَّا﴾ (الشوریٰ-۵۰) ”اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے وہی کی، اس سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ کتاب کیا ہے، اور ایمان کیا ہے۔“

(۳) مراد انبیا علیم السلام ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا ﴿أَنَّهُ أَعْلَمُ حِيثُ تَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (الأنعام: ۱۲۲) ”اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کمال اپنی رسالت رکھے۔“ ﴿يُلْقِي الرُّؤْحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ الْحِلَاقِ﴾ (المؤمن: ۱۵) ”وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وہی ذاتی عین نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات والے (قیامت کے) دن سے لوگوں کو ڈرائے۔“

(۲) یعنی مخفٰ تماشے اور کھیل کو دکھل کر نہیں پیدا کیا بلکہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ ہے جزا اوسرا، جیسا کہ ابھی تفصیل گزری۔

اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ صریح بھگڑا لو بن
بیٹھا۔^(۱)

اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے
لباس ہیں اور بھی بست سے نفع ہیں^(۲) اور بعض
تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔^(۵)

اور ان میں تمہاری رونق بھی ہے جب چراک لاؤ تب بھی
اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی۔^(۳)^(۶)

اور وہ تمہارے بوجھ ان شروں تک اٹھا لے جاتے ہیں
جمال تم بغیر آدمی جان کیے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ یقیناً
تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مریمان ہے۔^(۷)

گھوڑوں کو، خچروں کو، گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم
ان کی سواری لو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔^(۸) اور بھی

خَلْقُ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ⑥

وَالْأَنْعَامَ خَلْقَهَا لَكُمْ فِيهَا دُوفٌ وَمَنَافِعٌ
وَمِنْهَا تَأْكِلُونَ ⑦

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ شُرْيَحُونَ وَحِينَ تَسْرُحُونَ ⑧

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَكَدِلَنْ تَلْكُونَ لِلْغَيْرِ إِلَّا يُشَقِّ
الْأَنْفُسُ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَوْفٌ رَّحِيمٌ ⑨

وَالْحَيْلُ وَالْبَعَالُ وَالْجَيْرَ لَتَنْكُبُوهَا وَزِينَةٌ ۝

(۱) یعنی ایک جلد چیز سے جو ایک جاندار کے اندر سے نکلتی ہے، جسے منی کہا جاتا ہے۔ اسے مختلف اطوار سے گزار کر ایک مکمل صورت دی جاتی ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے اور مال کے پیٹ سے نکال کر اس دنیا میں لاتا ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے لیکن جب اسے شور آتا ہے تو اسی رب کے معاملے میں بھگڑتا، اس کا انکار کرتا یا اس کے ساتھ شریک نہ مہرا تا ہے۔

(۲) اسی احسان کے ساتھ دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ چوپائے (اونٹ، گائے اور بکریاں) بھی اسی نے پیدا کیے، جن کے بالوں اور اون سے تم گرم کپڑے تیار کر کے گرمی حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہو، مثلاً ان سے دودھ حاصل کرتے ہو، ان پر سواری کرتے اور سامان لادتے ہو، ان کے ذریعے سے مل چلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔

(۳) شُرْيَحُونَ جب شام کو چراگا ہوں سے چراک گھر لاؤ تَسْرُحُونَ جب صحیح چرانے کے لیے لے جاؤ، ان دونوں وقتوں میں یہ لوگوں کی نظروں میں آتے ہیں جس سے تمہارے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان دونوں اوقات کے علاوہ وہ نظروں سے او جھل رہتے یا بازوں میں بند رہتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کی پیدائش کا اصل مقصد اور فائدہ تو ان پر سواری کرنا ہے تاہم یہ زینت کا بھی باعث ہیں۔ گھوڑے، خچر، اور گدھوں کے الگ ذکر کرنے سے بعض فقہاء استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر۔ علاوہ ازیں کھانے والے چوپایوں کا پلے ذکر آچکا ہے۔ اس لیے اس آیت میں جن تین جانوروں کا ذکر ہے، یہ صرف

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ①

وہ ایسی بست چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمیں علم بھی
نہیں۔^(۱) (۸)

اور اللہ پر سیدھی راہ کا تاریخا ہے^(۲) اور بعض شیڑھی
راہیں ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا
دیتا۔^(۳) (۹)

وہی تمہارے فائدے کے لیے آسان سے پانی بر ساتا ہے
جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اگے ہوئے درختوں کو تم
اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔^(۱۰)

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّيْلِ وَمَهْمَاجَإِرْ وَلُوشَاءَ لَهَذَاكُو
أَجْمَعِينَ ②

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَا لَمْ يَرَهُ مِنْهُ شَرَابٌ
وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسْبِمُونَ ③

رکوب (سواری) کے لیے ہے۔ لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ صحیح احادیث سے گھوڑے کی حلت ثابت ہے۔
حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ اذن فی
لُحُومِ الْخَيْلِ (صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب لحوم الخيل، و مسلم، کتاب الصيد، باب فی أَكْلِ
لحوم الخيل، علاوه اذیں صحابہ کرام رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں خبر اور مدینہ میں گھوڑا ذبح کر
کے اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا (مالحظہ ہو صحیح مسلم، باب مذکور، و مسند
احمد، ج ۲، ص ۲۵۶، ابوداؤد کتاب الأطعمة، باب فی أَكْلِ لحوم الخيل) اسی لیے جمیور علماء اور سلف و خلف کی
اکثریت گھوڑے کی حلت کی قائل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) یہاں گھوڑے کا ذکر محض سواری کے ضمن میں اس لیے کیا گیا
ہے کہ اس کا غالب ترین استعمال اسی مقصد کے لیے ہے، وہ ساری دنیا میں ہمیشہ اتنا گراں اور قیمتی ہوا کرتا ہے کہ
خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت ہی نادر ہے۔ بھیڑ بکری کی طرح اس کو خوراک کے لیے ذبح نہیں کیا جاتا۔ لیکن
اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو بلا دلیل حرام نہ کرایا جائے۔

(۱) زمین کے زیریں حصے میں، اسی طرح سمندر میں، اور بے آب و گیاہ صحراؤں اور جنگلوں میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا
فرماتا رہتا ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور اسی میں انسان کی بنائی ہوئی وہ چیزیں بھی آجائی ہیں جو اللہ کے دیے
ہوئے دماغ اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسی کی پیدا کردہ چیزوں کو مختلف انداز میں جوڑ کر وہ تیار کرتا ہے، مثلاً
بس، کار، ریل گاڑی، جہاز اور ہوائی جہاز اور اس طرح کی بے شمار چیزیں اور جو مستقبل میں متوقع ہیں۔

(۲) اس کے ایک دوسرے معنی ہیں ”اور اللہ ہی پر ہے سیدھی راہ“ یعنی اس کا بیان کرنا۔ چنانچہ اس نے اسے بیان فرمایا
اور بدایت اور حلالت دونوں کو واضح کر دیا، اسی لیے آگے فرمایا کہ بعض راہیں شیڑھی ہیں یعنی گراہی کی ہیں۔

(۳) لیکن اس میں چوں کہ جبراہوتا اور انسان کی آزمائش نہ ہوتی، اس لیے اللہ نے اپنی مشیت سے سب کو مجبور نہیں
کیا، بلکہ دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے، انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے۔

اسی سے وہ تمہارے لیے کھتی اور زیتون اور بھجور اور انگور اور ہر قسم کے چل اگاتا ہے بے شک ان لوگوں کے لیے تو اس میں بڑی نشانی ہے^(۱) جو غور و فکر کرتے ہیں۔^(۱۱)

اسی نے رات دن اور سورج چاند کو تمہارے لیے تابع کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کے لیے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں۔^(۱۲)

اور بھی بہت سی چیزیں طرح طرح کے رنگ روپ کی اس نے تمہارے لیے زمین پر پھیلا رکھی ہیں۔ بیشک نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی بھاری نشانی ہے۔^(۱۳)

اور دریا بھی اسی نے تمہارے بس میں کر دیے ہیں کہ تم اس میں سے (نکلا ہوا) تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے اپنے پہنچ کے زیورات نکال سکو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس میں پانی چیڑتی ہوئی (چلتی) ہیں اور اس لیے بھی کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور ہو سکتا ہے کہ تم شکر گزاری بھی کرو۔^(۱۴)

يُنِتُّ لِكُمْ يَهُ الرَّزْعَ وَالرِّيْثُونَ وَالنَّخِيلَ
وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الشَّمَرِتِ إِنْ فِي ذَلِكَ
لَذِيْلَةٌ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ^(۱۱)

وَسَعَرَ لَكُمُ الْيَلَ وَالنَّهَارُ وَالشَّمَسَ وَالقَمَرَ
وَالنَّجُومُ مُسَحَّرُتٌ بِأَمْرِهِ إِنْ فِي ذَلِكَ لَذِيْلَةٌ
لِقَوْمٍ يَتَعَقَّلُونَ^(۱۲)

وَمَا فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا إِلَّا نَعْلَمُ
ذَلِكَ لَذِيْلَةٌ لِقَوْمٍ يَتَذَكَّرُونَ^(۱۳)

وَهُوَ أَنِّي سَحَرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَعْنَادِيَ
وَسَتَخْرُجُوا مِنْهُ حَلِيَّةً تَلْبَسُوهَا وَتَرَى
الْفُلَكَ مَوَاحِدَ فِيهِ وَلَبَتَتَغْوِيْهُنَّ فَضْلِيَّهُ
وَلَعَلَّكُمْ تَشَكَّرُونَ^(۱۴)

(۱) اس میں بارش کے وہ فوائد بیان کیے گئے ہیں، جو ہر شخص کے مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہیں وہ محتاج و ضاحت نہیں۔ نیزان کا ذکر پسلے آچکا ہے۔

(۲) کس طرح رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، چاند اور سورج کس طرح اپنی اپنی منزاوں کی طرف روای دوال رہتے ہیں اور ان میں کبھی فرق واقع نہیں ہوتا، ستارے کس طرح آسمان کی زینت اور رات کے اندر ہیروں میں بھٹکتے ہوئے مسافروں کے لیے دلیل راہ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔

(۳) یعنی زمین میں اللہ نے جو معدنیات، نباتات، جمادات اور حیوانات اور ان کے منافع اور خواص پیدا کیے ہیں، ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

(۴) اس میں سندھ کی تلاطم خیز موجودوں کو انسان کے ساتھ، اس کے تین فوائد بھی ذکر کیے

اور اس نے زمین میں پہاڑ گاؤڑ دیے ہیں تاکہ تمہیں لے کر ہلنے نہ^(۱) اور نہ سرس اور راہیں بنا دیں تاکہ تم منزل مقصود کو پہنچو۔^(۲) (۱۵)

اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں۔ (۱۶)

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے؟^(۳) (۱۷)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم اسے نہیں کر سکتے۔ بیشک اللہ بردا بخششہ والا میریان ہے۔ (۱۸)

اور جو کچھ تم چھپاؤ اور ظاہر کرو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔^(۴) (۱۹)

اور جن جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے

وَالْقَنْقَبُ فِي الْأَرْضِ رَوَابِعَى آنْ تَبَيْدَ يَكْمُ وَأَنْهَرًا وَسُبْلًا
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (۱۵)

وَعَلِمْتُ وَيَا إِنْجِمْ هُوْ يَهْتَدُونَ (۱۶)

أَفَمْ يَخْلُقُ كُمْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (۱۷)

وَإِنْ تَعْدُ وَإِنْجَهَ اللَّهُ لَا يَخْصُو هَلَّا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۸)

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا يَشْرُونَ وَمَا لَعْنُونَ (۱۹)

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا
وَهُمْ يَخْلُقُونَ (۲۰)

ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سے مچھلی کی شکل میں تازہ گوشت کھاتے ہو (اور مچھلی مردہ بھی ہوتا بھی حلال ہے۔ علاوہ ازیں حالت احرام میں بھی اس کو شکار کرنا حلال ہے)۔ دوسرے، اس سے تم موتی، سپیاں اور جواہر نکلتے ہو، جن سے تم زیور بناتے ہو۔ تیسرا، اس میں تم کشمکشیاں اور جہاز چلاتے ہو، جن کے ذریعے سے تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہو، تجارتی سامان بھی لاتے، لے جاتے ہو، جس سے تمہیں اللہ کا فضل حاصل ہوتا ہے جس پر تمہیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

(۱) یہ پہاڑوں کا فائدہ بیان کیا جا رہا ہے اور اللہ کا ایک احسان عظیم بھی، کیونکہ اگر زمین ہلتی رہتی تو اس میں سکونت ممکن ہی نہ رہتی۔ اس کا اندازہ ان زلزلوں سے کیا جاسکتا ہے جو چند سینکڑوں اور لمحوں کے لیے آتے ہیں، لیکن کس طرح وہ بڑی بڑی مضبوط عمارتوں کو پیوند زمین اور شرروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

(۲) نہروں کا سلسلہ بھی عجیب ہے، کہاں سے وہ شروع ہوتی ہیں اور کہاں کہاں، دائیں بائیں، شمال، جنوب، مشرق و مغرب ہر جگہ کو سیراب کرتی ہیں۔ اسی طرح راستے بنائے جن کے ذریعے سے تم منزل مقصود پر پہنچتے ہو۔

(۳) ان تمام نعمتوں سے توحید کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ اللہ تو ان تمام چیزوں کا خالق ہے، لیکن اس کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، انہوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ نہیں، بلکہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں۔ پھر بھلا خالق اور مخلوق کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ تم نے انہیں معبدوں بنا کر اللہ کا برابر نہ سرا رکھا ہے۔ کیا تم ذرا نہیں سوچتے؟

(۴) اور اس کے مطابق وہ قیامت والے دن جزا اور سزادے گا۔ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

ہیں۔^(۲۰)

مردے ہیں زندہ نہیں،^(۲۱) انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ
کب اٹھائے جائیں گے۔^(۲۲)

تم سب کا معمود صرف اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اور آخرت پر
ایمان نہ رکھنے والوں کے دل منکر ہیں اور وہ خود تکبر سے
بھرے ہوئے ہیں۔^(۲۳)

بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جسے وہ لوگ
چھپاتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں، بخوبی جانتا ہے۔ وہ
غور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔^(۲۴)

ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار

آموَاتٌ غَيْرٌ حَيَاةٌ وَمَا يَشْعُرُونَ لَا يَأْتِنَ يُعْلَمُونَ^(۲۵)

الْمُكَفَّرُوا هُمُ الظَّالِمُونَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
فُلُوْبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكَبِرُونَ^(۲۶)

لَحْقَمَ آنَ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُبَرُّونَ وَمَا يُعْلَمُونَ
إِنَّهُ لِأَعْلَمُ الْمُسْتَكَبِرِينَ^(۲۷)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَا ذَادَ أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا أَسَاطِيرٌ

(۱) اس میں ایک چیز کا اضافہ ہے یعنی صفت کمال (خلائق) کی نفی کے ساتھ نقصان یعنی کی (عدم خالقیت) کا اثبات۔ (فتح القدير)

(۲) مردہ سے مراد، وہ جماد پھر بھی ہیں جو بے جان اور بے شعور ہیں۔ اور فوت شدہ صالحین بھی ہیں۔ کیوں کہ مرنے کے بعد اٹھایا جانا (جس کا نہیں شعور نہیں) وہ تو جماد کے بجائے صالحین ہی پر صادق آسلتا ہے۔ ان کو صرف مردہ ہی نہیں کہا بلکہ مزید وضاحت فرمادی کہ ”وہ زندہ نہیں ہیں“ اس سے قبر پرستوں کا بھی واضح رد ہو جاتا ہے، جو کہتے ہیں کہ قبروں میں مدفن مردہ نہیں، زندہ ہیں۔ اور ہم زندوں کو ہی پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ موت وارد ہونے کے بعد، دنیوی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی نہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق ہی باقی رہتا ہے۔

(۳) پھر ان سے نفع کی اور ثواب و جزا کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

(۴) یعنی ایک اللہ کامانا ملنکرین اور مشرکین کے لیے بہت مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں ﴿أَجَلَ الْأَذْمَةُ لَهُمْ أَوْجَدْنَا لَهُمْ هَذَا لِتَذَكَّرُ
نَجَّابٌ﴾ (اص.۵) ”اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔“ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ شَهَادَتُ فُلُوْبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبِّشُونَ﴾ (ال Zimmerman. ۲۵) ”جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ملنکرین آخرت کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سواد و سرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔“

(۵) آنسٹنکبیاڑ کا مطلب ہوتا ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے صحیح اور حق بات کا انکار کرونا اور دوسروں کو حریر و کتر سمجھنا۔ کبر کی یہی تعریف حدیث میں بیان کی گئی۔ (صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه) یہ کبر و غور اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر ہو گا۔“ (حوالہ مذکور)

الْأَقْلَيْنَ ۝

نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ الگوں کی
کمانیاں ہیں۔^(١) (٢٣)

اسی کا نتیجہ ہو گا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے
بوjh کے ساتھ ہی ان کے بوjh کے بھی حصے دار ہوں گے
جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔ دیکھو تو کیا برا
بوjh اخبار ہے ہیں۔^(٢) (٢٤)

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، (آخر) اللہ نے
(ان کے منصوبوں) کی عمارتوں کو جڑوں سے اکھیر دیا اور
ان (کے سروں) پر (ان کی) چھتیں اور پر سے گر پڑیں،^(٣)
اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آگیا جماں کا انہیں وہم
و مگان بھی نہ تھا۔^(٤) (٢٦)

پھر قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا
اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کماں ہیں جن کے

لِيَحْمِلُوا أَوزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيمَةِ وَمَنْ أَوْزَلَ
الَّذِينَ يُفْسِلُونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَنْزِلُ رُونَ ۝

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ
بُدُّيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَعَ لَهُمُ السَّقْفُ مِنْ
فَوْقِهِمْ وَأَثَمُهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيمَةِ يُغْزِيُهُمْ وَيَعْلُوُنَّ أَيْمَنَ شَرَكَاءِ الَّذِينَ
كُنُمْ تُشَاهِدُونَ فِيهِمْ ۝ قَالَ الَّذِينَ أَنْتُمُ الْعَلَمَانَ إِنَّكُمْ رَأَيْ

(١) یعنی اعراض اور استہزا کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مکذیین جواب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نہیں اتنا را اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں جو پڑھ کر ساتا ہے، وہ تو پہلے لوگوں کی کمانیاں ہیں جو کہیں سے سن کر بیان کرتا ہے۔

(٢) یعنی ان کی زبانوں سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے نکلوائی تاکہ وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی انھائیں۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا، تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنا میں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بار بھی انھائنا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے"۔ (ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ)

(٣) بعض مفسرین اسرائیلی روایات کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ اس سے مراد نمودیا بخت نصر ہے، جنہوں نے آسمان پر کسی طرح چڑھ کر اللہ کے خلاف مکر کیا، لیکن وہ ناکام واپس آئے اور بعض مفسرین کے خیال میں یہ ایک تمثیل ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برہاد ہوں گے جس طرح کسی کے مکان کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں اور وہ چھٹ سیست گر پڑے۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مقصود ان قوموں کے انجمام کی طرف اشارہ کرنا ہے، جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنے گھروں سمیت تباہ ہو گئے، مثلاً قوم عاد و قوم لوط وغیرہ۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿مَنْ حَيْثُ لَمْ يَعْتَبِرُوا﴾ (الحشر ٢)

(٤) "پس اللہ (کا عذاب) ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جماں سے ان کو وہم و مگان بھی نہ تھا"۔

الْيَوْمَ وَالثُّوَّةُ عَلَى الْكُفَّارِينَ ③

بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے،^(۱) جنہیں علم دیا گیا تھا
وہ پکاراٹھیں گے^(۲) کہ آج تو کافروں کو رسائی اور برائی
چھٹ گئی۔^(۲۷)

وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، فرشتے جب ان کی جان
قبض کرنے لگتے ہیں اس وقت وہ جھک جاتے ہیں کہ ہم
برائی نہیں کرتے تھے۔^(۳) کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ خوب
جانے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے۔^(۴)^(۲۸)

پس اب تو ہمیشی کے طور پر تم جنم کے دروازوں میں
داخل ہو جاؤ،^(۵) پس کیا ہی براٹھ کانا ہے غور کرنے
والوں کا۔^(۲۹)

الَّذِينَ تَسْوِقُهُمُ الْمَلَائِكَةُ كَلَّا لَيَأْنْتَ هُمْ فَالْقُوَّالِلَمَعَ
مَا لَكُمْ أَنْعَلُ مِنْ سُوءٍ بَلْ إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ بِمَا أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ ④

فَادْخُلُوا بَوَابَ جَهَنَّمَ خَلِيلِينَ فِيهَا أَكْلِمَشَ
مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ⑤

(۱) یعنی یہ تو وہ عذاب تھے جو دنیا میں ان پر آئے اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح ذلیل و رسما کرے گا
کہ ان سے پوچھے گا، تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جو تم نے میرے لیے ٹھہرائے تھے، اور جن کی وجہ سے تم مومنوں
سے لڑتے جھگڑتے تھے۔

(۲) یعنی جن کو دین کا علم تھا وہ دین کے پابند تھے وہ جواب دیں گے۔

(۳) یہ مشرک ظالموں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے جب فرشتے ان کی رو حیں قبض کرتے ہیں تو وہ
صلح کی بات ڈالتے ہیں یعنی صلح و طاعت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے۔ جس
طرح میدان محشر میں اللہ کے رو برو بھی جھوٹی فتیمیں کھائیں گے اور کہیں گے — ﴿وَاللَّهُ رَبُّنَا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِنَّا إِذَا مُشْرِكُونَ﴾
(الأنعام-۲۲) ”اللہ کی قسم“، ہم مشرک نہیں تھے“ دوسرے مقام پر فرمایا ”جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کر اپنے پاس
جمع کرے گا تو اللہ کے سامنے بھی یہ اسی طرح (جھوٹی) فتیمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے فتیمیں کھاتے ہیں۔
(الجادۃ-۱۸)

(۴) فرشتے جواب دیں گے کیوں نہیں؟ یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمہاری تو ساری عمر ہی برا یوں میں گزری ہے اور اللہ
کے پاس تمہارے سارے عملوں کا ریکارڈ محفوظ ہے، تمہارے اس انکار سے اب کیا بنے گا؟

(۵) امام ابن کثیر فرماتے ہیں، ان کی موت کے فوراً بعد ان کی رو حیں جنم میں چلی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبر میں
رہتے ہیں (جمان اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جسم و روح میں بعد کے باوجود، ان میں ایک گونہ تعلق پیدا کر کے ان کو
عذاب دیتا ہے، اور صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے) پھر جب قیامت برپا ہوگی تو ان کی رو حیں ان کے جسموں
میں لوٹ آئیں گی اور ہمیشہ کے لیے یہ جنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

اور پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے، اور یقیناً آخرت کا گھر تو بت ہی بہتر ہے، اور کیا ہی خوب پرہیزگاروں کا گھر ہے۔ (۳۰)

تیکی والے باغات جماں وہ جائیں گے جن کے نیچے نہ ریس بہ رہی ہیں، جو کچھ یہ طلب کریں گے وہاں ان کے لیے موجود ہو گا۔ پرہیزگاروں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح بدلتے عطا فرماتا ہے۔ (۳۱)

وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں کہتے ہیں کہ تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے،^(۱) جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلتے جو تم کرتے تھے۔ (۳۲)

کیا یہ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے؟^(۲) ایسا ہی

وَقِيلَ لِلَّذِينَ أَتَقْوَى مَا ذُكِرَ إِذْنَ رَبِّكُمْ قَالُوا خَيْرٌ
لِلَّذِينَ أَخْسَأُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَدَارُ الْجَنَّةِ
خَيْرٌ وَلَغَفُورٌ لِلْمُتَقْبِلِينَ ⑦

جَنَّتُ عَدُونَ يَدْخُلُونَهَا تَعْبُرُ مِنْ سَخْنِهَا إِلَّا نَهُرٌ لَهُمْ فِيهَا
مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يَعْزِزُ اللَّهُ الْمُتَقْبِلِينَ ⑧

الَّذِينَ تَعْوِذُمُ الْمَلِكَةُ طَيِّبَتْ لَهُمْ لَيْلَوْنَ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ
ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑨

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيهِمُ الْمَلِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرِ رَبِّكَ
كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمُهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ

(۱) ان آیات میں ظالم مشرکوں کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ کا کردار اور ان کا حسن انجام بیان فرمایا گیا ہے۔
جَعَلَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ، أَمِينَ يَارَبَ الْعَالَمِينَ۔

(۲) سورہ اعراف کی آیت ۷۳ کے تحت یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، جب تک اللہ کی رحمت نہیں ہو گی۔ لیکن یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلتے جنت میں داخل ہو جاؤ، تو ان میں دراصل کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لیے اعمال صالحہ ضروری ہیں۔ گویا عمل صالح، اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، اس لیے عمل کی اہمیت بھی بجاۓ خود مسلم ہے، اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل ہی نہیں سکتی۔ اس لیے حدیث مذکور کا مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور عمل کی اہمیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ
وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم ظلم المسلم.....)

(۳) یعنی کیا یہ بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب فرشتے ان کی رو حسین قبض کریں گے یا رب کا حکم (یعنی عذاب یا قیامت) آجائے۔

كَلُّهُمْ أَفْسَدُهُمْ يَظْلِمُونَ ④

ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔^(۱) ان پر اللہ تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا^(۲) بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔^(۳) (۳۳)

پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انہیں مل گئے اور جس کی نہیں اڑاتے تھے اس نے ان کو گھیر لیا۔^(۴) (۳۴)

مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اس کے سوا کسی اور کسی عبادت ہی نہ کرتے، نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے۔ یہی فعل ان سے پہلے کے لوگوں کا رہا۔ تو رسولوں پر تو صرف کھلمند کھلا پیغام کا پہنچا رہا ہے۔^(۵) (۳۵)

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا يَبْغِي
يَسْتَهِزُونَ ⑤

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لِوْشَاءَ اللَّهُ مَاعَبَدُوا مِنْ دُوْنِهِ
مِنْ شَيْءٍ هُنَّ عَنْهُنَّ وَلَا إِلَهَ أُوْلَئِنَّا وَلَا حَرَّمَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ
كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَهَّلُ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا
الْبَلْكُلُ الْمُبْيِنُ ⑥

(۱) یعنی اس طرح سرکشی اور معصیت، ان سے پہلے لوگوں نے اختیار کیے رکھی، جس پر وہ غضب اللہ کے مستحق بنے۔

(۲) اس لیے کہ اللہ نے تو ان کے لیے کوئی عذر ہی باقی نہیں چھوڑا۔ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرمائیں تاہم ان پر جنت تمام کر دی۔

(۳) یعنی رسولوں کی مخالفت اور ان کی محنذیب کر کے خود ہی انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

(۴) یعنی جب رسول ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہیں لاوے گے تو اللہ کا عذاب آجائے گا۔ تو یہ استہزا کے طور پر کہتے کہ جا اپنے اللہ سے کہہ وہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کر دے۔ چنانچہ اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پھر اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ان کے پاس نہیں رہا۔

(۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطے کا ازالہ فرمایا ہے وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں، اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں ان چیزوں سے روک کیوں نہیں دیتا، وہ اگر چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ نہیں روکتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی مشیت کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شہبے کا ازالہ ”رسولوں کا کام صرف پہنچا رہا ہے“ کہہ کر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں ان مشرکانہ امور سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ اسی لیے وہ ہر قوم میں رسول بھیجا اور کتابیں نازل کر تارہا ہے اور ہر نبی نے اکر سب سے پہلے اپنی قوم کو شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ شرک کریں کیونکہ اگر اسے یہ پسند ہو تو اس کی تروید کے لیے وہ رسول کیوں بھیجا؟ لیکن اس کے باوجود اگر تم نے رسولوں کی محنذیب کر کے شرک کا

ہم نے ہرامت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سواتما معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی،^(۱) پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھلانے والوں کا انعام کیسا کچھ ہوا؟!^(۲) (۳۶)

گو آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کروے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔^(۳۷) (۳۷)

وہ لوگ بڑی سخت سخت قسمیں کھا کھا کرتے ہیں کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ نہیں کرے گا۔^(۳۸) کیوں نہیں ضرور زندہ کرے گا یہ تو اس کا برق لازمی وعده ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔^(۳۹) (۳۸)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ
وَلَا يُجْنِبُوا إِلَّا طَاغُوتٌ فَيَنْهَا مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمَنْ هُنْ
مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ فَسَيْرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ^(۴)

إِنْ تَخْرُصْ عَلَى هُدًى مُّمُّمٍ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُفْسِدُ
وَمَا لِلَّهِ مِنْ شَرِيكٍ ^(۵)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهَنَّمَ أَيْمَانَهُمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ
بَلْ وَعْدُهُ أَعْلَمُ حَقًا وَالْكِبَرُ أَكْثَرُ الظَّالِمِينَ لَا يَعْلَمُونَ ^(۶)

راستہ اختیار کیا اور اللہ نے اپنی مشیت تکوینیہ کے تحت قرا و جبرا تمیس اس سے نہیں روکا، تو یہ تو اس کی اس حکمت و مصلحت کا ایک حصہ ہے، جس کے تحت اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر ان کی آزمائش ممکن ہی نہ تھی۔ ہمارے رسول ہمارا پیغام تم تک پہنچا کر یہی سمجھاتے رہے کہ اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرو بلکہ اللہ کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرو! ہمارے رسول یہی کچھ کر سکتے تھے، جو انہوں نے کیا۔ اور تم نے شرک کر کے آزادی کا غلط استعمال کیا جس کی سزا داگی عذاب ہے۔

(۱) مذکورہ شبہ کے ازالے کے لیے مزید فرمایا کہ ہم نے تو ہرامت میں رسول بھیجا اور یہ پیغام ان کے ذریعے سے پہنچایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ لیکن جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی، انہوں نے اس کی پرواہی نہ کی۔

(۲) اس میں اللہ تعالیٰ فرمرا رہا ہے۔ اے پیغمبر! تیری خواہش یقیناً یہی ہے کہ یہ سب ہدایت کا راستہ اپنالیں لیکن قوانین الیہ کے تحت جو گمراہ ہو گئے ہیں، ان کو تو ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتا، یہ تو اپنے آخری انعام کو پہنچ کر ہی رہیں گے، جہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

(۳) کیوں کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا، انہیں مشکل اور ناممکن نظر آتا تھا۔ اسی لیے رسول جب انہیں بعث بعد الموت کی بابت کہتا ہے تو اسے جھلاتے ہیں، اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے بر عکس یعنی دوبارہ زندہ نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں، قسمیں بھی بڑی تاکید اور یقین کے ساتھ۔

(۴) اسی جمالت اور بے علمی کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب و مخالفت کرتے ہوئے دو ریائے کفر میں ڈوب جاتے ہیں۔

اس لیے بھی کہ یہ لوگ جس چیزوں میں اختلاف کرتے تھے اسے اللہ تعالیٰ صاف بیان کر دے اور اس لیے بھی کہ خود کافراً پنا جھوٹا ہونا جان لیں۔^(۴) (۳۹)

ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہ دینا ہوتا ہے کہ ہو جائے پس وہ ہو جاتی ہے۔^(۵) (۴۰)

جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا ہے^(۶) ہم انہیں بتر سے بستر ٹھکانا دنیا میں عطا فرمائیں گے^(۷) اور آخرت کا ثواب تو بست ہی بڑا ہے،^(۸) کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے۔^(۹) (۴۱)

إِنَّمَا قَوْلَنَا إِنَّمَا كَيْفَيَةُ الْأَرْضِ إِذَا أَرْضَاهَا أَنْ تَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ^(۱۰)
أَنَّمَا كَيْفَيَةُ الْأَنْبِيَاءِ إِذَا أَرْضَاهَا أَنْ تَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ^(۱۱)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا أَظْلَمُوا النَّبِيَّنَهُمْ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلِكُوْنِ الْآخِرَةِ كَبِيرًا كُوْنُوا يَعْلَمُونَ^(۱۲)

(۱) یہ وقوع قیامت کی حکمت و علت بیان کی جا رہی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے اور اہل حق اور اہل تقویٰ کو اچھی جزا اور اہل کفر و فتن کو ان کے برے عملوں کی سزا دے گا۔ نیز اس دن اہل کفر پر بھی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ قیامت کے عدم وقوع پر جو فتیں کھاتے تھے، ان میں وہ جھوٹے تھے۔

(۲) یعنی لوگوں کے نزدیک قیامت کا ہونا، کتنا بھی مشکل یا ناممکن ہو، مگر اللہ کے لیے تو کوئی مشکل نہیں اسے زمین و آسمان ڈھانے کے لیے مزدوروں، نجیسروں اور مستریوں اور دیگر آلات و وسائل کی ضرورت نہیں۔ اسے تو صرف لفظ کن کتا ہے اس کے لفظ کن سے پلک جھکتے میں قیامت برپا ہو جائے گی ﴿ وَمَا أَمْرَأَ الشَّاعِرَةَ إِلَّا كَلِمَتُهُ أَوْهُوَ أَقْرَبُ ﴾ (النَّحْل۔۷۷) ”قیامت کا معاملہ پلک جھکتے یا اس سے بھی کم مدت میں واقع ہو جائے گا۔

(۳) ہجرت کا مطلب ہے اللہ کے دین کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن، اپنے رشتہ دار اور دوست احباب چھوڑ کر ایسے علاقے میں چلے جانا جماں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے۔ اس آیت میں ان ہی مهاجرین کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، یہ آیت عام ہے جو تمام مهاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان مهاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاوں سے تنگ آ کر جشد ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے زیادہ تھی، جن میں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ و ختر رسول ﷺ بھی تھیں۔

(۴) اس سے رزق طیب اور بعض نے مدینہ مرادیا ہے، جو مسلمانوں کا مرکز بنا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دونوں قولوں میں منافات نہیں ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے کاروبار اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی انہیں ان کا نعم البدل عطا فرمادیا۔ رزق طیب بھی دیا اور پورے عرب پر انہیں اقتدار و تکلف عطا فرمایا۔

(۵) حضرت عمر بن بیٹرؓ نے جب مهاجرین و انصار کے وظیفے مقرر کیے تو ہر مهاجر کو وظیفہ دیتے ہوئے فرمایا۔ ہذا ما وَعَدَك

وہ جنوں نے دامن صبر نہ چھوڑا اور اپنے پالنے والے
ہی پر بھروسہ کرتے رہے۔ (۲۲)

آپ سے پسلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی
جانب وحی اتار کرتے تھے پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل
علم سے دریافت کرلو۔^(۱) (۲۳)

دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ
کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا
ہے آپ اسے کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ
غورو فکر کریں۔ (۲۴)

بدترین داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف
ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنادے یا ان
کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں کا انہیں وہم
گمان بھی نہ ہو۔ (۲۵)

یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔^(۲) یہ کسی صورت میں اللہ
تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ (۲۶)

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ③

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِنَّ لَيْلَمَ فَسَلَّوْ أَهْلَ
الذِّكْرِ كُلُّنَا كُلُّنَا لَا تَعْلَمُونَ ④

بِالْأَيْمَنِ وَالْأَيْمَنِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَيْكَ لِتَبْيَّنَ لِلنَّاسِ
مَا تُنْهَى إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَعَمَّذُونَ ⑤

إِنَّمَا الَّذِينَ مَكْرُوهُ الْتَّيَّاتُ أَنْ يَحْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ
أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ⑥

أَوْ يَأْخُذُهُمْ فِي تَقْلِيمِهِمْ فَمَا هُوَ بِمُسْعِزِينَ ⑦

اللَّهُ فِي الدُّنْيَا ”یہ وہ ہے جس کا اللہ نے دنیا میں وعدہ کیا ہے“ وَمَا أَدْخَرَ لَكَ فِي الْآخِرَةِ أَفْضَلُ ”اور
آخرت میں تیرے لیے جو ذخیرہ ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے“ (ابن کثیر)

(۱) أَهْلُ الذِّكْرِ سے مراد اہل کتاب ہیں جو پچھلے انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جتنے بھی
رسول بھیجے، وہ انسان ہی تھے اس لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر انسان ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ تم
ان کی بشریت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کر دو۔ اگر تمہیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء بشر تھے یا
ملائکہ؟ اگر وہ فرشتے تھے تو پھر بے شک انکار کر دینا، اگر وہ بھی سب انسان ہی تھے تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں؟

(۲) اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں، مثلاً-۱. جب تم تجارت اور کاروبار کے لیے سفر جاؤ۔ ۲- جب تم کاروبار کو فروغ
دنے کے لیے مختلف حلیے اور طریقے اختیار کرو۔ ۳- یا رات کو آرام کرنے کے لیے اپنے بستروں پر جاؤ۔ یہ تقلیل کے
مختلف مفہوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان صورتوں میں بھی تمہارا موافذہ کر سکتا ہے۔

یا انہیں ڈرا دھم کا کر پکڑ لے،^(۱) پس یقیناً تمہارا پرو رودگار
اعلیٰ شفقت اور انتہائی رحم والا ہے۔^(۲) ^(۳)

کیا انہوں نے اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں
دیکھا؟ کہ اس کے سامنے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ
تعالیٰ کے سامنے سر بھجو دھوتے اور عاجزی کا اظہار کرتے
ہیں۔^(۴) ^(۵)

یقیناً آسمان و زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ
تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں
کرتے۔^(۶)

اور اپنے رب سے جوان کے اوپر ہے، پکپاتے رہتے ہیں^(۷)
اور جو حکم مل جائے اس کی تعییل کرتے ہیں۔^(۸) ^(۹)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمادیکا ہے کہ دو معبدوں نے بناؤ۔ معبد تو
صرف وہی اکیلا ہے،^(۱۰) پس تم سب صرف میرا ہی ڈر
خوف رکھو۔^(۱۱)

أَوْ يَأْخُذُهُمْ عَلَى عَوْنَقٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ أَرَدُوهُ فَرَجِيمٌ^(۱۲)

أَلَمْ يَرَ إِلَيْهِ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَعَفَّقُوا لِلَّهِ عَنِ
الْمَيْمَانِ وَالشَّمَائِيلِ سُجَّدًا لِتَلَوْهُمْ ذَخْرُونَ^(۱۳)

وَلَلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَائِيَةٍ
وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْكُنُونَ^(۱۴)



يَعْلَمُونَ رَبَّمَا مِنْ فَوْقَهُمْ وَيَعْلَمُونَ مَا لِيَوْمَهُمْ وَمَا بَعْدُ^(۱۵)

وَقَالَ اللَّهُ لَكُمْ تَعْلِمُونَ وَاللَّهُمْ أَنْتَمْ أَنْتَمْ إِنَّا هُوَ اللَّهُ وَلَا إِلَهَ
فِي إِلَيَّ أَنْتَمْ فَلَا تَرْبَهُنَّ^(۱۶)

(۱) تَخَوْفٌ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پسلے سے ہی دل میں عذاب اور موآخذے کا ڈر ہو۔ جس طرح بعض دفعہ
انسان کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو خوف محوس کرتا ہے کہ کہیں اللہ میری گرفت نہ کر لے چنانچہ بعض دفعہ
اس طرح بھی موآخذہ ہوتا ہے۔

(۲) کہ وہ گناہوں پر فوراً موآخذہ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور اس مہلت سے بہت سے لوگوں کو توبہ و استغفار کی
 توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت شان کا بیان ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی اور مطیع ہے۔
جمادات ہوں یا حیوانات یا جن و انسان اور ملائکہ۔ ہر وہ چیز جس کا سایہ ہے اور اس کا سایہ دائیں بائیں جھکتا ہے تو وہ صحیح و
شام اپنے سامنے کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ امام مجاهد فرماتے ہیں جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ
ریز ہو جاتی ہے۔

(۴) اللہ کے خوف سے لرزائی و ترسائی رہتے ہیں۔

(۵) اللہ کے حکم سے سرتباں نہیں کرتے بلکہ جس کا حکم دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں، جس سے منع کیا جاتا ہے، اس سے
دور رہتے ہیں۔

(۶) کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبد ہے ہی نہیں۔ اگر آسمان و زمین میں دو معبد ہوتے تو نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے،^(۱) کیا پھر تم اس کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو؟^(۵۲)

تمہارے پاس جتنی بھی نعمتوں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں،^(۲) اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اسی کی طرف نالہ و فریاد کرتے ہو۔^(۳)^(۵۳)

اور جمال اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔^(۵۴)

کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔^(۴) اچھا کچھ فائدہ اٹھالو آخر کار تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا۔^(۵)^(۵۵)

وَكَهْ مَافِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَهْ الدِّينُ وَاصْبَأْ
أَغْنِيَرَ اللَّهَ تَعَوَّنَ^(۶)

وَمَا لَكُمْ مِنْ تَعْوِيْفَةٍ إِنَّ اللَّهَ ثُمَّ إِذَا أَمْسَكَ الظُّرُفَ الْمُهَبَّةَ
تَجْهِيْزُونَ^(۷)

ثُمَّ إِذَا كَثَفَ الظُّرُفَ عَنْكُمْ إِذَا أَفْرَيْتُ مِنْكُمْ بَرَدَمْ يُنْتَكُونَ^(۸)

لِيَكْفُرُوا إِيمَانَهُمْ فَتَمْتَعُوا بِسُوقَ الْعَلَمُونَ^(۹)

تحا، یہ فساد اور خرابی کا شکار ہو چکا ہوتا ﴿لَوْ كَانَ فِيهَا لِهُ إِلَاهٌ لَكُمْ لَهُنَّ مُسْدَّدٌ﴾ (الأنبياء: ۲۲) اس لیے شتویت (دو خداوں) کا عقیدہ، جس کے محسوسی حامل رہے ہیں یا تعدد اللہ (بہت سارے معبدوں) کا عقیدہ، جس کے اکثر مشرکین قائل رہے ہیں۔ یہ سب باطل ہیں۔ جب کائنات کا خالق ایک ہے اور وہی بلا شرکت غیرے تمام کائنات کا نظم و نتیجہ چلا رہا ہے تو معبدوں بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔

(۱) اسی کی عبادت و اطاعت دائی اور لازم ہے و اصل کے معنی یعنی کے ہیں ﴿وَلَمْ يَعْلَمُ عَذَابَ وَلَوْلَهُ﴾ (الصفات: ۴) ”ان کے لیے عذاب ہے، ہمیشہ کا“ اور اس کا وہی مطلب ہے جو دوسرے مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ — ﴿فَلَعْنُهُ اللَّهُ غَلِيْصَالَهُ الْتَّيْنَ * الْكَلِيلُ الْتَّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر: ۳۰-۳۱) ”پس اللہ کی عبادت کرو، اسی کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے، خبردار اسی کے لیے خالص بندگی ہے۔“

(۲) جب سب نعمتوں کا دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو پھر عبادت کسی اور کی کیوں؟

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب و وجہ ان کی گمراہیوں میں راح ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آ جاتا ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گرے ہو جاتے ہیں۔

(۴) لیکن انسان بھی کتنا ناشکرا ہے کہ تکلیف (بیماری، تنفسی اور نقصان وغیرہ) کے دور ہوتے ہی وہ پھر رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

(۵) یہ اس طرح ہی ہے جیسے اس سے قبل فرمایا تھا ﴿قُلْ تَسْعَوْ أَقْلَانَ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ﴾ (ابراهیم: ۳۰) ”چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھالو! بالآخر تمہاراٹھکانا جنم ہے۔“

اور جسے جانتے ہو جھتے بھی نہیں اس کا حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے مقرر کرتے ہیں،^(۱) واللہ تمہارے اس بہتان کا سوال تم سے ضرور ہی کیا جائے گا۔^(۲)
 اور وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں اور اپنے لیے وہ جو اپنی خواہش کے مطابق ہو۔^(۳)
 ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبردی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹھنے لگتا ہے۔^(۴)

اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس کو ذات کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبادے، آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں؟^(۵)

وَيَعْجَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ تَصِيبُهُمْ تِنَاجِزُهُمْ تَأْلِهُ
 لَتُسْتَأْنَ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْرُونَ ⑥

وَيَعْجَلُونَ إِلَهَ الْبَنِتِ سُجْنَةَ وَهُمْ بِإِشْتِهْنَ ⑦

وَلَذَا بِئْرَاحَدُهُمْ بِالْأَنْثَى ظَلَّ وَهُمْ مُسْوَدَّاً وَهُوَ كَفِيلٌ ⑧

يَتَوَارِي مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءَ مَا بَيْتَرَهُ إِيمَانُكَ عَلَى هُوْنَ آمُ
 يَدْسُلُهُ فِي التُّرَابِ الْأَرْسَادُ مَا يَحْكُمُونَ ⑨

(۱) یعنی جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا اور معبد سمجھتے ہیں، وہ پھر کی سورتیاں ہیں یا جنات و شیاطین ہیں، جن کی حقیقت کا ان کو علم ہی نہیں۔ اسی طرح قبروں میں مدفنوں لوگوں کی حقیقت بھی کوئی نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ وہاں کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ وہ اللہ کے پسندیدہ افراد میں ہیں یا کسی دوسری فہرست میں؟ ان باتوں کو کوئی نہیں جانتا لیکن ان ظالم لوگوں نے ان کی حقیقت سے ناآشنا ہونے کے باوجود اُنہیں اللہ کا شریک ٹھہر کر کھا ہے اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کے لیے بھی (نذر و نیاز کے طور پر) حصہ مقرر کرتے ہیں بلکہ اللہ کا حصہ رہ جائے تو بیشک رہ جائے، ان کے حصے میں کمی نہیں کرتے جیسا کہ سورۃ الانعام ۱۳۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲) تم جو اللہ پر افترا کرتے ہو کہ اس کا شریک یا شرکا ہیں، اس کی بابت قیامت والے دن تم سے پوچھا جائے گا۔

(۳) عرب کے بعض قبلیے (خراءعہ اور کنانہ) فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یعنی ایک ظلم تو یہ کیا کہ اللہ کی اولاد قرار دی، جب کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ پھر اولاد بھی مونٹ، جسے وہ اپنے لیے پسند ہی نہیں کرتے اللہ کے لیے اسے پسند کیا، جسے دوسرے مقام پر فرمایا — ﴿الْكَلْمُ الذَّكَرُ وَلِلْأَنْثَى * تِلْكَ إِذَا قِسْمَةً صِيْزِي﴾ (النجم ۲۲-۲۱) ”کیا تمہارے لیے بیٹیے اور اس کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بخوبی تقسیم ہے۔“ یہاں فرمایا کہ تم تو یہ خواہش رکھتے ہو کہ بیٹیے ہوں، بیٹی کوئی نہ ہو۔

(۴) یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے جو نہ کور ہوا، اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ کیا

(۱) آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بربادی مثال ہے، اللہ کے لیے تو بست ہی بلند صفت ہے، وہ براہی غالب اور با حکمت ہے۔^(۴۰)

اگر لوگوں کے گناہ پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا،^(۳) لیکن وہ تو انہیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دیتا ہے،^(۳) جب ان کا وہ وقت آ جاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔^(۶۱)

لِلَّذِينَ لَكُوْمُونَ بِالْأُخْرَةِ مَثُلُ السَّوْءَ وَلِلَّهِ الْمُشْلُ
الْأَعْلَى وَهُوَ الْعَزِيزُ الْجَدِيدُ^(۶)

وَلَوْيُوا خَذُ اللَّهَ النَّاسَ بِطُلْبِهِمْ تَأْتِيَ عَلَيْهِمَا مِنْ دَائِبَةٍ وَلَكِنْ
يُؤْخِرُهُمُ إِلَى أَجَلٍ شَسَّيٍّ فَإِذَا جَاءَهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ
سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ^(۶)

برا یہ فیصلہ کرتے ہیں؟ یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔ نہیں، اللہ کے نزدیک لڑکے لڑکی میں کوئی تمیز نہیں ہے نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے۔ یہاں تو صرف عربوں کی اس نا انصافی اور سراسر غیر معقول روئے کی وضاحت مقصود ہے، جو انہوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کیا تھا دراں حالاں کہ اللہ کی برتری اور فویت کے وہ بھی قائل تھے۔ جس کا منطقی نتیجہ تو یہ تھا کہ جو چیزیں اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اللہ کے لیے بھی اسے تجویز نہ کرتے لیکن انہوں نے اس کے بر عکس کیا۔ یہاں صرف اسی نا انصافی کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۱) یعنی کافروں کے برے اعمال بیان کیے گئے ہیں انہی کے لیے بربادی یا صفت ہے یعنی جمل اور کفر کی صفت۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی جو بیوی اور اولادیہ ٹھہراتے ہیں، یہ بربادی مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

(۲) یعنی اس کی ہر صفت، مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً اس کا علم و سمع ہے، اس کی قدرت لامتناہی ہے، اس کی جود و عطا بے نظیر ہے۔ و علی ہذا القیاس یا یہ مطلب ہے کہ وہ قادر ہے، خالق ہے، رازق اور سمع و بصیر ہے وغیرہ (فتح القدیر) یا بربادی مثال کا مطلب نقش کوتاہی ہے اور مثل اعلیٰ کا مطلب، کمال مطلق، ہر لحاظ سے اللہ کے لیے ہے۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ اس کا حلم ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مٹا غذہ ہی کرتا ہے حالاں کہ اگر ار تکاب معصیت کے ساتھ ہی وہ مٹا غذہ کرنا شروع کر دے تو ظلم و معصیت اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے کیوں کہ جب براہی عام ہو جائے تو پھر عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں تاہم آخرت میں وہ عند اللہ سرخوردیں گے جیسا کہ حدیث میں وضاحت آتی ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ نمبر ۲۱۸۲، و سلم۔ نمبر ۲۲۰۶ و ۲۲۰۷)

(۴) یہ اس حکمت کا بیان ہے جس کے تحت وہ ایک خاص وقت تک مسلط دیتا ہے تاکہ ایک تو ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دوسرے، ان کی اولاد میں سے کچھ ایماندار نکل آئیں۔

اور وہ اپنے لیے جو ناپسند رکھتے ہیں اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں^(۱) اور ان کی زبانیں جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے۔^(۲) نہیں نہیں، دراصل ان کے لیے آگ ہے اور یہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں۔^(۳) (۶۲)

والله! ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی اپنے رسول بھیج یکین شیطان نے ان کے اعمال بدان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیئے،^(۴) وہ شیطان آج بھی ان کا فریق بنا ہوا ہے^(۵) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۶۳)

اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں^(۶) اور یہ ایمان داروں کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ (۶۴)

اور اللہ آسمان سے پانی برسا کر اس سے زمین کو اس کی

وَيَعْلَمُونَ بِالَّهِ مَا يَأْكُلُونَ وَيَنْصُفُ الْأَيْمَنَهُمُ الْكَذَبَ أَنَّ لَهُمُ
الْحُسْنَى لَرَجُمَانَ لَهُمُ الشَّارُوْنَ أَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ ۚ ۷

تَالِلُوْلَقْدُ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِكَ فَتَيَّنَ لَهُمُ
الشَّيْطَنُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ لِلشَّيْطَنِ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ ۸

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِلْعَبْدِينَ لَهُمُ الْأَنْدَى
اَخْتَلَقُوا فِيهِ وَهُدُى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۹

وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاً فَإِنْ يَأْتِيَ بِهِ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْعِدِهِ أَنْ فَرِّ

(۱) یعنی بیٹیاں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۲) یہ ان کی دوسری خرابی کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ناصلانی کا معاملہ کرتے ہیں ان کی زبانیں یہ جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کا نجام اچھا ہے، ان کے لئے بھلا بیاں ہیں اور دنیا کی طرح ان کی آخرت بھی اچھی ہو گی۔

(۳) یعنی یقیناً ان کا نجام ”اچھا“ ہے۔ اور وہ ہے جنم کی آگ۔ جس میں وہ دوزخیوں کے پیش رو یعنی پہلے جانے والے ہوں گے۔ فَرَطْ کے یہی معنی حدیث سے بھی ثابت ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «أَنَا فَرَطْكُمْ عَلَى الْخَوْضِ» (صحیح بخاری، نمبر ۵۸۳، ومسلم، نمبر ۶۹۳) ”میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔“ ایک دوسرے معنی مُفْرَطُونَ کے یہ یہ گئے ہیں کہ انہیں جنم میں ڈال کر فراموش کر دیا جائے گا۔

(۴) جس کی وجہ سے انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی جس طرح اے پیغمبر قریش مکہ تیری تکذیب کر رہے ہیں۔

(۵) الْيَوْمَ سے یا تو زمانہ دنیا مراد ہے، جیسا کہ ترجیح سے واضح ہے، یا اس سے مراد آخرت ہے کہ وہاں بھی یہ ان کا ساتھی ہو گا۔ یا وَلِهِمْ میں هُنْ کا مرجع کفار مکہ ہیں۔ یعنی یہی شیطان جس نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا، آج وہ ان کفار مکہ کا دوست ہے اور انہیں تکذیب رسالت پر مجبور کر رہا ہے۔

(۶) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب بیان کیا گیا کہ عقائد و احکام شرعیہ کے سلسلے میں یہود و نصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوہ سیوں اور مشرکین کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلاف ہے، اس کی اس طرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہو جائے تاکہ لوگ حق کو اختیار اور باطل سے اجتناب کریں۔

ذِلِكَ لَذِكْرٌ لِّقَوْمٍ يَسْعَوْنَ ۚ ۶

موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنبھالے ہیں۔ (۲۵)

تمہارے لیے تو چوپا یوں^(۱) میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گور اور لبو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے سستا پختا ہے۔ (۲۶)

اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنایتے ہو^(۳) اور عمدہ روزی بھی۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لیے تو اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔ (۲۷)

آپ کے رب نے شمد کی مکھی کے دل میں یہ بات^(۴) ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اوپھی اوپھی ٹیکیوں میں اپنے گھر (چھتے) بننا۔ (۲۸)

اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان را ہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے رنگ برلنگ

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لِعِبَادَةٍ نُّسَقِّيْكُمْ بَيْنَ أَنْبَطُونِهِ وَمِنْ أَبْيَنِ
قُرْبٍ وَدِمْ لَبَنًا خَالِصًا سَابِقًا لِلثَّرِيْنِ ۷

وَمِنْ شَرَبَتِ الْعَيْنِيْلَ وَالْأَعْنَابَ تَخَجَّدُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا
حَسَنًا إِنَّ فِي ذِلِكَ لَذِكْرٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۸

وَأَوْخِي رَبِّكَ إِلَى التَّغْلِيْلِ لَنِ التَّخَنِيْنِ مِنَ الْجَبَالِ بِيُوْنَا
وَمِنَ الشَّجَرِ وَمَا يَعْرِشُونَ ۹

ثُكَلٌ مِنْ كُلِّ الشَّمَرَاتِ فَأَشْلَكَ سُبْلَ رَبِّكَ ذُلْلَابَغَرْجُورَ مِنْ
بُطْوَنَهَا شَرَابٌ مُخْتَفِيْلٌ الْوَانُهُ فِي وَشَفَاءِ الْلَّكَلَسِ إِنَّ فِي ذِلِكَ

(۱) انعام (چوپائے) سے اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) مراد ہوتے ہیں۔

(۲) یہ چوپائے جو کچھ کھاتے ہیں، معدے میں جاتا ہے، اسی خوراک سے دودھ، خون، گور اور پیشاب بناتا ہے۔ خون، رگوں میں اور دودھ تھنوں میں اسی طرح گور اور پیشاب اپنے مخراج میں منتقل ہو جاتا ہے اور دودھ میں نہ خون کی رنگت شامل ہوتی ہے نہ گور پیشاب کی بدبو۔ سفید اور شفاف دودھ باہر آتا ہے جو نہایت آسانی سے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔

(۳) یہ آیت اس وقت اتری تھی جب شراب حرام نہیں تھی، اس لیے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن اس میں سکردا کے بعد رذفاحسناتا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شراب رزق حسن نہیں ہے۔ نیز یہ سورت کمی ہے۔ جس میں شراب کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ پھر منی سورتوں میں بتدریج اس کی حرمت نازل ہو گئی۔

(۴) وَخَيْيٌ سے مراد الہام اور وہ سمجھ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طبعی ضروریات کی تکمیل کے لیے حیوانات کو بھی عطا کی ہے۔

کا مشروب نکلتا ہے،^(۱) جس کے رنگ مختلف ہیں^(۲) اور جس میں لوگوں کے لیے شفا^(۳) ہے غورو فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے۔^(۴) اللہ تعالیٰ نے ہی تم سب کو پیدا کیا ہے وہی پھر تمہیں فوت کرے گا، تم میں ایسے بھی ہیں جو بدترین عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جانے بوجھنے کے بعد بھی نہ جانیں۔^(۵) پیشک اللہ دانا اور تو انہے۔^(۶)

لَئِنَّهُ لِقَوْمٍ يَنْكُرُونَ^(۷)

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ تُمْبَوْفُكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَذْلِيلٍ
الْعُمُرُ لِكَ لَا يَعْلَمُ بَعْدَ عَلِيٍّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلَيْمٌ قَدِيرٌ^(۸)

(۱) شد کی کمھی پہلے پہاڑوں میں، درختوں میں انسانی عمارتوں کی بلندیوں پر اپنا مسدس خانہ اور چھتے اس طرح بناتی ہے کہ درمیان میں کوئی شگاف نہیں رہتا۔ پھر وہ باغوں، جنگلوں، وادیوں اور پہاڑوں میں گھومتی پھرتی ہے اور ہر قسم کے پھلوں کا جوس اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہے اور پھر انہی را ہوں سے، جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے، واپس لوٹتی ہے اور اپنے چھتے میں آکر بینہ جاتی ہے، جہاں اس کے منہ یا دبر سے وہ شد نکلتا ہے جسے قرآن نے "شراب" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی مشروب روح افزا۔

(۲) کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی نیلا اور کوئی زرد رنگ کا۔ جس قسم کے پھلوں اور کھیتوں سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے، اسی حساب سے اس کا رنگ اور زائد بھی مختلف ہوتا ہے۔

(۳) شِفَاءٌ میں تغیر تعظیم کے لیے ہے۔ یعنی بہت سے امراض کے لیے شد میں شفا ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً ہر بیماری کا علاج ہے۔ علمائے طب نے بھی صراحت کی ہے کہ شد یقیناً ایک شفا بخش قدرتی مشروب ہے۔ لیکن مخصوص بیماریوں کے لیے ذکر ہر بیماری کے لیے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوا (میٹھی چیز) اور شد پسند تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب الاشتریۃ، باب شراب الحلواء والعلس)، ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا "تین چیزوں میں شفا ہے۔ فصد کھلوانے (چھپنے لگانے) میں، شد کے پینے میں اور آگ سے داغنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں" (بخاری، باب الدواء بالعلس) حدیث میں ایک واقعہ بھی آتا ہے۔ "اسال (دست) کے مرض میں آپ ﷺ نے شد استعمال کرنے کا مشورہ دیا، جس سے دستوں میں اضافہ ہو گیا، آگر بتلایا گیا، تو دوبارہ آپ ﷺ نے شد پلانے کا مشورہ دیا، جس سے مزید فضلات خارج ہوئے اور گھروالے سمجھے کہ شاید مرض میں اضافہ ہو گیا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے تیسرا مرتبہ فرمایا اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا اور اسے شد پلا! چنانچہ تیسرا مرتبہ میں اسے شفائے کالمہ حاصل ہو گئی۔ (بخاری، باب دواء المبطون ومسلم، کتاب السلام، باب التداوى بسفى العسل)

(۴) جب انسان طبعی عمر سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر اس کا حافظ بھی کمزور ہو جاتا اور بعض دفعہ عقل بھی ماوف، اور وہ

اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے، پس جنمیں زیادتی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے ماتحت غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ اور یہ اس میں برابر ہو جائیں،^(۱) تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو رہے ہیں؟^(۲) ^(۳)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا پھر بھی لوگ باطل پر ایمان لا سکیں گے؟^(۴) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے؟^(۵)

اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے انہیں کچھ بھی تو روزی نہیں دے سکتے اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔^(۶) ^(۷)

پس اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت بناؤ،^(۸) اللہ تعالیٰ

وَاللَّهُ أَفْضَلُ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الظِّنْ

فَضْلُهُ إِنَّمَا يُرِدُ فِيهِ مَا لَمْ يَأْتِهِ فَهُمْ فِيهِ لَا يُنْهَا

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا يَصْنَعُونَ ^(۹)

وَاللَّهُ جَعَلَ لِكُم مِّنَ الْفُسْلِكُمْ أَذْوَاجًاٌ جَعَلَ لِكُم مِّن

أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيْبَاتِ

أَفَالْمَالُ طِيلٌ يُؤْمِنُونَ وَيُنْعَمُتُ اللَّهُ هُمْ يَقْرَئُونَ ^(۱۰)

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلُكُ لَهُمْ رُزْقًا مِّنَ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِعُونَ ^(۱۱)

فَلَا يَضُرُّ بُوَا يَلِهِ الْأَمْثَالُ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَإِنَّمَا

نادان بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہی ارزل العمر ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پناہ مانگی ہے۔

(۱) یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اتنا مال اور اسباب دینا نہیں دیتے کہ وہ تمہارے برابر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کب یہ پسند کرے گا کہ تم کچھ لوگوں کو، جو اللہ ہی کے بندے اور غلام ہیں اللہ کا شریک اور اس کے برابر قرار دے دو، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشی لحاظ سے انسانوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری نظام کے مطابق ہے۔ اسے جریئہ قوانین کے ذریعہ ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے۔ یعنی معاشی مساوات کی غیر فطری کوشش کے بجائے ہر کسی کو معاشی میدان میں کسب معاش کے لیے مساوی طور پر دوڑ دھوپ کے موقع میسر ہونے چاہیں۔

(۲) کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے غیر اللہ کے لیے نذر نیاز نکالتے ہیں اور یوں کفران نعمت کرتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان انعامات کا تنزہ کر کے جو آیت میں مذکور ہیں، سوال کر رہا ہے کہ سب کچھ دینے والا تو اللہ ہے، لیکن یہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں کا ہی کہنا مانتے ہیں۔

(۴) یعنی اللہ کو چھوڑ کر عبادت بھی ایسے لوگوں کی کرتے ہیں جن کے پاس کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔

(۵) جس طرح مشرکین مثالیں دیتے ہیں کہ بادشاہ سے ملنا ہو یا اس سے کوئی کام ہو تو کوئی براہ راست بادشاہ سے نہیں

خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۷۳)

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملکیت کا، جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک اور شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول روزی دے رکھی ہے، جس میں سے وہ چھپے کھلے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟^(۱) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (۷۵)

اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے،^(۲) دو شخصوں کی، جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے کہیں بھی اسے بھیجے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا ہے^(۳) اور

لَا يَعْلَمُونَ ^(۴)

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لِيَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ زَرَقْنَاهُ مَثَلًا إِنْ قَاتَلَنَا فَأَهْمَوْيْنَفْقُ مِنْهُ سِرًا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوْنَ أَنْحِيدُ بِلَهٗ بَلْ أَكْرَهُمُ لَا يَعْلَمُونَ ^(۵)

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَنْكَرَ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كُلُّ عَلَى مَوْلَةٍ أَيْنَمَا يُوَجِّهُهُ لَا يَأْتِ بِغَيْرِهِ هَلْ يَسْتَوْيُ هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ لَا وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ^(۶)

مل سکتا، اسے پسلے بادشاہ کے مقرین سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر بادشاہ تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کی ذات بھی بست اعلیٰ اور اوپنجی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ہم ان معبودوں کو ذریعہ بناتے ہیں یا بزرگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم اللہ کو اپنے پر قیاس مت کرو نہ اس قسم کی مثالیں دو۔ اس لیے کہ وہ تو واحد ہے، اس کی کوئی مثال ہی نہیں ہے۔ پھر بادشاہ نہ تو عالم الغیب ہے، نہ حاضروناظر نہ سمجھ و بصیر۔ کہ وہ بغیر کسی ذریعے کے رعایا کے حالات و ضروریات سے آگاہ ہو جائے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر چیز کا علم رکھتا ہے، رات کی تاریکیوں میں ہونے والے کاموں کو بھی دیکھتا ہے اور ہر ایک کی فریاد سننے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایک انسانی بادشاہ اور حاکم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا مقابل اور موازنہ؟

(۱) بعض کہتے ہیں کہ یہ غلام اور آزاد کی مثال ہے کہ پسلا شخص غلام اور دوسرا آزاد ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے۔ پسلا کافر اور دوسرا مومن ہے۔ یہ برابر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اصنام (معبودان باطلہ) کی مثال ہے، پسلے سے مراد اصنام اور دوسرے سے اللہ ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہی ہے کہ ایک غلام اور آزاد، باوجود اس بات کہ دونوں انسان ہیں، دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور بھی بست سی چیزیں دونوں کے درمیان مشترک ہیں، اس کے باوجود رتبہ و شرف اور فضل و منزلت میں تم دونوں کو برابر نہیں سمجھتے۔ تو اللہ تعالیٰ اور پھر کی ایک مورتی یا قبر کی ذہیری، یہ دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟

(۲) یہ ایک اور مثال ہے جو پسلے سے زیادہ واضح ہے۔

(۳) اور ہر کام کرنے پر قادر ہے کیوں کہ ہر یات بولتا اور سمجھتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر یعنی دین قویم اور سیرت صالح پر۔ یعنی افراط و تفریط سے پاک۔ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور وہ چیزیں، جن کو لوگ اللہ کا

ہے بھی سیدھی راہ پر، برابر ہو سکتے ہیں؟^(۱) (۲۶) آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔^(۳) اور قیامت کا امر تو ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔ پیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۴) (۲۷)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماوں کے پیڑوں سے نکلا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے،^(۵) اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے^(۶) اسکے تم شکر گزاری کرو۔^(۷) (۲۸)

وَيَلْهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا
كَلْمَحُ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ قَرِبٌ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۸)
وَإِنَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ أُمَّهَتُكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا،
وَجَعَلَ لِكُلِّ السَّمَعِ وَالْأَبْصَارِ وَالْأَفْيَدَةِ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ^(۹)

شریک نہ رہاتے ہیں، برابر نہیں ہو سکتے۔

(۱) یعنی آسمان و زمین میں جو چیزیں غائب ہیں اور وہ بے شمار ہیں اور انہی میں قیامت کا علم ہے۔ ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لیے عبادت کے لائق بھی صرف ایک اللہ ہے نہ کہ وہ اصنام یا فوت شدہ اشخاص جن کو کسی چیز کا علم نہیں نہ وہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر ہی قادر ہیں۔

(۲) یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ یہ وسیع و عریض کائنات اس کے حکم سے پک جھکنے میں بلکہ اس سے بھی کم لمحے میں تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ بات بطور مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے کیونکہ اس کی قدرت غیر متناہی ہے جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے، اس کے ایک لفظ کُن سے وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تو یہ قیامت بھی اس کے کُن (ہو جا) کرنے سے براپا ہو جائے گی۔

(۳) شَيْئًا، نکرہ ہے تم کچھ نہیں جانتے تھے، نہ سعادت و شقاوت کو، نہ فائدے اور نقصان کو۔

(۴) آنکھ کاںوں کے ذریعے سے تم آوازیں سنو، آنکھوں کے ذریعے سے چیزوں کو دیکھو اور دل، یعنی عقل (کیوں کہ عقل کا مرکز دل ہے) دی، جس سے چیزوں کے درمیان تمیز کر سکو اور نفع و نقصان پہنچان سکو، جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے، ان قوی و حواس میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ جب انسان شعور اور بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کی یہ صلاحیتیں بھی قوی ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ پھر کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔

(۵) یعنی یہ صلاحیتیں اور قویں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا کی ہیں کہ انسان ان اعضاء و جوارح کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ ان سے اللہ کی عبادت و اطاعت کرے۔ یہی اللہ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ہے۔ حدیث میں آتا ہے ”میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیز ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ علاوہ ازاں نوافل کے ذریعے سے بھی وہ میرا زیادہ قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے،“

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضائیں ہیں، جنہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں^(۱)، پیشک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔^(۷۹)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں میں سکونت کی جگہ بنا دی ہے اور اسی نے تمہارے لیے چوبیوں کی کھالوں کے گھر بنا دیے ہیں، جنہیں تم ہلکا چھلکا پاتے ہو اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھرنے کے دن بھی^(۲)، اور ان کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدہ کی چیزیں بنائیں۔^(۳)^(۸۰)

أَلَمْ يَرَ إِلَى الظَّلِيلِ مُسْخَرِتٍ فِي جَوَافِئِهِ مَا يَمْسِكُهُنَّ
إِلَّا اللَّهُ أَنِّي فِي ذَلِكَ لَآيَتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ^(۴)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بَيْوَاتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ
الْأَنْعَامِ بَيْوَاتٍ سَكَنُوهَا يَوْمَ طَعْنَكُمْ وَيَوْمَ إِقْامَتِكُمْ
وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا آثَاثًا وَمَتَاعًا
إِلَى حَيَّنِ^(۵)

حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں، تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاد، باب التواضع)

اس حدیث کا بعض لوگ غلط مفہوم لے کر اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات کا حامل باور کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی اطاعت و عبادت اللہ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضاکے لیے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور اپنی آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے، جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے۔ وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پرندوں کو اس طرح اڑنے کی اور ہواں کو انہیں اپنے دوش پر اٹھانے رکھنے کی طاقت بخشی۔

(۲) یعنی چڑے کے خیمے، جنہیں تم سفر میں آسانی کے ساتھ اٹھانے پھرتے ہو، اور جہاں ضرورت پڑتی ہے اسے تان کر موسم کی شدتوں سے اپنے کو محفوظ کر لیتے ہو۔

(۳) أَصْوَافُ، صُوفُ کی جمع۔ بھیڑ کی اون آوباز، وَبَرُ کی جمع، اونٹ کے بال، أَشْعَارُ، شَعَرُ کی جمع۔ دنبے اور بکری کے بال۔ ان سے کئی قسم کی چیزیں تیار ہوتی ہیں، جن سے انسان کو مال بھی حاصل ہوتا ہے اور ان سے ایک وقت تک فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔

اللہ ہی نے تمارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے سائے بنائے ہیں^(۱) اور اسی نے تمارے لیے پھاڑوں میں غار بنائے ہیں اور اسی نے تمارے لیے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور ایسے کرتے بھی جو تمہیں لڑائی کے وقت کام آئیں۔^(۲) وہ اسی طرح اپنی پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے کہ تم حکم بودار بن جاؤ۔^(۳)

پھر بھی اگر یہ منہ موڑے رہیں تو آپ پر صرف کھول کر تبلیغ کرونا ہی ہے۔^(۴)

یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے منکر ہو رہے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔^(۵)

اور جس دن ہم ہرامت میں سے گواہ کھڑا کریں گے^(۶) پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔^(۷)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنَ الْخَلْقِ طَلَابًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِنَّاتِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُم سَرَابِيلَ تَعْيِكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَعْيِكُمْ بَاسْكُمْ كَذَلِكَ يُتَمَّمُ نِعْمَةَ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ^(۸)

فَإِنْ تَوَكُّلُوا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمُ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ^(۹)

يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ وَلَا يُنَكِّرُونَهَا وَأَكْثُرُهُمُ الْكُفَّارُونَ^(۱۰)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا إِنَّمَا لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كُفَّرُوا وَلَا هُمْ يُسْعَدُونَ^(۱۱)

(۱) یعنی درخت جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

(۲) یعنی اون اور روئی کے کرتے جو عام پنے میں آتے ہیں اور لوہے کی زر ہیں اور خود جو جنگوں میں پسی جاتی ہیں۔

(۳) یعنی اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں پیدا کرنے والا اور ان کو استعمال میں لانے کی صلاحیتیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر بھی اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ناشکری کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ہرامت پر اس امت کا پیغمبر گواہی دے گا کہ انہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ ان کافروں کو عذر پیش کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر ریا جھٹ ہو گی، ہی نہیں۔ نہ ان سے رجوع یا عتاب دور کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس کی ضرورت بھی اس وقت پیش آتی ہے جب کسی کو گنجائش دینا مقصود ہو لا یُسْتَغْتَبُونَ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے کہ انہیں اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ موقعہ تو ان کو دنیا میں دیا جا چکا ہے جو دارالعمل ہے۔ آخرت تو دارالعمل نہیں، وہ تو دارالجبرا ہے، وہاں تو اس چیز کا بدله ملے گا جو انسان دنیا سے کر کے گیا ہو گا، وہاں کچھ کرنے کا موقع کسی کو نہیں ملے گا۔

اور جب یہ ظالم عذاب دیکھ لیں گے پھر نہ تو ان سے ہلا کیا جائے گا اور نہ وہ ڈھیل دیے جائیں گے۔^(۱) (۸۵)

اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگارا یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، پس وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو۔^(۲) (۸۶)

اس دن وہ سب (عاجز ہو کر) اللہ کے سامنے اطاعت کا اقرار پیش کریں گے اور جو بہتان بازی کیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائے گی۔ (۸۷)

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخْفَفُ عَنْهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ⑩

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شَرِكَةً هُمْ قَاتِلُوْرَبَتَاهُلُولَاءَ
شَرِكَةً ذَوَّا الَّذِينَ كُنَّا نَذَرْعُوا مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا
إِلَيْهِمُ الْقُولَ إِنَّكُمْ لَكُلُّنَّبُونَ ⑪

وَالْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ إِلَى السَّلَامِ وَقَلَّ عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ⑫

(۱) ہلکانہ کرنے کا مطلب، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہو گا، عذاب اور مسلسل بلا توقف عذاب ہو گا۔ اور نہ ڈھیل ہی دیے جائیں گے یعنی، ان کو فوراً الگاموں سے پکڑ کر اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا یا تو بکام موقع نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ آخرت عمل کی جگہ نہیں، جزا کا مقام ہے۔

(۲) معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والے اپنے اس دعوے میں جھوٹے تو نہیں ہوں گے۔ لیکن وہ شرکا جن کو یہ اللہ کا شریک گردانے تھے، کہیں گے یہ جھوٹے ہیں۔ یہ یا تو شرکت کی نفی ہے یعنی ہمیں اللہ کا شریک ٹھہرانے میں یہ جھوٹے ہیں، بھلا اللہ کا شریک کون ہو سکتا ہے؟ یا اس لیے انہیں جھوٹا قرار دیں گے کہ وہ ان کی عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ جس طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ اس بات کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ﴿نَفْلُقٌ يَاللَّهُ شَهِيدٌ أَبَيْنَا وَأَبْيَنَّكُمْ إِنَّ كُلَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَتَفْلِقُنَّ﴾ (سورہ یونس-۲۹) ”ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے“ (مزید دیکھئے سورہ الاحقاف آیت ۲۵، سورہ مریم ۸۲-۸۳، سورہ العنكبوت ۲۵، سورہ الکافر ۵۲۔ وَغَيْرِهَا مِنَ الْآيَاتِ ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کے لیے کبھی نہیں اکھفت۔ اس لیے تم ہی جھوٹے ہو۔ یہ شرکا اگر جزو شجر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں قوت گویاً عطا فرمائے گا، جنات و کما تھا، اس لیے تم ہی جھوٹے ہو۔ یہ شرکا اگر جزو شجر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں قوت گویاً عطا فرمائے گا، جنات و شیاطین ہوں گے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے اور اگر اللہ کے نیک بندے ہوں گے، جس طرح کہ متعدد صلحاء و اتقیاء اور اولیاء اللہ کو لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کے نام کی نذر نیاز دیتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح کسی معبود کی، خوف و رجا کے جذبات کے ساتھ کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو میدان محشر میں ہی بری فرمادے گا اور ان کی عبادت کرنے والوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عینیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا سوال اور ان کا جواب سورہ مائدہ کے آخر میں مذکور ہے۔

جنوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انہیں
عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے،^(۱) یہ بدلتے ہو گا ان
کی قفسہ پر دازیوں کا۔ (۸۸)

اور جس دن ہم ہرامت میں انہی میں سے ان کے
 مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر
لا جائیں گے^(۲) اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے
جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے،^(۳) اور ہدایت اور
رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ (۸۹)

اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کو
دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں،^(۴)
ناشاستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے،^(۵)
وہ خود تمیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل
کرو۔ (۹۰)

الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْنَدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَذَذَبُوا عَذَابًا
فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَفْسِدُونَ ﴿٦﴾

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي الْكُلِّ أُمَّةً شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنفُسِهِمْ
وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هُؤُلَاءِ وَنَرَأَيْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
يَتَبَيَّنُ الْكُلُّ شَيْءٌ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ وَبُشْرَى
لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٧﴾

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي
الْقُرْبَى وَيَنْهَا عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ
لَعْلَكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٨﴾

(۱) جس طرح جنت میں اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے، اسی طرح جنم میں کفار کے عذاب میں تقاضوت ہو گا۔ جو
گراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ہوں گے، ان کا عذاب دوسروں کی نسبت شدید تر ہو گا۔

(۲) یعنی ہر نبی اپنی امت پر گواہی دے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لوگ انبیا کی بابت گواہی دیں
گے کہ یہ سچے ہیں، انہوں نے 'یقیناً تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ النساء)

(۳) کتاب سے مراد اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات (احادیث) ہیں۔ اپنی احادیث کو بھی اللہ کے
رسول نے "کتاب اللہ" قرار دیا ہے، جیسا کہ قصہ عیف وغیرہ میں ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب
المحاربين باب هل يأمر الإمام رجلاً فيضرب الحد غالباً عنه، کتاب الصلوة، باب ذكر الريع والشراء
على المنبر في المسجد اور ہر چیز کا مطلب ہے، ماضی اور مستقبل کی وہ خبریں جن کا علم ضروری اور مفید ہے۔
اسی طرح حرام و حلال کی تفصیلات اور وہ باتیں جن کے دین و دنیا اور معاش و معاد کے معاملات میں انسان محتاج ہیں۔
قرآن و حدیث دونوں میں یہ سب چیزیں واضح کر دی گئی ہیں۔

(۴) عدل کے مشور معنی انصاف کرنے کے ہیں۔ یعنی اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ
و شتمی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے قاضے مجروم نہ ہوں۔ ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی

اور اللہ کے عمد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول و
قرار کرو اور قسموں کو ان کی چنگی کے بعد مت توڑو،
حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھرا چکے ہو،^(۱) تم جو کچھ
کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے۔^(۲)

وَأَفْوَى بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا أَعْهَدْتُهُ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ
بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كُفْرَلَا إِنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ④

معاملے میں بھی افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی۔ کیوں کہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو
ہے، جو سخت مذموم ہے اور تفریط دین میں کوتا ہی ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تنفضل کے ہیں یعنی حق واجب
سے زیادہ و نیایا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا۔ مثلاً کسی کام کی مزدوری سوروپے طے ہے لیکن دیتے وقت ۲۰ روپے
زیادہ دے دینا، طے شدہ سوروپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے۔ مزید ۲۰ روپے یہ احسان ہے۔ عدل سے
بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوش گواری اور اپنا سیت و فدا سیت کے جذبات نشوونما پاتے
ہیں۔ اور فرانپس کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام، عمل واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قرب خصوصی
حاصل ہوتا ہے۔ احسان کے ایک تیرے معنی اخلاص عمل اور حسن عبادت ہے، جس کو حدیث میں «أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ
كَائِنَكَ تَرَاهُ» (اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ إِنَّا نَأْمَلُ ذِي الْقُرْبَى (رشته
داروں کا حق ادا کرنا یعنی ان کی امداد کرنا ہے) اسے حدیث میں صلی اللہ علیہ وسلم علیہ السلام کیا گیا ہے اور اس کی نہایت تائید احادیث میں
بیان کی گئی ہے۔ عدل و احسان کے بعد، اس کا الگ سے ذکر یہ بھی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ السلام کیا گیا ہے، یا
”تفرع“ کے نام پر اس کا جواز تسلیم کریا گیا ہے۔ تاہم محض خوشنایبل لگایلنے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی،
اسی طرح شریعت اسلامیہ نے زنا اور اس کے مقدمات کو، رقص و سرود، بے پردوگی اور فیش پرستی کو اور مردوزن کے
بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت اور دیگر اس قسم کی خرافات کو بے حیائی ہی قرار دیا ہے، ان کا کتنا بھی اچھا نام رکھ لیا
جائے، مغرب سے درآمد شدہ یہ خبائیں جائز قرار نہیں پا سکتیں۔ منکر ہروہ کام ہے جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے
اور بُغْنیٰ کا مطلب ظلم و زیادتی کا ارتکاب۔ ایک حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ قطع رحمی اور بُغْنیٰ یہ دونوں جرم اللہ کو
انتہ ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آخرت کے علاوہ) دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔ (ابن
ماجہ، کتاب الزهد، باب البُغْنیٰ)

(۱) قَسْمٌ ایک تودہ ہے جو کسی عمد و بیان کے وقت اسے مزید پختہ کرنے کے لیے کھالی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو
انسان اپنے طور پر کسی وقت کھایتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گایا نہیں کروں گا۔ یہاں آیت میں اول الذکر قسم مراد ہے
کہ تم نے قسم کھا کر اللہ کو ضامن بنالیا ہے۔ اب اسے نہیں توڑنا بلکہ اس عمد و بیان کو پورا کرنا ہے جس پر تم نے قسم

اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد مکڑے مکڑے کر کے توڑا،^(۱) کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھراو،^(۲) اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہو جائے۔^(۳) بات صرف یہ ہے کہ اس عمد سے اللہ تمہیں آزار ہا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لیے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہے تھے۔^(۴)

اگر اللہ چاہتا تم سب کو ایک ہی گروہ بنادیتا لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں باز پرس کی جانے والی ہے۔^(۵)

اور تم اپنی قسموں کو آپس کی دغابازی کا بہانہ نہ بناؤ۔ پھر تو تمہارے قدم اپنی مضبوطی کے بعد ڈمگا جائیں گے اور تمہیں سخت سزا برداشت کرنا پڑے گی

وَلَا تَكُونُوا كَالْيَتِي نَقَضَتْ غَرْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ
أَنْكَانُ أَنْتَخَذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلَّبِينَكُمْ أَنْ
تَكُونَ أَمَّةٌ هِيَ أَرْبَى مِنْ أَمَّةٍ إِنَّمَا يَنْهَا اللَّهُ يَهُ وَلَيَبْيَسَنَ
لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةُ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝

وَلَوْشَاءَ اللَّهُ لَجَعَكُمْ أَمَّةٌ وَاجِدَةٌ وَلَكِنْ يُيَضِّلُّ
مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَكُنْتُمْ عَمَّا
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

وَلَا تَخْذُلُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلَّبِينَكُمْ فَتَرِزُّلْ قَدْمٌ بَعْدَ
ثُبُوتِهَا وَتَرِزُّلْ وَقُوَا السُّوَءِ بِمَا صَدَ دُلُّمَ عَنْ سَيِّئِنِ اللَّهُ

کھائی ہے۔ کیوں کہ ثالی الذ کر قسم کی بابت تحدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ ”کوئی شخص کسی کام کی بابت قسم کھالے، پھر وہ دیکھے کہ زیادہ خیر دوسری چیز میں ہے (یعنی قسم کے خلاف کرنے میں ہے) تو وہ بہتری والے کام کو اختیار کرے اور قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے“۔ (صحیح مسلم۔ نمبر ۶۲۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا۔ صحیح بخاری۔ نمبر ۶۲۲۔ مسلم۔ نمبر ۳۹۹)

(۱) یعنی مؤکد بہ حلف عمد کو توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عورت سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی مکڑے مکڑے کر ڈالے۔ یہ تمثیل ہے۔

(۲) یعنی دھوکہ اور فریب دینے کا ذریعہ بناؤ۔

(۳) اُزبَّی کے معنی اکثر کے ہیں یعنی جب تم دیکھو کہ اب تم زیادہ ہو گئے ہو تو اپنے زعم کثرت میں حلف توڑ دو، جب کہ قسم اور معابدے کے وقت وہ گروہ کمزور تھا، لیکن کمزوری کے باوجود وہ مطمئن تھا کہ معابدے کی وجہ سے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ لیکن تم غدر اور نقض عمد کر کے نقصان پہنچاؤ۔ زمانہ جالمیت میں اخلاقی پستی کی وجہ سے اس قسم کی عمد شکنی عام تھی، مسلمانوں کو اس اخلاقی پستی سے روکا گیا ہے۔

کیونکہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمیں برا سخت عذاب ہو گا۔^(۱) (۹۳)

وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ④

تم اللہ کے عمد کو تھوڑے مول کے بد لے نہ بخچ دیا کرو۔
یاد رکھو اللہ کے پاس کی چیز ہی تمہارے لیے بہتر ہے
بشرطیکہ تم میں علم ہو۔ (۹۵)

وَلَا إِنْتَ رَوَاعِيْهُدَاللَّهِ شَنَّا قَلِيلًا إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑤

تمہارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے
پاس جو کچھ ہے باقی ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو ہم بھلے
اعمال کا بہترین بدله ضرور عطا فرمائیں گے۔ (۹۶)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَايْقٌ وَلَنْجِزِينَ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرُهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑥

جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن
بایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا
فرمائیں گے۔^(۲) اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدله بھی
انہیں ضرور ضرور دیں گے۔ (۹۷)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكْرٍ أَوْ أُثْنَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنْجِزِيْهِ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنْجِزِيْهِمْ أَجْرُهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑦

قرآن پڑھنے کے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ
کی پناہ طلب کرو۔^(۳) (۹۸)

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِدْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيبِ ⑧

(۱) مسلمانوں کو دوبارہ مذکورہ عمد شکنی سے روکا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس اخلاقی پستی سے کسی کے قدم ڈگ گا جائیں اور کافر تمہارا یہ رویدہ دیکھ کر قبول اسلام سے رک جائیں اور یوں تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے مجرم اور سزا کے مستحق بن جاؤ۔ بعض مفسرین نے آئیماً یَعْمِنْ (بمعنی قسم) کی جمع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت مرادی ہے۔ یعنی نبی کی بیعت توڑ کر پھر مرتد نہ ہو جانا، تمہارے ارتداد کو دیکھ کر دوسرا لوگ بھی قبول اسلام سے رک جائیں گے اور یوں تم دن گئے عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ (فتح القدير)

(۲) حیات طیبہ (بہتر زندگی) سے مراد دنیا کی زندگی ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک مومن باکردار کو صالحانہ اور متیقانہ زندگی گزارنے اور اللہ کی عبادت و اطاعت اور زہد و قناعت میں جو لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے، وہ ایک کافر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سوالتوں کے باوجود میر نہیں آتی، بلکہ وہ ایک گونہ قلق و اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَوْعِيشَةً ضَنْكاً﴾ (طہ۔ ۱۲۲) ”جس نے میری یاد سے اعراض کیا۔ اس کا گزران تنگی والا ہو گا۔“

(۳) خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مخاطب ساری امت ہے۔ یعنی تلاوت کے آغاز میں آؤ ہذ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيبِ پڑھا جائے۔

ایمان والوں اور اپنے پور دگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر
اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا۔^(۹۹)

ہاں اس کا غلبہ ان پر توثیقیاً ہے جو اسی سے رفاقت کریں
اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرا میں۔^(۱۰۰)

اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے
ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے اسے وہ خوب
جانتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تو تو بتان باز ہے۔ بات یہ ہے
کہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں۔^(۱۰۱)

کہہ دیجئے کہ اسے آپ کے رب کی طرف سے جبراً مل
حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں^(۲) ماکہ ایمان والوں کو
اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے^(۳) اور مسلمانوں کی
رہنمائی اور بشارت ہو جائے۔^(۴)
^(۱۰۲)

ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اسے تو ایک

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُونَ ^(۱)
إِنَّمَا سُلْطَنُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ
هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ^(۲)
وَإِذَا بَكَلَنَا إِلَيْهِ مَكَانًا إِيمَانٌ لَّهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَنْزَلُ
قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفَرِّدٌ بِنَارِكُلُومْ لَا يَعْلَمُونَ ^(۳)

فَلَنْ تَرَكَهُ رُوحُ الْقَدِيسِ مِنْ تَرِيكَ بِالْحَقِّ لِيُنَبِّئَ
الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدَى وَبُشِّرَى الْمُسْلِمِينَ ^(۴)

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يَعْلَمُهُ بَشَّارُ سَانُ الَّذِي

(۱) یعنی ایک حکم منسوج کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتے ہیں، جس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کے مطابق وہ احکام میں روبدل فرماتا ہے، تو کافر کہتے ہیں کہ یہ کلام اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرا اپنا گھرزا ہوا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اکثر لوگ بے علم ہیں، اس لیے یہ نفع کی حکمتیں اور مصلحتیں کیا جائیں۔ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ، آیت ۱۰۶ اکا حاشیہ)

(۲) یعنی یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا گھرزا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے حضرت جبریل علیہ السلام جیسے پاکیزہ ہستی نے، سچائی کے ساتھ رب کی طرف سے اتارا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر ہے، ﴿تَنَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ * عَلَى قَلْبِكَ﴾ (الشعراء، ۱۹۲، ۱۹۳) ”اسے الروح الامین (جبریل علیہ السلام) نے تیرے دل پر اتارا ہے۔“

(۳) اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناخ و منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں۔ علاوه اذیں نفع کے مصالح بھی جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثابت قدی اور ایمان میں رسخ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے، کیوں کہ قرآن بھی بارش کی طرح ہے، جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خارو خس کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ مومن کا دل طاہر اور شفاف ہے جو قرآن کی برکت سے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کا دل زمین شور کی طرح ہے جو کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے، جہاں قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔

آدمی سکھاتا ہے^(۱) اس کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے۔^(۲)
(۱۰۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آئیوں پر ایمان نہیں رکھتے انہیں اللہ کی طرف سے بھی رہنمائی نہیں ہوتی اور ان کے لیے المناک عذاب ہیں۔^(۳)
(۱۰۴)

جھوٹ افترا تو وہی باندھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی آئیوں پر ایمان نہیں ہوتا۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔^(۴)
(۱۰۵)

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے۔ جراس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو،^(۵) مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔^(۶)
(۱۰۶)

يُلْجِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيْنَ وَهُدًى إِلَيْسَانٌ عَرَبِيْنَ مُهِمِّيْنَ ①

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِأَيْتَ اللَّهِ لَا يَهِدِنَّ بِهِمُ اللَّهُ وَلَا هُمْ عَدَّاَتْ أَلَيْهِمْ ②

إِنَّمَا يَقْتَرَى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِأَيْتَ اللَّهِ وَأَوْلَئِكَ هُمُ الْكَذِبُونَ ③

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَامَنَ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُظْمِنٌ لِلْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدَرَأُ فَعَلَيْهِمْ غَصَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ④

(۱) بعض غلام تھے جو تورات و انجلیل سے واقف تھے، پہلے وہ عیسائی یا یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے ان کی زبان بھی غیر فصح تھی۔ مشرکین مکہتے تھے کہ فلاں غلام محمد کو قرآن سکھاتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ جس آدمی یا آدمیوں کا نام لیتے ہیں وہ تو عربی زبان بھی فصاحت کے ساتھ نہیں بول سکتے، جب کہ قرآن تو ایسی صاف عربی زبان میں ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز بیان میں بے نظیر ہے اور چیخنے کے باوجود اس کی مثل ایک سورت بھی بنا کر پیش نہیں کی جاسکتی، دنیا بھر کے فصاخ بلغاں کی نظر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عرب اس شخص کو عجمی (گونگا) کہتے تھے جو فصح و بلغ زبان بولنے سے قاصر ہوتا تھا اور غیر عربی کو بھی عجمی کہا جاتا ہے کہ عجمی زبانیں بھی فصاحت و بلاغت میں عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

(۳) اور ہمارا اخیر تواریخ انداروں کا سردار اور ان کا قائد ہے، وہ کس طرح اللہ پر افترا باندھ سکتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اس پر نازل نہ ہوئی ہو اور وہ یوں ہی کہہ دے کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس لیے جھوٹا ہمارا اخیر نہیں، یہ خود جھوٹے ہیں جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے ملنکر ہیں۔

(۴) اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے قول آیا فعلاً کفر کا ارتکاب کر لے، جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، تو وہ کافر نہیں ہو گا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہو گی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر لاگو ہوں گے قالہ الفرزطی۔ (فتح القدير)

(۵) یہ ارتاد کی سزا ہے کہ وہ غصب الہی اور عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے اور اس کی دنیوی سزا قتل ہے جیسا کہ

یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔^(۱) (۱۰۷)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ نے مر لگادی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں۔^(۲) (۱۰۸)

کچھ شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔^(۳) (۱۰۹)

جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جماد کیا اور صبر کا ثبوت دیا بیشک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انہیں بخشتے والا اور میراثیاں کرنے والا ہے۔^(۴) (۱۱۰)

جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے لڑتا جھگڑتا آئے^(۵) اور

ذَلِكَ يَأْنَهُمْ أَسْتَحْبُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ
وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهُدِي النَّقْوَمَ الظَّفَرِينَ ④

أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَسَمِعَهُمْ وَأَبْصَرَهُمْ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ⑤

لَا حَمْرَاءُهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَيْرُونَ ⑥

ثُمَّإِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فَتَنُوا
ثُمَّجَهَدُوا وَصَدَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑦

يَوْمَ تَأْنِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ تَقْرِيبِهَا وَتُؤْتَقِّ

حدیث میں ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ بقرہ، آیت ۷۱ اور آیت ۲۵۶ کا حاشیہ)

(۱) یہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے (مرتد ہو جانے) کی علت ہے کہ انہیں ایک تو دنیا محبوب ہے۔ دوسرے اللہ کے ہاں یہ ہدایت کے قابل ہی نہیں ہیں۔

(۲) پس یہ وعظ و نصیحت کی باتیں سنتے ہیں نہ انہیں سمجھتے ہیں اور نہ وہ نشانیاں ہی دیکھتے ہیں جو انہیں حق کی طرف لے جانے والی ہیں۔ بلکہ یہ ایسی غفلت میں بٹلا ہیں جس نے ہدایت کے راستے ان کے لیے مسدود کر دیے ہیں۔

(۳) یہ کے کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبول اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم و تم کا نشانہ بنے رہے۔ بالآخر انہیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو اپنے خویش و اقارب، وطن والوف اور مال و جائیداد سب کچھ چھوڑ کر جبše یادینہ چلے گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی کا مرحلہ آیا تو مردانہ وارثتے اور جماد میں بھرپور حصہ لیا اور پھر اس کی راہ کی شدتیں اور الہ ناکیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لیے غفور و رحیم ہے یعنی رب کی مغفرت و رحمت کے حصول کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی ضرورت ہے، جیسا کہ مذکورہ مهاجرین نے ایمان و عمل کا عمدہ نمونہ پیش کیا تو رب کی رحمت و مغفرت سے وہ شاد کام ہوئے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

(۴) یعنی کوئی اور کسی کی حمایت میں آگے نہیں آئے گا نہ گانہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیوی نہ کوئی اور۔ بلکہ ایک دوسرے سے بھائیں گے۔ بھائی بھائی سے، بیٹے مال باپ سے، خاوند، بیوی سے بھائی گا۔ ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہو گی جو اسے

ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا بدله دیا جائے گا
اور لوگوں پر (مطلق) ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۱)
^(۲)

اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن
واطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس با فراغت
ہر جگہ سے چلی آری تھی۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی
نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ
چکھایا جو بدله تھا ان کے کرتوقوں کا۔^(۳)

ان کے پاس انہی میں سے رسول پہنچا پھر بھی انہوں نے
اسے جھٹایا پس انہیں عذاب نے آدبو چا۔^(۴) اور وہ تھے
ہی ظالم۔^(۵)

كُلُّ نَفِيْسٍ مَّا عَمِلْتَ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ^(۶)

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ أَمْنَةً مُطْبَقَةً
يَأْتِيهَا رِزْقٌ هَارِغٌ إِذَا مَنَعَهُمْ مَكَانٌ فَلَمْ يَرْجِعُوهُمْ
إِلَهٌ فَإِذَا أَفَاقُهُمْ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخُوفِ بِمَا كَانُوا
يَصْنَعُونَ ^(۷)

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَلَمَّا بُشِّرُوا فَأَخَذَهُمْ
الْعَذَابُ وَهُمْ ظَلِمُونَ ^(۸)

دوسرے سے بے پرواہ کردے گی ﴿لِلَّٰلِ اُمُرِيٰ مِنْهُمْ يَوْمَئِنْ شَلَّٰنْ يُفْسِنِيْهُ﴾ (عبس: ۳۷) ”ان میں سے ہر ایک کو اس
دن ایک ایسا مشغله ہو گا جو اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہو گا۔

(۱) یعنی نیکی کے ثواب میں کمی کر دی جائے اور برائی کے بد لے میں زیادتی کر دی جائے۔ ایسا نہیں ہو گا۔ کسی پر ادنی سا
ظلم بھی نہیں ہو گا۔ برائی کا اتنا ہی بد لے ملے گا جتنا کسی برائی کا ہو گا۔ البتہ نیکی کی جزا اللہ تعالیٰ خوب بڑھا چڑھا کر دے گا اور
یہ اس کے فضل و کرم کا مظاہر ہو گا جو قیامت والے دن اہل ایمان کے لیے ہو گا۔ جَعَلَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ

(۲) اکثر مفسرین نے اس قریب (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے۔ یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس
وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لیے بدعا فرمائی۔ «اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَ طَأْنَكَ عَلَى مُضَرِّ، وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ
سِينِينَ كَسِينِيْ يُوسُفَ» (بخاری۔ نمبر۔ ۳۸۲۔ مسلم۔ نمبر۔ ۲۵۶) ”اے اللہ مضر (قبیلے) پر اپنی سخت گرفت فرمادا
ان پر اس طرح نقط سالی مسلط کر دے، جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں مصریں ہوئی۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کم
کے امن کو خوف سے اور خوش حالی کو بھوک سے بدل دیا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں اور درختوں کے پتے کھا
کر انہیں گزارہ کرنا پڑا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔
کہ کفران نعمت کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہو گا، وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں۔ اس کے اس عموم سے جمصور
مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے، گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے۔ **الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ الْفَظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ**۔

(۳) اس عذاب سے مراد وہی عذاب خوف و بھوک ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے، یا اس سے مراد کافروں
کا وہ قتل ہے جو جگ بدروں میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔

جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمیں دے رکھی
ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی
عبادت کرتے ہو۔^(۱) (۲۳)

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقْنَا لَكُمُ اللَّهُ حَلَّا طَيْبًا وَأَشْكُرُوا
نِعْمَاتِ اللَّهِ وَلَا تُنْهِيُ إِيمَانَكُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مُحْسِنًا

إِنَّمَا حَرَمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ
وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ يَهُوَهُ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغِ وَلَا عَادٍ

(۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ حلال و طیب چیزوں سے تجاوز کر کے حرام اور خبیث چیزوں کا استعمال اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔

(۲) یہ آیت اس سے قبل تین مرتبہ پسلے بھی گزر چکی ہے۔ سورۃ البقرہ ۲۷۳۔ المائدہ ۳، الانعام ۵، میں۔ یہ چوتھا مقام ہے جہاں اللہ نے اسے پھر بیان فرمایا ہے۔ اس میں لفظ **إِنَّمَا** حصر کے لیے ہے۔ لیکن یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی مخاطبین کے عقیدے اور خیال کو سامنے رکھتے ہوئے حصر لایا گیا ہے۔ ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں، البتہ ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ان میں جن چار محربات کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔ اس کی ضروری تشریع گزشتہ مقامات پر کی جا چکی ہے، تاہم اس میں **وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ يَهُوَهُ** (جس چیز پر اللہ کے سوادو سرے کا نام پکارا جائے) جو چوتھی قسم ہے۔ اس کے مفہوم میں تاویلات رکیکہ اور توجیہات بعیدہ سے کام لے کر شرک کے لیے چور دروازہ تلاش کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔

جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لیے اسے ذبح کیا جائے اور ذبح کرتے وقت نام بھی اسی بت یا بزرگ کا لیا جائے، بزم خویش جس کو راضی کرنا مقصود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کے نام پر ہی کیا جائے جس طرح کہ قبر پرستوں میں یہ سلسلہ عام ہے۔ وہ جانوروں کو بزرگوں کے لیے نامزد تو کرتے ہیں۔ مثلاً یہ بکرافلاں پیر کا ہے، یہ گائے فلاں پیر کی ہے، یہ جانور گیارہوں کے لیے یعنی شیخ عبد القادر جیلانی کے لیے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کو وہ **يَسْوُ** اللہ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں، بلکہ جائز ہے کیوں کہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ہے اور یوں شرک کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔ حلال کر فتحانے اس دوسری صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی **وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ يَهُوَهُ** میں داخل ہے۔ چنانچہ حاشیہ بیضاوی میں ہے ”ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے، حرام ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ اس لیے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اگر غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہو گا“ اور فقه حنفی کی مشہور کتاب در مختار میں ہے ”کسی حاکم اور کسی طرح کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تنظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا

فَإِنَّ اللَّهَ عَفُوٌ رَّحِيمٌ ⑯

اگر کوئی شخص بے بس کر دیا جائے نہ وہ خواہ شند ہو اور
نہ حد سے گزرنے والا ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والارحم کرنے
والا ہے۔ ⑯

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موت نہ کہ دیا کرو کہ یہ
حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ
لو، ⑰ بمحض لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے
کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ ⑯

انہیں بت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لیے ہی
درودناک عذاب ہے۔ ⑮

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ الْسَّمَاءُكُمُ الْكَذَبُ هَذَا
حَلْلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لَتَقْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذَبُ إِنَّ
الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذَبَ لَا يُعْلِمُونَ ⑯

مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑯

جائے تو وہ حرام ہو گا، اس لیے کہ وہ ﴿أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ میں داخل ہے اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو اور علامہ شامی
نے اس کی تائید کی ہے ”كتاب الذبائح طبع قدیم ۱۲۷ ص ۲۷-۲۸، فتاویٰ شای ج ۵ ص ۲۰۳ مطبع مسمیہ، مصر) البتہ
بعض فقہاء اس دو سری صورت کو ﴿وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ کا مدلول اور اس میں داخل نہیں سمجھتے اور اشتراک علت (تقرب
لغير الله) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں۔ گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف استدلال و احتجاج کے طریقے میں
اختلاف ہے۔ علاوه ازیں یہ دو سری صورت ﴿وَمَا يَنْهَا عَنِ التَّطْهِيرِ﴾ (جوبتوں کے پاس یا تھانوں پر ذنکر کیے جائیں) میں
بھی داخل ہے، جسے سورۃ المائدۃ میں حرمات میں ذکر کیا گیا ہے اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آستانوں،
درباروں اور تھانوں پر ذنکر کیے گئے جانور حرام ہیں، اس لیے کہ وہاں ذنکر کرنے کا یا وہاں لے جا کر تقسیم کرنے کا مقصد
تَقْرِبُ لِغَيْرِ اللَّهِ (الله کے سوا دوسروں کی رضا اور تقرب حاصل کرنا) ہی ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ ”ایک شخص
نے آگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں بوانہ جگہ میں اونٹ ذنکر کروں گا۔ آپ
ؐلیٰ نے پوچھا کہ کیا وہاں زمانہ جامیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتایا
نہیں۔ پھر آپؐلیٰ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی
کی، تو آپؐلیٰ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔“ (ابوداؤد، کتاب الائیمان والذور، باب ما یؤمر به من
وفاء النذن) اس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے ہٹائے جانے کے بعد بھی غیر آباد آستانوں پر جا کر جانور ذنکر کرنا جائز
نہیں ہے چہ جائیکہ ان آستانوں اور درباروں پر جا کر ذنکر کیے جائیں جو پرستش اور نذر و نیاز کے لیے مرتع
عوام ہیں۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

(۱) یہ اشارہ ہے ان جانوروں کی طرف جو وہ بتوں کے نام وقف کر کے ان کو اپنے لیے حرام کر لیتے تھے، جیسے بحیرہ،
سائبہ، وسیلہ اور حام وغیرہ۔ (دیکھنے المائدۃ، ۱۰۳ اور الانعام، ۱۳۹-۱۳۱ کے حواشی)۔

اور یہودیوں پر جو کچھ ہم نے حرام کیا تھا اسے ہم پسلے ہی سے آپ کو سنائے ہیں،^(۱) ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔^(۲۸)

جو کوئی جمالت سے برے عمل کر لے پھر توبہ کر لے اور اصلاح بھی کر لے تو پھر آپ کا رب بلاشک و شبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نسایت ہی میریان ہے۔^(۲۹)

بیشک ابراہیم پیشووا^(۳) اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یہ طرفہ مخلص تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔^(۳۰)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکرگزار تھے، اللہ نے انہیں اپنا برگزیدہ کر لیا تھا اور انہیں راہ راست بھا دی تھی۔^(۳۱)

ہم نے اسے دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور بیشک وہ آخرت میں بھی نیکو کاروں میں ہیں۔^(۳۲)

پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنفی کی پیروی کریں،^(۳۳) جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔^(۳۴)

ہفتے کے دن کی عظمت تو صرف ان لوگوں کے ذمے

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَمَنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكُمْ
مِنْ قَبْلٍ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكُنْ كَانُوا أَنفَسَهُمْ
يَنْظِلُمُونَ^(۱)

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشَّوَّرْجَهَةَ لَمُؤْمِنُونَ
بَعْدَ ذَلِكَ وَأَضْلَلُوكُمْ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ حَمِيمٌ^(۲)

إِنَّ أَبْرُقِيهِمْ كَانَ أَمَةً قَاتَلَتْ أَنْكِلَوْ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُنْ مِنَ
الشَّرِيكِينَ^(۳)

شَاكِرُ الْأَنْعَمَةِ إِجْتَمَعَهُ وَهَذِهِ إِلَى صَرَاطِ مُسْتَقِيمٍ^(۴)

وَاتَّدِنُهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمَنْ

الصَّالِحِينَ^(۵)

ثُمَّ أَوْسَيْنَا إِلَيْكُمْ أَنَّ أَثْيَعَ مِلَّةٍ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
وَمَا كَانَ مِنَ الشَّرِيكِينَ^(۶)

إِنَّمَا جُلَّ التَّبَتُّ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَلَنَ رَبَّكَ

(۱) دیکھئے سورۃ الانعام، ۱۳۶ کا حاشیہ، نیز سورۃ نساء، ۱۰ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(۲) اُمَّةٌ کے معنی پیشووا اور قائد کے بھی ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے اور امت بمعنی امت بھی ہے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وجود ایک امت کے برابر تھا۔ امت کے معانی کے لیے سورۃ ہود، ۸ کا حاشیہ دیکھئے۔

(۳) مِلَّةٌ کے معنی ہیں، ایسا دین جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس بات کے کہ آپ تمام انبیا سمیت اولاد آدم کے سردار ہیں، آپ کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے اصول میں تمام انبیا کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی ہے جس میں رسالت کے ساتھ توحید و معاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

ہی ضروری کی گئی تھی جنوں نے اس میں اختلاف کیا تھا،^(۱) بات یہ ہے کہ آپ کا پروردگار خود ہی ان میں ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔^(۲۳)

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے،^(۲) یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔^(۳)^(۲۵)

اور اگر بدله لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کرو تو بے شک صابروں کے لیے یہی

لَيَحُكُّ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ^(۶)

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمُؤْعَظَةِ الْحُسْنَةِ
وَجَادَ لِهِمْ بِالْتَّقْيَى هِيَ أَحْسَنُ مِنْ رَبِّكَ هُوَ أَعْلَمُ
بِعِنْضٍ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَاجِينَ ^(۷)

وَإِنْ عَاقَبْتُمُ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عَوْقَبْتُمُوهُ وَلَا يُنْ
صَبِرُوكُمْ لَهُ خَيْرٌ لِلظَّاهِرِينَ ^(۸)

(۱) اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے بعد کا دن مقرر فرمایا تھا، لیکن بنا سرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتے کا دن تعظیم و عبادت کے لیے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ! انہوں نے جو دن پسند کیا ہے، وہی دن ان کے لئے رہنے دو۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ تعظیم کے لیے ہفتے میں کوئی ایک دن معین کرو۔ جس کے تعین میں ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ پس یہود نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہفتے کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔ اور جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے اتوار کا دن یہودیوں کی مخالفت کے جذبے سے اپنے لیے مقرر کیا تھا، اسی طرح عبادت کے لیے انہوں نے اپنے کو یہودیوں سے الگ رکھنے کے لیے صخرہ بیت المقدس کی شرقی جانب کو بطور قبلہ اختیار کیا۔ جمعہ کا دن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیے جانے کا ذکر حدیث میں موجود ہے (مالاحظہ ہو۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب هداية هذه الأمة لیوم الجمعة۔ ومسلم کتاب و باب مذکور)

(۲) اس میں تبلیغ و دعوت کے اصول بیان کیے گئے ہیں جو حکمت، موعظہ حسنہ اور رفق و ملائمت پر مبنی ہیں۔ جدال بالاحسن، درشتی اور تلمیز سے بچتے ہوئے نرم و مشفقاتہ لب و لجہ اختیار کرنا ہے۔

(۳) یعنی آپ کا کام مذکورہ اصولوں کے مطابق وعظ و تبلیغ ہے، ہدایت کے راستے پر چلا رہنا، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت قبول کرنے والا کون ہے اور کون نہیں؟

بہتر ہے۔^(۱)
(۱۲۶)

آپ صبر کریں بغیر توفیق الٰہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو مکروہ فریب یہ کرتے رہتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔^(۲)
(۱۲۷)

لیقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے۔^(۳)
(۱۲۸)

وَاصْبِرْ وَمَا صَبَرْكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْرُنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُونْ فِي ضَيْقٍ مَّا يَمْكُرُونَ^(۱۲۹)

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ أَتَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ^(۱۳۰)

(۱) اس میں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو، ورنہ یہ خود ظالم ہو جائے گا، تاہم معاف کر دینے اور صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔

(۲) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مکروہ کے مقابلے میں اہل ایمان و تقویٰ اور محنتیں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو، اسے اہل دنیا کی سازشیں نقصان نہیں پہنچاسکتیں، جیسا کہ مابعد کی آیت میں ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی ہے اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں
اور بارہ رکوع ہیں۔

سُورَةِ الْأَنْبَيْفَ

بڑے مہیان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے اللہ
کے نام سے شروع کر رہا ہوں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پاک ہے^(۱) وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے^(۲) کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ^(۳) تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے^(۴) رکھی ہے، اس لیے

**سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَجْدَةٍ لَيَلَامِنَ الْمَسْجِدَ
الْحَرَامَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَكْظَمِ الَّذِي بَرَّكَنَا حَوْلَهُ لِتُرْبَةِ مُنْ**

☆ یہ سورت کلی ہے۔ اسے سورۃ الإِسْرَاء بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء (رات کو مسجد القصی لے جانے) کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۃ کف، مریم اور بنی اسرائیل یہ عتاق اول میں سے ہیں اور میرے تلامیذ میں سے ہیں ”تفسیر سورۃ بنی إسرائیل“ عتاق، عتیق، (قدم) کی جمع ہے اور تِلَادَتِ الْمُدْكُنِ جمع ہے۔ تالد بھی قدیم مال کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورتیں ان قدیم سورتوں میں سے ہیں جو کئے میں اول اول نازل ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسند احمد، جلد ۶، ص ۲۸۶۸-۲۹۲۰، ترمذی، نمبر ۲۹۲۰۵-۲۹۰۵ وصحح البیانی فی الصحیحة نمبر ۲۳۱، جلد ۲)

(۱) سُبْحَانَ ، سَيِّدَ الْمُسْلِمِينَ کا مصدر ہے۔ معنی ہیں اُنْزَهُ اللَّهَ تَعَزِّيزُهَا یعنی میں اللہ کی ہر نقص سے تزییہ اور براءت کرتا ہوں۔ عام طور پر اس کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو، اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ تلفظ کرنے سے پلک جھکتے میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پابندیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔

(۲) اِسْرَاءُ کے معنی ہوتے ہیں، رات کو لے جانا۔ آگے لبناً اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رات کی قلت واضح ہو جائے، اسی لیے وہ نکرہ ہے۔ یعنی رات کے ایک حصے یا تھوڑے سے حصے میں۔ یعنی چالیس راتوں کا یہ دور دراز کا سفر، پوری رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔

(۳) أَفْصَنِي 'دور کوکتے ہیں بیت المقدس' جو القدس یا ایلیاء (قدیم نام) شریعت میں ہے اور فلسطین میں واقع ہے، کے سے القدس تک مسافت ۰۴ دون کی ہے، اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) کہا گیا ہے۔

(۲۳) یہ علاقہ قدرتی نسروں اور پھلوں کی کثرت اور انویاء کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے باہر کت قرار دیا گیا ہے۔

کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں،^(۱)
یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔^(۱)

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے
ہدایت بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کار سازہ بنانا۔^(۲)
اے ان لوگوں کی اولاد! جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ
سوار کر دیا تھا، وہ ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔^(۳)

إِيَّاكَ نَاصِيَةٌ هُوَ السَّمِيعُ الْعَوْنَىٰ ①

وَإِيَّاكَ نَاصِيَةٌ الْكِتَابُ وَجَعَلْنَا هُدًى لِّيَقِيَّ إِسْرَائِيلَ
الَّذِي تَخْذُلُ مِنْ دُونِكَ ②

ذُرْيَةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ③

(۱) یہ اس سیر کا مقصد ہے تاکہ ہم اپنے اس بندے کو عجائبات اور آیات کبریٰ دکھائیں۔ جن میں سے ایک آیت اور معجزہ یہ سفر بھی ہے کہ اقبال بالاسفرات کے ایک قلیل حصے میں ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معراج ہوئی یعنی آسمانوں پر لے جایا گیا، وہاں مختلف آسمانوں پر انبیاء علیم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں اور سدرۃ المنت Qiٰ پر جو عرش سے نیچے ساتویں آسمان پر ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے نماز اور دیگر بعض چیزیں عطا کیں۔ جس کی تفصیلات صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں اور صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک امت کے اکثر علماء فقہاء اس بات کے قائل چلے آ رہے ہیں کہ یہ معراج بخشیدہ العنصریٰ حالت بیداری میں ہوئی ہے۔ یہ خواب یا روحانی سیر اور مشاہدہ نہیں ہے، بلکہ یعنی مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسراء کہلاتا ہے، جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے، یہاں پہنچنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیا کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے معراج کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ سورہ جم میں کیا گیا ہے اور باقی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر اس پورے سفر کو ”معراج“ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج، سیر ہمی کو کہتے ہیں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ عربیٰ إِلَى السَّمَاءِ (مجھے آسمان پر لے جایا یا چڑھایا گیا) سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس سفر کا یہ دوسرا حصہ پسلے سے بھی زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے، اس لیے معراج کا لفظ ہی زیادہ مشور ہو گیا۔ اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ تاہم اس میں اتفاق ہے کہ یہ بحرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں ایک سال قبل اور بعض کہتے ہیں کئی سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح مہینے اور اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ کوئی ربیع الاول کی ۷، یا ۲۷، کوئی ربیع کی ۲۷ اور بعض کوئی اور مہینہ اور اس کی تاریخ بٹلاتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۲) طوفان نوح علیہ السلام کے بعد نسل انسانی نوح علیہ السلام کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو کشتی نوح علیہ السلام میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے۔ اس لیے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا کہ تمہارا باپ، ”نوح علیہ السلام۔ اللہ کا بہت شکر گزار بندہ تھا۔ تم بھی اپنے باپ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور ہم نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنانے کا انتکار کر کے کفران نعمت مرت کرو!

وَقَضَيْنَا لَهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكَلْبِ لِتُعْبَدُونَ فِي الْأَرْضِ
مَرَّتَيْنِ وَلَعَلَّنَ عُلُوًّا كَبِيرًا ④

ہم نے بنو اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دوبار فساو برباکرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے۔ (۳)

ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم نے تمہارے مقابلہ پر اپنے بندے بھیج دیئے جو بڑے ہی لڑاکے تھے۔ پس وہ تمہارے گھروں کے اندر تک پھیل گئے اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ (۴) (۵)

پھر ہم نے ان پر تمہارا غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑے جھٹے والا بنا دیا۔ (۶) (۷)

اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے، اور اگر تم نے برا بیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے، پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا تاکہ وہ تمہارے چرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں۔ اور جس جس چیز پر قابو پائیں تو ٹپھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں۔ (۸) (۹)

فَإِذَا حَاجَهُ وَعْدُ أُولِيهِمْ بَعْثَنَا عَلَيْهِمْ عِبَادَةَ الَّذِي أُولَئِنَّ يَأْتِيْنَ
شَدِيدِيْدَ فَجَاءُوا خَلَلَ التَّيَارِ وَكَانَ وَعْدُهُمْ مُؤْمِنُا ⑤

تُورَدَدَنَا لَكُمُ الْكَرَّةُ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَا لَكُمْ بِأَمْوَالٍ
وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ الْمُرْتَفِيْرَا ⑥

لَنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنَهُمْ لَا نَفْسٌ كُمْ وَإِنْ أَسْأَلْتُمْ فَلَهُمْ
فَإِذَا حَاجَهُ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسْأَلُوكُمْ أُوْجُوهُكُمْ وَلَيَدُخُلُوكُمْ
الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةً قَلِيلُتُرْدُوا مَا عَوَانُتُمْ بِهِ ⑦

(۱) یہ اشارہ ہے اس ذلت و تباہی کی طرف جو باہل کے فرمائی رواجنت نصر کے ہاتھوں، حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یہودی شتم میں نازل ہوئی۔ اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنا لیا اور یہ اس وقت ہوا جب انسوں نے اللہ کے نبی حضرت شیعی علیہ السلام کو قتل یا حضرت ارمیا علیہ السلام کو قید کیا اور تورات کے احکام کی خلاف ورزی اور معاصی کا ارتکاب کر کے فساوی فی الارض کے مجرم بنے۔ بعض کہتے ہیں کہ بخت نصر کے بجائے جالوت کو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر مسلط کیا، جس نے ان پر ظلم و ستم کے پھاڑ توڑے۔ حتیٰ کہ طالوت کی قیادت میں حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔

(۲) یعنی بخت نصریا جالوت کے قتل کے بعد ہم نے تمہیں پھر مال اور دولت، بیٹوں اور جاہ و حشمت سے نوازا، جب کہ یہ ساری چیزیں تم سے چھن چکی تھیں۔ اور تمہیں پھر زیادہ جھٹے والا اور طاقت ور بنا دیا۔

(۳) یہ دوسری مرتبہ انسوں نے فساو برباکیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کے درپے رہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا کر ان سے بچایا۔ اس کے نتیجے میں پھر روی بادشاہ یہسوس کو اللہ نے ان پر

امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے۔ ہاں اگر تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں^(۱) گے اور ہم نے مکروں کا قید خانہ جنم کو بنار کھا ہے۔^(۲) (۸) یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا جر ہے۔^(۹) اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔^(۱۰) اور انسان برائی کی دعائیں مانگنے لگتا ہے بالکل اس کی اپنی بھلائی کی دعا کی طرح، انسان ہے ہی بڑا جلد باز۔^(۱۱) ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں بنائی ہیں، رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر

عَلَى رَبِّكُمْ أَن يَرْحَمُكُمْ وَأَنْ عَدْثُو عُدُّكُمْ وَجَعَلَنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ④

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهِيَ لِلَّهِ فِي أَقْوَمِ وَ يَسِيرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّلِحَاتِ أَنَّهُمْ أَمْرَأَكِيرًا ④

وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْدَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ⑤

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالْقَرِيرِ دُعَاءَ بِالْغَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ بَعْنَاهُ ⑤

وَجَعَلْنَا الْيَوْمَ وَالَّهَارَ الْيَتَمِّينَ فَمَحْوَنَا أَيَّهَا الْيَوْمَ وَجَعَلْنَا أَيَّهَا النَّهَارَ مُبَصِّرَةً لِتَتَبَعَّقَ وَفَضَّلَمْنَ رَبِّكُمْ وَلَيَعْلَمُوا عَدَدَ الْيَتَمِّينَ

سلط کر دیا، اس نے یہ شتم پر حملہ کر کے ان کے کشتے کے پشتے لگادیئے اور بہت سوں کو قیدی بنالیا، ان کے اموال لوٹ لیے، مذہبی صحیفوں کو پاؤں تلے روندا اور بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو تاراج کیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جلا وطن کر دیا۔ اور یوں ان کی ذلت و رسوائی کا خوب خوب سامان کیا۔ یہ تباہی ۷۰۴ میں ان پر آئی۔

(۱) یہ انہیں تنبیہ کی کہ اگر تم نے اصلاح کر لی تو اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے۔ جس کا مطلب دنیا و آخرت کی سرخ روئی اور کامیابی ہے اور اگر دوبارہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے تم نے فسادی الارض کا ارتکاب کیا تو ہم پھر تمہیں اسی طرح ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیں گے جیسے اس سے قبل دو مرتبہ ہم تمہارے ساتھ یہ معاملہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ یہود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور وہی کردار رسالت محمدیہ کے بارے میں دہرایا جو رسالت موسوی اور رسالت عیسیٰ میں ادا کر چکے تھے، جس کے نتیجے میں یہ یہودی تیری مرتبہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے اور بعصر رسالت عیسیٰ مدینے اور خبر سے نکنا پڑا۔

(۲) یعنی اس دنیا کی رسوائی کے بعد آخرت میں جنم کی سزا اور اس کا عذاب الگ ہے جو وہاں انہیں بھگتنا ہو گا۔

(۳) انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ ہے، اس لیے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لیے اسی طرح بد دعا کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے اپنے رب سے دعائیں کرتا ہے۔ یہ تو رب کا فضل و کرم ہے کہ وہ اس کی بد دعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔ یہی مضمون سورہ یونس آیت ۱۱ میں گزر چکا ہے۔

سکو اور اس لیے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو^(۱) اور ہر ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔^(۲)

ہم نے ہر انسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگا دیا ہے^(۳) اور بروز قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے اوپر کھلا ہوا پالے گا۔^(۴) لے! خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے۔^(۵)

جو راہ راست حاصل کر لے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لیے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بٹک جائے اس کا بوجھ اسی کے اوپر ہے، کوئی بوجھ والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا^(۶) اور ہماری سنت نہیں کہ رسول پھیجنے سے پہلے ہی

وَالْحَسَابَ وَكُلُّ شَيْءٍ فَضَلْلَهُ تَفْصِيلًا ۝

وَكُلُّ إِنْسَانٍ الْزَمْنَةُ طَبِيعَةٌ فِي عُنْقِهِ وَتَغْوِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَتَبَ أَيْلَقُهُ مَنْتُورًا ۝

إِنَّمَا كَتَبَتْ كُلُّكُلَّيْنِ يَقْسِيْكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝

مِنْ اهْتَدَى فَأَنَّمَا يَهْتَدِيُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ حَلَّ فَإِنَّمَا يَصْلُحُ عَلَيْهَا
وَلَا يَتَرُدُّ وَإِذْرَهُ قَدْرًا خَرِيْدَ وَمَا لَكَ مُعَذِّبُينَ حَتَّىٰ يَبْعَثَ

(۱) یعنی رات کو بے نور یعنی تاریک کر دیا تاکہ تم آرام کر سکو اور تمہاری دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جائے اور دن کو روشن بنایا تاکہ کب معاش کے ذریعے سے تم رب کا فضل تلاش کرو۔ علاوہ ازیں رات اور دن کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کر سکو، اس حساب کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔ اگر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات یا دن ہی دن رہتا تو تمہیں آرام و سکون کایا کاروبار کرنے کا موقع نہ ملتا اور اسی طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ رہتا۔

(۲) یعنی انسان کے لیے دین اور دنیا کی ضروری باتیں سب کھول کر ہم نے بیان کر دی ہیں تاکہ ان سے انسان فائدہ اٹھائیں، اپنی دنیا بھی سنواریں اور آخرت کی بھی فکر اور اس کے لیے تیاری کریں۔

(۳) طَائِرُوكے معنی پرندے کے ہیں اور عُنْقُ کے معنی گردن کے۔ امام ابن کثیر نے طائر سے مراد انسان کے عمل لیے ہیں۔ فِي عُنْقِهِ كَا مطلب ہے، اس کے اچھے یا بے عمل، جس پر اس کو اچھی یا بُری جزا دی جائے گی، گلے کے ہار کی طرح اس کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی اس کا ہر عمل لکھا جا رہا ہے، اللہ کے ہاں اس کا پورا ریکارڈ محفوظ ہو گا۔ قیامت والے دن اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امام شوکانی نے طائر سے مراد انسان کی قسمت لی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق پہلے سے لکھ دی ہے، جسے سعادت مند اور اللہ کا مطیع ہونا تھا وہ اللہ کو معلوم تھا اور جسے نافرمان ہونا تھا، وہ بھی اس کے علم میں تھا، یہی قسمت (سعادت مندی یا بد بختی) ہر انسان کے ساتھ گلے کے ہار کی طرح چمنی ہوئی ہے۔ اسی کے مطابق اس کے عمل ہوں گے اور قیامت والے دن اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

(۴) البتہ جو ضال (گمراہ) مصل (گمراہ کرنے والے) بھی ہوں گے، انہیں اپنی گمراہی کے بوجھ کے ساتھ، ان کے گناہوں کا

(۱) رَسُولُهُ

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمْرَنَا مُتَرَفِّهِا فَسَقَوْا فِيهَا
فَحَقٌ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَا هَاتَدُ مُدِيرًا ۱۵

عذاب کرنے لگیں۔^(۱)

(۱۵)

اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا رادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اسے تباہ و بر باد کر دیتے ہیں۔^(۲)

بار بھی (بغیر ان کے گناہوں میں کمی کیے) اٹھانا پڑے گا جوان کی کوششوں سے گمراہ ہوئے ہوں گے، جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات اور احادیث سے واضح ہے۔ یہ دراصل ان کے اپنے ہی گناہوں کا بار ہو گا جو دوسروں کو گمراہ کر کے انہوں نے کمایا ہو گا۔

(۱) بعض مفسرین نے اس سے صرف دنیوی عذاب مراد لیا ہے۔ یعنی آخرت کے عذاب سے مستثنی نہیں ہوں گے، لیکن قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے پوچھئے گا کہ کیا تمہارے پاس میرے رسول نہیں آئے تھے؟ جس پر وہ اثبات میں جواب دیں گے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارسال رسول اور انزال کتب کے بغیر وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا۔ تاہم اس کافیلہ کہ کس قوم یا کس فرد تک اس کا پیغام نہیں پہنچا، قیامت والے دن وہ خود ہی فرمائے گا، وہاں یقیناً کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہو گا۔ اسی طرح برا، پاگل، فاتر العقل اور زمانہ فترت یعنی دونبیوں کے در میانی زمانے میں فوت ہونے والے لوگوں کا مسئلہ ہے، ان کی بابت بعض روایات میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجے گا اور وہ انہیں کہیں گے کہ جنم میں داخل ہو جاؤ، اگر وہ اللہ کے اس حکم کو مان کر جنم میں داخل ہو جائیں گے تو جنم ان کے لیے گل و گلزار بن جائے گی، بصورت دیگر انہیں گھسیت کر جنم میں پھینک دیا جائے گا (مسند أحمد، ج ۲، ص ۲۲، وابن حبان، ج ۹، ص ۲۲۶۔ علامہ البالی نے صحیح الجامع الصغیر (نمبر ۸۸۱) میں اسے ذکر کیا ہے) چھوٹے بچوں کی بابت اختلاف ہے۔ مسلمانوں کے بچے تو جنت میں ہی جائیں گے، البتہ کفار و مشرکین کے بچوں میں اختلاف ہے، کوئی توقف کا، کوئی جنت میں جانے کا اور کوئی جنم میں جانے کا قائل ہے، امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ میدان محشر میں ان کا امتحان لیا جائے گا، جو اللہ کے حکم کی اطاعت اختیار کرے گا، وہ جنت میں اور جو نافرمانی کرے گا، جنم میں جائے گا، امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اس سے متفاہ روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے (تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ کریجئے) مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳: ۲۵۱، ۱۲: ۳۲۸) مع الفتن

(۲) اس میں وہ اصول بتلایا گیا ہے جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کافیلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوش حال طبقہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور انہی کی تقلید پھر دوسرے لوگ کرتے ہیں، یوں اس قوم میں اللہ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ سخت عذاب قرار پا جاتی ہے۔

ہم نے نوح کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کیں^(۱) اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔^(۱۷)

جس کا رادہ صرف اس جلدی والی دنیا (فوری فائدہ) کا ہی ہو اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہیں سردست دیتے ہیں بالآخر اس کے لیے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جما وہ بُرے حالوں و ہنکار اہوا اخیل ہو گا۔^(۲)^(۱۸)

اور جس کا رادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے، وہ کرتا بھی ہو اور وہ با ایمان بھی ہو، پس یہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدر دنی کی جائے گی۔^(۳)^(۱۹)

ہر ایک کو ہم بھم پہنچانے جاتے ہیں انہیں بھی اور انہیں بھی تیرے پروردگار کے انعامات میں سے۔ تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے۔^(۴)^(۲۰)

دیکھ لے کہ ان میں ایک کو ایک پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔^(۵)^(۲۱)

وَكُمْ أَهْكَمْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَى بِرِبِّكَ
بِذُؤُبِ عَبَادَةٍ خَبِيرًا بِصِرَاطٍ^(۱۶)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ حَجَّنَا لَهُ فِيمَا نَأَلَمْنَا لَهُ فَرِيدٌ ثُمَّ جَعَلْنَا
لَهُ حَمَّامٌ يَصْلَمُهَا مَدْمُوًّا مَمْدُحُورًا^(۱۷)

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأَوْلَئِكَ كَانُوا
سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا^(۱۸)

كَلَّا لَيْلَةٌ هُوَ لَهُ وَهُوَ لَهُ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ
غَنِظُورٌ^(۱۹)

أَنْظُرْنِي كَيْفَ فَصَلَدْنَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ رَجْهٌ
وَالْأَكْبَرُ تَعْظِيْلًا^(۲۰)

((۱)) وہ بھی اسی اصول ہلاکت کے تحت ہی ہلاک ہوئیں۔

((۲)) یعنی دنیا کے ہر طالب کو دنیا نہیں ملتی، صرف اسی کو ملتی ہے جس کو ہم چاہیں، پھر اس کو بھی اتنی دنیا نہیں ملتی جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی ہم اس کے لیے فیصلہ کریں۔ لیکن اس دنیا طلبی کا نتیجہ جہنم کا دامگی عذاب اور اس کی رسائی ہے۔

((۳)) اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر دنی کے لیے تین چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں۔ ارادہ آخرت، یعنی اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی ۲۔ ایسی کوشش جو اس کے لائق ہو۔ یعنی سنت کے مطابق۔ ۳۔ ایمان۔ کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی عمل بھی قابل التفات نہیں۔ یعنی قبولیت عمل کے لیے ایمان کے ساتھ اخلاص اور سنت نبوی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

((۴)) یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائیں ہم بلا تفریق مومن اور کافر، طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں۔ اللہ کی نعمتیں کسی سے بھی روکی نہیں جاتیں۔

((۵)) تاہم دنیا کی یہ چیزیں کسی کو کم، کسی کو زیادہ ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معمود نہ ٹھرا کہ آخرش تو برے
حالوں بے کس ہو کر بیٹھ رہے گا۔^(۲۲)

اور تیرا پور دگار صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس
کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور مال باپ کے ساتھ
احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ
دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ
کرنا، نہ انہیں ڈانت ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و
احترام سے بات چیت کرنا۔^(۲۳)

اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا
بازو پست رکھ رکھنا^(۲۴) اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے
پور دگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے
بچپن میں میری پورش کی ہے۔^(۲۵)

ہے۔ تاہم آخرت میں درجات کا یہ تقاضہ زیادہ واضح اور نمایاں ہو گا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر
جنم میں جائیں گے۔

(۱) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا
ہے، 'جس سے والدین کی اطاعت'، ان کی خدمت اور ان کے ادب و احترام کی اہمیت واضح ہے۔ گویا ربوبیت الہی کے
تقاضوں کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ احادیث میں بھی اس کی اہمیت اور تائید کو خوب
 واضح کر دیا گیا ہے، پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے "ہوں" تک کرنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا ہے،
کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور ہے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں، جب کہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض و
متصرف ہوتی ہے۔ علاوه ازیں جوانی کے دیوانی جذبات اور بڑھاپے کے سردو گرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔ ان
حالات میں والدین کے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ تاہم اللہ کے ہاں سرخ رو
وہی ہو گا جوان تقاضوں کو ملحوظ رکھ کے گا۔

(۲) پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سائیہ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لیے اپنے بازو پست کر دیتا ہے، یعنی تو بھی والدین
کے ساتھ اسی طرح اچھا اور پرشفقت معاملہ کرنا اور ان کی اسی طرح کفالت کر جس طرح انہوں نے بچپن میں تیری کی۔ یا
یہ معنی ہیں کہ جب پرندہ اڑنے اور بلند ہونے کا رادہ کرتا ہے تو اپنے بازو پھیلا لیتا اور جب نیچے اترتا ہے تو بازوؤں کو
پست کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے بازوؤں کے پست کرنے کے معنی، والدین کے سامنے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے
کے ہوں گے۔

لَا يَعْبُدُ مَعَ اللَّهِ إِلَيْهَا الْخُرْقَةَ قَعْدَ مَذْمُومًا غَدُولًا ۝

وَقَضَى رَبُّكَ الْأَعْبُدُ وَالْأَدَاءُ وَإِلَوَالَّدِينِ إِحْسَانًا إِنَّا يَنْهَا
عِنْدَكُوكَ الْكَبِيرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كَلَمَاهُ فَلَا تَقْتُلُ لَهُمَا أُفْ ۝ وَلَا تَنْهَهُمَا
وَقُلْ لَهُمَا قُولًا كَيْمًا ۝

وَأَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الدُّلُّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّيْ إِنْهُمَا
كَمَارَتِينِ صَغِيرًا ۝

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب بخوبی جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ توجوہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔^(۲۵)

اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو^(۲۶) اور اسراف اور بیجا خرچ سے بچو۔^(۲۷)

بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔^(۲۸)

اور اگر تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے اپنے رب کی اس رحمت کی جگتو میں، جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہیے کہ عدگی اور نرمی سے انہیں سمجھادے۔^(۲۹)

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي قُوُسِكُمْۖ إِنَّكُمْ نُوَاصِلُهُنَّ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَقْوَابِنَ غَفُورًا^(۳۰)

وَاتَّدَ الْفَرْبُنِ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَكَانَ السَّبِيلُ وَلَا يَمْدُرْ بَيْنَ زِيرَيْهِ^(۳۱)

إِنَّ الْمُبَدِّرِينَ كَانُوا لِخَوَانَ الشَّيْطَنِ وَكَانَ الشَّيْطَنُ لِرَبِّهِ لَغُورًا^(۳۲)

وَإِنَّا لَعَزَضْنَا عَنْهُمْ أَبْيَقْنَا لَهُ رَحْمَةً مِنْ رَبِّنَا تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قُوَّلَمِيسُورًا^(۳۳)

(۱) قرآن کریم کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ غریب رشتے داروں، مسکین اور ضرورت مندوں کی امداد کر کے، ان پر احسان نہیں جلتانا چاہیئے، کیونکہ یہ ان پر احسان نہیں ہے، بلکہ مال کا وہ حق ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصحاب مال کے مالوں میں مذکورہ ضرورت مندوں کا رکھا ہے، اگر صاحب مال یہ حق ادا نہیں کرے گا تو عند اللہ محروم ہو گا۔ گویا یہ حق کی ادائیگی ہے، نہ کہ کسی پر احسان۔ علاوہ ازیں رشتے داروں کے پلے ذکر سے ان کی اولیت اور احیتیت بھی واضح ہوتی ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو، صدر حرمی کہا جاتا ہے، جس کی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔

(۲) تَبَذِّرِي کی اصل بذر (ثُقُول) ہے، جس طرح زمین میں بیج ڈالتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ صحیح جگہ پر پڑ رہا ہے یا اس سے ادھر ادھر۔ بلکہ کسان بیج ڈالے چلا جاتا ہے۔ تَبَذِّرِي (فضول خرچی) بھی یہی ہے کہ انسان اپنا مال بیج کی طرح اڑاتا پھرے اور خرچ کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کرے اور بعض کہتے ہیں کہ تبذیر کے معنی ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں چاہے تھوڑا ہی ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں ہی صورتیں تبذیر میں آجائی ہیں۔ اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرکب کو شیطان سے مماثلت تام ہے اور شیطان کی مماثلت سے بچنا، چاہے وہ کسی ایک ہی خصلت میں ہو، انسان کے لیے واجب ہے۔ پھر شیطان کو کفُوز (بہت ناشکرا) کہہ کر مزید بچنے کی تاکید کر دی ہے کہ اگر تم شیطان کی مماثلت اختیار کرو گے تو تم بھی اس کی طرح کفُوز قرار دے دیئے جاؤ گے۔ (فتح القدر)

(۳) یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے، جس کے دور ہونے کی اور کشائش رزق کی تو اپنے رب سے امید رکھتا ہے۔ اگر تجھے غریب رشتے داروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں سے اعراض کرنا یعنی اظہار معدرات کرنا پڑے تو نرمی اور عدگی کے ساتھ معدرات کر، یعنی جواب بھی دیا جائے تو نرمی اور پیار و محبت کے لمحے میں نہ کہ ترشی اور بد اخلاقی کے ساتھ، جیسا کہ عام طور پر لوگ ضرورت مندوں اور غریبوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوانہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا درمانہ بیٹھ جائے۔^(۲۹)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عَنْقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ
فَتَقْعُدْ مَلْوَأَعْنَوْرًا^(۲۰)

یقیناً تیرارب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ۔^(۲۱) یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے۔^(۳۰)

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ لِهِ كَانَ بِعِيَادَةٍ
خَيْرٌ لِّلصِّرِيرِ^(۲۱)

اور مغلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔^(۳۱)

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ فَخَنِّيْرُ رِزْقِهِمْ
وَإِنَّا لِلْفُلْقَنَ قَنْتَهُمْ كَانَ خَطَا كَبِيرًا^(۲۲)

(۱) گزشتہ آیت میں انکار کرنے کا ادب بیان فرمایا اب اتفاق کا ادب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ انسان ملوم، یعنی قابل ملامت و نہ ممت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محصور (تھکا ہارا اور پچھتانا نہ والا) محصور، اس جانور کو کہتے ہیں جو چل چل کر تھک چکا اور چلنے سے عاجز ہو چکا ہو۔ فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوانہ رکھ، یہ کنایہ ہے بخل سے اور ”نہ اسے بالکل ہی کھول دے“ یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔ ملُومًا مَخْسُورًا لَفُ نَسْرِ مُرَبَّبٍ ہے یعنی ملوم، بخل کا اور محصور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔

(۲) اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی ہے کہ ان کے پاس وسائل رزق کی فراوانی نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام نہیں ہے بلکہ یہ رزق کی وسعت یا کمی، اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مصلحت سے ہے جسے صرف وہی جانتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قارون بنادے اور اپنوں کو اتنا ہی دے کہ جس سے بہ مشکل وہ اپنا گزارہ کر سکیں۔ یہ اس کی مشیت ہے۔ جس کو وہ زیادہ دے، وہ اس کا محبوب نہیں اور قوت لا یکوت کا مالک اس کا مبغوض نہیں۔

(۳) یہ آیت سورۃ الانعام، ۱۵۱ میں بھی گزر چکی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا قرار دیا وہ یہی ہے کہ «أَنْ تَقْتَلَ وَلَدَكَ خَشْيَةً أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ». (اصحیح بخاری، تفسیر سورۃ البقرۃ، وکتاب الادب، مسلم، کتاب التوحید، باب فلا تجعلوا لله أندادا) کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ آج کل قتل اولاد کا گناہ عظیم نہایت منظم طریقے سے اور خاندانی منصوبہ بندی کے حسین عنوان سے پوری دنیا میں ہو رہا ہے اور مرد حضرات ”بہتر تعلیم و تربیت“ کے نام پر اور خواتین اپنے ”حسن“ کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہی ہیں آغاذنا اللہ مِنْهُ۔

خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی
ہے اور بست ہی بڑی راہ ہے۔^(۱) (۳۲)

اور کسی جان کو جس کامارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز
ناحق قتل نہ کرنا^(۲) اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت
میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے
رکھی ہے پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ
کرے پیشک وہ مدد کیا گیا ہے۔^(۳) (۳۳)

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جزاً اس طریقہ کے
جو بست ہی بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ
جائے^(۴) اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز

(۱) اسلام میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے، اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کر لے تو اسے اسلامی
معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے۔ پھر اسے تکوار کے ایک وار سے مار دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ پھر
مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں نشان عبرت بن جائے۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ زنا کے قریب
مت جاؤ، یعنی اس کے دواعی اور اسباب سے بھی پیچ کر رہو، مثلاً غیر محروم عورت کو دیکھنا، ان سے اخلاق و کلام کی راہیں
پیدا کرنا، اسی طرح عورتوں کا بے پرده اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا، وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے
تاکہ اس بے حیائی سے بچا جاسکے۔

(۲) حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے، جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن و سکون کا
باعت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی اور مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے۔

(۳) یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ حق یا غالبہ یا طاقت دی گئی ہے کہ وہ قاتل کو حاکم وقت کے شرعی فیصلہ کے بعد قصاص
میں قتل کر دیں یا اس سے دیت لے لیں یا معاف کر دیں۔ اور اگر قصاص ہی لینا ہے تو اس میں زیادتی نہ کریں کہ ایک
کے بد لے میں دو یا تین چار کو مار دیں، یا اس کا مثلہ کر کے یا عذاب دے دے کر ماریں، مقتول کا وارث، منصور ہے یعنی
امر اور حکام کو اس کی مدد کرنے کی تائید کی گئی ہے، اس لیے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ زیادتی کا ارتکاب کر
کے اللہ کی ناشکری کرے۔

(۴) کسی کی جان کو ناجائز طریقے سے ضائع کرنے کی ممانعت کے بعد، ائتلاف مال (مال کے ضائع کرنے) سے روکا جا رہا
ہے اور اس میں یتیم کا مال سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے فرمایا کہ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کو ایسے طریقے
سے استعمال کرو، جس میں اس کا فائدہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ سوچے سمجھے بغیر ایسے کار و بار میں لگا دو کہ وہ ضائع یا خسارے سے
دو چار ہو جائے۔ یا عمر شور سے پہلے تم اسے اڑازو۔

وَلَا تَغْرِبُ الْرِّزْقَ إِنَّهُ كَانَ فَالْحَسَنَةُ مَوَاسِيْنَ لَهُ

وَلَا تَفْتَأِلُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ
مُظْلَمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلَيْهِ سُلْطَانًا فَلَيْرُ فِي الْقَتْلِ
إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا

وَلَا تَغْرِبُ وَمَالَ إِلَيْنَا يُغْرِبُ إِلَيْنَا هِيَ أَخْسَنُ حُكْمَ يَبْلُغُ
أَشْدَدَهُ وَأَذْفَوْا بِالْمَهْدَى إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْنُوا

پرس ہونے والی ہے۔^(۱) (۳۳)

اور جب ناپنے لگو تو بھر پور پیانے سے ناپ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ یہی بہتر ہے^(۲) اور انجمام کے لحاظ سے بھی بت اچھا ہے۔^(۳) (۳۵)

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہواں کے پیچھے مت^(۴) پڑے۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گھم کی جانے والی ہے۔^(۵) (۳۶)

اور زمین میں اکڑ کرنہ چل کر نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔^(۶) (۳۷)

ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (خت) ناپسند ہے۔^(۷) (۳۸)

یہ بھی منجملہ اس وحی کے ہے جو تیری جانب تیرے رب نے حکمت سے اتاری ہے تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو

وَأَوْفُوا الْكِلَّةَ إِذَا أَكْلُمُتُمْ وَرِزْقُكُمْ بِالْقِطْلَاءِ الْمُسْتَقْبِلِ

ذِلِّكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا^(۸)

وَلَا تَنْقُضُ مَا أَلَيْتَ لَكَ إِنْ كِبِيرٌ أَنْ يَعْلَمَ الْسَّمَاءَ وَالْبَحْرَ وَالْفُؤَادُ كُلُّ

أُولُئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا^(۹)

وَلَا تَمْسِخْ فِي الْأَرْضِ مَرَحَّاً إِنَّكَ لَمْ تَخُوقْ الْأَرْضَ وَلَمْ تَنْتَلِمْ

إِنْجَالَ مُلْوَّدًا^(۱۰)

كُلُّ ذِلِّكَ كَانَ سَيِّئَةً عِنْدَ رَبِّكَ مَرْوُهًا^(۱۱)

ذِلِّكَ مِنَّا أَوْحَى رَبِّكَ رَبِّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا جَعَلْنَا مَعَ

(۱) عمد سے وہ میثاق بھی مراد ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور وہ بھی جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے عمدوں کا پورا کرنا ضروری ہے اور نفس عمد کی صورت میں باز پرس ہوگی۔

(۲) اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے، علاوہ ازیں لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں بھی ناپ تول میں دیانت داری مفید ہے۔

(۳) فَقَاتِ يَقْفُونَ کے معنی ہیں پیچھے لگنا۔ یعنی جس چیز کا علم نہیں، اس کے پیچھے مت لگو، یعنی بدگمانی مت کرو، کسی کی نوہ میں مت رہو، اسی طرح جس چیز کا علم نہیں، اس پر عمل مت کرو۔

(۴) یعنی جس چیز کے پیچھے تم پڑو گے اس کے متعلق کان سے سوال ہو گا کہ کیا اس نے سنا تھا، آنکھ سے سوال ہو گا کہ کیا اس نے دیکھا تھا اور دل سے سوال ہو گا کیا اس نے جانا تھا؟ کیوں کہ یہی تینوں علم کا ذریعہ ہیں۔ یعنی ان اعضا کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن قوت گویاںی عطا فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا۔

(۵) اتر اکڑ کر چلنا، اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ قارون کو اسی بنا پر اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنادیا گیا۔ (القصص-۸۱) حدیث میں آتا ہے ”ایک شخص دو چادریں پہنے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنادیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔“ (صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحريم التبخیر فی المishi مع إعجا به بشیابه، اللہ تعالیٰ کو تواضع اور عاجزی پسند ہے۔

(۶) یعنی جو باتیں مذکور ہوئیں، ان میں جو بری ہیں، جن سے منع کیا گیا ہے، وہ ناپسندیدہ ہیں۔

معبود نہ بناتا کہ ملامت خور دہ اور راندہ درگاہ ہو کر دوزخ
میں ڈال دیا جائے۔^(۳۹)

کیا بیٹوں کے لیے تو اللہ نے تمہیں چھانٹ لیا اور خود
اپنے لیے فرشتوں کوڑ کیاں بنا لیں؟ پیشک تم بہت بڑا بول
بول رہے ہو۔^(۴۰)

ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طرح بیان^(۱) فرمایا کہ
لوگ سمجھ جائیں لیکن اس سے انہیں تو نفرت ہی
بڑھتی ہے۔^(۴۱)

کہ دیجئے؟ کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے
جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش
کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔^(۴۲)

جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے وہ پاک اور بالاتر، بہت دور
اور بہت بلند ہے۔^(۴۳)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر
رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پا کیزگی اور تعریف کے

اللَّهُ إِلَهُ الْأَخْرَ فَتَلْقُ فِي جَهَنَّمَ مَلَوْ مَادْ حُوْرًا^(۴۴)

أَفَأَصْنَعُكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَيْنِينَ وَأَتَعْذَّدُ مِنَ الْمَلِكَةِ إِنَّا إِنَّا
لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا^(۴۵)

وَلَقَدْ صَرَّفْتَنِي هَذَا الْقُرْآنُ لِيَدْعُوكُوا وَمَا يَرِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا^(۴۶)

فُلْ تُوكَانَ مَعَهُ الْهُمَّا يَقُولُونَ إِذَا لَبَّقُوا إِلَى ذِي
الْعَرْشِ سَيِّلًا^(۴۷)

سُجْنَةَ وَقُلْ عَلَيْكُمُ الْمُؤْمِنُونَ عَلَيْكُمْ أَكْبَرُ^(۴۸)

سُبْرَيْلَهُ السَّمَوْنُ التَّسْبِيْمُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَنْ تَنْ شَعِيْ^(۴۹)

(۱) ہر ہر طرح کا مطلب ہے، 'عظو و نصیحت'، دلائل و مبنیات ترغیب و تہیب اور امثال و واقعات، ہر طریقے سے بار بار
سمجھایا گیا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں، لیکن وہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں اس طرح چھپنے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب
ہونے کی بجائے، اس سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن جادو، کمات اور شاعری ہے،
پھر وہ اس قرآن سے کس طرح راہ یاب ہوں؟ کیونکہ قرآن کی مثال بارش کی ہے کہ اچھی زمین پر پڑے تو وہ بارش سے
شاداب ہو جاتی ہے اور اگر وہ گندی ہے تو بارش سے بدبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۲) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ و قوت حاصل کر لیتا ہے،
اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا، جب کہ ان معبودوں کو
پوچھتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، کوئی با اختیار ہستی ہی نہیں،
کوئی نافع و ضار ہی نہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ اب تک اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے اور یہ مشرکین جو یہ عقیدہ
رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، انہیں بھی وہ اللہ کے قریب کر چکے ہوتے۔

(۳) یعنی واقعی یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی بابت جو کہتے ہیں کہ اسکے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور بہت بلند ہے۔

ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔^(۱) وہ برابر بار اور بخشنے والا ہے۔^(۲)

تو جب قرآن پڑھتا ہے ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔^(۳)^(۴)

اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ اور جب تو صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ، اس قرآن میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیشہ پھیر کر بھاگ

إِلَّا إِيمَانُهُمْ مُمْدُودُونَ وَلَكِنْ لَا تَفْعَمُنَّ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيلًا غَفُورًا^(۵)

وَلَا أَقْرَأْتُ الْقُرْآنَ جَعْلَنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ وَجَابَ إِلَيْنَا مُسْتُورًا^(۶)

وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ آئِنَّهُ أَنْ يَفْهَمُوا وَفِي أَذْنِهِمْ وَقْرَاءً وَلَا ذَكَرْتُ رَبِّكَ فِي الْقُرْآنِ وَهُدَىٰكَ وَلَنَا عَلَىٰ أَذْبَارِهِمْ غَفُورًا^(۷)

(۱) یعنی سب اسی کے مطیع اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح و تحمد میں مصروف ہیں۔ گوہم ان کی تسبیح و تحمد کو نہ سمجھ سکیں۔ اس کی تائید بعض اور آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے مثلاً حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔ ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يَسْتَخِنُ بِالْعَيْنِي وَالْأَشْرَاقِ﴾ (سورہ ص۔ ۱۸) ”ہم نے پہاڑوں کو داود علیہ السلام کے تابع کر دیا،“ بس وہ شام کو اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی تسبیح (پاکی) بیان کرتے ہیں۔ بعض پھرتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَمْ يَنْهَا الْمَلَائِكَةُ مِنْ خَحْشِيَةِ اللَّهِ﴾ (البقرۃ۔ ۲۷) ”اور بعض اللہ تعالیٰ کے ذر سے گر پڑتے ہیں۔“ بعض صحابہ ﴿الْمُتَّقِينَ﴾ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ انہوں نے کھانے سے تسبیح کی آواز سنی، صحیح بخاری۔ کتاب المناقب نمبر ۲۵۴۹ ایک اور حدیث سے ثابت ہے کہ چیونیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ (بخاری، نمبر ۲۰۹۰۔ مسلم، نمبر ۵۹) اسی طرح جس نے کے ساتھ ٹیک لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اسے آپ ﴿الْمُتَّقِينَ﴾ نے چھوڑ دیا تو پنجے کی طرح اس سے رونے کی آواز آتی تھی۔ (بخاری، نمبر ۲۵۸۳) مکے میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم، نمبر ۲۸۲) ان آیات و صحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات و نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے، جسے گوہم نہ سمجھ سکیں، مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد تسبیح دلالت ہے یعنی یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ * تَدْلُّ عَلَىٰ اللَّهِ وَاحِدٍ

”ہر چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے“ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ تسبیح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔^(۸) (۲) مَسْتُورٌ، بمعنی سَاتِرٍ (مانع اور حائل) ہے یا مستور عن الأَبْصَار (آنکھوں سے او جھل) پس وہ اسے دیکھتے نہیں۔ اس کے باوجود ان کے اور بدایت کے درمیان حجاب ہے۔

کھڑے ہوتے ہیں۔^(۱) (۳۶)

جس غرض سے وہ لوگ اسے سنتے ہیں ان (کی نیتوں) سے ہم خوب آگاہ ہیں، جب یہ آپ کی طرف کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی اور جب یہ مشورہ کرتے ہیں تب بھی جب کہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم اس کی تابعداری میں لگے ہوئے ہو جن پر جادو کروایا گیا ہے۔^(۲) (۳۷)

دیکھیں تو سی، آپ کے لیے کیا کیا مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ بہک رہے ہیں۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا۔^(۳) (۳۸)

انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور (مٹی ہو کر) ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرنو پیدا کر کے پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کر دیئے جائیں گے۔^(۴) (۳۹)

جواب دیجئے کہ تم پتھربن جاؤ یا الہا۔^(۵) (۵۰)

یا کوئی اور ایسی خلقت جو تمہارے دلوں میں بست ہی سخت معلوم ہو،^(۵) پھر وہ یہ پوچھیں کہ کون ہے جو دوبارہ ہماری زندگی لوٹائے؟ آپ جواب دے دیں کہ وہی

خَنُّ أَعْمُّ بِمَا يَتَّمِعُونَ يَأْذِي مَمْعُونَ إِلَيْكُمْ وَإِذْ هُنْ جُبَوَى
إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَاجْلَامَ سَهُورًا^(۶)

أَنْظُرْنِكَفَرْبَوَالَّكَ الْمَثَالَ فَضْلًا فَلَا يَسْتَطِعُونَ سَيْلًا^(۷)

وَقَالَ زَانِدَ الْكَنَّاعِطَامَا وَرَقَاتَا عَرَنَالْمَبْعُوثُونَ
خَلْقًا جَدِيدًا^(۸)

قُلْ كُوْنُوا حِجَارَةٌ أَوْ حَدِيدًا^(۹)

أَوْ خُلْقًا مِنَ الْكَبَرِيَّةِ صُدُورُ كُلُّ قَيْقَوْلُونَ مَنْ
يُعِيدُنَا قِلَّ الْذِي قَطَرَكُمْ أَوْلَ مَرَّةً فَيَنْغُصُونَ إِلَيْكُمْ

(۱) اکئنا، کنان کی جمع ہے، ایسا پرده جو دلوں پر پڑ جائے۔ وَقْرُ کانوں میں ایسا ثقل یا ذاث جو قرآن کے سنتے میں مانع ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اللہ کی توحید سے تو انہیں اتنی نفرت ہے کہ اسے سن کر تو بھاگ ہی کھڑے ہوتے ہیں، ان افعال کی نسبت اللہ کی طرف، ہے اعتبار خلق کے ہے۔ ورنہ ہدایت سے یہ محرومی ان کے جمود و عناد ہی کا نتیجہ تھا۔

(۲) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حمزہ سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے قرآن سنتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

(۳) کبھی ساحر، کبھی مسحور، کبھی مجنون اور کبھی کاہن کہتے ہیں، پس اس طرح گمراہ ہو رہے ہیں، ہدایت کا راستہ انہیں کس طرح ملے؟

(۴) جو مٹی اور ہڈیوں سے زیادہ سخت ہے اور جس میں زندگی کے آثار پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔

(۵) یعنی اس سے بھی زیادہ سخت چیز، جو تمہارے علم میں ہو، وہ بن جاؤ اور پھر پوچھو کہ کون زندہ کرے گا؟

اللہ جس نے تمیس اول بار پیدا کیا، اس پر وہ اپنے سر
ہلاہلا^(۱) کر آپ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے
کب؟ تو آپ جواب دے دیں کہ کیا عجب کہ وہ
(ساعت) قریب ہی آن گئی ہو۔^(۲) (۵۱)

جس دن وہ تمیس^(۳) بلاۓ گا تم اس کی تعریف کرتے
ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور گمان کرو گے کہ تمہارا
رہنا بہت ہی تھوڑا ہے۔^(۴) (۵۲)

اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات
منہ سے نکلا کریں^(۵) کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈالوتا
ہے۔^(۶) بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (۵۳)

رُؤْسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَنِّي أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا

يَوْمَ يَدْعُوكَ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُونَ إِنْ لَيْسَتْهُ إِلَّا
قَلِيلًا^(۷)

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا إِنَّي هِيَ أَحَسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَرْهُ
بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِإِلَّا سَاءَ عَدُوًّا لِّإِيمَانِ^(۸)

(۱) انقضیٰ یعنی کے معنی ہیں، سرہانا۔ یعنی استہزاء کے طور پر سرہانا کر دیں گے کہ یہ دوبارہ زندگی کب ہوگی؟
(۲) قریب کا مطلب ہے، ہونے والی چیز کل ماتھو آت فھو قریب "ہر وقوع پذیر ہونے والی چیز" قریب ہے، "اور
عسی بھی قرآن میں یقین اور واجب الواقع کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔
(۳) "بلاۓ گا" کا مطلب ہے قبروں سے زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا، تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل
ارشاد کرو گے یا اسے پہچانتے ہوئے اس کے پاس حاضر ہو جاؤ گے۔

(۴) وہاں یہ دنیا کی زندگی بالکل تھوڑی معلوم ہو گی، ﴿كَانُوكُمْ يَوْمَ يَرْبُوُنَهَا فَيَبْتُلُوا لِلْأَعْشِيَةِ أَوْ صَنْهَا﴾ —
(النماز عات، ۳۶) "جب قیامت کو دیکھ لیں گے، تو دنیا کی زندگی انہیں ایسے لگے گی گویا اس میں ایک شام یا ایک صبح رہے
ہیں۔" اسی مضمون کو دیگر مقامات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ طہ، ۱۰۲-۱۰۳، الروم، ۵۵-المؤمنون، ۱۱۲، ۱۱۳۔ بعض
کہتے ہیں کہ پہلا نفحہ ہو گا، تو سب مردے قبروں میں زندہ ہو جائیں گے۔ پھر دوسرے نفحہ پر میدان محشر میں حساب
کتاب کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ دونوں نفحوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہو گا اور اس فاصلے میں انہیں کوئی عذاب
نہیں دیا جائے گا، وہ سو جائیں گے۔ دوسرے نفحہ پر اٹھیں گے تو کہیں گے۔ "افسوس، ہمیں ہماری خواب گاہوں سے
کس نے اٹھایا ہے؟" (سورہ طہ، ۵۲) (فتح القدير) پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یعنی آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، اچھے کلمات بولیں، اسی طرح کفار و مشرکین اور
اہل کتاب سے اگر مخالفت کی ضرورت پیش آجائے تو ان سے بھی مشفقاتہ اور زرم لجھے میں گفتگو کریں۔

(۶) زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان، جو تمہارا کھلا اور ازی دشمن ہے، تمہارے درمیان آپس میں فساد ڈالو سکتا
ہے، یا کفار و مشرکین کے دلوں میں تمہارے لیے زیادہ بغض و عناد پیدا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ جانے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کر دے یا اگر وہ چاہے تمہیں عذاب دے۔^(۱) ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا۔^(۲) (۵۳)

آسمانوں و زمین میں جو بھی ہے آپ کا رب سب کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بستی اور برتری دی ہے^(۳) اور داؤ و کوزبور ہم نے عطا فرمائی ہے۔ (۵۵)

کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم معجوب سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔ (۵۶)

جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں،^(۴) (بات بھی یہی ہے) کہ

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنَّ يَشَاءُ حَمْلُمَاً وَأَوْلَىٰ يَشَاءُ عِدَّبَكُمْ وَمَا أَرْسَلْنَاكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا^(۵)

وَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِهِنْ فِي الْمَوْتِ وَالْأَرْضِ وَلَقَدْ نَصَّلْنَا بَعْضَ الْتِبْيَانِ عَلَى بَعْضٍ وَاتَّبَعْنَا دَادَ زَبُورًا^(۶)

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ رَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَنْلَوْكُنَّ كُثْفَ الْقُرْبَانِمُ وَلَا تَحْوِلُنَّا^(۷)

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَنْتَقُونَ إِلَى رَوْمِ الْوَسِيْلَةِ إِذْمُ أَقْرُبُ وَرَجُونَ رَحْمَتَهُ وَعَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

نے فرمایا۔ ”تم میں سے کوئی شخص‘ اپنے بھائی (مسلمان) کی طرف‘ تھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے‘ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان شاید اس کے ہاتھ سے وہ تھیار چلوادے (اور وہ اس مسلمان بھائی کو جا لے‘ جس سے اس کی موت واقع ہو جائے) پس وہ جنم کے گڑھے میں جا گرے۔“ (صحیح بخاری کتاب الفتن، باب من حمل علينا السلاح فليس منا۔ صحیح مسلم۔ کتاب البر، باب النھی عن الإشارة بالسلاح)

(۱) اگر خطاب مشرکین سے ہو تو رحم کے معنی قبول اسلام کی توفیق کے ہوں گے اور عذاب سے مراد شرک پر ہی موت ہے، جس پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہو تو رحم کے معنی ہوں گے کہ وہ کفار سے تمہاری حفاظت فرمائے گا اور عذاب کا مطلب ہے کفار کا مسلمانوں پر غلبہ و سلطنت۔

(۲) کہ آپ انہیں ضرور کفر کی دلدل سے نکالیں یا ان کے کفر پر جسے رہنے پر آپ سے باز پرس ہو۔

(۳) یہ مضمون ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَلَمَّا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ﴾ میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ کفار مکہ کے جواب میں یہ مضمون دہرا یا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لیے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ملا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی کو رسالت کے لیے منتخب کرنا اور کسی ایک بنی کو دوسرے پر فضیلت دینا، یہ اللہ کے ہی اختیار میں ہے۔

(۴) مذکورہ آیت میں مِنْ دُونِ اللَّهِ سے مراد فرشتوں اور بزرگوں کی وہ تصویریں اور مجھتے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، یا

كَانَ مَعْذُورًا ۚ

وَلَنْ مِنْ قَرِيبَةِ الْأَخْنَنِ مُهْلِكُوهَا قَاتِلٌ بِيُومِ الْقِيَمَةِ
أَوْ مَعْذِلٌ بِهَا عَذَابًا شَدِيدًا نَحْنَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۚ

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُتْرَسِلَ بِالآيَاتِ الْأَنْكَدَبَ بِهَا الْأَوْلُونَ
وَإِنَّمَا نَهُوذُ النَّاقَةَ مُبَصِّرَةً فَظَلَمُوا إِلَيْهَا وَمَا نَرِسْلُ

تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔ (۵۷)

جتنی بھی بستیاں ہیں ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یا تو
انہیں ہلاک کر دینے والے ہیں یا سخت تر سزا دینے
والے ہیں۔ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ (۵۸)

ہمیں نشانات (مجازات) کے نازل کرنے سے روک
صرف اسی کی ہے کہ اگلے لوگ انہیں جھٹلا چکے ہیں۔ (۵۹)
ہم نے شمودیوں کو بطور بصیرت کے اوپر نہیں دی لیکن

حضرت عزیز و مسیح علیہما السلام ہیں جنہیں یہودی اور عیسائی ابن اللہ کہتے اور انہیں الوہی صفات کا حامل مانتے تھے یا وہ جنات
ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس لیے کہ اس آیت میں تلایا جا رہا ہے کہ یہ تو خود اپنے رب
کا قرب تلاش کرنے کی ججو میں رہتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور یہ صفت
جمادات (پھروں) میں نہیں ہو سکتی۔ اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ مِنْ دُونِ اللَّهِ (اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی
ہے) وہ صرف پھر کی مورتیاں ہی نہیں تھیں، بلکہ اللہ کے وہ بندے بھی تھے جن میں سے کچھ فرشتے، کچھ صالحین، کچھ انبویا اور
کچھ جنات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی بابت فرمایا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے، نہ کسی سے تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ کسی کی حالت بدلتے
ہیں۔ ”اپنے رب کے تقرب کی ججو میں رہتے ہیں“ کا مطلب اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ یہی
الویسیتہ ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ وہ نہیں ہے جسے قبر پرست بیان کرتے ہیں کہ فوت شدہ اشخاص کے نام کی نذر نیاز دو،
ان کی قبروں پر غلاف چڑھاؤ اور میلے ٹھیلے جاؤ اور ان سے استمداد و استغاثہ کرو۔ کیونکہ یہ وسیلہ نہیں، یہ تو ان کی عبادت ہے
جو شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

(۱) کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے، جو لوح محفوظ میں
لکھی ہوئی ہے کہ ہم کافروں کی ہر بستی کو یا تو موت کے ذریعے سے ہلاک کر دیں گے اور بستی سے مراد، بستی کے
باشدید گان ہیں اور ہلاکت کی وجہ ان کا کفر و شرک اور ظلم و طغیان ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہلاکت قیامت سے قبل و قوع پذیر
ہوگی، ورنہ قیامت کے دن تو بلا تفریق ہر بستی ہی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی۔

(۲) یہ آیت اس وقت اتری جب کفار مکنے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنادیا جائے یا کے کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا
دیئے جائیں تاکہ وہاں کاشت کاری ممکن ہو سکے، جس پر اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے سے پیغام بھیجا کہ ان کے
مطلوبات ہم پورے کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو پھر ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ پھر
انہیں مملکت نہیں دی جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تاکہ
یہ یقینی ہلاکت سے نجی جائیں۔ (مسند احمد، ج ۱ ص ۲۵۸۔ وقال أَحْمَدُ شَاكِرُ فِي تَعْلِيقِهِ عَلَى الْمَسْنَدِ (۲۳۲۲) إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق نشانیاں اتار

بِالْأَدْبَارِ الْمُتَوْفِقًا ④

انہوں نے اس پر ظلم کیا^(۱) ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔^(۵۹)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے آپ سے فرمادیا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے۔^(۲) جو روایا (عنی روایت) ہم نے آپ کو دکھائی تھی وہ لوگوں کے لیے صاف آزمائش ہی تھی اور اسی طرح وہ درخت بھی جس سے قرآن میں اظہار نفرت کیا گیا ہے۔^(۳) ہم انہیں ڈرار ہے ہیں لیکن یہ انہیں اور بڑی سرکشی میں بڑھا رہا ہے۔^(۴)^(۵)^(۶)

جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سواب نے کیا، اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔^(۷)

وَإِذْ قُلْنَا لِلثَّالِسِ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالثَّالِسِ وَمَاجَلَنَا الرُّؤْيَا الْأَنْتِيَارِ
إِلَاقْفَنَةَ لِلثَّالِسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنَوْقَنُهُمْ فَإِنَّهُمْ
الظَّفَنِيَّاتِ كَبِيرًا ⑤

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدُوا لِلَّادَمَ فَسَجَدُوا لِلَّادَمَ لِيَسْ قَالَ
أَمْجُدُ لِيَسْ خَلَقْتَ طَيْنًا ⑥

وہنا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ لیکن ہم اس سے گریز اس لیے کر رہے ہیں کہ پہلی قوموں نے بھی اپنی خواہش کے مطابق نشانیاں مانگیں جو انہیں دکھاوی گیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائیں؛ جس کے نتیجے میں وہ ہلاک کر دی گئیں۔

(۱) قوم شمود کا بطور مثال تذکرہ کیا کیونکہ ان کی خواہش پر پھر کی چنان سے اوپنی ظاہر کر کے دکھائی گئی تھی، لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کے بجائے اس اوپنی ہی کو مارڈا، جس پر تین دن کے بعد ان پر عذاب آگیا۔

(۲) یعنی لوگ اللہ کے غلبہ و تصرف میں ہیں اور جو اللہ چاہے گا وہی ہو گانہ کہ وہ جو وہ چاہیں گے، یا مراد اہل مکہ ہیں کہ وہ اللہ کے زیر اقتدار ہیں، آپ بے خوفی سے تبلیغ رسالت کیجئے، وہ آپ کا کچھ نہیں باڑ سکیں گے، ہم ان سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ یا جنگ بدر اور فتح کمکے موقع پر جس طرح اللہ نے کفار مکہ کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا، اس کو واضح کیا جا رہا ہے۔

(۳) صحابہ و تابعین ﷺ نے اس روایا کی تفسیر یعنی روایت سے کی ہے اور مراد اس سے معراج کا واقعہ ہے، جو بہت سے کمزور لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گیا اور وہ مرتد ہو گئے۔ اور درخت سے مراد ذ قوم (تحوہر) کا درخت ہے، جس کا مشاہدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج، جنم میں کیا۔ الْمَلْعُونَةَ سے مراد، کھانے والوں پر یعنی جہنمیوں پر لعنت۔ جیسے دوسرے مقام پر ﴿ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقْوْرِهِ طَعَامُ الْأَشْتِيِّ ﴾ (الدخان: ۲۲، ۲۳) ”ز قوم کا درخت گناہ گاروں کا کھانا ہے۔“

(۴) یعنی کافروں کے دلوں میں جو خبث و عناد ہے، اس کی وجہ سے نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے، ان کی سرکشی و طغیانی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے، لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز بست تھوڑے لوگوں کے، اپنے بس^(۱) میں کرلوں گا۔ (۶۲)

ارشاد ہوا کہ جان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جنم ہے جو پورا پورا بدله ہے۔ (۶۳) ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بہکا کے بہکا^(۲) لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لے^(۳) اور ان کے مال اور اولاد میں سے اپنا بھی ساجھا لگا^(۴) اور انہیں (جھوٹے) وعدے دے لے۔^(۵) ان سے جتنے بھی وعدے شیطان کے ہوتے ہیں سب کے سرا سر فریب ہیں۔^(۶) (۶۳)

قَالَ أَرْسَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَوَّمْتَ عَلَىٰ لَهُنَّ أَخْرَيْنَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا حَتَّىٰ كَنَّ ذُرْيَّةً إِلَّا قَبِيلًا^(۶)

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَسْعَكَ مِنْهُمْ فَأُنَّ جَهَنَّمَ جَرَاؤُكُمْ
جَرَاءً مَوْفُورًا^(۷)
وَاسْتَغْرِزُ مِنْ أَسْتَطْعَتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَآجِلْ
عَلَيْهِمْ وَمَيْلَكَ وَرِجْلَكَ وَشَارُكُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَدَدِ
وَعَدْهُمْ وَمَا يَعْدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا^(۸)

(۱) یعنی اس پر غلبہ حاصل کرلوں گا اور اسے جس طرح چاہوں گا، گمراہ کرلوں گا۔ البتہ تھوڑے سے لوگ میرے داؤ سے بچ جائیں گے۔ آدم علیہ السلام والبیس کا یہ قصد اس سے قبل سورہ بقرۃ، اُمُّر اور حجر میں گزر چکا ہے۔ یہاں چوتھی مرتبہ اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں سورہ کف، طہ اور سورہ ص میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔

(۲) آواز سے مراد پر فریب دعوت یا گانے، موسيقی اور لہو و لعب کے دیگر آلات ہیں، جن کے ذریعے سے شیطان بکثرت لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

(۳) ان لشکروں سے مراد، انسانوں اور جنوں کے وہ سوار اور پیادے لشکر ہیں جو شیطان کے چلیے اور اس کے پیروکار ہیں اور شیطان ہی کی طرح انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں، یا مراد ہے ہر ممکن ذرائع جو شیطان گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

(۴) مال میں شیطان کی مشارکت کا مطلب حرام ذریعے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا ہے اور اسی طرح مویشیوں کو بتوں کے ناموں پر وقف کر دینا مثلاً بحیرہ، سائبہ وغیرہ۔ اور اولاد میں شرکت کا مطلب، زنا کاری، عبد الالات و عبد العزیز وغیرہ نام رکھنا، غیر اسلامی طریقے سے ان کی تربیت کرنا کہ وہ برے اخلاق و کردار کے حامل ہوں، ان کو تنگ دستی کے خوف سے ہلاک یا زندہ درگور کر دینا، اولاد کو مجوہ، یہودی و نصرانی وغیرہ بنانا اور بغیر منسون دعا پڑھے یہوی سے ہم بستری کرنا وغیرہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔

(۵) کہ کوئی جنت دوزخ نہیں ہے، یا مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے وغیرہ۔

(۶) غُرُور (فریب) کا مطلب ہوتا ہے غلط کام کو اس طرح مزین کر کے دکھانا کہ وہ اچھا اور درست لگے۔

میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی قابو اور بس نہیں۔^(۱) تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے۔^(۲) (۶۵)

تمہارا پرو ر دگار وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ وہ تمہارے اپر بت ہی میریان ہے۔^(۳) (۶۶)

اور سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی جنمیں تم پکارتے تھے سب گم ہو جاتے ہیں صرف وہی اللہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔^(۴) (۶۷)

تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین) میں دھنادے یا تم پر پھرلوں کی آندھی بھیج دے۔^(۵) پھر تم اپنے لیے کسی نگبان کونہ پا سکو۔ (۶۸)

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ پھر تمہیں دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور تم پر تیز و تنہ

إِنَّ عَبْدَهُ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكُفَّىٰ بِرَبِّكَ وَكُبْلًا ۝

رَبُّكُمُ الَّذِي يُرْجِعُ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَتَبَعُوا مِنْ فَضْلِهِ
إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ حَرَجٌ مِّمَّا ۝

وَإِذَا مَسَّكُمُ الْقُرْبَنِ الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِنَّهُ
فَلَنَّا بِعِنْدِكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْنَا وَكَانَ الْإِنْسَانُ لَكُفُورًا ۝

أَفَأَمْنِثُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ النَّبِرِ أَوْ يُؤْسِلَ
عَلَيْكُمْ حَاصِبَاتُهُ لَا يَعْدُوا الْكُفُورَ وَكُبْلًا ۝

أَمْ أَمْنِثُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِي هَتَّارَةٍ أُخْرَى فَيُؤْسِلَ

(۱) بندوں کی نسبت اپنی طرف کی، یہ بطور شرف اور اعزاز کے ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خاص بندوں کو شیطان برکانے میں ناکام رہتا ہے۔

(۲) یعنی جو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اسی پر اعتماد اور توکل کرتا ہے تو اللہ بھی اس کا دوست اور کارساز بن جاتا ہے۔

(۳) یہ اس کا فضل اور رحمت ہی ہے کہ اس نے سمندر کو انسانوں کے تابع کر دیا ہے اور وہ اس پر کشتیاں اور جہاز چلا کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے اور کاروبار کرتے ہیں، نیز اس نے ان چیزوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی جن میں بندوں کے لیے منافع اور مصالح ہیں۔

(۴) یہ مضمون پسلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔

(۵) یعنی سمندر سے نکلنے کے بعد تم جو اللہ کو بھول جاتے ہو تو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ خشکی میں بھی تمہاری گرفت کر سکتا ہے، تمہیں وہ زمین میں دھنادکتا ہے یا پھرلوں کی بارش کر کے تمہیں ہلاک کر سکتا ہے، جس طرح بعض گزشتہ قوموں کو اس نے اس طرح ہلاک کیا۔

ہواں کے جھونکے بھیج دے اور تمہارے کفر کے باعث تمہیں ڈبو دے۔ پھر تم اپنے لیے ہم پر اس کا دعویٰ (چھپا) کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے۔^(۱) (۲۹)

یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی^(۲) اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں^(۳) دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں^(۴) دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔^(۵) (۲۰)

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا إِنَّ الرَّبِّ يُحِبُّ قَوْمًا أَكْفَارًا
ثُلَّاً يَحْدُو الْكُمَّ عَيْنَاهُ يَتَبَعًا^(۶)

وَلَقَدْ كَرِمَنَا بَنِي آدَمَ وَحَلَّنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ
الظَّيْبَاتِ وَفَصَلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِنْ خَلْقَنَا لِغَيْرِهِ^(۷)

(۱) فَاصِفٌ ایسی تند و تیز سمندری ہوا جو کشتیوں کو توڑ دے اور انہیں ڈبو دے۔ تَبَيَّنَا انتقام لینے والا، چھا کرنے والا، یعنی تمہارے ذوب جانے کے بعد ہم سے پوچھئے کہ تو نے ہمارے بندوں کو کیوں ڈبوایا؟ مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ سمندر سے بہ خیریت نکلنے کے بعد، کیا تمہیں دوبارہ سمندر میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ اور وہاں وہ تمہیں گرداب بلا میں نہیں پھسا سکتا؟

(۲) یہ شرف اور فضل، بہ حیثیت انسان کے، ہر انسان کو حاصل ہے چاہے مومن ہو یا کافر۔ کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔ جس طرح کی شکل و صورت، قدو قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو دی گئی ہے، جس کے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزوں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط و صحیح، مفید و مضر اور حسین و فتح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔ اسی عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا اور انہیں اپنے تابع رکھتا ہے۔ اسی عقل و شعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزوں تیار کرتا ہے، جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ چنان، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزوں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔

(۳) خشکی میں وہ گھوڑوں، چخروں، گدھوں، اونٹوں اور اپنی تیار کردہ سواریوں (ریلیں، گاڑیاں، بسیں، ہوائی جماز، سائکل اور موڑ سائکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور اسی طرح سمندر میں کشتیاں اور جماز ہیں جن پر وہ سوار ہوتا ہے اور سامان لاتا لے جاتا ہے۔

(۴) انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل اس نے پیدا کیے ہیں اور ان میں جو جولڈ میں، ڈائلنے اور قوتیں رکھیں ہیں۔ انواع و اقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ و مرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرح مرکبات و مشروبات اور خمیرے اور مجونات، انسان کے علاوہ اور کس مخلوق کو حاصل ہیں؟

(۵) مذکورہ تفصیل سے انسان کی، بہت سی مخلوقات پر، فضیلت اور برتری واضح ہے۔

جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشواسمیت^(۱) بلا میں گے۔ پھر جن کا بھی اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ تو شوق سے اپنا نامہ اعمال پڑھنے لگیں گے اور دھاگے کے برابر (زدہ برابر) بھی ظلم نہ کیے جائیں گے۔^(۲) (۱۷)

اور جو کوئی اس جہان میں اندر ہارہا، وہ آخرت میں بھی اندر ہا اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا رہے گا۔^(۳) (۷۲)
یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے کہ آپ اس کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھر گھرالیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا ولی دوست بنایتے۔^(۴) (۷۳)

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے۔^(۵) (۷۴)

پھر تو ہم بھی آپ کو دو ہر اعداب دنیا کا کرتے اور دو ہر اسی موت کا،^(۶) پھر آپ تو اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کسی کو مد دگار بھی نہ پاتے۔^(۷) (۷۵)

يَوْمَ نَذِّعُوا كُلَّ أُنَيْسٍ بِإِيمَانِهِمْ فَمَنْ أُفْتَنَ بِكُتُبِنَا يَمْبَيِّنُهُ
فَأُولَئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتَيْلًا^(۸)

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ الْأَغْنَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَغْنَى
وَأَصْلُ سَيِّلًا^(۹)

فَلَنْ كَادُوا لَيَقْتُلُنِي عَنِ الدِّينِ أَوْ حَيَّنِي إِلَيْكَ
لِتَقْتَرَى عَلَيْنَا غَيْرُهُ وَلَذِ الْأَخْذُوكَ خَلِيلًا^(۱۰)

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتَنِي لَعْدِكُنْ تَرْكُنْ إِلَيْهِمْ سَيِّلَلِيلًا^(۱۱)

إِذَا لَدَقْنَكَ ضَعْفَ الْحَيَاةِ وَضَعْفَ الْهَمَّاتِ ثُقُلَّا يَعْدُكَ
عَلَيْنَا تَصِيرًا^(۱۲)

(۱) إمام کے معنی پیشووا، لیدر اور قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پیغمبر ہے یعنی ہرامت کو اس کے پیغمبر کے حوالے سے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں، اس سے آسمانی کتاب مراد ہے جو انبیا کے ساتھ نازل ہوتی رہیں۔ یعنی اے اہل تورات! اے اہل انجیل! اور اے اہل قرآن! وغیرہ کہ کے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں یہاں "امام" سے مراد نامہ اعمال ہے یعنی ہر شخص کو جب بلا یا جائے گا تو اس کا نامہ اعمال اس کے ساتھ ہو گا اور اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی رائے کو امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے ترجیح دی ہے۔

(۲) فَتِيلٌ اس جعلی یا تاگے کو کہتے ہیں جو سمجھور کی گھنٹلی میں ہوتا ہے یعنی ذرہ برابر ظلم نہیں ہو گا۔

(۳) آغمی (اندھا) سے مراد دل کا اندر ہا ہے یعنی جو دنیا میں حق کے دیکھنے، سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے محروم رہا، وہ آخرت میں اندر ہا، اور رب کے خصوصی فضل و کرم سے محروم رہے گا۔

(۴) اس میں اس عصمت کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے، لیکن اللہ نے آپ ﷺ کو ان سے بچالیا اور آپ ﷺ زرا بھی ان کی طرف نہیں بھکے۔

(۵) اس سے معلوم ہوا کہ سزا قدر و منزلت کے مطابق ہوتی ہے۔

یہ تو آپ کے قدم اس سر زمین سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ آپ کو اس سے نکال دیں۔^(۱) پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت ہی کم ثہر پاتے۔^(۲) (۷۶)

ایسا ہی دستور ان کا تھا جو آپ سے پہلے رسول ہم نے بھیجے^(۳) اور آپ ہمارے دستور میں کبھی روبدل نہ پائیں گے۔^(۴) (۷۷)

نماز کو قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک^(۵) اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔^(۶) (۷۸)

وَلَنْ كَادُوا يَسْعُونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرُجُوكَ مِنْهَا
وَلَذَا لَيَبْتَوُنَ خَلْقَكَ إِلَّا قَلِيلًا^(۷)

سُنَّةَ مَنْ قَدَّارُسْنَا بَلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا يَحْدُدُ لُسْتَنَا بَعْدَ مِنْهَا^(۸)

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِلْمُؤْمِنِينَ إِلَى عَيْنِ الْيَمِّ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ
إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا^(۹)

(۱) یہ اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسے نکالنے کے لیے قریش مکنے تیار کی تھی، جس سے اللہ نے آپ کو بچالیا۔

(۲) یعنی اگر اپنے منصبے کے مطابق یہ آپ کو کسے نکال دیتے تو یہ بھی اس کے بعد زیادہ دری نہ رہتے یعنی عذاب الٰہی کی گرفت میں آجائے۔

(۳) یعنی یہ دستور پر انا چلا آ رہا ہے جو آپ ﷺ سے پہلے رسولوں کے لیے بھی بر تاجا تراہا ہے کہ جب ان کی قوموں نے انہیں اپنے وطن سے نکال دیا یا انہیں نکلنے پر مجبور کر دیا تو پھر وہ قومیں بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں۔

(۴) چنانچہ اہل مکہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی میدان بدر میں وہ عبرت ناک ذلت و شکست سے دوچار ہوئے اور چھ سال بعد ۸ ہجری میں مکہ ہی فتح ہو گیا اور اس ذلت و ہزیمت کے بعد وہ سراخانے کے قابل نہ رہے۔

(۵) دُلُوكُ کے معنی زوال (آفتاب ڈھلنے) کے اور غنی کے معنی تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد، ظهر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازوں ہیں اور قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن، نماز کے معنی میں ہے۔ اس کو قرآن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت بھی ہوتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آ جاتا ہے۔ جن کی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں اور جو امت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہیں۔

(۶) یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن کے فرشتوں اور رات کے فرشتوں کا جماعت ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ بنی اسرائیل) ایک اور حدیث میں ہے کہ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالاتکہ وہ خود خوب جانتا ہے ”تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟“ فرشتے

رات کے کچھ حصے میں تجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں^(۱) یہ زیادتی آپ کے لیے^(۲) ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔^(۳) (۷۹)

اور دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں لے جا چھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرمادے۔^(۴) (۸۰)

وَمِنَ الْأَئِلَّا مَهَجَدِهِ نَافِلَةٌ لَكَ تَعَمَّلْ أَنْ يَعْتَثَكْ
رَبُّكَ مَقَانًا تَخْبُرُهَا^(۵)

وَقُلْ رَبِّيْ أَكُوْلُكُ مُدْخَلَ صَدْقَةٍ وَآخِرَجْنِيْ مُغْرِبَةً صَدْقَةٍ
وَاجْعَلْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا تَصِيرًا^(۶)

کہتے ہیں کہ ”جب ہم ان کے پاس گئے تھے، اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو انہیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔“ (البخاری کتاب المواقیت، باب فضل صلوٰۃ العصر و مسلم باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیہما)

(۱) بعض کہتے ہیں تجد اضداد میں سے ہے جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور نیند سے بیدار ہونے کے بھی۔ اور یہاں یہی دو سرے معنی ہیں کہ رات کو سوکراٹھیں اور نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وجود کے اصل معنی تورات کے سونے کے ہی ہیں، لیکن باب تفعیل میں جانے سے اس میں تجنب کے معنی پیدا ہو گئے۔ جیسے نائم کے معنی ہیں، اس نے گناہ سے احتساب کیا یا بچا۔ اسی طرح تجد کے معنی ہوں گے، سونے سے بچنا اور متهجّد وہ ہو گا جو رات کو سونے سے بچا اور قیام کیا۔ بہر حال تجد کا مفہوم رات کے پچھلے پر اٹھ کر نوافل پڑھنا ہے۔ ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تجد پڑھتے۔ یہی طریقہ سنت ہے۔

(۲) بعض نے اس کے معنی کیے ہیں یہ ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لیے خاص ہے، اس طرح وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تجد بھی اسی طرح فرض تھی، جس طرح پانچ نمازوں فرض تھیں۔ البتہ امت کے لیے تجد کی نماز فرض نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نافلۃ (زادہ) کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجد کی نماز آپ ﷺ کے رفع درجات کے لیے زائد چیز ہے، کیونکہ آپ ﷺ تو مغفور الذنب ہیں، جب کہ امتیوں کے لیے یہ اور دیگر اعمال خیر کفارہ سینات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نافلۃ نافلہ ہی ہے یعنی نہ آپ ﷺ پر فرض تھی نہ آپ ﷺ کی امت پر۔ یہ ایک زائد عبادت ہے جس کی فضیلت یقیناً بست ہے اور اس وقت اللہ اپنی عبادت سے برا خوش ہوتا ہے، تاہم یہ نماز فرض و واجب نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی اور نہ آپ ﷺ کی امت پر ہی فرض ہے۔

(۳) یہ وہ مقام ہے جو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ ﷺ وہ شفاعة عظیٰ فرمائیں گے، جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہو گا۔

(۴) بعض کہتے ہیں کہ یہ بھرت کے موقعے پر نازل ہوئی جب کہ آپ کو مدینے میں داخل ہونے اور کے سے نکلنے کا مسئلہ درپیش تھا، بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں مجھے سچائی کے ساتھ موت دینا اور سچائی کے ساتھ قیامت والے دن

اور اعلان کر دے کہ حق آچکا اور ناحق نابود ہو گیا۔ یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔^(۸۱)

یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مونوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔^(۸۲)

اور انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔^(۸۳)

کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر عامل ہے جو پوری ہدایت کے راستے پر ہیں انہیں تمہارا رب ہی بخوبی جانے^(۸۴) والا ہے۔^(۸۳)

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَذَفَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَفُوقًا^(۸۵)

وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنَ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُهُمَّمِينَ وَلَا يَنْبُدُ
الظَّلَمُ إِلَّا فَإِذَا^(۸۶)

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَغْرَضَ وَنَأْجَانِيهُ وَإِذَا مَسَّهُ
الثُّرُكَانَ يَنْوِسُهَا^(۸۷)

فَلْ مَنْ يَعْمَلْ عَلَى شَكِيلِهِ فَرِيقُهُ أَعْلَمُ بِهِنْ
هُوَ أَهْدَى سَيِّلًا^(۸۸)

امہانا۔ بعض کہتے ہیں کہ مجھے قبر میں سچا داخل کرنا اور قیامت کے دن جب قبر سے اٹھائے تو سچائی کے ساتھ قبر سے نکالنا، وغیرہ۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ دعا ہے اس لیے اس کے عموم میں یہ سب باتیں آجائیں ہیں۔

(۱) حدیث میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو ہاں تمیں سو ساٹھ بست تھے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ ﷺ چھڑی کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَذَفَقَ الْبَاطِلُ﴾..... اور ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُبَدِّيُ﴾ پڑھتے جاتے (صحیح بخاری، تفسیر بنی إسرائیل و کتاب المظالم، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر، و مسلم، الجہاد، باب إزالة الأصنام من حول الكعبة)

(۲) اس مفہوم کی آیت سورہ یونس ۷۵ میں گزر چکی ہے، اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمالیا جائے۔

(۳) اس میں انسان کی اس حالت و کیفیت کا ذکر ہے جس میں وہ عام طور پر خوش حالی کے وقت اور تکلیف کے وقت بتلا ہوتا ہے۔ خوش حالی میں وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور تکلیف میں مایوس ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں اس سے مختلف ہوتا ہے۔ دیکھئے سورہ ہود کی آیات ۹-۱۱ کے حواشی۔

(۴) اس میں مشرکین کے لیے تهدید و عید ہے اور اس کا وہی مفہوم ہے جو سورہ ہود کی آیت ۱۲۱-۱۲۲ کا ہے ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُنَّا لَغَلِبُونَ﴾ شاکلہ کے معنی نیت، دین، طریقہ اور مزاج و طبیعت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں کافر کے لیے ذم اور مومن کے لیے مدح کا پسلو ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر انسان ایسا عمل کرتا ہے جو اس کے اخلاق و کردار پر منی ہوتا ہے جو اس کی عادت و طبیعت ہوتی ہے۔

اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ جواب دے دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بتھی کم علم دیا گیا ہے۔^(۱) (۸۵)

اور اگر ہم چاہیں تو جو وہی آپ کی طرف ہم نے اتاری ہے سب سلب کر لیں،^(۲) پھر آپ کو اس کے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی میرمنہ آسکے۔^(۳) (۸۶)

سوائے آپ کے رب کی رحمت کے،^(۴) یقیناً آپ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے۔^(۵) (۸۷)

کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔^(۶) (۸۸)

ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لیے ہر طرح سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں، مگر کثر لوگ انکار

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّنَا
وَمَا أَوْتَيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَنْيَلًا^(۱)

وَكَيْنُ شَنَنَ النَّذَهَنَ يَالَّذِي أَوْجَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ
لَا يَهْدِي لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكَيْلًا^(۲)

إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ لَمْ فَضَلْهَ كَانَ عَلَيْكَ كِبِيرًا^(۳)

فُلِّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْأَنْسَوْلَجِنْ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا
الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْكَازَ يَعْصِمُ بِعَصْمِ طَهِيرًا^(۴)

وَلَقَدْ صَرَفَنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَشَقٍ
وَأَلْيَ الْكُرْلَنَاسِ إِلَّا كُفُورًا^(۵)

(۱) روح، وہ لطیف شیء ہے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضرہ ہے۔ اس کی حقیقت و ماهیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہودیوں نے بھی ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت پوچھا تو یہ آیت اتری، 'صحیح بخاری' تفسیر سورۃ بنی إسرائیل و مسلم، کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب سؤال اليهود النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الروح، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا علم، اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے، اور یہ روح، جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کا علم تو اللہ نے انبیاء سمیت کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ بس اتنا سمجھو کر یہ میرے رب کا امر (حکم) ہے۔ یا میرے رب کی شان میں سے ہے جس کی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔

(۲) یعنی وہی کے ذریعے سے جو تھوڑا بہت علم دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بھی سلب کر لے یعنی دل سے محکر دے یا کتاب سے ہی مٹا دے۔

(۳) جو دوبارہ اس وہی کو آپ کی طرف لوٹا دے۔

(۴) کہ اس نے نازل کردہ وہی کو سلب نہیں کیا یا وہی الٰہی سے آپ ملکہ^{اللہ} کو مشرف فرمایا۔

(۵) قرآن مجید سے متعلق یہ چیز اس سے قبل بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہ چیز آج تک تشنہ جواب ہے۔

سے باز نہیں آتے۔^(۱) (۸۹)

انہوں نے کہا^(۲) کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے کے نہیں تاو قتکہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں۔^(۹۰)

یا خود آپ کے لیے ہی کوئی باغ ہو سمجھو روں اور انگروں کا اور اس کے درمیان آپ بت سی نہیں جاری کر دکھائیں۔^(۹۱)

یا آپ آسمان کو ہم پر نکڑے نکڑے کر کے گردیں جیسا کہ آپ کامگان ہے یا آپ خود اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں۔^(۹۲)

یا آپ کے اپنے لیے کوئی سونے^(۳) کا گھر ہو جائے یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نہ اتمار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں، آپ جواب دے دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔^(۹۳)

وَقَالُوا نَلْهُنَّ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجِرَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا^(۱)

أَوْلَمْ كُنَّ لَكَ جَهَنَّمَ مِنْ تَخْبِيلٍ وَعَذَابٍ فَتَغْيِيرٌ

إِلَّا نَهَرَ خَلَمَهَا تَفْجِيرًا^(۲)

أَوْ سُقْطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِيفًا أَوْ تَأْنِي بِاللَّهِ
وَالْمَلِكَةَ قَبِيلًا^(۳)

أَوْلَمْ كُنَّ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقِيٍ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ تُؤْمِنَ
لِرُقِيقٍ حَتَّىٰ تُنْزَلَ عَلَيْنَا كِتَابٌ قَرُوفٌ قُلْ مُسْحَانَ رَبِّ هَنَّ
كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا إِسْرَافِ^(۴)

(۱) یہ آیت اسی سورت کے شروع میں بھی گزر چکی ہے۔

(۲) ایمان لانے کے لیے قریش مکہ نے یہ مطالبات پیش کیے۔

(۳) یعنی ہمارے رو برو آکر کھڑے ہو جائیں اور ہم انسیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

(۴) زُخْرُف کے اصل معنی زینت کے ہیں مُزَخَرْفٌ مزین چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے معنی سونے کے ہیں۔

(۵) یعنی ہم میں سے ہر شخص اسے صاف صاف خود پڑھ سکتا ہو۔

(۶) مطلب یہ ہے کہ میرے رب کے اندر تو ہر طرح کی طاقت ہے، وہ چاہے تو تمہارے مطالبے آن واحد میں لفظ "کُنْ" سے پورے فرمادے۔ لیکن جماں تک میرا تعلق ہے میں تو (تمہاری طرح) ایک بشری ہوں۔ کیا کوئی بشران چیزوں پر قادر ہے؟ جو مجھ سے ان کا مطالبہ کرتے ہو۔ ہاں، اس کے ساتھ میں اللہ کا رسول بھی ہوں۔ لیکن رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، سو وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔ لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانیا یہ رسالت کا حصہ نہیں ہے۔ البتہ اگر اللہ چاہے تو صدق رسالت کے لیے ایک آدھ مجیدہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر

لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ کرنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انہوں نے کما کیا اللہ نے ایک انسان کو ہی رسول بنانا کر بھیجا؟^(۱) (۹۳)

آپ کہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بنتے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنانا کر بھیجتے۔^(۲) (۹۵)

کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا کافی ہے۔^(۳) وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ اور بخوبی دیکھنے والا ہے۔^(۴) (۹۶)

اللہ جس کی رہنمائی کرے وہ تو ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ راہ سے بھٹکا دے ناممکن ہے کہ تو اس کا مددگار اس کے سوا کسی اور کو پائے،^(۵) ایسے لوگوں کا ہم بروز قیامت اوندوں سے منہ حشر کریں گے،^(۶) دراں حالیکہ وہ

وَنَأَمْنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا لِذِجَاءِهِمُ الْمُهَدِّى لِلَانْ قَالُوا إِنَّا بَعْثَتَ اللَّهُ بَشَرًا إِنَّا سُولًا^(۷)

قُلْ لَوْكَانَ فِي الْأَرْضِ مَلِكَةٌ يَشْوَّهُ مُظَاهِرَيْنَ لَتَرَلَنَا عَلَيْهِمْ مُّعِينَ السَّمَاءَ مَلَكًا تَسْوُلًا^(۸)

قُلْ كُفَنِي يَا اللَّهُ شَهِيدًا لِّي وَبِئْنَكُنُوا إِنَّهُ كَانَ يَجَادِهِ خَيْرُرَ الْبَصِيرًا^(۹)

وَمَنْ يَهْدِي أَنَّهُ فَهُوَ الْمُهَتَّدِ وَمَنْ يُفْسِلُ فَكُنْ يَعْدَ لَهُمْ أَوْلَيَادِهِ مِنْ دُونِهِ وَتَحْسِرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَى وُجُوهِهِمْ عُمَيْدًا وَبِكُمَا وَصَنَّا مَا وَهُوَ جَهَنَّمُ كَلِمَاتُ رَبِّنَاهُمْ سَعِيدُوا^(۱۰)

اگر مجرزے دکھانے شروع کر دیئے جائیں تو یہ سلسلہ تو کمیں بھی جا کر نہیں رک سکے گا، ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق نیا مجرزہ دیکھنے کا آرزو مند ہو گا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا، تبلیغ و دعوت کا اصل کام ٹھپ ہو جائے گا۔ اس لیے مجرزات کا صدور صرف اللہ کی مشیت سے ہی ممکن ہے اور اس کی مشیت اس حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتی ہے، جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ میں بھی اس کی مشیت میں دخل اندازی کا مجاز نہیں۔

(۱) یعنی کسی انسان کا رسول ہوتا، کفار و مشرکین کے لیے سخت تعجب کی بات تھی، وہ یہ بات مانتے ہی نہیں تھے کہ ہمارے جیسا انسان، جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح انسانی رشتہوں میں مسلک ہے، وہ رسول بن جائے۔ یہی استحقاب ان کے ایمان میں مانع رہا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب زمین میں انسان بنتے ہیں تو ان کی ہدایت کے لیے رسول بھی انسان ہی ہوں گے۔ غیر انسان رسول، انسانوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دے ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر زمین میں فرشتے بنتے ہوتے تو ان کے لیے رسول بھی یقیناً فرشتے ہی ہوتے۔

(۳) یعنی میرے ذمے جو تبلیغ و دعوت تھی، وہ میں نے پنچا دی، اس بارے میں میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے، کیونکہ ہر چیز کا فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔

(۴) میری تبلیغ و دعوت سے کون ایمان لاتا ہے، کون نہیں، یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام صرف تبلیغ ہی ہے۔

(۵) حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رض نے تعجب کا اظہار کیا کہ اوندوں سے من کس طرح حشر ہو گا؟ نبی صلی اللہ علیہ

اندھے گونگے اور برسے ہوں گے،^(۱) ان کا ٹھکانا جنم ہو گا۔ جب کبھی وہ بجھنے لگے گی ہم ان پر اسے اور بھڑکا دیں گے۔^(۲)

یہ سب ہماری آئیوں سے کفر کرنے اور اس کھنے کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزے ریزے ہو جائیں گے پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھا کھڑے کیے جائیں^(۳) گے؟^(۴)

کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے،^(۵) اسی نے ان کے لیے ایک ایسا وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک شب سے یکسر غالی ہے،^(۶) لیکن ظالم لوگ انکار کیے بغیر رہتے ہی نہیں۔^(۷)

ذلِکَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّهُمْ نَفَرُوا إِلَيْنَا وَقَالُوا إِنَّا كُنَّا عِظَامًا
وَرُفَاقًا إِذَا مُبَعَّثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا^(۸)

أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَى
أَنْ يُخْلِقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا يَبْيَغُ فِيهِ قَبْلَ الظَّاهِرِ
إِلَّا لُكُورًا^(۹)

مسلم نے فرمایا ”جس اللہ نے ان کو پیروں سے چلنے کی قوت عطا کی ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں مدد کے بل چلا دے“ (صحیح بخاری ‘سورۃ الفرقان’ مسلم، صفة القيامة والجنة والنار، باب یحشر الکافر علی وجوہہ)

(۱) یعنی جس طرح وہ دنیا میں حق کے معاملے میں اندھے، برسے اور گونگے بنے رہے، قیامت والے دن بطور جزا اندھے، برسے اور گونگے ہوں گے۔

(۲) یعنی جنم کی یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ انہوں نے ہماری نازل کردہ آیات کی تصدیق نہیں کی اور کائنات میں پھیلی ہوئی تکوئی آیات پر غور و فکر نہیں کیا، جس کی وجہ سے انہوں نے وقوع قیامت اور بعثت بعد الموت کو محال خیال کیا اور کہا کہ ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد ہمیں ایک نئی پیدائش کس طرح مل سکتی ہے؟

(۳) اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، وہ ان جیسوں کی پیدائش یا دوبارہ انہیں زندگی دینے پر بھی قادر ہے، کیونکہ یہ تو آسمان و زمین کی تخلیق سے زیادہ آسان ہے، ﴿لَخَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ
مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن - ۵۴) ”آسمان اور زمین کی پیدائش“ انسانوں کی تخلیق سے زیادہ بڑا اور مشکل کام ہے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف - ۳۳ میں اور سورۃ یاسین - ۸۲-۸۱ میں بھی، بیان فرمایا ہے۔

(۴) اس اجل (وقت مقرر) سے مراد موت یا قیامت ہے۔ یہاں سیاق کلام کے اعتبار سے قیامت مراد لینا زیادہ صحیح ہے، یعنی ہم نے انہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ﴿وَمَا نُؤْمِنُ بِالْأَجْنِ
مَعْدُودٍ﴾ (ہود - ۳۰) ”ہم ان کے معاملے کو ایک وقت مقرر تک کے لیے ہی مؤخر کر رہے ہیں۔“

کہ دیجئے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاتے تو تم اس وقت بھی اس کے خرچ ہو جانے^(۱) کے خوف سے اس کو روکے رکھتے اور انسان ہے ہی نگ دل۔ (۱۰۰)

ہم نے موئی کو نو مجرزے^(۲) بالکل صاف صاف عطا فرمائے، تو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو فرعون بولا کہ اے موئی! میرے خیال میں تو تجوہ پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (۱۰۱)

فُلْ لَوْأَنْدُكُمْ تَبَلُّكُونَ خَرَآءِنَ رَحْمَةَ رَبِّي إِذَا لَأْمَسْكَتْمُ
خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَبْرُواً

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى تَسْمِيَةَ يَعْنَتْ فَقُلْ بَنْجَى إِسْرَائِيلَ إِنْجَارَمُ
فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَكَفِيلٌ كَمَنْدَكَ مَوْسَى مَسْحُورًا

(۱) خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ کا مطلب ہے خَشْيَةَ أَنْ يُنْفِقُوا فَيَقْتَرُوا ”اس خوف سے کہ خرچ کر کے ختم کر دالیں گے، اس کے بعد فقیر ہو جائیں گے۔“ حالانکہ یہ خزانہ الہی ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔ لیکن چونکہ انسان نگ دل واقع ہوا ہے، اس لیے بھل سے کام لیتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَمْلَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا الْأُبُوْثُونَ إِلَّا سَأَسْأَلُهُمْ نَقِيْرًا﴾ — (النساء: ۵۲) یعنی ”ان کو اگر اللہ کی بادشاہی میں سے کچھ حصہ مل جائے تو یہ لوگوں کو کچھ نہ دیں“ نقیر کھجور کی گلخانی میں جو گڑھا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، یعنی قل بر ابر بھی کسی کو نہ دیں۔ یہ تو اللہ کی مریانی اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے خزانوں کے منہ لوگوں کے لیے کھولے ہوئے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے ”اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن خرچ کرتا ہے، لیکن اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو سی“ جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں، کس قدر خرچ کیا ہو گا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں۔ (وہ بھرے کے بھرے ہیں) (البخاری۔ کتاب التوحید۔ باب وکان عرضہ علی الماء۔ مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب الحث علی النفقة وتبشير المنفق بالخلف)

(۲) وہ نو مجرزے ہیں۔ ہاتھ لاٹھی، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، جراد (ڈی دل)، قمل (کھٹل)، جو میں (ضفادع (مینڈک) اور خون۔ امام حسن بصری کہتے ہیں، کہ قحط سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواس مجرزہ لاٹھی کا جادو گروں کی شعبدہ بازی کو نگل جانا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ بھی مجرزات دیئے گئے تھے مثلاً لاٹھی کا پتھر بارنا، جس سے بارہ چیزوں ظاہر ہو گئے تھے۔ بادلوں کا سایہ کرنا، من و سلوی وغیرہ۔ لیکن یہاں آیات تسعہ سے صرف وہی نو مجرزات مراد ہیں، جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آنفلائق بعذر (سند رکا پھٹ کر راستہ بن جانا) کو بھی ان نو مجرزات میں شامل کیا ہے اور قحط سالی اور نقص ثمرات کو ایک مجرزہ شامل کیا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں آیات تسعہ کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے۔ لیکن سند اور روایت ضعیف ہے، اس لیے آیات تسعہ سے مراد یہی مذکورہ مجرزات ہیں۔

مویٰ نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان و زمین کے پور و گارہی نے یہ مجرمے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں، اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً بر باد وہ لک کیا گیا ہے۔^(۱۰۲)

آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں زمین سے ہی اکھیزدے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔^(۱۰۳)

اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اس سرزین^(۱) پر تم رہو سو۔ ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم سب کو سمیٹ اور پیٹ کر لے آئیں گے۔^(۱۰۴)

اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ بھی حق کے ساتھ اترा۔^(۲) ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا^(۳) بنایا کہ بھیجا ہے۔^(۱۰۵)

قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا^(۴) ہے کہ آپ اسے بے مہلت لوگوں کو ناکیں اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا۔^(۱۰۶)

فَاللَّهُ عَلَىٰ مَا أَنْزَلَ هُوَ الْأَكْرَبُ الشَّمُوتُ وَالْأَرْضُ بَصَلَرٌ
وَإِنَّ لَكُلَّتَكَ لِغُورَنَوْ مَبْرُورًا^(۱)

فَلَرَادَنْ يَسْتَفِرُ هُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرِقْنَهُوَ مَنْ مَعَهُ حَيْيَنَا^(۲)

وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِيَقِنَّا إِنَّهُ أَنْلَىٰ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَهُ
وَعَدُ الْآخِرَةِ حِنْتَنَا لِكُمْ لَفِيفًا^(۳)

وَبِالْعَنْ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَنْسَلْنَاهُ الْمُبَشِّرُوَنَدِيرَا^(۴)

وَقُرَآنًا فَرَقْنَهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَىٰ النَّاسِ عَلَىٰ نُكْثٍ وَأَنْزَلْنَاهُ تَنْزِيلًا^(۵)

(۱) بظاہر اس سرزین سے مراد مصر ہے، جس سے فرعون نے مویٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر تاریخ بنی اسرائیل کی شہادت یہ ہے کہ وہ مصر سے نکلنے کے بعد دوبارہ مصر نہیں گئے، بلکہ چالیس سال میدان تھی میں گزار کر فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس کی شہادت سورہ اعراف وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد فلسطین کی سرزین ہے۔

(۲) یعنی بہ حفاظت آپ تک پہنچ گیا، اس میں راستے میں کوئی کمی بیشی اور کوئی تبدیلی اور آمیزش نہیں کی گئی۔ اس لیے کہ اس کو لانے والا فرشتہ شَدِينَدُ الْقُوَى، الْأَمِينُ، الْمَكِينُ اور الْمُطَاعُ فِي الْمَلَأِ الْأَعْلَى ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

(۳) مُبَشِّر، اطاعت گزار مومن کے لیے اور ندیم نافرمان کے لیے۔

(۴) فَرَقْنَاهُ کے ایک دوسرے معنی بیٹناہ وَأَوْضَخَنَاهُ (بھنے اسے کھول کریا و ضاحت سے بیان کر دیا ہے) بھی کیے گئے ہیں۔

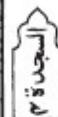
کہہ دیجئے! تم اس پر ایمان لاو یا نہ لاو، جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے پاس توجہ بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گرپڑتے ہیں۔ ^(۱) (۱۰۷)

اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ بلاشک و شبہ پورا ہو کر رہے ^(۲) والا ہی ہے۔ (۱۰۸)
وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روئے ہوئے سجدہ میں گرپڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع اور خضوع بڑھا دیتا ہے۔ ^(۳) (۱۰۹)

کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔ ^(۴) نہ تو تو اپنی نماز بنت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے۔ ^(۵) (۱۱۰)

قُلْ إِنَّمَا يُنَاهِيُهُ عَنِ الْأَتُورِ مَنْ أَنْتُو الْعَالَمُونَ مَنْ كَفَلَهُ إِذَا
يُكْثُلُ عَلَيْهِمْ يَخْرُجُونَ إِلَى الْأَذْقَانِ سُجَّدًا ^(۱)

وَنَقُولُونَ سُبْحَنَ رَبِّكَانْ كَانَ وَعْدُ رَبِّكَ الْمَفْعُولًا ^(۲)



وَبَخْرُونَ إِلَى الْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ^(۳)

قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ إِنَّا نَادَى عَوْاقِلَهُ الْإِنْجَلِ
الْحُسْنَى وَلَا يَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا يَغْلِطُ بِهَا
وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَيِّلًا ^(۴)

(۱) یعنی وہ علماء جنوں نے نزول قرآن سے قبل کتب سابقہ پڑھی ہیں اور وہ وحی کی حقیقت اور رسالت کی علامات سے واقف ہیں، وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں، اس بات پر اللہ کا شکردا کرتے ہوئے کہ انہیں آخری رسول ﷺ کی پہچان کی توفیق دی اور قرآن و رسالت پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ یہ کفار مکہ جو ہر چیز سے ناواقف ہیں، اگر یہ ایمان نہیں لاتے، تو آپ پروانہ کریں اس لیے کہ جو اہل علم ہیں اور وحی و رسالت کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ قرآن سن کرو وہ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہو گئے ہیں۔ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے اور رب کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

(۳) ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرپڑنے کا دوبارہ ذکر کیا، کیونکہ پہلا سجدہ اللہ کی تنظیم و تنزیہ کے لیے اور بطور شکر تھا اور قرآن سن کر جو خشیت و رقت ان پر طاری ہوئی اور اس کی تاثیر و اعجاز سے جس درجہ وہ متاثر ہوئے، اس نے دوبارہ انہیں سجدہ ریز کر دیا۔

(۴) جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ کے لیے اللہ کا صفتی نام "رحمٰن" یا "رحمٰیم" ناموس تھا اور بعض آثار میں آتا ہے کہ بعض مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یا رحمٰن و رحیم کے الفاظ نے تو کہا کہ ہمیں تو یہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو اور خود و معبودوں کو پکار رہا ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر)

(۵) اس کی شان نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپ

اور یہ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک و ساجھی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی حمایت کی ضرورت ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہا۔ (III)

سورہ کھف کی ہے اور اس میں ایک سو دس آیات اور بارہ روکوئے ہیں۔

بڑے مہربان اور سب سے زیادہ رحم کرنے والے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باتی نہ

وَقَلْلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَجِدْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ
فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْلِ وَلَكِرْهَةٌ كَيْفَ مِنْهُ ۝

سُورَةُ الْكَهْفِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ
لَهُ عَوْجَأً ۝

کر رہتے تھے، جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو آواز قدرے بلند فرمائیتے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو اور اللہ کو سب و شتم کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اپنی آواز کو اتنا اوپر نچانہ کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو برا بھلا کیں اور نہ آواز اتنی پست کرو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نہ سن سکیں۔ (البخاری۔ التوحید۔ باب قول الله تعالى أنزله بعلمه والملائكة يشهدون۔ و مسلم۔ الصلاة۔ باب التوسط في القراءة) خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اوپری آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے پوچھا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں جس سے مصروف مناجات تھا، وہ میری آواز سن رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتون کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اپنی آواز قدرے بلند کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، اپنی آواز کچھ پست رکھو، مشکوہ۔ باب صلوٰۃ اللیل، بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری و مسلم، بجواللہ فتح القدری)

☆ کف کے معنی غار کے ہیں۔ اس میں اصحاب کف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورہ کھف کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات کی فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ جوان کو یاد کرے اور پڑھے گا، وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا، (صحیح مسلم، فضل سورہ الکھف)، اور جو اس کی تلاوت جمعے کے دن کرے گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی، (مستدرک حاکم، ۲/۳۱۸ و صحیح الآلبانی

چھوڑی۔^(۱)

بلکہ ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک رکھا تاکہ اپنے^(۲) پاس کی
خت سزا سے ہوشیار کر دے اور ایمان لانے اور نیک
عمل کرنے والوں کو خوشخبریں سنادے کہ ان کے لیے
بہترین بدله ہے۔^(۲)

جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔^(۳)

اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
اولاد رکھتا ہے۔^(۳)^(۴)

درحقیقت نہ تو خود انہیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ
دادوں کو۔ یہ تمہت^(۳) بڑی بڑی ہے جو ان کے منہ سے
نکل رہی ہے وہ نرا جھوٹ بک رہے ہیں۔^(۵)

پس اگر یہ لوگ اس بات^(۵) پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان
کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر دیں گے؟^(۶)

قَيْمَالِيَّنِيَّرَ بَأْسَاسَ شَدِيدًا إِنْ لَدُنْهُ وَيُنَيِّرُ الْمُؤْمِنِينَ
الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّلِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا^(۷)

شَاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا^(۸)

وَيُنَزِّدُ الظَّالِمِينَ قَالُوا تَحْمَدَ اللَّهُ وَلَكُمْ^(۹)

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لَبَابٌ يَعْمَلُونَ كَلِمَةً
تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِذْنَ يَقُولُونَ إِلَّا كَذَبًا^(۱۰)

فَلَعْنَكَ بِأَنْجُونَهُ نَسَكَ عَلَى إِنْرِهْفَانَ لَعْنُوْقِنُوا
بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسْفًا^(۱۱)

فی صحيح الجامع الصغیر نمبر ۳۳۰۰ اس کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ
ایک صحابی ہمیشہ نے سورہ کاف پڑھی گھر میں ایک جانور بھی تھا، وہ بد کنا شروع ہو گیا، انہوں نے غور سے دیکھا کہ کیا بات
ہے؟ تو انہیں ایک بادل نظر آیا، جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی ہمیشہ نے اس واقعے کا ذکر جب نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، اسے پڑھا کرو۔ قرآن پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔ ”(صحیح بخاری‘

فضل سورۃ الكھف۔ مسلم ‘كتاب الصلوۃ’ بباب نزول السکینۃ بقراءۃ القرآن)

(۱) یا کوئی کبھی اور راہ اعدال سے انحراف اس میں نہیں رکھا بلکہ اسے قیم یعنی سیدھا رکھا۔ یا قیم کے معنی، بندوں کے
دنی و دنیوی مصالح کی رعایت و حفاظت کرنے والی کتاب۔

(۲) مِنْ لَدُنْهُ بِوَاسِ اللَّهِ طَرْفٍ سے صادر یا نازل ہونے والا ہے۔

(۳) جیسے یہودیوں، عیسائیوں اور بعض مشرکین (فرشته اللہ کی بیٹیاں ہیں) کا عقیدہ ہے۔

(۴) اس کلمہ (تمہت) سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جو زرا جھوٹ ہے۔

(۵) بِهَذَا الْحَدِيثِ (اس بات) سے مراد قرآن کریم ہے۔ کفار کے ایمان لانے کی جتنی شدید خواہش آپ ﷺ کر کتے
تھے اور ان کے اعراض و گریز سے آپ ﷺ کو جو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس میں آپ ﷺ کی اسی کیفیت اور جذبے
کا انعام ہے۔

روئے زمین پر جو کچھ^(۱) ہے ہم نے اسے زمین کی رونق
کا باعث بنایا ہے کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے
کون نیک اعمال والا ہے۔^(۷)

اس پر جو کچھ ہے ہم اسے ایک ہموار صاف میدان کر
ڈالنے والے ہیں۔^(۲)^(۸)

کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں
میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے؟^(۳)^(۹)
ان چند نوجوانوں نے جب غار میں پناہ لی تو دعا کی کہ
اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت
عطافما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کو
آسان کر دے۔^(۴)^(۱۰)

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِلنَّبُوْفُمُ أَيُّهُمْ
أَحْسَنُ عَمَلاً^(۱)

وَإِنَّا جَعَلْنَاهُ مَاعِلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا^(۲)

أَمْ حِبَّتْ أَنْ أَصْحَبَ الْكَهْفَ وَالرَّقْبَيْهِ كَانُوا مِنْ
الْمُتَنَاجِهِنَ^(۳)

إِذَا دَأَدَى الْفَتَنَى إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا مِنْ كَذُنُكَ
رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَدَدًا^(۴)

(۱) روئے زمین پر جو کچھ ہے، 'حیوانات'، 'جنادات'، 'نباتات'، 'معدنیات' اور 'ریگرڈ فون خزانے'، یہ سب دنیا کی زینت اور
اس کی رونق ہیں۔

(۲) صَعِيدًا صاف میدان، 'جُرُز' بالکل ہموار، جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو۔ یعنی ایک وقت آئے گا کہ یہ دنیا اپنی
تمام تر رونقون سمیت فتاہ ہو جائے گی اور روئے زمین ایک چیل اور ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی؛ اس کے بعد ہم
نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

(۳) یعنی یہ واحد بڑی اور عجیب نشانی نہیں ہے۔ بلکہ ہماری ہر نشانی ہی عجیب ہے۔ یہ آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کا
نظام، 'شمس و قمر' اور کواکب کی تسبیح، رات اور دن کا آنا جانا اور ریگرے شمار نشانیاں، کیا کم تجھ انجیز ہیں کھف؟، اس غار
کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں ہوتا ہے۔ رقیم، بعض کے نزدیک اس بستی کا نام ہے جہاں سے یہ نوجوان گئے تھے، بعض کہتے ہیں
اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار واقع تھا بعض کہتے ہیں رَقِيمٌ بمعنى مَرْقُومٌ ہے اور یہ ایک تختی ہے لوہے یا سیسے کی، جس
میں اصحاب کھف کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اسے رقم اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس پر نام تحریر ہیں۔ حالیہ تحقیق سے معلوم
ہوا کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے اس کے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے اب الرقب کہا جاتا
ہے جو مرور زمانہ کے سبب الرقب کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

(۴) یہ وہی نوجوان ہیں جنہیں اصحاب کھف کہا گیا، (تفصیل آگے آرہی ہے) انہوں نے جب اپنے دین کو بچاتے ہوئے
غار میں پناہ لی تو یہ دعماً مگی۔ اصحاب کھف کے اس قصے میں نوجوانوں کے لیے برا سبق ہے، آج کل کے نوجوانوں کا پیشتر
وقت فضولیات میں برباد ہوتا ہے اور اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ کاش! آج کے مسلمان نوجوان اپنی جوانیوں کو اللہ کی
عبادت میں صرف کریں۔

پس ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال تک اسی
غار میں پر دے ڈال دیے۔^(۱)
^(۲)

پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا کہ ہم یہ معلوم کر لیں کہ
دونوں گروہ میں سے اس انتہائی مدت کو جوانوں نے
گزاری کس نے زیادہ^(۳) یاد رکھی ہے۔^(۴)

ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرمارہے ہیں۔ یہ
چند نوجوان^(۵) اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے
ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی۔^(۶)

ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے^(۷) تھے جبکہ یہ اٹھ

فَضَرَبَنَا عَلَى أَذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِينِينَ عَدَدًا^(۸)

ثُقَّبَتْهُمْ لِنَعْلَمَ أَئِ الْجِزْبَيْنِ أَحْضَى لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا^(۹)

نَحْنُ نَعْصُ عَلَيْكَ بَنَاهُمْ بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ أَمْوَالُهُمْ
وَزِدَنَاهُمْ هُدًى^(۱۰)

وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ

(۱) یعنی کانوں پر پر دے ڈال کر ان کے کانوں کو بند کر دیا تاکہ باہر کی آوازوں سے ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ مطلب
یہ ہے کہ ہم نے انہیں گھری نیند سلا دیا۔

(۲) ان دو گروہوں سے مراد اختلاف کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ یا تو اسی دور کے لوگ تھے جن کے درمیان ان کی بابت
اختلاف ہوا، یا عمد رسالت کے مومن و کافر مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اصحاب کھف ہی ہیں ان کے دو گروہ بن
گئے تھے۔ ایک کھاتا تھا کہ ہم اتنا عرصہ سوئے رہے۔ دوسرا، اس کی نفی کرتا اور فریق اول سے کم و بیش مدت بتلاتا۔

(۳) اب اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ یہ نوجوان، بعض کہتے ہیں عیسائیت کے پیرو کار تھے اور بعض کہتے
ہیں کہ ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں ایک
بادشاہ تھا، دیقانوس، جو لوگوں کی عبادت کرنے اور ان کے نام کی نذر نیاز دینے کی ترغیب دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان
چند نوجوانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور
کائنات کا رب ہے۔ فیتہ جمع قلت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ۹ یا اس سے بھی کم تھی۔ یہ الگ ہو کر
کسی ایک جگہ اللہ واحد کی عبادت کرتے آہست آہست لوگوں میں ان کے عقیدہ توحید کا چرچا ہوا، تو بادشاہ تک بات پہنچ
گئی اور اس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے پوچھا، تو وہاں انہوں نے برطا اللہ کی توحید بیان کی۔ بالآخر پھر
بادشاہ اور اپنی مشرک قوم کے ذر سے اپنے دین کو بچانے کے لیے آبادی سے دور ایک پہاڑ کے غار میں پناہ گزیں ہو گئے،
جمہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور وہ تین سو نو (۳۰۹) سال وہاں سوئے رہے۔

(۴) یعنی ہجرت کرنے کی وجہ سے اپنے خویش و اقارب کی جداگی اور عیش و راحت کی زندگی سے محرومی کا جو صدمہ
انہیں اٹھانا پڑا، ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا تاکہ وہ ان شدائد کو ہرداشت کر لیں۔ نیز حق گوئی کا فریضہ بھی جرأت
اور حوصلے سے ادا کر سکیں۔

کھڑے ہوئے^(۱) اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے، ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں اگر ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کی۔^(۲)^(۳)

یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنار کھے ہیں۔ ان کی خدائی کی یہ کوئی صاف دلیل کیوں پیش نہیں کرتے اللہ پر جھوٹ افترا باندھنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟^(۴)

جبکہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہو گئے تو اب تم کسی غار میں^(۵) جا بیٹھو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام میں سوالت میا کر دے گا۔^(۶)

آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کے باائیں جانب کرتا جاتا ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں۔^(۷) یہ اللہ کی نشانیوں میں سے

وَالْأَرْضُ لَنَّنَّدُعُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهٌ لَّقَدْ قُلْنَا إِذَا أَشَطَّلَا^(۸)

هُنَّلَّا قَوْمٌ مِّنَ الْمُنْذَنِدِوْا مِنْ دُونِهِ إِلَهٌ لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ
بِسُلْطَنٍ بَيْنِ يَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ أَنْفَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا^(۹)

وَإِذَا عَزَّتْ تُمُواهُمْ وَمَا يَعْمَدُونَ إِلَّا اللَّهُ فَإِذَا إِلَى الْكَهْفِ
يَسْرُرُكُمْ رِّبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ وَنُهَيْتُنَّ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ مِّنْفَقًا^(۱۰)

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا أَطَلَعَتْ تَرَوْرُعَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَسِينِ
وَإِذَا أَغْرَبَتْ تَرَقَّهُمْ ذَاتَ الْقِمَالِ وَهُمْ قَبْجَوْرُ مِنْهُ ذَلِكَ
مِنْ أَيْتِ الْتَّوْصِيْنَ يَهْدِي اللَّهُ بِهِمُ الْمُهَتَّدُوْمَ وَمَنْ يُضْلِلُ

(۱) اس قیام سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک وہ طلبی ہے، جو بادشاہ کے دربار میں ان کی ہوئی اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے توحید کا یہ وعظ بیان کیا، بعض کہتے ہیں کہ شر سے باہر آپس میں ہی کھڑے، ایک دوسرے کو توحید کی وہ بات سنائی، جو فرد افراد اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالی گئی اور یوں اہل توحید یا ہم اکٹھے ہو گئے۔
(۲) شَطَطَا کے معنی جھوٹ کے یا حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

(۳) یعنی جب تم نے اپنی قوم کے معبودوں سے کنارہ کشی کر لی ہے، تو اب جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ یہ اصحاب کھف نے آپس میں کہا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے، جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو تلاش کیا گیا، لیکن وہ اسی طرح ناکام رہے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک پہنچ جانے کے باوجود، جس میں آپ ملکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے، ناکام رہے تھے۔

(۴) یعنی سورج طلوع کے وقت دائیں جانب کو اور غروب کے وقت باائیں جانب کو کرتا کے نکل جاتا اور یوں دونوں وقوتوں میں ان پر دھوپ نہ پڑتی، حالانکہ وہ غار میں کشادہ جگہ پر محو استراحت تھے۔ فَجُوَّةٌ کے معنی ہیں کشادہ جگہ۔

ہے۔^(۱) اللہ تعالیٰ جس کی رہبری فرمائے وہ راہ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کار ساز اور رہنمایا سکیں۔^(۲) ^(۷)

آپ خیال کرتے کہ وہ بیدار ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے،^(۳) خود ہم ہی انہیں دائیں کروٹیں دلایا کرتے تھے،^(۴) ان کا کتا بھی چوکھت پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ اگر آپ جھانک کر انہیں دیکھنا چاہتے تو ضرور ائمہ پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور ان کے رعب سے آپ پر دہشت چھا جاتی۔^(۵) ^(۸)

اسی طرح ہم نے انہیں جگا کر اٹھادیا^(۶) کہ آپس میں پوچھ چکھ کر لیں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھتی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔^(۷) کہنے لگے کہ تمہارے ٹھہرے

فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرِشدًا^(۸)

وَنَحْسِبُهُمْ أَيْقَاظًا قَوْدًا وَنُقْلِبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ
وَذَاتَ الشَّمَاءِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعِيهِ بِالْوَصِيدِ لَا تَلْعَنْ
عَلَيْهِمْ لَوْلَيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمْلِثَتْ مِنْهُمْ رُغْبًا^(۹)

وَكَذَلِكَ بَعْذَنْهُمْ لِيَسْأَلُوْبَيْنَهُمْ قَالَ قَالِيلٌ مِّنْهُمْ
كَمْ لِمَسْتُمْ قَالُوا إِسْنَانًا يَوْمًا وَبَعْضَ يَوْمٍ قَالَ وَارِبُكُمْ
أَعْلَمُ بِمَا لِمَسْتُمْ قَابْلَهُمْ قَاتَلُوكُمْ حَدَّهُمْ هَذِهِ^(۱۰)

(۱) یعنی سورج کا اس طرح نکل جانا کہ باوجود کھلی جگہ ہونے کے وہاں دھوپ نہ پڑے، اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

(۲) جیسے دیوانوس بادشاہ اور اس کے چیزوں کا ردہ ایس سے محروم رہے تو کوئی انہیں راہ یا ب نہیں کر سکا۔

(۳) اینفَاظٌ، یقِظٌ کی جمع اور رُقُودٌ، رَاقِدٌ کی جمع ہے وہ بیدار اس لیے محسوس ہوتے تھے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں، جس طرح جانے والے شخص کی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زیادہ کروٹیں بدلنے کی وجہ سے وہ بیدار بیدار نظر آتے تھے۔

(۴) تاکہ ان کے جسموں کو مٹی نہ کھا جائے۔

(۵) یہ ان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جاسکے۔

(۶) یعنی جس طرح ہم نے انہیں اپنی قدرت سے سلاویا تھا، اسی طرح تین سو نو سال کے بعد ہم نے انہیں اٹھادیا اور اس حال میں اٹھایا کہ ان کے جسم اسی طرح صحیح تھے، جس طرح تین سو سال قبل سوتے وقت تھے، اسی لیے آپس میں ایک دوسرے سے انہوں نے سوال کیا۔

(۷) گویا جس وقت وہ غار میں داخل ہوئے، صبح کا پہلا پر تھا اور جب بیدار ہوئے تو دن کا آخری پر تھا، یوں وہ سمجھے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے بھی کم، دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔

رہنے کا بخوبی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔^(۱) اب تو تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شر بھجو وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شر کا کون سا کھانا پا کیزہ تر ہے،^(۲) پھر اسی میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے آئے، اور وہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔^(۳)
^(۴)

اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں تو تمہیں سنگار کر دیں گے یا تمہیں پھر اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور پھر تم کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔^(۵)
^(۶)

ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور

إِلَيْهِ الْمَدِينَةَ فَلَمَنْظَرُوا إِلَيْهَا أَرْسَلَنَا طَعَامًا فَلَمَّا لَمَّا بَرَدُ قِنْتَهُ وَلَيْسَتْ لَكُلْفُ وَلَا يُشَعِّرُنَّ بِكُلِّ أَحَدٍ^(۷)

إِنَّهُمْ أَنَّ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ بِرُجُومِكُمْ أَوْ بِعِنْدِكُمْ^(۸)

فِي مَكَانِهِمْ وَلَكُنْ تُفْلِحُوا إِذَا الْأَبْدَا^(۹)

وَكَذَلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ^(۱۰)
وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذَا دَيَّنَاهُمْ^(۱۱)

(۱) تاہم کثرت نوم کی وجہ سے وہ سخت ترود میں رہے اور بالآخر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہی صحیح مدت جانتا ہے۔

(۲) بیدار ہونے کے بعد، خوراک جو انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے، اس کا سرو سامان کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔

(۳) احتیاط اور نرمی کی تائید اسی اندیشے کے پیش نظر کی، جس کی وجہ سے وہ شر سے نکل کر ایک دریانے میں آئے تھے۔ اسے تائید کی کہ کہیں اس کے رویے سے شروالوں کو ہمارا علم نہ ہو جائے اور کوئی نئی افتادہ ہم پر نہ آپزے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(۴) یعنی آخرت کی جس کامیابی کے لیے ہم نے یہ صعوبت، مشقت برداشت کی، ظاہر بات ہے کہ اگر اہل شر نے ہمیں مجبور کر کے پھر آبائی دین کی طرف لوٹا دیا، تو ہمارا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا، ہماری محنت بھی برباد جائے گی اور ہم نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔

(۵) یعنی جس طرح ہم نے انہیں سلاایا اور جگایا، اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کر دیا۔ بعض روایت کے مطابق یہ آگاہی اس طرح ہوئی کہ جب اصحاب کف کا ایک ساتھی چاندی کا وہ سکہ لے کر شر گیا، جو تین سو سال قبل کے بادشاہ دیقانوس کے زمانے کا تھا اور وہ سکہ اس نے ایک دکاندار کو دیا، تو وہ حیران ہوا، اس نے ساتھی کی دکان والے کو دکھایا، وہ بھی دیکھ کر حیران ہوا، جب کہ اصحاب کف کا ساتھی یہ کہتا رہا کہ میں اسی شر کا باشندہ ہوں اور کل ہی یہاں سے گیا ہوں، لیکن اس ”کل“ کو تین صدیاں گزر چکی تھیں، لوگ کس طرح اس کی بات مان لیتے؟ لوگوں کو شہر گزار کہ کہیں اس شخص کو مدفن خزانہ نہ ملا ہو۔ شدہ شدہ بات بادشاہ یا حاکم مجاز تک پہنچی اور اس ساتھی کی مدد سے وہ غار تک پہنچا اور اصحاب کف سے ملاقات کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر وہیں وفات دیدی (اہن کشیر)

قیامت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔^(۱) جبکہ وہ اپنے امر میں آپس میں اختلاف کر رہے^(۲) تھے کہنے لگے ان کے غار پر ایک عمارت بنالو۔^(۳) ان کا رب ہی ان کے حال کا زیادہ عالم^(۴) ہے۔ جن لوگوں نے ان کے بارے میں غالبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے آس پاس مسجد بنالیں گے۔^(۵)^(۶)

کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحاب کھف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا،^(۷) غیب کی باتوں میں انکل (کے تیر کے)

بَيْنَهُمْ أَمْرُهُمْ فَقَالُوا إِنَّا عَلَيْهِمْ بُنِيَّاَنَا رَبُّهُمْ
أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِنْ
لَنَتَّخَدَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا^(۸)

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَأَيْهُمْ كُلَّهُمْ وَيَقُولُونَ خَسْنَةٌ
سَادُسُهُمْ كُلَّهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَانِيَهُمْ

(۱) یعنی اصحاب کھف کے اس واقعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کا وعدہ الہی سچا ہے۔ مکریں کے لیے اس واقعے میں اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ موجود ہے۔

(۲) إِذْ يَا تَوْظِيفٍ هُنَّ أَغْنَنَا كَأَنْ نَمِيَّاً اس وقت ان کے حال سے آگاہ کیا، جب وہ بعث بعد الموت یاد وقوع قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے یا یہاں آذکر مذکوف ہے، یعنی وہ وقت یاد کرو، جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

(۳) یہ کہنے والے کون تھے، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت کے اہل ایمان تھے، بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی تھے، جب جا کر انہوں نے ملاقات کی اور اس کے بعد اللہ نے انہیں پھر سلا دیا، تو بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کما کر ان کی حفاظت کے لیے ایک عمارت بنادی جائے۔

(۴) جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بابت صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

(۵) یہ غلبہ حاصل کرنے والے اہل ایمان تھے یا اہل کفر و شرک؟ شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور ابن کثیر نے دوسری رائے کو۔ کیونکہ صالحین کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَعْنَ اللَّهِ أَلِيَهُوَ وَالنَّصَارَىٰ أَتَخَذُوا قُبُوزًا أَنْبِيَاَنِعْمَ وَصَالِحِينَهُمْ مَسَاجِدًا" (البخاری، کتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، مسلم، کتاب المساجد و اتخاذ الصور فيها)، "اللَّهُ تَعَالَى يَوْدُو نَصَارَىٰ پَرَ لِعْنَتَ فَرَمَىَ، جَنَوْنَ نَے اپنے پیغمبروں اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنالیا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عراق میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ اسے چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔ (تفہیم ابن کثیر)

(۶) یہ کہنے والے اور ان کی مختلف تعداد بتلانے والے عمد رسالت کے مؤمن اور کافر تھے، خصوصاً اہل کتاب جو کتب سماویہ سے آگاہی اور علم کا دعویٰ رکھتے تھے۔

چلاتے ہیں،^(۱) کچھ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا^(۲) ہے۔ آپ کہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو بخوبی جانے والا ہے، انسیں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔ پس آپ ان کے مقدمے میں صرف سرسری گفتگو ہی کریں^(۳) اور ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں پوچھو گچھ بھی نہ کریں۔^(۴) (۲۲)

اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا۔^(۲۳)

مگر ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ لینا۔^(۵) اور جب بھی بھولے،

كَلِبِّهِمْ قُلْ ئَرِقْ أَعْلُو بِعَدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌۚ هَذِهِ فَلَاتُمَارِفُهُمْ إِلَّا مَرَأَةٌ ظَاهِرًا وَلَا تُنْتَفِتْ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدٌۚ

وَلَا تَنْعُولَنَّ لِشَانَنِي إِنِّي قَاعِلٌ ذَلِكَ غَدَارٌ

إِلَّا أَنْ يَئِمَّ اللَّهُ وَأَذْكُرَ زَيْنَكَ إِذَا نَبَيِّنَ وَقُلْ عَنِي

(۱) یعنی علم، ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے، جس طرح بغیر دیکھنے کوئی پھر مارے، یہ بھی اسی طرح انکل پچھا باتیں کر رہے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے صرف تین قول بیان فرمائے، پہلے دو قولوں کو رَجْمًا بِالْغَنِيبِ (ظن و تخيّن) کہ کران کو کمزور رائے قرار دیا اور اس تیرے قول کا ذکر اس کے بعد کیا جس سے بعض اہل تفسیر نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ انداز اس قول کی صحت کی دلیل ہے اور فی الواقع ان کی اتنی ہی تعداد تھی (ابن کثیر)

(۳) بعض صحابہ رض سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے میں بھی ان کم لوگوں میں سے ہوں جو یہ جانتے ہیں کہ اصحاب کف کی تعداد کتنی تھی؟ وہ صرف سات تھے جیسا کہ تیرے قول میں بتایا گیا ہے (ابن کثیر)

(۴) یعنی صرف ان ہی بالوں پر اکتفاء کریں جن کی اطلاع آپ کو وہی کے ذریعے سے کر دی گئی ہے۔ یا تعین عدد میں بحث و تکرار نہ کریں، صرف یہ کہہ دیں کہ اس تعین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۵) یعنی بحث کرنے والوں سے ان کی بابت کچھ نہ پوچھیں، اس لیے کہ جس سے پوچھا جائے، اس کو پوچھنے والے سے زیادہ علم ہونا چاہیے، جب کہ یہاں معاملہ اس کے بر عکس ہے۔ آپ ﷺ کے پاس تو پھر بھی یقینی علم کا ایک ذریعہ۔ وہی موجود ہے، جب کہ دوسروں کے پاس نظنوں و اوهام کے سوا کچھ نہیں۔

(۶) مفسرین کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں پوچھی تھیں، روح کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب کف اور ذوالقرنین کون تھے؟ کہتے ہیں کہ یہی سوالات اس سورت کے نزول کا سبب بنے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں کل جواب دوں گا، لیکن اس کے بعد ۱۵ دن تک جبریل وہی لے کر نہیں آئے۔ پھر جب آئے تو اللہ تعالیٰ نے

اپنے پروردگار کی یاد کر لیا کرنا^(۱) اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب کی بات کی رہبری کرے۔^(۲۳) (۲۴) وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو سال اور زیادہ گزارے۔^(۲۵)

آپ کہہ دیں اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے، آسمانوں اور زمینوں کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے وہ کیا ہی اچھا دیکھنے سنتے والا ہے۔^(۲۶) سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔^(۲۷)

تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب وحی کی گئی ہے اسے

أَنْ يَهْدِيَنَ رَبِّنَ لِلْقَرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا^(۲۸)

وَلَمْ يُؤْتَوْ فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثًا مِائَةً سِينَانَ وَازْدَادُوا تِسْعًا^(۲۹)

قُلْ إِنَّ اللَّهَ أَعْلَمُ بِمَا لَكُمْ تَسْتَوْلَهُ عَيْنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
أَبْصِرُهُ وَأَشْعَرُهُ مَا لَهُمْ مِنْ ذُوْنَهُ مِنْ قَلْبِ
وَلَا يُنْشِرُكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ^(۳۰)

وَإِنْ لَمْ يَأْتِيْكُمْ مِنْ كِتَابٍ رَبِّكُ لِمُبَدِّلٍ لِكَلْمَاتِهِ^(۳۱)

ان شاء اللہ کرنے کا یہ حکم دیا۔ آیت میں کل (عد) سے مراد مستقبل ہے یعنی جب بھی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی کام کرنے کا عزم کرو تو ان شاء اللہ ضرور کما کرو۔ کیونکہ انسان کو توقیت نہیں کہ وہ جس بات کا عزم ظاہر کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ کی مشیت سے ملنی ہے یا نہیں؟

(۱) یعنی اگر کلام یا وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ، تو جس وقت بھی یاد آجائے ان شاء اللہ کہہ لو، یا پھر رب کو یاد کرنے کا مطلب، اس کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار ہے۔

(۲) یعنی میں جس کا عزم ظاہر کر رہا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید کام کی طرف میری رہنمائی فرمادے۔

(۳) جہور مفسرین نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ ششی حساب سے ۳۰۰ اور قمری حساب سے ۳۰۹ سال بنتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ انہی لوگوں کا قول ہے جو ان کی مختلف تعداد بتلاتے تھے، جس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے ”اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے“ جس کا مطلب وہ مذکورہ مدت کی نفی لیتے ہیں۔ لیکن جہور کی تفسیر کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب یا کوئی اور، اس بتلاتی ہوئی مدت سے اختلاف کرے، تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ جب اس نے تین سو نو سال مدت بتلاتی ہے تو یہی صحیح ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے؟

(۴) یہ اللہ کی صفت علم و خبری کی مزید وضاحت ہے۔

پڑھتا رہ،^(۱) اس کی باتوں کو کوئی بد لئے والا نہیں تو اس کے سوا ہرگز ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا۔^(۲) (۲۷)

اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادے رکھتے ہیں (رمضانی دنیا چاہتے ہیں)، خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں^(۳) کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ^(۴) جا۔ ویکھ اس کا کہنا نہ مانتا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔^(۵) (۲۸)

وَلَكُمْ تَجَدَّدٌ مِّنْ دُونِنِهِ مُلْتَحَدًا^(۶)

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ
وَالْعَيْتَنِي يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَكَ عَنْهُمْ
تُرِيدُ ذِرْيَنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطْعِمُ مَنْ أَغْلَقْنَا
قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَأَتَبَعَهُو نَاهُ وَكَانَ أَمْرًا فُرُطًا^(۷)

(۱) ویسے تو یہ حکم عام ہے کہ جس چیز کی بھی وہی آپ ﷺ کی طرف کی جائے، اس کی تلاوت فرمائیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ لیکن اصحاب کہف کے قصے کے خاتمے پر اس حکم سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں لوگ جو چاہیں، کہتے پھریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ اور جتنا کچھ بیان فرمادیا ہے، وہی صحیح ہے، وہی لوگوں کو پڑھ کر سنادیجتے، اس سے زیادہ، ویگر باتوں کی طرف دھیان نہ دیجتے۔

(۲) یعنی اگر اسے بیان کرنے سے گریزو اخراج کیا، یا اس کے کلمات میں تغیر و تبدیلی کی کوشش کی، تو اللہ سے آپ کو بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن اصل مخاطب امت ہے۔

(۳) یہ وہی حکم ہے جو اس سے قبل سورۃ الأنعام، ۵۲ میں گزر چکا ہے۔ مراد ان سے وہ صحابہ کرام ﷺ ہیں جو غریب اور کمزور تھے، جن کے ساتھ بیٹھنا اشراف قریش کو گوارا نہ تھا۔ حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، این مسعود، ایک بڑی اور دو صحابہ ﷺ اور تھے۔ قریش مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو۔ تاکہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کی باتیں سیئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرمادیا (صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن ابی و قاص)

(۴) یعنی ان کو دور کر کے آپ اصحاب شرف والل غنی کو اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں؟

(۵) فُرُطًا، اگر افراط سے ہو تو معنی ہوں گے حد سے متباوز اور اگر تفریط سے ہو تو معنی ہوں گے کہ ان کا کام تفریط پر مبنی ہے، جس کا نتیجہ ضیاع اور ہلاکت ہے۔

اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر بحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قاتمیں انہیں گھیر لیں گی۔ اگر وہ فریدار سی چاہیں گے تو ان کی فریدار سی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھت جیسا ہو گا جو چرے بھون دے گا، بڑا ہی براپانی ہے اور بڑی بری آرام گاہ (دوزخ) ہے۔^(۲۹)

یقیناً جو لوگ ایمان لا میں اور نیک اعمال کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔^(۳۰)

ان کے لیے یعنیکی والی جنتیں ہیں، ان کے نیچے سے نہرس جاری ہوں گی، وہاں یہ سونے کے لگن پہنائے جائیں گے^(۲) اور سبز رنگ کے نرم و باریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے،^(۳) وہاں تختوں کے اوپر تیکے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا خوب بدله ہے، اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے۔^(۳۱)

اور انہیں ان دو شخصوں کی مثال بھی سنادے^(۳) جن میں

وَقُلْ أَعُشُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمِنْ شَاءَ فَلَيَوْمَ مِنْ وَقْتِنَا شَاءَ فَلَيَوْمَ كُفْرٍ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا الْأَعَادَةِ يَوْمٌ سُرَادِ قُهَّامَ وَإِنْ يَسْتَغْفِرُوا يُغَاثُوا إِيمَانًا كَالْمُهْلَكِ يَشُوُّى الْوُجُوهَ بِشَرَابٍ وَسَاهَتْ مُرْتَفَقًا^(۱)

إِنَّ الَّذِينَ امْتَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَأَنْتَمْ يَعْجَزُونَ إِنَّمَا أَحْسَنَ عَمَلاً^(۲)

أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّتُ عَدْنَ تَجْرِي فِيهَا مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَكَوْنُ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُفْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ مُشَكِّبِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرْضِ يَنْعَمُ الْتَّوَابُ وَحْسَنَتْ مُرْتَفَقًا^(۳)

وَأَخْرِيَ لَهُمْ مَثَلًا تَجْلِيلُنِي جَعَلْنَا لِكَعِيدِهِمَا جَنَّتَيْنِ

(۱) قرآن کے انداز بیان کے مطابق جہنمیوں کے ذکر کے بعد اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگوں کے اندر جنت حاصل کرنے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

(۲) زمانہ نزول قرآن اور اس سے ماقبل رواج تھا کہ بادشاہ، روسا اور سردار ان قبائل اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہننے تھے، جس سے ان کی امتیازی حیثیت نمایاں ہوتی تھی۔ اہل جنت کو بھی جنت میں کڑے پہنائے جائیں گے۔

(۳) سُنْدُسٍ، باریک ریشم اور اسْتَبْرَقِ مونا ریشم۔ دنیا میں مردوں کے لیے سونا اور ریشمی لباس منوع ہیں، جو لوگ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں ان محمرات سے اجتناب کریں گے، انہیں جنت میں یہ ساری چیزیں میراہوں گی۔

وہاں کوئی چیز منوع نہیں ہوگی بلکہ اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے، وہ موجود ہوگی۔ ﴿ وَلَكُمْ فِيهَا مَا شَتَّقْتُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَعُونَ ﴾ ”جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب جنت میں موجود ہے“

(۴) مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو شخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے لیے بطور مثال ان کا تذکرہ کیا ہے

سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے اور جنیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر کھا^(۱) تھا اور دونوں کے درمیان کھیتی لگار کھی تھی۔^(۲) (۳۲)

دونوں باغ اپنا پھل خوب لائے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ کی^(۳) اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نر جاری کر رکھی تھی۔^(۴) (۳۳)

الغرض اس کے پاس میوے تھے، ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی^(۵) سے کماکہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتنے^(۶) کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں۔ (۳۴)

اور یہ اپنے باغ میں گیا اور تھا اپنی جان پر ظلم کرنے والا۔ کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہو جائے۔^(۷) (۳۵)

اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً

مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَّفُهُمَا سَخْلٌ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا^(۸)

كَلَّتَا الْجَمِيْتَيْنِ اتَّأَكَّهَا وَلَوْ تَظَاهَرْ مِنْهُ سَيْئَا وَفَجَرْنَا
خَلَّهُمَا هَرَّا^(۹)

وَكَانَ لَهُ شَرٌ فَقَالَ إِصَاحِيهِ وَهُوَ يَحَاوِرُهَا آتَاهَا
اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعْزَزَنَّهَا^(۱۰)

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظْلَنْ
أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا^(۱۱)

وَمَا أَظْلَنْ السَّاعَةَ قَاهِمَةً وَلَمْ يُرِدْتُ إِلَى رَبِّ الْجَنَّ

یا واقعی دو شخص ایسے تھے؟ اگر تھے تو یہ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں یا اہل مکہ میں سے تھے، ان میں ایک معوم اور دوسرا کافر تھا۔

(۱) جس طرح چار دیواری کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے، اس طرح ان باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے، جو باڑا اور چار دیواری کا کام دیتے تھے۔

(۲) یعنی دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی جن سے غله جات کی فصلیں حاصل کی جاتی تھیں۔ یوں دونوں باغ غلے اور میووں کے جامع تھے۔

(۳) یعنی اپنی پیداوار میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے بلکہ بھرپور پیداوار دیتے تھے۔

(۴) تاکہ باغوں کو سیراب کرنے میں کوئی انقطع و اتفاق نہ ہو۔ یا بارانی علاقوں کی طرح بارش کے محتاج نہ رہیں۔

(۵) یعنی باغوں کے مالک نے، جو کافر تھا، اپنے ساتھی سے کہا جو مومن تھا۔

(۶) نَفَرُ (جتنے) سے مراد اولاد اور نوکر چاکر ہیں۔

خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۲

میں (اس لوٹنے کی جگہ) اس سے بھی زیادہ ^(۱) بہتر پاؤں گا۔^(۳۶)

اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنادیا۔^(۲)^(۳۷)

لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا۔^(۳۸)

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يَحَاوِرُهُ أَكْفَارُتِ يَا لَذِنِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوْبِكَ رَجُلًا ۳

لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبُّنَا وَلَا إِلَهَ كُبْرَىٰ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۴

(۱) یعنی وہ کافر عجب اور غور میں ہی بھلا نہیں ہوا بلکہ اس کی مدھوٹی اور مستقبل کی حسین اور لمبی امیدوں نے اسے اللہ کی گرفت اور مكافات عمل سے بالکل غافل کر دیا۔ علاوه ازیں اس نے قیامت کا ہی انکار کر دیا، پھر ڈھنائی کامظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیامت برپا ہوئی بھی تو وہاں بھی حسن انجام میرا مقدر ہو گا۔ جن کا کفر و غیان حد سے تجاوز کر جاتا ہے، وہ مست میں پندار ہو کر ایسی مُتکبرانہ دعوے کرتے ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَئِنْ تُرْجُمُتْ إِلَىٰ رَبِّنَىٰ لَنْ يُعْنِدَهُ الْحُكْمُ فِي ۚ﴾ (حلیم السجدة: ۵۰) ”اگر مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی میرے لیے اچھائیاں ہی ہیں۔“ ﴿أَقْرَءَنِي اللَّهُ تَعَالَى كُفَّارَ يَالْيَقِنِ أَوْ قَالَ لَأُوْتَيَنَّ مَا لَاقَوْلَدًا ۚ﴾ (مریم: ۷۷) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آئیوں کے ساتھ کفر کیا اور دعویٰ کیا کہ آخرت میں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا۔

(۲) اس کی یہ باتیں سن کر اس کے مومن ساتھی نے اس کو وعظ و تبلیغ کے انداز میں سمجھایا کہ تو اپنے خالق کے ساتھ کفر کا رتکاب کر رہا ہے، جس نے تجھے مٹی اور قطرہ پانی (منی) سے پیدا کیا۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام چونکہ مٹی سے بنائے گئے تھے، اس لیے انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی۔ پھر قربتی سبب وہ نطفہ بنا جو باپ کی صلب سے نکل کر رحم مادر میں گیا، وہاں نو میں اس کی پرورش کی۔ پھر اسے پورا انسان بنا کر مال کے پیٹ سے نکلا۔ بعض کے نزدیک مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے، وہ سب زمین سے یعنی مٹی سے ہی حاصل ہوتی ہے، اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے جو عورت کے رحم میں جا کر انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں بھی ہر انسان کی اصل مٹی ہی قرار پاتی ہے۔ ناشرکے انسان کو اس کی اصل یاد دلا کر اسے اس کے خالق اور رب کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تو اپنی حقیقت اور اصل پر غور کر، اور پھر رب کے ان احسانات کو دیکھ کر، کہ تجھے اس نے کیا کچھ بنا دیا اور اس عمل تخلیق میں کوئی اس کا شریک اور مددگار نہیں ہے، یہ سب کچھ کرنے والا صرف اور صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس کو ماننے کے لیے تو تیار نہیں ہے۔ آہ، کس قدر یہ انسان ناشرکا ہے؟

(۳) یعنی میں تیری طرح کی بات نہیں کروں گا بلکہ میں تو اللہ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار و اعتراض کرتا

تو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا کہ اللہ کا چالا
ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد ہے^(۱) سے،
اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے۔^(۲۹)
بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی
بستر دے^(۳۰) اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چیل
اور چکنا میدان بن جائے۔^(۳۰)

یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ
تو اسے ڈھونڈھ لائے۔^(۳۱)

اور اس کے (سارے) پھل گھیر لیے گئے،^(۵) پس وہ اپنے^(۴)
اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے^(۶)
لگا اور وہ باغ تو اوندھا اتنا پڑا تھا^(۷) اور (وہ شخص) یہ کہہ

وَنَوَّلَ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا فُوْزَةَ لَا يَلْتَهِ
إِنْ تَرَنَ آنَا أَقْلَى مِنْكَ مَا لَأَوْلَدَ^(۸)

فَعَلَى رَبِّيَّ أَنْ يُؤْتِنَ خَيْرًا مِنْ جَنَّتِكَ وَرِيسَلَ
عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِنَ السَّمَاءِ فَصُبْرَهَ صَعِيدَهَ لَقَافُ^(۹)

أَوْ فُصِيمَهَ مَا ذَهَلَ عَوْرَافُهُنَّ شَنَاطِيمَ لَهُ طَلَبًا^(۱۰)

وَأُجْبِطَ بِشَرِّهِ فَأَصْبَرَهُ يُقْلِبَ كَهْيُو عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا
وَهِيَ خَاوِيَّهُ عَلَى عُرُوشَهَا وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي

ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ساتھی مشرک ہی تھا۔

(۱) اللہ کی نعمتوں کا شکردا کرنے کا طریقہ تلاتے ہوئے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت سرکشی اور غور کا مظاہرہ کرنے کے بجائے یہ کہا ہوتا، ماشاء اللہ لا فُوْزَةَ إِلَّا بِاللَّهِ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہے تو اسے باقی رکھے اور چاہے تو فا کر دے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ جس کو کسی کامال، اولاد یا حال اچھا لگے تو اسے ماشاء اللہ لا فُوْزَةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر، بحوالہ مسنود ابو علی)
(۲) دنیا میں یا آخرت میں۔ یادنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں۔

(۳) حُسْبَانُ، غُفرَانُ کے وزن پر۔ حساب سے ہے یعنی ایسا عذاب، جو کسی کے کرتوتوں کے نتیجے میں آئے۔ یعنی آسمانی عذاب کے ذریعے سے وہ محاسبہ کر لے۔ اور یہ جگہ جماں اس وقت سربرز و شاداب باغ ہے، چیل اور چکنا میدان بن جائے۔

(۴) یاد رمیان میں جو نہ رہے جو باغ کی شادابی اور زرخیزی کا باعث ہے، اس کے پانی کو اتنا گرا کر دے کہ اس سے پانی کا حصول ہی ناممکن ہو جائے۔ اور جماں پانی زیادہ گراہی میں چلا جائے تو پھر وہاں بڑے بڑے ہارس پاور کی موڑیں اور مشینیں بھی پانی کو اور پر کھینچ لانے میں ناکام رہتی ہیں۔

(۵) یہ کنایہ ہے ہلاکت و فنا سے۔ یعنی اس کا سارا باغ ہلاک کر دیا گیا۔

(۶) یعنی باغ کی تعمیر و اصلاح اور کاشت کاری کے اخراجات پر کف افسوس ملنے لگا۔ ہاتھ ملنا کنایہ ہے ندامت سے۔

(۷) یعنی جن چھتوں، چھپروں پر انگوروں کی بیلیں تھیں، وہ سب زمین پر آرہیں اور انگوروں کی ساری نصل بتاہ ہو گئی۔

لَمْ يُشْرِكْ بِرَبِّيْ أَحَدًا ④

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ فَتَّهُ يَتَصْرُّفُونَهُ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ
وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ⑤
هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ يَلْهُ الْحَقُّ هُوَ خَيْرُ ثَوَابٍ
وَخَيْرٌ عَقْبًا ⑥

رہا تھا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی
شریک نہ کرتا۔ ① (۲۲)

اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ ۲ اٹھی کہ اللہ سے اس کا
کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلتے لینے والا بن سکا۔ ۳ (۲۳)
یہیں سے (ثابت ہے) کہ اختیارات ۳ اللہ برحق کے
لیے ہیں وہ ثواب دینے اور انعام کے اعتبار سے
بہت ۴ ہی بہتر ہے۔ ۴ (۲۴)

ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال (بھی) بیان کرو جیسے
پانی جسے ہم آسمان سے آتارتے ہیں اس سے زمین کا سبزہ
مل جلا (لکلا) ہے، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے جسے
ہوا ۵ میں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر
ہے۔ ۵ (۲۵)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْعِيْوَةِ الدُّنْيَا كَمَاءَ أَنْزَلْنَاهُ
مِنَ السَّمَاءِ فَأَخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَاصْبَرْهُ
هُنَيْمَانَدَرُوْهُ التِّرَابُمُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
مُقْتَدِرًا ⑦

(۱) اب اسے احساس ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی نعمتوں سے فیض یا بہو کراس کے احکام کا انکار کرنا اور اس کے مقابلے میں سرکشی، کسی طرح بھی ایک انسان کے لیے زیبائیں، لیکن اب حرست و افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چک گئیں کھیت۔

(۲) جس جنتے پر اس کو ناز تھا، وہ بھی اس کے کام نہیں آیا نہ وہ خود ہی اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی انتظام کر سکا۔

(۳) ولایۃ کے معنی موالات اور نصرت کے ہیں، یعنی اس مقام پر ہر مومن و کافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کی مدد کرنے پر اور اس کے عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر اس موقع پر بڑے بڑے سرکش اور جبار بھی اظہار ایمان پر مجبور ہو جاتے ہیں، گو اس وقت کا ایمان نافع اور مقبول نہیں۔ جس طرح قرآن نے فرعون کی بait نقل کیا ہے کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا، ﴿ اَمْنَتُ اَنَّهُ لِرَالَّهِ إِلَّا إِلَّا لَذِي اَمْنَتُ يَهُ بِئْوَالِسَرَّاهِ يَنْ وَآذَا
مِنَ الْمُشْلِمِينَ ﴾ (سورہ یونس، ۹۰) ”میں اس اللہ پر ایمان لایا جس پر بنو اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ دوسرے کفار کی بait فرمایا گیا جب انسوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا، ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، ان کا انکار کرتے ہیں۔ (سورہ المؤمن، ۸۳) اگر ولایت، واوے کے کسرے کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی حکم اور اختیارات کے ہیں، جیسا کہ ترجیح میں یہی معنی اختیار کیے گئے ہیں (ابن کثیر)

(۴) یعنی وہی اپنے دوستوں کو بہتر بدلہ دینے والا اور حسن عاقبت سے مشرف کرنے والا ہے۔

(۵) اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور تناپائیداری کو کھنیت کی ایک مثال کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے کہ کھنیت میں لگے

مال و اولاد تو دنیا کی ہی زینت ہے،^(۱) اور (ہاں) البتہ باقی رہنے والی نیکیاں^(۲) تمہرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔^(۳۶) اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا میں گے^(۳) اور زمین کو تو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے۔^(۳۷)

أَمَّا مُ وَ الْبَنُونَ زَيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ الْبَقِيَّةُ
الصِّلْحَتُ حَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ تَوَابًا وَ خَيْرٌ مَلًا^(۱)

وَ يَوْمَ إِثْرَالِجَبَالَ وَ تَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَ حَرَّنَهُمْ
فَلَمْ نُقَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا^(۲)

ہوئے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برستی ہے تو پانی سے مل کر کھیت لہما اٹھتی ہے، پودے اور درخت حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں۔ لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیت سوکھ جاتی ہے۔ پانی کے عدم دستیابی کی وجہ سے یا فصل پک جانے کے سبب۔ تو پھر ہوا میں اس کو اڑائے پھرتی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا کبھی اسے دامیں جانب اور کبھی با میں جانب جھکاتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے بلے یا کھیت ہی کی طرح ہے، جو اپنی چند روزہ بہار و کھا کر فاس کے گھاث اتر جاتی ہے۔ اور یہ سارے تصرفات اس ہستی کے ہاتھ میں ہیں جو ایک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ مثال قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے۔ (مثلاً سورہ یونس، ۲۵، سورہ زمر، ۲۱، سورہ حمید، ۵۰ وغیرہ مامن الآیات۔)

(۱) اس میں ان اہل دنیا کا رہ ہے جو دنیا کے مال و اسباب، قبیلہ و خاندان اور آل اولاد پر فخر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ چیزیں تو دنیا کے فانی کی عارضی زینت ہیں۔ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ اسی لیے اس سے آگے فرمایا کہ آخرت میں کام آنے والے عمل تو وہ ہیں جو باقی رہنے والے ہیں۔

(۲) باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) کون سی یا کون کون سی ہیں؟ کسی نے نمازوں کو، کسی نے تحریم و تسبیح اور عکبر و تسلیم کو اور کسی نے بعض اور اعمال خیر کو اس کام صدق اقرار دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے اور تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ تمام فرائض و واجبات اور سنن و نوافل سب باقیات صالحات ہیں بلکہ منہیات سے احتساب بھی ایک عمل صلح ہے، جس پر عند اللہ اجر و ثواب کی امید ہے۔

(۳) یہ قیامت کی ہولناکیوں اور بڑے بڑے واقعات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کو چلا میں گے کامطلب، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑ جائیں گے۔ ﴿ وَتَلَوَنُ الْجِبَالُ كَالْعِنَنِ الْمَنْتُوشِ ﴾۔ (القارعة: ۵) اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگیں اون ”مزید دیکھئے سورہ طور، ۹، ۱۰۔ سورہ نمل، ۸۸-۱۰۵، سورہ طہ، ۱۰۵، ۱۰۷-۱۰۸۔ زمین سے جب پہاڑ جیسی مضبوط چیزیں ختم ہو جائیں گی، تو مکانات، درخت اور اسی طرح کی دیگر چیزیں کس طرح اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گی؟ اسی لیے آگے فرمایا ”تو زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا۔“

(۴) یعنی اولین و آخرین، چھوٹے بڑے، کافر و مؤمن سب کو جمع کریں گے، کوئی زمین کی نیں پڑانے رہ جائے گا اور نہ قبر سے نکل کر کسی جگہ چھپ سکے گا۔

(۱) اور رب کے سب تیرے رب کے سامنے صفت است^(۱)
حاضر کیے جائیں گے۔ یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے
جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا لیکن تم تو
اسی خیال میں رہے کہ ہم ہرگز تمہارے لیے کوئی
 وعدے کا وقت مقرر کریں گے بھی نہیں۔ (۳۸)

اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ پس تو دیکھے
گا کہ گنگا راس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے
اور کہہ رہے ہوں گے ہماری خرابی یہ کیسی کتاب
ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا بغیر گھیرے کے باقی ہی نہیں
چھوڑا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے
اور تیرا رب کسی پر ظلم و ستم نہ کرے گا۔ (۳۹)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو
ابليس کے سواب نے سجدہ کیا، یہ جنوں میں سے تھا،^(۲)
اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی،^(۳) کیا پھر بھی تم

وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكُمْ صَفَّا الْقَدْحَسْتُونَا كَمَا خَلَقْنَاهُمْ
أَوْلَىٰ مَرَةً ثُمَّ لَمْ يَعْمَلُوا إِنَّمَا نَجْعَلُ لِلنَّاسِ مَوْعِدًا ^(۴)

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَىٰ الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ
إِمْرَافِيهٍ وَيَقُولُونَ لَوْيَاتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ
لَا يُغَادِرُ صَغِيرًا وَلَا يَكِيرُ إِلَّا أَحْصَهَا وَوَجَدُوا
مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَنْظِلُمُ رَبُّكَ أَحَدًا ^(۵)

وَلَذْ قُلْنَا لِلْمَلَكَةِ اسْجُدْنَا لِلَّادَمَ فَسَجَدْنَا
إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ

(۱) اس کے معنی ہیں کہ ایک ہی صفت میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، یا صفوں کی شکل میں بارگاہِ اللہ میں
حاضر ہوں گے۔

(۲) قرآن کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ شیطان فرشتہ نہیں تھا، فرشتہ اگر ہوتا تو حکمِ اللہ سے سرتاہی کی اسے مجال
ہی نہ ہوتی، کیونکہ فرشتوں کی صفتِ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمْرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا لَيْسُ بِمُرْؤَنَ﴾
(التحريم) ”وَهُنَّا اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“ اس صورت میں
یہ اشکال رہتا ہے، اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر اللہ کے حکم کا وہ مخاطب ہی نہیں تھا، کیونکہ اس کے مخاطب تو فرشتے تھے،
انہیں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا، صاحبِ روحِ المعانی نے کہا ہے کہ وہ فرشتہ یقیناً نہیں تھا، لیکن وہ فرشتوں کے ساتھ ہی
رہتا تھا اور انہی میں شامل ہوتا تھا، اس لیے وہ بھی أَسْبَجَدُوا إِلَيْهِمُ الْأَدَمَ کے حکم کا مخاطب تھا۔ اور سجدہ آدم کے حکم کے ساتھ
اس کا مخاطب کیا جانا قطعی ہے۔ ارشادِ باری ہے ﴿مَا مَنَعَكَ اللَّهُ أَنْ يُعْلَمَ إِذَا أَمْرَتُكَ﴾ ”جب میں نے تجھے حکم دے دیا تو پھر تو
نے سجدہ کیوں نہ کیا۔“

(۳) فِسْقٌ کے معنی ہوتے ہیں نکنا، چوہا جب اپنے بل سے نکلتا ہے تو کہتے ہیں فَسَقَتِ الْفَارَّةُ مِنْ جُنُخِهَا شیطان
بھی سجدہ تعظیم و تجیہ کا انکار کر کے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔

اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنارہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے۔^(۱) ایسے خالموں کا کیا ہی برابر ہے۔^(۲) (۵۰)

میں نے انہیں آسمانوں و زمین کی پیدائش کے وقت موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش میں،^(۳) اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا بھی نہیں۔^(۴) (۵۱)

اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے شریک تھے انہیں پکاروا یہ پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا ہم ان کے درمیان ہلاکت کا سامان کر دیں گے۔^(۵) (۵۲)

أَقْتَصَدُونَهُ وَذَرَيْتَهُ أُولَيَاءَ مِنْ دُونِهِمْ
لَكُمْ عَدُوٌّ يُمْسِي لِلظَّالِمِينَ بَدَأَا

مَا أَشَدَّ ذِلْلَهُمْ حَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخَلَقَ
أَفْسِهُمْ وَمَا لَنْتُ مُتَّهِنَ الْمُضِلِّينَ عَضْدًا

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شَرِيكَهُ إِلَيَّ الَّذِينَ رَعَمُلُوا فَدَعَوْهُمْ
فَلَمْ يَسْتَجِبُو إِلَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْيِقًا

(۱) یعنی کیا تمہارے لیے یہ صحیح ہے کہ تم ایسے شخص کو اور اس کی ذریت کو دوست بناؤ جو تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا دشمن، تمہارا دشمن اور تمہارے رب کا دشمن ہے اور اللہ کو چھوڑ کر اس شیطان کی اطاعت کرو؟

(۲) ایک دوسری ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے ”خالموں نے کیا ہی برابر اختیار کیا ہے۔“ یعنی اللہ کی اطاعت اور اسکی دوستی کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اور اسکی دوستی جو اختیار کی ہے تو یہ بہت ہی برابر ہے، جسے ان خالموں نے اپنایا ہے۔

(۳) یعنی آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کی تدبیر میں، بلکہ خود ان شیاطین کی پیدائش میں ہم نے ان سے یا ان میں سے کسی ایک سے کوئی مدد حاصل نہیں کی، یہ تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے۔ پھر تم اس شیطان اور اس کی ذریت کی پوجا یا ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور میری عبادت و اطاعت سے تمہیں گریز کیوں ہے؟ جب کہ یہ خلقوں ہیں اور میں ان سب کا خالق ہوں۔

(۴) اور بغرض محال اگر میں کسی کو مددگار بناتا بھی تو ان کو کیسے بناتا، جب کہ یہ میرے بندوں کو گمراہ کر کے میری جنت اور میری رضا سے روکتے ہیں۔

(۵) مَوْنِقٌ کے ایک معنی حجاب (پردے اور آڑ) کے ہیں۔ یعنی ان کے درمیان پردہ اور فاصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ ان کے ماہین آپس میں عداوت ہو گی۔ نیز اس لیے کہ عرصہ محشر میں یہ ایک دوسرے کو نہ مل سکیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جنم میں پیپ اور خون کی مخصوص وادی ہے۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ مملک کیا ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے یعنی یہ مشرق اور ان کے مزعومہ معبدوں یہ ایک دوسرے کو مل ہی نہیں سکیں گے کیوں کہ ان کے درمیان ہلاکت کا سامان اور ہولناک چیزیں ہوں گی۔

اور گھنگار جنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں لیکن اس سے نچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔^(۱) (۵۳)

ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مشایں لوگوں کے لیے بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑا لو ہے۔^(۲) (۵۴)

لوگوں کے پاس ہدایت آچنے کے بعد انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا کہ اگلے لوگوں کا سامعاملہ انہیں بھی پیش آئے^(۳) یا ان کے سامنے کھلم کھلا عذاب آموجود ہو جائے۔^(۴) (۵۵)

ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبری سن دیں اور ڈرا دیں۔ کافر لوگ باطل کے سارے جھگڑتے ہیں اور (چاہتے ہیں کہ) اس سے حق کو لڑکھڑا دیں، انہوں نے میری آئیوں کو اور جس چیز سے ڈرایا جائے اسے مذاق بناؤ الا ہے۔^(۵) (۵۶)

اس نے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی آئیوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے

وَرَأَ الْمُعْجِزُ مُوْنَ النَّارَ فَطَوَّ أَنْهَمْ مُوَاقِعُهَا وَلَمْ يَجِدُوا
عَنْهَا مَصْرِفًا^(۱)

وَلَقَدْ صَرَفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَتَّهٍ
وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَهُنَّ جَدَلًا^(۲)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى وَيَسْتَغْفِرُوا
رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيهِمْ سُنَّةُ الْأَقْرَبِينَ أَوْ يَا تِيمَهُمْ
الْعَذَابُ قُبْلًا^(۳)

وَمَا نُرِسِّلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ
وَيُجَاهُ الظَّالِمِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا طَلِيلٌ يُبَدِّلُ حَضُورًا
بِهِ الْحَقُّ وَأَخْذَذُوا إِلَيْتِي وَمَا أَنْذِرُوا هُمْ أَهْرَوا^(۴)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ ذُكْرِ يَأْتِي رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا
وَنَبَيَّنَ مَا قَدَّمْتُ يَدَهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكْثَرَهَا

(۱) جس طرح بعض روایات میں ہے کہ کافر ابھی چالیس سال کی مسافت پر ہو گا کہ یقین کر لے گا کہ جنم ہی اس کا ٹھکانا ہے (مسند احمد، جلد ۳، ص ۷۵)

(۲) یعنی ہم نے انسانوں کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن میں ہر طریقہ استعمال کیا ہے، وعظ و تذکیر، امثال و واقعات اور دلائل و برائیں، علاوہ ازیں انہیں بار بار اور مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ ختن جھگڑا لو ہے، اس لیے وعظ و نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور نہ دلائل و برائیں اس کے لیے کارگر۔

(۳) یعنی حکمذیب کی صورت میں ان پر بھی اسی طرح عذاب آئے، جیسے پہلے لوگوں پر آیا۔

(۴) یعنی یہ اہل مکہ ایمان لانے کے لیے ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہیں۔ لیکن ان عقل کے انہوں کو یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد ایمان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یا اس کے بعد ایمان لانے کا ان کو موقع ہی کب ملے گا؟

(۵) اور اللہ کی آئیوں کا مذاق اڑانا، یہ حکمذیب کی بدترین قسم ہے۔ اسی طرح جدال بالباطل کے ذریعے سے (یعنی باطل

أَن يَفْقَهُوا وَفِي أَذَانِهِمْ وَقَرَاءَةً وَإِن تَدْعُهُمْ
إِلَى الْهُدَى فَلَن يَتَّبِعُوا إِذَا أَبَدَاهَا

اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے
بھول جائے، پیشک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال
دیئے ہیں کہ وہ اسے (نہ) سمجھیں اور ان کے کانوں میں
گرانی ہے، گو تو انہیں ہدایت کی طرف بلا تارہ ہے، لیکن
یہ کبھی بھی ہدایت نہیں پانے^(۱) کے۔ (۵۷)

تیرا پروردگار بست ہی بخشش والا اور صربانی والا ہے
وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں کپڑے تو پیشک انہیں
جلد ہی عذاب کر دے، بلکہ ان کے لیے ایک وعدہ
کی گھٹی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ
نہیں پائیں گے۔^(۲) (۵۸)

یہ ہیں وہ بستیاں جنہیں ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر
غارست کر دیا اور ان کی تباہی کی بھی ہم نے ایک میعاد

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْلَيُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسْبُوا
لَعَلَّ لَهُمُ الْعَذَابُ بِلَمْ يَحْمِلُوكُمْ مَعْذِلَةُ الْكُفَّارِ
مِنْ دُونِهِ مَوْلَلًا

وَتِلْكَ الْقُرْآنِ أَهَنَّهُمْ مِنْ تَآثِيلِهِ وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا

طریقے اختیار کر کے) حق کو باطل ثابت کرنے کی سعی کرنا بھی نہیں مذموم حرکت ہے۔ اسی مجادله بالباطل کی ایک صورت یہ ہے جو کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی رسالت کا انکار کر دیتے رہے کہ تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو! (ما آنثُمُ الْأَبْشِرُ مِثْلُنَا) (یس - ۱۵) ہم تمہیں رسول کس طرح تسلیم کر لیں؟ ذہن کے اصل معنی پھسلنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ذہنست رجُلُهُ (اس کا پیر پھسل گیا) یہاں سے یہ کسی چیز کے زوال (ملٹے) اور بطلان کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ سنتے ہیں۔ ذہنست حُجَّتُهُ دُحْوَضًا اُبَيْ بَطَّلَتْ (اس کی جھت باطل ہو گئی) اس لحاظ سے ذہنست یُذْحِضُ کے معنی ہوں گے باطل کرنا (فتح القدير)

(۱) یعنی ان کے اس ظلم عظیم کی وجہ سے کہ انہوں نے رب کی آیات سے اعراض کیا اور اپنے کرتوتوں کو بھولے رہے، ان کے دلوں پر ایسے پردے اور ان کے کانوں پر ایسے بوجھ ڈال دیئے گئے ہیں، جس سے قرآن کا سمجھنا سننا اور اس سے ہدایت قبول کرنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ ان کو کتنا بھی ہدایت کی طرف بلا لو، یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

(۲) یعنی یہ تو رب غفور کی رحمت ہے کہ وہ گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا، بلکہ مہلت دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پا داش عمل میں ہر شخص ہی عذاب الٰہی کے شکنے میں کسا ہوتا۔ البته یہ ضرور ہے کہ جب مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور ہلاکت کا وہ وقت آ جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ مقرر کئے ہوتا ہے تو پھر فرار کا کوئی راستہ اور بچاؤ کی کوئی سہیل ان کے لیے نہیں رہتی۔ مَوْلَلٌ کے معنی ہیں جائے پناہ، راہ فرار۔

مقرر کر رکھی تھی۔^(۱) (۵۹)

جبکہ موسیٰ نے اپنے نوجوان^(۲) سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گایہاں تک کہ دودریاؤں کے^(۳) سکم پر پہنچوں، خواہ مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔^(۴) (۶۰)

جب وہ دونوں دریا کے سکم پر پہنچے، وہاں اپنی مچھلی بھول گئے جس نے دریا میں سرگ^(۵) جیسا اپنا راستہ بنایا۔^(۶) (۶۱)

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَنْتَهُ لَا أَبْرُرُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْجَعْوَنَينَ
أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا^(۷)

فَلَمَّا بَلَغَ مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَ الْحُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَةً
فِي الْجَعْوَنَى^(۸)

(۱) اس سے مراد عاد شہود اور حضرت شعیب عليه السلام وغیرہ کی قومیں ہیں جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں ہی تھیں۔ انہیں بھی اگرچہ ان کے ظلم کے سبب ہی ہلاک کیا گیا لیکن ہلاکت سے پہلے انہیں پورا موقع دیا گیا اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کا ظلم و طغیان اس حد کو پہنچ گیا ہے، جہاں سے ہدایت کے راستے بالکل مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے خیر اور بھلائی کی امید باقی نہیں رہی، تو پھر ان کی مملت عمل ختم اور تباہی کا وقت شروع ہو گیا۔ پھر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ یا اہل دنیا کے لیے عبرت کا نمونہ بنادیا گیا۔ یہ دراصل اہل مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے آخری پیغمبر اور اشرف الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکتدیب کر رہے ہو، تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں جو مملت مل رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں بلکہ یہ مملت تو سنت اللہ ہے جو ایک وقت موعود تک ہر فرد، گروہ اور قوم کو وہ عطا کرتا ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور تم اپنے کفر و عناد سے باز نہیں آؤ گے تو پھر تمہارا حشر بھی اس سے مختلف نہیں ہو گا جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔

(۲) نوجوان سے مراد حضرت یوش بن نون علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔

(۳) اس مقام کی تعین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی ہے تاہم قرآن کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی رأس ہے جمال خلیج عقبہ اور خلیج سویں دونوں آکر ملتے اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مقالات جن کا ذکر مفسرین نے کیا ہے ان پر سرے سے مجمع البحرين کی تعبیر ہی صادق نہیں آتی۔

(۴) ٹھُبُت کے ایک مسٹی ۷۰ یا ۸۰ سال اور دوسرے معنی غیر معمن مدت کے ہیں۔ یہاں یہی دو سرما معنی مراد ہے۔ یعنی جب تک میں مجمع البحرين (جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں) نہیں پہنچ جاؤں گا، چلتا رہوں گا اور سفر جاری رکھوں گا، چاہے کتنا بھی عرصہ لگ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سفر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ انہوں نے ایک موقع پر ایک سائل کے جواب میں یہ کہ دیا کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ جملہ پسند نہیں آیا اور وحی کے ذریعے سے انہیں مطلع کیا کہ ہمارا ایک بندہ (خضر) ہے جو تجھ سے بھی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ اس سے ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں، وہیں ہمارا وہ

جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لاہما را کھانا دے ہمیں تو اپنے اس سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ (۶۲)

اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جبکہ ہم پتھر سے نیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مجھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس مجھلی نے ایک انوکھے طور پر دریا^(۱) میں اپنا راستہ بنایا۔ (۶۳)

موسیٰ نے کہا یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس لوئے۔ (۶۴)

پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے^(۲) کو پایا، جسے

فَلَمَّا جَاءَ زَوْرَاقَ إِلَيْهِ أَتَنَاعَدَاهُ تَأْلِقَنَا مِنْ سَفَرِنَا
فَلَذَّا صَبَّاً (۷)

قَالَ أَرَيْتَ إِذَا أَوْيَنَا إِلَى الصَّخْرَةِ قَاتِلَ تَبَيَّنَتِ الْحُوتُ
وَمَا أَنْسَنَنَا إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَأَتَخْذَلَ سَيِّلَهُ
فِي الْبَغْرَقِ عَجَباً (۸)

قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِيَ فَارْتَدَّا عَلَى أَثَارِهِمَا قَصَصًا (۹)

فَوَجَدَا عَبْدًا أَقِنْ عِبَادَنَا أَتَيْنَاهُ حِمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَمْنَاهُ

بندہ بھی ہو گا۔ نیز فرمایا کہ مجھلی ساتھ لے جاؤ، جہاں مجھلی تمہاری نوکری (زنیل) سے نکل کر غائب ہو جائے تو سمجھ لینا کہ یہی مقام ہے (بخاری، سورہ کف) چنانچہ اس حکم کے مطابق انسوں نے ایک مجھلی لی اور سفر شروع کر دیا۔

(۱) یعنی مجھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سمندر میں سرگنگ کی طرح راستہ بنایا۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے مجھلی کو سمندر میں جاتے اور راستے بننے ہوئے دیکھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔ حتیٰ کہ آرام کر کے وہاں سے پھر سفر شروع کر دیا، اس دن اور اس کے بعد رات سفر کر کے، جب دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوت اور بھوک محسوس ہوئی، تو اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ لاو بھئی کھانا، کھانا کھائیں۔ اس نے کہا، مجھلی تو، جہاں ہم نے پتھر سے نیک لگا کر آرام کیا تھا، وہاں زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی اور وہاں عجائب طریقے سے اس نے اپنا راستہ بنایا تھا، جس کا میں آپ سے تذکرہ کرنا بھول گیا۔ اور شیطان نے مجھے بھلا دیا۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اللہ کے بندے! جہاں مجھلی زندہ ہو کر غائب ہوئی تھی، وہی تو ہمارا مطلوبہ مقام تھا، جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے نشانات قدم دیکھتے ہوئے پیچھے لوٹے اور اسی مجمع البحرين پر واپس آگئے۔ قَصَصًا کے معنی ہیں پیچھے لگنا، پیچھے پیچھے چلنا۔ یعنی نشانات قدم کو دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

(۳) اس بندے سے مراد حضرت خضر ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحت ہے۔ خضر کے معنی سربراہ اور شاداب کے ہیں، یہ ایک مرتبہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین ان کے نیچے سے سربراہ ہو کر لمبمانے لگا، اسی وجہ سے ان کا نام خضر پڑ گیا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ کف)

ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت^(۱) عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص^(۲) علم سکھا رکھا تھا۔ (۴۵)
اس سے مویں نے کہا کہ میں آپ کی تابع داری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ (۴۶)

اس نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ (۴۷)
اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں^(۳) نہ لیا ہواں پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ (۴۸)

مویں نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ (۴۹)

اس نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کہی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں گا۔ (۵۰)

مِنْ لَدُنْنَا عِلْمٌ ۚ ۚ

قَالَ لَهُ مُوسَى مَلِئْتُكَ عَلَىٰ أَنْ تَعْلَمَنِ
مِنَ الْعِلْمِ مَرْشُدًا ۚ ۚ

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِعُ مَعِيَ صَبْرًا ۚ ۚ
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَكَ تُحْظِي بِهِ خُبْرًا ۚ ۚ

قَالَ سَتَجْدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَالِبًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۚ ۚ

قَالَ فَإِنَّ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَتَشَلَّفُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُخْبِثَ
لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۚ ۚ

(۱) رَحْمَةً سے بعض مفسرین نے وہ خصوصی اعلام مراد یہ ہیں جو اللہ نے اپنے اس خاص بندے پر فرمائے اور اکثر مفسرین نے اس سے مراد نبوت لی ہے۔

(۲) اس سے علم نبوت کے علاوہ جس سے حضرت مویں علیہ السلام بھی بہرہ ورتتے، بعض تکوینی امور کا علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت خضر کو نوازا تھا، حضرت مویں علیہ السلام کے پاس بھی وہ علم نہیں تھا۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض صوفیاء عویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جو نبی نہیں ہوتے، علم لدنی سے نوازتا ہے، جو بغیر استاد کے محض مبداؤ فیض کی کرم گستربی کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ باطنی علم، شریعت کے ظاہری علم سے جو قرآن و حدیث کی صورت میں موجود ہے، مختلف بلکہ بعض دفعہ اس کے مخالف اور معارض ہوتا ہے لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ حضرت خضر کی بابت تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو علم خاص دیئے جانے کی صراحت کر دی ہے، جب کہ کسی اور کے لیے ایسی صراحت کیمیں نہیں اگر اس کو عام کر دیا جائے تو پھر ہر شعبدہ باز اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، چنانچہ اس طبقے میں یہ دعوے عام ہی ہیں۔ اس لیے ایسے دعوؤں کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۳) یعنی جس کا پورا علم نہ ہو۔

پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، تو اس نے کشتی کے تختے توڑ دیئے، مویٰ نے کہا کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں تاکہ کشتی والوں کو ڈبو دیں، یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کروی۔^(۱) (۷۶)

اس نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔^(۲) (۷۷)

مویٰ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ کپڑیے اور مجھے اپنے کام میں تنگی میں نہ ڈالیے۔^(۳) (۷۸)

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک لڑکے کو پایا، اس نے اسے مار ڈالا، مویٰ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے عوض مار ڈالا؟ بیشک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی۔^(۴) (۷۹)

فَإِنْطَلَقَ أَسْحَبَ إِذَا رَكِبَ الْسَّيْفَنَ وَخَرَقَهَا قَالَ أَخْرَقَهَا
لِتَعْرِقَ أَهْلَهَا لِتَدْجِمَ شَيْئًا إِمْرًا^(۵)

قَالَ اللَّمَّا أَقْلَلَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِعَ مَعِ صَدْرًا^(۶)

قَالَ لَا تَوَاجِدُنِي بِمَا يَسِيْرُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي
عُمْرًا^(۷)

فَإِنْطَلَقَ أَسْحَبَ إِذَا أَقْيَى عَلْمًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقْتَلْتَ
نَفَّاسَارِيَةً لِغَيْرِ نَفَّيْنِ لِتَدْجِمَ شَيْئًا إِمْرًا^(۸)

(۱) حضرت مویٰ علیہ السلام کو چونکہ اس علم خاص کی خبر نہیں تھی جس کی بنا پر خفر نے کشتی کے تختے توڑ دیئے تھے، اس لیے صبر نہ کر سکے اور اپنے علم و فہم کے مطابق اسے نہایت ہولناک کام قرار دیا۔ اِمْرًا کے معنی ہیں الدَّاهِيَةُ الْعَظِيْمَةُ ”بِرَايِيْتْ نَاكَ كَام“۔

(۲) یعنی میرے ساتھ یہ رکام عاملہ کریں، تختی کا نہیں۔

(۳) غلام سے مراد بالغ جوان بھی ہو سکتا ہے اور نابالغ بچہ بھی۔

(۴) نُكْرًا، فَظِيْنَعًا مُنْكَرًا لَا يُعْرَفُ فِي الشَّرْعِ، ایسا برا برا کام، جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں انْكَرُ مِنَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ پہلے کام (کشتی کے تختے توڑنے) سے زیادہ برا کام۔ اس لیے کہ قتل، ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ ممکن نہیں۔ جب کہ کشتی کے تختے اکھیزوں نا، ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں، پہلے کام سے کم ترَأَفَلُ مِنَ الْأَمْرِ اس لیے کہ ایک جان کو قتل کرنا، سارے کشتی والوں کو ڈبو دینے سے کم تر ہے۔ (فتح القدر) لیکن پہلا مفہوم ہی انسب ہے، کیونکہ حضرت مویٰ علیہ السلام کو جو علم شریعت حاصل تھا، اس کی رو سے حضرت خفر کا یہ کام بہرحال خلاف شرع تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اعتراض کیا اور اسے نہایت برا کام قرار دیا۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِعَ مَعِيَ صَبْرًا ①

وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ (۷۵)

موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بیشک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف سے (حد) عذر (الکو پہنچ چکے۔ (۷۶)

پھر دونوں چلے ایک گاؤں والوں کے پاس آکر ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا، (۱) دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گراہی چاہتی تھی، اس نے اسے ٹھیک اور درست (۲) کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔ (۳) (۷۷)

اس نے کہا بس یہ جدا ہی ہے میرے اور تیرے درمیان، (۴)

(۱) یعنی اب اگر سوال کروں تو اپنی مصاجبت کے شرف سے مجھے محروم کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا، اس لیے کہ آپ کے پاس معقول عذر ہو گا۔

(۲) یعنی یہ بخیلوں اور لشکوں کی بستی تھی کہ مہمانوں کی مہمان نوازی سے ہی انکار کر دیا، دراں حالیکہ مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی کرنا ہر شریعت کی اخلاقی تعلیمات کا اہم حصہ رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہمان نوازی اور اکرام ضیافت کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ فرمایا «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلَنْ يَنْكِرْ مِنْهُ ضَيْفَهُ» (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۲۰۹/۵)

”جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت و تکریم کرے۔“

(۳) حضرت خضر نے اس دیوار کو ہاتھ لگایا اور اللہ کے حکم سے وہ مجرمانہ طور پر سیدھی ہو گئی۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے واضح ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جو اہل بستی کے رویے سے پسلے ہی کبیدہ خاطر تھے، حضرت خضر کے اس بلا معاوضہ احسان پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ جب ان بستی والوں نے ہماری مسافرت، ضرورت مندی اور شرف و فضل کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا تو یہ لوگ کب اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے؟

(۵) حضرت خضر نے کہا کہ موسیٰ (علیہ السلام) یہ تیرا موقعہ ہے کہ تو صبر نہیں کر سکا اور اب خود تیرنے کرنے کے مطابق میں تجھے ساتھ رکھنے سے مغذور ہوں۔

قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَا فَلَأُصْبِحِّنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ
مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ②

فَأَنْظَلَهَا سَعَى إِذَا آتَيَ أَهْلَ قَرْيَةٍ لَا يُسْتَطِعُهَا أَهْلَهَا فَإِذَا أَنْ
يُضَيْغُوهُمَا فَوَجَدَهَا فِيهَا حِدَادًا يُرِيدُهُ أَنْ يَنْقُضَ
فَأَقْاتَمَهُ قَالَ لَوْشَتَ لِمَ خَذَنَتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ③

عَلَيْهِ صَبُرًا ④

اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا دوں گا جس پر تجھے سے صبر نہ ہو سکا۔ ① (۷۸)

کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو جبرا ضبط کر لیتا تھا۔ ② (۷۹)

اور اس لڑکے کے ماں باپ ایمان والے تھے۔ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کر دے۔ ③ (۸۰)

أَمَا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسِيكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَلَدُثْ أَنْ أَعْدَمَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ إِلَكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصِّيًّا ④

وَأَنَا الْغَلُمُ فَكَانَ أَبُوهُ مُؤْمِنَينَ فَخَيْرِنَا أَنْ يُرْهِمَا طَغْيَانًا وَكُفْرًا ⑤

(۱) لیکن جدائی سے قبل حضرت خضر نے تینوں واقعات کی حقیقت سے انہیں آگاہ اور باخبر کرنا ضروری خیال کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کسی مغالطے کا شکار نہ رہیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ علم نبوت اور ہے، جس سے انہیں نوازا گیا ہے اور بعض تکوینی امور کا علم اور ہے جو اللہ کی حکمت و میثت کے تحت، حضرت خضر کو دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق انہوں نے ایسے کام کیے جو علم شریعت کی رو سے جائز نہیں تھے اور اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بجا طور پر ان پر خاموش نہیں رہے گئے تھے۔ انہی تکوینی امور کی انجام دہی کی وجہ سے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ حضرت خضر انسانوں میں سے نہیں تھے اور اسی لیے وہ ان کی نبوت و رسالت یا ولایت کی بحث میں نہیں پڑتے کیوں کہ یہ سارے مناصب تو انسانوں کے ساتھ ہی خاص رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بعض تکوینی امور سے مطلع کر کے ان کے ذریعے سے وہ کام کروالے، تو اس میں بھی کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ جب وہ صاحب وحی خود اس امر کی وضاحت کر دے کہ میں نے یہ کام اللہ کے حکم سے ہی کیے ہیں تو گو بظاہر وہ خلاف شریعت ہی نظر آتے ہوں، لیکن جب ان کا تعلق ہی تکوینی امور سے ہے تو وہاں جواز اور عدم جواز کی بحث ہی غیر ضروری ہے۔ جیسے تکوینی احکامات کے تحت کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی مرتا ہے، کسی کا کار و بار بتاہ ہو جاتا ہے، قوموں پر عذاب آتا ہے، ان میں سے بعض کام بعض دفعہ بہ اذنِ اللہ فرشتہ ہی کرتے ہیں، تو جس طرح یہ امور آج تک کسی کو خلاف شریعت نظر نہیں آئے۔ اسی طرح حضرت خضر کے ذریعے سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا تعلق بھی چوں کہ امور تکوینی سے ہے اس لیے انہیں شریعت کی ترازو میں تو نہای غیر صحیح ہے۔ البتہ اب وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کسی شخص کا اس قسم کا دعویٰ ہرگز صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہو گا جیسا کہ حضرت خضر سے منقول ہے کیوں کہ حضرت خضر کا معاملہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے، اس لیے مجال انکار نہیں۔ لیکن اب جو بھی اس قسم کا دعویٰ یا عمل کرے گا، اس کا انکار لازمی اور ضروری ہے کیوں کہ اب وہ یقینی ذریعہ علم موجود نہیں ہے جس سے اس کے دعوے اور عمل کی حقیقت واضح ہو سکے۔

اس لیے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلتے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت اور پیار والا بچہ عنایت فرمائے۔ (۸۱)

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شر میں دو متین بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں متین اپنی جوانی کی عمر میں آگرا پنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا،^(۱) یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبرنا ہو سکا۔ (۸۲)

آپ سے ذوالقرینین کا واقعہ یہ لوگ دریافت کر رہے ہیں،^(۲) آپ کہہ دیجئے کہ میں ان کا تھوڑا سا حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔ (۸۳)

فَأَرَدَنَا إِنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا وَنَحْنُ نَرْكُونَ وَأَقْرَبُهُمَا

وَأَنَا الْجَدَارُ فَكَانَ لِعُلَمَائِنَ يَتَبَيَّنُونَ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ
تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا
أَشَدَّهُمَا وَسَتَرَهُمْ جَاجَةً كَنْزُهُمَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّكَ وَمَافَعَلَهُ
عَنْ أَمْرِي ۚ ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۚ

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْهِمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ

(۱) حضرت خضر کی نبوت کے قائلین کی یہ دو سری دلیل ہے جس بے وہ نبوت خضر کا اثبات کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی غیر نبی کے پاس اس قسم کی وحی نہیں آتی کہ وہ اتنے اتنے اہم کام کسی اشارہ غیبی پر کر دے، نہ کسی غیر نبی کا ایسا اشارہ غیبی قابل عمل ہی ہے۔ نبوت خضر کی طرح حیات خضر بھی ایک حلقة میں مختلف فیز ہے اور حیات خضر کے قائلین بہت سے لوگوں کی ملاقاتیں حضرت خضر سے ثابت کرتے ہیں اور پھر ان سے ان کے اب تک زندہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن جس طرح حضرت خضر کی زندگی پر کوئی نص شرعی نہیں ہے، اسی طریقے سے لوگوں کے مکاشفات یا حالت بیداری یا نوم میں حضرت خضر سے ملنے کے دعوے بھی قابل تسلیم نہیں۔ جب ان کا حلیہ ہی مستند ذریحے سے منقول نہیں ہے تو ان کی شاخت کس طرح ممکن ہے؟ اور کیوں کریقین کیا جا سکتا ہے کہ جن بزرگوں نے ملنے کے دعوے کیے ہیں، واقعی ان کی ملاقات خضر موی علیہ السلام سے ہی ہوئی ہے، خضر کے نام سے انہیں کسی نے دھوکہ اور فریب میں بتلانہیں کیا۔

(۲) یہ مشرکین کے اس تیرے سوال کا جواب ہے جو یہودیوں کے کہنے پر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے۔ ذوالقرینین کے لفظی معنی دوسینگوں والے کے ہیں۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ فی الواقع اس کے سر پر دوسینگ تھے یا اس لیے کہ اس نے مشرق و مغرب دنیا کے دونوں کناروں پر پہنچ کر سورج کے قرن یعنی اس کی شعاع کا مشاہدہ کیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر پر بالوں کی دو لثیں تھیں، قرن بالوں کی لٹ کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی دو لثانوں یا دو مینڈھیوں یا، دو زلفوں والا۔ قدیم مفسرین نے بالعموم اس کا مصدقاق سکندر روی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا

ہم نے اسے زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے ^(۱) سامان بھی عنایت کر دیے تھے۔ (۸۳)
وہ ایک راہ کے پیچھے لگا۔ ^(۲) (۸۵)

یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا اور اسے ایک دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا ^(۳) اور اس چشمے

إِنَّا مَكَّنَاهُ فِي الْأَرْضِ وَاتَّبَعْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ^(۱)

فَاتَّبَعْنَاهُ سَبَبًا ^(۲)

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَنْزِبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ

ہوا تھا۔ لیکن جدید مفسرین جدید تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس پر جو داد تحقیق دی ہے اور اس شخص کی دریافت میں جو محنت و کاؤش کی ہے، وہ نہایت قابل قدر ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس ذوالقرنین کی بایت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمران تھا، جس کو اللہ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ ۲۔ وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا، ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دو سری طرف یاجوج اور ماجوج تھے۔ ۳۔ اس نے وہاں یاجوج ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک نہایت محکم بند تعمیر کیا۔ ۴۔ وہ عادل، اللہ کو مانے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا۔ ۵۔ وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمران ہے جسے یونانی سارس، عبرانی خورس، اور عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں، اس کا دور حکمرانی ۵۲۹ قبل مسح ہے۔ نیز فرماتے ہیں ۱۸۳۸ء میں سارس کے ایک مجتنے کا بھی اکٹھاف ہوا جس میں سارس کا جسم، اس طرح دکھلایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر بر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تو تفسیر ”ترجمان القرآن“ ج ۱، ص ۳۹۹-۳۹۰، طبع قدیم) واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سَبَبٌ کے اصلی معنی ری کے ہیں، اس کا اطلاق ایسے ذریعے اور وسیلے پر ہوتا ہے جو حصول مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے سَبَبٌ کے معنی ہیں، ہم نے اسے ایسے ساز و سامان اور وسائل مہیا کیے، جن سے کام لے کر اس نے فتوحات حاصل کیں، دشمنوں کا غور خاک میں ملایا اور ظالم حکمرانوں کو نیست و نابود کیا۔

(۲) دوسرے سب کے معنی راستے کے کیے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے وسائل سے مزید وسائل تیار اور مہیا کیے، جس طرح اللہ کے پیدا کردہ لوہے سے مختلف قسم کے ہتھیار اور اسی طرح دیگر خام مواد سے بہت سی اشیا بنائی جاتی ہیں۔

(۳) عَيْنٌ سے مراد چشمہ یا سمندر ہے۔ حَمِئَةٌ، پیچڑی، دلدل، وَجَدَ (پایا) یعنی دیکھایا محسوس کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین جب مغربی جت میں ملک پر ملک فتح کرتا ہوا، اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں آخری آبادی تھی وہاں گد لے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو پیچے سے سیاہ معلوم ہوتا تھا اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا سورج اس چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ ساحل سمندر سے یادور سے، جس کے آگے حد نظر تک کچھ نہ ہو، غروب شمس کا نظارہ کرنے والوں کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں یا زمین میں ڈوب رہا ہے حالاں کہ وہ اپنے مقام آسمان پر ہی ہوتا ہے۔

کے پاس ایک قوم کو بھی پایا، ہم نے فرمادیا (۱) کہ اے ذوالقرنین! یا تو تو انیں تکلیف پہنچائے یا ان کے بارے میں تو کوئی بہترین روشن اختیار کرے۔ (۲) (۸۶) اس نے کہا کہ جو ظلم کرے گا اسے تو ہم بھی اب سزادیں گے، (۳) پھر وہ اپنے پور دگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے سخت تر عذاب دے گا۔ (۸۷)

ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس کے لیے تو بدلتے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی ہی کا حکم دیں گے۔ (۸۸) (۴) پھر وہ اور راہ کے پیچھے لگا۔ (۸۹)

یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچاتو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتا پایا کہ ان کے لیے ہم نے اس سے اور کوئی اوٹ نہیں بنائی۔ (۹۰)

واقدہ ایسا ہی ہے اور ہم نے اس کے پاس کی کل خبروں کا احاطہ (۵) کر رکھا ہے۔ (۹۱)

وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا هَذِهِ الْأَقْرَبُونَ إِنَّمَا
تُعَذِّبَ وَإِنَّمَا تَتَخَذُ فِي عِمَّمٍ حُسْنًا ۚ

قَالَ إِنَّمَّا نَنْهَا ظُلْمَ سَوْفَ تُعَذِّبُهُ تَحْسِيدُ إِلَى رَتِّهِ فَيُعَذَّبُهُ
عَذَابًا لَّا تُنْتَزَعُ ۚ

وَإِنَّمَّا أَمْنَ وَعَمَلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ حَسْنٌ وَسَنَقُولُ لَهُ
مِنْ أَمْرِنَا يُنْزَعُ ۚ

لَمْ يَأْتِ عَبَدَنَا ۚ
حَتَّى إِذَا بَلَغَ مُطْلَعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا نَظَلَمُ عَلَى قَوْمٍ لَمْ يَجِدُ
لَهُمْ عِنْدَنَا دُونَهَا سُرْعًا ۚ

كَذَلِكَ وَقَدْ أَحْطَنَا بِمَا لَدَيْهُ خُبْرًا ۚ

(۱) قُلْنَا (ہم نے کما) بذریعہ وحی، اسی سے بعض علمانے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور جوان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت کے پیغمبر کے ذریعے سے ہم نے اس سے کہا۔

(۲) یعنی ہم نے اس قوم پر غلبہ دے کر اختیار دے دیا کہ چاہے تو اسے قتل کرے اور قیدی بنالے یا فدیہ لے کر یا بطور احسان چھوڑ دے۔

(۳) یعنی جو کفر و شرک پر جمارہ ہے گا، اسے ہم سزادیں گے یعنی پچھلی غلطیوں پر مٹا خذہ نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی اب مغرب سے مشرق کی طرف سفر اختیار کیا۔

(۵) یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو مشرقی جانب کی آخری آبادی تھی، اسی کو مطلع الشمس کہا گیا ہے۔ جہاں اس نے ایسی قوم دیکھی جو مکانوں میں رہنے کی بجائے میدانوں اور صحراؤں میں بسیرا کیے ہوئے، لباس سے بھی آزاد تھی۔ یہ مطلب ہے ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پرده اور اوٹ نہیں تھی۔ سورج ان کے نگے جسموں پر طلوع ہوتا۔

(۶) یعنی ذوالقرنین کی بابت ہم نے جو بیان کیا ہے وہ اسی طرح ہے کہ پہلے وہ مرتباً مغرب اور پھر مرتباً مشرق میں پہنچا اور ہمیں اس کی تمام صلاحیتوں، اسباب وسائل اور دیگر تمام باتوں کا پورا علم ہے۔

لَئِنْ أَتَيْتَهُ بِسَبَّا

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُهُمُ الْشَّدَّادُونَ وَجَدَوْنَ دُونَهُمَا قَوْمًا لَا يَعْلَمُونَ
يَعْقُلُهُمْ قَوْلًا

فَالْوَابِدُ الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي
الْأَرْضِ فَهُنَّ مَعْلُوكُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَعْمَلَ بِيَنَّنَا
وَيَنْهَا وَمُسْدَا

قَالَ مَا مَنِعَنِي فِيهِرِيْنِ حَيْرَفَأَعْنَوْنِ بِعُوقَةِ أَجْعَلَ بَيْنَنِ
وَيَنْهَهُ رَدْمَا

الْوَوْنِ زُبُرَ الْعَدِيْدِ مَحْتَىٰ إِذَا سَأَوْيَ بَيْنَ الصَّدَقَيْنِ قَالَ افْخُوْا
حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اتْوَنِ أَفْرَغْ عَلَيْهِ قَطْرًا

وَهُوَ كُلُّ سَفَرَكَ سَمَانَ مِنْ لَگَ-

(۱) (۹۲)

يَمَانَ تَكَ كَهْ جَبْ دُو دِيَارُولَ (۲) كَهْ دَرْمَيَانَ پَنْجَا ان
دوَنُوَنَ كَهْ پَرَےَ اَسَنَ اَيْكَ اَيْسَيَ قَوْمَ پَالَ جَوَبَاتَ سَجْنَهَ
كَهْ قَرِيبَ بَهْيَ نَهَ تَهْيَ-

(۳) (۹۳)

اَنْوَنَ نَهَ كَهْ كَهْ اَنَهَ ذَوَالْقَرْنَيْنِ! (۴) يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ اَسَ
مَلَكَ مِنْ (بَرَےَ بَهَارِي) فَسَادِيَ هِنَ، (۵) تَوْكِيَا هِمَ آپَ كَهْ
لَيَهَ كَچَهَ خَرْجَ كَاهْ تَقْلَامَ كَهْ دِيَسِ؟ (اسَ شَرْطَ پَرَكَه) آپَ
هَمَارَےَ اَورَانَ كَهْ دَرْمَيَانَ اَيْكَ دِيَارَ بَنَادِيَسِ- (۶)
اسَ نَهَ جَوَبَ دِيَاكَهَ مِيرَےَ اَخْتِيَارَ مِيزَ پَرَوَرَوَگَارَ
نَهَ جَوَدَ رَكْهَاَهَ وَهِيَ بَهْتَرَهَ، تَمَ صَرْفَ قَوْتَ (۷)
طَاقَتَ سَمِيرِيَ مَدَكْرُو- (۸)

مِنْ تَمَ مِنْ اَورَانَ مِنْ مَضْبُوطَ جَهَابَ بَنَادِيَتاَهُوَنَ- مجَھَهَ
لَوَهَهَ کَیِ چَادِرِیَسِ لَادَوَ- يَمَانَ تَكَ كَهْ جَبْ اَنَ دَوَنُوَنَ
پَهَارُوَنَ کَهْ دَرْمَيَانَ دِيَارَ بَهَارَ کَهْ دِيَ (۹) تَوْکِمَ دِيَاكَهَ
آگَ تَیَزَ جَلَادَ تَاوَقْتِیَکَهَ لَوَهَهَ کَیِ اَنَ چَادِرُوَنَ کَوَ بالَکَلَ

(۱) یعنی اب اس کا رخ کسی اور طرف کو ہو گیا۔

(۲) اس سے مراد دو پہاڑ ہیں جو ایک دو سرے کے مقابل تھے، ان کے درمیان کھائی تھی، جس سے یاجُوجَ وَمَاجُوجَ ادھرِ
آبادی میں آجائتے اور اودھم مچاتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے۔

(۳) یعنی اپنی زبان کے سوا کسی اور کسی زبان نہیں سمجھتی تھی۔

(۴) ذَوَالْقَرْنَيْنِ سے یہ خطاب یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوا ہو گایا اللہ تعالیٰ نے ذَوَالْقَرْنَيْنِ کو جو خصوصی اسَابَابَ و
وسَائِلَ مِيَارَفَمَائَ تَهْ، اَنَیِ مِنْ مُخْلِفَ زَبَانُوْنَ کَا عَلَمَ بَهْیَ ہو سکتا ہے اور یوں یہ خطاب براہ راست بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) یاجُوجَ وَمَاجُوجَ یہ دو قومیں ہیں اور حدیث صحیح کے مطابق نسل انسانی میں سے ہیں اور ان کی تعداد دوسری انسانی
سلوں کے مقابلے میں زیادہ ہو گی اور انہی سے جہنم زیادہ بھرے گی (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۃ الحج وَالرِّفَاق،
بابِ ان زلزلة الساعة شیء عظیم۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب "قوله يقول الله لا ادم اخرج بعث النار")

(۶) قَوْتَ سے مراد یعنی تم مجھے تغیراتی سامان اور رجال کا رہیا کرو۔

(۷) بَيْنَ الصَّدَقَيْنِ یعنی دَوَنُوَنَ پَهَارُوَنَ کے سروں کے درمیان جو خلاحتاً اسے لَوَهَهَ کی چھوٹی چھوٹی چادروں سے پر کر دیا۔

اگ کر دیا، تو فرمایا میرے پاس لاو اس پر پکھلا ہوا
تانا ڈال دوں۔^(۱)^(۶)

پس تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت تھی
اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے۔^(۷)
کہا یہ صرف میرے رب کی مریانی ہے ہاں جب میرے
رب کا وعدہ آئے گا تو اسے زمین بوس کر دے گا،^(۸)
بیٹک میرے رب کا وعدہ صحیح اور حق ہے۔^(۹)

فَمَا سَطَاعُوا أَن يُظْهِرُوهُ وَمَا أَسْتَطَاعُوا لَهُ نَعْبُدُ^(۱۰)

قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَإِذَا جَاءَهُ وَعْدُ رَبِّيْ فَجَعَلَهُ دَكَانَهُ
وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا^(۱۱)

(۱) قِطْرًا۔ پکھلا ہوا سیسے یا لوہا یا تانا۔ یعنی لوہے کی چادریوں کو خوب گرم کر کے ان پر پکھلا ہوا لوہا، تانا یا سیسے ڈالنے سے وہ پہاڑی درہ یا راست ایسا مضبوط ہو گیا کہ اسے عبور کر کے یا توڑ کر یا جوں و ماجوں کا ادھر دوسری انسانی آبادیوں میں آنا ناممکن ہو گیا۔

(۲) یعنی یہ دیوار اگرچہ بڑی مضبوط بنادی گئی جس کے اوپر چڑھ کریا اس میں سوراخ کر کے یا جوں و ماجوں کا ادھر آنا ممکن نہیں ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا، تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دے گا، اس وعدے سے مراد قیامت کے قریب یا جوں و ماجوں کا ظہور ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیوار میں تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا (صحیح بخاری، نمبر ۳۳۲۹، و مسلم، نمبر ۲۲۰۸) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ وہ ہر روز اس دیوار کو کھوڈتے ہیں اور پھر کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن جب اللہ کی مشیت ان کے خروج کی ہو گی تو پھر وہ کہیں گے کل ان شاء اللہ اس کو کھو دیں گے اور پھر دوسرے دن وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلایا میں گے حتیٰ کہ لوگ قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے جو خون آلوہ لوئیں گے، بالآخر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں پر ایسا کیڑا پیدا فرمادے گا جس سے ان کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔ (مسند احمد ۱۲/۱۰، جامع ترمذی نمبر ۳۵۲، والاحادیث الصحیحة للألبانی، نمبر ۱۴۲۵) صحیح مسلم میں نواس بن معان رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ یا جوں و ماجوں کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہو گا، (كتاب الفتنه وأشاراط الساعة، باب ذكر الدجال)، جس سے ان حضرات کی تردید ہو جاتی ہے، جو کہتے ہیں کہ تاتاریوں کا مسلمانوں پر حملہ یا مانگول ترک جن میں سے چنگیز بھی تھا یا روسی یا چینی قومیں یہی یا جوں و ماجوں ہیں، جن کا ظہور ہو چکا۔ یا مغربی قومیں ان کا مصدقہ ہیں کہ پوری دنیا میں ان کا غالبہ و تسلط ہے۔ یہ سب باقی غلط ہیں کیوں کہ ان کے غلبے سے سیاسی غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ قتل و غارت گری اور شروع فساد کا وہ عارضی غلبہ ہے جس کا مقابلہ کرنے کی طاقت مسلمانوں میں نہیں ہو گی، تاہم پھر وہی مرض سے سب کے سب کے آن واحد میں لقوعہ اجل بن جائیں گے۔

اس دن ہم انہیں آپس میں ایک دوسرے میں گذہ ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا پس سب کو اٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے۔^(۹۹)

اس دن ہم جنم کو (بھی) کافروں کے سامنے لا کھڑا کر دیں گے۔^(۱۰۰)

جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھی اور (امر حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔^(۱۰۱)

کیا کافر یہ خیال کیے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سواہ میرے بندوں کو اپنا حمایت بنالیں گے؟ (سن) ہم نے تو ان کفار کی صفائی کے لیے جنم کو تیار کر رکھا ہے۔^(۱۰۲)

کہہ دیجئے کہ اگر (تم کو تو) میں تمیس بتا دوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟^(۱۰۳)

وہ ہیں کہ جنکی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہو گئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔^(۱۰۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آئیوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا،^(۱۰۵) اس لیے ان کے اعمال

وَتَرَكُنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِنْ يَمُوجُونَ بَعْضٌ وَنُفْخَةٌ فِي الصُّورِ
فَجَمَعْهُمْ جَمِيعًا^(۱)

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِنْ لِلْكَافِرِ عَرْضًا^(۲)

إِنَّ الَّذِينَ كَانُوا أَعْيُنَهُمْ فِي غَطَّاءٍ عَنْ ذِكْرِنِي وَكَانُوا
لَا يَسْتَطِعُونَ سَمْعًا^(۳)

أَفَحِبُّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَخَذُنَا عِبَادَةً مِنْ
دُولَتِنَا أَوْ لِيَاءً إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِ نُنَلِّا^(۴)

فَلْ هُنَّ نُتَنَّكُمْ بِالْأَخْيَرِ مِنْ أَعْمَالِنَا^(۵)

الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ
أَنَّهُمْ عَصِيمُونَ صُنْعًا^(۶)

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَلَقِيلَهُ فَجَهَّطَ^(۷)

(۱) حَسِبَ، بمعنی ظَنَّ ہے اور عبادی (میرے بندوں) سے مراد، ملائکہ، مسح علیہ السلام اور دیگر صالحین ہیں، جن کو حاجت رو اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح شیاطین و جنات ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور استفهام زجر و توبخ کے لیے ہے۔ یعنی غیر اللہ کے یہ پچاری کیا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر اور میرے بندوں کی عبادت کر کے ان کی حمایت سے میرے عذاب سے نج جائیں گے؟ یہ ناممکن ہے، ہم نے تو ان کافروں کے لیے جنم تیار کر رکھی ہے جس میں جانے سے ان کو وہ بندے نہیں روک سکیں گے جن کی یہ عبادت کرتے اور ان کو اپنا حمایت سمجھتے ہیں۔

(۲) یعنی اعمال ان کے ایسے ہیں جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں، لیکن بزعم خویش سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ اس سے مراد کون ہیں؟ بعض کہتے ہیں، یہود و نصاری ہیں، بعض کہتے ہیں خارج اور دیگر اہل بدعت ہیں، بعض کہتے ہیں کہ مشرکین ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ آیت عام ہے جس میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جس کے اندر رذہ کوہ صفات ہوں گی۔ آگے ایسے ہی لوگوں کی بابت مزید و عیدیں بیان کی جا رہی ہیں۔

(۳) رب کی آیات سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ آیات تشريعی ہیں جو اس نے

غارت ہو گئے پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن
قائم نہ کریں گے۔^(۱) (۱۰۵)

حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا
اور میری آئتوں اور میرے رسولوں کو مذاق میں
اڑایا۔^(۱۰۶)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان
کے لیے الفردوس^(۲) کے باغات کی مہماں ہے۔^(۱۰۷)
جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلتے کا کبھی بھی
ان کا رادہ ہی نہ ہو گا۔^(۳) (۱۰۸)

کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے^(۴) لکھنے
کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی

أَعْمَالُهُ عَرَفَلَا نُقْيِمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَنَذَّرْنَا^(۱)

ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ يَأْتُهُمْ وَأَخْتَذُوا إِلَيْهِ وَرُسُلٌ هُنُّوا^(۲)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانُوا لَهُمْ جَنَّتُ^(۳)
الْفِرْدَوْسُ نَزَّلَ^(۴)

خَلِيلِينَ فِيهَا لَيَقُولُونَ عَمَّا يَحْوِلُ^(۵)

فُلُّ كُوْكَانَ الْبَعْرُودَادَ الْكَلْمَتَ رَبِّنِي لَنِيَنَدَ الْعَرْقَلَ آنَ سَقَنَ

انپی کتابوں میں نازل کیں اور پیغمبروں نے ان کی تبلیغ و توضیح کی۔ اور رب کی ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی
اور دوبارہ جی اٹھنے سے انکار ہے۔

(۱) یعنی ہمارے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو گی یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہیں کریں
گے کہ جس میں ان کے اعمال تو لے جائیں، اس لیے کہ اعمال تو ان موحدین کے تو لے جائیں گے جن کے نامہ اعمال
میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی، جب کہ ان کے نامہ اعمال، سنات سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح حدیث میں
آتا ہے کہ ”قیامت والے دن موٹا تازہ آدمی آئے گا، اللہ کے ہاں اس کا اتنا وزن نہیں ہو گا جتنا پھر کے پر کا ہوتا ہے،
پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری۔ سورۃ الکھف)

(۲) جنت الفردوس، جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، ”جب بھی تم اللہ سے
جنت کا سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا اعلیٰ حصہ ہے اور وہیں سے جنت کی نسروں پھوٹی ہیں۔“

(البخاری کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

(۳) یعنی اہل جنت، جنت اور اس کی نعمتوں سے کبھی نہ اکتا جیسے گے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی
خواہش ظاہر کریں۔

(۴) کلمات سے مراد، اللہ تعالیٰ کا علم محیط، اس کی حکمتیں اور وہ دلائل و براہین ہیں جو اس کی وحدانیت پر دال ہیں۔
انسانی عقليں ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بن جائیں اور سارے سمندر بلکہ ان کی
مثل اور بھی سمندر ہوں، وہ سب سیاہی میں بدل جائیں، قلم گھس جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی، لیکن رب کے
کلمات اور اس کی حکمتیں ضبط تحریر میں نہیں آسکیں گی۔

باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔ (۱۰۹)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ (۱) (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبد صرف ایک ہی معبد ہے، (۲) تو ہے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت (۳) میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔ (۱۰)

سورہ مریم کی ہے اور اس میں اٹھانوے آئیں اور چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو برا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
کیجus۔ (۱) یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا (۴) پر کی تھی۔ (۲)

تکلیف رَبِّنَا وَأَوْجَدْنَا بِإِشْلَهِ مَدْدًا

فُلِ إِيمَانًا بِأَنَّا بَرَثْلَكُمْ بُوْحَىٰ إِلَى إِيمَانِ الْهُكْمِ الْوَاحِدِ فَعَنْ كَانَ
يَرْجُو الْقَاءَ رَبِّهِ فَلَيَعْلَمَ عَلَاصِحًا وَلَا يُنْهَىٰ فِي عِيَادَةٍ وَرَبِّهِ أَحَدًا

سُورَةُ مَرْيَمٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کہیں عص ① ذَكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ ذَكْرٌ آتِ

(۱) اس لیے میں بھی رب کی باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

(۲) البتہ مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحی الہی آتی ہے۔ اسی وحی کی بدولت میں نے اصحاب کھف اور زوالقرین کے متعلق اللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ باتیں بیان کی ہیں جن پر مرور ایام کی دیزیز تھیں پڑی ہوئی تھیں یا ان کی حقیقت افسانوں میں گم ہو گئی تھی۔ علاوه اذیں اس وحی میں سب سے اہم حکم یہ دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبد صرف ایک ہے۔

(۳) عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا لیقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے۔ اور دوسرے، اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس لیے کہ بدعت اور شرک دونوں ہی جبط اعمال کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

☆ ہجرت جہش کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے کہ جہش کے باڈشاہ نجاشی اور اسکے معاہدین اور امرا کے سامنے جب سورہ مریم کا اہتدائی حصہ حضرت جعفر بن ابی طالب ہبڑی نے پڑھ کر سنایا تو ان سب کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور نجاشی نے کہا کہ یہ قرآن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو لے کر آئے ہیں، یہ سب ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں (فتح القدير)

(۴) حضرت زکریا علیہ السلام، انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ بڑھی تھے اور یہی پیشہ ان کا ذریعہ آمدی تھا۔

جبکہ اس نے اپنے رب سے چکے چکے دعا کی تھی۔^(۱)
 کہ اے میرے پروردگارا میری بُدھاں کمزور ہو گئی ہیں
 اور سر برداھا پے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے،^(۲) لیکن میں
 کبھی بھی تھے سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔^(۳)
 مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ذرہ ہے،^(۴)
 میری بیوی بھی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنے پاس سے
 وارث عطا فرمा۔^(۵)

جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب (علیہ السلام) کے
 خاندان کا بھی جانشین اور میرے رب اتواء مقبول
 بننے ہنالے۔^(۶)

اے زکریا! ہم تھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس
 کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی
 کو نہیں کیا۔^(۷)

زکریا (علیہ السلام) کئے گئے میرے رب اے میرے ہاں لڑکا

إِذْ نَادَ رَبَّهُ يَنْدَأْخْفِيَا^۱

قَالَ رَبِّي أَنِي وَهَنَ الظَّهُرُ مِنْيُ وَأَشْعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَعْلَانِ^۲

يُدْعَلِكَ رَبِّ شَقِيقِيَا^۳

وَأَنِي خَفَتُ الْوَالِيَ مِنْ وَرَاهِي وَكَانَتْ أَمْرَأَيْ عَاقِرًا^۴

فَهَبْلِي مِنْ لَدُنْكَ وَلَيَا^۵

يَرْبِّنِي وَعَرِثُ مِنْ إِلَيْ عَقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيَا^۶

بِرَّكَرِيَا نَبْشِرُكَ بِغُلَمَ لِاسْمُهُ يَعْيَى لَوْجَعَنَلَهُ مِنْ قَبْلِ^۷
 سَيِّيَا^۸

قَالَ رَبِّي أَنِي يَكُونُ لِيْ غُلَمٌ وَكَانَتْ أَمْرَأَيْ عَاقِرًا^۹

(صحیح مسلم، باب من فضائل زکریا)

(۱) خفیہ دعا اس لیے کی کہ ایک تو یہ اللہ کو زیادہ پسند ہے کیوں کہ اس میں تصرع و انبات اور خشوی و خضوع زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ انہیں یوقوف نہ قرار دیں کہ یہ بڑھا ب بڑھا پے میں اولاد مانگ رہا ہے جب کہ اولاد کے تمام ظاہری امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

(۲) یعنی جس طرح لکڑی آگ سے بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح میرا سر بالوں کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے مراد ضعف و کبر (بڑھا پے) کا اظہار ہے۔

(۳) اور اسی لیے ظاہری اسباب کے نقدان کے باوجود تھے سے اولاد مانگ رہا ہوں۔

(۴) اس ڈر سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا کوئی وارث میری مند و عظ و ارشاد نہیں سن بھالے گا تو میرے قرابت داروں میں اور تو کوئی اس مند کا اہل نہیں ہے۔ نتیجتاً میرے قرابت دار بھی تیرے راستے سے گریزو اخراج نہ اختیار کر لیں۔

(۵) ”اپنے پاس سے“ کا مطلب یہی ہے کہ گو ظاہری اسباب اس کے ختم ہو چکے ہیں، لیکن تو اپنے فضل خاص سے مجھ سے اولاد سے نواز دے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے صرف دعا قبول فرمائی بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرمادیا۔

وَقَدْ بَلَغْتُ مِنِ الْكِبَرِ عِتْيَا ①

کیسے ہو گا، جب کہ میری یوں بانجھ اور میں خود بڑھاپے
کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں۔^(۱) (۸)

ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا، تیرے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جبکہ کچھ نہ تھامیں تھے پیدا کر چکا ہوں۔^(۲) (۹)

کہنے لگے میرے پروردگار میرے لیے کوئی علامت مقرر فرمادے، ارشاد ہوا کہ تیرے لیے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔^(۳) (۱۰)

اب زکریا (علیہ السلام) اپنے جمرے^(۴) سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح و شام

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَى هَيْنَ وَقَدْ خَلَقْتَكَ مِنْ قَبْلٍ وَلَمْ تَكُنْ شَيْئًا ②

قَالَ رَبِّي أَجْعَلْتِي آيَةً قَالَ إِنَّكَ أَلَا تَحْكُمُ النَّاسَ تَلَكَ لَيَالِي سَوِيَّا ③

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمَحْرَابِ فَأَوْتَى الْيَقْوُمَ أَنْ سَيَّهُوا

(۱) عَاقِرٌ، اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جتنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو شروع سے ہی بانجھ ہو۔ یہاں یہ دوسرے معنی میں ہی ہے۔ جو لکڑی سوکھ جائے، اسے عِتیَا کہتے ہیں۔ مراد بڑھاپے کا آخری درجہ ہے جس میں ہڈیاں اکڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری یوں تو جوانی سے ہی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی آخری درجے پر پہنچ چکا ہوں، اب اولاد کیسے ممکن ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی الہیہ کا نام اشاع بنت فاقود بن میل ہے اور یہ حضرت حنہ (والدہ مریم) کی بہن ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ گلتا ہے کہ اشاع بھی حضرت عمران کی دختر ہیں جو حضرت مریم کے والد تھے۔ یوں حضرت میحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ حدیث صحیح سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدير)

(۲) فرشتوں نے حضرت زکریا کا تجہب دور کرنے کے لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بیٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کے مطابق یقیناً تجھے بیٹا ملے گا، اور یہ اللہ کے لیے قطعاً مشکل کام نہیں ہے کیوں کہ جب وہ تجھے نیست سے ہست کر سکتا ہے تو تجھے ظاہری اسباب سے ہست کر بیٹا بھی دے سکتا ہے۔

(۳) راتوں سے مراد، دن اور رات ہیں اور سوئا کا مطلب ہے بالکل ٹھیک ٹھاک، تند رست، یعنی اسی کوئی بیماری نہیں ہو گی جو تجھے بولنے سے روک دے۔ لیکن اس کے باوجود تیری زبان سے گفتگو نہ ہو سکے تو سمجھ لینا کہ خوشخبری کے دن قریب آگئے ہیں۔

(۴) مِخْرَابٌ سے مراد وہ جھرہ ہے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ حَرْبٌ سے ہے جس کے معنی لڑائی کے ہیں۔ گویا عبادت گاہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرنا ایسے ہے گویا وہ شیطان سے لڑ رہا ہے۔

بِكُرَّةٍ وَعَشِيًّا ۝

يَحِينَى حِينَ الْكِتَبَ يُقْرَأُ وَإِذْنَهُ الْحَمَاءِ صَبَّى ۝

وَحَنَانًا قِنْ لَدُنَّا وَزَكُورًا وَسَكَانَ تَقِيًّا ۝

وَبَرَأَ بَوْلَدِيَّهُ وَلَمْ يَكُنْ جَنَارًا عَصِيًّا ۝

وَسَلَمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ فُلْدَ وَيَوْمَ مِهُوتُ وَيَوْمَ يُبَعْثُ حَيًّا ۝

وَأَذْكُرْنَى الْكِتَبَ مَرِيمَ إِذَا نَتَبَذَّتْ مِنْ أَهْلَنَا مَكَانًا

اللَّهُ تَعَالَى كَيْ تَبِعَ بَيَانَ كَرُو ۝

”اے بھی! میری کتاب^(۱) کو مغضوبی سے تھام لے“ اور
ہم نے اسے لڑ کپن، ہی سے دانائی عطا فرمادی۔^(۲)

اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی،^(۳) وہ پر ہیز گار
شخص تھا۔^(۴)

اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا وہ
سرکش اور گناہ گارنے تھا۔^(۵)

اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ
مرے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔^(۶)

اس کتاب میں مریم کا بھی واقعہ بیان کر جبکہ وہ اپنے گھر

(۱) صبح و شام اللہ کی تسبیح سے مراد عصر اور فجر کی نماز ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان دو وقتوں میں اللہ کی تسبیح و تحمید اور تنزیہ کا خصوصی اہتمام کرو۔

(۲) یعنی اللہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی علیہ السلام عطا فرمایا اور جب وہ کچھ بڑا ہوا گوا بھی بچہ ہی تھا، اسے اللہ نے کتاب کو مغضوبی سے پکڑنے یعنی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ کتاب سے مراد تورات ہے یا ان پر مخصوص نازل کردہ کوئی کتاب ہے جس کا اب ہمیں علم نہیں۔

(۳) حُكْمٌ سے مراد دانائی، عقل، شعور، کتاب میں درج احکام دینیہ کی سمجھ، علم و عمل کی جامیعت یا نبوت مراد ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ حکم میں یہ ساری ہی چیزیں داخل ہوں۔

(۴) حَنَانًا، شفقت، مربانی، یعنی ہم نے اس کو والدین اور اقربا پر شفقت و مربانی کرنے کا جذبہ اور اسے نفس کی آلاتشوں اور گناہوں سے پاکیزگی و طمارت بھی عطا کی۔

(۵) یعنی اپنے ماں باپ کی یا اپنے رب کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں والدین کے لیے شفقت و محبت کا اور ان کی اطاعت و خدمت اور حسن سلوک کا جذبہ اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے تو یہ اس کا خاص فضل و کرم ہے اور اس کے بر عکس جذبہ یا رویہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

(۶) تین مواقع انسان کے لیے سخت و حشت ناک ہوتے ہیں، ۱- جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے ۲- جب موت کا شکنجه اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے ۳- اور جب اسے قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے کو میدان محسوس کی ہو لانا کیوں میں گھرا ہو اپائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان تینوں جگہوں میں اس کے لیے ہماری طرف سے سلامتی اور امان ہے۔ بعض اہل بدعت اس آیت سے یوم ولادت پر ”عید میلاد“ کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ لیکن کوئی ان سے پوچھئے تو پھر یوم وفات پر ”عید وفات“ یا

کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی جانب آئیں۔ (۱۷)
اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا،^(۱۸) پھر ہم نے اس
کے پاس اپنی روح (جبرايل عليه السلام) کو بھیجا پس وہ
اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔^(۱۹) (۱۸)
یہ کہنے لگیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو
کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے۔^(۲۰)
اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں،
تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں۔^(۲۱)
کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی
انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بد کار ہوں۔^(۲۲)

شُرِقِيَّاً

فَأَتَخَذَتْ مِنْ دُونِهِ حِجَابًا سَفَارِسْلَنَا إِلَيْهَا رَوَحَنَا
فَتَبَثَّلَ لَهَا بَثَّرًا سَوِيًّا ⑥

قالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ⑦

قالَ إِنَّمَا أَنَا سَوْلُ رَبِّيُّ لِأَهَبَ لَكِ عِلْمًا زَكِيًّا ⑧

قالَتْ أَنِّي يَكُونُ لِي عِلْمٌ وَلَمْ يَمْسِسْنِي بَشَرٌ لَمْ

أَكُ بَعْنَيًّا ⑨

”عید ممات“ بھی منانی ضروری ہوئی۔ کیوں کہ جس طرح یوم ولادت کے لیے ”سلام“ ہے یوم وفات کے لیے بھی سلام ہے۔ اگر محض لفظ ”سلام“ سے ”عید میلاد“ کا ثابت ممکن ہے تو پھر اسی لفظ سے ”عید وفات“ کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ لیکن یہاں وفات کی عید تو کجا، سرے سے وفات و ممات ہی کا انکار ہے۔ یعنی وفات نبوی ﷺ کا انکار کر کے نص قرآنی کا تو انکار کرتے ہی ہیں، خود اپنے استدلال کی رو سے بھی آیت کے ایک جزو کو تمانے ہیں، اور اسی آیت کے دو سرے جز سے، ان ہی کے استدلال کی روشنی میں، جو ثابت ہوتا ہے، اس کا انکار ہے۔ ﴿ أَقْتُوْمُونَ بِعَيْنِ الْكَيْثِ وَكَلْمُونَ بِعَيْنِ^{۱۱} ﴾ (البقرة: ۸۵) ”کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟“

(۱) یہ علیحدگی اور حجاب (پرده) اللہ کی عبادت کی غرض سے تھا اسکر انہیں کوئی نہ دیکھے اور یکسوئی حاصل رہے یا طمارت حیض کے لیے۔ اور مشرقی مکان سے مراد بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔

(۲) رُوح سے مراد حضرت جبرايل عليه السلام ہیں، جنہیں کامل انسانی شکل میں حضرت مریم کی طرف بھیجا گیا، حضرت مریم نے جب دیکھا کہ ایک شخص بے دھڑک اندر آگیا ہے تو ذرگیں کہ یہ بڑی نیت سے نہ آیا ہو۔ حضرت جبرايل عليه السلام نے کہا میں وہ نہیں ہوں جو تو گمان کر رہی ہے بلکہ تیرے رب کا قاصد ہوں اور یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے لڑکا عطا فرمائے گا، بعض قراءتوں میں لیہب صیغہ غائب ہے۔ متكلّم کا صیغہ (جو موجودہ قراءت میں ہے) اس لیے بولا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے حضرت جبرايل عليه السلام نے ان کے گریان میں پھونک ماری تھی جس سے باذن اللہ ان کو حمل نہ گیا تھا۔ اس لیے ہبہ کا انتساب اپنی طرف کر لیا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو اور یہاں خکایتاً نقل ہوا ہو۔ اس اعتبار سے تقدیر کلام یوں ہو گی، أَزْسَلَنِي، يَقُولُ لَكَ أَرَسَلْتُ رَسُولِي إِلَيْكَ لِأَهَبَ لَكَ (ایسرا التفاسیر) یعنی ”اللہ نے مجھے تیرے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میں نے تیری طرف اپنا قاصد یہ

اس نے کہا بات تو یہی ہے،^(۱) لیکن تیرے پر دردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنادیں^(۲) گے اور اپنی خاص رحمت،^(۳) یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔^(۴) (۲۱)

پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔^(۵) (۲۲)

پھر درد زہ اسے ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا، بولی کاش! میں اس سے پسلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔^(۶) (۲۳)

انتہے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزر دہ خاطر نہ ہو، تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔^(۷) (۲۴)

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْنَ وَلَنْجَعَلَهُ إِنَّهُ
لِلَّئَاءِ وَرَحْمَةٌ مِّنْكَ وَكَانَ أَمْرًا مُقْضِيًّا^(۸)

فَجَعَلَتُهُ فَانْبَذَتْ يِه مَكَانًا فَصِيَّا^(۹)

فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ حِدْنِ الْتَّغْلِيَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي وَمُثْ
قْبُلَ هَذَا وَلَنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا^(۱۰)

فَنَادَنَهَا مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرَنِ قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ
تَحْتَكِ سَرِيًّا^(۱۱)

وَهُرِيَّ إِلَيْكِ بِعِدْنِ التَّغْلِيَةِ تُلْقِطُ عَلَيْكِ

بتلانے کے لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں گا۔ اس طرح حذف اور تقدیر کلام قرآن میں کئی جگہ ہے۔
(۱) یعنی یہ بات تو صحیح ہے کہ تجھے مرد سے مقاربت کا کوئی موقع نہیں ملا ہے، جائز طریقے سے نہ ناجائز طریقے سے۔ جب کہ حمل کے لیے عادتاً یہ ضروری ہے۔

(۲) یعنی میں اسباب عادیہ کا محتاج نہیں ہوں، میرے لیے یہ بالکل آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرت تخلیق کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے تمہارے باپ آدم کو مرد اور عورت کے بغیر، اور تمہاری ماں حوا کو صرف مرد سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے چوتھی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے صرف عورت کے بطن سے، بغیر مرد کے پیدا کر دینا۔ ہم تخلیق کی چاروں صورتوں پر قادر ہیں۔

(۳) اس سے مراد نبوت ہے جو اللہ کی رحمت خاص ہے اور ان کے لیے بھی جو اس نبوت پر ایمان لا سیں گے۔

(۴) یہ اسی کلام کا تتمہ ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے نقل کیا ہے۔ یعنی یہ اعجازی تخلیق۔ تو اللہ کے علم اور اس کی قدرت و مشیت میں مقدر ہے۔

(۵) موت کی آرزو اس ڈر سے کی کہ میں نیچے کے مسئلے پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکوں گی، جب کہ میری بات کی کوئی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو گا۔ اور یہ تصور بھی روح فرستاخ کا کہاں میری شرست ایک عابدہ وزاہدہ کے طور پر ہے اور اس کے بعد لوگوں کی نظروں میں بد کار نہ ہوں گی۔

رُطْبًا جَنِيًّا ①

فَكُلُّنَا شَرِيفٌ وَقَرِئَ عَيْنَا فَإِمَانًا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا
فَقُولِيلٌ إِذَا نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أَكُلُّ الْيَوْمَ إِثْنِيَّةً ②

تروتازہ کی کھجوریں گرا دے گا۔^(۱) (۲۵)
اب چین سے کھاپی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ،^(۲) اگر تھے
کوئی انسان نظر پڑ جائے تو کہ^(۳) دنیا کہ میں نے اللہ
رحم کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص
سے بات نہ کروں گی۔^(۴) (۲۶)

اب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو لیے ہوئے وہ اپنی قوم
کے پاس آئیں۔ سب کنے لگے مریم تو نے بڑی بڑی
حرکت کی۔^(۲۷)

ایے ہارون کی بُن!^(۳) نہ تو تیرا باپ برآدمی تھا اور نہ
تیری ماں بد کار تھی۔^(۲۸)

مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ سب کنے لگے کہ
لو بھلا ہم گود کے بچے سے باہم کیسے کریں؟^(۲۹)
بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے
کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا^(۵) ہے۔^(۳۰)

فَأَتَتْ يَهُوَ قَوْمَهَا أَعْيَلَهُ فَالْوَالِيَّرِيمُ لَقَدْ جَعَلْتَ شَيْنًا فَرِيًّا ③

يَا كُنْتَ هُرُونَ نَاكَانَ أَبُوكَ امْرَأَسُوءَ وَمَا كَانَتْ أُنُكَ بَعِيْنَا ④

فَأَشَارَتِ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نَكُلُّ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَيِّيَّا ⑤

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ أَتَتَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ⑥

(۱) سَرِيًّا چھوٹی نہ رہا پانی کا چشمہ۔ یعنی بطور کرامت اور خرق عادت، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاؤں تلے، پینے کے لیے پانی کا اور کھانے کے لیے ایک سوکھے ہوئے درخت میں کپکی ہوئی تازہ کھجوروں کا انظام کر دیا۔ نداوینے والے حضرت جبرایل علیہ السلام تھے، جنہوں نے وادی کے بچے سے آواز دی اور کہا جاتا ہے کہ سریٰ بمعنی سردار ہے اور اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور انہی نے حضرت مریم کو بچے سے آواز دی تھی۔

(۲) یعنی کھجوریں کھا، چشمے کاپانی پی اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔

(۳) یہ کہنا بھی اشارے سے تھا، زبان سے نہیں، علاوه ازیں ان کے ہاں روزے کا مطلب ہی کھانے اور بولنے سے پرہیز تھا۔

(۴) ہارون سے مراد ممکن ہے ان کا کوئی یعنی یا علاقتی بھائی ہو، یہ بھی ممکن ہے ہارون سے مراد ہارون رسول (برادر موسیٰ علیہ السلام) ہی ہوں اور عربوں کی طرح ان کی نسبت اخوت ہارون کی طرف کر دی، جیسے کہا جاتا ہے یا أَخَاتَنِيْمِ! یا أَخَا الْعَرَبِ وَغَيْرِهِ یا تقویٰ و پاکیزگی اور عبادات میں حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح انہیں سمجھتے ہوئے، انہیں مشیلت اور مشاہدت میں اخت ہارون کہا ہو، اس کی مثالیں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں (ایسرا التغایر و ابن کثیر)

(۵) یعنی قضا و قدر ہی میں اللہ نے میرے لیے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا۔

اور اس نے مجھے بارکت کیا ہے^(۱) جہاں بھی میں ہوں،
اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی
میں زندہ رہوں۔^(۳۱)

اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنا�ا ہے^(۲) اور
مجھے سرکش اور بد بخت نہیں کیا۔^(۳۲)

اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن
اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی
سلام ہے۔^(۳۳)

یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کا، یہی ہے وہ
حق بات جس میں لوگ شک و شبہ میں بدلائیں۔^(۳۴)
اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا لائق نہیں، وہ تو بالکل پاک
ذات ہے، وہ توجہ کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ
کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا

وَجَعَلَنِي مُبْدِئًا إِنْ مَا لَنِي وَأُوصِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكُوٰۃِ
مَادِمٌ حَيَاً^(۱)

فَبَرَأَ بِوَالدَّقِّ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَارًا شَقِيقًا^(۲)

وَالسَّلَامُ عَلَى يَوْمِ الْمُلْدُثِ وَيَوْمِ الْمَوْتِ وَيَوْمِ الْبَعْثَ
حَيَا^(۳)

ذَلِكَ عَيْنَى ابْنُ مُرْيَمَ قَوْلُ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَسْرُونَ^(۱)

مَا كَانَ يَلْوَأْنُ يَنْجِذَبَ مِنْ وَكِيدِ لَسْبِعَنَةِ إِذَا أَضَى أَمْرًا
فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ^(۲)

(۱) اللہ کے دین میں ثابت قدم، یا ہر چیز میں زیادتی، علو اور کامیابی میرا مقدر ہے یا لوگوں کے لیے نافع، معلم خیریا
معروف کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا۔ (فتح القدير)

(۲) صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر سے بھی واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے
ایک اعجازی شان کی حامل ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح بَرَأَ بِوَالدَّقِّ (ماں باپ
کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا) کہتے یہ نہ کہتے کہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں باپ کا خدمت گزار اور اطاعت شمار نہیں ہوتا، اس کی فطرت میں سرکشی اور
قسمت میں بد بختی لکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساری گفتگو ماضی کے صیغوں میں کی ہے حالاں کہ ان تمام
باتوں کا تعلق مستقبل سے تھا، کیوں کہ ابھی تو وہ شیر خوار بچے ہی تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ اللہ کی تقدیر کے ایسے اٹل فیصلے
تھے کہ گوا بھی یہ معرض ظہور میں نہیں آئے تھے لیکن ان کا وقوع اسی طرح یقینی تھا جس طرح ماضی کے گزرے ہوئے
واقعات شک و شبہ سے بالا ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی یہ ہیں وہ صفات، جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام متصف تھے نہ کہ ان صفات کے حامل، جو نصاریٰ نے غلوکر
کے ان کے بارے میں باور کرائیں اور نہ ایسے، جو یہودیوں نے تفیریت و تنقیص سے کام لیتے ہوئے ان کی بابت کہا۔ اور
یہی حق بات ہے جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں۔

ہے۔^(۱)
(۳۵)

میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔^(۳۶)

پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے،^(۲) پس کافروں کے لیے "ویل" ہے ایک بڑے (خت) دن کی حاضری سے۔^(۳)
(۳۷)

کیا خوب دیکھنے سننے والے ہوں گے اس دن جبکہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے،^(۴) لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۳۸)

تو انہیں اس رنج و افسوس کے دن^(۵) کا ذریعہ نہیں کام انجام کو پنچا دیا جائے گا،^(۶) اور یہ لوگ غفلت اور

وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّنَا وَرَبِّكُمْ قَاتِلُكُمْ فَأَعْبُدُهُ هَذَا صِرَاطٌ

مُسْتَقِيمٌ^(۷)

فَاخْتَلَفَ الْأَخْرَابُ مِنْ أَيْدِيهِمْ فَوْلَىٰ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
مَشْهَدِيَّةِ عَظِيمٍ^(۸)

آسِعِ بِهِمْ وَأَبْصِرُهُ يَوْمَ يَأْتُونَا لِكِنَّ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ
فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ^(۹)

وَإِنَّدِرُهُمْ بِيَوْمِ الْحِسْرٍ قَذْفُنِ الْأَمْرَ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ

(۱) جس اللہ کی یہ شان اور قدرت ہو اسے بھلا ولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسی طرح اس کے لیے بغیر باپ کے پیدا کر دنا کون سامشکل امر ہے۔ گویا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت سے انکار کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ کی قدرت و طاقت کے مکر ہیں۔

(۲) یہاں الاحزاب سے مراد اہل کتاب کے فرقے اور خود عیسائیوں کے فرقے ہیں۔ جہنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ وہ جادوگار اور ولد اژنا۔ یعنی یوسف نجار کے بیٹے ہیں نصاریٰ کے نسلیوریہ (پروٹست) فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ ہیں، ملکیہ یا سلطانیہ (کیتوولک) فرقے نے کہا وہ ثالث ثلائۃ (تین خداوں میں سے تیرے) ہیں اور تیسرے فرقے یعقوبیہ (آر تھوڈ کس) نے کہا، وہ اللہ ہیں۔ پس یہودیوں نے تفریط اور تقصیر کی عیسائیوں نے افراط و غلو (ایسرا الفاسیر، فتح القدری)

(۳) ان کافروں کے لیے جہنوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس طرح اختلاف اور افراط و تفریط کا ارتکاب کیا، قیامت والے دن جب وہاں حاضر ہوں گے، ہلاکت ہے۔

(۴) یہ تجب کے صیغہ ہیں یعنی دنیا میں تو یہ حق کے دیکھنے اور سننے سے انہیں اور بہرے رہے لیکن آخرت میں یہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والے ہوں گے؟ لیکن وہاں یہ دیکھنا سننا کام کا؟

(۵) روز قیامت کو یوم حسرت کہا، اس لیے کہ اس روز سب ہی حسرت کریں گے۔ بد کار حسرت کریں گے کہ کاش انہوں نے برا بیان نہ کی ہوتیں اور نیکو کار اس بات پر حسرت کریں گے کہ انہوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیاں؟

(۶) یعنی حساب کتاب کر کے صحیح لپیٹ دیے جائیں گے اور جنتی جنت میں اور جہنمی، جہنم میں چلے جائیں گے۔ حدیث

لَا يُؤْمِنُونَ ④

إِنَّا لَنَحْنُ نَرْثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِنَّا نُرْجِعُهُنَّ ⑤

بے ایمانی میں ہی رہ جائیں گے۔ (۳۹)

خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا کر لائے جائیں گے۔ (۴۰)

اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کر، پیش کروہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔ (۴۱)

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کماکہ ابا جان! آپ ان کی پوچاپاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں۔ (۴۲)

میرے میریان باپ! آپ دیکھیے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں، تو آپ میری ہی مانیں میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری

وَذُكْرُنِ الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ذَلِكَ كَانَ صِدِيقًا لَنِّي ⑥

إِذْ قَالَ لِآبِيهِ يَا بَتِّي لَمْ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمُعُ وَلَا يَعْيَرُ وَلَا يُقْنَعُ
عَنْكَ شَيْئًا ⑦

يَا بَتِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي

أَهْدِكَ حِرَاطَاسَوْيَا ⑧

میں آتا ہے کہ اس کے بعد موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، جنتیوں اور دوزخیوں دونوں سے پوچھا جائے گا، اسے پوچھنے ہو، یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے، ہاں یہ موت ہے پھر ان کے سامنے اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے اہل جنت! تمہارے لیے جنت کی زندگی ہمیشہ کے لیے ہے، اب موت نہیں آئے گی۔ دوزخیوں سے کما جائے گا اے دوزخیو! تمہارے لیے یہ دوزخ کا عذاب دائیں ہے، اب موت نہیں آئے گی۔ (صحیح بخاری۔ سورہ مریم، مسلم 'کتاب الجنۃ'، باب النار یدخلها الجبارون....)

(۱) صِدِيقٌ صِدقٌ، (سچائی) سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت راست باز، یعنی جس کے قول و عمل میں مطابقت اور راست بازی اس کا شعار ہو۔ صدیقیت کا یہ مقام، نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے ہر بھی اور رسول بھی اپنے وقت کا سب سے بڑا راست باز اور صداقت شعار ہوتا ہے، اس لیے وہ صدیق بھی ہوتا ہے۔ تاہم ہر صدیق، نبی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں حضرت مریم کو صدیقہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت اور راست بازی میں بہت اوپنے مقام پر فائز تھیں تاہم نبیر نہیں تھیں۔ امت محمدیہ میں بھی صدیقین ہیں۔ اور ان میں سرفہرست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیا کے بعد امت میں خیر البشر تسلیم کیے گئے ہیں۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

(۲) جس سے مجھے اللہ کی معرفت اور اس کا لیقین حاصل ہوا، بعث بعد الموت اور غیر اللہ کے پجاریوں کے لیے دائیں عذاب کا علم ہوا۔

کروں گا۔^(۱)
(۳۳)

میرے اباجان آپ شیطان کی پرستش سے باز
آجائیں شیطان تو رحم و کرم والے اللہ تعالیٰ کا برا
ہی نافرمان ہے۔^(۲)
(۳۴)

اباجان! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی
عذاب الٰہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی
بن جائیں۔^(۳)
(۳۵)

اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبدوں
سے روگردانی کر رہا ہے۔ سن اگر تو بازنہ آیا تو میں تجھے
پھرلوں سے مارڈالوں گا، جا ایک مدت دراز تک مجھ سے
الگ رہ۔^(۴)
(۳۶)

کما اچھا تم پر سلام ہو،^(۵) میں تو اپنے پور و دگار سے

يَا بَتَّ أَنْتَ أَخَافُ أَنْ يَسْتَكْ عَذَابَنِ الرَّحْمَنِ
يَأْتِيَتْ لِلشَّيْطَنِ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا^(۶)

يَا بَتَّ أَنْتَ أَخَافُ أَنْ يَسْتَكْ عَذَابَنِ الرَّحْمَنِ

فَكُلُّونَ لِلشَّيْطَنِ وَلِيَّا^(۷)

قَالَ لِغَبَّ أَنْتَ عَنِ الْعِيْنِ يَأْتِيَرُهُمْ لَمْ يَتَّهِمُوا لَدَّ حِسْنَةٍ

وَاهْجُرْنِيَّ بِلِيَّا^(۸)

قَالَ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَأَتَغْفِرُ لَكَ رَبِّ إِنَّهُ كَانَ بِنُ حَفِيَّا^(۹)

(۱) جو آپ کو سعادت ابدی اور نجات سے ہمکنار کر دے گی۔

(۲) یعنی شیطان کے وسوے اور اس کے بھکاوے سے آپ جو ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو سننے دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچانے کی قدرت، تو یہ دراصل شیطان ہی کی پرستش ہے۔ جو اللہ کا نافرمان ہے اور دوسروں کو بھی اللہ کا نافرمان بناؤ کر ان کو اپنے جیسا ہی بنانے پر تلا رہتا ہے۔

(۳) اگر آپ اپنے شرک و کفر پر باتی رہے اور اسی حال میں آپ کو موت آگئی، تو عذاب الٰہی سے آپ کو کوئی نیس بچا سکے گا۔ یا دنیا میں ہی آپ عذاب کا شکار نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر ہمیشہ کے لیے راندہ بارگاہ الٰہی ہو جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب و احترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے، نہایت شفقت اور پیار کے لمحے میں باپ کو توحید کا وعظ سنایا۔ لیکن توحید کا یہ سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لمحے میں بیان کیا جائے، مشرک کے لیے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت درشتی اور تلمیخ کے ساتھ مودہ بیٹے کو کہا کہ اگر تو میرے معبدوں سے روگردانی کرنے سے بازنہ آیا تو میں تجھے سنگار کر دوں گا۔

(۴) ملیٹا، دراز مدت، ایک عرصہ۔ دوسرے معنی اس کے صحیح و سالم کے کئے گئے ہیں۔ یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیڑنہ تزویلنا۔

(۵) یہ سلام تھیے نہیں ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرتا ہے بلکہ ترک مخالفت کا اظہار ہے جیسے —
﴿وَلَذَا خَاطَبَهُمُ الْجِهَنَّمُ فَأَلْوَسَلَّمَ﴾ (الفرقان-۶۳) ”جب بے علم لوگ ان سے باٹیں کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ

تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا،^(۱) وہ مجھ پر حد درجہ
صریان ہے۔^(۲)

میں تو تمیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا
پکارتے ہو انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے
پروردگار کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے
پروردگار سے دعاماً نگ کر محروم نہ رہوں گا۔^(۳)

جب ابراہیم (علیہ السلام) ان سب کو اور اللہ کے سوا ان
کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انہیں اسحاق و
یعقوب (علیہما السلام) عطا فرمائے،^(۴) اور دونوں کو نبی بنا
دیا۔^(۵)

اور ان سب کو ہم نے اپنی بست سی رحمتیں^(۶) عطا
فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جیل کو بلند درجے کا کر
دیا۔^(۷)

وَأَعْزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوكُمْ بِسَعْيِ الْآَنَّ
أَكُنْ بِدُعَائِكُمْ شَهِيدًا^(۸)

فَلَمَّا أَعْزَلْنَاهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ حِنْ دُونِ اللَّهِ
وَهَبَنَا لَهُ إِسْعَقَ وَيَعْوَبَ وَكُلَّا جَعَلْنَا إِبْرَاهِيمَ^(۹)

وَهَبَنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقِ عَلَيَّا^(۱۰)

سلام ہے۔“ میں اہل ایمان اور بندگانِ اللہ کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

(۱) یہ اس وقت کا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی ممانعت کا علم نہیں تھا،
جب یہ علم ہوا تو آپ نے دعا کا سلسلہ موقوف کر دیا (التوہبۃ - ۱۱۳)۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اللہ
تعالیٰ نے ان کا ذکر بھی بیٹے کے ساتھ اور بیٹے ہی کی طرح کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام توحیدِ اللہ کی خاطر
باپ کو، گھر کو اور اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر دارِ قدس کی طرف ہجرت کر گئے، تو ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب علیہما
السلام سے نوازا تاکہ ان کی انس و محبت، باپ کی جداگانی کا صدمہ بھلا دے۔

(۳) یعنی نبوت کے علاوہ بھی اور بست سی رحمتیں ہم نے انہیں عطا کیں، مثلاً مال، مزید اولاد اور پھر اسی سلسلہ نسب میں
عرصہ دراز تک نبوت کے سلسلے کو جاری رکھنا، یہ سب سے بڑی رحمت تھی، جوان پر ہوئی۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ
السلام ابوالانبیا کہلاتے ہیں۔

(۴) لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ثانیے حسن اور ذکر جیل ہے۔ لسان کی اضافت، صدق کی طرف کی اور پھر اس کا وصف علو
بیان کیا، جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ بندوں کی زبانوں پر جوان کا ذکر جیل رہتا ہے، تو وہ واقعی اس کے مستحق
ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ تمام ادیان سماویہ کو مانے والے بلکہ مشرکین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تنکہ

اس قرآن میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر بھی کر، جو چنان ہوا^(۱) اور رسول اور نبی تھا۔ (۵۱)

ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور رازگوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔ (۵۲)

اور اپنی خاص مریانی سے اس کے بھائی کو نبی بنانے کر عطا فرمایا۔ (۵۳)

اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی۔ (۵۴)

وہ اپنے گھروالوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا، اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول۔ (۵۵)

اور اس کتاب میں اور لیں (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر، وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا۔ (۵۶)

ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھایا۔ (۵۷)

یہی وہ انبیا ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم کیا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں

وَذَكْرُنَّ الْكِتَابَ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا لِّبَيْتٍ (۱)

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الظُّورِ الْأَكْبَرِ وَقَرَبَنَهُ نَجْيَةً (۲)

وَهَبَنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هُرُونَ نَبِيًّا (۳)

وَذَكْرُنَّ الْكِتَابَ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقًا لِلْوَعْدِ

وَكَانَ رَسُولًا لِّبَيْتٍ (۴)

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكُورَةِ وَكَانَ عَنْدَ رَبِّهِ مُرْضِيًّا (۵)

وَذَكْرُنَّ الْكِتَابَ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صَدِيقًا لِيَعْلَيَّ (۶)

وَرَفَعْنَهُ مَكَانًا عَلَيْهَا (۷)

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ مِنْ ذُرِّيَّةٍ

أَدْمَرَتْ وَمِنْهُنَّ حَمْلَنَا مَعَ ثُوْجَ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَاءِيلَ

بڑے اچھے الفاظ میں اور نمایت ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ یہ نبوت و اولاد کے بعد ایک اور انعام ہے جو هجرت فی سبیل اللہ کی وجہ سے انسیں حاصل ہوا۔

(۱) مُخْلَصٌ، مُضْطَفٌ، مُجْتَبٌ اور مُختارٌ، چاروں الفاظ کا مفہوم ایک ہے۔ یعنی رسالت و پیامبری کے لیے چنان ہوا، پسندیدہ شخص، رسول، بمعنی مرسل ہے (بھیجا ہوا) اور نبی کے معنی، اللہ کا پیغام لوگوں کو سنانے والا، یا وحی الٰہی کی خبر دینے والا، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے کہ اللہ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جن لیتا ہے اور اسے اپنی وحی سے نوازتا ہے، اسے رسول اور نبی کہا جاتا ہے۔ زمانہ تقدم سے اہل علم میں ایک بحث یہ چل آرہی ہے کہ آیا ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ فرق کرنے والے بالعموم کہتے ہیں کہ، صاحب شریعت یا صاحب کتاب کو رسول اور نبی کہا جاتا ہے اور جو پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبر کی کتاب یا شریعت کے مطابق ہی لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا رہا، وہ صرف نبی ہے، رسول نہیں۔ تاہم قرآن کریم میں ان کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوا ہے اور بعض جگہ مقابل بھی آئے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحج آیت ۵۲ میں۔

(۲) حضرت اور لیں (علیہ السلام)، کہتے ہیں کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کے بعد پسلے نبی تھے اور حضرت نوح (علیہ السلام) کے

ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کشتی میں چڑھایا تھا، اور اولاد ابراہیم و یعقوب سے اور ہماری طرف سے راہ یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے۔ ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آئیوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ سجدہ کرتے اور روتے گزگڑاتے گر پڑتے تھے۔^(۱) (۵۸)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز صالع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے گے، سوان کا نقصان ان کے آگے آئے گا۔^(۲) (۵۹)

بجز ان کے جو توبہ کر لیں اور ایمان لا کیں اور نیک عمل کریں۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔^(۳) (۶۰)

وَمَنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا شُئْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا يَرُونَ الظُّنُونَ
خَرُّوا سُجَّدًا وَكَبَّيْنَاهُ

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا
الشَّهَوَاتِ فَسَوْقَ يَلْقَوْنَ عَيْنًا^(۴)

إِلَمَنَ تَابَ وَأَمَّنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَنْدَلُونَ
الجَنَّةَ وَلَا يَطْمَمُونَ شَيْئًا^(۵)

یا ان کے والد کے دادا تھے، انہوں نے ہی سب سے پہلے کپڑے سینے، رفت مکان سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم رفع إلى السماء سمجھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انہیں بھی آسمان پر اٹھایا گیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ اس مفہوم کے لیے صریح نہیں ہیں اور کسی صحیح حدیث میں بھی یہ بیان نہیں ہوا۔ البتہ اسرائیلی روایات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ملتا ہے جو اس مفہوم کے اثبات کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد مرتبت کی وہ بلندی ہے جو نبوت سے سرفراز کر کے انہیں عطا کی گئی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۱) - گویا اللہ کی آیات کو سن کر رقت اور بلا کی کیفیت کا طاری ہو جانا اور عظمت الہی کے آگے سجدہ ریز ہو جانا، بندگان الہی کی خاص علامت ہے۔ سجدہ تلاوت کی مسنون دعا یہ ہے «سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَصَوَرَهُ، وَشَقَّ سَفْنَهُ وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ» (ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ بحوالہ مکہوٰۃ، باب سہود القرآن) بعض روایات میں اضافہ ہے۔
فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْحَالِقِينَ (عون المعبود، ج ۱، ص ۵۲۲)

(۲) انعام یافتہ بندگان الہی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو ان کے بر عکس اللہ کے احکام سے غفلت و اعراض کرنے والے ہیں۔ نماز کے صالع کرنے سے مراد یا تو بالکلیہ نماز کا ترک ہے جو کفر ہے یا ان کے اوقات کو صالع کرنا ہے لیعنی وقت پر نماز نہ پڑھنا، جب جی چاہا، نماز پڑھلی، یا بلا عذر اکٹھی کر کے پڑھنا یا کبھی دو، کبھی چار، کبھی ایک اور کبھی پانچوں نمازوں۔ یہ بھی تمام صورتیں نماز کو صالع کرنے کی ہیں جس کا مرکب سخت گناہ گار اور آیت میں بیان کردہ وعید کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ غیٹا کے مقنی ہلاکت، انعام بد کے ہیں یا جنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

(۳) یعنی جو توبہ کر کے ترک صلوٰۃ اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کر لیں

بیکی والی جنتوں میں جن کا غائبانہ وعدہ^(۱) اللہ مریان نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہی ہے۔^(۲)

وہ لوگ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام ہی سلام سنیں^(۲) گے، ان کے لیے وہاں صبح شام ان کا رزق ہو گا۔^(۳)^(۴)

یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔^(۵)

ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے،^(۶) ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیز اسی کی ملکیت میں ہیں، تیراپر و دگار بھولنے والا نہیں۔^(۷)

آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب

جنت عدنِ ایکی وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَةً بِالْغَيْبٍ
إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا^(۸)

لَكَسِعُونَ فِيهَا لَعْوًا لَأَسَلَمَا وَلَهُمْ رِزْقٌ هُمْ فِيهَا
بَلْزَرَةٌ وَعَشِيًّا^(۹)

تَلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِتُ مِنْ عِبَادَنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا^(۱۰)

وَمَانَتَرَأَ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَابِينَ أَيْدِيهِنَا وَمَا خَلَقْنَا^(۱۱)
وَمَابِينَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبِّكَ نَسِيًّا^(۱۲)

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَأَعْبُدُهُ

تو ایسے لوگ مذکورہ انجام بدے حفظ اور جنت کے متحق ہوں گے۔

(۱) یعنی یہ ان کے ایمان و تقویں کی بخشی ہے کہ انہوں نے جنت کو دیکھا بھی نہیں، صرف اللہ کے غائبانہ وعدے پر ہی اس کے حصول کے لیے ایمان و تقویٰ کا راست اختیار کیا۔

(۲) یعنی فرشتے بھی انہیں ہر طرف سے سلام کریں گے اور اہل جنت بھی آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام یا کریں گے۔

(۳) امام احمد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ جنت میں رات اور دن نہیں ہوں گے، صرف اجالا ہی اجالا اور روشنی ہی روشنی ہوگی۔ حدیث میں ہے ”جنت میں داخل ہونے والے پسلے گروہ کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، وہاں انہیں تھوک آئے گا نہ رینٹ اور نہ بول و برآز۔ ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کا بخور، خوشبودار (لکڑی) ہوگی۔ ان کا پیسہ ستوری (کی طرح) ہو گا۔ ہر جنتی کی دو یویاں ہوں گی، ان کی پنڈلیوں کا گودا ان کے گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا، ان کے حسن و جمال کی وجہ سے۔ ان میں باہم بعض اور اختلاف نہیں ہو گا، ان کے دل، ایک دل کی طرح ہوں گے، صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے (صحیح بخاری۔ بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنۃ و اینها مخلوقة و مسلم، کتاب الجنۃ، باب فی صفات الجنۃ و اهلہہ)

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ اور جلدی جلدی ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی، جس پر یہ آیت اتری (صحیح بخاری، تفسیر سورہ مریم)

وَأَضْطَرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَيِّئًا ؟

کارب وہی ہے تو اسی کی بندگی کرو اور اس کی عبادت پر جنم جائیں کیا تیرے علم میں اس کا ہمنام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے؟^(۱) (۶۵)

انسان کتنا^(۲) ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکلا جاؤں گا؟^(۳) (۶۶)

کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس نے پسلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔^(۴) (۶۷)

تیرے پروردگار کی قسم! ہم انہیں اور شیطانوں کو جمع کر کے ضرور ضرور جنم کے اردو گرد گھننوں کے بل گرے ہوئے حاضر کر دیں گے۔^(۵) (۶۸)

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا تَمِّثَ لَسْوَقَ أَخْرَجْ حَيَا

أَوْلَادِنِكَ الْإِنْسَانُ أَنَا خَلَقْتُهُ مِنْ قَبْلٍ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا

فَوَرَيْكَ لَنْحَثِرْ نَهْمَ وَالشَّيْطَنَ لَوْلَنْحِضْرَ نَهْمَ حَوْلَ جَهَنَّمَ
جِئْشِيَا

(۱) یعنی نہیں ہے، جب اس کی مثل کوئی اور نہیں تو پھر عبادت بھی کسی اور کی جائز نہیں۔

(۲) انسان سے مراد یہاں کافر بہ حیثیت بھس کے ہے، جو قیامت کے وقوع اور بعثت بعد الموت کے قائل نہیں۔

(۳) استفہام، انکار کے لیے ہے۔ یعنی جب میں بو سیدہ اور منی میں رل مل جاؤں گا، تو مجھے دوبارہ کس طرح نیا وجود عطا کر دیا جائے گا؟ یعنی ایسا ممکن نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نہونے کے ہم نے انسان کو پیدا کر دیا، تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیوں کر مشکل ہو گا؟ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ اسے پیدا کرنا؟ انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اسے خدا فراموش بنادیا ہے۔

(۵) جِئْشِی، جَاثِ کی جمع ہے جَثَا يَجْثُو سے۔ جَاثِ گھننوں کے بل گرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ حال ہے۔ یعنی ہم دوبارہ انہیں کو بھی زندہ کریں گے جنہوں نے ان کو گراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ پھر ہم ان سب کو اس حال میں جنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ محشر کی ہونا کیوں اور حساب کے خوف سے گھننوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم میری مکذیب کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ اس کے لائق نہیں۔ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے حالاں کہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ اس کا میری مکذیب کرنا تو یہ ہے کہ وہ میری بابت یہ کہتا ہے کہ اللہ ہرگز مجھے اس طرح دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا حالاں کہ میرے لیے پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسرا مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے (یعنی مشکل اگر ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہے نہ کہ دوسرا مرتبہ) اور اس کا مجھے ایذا پہنچاتا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میری اولاد ہے، حالاں کہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ اخلاص)

ہم پھر ہر ہر گروہ سے انہیں الگ نکال کھڑا کریں گے جو اللہ رحمٰن سے بہت اکٹے اکٹے پھرتے تھے۔^(۱)
پھر ہم انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو جنم کے داغلے کے زیادہ سزاوار ہیں۔^(۲) (۷۰)

تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی، فیصل شدہ امر ہے۔^(۱)
پھر ہم پرہیز گاروں کو تو بچالیں گے اور نافرانوں کو اسی میں گھننوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔^(۳) (۷۲)

جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے؟ اور کس کی مجلس شاندار ہے؟^(۴) (۷۳)

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهُ عَنْهُ مِنْ كُلِّ شِبْعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُ عَلَى الرَّجُلِنَ عِتْيَاءً

لَمَّا لَخَّنْ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمُ أَوْلَى بِهَا صِلَيْا

وَلَمْ يَنْكُمْ إِلَّا وَرَدُّهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَمَاماً مَقْضِيَّا

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الَّذِينَ افْتَوَأْنَدَ رَالْقَلِيمِينَ فِيهَا جِيشَيْا

وَلَذَا نُشَلِّ عَلَيْهِمْ لِيَتَابِيَتِ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ أَمْنَوْا إِلَى الْقَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَقَاماً وَأَحْسَنُ نَدِيَّا

(۱) عِتْيَاءً، بھی عَنَا، یَعْنُو سے عَاتِ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں بہت سرکش اور متبرد۔ مطلب یہ ہے کہ ہرگمراہ فرقے کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو ہم الگ کر لیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جنم میں پھینک دیں گے۔ کیوں کہ یہ قائدین دوسرے جنیموں کے مقابلے میں سزا و عقوبت کے زیادہ سزاوار ہیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(۲) صِلَيْا، مصدر سماعی ہے صَلَّى يَصَلِّي کا، معنی ہیں داخل ہونا۔ یعنی جنم میں داخل ہونے اور اس میں جلنے کے کون زیادہ مستحق ہیں، ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

(۳) اس کی تفسیر صحیح احادیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جنم کے اوپر پل بنایا جائے گا، جس میں سے ہر مومن و کافر کو گزرننا ہو گا۔ مومن تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بے دیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھکپتے میں، کچھ بھلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گزر جائیں گے یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی تاہم پل عبور کر لیں گے کچھ جنم میں گرپڑیں گے جنہیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا۔ لیکن کافراس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جنم میں گرپڑیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ”جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی، مگر صرف قسم حلال کرنے کے لیے“۔ (البخاری۔ کتاب الجنائز، مسلم کتاب البر) یہ قسم وہی ہے جسے اس آیت میں حَتَّمَا مَقْضِيَّا (قطعی فیصل شدہ امر) کہا گیا ہے۔ یعنی اس کا اور وہ جنم میں صرف پل پر سے گزرنے کی حد تک ہی ہو گا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ابن کثیر والیر التفاسیر)

(۴) یعنی قرآنی دعوت کا مقابلہ یہ کفار کے فقرا مسلمین اور اغذیائے قریش اور ان کی محلوں اور مکانوں کے باہمی

ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں
جو ساز و سامان اور نام و نمود میں^(۱) ان سے بڑھ چڑھ کر
تھیں۔^(۲)

کہہ دیجئے؟ جو گمراہی میں ہوتا اللہ رحمن اس کو خوب لمبی
محلت دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں
جن کا وعدہ کیے جاتے ہیں یعنی عذاب یا قیامت کو، اس
وقت ان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون برے
مرتبے والا اور کس کا جھٹا کمزور ہے۔^(۳)^(۴) (۷۵)

اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھاتا
ہے،^(۵) اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے
نژدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے
بہت ہی بہتر ہیں۔^(۶) (۷۶)

کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آئتوں سے کفر کیا
اور کماکہ مجھے تමال و اولاد ضروری دی جائے گی۔^(۷) (۷۷)

موازنے سے کرتے ہیں، کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب رضی اللہ عنہم جیسے فقیر لوگ ہیں، ان کا دارالشوری دار
ارقم ہے۔ جب کہ کافروں میں ابو جمل، نفر بن حارث، عتبہ، شیبہ وغیرہ جیسے رئیس اور ان کی عالی شان کو نہیں اور
مکانات ہیں، ان کی اجتماع گاہ (دارالندوہ) بہت عمدہ ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر فخر و ناز کیا جائے، یا ان کو دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کیا
جائے۔ یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس تھیں، لیکن مکنذیب حق کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا، دنیا کا یہ مال و
اسباب انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔

(۲) علاوه ازیں یہ چیزیں گمراہوں اور کافروں کو محلت کے طور پر بھی ملتی ہیں، اس لیے یہ کوئی معیار نہیں۔ اصل اچھے
برے کا پتہ تو اس وقت چلے گا، جب محلت عمل ختم ہو جائے گی اور اللہ کا عذاب انہیں آگھرے گا یا قیامت برپا ہو جائے
گی۔ لیکن اس وقت کا علم، کوئی فائدہ نہیں دے گا، کیوں کہ وہاں ازاںے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔

(۳) اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح قرآن سے، جن کے دلوں میں کفر و شرک اور ضلالت کا
روگ ہے، ان کی شقاوتوں و ضلالتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان و ہدایت میں اور پختہ
ہو جاتے ہیں۔

(۴) اس میں فقرا مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار و مشرکین جن مال و اسباب پر فخر کرتے ہیں، وہ سب فنا کے گھاث اتر

وَكُلَّ أَفْلَقْنَا فِيمَا هُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَنْشَاءٍ أَقْرَبُهُمْ إِلَيْنَا

فُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالِ فَإِلَيْنَا دُلْهُ الرَّحْمَنُ مَدِّهَ حَتَّىٰ
إِذَا رَأَاهُمْ يَوْمَ الْعِدَادِ إِلَيْنَا السَّاعَةُ فَيَعْلَمُونَ
مَنْ هُوَ سَرِّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا

وَتَرْبِيْدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوا هُدًى وَالْبَقِيَّةُ الصَّلِيْحُ
خَيْرٌ عِنْدِ رَبِّكَ تَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًا

أَفَرَأَيْتَ أَكْنِيْ كَفَرَ يَا يَتَّمَا وَقَالَ لَأُوْنَيْنَ
مَالًا وَوَلَدًا

کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ (۷۸)
ہرگز نہیں، یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اسے ضرور لکھ لیں گے،
اور اس کے لیے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے۔ (۷۹)

یہ جن چیزوں کو کہہ رہا ہے اسے ہم اس کے بعد
لے لیں گے۔ اور یہ تو بالکل اکیلا ہی ہمارے سامنے
حاضر ہو گا۔ (۸۰)

انہوں نے اللہ کے سوا دوسرا معبود بنارکھے ہیں کہ وہ
ان کے لیے باعثِ عزت ہوں۔ (۸۱)

لیکن ایسا ہرگز ہونا نہیں۔ وہ تو ان کی پوجا سے مکر ہو جائیں
گے، اور ائمہ ان کے دشمن (۲) بن جائیں گے۔ (۸۲)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں کے پاس شیطانوں کو

أَقْلَمَ الْغَيْبَ أَمْ أَخْدَدَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَمَدًا^{۱۰}
كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَمَدُّلَهُ مِنَ الْعَدَابِ مَدًا^{۱۱}

وَتَرَثَةً مَا يَقُولُ وَيَاتِينَا فَرَدًا^{۱۲}

وَأَنْخَذُوا مِنْ دُفْنِ اللَّهِ الْهَمَّةَ لَيَكُونُوا لَهُمْ عَزَّا^{۱۳}

كَلَّا سَيَّئَمُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضَدًا^{۱۴}

أَنْهَرَتْ رَأْنَا إِنَّكُنَا الشَّيْطَانُ عَلَى الْكُفَّارِ تَوْزِعُهُمْ أَذًا^{۱۵}

جائیں گے اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو، یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر و ثواب تمہیں اپنے رب کے ہاں ملے گا
اور ان کا بہترین صد اور نفع تمساری طرف لوئے گا۔

(۱) ان آیات کی شان نزول میں بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، کا والد عاص بن واکل، جو اسلام کے شدید
و شمنوں میں سے تھا۔ اس کے ذمے حضرت خباب بن ارت کا قرضہ تھا جو آہن گری کا کام کرتے تھے۔ حضرت خباب
رضی اللہ عنہ، نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر نہیں کرے گا،
میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کام تو تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی نہیں کروں گا۔ اس نے
کہا، اچھا پھر ایسے ہی سی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا تو
وہاں میں یہ رقم ادا کر دوں گا (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ذکر القین والحداد، تفسیر سورہ مریم۔
مسلم، صفة القيامة، باب سؤال اليهود عن الروح) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس
غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہو گی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عمد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ
صرف تعلی اور آیات اللہ کا استہزا و تخریب ہے، یہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں یعنی مرنے
کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا، نہ مال ساتھ ہو گا نہ اولاد اور نہ کوئی
جھٹھ۔ البتہ عذاب ہو گا جو اس کے لیے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے لیے ہم بڑھاتے رہیں گے۔

(۲) عزَّا کا مطلب ہے یہ معبود ان کے لیے عزت کا باعث اور مددگار ہوں گے اور ضدًا کے معنی ہیں، دشمن، جھٹلانے
والے اور ان کے خلاف دوسروں کے مددگار۔ یعنی یہ معبود ان کے گمان کے بر عکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے، ان
کے دشمن، ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف ہوں گے۔

بیحیتے ہیں جو انہیں خوب اکساتے ہیں۔^(۱) (۸۳)

تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر، ہم تو خود ہی ان کے لیے مد تشاری کر رہے ہیں۔^(۲) (۸۴)

جس دن ہم پر ہیز گاروں کو اللہ رحمان کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے۔^(۳) (۸۵)

اور گناہ گاروں کو سخت پاس کی حالت میں جنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔^(۴) (۸۶)

کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہو گا سو ائے ان کے جنوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قول قرار لے لیا ہے۔^(۵) (۸۷)
ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے۔^(۶) (۸۸)

یقیناً تم بست بری اور بھاری چیز لائے ہو۔^(۷) (۸۹)
قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزے ریزے ہو جائیں۔^(۸) (۹۰)

کہ وہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے۔^(۹) (۹۱)

فَلَا تَنْهَى عَنِ الزَّكَاةِ إِنَّمَا نَهَاكُمْ عَنِ الْمُعْدَنَاتِ^(۱۰)

يَوْمَ يَخْرُجُ الظَّمِينُ إِلَى الرَّحْمَنِ وَقَدَّا^(۱۱)

وَتَسْوِقُ الْمُجْرِمُونَ إِلَى جَهَنَّمَ وَلَدَّا^(۱۲)

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَامَنَ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا^(۱۳)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا^(۱۴)

لَقَدْ جِئْتُمْ بِكُمْ إِذَا^(۱۵)

نَكَادَ الْمَوْتُ يَتَفَطَّرُ مِنْهُ وَتَنْشَقُ الْأَرْضُ وَتَخْرُجُ الْجَبَانُ
هَلَّا^(۱۶)

أَنْ دَعَوْلَلَرَحْمَنَ وَلَدًا^(۱۷)

(۱) یعنی گراہ کرتے، بہکاتے اور معصیت کی طرف کھیچ کر لے جاتے ہیں۔

(۲) اور جب وہ مملت ختم ہو جائے گی تو عذاب الٰہی کے موردن بن جائیں گے۔ آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) وَفْدٌ، وَافِدٌ کی جمع ہے جیسے رَكْبٌ، رَاكِبٌ کی جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ انہیں اونٹوں، گھوڑوں پر سوار کرا کے نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ وِزَّادَ کے معنی پیاسے۔ اس کے بر عکس مجرمین کو بھوکا پیاسا جنم میں ہانک دیا جائے گا۔

(۴) قول و قرار (عمد) کا مطلب ایمان و تقویٰ ہے۔ یعنی اہل ایمان و تقویٰ میں سے جن کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، وہی شفاعت کریں گے، ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔

(۵) إِذَا کے معنی بہت بھی انک معاملہ اور داہیۃ (بھاری چیز اور بڑی مصیبت) کے ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ کی اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے آسمان و زمین پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔

شان رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ (۹۲)

آسمان و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام
بن کرہی آنے والے ہیں۔ (۹۳)

ان سب کو اس نے گھیر کھا ہے اور سب کو پوری طرح
گن بھی رکھا ہے۔ (۹۴)

یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے
پاس حاضر ہونے والے ہیں۔ (۹۵)

بیشک جو ایمان لائے ہیں اور جنوں نے شائستہ اعمال کیے
ہیں ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کر دے گا۔ (۹۶)

ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا
ہے (۹۷) کہ تو اس کے ذریعہ سے پہیزگاروں کو خوشخبری

وَمَا يَنْتَعِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يُغَيِّرَ وَلَكُلُّ

إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا

لَقَدْ أَخْطَلْنَاهُمْ وَعَدَهُمْ عَدًّا

وَكُلُّهُمْ رَايِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرَدًا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَتِ سَيَجْعَلُ اللَّهُ الرَّحْمَنُ
وُدًّا

فَإِنَّمَا يَتَّقُونَ لِهِ يُلْسَانُكَ لِتَتَّقِيرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَمُنْذَرٌ

(۱) جب سب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور یہ اس کے لائق بھی نہیں ہے۔

(۲) یعنی آدم سے لے کر صحیح قیامت تک جتنے بھی انسان، جن ہیں، سب کو اس نے گن رکھا ہے، سب اس کے قابو اور گرفت میں ہیں، کوئی اس سے مخفی ہے نہ مخفی رہ ہی سکتا ہے۔

(۳) یعنی کوئی کسی کام دگار نہیں ہو گا، نہ مال ہی وہاں کچھ کام آئے گا۔ ﴿يَوْمَ لَا يَعْلَمُ مَا لِلنَّاسِ وَلَا نَعْلَمُ﴾ (الشعراء، ۸۸) "اس دن نہ مال نفع دے گا، نہ بیٹھے" ہر شخص کو تھنا اپنا اپنا حساب دینا پڑے گا اور جن کی بابت انسان دنیا میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے وہاں حمایتی اور مرد دگار ہوں گے، وہاں سب غائب ہو جائیں گے۔ کوئی کسی کی مدد کے لیے حاضر نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کر دے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "جب اللہ تعالیٰ کسی (نیک) بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اللہ جبرايل علیہ السلام کو کہتا ہے، میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر کر۔ پس جبرايل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنی شروع کر دیتے ہیں پھر جبرايل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے، پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے" (صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب المقت من الله تعالیٰ)

(۵) قرآن کو آسان کرنے کا مطلب اس زبان میں اتارنا ہے جس کو پیغمبر جانتا تھا یعنی عربی زبان میں، پھر اس کے مضمون کا کھلا ہوا، واضح اور صاف ہونا ہے۔

وَدَوْلَةِ الْجَحَّالِوْ لَوْكُوْنَ كُوْذَرَا دَوْلَهِ - (٩٧)

ہم نے ان سے پسلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں، کیا ان میں سے ایک کی بھی آہٹ تو پاتا ہے یا ان کی آواز کی بھنک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے؟ - (٩٨)

سورہ ط کی ہے اور اس میں ایک سو پنچتیس آیتیں اور آٹھ روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربیان
نہایت رحم والا ہے۔

طہ - (۱) ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے۔ - (۲)

بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ - (۳)
اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ - (۴)

پہ قومِ مالکا - (۵)

وَكُوْنَ أَهْلَكْنَا بَلْهُمْ مِنْ قَرْنَ هَلْ شُعْشُ مِنْهُمْ مِنْ أَهْدِ
أَوْتَسْعَمْ لَهُمْ رَكْزَا - (۶)

شُوكَ طَبَّهَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طہ ① مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْفَعَ

إِلَاتْذِكْرَةِ لِمَنْ يَغْتَلُ
تَنْزِيلًا مِنْ خَلْقِ الْأَرْضِ وَالْمَوْتِ الْعُلُمِ

(۱) لُدَاء (اللُّدُّ کی جمع) کے معنی جھگڑا لوکے ہیں مراد کفار و مشرکین ہیں۔

(۲) احساس کے معنی ہیں الْإِذْرَاكُ بِالنِّحْسِنِ، حس کے ذریعے سے ادراک حاصل کرنا۔ یعنی کیا تو ان کو آنکھوں سے دیکھ سکتا یا ہاتھوں سے چھو سکتا ہے؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ان کا وجود ہی دنیا میں نہیں ہے کہ تو انہیں دیکھ یا چھو سکے رک्त صوت خفی کو کہتے ہیں یا ان کی ہلکی سی آواز ہی تجھے کیس سے سنائی دے سکے۔

☆ حضرت عمر بن الخطابؓ کے قبول اسلام کے متعدد اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ بعض تاریخ و سیر کی روایات میں اپنی بہن اور بہنوی کے گھر میں سورہ طہ کا سنتا اور اس سے متاثر ہونا بھی مذکور ہے (فتح القدير)

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے نہیں اتارا کہ تو ان کے کفر پر فرط تماش ف اور ان کے عدم ایمان پر حسرت سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لے اور غم میں پڑ جائے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ - ﴿ فَلَعْنَكَ
بِالْأَعْجُمِ نَشَكَ عَلَى أَثَارِهِ عَنْ تَهْمَمْ نُؤْمِنُوا بِهِدَى الْحَمَدِيَّتِ أَسْفًا ﴾ - (الکھف ۲۰) "پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر دیں گے" بلکہ ہم نے تو قرآن کو نصیحت اور یادداہی کے لیے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں ہماری توحید کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے، واضح اور نمایاں ہو جائے۔ گویا یہاں شفاء عناء اور تَعَبُّ کے معنی میں ہے یعنی تکلیف اور تھکاوٹ۔

جورِ حملٍ ہے، عرش پر قائم ہے۔^(۱)
 جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے
 درمیان اور (کرۂ خاک) کے بیچے کی ہر ایک چیز پر
 ہے۔^(۲)^(۳)^(۴)

اگر تو اپنی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ، بلکہ پوشیدہ
 سے پوشیدہ ترجیز کو بھی بخوبی جانتا ہے۔^(۵)^(۶)^(۷)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبد نہیں، بہترین نام اسی
 کے ہیں۔^(۸)

تجھے موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ بھی معلوم ہے؟^(۹)
 جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھروالوں سے کہا کہ تم
 ذرا سی دیر تھر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بست ممکن
 ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمہارے پاس لاوں یا آگ
 کے پاس سے راستے کی اطلاع پاؤں۔^(۱۰)

أَلَّرَحْمَنُ عَلَى التَّرْقِيلِ اسْتَوْيَ ①
 لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
 وَمَا يَحْكُمُ الْأَنْفَوْيَ ②

وَلَمْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ الْيَتَرَ وَأَخْفَى ③

اللَّهُ أَكْلَهُ إِلَّا مُؤْلَهُ الْأَسْمَاءُ احْسَنَى ④

وَهَلْ أَشَكَ حَدِيثُ مُوسَى ⑤

إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي أَنْتُ نَارًا لِلْعِلْمِ
 اتَّبِعُكُمْ وَمِنْهَا لِتَقْبَيْ ۝ أَوْ أَجْدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑥

(۱) بغیر کسی حد بندی اور کیفیت بیان کرنے کے، جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے،
 لیکن کس طرح اور کیسے؟ یہ کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔

(۲) ثریٰ کے معنی ہیں اسفل السافلین یعنی زمین کا سب سے نچلا حصہ۔

(۳) یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دعا اپنی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر
 بات کو بھی جانتا ہے یا آخری کے معنی ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک
 لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے۔ یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے۔

(۴) یعنی معبد بھی وہی ہے جو نہ کورہ صفات سے متصف ہے اور بہترین نام بھی اسی کے ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ نہ
 معبد اس کے سوا کوئی اور ہے اور نہ اس کے سے اسائے حصی ہی کسی کے ہیں۔ پس اسی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اسی سے
 ڈرایا جائے، اسی سے محبت رکھی جائے، اسی پر ایمان لایا جائے اور اسی کی اطاعت کی جائے۔ تاکہ انسان جب اس کی بارگاہ میں
 واپس جائے تو وہاں شرمسار نہ ہو بلکہ اس کی رحمت و مغفرت سے شاد کام اور اس کی رضا سے سعادت مند ہو۔

(۵) یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی یوں کے ہمراہ (جو ایک قول کے مطابق حضرت
 شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں) اپنی والدہ کی طرف واپس جا رہے تھے، اندھیری رات تھی اور راستہ بھی
 نامعلوم۔ اور بعض مفسرین کے بقول یوں کی زچگی کا وقت بالکل قریب تھا اور انہیں حرارت کی ضرورت تھی۔ یا سردی

فَلَمَّا كَاتَمَا لَوْدِيَ يَمُوسَى ①

إِنَّ أَنَا رَبُّكَ فَأَخْلُمُ تَعْلِيمَكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمَعْدَسِ

طُوئِي ②

وَكَانَ الْحَمْرَنُكَ فَاسْتَهِمْ لِمَا يُونَحِي ③

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ إِلَّا أَنَا أَغْبُدُنِي وَأَقْبُلُ الْقَلْوَةَ

لِذِكْرِي ④

جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی^(۱) اے موی!

یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار

دے،^(۲) کیونکہ تو پاک میدان طوی میں ہے۔^(۳)

اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے^(۴) اب جو وہی کی جائے

اے کان لگا کر سن۔^(۵)

بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور

کوئی نہیں پس تو میری ہی عبادت کر،^(۶) اور میری یاد

کے لیے نماز قائم رکھ۔^(۷)

کی وجہ سے گری کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتنے میں دور سے انہیں آگ کے شعلے بند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ گھر والوں سے یعنی یہوی سے (یا بعض کہتے ہیں خادم اور بچہ بھی تھا اسی لیے جمع کا لفظ استعمال فرمایا) کہا تم یہاں نہ ہو! شاید میں آگ کا کوئی شعلہ وہاں سے لے آؤں یا کم از کم وہاں سے راستے کی نشان دہی ہی ہو جائے۔

(۱) مویٰ علیہ السلام جب آگ والی جگہ پر پہنچے تو وہاں ایک درخت سے (جیسا کہ سورہ قصص، ۳۰ میں صراحت ہے) آواز آئی۔

(۲) جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس میں تواضع کا اطمینان اور شرف و تکریم کا پہلو زیادہ ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ ایسے گدھے کی کھال کی بنی ہوئی تھیں جو غیر مدبوغ تھی۔ کیوں کہ جانور کی کھال دباغت کے بعد ہی پاک ہوتی ہے، مگر یہ قول محل نظر ہے۔ دباغت کے بغیر جوتیاں کیوں کربن سکتی ہیں؟ یا وادی کی پاکیزگی اس کا سبب تھا، جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔ تاہم اس کے دو پہلو ہیں۔ یہ حکم وادی کی تعظیم کے لیے تھا یا اس لیے کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات نگئے پیر ہونے کی صورت میں مویٰ علیہ السلام کے اندر رزیادہ جذب ہو سکیں۔ واللہ اعلم۔

(۳) طوئی وادی کا نام ہے، اسے بعض نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف کہا ہے۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی نبوت و رسالت اور ہمکلامی کے لیے۔

(۵) یعنی تکلیفات شرعیہ میں یہ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم ہے جس کا ہر انسان مکلف ہے۔ علاوه ازیں جب الہیت کا مستحق بھی وہی ہے تو عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

(۶) عبادت کے بعد نماز کا خصوصی حکم دیا۔ حالاں کہ عبادت میں نماز بھی شامل تھی، تاکہ اس کی وہ اہمیت واضح ہو جائے جیسے کہ اس کی ہے۔ لِذِكْرِنِی کا ایک مطلب یہ ہے کہ تو مجھے یاد کرے، اس لیے کہ یاد کرنے کا طریقہ عبادت ہے اور عبادت میں نماز کو خصوصی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی میں تجھے یاد آجائوں نماز پڑھ۔ یعنی اگر کسی وقت غفلت، ذہول یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ۔ جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے“

قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو۔^(۱۵)
پس اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچے پڑا ہو، ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔^(۱۶)

اے موسیٰ! تیرے اس دامیں ہاتھ میں کیا ہے؟^(۱۷)
جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے، جس پر میں نیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے ہیں۔^(۱۸)
فرمایا اے موسیٰ! اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے۔^(۱۹)
ڈالتے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی۔^(۲۰)

فرمایا بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اسی پہلی سی صورت میں دوبارہ لادیں گے۔^(۲۱)
اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہو کر نکلے گا، لیکن بغیر کسی عیب (اور روگ) کے^(۲۲) یہ دوسرा معجزہ ہے۔^(۲۳)

یہ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں۔^(۲۴)

إِنَّ السَّاعَةَ اِتِيَّةً أَكَادُ أَخْفِيَهَا لِتُجْزَى بِمَا كُلُّ نَفْسٍ يَمْسَكُ
سَعْيٌ^(۱)

فَلَا يَصُدُّنَّ لَنَّهُمَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَأَتَبَعَهُوَهُ فَرَدْدَى^(۲)

وَمَا لَكَ بِجَيْعَنِكَ إِمْوَسِي^(۳)

قَالَ هَيَّ عَصَمَى أَتُوكُلُّ عَلَيْهَا وَأَهْشِ بِهَا عَلَى عَنْكِي دَلِيقَهَا
مَارِبُّ أَخْرَى^(۴)

قَالَ أَلْقَهَا إِذَا هِيَ حَيَّةٌ سَعْيٌ^(۵)

فَأَلْقَهَا إِذَا هِيَ حَيَّةٌ سَعْيٌ^(۶)

قَالَ حَذْنَهَا وَلَكَفَ سُمْعِيدُهَا لَيْرَقَهَا الْأَوْنَى^(۷)

وَفَهْمُمُ يَدَكَ إِلَى جَنَاحَكَ تَخْرُجُ بِيَضْدَأَ مِنْ غَيْرِ سُوَّاءٍ^(۸)
أُخْرَى^(۹)

لَيْرَيَكَ مِنْ أَيْتَنَا الْكَبْرَى^(۱۰)

پڑھ لے۔" (صحیح بخاری، کتاب المواقیت، باب من نسی صلوٰۃ فلیصل إذا ذکرها، و مسلم، کتاب المساجد بباب قضاء الصلوٰۃ الفائتة)

(۱) اس لیے کہ آخرت پر یقین کرنے سے یا اس کے ذکر و مرابتے سے گریز، دونوں ہی باتیں ہلاکت کا باعث ہیں۔

(۲) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا گیا جو عصائے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

(۳) بغیر عیب اور روگ کے، کامطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا اس طرح سفید اور چمک دار ہو کر نکلنا، کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ برص کے مرض کی چیزی سفید ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ دوسرा معجزہ ہے، جو ہم تجھے عطا کر رہے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر ان دونوں معجزوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے ﴿فَلَذِلِيلٌ بَرْقَانٌ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِيْهِ﴾ — (القصص، ۲۲) "پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے۔"

لَا ذَهَبَ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ

اب تو فرعون کی طرف جا اس نے بڑی سرکشی مچا رکھی
ہے۔^(۱)
^(۲۳)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِيٌّ

موئی (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! میرا
سینہ میرے لیے کھول دے۔^(۲۵)

وَيَنْتَلِي أَمْرِيٌّ

اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے۔^(۲۶)

وَاحْلُلْ عَقْدَةَ مَنْ لَسَانِيٌّ

اور میری زبان کی گرد بھی کھول دے۔^(۲۷)

يَنْفَعُوا قَوْلِيٌّ

ماکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔^(۲۸)

وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِنِيٌّ

اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے کر دے۔^(۲۹)

هُرُونَ آخِيٌّ

یعنی میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو۔^(۳۰)

اَشْدُدْ دِيهَ آذِنِيٌّ

تو اس سے میری کمرکس دے۔^(۳۱)

وَآشِرِكْهُ فِي آمْرِيٌّ

اور اسے میرا شریک کار کر دے۔^(۳۲)

(۱) فرعون کا ذکر اس لیے کیا کہ اس نے حضرت موئی علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کے ظلم رو رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی سرکشی و طغیانی بھی بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ وہ دعویٰ کرنے لگا تھا ﴿اَنَا زَكْرُ اللَّهِ الْأَعْلَى﴾ ”میں تمہارا بلند تر رہ ہوں۔“

(۲) کہتے ہیں کہ موئی علیہ السلام جب فرعون کے شاہی محل میں زیر پرورش تھے تو کھجور یا موتی کے بجائے آگ کا انگارہ منہ میں ڈال لیا تھا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں کچھ لکنت پیدا ہو گئی۔ (ابن کثیر) جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر میرا پیغام پہنچاؤ تو حضرت موئی علیہ السلام کے دل میں دو باتیں آئیں، ایک تو یہ کہ وہ ہر ڈا جابر اور مٹکبر بادشاہ ہے بلکہ رب ہونے تک کا دعویدار ہے۔ دوسری یہ کہ موئی علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی قوم کا ایک آدمی مارا گیا تھا اور جس کی وجہ سے موئی علیہ السلام کو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکلا پڑا تھا۔ یعنی ایک فرعون کی عظمت و جباریت کا خوف اور دوسرا اپنے ہاتھوں ہونے والے واقعہ کا اندیشہ۔ اور ان دونوں پر زائد تیری بات، زبان میں لکنت۔ حضرت موئی علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! ”میرا سینہ کھول دے ماکہ میں رسالت کا بوجہ اٹھا سکوں“ میرے کام کو آسان فرمادے یعنی جو مم جھے در پیش ہے اس میں میری مدد فرمادے اور میری زبان کی گرد بھول دے ماکہ فرعون کے سامنے میں پوری وضاحت سے تیرا پیغام پہنچا سکوں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اپنا وفاع بھی کر سکوں۔ اس کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو (کہتے ہیں کہ یہ عمر میں موئی علیہ السلام سے بڑے تھے) بطور معین اور مددگار میرا وزیر اور شریک کار بنا دے۔ وَزِيرٌ مُوازِرٌ کے معنی میں ہے یعنی بوجہ اٹھانے والا۔ جس طرح ایک وزیر بادشاہ کا بوجہ اٹھاتا ہے اور امور مملکت میں اس کا مشیر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہارون علیہ السلام میرا مشیر اور بوجہ اٹھانے والا ساتھی ہو۔

كَسْبَكَ كَثِيرًا ①

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ②

إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ③

قَالَ قَدْ أُوتِيدْتُ سُؤْلَكَ يَوْمَيِ ④

وَلَعَذْدَ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ⑤

إِذَا وَعَيْتَ إِلَى أُولَئِكَ مَا لَيْخَى ⑥

أَنْ أَفْدِرْ فِيَوْنَى التَّابُوتَ فَاقْدِرْ فِيَهُ فِيَهُ فَلَمْ يُقْوِيَ الْيَمُ

يَا السَّاحِلَ يَا خُذْدَهُ عَدُولَى وَعَدُولَهُ وَالْقِيَمَتُ عَلَيْكَ غَيْبَةً

مَقْيَهُ وَقَدْ تُصْنَمَ عَلَى عَيْنِي ⑦

ما کہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں۔ (۳۳)

اور بکثرت تیری یاد کریں۔ (۳۴)

بیشک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔ (۳۵)

جناب باری تعالیٰ نے فرمایا مویٰ تیرے تمام سوالات پورے کر دیے گئے۔ (۳۶)

ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔ (۳۷)

جبکہ ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جس کا ذکر اب کیا جا رہا ہے۔ (۳۸)

کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے، پس دریا اسے کنارے لاڈا لے گا اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا، (۵) اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی۔ (۶) ماکہ تیری

(۱) یہ دعاوں کی علت بیان کی کہ اس طرح ہم تبلیغ رسالت کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح اور تیرا ذکر بھی زیادہ کر سکیں۔

(۲) یعنی تجھے سارے حالات کا علم ہے اور بچپن میں جس طرح تو نے ہم پر احسان کیے، اب بھی اپنے احسانات سے ہمیں محروم نہ رکھ۔

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کی لکنت کو بھی دور فرمادیا ہو گا۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ مویٰ علیہ السلام نے چوں کہ پوری لکنت دور کرنے کی دعائیں کی تھی، اس لیے کچھ باقی رہ گئی تھی۔ باقی رہا فرعون کا یہ کہنا ﴿وَلَا يَحْذِدُهُنَّ﴾ (الزخرف: ۵۲) ”یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا“ یہ ان کی تنفیص گزشتہ کیفیت کے اعتبار سے ہے (ایسرا الفاسیر)۔

(۴) قبولیت دعا کی خوشخبری کے ساتھ، مزید تسلی اور حوصلے کے لیے اللہ تعالیٰ بچپن کے اس احسان کا ذکر فرمارہا ہے، جب مویٰ علیہ السلام کی ماں نے قتل کے اندریش سے اللہ کے حکم سے (یعنی القاء اللہ) سے انہیں، جب وہ شیر خوار بچے تھے، تابوت میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا۔

(۵) مراد فرعون ہے جو اللہ کا بھی دشمن اور حضرت مویٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا۔ یعنی لکڑی کا وہ تابوت تیرتا ہوا جب شاہی محل کے کنارے پہنچا تو اسے باہر نکال کر دیکھا گیا، تو اس میں ایک معصوم پچھے تھا، فرعون نے اپنی بیوی کی خواہش پر پرورش کے لیے شاہی محل میں رکھ لیا۔

(۶) یعنی فرعون کے دل میں ڈال دی یا عام لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی۔

پورش میری آنکھوں کے سامنے^(۱) کی جائے۔ (۳۹) یاد کر جبکہ تیری بسن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہوتا میں اسے بتا دوں جو اس کی نگہبانی کرے،^(۲) اس تدبیر سے ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تو نے ایک شخص کو مارڈا لاتھا^(۳) اس پر بھی ہم نے تجھے غم سے بچالیا، غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزمایا۔^(۴) پھر تو کئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھرا رہا،^(۵) پھر لقدری

إذْ تَمِشِّي أَخْتُك فَقَعُولُ هَلْ أَدْلَمُ عَلَى مَنْ يَكْفُلُهُ
فَرَجَعْنَا إِلَى أَمْكَنْتَ نَقَرَعِينَهَا وَلَا تَحْزَنْ هَوَقْتَلَ
نَسْأَافَعِينَكَ مِنَ الْغَمَّ وَفَدَنَكَ فَتُونَاهَ قَلِيلَتَ سِينَنَ
بِنَ أَهْلِ مَدِينَ لَا تُتَرْجِعْنَتَ عَلَى قَدَدِ يَلْمُونِي ⑥

(۱) چنانچہ اللہ کی قدرت کا اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا کمال اور کرشمہ دیکھئے کہ جس بچے کی خاطر، فرعون بے شمار بچوں کو قتل کروا چکا ہے، تاکہ وہ زندہ نہ رہے، اسی بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی گود میں پلوارا رہا ہے، اور ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے، لیکن اس کی اجرت بھی مویٰ علیہ السلام کے اسی دشن فرعون سے وصول کر رہی ہے۔ «فَسُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرَيَاءِ وَالْعَظَمَةِ»۔

(۲) یہ اس وقت ہوا، جب ماں نے تابوت سمندر میں پھینک دیا تو بیٹی سے کہا، ذرا دیکھتی رہو، یہ کہاں کنارے لگتا ہے اور کیا معاملہ اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ جب اللہ کی مشیت سے مویٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پہنچ گئے، شیر خوارگی کا عالم تھا، چنانچہ دودھ پلانے والی عورتوں اور آیاوں کو بلا بیا گیا۔ لیکن مویٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہ پیتے۔ مویٰ علیہ السلام کی بسن خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی، بالآخر اس نے کہا میں تمہیں ایسی عورت بتلاتی ہوں جو تمہاری یہ مشکل دور کر دے گی، انہوں نے کہا تھیک ہے، چنانچہ وہ اپنی ماں کو، جو مویٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، بلا لائی۔ جب ماں نے بیٹی کو چھاتی سے لگایا تو مویٰ علیہ السلام نے اللہ کی تدبیر و مشیت سے غنائم دودھ پینا شروع کر دیا۔

(۳) یہ ایک دوسرے احسان کا ذکر ہے، جب مویٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ایک فرعونی صرف گھونسہ مارنے سے مر گیا، جس کا ذکر سورہ فصل میں آئے گا۔

(۴) فُثُونٌ، دخول اور خروج کی طرح مصدر ہے یعنی آبَنَلَيْنَاكَ آبَنَلَاءَ یعنی ہم نے تجھے خوب آزمایا۔ یا یہ جمع ہے فتنہ کی۔ جیسے حُجْرَةُ کی حُجْجَوْرُ اور بَذَرَةُ کی بُذُورُ جمع ہے۔ یعنی ہم نے تجھے کئی مرتبہ یا بار بار آزمایا یا آزمائشوں سے نکلا۔ مثلاً جو سال بچوں کے قتل کا تھا، تجھے پیدا کیا، تیری ماں نے تجھے سمندر کی موجودوں کے سپرد کر دیا، تمام دایاوں کا دودھ تجھ پر خرام کر دیا، تو نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی، جس پر اس نے تیرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تیرے ہاتھوں قبطی کا قتل ہو گیا، وغیرہ ان تمام مواقع آزمائشوں میں ہم ہی تیری مدد اور چارہ سازی کرتے رہے۔

(۵) یعنی فرعونی کے غیر ارادی قتل کے بعد تو یہاں سے نکل کر مدین چلا گیا اور وہاں کئی سال رہا۔

اللّٰہ کے مطابق اے ^(١) موی! تو آیا۔ (۳۰)

اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پند فرمایا۔ (۳۱)
اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے
جا، اور خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ ^(۲) (۳۲)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اسے بڑی سرکشی کی ہے۔ (۳۳)
اسے نزی ^(۳) سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ذر
جائے۔ (۳۴)

دونوں نے کما اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ
کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں
بڑھنے جائے۔ (۳۵)

جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ
ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا۔ ^(۴) (۳۶)

تم اس کے پاس جا کر کوہ کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر
ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، ان کی
سزا میں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی
طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے
لیے ہے جو ہدایت کا پابند ^(۵) ہو جائے۔ (۳۷)

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ^(٦)

إِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخْوَكَ بِالْيَقِينِ وَلَا تَنْيَا فِي ذُكْرِي ^(٧)

إِذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَفِيفٌ ^(٨)

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِتَعْلَمَهُ يَسْذَكُرُ أَوْ يَغْشِي ^(٩)

فَالْأَرْبَدَا إِنَّا نَحَافُ أَنْ يَقْرَأَ عَيْنَنَا أَوْ أَنْ يَطْغِي ^(١٠)

فَالْأَرْبَدَا إِنَّا نَحَافُ مَعْلَمًا أَسْمَمُ وَأَرْبِي ^(١١)

فَإِنَّهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولًا لَرِبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَابِنَ
إِسْرَاءِنَّهُ وَلَا تَعْدِ بُهْمَ قَدْ جِنْتَكَ بِالْيَةِ مِنْ زَرِبَكَ
وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى ^(١٢)

(۱) یعنی ایسے وقت میں تو آیا جو وقت میں نے اپنے فیصلے اور تقدیر میں تجھ سے ہم کلامی اور نبوت کے لیے لکھا ہوا تھا۔ یا
قدار سے مراد، عمر ہے یعنی عمر کے اس مرحلے میں آیا جو نبوت کے لیے موزوں ہے یعنی چالیس سال کی عمر میں۔

(۲) اس میں داعیانِ الٰہ کے لیے بڑا سبق ہے کہ انہیں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

(۳) یہ وصف بھی داعیان کے لیے بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ سختی سے لوگ بدکتے اور دور بھاگتے ہیں اور نزی سے
قریب آتے اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔

(۴) تم فرعون کو جا کر جو کو گے اور اس کے جواب میں جو وہ کہے گا، میں وہ سنتا اور تمہارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا
رہوں گا۔ اس کے مطابق میں تمہاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا، اس لیے اس کے پاس جاؤ، تردکی کوئی ضرورت نہیں۔

(۵) یہ سلام تجھے نہیں ہے، بلکہ امن و سلامتی کی طرف دعوت ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ
ہرقل کے نام مکتب میں لکھا تھا، «أَسْلِمْ تَسْلِم» (اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا) اسی طرح مکتب کے شروع

ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹائے اور رو گردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے۔ (۳۸)

فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کارب کون ہے؟ (۳۹)

جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی پھر راہ بجا دی۔ (۴۰) (۵۰)

اس نے کہا اچھا یہ تو تباہ اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہونا ہے۔ (۴۱) (۵۱)

جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (۴۲) (۵۲)

اسی نے تمارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے

إِنَّا قَدْ أُدْعَى إِلَيْنَا الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَبَ وَتَوَلَّ

قَالَ فَمَنْ زَكَرَنِي مُؤْمِنٌ

قَالَ رَبِّنَا الَّذِي أَغْلَى كُلَّ شَفَعٍ خَلْقَهُ تُؤْمِنُ هَذِهِ

قَالَ فَمَبَأْلُ الْفُرُونِ الْأُولَى

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّنِي كُلُّ يَقِينٍ رَبِّنِي وَلَا يَسْتَهِنُ

الَّذِي جَعَلَ لِكُلِّ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُّلًا

میں آپ نے «وَاللَّهُ عَلَى مَنْ أَشَبَّهَ الْمُهْدَى» بھی تحریر فرمایا، (ابن کثیر) اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مکتب یا محل میں مخاطب کرنا ہو تو اسے انہی الفاظ میں سلام کما جائے، جو مشروط ہے ہدایت کے اپنانے کے ساتھ۔

(۱) مثلاً جو شکل و صورت انسان کے مناسب حال تھی، وہ اسے۔ جو جانوروں کے مطابق تھی، وہ جانوروں کو عطا فرمائی۔ ”راہ بھائی“ کا مطلب ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سن کھانے پینے اور بودو باش کا طریقہ سمجھا دیا، اس کے مطابق ہر مخلوق سامان زندگی فراہم کرتی اور حیات مستعار کے دن گزارتی ہے۔

(۲) فرعون نے بات کارخ دوسری طرف پھیرنے کے لیے یہ سوال کیا، یعنی پہلے لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے، ان کا حال کیا ہو گا؟

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، ان کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے۔ البتہ ان کا علم میرے رب کو ہے، جو اس کے پاس کتاب میں موجود ہے وہ اس کے مطابق ان کو جزا و سزادے گا، پھر اس کا علم اس طرح ہر چیز کو محیط ہے کہ اس کی نظر سے کوئی چھوٹی بڑی چیز او جھل نہیں ہو سکتی، نہ اسے نیان ہی لاحق ہوتا ہے۔ جب کہ مخلوق کے علم میں دونوں نقش موجود ہیں۔ ایک تو ان کا علم محیط کل نہیں، بلکہ ناقص ہے۔ دوسرے، علم کے بعد وہ بھول بھی سکتے ہیں، میرا رب ان دونوں نقشوں سے پاک ہے۔ آگے، رب کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

پانی بھی وہی برساتا ہے، پھر اس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ (۵۳)
تم خود کھاؤ اور اپنے چوپائیوں کو بھی چراو۔^(۱) کچھ شک نہیں کہ اس میں عظمندوں کے لیے^(۲) بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۵۴)

اسی زمین میں سے ہم نے تمیس پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب^(۳) کو نکال کھڑا کریں گے۔ (۵۵)

ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھادیں لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ (۵۶)

کہنے لگاۓ موسیٰ! کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے۔ (۵۷)

اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لا میں

وَأَنْذِلَ مِنَ السَّمَاءِ مَا شِئْتَ فَأَخْرُجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ بَيْتَ شَتِّي^(۱)

كُلُّاً وَأَرْعَوْنَ الْعَامِلُونَ فِي ذِلِكَ الْأَيَّلَةِ لِأُولَئِي النُّهُّى^(۲)

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ رَفِيقَهَا لِيُعِدُّكُمْ وَمِنْهَا نَخْرُجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى^(۳)

وَلَمَّا دَرَيْنَاهُ إِيْتَنَا كَلَّاهَا فَكَذَّبَ وَأَنْزَ^(۴)

قَالَ أَجْعَنَنَا اللَّهُجُونَاهُمْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَذِهُوْسِي^(۵)

فَلَمَّا تَبَيَّنَكَ بِسِحْرِكَذِهِ فَأَجْعَلْنَا بَيْتَنَا وَبَيْتَكَ

(۱) یعنی ان انواع و اقسام کی پیداوار میں کچھ چیزیں تمہاری خوراک اور لذت و فرحت کا سامان ہیں اور کچھ تمہارے چوپائیوں اور جانوروں کے لیے ہیں۔

(۲) نَهْيٌ، نَهْيٌ کی جمع ہے، بمعنی عقل، أُولُو النَّهَيٌ عقل والے۔ عقل کو نَهْيٌ اور عقل مند کو دُؤْنَهَيٌ، اس لیے کہا جاتا ہے کہ بالآخر انہی کی رائے پر معاملہ انتاپذیر ہوتا ہے، یا اس لیے کہ یہ نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں، یَنْهَوْنَ النَّفْسَ عَنِ الْقَبَائِحِ (فتح القدير)

(۳) بعض روایات میں وفات کے بعد تین مٹھیاں (یا کبے) مٹی ڈالتے وقت اس آیت کا پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ لیکن سند ایسے روایات ضعیف ہیں۔ تاہم آیت کے بغیر تین پیس ڈالنے والی روایت، جوابن ماجہ میں ہے، صحیح ہے، اس لیے وفات کے بعد دونوں ہاتھوں سے تین تین مرتبہ مٹی ڈالنے کو علمانے مستحب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب البخاری صفحہ ۱۵۲ اور رواءۃ الغلیل۔ نمبر ۲۵، ج ۳، ص ۲۰۰، (کلام الالبانی)

(۴) جب فرعون کو دلائل و اخوے کے ساتھ وہ مجھرات بھی دکھائے گئے، جو عصا اور یہ بیضا کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، تو فرعون نے اسے جادو کا کرتب سمجھا اور کہنے لگا، اچھا تو ہمیں اس جادو کے زور سے ہماری زمین سے نکالنا چاہتا ہے؟

گے، پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے،^(۱) کرنے ہم اس کا خلاف کریں اور نہ تو، صاف میدان میں مقابلہ ہو۔^(۲) (۵۸)

موی (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ زینت اور جشن کے دن^(۳) کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں۔^(۴) (۵۹)

پس فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے ہتھیار سے جمع کیے پھر آگیا۔^(۵) (۶۰)

موی (علیہ السلام) نے ان سے کہا تمہاری شامت آچکی، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترانہ باندھو کہ وہ تمہیں عذابوں سے ملیا میٹ کر دے، یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا جس نے جھوٹی بات گھڑی۔^(۶) (۶۱)

پس یہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور چھپ کر چکے چکے مشورہ کرنے لگے۔^(۷) (۶۲)

کہنے لگے یہ دونوں مخفی جادوگروں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال

مَوْعِدَ الْأَغْلِقَةِ تَعْنُونَ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوَى^(۸)

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَأَنْ يَحْشُرَ النَّاسُ ضُمُّ^(۹)

فَتَوَلَّ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ لِتَرْاثِي^(۱۰)

قَالَ لَهُمْ مُوسَى وَلِئِلَّكُمْ لَا تَفْرَوْ إِلَيَّ الْهُدَىْ
فَإِنْ شَتَكُوكُمْ بَعْدَ اِبْرَاهِيمَ وَقَدْ خَلَبَ مِنْ افْتَرَى^(۱۱)

فَنَذَرْتُ عَوْمَرَهُمْ بَيْتَهُمْ وَأَسْرُوا التَّعْبُوِي^(۱۲)

قَالُوا إِنَّ هَذِنَ لَسِرْعَنْ بِرِيدِنَ أَنْ يَخْرُجُ الْمُؤْمِنُونَ

(۱) مَوْعِدٌ مصدر ہے یا اگر طرف ہے تو زمان اور مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ کوئی جگہ اور دن مقرر کر لے۔

(۲) مَكَانًا سُوَى۔ صاف ہمارا جگہ، جماں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ فریقین سہولت سے چھپ سکیں۔

(۳) اس سے مراد نوروز یا کوئی اور سالانہ میلے یا جشن کا دن ہے جسے وہ عید کے طور پر مناتے تھے۔

(۴) یعنی مختلف شروں سے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے اجتماع گاہ میں آگیا۔

(۵) جب فرعون اجتماع گاہ میں جادوگروں کو مقابلے کی ترغیب دے رہا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا اظہار کر رہا تھا تو حضرت موی (علیہ السلام) نے بھی مقابلے سے پہلے انہیں وعظ کیا اور ان کے موجودہ رویے پر انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

(۶) حضرت موی (علیہ السلام) کے وعظ سے ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا اور بعض چکے چکے کہنے لگے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں والی نہیں پیغمبرانہ لگتی ہے۔ بعض نے اس کے بر عکس رائے کا اظہار کیا۔

أَرْضِكُمْ بِسْعَهُمَا وَيَدُهُمْ بِطَرِيقَتِكُمْ أَنْتَ شَهِيدٌ

فَاجْعُلْهُمْ أَكِيدُكُمْ مُّكْرِمًا وَلَا تُؤَاخِذْهُمْ وَقَدْ أَفْلَمَ الْيَوْمَ مِنْ أَنْتَ شَهِيدٌ

قَالَ الْمُهُوسَى إِنَّمَا أَنْتَ ثُلُقَى وَإِنَّمَا أَنْتَ كُلُونَ أَوْلَى مَنْ أَنْتَ

بَا هُرْكَرِيسْ أَوْ تَهَارَرْ بِمُتَرِينْ مَذْهَبْ كُوبِرِبَادْ كَرِيسْ۔^(۱) (۶۳)

تُوْ تَمْ بِجَهِيْ اپَنَا كُوكَيْ دَأْوَ اَخْحَانَهَ رَكْهُو، پَهْرَصَفْ بَنْدِيْ كَرْ كَرْ
آَوْ۔ جَوْ آَجَ غَالَبْ آَگِيَاوَهِيْ بازِيْ لَےْ گِيَا۔^(۶۴) (۶۴)

كَنْهَ لَگَهَ كَهْ اَمْ مُوسَى؟ يَا توْ توْ پَلَهَ ڈَالْ يَا هُمْ پَلَهَ ڈَالْ
وَالَّهِ بَنْ جَائِيْسْ۔^(۶۵) (۶۵)

جَوَابْ دِيَا كَهْ نَمِيْسْ تَمْ بِهِيْ پَلَهَ ڈَالَوْ۔^(۲) اَبْ تُوْ مُوسَى (عَلَيْهِ
السَّلَامُ) كُويْه خِيَالْ گَزْرَنَه لَگَهَ كَهْ انْ كَيْ رِيَالْ اور لَكَرْيَايَانْ
انْ كَهْ جَادُوْ كَهْ زُورَسَه دُوْرَبَھَاگْ رَهِيْ ہِيْں۔^(۳) (۶۶)

پَسْ مُوسَى (عَلَيْهِ السَّلَامُ) نَهَ اَپَنَهَ دَلْ ہِيْ دَلْ مِيْ ڈُرْ
محْسُوسْ کِيَا۔^(۶۷) (۶۷)

ہُمْ نَهَ فَرمَايَا کَچَھ خَوْفَنَه كَرِيْقِيْنَا توْهِيْ غَالَبْ اور بَرْ تَرَهَ

قَالَ بَنْ الْقُوَافِيْذَا جَبَا الْهُمْ وَعَصِيْهِمْ يُغَيِّلُ إِلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِ أَيْمَانِهِمْ
أَهْمَاتْنَهِيْ^(۴)

فَأَوْجَسَ فِي نَقْيَه خِيَفَه مُونَشِي^(۵)

فَلَذَا لَاهَفَتْ إِنْكَأَنَتْ الْأَعْلَى^(۶)

(۱) مُثَلَّى، طَرِيقَةَ کی صفت ہے۔ یہ أَمْثَلُ کی تائیث ہے، افضل کے معنی میں مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی
اپنے ”جادو“ کے زور سے غالب آگئے، تو سادات و اشراف اس کی طرف مائل ہو جائیں گے، جس سے ہمارا اقتدار
خطرے میں اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔ علاوه ازیں ہمارا بترین طریقہ یا مذہب، اسے بھی یہ ختم کر دیں گے۔
یعنی اپنے مشرکانہ مذہب کو بھی انہوں نے ”بترین“ قرار دیا۔ جیسا کہ آج بھی ہر باطل مذہب اور فرقے کے پیروکار اسی
زعم فاسد میں بٹلا ہیں۔ یقیناً فرمایا اللہ نے، ﴿كُلُّ حُزْبٍ يُبَالِدُ نِعْمَةً فَرِحُونَ﴾ (الروم: ۳۲) ”ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے، اس
پر ریبھ رہا ہے۔“

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پسلے اپنا کرتب دکھانے کے لیے کہا، تاکہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادوگروں
کی اتنی بڑی تعداد سے، جو فرعون جمع کر کے لے آیا ہے، اور اسی طرح ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ
نہیں ہیں۔ دوسرے، ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیاں، جب مجذہ الٰہی سے چشم زدن میں ہباءً مُشْتُرِوا ہو جائیں گی، تو اس کا
بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سونپنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں ہے، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے
کہ آن واحد میں اس کی ایک لاٹھی ہمارے سارے کرتبوں کو نگل گئی؟

(۳) قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریالاٹھیاں حقیقتاً سانپ نہیں بنی تھیں، بلکہ جادو کے زور سے
ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے مسیریم کے ذریعے سے نظر بندی کر دی جاتی ہے۔ تاہم اس کا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ عارضی
اور وقتي طور پر دیکھنے والوں پر ایک وہشت طاری ہو جاتی ہے، گوشے کی حقیقت تبدیل نہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم
ہوئی کہ جادو کتنا بھی اونچے درجے کا ہو، وہ شے کی حقیقت تبدیل نہیں کر سکتا۔

گا۔^(۱)
(۶۸)

اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نگل جائے، انہوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر کمیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔^(۶۹)

اب تو تمام جادوگر سجدے میں گڑپڑے اور پکارا ٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ (طیہما السلام) کے رب پر ایمان لائے۔^(۷۰)

فرعون کرنے لگا کہ کیا میری اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے

وَأَنْتَ مَا فِي يَدِكَ تَلَقَّنَ مَا صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَذُبٌ سُجْرٌ
وَلَا يُغْلِطُ الشَّاهِرُ حِينَئِي أَنَّ

فَلَيْقَ السَّحَرَةُ سُجَّدَ أَقْلَوْا أَمْنَاءِ رَبِّ هَرُونَ وَمُوسَىٰ

قَالَ اشْتَمْلَهُ قَبْلَ أَنْ أَذَنَ لِكُفَّارَةَ لَكِيْرُوكُمُ الَّذِي عَلَمْتُمْ

(۱) اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا تو یہ ایک طبعی چیز تھی، جو کمال نبوت کے منافی ہے نہ عصمت کے۔ کیوں کہ نبی بھی بشری ہوتا ہے اور بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ وہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انہیا کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا، جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے، اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرفا نہیں آتا، کیوں کہ اس سے کارنبوت متاثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت فرماتا ہے اور جادو سے وحی یا فریضہ رسالت کی اوایگی کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ خوف اس لیے ہو کہ میری لاٹھی ڈالنے سے قبل ہی کیس لوگ ان کرتبوں اور شعبدہ بازیوں سے متاثر تھے ہو جائیں، لیکن اغلب ہے کہ یہ خوف اس لیے ہوا کہ ان جادوگروں نے بھی جو کرتب دکھایا، وہ لاٹھیوں کے ذریعے سے ہی دکھایا، جب کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی لاٹھی ہی تھی جسے انھیں زمین پر پھینکنا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنے والے اس سے شہر اور مخالف طبقے میں نہ پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ دونوں نے ایک ہی قسم کا جادو پیش کیا، اس لیے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا جادو ہے کون سا مججزہ؟ کون غالب ہے کون مغلوب؟ گویا جادو اور مججزے کا جو فرق واضح کرنا مقصود ہے، وہ مذکورہ مخالف طبقے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ انہیا کو بسا اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھ پر کس نوعیت کا مججزہ ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ خود مججزہ کو ظاہر کرنے پر قدرت تو دور کی بات ہے، یہ تو محض اللہ کا کام ہے کہ وہ انہیا کے ہاتھ پر مججزات ظاہر فرمائے، بہر حال موسیٰ علیہ السلام کے اس اندیشے اور خوف کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ (علیہ السلام) کسی بھی لحاظ سے ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، تو ہی غالب رہے گا، اس جملے سے طبعی خوف اور دیگر اندیشوں سب کا ہی ازالہ فرمادیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

تم سب کو جادو سکھایا ہے، (من لو) میں تمارے ہاتھ پاؤں
اللئے سید ہے^(۱) کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر
لٹکوادوں گا، اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم
میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور درپیا ہے۔ (۱۷)

انہوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں
ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آچکیں اور اس اللہ پر
جس نے ہمیں پیدا کیا ہے^(۲) اب تو جو کچھ کرنے والا
ہے کر گزر، تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے وہ اسی دنیوی^(۳)
زندگی میں ہی ہے۔ (۲۲)

ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ
ہماری خطا میں معاف فرمادے اور (خاص کر) جادو گری
(کا گناہ)، جس پر تم نے ہمیں مجبور کیا ہے،^(۴) اللہ ہی بستر

السْتَّخْرَفَلَا قَلْمَنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلَمْدَمْ مِنْ خَلَافَةَ الْأَوْصِلِلَكَ
فِي جُذُورِ التَّغْلُبِ وَلَتَعْلَمُنَ إِنَّا أَنْشَدْنَا عَذَابَنَا وَآبَقَنِي^(۵)

قَالَوْا نَنْتَوْرُكُ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا
فَأَفْضَلَ مَا أَنْتَ قَاضِيَ إِنَّمَا تَقْضِيَ هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا^(۶)

إِنَّا أَمْلَأْنَا بِتَالِيَغْفِرَلَنَا خَطَلِنَا وَمَا أَكْرَهْنَا عَلَيْنَا
مِنَ السَّخْرَوَاللَّهُ خَيْرٌ وَآبَقَنِي^(۷)

(۱) مِنْ خَلَافِ (اللئے سید ہے) کا مطلب ہے سید ہاتھ تو بیاں پاؤں یا بیاں ہاتھ تو سید ہاتھ پاؤں۔

(۲) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب وَالَّذِي فَطَرَنَا کا عطف مَا جَاءَنَا پر ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ تاہم بعض مفسرین
نے اسے قرار دیا ہے۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا، ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو
ہمارے سامنے آچکیں۔

(۳) یعنی تیرے بس میں جو کچھ ہے، وہ کر لے، ہمیں معلوم ہے کہ تیرا بس صرف اس دنیا میں ہی چل سکتا ہے۔ جب کہ
ہم جس پروردگار پر ایمان لائے ہیں اس کی حکمرانی تو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ہے۔ مرنے کے بعد ہم تیری حکمرانی
اور تیرے ظلم و ستم سے توفیج جائیں گے، کیوں کہ جسموں سے روح کے نکل جانے کے بعد تیرا اختیار ختم ہو جائے گا۔
لیکن اگر ہم اپنے رب کے نافرمان رہے، تو ہم مرنے کے بعد بھی رب کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے، وہ ہمیں سخت
عذاب دینے پر قادر ہے۔ رب پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کی زندگی میں جو عظیم انقلاب آنا اور دنیا کی بے ثباتی اور
آخرت کی دلگی زندگی پر جس طرح یقین ہونا چاہیے اور پھر اس عقیدہ و ایمان پر جو تکلیفیں آئیں، انہیں جس حوصلہ و
صبر اور عزم و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے، جادو گروں نے اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا کہ ایمان لانے سے
قبل کس طرح وہ فرعون سے انعامات اور دنیاوی جاہ و منصب کے طالب تھے، لیکن ایمان لانے کے بعد کوئی ترغیب و
تحریف انہیں متزلزل کر سکی، نہ تشدید و تعذیب کی دھمکیاں انہیں ایمان سے مخرف کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

(۴) دوسرًا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ”ہماری وہ غلطیاں بھی معاف فرمادے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں تیرے

اور ہیشہ باقی رہنے والا ہے۔^(۱) (۷۳)

بات یہی ہے کہ جو بھی گنگا رن کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو گا اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔^(۲) (۷۳)

اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہو گا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں۔^(۴) (۷۵)

ہیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہیں لرس لے رہی ہیں جہاں وہ ہیشہ (ہیشہ) رہیں گے۔ یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہوا۔^(۳) (۷۶)

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل،^(۴) اور ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنالے،^(۵) پھر نہ تجھے کسی کے

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ بِحُرْمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمُ لَا يَمُوْتُ فِيهَا وَلَا يُحْيى ②

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّلِيْحَاتِ فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلُّ ③

جَنَّتُ عَذَابِنَ مَغْنِيٍّ مِنْ تَحْمِيَةِ الْأَنْهَارِ خَلِيدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ حَزْوَانُ مَنْ تَرَى ④

وَلَقَدْ أُوحِيَنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِي بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَسِّرْ لَا يَخْفُ دَرِكًا وَلَا يَخْشِي ⑤

محور کرنے پر ہم نے عمل جادو کی صورت میں کیں۔ "اس صورت میں مَا أَنْكَرْتُنَا كاعطف خَطَايَا نَا پر ہو گا۔

(۱) یہ فرعون کے الفاظ، ﴿ وَلَتَعْلَمُنَّ إِنَّا كَنَّا عَذَابَنَا أَنْتَنِي ﴾ کا جواب ہے کہ اے فرعون! تو جو سخت ترین عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمیں اجر و ثواب ملے گا، وہ اس سے کمیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔

(۲) یعنی عذاب سے بچنے کا کر موت کی آرزو کریں گے، تو موت نہیں آئے گی اور رات دن عذاب میں مبتلا رہنا، کھانے پینے کو ز قوم جیسا تباخ درخت اور جنیموں کے جسموں سے خُرا ہوا خون اور پیپ ملنا، یہ کوئی زندگی ہوگی؟ اللہُمَّ أَجِزْنَا مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ۔

(۳) جنیموں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جو جنت کی پر آسانش زندگی ملے گی، اس کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ اس کے مسخر وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے یعنی اعمال صالحہ اختیار اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلوگی سے پاک کریں گے۔ اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ عقیدہ و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔

(۴) جب فرعون ایمان بھی نہیں لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

(۵) اس کی تفصیل سورۃ الشراء میں آئے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے سندھ میں لاٹھی ماری، جس سے

آپکڑنے کا خطرہ ہو گانہ ڈر۔^(۱) (۷۷)

فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو دریا
ان سب پر چھاگلایا جیسا کچھ چھا جانے والا تھا۔^(۲) (۷۸)

فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا
راستہ نہ دکھایا۔^(۳) (۷۹)

اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمہیں تمہارے دشمن
سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی دامیں طرف کا
 وعدہ کیا اور تم پر من و سلوی اتارا۔^(۴) (۸۰)

تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ، اور اس میں حد سے
آگے نہ بڑھو،^(۵) ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا، اور

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِمُجْنَدَةٍ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَوْمِ مَا غَشَيْهُمْ

وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَاهَدَىٰ^(۶)

يَقْنِي إِسْرَاءِيلَ قَدْ أَجْهَمْنَا لَهُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَأَعْذَنَا لَكُمْ
جَانِبَ الظُّرُورِ الْأَيْمَنَ وَنَرَلَنَا عَلَيْكُمُ الْمَيْنَ وَالسَّلْوَىٰ^(۷)

كُلُّ أُمَّةٍ كَلِبَتِ مَا زَرَقْنَاهُ وَلَا تَطْغُوا فِيهِ فَيَحُلَّ
عَلَيْكُمْ غَصَبٌ وَمَنْ يَعْلَمْ عَلَيْهِ غَصَبٌ

سمندر میں گزرنے کے لیے خٹک راستہ بن گیا۔

(۱) خطرہ فرعون اور اس کے لشکر کا اور ڈرپانی میں ڈوبنے کا۔

(۲) یعنی اس خٹک راستے پر جب فرعون اور اس کا لشکر چلنے لگا تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ حسب سابق روایت دو اس ہو جا، چنانچہ وہ خٹک راستہ چشم زدن میں پانی کی موجودوں میں تبدیل ہو گیا اور فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہو گیا،
غَشِيَّهُمْ کے معنی ہیں عَلَاهُمْ وَأَصَابَهُمْ سمندر کا پانی ان پر غالب آگیا۔ مَا غَشِيَّهُمْ یہ تکرار تعظیم و تسویل یعنی
ہونا کی کے بیان کے لیے ہے۔ یا اس کے معنی ہیں ”جو کہ مشہور و معروف ہے۔“

(۳) اس لیے کہ سمندر میں غرق ہونا ان کا مقدار تھا۔

(۴) وَأَعْذَنَا لَكُمْ میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موی علیہ السلام کوہ طور پر تمہیں یعنی تمہارے
نمایندے بھی ساتھ لے کر آئیں، تاکہ تمہارے سامنے ہی ہم موی علیہ السلام سے ہمکلام ہوں، یا ضمیر جمع اس لیے لائی
گئی کہ کوہ طور پر موی علیہ السلام کو بلانا، بنی اسرائیل ہی کی خاطر اور انہی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تھا۔

(۵) مَنْ وَسْلُوَىٰ کے نزول کا واقعہ سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ مَنْ کوئی میٹھی چیز تھی جو آسمان سے نازل ہوتی
تھی اور سلوی سے مراد بیرون نہ ہے یہیں جو کثرت سے ان کے پاس آتے اور وہ حسب ضرورت انہیں پکڑ کر پکاتے اور
کھایتے۔ (ابن کثیر)

(۶) طُغْيَانُ کے معنی ہیں تجاوز کرنا۔ یعنی حلال اور حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف تجاوز مت کرو یا
اللہ کی نعمتوں کا انکار کر کے یا کفران نعمت کا ارتکاب کر کے یا نعم کی نافرمانی کر کے حد سے تجاوز نہ کرو، ان تمام مفہومات
پر طغیان کا لفظ صادق آتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طغیان کا مفہوم ہے، ضرورت و حاجت سے زیادہ پرندے پکڑنا۔
یعنی حاجت کے مطابق پرندے پکڑو اور اس سے تجاوز مت کرو۔

فَقَدْهُویٌ ﴿٦﴾

وَإِنَّ لِغَفَارِ لِمَنْ تَابَ وَأَمَّ وَعَمِلَ صَالِحًا
فُخَاهَتْذِي ﴿٧﴾

وَبِآعْجَلَكَ عَنْ قَوْمَكَ يَمْوُسِي ﴿٨﴾

قَالَ هُمُوا لَهُ عَلَى آثَرِي وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ

رَبِّ لِتَرْضِي ﴿٩﴾

قَالَ فَإِنَّا فَدَّنَا تَوْمَكَ مِنْ أَبْعِدِكَ
وَأَضَلْنَاهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿١٠﴾

فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَيْسَفَاهَ قَالَ يَقُولُ

(۱) جس پر میرا غصب نازل ہو جائے وہ یقیناً تباہ ہوا۔ (۸۱)

ہاں بیٹک میں انیں بخش دینے والا ہوں جو توہہ کریں ایمان لا کیں نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔ (۸۲)

اے موی! تجھے اپنی قوم سے (غافل کر کے) کون سی چیز جلدی لے آئی؟ (۸۳)

کہا کہ وہ لوگ بھی میرے تجھے ہی تجھے ہیں، اور میں نے اے رب! تیری طرف جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو جائے۔ (۸۳)

فرمایا! ہم نے تیری قوم کو تیرے تجھے آزمائش میں ڈال دیا اور انیں سامری نے بکار دیا ہے۔ (۸۵)

پس موی (علیہ السلام) سخت غصناک ہو کر رنج کے ساتھ واپس لوئے، اور کہنے لگے کہ اے میری قوم والو! کیا تم سے

(۱) دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ہاویہ یعنی جنم میں گرا۔ ہاویہ جنم کا نچلا حصہ ہے یعنی جنم کی گمراہی والے حصے کا مستحق ہو گیا۔

(۲) یعنی مغفرت الہی کا مستحق بننے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ کفر و شرک اور معاصی سے توبہ، ایمان، عمل صالح اور راہ راست پر چلتے رہنا یعنی استقامت حتیٰ کہ ایمان ہی پر اسے موت آئے، ورنہ ظاہربات ہے کہ توبہ و ایمان کے بعد اگر اس نے پھر شرک و کفر کا راستہ اختیار کر لیا، حتیٰ کہ موت بھی اسے کفر و شرک پر ہی آئے تو مغفرت الہی کے بجائے، عذاب کا مستحق ہو گا۔

(۳) سند رپار کرنے کے بعد موی علیہ السلام بنی اسرائیل کے سر برآورده لوگوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے، لیکن رب کے شوق ملاقات میں تیز رفتاری سے ساتھیوں کو تجھے چھوڑ کر اکیلے ہی طور پر پہنچ گئے، سوال کرنے پر جواب دیا، مجھے تو تیری رضاکی طلب اور اس کی جلدی تھی۔ وہ لوگ میرے تجھے ہی آرہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے تجھے آرہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ میرے تجھے کوہ طور کے قریب ہی ہیں اور وہاں میری واپسی کے منتظر ہیں۔

(۴) حضرت موی علیہ السلام کے بعد سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کو نچھڑا پوچھنے پر لگادیا، جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے طور پر موی علیہ السلام کو دی کہ سامری نے تو تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فتنے میں ڈالنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرفہ حیثیت خالق کے کی ہے، ورنہ اس گمراہی کا سبب تو سامری ہی تھا جیسا کہ أَضَلُّهُمُ السَّامِرِيُّ سے واضح ہے۔

تمہارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا^(۱) تھا؟ کیا اس کی مدت تمہیں لمبی معلوم ہوئی؟^(۲) بلکہ تمہارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غصب نازل ہو؟ کہ تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا۔^(۳) (۸۶)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا۔^(۴) بلکہ ہم پر زیورات قوم کے جو بوجھ لاد دیے گئے تھے انہیں ہم نے ڈال دیا، اور اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیے۔ (۸۷)

پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا یعنی بچھڑے کا بت، جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی پھر کہنے لگے کہ یہی تمہارا بھی معبد ہے^(۵) اور موسیٰ کا بھی، لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔ (۸۸)

کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے

أَخْيَرُكُمُ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ
أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَجْعَلَ عَلَيْكُمْ غَضَبَ مَنْ رَبِّكُمْ
فَأَخْلَقْتُمُوهُ بِعِدْنِي^(۶)

قَالُوا إِنَّا أَخْلَقْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكَنَا وَلَكُمْ حِلْمُنَا أَوْزَارَ أَقْرَبْنِي
الْقَوْمَ نَقَدْ فَنْهَا فَكَذَلِكَ الْقَوْمُ السَّابِرُونِ^(۷)

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عَجْلًا جَسَدَ اللَّهُ خُوارٌ فَقَاتُوا هَذَا الْهُمَّ
وَإِنَّ اللَّهَ مُوسَىٰ ذَقَنِي^(۸)

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ الْبَيْهُمْ قَوْلَاهُ وَلَا يَمْلِكُ
لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا^(۹)

(۱) اس سے مراد جنت کا یافتہ و ظفر کا وعدہ ہے اگر وہ دین پر قائم رہے یا تورات عطا کرنے کا وعدہ ہے، جس کے لیے طور پر انہیں بلا یا گیا تھا۔

(۲) کیا اس عمد کو مدت دراز گزر گئی تھی کہ تم بھول گئے، اور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

(۳) قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی طور سے واپسی تک وہ اللہ کی اطاعت و عبادت پر قائم رہیں گے، یا یہ وعدہ تھا کہ ہم بھی طور پر آپ کے بچھے بچھے آرہے ہیں۔ لیکن راستے میں ہی رک کر انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔

(۴) یعنی ہم نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یہ غلطی ہم سے اضطراری طور پر ہو گئی، آگے اس کی وجہ بیان کی۔

(۵) زینت سے، زیورات اور القوم سے قوم فرعون مراد ہے۔ کہتے ہیں یہ زیورات انہوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لیے تھے، اسی لیے انہیں اوزار و وزر (بوجھ) کی جمع کما گیا ہے، کیوں کہ یہ ان کے لیے جائز نہیں تھے، چنانچہ انہیں جمع کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، سامری نے بھی (جو مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کی طرح) گمراہ تھا، بچھ ڈالا، (اور وہ مٹی تھی جیسا کہ آگے صراحت ہے)، پھر اس نے تمام زیورات کو تپا کر ایک طرح کا بچھڑا بنایا کہ جس میں ہوا کے اندر باہر آنے جانے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس آواز سے اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو گمراہ ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ سے ملنے کے لیے طور پر گئے ہیں، جب کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبد تو یہ ہے۔

کا اختیار رکھتا ہے۔^(۱) (۸۹)

اور ہارون (علیہ السلام) نے اس سے پسلے ہی ان سے کہ دیا تھا اے میری قوم والو! اس بچھڑے سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے، تمہارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمٰن ہی ہے، پس تم سب میری تابعداری کرو۔ اور میری بات مانتے چلے جاؤ۔^(۲) (۹۰)

انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے۔^(۳) (۹۱)

موسیٰ (علیہ السلام) کمنے لگے اے ہارون! انہیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا۔^(۴) (۹۲)

کہ تو میرے پیچھے نہ آیا۔ کیا تو بھی میرے فرمان کا نافرمان بن بیٹھا۔^(۵) (۹۳)

ہارون (علیہ السلام) نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ، اور سر کے بال نہ کھینچ، مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ (نه) فرمائیں^(۶) کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور

وَلَقَدْ قَالَ لِهُمْ هُرُونُ مَنْ قَبْلُ يَقُولُ إِنَّمَا فِتْنَتُنَا نَحْنُ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَإِنَّمَا يَعْمَلُونَ وَأَطْبَعُوا أَمْرِي^(۷)

قَالُوا إِنَّمَا تُبَرَّحُ عَلَيْنَا عِكْفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُؤْسِنِي^(۸)

قَالَ يَهُرُونُ مَا مَنَعَكُمْ إِذْ رَأَيْتُمُهُمْ ضَلَّوا^(۹)

أَلَا تَتَبَعُنَّ أَفَعَصَيْتُ أَمْرِي^(۱۰)

قَالَ يَسِّعُمُ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْيِي إِلَيْ خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقِبْ قَوْلِي^(۱۱)

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کی جمالت و نادانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عقل کے انہوں کو اتنا بھی نہیں پہنچا کر یہ بچھڑا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ جب کہ معبد تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سننے پر، نفع و نقصان پہنچانے پر اور حاجت برآری پر قادر ہو۔

(۲) حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا جب یہ قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔

(۳) اسرائیلیوں کو یہ گوسالہ اتنا اچھا لگا کہ ہارون علیہ السلام کی بات کی بھی پردا نہیں کی اور اس کی تعظیم و عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

(۴) یعنی اگر انہوں نے تیری بات مانے سے انکار کر دیا تھا، تو تجھ کو فوراً میرے پیچھے کوہ طور پر آکر مجھے بتلانا چاہیے تھا۔ تو نے بھی میرے حکم کی پردا نہیں کی۔ یعنی جانشی کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو شرک کی گراہی میں دیکھ کر سخت غصب ناک تھے اور سمجھتے تھے کہ شاید اس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی، جن کو وہ اپنا خلیفہ بنانا کر گئے تھے، مدعاہست کا بھی دخل ہو، اس لیے سخت غصے میں ہارون

قالَ فَبَاخْطِبُكَ يَسَامِرُ ئِي

^(۱) میری بات کا انتظار نہ کیا۔ (۹۳)

موئی (علیہ السلام) نے پوچھا سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔ (۹۵)

اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انہیں دکھائی نہیں دی، تو میں نے فرستادہ الٰہی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی اسے اس میں ڈال دیا^(۲) اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنادی۔ (۹۶)

کما اچھا جا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کتنا رہے کہ مجھے نہ چھونا،^(۳) اور ایک اور بھی وعدہ تیرے

قالَ بَصَرْتُ بِمَا أَنْتَ يَصْرُوْا بِهِ فَقَبَضْتُ فَقَبَّةَ
مِنْ آثَارِ الرَّسُولِ فَنَبَذَنَهَا وَدَلَّلَكَ سَوْلَتْ لِيْ نَقْبَى^(۴)

قالَ فَأَذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَنْعُولَ لَا مِسَاسَ

علیہ السلام کی داڑھی اور سرپکڑ کر انہیں جھنجھوڑنا اور پوچھنا شروع کیا، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں اتنا سخت رویہ اپنانے سے روکا۔

(۱) سورہ اعراف میں حضرت ہارون علیہ السلام کا جواب یہ نقل ہوا ہے کہ ”قوم نے مجھے کمزور خیال کیا اور میرے قتل کے در پے ہو گئی“ (آیت-۱۳۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمے داری پوری طرح نبھائی اور انہیں سمجھانے اور گوسالہ پرستی سے روکنے میں مدد اہنست اور کوتاہی نہیں کی۔ لیکن معاملے کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ ہارون علیہ السلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں آپس میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ جاتے، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے۔ حضرت موئی علیہ السلام چوں کہ خود وہاں موجود نہ تھے، اس لیے اس صورت حال کی نزاکت سے بے خبر تھے، اسی بنا پر حضرت ہارون علیہ السلام کو انہوں نے سخت سنت کیا۔ لیکن پھر وضاحت پر وہ اصل مجرم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور اور باطل چیزوں کو بھی برداشت کر لینا چاہیے۔ کیوں کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے نہ ایسا کیا ہے، نہ ان کے قول کا یہ مطلب ہی ہے۔

(۲) جمیور مفسرین نے الرَّسُولِ سے مراد جرایل علیہ السلام لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جرایل علیہ السلام کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھی، جس میں کچھ خرق عادات اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے پھلے ہوئے زیورات یا پچھرے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلنی شروع ہو گئی جوان کے فتنے کا باعث بن گئی۔

(۳) یعنی عمر بھر تو یہی کھتار ہے گا کہ مجھ سے دور رہو، مجھے نہ چھونا، اس لیے کہ اسے چھوٹے ہی چھونے والا بھی اور یہ سامری بھی دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لیے جب یہ کسی انسان کو دیکھتا تو فوراً چیخ اٹھتا کہ لا میسَاسَ کما جاتا ہے کہ

ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ملے گا،^(۱) اور اب تو اپنے اس معبد کو بھی دیکھ لینا جس کا عکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ اڑادیں گے۔^(۲) (۹۷)

اصل بات یہی ہے کہ تم سب کامبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔^(۳) (۹۸)

اسی طرح ہم تیرے^(۴) سامنے پسلے کی گزری ہوئی واردا تیس بیان فرمائے ہیں اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرمائے ہیں۔^(۵) (۹۹)

اس سے جو منہ پھیر لے گا^(۶) وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لاوے ہوئے ہو گا۔^(۷) (۱۰۰)

وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا إِنْ تَعْلَمَهُ وَأَنْظُرْ إِلَى الْهُدَى الَّذِي ظَلَّتْ عَلَيْهِ عَلَيْكُنَّ الْحُرْقَةَ ثُمَّ لَنْتَسِفَنَّ فِي الْيَوْمِ نَسِنَا^(۸)

إِنَّمَا الْمُكْثُرُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسَعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا^(۹)

كَذَلِكَ تَعَصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْتَاءَ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ أَيْنَكَ مِنْ لَدُنْكَ ذُكْرًا^(۱۰)

مَنْ أَغْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَنَزًا^(۱۱)

پھر یہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا، جہاں جانوروں کے ساتھ اس کی زندگی گزری اور یوں عبرت کا نمونہ بنارہا۔ گویا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو شخص جتنا زیادہ حیله و فن اور سکرو فریب اختیار کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی اسی حاب سے شدید تر اور نہایت عبرت ناک ہو گی۔

(۱) یعنی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر صورت بھگلتا پڑے گا۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے آثار ختم کرنا بلکہ ان کا نام و نشان تک مٹاڈا لانا، چاہے ان کی نسبت کتنی ہی مقدس ہستیوں کی طرف ہو، تو ہیں نہیں، جیسا کہ اہل بدعت، قبر پرست اور تعزیز پرست باور کرتے ہیں، بلکہ یہ توحید کا مفشا اور دینی غیرت کا تقاضا ہے۔ جیسے اس واقعے میں اس اثر الرَّسُولِ کو نہیں دیکھا گیا، جس سے ظاہری طور پر روحانی برکات کا مشاہدہ بھی کیا گیا، اس کے باوجود اس کی پردا نہیں کی گئی، اس لیے کہ وہ شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے فرعون و موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے، اسی طرح انبیائے مسبق کے حالات ہم آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے باخبر ہوں، اور ان میں جو عبرت کے پہلو ہوں، انہیں لوگوں کے سامنے نمایاں کریں تاکہ لوگ اس کی روشنی میں صحیح روایہ اختیار کریں۔

(۴) نصیحت (ذکر) سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس سے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا، ہدایت اختیار کرتا اور نجات و سعادت کا راستہ اپناتا ہے۔

(۵) یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس میں جو کچھ درج ہے، اس پر عمل نہیں کرے گا۔

(۶) یعنی گناہ عظیم اس لیے کہ اس کا نامہ اعمال، نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پر ہو گا۔

جس میں ہمیشہ ہی رہے گا،^(۱) اور ان کے لیے قیامت کے

دن (بڑا) برابر بوجھ ہے۔^(۱۰۱)

جس دن صور^(۲) پھونکا جائے گا اور گناہ گاروں کو ہم اس دن (دہشت کی وجہ سے) نیلی پیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے۔^(۱۰۲)

وہ آپس میں چکے چکے کہہ رہے^(۳) ہوں گے کہ ہم تو (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے۔^(۱۰۳)

جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم باخبر ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ^(۴) والا کہہ رہا ہو گا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے۔^(۱۰۴)

وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں، تو آپ کہہ دیں کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔^(۱۰۵)

اور زمین کو بالکل ہمار صاف میدان کر کے چھوڑے گا۔^(۱۰۶)

جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اوچ بچ^(۷) (۱۰۷)

خَلِدُونَ فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَلَّاً^(۱)

يَوْمٌ يُغَيْرُ فِي الصُّورِ وَتَخْرُجُ النُّجُومُ يَوْمَ مِيزَانٍ^(۲)

يَعْلَمُونَ يَوْمَ هُنَّ لَنْ يَسْتَهِنُ إِلَّا عَثْرًا^(۳)

عَنْ أَعْلَمِ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْلَأُهُمْ طَرِيقَةُ إِنْ لِيَشْرُمُ إِلَيْهِمَا^(۴)

وَيَنْتَهُنَّ إِعْنَانَ الْجَبَالِ قُلْ يَنْسِمُهَا رِبِّ نَسَئَلٍ^(۵)

فَيَدْرُهَا قَاعًا صَنْصَفَانِ^(۶)

لَأَنَّى فِيهَا يَعْجَلُوا لَأَمْسَانًا^(۷)

(۱) جس سے وہ نجت نہ سکے گا، نہ بھاگ، ہی سکے گا۔

(۲) صُوْرَ سے مراد وہ قَرْنٌ (زرنگا) ہے، جس میں اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے، تو قیامت بڑا ہو جائے گی، (مسند احمد - ۲ / ۱۹۱)، ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسرافیل علیہ السلام نے قرن کا لقہ بنایا ہوا ہے، (یعنی اسے منہ لگائے کھڑا ہے) پیشانی جھکائی یا موڑی ہوتی ہے، رب کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مار دے" (ترمذی، ابوباب صفة القيمة، باب ماجاء في الصور، حضرت اسرافیل علیہ السلام کے پہلے نفع سے سب پر موت طاری ہو جائے گی، اور دوسرے نفع سے بحکم الہی سب زندہ اور میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ آیت میں یہی دو سر نفع مراد ہے۔

(۳) شدت ہول اور دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے سے چکے چکے باتیں کریں گے۔

(۴) یعنی سب سے زیادہ عاقل اور سمجھ دار۔ یعنی دنیا کی زندگی انہیں چند دن بلکہ گھڑی دو گھڑی کی محسوس ہو گی۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَيَوْمَ تَقُومُ الشَّاعِرَةُ يُقْبَلُ الْمُجْرِمُونَ كَمَا لَيْلَةُ الْوَاعِدِ يَأْتِيُهُمْ ﴾ (الروم: ۵۵)

جس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں^(۱) گے جس میں کوئی بھی نہ ہوگی^(۲) اور اللہ رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے کھرپھر کے تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا۔^(۳) (۱۰۸)

اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔^(۴) (۱۰۹)

جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے تھلوں کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔^(۵) (۱۱۰)

تمام چہرے اس زندہ اور قائمِ داعمِ مدیر، اللہ کے سامنے

يَوْمَئِنْ يَتَبَعُونَ الدَّارِيَ لَأَيُوْجَ لَهُ وَخَشَعَتِ
الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هُمَا

يَوْمَئِنْ لَا تَفْعَلُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذْنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَدَفَعَ
لَهُ قَوْلًا

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَلَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُعْلَمُونَ بِهِ عِلْمًا

وَعَنْتِ الْوُجُوهُ لِلْهَى الْقَيْمُرُ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا

”جس دن قیامت برپا ہوگی، کافر قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔“ یہی مضمن اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ فاطر، ۲-۳، سورہ المؤمنون، ۱۲-۱۳، سورۃ النازعات وغیرہ۔ مطلب یہی ہے کہ فالی زندگی کو باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دی جائے۔

(۱) یعنی جس دن اونچے، نیچے پہاڑ، وادیاں، فلک بوس عمارتیں، سب صاف ہو جائیں گی، سمندر اور دریا خشک ہو جائیں گے، اور ساری زمین صاف چیل میدان ہو جائے گی۔ پھر ایک آواز آئے گی، جس کے پیچھے سارے لوگ لگ جائیں گے یعنی جس طرف وہ داعی بلائے گا، جائیں گے۔

(۲) یعنی اس داعی سے ادھر ادھر نہیں ہوں گے۔

(۳) یعنی مکمل سنانا ہو گا سوائے قدموں کی آہٹ اور کھرپھر کے کچھ سنائی نہیں دے گا۔

(۴) یعنی اس دن کسی کی سفارش کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، سوائے ان کے جن کو رحمٰن شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، اور وہ بھی ہر کسی کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ صرف ان کی سفارش کریں گے جن کی بابت سفارش کو اللہ پسند فرمائے گا۔ اور یہ کون لوگ ہوں گے؟ صرف اہل توحید، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ یہ مضمن قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورہ بحیرہ، ۲۶-۲۷، سورہ انبیاء، ۲۸-۲۹، سورہ سبا، ۲۳-۲۴، سورہ النبأ، ۱۳۸ اور آیت الکرسی۔

(۵) گزشتہ آیت میں شفاعت کے لیے جو اصول بیان فرمایا گیا ہے، اس میں اس کی وجہ اور علت بیان کردی گئی ہے کہ چوں کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی کی بابت پورا علم نہیں ہے کہ کون کتنا بڑا مجرم ہے؟ اور وہ اس بات کا مستحق ہے بھی یا نہیں کہ اس کی سفارش کی جاسکے؟ اس لیے اس بات کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا کہ کون کون لوگ انبیا و صحابی کی سفارش کے مستحق ہیں؟ کیوں کہ ہر شخص کے جرائم کی نوعیت و کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔

کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے، یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لا دیا۔^(۱) ^(۳)

اور جو نیک اعمال کرے اور ایمان والا بھی ہو تو نہ اسے بے انصافی کا کھکھلا ہو گا نہ حق تلفی کا۔^(۲) ^(۴)

اسی طرح ہم نے تجھ پر عربی قرآن نازل فرمایا ہے اور طرح طرح سے اس میں ڈر کا بیان سنایا ہے تاکہ لوگ پرہیز گاربِ بن^(۳) جائیں یا ان کے دل میں سوچ سمجھ تو پیدا کرے۔^(۴) ^(۵) ^(۶)

پس اللہ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ^(۵) ہے۔ تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے،^(۶) ہاں یہ دعا

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّلَحِيْتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفَى عَلَيْهِ مَا أَعْمَلَ^(۷)

وَكَذَلِكَ آتَيْنَاهُ فُرْقَانًا عَرَبِيًّا وَصَرَفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ

لَعْلَهُمْ يَتَّقُونَ وَيُبَدِّلُ لَهُمْ ذَكْرُوا^(۸)

فَتَعْلَمَ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ

يُفْضِيَ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا^(۹)

(۱) اس لیے کہ اس روز اللہ تعالیٰ مکمل النصف فرمائے گا اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دلائے گا۔ حتیٰ کہ اگر ایک سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری پر ظلم کیا ہو گا، تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب البر، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۲۵) اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے، «الْتَّوْذِنُ الْحُقُوقُ إِلَى أَهْلِهَا» ”ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دو“ ورنہ قیامت کو دینا پڑے گا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے، «إِنَّكُمْ وَالظُّلْمَ؛ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». (صحیح مسلم، کتاب مذکور، باب تحريم الظلم) ”ظلم“ سے بچوں کے لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہو گا۔ سب سے نامرادوں شخص ہو گا جس نے شرک کا بوجھ بھی اپنے اوپر لادر کھا ہو گا، اس لیے کہ شرک ظلم عظیم بھی ہے اور ناقابل معافی بھی۔

(۲) بے انصافی یہ ہے کہ اس پر دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے اور حق تلفی یہ ہے کہ نیکیوں کا جرکم دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں وہاں نہیں ہوں گی۔

(۳) یعنی گناہ، محبتات اور فوایش کے ارتکاب سے باز آجائیں۔

(۴) یعنی اطاعت اور قرب حاصل کرنے کا شوق یا کچھ امتوں کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا کر دے۔

(۵) جس کا وعدہ اور وعدہ حق ہے، جنت و دوزخ حق ہے اور اس کی ہربات حق ہے۔

(۶) جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے اور سناتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کیسی کچھ حصہ بھول نہ جائیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور تاکید کی کہ غور سے، پہلے وحی کو سنیں، اس

کر کے پروردگار! میرا علم بڑھا۔^(۱) (۱۳۲)

ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا۔^(۲) (۱۳۵)
اور جب ہم نے فرشتوں سے کما کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سواب نے کیا، اس نے صاف انکار کر دیا۔^(۳) (۱۳۶)

وَلَقَدْ عِهْدَنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَتْيَّىٰ وَلَمْ يُجِدْهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ^(۴)

وَلَذِكْرِنَا إِلَى الْمُلْكِكَةَ اسْجُدْ وَالْأَدَمَ فَسَجَدَ وَالْأَلْبَيْسَ أَبَى^(۵)

کویا درکار اور دل میں بھمار دینا یہ ہمارا کام ہے جیسا کہ سورہ قیامت میں آئے گا۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادتی علم کی دعا فرماتے رہیں۔ اس میں علاکے لیے بھی نصیحت ہے کہ وہ فتویٰ میں پوری تحقیق اور غور سے کام لیں، جلد بازی سے بچیں اور علم میں اضافے کی صورت میں اختیار کرنے میں کوتایی نہ کریں۔ علاوه ازیں علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے۔ قرآن میں اسی کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے حاملین کو علماء میں گزرے ہوں کام لیں۔ جو انسان کسب معاش کے لیے حاصل کرتا ہے، وہ سب فن ہیں، ہنر ہیں اور صنعت و حرفت ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس علم کے لیے دعا فرماتے تھے، وہ وحی و رسالت ہی کا علم ہے جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے، جس سے انسان کا ربط و تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا، اس کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی اور اللہ کی رضا و عدم رضا کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جو آپ پڑھا کرتے تھے۔ «اللَّهُمَّ أَنْفَعْنِي بِمَا عَلِمْتَنِي، وَعَلِمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَزِدْنِي عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ كُلِّ حَالٍ» (ابن ماجہ، باب الاستفاظ بالعلم والعمل، المقدمة)

(۲) نیاں، (بھول جانا) ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور ارادے کی کمزوری یعنی فقدان عزم۔ یہ بھی انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں کمزوریاں ہی شیطان کے وسوسوں میں پھنس جانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر ان کمزوریوں میں اللہ کے حکم سے بغاوت و سرکشی کا جذبہ اور اللہ کی تافرمانی کا عزم مضم شامل نہ ہو، تو بھول اور ضعف ارادہ سے ہونے والی غلطی عصمت و کمال نبوت کے منافی نہیں، کیوں کہ اس کے بعد انسان فوراً نادم ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جنک جاتا اور توبہ واستغفار میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی کیا) حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے سمجھایا تھا کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوادے۔ یہی وہ بات ہے جسے یہاں عمد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام اس عمد کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے قریب جانے لیعنی اس سے کچھ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ اس درخت کے قریب نہیں جائیں گے۔ لیکن جب شیطان نے اللہ کی قسمیں کھا کر انہیں یہ باور کرایا کہ اس کا پھل تو یہ تأشیر رکھتا ہے کہ جو کھا لیتا ہے، اسے زندگی جاوداں اور داعی بادشاہت مل جاتی ہے۔ تو ارادے پر قائم نہ رہ سکے اور اس فقدان عزم کی وجہ سے شیطانی وسو سے کاشکار ہو گئے۔

تو ہم نے کہا اے آدم! یہ تیرا اور تیری یوں کا دشمن ہے (خیال رکھنا) ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلا دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے۔^(۱) (۱۷)

یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ نگا۔^(۱۸) اور نہ تو یہاں پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے۔^(۱۹)

لیکن شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا، کہنے لگا کہ کیا میں تجھے دامگی زندگی کا درخت اور بادشاہت تلاوں کے جو کبھی پرانی نہ ہو۔^(۲۰)

چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھایا پس ان کے سر کھل گئے اور بہشت کے پتے اپنے اوپر ٹانکنے لگے۔ آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا۔^(۲۱) (۲۱)

پھر اس کے رب نے نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی کی۔^(۲۲) (۲۲)

فَقَالَ يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَذَابٌ مِّنِّي وَإِنَّ وَجْهِكَ فَلَا يَحْرُجُنَّكُمَا
مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْفُقُ^(۱۶)

إِنَّ لَكَ الْأَبْجُونَ فِيهَا وَلَا تَعْرِي^(۱۷)
وَأَنَّكَ لَا تَظْهُرُ فِيهَا وَلَا تَضْعُ^(۱۸)

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَنُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَذْلَكَ عَلَى شَجَرَةِ
الْحَلْدِ وَمُلِكٌ لَّا يَبْلِل^(۱۹)

فَأَكَلَا مِنْهَا فَمَدَتْ لَهُمَا سَوَادُهُمَا وَطَفَقَا يَغْصِبُنَّ عَلَيْهِمَا
مِّنْ وَرِقِ الْجَنَّةِ وَعَصَى ادْمَرْبَةَ فَغَوَى^(۲۰)

لَمَّا جَبَبَهُ رَبُّهُ فَتَأَبَ عَلَيْهِ وَهَدَى^(۲۱)

(۱) یہ شقاً محنت و مشقت کے معنی میں ہے، یعنی جنت میں کھانے پینے، لباس اور مسکن کی جو سو لیس بغیر کسی محنت کے حاصل ہیں۔ جنت سے نکل جانے کی صورت میں ان چاروں چیزوں کے لیے محنت و مشقت کرنی پڑے گی، جس طرح کہ ہر انسان کو دنیا میں ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ علاوه ازیں صرف آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ تو محنت و مشقت میں پڑ جائے گا۔ دونوں کو نہیں کہا گیا حالاں کہ درخت کا پھل کھانے والے آدم علیہ السلام و حوا دونوں ہی تھے۔ اس لیے کہ اصل مخاطب آدم ہی تھے۔ نیز بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے، عورت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس محنت و مشقت سے بچا کر گھر کی ملکہ کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن آج عورت کو یہ ”اعزاز الہی“ ”طوق غلامی“ نظر آتا ہے، جس سے آزاد ہونے کے لیے وہ بے قرار اور مصروف جمد ہے آہ! اگوائے شیطانی بھی کتنا موثر اور اس کا جال بھی کتنا حسین اور دل فریب ہے۔

(۲) یعنی درخت کا پھل کھا کر نافرمانی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مطلوب یا راہ راست سے بہک گیا۔

(۳) اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے مذکورہ عصیان کا صدور نبوت سے قبل ہوا، اور نبوت سے اس کے بعد آپ کو نوازا گیا۔ لیکن ہم نے گزشتہ صفحے میں اس ”معصیت“ کی جو حقیقت

فرمایا، تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمہارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بکے گا انہ تکلیف میں پڑے گا۔ (۱۲۳)

اور (ہاں) جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی،^(۱) اور ہم اسے بروز قیامت انداز کر کے اٹھائیں گے۔^(۲) (۱۲۴)

وہ کسے گا کہ الٰہ! مجھے تو نے اندازا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھاتا تھا۔ (۱۲۵)

(جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آئیوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔ (۱۲۶) ہم ایسا ہی بدله ہر اس شخص کو دیا کرتے ہیں جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آئیوں پر ایمان نہ لائے، اور پیشک آخوت کا عذاب نمایت ہی سخت اور باتی رہنے والا ہے۔ (۱۲۷)

قَالَ أَهْيَطَا مِنْهَا جَيْعَانًا بَعْضُكُمْ لَيَغْضِبُ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْهُمْ مُّهْدَىٰ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدًى إِنَّ فَلَآ يَضْلُلُ وَلَا يَشْغُلُ

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِنِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا
وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْنَى^(۱)

قَالَ رَبِّ لِمَ حَسَرْتَنِي أَعْنَى وَقَدْ كُنْتَ بَصِيرًا^(۲)

قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ إِنْتَافَسِيَّتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْتَهَى^(۳)

وَكَذَلِكَ تَجْزِيَ مَنْ أَسْرَى وَلَذُو مِنْ يَأْتِيَ رَبَّهُ وَلَعَذَابُ
الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى^(۴)

بیان کی ہے، وہ عصمت کے منافی نہیں رہتی۔ کیوں کہ ایسا سو و نیان، جس کا تعلق تبلیغ رسالت اور تشریع سے نہ ہو، بلکہ ذاتی افعال سے ہو اور اس میں بھی اس کا سبب ضعف ارادہ ہو تو یہ دراصل وہ معصیت ہی نہیں ہے، جس کی بنا پر انسان غصب الٰہ کا مستحق بنتا ہے۔ اس پر جو معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے تو محض ان کی عظمت شان اور مقام بلند کی وجہ سے کہ بڑوں کی معمولی غلطی کو بھی بڑا سمجھ لیا جاتا ہے، اس لیے آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے اس کے بعد اسے نبوت کے لیے چن لیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ندامت اور توبہ کے بعد ہم نے اسے پھر مقام اجتہا پر فائز کر دیا، جو پسلے انہیں حاصل تھا۔ ان کو زمین پر اتارنے کا فیصلہ، ہماری مشیت اور حکمت و مصلحت پر بنی تھا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہمارا عتاب ہے جو آدم پر نازل ہوا ہے۔

(۱) اس تنگی سے بعض نے عذاب قبر اور بعض نے وہ قلق و اضطراب، بے چینی اور بے کلی مرادی ہے جس میں اللہ کی یاد سے غافل بڑے بڑے دولت مند بتلار ہتے ہیں۔

(۲) اس سے مراد فی الواقع آنکھوں سے اندازا ہونا ہے یا پھر بصیرت سے محرومی مراد ہے یعنی وہاں اس کو کوئی ایسی دلیل نہیں سونچھے گی جسے پیش کر کے وہ عذاب سے چھوٹ سکے۔

کیا ان کی رہبری اس بات نے بھی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک کر دی ہیں جن کے رہنے سننے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ یقیناً اس میں عقائد و کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔^(۲۸)

اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے مقرر شدہ اور وقت معین کردہ نہ ہو تو اسی وقت عذاب آچتا۔^(۲۹)

پس ان کی باتوں پر صبر کرو اور اپنے پور دگار کی تسبیح اور تعریف بیان کرتا رہ، سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ذوبنے سے پہلے، رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ،^(۳۰) بہت ممکن ہے کہ تو راضی ہو جائے۔^(۳۱)

أَفَلَمْ يَعْدِلُهُمْ كُمْ أَهْكَلْنَا أَبْنَاهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَسْتُوْنَ فِي مَسِيْكِهِمْ إِلَّا فِي ذَلِكَ الْأَيْتِ لِأُولَى النُّبُوْتِ^(۱۶)

وَلَوْلَا كَلْمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكُمْ لِزَاماً فَاجْلُ مُسْتَوْنِ

فَأَصْبِرُ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَمِعُوا مُهْمِدَ رَبِّكَ قَبْلَ طَلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ عَرُوْبَهَا وَمِنْ أَنْذِي الْيَوْمِ فَسَيِّمْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى^(۱۷)

(۱) یعنی یہ مکذبین اور مشرکین مکد دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی رہائش گاہوں سے گزر کر آگے جاتے ہیں انہیں ہم اسی حکمذیب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں، جن کے عبرت ناک انجام میں اہل عقل و دانش کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کئے ہوئے انہی کی روشن اپنائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہو تاکہ وہ اتمام جحت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مملت کے لیے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے، کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ تو فوراً انہیں عذاب الہی آچتا اور یہ ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ حکمذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مملت ملی ہوئی ہے، جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے۔ مملت عمل ختم ہو جانے کے بعد ان کو عذاب الہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور وہ اس سے پانچ نمازیں مراد لیتے ہیں۔ طلوع شمس سے قبل نجر، غروب سے قبل، عصر، رات کی گھریلوں سے مغرب و عشا اور اطراف السمار سے ظهر کی نماز مراد ہے کیوں کہ ظہر کا وقت، یہ نماز اول کا طرف آخر اور نماز آخر کا طرف اول ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان اوقات میں ویسے ہی اللہ کی تسبیح و تحمید ہے جس میں نماز، تلاوت، ذکر اذکار، دعا و مناجات اور نوافل سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کی حکمذیب سے بدل نہ ہوں۔ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا، ان کی گرفت فرما لے گا۔

(۳) یہ متعلق ہے فَسَبَّخَ سے۔ یعنی ان اوقات میں تسبیح کریں، یہ امید رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں آپ کو وہ مقام و درجہ حاصل ہو جائے گا جس سے آپ کا نفس راضی ہو جائے۔

اور اپنی نگاہیں ہر گز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں تاکہ انہیں اس میں آزمائیں^(۱) تیرے رب کا دیا ہوا ہی (بہت) بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔^(۲) (۳۱)

اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تائید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ،^(۳) ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پر ہیزگاری ہی کا ہے۔^(۴) (۳۲)

انہوں نے کہا کہ یہ نبی ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لایا؟^(۵) کیا ان کے پاس اگلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں پہنچی؟^(۶) (۳۳)

وَلَا تَبْدِئَ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَسَعَتْنَا لَهُ أَذْوَاجًا فَمَمْمُ زَهْرَةَ
الْحِجَّةِ الدُّنْيَا لِنَفْتَنَهُمْ فِيهَا وَرِزْقُ رَبِّكَ حَمِيرٌ وَأَبْقَى

وَأُمُرُّ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَأَصْطَرَّ عَلَيْهَا لَا نَسْلِكَ
رِزْقَ الْمُنْكَرِ تَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِنَا بِأَيِّهِ مِنْ رَبِّهِ أَوْلَئِكَ تَأْتِهُمْ بَيْنَهُ
كَافِي الشُّعْفِ الْأُولَى

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۃ آل عمران ۱۹۶-۱۹۷، سورۃ الحجر ۸۷-۸۸ اور سورۃ الکھف^۷، وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔

(۲) اس سے مراد آخرت کا اجر و ثواب ہے جو دنیا کے مال و اسباب سے بہتر بھی ہے اور اس کے مقابلے میں باقی رہنے والا بھی۔ حدیث ایلاء میں آتا ہے کہ حضرت عمر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سرو سامانی کا یہ عالم گہر میں چڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عمر کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ؟ قیصر و کسری، کس طرح آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کا باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں، یہ حال ہے؟ فرمایا، عمر کیا تم اب تک شک میں ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے آرام کی چیزوں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔ یعنی آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہو گا۔ (بخاری، سورۃ التحریم، مسلم، باب الإیلاء)

(۳) اس خطاب میں ساری امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے گھروں کو بھی نماز کی تائید کرتا رہے۔

(۴) یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانی، جیسے شمود کے لیے اوپنی ظاہر کی گئی تھی۔

(۵) ان سے مراد تورات، انجیل اور زبور وغیرہ ہیں۔ یعنی کیا ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات موجود نہیں ہیں، جن سے ان کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کیا ان کے پاس کچھی قوموں کے یہ حالات نہیں پہنچ کر

اور اگر ہم اس سے ^(۱) پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آئتوں کی تابعداری کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذیل و رسوایا ہوتے۔ ^(۱۳۴)

کہہ دیجئے! ہر ایک انجام کا منتظر ^(۲) ہے پس تم بھی انتظار میں رہو۔ ابھی ابھی قطعاً جان لو گے کہ راہ راست والے کون ہیں اور کون راہ یافتہ ہیں۔ ^(۳) ^(۱۳۵)

وَلَوْاَنَا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَدَّاٍٖ إِنْ فِيلَهُ لَقَاتُوا
رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلَنَا إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَّتَّيْهَا إِلَيْنَا
مَنْ قَبْلُنَا أَنْ تَذَلَّلَ وَغَرْبَى ^(۱)

فُلْ مُكْلِمٌ مُتَرَبِّصٌ فَرَّ رَبَصُوا فَسَتَّعْلَمُونَ
مَنْ أَصْحَبُ الصَّرَاطَ السَّوْيِّ وَمَنْ أَهْتَدَى ^(۲)

انہوں نے جب اپنی حسب خواہش مجرے کا مطالبہ کیا اور وہ انہیں دکھاویا گیا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تو، تو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔

(۱) مراد آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۲) یعنی مسلمان اور کافر دونوں اس انتظار میں ہیں کہ دیکھو کفر غالب رہتا ہے یا اسلام غالب آتا ہے؟

(۳) اس کا علم تمہیں اس سے ہو جائے گا کہ اللہ کی مدد سے کامیاب اور سرخرو کون ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ کامیاب مسلمانوں کے حصے میں آئی، جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام ہی سید ہمارستہ اور اس کے حاملین ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

سورة الأنبياء

سورہ انبیاء کی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آیا^(۱) پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔^(۲)^(۳)

ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے اسے وہ کھلیل کو دیں ہی سنتے ہیں۔^(۴)^(۵)

ان کے دل بالکل غافل ہیں اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تم ہی جیسا انسان ہے، پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھتے جادو میں آجاتے ہو۔^(۶)^(۷)^(۸)

پیغمبر نے کہا میرا پروردگار ہر اس بات کو جو زمین و آسمان میں ہے بخوبی جانتا ہے، وہ بہت ہی سخت والا اور جانے والا ہے۔^(۹)^(۱۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِقْرَبَ لِلنَّاسِ حَسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ
مُعْرِضُونَ ①

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُعَذِّثٌ لَا شَمَعُوهُ
وَهُمْ لَيَعْبُدُونَ ②

لَا هِيَ فِي قُلُوبِهِمْ وَأَسْرُوا التَّجْوِيْثَ الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هُدَا
إِلَّا بِنَرْمِلَكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ بِهِرُونَ ③

قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الشَّمِيمُ الْعَلِيُّونَ ④

(۱) وقت حساب سے مراد قیامت ہے جو ہرگز قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ اور وہ ہر چیز جو آنے والی ہے، قریب ہے۔ اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لیے قیامت ہے۔ علاوہ ازیں گزرے ہوئے زمانے کے لحاظ سے بھی قیامت قریب ہے کیونکہ جتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ باقی رہ جانے والا زمانہ اس سے کم ہے۔

(۲) یعنی اس کی تیاری سے غافل، دنیا کی زیتوں میں گم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔

(۳) یعنی قرآن جو وقاً فوقاً حسب حالات و ضروریات نیانيا اترتارہتا ہے، وہ اگرچہ انہی کی نصیحت کے لیے اترتا ہے، لیکن وہ اسے اس طرح سنتے ہیں جیسے وہ اس سے استہزا و مذاق اور کھلیل کر رہے ہوں یعنی اس میں مذبو و غور و فکر نہیں کرتے۔

(۴) یعنی نبی کا بشر ہونا ان کے لیے ناقابل قبول ہے پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ تو جادو گر ہے، تم اس کے جادو میں دیکھتے بھالتے کیوں چھپتے ہو؟

(۵) وہ تمام بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کے اعمال سے واقف ہے، تم جو جھوٹ بلکتے ہو، اسے سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں، اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پر انگدہ خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے از خود اسے گھڑایا ہے بلکہ یہ شاعر^(۱) ہے، ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لاتے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے^(۲) تھے۔^(۵)

ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجازیں سب ایمان سے خالی تھیں۔ تو کیا اب یہ ایمان لا میں گے۔^(۳)^(۶) تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے بھی مرد تھے جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔^(۴)^(۷)

بَلْ قَالُوا أَضَفَّاْتُ أَحْلَامِيَّ بِلْ أَفْرَلَهُ بَلْ هُوشَاعْرَ فَلَيَاْتَنَا
بِإِيَّاهُ كَمَا أَرْسَلَ الْأَوَّلُونَ ⑤

مَا أَمْنَى قَبْلَهُمْ مِّنْ ذَرَّةٍ أَهْلَهُنَا أَهْمَّ يُؤْمِنُونَ ⑥

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِّدُ لَهُمْ فَتَلَوْا أَهْلَ
الذِّكْرِ إِنَّكُمْ لَا عَلَمُونَ ⑦

(۱) ان سرگوشی کرنے والے خالموں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کہا کہ یہ قرآن تو پریشان خواب کی طرح پر انگدہ افکار کا مجموعہ، بلکہ اس کا اپنا گھر ہوا ہے، بلکہ یہ شاعر ہے اور یہ قرآن کتاب ہدایت نہیں، شاعری ہے۔ یعنی کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں ہے۔ ہر روز ایک نیا پیغام تبدیلے اور نئی سے نئی الزام تراشی کرتے ہیں۔

(۲) یعنی جس طرح شمود کے لیے او نئی، موئی علیہ السلام کے لیے عصا اور یہ بیضا وغیرہ۔

(۳) یعنی ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، یہ نہیں ہوا کہ ان کی حسب خواہش مجذہ و کھلانے پر وہ ایمان لے آئی ہوں، بلکہ مجذہ و کیمیہ لینے کے باوجود وہ ایمان نہیں لا میں، جس کے نتیجے میں ہلاکت ان کا مقدمہ بنی۔ تو کیا اگر اہل مکہ کو ان کی خواہش کے مطابق کوئی نشانی دکھلادی جائے، تو وہ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بھی تکذیب و عناد کے راستے پر ہی بدستور گامزن رہیں گے۔

(۴) یعنی تمام نبی مرد انسان تھے، نہ کوئی غیر انسان کبھی نبی آیا اور نہ غیر مرد گویا نبوت انسانوں کے ساتھ اور انسانوں میں بھی مردوں کے ساتھ ہی خاص رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عورت نبی نہیں بنی۔ اس لیے کہ نبوت بھی ان فرائض میں سے ہے جو عورت کے طبعی اور فطری دائرہ عمل سے خارج ہے۔

(۵) أَهْلَ الذِّكْرِ (اہل علم) سے مراد اہل کتاب ہیں، جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے، ان سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء جو ہو گزرے ہیں، وہ انسان تھے یا غیر انسان؟ وہ تمہیں بتلائیں گے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے۔ اس سے بعض حضرات "تقلید" کا اثبات کرتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ "تقلید" یہ ہے کہ ایک معین شخص، اور اس کی طرف منسوب ایک معین فدق کو مرجع بنایا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ دوسرा یہ کہ بغیر دلیل کے اس بات کو تسلیم کیا جائے جب کہ آیت میں اہل الذکر سے مراد کوئی معین شخص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ عالم ہے جو تورات و انجلیل کا علم رکھتا تھا۔ اس سے تو تقلید شخصی کی نفی ہوتی ہے؟ اس میں تو علمائی طرف رجوع کرنے کی تاکید ہے، جو عوام کے لیے ناگزیر ہے، جس سے کسی کو

ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہیشہ رہنے والے تھے۔^(۸)

پھر ہم نے ان سے کیے ہوئے سب وعدے پچ کیے انہیں اور جن جن کو ہم نے چاہا نجات عطا فرمائی اور حد سے نکل جانے والوں کو غارت کر دیا۔^(۹)

یقیناً ہم نے تمہاری جانب کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لیے ذکر ہے، کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے؟^(۱۰)

اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں^(۱۱) جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا۔^(۱۲) جب انہوں نے ہمارے عذاب کا احساس کر لیا تو لگے اس سے بھاگنے۔^(۱۳)

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَلِدِينَ^(۱۴)

لَمْ يَصِدُّهُمُ الْوَعْدُ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ شَاءَ وَاهْلَكَنَا الْمُسْرِفِينَ^(۱۵)

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذُكْرٌ كُلُّمَا فَلَا تَعْقُلُونَ^(۱۶)

وَكُنْ تَصْمِنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ كَالِيلَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا فَوْمًا أَخْرَى^(۱۷)

فَلَمَّا آتَحْسُوا بِأَسْنَانِهَا هُمْ مِنْهَا يَرْجُضُونَ^(۱۸)

مجال انکار نہیں ہے۔ نہ کہ کسی ایک ہی شخصیت کا دامن پکڑ لینے کا حکم۔ علاوہ اذیں تورات و انجلیل، منصوص کتابیں تھیں یا انسانوں کی خود ساختہ قسمیں؟ اگر وہ آسمانی کتابیں تھیں تو مطلب یہ ہوا کہ علماء کے ذریعے سے نصوص شریعت معلوم کریں، جو آیت کا صحیح مفہوم ہے۔

(۱) بلکہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور موت سے ہم کنار ہو کر راہ گیران عالم بقا بھی ہوئے، یہ انہیا کی بشریت ہی کی دلیل دی جا رہی ہے۔

(۲) یعنی وعدے کے مطابق نبیوں کو اور اہل ایمان کو نجات عطا کی اور حد سے تجاوز کرنے والے یعنی کفار و مشرکین کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

(۳) فَصَمَ کے معنی ہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دینا اور کم صیغہ تکثیر ہے۔ یعنی کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ”قوم نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں“۔ (سورہ بنی إسرائیل ۲۷)

(۴) احساس کے معنی ہیں، حواس کے ذریعے سے اور اک کر لینا۔ یعنی جب انہوں نے عذاب یا اس کے آثار کو آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ لیا، یا کڑک گرج کی آواز سن کر معلوم کر لیا، تو اس سے بچنے کے لیے راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ رکھنے کے معنی ہوتے ہیں کہ آدمی گھوڑے وغیرہ پر بیٹھ کر اس کو دوڑانے کے لیے ایڑا گائے۔ یہیں سے یہ بھاگنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

بھاگ دوڑنہ کرو^(۱) اور جہاں تمہیں آسودگی وی گئی تھی
وہیں واپس لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف^(۲) جاؤ تاکہ تم
سے سوال تو کر لیا جائے۔^(۳) ^(۴)

کرنے لگے ہائے ہماری خرابی ایشک ہم ظالم تھے۔^(۵)
پھر تو ان کا یہی قول رہا^(۶) یہاں تک کہ ہم نے
انہیں جز سے کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی پڑی آگ (کی
طرح) کر دیا۔^(۷) ^(۸)

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو
کھلتے ہوئے نہیں بنایا۔^(۹) ^(۱۰)

اگر ہم یوں ہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اسے
اپنے پاس سے ہی بنایا^(۱۱) لیتے، اگر ہم کرنے والے
ہی ہوتے۔^(۱۲) ^(۱۳)

لَا تَرْكُضُوا وَ ارْجِعُوا إِلَى مَا أَنْتُمْ فِيهِ وَ مَسِكِينُكُمْ
لَعْلَمُتُ شَلُونَ ^(۱۴)

قَالُوا يُوْنَدَا إِنَّا كُنَّا طَالِبِيْنَ ^(۱۵)
فَمَا زَالَتْ تِنَاكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا لِخَمِدِيْنَ ^(۱۶)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِيْنَ ^(۱۷)

لَوْأَرْدَنَانْ نَتَخَذَلُهُمْ لَا تَخَذَنُهُمْ مِنْ لَدُنْنَا إِنْ كُنَّا
فُولِيْنَ ^(۱۸)

(۱) یہ فرشتوں نے ندادی یا مومنوں نے استہزا کے طور پر کہا۔

(۲) یعنی جو نعمتیں اور آسائیں تمہیں حاصل تھیں جو تمہارے کفر اور سرکشی کا باعث تھیں اور وہ مکانات جن میں تم رہتے تھے اور جن کی خوبصورتی اور پائیداری پر فخر کرتے تھے ان کی طرف پڑو۔

(۳) اور عذاب کے بعد تمہارا حال احوال تو پوچھ لیا جائے کہ تم پر یہ کیا بیٹی، کس طرح بیٹی اور کیوں بیٹی؟ یہ سوال بطور طنز اور نمائی کے ہے، ورنہ ہلاکت کے شکنجه میں کسے جانے کے بعد وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہی کہ رہتے تھے؟

(۴) یعنی جب تک زندگی کے آثار ان کے اندر رہے، وہ اعتراف ظلم کرتے رہے۔

(۵) حَصِيدَ، کٹی ہوئی کھیتی کو اور خُمُودَ آگ کے بجھ جانے کو کہتے ہیں۔ یعنی بالآخر وہ کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح را کھ کاڑھیر ہو گئے، کوئی تاب و توانائی اور حس و حرکت ان کے اندر نہ رہی۔

(۶) بلکہ اس کے کئی مقاصد اور حکمتیں ہیں، مثلاً بندے میرا ذکر و شکر کریں، نیکوں کو نیکوں کی جزا اور بدلوں کو بدیوں کی سزا دی جائے۔ وغیرہ۔

(۷) یعنی اپنے پاس سے ہی کچھ چیزیں کھیل کے لیے بنایتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے۔ اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی اور پھر اس میں ذی روح اور ذی شعور مخلوق بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۸) ”اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔“ عربی اسلوب کے اعتبار سے یہ زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس ترجمہ کے کہ ”ہم کرنے والے ہی نہیں“ (فتح القدیر)

بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پس سچ جھوٹ کا سرتور رہتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے،^(۱) تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لیے باعث خرابی ہیں۔^(۲) (۱۸) آسمانوں اور زمین میں جو ہے اسی اللہ کا ہے^(۳) اور جو اس کے پاس ہیں^(۴) وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔^(۵) (۱۹) وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی ستی نہیں کرتے۔^(۲۰)

کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے جنہیں معبد و بنا رکھا ہے وہ زندہ کر دیتے ہیں۔^(۵) (۲۱) اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبد ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے،^(۴) پس اللہ تعالیٰ

بَلْ تَقْدِيرُهُ الْعَقْدُ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْعُ مَغْفِرَةً فَإِذَا هُوَزَاهُ قُوَّةٌ
وَلَكُوْلُ الْوَيْلُ مِنَ الْأَصْفَوْنَ ①

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكِلُونَ
عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ②

يُسَيِّحُونَ أَيْتَلَ وَاللَّهَ أَرَادَ لَأَيْقَنُرُونَ ③

أَمْ أَخْدُدُوا إِلَهَةً مِنَ الْأَرْضِ هُمُّ يُنْشِرُونَ ④

لَوْكَانَ فِيهِمَا إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَ تَأْقِبُهُنَّ اللَّهُ رَبِّ
الْعَزِيزِ عَمَّا يَصْفُوْنَ ⑤

(۱) یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معزک آرائی اور خیر و شر کے درمیان جو تصادم ہے، اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں۔ چنانچہ ہم حق کو باطل پر یا سچ کو جھوٹ پر یا خیر کو شر بر مارتے ہیں، جس سے باطل، جھوٹ اور شر کا سیبیجہ نکل جاتا ہے اور چشم زدن میں وہ نابود ہو جاتا ہے۔ دمن غر کی چوٹ کو کہتے ہیں جو دماغ نکل پہنچ جائے۔ ذہن کے معنی، ختم یا ہلاک و تلف ہو جانے کے ہیں۔

(۲) یعنی رب کی طرف تم جو بے سرو پا باتیں منسوب کرتے یا اس کی بابت باور کراتے ہو، (مثلاً یہ کائنات ایک کھیل ہے، ایک کھلنڈرے کا شوق فضول ہے وغیرہ) یہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہے۔ کیونکہ اسے کھیل تماشہ سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تأمل اور خوف محسوس نہیں کرتے، جس کا نتیجہ بالآخر تمہاری بربادی اور ہلاکت ہی ہے۔

(۳) سب اسی کی ملک اور اسی کے غلام ہیں۔ پھر جب تم کسی غلام کو اپنا بیٹا اور کسی لوئڈی کو بیوی بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے مملوکین اور غلاموں میں سے بعض کو بیٹا اور بعض کو بیوی کس طرح بناسکتا ہے؟

(۴) اس سے مراد فرشتے ہیں، وہ بھی اس کے غلام اور بندے ہیں، ان الفاظ سے ان کا شرف و اکرام بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اس کی بارگاہ کے مقرین ہیں۔ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔

(۵) استفهام انکاری ہے یعنی نہیں کر سکتے۔ پھر وہ ان کو، جو کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے، اللہ کا شریک کیوں ٹھرا رتے اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

(۶) یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں وہ معبد ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کارا دہ و شعور

عرش کا رب ہر اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک
بیان کرتے ہیں۔ (۲۲)

وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں
اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔ (۲۳)
کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبدو بنا رکھے ہیں، ان
سے کہہ دو لاوہ اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ ہے میرے ساتھ
والوں کی کتاب اور مجھ سے الگوں کی دلیل۔^(۱) بات یہ
ہے کہ ان میں کے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے اسی وجہ
سے منہ موزے ہوئے ہیں۔ (۲۴)

تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی
وھی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبد برحق نہیں پس
تم سب میری ہی عبادت کرو۔^(۲۵)

(مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد والا ہے (غلط ہے)
اس کی ذات پاک ہے، بلکہ وہ سب اس کے باعزت
بندے ہیں۔ (۲۶)

کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُنَشَّأُونَ ③

أَمْ أَتَخْدُّنَا مِنْ دُوْنِنَا إِلَهٌ مُّثُلٌ لَنَا بُرْهَانٌ كُثُرٌ
هُذَا ذِكْرُ مَنْ تَعْيَى وَذِكْرُ مَنْ قَبْلَنَا بِلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ لِلْحَقِّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ④

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ
لِلَّهِ إِلَّا إِنَّا فَاعْبُدُونَ ⑤

وَقَالُوا تَخْدَدَ الرَّحْمَنُ وَلَدٌ أَسْبَحَنَاهُ بِلْ عَبَادٌ
مُّكَرَّمُونَ ⑥

لَا يَسْبُقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ⑦

اور مرضی کا رفرما ہوتی اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہا ہی نہیں
سکتا تھا جو ابتدائے آفریش سے، بغیر کسی ادنیٰ توقف کے، قائم چلا آ رہا ہے۔ کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے
نکراتا، دونوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے۔
جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات
میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کا رفرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا
ہے، اس کے دیے ہوئے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو دینے والا کوئی نہیں۔

(۱) ذِكْرُ مَنْ تَعْيَى سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتب آسمانی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے
قبل کی دیگر کتابوں میں، سب میں صرف ایک ہی معبد کی الوہیت و ربوہیت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ مشرکین اس حق کو
تلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور بدستور اس توحید سے منہ موزے ہوئے ہیں۔

(۲) یعنی تمام پنځبر بھی یہی توحید کا پیغام لے کر آئے۔

فِرْمَانٍ پُر کار بند ہیں۔^(۱) (۲۷)

وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے۔ بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔^(۲) وہ تو خود بیتِ الٰہی سے لرزائ و ترسائ ہیں۔^(۳) (۲۸)

ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لا اُن عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں^(۴) ہم طالبوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔^(۵) (۲۹)

کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا^(۶) کہ آسمان و زمین باہم ملے جلے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا^(۷) اور ہر زندہ چیز کو ہم

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفُهُمْ وَلَا يَشْعُرُونَ^۸
إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُمْ مِنْ خَشِيتِهِ مُشْفِقُونَ^۹

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ مِنْ دُونِهِ فَذَلِكَ بَغْرِيْهِ جَهَنَّمُ^{۱۰}
كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ^{۱۱}

أَوْ كَمْبَرَرَ الدِّينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

(۱) اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کما کرتے تھے۔ فرمایا، وہ بیٹیاں نہیں، اس کے ذی عزت بندے اور اس کے فرمان بردار ہیں۔ علاوہ ازیں بیٹے، بیٹیوں کی ضرورت، اس وقت پڑتی ہے جب عالم پیری میں ضعف و اضھال کا آغاز ہو جاتا ہے تو اس وقت اولاد سارا بیٹا جاتی ہے، اسی لیے اولاد کو عصائے پیری سے تجیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بڑھاپا، ضعف و اضھال، ایسے عوارض ہیں جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام کمزوریوں اور کوتایوں سے پاک ہے۔ اس لیے اسے اولاد کی یا کسی بھی سارے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ انبیا صالحین کے علاوہ فرشتے بھی سفارش کریں گے۔ حدیث صحیح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن یہ سفارش انہی کے حق میں ہو گی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش اپنے نافرمان بندوں کے لیے نہیں، صرف گناہ کا رگر فرمان بردار بندوں یعنی اہل ایمان و توحید ہی کے لیے پسند فرمائے گا۔

(۳) یعنی ان فرشتوں میں سے بھی اگر کوئی اللہ ہونے کا دعویٰ کر دے تو ہم اسے بھی جنم میں پھینک دیں گے۔ یہ شرطیہ کلام ہے، جس کا وقوع ضروری نہیں۔ مقصد، شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہے۔ جیسے «فَلَمَّا كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدَّا فَانَّا أَوْلُ الْعَدِيْنَ» (الزخرف: ۸۱) «أَفَرَبِالْفَرْضِ رَحْمَنُ كَيْ أَوْلَادُهُو تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوں گا»۔ «لَمَّا أَشْرَكُتَ لِيَحْبَطَنَ عَمَلَكَ» (الزمر: ۲۵) «اے پیغمبر! اگر تو بھی شرک کرے تو تیرے عمل بر باد ہو جائیں گے»۔ یہ سب مشروط ہیں جن کا وقوع غیر ضروری ہے۔

(۴) اس سے روایت یعنی نہیں، روایت قلبی مراد ہے یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا؟ یا انہوں نے جانا نہیں؟

(۵) رَنْقُ کے معنی، بند کے اور فتنَ کے معنی چاہنے، کھولنے اور الگ الگ کرنے کے ہیں۔ یعنی آسمان و زمین، ابتدائے امر ہیں، باہم ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔ ہم نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا،

نے پانی سے پیدا کیا^(۱) کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ (۳۰)

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنادیئے تاکہ وہ مخلوق کو ہلانہ سکے،^(۲) اور ہم نے اس^(۳) میں کشادہ راہیں بنادیں تاکہ وہ راستہ حاصل کریں۔ (۳۱)

آسمان کو محفوظ چھت^(۴) بھی ہم نے ہی بنایا ہے۔ لیکن لوگ اسکی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔ (۳۲)

وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔^(۵) ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دار میں تیرتے پھرتے ہیں۔ (۳۳)

كَانَتْ رِقَابُهُمْ فَقَنَقْتُهُمْ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٌّ
أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (۷)

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيًّا أَنْ تَمْيِدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا
غَلَاجِلًا سُبْلًا لِّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (۸)

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّخْفُوظًا لَّوْلَمْ يَعْرِضُونَ (۹)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الْأَيْلَلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالقَمَرَ كُلَّ
فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (۱۰)

آنساںوں کو اوپر کر دیا جس سے بارش برستی ہے اور زمین کو اپنی جگہ پر رہنے دیا، تاہم وہ پیداوار کے قابل ہو گئی۔

(۱) اس سے مراد اگر بارش اور چشوں کا پانی ہے، تب بھی واضح ہے کہ اس سے روئیدگی ہوتی اور ہر ذی روح کو حیات نو ملتی ہے اور اگر مراد نطفہ ہے، تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں کہ ہر زندہ چیز کے وجود کے باعث وہ قطرہ آب ہے جو زر کی صلب سے نکلتا اور مادہ کے رحم میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔

(۲) یعنی اگر زمین پر یہ بڑے بڑے پہاڑ نہ ہوتے تو زمین میں جنہیں اور لرزش ہوتی رہتی، جس کی وجہ سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے زمین مسکن اور مستقر بننے کی صلاحیت سے محروم رہتی۔ ہم نے پہاڑوں کا بوجھ اس پر ڈال کر اسے ڈانوا ڈول ہونے سے محفوظ کر دیا۔

(۳) اس سے مراد زمین یا پہاڑ ہیں، یعنی زمین میں کشادہ راستے بنادیئے یا پہاڑوں میں درے رکھ دیئے، جس سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنا جانا آسان ہو گیا۔ یہتہذون کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے اپنی معاش کے مصالح و مغاذیات حاصل کر سکیں۔

(۴) سَقْفًا مَّخْفُوظًا زمین کے لیے محفوظ چھت، جس طرح خیے اور قبے کی چھت ہوتی ہے۔ یا اس معنی میں محفوظ کہ ان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے، ورنہ آسمان زمین پر گر پڑیں تو زمین کا سارا نظام دہ بالا ہو سکتا ہے۔ یا شیاطین سے محفوظ۔ جیسے فرمایا «وَجَنَّلَهُمْ مِنْ كُلِّ شَيْطَنٍ رَّجِيمٍ» (الحجر: ۷)

(۵) یعنی رات کو آرام اور دن کو معاش کے لیے بنایا، سورج کو دن کی نشانی چاند کو رات کی نشانی بنایا، تاکہ میمنوں اور سالوں کا حساب کیا جاسکے، جو انسان کی اہم ضروریات میں سے ہے۔

(۶) جس طرح پیراک سطح آب پر تیرتا ہے، اسی طرح چاند اور سورج اپنے اپنے دار پر تیرتے یعنی روایا دوں رہتے ہیں۔

آپ سے پلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے۔^(۱) (۳۲)

ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں بتلا کرتے ہیں^(۲) اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۳) (۳۵)

یہ منکرین تجھے جب بھی دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق ہی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمہارے معبدوں کا ذکر برائی سے کرتا ہے، اور وہ خود ہی رحمٰن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں۔^(۴) (۳۶)

انسان جلد باز مخلوق ہے۔ میں تمہیں اپنی نشانیاں ابھی ابھی دکھاؤں گا تم مجھ سے جلد بازی نہ کرو۔^(۵) (۳۷)

وَمَا جَعَلْنَا لِلنَّاسِ مِنْ قُبْلِكَ الْخُلُدُّ أَفَإِنْ مِنْهُ
فَهُمُ الْخَلِدُونَ ^(۶)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ
فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ^(۷)

وَإِذَا رَأَكَ النَّاسُ كُفَّرًا إِنَّهُمْ يَتَّخِذُونَكَ أَلَاهًا هُوَ أَهْدَا
الَّذِي يَدْعُوا إِلَيْهِمْ وَهُمْ يَذْكُرُ الرَّحْمَنَ هُمُ الْكَافِرُونَ ^(۸)

خَلْقَ الْإِنْسَانُ مِنْ جَعَلَ سَوْرَيْكُمْ لَيْتَ فَلَاتَسْتَعِجِلُونَ ^(۹)

(۱) یہ کفار کے جواب میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہتے تھے کہ ایک دن اسے مر ہی جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موت تو ہر انسان کو آئی ہے اور اس اصول سے یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنی نہیں۔ کیونکہ وہ بھی انسان ہی ہے اور ہم نے کسی انسان کے لیے بھی دوام اور ہیشگی نہیں رکھی ہے۔ لیکن کیا یہ بات کہنے والے خود نہیں مرس گے؟ اس سے صنم پرستوں کی بھی تردید ہو گئی جو دیوتاؤں کی اور انبیاء اولیا کی زندگی کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو حاجت رو اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ هَذِهِ الْعَقِنَدَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِي تُعَارِضُ الْقُرْآنَ۔

(۲) یعنی کبھی مصائب و آلام سے دوچار کر کے اور کبھی دنیا کے وسائل فراواں سے بہرہ و رکر کے۔ کبھی صحت و فراخی کے ذریعے سے اور کبھی شنگی و بیماری کے ذریعے سے، کبھی تو نگری دے کر اور کبھی فقر و فاقہ میں بتلا کر کے ہم آزماتے ہیں۔ ممکن ہم دیکھیں کہ شکر گزاری کون کرتا ہے اور ناشکری کون؟ صبر کون کرتا ہے اور ناصبری کون؟ شکر اور صبر، یہ رضاۓ اللہی کا اور کفران نعمت اور ناصبری غضب اللہی کا موجب ہے۔

(۳) وہاں تمہارے عملوں کے مطابق اچھی یا بُری جزا دیں گے۔ اول الذکر لوگوں کے لیے بھلائی اور دوسروں کے لیے برائی۔

(۴) اس کے باوجود یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزا و مذاق اڑاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا — ﴿ وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ أَلَهُمْ وَأَهْدَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴾ (الفرقان: ۲۱) ”جب اے پیغمبر ایہ کفار مکہ تجھے دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنان کر بھیجا ہے؟“

(۵) یہ کفار کے مطالبہ عذاب کے جواب میں ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت میں عجلت اور جلد بازی ہے۔ اس لیے وہ

کہتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو بتا دو کہ یہ وعدہ کب ہے۔^(۳۸)

کاش! یہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے چروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پیغمبوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔^(۳۹)

(ہاں ہاں!) وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آجائے گی اور انہیں ہکابکا کر دے گی،^(۴۰) پھر نہ تو یہ لوگ اسے ٹال سکیں گے اور نہ ذرا سی بھی مہلت دیئے^(۴۱) جائیں گے۔^(۴۰)

اور تجھ سے پلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا گیا پس ہنسی کرنے والوں کو ہی اس چیز نے گھیر لیا جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔^(۴۱)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۷﴾

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُونُونَ عَنْ ذُجُوبِهِمْ
الثَّارُوا لَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُوَ يُنْصَرُونَ ﴿۸﴾

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَمُهُمْ فَلَا يَسْطِيعُونَ
رَدْهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۹﴾

وَلَقَدِ اسْتَهْزَىٰ بِرُسُلِنَا قَبْلَكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخْرُوا
مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۱۰﴾

پیغمبر سے بھی جلدی مطالبہ کرنے لگ جاتا ہے کہ اپنے اللہ سے کہہ کر ہم پر فوراً عذاب نازل کروادے۔ اللہ نے فرمایا، جلدی مت کرو، میں عنقریب اپنی نشانیاں تمیں دکھاؤ گا۔ ان نشانیوں سے مراد عذاب بھی ہو سکتا ہے اور صداقت رسول ﷺ کے دلائل و برائین بھی۔

(۱) اس کا جواب مخدوف ہے، یعنی اگر یہ جان لیتے تو پھر عذاب کا جلدی مطالبہ نہ کرتے یا یقیناً جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے یا کفر پر قائم نہ رہتے بلکہ ایمان لے آتے۔

(۲) یعنی انہیں کچھ بھائی نہیں دے گا کہ وہ کیا کریں؟

(۳) کہ وہ توبہ و اعتذار کا اہتمام کر لیں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین کے استہزا اور تکذیب سے بدول نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تجھ سے پلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، بالآخر وہی عذاب ان پر الٹ پڑا، یعنی اس نے انہیں گھیر لیا، جس کا وہ استہزا و مذاق اڑایا کرتے تھے اور جس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد تھا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ كُذَبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَدَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِبُوا وَأَوْذَاهُنَّ أَنْهُمْ نَصَرُنَا ﴿۱۲﴾ (الانعام: ۳۲)

سے پلے بھی رسول جھلائے گئے، پس انہوں نے تکذیب پر اور ان تکلیفوں پر جو انہیں دی گئیں، صبر کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے ساتھ کفار و مشرکین کے لیے اس میں تهدید و دعید بھی ہے۔

ان سے پوچھئے کہ رحمٰن سے، دن اور رات تمہاری حفاظت کون کر سکتا ہے؟^(۱) بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے پھرے ہوئے ہیں۔^(۲۲)

کیا ہمارے سوا ان کے اور مجبود ہیں جو انہیں مصیبتوں سے بچائیں۔ کوئی بھی خود اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ کوئی ہماری طرف سے رفاقت دیا جاتا ہے۔^(۲۳)

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے سرو سامان دیے یہاں تک کہ ان کی مدت عمر گزر گئی۔^(۳) لیکن وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں، اب کیا ہی غالب ہیں؟^(۴)^(۵)

کہہ دیجئے! میں تو تمہیں اللہ کی وحی کے ذریعہ آگاہ کر رہا ہوں مگر بھرے لوگ بات نہیں سنتے جبکہ انہیں آگاہ کیا جائے۔^(۶)

قُلْ مَنْ يَخْلُوْكُمْ بِأَيْمَنِ وَالنَّهَايَةِ الْوَرَجْمِينَ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّغَرَّبُونَ ^(۷)

أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ مُّسْتَعْدِفُهُمْ مِّنْ دُوَيْنَا لَا يُسْتَطِعُونَ نَصْرًا أَنْفِسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَ الْمُصْبَحُونَ ^(۸)

بَلْ مَتَّعْنَاهُمُ الْأَذَاءَ وَإِنَّهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُبُرِ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْنَىٰ إِلَى الْأَرْضِ تَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الظَّلَّابُونَ ^(۹)

قُلْ إِنَّمَا أَنْذِرْكُمْ بِالْوَحْيٍ وَلَا يَمْعَلُ الصُّمُّ الْذِعَةَ إِذَا مَا يَنْذِرُونَ ^(۱۰)

(۱) یعنی تمہارے جو کرتوت ہیں، وہ تو ایسے ہیں کہ دن یا رات کی کسی بھی گھری میں تم پر عذاب آسکتا ہے؟ اس عذاب سے دن اور رات تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب اللہ سے تمہاری حفاظت کر سکے؟

(۲) اس کے معنی ہیں وَلَا هُمْ يَجْأَرُونَ مِنْ عَذَابِنَا "وہ ہمارے عذاب سے ہی محفوظ ہیں۔" یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور اللہ کے عذاب سے پچھے پر قادر نہیں ہیں، پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہوئی ہے اور وہ انہیں عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟

(۳) یعنی ان کی یا ان کے آبا اجداد کی زندگیاں اگر عیش و راحت میں گزرنگیں تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں؟ اور آئندہ بھی انہیں کچھ نہیں ہو گا؟ نہیں، بلکہ یہ چند روزہ زندگی کا آرام تو ہمارے اصول محدث کا ایک حصہ ہے، اس سے کسی کو دھوکہ اور فریب میں بدلانا نہیں ہونا چاہیے۔

(۴) یعنی ارض کفر بدر تھی گھٹ رہی ہے اور دولت اسلام و سعت پذیر ہے۔ کفر کے پیروں تلے سے زمین کھک رہی ہے اور اسلام کا غلبہ بڑھ رہا ہے اور مسلمان علاقے پر علاقہ فتح کرتے چلے جا رہے ہیں۔

(۵) یعنی کفر کو سمنتا اور اسلام کو بڑھتا ہوا کیم کر بھی، کیا وہ کافر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب ہیں؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی وہ غالب نہیں، مغلوب ہیں۔ فاتح نہیں، مفتوح ہیں۔ معززو سرفراز نہیں، ذلت و خواری ان کا مقدر ہے۔

(۶) یعنی قرآن ناکر انہیں وعظ و نصحت کر رہا ہوں اور یہی میری ذمہ داری اور منصب ہے۔ لیکن جن لوگوں کے کانوں

اگر انہیں تیرے رب کے کسی عذاب کا جھونکا بھی لگ جائے تو پکار انھیں کہ ہماری بد بختی! یقیناً ہم گنگا رتھے۔^(۱) (۳۶)

قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تو لئے والی ترازو کو۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا، ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔^(۲) (۳۷)

یہ بالکل حق ہے کہ ہم نے موسیٰ و ہارون کو فیصلے کرنے والی نورانی اور پہیزگاروں کے لیے وعظ و نصیحت والی

وَلِئِنْ مَسْتَهْمِنَ نَفْحَةً مِّنْ عَذَابٍ رَّتِيكَ لَيَقُولُنَّ يُوْلَئِكَ إِنَّ أَكْثَرَ الظَّالِمِينَ ⑥

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطُ الْيَوْمَ الْقِيمَةَ فَلَا نُظْلَمُ نَفْشُ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مَشْقَالٌ حَجَةً مِّنْ حَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكُفَّى بِنَا حَسِيبِينَ ⑦

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَرُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذَكْرُ الْمُتَّقِينَ ⑧

کو اللہ نے حق کے سخنے سے برا کر دیا، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور دلوں پر مر لگادی، ان پر اس قرآن کا اور وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۱) یعنی عذاب کا ایک ہلاکا سا بھینا اور تھوڑا حصہ بھی پہنچے گا تو پکار انھیں گے اور اعتراف ظلم کرنے لگ جائیں گے۔

(۲) مَوازِينُ، مِيزَانُ (ترازو) کی جمع ہے۔ وزن اعمال کے لیے قیامت والے دن یا توکی ترازو میں ہوں گی یا ترازو تو ایک ہی ہو گی، محض تغییم شان کے لیے یا تعداد اعمال کے اعتبار سے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ انسان کے اعمال تو اعراض ہیں یعنی ان کا کوئی ظاہری وجود یا جسم تو ہے نہیں، پھر وزن کس طرح ہو گا؟ یہ سوال آج سے قبل تک تو شاید کوئی اہمیت رکھتا ہو۔ لیکن آج سامنی ایجادوں نے اسے ممکن بنا دیا ہے، اب ان ایجادوں کے ذریعے سے اعراض کا اور بے وزن چیزوں کا وزن بھی تولا جانے لگا ہے۔ جب انسان اس بات پر قادر ہو گیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے لیے ان اعمال کا، جو اعراض ہیں وزن کرنا کون سا مشکل امر ہے، اس کی تو شان ہی علیٰ کُلٰ شَيْءٌ قَدِيرٌ ہے۔ علاوه ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ انسانوں کو دکھلانے کے لیے ان اعراض کو وہ اجسام میں بدل دے اور پھر وزن کرے، جیسا کہ احادیث میں بعض اعمال کے جسم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً صاحب قرآن کے لیے قرآن ایک خوش شکل نوجوان کی شکل میں آئے گا، وہ پوچھئے گا، تو کون ہے؟ وہ کے گا کہ میں قرآن ہوں جسے تراوتوں کو (قیام اللیل میں) بیدار رہ کر اور دن کو پیاسارہ کر پڑھا کرتا تھا۔ (مسند احمدہ ۵/۲۲۸، ۲۵۲) و ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب ثواب القرآن، اسی طرح مومن کی قبر میں عمل صالح ایک خوش رنگ اور معطر نوجوان کی شکل میں آئے گا اور کافروں مخالف کے پاس اس کے بر عکس شکل میں۔ (مسند احمدہ ۵/۲۸۴) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سورۃ الاعراف، ۷ کا حاشیہ۔ القسطنطیل، مصدر اور آلموازین کی صفت ہے۔ معنی ہیں ذواتِ قسطنطیل انصاف کرنے والی ترازو یا ترازو میں۔

کتاب عطا فرمائی ہے۔^(۱) (۳۸)

وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت (کے تصور) سے کانپتے رہتے ہیں۔^(۲) (۳۹)

اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہمیں نے نازل فرمایا ہے کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔^(۳) (۵۰)

یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اسکی سمجھ بوجہ بخشی تھی اور^(۴) ہم اسکے احوال سے بخوبی^(۵) واقف تھے۔ (۵۱)

جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟^(۶) (۵۲)

الَّذِينَ يَخْشُونَ رَبَّهُمْ بِالغَيْبِ وَهُمْ قِنَ السَّاعَةِ
مُشْفِقُونَ^(۷)

وَهَذَا ذُكْرٌ مُثْبِرٌ لِأَنْزَلْنَاهُ أَنَّكُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ^(۸)

وَلَقَدْ أَتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا مِنْ قَبْلٍ وَكَذَابِهِ
عَلِمْيَنَ^(۹)

إِذْ قَالَ لِأَيْمَنِهِ وَقَوْبَاهِ مَا هَذِهِ الْمَآئِلُ الَّتِي أَنْتَمْ لَهَا
عَكِفُونَ^(۱۰)

(۱) یہ تورات کی صفات بیان کی گئی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اس میں بھی متفقین کے لیے ہی نصیحت تھی، جیسے قرآن کریم کو بھی ﴿هُدًى لِلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرة: ۲۰۔ کما گیا ہے، کیونکہ جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، تو آسمانی کتاب ان کے لیے نصیحت اور برکت کا ذریعہ کس طرح بنے؟ نصیحت یا ہدایت کے لیے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔

(۲) یہ متفقین کی صفات ہیں، جیسے سورہ بقرۃ کے آغاز میں اور دیگر مقامات پر بھی متفقین کی صفات کا تذکرہ ہے۔

(۳) یہ قرآن، جو یاد وہانی حاصل کرنے والے کے لیے ذکر اور نصیحت اور خیر و برکت کا حامل ہے، اسے بھی ہم نے ہی اتارا ہے۔ تم اس کے مُنَزَّلٌ مِنَ اللَّهِ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو، جب کہ تمہیں اعتراف ہے کہ تورات اللہ کی طرف سے ہی نازل کردہ کتاب ہے۔

(۴) مِنْ قَبْلٍ سے مراد یا تو یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو رشد (ہدایت یا ہوش مندی) دینے کا واقعہ، موسیٰ علیہ السلام کو ایساۓ تورات سے پہلے کا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے قبل ہی ہوش مندی عطا کر دی تھی تھی۔

(۵) یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے اور وہ اس کا صحیح استعمال کرے گا۔

(۶) تَمَاثِيلُ، تِنْمَائِلُ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو بھو نقل کو کہتے ہیں۔ جیسے پتھر کا مجسمہ یا کاغذ اور دیوار وغیرہ پر کسی کی تصویر۔ یہاں مراد وہ مورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبودوں کی بنار کھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ عَـاـکـفـ، عَـكـوـفـ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک کر، جم کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے، جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا اور یکسوئی اور انہماک سے اس کی طرف لوگاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے تھانوں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔ یہ تمثیلیں (مورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں بھی آج کل عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں

سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔^(۱) (۵۳)

آپ نے فرمایا! پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا بھی یقیناً کھلی گمراہی میں بتلا رہے۔^(۲) (۵۴)

کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس سچ مجھ حق لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں۔^(۳) (۵۵)

آپ نے فرمایا نہیں درحقیقت تم سب کا پروڈگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں۔^(۴) (۵۶)

اور اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کے ساتھ جب تم علیحدہ پیغام پھیر کر چل دو گے ایک چال چلوں گا۔^(۵) (۵۷)

پس اس نے ان سب کے نکڑے نکڑے کر دیئے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا یہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں۔^(۶) (۵۸)

قَالُوا وَجَدْنَا أَبَاءَنَا الَّهَا عِبَادِينَ^(۷)

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَابْنَكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ^(۸)

قَالُوا أَجْعَلْنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ الْمُعْنَى^(۹)

قَالَ بَلْ أَنْتُمْ مَرْبُوتُ السَّمُونَ وَالْأَرْضِ الَّذِي
فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَى ذِلِّكُمْ مِنَ الشَّهِيدِينَ^(۱۰)

وَتَالَّهُ لَا يَكِيدُنَّ أَصْنَامَكُو بَعْدَ أَنْ تُولَّ أَمْدُرِينَ^(۱۱)

فَجَعَلَهُمْ جُنَاحًا إِلَّا كَيْرَأُوا هُمْ لَعَنْهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ^(۱۲)

اور دکانوں میں بطور تبرک آؤزیں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔

(۱) جس طرح آج بھی جمالت و خرافات میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بدعاویں و رسومات جاہلیہ سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کس طرح چھوڑیں، جب کہ ہمارے آباو اجداد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور یہی جواب وہ حضرات دیتے ہیں جو نصوص کتاب و سنت سے اعراض کر کے علم و مثناخ کے آراء و افکار سے چھٹے رہنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

(۲) یہ اس لیے کہا کہ انہوں نے اس سے قبل توحید کی یہ آواز ہی نہیں سنی تھی انہوں نے سوچا، پتہ نہیں، ابراہیم علیہ السلام ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟

(۳) یعنی میں مذاق نہیں کر رہا، بلکہ ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جس کا علم و یقین (مشابہہ) مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ تمہارا معبود یہ مورتیاں نہیں، بلکہ وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔

(۴) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں عزم کیا، بعض کہتے ہیں کہ آہست سے کہا، جس سے مقصود بعض لوگوں کو سنانا تھا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ کید (تدیر) سے مراد یہاں وہ عملی سی ہے جو وہ زبانی و عظت کے بعد تغیر مکر کے عملی اہتمام کی شکل میں کرنا چاہتے تھے، یعنی بتوں کی توڑ پھوڑ۔

(۵) چنانچہ وہ جس دن اپنی عید یا کوئی جشن مناتے تھے، ساری قوم اس کے لیے باہر چلی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے

کرنے لگے کہ ہمارے خداوں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے۔^(۱) (۵۹)
 بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے نا تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے۔^(۲) (۲۰)
 سب نے کہا اچھا سے جمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاوٹا کہ سب دیکھیں۔^(۳) (۶۱)
 کرنے لگے! اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تو نے ہی ہمارے خداوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔^(۴) (۶۲)
 آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے تم اپنے خداوں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چلتے ہوں۔^(۵) (۶۳)

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا يَا أَهْمَنَا إِنَّهُ لِمِنَ الظَّالِمِينَ ④

قَالُوا سَمِعْنَا فَتَّى يَنْذِرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ⑤

قَالُوا فَأُتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَهَدُونَ ⑥

قَالُوا إِنَّنَّا فَعَلْتَ هَذَا يَا أَهْمَنَا إِنَّا بِإِبْرَاهِيمَ ⑦

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۚ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَلَوْلَهُمْ

إِنْ كَانُوا يَنْطَقُونَ ⑧

موقع غنیمت جان کر انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف ایک برابر چھوڑ دیا، بعض کہتے ہیں کہ کلمائی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی، تاکہ وہ اس سے پوچھیں۔

(۱) یعنی جب وہ جشن سے فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ معبد تو نئے پڑے ہیں، تو کرنے لگے، یہ کوئی بڑا ہی ظالم شخص ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔

(۲) ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

(۳) یعنی اس کو سزا ملتی ہوئی دیکھیں تاکہ آئندہ کوئی اور یہ کام نہ کرے۔ یا یہ معنی ہیں کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بت توڑتے ہوئے دیکھایا ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنائے۔

(۴) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جمع عام میں لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہے، اگر یہ (نوٹ ہوئے بت) بول کر بتلا کہتے ہیں تو ذرا ان سے پوچھو تو سی۔ یہ بطور تعریف اور تبکیت کے انہوں نے کہا تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہونہ کسی چیز سے آگاہی کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ معبد نہیں ہو سکتا، نہ اس پر اللہ کا اطلاق ہی صحیح ہے۔ ایک حدیث صحیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول بدل فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ كَوْلَفَظْ كَذَبْ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے، دو اللہ کے لیے، ایک اُنَّى سَقِيمٌ اور دوسرائی۔ اور تیسرا حضرت سارہ اپنی بیوی کو بن کرنا، اصحاب بخاری، کتاب الأنبياء، باب واتخذ اللہ إبراهیم خلیلہ زمانہ حال کے بعض مفسرین نے اس حدیث صحیح کو قرآن کے خلاف باور کر کے اس کا

پس یہ لوگ اپنے دلوں میں قائل ہو گئے اور کہنے لگے
واقعی ظالم تو تم ہی ہو۔^(۱)
^(۶۳)

پھر اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے (اور کہنے
لگے کہ) یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چاہئے
والے نہیں۔^(۲)
^(۶۵)

اللہ کے خلیل نے اسی وقت فرمایا افسوس! کیا تم اللہ کے

فَرَجِعُوا إِلَى أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّا كُلُّمَا ظَلَمْنَا

ثُمَّنُكُمْ أَعْلَى دُرُجَاتِهِمْ لَقَدْ عِلِّمْتَ
مَا هَوْلَاءِ يَنْطَقُونَ^(۳)

قَالَ أَفَقَبَدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْعَلِمُ شَيْئًا

انکار کر دیا ہے اور اس کی صحت پر اصرار کو غلو اور روایت پر سی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انہیں جھوٹ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ظاہری شکل کے لحاظ سے ان کو کذب سے خارج بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گویہ کذب اللہ کے ہاں قابلِ موافذہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی کے لیے بولے گئے ہیں۔ دراں حائیکہ کوئی گناہ کا کام اللہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر کذب ہونے کے باوجود وہ حقیقت کذب نہ ہو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے عصی اور غوئی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، حالانکہ خود قرآن میں ہی ان کے فعل اکل شجر کو نیان اور ارادے کی کمزوری کا نتیجہ بھی بتایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے دو پلو بھی ہو سکتے ہیں۔ من وجہ اس میں احسان اور من وجہ ظاہری تباہت کا پلو ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اس پلو سے ظاہری طور پر کذب ہی ہے کہ یہ واقعے کے خلاف تھا، بتوں کو انہوں نے خود توڑا تھا۔ لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا۔ لیکن چونکہ مقصد ان کا تعریض اور اثبات توحید تھا اس لیے حقیقت کے اعتبار سے ہم اسے جھوٹ کے بجائے تمام محبت کا ایک طریقہ اور مشرکین کی بے عقلی کے اثبات و اظہار کا ایک انداز کہیں گے، علاوہ ازیں حدیث میں ان کذبات کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے، وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدانِ محشر میں اللہ کے رو برو جا کر سفارش کرنے سے اس لیے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے۔ دراں حائیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کی عظمت و جلال کیوجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مہاملت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی۔ گویا حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت والے دن، خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہو گی۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے وہ سوچ میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کو، لا جواب ہو کر، کہنے لگے، واقعی ظالم تو تم ہی ہو، جو اپنی جان سے دفعِ مضرت پر اور نقصان پہنچانے والے کا ہاتھ پکڑنے پر قادر نہیں، وہ مستحق عبادت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ معبدوں کی عدم حفاظت پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور ترک حفاظت پر ایک دوسرے کو ظالم کہا۔

(۲) پھر اے ابراہیم (علیہ السلام) تو ہمیں یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ ان سے پوچھو، اگر یہ بول سکتے ہیں، جب کہ تو اچھی طرح

علاوه ان کی عبادت کرتے ہو جونہ تمیں کچھ بھی نفع پہنچا
سکیں نہ نقصان۔ (۲۶)

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت
کرتے ہو۔ کیا تمیں اتنی عقل بھی نہیں؟ (۲۷)
کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداوں کی مدد کرو اگر
تمیں کچھ کرنا ہی ہے۔ (۲۸)

ہم نے فرمادیا۔ آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم (علیہ
السلام) کے لیے سلامتی (اور آرام کی چیز) بن جا! (۲۹)
گوانہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کا برacha، لیکن ہم نے
انہیں ناکام بنا دیا۔ (۳۰)

اور ہم ابراہیم اور لوٹ کو بچا کر اس زمین کی طرف لے
چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت
رکھی تھی۔ (۳۱) (۲۷)

وَلَا يَصُرُّكُمْ ①

إِنْ كُلُّهُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ②

قَالُوا حَرَثُوا وَانْصُرُوا الْيَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعَلِمْتُمْ ③

فَلَمَّا يَنْتَزُرُونِي بَرْدًا وَسَلَمًا أَعْلَمَ إِبْرَاهِيمَ ④

وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْآخِرِينَ ⑤

وَنَجَّيْنَاهُ وَلَوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا
فِيهَا لِلْعَلَمِينَ ⑥

جانتا ہے کہ یہ بولئے کی طاقت سے محروم ہیں۔

(۱) یعنی جب وہ خود ان کی بے بی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تو پھر ان کی بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کو
چھوڑ کر ایسے بے بسوں کی تم عبادت کرتے ہو؟

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یوں اپنی جھٹ تمام کر دی اور ان کی ضلالت و سفاہت کو ایسے طریقے سے ان پر
 واضح کر دیا کہ وہ لا جواب ہو گئے۔ تو چونکہ وہ توفیق بدایت سے محروم تھے اور کفر و شرک نے ان کے دلوں کو بے نور کر دیا
تھا۔ اس لیے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے، اثاثاً ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سخت اقدام کرنے پر آمادہ ہو
گئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انہیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ آگ کا ایک بست
بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ مجھنے کے ذریعے سے پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے
آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلامتی بن جا۔ علمائے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ، ٹھنڈی کے ساتھ
”سلامتی“ نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈگ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ برعکالت یہ ایک بست بڑا مجرہ ہے
جو آسمان سے باتمیں کرتی ہوئی دھکتی آگ کے گل و گلزار بن جانے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ
کی مشیت سے ظاہر ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے بندے کو دشمنوں کی سازش سے بچالیا۔

(۳) اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ملک شام ہے۔ جسے شادابی اور پھلوں اور نہروں کی کثرت نیز انہیا علیم السلام

(۱) اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب اس پر مزید۔
اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنیا۔ (۷۲)

اور ہم نے انہیں پیشوں بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی، اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔ (۷۳)

ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھی حکم اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں بتلاتھے۔ اور تھے بھی وہ بدترین گنگار۔ (۷۴)

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے شک وہ نیکو کار لوگوں میں سے تھا۔ (۷۵)

نوح کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی ہم نے اس کی وعاقیول فرمائی اور اسے اور اس کے گھروالوں کو بڑے کرب سے نجات دی۔ (۷۶)

اور جو لوگ ہماری آئیوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلَّا جَعَلْنَا
صَلِحِينَ ۝

وَجَعَلْنَاهُمْ أَبْيَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فَعْلَ
الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَرَأْيَتَ الْرَّكُوٰةَ وَكَانُوا النَّاسُ عَبْدِنِ ۝

وَلُوطًا أَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَيْنَاهُ مِنَ الْفَرِيَةِ الَّتِي
كَانَتْ تَعْمَلُ الْغَبَيْثَ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا سُوْءًا فَيَقِينُ ۝

وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّلِحِينَ ۝

وَنُوحًا إِذَا نَادَى مِنْ قَبْلٍ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَيْنَاهُ
وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الْأَنْذِيْنَ كَذَبُوا يَا لَيْتَهُمْ

کامسکن ہونے کے لحاظ سے با برکت کہا گیا ہے۔

(۱) نافلہ، زائد کہتے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف بیٹے کے لیے دعا کی تھی، ہم نے بغیر دعا کے مزید پوتا بھی عطا کر دیا۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے بھرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو بھی علم و حکمت یعنی نبوت سے نوازا۔ یہ جس علاقے میں نبی بننا کر سمجھے گئے، اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین کے بحیرہ مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا۔ جس کا برا حصہ اب بحیرہ مردار کا جزو ہے۔ ان کی قوم لواتت جسے فعل شنیع، گزر گاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کشنا اور انہیں تنگ کرنا خزف ریزے چھینکنا وغیرہ میں متاز تھی، جسے اللہ نے یہاں خباث (پلید کاموں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے یعنی انہیں اور ان کے متبوعین کو بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی، یقیناً وہ بڑے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔^(۷)

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جبکہ وہ کہیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چرچ گئی تھیں، اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے۔^(۸)

ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔^(۹) ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا اور داؤد کے تابع ہم نے پہاڑ کر دیئے تھے جو تسبیح کرتے^(۱۰) تھے اور پرند^(۱۱) بھی۔

إِنَّهُمْ كَانُوا فَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

وَدَاوَدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخْكُمُونَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَثْتُ فِيهِ عَنْهُمُ الْقَوْمَ وَكُنَّا لِلْحَكِيمُ شَهِيدِينَ ۝

فَقَهَّمْنَاهَا سَلِيمَانَ وَكُلَّا اتَّبَعَنَا حَمْلًا وَعَلْمًا وَسَخْرَنَا مَعَ دَاوَدَ الْجِبَالَ يَسْبِحُنَّ وَالظَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝

(۱) مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں، دوسرے شخص کے کہیت میں رات کو جا گھمیں اور اس کی کھیتی چرچ گئیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے، جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ، حکمران بھی تھے، فیصلہ دیا کہ بکریاں، کہیت والا لے ہاگہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کچھ عرصے کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں، وہ ان سے اتفاق کرے اور کھیتی بکری والے کے سپرد کر دی جائے ہاگہ وہ کھیتی کی آب پاشی اور دیکھ بھال کر کے، اسے صحیح کرے، جب وہ اس حالت میں آجائے جو بکریوں کے چڑنے سے پہلے تھی تو کھیتی، کھیتی والے کو اور بکریاں، بکری والے کو واپس کر دی جائیں۔ پہلے فیصلے کے مقابل میں دوسرا فیصلہ اس لحاظ سے زیادہ بہتر تھا کہ اس میں کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم ہونا نہیں پڑا۔ جب کہ پہلے فیصلے میں بکری والے اپنی بکریوں سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ تاہم اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی تعریف کی اور فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو (یعنی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کو) علم و حکمت سے نوازا تھا۔ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر محمدؐ، مصیب ہوتا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کسی ایک معاملے میں دو الگ الگ (متضاد) فیصلہ کرنے والے دو محمدؐ، بیک وقت دونوں مصیب نہیں ہو سکتے، ان میں ضرور ایک مصیب (درست فیصلہ کرنے والا) ہو گا اور دوسرا غلط فیصلہ کرنے والا، البتہ یہ الگ بات ہے کہ محمدؐ غلط عند اللہ گناہ گار نہیں ہو گا، بلکہ اسے ایک اجر ملے گا۔ کماں الحدیث (فتح القدیر)

(۲) اس سے مراد یہ نہیں کہ پہاڑ ان کی تسبیح کی آواز سے گونج اٹھتے تھے (کیونکہ اس میں تو کوئی اعجاز ہی باقی نہیں رہتا) ہر کہ وہ مس کی اوپنی آواز سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ مطلب حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں کا بھی تسبیح پڑھتا ہے۔ نیز یہ مجاز نہیں حقیقتاً تھا۔

(۳) یعنی پرندے بھی داؤد علیہ السلام کی پرسوز آواز سن کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے۔ والظیر یا تو مفتوح ہے اور اس کا

ہم کرنے والے ہی تھے۔^(۱) (۷۹)

اور ہم نے اسے تمہارے لیے لباس بنانے کی کارگری سکھائی تاکہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو۔^(۲) کیا تم شکر گزار بنو گے؟^(۳) (۸۰)

ہم نے تندو تیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا^(۴) جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی، اور ہم ہر چیز سے باخبر اور وانا ہیں۔^(۵) (۸۱)

اسی طرح سے بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی بہت سے کام کرتے تھے،^(۶) ان کے نگران ہم ہی تھے۔^(۷) (۸۲)

وَعَلِمْتُهُ صَنْعَةً لَّهُوْسِ لَكُمْ لِتُخْصِنَكُمْ
مِّنْ بَأْسِكُمْ فَهُنَّ أَنْثُمْ شَكِرُونَ ⑥

وَلِسُلَيْمَنَ الرَّبِيعَ عَاصِفَةً تَجْوِي بِأَغْرِيَةٍ إِلَى الْأَرْضِ
الَّتِي بِرِكَنَّا فِيهَا وَكَنَّا يَجْلِلُ شَيْءًا عَلَيْبِينَ ⑦

وَمِنَ الشَّيْطَنِينَ مَنْ يَقُولُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا
دُونَ ذِلْكَ وَكَنَّا لَهُمْ حَفْظِينَ ⑧

عطف الجبال پر ہے یا پھر یہ مرفوع ہے اور خبر مذکوف کا مبدأ ہے یعنی **وَالْطَّيْرُ مُسَخَّرَاتُ**. مطلب یہ ہے کہ پرندے بھی داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے (فتح القدیر)

(۱) یعنی یہ تفہیم، ایسا یہ حکم اور تحریر، ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے، اس لیے ان میں کسی کو تعجب کرنے کی یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

(۲) یعنی لوہے کو ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے زم کر دیا تھا، وہ اس سے جنگی لباس، لوہے کی زرہیں تیار کرتے تھے، جو جنگ میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت قادہ رض فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے بھی زرہیں بنتی تھیں لیکن وہ سادہ بغیر کندھوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے کندے دار اور حلقة والی زرہیں بنائیں۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے، اسی طرح ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی گئی تھی۔ وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے، مہینوں کی مسافت، لمحوں اور ساعتوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو واڑا کر لے جاتی۔ با برکت زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔

(۴) جنات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موٹی اور جواہر نکال لاتے، اسی طرح دیگر عمارتی کام، جو آپ چاہتے، کرتے تھے۔

(۵) یعنی جنوں کے اندر جو سرکشی اور فساد کاما دہ ہے، اس سے ہم نے سلیمان علیہ السلام کی حفاظت کی اور وہ ان کے

ایوب (علیہ السلام) کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (۸۳)

تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا سے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور، اپنی خاص مہربانی^(۱) سے تاکہ پچے بندوں کے لیے سبب نصیحت ہو۔ (۸۴)

اور اس اعمالیں اور اور لیں اور ذوالکفل،^(۲) (علیم السلام) یہ سب صابر لوگ تھے۔ (۸۵)

ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ یہ سب لوگ نیک تھے۔ (۸۶)

محصلی والے^(۳) (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو! جبکہ

وَإِيُوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَتَيْتَنِي الصُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ^(۱)

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةٌ وَمَنْ عِنْدَنَا وَذِكْرِي لِلْغَيْبِيْنَ^(۲)

وَالْسَّمِيعِيْلَ وَإِذْ يُنَسَّ وَذَالْكَفِلُ كُلُّ مِنَ الصَّابِرِيْنَ^(۳)

وَأَدْخِلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِنَ الظَّالِمِيْنَ^(۴)

وَذَالَّتُوْنَ إِذْ كَفَّ مُغَايِضًا فَقَدَّقَ أَنْ لَنْ تَقِيرَ عَلَيْهِ

آگے سرتاپی کی مجال نہیں رکھتے تھے۔

(۱) قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے، (سورہ ص۔ ۳۳۔) اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا جن میں انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں، اس کی مستند تفصیل تو نہیں ملتی۔ تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دولت دنیا اور اولاد وغیرہ سے نوازا ہوا تھا، بطور آزمائش اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سب نعمتیں چھین لیں، حتیٰ کہ جسمانی صحت سے بھی محروم اور بیماریوں میں گھر کر رہ گئے۔ بالآخر کہا جاتا ہے کہ بعد بارگاہ الٹی میں دعا کی، اللہ نے دعا قبول فرمائی اور صحت کے ساتھ مال و اولاد، پہلے سے دو گناہ عطا فرمائے۔ (اس کی کچھ تفصیل صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ملتی ہے۔ ح ۲، ص ۲۲۲، و مجمع الزوائد ۸/ ۲۰۸) شکوہ شکایت اور جزع فرع صبر کے منافی ہے، جس کا اظہار حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا۔ البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ”ہم نے قبول کر لی“ کے الفاظ استعمال فرمائے۔

(۲) ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں؟ بعض ان کی نبوت کے اور بعض ولایت کے قائل ہیں۔ امام ابن جریر نے ان کی بابت توفی اختیار کیا ہے، امام ابن کثیر فرماتے ہیں، قرآن میں نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۳) محصلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انہیں عذاب الٹی کی دھمکی دے

وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ کپڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھروں^(۱) کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہ تیرے سوا کوئی معبد نہیں تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں ہو گیا۔^(۲)

تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔^(۳)^(۴) اور زکریا (علیہ السلام) کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تہذانہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔^(۵)

ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمایا کہ اسی (علیہ السلام) عطا فرمایا^(۶) اور ان کی بیوی کو ان کے لیے درست کر دیا۔ یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لائج طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔^(۷)^(۸)

فَنَادَىٰ فِي الظَّلَمَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ^۹
إِنِّي لَكُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ^{۱۰}

فَاسْتَجَبَنَاهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمَّٰ وَكَذَلِكَ
نَجَّيْنَا الْمُؤْمِنِينَ^{۱۱}
وَرَكِنْيَأَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَاتَّدْرُنْ فَرَدَّا
وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَرِثَيْنَ^{۱۲}

فَاسْتَجَبَنَاهُ وَوَهَبَنَاهُ يَعْلَمُ وَأَصْلَحَنَاهُ زَوْجَهُ
إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَا
رَغْبًاً وَرَهْبًاً وَكَانُوا النَّاخِثِيْنَ^{۱۳}

کر، اللہ کے حکم کے بغیر ہی وہاں سے چل دیئے تھے، جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی اور انہیں مچھلی کا لقہ بنا دیا، اس کی کچھ تفصیل سورہ یونس میں گزر چکی ہے اور کچھ سورہ صافات میں آئے گی۔

(۱) ظُلْمَاتُ، ظُلْمَةٌ کی جمع ہے، بمعنی اندھیرا۔ حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھروں میں گھر گئے۔ رات کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا، اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔

(۲) ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اسے اندھروں سے اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور جو بھی مومن ہمیں اس طرح شدائد اور مصیبتوں میں پکارے گا، ہم اسے نجات دیں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس مسلمان نے بھی اس دعا کے ساتھ کسی معاملے کے لیے دعا مانگی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا ہے۔“ (جامع ترمذی۔ نمبرہ ۲۵۰۵، وصححہ اللبانی)

(۳) حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لیے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورہ آل عمران اور سورہ طہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

(۴) یعنی وہ بانجھ اور ناقابل اولاد تھی، ہم نے اس کے اس نقش کا ازالہ فرمایا کہ اس کے نیک بچے عطا فرمایا۔

(۵) گویا قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً الماح و

اور وہ پاک و امن بی بی جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونک دی اور خود انہیں اور ان کے لڑکے کو تمام جہان کے لیے نشانی بنا دیا۔^(۱) (۹۱)

یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے،^(۲) اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔^(۳) (۹۲)

مگر لوگوں نے آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کر لیں، سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔^(۴) (۹۳) پھر جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ ہم تو اس کے لکھنے والے ہیں۔^(۵) (۹۳)

اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس پر لازم ہے کہ وہاں کے لوگ پلٹ کر نہیں آئیں گے۔^(۶) (۹۵)

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوْحِنَا
وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا أَيَّةً لِلْعَلَيْبِينَ ④

إِنَّ هَذِهِ أَمْثَالُكُمْ أَمْثَالَهُ وَاحِدَةٌ
وَأَنَّا نَعْلَمُ فَاعْبُدُونِ ⑤

وَنَقْطُعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ مُّكْلِلٌ إِلَيْنَا رِجْعُونَ ⑥

فَمَنْ يَعْمَلُ مِنَ الظَّلِيْحَةِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفَّارَ
لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ لَكَبِيْرُونَ ⑦

وَحَرَمَ عَلَى قَرِيْبَةِ أَهْلَكُنَا أَنَّهُمْ لَا يَرِجِعُونَ ⑧

زاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا و مناجات، یہی کے کاموں میں سبقت، خوف و طمع کے ملے جملے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع خصوص کا ظہار۔

(۱) یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ ہے جو پسلے گزر چکا ہے۔

(۲) اُمَّۃَ سے مراد یہاں دین یا ملت ہے یعنی تمہارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین ہے دین توحید، جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی اور ملت، ملت اسلام ہے جو تمام انبیا کی ملت رہی ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہم انبیاء کی جماعت اولاد علات ہیں، (جن کا باپ ایک اور ماں میں مختلف ہوں) ہمارا دین ایک ہی ہے۔“ (ابن کثیر)

(۳) یعنی دین توحید اور عبادت رب کو چھوڑ کر مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو مشرکین اور کفار کا ہو گیا اور انبیاء و رسول کے ماننے والے بھی احزاب بن گئے، کوئی یہودی ہو گیا، کوئی عیسائی، کوئی کچھ اور۔ اور بد قسمی سے یہ فرقہ بندیاں خود مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں اور یہ بھی بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان سب کافیصلہ، جب یہ بارگاہ الہی میں لوٹ کر جائیں گے۔ تو وہیں ہو گا۔

(۴) حرام، واجب کے معنی میں ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ یا پھر لا یرِ جِعْوَنَ میں لازم ہے، یعنی جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا، اس کا دنیا میں پلٹ کر آنا حرام ہے۔

یہاں تک کہ یا جوج اور ما جوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔^(۱) (۹۶)

اور سچا وعدہ قریب آگئے گا اس وقت کافروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی،^(۲) کہ ہائے افسوس! ہم اس حال سے غافل تھے بلکہ فی الواقع ہم قصوروار تھے۔ (۹۷) تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے، تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔^(۳) (۹۸)

اگر یہ (چ) معبد ہوتے تو جنم میں داخل نہ ہوتے، اور سب کے سب اسی میں ہیشہ رہنے والے ہیں۔^(۴) (۹۹)

حَلَّى إِذَا فُتَحَتْ يَأْجُوجُ وَمَاجُوجٌ وَهُمْ مِنْ بَطْنِ
حَدَبٍ يَئْسِلُونَ ^(۵)

وَاقْرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هُنَّ شَاهِضَةٌ أَبْصَارُ الْجِنِّينَ
كَفَرُوا مِمَّا يُنَزَّلُنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا بَلْ
كُنَّا ظَلَمِينَ ^(۶)
إِنَّمَا وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُنْالِلِهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ
أَنْتُمْ لَهَا وَرُدُونَ ^(۷)

لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهٌ مَا وَرَدُوا هُنَّ وَكُلُّ فِيهَا
خَلِيدُونَ ^(۸)

(۱) یا جوج و ما جوج کی ضروری تفصیل سورہ کھف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں قیامت کے قریب ان کا ظہور ہو گا اور اتنی تیزی اور کثرت سے یہ ہر طرف پھیل جائیں گے کہ ہر اوپنجی جگہ سے یہ دوڑتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ ان کی فساد انگیزوں اور شرارتوں سے اہل ایمان تنگ آجائیں گے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ساتھ لے کر کوہ طور پر پناہ گزیں ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بدعا سے یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کی لاشوں کی سڑاند اور بدبو ہر طرف پھیلی ہو گی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پرندے بھی گاجوان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ پھر ایک زوردار بارش نازل فرمائے گا، جس سے ساری زمین صاف ہو جائے گی۔ (یہ ساری تفصیلات صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)

(۲) یعنی یا جوج و ما جوج کے خروج کے بعد قیامت کا وعدہ، جو برحق ہے، بالکل قریب آجائے گا اور جب یہ قیامت برپا ہو گی تو شدت ہولناکی کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

(۳) یہ آیت مشرکین مک کے بارے میں نازل ہوئی ہے جولات و منات اور عزی و ہبی کی پوجا کرتے تھے۔ یہ سب پھر کی مورتیاں تھیں۔ جو جمادات یعنی غیر عاقل تھیں، اسی لیے آیت میں مَا تَغْبُدُونَ، کے الفاظ ہیں اور عربی میں "ما" غیر عاقل کے لیے آتا ہے۔ یعنی کما جا رہا ہے کہ تم بھی اور تمہارے یہ معبد بھی جن کی مورتیاں بنائے کر تم نے عبادت کے لیے رکھی ہوئی ہیں، سب جنم کا ایندھن ہیں۔ پھر کی مورتیوں کا اگرچہ کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ وہ تو غیر عاقل اور بے شور ہیں۔ لیکن انہیں پجاریوں کے ساتھ جنم میں صرف مشرکوں کو مزید ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا کہ جن معبدوں کو تم اپنا سارا سمجھتے تھے، وہ بھی تمہارے ساتھ ہی جنم میں، جنم کا ایندھن ہیں۔

(۴) یعنی اگر یہ واقعی معبد ہوتے تو با اختیار ہوتے اور تمہیں جنم میں جانے سے روک لیتے۔ لیکن وہ تو خود بھی جنم میں بطور

وہ وہاں چلا رہے ہوں گے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔^(۱) (۱۰۰)

ابتدا بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے۔ وہ سب جنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔^(۲) (۱۰۱)

وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سین گے اور اپنی من بھاتی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔^(۳) (۱۰۲)

وہ بڑی گھبراہٹ^(۴) (بھی) انہیں عملگیں نہ کر سکے گی اور فرشتے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے، کہ یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے رہے۔^(۵) (۱۰۳)

جس دن ہم آسمان کو یوں پیٹ لیں گے جیسے طومار میں اور اراق پیٹ دیئے جاتے ہیں،^(۶) (۷) جیسے کہ ہم نے اول

لَهُوْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُوْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ①

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقُتُ لَهُمْ مِنَ الْحُسْنَى لَا أُلِّيكَ عَنْهَا مُبَدِّدُونَ ②

لَا يَشْمَعُونَ حَسِيمَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَى أَنْفُسُهُمْ خَلِدُ قَنَ ③

لَا يَخْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَلَقَّهُمُ الْمَلِكَةُ هُنَّا يَوْمُ مَكْثُورٍ الَّذِي كُنُّمُ تُوعَدُونَ ④

يَوْمَ نَظُرِي السَّمَاءَ كَطْرِي التَّسْجِيلِ لِلْكِتَابِ كَمَا بَدَأَ أَوْلَ

عبرت کے جار ہے ہیں۔ تمہیں جانے سے کس طرح روک کتے ہیں۔ نتیجتاً عابدوں معبودوں نوں ہمیشہ جنم میں رہیں گے۔

(۱) یعنی سارے کے سارے شدت غم والم سے چیخ اور چلا رہے ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سن سکیں گے۔

(۲) بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا تھا یا مشرکین کی طرف سے پیدا کیا جا سکتا تھا، جیسا کہ فی الواقع کیا جاتا ہے کہ عبادت تو حضرت عیسیٰ و عزیر طیہما السلام، فرشتوں اور بہت سے صالحین کی بھی کی جاتی ہے۔ تو کیا یہ بھی اپنے عابدین کے ساتھ جنم میں ڈالے جائیں گے؟ اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو اللہ کے نیک بندے تھے جن کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کے لیے نیکی یعنی سعادت ابدی یا بشارت جنت ٹھہرائی جا چکی ہے۔ یہ جنم سے دور ہی رہیں گے۔ اُنی الفاظ سے یہ مفہوم بھی واضح طور پر نکلتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں یہ خواہش رکھتے ہوں گے کہ ان کی قبروں پر بھی تقبی بنیں اور لوگ انہیں قاضی الحاجات سمجھ کر ان کے نام کی نذر و نیاز دیں اور ان کی پرستش کریں، یہ بھی پھر کی مورتیوں کی طرح جنم کا ایندھن ہوں گے، کیونکہ غیر اللہ کی پرستش کے داعی سَبَقَتْ لَهُمْ مِنْا الْحُسْنَى میں یقیناً نہیں آتے۔

(۳) بڑی گھبراہٹ سے موت یا صور اسرافیل مراد ہے یا وہ لمحہ جب دوزخ اور جنت کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ دوسری بات یعنی صور اسرافیل اور قیام قیامت سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

(۴) یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اور اراق یا رجڑ پیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَالثَّمَوْتُ

دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ
ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی)
رہیں گے۔ (۱۰۳)

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھے ہیں کہ زمین
کے وارث میرے نیک بندے^(۱) (ہی) ہوں گے۔ (۱۰۵)
عبادت گزار بندوں کے لیے تو اس میں ایک بڑا پیغام
ہے۔ (۱۰۶)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنائی

خَلِقْ تُعِيدُ كَمَوْدًا عَلَيْنَا إِنَّا لَكَ فِيلِينَ ①

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الرُّؤُوِ مِنْ بَعْدِ الْذِي كَرَأَ الْأَرْضَ

يَرْتَهِ لَعْبَادِي الصَّلِحُونَ ②

إِنَّ فِي هَذَا الْبَلْغًا لِقَوْمٍ غَيْدِينَ ③

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَلَمِينَ ④

مَظْوِيَّتِيَّيِّينَ ⑤ (الزمر: ۶۷) ”آسمان اس کے دامیں ہاتھ میں لپٹئے ہوئے ہوں گے“ سِجْلُ کے معنی صحیفے یا رجسٹر کے ہیں۔ لِلْكُتُبُ کے معنی ہیں عَلَى الْكِتَابِ بِمَعْنَى الْمَكْتُوبِ (تفسیر ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لیے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسان ہے، اسی طرح اللہ کے لیے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

(۱) زُبُورُ سے مراد یا تو زبور ہی ہے اور ذکر سے مراد پند و نصیحت، جیسا کہ ترجمہ میں درج ہے یا پھر زبور سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی پہلے تلوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اور اس کے بعد آسمانی کتابوں میں بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ زمین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک جنت ہے اور بعض کے نزدیک ارض کفار۔ یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے، وہ دنیا میں بااقتدار اور سرخور رہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے، اس وعدہ الٰہی کے مطابق، زمین کا اقتدار انہی کے پاس ہو گا۔ اس لیے مسلمانوں کی محرومی اقتدار کی موجودہ صورت، کسی اشکال کا باعث نہیں بنی چاہئے۔ یہ وعدہ مشروط ہے صالحیت عباد کے ساتھ۔ اور إذا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ کے مطابق جب مسلمان اس خوبی سے محروم ہو گئے تو اقتدار سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ اس میں گویا حصول اقتدار کا طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے صالحیت، یعنی اللہ رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کے حدود و ضابطوں پر کار بند رہنا۔

(۲) فی ہذا سے مراد وہ وعظ و حنیہ ہے جو اس سورت میں مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے۔ بلاغ سے مراد کفایت و منفعت ہے، یعنی وہ کافی اور مفید ہے۔ یا اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں مسلمانوں کے لیے منفعت اور کفایت ہے۔ عابدین سے مراد خشوع خضوع سے اللہ کی عبادت کرنے والے، اور شیطان اور خواہشات نفس پر اللہ کی اطاعت کو ترجیح دینے والے ہیں۔

ہی بھیجا ہے۔^(۱)

کہہ دیجئے! میرے پاس تو پس وحی کی جاتی ہے کہ تم سب
کا معبود ایک ہی ہے، تو کیا تم بھی اس کی فرمانبرداری
کرنے والے ہو؟^(۲)

پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں یکساں
طور پر خبردار کر دیا ہے۔^(۳) مجھے علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم
سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یادوں۔^(۴)

البتہ اللہ تعالیٰ تو کھلی اور ظاہریات کو بھی جانتا ہے اور جو
تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے۔^(۵)

قُلْ إِنَّمَا يُؤْتَى إِلَيْكُمْ الْهُكْمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَهُنَّ أَنْتُمْ
مُسْلِمُونَ^(۶)

فَإِنْ تَوَوَّأْفُلْ أَذْنَتُكُمْ عَلَى سَوَاءٍ وَنَّ أَدْرِيَ أَقْرِبُكُمْ أَمْ
بَعْدُ مَا تُوعَدُونَ^(۷)

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهَرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا لَكُمْ مُّؤْمِنُونَ^(۸)

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا، اس نے گویا اس رحمت کو قبول کر لیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا، نیچتا دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار ہو گا اور چونکہ آپ ﷺ کی رسالت پورے جہان کے لیے ہے، اس لیے آپ ﷺ پورے جہان کے لیے رحمت بن کر یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس اعتبار سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ کی وجہ سے یہ امت، بالکلیہ تباہی و بر بادی سے محفوظ کر دی گئی۔ جیسے کچھ لیں اور امتنیں حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی رہیں، امت محمدیہ (جو امت اجابت اور امت دعوت کے اعتبار سے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے) پر اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے لیے بد دعا نہ کرنا، یہ بھی آپ ﷺ کی رحمت کا ایک حصہ تھا۔ اِنَّمَا لَمْ أُبَعِثْ لَعَانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً (صحیح مسلم نمبر ۲۰۰۹) اسی طرح غصے میں کسی مسلمان کو لعنت یا سب و شتم کرنے کو بھی قیامت والے دن رحمت کا باعث قرار دینا، آپ ﷺ کی رحمت کا حصہ ہے۔ (مسند احمد ۵/۲۲۴، ابو داود نمبر ۳۶۵۹۔ والاحادیث الصحیحة للألبانی نمبر ۲۵۸) اسی لیے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا، إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُّهَدَّدٌ (صحیح الجامع الصغیر نمبر ۲۲۲۵) ”میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں“ جو اللہ کی طرف سے اہل جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے۔

(۲) اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اصل رحمت توحید کو اپنالیٹا اور شرک سے فیض جانتا ہے۔

(۳) یعنی جس طرح میں جانتا ہوں کہ تم میری دعوت توحید و اسلام سے منہ موڑ کر میرے دشمن ہو، اسی طرح تمہیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی تمہارا دشمن ہوں اور ہماری تمہاری آپس میں کھلی جنگ ہے۔

(۴) اس وعدے سے مراد قیامت ہے یا غلبہ اسلام و مسلمین کا وعدہ یا وہ وعدہ جب اللہ کی طرف سے تمہارے خلاف جنگ کرنے کی مجھے اجازت دی جائے گی۔

مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کافاً کرہ (چنچانا) ہے۔ (۱)

خود نبی نے کہا^(۱) اے رب! انصاف کے ساتھ فیصلہ فرم اور ہمارا رب بڑا مریان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔ (۲) (۳)

سورہ حج مدنی ہے اور اس کی انصراف آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

سب سے زیادہ مریان بست رحم والے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بست ہی بڑی چیز ہے۔ (۱)

جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے اور تو دیکھے گا کہ لوگ مد ہوش و کھالی دیں گے، حالانکہ درحقیقت وہ متوا لئے ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ (۲)

بعض لوگ اللہ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں اور وہ

(۱) یعنی اس وعدہ الٰہی میں تاخیر میں نہیں جانتا کہ تمہاری آزمائش کے لیے یا ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے مسلت و نیا ہے۔

(۲) یعنی میری بابت جو تم مختلف باتیں کرتے رہتے ہو، یا اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو، ان سب باتوں کے مقابلے میں وہ رب ہی مریانی کرنے والا اور وہی مدد کرنے والا ہے۔

☆ اس کے کمی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس کا کچھ حصہ کمی اور کچھ مدنی ہے۔ قالہ القرطسی (فتح القدیر) یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں دو سجدے ہیں۔

(۳) آیت مذکور میں جس زلزلے کا ذکر ہے، جس کے نتائج دوسری آیت میں بتائے گئے ہیں۔ جس کا مطلب لوگوں پر سخت خوف، دہشت اور گھبراہٹ کا طاری ہونا ہے، یہ قیامت سے قبل ہو گا اور اس کے ساتھ ہی دنیا فنا ہو جائے گی۔ یا یہ قیامت کے بعد اس وقت ہو گا جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بہت سے مفسرین پہلی رائے

وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَهُ فِتْنَةٌ لَّمْ وَمَتَاعُ إِلَى حَيْنِنَ ①

قُلْ رَبِّ الْحُكْمُ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَنُ
عَلَى مَانِصِفُونَ ②

شُورَةُ الْحَجَّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ سَيْئَةٌ عَظِيمٌ ①

يَوْمَ تَرَوُنَهَا تَذَهَّلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَنَّا أَرْضَعَتْ
وَنَضَمُّ كُلُّ ذَاتٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكْرًا
وَمَا هُمْ بِسُكْرٍ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ②

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَبَعُ

(۱) یعنی اس وعدہ الٰہی میں تاخیر میں نہیں جانتا کہ تمہاری آزمائش کے لیے یا ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے مسلت و نیا ہے۔

(۲) یعنی میری بابت جو تم مختلف باتیں کرتے رہتے ہو، یا اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو، ان سب باتوں کے مقابلے میں وہ رب ہی مریانی کرنے والا اور وہی مدد کرنے والا ہے۔

☆ اس کے کمی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس کا کچھ حصہ کمی اور کچھ مدنی ہے۔ قالہ القرطسی (فتح القدیر) یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں دو سجدے ہیں۔

(۳) آیت مذکور میں جس زلزلے کا ذکر ہے، جس کے نتائج دوسری آیت میں بتائے گئے ہیں۔ جس کا مطلب لوگوں پر سخت خوف، دہشت اور گھبراہٹ کا طاری ہونا ہے، یہ قیامت سے قبل ہو گا اور اس کے ساتھ ہی دنیا فنا ہو جائے گی۔ یا یہ قیامت کے بعد اس وقت ہو گا جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بہت سے مفسرین پہلی رائے

كُلَّ شَيْطَنٍ مَرِيدٍ ⑦

كُتُبَ عَلَيْهَا أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّهُ فَأَنَّهُ يُنْصَلَهُ وَيَهُدِيهُ إِلَى
عَدَابِ السَّعْيِ ⑧

بھی بے علمی کے ساتھ اور ہر سرکش شیطان کی پیروی
کرتے ہیں۔ ① ③

جس پر (قضائے الہی) لکھ دی گئی ② ہے کہ جو کوئی اس کی
رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے آگ
کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔ ③

لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں مشک ہے
تو سچو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر
خون بستے سے پھر گوشت کے لو ٹھڑے سے جو صورت
دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔ ③ یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے

يَا إِنَّا لِلنَّاسِ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثَ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ
مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ
مُضْغَةٍ مُّخْلَقَةٍ وَغَيْرُ مُخْلَقَةٍ لِّنَبِينَ لَكُمْ وَلَنَعْزِزُ

کے قائل ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین دوسری رائے کے۔ اور اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ
آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ذریت میں سے ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم کے لیے نکال دے۔ یہ بات سن کر حمل
والیوں کے حمل گر جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مد ہوش سے نظر آئیں گے حالانکہ وہ مد ہوش نہیں
ہوں گے، صرف عذاب کی شدت ہوگی۔ یہ بات صحابہ رض پر بڑی گراں گزری، ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا، (گھبراو نہیں) یہ ۹۹۹ یا جو جو وما جوں میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہو گا،
تمہاری (تعداد) لوگوں میں اس طرح ہو گی جیسے سفید رنگ کے بیل کے پلو میں، کالے بال یا کالے رنگ کے بیل کے
پلو میں سفید بال ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھائی، یا تھائی یا نصف ہو گے، جسے سن کر صحابہ رض
نے بطور مسرت کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، (صحیح بخاری تفسیر سورہ الحج) پہلی رائے بھی بے وزن نہیں
ہے۔ بعض ضعیف احادیث سے ان کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے زرزلہ اور اس کی کیفیات سے مراد اگر فزع اور
ہولناکی کی شدت ہے (اور بظاہر یہی ہے) تو سخت گھبراہست اور ہولناکی کی یہ کیفیت دونوں موقعوں پر ہی ہوگی۔ اس لیے
دونوں ہی رائیں صحیح ہو سکتی ہیں، کیونکہ دونوں موقعوں پر لوگوں کی کیفیت ایسی ہوگی، جیسی اس آیت میں اور صحیح
بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔

(۱) مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، یا اس کی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) یعنی شیطان کی بابت تقدیر الہی میں یہ بات ثابت ہے۔

(۳) یعنی نطفہ (قطرہ منی) سے چالیس روز کے بعد علقة گاڑھا خون اور علقة سے مضغۃ گوشت کا لو ٹھڑا بن جاتا
ہے مخلوقۃ سے، وہ پچھے مراد ہے جس کی پیدائش واضح اور شکل و صورت نمایاں ہو جائے ایسے بچے میں روح پھونک
دی جاتی ہے اور تکمیل کے بعد اس کی ولادت ہو جاتی ہے اور غیر مخلوقۃ، اس کے بر عکس، جس کی شکل و صورت

ہیں،^(۱) اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں رکھتے ہیں^(۲) پھر تمہیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پسچو، تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لیے جاتے ہیں^(۳) اور بعض سے غرض عمر کی طرف پھر سے لوٹاویے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے۔^(۴) تو دیکھتا ہے کہ زمین (بخار اور) خلک ہے پھر جب ہم اس پر بارشیں بر ساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار بنا تات آگاتی ہے۔^(۵)

فِ الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجِيلٍ مُّسَمَّىٌ نَّعَثُرُ
عَلَى جُنُكٍ طَفْلًا ثُمَّ نَتَبَلَّغُ أَشْدَكَهُ وَمِنْكُمْ مَنْ
يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ إِنَّكُمْ
يَعْلَمُونَ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ
هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ أَفْتَرَتْ
وَرَبَّتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بِهِيجٍ ۝

واضح نہ ہو، نہ اس میں روح پھونکی جائے اور قبل از وقت ہی وہ ساقط ہو جائے۔ صحیح احادیث میں بھی رحم مادر کی ان کیفیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نطفہ چالیس دن کے بعد علقة (گاز حاخون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد یہ مضغۃ (لو تمہرا یا گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے، جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ یعنی چار میںے کے بعد نفع روح ہوتا ہے اور پچھے ایک واضح شکل میں ڈھلن جاتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الأنبياء و کتاب القدر، مسلم کتاب القدر، باب كيفية الخلق الأدمي)

(۱) یعنی اس طرح ہم اپنا کمال قدرت و تخلیق تمہارے لیے بیان کرتے ہیں۔

(۲) یعنی جس کو ساقط کرنا نہیں ہوتا۔

(۳) یعنی عمر اشد سے پہلے ہی۔ عمر اشد سے مراد بلوغت یا کمال عقل و کمال قوت و تیزی کی عمر ہے، جو ۳۰ سال کے درمیان کی عمر ہے۔

(۴) اس سے مراد بڑھاپے میں قوائے انسانی میں ضعف و اخبطاط کے ساتھ عقل و حافظہ کا کمزور ہو جانا اور یادو اشت اور عقل و فہم میں بچے کی طرح ہو جانا ہے، جسے سورہ یسین میں ﴿ وَمَنْ تَعْبُرُ فَإِنَّهُنَّ فِي الْعَذَابِ ﴾ اور سورہ یمن میں ﴿ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْقَلَ سَفِيلِينَ ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵) یہ احیائے موتی (مردوں کے زندہ کرنے) پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ پہلی دلیل، 'جونہ کور ہوئی' یہ تھی کہ جو ذات ایک حقیر قطرہ پالی سے اس طرح ایک انسانی پیکر تراش سکتا اور ایک حسین وجود عطا کر سکتا ہے، علاوہ ازیں وہ اسے مختلف مراحل سے گزارتا ہوا بڑھاپے کے ایسے اشیع پر پہنچا سکتا ہے جہاں اس کے جسم سے لے کر اس کی ذہنی و رماغی صلاحیتیں تک، سب ضعف و اخبطاط کا شکار ہو جائیں۔ کیا اس کے لیے اسے دوبارہ زندگی عطا کرونا مشکل ہے؟ یقیناً جو ذات انسان کو ان مراحل سے گزار سکتی ہے، وہی ذات مرنے کے بعد بھی اسے دوبارہ زندہ کر کے ایک نیا قالب اور نیا وجود بخش سکتی ہے کہ دیکھو زمین بخار اور مردہ ہوتی ہے لیکن بارش کے بعد

یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو جلاتا ہے
اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۲)
اور یہ کہ قیامت قطعاً نے والی ہے جس میں کوئی شک و
شبہ نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ
فرمائے گا۔ (۷)

بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر حدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔ (۸)
جو اپنی پہلو موڑ نے والابن کر^(۹) اس لیے کہ اللہ کی راہ سے بکاوے، اسے دنیا میں بھی رسولی ہو گئی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جنم میں جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔ (۱۰)
یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے تھے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ (۱۱)

یہ کس طرح زندہ اور شاداب اور انواع و اقسام کے غلے، میوه جات اور رنگ برنگ کے پھولوں سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انسانوں کو بھی ان کی قبروں سے اٹھا کردا کرے گا۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ ایک صحابی بیان نے پوچھا اللہ تعالیٰ انسانوں کو جس طرح پیدا فرمائے گا، اس کی کوئی نشانی مخلوقات میں سے بیان فرمائیے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تمہارا گزر اسی وادی سے ہوا ہے جو خلک اور بختر ہو، پھر دوبارہ اسے لہلاتا ہوا دیکھا ہو؟“ اس نے کہا۔ ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا، بس اسی طرح انسانوں کا جی اٹھنا ہو گا۔ (مسند احمد جلد ۲۔ ص ۱۱۰۔ ابن ماجہ المقدمة، حدیث نمبر ۱۸۰)

(۱) ثانی، اس فاعل ہے۔ موڑنے والا۔ عطف کے معنی پہلو کے ہیں۔ یہ بُحَادِل سے حال ہے۔ اس میں اس شخص کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے اللہ کے بارے میں جھگٹتا ہے کہ وہ عکبر اور اعراض کرتے ہوئے اپنی گردن موڑتے ہوئے پھرتا ہے جیسے دوسرے مقامات پر اس کیفیت کو ان ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ —

﴿وَلَيْ مُسْكَلِّبًا كَانَ لَمْ يَسْعُهَا ﴾ — (القمان:۷) ﴿ لَوْزَادَ وَسَاهِمٌ ﴾ (المنافقون:۵) ﴿ أَغْرَضَ وَنَأْجَلَهُمْ ﴾ (بني

ذلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُعْلِمُ الْمُؤْمِنِينَ
وَأَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَأَنَّ السَّاعَةَ أَتَيَةٌ لَّا رَبِّ فِيمَا نَوَّأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ
فِي الْعُبُورِ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى
وَلَا كِتَابٌ مُّنِيبٌ ⑤

ثَانِيَ عَطْفَه لِيُضَعَّلَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فِي الدُّنْيَا
خَزْرٌ وَنُذِيقُه بِيَوْمِ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ⑥

ذلِكَ بِمَا قَدَّمْتَ يَدِكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ لِّلْعَيْبِ^٥

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ

کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دچپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آگئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں،^(۱) انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھالیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔^(۲)

اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے ہیں جونہ انہیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع۔ یہ تو دور دراز کی گمراہی ہے۔^(۳) اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، یقیناً برے والی ہیں اور برے ساتھی۔^(۴)

حَيْرُ إِطَاهَ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ إِنْ قَلَّ بَعْدَهُ
وَجِهَهُ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكُ هُوَ الْخَرَانُ
الْيَئِينُ^(۵)

يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يُضُرُّهُ وَمَا كَيْنَفَعَهُ ذَلِكُ هُوَ
الصَّلَلُ الْبَعِيْدُ^(۶)
يَدْعُوا مِنْ فَرَّةَ أَقْرَبُ مِنْ تَقْعِيدَ لِمَسَ الْمَوْلَى
وَلِمَسَ الْعَشِيرُ^(۷)

(۱) حَرْفُ کے معنی ہیں کنارہ۔ ان کناروں پر کھڑا ہونے والا، غیر مستقر ہوتا ہے یعنی اسے قرار و ثبات نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک و ریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے، اس کا حال بھی یہی ہے، اسے دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت صرف دینیوی مفادات کی رہتی ہے، ملتے رہیں تو نہیک ہے بصورت دیگر وہ پھر دین آبائی یعنی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جوچے مسلمان ہوتے اور ایمان و یقین سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ عسر و یسر کو دیکھے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکرا دا کرتے اور تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں ایک مذبذب شخص کا طریقہ بھی اسی طرح کا بیان کیا گیا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الحج) کہ ایک شخص مدینے آتا، اگر اس کے گھر بنے ہوتے، اسی طرح جانوروں میں برکت ہوتی، تو کہتا، یہ دین اچھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا، یہ دین برا ہے۔ بعض روایات میں یہ وصف نو مسلم اعرابیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباری، باب مذکور)

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک یہ عو، یقول کے معنی میں ہے۔ یعنی غیر اللہ کا پیغامری قیامت والے دن کے گاکہ جس کا نقصان، اس کے نفع سے قریب تر ہے، وہ والی اور ساتھی یقیناً برا ہے۔ یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں یہ کے گاکہ وہاں اس کی امیدوں کے محل ڈھنے جائیں گے اور یہ معبود بھی اس کے ساتھی جنم کا ایدھن بنے ہوں گے۔ مولیٰ کے بچائیں گے، اس کی شفاعت کریں گے، وہاں خود وہ معبود بھی اس کے ساتھی جنم کا ایدھن بنے ہوں گے۔ مولیٰ کے معنی ولی اور مددگار کے اور عَشِيرَۃ کے معنی ہم نشین، ساتھی اور قرابت دار کے ہیں۔ مددگار اور ساتھی تو وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے، لیکن یہ معبود خود گرفتار عذاب ہوں گے یہ کسی کے کیا کام آئیں گے؟ اس لیے انہیں برا والی اور بر ساتھی کہا گیا۔ ان کی عبادت ضرر ہی ضرر ہے، نفع کا تو اس میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے، پھر یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا نقصان، ان کے نفع سے قریب تر ہے، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا، ﴿ وَإِنَّا لَنَا لِمَنْعَلٍ هُدُّىٰ أَوْفِيَ ضَلِيلٌ مُّبِينٌ ﴾ (سبا۔ ۲۲) ”بے شک ہم (یعنی اللہ کے مانے والے) یا تم (اس کا انکار کرنے والے) بدایت پر ہیں یا“

ایمان اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ لرس لیتی ہوئی
نہروں والی جنتوں میں لے جائے گا۔ اللہ جواراہ کرے
اسے کر کے رہتا ہے۔^(۱۳)

جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مددوںوں
جان میں نہ کرے گا وہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ کر
(اپنے حلق میں پھنداؤں کر اپنا گلا گھونٹ لے) پھر دیکھ
لے کہ اس کی چالاکیوں سے وہ بات ہٹ جاتی ہے جو
اسے ترپا^(۱۴) رہی ہے؟^(۱۵)

ہم نے اسی طرح اس قرآن کو واضح آیتوں میں آتارا ہے۔
جسے اللہ چاہے ہدایت نصیب فرماتا ہے۔^(۱۶)

بیشک اہل ایمان اور یہودی اور صابی اور نصرانی اور مجوہ^(۱۷)
اور مشرکین^(۱۸) ان سب کے درمیان قیامت کے دن

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ جَنَّةً
تَجْنُبُونَ مِنْ عَيْتَنَاهَا الْأَنَهَرُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعُلُ مَا يَرِيدُ^(۱۹)

مَنْ كَانَ يَظْنَنُ أَنْ كُنْ يَتَّصَرُّ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ فَلَيَمْدُدْ رِسَبِيْبَ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ يَقْطَعُ
فَلَيَنْظُرْ هَلْ يُدْهِبَنَ كَيْدُهُ مَا لَيْغِيْطَ^(۲۰)

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْتَ أَبْيَتْ وَإِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَرِيدُ^(۲۱)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِرِينَ وَالنَّصْرَى
وَالْمَجْوُسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْعُلُ بِيَمِنِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ^(۲۲)

کھلی گراہی میں۔“۔ ظاہر بات ہے کہ ہدایت پر وہی ہیں جو اللہ کو مانے والے ہیں۔ لیکن اسے واضح الفاظ میں کہنے کی
بجائے کہنے اور استفهام کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو سامع کے لیے زیادہ موثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ یا اس کا تعلق دنیا
سے ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ غیر اللہ کو پکارنے سے فوری نقصان تو اس کا یہ ہوا کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا یہ اقرب
نقصان ہے۔ اور آخرت میں تو اس کا نقصان محقق ہی ہے۔

(۱) اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ ایسا شخص، جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کی مدد نہ کرے، کیونکہ
اس کے غلبہ و فتح سے اسے تکلیف ہوتی ہے، تو وہ اپنے گھر کی چھت پر رسی لٹکا کر اور اپنے گلے میں اس کا پھندالے کر
اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خود کشی اسے غیظ و غصب سے بچالے جو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ
کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے۔ اس صورت میں سماء سے مراد گھر کی چھت ہوگی۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ ایک رسہ لے
کر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو ہمی یا مدد آتی ہے، اس کا سلسلہ ختم کر دے، (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھ کر کیا
اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہے؟ امام ابن کثیر نے پہلے مفہوم کو اور امام شوکانی نے دوسرے مفہوم کو زیادہ پسند کیا
ہے اور سیاق سے یہی دو سر امفہوم زیادہ قریب لگتا ہے۔

(۲) بھوس سے مراد ایران کے آتش پرست ہیں جو دو خداوں کے قائل ہیں، ایک ظلمت کا خالق ہے، دوسرا نور کا، جسے
وہ اہر من اور بزرگان کہتے ہیں۔

(۳) ان میں مذکورہ گمراہ فرقوں کے علاوہ جتنے بھی اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں، سب آگے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ①

خود اللہ تعالیٰ فیصلے کر دے گا،^(۱) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ
ہے۔^(۲)
^(۳)

کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں
سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج
اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور^(۴)

أَلَوْ تَرَأَنَ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
وَالشَّمْسُ وَالقَمَرُ وَالنَّجْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُ
وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يَهْمِنْ

(۱) ان میں سے حق پر کون ہے، باطل پر کون؟ یہ تو ان دلائل سے واضح ہو جاتا ہے جو اللہ نے اپنے قرآن میں نازل فرمائے ہیں اور اپنے آخری پیغمبر کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا، ﴿لِيُظْهِرَ عَلَى الْمُتُنَكِّلِ﴾ (الفتح ۲۸) یہاں فیصلے سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ باطل پر ستون کو قیامت والے دن دے گا، اس سزا سے بھی واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون کون؟

(۲) یہ فیصلہ حضن حاکمان اختیارات کے زور پر نہیں ہو گا، بلکہ عدل و انصاف کے مطابق ہو گا، کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔

(۳) بعض مفسرین نے اس سجدے سے ان تمام چیزوں کا احکام اللہ کے تابع ہونا مراد لیا ہے، کسی میں مجال نہیں کہ وہ حکم اللہ سے سرتاسری کر سکے۔ ان کے نزدیک وہ سجدہ اطاعت و عبادت مراد نہیں جو صرف عقل کے ساتھ خاص ہے۔ جب کہ بعض مفسرین نے اسے مجاز کے بجائے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ ہر خلق اپنے اپنے انداز سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ مثلاً مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ سے مراد فرشتے ہیں وَمَنْ فِي الْأَرْضِ سے ہر قسم کے حیوانات، انسان، جنات، چوپائے اور پرندے اور دیگر اشیاء ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے انداز سے سجدہ اور تسبیح اللہ کرتی ہیں۔ — ﴿وَلَنْ يَقْنُطُ إِلَيْهِمْ بِمَحْمَدِهِ﴾ (بینی إسرائیل ۲۲)، سورج، چاند اور ستاروں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین ان کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، تم ان کو سجدہ کرتے ہو، یہ تو اللہ کو سجدہ کرنے والے اور اس کے ماتحت ہیں اس لیے تم انہیں سجدہ مت کرو، اس ذات کو سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔ (ثُمَّ السُّجْدَةُ - ۷۷) صحیح حدیث میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، جانتے ہو، سورج کماں جاتا ہے؟ میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ بستر جانتے ہیں۔ فرمایا سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے جا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر اسے (طلوع ہونے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اسے کما جائے گا، واپس لوٹ جائیں جماں سے آیا وہیں چلا جا۔ صحیح بخاری، بداء الخلق، باب صفة الشمس والقمر بحسنان مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الزمن الذي لا يقبل فيه الإيمان، اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے خواب میں اپنے ساتھ درخت کو سجدہ کرتے دیکھا۔ (ترمذی، أبواب السفر، باب ماجاء ما يقول في سجود القرآن تحفة الأحوذی، جلد ا، صفحہ ۳۰۰، ابن ماجہ نمبر ۵۰۵) اور پہاڑوں اور درختوں کے سجدے میں ان کے سایلوں کا دادیں باسیں پھرنا یا جھکنا بھی شامل ہے، جس کی طرف اشارہ سورۃ الرعد ۱۵، اور النحل ۲۸، ۲۹ میں بھی کیا گیا ہے۔

اور بہت سے انسان بھی۔^(۱) ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے،^(۲) جسے رب ذلیل کر دے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں،^(۳) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔^(۴)

یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے^(۵) والے ہیں، پس کافروں کے لیے تو آگ کے کپڑے پیونت کر کاٹے جائیں گے، اور ان کے رسول کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی بھایا جائے گا۔^(۶)

جس سے ان کے پیش کی سب چیزیں اور کھالیں گلادی جائیں گی۔^(۷)

اور ان کی سزا کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔^(۸) یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو!^(۹)

اَللَّهُ فِيمَا لَهُ فَلَمْ يُكْرِمْ مِنْ اَنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ

هَذَانِ خَصْمِنَ اخْتَصَصُوا فِي رَيْهُمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا
فُطِعَتْ لَهُمْ شِيَاطِنٌ مِنْ تَلَادِيْصَبُّ مِنْ فُوقِ رُؤْسِهِمْ
الْعَمِيمُ

يُصَهِّرُهُ مَاقِ بُطُونِهِمْ وَالْجَنُودُ

وَلَهُمْ مَقَامُهُمْ مِنْ حَدِيدٍ
كُلُّمَا آرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَيْرِ اِعِدْدٍ وَا
فِيهَا وَذُو قَوْاعِدَابَ الْحَرِيقُ

(۱) یہ سجدہ اطاعت و عبادت ہی ہے جس کو انسانوں کی ایک بڑی تعداد کرتی ہے اور اللہ کی رضاکی مستحق قرار پاتی ہے۔

(۲) یہ وہ ہیں جو سجدہ اطاعت سے انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں، ورنہ تکوینی احکام یعنی سجدہ انقیاد میں تو نہیں بھی مجال انکار نہیں۔

(۳) کفر اختیار کرنے کا نتیجہ ذلت و رسائی اور آخرت کا دامگی عذاب ہے، جس سے بچا کر کافروں کو عزت دینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(۴) هَذَانِ خَصْمِنَ یہ دونوں تنہیے کے صیغے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد نہ کورہ گمراہ فرقے اور اس کے مقابلے میں دوسرا فرقہ مسلمان کو لیا ہے۔ یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں، مسلمان تو اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت علی البعث کے قائل ہیں، جب کہ دوسرا اللہ کے بارے میں مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ اس ضمن میں جنگ بد ر میں لڑنے والے مسلمان اور کافر بھی آجاتے ہیں، جس کے آغاز میں مسلمانوں میں ایک طرف حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدۃ رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں کافروں میں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الحج، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہی مفہوم صحیح اور آیت کے مطابق ہیں۔

(۵) اس میں جہنمیوں کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے جو انسیں وہاں بھلتنا ہو گا۔

ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں لہریں لے رہی ہیں، جہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اورچے موتی بھی۔ وہاں ان کا لباس خالص ریشم ہو گا۔^(۲۳)

ان کو پاکیزہ بات کی رہنمائی کرو دی گئی^(۲۴) اور قابل صد تعریف راہ کی پڑائیت کر دی گئی۔^(۲۵)

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے اور اس حرمت والی مسجد سے^(۲۶) بھی جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے مساوی کر دیا ہے وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے ہوں،^(۲۷) جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ فِيهَا الْأَنْهَارُ يُحَكَوْنَ فِيهَا أَمْنٌ أَسَآءَ وَرَمَنْ ذَهَبٌ وَلُؤْلُؤٌ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرَيْرٌ^(۲۸)

وَهُدُوْلًا لِلظِّيْقَبِ مِنَ الْقَوْلِ^(۲۹) وَهُدُوْلًا لِصَرَاطِ الْمُحَمَّدِ^(۳۰)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءَ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُبَرِّدُ فِيهِ بِالْحَادِيْلِ يُثْدِقُهُ مِنْ عَذَابٍ

(۱) جنیوں کے مقابلے میں یہ اہل جنت کا اور ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کو مسیاکی جائیں گی۔

(۲) یعنی جنت ایسی جگہ ہے جہاں پاکیزہ باتیں ہی ہوں گی، وہاں بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں ہو گی۔

(۳) یعنی ایسی جگہ کی طرف جہاں ہر طرف اللہ کی حد اور اس کی تسبیح کی صدائے دل نواز گونج رہی ہو گی۔ اگر اس کا تعلق دنیا سے ہو تو مطلب قرآن اور اسلام کی طرف رہنمائی ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آتی ہے۔

(۴) روکنے والوں سے مراد کفار مکہ ہیں جنہوں نے ۱/۶۷ ہجری میں مسلمانوں کو مکہ جا کر عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اور مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا تھا۔

(۵) اس میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام سے مراد خاص مسجد (خانہ کعبہ) ہی ہے یا پورا حرم مکہ۔ کیونکہ قرآن میں بعض جگہ پورے حرم کی کے لیے بھی مسجد حرام کا لفظ بولا گیا ہے، یعنی جزویں کرکل مراد لیا گیا ہے۔ جہاں تک خاص مسجد حرام کا تعلق ہے، اس کی بابت تو یہ بات متفقہ ہے کہ اس میں مقیم و غیر مقیم، ملکی اور آفاقی سب کا حصہ مساوی ہے یعنی بلا تخصیص و تفریق ہر شخص رات اور دن کے کسی بھی حصے میں عبادت کر سکتا ہے۔ کسی کے لیے بھی کسی مسلمان کو عبادت سے روکنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ جن علاوہ مسجد حرام سے مراد پورا حرم لیا ہے، ان کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ پورا حرم کی سب مسلمانوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مکانوں اور زمینوں کا کوئی مالک نہیں۔ اسی لیے ان کی خرید و فروخت اور ان کو کرانے پر دینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ جو شخص بھی کسی جگہ سے حج یا عمرے کے لیے مکہ جائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے ٹھہر جائے، وہاں رہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹھہرنے سے کسی کو نہ روکیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مکانات اور زمینیں ملک خاص ہو سکتی ہیں اور ان

(۲۵) ^(۱) کے ہم اسے دروناک عذاب چکھائیں گے۔

اور جگہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کعبہ کے مکان کی
جلگہ مقرر کر دی^(۳) اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو
شریک^(۴) نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف قیام رکوع سجدہ
کرنے والوں کے لیے یاک صاف رکھنا۔^(۵) (۲۶)

اللهم إِنَّا نُسَبِّحُكَ وَإِنَّا نُتَّسِّبُكَ
وَإِذْ بَوَأْنَا لِإِلَهٍ بِمَكَانِ الْبَيْتِ أَنَّ لَا تُشَرِّكُ بِي شَيْئًا
وَطَهِّرْ بَيْتَنَا لِلظَّاهِرِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالْوَكِيمَ السُّجُودُ

میں ماکانہ تصرفات یعنی بیچنا کرائے پر دینا جائز ہے۔ البتہ وہ مقالات جن کا تعلق مناسک حج سے ہے، 'مثلاً منی'، مزدلفہ اور عرفات کے میدان یہ وقف عام ہیں۔ ان میں کسی کی ملکیت جائز نہیں۔ یہ مسئلہ قدیم فقہا کے درمیان خاصاً مختلف فیہ رہا ہے۔ تاہم آج کل تقریباً تمام کے تمام علماء ملکیت خاص کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ سرے سے اخلاقی ہی نہیں رہا۔ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے بھی امام ابوحنیفہ اور فقہا کا مسلک مختار اسی کو قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "معارف القرآن" جلد ۶، صفحہ ۲۵۳)

(۱) إِنْحَادُ کے لفظی معنی تو کچھ روای کے ہیں۔ یہاں یہ عام ہے، کفر و شرک سے لے کر ہر قسم کے گناہ کے لیے۔ حتیٰ کہ بعض علماء الفاظ قرآنی کے پیش نظر اس بات تک کے قائل ہیں کہ حرم میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کر لے گا، (چاہے اس پر عمل نہ کر سکے) تو وہ بھی اس وعدہ میں شامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محض ارادے پر موافذہ نہیں ہو گا، جیسا کہ دیگر نصوص سے واضح ہے۔ تاہم ارادہ اگر عزم مضموم کی حد تک ہو تو پھر قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جو نہ کورہ گناہوں کے مرٹک ہوں گے۔

(۳) یعنی بیت اللہ کی جگہ بتلادی اور وہاں ہم نے ذریت ابراہیم علیہ السلام کو جا ٹھیرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کی دیرانی کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”سب سے پہلی مسجد جوزین میں بنائی گئی، مسجد حرام ہے، اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔“ (مسند احمد ۱۵۰، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، و مسلم

(۲) یہ خانہ کعبہ کی تعمیر کی غرض بیان کی کہ اس میں صرف میری عبادت کی جائے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مشرکین نے اس میں جو بت سجارت کھے ہیں، جن کی وہ یہاں آکر عبادت کرتے ہیں۔ یہ ظلم صریح ہے کہ جہاں صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیے تھی، وہاں بتوں کی عبادت کی جاتی ہے۔

(۵) کفر، بت پرستی اور دیگر گندگیوں اور نجاستوں سے۔ یہاں ذکر صرف نماز پڑھنے والوں اور طواف کرنے والوں کا کیا ہے، کیونکہ یہ دونوں عبادات خانہ کعبہ کے ساتھ خاص ہیں۔ نماز میں رخ اسی کی طرف ہوتا ہے اور طواف صرف اسی کے گرد کیا جاتا ہے۔ لیکن اہل بدعت نے اب بت سی قبروں کا طواف بھی ایجاد کر لیا ہے اور بعض نمازوں کے لیے ”قبلہ“ بھی کوئی اور۔ **أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُمَا**

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دے لوگ تیرے پاس پا
پیداہ بھی آئیں گے اور دبے پتے اونٹوں پر بھی^(١) دور
دراز کی تمام راہوں سے آئیں^(٢) گے۔ (٢٧)

تاکہ اپنے لیے فائدے حاصل کریں^(٣) اور ان مقررہ
دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپائیوں پر جو پاتو ہیں۔
پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ (٢٨)
پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں^(٤) اور اپنی نذریں پوری
کریں^(٥) اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔ (٢٩)

وَأَذْنُ فِي النَّاسِ بِالْحَجَّ يَا تُولَّهُ بِجَلَالًا وَعَلَى كُلِّ صَاحِبِ
يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ قَبْرٍ عَيْنِي^(٦)

لَيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَدْرُكُونَ الْأَسْمَاءَ اللَّهُ فِي أَيَّامِ
مَعْلُومَتِهِ عَلَى مَارَزَ قَهْمٌ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ
فَكُلُّوْا مِنْهَا وَأَطْعُمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ^(٧)
ثُمَّ لِيَقْضُوا نَفْسَهُمْ وَلِيَوْفَوْا نَذْرَهُمْ
وَلِيَقْطُوْفُوا بِالْبَيْتِ الْعَيْنِي^(٨)

(١) جو چارے کی قلت اور سفر کی دوری اور تھکاوٹ سے لا غر اور کمزور ہو جائیں گے۔

(٢) یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مکہ کے پہاڑ کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ نحیف سی صدا، دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی، جس کا مشاہدہ حج اور عمرے میں ہر حاجی اور معتمر کرتا ہے۔

(٣) یہ فائدے دینی بھی ہیں کہ نماز، طواف اور مناسک حج و عمرہ کے ذریعے سے اللہ کی مغفرت و رضا حاصل کی جائے۔ اور دنیوی بھی کہ تجارت اور کاروبار سے مال و اسباب دنیا بھی میسر آجائے۔

(٤) بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ (پاتو چوپائیوں) سے مراد اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ بنے) ہیں، ان پر اللہ کا نام لینے کا مطلب ان کو ذبح کرنا ہے جو اللہ کا نام لے کر ہی کیا جاتا ہے اور ایام معلومات سے مراد، ذبح کے ایام "ایام تشریق" ہیں، جو یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) اور تین دن اس کے بعد ہیں۔ یعنی ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر ایام معلومات سے عشرہ ذوالحجہ اور ایام محدودات سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں۔ تاہم یہاں "معلومات" جس سیاق میں آیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایام تشریق مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

(٥) یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو جرمہ کبری (یا عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد حاجی کو تحلل اول (یا اصغر) حاصل ہو جاتا ہے، جس کے بعد وہ احرام کھول دیتا ہے اور یہوی سے مباشرت کے سوا، دیگر وہ تمام کام اس کے لیے جائز ہو جاتے ہیں، جو حالات احرام میں منوع ہوتے ہیں۔ میل کچیل دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ پھر وہ بالوں، ناخنوں وغیرہ کو صاف کر لے، تیل، خوشبو استعمال کر لے اور سلے ہوئے کپڑے پن لے وغیرہ۔

(٦) اگر کوئی مانی ہوئی ہو، جیسے لوگ مان لیتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے مقدس گھر کی زیارت نصیب فرمائی، تو ہم فلاں سیکی کا کام کریں گے۔

(٧) عَيْنِي کے معنی قدیم کے ہیں، مراد خانہ کعبہ ہے کہ حلق یا تقسیر کے بعد طواف افاضہ کر لے، جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں، اور یہ حج کا رکن ہے جو وقف عرفہ اور جرمہ عقبہ (یا کبری) کو کنکریاں مارنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ جب کہ

یہ ہے اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں^(۱) کی تعظیم کرے اس کے اپنے لیے اس کے رب کے پاس بہتری ہے۔ اور تمہارے لیے چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے جگہ ان کے جو تمہارے سامنے^(۲) بیان کیے گئے ہیں پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے^(۳) اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔^(۴) (۳۰)

اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے^(۵) اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔ سنو! اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اچک

ذِلِكَ وَمَنْ يَعْظُمُ حُرْمَتَ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرُهُ إِنَّ رَبَّهُ
وَأَحْكَمَ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَمَا يُشَرِّكُ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا
الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ^(۶)

حُنَفَاءَ يَلِوْ غَيْرَ مُشْرِكِينَ يَهُ وَمَنْ يُشَرِّكُ يَا اللَّهُ فَكَانَ مَا
خَرَّمَ السَّمَاءَ فَتَخَطَّفُهُ الظَّلِيرُ أَوْ تَهُوْيُ يَهُ الرِّيْحُ فِي

طواف قدوم بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع سنت مؤکدہ (یا واجب) ہے۔ جو اکثر اہل علم کے نزدیک عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے حافظہ عورت سے بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے (ایسرا الفاسیر)

(۱) ان حرمتوں سے مراد وہ مناسک حج ہیں جن کی تفصیل ابھی گزری۔ ان کی تعظیم کا مطلب، ان کی اس طرح ادائیگی ہے جس طرح بتایا گیا ہے۔ یعنی ان کی خلاف ورزی کر کے ان حرمتوں کو پامال نہ کرے۔

(۲) ”جو بیان کیے گئے ہیں“ کا مطلب ہے جن کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ہے، جیسے آیت ﴿ حِمَّةٌ عَلَيْكُمُ الْمِيَتَةُ وَاللَّهُمَّ ۝﴾ الآلیۃ میں تفصیل ہے۔

(۳) رِجْسٌ کے معنی گندگی اور پلیدی کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد لکڑی، لوہے یا کسی اور چیز کے بننے ہوئے بہت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ نجاست ہے اور اللہ کے غضب اور عدم رضا کا باعث، اس سے بچو!

(۴) جھوٹی بات میں، جھوٹی بات کے علاوہ جھوٹی قسم بھی ہے، (جس کو حدیث میں شرک اور حقوق والدین کے بعد تیرے نہ پر کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے) اور سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اللہ جن چیزوں سے پاک ہے، وہ اس کی طرف منسوب کی جائیں، مثلاً اللہ کی اولاد ہے، فلاں بزرگ اللہ کے اختیارات میں شرک ہے، یا فلاں کام پر اللہ کس طرح قادر ہو گا! جیسے کفار بعثت بعد الموت پر تعجب کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر لینا، جیسے مشرکین بھیرہ سائیہ، وصلہ اور حرام جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، یہ سب جھوٹ ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔

(۵) حُنَفَاءُ، حَيْنِقُ کی جمع ہے۔ جس کے مصدری معنی ہیں مائل ہونا، ایک طرف ہونا، یک رخا ہونا۔ یعنی شرک سے توحید کی طرف اور کفر و باطل سے اسلام اور دین حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ یا ایک طرفہ ہو کر خالص اللہ کی عبادت کرتے ہوئے۔

مکالم سجیق ۲)

لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے
گی۔^(۳۱)

یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و
حرمت کرے اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ
ہے۔^(۳۲)

ان میں تمارے لیے ایک مقرر وقت تک کافائدہ ہے^(۳۳)
پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے۔^(۳۴)

ذلِکَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَاعِرَ اللَّهِ فَأُنَهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۚ

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعٌ إِلَى آجِيلٍ مُسْئَى ثُمَّ مَحْلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ
الْعَتِيقِ ۚ

(۱) یعنی جس طرح بڑے پرندے، چھوٹے جانوروں کو نہایت تیزی سے چھپنا مار کر انہیں نوج کھاتے ہیں یا ہوا میں کسی کو دور دراز جگہوں پر پھینک دیں اور کسی کواس کا سراغ نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں تباہی اس کا مقدمہ ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ سلامت فطرت اور طمارت نفس کے اعتبار سے طبر و صفائی بلندی پر فائز ہوتا ہے اور جوں ہی وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا اپنے کو بلندی سے پستی میں اور صفائی سے گندگی اور کچھ میں پھینک لیتا ہے۔

(۲) شَعَاعِرُ، شَعِيزَةُ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں، جیسے جنگ میں ایک شعار (مخصوص لفظ بطور علامت) اختیار کر لیا جاتا ہے، جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اس اعتبار سے شعاعِ اللہ وہ ہیں، جو اعلام دین یعنی اسلام کے نمایاں امتیازی احکام ہیں، جن سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخیص قائم ہوتا ہے اور دوسرے اہل مذاہب سے الگ پہچان لیا جاتا ہے۔ صفا، مرودہ پہاڑیوں کو بھی اسی لیے شعاعِ اللہ کہا گیا ہے کہ مسلمان حج و عمرے میں ان کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ یہاں حج کے دیگر مناسک، خصوصاً قربانی کے جانوروں کو شعاعِ اللہ کہا گیا ہے۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کا احسان اور استمان ہے یعنی عمدہ اور موٹا تازہ جانور قربان کرنا۔ اس تعظیم کو دل کا تقویٰ قرار دیا گیا ہے یعنی یہ دل کے ان افعال سے ہیں جن کی بنیاد تقویٰ ہے۔

(۳) وہ فائدہ، سواری، دودھ، مزید نسل اور اون وغیرہ کا حصول ہے۔ وقت مقرر سے مراد ذبح (ذبح کرنا) ہے یعنی ذبح ہونے تک تمہیں ان سے مذکورہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور سے، جب تک وہ ذبح نہ ہو جائے، فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک قربانی کا جانور اپنے ساتھ ہائکے لے جا رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، اس پر سوار ہو جا، اس نے کہا یہ حج کی قربانی ہے، آپ ملٹیپلیکیٹ نے فرمایا، اس پر سوار ہو جا۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب رکوب البدن

(۴) حلال ہونے سے مراد جماں ان کا ذبح کرنا حلال ہوتا ہے۔ یعنی یہ جانور، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد، بیت اللہ اور حرم کی میں پہنچتے ہیں اور وہاں اللہ کے نام پر ذبح کر دیئے جاتے ہیں، پس مذکورہ فوائد کا مسئلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسے ہی حرم کے لیے بدی ہوتے ہیں، تو حرم میں پہنچتے ہی ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور فقراء مکہ میں ان کا گوشت تقسیم

اور ہرامت کے لیے ہم نے قریانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔^(۱) سمجھ لو کہ تم سب کا معبد برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے!^(۲)

انہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل تھرا جاتے ہیں، انہیں جو برائی پسچے اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے بھی دیتے رہتے ہیں۔^(۳)

قریانی کے اونٹ^(۴) ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا کے ان پر اللہ کا نام لو،^(۵) پھر جب ان کے پہلو

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ لِيَدِكُرُوا السُّمَاءَ اللَّهُ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بِهِمْ إِلَّا نَعَمَّدُ فَإِنَّمُّا كُلُّهُ إِلَهٌ وَوَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلَمُوا وَبَطَّلُوا الْمُخْدِتُرُونَ

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالظَّهِيرَاتِ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقْيَمِي الصَّلَاةُ وَمِنَارَ زَقْنُمْ يُنْفَقُونَ

وَالْمُبُدُّونَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَلِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَيْرَةٌ فَإِذَا ذُكِرُوا السُّمَاءُ اللَّهُ عَلَيْهَا صَوَافٌ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا

کر دیا جاتا ہے۔

(۱) مُشَكُ، نَسَكَ يَنْشُكُ کا مصدر ہے، معنی ہیں اللہ کے تقرب کے لیے قریانی کرنا ذینخۃ، (ذنخ شدہ جانور) کو بھی تسبیکہ کا جاتا ہے، جس کی جمع نُشُكٌ ہے۔ اس کے معنی اطاعت و عبادت کے بھی ہیں۔ کیونکہ رضاۓ اللہ کے لیے جانور کی قریانی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسی لیے غیر اللہ کے نام پر یا ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذنخ کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے۔ یا مُشَكٌ (سین کی فتح یا کسرے کے ساتھ) اس طرف ہے۔ مَوْضِعُ تَنْحِيٍ (ذنخ کرنے کی جگہ) یا مَوْضِعُ عِبَادَةٍ۔ اسی سے مناسک حج ہے یعنی وہ جگہیں، جہاں حج کے اعمال و اركان ادا کیے جاتے ہیں، جیسے عرفات، مزدلفہ، منی اور کعبہ۔ مطلق اركان و اعمال حج کو بھی مناسک کہہ لیا جاتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم پسلے بھی ہر مذہب والوں کے لیے ذنخ کا یا عبادت کا طریقہ مقرر کرتے آئے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اللہ کا تقرب حاصل کرتے رہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ ہمارا نام لیں، یعنی بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذنخ کریں یا ہمیں یاد رکھیں۔

(۲) بُذْنٌ، بَذَنَةٌ کی جمع ہے یہ جانور عام طور پر موٹا تازہ ہوتا ہے۔ اس لیے بَذَنَةٌ کا جاتا ہے۔ فربہ جانور۔ اہل لغت نے اسے صرف اوتھوں کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن حدیث کی رو سے گائے پر بھی بَذَنَةٌ کا اطلاق صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور گائے، جو قریانی کے لیے لے جائیں، یہ بھی شعائر اللہ، یعنی اللہ کے ان احکام میں سے ہیں جو مسلمانوں کے لیے خاص اور ان کی علامت ہیں۔

(۳) صَوَافٌ مَضْفُوفَةً (صف بستہ یعنی کھڑے ہوئے) معنی میں ہے۔ اونٹ کو اسی طرح کھڑے کھڑے نحر کیا جاتا ہے کہ بیالا ہاتھ پاؤں اس کا بندھا ہوا اور تین پاؤں پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔

زمین سے لگ جائیں^(۱) اسے (خود بھی) کھاؤ^(۲) اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھاؤ،^(۳) اسی طرح ہم نے چوپا یوں کو تمہارے

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعُمُوا الْقَاتِلَةَ وَالْمُعْتَذِرَةَ كَذَلِكَ سَعْيُنَاهَا
لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ^(۴)

(۱) یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائے۔ تب اسے کاثنا شروع کرو۔ کیونکہ جی دار جانور کا گوشت کاث کر کھانا منوع ہے۔ مَا قُطْعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ، فَهُوَ مَيْتَةٌ^(ابوداود، کتاب الصید، باب فی صید قطع منه قطعة)۔ ترمذی، ابوبالصید، باب ماجاء ماقطع من الحی فهمیت وابن ماجہ، "جس جانور سے اس حال میں گوشت کاثا جائے کہ وہ زندہ ہو تو وہ (کاثا ہوا گوشت) مردہ ہے"۔

(۲) بعض علماء کے نزدیک یہ امر و جو布 کے لیے ہے یعنی قربانی کا گوشت کھانا، قربانی کرنے والے کے لیے واجب یعنی ضروری ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ امر استحباب یا جواز کے لیے ہے یعنی اس امر کا مقصد صرف جواز کا اثبات یا استحباب ہے یعنی اگر کھایا جائے تو جائز یا مستحب (پسندیدہ) ہے اور اگر کوئی نہ کھائے بلکہ سب کا سب تقسیم کر دے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۳) فائیع کے ایک معنی سائل کے اور دوسرے معنی قاععت کرنے والے کے کیے گئے ہیں یعنی وہ سوال نہ کرے اور مغترر کے معنی بعض نے بغیر سوال کے سامنے آنے والے کے کیے ہیں۔ اور بعض نے قانع کے معنی سائل اور مغترر کے معنی زائر یعنی ملاقطی کے کیے ہیں۔ بہر حال اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہما جاتا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کے جائیں۔ ایک اپنے لیے، دوسرا ملاقطیوں اور رشتے داروں کے لیے اور تیسرا سائلین اور معاشرے کے ضرورت مندا فراود کے لیے۔ جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے تمہیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمہیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو، ذخیرہ کرو"۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں "پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو" ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں "پس کھاؤ، کھلواؤ اور صدقہ کرو" (البخاری کتاب الأضاحی، مسلم، کتاب الأضاحی، باب بیان ماکان من النهي عن أكل لحوم الأضاحی بعد ثلاث... والسنن) بعض علماء و حنفی کرنے کے قائل ہیں۔ نصف اپنے لیے اور نصف صدقہ کے لیے، وہ اس سے ماتقبل گزرنے والی آیت **فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعُمُوا الْبَالِيَّنَ الْفَقِيرَ** سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت کسی بھی آیت یا حدیث سے اس طرح کے دو یا تین حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں نکتا بلکہ ان میں مطلقاً کھانے کھلانے کا حکم ہے۔ اس لیے اس اطلاق کو اپنی جگہ برقرار رہنا چاہیے اور کسی تقسیم کا پابند نہیں بنانا چاہیے۔ البتہ قربانی کی کھالوں کی بابت الفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے استعمال میں لاو یا صدقہ کر دو، اسے بینچنے کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، (منڈ احمد، ۱۵/۳) تاہم بعض علماء نے کھال خود پنج کراس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت دی ہے، (ابن کثیر) ایک ضروری وضاحت:- قرآن کریم میں یہاں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں آیا ہے، جس سے منکرین حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ قربانی صرف حاجیوں کے

ما تحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو۔ (۳۶)

اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پر ہیز گاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی رہنمائی کے شکریے میں اس کی بڑائیاں بیان کرو اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنادیجئے! (۳۷)

سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دیتا ہے۔^(۱) کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔ (۳۸)

جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔^(۲)

لَنْ يَنْأَى اللَّهُ لِعُوْمَهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلِكُنْ يَنْأَى اللَّهُ
الْتَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَرَهَا لِكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ
مَا هَدَكُمْ وَبَشِّرُ الْمُحْسِنِينَ^(۳)

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ إِمْنَوْا وَلَنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
خَوْاَنَ كَفُورٌ^(۴)

أُوذَنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ يَا أَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَلَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ
لَقَدِيرٌ^(۵)

لیے ہی ہے۔ دیگر مسلمانوں کے لیے یہ ضروری نہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ قربانی کرنے کا مطلق حکم بھی دوسرے مقام پر موجود ہے، «فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَلَا تُخْرِجْ» (الکوثر۔ ۲) «اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر» اس کی تبیین و تشرع (عملی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ آپ ﷺ خود میں میں ہر سال ۱۰ ازوالحجہ کو قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی قربانی کرنے کی تائید کرتے رہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کمی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قربانی کی بابت جہاں دیگر بہت سی ہدایات دیں، وہاں یہ بھی فرمایا کہ ۱۰ ازوالحجہ کو ہم سب سے پہلے (عید کی) نماز پڑھیں اور اس کے بعد جا کر جانور ذبح کریں، فرمایا، «جس نے نماز (عید) سے قبل اپنی قربانی کر لی، اس نے گوشت کھانے میں جلدی کی، اس کی قربانی نہیں ہوئی» (صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب التكبیر إلى العيد، و مسلم، کتاب الأصحابي، باب ما جاءَ أَنَّ الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ تَجْزِي عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ، وابن ماجہ)

(۱) جس طرح ۲۶ ہجری میں کافروں نے اپنے غلبے کی وجہ سے مسلمانوں کو مکہ جا کر عمرہ نہیں کرنے دیا، اللہ تعالیٰ نے دو سال کے بعد ہی کافروں کے اس غلبے کو ختم فرمایا کہ مسلمانوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹا دیا اور مسلمانوں کو ان پر غالب کر دیا۔ (۲) اکثر سلف کا قول ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے جہاد کا حکم دیا گیا ہے، جس کے دو مقصد یہاں بیان کیے گئے ہیں۔ مظلومیت کا خاتمه اور اعلاءٰ کلیۃ اللہ۔ اس لیے کہ مظلومین کی مدد اور ان کی دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زور

بیشک ان کی مدیر اللہ قادر ہے۔ (۳۹)

یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکلا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھاوی جاتیں جماں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ پیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتیں والا بڑے غلبے والا ہے۔ (۳۰)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور بے کاموں سے منع کریں۔^(۱) تمام کاموں کا انجام اللہ کے

لِلَّذِينَ أُخْرَجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا كَمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا نَعْلَمُ
 وَآتَوْنَاهُمْ أَثْرَاثَ الْكَاسَرِ بَعْضَهُمْ فَرِيقٌ لَهُمَا مَتَّ
 صَوَاعِدُهُ وَبَيْمَ وَصَلَوَتُ وَمَسْجِدُ يُذَكَّرُ فِيهَا أَسْمُ اللَّهِ وَكَثِيرًا
 وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُمَّ مَن يَصْنَعُ إِنَّ اللَّهَ لَكَوْنَى عَزِيزٌ ④

الَّذِينَ إِنْ مَكَثُوكُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاتَّوْا الزَّكُوْةَ
وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةٌ

اور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلہ لوگوں کو جینے ہی نہ دیں جس سے زمین فاد سے بھر جائے۔ اسی طرح اعلاءے کلمت اللہ کے لیے کوشش نہ کی جائے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبے سے بھی دنیا کا امن و سکون اور اللہ کا نام لینے والوں کے لیے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے (مزید تشریح کے لیے دیکھئے سورہ بقرہ، آیت ۲۵۱ کا حاشیہ)۔ صوامع صونمیعہ کی جمع اسے چھوٹے گرجے اور بیچع (بینعہ کی جمع) سے بڑے گرجے، صلوٰات سے یہودیوں کے عبادت خانے اور مساجد سے مسلمانوں کی عبادت گاہیں مراویں۔

(۱) اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں، جنہیں خلافت راشدہ اور قرن اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انسوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہrst رکھا۔ تو ان کی دولت ان حکومتوں میں امن و سکون بھی رہا، رفاهیت و خوش حالی بھی رہی اور مسلمان سرپلند اور سرفراز بھی رہے۔ آج بھی سعودی عرب کی حکومت میں بھل اللہ ان چیزوں کا اہتمام ہے، تو اس کی برکت سے وہ اب بھی امن و خوش حالی کے اعتبار سے دنیا کی بہترین اور مثالی مملکت ہے، آج کل اسلامی ملکوں میں فلاجی مملکت کے قیام کا بڑا غلغله اور شور ہے اور ہر آنے جانے والا حکمران اس کے دعوے کرتا ہے۔ لیکن ہر اسلامی ملک میں بد امنی، فساد، قتل و غارت اور ادب و پستی اور زبدوں حالی روز افزدوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے کے بجائے مغرب کے جسموری اور لاوینی نظام کے ذریعے سے فلاج و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو آسمان میں تعطیل لگانے اور ہوا کو مٹھی

اختیار میں ہے۔^(۱) (۳۱)

اگر یہ لوگ آپ کو جھٹائیں (تو کوئی تعجب کی بات نہیں)
تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود۔ (۳۲)
اور قوم ابراہیم اور قوم لوط۔ (۳۳)

اور میں والے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹا چکے ہیں۔
موسیٰ (علیہ السلام) بھی جھٹائے جا چکے ہیں پس میں نے
کافروں کو یوں ہی سی مہلت دی پھر دردباریا،^(۴) پھر میرا
عذاب کیسا ہوا؟^(۵) (۳۴)

بہت سی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے دے والے کر دیا اس لیے
کہ وہ ظالم تھے پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی
پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنوں میں بیکار پڑے ہیں اور
بہت سے کپے اور بلند محل ویران پڑے ہیں۔ (۳۵)

کیا انہوں نے زمین میں سیرو سیاحت نہیں کی جو ان کے
دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان

وَإِنْ يَكُنْ بُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ بَعْدَ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نُوحٌ وَعَادٌ وَثَمُودٌ

وَقَوْمٌ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمٌ لُوطٌ

وَأَصْحَبُ مَدِينَ وَلِذِبَ مُوسَى فَأَمْلَيْتُ لِلْكَفَرِيْنَ نَعْ

أَخْذَتُهُمْ فَلَيْفَ كَانَ يَكْبُرُ

فَكَيْنَنْ قَنْ قَرْنَيْةً أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَلُوَيْتَهُ عَلَى عَرْوَشِهَا

وَبَلْ مُعَظَّلَةٌ وَقَصْرٌ مَشِيدٌ

أَفَلَمْ يَسِيرُ وَفِي الْأَرْضِ فَكَلُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقُلُونَ بِهَا أَوْ

إِذَا نَيَّمُوْنَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَلُ الْأَبْصَارُ وَلِكُنْ

میں لینے کے متراوف ہے۔ جب تک مسلمان ملکتیں قرآن کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلوٰۃ و زکوٰۃ
اور امر بالمعروف اور نهى عن المکر کا اہتمام نہیں کریں گی اور اپنی ترجیحات میں ان کو سرفراست نہیں رکھیں گی، وہ فلاحتی
ملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

(۱) یعنی ہربات کا مرتع اللہ کا حکم اور اس کی تدبیر ہی ہے اس کے حکم کے بغیر کائنات میں کوئی پتہ بھی نہیں ہلتا۔ چہ جائیکہ
کوئی اللہ کے احکام اور ضابطوں سے انحراف کر کے حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

(۲) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ اگر آپ کی تجدیدیب کر رہے ہیں تو یہ نئی بات
نہیں ہے۔ پچھلی قویں بھی اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کچھ کرتی رہی ہیں اور میں بھی انہیں مہلت دیتا رہا۔ پھر جب ان کا
وقت مہلت ختم ہو گیا تو انہیں تباہ و بریاد کر دیا گیا۔ اس میں تعریض و کناہ ہے مشرکین مکہ کے لیے کہ تجدیدیب کے باوجود
تم ابھی تک مٹا خذہ اللہ سے بچے ہوئے ہو تو یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمارا کوئی مٹا خذہ کرنے والا نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کی طرف سے
مہلت ہے، جو وہ ہر قوم کو دیا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اطاعت و انتیاد کا راستہ اختیار نہیں کرتی،
تو پھر اسے ہلاک یا مسلمانوں کے ذریعے سے مغلوب اور ذلت و رسوانی سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

(۳) یعنی کس طرح میں نے انہیں اپنی نعمتوں سے محروم کر کے عذاب و ہلاکت سے دوچار کر دیا۔

(واقعات) کو سن لیتے، بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔^(۳۶)

نَعْمَ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ^④

اور عذاب کو آپ سے جلدی طلب کر رہے اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں نالے گا۔ ہاں البتہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے۔^(۳۷)

بہت سی ظلم کرنے والی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی پھر آخر انہیں پکڑ لیا، اور میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے۔^(۳۸)
اعلان کر دو کہ لوگو! میں تمہیں کھلم کھلا چوکنا کرنے والا ہی ہوں۔^(۳۹)

وَيَسْتَعِمُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُغْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفَ سَنَةٌ مِّنَ الْعَدُوْنَ^⑤

وَكَانُوا مِنْ قَرِيْبَةِ أَمْلَىٰتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخْذَنَهُمْ فَلَمَّا كَانَ الْمُصِيرُ^⑥
فَلْ يَأْتِيَنَا النَّاسُ إِنَّا أَنَا الْكَوْنِيْدُ وَرَبُّ الْمُبِينِ^⑦

(۱) اور جب کوئی قوم ضلالت کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ عبرت پذیری کی صلاحیت بھی کھو بیٹھے تو ہدایت کے بجائے گزشتہ قوموں کی طرح تباہی ہی اس کا بھی مقدر بن کر رہتی ہے۔ آیت میں فعل تعقل کا انتساب دل کی طرف کیا گیا ہے، جس سے استدلال کیا گیا ہے کہ عقل کا محل، قلب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں محل عقل دماغ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی مناقات نہیں، اس لیے کہ فہم و ادراک کے حصول میں عقل اور دماغ دونوں کا آپس میں بڑا گمراہی و تعلق ہے۔ (فتح القدیر، ایسر الفتاویں)

(۲) اس لیے یہ لوگ تو پانچ حساب سے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک دن بھی ہزار سال کا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اگر کسی کو ایک دن (۲۳ گھنٹے) کی مملت دے تو ہزار سال، نصف یوم کی مملت تو پانچ سو سال، ۶ گھنٹے (جو ۲۳ گھنٹے کا چوتھائی ہے) مملت دے تو ڈھائی سو سال کا عرصہ عذاب کے لیے درکار ہے، وہلئم جر، اس طرح اللہ کی طرف سے کسی کو ایک گھنٹے کی مملت مل جانے کا مطلب کم و بیش چالیس سال کی مملت ہے، (ایسر الفتاویں) ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ہزار سال برابر ہیں، اس لیے تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ جلدی مانگتے ہیں، وہ دیر کرتا ہے، تاہم یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اور بعض نے اسے آخرت پر محمول کیا ہے کہ شدت ہولناکی کی وجہ سے قیامت کا ایک دن ہزار سال بلکہ بعض کوچھ اس ہزار سال کا لگے گا۔ اور بعض نے کہا کہ آخرت کا دن واقعی ہزار سال کا ہو گا۔

(۳) اسی لیے یہاں قانون مملت کو پھریاں کیا ہے کہ میری طرف سے عذاب میں کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے، تاہم میری گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، نہ کیس فرار ہو سکتا ہے۔ اسے لوٹ کر بالآخر میرے ہی پاس آتا ہے۔

(۴) یہ کفار و مشرکین کے مطالبہ عذاب پر کما جا رہا ہے کہ میرا کام تو انذار و تبیہر ہے۔ عذاب بھیجا، یہ اللہ کا کام ہے، وہ

پس جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں
ان ہی کے لیے بخشنش ہے اور عزت والی روزی۔ (۵۰)
اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو پست کرنے کے درپے
رہتے ہیں ^(۱) وہی دوزخی ہیں۔ (۵۱)

ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے
ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا
شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، پس شیطان کی
ملاؤث کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا
ہے۔ ^(۲) اللہ تعالیٰ وانا اور با حکمت ہے۔ (۵۲)

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَرَدْنَقٌ كُوْتُوْ ^(۳)
وَالَّذِينَ سَعَا فِي الْأَيْمَانَ مُعَجِّزِينَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ
الْجَنَاحِ ^(۴)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا ذَا أَنْتَ
أَنْتَ الشَّيْطَانُ فِي أَمْنِيَّتِهِ فَيَسْعُ إِلَيْهِ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ
لَمَّا يُحِكِّمُ اللَّهُ إِيمَانَهُ وَإِلَهُ عَلِيهِ حِكْمَةٌ ^(۵)

جلدی گرفت فرمائے یا اس میں تاخیر کرے، وہ اپنی حسب مشیت و مصلحت یہ کام کرتا ہے۔ جس کا علم بھی اللہ کے سوا
کسی کو نہیں۔ اس خطاب کے اصل مخاطب اگرچہ اہل مکہ ہیں لیکن چونکہ آپ پوری نوع انسانی کے لیے رہبر اور رسول
بن کر آئے تھے، اس لیے خطاب یا آئیہا النَّاسُ اکے الفاظ سے کیا گیا ہے، اس میں قیامت تک ہونے والے وہ کفار و
شرکیں آگئے جو اہل مکہ کا سارو یہ اختیار کریں گے۔

(۱) مُعْجِزِينَ کا مطلب ہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دیں گے، تھکا دیں گے اور ہم ان کی گرفت کرنے پر
 قادر نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے کہ وہ بعثت بعد الموت اور حساب کتاب کے منکر تھے۔

(۲) نَمَّنَیْ کے ایک معنی ہیں آرزو کی یاد میں خیال کیا۔ دوسرے معنی ہیں پڑھایا تلاوت کی۔ اسی اعتبار سے أَمْنِيَّةُ کا
ترجمہ آرزو، خیال یا تلاوت ہو گا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہو گا، اس کی آرزو میں شیطان نے رکاوٹیں ڈالیں تاکہ
وہ پوری نہ ہوں۔ اور رسول و نبی کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ لوگ ایمان لے آئیں، شیطان رکاوٹیں ڈال
کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ایمان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مفہوم ہو گا کہ جب بھی اللہ کا
رسول یا نبی وحی شدہ کلام پڑھتا اور اس کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس کی قراءت و تلاوت میں اپنی باتیں ملانے کی
کوشش کرتا ہے یا اس کی بait لوگوں کے دلوں میں شہبے ڈالتا اور میں سینخ نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کی رکاوٹوں کو دور
فرما کر یا تلاوت میں ملاوٹ کی کوشش کونا کام فرمایا کریا شیطان کے پیدا کردہ شکوک و شبمات کا ازالہ فرمایا کر اپنی بات کو یا اپنی
آیات کو محکم (پکا) فرمادتا ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شیطان کی یہ کارستیاں صرف
آپ مُلَّتَّبٰیمَ کے ساتھ ہی نہیں ہیں، آپ مُلَّتَّبٰیمَ سے پہلے جو رسول اور نبی آئے، سب کے ساتھ ہی یہی کچھ کرتا آیا ہے۔
تمہم آپ مُلَّتَّبٰیمَ گھبرا میں نہیں، شیطان کی ان شرارتوں اور سازشوں سے، جس طرح ہم پچھلے انبیا علیم السلام کو بچاتے
رہے ہیں، یقیناً آپ مُلَّتَّبٰیمَ بھی محفوظ رہیں گے اور شیطان کے علی الرغم اللہ تعالیٰ اپنی بات کو پکا کر کے رہے گا۔ یہاں

یہ اس لیے کہ شیطانی ملاوٹ کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنادے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔^(۱) پیشک طالم لوگ گمری مخالفت میں ہیں۔^(۵۳)

اور اس لیے بھی کہ جنہیں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ یقین کر لیں کہ یہ آپ کے رب ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے پھر وہ اس پر ایمان لا سکیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں۔^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو راه راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی^(۳) ہے۔^(۵۴)
کافر اس وحی الہی میں ہمیشہ شک شہ ہی کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اچانک ان کے سروں پر قیامت آجائے یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آجائے جو منحوس ہے۔^(۵۵)

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقَى الشَّيْطَانُ فُتَّةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
شَرَضٌ وَالْقَاسِيَةٌ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَكُفُّرٌ شَّرِيكَاتٍ
بَعِيدُونَ^(۱)

وَلَيَعْلَمَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ
فَمَوْمُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ
لِهَادِ الَّذِينَ أَمْتَأْلَى صِرَاطَ السَّيِّدِ^(۲)

وَلَا يَرَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مَرْيَقٍ مِنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيهِمْ
السَّاعَةُ بَعْتَدًا أَوْ يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيبَيِ^(۳)

بعض مفسرین نے غرائیق علیٰ کا تصدیق بیان کیا ہے جو محققین کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے۔ اس لیے اسے یہاں پیش کرنے کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھی گئی ہے۔

(۱) یعنی شیطان یہ حرکتیں اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں کو گراہ کرے اور اس کے جال میں وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا روگ ہوتا ہے یا گناہ کر کے ان کے دل سخت ہو چکے ہوتے ہیں۔

(۲) یعنی یہ القاء شیطانی، جو دراصل اغواۓ شیطانی ہے، اگر اہل نفاق و شک اور اہل کفر و شرک کے حق میں نفع کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف جو علم و معرفت کے حامل ہیں، ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ بات یعنی قرآن حق ہے، جس سے ان کے دل بارگاہ الہی میں جھک جاتے ہیں۔

(۳) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کی ان کی رہنمائی حق کی طرف کر دیتا ہے اور اس کے قبول اور اتباع کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔ باطل کی سمجھ بھی ان کو دے دیتا ہے اور اس سے انہیں بچا بھی لیتا ہے اور آخرت میں سیدھے راستے کی رہنمائی یہ ہے کہ انہیں جنم کے عذاب ایم و عظیم سے بچا کر جنت میں داخل فرمائے گا اور وہاں اپنی نعمتوں اور دیدار سے انہیں نوازے گا۔ اللہُمَّ! أَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

(۴) یوْمَ عَقِيبَيْم (بانجھ دن) سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ اسے عقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں ہو گا، جس طرح عقیم اس کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ یا اس لیے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی رحمت نہیں ہو گی، گویا ان کے لیے خیر سے غالی ہو گا۔ جس طرح بادند کو، جو بطور عذاب کے آتی رہی ہے الرِّيحَ الْعَقِيمَ کہا گیا ہے، ﴿إِذَا أَسْلَنَا عَلَيْهِ الرِّيحَ الْعَقِيمَ﴾ (الذاريات: ۲۱) ”جب ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی“ یعنی ایسی ہوا جس میں کوئی خیر تھی

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہو گی^(۱) وہی ان میں
فیصلے فرمائے گا۔ ایمان اور نیک عمل والے تو نعمتوں سے
بھری جنتوں میں ہوں گے۔ (۵۶)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آئیتوں کو جھٹلایا ان کے لیے ذمیل کرنے والے عذاب ہیں۔ (۷۵)

اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا پھر وہ شمید
کر دیئے گئے یا اپنی موت مر^(۲) گئے اللہ تعالیٰ انہیں
بہترین رزق عطا فرمائے گا۔^(۳) اور بیشک اللہ تعالیٰ روزی
دنیے والوں میں سب سے بہتر ہے۔^(۴)

انہیں اللہ تعالیٰ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں گے،^(۵) بیشک اللہ تعالیٰ علم اور برداری^(۶) والا

(۵۹)-۷

الْمَلِكُ يَوْمَ يَدِّلُهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِينَ
أَمْتَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَهَنَّمَ التَّعْبُum

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا إِلَيْنَا فَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
﴿٦﴾

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتْلُوا أَوْ مَاتُوا
لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُ خَيْرٌ
الرَّازِقِينَ ﴿٤٠﴾

لِيَدُ خَلَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضُونَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ

نہ پارش کی نوید۔

(۱) یعنی دنیا میں تو عارضی طور پر بطور انعام یا بطور امتحان لوگوں کو بھی بادشاہیں اور اختیار و اقتدار مل جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں کسی کے پاس بھی کوئی بادشاہت اور اختیار نہیں ہو گا۔ صرف ایک اللہ کی بادشاہی اور اس کی فرمائی روای ہو گی، اسی کا مکمل اختیار اور غلبہ ہو گا۔ ﴿الْمُلْكُ يَوْمَئِنَ الْحَقِّ لِلَّهِ رَحْمَنٌ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكُفَّارِ عَسِيرًا﴾ (الفرقان: ۲۶) ”بادشاہی اس دن ثابت ہے واسطے رحمٰن کے اور یہ دن کافروں پر سخت بھاری ہو گا۔“ ﴿يَوْمَ الْمُلْكُ يَوْمَ الْوَاجِدِ الْقَدَارِ﴾ (المؤمن: ۲۶) اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ ”آج کس کی بادشاہی ہے؟“ پھر خود ہی جواب دے گا ”ایک اللہ غالب کی۔“

(۲) یعنی اسی بھرت کی حالت میں موت آگئی پا شہید ہو گئے۔

(۳) یعنی جنت کی نعمتیں جو ختم ہوں گی نہ فنا۔

(۳) کیونکہ وہ بغیر حساب کے، بغیر اتحاق کے اور بغیر سوال کے دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان بھی جو ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسی کے دیئے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اس لیے اصل رازق وہی ہے۔

(۵) کیونکہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی، مالاً عین رأت، ولاً اذن سمعت، ولاً خطر علی قلب بشر ”جنمیں آج تک نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا۔ اور دیکھنا سننا تو کجا، کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا۔“
بھلا ایسی نعمتوں سے بہرہ باب ہو کر کون خوش نہیں ہو گا؟

(۶) ”علیئم“ وہ نیک عمل کرنے والوں کے درجات اور ان کے مراتب استحقاق کو جانتا ہے۔ کفر و شرک کرنے والوں کی

بات یہی ہے،^(١) اور جس نے بدلے لیا اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد فرمائے گا۔^(٢) بیشک اللہ در گزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔^(٣) (٢٠)

یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے^(٤) اور بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔^(٥) (٢١)

یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے^(٦) اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بیشک اللہ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے۔^(٧) (٢٢)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی

ذلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عَوْقَبَ بِهِ ثُرَبَنِي
عَلَيْهِ لَيَنْصُرَهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ غَفُورٌ^(٨)

ذلِكَ يَأَنَّ اللَّهَ يُؤْلِجُ الْأَيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ الْأَيْلَ
فِي الظَّهَارِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ^(٩)

ذلِكَ يَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ^(١٠)

أَكُمْ تَرَأَنَ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُضَيِّعُهُ

گستاخوں اور نافرمانیوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کا فوری موافقہ نہیں کرتا۔

(١) یعنی یہ کہ مهاجرین سے بطور خاص شادت یا طبعی موت پر ہم نے جو وعدہ کیا ہے، وہ ضرور پورا ہو گا۔

(٢) عقوبت، اس سزا یا بدلے کو سمجھتے ہیں جو کسی فعل کی جزا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو جس سے زیادتی کی گئی ہے، اسے بقدر زیادتی بدلے لینے کا حق ہے۔ لیکن اگر بدلے لینے کے بعد، جب کہ ظالم اور مظلوم دونوں برابر سرا بر ہو چکے ہوں، ظالم، مظلوم پر پھر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ یعنی یہ شبہ نہ ہو کہ مظلوم نے معاف کر دینے کے بجائے بدلے لے کر غلط کام کیا ہے، نہیں بلکہ اس کی بھی اجازت اللہ ہی نے دی ہے، اس لیے آئندہ بھی وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہے گا۔

(٣) اس میں پھر معاف کر دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ در گزر کرنے والا ہے، تم بھی در گزر سے کام لو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بدلہ لینے میں جو بقدر ظلم ظالم ہو گا۔ جتنا ظلم کیا جائے گا، اس کی اجازت چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لیے اس پر موافقہ نہیں ہو گا، بلکہ وہ معاف ہے۔ بلکہ اسے ظلم اور شیشہ بطور مشاکلت کے کہا جاتا ہے، ورنہ انقام یا بدلہ سرے سے ظلم یا شیشہ ہی نہیں ہے۔

(٤) یعنی جو اللہ اس طرح کام کرنے پر قادر ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے جن بندوں پر ظلم کیا جائے ان کا بدلہ وہ ظالموں سے ہے۔

(٥) اس لیے اس کا دین حق ہے، اس کی عبادت حق ہے اس کے وعدے حق ہیں، اس کا اپنے اولیا کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا حق ہے، وہ اللہ عز وجل اپنی ذات میں اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں حق ہے۔

بر ساتا ہے، پس زمین سر بزر ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ میریان اور باخبر ہے۔^(۱) (۶۳)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے^(۲) اور یقیناً اللہ وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا۔ (۶۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں^(۳) اور اس کے فرمان سے پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی۔ وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گرنہ پڑے،^(۴) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور میریان ہے۔^(۵) (۶۵)

اسی نے تمیس زندگی بخشی، پھر وہی تمیس مارڈا لے گا پھر وہی تمیس زندہ کرے گا، بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے۔^(۶) (۶۶)

الْأَرْضُ مُخْضَرَةٌ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ حَمِيرٌ^(۶)

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ^(۷)

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُ الْعَنْفَنُ الْحَمِيدُ^(۸)

الْأَمْرَرَانِ اللَّهُ سَخْرَلَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْنِ
فِي الْبَحْرِرِ يَأْمُرُهُ وَيُمْسِكُ التَّسَاءَرَ إِنَّهُ عَلَى الْأَرْضِ
إِلَّا يَلْذِيْنَهُ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ^(۹)

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ تَعَوِّيْنَكُمْ تَعَوِّيْنَ^(۱۰)

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ^(۱۱)

(۱) لَطِيقٌ (باریک میں) ہے، اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے یا لطف کرنے والا ہے یعنی اپنے بندوں کو روزی پہنچانے میں لطف و کرم سے کام لیتا ہے۔ خَبِيرٌ، وہ ان باتوں سے باخبر ہے جن میں اس کے بندوں کے معاملات کی تدیری اور اصلاح ہے۔ یا ان کی ضروریات و حاجات سے آگاہ ہے۔

(۲) پیدائش کے لحاظ سے بھی، ملکیت کے اعتبار سے بھی اور تصرف کرنے کے اعتبار سے بھی۔ اس لیے سب مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیوں کہ وہ غنی یعنی بے نیاز ہے۔ اور جو ذات سارے کمالات اور اختیارات کا منبع ہے، ہر حال میں تعریف کی متحقق بھی وہی ہے۔

(۳) مثلاً جانور، نمریں، درخت اور دیگر بے شمار چیزیں، جن کے منافع سے انسان بہرہ و راولنڈت یا ب ہوتا ہے۔

(۴) یعنی اگر وہ چاہے تو آسمان زمین پر گر پڑے، جس سے زمین پر موجود ہر چیز تباہ ہو جائے۔ ہاں قیامت والے دن اس کی مشیت سے آسمان بھی نوث پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔

(۵) اسی لیے اس نے مذکورہ چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور آسمان کو بھی ان پر گرنے نہیں دیتا۔ تابع (مسخر) کرنے کا مطلب ہے کہ ان تمام چیزوں سے اتفاق اس کے لیے ممکن یا آسان کر دیا گیا ہے۔

(۶) یہ بحیثیت جس کے ہے۔ بعض افراد کا اس ناشکری سے نکل جانا اس کے منافی نہیں، کیونکہ انسانوں کی اکثریت میں یہ کفر و جحود پیاسا جاتا ہے۔

ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے، جسے وہ بجالانے والے^(۱) ہیں پس انہیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کرنا چاہیے^(۲) آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلایے۔ یقیناً آپ ٹھیک ہدایت پر ہی ہیں۔^(۳) (۲۷)

پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھنے لگیں تو آپ کہہ دیں کہ تمہارے اعمال سے اللہ بخوبی واقف ہے۔^(۴) (۲۸) بیشک تمہارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آپ کرے گا۔^(۵) (۲۹)

کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے۔^(۶) (۳۰)

لِكُلِّ أَمْةٍ جَعَلْنَا مَسْكَاهُهُ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَادِيْنَكُوكَفِيْ
الْأَمْرِ وَإِذْ عَرَالِيْ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدَى مُسْتَقِيْنُو

وَلَنْ جَادَلُوكَ فَقُتِلَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَعْلَمُونَ

اللَّهُ تَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
إِنْ ذَلِكَ فِي كُتُبِيْ إِنْ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرُ

(۱) یعنی ہر زمانے میں ہم نے لوگوں کے لیے ایک شریعت مقرر کی، جو بعض چیزوں میں سے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتی، جس طرح تورات، امت موسیٰ علیہ السلام کے لیے، انجیل امت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعت تھی اور اب قرآن امت محمدیہ کے لیے شریعت اور ضابطہ حیات ہے۔

(۲) یعنی اللہ نے آپ کو وجود میں اور شریعت عطا کی ہے، یہ بھی مذکورہ اصول کے مطابق ہی ہے، ان سابقہ شریعت والوں کو چاہیے کہ اب آپ ملٹھیلہ کی شریعت پر ایمان لے آئیں، نہ کہ اس معاملے میں آپ ملٹھیلہ سے جھگڑیں۔

(۳) یعنی آپ ملٹھیلہ ان کے جھگڑے کی پرواہ نہ کریں، بلکہ ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں، کیونکہ اب صراط مستقیم پر صرف آپ ہی گامزن ہیں۔ یعنی پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔

(۴) یعنی بیان اور اطمینان جست کے بعد بھی اگر یہ جدال و منازعہ سے باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ اللہ کے پروردگاریں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارے اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن فرمائے گا، پس اس دن واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ کیونکہ وہ اس کے مطابق سب کو جزا دے گا۔

(۵) اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور مخلوقات کے احاطے کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی اس کی مخلوقات کو جو کچھ کرنا تھا، اس کو اس کا علم پسلے سے ہی تھا۔ جن بندوں کو اپنے اختیار و ارادے سے نیکی کا راستہ اور جنہیں اپنے اختیار سے برائی کا راستہ اپنانا تھا، وہ ان کو جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے علم سے یہ باتیں پسلے ہی لکھ دیں۔ اور لوگوں کو یہ بات چاہے، کتنی ہی مشکل معلوم ہو، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ یہ وہی تقدیر کا مسئلہ ہے، اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے، جسے

اور یہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کر رہے ہیں جس کی کوئی خدائی دلیل نازل نہیں ہوئی نہ وہ خود ہی اس کا کوئی علم رکھتے ہیں۔^(۱) ظالمون کا کوئی مددگار نہیں۔^(۲)

جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آئیوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔ وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں،^(۳) کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبردوں۔ وہ آگ ہے، جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے،^(۴) اور وہ بست ہی بری جگہ ہے۔^(۵)

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ لِهِ سُلْطَنًا
وَمَا لَهُ مِنْ لَهُوْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نِصْيَرٍ^(۶)

وَإِذَا أَتَشْلَى عَلَيْهِمُ الْيَتَامَىٰ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الظَّالِمِينَ
كُفَّرٌ وَالْمُسْكُرٌ بِمَا دُونَ يَسْطُونَ بِالظَّالِمِينَ يَتَلَوُنَ عَلَيْهِمُ
إِيمَانًا قُلْ أَقَاتِنِكُمْ بِسِرِّ مَنْ ذَلِكُمْ أَتَأْرُ وَعْدَهَا
اللَّهُ أَلَّا يُنْكِرُ أَنَّكُمْ كُفَّرُوا وَأَبْيَضَ الْمَصِيرُ^(۷)

حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہزار سال پہلے، جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا، مخلوقات کی تقدیر یہ لکھ دی تھیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسی) اور سنن کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا، اور اس کو کہا ”لکھ“ اس نے کہا کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دے۔“ چنانچہ اس نے اللہ کے حکم سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، سب لکھ دیا۔“ (ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ترمذی، أبواب القدر و تفسیر سورۃ النّاس، مسنند احمدہ / ۳۱۴)

(۱) یعنی ان کے پاس نہ کوئی نعلیٰ دلیل ہے، جسے کسی آسمانی کتاب سے یہ دکھائیں، نہ عقلی دلیل ہے جسے غیر اللہ کی عبادت کے اثبات میں پیش کر سکیں۔

(۲) اپنے ہاتھوں سے دست درازی کر کے یا بد زبانی کے ذریعے سے۔ یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لیے اللہ کی توحید اور رسالت و معاد کا بیان ناقابل برداشت ہوتا ہے، جس کا اظہار، ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن و حدیث کے دلائل سے واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل حدیثیہ کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے، جس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی ابھی تو آیات الیٰ سن کر صرف تمہارے چہرے ہی متغیر ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس روئیے سے توبہ نہیں کی، کہ اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا، اور وہ ہے جنم کی آگ میں جانا، جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر و شرک سے کر رکھا ہے۔

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں،^(۱) بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں^(۲) سکتے، بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے^(۳) وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔^(۴)

انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں،^(۵) اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے۔^(۶)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَعِمُوا إِلَهَ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ كُنْ يَخْلُقُوا ذَبَابًا وَلَوْ أَجْعَمَ مَعْوَالَةً وَإِنْ يَسْلُبَهُمُ الْدَّبَابُ شَيْءًا لَا يَسْتَقْدِمُهُ مِنْهُ ضَعْفُ الظَّالِمِ وَالْمَظْلُومُ^(۷)

مَا قَدَرُوا اللَّهُ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَوِيٌ عَزِيزٌ^(۸)

(۱) یعنی یہ معبدوں باطل، جن کو تم، اللہ کو چھوڑ کر، مدد کے لیے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نمایت حقیری مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم اپنی کو اپنا حاجت روا سمجھو، تو تمہاری عقل قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پھر کی بے جان مورتیاں ہی نہیں ہوتی تھیں، (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کرتے ہیں) بلکہ یہ عقل و شعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں۔ یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے، جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرمرا رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حیرتین شے مکھی، بھی پیدا نہیں کر سکتے، محض پھر کی مورتیوں کو یہ چیزیں نہیں دیا جا سکتا۔

(۲) یہ ان کی مزید بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ہے کہ پیدا کرنا تو کجا، یہ تو مکھی کو پکڑ کر اس کے منہ سے اپنی وہ چیز بھی واپس نہیں لے سکتے، جو وہ ان سے چھین کر لے جائے۔

(۳) طالب سے مراد، خود ساختہ معبدوں اور مطلوب سے مراد مکھی یا بعض کے نزدیک طالب سے، پیخاری اور مطلوب سے اس کا معمود مراد ہے۔ حدیث قدی میں معبدوں باطل کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقعی یہ قدرت ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی پیدا کر کے دکھاوے۔“ (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب لاتدخل الملائكة بیتافیہ کلب ولا صورۃ)

(۴) یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بے بس مخلوق کو اس کا همسرا اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، اس کی قدرت و طاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرا سکیں۔

فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ ہی چھانت لیتا ہے،^(۱) پیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔^(۲) (۲۵)

وہ سخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔^(۳) (۲۶)

اے ایمان والوا رکوع سجدہ کرتے رہو^(۴) اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔^(۵) (۲۷)

اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔^(۶)
اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمُلْكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ
إِنَّ اللَّهَ سَيِّدٌ بِعِزْيَزٍ^(۷)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَاللَّهُ تُرْجِعُ
الْأُمُورَ^(۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُفُّوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا
رَبِّكُمْ وَافْعُلُوا الْحَيْثَ لَعَلَّكُمْ تُنْهَىْ^(۹)

وَجَاهُهُدُوْا فِي اللَّهِ حَقَّ حِجَادٍ هُوَ أَجْتَبَكُمْ وَمَا
جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ نِمْلَةً إِنْ يُكُمْ^(۱۰)

(۱) رُسُلُّ رَسُولٌ (فرستادہ، بھیجا ہوا قاصد) کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا لینی پیغام رسائل کا کام لیا ہے، جیسے حضرت جبرايل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائیں۔ یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائیں اور لوگوں میں سے بھی، جنہیں چاہا، رسالت کے لیے چن لیا اور انہیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے، گو منتخب اور چنیدہ تھے۔ لیکن کس لیے؟ خدا تعالیٰ اختیارات میں شرکت کے لیے؟ جس طرح کہ بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا شریک گردان لیا۔ نہیں، بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔

(۲) وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، «اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ تَعْمَلُ بِرَسَالَتِهِ» — (الأنعام: ۱۲۲) ”اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔“

(۳) جب تمام معاملات کا مرتع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جا سکتا اور اس کے عذاب سے کیوں کر سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرمان برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔

(۴) یعنی اس نماز کی پابندی کرو جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ آگے عبادت کا بھی حکم آرہا ہے۔ جس میں نماز بھی شامل تھی، لیکن اس کی اہمیت و افضلیت کے پیش نظر اس کا خصوصی حکم دیا۔

(۵) یعنی فلاح (کامیابی) اللہ کی عبادت اور اطاعت یعنی افعال خیر اختیار کرنے میں ہے، نہ کہ اللہ کی عبادت و اطاعت سے گریز کر کے محض مادی اسباب وسائل کی فراہمی اور فراوانی میں، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔

(۶) اس جہاد سے مراد، بعض نے وہ جہاد اکبر لیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار و مشرکین سے کیا جاتا ہے اور بعض

کوئی تنگی نہیں ڈالی،^(۱) دین اپنے باپ ابراہیم^(۲) (علیہ السلام) کا قام رکھو، اسی اللہ^(۳) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پسلے اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ۔^(۴) پس تمہیں چاہیے کہ نمازیں قام رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے۔ پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔^(۵) (۷۸)

إِبْرَاهِيمُ هُوَ شَمِكُ الْمُسْلِمِينَ لِمَنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا
لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَلَكُونُوا شَهِيدًا عَلَى
النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتُّو الْزَكَوةَ وَأَعْتَصُمُوا
بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَكُكُمْ فَنَعِمُ الْمُؤْمِنُ وَنَعِمُ الْمُصَدِّرُ^(۶)

نے اوامر الہی کی بجا آوری کہ اس میں بھی نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ہر دو کو شش مرادی ہے جو حق و صداقت کے غلبے اور باطل کی سرکوبی اور مغلوبیت کے لیے کی جائے۔

(۱) یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا متحمل نفس انسانی نہ ہو، (ورنہ تھوڑی بہت محنت و مشقت تو ہر کام میں ہی اٹھانی پڑتی ہے) بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس نے منسوخ کر دیئے۔ علاوه ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا کر دیں، جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں۔

(۲) عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور غیر عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بزرگ شخصیت کے طور پر اس طرح احترام کرتے تھے، جس طرح بیٹے باپ کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ تمام ہی لوگوں کے باپ تھے، علاوه ازیں پیغمبر اسلام کے (عرب ہونے کے ناطے سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ تھے، اس لیے امت محمدیہ کے بھی باپ ہوئے۔ اس لیے کہا گیا یہ دین اسلام، جسے اللہ نے تمہارے لیے پسند کیا ہے، تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اسی کی پیروی کرو۔

(۳) ہو کامرجع بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی نزول قرآن سے پسلے تمہارا نام مسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے رکھا ہے اور بعض کے نزدیک، مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

(۴) یہ گواہی، قیامت والے دن ہو گی، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، آیت ۱۳۳ کا حاشیہ۔

سُورَةُ الْمُقْتَمِلِ

سورہ مؤمنون کی ہے اور اس کی ایک سو اخبارہ آئیں
ہیں اور چھ رکوع۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

- (۱) یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔
- (۲) جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔
- (۳) جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔
- (۴) جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔
- (۵) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ①
الَّذِينَ هُمْ فِي صَلٰاتِهِمْ خَيْرٌ ②
وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ الْغَيْوٰ مُعْرِضُونَ ③
وَالَّذِينَ هُمْ لِلرَّكُوبِ فُلُوْنَ ④
وَالَّذِينَ هُمْ لِلرُّوْجِهِمْ حَفَظُونَ ⑤

(۱) فلاح کے لغوی معنی ہیں، 'چیرنا'، کاثنا، کاشت کار کو بھی فلاح کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں بیج بوتا ہے۔ مفلح (کامیاب) بھی وہ ہوتا ہے جو صعبوتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے، یا کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔ شریعت کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لے اور اس کے بدالے میں آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کی سعادت و کامرانی بھی میسر آجائے تو سبحان اللہ۔ ورنہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ گو دنیا والے اس کے بر عکس دنیوی آسائشوں سے بہرو ورکو ہی کامیاب بھجتے ہیں۔ آیت میں ان مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جن میں ذیل کی صفات ہوں گی۔ مثلاً اگلی آیات ملاحظہ ہوں۔

(۲) خُشُوعٌ سے مراد، قلب و جوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔ قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بے قصد خیالات و وساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل پر بھانے کی سعی کرے۔ اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھرا دھرنہ دیکھے، کھیل کو دنہ کرے۔ بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگارہے۔ بلکہ خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔

(۳) لَغُو، ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا اس میں دینی یا دینوی نعمات ہوں۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے۔ چہ جائیکہ انہیں اختیار یا ان کا ارتکاب کیا جائے۔

(۴) اس سے مراد بعض کے نزدیک زکوٰۃ مفروضہ ہے، (جس کی تفصیلات یعنی اس کا نصاب اور زکوٰۃ کی شرح گوئینہ میں بتلائی گئی تاہم) اس کا حکم کے میں ہی دے دیا گیا تھا اور بعض کے نزدیک ایسے افعال کا اختیار کرنا ہے، جس سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کی تطہیر ہو۔

بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لوندیوں کے یقیناً یہ ملامتوں میں سے نہیں ہیں۔^(۶)

جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔^(۷)

جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں۔^(۸)

جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔^(۹)

یہی وارث ہیں۔^(۱۰)

جو فردوس کے وارث ہوں گے جمال وہ ہمیشہ رہیں گے۔^(۱۱)

یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جو ہر سے پیدا کیا۔^(۱۲)

إِلَّا عَلَى أَنْوَاعِهِمْ أَوْ مَا لَكُمْ أَيْمَانٌ فَإِنَّمَا غَيْرُ مُلْكِهِمْ مُّنْهَمْ

فَمَنْ يَتَغَيَّرْ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَدُوُنَ

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْرِنَا وَعَهْدُهُمْ رَمُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِرِهِمْ يُجَاوِفُونَ

أُولَئِكَ هُمُ الْوَرَثُونَ

الَّذِينَ يَرْثُونَ الْفَرْدَوْسَ هُمْ فَهُمُ الْخَلِدُونَ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَّةٍ قَمْ طَيْنٌ

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ متعد کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے اور جنپی خواہش کی تسکین کے لیے صرف دو ہی جائز طریقے ہیں۔ یہی سے مبادرت کر کے یا لوندی سے ہم بستری کر کے۔ بلکہ اب صرف یہی ہی اس کام کے لیے رہ گئی ہے کیونکہ اصطلاحی لوندی کا وجود فی الحال ختم ہے تاہم جب کبھی بھی حالات نے اسے دوبارہ وجود پذیر کیا تو یہی ہی کی طرح اس سے مبادرت جائز ہو گی۔

(۲) امانات سے مراد مفوضہ ڈیوٹی کی ادائیگی، رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت ہے اور رعایت عدم میں اللہ سے کیے ہوئے میثاق اور بندوں سے کیے عدم و پیمان دونوں شامل ہیں۔

(۳) آخر میں پھر نمازوں کی حفاظت کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا، جس سے نماز کی اہمیت و فضیلت واضح ہے۔ لیکن آج مسلمان کے نزدیک دوسرے اعمال صالحہ کی طرح اس کی بھی کوئی اہمیت سرے سے باقی نہیں رہ گئی ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

(۴) ان صفات مذکورہ کے حامل مومن ہی فلاح یا ب ہوں گے جو جنت کے وارث یعنی حق دار ہوں گے۔ جنت بھی جنت الفردوس، جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جمال سے جنت کی نہرس جاری ہوتی ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاهدین فی سبیل اللہ۔ وکتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

(۵) مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب، ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدائش ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے، وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس نطفے کی اصل، جو خلقت انسانی کا باعث بنتا ہے، مٹی ہی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَابَكُنْ ①
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
الْمُضْغَةَ عَظِيمًا فَخَسَوْنَا الْعَظِيمَ لَهُمَا ذُئْبَانَهُ خَلَقْنَا
الْخَرَقَبَرَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَلَقِينَ ②

ثُمَّ إِذْ أَنْتَ مُبَعَّدٌ ذَلِكَ لَمْ يَتَوَلَّ ③

ثُمَّ إِذْ أَنْتَ مُبَعَّدٌ مِّنَ الْقِمَةِ تَبَعَّذُونَ ④

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا لَكُمْ عَنِ الْخَلْقِ غَفِلُونَ ⑤

(١) محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے، جمال نو میں پچھے بڑی حفاظت سے رہتا اور پرورش پاتا ہے۔

(٢) اس کی کچھ تفصیل سورہ حج کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے پھر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم وہاں مُخَلَّفَةٌ کا جو ذکر تھا، یہاں اس کی وضاحت، مُضْغَةٌ کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے اور ہڈیوں کو گوشت پہنانے سے کردی ہے۔ مُضْغَةٌ گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے۔ کیونکہ محض گوشت میں تو کوئی صلاحت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے زراہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا، تو انسان میں وہ حسن و رعنائی نہ آتی، جو ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ اس لیے ان ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا کہیں کم کہیں زیادہ۔ تاکہ اس کے قد و قامت میں غیر موزونیت اور بحدا پن پیدا نہ ہو۔ بلکہ وہ حسن و جمال کا ایک پیکر اور قدرت کی تخلیق کا ایک شاہ کار ہو۔ اسی چیز کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا، ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا إِلَّا سَبْعَ إِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ
تَقْوِيمٍ﴾ (سورۃ التین) ”ہم نے انسان کو احسن تقویم یعنی بت اچھی ترکیب یا بت اچھے ڈھانچے میں بنایا۔“

(٣) اس سے مراد وہ پچھے ہے جو نو میں کے بعد ایک خاص شکل و صورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور حرکت و اضطراب کے ساتھ سمع و بصرا اور ادراک کی قوتیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

(٤) خَالِقِينَ یہاں ان صانعین کے معنی میں ہے، جو خاص خاص مقداروں میں اشیا کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے ہیں۔ یعنی ان تمام صنعت گروں میں، اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے۔ پس سب سے زیادہ خیر و برکت والا وہ اللہ ہی ہے، جو تمام صنعت کاروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت کار ہے۔

(٥) طَرَائِقَ، طَرِيقَةٌ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں۔ عرب، اور تلے چیز کو بھی طریقہ کہتے ہیں۔ آسمان بھی اور تلے ہیں اس لیے انہیں طرائق کہا۔ یا طریقہ بمعنی راست ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا ستاروں (کواکب) کی گزرگاہ ہے، اس لیے انہیں طرائق قرار دیا۔

خُلوقات سے غافل نہیں ہیں۔^(۱) (۱۷)

ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں،^(۲) پھر اسے زمین میں ٹھرا دیتے ہیں،^(۳) اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔^(۴) (۱۸)

اسی پانی کے ذریعہ سے ہم تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں، کہ تمہارے لیے ان میں بست سے میوے ہوتے ہیں انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔^(۵) (۱۹)

اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والے کے لیے سالن ہے۔^(۶) (۲۰)

وَأَنْزَلَنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً يُقَدَّرُ فَأَسْكَنَاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَى
ذَهَابِهِ لَقِيرُونَ^(۱)

فَإِنَّا نَنْهَا لِكُمْ بِهِ جَبَّتِ مِنْ تَجْنِيلٍ وَأَغْنَيْنَا لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ
كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ^(۲)

وَشَجَرَةٌ تَغْرِي مِنْ طَورِ سِينَا تَبَتَّأْتُ بِالدُّهُنِ
وَصَبَغَ لِلْأَكْلِيْنَ^(۳)

(۱) خلق سے مراد خلقوں ہے۔ یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی خلقوں سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ خلقوں ہلاک نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم خلقوں کے مصالح اور ان کی ضروریات زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کا انتظام کرتے ہیں، (فتح القدير) اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا، اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے، سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی نہ زیادہ کہ جس سے تباہی پھیل جائے اور نہ اتنا کم کہ پیداوار اور دیگر ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔

(۳) یعنی یہ انتظام بھی کیا کہ سارا پانی برس کر فوراً بہ نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں، نہروں، دریاؤں اور تالابوں اور کنوں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا ہے، (کیوں کہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے) تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں، یا ایسے علاقوں میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے، ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔

(۴) یعنی جس طرح ہم نے اپنے فضل و کرم سے پانی کا ایسا وسیع انتظام کیا ہے، وہیں ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ پانی کی سطح ہم اتنی پیچی کر دیں کہ تمہارے لیے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔

(۵) یعنی ان باغوں میں انگور اور کھجور کے علاوہ اور بست سے پھل ہوتے ہیں، جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔

(۶) اس سے زیتون کا درخت مراد ہے، جس کا روغن تیل کے طور پر اور پھل سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سالن

تمارے لیے چوپا یوں میں بھی بڑی بھارتی عبرت ہے۔ ان کے پیشوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور بھی بہت سے نفع تمارے لیے ان میں ہیں ان میں سے بعض بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔^(۲۱)

اور ان پر اور کشیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو۔^(۲۲) یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بناؤ کر بھیجا، اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبد نہیں، کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے۔^(۲۳)

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔^(۲۴) اگر اللہ ہی کو منظور ہو تو تو کسی فرشتے کو اتارتا،^(۲۵) ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں شاید نہیں۔^(۲۶)

یقیناً اس شخص کو جنون ہے، پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو۔^(۲۷)

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْدَةٌ تُنْقِيُكُمْ وَمَا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ^(۱)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفَلْكِ شَهْرُونَ^(۲)
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهَا مُنَّاحًا لِّقَوْمٍ أَعْبَدُوا إِلَهًا مَا لَكُمْ
قُنْ إِلَهٌ غَيْرُهُ أَفَلَا يَشْعُرُونَ^(۳)

فَقَالَ الْمَلَوُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هذَا إِلَّا إِبْرَاهِيمُ شَكِّلَ
رُبِيدًا إِنَّمَا يَفْعَلُ عَلَيْنَا وَلَوْلَا أَنَّ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلِكَةً
فَإِسْمَاعِيلَ إِنَّمَا فِي أَبِلِّنَا الْكَوْلَيْنَ^(۴)

إِنْ هُوَ لَا إِجْرَأْلُ بِهِ چَنَّةٌ فَتَرَصُّدُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينَ^(۵)

کو صبغی رنگ کہا ہے کیوں کہ روٹی، سالن میں ڈبو کر گویا رنگی جاتی ہے۔ طورِ سیناء (پیماڑ) اور اس کا قرب و جوار خاص طور پر اس کی عمدہ قسم کی پیداوار کا علاقہ ہے۔

(۱) یعنی رب کی ان ان نعمتوں سے تم فیض یاب ہوتے ہو، کیا وہ اس لاائق نہیں کہ تم اس کا شکردا کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت اور اطاعت کرو۔

(۲) یعنی یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے، تو اس کا اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے۔

(۳) اور اگر واقعی اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا کہ عبادت کے لاائق صرف وہی ہے، تو وہ کسی فرشتے کو رسول بناؤ کر بھیجنائے کہ کسی انسان کو وہ ہمیں آکر توحید کا مسئلہ سمجھتا۔

(۴) یعنی اس کی دعوت توحید، ایک نرالی دعوت ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔

(۵) یہ ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو ہم کی عبادت کرنے کی وجہ سے، بے وقوف اور کم عقل سمجھتا اور کہتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اصْرُنِي بِمَا كَذَّبُونِ^(١)

نوح (عليه السلام) نے دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹانے پر تو میری مدد کر۔^(٢) (٢٦)

تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی ہنا۔ جب ہمارا حکم آجائے^(٣) اور سورا بیل پڑے^(٤) تو توہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے^(٥) اور اپنے اہل کو بھی، مگر ان میں سے جن کی بابت ہماری بات پہلے گزر چکی ہے۔^(٦) خبردار جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے۔^(٧) (٢٧)

جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر باطنیناں بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہی ہے جس نے ہمیں خالی لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔^(٨) (٢٨)

فَأَوْحَيْنَا لَهُ أَنْ اصْنَعِ الْفُلْكَ يَا عَيْنِنَا وَهَبْنَا
فَإِذَا جَاءَهُ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنْورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ
زَوْجَيْنِ اشْتَدَّنِ وَأَهْلَكَ إِلَامَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
مِنْهُمْ وَلَا تَعْنَاطِنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرِبُونَ^(٩)

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي بَخْنَانِ مِنَ الْقَوْمِ الظَّلِيمِينَ^(١٠)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ہی دیوانہ ہے۔ اسے ایک وقت تک ڈھیل دو، موت کے ساتھ ہی اس کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔ یا ممکن ہے اس کی دیواگی ختم ہو جائے اور اس دعوت کو ترک کر دے۔

(١) ساڑھے نو سال کی تبلیغ و دعوت کے بعد، بالآخر رب سے دعا کی، ﴿فَنَذَارَةً أَنِّي مُغْلُوبٌ فَاتَّصَرْ﴾ (القرآن ١٠) ”نوح علیہ السلام نے رب سے دعا کی“ میں مغلوب اور کمزور ہوں میری مدد کر۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔
(٢) یعنی ان کو ہلاکت کا حکم آجائے۔

(٣) سورا پر حاشیہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے ہاں کا معروف سور نہیں، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے، بلکہ روئے زمین مراد ہے کہ ساری زمین ہی جیسے میں تبدیل ہو گئی۔ نیچے زمین سے پانی چشمون کی طرح ابیل پڑا۔ نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب پانی زمین سے ابیل پڑے.....

(٤) یعنی حیوانات، نباتات اور شرات ہر ایک میں سے ایک ایک جوڑا (زراور مادہ) کشتی میں رکھ لے ہاکہ سب کی نسل باقی رہے۔

(٥) یعنی جن کی ہلاکت کا فیصلہ، ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے ہو چکا ہے، جیسے زوجہ نوح علیہ السلام اور ان کا پسر۔

(٦) یعنی جب عذاب کا آغاز ہو جائے تو ان خالموں میں سے کسی پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تو کسی کی سفارش کرنی شروع کر دے۔ کیونکہ ان کے غرق کرنے کا قطعی فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

اور کہنا کہ اے میرے رب! ^(١) مجھے با برکت اتارنا اتار
اور تو ہی بہتر ہے اتارنے والوں میں۔ ^(٢٩)

یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ^(٣) اور ہم بیشک
آزمائش کرنے والے ہیں۔ ^(٣٠)

ان کے بعد ہم نے اور بھی امت پیدا کی۔ ^(٣١)
پھر ان میں خود ان میں سے (ہی) رسول بھی بھیجا ^(٤) کہ تم
سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبد
نہیں، ^(٧) تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ^(٣٢)

اور سردار ان قوم ^(٨) نے جواب دیا، جو کفر کرتے تھے

وَقُلْ رَبِّ أَنْزَلَ لِي مِنْ لَّا يُنْبَأُ وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُبَتَّلِينَ ^(٦)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لَّا يَتَبَدَّلُ وَإِنْ كُنَّا لَنَا لَبَّيْلَيْنَ ^(٧)

لَمْ يَأْنْ شَأْنًا مِنْ يَعْدِهِمْ قَرُونُ الْخَرْمَانُ ^(٨)
فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مَّنْهُمْ أَنْعَبْدُ وَاللَّهُ
مَالِكُمْ مِنَ الْوَعِدِ إِنَّا لَكُلَّتَّمَوْنَ ^(٩)

وَقَالَ الْمُلَّاْمِنُ قَوْمُهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَدْبُوا بِلِقَاءَ الْآخِرَةِ

(١) کشتی میں بیٹھ کر اللہ کا شکردا کرنا کہ اس نے ظالموں کو بالا خر غرق کر کے، ان سے نجات عطا فرمائی اور کشتی کے خیرو عافیت کے ساتھ کنارے پر لگنے کی دعا کرنا۔ ﴿رَبِّ أَنْزَلَنِي مِنْ لَّا يُنْبَأُ وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُبَتَّلِينَ﴾

(٢) اس کے ساتھ وہ دعا بھی پڑلی جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، سواری پر بیٹھتے وقت پڑھا کرتے تھے۔ اللہُ أَكْبَرُ، اللہُ أَكْبَرُ، اللہُ أَكْبَرُ۔ ﴿سُبْحَنَ الرَّبِّ الْعَظِيمِ سَمَّحَ لَنَا هَذَا وَمَا كَلَّ أَنْ يُمْرِنَنَّ * وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا التَّنْقِلَيْمُونَ﴾ (الزخرف۔ ١٣-١٤)

(٣) یعنی اس سرگزشت نوح علیہ السلام میں کہ اہل ایمان کو نجات اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا، نشانیاں ہیں اس امر پر کہ انہیا جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آتے ہیں، ان میں وہ سچے ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور کشمکش حق و باطل میں ہربات سے آگاہ ہے اور وقت آنے پر اس کا نوش لیتا ہے اور اہل باطن کی پھر اس طرح گرفت کرتا ہے کہ اس کے شکنے سے کوئی نکل نہیں سکتا۔

(٤) اور ہم انہیا درسل کے ذریعے سے یہ آزمائش کرتے رہے ہیں۔

(٥) اکثر مفسرین کے نزدیک قوم نوح کے بعد، جس قوم کو اللہ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول بھیجا، وہ قوم عاد ہے کیوں کہ اکثر مقامات پر قوم نوح کے جانشین کے طور پر عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قوم شمود ہے کیوں کہ آگے چل کر ان کی ہلاکت کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ صَيْنَةُ (زبردست چیخ) نے ان کو پکڑ لیا، اور یہ عذاب قوم شمود پر آیا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین ہیں کہ ان کی ہلاکت بھی چیخ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔

(٦) یہ رسول بھی ہم نے انہی میں سے بھیجا، جس کی نشوونما ان کے درمیان ہی ہوئی تھی، جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے تھے، اس کے خاندان، مکان اور مولد ہر چیز سے واقف تھے۔

(٧) اس نے آگر سب سے پلے وہی توحید کی دعوت دی جو ہر نبی کی دعوت و تبلیغ کا سر نامہ رہی ہے۔

(٨) یہ سردار ان قوم ہی ہر دور میں انہیا درسل اور اہل حق کی تحریک میں سرگرم رہے ہیں، جس کی وجہ سے قوم کی

اور آخرت کی ملاقات کو جھلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا،^(۱) کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کاپانی ہی یہ بھی پیتا ہے۔^(۲) (۳۳)

اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو۔^(۳) (۳۴)

کیا یہ تمہیں اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر صرف خاک اور ہڈی رہ جاؤ گے تو تم پھر زندہ کیے جاؤ گے۔^(۴) (۳۵) نہیں نہیں دور اور بست دور ہے وہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔^(۵) (۳۶)

(زندگی) تو صرف دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اور یہ نہیں کہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔^(۶) (۳۷) یہ تو بس ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ (بہتان) باندھ لیا ہے،^(۷) ہم تو اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔^(۸) (۳۸)

وَأَرْفَهُمْ فِي الْجَهَنَّمِ إِذَا هُدَى إِلَيْهِنَّ مُشْكِرُمْ يَأْكُلُ
وَمَنَّا نَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَرْبُّ مِنَ أَنْتَرُونَ ۝

وَلَيْسَ أَطْعَمُمْ بَشَرًا مِثْكُلُمْ إِنَّكُمْ لَا تَخْرُونَ ۝

أَيَعْدُكُمْ أَنْكُلُمْ إِذَا أَمْتُمْ وَلَكُمْ تُرَابٌ وَعَظَامًا
إِنَّكُمْ فَخْرُجُونَ ۝

هَيَّاهَاتٍ هَيَّاهَاتٍ لِمَا تُوعَدُونَ ۝

إِنْ هُنَّ إِلَّا حَيَّاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُودِينَ ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ إِفْرَارٌ عَلَى اللَّهِ كَذَبٌ بَا
وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝

اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی۔ کیونکہ یہ نمایت بالا شر لوگ ہوتے تھے، قوم اُنہی کے پیچھے چلنے والی ہوتی تھی۔

(۱) یعنی عقیدہ آخرت پر عدم ایمان اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی، یہ دو بنیادی سبب تھے، اپنے رسول پر ایمان نہ لانے کے۔ آج بھی اہل باطل اُنہی اسباب کی بنا پر اہل حق کی مخالفت اور دعوت حق سے گریز کرتے ہیں۔

(۲) چنانچہ انسوں نے یہ کہ کرانکار کر دیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسے آج بھی بست سے مدعاں اسلام کے لیے رسول کی بشریت کا تسلیم کرنا نمایت گراں ہے۔

(۳) وہ خسارہ ہی ہے کہ اپنے ہی جیسے انسان کو رسول مان کر تم اس کی فضیلت و برتری کو تسلیم کرلو گے، جب کہ ایک بشر، دوسرے بشر سے افضل کیوں کر ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مغالطہ ہے جو منکرین بشریت رسول کے دماغوں میں رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو رسالت کے لیے چن لیتا ہے، تو وہ اس وحی و رسالت کی وجہ سے دوسرے تمام غیر بھی انسانوں سے شرف و فضل میں بست بالا اور نمایت ارفع ہو جاتا ہے۔

(۴) هیئت، جس کے معنی دور کے ہیں، دو مرتبہ تائید کے لیے ہے۔

(۵) یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ، یہ ایک افتراض ہے جو یہ شخص اللہ پر باندھ رہا ہے۔

نبی نے دعا کی کہ پروردگار! ان کے جھلانے پر تو میری
مدد کر۔^(۱) (۳۹)

جواب ملا کہ یہ توبت ہی جلد اپنے کیے پر پچھتا نے لگیں
گے۔^(۲) (۴۰)

بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق چیخ^(۳) نے پکڑ لیا اور ہم
نے انہیں کوڑا کر کٹ کر ڈالا،^(۴) پس ظالموں کے لیے
دوری ہو۔^(۵) (۴۱)

ان کے بعد ہم نے اور بھی بست سی امتیں پیدا
کیں۔^(۶) (۴۲)

نہ تو کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے آگے بڑھی اور نہ
پچھے رہی۔^(۷) (۴۳)

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِسَائِدَدُوْنَ ⑦

قَالَ عَنَّا قَلِيلٌ لِّيُصِبِّعَنَّ لَنِيَّبِينَ ⑧

فَأَخَذَنَّهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُنَّاءً بَعْدَ إِلْلَاقُومِ
الظَّلِيمِينَ ⑨

لَعْنَآشَانَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونٌ أَخَرِينَ ⑩

مَا تَسْبِقُ مِنْ أَيَّةٍ أَجْلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ⑪

(۱) بالآخر، حضرت نوح عليه السلام کی طرح، اس پیغیر نے بھی بارگاہ الہی میں، مدد کے لیے، دست دعا دراز کرو دیا۔

(۲) عَمَّا، میں مازاںد ہے جو جاری مجرور کے درمیان، قلت زمان کی تائید کے لیے آیا ہے۔ جیسے ﴿فَيَمَارِحُهُنَّ مِنَ اللَّهِ﴾ (آل عمران-۱۵۹) میں مازاںد ہے۔ یعنی بست جلد عذاب آنے والا ہے، جس پر یہ پچھتا میں گے۔ لیکن اس وقت یہ پچھتنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

(۳) یہ چیخ، کہتے ہیں کہ حضرت جبرایل علیہ السلام کی چیخ تھی، بعض کہتے ہیں کہ ویسے ہی سخت چیخ تھی، جس کے ساتھ باد صرصبھی تھی۔ دونوں نے مل کر ان کو چشم زدن میں فنا کے گھاث اتار دیا۔

(۴) غُنَّاء، اس کوڑے کر کٹ کو کہتے ہیں جو سیالی پانی کے ساتھ ہوتا ہے، جس میں درختوں کے کھوکھلے، خشک تھے، تنکے، اور اسی طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب پانی کا زور ختم ہو جاتا ہے تو یہ بھی خشک ہو کر بیکار پڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان مکذین اور متكلّمین کا ہوا۔

(۵) اس سے مراد حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں۔ کیوں کہ سورہ اعراف اور سورہ ہود میں اسی ترتیب سے ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک بنو اسرائیل مراد ہیں قُرُونُ، قَزْنُ کی جمع ہے اور یہاں بمعنی امت استعمال ہوا ہے۔

(۶) یعنی یہ سب امتیں بھی قوم نوح اور عاد کی طرح، جب ان کی ہلاکت کا وقت موعود آگیا، تو تباہ و بریاد ہو گئیں۔ ایک لمح آگے، پچھے نہ ہو میں، جیسے فرمایا، ﴿إِذَا جَاءَ أَجْلَهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (یونس-۳۹)

پھر ہم نے لگاتار رسول^(۱) بھیجے، جب جب جس امت کے پاس اس کا رسول آیا اس نے جھٹلایا، پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگادیا^(۲) اور انہیں افسانہ^(۳) بنادیا۔ ان لوگوں کو دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے۔^(۴)

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اور اس کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی آئتوں اور کھلی دلیل^(۵) کے ساتھ بھیجا۔^(۶)

فرعون اور اس کے شکروں کی طرف، پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے ہی وہ سرکش لوگ۔^(۷)

کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لا سیں؟ حالانکہ خود ان کی قوم (بھی) ہمارے ماتحت^(۸) ہے۔^(۹)
پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا آخروہ بھی ہلاک شدہ لوگوں میں مل گئے۔^(۱۰)

ہم نے تو موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (بھی) دی کہ لوگ

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلًا إِنَّا جَاءَهُمْ بِرَسُولِنَا أَنَّهُمْ بَوْهُةٌ فَأَتَيْنَاهُمْ بِعَصْمَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبَعْدَ الْقَوْمَ لَا يُؤْمِنُونَ^(۱۱)

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَآخَاهُ هُرُونَ وَإِلَيْنَا وَسُلْطَنِينَ مُبِينِ^(۱۲)

إِلَى فَرْعَوْنَ وَمَلَكِهِ فَأَسْتَلْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِمِينَ^(۱۳)

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ بِمَشَرِّعِنَا وَمُثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا الْتَّانِعِيدُونَ^(۱۴)

فَلَذَّ بِوْهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُمْلَكِينَ^(۱۵)

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ لِعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ^(۱۶)

(۱) تَرَا کے معنی ہیں۔ کیے بعد دیگرے۔ متواتر، لگاتار۔

(۲) ہلاکت و بر بادی میں۔ یعنی جس طرح کیے بعد دیگرے رسول آئے، اسی طرح مکذب رسالت پر یہ قومیں کیے بعد دیگرے، عذاب سے دوچار ہو کر ہست سے نیست ہوتی رہیں۔

(۳) جس طرح آغا جینب، اُغْمُوْبَهُ کی جمع ہے (تجب انگیز چیزیاں بات) اسی طرح أَحَادِيثُ أَخْذُونَهُ کی جمع ہے بمعنی زبان زد خلافی و اتفاقات و فضائل۔

(۴) آیات سے مراد وہ نو آیات ہیں، جن کا ذکر سورہ اعراف میں ہے، جن کی وضاحت گزر چکی ہے اور سُلْطَانِ مُبِينِ سے مراد جنت و انجوہ اور دلیل و برهان ہے، جس کا کوئی جواب فرعون اور اس کے درباریوں سے نہ بن پڑا۔

(۵) اخبار اور اپنے کو برا سمجھنا، اس کی بنیادی وجہ بھی وہی عقیدہ آختر سے انکار اور اسباب دنیا کی فراوانی ہی تھی، جس کا ذکر پچھلی قوموں کے واقعات میں گزرا۔

(۶) یہاں بھی انکار کے لیے دلیل انہوں نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ”بُشْرِیت“ ہی پیش کی اور اسی بُشْرِیت کی تائید کے لیے انہوں نے کہا کہ یہ دونوں اسی قوم کے افراد ہیں جو ہماری غلام ہے۔

راہ راست پر آجائیں۔^(۱) (۴۹)

ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنیا^(۲) اور ان دونوں کو بلند صاف قرار والی اور جاری پانی^(۳) والی جگہ میں پناہ دی۔^(۵۰)

اے پیغمبر! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو^(۴) تم جو

وَجَعَلَنَا بْنَ مَرِيمَ وَأَيْمَةَ أَيْمَةً وَأَوْيَنَهُمَا إِلَى رَبِّوْقَدَادَتْ
قَرَارِقَمِعِينُ^(۵)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كُلُّوْمِنَ الطَّيِّبَاتِ وَأَغْلُوْمَا صَالِحَاتِ^(۶) يَا

تَعْلَمُونَ عَلِيِّمُ^(۷)

(۱) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد دی گئی۔ اور نزول تورات کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذاب عام سے ہلاک نہیں کیا۔ بلکہ مونمنوں کو یہ حکم دیا جاتا رہا کہ وہ کافروں سے جہاد کریں۔

(۲) کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی، جو رب کی قدرت کی ایک نشانی ہے، جس طرح آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے اور حوا کو بغیر ماہ کے حضرت آدم علیہ السلام سے اور دیگر تمام انسانوں کو ماں اور باپ سے پیدا کرنا اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

(۳) زنبوٰ (بلند جگہ) سے بیت المقدس اور معین (چشمہ جاری) سے وہ چشمہ مراد ہے جو ایک قول کے مطابق ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت اللہ نے بطور خرق عادت، حضرت مریم کے پیروں کے نیچے سے جاری فرمایا تھا۔ جیسا کہ سورہ مریم میں گزرا۔

(۴) طبیّات سے مراد پاکیزہ اور لذت بخش چیزیں ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ حلال چیزیں کیا ہے۔ دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں کیوں کہ ہر پاکیزہ چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے اور ہر حلال چیز پاکیزہ اور لذت بخش ہے۔ خبائث کو اللہ نے اسی لیے حرام کیا ہے کہ وہ اشرات و نتائج کے لحاظ سے پاکیزہ نہیں ہیں۔ گو خبائث خور قوموں کو اپنے ماحول اور عادات کی وجہ سے ان میں ایک گونہ لذت ہی محسوس ہوتی ہو۔ عمل صالح وہ ہے جو شریعت یعنی قرآن و حدیث کے موافق ہو، نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا سمجھیں کیوں کہ لوگوں کو تو بدعاں بھی بست اچھی لگتی ہیں بلکہ اہل بدعت کے ہاں جتنا اہتمام بدعاں کا ہے، اتنا فرائض اسلام اور سنن و مستحبات کا بھی نہیں ہے۔ اکل حلال کے ساتھ عمل صالح کی تائید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں گرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اکل حلال سے عمل صالح آسان اور عمل صالح انسان کو اکل حلال پر آمادہ اور اسی پر قناعت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تمام پیغمبروں کو ان دونوں بالتوں کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام پیغمبر مخت کر کے حلال کی روزی کمانے اور کھانے کا اہتمام کرتے رہے، جس طرح حضرت وادعہ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان یا نکل من کسب یہدہ (صحیح بخاری، البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیدہ) ”اپنے ہاتھ کی کمالی سے کھاتے تھے“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہر بیان نے کہریاں چرائی ہیں، میں بھی اہل کہ کی کہریاں چند قراریط کے عوض چراتا رہا ہوں“۔ (صحیح بخاری، کتاب الإِجَارَة، باب رعی الغنم علی

کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی والق ہوں۔ (۵)

یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے^(۱) اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۵۲)

پھر انہوں نے خود (ہی) اپنے امر (دین) کے آپس میں
ٹکڑے ٹکڑے کر لیے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے
اکی رات رامائے۔ (۵۳)

پس آپ (بھی) انہیں ان کی غفلت میں ہی کچھ مدت پڑا
رہنے والے۔^(۵۲)

کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں؟ کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد برداھا رہے ہیں۔ (۵۵)

وہ ان کے لیے بھائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں
نہیں) بلکہ سمجھتے ہی نہیں۔ (۵۶)

یقیناً جو لوگ اپنے رب کی بیت سے ڈرتے ہیں۔ (۵۷)
اور جو ائے رب کی آئتوں را یمان رکھتے ہیں۔ (۵۸)

وَإِنْ هُنَّ إِمَامٌ لِّكُمْ أُمَّةٌ وَّلَاحِدَةٌ وَّأَنَّا رَبُّكُمْ فَاذْتَغُونَ

فقط عوام هم بینه زبراء، کل حزب پیش
لذتی هم فرخون (۱)

فَدَرْهُمٌ فِي عُمَرَ تِهْمَحَّثٍ حِينٌ ⑤

أَيْمَنُونَ أَنَّهَا لِنِدْهُمْ بِهِ مِنْ قَالٍ وَبَيْنَنِ ۝

سَارُوا لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ (٦)

وَالَّذِينَ هُمْ بِأَيْتَ رَبِّهِمْ نُؤْمِنُونَ ٦٥

قراریط، آج کل بلیک میلوں، سملگروں، رشوت و سود خوروں اور دیگر حرام خوروں نے محنت مزدوری کر کے حلال روزی کھانے والوں کو حقیر اور پست طبق بنا کر رکھ دیا ہے دراں حالیکہ معاملہ اس کے بر عکس ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں حرام خوروں کے لیے عزت و شرف کا کوئی مقام نہیں، چاہے وہ قارون کے خزانوں کے مالک ہوں، احترام و تکریم کے محتق صرف وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے حلال کی روزی کھاتے ہیں چاہے روکھی سوکھی ہی ہو۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تائید فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ حرامِ کمالیٰ والے کا صدقہ قبول فرماتا ہے نہ اس کی دعاءٰ“ (صحیح مسلم، کتاب الرزکۃ، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب)

(۱) اُمّۃ سے مراد دین ہے، اور ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایک اللہ کی عبادت ہی کی دعوت پیش کی ہے۔ لیکن لوگ دین توحید چھوڑ کر الگ الگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے اور ہرگز وہ اپنے عقیدہ و عمل پر خوش ہے۔ چاہے وہ حق سے کتنا بھی دور ہو۔

(۲) غمزة، ماء کشیر کرتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ گمراہی کی تاریکیاں بھی اتنی گبیر ہوتی ہیں کہ اس میں گھرے ہوئے انسان کی نظروں سے حق او جھل ہی رہتا ہے۔ غمزة سے مراد حیرت، غفلت اور خلاالت ہے۔ آیت میں بطور تهدید ان کو چھوڑنے کا حکم ہے، مقصود وعظ و نصیحت سے روکنا نہیں ہے۔

اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ (۵۹)

اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ (۶۰)

یہی ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں۔ (۶۱)

ہم کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے،^(۲) اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے، ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ (۶۲)

بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت میں ہیں اور ان کے لیے اس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں^(۳) جنہیں وہ کرنے والے ہیں۔ (۶۳)

یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا^(۴) تو وہ بلبلانے لگے۔ (۶۴)

وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا أَنْوَعُوا ۖ قُلْوَبُهُمْ وَجْهَةٌ أَكْوَافُهُمْ
إِلَى رَبِّهِمْ لَرْجُونَ ۝

أُولَئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرِ ۖ وَهُمْ لَهَا سَيِّقُونَ ۝

وَلَا يَنْجُلُونَ فَسَلَالًا وَسَعَهَا ۖ وَلَدَمَنَاكِبُّ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ
وَهُمْ لَا يَنْكِلُونَ ۝

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي حَمْرَةٍ مِنْ هَذَا وَآهُمْ أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ
ذَلِكَ هُمْ لَهَا غَلُونَ ۝

حَتَّىٰ إِذَا خَدَنَ أَنْتَ فِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ جَيْشُونَ ۝

(۱) یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ہمارا عمل یا صدقہ نامقبول قرار نہ پائے۔ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عائشہ رض نے پوچھا ”ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے، بد کاری کرتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ نامقبول نہ ٹھہریں۔“ (ترمذی، تفسیر سورۃ المؤمنون، مسنند احمد ۶/۱۹۵ و ۱۹۰)

(۲) ایسی ہی آیت سورۃ بقرہ کے آخر میں گزر چکی ہے۔

(۳) یعنی شرک کے علاوہ دیگر کبائر یا وہ اعمال مراد ہیں، جو مونوں کے اعمال (خیثت الہی، ایمان بالتوحید وغیرہ) کے بر عکس ہیں۔ تاہم مضموم دونوں کا ایک ہی ہے۔

(۴) مُشَرِّفِینَ سے مراد آسودہ حال (مُنْتَعِمِینَ) ہیں۔ عذاب تو آسودہ اور غیر آسودہ حال دونوں کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن آسودہ حال لوگوں کا نام خصوصی طور پر شاید اس لیے لیا گیا ہے کہ قوم کی قیادت بالعموم انہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، وہ

لَا جُنُوا الْيَوْمَ مِنَكُمْ مُّتَّكِئًا لَا تُصَدُّونَ ①

آج مت بلبلاؤ یقینا تم ہمارے مقابلہ پر مدونہ کیے جاؤ گے۔^(١)

۶۵-

میری آئیں تو تم سارے سامنے پڑھی جاتی تھیں^(٢) پھر بھی تم اپنی ایروں کے بل اٹھ بھاگتے تھے۔^(٣)

اکثرتے ایشخے^(٤) افسانہ گوئی کرتے اسے چھوڑ دیتے تھے۔^(٥)

کیا انہوں نے اس بات میں غور و فکر ہی نہیں کیا؟^(٦) بلکہ

قَدْ كَانَتْ إِلَيْيَ شُلَى عَيْنَكُمْ فَلَمْ يَرْأُوا عَلَى أَعْقَابِكُمْ شَنِكُصُونَ ②

مُشَكِّرِينَ تَغْيِيْه سُرَاقَةَ جُرُونَ ③

أَفَلَمْ يَرَوْا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُ مُؤْمَنٌ يَأْتِي أَبَدَهُمُ الْأَقْلَمُينَ ④

جس طرف چاہیں، قوم کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا راست اختیار کریں اور اس پر ڈالے رہیں تو انہی کی دیکھا دیکھی قوم بھی اس سے مس نہیں ہوتی اور توبہ و ندامت کی طرف نہیں آتی۔ یہاں متوفین سے مراد وہ کفار ہیں، جنہیں مال و دولت کی فراوانی اور اولاد و احفاد سے نواز کر مسلط دی گئی۔ جس طرح کہ چند آیات قبل ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یا مراد چودھری اور سردار قسم کے لوگ ہیں۔ اور عذاب سے مراد اگر دنیوی ہے، تو جنگ بدر میں جو کفار مکہ مارے گئے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کے نتیجے میں بھوک اور تحط سالی کا جو عذاب مسلط ہوا تھا، وہ مراد ہے یا پھر مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مگر یہ سیاق سے بیہد ہے۔

(۱) یعنی دنیا میں عذاب اللہ سے دوچار ہو جانے کے بعد کوئی حق پکار اور جزع فزع انہیں اللہ کی گرفت سے چھڑانیں سکتی۔ اسی طرح عذاب آخرت سے بھی انہیں چھڑانے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(۲) یعنی قرآن مجید یا احکام اللہ، جن میں پیغمبر کے فرمودات بھی شامل ہیں۔

(۳) نُكُوصُ کے معنی ہیں رَجَعَتْ قَهْقَرَى (اٹھ پاؤں لوٹنا) لیکن بطور استعارہ اعراض اور روگرانی کے معنی و مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی آیات و احکام اللہ سن کر تم منہ پھیر لیتے تھے اور ان سے بھاگتے تھے۔

(۴) بِدْ کا مرجع جمصور مفسرین نے الْبَيْتُ الْعَيْنِ (خانہ کعبہ) یا حرم لیا ہے۔ یعنی انہیں اپنی تولیت خانہ کعبہ اور اس کا خادم و نگران ہونے کا جو غرہ تھا، اس کی بناء پر آیات اللہ کا انکار کیا اور بعض نے اس کا مرجع قرآن کو بنایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل میں کبر و نحوت پیدا ہو جاتی جو انہیں قرآن پر ایمان لانے سے روک دیتی۔

(۵) سَمَرْ کے معنی ہیں رات کی گفتگو یہاں اس کے معنی خاص طور پر ان بالوں کے ہیں جو قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ کرتے تھے اور اس کی بناء پر وہ حق کی بات سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے یعنی چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے بھر کے معنی ہدیان گوئی اور بعض نے نخش گوئی کے کیے ہیں۔ یعنی راتوں کی گفتگو میں تم قرآن کی شان میں ہدیان بکتے ہو یا بے ہو دہ اور نخش باتیں کرتے ہو جن میں کوئی بھلائی نہیں، (فتح القدر، ایسر الفتاوی)

(۶) بات سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی اس میں غور کر لیتے تو انہیں اس پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جاتی۔

ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس
نہیں آیا تھا؟^(١) (٢٨)

یا انہوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے منکر ہو
رہے ہیں؟^(٢) (٢٩)

یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟^(٣) بلکہ وہ تو ان کے
پاس حق لایا ہے۔ ہاں ان میں اکثر حق سے چڑنے والے
ہیں۔^(٤) (٢٠)

اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و
آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو
جائے۔^(٥) حق تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت
پہنچا دی ہے لیکن وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے
ہیں۔^(٦) (١٧)

کیا آپ ان سے کوئی اجرت چاہتے ہیں؟ یاد رکھیے کہ

أَمْرُهُ يَعْرِفُ وَإِسْوَالُهُ تَعْلَمُ لَهُ مُنْكَرُونَ^(٧)

أَمْرُهُمْ لِيَهُجَّمُ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَلَكُنْهُمُ الظَّاهِرُونَ^(٨)

وَلَوْأَبْعَدَ الْمُكَبِّرُهُمْ لَتَسْدِّدَ إِلَيْهِمُ الْتَّمَاثُولُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا
بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّغَيَّبُونَ^(٩)

أَمْسَأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَجُوكُمْ بِحَيْثُ شَاءُوْ وَهُوَ حَيْرُ الرَّازِقِينَ^(١٠)

(١) یہ آزم منقطعہ یا انتقالیہ یعنی مل کے معنی میں ہے یعنی ان کے پاس وہ دین اور شریعت آئی ہے جس سے ان کے آباد
اجداد، زمانہ، جاہلیت میں محروم رہے۔ جس پر انہیں اللہ کا شکر ادا کرنا اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہئے تھا۔

(٢) یہ بطور تو نخ کے ہے، کیونکہ وہ پیغمبر کے نسب، خاندان اور اسی طرح اس کی صداقت و امانت، راست بازی اور
اخلاق و کردار کی بلندی کو جانتے تھے اور اس کا اعتراف کرتے تھے۔

(٣) یہ بھی زبر و تو نخ کے طور پر ہی ہے یعنی اس پیغمبر نے ایسا قرآن پیش کیا ہے جس کی نظر پیش کرنے سے دنیا قاصر
ہے، اسی طرح اس کی تعلیمات نوع انسانی کے لیے رحمت اور امن و سکون کا باعث ہیں۔ کیا ایسا قرآن اور ایسی تعلیمات
ایسا شخص بھی پیش کر سکتا ہے جو دیوانہ اور مجون ہو؟

(٤) یعنی ان کے اعراض اور اخکبار کی اصل وجہ حق سے ان کی کراہت (نابندیدگی) ہے جو عرصہ دراز سے باطل کو
اختیار کیے رکھنے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔

(٥) حق سے مراد دین اور شریعت ہے۔ یعنی اگر دین ان کی خواہشات کے مطابق اترے تو ظاہربات ہے کہ زمین و
آسمان کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ ایک معبد کے بجائے متعدد معبدوں ہوں، اگر فی الواقع ایسا
ہو، تو کیا نظام کائنات تھیک رہ سکتا ہے؟ وَعَلَى هَذَا الْقِيَاسِ وَيُغَرِّبُ ان کی خواہشات ہیں۔

آپ کے رب کی اجرت بہت ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رسائی ہے۔^(۷۲)

یقیناً آپ تو انہیں راہ راست کی طرف بلا رہے ہیں۔^(۷۳)

بیشک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے مرجانے والے ہیں۔^(۱)^(۷۴)

اور اگر ہم ان پر حرم فرمائیں اور ان کی تکفیلیں دور کر دیں تو یہ تو اپنی اپنی سرکشی میں جنم کروں گے۔^(۲)^(۷۵)

اور ہم نے انہیں عذاب میں بھی پکڑا تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی۔^(۳)^(۷۶)

یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہو گئے۔^(۴)^(۷۷)

وَإِنَّكَ لَتَدْعُهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ②

وَلَمَّاَنِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الْقُرْآنِ لَذَبَّوْنَ ②

وَلَوْرَجِنَّهُمْ وَكَثُرَنَا مَا يَعْمَلُونَ صُرْتُ لِلْجُنُوْنِ طَعْيَانِ يَهُمْ
يَعْمَلُونَ ④

وَلَقَدْ أَخْذَنَّهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا أَنْتَ كَانُوا لِرِبِّهِمْ
وَمَا يَعْفَرُونَ ④

حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَنْهُمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَرِيدًا ذَا هُرْفَيْهِ
مُبْلِسُونَ ⑤

(۱) یعنی صراطِ مستقیم سے ان کے انحراف کی وجہ آخرت پر عدم ایمان ہے۔

(۲) اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں جو بعض و عناد تھا اور کفر و شرک کی ولدوں میں جس طرح وہ پھنسنے ہوئے تھے، اس میں ان کا بیان ہے۔

(۳) عذاب سے مراد یہاں وہ تھکست ہے جو جنگ بد ر میں کفار مکہ کو ہوئی، جس میں ان کے ستر آدمی بھی مارے گئے تھے یا وہ قحط سالی کا عذاب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کے نتیجے میں ان پر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی «اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبَبِ كَسْبِيْنِ يُوسُفَ». (البخاری۔ کتاب الدعوات، باب الدعاء، علی المشرکین، و مسلم۔ کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاۃ، اذ انزلت بالمسلمین نازلة) اے اللہ، جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں سات سال قحط رہا، اسی طرح قحط سالی میں انہیں جتنا کر کے ان کے مقابلے میں میری مد، فرم۔ چنانچہ کفار مکہ اس قحط سالی میں جتنا کر کے گئے جس پر حضرت ابوسفیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ اب تو ہم جانوروں کی کھالیں اور خون تک کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جس پر آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

(۴) اس سے دنیا کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی، جہاں وہ تمام راحت اور خیر سے مایوس اور محروم ہوں گے اور تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُلُومُ السَّمَاءَ وَالْأَقْمَارَ وَالْأَقْيَدَةَ قَدِيرًا
مَا تَشَكُّرُونَ ①

وَهُوَ الَّذِي ذَرَ أَكْعُنْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُخْتَرُونَ ②

وَهُوَ الَّذِي يُبْعِي وَيُبْيِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الْأَيْمَلِ
وَالْأَمْلَادُ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ③

بَلْ قَاتُوا مِثْلَ مَا قَاتَ الْأَوْلَوْنَ ④

قَاتُوا مَرَدًا إِذَا مِنَّا وَلَكَانُوا رَابِّيْاً وَعَظَامًا عَمَّا لَمْ يَعْوِذُونَ ⑤

لَقَدْ وَعْدْنَاكُمْ وَإِنَّا فَنَاهَذَا مِنْ قَبْلٍ إِنْ هَذَا
إِلَّا كَسَاطِيرُ الْأَقْلَمِينَ ⑥

(١) یعنی عقل و فهم اور سننے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تاکہ ان کے ذریعے سے وہ حق کو پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں۔ یعنی ان نعمتوں کا شکر ہے۔ مگر یہ شکر کرنے والے یعنی حق کو اپنانے والے کم ہی ہیں۔

(٢) اس میں اللہ کی قدرت عظیمہ کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے تمہیں پیدا کر کے مختلف اطراف میں پھیلا دیا ہے، تمہارے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، زبانیں بھی مختلف اور عادات و رسومات بھی مختلف۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو زندہ کر کے وہ اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔

(٣) یعنی رات کے بعد ورن اور دن کے بعد رات کا آنا، پھر رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہوتا۔

(٤) جس سے تم یہ سمجھ سکو کہ یہ سب کچھ اس ایک اللہ کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے سامنے ہر چیز جھکی ہوئی ہے۔

(٥) أَسَاطِيرُ، أَسْنَطُورَةُ کی جمع ہے یعنی مَسْطَرَةٌ مَنْكُوْبَةٌ لکھی ہوئی حکایتیں، کہانیاں۔ یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ کب سے ہوتا چلا آ رہا ہے، ہمارے آباد اجداد سے! لیکن ابھی تک روپہ عمل تو نہیں ہوا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پسلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

پوچھئے تو سی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟
بتلاو اگر جانتے ہو؟ (۸۳)

فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم
نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ (۸۵)

دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش
کارب کون ہے؟ (۸۶)

وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے کہ پھر
تم کیوں نہیں ڈرتے؟ (۱) (۸۷)

پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو
پناہ دیتا ہے (۲) اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں
دیجاتا، (۳) اگر تم جانتے ہو تو بتلاو؟ (۸۸)

یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر
سے جادو کر دیے جاتے ہو؟ (۴) (۸۹)

حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بیشک
جموٹے ہیں۔ (۹۰)

فُلْ لِيْلَنَ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا لَمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ①

سَيَقُولُونَ بِلِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ②

فُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبِيعُ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ③

سَيَقُولُونَ بِلِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَقَوَّنَ ④

فُلْ مَنْ يَسِيدُهُ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُحِيدُ وَلَا يُجَازُ
عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ⑤

سَيَقُولُونَ بِلِلَّهِ قُلْ فَلَيْلَتُ شَرُونَ ⑥

بَلْ أَتَيْتُهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ⑦

(۱) یعنی جب تمہیں تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیا کا خالق بھی ایک اللہ ہی ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے، تو پھر تمہیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے، پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟

(۲) یعنی جس کی وہ حفاظت کرنا چاہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لے، کیا اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟

(۳) یعنی جس کو وہ نقصان پہنچانا چاہے، کیا کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے کہ وہ اسے نقصان سے بچا لے اور اللہ کے مقابلے میں اپنی پناہ میں لے لے؟

(۴) یعنی پھر تمہاری عقولوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی روبویت، اس کی خالقیت و ما کیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے، انہیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا۔ یعنی عبادت صرف ایک اللہ کی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ آسمان و زمین کی تخلیق یا اس کی تدبیر میں کوئی اور بھی شریک ہے بلکہ صرف اس مغالطے کی بنابر کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے

نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبدوں ہے، ورنہ ہر معبد اپنی مخلوق کو لیے لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔ جو اوصاف یہ بتلاتے ہیں ان سے اللہ پاک (اور بے نیاز) ہے۔^(۹۱)

وہ غائب حاضر کا جانے والا ہے اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے۔^(۹۲)

آپ دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھائے جس کا وعدہ انہیں دیا جا رہا ہے۔^(۹۳)

تو اے رب! تو مجھے ان طالبوں کے گروہ میں نہ کرنا۔^(۹۴)

ہم جو کچھ وعدے انہیں دے رہے ہیں سب آپ کو دکھا دینے پر یقیناً قادر ہیں۔^(۹۵)

مَا أَتَخْدَنَّ اللَّهَ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٌ إِذَا ذَهَبَ
كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّابَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ
عَمَّا يَصِفُونَ^(۴)

عَلَيْهِ الْغَيْبُ وَالشَّهادَةُ فَتَعْلَمُ عَمَّا يُشَرِّكُونَ^(۵)

قُلْ رَبِّ إِنَّا تُرِيكُ مَا يُوَعِّدُونَ^(۶)

رَبِّ فَلَمَّا جَعَلْتِنِي فِي الْقَوْمِ الظَّلِيمِينَ^(۷)

وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ تُرِيكَ مَا نَعْدُهُمْ لَقَدْ رُونَ^(۸)

تھے، ان کو بھی اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ یہی مخالفت آج کل کے مردہ پرست اہل بدعت کو ہے جس کی بنیاد پر وہ فوت شد گان کو مدد کے لیے پکارتے، ان کے نام کی نذر نیاز دیتے اور ان کو اللہ کی عبادت میں شریک گردانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے کسی فوت شدہ بزرگ، ولی یا نبی کو اختیارات دے رکھے ہیں، تم ان کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرو، یا انہیں مدد کے لیے پکارو یا ان کے نام کی نذر نیاز دو۔ اسی لیے اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا۔ یعنی یہ اچھی طرح واضح کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں، اور یہ اگر اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر رہے ہیں، تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، نہیں، بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھاویکھی اور آبابرستی کی وجہ سے اس شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصے کی مخلوق کا تنظام اپنی مرضی سے کرتا اور ہر ایک شریک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام کائنات میں ایسی کشاکشی نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے، جو مشرکین اس کی بابت باور کرتے ہیں۔

(۱) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے "إِذَا أَرَدْتَ بِقَوْمٍ فَتَوَفَّنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ" (ترمذی، تفسیر سورۃ حلق و مسند احمد، جلدہ ص ۲۲۲) اے اللہ جب تو کسی قوم پر آزمائش یا عذاب بھیجنے کا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے پہلے مجھے دنیا سے اخراج لے۔

برائی کو اس طریقے سے دور کریں جو سراسر بھلائی والا ہو،^(۱) جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہم بخوبی واقف ہیں۔^(۶) اور دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔^(۲)^(۷)

اور اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آجائیں۔^(۳)^(۸)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کوموت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے۔^(۹) کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر لوں،^(۴) ہرگز ایسا نہیں ہو گا،^(۵) یہ تو صرف ایک قول

إِذْ قَعَ بِالْكَيْنَى هِيَ أَحْسَنُ السَّيْنَةِ تَحْنُنْ أَعْلَمُ بِهَا يَصْفُونَ^(۶)

وَقُلْ رَبِّيْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَتِ الشَّيْطَنِينَ^(۷)

وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّيْتُ أَنْ يَعْضُرُونِ^(۸)

حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدُهُمُ الْمَوْتَ قَالَ رَبِّيْتُ أَرْجِعُونِ^(۹)

لَعْنَى أَعْمَلُ صَاحِبًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَادِهَا كَلِمَهُ هُوَ قَاتِلُهَا
وَمِنْ وَرَأْيِهِمْ بِرَزْخٍ إِلَى يَوْمِ يَبْعَثُونَ^(۱۰)

(۱) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا "برائی ایسے طریقے سے دور کرو جو اچھا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا دشمن بھی، تمہارا گراووست بن جائے گا"۔ (حلم السجدۃ ۳۵۳۲)

(۲) چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیطان سے اس طرح استعاذه کرتے "أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِينِ الْعَلِيِّ مِنَ الشَّبَطَنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزَهُ وَنَفَخَهُ وَنَفَّهَهُ" (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما يستفتح به الصلوٰۃ من الدعاء، ترمذی، باب ما يقول عند افتتاح الصلوٰۃ)

(۳) اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید فرمائی کہ ہر اہم کام کی ابتداء اللہ کے نام سے کرو یعنی بسم اللہ پڑھ کر۔ کیوں کہ اللہ کی یاد، شیطان کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی لیے آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَذَمِ، وَمِنَ الغَرَقِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ" (ابوداؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذه؛ رات کو گھبراہٹ میں آپ یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔ «بِاسْمِ اللَّهِ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّائِةِ مِنْ غَضَبِهِ، وَعَقَابِهِ، وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنَّ يَخْضُرُونِ» (مسند احمد، ۱۸/۲، ابوداؤد، کتاب الطب، باب کیف الرفق، ترمذی، أبواب الدعوات)

(۴) یہ آرزو، ہر کافر موت کے وقت، دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت، بارگاہِ اللہ میں قیام کے وقت اور جنم میں دھکیل دیئے جانے کے وقت کرتا ہے اور کرے گا، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ منافقون، ۱۰، ۱۱، ابراہیم، ۳۲، اعراف، ۵۳، السجدة، ۱۲، الانعام، ۲۷، ۲۸، الشوریٰ، ۲۳، المؤمن، ۱۱، فاطر، ۳۔ وَغَيْرِهَا مِنَ الْآيَاتِ

(۵) کلاؤ، ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ انسیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔

ہے جس کا یہ قائل^(۱) ہے، ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک۔^(۲) (۱۰۰)
 پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے، نہ آپس کی پوچھ گچھ۔^(۳) (۱۰۱)
 جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات والے ہو گئے۔^(۴) (۱۰۲)

اور جن کے ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لیے جنم واصل ہوئے۔^(۵) (۱۰۳)
 ان کے چروں کو آگ جھلتی رہے گی^(۶) اور وہ وہاں

فَإِذَا أَنْفَعَهُ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَيْدٌ
 وَلَا يَسْأَءُهُمْ ۝

فَمَنْ شَقَّتْ مَوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُنْقَلِبُونَ ۝

وَمَنْ خَطَّ مَوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ حَسِرُوا أَنفُسَهُمْ
 فِي جَهَنَّمَ خَلِدُونَ ۝

تَلْفُهُ وُجُوهُهُمُ التَّارُوْهُمْ فِيهَا لَيْلُهُونَ ۝

(۱) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایسی بات ہے کہ جو ہر کافر نزع (جانکنی) کے وقت کرتا ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ یہ صرف بات ہی بات ہے عمل نہیں، اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو ان کا یہ قول، قول ہی رہے گا، عمل صالح کی توفیق انہیں پھر بھی نصیب نہیں ہو گی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَلَوْرَدُوا عَادُ وَالْمَلَائِكَةُ هُوَ عَنْهُمْ﴾ (الأنعام: ۲۸) ”اگر انہیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔“ حضرت قادہؓ فرماتے ہیں، ”کافر کی اس آرزو میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، کافر دنیا میں اپنے خاندان اور قبیلے کے پاس جانے کی آرزو نہیں کرے گا، بلکہ عمل صالح کے لیے دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا۔ اس لیے زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ عمل صالح کر لیے جائیں تاکہ کل قیامت کو یہ آرزو کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے“ (ابن کثیر)

(۲) دوچیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان جو وقفہ ہے، اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہو گا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیان کی زندگی، جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جلا ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے، برزخ کی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہو گا۔ بظاہروہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہو گا، یا راکھ بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا یا دریاؤں میں بہادریا گیا ہو گایا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہو گا، مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرمائیں میں مل کر مٹی بن چکا ہو گا۔

(۳) محشر کی ہونا کیوں کی وجہ سے ابتداء ایسا ہو گا۔ بعد میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ بھی کریں گے۔

(۴) چرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ انسانی وجود کا سب سے اہم اور اشرف حصہ ہے، ورنہ جنم کی آگ تو پورے جسم کو ہی میط ہو گی۔

بد شکل بنے ہوئے ہوں گے۔^(۱) (۱۰۴)

کیا میری آئیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی
تھیں؟ پھر بھی تم انہیں جھلاتے تھے۔ (۱۰۵)

کہیں گے کہ اے پور دگار! ہماری بد بختی ہم پر غالب
آگئی (واقعی) ہم تھے ہی گمراہ۔ (۱۰۶)

اے ہمارے پور دگار! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر
اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بیٹک ہم ظالم ہیں۔ (۱۰۷)
اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھنکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور
مجھ سے کلام نہ کرو۔ (۱۰۸)

میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابری کہتی رہی
کہ اے ہمارے پور دگار! ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں
بخش اور ہم پر رحم فرماتو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان
ہے۔ (۱۰۹)

(لیکن) تم انہیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ
(اس مشغله نے) تم کو میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان
سے مذاق ہی کرتے رہے۔ (۱۱۰)

میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ
وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں۔^(۱) (۱۱۱)

الْمُتَّكَلُونَ إِلَيْنَا شُتَّى عَلَيْكُمْ فَلَمْ يَنْتَهُمْ بِهَا لَكُلُّ دُبُونَ^(۱)

فَالْوَارِثُنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شَفَوْنَا وَكُلُّ أَقْوَامٍ ضَالُّنَ^(۲)

رَبَّنَا أَخْرَجْنَا مِنْهَا فَإِنْ هُدْنَا فَإِنَّا لَأَظْلَمُونَ^(۳)

قَالَ اخْسُنُوا فِيهَا وَلَا تَنْجِلُونَ^(۴)

إِنَّهُ كَانَ فِيْرِيقٌ مِنْ عِبَادِيْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَمَنَّا
فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ^(۵)

فَاتَّخَذْتُمُوهُ سِرْخِيَّا حَتَّى أَنْتُوكُمْ ذُكْرِي وَكُلُّ نُوْمَنْهُمْ
صَحَّلُونَ^(۶)

إِنْ جَزِيَّتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَاعِلُونَ^(۷)

(۱) کلخ کے معنی ہوتے ہیں ہونٹ سکر کر دانت ظاہر ہو جائیں۔ ہونٹ گویا دانتوں کا لباس ہیں، جب یہ جنم کی آگ سے سمت اور سکر جائیں گے تو دانت ظاہر ہو جائیں گے؛ جس سے انسان کی صورت بد شکل اور ڈراؤنی ہو جائے گی۔

(۲) لذات اور شهوات کو جوانان پر غالب رہتی ہیں، یہاں بد بختی سے تعبیر کیا ہے کیوں کہ ان کا نتیجہ، داعی بد بختی ہے۔

(۳) دنیا میں اہل ایمان کے لیے ایک صبر آزماء مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جب دین و ایمان کے مقضیات پر عمل کرتے ہیں تو دین سے نا آشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انہیں استہزا ملامت کا نشانہ بنایتے ہیں۔ کتنے ہی کمزور ایمان والے ہیں کہ وہ ان ملامتوں سے ڈر کرہتے ہیں احکام الیہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جیسے داڑھی ہے، پردے کا مسلسلہ

قُلْ كُمْ لِيُشْتَهِرُ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ①

قَالُوا إِنَّا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَيَلُ الْعَادِيْنَ ②

قُلْ إِنْ أَيْمَنْمُ إِلَّا قَلِيلًا وَإِنَّمَا تَنْتَهُ تَعْلَمُونَ ③

أَفَحَسِبُوكُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبْدَنَا وَأَنَّمَا إِلَيْنَا الْمُرْجَعُونَ ④

فَتَعْلَمُ اللَّهُ الْبَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ

الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ⑤

اللَّهُ تَعَالَى سَچا بادشاہ ہے وہ بڑی بلندی والا ہے،^(۳) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے۔^(۴)

ہے، شادی بیاہ کی ہندوانہ رسومات سے اجتناب ہے، غیرہ وغیرہ۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کسی بھی ملامت کی پروا نہیں کرتے اور اللہ و رسول کی اطاعت سے کسی بھی موقعے پر انحراف نہیں کرتے۔ ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَا يَبْرُو﴾ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انہیں اس کی بھترین جزا عطا فرمائے گا اور انہیں کامیابی سے سرفراز کرے گا۔ جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔ اللہُمَّ! أَجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

(۱) اس سے مراد فرشتے ہیں، جو انسانوں کے اعمال اور عمریں لکھنے پر مأمور ہیں یا وہ انسان مراد ہیں جو حساب کتاب میں مہارت رکھتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیاں، ان کے ذہنوں سے دنیا کی عیش و عشرت کو محکر دیں گی اور دنیا کی زندگی انہیں ایسے لگے گی جیسے دن یا آدھا دن۔ اس لیے وہ کمیں گے کہ ہم تو ایک دن یا اس سے بھی کم وقت دنیا میں رہے۔ بے شک تو فرشتوں سے یا حساب جانے والوں سے پوچھ لے۔

(۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی دائیٰ زندگی کے مقابلے میں یقیناً دنیا کی زندگی بست ہی قلیل ہے۔ لیکن اس نکتے کو دنیا میں تم نے نہیں جانا۔ کاش تم دنیا میں اس حقیقت سے دنیا کی بے ثباتی سے آگاہ ہو جاتے، تو آج تم بھی اہل ایمان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔

(۳) یعنی وہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ تمہیں بغیر کسی مقصد کے یوں ہی ایک کھیل کے طور پر بے کار پیدا کرے۔ اور تم جو چاہو کرو، تم سے اس کی کوئی باز پرس ہی نہ ہو۔ بلکہ اس نے تمہیں ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ ہے اس کی عبادت کرنا۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۴) عرش کی صفت کریم بیان فرمائی کہ وہاں سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَيْهَا أَخْرَىٰ لَا يُبُرُّهَا نَكَةٌ بِهِ
فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِطُ الْكُفَّارُونَ ⑯

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبدوں کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بیشک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔ ۱۷) (۱۸)

اور کوہ کہ اے میرے رب! تو بخش اور رحم کرو اور تو سب مریانوں سے بستر مریانی کرنے والا ہے۔ ۱۸)

سورہ نور مدینی ہے اور اس کی چونٹھ آیتیں اور نور کووع ہیں۔

شرع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان نہایت رحم والا ہے۔

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی ہے ۱۹) اور مقرر کردی ہے اور جس میں ہم نے کھلی آیتیں (احکام) آتارے ہیں تاکہ تم یاد رکھو۔ ۱۸)

زنگار عورت و مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ ۲۰) ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے

وَقُلْ رَبِّيْ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّجِيمِ ۱۹)

شُورَةُ النُّورِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ آنِزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَآنِزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيْتَيْ
لَعْلَكُمْ تَذَكَّرُونَ ۱)

الرَّاهِيَّةُ وَالرَّاهِنُ فَاجْلِدُوا أَهْلَنَ وَاجْعِدُ مِنْهُمَا مَا لَهُ جَلَدٌ
وَلَا تَأْخُذُكُمْ بِمَا رَأَفْتُمْ فِي دِينِ اللَّهِ إِنَّمَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ فلاج اور کامیابی آخرت میں عذاب اللہ سے بچ جانا ہے، محض دنیا کی دولت اور آسانیوں کی فراوانی، کامیابی نہیں، یہ تو دنیا میں کافروں کو بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے فلاج کی نفع فرمارہا ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اصل فلاج آخرت کی فلاج ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آئے گی، نہ کہ دنیوی مال و اسباب کی کثرت، جو کہ بلا تفریق مومن و کافر، سب کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

☆ سورہ نور، احزاب اور نساء یہ تینوں سورتیں ایسی ہیں، جن میں عورتوں کے خصوصی مسائل اور معاشرتی زندگی کی بابت اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

(۲) قرآن کریم کی ساری ہی سورتیں اللہ کی نازل کردہ ہیں، لیکن اس سورت کی بابت جو یہ کہا تو اس سے اس سورت میں بیان کردہ احکام کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

(۳) بدکاری کی ابتدائی سزا، جو اسلام میں عبوری طور پر بتلائی گئی تھی، وہ سورۃ النساء، آیت ۱۵ میں گزر چکی ہے، اس

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيَشْهَدُ عَذَابَهُمَا طَلِيفَةٌ
فِنَّ الْمُؤْمِنِينَ ①

إِلَرَأْنِ لَائِنَكُمْ لِلأَزَانِيَّةِ أَوْ مُشْرِكَةِ لِلَّازَانِيَّةِ لَائِنَكُمْهَا
لِلأَزَانِ أَوْ مُشْرِكَةِ وَخُرُمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ②

تمہیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے، اگر تمہیں اللہ پر اور
قیامت کے دن پر ایمان ہو۔^(۱) ان کی سزا کے وقت
مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے۔^(۲)

زانی مرد بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے نکاح
نہیں کرتا اور زناکار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد
کے اور نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام
کر دیا گیا۔^(۳)

میں کہا گیا تھا کہ اس کے لیے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے، ان بد کار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو! پھر جب سورہ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا، اس کے مطابق بد کار مرد و عورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے، وہ تم مجھ سے سیکھ لو، اور وہ ہے کنوارے (غیر شادی شدہ) مرد اور عورت کے لیے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کو سو سو کوڑے اور سنگاری کے ذریعے سے مار دنا۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود باب حد الزنى (والسنن) پھر آپ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً سزاۓ رجم دی اور سو کوڑے (جو چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا صرف رجم (سنگاری) ہے۔ بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور عمد صحابہ رض میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں تمام امت کے فقہاء علماء بھی اسی کے قاتل رہے اور آج تک قاتل ہیں۔ صرف خوارج نے اس سزا کا انکار کیا بر صغير میں اس وقت بھی کچھ ایسے افراد ہیں جو اس سزا کے منکر ہیں۔ اس انکار کی اصل بنیاد ہی انکار حدیث پر ہے۔ کیونکہ رجم کی سزا صحیح اور نہایت قوی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے روایت کرنے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ علانے اسے متواتر روایات میں ثمار کیا ہے۔ اس لیے حدیث کی جیعت کا اور دین میں اس کے مأخذ شرعی ہونے کا قاتل شخص رجم کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ ترس کھا کر سزا دینے سے گریز ملت کرو، ورنہ طبعی طور پر ترس کا آنا، ایمان کے منافی نہیں،
مجملہ خواص طبائع انسانی میں سے ہے۔

(۲) تاکہ سزا کا اصل مقصد کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، زیادہ وسیع پیانے پر حاصل ہو سکے۔ بد قسمتی سے آج کل بر سر عام سزا کو انسانی حقوق کے خلاف باور کرایا جا رہا ہے۔ یہ سراسر جمالت، احکام اللہ سے بغاوت اور بزعم خویش اللہ سے بھی زیادہ انسانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بنتا ہے۔ دراں حائیکہ اللہ سے زیادہ رووف رحیم کوئی نہیں۔

(۳) اس کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تھمت لگائیں پھر
چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی
بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ فاسق لوگ ہیں۔^(۱) ^(۲)
ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں^(۳) تو اللہ
تعالیٰ بخشنے والا اور مریانی کرنے والا ہے۔^(۴)
جو لوگ اپنی بیویوں پر بد کاری کی تھمت لگائیں اور ان کا

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا مُرْجَعَةُ شَهَدَةٌ
فَلَا جِلْدٌ لَّهُمْ تَعْذِيْنَ جَمْدَةً وَلَا تَقْبِلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبْدَأْ^(۵)
وَأُولَئِكَ هُمُ الظَّرِيقُونَ^(۶)
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۷)
وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَا يَكُنْ لَّهُمْ شَهَدَةً أَلَا

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام طور پر بد کار قسم کے لوگ نکاح کے لیے اپنے ہی جیسے لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، چنانچہ زانیوں کی اکثریت زانیوں کے ساتھ ہی نکاح کرنا پسند کرتی ہے اور مقصود اس سے اہل ایمان کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح زنا ایک نمایت فتح اور بڑا گناہ ہے، اسی طرح زنا کاروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا بھی منع اور حرام ہے۔ امام شوکانی نے اس مفہوم کو راجح قرار دیا ہے اور احادیث میں اس کا جو سبب نزول بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ بعض صحابہ رض نے بد کار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے علمائے کہا ہے کہ ایک شخص نے جس عورت سے یا عورت نے جس مرد سے بد کاری کی ہو۔ ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ خالص توبہ کر لیں تو پھر ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ (تفہیم ابن کثیر)

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں نکاح سے مراد معروف نکاح نہیں ہے بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے اور مقصد زنا کی شناخت و قباحت بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بد کار مرد اپنی جنسی خواہش کی ناجائز طریقے سے تسلیم کے لیے بد کار عورت کی طرف اور اسی طرح بد کار عورت بد کار مرد کی طرف رجوع کرتی ہے، مومنوں کے لیے ایسا کرنا یعنی زنا کاری حرام ہے۔ اور مشرک مرد و عورت کا ذکر اس لیے کر دیا کہ شرک بھی زنا سے ملتا جلتا گناہ ہے، جس طرح مشرک اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے در پر جھکتا ہے اسی طرح ایک زنا کار اپنی بیوی کو چھوڑ کر بیوی بیوی اپنے خاوند کو چھوڑ کر غیروں سے اپنا منہ کالا کرتا ہے۔ یوں مشرک اور زنا کے درمیان ایک عجیب معنوی مناسبت پائی جاتی ہے۔

(۱) اس میں قدف (بہتان تراشی) کی سزا بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تھمت لگائے اسی طرح جو عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تھمت عائد کرے اور وہ بطور ثبوت چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کے لیے تین حکم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں، (۲) ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے، ۳۔ وہ عند اللہ و عند الناس فاسق ہیں۔

(۲) توبہ سے کوڑوں کی سزا تو معاف نہیں ہوگی، وہ تائب ہو جائے یا اصرار کرے، یہ سزا تو بہر حال ملے گی۔ البتہ دوسری

کوئی گواہ بجز خود ان کی ذات کے نہ ہو تو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کمیں کہ وہ پھوٹوں میں سے ہیں۔^(۶)

اور پانچوں مرتبہ کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔^(۷)

اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔^(۸)

اور پانچوں دفعہ کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند پھوٹوں میں سے ہو۔^(۹)

آنفُسُهُمْ فَشَاهَدَهُ أَحَدٌ هُمْ أَرْجَعُ شَهَادَتِيَ الَّذِي أَنَّهُ
لِيَنَ الصَّدِيقُونَ^①

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهَا نَكَانَ مِنَ الْكَلِّيْنِ^②

وَيَدْرُوْأُعْنَمَا الْعَذَابَ أَنْ شَهَدَ أَرْجَعَ شَهَادَاتِيَ الَّذِي أَنَّهُ
لِيَنَ الْكَلِّيْنِ^③

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا نَكَانَ مِنَ الصَّدِيقُونَ^④

دو باتیں جو ہیں، مردود الشادہ اور فاسق ہونا، اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء استاذ کو فتن تک محدود رکھتے ہیں یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہیں رہے گا۔ اور بعض مفسرین دونوں جملوں کو اس میں شامل سمجھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد مقبول الشادہ بھی ہو جائے گا۔ امام شوکانی نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے اور آبدا کا مطلب بیان کیا ہے مَآدَامَ قَادِفًا یعنی جب تک وہ بہتان تراشی پر قائم رہے جس طرح کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہیں، تو یہاں ”کبھی“ کا مطلب یہی ہو گا کہ جب تک وہ کافر ہے۔

(۱) اس میں لعان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرد نے اپنی بیوی کو اپنی آنکھوں سے کسی غیر کے ساتھ بد کاری کرتے ہوئے دیکھا، جس کا وہ خود تو یعنی گواہ ہے لیکن چونکہ زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار مردوں کی یعنی گواہی ضروری ہے، اس لیے جب تک وہ اپنے ساتھ مزید تین یعنی گواہ پیش نہ کرے، اس کی بیوی پر زنا کی حد نہیں لگ سکتی۔ لیکن اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ایسی بد چلن بیوی کو برداشت کرنا بھی اس کے لیے ناممکن ہے۔ شریعت نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ یہ شخص عدالت میں یا حاکم مجاز کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کے گا کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کی تهمت لگانے میں سچا ہے یا یہ بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے۔ اور پانچوں مرتبہ کے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔

(۲) یعنی اگر خاوند کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچوں مرتبہ کے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے (اور میں جھوٹی ہوں) تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ تو اس صورت میں وہ زنا کی سزا سے نجیج جائے گی۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جداگانے ہو جائے گی۔ اسے لعان اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دونوں ہی اپنے آپ کو جھوٹا ہونے کی صورت میں مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے بعض واقعات پیش آئے، جن کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وہی واقعات ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا^(۱) (تو تم پر مشقت اترتی) اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا باحکمت ہے۔^(۱۰)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَابُ حَكِيمٌ^(۱)

جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں^(۲) یہ بھی تم

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مُّنْكَرٌ لَا تَحْسُبُوهُ شَرًا لَّكُمْ

(۱) اس کا جواب مخدوف ہے، تو تم میں سے جھوٹے پر فوراً اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن چونکہ وہ توبہ ہے اور حکیم بھی، اس لیے ایک تو اس نے ستر پوشی کر دی، تاکہ اس کے بعد اگر کوئی چےز دل سے توبہ کر لے تو وہ اسے اپنے دامان رحمت میں ڈھانپ لے گا اور حکیم بھی ہے کہ اس نے لعan جیسا مسئلہ بیان کر کے غیور مردوں کے لیے ایک نہایت معقول اور آسان تجویز مہیا کر دی ہے۔

(۲) إِنَّكُمْ سَمِّيَّوْنَ وَأَقْعُدُ أَفْكَمْ سَمِّيَّوْنَ هُمْ مِنْ مَنَافِقِنَ نَعَلَمُ عَفْتَ وَعَزْتَ كُوْدَاعَ دَارَ كُرْنَا چَالَّا تَحَا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت و عزت کو داغ دار کرنا چالا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی براءت نازل فرمادکران کی پاک دامنی اور عفت کو واضح تر کر دیا۔ مختصر ایہ واقعہ یوں ہے کہ حکم حجاب کے بعد غزوہ بنی المصطلق (مریم) سے واپسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے حضرت عائشہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا، صبح کو جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہ کا ہودج بھی، جو خالی تھا، اہل قافلہ نے یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ ام المومنین اس کے اندر ہی ہوں گی۔ اور وہاں سے روانہ ہو گئے، دراں حایکہ حضرت عائشہ اپنے ہار کی تلاش میں باہر گئی ہوئی تھیں، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ چلا گیا۔ تو یہ سوچ کر وہیں لیٹ رہیں کہ جب ان کو میری غیر موجودگی کا علم ہو گا تو تلاش کے لیے واپس آئیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفوان بن معطل سلمی بن بشیر آگئے، جن کی ذمہ داری یہی تھی کہ قافلہ کی رہ جانے والی چیزیں سنبھال لیں۔ انسوں نے حضرت عائشہ کو حکم حجاب سے پسلے دیکھا ہوا تھا۔ انسیں دیکھتے ہی ائنَّ اللَّهَ إِلَّا عَلَيْهِ الْحُكْمُ ہوا اور سمجھ گئے کہ قافلہ غلطی سے یا بے علمی میں حضرت ام المومنین کو یہیں چھوڑ کر آگے چلا گیا ہے۔ چنانچہ انسوں نے انسیں اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود تکمیل تھاے پسیل چلتے قافلے کو جاتے۔ منافقین نے جب حضرت عائشہ کو اس طرح بعد میں اکیلے حضرت صفوان بن بشیر کے ساتھ آتے دیکھا تو اس موقع کو بست نخیست جانا اور رَمَّى الْمُنَافِقِينَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي نَعْمَانَ كَمَا كَهْ يَهْ تَهَانَيْ اور علیحدگی بے سبب نہیں اور یوں انسوں نے حضرت عائشہ کو حضرت صفوان بن بشیر کے ساتھ مطعون کر دیا، دراں حایکہ دونوں ان باتوں سے یکسر بے خبر تھے۔ بعض مخلص مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، مثلاً حضرت حسان، مسٹھ بن اثاثہ اور حسنہ بنت جمش رضی اللہ عنہم (اس واقعہ کی پوری تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورے ایک میسینے تک، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل نہیں ہوئی، سخت پریشان رہے اور حضرت عائشہ کو علمی میں اپنی جگہ بے قرار و مضطرب۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کو اختصار و جامیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ إِنَّكُمْ وَأَقْعُدُ أَفْكَمْ مَنْ مَنَافِقِنَ

میں سے ہی ایک گروہ^(۱) ہے۔ تم اسے اپنے لیے براہ
سمجھو، بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ہاں ان میں
سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا سے نے کمایا ہے اور
ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام
دیا ہے اس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے۔^(۲) ^(۳)

اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں
نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا
صرخ بہتان ہے۔^(۴) ^(۵)

وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ اور جب گواہ نہیں
لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض
جھوٹے ہیں۔^(۶)

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ
ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے

بَلْ هُوَ خَيْرُ الْكُفَّارِ إِنَّمَا مَنْهُمْ نَاكُوبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ وَالَّذِي
تَوَلَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ^(۷)

لَوْلَا إِذْ سَمِعُتُمُوهُ طَنَ النَّؤُمُونَ وَالْمُؤْمِنُ يَأْنِي هُمْ خَيْرٌ
وَقَاتُلُوا هَذَا فُلُكٌ مُّبِينٌ^(۸)

لَوْلَا حَاجَهُ وَعَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شَهَدَاءِ فَإِذْ أَرَأَوْهُ يَا شَهَدَاءِ
فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَلِّ بُونَ^(۹)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَتَكُونُونَ
مَا أَفْضَلُمُ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ^(۱۰)

رہنا۔ اس واقعے میں بھی چونکہ منافقین نے معاملے کو اثادیا تھا یعنی حضرت عائشہ رض کی تھیں، عالی نسب اور رفتہ کردار کی مالک تھیں نہ کہ قذف کی۔ لیکن ظالموں نے اس پیکر عفت کو اس کے بر عکس طعن اور بہتان تراشی کا ہدف بنالیا۔

(۱) ایک گروہ اور جماعت کو عصیۃ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تقویت اور عصیت کا باعث ہوتے ہیں۔
(۲) کیونکہ اس سے ایک تو تھیں کرب اور صدمے کے سبب ثواب عظیم ملے گا، دوسرے آسمانوں سے حضرت عائشہ رض کی براءت سے ان کی عظمت شان اور ان کے خاندان کا شرف و فضل نمایاں تر ہو گیا، علاوہ ازیں اہل ایمان کے لیے اس میں عبرت و مواعظت کے اور کئی پہلو ہیں۔

(۳) اس سے مراد عبد اللہ بن ابی منافق ہے جو اس سازش کا سر غند تھا۔

(۴) یہاں سے تربیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جا رہا ہے جو اس واقعے میں مضر ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان ایک جان کی طرح ہیں، جب حضرت عائشہ رض پر اعتمام طرازی کی گئی تو تم نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے فوراً اس کی تردید کیوں نہ کی اور اسے بہتان صرخ کیوں قرار نہیں دیا؟

تھے اس بارے میں تمیس بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ (۱۳)
 جبکہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور
 اپنے منہ سے ودبات نکالنے لگے جس کی تمیس مطلق خبر
 نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ
 کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔ (۱۵)

تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی
 بات منہ سے نکالنی بھی لاائق نہیں۔ یا اللہ! تو پاک ہے، یہ
 تو بہت بڑا بہتان ہے اور تمہت ہے۔ (۱۶)

إِذْنَكُونَهُ بِالْيَقِينِ كُلُّمَا يَأْتُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ تَأْلِيمٌ لَّكُمْ يَه

عِلْمٌ وَّخَبْرُهُنَّ هَيْنَا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ (۱۷)

وَلَوْلَا أَذْسِعَهُمْ قُلُّمَا يَأْتُونَ لَنَا أَنْتَكُلُّمُ بِهِنَا أَسْبِحُنَّكَ
 هَذَا بِهِنَا عَظِيمٌ (۱۸)

(۱) دوسری بات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتلائی کہ اس بہتان پر انہوں نے ایک گواہ بھی پیش نہیں کیا۔ جب کہ اس کے لیے چار گواہ ضروری تھے، اس کے باوجود تم نے ان بہتان تراشوں کو جھوٹا نہیں کہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسٹھ اور حسنہ بنت جخش رضی اللہ عنہم کو حد قذف لگائی گئی۔ (مسند احمد، جلد ۶، ص۔ ۳۰، ترمذی نمبر ۳۱۸۱، ابو داود، نمبر ۳۲۷۷، ابن ماجہ، نمبر ۲۵۶۷ عبد اللہ بن ابی کوسزا اس لیے نہیں دی گئی کہ اس کے لیے آخرت کے عذاب عظیم کو ہی کافی سمجھ لیا گیا اور مومنوں کو سزادے کر دنیا میں ہی پاک کر دیا گیا۔ دوسرے، اس کے پیچھے ایک پورا جھٹہ تھا، اس کو سزادینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نہ نہنا اس وقت مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے مصلحتاً سے سزادینے سے گریز کیا گیا۔ (فتح التدیر)

تیسرا بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کا فضل و احسان تم پر نہ ہوتا تو تمہارا یہ رویہ کہ تم نے بلا تحقیق اس افواہ کو آگے پھیلانا شروع کر دیا۔ عذاب عظیم کا مطلب یہ ہے کہ افواہ سازی اور اس کی نشر و اشاعت بھی جرم عظیم ہے جس پر انہا عذاب عظیم کا مستحق قرار پاسکتا ہے۔

چوتھی بات کہ یہ معاملہ براہ راست حرم رسول ﷺ اور ان کی عزت و آبرو کا تھا لیکن تم نے اسے قرار واقعی اہمیت نہیں دی، اور اسے ہلکا سمجھا۔ اس سے بھی یہ سمجھانا مقصود ہے کہ محض آبرو ریزی ہی بڑا جرم نہیں ہے کہ جس کی حد سو کوڑے یا رجم ہے بلکہ کسی کی عزت و آبرو پر اس طرح حملہ کرنا اور کسی عفت مائب خاندان کی تذیلی و اہانت کا سروسامان کرنا بھی اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، اسے ہلکامت سمجھو۔ اسی لیے آگے پھر مزید تاکید کرتے ہوئے کہا کہ تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لاائق نہیں۔ یہ یقیناً بہتان عظیم ہے۔ اسی لیے امام مالک فرماتے ہیں کہ جو نام نہاد مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حیائی کا الزام عائد کرے وہ کافر ہے کیوں کہ وہ اللہ کی اور قرآن کی مکنذب کرتا ہے (المیر الفتاوی)

يَعْلَمُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعْوِذُ بِالْمُبَشِّرَةِ أَبْدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ ۱۶

الله تعالیٰ تمیس نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ
کرنا اگر تم پے مومن ہو۔ (۱۷)

الله تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آئیں بیان فرمرا رہا ہے، اور
الله تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ (۱۸)

جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزو مند
رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک
عذاب ہیں،^(۱) اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں
جانتے۔ (۱۹)

اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور
یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بڑی شفقت رکھنے والا مریان ہے۔^(۲)
(تو تم پر عذاب اتر جاتا) (۲۰)

ایمان والوا شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی
قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برے کاموں

وَبَيْتُنَ اللَّهِ لِكُلِ الْإِيمَانِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حَكْمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُجْنِبُونَ أَنْ تَشْيَعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ أَمْنَوْا لَهُمْ
عَذَابَ الْيَقْنُونَ الْدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنَّمَا لَا يَعْلَمُونَ ۚ ۱۷

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا لَا تَتَبَعُوا أَخْطُولَتِ الشَّيْطَنِ فَمَنْ يَتَبَعُهُ فَهُوَ
الشَّيْطَنُ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

(۱) فاحشة کے معنی بے حیائی کے ہیں اور قرآن نے بد کاری کو بھی فاحشہ قرار دیا ہے، (بني اسرائیل) اور یہاں بد کاری کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے حیائی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں عذاب ایک کا باعث قرار دیا ہے، جس سے بے حیائی کے بارے میں اسلام کے مزاج کا اور اللہ تعالیٰ کی فشا کا اندازہ ہوتا ہے کہ محض بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت عند اللہ اتنا بڑا جرم ہے تو جو لوگ رات دن ایک مسلمان معاشرے میں اخبارات 'ریڈیو' نی وی اور فلموں ڈراموں کے ذریعے سے بے حیائی پھیلائیں اور گھر گھر اسے پہنچا رہے ہیں، اللہ کے ہاں یہ لوگ کتنے بڑے مجرم ہوں گے؟ اور ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کیوں کراشاعت فاحشہ کے جرم سے بری الذمہ قرار پا میں گے؟ اسی طرح اپنے گھروں میں لی وی لا کر رکھنے والے، جس سے ان کی آئندہ نسلوں میں بے حیائی پھیل رہی ہے، وہ بھی اشاعت فاحشہ کے مجرم کیوں نہیں ہوں گے؟ اور یہی معاملہ فواحش اور مکرات سے بھر پور روزنامہ اخبارات کا ہے کہ ان کا بھی گھروں کے اندر آتا اشاعت فاحشہ کا ہی سبب ہے، یہ بھی عند اللہ جرم ہو سکتا ہے۔ کاش مسلمان اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور اس بے حیائی کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی مقدور بھروسی کریں۔

(۲) جواب مخدوف ہے، تو پھر اللہ کا عذاب تمیس اپنی گرفت میں لے لیتا۔ یہ محض اس کا فضل اور اس کی شفقت و رحمت ہے کہ اس نے تمہارے اس جرم عظیم کو معاف فرمادیا۔

کا ہی حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کافضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے، کرو دتا ہے۔^(۱) اور اللہ سب سنے والا سب جانے والا ہے۔^(۲)

تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مهاجروں کو فی سبیل اللہ دیتے سے قسم نہ کھالیتی چاہیے، بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمادے؟^(۳) اللہ قصوروں کو

وَرَحْمَةُهُ مَا زَلَىٰ مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبْدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُنْزِكُ مَنْ يَشَاءُ
وَإِنَّ اللَّهَ سَيِّدٌ عَلَيْهِمْ^(۱)

وَلَدَيْتُكُمْ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةُ أُنْ تُنْثَوَى إِلَيْكُمْ أُولَى الْقُرْبَى
وَالْمَسِكِينُ وَالْمُهَاجِرُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَيَعْفُوا وَلَيَصْفَحُوا
أَكَانُوا يَعْجِزُونَ أَنْ يَعْفُرُوا لَهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۲)

(۱) اس مقام پر شیطان کی پیروی سے ممانعت کے بعد یہ فرماتا کہ اگر اللہ کافضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا، اس سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ واقعہ افک میں ملوث ہونے سے بچ گئے، یہ محض اللہ کافضل و کرم ہے جو ان پر ہوا، ورنہ وہ بھی اسی رو میں بہت جاتے، جس میں بعض مسلمان بھے گئے تھے۔ اس لیے شیطان کے داؤ اور فریب سے بچنے کے لیے ایک تو ہر وقت اللہ سے مدد طلب کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے رہو اور دوسرے جو لوگ اپنے نفس کی کمزوری سے شیطان کے فریب کاشکار ہو گئے ہیں، ان کو زیادہ ہدف ملامت مت بناؤ، بلکہ خیر خواہانہ طریقے سے ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

(۲) حضرت مسٹھ، جو واقعہ افک میں ملوث ہو گئے تھے، فقرائے مهاجرین میں سے تھے، رشتہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے، اسی لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے کفیل اور معاش کے ذمے دارتھے، جب یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف معمم میں شریک ہو گئے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا، جو ایک فطری امر تھا چنانچہ نزول براءت کے بعد غصے میں انہوں نے قسم کھالی کر دہ آئندہ مسٹھ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قسم، جو اگرچہ انسانی فطرت کے مطابق ہی تھی، تاہم مقام صدیقیت، اس سے بلند تر کردار کا متناقض تھا، اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور یہ آیت نازل فرمائی، جس میں بڑے پیار سے ان کے اس عاجلانہ بشری اقدام پر انہیں متنبہ فرمایا کہ تم سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرماتا رہے۔ تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرمادے؟ یہ انداز بیان اتنا موثر تھا کہ اسے سنتے ہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساختہ پکارا ہے ”کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم ضرور یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرمادے“ اس کے بعد انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق مسٹھ کی مالی سرپرستی شروع فرمادی (فتح القدير، ابن کثیر)

معاف فرمانے والا مریان ہے۔ (۲۲)

جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی با ایمان عورتوں پر تمٹت
لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے^(۱)
بڑا بھاری عذاب ہے۔ (۲۳)

جبکہ ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ
پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ (۲۴)

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدله حق و انصاف کے
ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے
(اور وہی) ظاہر کرنے والا ہے۔ (۲۵)

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لاائق ہیں اور خبیث
مرد خبیث عورتوں کے لاائق ہیں اور پاک عورتیں پاک
مردوں کے لاائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لاائق
ہیں۔ (۲۶) ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ بکواس

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمَوْنَ الْحُصَنَاتِ الْغُفَلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعْنُوا
فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

يَوْمَ تَبَيَّنُ عَلَيْهِمُ الْأُسْنَةُ هُمْ وَأَئِنَّهُمْ وَأَنْجُلُهُمْ إِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

يَوْمَئِذٍ يُوقَنُهُمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقُّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ
الَّذِينَ ۝

الْخَيْثَاتُ لِلْخَيْثَيْنِ وَالْخَيْثَيْنُ لِلْخَيْثَاتِ وَالظَّيْبَاتُ لِلظَّيْبَيْنِ
وَالظَّيْبَيْنُ لِلظَّيْبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِنَ الْيَقُولَوْنَ
لَمْ تَغْرِفُهُ وَرِزْقُهُ كَرِيمٌ ۝

(۱) بعض مفسرین نے اس آیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطراط رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کہ اس آیت میں بطور خاص ان پر تمٹت لگانے کی سزا بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے لیے توبہ نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے اور اس میں وہی حد قذف بیان کی گئی ہے، جو پسلے گزر چکی ہے۔ اگر تمٹت لگانے والا مسلمان ہے تو لعنت کا مطلب ہو گا کہ وہ قابل حد ہے اور مسلمانوں کے لیے نفرت اور بعد کا مستحق۔ اور اگر کافر ہے تو مفہوم واضح ہی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ملعون یعنی رحمت اللہ سے محروم ہے۔

(۲) جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی اور احادیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۳) اس کا ایک مفہوم تو یہی بیان کیا گیا ہے جو ترجیح سے واضح ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿الْرَّازِيقُ لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً﴾ کے ہم معنی آیت ہو گی، اور خبیثات اور خبیثوں سے زانی مردوں عورت اور طیبات اور طیبوں سے مراد پاک دامن عورت اور مرد ہوں گے۔ دوسرے معنی اس کے ہیں کہ ناپاک باتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک باتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں اور مطلب یہ ہو گا کہ ناپاک باتیں وہی مردوں عورت کرتے ہیں جو ناپاک ہیں اور پاکیزہ باتیں کرنا پاکیزہ مردوں اور عورتوں کا شیوه ہے۔ اس میں اشارہ ہے، اس بات کی طرف کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناپاکی کا الزام عائد کرنے والے ناپاک اور ان سے اس کی براءت کرنے والے پاک ہیں۔

(بہتان باز) کر رہے ہیں وہ ان سے بالکل بربی ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی۔^(۱) (۲۶)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرو،^(۲) یہی تمہارے لیے سراسر برتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔^(۳) (۲۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْتَنُوا إِلَاتَدْخُلُوا إِيمَانًا غَيْرَ بِمَا يَوْمَنَ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا
وَسُلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَلِكُمُ الْخَيْرُ الْمَعْلُومُ تَذَكَّرُونَ ۝

(۱) اس سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوگی۔

(۲) گزشتہ آیات میں زنا اور قذف اور ان کی حدود کا بیان گزرا، اب اللہ تعالیٰ گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرمائیا ہے تاکہ مردوں اور عورت کے درمیان اختلاط نہ ہو جو عام طور پر زنا یا قذف کا سبب بنتا ہے۔ آستیناس کے معنی ہیں، 'علوم کرنا' یعنی جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اندر کون ہے اور اس نے تمہیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے، اس وقت تک داخل نہ ہو۔ بعض نے تَسْتَأْنِسُوا کے معنی تَسْتَأْذِنُوا کے کیے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ آیت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر پسلے اور سلام کرنے کا ذکر بعد میں ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پسلے سلام کرتے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا یہ معمول بھی تھا کہ تم مرتباً آپ ﷺ اجازت طلب فرماتے، اگر کوئی جواب نہیں آتا تو آپ ﷺ واپس لوٹ آتے۔ اور یہ بھی آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ اجازت طلبی کے وقت آپ ﷺ دروازے کے دامیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے، تاکہ ایک دم سامنا نہ ہو جس میں بے پر دیگی کا امکان رہتا ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم والاستئذان ثلاثاً، مسند احمد ۲/۱۳۸، أبو داود، کتاب الأدب، باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان) اسی طرح آپ ﷺ نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (البخاری، کتاب الدیبات، باب من اطلع فی بیت قوم ففقاء اعینه فلادیة له مسلم، کتاب الأدب، باب تحريم النظر فی بیت غیره) آپ ﷺ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ جب اندر سے صاحب بیت پوچھتے کون ہے؟ تو اس کے جواب میں "میں" میں "کما جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نام لے کر اپنا تعارف کرائے۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب إِذَا قَالَ مَنْ ذَا؟ قَالَ أَنَا، وَمُسْلِمٌ، کتاب الأدب باب کراهة قول المستاذن أنا إذا قيل من هذا؟ وأبوداود، کتاب الأدب)

(۳) یعنی عمل کرو، مطلب یہ ہے کہ اجازت طلبی اور سلام کرنے کے بعد گھر کے اندر داخل ہونا، دونوں کے لیے اچانک داخل ہونے سے بہتر ہے۔

اگر وہاں تمیس کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ ہی جاؤ، یہی بات تمہارے لیے پاکیزہ ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (۲۸)

ہاں غیر آباد گھروں میں جہاں تمہارا کوئی فائدہ یا اسباب ہو، جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔^(۱) تم جو کچھ بھی ظاہر کرتے ہو اور جو چھپتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔^(۲) (۲۹)

مسلمان مردوں سے کوکہ اپنی نگاہیں پنجی رکھیں،^(۳) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔ یہی اُنکے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے۔ (۳۰)

مسلمان عورتوں سے کوکہ وہ بھی اپنی نگاہیں پنجی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں^(۴) اور اپنی زینت

فَإِنْ لَمْ تَعِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَنْهَا خُلُوقَهُ حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لِكُوْنَهُنَّ قِيلَ
لَمْ أُرْجِعُوهُنَّا فَأُرْجِعُوهُنَّا إِذْ كُوْنُهُنَّ لَكُمْ وَإِنَّهُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلَيْهِ^(۵)

لَيْسَ عَلَيْهِنَّ مُجْنَانٌ أَنْ تَدْخُلُوْنَ بِأَعْيُونَةٍ فِيهَا مَتَّلِعَةٌ لَكُمْ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ بِمَا تَبْدِيُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ^(۶)

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُبُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَغْفِظُوا فِرْوَاجَهُمْ ذَلِكَ
أَذْكُرْ لَهُمْ لِآنَ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ^(۷)

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنِتِ يَغْضُبْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرْجَهُنَّ
وَلَا يَنْبَغِي لَهُنَّ زِينَتٌ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهُا وَلَيَقْرِبُنَّ بِخُرُونَ عَلَىٰ

(۱) اس سے مراد کون سے گھر ہیں، جن میں بغیر اجازت لیے داخل ہونے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں، جو بطور خاص مہمانوں کے لیے الگ تیار یا مخصوص کر دیئے گئے ہوں۔ ان میں صاحب خانہ کی پہلی مرتبہ اجازت کافی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائے ہیں جو مسافروں کے لیے ہی ہوتی ہیں یا تجارتی گھر ہیں، متعاق کے معنی، منفعت کے ہیں یعنی جن میں تمہارا فائدہ ہو۔

(۲) اس میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو دوسروں کے گھروں میں داخل ہوتے وقت مذکورہ آداب کا خیال نہیں رکھتے۔

(۳) جب کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا تو اس کے ساتھ ہی غض بصر (آنکھوں کو پست رکھنے یا بند رکھنے) کا حکم دے دیا تاکہ اجازت طلب کرنے والا بھی باخصوص اپنی نگاہوں پر کنٹول رکھے۔

(۴) یعنی ناجائز استعمال سے اس کو بچائیں یا انہیں اس طرح چھپا کر رکھیں کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اس کے یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں کیوں کہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں نظروں کی حفاظت کا پہلے ذکر کیا گیونکہ اس میں بے احتیاطی ہی، حفظ فروج سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔

(۵) عورتیں بھی اگرچہ غض بصر اور حفظ فروج کے پہلے حکم میں داخل تھیں، جو تمام مومنین کو دراگیا ہے اور مومنین میں

کو ظاہرنہ کریں،^(۱) سوائے اسکے جو ظاہر ہے^(۲) اور اپنے گریانوں پر اپنی اوڑھیاں ڈالے رہیں،^(۳) اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہرنہ کریں،^(۴) سوائے اپنے خاوندوں کے^(۵) یا اپنے والد کے یا اپنے خرکے

جِبْرِيلُهُنَّ وَكَلَّا يُبَدِّلُنَّ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعْدِهِنَّ أَوْ لِأَنَّهُنَّ أَذْلَى إِلَّا
بُعْدِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءُهُنَّ أَوْ أَبْنَاءُهُنَّ بُعْدِهِنَّ أَوْ أَخْوَانَهُنَّ أَوْ بَنِيَّ
إِخْرَانَهُنَّ أَوْ بَنِيَّ أَخْوَانَهُنَّ أَوْ نِسَاءُهُنَّ أَوْ مَلَكَتْ أَيْمَانَهُنَّ
أَوْ الْمُتَبَعِينَ غَيْرُ أُولَئِكَ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الظَّفَلِ الَّذِينَ

مومن عورتیں بھی بالعلوم شامل ہی ہوتی ہیں لیکن ان سائل کی اہمیت کے پیش نظر عورتوں کو بھی بطور خاص دوبارہ وہی حکم دیا جا رہا ہے جس سے مقصود تاکید ہے بعض علامے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا منوع ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا مطلقاً منوع ہے۔ اور بعض نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں حضرت عائشہ رض کا جیسوں کا کھلیل دیکھنے کا ذکر ہے (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب أصحاب الحراب فی المسجد) بغیر شوت کے مردوں کی طرف دیکھنے کی عورتوں کو اجازت دی ہے۔

(۱) زینت سے مراد وہ لباس اور زیور ہے جو عورتیں اپنے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے پہنچتی ہیں، جملکی تاکید انہیں اپنے خاوندوں کے لیے کی گئی ہے۔ جب لباس اور زیور کا اظہار غیر مردوں کے سامنے عورت کے لیے منوع ہے تو جسم کو عرباں اور نمایاں کرنے کی اجازت اسلام میں کب ہو سکتی ہے؟ یہ تو بطریق اولیٰ حرام اور منوع ہو گا۔

(۲) اس سے مراد وہ زینت اور حصہ جسم ہے جس کا چھپانا اور پرداہ کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے یا اس سے لیتے ہوئے ہتھیلیوں کا، یاد دیکھتے ہوئے آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جوانگو خٹی پہنچی ہوئی یا ہندی لگی ہو، آنکھوں میں سرمہ، کابل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقدہ یا چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت ہی ہے۔ تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں، جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت مباح ہے۔

(۳) تاکہ سر، گرد، سینے اور چھاتی کا پرداہ ہو جائے، کیونکہ انہیں بھی بے پرداہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۴) یہ وہی زینت (نگھار) یا آرائش ہے جسے ظاہر کرنے کی ممانعت اس سے پہلے کی گئی تھی۔ یعنی لباس اور زیور وغیرہ کی، جو چادر یا برقدہ کے نیچے ہوتی ہے۔ یہاں اس کا ذکر اب اتنا کے ضمن میں آیا ہے۔ یعنی ان ان لوگوں کے سامنے اس زینت کا اظہار جائز ہے۔

(۵) ان میں سرفراست خاوند ہے۔ اسی لیے خاوند کو سب پر مقدم بھی کیا گیا ہے۔ کیوں کہ عورت کی ساری زینت خاوند ہی کے لیے ہوتی ہے، اور خاوند کے لیے تو عورت کا سارا بدن ہی حلال ہے۔ اس کے علاوہ جن محارم اور دیگر بعض افراد کا ہر وقت گھر میں آنا جانا رہتا ہے اور قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے یاد گیر وجوہ سے طبعی طور پر ان کی طرف جسی میلان بھی نہیں ہوتا، جس سے فتنے میں مبتلا ہونے کا ندیشہ ہو۔ تو شریعت نے ایسے لوگوں کے سامنے، جن سے کوئی خطرہ نہ ہو اور تمام محارم کے سامنے زینت ظاہر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس مقام پر ماموں اور بچا کا ذکر نہیں کیا

یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے^(۱) یا اپنے میل جوں کی عورتوں کے^(۲) یا غلاموں کے^(۳) یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں^(۴) یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔^(۵) اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم

لَمْ يَظْهِرُوا عَلَىٰ عَوْرَتِ النَّسَاءِ وَلَا يَضْرِبُنَّ بِأَجْلِهِنَّ
لَيُعْلَمُ بِأَخْفِيَنَّ مِنْ زَيْنَهِنَّ وَلَوْلَا إِلَىٰ اللَّهِ جِئْنَاهُنَّ
الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّهُنَّ يَقْبِلُونَ^(۶)

گیا ہے۔ جہاں علام کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں سے ہیں جن کے سامنے اطمینان زینت کی اجازت دی گئی ہے اور بعض کے نزدیک یہ محارم میں سے نہیں ہیں (فتح القدر)

(۱) باپ میں دادا، پر دادا، نانا، پر نانا اور اس سے اوپر سب شامل ہیں۔ اسی طرح خر میں خر کا باپ، دادا، پر دادا، اوپر تک۔ بیٹوں میں پوتا، پر پوتا، نواسہ پر نواسہ نیچے تک۔ خاوندوں کے بیٹوں میں پوتے، پر پوتے، نیچے تک، بھائیوں میں تینوں قسم کے بھائی (عینی، اختیاری اور علاقتی) اور ان کے بیٹے، پوتے، پر پوتے، نواسے، نیچے تک۔ بھتیجوں میں ان کے بیٹے، نیچے تک اور بھانجوں میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد شامل ہے۔

(۲) ان سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی عورت کی زینت، اس کا حسن و جمال اور جسمانی خدو خال اپنے خاوند کے سامنے بیان کریں۔ ان کے علاوہ کسی بھی کافر عورت کے سامنے اطمینان زینت منع ہے یہی رائے حضرت عمرو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور امام احمد بن حنبل سے منقول ہے۔ بعض نے اس سے وہ مخصوص عورتیں مرادی ہیں، جو خدمت وغیرہ کے لیے ہر وقت ساتھ رہتی ہیں، جن میں باندیاں (لونڈیاں) بھی شامل ہیں۔

(۳) بعض نے اس سے مراد صرف لونڈیاں اور بعض نے صرف غلام لیے ہیں اور بعض نے دونوں ہی۔ حدیث میں بھی صراحت ہے کہ غلام سے پردے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداود۔ کتاب اللباس باب فی العبد ینظر إلی شعر مولانہ) اسی طرح بعض نے اسے عام رکھا ہے جس میں مومن اور کافر دونوں غلام شامل ہیں۔

(۴) بعض نے ان سے صرف وہ افراد مراد لیے ہیں جن کا گھر میں رہنے سے، کھانے پینے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں۔ بعض نے بے وقوف، بعض نے نامردا اور خصی اور بعض نے بالکل بوڑھے مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جن کے اندر بھی قرآن کی بیان کردہ صفت پائی جائے گی، وہ سب اس میں شامل اور دوسرے خارج ہوں گے۔

(۵) ان سے ایسے نیچے خارج ہوں گے جو بالغ ہوں یا بلوغت کے قریب ہوں کیونکہ وہ عورتوں کے پردوں کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں۔

ہو جائے،^(١) اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب
میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔^(٢)
^(٣)

تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر
دو^(٤) اور اپنے نیک بخت غلام اور لوڈیوں کا بھی۔^(٥) اگر
وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی
بنادے گا۔^(٦) اللہ تعالیٰ کشاوگی والا اور علم والا ہے۔^(٧)

وَأَكْبَرُوا الْأَيَامِ وَمُنْكِمُوا الصَّلَاحِينَ مِنْ عَبَادِنِي وَمَا يَكُونُ
يَكُونُوا فَقَرَاءٌ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِ^(٨)

(١) تاکہ پازیبوں کی جھنکار سے مرد اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اسی میں اوپھی ایڑی کے وہ سینڈل بھی آجائے ہیں جنہیں
عورت پہن کر چلتی ہے تو نیک نیک کی آواز، زیور کی جھنکار سے کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ عورت
کے لیے خوبیوں کا رگہ سے باہر نکلنا جائز نہیں، جو عورت ایسا کرتی ہے، وہ بد کار ہے (ترمذی، أبواب الاستئذان،
ابوداؤد، کتاب الترجل)

(٢) یہاں پر دے کے احکام میں توبہ کا حکم دینے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ صالحیت میں ان احکام کی جو خلاف
ورزی بھی تم کرتے رہے ہو، وہ چونکہ اسلام سے قبل کی باتیں ہیں، اس لیے اگر تم نے پچھے دل سے توبہ کر لی اور ان
احکام مذکورہ کے مطابق پر دے کا صحیح اہتمام کر لیا تو فلاح و کامیابی اور دنیا و آخرت کی سعادت تھمارا مقدر ہے۔

(٣) آیاتی، آیتیں کی جمع ہے۔ آیتیں ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، جس میں کنواری، یہو اور مظاہرہ تینوں
آجاتی ہیں۔ اور ایسے مرد کو بھی آیتیں کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ آیت میں خطاب اولیا سے ہے کہ نکاح کر دو، یہ نہیں
فرمایا کہ نکاح کرلو، کہ مخاطب نکاح کرنے والے مرد و عورت ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت ولی کی اجازت اور
رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح امر کے صیغہ سے بعض
نے استدلال کیا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے، جب کہ بعض نے اسے مباح اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔ تاہم
استطاعت رکھنے والے کے لیے یہ سنت موکدہ بلکہ بعض حالات میں واجب ہے اور اس سے اعراض سخت و عید کا باعث
ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے «وَمَنْ رَغَبَ عَنْ سُنْنَتِ فَلَيْسَ مِنَّيْ» (البخاری، نمبر ٥٠٣٣ و مسلم، نمبر ١٠٢٠) «جس
نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔»

(٤) یہاں صالحیت سے مراد ایمان ہے، اس میں اختلاف ہے کہ مالک اپنے غلام اور لوڈیوں کو نکاح کرنے پر مجبور کر
سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض اکراه کے قائل ہیں، بعض نہیں۔ تاہم اندیشہ ضرر کی صورت میں شرعاً مجبور کرنا جائز ہے۔
صورت دیگر غیر مشروع (ایسر الفتاویں)

(٥) یعنی محض غربت اور نگد دستی نکاح میں مانع نہیں ہونی چاہیے۔ ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ ان کی نگد دستی کو اپنے
فضل سے وسعت و فراخی میں بدل دے۔ حدیث میں آتا ہے۔ تین شخص ہیں جن کی اللہ ضرور مد فرماتا ہے۔ ۱۔ نکاح

اور ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے^(۱) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مالدار بنادے، تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی کچھ تمہیں دے کر آزادی کی تحریر کرائی چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو^(۲) اور اللہ نے جو مال تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے انہیں بھی^(۳) دو، تمہاری جو لوگوں کا پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی کے

وَلِيُسْتَعِفِ الَّذِينَ لَا يَهْدُونَ بِنَكَاحٍ حَتَّى يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَتَعَوَّنُونَ الْكِبَرُ مِمَّا لَكُمْ فَكَانُوا هُمْ لِنَعْلَمُ فِيهِمْ خَيْرًا وَأَنَّوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي أَشْكُمُ وَلَا تَكُونُوا قَاتِلِيْنَ عَلَى الْبَغْاءِ إِنَّ أَرْدَنَ تَحْسُنَ الْتَّبَغْوَاعَصَ الْعَيْوَةَ الَّذِيْنَا وَمَنْ يَكْرِهُ مُهْمَنْ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ أَعْدَارِكُمْ وَمَنْ غَفَوْهُ تَحْيِيْمَ^(۴)

کرنے والا، جو پاک دامنی کی نیت سے نکاح کرتا ہے۔ ۲۰۰۰ مکاتب غلام، جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے ۳۔ اور اللہ کی راہ میں جماد کرنے والا (ترمذی۔ ابواب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی المجاهد والمکاتب والنکاح)

(۱) حدیث میں پاک دامنی کے لیے، جب تک شادی کی استطاعت حاصل نہ ہو جائے، نفلی روزے رکھنے کی تائید کی گئی ہے۔ فرمایا ”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے، اسے (اپنے وقت پر) شادی کر لینی چاہیے، اس لیے کہ اس سے آنکھوں اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا، اسے چاہیے کہ وہ (کثرت سے نفلی) روزے رکھے، روزے اس کی جنسی خواہش کو قابو میں رکھیں گے“ البخاری۔ کتاب الصوم۔ باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزوبة۔ مسلم اول کتاب النکاح

(۲) مکاتب، اس غلام کو کما جاتا ہے جو اپنے مالک سے معابدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی رقم جمع کر کے ادا کر دوں گا تو آزادی کا مستحق ہو جاؤں گا۔ ”بھلائی نظر آنے“ کا مطلب ہے، اس کے صدق و امانت پر تمہیں یقین ہو یا کسی حرفت و صنعت سے وہ آگاہی رکھتا ہو۔ تاکہ وہ محنت کر کے کمائے اور رقم ادا کر دے۔ اسلام نے چونکہ زیادہ سے زیادہ غلامی کی حوصلہ شکنی کی پالیسی اپنائی تھی، اس لیے یہاں بھی مالکوں کو تائید کی گئی کہ مکاتب کے خواہش مند غلاموں سے معابدہ کرنے میں تامل نہ کرو بشرطیکہ تمہیں ان کے اندر ایسی بات معلوم ہو کہ جس سے تمہاری رقم کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔ بعض علماء کے نزدیک یہ امر و جوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔

(۳) اس کا مطلب ہے کہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اس نے جو معابدہ کیا ہے اور اب وہ رقم کا ضرورت مند ہے تاکہ معابدے کے مطابق وہ رقم ادا کر دے تو تم بھی اس کے ساتھ مالی تعاون کرو، اگر اللہ نے تمہیں صاحب حیثیت بنایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے جو مصارف ثمانیہ (التوبۃ۔ ۶۰ میں) بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک وَ فِی الرِّزْقِ بھی ہے جس کے معنی ہیں گرد نیں آزاد کرانے میں۔ یعنی غلاموں کی آزادی پر بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

فائدے کی غرض سے بد کاری پر مجبور نہ کرو^(١) اور جو انہیں مجبور کر دے تو اللہ تعالیٰ ان پر جرکے بعد بخش دینے والا اور میراثی کرنے والا ہے۔^(٢) (٣٣)

ہم نے تمہاری طرف کھلی اور روشن آئیں اتار دی ہیں اور ان لوگوں کی کھاو تیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پر ہیز گاروں کے لیے نصیحت۔ (٣٣)

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا،^(٣) اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہوا رچ رچ شیشہ کی قدیل میں ہوا رشیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بارکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی خود وہ تیل

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا لِكُمُ الْكِتَابَ إِلَيْتُمْ مُّبِينٌ وَمَثَلًا لِّنَّ الظُّرُفْ
خَلْقَاهُنَّ قَبْلَكُمْ وَمَوْعِدَةُ الْمُسْتَقْدِمِنَ

أَنَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا
مَصْبَابَيْنِ الْمُصْبَابَيْرِ فِي زُجَاجَةٍ الْأَرْجَاجَةُ كَمَّهَا كَمَّهُ
ذُرَىٰ يُوَقَّدُ مِنْ شَجَرَةٍ شُبُرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقَ قِبَلَةٍ
وَلَا غَرْبَ قِبَلَةٍ لِكَذَرَةٍ لِيَضْقَعُ وَلَوْلَةً تَمَسَّهُ نَازُونَرٌ عَلَى نُورٍ
يَعْدِي اللَّهُ لِنُورٍ كَمَّ إِشَادَهُ وَيَقْرُبُ اللَّهُ إِلَيْشَالَ لِلثَّالِثِ

(١) زمانہ جامیت میں لوگ حفظ دنیوی مال کے لیے اپنی لوندیوں کو بد کاری پر مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ خواہی خواہی انہیں یہ داغ ذلت برداشت کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا اِنْ أَرْذَنَ غَالِبَ احْوَالَ كَعْبَارَ سے ہے۔ ورنہ مقصد یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بد کاری کو پسند کریں تو پھر تم ان سے یہ کام کروالیا کرو۔ بلکہ حکم دینا یہ مقصود ہے کہ لوندیوں سے، دنیا کے تھوڑے سے مال کے لیے، یہ کام مت کرواؤ، اس لیے کہ اس طرح کہ کمالی ہی حرام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

(٢) یعنی جن لوندیوں سے جرأۃ یہ بے حیائی کام کروایا جائے گا، تو گناہ گار مالک ہو گا یعنی جرکرنے والا نہ کہ لوندی جو مجبور ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ ”میری امت سے ‘خطا’ نیسان اور ایسے کام جو جرسے کرائے گئے ہوں، معاف ہیں۔“

(ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی)

(٣) یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں نہ آسمان و زمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی۔ پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کو روشن کرنے والا ہے اس کی کتاب نور ہے، جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے۔ حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے۔ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ (البخاری، باب التهجد بالليل، ومسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الدعاء فی صلاة الليل) پس اللہ، اس کی ذات نور ہے، اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق، اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا صرف ایک اللہ ہے (ایسرا الفاسیر)

وَاللَّهُمَّ مُنِّيْ بِشَفَاعَتِيْ عَلَيْهِ ۝

قرب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ
بھی چھوئے، نور پر نور ہے،^(۱) اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف
رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے،^(۲) لوگوں (کے سمجھانے) کو یہ
مشایخ اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے
حال سے بخوبی واقف ہے۔^(۴)

ان گھروں میں جن کے بلند کرنے، اور جن میں اپنے
نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے^(۵) وہاں صبح و شام

فِيْ بَيْوَتٍ لَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْقَمَ وَيَنْدَكَ فِيهَا إِسْمَهُ يَنْهَا لَهُ فِيهَا
بِالْعَدْوَ وَالْأَصْمَالِ ۝

(۱) یعنی جس طرح ایک طاق میں ایسا چراغ ہو، جو شیشے کی قدمیل میں ہو، اس میں ایک بارکت درخت کا ایسا خاص تیل ڈالا گیا ہو کہ وہ آگ (دیا سلامی) دکھائے بغیر ہی بذات خود روشن ہو جانے کے قریب ہو۔ یوں یہ ساری روشنیاں ایک طاق میں مجمع ہو گئیں اور وہ بقعہ نور بن گیا۔ اسی طرح اللہ کے نازل کردہ دلائل و برائیں کی حیثیت ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بھی یعنی نور علی نور جو مشرقی ہے، نہ مغربی کا مطلب ہے، وہ درخت ایسے کھلے میدان اور صحراء میں ہے کہ اس پر دھوپ صرف سورج کے چڑھنے کے وقت یا غروب کے وقت ہی نہیں پڑتی، بلکہ سارا دن وہ دھوپ میں رہتا ہے اور ایسے درخت کا پھل بہت حمدہ ہوتا ہے اور مراد اس سے زیتون کا درخت ہے جس کا پھل اور تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور چراغ میں تیل کے طور پر بھی۔

(۲) نُوذُ سے مراد ایمان و اسلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اندر ایمان کی رغبت اور اس کی طلب دیکھتا ہے، ان کی اس نور کی طرف رہنمائی فرمادیتا ہے، جس سے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔

(۳) جس طرح اللہ نے یہ مثال بیان فرمائی، جس میں اس نے ایمان کو اور اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کو اور اس میں جو ایمان و ہدایت اور علم ہے، اس کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو شیشے کی قدمیل میں ہو اور جو صاف شفاف تیل سے روشن ہو۔ تواب اس کا محل بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ قدمیل ایسے گھروں میں ہیں، جن کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ مراد مجددیں ہیں، جو اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ بلندی سے مراد محض سنگ و خشت کی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں مسجدوں کو گندگی، لغویات اور غیر مناسب اقوال و افعال سے پاک رکھنا بھی شامل ہے۔ ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالی شان اور فلک بوس بنا دینا، مطلوب نہیں ہے بلکہ احادیث میں مسجدوں کو زرنگار اور زیادہ آر است و پیر است کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک حدیث میں تو اسے قرب قیامت کی علامات میں سے بتایا گیا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ،

الله تعالى کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔^(۱) (۳۶)

ایسے لوگ^(۲) جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔^(۳) (۳۷)

اس ارادے سے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدله دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادتی عطا فرمائے۔^(۴) (۳۸)

الله تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے۔ اور کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں

بِحَالٍ لَا تُلْهِيهُمْ تَجَارَةً وَلَا يَعْمَلُونَ ذِكْرَ اللَّهِ وَلَا قَلْمَلَةً
وَإِنَّمَا الظُّرُوفُ لِيَغْنِيَ أَفْوَنَ يَوْمًا سَقَبُ فِيهِ الْقُلُوبُ
وَالْأَبْصَارُ^(۵)

لِيَعْزِزَ بِهِمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَلَيُنْذِدَهُمْ مَنْ فَضَلَهُ وَلَلَّهُ يَرَى
مَنْ يَشَاءُ إِعْدَادُ حِسَابٍ^(۶)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَالُهُمْ كَسَابٌ بِقِيمَةِ يَحْسَبُهُ الظُّلْمَانُ

باب فی بناء المساجد علاوه اذیں، جس طرح مسجدوں میں تجارت و کاروبار اور شورو شغب منوع ہیں کیونکہ یہ مسجد کے اصل مقصد عبادت کے منافی ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے، اسی کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو مدد کے لیے پکارا جائے ﴿وَإِنَّ السَّجَدَةَ لِلَّهِ فَلَاتَدْعُ عَوَامَّ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (سورہ جن ۱۸) ”مسجدیں“ اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

(۱) تسبیح سے مراد نماز ہے۔ اصال، اصلین کی جمع ہے۔ معنی شام۔ یعنی اہل ایمان، جن کے دل ایمان وہدایت کے نور سے روشن ہوتے ہیں، صبح و شام مسجدوں میں اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگرچہ عورتوں کا مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ نہایت سادہ لباس میں، بغیر خوبصورگائے اور بارپرده جائیں، جس طرح کہ عمد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ تاہم ان کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ حدیث میں بھی اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب العشیدی فی ذلک، مسند احمد ۲/۲۹۷، ۲۹۸)

(۳) یعنی شدت فرع اور ہول انکی کی وجہ سے۔ جس طرح دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَزْفَافِ إِذَا الْقُلُوبُ لَدَى
الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ﴾ (سورہ المؤمن ۱۸) ”ان کو قیامت والے دن سے ڈراو، جس دن دل، گلوں کے پاس آجائیں گے، غم سے بھرے ہوئے۔“ ابتداءً دلوں کی یہ کیفیت سب کی ہی ہوگی، مومن کی بھی اور کافر کی بھی۔

(۴) قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا بلہ اضافاً مضاعفة (کئی کئی گنا) کی صورت میں دیا جائے گا اور بہت سوں کو بے حساب ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں رزق کی فراوانی اور اس میں جو تنوع و تلذذ ہو گا، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

مَلَأَ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ
فَوْقَهُ حِسَابٌ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

جو چیل میدان میں ہو جے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکار دیتا ہے۔^(١) اللہ بت جلد حساب کر دینے والا ہے۔^(٢)

یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گھرے سمندر کی تھیں ہوں جسے اوپر تلے کی موجودوں نے ڈھانپ رکھا ہو، پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ الغرض اندھیرا ہیں جو اوپر تلے پے درپے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی قریب ہے کہ نہ دیکھ سکے،^(٣) اور (بات یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی۔^(٤)

أَوْ كَظُلْمٍ فِي بَعْرِ لَيْلٍ يَغْشِهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقَهُ
سَحَابٌ ظَلَمَتْ بَعْضَهُمَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ كَمْ يَكُونُ
يَرَهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهَ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ۝

(١) اَغْمَالٌ سے مراد، وہ اعمال ہیں جنہیں کافروں مشرک نیکیاں سمجھ کرتے ہیں، جیسے صدقہ و خیرات، صلوات حرمی، بیت اللہ کی تعمیر اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ سرابت، اس چیختی ہوئی ریت کو کہتے ہیں، جو دور سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے پانی نظر آتی ہے۔ سرابت کے معنی ہی چلنے کے ہیں۔ وہ ریت، چلتے ہوئے پانی کی طرح نظر آتی ہے، قبیعہ، فاعِ کی جمع ہے، زمین کا نیشی حصہ، جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یا چیل میدان۔ یہ کافروں کے عملوں کی مثال ہے کہ جس طرح سراب دور سے پانی نظر آتا ہے حالانکہ وہ ریت ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح کافر کے عمل عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے، ان کا کوئی صلہ انہیں نہیں ملے گا۔ ہاں جب وہ اللہ کے پاس جائے گا، تو وہ اس کے عملوں کا پورا پورا حساب چکالے گا۔

(٢) یہ دو سری مثال ہے کہ اسکے اعمال اندھیروں کی طرح ہیں، یعنی انہیں سراب سے تشبیہ دے لویا اندھیروں سے۔ یا گزشتہ مثال کافر کے اعمال کی تھی اور یہ اس کے کفر کی مثال ہے جس میں کافر ساری زندگی گھرا رہتا ہے، کفر و ضلالت کی اندھیری اعمال یہی و عقائد مشرکانہ کی اندھیری اور رب سے اور اسکے عذاب اخروی سے عدم واقفیت کی اندھیری۔ یہ اندھیروں اسے راہ بدایت کی طرف نہیں آنے دیتی۔ جس طرح اندھیرے میں انسان کو اپنا ہاتھ بھی بھائی نہیں دیتا۔

(٣) یعنی دنیا میں ایمان و اسلام کی روشنی نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں بھی اہل ایمان کو ملنے والے نور سے وہ محروم رہیں گے۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کی کل مخلوق اور پر پھیلائے^(۱) اڑنے والے کل پرند اللہ کی تبع میں مشغول ہیں۔ ہر ایک کی نماز اور تبع اسے معلوم ہے،^(۲) لوگ جو کچھ کریں اس سے اللہ بخوبی واقف ہے۔^(۳)
زمین و آسمان کی باادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتا ہے۔^(۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادولوں کو چلاتا ہے، پھر انہیں ملا تا ہے پھر انہیں نہ بڑ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے۔ وہی آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑ میں سے اولے برستا ہے،^(۵) پھر جنہیں چاہے ان کے پاس انہیں

الْفَتَرَأَنَّ اللَّهَ يَسْتَعْلَمُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالظِّيرُ
صَفَّتِ كُلُّ قَدْ عِلْمَ صَلَاتَهُ وَتَبَيَّنَهُ وَاللَّهُ عَلَيْهِ مَا يَفْعَلُونَ^(۶)

وَهُلُوْمُلُكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ الْمُعْزِزُ^(۷)

الْفَتَرَأَنَّ اللَّهَ يَرْجِي سَحَابَاتِمْ يُوَلِّفُ بَيْنَهُ أَنْجَبَلَهُ رَكَانَاتَهُ
الْوَدْقَ يَغْرِي مِنْ خَلْلَهُ وَيُرِيلُ مِنْ التَّمَاءِ مِنْ جَمَالِ فِيهَا مِنْ
بَرَدٍ فَيُصِيبُ إِيمَانَ يَشَاءُ وَيَصْرُفُهُ عَنْ شَنَّ يَشَاءُ بِسَكَادُ
سَنَابَرْ قَوْهَ يَدْهَبُ بِالْأَبْصَارِ^(۸)

(۱) صافات کے معنی ہیں بآسانی اور اس کا مفعول اجنحختہا محفوظ ہے۔ اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ ﴿مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ میں پرندے بھی شامل تھے۔ لیکن یہاں ان کا ذکر الگ سے کیا، اس لیے کہ پرندے، تمام حیوانات میں ایک نہایت ممتاز مخلوق ہیں، جو اللہ کی قدرت کاملہ سے آسمان و زمین کے درمیان فضا میں اڑتے ہوئے اللہ کی تبع کرتی ہے۔ یہ مخلوق اڑنے پر بھی قدرت رکھتی ہے جس سے دیگر تمام حیوانات محروم ہیں اور زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت بھی رکھتی ہے۔

(۲) یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو یہ علم الہام والقا کیا ہے کہ وہ اللہ کی تبع کس طرح کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بخت و اتفاق کی بات نہیں بلکہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا تبع کرنا اور نماز ادا کرنا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا ایک مظہر ہے، جس طرح ان کی تخلیق اللہ کی ایک صنعت بدیع ہے، جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔

(۳) یعنی اہل زمین و اہل آسمان جس طرح اللہ کی اطاعت اور اس کی تبع کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے، یہ گویا انسانوں اور جنوں کو تنبیہ ہے کہ تمہیں اللہ نے شور اور ارادے کی آزادی دی ہے تو تمہیں تو دوسرا مخلوقات سے زیادہ اللہ کی تبع و تحریم اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ لیکن معاملہ اس کے بر عکس ہے۔ دیگر مخلوقات تو تبع الہی میں مصروف ہیں۔ لیکن شور اور ارادہ سے بہرہور مخلوق اس میں کوتاہی کا راتکاب کرتی ہے۔ جس پر یقیناً وہ اللہ کی گرفت کی مستحق ہوگی۔

(۴) پس وہی اصل حاکم ہے، جس کے حکم کا کوئی تعاقب کرنے والا نہیں اور وہی معبد و برق ہے، جس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کے بارے میں عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔

(۵) اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجیحے میں اختیار کیا گیا ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے

(١) برسائے اور جن سے چاہے ان سے انہیں ہٹادے۔

بادل ہی سے نکلنے والی بھلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا
اب آنکھوں کی روشنی لے چلی۔ (٣٣)

(٢) اللہ تعالیٰ ہی دن اور رات کو روبدل کرتا رہتا ہے (٣)
آنکھوں والوں کے لیے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں
ہیں۔ (٣٣)

تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی
نے پانی سے پیدا کیا ہے ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ
کے بل چلتے ہیں، (٣) بعض دوپاؤں پر چلتے ہیں۔ (٥)
بعض چارپاؤں پر چلتے ہیں، (٤) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا
کرتا ہے۔ (٧) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (٣٥)

يَعْلَمُ اللَّهُ أَكْلَمُ الْأَيْمَلَ وَالْمَهَارَاتِ فِي ذَلِكَ لَعْبَةٌ لِأُولَى الْأَبْصَارِ (٦)

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ تَأْكِيدِهِ مِنْ كَيْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ
مَنْ كَيْشِي عَلَى رِحْلِيْنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَيْشِي عَلَى أَرْجُعِ بَخْلُنَ اللَّهُ مَا
يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (٦)

برساتا ہے۔ (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ساء بلندی کے معنی میں ہے اور جبال کے معنی ہیں بڑے بڑے
مکڑے، پہاڑوں جیسے، یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے بڑے
بڑے مکڑے بھی نازل فرماتا ہے، (فتح القدر) یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔

(۱) یعنی وہ اولے اور بارش بطور رحمت جنہیں چاہتا ہے، پہنچاتا ہے اور جنہیں چاہتا ہے ان سے محروم رکھتا ہے۔ یا یہ
مطلوب ہے کہ ژالہ باری (اولے) کے عذاب سے جسے چاہتا ہے دوچار کر دیتا ہے، جس سے ان کی فصلیں تباہ اور کھیتیاں
برباد ہو جاتی ہیں اور جن پر اپنی رحمت کرنا چاہتا ہے ان کو اس سے بچایتا ہے۔

(۲) یعنی بادلوں میں چمکنے والی بھلی، جو عام طور پر بارش کی نوید جاں فزا ہوتی ہے اس میں اتنی شدت کی چمک ہوتی ہے کہ
وہ آنکھوں کی بصارت لے جانے کے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اس کی صنای کا ایک نمونہ ہے۔

(۳) یعنی کبھی دن بڑے، راتیں چھوٹی اور کبھی اس کے بر عکس۔ یا کبھی دن کی روشنی، کو بادلوں کی تاریکیوں سے اور
رات کے اندر ہیروں کو چاند کی روشنی سے بدلتا ہے۔

(۴) جس طرح سانپ، مچھلی اور دیگر حشرات الارض کیڑے مکوڑے ہیں۔

(۵) جیسے انسان اور پرندہ ہیں۔

(۶) جیسے تمام چپائے اور دیگر حیوانات ہیں۔

(۷) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے بھی زیادہ پاؤں رکھتے ہیں، جیسے کیکڑا،

بلاشک و شبہ ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتار دی ہیں
اللہ تعالیٰ جسے چاہے سیدھی راہ دکھادیتا ہے۔^(۱) (۳۶)

اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائے اور
فرماں بردار ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد
بھی پھر جاتا ہے۔ یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں۔^(۲) (۳۷)

جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور
اس کا رسول ان کے جھگڑے چکاوے تو بھی ان کی ایک
جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے۔^(۳۸)

ہاں اگر انہی کو حق پہنچتا ہو تو مطیع و فرماں بردار ہو کر اس
کی طرف چلے آتے ہیں۔^(۳۹)

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک و شبہ میں
پڑے ہوئے ہیں؟ یا انہیں اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ
تعالیٰ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی نہ کریں؟ بات یہ
ہے کہ یہ لوگ خود ہی بڑے ظالم ہیں۔^(۴۰) (۵۰)

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبِينَٰتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ^(۱)

وَيَقُولُونَ أَمَّا بِالنُّورِ وَبِالرَّسُولِ وَأَكْثَرُنَا كُفَّارٌ يَتَوَلَّ فَرِيقَ
مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذِلْكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ^(۲)

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ
مِنْهُمْ مُّعْرِضُونَ^(۳)

وَإِنْ يَكُنْ لَّهُمْ أَعْجَلُ يَا تَوَلَّ إِلَيْهِ مُذْعِنُونَ^(۴)

أَفَقُلُوبُهُمْ مَرْضٌ أَمْ أَرَأَتْ أَبْوَاهُمْ بِغَافُونَ أَنْ يَجِيفُ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ وَرَسُولِهِ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ^(۵)

مکڑی اور بہت سے زمینی کیڑے۔

(۱) آیات مُبینات سے مراد قرآن کریم ہے جس میں ہر اس چیز کا بیان ہے جس کا تعلق انسان کے دین و اخلاق سے ہے جس پر اس کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے۔ «مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ» (آل عمران: ۳۸)، ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان میں کوتاہی نہیں کی۔ جسے ہدایت نصیب ہونی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نظر صحیح اور قلب صادق عطا فرمادیتا ہے جس سے اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد یہی ہدایت کا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں، اسے اختیار کر کے انسان اپنی منزل مقصود جنت تک پہنچ جاتا ہے۔

(۲) یہ منافقین کا بیان ہے جو زبان سے اسلام کا انعام کرتے تھے لیکن دلوں میں کفر و عناد تھا یعنی اعتقاد صحیح سے محروم تھے۔ اس لیے زبان سے انعام ایمان کے باوجود ان کے ایمان کی نفی کی گئی۔

(۳) کیوں کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ عدالت نبوی ﷺ سے جو فیصلہ صادر ہو گا، اس میں کسی کی رو رعایت نہیں ہوگی، اس لیے وہاں اپنا مقدمہ لے جانے سے ہی گریز کرتے ہیں۔ ہاں اگر وہ جانتے ہیں کہ مقدمے میں وہ حق پر ہیں اور انہی کے حق میں فیصلہ ہونے کا غالب امکان ہے، تو پھر خوشی خوشی وہاں آتے ہیں، إذعان کے معنی ہوتے ہیں، اقرار اور انقیاد و اطاعت کے۔

(۴) جب فیصلہ ان کے خلاف ہونے کا امکان ہوتا ہے تو اس سے اعراض و گریز کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ یا تو ان

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لیے بلا�ا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔^(۱) یہ لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔^(۲)

جو بھی اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، خوف الہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں، وہی نجات پانے والے ہیں۔^(۳)

بڑی پختگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں^(۴) کہ آپ کا حکم ہوتے ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) اطاعت (کی حقیقت) معلوم ہے۔^(۵) جو کچھ تم کر رہے

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطْعَنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ^(۶)

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَعْصِيَ اللَّهَ وَيَعْصِيَ فَالْأُنْهَى
هُمُ الْفَâزِفُونَ^(۷)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَآيْمَانِهِمْ لِمَنْ أَمْرَاهُمْ لِيَغْرِيْجَنْ قُلْ لَا
تُقْسِمُوا إِلَاعَةً مَعْرُوفَةً إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا عَمَلُونَ^(۸)

کے دلوں میں کفر و نفاق کا روگ ہے یا انہیں نبوت محمدی میں شک ہے یا انہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ملٹیپل ہے ظلم کرے گا، حالانکہ ان کی طرف سے ظلم کا کوئی امکان ہی نہیں، بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود ہی ظالم ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جب قضاو فیصلے کے لیے ایسے حاکم و قاضی کی طرف بلایا جائے جو عادل اور قرآن و سنت کا عالم ہو، تو اس کے پاس جانا ضروری ہے۔ البتہ اگر وہ قاضی کتاب و سنت کے علم اور ان کے دلائل سے بے بہرہ ہو تو اس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ضروری نہیں۔

(۱) یہ اہل کفر و نفاق کے مقابلے میں اہل ایمان کے کردار و عمل کا بیان ہے۔

(۲) یعنی فلاح و کامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور رسول کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے اور انہی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الہی اور تقویٰ سے متصف ہیں، نہ کہ دوسرے لوگ، جو ان صفات سے محروم ہیں۔

(۳) جَهَدَ آيْمَانِهِمْ میں جَهَدْ فعل مذوف کا مصدر ہے جو بطور تاکید کے ہے، يَجْهَدُونَ آيْمَانِهِمْ جَهَدًا یا یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مُجْتَهَدِينَ فِي آيْمَانِهِمْ مطلب یہ ہے کہ اپنی وسعت بھر قسمیں کھا کر کہتے ہیں (فتح القدر)

(۴) اور وہ یہ ہے کہ جس طرح تم قسمیں جھوئی کھاتے ہو، تمہاری اطاعت بھی نفاق پر بنی ہے۔ بعض نے یہ معنی کیے ہیں کہ تمہارا معاملہ طاعت معروف ہونا چاہیے۔ یعنی معروف میں بغیر کسی تم کے حلف کے اطاعت، جس طرح مسلمان کرتے ہیں، پس تم بھی ان کی مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔^(۱) (۵۳)

کہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے^(۲) اور تم پر اس کی جوابدی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے^(۳) ہدایت تو تھیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔^(۴) سن رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پنچار ہے۔^(۵) (۵۳)

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرمادیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضمونی کے ساتھ حکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرمادیا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا،^(۶) وہ میری عبادت کریں

قُلْ أَطِيعُ اللَّهَ وَأَطِيعُ الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّ فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْنَا مَا حُمِّلْنَا وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ^(۷)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصِّلَاةَ لَيُسْتَخْلَفُنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتُخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُبَيَّكُنَّ لَهُمْ دِيْنُهُمُ الَّذِي لَمْ يَنْقُضُ لَهُمْ وَلَيُبَيَّكُنَّ مِنْ بَعْدِ إِذْنِنَا حُرُوفُهُمْ أَمْنٌ يَعْبُدُونَ بِنِيَّتِهِمْ لَا يُشَرِّكُونَ بِنِيَّتِهِمْ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ^(۸)

(۱) یعنی وہ تمہارے سب کے حالات سے باخبر ہے۔ کون فرمان بردار ہے اور کون ناقرمان؟ پس حلف اٹھا کر اطاعت کے اظہار کرنے سے، جب کہ تمہارے دل میں اس کے خلاف عزم ہو، تم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے، اس لیے کہ وہ پوشیدہ ہے، پوشیدہ تربات کو بھی جانتا ہے اور وہ تمہارے سینوں میں پلنے والے رازوں سے بھی آگاہ ہے اگرچہ تم زبان سے اس کے خلاف اظہار کرو!

(۲) یعنی تبلیغ و دعوت، جو وہ ادا کر رہا ہے۔

(۳) یعنی اس کی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔

(۴) اس لیے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔

(۵) کوئی اس کی دعوت کو مانے یا نہ مانے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد: ۳۰) ”اے پیغمبر! تیرا کام صرف (ہمارے احکام) پنچار ہے (کوئی مانتا ہے یا نہیں) یہ حساب ہماری ذمہ داری ہے۔“

(۶) بعض نے اس وعدہ الٰہی کو صحابہ کرام کے ساتھ یا خلفائے راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے

گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھرا کیں گے۔^(۱)

اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ
یقیناً فاسق ہیں۔^(۲) ^(۵۵)

نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے
رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو ہاکہ تم پر رحم کیا
جائے۔^(۳) ^(۵۶)

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكُورَةَ وَأَطْبِعُوا الرِّسُولَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُونَ^(۴)

کہ عمد خلافت راشدہ اور عمد خیر القرون میں، اس وعدہ الہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین اسلام کو عروج دیا اور مسلمانوں کے خوف کو، امن سے بدل دیا۔ پسلے مسلمان کفار عرب سے ڈرتے تھے، پھر اس کے بر عکس معاملہ ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جو پیش گویاں فرمائی تھیں، وہ بھی اس عمد میں پوری ہو گئیں۔ مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حیرو سے ایک عورت تن تھا اکیلی چلے گی اور بیت اللہ کا آکر طواف کرے گی، اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہو گا۔ کسری کے خزانے تمارے قدموں میں ذہیر ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا «إِنَّ اللَّهَ زَوَّى لِيَ الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِفَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِّيَ لِيَ مِنْهَا» (صحیح مسلم کتاب الفتنه وأشراط الساعة - باب هلاک هذه الأمة بعضهم ببعض)، "اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا، پس میں نے اس کے مشرق اور مغرب حصے دیکھے، عنقریب میری امت کا ادارہ اقتدار وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک میرے لیے زمین سکیڑ دی گئی۔" حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی، اور فارس و شام اور مصر و افریقہ اور دیگر دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر و شرک کی جگہ توحید و سنت کی شعلیں ہر جگہ روشن ہو گئیں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا پھریا چار دنگ عالم میں لہ را گیا۔ لیکن یہ وعدہ چونکہ مشروط تھا، جب مسلمان ایمان میں کمزور اور عمل صالح میں کوتاہی کے مرٹکب ہوئے تو اللہ نے ان کی عزت کو ذلت میں، ان کے اقتدار اور غلبے کو غلامی میں اور ان کے امن و احکام کو خوف اور دہشت میں بدل دیا۔

(۱) یہ بھی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ایک اور بنیادی شرط ہے جس کی وجہ سے مسلمان اللہ کی مدد کے مستحق، اور اس وصف توحید سے عاری ہونے کے بعد وہ اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔

(۲) اس کفر سے مراد، وہی ایمان، عمل صالح اور توحید سے محروم ہے، جس کے بعد ایک انسان اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا اور کفر و فتن کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔

(۳) یہ گویا مسلمانوں کو ہمکید کی گئی کہ اللہ کی رحمت اور مدد حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے جس پر چل کر صحابہ کرام کو یہ رحمت اور مدد حاصل ہوئی۔

یہ خیال آپ کبھی بھی نہ کرنا کہ منکر لوگ زمین میں (ادھر ادھر بھاگ کر) ہمیں ہرا دینے والے ہیں،^(۱) ان کا اصلی ٹھکانا تو جہنم ہے جو یقیناً بست ہی برائے ٹھکانا ہے۔^(۲)

ایمان والوں تم سے تمہاری ملکیت کے غلاموں کو اور انسیں بھی جو تم میں سے بلوغت کونہ پہنچے ہوں (انہی آنے کی) تین وقوت میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔ نماز فجر سے پہلے اور ظهر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد،^(۳) یہ تینوں وقت تمہاری (خلوت) اور پرده کے ہیں۔^(۴) ان وقوت کے مساوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔^(۵) تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے جانے والے ہو۔^(۶) (بھی)، اللہ اس طرح کھول کھول کر

لَا تَحْسِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَعْجِزَاتِنَ فِي الْأَرْضِ وَمَا وَهُمْ
شَاهِدُ لِمَّا يُصِيرُونَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْتَوْلَيْسْتَأْذِنُكُمُ الَّذِينَ مَلَكُوكُمْ إِيمَانَكُمْ
وَالَّذِينَ لَمْ يُبَلِّغُوا الْعُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَبِّتٍ مِّنْ قَبْلِ
صَلْوَةِ الْفَجْرِ وَحَمِينَ تَصْعُونَ شَيْءًا كُمْ وَمِنَ الظَّهِيرَةِ
وَمِنْ بَعْدِ صَلْوَةِ الْوَشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَلَوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى
بَعْضٍ كَذَلِكَ يُسَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْأَيْمَنُ وَإِلَهُكُمْ حَكِيمٌ^(۷)

(۱) یعنی آپ کے مخالفین اور مکذبین اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔

(۲) غلاموں سے مراد، باندیاں اور غلام دونوں ہیں ثلَاثَ مَرَبِّتٍ کا مطلب اوقات، تین وقت ہیں۔ یہ تینوں اوقات ایسے ہیں کہ انسان گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ ہے کار خاص مصروف، یا ایسے لباس میں ہو سکتا ہے کہ جس میں کسی کا ان کو دیکھنا جائز اور مناسب نہیں۔ اس لیے ان اوقات ثلَاثَ میں گھر کے ان خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ بغیر اجازت طلب کیے گھر کے اندر داخل ہوں۔

(۳) عَوْزَاتٍ، عَوْزَةٍ کی جمع ہے، جس کے اصل معنی خلل اور نقص کے ہیں۔ پھر اس کا اطلاق ایسی چیز پر کیا جانے لگا جس کا ظاہر کرنا اور اس کو دیکھنا پسندیدہ نہ ہو۔ خاتون کو بھی اسی لیے عورت کما جاتا ہے کہ اس کا ظاہر اور عرباں ہونا اور دیکھنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ یہاں مذکورہ تین اوقات کو عورات کما گیا ہے یعنی یہ تمہارے پردے اور خلوت کے اوقات ہیں جن میں تم اپنے مخصوص لباس اور ہیئت کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔

(۴) یعنی ان اوقات ثلَاثَ کے علاوہ گھر کے مذکورہ خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اجازت طلب کیے بغیر گھر کے اندر آ جاسکتے ہیں۔

(۵) یہ وہی وجہ ہے جو حدیث میں بلی کے پاک ہونے کی بیان کی گئی ہے۔ «إِنَّهَا لَيْسَتْ بَنِجَسٍ؛ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَافَاتِ» «بلی ناپاک نہیں ہے اس لیے کہ وہ بکثرت تمہارے پاس (گھر کے اندر) آنے جانے والی ہے۔»۔ ابوداؤد، کتاب الطهارۃ باب سُوْرَالْهَرَۃ، ترمذی، کتاب و باب مذکور وغیرہ، خادم اور مالک، ان کو بھی آپس میں ہر

اپنے احکام تم سے بیان فرمائے ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے علم
اور کامل حکمت والا ہے۔ (۵۸)

اور تمہارے پچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح انکے اگلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انہیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے،^(۱) اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی علم و حکمت والا ہے۔ (۵۹)

بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید (اور خواہش ہی) نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناو سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں،^(۲) تاہم اگر ان سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے بہت افضل ہے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔ (۶۰)

اندھے پر، لنگزے پر، بیمار پر اور خود تم پر (مطلقًا) کوئی

وَإِذَا أَبْلَغَ الْأَطْفَالُ مُنْكِمُ الْحُلْمَ فَلَمْ يَسْتَأْذِنُوا كَمَا
أَسْتَأْذَنَ النَّذِيرَ مِنْ قَبْلِهِمْ إِنَّ دِلْكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ
إِيمَانَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ^(۴)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ التَّسَاءُلِ لَا يَرْجُونَ بَخَاحًا فَلَمَّا
عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعُنَ شَيْءًا بَهِنَّ عَيْرَ مُتَبَرِّجِينَ
بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفُنَ حَيْرَ لَهُنَ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيهِمْ^(۵)

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَالِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَاجِ حَرَجٌ

وقت ایک دوسرے سے ملنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی ضرورت عامہ کے پیش نظر اللہ نے یہ اجازت مرحمت فرمادی، کیونکہ وہ علیم ہے، لوگوں کی ضروریات اور حاجات کو جانتا ہے اور حکیم ہے، اسکے ہر حکم میں بندوں کے مفادات اور حکمتیں ہیں۔ (۱) ان بچوں سے مراد احرار پچے ہیں، بلوغت کے بعد ان کا حکم عام مردوں کا سا ہے، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی کسی کے گھر آئیں تو پسلے اجازت طلب کریں۔

(۲) ان سے مراد وہ بوڑھی اور از کار رفتہ عورتیں ہیں جن کو حیض آنابند ہو گیا ہو اور ولادت کے قابل نہ رہی ہوں۔ اس عمر میں بالعموم عورت کے اندر مرد کے لیے فطری طور پر جو جنسی کشش ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے، نہ وہ کسی مرد سے نکاح کی خواہش مند ہوتی ہیں، نہ مرد ہی ان کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو پردے میں تخفیف کی اجازت دے دی گئی ہے "کپڑے اتار دیں" سے وہ کپڑا مراد ہے جو شلوار قمیں کے اوپر عورت پردے کے لیے بڑی چادر، یا برقعہ وغیرہ کی شکل میں لیتی ہے بشرطیکہ مقصد اپنی زینت اور بناو سنگھار کا اظہار نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی جنسی کشش کھو جانے کے باوجود اگر بناو سنگھار کے ذریعے سے اپنی "جنسیت" کو نمایاں کرنے کے مرض میں مبتلا ہو تو اس تخفیف پردہ کے حکم سے وہ مستثنی ہو گی اور اس کے لیے مکمل پردہ کرنا ضروری ہو گا۔

(۳) یعنی مذکورہ بوڑھی عورتیں بھی پردے میں تخفیف نہ کریں بلکہ بدستور بڑی چادر یا برقعہ بھی استعمال کرتی رہیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھالویا اپنے بالپوں کے گھروں سے یا اپنی ماوں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے^(۱) یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں^(۲) کے گھروں سے۔ تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ^(۳) پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر

وَلَا عَلَى الْمُرِيفِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِنْ بَيْوَتِكُمْ أَوْ بَيْوَتِ إِخْرَاجِكُمْ أَوْ بَيْوَتِ أَمْهِنَكُمْ أَوْ بَيْوَتِ إِخْرَابِكُمْ أَوْ بَيْوَتِ أَخْوَاتِكُمْ أَوْ بَيْوَتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بَيْوَتِ عَنْتِكُمْ أَوْ بَيْوَتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بَيْوَتِ خَلِيلِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَقْدَرَتَهُ أَوْ صَدِيقَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَأْنَا قَدَّرَادَخْلَتُمْ بَيْوَتًا سَلِيمًا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَعْيَةً فَإِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبُرَّكَةٌ طَيِّبَةٌ كَذَلِكَ يَبْيَّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ^(۴)

(۱) اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں جاتے ہوئے صحابہ کرام ﷺ آیت میں مذکور معدود رین کو اپنے گھروں کی چاہیاں دے جاتے اور انہیں گھر کی چیزیں بھی کھانے پینے کی اجازت دے دیتے۔ لیکن یہ معدود صحابہ ﷺ اس کے باوجود مالکوں کی غیر موجودگی میں، وہاں سے کھانا پینا جائز نہ سمجھتے، اللہ نے فرمایا کہ مذکورہ افراد کے لیے اپنے اقارب کے گھروں سے یا جن گھروں کی چاہیاں ان کے پاس ہیں، ان سے کھانے پینے میں کوئی حرج (گناہ) نہیں ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تدرست صحابہ ﷺ معدود صحابہ ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا، اس لیے ناپسند کرتے کہ وہ معدود ری کی وجہ سے کم کھائیں گے اور یہ زیادہ کھا جائیں گے، اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں ظلم کا رتکاب نہ ہو جائے۔ اسی طرح خود معدود صحابہ ﷺ بھی، دیگر لوگوں کے ساتھ کھانا اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت محسوس نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے وضاحت فرمادی کہ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں ہے۔

(۲) تاہم بعض علمانے صراحت کی ہے کہ اس سے وہ عام قسم کا کھانا مراد ہے جس کے کھاجانے سے کسی کو گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ ایسی عمدہ چیزیں جو مالکوں نے خصوصی طور پر الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی نظر ان پر نہ پڑے، اسی طرح ذخیرہ شدہ چیزیں، ان کا کھانا اور ان کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ (ایسرا الفاسیر اسی طرح یہاں میٹھوں کے گھر انسان کے اپنے ہی گھر ہیں، جس طرح حدیث میں ہے اُنَّتَ وَمَالُكَ لَأَيْنَكَ (ابن ماجہ نمبر ۲۲۹، مسند احمد ۲/۱۷۹، ۲۰۳، ۲۰۴) ”تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔“ دوسری حدیث ہے ولد الرجل من کسبہ (ابن ماجہ، نمبر ۲۱۳، ۲۵۸، ۲۵۹) ”آدمی کی اولاد اس کی کمائی سے ہے۔“

(۳) اس میں ایک اور تنگی کا ازالہ فرمادیا گیا ہے۔ بعض لوگ ایکلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے، اور کسی کو ساتھ بٹھا کر کھانا ضروری خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اکٹھے کھالویا الگ الگ، دونوں طرح جائز ہیں، گناہ کسی میں نہیں۔ البتہ

والوں کو سلام کر لیا کرو^(۱) وعاء خیر ہے جو بارکت اور پاکیزہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ، یوں ہی اللہ تعالیٰ کھول کر تم سے اپنے احکام بیان فرمائے ہے ماکہ تم سمجھ لو۔ (۶۱)

بایمان لوگ تو ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے۔ جو لوگ ایسے موقع پر آپ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں یہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں۔ (۲) پس جب ایسے لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعائیں لے گئیں، پیشک اللہ بخشش والا امریان ہے۔ (۶۲)

تم اللہ تعالیٰ کے نبی کے بلاں کو ایسا بلاوانہ کر لو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا (۳) ہے۔ تم میں سے انہیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چکے سے سرک

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا
مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَاءُوكُمْ لَمْ يَرِدُهُمْ حَيْثُ يَمْسَأَذْنُوهُ إِنَّ
الَّذِينَ يَمْسَأَذْنُونَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
فَإِذَا السَّنَادِذُ نُوكَلَ بِعَصِّ شَانِهِمْ فَإِذَا ذُنُونَ شَنَدَ مَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرُ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۴۷)

لَا جُعْلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَمَا كُدُّ دُعَاءَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً قَدْ
يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَسْكُلُونَ مِنْكُمْ لِوَادٍ فَلَيَعْذِرَ اللَّهُ الَّذِينَ
يُغَالِفُونَ عَنْ أَمْرٍ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ

اکٹھے ہو کر کھانا زیادہ باعث برکت ہے، جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے (ابن کثیر)

(۱) اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض کرو، آدمی کے لیے اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا بالعلوم گراں گزرتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں۔ آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے۔

(۲) یعنی جمعہ و عیدین کے اجتماعات میں یا داخلی و بیرونی مسئلے پر مشاورت کے لیے بلاۓ گئے اجلاس میں اہل ایمان تو حاضر ہوتے ہیں، اسی طرح اگر وہ شرکت سے مendum ہوتے ہیں تو اجازت طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ منافقین ایسے اجتماعات میں شرکت سے اور آپ ﷺ سے اجازت مانگنے سے گریز کرتے ہیں۔

(۳) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مت پکارو۔ مثلاً یا محمد ﷺ نہیں بلکہ یا رسول اللہ، یا نبی اللہ وغیرہ کہو۔ (یہ آپ کی زندگی کے لیے تھا جب کہ صحابہ کرام ﷺ کو ضرورت پیش آئی تھی کہ آپ سے مخاطب ہوں) دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول کی بد دعا کو دوسروں کی

عَذَابُ الْيَمِينِ

اللَّهُ أَنْ يَلْهُمَ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا آتَنَتُمْ

عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبَّئُهُمُ بِمَا عَمِلُوا وَاللَّهُ

يَعْلَمُ شَيْءاً عَلَيْهِ

جاتے ہیں۔^(۱) سنوجو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں
انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی نبردست
آفت نہ آپڑے^(۲) یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔^(۳)
آگاہ ہو جاؤ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ
تعالیٰ ہی کا^(۴) ہے۔ جس روشن پر تم ہو وہ اسے بخوبی جانتا
ہے،^(۵) اور جس دن یہ سب اس کی طرف لوٹائے
جائیں گے اس دن ان کو ان کے کیے سے وہ خبردار کر
وے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانے والا ہے۔^(۶)

بدعا کی طرح مت سمجھو، اس لیے کہ آپ کی دعائے قبول ہوتی ہے۔ اس لیے نبی کی بدعا مامت او، تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

(۱) یہ منافقین کا رویہ ہوتا تھا کہ اجماع مشاورت سے چکے سے کھک جاتے۔

(۲) اس آفت سے مراد لوں کی وہ بھی ہے جو انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سرتاہی اور ان کی مخالفت کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور ایمان سے محرومی اور کفر بر خاتمه، جہنم کے دائمی عذاب کا باعث ہے۔ جیسا کہ آیت کے اگلے جملے میں فرمایا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہاج، طریقے اور سنت کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ جو اقوال و اعمال اس کے مطابق ہوں گے، وہی بارگاہ الہی میں مقبول اور دوسرا سب مردود ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ (البخاری۔ کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور، و مسلم، کتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور، والسنن) ”جس نے ایسا کام کیا، جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے، وہ مردود ہے۔“

(۳) خلق کے اعتبار سے بھی، ملک کے اعتبار سے بھی اور ماتحتی کے اعتبار سے بھی۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس چیز کا چاہے، حکم دے۔ پس اس کے رسول ﷺ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، جس کا تقاضا یا ہے کہ رسول کے کسی حکم کی مخالفت نہ کی جائے اور جس سے اس نے منع کر دیا ہے، اس کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ رسول ﷺ کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

(۴) یہ مخالفین رسول ﷺ کو جنیہ ہے کہ جو کچھ حرکات تم کر رہے ہو، یہ نہ سمجھو کہ وہ اللہ سے مخفی رہ سکتی ہیں۔ اس کے علم میں سب کچھ ہے اور وہ اس کے مطابق قیامت والے دن جزا و سزا دے گا۔

سورہ فرقان کی ہے اور اس میں شتر آئیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

بہت بارکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر
فرقان^(۱) اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے^(۲) لیے آگاہ کرنے
والا بن جائے۔^(۳)

اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی^(۴) اور وہ
کوئی اولاد نہیں رکھتا^(۵) نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس
کا سماجی ہے^(۶) اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک
متاسب اندازہ ٹھرا دیا^(۷) ہے۔^(۸)

ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبدوں ٹھرا رکھے
ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے
جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار

شُورَةُ الْفُرْقَانِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَبَرَّكَ الَّذِي تَرَأَّلَ الْقُرْآنَ عَلَى عَبْدٍ لَا يَكُونُ لِلنَّاسِ بَلَىٰ ۝

لِلَّهِ لَهُ الْمُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضُ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيكٌ فَلَمَّا فَتَّأَمْلَأَنَا ۝

وَأَخْدَدْنَا مِنْ دُونِهِ الْهَمَةَ لَا يَغْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُغْلِقُونَ ۝

وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا ۝

وَلَا حَيَاةً وَلَا اثْنَوْرًا ۝

(۱) فرقان کے معنی ہیں حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا، اس قرآن نے کھول کر
ان امور کی وضاحت کر دی ہے، اس لیے اسے فرقان سے تعبیر کیا۔

(۲) اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالم گیر ہے اور آپ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہادی
و رہنمایا کر سمجھے گئے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿فَلَمَّا يَأْتِهَا النَّاسُ إِلَيْيَ رَسُولِ اللَّهِ أَلِيَّكُمْ جَمِيعًا﴾
(الأعراف-۵۸) اور حدیث میں بھی فرمایا بُعثْتُ إِلَى الْأَخْمَرِ وَالْأَسْوَدِ (صحیح مسلم، کتاب المساجد) کان
النَّبِيُّ بُعثْتُ إِلَى قَوْمٍ خَاصَّةً، وَبُعثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً (صحیح بخاری، کتاب التیمم و مسلم کتاب
المساجد) ”مجھے احمر و اسود سب کی طرف نبی بنا کر سمجھا گیا ہے۔“ پسلے نبی کسی ایک قوم کی طرف مبوعث ہوتا تھا اور
میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر سمجھا گیا ہوں۔“ رسالت و نبوت کے بعد توحید کا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہاں اللہ کی چار
صفات بیان کی گئی ہیں۔

(۳) یہ پہلی صفت ہے یعنی کائنات میں مترقب صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

(۴) اس میں نصاریٰ، یہود اور بعض ان عرب قبائل کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

(۵) اس میں صنم پرست مشرکین اور شویت (دو خداوں شر اور خیر، ظلمت اور نور کے خالق) کے قائلین کا رد ہے۔

(۶) ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے اور اپنی حکمت و مشیت کے مطابق اس نے اپنی مخلوقات کو ہر وہ چیز بھی سیاکی ہے جو

نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی
انٹھنے کے وہ مالک ہیں۔^(۱) (۳)

اور کافروں نے کہا یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ
ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی مدد کی^(۲) ہے،
در اصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور سرتاسر جھوٹ کے
مرکب ہوئے ہیں۔^(۳)

اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے
لکھا رکھے ہیں بس وہی صحیح و شام اس کے سامنے پڑھے
جاتے ہیں۔^(۴)

کہہ دیجئے کہ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمان و
زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔^(۵) پیشک وہ بڑا ہی
بختی و الامریان ہے۔^(۶)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ هَذَا إِلَّا إِفْلُكٌ لِفَتَرَةٍ
وَأَعْنَانَهُ عَلَيْهِ تَوْمًا لِخَرُونَ فَقَدْ جَاءَنِي ظُلْمًا وَنُذُراً^(۷)

وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَقْرَبِينَ أَكْتَبْهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ
بِكُرْكَةٍ قَائِمِيًّا^(۸)

فَلْ أَنْزَلْهُ اللَّهُ الَّذِي يَعْلَمُ الْإِتْرَاءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ
كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا^(۹)

اس کے مناسب حال ہے یا ہر چیز کی موت اور روزی اس نے پہلے سے ہی مقرر کر دی ہے۔

(۱) لیکن طالموں نے ایسے ہم صفات موصوف رب کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو رب بنالیا ہے جو اپنے بارے میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے چہ جائیکہ وہ کسی اور کے لیے کچھ کر سکنے کے اختیارات سے بہرہ ور ہوں۔ اس کے بعد مکرین نبوت کے شہادت کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔

(۲) مشرکین کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ کتاب گھرنے میں یہود سے یا ان کے بعض موافقی (مثلاً ابو کفیہ یا سار، عداس اور جبر وغیرہم) سے مددی ہے۔ جیسا کہ سورۃ النحل، آیت ۱۰۳ میں اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن نے اس الزام کو ظلم اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے، بھلا ایک ای شخص دوسروں کی مدد سے ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں بے مثال ہو، حقائق و معارف بیانی میں بھی مجzenگار ہو، انسانی زندگی کے لیے احکام و قوانین کی تفصیلات میں بھی لا جواب ہو اور اخبار ماضیہ اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی نشاندہی اور وضاحت میں بھی اس کی صداقت مسلم ہو۔

(۳) یہ ان کے جھوٹ اور افتراء کے جواب میں کہا کہ قرآن کو تو دیکھو، اس میں کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی بات غلط اور خلاف واقعہ ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ بلکہ ہر بات بالکل صحیح اور چیز ہے، اس لیے کہ اس کو اتارنے والی ذات وہ ہے جو آسمان و زمین کی ہر پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

(۴) اس لیے وہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ ورنہ ان کا قرآن سازی کا الزام بڑا سخت ہے جس پر وہ فوری طور پر

اور انہوں نے کہا کہ یہ کیا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا^(۱) ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔^(۲) ^(۷)

یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا^(۳) جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا۔ اور ان ظالموں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔^(۴) ^(۸)

خیال تو کجھے؟ کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔ پس جس سے خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آسکتے۔^(۵) ^(۹)

اللہ تعالیٰ تو ایسا بارکت ہے کہ اگر چاہے تو آپ کو بہت سے ایسے باغات عنایت فرمادے جو ان کے کھے ہوئے باغ سے بہت ہی بہتر ہوں جن کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہوں

وَقَالُوا مَا لِهُذَا الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا إِنْزَلَ إِلَيْهِ مِنْكُمْ فَيَكُونُ مَعَهُ كَذِيرًا^(۱)

أَوْ يُلْقِي إِلَيْهِ كَنَزًا وَتَكُونُ لَهُ جَمِيعَةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَعْمَلُونَ إِلَّا رَجْلًا مَسْخُورًا^(۲)

أَنْظُرْنِيْفَ ضَرِبُوا إِنَّ الْأَمْثَالَ فَضْلًا فَلَا يَسْتَطِعُونَ سِينِلَا^(۳)

تَبَرَّكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا قُنْ ذَلِكَ جَهَنَّمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَهْرَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا^(۴)

عذاب الہی کی گرفت میں آسکتے ہیں۔

(۱) قرآن پر طعن کرنے کے بعد رسول پر طعن کیا جا رہا ہے اور یہ طعن رسول کی بشریت پر ہے۔ کیوں کہ ان کے خیال میں بشریت عظمت رسالت کی محمل نہیں۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ تو کھاتا پیتا اور بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے۔ حالانکہ رسول کو تو بشر نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) مذکورہ اعتراض سے نیچے اتر کر کما جا رہا ہے کہ چلو کچھ اور نہیں تو ایک فرشتہ ہی اس کے ساتھ ہو جو اس کا معاون اور مصدق ہو۔

(۳) تاکہ طلب رزق سے وہ بے نیاز ہو تا۔

(۴) تاکہ اس کی حیثیت تو ہم سے کچھ ممتاز ہو جاتی۔

(۵) یعنی جس کی عقل و فہم حمزہ اور محمل ہے۔

(۶) یعنی اے چیغیر! آپ کی نسبت یہ اس قسم کی باتیں اور بہتان تراشی کرتے ہیں، کبھی ساحر کرتے ہیں، کبھی مسحور و مجنون اور کبھی کذاب و شاعر۔ حالانکہ یہ ساری باتیں باطل ہیں اور جن کے پاس ذرہ برابر بھی عقل و فہم ہے، وہ ان کا جھونٹا ہونا جانتے ہیں، پس یہ ایسی باتیں کر کے خود ہی را ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، انسیں راہ راست کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

اور آپ کو بہت سے (پختہ) محل بھی دے دے۔^(۱)
بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں^(۲) اور
قیامت کے جھلانے والوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی
آگ تیار کر رکھی ہے۔^(۳)

جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کاغذ سے بچنا
اور دھاڑنا سنیں گے۔^(۴)

اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں مشکل کس کر
پھینک دیئے جائیں گے تو وہاں اپنے لیے موت ہی موت
پکاریں گے۔^(۵)

(ان سے کہا جائے گا) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ
بہت سی اموات کو پکارو۔^(۶)

آپ کہہ دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے^(۷) یا وہ ہی شکنی والی جنت

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدَ ذَالِّمُونَ كَذَّابَ
بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا^(۸)

إِذَا رَأَيْتُمُهُمْ مِنْ مَكَانٍ يَعْصِيُونَ الْهَامِنِيَّةَ وَزَفِيرًا^(۹)

وَإِذَا الْقَوَامُونَ هَا مَحَا نَاصِيَّةً مَغْرِيَّةً دَعَوْا
هُنَّا لِكَ تُبُورُوا^(۱۰)

لَا تَدْعُوا إِلَيْكُمْ يَوْمَ شَبُورًا وَاجْهَدُوا دُعْوَاتُ شَبُورًا كَثِيرًا^(۱۱)

فُلْ أَذْلَقَ خَيْرًا مَرْجَتَهُ الْخُلُدُ الْقُرْبَى وَعِدَ الْمُتَقْوَنَ^(۱۲)

(۱) یعنی یہ آپ کے لیے جو مطالبے کرتے ہیں، اللہ کے لیے ان کا کرونا کوئی مشکل نہیں ہے، وہ چاہے تو ان سے بہتر
بانگات اور محلات دنیا میں آپ کو عطا کر سکتا ہے جوان کے دماغوں میں ہیں۔ لیکن ان کے مطالبے تو تکذیب و عناد کے طور
پر ہیں نہ کہ طلب ہدایت اور تلاش نجات کے لیے۔

(۲) قیامت کا یہ جھلانا ہی تکذیب رسالت کا بھی باعث ہے۔

(۳) یعنی جہنم ان کافروں کو دور سے میدان محشر میں دیکھ کر ہی غصے سے کھول اٹھے گی اور ان کو اپنے دامن غضب میں
لینے کے لیے چلائے گی اور جنجلائے گی؛ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِذَا الْقَوَافِيهَا سَمِعُوا هَا شَهِيْفًا وَهِيَ تَقُوْرُ^{*}
تَكَادُ تَبَيَّرُ مِنَ الْعَيْنِ﴾ (سورۃ الملک۔ ۷۔ ۸) ”جب جسمی“ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ
(جو ش غضب سے) اچھلتی ہو گی، ایسے لگے گا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔ جہنم کا دیکھنا اور چلانا، ایک حقیقت ہے،
استعارہ نہیں۔ اللہ کے لیے اس کے اندر احساس و ادراک کی قوت پیدا کر دنا، مشکل نہیں ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔
آخر قوت گویا بھی تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا اور وہ ﴿هُنَّ مَنْ يُنْذِلُهُ كَمِ صَدَابَنَدَ كَرَے گی﴾ (سورۃ ق۔ ۳۰)

(۴) یعنی جسمی جب جہنم کے عذاب سے تنگ آکر آرزو کریں گے کہ کاش انہیں موت آجائے، وہ فنا کے گھاث اتر
جائیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت نہیں کئی موتوں کو پکارو۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمہاری قسمت میں ہیش
کے لیے انواع و اقسام کے عذاب ہیں یعنی موتیں ہیں، تم کہاں تک موت کا مطالبہ کرو گے؟

(۵) ”یہ“ اشارہ ہے جہنم کے مذکورہ عذابوں کی طرف، جن میں جسمی جکڑ بند ہو کر جلا ہوں گے۔ کہ یہ بہتر ہے جو

جس کا وعدہ پر ہیزگاروں سے کیا گیا ہے، جوان کا بدلہ ہے
اور ان کے لوٹنے کی اصلی جگہ ہے۔^(۱۵)

وہ جو چاہیں گے ان کے لیے وہاں موجود ہو گا، ہمیشہ رہنے
والے۔ یہ تو آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو قابل
طلب ہے۔^(۱۶)

اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور سوائے اللہ کے جنمیں
یہ پونتھے رہے، انہیں جمع کر کے پوچھئے گا کہ کیا میرے
ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو
گئے۔^(۱۷)

وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ
زبانہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کار ساز بناتے
بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ وادوں کو
آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ نصیحت بھلا بیٹھے،

کانتْ لَهُمْ جَزَاءٌ وَمَصِيرًا^(۱۸)

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ حَلِيلُنَّ مَكَانَ عَلَى رَبِّكَ
وَعَدُّ اشْتُولًا^(۱۹)

وَسَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَفْعُولٌ
إِنَّمَا أَضْلَلْتُمْ عِبَادِيَ هُوَ لَهُمْ ضَلَالٌ إِلَى الشَّيْطَانِ^(۲۰)

قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يَتَبَعِّنُ لَكَ أَنْ تَنْعِذَ مِنْ
دُوْنِكَ مِنْ أَفْلَيَادَ وَلِكِنْ مَتَعْتَهُمْ وَابْدَأْهُمُ حَثَّ
نَسُوا الَّذِي كَرِهُوكُلُّ أُقْوَمٍ بُوْرَما^(۲۱)

کفر و شرک کا بدلہ ہے یا وہ جنت، جس کا وعدہ متقین سے ان کے تقویٰ و اطاعت اللہ پر کیا گیا ہے۔ یہ سوال جنم میں کیا
جائے گا لیکن اسے یہاں اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ شاید جنمیوں کے اس انجام سے عبرت پکڑ کر لوگ تقویٰ و اطاعت کا
راستہ اختیار کر لیں اور اس انجام بد سے نج جائیں، جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے۔

(۱) یعنی ایسا وعدہ، جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، جیسے قرض کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اپنے ذمے یہ وعدہ واجب
کر لیا ہے جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لیے اس
حسن جزا کو اپنے لیے ضروری قرار دے لیا ہے۔

(۲) دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہے گی۔ ان میں جمادات (پتھر، لکڑی اور دیگر
دھاتوں کی بنی ہوئی مورتیاں) بھی ہیں، جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں مثلاً حضرت عزیز،
حضرت سُچ علیہما السلام اور دیگر بہت سے نیک بندے۔ اسی طرح فرشتے اور جنات کے پیغمباری بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ
غیر عاقل جمادات کو بھی شعور و ادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا۔ اور ان سب معبدوں سے پوچھئے گا کہ بتاؤ! تم
نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمہاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے تھے؟

(۳) یعنی جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کار ساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم
اللہ کے بجائے ہمیں اپنا ولی اور کار ساز سمجھو۔

یہ لوگ تھے ہی^(۱) ہلاک ہونے والے۔^(۱۸)
تو انہوں نے تو تمہیں تمہاری تمام باتوں میں جھٹلایا، اب
نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے، نہ مدد
کرنے کی،^(۲) تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے^(۳)
ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔^(۱۹)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا
بھی کھاتے تھے^(۴) اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے
تھے^(۵) اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی
آزمائش کا ذریعہ بنادیا۔^(۶) کیا تم صبر کرو گے؟ تیرا رب
سب کچھ دیکھنے والا ہے۔^(۷) ^(۲۰)

فَقَدْ كَدَّ بُوكُمْ بِمَا أَنْثَوْلُونَ فَمَا سَتَطَعُونَ صَرْفًا
وَلَا أَنْصَرًا وَمَنْ يَظْلِمْ مُتَنَكِّرٌ فَعَذَابًا أَكْبَرُ^(۸)

وَمَا أَرْسَلْنَا أَقْبَلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا لِنُهُمْ لِيَأْكُلُونَ
الظَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَغْضَكُمْ
لِيَعْقِفُ فِتْنَةً أَنْصَبْرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا^(۹)

(۱) یہ شرک کی علت ہے کہ دنیا کے مال و اسباب کی فراوانی نے انہیں تیری یاد سے غافل کر دیا اور ہلاکت و تباہی ان کا
مقدار بن گئی۔

(۲) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو مشرکین سے مخاطب ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گاکر تم جن کو اپنا معبود گمان کرتے تھے، انہوں
نے تو تمہیں تمہاری باتوں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے تم سے براءت کا اعلان کر دیا
ہے۔ گویا جن کو تم اپنا مددگار سمجھتے تھے، وہ مددگار ثابت نہیں ہوئے۔ اب کیا تمہارے اندر یہ طاقت ہے کہ تم میرے
عذاب کو اپنے سے پھیر سکو اور اپنی مدد کر سکو؟

(۳) ظلم سے مراد وہی شرک ہے، جیسا کہ سیاق سے بھی واضح ہے اور قرآن میں دوسرے مقام پر شرک کو ظلم عظیم
سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿إِنَّ الْقَرْبَلَةَ لَظَلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (القسان: ۲۳)

(۴) یعنی وہ انسان تھے اور غذا کے محتاج۔

(۵) یعنی رزق حلال کی فرمادہی کے لیے کسب و تجارت بھی کرتے تھے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ چیزوں منصب
نبوت کے منافق نہیں، جس طرح کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

(۶) یعنی ہم نے ان انبیا کی اور ان کے ذریعے سے ان پر ایمان لانے والوں کی بھی آزمائش کی، تاکہ کھرے کھونے کی تمیز ہو
جائے، جنہوں نے آزمائش میں صبر کا دامن پکڑا رکھا، وہ کامیاب اور دوسرے ناکام رہے۔ اسی لیے آگے فرمایا "کیا تم صبر کرو
گے؟"

(۷) یعنی وہ جانتا ہے کہ وحی و رسالت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ ﴿أَلَّا هُنَّ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾
(الأنعام: ۱۲۲) حدیث میں بھی آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ بادشاہ نبی
بنوں یا بندہ رسول؟ میں نے بندہ رسول بننا پسند کیا (ابن کثیر)

اور جنہیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟^(۱) یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے؟^(۲) ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سر کشی کر لی ہے۔^(۳)

جس دن یہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن ان گناہ گاروں کو کوئی خوشی نہ ہو گی^(۴) اور کہیں گے یہ محروم ہی محروم کیے۔ گئے۔^(۵)

اور انہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا
الْمَلِكَةَ أُنْزَلَتِنَا لِقَاءً مُسْكِرًا فِي أَنْشِيهِمْ
وَعَنَّتُو عَنْهُمْ كَيْدِهَا^(۶)

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلِكَةَ لَا يُبْشِرُّ إِيَّاهُ مِنْ
يَقُولُونَ حَجَرًا مَحْجُورًا^(۷)

وَقَدْ مِنَّا لِلَّذِينَ عَمِلُوا مِنْ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْتَهِيًّا^(۸)

(۱) یعنی کسی انسان کو رسول بنا کر بھینجنے کے بجائے، کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتے بھی نازل ہوتے، جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ اس بشر رسول کی تصدیق کرتے۔

(۲) یعنی رب آکر ہمیں کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا رسول ہے اور اس پر ایمان لانا تمہارے لیے ضروری ہے۔

(۳) اسی اشکار اور سر کشی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبے کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ایمان بالغیب کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا ہے۔ اگر وہ فرشتوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے اتار دے یا آپ خود زمین پر نزول فرمائے تو اس کے بعد ان کی آزمائش کا پہلو ہی ختم ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسا کام کیوں کر کر سکتا ہے جو اس کی حکمت تخلیق اور میثت تکوئی کے خلاف ہے؟

(۴) اس دن سے مراد موت کا دن ہے یعنی یہ کافر فرشتوں کو دیکھنے کی آرزو تو کرتے ہیں لیکن موت کے وقت جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشی اور سرت نہیں ہو گی، اس لیے کہ فرشتے انہیں اس موقع پر عذاب جنم کی وعدہ نہیں ہیں اور کہتے ہیں اے خبیث روح خبیث جسم سے نکل، جس سے روح دوڑتی اور بھاگتی ہے، جس پر فرشتے اسے مارتے اور کوئتے ہیں جیسا کہ سورۃ الانفال، ۵۰، سورۃ الأنعام، ۹۳ میں ہے۔ اس کے برعکس مومن کا حال وقت احتفار (جان کنی کے وقت) یہ ہوتا ہے کہ فرشتے اسے جنت اور اس کی نعمتوں کی نوید جان فراہناتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ حم السجدۃ، ۳۰-۳۲ میں ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں، اے پاک روح، جو پاک جسم میں تھی، نکل! اور ایسی جگہ چل جماں اللہ کی نعمتیں ہیں اور وہ رب ہے جو تجھ سے راضی ہے۔“ (تفصیل کے لیے دیکھئے منڈ احمد ۲/۳۶۳-۳۶۵ ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دونوں ہی قول صحیح ہیں۔ اس لیے کہ دونوں ہی دن ایسے ہیں کہ فرشتے مومن اور کافر دونوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ مومنوں کو رحمت و رضوان اللہ کی خوش خبری اور کافروں کو ہلاکت و خسراں کی خبر دیتے ہیں۔

(۵) حِبْرُ کے اصل معنی ہیں منع کرنا، روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا صفر سنی کی وجہ سے اس

بڑھ کر انہیں پر اگنده ذریعوں کی طرح کر دیا۔^(۱) (۲۳)

ابتدئے اس دن جنتیوں کا ٹھکانا بہتر ہو گا اور خواب گاہ بھی
عمردہ ہو گی۔^(۲) (۲۴)

اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا^(۳) اور
فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے۔^(۴) (۲۵)

اس دن صحیح طور پر ملک صرف رحمن کا ہی ہو گا اور یہ
دن کافروں پر بڑا بھاری ہو گا۔^(۵) (۲۶)

أَضَبَّ الْجَنَّةَ يَوْمَئِنْ خَيْرٌ مُسْتَعْدٌ وَأَحَسَّ مَيْقِيلًا^(۶)

وَيَوْمَ تَسْقُى السَّمَاءُ بِالْغَامِ وَنَزِلَ الْمَلِكَةُ تَنْزِيلًا^(۷)

الْمَلَكُ يَوْمَئِنْ لِتَعْلِيمِ الرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى
الْكُفَّارِ يَعْسِيًراً^(۸)

کے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرُ الْفَاضِيِّ عَلَى فُلَانِ قاضی نے فلاں کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (خطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جسے قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت، اس کے بیرونی حصے سے گزرننا چاہیے جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ اور عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عقل بھی انسانوں کو ایسے کاموں سے روکتی ہے جو انسان کے لائق نہیں ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے کافروں کو کہتے ہیں کہ تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی خوش خبری متفقین کو دی جاتی ہے۔ یعنی یہ حَرَامًا مُحَرَّمًا عَلَيْكُمْ کے معنی میں ہے۔ آج جنت الفردوس اور اس کی نعمتیں تم پر حرام ہیں، اس کے مستحق صرف اہل ایمان و تقویٰ ہوں گے۔

(۱) ہبۂ آن باریک ذریعوں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہونے والی سورج کی کرن میں محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انہیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے عمل بھی قیامت والے دن ان ہی ذریعوں کی طرح بے حیثیت ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ایمان و اخلاق سے بھی خالی ہوں گے اور موافقت شریعت سے بھی عاری۔ جب کہ عند اللہ تقویٰت کے لیے دونوں شرطیں ضروری ہیں۔ ایمان و اخلاق بھی اور شریعت اسلامیہ کی مطابقت بھی۔ یہاں کافروں کے اعمال کو جس طرح بے حیثیت ذریعوں کی مثل کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقالات پر کہیں را کہ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف پکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ساری تمثیلات پسلے گزر چکی ہیں ملاحظہ ہو سورة البقرۃ ۲۶۳، سورۃ ابراہیم ۱۸ اور سورۃ النور ۲۹۔

(۲) بعض نے اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے قیامت کا یہ ہونا کہ دن اتنا مختصر اور ان کا حساب اتنا آسان ہو گا کہ قیلو لے کے وقت تک یہ فارغ ہو جائیں گے اور جنت میں یہ اپنے اہل خاندان اور حور عین کے ساتھ دوپہر کو استراحت فرماؤں گے، جس طرح حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے یہ دن اتنا ہلکا ہو گا کہ جتنے میں دنیا میں ایک فرض نماز ادا کر لینا۔ (منہ احمد ۷۵/۳)

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور بادل سایہ فگن ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلویں، میدانِ محشر

اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبایپا کر کے گاہے کا ش کیں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ اختیار کی ہوتی۔ (۲۷)

ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (۲۸)

اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ فصحت میرے پاس آپنی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دعا دینے والا ہے۔ (۲۹)

اور رسول کے گاکہ اے میرے پروڈگار! بیشک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ (۳۰)

اور اسی طرح ہم نے ہرنبی کے دشمن بعض گناہ گاروں کو بنادیا ہے۔ اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔ (۳۱)

اور کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن سارا کاسارا ایک ساتھ

وَيَوْمَ يَعْضُظُ الظَّالِمُونَ عَلَىٰ يَدِيْهِ يَقُولُ يَا يَتَّقِيَ الْخَنْدُثُ مَمَّ الرَّسُولُ سَيِّلًا ④

يُوَيْلَتِيَ لَيْتَقِيَ لَمَّا أَخْنَدَ فُلَانًا خَلِيلًا ⑤

لَقَدْ أَضْلَلَنِي عَنِ الدِّرْكِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي، وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْأَنْسَانِ خَدُولًا ⑥

وَقَالَ الرَّسُولُ يَرِيتِ إِنَّ قَوْمِي أَخْنَدُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ⑦

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًا لِمَنِ الْمُجْرِمُونَ وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِيًّا وَّتَصِيرًا ⑧

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَتُؤْلَمُنَّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً؟

میں جہاں ساری مخلوق جمع ہو گی، حساب کتاب کے لیے جلوہ فرمائے گا، جیسا کہ سورہ بقرۃ آیت ۲۰ سے بھی واضح ہے۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور واہنگی نہیں رکھنی چاہیے، اس لیے کہ صحبت صالح سے انسان اچھا اور صحبت طالع سے انسان برآبنتا ہے۔ اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبت بد کا اختیار کرتا ہی ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکید اور برعی صحبت سے اجتناب کو ایک بہترین مثال سے واضح کیا گیا ہے (لاحظہ ہو مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحين.....)

(۲) مشرکین قرآن پڑھے جانے کے وقت خوب شور کرتے ہاکہ قرآن نہ ساجا سکے، یہ بھی بھرمان ہے، اس پر ایمان نہ لانا اور عمل نہ کرنا بھی بھرمان ہے، اس پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے اوامر پر عمل اور نواعی سے اجتناب نہ کرنا بھی بھرمان ہے۔ اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو ترجیح دینا، یہ بھی بھرمان ہے یعنی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا ہے، جس کے خلاف قیامت والے دن اللہ کے پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ دائر فرمائیں گے۔

(۳) یعنی جس طرح اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تیری قوم میں سے وہ لوگ تیرے دشمن ہیں جنہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی طرح گزشتہ امتوں میں بھی تھا، یعنی ہرنبی کے دشمن وہ لوگ ہوتے تھے جو گناہ گارتے، وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے تھے سورہ الأنعام، آیت ۱۲ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یعنی یہ کافر گو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں لیکن تیرا رب جس کو ہدایت دے، اس کو ہدایت سے کون

ہی کیوں نہ اتارا گیا^(۱) اسی طرح ہم نے (تحوڑا تھوڑا کر کے) اتارا تاکہ اس سے ہم آپ کا دل قوی رکھیں، ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ سنایا ہے۔^(۲) (۳۲)

یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لاکیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتا دیں گے۔^(۳) (۳۳)

جولوگ اپنے منہ کے بل جنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تراستے والے ہیں۔^(۴) (۳۴)

اور بلاشبہ ہم نے موی کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنادیا۔^(۵) (۳۵)

اور کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جو ہماری آئیوں کو جھٹلا رہے ہیں۔ پھر ہم نے انہیں بالکل ہی پامال کر دیا۔^(۶) (۳۶)

اور قوم نوح نے بھی جب رسولوں کو جھوٹا کہا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے انہیں نشان عبرت بنادیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب میا کر کھا ہے۔^(۷) (۳۷)

وَاحِدَةٌ كَذَلِكَ لِلْيَتَّقِتُ بِهِ فُؤَادُكُ وَرَئْنَاهُ تَرْتَبِيلًا^(۱)

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمِثْلِ الْأَجْهَنَكَ بِالْعَقْ وَأَحْسَنَ تَهْبِيَرًا^(۲)

الَّذِينَ يُخْرَوْنَ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ أُولَئِكَ شَرُّ مَكَانًا
وَأَضَلُّ سَبِيلًا^(۳)

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هُرُونَ وَزِرْعَةً^(۴)

فَلَمَّا ذَهَبَ إِلَى الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْيَتَّقِتَانِ فَلَمْ يَرْجِعُنَّهُمْ تَدْبِيرُهَا^(۵)

وَقَوْمُ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرَّسُولَ أَعْرَقُهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلثَّالِثِ
إِلَهًا وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا^(۶)

روک سکتا ہے؟ اصل ہادی اور مددگار تو تیرارب ہی ہے۔

(۱) جس طرح تورات، انجیل اور زیور وغیرہ کتابیں بیک مرتبہ نازل ہوئیں۔

(۲) اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ہم نے حالات و ضروریات کے مطابق اس قرآن کو ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ اے چیخبر ملٹیپلٹیٹ! تیرا اور اہل ایمان کا دل مضبوط ہو اور ان کے خوب ذہن نشین ہو جائے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَقُلْنَا فَرَقْنَاهُ لِتَعْرَأَهُ عَلَى الْتَّالِيْنَ عَلَى تَكْبِيْتٍ وَرَتْنَاهُ تَرْتَبِيلًا ﴾ (سورہ بنی إسرائیل - ۱۰۶) ”اور قرآن“ اس کو ہم نے جدا جدا کیا، تاکہ تو اسے لوگوں پر رک رک کر پڑھے اور ہم نے اس کو وقفت و قفت سے اتارا“ اس قرآن کی مثال بارش کی طرح ہے۔ بارش جب بھی نازل ہوتی ہے، مردہ زمین میں زندگی کی لردود جاتی ہے اور یہ فائدہ بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب بارش و قافت و قفت نازل ہو، نہ کہ ایک ہی مرتبہ ساری بارش کے نزول سے۔

(۳) یہ قرآن کے وقفت و قفت سے اتارے جانے کی حکمت و علت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مشرکین جب بھی کوئی مثال یا اعتراض اور شبہ پیش کریں گے تو قرآن کے ذریعے سے ہم اس کا جواب یاوضاحت پیش کر دیں گے اور یوں انہیں لوگوں کو گراہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اور عادیوں اور شمودیوں اور کنوئیں والوں کو^(۱) اور ان کے در میان کی بستی امتوں کو^(۲) (ہلاک کرویا)- (۳۸)

اور ہم نے ان کے سامنے مثالیں بیان کیں^(۳) پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و بر باد کرویا۔ (۳۹)

یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جن پر بری طرح کی بارش بر سائی گئی۔^(۴) کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انہیں مر کر جی اٹھنے کی امید ہی نہیں۔ (۴۰)

اور تمہیں جب کبھی دیکھتے ہیں تو تم سے مخزاپن کرنے لگتے ہیں۔ کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بننا کر بھیجا ہے۔ (۴۱)

(وہ تو کیجئے) کہ ہم اس پر جنمے رہے ورنہ انہوں نے تو

وَعَادٌ وَّشُوْدَاً وَّاصْحَابَ الرَّئِسِ وَقُرُونَابَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ﴿۷﴾

وَكُلَّاضَرِبَنَالْأَمْثَالَ وَكُلَّا بَرَنَاتَبَيْدًا ﴿۸﴾

وَلَقَدْ أَتَوْعَالَ الْقَرِبَةِ الْقَيْمَ أَمْطَرَتْ مَطَرَ الشَّوَّهَ أَفْلَمَيْكُونُوا
بَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ ثُورًا ﴿۹﴾

وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَعْجِزُونَكَ إِلَاهُرُوا أَهْدَى الَّذِي بَعَثَ
اللَّهُ رَسُولًا ﴿۱۰﴾

إِنْ كَادَ لَيُصْلِنَا عَنِ الْهَيْنَالَوَ لَآنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ

(۱) رَسْ کے معنی کنویں کے ہیں أَصْحَابُ الرَّئِسِ، کنویں والے۔ اس کی تعین میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس سے مراد اصحاب الاعداد ہیں جن کا ذکر سورۃ البروج میں ہے (ابن کثیر)

(۲) قَرْنٌ کے صحیح معنی ہیں، ہم عصر لوگوں کا ایک گروہ۔ جب ایک نسل کے لوگ ختم ہو جائیں تو دوسرا نسل دوسرا قرن کملائے گی۔ (ابن کثیر)، اس معنی میں ہر بھی کی امت بھی ایک قرن ہو سکتی ہے۔

(۳) یعنی دلائل کے ذریعے سے ہم نے جنت قائم کر دی۔
(۴) یعنی اتمام جنت کے بعد۔

(۵) بستی سے، قوم لوط کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہ ما مراد ہیں اور بری بارش سے پھرلوں کی بارش مراد ہے۔ ان بستیوں کو الثالث دیا گیا تھا اور اس کے بعد ان پر سکنر پھرلوں کی بارش کی گئی تھی جیسا کہ سورۃ ہود۔ ۸۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بستیاں شام و فلسطین کے راستے میں پڑتی ہیں، جن سے گزر کر ہی اہل مکہ آتے جاتے تھے۔

(۶) اس لیے ان تباہ شدہ بستیوں اور ان کے کھنڈ رات دیکھنے کے باوجود عبرت نہیں پکڑتے۔ اور آیات الہی اور اللہ کے رسول کی مکہ مکرمہ سے باز نہیں آتے۔

(۷) دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ﴿۷﴾ أَهْدَى الَّذِي يَدْكُرُ الْمَهْتَمَ ﴿۷﴾ (الأنبياء۔ ۳۶) ”کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟“ یعنی ان کی بابت کہتا ہے کہ وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا انظہار ہی مشرکین کے نزدیک ان کے معبودوں کی توہین تھی، جیسے آج بھی قبر پرستوں کو کما جائے کہ قبروں میں مدفن بزرگ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تو کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔

ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکادینے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی تھی۔^(۱) اور یہ جب عذابوں کو دیکھیں گے تو
انہیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پوری طرح راہ سے
بھٹکا ہوا کون تھا؟^(۲) (۳۲)

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو انی خواہش نفس کو اپنا معبود
بنائے ہوئے ہے کیا آپ اسکے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟^(۳) (۳۳)
کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا
سمجھتے ہیں۔ وہ تو نرے چوپا یوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی
زیادہ بھٹکے ہوئے۔^(۴) (۳۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سایے کو کس

يَعْلَمُونَ حِلْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَيِّلًا ⑦

أَرَءَيْتَ مَنْ أَخْنَدَ اللَّهَ هُوَنُ أَفَأَنْتَ لَا تَكُونُ
عَلَيْهِ وَكَيْلًا ⑧

أَمْ نَحْسَبُ أَنَّ الْكُثُرَ هُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقُلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَيِّلًا ⑨

الْفَرَّارُ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَ الظَّلَلُ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَائِنًا ۗ

(۱) یعنی ہم ہی اپنے آبا و اجداد کی تقلید اور روایتی مذہب سے وابستگی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت سے باز نہیں آئے
ورہنہ اس پیغمبر ﷺ نے تو ہمیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا یہ قول نقل فرمایا کہ کس
طرح وہ شرک پر جئے ہوئے ہیں کہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔

(۲) یعنی اس دنیا میں تو ان مشرکین اور غیر اللہ کے چجاریوں کو اہل توحید گمراہ نظر آتے ہیں لیکن جب یہ اللہ کی بارگاہ میں
پہنچیں گے اور وہاں انہیں شرک کی وجہ سے عذاب اللہ سے دوچار ہونا پڑے گا تو پتہ لگے گا کہ گمراہ کون تھا؟ ایک اللہ کی
عبادت کرنے والے یا در در پر اپنی جبینیں جھکانے والے؟

(۳) یعنی جو چیز اس کے نفس کو اچھی لگی، اسی کو اپنادین و مذہب بنا لیا، کیا ایسے شخص کو تراہ یا بکر سکتا ہے یا اللہ کے
عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا "کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا
گیا، پس وہ اسے اچھا سمجھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ہی جسے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ یا ب۔ پس تو ان پر
حرست و افسوس نہ کر" (فاطر:۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں آدمی
ایک عرصے تک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا، جب اسے اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تو وہ پسلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے پتھر کی
پوچا شروع کر دیتا (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص، جو عقل و فہم سے اس طرح عاری اور محض خواہش نفس کو
اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ اے پیغمبر کیا تو ان کو ہدایت کے راستے پر لگا سکتا ہے؟ یعنی نہیں لگا سکتا۔

(۴) یعنی یہ چوپائے جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اسے وہ سمجھتے ہیں۔ لیکن انسان، جسے صرف ایک اللہ کی عبادت
کے لیے پیدا کیا گیا تھا، وہ رسولوں کی یادو بانی کے باوجود اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا اور در در پر اپنا ماتھا میکتا پھرتا
ہے۔ اس اعتبار سے یہ یقیناً چوپائے سے بھی زیادہ بد ترا و مر گمراہ ہے۔

طرح پھیلا دیا ہے؟^(۱) اگر چاہتا تو اسے ٹھرا ہوا ہی کر دیتا۔^(۲) پھر ہم نے آفتاب کو اس پر دلیل بنایا^(۳) (۳۵)
پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔^(۴) (۳۶)
اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پر دہ بنایا^(۵)
اور نیند کو راحت بنائی^(۶) اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا
وقت۔^(۷) (۳۷)

اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے
والی ہواں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی
بر ساتے ہیں۔^(۸) (۳۸)

تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ شر کو زندہ کر دیں اور اسے
ہم اپنی مخلوقات میں سے بست سے چوپایوں اور انسانوں کو
پلاستے ہیں۔^(۹) (۳۹)

جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا^(۱۰)

لَعَمَّا بَصَرْنَاهُ لِيَنْأَيْضَ إِيمَانًا^(۱۱)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لِكُلِّ أَيَّلٍ لِتَاسًا وَالثَّوْمَ سُبَانًا وَجَعَلَ
النَّهَارَ نُشُورًا^(۱۲)

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرَّوْحَمَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَةٍ
وَأَنْزَلَنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا^(۱۳)

لَنْتَهِيَ يَهِ بَلْدَةٌ مَيْتَانًا وَنَتْقِيَهُ مَتَاحَلَقَنَا آنَعَانًا
وَأَنَاسَيَ كَشِيرًا^(۱۴)

(۱) یہاں سے پھر توحید کے دلائل کا آغاز ہو رہا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کس طرح سایہ پھیلایا ہے، جو صبح صادق کے بعد سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی، دھوپ کے ساتھ یہ سمنا اور سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

(۲) یعنی ہمیشہ سایہ ہی رہتا، سورج کی دھوپ سائے کو ختم ہی نہ کرتی۔

(۳) یعنی دھوپ سے ہی سائے کا پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا، تو سائے سے بھی لوگ متعارف نہ ہوتے۔

(۴) یعنی وہ سایہ آہستہ آہستہ ہم اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس کی جگہ رات کا گہبیر اندر ہیرا چھا جاتا ہے۔

(۵) یعنی لباس، جس طرح لباس انسانی ڈھانچے کو چھپا لیتا ہے، اسی طرح رات تمیس اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔

(۶) سبات کے معنی کائٹے کے ہوتے ہیں۔ نیند انسان کے جسم کو عمل سے کاث دیتی ہے، جس سے اسکو راحت میر آتی ہے۔

بعض کے نزدیک سبات کے معنی ترد پھیلنے کے ہیں۔ نیند میں بھی انسان دراز ہو جاتا ہے، اس لیے اسے سبات کہا (الیرالتفاير وفتح القدر)۔

(۷) یعنی نیند، جو موت کی بسن ہے، دن کو انسان اس نیند سے بیدار ہو کر کاروبار اور تجارت کے لیے پھر اٹھ کھڑا ہوتا

ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَخْيَانَا بَعْدَمَا

أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ» (رواه البخاری۔ مشکلۃ کتاب الدعوات) تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں

مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔

(۸) طَهُورٌ (بِفَتْحِ الطَّاءِ) فرعول کے وزن پر آئے کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔

اور بیشک ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح سے
بیان کیا تاکہ ^(۱) وہ نصیحت حاصل کریں، مگر پھر بھی اکثر
لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں۔ ^(۲) (۵۰)
اگر ہم چاہتے تو ہر ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بحثج ^(۳)
دیتے۔ (۵۱)

پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعہ ان
سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔ ^(۴) (۵۲)

اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا رکھے
ہیں، یہ ہے میٹھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا، ^(۵)
اور ان دونوں کے درمیان ایک جواب اور مضبوط

وَلَقَدْ صَرَفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَدْكُرُوا إِنَّمَا يَنْهَا النَّاسُ
إِلَّا لِكُفُورًا ^(۶)

وَلَوْ شِئْنَا لَعَنَّا فِي كُلِّ قَرِيبَةٍ لَدُرُورًا ^(۷)

فَلَا كُلُّ طَغْيَةٍ وَجَاهِدُهُمْ يَهْجَأُ كَيْمِيرًا ^(۸)

وَهُوَ الَّذِي مَرَّ رَبْعَ الْبَعْوَنِينَ هَذَا عَذْبُ فُرَاتٍ وَهَذَا أَمْلَأُ
أَجَاجٍ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْخَاءً وَجَهْرًا مَحْجُورًا ^(۹)

جیسے وضو کے پانی کو وضو اور ایندھن کو وقوہ کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طاہر (خود بھی پاک) اور مطهر (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے «إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يَنْجِسُهُ شَيْءٌ» (ابوداؤد، الترمذی۔ نمبر ۲۶، النساءی و ابن ماجہ وصحیح البخاری فی السنن) ”پانی پاک ہے“ اسے کوئی چیز نپاک نہیں کرتی“ ہاں اگر اس کارگنگ یا بولیا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی نپاک ہے۔ کمانی الحدیث۔

(۱) یعنی قرآن کریم کو۔ اور بعض نے صَرَفْنَاهُ میں ہا کا مرجع بارش قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر بر ساتے ہیں یعنی کبھی ایک علاقے میں کبھی دو سرے علاقے میں۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایک ہی شرکے ایک حصے میں بارش ہوتی ہے، دوسروں میں نہیں ہوتی اور کبھی دو سرے حصوں میں ہوتی ہے، پہلے حصے میں نہیں ہوتی یہ اللہ کی حکمت و مشیت ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، کہیں بارش بر ساتا ہے اور کہیں نہیں اور کبھی کسی علاقے میں اور کبھی کسی اور علاقے میں۔

(۲) اور ایک کفر اور ناشکری یہ بھی ہے کہ بارش کو مشیت اللہ کی بجائے ستاروں کی گردش کا نتیجہ قرار دیا جائے، جیسا کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے۔ کَمَا فِي الْحَدِيثِ۔

(۳) لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف آپ کو ہی تمام بستیوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے نذر بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) جَاهِدُهُمْ بِهِ میں ہا کا مرجع قرآن ہے یعنی اس قرآن کے ذریعے سے جہاد کریں، یہ آیت کی ہے، ابھی جہاد کا حکم نہیں ملا تھا۔ اس لیے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے اوارونواہی کھول کھول کریاں کریں اور اہل کفر کے لیے جوز جرو تو نخ اور وعیدیں ہیں، وہ واضح کریں۔

(۵) آب شیریں کو فرات کہتے ہیں، فُرَاثَ کے معنی ہیں کاٹ دینا، توڑ دینا، میٹھا پانی پیاس کو کاٹ دینا ہے یعنی ختم کر دینا ہے۔ اُجاجِ سخت کھاری یا کڑوا۔

اوٹ کر دی۔^(۱) (۵۳)

وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نب
والا اور سرالی رشتوں والا کر دیا۔^(۲) بلاشبہ آپ کا
پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔ (۵۳)

یہ اللہ کو چھوڑ کر انکی عبادت کرتے ہیں جونہ تو انہیں کوئی
نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں، اور کافروں ہے ہی
اپنے رب کے خلاف (شیطان کی) مدد کرنے والا۔ (۵۵)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَيْنَ أَجْمَعَهُ تَسْبِيْهًا وَصَهْرًا
وَكَانَ رَبِّكَ قَدِيرًا^(۱)

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ
وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَى رِبِّهِ ظَهِيرًا^(۲)

(۱) جو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی۔ بعض نے حِجْرًا مَنْحُجُورًا کے معنی کیے ہیں حَرَامًا مُحرَّماً، ان پر حرام کر دیا گیا ہے کہ میٹھا پانی کھاری یا کھاری پانی میٹھا ہو جائے۔ اور بعض مفسرین نے مَرَاجَ الْبَخْرَيْنَ کا ترجمہ کیا ہے، 'خَلَقَ الْمَاءَ بَيْنَ دُوْپَانِ پیدا کیے، ایک میٹھا اور دوسرا کھاری۔ میٹھا پانی تو وہ ہے جو نہروں، چشموں اور کنوؤں کی شکل میں آبادیوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ جس کو انسان اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور کھاری پانی وہ ہے جو مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے سمندروں میں ہے، جو کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ ہے اور ایک چوتھائی حصہ خشکی کا ہے۔ جس میں انسانوں اور حیوانوں کا بسیرا ہے۔ یہ سمندر ساکن ہیں۔ البتہ ان میں مدوجزر ہو تاہماً اور موجودوں کا تلاطم جاری رہتا ہے۔ سمندری پانی کے کھاری رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ میٹھا پانی زیادہ دیر تک کمیں نہ کھار ہے تو وہ خراب ہو جاتا ہے، اس کے ذائقے رنگ یا بو میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ کھاری پانی خراب نہیں ہوتا، نہ اس کا ذائقہ بدلتا ہے نہ رنگ اور بو۔ اگر ان ساکن سمندروں کا پانی بھی میٹھا ہوتا، تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی، جس سے انسانوں اور حیوانوں کا زمین میں رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس میں مرنے والے جانوروں کی سڑانداں پر مستزاو۔ اللہ کی حکمت تو یہ ہے کہ ہزاروں برس سے یہ سمندر موجود ہیں اور ان میں ہزاروں جانور مرتے ہیں اور انہی میں گل سڑجاتے ہیں۔ لیکن اللہ نے ان میں ملاحظ (نمکیات) کی اتنی مقدار رکھ دی ہے کہ وہ اس کے پانی میں ذرا بھی بدبو پیدا نہیں ہونے دیتی۔ ان سے اٹھنے والی ہوا میں بھی صحیح ہیں اور ان کا پانی بھی پاک ہے حتیٰ کہ ان کا مردار بھی حلال ہے۔ کمائی الحدیث۔ (موطاً إمام مالکٌ، ابن ماجہ، أبو داود، الترمذی، کتاب الطهارة، النساءی، کتاب المیاه) تفسیر ابن کثیر۔

(۲) نسب سے مراد وہ رشتے داریاں ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوں اور صہر سے مراد وہ قرابت مندی ہے جو شادی کے بعد بیوی کی طرف سے ہو، جس کو ہماری زبان میں سرالی رشتے کہا جاتا ہے۔ ان دونوں رشتے داریوں کی تفصیل آیت ﴿خُوَمَتْ عَلَيْكُمْ﴾ (النساء۔ ۲۲) اور ﴿وَلَا تَنْكِحُوا نِسَاءَ أَبْنَاؤكُمْ﴾ (النساء۔ ۲۲) میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور رضائی رشتے داریاں حدیث کی رو سے نسبی رشتوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ فرمایا یَخْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَخْرُمُ مِنَ النَّسَبِ (البخاری۔ نمبر ۵۶۳۔ مسلم۔ نمبر ۷۰۰)

ہم نے تو آپ کو خوشخبری اور ڈر سنانے والا (بُنی) بنا کر بھیجا ہے۔^(۵۶)

کہہ دیجئے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف را پکڑنا چاہے۔^(۵۷)

اس ہمیشہ زندہ رہنے والے اللہ تعالیٰ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اسکی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔^(۵۸)

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن میں پیدا کر دیا ہے، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رحمٰن ہے، آپ اس کے بارے میں کسی خبردار سے پوچھ لیں۔^(۵۹)

ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمٰن ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے رہا ہے اور اس (تبليغ) نے ان کی نفرت میں مزید اضافہ کر دیا۔^(۶۰)

با برکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے^(۳) اور

وَمَا كَرَسْلَنَاكَ إِلَّا مُبَيِّثًا وَنَذِيرًا^(۶)

قُلْ مَا أَسْلَمْتُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَحَقِّ الْأَمَانِ شَاءَ
أَنْ يَتَعَمَّدُنَا إِلَيْهِ سَيِّلًا^(۷)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَقِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَيَّرْ مُحَمَّدًا وَكَفِيلًا
بِدُلُوبِ عِبَادِهِ خَيْرًا^(۸)

إِلَّا الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سَيَّرَةِ أَيَّامِ
نَعَمْ أَسْتَوِي عَلَى الْعَرْشِ إِلَّا تَرْحُمُنِي فَسَلَّمْ يَهْجِيرًا^(۹)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا
الرَّحْمَنُ أَسْمَعُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ فُورًا^(۱۰)

تَبَرَّكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاوَاتِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا

(۱) یعنی یہی میرا جر ہے کہ رب کا راستہ اختیار کرلو۔

(۲) رَحِيمٌ، رَحِيمٌ اللہ کی صفات اور اسماۓ حُنُی میں سے ہیں لیکن اہل جاہلیت، اللہ کو ان ناموں سے نہیں پہچانتے تھے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے آغاز پر یہ سُبْسِمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھوا یا، تو مشرکین مکنے کہا، ہم رَحِيم کو نہیں جانتے۔ باشِمَكَ اللَّهُمَّ! لکھو۔ (سیرت ابن ہشام ۳۱۷/۲) مزید دیکھئے سورہ بني اسرائیل، ۱۰-الرعد، ۳۰۔ یہاں بھی ان کا رَحِيم کے نام سے بد کرنے اور سجدہ کرنے سے گریز کرنے کا ذکر ہے۔

(۳) بُرُوجُ بُرُوج کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے لیے گئے ہیں۔ اور اسی مراد پر کلام کا لفظ واضح ہے کہ با برکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے۔ بعد کے مفسرین نے اس سے اہل نجوم کے متعلق بروج مراد لے لیے۔ اور یہ بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اور یہ برج سات بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں۔ جن کے نام ہیں۔ مرغ، زہرہ، عطارد، قمر، شمس، مشتری اور زحل۔ یہ کواکب (سیارے) ان برجوں میں اس طرح اترتے ہیں، جیسے یہ ان کے لیے

بِسْرَجَاجَ وَقَمَرَ اَمْبِنِيرَا ①

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خَلْفَهُ لَئِنْ أَرَادَ أَنْ يَذَكُرَ

أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ②

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَسْتَوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هُوَ نَوْا وَإِذَا خَاطَهُمْ

الْجِهَلُونَ قَالُوا سَلَامًا ③

وَالَّذِينَ يَسْتَوْنَ لَرَبِّهِمْ سُجَدًا فَقِيمًا ④

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبِّنَا أَصْرُفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ⑤

إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ عَرَماً ⑥

عالي شان محل ہیں (ایسرا تفاسیر)

(۱) یعنی رات جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے فوائد و مصالح محتاج و ضاحت نہیں۔ بعض نے خلفہ کے معنی ایک دوسرے کے مخالف کے کیے ہیں یعنی رات تاریک ہے تو دن روشن۔

(۲) اسلام سے مراد یہاں اعراض اور ترک بحث و مجادله ہے۔ یعنی اہل ایمان، اہل جماعت و اہل سفاہت سے الجھتے نہیں ہیں بلکہ ایسے موقعوں پر اعراض و گریز کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بے فائدہ بحث نہیں کرتے۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ رحمن کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کیسی کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آ جائیں، اس لیے وہ عذاب جنم سے بھی پناہ طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت و اطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مٹاخذے سے انسان کو بے خوف اور اپنی عبادات و طاعات الہی پر کسی غور اور گھمنہ میں بٹانا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا أَنْتَ أَوْ قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةُ أَنْهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ لَجِئُونَ﴾ (المؤمنون - ۴۰) اور وہ لوگ کہ جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ڈر صرف اسی بات کا نہیں کہ انہیں بارگاہ الہی میں حاضر ہونا ہے، بلکہ اس کے ساتھ، اس کا بھی کہ ان کا صدقہ و خیرات قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں آیت کی تفسیر میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی

بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ
ہے۔ (۶۶)

اور جو خرج کرتے وقت بھی نہ تو اسرا ف کرتے ہیں نہ
بھیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرج
کرتے ہیں (۶۷)

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبدوں کو نہیں پکارتے اور
کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو
وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے،^(۲) نہ وہ زنا کے مرتكب
ہوتے ہیں^(۳) اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت
وابال لائے گا۔ (۶۸)

اسے قیامت کے دن دو ہر اعذاب کیا جائے گا اور وہ ذلت

إِنَّهَا سَأَدَتْ مُسْتَقْرَأً مُقَالَةً ⑦

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا مُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ
ذَلِكَ قَوَاماً ⑧

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ أَهْلَ الْخَرَوْلَا يَقْتُلُونَ النَّفَرَ
الَّتِي حَرَمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْعَقْ وَلَا يَرْثُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَلِكَ يَلْقَ أَثَاماً ⑨

يُضَعِّفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِمْ مُهَاجِنَا ⑩

بابت پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، 'نہیں'، اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہڑتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال ناقبول نہ ہو جائیں۔ (الترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ المؤمنون)

(۱) اللہ کی نافرمانی میں خرج کرنا اسرا ف اور اللہ کی اطاعت میں خرج نہ کرنا بھیلی اور اللہ کے احکام و اطاعت کے مطابق خرج کرنا قوام ہے (فتح القدیر) اسی طرح نفقات واجبه اور مباحثات میں حد انتہا سے تجاوز بھی اسرا ف میں آسکتا ہے، اس لیے وہاں بھی احتیاط اور میانہ روی نہیں ضروری ہے۔

(۲) اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں، اسلام کے بعد کوئی دوبارہ کفر اختیار کرے، جسے ارتدا کرتے ہیں، یا شادی شدہ ہو کر بد کاری کا ارتکاب کرے یا کسی کو قتل کر دے۔ ان صورتوں میں قتل کیا جائے گا۔

(۳) حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے دراں ہائیکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ اس نے کہا، اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا، اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی، اس نے پوچھا، پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کہ تو اپنے پڑوی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان بالتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (البخاری، تفسیر سورۃ البقرۃ، مسلم، کتاب الإیمان، باب کون الشرک أقبح الذنوب)

و خواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔^(۶۹)

سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لا سین اور نیک کام کریں،^(۷۰) ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے،^(۷۱) اللہ بخشنے والا مریانی کرنے والا ہے۔^(۷۲)

اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے وہ تو (حقیقتاً)
اللہ تعالیٰ کی طرف سچارجوع کرتا ہے۔^(۷۳)
(۷۴)

اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے^(۷۵) اور جب

إِلَمَنْ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ عَدَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَسْبِيلُ
اللَّهُ سَيِّدُ الْعِزَمَ حَسَنَيَا وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا^(۷۶)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا قَاتَهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا^(۷۷)

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الرُّؤْبَرَ وَإِذَا أَمْرُوا بِالْكَوْمَرِ وَأَكَرَأْنَا^(۷۸)

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ اور سورہ نساء کی آیت ۹۳ میں جو مومن کے قتل کی سزا جنم بتالی گئی ہے، تو وہ اس صورت پر محمول ہو گی، جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کیے ہی فوت ہو گیا ہو۔ ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمی کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرمادیا (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ)

(۲) اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حال تبدیل فرمادیتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ برائیاں کرتا تھا، اب نیکیاں کرتا ہے، پہلے شرک کرتا تھا، اب صرف اللہ واحد کی عبادت کرتا ہے، پہلے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتا تھا، اب مسلمانوں کی طرف سے کافروں سے لڑتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اس شخص کو جانتا ہوں، جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا اور سب سے آخر میں جنم سے نکلنے والا ہو گا۔ یہ وہ آدمی ہو گا کہ قیامت کے دن اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، بڑے گناہ ایک طرف رکھ دیئے جائیں گے۔ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں دن فلاں کام کیا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دے گا، انکار کی اسے طاقت نہ ہو گی، علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی ڈر رہا ہو گا کہ ابھی تو بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے۔ کہ اتنے میں اس سے کہا جائے گا کہ جا، تیرے لیے ہر برائی کے بد لے ایک نیکی ہے۔ اللہ کی یہ مریانی دیکھ کر وہ کے گا، کہ ابھی تو میرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ میں انہیں یہاں نہیں دیکھ رہا، یہ بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت ظاہر ہو گئے، (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب اُدنی اہل الجنة منزلة فیها)

(۳) پہلی توبہ کا تعلق کفر و شرک سے ہے۔ اس توبہ کا تعلق دیگر معاصی اور کوتاہیوں سے ہے۔

(۴) زور کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ہر یا طلی چیز بھی جھوٹ ہے، اس لیے جھوٹی گواہی سے لے کر کفر و شرک اور ہر طرح کی غلط چیزیں مثلاً لغو و لعب، گانا اور دیگر ہی سودہ جاہلانہ رسوم و افعال، سب اس میں شامل ہیں اور عباد الرحمن کی یہ صفت

کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر
جاتے ہیں۔^(۱) (۷۲)

اور جب انہیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی
ہیں تو وہ اندھے بسرے ہو کر ان پر نہیں گرتے۔^(۲) (۷۳)

اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں
ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا
فرما^(۳) اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔^(۴) (۷۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بد لے جنت کے
بلند و بالاخانے دیئے جائیں گے جہاں انہیں دعا سلام
پہنچایا جائے گا۔^(۵) (۷۵)

اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ
مقام ہے۔^(۶) (۷۶)

کہہ دیجئے! اگر تمہاری دعا (تجا) پکارنا نہ ہوتی تو میرا رب
تمہاری مطلق پرواہ کرتا،^(۷) تم تو جھٹلا کچے اب عنقریب
اس کی سزا تمہیں چھٹ جانے والی ہو گی۔^(۸) (۷۷)

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا يَأْتِيَنَّ رَبَّهُمْ كَمْ يَخْرُجُونَ عَلَيْهَا صَفَّاً وَعَمِيَّاً^(۹)

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هُبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرْلِنَا فَرَّغَةٌ
أَعْيُنُ وَأَجْعَلْنَا لِلْمُتَقْبِنَ إِمَامًا^(۱۰)

أُولَئِكَ يَخْرُجُونَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَإِلَّا مَنْ فِيهَا لَيْقَةٌ وَسَلِيمًا^(۱۱)

خَلِيلُهُمْ فِيهَا حَنَّتْ مُسْتَقْرًا وَمُقَامًا^(۱۲)

فُلْ مَا يَعْبُدُوا إِلَكُمْ رَبِّكُمْ لَوْلَا دُعَا وَلَكُمْ فَقْدٌ كَذَبْلُمْ فَسُوفَ
يَكُونُ لِزَاماً^(۱۳)

بھی ہے کہ وہ کسی بھی جھوٹ میں اور جھوٹ کی محلوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

(۱) لَغْوٌ ہر وہ بات اور کام ہے، جس میں شرعاً کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی ایسے کاموں اور باتوں میں بھی وہ شرکت نہیں کرتے بلکہ خاموشی کے ساتھ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں۔

(۲) یعنی وہ ان سے اعراض و غفلت نہیں برتنے، جیسے وہ بسرے ہوں کہ سینی ہی نہیں یا اندر ہے ہوں کہ دیکھیں ہی نہیں۔ بلکہ وہ غور اور توجہ سے سنتے اور انہیں آویزہ گوش اور حریز جان بناتے ہیں۔

(۳) یعنی انہیں اپنا بھی فرمائیں بردار بنا اور ہمارا بھی اطاعت گزار، جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

(۴) یعنی ایسا اچھا نمونہ کہ خیر میں وہ ہماری اقتدار کریں۔

(۵) دعا و التجا کا مطلب، اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا مقصد تخلیق اللہ کی عبادت ہے، اگر یہ نہ ہو تو اللہ کو تمہاری کوئی پرواہ ہو۔ یعنی اللہ کے ہاں انسان کی قدر و قیمت، اس کے اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کی وجہ سے ہے۔

(۶) اس میں کافروں سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کو جھٹلا دیا ہے، سواب اس کی سزا بھی لازماً تمہیں چکھنی ہے۔ چنانچہ دنیا میں یہ

سورة الشعرا

سورہ شعراء کی ہے اور اس میں دو سوتا میں آئتیں اور
گیارہ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

طسم (۱) یہ آئتیں روشن کتاب کی ہیں۔ (۲)
ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھو دیں
گے۔ (۳)

اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتارتے
کہ جس کے سامنے ان کی گرد نہیں خم ہو جاتیں۔ (۴)
اور ان کے پاس رحمن کی طرف سے جو بھی نئی فصیحت
آئی یہ اس سے روگردانی کرنے والے بن گئے۔ (۵)

ان لوگوں نے جھٹلایا ہے اب انکے پاس جلدی سے اسکی
خبریں آجائیں گی جسکے ساتھ وہ مخراپ کر رہے ہیں۔ (۶)
کیا انسوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں؟ کہ ہم نے اس
میں ہر طرح کے نفسیں جوڑے کس قدر اگائے ہیں؟ (۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ظستھر ۱) قَلْكَلَةُ الْكِتَابِ الْبُيُّنِ ۚ
لَعَلَكَ بَايِعُ تَفْسِيْكَ الْأَيَّلَوْنَ مُؤْمِنِيْنَ ۚ

إِنْ تَشَاءْ نَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ إِنَّهُ فَلَكَ
أَعْنَافُهُمْ لَهَا خَضِيعِيْنَ ۚ
وَمَا يَأْتِيْهُمْ مِنْ ذِكْرِنَ الرَّحْمَنِ مُحَمَّدِيْتُ الْأَكَانُوْعَنَهُ
مُغَرِّضِيْنَ ۚ

فَقَدْ كَذَّبُواْ أَنْسَيَاتِهِمْ أَبْلَوْاْ مَا كَانُواْ يَهْدِيْهُمْ ۚ
أَوْ لَغَرِيرُ الْأَرْضِ كَمْ أَبْتَلَنَا فِيهَا مُنْ كُلْ ذُوْهُ كَرْبَلَهُ ۚ

مزابر میں شکست کی صورت میں انہیں ملی اور آخرت میں جنم کے داعی عذاب سے بھی انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت سے جو ہمدردی اور ان کی ہدایت کے لیے جو تڑپ تھی، اس میں اس کا اظہار ہے۔
(۲) یعنی جسے اور جس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح جرکا پہلو شامل ہو جاتا، جب کہ ہم نے انسان
کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اس کی آزمائش کی جائے۔ اس لیے ہم نے ایسی نشانی بھی اتنا نے سے گریز کیا،
جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو۔ اور صرف انبیا و رسول بھیجتے اور کتاب میں نازل کرنے پر ہی اتفاق کیا۔

(۳) یعنی مکنیب کے نتیجے میں ہمارا عذاب غنریب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا، جسے وہ ناممکن سمجھ کر استہزا و
ذاقت کرتے ہیں۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ممکن ہے، جیسا کہ کئی قومیں تباہ ہوئیں، بصورت ویگر آخرت میں تو اس سے کسی
صورت چھکارا نہیں ہو گا۔ مَا كَانُواْ عَنْهُ مُغَرِّضِيْنَ نہیں کہا بلکہ مَا كَانُواْ بِهِ يَسْتَهِزِءُونَ کہا۔ کیوں کہ استہزا ایک تو
اعراض و مکنیب کو بھی مستلزم ہے۔ دوسرے یہ اعراض و مکنیب سے زیادہ بڑا جرم ہے (فتح القدير)

(۴) زوج کے دوسرے معنی یہاں صنف اور نوع کے کیے گئے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی چیزیں ہم نے پیدا کیں جو کریم ہیں

بیشک اس میں یقیناً نہیں ہے^(۱) اور ان میں کے اکثر لوگ
مومن نہیں ہیں۔^(۲) ^(۸)

اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے۔^(۹)
اور جب آپ کے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو آواز
دی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا۔^(۱۰)

قوم فرعون کے پاس کیا وہ پر ہیزگاری نہ کریں گے۔^(۱۱)
موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میرے پروردگار! مجھے تو خوف
ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا (نہ) دیں۔^(۱۲)

اور میرا سینہ ٹنگ ہو رہا ہے^(۱۳) میری زبان چل نہیں
رہی^(۱۴) پس توہارون کی طرف بھی (وہی) بھیج۔^(۱۵)
اور ان کا مجھ پر میرے ایک تصور کا (دعویٰ) بھی ہے مجھے
ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مارنے ڈالیں۔^(۱۶)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لِلَّاهِيَةَ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمُ مُؤْمِنِينَ ⑥

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَمِيمُ ⑦

وَإِذَا نَادَى رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنِّي أَنْتَ الْقَوْمَ الظَّلِمِينَ ⑧

قَوْمَ فَرْعَوْنَ الْأَلَيَّقُونَ ⑨

قَالَ رَبِّي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكْتَبَنِي ⑩

وَيَضْعِفُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِي إِلَيْنِي فَأَرْسِلْ إِلَيْهِمْ ⑪

وَلَهُمْ عَلَى ذَنْبِ فَالْخَانُ أَنْ يَقْتُلُونِي ⑫

یعنی انسان کے لیے بہتر اور فائدے مند ہیں جس طرح غلہ جات ہیں، چل میوے ہیں اور حیوانات وغیرہ ہیں۔

(۱) یعنی جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے یہ چیز پیدا کر سکتا ہے، تو کیا وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

(۲) یعنی اس کی یہ عظیم قدرت دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں، ایمان نہیں لاتے۔

(۳) یعنی ہر چیز پر اس کا غالبہ اور انتقام لینے پر وہ ہر طرح قادر ہے لیکن چونکہ وہ رحیم بھی ہے اس لیے فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مملت دیتا ہے اور اس کے بعد موافقہ کرتا ہے۔

(۴) یہ رب کی اس وقت کی ندا ہے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) میں سے اپنی الہیہ کے ہمراہ اپس آرہے تھے، راستے میں انہیں حرارت حاصل کرنے کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچ گئے، جہاں نداۓ غصیٰ
نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نبوت سے سرفراز کر دیا گیا اور ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ انکو سونپ دیا گیا۔

(۵) اس خوف سے کہ وہ نہایت سرکش ہے، میری تکذیب کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف انہیا کو بھی لاحق ہو سکتا ہے۔

(۶) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) زیادہ فصح اللسان نہیں تھے۔ یا اس طرف کہ زبان پر انگارہ رکھنے کی وجہ سے لکھت پیدا ہو گئی تھی، جسے اہل تفسیر بیان کرتے ہیں۔

(۷) یعنی ان کی طرف جبراً میل (علیہ السلام) کو وہی دے کر بھیج اور انہیں بھی وہی ونبوت سے سرفراز فرمائیں میرا معاون بننا۔

(۸) یہ اشارہ ہے اس قتل کی طرف، جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا اور مقتول قبلي یعنی

جناب باری نے فرمایا! ہرگز ایسا نہ ہو گا، تم دونوں ہماری
نشانیاں لے کر جاؤ^(۱) ہم خود سننے والے تمہارے ساتھ
ہیں۔^(۲) ^(۱۵)

تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کوکہ بلاشبہ ہم رب
العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔^(۱۶)

کہ تو ہمارے ساتھ بني اسرائیل کو روانہ کر دے۔^(۱۷)
فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانہ
میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟^(۱۸) اور تو نے اپنی عمر کے بہت
سے سال ہم میں نہیں گزارے؟^(۱۹)

قالَ كَلَّا، فَإِذْ هَبَأْنَا إِلَيْنَا مَعَهُ مُسَمِّعُونَ ①

فَإِنَّمَا فَرَحُونَ فَقُولُوا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ②

أَنْ أَرْسِلُ مَعَنَابَنِي إِسْرَائِيلَ ③

قَالَ أَلَمْ تُرَى إِنَّ فِينَا وَلِيْدًا وَلَيْثًا فِينَا مِنْ عُبُرُكَيْتِينَ ④

فرعون کی قوم سے تھا، اس لیے فرعون اس کے بد لے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا، جس کی اطلاع پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے میں چلے گئے تھے۔ اس واقعے پر اگرچہ کئی سال گزر چکے تھے، مگر فرعون کے پاس جانے میں واقعی یہ امکان موجود تھا کہ فرعون ان کو اس جرم میں پکڑ کر قتل کی سزا دینے کی کوشش کرے۔ اس لیے یہ خوف بھی بلا جواز نہیں تھا۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ تم دونوں جاؤ، میرا پیغام اس کو پہنچاؤ، تمہیں جواندیشے لاحق ہیں ان سے ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ آیات سے مراد وہ دلائل و برائیں ہیں جن سے ہر پیغمبر کو آگاہ کیا جاتا ہے یا وہ مجذبات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے، جیسے یہ بیضا اور عصا۔

(۲) یعنی تم جو کچھ کو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کئے گا، ہم سن رہے ہوں گے۔ اس لیے گھبرا نے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہیں فریضہ رسالت سونپ کر تمہاری حفاظت سے بے پرواہ نہیں ہو جائیں گے۔ بلکہ ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے۔ معیت کا مطلب مصاہبت نہیں، بلکہ نصرت و معاونت ہے۔

(۳) یعنی ایک بات یہ کہو کہ ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئے ہیں بلکہ رب العالمین کے نمائندے اور اس کے رسول کی حیثیت سے آئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تو نے (چار سو سال سے) بني اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے، ان کو آزاد کر دے تاکہ میں انہیں شام کی سرزی میں پر لے جاؤں، جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔

(۴) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبے پر غور کرنے کے بجائے، ان کی تحقیر و تنفیص کرنی شروع کر دی اور کہا کہ کیا تو ہی نہیں ہے جو ہماری گود میں اور ہمارے گھر میں پلا، جب کہ ہم نبی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر رہا تھے؟

(۵) بعض کہتے ہیں کہ ۱۸ سال فرعون کے محل میں بر کیے، بعض کے نزدیک ۳۰ اور بعض کے نزدیک چالیس سال۔ یعنی اتنی عمر ہمارے پاس گزارنے کے بعد، چند سال اور ہرادھرہ کر اب تو نبوت کا دعویٰ کرنے لگا ہے؟

پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں
ہے۔^(۱۹)

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ میں نے
اس کام کو اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے
لوگوں میں سے تھا۔^(۲۰)

پھر تم سے خوف کھا کر میں تم میں سے بھاگ گیا، پھر مجھے
میرے رب نے حکم و علم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں
میں سے کر دیا۔^(۲۱)

مجھ پر تیر کیا کیا وہ احسان ہے؟ جسے تو جتارہا ہے کہ تو نے
بنی اسرائیل کو غلام بنار کھا ہے۔^(۲۲)

فرعون نے کمارب العالمین کیا (چیز) ہے؟^(۲۳)

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ آسمانوں اور
زمیں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر
تم یقین رکھنے والے ہو۔^(۲۴)

فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں
رہے؟^(۲۵)

وَفَعَلْتَ مَا كُنْتَ تَعْمَلُتَ إِذَا وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِ^(۱۶)

قَالَ قَدْ عَمِلْتَ إِذَا وَأَنْتَ مِنَ الصَّالِحِينَ^(۱۷)

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خَفِيْتُكُمْ فَوَهَبْتِ لِي رِيْقَ حَمْمَاءَ وَجَعَلْتَنِي
مِنَ الْمُؤْسِلِينَ^(۱۸)

وَتَلَكَ نِعْمَةٌ تَمْنَهَا عَلَىَّ أَنْ عَبَدْتَنِي بَنِيَّ إِسْرَائِيلَ^(۱۹)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَارَبَ الْعَلِيِّينَ^(۲۰)

قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا يَنْهَا إِنْ كُنْتُمْ مُّرْقِنِينَ^(۲۱)

قَالَ لَيْسَ حَوْلَهُ الْأَتْجَمَعُونَ^(۲۲)

(۱) پھر ہمارا ہی کھا کر ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ہماری ناشکری بھی کی۔

(۲) یعنی یہ قتل ارادتا نہیں تھا بلکہ ایک گھونسہ ہی تھا جو اسے مارا گیا تھا، جس سے اس کی موت ہی واقع ہو گئی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جب کہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی۔

(۳) یعنی پسلے جو کچھ ہوا، اپنی جگہ، لیکن اب میں اللہ کا رسول ہوں، اگر میری اطاعت کرے گا تو نفع جائے گا، بصورت دیگر ہلاکت تیرا مقدر ہو گی۔

(۴) یعنی یہ اچھا احسان ہے جو تو مجھے جتارہا ہے کہ مجھے تو یقیناً تو نے غلام نہیں بنایا اور آزاد چھوڑے رکھا لیکن میری پوری قوم کو غلام بنار کھا ہے۔ اس ظلم عظیم کے مقابلے میں اس احسان کی آخر حیثیت کیا ہے؟

(۵) یہ اس نے بطور استفہام کے نہیں، بلکہ استکبار اور استکار کے طور پر کہا، کیونکہ اس کا دعویٰ تو یہ تھا ﴿مَا عَلِمْتُ لِكُوْنَنِ الْوَعْنَوْنِ﴾ (القصص-۳۸) ”میں اپنے سواتھیوں کے لیے کوئی اور معیود جانتا ہی نہیں۔“

(۶) یعنی کیا تم اس کی بات پر تعجب نہیں کرتے کہ میرے سوا بھی کوئی اور معیود ہے؟

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پروروگار ہے۔ (۲۶)

فرعون نے کہا (لوگو!) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ (۲۷)

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا! وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔ (۲۸)

فرعون کہنے لگا سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا۔ (۲۹)
موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں؟ (۳۰)

فرعون نے کہا اگر تو پھوٹوں میں سے ہے تو اسے پیش کر۔ (۳۱)

آپ نے (اسی وقت) اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا (زبردست) اثر دہابن گئی۔ (۳۲)

اور اپنا ہاتھ کھینچ نکلا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو

قالَ رَبِّكُمْ وَرَبُّ الْأَكْلِينَ ④

قالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لِمَجْهُونٍ ⑤

قالَ رَبُّ الْمُشْرِقِ وَالْمُغْرِبِ وَابْنِهِمَا لَنْ تُنْهَى عَنْ قُلُونَ ⑥

قالَ لَئِنِ اخْتَدَتِ الْمَاعِنِيُّ لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَجْهُونِ ⑦

قالَ أَوْلَوْجُنْتُكِ شَيْءٌ مُّبِينٌ ⑧

قالَ فَإِنِّي نُفَزِّعُ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑨

فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُبَّانٌ مُّبِينٌ ⑩

وَنَزَّعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَامُ اللَّظَّطِيرِينَ ⑪

(۱) یعنی جس نے مشرق کو مشرق بنایا، جس سے کو اکب طلوع ہوتے ہیں اور مغرب کو مغرب بنایا جس میں کو اکب غروب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے درمیان جو کچھ ہے، ان سب کا رب اور ان کا انتظام کرنے والا بھی وہی ہے۔

(۲) فرعون نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام مختلف انداز سے رب العالمین کی ربویت کاملہ کی وضاحت کر رہے ہیں، جس کا کوئی معقول جواب اس سے نہیں بن پا رہا ہے۔ تو اس نے دلائل سے صرف نظر کر کے دھمکی دینی شروع کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو حوالہ زندگی کرنے سے ڈرایا۔

(۳) یعنی ایسی کوئی چیزیاً مجرہ جس سے واضح ہو جائے کہ میں سچا اور واقعی اللہ کا رسول ہوں، تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہیں کرے گا؟

(۴) بعض جگہ ثُبَّانٌ کو حَيَّةٌ اور بعض جگہ جَانٌ کہا گیا ہے۔ ثُبَّانٌ وہ سانپ ہوتا ہے جو بڑا ہو اور جانُ چھوٹے سانپ کو کھتے ہیں اور حَيَّةٌ چھوٹے بڑے دونوں قسم کے سانپوں پر بولا جاتا ہے۔ (فتح التدیر) گویا لاٹھی نے پلے چھوٹے سانپ کی شکل اختیار کی پھر دیکھتے دیکھتے اثر دہابن گئی۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

قَالَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنَّ هَذَا السُّجُورُ عَلَيْنَا

بِئْدًا كُنْتُمْ تُخْرِجُونَ مِنْ أَضْطَكُمْ بِسْعَةً فَهَذَا تَأْمُرُونَ

قَالُوا أَرْجُهُ وَآخَاهُ وَابْعَثُ فِي الْمَدَائِنِ حِشِّينَ

يَا أَنُوكُ بَلِّ سَخَلَهُ عَلَيْهِ

لَجُمُوعَ التَّحْرَةِ لِيُبَيِّنَاتِ يَوْمَ مَعْلُومٍ

سَفِيدٌ چمکیلا نظر آنے لگا۔^(۱)

فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا بھی یہ
تو کوئی بڑا دانا جادو گر ہے۔^(۲)

یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمیں
تمہاری سرزین سے ہی نکال دے، بتاؤ اب تم کیا حکم
دیتے ہو۔^(۳)

ان سب نے کہا آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت
دیجئے اور تمام شروں میں ہر کارے بھیج دیجئے۔^(۴)

جو آپ کے پاس ذی علم جادو گروں کو لے آئیں۔^(۵)

پھر ایک مقرر دن کے وعدے پر تمام جادو گر جمع کیے
گئے۔^(۶)

^(۳) (۳۷) (۳۸)

(۱) یعنی گربیان سے ہاتھ نکالا تو وہ چاند کے نکلوے کی طرح چکلتا تھا۔ یہ دوسرا مجھرہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا۔

(۲) فرعون بجائے اس کے کہ ان مجرمات کو دیکھ کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقدیم کرتا اور ایمان لاتا، اس نے
مکذب و عناد کا راست اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا کہ یہ تو کوئی بڑا فن کار جادو گر ہے۔

(۳) پھر اپنی قوم کو مزید بھڑکانے کے لیے کہا کہ وہ ان شعبدہ بازیوں کے ذریعے سے تمیں یہاں سے نکال کر خود اس پر
قابل ہونا چاہتا ہے۔ اب بتاؤ! تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

(۴) یعنی ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو، اور تمام شروں سے جادو گروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کیا
جائے تاکہ ان کے کرتب کا جواب اور تیری تائید و نصرت ہو جائے۔ اور یہ اللہ ہی کی طرف سے تکوینی انتظام تھا تاکہ
لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں اور ان دلائل و برائین کا بہ چشم سر خود مشاہدہ کریں، جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ
السلام کو عطا فرمائے تھے۔

(۵) چنانچہ جادو گروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد ۱۲ ہزار، کے اہزار،
۱۹ ہزار، ۳۰ ہزار اور ۸۰ ہزار (مختلف اقوال کے مطابق) تسلسلی جاتی ہے۔ اصل تعداد اللہ ہی بستر جانتا ہے۔ کیوں کہ کسی
مستند مأخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات اس سے قبل سورہ اعراف، سورہ طہ میں بھی گزر چکی ہیں۔ گویا
فرعون کی قوم، 'قطط' نے اللہ کے نور کو اپنے مونسروں سے بچانا چاہتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ
کفر و ایمان کے معرکے میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کفر ممٹھونک کر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے، تو ایمان کو
اللہ تعالیٰ سرخوئی اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح فرمایا، «بَلْ نَقْذِفُ بِالْعَيْنِ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَنْدَعُ مَعْنَهُ فَإِذَا هُوَذَا هُوَ»^(۷)

اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی جمع میں حاضر ہو جاؤ گے؟^(۱) (۳۹)

تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں تو ہم ان ہی کی پیروی کریں۔^(۲۰)

جادوگر آکر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟^(۲۱)

فرعون نے کہا ہاں! (بڑی خوشی سے) بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے۔^(۲۲)

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جادوگروں سے فرمایا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔^(۲۳)

انہوں نے اپنی رسیاں اور لامھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے عزت فرعون کی قسم! ہم یقیناً غالب ہی رہیں گے۔^(۲۴)

اب (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی اپنی لامھی

وَقَيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ^(۱)

لَعْنَاتٍ نَّصِيمُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَلِيلُونَ^(۲)

فَلَمْ يَأْتِ السَّحَرَةُ قَالُوا إِنَّا فَرَعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَكَجُراً إِنْ كُنَّا
عَنِ الْغَلِيلُونَ^(۳)

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَذَلِكُمُ الْمُقْتَرِبُونَ^(۴)

قَالَ لَهُمْ مُؤْنَى الْقَوْمَ أَنْتُمْ مُلْقُونَ^(۵)

فَالْقَوْاجِبَ الْمُمْوَعِضَتِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا عَزِيزَةٌ فِرَعَوْنَ
إِنَّا لَنَحْنُ الْغَلِيلُونَ^(۶)

فَالْقَنْقُبُ مُؤْسِي عَصَاهُ فَلَذَاهِي تَلَقَّفُ مَا يَأْفَكُونَ^(۷)

(الأنبياء: ۱۸) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں، پس وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔

(۱) یعنی عوام کو بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ تمہیں بھی یہ معمر کہ دیکھنے کے لیے ضرور حاضر ہونا ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف سے جادوگروں کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کے لیے کہنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کا یقیناً غالب تی بڑی تعداد میں نامی گرامی جادوگروں کے اجتماع اور ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیوں سے خوف زدہ نہیں ہے۔ دوسرایہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب بعد میں اللہ کے حکم سے یہ ساری شعبدہ بازیاں آن واحد میں ختم ہو جائیں گی تو دیکھنے والوں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور شاید اس طرح زیادہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بلکہ جادوگری سب سے پہلے ایمان لے آئے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

(۳) جیسا کہ سورہ اعراف اور طہ میں گزر اکہ ان جادوگروں نے اپنے خیال میں بت بڑا جادو پیش کیا ﴿سَعْوَدُ الْعَيْنَ
الثَّالِئُنَ وَسَنَرُهُبُونُمْ وَجَاءُو بِسِخْرَيْعَظِيْمُ﴾ (سورہ الأعراف: ۱۱۶) حتیٰ کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ﴿فَأَوْجَسَ فِي نَقْيَسِهِ خَيْرَةٌ مُؤْسِيٌ﴾ (طہ: ۱۲۷) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا بڑا یقین تھا، جیسا کہ یہاں ان الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تسلی دی، کہ گھبراۓ کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اپنی لامھی زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو۔ چنانچہ لامھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اثر دھے کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرجوں کو وہ نگل گیا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے جھوٹ
موٹ کے کرتب کو نگنا شروع کر دیا۔ (۲۵)

یہ دیکھتے ہی جادوگر بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ (۲۶)
اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر
ایمان لائے۔ (۲۷)

یعنی موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون کے رب پر۔ (۲۸)
فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان
لے آئے؟ یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا (سردار) ہے جس نے تم
سب کو جادو سکھایا ہے،^(۱) سو تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو
جائے گا، قسم ہے میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں اٹھے طور
پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ (۲۹)

انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں،^(۳) ہم تو اپنے رب کی
طرف لوٹنے والے ہیں ہی۔ (۵۰)

اس بنابر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں^(۴)
ہمیں امید پڑتی ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطا کیں
معاف فرمادے گا۔ (۵۱)

فَأُلْقَى السَّحْرَةُ سَمِدِينَ ۝

فَالْوَالِادُّ الْمُتَابِرُتُ الْعَلَمِيُّنَ ۝

رَتِّ مُؤْسِيٍ وَهُرُونَ ۝

قَالَ أَمْتَهُلَهُ قَبْلَ أَنْ أَذْنَ لِكُوْرَاهَ لِكَبِيزِكُهُ الَّذِي عَمَلَهُ
السَّحْرُ فَلَمَّا تَعْلَمُوا قَاتَطَعْنَ آيَيْدِيَهُ وَأَرْجَلَهُ
قَنْ خَلَانِ وَلَادُصِلَّمَكُهُ أَجْمَعِينَ ۝

فَالْوَالِادُّ الضَّيْرُ إِنَّا إِلَى رِتَّا مُتَقْلِبُونَ ۝

إِنَّا نَظَمْعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّ الْخَطَبِ إِنَّا كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(۱) فرعون کے لیے یہ واقعہ بڑا عجیب اور نہایت حرمت تھا کہ جن جادوگروں کے ذریعے سے وہ فتح و غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا، وہی نہ صرف مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی وہ اس رب پر ایمان لے آئے، جس نے حضرت موسیٰ و ہارون طیہما السلام کو دلائل و مجزات دے کر بھیجا تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ فرعون بھی غور و فکر سے کام لیتا اور ایمان لاتا، اس نے مکاہرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد لگتے ہو اور تمہارا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کے ذریعے سے تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو، ﴿إِنَّ

هَذَا الْكَرْمَكَرْتُوْهُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرُجُوهُمْ أَهْلَهُمْ﴾ (الاعراف-۲۲)

(۲) اٹھے طور پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مطلب، دایاں ہاتھ اور بایاں پیرا بایاں ہاتھ اور دایاں پیرے ہے۔ اس پر سولی مستزدرا۔
یعنی ہاتھ پیر کاٹنے سے بھی اس کی آتش غصب ٹھہری نہ ہوئی، مزید اس نے سولی پر لٹکانے کا اعلان کیا۔

(۳) لَا ضَيْرُ کوئی حرج نہیں یا ہمیں کوئی پروا نہیں۔ یعنی اب جو سزا چاہے دے لے، ایمان سے نہیں پھر سکتے۔

(۴) أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ اس اعتبار سے کہا کہ فرعون کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور انہوں نے قبول ایمان میں سبقت کی۔

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں
کو نکال لے چل تم سب پچھا کیے جاؤ گے۔^(۱)
(۵۲)

فرعون نے شروں میں ہر کاروں کو بھیج دیا۔^(۲)
(۵۳)
کہ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے۔^(۳)
(۵۴)
اور اس پر یہ ہمیں سخت غصب ناک کر رہے ہیں۔^(۴)
(۵۵)
اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے چوکنا رہنے
والے۔^(۵)
(۵۶)

بالآخر ہم نے انہیں باغات سے اور چشموں سے۔^(۶)
(۵۷)
اور خزانوں سے۔ اور اتنے اچھے مقامات سے نکال
باہر کیا۔^(۷)
(۵۸)

اسی طرح ہوا اور ہم نے ان (تمام) چیزوں کا وارث بنی
اسرائیل کو بنادیا۔^(۸)
(۵۹)

وَأَوْحَيْنَا لِمُوسَىٰ أَنْ أَنْتَ بِعَبْدِنَا إِنَّكَ نَبِيُّنَا^(۹)

فَلَرْسَلَ فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَآئِنِ حَشِيرَنَ^(۱۰)

إِنَّهُوَ لَهُ لَشَرِفَةٌ قَلِيلُونَ^(۱۱)

وَإِنَّهُمْ لَنَا الْغَلَيْظُونَ^(۱۲)

وَإِنَّا لِلْجَمِيعِ حَذِيرَوْنَ^(۱۳)

فَأَخْرَجْنَا مِنْ جَنَانِنَا وَعِيُونِ^(۱۴)

وَكُنُوزَ مَقَامِنَا كَيْنِي^(۱۵)

كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَا بَنِيَّنَا وَرَاءَيْلَ^(۱۶)

(۱) جب بلاد مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام لمبا ہو گیا اور ہر طرح سے انہوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر جھٹ قائم کر دی۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں ہوئے، تاہم اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ انہیں عذاب و نکال سے دوچار کر کے سامان عبرت بنادیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنتی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جائیں، اور فرمایا کہ فرعون تمہارے پیچھے آئے گا، گھبرا نہیں۔
(۲) یہ بطور تحقیر کے کہا، ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

(۳) یعنی میری اجازت کے بغیر ان کا یہاں سے فرار ہونا ہمارے لیے غیظ و غصب کا باعث ہے۔

(۴) اس لیے ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔

(۵) یعنی فرعون اور اس کا شکری اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پیٹ کراپنے گھروں اور باغات میں آنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے انہیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث دوسروں کو بنادیا۔

(۶) یعنی جو اقتدار اور بادشاہیت فرعون کو حاصل تھی، وہ اس سے چھین کر ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ و جلال ہم نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا۔ کیونکہ بنی اسرائیل، مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے۔ نیز سورہ دخان میں فرمایا گیا ہے ﴿ وَأَوْفَنَاهُمْ مَا أَعْهَنَنَ^(۱۷) ﴾ کہ ”ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا“ (ایس الفتاوی) اول الذکر اہل علم کہتے ہیں کہ قوماً آخرین میں قوم کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں سورہ شعراء میں جب بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت آگئی ہے، تو اس سے مراد بھی قوم بنی اسرائیل

پس فرعونی سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکلے۔^(۱) (۲۰)

پس جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا، تو موسیٰ
کے ساتھیوں نے کہا، ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔^(۲) (۲۱)

موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں۔ یقین مانو، میرا رب میرے
ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔^(۳) (۲۲)

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی
مار،^(۴) پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی
کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا۔^(۵) (۲۳)

اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک لا کھڑا کر

فَأَتَبْعَهُمْ مُّشِرِّقِيَّاً ۚ

فَلَمَّا تَرَأَّءَ الْجَمَاعُونَ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا مُنْذَرُوْنَ ۚ

قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعَيَ رَبِّيْ سَيِّدِنَايْنِ ۚ

فَأَوْهَيْنَا لِلْمُوسَىٰ إِنَّ أَخْرِبُ بَعْصَادَ الْبَحْرَ، فَانْفَلَقَ فَكَانَ

كُلُّ فُرْقَىٰ كَالظُّودِ الْجَنِّيِّمِ ۚ

وَأَلْفَنَاهُمُ الْأَخْرَيْنِ ۚ

ہی ہو گی۔ مگر خود قرآن کی صراحت کے مطابق مصر سے نکلنے کے بعد بنو اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اور ان کے انکار پر چالیس سال کے لیے یہ داخلہ موخر کر کے میدان تیہ میں بھٹکایا گیا۔ پھر وہ ارض مقدس میں داخل ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر، حدیث اسراء کے مطابق بیت المقدس کے قریب ہی ہے۔ اس لیے صحیح معنی یہی ہے کہ جیسی نعمتیں آل فرعون کو مصر میں حاصل تھیں، ویسی ہی نعمتیں اب بنو اسرائیل کو عطا کی گئیں۔ لیکن مصر میں نہیں بلکہ فلسطین میں، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۱) یعنی جب صحیح ہوئی اور فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں، تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی شخصی پہنچی۔ اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

(۲) یعنی فرعون کے لشکر کو دیکھتے ہی وہ گھبرا اٹھے کہ آگے سمندر ہے اور پہچھے فرعون کا لشکر، اب بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ اب پھر دوبارہ وہی فرعون اور اس کی غلامی ہو گی۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ تمہارا اندیشہ صحیح نہیں، اب دوبارہ تم فرعون کی گرفت میں نہیں جاؤ گے۔ میرا رب یقیناً نجات کے راستے کی نشاندہی فرمائے گا

(۴) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی اور نشاندہی فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، جس سے دائیں طرف کا پانی دائیں اور بائیں طرف کا بائیں طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ میں راستہ بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حاب سے بارہ راستے بن گئے تھے، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۵) فِرْقَىٰ: قطعہ، بحر، سمندر کا حصہ، طویل، پہاڑ۔ یعنی پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجرزے کا صدور ہوا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون سے نجات پا لے، اس تائیدِ الہی کے بغیر فرعون سے نجات ممکن نہیں تھی۔

او ر موسیٰ (علیہ السلام) کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو
نجات دے دی۔^(۲۵)

پھر اور سب دوسروں کو ڈبو دیا۔^(۲۶)
یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں کے اکثر لوگ
ایمان والے نہیں۔^(۲۷)

اور بیک آپ کارب بڑا ہی غالب و مربان ہے۔^(۲۸)
انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ بھی سنادو۔^(۲۹)
جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم
کس کی عبادت کرتے ہو؟^(۳۰)

انہوں نے جواب دیا کہ عبادت کرتے ہیں جتوں کی، ہم تو
برا بر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں۔^(۳۱)
آپ نے فرمایا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ سنتے
بھی ہیں؟^(۳۲)

یا تمہیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔^(۳۳)
انہوں نے کہا یہ (ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ
دادوں کو اسی طرح کرتے پایا۔^(۳۴)

وَلَمْ يَجِدْنَا مُؤْسِيٌ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ^(۳۵)

لَمْ يَأْغُرْنَا الْأَخْرَيْنَ^(۳۶)
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيَّةٌ وَمَا كَانَ الظَّاهِرُ هُوَ مُؤْمِنُونَ^(۳۷)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْوَحِيدُ^(۳۸)
وَأَنِّي عَلَيْهِمْ تَبَلَّغُهُمْ^(۳۹)

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ^(۴۰)

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَافَ كُلُّ لَهَا عِلْفَيْنِ^(۴۱)

قَالَ هُلْ يَسْمَعُونَكُمْ لَذِكْرَ دُعَوْنَ^(۴۲)

أَوْ يَقْعُونَكُمْ أَوْ يَصْرُونَ^(۴۳)

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذِلِكَ يَفْعَلُونَ^(۴۴)

(۱) اس سے مراد فرعون اور اس کا لشکر ہے یعنی ہم نے دوسروں کو سند رکے قریب کر دیا۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی اور فرعون اور اس کا لشکر جب انہی راستوں سے گزرنے لگا تو ہم نے سند رکو دوبارہ حسب دستور رواں کر دیا، جس سے فرعون اپنے لشکر سیت غرق ہو گیا۔

(۳) یعنی اگرچہ اس واقعے میں جو اللہ کی نصرت و معونت کا واضح مظہر ہے، بڑی ثانی ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

(۴) یعنی رات دن ان ان کی عبادت کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اگر تم ان کی عبادت ترک کر دو تو کیا وہ تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں؟

(۶) جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تو یہ کہ کر چکارا حاصل کر لیا۔ جیسے آج بھی لوگوں کو قرآن و حدیث کی بات بتلائی جائے تو یہی غذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے خاندان میں تو ہمارے آباو

آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے^(۱) جنہیں تم پوچھ رہے
ہو؟^(۷۵)

تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن
ہیں۔^(۲)^(۷۶)

بجز پچھے اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہان کا پانہ سار ہے۔^(۳)^(۷۷)
جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری
فرماتا ہے۔^(۴)^(۷۸)

وہی ہے جو مجھے کھلا تاپلاتا ہے۔^(۵)^(۷۹)

اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔^(۶)^(۸۰)

اور وہی مجھے مارڈا لے گا پھر زندہ کروے گا۔^(۷)^(۸۱)
اور جس سے امید بند ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں
میرے گناہوں کو بخش دے گا۔^(۸)^(۸۲)

قَالَ أَفَرَأَيْتُمَا لَكُمْ تَعْبُدُونَ^(۱)

أَنْتُمْ وَآبَاؤكُمُ الْأَقْدَمُونَ^(۲)

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌ لِّلْأَرَبِ الْعَلَمِيِّينَ^(۳)

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَعْلَمُ^(۴)

وَالَّذِي هُوَ يُطِعِمُنِي وَيَسِّعِنِي^(۵)

وَإِذَا مَرَضْتُ فَهُوَ يَشْفِي^(۶)

وَالَّذِي يُبَيِّنُنِي تَحْتَهُ^(۷)

وَالَّذِي أَطْمَمَنِي يَغْرِي^(۸)

خَلِيلِي يَوْمَ الدِّينِ^(۹)

اجداد سے یہی کچھ ہوتا آرہا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

(۱) أَفَرَأَيْتُمْ؟ کے معنی ہیں فہلْ أَبْصَرْتُمْ وَتَفَكَّرْتُمْ؟ کیا تم نے غور و فکر کیا؟

(۲) اس لیے کہ تم سب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن کی تم اور تمہارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں، وہ سب معبد میرے دشمن ہیں یعنی میں ان سے بیزار ہوں۔

(۳) یعنی وہ دشمن نہیں، بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میراولی اور دوست ہے۔

(۴) یعنی دین و دنیا کے مصالح اور منافع کی طرف۔

(۵) یعنی انواع و اقسام کے رزق پیدا کرنے والا اور جو پانی ہم پیتے ہیں، اسے میا کرنے والا بھی وہی اللہ ہے۔

(۶) بیماری کو دور کر کے شفا عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔ یعنی دواؤں میں شفا کی تاثیر بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ورنہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ بیماری بھی اگرچہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ہی آتی ہے۔ لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ بلکہ اپنی طرف کی۔ یہ گویا اللہ کے ذکر میں اس کے ادب و احترام کے پہلو کو ملاحظہ رکھا۔

(۷) یعنی قیامت والے دن، جب وہ سارے لوگوں کو زندہ فرمائے گا، مجھے بھی زندہ کرے گا۔

(۸) یہاں امید، یقین کے معنی میں ہے۔ کیونکہ کسی بڑی شخصیت سے امید، یقین کے مترادف ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے، اس سے وابستہ امید، یقین کیوں نہیں ہوگی۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کے لیے عَسَى کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقین ہی کے مفہوم میں ہے۔ خَطِيبَتِي، خَطِيبَتُهُ واحد کا صیغہ

رَبِّ هَبْلٍ حَمَادٌ أَعْقَنْ بِالصَّلَبِينَ ④

وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صَدِيقٍ فِي الْأَخْرَى ⑤

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ التَّنْعِيْلِ ⑥

وَأَغْفِرْ لِأَنِّي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ⑦

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبَعَّدُونَ ⑧

يَوْمَ لَا يَنْقَعُ مَا لَيْ ⑨

لَا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ⑩

اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ^(١) عطا فرم اور مجھے
نیک لوگوں میں ملا دے۔ (۸۳)

اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔ (۸۴)
مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔ (۸۵)
اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں
سے تھا۔ (۸۶)

اور جس دن کہ لوگ دوبارہ جلانے جائیں مجھے رسول
ناہ کر۔ (۸۷)

جس دن کہ مال اور اولاد پچھے کام نہ آئے گی۔ (۸۸)
لیکن فائدہ والا ہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب
دل لے کر جائے۔ (۸۹)

ہے لیکن خطایا (جمع) کے معنی میں ہے۔ انبیا علیم السلام اگرچہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان سے کسی بڑے گناہ کا
صدر ممکن نہیں۔ پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہِ الہی میں عنو طلب ہوں گے۔

(۱) حکم یا حکمت سے مراد علم و فہم، قوت فیصلہ، یا نبوت و رسالت یا اللہ کے حدود و احکام کی معرفت ہے۔

(۲) یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ
نیکیوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جیل اور شانے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا ذکر خیر ہر نہ ہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و تکریم سے انکار نہیں ہے۔

(۳) یہ دعا و قوت کی تھی، جب ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ مشرک (اللہ کے دشمن) کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں،
جب اللہ نے یہ واضح کر دیا، تو انہوں نے اپنے باپ سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا (السویۃ: ۱۱۲)۔

(۴) یعنی تمام مخلوق کے سامنے میرا مُؤاخذه کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن،
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے، تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لیے
مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لیے رسولی اور کیا ہو گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے
گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر ان کے باپ کو نجاست میں لتحرے ہوئے بھوکی شکل میں جنم میں
ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری، سورہ الشعرا، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا)

(۵) قلب سلیم یا بے عیب دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو۔ یعنی قلب مومن۔ اس لیے کہ کافروں میں مخالف
کا دل مریض ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں، بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن دل، بعض کے نزدیک، دنیا کے مال و متاع کی

اور پرہیزگاروں کے لیے جنت بالکل نزدیک لا دی
جائے گی۔ (۹۰)

اور گمراہ لوگوں کے لیے جنم ظاہر کر دی جائے گی۔ (۹۱)
اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے
وہ کہاں ہیں؟ (۹۲)

جو اللہ تعالیٰ کے سواتھے، کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ یا
کوئی بدلہ لے سکتے ہیں۔ (۹۳)

پس وہ سب اور کل گمراہ لوگ جنم میں اوندو ہے منه ڈال
دیے جائیں گے۔ (۹۴)

اور ابلیس کے تمام کے تمام لشکر (۳) بھی، وہاں۔ (۹۵)
آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔ (۹۶)
کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے۔ (۹۷)
جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھتے تھے۔ (۹۸)
اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں
کیا تھا۔ (۹۹)

اب تو ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں۔ (۱۰۰)

وَأَنْلَفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَعِّنِينَ ④

وَبَرِزَتِ الْجَحِيدُ لِلْمُغُرِّبِينَ ⑤

وَقَيْلَ لَهُمَا يَمَانُتُهُمْ بَعْدُهُنَّ ⑥

مِنْ دُونِ اللَّهِ هُنَّ يَنْصُرُونَ كُلُّمَا وَيَنْتَهُونَ ⑦

فَكُلُّبُهُوْنِهَا هُمْ وَالْغَاوُنَ ⑧

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ⑨

فَالْأُوَوْهُمْ فِيهَا يَقْتَصِمُونَ ⑩

تَاهِلُوْنَ لَكُنَ الْقِيَضَى لِلْمُبْيِنِينَ ⑪

إِذْ نُوَيْكُمْ بَرِّتُ الْعَلَمِيْنَ ⑫

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ⑬

فَمَا لَنَا مِنْ شُفَعَيْنَ ⑭

محبت سے پاک دل اور بعض کے نزدیک، جمالت کی تاریکیوں اور اخلاقی رذالتوں سے پاک دل۔ یہ سارے مفہوم بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قلب مومن مذکورہ تمام ہی برا یوں سے پاک ہوتا ہے۔

(۱) مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول سے پہلے ان کو سامنے کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں کے غم میں اور اہل ایمان کے سرور میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

(۲) یعنی تم سے عذاب ٹال دیں یا خود اپنے نفس کو اس سے بچالیں۔

(۳) یعنی معبودین اور عابدین سب کو مال ڈنگر کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔

(۴) اس سے مراد وہ لشکر ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

(۵) دنیا میں تو ہر ترشاہ واقع بر قبر بر بنا ہوا خوش نما قاب، مشرکوں کو خدا کی اختیارات کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن قیامت کو پتہ چلے گا کہ یہ تو کھلی گمراہی تھی کہ وہ انہیں رب کے برابر سمجھتے رہے۔

(۶) یعنی وہاں جا کر احساس ہو گا کہ انہیں دوسرے مجرموں نے گمراہ کیا۔ دنیا میں انہیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام

وَلَا صِدْقَةٍ حَمِيلُو

فَلَوْاَنَ لَدِكَرَةَ فَتَلَوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

إِنْ فِي ذَلِكَ لَذِيَّهُ وَمَا كَانَ أَكْرَهُ مُؤْمِنِينَ

وَلَئِنْ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

كَذَبَتْ قَوْمٌ بِوَجْهِ الرَّسُولِ

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخْوَهُمْ يُوحِّدُونَ آلَاتِقُوْنَ

إِنَّ لَكُمْ سُؤُلٌ أَمِينٌ

فَأَنْتُوا اللَّهَ وَآتَطْبِعُونَ

اور نہ کوئی (سچا) غم خوار دوست۔^(۱)

اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم کے سچے سچے مومن بن جاتے۔^(۲)

یہ ماجرا یقیناً ایک زبردست نشانی ہے^(۳) ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔^(۴)

یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب میریان ہے۔^(۵)

قوم نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔^(۶)

جبکہ ان کے بھائی^(۷) نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں!^(۸)

سنوا! میں تمہاری طرف اللہ کا اماندار رسول ہوں۔^(۹)

پس تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات مانی

گمراہی ہے، بدعت ہے، شرک ہے تو نہیں مانتے، نہ غورو فکر سے کام لیتے ہیں کہ حق و باطل ان پر واضح ہو سکے۔

(۱) گناہ گاراہل ایمان کی سفارش تو اللہ کی اجازت کے بعد انبیا و صحابا و حضور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ لیکن کافروں اور مشرکوں کے لیے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت ہو گی نہ حوصلہ، اور نہ وہاں کوئی دوستی کام آئے گی۔

(۲) اہل کفر و شرک، قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ کو خوش کر لیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔

(۳) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں اپنی قوم سے مناظرہ و محاجہ اور اللہ کی توحید کے دلائل، یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبوود نہیں۔

(۴) بعض نے اس کا مرجع مشرکین مکہ یعنی قریش کو قرار دیا ہے یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔

(۵) قوم نوح علیہ السلام نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی مخدیب کی تھی۔ مگر جو نکد ایک نبی کی مخدیب تمام نبیوں کی مخدیب کے متراوف اور اس کو مستلزم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ قوم نوح علیہ السلام نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

(۶) بھائی اس لیے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام انہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔

(۷) یعنی اللہ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے، وہ بلا کم دکاست تم تک پہنچانے والا ہوں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتا۔

چاہیے۔^(۱)

میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلت تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے۔^(۲)

پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو۔^(۳)

قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ تیری تابعداری تو رذیل لوگوں نے کی ہے۔^(۴)

آپ نے فرمایا! مجھے کیا خبر کہ وہ پسلے کیا کرتے رہے؟^(۵)

ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے اگر تمہیں شعور ہوتا۔^(۶)

میں ایمان والوں کو دھکے دینے والا نہیں۔^(۷)

میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں۔^(۸)

فَأَنْقُوا اللَّهَ وَأَطْبِعُونَ

قَالُوا آتُؤُمْ لَكُمْ وَآتَيْتُكُمْ الْأَرْذَلُونَ

قَالَ وَمَا عَلِمْتُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

إِنْ حَسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رِبِّنَ لَوْتَشُرُونَ

وَمَا أَنْكُمْ بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّهِمِّينَ

(۱) یعنی میں تمہیں جو ایمان باللہ اور شرک نہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، اس میں میری اطاعت کرو۔

(۲) میں تمہیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا، بلکہ اس کا اجر رب العالمین ہی کے ذمے ہے جو قیامت کو وہ عطا فرمائے گا۔

(۳) یہ تاکید کے طور پر بھی ہے اور الگ الگ سبب کی بنابری بھی، پسلے اطاعت کی دعوت، امانت داری کی بنیاد پر تھی اور اب یہ دعوت اطاعت عدم طبع کی وجہ سے ہے۔

(۴) الأَذَلُونَ، اَذَلُّ کی جمع ہے۔ جاہ و مال نہ رکھنے والے، اور اس کی وجہ سے معاشرے میں کمتر سمجھے جانے والے اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو حقیر سمجھے جانے والے پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۵) یعنی مجھے اس بات کا مکلف نہیں ٹھرا یا گیا ہے کہ میں لوگوں کے حسب و نسب، امارت و غربت اور ان کے پیشوں کی تفتیش کروں بلکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ایمان کی دعوت دوں اور جو اسے قبول کر لے، چاہے وہ کسی حیثیت کا حامل ہو، اسے اپنی جماعت میں شامل کروں۔

(۶) یعنی ان کے ضمائر اور اعمال کی تفتیش یہ اللہ کا کام ہے۔

(۷) یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے سے دور کر دے، پھر ہم تیری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔

(۸) پس جو اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرے گا، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، چاہے دنیا کی نظر میں وہ شریف ہو یا

انہوں نے کماکہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے
سنگار کرو دیا جائے گا۔ (۱۶)

آپ نے کہا اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے
جھٹلا دیا۔ (۱۷)

پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور
مجھے اور میرے بائیمان ساتھیوں کو نجات دے۔ (۱۸)

چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی
کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی۔ (۱۹)

بعد ازاں باتی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا۔ (۲۰)

یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ
ایمان لانے والے تھے بھی نہیں۔ (۲۱)

اور یہیں آپ کا پروردگار البستہ وہی ہے زبردست رحم
کرنے والا۔ (۲۲)

عادیوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ (۲۳)

جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود (۲۴) نے کماکہ کیا تم ڈرتے

قَالُوا لَهُنْ أَحْمَدُنَا يَوْمَ لَتَكُونُنَّ
مِنَ الْمَرْجُومِينَ ①

قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُونَ ②

فَأُفْخَوْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَبَيْنَهُمْ قَعْدَةٌ مَجْنَى وَمَنْ مَعَنِيْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ③

فَأَعْجَبَنِيْهُ وَمَنْ تَعَاهَدَ فِي الْفُلُكِ الْمُشْتَهَوْنَ ④

نَمَّ أَغْرَقَنَا بَعْدَ الْبَاقِيْنَ ⑤

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذَّةٌ وَمَا كَانَ الْكُفَّارُ مُؤْمِنِينَ ⑥

وَلَئِنْ رَأَيْتَ لَهُوا لِغَنِيْزَ الرَّاجِيْمُ ⑦

كَذَّبَتْ عَادٌ إِلَيْمُرْسِلِيْنَ ⑧

إِذْ قَالَ لَهُوا خُوْهُوْهُوْدُ الْأَتَقْيُونَ ⑨

رذیل، جلیل ہو یا حیر-

(۱) یہ تفصیلات کچھ پسلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی سازی ہے نو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بداغاتی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا اور اس میں مومن انسانوں، جانوروں اور ضروری ساز و سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو تو بچالیا گیا اور باتی سب لوگوں کو، حتیٰ کہ بیوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔

(۲) عاد، ان کے جدا علی کاتام تھا، جس کے نام پر قوم کاتام پڑ گیا۔ یہاں عاد کو قبلہ تصور کر کے کذبۃت (صیدھ مونث) لایا گیا ہے۔

(۳) ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر بھی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا، جس کی طرف اسے مبوعث کیا جاتا تھا اور اسی اعتبار سے انہیں اس قوم کا بھائی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آگے بھی آئے گا اور انبیا و رسل کی یہ ”بشریت“ بھی ان کی قوموں کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ بنی کو بشر نہیں، مافقہ البشر ہونا چاہیے۔ آج بھی اس مسلمہ حقیقت سے بے خبر لوگ پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافقہ البشر باور کرانے پر تلتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی خاندان قریش کے ایک فرد تھے جن کی طرف اولاً ان کو پیغمبر بنانا کر بھیجا گیا تھا۔

نہیں؟ (۱۲۳)

میں تم سارا امامتدار پیغمبر ہوں۔ (۱۲۵)

پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! (۱۲۶)

میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا

ثواب تو تمام جہان کے پور دگار کے پاس ہی ہے۔ (۱۲۷)

کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشا یادگار (عمارت) بنا

رہے ہو۔ (۱۲۸)

اور بڑی صنعت والے (مضبوط محل تعمیر) کر رہے ہو گویا

کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔ (۱۲۹)

اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے کپڑتے

ہو۔ (۱۳۰)

اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ (۱۳۱)

اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تم ساری امداد کی

جنہیں تم جانتے ہو۔ (۱۳۲)

اس نے تم ساری مدد کی مال سے اور اولاد سے۔ (۱۳۳)

باغات سے اور چشموں سے۔ (۱۳۴)

مجھے تو تم ساری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ

إِنَّ الْكَوَافِرَ سُوْلُ أَمِينٌ ۝

فَأَنْقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونَ ۝

وَمَا أَسْنَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَبْرَاجٍ إِلَّا لِعَلِمَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

أَتَبِعُونَ بِكُلِّ رِبْعَيْلَةٍ تَعْبُرُونَ ۝

وَتَتَخَذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَمَ قَنْدُونَ ۝

وَإِذَا بَطَشُوكْ بَطَشُوكْ جَبَارِينَ ۝

فَأَنْقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونَ ۝

وَأَنْقُوا الَّذِي أَمْدَكُوكَمَا تَعْلَمُونَ ۝

أَمْدَكُوكَمَا تَعْلَمُ وَبَنِينَ ۝

وَجَنِّتَ وَعِيُونَ ۝

إِنَّ أَخَافُ عَلَيْكُوكَمَا عَذَابَ يَوْمِ عَظِيمٍ ۝

(۱) رِبْعَيْلَةٌ کی جمع ہے۔ نیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھٹائی یہ ان گزر گاہوں پر کوئی عمارت تعمیر کرتے جو ارتفاع اور علو میں ایک ثالثی یعنی ممتاز ہوتی۔ لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کوڈ ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو، جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مغافلہ وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کے بیکار محض اور عبیث ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۲) اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے، جیسے وہ ہمیشہ انہی محلات میں رہیں گے۔

(۳) یہ ان کے ظلم و تشدید اور قوت و طاقت کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) جب ان کے اوصاف قیچی بیان کیے جو ان کے دنیا میں انہاک اور ظلم و سرکشی پر دلالت کرتے ہیں تو پھر انہیں دوبارہ تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

ہے۔^(۱)
(۱۳۵)

انہوں نے کماکر آپ وعظ کیں یا وعظ کئے والوں میں نہ
ہوں ہم پر یکساں ہے۔^(۱۳۶)

یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادت ہے۔^(۲)
(۱۳۷)

اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیے جائیں گے۔^(۳)
(۱۳۸)
چونکہ عادیوں نے حضرت ہود کو جھٹالایا، اس لیے ہم نے
انہیں تباہ کر دیا،^(۴) یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں
سے اکثر بے ایمان تھے۔^(۱۳۹)

بیشک آپ کارب وہی ہے غالب مریان۔^(۱۴۰)

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَعْطَتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَعِظِينَ^(۱)

إِنْ هُنَّ إِلَّا كُفَّارٌ لَا يَذَّكَّرُونَ^(۲)

وَمَا يَعْنِي بِمُعَذَّبِينَ^(۳)

فَلَكَذِبُهُ فَأَهْلَكُهُمُ الْمَلَكُونَ فِي ذَلِكَ الْكَلَيْلَةَ مَوْلَانَ

الْكَرْهُهُمُ مُؤْمِنُينَ^(۴)

وَلَئِنْ رَبَّكَ لَهُ الْعَيْنُ إِلَّا وَجِيلُ^(۵)

(۱) یعنی اگر تم نے اپنے کفر پر اصرار جاری رکھا اور اللہ نے تمہیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا نہیں کیا، تو تم عذاب الہی کے مستحق قرار پا جاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت تو ہے ہی عذاب و ثواب کے لیے۔ وہاں تو عذاب سے چھکارا ممکن ہی نہیں ہو گا۔

(۲) یعنی وہی باتیں ہیں جو پسلے بھی لوگ کرتے آئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم جس دین اور عادات و روایات پر قائم ہیں وہ وہی ہیں جن پر ہمارے آباؤ اجداؤ کا بند رہے، مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ہم آبائی نہ ہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔

(۳) جب انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آبائی دین نہیں چھوڑیں گے، تو اس میں عقیدہ آخرت کا انکار بھی تھا۔ اس لیے انہوں نے عذاب میں بٹلا ہونے کا بھی انکار کیا۔ کیونکہ عذاب الہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو مانتا اور روز جزا کو تسلیم کرتا ہے۔

(۴) قوم عاد، دنیا کی مضبوط ترین اور قوی ترین قوم تھی، جس کی بابت اللہ نے فرمایا ہے، — ﴿إِنَّهُمْ لَمْ يُخْلُقُوا مِثْلَهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ (الفجر) ”اس جیسی قوم پیدا ہی نہیں کی گئی“ یعنی جو وقت اور شدت و جبروت میں اس جیسی ہو۔ اسی لیے یہ کما کرتی تھی ﴿مَنْ أَشَدُّ مَنَّا فَوْتَهُ﴾ (الحمد السجدة ۵۰) ”کون قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟“ لیکن جب اس قوم نے بھی کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان و تقویٰ اختیار نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمایا جو مکمل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رہا۔ بادستہ آتی اور آدمی کو اٹھا کر فضامیں بلند کرتی اور پھر زور سے سر کے بل زمین پر پڑتی۔ جس سے اس کا داماغ پھٹ اور نوث جاتا اور بغیر سر کے ان کے لاثے اس طرح زمین پر پڑے ہوتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تھے ہیں۔ انہوں نے پھاڑوں، کھوڈوں اور غاروں میں بڑی بڑی مضبوط عمارتیں بنارکھی تھیں، پینے کے لیے گرے کنوئیں کھوڑ رکھے تھے، باغات کی کثرت تھی۔ لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیزان کے کام نہ آئی اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا گیا۔

شُمُودِيُونَ^(۱) نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (۱۳۱)
ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے
نہیں ڈرتے؟ (۱۳۲)

میں تمہاری طرف اللہ کا امامت دار پیغمبر ہوں۔ (۱۳۳)
تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا کرو۔ (۱۳۴)
میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو
بس پروردگار عالم پر ہی ہے۔ (۱۳۵)

کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ
دیے جاؤ گے۔ (۱۳۶)

یعنی ان باغوں اور ان چشموں۔ (۱۳۷)
اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں کے باغوں میں جن کے
شگونے نرم و نازک ہیں۔ (۱۳۸)
اور تم پھاڑوں کو تراش تراش کر پر تکلف مکانات بنا
رہے ہو۔ (۱۳۹)

كَذَبَتْ نَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۚ ۱۳۱

إِذَا قَالَ أَهْمَمُ أَخْوَهُمْ صِرْطُهُ الْأَنْتَقُونَ ۚ ۱۳۲

إِنَّ الْكَوْنَسُولَ أَمِينَ ۚ ۱۳۳

فَانْتَهَا اللَّهُ وَآتِيَعُونَ ۚ ۱۳۴

وَمَا آتَنَاكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنَّ أَجْرَى الْأَعْلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ ۱۳۵

أَنْتُمْ كُوْنُونَ فِي مَاهِمُنَا أَمِينُونَ ۚ ۱۳۶

فِي جَنَّتِنَا وَعِيُونُ ۚ ۱۳۷

وَنَدْرَوْعَ وَغَلْ طَلْعُهَا هَضِينُ ۚ ۱۳۸

وَتَنْجِيْتُونَ مِنَ الْجَبَالِ بِيُونَافِرِهِنَ ۚ ۱۳۹

(۱) شُمُود کا مسکن جھر تھا جو جماز کے شمال میں ہے، آج کل اسے مائن صالح کہتے ہیں۔ (ایسرا الفاسیر) یہ عرب تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزر کر گئے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۲) یعنی یہ نعمتوں کیا تمہیں ہمیشہ حاصل رہیں گی، نہ تمہیں موت آئے گی نہ عذاب؟ استفهام انکاری اور تو نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہو گا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعے سے، جب اللہ چاہے گا، تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس میں ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکردا کرو اور اس پر ایمان لاو اور تہیب ہے کہ اگر ایمان و شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بر بادی تمہارا مقدر ہے۔

(۳) یہ ان نعمتوں کی تفصیل ہے جن سے وہ بسرہ در تھے، مطلع، کھجور کے اس شگونے کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نکلتا یعنی طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد کھجور کا یہ پہل طلخ، پھر بسر، پھر رطب اور اس کے بعد تم رکھلاتا ہے۔ (ایسرا الفاسیر) باغات میں دیگر پھلوں کے ساتھ کھجور کا پہل بھی آ جاتا ہے۔ لیکن عربوں میں چونکہ کھجور کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے اس کا خصوصی طور پر بھی ذکر کیا۔ هَضِينُمْ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً لطیف اور نرم و نازک۔ تہ بہ وغیرہ۔

(۴) فَارِهِنَ یعنی ضرورت سے زیادہ تصنیع، تکلف اور فن کارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا ارتاتے اور فخر و غور۔

پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (۱۵۰)
بے باک حد سے گزر جانے والوں کی^(۱) اطاعت سے باز
آجاؤ۔ (۱۵۱)

جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں
کرتے۔ (۱۵۲)

وہ بولے کہ بس تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا
ہے۔ (۱۵۳)

تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ اگر تو چوں سے ہے تو کوئی
مجزہ لے آ۔ (۱۵۴)

آپ نے فرمایا یہ ہے او نثی، پانی پینے کی ایک باری
اس کی اور ایک مقررہ دن کی باری پانی پینے کی
تماری۔ (۲) (۱۵۵)

(خبردار!) اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے
بھاری دن کا عذاب تماری گرفت کر لے گا۔ (۳) (۱۵۶)
پھر بھی انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں،^(۳) بس وہ

کرتے ہوئے۔ جیسے آج کل لوگوں کا حال ہے۔ آج بھی عمارتوں پر بھی غیر ضروری آرائشوں اور فن کاراٹہ ممارتوں کا
خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے پر برتری اور فخر و غور کا اظہار بھی۔

(۱) مُسْرِفِینَ سے مراد وہ روسا اور سردار ہیں جو کفر و شرک کے داعی اور مخالفت حق میں پیش پیش تھے۔

(۲) یہ وہی او نثی تھی جو ان کے مطالبے پر پھر کی ایک چنان سے بطور مجزہ ظاہر ہوئی تھی۔ ایک دن او نثی کے لیے اور
ایک دن ان کے لیے پانی مقرر کر دیا گیا تھا، اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جو دن تمہارا پانی لینے کا ہو گا، او نثی گھاث پر نہیں
آئے گی اور جو دن او نثی کے پانی پینے کا ہو گا، تمہیں گھاث پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۳) دوسری بات انہیں یہ کہی گئی کہ اس او نثی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے۔ چنانچہ
یہ او نثی اسی طرح ان کے درمیان رہی۔ گھاث سے پانی پینی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ قوم شمود
اس کا دودھ دو ہتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

(۴) یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ او نثی، اللہ کی قدرت کی ایک نشانی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی، قوم شمود ایمان
نہیں لائی اور کفر و شرک کے راستے پر گامزن رہی اور اس کی سرکشی یہاں تک بڑھی کہ بالآخر قدرت کی زندہ نشانی

فَأَنْقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونَ ۝

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝

الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ السَّخِيفِينَ ۝

مَا كُنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مُّثُلُّنَا هُنَّا قَاتُلُوْنَا مُكْتَبُنَا بِإِيمَانٍ كُنْتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ ۝

قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شُرُبٌ وَلَكُمْ شُرُبٌ يَوْمَ تَعْلَمُونَ ۝

وَلَا تُسْهِهَا بِأُوْجٍ فَيَا خَذْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ۝

فَعَقَرَ وَهَا فَاصْبُحُوا نَذِيرِي مِنْ ۝

پیمان ہو گئے۔^(۱) (۱۵۷)

اور عذاب نے انہیں آدبو چا۔^(۲) بیشک اس میں عبرت ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔^(۱۵۸)

اور بیشک آپ کارب براز برداشت اور مردانہ ہے۔^(۱۵۹) قوم لوط^(۳) نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔^(۱۶۰)

ان سے ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کما کیا تم اللہ کا خوف نہیں رکھتے؟^(۱۶۱)

میں تم ساری طرف امانت دار رسول ہوں۔^(۱۶۲)

پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔^(۱۶۳) میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جو تمام جہان کارب ہے۔^(۱۶۴)

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔^(۱۶۵)

اور تم ساری جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا جوڑ بنا لیا ہے ان کو چھوڑ دیتے ہو،^(۳) بلکہ تم ہو ہی حد سے گزر

فَاخَذُهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّلَّاهِ مُوَمَّا كَانَ أَكْرَهُهُمْ مُؤْمِنِينَ^(۱)

وَلَمَّا رَأَيْكَ لَهُوا لِغَرِبَةِ الرَّاجِحِينَ^(۲)
كَذَبَتْ قَوْمٌ لَوْلَطٌ الْمُرْسَلِينَ^(۳)
إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخْوَهُمْ لَوْلَطٌ الْأَتَّقِعُونَ^(۴)

إِنَّ الْكُفَّارَ سُولٌ أَمِينٌ^(۵)

فَأَنْقُوا اللَّهَ وَآتِيُّوْنَ^(۶)

وَمَا أَنْشَدُكُمْ عَنِيهِمْ أَجْرٌ إِنَّ أَجْرَى إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ^(۷)

أَتَأْتُوْنَ الدُّكْرَانَ مِنَ الْعَلَمِينَ^(۸)

وَنَذَرُونَ مَا حَلَّكَ لَكُمْ بِكُلِّ مِنْ أَذْوَاجِكُلَّ بَنِ
إِنَّمَّا قَوْمٌ عَدُوْنَ^(۹)

”او نثني“ کی کوچیں کاٹ ڈالیں یعنی اس کے ہاتھوں اور پیروں کو زخمی کر دیا، جس سے وہ بیٹھ گئی اور پھر اسے قتل کر دیا۔
(۱) یہ اس وقت ہوا جب او نثني کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تمہیں صرف تین دن کی مہلت ہے، چوتھے دن تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب واقعی عذاب کی علامتیں ظاہر ہوئی شروع ہو گئیں، تو پھر ان کی طرف سے بھی اظہار نہ امانت ہونے لگا۔ لیکن علامات عذاب دیکھ لینے کے بعد نہ امانت اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۲) یہ عذاب زمیں سے بھونچا (زلزلے) اور اپر سے خنث چنگھاڑ کی صورت میں آیا، جس سے سب کی موت واقع ہو گئی۔

(۳) حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے تھے۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم ”سدوم“ اور ”عموریہ“ میں رہتی تھی۔ یہ بتیاں شام کے علاقے میں تھیں۔

(۴) یہ قوم لوط کی سب سے بری عادت تھی، جس کی ابتداؤ اسی قوم سے ہوئی تھی، اسی لیے اس فعل بد کو لواحت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی وہ بد فعلی جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا لیکن اب یہ بد فعلی پوری دنیا میں عام ہے بلکہ یورپ میں تو اسے قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا ہے یعنی ان کے ہاں اب یہ سرے سے گناہ ہی نہیں ہے۔ جس قوم کا نہ اسی اتنا بگڑگیا ہو کہ مرد و عورت کا ناجائز جنسی مlap (بشر طیکہ ہاہمی رضامندی سے ہو) ان کے نزدیک جرم نہ ہو، تو وہاں دو مردوں کا آپس

جانے والے۔^(١) (١٤٤)

انہوں نے جواب دیا کہ اے لوط! اگر تو بازنہ آیا تو یقیناً
نکال دیا جائے گا۔^(٢) (١٤٧)

آپ نے فرمایا، میں تمہارے کام سے سخت ناخوش
ہوں۔^(٣) (١٤٨)

میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھرانے کو اس (و بال)
سے بچا لے جو یہ کرتے ہیں۔^(٤) (١٤٩)

پس ہم نے اسے اور اسکے متعلقین کو سب کو بچالیا۔^(٥) (١٧٠)
بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں
ہو گئی۔^(٦) (١٧١)

پھر ہم نے باتی اور سب کو ہلاک کر دیا۔^(٧) (١٧٢)
اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کامیشہ بر سایا، پس بست ہی بر
میشہ تھا جو ڈرائے گئے ہوئے لوگوں پر بر سا۔^(٨) (١٧٣)

قَالُوا إِنَّهُ لَغُرَبَةٌ يَلُو طَلْكُونَةٌ مِّنَ الْمُحْرَجِينَ ⑥

قَالَ إِنِّي لِعَمِيلٍ مِّنَ الْقَالِينَ ⑦

رَبِّيْتَ بَخْتِيْ وَأَهْلِيْ مَسَايِّلَتُونَ ⑮

فَعَيْنَيْهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ⑯

إِلَّا عَجَزَ فِي الْغَيْرِيْنَ ⑰

ثُوَدَ مَرْنَا الْغَيْرِيْنَ ⑱

وَأَمْطَرَنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فَسَاءَ مَطْرًا الشَّنَدِيْرِيْنَ ⑲

میں بد فعلی کرنا کیوں نکر گناہ اور ناجائز ہو سکتا ہے؟ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهُ

(۱) عَادُونَ، عَادٍ کی جمع ہے۔ عربی میں عَادٍ کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعے سے عورت کی فرج سے اپنی جنسی خواہش کی تسلیم کو حلال قرار دیا ہے اور اس کام کے لیے مرد کی در بکو حرام۔ قوم لوط نے عورتوں کی شرم گاہوں کو چھوڑ کر مردوں کی در برا اس کام کے لیے استعمال کی اور یوں اس نے حد سے تجاوز کیا۔

(۲) یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کے جواب میں اس نے کہا کہ تو بڑا پاک باز بنا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا اگر تو بازنہ آیا تو ہم اپنی بستی میں تجھے رہنے ہی نہیں دیں گے۔ آج بھی بدیوں کا اتنا غلبہ اور بدلوں کا اتنا زور ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے۔ اور نیکوں کے لیے عرصہ حیات نگ کر دیا گیا ہے۔

(۳) یعنی میں اسے پسند نہیں کرتا اور اس سے سخت پیزار ہوں۔

(۴) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بوڑھی یوں ہے جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی ہلاک کر دی گئی۔

(۵) یعنی نشان زدہ سکنر پھروں کی بارش سے ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا، جیسا کہ سورہ ہود۔ ۸۲، ۸۳ میں بیان ہوا۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُؤْمِنِينَ ⑭

یہ ماجرا بھی سراسر عبرت ہے۔ ان میں سے بھی اکثر
مسلمان نہ تھے۔ (۱۷۳)

بیشک تیرا پروردگارو ہی ہے غلبے والا صربانی والا۔ (۱۷۵)
ایکہ والوں ^(۱) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ (۱۷۶)
جبکہ ان سے شعیب (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا تمیں ڈر
خوف نہیں؟ (۱۷۷)

میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں۔ (۱۷۸)
اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو۔ (۱۷۹)
میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا، میرا اجر تمام
جهانوں کے پانے والے کے پاس ہے۔ (۱۸۰)
ناب پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شمولیت نہ
کرو۔ ^(۲) (۱۸۱)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

كَذَبَ أَصْحَابُ لَعْيَكَةَ الْمُرْسَلِينَ ۝

إِذْ قَالَ لَهُمْ شَعِيبٌ لَا تَنْقُونَ ۝

إِنَّ الْكَوَافِرَ سُولُّ أَمِينٌ ۝

فَانْتَقُوا اللَّهَ وَآطِيعُونَ ۝

وَمَا آتَنَاكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنَّ أَجْرَهُ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تُكُونُوا مِنَ الْمُخْمِرِينَ ۝

(۱) ایکہ جنگل کو کہتے ہیں۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور بستی "مدین" کے اطراف کے باشندے مراد ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ایکہ کے معنی ہیں گھنادرخت اور ایسا ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا۔ جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرہ نبوت اور حدود دعوت و تبلیغ مدین سے لے کر اس نواحی آبادی تک تھا، جہاں ایکہ درخت کی پوجا ہوتی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں کو اصحاب الائکہ کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اصحاب الائکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یہ ایک ہی پیغمبر کی امت تھی۔ ایکہ چونکہ قوم نہیں، بلکہ درخت تھا۔ اس لیے اخوت نبی کا یہاں ذکر نہیں کیا، جس طرح کہ دوسرے انبیا کے ذکر میں ہے۔ البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے، وہاں ان کے اخوت نبی کا ذکر بھی ملتا ہے، کیونکہ مدین، قوم کا نام ہے۔ (وَإِلَى مَدِينَ أَخَاهُمْ شَعِيبًا) (الأعراف: ۸۵) بعض مفسرین نے اصحاب الائکہ اور مدین کو الگ الگ بستیاں قرار دے کر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں، جن کی طرف باری باری حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ مدین کی طرف اور دوسری مرتبہ اصحاب الائکہ کی طرف۔ لیکن امام ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، اُوفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا، یہی وعظ یہاں اصحاب الائکہ کو کیا جا رہا ہے، جس سے صاف واضح ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، وہ نہیں۔

(۲) یعنی جب تم لوگوں کو ناب کر دو تو اسی طرح پورا دو، جس طرح لیتے وقت تم پورا ناب کر لیتے ہو۔ لینے اور دینے کے پیانے الگ الگ مت رکھو، کہ دیتے وقت کم دو اور لیتے وقت پورا لو!

وَزُنُوا بِالْقِسْطَالِ إِلَيْهِ الْمُسْتَقْبِلُو

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءً فَمَا لَا تَعْنَى فِي الْأَرْضِ مُفْسِدُونَ

وَأَنْقُوَ الَّذِينَ حَلَقْتُمُ وَالْجِيلَةَ الْأَقْلَيْنَ

قَالُوا إِنَّا كُنَّا مِنَ السَّعْدِيْنَ

وَمَا كُنَّا نَعْلَمُ إِلَّا بِثِرْهَاتِنَا وَإِنْ نَظُنَّكَ لِمَنِ الظَّرِيقِيْنَ

فَأَسْقَطْتُ عَلَيْنَا كَسْعَافَتِنَ السَّمَاءَ إِنْ كُنَّا مِنَ الصَّدِيقِيْنَ

قَالَ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَا تَعْلَمُونَ

(١) اسی طرح تول میں ڈنڈی مت مارو، بلکہ پورا صحیح تول کرو!

(٢) یعنی لوگوں کو دیتے وقت ناپ یا تول میں کی مت کرو۔

(٣) یعنی اللہ کی نافرمانی مت کرو، اس سے زمین میں فساد بھیتا ہے۔ بعض نے اس سے مراد وہ رہنی لی ہے، جس کا ارتکاب بھی یہ قوم کرتی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے، ﴿وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ ثُوَّدُونَ﴾ (الاعراف: ٨٦) ”راستوں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے مت بیٹھو۔“ (ابن کثیر)

(٤) جبلہ اور جبل، مخلوق کے معنی میں ہے، جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْهُمْ جِلَالًا كَثِيرًا﴾ (سورہ یٰسٰ: ٢٢) ”اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا“ اس کا استعمال بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ ذُو الْعَدَدِ الْكَثِيرِ مِنَ النَّاسِ (فتح القدير)

(٥) یعنی تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا ہے، ہم تجھے اس دعوے میں جھوٹا بھیتے ہیں، کیونکہ تو بھی ہم جیسا ہی انسان ہے۔ پھر تو اس شرف سے مشرف کیونکر ہو سکتا ہے؟

(٦) یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تهدید کے جواب میں انسوں نے کہا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جا ہم تجھے نہیں مانتے، ہم پر آسمان کا نکلا گرا کرو کھا!

(٧) یعنی تم جو کفر و شرک کر رہے ہو، سب اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس کی جزا تمہیں دے گا، اگر چاہے گا تو دنیا میں

چونکہ انہوں نے اسے جھپٹایا تو انہیں سائبان والے دن
کے عذاب نے پکڑ لیا۔^(۱) وہ بڑے بھاری دن کا عذاب
تھا۔^(۱۸۹)

یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں کے اکثر مسلمان
نہ تھے۔^(۱۹۰)

اور یقیناً تیراپر درگار البستہ وہی ہے غلبے والا مریانی والا۔^(۱۹۱)
اور پیشک و شبه یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا
ہے۔^(۱۹۲)

اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔^(۱۹۳)
آپ کے دل پر اترا ہے^(۱۹۴) کہ آپ آگاہ کر دینے والوں

فَلَذِبُوهُ فَأَخْذَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ الظِّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ
يَوْمَ عَظِيمٍ^(۱۵)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَدَيْهِ مُؤْمَنًا كَانَ الْئَرْهَمُ مُؤْمِنِينَ^(۱۶)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ^(۱۷)
وَإِنَّهُ لَكَنِزِيُّنُ رَبِّ الْعَالَمِينَ^(۱۸)

تَنَزَّلُ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ^(۱۹)

عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ^(۲۰)

بھی دے دے گا، یہ عذاب اور سزا اس کے اختیار میں ہے۔

(۱) انہوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرمادیا اور وہ اس طرح کہ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس سائے تھے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا۔ لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برنسے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرزائی اور ایک سخت چنگھاڑنے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔ یوں تین قسم کا عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادل سایہ ٹکن ہوا، اس لیے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔

○ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر قوم شعیب علیہ السلام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور تینوں جگہ موقع کی مناسبت سے الگ الگ عذاب کا ذکر کیا ہے۔ سورہ اعراف ۸۸ میں زلزلہ کا ذکر ہے، سورہ ہود ۹۲ میں صینحۃ (چیخ) کا اور یہاں شعراء میں آسمان سے ٹکڑے گرانے کا۔ یعنی تین قسم کا عذاب اس قوم پر آیا۔

(۲) کفار مکہ نے قرآن کے وحی الہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الہی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پچ رسول ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے گزشتہ انبیا اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لیے یہ قرآن یقیناً اللہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ یعنی جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے۔

(۳) دل کا بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ حواس بالہ میں دل ہی سب سے زیادہ اور اس کی قوت رکھتا ہے۔

میں سے ہو جائیں۔^(۱) (۱۹۵۳)

صاف عربی زبان میں ہے۔^(۱۹۵۵)

اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے۔^(۲) (۱۹۶۱)

کیا انہیں یہ نشانی کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو تو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں۔^(۳) (۱۹۷۷)

اور اگر ہم اسے کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے۔^(۴) (۱۹۸۸)

پس وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اسے باور کرنے والے نہ ہوتے۔^(۵) (۱۹۹۹)

اسی طرح ہم نے گنگاروں کے دلوں میں اس انکار کو داخل کر دیا ہے۔^(۶) (۲۰۰۰)

وہ جب تک دروناک عذابوں کو ملاحظہ نہ کر لیں ایمان نہ لائیں گے۔^(۷) (۲۰۰۱)

پس وہ عذاب ان کو ناگماں آجائے گا انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو گا۔^(۸) (۲۰۰۲)

بِلِسَانٍ عَرَبِيًّا مُّبِينٌ ④

وَلَئِنْهُ لَهُ زُبُرًا لَا يَلِمُ ⑤

أَوْ لَئِنْهُ لَأَمْ أَيْةً أَنْ يَعْلَمَهُ عَلَمًا بَيْنَ إِرْسَاءِ مِيلٍ ⑥

وَلَوْ تَرَكْنَاهُ عَلَى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ⑦

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ نَاكَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ⑧

كَذَلِكَ سَلَكَنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ⑨

لَا يُؤْمِنُونَ يَهُدِيَ حَثِيَّرُ الْعَدَابِ الْكَلِيمَ ⑩

فَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑪

(۱) یہ نزول قرآن کی علت ہے۔

(۲) یعنی جس طرح پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے ظہور و بعثت کا اور آپ ﷺ کی صفات جملہ کا تذکرہ بچھلی کتابوں میں ہے، اسی طرح اس قرآن کے نزول کی خوشخبری بھی صحف سابقہ میں دی گئی تھی۔ ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ قرآن مجید، بہ اعتبار ان احکام کے، جن پر تمام شریعتوں کا اتفاق رہا ہے، بچھلی کتابوں میں بھی موجود رہا ہے۔

(۳) کیونکہ ان کتابوں میں آپ ﷺ کا اور قرآن کا ذکر موجود ہے۔ یہ کفار مکہ، مددی معاشرات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے فرمایا کہ کیا ان کا یہ جانتا اور بتلانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے پچے رسول اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ پھر یہ یہود کی اس بات کو مانتے ہوئے پیغمبر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

(۴) یعنی کسی عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ کہتے کہ یہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جیسے حرم السجدة۔ ۲۲ میں ہے۔

(۵) یعنی سَلَكَنَاهُ میں ضمیر کا مرجع کفر و مکذب اور بحمد و عناد ہے۔

اس وقت کیسیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مملت دی
جائے گی؟^(۱) (۲۰۳)

پس کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟^(۲) (۲۰۴)
اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر ہم نے انہیں کئی سال بھی فائدہ
اثھانے دیا۔ (۲۰۵)

پھر انہیں وہ عذاب آگاہ جن سے یہ دھمکائے جاتے
تھے۔ (۲۰۶)

تو ہو کچھ بھی یہ برتبے رہے اس میں سے کچھ بھی فائدہ نہ
پہنچا سکے گا۔^(۳) (۲۰۷)

ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر اسی حال میں کہ
اس کے لیے ڈرانے والے تھے۔ (۲۰۸)

نصحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔^(۴) (۲۰۹)
اس قرآن کو شیطان نہیں لائے۔ (۲۱۰)

نہ وہ اس کے قابل ہیں، نہ انہیں اس کی طاقت ہے۔ (۲۱۱)
بلکہ وہ تو نہ سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔^(۵) (۲۱۲)

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿١﴾

أَفَعَدَنَا إِنَّا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢﴾

أَفَرَدَيْتَنَا إِنَّمَا تَعْنَمُ سِنِينَ ﴿٣﴾

لَمْ جَاءَهُمْ تَاكُلُوا يُؤْعَدُونَ ﴿٤﴾

مَا أَغْنَى عَنْهُمْ تَاكُلُوا يُسْتَعْوِنُونَ ﴿٥﴾

وَمَا كَلَّكُنَا مِنْ قُرْبَةٍ إِلَّا هُمْ مُنْذَرُونَ ﴿٦﴾

ذَرْنَى شَوَّمَكُنَا طَلِيلُونَ ﴿٧﴾

وَمَا تَرَكْتُ بِهِ الشَّيْطَيْنُ ﴿٨﴾

وَمَا يَبْنَى لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُونَ ﴿٩﴾

لَا هُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿١٠﴾

(۱) لیکن مشاہدہ عذاب کے بعد مملت نہیں دی جاتی، نہ اس وقت کی توبہ ہی مقبول ہے، ﴿فَلَمْ يَكُنْ يَنْتَهِمُ إِيمَانُهُمْ لَكَارَأُوا بَاسْنَا﴾ (المؤمن: ۸۵)

(۲) یہ اشارہ ہے ان کے مطالبے کی طرف جو اپنے پیغمبر سے کرتے رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو عذاب لے آ۔

(۳) یعنی اگر ہم انہیں مملت دے دیں اور پھر انہیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیں، تو کیا دنیا کا مال و متعہ ان کے کچھ کام آئے گا؟ یعنی انہیں عذاب سے بچا کے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ ﴿وَمَا هُوَ بِمُؤْخِذٍ هُوَ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَذَّبُ﴾ (البقرة: ۹۶) (وَمَا يَقْنَعُنِي عَنْهُ مَا لَكَ إِذَا اسْرَدْتَهُ﴾ (اللیل: ۱۱)

(۴) یعنی ارسال اور انذار کے بغیر اگر ہم کسی بستی کو ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا، ہم نے ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کے تقاضوں کے مطابق ہم نے پسلے ہر بستی میں رسول بھیجی، جنہوں نے اہل قریہ کو عذاب اللہ سے ڈرایا اور اس کے بعد جب انہوں نے پیغمبر کی بات نہیں مانی، تو ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ یہی مضمون بنی اسرائیل-۱۵ اور فصل ۵۹-۵۹ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) ان آیات میں قرآن کی، شیطانی دخل اندازیوں سے، محفوظیت کا بیان ہے۔ ایک تو اس لیے کہ شیاطین کا قرآن لے

پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور معبد کونہ پکار کہ تو بھی سزا
پانے والوں میں سے ہو جائے۔ (۲۱۳)

اپنے قربی رشتہ والوں کو ڈرادے۔ (۲۱۴)

اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آ، جو بھی ایمان لانے والا
ہو کرتی ری تابداری کرے۔ (۲۱۵)

اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو تو اعلان کروئے کہ میں
ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو۔ (۲۱۶)

اپنا پورا بھروسہ غالب مہربان اللہ پر رکھ۔ (۲۱۷)

جو تجھے دیکھتا ہتا ہے جبکہ تو کھڑا ہوتا ہے۔ (۲۱۸)

فَلَمَّا دَعَهُ مَعَ النَّبِيِّ إِلَهًا أَخْرَى فَتَكُونُ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ۝

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝

وَأَخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ النَّؤَمِينَ ۝

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بِرَبِّي رَبِّ الْعَمَلَوْنَ ۝

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْغَيْرِ الرَّاجِحِ ۝

الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ۝

کرنازل ہونا، ان کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد شروعہ اور منکرات کی اشاعت ہے، جب کہ قرآن کا مقصد نیکی کا حکم اور فروغ اور منکرات کا سدباب ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم منافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ شیاطین اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے، تیرے، نزول قرآن کے وقت شیاطین اس کے سنتے سے دور اور محروم رکھے گئے، آسمانوں پر ستاروں کو چوکیدار بناؤ گیا تھا اور جو بھی شیطان اور جاتا یہ ستارے اس پر برق خالطف بن کر گرتے اور جسم کر دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شیاطین سے بچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

(۱) پیغمبر کی دعوت صرف رشتہ داروں کے لیے نہیں، بلکہ پوری قوم کے لیے ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو پوری نسل انسانی کے لیے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔ قربی رشتہ داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں، بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ایک ترجیحی پہلو ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اس حکم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پماڑی پر چڑھ گئے اور یا صبا حادہ کہہ کر آواز دی۔ یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دشمن اچانک حملہ کروئے، اس کے ذریعے سے قوم کو خبردار کیا جاتا ہے۔ یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، بتلاو اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پماڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو کیا تم مانو گے؟ سب نے کہا، یقیناً ہم تصدیق کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نذر یہاں کر بھیجا ہے، میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابوالعب نے کہا تھا لکَ أَمَا دَعَوْنَا إِلَّا لِهَدَا تِيرَے لِيَهْلَكْتَ هُوَ كَيَا تَنْهَى هُمْ إِنْ أَسِي لِيَهْلَكْتَ ہُوَ؟ اس کے جواب میں سورہ تبت نازل ہوئی (صحیح بخاری، تفسیر سورہ المسد) آپ ﷺ نے اپنی میٹی فاطمہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا کو بھی فرمایا، تم اللہ کے ہاں بچاؤ کا بندوبست کرلو، میں وہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا۔ (صحیح مسلم کتاب الإیمان، باب وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِینَ)

اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا
بھی۔^(۱) (۲۱۹)

وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جانے والا ہے۔ (۲۲۰)
کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ (۲۲۱)
وہ ہر ایک جھوٹے گنگار پر اترتے ہیں۔^(۲) (۲۲۲)
(چحتی) ہوئی سنی سنی سنائی پسخا دیتے ہیں اور ان میں سے
اکثر جھوٹے ہیں۔^(۳) (۲۲۳)

شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بکے ہوئے ہوں۔ (۲۲۴)
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیان میں سر
مکراتے پھرتے ہیں۔^(۴) (۲۲۵)
اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔^(۵) (۲۲۶)

وَقَلْبَكَ فِي الشَّجَدَيْنَ^(۶)

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ^(۷)

هُلْ أَتَيْتُكُمْ عَلَىٰ مِنْ تَنْزِيلِ الشَّيْطَيْنِ^(۸)

تَنْزِيلُ عَلَىٰ كُلِّ أَقَاٰكَ أَتَيْتُكُمْ^(۹)

يُنَقُّونَ السَّمَعَ وَأَكْرَهُونَ كُلَّ بُوْنَ^(۱۰)

وَالشَّعْرَاءُ يَتَبَعِّهُمُ الْغَافُونَ^(۱۱)

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهْمُونَ^(۱۲)

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَعْلَمُونَ^(۱۳)

(۱) یعنی جب تو تنا ہوتا ہے، تب بھی اللہ دیکھتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا ہے تب بھی۔

(۲) یعنی اس قرآن کے نزول میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے، کیونکہ شیطان تو جھوٹوں اور گناہ گاروں (یعنی کاہنوں، نجومیوں وغیرہ) پر اترتے ہیں نہ کہ انبیا و صالحین پر۔

(۳) یعنی ایک آدھ بات، جو کسی طرح وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کاہنوں کو آکر بتلا دیتے ہیں، جن کے ساتھ وہ جھوٹی باتیں اور ملا لیتے ہیں (جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔) ملاحظہ ہو (صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قراءة الفاجر والمنافق وبدء الخلق، باب صفة إبليس وجندوه، صحیح مسلم، کتاب السلام باب تحريم الكهانة وإتیان الكهان) يُنَقُّونَ السَّمَعَ۔ شیاطین آسمان سے سنی ہوئی بعض باتیں کاہنوں کو پسخا دیتے ہیں، اس صورت میں سمع کے معنی مسوم کے ہوں گے۔ لیکن اگر اس کا مطلب حاشہ ساعت (کان) ہے، تو مطلب ہو گا کہ شیاطین آسمانوں پر جا کر کان لگا کر چوری چھپے بعض باتیں سن آتے ہیں اور پھر انہیں کاہنوں تک پسخا دیتے ہیں۔

(۴) شاعروں کی اکثریت چونکہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح و ذم میں، اصول و ضابطے کے بجائے، ذاتی پسند و ناپسند کے مطابق اطمینان رائے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور شاعرانہ تجھیلات میں کبھی ادھراو رکھی ہے ادھر بھکلتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان کے یچھے لگنے والے بھی گمراہ ہیں۔ اسی قسم کے اشعار کے لیے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ”پیٹ کولو پیپ سے بھرجانا، جو سے خراب کر دے، شعر سے بھرجانے سے بہتر ہے۔“ (ترمذی، أبواب الآداب و مسلم وغیرہ) یہاں اس کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر کا ہن ہے نہ شاعر۔ اس لیے کہ یہ دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ چنانچہ دوسرے مقامات پر بھی آپ ملائیں کے شاعر ہونے کی نفی کی گئی ہے مثلاً سورۃ یسین ۶۹، سورۃ الحاقة ۳۰، ۳۳۔

سوائے ان کے جو ایمان لائے^(۱) اور نیک عمل کیے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا،^(۲) جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ التے ہیں۔^(۳) (۲۲۷)

سورہ نمل کی ہے اور اس کی ترانوے آئیں اور سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان نمایت رحم والا ہے۔

مس، یہ آئیں ہیں قرآن کی (یعنی واضح) اور روشن کتاب کی۔^(۱)

ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لیے۔^(۲)
جونماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاةَ وَذَكْرُو اللَّهِ كَثِيرًا
وَأَنْصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا
أَقَمَ مُنْقَلَبَ يَنْقَلِبُونَ ۝

شُورَكُ النَّمْلَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

طَسْ سَيِّلَكَ إِلَيْكَ الْقُرْآنَ وَكِتَابَ تُمِينِ ۝

هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝
الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّلَاةَ وَيَنْذُونَ الزَّكُوٰةَ وَ هُمْ بِالْآخِرَةِ

(۱) اس سے ان شاعروں کو مستثنی فرمادیا گیا، جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور اتنا ایسے الفاظ سے فرمایا جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایماندار، عمل صالح پر کاربند اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا شاعر غلط شاعری، جس میں جھوٹ، غلو اور افراط و تفریط ہو، کہہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو مومنانہ صفات سے عاری ہوں۔

(۲) یعنی ایسے مومن شاعر، ان کافر شعراء کا جواب دیتے ہیں، جس میں انہوں نے مسلمانوں کی بھجو (برائی) کی ہو۔ جس طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کافروں کی بھجو یہ شاعری کا جواب دیا کرتے تھے اور خود بنی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرماتے کہ ”ان (کافروں) کی بھجو بیان کرو، جبراً میل علیہ السلام بھی تمہارے ساتھ ہیں۔“ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ، مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی شاعری جائز ہے جس میں کذب و مبالغہ نہ ہو اور جس کے ذریعے سے مشرکین و کفار اور مبتدعین و اہل باطل کو جواب دیا جائے اور ملک حق اور توحید و سنت کا اثبات کیا جائے۔

(۳) یعنی ای مرجع یہ جو گھونٹ کون سی جگہ وہ لوٹتے ہیں؟ اور وہ جنم ہے۔ اس میں ظالموں کے لیے سخت وعدہ ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے ”تم ظلم سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن انہیروں کا باعث ہو گا۔“

(صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظلم)

○ نَمْلٌ چیوئی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں چیوئیوں کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کو سورہ نمل کہا جاتا ہے۔

پر یقین رکھتے ہیں۔^(۱)

جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے انہیں ان کے کروٹ زینت دار کر دکھائے^(۲) ہیں، پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔^(۳)

یہ لوگ ہیں جن کے لیے براعذاب ہے اور آخرت میں بھی وہ سخت نقصان یافتے ہیں۔^(۴)

بیشک آپ کو اللہ حکیم و علیم کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے۔^(۵)

(یاد ہو گا) جبکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے یا تو کوئی خبر لے کریا آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارا لے کر ابھی تمہارے پاس آجائوں گا تاکہ تم سینک تاپ کرلو۔^(۶)

جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ با برکت ہے وہ جو اس آگ

هُمْ يُوقِنُونَ^(۷)

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيْنَتَاهُمْ أَعْمَالُهُمْ

فَهُمْ يَعْمَلُونَ^(۸)

أَوْلَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَدَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

هُمُ الْأَخْسَرُونَ^(۹)

وَإِنَّكَ لَتَلَقَّىٰ الْقُرْآنَ مِنْ كُلِّ دُنْ حَكِيمٍ عَلَيْهِ^(۱۰)

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي أَنْتَ نَارٌ إِنِّي لَتَلَقَّىٰكُمْ فِي نَهَارٍ أَغْرِيَتُهُمْ

بِشَهَابَاتِكُمْ لَكُلُّكُمْ تَصْطَلُونَ^(۱۱)

فَلَمَّا جَاءَهَا لَوْدِيَ أَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا^(۱۲)

(۱) یہ مضمون متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ قرآن کریم ویسے تو پوری نسل انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے لیکن اس سے حقیقت را یاب وہی ہوں گے جو ہدایت کے طالب ہوں گے، جو لوگ اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو حق کے دیکھنے اور شنے سے بند یا اپنے دلوں کو گناہوں کی تاریکیوں سے سمح کر لیں گے، قرآن انہیں کس طرح سیدھی راہ پر لگا سکتا ہے؟ ان کی مثال انہوں کی طرح ہے جو سورج کی روشنی سے فیض یاب نہیں ہو سکتے، دراں حایک سورج کی روشنی پورے عالم کی درختانی کا سبب ہے۔

(۲) یہ گناہوں کا مقابل اور بدله ہے کہ برا بیان ان کو اچھی لگتی ہیں اور آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے۔ اس کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ہر کام اس کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، تاہم اس میں بھی اللہ کا وہی اصول کا فرمایا ہے کہ نیکیوں کے لیے نیکی کا راستہ اور بدلوں کے لیے بدی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا اختیار کرنا، یہ انسان کے اپنے ارادے پر منحصر ہے۔

(۳) یعنی گمراہی کے جس راستے پر وہ چل رہے ہوتے ہیں، اس کی حقیقت سے وہ آشنا نہیں ہوتے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی نہیں پاتے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) مدین سے اپنی الہیہ کو ساتھ لے کر واپس آرہے تھے، رات کو اندر ہیرے میں راستے کا علم نہیں تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔

وَسُبْحَنَ اللَّهُوَرَتُ الْعَلَمِيُّنَ ①

يَمُوسَى إِنَّمَا أَنَّ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ②

وَأَنَّقَ عَصَالَةَ فَلَمَّا رَأَاهَا نَهَرَ كَانَهَا جَانٌ وَلِلْمُدْبِرِ
وَلَمْ يُعُقِّبْ يَمُوسَى لِأَعْفَفْ إِنِّي لِأَيْمَانُ الْدَّائِي
الْمُرْسَلُونَ ③

إِلَامَنْ ظَلَمَ تُعَذَّلْ حُسْنَابَعْدَ سُوءَ قَاتِيْ غَفُورُ رَجِيمُ ④

میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اسکے آس پاس ہے^(۱) اور
پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔^(۲) (۸)
موسیٰ! سن بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں غالب^(۳)
با حکمت۔^(۴)

تو اپنی لاٹھی ڈال دے، موسیٰ نے جب اسے ہلتا جلتا دیکھا
اس طرح کہ گویا وہ ایک سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے
پیچھے پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ!
خوف نہ کھا،^(۵) میرے حضور میں پیغمبرؐ را نہیں کرتے۔^(۶)
لیکن جو لوگ ظلم کریں^(۷) پھر اس کے عوض نیکی کریں اس
برائی کے پیچھے تو میں بھی بخشنے والا مریاں ہوں۔^(۸)

(۱) دور سے جماں آگ کے شعلے لپکتے نظر آئے، وہاں پسپے یعنی کوہ طور پر، تو دیکھا کہ ایک سر بزرگت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، اللہ کا نور تھا، جس کی تجلی آگ کی طرح محسوس ہوتی تھی متن فی النار میں متن سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ اور نار سے مراد اس کا نور ہے اور وَمَنْ حَوْلَهَا (اس کے ارد گرد) سے مراد موسیٰ اور فرشتہ، حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب (پردے) کا نور (روشنی) اور ایک روایت میں نار (آگ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ”اگر اپنی ذات کو بے نقاب کر دے تو اس کا جلال تمام مخلوقات کو جلا کر رکھ دے۔“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْام... تفصیل کے لئے دیکھیں فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۵ ص ۳۵۹ - ۳۶۳)

(۲) یہاں اللہ کی تنزیہ و تقدیس کا مطلب یہ ہے کہ اس ندائے غمی سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس آگ یا درخت میں اللہ حلول کئے ہوئے ہے، جس طرح کہ بت سے مشرک سمجھتے ہیں بلکہ یہ مشاہدہ حق کی ایک صورت ہے جس سے نبوت کے آغاز میں انبیاء علیهم السلام کو بالعلوم سرفراز کیا جاتا ہے۔ کبھی فرشتے کے ذریعے سے اور کبھی خود اللہ تعالیٰ اپنی تجلی اور ہمکلامی سے جیسے یہاں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

(۳) درخت سے ندا کا آنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث تعجب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ! تعجب نہ کر میں ہی اللہ ہوں۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے، ورنہ موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی لاٹھی سے نہ ڈرتے۔ دوسرًا، طبعی خوف پیغمبر کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی بالآخر انسان ہی ہوتے ہیں۔

(۵) یعنی ظالم کو تو خوف ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہ فرمائے۔

(۶) یعنی ظالم کی توبہ بھی قول کر لیتا ہوں۔

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، وہ سفید چمکیلا ہو کر نکلے گا بغیر کسی عیب کے،^(۱) تو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جا،^(۲) یقیناً وہ بد کاروں کا گروہ ہے۔^(۳)

پس جب ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے ہمارے مجزے پہنچ تو وہ کرنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔^(۴) انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔^(۵) پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا نجام کیسا کچھ ہوا۔^(۶)

اور ہم نے یقیناً داؤد اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا اور دونوں نے کہا، تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بست سے ایمان دار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔^(۷)

اور داؤد کے وارث سلیمان ہوئے^(۸) اور کرنے لگے لوگو! ہمیں

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَبِيلَكَ تَخْرُجْ بِيَصَادِهِ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ
فِي تَسْعِ الْيَتَمَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا
قَوْمًا لَفِيْقِيْنَ^(۹)

فَلَمَّا جَاءَنَّهُمْ أَيَّتَنَا مُبَصِّرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرُ مُبِينٍ^(۱۰)
وَجَدُوا بِهَا وَاسْتَيقَنُتْهَا أَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَعُلِّمَ فَإِنْظَرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ^(۱۱)

وَلَقَدْ أَتَيْنَاكَ دَاؤَدَ وَسُلَيْمَانَ عَلَىٰ وَقَالَا حَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
فَضَلَّنَا عَلَىٰ كُلِّيْنِ مِنْ عِبَادِهِ الْوَعْدِيْنَ^(۱۲)

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاؤَدَ وَقَالَ يَا لِيْهَا النَّاسُ عَلِيْمُنَا مِنْ طَقَ

(۱) یعنی بغیر صد غیرہ کی بیماری کے۔ یہ لاثمی کے ساتھ دوسرا مجذہ انہیں دیا گیا۔

(۲) فیں تسع آیات یعنی یہ دو مجزے ان ۹ نشانیوں میں سے ہیں، جن کے ذریعے سے میں نے تیری مدد کی ہے۔ انہیں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا، ان ۹ نشانیوں کی تفصیل کے لیے دیکھئے، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۱ کا حاشیہ۔

(۳) مُبَصِّرَةً، واضح اور روشن یا یہ اسم فاعل مفعول کے معنی میں ہے۔

(۴) یعنی علم کے باوجود جو انہوں نے انکار کیا تو اس کی وجہ ان کا ظلم اور اسکبار تھا۔

(۵) سورت کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے سکھایا جاتا ہے، اس کی دلیل کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مختصر ایمان فرمایا اور اب دوسری دلیل حضرت داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کا یہ قصہ ہے۔ انبیاء علیم السلام کے یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بچے رسول ہیں۔ علم سے مراد نبوت کے علم کے علاوہ وہ علم ہے جن سے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو بطور خاص نوازا گیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو لو ہے کی صنعت کا علم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا تھا۔ ان دونوں باب پیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا، لیکن یہاں صرف علم کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

(۶) اس سے مراد نبوت اور بادشاہت کی وراثت ہے، جس کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام قرار پائے۔ ورنہ

پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے^(۱) اور ہم سب کچھ میں سے دیئے گئے ہیں۔^(۲) بیشک یہ بالکل کھلا ہوا فضل الٰہی ہے۔^(۳)

سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور پرندے میں سے جمع کیے گئے^(۴) (ہر ہر قسم کی) الٰہ الٰہ درجہ بندی کرو گئی۔^(۵) (۶)

جب وہ چیزوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیزوں نے کہا اے چیزوں! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ یخبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں رو نہ ڈالے۔^(۷) (۸)

الظَّاهِرُ وَأُفْتَنَاهُ مُنْهَى شَفَى لِكَنْ هَنَّا إِلَهُ الْفَقْلُ الْبَيْنُ^(۹)

وَجَعْلَ سَلَمَنَ جُنُودًا مِنَ الْبَيْنِ وَالْأَيْمَنِ وَالظَّاهِرِ قَمْبُونَ^(۱۰)

حَتَّىٰ إِذَا آتَوْا عَالِيًّا وَادَ الْثَّمْلُ قَالَتْ سَمَلَةُ يَا يَقِنَّا الْمُلْ أَدْخُلُوا مَنْكِنَكُمْ لَا يَجِدُ طَمَنَكُمْ سَلَمَنَ وَجُنُودَهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ^(۱۱)

حضرت داود علیہ السلام کے اور بھی بیٹے تھے جو اس و راثت سے محروم رہے۔ ویسے بھی انبیا کی و راثت علم میں ہی ہوتی ہے، جو مال و اسباب وہ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (البخاری کتاب الفرائض، مسلم، کتاب الجهاد)

(۱) بولیاں تو تمام جانوروں کی سکھلائی گئی تھیں لیکن پرندوں کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا ہے کہ پرندے سائے کے لیے ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف پرندوں کی بولیاں سکھلائی گئی تھیں اور چیزوں بھی مجمل پرندوں کے ہیں۔ (فتح القدر)

(۲) جس کی ان کو ضرورت تھی، جیسے علم، نبوت، حکمت، مال، جن و انس اور طیور و حیوانات کی تسبیح وغیرہ۔

(۳) اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس انفرادی خصوصیت و فضیلت کا ذکر ہے، جس میں وہ پوری تاریخ انسانیت میں ممتاز ہیں کہ ان کی حکمرانی صرف انسانوں پر ہی نہیں تھی بلکہ جنات، حیوانات اور چرندو پرندے حتیٰ کہ ہوا تک ان کے ماتحت تھی، اس میں کہا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تمام لشکر یعنی جنوں، انسانوں اور پرندوں سب کو جمع کیا گیا۔ یعنی کہیں جانے کے لیے یہ لاو لشکر جمع کیا گیا۔

(۴) یہ ترجمہ (توزيع بمعنی تفہیق) کے اعتبار سے ہے۔ یعنی سب کو الٰہ الٰہ گروہوں میں تقسیم (قسم وار) کر دیا جاتا تھا، مثلاً انسانوں، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کے گروہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی اس کے ”پس وہ روکے جایا کرتے تھے“ یعنی یہ لشکر اتنی بڑی تعداد میں ہوتا تھا کہ راستے میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا کہ شاہی لشکر بد نظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو یہ وزَعَ يَزَعُ سے ہے، جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی مادے میں ہزار سلب کا اضافہ کر کے اوزِ عنین بنایا گیا ہے جو اگلی آیت نمبر ۱۹ میں آرہا ہے یعنی ایسی چیزیں مجھ سے دور فرمادے، جو مجھے تیری نعمتوں پر تیرا لشکر کرنے سے روکتی ہیں۔ اس کو اردو میں ہم المام و توفیق سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ (فتح القدر، ایسرا الفاسیر و ابن کثیر)

(۵) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شور موجود ہے۔ گوہ انسانوں سے بہت کم اور

اس کی اس بات سے حضرت سلیمان مسکرا کر پہن دیئے اور دعا کرنے لگے کہ اے پور و دگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں^(۱) اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔^(۲)^(۳)^(۴)

آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہ کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟^(۵)^(۶)^(۷) یقیناً میں اسے سخت سزادوں گا، یا اسے ذبح کرڈالوں گا، یا میرے سامنے کوئی صرخ دلیل بیان کرے۔^(۸)

کچھ نیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آکر اس نے کہا میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہیں،^(۹) میں

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قُولِهَا وَقَالَ رَبِّ أُوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرُ
نِعْمَتَكَ الَّتِي أَعْمَتَ عَلَى وَعْلَى وَالدَّائِي وَلَنْ أَعْلَمْ صَالِحًا
تَرْضِيهُ وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادَةِ الظَّلِيمِينَ^(۱۰)

وَنَفَقَدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِي لَا أَرَى الْهُدُوْدَ أَمْ كَانَ
مِنَ الْغَافِلِينَ^(۱۱)

لَا عَذَابَتَهُ عَذَابَ اشْرِيدَ الْأَوْلَادِ بَعْدَهُ أَوْلَادَتِيْ
إِلَّا لَظِينَ مُبِينُ^(۱۲)

فَمَنَّكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ أَحْطَثْ بِسَائِلَهُ تُحْظِيْهِ

مختلف ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت و فضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے، اسی لیے چیزوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روندہ دیئے جائیں۔ تیسرا یہ کہ حیوانات بھی اسی عقیدہ، مجھ سے بہرہ و رتھے اور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ جیسا کہ آگے آنے والے ہدہ کے واقعے سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ چوتھا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ یہ علم بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا، جس طرح تنجیر جنات وغیرہ اعجازی شان تھی۔

(۱) چیزوں جیسی حقیر مخلوقوں کی گفتگوں کی سمجھ لینے سے حضرت سلیمان کے دل میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہوا کہ اللہ نے مجھ پر کتنا انعام فرمایا ہے۔

(۲) اس سے معلوم ہوا کہ جنت، مونوں ہی کا گھر ہے، اس میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اسی لیے حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”سید ہے سید ہے اور حق کے قریب رہو اور یہ بات جان لو کہ کوئی شخص بھی صرف اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔ صحابہ رض نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ملکتیں بھی؟ آپ ملکتیں نہ فرمایا ”ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا، جب تک اللہ کی رحمت مجھے اپنے دامن میں نہیں ڈھانک لے گی۔“ (صحیح بخاری، نمبر ۱۳۶۱۔ مسلم، نمبر ۳۲۴)

(۳) یعنی موجود تو ہے، مجھے نظر نہیں آ رہا یا یہاں موجود ہی نہیں ہے۔

(۴) احاطہ کے معنی ہیں کسی چیز کی بابت مکمل علم اور معرفت حاصل کرنا۔

وَجَنِتُكَ مِنْ سَبَأٍ لَّهُمَا يَقِيْنُونَ ۝

إِنِّي وَجَدْتُ اُمَّرَأَةً تَنْهِلُكُهُمْ وَأَوْتَيْتُ مِنْ بَنِي شَتِيْ
وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝

وَجَدْتُ هَلْوَ قَوْمًا يَجْحُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَرَبِّنَاهُمْ
الشَّيْطَنُ أَعْلَمُ فَصَدَّهُمْ عَنِ التَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝

اللَّا يَسْجُدُ إِلَّهُو الَّذِي يُخْرُجُ الْخَبَرَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

سَبَا^(۱) کی ایک بھی خبر تیرے پاس لایا ہوں۔ (۲۲)

میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے^(۲) جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔ (۲۳)

میں نے اسے اور اس کی قوم کو، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا، شیطان نے ان کے کام انہیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت پر نہیں آتے۔ (۲۴)

کہ اسی اللہ کے لیے سجدے کریں جو^(۵) آسمانوں اور

(۱) سَبَاً ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شر کا بھی۔ یہاں شر مراد ہے۔ یہ صنعت (یکن) سے تین دن کے فاطلے پر ہے اور مارب یکن کے نام سے معروف ہے (فتح القدیر)

(۲) یعنی ہدہ کے لیے بھی یہ امر باعث تجب تھا کہ سبائیں ایک عورت حکمران ہے۔ لیکن آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اگر مرد حکمران ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے۔ حالانکہ قرآن نے ایک واقعہ کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں واضح ولاکل موجود ہیں۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ اس کا طول ۸۰ ہاتھ عرض ۳۰ ہاتھ اور اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی اور اس میں موئی، سرخ یا قوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے، واللہ اعلم۔ (فتح القدیر) ویسے یہ قول مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ یکن میں بلقیس کا جو محل ٹوٹی پھوٹی شکل میں موجود ہے اس میں اتنے بڑے تخت کی گنجائش نہیں۔

(۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پرندوں کو یہ شعور ہے کہ غیب کا علم انہیا بھی نہیں جانتے، جیسا کہ ہدہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا کہ میں ایک ایسی اہم خبر لایا ہوں جس سے آپ بھی بے خبر ہیں، اسی طرح وہ اللہ کی وحدانیت کا احساس و شعور بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے یہاں ہدہ نے حرمت و استغاب کے انداز میں کہا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے، سورج کی پیخاری ہے اور شیطان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ جس نے ان کے لیے سورج کی عبادت کو بھلا کر کے دکھلایا ہوا ہے۔

(۵) الَّا يَسْجُدُوا اس کا تعلق بھی زین کے ساتھ ہے۔ یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لیے مزین کر دیا ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔ یا اس میں لا یہتَدُونَ عامل ہے اور لا زائد ہے۔ یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سجدہ صرف اللہ

زمیں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے،^(۱) اور جو کچھ تم

چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے۔^(۲۵)

اس کے سوا کوئی معبد برق نہیں وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔^(۲۶)

سلیمان^(۲) نے کہا، اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے چ کما ہے یا تو جھوٹا ہے۔^(۲۷)

میرے اس خط کو لے جا کر انہیں دے دے پھران کے پاس سے ہٹ آؤ ر دیکھ کر وہ کیا جواب دیتے ہیں۔^(۲۸)

وہ کہنے لگی اے سردارو! میری طرف ایک با وقت خط ڈالا گیا ہے۔^(۲۹)

جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے میریان اللہ کے نام سے شروع ہے۔^(۳۰)

یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ۔^(۳۱)

وَيَعْلَمُ مَا تَخْفُونَ وَمَا تُعْلِمُونَ^(۱)

أَللَّهُ أَكْلَمُ إِلَاهٌ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ^(۲)

قَالَ سَنَنْتُرُ أَصَدَّقَ أَمْرَكُنْتَ مِنَ الْكَنْتِينِ^(۳)

إِذْ هَبَّ بِتَكْثِيرٍ هَذَا فَالْقَهْمَةُ إِلَيْهِمْ مُحَمَّدٌ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجُونَ^(۴)

قَالَتْ يَا إِنَّهَا الْمَلْوَالِيَّ الْقَيْ إِنَّ كِتْبَ كُرُونُ^(۵)

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَنَ وَإِنَّهُ يُسَوِّلُ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّاجِدُ^(۶)

الْأَعْلَوْاعَلَى وَالْأَعْوَنِ مُسْلِمِينَ^(۷)

کو کریں۔ (فتح القدر)

(۱) یعنی آسمان سے بارش بر ساتا اور زمین سے اس کی مخفی چیزیں نباتات، معدنیات اور دیگر زمینی خزانے ظاہر فرماتا اور نکالتا ہے۔ خَبَءٌ مصدر ہے مفعول مَخْبُوءٌ (چھپی ہوئی چیز) کے معنی ہیں۔

(۲) مالک تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا ہے لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا، ایک تو اس لیے کہ عرش الہی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور رب سے برتر ہے۔ دوسرے، یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سبا کا تخت شاہی بھی گوبہت بڑا ہے لیکن اسے اس عرش عظیم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ ہدید نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت و شان کو بیان کیا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے ”چار جانوروں کو قتل مت کرو۔ چیونٹی، شمد کی کمکھی، ہدہ اور صرد یعنی لورا۔“ (مسند احمد ۲۳۲۲۔ ابو داود، کتاب الأدب، باب فی قتل الذر، و ابن ماجہ، کتاب الصید، باب ما ینہی عن قتلہ، صرد (لورا) اس کا سر بڑا، پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے، یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے (حاشیہ ابن کثیر)

(۳) یعنی ایک جانب ہٹ کر چھپ جا اور دیکھ کر وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔

(۴) جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کو خطوط لکھتے تھے، جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت

اس نے کہا اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو۔ میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی۔^(۳۲)

ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھرنے والے ہیں۔^(۴) آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لجھئے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں۔^(۵)

اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھتے ہیں^(۶) تو اے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔^(۷) اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔^(۸)

میں انہیں ایک ہدیہ سمجھنے والی ہوں، پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوئتے ہیں۔^(۹)

پس جب قاصد حضرت سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کیا تم مال سے مجھے مدد نہیں چاہتے ہو؟^(۱۰) مجھے تو میرے

قالَتْ يَا إِيَّاهُ الْمُلُوكُ أَفْتَوْنِي فِي أَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ شَهَدُونَ ^(۱۱)

قَالُوا هُنْ أُولُو الْقُوَّةِ وَأُولُو الْبَأْسِ شَيْءٌ يَرْبِطُهُمْ وَالْأَمْرُ إِلَيْكُمْ فَإِنْظُرْنِي مَذَا أَمْرُونَ ^(۱۲)

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْزَةَ أَهْلَهَا أَذْلَلَةً وَ كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ^(۱۳)

وَإِنِّي مُرْسِلٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنِظِّرُهُ بَعْدَ رَجُوعِ الْمُرْسَلِونَ ^(۱۴)

فَلَمَّا جَاءَهُ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتَيْتُكُمْ وَنِيْسَانَ فَمَا أَنْتُ بِاللهِ

دی گئی تھی۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بھی اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت بذریعہ خط دی۔ آج کل مکتب الیہ کا نام خط میں پہلے لکھا جاتا ہے۔ لیکن سلف کا طریقہ یہی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اختیار کیا کہ پہلے اپنا نام تحریر کیا۔ (۱) یعنی ہمارے پاس قوت اور اسلحہ بھی ہے اور لڑائی کے وقت نہیں پا مردی سے لڑنے والے ہیں بھی ہیں، اس لیے جھکنے اور دبنتے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) اس لیے کہ ہم تو آپ کے تابع ہیں، جو حکم ہو گا، بجالائیں گے۔

(۳) یعنی طاقت کے ذریعے سے فتح کرتے ہوئے۔

(۴) یعنی قتل و غارت گری کر کے اور قیدی بناؤ۔

(۵) بعض مفسرین کے نزدیک یہ اللہ کا قول ہے جو ملکہ سبا کی تائید میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ بلقیس ہی کا کلام اور اس کا تسلیم ہے اور یہی سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

(۶) اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ سلیمان علیہ السلام کوئی دنیا دار بادشاہ ہے یا نبی مرسل، جس کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ اگر ہدیہ قبول نہیں کیا تو یقیناً اس کا مقصد دین کی اشاعت و سرپرلسندی ہے، پھر ہمیں بھی اطاعت کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔

(۷) یعنی تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہوا ہے۔ پھر تم اپنے اس ہدیے سے میرے مال و دولت میں

رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمہیں
دیا ہے پس تم ہی اپنے تھے سے خوش رہو۔^(۱)

جان کی طرف واپس لوٹ جا،^(۲) ہم ان (کے مقابلہ) پر
وہ لشکر لا کیں گے جنکے سامنے پڑنے کی ان میں طاقت
نہیں اور ہم انہیں ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر
کریں گے۔^(۳)

آپ نے فرمایا اے سردارو! تم میں سے کوئی ہے جو انکے
مسلمان ہو کر پیچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا دے۔^(۴)

ایک قوی ہیکل جن کرنے لگا آپ اپنی اس مجلس سے
انھیں اس سے پہلے ہی پہلے میں اسے آپ کے پاس لا
 دیتا^(۵) ہوں، یقین مانئے کہ میں اس پر قادر ہوں اور

خَيْرٌ مِّمَّا أَنْتُمْ بِهِ يَتَكَبَّرُونَ

إِرْجَعْ إِلَيْهِمْ فَلَمَّا تَبَيَّنَهُمْ بِجُنُودِ الْأَقْبَلِ لَهُمْ بِهَا لَنْخِرَجُهُمْ
مِّنْهَا أَذْلَهُهُمْ صَغِيرُونَ

قَالَ يَا أَيُّهُ الَّذِينَ يَأْتُنَّ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّنْ مُّسْلِمِينَ

قَالَ عَزِيزٌ مِّنْ أَنِ الْجِنُّ أَكْثَرُكُمْ يَهُ قَبْلَ أَنْ يَأْتُو مِنْ
مَّقَامِكُمْ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقُوَّىٰ أَمِينٌ

کیا اضافہ کر سکتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔

(۱) یہ بطور توضیح کے کہا کہ تم ہی اس ہدیے پر فخر کرو اور خوش ہو، میں تو اس سے خوش ہونے سے رہا، اس لیے کہ ایک تو دنیا میرا مقصود ہی نہیں ہے۔ دوسرے اللہ نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جو پورے جہان میں کسی کو نہیں دیا۔ تیرے مجھے نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔

(۲) یہاں صینہ وحد سے مخاطب کیا، جب کہ اس سے قبل صینہ جمع سے خطاب کیا تھا۔ کیونکہ خطاب میں کبھی پوری جماعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کبھی امیر کو۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہ ہی نہیں تھے، اللہ کے پیغمبر بھی تھے۔ اس لیے ان کی طرف سے تو لوگوں کو ذلیل و خوار کیا جانا ممکن نہیں تھا، لیکن جنگ و قتال کا تیجہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جنگ نام ہی کشت و خون اور اسیری کا ہے اور ذلت و خواری سے یہی مراد ہے، ورنہ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو خواہ مخواہ ذلیل و خوار نہیں کرتے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور اسوہ حسنة جنگوں کے موقع پر رہا۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جواب سے ملکہ نے اندازہ لگایا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ انسوں نے مطیع و منقاد ہو کر آنے کی تیاری شروع کر دی۔ سلیمان علیہ السلام کو بھی انکی آمد کی اطلاع مل گئی تو آپ نے انہیں مزید اپنی اعجازی شان دکھانے کا پروگرام بنایا اور انکے پیچنے سے قبل ہی اس کا تخت شاہی اپنے پاس منتگوانے کا بندوبست کیا۔

(۵) اس سے وہ مجلس مراد ہے، بومقدمات کی ساعت کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے نصف النہار تک منعقد فرماتے تھے۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً ایک جن ہی تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی قوتیں سے

ہوں بھی امانت دار۔^(۱) (۳۹)

جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ پلک
جھپکائیں اس سے بھی پسلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا
ہوں۔ جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمائے
گئے یہی میرے رب کافل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ
میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری، شکر گزار اپنے ہی نفع
کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا

پورا دگار (بے پروا اور بزرگ) غنی اور کریم ہے۔^(۲) (۴۰)

حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ پھر بدل کر^(۳) دو تاکہ
معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پالیتی ہے یا ان میں سے ہوتی

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا أَنْتَكَ بِهِ قَبْلَ
أَنْ يُرَتَّدَ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَأَهُ مُسْتَقْرًا عِنْدَهُ قَالَ
هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّنِي سَلِيلُونِي مَا أَشْكُرُ أَمَّا الْفُرُّ وَمَنْ
شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِتَقْيِيْهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيْهِ غَرِيْبٌ
كَرِيْخٌ^(۴)

قَالَ نَذِرُوا لَهَا عَرْشَهَا لَنْظُرًا تَهْتَدُوا مَمْكُونُ

نوازا ہے۔ کیونکہ کسی انسان کے لیے چاہے وہ کتنا ہی زور آور ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس سے مارب
یکن (سبا) جائے اور پھر وہاں سے تخت شاہی اٹھالائے۔ اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ ہے دو طرفہ شمار کیا جائے تو تین
ہزار میل بتاتا ہے، ۳،۴ گھنے میں طے کر لے۔ ایک طاقت ور سے طاقت ور انسان بھی اول تو اتنے بڑے تخت کو اٹھا ہی
نہیں سکتا اور اگر وہ مختلف لوگوں یا چیزوں کا سارا لے کر اٹھوا بھی لے تو اتنی قلیل مدت میں اتنا سفر کیوں کر ممکن ہے۔

(۱) یعنی میں اسے اٹھا کر لا بھی سکتا ہوں اور اس کی کسی چیز میں ہیرا پھیری بھی نہیں کروں گا۔

(۲) یہ کون شخص تھا جس نے یہ کہا؟ یہ کتاب کون سی تھی؟ اور یہ علم کیا تھا، جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا؟ اس میں
مفربین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان تینوں کی پوری حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے الفاظ سے جو معلوم
ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ وہ کوئی انسان ہی تھا، جس کے پاس کتاب اللہ کا علم تھا، اللہ تعالیٰ نے کرامت اور اعجاز کے طور پر
اسے یہ قدرت دے دی کہ پلک جھکتے میں وہ تخت لے آیا۔ کرامت اور مجعہہ نام ہی ایسے کاموں کا ہے جو ظاہری اسباب
اور امور عادیہ کے بکسر خلاف ہوں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس لیے نہ شخصی
وقت قابل تجنب ہے اور نہ اس علم کے سراغ لگانے کی ضرورت، جس کا ذکر یہاں ہے۔ کیونکہ یہ تو اس شخص کا تعارف
ہے جس کے ذریعے سے یہ کام ظاہری طور پر انجام پایا، ورنہ حقیقت میں تو یہ مشیت اللہ ہی کی کار فرمائی ہے جو چشم
زدن میں، جو چاہے، کر سکتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، اس لیے جب انہوں نے
دیکھا کہ تخت موجود ہے تو اسے فضل ربی سے تعبیر کیا۔

(۳) یعنی اس کے رنگ روپ یا وضع وہیت میں تبدیلی کر دو۔

مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ⑦

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهْكَنَا عَرْشُكِ فَقَالَتْ كَانَةُ
هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ⑧

ہے جو راہ نہیں پاتے۔^(۱)
پھر جب وہ آگئی تو اس سے کما (دریافت کیا) گیا کہ ایسا ہی
تیرا (بھی) تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی
ہے،^(۲) ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم
مسلمان تھے۔^(۳)^(۴)

اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سو اپرستش
کرتی رہی تھی، یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔^(۵)
اس سے کما گیا کہ محل میں چلی چلو، جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ
یہ حوض ہے اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں،^(۶) فرمایا یہ تو

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ
مِنْ قَوْمٍ كَفِرُّيْنَ ⑨

قِيلَ لَهَا ادْخُلِ الْفَرْحَ فَلَمَّا دَرَأَنَهُ حَسِبَتْهُ لَبَّةَ
وَكَسَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مَمْرَدٌ مِنْ قَوَابِرِهَا

(۱) یعنی وہ اس بات سے آگاہ ہوتی ہے کہ یہ تخت اسی کا ہے یا اس کو سمجھ نہیں پاتی؟ دوسرامطلب ہے کہ وہ راہ ہدایت پاتی ہے یا نہیں؟ یعنی اتنا بڑا مجذہ دیکھ کر بھی اس پر راہ ہدایت واضح ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) روبدل سے چونکہ اس کی وضع و بیعت میں کچھ تبدیلی آگئی تھی، اس لیے اس نے صاف الفاظ میں اس کے اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور روبدل کے باوجود انسان پھر بھی اپنی چیز کو پہچان ہی لیتا ہے، اس لیے اپنے ہونے کی نفی بھی نہیں کی۔ اور یہ کما "یہ گویا وہی ہے" اس میں اقرار ہے نہ نفی۔ بلکہ نمایت محتاط جواب ہے۔

(۳) یعنی یہاں آنے سے قبل ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے۔ لیکن امام ابن کثیر و شوکانی وغیرہ نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی یہ علم دے دیا گیا تھا کہ ملکہ سبات ملک فرمان ہو کر حاضر خدمت ہوگی۔

(۴) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور صَدَّهَا کا فاعل مَا کَانَتْ تَعْبُدُ ہے یعنی اسے اللہ کی عبادت سے جس چیز نے روک رکھا تھا، وہ غیر اللہ کی عبادت تھی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ایک کافر قوم سے تھا، اس لیے توحید کی حقیقت سے بے خبر ہی بعض نے صَدَّهَا کا فاعل اللہ کو اور بعض نے سلیمان علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ نے یا اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ لیکن پس اقول زیادہ صحیح ہے (فتح القدير)۔

(۵) یہ محل شیشے کا بنا ہوا تھا جس کا صحن اور فرش بھی شیشے کا تھا۔ لُبَّةٌ گرے پانی یا حوض کو کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نبوت کے اعجازی مظاہر و کھانے کے بعد مناسب سمجھا کہ اسے اپنی اس دنیوی شان و شوکت کی بھی ایک جھلک دکھلا دی جائے جس میں اللہ نے انسیں تاریخ انسانیت میں ممتاز کیا تھا۔ چنانچہ اس محل میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا، جب وہ داخل ہونے لگی تو اس نے اپنے پانچھے چڑھا لیے۔ شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا جس سے اپنے کپڑوں کو بچانے کے لیے اس نے کپڑے سمیٹ لیے۔

فَالْأَتْ رَبِّي إِلَيْنِي ظُلْمٌ نَفْسِي وَأَسْكَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ بِهِ
رَبِّ الْعَلَمِينَ ①

وَلَقَدْ أَسْلَمَ إِلَيْنِي نَمَوْدَأَخَا هُمْ صَلِحَا إِنْ اعْبُدُو إِلَهَ
فَإِذَا هُمْ فَرِيقُنِي يَغْتَصِمُونَ ②

قَالَ لِقَوْمِ لَهُ سَتَعِجُونَ بِالشَّيْءَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ
لَوْلَا سَتَغْفِرُونَ اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تُرَحَّمُونَ ③

قَالُوا أَطَيْرَنَا لَكَ وَبِمَ مَعَكَ قَالَ طَيْرٌ كُوْكُوْ عِنْدَ اللَّهِ

شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے، کتنے لگی میرے پروردگار!
میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب
العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں۔^(۱)
(۲۴)

یقیناً ہم نے شود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم
سب اللہ کی عبادت کرو پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس
میں لڑنے جھگڑنے لگے۔^(۲)
(۲۵)

آپ نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے
برائی کی جلدی کیوں چوار ہے^(۳) ہو؟ تم اللہ تعالیٰ سے
استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔^(۴)
وہ کتنے لگے ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بد شکونی لے
رہے^(۴) ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بد شکونی اللہ کے ہاں^(۵)

(۱) یعنی جب اس پر فرش کی حقیقت واضح ہوئی تو اپنی کوتاہی اور غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور اعتراف قصور کرتے ہوئے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ صاف چکنے گھرے ہوئے پھر وہ کو مُمَرَّدٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے امرد ہے جو اس خوش شکل بچے کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر ابھی داڑھی مونچھ نہ ہو۔ جس درخت پر پتے نہ ہوں اسے شجرہ مرداء کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) لیکن یہاں یہ تعبیر با جزا کے معنی میں ہے۔ یعنی شیشوں کا بنا ہوا یا جزا ہوا محل۔

ملحوظہ: مکہ سبا (بلقیس) کے مسلمان ہونے کے بعد کیا ہوا؟ قرآن میں یا کسی صحیح حدیث میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ تفسیری روایات میں یہ ضرور ملتا ہے کہ ان کا باہم نکاح ہو گیا تھا۔ لیکن جب قرآن و حدیث اس صراحت سے خاموش ہیں تو اس کی بابت خاموشی ہی بہتر ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(۲) ان سے مراد کافر اور مؤمن ہیں، جھگڑنے کا مطلب ہر فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے۔

(۳) یعنی ایمان قبول کرنے کے بجائے، تم کفر ہی پر کیوں اصرار کر رہے ہو، جو عذاب کا باعث ہے۔ علاوہ ازیں اپنے عناد و سرکشی کی وجہ سے کہتے بھی تھے کہ ہم پر عذاب لے آ۔ جس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے یہ کہا۔

(۴) آٹیئُنَا اصل میں تَطَيِّرَنَا ہے۔ اس کی اصل طیر (اڑنا) ہے۔ عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے اگر وہ داہمیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر باہمیں جانب اڑتا تو اسے بد شکونی سمجھتے اور اس کام یا سفر سے رک جاتے (فتح القدیر) اسلام میں یہ شگونی اور نیک شگونی جائز نہیں ہے البتہ تفاؤل جائز ہے۔

(۵) یعنی اہل ایمان نحوست کا باعث نہیں ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا اصل سب اللہ ہی کے پاس ہے، کیونکہ قضا

ہے، بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو۔^(۱) (۲۷)

اس شر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔^(۲۸)

انسوں نے آپس میں بڑی فتنیں کھا کھا کر عمد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھروالوں پر ہم چھاپے ماریں گے،^(۲۹) اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔^(۳۰)

انسوں نے مکر (خیہ تدبیر) کیا^(۳۱) اور ہم نے بھی^(۳۲) اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔^(۴۰) (۵۰)

(اب) دیکھ لے ان کے مکر کا انجام کیا کچھ ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا۔^(۴۱) (۵۱)

و تقدیر اسی کے اختیارات میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو نجاست (تحط وغیرہ) پہنچی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا سبب تمہارا کفر ہے (فتح القدر)

(۱) یا مگر اسی میں ڈھیل دے کر تمہیں آزمایا جا رہا ہے۔

(۲) یعنی صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھروالوں کو قتل کر دیں گے، یہ فتنیں انسوں نے اس وقت کھائیں، جب او نہیں کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کماکہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا۔ انسوں نے کماکہ عذاب کے آنے سے قبل ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھروالوں کا صفائیا کر دیں۔

(۳) یعنی ہم قتل کے وقت وہاں موجود نہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ کون انہیں قتل کر گیا ہے۔

(۴) ان کا مکری تھا کہ انسوں نے باہم حلف اٹھایا کہ رات کی تاریکی میں اس منصوبے قتل کو بروئے کار لائیں اور تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھروالوں کو ٹھکانے لگا دیں۔

(۵) یعنی ہم نے ان کی اس سازش کا بدلہ دیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ اسے بھی مکرنا مکر سے مشاکلت کے طور پر تعبیر کیا گیا ہے۔

(۶) اللہ کی اس تدبیر (مکر) کو سمجھتے ہی نہ تھے۔

(۷) یعنی ہم نے مذکورہ سرداروں کو ہی نہیں، بلکہ ان کی قوم کو بھی مکمل طور پر ہلاک کر دیا۔ کیونکہ وہ قوم ہلاکت کے اصل

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ لَّفْتَنْتُونَ ⑥

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ سَعْةٌ رَّهْبَةٌ يُقْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ
وَلَا يُصْلِحُونَ ⑦

فَالْأُولُوُنَ قَاتَلُوكُمْ بِاللَّهِ لِنَبْيَتِهِ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنْقُولُنَّ لَوْلَيْهِ
مَا شَهَدُنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّ الصَّادِقُونَ ⑧

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْتَأْمَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑨

فَإِنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرٍ هُمْ أَنَّا دَمَرْنَاهُمْ
وَقَوْمُهُمْ أَجْمَعِينَ ⑩

یہ ہیں ان کے مکانات جوان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں، جو لوگ علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔ (۵۲)

ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے اور پرہیز گار تھے بال بال بچالیا۔ (۵۳)

اور لوٹ کا (ذکر کر) جبکہ ^(۱) اس نے اپنی قوم سے کماکہ کیا باوجود دیکھنے بھالنے کے پھر بھی تمبد کاری کر رہے ہو؟ ^(۲) (۵۴)

یہ کیا بات ہے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو؟ ^(۳) حق یہ ہے کہ تم بڑی ہی نادانی کر رہے ہو۔ (۵۵)

قوم کا جواب بجز اس کرنے کے اور کچھ تھا کہ آل لوٹ کو اپنے شر سے شرید رکردو، یہ تو بڑے پاک بازن رہے ہیں۔ (۵۶)

پس ہم نے اسے اور اس کے اہل کو بجز اس کی یبوی کے سب کو بچالیا، اس کا اندازہ توباتی رہ جانے والوں میں ہم لگائی چکے تھے۔ (۵۷)

فَتَلَكَ بِيُوْنَهُمْ خَلَاوِيَةً بِمَا أَظْلَمُوا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذَّةٌ
لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ④

وَأَبْغِيْنَا الَّذِيْنَ امْتَوْا وَكَانُوا يَتَّفَوْنَ ⑤

وَلَوْطًا إِذْ قَاتَ لِقَوْمَهُ أَتَأْتُونَ الْفَاجِحَةَ
وَأَنْدَمْتُ بُصْرُوْنَ ⑥

إِنَّكُمْ لَمَّا تَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةٌ مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ إِنَّ
أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ⑦

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمَهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرُجُوهُمْ
لَوْطًا مِّنْ قَرْبِكُمْ إِنَّهُمْ أَنْاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ⑧

فَأَنْجِيْنَاهُمْ وَأَهْلَهُمْ إِلَّا امْرَأَةٌ قَدَرْنَاهَا مِنَ الْغَيْرِيْنَ ⑨

سبب کفر و جود میں مکمل طور پر ان کے ساتھ شریک تھی اور گو بال فعل ان کے منصوبہ قتل میں شریک نہ ہو سکی تھی۔ کیونکہ یہ منصوبہ خفیہ تھا۔ لیکن ان کی مشا اور دلی آرزو کے عین مطابق تھا اس لیے وہ بھی گویا اس سکر میں شریک تھی جو افراد نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کے خلاف تیار کیا تھا۔ اس لیے پوری قوم ہی ہلاکت کی مستحق قرار پائی۔

(۱) یعنی لوٹ علیہ السلام کا قصہ یاد کرو، جب لوٹ علیہ السلام نے کہا یہ قوم عموريہ اور سدوم بستیوں میں رہائش پذیر تھی۔

(۲) یعنی یہ جانے کے باوجود کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔ یہ بصارت قلب ہے۔ اور اگر بصارت ظاہری یعنی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہو تو معنی ہوں گے کہ نظروں کے سامنے یہ کام کرتے ہو، یعنی تماری سر کشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ چھپنے کا تکلف بھی نہیں کرتے ہو۔

(۳) یہ تکرار تو نخ کے لیے ہے کہ یہ بے حیائی وہی ا渥اطت ہے جو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے غیر طبعی شہوت رانی کے طور پر کرتے ہو۔

(۴) یا اس کی حرمت سے یا اس معصیت کی سزا سے تم بے خبر ہو۔ ورنہ شاید یہ کام نہ کرتے۔

(۵) یہ بطور طنز اور استہزا کے کہا۔

(۶) یعنی پسلے ہی اس کی بابت یہ اندازہ یعنی تقدیر الٰہی میں تھا کہ وہ انہی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی جو عذاب سے

اور ان پر ایک (خاص قسم کی) بارش بر سادی،^(۱) پس ان دھمکائے ہوئے لوگوں پر برسی بارش ہوئی۔^(۲) (۵۸)

تو کہہ دے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔^(۳) کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنیں یہ لوگ شریک ٹھرا رہے ہیں۔^(۴) (۵۹)

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فَإِنَّمَّا مَطَرُ النَّبَدَرِينَ ۖ

فَلِإِحْمَادِهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ وَالَّذِينَ أُصْطَفَيْتُمْ بِآللَّهِ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ

^(۵۹)

دو چار ہوں گے۔

(۱) ان پر جو عذاب آیا، اس کی تفصیل پسلے گزر چکی ہے کہ ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا اور اس کے بعد ان پر تہ بته سنکر پھروں کی بارش ہوئی۔

(۲) یعنی جنیں پیغمبروں کے ذریعے سے ڈرایا گیا اور ان پر جدت قائم کر دی گئی۔ لیکن وہ تکذیب و انکار سے بازنیں آئے۔ جن کو اللہ نے رسالت اور بندوں کی رہنمائی کے لیے چنا ہوا کہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

(۳) یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اللہ ہی کی عبادت بہتر ہے کیونکہ جب خالق، رازق اور مالک وہی ہے تو عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیوں کرہ سکتا ہے؟ جونہ کسی چیز کا خالق ہے نہ رازق اور مالک۔ خبیر اگرچہ تفضیل کا صیغہ ہے لیکن یہاں تفصیل کے معنی میں نہیں ہے، مطلق بہتر کے معنی میں ہے، اس لیے کہ معبود ان باطلہ میں توسرے سے کوئی خیر ہے ہی نہیں۔

بھلا ہتا تو؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے باروں نق باغات اگا دیئے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے،^(۱) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبد بھی ہے؟^(۲) بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں^(۳)

(سید حی راہ سے) ^(۴)

کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا^(۴) اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنادی^(۵) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبد بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر

امنٌ حَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَا شَاءَ فَلَيَسْتَأْنِبَنَاهُ حَدَّاً إِنَّ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْسِتُوا شَجَرَةٌ مِنَ الْأَرْضِ مَعَ أَنْهَوْبَلْهُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ^(۶)

امنٌ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَابًا وَجَعَلَ خَلْلَهَا أَنْهَرًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَلْجَرًا إِنَّ اللَّهَ مَعَ أَنْتُهُ

(۱) یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل دیئے جا رہے ہیں کہ وہی اللہ پیدا کی، رزق اور مدیر وغیرہ میں متفرد ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا، ان میں درختان کو اکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا۔ اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار کھیتیاں اور انواع و اقسام کے طیور و حیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے باروں نق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھادے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر ہے۔ (مشلا سورۃ العنكبوت۔ ۲۳)

(۲) یعنی ان سب حقیقتوں کے باوجود کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہستی ایسی ہے، جو عبادت کے لائق ہو؟ یا جس نے ان میں سے کسی چیز کو پیدا کیا ہو؟ یعنی کوئی ایسا نہیں جس نے کچھ بنایا ہو یا عبادت کے لائق ہو۔ امن کا ان آیات میں مفہوم یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کو بنانے والی ہے، اس شخص کی طرح ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)

(۳) اس کا دوسرا ترجمہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کا ہمسرا اور نظیر ہمرا تے ہیں۔

(۴) یعنی ساکن اور ثابت نہ ہلتی ہے، نہ ڈولتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو زمین پر رہنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بنانے کا مقصد بھی زمین کو حرکت کرنے سے اور ڈلنے سے روکنا ہی ہے۔

(۵) اس کی تشریح کے لیے دیکھیں سورۃ الفرقان، ۵۳ کا حاشیہ۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

أَتَئُنْ يُعَيِّبُ الْمُضْطَرَ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْسِفُ الشَّوَّةَ
وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ عَرَالَهُ مَعَ اللَّهِ
فَلَيْلًا مَائِذَنَ كَرُونَ ﴿٧﴾

أَمَنْ يَهُدِيكُمْ فِي ظُلْمِكُمْ الْبَرُّ وَالْبَحْرُ وَمَنْ يُرِسِّلُ
الرِّبَّيْهَ بُشَّرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ عَرَالَهُ مَعَ اللَّهِ

تَعْلَمَ اللَّهُ عَنَّا يَعْلَمُكُمْ ﴿٨﴾

أَمَنْ يَبْدِدُوا الْخَلْقَ شَرْبَعِيدُهُ وَمَنْ يَرِزُقُكُمْ مِنْ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ عَرَالَهُ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاوْلَأُ بُرْهَانَكُمْ

پچھے جانتے ہی نہیں۔ (۶)

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟^(۱) اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے،^(۲) کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبدو ہے؟ تم بہت کم فصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔ (۳)

کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے^(۴) اور جو اپنی رحمت سے پسلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوا کیں چلاتا ہے،^(۵) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبد بھی ہے جنہیں یہ شریک کرتے ہیں ان سب سے اللہ بلند وبالاتر ہے۔ (۶)

کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا^(۷) اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے،^(۸) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبدو ہے کہ

(۱) یعنی وہی اللہ ہے جسے شدائے کے وقت پکارا جاتا اور مصیبتوں کے وقت جس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں مُضطَرَّ (لاچار) اس کی طرف رجوع کرتا اور برائی کو وہی دور کرتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو۔ سورۃ الاسراء، ۲۷، سورۃ النمل، ۵۳۔

(۲) یعنی ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے۔ ورنہ اگر وہ سب کو ایک ہی وقت میں وجود بخش دیتا تو زمین بھی تگ و دامانی کا شکوہ کرتی، اکتابِ معیشت میں بھی دشواریاں پیدا ہوتیں اور یہ سب ایک دوسرے کی ناگٰنگ کھینچتے میں ہی مصروف و سرگردان رہتے۔ یعنی یکے بعد دیگرے انسانوں کو پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے کا جانشین بنانا، یہ بھی اس کی کمال مریانی ہے۔

(۳) یعنی انسانوں پر ستاروں کو درخشنائی عطا کرنے والا کون ہے؟ جن سے تم تاریکیوں میں راہ پاتے ہو۔ پہاڑوں اور وادیوں کا پیدا کرنے والا کون ہے جو ایک دوسرے کے لیے سرحدوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راستوں کی نشاندہی کا بھی۔

(۴) یعنی بارش سے پسلے شمنڈی ہوا کیں، جو بارش کی پیامبرتی نہیں ہوتیں، بلکہ ان سے خشک سالی کے مارے ہوئے لوگوں میں خوشی کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے۔

(۵) یعنی قیامت والے دن تمہیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔

(۶) یعنی آسمان سے بارش نازل فرمائے گا، زمین سے اس کے مخفی خزانے (غلہ جات اور میوے) پیدا فرماتا ہے اور یوں

۴۲

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا هُوَ

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبَعَّثُونَ ٤٥

کہ دیکھئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں
سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا،^(۱) انسیں تو یہ
بھی نہیں معلوم کہ کب اخھا کھڑے کیے جائیں
گے؟^(۲)

^(۲) بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم ختم ہو چکا ہے،

بِلْ اذْرَكَ عِلْمُهُ حُرِّيَ الْأَخْرَقَةِ - بِلْ هُمْ فِي شَكٍ

آسمان و زمین کی بركتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

(ا) یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ متفرد ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وہی وہ امام کے ذریعے سے انہیں بتا دیتا ہے اور جو علم کسی کے بتانے سے حاصل ہو، اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔ عالم الغیب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے، ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہ ہو۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لیے صرف وہی عالم الغیب ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ کل کو پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا اس لیے کہ وہ تو فرمارہا ہے کہ ”آسمان و زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے“۔ (صحیح بخاری نمبر ۲۸۵۵، صحیح مسلم نمبر ۲۸۷۴، الترمذی نمبر ۳۰۹۸) حضرت قادہ رض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے تین مقصد کے لیے بنائے ہیں۔ آسمان کی زینت، رہنمائی کا ذریعہ اور شیطان کو سنگار کرنا۔ لیکن اللہ کے احکام سے بے خبر لوگوں نے ان سے غیب کا علم حاصل کرنے (کامات) کا ڈھونگ رچا لیا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں جو فلاں فلاں ستارے کے وقت نکاح کرے گا تو یہ یہ ہو گا فلاں فلاں ستارے کے وقت سفر کرے گا تو ایسا ایسا ہو گا، فلاں فلاں ستارے کے وقت پیدا ہو گا تو ایسا ایسا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکو سلے ہیں۔ ان کے قیاسات کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ستاروں، پرندوں اور جانوروں سے غیب کا علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ جب کہ اللہ کافی صدر تو یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا وقت جاننے سے عاجز ہے۔ یا ان کا علم آخرت کے بارے میں برابر ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے استفسار پر فرمایا تھا کہ ”قیامت کے بارے میں مسؤول عنہا (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی سائل (حضرت جبرائیل علیہ السلام) سے زیادہ علم نہیں رکھتے“ یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہو گیا، اس لیے کہ انہوں نے قیامت کے بارے میں کیے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا گویہ علم اب ان کے لیے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں وہ اسے جھٹلاتے رہے تھے جیسے فرمایا ہے ﴿أَسْعِيهِ يَوْمًا هُوَ أَبْيَضٌ يَوْمًا يَأْتُونَا إِنَّ الظَّالِمُونَ﴾

بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ یہ اس سے
اندھے ہیں۔^(۱) (۲۶)

کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور
ہمارے باپ دادا بھی کیا ہم پھر نکالے جائیں گے۔ (۲۷)
ہم اور ہمارے باپ دادوں کو بہت پسلے سے یہ وعدے
دیے جاتے رہے۔ کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے
افسانے ہیں۔^(۲) (۲۸)

کہہ دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر ذرا دیکھو تو سی کہ
گنگاروں کا کیسا انجمام ہوا؟^(۳) (۲۹)

آپ ان کے بارے میں غم نہ کریں اور ان کے داؤں
گھات سے نگ دل نہ ہوں۔ (۷۰)

کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے اگرچہ ہو تو بتلا دو۔ (۷۱)
جواب دیجئے؟ کہ شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی مجا
ر ہے ہو تم سے بہت ہی قریب ہو گئی ہوں۔^(۴) (۷۲)
یقیناً آپ کا پورا دگار تمام لوگوں پر بڑے ہی فضل والا ہے
لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔^(۵) (۷۳)

مِنْهَا أَبْلُلُ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ⑥

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا أُكْثِرْنَا إِلَيْهِمْ
لَمْ يُخْرَجُونَ ⑦

لَقَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَإِنَّا مِنْ قَبْلِ إِنْ هَذَا
إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ⑧

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ⑨

وَلَا تَخْرُنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مَمْتَأْيِمَكُرُونَ ⑩

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑪

قُلْ عَلَيَّ أَنْ يَكُونَ رَدْفَ لِكُمْ بَعْضُ
الَّذِي تَسْعَجُلُونَ ⑫

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوقَ فَضْلِ عَلَى النَّاسِ وَلِكُنَّ
الْكَثَرُ هُمْ لَا يَشْكُرُونَ ⑬

الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ⑭ (سورہ مریم - ۲۸)

(۱) یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل و بصیرت کی وجہ سے آخرت پر
یقین سے محروم ہیں۔

(۲) یعنی اس میں حقیقت کوئی نہیں، بس ایک دوسرے سے سن کر یہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔

(۳) یہ ان کافروں کے قول کا جواب ہے کہ بچھلی قوموں کو دیکھو کہ کیا ان پر اللہ کا عذاب نہیں آیا؟ جو پیغمبروں کی
صداقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قیامت اور اس کی زندگی کے بارے میں بھی ہمارے رسول جو کہتے ہیں، یقیناً صحیح ہے۔

(۴) اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل اور اسیری کی شکل میں کافروں کو پنچایا یا عذاب قبر ہے رَدْفَ، قرب
کے معنی میں ہے، جیسے سواری کی عقبی نشت پر بیٹھنے والے کو ردیف کہا جاتا ہے۔

(۵) یعنی عذاب میں تاخیر یہ بھی اللہ کے فضل و کرم کا ایک حصہ ہے، لیکن لوگ پھر بھی اس سے اعراض کر کے ناشکری

بیشک آپ کا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپا رہے ہیں اور جنہیں ظاہر کر رہے ہیں۔^(۷۳)

آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو۔^{(۴) (۷۵)}

یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان اکثر چیزوں کا بیان کر رہا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔^{(۳) (۷۶)} اور یہ قرآن ایمان والوں کے لیے یقیناً ہدایت اور رحمت ہے۔^{(۳) (۷۷)}

آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے سب فیصلے کر دے گا،^(۳) وہ بڑا ہی غالب اور دانا ہے۔^(۷۸)

پس آپ یقیناً اللہ ہی پر بھروسہ رکھیے، یقیناً آپ پچے اور کھلے دین پر ہیں۔^{(۵) (۷۹)}

وَإِنَّ رَبَّكَ لِيَعْلَمُ مَا تَكُونُ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلَمُونَ^(۷)

وَمَا مِنْ غَيْبَةٍ فِي السَّمَااءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي
كِتَابٍ مُّبِينٍ^(۷)

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَشَرٍ إِسْرَائِيلَ
أَكْثَرُ الَّذِينَ هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ^(۷)

وَإِنَّهُ لَهُدَىٰ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُوْمِنِينَ^(۷)

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ^(۷)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِيقِ الْمُبِينِ^(۷)

کرتے ہیں۔

(۱) اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ان ہی غائب چیزوں میں اس عذاب کا علم بھی ہے جس کے لیے یہ کفار جلدی چکاتے ہیں۔ لیکن اس کا وقت بھی اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے جسے صرف وہی جانتا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے جو اس نے کسی قوم کی تباہی کے لیے لکھ رکھا ہوتا ہے تو پھر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ یہ مقررہ وقت آنے سے پہلے جلدی کیوں کرتے ہیں؟

(۲) اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنفیص اور توہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو۔ حتیٰ کہ انہیں، اللہ یا اللہ کا بینا قرار دے دیا۔ قرآن کریم نے ان کے حوالے سے ایسی باتیں بیان فرمائیں، جن سے حق واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے عقائدی اختلافات ختم اور ان کا تفرق و انتشار کم ہو سکتا ہے۔

(۳) موننوں کا اختصاص اس لیے کہ وہی قرآن سے فیض یا بہوتے ہیں۔ انہی میں وہ بنی اسرائیل بھی ہیں جو ایمان لے آئے تھے۔

(۴) یعنی قیامت میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر کے حق کو باطل سے ممتاز کر دے گا اور اس کے مطابق جزا اسرا کا اہتمام فرمائے گا یا انہوں نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کی ہیں، دنیا میں ہی ان کا پردہ چاک کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔

(۵) یعنی اپنا معاملہ اسی کے پرد کر دیں اور اسی پر اعتماد کریں، وہی آپ کا مددگار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ آپ دین حق پر

بیشک آپ نہ مردوں کو ساکتے ہیں اور نہ بھروسے کو اپنی پکار ساکتے ہیں،^(۱) جبکہ وہ پیچھے پھیرے روگردال جا رہے ہوں۔^(۲) (۸۰)

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر رہنمائی کر سکتے ہیں^(۳) آپ تو صرف انہیں ساکتے ہیں جو ہماری آئیوں پر ایمان لائے ہیں پھر وہ فرماتے ہو جاتے ہیں۔ (۸۱)

جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا،^(۴) ہم زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باقی کرتا ہوگا^(۵) کہ لوگ ہماری آئیوں پر یقین نہیں

إِنَّكُمْ لَا تُشْعِمُ الْبُوَثِيٌّ وَلَا تُشْعِمُ الصُّنْمَ الْدُّعَامَ إِذَا
وَكُوَّمْدُرِينَ ﴿٦﴾

وَمَا أَنْتَ بِهُوَى الْعُقُبِ عَنْ ضَلَالِهِمْ إِنْ تُشْعِمُ إِلَّا
مَنْ يُؤْمِنُ بِاِيمَانًا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٧﴾

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَائِبَةً مِنَ
الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِاِيمَانِنَا

ہیں، دوسری وجہ آگے آری ہے۔

(۱) یہ ان کافروں کی پرواہ کرنے اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھنے کی دوسری وجہ ہے کہ یہ لوگ مردہ ہیں جو کسی کی بات سن کر فائدہ نہیں اٹھا سکتے یا بھرے ہیں جو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور نہ راہ یا ب ہونے والے ہیں۔ گویا کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی جن میں حس ہوتی ہے نہ عقل اور بھروسے، جو عظوٰ نصیحت سنتے ہیں نہ دعوت الی اللہ قبول کرتے ہیں۔

(۲) یعنی وہ حق سے کمل طور پر گریزاں اور تنفس ہیں کیونکہ بھرہ آدمی رو در رو بھی کوئی بات نہیں سن پاتا چہ جائیکہ اس وقت سن سکے جب وہ منہ موڑ لے اور پیچھے پھیرے ہوئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سماں موتی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے۔ البتہ اس سے صرف وہ صورتیں مستثنی ہوں گی جہاں ساعت کی صراحت کسی نص سے ثابت ہوگی۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ مردے کو جب وفا کرو اپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جو توں کی آہت سنتا ہے (صحیح بخاری نمبر ۲۲۸، صحیح مسلم نمبر ۲۲۰) یا جنگ بدمریں کافر متفقین کو جو قلیب بدمریں پھینک دیئے گئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا، جس پر صحابہ نے کہا ”آپ ملکہ^۶ ہے روح جسموں سے گفتگو فرمائے ہیں۔ آپ ملکہ^۶ نے فرمایا کہ یہ تم سے زیادہ میری بات سن رہے ہیں۔ یعنی میجنزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات مردہ کافروں کو سنوادی (صحیح بخاری نمبر ۲۰۷)

(۳) یعنی جن کو اللہ تعالیٰ حق سے انداز کر دے، آپ ان کی اس طرح رہنمائی نہیں فرمائتے جو انہیں مطلوب یعنی ایمان تک پہنچا دے۔

(۴) یعنی جب بیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا نہیں رہ جائے گا۔

(۵) یہ داہم وہی ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا يُوْقِنُونَ ﴿٦﴾

وَيَوْمَ تَحْشِرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّنْ
يُكَذِّبُ بِإِيمَانِهِمْ يُوَزَّعُونَ ﴿٧﴾

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُنَّا قَالَ الْكَذَّابُمْ بِإِيمَانِهِ وَلَمْ تُجِنْطُوا إِيمَانَهَا
عِلْمًا آتَاهُنَّا إِذَا نَعْلَمْ نَعْلَمُ ﴿٨﴾

وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا أَظْلَمُوا فَهُمْ لَا يُنْظَقُونَ ﴿٩﴾

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الْيَوْمَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهُ أَمْبَرُّا

کرتے تھے۔ ﴿٨٢﴾

اور جس دن ہم ہرامت میں سے ان لوگوں کے گروہ کو جو ہماری آئیوں کو جھلاتے تھے گھیر گھار کر لائیں گے پھر وہ سب کے سب الگ کر دیئے جائیں گے۔ ﴿٨٣﴾

جب سب کے سب آپنچیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے میری آئیوں کو باوجود یہ تمہیں ان کا پورا علم نہ تھا کیوں جھلایا؟ ﴿٨٤﴾ اور یہ بھی بتاؤ کہ تم کیا کچھ کرتے رہے؟ ﴿٨٥﴾

بسب اس کے کہ انہوں نے ظلم کیا تھا ان پر بات جم جائے گی اور وہ کچھ بول نہ سکیں گے۔ ﴿٨٥﴾

کیا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ ہم نے رات کو اس لیے

”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو“ ان میں ایک جانور کا لکنا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن، باب فی الآیات الغی تکون قبل الساعۃ، والسنن) دوسری روایت میں ہے ”سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہو گی، وہ ہے سورج کا مشرق کی بجائے، مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت جانور کا لکنا۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ظاہر ہو گی، دوسری اس کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو جائے گی (صحیح مسلم، باب فی خروج الدجال و مکثہ فی الأرض)

(۱) یہ جانور کے لکنے کی علت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی اس لیے دکھائے گا کہ لوگ اللہ کی نشانیوں یا آئیوں (احکام) پر یقین نہیں رکھتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ وہ جانور اپنی زبان سے ادا کرے گا۔ تاہم اس جانور کے لوگوں سے کلام کرنے میں تو کوئی شک نہیں کیونکہ قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔

(۲) یا قسم قسم کر دیئے جائیں گے۔ یعنی زانیوں کا نولہ، شرایبوں کا نولہ وغیرہ۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کو روکا جائے گا۔ یعنی ان کو ادھر ادھر اور آگے پیچھے ہونے سے روکا جائے گا اور سب کو ترتیب و ارتلا کر جنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۳) یعنی تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل کمحنت کی کوشش ہی نہیں کی اور اس کے بغیر ہی میری آئیوں کو جھلاتے رہے۔ کہ جس کی وجہ سے تمہیں میری باتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

(۴) یعنی ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہو گا کہ جسے وہ پیش کر سکیں۔ یا قیامت کی ہونا کیوں کی وجہ سے بولنے کی قدرت سے ہی محروم ہوں گے اور بعض کے نزدیک یہ اس وقت کی کیفیت کا بیان ہے جب ان کے مونہوں پر مہر لگادی جائے گی۔

بنایا ہے کہ وہ اس میں آرام حاصل کر لیں اور دن کو ہم نے دکھانے والا بنایا ہے،^(۱) یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ (۸۶)

جس دن صور پھونک جائے گا تو سب کے سب آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا نہیں گے^(۲) مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے،^(۳) اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو کراس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ (۸۷)

اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ جسے ہوئے خیال کرتے ہیں لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے،^(۴) یہ ہے صنعت اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے،^(۵) جو کچھ تم کرتے ہو اس سے وہ باخبر ہے۔ (۸۸)

جو لوگ نیک عمل لائیں گے انہیں اس سے بہتر بدله ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيْتَ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَغَرِيزَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ
وَكُلُّ أَنْوَهُ دَخْرِينَ ۝

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَامِدَةً ۚ وَهِيَ تَرْمِمَةٌ
السَّحَابُ صُنْمَ اللَّهِ الَّذِي أَنْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ إِلَيْهِ
خَيْرٌ بِمَا نَفَعَ لَوْنَ ۝

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَهُمْ مِنْ فَزَاعٍ

(۱) تاکہ وہ اس میں کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکیں۔

(۲) صور سے مراد وہی قرن ہے جس میں اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے۔ یہ نفع دویادو سے زیادہ ہوں گے۔ پلے نفع (پھونک) میں ساری دنیا گھبرا کر بے ہوش اور دوسرا نفع میں موت سے ہمکنار ہو جائے گی۔ تیرے نفع میں سب لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک اور چوتھا نفع ہو گا جس سے سب لوگ میدان محشر میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ یہاں کون سا نفع مراد ہے؟ امام ابن کثیر کے نزدیک یہ پہلا نفع اور امام شوکانی کے نزدیک تیسرا نفع ہے جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔

(۳) یہ مستثنی لوگ کون ہوں گے۔ بعض کے نزدیک انبیا و شدما، بعض کے نزدیک فرشتے اور بعض کے نزدیک سب اہل ایمان ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمام مذکورین ہی اس میں شامل ہوں کیونکہ اہل ایمان حقیقی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے (جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔

(۴) یہ قیامت والے دن ہو گا کہ پہاڑ اپنی گھبلوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے۔

(۵) یعنی یہ اللہ کی عظیم قدرت سے ہو گا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح کر دینے پر قادر ہے۔

گے۔^(۱)
(۸۹)

اور جو برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ صرف وہی بدلہ دیئے جاؤ گے جو تم کرتے رہے۔^(۹۰)

مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شر کے پور دگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے،^(۲) جس کی ملکیت ہرچیز ہے اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں ہو جاؤ۔^(۹۱)

اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، جو راہ راست پر آجائے وہ اپنے نفع کے لیے راہ راست پر آئے گا۔ اور جو بہک جائے تو کہہ دیجئے! کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں۔^(۳)
(۹۲)

کہہ دیجئے، کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں^(۴) وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھانے گا جنہیں تم (خود) پہچان لو گے۔^(۵) اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے آپ کا رب

تَوَمِيدُ الْمُؤْمِنَ^(۶)

وَمَنْ جَاءَ بِالْيَقِينَ فَكَبَتْ وَجْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ
يَعْزِزُونَ إِلَّا مَا كَنْتُ عَمَلُونَ^(۷)

إِنَّمَا أَنْزَلْتُ آنَّ أَعْبُدُ رَبَّ هَذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ
كُلُّ شَيْءٍ وَأَنْزَلْتُ آنَّ أَكُونَ مِنَ الشَّالِهِينَ^(۸)

وَأَنْ أَتَلُوُ الْقُرْآنَ مِنْ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ
وَمَنْ صَلَّى قَبْلِ إِنَّمَا آنَاءِنَّا مِنَ الْمُنْذَرِينَ^(۹)

وَقُلِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيِّدِ الْكُلُّمَ إِلَيْهِ مَعْرُوفُونَهَا وَمَا زَانَ

(۱) یعنی حقیقی اور بڑی گہراہٹ سے وہ محفوظ ہوں گے۔ ﴿لَا يَخْزُنُهُمُ الْفَرَغُ الْأَكْبَرُ﴾ (الأنبياء۔ ۱۰۳)

(۲) اس سے مراد کہ شر ہے اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ اسی میں خانہ کعبہ ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ ”حرمت والا“ کا مطلب ہے اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاثنا حتیٰ کہ کانٹا تو زنا بھی منع ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز، مسلم کتاب الحج باب تحريم مکہ وصیدها، والسنن)

(۳) یعنی میرا کام صرف تبلیغ ہے۔ میری دعوت و تبلیغ سے جو مسلمان ہو جائے گا، اس میں اسی کافائدہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے نجی جائے گا، اور جو میری دعوت کو نہیں مانے گا، تو میرا کیا؟ اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے حساب لے لے گا اور اسے جنم کے عذاب کا مزہ چکھائے گا۔

(۴) کہ جو کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک جنت قائم نہیں کرو دیتا۔

(۵) دوسرے مقام پر فرمایا ہے ﴿سَيِّدُنَّاهُمْ الْيَتَّنَافِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لِهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (سورہ حم السجدة۔ ۵۳)

بِغَافِلٍ عَنْ أَعْمَالِهِنَّ ④

غافل نہیں۔^(۱) (۹۳)

سُورَةُ الْقَصَصِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

طَسْمٌ ۝ تِلْكَ آيَتُ الْكِتَابِ الْبُرْدَنِ ⑤

تَنْتَوْاعَلَيْكَ مِنْ يَمِّا مُوسَى وَفَرْعَوْنَ يَا الْحَقِّ
لِقَوْمِ تُؤْمِنُونَ ⑥

إِنَّ فَرْعَوْنَ عَلَيْهِ عَلَاقَةٌ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شَيْئًا
يَسْتَضْعِفُ طَلَبَتَهُ مَنْ هُمْ يُدَيْدِيْخُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَهِنُ

سورہ قصص کی ہے اور اس میں اٹھائی آیتیں اور
نور کوئے ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

طسم۔ (۱) یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ (۲)

ہم آپ کے سامنے موی اور فرعون کا صحیح واقعہ بیان کرتے
ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ (۳)

یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی (۴) اور
وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا (۵) اور ان میں
سے ایک فرقہ کو کمزور کر رکھا تھا (۶) اور ان کے لڑکوں کو
تو زخم کر دالتا تھا (۷) اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔

”ہم نہیں آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ ان پر حق واضح ہو جائے“۔ اگر زندگی میں یہ نشانیاں دیکھ کر
ایمان نہیں لاتے تو موت کے وقت تو ان نشانیوں کو دیکھ کر ضرور پہچان لیتے ہیں۔ لیکن اس وقت کی معرفت کوئی فائدہ
نہیں پہنچاتی، اس لیے کہ اس وقت ایمان مقبول نہیں۔

(۱) بلکہ ہر چیز کو وہ دیکھ رہا ہے۔ اس میں کافروں کے لیے تربیب شدید اور تمدید عظیم ہے۔

(۲) یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وحی اللہ کے بغیر صدیوں قبل کے واقعات بالکل اس
طریقے سے بیان کر دینا جس طرح وہ پیش آئے، ناممکن ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس سے فائدہ اہل ایمان ہی کو ہو گا،
کیونکہ وہی آپ کی باتوں کی تصدیق کریں گے۔

(۳) یعنی ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اپنے کو بڑا معبد و کھلا تھا۔

(۴) جن کے ذمے الگ الگ کام اور ڈیوٹیاں تھیں۔

(۵) اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں، جو اس وقت کی افضل ترین قوم تھی لیکن ابتلاء آزمائش کے طور پر فرعون کی غلام
اور اس کی ستم رانیوں کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔

(۶) جس کی وجہ بعض نجومیوں کی یہ پیش گوئی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچے کے ہاتھوں فرعون کی

بیٹک و شبہ وہ تھا ہی مفسدوں میں سے۔^(۳)

پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا، اور ہم انہیں کو پیشووا اور (زمین) کا وارث بنائیں۔^(۴)^(۵)

اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیار دین^(۶) اور فرعون اور ہامان اور ان کے شکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔^(۷)

ہم نے موی (علیہ السلام) کی ماں کو وحی کی^(۸) کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو

نَسَاءُهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُقْسِدِينَ ④

وَنُرِيدُ أَنْ تَمْنَعَ عَلَى الظَّالِمِينَ اسْتَضْعَفُوا فِي الْأَرْضِ
وَنَجْعَلَهُمُ أَيْمَنَةً وَنَجْعَلُهُمُ الْوَرِثَتِينَ ⑤

وَنَمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيدُ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُودَهُمَا
مِنْهُمَا كَانُوا يَحْدُرُونَ ⑥

وَأَوْحَيْنَا إِلَى أَمْرِ مُوسَى أَنَّ أَرْضَعِيهِ فَإِذَا خَفَتْ عَلَيْنِهِ
فَالْقُبْيَهُ فِي الْبَيْوَ وَلَا تَخَافِ فَلَا تَخَفْ إِنَّا رَازِدُهُ إِلَيْكَ

ہلاکت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہو گا۔ جس کا حل اس نے یہ نکلا کہ ہر پیدا ہونے والا اسرائیلی بچہ قتل کر دیا جائے۔ حالانکہ اس احمد نے یہ نہیں سوچا کہ اگر کہن سچا ہے تو ایسا یقینا ہو کر رہے گا جاہے وہ بچے قتل کرواتا رہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ (فتح القدر) بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ خوشخبری منتقل ہوتی چلی آرہی تھی کہ ان کی نسل سے ایک بچہ ہو گا جس کے ہاتھوں سلطنت مصر کی تباہی ہوگی۔ قبطیوں نے یہ بشارت بنی اسرائیل سے سنی اور فرعون کو اس سے آگاہ کر دیا جس پر اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مروانا شروع کر دیا۔ (ابن کثیر)

(۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کمزور اور غلام قوم کو مشرق و مغرب کا وارث (مالک و حکمران) بنا دیا (الأعراف-۷۳) نیز انہیں دین کا پیشووا اور امام بھی بنایا۔

(۲) یہاں زمین سے مراد ارض شام ہے جہاں وہ کنعانیوں کی زمین کے وارث بنے کیونکہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل مصر واپس نہیں گئے، وَاللهُ أَعْلَمُ۔

(۳) یعنی انہیں جواندیشہ تھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں فرعون کی اور اس کے ملک و شکر کی تباہی ہوگی، ان کے اس اندیشے کو ہم نے حقیقت کر دکھایا۔

(۴) وحی سے مراد یہاں دل میں بات ڈالنا ہے، وہ وحی نہیں ہے، جو انہیا پر فرشتے کے ذریعے سے نازل کی جاتی تھی اور اگر فرشتے کے ذریعے سے بھی آئی ہو، تب بھی اس ایک وحی سے ام موی علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ فرشتے بعض دفعہ عام انسانوں کے پاس بھی آ جاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں اقرع، ابرص اور اعمی کے پاس فرشتوں کا آنا ثابت ہے (متفق علیہ، بخاری، کتاب احادیث الانبیاء)

اسے دریا میں بہارنا اور کوئی ڈر خوف یا رنج غم نہ کرنا،^(۱) ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں^(۲) اور اسے اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں۔^(۷)

آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھایا^(۳) کر آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا،^(۴) کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطاکار۔^(۵)^(۸)

اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو،^(۶) بت ممکن ہے کہ یہ ہمیں

وَجَأَ عَلُوٌّ مِّنَ الْمُرْسَلِينَ ⑥

فَالنَّقْطَةُ الْفُرَّعَوْنَ لَيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًا وَحَزَّنَا إِنَّ فَرْعَوْنَ وَهَامَنَ وَجُنُودُهُمَا كَانُوا خَاطِلِينَ ⑦

وَقَاتَ امْرَأَتُ فَرْعَوْنَ قُرْتُ عَيْنَ لِيْ وَلَكَ ۚ
لَا تَقْتُلُوهُنَّا ۖ حَلَّتِي أَنْ يَنْفَعُنَا أَوْ نَنْخَذُهُ وَلَدًا

(۱) یعنی دریا میں ڈوب جانے یا ضائع ہو جانے سے نہ ڈرنا اور اس کی جدائی کا غم نہ کرنا۔

(۲) یعنی ایسے طریقے سے کہ جس سے اس کی نجات یقینی ہو، کہتے ہیں کہ جب قتل اولاد کا یہ سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بھی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہو جائے اور پھر مشقت والے کام ہمیں نہ کرنے پڑیں۔ اس اندیشے کا ذکر انہوں نے فرعون سے کیا، جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کئے اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس میں بچے قتل نہیں کیے جاتے تھے، جب کہ موئی علیہ السلام قتل والے سال میں پیدا ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سرو سلامان اس طرح پیدا فرمایا کہ ایک تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار اس طرح ظاہر نہیں فرمائے، جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دایوں کی نگاہ میں آجائیں۔ اس لیے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ ہو گیا اور یہ واقعہ حکومت کے منصوبہ بندوں کے علم میں نہیں آیا، لیکن ولادت کے بعد قتل کا اندیشہ موجود تھا، جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی و القا کے ذریعے سے موئی علیہ السلام کی ماں کو سمجھا دیا۔ چنانچہ انہوں نے اسے تابوت میں لٹا کر دریاۓ نیل میں ڈال دیا۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ تابوت بتا بہتا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، جو لب دریا ہی تھا اور وہاں فرعون کے نوکروں چاکروں نے پکڑ کر باہر نکال لیا۔

(۴) یہ لام عاقبت کے لیے ہے۔ یعنی انہوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر۔ لیکن ان جام ان کے اس فعل کا یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن اور رنج و غم کا باعث، ثابت ہوا۔

(۵) یہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ موئی علیہ السلام ان کے لیے دشمن کیوں ثابت ہوئے؟ اس لیے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطاکار تھے، اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے پروردہ کو ہی ان کی ہلاکت کا ذریعہ بنادیا۔

(۶) یہ اس وقت کا ماجب تابوت میں ایک حسین و جیل بچہ انہوں نے دیکھا۔ بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ①

کوئی فائدہ پنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹھاں لیں^(۱) اور یہ لوگ
شوریٰ نہ رکھتے تھے۔^(۲) (۹)

مویٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا،^(۳)
قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم
ان کے دل کو ڈھارس نہ دے دیتے یہ اس لیے کہ وہ
لیقین کرنے والوں میں رہے۔^(۴) (۱۰)

مویٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے اس کی بہن^(۵) سے کہا
کہ تو اس کے پیچے پیچے جا، تو وہ اسے دور ہی دور سے
دیکھتی رہی^(۶) اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا۔ (۱۱)
ان کے پیچے سے پلے ہم نے مویٰ (علیہ السلام) پر
داہیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔^(۷) یہ کہنے لگی کہ کیا میں
تمیس^(۸) ایسا گھر انہا بتاؤں جو اس بچہ کی تمہارے لیے

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أَمْمُولِيٍ فِرْغَانَ كَادَتْ لَتُبْدِيْ يَهْ
لَوْلَانَ تَبَطَّنَاعَلَ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ②

وَقَالَتْ لِأَخْتِهِ قِصْيَةٍ قَبَصَرَتْ يَهْ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ
لَا يَشْعُرُونَ ③

وَحَرَّمَنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِمَ مِنْ قَبْلِ فَقَاتَتْ هَلْ آذَلَكُمْ عَلَى
أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُونَ ④

جب مویٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے تھے تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ (ایسرا
التفاسیر) جمع کا صیغہ یا تو اکیلے فرعون کے لیے بطور تعظیم کے کہا یا ممکن ہے وہاں اس کے کچھ درباری موجود رہے ہوں۔
(۱) کیوں کہ فرعون اولاد سے محروم تھا۔

(۲) کہ یہ بچہ جسے وہ اپنا بچہ بنارہے ہیں، یہ تو ہی بچہ ہے جس کو مارنے کے لیے سینکڑوں بچوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔

(۳) یعنی ان کا دل ہر چیز اور فکر سے فارغ (خلی) ہو گیا اور ایک ہی فکر یعنی مویٰ علیہ السلام کا غم دل میں سما گیا، جس کو
اردو میں بے قراری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۴) یعنی شدت غم سے یہ ظاہر کر دیتیں کہ یہ ان کا بچہ ہے لیکن اللہ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا جس پر انہوں نے
صبر کیا اور لیقین کر لیا کہ اللہ نے اس مویٰ علیہ السلام کو بخیریت واپس لوٹانے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا ہو گا۔

(۵) خواہ مویٰ علیہ السلام کا نام مریم بنت عمران تھا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران تھیں۔
نام اور ولدیت دونوں میں اتحاد تھا۔

(۶) چنانچہ وہ دریا کے کنارے کنارے دیکھتی رہی تھی، حتیٰ کہ اس نے دیکھ لیا کہ اس کا بھائی فرعون کے محل میں چلا گیا ہے۔

(۷) یعنی ہم نے اپنی قدرت اور تکونی حکم کے ذریعے سے مویٰ علیہ السلام کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انہا کا دودھ پینے
سے منع کر دیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی اتنا نہیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

(۸) یہ سب مظراں کی ہمیشہ خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں، بالآخر بول پڑیں کہ میں تمیس "ایسا گھر انہا بتاؤں جو اس

پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس پنجے کے خیرخواہ۔^(۱۲)
 پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا،^(۱)
 تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزروہ خاطر نہ ہو
 اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے^(۲) لیکن
 اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۳) ^(۱۳)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور
 پورے تو انہوں نے اسی حکمت و علم عطا فرمایا،^(۴)

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَعْرَأَ عَلَيْهَا وَلَا كَهْزَنَ وَلَا تَعْلَمَ
 أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلِكُنَّ الْكُفَّارُ لَا يَعْلَمُونَ^۵

وَلَتَابَ لَهُ أَشْدَدَهُ وَاسْتَوَىٰ إِلَيْهِ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ

بچہ کی تمہارے لیے پرورش کرے۔

(۱) چنانچہ انہوں نے ہمیرہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جا اس عورت کو لے آ، چنانچہ وہ دوڑی دوڑی گئی اور اپنی ماں کو،
 جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، ساتھ لے آئی۔

(۲) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا، تو فرعون نے والدہ موسیٰ سے محل میں رہنے کی استدعا
 کی تاکہ بچے کی صحیح پرورش اور نگہداشت ہو سکے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں
 رہ سکتی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لے جائیں اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اس کی
 اجرت انہیں شاہی خزانے سے دی جائے گی، سبحان اللہ! اللہ کی قدرت کے کیا کہنے، دودھ اپنے بچے کو پلاں میں اور تختوہ
 فرعون سے وصول کریں، رب نے موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقے سے پورا فرمایا۔
 ﴿فَبَيْعَنَ الَّذِي يُبَدِّي هُكْلُوتَ مُلْكَنَ شَنِي﴾ ایک مرسل روایت میں ہے۔ ”اس کا ریگر کی مثال“ جو اپنی بنائی ہوئی چیز
 میں ثواب اور خیر کی نیت بھی رکھتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح ہے جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی
 اجرت بھی وصول کرتی ہے۔ (مراہیل اُبی داود)

(۳) یعنی بت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے انجام کی حقیقت سے اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں لیکن اللہ کو اس کے
 حسن انجام کا علم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا (ہو سکتا ہے جس چیز کو تم برا سمجھو، اس میں تمہارے لیے خیر ہو اور جس
 چیز کو تم پسند کرو، اس میں تمہارے لیے شر کا پہلو ہو) (البقرة-۲۲۶) دوسرے مقام پر فرمایا (ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو برا
 سمجھو، اور اللہ اس میں تمہارے لیے خیر کیش پیدا فرمادے) (النساء-۱۹) اس لیے انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی پسند
 و ناپسند سے قطع نظر ہر معاملے میں اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کر لے کہ اسی میں اس کے لیے خیر اور حسن انجام
 ہے۔

(۴) حکم اور علم سے مراد اگر نبوت ہے تو اس مقام تک کس طرح پنجے، اس کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔ بعض
 مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نبوت نہیں بلکہ عقل و دانش اور وہ علوم ہیں جو انہوں نے اپنے آبائی اور خاندانی ماحول
 میں رہ کر سیکھے۔

بَعْزِي الْمُخْسِنِينَ ⑤

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى جِنْ فَقْلَقِينْ أَهْلَهَا فَوَجَدَ فِيهَا
رَجُلَيْنِ يَقْتَلِنْ هَذَا مِنْ شَيْعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ
فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شَيْعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ
فَوَزَرَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْ عَلِ الشَّيْطَنِ
إِنَّهُ عَدُوٌّ وَمُؤْنَسٌ مُّبِينٌ ⑥

یکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدله دیا کرتے ہیں۔^(۱۳)
اور موسیٰ (علیہ السلام) ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ
شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔^(۱۴) یہاں دو شخصوں کو لڑتے
ہوئے پایا، یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ
دوسراء اس کے دشمنوں میں سے،^(۱۵) اس کی قوم والے
نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس
سے فریاد کی، جس پر موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کے مکا
مارا جس سے وہ مر گیا موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے یہ تو
شیطانی کام ہے،^(۱۶) یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر
بہکانے والا ہے۔^(۱۷)

پھر دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر
ظللم کیا، تو مجھے معاف فرمادے،^(۱۸) اللہ تعالیٰ نے اسے بخش
دیا، وہ بخشش اور بہت محبابی کرنے والا ہے۔^(۱۹)

کہنے لگے اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا
میں بھی اب ہرگز کسی گناہ کا مددگار نہ بنوں گا۔^(۲۰)

قَالَ رَبِّيْ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ
هُوَ الْغَفُورُ الرَّاجِعُ ⑦

قَالَ رَبِّيْ إِنِّيْ أَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَلَمْ أَلُونْ ظَهِيرًا
لِلْمُجْرِمِينَ ⑧

(۱) اس سے بعض نے مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت اور بعض نے نصف النہار مراد لیا ہے۔ جب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔

(۲) یعنی فرعون کی قوم قبط میں سے تھا۔

(۳) اسے شیطانی فعل اس لیے قرار دیا کہ قتل ایک نمایت گھین جرم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد اسے ہرگز قتل کرنا نہیں تھا۔

(۴) جس کی انسان سے دشمنی بھی واضح ہے اور انسان کو گراہ کرنے کے لیے وہ جو جو جتن کرتا ہے، وہ بھی مخفی نہیں۔

(۵) یہ اتفاقیہ قتل اگرچہ کبیرہ گناہ نہیں تھا، کیونکہ کباز سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت فرماتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایسا گناہ نظر آتا تھا جس کے لیے بہت بخشش انسوں نے ضروری سمجھی۔ دوسرے، انہیں خطرہ تھا کہ فرعون کو اس کی اطلاع ملی تو اس کے بدالے انہیں قتل نہ کر دے۔

(۶) یعنی جو کافر اور تیرے حکمتوں کا مخالف ہو گا، تو نے مجھ پر جوانعام کیا ہے، اس کے سبب میں اس کا مددگار نہیں ہوں گا۔

صحیح ڈرتے^(۱) اندیشہ کی حالت میں خبریں لینے کو شر میں گئے، کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں تو تو صرخ بے راہ ہے۔^(۲) ^(۱۸)

پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا^(۳) وہ فریادی کہنے لگا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے مجھے بھی مارڈانا چاہتا ہے، تو تو ملک میں ظالم و سرکش ہونا ہی چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ ملاپ کرنے والوں میں سے ہو۔^(۴)

شر کے پر لے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا^(۵) اور کہنے لگا۔ موسیٰ! یہاں کے سردار تیرے

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي أَسْتَعْنَرَهُ
بِالْأَمْسِ يَسْتَعْرِضُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ^(۶)

فَلَمَّا آتَاهُنَّ أَرَادُوهُنَّ يَبْطِشُ بِالَّذِي هُوَ عَدُوُّهُمَا قَالَ
يَمُوسَى أَتَرِيدُ أَنْ تَفْتَلُنِي كَمَا فَتَلْتَنِي أَنْتُمْ
إِنْ شَرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَنَابًا فِي الْأَرْضِ وَمَاءٌ
أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ^(۷)

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ الْمَدِينَةِ يَسْعَى قَالَ يَمُوسَى إِنَّ
الْمَلَكَ يَا تَهْرُونَ يُكَلِّمُكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِلَيَّ لَكَ

بعض نے اس انعام سے مراد اس گناہ کی معافی لی ہے جو غیر ارادی طور پر قبطی کے قتل کی صورت میں ان سے صادر ہوا۔

(۱) خَائِفًا کے معنی ڈرتے ہوئے یَتَرَقَّبُ، ادھرا دھرم جھاٹکتے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں بجلتا۔

(۲) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ڈانٹا کہ تو کل بھی لڑتا ہوا پایا گیا تھا اور آج پھر تو کسی سے دست بے گربان ہے، تو تو صرخ بے راہ یعنی جھگڑا لو ہے۔

(۳) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ قبطی کو پکڑ لیں، کیونکہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا، تاکہ لڑائی زیادہ نہ ہر ہے۔

(۴) فریادی (اسرائیلی) سمجھا کر موسیٰ علیہ السلام شاید اسے پکڑنے لگے ہیں تو وہ بول اٹھا کر اے موسیٰ! اُتُرِینْدُ أَنْ تَقْتَلَنِي جس سے قبھی کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا، اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے، اس نے جا کر فرعون کو بتلا دیا جس پر فرعون نے اس کے بد لے میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کر لیا۔

(۵) یہ آدمی کون تھا؟ بعض کے نزدیک یہ فرعون کی قوم سے تھا جو در پردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا۔ اور ظاہر ہے سرداروں کے مشورے کی خبر ایسی ہی آدمی کے ذریعے آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض کے نزدیک یہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتے دار اور اسرائیلی تھا۔ اور اقصائے شر سے مراد منف ہے جہاں فرعون کا محل اور دار الحکومت تھا اور یہ شر کے آخری کنارے پر تھا۔

مِنَ النَّصِيْحِيْنَ ④

قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، پس تو بہت جلد چلا جائیں گے اپنا
خیر خواہ مان۔ (۲۰)

پس موسیٰ (علیہ السلام) وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے
بھائے نکل کھڑے ہوئے،^(۱) کہنے لگے اے پروردگار!
مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا لے۔^(۲) (۲۱)

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے مجھے امید
ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔^(۳) (۲۲)

مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک
جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے^(۴) اور دو عورتیں الگ
کھڑی اپنے (جانوروں کو) روکتی ہوئی دکھائی دیں، پوچھا
کہ تمہارا کیا حال ہے،^(۵) وہ بولیں کہ جب تک یہ

فَخَرَجَ مِنْهَا خَلِيلًا تَرْقُبٌ قَالَ رَبِّيْتَ تَعْنِيْ
مِنَ الْقَوْمِ الظَّلِيلِينَ ⑤

وَلَمَّا تَأْوَجَهَ تِلْكَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَلَيَّ رَبِّيْ آنِيْ يَهْدِيْنِي
سَوَاءَ السَّبِيلُ ⑥

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهَا أُمَّةً مِنَ النَّاسِ
يَسْقُونَهُ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ أُمَّرَاتِيْنَ تَذَوَّذِيْنَ، قَالَ
مَا حَطَبُكُمْ؟ قَالَتِ الْأَنْثَيْنِيْنِ حَتَّىٰ يُصْبِرَ الْيَعْمَادَ وَأَبْوَابَنَا

(۱) جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے علم میں یہ بات آئی تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ فرعون کی گرفت میں نہ
آسکیں۔

(۲) یعنی فرعون اور اس کے درباریوں سے، جنہوں نے باہم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کا مشورہ کیا تھا۔ کہتے ہیں
کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کیوں کہ مصر چھوڑنے کا یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آیا،
پہلے سے کوئی خیال یا منصوبہ نہیں تھا، چنانچہ اللہ نے گھوڑے پر ایک فرشتہ بھیج دیا، جس نے انہیں راستے کی نشاندہی کی،
وَاللهُ أَعْلَمُ۔ (ابن کثیر)

(۳) چنانچہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ایسے سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی فرمادی جس سے ان کی دنیا
بھی سنور گئی اور آخرت بھی یعنی وہ ہادی بھی بن گئے اور مهدی بھی، خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت کا
راستہ بتلانے والے۔

(۴) یعنی جب مدین پہنچے تو اس کے کنویں پر دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے۔ مدین یہ قبیلے کا
نام تھا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد سے تھا، جب کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی نسل
سے تھے جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پوتے (حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے بیٹے) تھے۔ یوں اہل مدین اور موسیٰ (علیہ
السلام) کے درمیان نبی تعلق بھی تھا (ایسرا الفاسیر) اور یہی حضرت شعیب (علیہ السلام) کا مسکن و مبعث بھی تھا۔

(۵) دو عورتوں کو اپنے جانوروں کے، کھڑے دیکھ کر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے دل میں رحم آیا اور ان سے پوچھا، کیا

چر واہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں^(۱) اور
ہمارے والد بست بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔^(۲) (۲۳)

پس آپ نے خود ان جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی
طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے اے پرو رگار! تو جو کچھ
بھلائی میری طرف آتارے میں اس کا محتاج ہوں۔^(۳) (۲۳)

اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی
طرف شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی،^(۴) کہنے لگی کہ
میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے
(جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں،^(۵) جب

شیخُ کبیر^(۶)

فَسَقَ لِهُمَا لَمْ تَوَلِ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَنْزَلْتَ
إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقَبَرْتُهُ

بِهِ آتَتْهُ إِحْدًا لِهُمَا لَعْنَتُ عَلَى أَسْبَعِهِمَا قَالَتْ إِنَّ رَبِّي يَدْعُونَكَ
لِيَعْزِيزَكَ أَجْرَ مَا سَعَيْتَ لِنَذَلِكَ لَمَّا جَاءَهُ وَقَضَ عَلَيْهِ الْقَصْصَ

بات ہے تم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟

(۱) تاکہ مردوں سے ہمارا اخلاق اٹانہ ہو۔ رُعاءُ رَاعَ (چرداہ) کی جمع ہے۔

(۲) اس لیے وہ خود گھاث پر پانی پلانے کے لیے نہیں آسکتے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنا ماسفر کر کے مصر سے دین پہنچنے تھے، کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا، جب کہ سفر کی تکان اور بھوک سے نہ حال تھے۔ چنانچہ جانوروں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سامنے تلے آکر مصروف دعا ہو گئے۔ خیر کی چیزوں پر بولا جاتا ہے، کھانے پر، امور خیر اور عبادات پر، قوت و طاقت پر اور مال پر (ایسا الفاسیر) یہاں اس کا اطلاق کھانے پر ہوا ہے۔ یعنی میں اس وقت کھانے کا ضرورت مند ہوں۔

(۴) اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور دونوں میں سے ایک لڑکی انہیں بلانے آگئی۔ لڑکی کی شرم و حیا کا قرآن نے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کا اصل زیور ہے۔ اور مردوں کی طرح حیا و حجاب سے بے نیازی اور بے باکی عورت کے لیے شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

(۵) بچیوں کا باپ کون تھا؟ قرآن کریم نے صراحت سے کسی کا نام نہیں لیا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کو لیا ہے جو اہل دین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ امام شوکانی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ نبوت، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے۔ اس لیے یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یا کوئی اور قوم شعیب علیہ السلام کا شخص مراد ہے، واللہ اعلم۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچیوں کے ساتھ جو ہمدردی اور احسان کیا، وہ بچیوں نے جا کر بوڑھے باپ کو بتالیا، جس سے باپ کے دل میں بھی داعیہ پیدا ہوا کہ احسان کا بدل احسان کے ساتھ دیا جائے یا اس کی محنت کی اجرت ہی ادا کر دی جائے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی۔^(۲۵)

ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لجئے، کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔^(۲۶)

اس بزرگ نے کہا میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں^(۳) اس (مرپر) کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاچ کریں۔^(۳) ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے بطور احسان کے ہے میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو

قالَ لِأَنْجَفَ شَجَوَّتْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّلَمِيْنَ ⑥

قَالَتْ إِنَّهُمَا يَا أَبَتْ أَسْتَأْجِرُهُ إِنَّهُ حَيْدَرٌ مِنْ أَسْتَأْجِرَتِ
الْقَوْمِ الْأَمِينِ ⑦

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَنْجَحَكَ إِنْهَى أَنْجَحَتْ هَتَّيْنِ عَلَى آنْ
تَأْجِرَتِيْنِ تَلِيْنِ حَاجَجَهُ فَلَمْ أَتَمَّتْ عَشْرَ أَفَيْنِ عَنْدَكَ
وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَسْتَأْجِرَكَ عَلَيْكَ سَيَّدُنِيْنِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ

(۱) یعنی اپنے مصر کی سرگزشت اور فرعون کے ظلم و ستم کی تفصیل سنائی جس پر انہوں نے کہا کہ یہ علاقہ فرعون کی حدود حکمرانی سے باہر ہے اس لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے ظالموں سے نجات عطا فرمادی ہے۔

(۲) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ باپ نے بچپوں سے پوچھا تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ یہ طاقت و رہبی ہے اور امانت دار بھی۔ جس پر بچپوں نے بتایا کہ جس کنوں سے پانی پلایا، اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ اسے انھانے کے لیے دس آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ اس شخص نے وہ پتھرا کیلئے ہی اٹھایا اور پھر بعد میں رکھ دیا۔ اسی طرح جب میں اس کو بلا کر اپنے ساتھ لارہی تھی، تو چونکہ راستے کا علم مجھے ہی تھا، میں آگے آگے چل رہی تھی اور یہ پیچھے پیچھے۔ لیکن ہوا سے میری چادر اڑ جاتی تھی تو اس شخص نے کہا کہ تو پیچھے چل، میں آگے آگے چلتا ہوں تاکہ میری نگاہ تیرے جسم کے کسی حصے پر نہ پڑے۔ راستے کی نشاندہی کے لیے پیچھے سے پتھر، نکری مار دیا کر، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحَالِ صِحَّتِهِ۔ (ابن کثیر)

(۳) ہمارے ملک میں کسی لڑکی والے کی طرف سے نکاح کی خواہش کا اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شریعت الیہ میں یہ مذموم نہیں ہے۔ صفات محمودہ کا حامل لڑکا اگر مل جائے تو اس سے یا اس کے گھروں سے اپنی لڑکی کے لیے رشتے کی بابت بات چیت کرنا برا نہیں ہے، بلکہ محمود اور پسندیدہ ہے۔ عمر رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی یہی طریقہ تھا۔

(۴) اس سے علمانے اجارے کے جواز پر استدلال کیا ہے یعنی کرانے اور اجرت پر مرد کی خدمات حاصل کرنا جائز ہے۔

مِنَ الصَّابِرِينَ ۝

کسی مشقت میں ڈالوں،^(۱) اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے۔^(۲) (۲۷)

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہو گئی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو،^(۳) ہم یہ جو کچھ کہ رہے ہیں اس پر اللہ (گواہ اور) کار ساز ہے۔^(۴) (۲۸)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدت^(۵) پوری کر لی اور اپنے گھروں کو لے کر چلے^(۶) تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی یوں سے کہنے لگے تھررو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاوں یا آگ کا کوئی انگارہ لاوں تاکہ تم سینک لو۔ (۲۹)

پس جب وہاں پہنچے تو اس بارکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیئے گئے^(۷) ملک

قَالَ ذَلِكَ يَتِيمٌ وَبَيْنَكَ أَيْمَانَ الْجَلَبَيْنِ فَقَبَيْتُ فَلَأَعْدُوَانَ عَلَىٰ تَوَالِهِ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكَيْنُ ۝

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَىٰ الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ أَنَّ مِنْ جَانِبِ الْطُّورِ نَارٌ أَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِلَيَّ أَنْتُ نَارٌ أَعْلَىٰ إِنِّي كُنْتُ مُنْهَىٰ بِخَبَرٍ أَوْجَدْتُ وَقِيَةً مِنَ النَّارِ لَعَلَّمُ تَصْطَلُونَ ۝

فَلَمَّا آتَهُمَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَمْمَنَ فِي الْبَعْدَةِ

(۱) یعنی مزید دو سال کی خدمت میں مشقت اور ایذا محسوس کریں تو آٹھ سال کے بعد جانے کی اجازت ہو گی۔

(۲) نہ جھگڑا کروں گا نہ اذیت پنچاؤں گا، نہ سختی سے کام لوں گا۔

(۳) یعنی آٹھ سال کے بعد یاد سال کے بعد جانا چاہوں تو مجھ سے مزید رہنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

(۴) یہ بعض کے نزدیک شعیب علیہ السلام یا برادر زادہ شعیب علیہ السلام کا قول ہے اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ممکن ہے دونوں ہی کی طرف سے ہو۔ کیونکہ جمع کا صیغہ ہے گویا دونوں نے اس معاملے پر اللہ کو گواہ تھرا ریا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کی لڑکی اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رشتہ ازدواج قائم ہو گیا۔ باقی تفصیلات اللہ نے ذکر نہیں کی ہیں۔ ویسے اسلام میں طرفین کی رضامندی کے ساتھ صحت نکاح کے لیے دو عادل گواہ بھی ضروری ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا نے اس مدت سے دس سالہ مدت مرادی ہے، کیونکہ یہی اکمل اور اطیب (یعنی خرموسی علیہ السلام کے لیے خوشگوار اور مرغوب) تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کرمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خرکی دل خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا (فتح الباری کتاب الشہادات، باب من امر بیان جاز الوعد)

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی یوں کو جماں چاہے لے جاسکتا ہے۔

(۷) یعنی آواز وادی کے کنارے سے آرہی تھی، جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف تھی، یہاں درخت سے

اے موی! یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا
پروردگار۔^(۳۰)

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ اپنی لاٹھی ڈال دے۔ پھر جب
اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھن پھنا رہی ہے تو پیچھے
پھیر کر واپس ہو گئے اور مڑکر رخ بھی نہ کیا، ہم نے کہا
اے موی! آگے آڑ رہت، یقیناً تو ہر طرح امن والا
ہے۔^(۳۱)

اپنے ہاتھ کو اپنے گرباں میں ڈال وہ بغیر کسی قسم کے
روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا بالکل سفید^(۳۲) اور خوف سے
(پچھے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے،^(۳۳) پس یہ
دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں

الْمُبَرَّكَةُ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَمْوُسَى إِلَيْهِ آنَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ^(۳۴)

وَأَنْ أَلْقِ عَصَمَكَ فَلَمَّا رَأَاهَا هَذِهِ كَانَتْ جَانِبَةً وَلِلْ
مُدْبِرِ إِذَا لَمْ يُعَقِّبْ شَيْءًا مَوْسَى أَقْبَلَ وَلَا تَغَفَّلَ
إِنَّكَ مِنَ الْأَمِينِ^(۳۵)

أَسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بِيَضَارَ مِنْ عَيْرِ سُوَّهْ
وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهَبِ فَذَلِكَ بَهَانَنِ مِنْ رَبِّكَ

آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جو دراصل رب کی تجلی کا نور تھا۔

(۱) یعنی اے موی! تجھ سے جو اس وقت مخاطب اور ہم کلام ہے، وہ میں اللہ ہوں رب العالمین۔

(۲) یہ موی علیہ السلام کا وہ معجزہ ہے جو کوہ طور پر نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان کو ملا۔ چونکہ مجذہ خرق عادت معاطلے کو کہا جاتا ہے یعنی جو عام عادات اور اسباب ظاہری کے خلاف ہو۔ ایسا معاملہ چونکہ اللہ کے حکم اور میثمت سے ظاہر ہوتا ہے کسی بھی انسان کے اختیار سے نہیں۔ چاہے وہ جلیل القدر چیخبر اور نبی مقرب ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے جب موی علیہ السلام کے اپنے ہاتھ کی لاٹھی، زمین پر پھینکنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھنکارتی سانپ بن گئی، تو حضرت موی علیہ السلام بھی ڈر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتایا اور تسلی دی تو حضرت موی علیہ السلام کا خوف دور ہوا اور یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لیے بطور دلیل یہ معجزہ انہیں عطا فرمایا ہے۔

(۳) یہ یَدُّ بَنِيَّضَاءُ دُو سِرَا مَجْزَهَ تَحْاجِجَانِيْسِ عَطَا كَيْأَيَا كَمَا مَرَّ۔

(۴) لاٹھی کے اڑدھا بن جانے کی صورت میں جو خوف حضرت موی علیہ السلام کو لاحق ہوتا تھا، اس کا حل بتا ریا گیا کہ اپنا بازو اپنی طرف مالیا کر یعنی بغل میں دبایا کر، جس سے خوف جاتا رہا کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عام ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی خوف محسوس ہو تو اس طرح کرنے سے خوف دور ہو جائے گا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موی علیہ السلام کی اقتدا میں جو شخص بھی گھبراہٹ کے موقع پر اپنے دل پر ہاتھ رکھے گا، تو اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

فرعون اور اس کی جماعت کی طرف، یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں۔^(۱)

مویٰ (علیہ السلام) نے کما پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر دیں۔^(۲)

اور میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) مجھ سے بہت زیادہ فصح زبان والا ہے تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج^(۳) کہ وہ مجھے سچا مانے، مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے۔^(۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے^(۵) اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے،^(۶) بسب ہماری نشانیوں کے، تم دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے

إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَكَيْهِ إِنَّمَا كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ③

قَالَ رَبِّيْ إِنِّي مُتَّلِّدٌ مِّنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِي ④

وَآخِي هَرُونُ هُوَ أَفْصَمُ مِنِّي لِسَانًا فَارْسِلْهُ مَعِيْ رَدْأَ
يُصَدِّقُ فِيْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِي ⑤

قَالَ سَنَشِدُ عَصْدَكَ يَا حَسْنَكَ وَجَعَلْ لَكُمَا
سُلْطَنًا فَلَا يَصِلُّونَ إِلَيْكُمَا يَا يَتَّبِعُنَا أَنْتُمَا وَمَنْ

(۱) یعنی فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے یہ دونوں مجزے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرو۔ یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے نکل پکھے ہیں اور اللہ کے دین کے مخالف ہیں۔

(۲) یہ وہ خطرہ تھا جو واقعی حضرت مویٰ (علیہ السلام) کی جان کو لاحق تھا، کیونکہ ان کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا۔

(۳) اسرائیلی روایات کی رو سے حضرت مویٰ (علیہ السلام) کی زبان میں لکنت تھی، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت مویٰ (علیہ السلام) کے سامنے آگ کا انگارہ اور سکھوڑیا موتی رکھے گئے تو آپ نے انگارہ انھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس سے آپ کی زبان جل گئی۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ تاہم قرآن کریم کی اس نص سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت مویٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں حضرت ہارون (علیہ السلام) فصح اللسان تھے اور حضرت مویٰ (علیہ السلام) کی زبان میں گرہ تھی۔ جس کے کھولنے کی دعا انہوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی۔ ردِاء کے معنی ہیں میعنی، مددگار، تقویت پہنچانے والا۔ یعنی ہارون (علیہ السلام) اپنی فصاحت لسانی سے مجھے مددگار تقویت پہنچائیں گے۔

(۴) یعنی حضرت مویٰ (علیہ السلام) کی دعا قبول کر لی گئی اور ان کی سفارش پر حضرت ہارون (علیہ السلام) کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا کر ان کا ساتھی اور مددگار بنادیا گیا۔

(۵) یعنی ہم تمہاری حفاظت فرمائیں گے، فرعون اور اس کے حوالی موالی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اتَّبَعْكُمَا الْغَلِبُونَ ۝

فَلَمَّا جَاءَهُ مُوسَىٰ بِالْيَتِنَاءِ يَسْأَلُهُ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ
مُفْتَرٌ وَمَا سَمِعْنَا بِهِ مَذَاقَ أَبْيَانَ الْأَوَّلِينَ ۝

وَالْهُنَّ هُنَّ غَالِبُ رِبِّيهِ ۝ (۳۵)

پس جب ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے دیے ہوئے کھلے مجھے لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو صرف گھڑا گھڑا یا جادو ہے ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانہ میں کبھی یہ نہیں سنائے ۴- (۳۶)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے میرا رب تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو اس کے پاس کی ہدایت لے کر آتا ہے ۵- اور جس کے لیے آخرت کا (اچھا) انعام ہوتا ہے۔ ۶- یقیناً بے انصافوں کا بھلانہ ہو گا۔ ۷- (۳۷)

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّيَّ أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَهُ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ
وَمَنْ يَتَّقُّنْ لَهُ عَذَابَهُ اللَّهُ أَرْبَاطَهُ لَدُقْلَهُ الظَّالِمُونَ ۝

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا مثلاً، المادة-۲۷، الأحزاب-۳۹، المجادلة-۲۱، المؤمن-۵۲، ۵۳-۵۴-

(۲) یعنی یہ دعوت کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ اس کے لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ ہمارے لیے بالکل نہیں ہے۔ یہ ہم نے سنبھالنے نہ ہمارے باپ دادا اس توحید سے واقف تھے۔ مشرکین مکنے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کہا تھا ﴿أَتَجْعَلُ اللَّهَ كَفِيلًا وَإِنَّهُ إِنْ شَاءَ فَهَذَا لَشَفَاعَةٌ مُجْمَعَةٌ﴾ (ص-۵) ”اس نے تمام معبودوں کو (ختم کر کے) ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔“

(۳) یعنی مجھ سے اور تم سے زیادہ ہدایت کا جانے والا اللہ ہے، اس لیے جو بات اللہ کی طرف سے آئے گی، وہ صحیح ہو گی یا تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کی؟

(۴) اچھے انعام سے مراد آخرت میں اللہ کی رضامندی اور اس کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جانا ہے اور یہ استحقاق صرف اہل توحید کے حصے میں آئے گا۔

(۵) ظالم سے مراد مشرک اور کافر ہیں۔ کیونکہ ظلم کے معنی ہیں وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحْلِهِ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔ مشرک بھی چونکہ الوہیت کے مقام پر ایسے لوگوں کو بٹھا دیتے ہیں جو اس کے مستحق نہیں ہوتے۔ اسی طرح کافر بھی رب کے اصل مقام سے نا آشنا ہی رہتے ہیں۔ اس لیے یہ لوگ سب سے بڑے ظالم ہیں اور یہ کامیابی سے یعنی آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہیں گے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ دنیا میں خوش حالی اور مال و اسباب کی فراوانی حقیقی کامیابی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عارضی کامیابی اہل کفر و شرک کو بھی دنیا میں مل جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کامیابی کی نفع فرمارہا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے نہ کہ دنیا کی چند روزہ عارضی خوش حالی و فراوانی۔

فرعون کہنے لگاے ورباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہمان! تو میرے لے مٹی کو آگ سے پکوا^(۱) پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کر تو میں موئی کے معبود کو جھانک لوں^(۲) اسے میں تو جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں۔^(۳) (۳۸)

اس نے اور اس کے شکروں نے ناحق طریقے پر ملک میں تکبر کیا^(۴) اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے۔ (۳۹)

بالآخر ہم نے اسے اور اس کے شکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا،^(۵) اب دیکھ لے کہ ان گنگروں کا انجمام کیسا کچھ ہوا؟!۔ (۴۰)

اور ہم نے انہیں ایسے امام بنا دیئے کہ لوگوں کو جنم کی طرف بلا جائیں^(۶) اور روز قیامت مطلق مدد نہ کیے جائیں۔ (۴۱)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَائِكَةُ أَعْلَمُ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِنَّمَا تَعْلَمُ بِالْوَغْرِيْبِ
فَأَوْقَدْتِ لِي يَهَامِنْ عَلَى الطَّيْلِنْ فَاجْعَلْنِي صَرْحًا
تَعْلَمَ أَطْلَعْ إِلَى الْمُؤْسَى وَإِلَى الْأَنْثَةِ
مِنَ الْكَذَّابِينَ ﴿۷﴾

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْعِقْدِ وَظَلَّمُوا
آهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿۸﴾

فَأَخَذْنَاهُ وَجَنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَقْظَةِ فَانْظُرْ كِيفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۹﴾

وَجَعَلْنَاهُمْ أَيْمَنَةً يَدْعُونَ إِلَى الشَّارِقَةِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ
لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۰﴾

(۱) یعنی مٹی کو آگ میں پتا کر اینٹیں تیار کر۔ ہمان، فرعون کا وزیر، مشیر اور اس کے معاملات کا انتظام کرنے والا تھا۔

(۲) یعنی ایک اوپھا اور مضبوط محل تیار کر، جس پر چڑھ کر میں آسمان پر یہ دیکھ سکوں کہ وہاں میرے سوا کوئی اور رب ہے؟

(۳) یعنی موئی (علیہ السلام) جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمانوں پر رب ہے جو ساری کائنات کا پانہ سار ہے، میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

(۴) زمین سے مراد ارض مصر ہے جہاں فرعون حکمران تھا اور اشکبار کا مطلب، بغیر اتحقاق کے اپنے کو بڑا سمجھتا ہے۔ یعنی ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں تھی جو موئی علیہ السلام کے دلائل و معجزات کا رد کر سکتی لیکن اشکبار بلکہ عدو ان کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے ہٹ دھری اور انکار کا راستہ اختیار کیا۔

(۵) یعنی جب ان کا کفر و طغیان حد سے بڑھ گیا اور کسی طرح بھی وہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے تو بالآخر ایک صحیح ہم نے انہیں دریا میں غرق کر دیا (جس کی تفصیل سورہ شراء میں گزر چکی ہے)

(۶) یعنی جو بھی ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی توحید یا اس کے وجود کے منکر ہوں گے، تو ان کا امام و پیشوایی فرعونی سمجھے جائیں گے جو جنم کے داعی ہیں۔

اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لمحت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بحال لوگوں میں سے ہوں گے۔^(۱) (۳۲)

اور ان اگلے زمانہ والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایسی کتاب عنایت فرمائی^(۲) جو لوگوں کے لیے دلیل اور ہدایت و رحمت ہو کر آئی تھی^(۳) تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔^(۴) (۳۳)

اور طور کے مغربی جانب جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم احکام کی وجی پہنچائی تھی، نہ تو تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا۔^(۵) (۳۴)

لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں^(۶) جن پر لمبی مدتیں

وَاتَّبَعُهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةٌ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَغْبُوْجِينَ ③

وَلَقَدْ أَتَيْنَا لِمُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَى بَصَارِرَ لِلثَّالِثِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِلْعَاصِمِيَّةِ يَتَذَكَّرُونَ ④

وَمَا كُنَّا إِنَّا جَاءَنَا بِالْغَرْبِ إِذْ قَصَيْنَا إِلَى مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنَّا مِنَ الظَّاهِرِيَّنَ ⑤

وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَطَالُوا عَلَيْنَاهُمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنَّا نَالُوا يَا

(۱) یعنی دنیا میں بھی زلت و رسولی ان کا مقدر بنی اور آخرت میں بھی وہ بحال ہوں گے۔ یعنی چرے سیاہ اور آنکھیں نیلگیں۔ جیسا کہ جہنمیوں کے تذکرے میں آتا ہے۔

(۲) یعنی فرعون اور اس کی قوم یا قوم نوح و عاد و ثمود و غیرہ کی ہلاکت کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (تورات) دی۔

(۳) جس سے وہ حق کو پہچان لیں اور اسے اختیار کریں اور اللہ کی رحمت کے متحقق قرار پائیں۔

(۴) یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکردا کریں اور اللہ پر ایمان لا کیں اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت کریں جو انہیں خیر و رشد اور فلاح حقیقی کی طرف بلاستے ہیں۔

(۵) یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا اور اسے وجی و رسالت سے نوازا، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو نہ وہاں موجود تھا اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں سے تھا۔ بلکہ یہ غیب کی وجہ پا تیں ہیں جو ہم وجی کے ذریعے سے تجھے بتلارہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ تو اللہ کا سچا پیغمبر ہے۔ کیونکہ نہ تو نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں نہ خود ہی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ آل عمران۔ ۳۲، سورہ ہود۔ ۱۰۰، سورہ یوسف۔ ۱۰۲، سورہ طہ۔ ۹۹، وَغَيْرِهَا مِنَ الْآيَاتِ۔

(۶) قُرُونُ، قَزْنُ کی جمع ہے، زمانہ۔ لیکن یہاں امتوں کے معنی میں ہے یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان جزو زمانہ ہے اس میں ہم نے کئی امتوں پیدا کیں۔

گزر گئیں،^(۱) اور نہ تمدین کے رہنے والوں میں سے تھا کہ ان کے سامنے ہماری آئیوں کی تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے سمجھنے والے رہے۔^(۲) (۲۵)

اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی^(۳) بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے،^(۴) اس لیے کہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا،^(۵) کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔ (۲۶)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انہیں ان کے اپنے ہاتھوں آگ بھیجئے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب! تو نہ ہماری طرف کوئی

فِيَ أَهْلِ مَدْنَىٰ تَتَلُّوْ عَلَيْهِمْ لَيْتَنَا وَلِكَنَّا كُنَّا
مُرْسِلِينَ ^(۶)

وَمَا كُنَّا إِبْحَانِ الظُّورِ إِذْ نَادَنَا وَلِكَنْ رَحْمَةً مِنْ
رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا أَتَهُمْ مِنْ ذَنِيْرٍ قِنْ قَبْلِكَ
لَعَذَّهُمُو يَتَذَكَّرُونَ ^(۷)

وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ يَمْأَدُونَهُمْ
فَيَقُولُوْنَا إِنَّا لَأَسْلَمْتَ إِلَيْنَا سُؤْلًا فَتَبَيَّنَ لَيْتَكَ

(۱) یعنی مرور ایام سے شرائع و احکام بھی متغیر ہو گئے اور لوگ بھی دین کو بھول گئے، جس کی وجہ سے انسوں نے اللہ کے حکموں کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عمد کو فراموش کر دیا اور یوں اس کی ضرورت پیدا ہو گئی کہ ایک نئے نبی کو مبعوث کیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ طول زمان کی وجہ سے عرب کے لوگ نبوت و رسالت کو بالکل ہی بھلا میٹھے، اس لیے آپ کی نبوت پر انہیں تعجب ہو رہا ہے اور اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

(۲) جس سے آپ خود اس واقعے کی تفصیلات سے آگاہ ہو جاتے۔

(۳) اور اسی اصول سے ہم نے آپ کو رسول بنان کر سمجھا ہے اور پچھلے حالات و واقعات سے آپ کو باخبر کر رہے ہیں۔

(۴) یعنی اگر آپ رسول برحق نہ ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کا علم بھی آپ کو نہ ہوتا۔

(۵) یعنی آپ کا یہ علم، مشاہدہ و روایت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نبی بنایا اور وحی سے نوازا۔

(۶) اس سے مراد، اہل مکہ اور عرب ہیں جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ خاندان ابراہیمی ہی میں رہا اور ان کی بعثت نبی اسرائیل کی طرف ہی ہوتی رہی۔ نبی اسماعیل یعنی عربوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبی تھے اور سلسلہ نبوت کے خاتم تھے۔ ان کی طرف نبی سمجھنے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی گئی ہو گی کہ دوسرے انبیا کی دعوت اور ان کا پیغام ان کو پہنچا رہا ہو گا۔ کیونکہ اس کے بغیر ان کے لیے کفر و شرک پر جنے رہنے کا عذر موجود رہے گا اور یہ عذر اللہ نے کسی کے لیے باقی نہیں چھوڑا ہے۔

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ④

رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آئتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔^(۱) (۲۷)

پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپنچا تو کہتے ہیں کہ یہ وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے دیئے گئے تھے موئی (علیہ السلام)^(۲) اچھا تو کیا موسیٰ (علیہ السلام) کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا،^(۳) صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مدگار ہیں اور ہم تو ان سب کے منکر ہیں۔^(۴) (۳۸)

کہہ دے کہ اگرچہ ہوتے تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو میں اسی کی پیروی کروں گا۔^(۵) (۳۹)

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحُقُوقُ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوذِنَّ
مِثْلَ مَا أُوذِنَّ مُؤْمِنِي أَوْ لَمْ يَكُنْهُ إِيمَانًا أُوذِنَّ مُؤْمِنِي
مِنْ قَبْلٍ قَالُوا سِخْنِنَ تَظَاهَرَ إِسْرَاقَ الْوَعْدِ
إِذَا يُكْلِلُ كُفَّارُونَ ⑥

قُلْ فَأُنْشِأْتِكُلِّيْبَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدِي مِنْهُمَا أَكْبَعَهُ
إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِيْنَ ⑦

(۱) یعنی ان کے اسی عذر کو ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گزشتہ انبیا کی تعلیمات مسخر اور ان کی دعوت فراموش ہو چکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نئے نبی کی ضرورت کے مقابلہ نہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن و حدیث) کو مسخر ہونے اور تغیر و تحريف سے محفوظ رکھا ہے اور ایسا تکوینی انتظام فرمادیا ہے جس سے آپ کی دعوت دنیا کے کوئے کوئے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ اور جو شخص اس "ضرورت" کا دعویٰ کر کے نبوت کا ڈھونگ رچاتا ہے، وہ جھوٹا اور دجال ہے۔

(۲) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سے مجذرات، جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا اور باتھ کا چمکنا وغیرہ۔

(۳) یعنی مطلوبہ مجذرات، اگر دکھا بھی دیئے جائیں تو کیا فائدہ؟ جنہیں ایمان نہیں لانا ہے، وہ ہر طرح کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ مجذرات دیکھ کر فرعونی مسلمان ہو گئے تھے، انہوں نے کفر نہیں کیا؟ یا یکنفُرُوا کی ضمیر قریش کہ کی طرف ہے یعنی کیا انہوں نے نبوت محمدی سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر نہیں کیا؟

(۴) پہلے مفہوم کے اعتبار سے دونوں سے مراد حضرت موسیٰ وہارون ملیما السلام ہوں گے اور سِخْنِ ان بمعنی ساحِرانِ ہو گا۔ اور دوسرے مفہوم میں اس سے قرآن اور تورات مراد ہوں گے یعنی دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مدگار ہیں اور ہم سب کے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہیں۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ قرآن مجید اور تورات دونوں جادو ہیں، تو تم کوئی اور کتاب الہی پیش کر دو، جو

پھر اگر یہ تیری نہ مانیں^(۱) تو یقین کر لے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی رہنمائی کے، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۲) (۵۰)

اور ہم برابر پے در پے لوگوں کے لیے اپنا کلام صحیح رہے^(۳) تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔^(۴) (۵۱) جس کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عنایت فرمائی وہ تو اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔^(۵) (۵۲)

اور جب اس کی آئیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی

فَإِنْ لَمْ يُسْجِبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ
وَمَنْ أَحَدٌ مِّنْ أَنْبَاعِهِمْ إِلَّا يَعِيْرُهُمْ هُدًى مِّنْ أَنْهُمْ إِنَّ
اللَّهَ لَا يَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝

وَلَقَدْ وَضَلَّنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

الَّذِينَ أَتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُوَ بِهِ يُؤْمِنُونَ ۝

وَإِذَا أَيْتَنَا عَلَيْهِمْ قَالُوا أَمْنَاكِبِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ زَيْنَانِ أَنَّكُمْ
مِّنْ قَبْلِهِ مُشْلِمِينَ ۝

ان سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اس کی پیروی کرلوں گا۔ کیونکہ میں تو ہدایت کا طالب اور پیرو ہوں۔

(۱) یعنی قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت والی کتاب پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں کر سکیں گے۔

(۲) یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کی پیروی کرنا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے اور اس لحاظ سے یہ قریش کہ سب سے بڑے گمراہ ہیں جو اسی حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

(۳) اس میں اللہ کی اسی سنت (طریقے) کا بیان ہے جو ظالموں کے لیے اس کے ہاں مقرر ہے کہ وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے کہ انبیا کی مخدیب، آیات اللہ سے اعراض اور مسلسل کفو عناد ایسا جرم ہے کہ جس سے قبول حق کی استعداد اور اثر پذیری کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان ظلم و عصیان اور کفو شرک کی تاریکیوں میں ہی بھکتا پھرتا ہے، اسے ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

(۴) یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب ہم صحیح رہے اور اس طرح مسلسل، لگاتار ہم اپنی بات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

(۵) مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگ پیچھے لوگوں کے انجام سے ڈر کر اور ہماری باتوں سے نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں۔

(۶) اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، جیسے عبد اللہ بن سلام بن بشیر وغیرہ۔ یا وہ عیسائی ہیں جو جسہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم من کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر)

مسلمان ہیں۔^(۱) (۵۳)

یہ اپنے کیے ہوئے صبر کے بد لے دو ہر ادو ہر اجر دیئے جائیں گے۔^(۲) یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں^(۳) اور ہم نے جوانی میں دے رکھا ہے اس میں سے دیتے رہتے ہیں۔^(۴)

ہیں۔^(۵) (۵۳)

اور حب بیسودہ بات^(۶) کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہو،^(۷) ہم جاہلوں سے (الجھنا) نہیں چاہتے۔^(۸) (۵۵)

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے

أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرًا هُمْ مَرْتَبَتُهُنَّ بِمَا صَبَرُوا وَيَدُونَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ وَمِثَارِتَهُنَّ فِيهِمْ يُنْفَقُونَ^(۹)

وَإِذَا سَمِعُوا الْغَوَّاءَ عَرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا نَّا أَعْمَالُنَا
وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا يَبْخَنُونِي الْجَهِلِيَّةِ^(۱۰)

إِنَّكَ لَا تَهُدِي إِلَى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهُدِي^(۱۱)

(۱) یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں نے جس دین کی دعوت دی، وہ اسلام ہی تھا اور ان نبیوں کی دعوت پر ایمان لانے والے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ یہودیا نصاریٰ وغیرہ کی اصطلاحیں لوگوں کی اپنی خود ساختہ ہیں جو بعد میں ایجاد ہوئیں۔ اسی اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اہل کتاب (یہود یا عیسائیوں) نے کہا کہ ہم تو پسلے سے ہی مسلمان چلے آرہے ہیں۔ یعنی سابقہ انبیا کے پیروکار اور ان پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

(۲) صَبَرْتُ بِمَرَادِهِ قَدْمَكَمَ کے حالات میں انبیا اور کتاب اللہ پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے۔ پہلی کتاب آئی تو اس پر، اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا۔ پہلے نبی پر ایمان لائے، اس کے بعد دوسرا نبی آگیا تو اس پر ایمان لائے۔ ان کے لیے دو ہر اجر ہے، حدیث میں بھی ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین آدمیوں کے لئے دو ہر اجر ہے، ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لے آیا۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمهه و أهله۔ مسلم، کتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان، بررسالة نبیا صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳) یعنی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔

(۴) یہاں لغو سے مراد وہ سب و شتم اور دین کے ساتھ استہزا ہے جو مشرکین کرتے تھے۔

(۵) یہ سلام، سلام تجھے نہیں بلکہ سلام متارکہ ہے یعنی ہم تم جیسے جاہلوں سے بحث اور گفتگو کے روادر ہی نہیں۔ جیسے اردو میں بھی کہتے ہیں، جاہلوں کو دور ہی سے سلام، ظاہر ہے سلام سے مراد ترک مخالفت ہی ہے۔

چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ
ہے۔^(۱)
^(۵۶)

کہنے لگے اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابع دار
بن جائیں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں،^(۲) لیا
ہم نے انہیں امن و امان اور حرمت والے حرم میں جگہ
نہیں دی؟^(۳) جہاں تمام چیزوں کے پھل کچھے چلے آتے
ہیں جو ہمارے پاس بطور رزق کے ہیں،^(۴) لیکن ان میں
سے اکثر کچھے نہیں جانتے۔^(۵)

اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش و
عشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہائش کی

مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُمْتَدِينَ ^(۶)

وَقَالُوا إِنَّنَا نَتَبِعُ الْهُدًى مَعَكَ شَخَطْفُ مِنْ أَرْضِنَا
أَوْ لَئِنْ تُمْكِنَنَّ لَهُمْ حَرَمًا إِمَّا يُجْنِي إِلَيْهِ تَمْرُنُ نُحْنُ شُعُورٌ
رَّزْرَقًا مِنْ لَدُنَنَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ^(۷)

وَكُلُّ أَهْلَكُنَا مِنْ قُرْيَةٍ بِطَرْتُ مَعِيشَتَهَا نَقْتَلُكَ مَسِكَنُهُمْ

(۱) یہ آیت اس وقت نازل ہوئی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدر دا اور غم گسار پچا جناب ابوطالب کا انتقال ہونے
لگا تو آپ ﷺ نے کوشش فرمائی کہ پچا اپنی زبان سے ایک مرتبہ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دیں تاکہ قیامت والے دن میں اللہ
سے ان کی مغفرت کی سفارش کرسکوں۔ لیکن وہاں دوسرے رو سائے قریش کی موجودگی کی وجہ سے ابوطالب قبول ایمان
کی سعادت سے محروم رہے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا براقلق اور صدمہ تھا۔
اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کیا کہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت اور
رہنمائی ہے۔ لیکن ہدایت کے راستے پر چلا گئی، یہ ہمارا کام ہے، ہدایت اسے ہی ملے گی جسے ہم ہدایت سے نوازا چاہیں
نہ کہ اسے جسے آپ ہدایت پر دیکھنا پسند کریں۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ القصص، مسلم، کتاب الإيمان،
باب أول الإيمان۔ قول لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ)

(۲) یعنی ہم جہاں ہیں، وہاں ہمیں رہنے نہ دیا جائے گا اور ہمیں اذیتوں سے یا مخالفین سے جنگ و پیکار سے دوچار ہونا
پڑے گا۔ یہ بعض کفار نے ایمان نہ لانے کا عذر پیش کیا۔ اللہ نے جواب دیا۔

(۳) یعنی ان کا یہ عذر غیر معقول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شر کو، جس میں یہ رہتے ہیں، امن و الابنایا ہے۔
جب یہ شر ان کے کفر و شرک کی حالت میں ان کے لیے امن کی جگہ ہے تو کیا اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ ان کے لیے
امن کی جگہ نہیں رہے گا؟

(۴) یہ کئے کی وہ خصوصیت ہے جس کا مشاہدہ لاکھوں حاجی اور عمرہ کرنے والے ہر سال کرتے ہیں کہ کئے میں پیداوار
نہ ہونے کے باوجود نہایت فراوانی سے ہر قسم کا پھل بلکہ دنیا بھر کا سامان ملتا ہے۔

جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں^(۱) اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ کے وارث۔^(۲) (۵۸)

تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آئیں پڑھ کر نادے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم و ستم پر کمر کس لیں۔^(۳) (۵۹)

اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف زندگی دنیا کا سامان اور اسی کی رونق ہے، ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دریبا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔^(۴) (۶۰)

کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے جسے وہ قطعاً

لَئِنْ شَكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا فَلَيُلْدُو كَنَّا نَحْنُ الْوَرِثُونَ^(۵)

وَنَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرْبَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أَمْمَاهَا سُولَّا إِنَّا
عَلَيْهِمْ أَيْتَنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرْبَى إِلَّا وَأَهْلَهَا أَظْلَمُونَ^(۶)

وَمَا أَوْتَيْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا
عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْشِرُ أَفَلَا يَعْقِلُونَ^(۷)

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعَدَ حَسَنَاهُ هُوَ لِقَيْتُهُ كَمْ مَتَعْنَاهُ مَتَاعَ

(۱) یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کی نعمتوں سے فیض یا بہو کراللہ کی ناشکری کرنے اور سرکشی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ آج ان کی بیشتر آبادیاں کھنڈ رہنی ہوئی ہیں یا صرف صفات تاریخ پر ان کا نام رہ گیا ہے۔ اور اب آتے جاتے مسافر ہی ان میں کچھ دیر کے لیے ستالیں تو ستالیں، ان کی نحودت کی وجہ سے کوئی بھی ان میں مستقل رہنا پسند نہیں کرتا۔

(۲) یعنی ان میں سے تو کوئی بھی باقی نہ رہا جو ان کے مکانوں اور مال و دولت کا وارث ہوتا۔

(۳) یعنی اتمام جنت کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اُنہما (بڑی بستی) کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چھوٹے بڑے علاقے میں نبی نہیں آیا، بلکہ مرکزی مقامات پر نبی آتے رہے اور چھوٹے علاقے اس کے ذیل میں آجائے رہے ہیں۔

(۴) یعنی نبی سجادے کے بعد وہ بستی والے ایمان نہ لاتے اور کفر و شرک پر اپنا اصرار جاری رکھتے تو پھر انہیں ہلاک کر دیا جاتا۔ یہی مضمون سورہ ہود، ۷۸ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) یعنی کیا اس حقیقت سے بھی تم بے خبر ہو کہ یہ دنیا اور اس کی رونقیں عارضی بھی ہیں اور حقیر بھی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اپنے پاس جو نعمتیں، آسامیں اور سولتیں تیار کر کھی ہیں، وہ داکنی بھی ہیں اور عظیم بھی۔ حدیث میں ہے ”اللہ کی قسم دنیا، آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، دیکھ کر سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہو گا؟“ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب فناء الدنیا و بیان الحشر)۔

پانے والا ہے مثل اس شخص کے ہو سکتا ہے؟ جسے ہم نے زندگانی دنیا کی کچھ یونہی می منفعت دے دی پھر بالآخر وہ قیامت کے روز کپڑا باندھا حاضر کیا جائے گا۔^(۱) (۲۱)

اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنہیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرار ہے تھے کہاں ہیں۔^(۲) (۲۲) جن پر بات آچکی وہ جواب دیں گے^(۳) کہ اے ہمارے پروردگار! یہی وہ ہیں جنہیں ہم نے بہ کار کھا^(۴) تھا، ہم نے انہیں اسی طرح بہ کایا جس طرح ہم بکتے تھے،^(۵) ہم تیری سرکار میں اپنی دست برداری کرتے ہیں،^(۶) یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔^(۷) (۲۳)

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِنَّهُ يَوْمُ الْقِيَمَةِ مِنَ الْمُحْكَرِينَ ⑥

وَيَوْمَ يُنَادِيهُمْ فَيَقُولُ إِنَّ شَرَكَاءَ إِلَيْنَا الَّذِينَ كُنْدُرْتُمْ عَمَّوْنَ ⑦

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقُولُ رَبَّنَا هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا إِلَيْنَا أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا لَهُمْ إِلَيْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِنَّا نَايِعُ بَدْوَنَ ⑧

(۱) یعنی سزا اور عذاب کا مستحق ہو گا۔ مطلب ہے اہل ایمان، وعدۃ اللہ کے مطابق نعمتوں سے بسرہ و رواہ اور نافرمان عذاب سے دوچار۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

(۲) یعنی وہ انسام یا اشخاص ہیں، جن کو تم دنیا میں میری الوہیت میں شریک گردانے تھے، انہیں مد کے لیے پکارتے تھے اور ان کے نام کی نذر نیاز دیتے تھے، آج کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے اور تمہیں میرے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں؟ یہ تقریب و توضیح کے طور پر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا، ورنہ وہاں اللہ کے سامنے کس کو مجال دم زدنی ہو گی؟ یہ مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام، آیت ۱۹۳ اور دیگر بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

(۳) یعنی جو عذاب اللہ کے مستحق قرار پاچکے ہوں گے، مثلاً سرکش شیاطین اور داعیان کفر و شرک وغیرہ، وہ کہیں گے۔

(۴) یہ ان جاہل عوام کی طرف اشارہ ہے جن کو داعیان کفر و ضلال نے اور شیاطین نے گمراہ کیا تھا۔

(۵) یعنی ہم تو تھے ہی گمراہ لیکن ان کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کیے رکھا۔

مطلوب یہ ہے کہ ہم نے ان پر کوئی جرم نہیں کیا تھا، بس ہمارے اونٹ سے اشارے پر ہماری طرح ہی انہوں نے بھی گمراہی اختیار کر لی۔

(۶) یعنی ہم ان سے بیزار اور الگ ہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں یہ تابع اور متبع، پیلے اور گروائیک و سرے کے دشمن ہوں گے۔

(۷) بلکہ در حقیقت اپنی ہی خواہشات کی پیروی کرتے تھے۔ یعنی وہ معبودین، جن کی لوگ دنیا میں عبادت کرتے تھے، اس بات سے ہی انکار کر دیں گے کہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں کہی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام ۲۹، سورۃ مریم ۸۱، ۸۲، سورۃ الاحقاف ۵، سورۃ العنكبوت ۵، سورۃ البقرۃ ۱۱۶، ۱۱۷ وغیرہ من الآیات۔

کما جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاو،^(۱) وہ بلا کیں گے لیکن انہیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور سب عذاب دیکھ لیں گے،^(۲) کاش یہ لوگ ہدایت پا لیتے۔^(۳) (۶۳)
اس دن انہیں بلا کر پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب دیا؟^(۴) (۶۵)

پھر تو اس دن ان کی تمام دلیلیں گم ہو جائیں گی اور ایک دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے۔^(۵) (۶۶)
ہاں جو شخص توبہ کر لے ایمان لے آئے اور نیک کام کرے یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔^(۶) (۶۷)
اور آپ کارب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں،^(۷)

وَقُلْ أَدْعُوكُمْ فَلَمْ يَتَّبِعُوهُمْ فَلَمْ يَتَّبِعُوهُمْ
وَرَأَوْا الْعَذَابَ لَوْا نَهَمُ كَانُوا يَهْتَدُونَ ۚ ۶۷

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُونَ مَاذَا أَجْبَتُمُ الْمُوْسَلِينَ ۖ ۶۸

فَعَيْمَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ۖ ۶۹

فَإِنَّمَنْ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَلَىٰ أَنْ
يَكُونُ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۖ ۷۰

وَرَبِّكَ يَعْلَمُ مَا يَبْشَرُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْجَيْرَةُ ۗ ۷۱

(۱) یعنی ان سے مدد طلب کرو، جس طرح دنیا میں کرتے تھے۔ کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ پس وہ پکاریں گے۔ لیکن وہاں کس کو یہ جرات ہو گی کہ جو یہ کہے کہ ہاں ہم تمہاری مدد کرتے ہیں؟

(۲) یعنی یقین کر لیں گے کہ ہم سب جنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

(۳) یعنی عذاب دیکھ لینے کے بعد آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں ہدایت کا راستہ اپنا لیتے تو آج وہ اس حشرے نے جاتے۔ سورۃ الکھف۔ ۵۲، ۵۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۴) اس سے پہلے کی آیات میں توحید سے متعلق سوال تھا، یہ ندائے ہلکی رسالت کے بارے میں ہے، یعنی تمہاری طرف ہم نے رسول بھیجتے تھے، تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ان کی دعوت قبول کی تھی؟ جس طرح قبر میں سوال ہوتا ہے، “تیرا پنځبر کون ہے؟ اور تیرادین کون سا ہے؟ مومن تو صحیح جواب دے دیتا ہے۔ لیکن کافر کرتا ہے ہاہ ہاہ لاؤ دری مجھے تو کچھ معلوم نہیں، اسی طرح قیامت والے دن انہیں اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوچھے گا۔ اسی لیے آگے فرمایا ”ان پر تمام خبر س انہی ہو جائیں گی۔“ یعنی کوئی دلیل ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی جسے وہ پیش کر سکیں۔ یہاں دلائل کو اخبار سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان کے باطل عقائد کے لیے حقیقت میں ان کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں، صرف فقصص و حکایات ہیں۔ جیسے آج بھی قبرستوں کے پاس من گھڑت کراماتی قصوں کے سوا کچھ نہیں۔

(۵) کیونکہ انہیں یقین ہو چکا ہو گا کہ سب جنم میں داخل ہونے والے ہیں۔

(۶) یعنی اللہ تعالیٰ مختار کل ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں، چ جائیکہ کوئی مختار کل ہو۔

اللَّهُوَ وَنَعْلَىٰ عَالَيْهِ رَحْمَةُ الرَّحْمَنِ ۚ ۶۰

وَرَبِّكَ يَعْلَمُ مَا تَنْكِنُ صُدُورُهُمْ وَمَا يَعْلَمُونَ ۖ ۶۱

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَمْدُ لِفِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۚ

وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۚ ۶۲

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْأَيْنَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ
الْقِيمَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ بِضَيْاءً فَلَا تَشْمَعُونَ ۖ ۶۳

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْأَيْنَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ
الْقِيمَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيَكُمْ بِلَيْلٍ شَكْلُونَ فِيهِ
أَفَلَا تُبَصِّرُونَ ۖ ۶۴

وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ الْأَيْمَانَ وَالْأَيْمَانَ لِتَسْدِلُوا فِيهَا

اللَّهُ هُوَ كَمَا لَيْهُ بَاكِيٌّ هُوَ وَبَلَندٌ تَرْهُ هُوَ رَاسٌ چِزَّ سَكَرْ كَرْ كَرْ
لوگ شریک کرتے ہیں۔ (۶۸)

ان کے سینے جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں
آپ کارب سب کچھ جانتا ہے۔ (۶۹)

وَهُيَ اللَّهُ هُوَ اس کے سوا کوئی لا تَقْ عبادت نہیں، دنیا اور
آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کے لیے فرمائوا می
ہے اور اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے۔ (۷۰)

کہہ دیجئے؟ کہ دیکھو تو سی اگر اللَّهُ تَعَالَیٰ تم پر رات ہی
رات قیامت تک برابر کر دے تو سوائے اللَّهُ کے کون
معبدو ہے جو تمہارے پاس دن کی روشنی لائے؟ کیا تم
خنے نہیں ہو؟ (۷۱)

پوچھئے؟ کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللَّهُ تَعَالَیٰ تم پر ہیشہ قیامت
تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللَّهُ تَعَالَیٰ کے کوئی
معبدو ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے؟ جس میں تم
آرام حاصل کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو؟ (۷۲)

اسی نے تو تمہارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات
مقرر کر دیئے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں
اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو،^(۱) یہ اس لیے کہ تم

(۱) دن اور رات، یہ دونوں اللَّهُ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ رات کو تاریک بنایا ہاکہ سب لوگ آرام کر سکیں۔ اس
اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے۔ ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے
اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقے سے سونے کا موقع نہ پاتا، جب کہ معاشی تگ و دو اور کاروبار جہاں کے لیے نیند کا
پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر تو اتنا می بحال نہیں ہوتی۔ اگر کچھ لوگ سورہ ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف
تگ و تماز ہوتے تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل پڑتا، نیز لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم
رہتے، جب کہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون و تناصر کا محتاج ہے اس لیے اللَّهُ نے رات کو تاریک کر دیا ہاکہ ساری
مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں محل نہ ہو سکے۔ اسی طرح دن کو روشن بنایا ہاکہ روشنی

شکر ادا کرو۔^(۱) (۷۳)
 اور جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم
 میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟^(۲) (۷۴)
 اور ہم ہرامت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں^(۳) گے کہ اپنی
 دلیلیں پیش کرو^(۴) پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ
 تعالیٰ کی طرف ہے،^(۵) اور جو کچھ افترا وہ جوڑتے تھے سب
 ان کے پاس سے کھو جائے گا۔^(۶) (۷۵)
 قارون تھا تو قومِ موسیٰ سے، لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا^(۷)
 ہم نے اسے (اس قدر) خزانے والے رکھے تھے کہ کئی کئی

وَلَيَنْبَغِيَّا مِنْ نَفْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ^(۸)
 وَيَوْمَ يُنَادِيهُمْ فَيَقُولُ أَيْنُ شَرِكَاءِ إِذَا
 كُلْتُمْ تَرْغَبُونَ^(۹)

وَمَرَّ عَنَّا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدٌ أَفْقَلْنَا هَا تُؤْابِرْهَا نَكْلُ
 فَعَلَمُوا أَنَّ الْحَقَّ بِهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ^(۱۰)

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمٍ مُّؤْلِي فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَاتَّبَعَهُ

میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقے سے کر سکے۔ دن کی یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، اسے ہر شخص باسانی سمجھتا اور اس کا دراک رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کے حوالے سے اپنی توحید کا اثبات فرمایا ہے کہ بتلاو اگر اللہ تعالیٰ دن اور رات کا یہ نظام ختم کر کے ہیش کے لیے تم پر رات ہی مسلط کر دے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبدو ایسا ہے جو تمہیں دن کی روشنی عطا کر دے؟ یا اگر وہ ہیش کے لیے دن ہی دن رکھے تو کیا کوئی تمہیں رات کی تاریکی سے بہرہ ور کر سکتا ہے، جس میں تم آرام کر سکو؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ یہ صرف اللہ کی کمال مریانی ہے کہ اس نے دن اور رات کا ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ رات آتی ہے تو دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور تمام مخلوق آرام کر لیتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن کی روشنی سے کائنات کی ہر چیز نمایاں اور واضح تر ہو جاتی ہے اور انسان کسب و محنت کے ذریعے سے اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرتا ہے۔
 (۱) یعنی اللہ کی حمد و شاہدی بھی بیان کرو (یہ زبانی شکر ہے) اور اللہ کی دی ہوئی دولت، صلاحیتوں اور تو انائیوں کو اس کے احکام وہدیات کے مطابق استعمال کرو۔ (یہ عملی شکر ہے)

(۲) اس گواہ سے مراد پیغمبر ہے۔ یعنی ہرامت کے پیغمبر کو اس امت سے الگ کھڑا کر دیں گے۔

(۳) یعنی دنیا میں میرے پیغمبروں کی دعوت توحید کے باوجود تم جو میرے شریک ٹھہراتے تھے اور میرے ساتھ ان کی بھی عبادت کرتے تھے، اس کی دلیل پیش کرو۔

(۴) یعنی وہ حیران اور ساکت کھڑے ہوں گے، کوئی جواب اور دلیل انہیں نہیں سوچھے گی۔

(۵) یعنی ان کے کام نہیں آئے گا۔

(۶) اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس کا ظلم یہ تھا کہ اپنے مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان کا استھناف کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کی طرف سے یہ اپنی قوم بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔

طااقت ورلوگ بہ مشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے،^(۱) ایک بار اس کی قوم نے اس سے کما کر اترامت!^(۲) اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔^(۳) (۷۶)

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ^(۴) اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول^(۵) اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر^(۶) اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو،^(۷) یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔^(۸)

قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے،^(۹) کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ

مِنَ الْكُنُزِ مَا إِنَّ مَفَاعِيَهُ لَتَنْوِيُّ بِالْعُصُبَةِ أُولَئِكَ الْفَتَّوَةُ
إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَغْرِيْ حَرَانَ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِجِينَ ⑥

وَابْتَغِ فِيمَا آتَكَ اللَّهُ الدَّارَ الْأَخِرَةَ وَلَا تَنْسِيْ تَصْبِيَّكَ
مِنَ الدُّنْيَا وَآخِرِينَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ
الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ⑦

قَالَ إِنَّمَا أُوتِنِتُهُ عَلَى عِلْمِي عِنْدِي أَوْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ

(۱) تَسْنُوءُ کے معنی ہیں تمیل (بھکنا) یعنی جس طرح کوئی شخص بھاری چیز اٹھاتا ہے تو بوجھ کی وجہ سے ادھرا دھڑکھڑاتا ہے، اس کی چاہیوں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ ایک طاقت ور جماعت بھی اسے اٹھاتے ہوئے وقت اور گرانی محسوس کرتی تھی۔

(۲) یعنی مال و دولت پر فخر اور غور مت کرو، بعض نے بخل، معنی کیے ہیں، بخل مت کر۔

(۳) یعنی تکبر اور غور کرنے والوں کو یا بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(۴) یعنی اپنے مال کو ایسی جگہوں اور راہوں پر خرچ کر، جماں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اس سے تیری آخرت سنورے گی اور وہاں اس کا تجھے اجر و ثواب ملے گا۔

(۵) یعنی دنیا کے مباحثات پر بھی اعتدال کے ساتھ خرچ کر۔ مباحثات دنیا کیا ہیں؟ کھانا پینا، لباس، گھر اور نکاح وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تجھ پر تیرے رب کا حق ہے، اسی طرح تیرے اپنے نفس کا، یہوی بچوں کا اور مہمانوں وغیرہ کا بھی حق ہے، ہر حق والے کو اس کا حق دے۔

(۶) اللہ نے تجھے مال دے کر تجھ پر احسان کیا ہے تو مخلوق پر خرچ کر کے ان پر احسان کر۔

(۷) یعنی تیرا مقصد زمین میں فساد پھیلانا ہے۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بد سلوکی مت کر، نے معصیتوں کا ارتکاب کر کے ان تمام باتوں سے فساد پھیلتا ہے۔

(۸) ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے کسب و تجارت کا جو فن آتا ہے، یہ دولت تو اس کا نتیجہ اور شہر ہے، اللہ کے نفضل و کرم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دوسرے معنی یہ یہ کہ گئے ہیں کہ اللہ نے مجھے یہ مال

الله تعاليٰ نے اس سے پسلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونچی والے تھے۔^(۱) اور گنگاروں سے ان کے گناہوں کی بازپرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔^(۲) (۷۸)

پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا،^(۳) تو دنیاوی زندگی کے متواലے کرنے لگے^(۴) کاش کر ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو براہی قسم کا دھنی ہے۔^(۷۹)

ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بترچیز تو وہ

أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُ مِنْهُ فُتُوحَةً وَالْكَنزَ
جَمِيعًا وَلَا يُنْثَلُ عَنْ ذُنُوبِهِ مُعَجَّرُوْنَ^(۵)

فَخَرَجَ عَلَى قَوْبِيهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْعِيَّةَ
الَّذِينَ يَأْلَمُونَ لَنَا مِثْلَ مَا أَفْوَقَ قَارُونَ إِنَّهُ لَذُنُوْ
حَطَّلَ عَظِيمٌ^(۶)

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَكْرُمُ تَوَابَ اللَّهِ حَيْرَانٌ

دیا ہے تو اس نے اپنے علم کی وجہ سے دیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور میرے لیے اس نے یہ پسند کیا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر انسانوں کا ایک اور قول اللہ نے نقل فرمایا ہے ”جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی نعمت سے نواز دیتے ہیں تو کرتا ہے“ **﴿إِنَّا فِتَنَتُهُ عَلَى عِلْمٍ﴾** (القصص-۷۸) اُینی: عَلَى عِلْمٍ مِنَ اللهِ یعنی ”نجھے یہ نعمت اس لیے ملی ہے کہ اللہ کے علم میں میں اس کا مستحق تھا۔“ ایک مقام پر ہے ”جب ہم انسان پر تکلیف کے بعد اپنی رحمت کرتے ہیں تو کرتا ہے **﴿هَذَا إِلَيْ﴾** (حلم السجدة-۵۰) اُینی: هَذَا أَسْتَحْفَهُ یہ تو میرا اتحقاق ہے (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ قارون کو کیسا (سو نا بنانے کا) علم آتا تھا، یہاں یہی مراد ہے اسی کیمیاگری سے اس نے اتنی دولت کمالی تھی۔ لیکن امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ علم سراسر جھوٹ، فریب اور دھوکہ ہے۔ کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی ماہیت تبدیل کر دے۔ اس لیے قارون کے لیے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ دوسری دھاتوں کو تبدیل کر کے سو نا بنایا کرتا اور اس طرح دولت کے انبار جمع کر لیتا۔

(۱) یعنی قوت اور مال کی فراوانی، یہ فضیلت کا باعث نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قویں تباہ و بر بادنہ ہوتیں۔ اس لیے قارون کا اپنی دولت پر گھنڈ کرنے اور اسے باعث فضیلت گردانے کا کوئی جواز نہیں۔

(۲) یعنی جب گناہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں کہ ان کی وجہ سے وہ مستحق عذاب قرار دے دیئے گئے ہوں تو پھر ان سے بازپرس نہیں ہوتی، بلکہ اچانک ان کا مواغذہ کر لیا جاتا ہے۔

(۳) یعنی زینت و آرائش اور خدم و حشم کے ساتھ۔

(۴) یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض کے نزدیک ایمان والے ہی تھے جو اس کی امارت و شوکت کے مظاہر سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض کے نزدیک کافر تھے۔

ہے جو بطور ثواب انیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لا میں اور نیک عمل کریں^(۱) یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر و سار والے ہوں۔ (۸۰)

(آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنادیا^(۲) اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔ (۸۱)

اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو مندیاں کر رہے تھے وہ آج کرنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے^(۳) کہ

امَنَ وَعَلَىٰ صَالِحِهِ وَلَا يُلْقِيَهُمَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٧﴾

فَخَسَفْنَا لَهُ وَبِدَارِ وَالْأَرْضَ فِي هَذَا كَمَانَ لَهُ مِنْ فِتَةٍ يَنْتَرُونَهُ
مِنْ دُوْنِ الْأَرْضِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَعِينَ ﴿٨﴾

وَاصْبَرُوا تِلْيَيْنِ تَمَوَّلَكَانَةِ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَبِيَحَانَ اللَّهُ

(۱) یعنی جن کے پاس دین کا علم تھا اور دنیا اور اس کے مظاہر کی اصل حقیقت سے باخبر تھے، انہوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اللہ نے اہل ایمان اور اعمال صالح بجالانے والوں کے لیے جو اجر و ثواب رکھا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ جیسے حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔“ (البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ یہ بیدون ان یبدلوا کلام اللہ، مسلم، کتاب الإيمان، باب ادنی اہل الجنۃ منزلا)

(۲) یعنی یُلْقَاهَا میں ہا کا مرجع، کلمہ ہے اور یہ قول اللہ کا ہے۔ اور اگر اسے اہل علم ہی کے قول کا تتمہ قرار دیا جائے تو ہا کا مرجع جنت کے ستحق وہ صابر ہی ہوں گے جو دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش اور آخرت کی زندگی میں رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

(۳) یعنی قارون کو اس کے تکبیر کی وجہ سے اس کے محل اور خزانوں سمیت زمین میں دھنادیا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ایک آدمی اپنی ازار زمین پر لٹکائے جا رہا تھا (اللہ کو اس کا یہ تکبیر پسند نہیں آیا) اور اسے زمین میں دھنادیا گیا، پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا“ (البخاری، کتاب اللباس، باب من جرثوبہ من الخبراء)

(۴) مکان سے مراد وہ دنیاوی مرتبہ و منزلت ہے جو دنیا میں کسی کو عارضی طور پر ملتا ہے۔ جیسے قارون کو ملا تھا، اس، گزشتہ کل کو کہتے ہیں۔ مطلب زمانہ قریب ہے۔ وینکائان، اصل میں ”وَيَنْكَأَ أَعْلَمَ أَنَّ“ ہے اس کو مخفف کر کے وینکائان، بنادیا گیا ہے، یعنی وینک آن۔ یعنی افسوس یا تعجب ہے، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ..... بعض کے نزدیک یہ الٰم تر کے معنی

الله تعالى ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دضادیتا،^(۱) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟^(۲) (۸۲)

آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اوپھائی براہی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پر ہیز گاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔^(۳) (۸۳)

جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا^(۴) اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے بد اعمال کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔^(۵) (۸۴)

بِسْطُ الْرُّزْقِ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَنْهَا لَوْلَا كُنْ مُّنَّ
اللَّهُ عَلَيْنَا الْحَمْدُ بِنَا وَنِحْيَانَهُ لَا يُفْلِهُ الْكُفَّارُونَ^(۶)

تَلِكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ تَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عَلَيْهَا
فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ^(۷)

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ حِيلَةٌ مَّهَا وَمَنْ جَاءَ بِالْكَسْيَةِ فَلَا
يُجْزَى إِلَيْهِ الَّذِينَ عَمِلُوا الشَّيْئَاتِ إِلَامًا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۸)

میں ہے، (ابن کثیر) جیسا کہ ترجی سے واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قارون کی ہی دولت و حشمت کی آرزو کرنے والوں نے جب قارون کا عبرت ناک حشد یکھا تو کہا کہ مال و دولت، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صاحب مال سے راضی بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اس کا تعلق اس کی مشیت اور حکمت بالغہ سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، مال کی فراوانی اس کی رضاکی اور مال کی کمی اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے نہ یہ معیار فضیلت ہی ہے۔

(۱) یعنی ہم بھی اسی حشر سے دوچار ہوتے جس سے قارون دوچار ہوا۔

(۲) یعنی قارون نے دولت پا کر شکر گزاری کے بجائے ناشکری اور معصیت کا راستہ اختیار کیا تو دیکھ لو اس کا انجام بھی کیا ہوا؟ دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو۔

(۳) عُلُوٌ کا مطلب ہے ظلم و زیادتی، لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنا اور باور کرانا، تکبیر اور فخر و غور کرنا اور فساد کے معنی ہیں تاخت لوگوں کا مال ہتھیانا یا نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا کہ ان دونوں باتوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ فرمایا کہ متلقین کا عمل و اخلاق ان برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوتا ہے اور تکبیر کے بجائے ان کے اندر تواضع، فروتنی اور معصیت کیشی کی بجائے اطاعت کیشی ہوتی ہے اور آخرت کا گھر یعنی جنت اور حسن انجام انہی کے حصے میں آئے گا۔

(۴) یعنی کم از کم ہر نیکی کا بدلہ دس گناہ ضرور ہی ملے گا، اور جس کے لیے اللہ چاہے گا، اس سے بھی زیادہ، کہیں زیادہ، عطا فرمائے گا۔

(۵) یعنی نیکی کا بدلہ تو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا لیکن برائی کا بدلہ برائی ملے گا۔ یعنی نیکی کی جزا میں اللہ کے

جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے^(۱) وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے،^(۲) کہہ دیجئے؟ کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔^(۳) (۸۵)

آپ کو تو بھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی^(۴) لیکن یہ آپ کے رب کی میرانی سے اترے۔^(۵) اب آپ کو ہرگز کافروں کا مدوسار نہ ہونا چاہیے۔^(۶) (۸۶)

خیال رکھیے کہ یہ کفار آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تبلیغ

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِرَأْدَكَ إِلَى مَعَادِهِ
فَلْنَرِثِي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَكَ بِالْهُدَى وَمَنْ
هُوَ قُضَّلٌ مُّبِينٌ ۝

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً
مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظِهِيرَةً لِّلْكُفَّارِ ۝

وَلَا يَصُدُّنَكَ عَنِ الْبَيْتِ إِلَّا بَعْدَ إِذَا نُزِّلَتْ إِلَيْكَ

فضل وکرم کا اور بدی کی جزا میں اس کے عدل کا مظاہرہ ہو گا۔

(۱) یا اس کی تلاوت اور اس کی تبلیغ و دعوت آپ پر فرض کی ہے۔

(۲) یعنی آپ کے مولد مکہ، جہاں سے آپ نکلنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رض سے صحیح بخاری میں اس کی یہی تفسیر نقل ہوئی ہے۔ چنانچہ بھرت کے آٹھ سال بعد اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اور آپ ۸۷ ہجری میں فاتحانہ طور پر کے میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ بعض نے معاد سے مراد قیامت لی ہے۔ یعنی قیامت والے دن آپ کو اپنی طرف لوٹائے گا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھئے گا۔

(۳) یہ مشرکین کے اس جواب میں ہے جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آبائی اور روایتی مذہب سے انحراف کی بنا پر گمراہ سمجھتے تھے۔ فرمایا ”میرا رب خوب جانتا ہے کہ گمراہ میں ہوں، جو اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں یا تم ہو، جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے ہو؟“

(۴) یعنی نبوت سے قبل آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ کو رسالت کے لیے چنا جائے گا اور آپ پر کتاب الہی کا زوال ہو گا۔

(۵) یعنی یہ نبوت و کتاب سے سرفرازی، اللہ کی خاص رحمت کا نتیجہ ہے جو آپ پر ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت کوئی کبی چیز نہیں ہے، جسے محنت اور سعی و کاوش سے حاصل کیا جاسکتا رہا ہو۔ بلکہ یہ سراسر ایک وہی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا رہا، نبوت و رسالت سے مشرف فرماتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ الذہب کی آخری کڑی قرار دے کر اسے موقف فرمادیا گیا۔

(۶) اب اس نعمت اور فضل الہی کا شکر آپ اس طرح ادا کریں کہ کافروں کی مدد اور ہمنوائی نہ کریں۔

سے روک نہ دیں^(۱) اس کے بعد کہ یہ آپ کی جانب اتماری گئیں، تو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔^(۸۷)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبدوں کو نہ پکارنا^(۲) بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی اور معبد نہیں، ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اسی کامنہ^(۳) (اور ذات) اسی کے لیے فرمانروائی ہے^(۴) اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۵)^(۸۸)

سورہ عنکبوت کی ہے اور اس کی انہتر آیتیں اور سات روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

الم^(۱) کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر

وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونُنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۷﴾

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا أُخْرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ
هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸﴾

سُبْحَانُ رَبِّ الْعِزَّةِ بِكُلِّ شَيْءٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَرْآنُ أَحَبُّ النَّاسُ أَنْ يُتَرَكُوا أَنْ يَقُولُوا أَمْنَاءُهُمْ

(۱) یعنی ان کافروں کی باتیں، ان کی ایذار سانی اور ان کی طرف سے تبلیغ و دعوت کی راہ میں رکاوٹیں، آپ کو قرآن کی تلاوت اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں۔ بلکہ آپ پوری تن دہی اور یکسوئی سے رب کی طرف بلانے کا کام کرتے رہیں۔

(۲) یعنی کسی اور کی عبادت نہ کرنا، نہ دعا کے ذریعے سے، نہ نذر و نیاز کے ذریعے سے، نہ ہی قربانی کے ذریعے سے کہ یہ سب عبادات ہیں جو صرف ایک اللہ کے لیے خاص ہیں۔ قرآن میں ہر جگہ غیر اللہ کی عبادت کو پکارنے سے تعبیر کیا گیا ہے، جس سے مقصود اسی نکتے کی وضاحت ہے کہ غیر اللہ کو مافقہ الاسباب طریقے سے پکارنا، ان سے اسندا و استغاثہ کرنا، ان سے دعائیں اور الجائیں کرتا یہ ان کی عبادت ہی ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔

(۳) وَجْهَهُ (اس کامنہ) سے مراد اللہ کی ذات ہے جو وجہ (چہرہ) سے متصف ہے۔ یعنی اللہ کے سوا ہر چیز بلاک اور فنا ہو جانے والی ہے۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَلَمْ * وَيَسْتَأْتِي وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَلِ وَالْأَكَلَ﴾ (الرحمن ۲۶، ۲۷)

(۴) یعنی اسی کا فیصلہ، جو وہ چاہے، نافذ ہوتا ہے اور اسی کا حکم، جس کا وہ ارادہ کرے، چلتا ہے۔

(۵) تاکہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدبوں کو ان کی بدبوں کی سزا دے۔

لَا يُفْتَنُونَ ②

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَمْ يَعْلَمُنَا اللَّهُ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمُنَّ الظَّالِمِينَ ③

أَمْ حَيْبَ الَّذِينَ يَعْلَمُونَ الشَّيْءَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۝

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ④

آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟^(۱) (۲)

ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا۔^(۳) یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔^(۴)

کیا جو لوگ براہیاں کر رہے ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے،^(۵) یہ لوگ کسی بری تجویزیں کر رہے ہیں۔^(۶) (۷)

(۱) یعنی یہ گمان کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد، بغیر امتحان لیے، انہیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح نہیں۔ بلکہ انہیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے سے جانچا پر کھا جائے گا تاکہ کھرے کھونے کا سچ جھوٹے کا اور مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔

(۲) یعنی یہ سنت الیہ ہے جو پسلے سے چلی آرہی ہے۔ اس لیے وہ اس امت کے مومنوں کی بھی آزمائش کرے گا، جس طرح پسلی امتوں کی آزمائش کی گئی۔ ان آیات کی شان نزول کی روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رض نے اس ظلم و ستم کی شکایت کی جس کا نشانہ وہ کفار مکہ کی طرف سے بنے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”یہ تشدید ایذا تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے۔ تم سے پسلے بعض مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ انہیں ایک گڑھا کھو دکر اس میں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آر اچلا دیا گیا، جس سے ان کے جسم و حصول میں تقسیم ہو گئے، اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیری گئیں۔ لیکن یہ ایذا انہیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔“ (اصحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب علامات النبوة فی الإسلام) حضرت عمر، ان کی والدہ حضرت سمیہ اور والد حضرت یاسر، حضرت صہیب، بلال و مقداد وغیرہم رضوان اللہ علیہم السَّلَامُ کے ابتدائی دور میں جو ظلم و ستم کے پھاڑ توڑے گئے وہ صفحات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ واقعات ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔ تاہم عموم الفاظ کے اعتبار سے قیامت تک کے اہل ایمان اس میں داخل ہیں۔

(۳) یعنی ہم سے بھاگ جائیں گے اور ہماری گرفت میں نہ آسکیں گے۔

(۴) یعنی اللہ کے بارے میں کس ظن فاسد میں یہ بتلا ہیں، جب کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہربات سے باخبر بھی۔ پھر اس کی نافرمانی کر کے اس کے مؤاذنہ و عذاب سے بچنا کیوں کر ممکن ہے؟

جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت
یقیناً آنے والا ہے^(۱) وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ
جانے والا ہے۔^(۵)

اور ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش
کرتا ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز
ہے۔^(۶)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے مطابق سنت کام کیے
ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انہیں
ان کے نیک اعمال کے بہترین بدلتے دیں گے۔^(۷)
ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک
کرنے کی نصیحت کی ہے^(۸) ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ

مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَأَنَّ أَجَلَ رَبِّهِ لَآتٍ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑥

وَمَنْ جَهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَعَنِي
عَنِ الْعَلَمِينَ ⑦

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَاتِ لَنَكَفِرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الذِّي كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑧

وَوَصَّيْنَا إِلَيْكُمْ بِوَالدَّيْنِ هُوَ حُسْنًا فَإِنْ جَهَدُكُمْ

(۱) یعنی جسے آخرت پر یقین ہے اور وہ اجر و ثواب کی امید پر اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی امیدیں بر لائے گا اور اسے اس کے عملوں کی مکمل جزا عطا فرمائے گا، کیونکہ قیامت یقیناً برپا ہو کر رہے گی اور اللہ کی عدالت ضرور قائم ہوگی۔

(۲) وہ بندوں کی باتوں اور دعاویں کا سننے والا اور ان کے چھپے اور ظاہر سب عملوں کو جانے والا ہے۔ اس کے مطابق وہ جزا اور سزا بھی یقیناً دے گا۔

(۳) اس کا مطلب وہی ہے جو ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَنْفَسِهِ﴾ (الجاثیة۔۵) کا ہے یعنی جو نیک عمل کرے گا، اس کا فائدہ اسی کو ہو گا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے۔ اگر سارے کے سارے متقيٰ بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہو گا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی۔ الفاظ کی مناسبت سے اس میں جماد مع الکفار بھی شامل ہے کہ وہ بھی من جملہ اعمال صالحہ ہی ہے۔

(۴) یعنی باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ محض اپنے فضل و کرم سے اہل ایمان کو ان کے عملوں کی بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ اور ایک ایک نیکی پر کئی گناہ اجر و ثواب دے گا۔

(۵) قرآن کریم کے متعدد مقالات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و عبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تائید کی ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ربوبیت (الله واحد) کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے وہی سمجھ سکتا اور انہیں ادا کر سکتا ہے جو والدین کی اطاعت و خدمت کے تقاضوں کو سمجھتا اور ادا کرتا ہے۔ جو شخص یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ دنیا میں اس کا وجود والدین کی باہمی قربت کا نتیجہ اور اس کی تربیت و پرداخت، ان کی غایت مریانی

آپ میرے ساتھ اسے شریک کر لیں جس کا آپ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانیئے،^(۱) تم سب کا لوٹا میری ہی طرف ہے پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تمہیں خبر دوں گا۔^(۸) اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کیے انہیں میں اپنے نیک بندوں میں شمار کروں گا۔^(۹)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا وہی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں،^(۳)

لَعْنَةُ كُلِّ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطْعِمُهُمَا إِلَّا
مَرْجِعُهُمْ فِي أَنْتِ مَكُومُهُمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ①

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّ فِي
الصَّالِحِينَ ②

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ أَمْنَى بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِنَ
فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلِمَنْ

اور شفقت کا ثمرہ ہے۔ اس لیے مجھے ان کی خدمت میں کوئی کوتا ہی اور ان کی اطاعت سے سرتاسری نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یقیناً خالق کائنات کو سمجھنے اور اس کی توحید و عبادت کے تقاضوں کی ادائیگی سے بھی قادر ہے گا۔ اسی لیے احادیث میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آتی ہے۔ ایک حدیث میں والدین کی رضامندی کو اللہ کی رضا اور ان کی ناراضی کو رب کی ناراضی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

(۱) یعنی والدین اگر شرک کا حکم دیں (اور اسی میں دیگر معاصی کا حکم بھی شامل ہے) اور اس کے لیے خاص کوشش بھی کریں۔ (جیسا کہ مجاہدہ کے لفظ سے واضح ہے) تو ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ «لَا طَاعَةَ لِأَحَدٍ فِي مَغْصِيَةِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى» (مسند احمد ۶۶، الصحیحة الالبانی، نمبر: ۷۹) ”اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔“

اس آیت کی شان نزول میں حضرت سعد بن ابی و قاص بن ابی شوشی کا واقعہ آتا ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر ان کی والدہ نے کماکہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے یا پھر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار کر دے، بالآخر یہ اپنی والدہ کو زبردستی منہ کھول کر کھلاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، ترمذی،

تفسیر سورہ العنکبوت)

(۲) یعنی اگر کسی کے والدین مشرک ہوں گے تو مومن بیٹا نیکوں کے ساتھ ہو گا، والدین کے ساتھ نہیں۔ اس لیے کہ گو والدین دنیا میں اس کے بت قریب رہے ہوں گے لیکن اس کی محبت دینی اہل ایمان ہی کے ساتھ تھی بنا بریں الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ كَتَبَتْ زِرْمَةً صَالِحِينَ میں ہو گا۔

(۳) اس میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کی وجہ سے انہیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الہی کی طرح وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ نتیجتاً وہ ایمان سے پھر جاتے اور دین عوام کو اختیار کر لیتے ہیں۔

ہاں اگر اللہ کی مدد آجائے^(۱) تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہی ہیں^(۲) لیا دنیا جہان کے سینوں میں جو کچھ ہے اس سے اللہ تعالیٰ ونا نہیں ہے؟^(۳)^(۴)

جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں بھی ظاہر کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا۔^(۵)^(۶)

کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہماری راہ کی تابعداری کرو تمہارے گناہ ہم اٹھائیں گے،^(۷) حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے یہ

جَاءَهُ صَرْرُ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُلُّ مَعْلُومٍ أَوْ لَيَسْ
اللَّهُ بِأَعْلَمْ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَلَمِينَ ۝

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الظَّفِيقِينَ ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا أَتَيْتُهُمْ سِيِّلَنَا
وَلَنَعْلَمْ خَطْلِكُمْ وَمَا فُرِّحُ مُحْمَلِينَ مِنْ خَطْلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ

(۱) یعنی مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب ہو جائے۔

(۲) یعنی تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ ”وہ لوگ تمہیں دیکھتے رہتے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے، تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر حالات کافروں کے لیے کچھ سازگار ہوتے ہیں تو کافروں سے جا کر کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہیں لیا تھا اور مسلمانوں سے تم کو نہیں بچایا تھا۔“ (النساء - ۱۳۱)

(۳) یعنی کیا اللہ ان باتوں کو نہیں جانتا جو تمہارے دلوں میں ہے اور تمہارے ضمیروں میں پوشیدہ ہے۔ گو تم زبان سے مسلمانوں کا ساتھی ہونا ظاہر کرتے ہو۔

(۴) اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشی اور تکلیف دے کر آزمائے گا تاکہ منافق اور مومن کی تمیز ہو جائے جو دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت کرے گا، وہ مومن ہے اور جو صرف خوشی اور راحت میں اطاعت کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اپنے حظ نفس کا مطیع ہے، اللہ کا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ہے ﴿ وَلَتَبُلُوكُمْ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا الْمُجْدِدِينَ مِنْكُمْ وَالظَّاهِرِينَ لَا يَبْلُوكُمْ أَخْبَارُكُمْ ۚ ﴾ (سورہ محمد - ۳۱) ”ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے، تاکہ ہم جان لیں تم میں مجاہد اور صابر کون ہیں اور تمہارے دیگر حالات بھی جانچیں گے۔“ جنگ احمد کے بعد، جس میں مسلمان اختیار و امتحان کی بھٹی سے گزارے گئے تھے، فرمایا ہے ﴿ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْكَحُهُ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَبْيَسَ الرَّجَبُونَ مِنَ الظَّيْبَيْنِ ۚ ﴾ (سورہ آل عمران - ۲۹) ”نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ چھوڑ دے مومنوں کو، اس حالت پر جس پر کہ تم ہو، یہاں تک کہ وہ جدا کر دے نیا کوپاک سے ”

(۵) یعنی تم اسی آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ، جس پر ہم ابھی تک قائم ہیں، اس لیے کہ وہی دین صحیح ہے۔ اگر اس روایتی مذهب پر عمل کرنے سے تم گناہ گار ہو گے تو اس کے ذمے دار ہم ہیں، وہ بوجھ ہم اپنی گردنوں پر اٹھائیں گے۔

إِنَّمَا لَكُنُونٌ ②

وَلَيَعْلَمُنَّ أَنْتَهُمْ وَأَنْقَالَاهُمْ وَلَيَسْتَلِعُنَّ يَوْمَ

الْقِيمَةَ عَنْهَا كَانُوا يَقْرَرُونَ ③

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَلَمَّا فَتَاهُمْ أَلْفَ سَنَةً

إِلَّا خَمِسِينَ عَامًا فَلَخَذَهُمُ الظُّفَّاقُ وَهُمْ ظَلَمُونَ ④

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ السَّيْفِيَّةَ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ⑤

وَإِبْرَاهِيمَ أَذْقَالَ لِتَوْمِهِ أَعْبُدُوا اللَّهَ وَأَقْتُلُهُ ذَلِكُمْ

تو محض جھوٹے ہیں۔^(۱) (۱۲)

البته یہ اپنے بوجھ ڈھولیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ

ہی اور بوجھ بھی۔^(۲) اور جو کچھ افتر اپردا زیاد کر رہے ہیں

ان سب کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی۔^(۱۳)

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا

وہ ان میں ساڑھے نو سال تک رہے،^(۱۴) پھر تو انہیں

طوفان نے دھر کپڑا اور وہ تھے بھی خالم۔^(۱۵)

پھر ہم نے انہیں اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعہ

کو ہم نے تمام جہان کے لیے عبرت کا نشان بنادیا۔^(۱۶)

اور ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جھوٹے ہیں۔ قیامت کا دن تو ایسا ہو گا کہ وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ﴿وَلَا تَنْزِرُوا إِلَيْهِ
وَلَا إِلَيْهِ أُخْرَى﴾ وہاں تو ایک دوست، دوسرے دوست کو نہیں پوچھے گا چاہے ان کے درمیان نہایت گمراہی دوستی ہو۔
﴿وَلَا يَسْتَأْتِلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾ (المعارج-۴۰) حتیٰ کہ رشتہ دار ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے ﴿وَإِنْ تَنْدَعْ مُنْكَلَةً
إِلَى جِلْمَهَا لَا يَعْلَمُ مِنْهُ شَيْءٌ وَكَوْكَانَ دَأْقُرْبَى﴾ (سورة فاطر-۱۸) اور یہاں بھی اس بوجھ کے اٹھانے کی نفی فرمائی۔

(۲) یعنی یہ ائمہ کفر اور داعیان مثلاً اپنا ہی بوجھ نہیں اٹھائیں گے، بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر ہو گا جو ان کی سُمیٰ و کاوش سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہ مضمون سورۃ النحل آیت ۲۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں ہے، جو ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اپنی نیکیوں کے اجر کے ساتھ ان لوگوں کی نیکیوں کا اجر بھی ہو گا جو اس کی وجہ سے قیامت تک ہدایت کی پیروی کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ اور جو گمراہی کا داعی ہو گا، اس کے لیے اپنے گناہوں کے علاوہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہو گا جو قیامت تک اس کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے ہوں گے، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔^(۱۷) (ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ۔ ابن ماجہ، المقدمة، باب من سن سنۃ حسنة اوسیہ) اسی اصول سے قیامت تک ظلم سے قتل کیے جانے والوں کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے (قانیل) پر ہو گا۔ اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے ناحق قتل کیا تھا (مسند احمد: ۲۸۲) و قد أخرجه الجماعة سوی أبی داود من طرق

(۳) قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی دعوت و تبلیغ کی عمر ہے۔ ان کی پوری عمر کتنی تھی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ بعض کہتے ہیں چالیس سال نبوت سے قبل اور ساٹھ سال طوفان کے بعد، اس میں شامل کر لیے جائیں۔ اور بھی کئی اقوال ہیں، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو، اگر تم میں دانائی ہے تو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔^(۱۶)

تم تو اللہ تعالیٰ کے سوابتوں کی پوجاپاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھر لیتے ہو۔^(۱۷) سنو! جن جنکی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجاپاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں پس تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکرگزاری کرو^(۱۸) اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔^(۱۹)

اور اگر تم جھلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھلایا ہے،^(۲۰)

حَيْرَةً لِّمَنْ أَنْ كَنْتُمْ تَعْلَمُونَ^(۱)

إِنَّمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أُوْنَادًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَهُنِّ يَرْهَقُهُمْ قَاتَلُوكُمْ عَنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَأَشْكُرُوْهُ إِلَيْهِ شُرْجَعُونَ^(۲)

وَإِنْ تُكَدِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أَمْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا

(۱) آفَانَّ وَنَّ کی جمع ہے۔ جس طرح أضْنَامْ، صَنَمْ کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی بت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں صنم، سونے، چاندی، پینل اور پتھر کی مورت کو اور وشن مورت کو بھی اور چونے کے پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے آستانوں کو بھی کہتے ہیں۔ تَخْلُقُونَ إِفْكًا کے معنی ہیں تَكْنِذُبُونَ كَذِبًا جیسا کہ متن کے ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرے معنی ہیں تَعْمَلُونَهَا وَتَنْحِتُونَهَا لِلإِفْكِ جھوٹے مقصد کے لیے انہیں بناتے اور گھر تے ہو۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، وہ تو پتھر کے بنے ہوئے ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، فقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اپنے دل سے ہی تم نے انہیں گھر لیا ہے کوئی دلیل تو ان کی صداقت کی تمہارے پاس نہیں ہے۔ یا یہ بت تو وہ ہیں جنہیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور گھر تے ہو اور جب ان کی ایک خاص شکل و صورت بن جاتی ہے تو تم سمجھتے ہو کہ اب ان میں خدائی اختیارات آگئے ہیں اور ان سے تم امیدیں وابستہ کر کے انہیں حاجت رو اور مشکل کشا باور کر لیتے ہو۔

(۲) یعنی جب یہ بت تمہاری روزی کے اسباب و وسائل میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ بارش بر سا سکتے ہیں، نہ زمین میں درخت اگا سکتے ہیں اور نہ سورج کی حرارت پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں وہ صلاحیتیں دے سکتے ہیں، جنہیں بروئے کار لا کر تم قدرت کی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے ہو، تو پھر تم روزی اللہ ہی سے طلب کرو، اسی کی عبادت اور اسی کی شکرگزاری کرو۔

(۳) یعنی مرکر اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر جب اسی کی طرف لوٹا ہے، اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے تو پھر اس کا در چھوڑ کر دوسروں کے در پر اپنی جیبن نیاز کیوں جھکاتے ہو؟ اس کے بجائے دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور دوسروں کو حاجت رو اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہو؟

(۴) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی ہو سکتا ہے، جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں

رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا رہا ہی ہے۔^(۱) (۱۸) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتداء کس طرح اللہ نے کی پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا،^(۲) یہ تو اللہ تعالیٰ پر بہت ہی آسان ہے۔^(۳) (۱۹)

کہہ دیجئے! کہ زمین میں چل پھر کردیکھو تو سی^(۴) کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداء پیدائش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۲۰) جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے، سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۵) (۲۱)

عَلَى الرَّسُولِ لَا إِلَهَ إِلَّا الْحَلَقُ الْمُمِينُ ^(۱۴)

أَوْ لَهُ يَرُوا كَيْفَ يُبَدِّئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ^(۱۵)
إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ^(۱۶)

قُلْ سَيِّدُ وَالْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ
الْخَلْقَ ثُمَّ إِنَّ اللَّهَ يُنْشِئُ النَّاسَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ
اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ^(۱۷)

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرَحِمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ^(۱۸)

اہل مکہ سے خطاب ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ اگر آپ کو جھٹا رہے ہیں تو اس سے گھبرا نے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبروں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔ پہلی امتیں بھی رسولوں کو جھٹلاتی اور اس کا نتیجہ بھی وہ ہلاکت و تباہی کی صورت میں بھگتی رہی ہے۔

(۱) اس لیے آپ بھی تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔ اس سے کوئی راہ یا بہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے ذمے دار آپ نہیں ہیں، نہ آپ سے اس کی بابت پوچھا ہی جائے گا، کیونکہ ہدایت و بنانہ و نیا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے، جو اپنی سنت کے مطابق، جس میں ہدایت کی طلب صادق دیکھتا ہے، اس کو ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ دوسروں کو ضلالت کی تاریکیوں میں بھکلتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

(۲) توحید و رسالت کے اثاث کے بعد، یہاں سے معاد (آخرت) کا اثاث کیا جا رہا ہے۔ جس کا کفار انکار کرتے تھے۔ فرمایا پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جب تم سارے سے وجود ہی نہیں تھا، پھر تم دیکھنے سننے اور سمجھنے والے بن گئے اور پھر جب مرکر تم مٹی میں مل جاؤ گے، بظاہر تم سارا نام و نشان تک نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ تمیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

(۳) یعنی یہ بات چاہے تمیں کتنی ہی مشکل لگے، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

(۴) یعنی آفاق میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں دیکھو زمین پر غور کرو، کس طرح اسے بچالیا، اس میں پہاڑ، وادیاں، نہریں اور سمندر بنائے، اسی سے انواع و اقسام کی روzi�اں اور پھل پیدا کیے۔ کیا یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ انہیں بنایا گیا ہے اور ان کا کوئی بنانے والا ہے؟

(۵) یعنی وہی اصل حاکم اور متصف ہے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ تاہم اس کا عذاب یا رحمت، یوں ہی الٰہ پر نہیں ہوگی، بلکہ ان اصولوں کے مطابق ہوگی جو اس نے اس کے لیے طے کر رکھے ہیں۔

تم نہ توزیں میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہونہ آسمان میں،
اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی والی ہے نہ مددگار۔ (۲۲)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آئیوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے
ہیں وہ میری رحمت سے نامید ہو جائیں^(۱) اور ان کے
لیے دروناک عذاب ہے۔ (۲۳)

ان کی قوم کا جواب بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے کہ
اسے مار ڈالو یا اسے جلا دو۔^(۲) آخرش اللہ نے انہیں

وَمَا آتَنَّهُمْ بِمُعْجِزَاتِنَّ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا
لَكُمْ مِنْ دُوْنِنَّ اللَّهِ مِنْ قُلُّٰٰ وَلَا نَصْبُلَّٰٰ ۝
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِإِيمَانِ اللَّهِ وَلَقَاءَهُ أُولَئِكَ يَمْسُوْا
مِنْ رَحْمَقِيٍّ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمَةَ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِقُوهُ

(۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت، دنیا میں عام ہے جس سے کافروں اور مومن، منافق اور مخلص اور نیک اور بد سب یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائیں اور مال و دولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَرَحْمَقِيٍّ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الأعراف: ۵۶) ”میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔“ لیکن آخرت چونکہ دارالجزا ہے، انسان نے دنیا کی کھیقی میں جو کچھ بیویا ہو گا، اسی کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہو گی، جیسے عمل کیے ہوں گے، اسی کی جزا اسے وہاں ملے گی۔ اللہ کی بارگاہ میں بے لائق فیصلے ہوں گے۔ دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت کا دن تو اللہ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ وہاں نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلے میں جنت و بدوں کو ان کی بدیوں کی جزا میں جنم دی جائے۔ اس لیے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہو گی۔ جسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت اور معاواد کے ہی منکر ہوں گے وہ میری رحمت سے نامید ہوں گے یعنی ان کے حصے میں رحمت الہی نہیں آئے گی۔ سورہ اعراف میں اس کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ ﴿فَسَأَكْتُبُهُمَا لِلَّذِينَ يَتَعَوَّنُونَ وَيُؤْتُونَ الرُّكُوَّةَ وَالَّذِينَ هُمْ يَا لِيَتَنَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف: ۵۶) ”میں یہ رحمت (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو مقیٰ، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور ہماری آئیوں پر ایمان رکھنے والے ہوں گے۔“

(۲) ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، اب پھر اس کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں جملہ معرفہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے وعظ کا حصہ ہے، جس میں انہوں نے توحید و معاواد کے اثبات میں دلائل دیئے ہیں، جن کا کوئی جواب جب ان کی قوم سے نہیں بناتا تو انہوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا، جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دو یا جلا ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بست بڑا الاوٰ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مخفیت کے ذریعے سے اس میں پھینک دیا۔

آگ سے بچالیا،^(۱) اس میں ایمان والے لوگوں کے لیے
تو بستی نشانیاں ہیں۔ (۲۳)

(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کماکہ تم نے جن بتوں
کی پرستش اللہ کے سوا کی ہے انہیں تم نے اپنی آپس کی
دنیوی دوستی کی بنائی ہے،^(۲) تم سب قیامت کے
دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک
دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے۔^(۳) اور تمہارا سب کا
ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ (۲۵)

پس حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر حضرت لوط (علیہ السلام)
ایمان لائے^(۴) اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف
ہجرت کرنے والا ہوں۔ وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے۔ (۲۶)
اور ہم نے انھیں (ابراہیم کو) اسحاق و یعقوب (علیہما السلام)^(۵)
عطایے اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں ہی کر دی

فَأَنْجَهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِّقَوْمٍ
لَّذُوقُمُونَ ^(۶)

وَقَالَ إِنَّمَا تَخْدَنُ مَنْ دُونَ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةٌ
بِئْنَكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِتُرَبَّوْمَ
الْقِيمَةَ يَكْتُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَمُ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَا وَلَكُمُ النَّارُ وَمَا الْكَوْنُ
مِنْ ثَقِيرٍ ^(۷)

فَامْنَأْ لَهُ لَوْظَمٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي زَانَهُ
هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ^(۸)

وَوَهَبْنَا لَهُ أَسْحَقَ وَيَقْتُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذَرَيْتَهُ

(۱) یعنی اللہ نے اس آگ کو گزار کی صورت میں بدل کر اپنے بندے کو بچالیا، جیسا کہ سورہ انبیاء میں گزرا۔

(۲) یعنی یہ تمہارے قومی بت ہیں جو تمہاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں۔ اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمہاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

(۳) یعنی قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار اور دوستی کے بجائے ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تابع، متبع کو ملامت اور متبع، تابع سے بیزاری کا اظمار کریں گے۔

(۴) حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد تھے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، بعد میں ان کو بھی "سدوم" کے علاقے میں نبی بنیکر بھیجا گیا۔

(۵) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کما اور بعض کے نزدیک حضرت لوط علیہ السلام نے۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں نے ہی ہجرت کی۔ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوط علیہ السلام کے لیے اپنے علاقے "کوٹھی" میں، جو حران کی طرف جاتے ہوئے کوئے کی ایک بستی تھی، اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو گئی تو وہاں سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں چلے گئے۔ تیسری، ان کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی الہیہ سارہ تھیں۔

(۶) یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور انہی میں سارے انہیا ہوئے، اور کتاب میں آئیں۔ آخر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے

اور ہم نے دنیا میں بھی اسے ثواب دیا^(۱) اور آخرت میں تو وہ صالح لوگوں میں سے ہے۔^(۲)

اور حضرت لوط (علیہ السلام) کا بھی ذکر کرو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بد کاری پر اتر آئے ہو جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا۔^(۳) کیا تم مردوں کے پاس بد فعلی کے لیے آتے ہو^(۴) اور راستے بند کرتے ہو^(۵) اور اپنی عام مجلسوں میں بے

الثُّبُوتُ وَالْكِتَابُ وَاتَّيْنَاهُ أَجْرًا فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ
فِي الْآخِرَةِ لَمَنِ الصَّالِحُونَ^(۶)

وَلُؤْطَادُ ذَقَالَ لِقَوْمَهِ إِنَّكُمْ لَكَاذُونَ الْفَاجِحَةُ^(۷)
مَسَبَّقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَلَمِينَ^(۸)

إِنَّكُمْ لَكَاذُونَ الرِّجَالُ وَنَقْطُعُونَ التَّبِيِّلَ وَكَاذُونَ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبی ہوئے اور آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا۔

(۱) اس اجر سے مراد رزق دنیا بھی ہے اور ذکر خیر بھی۔ یعنی دنیا میں ہر منصب کے لوگ (عیسائی، یہودی وغیرہ حتیٰ کہ مشرکین بھی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عنزت و تکریم کرتے ہیں اور مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیم کے پیرو، ان کے ہاں وہ محترم کیوں نہ ہوں گے؟

(۲) یعنی آخرت میں بھی وہ بلند درجات کے حامل اور زمرة صالحین میں ہوں گے۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا ۴ وَاتَّيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمَنِ الصَّالِحُونَ ۵ (سورہ النحل۔ ۲۲)

(۳) اس بد کاری سے مراد وہی لواحت ہے جس کا ارتکاب قوم لوط علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے کیا، جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے۔

(۴) یعنی تمہاری شہوت پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے لیے طبعی طریقے تمہارے لیے ناکافی ہو گئے ہیں اور غیر طبعی طریقہ تم نے اختیار کر لیا ہے۔ جنسی شہوت کی تکمیل کے لیے طبعی طریقہ اللہ تعالیٰ نے یوں سے مباشرت کی صورت میں رکھا ہے۔ اسے چھوڑ کر اس کام کے لیے مردوں کی دبر استعمال کرنا غیر فطری اور غیر طبعی طریقہ ہے۔

(۵) اس کے ایک معنی تو یہ کہے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں، نوواردوں اور گزرنے والوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو، جس سے لوگوں کے لیے راستوں سے گزarna مشکل ہو گیا اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے اور قتل کر دیتے ہو یا ازراہ شرارت انہیں کنکریاں مارتے ہو۔ تیرے معنی کیے گئے ہیں کہ سرراہ ہی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گزرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ کسی ایک خاص سبب کی تعین تو مشکل ہے تاہم وہ ایسا کام ضرور کرتے تھے، جس سے عملہ راستے بند ہو جاتا تھا۔ قطع طریق کے ایک معنی قطع نسل کے بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی عورتوں کی شرم گاہوں کو استعمال کرنے کے بجائے مردوں کی دبر استعمال کر کے تم اپنی نسل بھی منقطع کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ (فتح القدیر)

حیائیوں کا کام کرتے ہو؟^(۱) اس کے جواب میں اس کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ بس^(۲) جا اگر سچا

ہے تو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ۔^(۲۹)

حضرت لوط (علیہ السلام) نے دعا کی^(۳) کہ پروردگار! اس مفسد قوم پر میری مدد فرم۔^(۳۰)

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر پہنچ کرنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں،^(۳۱) یقیناً یہاں کے رہنے والے گنہگار ہیں۔^(۳۲)

(حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اس میں تو لوط (علیہ السلام) ہیں، فرشتوں نے کہا یہاں جو ہیں ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔^(۵) لوط (علیہ السلام) کو اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچالیں گے، البتہ وہ عورت پہچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔^(۶)

فِي نَادِيْمُ الْمُنْكَرِ فَهَا كَانَ جَوَابَ قَوْيَةٍ إِلَّا أَنْ قَالُوا
إِنْ تَأْتِ بِعَدَّا إِنَّ اللَّهَ إِنْ كُلُّتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ ۚ

قَالَ رَبِّيْ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۚ

وَلَتَاجِدُ مُرْسَلًا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى لَا قَالُوا إِنَّا
مُهْلِكُوْ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا
كَانُوا ظَلَمِيْنَ ۚ

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُؤْطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا
لَنْ نَجِيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا مَرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ
الْغَيْرِيْنَ

(۱) یہ بے حیائی کیا تھی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں، مثلاً لوگوں کو کنکریاں مارنا، اجنبی سافر کا استہزا و استخفاف، مجلسوں میں پادمارنا، ایک دوسرے کے سامنے اغلام بازی، شترنج وغیرہ قسم کی تمارباڑی، رنگے ہوئے کپڑے پہننا، وغیرہ۔ امام شوكانی فرماتے ہیں ”کوئی بعید نہیں کہ وہ یہ تمام ہی مکرات کرتے رہے ہوں“۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام نے جب انہیں ان مکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہا۔

(۳) یعنی جب حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اصلاح سے نامید ہو گئے تو اللہ سے مدد کی دعا فرمائی۔

(۴) یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہلاک کرنے کے لیے بھیج دیا۔ وہ فرشتے پسلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انہیں اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی ہلاک کرنے آئے ہیں۔

(۵) یعنی ہمیں علم ہے کہ اخیار اور مومن کون ہیں اور اشرار کون؟

(۶) یعنی ان پہچھے رہ جانے والوں میں سے، جن کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا جاتا ہے وہ چونکہ مومنہ نہیں تھی بلکہ اپنی قوم کی طرف دار تھی، اس لیے اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

پھر جب ہمارے قاصد لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے۔^(۱) قاصدوں نے کہا آپ نہ خوف کھائیے نہ آزروہ ہوں، ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچالیں گے مگر آپ کی^(۲) یہوی کہ وہ عذاب کے لیے باقی رہ جانے والوں میں سے ہو گی۔^(۳۳)

ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں^(۴) اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں۔^(۳۴) البتہ ہم نے اس بستی کو صریح عبرت کی نشانی بنا دیا^(۵) ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔^(۳۵)

وَلَمَّا آتَنَا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا يَهِمُّ وَضَاقَ
بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخْفُ وَلَا تَحْرُجْنَا إِنَّا
مُنْجُوكُ وَأَهْلُكَ إِلَّا امْرَاتُكَ كَانَتْ
مِنَ الْغَيْرِينَ ^(۶)

إِنَّا مُنْزَلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجَزُ أَمِنَ السَّمَاءَ
بِمَا كَانُوا يَفْسُدُونَ ^(۷)
وَلَقَدْ شَرَكُنَا مِنْهَا آيَةً بَيْتَنَةً لِقَوْمٍ يَعْقُلُونَ ^(۸)

(۱) سِيَءَ بِهِمْ کے معنی ہیں۔ ان کے پاس ایسی چیز آئی جو انہیں بری لگی اور اس سے ڈر گئے۔ اس لیے کہ لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو، جو انسانی شکل میں آئے تھے، انسان ہی سمجھا۔ ڈرے اپنی قوم کی عادت بد اور سرکشی کی وجہ سے کہ ان خوبصورت مسمانوں کی آمد کا علم اگر انہیں ہو گیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے، جس سے میری رسولی ہو گی۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا یہ کنایہ ہے عاجزی سے۔ جیسے ضَاقَتْ يَدُهُ (ہاتھ کاٹنگ ہونا) کنایہ ہے فقرے۔ یعنی ان خوش شکل مسمانوں کو بد خصلت قوم سے بچانے کی کوئی تدبیر انہیں نہیں سو جھی، جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں پریشان تھے۔

(۲) فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی اور غم و حزن کی کیفیت کو دیکھا تا انہیں تسلی دی، اور کہا کہ آپ کوئی خوف اور حزن نہ کریں، ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو، سوائے آپ کی یہوی کے، نجات دلانا ہے۔

(۳) اس آسمانی عذاب سے وہی عذاب مراد ہے جس کے ذریعے سے قوم لوط کو ہلاک کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جبرايل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو زمین سے اکھیڑا آسمان کی بلندیوں تک لے گئے، پھر ان کو ان ہی پر الثار دیا گیا، اس کے بعد پھرلوں کی بارش ان پر ہوئی اور اس جگہ کو سخت بدبودار بیکرہ (چھوٹے سمندر) میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

(۴) یعنی پھرلوں کے وہ آثار، جن کی بارش ان پر ہوئی سیاہ بدبودار پانی اور ایسی ہوئی بستیاں، یہ سب عبرت کی نشانیاں ہیں۔ مگر کون کے لیے؟ دانش مندوں کے لیے۔

(۵) اس لیے کہ وہی معاملات پر غور کرتے، اسباب و عوامل کا تجزیہ کرتے اور نتائج و آثار کو دیکھتے ہیں لیکن جو لوگ عقل و شعور سے بے بہرہ ہوتے ہیں، انہیں ان چیزوں سے کیا تعلق؟ وہ تو ان جانوروں کی طرح ہیں جنہیں ذبح کے لیے بوچڑ خانے لے جایا جاتا ہے لیکن انہیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس میں مشرکین مکہ کے لیے بھی تعریض ہے کہ وہ بھی مکنذیب کاظما ہرہ کر رہے ہیں جو عقل و دانش سے بے بہرہ لوگوں کا وظیرو ہے۔

اور مدین کی طرف^(۱) ہم نے ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا انہوں نے کماںے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو قیامت کے دن کی توقع رکھو^(۲) اور زمین میں فساد نہ کرتے پھر وہ۔^(۳) (۳۶)

پھر بھی انہوں نے انہیں جھٹلایا آخرش انہیں زلزلے نے کپڑلیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے مردہ ہو کر رہ گئے۔^(۴) (۳۷)

اور ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو بھی غارت کیا جن کے بعض مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں^(۵) اور شیطان نے انہیں انکی بد اعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انہیں راہ سے روک دیا تھا باوجود یہ آنکھوں والے اور ہوشیار تھے۔^(۶) (۳۸)

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی، ان کے پاس

وَإِلَى مَدِينَ أَخَاهُ شَعِيبًا فَقَالَ يَقُولُ إِعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُو الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثُرُوا فِي الْأَرْضِ مُغْسِدِينَ ۝

فَلَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الرَّجْفَةُ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَحِيمَنَ ۝

وَعَادُوا تَمُودُوا وَقَدْ تَبَيَّنَ لِكُمْ مِنْ مَسِكِنِهِمْ وَزِينَ لَهُمُ الشَّيْطَنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْدِرِينَ ۝

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَنَ وَلَقَدْ جَاءَهُمُ مُؤْمِنِي

(۱) مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا، بعض کے نزدیک یہ ان کے پوتے کا نام ہے، بیٹے کا نام مدین تھا۔ ان ہی کے نام پر اس قبیلے کا نام پڑ گیا، جوان ہی کی نسل پر مشتمل تھا۔ اسی قبیلہ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین شر کا نام تھا، یہ قبیلہ یا شرلوٹ علیہ السلام کی بستی کے قریب ہی تھا۔

(۲) اللہ کی عبادت کے بعد، انہیں آخرت کی یاد دہانی کرائی گئی یا تو اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر تھے یا اس لیے کہ وہ اسے فراموش کیے ہوئے تھے اور معصیتوں میں بجلاتھے اور جو قوم آخرت کو فراموش کر دے، وہ گناہوں میں دلیر ہوتی ہے۔ جیسے آج مسلمانوں کی اکثریت کا حال ہے۔

(۳) ناپ تول میں کمی اور لوگوں کو کم دینا، یہ یہاڑی ان میں عام تھی اور ارتکاب معاصی میں بھی انہیں باک نہیں تھا، جس سے زمین فساد سے بھر گئی تھی۔

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بالآخر بادلوں کے سامنے والے دن، جرایل علیہ السلام کی ایک سخت چیز سے زمین زلزلے سے رزاٹھی، جس سے ان کے دل ان کی آنکھوں میں آگئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور وہ گھنٹوں کے بل بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

(۵) قوم عاد کی بستی۔ احقاف، حضرموت (یمن) کے قریب اور ثمود کی بستی، جغر، جسے آج کل مدارک صلح کہتے ہیں، مجاز کے شمال میں ہے۔ ان علاقوں سے عربوں کے تجارتی قالے آتے جاتے تھے، اس لیے یہ بستیاں ان کے لیے انجام نہیں، بلکہ ظاہر تھیں۔

(۶) یعنی تھے وہ عقل مند اور ہوشیار۔ لیکن دین کے معاملے میں انہوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کچھ کام نہیں لیا، اس لیے یہ عقل اور سمجھ ان کے کام نہ آئی۔

بِالْبُيُّنَتِ فَأَسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَيِّقِينَ ۝

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کھلے کھلے مجزے لے کر آئے تھے^(۱) پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے۔^(۲) (۳۹)

پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وباں میں گرفتار کر لیا،^(۳) ان میں سے بعض پر ہم نے پھرلوں کا مینہ بر سلایا^(۴) اور ان میں سے بعض کو زور دار سخت آواز نے دبوچ لیا^(۵) اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنار دیا^(۶) اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا،^(۷)

فَهُلَّا أَخَذْنَا لَدُنْهُ فِيهِمْ مَنْ أَسْلَمَنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا
وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَنَا الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسْفَنَا
بِهِ الْأَرْضُ وَمِنْهُمْ مَنْ أَعْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ

(۱) یعنی دلائل و مجزات کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوا، اور بد ستور متکبر بنے رہے یعنی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے سے گیری کیا۔

(۲) یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکے اور ہمارے عذاب کے شکنے میں آکر رہے۔ ایک دوسرا ترجمہ ہے کہ ”یہ کفر میں سبقت کرنے والے نہیں تھے“ بلکہ ان سے پہلے بھی بست سی اتنی گزر پچکی ہیں جنہوں نے اسی طرح کفو عناد کا راستہ اختیار کیے رکھا تھا۔

(۳) یعنی ان مذکورین میں سے ہر ایک کی، ان کے گناہوں کی پاداش میں، ہم نے گرفت کی۔

(۴) یہ قوم عاد تھی، جس پر نمایت تند و تیز ہوا کا عذاب آیا۔ یہ ہوا زمین سے کنکریاں اڑا اڑا کر ان پر برساتی، بالآخر اس کی شدت اتنی بڑی کہ انہیں اچک کر آسمان تک لے جاتی اور انہیں سر کے بل زمین پر دے مارتی، جس سے ان کا سر الگ اور دھڑا الگ ہو جاتا گویا کہ وہ کھجور کے کھو کھلتے تھے ہیں۔ (ابن کثیر)

بعض مفسرین نے حاصبا کا مصدق اس قوم لوط علیہ السلام کو نھرا یا ہے۔ لیکن امام ابن کثیر نے اسے غیر صحیح اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کو منقطع قرار دیا ہے۔

(۵) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، شہود ہے۔ جنہیں ان کے کہنے پر ایک چٹان سے او نہنی نکال کر دکھائی گئی۔ لیکن ان طالبوں نے ایمان لانے کے بجائے اس او نہنی کو ہی مار دالا۔ جس کے تین دن بعد ان پر سخت چلگماڑ کا عذاب آیا، جس نے ان کی آوازوں اور حرکتوں کو خاموش کر دیا۔

(۶) یہ قارون ہے، جسے مال و دولت کے خزانے عطا کیے گئے تھے، لیکن یہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا کہ یہ مال و دولت اس بات کی ولیل ہے کہ میں اللہ کے ہاں معزز و محترم ہوں۔ مجھے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اس کے خزانوں اور محلات سمیت زمین میں دھندا یا گیا۔

(۷) یہ فرعون ہے، جو ملک مصر کا حکمران تھا، لیکن حد سے تجاوز کر کے اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اور ان کی قوم بھی اسرائیل کو، جس کو اس نے غلام بنا کر کھاتھا، آزاد کرنے

الله تعالى ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے بلکہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔^(۱) (۳۰)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کار ساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بناتی ہے، حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے،^(۲) کاش! وہ جان لیتے۔^(۳)

الله تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنہیں وہ اس کے سوا پکار رہے ہیں، وہ زبردست اور ذی حکمت ہے۔^(۴) (۳۲) ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرمائیں ہیں^(۵) انسیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔^(۶) (۳۳)

الله تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے،^(۷) ایمان والوں کے لیے تو اس میں بڑی بھاری دلیل ہے۔^(۸) (۳۴)

لِيُظْلِمُهُمْ وَلِكُنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ⑥

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أُولَئِكَ كَمَثَلِ
الْعَنْكُبُوتِ إِنَّهُنَّ بَيْتَانَا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبَيْوَاتِ
لَيَسْتُ الْعَنْبُوتُ أَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ⑦

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑧

وَتَلَكَ الْأَمْثَالُ نَصِيرٌ لِهَا لِلثَّالِثِ وَمَا يَعْلَمُهَا
إِلَّا الْعَلِيمُونَ ⑨
خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِيقَ إِنَّ فِي
ذَلِكَ لَذِيَّةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ⑩

سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک صحیح اس کو اس کے پورے لشکر سیت دریائے قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

(۱) یعنی اللہ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے۔ اس لیے پچھلی قومیں، جن پر عذاب آیا، محض اس لیے ہلاک ہوئیں کہ کفر و شرک اور بکذب و معاصی کا ارتکاب کر کے انسوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

(۲) یعنی جس طرح مکڑی کا جالا (گھر) نہایت بودا، کمزور اور ناپاسدار ہوتا ہے، ہاتھ کے اوپر سے اشارے سے وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا معبود، حاجت رو اور مشکل کشا سمجھنا بھی بالکل ایسا ہی، یعنی بالکل بے فائدہ ہے، کیونکہ وہ بھی کسی کے کام نہیں آسکتے۔ اس لیے غیر اللہ کے سارے بھی مکڑی کے جالے کی طرح یکسر ناپاسدار ہیں۔ اگر یہ پاسدار یا نفع بخش ہوتے تو یہ معبود گزشتہ اقوام کو تباہی سے بچا لیتے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ انسیں نہیں بچا سکے۔

(۳) یعنی انسیں خواب غفلت سے بیدار کرنے، شرک کی حقیقت سے آگاہ کرنے اور ہدایت کا راست بھانے کے لیے۔ اس علم سے مراد اللہ کا، اس کی شریعت کا اور ان آیات و دلائل کا علم ہے جن پر غور و فکر کرنے سے انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔

(۴) یعنی عبث اور بے مقصد نہیں۔

(۵) یعنی اللہ کے وجود کی، اس کی قدرت اور علم و حکمت کی۔ اور پھر اسی دلیل سے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاجت رو اور مشکل کشا نہیں۔

جو کتاب آپ کی طرف وہی کی گئی ہے اسے پڑھئے^(۱)
اور نماز قائم کریں،^(۲) یقیناً نماز بے حیائی اور برائی
سے روکتی ہے،^(۳) بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز

أَنْلُ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِيمُ الصَّلَاةَ
إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالنَّجْمُ لِذِكْرِ اللَّهِ الْكَبِيرِ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ^(۴)

(۱) قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر و ثواب کے لیے، اس کے معانی و مطالب پر تدبر و تفکر کے لیے، تعلیم و تدریس کے لیے، اور وعظ و نصیحت کے لیے، اس حکم تلاوت میں ساری ہی صورتیں شامل ہیں۔
(۲) کیوں کہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا تعلق خصوصی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے، جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے ہر مسٹر پر اس کے عزم و ثبات کا باعث، اور بدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔
اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے ”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو“ (البقرة - ۱۵۳) نماز اور صبر کوئی مریٰ چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کر لے۔ یہ تو غیر مریٰ چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے وہ قدم تقدم پر اس کی دشگیری اور رہنمائی کرتا ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تہائی میں تجدی کی نماز بھی پڑھنے کی تائید کی گئی، کیوں کہ آپ ﷺ کے ذمے جو عظیم کام سونپا گیا تھا، اس میں آپ ﷺ کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کا اہتمام فرماتے ”إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَرِّعْ إِلَى الصَّلَاةِ“ (مسند أحمد وابن ماجہ)

(۳) یعنی، بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوافلان یکاری کو روکتی ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب؟ جب دو بالوں کا التراجم کیا جائے۔ ایک دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلاتے۔ دوسرا پر ہیز، یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔ اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت، جب نماز کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان آداب و شرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت و قبولیت کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً اس کے لیے کچھ اخلاص ہے، فانياً طمارت قلب، یعنی نماز میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف اتفاق نہ ہو، ثالثاً باجماعت اوقات مقررہ پر اس کا اہتمام۔ رابعاً اس کا صلوٰۃ (قراءت، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال و اطمینان، خامساً خشوع و خصوص اور رقت کی کیفیت۔ سادساً موافقت یعنی پابندی کے ساتھ اس کا التراجم، سابعاً رزق حلال کا اہتمام۔ ہماری نمازیں ان آداب و شرائط سے عاری ہیں، اس لیے ان کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں، جو قرآن کریم میں بتلاتے گئے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امر کے کیے ہیں۔ یعنی نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ بے حیائی کے کاموں سے اور برائی سے رک جائے۔

ہے،^(۱) تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔^(۲۵)
اور اہل کتاب کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو،^(۲) مگر ان کے ساتھ جوان میں خالم ہیں^(۳) اور صاف اعلان کرو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی،^(۴) ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں۔^(۳۶)

اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، پس جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں^(۵) اور ان (مشرکین) میں سے بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں^(۶) اور ہماری آئیوں کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔^(۳۷)

وَلَا يُجَاهِدُونَ أَهْلَ الْكِتَابَ إِلَّا يَأْتِيَهُمْ هُنَّ أَحَدُنَّ إِلَّا
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا أَمَّا بِالَّذِي أَنْزَلْنَا
وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ وَاللَّهُمَا إِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَإِلَهُ الْعَالَمِينَ لَهُ
مُسْلِمُونَ ^(۷)

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ اتَّبَاعُوكُمْ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ
بِهِ وَمَنْ هُوَ لَهُ مِنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْعَدُ بِالْيَقِنِ
إِلَّا الْكُفَّارُونَ ^(۸)

(۱) یعنی بے حیائی اور برائی سے روکنے میں اللہ کا ذکر، اقامت صلوٰۃ سے بھی زیادہ موثر ہے۔ اس لیے کہ آدمی جب تک نماز میں ہوتا ہے، برائی سے رکارہتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے، اس کے بر عکس ہر وقت اللہ کا ذکر اس کے لیے ہر وقت برائی میں مانع رہتا ہے۔

(۲) اس لیے کہ وہ اہل علم و فہم ہیں، بات کو سمجھنے کی صلاحیت واستعداد رکھتے ہیں۔ بنا بریں ان سے بحث و گفتگو میں تخلی اور تندری مناسب نہیں۔

(۳) یعنی جو بحث و مجادلہ میں افراط سے کام لیں تو تمہیں بھی سخت لب و لجد اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ بعض نے پہلے گروہ سے مراد وہ اہل کتاب لیے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہ سودیت و نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے ظَلَمُوا مِنْهُمْ کا مصدقاق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عِزَّاً مُّعَزِّزاً رکھتے تھے اور جدال و قتال کے بھی مر عکب ہوتے تھے۔ ان سے تم بھی قتال کروتا آنکہ مسلمان ہو جائیں، یا جزیہ دیں۔

(۴) یعنی تورات و انجلیل پر۔ یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور یہ کہ یہ شریعت اسلامیہ کے قیام اور بعثت محمدیہ تک شریعت الیہ ہیں۔

(۵) اس سے مراد عبد اللہ بن سلام ہو، وغیرہ ہیں۔ ایتائے کتاب سے مراد اس پر عمل ہے۔ گویا اس پر جو عمل نہیں کرتے، انہیں یہ کتاب دی ہی نہیں گئی۔

(۶) ان سے مراد اہل مکہ ہیں جن میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔

اس سے پسلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے^(۱) اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے^(۲) تھے کہ یہ باطل پرست لوگ شک و شبہ میں پڑتے۔^(۳) (۳۸)

بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آئتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں،^(۴) ہماری آئتوں کا منکر بجز طالموں کے اور کوئی نہیں۔^(۵) (۳۹)

انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معبرات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں^(۶) میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں۔^(۷) (۵۰)

کیا انہیں یہ کافی نہیں؟ کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جوان پر پڑھی جا رہی ہے،^(۸) اس میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت (بھی) ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔^(۹) (۵۱)

وَمَا كُنْتَ تَتَلَوَّ أَمْنَ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُلَهُ بِيَمِينِكَ إِذَا أَرَتَكَ الْمُبَطِّلُونَ ⑥

بَلْ هُوَ الْحِكْمَةُ بِيَمِينِكَ فِي مُصْدُورِ الظَّيْنِ أَوْ تُوَالِعِلْمَ وَمَا يَجْعَدُ بِالْيَمِينِ إِلَّا الظَّلَمُونَ ⑦

وَقَاتُلُوا وَلَا تُنْزَلَ عَلَيْهِ إِلَيْتُمْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْأَذْيَتُ عَنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنْذَلَنَا لِرِبِّنَا ⑧

أَوْ لَمْ يَكُنْ هُمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُشَلِّ عَلَيْهِمْ إِنْ فِي ذَلِكَ لَرْحَمَةٌ وَذِكْرُنَا لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ⑨

(۱) اس لیے کہ ان پڑھ تھے۔

(۲) اس لیے کہ لکھنے کے لیے بھی علم ضروری ہے، جو آپ نے کسی سے حاصل ہی نہیں کیا تھا۔

(۳) یعنی اگر آپ ملکہ پڑھے لکھے ہوتے یا کسی استاد سے کچھ سیکھا ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید فلاں کی مدد سے یا اس سے تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

(۴) یعنی قرآن مجید کے حافظوں کے سینوں میں۔ یہ قرآن مجید کا عجایز ہے کہ قرآن مجید لفظ بہ لفظ سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۵) یعنی یہ نشانیاں اس کی حکمت و مشیت، جن بندوں پر اتارنے کی مقتضی ہوتی ہے، وہاں وہ اتارتا ہے، اس میں اللہ کے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(۶) یعنی وہ نشانیاں طلب کرتے ہیں۔ کیا ان کے لیے بطور نشانی یہ قرآن کافی نہیں ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے اور جس کی بابت انہیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لا کر دکھائیں یا کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دیں۔ جب قرآن کی اس معبراتہ نمائی کے باوجود یہ قرآن پر ایمان نہیں لارہے ہیں تو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی طرح انہیں معبزے دکھا بھی دیئے جائیں، تو اس پر یہ کون سا ایمان لے آئیں گے؟

(۷) یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہے، کیوں کہ وہی اس

^(۱) کہہ دیجئے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ تعالیٰ گواہ ہونا کافی ہے وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا عالم ہے، جو لوگ باطل کے مانے والے اور اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والے ^(۲) ہیں وہ زبردست نقصان اور گھائے میں ہیں۔ ^(۳) (۵۲)

یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ ^(۴) اگر میری طرف سے مقرر کیا ہو اوقت نہ ہوتا تو ابھی تک ان کے پاس عذاب آچکا ہوتا، ^(۵) یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آپنچے گا۔ ^(۶) (۵۳)

یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور (تلی رکھیں) جنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔ ^(۷) (۵۳)

اس دن انکے اوپر تلے سے انہیں عذاب ڈھانپ رہا ہو گا اور

قُلْ كُفَّيْ بِالنَّهِ يَعْلَمُ وَبَيْنَكُمْ شَهِيدٌ أَعْلَمُ بَنِي إِنَّمَا يَنْهَا عَذَابُنَا وَالْأَذْنَى
وَالَّذِينَ أَمْتَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَئِكُمُ الظَّالِمُونَ ۝

وَسَعَ عِجْلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَنَوْلَا أَجَلٌ مُسَمٌّ عَيَّادٌ هُمُ الْعَذَابُ
وَلَيَأْتِنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

يَتَعَجَّلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لِمُجِيْطَةٍ بِالْكَفَّارِ ۝

يَوْمَ يَنْشَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فُوْقِهِمُ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ

سے متعہ اور فیض یا ب ہوتے ہیں۔

(۱) اس بات پر کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور جو کتاب مجھ پر نازل ہوئی ہے، یقیناً منجانب اللہ ہے۔

(۲) یعنی غیر اللہ کو عبادت کا مستحق نہ کرتے ہیں اور جو فی الواقع مستحق عبادت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کا انکار کرتے ہیں۔

(۳) کیوں کہ یہ لوگ فساد عقلی اور سوء فہم میں بجا ہیں، اسی لیے انہوں نے جو سودا کیا ہے کہ ایمان کے بد لے کفر اور ہدایت کے بد لے گمراہی خریدی ہے، اس میں یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

(۴) یعنی پیغمبر کی بات مانے کے بجائے، کہتے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروادے۔

(۵) یعنی ان کے اعمال و اقوال تو یقیناً اس لائق ہیں کہ انہیں فوراً صفحہ ہستی سے ہی منادیا جائے۔ لیکن ہماری سنت ہے کہ ہر قوم کو ایک وقت خاص تک مملت دیتے ہیں، جب وہ مملت عمل ختم ہو جاتی ہے تو ہمارا عذاب آ جاتا ہے۔

(۶) یعنی جب عذاب کا وقت مقرر آ جائے گا تو اس طرح اچانک آئے گا کہ انہیں پڑے بھی نہیں چلے گا۔ یہ وقت مقرر وہ ہے جو اس نے اہل مکہ کے لیے لکھ رکھا تھا، یعنی جنگ بدر میں اسارت و قتل، یا پھر قیامت کا وقوع ہے جس کے بعد کافروں کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

(۷) پہلا یَسْتَعْجِلُونَكَ بطور خبر کے تھا اور یہ دوسرا بطور تعب کے ہے یعنی یہ امر تعب انگیز ہے کہ عذاب کی جگہ (جنم) ان کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ پھر بھی یہ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ حالاں کہ ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے، اسے دور کیوں سمجھتے ہیں؟ یا پھر یہ تکرار بطور تائید کے ہے۔

الله تعالى^(۱) فرمائے گا کہ اب اپنے (بد) اعمال کا مزہ چکھو۔ (۵۵)

اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔ (۵۶)

ہرجاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۵۷)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں ہم یقیناً جنت کے ان بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے چشمے بس رہے ہیں۔ (۳) جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، (۵) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔ (۵۸)

وہ جنمون نے صبر کیا^(۴) اور اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۷) (۵۹)

اور بست سے^(۸) جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں

وَيَقُولُ ذُو قُوَّاتٍ أَكْثَرُهُمْ تَعْمَلُونَ ④

يَعْبَادُ الَّذِينَ أَمْوَالَنَّ أَرْضُنَّ وَاسِعَةٌ فِي آئَيِّ الْأَعْدَادِ ۚ ۵

كُلُّ نَفْسٍ ذَاقَتُ الْمَوْتَ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۶

وَالَّذِينَ أَمْتَنُوا وَعَمِلُوا الصِّدْقَاتِ لَنَبْيَهُنَّ هُمْ مِنَ الْجَنَّةِ عُرْقًا
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا تَغْمُدُ أَجْرُ الْعَمَلِينَ ۷

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۸

وَكَانُوا مِنْ دَآبَةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا وَاللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِنَّ اللَّهَ^۹

(۱) يَقُولُ، کافاعل اللہ ہے یا فرشتے، یعنی جب چاروں طرف سے ان پر عذاب ہو رہا ہو گا تو کہا جائے گا۔

(۲) اس میں ایسی جگہ سے، جہاں اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو اور دین پر قائم رہنا وہ بھر ہو رہا ہو، بھرت کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح مسلمانوں نے پہلے کہ سے جب شہ کی طرف اور پھر بعد میں مدینہ کی طرف بھرت کی۔

(۳) یعنی موت کا جرعتہ تین تو لا محالہ ہر ایک کو پینا ہے، بھرت کرو گے تب بھی اور نہ کرو گے تب بھی، اس لیے تمہارے لیے وطن کا، رشتہ داروں کا، اور دوست احباب کا چھوڑنا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ موت تو تم جہاں بھی ہو گے آجائے کی۔ البتہ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے مر گے تو تم اخروی نعمتوں سے شاد کام ہو گے، اس لیے کہ مر کر تو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔

(۴) یعنی اہل جنت کے مکانات بلند ہوں گے، جن کے نیچے نہیں بس رہی ہوں گی۔ یہ نہیں پانی، شراب، شدہ اور دودھ کی ہوں گی، علاوہ ازیں انہیں جس طرف پھرنا چاہیں گے، ان کا رخ اسی طرف ہو جائے گا۔

(۵) ان کے زوال کا خطرہ ہو گا، نہ انہیں موت کا اندیشہ نہ کسی اور جگہ پھر جانے کا خوف۔

(۶) یعنی دین پر مضبوطی سے قائم رہے، بھرت کی تکلیفیں برداشت کیں، اہل و عیال اور عزیز و اقربا سے دوری کو محض اللہ کی رضا کے لیے گوارا کیا۔

(۷) دین اور دنیا کے ہر معاملے اور حالات میں۔

(۸) کائنات میں کاف تشبیہ کا ہے اور معنی ہیں کتنے ہی یا بہت سے۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ④

وَلَئِنْ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَإِنْ يُؤْنَدُونَ ⑤

اَللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَقَنْدِرُكُلَّهُ اَنَّ
اَللَّهُ يَكْلِلُ شَيْءٍ عَلَيْهِ ⑥

پھرتے،^(۱) ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی
دیتا ہے،^(۲) وہ بڑا ہی سننے جانے والا ہے۔^(۳) (۴۰)
اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کا
خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو
ان کا جواب یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ،^(۵) پھر کدھرا لے جا
رہے ہیں۔ (۶۱)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی
دیتا ہے اور جسے چاہے نگ۔^(۷) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا

(۱) کیوں کہ اٹھا کر لے جانے کی ان میں ہمت ہی نہیں ہوتی، اسی طرح وہ ذخیرہ بھی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق
کسی خاص جگہ کے ساتھ مخفی نہیں ہے بلکہ اللہ کا رزق اپنی مخلوق کے لیے عام ہے وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو بلکہ
اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو جانے والے صحابہ رض کو پہلے سے کہیں زیادہ وسیع اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا، نیز تھوڑے ہی
عرسے کے بعد انہیں عرب کے متعدد علاقوں کا حکمران بنا دیا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ۔

(۲) یعنی کوئی کمزور ہے یا طاقت ور، اسباب وسائل سے بہرہ ور ہے یا بے بہرہ، اپنے وطن میں ہے یا مهاجر اور بے
وطن، سب کارروزی رساں وہی اللہ ہے جو چیونی کو زمین کے کونوں کھدروں میں، پرندوں کو ہواوں میں اور مچھلیوں اور
دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گمراہیوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ فقر و فاقہ کا ذرہ ہجرت میں
رکاوٹ نہ بنے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمام مخلوقات کی روزی کا ذرے دار ہے۔

(۳) وہ جانے والا ہے تمہارے اعمال و افعال کو اور تمہارے ظاہر و باطن کو، اس لیے صرف اسی سے ڈرو، اس کے سوا
کسی سے مت ڈرو! اسی کی اطاعت میں سعادت و کمال ہے اور اس کی معصیت میں شقاوت و نقصان۔

(۴) یعنی یہ مشرکین، جو مسلمانوں کو محض توحید کی وجہ سے ایذا کیں پہنچا رہے ہیں، ان سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان و
زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سورج اور چاند کو اپنے مدار پر چلانے والا کون ہے؟ تو وہاں یہ اعتراف کیے
بغیر انہیں چارہ نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔

(۵) یعنی دلائل و اعتراف کے باوجود حق سے یہ اعراض اور گریز بायع تجуб ہے۔

(۶) یہ مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو پھر غریب اور کمزور کیوں ہو؟
اللہ نے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور کمی اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق جس کو چاہتا ہے کم یا
زیادہ دیتا ہے، اس کا تعلق اس کی رضامندی یا غصب سے نہیں ہے۔

جانے والا ہے۔^(۱) (۶۲)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا اللہ تعالیٰ نے۔ آپ کہہ دیں کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے، بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔^(۲) (۶۳)

اور دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے^(۳) البتہ آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے،^(۴) کاش! یہ جانتے ہوتے۔^(۵) (۶۴)

پس یہ لوگ جب کشیتوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ انیس خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔^(۶) (۶۵)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ تَرَلَ مِنَ الْكَمَاءِ نَأْمَدُ فَإِنْ يَأْتِي بِهِ الْأَرْضَ
مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ أَلْيَقُولَنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْنَ الْكَرْمُ
لَا يَعْقِلُونَ ⑤

وَمَا هُنَّ إِلَّا حَيَوَانٌ مُّنْكَرٌ إِلَّا لَهُوَ لَعْبٌ وَّإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ
لَهُمْ حَيَوَانٌ مُّنْكَرٌ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ⑥

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفَلَكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الَّذِينَ هُمْ فَلَمَّا
نَجَّهُمُ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ⑦

(۱) اس کو بھی وہی جانتا ہے کہ زیادہ رزق کس کے لیے ہوتا ہے اور کس کے لیے نہیں؟

(۲) کیوں کہ عقل ہوتی تو اپنے رب کے ساتھ پھرلوں کو اور مردوں کو رب نہ بناتے۔ نہ ان کے اندر یہ تناقض ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربویت کے اعتراف کے باوجود بتوں کو حاجت رو اور لاائق عبادت سمجھ رہے ہیں۔

(۳) یعنی جس دنیا نے انیس آخرت سے اندھا اور اس کے لیے تو شہ جمع کرنے سے غافل رکھا ہے، وہ ایک کھیل کو دے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، کافر دنیا کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے، اس کے لیے شب و روز مخت کرتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے۔ جس طرح بچے سارا دن منی کے گھروں سے کھلتے ہیں، پھر خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، سوائے تھکاٹ کے انیس کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(۴) اس لیے ایسے عمل صالح کرنے چاہیں جن سے آخرت کا یہ گھر سنور جائے۔

(۵) کیوں کہ اگر وہ یہ بات جان لیتے تو آخرت سے بے پرواہ ہو کر دنیا میں مگن نہ ہوتے۔ اس لیے ان کا علاج علم ہے، علم شریعت۔

(۶) مشرکین کے اس تناقض کو بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس تناقض کو حضرت عمر مسیحؓ سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے انیں قبول اسلام کی توفیق حاصل ہو گئی۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہو گئے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفت سے بچ جائیں۔ یہ جسہ جانے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھے، کشتی گرداب میں پھنس گئی، تو کشتی میں

لِكُفَّارٍ وَابْنَاتِهِمْ وَلَيَقْتَصُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ④

(۱) ابھی ابھی پتہ چل جائے گا۔ (۲۶)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو با من بنادیا ہے حالانکہ ان کے ارد گرد سے لوگ اچک لیے جاتے ہیں،^(۲) کیا یہ باطل پر تولیقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ناشکری کرتے ہیں۔^(۳) (۲۷)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے^(۴) یا جب حق اس کے پاس آجائے وہ اسے جھٹالئے^(۵) کیا یہے کافروں کا نہ کانا جنم میں نہ ہو گا؟ (۲۸)

أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا لِمَنْ أَتَى بِخَطْفِ النَّاسِ مِنْ حَوْلِهِمْ
أَفِإِلَيْهِ أَطْلِيلُ يَوْمُنَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ⑤

وَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ إِفْرَارِ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَكَذَبَ بِالْحَقِّ
لَمَنْ جَاءَهُ الْيَسْرُ فِي جَهَنَّمَ مَثْوَيَ الْكَفَرِينَ ⑥

سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو، اس لیے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عمرہ بن بشیر نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ اور اسی وقت اللہ سے عمد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا یعنی مسلمان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ رضی اللہ عنہ (ابن کثیر، بوحالی بیہت محمد بن اسحاق)

(۱) یہ لام گی ہے جو علت کے لیے ہے۔ یعنی نجات کے بعد ان کا شرک کرنا، اس لیے ہے کہ وہ کفران نعمت کریں اور دنیا کی لذتوں سے متعین ہوتے رہیں۔ کیوں کہ اگر وہ یہ ناشکری نہ کرتے تو اخلاق پر قائم رہتے اور صرف اللہ واحد کو ہی ہمیشہ پکارتے۔ بعض کے نزدیک یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی گو ان کا مقصد کفر کرنا نہیں ہے لیکن دوبارہ شرک کے ارتکاب کا نتیجہ بمرحال کفر ہی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ اس احسان کا تذکرہ فرمارہا ہے جو اہل مکہ پر اس نے کیا کہ ہم نے ان کے حرم کو امن والا بنا لیا جس میں اس کے باشندے قتل و غارت، اسیری، لوٹ مار وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ جب کہ عرب کے دوسرے علاقے اس امن و سکون سے محروم ہیں قتل و غارت گری ان کے ہاں معمول اور آئے دن کا مختلف ہے۔

(۳) یعنی کیا اس نعمت کا شکری ہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک نہ مرا کیں، اور جھوٹے معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے رہیں۔ اس احسان کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے پیغمبر ﷺ کی تصدیق کرتے۔

(۴) یعنی دعویٰ کرے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے دراں حایکہ ایسا نہ ہو یا کوئی یہ کہے کہ میں بھی وہ چیز اتار سکتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے۔ یہ افتراء ہے اور مردی مفتری۔

(۵) یہ مکذب ہے اور اس کا مرتكب مکذب۔ افتراء اور مکذب دنوں کفر ہیں جس کی سزا جنم ہے۔

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ^(۱)
ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھاویں گے۔ ^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ
نیکو کاروں کا ساتھی ہے۔ ^(۳) ^(۴)

سورہ روم کی ہے اور اس میں سانحہ آئیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

الم۔ (۱) روی مغلوب ہو گئے ہیں۔ ^(۲)
زدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب
 غالب آجائیں گے۔ ^(۳)

چند سال میں ہی۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی
اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس روز مسلمان شادمان ہوں
گے۔ ^(۴)

اللہ کی مدد سے، ^(۵) وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِيَنَاهُدِيَّهُمْ سَبِّلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ
الْمُحْسِنِينَ ^(۶)

سُورَةُ الرُّوْمٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ عَلِيَّ بِالرُّوْمِ ^(۷)

فِي أَذْنِ الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيَغْلِبُونَ ^(۸)

فِي بَضِّعِ سِنِينَ هُنَّ الْأَمْرُمُونَ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ
وَيَوْمَئِذٍ يَقْرَأُ الْمُؤْمِنُونَ ^(۹)

بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ^(۱۰)

(۱) یعنی دین پر عمل کرنے میں جود شواریاں، آزمائشیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔

(۲) اس سے مراد دنیا و آخرت کے وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

(۳) احسان کا مطلب ہے اللہ کو حاضر ناظر جان کر ہر نیکی کے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا، سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرنا، برائی کے بدالے میں برائی کے بجائے حسن سلوک کرنا، اپنا حق چھوڑ دینا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا۔ یہ سب احسان کے مفہوم میں شامل ہیں۔

(۴) عمد رسالت میں دو بڑی طائفیں تھیں۔ ایک فارس (ایران) کی، دوسری روم کی۔ اول الذکر حکومت آتش پرست اور دوسری عیسائی یعنی اہل کتاب تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیوں کہ دونوں غیر اللہ کے پیاری تھے، جب کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں، اس لیے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور وہی ورسالت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چند سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آگئی، جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو غم ہوا، اس موقعہ پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ بِضَعِ سِنِينَ کے اندر روی پھر

اصل غالب اور میریان وہی ہے۔ (۵)

اللہ کا وعدہ ہے،^(۱) اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۶)

وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور آخرت سے توبالکل ہی بے خبر ہیں۔ (۷)

کیا ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ غور نہیں کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کو بہترین قرینے^(۸) سے مقرر وقت تک کے

وَعْدَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ۝

أَوْلَئِكُمْ رَاغِبُوْنَ فِي آنِفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحِسْنَىٰ وَأَجَلٌ مُّسَمٌٰ ۖ وَإِنَّ كَيْنَانِ

غالب آجائیں گے اور غالب، مغلوب اور مغلوب غالب ہو جائیں گے۔ بظاہر اس باب یہ پیش گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی۔ تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو جمل سے یہ شرط باندھ لی کہ روی پانچ سال کے اندر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ بِضُعْ كَالْفَظِ تِينَ سے دس تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے تم نے ۵ سال کی مدت کم رکھی ہے، اس میں اضافہ کرو۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس مدت میں اضافہ کروالیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ روی ۹ سال کی مدت کے اندر اندر یعنی ساتویں سال دوبارہ فارس پر غالب آگئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ (ترمذی، تفسیر سورۃ الروم) بعض کہتے ہیں کہ رومیوں کو یہ فتح اس وقت ہوئی، جب بدرومیں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا، اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہوئے۔ رومیوں کی یہ فتح قرآن کریم کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ نزدیک کی زمین سے مراد، عرب کی زمین کے قریب کے علاقے ہیں، یعنی شام و فلسطین وغیرہ، جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔

(۱) یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو جو خبر دے رہے ہیں کہ عنقریب رومی، فارس پر دوبارہ غالب آجائیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو مدت موعد کے اندر یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

(۲) یعنی اکثر لوگوں کو دنیوی معاملات کا خوب علم ہے۔ چنانچہ وہ ان میں تو اپنی چاک دستی اور مہارت فن کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے لیکن آخرت کے معاملات سے یہ غافل ہیں جن کا نفع مستقل اور پائیدار ہے۔ یعنی دنیا کے امور کو خوب پہچانتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہیں۔

(۳) یا ایک مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، بے مقصد اور بیکار نہیں۔ اور وہ مقصد ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدلوں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے۔ یعنی کیا وہ اپنے وجود پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح انھیں نیست سے ہست کیا اور پانی کے ایک حیر قطرے سے ان کی تخلیق کی۔ پھر آسمان و زمین کا ایک خاص مقصد کے لیے وسیع و عریض

لیے (ہی) پیدا کیا ہے، ہاں اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔^(۸)

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کریے نہیں دیکھا^(۹) کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا؟^(۱۰) وہ ان سے بہت زیادہ تو انا (اور طاقتور) تھے^(۱۱) اور انہوں نے (بھی) زمین بوئی جوتی تھی اور^(۱۲) ان سے زیادہ آباد کی تھی^(۱۳) اور ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔^(۱۴) یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا یکن (در اصل) وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔^(۱۵)

پھر آخرش برآ کرنے والوں کا بہت ہی برا انجام ہوا،^(۱۶)

النَّاسُ يَلْقَائُونَ رَبِيعَ الْكَفَرِ وَنَ

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ، كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ فُحْشًا وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمُهُمْ وَلِكُنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

۱۷ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوَّاۤيَ آنَّ كَذَّبُوا

سلسلہ قائم کیا، نیز ان سب کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا یعنی قیامت کا دن۔ جس دن یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر غور کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت والوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انسیں اور اک احساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے۔

(۱) اور اس کی وجہ وہی کائنات میں غورو فکر کا فقدان ہے ورنہ قیامت کے انکار کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔

(۲) یہ آثار و کھنڈرات اور نشانات عبرت پر غورو فکر نہ کرنے پر توجہ کی جا رہی ہے۔ مطلب ہے کہ چل پھر کروہ مشاہدہ کر کچکے ہیں۔

(۳) یعنی ان کافروں کا، جن کو اللہ نے ان کے کفر بالله، حق کے انکار اور رسولوں کی بخندیب کی وجہ سے ہلاک کیا۔

(۴) یعنی قریش اور اہل مکہ سے زیادہ۔

(۵) یعنی اہل مکہ تو کھیتی باڑی سے نا آشنا ہیں لیکن بچھلی قویں اس وصف میں بھی ان سے بڑھ کر تھیں۔

(۶) اس لیے کہ ان کی عمریں بھی زیادہ تھیں، جسمانی قوت میں بھی زیادہ تھے اسباب معاش بھی ان کو زیادہ حاصل تھے،

پس انہوں نے عمارتیں بھی زیادہ بنائیں، زراعت و کاشتکاری بھی کی اور وسائل رزق بھی زیادہ مہیا کیے۔

(۷) لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ نتیجتاً تمام ترقتوں، ترقیوں اور فراغت و خوش حالی کے باوجود بلاکت ان کا مقدر بن کر رہی۔

(۸) کہ انہیں بغیر گناہ کے عذاب میں بٹلا کر دیتا۔

(۹) یعنی اللہ کا انکار اور رسولوں کی تائیث کر کے۔

(۱۰) سُوَّاۤي، بروزن فُعْلَى، سُوَّءَ سے أَسْوَأً کی تائیث ہے جیسے حُسْنَی، أَخْسَنُ کی تائیث ہے۔ یعنی ان کا جو انجام ہوا،

بدترین انجام تھا۔

اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آئیوں کو جھلاتے تھے اور ان کی نہیٰ اڑاتے تھے۔^(۱۰)

اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے^(۱) گا پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۲)^(۱۱)

اور جس دن قیامت قائم ہو گی تو گنگار حیرت زدہ رہ جائیں گے۔^(۳)^(۱۲)

اور ان کے تمام تر شریکوں میں سے ایک بھی ان کا سفارشی نہ ہو گا^(۴) اور (خود یہ بھی) اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔^(۵)^(۱۳)

اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن (جماعتیں) الگ الگ ہو جائیں گی۔^(۶)^(۱۴)

بِإِيمَانِهِ وَكَانُوا هَايَةً شَهَدُونَ ۝

أَللَّهُ يَعْلَمُ فِي الْخَلْقِ كُلَّيْمِيدَهُ تُحَرَّكُ إِلَيْهِ شُرْجَعُونَ ۝

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبَلِّسُ الْمُجْرِمُونَ ۝

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِنْ شَرِكَاءِ هُمْ شَفَعَوْا وَكَانُوا بِشَرِكَاءِ هُمْ كُفَّارٍ ۝

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمٌ مِّنْ تَغْرِيقٍ ۝

(۱) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ انہیں زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لیے کہ دوبارہ پیدا کرنا، پہلی مرتبہ سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

(۲) یعنی میدان محشر اور موقف حساب میں، جہاں وہ عدل و انصاف کا اہتمام فرمائے گا۔

(۳) اِنْلَاسُ کے معنی ہیں، اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکنا اور حیران و ساکت کھڑے رہنا۔ اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مُبْلِسٌ وہ ہو گا جو ناامید ہو کر خاموش کھڑا ہو اور اسے کوئی دلیل نہ سوچھ رہی ہو، قیامت والے دن کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہو گا یعنی معاینہ عذاب کے بعد وہ ہر خبر سے مایوس اور دلیل و جھٹ پیش کرنے سے قاصر ہوں گے۔ مجرمون سے مراد کافروں مشرک ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

(۴) شریکوں سے مراد وہ معبودان بالطلہ ہیں جن کی مشرکین، یہ سمجھ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوں گے، اور انہیں اللہ کے عذاب سے بچائیں گے۔ لیکن اللہ نے یہاں وضاحت فرمادی کہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی سفارشی نہیں ہو گا۔

(۵) یعنی وہاں ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے کیوں کہ وہ دیکھ لیں گے کہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ (فتح القدیر) دوسرے معنی ہیں کہ یہ معبود اس بات سے انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ انہیں اللہ کا شریک گردان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ تو ان کی عبادت سے ہی بے خبر ہیں۔

(۶) اس سے مراد ہر فرد کا دوسرے فرد سے الگ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب مومنوں کا اور کافروں کا الگ الگ ہونا ہے۔

جو ایمان لا کرنے کے اعمال کرتے رہے وہ توجنت میں خوش و خرم کر دیئے جائیں گے۔^(۱۵)

اور جنوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آئیوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا وہ سب عذاب میں پکڑ کر حاضر رکھے جائیں گے۔^(۱۶)

پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔^(۱۷)

تمام تعریفوں کے لائق آسمان و زمین میں صرف وہی ہے تیرے پر کو اور ظرکے وقت بھی (اس کی پاکیزگی بیان کرو)۔^(۱۸)

(وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔^(۱۹)

فَإِنَّمَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِيمَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ
يُحْبَرُونَ^(۱۶)

وَأَنَّمَا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلَقَاءَنَّ الْآخِرَةَ
فَأُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخْضَرُونَ^(۱۷)

فَبَيْنَهُنَّ اللَّهُوَحِينَ تُسُونَ وَجِينَ تُصِحُونَ^(۱۸)

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيشَةٌ وَجِينَ
تُظَهَرُونَ^(۱۹)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيْتِ وَيُخْرِجُ الْمَيْتَ مِنَ الْحَيَّ

اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جنم میں چلے جائیں گے اور ان کے درمیان وائی جدائی ہو جائے گی، یہ دونوں بھر کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے یہ حساب کے بعد ہو گا۔ چنانچہ اسی علیحدگی کی وضاحت اگلی آیات میں کی جا رہی ہے۔

(۱) یعنی انہیں جنت میں اکرام و انعام سے نوازا جائے گا، جن سے وہ مزید خوش ہوں گے۔

(۲) یعنی یہاں اللہ کے عذاب کی گرفت میں رہیں گے۔

(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات مقدسه کے لیے تسبیح و تحمید ہے، جس سے مقصد اپنے بندوں کی رہنمائی ہے کہ ان اوقات میں، جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور جو اس کے کمال قدرت و عظمت پر دلالت کرتے ہیں، اس کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ شام کا وقت، رات کی تاریکی کا پیش خیمہ اور پسیدہ سحر دن کی روشنی کا پیامبر ہوتا ہے۔ عشاء، شدت تاریکی کا اور ظرہر، خوب روشن ہو جانے کا وقت ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جو ان سب کی خالق ہے اور جس نے ان تمام اوقات میں الگ الگ فوائد رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تسبیح سے مراد، نماز ہے اور دونوں آیات میں مذکور اوقات پانچ نمازوں کے اوقات ہیں۔ تُمُسُونَ میں مغرب و عشاء، تُصِبِحُونَ میں نماز نجف، عشیٰ (سہ پرہ) میں عصر اور تُظَهَرُونَ میں نماز ظہر آجائی ہے، (فتح القدر) ایک ضعیف حدیث میں ان دونوں آیات کو صبح و شام پڑھنے کی یہ فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس سے شب و روز کی کوتا ہیوں کا زالہ ہوتا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول إِذَا أَصْبَحَ)

(۴) جیسے انڈے کو مرغی سے، مرغی کو انڈے سے۔ انسان کو نطفے سے، نطفے کو انسان سے اور مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔

اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اسی طرح تم (بھی) نکالے جاؤ گے۔^(۱۹)

اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب انسان بن کر (چلتے پھرتے) پھیل رہے ہو۔^(۲۰)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں^(۲۱) تاکہ تم ان سے آرام پاؤ۔^(۲۲) اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی،^(۲۳) یقیناً

وَيُنْهِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرِجُونَ^(۲۴)

وَمَنْ أَلْيَهُهُ أَنْ خَلَقَنِمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا كَثُرُوا
تَنْتَشِرُونَ^(۲۵)

وَمَنْ أَلْيَهُهُ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ^(۲۶)

(۱) یعنی قبروں سے زندہ کر کے۔

(۲) إِذَا فُجَاهَيْتَ ہے۔ مقصود اس سے ان اطوار کی طرف اشارہ ہے جن سے گزر کر بچہ پورا انسان بنتا ہے جس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ تنشیرون سے مراد انسان کا کسب معاش اور دیگر حاجات و ضروریات بشریہ کے لیے چلنا پھرنا ہے۔

(۳) یعنی تمہاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ وہ تمہاری بیویاں بنیں اور تم جوڑا جوڑا ہو جاؤ زوج عربی میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے زوج ہے۔ عورتوں کے جنس بشر ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا کی پہلی عورت۔ حضرت حوا۔ کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پہلی سے پیدا کیا گیا۔ پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔

(۴) مطلب یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی، مثلاً عورتیں جنات یا حیوانات میں سے ہوتیں تو ان سے وہ سکون کبھی حاصل نہ ہوتا جو اس وقت دونوں کے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے سے نفرت و حشمت ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی بیویاں، انسان ہی بنا کیں۔

(۵) مَوَدَّةٌ یہ ہے کہ مرد بیوی سے بے پناہ پیار کرتا ہے اور ایسے ہی بیوی شوہر سے۔ جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ ایسی محبت جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے، دنیا میں کسی بھی دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتی۔ اور رحمت یہ ہے کہ مرد بیوی کو ہر طرح کی سولحت اور آسائشیں بھی پہنچاتا ہے، جس کا مکلف اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور ایسے ہی عورت بھی اپنے قدرت و اختیار کے دائرہ میں۔ تاہم انسان کو یہ سکون اور باہمی پیار انہی جوڑوں سے حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے قائم ہوتے ہیں اور اسلام انہی کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر قانونی جوڑوں کو وہ جوڑا ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں زانی اور بد کار قرار دیتا اور ان کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ آج کل مغربی تندیب کے علم بردار

لَا يَتَبَرَّكُونَ ۚ ۚ

غورو فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں

ہیں۔ (۲۱)

اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف (بھی) ہے،^(۱) دانش مندوں کے لیے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔ (۲۲)

اور (بھی) اس کی (قدرت کی) نشانی تمہاری راتوں اور دن کی نیند میں ہے اور اس کے فضل (یعنی روزی) کو تمہارا تلاش کرنا بھی^(۲) ہے۔ جو لوگ (کان لگا کر) سننے کے عادی ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۲۳)

وَمَنْ أَيْتَهُ حَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَخْتِلَافَ الْأَنْتَكُمْ
وَأَلْوَانَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّلْعَلِيَّينَ ۚ ۚ

وَمَنْ أَيْتَهُ مَنَامَكُمْ بِالْأَنْيَلِ وَالْأَنْهَارِ وَأَبْيَاعَ وَأَكْمَنَ
فَضْلِهِ مَانِ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّلْعَلِيَّينَ ۚ ۚ

شیاطین ان مذموم کوششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی معاشروں کی طرح اسلامی ملکوں میں بھی نکاح کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بد کار مرد و عورت کو "جوڑا" (COUPLE) تسلیم کروایا جائے اور ان کے لیے سزا کے بجائے وہ حقوق منوائے جائیں، جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ فَاتَّلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ۔

(۱) دنیا میں اتنی زبانوں کا پیدا کر دینا بھی اللہ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، 'عربی ہے، 'ترکی ہے، 'انگریزی ہے، 'اردو، 'ہندی ہے، 'پشتو، 'فارسی، 'سنڌی، 'بلوچی وغیرہ ہے۔ پھر ایک ایک زبان کے مختلف لمحے اور اسلوب ہیں۔ ایک انسان ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں اپنی زبان اور اپنے لمحے سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں ملک اور فلاں علاقہ کا ہے۔ صرف زبان ہی اس کا مکمل تعارف کرادیتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی ماں باپ (آدم و حوا ملیما السلام) سے ہونے کے باوجود رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کوئی کلالا ہے، کوئی گورا، کوئی نیگلوں ہے تو کوئی گندمی رنگ کا، پھر کالے اور سفید رنگ میں بھی اتنے درجات رکھ دیتے ہیں کہ بیشتر انسانی آبادی دو رنگوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ان کی بیسیوں قسمیں ہیں اور ایک دوسرے سے یکساں اگل اور ممتاز۔ پھر ان کے چہروں کے خدو غال، جسمانی ساخت اور قد و قامت میں ایسا فرق رکھ دیا گیا ہے کہ ایک ایک ملک کا انسان الگ سے پہچان لیا جاتا ہے۔ یعنی باوجود اس بات کے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نہیں ملتا، حتیٰ کہ ایک بھائی دوسرے بھائی سے مختلف ہے لیکن اللہ کی قدرت کا کمال ہے کہ پھر بھی کسی ایک ہی ملک کے باشندے، دوسرے ملک کے باشندوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

(۲) نیند کا، باعث سکون و راحت ہونا چاہے وہ رات کو ہو یا بہ وقت قیلولہ، اور دن کو تجارت و کاروبار کے ذریعے سے اللہ کا فضل تلاش کرنا، یہ مضمون کئی جگہ گزر چکا ہے۔

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ تمیس ڈرانے اور امیدوار بنانے کے لیے بجلیاں دکھاتا^(۱) ہے اور آسمان سے بارش بر ساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، اس میں (بھی) عقائد کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۲۳)

اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان و زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمیس آواز دے گا صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے۔ (۲۴)

اور زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر ایک اس کے فرمان کے ماتحت ہے۔ (۲۵)

وہی ہے جو اول بار خلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بست ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے۔ (۲۶)

اللہ تعالیٰ نے تمارے لیے ایک مثال خود تماری ہی بیان فرمائی، جو کچھ ہم نے تمیس دے رکھا ہے کیا اس میں تمارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمara شریک

وَمِنْ أَيْتِهِ يُرِيكُ الْبَرَقَ خُوفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَا أَتَقْبَحُ يِهِ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنِّي فِي ذَلِكَ لَايِتُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ④

وَمِنْ أَيْتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاهُمْ دُعَوَةً مِنْ أَنَّهُمْ مُخْرَجُونَ ⑤

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مُكْلِلٌ لَهُ قَنْبُونَ ⑥

وَهُوَ الَّذِي يَبْدُوا الْحَقَّ ثُمَّ يُبْيِدُهُ وَهُوَ هُنُونٌ عَلَيْهِ
وَلَهُ الْمُتَّلِلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ⑦

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مَنْ أَنْفِسَكُمْ هَلْ لَكُمْ مِنْ شَامِلَكُ
أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرِكَائِنِي مَارَنَ قَنْلُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ

(۱) یعنی آسمان میں بجلی چکتی اور باول کر کتے ہیں، تو تم ڈرتے بھی ہو کہ کہیں بجلی گرنے یا زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے کھیتیاں برباد ہو جائیں اور امیدیں بھی واپسہ کرتے ہو کہ بارشیں ہوں گی تو فصل اچھی ہو گی۔

(۲) یعنی جب قیامت بپا ہو گی تو آسمان و زمین کا یہ سارا نظام جو اس وقت اس کے حکم سے قائم ہے، درہم براہم ہو جائے گا اور تمام انسان قبروں سے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔

(۳) یعنی اس کے تکوینی حکم کے آگے سب بے بس اور لاچار ہیں۔ جیسے موت و حیات، صحّت و مرض، ذلت و عزّت وغیرہ میں۔

(۴) یعنی اتنے کمالات اور عظیم قدرتوں کا مالک، تمام مثالوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوری۔ ۱۱)

ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟^(۱) اور تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا،^(۲) ہم عقل رکھنے والوں کے لیے اسی طرح کھول کھول کر آئیں بیان کر دیتے ہیں۔^(۳) (۲۸)

بلکہ بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے^(۴) خواہش پرستی کر رہے ہیں، اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ تعالیٰ راہ سے ہٹادے،^(۵) ان کا ایک بھی مددگار نہیں۔^(۶) (۲۹)

پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔^(۷) اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو

نَخَافُونَهُمْ كَخَيْفِكُمْ أَنْفُسُكُمْ كَذِلِكَ نُفَضِّلُ الْآيَتِ
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ^(۸)

بِلِ اَئِيمَةِ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَهْوَاهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَعْنِدُ
مَنْ اَضَلَّ اللَّهُ وَمَا الْهُمْ مِنْ قُصَدِنَ^(۹)

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلِّدِينِ حَنِيفًا فَطَرَ اللَّهُ اَلَّتِي فَطَرَ
النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ

(۱) یعنی جب تم یہ پند نہیں کرتے کہ تمہارے غلام اور نوکر چاکر، جو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں، وہ تمہارے مال و دولت میں شریک اور تمہارے برابر ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے، چاہے وہ فرشتے ہوں، پیغمبر ہوں، اولیاء صلحاء ہوں یا شجو و جمر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں جب کہ وہ بھی اللہ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں؟ یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہو سکتی، دوسری بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرنا اور انہیں بھی حاجت رو اور مشکل کشا بھتنا یکسر غلط ہے۔

(۲) یعنی کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم (آزاد لوگ) آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو۔ یعنی جس طرح مشترکہ کاروبار یا جائیداد میں سے خرچ کرتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے شریک باز پرس کریں گے۔ کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو؟ یعنی نہیں ڈرتے۔ کیوں کہ تم انہیں مال و دولت میں شریک قرار دے کر اپنا ہم مرتبہ بنا ہی نہیں سکتے تو اس سے ڈر بھی کیسا؟

(۳) کیوں کہ وہ اپنی عقولوں کو استعمال میں لا کر اور غور و فکر کا اہتمام کر کے آیات تنزیلیہ اور تکوینیہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے، ان کی سمجھ میں توحید کا مسئلہ بھی نہیں آتا جو بالکل صاف اور نہایت واضح ہے۔

(۴) یعنی اس حقیقت کا انہیں اور اک ہی نہیں ہے کہ وہ علم سے بے بسرو اور ضلالت کا شکار ہیں اور اسی بے علمی اور گمراہی کی وجہ سے وہ اپنی عقل کو کام میں لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اپنی نفسانی خواہشات اور آراء کے فاسدہ کے پیرو کار ہیں۔

(۵) کیوں کہ اللہ کی طرف سے ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے اندر ہدایت کی طلب اور آرزو ہوتی ہے، جو اس طلب صادق سے محروم ہوتے ہیں، انہیں گمراہی میں بھکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۶) یعنی ان گمراہوں کا کوئی مددگار نہیں جو انہیں ہدایت سے بسرو کر دے یا ان سے عذاب کو پھیر دے۔

(۷) یعنی اللہ کی توجیہ اور اس کی عبادت پر قائم رہیں اور ادیان باطلہ کی طرف التفات ہی نہ کریں۔

پیدا کیا ہے،^(۱) اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلا نہیں،^(۲) یہی سیدھادین ہے^(۳) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔^(۴) (۳۰)

(لوگو!) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔^(۵) (۳۱)

ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو نکڑے نکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے^(۶) ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔^(۷) (۳۲)

الْقِيمَةُ وَلَكِنَّ الْكُثُرَ الظَّالِمُونَ ۝

مُنْبَيِّنَ إِلَيْهِ وَأَنْقُوَهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

مِنَ الَّذِينَ قَرْتَوْا دِينَهُمْ وَكَانُوا يَشْيَعُونَ كُلُّ حُزْبٍ بِمَا لَدَنِهِمْ فَرِحُونَ ۝

(۱) فطرت کے اصل معنی خلقت (پیدائش) کے ہیں۔ یہاں مراد ملت اسلام (و توحید) ہے مطلب یہ ہے کہ سب کی پیدائش، بغیر مسلم و کافر کی تفہیق کے۔ اسلام اور توحید پر ہوتی ہے، اس لیے توحید ان کی فطرت یعنی جلت میں شامل ہے جس طرح کہ عمد الاست سے واضح ہے۔ بعد میں بہت سوں کو ماخول یا دیگر عوارض، فطرت کی اس آواز کی طرف نہیں آنے دیتے، جس کی وجہ سے وہ کفر پر ہی باقی رہتے ہیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ”ہرچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن پھر اس کے ماں باپ، اس کو یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الروم۔ مسلم کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة)

(۲) یعنی اللہ کی اس خلقت (فطرت) کو تبدیل نہ کرو بلکہ صحیح تربیت کے ذریعے سے اس کی نشوونما کرو تاکہ ایمان و توحید بچوں کے دل و دماغ میں راخن ہو جائے۔ یہ خبر بمعنی انشا ہے یعنی نفی، نہی کے معنی میں ہے۔

(۳) یعنی وہ دین جس کی طرف یکسو اور متوجہ ہونے کا حکم ہے، یا جو فطرت کا تقاضا ہے وہ یہی دین قائم ہے۔

(۴) اسی لیے وہ اسلام اور توحید سے نآشنا رہتے ہیں۔

(۵) یعنی ایمان و تقویٰ اور اقامت صلوٰۃ سے گریز کر کے، مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

(۶) یعنی اصل دین کو چھوڑ کریا اس میں مانی تبدیلیاں کر کے الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے، جیسے کوئی یہودی، کوئی نصرانی، کوئی مجوسی وغیرہ ہو گیا۔

(۷) یعنی ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے باطل پر، اور جو سارے انہوں نے تلاش کر رکھے ہیں، جن کو وہ دلائل سے تعبیر کرتے ہیں، ان پر خوش اور مطمئن ہیں، بد قسمی سے ملت اسلامیہ کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ان کا بھی ہر فرقہ اسی زعم باطل میں بٹتا ہے کہ وہ حق پر ہے، حالانکہ حق پر صرف ایک ہی گروہ ہے جس کی پہچان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دی ہے کہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے یہ جیلنے والا ہو گا۔

لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف (پوری طرح) رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے۔ (۳۳)

تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہے^(۱) اچھا تم فائدہ اٹھالوا بھی ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ (۳۴) کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرتی ہے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں۔ (۳۵)

اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کروت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض نامید ہو جاتے ہیں۔ (۳۶)

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہے چاہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے نگ،^(۲) اس میں بھی ان

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْنَاهُمْ مُنْتَهِيُّنَ إِلَيْهِ نُشَرَّ إِذَا
أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرَقْنَ مِنْهُمْ بِرَبَّكُمْ يُشَرِّكُونَ ۝

لِيَكْفُرُوا بِمَا أَتَيْنَاهُمْ فَتَسْتَعْدِدُنَا فَسُوفَ تَعْلَمُونَ ۝

أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْمَ سُلْطَانًا فَهُوَ يَكْلُمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُثْرِكُونَ ۝

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرُحِوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِهُمْ سَيِّئَةٌ فَمَا دَمَتْ
أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْتَلُونَ ۝

أَوْ لَعْنَدَهُ وَإِنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنْ فِي
ذَلِكَ لَا يَبْلِغُ لِقَوْمٍ ثُوُبُّ مُنْوَنَ ۝

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ عنكبوت کے آخر میں گزرا۔

(۲) یہ استفهام انکاری ہے۔ یعنی یہ جن کو اللہ کا شریک گردانے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ بلا دلیل ہے۔ اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ بھلا اللہ تعالیٰ شرک کے اثبات و جواز کے لیے کس طرح کوئی دلیل اتار سکتا تھا جب کہ اس نے سارے پیغمبر سیجھے ہی اس لیے تھے کہ وہ شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کریں۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے آکر سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید ہی کا وعظ کیا۔ اور آج اہل توحید مسلمانوں کو بھی نہاد مسلمانوں میں توحید و سنت کا وعظ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیوں کہ مسلمان عوام کی اکثریت شرک و بدعت میں بستا ہے۔ هَدَاهُمُ اللَّهُ تَعَالَى۔

(۳) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ ہود میں گزرا اور جو انسانوں کی اکثریت کا شیوه ہے کہ راحت میں وہ اترانے لگتے ہیں اور مصیبت میں نامید ہو جاتے ہیں۔ البتہ اہل ایمان اس سے مستثنی ہیں۔ وہ تکلیف میں صبر اور راحت میں اللہ کا شکر یعنی عمل صالح کرتے ہیں۔ یوں دونوں حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر و ثواب کا باعث بنتی ہیں۔

(۴) یعنی اپنی حکمت و مصلحت سے وہ کسی کو مال و دولت زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ عقل و شور میں

لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں نشانیاں ہیں۔^(۳۷)
پس قربت دار کو مسکین کو مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق
دیجئے،^(۱) یہ اُنکے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کامنہ دیکھنا چاہتے
ہوں،^(۲) ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔^(۳۸)
تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا ہے وہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا۔^(۳۹) اور جو کچھ صدقہ زکوٰۃ

فَإِنَّهُمْ فِي الْقُرْبَىٰ حَقَّةٌ وَالْمُسْكِينُونَ وَابْنَ السَّيِّدِيْلَ ذَلِكَ
خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيدُوْنَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
وَمَا تَنْهَمُ مِنْ رِبَّ الْبَرِزُوْأَ فِي آمُوْلِ النَّاسِ فَلَكُوْنُوا

اور ظاہری اسباب و سائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک جیسا ہی کاروبار بھی شروع کرتے ہیں۔
لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں، جب کہ دوسرے شخص کا کاروبار
محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔ آخر یہ کون ہستی ہے، جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس
تم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ بھی دولت فراواں کے مالک کو محتاج اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے۔
یہ سب اسی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(۱) جب وسائل رزق تمام تر اللہ ہی کے اختیارات میں ہیں اور وہ جس پر چاہے اس کے دروازے کھول دیتا ہے تو اصحاب
ثرثوت کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کا وہ حق ادا کرتے رہیں جو ان کے مال میں ان کے مستحق
رشته داروں، مسکینوں اور مسافروں کا رکھا گیا ہے۔ رشته دار کا حق اس لیے مقدم کیا کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔
حدیث میں آتا ہے کہ غریب رشته دار کے ساتھ احسان کرنا دو ہرے اجر کا باعث ہے۔ ایک صدقے کا اجر اور دوسرا صدقہ
رحی کا۔ علاوہ ازیں اسے حق سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ امداد کر کے ان پر تم احسان نہیں کرو گے
 بلکہ ایک حق کی ہی ادائیگی کرو گے۔

(۲) یعنی جنت میں اس کے دیدار سے مشرف ہونا۔

(۳) یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن در حقیقت ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی نحوست بالآخر دنیا و آخرت میں
تباهی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور متعدد صحابہ و تابعین اللہ عنہم نے اس آیت میں رباء سے مراد سود (بیان)
نہیں، بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو کوئی غریب آدمی کسی مال دار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم
اپنے مخدوم کو اس نیت سے دیتا ہے کہ وہ اس کے بد لے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ اسے دیا سے اسی لیے تعبیر کیا
گیا ہے کہ دیتے وقت اس میں زیادتی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ مباح ہے تاہم اللہ کے ہاں اس پر اجر نہیں ملے
کا، ﴿فَلَكُوْنُوا عَنْ دِلْهِ﴾ سے اسی اخروی اجر کی نفی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہو گا ”جو تم عطیہ دو، اس نیت
سے کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے، پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں۔“ (ابن کثیر، ایسر التفاسیر)

تم اللہ تعالیٰ کامنہ دیکھنے (اور خوشنودی کے لیے) دو تو ایسے لوگ ہیں اپنا دوچند کرنے والے ہیں۔^(۳۹) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر روزی دی پھر مارڈا لے گا پھر زندہ کردے گا بتاؤ تمہارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی اور برتری ہے ہر اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں۔^(۴۰)

خشکی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کروتوں کا پھل اللہ تعالیٰ چکھا دے (بہت) ممکن ہے کہ وہ بازاً آجائیں۔^(۴۱)

عِنْدَ اللَّهِ وَمَا أَتَيْتُهُمْ إِنَّ رَكْوَةً عُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ
فَأُولَئِكَ هُوَ الْمُضْعِفُونَ ۝

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ تَحْسِيبَتُكُمْ ثُمَّ تَعْصِيَنِي
هَلْ مِنْ شَرِّكَانِكُمْ مَنْ يَعْلَمُ مِنْ ذَلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ
وَتَعَلَّمَ عَنَّا يُشْرِكُونَ ۝

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَبَثَ إِيمَانُ النَّاسِ
لِيُذْنِيْقُهُمْ بَعْضُ الَّذِيْعَمِلُوا عَلَيْهِمْ رَجُعُوْنَ ۝

(۱) زکوٰۃ و صدقات سے ایک تو روحانی و معنوی اضافہ ہوتا ہے یعنی بقیہ ماں میں اللہ کی طرف سے برکت ڈال دی جاتی ہے۔ دوسرے، قیامت والے دن اس کا اجر و ثواب کئی کئی گناہ ملے گا، جس طرح حدیث میں ہے کہ حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بڑھ بڑھ کر احاد پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

(۲) خشکی سے مراد، انسانی آبادیاں اور تری سے مراد سمندر، سمندری راستے اور ساحلی آبادیاں ہیں۔ فساد سے مراد ہر وہ بگاڑ ہے جس سے انسانوں کے معاشرے اور آبادیوں میں امن و سکون نہ و بالا اور ان کے عیش و آرام میں خلل واقع ہو۔ اس لیے اس کا اطلاق معاصی و سینمات پر بھی صحیح ہے کہ انسان ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں، اللہ کی حدود کو پامال اور اخلاقی ضالبویں کو توڑ رہے ہیں اور قتل و خونریزی عام ہو گئی ہے اور ان ارضی و سماوی آفات پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے۔ جو اللہ کی طرف سے بطور سزا و تنبیہ نازل ہوتی ہیں۔ جیسے قحط، کثرت موت، خوف اور سیلا ب وغیرہ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی نافرمانیوں کو اپنا و طیوبہ نالیں تو پھر مكافات عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے اعمال و کردار کا رخص برا یوں کی طرف پھر جاتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے امن و سکون ختم اور اس کی جگہ خوف و دہشت، سلب و نسب اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ آفات ارضی و سماوی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ اس عام بگاڑیا آفات الیہ کو دیکھ کر شاید لوگ گناہوں سے بازاً آجائیں، توبہ، کر لیں اور ان کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے۔

اس کے برعکس جس معاشرے کا نظام اطاعت الیٰ پر قائم ہو اور اللہ کی حدیں نافذ ہوں، ظلم کی جگہ عدل کا دور دورہ ہو۔ وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے ”زمین میں اللہ کی ایک حد کا قائم کرنا، وہاں کے انسانوں کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔“ (النسائی، کتاب قطعہ بد

زمیں میں چل پھر کردیکھو تو سی کہ انگلوں کا نجام کیا ہوا۔
جن میں اکثر لوگ مشرق تھے۔^(۱) (۲۲)

پس آپ اپنا رخ اس پچے اور سیدھے دین کی طرف ہی
رسکھیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کا مل جانا اللہ
تعالیٰ کی طرف سے ہے ہی نہیں،^(۲) اس دن سب
متفرق^(۳) ہو جائیں گے۔ (۲۳)

کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبا ہو گا اور نیک کام
کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں۔^(۴) (۲۴)
تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے جزادے جو ایمان
لائے اور نیک^(۵) اعمال کیے وہ کافروں کو دوست نہیں
رکھتا ہے۔ (۲۵)

فُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا إِكْفَانَ عَاقِبَةِ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَثْرَاهُمْ مُشَرِّكُونَ ⑥

فَأَقْمِمْ وَجْهَكَ لِلَّذِينَ أَقْتَلُوكُمْ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمًا لَمَرَدَ
لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمٌ مُبِينٌ يَضَدُّ عُونَ ⑦

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرٌ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا تُنْهِيهُمْ
يَمْهُدُونَ ⑧

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَمْتُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ
لَا يُحِبُّ الظَّفَرِينَ ⑨

السارق 'باب الترغيب في إقامة الحد' وابن ماجه (۱) اسی طرح یہ حدیث ہے کہ "جب ایک بد کار (فاجر) آدمی فوت ہو جاتا ہے تو بندے ہی اس سے راحت محسوس نہیں کرتے شربھی اور درخت اور جانور بھی آرام پاتے ہیں"۔ (صحیح بخاری 'كتاب الرقاد' باب سکرات الموت۔ مسلم 'كتاب الجنائز' باب ماجاء في مستريح و مستراح منه)

(۱) شرک کا خاص طور پر ذکر کیا کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دیگر سینکات و معاصی بھی آجاتی ہیں۔ کیوں کہ ان کا ارتکاب بھی انسان اپنے نفس کی بندگی ہی اختیار کر کے کرتا ہے، اسی لیے اسے بعض لوگ عملی شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) یعنی اس دن کے آنے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لیے اس دن (قيامت) کے آنے سے پہلے پہلے اطاعت اللہ کا راست اختیار کر لیں اور نیکیوں سے اپنا دامن بھر لیں۔

(۳) یعنی دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک مومنوں کا دوسرًا کافروں کا۔

(۴) مَهْدُ کے معنی ہیں راست ہموار کرنا، فرش بچھانا، یعنی یہ عمل صالح کے ذریعے سے جنت میں جانے اور وہاں اعلیٰ منازل حاصل کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

(۵) یعنی محض نیکیاں دخول جنت کے لیے کافی نہیں ہوں گی، جب تک ان کے ساتھ اللہ کا فضل بھی شامل حال نہ ہو گا۔ پس وہ اپنے فضل سے ایک ایک نیکی کا اجر دس سے سات سو گناہ تک بلکہ اس سے زیادہ بھی دے گا۔

اس کی نشانیوں میں سے خوشخبری دینے والی^(۱) ہواں کو چلانا بھی ہے اس لیے کہ تمہیں اپنی رحمت سے لف اندوز کرے،^(۲) اور اس لیے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں^(۳) اور اس لیے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو^(۴) اور اس لیے کہ تم شکرگزاری کرو۔^(۵)

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان کے پاس دلیلیں لائے۔ پھر ہم نے گناہ گاروں سے انتقام لیا۔ ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔^(۶)^(۷)

وَمَنْ أَيْتَهُ أَنْ يُرِسِّلَ الرِّيحَ مُبَشِّرًا تِلْبِيْدِ يَقْلُومَ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلَبِرْجِيْ الْفَلْكُ بِأَمْرِهِ وَلَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشَكَّرُونَ ②

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكُ رُسُلًا إِلَى قَوْمٍ هُرْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانْقَعَدُوا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًا عَلَيْنَا أَنْ نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ③

(۱) یعنی یہ ہوا میں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں۔

(۲) یعنی بارش سے انسان بھی لذت و سور محسوس کرتا ہے اور فصلیں بھی لہلہا اٹھتی ہیں۔

(۳) یعنی ان ہواں کے ذریعے سے کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ مراد بادبانی کشتیاں ہیں۔ اب انسان نے اللہ کی دی ہوئی دماغی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے دوسری کشتیاں اور جماز ایجاد کر لیے ہیں جو مشینوں کے ذریعے سے چلتے ہیں۔ تاہم ان کے لیے بھی موافق اور مناسب ہوا میں ضروری ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی طوفانی موجوں کے ذریعے سے غرق آب کر دینے پر قادر ہے۔

(۴) یعنی ان کے ذریعے سے مختلف ممالک میں آجائکر تجارت و کاروبار کر کے۔

(۵) ان ظاہری و باطنی نعمتوں پر، جن کا کوئی شماری نہیں۔ یعنی یہ ساری سوتیس اللہ تعالیٰ تمہیں اس لیے بہم پہنچاتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ کی بندگی و اطاعت بھی کرو!

(۶) یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنایا کہ آپ کی قوم کی طرف بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجیے، ان کے ساتھ دلائل اور مجوزات بھی تھے، لیکن قوموں نے ان کی تکذیب کی، ان پر ایمان نہیں لائے۔ بالآخر ان کے اس جرم تکذیب اور ارتکاب معصیت پر ہم نے انہیں اپنی سزا و تعزیر کا نشانہ بنایا اور اہل ایمان کی نصرت و تائید کی جو ہم پر لازم ہے۔ یہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار و مشرکین کی روشن تکذیب سے گھبرا نے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی نی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ نیز کفار کو تحریر ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی وہی ہو گا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے۔ کیوں کہ اللہ کی مدد تو بالآخر مومنوں ہی کو حاصل ہو گی، جس میں چیزیں اور اس

الله تعالیٰ ہوا میں چلاتا ہے وہ ابر کو اٹھاتی ہیں^(۱) پھر اللہ تعالیٰ اپنی مشاکے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے^(۲) اور اس کے نکڑے نکڑے کر دیتا ہے^(۳) پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں،^(۴) اور جنہیں اللہ چاہتا ہے ان بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہو جاتے ہیں۔^(۵)

لیکن ماننا کہ بارش ان پر برسنے سے پہلے پہلے تو وہ نامیدہ ہو رہے تھے۔^(۶)

پس آپ رحمتِ اللہ کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے،^(۷) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۸)

اور اگر ہم باد تند چلا دیں اور یہ لوگ انہی کھیتوں کو (مر جھائی ہوئی) زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔^(۹)

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّبَّيْهَ فَتِّيشُرُ سَحَابًا قَبْسَطَةً
فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَثَأَرُ وَيَجْعَلُهُ كَسْعًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خَلْلِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَثَأَرُ مِنْ
عِبَادَةِ إِذَا هُوَ يَتَبَشَّرُونَ^(۱۰)

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُثَرَّلُ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ
لَبَّلِيْسِينَ^(۱۱)

فَانْظُرْ إِلَيْ أَثْرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُنْهِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
إِنْ ذَلِكَ لَمْعُجُ الْمُوْتَ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۱۲)

وَلَمْ يَنْهِ أَرْسَلَنَا رِحْمَةً مُصْفَرَ الظَّلْوَامَ مِنْ بَعْدِهِ
يَنْهُونَ^(۱۳)

پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔ حَقًا کان کی خبر ہے، جو مقدم ہے نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ اس کا اسم ہے۔

(۱) یعنی وہ بادل جہاں بھی ہوتے ہیں، وہاں سے ہوا میں ان کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

(۲) کبھی چلا کر، کبھی نھرا کر، کبھی تباہ کر کے، کبھی دور دراز تک۔ یہ آسمان پر بادلوں کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

(۳) یعنی ان کو آسمان پر پھیلانے کے بعد، کبھی ان کو مختلف نکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

(۴) وَدْقٌ کے معنی بارش کے ہیں، یعنی ان بادلوں سے اللہ اگر چاہتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے، جس سے بارش کے ضرورت مند خوش ہو جاتے ہیں۔

(۵) آثار رحمت سے مراد وہ غلہ جات اور میوے ہیں جو بارش سے پیدا ہوتے اور خوش حالی و فراغت کا باعث ہوتے ہیں۔ دیکھنے سے مراد نظر عبرت سے دیکھنا ہے تاکہ انسان اللہ کی قدرت کا اور اس بات کا قائل ہو جائے کہ وہ قیامت والے دن اسی طرح مردوں کو زندہ فرمادے گا۔

(۶) یعنی ان ہی کھیتوں کو، جن کو ہم نے بارش کے ذریعے سے شاداب کیا تھا، اگر سخت (گرم یا ٹھنڈی) ہوا میں چلا کر ان

بیشک آپ مردوں کو نہیں ساکتے^(۱) اور نہ بسروں کو
(پنی) آواز ساکتے ہیں^(۲) جب کہ وہ پیشہ پھیر کر مڑ گئے
ہوں۔^(۳)
^(۴) (۵۲)

اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے
والے^(۳) ہیں آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو سانتے ہیں جو
ہماری آئیوں پر ایمان رکھتے^(۵) ہیں پس وہی اطاعت
کرنے والے ہیں۔^(۶)
^(۷) (۵۳)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمیں کمزوری کی حالت^(۷) میں
پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد تو انانی^(۸) دی، پھر اس تو انانی

فَإِنَّكَ لَا تُشْعِمُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُشْعِمُ الصُّمَّ الْذَّاعِمَ إِذَا
وَلَوْأَمْدَبِرِينَ^(۹)

وَمَا أَنْتَ بِهِ الْعُقِيْعِ عَنْ ضَلَالِهِمْ إِنْ تُشْعِمُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ
يَا لَيْتَنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ^(۱۰)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفِ
قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَشَيْءَةً ثُمَّ خَلَقَ مَا

کی ہر یا کو زردی میں بدل دیں۔ یعنی تیار فصل کو تباہ کر دیں تو یہی بارش سے خوش ہونے والے اللہ کی ناشکری پر اتر آئیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نہ مانے والے صبر اور حوصلے سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر مارے خوشی کے پھولے نہیں سانتے اور ذرا سی ابتلاء پر فوراً تامید اور گریہ کنال ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں ان سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) یعنی جس طرح مردے فہم و شور سے عاری ہوتے ہیں، اسی طرح یہ آپ ملٹیپل کی دعوت کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔

(۲) یعنی آپ ملٹیپل کا عظوظ و نصیحت ان کے لیے بے اثر ہے جس طرح کوئی بہرا ہو، اسے تم اپنی بات نہیں ساکتے۔

(۳) یہ ان کے اعراض و انحراف کی مزید وضاحت ہے کہ مردہ اور بہرہ ہونے کے ساتھ وہ پیشہ پھیر کر جانے والے ہیں، حق کی بات ان کے کانوں میں کس طرح پڑھتی اور کیوں کر ان کے دل و دماغ میں سما کتی ہے؟

(۴) اس لیے کہ یہ آنکھوں سے کماحتہ فائدہ اٹھانے سے یا بصیرت (دل کی بینائی) سے محروم ہیں۔ یہ گمراہی کی جس دل دل میں پھنسنے ہوئے ہیں، اس سے کس طرح نکلیں؟

(۵) یعنی یہی سن کر ایمان لانے والے ہیں، اس لیے کہ یہ اہل تفکر و تدبیر ہیں اور آثار قدرت سے موثر حقیقی کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔

(۶) یعنی حق کے آگے سرتلیم خم کر دینے والے اور اس کے پیروکار۔

(۷) یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک اور کمال بیان فرمائ رہا ہے اور وہ ہے مختلف اطوار سے انسان کی تخلیق۔ ضعف (کمزوری کی حالت) سے مراد نطفہ یعنی قطرہ آب ہے یا عالم طفویلت۔

(۸) یعنی جوانی، جس میں قوائے عقلی و جسمانی کی بحکیل ہو جاتی ہے۔

کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا^(۱) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،^(۲)
وہ سب سے پورا واقعہ اور سب پر پورا قادر ہے۔^(۳) (۵۳)

اور جس دن قیامت^(۴) برپا ہو جائے گی گناہ گار لوگ
قتمیں کھائیں گے کہ (دنیا میں) ایک گھری کے سوانحیں
ٹھہرے،^(۵) اسی طرح یہ بکے ہوئے ہی رہے۔^(۶) (۵۵)

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ جواب دیں گے^(۷) لکھ

يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۚ

وَيَوْمَ تَقْعُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ هَذَا لِتُؤْمِنُوا إِنَّهُ سَاعَةٌ
كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْنَكُونَ ۚ

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدِيلُثُمْ

(۱) کمزوری سے مراد کمولت کی عمر ہے جس میں عقلی و جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہو جاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا وہ دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے۔ ہمت پست، ہاتھ پیروں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر ہو جاتی ہیں۔ قرآن نے انسان کے یہ چار بڑے اطوار بیان کیے ہیں۔ بعض علماء دیگر چھوٹے چھوٹے اطوار بھی شمار کر کے انہیں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو قرآن کے احوال کی توضیح اور اس کے اعجاز بیان کی شرح ہے مثلاً امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انسان کیکے بعد دیگرے ان حالات و اطوار سے گزرتا ہے۔ اس کی اصل مٹی ہے۔ یعنی اس کے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یا انسان جو کچھ کھاتا ہے، جس سے وہ منی پیدا ہوتی ہے جو رحم مادر میں جا کر اس کے وجود و تخلیق کا باعث بنتی ہے، وہ سب مٹی ہی کی پیداوار ہے پھر وہ نطفہ نطفہ سے ملقت، پھر مفت، پھر بڑیاں، جنہیں گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پھر ماں کے پیٹ سے اس حال میں نکلتا ہے کہ نحیف و نزار اور نہایت نرم و نازک ہوتا ہے۔ پھر بذریع نشوونما پاتا، بچپن، بلوغت اور جوانی کو پہنچتا ہے اور پھر بذریع رجعت تقریبی کا عمل شروع ہو جاتا ہے، کمولت، شیخوخت اور پھر کبر سنی (بڑھاپا) تا آنکہ موت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

(۲) انہی اشیاء میں ضعف و قوت بھی ہے۔ جس سے انسان گزرتا ہے جیسا کہ ابھی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

(۳) ساعت کے معنی ہیں گھری، لمحہ، مراد قیامت ہے، اس کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا وقوع جب اللہ چاہے گا، ایک گھری میں ہو جائے گا۔ یا اس لیے کہ یہ اس گھری میں ہو گی جو دنیا کی آخری گھری ہو گی۔

(۴) دنیا میں یا قبور میں۔ یہ اپنی عادت کے مطابق جھوٹی قسم کھائیں گے، اس لیے کہ دنیا میں وہ جتنا عرصہ رہے ہوں گے، ان کے علم میں ہی ہو گا اور اگر مراد قبر کی زندگی ہے تو ان کا حلف جمالت پر ہو گا کیوں کہ وہ قبر کی مدت نہیں جانتے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ آخرت کے شدائداً اور ہولناک احوال کے مقابلے میں دنیا کی زندگی انہیں گھری کی طرح ہی لگے گی۔

(۵) أَفَكَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں۔ بچ سے پھر گیا، مطلب ہو گا، اسی پھرنے کے مثل وہ دنیا میں پھرتے رہے یا بکے رہے۔

(۶) جس طرح یہ عالم دنیا میں بھی سمجھاتے رہے تھے۔

تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں^(۱) ہے یوم قیامت تک ٹھرے رہے۔ آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں مانتے تھے۔^(۲) (۵۶)

پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر بمانہ کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان سے توبہ اور عمل طلب کیا جائے گا۔^(۳) (۵۷)

بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں۔^(۴) آپ ان کے پاس کوئی بھی نشان لا میں،^(۵) یہ کافروں کی کسی کسی گے کہ تم (بے ہودہ گو) بالکل جھوٹے ہو۔^(۶) (۵۸)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مر کر دیتا ہے۔^(۷) (۵۹)

پس آپ صبر کریں^(۸) یقیناً اللہ کا وعدہ چاہے۔ آپ کو وہ

فِي كِتَابِ اللَّهِ الِّيْ يَوْمَ الْبَعْثَتْ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثَتْ وَلِكُلِّ كُوْنِمْ لَا يَعْلَمُونَ

فِي يَوْمِ الْأَيَّنَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْبَدُونَ

وَلَقَدْ ضَرَبَنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنَ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلِكُنْ حَمْتُمْ بِإِيمَانِكُوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ أَنْثُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ

كَذَلِكَ يَطْبِعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

فَاصِرُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفْنَكَ الَّذِينَ

(۱) کتابِ اللہ سے مراد اللہ کا علم اور اس کا فصلہ ہے یعنی لوح محفوظ

(۲) یعنی پیدائش کے دن سے قیامت کے دن تک۔

(۳) کہ وہ آئے گی بلکہ استہزا اور تکذیب کے طور پر اس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔

(۴) یعنی انہیں دنیا میں بھیج کر یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہاں توبہ و اطاعت کے ذریعے سے عتاب الہی کا ازالہ کرلو۔

(۵) جن سے اللہ کی توحید کا اثبات اور رسولوں کی صداقت واضح ہوتی ہے اور اسی طرح شرک کی تردید اور اس کا بطلان نہیں ہوتا ہے۔

(۶) وہ قرآن کریم کی پیش کردہ کوئی دلیل ہو یا ان کی خواہش کے مطابق کوئی مجرہ وغیرہ۔

(۷) یعنی جادو وغیرہ کے پیروکار۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی نشانی اور واضح سے واضح دلیل بھی اگر وہ دیکھ لیں، تب بھی ایمان بہر حال نہیں لائیں گے، کیوں؟ اس کی وجہ آگے بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر محرگا دی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کا کافروں طغیان اس آخری حد کو پہنچ گیا ہے جس کے بعد حق کی طرف واپسی کے تمام راستے ان کے لیے مسدود ہیں۔

(۸) یعنی ان کی مخالفت و عناد پر اور ان کی تکلیف وہ باقتوں پر، اس لیے کہ اللہ نے آپ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً حق ہے جو بہر صورت پورا ہو گا۔

لوگ ہلکا (بے صبرا) نہ کریں^(۱) جو یقین نہیں رکھتے۔ (۲۰)

لَا يُؤْفِقُونَ ①

سورہ لقمان کی ہے اور اس میں چوتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

شُوَّدَةُ الْقَبْضَانِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الم^(۱) (۱) یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ (۲)
جو نیکو کاروں کے^(۲) لیے رہبر اور (سراسر) رحمت ہے۔ (۳)

الْقَرْآنُ تِلْكَ إِلَيْهِ الْكِتَابُ الْعَظِيمُ ②

هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُحْسِنِينَ ③

جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر (کامل) یقین رکھتے ہیں۔ (۴) (۵)

الَّذِينَ يُقْمِدُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكُوٰةَ وَهُمْ بِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِّنُونَ ④

(۱) یعنی آپ کو غصب ناک کر کے صبر و حلم ترک کرنے یا مادہ اہنت پر مجبور نہ کر دیں بلکہ آپ اپنے موقف پر ڈالے رہیں اور اس سے سرو موافق نہ کریں۔

(۲) اس کے آغاز میں بھی یہ حروف مقطعات ہیں، جن کے معنی و مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو فوائد بڑے اہم بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قرآن اسی قسم کے حروف مقطعات سے ترتیب و تالیف پایا ہے جس کے مثل تالیف پیش کرنے سے عرب عاجز آگئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے، جو شریعت وہ لے کر آیا ہے، انسان اس کا محتاج ہے اور اس کی اصلاح اور سعادت کی تکمیل اسی شریعت سے ممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز ان حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں کیوں کہ یہ انداز بیان نیا اور اچھوتا تھا۔ (ایسیں الفاسیر واللہ اعلم۔

(۳) مُخْسِنِينَ، مُخْسِنَ کی جمع ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، مستحقین اور ضرورت مندوں کے ساتھ۔ دوسرے معنی ہیں، نیکیاں کرنے والا، یعنی برائیوں سے بحقیق اور نیکوکار۔ تیرے معنی ہیں اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والا۔ جس طرح حدیث جبرايل علیہ السلام میں ہے، أَنَّ تَعْبُدَ اللَّهَ كَائِنَكَ تَرَاهُ... قرآن ویسے تو سارے جہاں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ صرف محسینین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں، اس لیے یہاں اس طرح فرمایا۔

(۴) نماز، زکوٰۃ اور آخرت پر یقین۔ یہ تینوں نہایت اہم ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا، ورنہ محسینین و متقین تمام

یہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں
اور یہ لوگ نجات پانے والے ہیں۔^(۱)^(۵)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باقوں کو مول لیتے ہیں^(۲)
کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہ کامیں اور
اسے ہنسی بنائیں،^(۳) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسول
کرنے والا عذاب ہے۔^(۴)^(۶)

جب اس کے سامنے ہماری آئیں تلاوت کی جاتی ہیں تو
تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے ناہی
نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے
ہیں،^(۵) آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنادیجتے۔^(۷)

أُولَئِكَ عَلَى هُدًىٰ مِنْ رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَلِمْلُونَ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهُوا عَدِيْثَ لِيُفْلِحَ عَنْ سَيِّئِ
اللَّهُو بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ وَيَتَحَذَّهَا هُزُوْرًا أُولَئِكَ لِهُمْ عَذَابٌ مُّهِمٌ ۝

وَإِذَا تُشْتَلِ عَلَيْهِ الْيَتُنَاوَلِيْ مُسْتَكْلِرًا كَانَ لَهُ يَسِعُهَا كَانَ
فِي أَذْنِيْهِ وَقْرًا فَبِسْرَرُهُ بَعْدَ اپِ إِلَيْهِ ۝

فَرَأَفَ وَسْنَ بَلْكَ مُسْجَمَاتٍ تَكَ كِبَدِنِی کرتے ہیں۔

(۱) فلاخ کے مفہوم کے لیے دیکھئے سورہ بقرۃ اور مومون کا آغاز۔

(۲) اہل سعادت، جو کتاب اللہ سے راہ یاب اور اس کے سامنے فیض یاب ہوتے ہیں، ان کے ذکر کے بعد ان اہل شقاوتوں کا بیان ہو رہا ہے جو کلام اللہ کے سامنے سے تو اعراض کرتے ہیں۔ البتہ ساز و موسیقی، نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ خریدنے سے مراد یہی ہے کہ آلات طرب شوق سے اپنے گھروں میں لاتے اور پھر ان سے لذت اندوڑ ہوتے ہیں۔ لَهُوَ الْحَدِيْثِ سے مراد گانجا بجانا، اس کا ساز و سامان اور آلات، ساز و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس میں قصہ، کہانیاں، افسانے، ڈرامے، ناول اور جنی اور سخنی خیل لزیچہ، رسائل اور بے حیائی کے پرچار ک اخبارات سب ہی آجاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو، تلویزیون اور فلمیں وغیرہ بھی۔ عمد رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجائے والی لونڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے ناکر بلاتی رہیں تاکہ قرآن و اسلام سے وہ دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آجاتی ہیں جو آج کل فن کار، فلمی ستارہ اور ثقافتی سفیر اور پڑتھیں کیسے کیسے مذب، خوش نما اور دل فریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

(۳) ان تمام چیزوں سے یقیناً انسان اللہ کے راستے سے گراہ ہو جاتے ہیں اور دین کو استہزا و تمسخر کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔

(۴) ان کی سر برستی اور حوصلہ افزائی کرنے والے ارباب حکومت، ادارے، اخبارات کے مالکان، اہل قلم اور فچر نگار بھی اسی عذاب میں کے مستحق ہوں گے۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهُ۔

(۵) یہ اس شخص کا حال ہے جو مذکورہ اہو و لعب کی چیزوں میں مگن رہتا ہے، وہ آیات قرآنیہ اور اللہ و رسول کی باتیں

بیشک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی نیک (مطابق سنت) کیے ان کے لیے نعمتوں والی جنتیں

ہیں۔^(۸)

جمال وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہے،^(۹) وہ بہت بڑی عزت و غلبہ والا اور کامل حکمت والا ہے۔^(۱۰)

اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے تم انہیں دیکھ رہے^(۱۱) ہو اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ وہ تمہیں جنبش نہ دے^(۱۲) سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین میں پھیلا دیے۔^(۱۳) اور ہم نے آسمان سے پانی بر سار کر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگا دیے۔^(۱۴)^(۱۵)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّتُ التَّعْيِيْمِ ۝

خَلِدِيْنَ نِفِيْهَا وَعَدَ اللَّهُو حَقَّاً، وَهُوَ الْعَزِيزُ بِالْحِكْمَةِ ۝

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِعَيْنِ عَمِيدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَابِيَّاً
أَنْ تَمْيِيْدٍ كُلُّمَ وَبَيْتٍ بِهِمَا مِنْ كُلِّ دَاهِيَّةٍ وَأَنْزَلَنَا مِنَ الشَّمَاءِ
مَآءَةً قَائِمَتَافِيْهَا مِنْ كُلِّ رُؤُجٍ كَبِيرٍ ۝

سن کر بہرا بن جاتا ہے حالاں کہ وہ بہر انہیں ہوتا اور اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں، کیوں کہ اس کے سننے سے وہ ایذا محسوس کرتا ہے، اس لیے اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وَفَرَا کے معنی ہیں کانوں میں ایسا بوجہ جو اسے سننے سے محروم کر دے۔

(۱) یعنی یہ یقیناً پورا ہو گا، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وَاللَّهُ لَا يُخْلِفُ الْمِ�نْعَادَ.

(۲) تَرَوْنَهَا، اگر عَمَدٌ کی صفت ہو تو معنی ہوں گے ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو۔ یعنی آسمان کے ستون ہیں لیکن ایسے کہ تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

(۳) رَوَاسِيَ، رَاسِيَّۃُ کی جمع ہے جس کے معنی ثابتَۃُ کے ہیں۔ یعنی پہاڑوں کو زمین پر اس طرح بھاری بوجہ بنا کر رکھ دیا ہے کہ جن سے زمین ثابت رہے یعنی حرکت نہ کرے۔ اسی لیے آگے فرمایا، أَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یعنی کرۂ آثَةَ أَنْ تَمِيْدَ (تمیلَ) بِكُمْ أَوْ لِنَلَّا تَمِيْدَ یعنی اس بات کی ناپسندیدگی سے کہ زمین تمہارے ساتھ ادھر ادھر ڈولے، یا اس لیے کہ زمین ادھر ادھر ڈولے۔ جس طرح ساحل پر کھڑے بھری جمازوں میں بڑے بڑے لنگڑاں دیئے جاتے ہیں تاکہ جمازن ڈولے زمین کے لیے پہاڑوں کی بھی یہی حیثیت ہے۔

(۴) یعنی انواع و اقسام کے جانور زمین میں ہر طرف پھیلا دیئے جنہیں انسان کھاتا بھی ہے، سواری اور بار بارداری کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور بطور زینت اور آرائش کے بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔

(۵) زَوْجِ یہاں صِنْفِ کے معنی میں ہے یعنی ہر قسم کے غلے اور میوے پیدا کیے۔ ان کی صفت کریم، ان کے حسن اون اور کثرت منافع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

یہ ہے اللہ کی مخلوق^(۱) اب تم مجھے اس کے سوادو سرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ^(۲) (کچھ نہیں)، بلکہ یہ خالی محلی گمراہی میں ہیں۔^(۳)

اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی^(۴) تھی کہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر کر^(۵) ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔^(۶)

اور جب کہ لقمان نے وعظ کتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا^(۷) بیشک شرک برابر بھاری ظلم ہے۔^(۸)

هذَا أَخْلَقُ الْمُؤْمِنَ فَأَرْوَاهُ مَا ذَادَ أَخْلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ بُعْدِيْنِ ۝

وَلَقَدْ أَيَّتَنَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْكُرُ بِهِ وَمَنْ يَشْكُرُ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ عَنِّيْ حَمِيدٌ ۝

وَإِذَا قَالَ لُقْمَنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعْظُلُهُ يُعْنِي لَا يُشَدِّدُ فِي الْفُلْجَةِ إِنَّ الشَّرُكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝

(۱) هذَا (یہ) اشارہ ہے اللہ کی ان پیدا کردہ چیزوں کی طرف جن کا گزشتہ آیات میں ذکر ہوا۔

(۲) یعنی جن کی تم عبادت کرتے اور انہیں مدد کے لیے پکارتے ہو، انسوں نے آسمان و زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ کوئی ایک چیز تو بتلو؟ مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے، تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی مستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔

(۳) حضرت لقمان، اللہ کے نیک بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت یعنی عقل و فہم اور دینی بصیرت میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا تھا میں یہ فہم و شعور کس طرح حاصل ہوا؟ انسوں نے فرمایا، راست بازی، امانت کے اختیار کرنے اور بے فائدہ بالتوں سے اجتناب اور خاموشی کی وجہ سے۔ ان کا حکمت و دانش پر مبنی ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ یہ غلام تھے، ان کے آقانے کماکہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بہترین دو حصے لاو، چنانچہ وہ زبان اور دل نکال کر لے گئے۔ ایک دوسرے موقعے پر آقانے ان سے کماکہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بدترین حصے لاو۔ وہ پھر وہی زبان اور دل لے کر چلے گئے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ زبان اور دل، اگر صحیح ہوں تو یہ سب سے بہتر ہیں اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ (ابن کثیر)

(۴) شکر کا مطلب ہے، اللہ کی نعمتوں پر اس کی حمد و شناور اس کے احکام کی فرمائی برداری۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انسوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، جس سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔

(۶) یہ بعض کے نزدیک حضرت لقمان ہی کا قول ہے اور بعض نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے اور اس کی تائید میں وہ

ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی^(۱) ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر^(۲) اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے^(۳) لکھ کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔^(۴)

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ مانتا ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بس کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو^(۵) تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کر دوں گا۔^(۶)

وَوَصَّيْنَا إِلَى إِنْسَانٍ بِوَالدَّيْهِ حَلَّتُهُ أُمُّهُ وَهَنَاعِلُ وَهُنَّ
وَفِضْلَهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُلْنِي وَلِوَالدَّيْهِ إِلَى الْمَصِيرِ^(۷)

وَلَنْ جَهَدْلَكَ عَلَى أَنْ شَتَرِكَ بِنِي مَالَيْنَ لَكَ يَهْ عِلْمُ فَلَا
نُطْعَمُهُ مَا وَصَّاهُمْ هَمَانِي الْدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَأَكِيدَهُ سَيِّلَ مَنْ
أَنَابَ إِلَى اللَّهِ تُحَمِّلُهُ الْمَرْجِعُكُمْ فَإِنْتُمْ بِهَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ^(۸)

حدیث پیش کی ہے جو ﴿آتَيْنَنِ امْتَوْا لَهُ لِيُسْوَى إِيمَانَهُ بِظَلَمِهِ﴾ — کے نزول کے تعلق سے وارد ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں ظلم سے مراد ظلم عظیم ہے اور آیت ﴿إِنَّ الشَّرِكَةَ لَأَظْلَمُ عَظِيمُ﴾ کا حوالہ دیا۔ (صحیح بخاری، نمبر ۷۷۷۷) مگر در حقیقت اس سے اللہ کا قول ہونے کی نہ تائید ہوتی ہے نہ تردید۔

(۱) توحید و عبادت اللہ کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تائید سے اس نصیحت کی اہمیت واضح ہے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ رحم مادر میں پچ جس حساب سے بڑھتا جاتا ہے، ماں پر بوجہ بڑھتا جاتا ہے جس سے عورت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ماں کی اس مشقت کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرتے وقت ماں کو مقدم رکھا جائے، جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

(۴) یعنی مومنین کی راہ۔

(۵) یعنی میری طرف رجوع کرنے والوں (آل ایمان) کی پیروی اس لیے کرو کہ بالآخر تم سب کو میری ہی بارگاہ میں آتا ہے، اور میری ہی طرف سے ہر ایک کو اس کے (اتجھے یا برے) عمل کی جزا ملنی ہے۔ اگر تم میرے راستے کی پیروی کرو گے اور مجھے یاد رکھتے ہوئے زندگی گزارو گے تو امید ہے کہ قیامت والے روز میری عدالت میں سرخ رو ہو گے بصورت دیگر میرے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ سلسلہ کلام حضرت لقمان کی وصیتوں سے متعلق تھا۔ اب آگے پھر وہی وصیتیں بیان کی جا رہی ہیں جو لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ درمیان کی دو آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر ماں باپ کے ساتھ احسان کی

پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ (بھی) خواہ کسی چنان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا اللہ تعالیٰ بڑا باریک میں اور خبردار ہے۔^(۱۶)

اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا^(۲) (یقین مان) کہ یہ بڑے تأکیدی کاموں میں سے ہے۔^(۳)^(۱۷)

يَبْتَئِ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مُشَقَّالَ حَبَّةٌ مِّنْ حَرْدَلٍ فَتَكُونُ
فِي حَكْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا
اللَّهُ أَنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ حَمِيرٌ^(۱۸)

يَبْتَئِ أَقِيمُ الصَّلَاةَ وَأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَإِنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنْ ذَلِكَ مِنْ عَزَمِ الْأُمُورِ^(۱۹)

تائید فرمائی، جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ لقمان نے یہ وصیت اپنے بیٹے کو نہیں کی تھی کیونکہ اس میں ان کا اپنازاتی مفاد بھی تھا۔ دوسرا یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کی توحید و عبادت کے بعد والدین کی خدمت و اطاعت ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ شرک اتنا برا گناہ ہے کہ اگر اس کا حکم والدین بھی دیں، تو ان کی بات نہیں مانی جائے۔

(۱) إِنْ تَكُ كَامِرُجَعٍ خَطِينَةٌ هُوَ تَوْ مَطْلَبُ گَنَاهُ اُوْرَ اللَّهُ كَيْ نَافِرْمَانِيْ وَالاَكَامُ ہے اُوْرَ اگر اس کا مرجع خَصَّلَةٌ ہو تو مطلب اچھائی یا براہی کی خصلت ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا کام کتنا بھی چھپ کر کے، اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر لے گا۔ یعنی اس کی جزادے گا، اچھے عمل کی اچھی جزا، برے عمل کی بربی جزا۔ رائی کے دانے کی مثال اس لیے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن محسوس ہوتا ہے نہ تول میں وہ ترازو کے پڑے کو جھکا سکتا ہے۔ اسی طرح چنان (آبادی سے دور جنگل، پہاڑ میں) مخفی ترین اور محفوظ ترین جگہ ہے۔ یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا ”اگر تم میں سے کوئی شخص بے سوراخ کے پھر میں بھی عمل کرے گا، جس کا کوئی دروازہ ہونہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرمادے گا، چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔“ (منڈ احمد، ۲۸/۳) اس لیے کہ وہ لطیف (باریک میں) ہے، اس کا علم مخفی ترین چیز تک صحیح ہے، اور خیر ہے، اندھیری رات میں چلنے والی چیزوں کی حرکات و سکنات سے بھی وہ باخبر ہے۔

(۲) إِقَامَةُ صَلَاةٍ، أَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ، نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ اُوْرَ مَصَابَبٍ پِرْ صَبَرْ کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ تینوں اہم ترین عبادات اور امور خیر کی بنیاد ہیں۔

(۳) یعنی مذکورہ باتیں ان کاموں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تائید فرمائی ہے اور بندوں پر انہیں فرض قرار دیا ہے۔ یا یہ ترغیب ہے عزم و ہمت پیدا کرنے کی کیوں کہ عزم و ہمت کے بغیر طاعات مذکورہ پر عمل ممکن نہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک ذلیک کا مرجع صبر ہے۔ اس سے پسلے امر بالمعروف اور نهى عن المکر کی وصیت ہے اور اس راہ میں شدائد و مصائب اور طعن و ملامت ناگزیر ہے، اس لیے اس کے فوراً بعد صبر کی تلقین کر کے واضح کر دیا کہ صبر کا دامن

لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا^(۱) اور زمین پر اتر اکر
نہ چل۔^(۲) کسی تکبر کرنے والے شخچ خورے کو اللہ تعالیٰ
پسند نہیں فرماتا۔^(۳)

اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر،^(۴) اور اپنی آواز
پست کر^(۵) یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں
کی آواز ہے۔^(۶)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز

وَلَا تُصْعِرْخَدَكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمُشَ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ
اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ فَحْشٍ إِلَّا فَحْشُهُ^(۷)

وَاقْصِدْنِي مَشِيكَ وَاغْفُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الصَّوَافَاتِ
صَوْتُ الْجَيْزِ^(۸)

إِنَّمَا تَرَوْا إِنَّ اللَّهَ سَاحِرٌ لِّكُمْ تَأْنِي التَّمَوُتُ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنْبَغَ

تحامے رکھنا کہ یہ عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے اور اہل عزم و ہمت کا ایک بڑا اختیار۔ اس کے بغیر فریضہ تبلیغ کی
ادائیگی ممکن نہیں۔

(۱) یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حیرت سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تو ان سے منہ پھیر لے۔ یا گفتگو کے وقت اپنا
منہ پھیرے رکھے۔ صراحتی بیماری ہے جو اونٹ کے سریا گردن میں ہوتی ہے۔ جس سے اس کی گردن مژاجاتی ہے۔ یہاں
بطور تکبر منہ پھیر لینے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (ابن کثیر)

(۲) یعنی ایسی چال یا روایہ، جس سے مال و دولت یا جاہ و منصب یا قوت و طاقت کی وجہ سے فخر و غور کا اظہار ہوتا ہو، یہ
اللہ کو ناپسند ہے، اس لیے کہ انسان ایک بندہ عاجز و حیرت ہے، اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی
و اکساری ہی اختیار کیے رکھے اس سے تجاوز کر کے بڑائی کا اظہار نہ کرے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے زیبا ہے جو تمام
اختیارات کا مالک اور تمام خوبیوں کا منبع ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”وَهُوَ خَصُّ جَنَّتٍ مِّنْ نَّمِیْسِ جَاءَهُ گَا“، جس
کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو گا۔ (مسند احمد ۱/۲۰۲، ترمذی، ابواب البر، ماجاء فی الكبر،
جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو کھینچتے (گھینٹتے) ہوئے چلے گا، اللہ اس کی طرف (Qiامت والے دن) نہیں دیکھے گا۔
(مسند احمد ۵/۱۰، وانظر البخاری، کتاب اللباس)، تاہم تکبر کا اظہار کیے بغیر اللہ کے انعامات کا ذکر کریا اچھا حال باس
اور خوراک وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

(۳) یعنی چال اتنی ست نہ ہو جیسے کوئی بیمار ہو اور نہ اتنی تیز ہو کہ شرف و وقار کے خلاف ہو۔ اسی کو دوسرے مقام پر
اس طرح بیان فرمایا 『يَمْشُونَ عَلَى الْأَضْفَانِ هُوَنَا』 (الفرقان ۲۳) ”اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ
چلتے ہیں۔“

(۴) یعنی جیخ یا چلا کربات نہ کر، اس لیے کہ زیادہ اوپری آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی
سمجھی جاتی لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ گدھے کی آواز سب سے بدتر اور کریہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ”گدھے
کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو“ (بخاری، کتاب بدء الخلق اور مسلم وغیرہ)

کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے^(۱) اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھر پور دے رکھی ہیں،^(۲) بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔^(۳)
(۲۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اماری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق^(۴) پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے، اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلا تباہ ہو^(۵)
(۲۱)

اور جو (شخص) اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے^(۶) اور ہو بھی وہ نیکو کار^(۷) یقیناً اس نے مضبوط کرنا تھام لیا،^(۸)

عَلَيْكُمْ يَعْلَمُ ظَاهِرَهُ وَبِأَطْنَاءِهِ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَالَّذِي هُدِيَ وَلَا كَتَبٌ مُنْبَهِرٌ^(۹)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَتَيْتُمَا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ سَنَبِعُ
مَا وَاجَدْنَا عَلَيْهِ إِبَاءَنَا أَوْ لَوْكَانَ الشَّيْطَنُ يَدْعُونَا
إِلَى عَذَابِ السَّعْيِ^(۱۰)

وَمَنْ يُشْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُعْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرُوقَ وَأَنْوَثَى وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ^(۱۱)

(۱) تنجیر کا مطلب ہے انتقام (فائدہ اٹھانا). جس کو "یہاں کام سے لگا دیا" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق، چاند، سورج، ستارے وغیرہ ہیں۔ انسیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند بنادیا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور انسان ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ دوسرا مطلب تنجیر کا تابع بنادیا ہے۔ چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع بنادیا گیا ہے جنہیں انسان اپنی حسب مثلاً استعمال کرتا ہے جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں۔ گویا تنجیر کا مفہوم یہ ہوا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لیے کام میں لگی ہوئی ہیں، چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور تابعیت سے بالا ہوں۔ (فتح القدری)

(۲) ظاہری سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا اور اک عقل، حواس وغیرہ سے ممکن ہو اور باطنی نعمتیں وہ جن کا اور اک و احس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔

(۳) یعنی اس کے باوجود لوگ اللہ کی بابت جھگڑتے ہیں، کوئی اس کے وجود کے بارے میں، کوئی اس کے ساتھ شریک گردانے میں اور کوئی اس کے احکام و شرائیں کے بارے میں۔

(۴) یعنی طریقی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے، نہ کسی ہادی کی ہدایت اور نہ کسی صحیفہ آسمانی سے کوئی ثبوت، گویا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تکوار بھی نہیں۔

(۵) یعنی صرف اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی کرے۔

(۶) یعنی مامور بہ چیزوں کا اتباع اور منہیات کو ترک کرنے والا۔

(۷) یعنی اللہ سے اس نے مضبوط عمد لے لیا کہ وہ اس کو عذاب نہیں کرے گا۔

تمام کاموں کا انعام اللہ کی طرف ہے۔^(۲۲)

کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں،^(۱) آخر ان سب کا لوثنا تو ہماری جانب ہی ہے پھر ہم ان کو بتائیں گے جو انہوں نے کیا ہے، بے شک اللہ سینوں^(۲) کے بھیدوں^(۳) تک سے واقف ہے۔^(۲۳)

ہم انہیں گو کچھ یونہی سافائدہ دے دیں لیکن (بالآخر) ہم انہیں نہایت بیچارگی کی حالت میں سخت عذاب کی طرف ہنکالے جائیں گے۔^(۲۴)^(۲۵)

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ،^(۵) تو کہ دیجئے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے،^(۶) لیکن ان میں کے اکثر بے علم ہیں۔^(۲۶)

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے^(۷) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑا بے نیاز^(۸) اور سزاوار حمد و شناہے۔^(۹)

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْنَكُلُّهُ لِيَنْتَهِ هُمْ فَنِيَّةٌ هُمْ بِهَا
عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ بِنِدَادِ الصُّدُورِ^(۱۰)

نُتَّعِّهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَى عَذَابٍ غَلِيلٍ^(۱۱)

وَلَيَنْ سَأْلُهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قَلِيلٌ
الْحَمْدُ لِلَّهِ بِلَّ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^(۱۲)

يَنْهَا مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْمَهِيدُ^(۱۳)

(۱) اس لیے کہ ایمان کی سعادت ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ آپ کی کوششیں اپنی جگہ بجا اور آپ کی خواہش بھی قابل قدر لیکن اللہ کی تقدیر اور مشیت سب پر غالب ہے۔

(۲) یعنی ان کے عملوں کی جزاءے گا۔

(۳) پس اس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔

(۴) یعنی دنیا میں آخر کتب تک رہیں گے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے کہاں تک شاد کام ہوں گے؟ یہ دنیا اور اس کی لذتیں تو چند روزہ ہیں، اس کے بعد ان کے لیے سخت عذاب ہی عذاب ہے۔

(۵) یعنی ان کو اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ ہے نہ کہ وہ معبد جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

(۶) اس لیے کہ ان کے اعتراف سے ان پر جنت قائم ہو گئی۔

(۷) یعنی ان کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی اور مدد و متصرف کائنات بھی وہی۔

(۸) بے نیاز ہے اپنے مساوا سے، یعنی ہر چیز اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۹) اپنی تمام پیدا کردہ چیزوں میں۔ پس اس نے جو کچھ پیدا کیا اور جو احکام نازل فرمائے، اس پر آسمان و زمین میں سزاوار

روئے زمین کے (تمام) درختوں کے اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور باحکمت ہے۔^(۲)

تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا،^(۲) بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔^(۳)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں کھپا دیتا ہے،^(۴) سورج چاند کو اسی نے فرمایا بودار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے،^(۵) اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔^(۶)

وَلَوْأَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَدَهُ الْبَحْرُ يَمْدُدُهُ
مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْخِرٍ مَا نَفَدَتْ كَلِمَتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
غَنِيٌّ عَنِ الْحَمْكَمِ^(۷)

مَا خَلَقْنَاهُ وَلَا يَعْلَمُنَا إِلَّا لَكَنْفِسٍ وَاحِدَةٍ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ بِإِصْبَرٍ^(۸)

الْحُرَّةَ لَنَّ اللَّهَ يُولُجُ الْيَلَى فِي التَّهَارِ وَيُولُجُ التَّهَارَ فِي الْيَلِ
وَسَعْهُرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلُّ شَعْرِيٍّ إِلَى أَجَلٍ مُسَمٍّ وَأَنَّ اللَّهَ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ^(۹)

حمد و شنا، صرف اسی کی ذات ہے۔

(۱) اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، جلالت شان، اس کے اسمائے حسنی اور صفات علیا اور اس کے وہ کلمات جو اس کی عظمتوں پر دلالت کنائیں ہیں کا بیان ہے کہ وہ اتنے ہیں کہ کسی کے لیے ان کا احاطہ یا ان سے آگاہی یا ان کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی ان کو شمار کرنا اور جملہ تحریر میں لانا چاہے، تو دنیا بھر کے درختوں کے قلم گھس جائیں، سمندروں کے پانی کی بنائی ہوئی سیاہی ختم ہو جائے، لیکن اللہ کی معلومات، اس کی تخلیق و صنعت کے عجائب اور اس کی عظمت و جلالت کے مظاہر کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ سات سمندر بطور مبالغہ ہے، حصر مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ کی آیات و کلمات کا حصر و احصا ممکن ہی نہیں ہے (ابن کثیر) اسی مفہوم کی آخرت سورہ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔

(۲) یعنی اس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا یا قیامت والے دن زندہ کرنا، ایک نفس کے زندہ کرنے یا پیدا کرنے کی طرح ہے۔ اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے لفظ کُنْ سے پلک جھپکتے میں معرض وجود میں آ جاتا ہے۔

(۳) یعنی رات کا کچھ حصہ لے کر دن میں شامل کر دیتا ہے، جس سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ جیسے گریوں میں ہوتا ہے، اور پھر دن کا کچھ حصہ لے کر رات میں شامل کر دیتا ہے، جس سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے۔ جیسے سردیوں میں ہوتا ہے۔

(۴) ”مقررہ وقت تک“ سے مراد قیامت تک ہے یعنی سورج اور چاند کے طلوع و غروب کا یہ نظام، جس کا اللہ نے ان

یہ سب (انتظامات) اس وجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل ہیں^(۱) اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند یوں والا اور بڑی شان والا ہے۔^(۲) ^(۳۰)

کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاوے،^(۳) یقیناً اس میں ہر ایک صبر و شکر کرنے

ذلِّكَ يَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَنْ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ
وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

الْمُتَرَأَنَّ الْفُلُكَ تَعْبُرُ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيكُمْ مِنْ
إِلَيْهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيْلَتٍ لِكُلِّ صَبَارٍ شَكُورٍ ۝

کو پابند کیا ہوا ہے، قیامت تک یوں ہی قائم رہے گا دوسرا مطلب ہے ”ایک معینہ منزل تک“ یعنی اللہ نے ان کی گردش کے لیے ایک منزل اور ایک دائرة معین کیا ہوا ہے جہاں ان کا سفر ختم ہوتا ہے اور دوسرے روز پھر وہاں سے شروع ہو کر پہلی منزل پر آکر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر ہبیش سے فرمایا، جانتے ہو، یہ سورج کہاں جاتا (غروب ہوتا) ہے؟ ابوذر ہبیش کہتے ہیں، میں نے کہا ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں“ فرمایا، اس کی آخری منزل عرش اللہ ہے یہ وہاں جاتا ہے اور زیر عرش سجدہ ریز ہوتا ہے پھر (وہاں سے نکلنے کی) اپنے رب سے اجازت مانگتا ہے ایک وقت آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا۔ ارجعی من حيث جنت ”تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا“ تو وہ مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ جیسا کہ قرب قیامت کی علامات میں آتا ہے (صحیح بخاری، کتاب التوحید، مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الزمن الذي لا يقبل فيه الإیمان) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”سورج رہست کی طرح ہے، دن کو آسمان پر اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے، جب غروب ہو جاتا ہے، تورات کو زمین کے نیچے اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کا معاملہ ہے“۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ انتظامات یا نشانیاں، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو کہ کائنات کا نظام چلانے والا صرف ایک اللہ ہے، جس کے حکم اور مشیت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور اس کے سواب باطل ہے یعنی کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں کیوں کہ سب اس کی مخلوق اور اس کے ماتحت ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایک ذرے کو بھی ہلانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

(۲) اس سے برتر شان والا کوئی ہے نہ اس سے بڑا کوئی۔ اس کی عظمت شان، علوم رتبت اور بڑائی کے سامنے ہر چیز حقیر اور پست ہے۔

(۳) یعنی سند رمیں کشیوں کا چلننا، یہ بھی اس کے لطف و کرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت تنجیر کا ایک نمونہ ہے۔ اس نے ہوا اور پانی دونوں کو ایسے مناسب انداز سے رکھا کہ سند رمی سطح پر کشیاں چل سکیں، ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی

وَالَّهُ كَيْلَ بَتْ سِنَانِيَّا ہیں۔^(۳۱)

اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ (نمایت) خلوص کے ساتھ اعتقد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔^(۳۲) پھر جب وہ (باری تعالیٰ) انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں،^(۳۳) اور ہماری آئیوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بد عمد اور ناشکرے ہوں۔^(۳۴)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہو گا^(۳۵) (یاد رکھو) اللہ کا

وَإِذَا أَغْشَيْهُمْ سَوْرَةً كَلْلَلَ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الَّذِينَ هُدُوا
فَلَمَّا بَعْدَهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَيَنْهُمْ مُّفْسِدُونَ وَمَا يَعْمَلُونَ
يَا لَيْلَتَنَا لَا لَكُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٌ^(۳۶)

يَا بَشَّارَ النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاحْشُوا يَوْمًا لَا يَجِدُونِي وَاللَّهُ
عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مُؤْنَدٌ هُوَ جَازِعٌ وَاللَّهُ شَيْءًا أَنْ وَعَدَ

تندی اور موجودوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلانا ممکن ہو جائے۔

(۱) تکلیفوں میں صبر کرنے والے، راحت اور خوشی میں اللہ کا شکر کرنے والے۔

(۲) یعنی جب ان کی کشتیاں ایسی طوفانی موجودوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ انہیں اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبودوں کے ذہنوں سے نکل جاتے ہیں اور صرف ایک آسمانی اللہ کو پکارتے ہیں جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

(۳) بعض نے مُفْتَصِدٌ کے معنی بیان کیے ہیں عمد کو پورا کرنے والا، یعنی بعض ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عمد پر قائم رہتے ہیں جو موجود گرداب میں انہوں نے کیا تھا۔ ان کے نزدیک کلام میں حذف ہے، تقدیر کلام یوں ہو گا۔ فِمِنْهُمْ مُفْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ كَافِرٌ "پس بعض ان میں سے مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں"۔ (فتح القدیر) دوسرے مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں اعتدال پر رہنے والا اور یہ باب انکار سے ہو گا۔ یعنی اتنے ہولناک حالات اور پھر وہاں رب کی اتنی عظیم آیات کا مشابہہ کرنے اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے وہاں سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت و اطاعت نہیں کرتا؟ اور متوسط راست اختیار کرتا ہے، جب کہ وہ حالات، جن سے گزر کر آیا ہے، مکمل بندگی کا تقاضا کرتے ہیں، نہ کہ اعتدال کا۔ (ابن کثیر) مگر بہلا مفہوم سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

(۴) خَتَّارٍ۔ غدار کے معنی میں ہے۔ بد عمدی کرنے والا، کَفُورٍ ناشکری کرنے والا۔

(۵) جَازِ اسم فاعل ہے جَزَی سے بدلہ دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو بچانے کے لیے اپنی جان کا بدلہ، یا بیٹا باپ کے لیے اپنی جان بطور معاوضہ پیش کر دے، تو وہاں یہ ممکن نہیں ہو گا۔ ہر شخص کو اپنے کے کی سزا

وعدہ سچا ہے (دیکھو) تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ
ڈالے اور نہ دھوکے باز (شیطان) تمہیں دھوکے میں
ڈال دے۔ (۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی
بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے
جانتا ہے۔ کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا؟
نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔^(۱) (یاد
رکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا
ہے۔ (۳۳)

اَللَّهُ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنُكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَعْرِّفُنَّكُمْ
بِاللَّهِ الْعَرُورُ ۝

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَعْلَمُ السَّاعَةِ وَيَرِدُ الْغَيْثُ وَيَعْلَمُ مَا
فِي الْأَرْضِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدَاءً وَمَا
تَدْرِي نَفْسٌ بِمَا أَرْضَتْ تَهْوِيَةً إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَمِيرٌ ۝

بھگتی ہو گی۔ جب باپ بیٹا ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے تو دیگر رشتے داروں کی کیا حیثیت ہو گی؟ اور وہ کیوں کر
ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے؟

(۱) حدیث میں بھی آتا ہے کہ پانچ چیزوں مفاتیح الغیب ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحیح بخاری)
تفسیر سورہ لقمان و کتاب الاستفقاء باب لا بد ری متی بجیء المطر إلا اللہ۔ ۱۔ قرب قیامت کی علامات تو
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے وقوع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، کسی فرشتے کو نہ
کسی نبی مرسل کو۔ ۲۔ بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ آثار و علامات سے تخمینہ تو لگایا جاتا اور لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ بات ہر
شخص کے تجربہ و مشاہدے کا حصہ ہے کہ یہ تخمینے کبھی صحیح نکلتے ہیں اور کبھی غلط۔ حتیٰ کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی
بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ بارش کا بھی یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ۳۔ رحم
مادر میں مشینی ذرائع سے جنیت کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہے کہ بچہ ہے یا بچی؟ لیکن ماں کے پیٹ، میں نشوونما پانے
والا یہ بچہ نیک بخت ہے یا بد بخت ناقص ہو گایا کامل، خوب رو ہو گا کہ بد شکل، کلا ہو گایا گورا، وغیرہ باتوں کا علم اللہ کے
سو اکسی کے پاس نہیں۔ ۴۔ انسان کل کیا کرے گا؟ وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا؟ کسی کو آنے والے کل کے بارے میں علم
نہیں ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں؟ اور اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ ۵۔ موت کماں آئے
گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی آرزوؤں اور خواہشات
کی تجھیں کے بعد آئے گی یا اس سے پہلے؟ کسی کو معلوم نہیں۔

سورہ سجدہ کی ہے اور اس میں تمیں آئیں اور
تم رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

الم-(۱) بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہانوں کے پروردگار
کی طرف سے ہے۔^(۲) (۲) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔^(۳) (نہیں)
نہیں بلکہ یہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق ہے
تاکہ آپ انہیں ڈرامیں جنکے پاس آپ سے پہلے کوئی
ڈرانے والا نہیں آیا^(۴) تاکہ وہ راہ راست پر
آجائیں۔^(۵)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان
کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا پھر عرش پر

سُورَةُ السَّجْدَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ تَعَالَى تَزْدِينَ الْكِتَابَ لِأَرَيَتَ فِيهِ مِنْ رِزْقِ الْعَالَمِينَ

آمِ يَقُولُونَ إِفْرَارُهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَا
أَثْمُمُ مِنْ تَنْذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَذَّهُمْ يَهْتَدُونَ

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سَيِّئَةِ أَيَّامِ
نُحَّا سَوَّى عَلَى الْعَرْشِ مَالَكُوْمِنْ دُونِهِ مِنْ قَبْلِ ذَلِيلَ شَفِيعٍ

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الَّمَ السَّجْدَة (اور دوسری رکعت میں) ﴿هُنَّ أُنَيِّ
عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ (سورہ دہرا) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم کتاب الجمعة، باب ما یقرأ فی صلوٰۃ
الفجر یوم الجمعة) اسی طرح یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے قبل سورہ
الم السجدة اور سورہ ملک پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی، نمبر ۸۹۲ و مسند احمد / ۳۲۰)

(۱) مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کمات اور من گھڑت تھے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف
سے صرفہ بدایت ہے۔

(۲) یہ بطور توبخ ہے کہ کیا رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلا غلط نظام کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اسے خود (محمد صلی
اللہ علیہ وسلم نے) گھڑ لیا ہے؟

(۳) یہ نزول قرآن کی علت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا (جیسا کہ پہلے بھی وضاحت گزر چکی ہے) کہ عربوں میں نبی صلی
اللہ علیہ وسلم پہلے نبی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے۔ واللہ
اعلم۔ اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش ہوں گے جن کی طرف کوئی نبی آپ ﷺ سے پہلے نہیں آیا۔

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۚ

قَامَ هوا^(۱) تَمَارِي لَيْهُ اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔^(۲) کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔^(۳)

وہ آسمان سے لے کر زمین تک (ہر) کام کی مدیر کرتا ہے^(۴) پھر (وہ کام) ایک ایسے دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔^(۵)

یہی ہے چھپے کھلے کا جانے والا، زبردست غالب بہت ہی مہربان۔^(۶)

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعْدُ دُنُونٌ ۝

ذَلِكَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

(۱) اس کے لیے دیکھئے سورہ اعراف ۵۲ کا حاشیہ۔ یہاں اس مضمون کو دہرانے سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور عجائب صنعت کے ذکر سے شاید وہ قرآن کو نہیں اور اس پر غور کریں۔

(۲) یعنی وہاں کوئی ایسا دوست نہیں ہو گا، جو تمہاری مدد کر سکے اور تم سے اللہ کے عذاب کو ٹال دے، نہ وہاں کوئی سفارشی ہی ایسا ہو گا جو تمہاری سفارش کر سکے۔

(۳) یعنی اے غیر اللہ کے پچاریو اور دوسروں پر بھروسہ رکھنے والو! کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

(۴) آسمان سے، جہاں اللہ کا عرش اور لوح محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ زمین پر احکام نازل فرماتا یعنی مدیر کرتا اور زمین پر ان کا نفاذ ہوتا ہے۔ جیسے موت اور زندگی، صحت اور مرض، عطا اور منع، غنا اور فقر، جنگ اور صلح، عزت اور رذالت، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں اور تصرفات کرتا ہے۔

(۵) یعنی پھر اس کی یہ تدبیریا امر اس کی طرف واپس لوٹتا ہے ایک ہی دن میں جسے فرشتے لے کر جاتے ہیں اور صعود (چڑھنے) کایا آنے جانے کا فاصلہ اتنا ہے کہ غیر فرشتے ہزار سال میں طے کرے۔ یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس دن انسانوں کے سارے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اس "یوم" کی تعین و تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے ۱۴۱۵ء اقوال اس ضمن میں ذکر کیے ہیں اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں توقف کو پسند فرمایا اور اس کی حقیقت کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ صاحب ایسر الفتاویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں یہ تین مقامات پر آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ دن مراد ہے۔ سورہ حج (آیت ۷۷) میں "یوم" کا لفظ عبارت ہے اس زمانہ اور مدت سے جو اللہ کے ہاں ہے اور سورہ معراج میں، جہاں یوم کی مقدار پچاس ہزار سال ہتلائی گئی ہے، یوم حساب مراد ہے اور اس مقام (زیر بحث) میں یوم سے مراد دنیا کا آخری دن ہے، جب دنیا کے تمام معاملات فنا ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے

جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی^(۱) اور انسان کی بناؤث مٹی سے شروع کی۔^(۲)^(۷)

پھر اس کی نسل ایک بے و قعہ پانی کے نچوڑ سے چلائی۔^(۳)^(۸)

جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونگی،^(۴) اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے^(۵) (اس پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا احسان مانتے ہو۔^(۶)

اور انسوں نے کہا کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں^(۷) گے کیا پھر نئی پیدائش میں آجائیں گے؟ بلکہ (بات یہ ہے) کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔^(۸)

الَّذِي أَخْسَنَ كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ أَخْلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ^(۹)

ثُمَّ جَعَلَ نَسْكَهَ مِنْ سُلْطَةِ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ^(۱۰)

ثُمَّ سُوَّهُ وَلَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوْجَهٖ وَجَعَلَ لَكُوْلَ السَّمَعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئَدَةَ قَلِيلًا مَا يَشْكُرُونَ^(۱۱)

وَقَالُوا نَمَّا إِذَا أَضَلَّنَا فِي الْأَرْضِ إِرَاثَ الْفِيْنِ حَلْقَيْ جَدِيدَيْهَا بَلْ هُمْ بِلْقَاءُ رَبِّهِمْ كُلُّ فَرُونَ^(۱۲)

(۱) یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ چوں کہ اس کی حکمت و مصلحت کا اقتضا ہے، اس لیے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے۔ یوں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز حسین ہے اور بعض نے اُخْسَنَ کے معنی اُنْقَنَ وَأَخْكَمَ کے کیے ہیں، یعنی ہر چیز مضبوط اور پختہ بنائی۔ بعض نے اسے الْهَمَ کے مفہوم میں لیا ہے، یعنی ہر مخلوق کو ان چیزوں کا الہام کرو دیا جس کی وہ محتاج ہے۔

(۲) یعنی انسان اول ”آدم علیہ السلام“ کو مٹی سے بنایا، جن سے انسانوں کا آغاز ہوا۔ اور اس کی زوجہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کرو دیا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) یعنی منی کے قطرے سے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک انسانی جوڑا بنانے کے بعد، اس کی نسل کے لیے ہم نے یہ طریقہ مقرر کر دیا کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح کریں، ان کے جنسی مlap سے جو قطرہ آب، عورت کے رحم میں جائے گا، اس سے ہم ایک انسانی پیکر تراش کر باہر بھیجنے رہیں گے۔

(۴) یعنی اس بچے کی ماں کے پیٹ میں نشوونما کرتے اس کے اعضاء باتے ہیں اور پھر اس میں روح پھونگتے ہیں۔

(۵) یعنی یہ ساری چیزوں پیدا کیں تاکہ وہ اپنی تخلیق کی تکمیل کر دے، پس تم ہر سنتے والی بات کو سن سکو، دیکھنے والی چیز کو دیکھ سکو اور ہر عقل و فهم میں آنے والی بات کو سمجھ سکو۔

(۶) یعنی اتنے احسانات کے باوجود انسان اتنا ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بہت ہی کم ادا کرتا ہے یا شکر کرنے والے آدمی بہت تھوڑے ہیں۔

(۷) جب کسی چیز پر کوئی دوسری چیز غالب آجائے اور پہلی کے تمام اثرات مت جائیں تو اس کو مظلالت (گم ہو جانے) سے تعبیر کرتے ہیں ضَلَلَنَا فِي الْأَرْضِ کے معنی ہوں گے کہ جب مٹی میں مل کر ہمارا وجود زمین میں غائب ہو جائے گا۔

کہ دیجئے! کہ تمہیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے^(۱) پھر تم سب اپنے پور دگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۲)

کاش کہ آپ دیکھتے جب کہ گناہ گار لوگ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں^(۳) گے، کیمیں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب^(۴) تو ہمیں واپس لوٹا دے ہم نیک اعمال کریں گے ہم یقین کرنے والے ہیں۔^(۵)

اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب^(۶) فرمادیتے، لیکن میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جنم کو انسانوں اور جنوں سے پر کروں گا۔^(۷)

اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا نہ چکھو، ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا^(۸) اور اپنے کیے ہوئے اعمال (کی شامت) سے ابدی عذاب کا نہ چکھو۔^(۹)

ہماری آئیوں پر وہی ایمان لاتے ہیں^(۱۰) جنہیں جب کبھی ان

فُلْ يَتَوَفَّلُ مَلْكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُجِّهَ إِلَيْهِ تُخْرَجُ إِلَيْ رَبِّكُمْ
تُرْجَمُونَ^(۱۱)

وَلَوْرَأَيَ إِذَا الْمُجْرِمُونَ نَأِكُوسُوا وَلَوْرِسِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا
وَسَمِعُنَا فَارِجُصُنَا لَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُؤْفَقُونَ^(۱۲)

وَلَوْشِنَا لَاتَّيْنَا هُنَّ نَفِّيْنَ هُدَيْهَا وَلَكِنْ حَتَّىَ الْقَوْلُ مِيقَعْ
لَامْكَنْ جَهَنَّمْ مِنْ لِجَنَّةِ وَالثَّالِسِ أَجْمَعِينَ^(۱۳)

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيْنَمْ لِقَاءَ يَوْمَكُمْ هُدَأَنَّا يَنِيلُنَّمْ وَذُوقُوا
عَذَابَ الْغَلِيْبِيَا كُنُولُمْ تَعَمَّلُونَ^(۱۴)

إِنَّا لِيُؤْمِنُ بِالْيَتَنَ الَّذِينَ إِذَا ذُكُرُوا بِهَا أَخْرُوا سُجْدًا وَسَجَّلُوا

(۱) یعنی اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت آجائے تو وہ آگر روح قبض کر لے۔

(۲) یعنی اپنے کفر و شرک اور معصیت کی وجہ سے مارے نہ امت کے۔

(۳) یعنی جس کی مکنذیب کرتے تھے، اسے دیکھ لیا، جس کا انکار کرتے تھے، اسے سن لیا۔ یا تیری و عیدوں کی سچائی کو دیکھ لیا اور چنبروں کی تصدیق کو سن لیا لیکن اس وقت کا دیکھنا، سننا ان کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

(۴) لیکن اب یقین کیا تو کس کام کا؟ اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا ہے بھگتا ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں، لیکن یہ ہدایت جری ہوتی، جس میں امتحان کی گنجائش نہ ہوتی۔

(۶) یعنی انسانوں کی دو قسموں میں سے جو جنم میں جانے والے ہیں، ان سے جنم کو بھرنے والی میری بات صحیح ثابت ہو گئی۔

(۷) یعنی جس طرح تم ہمیں دنیا میں بھلانے رہے، آج ہم بھی تم سے ایسا ہی معاملہ کریں گے ورنہ ظاہربات ہے کہ اللہ تو بھولنے والا نہیں ہے۔

(۸) یعنی تصدیق کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گرپڑتے ہیں^(۱) اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں^(۲) اور تکبیر نہیں کرتے ہیں۔^(۳) (۱۵)

ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں^(۴) اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے^(۵) ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں۔^(۶) (۱۶) کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے،^(۷) ہے، جو کچھ

بِهِمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكِبُرُونَ ⑤



تَبَّعَانَ جُوْبِهِمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْمَعُونَ رَبَّهُمْ خُوفًا وَطَمَعاً
وَمِنَّا رَّشَاقْهُمْ نَيْقُونَ ⑥
فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أَخْفَى إِلَّمْ مِنْ قُرْبَةٍ أَعْيُنٌ حَرَّاءُهَا كَانُوا
يَعْلَمُونَ ⑦

(۱) یعنی اللہ کی آیات کی تعظیم اور اس کی سطوت و عذاب سے ڈرتے ہوئے۔

(۲) یعنی رب کو ان چیزوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو اس کی شان کے لا تک نہیں ہیں اور اس کے ساتھ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں جن میں سب سے بڑی اور کامل نعمت ایمان کی ہدایت ہے۔ یعنی وہ اپنے سجدوں میں «سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ» یا «سُبْحَانَ رَبِّيِ الْأَعْلَى وَبِحَمْدِهِ» وغیرہ کلمات پڑھتے ہیں۔

(۳) یعنی اطاعت و انتیاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جاہلوں اور کافروں کی طرح تکبیر نہیں کرتے۔ اس لیے کہ اللہ کی عبادت سے تکبیر کرنا، جنم میں جانے کا سبب ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكِبُرُونَ عَنْ عِبَادَتِنَا سَيِّدَ الْخَلْقِينَ جَهَنَّمُ ذَرِّيْرُونَ﴾ (سورۃ المؤمن ۲۰) اس لیے اہل ایمان کا معاملہ ان کے بر عکس ہوتا ہے، وہ اللہ کے سامنے ہر وقت عاجزی، ذلت و مسکینی اور خشوع و خضوع کا ظہار کرتے ہیں۔

(۴) یعنی راتوں کو اٹھ کر نوافل (تحجد) پڑھتے توہہ و استغفار، تسبیح و تحمید اور دعا و الحاج و زاری کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اس کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و غصب اور موافذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پرواہ ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بد عمل لوگوں کا شیوه ہے اور نہ عذاب کا انتخوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر و ضلالت ہے۔

(۶) اتفاق میں صدقات واجبه (زکوٰۃ) اور عام صدقہ و خیرات دونوں شامل ہیں۔ اہل ایمان دونوں کا حسب استطاعت اہتمام کرتے ہیں۔

(۷) نَفْسٌ، نکره ہے جو عموم کافائدہ دریتا ہے یعنی اللہ کے سو اکوئی نہیں جانتا۔ ان نعمتوں کو جو اس نے مذکورہ اہل ایمان کے لیے چھپا کر رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھے نہیں دیکھا، کسی

کرتے تھے یہ اس کا بدله ہے۔^(۱) (۱۷)
 کیا وہ جو مومن ہو مثلاً اس کے ہے جو فاسق ہو؟^(۲) یہ
 برابر نہیں ہو سکتے۔^(۱۸)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کیے ان
 کے لیے ہیچگلی والی جنتیں ہیں، مہمانداری ہے ان کے
 اعمال کے بدلتے جو وہ کرتے تھے۔^(۱۹)
 لیکن جن لوگوں نے حکم عدویٰ کی ان کاٹھکانا دوزخ ہے۔
 جب کبھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیے
 جائیں گے۔^(۲۰) اور کہہ دیا جائے گا کہ^(۲۱) اپنے جھٹلانے
 کے بدلتے آگ کا عذاب چکھو۔^(۲۰)

بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب^(۲۲)
 اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ

آفَمْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَإِسْقَأْ لَا يَسْتَوْنَ^(۲۳)

أَنَا الَّذِينَ أَمْنَوْا وَعْدُوا الصِّلَاحِ فَلَهُمْ جَنَّتُ الْمَأْوَى
 تُرْلَكُسَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۲۴)

وَأَنَا الَّذِينَ قَسْطُوا فَمَا وَهُمُ النَّازِلُوكَمَنْ كَارَادُوا وَأَنْ يَخْرُجُوا
 مِنْهَا أَعْيُدُهُو فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُو قُوَّاتَابِ التَّالِرِ الَّذِي
 كُنْتُمْ بِهِ تُنكِدُ بُوْنَ^(۲۵)

وَلَكُنْدِيْقَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنِيْ دُوْنَ الْعَذَابِ
 الْأَكْبَرِ لَعَلَهُمْ يَرْجِعُوْنَ^(۲۶)

کان نے نہیں سنائے کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ السجدۃ)

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے اعمال صالحہ کا اہتمام ضروری ہے۔

(۲) یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ کے ہاں مومن اور کافر برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان بڑا فرق و تفاوت ہو گا
 مومن اللہ کے مہمان ہوں گے اور اعزاز و اکرام کے مستحق اور فاسق و کافر تعزیر و عقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے
 جنم کی آگ میں جھلکیں گے۔ اس مضمون کو دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ جاثیۃ، ۲۱،
 سورۃ حشر، ۲۰، سورۃ حشر، ۲۸، سورۃ حشر، ۲۰، وغیرہ۔

(۳) یعنی جنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر باہر نکلنا چاہیں گے تو فرشتے انہیں پھر جنم کی گمراہیوں میں
 دھکیل دیں گے۔

(۴) یہ فرشتے کمیں گے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی، بہر حال اس میں مکنہ بین کی ذلت و رسوانی کا جو سامان ہے،
 وہ مخفی نہیں۔

(۵) عذاب ادنیٰ (چھوٹے سے یا قریب کے بعض عذاب) سے دنیا کا عذاب یا دنیا کی مصیبیں اور بیکاریاں وغیرہ مراد ہیں۔
 بعض کے نزدیک وہ قتل اس سے مراد ہے، جس سے جنگ بدر میں کافر دوچار ہوئے یا وہ تحط سالی ہے جو اہل مکہ پر مسلط
 کی گئی تھی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں، تمام صورتیں ہی اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔

آئیں۔^(۱)
(۲۱)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آئیوں سے
وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھر^(۲) لیا، (یقین مانو)
کہ ہم بھی گنہ گاروں سے انتقام لینے والے ہیں۔^(۲۲)

بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پس آپ کو ہرگز اس کی
ملاقات میں شک^(۳) نہ کرنا چاہیے اور ہم نے اسے^(۴)
بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا۔^(۲۳)

اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے
پیشوں بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے،
اور وہ ہماری آئیوں پر یقین رکھتے تھے۔^(۵)^(۲۴)

آپ کا رب ان (سب) کے درمیان ان (تمام) باتوں کا
فیصلہ قیامت کے دن کرے گا جن میں وہ اختلاف کر
رہے ہیں۔^(۶)^(۲۵)

وَمَنْ أَطْلَمُ مِنَنْ دُكْرَ بِأَيْتِ رَبِّهِ ثُمَّأَعْرَضَ عَنْهَا
إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ^(۷)

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى النَّكِتَبَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ
ثُمَّ لَقَلِيلٌ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِلْبَنِيَّ إِنَّرَاءُ نَيْلَ^(۸)

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهُدُونَ بِأَمْرِنَا التَّاصِرُوا شَ
وَكَانُوا يَأْتِيَنَا بِيُوقْتِهِنَّ^(۹)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا
فِيهِ يَخْتَلِفُونَ^(۱۰)

(۱) یہ آخرت کے بڑے عذاب سے پلے چھوٹے عذاب سمجھنے کی علت ہے کہ شاید وہ کفر و شرک اور معصیت سے باز آ جائیں۔

(۲) یعنی اللہ کی آیتیں سن کر جو ایمان و اطاعت کی موجب ہیں، جو شخص ان سے اعراض کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔

(۳) کہا جاتا ہے کہ یہ اشارہ ہے اس ملاقات کی طرف جو معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوئی، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نمازوں میں تخفیف کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

(۴) ”اسے“ سے مراد کتاب (تورات) ہے یا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

(۵) اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے۔ صبر کا مطلب ہے اللہ کے اوامر کے بجالانے اور ترک زواجر میں اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، انہیں خدا پیشانی سے جھیلنا۔ اللہ نے فرمایا، ان کے صبر کرنے اور آیات اللہ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔ لیکن جب انہوں نے اس کے بر عکس تبدیل و تحریف کا ارتکاب شروع کر دیا، تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر ان کا عمل صالح رہا اور نہ ان کا اعتقاد صحیح۔

(۶) اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو اہل کتاب میں باہم بپا تھا، ضمناً وہ اختلافات بھی آجائتے ہیں۔ جو اہل ایمان اور اہل

کیا اس بات نے بھی انہیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی اتوں کو ہلاک کر دیا جن کے مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں۔^(۱) اس میں تو (بڑی) بڑی نشانیاں ہیں۔ کیا پھر بھی یہ نہیں سنتے؟^(۲۶)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بخیر (غیر آباد) زمین کی طرف بھاکر لے جاتے ہیں پھر اس سے ہم کھیتیاں نکالتے ہیں جسے ان کے چوبائے اور یہ خود کھاتے ہیں،^(۲۷) کیا پھر بھی یہ نہیں دیکھتے؟^(۲۸)

اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہو گا؟ اگر تم پچھے ہو تو بتاؤ^(۲۹)^(۳۰)

جواب دے دو کہ فیصلے والے دن ایمان لانا بے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔^(۳۱)^(۳۲)

أَوْلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسِيقَهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِّا يَعْلَمُونَ^(۳۳)

أَوْلَمْ يَرَ وَإِنَّا نَسُوقُ النَّاسَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرُجُهُمْ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يَتَبَصَّرُونَ^(۳۴)

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَمُّ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ^(۳۵)

فُلْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُظْرَوُنَ^(۳۶)

کفر، اہل حق اور اہل باطل اور اہل توحید و اہل شرک کے درمیان دنیا میں رہے اور ہیں چونکہ دنیا میں تو ہر گروہ اپنے دلائل پر مطمئن اور اپنی ذگر پر قائم رہتا ہے۔ اس لیے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل کفر و باطل کو جنم میں داخل فرمائے گا۔

(۱) یعنی چھپلی اتنیں، جو تکذیب اور عدم ایمان کی وجہ سے ہلاک ہوئیں گیا یہ نہیں دیکھتے کہ آج ان کا وجود دنیا میں نہیں ہے، البتہ ان کے مکانات ہیں جن کے یہ وارث بنے ہوئے ہیں۔ مطلب اس سے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمہارا حشر بھی یہی ہو سکتا ہے، اگر ایمان نہ لائے۔

(۲) پانی سے مراد آسمانی بارش اور چشوں نالوں اور وادیوں کا پانی ہے، جسے اللہ تعالیٰ ارض جرز (بخیر اور بے آباد) علاقوں کی طرف بھاکر لے جاتا ہے اور اس سے پیداوار ہوتی ہے جو انسان کھاتے ہیں اور جو بھوسی یا چارہ ہوتا ہے، وہ جانور کھا لیتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی خاص زمین یا علاقہ مراد نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ جو ہر بے آباد بخیر اور چھپلی زمین کو شامل ہے۔

(۳) اس فیصلے (فق) سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے جو کفار کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے اللہ کی مدد تیرے لیے کب آئے گی؟ جس سے تو ہمیں ڈرا تارہتا ہے۔ فی الحال تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ تجھ پر ایمان لانے والے چھپے پھرتے ہیں۔

(۴) اس یوم الفتح سے مراد آخرت کے فیصلے کا دن ہے، جہاں ایمان مقبول ہو گا اور نہ سملت دی جائے گی۔ فتح کہ کا دن

اب آپ ان کا خیال چھوڑ دیں^(۱) اور منتظر ہیں۔^(۲) یہ بھی منتظر ہیں۔^(۳) (۳۰)

سورہ احزاب مدنی ہے اور اس میں تحریکیں اور نورکوئے ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان نہایت رحم والا ہے۔

اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا^(۴) اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آجائنا، اللہ تعالیٰ بڑے علم والا اور

فَأَغْرِضُ عَنْهُمْ وَإِنْتَظِرُ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ۖ ۵

سُورَةُ الْأَخْيَارِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتْقِنَ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكُفَّارَ وَالْمُنْتَقِيْنَ ۝

اللَّهُ كَانَ عَلَيْهِمَا حَكِيمًا ۝

مراد نہیں ہے کیوں کہ اس دن تو طلاقاء کا اسلام قبول کر لیا گیا تھا، جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ (ابن کثیر) طلاقاء سے مراد، وہ اہل مکہ ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن، سزا و تعزیر کے بجائے معاف فرمادیا تھا اور یہ کہ کر آزاد کر دیا تھا کہ آج تم سے تمہاری بچپنی ظالمانہ کارروائیوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ چنانچہ ان کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی۔

(۱) یعنی ان مشرکین سے اعراض کر لیں اور تبلیغ و دعوت کا کام اپنے انداز سے جاری رکھیں، جو وحی آپ ﷺ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس کی پیروی کریں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنَّمَا أَوْجَعَ إِلَيْكُمْ مِنْ زَيْدٍ لَا إِلَهَ إِلَّاهُوۤ وَأَغْرِضُ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ — (سورہ الانعام ۱۰۶) آپ خود اس طریقت پر چلتے رہئے جس کی وجی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے۔

(۲) یعنی اللہ کے وعدے کا کہ کب وہ پورا ہوتا ہے اور تیرے مخالفوں پر تجھے غلبہ عطا فرماتا ہے؟ وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

(۳) یعنی یہ کافر منتظر ہیں کہ شاید یہ پیغمبر ہی گردشوں کا شکار ہو جائے اور اس کی دعوت ختم ہو جائے۔ لیکن بنیانے دیکھا لیا کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا فرمایا اور آپ پر گردشوں کے منتظر مخالفوں کو ذمیل و خوار کیا یا ان کو آپ کا غلام بنادیا۔

(۴) آیت میں تقویٰ پر مداومت اور تبلیغ و دعوت میں استقامت کا حکم ہے۔ طلق بن جبیب کہتے ہیں، تقویٰ کا مطلب ہے کہ تو اللہ کی اطاعت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کی معصیت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق ترک کر دے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ (ابن کثیر)

بڑی حکمت والا ہے۔^(۱)

جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے^(۲) اس کی تابع داری کریں (یقین مانو) کہ اللہ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔^(۳)

آپ اللہ ہی پر توکل رکھیں،^(۴) وہ کار سازی کے لیے کافی ہے۔^(۵)

کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے،^(۶) اور اپنی جن یو یوں کو تم مان کرہ بیٹھتے ہو انہیں اللہ نے

وَأَتَيْهُمْ مَا يُؤْتِيَ إِلَيْهِ مِنْ رِزْكٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَيْرًا ⑦

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكُفِّرْ بِاللَّهِ وَكُفِّرْ ⑧

نَاجَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَذْوَاجَهُ
إِلَّا نُظْهَرُونَ مِنْهُنَّ أَمْهَلُوكُو وَمَا جَعَلَ لَدُعْيَاءَكُو أَبْنَاءَكُو

(۱) پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس لیے کہ عوایق کو وہی جانتا ہے اور اپنے اقوال و افعال میں وہ حکیم ہے۔

(۲) یعنی قرآن کی اور احادیث کی بھی، اس لیے کہ احادیث کے الفاظ گوئی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں لیکن ان کے معانی و مفہوم من جانب اللہ ہی ہیں۔ اسی لیے ان کو وحی خفی یا وحی غیر ملتو کہا جاتا ہے۔

(۳) پس اس سے تمہاری کوئی بات خفی نہیں رہ سکتی۔

(۴) اپنے تمام معاملات اور احوال میں۔

(۵) ان لوگوں کے لیے جو اس پر بھروسہ رکھتے، اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

(۶) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منافق یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ ایک دل مسلمانوں کے ساتھ ہے اور دو سر ادل کفار اور کافروں کے ساتھ ہے۔ (مسند احمد / ۲۶۷) یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک دل میں اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی اطاعت جج ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص جیل بن معمر فہری تھا، جو براہی شیار، مکار اور نہایت تیز طرار تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میرے تو دو دل ہیں جن سے میں سوچتا سمجھتا ہوں۔ جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ہی دل ہے۔ یہ آیت اس کے رد میں نازل ہوئی۔ (ایسرا التفاسیر) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آگے جو دو مسئلے بیان کیے جا رہے ہیں، یہ ان کی تہمید ہے یعنی جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی یوں سے ظہار کر لے یعنی یہ کہ دے کہ تیری پشت میرے لیے ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ تو اس طرح کہنے سے اس کی یوں، اس کی ماں نہیں بن جائے گی۔ یوں اس کی دو ماں نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا (لے پا لک) بنالے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جائے گا، بلکہ وہ بیٹا تو اپنے باپ ہی کا رہے گا، اس کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ (اہن کشیر)

تماری (جج بچ کی) ما میں نہیں^(۱) بنیا، اور نہ تمارے لے پاک لڑکوں کو (واقعی) تمارے بیٹے بنیا ہے،^(۲) یہ تو تمارے اپنے منہ کی باتیں ہیں،^(۳) اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے^(۴) اور وہ (سید حمی) را بحاجت آتے ہے۔^(۵)

لے پاکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلا و اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی^(۵) ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمارے دینی بھائی اور دوست ہیں،^(۶) تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں،^(۷) البتہ گناہ وہ

ذِلِّكُمْ وَلَكُمْ يَأْتُوا هُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ⑥

أَدْعُوهُمْ لِابَاءِيهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا أَبَاءَهُمْ فَإِنَّهُمْ فِي الْدِيْنِ وَمَوَالِيْنَ مَوْلَانِيْمُ وَلَيْسَ عَلَيْنَا مُجَازٌ فِيمَا أَخْطَلُوكُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعْنَتْ فَلَوْلَكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا إِنَّمَا ⑦

(۱) یہ مسئلہ ظمار کھلاتا ہے، اس کی تفصیل سورہ مجادۃ میں آئے گی۔

(۲) اس کی تفصیل اسی سورت میں آگے چل کر آئے گی۔ اذعیاء، دعییہ کی جمع ہے۔ منہ بولا بیٹا۔

(۳) یعنی کسی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جائے گی، نہ بیٹا کہنے سے وہ بیٹا بن جائے گا، یعنی ان پر اموت اور بنت کے شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

(۴) اس لیے اس کا اتباع کرو اور ظمار والی عورت کو ماں اور لے پاک کو بیٹا ملت کرو، خیال رہے کہ کسی کو پیار اور محبت میں بیٹا کہنا اور بات ہے اور لے پاک کو حقیقی بیٹا تصور کر کے بیٹا کہنا اور بات ہے۔ پہلی بات جائز ہے، یہاں معصود دوسری بات کی ممانعت ہے۔

(۵) اس حکم سے اس رواج کی ممانعت کر دی گئی جو زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی راجح تھا کہ لے پاک بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رض بیان فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ رض کو (جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے بیٹا بنایا تھا) زید بن محمد رض کہہ کر پکارا کرتے تھے، حتیٰ کہ قرآن کریم کی آیت ﴿أَذْعُوهُمْ لِابَاءِيهِمْ﴾ نازل ہو گئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الاحزان) اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو حذیفہ رض کے گھر میں بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا، جنہوں نے سالم کو بیٹا بنایا ہوا تھا جب منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھنے سے روک دیا گیا تو اس سے پرده کرنا ضروری ہو گیا بھی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہ رض کی یہوی کو کماکر اسے دو دہ پلا کر اپنا رضاعی بیٹا بنالو کیوں کہ اس طرح تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب رضاعۃ الکبیر، أبو داود، کتاب النکاح، باب فیمن حرم به)

(۶) یعنی جن کے حقیقی باپوں کا علم ہے۔ اب دوسری نسبتیں ختم کر کے انہیں کی طرف انہیں منسوب کرو۔ البتہ جن کے باپوں کا علم نہ ہو سکے تو تم انہیں اپنا بھائی اور دوست سمجھو، بیٹا ملت سمجھو۔

(۷) اس لیے کہ خطاؤ نیان معاف ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت ہے۔

ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔^(۱) اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخششے والا میریان ہے۔^(۵)

پیغمبر موسیٰ نوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے^(۲) ہیں اور پیغمبر کی بیویاں موسیٰ نوں کی مائیں ہیں،^(۳) اور رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے موسیٰ نوں اور مهاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں^(۴) (ہاں) مگریہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو۔^(۵) یہ حکم کتاب (اللہ) میں لکھا ہوا ہے۔^(۶)

الَّتِي أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أَمْهَاتُهُمْ
وَأُولُو الْأَرْضَ مَعْصُمُهُمْ أَوْلَى بِمَغْصِبٍ فِي بَيْتِ اللَّهِ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَى أُولَئِكُمْ مَعْرُوفًا
كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ⑤

(۱) یعنی جو جان بوجہ کر غلط انتساب کرے گا، وہ سخت گناہ گار ہو گا۔ حدیث میں آتا ہے۔ ”جس نے جانتے بوجھتے اپنے کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔“ (صحیح بخاری، کتاب المناقب باب نسبة الیمن إلى اسماعیل عليه السلام)

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے جتنے شفیق اور خیر خواہ تھے، محتاج وضاحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس شفقت اور خیر خواہی کو دیکھتے ہوئے اس آیت میں آپ ﷺ کو موسیٰ نوں کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار، آپ ﷺ کی محبت کو دیگر تمام محبتوں سے فائق تر اور آپ ﷺ کے حکم کو اپنی تمام خواہشات سے اہم تر قرار دیا ہے۔ اس لیے موسیٰ نوں کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ ان کے جن مالوں کا مطالبہ۔ اللہ کے لیے کریں، وہ آپ ﷺ پر پخحاور کر دیں چاہے انہیں خود کتنی ہی ضرورت ہو، آپ ﷺ سے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ محبت کریں۔ (جیسے حضرت عمر بن الخطاب کا واقعہ ہے) آپ ﷺ کے حکم کو سب پر مقدم اور آپ ﷺ کی اطاعت کو سب سے اہم سمجھیں۔ جب تک یہ خود پر دگی نہیں ہوگی ﴿فَلَا وَرَبَّكَ لَا يُؤْمِنُونَ...﴾ (النساء: ۲۵) کے مطابق آدمی مومن نہیں ہو گا۔ اسی طرح جب تک آپ کی محبت تمام محبتوں پر غالب نہیں ہوگی لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ... کی رو سے مومن نہیں، تھیک اسی طرح اطاعت رسول ﷺ میں کوتاہی بھی «لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَ أَهْبَاطًا لِمَا جَنَّثُ بِهِ». کامصدق ایجادے گی۔

(۳) یعنی احترام و تکریم میں اور ان سے نکاح نہ کرنے میں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مائیں بھی ہیں۔

(۴) یعنی اب مهاجرت، اخوت اور موالات کی وجہ سے وراثت نہیں ہوگی۔ اب وراثت صرف قریبی رشتہ کی بنیاد پر ہی ہوگی۔

(۵) ہاں تم غیر رشتہ داروں کے لیے احسان اور بروصلہ کا معاملہ کر سکتے ہو، نیز اسکے لیے ایک تہائی مال میں سے وصیت بھی کر سکتے ہو۔

(۶) یعنی لوح محفوظ میں اصل حکم یہی ہے گو عارضی طور پر مصلحتاً دوسروں کو بھی وارث قرار دے دیا گیا تھا، لیکن اللہ

کے علم میں تھا کہ یہ منسون کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اسے منسون کر کے پلا حکم بحال کر دیا گیا ہے۔

جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عمد لیا اور (باخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے، اور ہم نے ان سے (پکا اور) پختہ عمد لیا۔^(۷)

تاکہ اللہ تعالیٰ پھوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت فرمائے،^(۸) اور کافروں کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں۔^(۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا اسے یاد کرو جبکہ تمہارے مقابلے کو فوجوں پر فوجیں آئیں پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں،^(۱۰) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے۔^(۱۱)

وَإِذَا حَذَّنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِنْتَأْفِهِمْ وَمِنْ تَهْوِهِمْ
وَمُؤْسِى وَعِيسَى أَبْنَيْ مَرْيَمَ وَلَهُدَنَا مِنْهُمْ مِنْتَأْفِهِمْ قَاتِلِهِمْ^(۱۲)

لَيَسْنَ الظَّالِمُونَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَأَعْدَدَ لِلْكُفَّارِ عَذَابًا أَلِيمًا^(۱۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُنُوا يَغْمَدُهُمُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ رَأْجَاءُكُمْ دُجُونُهُ
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا قَبْرُودَ الْمَرْءَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَعْلَمُونَ
بَصِيرًا^(۱۴)

(۱) اس عمد سے کیا مراد ہے؟ بعض کے نزدیک یہ وہ عمد ہے جو ایک دوسرے کی مدد اور تصدیق کا انبیاء علیم السلام سے لیا گیا تھا جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ میں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عمد ہے، جس کا ذکر شوریٰ کی آیت ۱۳ میں ہے کہ دین قائم کرنا اور اس میں تفرقہ مت ڈالنا۔ یہ عمد اگرچہ تمام انبیاء علیم السلام سے لیا گیا تھا لیکن یہاں بطور خاص پانچ انبیاء علیم السلام کا نام لیا گیا ہے جن سے ان کی اہمیت و عظمت واضح ہے اور ان میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سب سے پہلے ہے دراں حایکہ نبوت کے لحاظ سے آپ ﷺ سب سے متاخر ہیں، اس سے آپ ﷺ کی عظمت اور شرف کا جس طرح اظہار ہو رہا ہے، محتاج وضاحت نہیں۔

(۲) یہ لام کرنی ہے۔ یعنی یہ عمد اس لیے لیا تاکہ اللہ پے نبیوں سے پوچھئے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اپنی قوموں تک ٹھیک طریقے سے پہنچا دیا تھا؟ یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء سے پوچھئے کہ تمہاری قوموں نے تمہاری دعوت کا جواب کس طرح دیا؟ مثبت انداز میں یا منفی طریقے سے؟ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ہے کہ ”ہم ان سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے“۔ (الاعراف ۲۶) اس میں داعیان حق کے لیے بھی تبیہ ہے کہ وہ دعوت حق کا فریضہ پوری ترن وہی اور اخلاق سے ادا کریں تاکہ بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو سکیں، اور ان لوگوں کے لیے بھی وعدہ ہے جن کو حق کی دعوت پہنچائی جائے کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کریں گے تو عند اللہ مجرم اور مستوجب سزا ہوں گے۔

(۳) ان آیات میں غزوہ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو ۵ ہجری میں پیش آیا۔ اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس

جب کہ (دشمن) تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے^(۱) اور جب کہ آنکھیں پھرا گئیں اور کلیعہ منہ

إِذْجَاءُهُمْ وَهُمْ فُوقُهُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ وَلَا ذَلْفَتِ
الْأَبْصَارُ وَلَكَعْبَتِ الْقُلُوبُ الْعَنَاجِرُ وَلَظِيْوَنُ بِاللَّهِ

موقع پر تمام اسلام دشمن گروہ جمع ہو کر مسلمانوں کے مرکز " مدینہ " پر حملہ آور ہوئے تھے۔ احزاب حزب (گروہ) کی جمع ہے۔ اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے مدینے کے اطراف میں خندق کھودی تھی تاکہ دشمن مدینے کے اندر نہ آسکیں۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مسلسل بد عمدی کی وجہ سے مدینے سے جلاوطن کر دیا تھا، یہ قبیلہ خیر میں جا آباد ہوا، اس نے کفار کمہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کیا، اسی طرح غطفان وغیرہ قبائل نجد کو بھی امداد کا یقین دلا کر آمادہ قتال کیا اور یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کر کے مدینے پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مشرکین مکہ کی قیادت ابوسفیان کے پاس تھی، انہوں نے احمد کے آس پاس پڑا و ڈال کر تقریباً مدینے کا محاصرہ کر لیا، ان کی مجموعی تعداد ۱۰۰۰ ہزار تھی، جب کہ مسلمان تین ہزار تھے۔ علاوه ازیں جنوبی رخ پر یہودیوں کا تیرا قبیلہ بنو قریظہ آباد تھا، جس سے ابھی تک مسلمانوں کا معاهدہ قائم اور وہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اسے بھی بنو نضیر کے یہودی سردار جی بن اخطب نے ورگلا کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے حوالے سے، اپنے ساتھ مالیا۔ یوں مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے زرگی میں گھر گئے۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسی جو شوہر کے مشورے سے خندق کھودی گئی، جس کی وجہ سے دشمن کا لٹکر مدینے کے اندر نہیں آسکا اور مدینے کے باہر قیام پذیر رہا۔ تاہم مسلمان اس محاصرے اور دشمن کی تحدہ یلغار سے سخت خوفزدہ تھے۔ کم و بیش ایک میلے تک یہ محاصرہ قائم رہا اور مسلمان سخت خوف اور اضطراب کے عالم میں بیٹلا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے پرده غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی ان آیات میں ان ہی سراسیہ حالات اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ پسلے جنود سے مراد کفار کی نوجیں ہیں، جو جمع ہو کر آئی تھیں۔ تیز و تنہ ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو سخت طوفان اور آندھی کی شکل میں آئی، جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا، جانور ریساں تڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور سب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ وہی ہوا تھی جس کی بابت حدیث میں آتا ہے، نُصِرَتُ بِالصَّبَّا وَأَهْلِكَتْ عَادَ بِالدَّبُورِ (صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب نصرت بالصباء، مسلم، باب فی ريح الصباء والدببور) "میری مدد صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور عاد دبور (چھپی) ہوا سے ہلاک کیے گئے"۔ (﴿وَجْهَهُدَ الْمُتَوْهِفَةِ﴾) سے مراد فرشتے ہیں، جو مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے۔ انہوں نے دشمن کے دلوں پر ایسا خوف اور دہشت طاری کر دی کہ انہوں نے وہاں سے جلد بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے دشمن آگئے یا اوپر سے مراد غطفان، ہوازن اور دیگر نجد کے مشرکین ہیں اور نیچے کی سمت سے قریش اور ان کے اعوان و انصار۔

الظُّنُنَاتُ

کو آگئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان
کرنے لگے۔^(۱) ^(۱۰)

یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح وہ جنجنحوڑ دیے
گئے۔^(۲) ^(۱۱)

اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کا)
روگ تھا کہنے لگے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہم سے
محض دھوکا فریب کا ہی وعدہ کیا تھا۔^(۳) ^(۱۲)

ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینہ
والو! ^(۴) تمہارے لیے ٹھکانہ نہیں چلو لوٹ چلو،^(۵) اور
ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے
اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں،^(۶) حالانکہ
وہ (کھلے ہوئے اور) غیر محفوظ نہ تھے (لیکن) ان کا پختہ
ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا۔^(۷) ^(۱۳)

اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے
جاتے پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے بپاکر

هُنَّا لَكُمْ أَبْشِلَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَنْ يُلْزَمُوا إِذَا أَشَدُّهُمْ

وَإِذَ يَقُولُ الْمُنْفَعُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرْضٌ مَا وَعَدْنَا

اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا أُغْرِيَهُ

وَإِذْ قَاتَلَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَأْهَلَ يَثْرِبَ لِامْقَامَكُمْ
فَأَرْجِعُوهُمْ وَيَسْتَأْذِنُونَ فِي رَبِّيْقٍ تَبَاهُمُ الَّذِي يَقُولُونَ إِنَّ
وَيُوَسْتَأْعُورَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فَرَأَيُّا

وَلَوْ دُخَلْتُ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُبِّلُوا الْفَتَنَةَ

(۱) یہ مسلمانوں کی اس کیفیت کا اظہار ہے جس سے اس وقت دوچار تھے۔

(۲) یعنی مسلمانوں کو خوف، قتل، بھوک اور محاصرے میں بٹلا کر کے ان کو جانچا پر کھا گیا تاکہ منافق الگ ہو جائیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ایک فریب تھا۔ یہ تقریباً ستر منافقین تھے جن کی زبانوں پر وہ بات آگئی جو دلوں میں تھی۔

(۴) یہ شرب اس پورے علاقے کا نام تھا، مدینہ اسی کا ایک حصہ تھا، جسے یہاں شرب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام شرب اس لیے پڑا کہ کسی زمانے میں عمالقہ میں سے کسی نے یہاں پراؤ کیا تھا جس کا نام شرب بن عیل تھا۔ (فتح القدیر)

(۵) یعنی مسلمانوں کے لشکر میں رہنا تو ختن خطرناک ہے، اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔

(۶) یعنی بنو قریظہ کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے یوں اہل خانہ کی جان و مال اور آبرو خطرے میں ہے۔

(۷) یعنی جو خطرہ وہ ظاہر کر رہے ہیں، نہیں ہے وہ اس بھانے سے راہ فرار چاہتے ہیں۔ عورت کے لغوی اور معروف معنی کے لیے دیکھئے، سورہ نور، آیت ۵۸ کا حاشیہ۔

دیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی مدت۔^(۱۳)

اس سے پہلے تو انہوں نے اللہ سے عمد کیا تھا کہ پیشہ نہ پھیرس گے،^(۱۴) اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدہ کی باز پرس ضرور^(۱۵) ہو گی۔

کہہ دیجئے کہ گو تم موت سے یا خوف قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے۔^(۱۶)

پوچھئے! تو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے (یا تم سے روک سکے؟)،^(۱۷) اپنے لیے بجز اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار۔^(۱۸)

اللہ تعالیٰ تم میں سے انہیں (بخوبی) جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس^(۱۹) چلے آؤ۔ اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں

لَا تَوَهَا وَمَا تَبْتَغِيْبَا بِهَا الْأَيْسِيرَا^(۲۰)

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلِ لَا يُؤْتُونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْوِلًا^(۲۱)

قُلْ أَنْ يَنْفَعُكُمُ الْفَرَارُ إِنْ قَرَرُهُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوَالْقَتْلِ وَلَذُّ لَا تَمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا^(۲۲)

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُورِنَ اللَّهِ وَلَيَأْتِيَكُمُ الْأَنْصِيرَا^(۲۳)

فَلَدَعْلَمَ اللَّهُ الْمُعْوَقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَالِبِينَ لِغُوايَنَهُمْ هَلْمَةَ إِلَيْنَا وَلَدَيَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا^(۲۴)

(۱) یعنی مدینے یا ان کے گھروں میں چاروں طرف سے دشمن داخل ہو جائیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ تم کفر و شرک کی طرف دوبارہ واپس آجائو، تو یہ ذرا توقف نہ کریں گے اور اس وقت گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا عذر بھی نہیں کریں گے بلکہ فوراً مطالبه شرک کے سامنے جھک جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک ان کو مرغوب ہے اور اس کی طرف یہ لپتے ہیں۔

(۲) بیان کیا جاتا ہے کہ یہ منافقین جنگ بد رسم مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن جب مسلمان فاتح ہو کر اور مال غیرمت لے کر واپس آئے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام کا اظہار کیا بلکہ یہ عمد بھی کیا کہ آئندہ جب بھی کفار سے معرکہ پیش آیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ضرور لڑیں گے، یہاں ان کو وہی عمد یاد کرایا گیا ہے۔

(۳) یعنی اسے پورا کرنے کا ان سے مطالبہ کیا جائے گا اور عدم وفا پر سزا کے وہ مستحق ہوں گے۔

(۴) یعنی موت سے تو کوئی صورت مفر نہیں ہے۔ اگر میدان جنگ سے بھاگ کر آبھی جاؤ گے، تو کیا فائدہ؟ کچھ عرصے بعد موت کا پیالہ تو پھر بھی پینا ہی پڑے گا۔

(۵) یعنی تمہیں بلا کرنا، بیمار کرنا، یاماں و جائیداد میں نقصان پہنچانا یا قحط سالی میں بیٹلا کرنا چاہے، تو کون ہے جو تمہیں اس سے بچا سکے؟ یا اپنا فضل و کرم کرنا چاہے تو وہ روک سکے؟

(۶) یہ کہنے والے منافقین تھے، جو اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے روکتے تھے۔

آجاتے ہیں۔^(۱)

تماری مد میں (پورے) بخیل ہیں،^(۲) پھر جب خوف و دہشت کا موقع آجائے تو آپ انہیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جمادیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو۔^(۳) پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں^(۴) مال کے بڑے ہی حریص ہیں،^(۵) یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں^(۶) اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال نابود کروئے ہیں،^(۷) اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت ہی آسان ہے۔^(۸)^(۹)

أَيْشَةٌ عَلَيْكُمْ فِي أَذَاجَاءِ الْحَوْفِ رَأَيْتُهُمْ يَظْرُونَ إِلَيْكَ
تَدْوِرُ أَعْيُنُهُمْ كَا لَذِنِي يُعْشِي عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا هُبَّ
الْحَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالْأَسْنَاءِ حَدَّ أَيْشَةٌ عَلَى التَّحِيرِ أُولَئِكَ
كُنْ يُمْتَوْا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِسِيرًا^(۱۰)

(۱) کیوں کہ وہ موت کے خوف سے پچھے ہی رہتے تھے۔

(۲) یعنی تمارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمارے ساتھ مل کر لٹنے میں بخیل ہیں۔

(۳) یہ ان کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے۔

(۴) یعنی اپنی شجاعت و مرداگی کی بابت ڈیگیں مارتے ہیں، جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں، یا غیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی و طراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت قباوهؓ فرماتے ہیں، غیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بخیل اور سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یار و بدگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں۔

(۵) یا دوسرا مفہوم ہے کہ خیر کا جذبہ بھی ان کے اندر نہیں ہے۔ یعنی مذکورہ خرایوں اور کوتاہیوں کے ساتھ خیر اور بھلائی سے بھی وہ محروم ہیں۔

(۶) یعنی دل سے، بلکہ یہ منافق ہیں، کیوں کہ ان کے دل کفر و عناد سے بھرے ہوئے ہیں۔

(۷) اس لیے کہ وہ مشرک اور کافر ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں، جن پر کوئی اجر و ثواب نہیں۔ یا أَخْبَطَ أَظْهَرَ کے معنی میں ہے، یعنی ان کے عملوں کے بطلان کو ظاہر کر دیا، اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے ہیں ہی نہیں کہ وہ ثواب کے مقتضی ہوں اور اللہ ان کو باطل کر دے۔ (فتح القدير)

(۸) ان کے اعمال کا بر باد کروئیا، یا ان کا نفاق۔

سمجھتے ہیں کہ اب تک لشکر چلے نہیں گئے،^(۱) اور اگر فوجیں آجائیں تو تم نہیں کرتے ہیں کہ کاش! وہ صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے کہ تمہاری خبریں دریافت کیا کرتے،^(۲) اگر وہ تم میں موجود ہوتے (تو بھی کیا?) نہ لڑتے مگر رائے نام۔^(۳) (۲۰)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے،^(۴) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔^(۵) (۲۱)

يَعْسُوبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَدِهُبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ بَوْدُوا
لَوْأَنَّهُمْ يَأْدُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَبْيَكِكُنْ
وَلَوْكَانُوا فِيهِنَّا قَاتُلُوا إِلَّا قَيْلَنِلَا ۝

لَقَدْ كَانَ لِكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا
اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝

(۱) یعنی ان منافقین کی بزدیلی، دوں ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا پکے ہیں۔ لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے سورچوں اور خیموں میں موجود ہیں۔

(۲) یعنی بالفرض اگر کفار کی ٹولیاں دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آجائیں تو منافقین کی خواہش یہ ہو گی کہ وہ مدینہ شر کے اندر رہنے کے بجائے، باہر صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں لوگوں سے تمہاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی بلاک ہوئے یا نہیں؟ یا لشکر کفار کامیاب رہایا ناکام؟

(۳) محض عارکے ڈر سے یا ہم وطنی کی حیثیت کی وجہ سے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے خنت و عید ہے جو جماد سے گریز کرتے یا اس سے پچھے رہتے ہیں۔

(۴) یعنی اے مسلمانو! اور منافقو! تم سب کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے، پس تم جماد میں اور صربو ثبات میں اسی کی پیروی کرو۔ ہمارا یہ پیغمبر جماد میں بھوکا رہا حتیٰ کہ اسے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے، اس کا چہرہ زخمی ہو گیا، اس کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، خندق اپنے ہاتھوں سے کھو دی اور تقریباً ایک میںہ دشمن کے سامنے سینہ پر رہا۔ یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم عام ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ضروری ہے چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معيشت سے، یا سیاست سے۔ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔

فَوَمَا لَكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۝ الآیۃ (الحشر) اور ۝ إِنْ كُنْتُمْ تَخْبُونَ اللَّهَ ۝ الآیۃ (آل عمران: ۲۱) کا مفاد بھی یہی ہے۔

(۵) اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ آج مسلمان بھی بالعموم ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں، اس لیے اسوہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھی

اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (بے ساختہ) کہہ اٹھے! کہ انہیں کا وعدہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا^(۱)، اور اس (چیز) نے ان کے ایمان میں اور شیوه فرماد برداری میں اور اضافہ کر دیا۔^(۲)

مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو وعد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا انہیں سچا کر دکھایا^(۳) بعض نے تو اپنا عمد پورا کر^(۴) دیا اور بعض (موقعہ کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔^(۵)

وَلَتَارًا الْمُؤْمِنُونَ الْأَخْرَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيْمًا^(۶)

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ مِنْ قَضَى تَحْبَةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا يَدْلُوْنَ بِنَدِيلًا^(۷)

کوئی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ان میں جو اہل دین ہیں ان کے پیشوں، پیر اور مشائخ ہیں اور جو اہل دنیا و اہل سیاست ہیں ان کے مرشد و رہنماء آقایان مغرب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے زبانی دعوے بڑے ہیں، لیکن آپ ﷺ کو مرشد اور پیشوامانے کے لیے ان میں سے کوئی بھی آمادہ نہیں ہے۔ فَإِلَى اللَّهِ الْمُشْتَكَى۔

(۱) یعنی منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی علیینی دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کے وعدے فریب تھے، ان کے بر عکس اہل ایمان نے کہا کہ اللہ اور رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلاء و امتحان سے گزارنے کے بعد تمہیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا، وہ سچا ہے۔

(۲) یعنی حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا، بلکہ ان کے ایمان میں جذبہ اطاعت و انتیار اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں اور ان کے مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔

(۳) یہ آیت ان بعض صحابہ رض کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے اس موقع پر جان ثاری کے عجیب و غریب جو ہر دکھائے تھے اور انہیں میں وہ صحابہ رض بھی شامل ہیں جو جنگ بد ریں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انہوں نے یہ عمد کر رکھا تھا کہ اب آئندہ کوئی معرکہ پیش آیا، تو جمادیں بھر پور حصہ لیں گے، جیسے نفرین انس وغیرہ رض جو بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احمد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر تلوار نیزے اور تیروں کے ۸۰ سے اوپر زخم تھے، شہادت کے بعد ان کی ہمسیرہ نے انہیں ان کی انگلی کے پورے پہچانا، (مسند احمد، ج- ۲، ص- ۱۹۳)

(۴) نخب کے معنی عمد، نذر اور موت کے کیے گئے ہیں۔ مطلب ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے تو اپنا عمد یا نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔

(۵) اور دوسرے وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں تاہم اس کے شوق میں شریک جماد

تھا کہ اللہ تعالیٰ چھوٹ کو ان کی سچائی کا بدله دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے،^(۱) اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا بست ہی میریان ہے۔^(۲)

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی (نامراو) لوٹا دیا انہوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا،^(۳) اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا^(۴) اللہ تعالیٰ بڑی قوت و الاء اور غالب ہے۔^(۵)

اور جن اہل کتاب نے ان سے سازباڑ کر لی تھی انہیں (بھی) اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں (بھی) رعب بھر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے ہو اور ایک گروہ کو قیدی ہنا رہے ہو۔^(۶)

اور اس نے تمیں ان کی زمینوں کا اور ان کے گھر بار کا اور ان کے مال کا وارث کر دیا^(۷) اور اس زمین کا بھی قسم

لیغزی اللہ الصدیقین بصدقہم ویعد بمنتفعین
إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

وَرَدَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعِظِيمِهِمْ لَمْ يَنلُوا أَخْيَرًا وَكَفَى اللَّهُ
الْمُؤْمِنِينَ الْقَاتَلَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيلًا عَزِيزًا

وَأَنْزَلَ اللَّهُ الَّذِينَ ظَاهَرُوْهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَّادِيهِمْ
وَقَدْ فَرَقَ فِي ثُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا قَتَلُوْنَ وَقَاتَلُوْنَ
فَرِيقًا

وَأَوْتَلُوكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضَالَمْ نَطَوْهَا

ہوتے ہیں اور شہادت کی سعادت کے آرزو مند ہیں، اپنی اس نذر یا عمد میں انہوں نے تبدیلی نہیں کی۔

(۱) یعنی انہیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

(۲) یعنی مشرک جو مختلف جہات سے جمع ہو کر آئے تھے تاکہ مسلمانوں کا نشان مٹا دیں۔ اللہ نے انہیں اپنے غیظ و غضب سمیت واپس لوٹا دیا۔ نہ دنیا کا مال و متعہ ان کے ہاتھ لگا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، کسی بھی قسم کی خیر انہیں حاصل نہیں ہوئی۔

(۳) یعنی مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور فرشتوں کے ذریعے سے اپنے مومن بندوں کی مدد کا سامان بھی پہنچا دیا۔ اسی لیے بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا «لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ»۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرۃ، باب ما یقول إِذْ ارْجَعْ مِنَ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوِ الْغَزْوَةِ مسلم، باب ما یقول إِذَا قَلَ مِنْ سَفَرِ الْحَجَّ وَغَيْرِهِ) ”ایک اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں، اس نے اپنا وعدہ حکم کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو سرخ روکیا، اور تمام گروہوں کو اکیلے اس نے ہی شکست دے دی، اس کے بعد کوئی شے نہیں۔“ یہ دعاج، عمرہ، جہاد اور سفر سے واپسی پر بھی پڑھنی چاہیے۔

(۴) اس میں غزہ بنی قریظہ کا ذکر ہے جیسا کہ پسلے گزر اک اس قبلیے نے نقض عمد کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں اور

جس کو تمہارے قدموں نے روندا نہیں،^(۱) اللہ تعالیٰ ہر
چیز پر قادر ہے۔^(۲۷)

اے نبی! اپنی یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور
زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور
تمہیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں۔^(۲۸)

اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا
گھر ہے تو (یقین مانو کر) تم میں سے نیک کام کرنے
والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ
چھوڑے ہیں۔^(۲۹)

وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا^(۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ قُلُّ لِرَزْوِنَا جَكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرْدُنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
وَرِزْقَنَا فَقَعَالِنَ أَمْتَغْكُنَ وَأَسْرِخْكُنَ سَرَاحًا جَمِيلًا^(۲)

وَلَنْ كُنْتُنَ تُرْدُنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِي أَلْخَرَهُ فِيَّ
اللَّهُ أَعْدَلُ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُنَ أَجْرًا غَظِيمًا^(۳)

دوسرے یہودیوں کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ جنگ احزاب سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی عمل ہی فرمائے
تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آگئے اور کما کہ آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیے؟ ہم فرشتوں نے تو نہیں رکھے ہیں۔
چلے، اب بوقریظہ کے ساتھ نہیں ہے، مجھے اللہ نے اسی لیے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں میں
اعلان فرمادیا بلکہ ان کو تاکید کر دی کہ عصر کی نمازوں جا کر پڑھنی ہے۔ ان کی آبادی مدینے سے چند میل کے فاصلے پر
تھی۔ یہ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، باہر سے مسلمانوں نے ان کا محاصہ کر لیا جو کم و بیش پچیس روز جاری رہا۔ بالآخر
انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم (ثالث) تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ ہماری بابت دیس گے، ہمیں منظور ہو گا۔ چنانچہ
انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور بچوں، عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال
مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہی فیصلہ آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا
بھی ہے۔ اس کے مطابق ان کے جنگ جو افراد کی گرد نہیں اڑا دی گئیں۔ اور مدینے کو ان کے نیا پک وجود سے پاک کر دیا
گیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری، باب غزوۃ خندق) اُنَّزَلَ قَلْعَوْنَ سَيِّئَةً أَتَارَ دِيَا، ظَاهِرُهُ زُهْمٌ كَافِرُوْنَ كَيْ نَمُونَ نَمَدِيْكَيْ

(۱) بعض نے اس سے خیر کی زمین مرادی ہے کیوں کہ اس کے بعد ہی ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے خیر
فتح کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مکہ ہے اور بعض نے ارض فارس و روم کو اس کا مصدق اقرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک
تمام وہ زینتیں ہیں جو قیامت تک مسلمان فتح کریں گے۔ (فتح القدیر)

(۲) فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پسلے کی نسبت کچھ بہتر ہو گئی تو انصار و مهاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر
ازواج مطررات نے بھی نان نفقة میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لیے
ازواج مطررات کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور یہودیوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک میئے تک جاری رہی

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی اسے دوہرا دوہرا عذاب دیا جائے گا،^(۱) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سل (سی بات) ہے۔ (۳۰)

يُسَاءَ الَّتِي مَنْ يَأْتِ مِنْكُمْ فَإِحْشَهُ مُبِينَ
يُضْعَفُ لَهَا الْعَدَابُ ضَعَفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ②

بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ اس کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سن کر انہیں اختیار دیا تاہم انہیں کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنے کے بجائے اپنے والدین سے مشورے کے بعد کوئی اقدام کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند کرتی ہوں۔ یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی اور کسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الاحزاب) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں ۹ بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں۔ حضرت عائشہ، حفصة، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ۔ رضی اللہ عنہن اور چار ان کے علاوہ، یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب اور جو بیویہ تھیں۔ رضی اللہ عنہن۔ بعض لوگ مرد کی طرف سے اختیار علیحدگی کو طلاق قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اختیار علیحدگی کے بعد اگر عورت علیحدگی کو پسند کر لے، پھر تو یقیناً طلاق ہو جائے گی (اور یہ طلاق بھی رجعی ہو گی نہ کہ باشہ، جیسا کہ بعض علماء کا مسلک ہے) تاہم اگر عورت علیحدگی کو اختیار نہیں کرتی تو پھر طلاق نہیں ہو گی، جیسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے علیحدگی کے بجائے حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ (صحیح بخاری، کتاب

الطلاق، باب من خبر النساء، مسلم، باب بيان أن تخبيه أمراته لا يكون طلاقا إلا بالنيمة)

(۱) قرآن میں الفاحشة (مُعَرَّفٌ بِاللَّام) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن فاحشة (نکہ) کو برائی کے لیے، جیسے یہاں ہے۔ یہاں اس کے معنی بد اخلاقی اور نامناسب رویے کے ہیں۔ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بد اخلاقی اور نامناسب رویہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ہے جس کا ارتکاب کفر ہے۔ علاوہ ازیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی شمار ہوتی ہیں، اس لیے انہیں دو گئے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر (بھی) دو ہرا دیں گے^(۱) اور اس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔^(۲)

اے بنی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو،^(۳) اگر تم پر ہیزگاری اختیار کرو تو زم لجھ سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے^(۴) اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔^(۵)

وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنْ بِلَهٗ وَرَسُولُهٗ وَتَعْمَلْ صَالِحًا
تُؤْتَهَا أَجْرَهَا مَرْتَبَتِنَ وَأَعْتَدْنَا لَهَا زِفَرًا كَوْنِيماً^(۶)

يَنْسَاءُ الَّتِي لَسْتُنَكَّا حَدِيقَةَ إِنَّ النَّسَاءَ إِنَّ اتَّقِيَّتْ
فَلَا تَخْضُنَنَ بِالْقَوْلِ فَيُطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرْضٌ
وَقُلْنَ كَوْلَامَعْرُوفًا^(۷)

(۱) یعنی جس طرح گناہ کا وباں دگنا ہو گا، نیکیوں کا اجر بھی دو ہرا ہو گا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ॥ إِذَا لَدَقْنَكَ فَصُعْنَ الْجَبْوَةَ وَضَعْنَ الْمَبَاتِ ॥ (بنی إسرائیل۔ ۵) ”پھر تو ہم بھی آپ کو دو ہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دو ہرا ہی موت کا۔“

(۲) یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سانیس ہے۔ بلکہ اللہ نے تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے تمہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے اور رسول ﷺ کی طرح تمہیں بھی امت کے لیے ایک نمونہ بننا ہے چنانچہ انہیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کر کے انہیں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں جنہیں اہمات المومنین قرار دیا گیا ہے، لیکن انداز یہاں سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور منزہ کرنا ہے۔ اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بنا بریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصدا ایساں ولجد اختیار کرو کہ نرمی اور لطافت کی جگہ قدرے سختی اور روکھاپن ہو۔ تاکہ کوئی بد باطن لجھ کی نرمی سے تمہاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

(۴) یعنی یہ روکھاپن، صرف لجھ کی حد تک ہی ہو، زبان سے ایسا لفظ نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔ ان انتقیشن کہ کراشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات، جو آگے آرہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں، کیونکہ انہیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت بر بادنہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف اللہ سے عاری ہیں، انہیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں؟

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو^(۱) اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناو کاظمار نہ کرو^(۲) اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو^(۳) اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھروالیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔^(۴)

وَقَرْنَ فِي بَيْوَتِكُنْ وَلَا تَرْجِعُنْ تَبْرُجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى
وَأَقْمِنَ الصَّلَاةَ وَلَا تُنْهِيَ الرِّزْكَ وَلَا طُعْنَ اَنَّهُ وَرَسُولُهُ
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الْرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُظْهِرَ كُلَّ تَطْهِيرٍ^(۵)

(۱) یعنی نک کر رہو اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اس میں وضاحت کردی گئی کہ عورت کا دائرہ عمل امور سیاست و جماعتی نہیں، معاشی جھیلے بھی نہیں، بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری سرانجام دینا ہے۔

(۲) اس میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیئے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناو سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے، جس سے تمہارا بناو سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو۔ جیسے بے پرده ہو کر، جس سے تمہارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے۔ بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپرده باہر نکلو تبریج بے پردنگی اور زیب وزینت کے اطمینان کو کہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبریج، جاہلیت ہے، جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی، جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا، یہ جاہلیت ہی ہو گی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

(۳) پچھلی ہدایات، برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیک اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

(۴) اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعین میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے ازواج مطہرات کو مراد لیا ہے، جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔ قرآن نے یہاں ازواج مطہرات ہی کو اہل البیت کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی یہوی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ مثلا سورہ ہود، آیت ۳۷ میں۔ اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے واضح ہے۔ بعض حضرات، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصدق اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، جبکہ اول الذکر، ان اصحاب اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسط یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواج مطہرات تو اس نفس قرآنی کی وجہ سے اور داما دوا اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ بھی میرے اہل بیت سے ہیں یا یہ دعا ہے کہ یا اللہ ان کو بھی ازواج مطہرات کی طرح، میرے اہل بیت میں شامل فرمادے۔ اس طرح تمام دلائل میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدير، الشوکانی)

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو،^(۱) یقیناً اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا خبردار ہے۔ (۳۲)

بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں^(۲) مومن مرد اور مومن عورتیں فرمائیں برداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں راست باز مرد اور راست باز عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر

وَإِذْكُرْ مَا يُشَلِّي فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ أَيْتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا حَسِيرًا^(۳)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمَنَاتِ وَالْقَنِيْتِ وَالْقَنِيْتَ وَالصَّدِيقِينَ وَالصَّدِيقَاتِ وَالصَّدِيرِينَ وَالصَّدِيرَاتِ وَالخَيْرِيْنَ وَالخَيْرَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِيْمِينَ وَالصَّالِيْمَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ فَرُوجَهُمْ وَالْحِفْظَتِ وَالذِّكْرِيْنَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذِّكْرَيْتَ أَعَدَ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا غَنِيْمًا^(۴)

(۱) یعنی ان پر عمل کرو۔ حکمت سے مراد، احادیث ہیں۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث بھی قرآن کی طرح ثواب کی نیت سے پڑھی جاسکتی ہے۔ علاوه ازیں یہ آیت بھی ازواج مطرات کے اہل بیت ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ وہی کا نزول، جس کا ذکر اس آیت میں ہے، ازواج مطرات کے گھروں میں ہی ہوتا تھا، بالخصوص حضرت عائشہ رض کے گھر میں۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

(۲) حضرت ام سلمہ رض اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد، ۳۰۱/۲، ترمذی، نمبر ۳۲۱) اس میں عورتوں کی دل داری کا اہتمام کر دیا گیا ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں سوائے ان مخصوص احکام کے جو صرف عورتوں کے لیے ہیں۔ اس آیت اور دیگر آیات سے واضح ہے کہ عبادت و اطاعت الہی اور اخروی درجات و فضائل میں مردا اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ دونوں کے لیے یکساں طور پر یہ میدان کھلا ہے اور دونوں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر و ثواب کما سکتے ہیں۔ جس کی بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ علاوه ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

کرنے والیاں ان (سب کے) لیے اللہ تعالیٰ نے (وسع)
مغفرت اور برداشواب تیار کر رکھا ہے۔ (۳۵)

اور (ویکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باتی نہیں رہتا،^(۱) (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صرخ گمراہی میں پڑے گا۔ (۳۶)

(یاد کرو) جب کہ تو اس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی یوں کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اس سے ڈرے،^(۲) پس جب کہ زید نے اس عورت

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ
يَكُونَ لَهُمَا تِبْغِيرٌ مِّنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَنَفَرَ
ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ⑥

وَإِذْ نَهَوْلُ لِلَّذِي أَنْهَا اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْهَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكَ عَلَيْكَ
رُوْجَكَ وَأَتْقَى اللَّهَ وَتَعْقِي فِي نَفْسِكَ مَا أَنْهَا مُبَدِّيَكَ وَتَعْقِي
النَّاسَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ أَنْ تَعْشُهُ فَلَمَّا قَضَى رَبِّكَ مِنْهَا وَطَرَا
رَوْجَكَهَا لَكَ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَرَجٌ فِي أَذْوَاجِ
أَدْعِيَكَهُمْ لِذَاقَهُمْ وَمِنْهُمْ وَطَرَا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَقْعُولاً ⑦

(۱) یہ آیت حضرت زینب لِتَعْنَهُ کے نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جو اگرچہ اصلاح اربع تھے، لیکن کسی نے انہیں بھپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بچ دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ لِتَعْنَهُ کے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ لِتَعْنَهُ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدہ کر دیا تھا۔ آپ لِتَعْنَهُ نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب لِتَعْنَهُ کو نکاح کا پیغام بھیجا، جس پر انہیں اور ان کے بھائی کو خاندانی وجاهت کی بناء پر تامل ہوا کہ زید بنی بشیر ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ہمارا تعلق ایک اونچے خاندان سے ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لائے۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سرتسلیم خم کر دے۔ چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد حضرت زینب لِتَعْنَهُ وغیرہ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا اور ان کا باہم نکاح ہو گیا۔

(۲) لیکن چونکہ ان کے مزاج میں فرق تھا، یوں کے مزاج میں خاندانی نسب و شرف رچا ہوا تھا، جب کہ زید بنی بشیر کے دامن پر غلامی کا داغ تھا، ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی جس کا تذکرہ حضرت زید بنی بشیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے رہتے تھے اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دینے سے روکتے اور نباہ کرنے کی تلقین فرماتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ لِتَعْنَهُ کو اس پیش گوئی سے بھی آگاہ فرمایا تھا کہ زید بنی بشیر کی

سے اپنی غرض پوری کر لی^(۱) ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا^(۲) تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں،^(۳) اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کرہی رہنے والا تھا۔^(۴) (۳۷)

جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے مقرر کی ہیں ان میں نبی پر کوئی حرج نہیں،^(۵) (یہ) اللہ کا دستور ان میں بھی رہا جو پسلے ہوئے^(۶) اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر

نَا كَانَ عَلَى الِّيَّٰ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُلْطَةً لِّلَّهِ فِي
الَّذِينَ خَلَقَ أَمْنًا قَبْلُ وَكَانَ أَمْرًا لِلَّهِ فَلَمْ يَعْلَمْ قَدُورًا ۝

طرف سے طلاق واقع ہو کر رہے گی اور اس کے بعد زینب اللهم عَنِّي کا نکاح آپ سے کر دیا جائے گا تاکہ جاہلیت کی اس رسم بنیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ منہ بولا بیٹا، احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹی کی طرح نہیں ہے اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اس آیت میں انہی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت زید اللهم عَنِّي پر اللہ کا انعام یہ تھا کہ انہیں قبول اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے نجات دلائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ان پر یہ تھا کہ ان کی دینی تربیت کی۔ ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی امید بنت عبدالمطلب کی لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا۔ ول میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب اللهم عَنِّي سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتلائی گئی تھی، آپ اللهم عَنِّي ڈرتے اس بات سے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنی بھو سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ جب اللہ کو آپ کے ذریعے سے اس رسم کا خاتمه کرنا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ اللهم عَنِّي کا یہ خوف اگرچہ فطری تھا، اس کے باوجود آپ اللهم عَنِّي کو تنبیہ فرمائی گئی۔ ظاہر کرنے سے مراد یہی ہے کہ یہ نکاح ہو گا، جس سے یہ بات سب کے ہی علم میں آجائے گی۔

(۱) یعنی نکاح کے بعد طلاق دی اور حضرت زینب اللهم عَنِّي عدت سے فارغ ہو گئیں۔

(۲) یعنی یہ نکاح معروف طریقے کے بر عکس صرف اللہ کے حکم سے نکاح قرار پا گیا، نکاح خواتی، ولایت، حق مراد اور گواہوں کے بغیر ہی۔

(۳) یہ حضرت زینب اللهم عَنِّي سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت اقتضائے پالک بیٹی کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جاسکے۔

(۴) یعنی پسلے سے ہی تقدیر الہی میں تھا جو برسورت ہو کر رہتا تھا۔

(۵) یہ اسی واقعہ نکاح زینب اللهم عَنِّي کی طرف اشارہ ہے، چونکہ یہ نکاح آپ اللهم عَنِّي کے لیے حلال تھا، اس لیے اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے۔

(۶) یعنی گزشتہ انبیاء علیم السلام بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے

مقرر کیے ہوئے ہیں۔^(۳۸)

یہ سب ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے،^(۳۹) اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے۔^(۴۰)

(لوگو!) تمہارے مرونوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں^(۴۱) لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے،^(۴۲) اور اللہ تعالیٰ

إِلَّاَنِينَ بِيَاعُونَ رَسُولُ اللَّهِ وَيَخِشُونَهُ وَلَا يَعْتَذِرُونَ أَهَدَ إِلَّا
اللَّهُ وَكُفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا^(۴۳)

مَا كَانَ مُحَمَّدًا إِلَّاٰ حَدَّ قَمْ رِجَالُكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا^(۴۴)

ان پر فرض قرار دیئے جاتے تھے چاہے توی اور عوامی رسم و رواج ان کے خلاف ہی ہوتے۔

(۱) یعنی خاص حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، دنیوی حکمرانوں کی طرح وقتی اور فوری ضرورت پر مشتمل نہیں ہوتے، اسی طرح ان کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے جس کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

(۲) اس لیے کسی کا ذریاسوط انہیں اللہ کا پیغام پہنچانے میں مانع بناتا ہانہ طعن و ملامت کی انہیں پرواہوتی تھی۔

(۳) یعنی ہر جگہ وہ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے موجود ہے، اس لیے وہ اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی ہے اور اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت میں انہیں جو مشکلات آتی ہیں، ان میں وہ ان کی چارہ سازی فرماتا اور دشمنوں کے نہ مووم ارادوں اور سازشوں سے انہیں بچاتا ہے۔

(۴) اس لیے وہ زید بن حارثہ رض کے بھی باپ نہیں ہیں، جس پر انہیں مورود طعن بنایا جائے کہ انہوں نے اپنی بوسے نکاح کیوں کر لیا؟ بلکہ ایک زید رض ہی کیا، وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ کیونکہ زید رض تو حارثہ کے بیٹے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام نے تو انہیں منہ بولا بینا بنا لیا ہوا تھا اور جاہلی دستور کے مطابق انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ حقیقتاً وہ آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے صلبی بیٹے نہیں تھے۔ اسی لیے اذْعُهُمْ لَا يَأْبَهُمْ کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ رض ہی کہا جاتا تھا، علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رض سے آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے تین بیٹے، قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک ابراہیم بچہ ماریہ قبیلہ رض کے بطن سے ہوا۔ لیکن یہ سب کے سب بچپن میں ہی فوت ہو گئے، ان میں سے کوئی بھی عمر رجولیت کو نہیں پہنچا۔ بنابریں آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کی صلبی اولاد میں سے بھی کوئی مرد نہیں بنا کر جس کے آپ باپ ہوں (ابن کثیر)

(۵) خاتم مرس کو کہتے ہیں اور مر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام پر نبوت و رسالت کا خاتمه کر دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب و دجال ہو گا۔ احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے۔ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا، جو

ہر چیز کا (جنوبی) جانے والا ہے۔ (۳۰)

مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بست زیادہ کرو۔ (۳۱)

اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ (۳۲)

وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجا ہے اور اس کے فرشتے (تمارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ وہ تمیں اندھیروں سے اجائے کی طرف لے جائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی محربان ہے۔ (۳۳)

جس دن یہ (اللہ سے) ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہو گا،^(۱) ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔ (۳۴)

اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بن اکرم) گواہیاں دیتے والا،^(۲) خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔ (۳۵)

اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔ (۳۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا اللَّهُ ذَكْرًا كَثِيرًا ۝

وَسَيَخُونُهُ بِكُرَّةٍ وَّأَصْبِلُهُ ۝

هُوَ أَذِنٌ يُصْلِلُ عَلَيْكُمْ وَمَلِئُكُتُهُ إِنَّهُ حِجَّةٌ مُّتَّقَنٌ الظُّلُمُتِ إِلَى

النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَجِيمًا ۝

تَحِيَّةٌ لَّهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَوةٌ وَّأَعْدَلُهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝

وَذَلِيلًا إِلَى اللَّهِ يَأْذِنُهُ وَسِرَاجًا مُّتَّبِرًا ۝

صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے، تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن کر آئیں گے، اس لیے ان کا نزول عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

(۱) یعنی جنت میں فرشتے اہل ایمان کو یا مومن آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

(۲) بعض لوگ شاہد کے معنی حاضروناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی گواہی دیں گے، ان کی بھی جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ان کی بھی جنوں نے حکمیت کی۔ آپ ﷺ قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کے اعضائے و ضو سے پہچان لیں گے جو چکتے ہوں گے، اسی طرح آپ ﷺ دیگر انہیاً علیم السلام کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ گواہی اللہ کے دیئے ہوئے یقینی علم کی بنیاد پر ہوگی۔ اس لیے نہیں کہ آپ ﷺ تمام انبیا علیم السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں، یہ عقیدہ تو نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔

(۳) جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعے سے کفر و شرک کی تاریکیاں

آپ مومنوں کو خوشخبری سناد تھے؟ کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بست بڑا فضل ہے۔ (۳۷)

اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے! اور جو ایذا (ان کی طرف سے پہنچے) اس کا خیال بھی نہ کبھی اللہ پر بھروسہ کیے رہیں، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا۔ (۳۸)

اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پسلے (ہی) طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شارکرو،^(۱) پس تم کچھ نہ کچھ انہیں دے دو^(۲) اور بھلے طریق پر انہیں

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَيْرًا ⑥

وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالنَّبِيُّنَ وَدَعْوَاهُمْ وَتَوَكِّلُ عَلَى اللَّهِ
وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيدَلَا ⑦

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْنَاهُنَّ
مِنْ قَبْلِ إِنْ قَاتَوْهُنَّ فَمَا الْكُفْرُ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدَّةٍ
تَعْتَدُونَهَا فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَيِّلًا ⑧

دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کب ضایا کر کے جو کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے۔

(۱) نکاح کے بعد جن عورتوں سے ہم بستری کی جا چکی ہو اور وہ بھی جوان ہوں، ایسی عورتوں کو طلاق مل جائے تو ان کی عدت تین حیض ہے۔ (ابقرۃ۔ ۲۲۸) یہاں ان عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جن سے نکاح ہوا ہے لیکن میاں یہوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی۔ ان کو اگر طلاق ہو جائے تو کوئی عدت نہیں ہے یعنی ایسی غیر مخلوہ مطلقہ بغیر عدت گزارے فوری طور پر کہیں نکاح کرنا چاہے، تو کر سکتی ہے، البتہ اگر ہم بستری سے قبل خاوند فوت ہو جائے تو پھر اسے ۲ میںے ۰ ادن ہی عدت گزارنی پڑے گی۔ (فتح القدر، ابن کثیر) چھوٹا یا ہاتھ لگانا، یہ کنایہ ہے جماع (ہم بستری) سے۔ نکاح کا لفظ خاص جماع اور عقد زواج دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں عقد کے معنی میں ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح سے پسلے طلاق نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے۔ اس لیے جو فقہاں بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کے کہ اگر فلاں عورت سے میں نے نکاح کیا تو اسے طلاق، تو ان کے نزدیک اس عورت سے نکاح ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یہ کے کہ میں نے کسی بھی عورت سے نکاح کیا تو اسے طلاق، تو جس عورت سے بھی نکاح کرے گا، طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں بھی وضاحت ہے۔ «لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ» (ابن ماجہ)، «لَا طَلَاقَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ» (ابوداؤد، باب فی الطلاق قبل النکاح، ترمذی، ابن ماجہ و مسند احمد ۱۸۹) اس سے واضح ہے کہ نکاح سے قبل طلاق ایک فعل عبشت ہے جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

(۲) یہ متعہ، اگر مرمر قرکیا گیا ہو تو نصف مرہ ورنہ حسب توفیق کچھ دے دیا جائے۔

رخصت کر دو۔^(۱) (۳۹)

اے بھی! ہم نے تیرے لیے تیری وہ بیویاں حلال کر دی
ہیں جنہیں تو ان کے مردے چکا ہے^(۲) اور وہ لوندیاں
بھی جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں^(۳) اور
تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوبھیوں کی بیٹیاں اور تیرے
ماموں کی بیٹیاں اور تیری خلااؤں کی بیٹیاں بھی جنوں
نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے،^(۴) اور وہ بایمان عورت
جو اپنا نفس بھی کوہبہ کر دے یہ اس صورت میں کہ خود
بھی اس سے نکاح کرنا چاہے،^(۵) یہ خاص طور پر
صرف تیرے لیے ہی ہے اور مومنوں کے لیے نہیں،^(۶)
ہم اسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے ان پر ان کی

يَا أَيُّهَا الَّذِي إِنَّا أَحْمَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ
أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكْتُ تِبْيَانُكَ مِنَ آفَاءِ اللَّهِ عَلَيْكَ
وَبَنِتَ عَلَيْكَ وَبَنِتَ عَلَيْكَ وَبَنِتَ خَالِكَ وَبَنِتَ
خَلِيلِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً
إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلَّهِيَّ إِنْ أَرَادَ الشَّيْءَ إِنْ
يَسْتَئْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا
مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكْتُ أَيْمَانَهُمْ
لِكَيْلَابَيْكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا^(۷)

(۱) یعنی انسیں عزت و احترام سے، بغیر کوئی ایزاد پہنچائے علیحدہ کر دیا جائے۔

(۲) بعض احکام شرعیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیاز حاصل تھا، جنہیں آپ ﷺ کی خصوصیات کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل علم کی ایک جماعت کے بقول قیام اللیل (تحبد) آپ ﷺ پر فرض تھا، صدقہ آپ ﷺ پر حرام تھا، اسی طرح کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن کریم کے اس مقام پر کیا گیا ہے جن کا تعلق نکاح سے ہے۔ جن عورتوں کو آپ ﷺ نے مددیا ہے، وہ حلال ہیں چاہے تعداد میں وہ کتنی ہی ہوں اور آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رض اور جویریہ رض کا میر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ بصورت نسب کو مراد اکیا تھا۔ صرف ام جیبہ رض کا مرنجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔

(۳) چنانچہ حضرت صفیہ رض اور جویریہ رض ملکیت میں آئیں جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کر کے نکاح کر لیا، اور ریحانہ رض اور ماریہ قبطیہ رض یہ بطور لوندی آپ کے پاس رہیں۔

(۴) اس کا مطلب ہے جس طرح آپ ﷺ نے ہجرت کی، اسی طرح انہوں نے بھی کئے سے مدینہ ہجرت کی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ساتھ تو کسی عورت نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔

(۵) یعنی نبی کریم ﷺ کو اپنا آپ ہبہ کرنے والی عورت، اگر آپ ﷺ اس سے نکاح کرنا پسند فرمائیں تو بغیر مرکے آپ ﷺ کے لیے اسے اپنے نکاح میں رکھا جائز ہے۔

(۶) یہ اجازت صرف آپ ﷺ کے لیے ہے۔ دیگر مومنوں کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ حق مر، ادا کریں، تب نکاح جائز ہو گا۔

بیویوں اور لوڈیوں کے بارے میں (احکام) مقرر کر رکھے ہیں،^(۱) یہ اس لیے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو،^(۲) اللہ تعالیٰ بت بخشے اور بڑے رحم والا ہے۔^(۵۰)

ان میں سے جسے تو چاہے دور رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے،^(۳) اور اگر تو ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لے جنسیں تو نے الگ کر کھا تھا تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں،^(۴) اس میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ ان عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تو انہیں دیدے اس پر سب کی سب راضی رہیں،^(۵)

تُرْجِيْه مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُنْهِيْهِ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنْ يَتَغَيِّرْ
وَمَنْ عَزَّلَ فَلَا جُنَاحَ لَمَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ تَقْرَأَ عَيْنَهُنَّ
وَلَا يَعْزَزَ وَيَرْضَى بِمَا أَتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا
فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِ حَلِيمًا^(۱)

(۱) یعنی عقد کے جو شرائط اور حقوق ہیں جو ہم نے فرض کیے ہیں کہ مثلاً چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت کوئی شخص اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، نکاح کے لیے ولی، گواہ اور حق مرضوری ہے۔ البتہ لوڈیاں جتنی کوئی چاہے، رکھ سکتا ہے، تاہم آج کل لوڈیوں کا مسئلہ تو ختم ہے۔

(۲) اس کا تعلق إِنَّا أَخْلَقْنَا سے ہے یعنی مذکورہ تمام عورتوں کی آپ ملکہ کے لیے حلت اس لیے ہے تاکہ آپ ملکہ کو شنگی محسوس نہ ہو اور آپ ملکہ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح میں گناہ نہ سمجھیں۔

(۳) اس میں آپ ملکہ کی ایک اور خصوصیت کا بیان ہے، وہ یہ کہ بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کرنے میں آپ ملکہ کو اختیار دے دیا گیا تھا آپ ملکہ جس کی باری چاہیں موقوف کر دیں، یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں۔

(۴) یعنی جن بیویوں کی باریاں موقوف کر کھی تھیں اگر آپ ملکہ چاہیں کہ ان سے بھی مباشرت کا تعلق قائم کیا جائے تو یہ اجازت بھی آپ ملکہ کو حاصل ہے۔

(۵) یعنی باری موقوف ہونے اور ایک کو دوسرا پر ترجیح دینے کے باوجود وہ خوش ہوں گی، غمگین نہیں ہوں گی اور جتنا کچھ آپ ملکہ کی طرف سے انہیں مل جائے گا، اس پر مطمئن رہیں گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ پیغمبر ملکہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اجازت سے کر رہے ہیں اور یہ ازواج مطہرات اللہ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار ملنے کے باوجود آپ ملکہ نے اسے استعمال نہیں کیا اور سوائے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے (کہ انہوں نے اپنی باری خود ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی) آپ ملکہ نے

تمارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ (خوب) جانتا ہے۔
اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم اور حلم والا ہے۔ (۵۱)

اس کے بعد اور عورتوں میں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ یہ (درست ہے) کہ ان کے بدے اور عورتوں سے (نکاح کرے) اگرچہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو۔ (۲)
مگر جو تیری مملوک ہوں۔ (۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (پورا)

لَا يَحِلُّ لِكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَادَةِ أَنْ تَبَدَّلْ بِهِنَّ
مِنْ أَذْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
يَمْبَيْنُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ۝

تمام ازواج مطررات کی باریاں برابر برابر مقرر کر رکھی تھیں، اسی لیے آپ ﷺ نے مرض الموت میں ازواج مطررات سے اجازت لے کر بیماری کے ایام حضرت عائشہ رض کے پاس گزارے، (آن تقریباً عین وقت) کا تعلق آپ ﷺ کے اسی طرز عمل سے ہے کہ آپ ﷺ پر تقسیم اگرچہ (دوسرے لوگوں کی طرح) واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے تقسیم کو اختیار فرمایا، تاکہ آپ ﷺ کی یو یوں کی آنکھیں ٹھہر دی ہو جائیں اور آپ ﷺ کے اس حسن سلوک اور عدل و انصاف سے خوش ہو جائیں کہ آپ ﷺ نے خصوصی اختیار استعمال کرنے کے بجائے ان کی دلجمی اور دلداری کا اہتمام فرمایا۔

(۱) یعنی تمارے دلوں میں جو کچھ ہے، ان میں یہ بات بھی یقیناً ہے کہ سب یو یوں کی محبت دل میں یکساں نہیں ہے۔ کیوں کہ دل پر انسان کا اختیار ہی نہیں ہے۔ اس لیے یو یوں کے درمیان مساوات باری میں، ننان و نفقة اور دیگر ضروریات زندگی اور آسانیوں میں ضروری ہے، جس کا اہتمام انسان کر سکتا ہے۔ دلوں کے میلان میں مساوات چونکہ اختیار ہی میں نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر گرفت بھی نہیں فرمائے گا بشرطیکہ دلی محبت کسی ایک یو یو سے امتیازی سلوک کا باعث نہ ہو۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ”یا اللہ یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے، لیکن جس چیز پر تیرا اختیار ہے، میں اس پر اختیار نہیں رکھتا“، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔ (ابوداؤد، باب القسم فی النساء، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد ۶/۱۳۳)

(۲) آیت تحریر کے نزول کے بعد ازواج مطررات نے دنیا کے اسباب عیش و راحت کے مقابلے میں عسرت کے ساتھ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا، اس کا صدر اللہ نے یہ دیا کہ آپ ﷺ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں آپ ﷺ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا، لیکن آپ ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی لوندیاں رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض نے اس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر لوندی بھی رکھنے کی آپ ﷺ کو اجازت تھی اور بعض نے ﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصْمَمِ الْكَوَافِر﴾ (الممتحنة ۱۰) کے پیش

(۵۲)

اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو کھانے کے لیے ایسے وقت میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو بلکہ جب بلایا جائے جاؤ اور جب کھا چکو نکل کھڑے ہو، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کو تمہاری اس بات سے تکلیف ہوتی ہے۔ تو وہ لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (بیان) حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا؛^(۱) جب تم نبی کی یویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو،^(۲) تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے،^(۳) نہ تمہیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النِّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ عَيْدَنَظِيرِينَ إِنَّمَّا وَلَكُمْ إِذَا دُعِيْتُمُ فَادْخُلُوا فَإِذَا أَطْعَمْتُمْ فَانْتَهُرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيدَتِ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِنِي الِّبِيَّ فَيَسْتَعْجِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَعْجِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَعْلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ جَاهِبَ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِلْمُلْكِ وَلَتُؤْمِنَ وَمَا كَانَ لِكُمْ أَنْ تُؤْذِنُوا رَسُولُ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا آزْوَاجَهُ مَنْ بَعْدَهُ أَبْدَأَنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا^(۴)

نظر سے آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں سمجھا۔ (فتح القدير)

(۱) اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر حضرت زینب رض کے ویسے میں صحابہ کرام رض تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتمیں کرتے رہے جس سے آپ ﷺ کو خاص تکلیف ہوئی، تاہم حیا و اخلاق کی وجہ سے آپ ﷺ نے انہیں جانے کے لیے کہا نہیں۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الأحزاب، چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلا دیے گئے کہ ایک تو اس وقت جاؤ، جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے سے ہی جا کر وہ نہ مار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ دوسرا، کھاتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ، وہاں بیٹھے ہوئے باتمیں مت کرتے رہو۔ کھانے کا ذکر تو سبب نزول کی وجہ سے ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی تمہیں بلایا جائے چاہے کھانے کے لیے یا کسی اور کام کے لیے، اجازت کے بغیر گھر کے اندر داخل مت ہو۔

(۲) یہ حکم حضرت عمر رض کی خواہش پر نازل ہوا۔ حضرت عمر رض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس اچھے برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، کاش آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دیں تو کیا اچھا ہو۔ جس پر اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ و تفسیر سورہ البقرۃ۔ مسلم، باب فضائل عمر بن الخطاب)

(۳) یہ پردے کی حکمت اور علت ہے کہ اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنے میں بٹلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

دو^(۱) اور نہ تمیس یہ حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی یوں یوں سے نکاح کرو۔ (یاد رکھو) اللہ کے نزدیک یہ بست برا (گناہ) ہے۔^(۲) (۵۳)

تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو اللہ تو ہر ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے۔^(۳) (۵۳)

ان عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے بیوں اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بھائیوں اور بھانجوں اور اپنی (میل جوں کی) عورتوں اور ملکیت کے ماتحتوں (لوندی، غلام) کے سامنے ہوں۔^(۴) (عورتوں!) اللہ سے ڈرتی رہو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر شاہد ہے۔^(۵) (۵۵)

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔

إِنْ تُبْدِدُ أَشْيَاءً أَوْ تُخْفِيْهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

لَا جُنَاحَ لَهُ عَلَيْهِنَّ فِي الْأَبَاهِينَ وَلَا إِبَاهَ لَهُنَّ وَلَا إِخْوَانَ لَهُنَّ
وَلَا إِبَاهَ لَهُنَّ وَلَا إِخْوَانَ لَهُنَّ وَلَا إِنْسَانَ لَهُنَّ وَلَا
مَالَكَتُ أَيْمَانَهُنَّ وَأَتْقِيَنَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

إِنَّ اللَّهَ وَمَلِكَتَهُ يُصْلُوْنَ عَلَى الْبَيْتِ يَأْتِيهَا الَّذِينَ امْتَوْزُ

(۱) چاہے وہ کسی بھی لحاظ سے ہو۔ آپ ﷺ کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا، آپ ﷺ کی خواہش کے بغیر گھر میں بیٹھے رہنا اور بغیر حجاب کے ازواج مطررات سے گفتگو کرنا، یہ امور بھی ایذا کے باعث ہیں، ان سے بھی اجتناب کرو۔

(۲) یہ حکم ان ازواج مطررات کے بارے میں ہے جو وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ عقد میں تھیں۔ تاہم جن کو آپ ﷺ نے ہم بستری کے بعد زندگی میں طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس میں دورائے ہیں۔ بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی ایسی کوئی یہوی تھی ہی نہیں۔ اس لیے یہ محض ایک فرضی شکل ہے۔ علاوه ازیں ایک تیری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ ﷺ نے طلاق دے دی۔ ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفیر ابن کثیر)

(۳) جب عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانے والے رشتہ داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں؟ چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کر دیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل سورہ نور کی آیت ۳۱ ﴿ وَلِلَّٰهِ مِنْ نِعَمٍ ۝ میں بھی گزر چکی ہے، اسے ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۴) اس مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تقویٰ ہو گا تو پردے کا جو اصل مقصد، قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے، وہ یقیناً تمیس حاصل ہو گا، ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمیس گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔

اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھجو اور خوب سلام
 (بھی) بھجتے رہا کرو۔^(۱)
 (۵۶)

صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُوا سَلِيمًا^(۲)

(۱) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ و منزلت کا بیان ہے جو ملا اعلیٰ (آسمانوں) میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کی شاد تعریف کرتا اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجا ہے اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجن گا کہ آپ ﷺ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے، 'صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں (یعنی تحریکات میں السلام علیک أَيُّهَا النَّبِيُّ! پڑھتے ہیں)، ہم درود کس طرح پڑھیں؟ اس پر آپ ﷺ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الأحزاب) علاوہ ازیں احادیث میں درود کے اور بھی صیغہ آتے ہیں، جو پڑھے جاسکتے ہیں۔ نیز مختصر صلی اللہ علی رسول اللہ وسلم بھی پڑھا جاسکتا ہے تاہم الصَّلُوٰۃُ وَالسَّلَامُ علَيْکَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! پڑھنا اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور یہ صیغہ نبی کرم سے عام درود کے وقت منقول نہیں ہے اور تحریکات میں السلام علیک أَيُّهَا النَّبِيُّ! جو نکد آپ ﷺ سے منقول ہے اس وجہ سے اس وقت میں پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں مزید برآل اس کا پڑھنے والا اس فاسد عقیدے سے پڑھتا ہے کہ آپ ﷺ اسے براہ راست سنتے ہیں۔ یہ عقیدہ فاسدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اس عقیدے سے مذکورہ خانہ ساز درود پڑھنا بھی غیر صحیح ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل اسے پڑھنا بھی بدعت ہے، جو ثواب نہیں گناہ ہے۔ احادیث میں درود کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ جمصور علماء سنت سمجھتے ہیں اور امام شافعی اور بہت سے علماء واجب۔ اور احادیث سے اس کے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آخری تشدید میں درود پڑھنا واجب ہے، پہلے تشدید میں بھی درود پڑھنے کی وہی حیثیت ہے۔ اس لیے نماز کے دونوں تشدید میں درود پڑھنا ضروری ہے۔

اس کے دلائل مختصرًا حسب ذیل ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ مسند احمد میں صحیح سند سے مردی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر سلام کس طرح پڑھنا ہے، یہ تو ہم نے جان لیا (کہ ہم تشدید میں السلام علیک پڑھتے ہیں) لیکن جب ہم نماز میں ہوں تو آپ ﷺ پر درود کس طرح پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی کی تلقین فرمائی (الفتح الربانی، ج ۳، ص ۲۰-۲۱) مسند احمد کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان، سنن کبریٰ یہی، متدرک حاکم اور ابن خزیس میں بھی ہے۔ اس میں صراحة ہے کہ جس طرح سلام نماز میں پڑھا جاتا ہے یعنی تشدید میں، اسی طرح یہ سوال بھی نماز کے اندر درود پڑھنے سے متعلق تھا، نبی ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا
اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لیے نمایت
رسوا کن عذاب ہے۔^(۵۷)

اور جو لوگ مومن مددوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیں
بغیر کسی جرم کے جوان سے سرزد ہوا ہو، وہ (بڑے ہی)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذِنُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْنَاهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا
وَالآخِرَةِ وَأَعْذَلَهُمْ عَذَابًا مُّهِمَّا

وَالَّذِينَ يُؤْذِنُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا كَسَبُوا فَاقْتُلُ

کے ساتھ درود بھی پڑھنا چاہیے، اور اس کا مقام تشد ہے۔ اور حدیث میں یہ عام ہے، اسے پہلے یادو سرے تشد کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ (پہلے یادو سرے) دونوں تشد میں سلام اور درود پڑھا جائے۔ اور جن روایات میں تشد اول کا بغیر درود کے ذکر ہے، انہیں سورہ احزاب کی آیت صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا کے نزول سے پہلے پر محظوظ کیا جائے گا۔ لیکن اس آیت کے نزول یعنی ۵ ہجری کے بعد جب نبی ﷺ نے صحابہ ﷺ کے استفسار پر درود کے الفاظ بھی بیان فرمادیئے تو اب نماز میں سلام کے ساتھ صلوٰۃ (درود شریف) کا پڑھنا بھی ضروری ہو گیا، چاہے وہ پہلا تشد ہو یا دوسرا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ (بعض دفع) رات کو ۹ رکعات ادا فرماتے، آٹھویں رکعت میں تشد بیٹھتے تو اس میں اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر ﷺ پر درود پڑھتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پوری کر کے تشد میں بیٹھتے تو اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر ﷺ پر درود پڑھتے اور پھر دعا کرتے، پھر سلام پھیردیتے (السنن الکبریٰ للبیهقیٰ ج ۲ ص ۲۰۲، طبع جدید سنن النسائیٰ مع التعليقات السلفیة، کتاب قیام اللیل، ج ۱، ص ۲۰۲۔ مزید ملاحظہ ہو، صفة صلوة النبی ﷺ للألبانی، صفحہ ۵۵) اس میں بالکل صراحة ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی رات کی نماز میں پہلے اور آخری دونوں تشد میں درود پڑھا ہے۔ یہ اگرچہ نفل نماز کا واقعہ ہے لیکن مذکورہ عمومی دلائل کی آپ ﷺ کے اس عمل سے تائید ہو جاتی ہے، اس لیے اسے صرف نفل نماز تک محدود کر دینا صحیح نہیں ہو گا۔

(۱) اللہ کو ایذا دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب ہے جسے وہ ناپسند فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے؟ جسے مشرکین، یہود اور نصاریٰ وغیرہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ یا جس طرح حدیث قدیمی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کے رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الجاثیة و مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب، باب النهي عن سب الدهر، یعنی یہ کہنا کہ زمانے نے یا فلک کج رفتار نے ایسا کرو دیا، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ افعال اللہ کے ہیں، زمانے یا فلک کے نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچانا، آپ ﷺ کی مکذب، آپ ﷺ کو شاعر، کذاب، ساحر وغیرہ کہنا ہے۔ علاوه ازیں بعض احادیث میں صحابہ کرام ؓ کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص و اہانت کو بھی آپ ﷺ نے ایذا قرار دیا ہے۔ لغت کا مطلب، اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔^(۱) (۵۸)

اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں،^(۲) اس سے بہت جلد ان کی شاخت

اَحْمَلُوا نِهَّاً نَاقِ اِشْتَأْبِينَا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِي قَلَّ لِلَّادُو حِلٌ وَبَنِتَكَ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ
يُدْنِبُنَ عَلَيْهِنَ مِنْ جَلَابِيَهِنَ ذَلِكَ آدُنٌ أَنْ يُعْرَفُنَ

(۱) یعنی ان کو بدنام کرنے کے لیے ان پر بہتان باندھنا، ان کی ناجائز تنقیص و توہین کرنا۔ جیسے رواضی صحابہ کرام ﷺ پر سب و شتم کرتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں ”رافضی منکوس القلوب ہیں“، ممدوح اشخاص کی ذمۃ کرتے اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔

(۲) جَلَابِيَبُ، جِلْبَابُ کی جمع ہے، جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا یہ تھ حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے۔ پاک و ہندیا دیگر اسلامی ممالک میں بر قع کی جو مختلف صورتیں ہیں، عمد رسالت میں یہ بر قعے عام نہیں تھے، پھر بعد میں معاشرت میں وہ سادگی نہیں رہی جو عمد رسالت اور صحابہ و تابعین کے دور میں تھی، عورتیں نہیں نہایت سادہ لباس پہننے تھیں، بناو سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے ایک بڑی چادر سے بھی پر دے کے تقاضے پورے ہو جاتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی، اس کی جگہ تجلی اور زینت نے لے لی اور عورتوں کے اندر رزق برقراری لباس اور زیورات کی نمائش عام ہو گئی، جس کی وجہ سے چادر سے پر دہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی جگہ مختلف انداز کے بر قعے عام ہو گئے۔ گواں سے بعض دفعہ عورت کو بالخصوص سخت گرمی میں، کچھ وقت بھی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ ذرا سی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم جو عورت بر قعے کے بجائے پر دے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانکتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً پر دے کے حکم کو بجالاتی ہے، کیونکہ بر قعہ ایسی لازمی شی نہیں ہے جسے شریعت نے پر دے کے لئے لازمی قرار دیا ہو۔ لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پر دگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ پہلے وہ بر قعے کی جگہ چادر اور ڈھنہ شروع کرتی ہیں۔ پھر چادر بھی غائب ہو جاتی ہے، صرف دوپٹہ رہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لیے اس کا لینا بھی گراں ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب بر قع کا استعمال ہی صحیح ہے کیوں کہ جب سے بر قعے کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پر دگی عام ہو گئی ہے بلکہ عورتیں نہیں بہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں فَإِنَّا لِلَّهِ رَاجِعُونَ، بہر حال اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پر دے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ پر دے کا حکم عالمکا ایجاد کردہ نہیں ہے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ باور کرتے ہیں، یا اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو

ہو جیا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی،^(۱) اور اللہ تعالیٰ
بخشے والا صریان ہے۔^(۵۹)

اگر (اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری
ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں غلط افواہیں اڑانے والے
ہیں^(۲) بازنہ آئے تو ہم آپ کو ان (کی تباہی) پر مسلط کر
دیں گے پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس (شر) میں
رہ سکیں گے۔^(۶۰)

ان پر پھٹکار بر سائی گئی، جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں
اور خوب نکلے نکلے کر دیئے جائیں۔^(۳)^(۶۱)

ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا۔ اور تو
اللہ کے دستور میں ہرگز روبدل نہ پائے گا۔^(۶۲)

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔
آپ کہہ دیجئے! کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، آپ کو کیا
خبر بہت ممکن ہے قیامت بالکل ہی قریب ہو۔^(۶۳)

فَلَا يُؤْذِنُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا إِنَّمَا

لِيُنَمِّنَّتُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرْضٌ
وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لِنَغْرِيَنَّكَ إِنَّمَا تُنَزَّهُ
الْجَاهِلُونَ كَفِيلًا لِلْأَقْبَلِنَّا

مَلْعُونِينَ إِنَّمَا تَقْنُو أَخْدُودًا وَقَتْلُوا إِنْتِيَالًا

سُلَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ حَلَوْا مِنْ قَبْلٍ وَلَيْسَ بِمَحْدَدٍ
لِسُلَّةَ اللَّهِ تَبَدِّيْلًا

يَنْهَاكُ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ثُمَّ إِنَّمَا عَلِمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا
يُدْرِيْكَ لَعْلَ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا

قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار اور بے پروگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی نہیں تھی جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ آپ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ نص قرآنی سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ خوسیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

(۱) یہ پردے کی حکمت اور اس کے فائدے کا پیمانہ ہے کہ اس سے ایک شریف زادی اور بایا عورت اور بے شرم اور بدکار عورت کے درمیان پچان ہوگی۔ پردے سے معلوم ہو گا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت کسی کو نہیں ہوگی، اس کے بر عکس بے پردہ عورت اور باشون کی نگاہوں کا مرکز اور ان کی بوالوی کا نشانہ بنے گی۔

(۲) مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے منافقین افواہیں اڑاتے رہتے تھے کہ مسلمان فلاں علاقے میں مغلوب ہو گئے، یاد شمن کا لشکر جرار حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

(۳) یہ حکم نہیں ہے کہ ان کو پکڑ کر مارڈا جائے، بلکہ بد دعا ہے کہ اگر وہ اپنے نفاق اور ان حرکتوں سے بازنہ آئے تو ان کا نہایت عبرت ناک حشر ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم ہے۔ لیکن یہ منافقین نزول آیت کے بعد اپنی حرکتوں سے باز آگئے تھے، اس لیے ان کے خلاف یہ کارروائی نہیں کی گئی جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا تھا۔ (فتح القدير)

الله تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ (۶۳)

جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔ (۶۵)

اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے۔ (حضرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش ہم اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرتے۔ (۶۶)

اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکادیا۔ (۶۷)

پروردگار تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرم۔ (۶۸)

اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنوں نے موی کو تکلیف دی پس جوبات انہوں نے کہی تھی اللہ نے انہیں اس سے بری فرمادیا،^(۲) اور وہ اللہ کے نزدیک

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفَّارِ وَأَعْذَلُهُمْ سَعْيُهُ ۝

خَلِيلُنَّ فِيهَا أَبَدًا الْجَهَدُونَ وَلَيَالٍ وَلَا نَصِيرًا ۝

يَوْمَ تُقْبَلُ دُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ لَيَتَّبَعَنَا اللَّهُ وَأَطْعَنَا الرَّسُولُ ۝

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطْعَنَا سَادَتَنَا كَبِيرَنَا فَأَضَلَّنَا التَّبِيَّلًا ۝

رَبَّنَا إِنَّهُمْ ضَعَفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَذَابُ لَعْنَا كَيْرِيًّا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آتَيْنَاكُمُ الْكُلُوبَ الَّذِينَ أَذْوَاهُمُوسِيَ قَبْرَاهُ^(۱)
اللَّهُ مِنْ أَقْلَوْهُ أَوْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِهَهُ ۝

(۱) یعنی ہم نے تیرے پیغمبروں اور داعیان دین کے بجائے اپنے ان بڑوں اور بزرگوں کی پیروی کی، لیکن آج ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے ہمیں تیرے پیغمبروں سے دور رکھ کر راہ راست سے بھٹکائے رکھا۔ آبا پرستی اور تقلید فرنگ آج بھی لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے۔ کاش مسلمان آیات اللہ پر غور کر کے ان گڈنڈیوں سے نکلیں اور قرآن و حدیث کی صراط مستقیم کو اختیار کر لیں کہ نجات صرف اور صرف اللہ اور رسول کی پیروی میں ہی ہے۔ نہ کہ مشائخ و اکابر کی تقلید میں یا آباؤ اجداد کے فرسودہ طریقوں کے اختیار کرنے میں۔

(۲) اس کی تغیرت حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موی علیہ السلام نہایت بجا تھے، چنانچہ اپنا جسم انہوں نے کبھی لوگوں کے سامنے نہ گانہیں کیا۔ بنو اسرائیل کرنے لگے کہ شاید موی علیہ السلام کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی اس قسم کی آفت ہے جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موی علیہ السلام نہایت میں غسل کرنے لگے، کپڑے اتار کر ایک پتھر رکھ دیئے۔ پتھر (اللہ کے حکم سے) کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موی علیہ السلام اس کے پیچے پیچے دوڑے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گئے، انہوں نے حضرت موی علیہ السلام

باعزت تھے۔ (۲۹)
اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی
(چی) باتیں کیا کرو۔ (۲۰)

تاکہ اللہ تعالیٰ تمارے کام سنوار دے اور تمارے گناہ
معاف فرمادے،^(۲) اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی
تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔ (۱۷)

ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر
پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا
اور اس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اسے اٹھایا،^(۳) وہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ قَوَاعِدُ اللَّهِ وَقُولُوا أَنَّا سَيِّدُنَا

يُصْلِمُ الْكُفَّارَ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرُ لِكُفَّارَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا^(۴)

إِنَّا عَرَضْنَا الْكَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجَهَنَّمَ
فَابْيَانَ أَنْ يَحْمِلُنَا وَأَشْفَقُنَّ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ

کوننگا دیکھاتو ان کے سارے شبہات دور ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت حسین و جیل اور ہر قسم کے داغ اور عیب
سے پاک تھے۔ یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجزان طور پر پھر کے ذریعے سے ان کی اس الزام اور شہبے سے براءت کر دی
جو بنی اسرائیل کی طرف سے ان پر کیا جاتا تھا (صحیح بخاری، کتاب الأنبياء)، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے
سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آنحضرت موسیٰ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا
مت پہنچاؤ اور آپ ﷺ کی بابت ایسی بات مت کرو جئے سن کر آپ ﷺ قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسے ایک
موقع پر مال غنیمت کی تقسیم میں ایک شخص نے کماکہ اس میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ جب آپ ﷺ تک
یہ الفاظ پہنچنے تو غصب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا "موسیٰ علیہ السلام پر
اللہ کی رحمت ہو، انسیں اس سے کمیں زیادہ ایذا پہنچائی گئی، لیکن انہوں نے صبر کیا"۔ (بخاری، کتاب الأنبياء،
مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام....)

(۱) یعنی ایسی بات جس میں کجی اور انحراف ہو، نہ دھوکہ اور فریب۔ بلکہ حق اور حق ہو۔ سَدِينَدْ، تَسْدِينَدُ السَّهْمِ سے
ہے، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اسی طرح تماری زبان سے نکلی ہوئی بات اور
تمارا کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔

(۲) یہ تقویٰ اور قول سدید کا نتیجہ ہے کہ تمارے عملوں کی اصلاح ہو گی اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے جاؤ گے
اور کچھ کمی کوتاہی رہ جائے گی؛ تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ نے اہل اطاعت کا اجر و ثواب اور اہل محصیت کا وباں اور عذاب بیان کر دیا تو اب شرعی احکام اور
اس کی صعوبت کا تذکرہ فرمرا رہا ہے۔ امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض و واجبات مراد ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اور

بِرَاہیٰ ظالم جاہل ہے۔^(۱)

(یہ اس لیے) کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں اور مشرک مردوں عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں عورتوں کی توبہ قبول فرمائے،^(۲) اور اللہ تعالیٰ بِرَاہیٰ بخشنے والا اور میریان ہے۔^(۳)

سورہ سباکی ہے اور اس میں چون آئیں اور
چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بِرَا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ طَلُومًا جَهُولًا ۝

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفَقِتِ وَالْمُشْرِكِينَ
وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

شُوَّدَ لِلَّهِ الْمُشْرِكِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ان سے اعراض و انکار پر عذاب ہو گا۔ جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے۔ لیکن جب انسان پر یہ چیز پیش کی گئی تو وہ اطاعت اللہ (امانت) کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بارگراں کو اٹھانے پر آمادہ ہو گیا۔ احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرمادیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے، جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اور آسمان و زمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا؟ اور انسان نے اسے کس وقت قبول کیا؟ اس کی پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس و شعور رکھا ہے، گوہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے، اس نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہو گا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اور یہ انکار انہوں نے سرکشی و بغاوت کی بناء پر نہیں کیا بلکہ اس میں یہ خوف کا فرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتی ہو گی۔ انسان چونکہ جلد باز ہے، اس نے عقوبات و تغیری کے پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا اور حصول فضیلت کے شوق میں اس ذمے داری کو قبول کر لیا۔

(۱) یعنی یہ بارگراں اٹھا کر اس نے اپنے نفس پر ظلم کا ارتکاب اور اس کے مقصنيات سے اعراض یا اس کی قدر و قیمت سے غفلت کر کے جمالت کا مظاہرہ کیا۔

(۲) اس کا تعلق حَمَلَهَا سے ہے یعنی انسان کو اس امانت کا ذمے دار بنانے سے مقصد یہ ہے کہ اہل نفاق و اہل شرک کا نفاق و شرک اور اہل ایمان کا ایمان ظاہر ہو جائے اور پھر اس کے مطابق انسیں جزاً و سزاً دی جائے۔

تمام تعریف اس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس کی ملکیت
میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے^(۱)
آخرت میں بھی تعریف اسی کے لیے ہے،^(۲) وہ (بڑی)
حکمتوں والا اور (پورا) خبردار ہے۔^(۳)

جو زمین میں جائے^(۴) اور جو اس سے نکلے جو آسمان سے
اترے^(۵) اور جو چڑھ کر اس میں جائے^(۶) وہ سب سے
باخبر ہے۔ اور وہ میریان نہایت بخشش والا ہے۔^(۷)
کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئیگی۔ آپ کہ
دیکھئے! کہ مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے کہ
وہ یقیناً تم پر آئے گی^(۸) اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے
برا بر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں^(۹) نہ آسمانوں میں اور نہ
زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ
الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَظِيمُ ①

يَعْلَمُ مَا يَلْجُؤُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَعْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزَلُ
مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّجِلُ الْعَفُورُ ②

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَّا تَأْتِينَا الشَّاعِرَةُ قُلْ بَلْ وَرَبِّنِي
لَتَأْتِنَاكُمْ عِلْمُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْعَدْنَا مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا
فِي كِتَابٍ ثَمِينٍ ③

(۱) یعنی اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہے، اسی کا رادہ اور فیصلہ اس میں نافذ ہوتا ہے۔ انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے، وہ
اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کا احسان ہے، اسی لیے آسمان و زمین کی ہر چیز کی تعریف دراصل ان نعمتوں پر اللہ ہی کی
حمد و تعریف ہے جن سے اس نے اپنی خلقوں کو نوازا ہے۔

(۲) یہ تعریف قیامت والے دن اہل ایمان کریں گے مثلاً ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَ مَنْ أَوْعَدَهُ﴾ (سورہ الزمر۔ ۷۳)، ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي هَدَنَا إِلَيْهَا﴾ (سورہ الأعراف۔ ۳۲)، ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ (فاطر۔ ۳۲) وغیرہ میں
تاہم دنیا میں اللہ کی حمد و تعریف، عبادت ہے جس کا مکلف انسان کو بنایا گیا ہے اور آخرت میں یہ اہل ایمان کی روحلانی
خوراک ہوگی، جس سے انہیں لذت و فرحت محسوس ہوا کرے گی۔ (فتح القدير)
مثلاً بارش، خزانہ اور وفینہ وغیرہ۔

(۳) بارش، اولے، گرج، بکلی اور برکات الہی وغیرہ، نیز فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا نزول۔

(۴) یعنی فرشتے اور بندوں کے اعمال۔

(۵) قسم بھی کھلائی اور صیغہ بھی تاکید کا اور اس پر مزید لام تاکید یعنی قیامت کیوں نہیں آئے گی؟ وہ تو بہر صورت یقیناً آئے گی۔
(۶) لَا يَعْزُبُ غَاصِبٌ اور پوشیدہ اور دور نہیں۔ یعنی جب آسمان و زمین کا کوئی ذرہ اس سے غاصب اور پوشیدہ نہیں، تو پھر
تمہارے اجزاء منشروں کو، جو مٹی میں مل گئے ہوں گے، جمع کر کے دوبارہ تمہیں زندہ کر دنا کیوں ناممکن ہو گا؟

کتاب میں موجود ہے۔^(۱) (۳)

تاکہ وہ ایمان والوں اور نیکو کاروں کو بھلا بدله عطا فرمائے،^(۲) یہ لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔^(۳)

اور ہماری آئیوں کو نیچا دکھانے کی جنوں نے کوشش کی ہے^(۴) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے۔^(۵)

اور جنہیں علم ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ (سراسرا حق)^(۶) ہے اور اللہ غالب خوبیوں والے کی راہ کی رہبری کرتا ہے۔^(۷) (۶) (۷)

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَمْتَأْوَى وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ^(۸)

وَالَّذِينَ سَعَوْنَ إِلَيْنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
مِنْ رَحْمَنِ رَبِّهِمْ^(۹)

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ
هُوَ الْحَقُّ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ^(۱۰)

(۱) یعنی وہ لوح محفوظ میں موجود اور درج ہے۔

(۲) یہ وقوع قیامت کی علت ہے یعنی قیامت اس لیے بڑا ہو گی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لیے دوبارہ زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا عطا فرمائے، کیونکہ جزا کے لیے ہی اس نے یہ دن رکھا ہے۔ اگر یہ یوم جزا ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نیک و بد دونوں یکساں ہیں۔ اور یہ بات عدل و انصاف کے قطعاً منافی اور بندوں بالخصوص نیکوں پر ظلم ہو گا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ

(۳) یعنی ہماری ان آئیوں کے بطلان اور مخدیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ مُعْجِزِينَ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم ان کی گرفت سے عاجز ہوں گے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر کسی کے سامنے اپنے کیے دھرے کی جواب دہی کریں گے؟ ان کا یہ سمجھنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مٹا خذہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہو گا، اس لیے قیامت کا خوف ہمیں کیوں ہو؟

(۴) یہاں روایت سے مراد روایت قلبی یعنی علم یقین ہے، محفض روایت بصیری (آنکھ کا دیکھنا) نہیں۔ اہل علم سے مراد صحابہ کرام اللہ عنہم کا یا موسیٰن اہل کتاب یا تمام ہی مومنین ہیں یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

(۵) یہ عطف ہے حق پر، یعنی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب ہے اور اپنی تخلوق میں محمود (قابل تعریف) ہے۔ اور وہ راستہ کیا ہے؟ توحید کا راستہ جس کی طرف تمام انبیاء علیم السلام اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

اور کافروں نے کہا^(۱) (آؤ) ہم تمیں ایک ایسا شخص بتلائیں^(۲) جو تمیں یہ خبر پہنچا رہا ہے^(۳) کہ جب تم بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم پھر سے ایک نئی پیدائش میں آؤ گے۔^(۴) (۷)

(ہم نہیں کہہ سکتے) کہ خود اس نے (ہی) اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے دیواًگی ہے^(۵) بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔^(۶) (۸)

کیا اپس وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو دیکھ نہیں رہے ہیں؟^(۷) اگر ہم چاہیں تو نہیں زمین میں دھنادیں یا ان پر

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُكُمْ عَلَى رَجُلٍ يُبَيِّنُكُمْ
إِذَا أَمْرَقْتُمُ الْكَلَمَ كَمْ لَقِيَ حَلْقَ جَدِيدٍ^(۸)

أَفَرَأَيْتَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ يَهْدِي هَذِهِ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِالْإِغْرِيْقَةِ فِي الْعَدَابِ وَالظَّلَلِ الْبَعِيْدِ^(۹)

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفُهُمْ مِنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ إِنْ تَنْخِيفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ تُسْقِطُ عَلَيْهِمْ كَثِيرًا

(۱) یہ اہل ایمان کے مقابلے میں منکرین آخرت کا قول ہے جو آپس میں انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

(۲) اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ان کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے تھے۔

(۳) یعنی عجیب و غریب خبر، ناقابل فرم خبر۔

(۴) یعنی مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تمہارا ظاہری وجود ناپید ہو جائے گا، تمیں قبروں سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور دوبارہ وہی شکل و صورت تمیں عطا کر دی جائے گی جس میں تم پلے تھے۔ یہ گفتگو انہوں نے آپس میں استہزا اور نداق کے طور پر کی۔

(۵) یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے، کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی و رسالت کا دعویٰ یہ اس کا اللہ پر افترا ہے۔ یا پھر اس کا مالمغ چل گیا ہے اور دیواًگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے جو غیر معقول ہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بات اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل و فهم اور اور اک حقائق سے یہی لوگ قادر ہیں، جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کے بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دامنی عذاب ہے اور یہ آج ایسی گمراہی میں بٹلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔

(۷) یعنی اس پر غور نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آخرت کا یہ انکار، آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ورنہ جو ذات آسمان جیسی چیز، جس کی بلندی اور وسعت ناقابل بیان ہے اور زمین جیسی چیز، جس کا طول و عرض بھی ناقابل فرم ہے، پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اپنی ہی پیدا کردہ چیز کا دوبارہ پیدا کر دنا اور اسے دوبارہ اسی حالت میں لے آنا، جس میں وہ پسلے تھی، کیوں کرنا ممکن ہے؟

مِنَ السَّمَاوَاتِ فِي ذَلِكَ لَذِي الْكُلِّ عَبْدِ مُنْبِيٍّ ①

آسمان کے نکلوے گر ادیں،^(۱) یقیناً اس میں پوری دلیل ہے
ہر اس بندے کے لیے جو (دل سے) متوج ہو۔^(۶)

اور ہم نے داد پر اپنا فضل کیا،^(۲) اے پہاڑو! اس کے ساتھ
رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی^(۳) (یہی حکم
ہے) اور ہم نے اس کے لیے لواہ زرم کرویا۔^(۴)

کہ تو پوری پوری زرہیں بنا^(۵) اور جوڑوں میں اندازہ
رکھ^(۶) تم سب نیک کام کیا کرو۔^(۷) (یقین مانو) کہ میں

وَلَقَدْ أَتَيْنَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَمْلَكَةٍ لِمَنِ اتَّهَى
وَأَنَّكُلَّهُ الْعَدِيدُ ②

آن اعمَلْ سَيِّغَتٍ وَقَدِيرٍ فِي السَّرُدُ وَأَعْمَلُوا صَالِحًا

(۱) یعنی یہ آیت دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک اللہ کے کمال قدرت کا بیان جو ابھی مذکور ہوا، دوسری، کفار کے لیے
تنبیہ و تهدید کہ جو اللہ آسمان و زمین کی تخلیق پر اس طرح قادر ہے کہ ان پر اور ان کے مابین ہر چیز پر اس کا تصرف
اور غلبہ ہے، وہ جب چاہے ان پر اپنا عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر سکتا ہے۔ زمین میں دھماکہ بھی، جس طرح قارون کو
وھسیا یا آسمان کے نکلوے گرا کر، جس طرح اصحاب الائکہ کو ہلاک کیا گیا۔

(۲) یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا۔

(۳) ان میں سے ایک حسن صوت کی نعمت تھی، جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو
جاتے، اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزدہ خواں ہو جاتے اُبینی کے معنی ہیں تسبیح و ہراو۔ یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو ہم نے
کہا، چنانچہ یہ بھی داد علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے وَالظَّيْرَ كَاعْطَفَ يَا جِبَالُ کے محل پر ہے۔ اس لیے کہ جِبَالُ
قدیر امنصوب ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے نَادَيْنَا الْجِبَالَ وَالظَّيْرَ (ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو پکارا) یا پھر اس کا
عطاف فَضْلًا پر ہے اور معنی ہوں گے وَسَخَرْنَا لَهُ الظَّيْرَ (اور ہم نے پرندے ان کے تابع کر دیے)۔ (فتح القدير)

(۴) یعنی لوہے کو آگ میں پائے اور ہتھوڑی سے کوئے بغیر، اسے موم گوندھے ہوئے آئے اور گیلی مٹی کی طرح،
جس طرح چاہتے موڑ لیتے، بٹ لیتے اور جو چاہتے بنایتے۔

(۵) سَابِغَاتِ مَذْوَفِ موصوف کی صفت ہے دُرُّ عَسَابِغَاتِ یعنی پوری لمبی زرہیں، جوڑنے والے کے پورے جسم
کو صحیح طریقے سے ڈھانک لیں اور اسے دشمن کے وار سے محفوظ رکھیں۔

(۶) ہاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں، یا سخت یا زرم نہ ہوں یعنی کڑیوں کے جوڑنے میں کل اتنے باریک نہ ہوں کہ جوڑ حرکت
کرتے رہیں اور ان میں قرار و ثبات نہ آئے اور نہ اتنے موٹے ہوں کہ اسے توڑھی ڈالیں یا جس سے حلقة تنگ ہو
جائے اور اسے پہنانہ جاسکے۔ یہ زردہ باقی کی صنعت کے بارے میں حضرت داد علیہ السلام کو ہدایات دی گئیں۔

(۷) یعنی ان نعمتوں کے بدالے میں عمل صالح کا اہتمام کرو ہاکہ میرا عملی شکر بھی ہوتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس

إِنَّ إِيمَانَ الْمُعْلَمِينَ بِصِيرُّ^①

وَلِسُلَيْمَنَ الْرَّجُمَ غُدُوْهَاشَهْرُ وَرَاحُهَاشَهْرُ وَأَسْلَالَهُ
عَيْنَ الْقُطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بَادْنَ رَبِّهِ وَمَنْ
بَزَغَ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا لَذِقَهُ مِنْ عَذَابِ الشَّعْبِ^②

تمارے اعمال دیکھ رہا ہوں۔^(۱)
اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی
منزل اس کی میئنہ بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل
بھی^(۲) اور ہم نے ان کے لیے تابنے کا چشمہ بھاڑایا۔
اور اس کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی
میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی
ہمارے حکم سے سرتباں کرے ہم اسے بھر کتی ہوئی آگ
کے عذاب کامزہ چکھائیں گے۔^(۳)^(۴)

جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے اور
مجستے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولوں پر جھی ہوئی
مضبوط دیکھیں،^(۵) اے آل داؤ داس کے شکریہ میں نیک

يَعْمَلُونَ لَهُمَا يَتَّهَمُونَ مَعَارِبَ وَتَمَاثِيلَ وَخَلَائِكَ الْجَوَابِ
وَقَدْ وَرِزِّيَتْ إِعْمَلُوَالَّدَادُدُكْرَا وَقَبِيلُ مِنْ

کو اللہ تعالیٰ دینیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اسے اسی حساب سے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے اور شکر میں بنیادی چیز
یہی ہے کہ منعم کو راضی رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے یعنی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور نافرمانی سے بچا جائے۔
(۱) یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام مع اعیان سلطنت اور لشکر، تخت پر بیٹھ جاتے، اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوا اسے
اتی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک میئنے جتنی مسافت، صبح سے دوپر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح
دوپر سے رات تک، ایک میئنے جتنی مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو میئنوں کی مسافت طے ہو جاتی۔
(۲) یعنی جس طرح حضرت داؤ د علیہ السلام کے لیے لوہا زم کر دیا گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تابنے کا چشمہ
ہم نے جاری کر دیا تاکہ تابنے کی دھنات سے وہ جو چاہیں، بنائیں۔

(۳) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سزا قیامت والے دن دی جائے گی۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ دینیوی سزا ہے، وہ کہتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمادیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا سونا ہوتا تھا۔ جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے
حکم سے سرتباں کرتا، فرشتہ وہ سوٹا اسے مارتا، جس سے وہ جل کر بھصم ہو جاتا۔ (فتح القدير)

(۴) مَحَارِبَ، مَخْرَابَ کی جمع ہے، بلند جگہ یا اچھی عمارت، مطلب ہے بلند محلات، عالی شان عمارتیں یا مساجد و
معابد تماثیل، تمثالت کی جمع ہے، تصویر یہ تصویریں غیر حیوان چیزوں کی ہوتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ انبیاء و صلحاؤ کی
تصاویر مسجدوں میں بنائی جاتی تھیں تاکہ انہیں دیکھ کر لوگ بھی عبادت کریں۔ یہ معنی اس صورت میں صحیح ہے جب
تلیم کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویر سازی کی اجازت تھی۔ جو صحیح نہیں۔ تاہم اسلام میں تو

عَبْدَالْلَّٰهِ الشَّكُورُ

عمل کرو، میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں۔^(۱۳)

پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم بھیج دیا تو ان کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو ان کی عصا کو کھا رہا تھا۔ پس جب (سلیمان) گرپڑے اس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں بیتلانہ رہتے۔^(۱۴)

قوم سبا کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی تھی^(۱۵) ان کے دامیں باسیں دو باغ تھے^(۱۶) (ہم نے ان

فَلَمَّا أَفَضَّلَنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا ذَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَادَّةَ
الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنَّا تَأْكُلُ فَلَمَّا حَرَّبَتِنَا جِنْشٌ أَنْ لَوْكَانُوا
يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لِلْمُتَوَفِّينَ عَذَابُ الْمُهَمِّنِ^(۱۷)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَّا إِنْ سَدِّكِهِمْ أَيْةٌ جَنَّتِينَ عَنْ يَمِّينِ وَشَمَائِلِهِ

نہایت سختی کے ساتھ اس کی ممانعت ہے۔ جَفَانٌ، جَفَنَةٌ کی جمع ہے، لگن جَوَابٌ، جَایَةٌ کی جمع ہے، حوض، جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔ یعنی حوض جتنے بڑے بڑے لگن، قُدُوزٌ وَلَكَیْسٌ، رَاسِيَاتٌ جبی ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دلکشیں پہاڑوں کو تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ جنہیں ظاہر ہے اٹھا کر ادھر ادھر نہیں لے جایا جا سکتا تھا، اس میں بیک وقت ہزاروں افراد کا کھانا پک جاتا تھا۔ یہ سارے کام جنات کرتے تھے۔

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں مشور ہو گیا تھا کہ یہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعے سے اس عقیدے کے فساد کو واضح کر دیا۔

(۲) سَبَّا، وہی قوم تھی؛ جس کی ملکہ سبا مشور ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔ قوم ہی کے نام پر ملک کا نام بھی سبا تھا، آج کل یمن کے نام سے یہ علاقہ معروف ہے۔ یہ براخوش حال ملک تھا، یہ ملک بری و بحری تجارت میں بھی ممتاز تھا اور زراعت و باغبانی میں بھی نمایاں۔ اور یہ دونوں ہی چیزیں کسی ملک اور قوم کی خوش حالی کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی مال و دولت کی فراوانی کو یہاں قدرت الٰہی کی نشانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ شر کے دونوں طرف پہاڑ تھے، جن سے چشوں اور نالوں کا پانی بہہ کر شر میں آتا تھا، ان کے حکمرانوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے تعمیر کرائیے اور ان کے ساتھ باغات لگادیئے گئے، جس سے پانی کا رخ بھی متین ہو گیا اور باغوں کو بھی سیرابی کا ایک قدرتی ذریعہ میسر آگیا۔ انہی باغات کو، دامیں باسیں دو باغوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں، جَنَّتَيْنِ سے دو باغ نہیں، بلکہ دامیں باسیں کی دو جنتیں مراد ہیں اور مطلب باغوں کی کثرت ہے کہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھیں، باغات، ہریاں اور شاداں ہی نظر آتی تھی۔ (فتح القدير)

کو حکم دیا تھا کہ) اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ^(۱)
اور اس کا شکر ادا کرو،^(۲) یہ عمدہ شر^(۳) اور وہ بخشنے والا
رب ہے۔^(۴)

لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر زور کے
سیالاب (کاپانی) بھیج دیا اور ہم نے ان کے (ہرے بھرے)
باغوں کے بد لے دو (ایسے) باغ دیئے جو بد مزہ میووں
والے اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں والے
تھے۔^(۵)

ہم نے ان کی ناشکری کا یہ بد لہ انہیں دیا۔ ہم (ایسی) سخت
سرابڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیتے ہیں۔^(۶)

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں
ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آباد) رکھی

لَكُلُومَنْ رِزْقٌ رَبِّيْمُ وَ اشْكُرُوا اللَّهُ مُبَدَّلٌ طَبِيْبٌ وَ سَرَبٌ
عَفْوٌ^(۷)

فَأَعْرَضُوا فَأَرَسْلَنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرَمَ وَ بَدَلْنَاهُمْ بِجَنَيْهِمْ
جَنَيْهِمْ ذَوَاقٌ أُكْلٌ خَمْطٌ وَ أَثْلٌ وَ شَنْيٌ مَنْ سِدْرٌ قَلْنِيلٌ^(۸)

ذَلِكَ جَزَيْهِمْ بِمَا كَفَرُوا وَ هُنْ بُغْزِي إِلَالَكُفُورٍ^(۹)

وَجَعَلْنَا بِيَدِهِمْ وَ بَيْنَ الْفُرَّارِيَّ الَّتِي بِرَكْنَاهُ فِيهَا قُرْيَ ظَاهِرَةٌ

(۱) یہ ان کے پیغمبروں کے ذریعے سے کھلوایا گیا یا مطلب ان نعمتوں کا بیان ہے، جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

(۲) یعنی منعم و محسن کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے احتساب۔

(۳) یعنی باغوں کی کثرت اور پھلوں کی فراوانی کی وجہ سے یہ شر عمدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آب و ہوا کی عدمگی کی وجہ سے یہ شر کمھی، چھر اور اس قسم کے دیگر موزی جانوروں سے بھی پاک تھا، والله أعلم۔

(۴) یعنی اگر تم رب کا شکر کرتے رہو گے تو وہ تمарے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ انسان تو بہ کرتے رہیں تو پھر گناہ ہلاکت عام اور سلب انعام کا سبب نہیں بنتے، بلکہ اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔

(۵) یعنی انہوں نے پھاڑوں کے درمیان پشتے اور بند تغیر کر کے پانی کی جو رکاوٹ کی تھی اور اسے زراعت و با غبانی کے کام میں لاتے تھے، ہم نے تندو تیز سیالاب کے ذریعے سے ان بندوں اور پشتوں کو توڑا اور شاداب اور پھل دار باغوں کو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں صرف قدرتی جھاڑ جھنکاڑ ہوتے ہیں، جن میں اول تو کوئی پھل لگتا ہی نہیں اور کسی میں لگتا بھی ہے تو سخت کڑوا، کسیلا اور بد مزہ جنمیں کوئی کھاہی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کافی زیادہ اور بیکم تھے، عَرَمٌ، عَرَمَۃٌ کی جمع ہے، پشتے یا بند۔ یعنی ایسا زور کا پانی بھیجا جس نے اس بند میں شگاف ڈال دیا اور پانی شر میں بھی آگیا، جس سے ان کے مکانات ڈوب گئے اور باغوں کو بھی اجازاً کرو یا ان کر دیا۔ یہ بند سد مارب کے نام سے مشور ہے۔

تحیں جو بر سر راہ ظاہر تھیں،^(۱) اور ان میں چلنے کی منزلیں مقرر کردی تھیں^(۲) ان میں راتوں اور دنوں کو بہ امن و امان چلتے پھرتے رہو۔^(۳) (۱۸)

لیکن انہوں نے پھر کہا کہ اے ہمارے پرو رڈگار! ہمارے سفر دور دراز کر دے^(۴) چونکہ خود انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا برا کیا اس لیے ہم نے انہیں (گزشتہ) فسانوں کی صورت میں کر دیا^(۵) اور ان کے نکڑے نکڑے اڑا دیئے،^(۶) بلاشبہ ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لیے

وَقَدْ رَأَنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيدُوا فِيهَا الْيَالِيَ وَإِيَامًا أَمْتَنِينَ ۖ

فَقَالُوا رَبَّنَا يَعْذِبُنَّ أَسْفَارَنَا وَظَلَمُوا أَنفُسُهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَرْقَنِهِمْ كُلَّ مُسَرَّقٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِيْتَ لِكُلِّ
صَبَابِ رَشْكُورِ ۖ

(۱) برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ظاہرہ کے معنی متواصلہ، ایک دوسرے سے پیوست اور مسلسل کے کیے ہیں۔ مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد ۳ ہزار سات سو ہتھائی ہے۔ یہ ان کی تجارتی شاہراہ تھی جو مسلسل آباد تھی، جس کی وجہ سے ایک تو ان کے کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے زادراہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے، ویرانی کی وجہ سے لوٹ مار اور قتل و غارت کا جواندیش ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا تھا۔

(۲) یعنی ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ متعین اور معلوم تھا، اور اس کے حساب سے وہ آسانی اپنا سفر طے کر لیتے تھے۔ مثلاً صح سفر کا آغاز کرتے تو دوپر تک کسی آبادی اور قریے تک پہنچ جاتے، وہاں کھاپی کر قیولہ کرتے اور پھر سرگرم سفر ہو جاتے تو رات کو کسی آبادی میں جا پہنچتے۔

(۳) یہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ اور زادراہ کی مشقت سے بے نیاز ہونے کا بیان ہے کہ رات اور دن کی جس گھری میں تم سفر کرنا چاہو، کرو، نہ جان و مال کا کوئی اندیشہ نہ راستے کے لیے سامان سفر ساتھ لینے کی ضرورت۔

(۴) یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں، خطرات اور موسم کی شدت کا تذکرہ کرتے ہیں، ہمارے سفر بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کے بجائے درمیان میں سنان و ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گریوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں بخوبی ہو ایں، ہمیں پریشان کریں اور راستے میں بھوک اور پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لیے ہمیں زادراہ کا بھی انتظام کرنا پڑے۔ ان کی یہ دعا اسی طرح کی ہے، جیسے بنی اسرائیل نے من و سلوی اور دیگر سولتوں کے مقابلے میں دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبه کیا تھا۔ یا پھر زبان حال سے ان کی یہ دعا تھی۔

(۵) یعنی انہیں اس طرح تاپید کیا کہ ان کی ہلاکت کا قصہ زبان زد خلاائق ہو گیا۔ اور محلوں اور محفلوں کا موضوع گنتگو بن گیا۔

(۶) یعنی انہیں متفرق اور منتشر کر دیا، چنانچہ سبایں آباد مشہور قبلی مختلف جگہوں پر جا آباد ہوئے، کوئی یہ رب دمکد آگیا۔

اس (ما جرے) میں بہت سی عبرتیں ہیں۔^(۱۹)

اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا یہ لوگ سب کے سب اس کے تابعدار بن گئے سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے۔^(۲۰)

شیطان کا ان پر کوئی زور (اور دباؤ) نہ تھا مگر اس لیے کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ظاہر کر دیں ان لوگوں میں سے جو اس سے شک میں ہیں۔ اور آپ کا رب (ہر) ہر چیز پر نگہبان ہے۔^(۲۱)

کہہ دیجئے؟ کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے (سب) کو پکار لو،^(۱) نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے^(۲) نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے^(۳) نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔^(۴)^(۲۲)

شفاعت (سفراش) بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔^(۵) یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے

وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ أَبْيَانُكُمْ فَإِنَّهُ قَاتِلٌ لَّا يَعْلَمُهُ إِلَّا فِي نَفْعٍ
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطَنٍ إِلَّا لِيَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ
بِالْآخِرَةِ وَمَنْ هُوَ مُهْنَمٌ فَإِنْ شَاءَ ۖ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ حَفِظٌ ۝

فَلِأَذْعُونَ الَّذِينَ رَجَحُوا وَمَنْ دُونَ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شُرُكٍ
وَمَالَهُ مِنْهُمْ مَنْ ظَاهِرٌ ۝

وَلَا تَنْعِمُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذْنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فَرِغَ
عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقِيقَةُ وَهُوَ الْعَلِيُّ

کوئی شام کے علاقے میں چلا گیا کوئی کمیں اور کوئی کمیں۔

(۱) یعنی معبد ہونے کا۔ یہاں زَعَمْتُمْ کے دو مفعول مخدوف ہیں۔ زَعَمْتُمُوهُمْ أَلِهَةٌ، یعنی جن جن کو تم معبد گمان کرتے ہو۔

(۲) یعنی انہیں نہ خیر پر کوئی اختیار ہے نہ شر پر۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کی قدرت ہے، نہ نقصان سے بچانے کی۔ آسمان و زمین کا ذکر عموم کے لیے ہے، یکوں کہ تمام خارجی موجودات کے لیے یہی ظرف ہیں۔

(۳) نہ پیدائش میں، نہ ملکیت میں اور نہ تصرف میں۔

(۴) جو کسی معاملے میں بھی اللہ کی مدد کرتا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بلا شرکت غیرے تمام اختیارات کا مالک ہے اور کسی کے تعاون کے بغیر ہی سارے کام کرتا ہے۔

(۵) ”جن کے لیے اجازت ہو جائے“ کا مطلب ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ یعنی یہی سفارش کر سکیں گے، کوئی اور نہیں۔ اس لیے کہ کسی اور کسی سفارش فائدے مند ہی ہوگی، نہ انہیں اجازت ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب ہے، مستحقین شفاعت۔

الْكِبِيرُ ۳۳

تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا^(۱) اور وہ بلندوبالا اور بہت بڑا ہے۔ (۲۳)

پوچھتے کہ تمیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچتا ہے؟ (خود) جواب دیجئے؟ کہ اللہ تعالیٰ۔ (سن) ہم یا تم۔ یا تو یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں؟ (۲۴)

کہ دیجئے؟ کہ ہمارے کیے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمہارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی۔ (۲۵)

انہیں خبر دے دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا۔ (۲۶) وہ فیصلے چکانے والا

فُلَّمَنْ يَرْزُقُهُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فُلَّإِنَّهُ وَإِنَّا أَوْلَىٰ بِهِنَّا
لَعْلَ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۲۷

فُلَّرَأَتْسَلُونَ عَنَّا أَجْوَمَنَا وَلَا نُسْلِلُ عَنَّا تَعْلُونَ ۲۸

فُلَّيَحْمُمُ بَيْنَنَا رَبِّنَا هُمْ يَقْتُلُنَّ بَيْنَنَا الْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۲۹

یعنی انبیاء علیهم السلام و ملائکہ اور صالحین صرف انہی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جو مستحقین شفاعت ہوں گے کیوں کہ اللہ کی طرف سے انہی کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی، کسی اور کے لیے نہیں۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیهم السلام، ملائکہ اور صالحین کے علاوہ وہاں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ حضرات بھی سفارش اہل ایمان گناہ گاروں کے لیے ہی کر سکیں گے، کافروں مشرک اور اللہ کے باغیوں کے لیے نہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان دونوں نکتوں کی وضاحت فرمادی ہے۔ ﴿مَنْ ذَا لَذِي يَشْفَعُ عِنْدَكُمْ إِلَّا بِذِيْهِ﴾ (آل بقرة: ۲۵۵) اور ﴿وَلَا يَنْتَهُنَّ إِلَّا
لَعْنَ أَرْتَهُنَّ﴾ (آل انبیاء: ۲۸)

(۱) اس کی مختلف تفاسیر کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے حدیث کی روشنی میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی بابت کلام (وجی) فرماتا ہے تو آسمان پر موجود فرشتے بیت اور خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش بردار فرشتے دوسرے فرشتوں کو، اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو بتلاتے ہیں اور اس طرح خرپسلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) فرع میں سلب مأخذ ہے یعنی جب گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے۔

(۲) ظاہر بات ہے گمراہی پر وہی ہو گا جو ایسی چیزوں کو معبود سمجھتا ہے جن کا آسمان و زمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے، نہ وہ بارش بر ساکتے ہیں، نہ کچھ اگا سکتے ہیں۔ اس لیے حق پر یقیناً اہل توحید ہی ہیں، نہ کہ دونوں۔

(۳) یعنی اس کے مطابق جزادے گا، نیکوں کو جنت میں اور بدلوں کو جنم میں داخل فرمائے گا۔

ہے اور دانا۔^(۲۶)
کہہ دیجئے! کہ اچھا مجھے بھی تو انہیں دکھادو جنہیں تم اللہ
کا شریک ٹھہرا کر اس کے ساتھ ملا رہے ہو، ایسا ہرگز
نہیں،^(۱) بلکہ وہی اللہ ہے غالب باحکمت۔^(۲۷)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا
اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ
لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔^(۲۸)
پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ پچھے ہو تو بتاؤ۔^(۲۹)

فُلْ أَرْوَى الَّذِينَ الْحَقُّمُ يَهْشِرُ كَاهْ كَلَابِنْ هُوَ اللَّهُ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ^(۳۰)

وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا كَاتَةً لِّلنَّاسِ بِشِدْرٍ وَنَذِيرٍ إِلَّا كَنَّ الْأَنْزَالَ
الْعِلْمَوْنَ^(۳۱)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنُوكَ صَدِيقِنَ^(۳۲)

- (۱) یعنی اس کا کوئی نظریہ ہے نہ ہم سر، بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام اور قول میں حکمت ہے۔
- (۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو پوری نسل انسانیت کا ہادی اور رہنمایا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرًا یہ بیان فرمایا کہ اکثر لوگ آپ ﷺ کی خواہش اور کوشش کے باوجود ایمان سے محروم رہیں گے۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت اور بھی دوسرے مقامات پر فرمائی ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کی رسالت کے ضمن میں فرمایا، ﴿فَإِنَّ يَأْتِهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (الأعراف: ۱۵۸) ﴿تَرَكَ
الَّذِي تَرَكَ الْهُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَلْتَهُنَّ لِلْعَلَمِينَ تَرَكَهُ﴾ (سورة الفرقان: ۱۰) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے پانچ چیزوں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ۱- مینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے۔ ۲- تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت آجائے، میری امت وہاں نماز ادا کر دے۔ ۳- مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا، جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ ۴- مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ۵- پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب التیم، صحیح مسلم، کتاب المساجد، ایک اور حدیث میں فرمایا، عَنْ أَنَّهُ أَنْتَ الْأَنْزَالُ وَأَنْتَ مَوْصِيَ الْمُؤْمِنِينَ) (سورہ یوسف: ۱۰۳) "آپ ﷺ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے" ﴿وَإِنْ تُطِعْ الْكُرْمَنَ فِي الْأَرْضِ يُضْلَلُ لَأَعْنَ سَيِّدِ الْلَّهِ﴾ (سورة الأنعام: ۱۱۶) "اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو گراہ کر دیں گے" جس کا مطلب یہی ہوا کہ اکثریت گراہوں کی ہے۔
- (۳) یہ بطور استہزا کے پوچھتے تھے، کیوں کہ اس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد اور ناممکن تھا۔

جواب دیجئے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے جس سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔^(۳۰) (۳۰)

اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ تو اس قرآن کو مانیں نہ اس سے پلے کی کتابوں کو!^(۳۱) اے دیکھنے والے کاش کہ تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جگہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے^(۳۲) کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے۔^(۳۳) (۳۱) (۳۳)

یہ بڑے لوگ ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آپنے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم (خود) ہی مجرم تھے۔^(۳۴) (۳۲)

فُلْ لَكُمْ مِّيقَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً
وَلَا تَتَقْدِمُونَ^(۳۵)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ نُؤْمِنُ بِهِذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي
بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَى إِذَا الظَّالِمُونَ مُوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُبَيِّنُ
بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ إِلَقْوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا إِلَيْنَا
اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنَّمُّ لَكُمْ مُّؤْمِنِينَ^(۳۶)

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِلَيْنَا اسْتُضْعِفُوا الَّذِيْنَ صَدَدْنَا مِنْ عَنْ
الْهُدَى بَعْدَ إِذْ جَاءَهُمْ بَلْ كُلُّهُمْ مُّجْرِمُينَ^(۳۷)

(۱) یعنی اللہ نے قیامت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے، تاہم جب وہ وقت موعود آجائے گا تو ایک ساعت بھی آگے، پیچھے نہیں ہو گا۔ (۲) اَنْ أَجَلَ اللَّهُو إِذَا جَاءَهُ لَا يُؤْخِرُ (نوح۔۳)

(۲) جیسے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ، بعض نے بینَ یَدِنَیْہِ سے مرادوار آخرت لیا ہے۔ اس میں کافروں کے عناد و طغیان کا بیان ہے کہ وہ تمام تر دلائل کے باوجود قرآن کریم اور دار آخرت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔

(۳) یعنی دنیا میں یہ کفر و شرک میں ایک دوسرے کے ساتھی اور اس ناطے سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے، لیکن آخرت میں یہ ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کو موردا الزام بنائیں گے۔

(۴) یعنی دنیا میں یہ لوگ، جو سوچے سمجھے بغیر، روش عام پر چلنے والے ہوتے ہیں، اپنے ان لیڈروں سے کہیں گے جن کے وہ دنیا میں پیرو کار بنے رہے تھے۔

(۵) یعنی تم ہی نے ہمیں پیغمبروں اور داعیان حق کے پیچھے چلنے سے روکے رکھا تھا، اگر تم اس طرح نہ کرتے تو ہم یقیناً ایمان والے ہوتے۔

(۶) یعنی ہمارے پاس کون سی طاقت تھی کہ ہم تمہیں ہدایت کے راستے سے روکتے، تم نے خود ہی اس پر غور نہیں کیا اور اپنی خواہشات کی وجہ سے ہی اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے، اور آج مجرم ہمیں بنا رہے ہو؟ حالانکہ سب کچھ تم نے خود ہی اپنی مرضی سے کیا، اس لیے مجرم بھی تم خود ہی ہونہ کہ ہم۔

(اس کے جواب میں) یہ کمزور لوگ ان متکبروں سے کہیں گے، (نہیں نہیں) بلکہ دن رات کمزور فریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے شریک مقرر کرنے کا تمہارا حکم دینا ہماری بے ایمانی کا باعث ہوا،^(۱) اور عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل میں پشیان ہو رہے ہوں گے،^(۲) اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے^(۳) انہیں صرف ان کے کیے کرائے اعمال کا بدله دیا جائے گا۔^(۴) (۳۳)

اور ہم نے تو جس بستی میں جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجی گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے^(۵) والے ہیں۔ (۳۴)

وَقَالَ الَّذِينَ أَسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ أَسْتَكْبِرُوا إِنْ مَنْ كَانَ إِيمَانَهُ
وَالْمَهَارَ إِذَا دُنْمَرَتِنَّا نَكْفُرُ بِإِلَهِهِ وَنَعْصُمُ لَهُ أَنْدَادًا
وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لِتَمَارًا وَالْعَدَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَانَ فِي
أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هُنَّ مُنْجَزُونَ إِلَامًا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قُرْيَةٍ قُنْدِيزٍ بِالْأَقَالِ مُتَرْفُوهَا إِنَّا إِيمَانَ
أُرْسِلْنَا فِيهِ كُفُّرُونَ ۝

(۱) یعنی ہم مجرم توب ہوتے، جب ہم اپنی مرضی سے پیغمبروں کی تکذیب کرتے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تم رات و دن ہمیں گراہ کرنے پر اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے پر آمادہ کرتے رہے، جس سے بالآخر ہم تمہارے پیچھے لگ کر ایمان سے محروم رہے۔

(۲) یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے۔ لیکن شمات اعدا کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے۔

(۳) یعنی ایسی زنجیریں جو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھیں گی۔

(۴) یعنی دونوں کو ان کے عملوں کی سزا ملے گی، لیذروں کو ان کے مطابق، اور ان کے پیچھے چلنے والوں کو ان کے مطابق، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لِكُلِّ ضُعْفٍ وَلِكُلِّ أَعْلَمُونَ﴾ (الأعراف: ۲۸) یعنی ”ہر ایک کو دگنا عذاب ہو گا۔“

(۵) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کے کے روساء اور چودھری آپ ﷺ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور آپ ﷺ کو ایذا میں پسچاہ رہے ہیں تو یہ کوئی نبی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے اکثر خوش حال لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب ہی کی ہے اور ہر پیغمبر ایمان لانے والے پہلے پہل معاشرے کے غریب اور نادار قسم کے لوگ ہی ہوتے تھے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا، ﴿أَنُؤْمِنُ لَكُمْ وَأَبْعَكُ الرَّذَّلَوْنَ﴾ (الشعراء: ۱۰۰) ”کیا ہم تجھ پر ایمان لا میں جب کہ تیرے پیرو کار کینے لوگ ہیں“۔ ﴿وَمَا نَرِكَ أَبْعَكَ إِلَى الَّذِينَ هُمْ أَرَادُلَنَا بِأَدَى
الرَّذَّلِ﴾ (ہود: ۲۷) دوسرے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے یہی کما ملاحظہ ہو۔ سورۃ الأعراف، ۷۵۔ الأنعام، ۵۳۔ ۱۳۳

او رکھا ہم مال و اولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں
ہو سکتا کہ ہم عذاب دیئے جائیں۔^(۱) (۳۵)

کہہ دیجئے! کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی
کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے،^(۲) لیکن اکثر
لوگ نہیں جانتے۔^(۳۶)

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمہیں ہمارے
پاس (مرتبوں سے) قریب کر دیں^(۴) ہاں جو ایمان لا سکیں
اور نیک عمل کریں^(۵) ان کے لیے ان کے اعمال کا
دو ہر اجر ہے^(۶) اور وہ نذر و بے خوف ہو کر بالا خانوں
میں رہیں گے۔^(۷)

وَقَالُوا هُنَّ الْمُؤْلَدُونَ أَوْ لَدُونَ مَا هُنَّ بِمُعْذَبَةٍ^(۸)

فُلْ إِنْ رَبِّنِي بِسُطُولِ الرُّزْقِ لَمْ يَشَاءْ وَيَقْدِرُ وَلَكِنْ
إِنَّرَثَالَّاَسَ لَا يَعْلَمُونَ^(۹)

وَمَا آتَوْكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالْيَتَامَةِ
إِلَّا مَنْ أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الظَّفَعِ
بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرْفَةِ الْمُنْوَنَ^(۱۰)

سورہ بنی اسرائیل ۱۶ اور غیرہ۔ مُتَرَفُونَ کے معنی ہیں، اصحاب ثروت و ریاست۔

(۱) یعنی جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال و اولاد کی کثرت سے نوازا ہے، تو قیامت بھی اگر برپا ہوئی تو ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔ گویا انہوں نے دار آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیا میں کافروں و مومن سب کو اللہ کی نعمتیں مل رہی ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح ہو گا، حالانکہ آخرت تو دار الجزا ہے، وہاں تو دنیا میں کیے گئے عملوں کی جزا ملنی ہے، اچھے عملوں کی جزا اچھی اور بے عملوں کی بُری۔ جب کہ دنیا دار الامتحان ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بطور آزمائش سب کو دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یا انہوں نے دنیاوی مال و اسباب کی فراوانی کو رضاۓ اللہ کا مظہر سمجھا، حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرمان بروار بندوں کو سب سے زیادہ مال و اولاد سے نوازتا۔

(۲) اس میں کفار کے مذکورہ مغالطے اور شبے کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے۔ اس لیے وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے فقیر کرتا ہے۔

(۳) یعنی یہ مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں ہمیں خاص مقام حاصل ہے۔

(۴) یعنی ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس طرح حدیث میں فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری شکلیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم)

(۵) بلکہ کئی کئی گنا، ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا مزید سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔

اور جو لوگ ہماری آئیوں کے مقابلہ کی تگ و دو میں لگ رہتے ہیں کی ہیں جو عذاب میں پکڑ کر حاضر رکھے جائیں گے۔ (۳۸)

وَالَّذِينَ يَسْعَونَ فِي الْأَيَّلَاتِ مُعْجِزُونَ أُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ
مُحْضَرُونَ ۝

کہ دیکھے! کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تگ کر دیتا ہے، تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا^(۲) اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ (۳۹)

فَلَمَّا رَأَى يَحْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْفَقَ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُحْلِفُهُ
وَهُوَ خَيْرُ الدَّازِنِينَ ۝

اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادات کرتے تھے۔ (۴۰)

وَيَوْمَ يَخْتَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمُتَّكِّثَةِ أَهُؤُلَاءِ
إِنَّكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝

(۱) پس وہ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے، لیکن کس لیے؟ اس درج کے طور پر، اور کبھی مومن کو تگ دست رکھتا ہے، کس لیے؟ اس کے اجر و ثواب میں اضافے کے لیے۔ اس لیے مجرد مال کی فراوانی اس کی رضاکی اور اس کی کمی، اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ حکما ربطور تاکید کے ہے۔

(۲) إِخْلَافُ کے معنی ہیں، عوض اور بدلہ دینا۔ یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَنْفِقْ أَنْفِقْ عَلَيْكَ (صحیح بخاری، سورہ هود) ”تو خرچ کر،“ میں تجھ پر خرچ کروں گا” (یعنی بدلہ دوں گا) دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے «اللَّهُمَّ أَغْطِ مُنْسِكًا تَلَقَّا» (یا اللہ نے خرچ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے) دوسرا کہتا ہے، «اللَّهُمَّ أَغْطِ مُنْفِقًا خَلَفَ» (اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرمा)۔ (البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب فَأَمَامُنْ أَعْطَیٰ وَاتَّقِیٰ)

(۳) کیونکہ ایک بندہ اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس کا یہ دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق و تیسیر اور اس کی تقدیر سے ہی ہے۔ حقیقت میں دینے والا اس کا رازق نہیں ہے، جس طرح بچوں کا باپ، بچوں کا، یا بادشاہ اپنے لشکر کا کفیل کھلاتا ہے حالانکہ امیر اور مامور بچے اور بڑے سب کا رازق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق بھی ہے۔ اس لیے جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ ایسے مال میں تصرف کرتا ہے جو اللہ ہی نے اسے دیا ہے، پس در حقیقت رازق بھی اللہ ہی ہوا۔ تاہم یہ اس کا مزید فضل و کرم ہے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف (خرچ کرنے) پر وہ اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔

(۴) یہ مشرکین کو زیل و خوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھئے گا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

وہ کیسے گے تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے نہ
کہ یہ^(۱) بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے،^(۲) ان
میں کے اکثر کانہ پر ایمان تھا۔^(۳)

پس آج تم میں سے کوئی (بھی) کسی کے لیے (بھی کسی قسم
کے) نفع نقصان کا مالک نہ ہو گا۔^(۴) اور ہم خالموں^(۵)
سے کہہ دیں گے کہ اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم
جھٹلاتے رہے۔^(۶)

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی
جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایسا شخص ہے^(۷) جو تمہیں
تمہارے باپ وادا کے معبدوں سے روک دینا چاہتا ہے

قَالُواْ سُبْحَنَكَ أَنْتَ وَلِيَّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُواْ يَعْبُدُونَ
إِعْنَى الْكَثِيرُهُ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ⑦

فَالْيَوْمَ لَا يَمِلِكُ بَعْضُكُمْ لِيَغْصِنَ نَعْمَلَ لِأَضَرَّ وَنَقْولُ
لِلَّذِينَ ظَلَمُواْ دُوْلَةً عَذَابَ النَّارِ إِنَّمَا يَعْمَلُ بِهِمْ كَذِبُونَ ⑧

وَإِذَا شُلِّيَ عَلَيْهِمْ أَيْتَنَا بِئْتَنِي قَالُواْ مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ
بُرِيُّدُ أَنْ يَصْدِدَ لَمْ عَنَّا كَانَ يَعْبُدُ أَبَا ذِكْرَهُ وَقَالُواْ مَا هَذَا

میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھے گا ”کیا تو نے لوگوں سے کما تھا کہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو، اللہ کے سوا،
معبدوں بنالیں؟“ (المائدۃ ۱۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ”یا اللہ تو پاک ہے، جس کا مجھے حق نہیں تھا، وہ بات میں
کیوں کر کہہ سکتا تھا؟“ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی پوچھے گا، جیسا کہ سورۃ الفرقان (آیت ۷۷) میں بھی گزرا کہ
کیا یہ تمہارے کمنے پر تمہاری عبادت کرتے تھے؟

(۱) یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہار براءت کریں گے اور کیسے
گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے، ہمارا ان سے کیا تعلق؟

(۲) جن سے مراد شیاطین ہیں۔ یعنی یہ اصل میں شیطانوں کے پیاری ہیں کیونکہ وہی ان کو بتوں کی عبادت پر لگاتے اور
انہیں گمراہ کرتے تھے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿إِنْ يَدْعُهُ إِلَّا إِنْتَ وَإِنْ يَدْعُهُ عُونَ إِلَّا شَيْطَنًا مَّرِيدًا﴾
(النساء ۲۷)

(۳) یعنی دنیا میں تم یہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے، تمہاری سفارش کریں گے اور
اللہ کے عذاب سے تمہیں نجات دلوائیں گے۔ جیسے آج بھی پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا حال ہے لیکن، آج دیکھ لو کہ یہ
لوگ کسی بات پر قادر نہیں۔

(۴) خالموں سے مراد، غیر اللہ کے پیاری ہیں، کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور مشرکین سب سے بڑے ظالم۔

(۵) شخص سے مراد، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باپ وادا کا دین، ان کے نزدیک صحیح تھا، اس لیے انہوں نے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کا ”جرم“ یہ بیان کیا کہ یہ تمہیں ان معبدوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے آبا عبادت کرتے رہے۔

(اس کے سوا کوئی بات نہیں)، اور کہتے ہیں کہ یہ تو گھڑا ہوا جھوٹ ہے^(۱) اور حق ان کے پاس آچکا پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔^(۲) (۲۳)

اور ان (مکہ والوں) کونہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا آیا۔^(۳) (۲۴)

اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری بالتوں کو جھٹلایا تھا اور انہیں ہم نے جو دے رکھا تھا یہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچ، پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، (پھر دیکھ کر) میرا عذاب کیسا (خت) تھا۔^(۴) (۲۵)

کہہ دیجئے؟ کہ میں تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے (ضد چھوڑ کر) دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سی، تمہارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں،^(۵) وہ تو تمہیں ایک بڑے (خت)

إِلَّا إِنَّكُمْ مُفْتَرُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَاءَهُمْ لِمَنْ هُنَّا لِلْأَسْفَرُ مُبْشِّرُونَ ۝

وَمَا أَنِيبَنُهُمْ مِنْ كُلِّبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ
مِنْ نَذِيرٍ ۝

وَكَذَبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَبِالْغَوَّامُعَثَّلَ مَا أَنِيبُهُمْ
فَلَدُّنُوَارُسُلِنَ فَدَيْنَ كَانَ نَكِيرٍ ۝

قُلْ إِنَّمَا أَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مُنْتَهٍ
وَفُرَادَى شَعْرَ تَنَعَّلُكُو اسْمَاءِ صَاحِبِكُمْ مِنْ جِهَةٍ
إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝

(۱) اس دوسرے ہذا سے مراد قرآن کریم ہے، اسے انہوں نے تراشا ہوا بہتان یا گھڑا ہوا جھوٹ قرار دیا۔

(۲) قرآن کو پہلے گھڑا ہوا جھوٹ کما اور یہاں کھلا جادو۔ پہلے کا تعلق قرآن کے مفہوم و مطالب سے ہے اور دوسرے کا تعلق قرآن کے محضانہ لظم و اسلوب اور اعجاز و بلاغت سے۔ (فتح القدر)

(۳) اس لیے وہ آرزو کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کوئی پیغمبر آئے اور کوئی صحیفہ آسمانی نازل ہو۔ لیکن جب یہ چیزیں آئیں تو انکار کر دیا۔

(۴) یہ کفار مکہ کو جنہیں کی جا رہی ہے کہ تم نے ہمذیب و انکار کا جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ نہایت خطرناک ہے۔ تم سے پچھلی امتیں بھی، اس راستے پر چل کر تباہ و بر باد ہو چکی ہیں۔ حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمروں کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تمہیں، تم تو ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں۔ اسی مضمون کو سورہ احقاف کی آیت ۲۶ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

(۵) یعنی میں تمہیں تمہارے موجودہ طرز عمل سے ڈراتا اور ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم ضد، اور انہیں چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے ایک دو دو ہو کر میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمہارے اندر گزری ہے اور

عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے۔^(۱) (۳۶)

کہہ دیجئے! کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمہارے لیے ہے^(۲) میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے۔ (۳۷)

کہہ دیجئے! کہ میرا رب حق (پھی وحی) نازل فرماتا ہے وہ ہر غیب کا جانے والا ہے۔ (۳۸)

کہہ دیجئے! کہ حق آچکا باطل نہ تو پہلے کچھ کر سکا ہے اور نہ کر سکے گا۔^(۳۹) (۳۹)

قُلْ مَا أَنَا بِكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرٍ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ^(۴)

قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَعْلَمُ فِي الْحَقِّ عَلَّمَ الرَّفِيقَوْ^(۵)

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يَبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعْصِدُ^(۶)

اب بھی جود عوت میں تمہیں دے رہا ہوں کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے؟ تم اگر عصیت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے۔

(۱) یعنی وہ تو صرف تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہے تاکہ تم اس عذاب شدید سے نجاح جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی وجہ سے تمہیں بھگتا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا ”یا صباہا“ جسے سن کر قریش جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا ”تلاو“، اگر میں تمہیں خبروں کہ دشمن صحیح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟“ انہوں نے کہا ”کیوں نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو پھر سن لو کہ میں تمہیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں“ یہ سن کر ابو لمب نے کہا تباً لَكَ أَلَهْذَا جَمَعْتَنَا“ تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ جس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بَيْتُ يَدَائِنَ لَهُمْ نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ سبا)

(۲) اس میں اپنی بے غرضی اور دنیا کے مال و متع سے بے رغبتی کا مزید اظہار فرمادیا تاکہ ان کے دلوں میں اگر یہ شک و شبہ پیدا ہو کہ اس دعواۓ نبوت سے اس کا مقصد کہیں دنیا کمانا تو نہیں، تو وہ دور ہو جائے۔

(۳) قَذَفَ کے معنی، تیر اندازی اور خشت باری کے بھی ہیں اور کلام کرنے کے بھی۔ یہاں اس کے دو سرے معنی ہی ہیں یعنی وہ حق کے ساتھ گنتگو فرماتا، اپنے رسولوں پر وحی نازل فرماتا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے لیے حق واضح فرماتا ہے۔ جس طرح دو سرے مقام پر فرمایا ﴿يُلْقِي التُّرْوَةَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (المؤمنون: ۱۵) یعنی ”اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی سے نوازتا ہے۔“

(۴) حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے۔ مطلب ہے اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن

کہہ دیجئے کہ اگر میں بہک جاؤں تو میرے بہکنے (کاوبال) مجھ پر ہی ہے اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو بہ سب اس وحی کے جو میرا پروردگار مجھے کرتا^(۱) ہے وہ بڑا ہی سننے والا اور بست ہی قریب ہے۔^(۲) (۵۰)

اور اگر آپ (وہ وقت) ملاحظہ کریں جبکہ یہ کفار گھبرائے پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہو گی^(۳) اور قریب کی جگہ سے گرفتار کر لیے جائیں گے۔ (۵۱)
اس وقت کیسی گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے (مطلوبہ چیز) کیسے ہاتھ^(۴) آکتی ہے۔ (۵۲)

فُلْ إِنْ ضَلَّلْتُ فَإِنَّمَا أَضَلُّ عَلَى نَفْسِيٌّ وَإِنْ أَهْتَدَيْتُ فَمَا لَعْنِيٌّ إِلَّا رَبِّيْنَ إِنَّهُ سَيِّئُّ قَرِيبٌ^(۵)

وَكُوْتَرَى إِذْ فَرَّعُوا فَلَفَوْتُ وَأَخْدُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٌ^(۶)

وَقَالُوا أَمْسَاكِيهِ وَأَثْلَى لَهُمُ التَّنَاؤشُ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٌ^(۷)

آگیا ہے، جس سے باطل مضمحل اور ختم ہو گیا ہے، اب وہ سراخنانے کے قابل نہیں رہا، جس طرح فرمایا ﴿بَلْ تَقْنِي
بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَقُولُ مَغْفِلٌ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (سورہ الانبیاء: ۱۸-۱۹) حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا، نبی ﷺ غانہ کعبہ میں داخل ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور یہ آیت اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَنَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری،
کتاب الجناد، باب إِزَالَةِ الْأَصْنَامِ مِنْ حَوْلِ الْكَعْبَةِ)

(۱) یعنی بھلائی سب اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق بتیں نازل فرمایا ہے، اس میں رشد و ہدایت ہے، صحیح راست لوگوں کو اسی سے ملتا ہے۔ پس جو گمراہ ہوتا ہے، تو اس میں انسان کی اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کاوبال بھی اسی پر ہو گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے، «أَفَوْلُ فِينَهَا بِرَأْيِي؟ فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فِيمَنَ اللَّهُ، وَإِنْ يَكُنْ خَطَاً فِيمَنِي
وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ بَرِيتَانِ مِنْهُ» (ابن کثیر)

(۲) جس طرح حدیث میں فرمایا ﴿إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا مُجِيبًا﴾ (بخاری،
کتاب الدعاء، باب الدعاء إِذَا عَلَّاقَبَهُ) تم بھری اور غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا، قریب اور قبول کرنے والا ہے۔

(۳) فَلَا فَوْتَ کیسی بھاگ نہیں سکیں گے؟ کیونکہ وہ اللہ کی گرفت میں ہوں گے، یہ میدان محشر کا بیان ہے۔

(۴) تَنَاؤشُ کے معنی تناول یعنی پکڑنے کے ہیں اب آخرت میں انہیں ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اس سے گریز کرتے رہے گویا آخرت ایمان کے لیے، دنیا کے مقابلے میں دور کی جگہ ہے، جس طرح دور سے

اس سے پہلے تو انہوں نے اس سے کفر کیا تھا، اور دور دراز سے بن دیکھے ہی چھینتے رہے۔^(۱) (۵۳)

ان کی چاہتوں اور ان کے درمیان پردہ حائل کرو دیا گیا^(۲) جیسے کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا،^(۳) وہ بھی (انہی کی طرح) شک و تردید میں (پڑے ہوئے) تھے۔^(۴) (۵۳)

سورہ فاطر کی ہے اور اس میں پینتالیس آیتیں ہیں اور پانچ روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

اس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداء)^(۵) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا^(۶) اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قادس) بنانے

وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلٍ وَيَعْذِذُونَ بِالْغَيْبِ
مِنْ مَكَانٍ بَعْدِهَا^(۷)

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشَاءُونَ كَانُوا لِيَاشِئَةِ عِمَمٍ مِنْ قَبْلِ
إِنَّهُمْ كَانُوا لِيُشَاقِقُونَ^(۸)

سُورَةُ فَاطِر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمِلَكَاتِ رُسْلًا
أُولَئِنَّا أَجْعَجَّهُ مَنْتَهٰ وَتَلَثٰ وَرِيعٌ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ يَا يَا شَاهِنَّ اللَّهِ

کسی چیز کو کپڑنا ممکن نہیں، آخرت میں ایمان لانے کی گنجائش نہیں۔

(۱) یعنی اپنے گمان سے کہتے رہے کہ قیامت اور حساب کتاب نہیں۔ یا قرآن کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو، گھرا ہوا جھوٹ اور پسلوں کی کہانیاں ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو گر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے یا مجعون ہے۔ جب کہ کسی بات کی بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔

(۲) یعنی آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے، عذاب سے ان کی نجات ہو جائے، لیکن ان کے درمیان اور ان کی اس خواہش کے درمیان پردہ حائل کرو دیا یعنی اس خواہش کو رد کرو دیا جائے گا۔

(۳) یعنی پچھلی امتیوں کا ایمان بھی اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب وہ عذاب کے معاملے کے بعد ایمان لا سکیں۔

(۴) اس لیے اب معاملہ عذاب کے بعد ان کا ایمان بھی کس طرح قبول ہو سکتا ہے؟ حضرت قاتدہ فرماتے ہیں ”ریب و شک سے بچو، جو شک کی حالت میں فوت ہو گا، اسی حالت میں اٹھے گا اور جو یقین پر مرے گا، قیامت والے دن یقین پر ہی اٹھے گا۔“ (ابن کثیر)

(۵) فاطر کے معنی ہیں مخترع، پہلے پہل ایجاد کرنے والا، یہ اشارہ ہے اللہ کی قدرت کی طرف کہ اس نے آسمان و زمین پہلے پہل بغیر نمونے کے بنائے، تو اس کے لیے دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا کون سا مشکل ہے؟

عَلَىٰ كُلِّ شَئِيْقَدِيرٌ ۝

وَالاٰهُ هُوَ^(۱) مُخْلوقٌ مِّنْ جُوْهَرٍ
تَعَالَى يَقِيْنًا هُرْجِيزَرْ قَادِرٌ هُوَ^(۲)

اللَّهُ تَعَالَى جُوْرِحَمَتْ لَوْگُوْنَ کَلِیْہِ کُھُولَ دے سواں کَا
کوئی بَندَ کرْنَے والا نَسِیْسَ اور جِسَ کو بَندَ کرْدَے سواں
کے بعد اس کا کوئی جَارِی کرْنَے والا نَسِیْسَ^(۳) اور وہی
غَالِب حَكْمَتْ والا ہے۔^(۴)

لَوْگُوْ! تم پر جو انعام اللَّه تَعَالَى نے کیے ہیں انَسِیْسَ یاد کرو۔ کیا
اللَّه کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمَسِیْسَ آسماں و
زمِین سے روزی پہنچائے؟ اس کے سوا کوئی معبد نَسِیْسَ۔
پس تم کِمَالِ ائِلَیْهِ جاتے ہو؟^(۵)

اور اگر یہ آپ کو جھَلَلَمَیں تو آپ سے پہلے کے تمام
رسول بھی جھَلَلَے جا پکے ہیں۔ تمام کام اللَّه ہی کی طرف
لوٹائے جاتے ہیں۔^(۶)

سَايْقَنَعَ اللَّهُ لِلثَّالِسِ مِنْ رَجْهَةِ فَلَامِسِكَ لَهَا وَسَامِسِكَ
فَلَامُوسِلَ لَهَا مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا إِنْعَمَتِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هُنْ مِنْ خَالِقِ عَوْلَادِهِ
بَرْزَقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَإِلَهٌ إِلَّا هُوَ فَإِنَّ تُؤْتُمُونَ ۝

فَلَمْ يَكُنْدُوكَ هَذَهْ كَذِبَتْ رُسْلُمْ قِنْ كِيلَكَ تَوَالِي اللَّهُ شُرْجَمْ
الْأَمْوَرُ ۝

(۱) مراد جبراًئِيل، میکائِيل، اسرافیل اور عزرائِيل فرشتے ہیں جن کو اللَّه تَعَالَى انبیاء کی طرف یا مختلف مسمات پر قاصد بنانے
بھیجا ہے۔ ان میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں، جن کے ذریعے سے وہ زمِین پر آتے اور زمِین
سے آسمان پر جاتے ہیں۔

(۲) یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں، جیسے حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللَّه علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے
معراج کی رات جبراًئِيل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا، اس کے چھ سو پر تھے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ
النجم، باب فکان قاب قوسین اور ادنی) بعض نے اس کو عام رکھا ہے، جس میں آنکھ، چہرہ، ناک اور منہ ہرچیز کا
حس داخل ہے۔

(۳) ان ہی نعمتوں میں سے ارسال رسول اور ازال کتب بھی ہے۔ یعنی ہرچیز کا دینے والا بھی وہی ہے، اور واپس لینے یا
روک لینے والا بھی وہی۔ اس کے سوانح کوئی معنی اور مضمون ہے اور نہ مانع و قابض۔ جس طرح نبی صلی اللَّه علیہ وسلم فرمایا
کرتے تھے۔ «اللَّهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَغْطَيْتَ وَلَا مَعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ»۔

(۴) یعنی اس بیان ووضاحت کے بعد بھی تم غیر اللَّه کی عبادت کرتے ہو؟ تُؤْفَكُونَ اگر اُنْفَکَ سے ہو تو معنی ہوں گے
پھرنا، تم کِمَال پھرے جاتے ہو؟ اور اگر إِنْفَکَ سے ہو تو معنی ہیں جھوٹ، جوچ سے پھرنے کا نام ہے۔ مطلب ہے کہ
تمہارے اندر توحید اور آخرت کا انکار کِمَال سے آگیا، جب کہ تم مانتے ہو کہ تمہارا خالق اور رازق اللَّه ہے۔ (فتح القدير)

(۵) اس میں نبی صلی اللَّه علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ مُصْبَحَیْمَ کو جھَلَکَرِیے کِمَال جائیں گے؟ بالآخر تمام معاملات کا فصلہ

لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے^(۱) تمہیں زندگانی دنیا
دھوکے میں نہ ڈالے،^(۲) اور نہ دھوکے باز شیطان
تمہیں غفلت میں ڈالے۔^(۳)^(۴)^(۵)

یاد رکھو! شیطان تمہارا دشمن ہے، تم اسے دشمن
جانو^(۶) وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے ہی بلاتا ہے کہ
وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔^(۷)

جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے سخت سزا ہے اور جو لوگ
ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے بخشش ہے
اور (بست) برا اجر ہے۔^(۸)

کیا پس وہ شخص جس کے لیے اس کے برے اعمال مزین
کر دیئے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا^(۹) ہے (کیا وہ

يَا يَعِيشُ النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَعْرِضُنَّكُمُ الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا وَلَا يَعْرِضُنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَمْ يَمْعَذِّلْ فَإِنْجِذَّهُ عَدُوُّ الْأَنْسَابِ مُغْوا حَزَبَةً لِيَكُونُوا
مِنْ أَصْحَابِ الشَّيْطَنِ ۝

الَّذِينَ كَفَرُوا هُوَ عَذَابُ شَدِيدٍ وَالَّذِينَ امْتَوَّرُوا حَمَلُوا
الصِّلْحَاتِ لَمْ تَمْغَفِرَةً وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

أَفَعُنْ رُبِّنَ لَهُ سُوءُ عِلْمٍ فَرَاهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ

تو ہمیں ہی کرتا ہے۔ جس طرح چھپلی اموں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹالیا، تو انہیں سوائے بربادی کے کیا ملا؟ اس لیے یہ بھی
اگر بازنہ آئے، تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔

(۱) کہ قیامت بپاہوگی اور نیک و بد کو ان کے علموں کی جزا و سزا دی جائے گی۔

(۲) یعنی آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے
لیے تیار کر رکھی ہیں۔ پس اس دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائیگی راحتوں کو نظر اندازنا کرو۔

(۳) یعنی اس کے داؤ اور فریب سے نفع کر رہو، اس لیے کہ وہ بست دھوکے باز ہے اور اس کا مقصد ہی تمہیں دھوکے
میں جلا کر کے اور رکھ کے جنت سے محروم کرتا ہے۔ یہ الفاظ سورہ لقمان۔ ۳۳ میں بھی گزر چکے ہیں۔

(۴) یعنی اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے دجل و فریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے
انسان کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ ﴿ أَفَتَخِدُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْ لِيَأْتِهِ مِنْ دُوْنِي وَلَمْ يَمْلِمْ
عَدُوُّ بِيَقْنُتٍ لِلظَّلَّمِيْنَ بَدَلًا ۝﴾ (الکھف۔ ۵۰) کیا تم اس شیطان اور اس کی ذریت کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست بناتے
ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے برابر لہ ہے۔

(۵) یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقالات کی طرح ایمان کے ساتھ، عمل صالح کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا
ہے تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ بر تیں کہ مغفرت اور اجر کیمیر کا وعدہ اس ایمان پر ہی ہے جس
کے ساتھ عمل صالح ہو گا۔

(۶) جس طرح کفار و فجار ہیں، وہ کفر و شرک اور فتن و فجور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ پس ایسا

ہدایت یافتہ شخص جیسا ہے،) (یقین مانو) کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے۔^(۱)

پس آپ کو ان پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہیے،^(۲) یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے۔^(۳) (۸)

اور اللہ ہی ہوا میں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے۔^(۴) (۹)

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے،^(۵) تمام تر تحریر کلمات اسی کی طرف چڑھتے

وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذَهَّبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَرَبٌ إِنَّ
اللَّهَ عَلَيْهِ الْحِلْمُ وَمَا يَصْنَعُونَ ۝

وَإِنَّهُمْ الَّذِينَ أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتَبَرُّ سَاحَابَةَ قَصْنَةٍ إِلَى بَلَدِيَّتِي
فَأَجْعَبَنَا إِلَيْهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذِيلَكَ النَّسُورُ ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلَلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلْمَ الظَّلِيلُ

شخص، جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اس کے بچاؤ کے لیے آپ کے پاس کوئی حلہ ہے؟ یا یہ اس شخص کے برابر ہے جسے اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے؟ جواب نفی میں ہی ہے، نہیں یقیناً نہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی رو سے اپنی سنت کے مطابق اس کو گمراہ کرتا ہے جو مسلسل اپنے کرتوتوں سے اپنے کو اس کا مستحق ٹھرا چلتا ہے اور ہدایت اپنے فضل و کرم سے اسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔

(۲) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت پر اور علم تام پر بنی ہے، اس لیے کسی کی گمراہی پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیں۔

(۳) یعنی اس سے ان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ معاملہ ایک علیم و خیر اور ایک حکیم کی طرح کا ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح کا نہیں ہے جو اپنے اختیارات کا اہل ہی استعمال کرتے ہیں، کبھی سلام کرنے سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی دشام پر ہی خلuttoں سے نوازدیتے ہیں۔

(۴) یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقے سے قیامت والے دن تمام مردہ انسانوں کو بھی ہم زندہ کر دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف ریڑھ کی بڑی کا ایک چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہوگی۔“ - «كُلُّ جَسَدِ ابْنِ آدَمَ يَبْلَى، إِلَّا عَجَبُ الدِّنَبِ، مِنْهُ خُلُقَ، وَمِنْهُ يُرَكَبُ» (البخاری، تفسیر سورہ عم، مسلم، کتاب الفتن، باب مابین النفحین)

(۵) یعنی جو چاہتا ہے کہ اسے دنیا اور آخرت میں عزت ملے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اسے یہ مقصود حاصل

ہیں^(۱) اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے،^(۲) جو لوگ برا یوں کے داؤں گھات میں لگے رہتے ہیں^(۳) ان کے لیے سخت تر عذاب ہے، اور ان کا یہ کمر باد ہو جائے گا۔^(۴)
^(۵)

لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے،^(۶) پھر تمہیں جوڑے جوڑے (مرد و عورت) بنادیا ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم سے ہی ہے،^(۷) اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ رَفِيعٌۖ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ
لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَنْزَلٌ لَهُمْ يَنْهَا^(۸)

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضُعُ لِأَبْعِلْهُۖ وَمَا يَعْمَرُ مِنْ مُعْتَدِرٍ
وَلَا يُنْفَصَمُ مِنْ غَيْرِهِ إِلَّا فِي كِتْبَنَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ^(۹)

ہو جائے گا۔ اس لیے کہ دنیا و آخرت کا مالک اللہ ہی ہے، ساری عزمیں اسی کے پاس ہیں وہ جس کو عزت دے، وہی عزیز ہو گا، جس کو وہ ذلیل کر دے، اسے دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿الَّذِينَ يَخْدُدُونَ الْكُفَّارَ إِذْ لَيَأْتُهُمْ مُؤْمِنُونَ دُونَهُمْ يَعْنُونَ عِنْهُمُ الْعِزَّةُ قَاتَ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَوِيعُهُ﴾۔ (النساء۔ ۱۳۹)

(۱) الْكَلْمُ، کلمہ کی جمع ہے، سترے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نهى عن المنکر ہے۔ چڑھتے ہیں کام مطلب، قبول کرنا ہے۔ یا فرشتوں کا نہیں لے کر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزا دے۔

(۲) يَرْفَعُهُ میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کہتے الْكَلْمُ الطَّبِيبُ ہے۔ یعنی عمل صالح کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے۔ یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح یعنی احکام و فرائض کی ادائیگی بھی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں يَرْفَعُهُ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجح ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس کا مرٹکب فی الواقع اللہ کی تسبیح و تحمید میں مخلص ہے (فتح القدیر) گویا قول، عمل کے بغیر اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔

(۳) خفیہ طریقے سے کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو مکر کہتے ہیں کفر و شرک کا ارتکاب بھی مکر ہے کہ اس طرح اللہ کے راستہ کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتل وغیرہ کی جو سازشیں کفار مکہ کرتے رہے، وہ بھی مکر ہے، ریا کاری بھی مکر ہے۔ یہاں یہ لفظ عام ہے، مکر کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

(۴) یعنی ان کا مکر بھی بیدار ہو گا اور اس کا وباں بھی انہی پر پڑے گا جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے فرمایا۔ ﴿وَلَا يَجِدُونَ الْمَكْرَ الْتَّيْ أَلَا يَأْهُلُهُ﴾۔ (فاطر۔ ۳۳)۔

(۵) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر اس کے بعد تمہاری نسل کو قائم رکھنے کے لیے انسان کی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا، جو مرد کی پشت سے نکل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے۔

(۶) یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، حتیٰ کہ زمین پر گرنے والے پتے کو اور زمین کی تاریکیوں میں نشوونما پانے والے

اور جس کسی کی عمر گئے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے۔^(۱) اللہ تعالیٰ پر یہ بات بالکل آسان ہے۔^(۲)

اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا پینے میں خوٹکوار اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا، تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکلتے ہو جنہیں تم پہنچتے ہو۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے^(۳) والی ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم اس کا شکر کرو۔^(۴)

وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اسی نے کام میں لگادیا ہے۔ ہر ایک میعاد معین پر چل رہا ہے۔ یہی ہے اللہ^(۵) تم سب کا پالنے والا اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کبھور کی گھٹلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔^(۶)

وَمَا يَنْتَوِي الْجَرْنَى فَهَذَا عَذَابٌ فُرَاتٌ سَلَمٌ شَرَابٌ
وَهَذَا مِلْهُ أَجَاجٌ وَمَنْ كُلَّ تَأْكُلُونَ لَعْنَاطِرٌ يَا وَتَنَّ حَرْجُونَ
حَلْيَةٌ تَلْبِسُهُمَا وَتَرَى الْفُلُكَ فِيهِ مَوَاحِدٌ تَجْتَعُوا مِنْ
نَفْصِلِهِ وَلَكَلَّهُ تَشَكُّلُونَ ^(۷)

يُولَجُ الْأَيْلَى فِي التَّهَارِ وَيُولَجُ الْهَارِ فِي الْأَيْلَى وَسَخَرَ الْقَمَسَ
وَالْقَمَرُ كُلُّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمَّىٰ فَلَكُلُّ اللَّهُ رَبُّكُلُّهُ الْمَلَكُ
وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَنْلَكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ^(۸)

نج کو بھی وہ جانتا ہے۔ (الائعام-۵۹)

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقدیر (کم ہونا) اللہ کی تقدیر و تقاضے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں جس سے عمر بیسی یا چھوٹی ہوتی ہے، طوالت کے اسباب میں صلة رحمی وغیرہ ہے، جیسا کہ احادیث میں ہے اور تقدیر کے اسباب میں کثرت سے معاصی کا ارتکاب ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی عمر ۷۰ سال ہے لیکن کبھی اسباب زیادت کی وجہ سے اللہ اس میں اضافہ فرمادیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کر دیتا ہے جب وہ اسباب نقصان اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی ﴿فَلَا جَاءَ أَجَلُهُ لَا يَسْتَأْخُرُونَ سَاعَةً وَلَا يَنْتَهُمُونَ﴾ کے منافی نہیں ہے۔ اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے ﴿يَنْحُوا اللَّهُمَّ إِنَّا وَيُشْتَهِيْنَا أَمْرًا لَكَبِيْرًا﴾ (سورہ الرعد-۳۹) ”جو چاہتا ہے، مٹتا اور ثابت کرتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔“ (فتح القدير)

(۲) موافق، وہ کشیاں جو آتے جاتے پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں، آیت میں بیان کردہ دوسری چیزوں کی وضاحت سورہ الفرقان میں گزر چکی ہے۔

(۳) یعنی مذکورہ تمام افعال کا فاعل ہے۔

(۴) یعنی اتنی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں، نہ اسے پیدا کرنے پر ہی قادر ہیں۔ قطبیزی اس جھلی کو کہتے ہیں جو کبھور اور

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں^(۱) اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے،^(۲) بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔^(۳) آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔^(۴) (۱۳)

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو^(۵) اور اللہ بے نیاز^(۶) خوبیوں والا ہے۔^(۷) (۱۵)

اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے۔^(۸) (۱۶)

اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔^(۹) (۱۷)

إِنْ تَدْعُهُمْ لَا يَسْمَعُونَ إِذَا كُرِّأَتْ لِيْسُوا مَا أَسْتَجَابُوا
لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ يَشْرِكُونَ كُلُّهُمْ وَلَا يَنْبَغِي
مِثْلُ حَمِيرٍ^(۱۰)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا تَنْهَاكُمُ الْفَقَرَاءُ إِذَا أَلَّمَ اللَّهُ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ
عَنِ الْحَمِيدِ^(۱۱)

إِنْ يَشَايِدُهُ كُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ^(۱۲)

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعِزِيزٍ^(۱۳)

اس کی گھٹلی کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ پلاس اچھلکا گھٹلی پر لفانے کی طرح چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

(۱) یعنی اگر تم انہیں مصائب میں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں، کیونکہ وہ جماوات ہیں یا منوں مٹی کے نیچے مدفن۔

(۲) یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو یہ فائدہ، اس لیے کہ وہ تمہاری التجاویں کے مطابق تمہارا کام نہیں کر سکتے۔

(۳) اور کہیں گے ﴿ مَا لَنْتَهُ لِيَا نَا تَعْبُدُ دُنْ ﴾ (یونس-۲۸) ”تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے“۔ ﴿ إِنْ كُلَّ أَعْنَنْ عَبَادَتَكُمْ لَغْفِيلَنَ ﴾ (یونس-۲۹) ”ہم تو تمہاری عبادت سے بے خبر تھے“۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ سب پتھر کی مورتیاں ہی نہیں ہوں گی، بلکہ ان میں عاقل (ملائک، جن، شیاطین اور صالحین) بھی ہوں گے۔ تب ہی تو یہ انکار کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی حاجت براری کے لیے پکارنا شرک ہے۔

(۴) اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی کہہ اور حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے جس میں ان پکارے جانے والوں کی بے اختیاری، پکار کونہ سننا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔

(۵) ناکش کا لفظ عام ہے جس میں عوام و خواص، حتیٰ کہ انبیاء علیهم السلام و صلحاء آجاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی محتاج ہیں۔ لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۶) وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور سب اس کے اطاعت گزار بن جائیں، تو اس سے اس کی قوت میں زیادتی نہیں ہوگی۔ بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

(۷) یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے۔ پس ہرنہت، جو اس نے بندوں پر کی ہے، اس پر وہ حمد و شکر کا مستحق ہے۔

(۸) یہ بھی اس کی شان بے نیازی ہی کی ایک مثال ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کے گھاث اتار کے تمہاری جگہ ایک

کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرا کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،^(۱) اگر کوئی گراں بار دوسرا کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا کو قربات دار ہی ہو۔^(۲) تو صرف انہی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں^(۳) اور جو بھی پاک ہو جائے وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہو گا۔^(۴) لوث اللہ ہی کی طرف ہے۔^(۱۸)

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔^(۱۹)

اور نہ تاریکی اور روشنی۔^(۲۰)

اور نہ چھاؤں اور نہ دھوپ۔^(۲۱)

وَلَا تَنْزِرُوا زَرَّةً وَلَا خَرَّىٰ وَلَا نَدْعُ مُشْقَلَةً إِلَى جِنِّلَمَا لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَقِّٰ وَلَا كَانَ ذَا قُرْبَىٰ إِنْتَهَىٰ تَنْزِيرُ الَّذِينَ يَخْشُونَ رَبَّهُمْ بِالغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَمَنْ شَرَكَ فِي إِنْتَهَىٰ تَنْزِيرٍ لِنَفْسِهِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ^(۲۲)

وَمَا يَشَوِي الْأَعْنَىٰ وَالْبَصِيرُ^(۲۳)

وَلَا الظُّلْمَىٰ وَلَا اللُّؤْرُ^(۲۴)

وَلَا الْقَلْلُ وَلَا الْحَرُورُ^(۲۵)

نی تخلوق پیدا کر دے، جو اس کی اطاعت گزار ہو، اس کی نافرمان نہیں یا یہ مطلب ہے کہ ایک نی تخلوق اور نیا عالم پیدا کر دے جس سے تم نا آشنا ہو۔

(۱) ہاں جس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہو گا، وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا، جیسا کہ آیت ﴿ وَيَعْجِلُنَّ أَنْقَالَهُمْ وَأَنْقَالَ الْأَمَمَ أَنْقَالَهُمْ ﴾ (العنکبوت-۲۲) اور حدیث من سنّ سنتہ سینۃ کان علیہ وِزُرُّهَا وِزُرُّ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ (صحیح مسلم 'کتاب الزکوٰۃ' باب الحث علی الصدقۃ...) سے واضح ہے لیکن یہ دوسروں کا بوجھ بھی در حقیقت ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے ان دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔

(۲) مشقہ، آئی: نَفْسٌ مُشْقَلَةٌ ایسا شخص جو گناہوں کے بوجھ سے لدا ہو گا، وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے رشتے دار کو بھی بلائے گا تو وہ آمادہ نہیں ہو گا۔

(۳) یعنی تیرے انذار و تبلیغ کا فائدہ انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے گویا تو انہی کو ڈرata ہے، ان کو نہیں جن کو انذار سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرا مقام پر فرمایا، ﴿ إِنَّا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَنْ يَقْتَلُهَا ﴾ (النازعات-۵۵) اور ﴿ إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الدِّرْكَ وَخَسِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ ﴾ —(بین-۱۰۰)

(۴) تَطْهِيرٌ اور تَزْكِيَّةٌ کے معنی ہیں شرک اور فوایش کی آلودگیوں سے پاک ہونا۔

(۵) اندھے سے مراد کافر اور آنکھوں والا سے مومن، اندریوں سے باطل اور روشنی سے حق مراد ہے۔ باطل کی بے شمار انواع ہیں، اس لیے اس کے لیے جمع کا اور حق چونکہ متعدد نہیں، ایک ہے، اس لیے اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔

(۶) یہ ثواب و عقاب یا جنت و دوزخ کی تمثیل ہے۔

اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے،^(۱) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے،^(۲) اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔^(۳)

آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔^(۴)

ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔^(۵)

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر مجھے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔^(۶)

پھر میں نے ان کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔^(۷) کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے

وَمَا يَنْتَوِي الْحَيَاةُ وَلَا الْمَوْاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ
وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ رَفِيْقُ الْقُبُوْرِ^(۸)

إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ^(۹)

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنَّ مِنْ أُمَّةَ
إِلَّا خَلَقْنَاهَا نَذِيرًا^(۱۰)

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءُوهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَإِلَى الرُّثُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُبِينِ^(۱۱)

شَءْ أَخْدَثْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ يَكْبِرُ^(۱۲)
أَلْمَسْرَأَنَ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَنَا بِهِ

(۱) أحیاء سے مومن اور آموات سے کافر یا عالم اور جاہل یا عقل مند اور غیر عقل مند مراد ہیں۔

(۲) یعنی جسے اللہ ہدایت سے نواز نے والا ہوتا ہے اور جنت اس کے لیے مقدر ہوتی ہے، اسے جنت و دلیل سننے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

(۳) یعنی جس طرح قبروں میں مردہ اشخاص کو کوئی بات نہیں سنائی جاسکتی، اسی طرح جن کے دلوں کو کفر نے موت سے ہمکنار کر دیا ہے، اے پیغمبر ﷺ تو انہیں حق کی بات نہیں سناسکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مرنے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد مردہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح کافر و مشرک جن کی قسم میں بد بختی لکھی ہے، دعوت و تبلیغ سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا۔

(۴) یعنی آپ ﷺ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیارات ہیں۔

(۵) تاکہ کوئی قوم یہ نہ کہ سکے کہ ہمیں تو ایمان و کفر کا پتہ ہی نہیں، اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔ بنابریں اللہ نے ہرامت میں نبی بھیجا، جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿ قَلِيلُكُنْ قَوْمٌ هَادِيْهُ ﴾ (الرعد۔ ۷) ﴿ وَقَدْ بَعَثْنَا
فِيْكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا ﴾ الآیة (النحل۔ ۳۶)

(۶) یعنی کیسے سخت عذاب کے ساتھ میں نے ان کی گرفت کی اور انہیں تباہ و بر باد کر دیا۔

آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے^(۱) اور پھاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔^(۲) (۲۷)

اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوبیوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں،^(۳) اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں^(۴) واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔^(۵) (۲۸)

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں^(۶) اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں^(۷) اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے

شَرِيكٌ لَهُمَا وَمِنَ الْجَيْلِ جُدَدٌ بَيْضٌ
وَحُمُرٌ مُختَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ^(۸)

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآتِ وَالْأَعْامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ
كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْتَشِي إِلَهٌ مِنْ عِبَادِهِ الْعَلَمَوْا
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ عَفُورٌ^(۹)

إِنَّ الَّذِينَ يَتَلَوَّنُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَفْقَطُوا إِيمَانَهُمْ سِرَّاً وَعَلَانِيَةً يَقْرُجُونَ

(۱) یعنی جس طرح مومن اور کافر، صالح اور فاسد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مختلفات میں بھی نقاوت اور اختلاف ہے۔ مثلاً پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذاتِ لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔ حتیٰ کہ ایک ایک پھل کے بھی کئی کئی رنگ اور ذاتے ہیں جیسے کھجور ہے، انگور ہے، سیب ہے اور دیگر بعض پھل ہیں۔

(۲) اسی طرح پھاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف بُرگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ، جُدَدَهُ کی جمع ہے، راستہ یا لکیر، غَرَابِيبُ کی جمع اور سُود، آسُود (سیاہ) کی جمع ہے۔ جب سیاہ رنگ کے گہرے پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غریب کا الفاظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسود غریب، جس کے معنی ہوتے ہیں، بہت گرا سیاہ۔

(۳) یعنی انسان اور جانور بھی سفید، سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی اللہ کی ان قدرتوں اور اس کے کمال صنائی کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، اس علم سے مراد کتاب و سنت اور اسرار الیہ کا علم ہے اور جتنی انسیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں، گویا جن کے اندر خیثتِ اللہ نہیں ہے، سمجھ لو کہ علم صحیح سے بھی وہ محروم ہیں سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ علامی کی تین قسمیں ہیں۔ عالم بالله اور عالم با مرالله، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ دو سرا صرف عالم بالله، جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض سے بے علم ہے۔ تیسرا، صرف عالم با مرالله، جو حدود و فرائض سے باخبر ہے لیکن خیثتِ اللہ سے عاری ہے (ابن کثیر)

(۵) یہ رب سے ڈرنے کی عملت ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرمادے۔

(۶) کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے "تلاوت کرتے ہیں" یعنی پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۷) اقامت صلوٰۃ کا مطلب ہوتا ہے، نماز کی اس طرح ادائیگی جو مطلوب ہے، یعنی وقت کی پابندی، اغتسال ارکان اور

بِحَارَةٌ لَّنْ تَبُورَ ④

لِيُوْفِهِمُ اجْوَرُهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ
شَكُورٌ ⑤

اس میں سے پوشیدہ اور علائیہ خرج کرتے ہیں ^(۱) وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی۔ ^(۲۹) تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے ^(۳) پیش کرو جائے والا قدر دان ہے۔ ^(۳۰)

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وہی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک ^(۵) ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ ^(۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ ^(۷) ^(۳۱)

پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب ^(۸) کا وارث بنایا جن کو

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقاً
لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ ⑥

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادَنَا

خشوع و خضوع کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا۔

(۱) یعنی رات دن، علائیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت خرج کرتے ہیں، بعض کے نزدیک پوشیدہ سے نفلی صدقہ اور علائیہ سے صدقہ واجبه (زکوٰۃ) مراد ہے۔

(۲) یعنی ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے ہاں یقینی ہے، جس میں مندے اور کمی کا امکان نہیں۔

(۳) لِيُوْفِهِمْ، متعلق ہے۔ لَنْ تَبُورَ کے، یعنی یہ تجارت مندے سے اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالح پر پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یا پھر فعل محظوظ کے متعلق ہے کہ وہ یہ یک اعمال اس لیے کرتے ہیں یا اللہ نے انہیں ان کی طرف ہدایت کی تاکہ وہ انہیں اجر دے۔

(۴) یہ تؤفیقہ اور زیادت کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ خلوص دل سے وہ توبہ کریں، ان کے جذبہ اطاعت و عمل صالح کا قدر دان ہے، اسی لیے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے مزید بھی دے گا۔

(۵) یعنی جس پر تیرے لیے اور تیری امت کے لیے عمل کرنا ضروری ہے۔

(۶) تورات اور انجیل وغیرہ کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اس اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل کی تھیں، جب ہی تو دونوں ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

(۷) یہ اس کے علم و خبری کا نتیجہ ہے کہ اس نے نئی کتاب نازل فرمادی، کیونکہ وہ جانتا ہے، پچھلی کتابیں تحریف و تغیر کا شکار ہو گئی ہیں اور اب وہ ہدایت کے قابل نہیں رہی ہیں۔

(۸) کتاب سے قرآن اور پنے ہوئے بندوں سے مراد امت محمدیہ ہے۔ یعنی اس قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو

ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں^(۱) اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں^(۲) اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔^(۳) یہ برا فضل ہے۔^(۴)

وہ باغات میں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے سونے^(۵) کے کنکن اور موٹی پہنائے جاویں گے۔ اور پوشک ان کی وہاں ریشم کی ہوگی۔^(۶)

اور کہیں گے کہ اللہ کالا کھلا کھ شکر ہے جس نے ہم سے غم

فِيْهِمْ خَالِدُ لِنَفِيْهِ وَمِنْهُمْ مُّقْصِدُ وَمِنْهُمْ سَابِقُ
بِالْغَيْرِتِ يَا ذِنْ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْعَفْلُ الْكَبِيرُ^(۷)

جَنَّتُ عَدُنٍ يَدْ خُلُونَهَا يَحْلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَادِ رَمَنْ
ذَهَبٌ ذَلْوَلٌ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرَبٌ^(۸)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ إِنَّ رَبَّنَا

بنایا ہے جسے ہم نے دوسری امتوں کے مقابلے میں چن لیا اور اسے شرف و فضل سے نوازا۔ یہ تقریباً وہی مضموم ہے جو آیت ﴿وَنَذِلَكَ جَعَلْنَاكُمْ أَنَّهُ قَسْطًا لِتُؤْنَثُوا شَهَادَةَ عَلَى الشَّاهِسِ﴾ (البقرة: ۲۳۲) کا ہے۔

(۱) امت محمدیہ کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ یہ پہلی قسم ہے، جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بعض فرائض میں کوتاہی اور بعض محربات کا رہا کتاب کر لیتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو صفات کا رہا کتاب کرتے ہیں۔ انہیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس لیے کہا کہ وہ اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے کو اس اعلیٰ درجے سے محروم کر لیں گے جو باقی دو قسموں کو حاصل ہوں گے۔

(۲) یہ دوسری قسم ہے۔ یعنی ملے جلے عمل کرتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو فرائض کے پابند، محربات کے تارک توہین لیکن کبھی مستحبات کا تارک اور بعض محربات کا رہا کتاب بھی ان سے ہو جاتا ہے یا وہ ہیں جو نیک توہین لیکن پیش پیش نہیں ہیں۔

(۳) یہ وہ ہیں جو دین کے معاملے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں۔

(۴) یعنی کتاب کا اور ثرہ کا اور شرف و فضل میں ممتاز (مصطفی) کرنا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ جنت میں صرف سابقوں جائیں گے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا سیاق اس امر کا متقاضی ہے کہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سابقین بغیر حساب کتاب کے اور مقصدین آسان حساب کے بعد اور ظالمین شفاعت سے یا سزا بھگتے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ محمد بن حنفیہ کا قول ہے ”یہ امت مرحومہ ہے، ظالم یعنی گناہگار کی مغفرت ہو جائے گی، مقصد اللہ کے ہاں جنت میں ہو گا اور سابق بالذیرات درجات عالیہ پر فائز ہو گا۔ (ابن کثیر)

(۶) حدیث میں آتا ہے کہ ”ریشم اور دیباچ دنیا میں مت پہنو، اس لیے کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب اللباس)

لَغْفُورُ شَكُورُ ۲۷

دور کیا۔ پیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان
ہے۔ (۳۴)

جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا
اتا را جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہم کو کوئی
خیکھی پہنچے گی۔ (۳۵)

اور جو لوگ کافر ہیں انکے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو انکی
قضایی آئے گی کہ مری جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان
سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ (۳۶)

اور وہ لوگ اس میں چلا کیں گے کہ اے ہمارے
پروردگار! ہم کو نکال لے ہم اچھے کام کریں گے برخلاف
ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے،^(۱) (اللہ کے گا) کیا ہم نے
تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا^(۲) وہ سمجھ
سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا،^(۳) سو مزہ
چکھو کہ (ایسے) طالبوں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۳۷)

پیشک اللہ تعالیٰ جانے والا ہے آسمانوں اور زمین کی

إِنَّمَا أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَسْتَنَا فِيهَا
نَصْبٌ وَلَا مُسْتَنَا فِيهَا لَعْنَهُ ۚ ۲۸

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارٌ جَهَنَّمُ لَا يَقْضِي عَلَيْهِمْ فِيمَا تَوْلَوْا
وَلَا يُخْفَقُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابٍ إِبَاهَا الَّذِي لَكَ تَجْزِي
كُلُّ كَفُورٍ ۚ ۲۹

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا إِرْبَدًا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
غَيْرَ الَّذِي لَكُنَّا نَعْمَلْ ۖ أَوْ لَمْ نُعْلِمْ كُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ
مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ الَّذِينَ يُرِيدُونَ فَذَوْلُوًا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ
تَعْبِيرٍ ۚ ۳۰

إِنَّ اللَّهَ عَلِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ حَلِيمٌ بِذَادِ

(۱) یعنی غیروں کی بجائے تیری عبادت اور معصیت کی بجائے اطاعت کریں گے۔

(۲) اس سے مراد کتنی عمر ہے؟ مفسرین نے مختلف عمریں بیان کی ہیں۔ بعض نے بعض احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہ ۲۰ سال کی عمر مراد ہے۔ (ابن کثیر) لیکن ہمارے خیال میں عمر کی تعین صحیح نہیں، اس لیے کہ عمریں مختلف ہوتی ہیں، کوئی جوانی میں، کوئی کوولت میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے، پھر یہ ادوار بھی لمحہ گزر اس کی طرح مختصر نہیں ہوتے، بلکہ ہر دور خاصاً متمدد (المبا) ہوتا ہے۔ مثلاً جوانی کا دور، بلوغت سے کوولت تک اور کوولت کا دور شخونخت بڑھاپے تک اور بڑھاپے کا دور موت تک رہتا ہے۔ کسی کو سوچ بچار، نصیحت خیزی اور اثر پذیری کے لیے چند سال، کسی کو اس سے زیادہ اور کسی کو اس سے بھی زیادہ سال ملتے ہیں اور سب سے یہ سوال کرنا صحیح ہو گا کہ ہم نے تجھے اتنی عمر دی تھی کہ اگر تو حق کو سمجھنا چاہتا تو سمجھ سکتا تھا، پھر تو نے حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

(۳) اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یاد دہانی اور نصیحت کے لیے پیغمبر ﷺ اور اس کے منبر و محراب کے وارث عمل اور دعاۃ تیرے پاس آئے، لیکن تو نے اپنی عقل و فہم سے کام لیاں داعیان حق کی باتوں کی طرف دھیاں کیا۔

الصُّدُورِ ④

پوشیدہ چیزوں کا^(۱) بیشک وہی جانے والا ہے سینوں کی
باتوں کا۔^(۲) ^(۳۸)

وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا، سوجو شخص
کفر کرے گا اس کے کفر کا وہاں اسی پر پڑے گا۔ اور
کافروں کے لیے ان کا کفران کے پور و دگار کے نزدیک
ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے، اور کافروں کے لیے
ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے۔^(۳۹) ^(۴)

آپ کہیے! کہ تم اپنے قرارداد شریکوں کا حال توبلا و جن
کو تم اللہ کے سوا پوچھا کرتے ہو۔ یعنی مجھ کو یہ بتلاو کہ
انہوں نے زمین میں سے کون سا (جزو) بنایا ہے یا ان کا
آسمانوں میں کچھ سماجھا ہے یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی
ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں،^(۵) بلکہ یہ ظالم ایک
دوسرے سے نزے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے
ہیں۔^(۶) ^(۷)

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ
وَلَا يَزَدُ الْكَافِرُونَ كُفْرًا هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ أَمْنٌ وَلَا يَزَدُ
الْكَافِرُونَ كُفْرًا هُمْ أَلَاخْسَارٌ ۚ^(۸)

قُلْ أَرَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُولَتِ اللَّهِ
أَرْوَافِ مَا ذَاقُلَوْا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شُرُوفٌ فِي السَّمَاوَاتِ
أَمْ رَأَيْنَاهُمْ كَتْبًا فَهُمْ عَلَىٰ تِبْيَانِهِ بَلْ إِنْ يَعْدُ
الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورٌ ۚ^(۹)

(۱) یہاں یہ بیان کرنے سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ تم دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کر رہے ہو اور دعویٰ کر رہے ہو کہ اب
نافرمانی کی جگہ اطاعت اور شرک کی جگہ توحید اختیار کرو گے۔ لیکن ہمیں علم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تمہیں اگر دنیا میں
دوبارہ بھیج بھی دیا جائے تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿وَلَوْرَدُوا عَادُ وَالْمَّا
نُهُوَا عَنْهُ﴾ (الأنعام: ۲۸) ”اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔“

(۲) یہ پچھلی بات کی تعلیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم کیوں نہ ہو، جب کہ وہ سینوں کی
باتوں اور رازوں سے بھی واقف ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ کے ہاں کفر کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا، بلکہ اس سے اللہ کے غصب اور ناراضی میں بھی اضافہ ہو گا اور
انسان کے اپنے نفس کا خسارہ بھی زیادہ۔

(۴) یعنی ہم نے ان پر کوئی کتاب نازل کی ہو، جس میں یہ درج ہو کہ میرے بھی کچھ شریک ہیں جو آسمان و زمین کی
تخلیق میں حصے دار اور شریک ہیں۔

(۵) یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔ ان کے لیے

یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ مل نہ جائیں^(۱) اور اگر وہ مل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔^(۲) وہ حلیم غفور ہے۔^(۳) (۲۱)

اور ان کفار نے بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں۔^(۴) پھر جب ان

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَرْوَلَةً وَلَيْنَ
ذَلِكَ إِنَّ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ لَا يَكُونَ
حَلِيمًا عَفُورًا^(۵)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ وَجْهَهُ أَيْمَانَهُمْ لَيْنَ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ
لَيَكُونُنَّ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ

اور پیر کرتے تھے کہ یہ معبود انیں نفع پہنچائیں گے، انیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ باقی شیاطین مشرکین سے کہتے تھے۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جس کا اظہار وہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آئیں گے جس سے ان کو اپنے کفر بر جنمے رہنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

(۱) كَرَاهَةُ أَنْ تَرْوَلَةً لَنَلَّا تَرْوَلَةً يَہِ اللَّهُ تَعَالَیٰ کے کمال قدرت و صنعت کا بیان ہے۔ بعض نے کہا، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک کا اقتضا ہے کہ آسمان و زمین اپنی حالت پر برقرار نہ رہیں بلکہ ٹوٹ پھوٹ کاشکار ہو جائیں۔ جیسے آیت — ﴿لَمَّا كَانَ الدَّمْوَتُ يَنْقَطِرُونَ وَمِنْهُ وَتَشَقَّقُ الْأَرْضُ وَيَخْرُجُ الْجِبَانُ هَذَا﴾ (مریم۔ ۹۱-۹۰) کا مفہوم ہے۔

(۲) یعنی یہ اللہ کے کمال قدرت کے ساتھ اس کی کمال مریانی بھی ہے کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہے اور انیں اپنی جگہ سے ملنے اور ڈولنے نہیں دیتا ہے، ورنہ پلک جھکتے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ انیں تھامے نہ رکھے اور انیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان کو تھام لے إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ إِنْ تَافِيْهُ ہے۔ اللہ نے اپنے اس احسان اور نشانی کا تذکرہ دوسرے مقالات پر بھی فرمایا ہے مثلاً ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ أَنْ تَعْمَلَ الْأَرْضُ إِلَّا يَأْذِيْهَا﴾ (الحج۔ ۶۵) اور ﴿وَمَنْ إِلَيْهِ أَنْ تَثُومَ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ يَأْمُرُهُ﴾ (الروم۔ ۲۵) ”اسی نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے، مگر جب اس کا حکم ہو گا۔“ ”اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔“

(۳) اتنی قدر توں کے باوجود وہ طیم ہے۔ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کفر و شرک اور نافرمانی کر رہے ہیں، پھر بھی وہ ان کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا، بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور غفور بھی ہے، کوئی تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے، توبہ واستغفار و ندامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ معاف فرمادیتا ہے۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ بیان فرمرا ہے کہ بعثت محمدی سے قبل یہ مشرکین عرب فرسیں کھا کھا کر کتے تھے کہ اگر ہماری طرف کوئی رسول آیا، تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور اس پر ایمان لانے میں ایک مثالی کروارادا کریں گے۔ یہ مضمون دیگر مقالات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام، ۱۵۲-۱۵۷ اور الصافات، ۱۲۰-۱۲۷

كَمَّا ذَهَبَ الْأَنْوَارُ ۚ ۲۷

کے پاس ایک پیغمبر آپنے^(۱) تو بس ان کی نفرت ہی میں
اضافہ ہوا۔ (۳۲)

دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے^(۲) اور ان کی بربی
مدبیروں کی وجہ سے^(۳) اور بربی مدبیروں کا وباں ان مدبیر
والوں ہی پر پڑتا ہے^(۴) سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں
جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا^(۵) ہے۔ سو آپ اللہ کے
دستور کو کبھی بدلتا ہوانہ پائیں گے^(۶) اور آپ اللہ کے
دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوانہ پائیں گے۔ (۳۳)

اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے
بھالتے کہ جو لوگ ان سے پلے ہو گز رے ہیں ان کا
انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے
تھے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو ہرادے نہ
آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا، بڑی

إِسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرُ الشَّيْطَنِ وَلَا يَعْبُدُ الْمُكْرَرَ
الشَّيْطَنُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهُمْ يَنْظَرُونَ إِلَى أَسْنَتِ الْأَقْلَمِينَ
فَلَنْ تَعْجَدْ لِسُنْتِ اللَّهِ بِمَدِينَةِ وَلَنْ تَمَحَّدْ لِسُنْتِ
اللَّهِ بِمَجْوِيلَا ۚ ۲۸

أَوْلَمْ يَسِيرُ وَفِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُ وَأَكْيَفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ فُتُوحَةً وَمَا
كَانَ اللَّهُ لِيُعِزِّزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ
إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهِمَا قَدِيرًا ۚ ۲۹

(۱) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نبی بن کر آگئے جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے بجائے، انکار و مخالفت کا راستہ محض اعکبار اور سرکشی کی وجہ سے اختیار کیا۔

(۳) اور بربی مدبیر یعنی حیله، دھوکہ اور عمل فتح کی وجہ سے کیا۔

(۴) یعنی لوگ مکروحیلہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ بربی مدبیر کا انعام برائی ہوتا ہے اور اس کا وباں بالآخر مکروحیلہ کرنے والوں پر ہی پڑتا ہے۔

(۵) یعنی کیا یہ اپنے کفر و شرک، رسول ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کو ایذا میں پہنچانے پر مصروفہ کراس بات کے منتظر ہیں کہ انہیں بھی اس طرح ہلاک کیا جائے، جس طرح چھپلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں؟

(۶) بلکہ یہ اسی طرح جاری ہے اور ہر مکذب (حھلانے والے) کا مقدر ہلاکت ہے یا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب کو رحمت سے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

(۷) یعنی کوئی اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا یا اس کا رخ پھیرنے والا نہیں ہے یعنی جس قوم کو اللہ عذاب سے دوچار کرنا چاہے، کوئی اس کا رخ کسی اور قوم کی طرف پھیردے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مطلب اس سنت اللہ کی وضاحت سے مشرکین عرب کو ڈرانا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، وہ کفر و شرک چھوڑ کر ایمان لے آئیں، ورنہ وہ اس سنت الٰہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سوری اس کی زدیں آکر رہیں گے، کوئی اس قانون الٰہی کو بدلنے پر قادر ہے اور نہ عذاب الٰہی کو پھیرنے پر۔

قدرت والا ہے۔^(۳۴)

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دارو گیر فرمائے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا،^(۱) لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعادِ معین تک سملت دے^(۲) رہا ہے، سوجب ان کی وہ میعاد آپنے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔^(۳)^(۴)

سورہ نیشن کی ہے اور اس میں تراہی آئیں اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربان
نہایت رحم والا ہے۔

نیشن^(۴) (۱) قسم ہے قرآن باحکمت کی۔^(۵) (۲)

سُورَةُ نَبِيِّنَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یس ۱۰ ﴿ وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ ۚ ۷﴾

(۱) انسانوں کو توان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیتا، انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں، ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسہ منقطع فرمادیتا، جس سے زمین پر چلنے والے سب دابتہ مر جاتے۔

(۲) یہ میعادِ معین دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔

(۳) یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و اطاعت کو اجر و ثواب اور اہل کفر و معصیت کو عتاب و عقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعدہ۔

☆ سورہ یاسین کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن کامل ہے، اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو، وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الفیضیہ۔ حدیث نمبر ۱۶۹)

(۴) بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔ بعض نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسماء حسنی میں سے بتلایا ہے۔ لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔ یہ بھی ان حروف مقطعات میں سے ہی ہے۔ جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۵) یا قرآن مکمل کی، جو نظم و معنی کے لحاظ سے مکمل یعنی پختہ ہے۔ واو قسم کے لیے ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

إِنَّكَ لِمَنِ الْمُرْسَلِينَ ①

عَلَىٰ صَرْطٍ مُّسْتَقِيمٍ ②

تَذَرِّيْلُ الْعَزِيزِ الرَّحِيْمِ ③

لِتُنذِّرَ قَوْمًا مَا أَنذَرَ رَبًّا هُنْ فَهُمْ غَافِلُونَ ④

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ الْكَفِيرِ هُنْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑤

کے بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔^(۱) (۳)

سید ہے راستے پر ہیں۔^(۲) (۳)

یہ قرآن اللہ زبردست میریان کی طرف سے نازل کیا گیا
ہے۔^(۳) (۵)

تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرا میں جن کے باپ دادے نہیں
ڈرانے گئے تھے، سو (اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں۔^(۴) (۶)

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ
لوگ ایمان نہ لائیں گے۔^(۵) (۷)

(۱) مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک کرتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے اور
کہتے تھے، (الْكُفَّارُ مُسْلَمُونَ) (الرعد-۳۲) ”تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے۔“ اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا
کہ آپ ﷺ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کے شرف و فضل و اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی
رسول کی رسالت کے لئے قسم نہیں کھائی یہ بھی آپ ﷺ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ ﷺ کی رسالت کے اثبات کے لیے قسم کھائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) یہ إِنَّكَ کی دوسری خبر ہے۔ یعنی آپ ﷺ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پسلے گزر چکے ہیں۔ یا ایسے راستے پر ہیں
جو سیدھا اور مطلوب منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔

(۳) یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو عزیز ہے یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی محذیب کرنے والے سے
انتقام لینے پر قادر ہے رحیم ہے یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر ہے گا، اس کے لیے نمایت میریان ہے۔

(۴) یعنی آپ ﷺ کو رسول اس لیے بنایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ اس قوم کو ڈرا میں
جن میں آپ ﷺ سے پسلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔ یہ
مضمون پسلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پسلے براہ
راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جیسے ابو جمل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہونے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ”میں جنم کو جنوں اور انسانوں سے
بھروں گا۔“ (الم السجدة-۱۳) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا ”میں جنم کو تجھ سے اور تیرے پیر و کاروں
سے بھروں گا۔“ (ص-۸۳) یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جنم کا مستحق قرار دے لیا، کیونکہ اللہ نے تو
ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جنم کا ایندھن بن گئے۔ یہ نہیں کہ اللہ
نے جبراً ان کو ایمان سے محروم رکھا، کیونکہ جبکہ صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔

ہم نے انکی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، جس سے انکے سراپر کوالٹ گئے ہیں۔^(۸)

اور ہم نے ایک آڑان کے سامنے کر دی اور ایک آڑان کے پیچھے کر دی،^(۹) جس سے ہم نے ان کوڑھاں کر دیا^(۱۰) سو وہ نہیں دیکھ سکتے۔^(۱۱)

اور آپ ان کوڑ رائیں یا نہ ڈرائیں دنوں برابر ہیں، یہ ایمان نہیں لائیں گے۔^(۱۲)

بس آپ تو صرف ایسے شخص کوڑ رکھتے ہیں^(۱۳) جو نصیحت پر چلے اور رحمن سے بے دیکھے ڈرے، سو آپ اس کو مغفرت اور باو قارا جر کی خوش خبریاں سنادیجتے۔^(۱۴) بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے،^(۱۵) اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں^(۱۶) اور ان

إِنَّا جَعَلْنَا إِنَّا عَنْ أَعْنَاقِهِمْ أَعْلَلَ لَأَفَهِي إِلَى الْأَذْقَانِ
فَهُمْ مُقْبَحُونَ ①

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدَّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدَّاً
فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبَصِّرُونَ ②

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَنْذَرْهُمْ أَمْ لَمْ يُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ③

إِنَّمَا أَنذِرْنَا مِنْ أَثْبَعِ الذِّكْرِ وَخَلْقَ الرَّحْمَنِ بِالْغَيْبِ
بَشِّرَهُ بِمَغْفِرَةٍ وَآجِرٍ كَرِيمٍ ④

إِنَّا هُنْ نُجِيَ الْمُؤْمِنِيْ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمَوْا وَأَنْذَرَهُمْ

(۱) جس کی وجہ سے وہ ادھر ادھر دیکھ سکتے ہیں، نہ سر جھکا سکتے ہیں، بلکہ وہ سراپر اٹھائے اور نگاہیں پھی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان کے عدم قبول حق کی اور عدم اتفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی سزاۓ جنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (ایرالتفاسیر) (۲) یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کر دی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے، جس کی وجہ سے وہ لذائذ دنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیزان کے اور ایمان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں ناممکن الواقع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں، کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

(۳) یا ان کی آنکھوں کوڑھاں کر دیا یعنی رسول ﷺ سے عداوت اور اس کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی، یا انہیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دسری تمثیل ہے۔

(۴) یعنی جو اپنے کرتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے انذار بے فائدہ رہتا ہے۔

(۵) یعنی انذار سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۶) یعنی قیامت والے دن۔ یہاں احیائے موتی کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا دل چاہتا ہے، زندہ کر دیتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنالیتے ہیں۔

(۷) مَا قَدَّمُوا سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور آثارِ ہم سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (اچھے

کے وہ اعمال بھی جن کو چیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور ہم نے
ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔^(۱)
اور آپ ان کے سامنے ایک مثال (یعنی ایک) بستی
والوں کی مثال (اس وقت کا) بیان کیجئے جبکہ اس بستی میں
(کئی) رسول آئے۔^(۲)

جب ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا سوان لوگوں نے (اول)
دونوں کو جھٹالایا پھر ہم نے تیرے سے تائید کی سوان تینوں

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ^(۳)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا
الْمُرْسَلُونَ^(۴)

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَلَمْ يُؤْمِنُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِشَالِيثٍ

یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتداء میں لوگ وہ اعمال بجالاتے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے ”جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا، اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا، اس پر اس کے اپنے گناہ کا بھی بوجھ ہو گا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔ اصحاب مسلم‘ کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة، اسی طرح یہ حدیث ہے ”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے ایک علم، جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۲) نیک اور جو مرنے والے کے لیے دعا کرے (۳) یا صدقہ جاریہ، جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فیض یاب ہوں (صحیح مسلم‘ کتاب الوصیۃ، باب ما یلحقُ‌اِلْأَنْسَانَ مِنَ الشَّوَّابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ) دو سرا مطلب آثارَهُمُ کائنات قدم ہے۔ یعنی انسان نیکی یا بدی کے لیے جو سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ خالی تھی تو بوسلمہ نے اوہ منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بوسلمہ نے اوہ منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے اسی مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا دیارَکُمْ نُخَكَّبَ آثارَمُكْمُمْ (دو مرتبہ فرمایا) یعنی ”تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں، لیکن وہیں رہو، جتنے قدم تم چل کر آتے ہو، وہ لکھے جاتے ہیں“۔ صحیح مسلم‘ کتاب المساجد، باب فضل کثرة الخطى إلى المساجد، امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح ہیں، ان کے درمیان مناقفات نہیں ہے۔ بلکہ اس دوسرے مفہوم میں سخت تعبیر ہے، اس لیے کہ جب قدموں کے نشانات تک لکھے جاتے ہیں، تو انسان جو اچھایا برا نمونہ چھوڑ جائے جس کی لوگ بعد میں پیروی کریں تو وہ بطریق اولی لکھے جائیں گے۔

(۱) اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔

(۲) تاکہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں، بلکہ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔

نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔^(۱)
 ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور
 رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم زرا جھوٹ بولتے ہو۔^(۱۵)
 ان (رسولوں) نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ پیش کہ ہم
 تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں۔^(۱۶)

اور ہمارے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا رہا ہے۔^(۱۷)
 انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔^(۱۸) اگر تم
 بازنہ آئے تو ہم پھر ہوں سے تمہارا کام تمام کر دیں گے
 اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی۔^(۱۹)
 ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نخوست تمہارے ساتھ ہی
 لگی ہوئی^(۲۰) ہے، کیا اس کو نخوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت
 کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔^(۲۱)
 اور ایک شخص (اس) شر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا
 کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو^(۲۰)
 ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں
 مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں۔^(۲۱)

فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ⑯
 قَالُوا مَا أَنْثُرُ الْأَبْشَرَ مِثْلُنَا ۖ وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ
 مِنْ شَيْءٍ ۗ إِنَّا نَثْرُ الْأَنْكَنَدِيْنَ ⑰
 قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ أَنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ⑱

وَمَا عَلِمْتُمْ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ⑲
 قَالُوا إِنَّا تَطَهِّرُنَا كَمَلَنَا ۖ لَمْ تَنْهَمُوا لَرْجَنَتُمُ
 وَلَمْ يَسْتَكُنُ مَنَاعَدَابَ الْيَمِّ ⑳

قَالُوا طَلَبْرُكُمْ مَعَكُمْ أَپِنْ ذِكْرَرُكُمْ بَنْ أَنْثُرُ
 قَوْمًا مُّتَرِفُونَ ㉑

وَجَاءَنَّا مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْتَغْفِرُ قَالَ يَقُولُ
 اسْتَغْفِرُ اللَّهُ الرَّسِيلَنَ ㉒
 اسْتَغْفِرُوا مِنْ لَا يَسْتَلِكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهَنَّدُونَ ㉓

(۱) یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں، لیکن نام متنبدز ریلے سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے، جو انہوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

(۲) ممکن ہے کچھ لوگ ایمان لے آئے ہوں اور ان کی وجہ سے قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ہو، جس کو انہوں نے رسولوں کی نَعُوذُ بِاللَّهِ نخوست قرار دیا۔ یا بارش کا مسلسلہ موقوف رہا ہو، تو وہ سمجھے ہوں کہ یہ ان رسولوں کی نخوست ہے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذِلِّكَ، جیسے آج کل بھی بد نہاد اور دین و شریعت سے بے بہرہ لوگ اہل ایمان و تقویٰ کوہی ”منحوس“ سمجھتے ہیں۔

(۳) یعنی وہ تو تمہارے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے جو تمہارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔

(۴) یہ شخص مسلمان تھا، جب اسے پڑھا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپنارہی ہے، تو اس نے آکر رسولوں کی حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۱) (۲۲)

کیا میں اسے چھوڑ کر ایسوں کو معبد بناؤں کہ اگر (اللہ) رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بجا سکیں۔^(۲) (۲۳)
پھر تو میں یقیناً کھلی گراہی میں ہوں۔^(۳) (۲۴)

میری سنو! میں تو (چے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لا چکا۔^(۴) (۲۵)

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا، کہنے لگا کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا۔^(۵) (۲۶)

کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِنَّهُ شَرِيكُونَ^(۶)

ءَأَنْجِدْنِي مِنْ دُونِهِ إِلَهٌ إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ بِضِيرٍ لَا شَفَاعَةٌ
شَفَاعَتْهُمْ شَيْءًا وَلَا يُنْتَهِنُونَ^(۷)

إِنِّي إِذَا أَقْرَأْتُ صَدِيلَ تُبَيْنَ^(۸)

إِنِّي أَمْتَثُ بِرَبِّكُمْ فَأَسْمَعُونَ^(۹)

قَبْلَ أَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَالَ لِيَنْتَهُونِي يَعْلَمُونَ^(۱۰)

بِمَا عَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُلْكَمِينَ^(۱۱)

(۱) اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی؛ جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبد کی عبادت کرتا ہے، جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلارہے ہیں اور ہمارے معبدوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے؟ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجاح بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

(۲) یہ ان معبدوں باطلہ کی بھی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گراہی سے نکلنے کے لیے رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ نہ بچا سکیں کامطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ بچانیں سکتے۔

(۳) یعنی اگر میں بھی تمہاری طرح، اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبدوں کی عبادت شروع کر دوں، تو میں بھی کھلی گراہی میں جا گروں گا۔ یا مغلل، یہاں خران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نمایت واضح خسارے کا سودا ہے۔

(۴) اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا جس سے مقصود دین حق پر اپنی صلاحیت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کرو، لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر ہے، جو تمہارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کو مارڈا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالَى

میں سے کر دیا۔^(۱) (۲۷)

اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا،^(۲) اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں۔^(۳) (۲۸)
وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکاک وہ سب کے سب بجھ بجھا گئے۔^(۴) (۲۹)

(ایسے) بندوں پر افسوس! ^(۵) بھی بھی کوئی رسول ان کے پاس نہیں آیا جس کی نہیں انہوں نے نہ اڑائی ہو۔^(۳۰)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان کے پسلے بہت سی قوموں کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ ان^(۶) کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔^(۳۱)

اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ جمع ہو کر ہمارے

وَمَا آتَنَا عَلَى قَوْمٍ مِّنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدِنَ النَّمَاءِ
وَكَانُوا لَنَا لِبَنَنَ ^(۷)

إِنْ كَانَتِ إِلَّا صِصَّةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَمِدُونَ ^(۸)

يَخْرُقُهُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا يَهْ
يَسْتَهِنُونَ ^(۹)

أَلْفَرِرُوا كَمَا أَهْلَكْنَا أَقْلَاهُمْ مِّنَ الْفَرْوَنِيَّةِ
أَلْمَرْجُونَ ^(۱۰)

وَإِنْ كُلُّ لَمَّا جَيَّبَهُمْ لَدُنَّا لَغُصْرُونَ ^(۱۱)

(۱) یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش میری قوم اس بات کو جان لے ہا کہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیرخواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیرخواہی ہی کرے، بد خواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے، بیشک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہیں کریں، حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔

(۲) یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا۔ یہ اس قوم کی تحریرشان کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) یعنی جس قوم کی ہلاکت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے۔

(۴) کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری، جس سے سب کے جسموں سے رو جیں نکل گئیں اور وہ بھی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی، شعلہ فروزان ہے اور موت، اس کا بجھ کر راکھ کا ڈھیر ہو جانا۔

(۵) حضرت وندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفوں پر، قیامت والے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش انہوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا اللہ تعالیٰ بندوں کے رویے پر افسوس کر رہا ہے کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انہوں نے اس کے ساتھ استزدراہی کیا۔

(۶) اس میں اہل مکہ کے لیے تعبیر ہے کہ تکذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح پچھلی قومیں تباہ ہو کیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

سامنے حاضر کی جائے گی۔^(۱) (۳۲)

اور ان کے لیے ایک نشانی^(۲) (خُلک) زمین ہے جس کو
ہم نے زندہ کر دیا اور اس سے غله نکلا جس میں سے وہ
کھاتے ہیں۔^(۳) (۳۳)

اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات
پیدا کر دیئے،^(۴) اور جن میں ہم نے چشمے بھی جاری کر
دیئے ہیں۔^(۵) (۳۴)

تاکہ (لوگ) اس کے پھل کھائیں،^(۶) اور اس کو ان کے
ہاتھوں نے نہیں بنایا۔^(۷) پھر کیوں شکر گزاری نہیں
کرتے۔^(۸) (۳۵)

وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے

وَإِيَّاهُ كَلْمَهُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَهُنَا وَأَخْرَجَنَا مِنْهَا حَيَا
فَمَنْهُ يَا تَكُونُ^(۹)

وَجَعَلْنَا فِيهِمَا جَنَاحَتَ مِنْ تَجْهِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَرَنَا فِيهَا مِنَ
الْعَيْوَنِ^(۱۰)

لِيَا تَكُونُ مِنْ شَرِّهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهُمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ^(۱۱)

سُبْعُنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلُّهَا مِمَّا سَيَقُولُ الْأَرْضُ وَمِنْ

(۱) اس میں اُن نافیہ ہے اور لَمَّا إِلَّا کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی، سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہو گا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت تامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔

(۳) یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے، ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غله ہی نہیں اگاتے، بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لیے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیرالمنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے۔ پھر غلے کا ذکر پہلے کیا گیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

(۴) یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں، جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔

(۵) امام ابن جریر کے نزدیک یہاں مانا یہ ہے یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی و محنت "کدو کاوش اور تصرف کا داخل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک "ما موصولہ" ہے جو الَّذِي کے معنی میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور ان چیزوں کو جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کر کے بیج بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً نہیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاث بناانا، وغیرہ۔

أَنْفِرْمُ وَمَا لَا يَعْلَمُونَ ۚ ۲۳

خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود ان کے نقوص ہوں خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔^(۳۶)

اور ان کے لیے ایک ثالثی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ دیتے ہیں تو وہ یکاکی اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔^(۳۷)

اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے۔ یہ ہے مقرر کردہ غالب، باعلم اللہ تعالیٰ کا۔^(۳۸)

اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں،^(۳۹) یہاں تک

وَإِلَيْهِ الْمُهَاجِلُونَ ۖ تَسْلَغُ مِنْهُ النَّمَارُ قَادِهِمُ مُظْلِمُونَ ۚ

وَالشَّمْسُ عَنْرِيٌّ لِمُسْتَقِرِّهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الرَّبِّ الْعَزِيزِ الْعَلِيِّ ۚ

وَالنَّمَرَ قَدْرُهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعَرْجُونِ أَقْدِيرُهُ ۚ

(۱) یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نزاور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں میں اور زمین کی گھرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں، جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نزاور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے۔ پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نزاور مادے کا یہی نظام ہے۔ حتیٰ کہ آخرت کی زندگی، دنیا کی زندگی کے لیے بنزڑے زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کوتاہیوں سے پاک ہے۔ وہ وتر (فرود) ہے، زوج نہیں۔

(۲) یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے، جس سے فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ سلح کے معنی ہوتے ہیں جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا، جس سے اس کا گوشہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ أَظَلَّمَ کے معنی ہیں، اندھیرے میں داخل ہونا۔ جیسے أَضَبَحَ اور أَنْسَى اور أَظَهَرَ کے معنی ہیں، صبح، شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔

(۳) یعنی اپنے اس مدار (فلک) پر چلتا رہتا ہے، جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے زرا ادھر ادھر نہیں ہوتا، کہ کسی دوسرے سیارے سے مکرا جائے۔ دوسرے معنی ہیں ”اپنے نہر نے کی جگہ تک“ اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جو صفحہ ۹۱۶ پر گزر چکی ہے کہ سورج روزانہ غروب کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے (صحیح بخاری، تفسیر سورہ نیمین) دونوں مفہوم کے اعتبار سے لِمُسْتَقِرٍ میں لام، علت کے لیے ہے۔ آئی: لِأَجْلِ مُسْتَقِرٍ لَهَا بُضْكَتَنَے ہیں کہ لام، الی کے معنی میں ہے، پھر مستقر یوم قیامت ہو گا۔ یعنی سورج کا یہ چلتا قیامت کے دن تک ہے، قیامت والے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ یہ تینوں مفہوم اپنی جگہ صحیح ہیں۔

(۴) چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر دو راتیں غائب رہ کر تیسرا رات کو نکل آتا ہے۔

کہ وہ لوٹ کر پرانی شنی کی طرح ہو جاتا ہے۔^(۱)

نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے^(۲) اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے،^(۳) اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔^(۴)

اور ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔^(۵)

اور ان کے لیے اسی جیسی اور چیز سپیدا کیس جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔^(۶)

اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ڈبو دیتے۔ پھر نہ تو کوئی ان کا

لَا الشَّمْنُ يَبْقَى لَهَا نَتْرِكُ الْقَمَرَ وَلَا إِلَيْهِ سَابِقُ النَّهَارِ
وَكُلُّ نَفْلَكٍ يَبْقَى

وَإِلَيْهِ لَهُمْ أَتَاهُمْ لَدُنْهُمْ فِي الْفَلَكِ الْمُشْعُونِ

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مَثْلِهِ مَا يَرَكِبُونَ

وَإِنْ شَاءُوا نَغْرِقُهُمْ فَلَا صِرَاطٌ نَعْلَمُ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَنْقَدُونَ

(۱) یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی شنی ہو، جو سوکھ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ چاند کی انہی گردشوں سے سکان ارض اپنے دنوں، مینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادات کا تعین کرتے ہیں۔

(۲) یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہو جائے بلکہ دنوں کا اپنا اپنا راست اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے بر عکس کبھی نہیں ہوا، جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

(۳) بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔

(۴) کُلُّ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کو اکب مراد ہیں، سب اپنے اپنے مدار پر گھومتے ہیں، ان کا باہمی نکراوہ نہیں ہوتا۔

(۵) اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرمارہا ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلن آسان فرمادیا، حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کہ گئے ہیں کہ ذُریَّۃُ سے مقصود آبائے ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتی نوح علیہ السلام ہے۔ یعنی سفینہ نوح علیہ السلام میں ان لوگوں کو بھایا جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آبا اس میں سوار تھے۔

(۶) اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور سامان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آگئیں۔ جیسے ہوائی جہاز، بھری جہاز، ریلیں، بسیں، کاریں اور دیگر نقل و حمل کی اشیا۔

فريادرس ہوتا نہ وہ بچائے جائیں۔ (۳۳)

لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت تک کے لیے انہیں فائدے دے رہے ہیں۔ (۳۴)

اور ان سے جب (کبھی) کہا جاتا ہے کہ اگلے پچھلے (گناہوں) سے بچوں تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۳۵)

اور ان کے پاس تو ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رغبہ نہ برستے ہوں۔ (۳۶)

اور ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرو، (۲) تو یہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں کھلائیں؟ جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا پا رہتا، (۳) تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں۔ (۳۷) وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا، پچھے ہو تو بتاؤ۔ (۳۸)

انہیں صرف ایک سخت چیز کا انتظار ہے جو انہیں آپکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے میں ہی ہوں گے۔ (۳۹)

إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا لِّلْجَنِينَ ۝

وَرَدَّا قِيلَ لَهُمْ أَنْقَوْا إِلَيْنَا زَكْرُونَا اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ

تُرْحَمُونَ ۝

وَمَا تَأْتِيهِمُ مِّنْ أَيْمَانِنَا إِلَّا مَا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝

وَلَذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْقَوْا إِلَيْنَا زَكْرُونَا اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ امْتَرَأُوا نَطْعَمُهُمْ مَنْ تَوْيِثَ إِلَّا اللَّهُ أَطْعَمُهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

وَيَقُولُونَ مَنْيَ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

مَا يَنْتَظِرُونَ إِلَّا صِيقَعَةً وَاحِدَةً نَالَهُنَّا هُمْ وَهُمْ بِنِعِيمِهِمُونَ ۝

(۱) یعنی توحید اور صداقت رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غور ہی نہیں کرتے کہ جس سے ان کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوه ہے۔

(۲) یعنی غرباو مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔

(۳) یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں۔

(۴) یعنی یہ کہ کہ، غربا کی مدد کرو، کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی مشیت ہی سے تھی، لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنا لیا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غرباو مساکین کی امداد کی جائے۔ اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوئی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے، جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تاکہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو۔

(۵) یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک

اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے۔ (۵۰)

تصور کے پھونکے جاتے ہی سب^(۱) کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے۔ (۵۱) کہیں گے ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔^(۲) یہی ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ (۵۲)

یہ نہیں ہے مگر ایک چیز کہ یہاں کے سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ (۵۳) پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائے گا، مگر صرف ان ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔ (۵۴)

جتنی لوگ آج کے دن اپنے (دچپ) مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں۔^(۳) (۵۵)

وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسروبوں پر نکلیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ (۵۶)

ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں۔ (۵۷)

فَلَا يُسْتَطِعُونَ تَوْحِيدَهُ وَلَا إِلَهٌ أَهْلُهُمْ يَرْجُونَ ۝

وَنَفْخَةٌ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مَرْقَدٌ إِلَى زَوْجِهِمْ يَنْبُشُونَ ۝

قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا عَنْهُدَآ مَا وَعَدَ

الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝

إِنْ كَانَتِ الْأَصْيَحَةُ وَلِجَدَةً فَإِذَا هُمْ جَيِّهُ لَدَيْنَا لَغْصَرُونَ ۝

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا يُبْرَأُونَ إِلَمَا نَنْهَا مَعْلُومُونَ ۝

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فِكِهُونَ ۝

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظَلَلٍ عَلَى الْأَرْضِ مُشْكُنُونَ ۝

لَهُمْ فِيهَا فَإِكْهَهُ وَلَهُمْ فَإِيَادٌ عَوْنَ ۝

دیا جائے گا اور قیامت بپا ہو جائے گی یہ نفحہ اولیٰ ہو گا جسے نفحہ فزع بھی کہتے ہیں کما جاتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نفحہ ہو گا۔ نفحۃُ الصَّعْنِ جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا سب موت کی آنکھوں میں چلنے جائیں گے۔

(۱) پسلے قول کی بنا پر یہ نفحہ عثمانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نفحہ عاشہ ہو گا، جسے نفحۃُ الْبَعْثِ وَالنُّشُورِ کہتے ہیں، اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۲) قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہو گا، بلکہ بعد میں جو ہوناں ک مناظر اور عذاب کی شدت دیکھیں گے، اس کے مقابلے میں انہیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہو گی۔

(۳) فَإِكْهُونَ کے معنی ہیں فَرَحُونَ خوش، سرت بکنار۔

سَلَفُ قَوْلَامُونْ رَبْتَ تَجْبِيْو ⑥

مریان پروردگار کی طرف سے انہیں "سلام" کہا جائے گا۔^(۱)
^(۵۸)

اے گناہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔^(۲)
^(۵۹)
اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،^(۳) وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔^(۴)
^(۶۰)

اور میری ہی عبادت کرنا۔^(۵) سید ہی را یہی ہے۔^(۶)
شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری خلائق کو بکار دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔^(۷)
^(۶۱)

وَامْتَأْذُو الْيَوْمَ إِنَّهَا الْمُنْجُمُونَ ⑧

أَكُنْ أَعْهَدَ إِنِّي كُنْتُ بِيَنِي أَدْمَنْ لَا تَعْدُ وَالشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُنْ عَذْوَدْ
مُبِينُ ⑨

وَأَنِ اعْبُدُو نِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ⑩

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًا كَثِيرًا إِنَّمَا تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ⑪

(۱) اللہ کا یہ سلام، فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔

(۲) یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو۔ یعنی میدان محشر میں اہل ایمان و اطاعت اور اہل کفر و معصیت الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ الشَّاعِةُ يَوْمَ هِيَنَّ يَغْرِيْقُونَ﴾ (الروم۔ ۱۳) ﴿يَوْمَ هِيَنَّ يَغْرِيْقُونَ﴾ (الروم۔ ۲۲) اُپنی: يَصِيرُونَ صِدْعَنِ فِرْقَتَنِ "اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے"۔ دوسرا مطلب ہے کہ مجرمین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مثلاً یہودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صابئین اور محبیوں کا گروہ، زانیوں کا، شرایبوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) اس سے مراد عمد است ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنے کے وقت لیا گیا تھا یا وہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبان لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان و زمین میں اللہ نے قائم کیے ہیں۔ (فتح القدر)

(۴) یہ اس کی علت ہے کہ تمہیں شیطان کی عبادت اور اس کے وسو سے قبول کرنے سے اس لیے روکا گیا تھا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمہیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھار کھی ہے۔

(۵) یعنی یہ بھی عمد لیا تھا کہ تمہیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

(۶) یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے، جس کی طرف تمام انبیا لوگوں کو بلاتے رہے اور یہی منزل مقصود یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔

(۷) یعنی اتنی عقل بھی تمہارے اندر نہیں کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمہارا رب ہوں، میں ہی تمہیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمہاری رات دن حفاظت کرتا ہوں لہذا تمہیں میری نافرمانی نہیں کرنی

بھی وہ دوزخ ہے جس کا تمیس وعدہ دیا جاتا تھا۔ (۶۳)

اپنے کفر کا بدله پانے کے لیے آج اس میں داخل ہو جاؤ۔ (۶۴)

ہم آج کے دن ان کے منہ پر مرسیں لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔ (۶۵)

اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی دیتا؟ (۶۶)

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے پھرنہ وہ چل پھر سکتے اور نہ لوٹ سکتے۔ (۶۷)

اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اسے پیدائشی حالت کی طرف

هُنْذَهْ جَهَنَّمُ الْتَّى كُنْدُمُ تُوعَدُونَ ۚ ۷

إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنُمْ تَكْفُرُونَ ۚ ۸

الْيَوْمَ تَخْتَمُ عَلَىٰ أَنْوَاهِهِنَّ وَتَكْلِمُنَا أَيْدِيهِنَّ وَتَثْمَدُ أَرْجُلَهُنَّ
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۹

وَلَوْنَشَاءَ لَطَسْسَنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَأَنْتَبِقُوا الْقَرَاطَقَانِ
يَعْصِرُونَ ۱۰

وَلَوْنَشَاءَ لَسْخَنَهُمْ عَلَىٰ مَكَانِتِهِمْ فَمَا سَتَطَاعُوهُ مُضِيًّا
وَلَا يَرْجِعُونَ ۱۱
وَمَنْ تُعِيرُهُ شَيْسِهِ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ۱۲

چاہیے۔ تم شیطان کی عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نایت بے عقلی اور نارانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

(۱) یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جنم کی ختیوں کا مزہ چکھو۔

(۲) یہ مر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئے گی کہ ابتداءً مشرکین قیامت والے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کمیں گے ﴿وَاللَّهُرِيقَانَا لَنَا مُشْرِكُينَ﴾ (الأنعام۔ ۲۲) "اللہ کی قسم" جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونسوں پر مر لگادے گا، جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویاً عطا فرمادے گا، ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت، دونوں مرحلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا بول کر گواہی دینا، جحت و استدلال میں زیادہ بلیغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدير) اس مضامون کو احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملحوظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الزحد)

(۳) یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا؟ لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

(۴) یعنی نہ آگے جاسکتے، نہ پیچھے لوٹ سکتے، بلکہ پھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے ہیں، یعنی انسان سے پھر یا جانور کی شکل میں تبدیل کر دینا۔

پھر الٹ دیتے ہیں کیا پھر بھی وہ نہیں صحیح تھے۔^(۱) (۲۸) نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔^(۲) (۲۹)

(۱) یعنی جس کو ہم بھی عمر دیتے ہیں، اس کی پیدائش کو بدلا کر بر عکس حالت میں کر دیتے ہیں۔ یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کھولت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے بر عکس اس کے قوائے عقلیہ و بدنبیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔

(۲) کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے، کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

(۳) مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی۔ کہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موقعت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کا رہی ہوتی ہے، یوں گویا اس کی بیانیات جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوه ازیں شاعر محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھائے، نہ اشعار کی اس پر دھی کی، بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنا یا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ یہ وجہ ہے کہ آپ ﷺ کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثلیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ اختیاط اس لیے کی گئی کہ مکرین پر اتمام جلت اور ان کے شبہات کا خاتمه کر دیا جائے۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے، جس طرح آپ کی امیت بھی قطعہ شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کر لیا ہے۔ البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا، جو دو مصراعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحور کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب

میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح ختنی والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا
أَنَا الشَّيْءُ لَا كَذِبٌ - أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ.

ایک اور موقع پر آپ ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتٌ

وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ

(صحیح بخاری و مسلم، کتاب الجہاد)

تاکہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے،^(۱) اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔^(۲) (۷۰)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی^(۳) ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے^(۴) (بھی) پیدا کر دیئے، جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔^(۵) (۷۱)

اور ان مویشیوں کو ہم نے ان کا تابع فرمان بنادیا ہے^(۶) جن میں سے بعض تو ان کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔^(۷)

انہیں ان سے اور بھی بست سے فائدے ہیں،^(۸) اور پہنچنے کی چیزیں۔ کیا پھر (بھی) یہ شکردا انہیں کریں گے؟^(۹) (۷۲)

اور وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبدوں بناتے ہیں تاکہ وہ مدد کئے جائیں۔^(۱۰) (۷۳)

لَيْسَ ذَرَرًا لَّمَّا خَلَقْنَاهُمْ ثُمَّ أَعْلَمْتُمُّ إِيمَانَنَا فَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ①

أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ ثُمَّ أَعْلَمْتُمُّ إِيمَانَنَا فَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ②

وَذَلِكَنَّا لَهُمْ فِيهَا رُؤُبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ③

وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَرَوْنَ وَمَا شَرَبُوا أَفَلَا يَشْكُرُونَ ④

وَأَخْدُونَ وَأَمْنُ دُونَ اللَّهِ إِلَهَ لَعَلَمُ يُنَصَّرُونَ ⑤

(۱) یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

(۲) یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہو جائے۔ لِيَنْذِرَ میں ضمیر کا مرتع قرآن ہے۔

(۳) اس سے غیروں کی شرکت کی نظری ہے، انکو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کائنات کے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔

(۴) أَنْعَامٌ، نَعَمٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے یعنی اوٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) ہیں۔

(۵) یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبیٹے میں ہی نہ آسکتے۔

(۶) یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ انہیں ذبح بھی کر دیتے ہیں اور چھوٹے بچے بھی انہیں کھینچ پھرتے ہیں۔

(۷) یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بست سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں مثلاً ان کی اون اور بالوں سے کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔

(۸) یہ ان کے کفران نعمت کاظماً ہے کہ مذکورہ نعمتیں، جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔ لیکن یہ بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکردا کریں یعنی ان کی عبادت و اطاعت کریں، یہ غیروں سے امیدیں واپسی کرتے اور انہیں معبدوں بناتے ہیں۔

(حالانکہ) ان میں انکی مدد کی طاقت ہی نہیں، (لیکن) پھر بھی (مشرکین) ان کے لیے حاضریاں لشکری ہیں۔^(۱) (۲۵)

پس آپ کو ان کی بات غمناک نہ کرے، ہم ان کی پوشیدہ اور علاتیہ سب باتوں کو (بخوبی) جانتے ہیں۔^(۲۶) کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یا کیک وہ صریح جھگڑا لو بن بیٹھا۔^(۲۷) اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟^(۲۸)

آپ جواب دیجئے! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے،^(۲۹) جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جانے والا ہے۔^(۳۰)

وہی جس نے تمہارے لیے بزر درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم یا کیک آگ سلاگتے ہو۔^(۳۱)

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان

لَا يَسْتَطِعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَا يُجْدِنَّ فَخَرُونَ ④

فَلَا يَعْزُزُنَّكُمْ هُنَّا نَعْلَمُ مَا يَرِيدُونَ وَمَا يُعْلَمُونَ ⑤

أَوْلَئِكُمُ الْإِنْسَانُ أَنَا خَلَقْتُهُمْ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ⑥

وَقَرَبَ لِنَاسَ مَلَائِكَةٍ نَبِيَّ حَلْقَةً قَالَ مَنْ يُغْنِي الْعِظَامَ وَهُوَ رَمِيمٌ ⑦

فُلْ بِعِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوْلَ مَرَّةً وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ⑧

لِلَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْخَضِرَنَا رَا فَإِذَا أَنْتُمْ فِيهِ تُوقَدُونَ ⑨

أَوْلَئِكُمُ الَّذِي خَلَقَ الشَّمْوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقِدْرَةٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ

(۱) جُند سے مراد ہتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، مُخضَرُونَ دنیا میں ان کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن ہتوں کو معبد سمجھتے ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے؟ وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قادر ہیں۔ انہیں کوئی برائے ان کی مدد کرے تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں، نہ کہ خود ان کے وہ معبد۔

(۲) یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کی قدرت احیائے موتی کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدمی را کھے تیز ہوا اسے دن خشکی میں اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری را کھج کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا، تیرے خوف سے۔ چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ (صحیح بخاری، الأنبياء، والرقاق، باب الخوف من الله)

(۳) کہتے ہیں عرب میں درخت ہیں مرخ اور عفار۔ ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، بزر درخت سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

جیسوں^(۱) کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر ہے۔ اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے۔ (۸۱)

وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرمادیتا
(کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (۸۲)

پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے
اور جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ (۸۳)

سورہ صافات کی ہے اور اس میں ایک سو بیانی آیتیں
اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

تم ہے صفت باندھنے والے (فرشتون) کی۔ (۱)
پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی۔ (۲)
پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی۔ (۳)
یقیناً تم سب کام بعواد ایک ہی ہے۔ (۴)

(۱) یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب، انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ہے لَخَلُقُ الشَّهْوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْبَرْ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ۝ (المؤمن، ۵) ”آسمان و زمین کی پیدائش (لوگوں کے نزدیک) انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔“ سورہ احقراف۔ ۳۲ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کرونا کون سا مشکل معاملہ ہے؟

(۳) ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی جیسے رَحْمَةٌ اور رَحْمُوتٌ رَّهْبَةٌ اور رَّهْبُوتٌ، جَبْرٌ اور جَبْرُوتٌ وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح القدير) یعنی ملکوتوں ملک کام بالغہ ہے۔

(۴) یعنی یہ نہیں ہو گا کہ مٹی میں رل مل کر تمہارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نہیں، بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہو گا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کرو۔ تمیں بہر حال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہو گا، جہاں وہ عملوں کے مطابق اچھی یا بُری جزا دے گا۔

(۵) صَافَاتٌ، زَاجِرَاتٌ، تَالِياتٌ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبارت کے لیے صفت باندھنے والے، یا اللہ

مَلَكُوتُمْ بَلَى وَهُوَ الْحَقِيقُ الْعَلِيمُ ۝

إِنَّمَا إِمْرَةٌ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝

فَسُبْحَانَ الَّذِي يَعْلَمُ بِهِ مَلْكُوتُكُلٍّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

سُوْرَةُ الصَّافَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالصَّفَتُ صَفَا ۝

فَالرِّحْبَاتِ رَجْبًا ۝

فَالثَّلِيلَاتِ ذَكْرًا ۝

إِنَّ الْمَكْنُونَ لَوَاجِدٌ ۝

آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے۔^(۱) ^(۵)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔^(۶)

اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔^(۷) ^(۸)
عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگاسکتے، بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں۔^(۹)
بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دامنی عذاب ہے۔^(۱۰)
مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فوراً ہی)
اس کے پیچھے دہتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔^(۱۱)

رَبُّ الْهَمَوْتِ وَالْأَرْضِ وَبَيْنَهُمَا رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝

إِذَا زَيَّنَ السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ ۝

وَجَعَظَّا مِنْ كُلِّ شَيْطَنٍ تَارِدٌ ۝

لَا يَتَمَعَّنُ إِلَى الْمَلَأِ الْأَكْلِ وَيَقْدُمُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝

دُخُورًا وَكُلُّهُ عَذَابٌ قَاصِبٌ ۝

إِلَامٌ خَطْفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

کے حکم کے انتصار میں صفت، عظوظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا باولوں کو، جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں ہائک کر لے جانے والے۔ اللہ کے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا معبود ایک ہی ہے۔ متعدد نہیں، جیسا کہ مشرکین بنائے ہوئے ہیں۔ عرف عام میں قسم تائید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوه ازیں ہر چیز اللہ کی تخلوق اور مملوک ہے، اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے، اس کے لیے جائز ہے۔ لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ قسم میں، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اسے گواہ بنا مقصود ہوتا ہے۔ اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا کہ عالم الغیب صرف وہی ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

(۱) مطلب ہے مشارق و مغارب کا رب۔ جمع کالفاظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ، بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورہ رحمٰن میں مَشْرِقَيْنِ اور مَغْرِبَيْنِ، تثنیہ کے ساتھ ہیں یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع و غروب ہوتا ہے یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دو سراخندریا قریب ترین مشرق و مغرب اور جہاں مشرق و مغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ جست ہے جس سے سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے (فتح القدر)

(۲) یعنی آسمان دنیا پر، زینت کے علاوہ، ستاروں کا دروسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو۔ چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر نوٹ کر گرتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں۔ جیسا کہ اگلی

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا (ان کا) جنہیں ہم نے (ان کے علاوہ) پیدا کیا؟^(۱) ہم نے (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے؟^(۲) بلکہ تو تجھ کر رہا ہے اور یہ مخراپ کر رہے ہیں۔^(۳) اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے۔^(۴) اور جب کسی مجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔^(۵)

اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے۔^(۶) کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے پھر کیا (جچ جچ) ہم اٹھائے جائیں گے؟^(۷) کیا ہم سے پسلے کے ہمارے باپ دادا بھی؟^(۸) آپ جواب دیجئے! کہ ہاں ہاں اور تم ذیل (بھی) ہو گے۔^(۹)

فَلَمْ يَتَبَرَّمُهُمْ أَهْمَالُهُمْ خَلْقًا إِمَّا مَنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ وَمَنْ
طَغَىٰ لَأَزْبَرَ ①

بِئْلَعْجَدَةِ وَمَنْغَرُونَ ②
وَلَذَا ذَرْرُوا الْيَدَدَ كُرْؤَنَ ③
وَلَذَا رَأَوْا إِلَيْهِ يَنْسَخْرُونَ ④

وَقَالُوا إِنَّا مُنْذَلُّو الْأَسْعُرُ مُنْبِئُونَ ⑤
وَلَذَا إِمْسَأَنَا وَكَنَّا تَرْكَابَا وَخَلَقَنَا الْمَبْوَثُونَ ⑥

أَوْبَأَنَا الْأَذْلُونَ ⑦
قُلْ تَعْمَلُو الْكُفُورُ ذَخْرُونَ ⑧

آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیرا مقصد رات کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سے گانہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔

(۱) یعنی ہم نے جو زمین، ملائکہ اور آسمان جیسی چیزوں بنائی ہیں جو اپنے جسم اور وسعت کے لحاظ سے نمایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا، ان چیزوں کی تخلیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔

(۲) یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مستبعد کیوں سمجھتے ہیں دراں حالیکہ ان کی پیدائش ایک نمایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جب کہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل ذات چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدر)

(۳) یعنی آپ کو تو مکریں آخرت کے انکار پر تجھ ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ واجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے مان کر نہیں دے رہے اور وہ آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اثر اڑا رہے ہیں کہ یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(۴) یعنی یہ ان کا شیوه ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا مجذہ پیش کیا جائے تو استہزا کرتے اور انہیں جاری باور کرتے ہیں۔

(۵) جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ہے (وَكُلُّ آنَوْهُ ذَخِرُونَ) (النمل۔ ۸۷) ”سب اس کی بارگاہ میں ذیل ہو کر آئیں گے۔“ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِنِي سَيَدِ الْخَلْقِ جَمِيعُهُمْ ذَخِرُونَ﴾ — (المؤمن۔ ۲۰) ”جو لوگ میری عبادت سے

وہ تو صرف ایک زور کی جھڑکی ہے^(۱) کہ یا کیک یہ دیکھنے لگیں گے۔^(۲) ^(۱۹)

اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزا (سزا) کا دن ہے۔^(۲۰)

یہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھلاتے رہے۔^(۲۱) ^(۳)
ظالموں کو^(۴) اور ان کے ہمراہیوں کو^(۵) اور (جن) جن کی وہ اللہ کے علاوہ پرستش کرتے تھے۔^(۶) ^(۲۲)

(ان سب کو) جمع کر کے انہیں دوزخ کی راہ دکھادو۔^(۲۳)
اور انہیں ٹھہرا لو،^(۷) (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں۔^(۲۴)

فَإِنَّمَا هِيَ نَجْرَةٌ ۖ وَلِحَدَّةٌ ۖ فَإِذَا هُمْ يَنْظَرُونَ ۚ ۱۶

وَقَالُوا يُوْمَ يَنْكِنُنَا هُنَّا يَوْمُ الْبَلِيْدِينَ ۚ ۱۷

هُنَّا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّتِي مُنْتَهَىٰ بِهِ عَكْرَبُونَ ۚ ۱۸
أَخْرُوُرَالَّتِيْنِ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجُهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۚ ۱۹

مِنْ دُوْنِ اللَّهِ فَأَهْمَدُوْهُمْ إِلَىٰ وَعْدِ الْجَنَّةِ ۚ ۲۰
وَقَطْوَهُمْ إِلَهٌ مَّوْلَوْنَ ۚ ۲۱

انکار کرتے ہیں، عقریب وہ جہنم میں ذیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے۔

(۱) یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم اور اسرافیل علیہ السلام کی ایک ہی پھونک (نفحہ ثانیہ) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کرے ہوں گے۔

(۲) یعنی ان کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر اور میدان محشر کی سختیاں ہوں گی جنہیں وہ دیکھیں گے۔ نفع یا چیز کو زجرہ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا، کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔

(۳) وَنِيلُ الْفَلَظِ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معاینة عذاب کے بعد انہیں اپنی ہلاکت صاف نظر آرہی ہو گی اور اس سے مقصود نہامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت نہامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔

(۴) یعنی جہنوں نے کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا۔

(۵) اس سے مراد کفر و شرک اور بکذب رسیل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات و شیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ یویاں ہیں جو کفر و شرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔

(۶) مَا عَامَ ہے، تمام معبودین کو چاہے، وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی تذلیل کے لیے جمع کیا جائے گا۔ تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جنم سے دور ہی رکھے گا، اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جنم میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع نہیں پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

(۷) یہ حکم جنم میں لے جانے سے قبل ہو گا، کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جنم میں جائیں گے۔

تمیس کیا ہو گیا ہے کہ (اس وقت) تم ایک دوسرے کی
مد نہیں کرتے۔^(۲۵)

مَالِكُ لِأَنَّا صَرُونَ ④

بلکہ وہ (سب کے سب) آج فرمانبردار بن گئے۔^(۲۶)
وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب
کرنے لگیں گے۔^(۲۷)

بَلْ هُوَ الْيَوْمُ مُسْتَلِمُونَ ⑤
وَأَقْبَلَ بِعَضُّهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَآرَبُونَ ⑥

کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دلائیں طرف سے
آتے تھے۔^(۲۸)

قَالُوا إِنَّا كُنَّا نَعْمَلُ مَا تَأْتِنَا عِنَّ الْحُكْمِينَ ⑦

وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ
تھے۔^(۲۹)

قَالُوا إِنَّا لَمْ نَعْلَمُ مِنْ سُلْطَنٍ بَنْ كُنَّمُ قَوْنًا طَغِيَّنَ ⑧

اور کچھ ہمارا زور تو تم پر تھا (ہی) نہیں۔ بلکہ تم (خود)
سرکش لوگ تھے۔^(۳۰)

وَمَا كَانَ لَنَا عِلْمٌ مِّنْ سُلْطَنٍ بَنْ كُنَّمُ قَوْنًا طَغِيَّنَ ⑨

اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی
کہ ہم (عذاب) چکھنے والے ہیں۔^(۳۱)

قُلْ عَيْنَا قُولْ رَبِّنَا إِنَّا لَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا ۝ ۱۰

پس ہم نے تمیس گراہ کیا، ہم تو خود بھی گراہ ہی تھے۔^(۳۲)

فَأَعْوَنَنَّكُمْ إِنَّا لَكُلَّا غُلَمِينَ ۝ ۱۱

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے یعنی باور کرتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض
کے نزدیک مطلب ہے، 'ہر طرف سے آتے تھے'، وَالشِّمَاءُ مَذْوَفٌ ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا "میں ان کے
آگے، پیچھے سے، ان کے دلائیں باسیں سے ہر طرف سے ان کے پاس آؤں گا اور انیں گمراہ کروں گا" (الأعراف-۷۷)

(۲) لیڈر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرائے ہو؟

(۳) تابعین اور متبوعین کی یہ باہمی تحریر قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک ایک دوسرے کو یہ ملامت
عرصہ قیامت (میدان محشر) میں بھی ہو گی اور جنم میں جانے کے بعد جنم کے اندر بھی۔ ملاحظہ ہو۔ الموعمن-۷۷، ۳۸، ۳۹،
سبا۔ ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۴۱۰، ۴۴۱۱، ۴۴۱۲، ۴۴۱۳، ۴۴۱۴، ۴۴۱۵، ۴۴۱۶، ۴۴۱۷، ۴۴۱۸، ۴۴۱۹، ۴۴۱۰۰، ۴۴۱۰۱، ۴۴۱۰۲، ۴۴۱۰۳، ۴۴۱۰۴، ۴۴۱۰۵، ۴۴۱۰۶، ۴۴۱۰۷، ۴۴۱۰۸، ۴۴۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰، ۴۴۱۰۱۱، ۴۴۱۰۱۲، ۴۴۱۰۱۳، ۴۴۱۰۱۴، ۴۴۱۰۱۵، ۴۴۱۰۱۶، ۴۴۱۰۱۷، ۴۴۱۰۱۸، ۴۴۱۰۱۹، ۴۴۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰، ۴۴۱۰۱۰۱۱، ۴۴۱۰۱۰۱۲، ۴۴۱۰۱۰۱۳، ۴۴۱۰۱۰۱۴، ۴۴۱۰۱۰۱۵، ۴۴۱۰۱۰۱۶، ۴۴۱۰۱۰۱۷، ۴۴۱۰۱۰۱۸، ۴۴۱۰۱۰۱۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۴، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۵، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۶، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۷، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۸، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۹، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۰، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۲، ۴۴۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۱۰۳،

سواب آج کے دن تو (سب کے سب) عذاب میں
شرکیں ہیں۔^(۱) (۳۳)

ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔^(۲) (۳۴)
یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کما جاتا ہے کہ اللہ کے
سو اکوئی معبدوں نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے۔^(۳) (۳۵)

اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبدوں کو ایک دیوانے شاعر
کی بات پر چھوڑ دیں؟^(۴) (۳۶)

(نہیں نہیں) بلکہ (نبی) تو حق (سچا دین) لائے ہیں اور
سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں۔^(۵) (۳۷)

یقیناً تم در دن اک عذاب (کامزہ) چکھنے والے ہو۔^(۶) (۳۸)
تمہیں اسی کا بدله دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔^(۷) (۳۹)

فَإِنَّهُمْ يَوْمَيْدِيْنَ الْعَذَابَ مُشْتَرِكُونَ ۝

إِنَّا كَذَلِكَ نَعْلَمُ بِالْمُتَّهِبِينَ ۝

إِنَّمَا كَانُوا إِذَا ذُاقُوا لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَأْذِنُونَ ۝

وَيَقُولُونَ إِنَّا تَارُونَا إِلَهَنَا إِلَّا شَاعِرٌ مُجْنَوْنٌ ۝

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِينَ ۝

إِنَّكُلُلَدَّا إِبْقُوا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝

وَمَا يَجِزُونَ إِلَّا مَا كُنُثُمْ نَعْلَمُونَ ۝

(۱) اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترک ہے، 'شرک'، معصیت اور شر و فساد ان سب کا وظیرہ تھا۔

(۲) یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔

(۳) یعنی دنیا میں، جب ان سے کما جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے، تم بھی یہ پڑھ لو، تاکہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قرب و غصب سے نجاح اور آخرت میں بھی عذاب اللہ سے تمہیں دوچار ہونا نہ پڑے، تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اُمِرْتُ أَنْ أَفَاتِلَ النَّاسَ حَتَّىٰ يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَ: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) فَقَدْ عَصَمَ مِنِي مَالَهُ وَنَفْسَهُ (اتفاق علیہ مشکلہ، کتاب الإیمان بحوالہ ابن کثیر) "مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کر لی۔"

(۴) یعنی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنوں کا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانگی پر ہم اپنے معبدوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزانگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

(۵) یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنوں کہتے ہو، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے، وہ نجح ہے اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ کام کسی دیوانے کیا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

(۶) یہ جنمیوں کو اس وقت کما جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کر

<p>مگر اللہ تعالیٰ کے خالص برگزیدہ بندے۔^(۱) انہیں کے لیے مقررہ روزی ہے۔^(۲) (ہر طرح کے) میوے، اور وہ باعزت و اکرام ہوئے۔^(۳) نعمتوں والی جنتوں میں۔^(۴)</p> <p>جنتوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔^(۵) جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہو گا۔^(۶) جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہو گی۔^(۷) نہ اس سے درد سر ہو اور نہ اسکے پینے سے بیکیں۔^(۸) اور ان کے پاس تیجی نظروں، بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی۔^(۹)</p> <p>ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے۔^(۱۰) (جنہی) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے۔^(۱۱)</p>	<p>إِلَّا عِبَادُ اللَّهِ الْمُحْصِنُونَ ①</p> <p>أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ②</p> <p>فَوَاكِهَةٌ وَهُمْ تَذَكَّرُونَ ③</p> <p>فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ④</p> <p>عَلَى سُرُورٍ مُتَقْلِبِينَ ⑤</p> <p>يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَانِسٍ عَنْ مَعْيَنٍ ⑥</p> <p>بَيْضَاءَ لَذَّةَ لِتَشْرِيبِينَ ⑦</p> <p>لَفِيهَا خَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يَنْزَهُونَ ⑧</p> <p>وَعَنْهُمْ قُبْرُ الظَّرْفِ عَيْنٌ ⑨</p> <p>كَانُهُنَّ بَيْضٌ تَنْتَوْنَ ⑩</p> <p>فَاقْبِلْ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ⑪</p>
---	---

دی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ میں عدل ہے کیونکہ یہ سب تمہارے اپنے عملوں کا بدله ہے۔

(۱) یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا، اگر کچھ ہوں گی اور ایک ایک نیکی کا اجر انہیں کئی کئی گناہ دیا جائے گا۔

(۲) کائنات، شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قدح خالی جام کو کہتے ہیں۔ معین کے معنی ہیں۔ جاری چشمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح، جنت میں شراب ہر وقت میر رہے گی۔

(۳) دنیا میں شراب عام طور پر بد رنگ ہوتی ہے، جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہو گی خوش رنگ بھی ہو گی۔

(۴) یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں تے، سرد رو، بد مستی اور بیکنے کا اندیشه نہیں ہو گا۔

(۵) بڑی اور موٹی آنکھیں حسن کی علامت ہے یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔

(۶) یعنی شتر مرغ اپنے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔ کہتے ہیں شتر مرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں، بوز ردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی

دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ، صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی اور حسن و رعنائی میں ہے۔

(۷) جنتی، جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنا کیں گے۔

ان میں سے ایک کرنے والا کہ گا کہ میرا ایک ساتھی
تھا۔^(۵۱)

جو (مجھ سے) کما کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین
کرنے والوں میں سے ہے؟^(۱)^(۵۲)

کیا جب کہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا اس
وقت ہم جزا دیے جانے والے ہیں؟^(۲)^(۵۳)

کے گاتم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟^(۳)^(۵۳)

جھانکتے ہی اسے پتوں بیچ جنم میں (جلتا ہوا) دیکھے گا۔^(۵۵)

کے گاوال اللہ! قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کر دے۔^(۵۶)

اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں
حاضر کئے جانے والوں میں ہوتا۔^(۳)^(۵۷)

کیا (یہ صحیح ہے) کہ ہم مر نے والے ہی نہیں؟^(۵)^(۵۸)

بجز پہلی ایک موت کے،^(۱) اور نہ ہم عذاب کیے جانے

قالَ قَدْلٌ مِنْهُمْ إِذِنَ كَانَ لِيَ قَوْنٌ^(۱)

يَقُولُ إِنَّكَ لِيَنَ الْمُصَدِّقِينَ^(۲)

إِذَا وَدَنَا وَكَانَ تَرَابًا وَعِظَامًا إِذَا الْمَدِيْنُونَ^(۳)

قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُظْلِمُونَ^(۴)

فَأَكْلَمَ فَرَأَهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيْمِ^(۵)

قَالَ تَالِهِ إِنْ كَدْتَ لَتَرْدِيْنَ^(۶)

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّ الْكَبِيْتِ مِنَ الْمُخْضَرِيْنَ^(۷)

أَفَمَا نَحْنُ بِمُتَبَيِّنِينَ^(۸)

إِلَمْ وَتَنَاهَا الْأُولَى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ^(۹)

(۱) یعنی یہ بات وہ استہزا اور نہاد کے طور پر کما کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے کیا ایسی ناممکن الوقوع بات پر تو یقین رکھتا ہے؟

(۲) یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی؟

(۳) یعنی وہ جنتی، اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتمیں کہنے والا وہاں نظر آجائے تو تمہیں بتاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتمیں کرتا تھا۔

(۴) یعنی جھانکنے پر اسے جنم کے وسط میں وہ شخص نظر آجائے گا اور اسے یہ جنتی کے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا، ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جنم میں ہوتا۔

(۵) چہنیوں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہ گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی اب یہ زندگیاں دائی نہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جنمی ہمیشہ جنم میں رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی کہ جنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔

(۶) جو دنیا میں آجکی۔ اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔

والے ہیں۔^(۵۹)

پھر تو (ظاہرات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے۔^(۶۰)
ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا
چاہیے۔^(۶۱)

کیا یہ مسمانی اچھی ہے یا سینڈھ (زقوم) کا درخت؟^(۶۲)
جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا
ہے۔^(۶۳)

بے شک وہ درخت جنم کی جڑیں سے نکلتا ہے۔^(۶۴)
جسکے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں۔^(۶۵)
(جنمنی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے
پیٹ بھریں گے۔^(۶۶)

إِنَّ هَذَا الْهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ①

لِيُتَشَّلِّهُ هَذَا فَيَعْمَلُ الْعَبْدُونَ ②

أَذْلَكَ حَبْرٌ تُرْزُلُ أَمْ شَجَرَةُ الرَّقْوُمِ ③

إِنَّا جَعَلْنَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ④

إِنَّهَا شَجَرَةٌ مَخْرُجٌ فِي أَصْلِ الْجَعِيلِ ⑤

طَلَعْهَا كَانَهُ دُوْسُ الشَّيْطَانِ ⑥

فَإِنَّمَا لَا يَكُونُ مِنْهَا فَالْفُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ⑦

(۱) اس لیے کہ جنم سے نج جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پا جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو گی؟

(۲) یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہ سب سے نفع بخش تجارت ہے۔ نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے۔ اور خسارے کا سودا ہے۔

(۳) زَقْوُمُ، تَرَقْمُ سے مشتق ہے، جس کے معنی بدبودار اور کریب چیز کے نگنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جنم کے لیے سخت ناگوار ہو گا۔ کیوں کہ یہ سخت بدبودار کڑوا اور نہایت کریب ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے، یہ قطرہ درخت ہے جو تمامہ میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے، اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے۔ (فتح القدیر) لیکن پلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں۔

(۴) آزمائش، اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بست بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انسوں نے انکار کیا کہ جنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہو گی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالماں سے مراد وہ اہل جنم ہیں جن پر جنم واجب ہو گی۔

(۵) یعنی اس کی بڑی جنم کی گمراہی میں ہو گی البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔

(۶) اسے شناخت و قباحت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی، جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں گویا کہ وہ فرشتہ ہے۔

(۷) یہ انہیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہرات ہے پیٹ بو جھل ہی ہوں گے۔

پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملوٹی ہو گی۔^(۱) (۲۷)

پھر ان سب کا لوٹا جنم کی (آگ کے ڈھیر کی) طرف ہو گا۔^(۲) (۲۸)

لیکن مانو! کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو بہکا ہوا پایا۔^(۲۹) (۲۹)

اور یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑتے رہے۔^(۳) (۷۰)

ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بک چکے ہیں۔^(۴) (۷۱)

جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے۔^(۵) (۷۲)

اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا ان کا انجام کیسا کچھ ہوا۔^(۶) (۷۳)

سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔^(۷) (۷۴)

اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔^(۷) (۷۵)

ثُمَّإِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا الشَّوْبَا مِنْ حَمِيمٍ^{۱۰}

ثُمَّإِنَّ مَرْجِعَهُمْ إِلَى الْبَعْدِ^{۱۱}

إِنَّهُمْ أَفْوَأُ الْأَبَاءُ هُمْ ضَالُّونَ^{۱۲}

فَهُمْ عَلَىٰ أَشْرِقِهِمْ يُهَرَّعُونَ^{۱۳}

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ^{۱۴}

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنذِرِينَ^{۱۵}

فَانْظُرْ إِنَّمَا كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذِرِينَ^{۱۶}

إِلَّا عَبَادَ اللَّهِ الْمُخَلَّصِينَ^{۱۷}

وَلَقَدْ نَذَرْنَا نُوحًا فَلَنِعَمُ الْمُجْدِيُونَ^{۱۸}

(۱) یعنی کھانے کے بعد انہیں پانی کی طلب ہو گی تو کھوتا ہوا گرم پانی انہیں دیا جائے گا، جس کے پینے سے ان کی انتزیاب کٹ جائیں گی (سورہ محمد ۱۵)

(۲) یعنی زقوم کے کھانے اور گرم پانی کے پینے کے بعد انہیں دوبارہ جنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۳) یہ جنم کی مذکورہ سزاوں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادوں کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور دلیل و جدت کے مقابلے میں تقليد کو اپناۓ رکھا، إِهْرَاعٌ إِسْرَاعٌ کے معنی میں ہے یعنی دوڑنا اور نہایت شوق سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔

(۴) یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔

(۵) یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انہوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نیچتا انہیں تباہ کر دیا گیا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔

(۶) یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچا لیا۔ مُخْلَصِينَ، وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے، مُنذِرِینَ (تباه ہونے والی قوموں) کے اجمالی ذکر کے بعد اب چند مُنذِرِینَ (پیغمبروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۷) یعنی سازھے نوسال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ

ہم نے اسے اور اس کے گھروں کو^(۱) اس زبردست مصیبت سے بچایا۔^(۲۷)

اور اس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنا دی۔^(۲۸)
اور ہم نے اس کا (ذکر خیر) پچھلوں میں باقی رکھا۔^(۲۹)

نوح (علیہ السلام) پر تمام جماؤں میں سلام ہو۔^(۳۰)
ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بد لے دیتے ہیں۔^(۳۱)

وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔^(۳۲)
پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا۔^(۳۳)

اور اس (نوح علیہ السلام کی) تابعداری کرنے والوں میں سے (ہی) ابراہیم (علیہ السلام بھی) تھے۔^(۳۴)

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّةً هُمُ الْبَاقِينَ ⑦
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْأَخْرِيَنَ ⑧

سَلَّمَ عَلَىٰ تُوْجِهٍ فِي الْعَلَيْنِ ⑨
إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ⑩

إِنَّهُ مِنْ عَبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ⑪
ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِيَنَ ⑫

وَإِنَّ مِنْ شَيْعَتِهِ لَا تَرْهِيمَ ⑬

ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا۔ ﴿فَدَعَاهُبَّةَ الْمَغْلُوبِ فَاتَّصَرَ﴾ (سورۃ القمر ۰۰) "یا اللہ میں مغلوب ہوں، میری مدد فرم۔" چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر بہلاک کر دیا۔

(۱) اہل سے مراد، حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں، جن میں ان کے گھر کے افراد بھی ہیں جو مومن تھے۔ بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸۰ بتائی ہے۔ اس میں آپ کی بیوی اور ایک لاکاشال نہیں، جو مومن نہیں تھے، وہ بھی طوفان میں غرق ہو گئے۔ کرب عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلاح عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی۔

(۲) اکثر مفسرین کے قول کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ حام، سام، یافث۔ انہی سے بعد کی نسل انسانی چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے (یعنی آدم علیہ السلام کی طرح، آدم علیہ السلام کے بعد یہ دوسرے ابوالبشر ہیں۔ سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یہود و نصاری ہیں۔ حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک) یعنی سندھ، ہند، نوب، زنج، جبشہ، قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے مقابلہ، ترک، خزر اور یا جوج و ماجوج وغیرہم ہیں۔ (فتح التدیر) والله أعلم

(۳) یعنی قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔

(۴) یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے، ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور پچھلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی۔ اسی طرح جو بھی اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راجح اور معروف ہو گا، اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ کریں گے۔

(۵) شیعۃ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین و اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں

إذْ جَاءَ رَبَّهُ يَقْلِبُ سَلِيمٌ ﴿٨٣﴾

إِذْ قَالَ لِكَبِيرٍ وَقَوْمَهُ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٤﴾

أَفَقَاتَ الْهَمَةُ دُونَ اللَّهِ تُرْبِدُونَ ﴿٨٥﴾

فَهَمَّأْتُكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾

فَظَرَنَّ نَظَرَةً فِي النَّجْوِ ﴿٨٧﴾

فَقَالَ إِلَيْهِ سَيِّدُهُمْ ﴿٨٨﴾

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

جَبَكَهُ أَپْنےِ ربِّ کے پاس بے عیبِ دل لائے۔ (۸۳)

انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟ (۸۵)

کیا تم اللہ کے سوا گھرے ہوئے معبدوں چاہتے ہو؟ (۸۶)

تو یہ (بِتَلَوَ كَه) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ (۸۷)

اب ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی۔ (۸۸)

اور کہا میں تو بیکار ہوں۔ (۸۹)

اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے۔ (۹۰)

جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح انباتِ الٰہِ اللہ کی توفیقِ خاص نصیب ہوئی۔

(۱) یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبد ہیں، 'تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو' دراں حایکہ یہ پھر اور مورتیاں ہیں۔

(۲) یعنی اتنی فتحِ حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہو گا اور تمہیں سزا نہیں دے گا۔

(۳) آسمان پر غور و فکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا، جو کہ ستاروں کی گردش کو حاوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب ان کی قوم کا وہ دن آیا، جسے وہ باہر جا کر بطور عید اور قومی توار منیا کرتی تھی۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام تھامی اور موقعے کی تلاش میں تھے، تاکہ ان کے بتوں کا تیپانچہ کیا جاسکے۔ چنانچہ انہوں نے یہ موقعِ غنیمت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا۔ اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں یا آسمانوں کی گردش بتلاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی، ہر انسان کچھ نہ کچھ بیمار ہوتا ہی ہے، علاوہ ازیں قوم کا شرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا ایک مستقل روگ تھا، جسے دیکھ کر وہ کڑھتے رہتے تھے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعریض اور توریے کا اطمینان فرمایا جو اگرچہ جھوٹ نہیں ہوتا لیکن مخاطب اس کے مبارکہ مفہوم سے مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے حدیث ثلث کذبات میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ اس کی ضروری تفصیل سورہ نبیاء۔ ۶۳ میں گزر چکی ہے۔

آپ (چپ چپاتے) ان کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟^(۱) (۹۱)
 تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو۔^(۲) (۹۲)
 پھر تو (پوری قوت کے ساتھ) دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے۔^(۳) (۹۳)
 وہ (بت پرست) دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔^(۴) (۹۴)
 تو آپ نے فرمایا تم انہیں پوچھتے ہو جنہیں (خود) تم تراشتے ہو۔^(۵) (۹۵)
 حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔^(۶) (۹۶)
 وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اس (دکھنی ہوئی) آگ میں اسے ڈال دو۔^(۷) (۹۷)
 انہوں نے تو اس (ابراهیم علیہ السلام) کے ساتھ مکر کرنا

فَوَاعْرَأْ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۖ^(۸)
 مَالَكُمْ لَا تَسْطِعُونَ^(۹)
 فَرَاغْ عَلَيْهِمْ ضَرَبَ إِلَيْهِمْ^(۱۰)
 فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَرِثُونَ^(۱۱)
 قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا شَجَحُونَ^(۱۲)
 وَإِنَّهُ خَلَقُوكُمْ وَمَا عَمَلُونَ^(۱۳)
 قَالُوا بِنِوَالَّهِ بُنْيَانًا قَالَ قُوَّةٌ فِي الْجَنَاحِيْو^(۱۴)
 فَأَرَادُوا يَهِيْكِنْ أَجْعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ^(۱۵)

(۱) یعنی جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہریات ہے انہیں نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔

(۲) رَاغَ کے معنی ہیں، مال، ذہب، اقبال، یہ سب متقابِ المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے ضَرَبْ بِالْيَمِينِ کا مطلب ہے ان کو زور سے مار مار کر توڑانا۔

(۳) يَرِثُونَ، يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے۔ یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود نوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا، کہ یہ کام اسی نے کیا ہو گا، جیسا کہ سورہ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے چنانچہ انہیں پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔

(۴) یعنی وہ مورتیاں اور تصویریں بھی جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انہیں معبود سمجھتے ہو، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچا کر دیا۔^(۹۸)

اور اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کما میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔^(۹۹) وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔^(۱۰۰)

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رِزْقٍ سَيِّئَهُ بِنِ

رَبِّ هَبْلٍ مِّنَ الظَّلِيجِينَ

فَبَشَّرَنَاهُ بِغَلامٍ حَلِيلٍ

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السُّنْنِي قَالَ يَلْتَمِسُ إِنِّي أَرِي فِي الْمَنَاءِ إِنِّي

أَذْجَعْتَ فَانْظُرْ مَاذَا أَتَرَى قَالَ يَا بَتَ افْعُلْ مَائُونَسْ

سَمَدِيَنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ

اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرم۔^(۱۰۰)

تو ہم نے اسے ایک بربار بچے کی بشارت دی۔^(۱۰۱)

پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے،^(۱۰۲) تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کما میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذمہ کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیارائے ہے؟^(۱۰۳)

بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجالائیے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔^(۱۰۴)

غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی^(۱۰۵) کے بل گرا دیا۔^(۱۰۶)

فَلَمَّا آتَسْلَمَ أَوْتَلَهُ لِلْجَاجِينَ

(۱) یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے مکروحیے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، اور آزمائش کو عطا میں اور شر کو خیر میں بدل دیتا ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق) میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جا کر اولاد کے لیے دعا کی (فتح القدر)

(۳) حلیم کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ پچھہ بڑا ہو کر بربار ہو گا۔

(۴) یعنی دوڑھوپ کے لائق ہو گیا ملوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ پچھے ۱۳ سال کا تھا۔

(۵) پیغمبر کا خواب، وحی اور حکم الہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی انتقال امر الہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟

(۶) ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جنہیں) اس لیے لِلْجَاجِینَ کا زیادہ صحیح ترجمہ "کروٹ پر" ہے یعنی اس طرح کروٹ پر لٹایا، جس طرح جانور کو ذمہ کرتے وقت قبل رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ "پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا" ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ

تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! (۱۰۳)
 یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا،^(۱) بیشک ہم نیکی
 کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ (۱۰۵)
 درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔^(۲) (۱۰۶)
 اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے
 دیا۔^(۳) (۱۰۷)

اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ (۱۰۸)
 ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ (۱۰۹)
 ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدله دیتے ہیں۔ (۱۱۰)
 بیشک وہ ہمارے ایمان وار بندوں میں سے تھا۔ (۱۱۱)
 اور ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) نبی کی بشارت دی
 جو صلح لوگوں میں سے ہو گا۔^(۴) (۱۱۲)

وَنَادَيْهُ أَنْ يَأْتِيَهُمْ ۝
 قَدْ صَدَّقُتِ الرُّؤْيَا إِنَّا لَكَ بِنَجْرِي الْمُحْسِنِينَ ۝

إِنَّ هَذَا الْهُوَ الْبَلُوُّ الْمُبِينُ ۝
 وَقَدْ يُنَاهِي بِدِبْعَجِ عَظِيمٍ ۝

وَتَرَكَتْ عَلَيْنِو فِي الْأَغْرِيْنِ ۝
 سَلَّمَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ ۝

كَذَلِكَ بِنَجْرِي الْمُحْسِنِينَ ۝
 إِنَّهُ مِنْ عَبَادَنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝
 وَبَشَّرَنَّهُ بِإِسْحَاقِ تَبَيَّنَ مِنَ الصَّلِيْحِينَ ۝

مشور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہو سامنے نہ رہے جس سے پار و شفقت کا جذبہ امراللہ پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

(۱) یعنی دل کے پورے ارادے سے بچ کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹادینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے، حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔
 (۲) یعنی لا ذلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سخرورہا۔

(۳) یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر)
 اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیم کو قیامت تک قرب الہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عید الاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ مفسرین کے درمیان اس کی بابت اختلاف ہے کہ ذبح کون ہے، اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟ امام ابن جریر نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور ابن کثیر اور اکثر مفسرین نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔ امام شوکانی نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر فتح القدير اور تفسیر ابن کثیر)

اور ہم نے ابراہیم و اسحاق (علیہما السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں،^(۱) اور ان دونوں کی اولاد میں بعضے تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔^(۲) (۱۱۳)

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بڑا احسان کیا۔^(۳) (۱۱۴)

اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ ورد سے نجات دے دی۔^(۴) (۱۱۵)

اور ان کی مدد کی تو وہی غالب رہے۔^(۵) (۱۱۶)

اور ہم نے انہیں (واضح اور) روشن کتاب دی۔^(۶) (۱۱۷)

اور انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا۔^(۷) (۱۱۸)

اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی۔^(۸) (۱۱۹)

کہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلام ہو۔^(۹) (۱۲۰)

وَبِرَبِّكُنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِنْتَهَىٰ وَمَنْ ذِكْرَهُمَا غَنِيٌّ وَظَالِمٌ
لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝

وَجَعَلْنَاهُمَا فَوْهَمَهُمَا مِنَ الْكَرِيمِ الْعَظِيمِ ۝

وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَلِيلُونَ ۝

وَاتَّبَعْنَاهُمَا الْكِتَابَ النَّبِيِّنَ ۝

وَهَدَدَنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَخْرَىٰ نَٰنَ ۝

سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝

(۱) یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انہیا و رسول کی زیادہ تعداد انہی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور پھیلی اور اکثر انہیا ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

(۲) شرک و معصیت اور ظلم و فساد کا ارتکاب کر کے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک و بد کے ذکر سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آباؤ کی نسبت اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی اہمیت ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک و معصیت پر مبنی ہیں۔ اس لیے یہ اوپری نسبتیں ان کے لیے عمل کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

(۳) یعنی انہیں نبوت و رسالت اور دیگر انعامات سے نوازا۔

(۴) یعنی فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و استبداد سے۔

إِنَّا كَذَلِكَ نَعْزِزُ الْمُحْسِنِينَ ④

ہیں۔ ۱۲۱)

یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ ۱۲۲)
بے شک ایاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے
تھے۔ ۱۲۳)

جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے
نہیں ہو۔؟ ۱۲۴)

کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور رب سے بہتر
خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ۱۲۵)

اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ وادوں کا رب
ہے۔ ۱۲۶)

لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا، پس وہ ضرور (عذاب میں)
حاضر رکھے ۱۲۷) جائیں گے،

سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے۔ ۱۲۸)
ہم نے (ایاس علیہ السلام) کا ذکر خیر پیغمبروں میں بھی باقی
رکھا۔ ۱۲۹)

کہ ایاس پر سلام ہو۔ ۱۳۰)

إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ⑤

وَأَنَّ إِلَيَّاَسَ لِمَنِ الْمُرْسَلُونَ ⑥

إِذْ قَالَ لِقَوْمَهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۝

أَنْدُعُونَ بِعَلَوَّتَدُونَ أَخْسَنَ الْخَلِيقَينَ ۷

إِلَهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ ابْنَكُمُ الْأَوَّلِينَ ۸

فَلَكَ بُوْدَةٌ فَإِنَّهُ لَمْ يَعْضُرُونَ ۹

إِلَّا عِبَادُ اللَّهِ الْمُخْلَصُينَ ۱۰

وَتَرَكُنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ ۱۱

سَلَّمُ عَلَى إِلَيَّاسِينَ ۱۲

(۱) یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بعلبک تھا، بعض کہتے ہیں اس جگہ کا نام سامرہ ہے جو فلسطین کا مغربی وسطیٰ علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بعل نامی بت کے پچاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوی کا نام تھا)

(۲) یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

(۳) یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو، اس کے نام کی نذر نیاز دیتے اور اس کو حاجت روائی سمجھتے ہو، جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پیغمبروں سب کا رب ہے، اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔

(۴) یعنی توحید و ایمان سے انکار کی پاداش میں جنم کی سزا بھگتیں گے۔

(۵) ایاسین، ایاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے، جیسے طور سینا کو طور سینین بھی کہتے ہیں۔ حضرت ایاس علیہ

ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۳۱)
 پیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔ (۱۳۲)
 پیشک لوٹ (علیہ السلام بھی) پیغمبروں میں سے تھے۔ (۱۳۳)
 ہم نے انہیں اور ان کے گھروں والوں کو سب کو نجات
 دی۔ (۱۳۴)

بجز اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ
 گئی۔ (۱۳۵)

پھر ہم نے اور وہ کوہلاک کر دیا۔ (۱۳۶)
 اور تم تو صحیح ہونے پر ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے
 ہو۔ (۱۳۷)

اور رات کو بھی، کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟ (۱۳۸)
 اور بلاشبہ یونس (علیہ السلام) نبیوں میں سے تھے۔ (۱۳۹)

إِنَّا كَذَلِكَ بَعْذَرِيَ الْمُحْسِنِينَ ۝
 إِنَّهُمْ مِنْ عَبَادَةِ الْمُؤْمِنِينَ ۝
 وَلَأَنَّ لِوَطًا لِّمَنِ الْمُؤْسِلِينَ ۝
 إِذْ تَبَعِّدُهُمْ رَأَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

إِلَّا يَعْجُوزُ فِي الْغَيْرِينَ ۝

كُلُّ دَمَرَنَا الْأَخَرِينَ ۝
 وَلَكُمْ لَتَتَرَوْنَ عَلَيْهِمْ مُّضِيَّنَ ۝
 وَبِائِنِينَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝
 وَلَأَنَّ يُوْسَفَ أَهِنَ الْمُؤْسِلِينَ ۝

السلام کو دوسری کتابوں میں "إِيلیا" بھی کہا گیا ہے۔

(۱) قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے، ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ جس سے دو مقصد ہیں۔ ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفتاد کا اظہار جو ایمان کا لازمی جز ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات و انجیل کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو بعض انبیا کی شان میں غلوکر کے ان کے اندر الہی صفات و اختیارات ثابت کرتے ہیں۔ یعنی وہ پیغمبر ضرور تھے لیکن تھے بہر حال اللہ کے بندے اور اس کے غلام نہ کہ اللہ یا اس کے جزیا اس کے شریک۔

(۲) اس سے مراد حضرت لوٹ علیہ السلام کی یہوی ہے جو کافرہ تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس بستی سے باہر نہیں گئی تھی، کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کر دی گئی۔

(۳) یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے گزرتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب مردار بیکھر ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریب ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسول کی وجہ سے ان کا یہ بدنیجام ہوا، تو تمہاری اس روشن کا ننجام بھی اس سے مختلف کیوں کر ہو گا؟ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو، جو انہوں نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں کر محفوظ رہو گے؟

جب بھاگ کر پنجے بھری کشتی پر۔ (۱۳۰)

پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے۔ (۱۳۱)

تو پھر انہیں مچھلی نے نکل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت^(۱) کرنے لگ گئے۔ (۱۳۲)

پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ (۱۳۳)

تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے۔ (۱۳۴)

پس انھیں ہم نے چیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت یہاں رہتے۔ (۱۳۵)

إذَا بَقَ إِلَى الْقُلُبِ الْمَشْحُونِ ۝

فَأَهْمَرَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝

فَالْتَّقِيهُ الْجَوْتُ وَهُوَ مُلْبِمٌ ۝

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَيْحِينَ ۝

لَيَسْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَّا يَوْمَ يُبَعَّثُونَ ۝

فَنَبَذَنَهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۝

(۱) حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینوی (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ آشوریوں کا پایہ تخت تھا، انہوں نے ایک لاکھ بنا اسرائیلوں کو قیدی بنایا ہوا تھا، چنانچہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا، لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بالآخر انہی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الہی کی گرفت میں آجائو گے۔ عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور سامانوں سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجودوں میں گھرگئی اور کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانبیں فتح جائیں۔ لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی، جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے، یعنی طوعاً و کرھاً اپنے کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجودوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ثابت نکل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

(۲) یعنی توبہ واستغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے، جیسا کہ انہوں نے ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ ۚ إِنِّي لَكُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ الأَنْبِيَاءٖ ۸۷﴾ کما) تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

(۳) یعنی ولادت کے وقت پہلے یا جانور کا چوزہ ہوتا ہے، مضمحل، کمزور اور ناتوان۔

اور ان پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت ۱) ہم نے
اگاڑیا۔ (۱۳۶)

وَابْتَسَنَاهُ شَجَرَةً مِّنْ يَعْطِينَ ۝

اور ہم نے انھیں ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی
طرف بھیجا۔ (۱۳۷)

وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مَائِئَةَ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۝

پس وہ ایمان لائے، ۲) اور ہم نے انھیں ایک زمانہ تک
عیش و عشرت دی۔ (۱۳۸)

فَامْتُو اَهْمَّهِمُهُمْ إِلَى حَيْنٍ ۝

ان سے دریافت کیجئے! کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں
ہیں اور ان کے بیٹے ہیں؟ (۱۳۹)

فَاسْتَقْبِلُهُمُ الْرَّبِّكَ الْبَنَاتُ وَهُمُ الْبَنُونَ ۝

یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مؤنث
پیدا کیا۔ (۱۴۰)

آمَّا حَقَّنَا الْمَلِكَةُ إِنَّا شَاءْهُمْ شُهَدُونَ ۝

آگاہ رہو! کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پر دازی سے کہ
رہے ہیں۔ (۱۴۱)

اللَّا إِنَّهُمْ مِّنْ إِنْكِعَمُونَ ۝

کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں۔ (۱۵۲)
کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح
دی۔ (۱۵۳)

وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ۝

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟ (۱۵۴)
کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟ (۱۵۵)

مَا الْكُفَّارُ مِنْ عَنْكَمُونَ ۝

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝

(۱) یَعْطِينَ ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، کدو وغیرہ کی بیل۔ یعنی اس چیل میدان میں جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت۔ ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی۔

(۲) ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورہ یونس ۹۸ میں گزر چکا ہے۔

(۳) یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے، یہ اس وقت وہاں موجود تھے اور انہوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا۔

(۴) جب کہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں۔

(۵) کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو ذکور ہوتی، جس کو تم بھی پسند کرتے اور بہتر سمجھتے ہو، نہ کہ بیٹیاں، جو تمہاری نظروں میں کمتر اور حیرتیں۔

أَمْ لَكُمْ سُلْطَنٌ مُّبِينٌ ⑤

فَإِنْ تُؤْكِلْهُمْ إِنْ لَنْتُ مُصِدِّقَنَ ⑥

وَجَعَلْتُ أَبِينَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةَ نَبَأً ۖ وَلَقَدْ عِلِّمْتُ الْجِنَّةَ ۗ

إِنَّهُمْ لَمُحْضُرُونَ ⑦

سُبْحَانَ اللَّهِ وَعَمَّا يَصِفُونَ ⑧

إِلَّا عِبَادُ اللَّهِ الْمُخَاصِّصُونَ ⑨

فَإِنَّكُمْ وَمَا أَنْعَدْتُمْ ⑩

مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِغَافِرِينَ ⑪

إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَمِيعُ ⑫

وَمَا مِنْ إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ⑬

یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے۔ (۱۵۶)

تو جاؤ اگرچہ ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ۔ (۱۵۷)

اور ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی (۲) ہے، اور حالانکہ خود جنات کو معلوم ہے کہ وہ (اس عقیدہ کے لوگ عذاب کے سامنے) پیش کیے جائیں گے۔ (۱۵۸)

جو کچھ یہ (اللہ کے بارے میں) بیان کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے۔ (۱۵۹)

سوائے! اللہ کے مخلص بندوں کے۔ (۱۶۰)

لیکن مانو کہ تم سب اور تمہارے معبدوں ان (باطل)۔ (۱۶۱)

کسی ایک کو بھی بہکانیس سکتے۔ (۱۶۲)

بجز اس کے جو جسمی ہی ہے۔ (۱۶۳)

(فرشتون کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ

(۱) یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی موت نہ، چلو کوئی نظری دلیل ہی دکھا دو، کوئی کتاب جو اللہ نے اتری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو؟

(۲) یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کیا، جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ یہی بنات اللہ، فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قرابت داری (سرالی رشتہ) قائم ہو گیا۔

(۳) حالانکہ یہ بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا؟ کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انہیں عقاب و عذاب اللہ بھگتنے کے لیے ضرور جنم میں جانا ہو گا، تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قرابت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟

(۴) یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کاشیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے، اللہ کے مخلص (پنے ہوئے) بندے نہیں۔ ان کے لیے تو اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ لِمُخْضَرُوْنَ سے اشتباہ ہے اور تسبیح جملہ مفترضہ ہے۔

(۵) یعنی تم اور تمہارے معبدوں ان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پسلے ہی جنمی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفو و شرک پر مصریں۔

مقرر ہے۔^(۱) (۱۶۳)

اور ہم تو (بندگی الٰی میں) صفت سستہ کھڑے ہیں۔ (۱۶۵)

اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔^(۲) (۱۶۶)

کفار تو کما کرتے تھے۔ (۱۶۷)

کہ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کا ذکر ہوتا۔ (۱۶۸)

تو ہم بھی اللہ کے چیدہ بندے بن جاتے۔^(۳) (۱۶۹)

لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے،^(۴) پس اب

عنقریب جان لیں گے۔^(۵) (۱۷۰)

اور البتہ ہمارا وعدہ پسلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر

ہو چکا ہے۔ (۱۷۱)

کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے۔ (۱۷۲)

اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا۔^(۶) (۱۷۳)

اب آپ کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لیجئے۔^(۷) (۱۷۴)

اور انہیں دیکھتے رہئے،^(۸) اور یہ بھی آگے چل کر دیکھے

وَإِنَّا لَنَحْنُ الظَّاهِرُونَ ۝

وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسْتَعْدُونَ ۝

فَإِنْ كَانُوا لَا يَقُولُونَ ۝

لَوْلَآتَ عَنْدَنَا ذَكْرًا إِنَّ الْأَقْلَمِينَ ۝

لَكُنَّا لِعِبَادَ اللَّهِ الْخَلُصِينَ ۝

فَقَمَرُوا لِيَهُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كُلِّنَا لِعِبَادَنَا الْمُرْسَلِينَ ۝

إِنَّهُمْ لَهُمْ أَمْنُصُورُونَ ۝

وَلَنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَلِيلُونَ ۝

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ جِنِينَ ۝

ذَآبُورُهُمْ نَسْوَفَ يَغْرُبُونَ ۝

(۱) یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں، نہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔

(۳) ذکر سے مراد کوئی کتاب الٰی یا پیغمبر ہے۔ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پسلے کما کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی، جس طرح پسلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا، تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

(۴) یعنی ان کی آرزو کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بن کر آگئے، قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کے بجائے ان کا انکار کر دیا۔

(۵) یہ تهدید و عید ہے کہ اس مکذب کا انعام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

(۶) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿كَتَبَ اللَّهُ لِلْأَغْلَبِينَ آنَا وَدُرْبِلِنَ﴾ (المجادلة: ۲۱)

(۷) یعنی ان کی باتوں اور ایذاوں پر صبر کیجئے۔

(۸) کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟

لیں گے۔ (۱۷۵)

کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ (۱۷۶)
سنو! جب ہمارا عذاب ان کے میدان میں اتر آئے گا اس
وقت ان کی جن کو متذہب کر دیا گیا تھا^(۱) بڑی بربی صبح ہو
گی۔ (۱۷۷)

آپ کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دیجئے۔ (۱۷۸)
اور دیکھتے رہئے یہ بھی ابھی دیکھ لیں گے۔ (۱۷۹)
پاک ہے آپ کارب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس
چیز سے (جو مشرک) بیان کرتے ہیں۔ (۱۸۰)
پیغمبروں پر سلام ہے۔ (۱۸۱)
اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے
جمان کارب ہے۔ (۱۸۲)

أَفَعَدَ إِيمَانَكُمْ جُهَّالُونَ ④

فَإِذَا نَزَّلَنَا سَاحِرَاتٍ فَسَاءَ صَبَّاغُ الْمُنْذَرِينَ ⑤

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ جِئْنَ ⑥

وَأَبْغُرُ قَوْمًا يُمْبَرُونَ ⑦

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ⑧

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ⑨

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑩

(۱) مسلمان جب خیر پر حملہ کرنے گئے تو یہودی انسیں دیکھ کر گھبرا گئے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ اکبر کہہ کر فرمایا تھا۔ «خَرَبَتْ خَبَّيرُ، إِنَّا إِذَا نَزَّلْنَا بِسَاحَةٍ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَّاغُ الْمُنْذَرِينَ» (صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ما یذکر فی الفخذ، مسلم، کتاب الجنہ، باب غزوۃ خبیر)

(۲) یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پسلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر واحد اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل و سلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔

(۳) اس میں عیوب و نقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً اس کی اولاد ہے، یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کو تاہیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولادیا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں، اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔

(۴) کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا، جس پر یقیناً وہ سلام و تبریک کے مستحق ہیں۔

(۵) یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمیں اللہ کا پیغام پہنچایا، اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا، اس پر شکر الہی کرو۔ حمد کے معنی میں ہے قصد تعظیم شاء جیل، ذکر خیر اور عظمت شان بیان کرنا۔

شیعہ کلّیۃ الرحمٰن

سورہ ص کی ہے اور اس میں انحصاری آئیں اور پانچ روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

ص! اس نصیحت والے قرآن کی قسم۔^(۱)
بلکہ کفار غور و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۲)
ہم نے ان سے پسلے بھی بہت سی امتوں کو تباہ کر دیا۔^(۳)
انہوں نے ہر چند چیخ پکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا نہ
تھا۔^(۴)

اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے
ایک انہیں ڈرانے والا آگیا^(۵) اور کہنے لگے کہ یہ تو
جادوگر اور جھوٹا ہے۔^(۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

صَوْلَاتُ اللّٰهِ عَلَىٰ مَنْ أَنْهَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَبْلِهِمْ فَنَادَاهُمْ رَبُّهُمْ حِينَ مَنَاصِ

بِلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عَرْقَةٍ وَشِقَاقٍ ①

كُمْ أَفْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَبْلِهِمْ فَنَادَاهُمْ رَبُّهُمْ حِينَ مَنَاصِ ②

وَعَجَّبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الظَّفَرُونَ هَذَا نَحْنُ

كَذَابٌ ③

(۱) جس میں تمہارے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں، جن سے تمہاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ بعض نے ذی الذکر کا ترجمہ شان اور مرتبہ والا کیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اس لیے کہ قرآن عظمت شان کا حال بھی ہے اور اہل ایمان و تقویٰ کے لیے نصیحت اور درس عبرت بھی۔ اس قسم کا جواب محدود ہے کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساحر، شاعر یا کاذب ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جن پر یہ ذی شان قرآن نازل ہوا۔

(۲) یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک سے پاک اور ان کے لیے نصیحت ہے جو اس سے عبرت حاصل کریں البتہ ان کافروں کو اس سے فائدہ اس لیے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غور ہے اور دلوں میں مخالفت و عناد۔ عزت کے معنی ہوتے ہیں، حق کے مقابلے میں اکثرنا۔

(۳) جوان سے زیادہ مضبوط اور قوت والے تھے لیکن کفر و تکذیب کی وجہ سے برے انعام سے دوچار ہوئے۔

(۴) یعنی انہوں نے عذاب دیکھ کر مدد کے لیے پکارا اور توبہ پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن وہ وقت توبہ کا تھانہ فرار کا۔ اس لیے نہ ان کا ایمان نافع ہوا اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے لات، لآہی ہے جس میں ت کا اضافہ ہے جیسے ٹم کو نئمہ بھی بولتے ہیں مَنَاصِ، نَاصَ یَنْتُصُ کا مصدر ہے، جس کے معنی بھاگنے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔

(۵) یعنی انہی کی طرح کا ایک انسان رسول کس طرح بن گیا۔

کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا
واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔^(۵)

ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو جی اور اپنے
معبودوں پر جئے رہو،^(۶) یقیناً اس بات میں تو کوئی غرض
ہے۔^(۷)

ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی،^(۸) پچھے
نہیں یہ تو صرف گھرنٹ ہے۔^(۹)

کیا ہم سب میں سے اسی پر کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے؟^(۱۰)
دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں
ہیں،^(۱۱) بلکہ (صحیح یہ ہے کہ) انہوں نے اب تک میرا
عذاب پچھاہی نہیں۔^(۱۲)

أَجْعَلَ اللَّهُمَّ لَهَا أَجَدًا إِنَّ هَذَا شَفْعًا بِعَذَابٍ ۝

وَأَنْطَلَقَ الْمَلَائِكَةُ مَنْ أَمْشَوا وَاصِبْرُوا عَلَىٰ هُنَّكُمْ ۝ إِنَّ هَذَا
لَشَفَعٌ لَّتَرُدُّ ۝

مَآسِيَتَنَا بِهَذَا فِي الْمَلَأِ الْأَخْرَىٰ إِنَّ هَذَا إِلَّا
الْخِلَاقُ ۝

إِنَّزَلَ عَلَيْهِ الْذِكْرَ مِنْ مَا يُنَبِّئُنَا بِأَنْ هُنَّ فِي شَيْءٍ مِّنْ
ذَكْرِنَا بَلْ تَنَادُونَا بِذُوْقِ عَذَابٍ ۝

(۱) یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا
مستحق بھی صرف وہی ایک ہے؟ یہ ان کے لیے تعجب انگیز بات تھی۔

(۲) یعنی اپنے دین پر جئے رہو اور بتوں کی عبادت کرتے رہو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات پر کان مت دھرو!

(۳) یعنی یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے چھڑا کر دراصل ہمیں اپنے پیچھے لگانا اور اپنی قیادت و سیادت منوانا چاہتا ہے۔

(۴) پچھلے دین سے مراد یا تو ان کا ہی دین قریش ہے، یا پھر دین نصاریٰ۔ یعنی یہ جس توحید کی دعوت دے رہا ہے، اس کی
بات تو ہم نے کسی بھی دین میں نہیں سنی۔

(۵) یعنی یہ توحید صرف اس کی اپنی من گھرست ہے، ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک
تلیم کیا گیا ہے۔

(۶) یعنی مکے میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں، اگر اللہ کسی کو نبی بنانا ہی چاہتا تو ان میں سے کسی کو بناتا۔ ان سب کو
چھوڑ کر وحی و رسالت کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب بھی عجیب ہے؟ یہ گویا انہوں نے اللہ کے انتخاب میں کیزے
نکالے۔ یقین ہے خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ دوسرے مقام پر بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ زخرف۔ ۳۱، ۳۲۔

(۷) یعنی ان کا انکار اس لیے نہیں ہے کہ انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کا علم نہیں ہے یا آپ کی سلامت
عقل سے انہیں انکار ہے بلکہ یہ اس وحی کے بارے میں ہی ریب و شک میں بتلا ہیں جو آپ پر نازل ہوئی، جس میں
سب سے نمایاں توحید کی دعوت ہے۔

(۸) کیونکہ عذاب کا مزہ چکھ لیتے تو اتنی واضح چیز کی تکذیب نہ کرتے۔ اور جب یہ اس تکذیب کا واقعی مزہ چکھیں گے تو

یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت
کے خزانے ہیں۔^(۹)

یا کیا آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی باادشاہت
ان ہی کی ہے، تو پھر یہ رسیاں تاں کرچڑھ جائیں۔^(۱۰)
یہ بھی (بڑے بڑے) لشکروں میں سے شکست پایا ہوا
(چھوٹا سا) لشکر ہے۔^(۱۱)

ان سے پہلے بھی قوم نوح اور عاد اور میخون والے
فرعون^(۱۲) نے جھٹالا یا تھا۔

اور شمود نے اور قوم لوط نے اور ایک کے رہنے والوں
نے بھی، یہی (بڑے) لشکر تھے۔^(۱۳)

أَمْعَنْدُ هُمُّ حَرَابُونَ رَحْمَةً رَّبِّكَ الْعَزِيزُ الْوَهَابُ ۝

أَرْلَهُمْ مُّثْلُكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا صَفَرٌ إِنَّهُمْ
فِي الْكِسَابِ ۝

جُنْدُنَاهُنَّا لِكَ مَهْرُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝

كَذَبَتْ قَبَّلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّقَوْمُ عَوْنَوْنَ دُولَةٌ أَنْتَادَ ۝

وَثَمُودٌ وَّقَوْمُ لُوطٍ وَّأَهْلُبُ الْأَيْكَةِ أُولَئِكَ الْأَحْزَابُ ۝

وہ وقت ایسا ہو گا کہ پھر نہ تصدیق کام آئے گی، نہ ایمان ہی فائدہ دے گا۔

(۱) کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، انہی خزانوں میں نبوت بھی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ رب کے خزانوں کا مالک وہی وہاب ہے جو بت دینے والا ہے، تو پھر انہیں نبوت محمدی سے انکار کیوں ہے؟ جسے اس نوازنے والے رب نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے۔

(۲) یعنی آسمان پر چڑھ کر اس وحی کا سلسلہ منقطع کر دیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوتی ہے۔ اسباب، سبب کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہر اس چیز کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے، چاہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو۔ اس لیے اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ رسیوں کے علاوہ ایک ترجمہ دروازے کا بھی کیا گیا ہے، جن سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں۔ یعنی سیڑھیوں کے ذریعے سے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائیں اور وحی بند کر دیں۔ (فتح القدیر)

(۳) جُنْدُنَاهُنَّا مَحْذُوفُ هُمُّ کی خبر ہے اور مَا بَطُورٌ تَّاکِيدٌ تعظیم یا تحریر کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے۔ یعنی کفار کا یہ لشکر جو باطل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، بڑا ہے۔ یا حقیر، اس کی قطعاً پرواہ کریں نہ اس سے خوف کھائیں، شکست اس کا مقدر ہے۔ هُنَالِكَ مکان بعید کی طرف اشارہ ہے جو جنگ بدرا اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں کافر عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

(۴) فرعون کو میخون والا اس لیے کہا کہ وہ ظالم جب کسی پر غصب ناک ہوتا تو اس کے ہاتھوں، پیروں اور سر میں میخیں گاڑ دیتا، یا اس سے مقصد بطور استعارہ اس کی قوت و شوکت اور مضبوط حکومت کا اظہار ہے یعنی میخوں سے جس طرح کسی چیز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے، اس کا لشکر جرار اور اس کے پیروکار بھی اس کی سلطنت کی قوت و استحکام کا باعث تھے۔

(۵) أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ کے لیے دیکھئے سورہ شعراء ۱۷۶ اکا حاشیہ۔

ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی
تکذیب نہ کی ہو پس میری سزا ان پر ثابت ہو گئی۔ (۱۳)
انہیں صرف ایک چیز کا انتظار^(۱) ہے جس میں کوئی توقف
(اور ڈھیل) نہیں ہے۔ (۱۴) (۲)

اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری سرنوشت
تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی دے دے۔ (۱۵)

آپ ان کی بالوں پر صبر کریں اور ہمارے بندے داؤد
(علیہ السلام) کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا،^(۳) یقیناً وہ
بہت رجوع کرنے والا تھا۔ (۱۶)

ہم نے پیاروں کو اس کے تابع کر رکھا تھا کہ اس کے
ساتھ شام کو اور صبح کو سُبْحَانَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ کریں۔ (۱۷)

اور پرندوں کو بھی جمع ہو کر سب کے سب اس کے زیر

إِنْ كُلُّ إِلَّا كَذَبَ الرُّؤْسُلَ فَحَقُّ عِقَابٍ ۝

وَمَا يَنْظَرُ هُؤُلَاءِ إِلَّا مِيقَاتٌ ۝
مِنْ قَوْافِقَ ۝

وَقَالُوا رَبَّنَا أَعْجَلْنَا ۝
لَنَا قَطْنًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

إِصْبَرْ عَلَىٰ مَا يَعْلَمُونَ ۝
وَأَذْكُرْ عَبْدَنَا دَاؤَدَذًا ۝
الْأَدْيُدْ إِنَّهُ أَوَابٌ ۝

إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسْتَحْمَنْ بِالْعَيْشِيِّ وَالْأَشْرَاقِ ۝

وَالظَّيْرَ كَثْنُورَةٌ مُكْلِلَةٌ لَهُ أَوَابٌ ۝

(۱) یعنی صور پھونکنے کا جس سے قیامت برپا ہو جائے گی۔

(۲) دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ کچھ دودھ دوہ کرنے کے کو اوپنی یا گائے بھینس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے دودھ پینے سے تھنوں میں دودھ اتر آئے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد نے کو زبردستی پیچھے ہٹا کر خود دودھ دوہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو وقفہ ہے، یہ فوائد کملاتا ہے۔ یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا، بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہو گی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

(۳) قِطْ^۱ کے معنی ہیں، حصہ، مراد یا نامہ عمل یا سرنوشت ہے۔ یعنی ہمارے نامہ اعمال کے مطابق ہمارے حصے میں اچھی یا بُری سزا جو بھی ہے، یوم حساب کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دنیا میں دے دے۔ یہ يَسْتَغْلُونَكَ بِالْعَذَابِ والی بات ہی ہے۔ یہ وقوع قیامت کو ناممکن سمجھتے ہوئے انہوں نے استہزا اور تمسخر کے طور پر کہا۔

(۴) یہ آئیند، یہذ^۲ (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ آذینہ^۳ کا مصدر آئینہ ہے، قوت و شدت۔ اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے۔ اس قوت سے مراد دینی قوت و صلابت ہے، جس طرح حدیث میں آتا ہے ”اللّٰهُ كُو سب سے زیادہ محبوب نماز“ داؤد علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزے، داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ نصف رات سوتے، پھر انہوں کر رات کا تھائی حصہ قیام کرتے اور پھر اس کے چھٹے حصے میں سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے اور جنگ میں فرار نہ ہوتے، اصحاب بخاری، کتاب الأنبياء، باب و آتینا داؤد زبورا، و مسلم، کتاب الصيام، باب

فُرمان رہتے۔^(۱)

اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا^(۲) اور اسے حکمت دی تھی^(۳) اور بات کافی صلہ کرنا۔^(۴)
اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی (بھی) خبر می؟ جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آگئے۔^(۵)

جب یہ (حضرت) داؤد (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، پس یہ ان سے ڈر گئے،^(۶) انہوں نے کہا خوف نہ کیجئے! ہم دو فریق مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور ناالنصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ تبا دیجئے۔^(۷)

(سینے) یہ میرا بھائی ہے^(۸) اس کے پاس نتاوے دنیاں

وَشَدَّدَنَا لِكَهْ وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَلَ الْغِطَابِ^(۹)

وَهَلْ أَتَكَ تَبَوَّأَ الْخَطْمَ إِذْ سَوَّرَ الْخَرَابَ^(۱۰)

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاؤِدَ فَقَرَبُوهُ مِنْهُمْ قَاتُلُوا الْأَنْجَنَ حَصَمِنْ بَغْيَ
بَعْضُهُمَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَأَخْلُمُ بِيَنْتَارِ الْحَقِّ وَلَا تُشَطِّطُ وَأَهْرِيَنَ الْأَلَى
سَوَاءَ الظَّرَاطِ^(۱۱)

إِنَّ هَذَا أَبْيَقَنَّكَهْ بِتَسْعَهْ وَتَسْعُونَ نَعْجَهْ قَوْلَيْ نَعْجَهْ قَادِهَهْ^(۱۲)

(۱) یعنی اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے جانور بھی زبور کی قراءت سن کر ہوا ہی میں جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ محشورہ کے معنی مجموعہ ہیں۔

(۲) ہر طرح کے مادی اور روحانی اسباب کے ذریعے۔

(۳) یعنی بیوت، اصابت رائے، قول سداد اور فعل صواب۔

(۴) یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی صلاحیت، بصیرت و تفقہہ اور استدلال و بیان کی قوت۔

(۵) مِحرَاب سے مراد کمرہ ہے جس میں سب سے علیحدہ ہو کر یکمیوں کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے۔ دروازے پر پرے دار ہوتے، تاکہ کوئی اندر آ کر عبادت میں مخل نہ ہو۔ جھگڑا کرنے والے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آگئے۔

(۶) ڈرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دروازے کے بجائے عقب سے دیوار چڑھ کر اندر آئے۔ دوسرے، انہوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے باڈشاہ وقت سے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا، انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب و کمال بیوت کے خلاف ہے نہ توحید کے منافی۔ توحید کے منافی غیر اللہ کا وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو۔

(۷) آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرا نے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ کرنے آئے ہیں، آپ حق کے ساتھ فیصلہ بھی فرمائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی بھی۔

(۸) بھائی سے مراد دنیی بھائی یا شریک کا رو باریا دوست ہے۔ سب پر بھائی کا اطلاق صحیح ہے۔

ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے^(۱) اور مجھ پر بات میں بڑی سختی بر تباہے۔^(۲) (۲۳)

آپ نے فرمایا! اس کا اپنی دنیوں کے ساتھ تیری ایک دنی ملائیں کا سوال پیش کر تیرے اور پر ایک ظلم ہے اور اکثر حصہ دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے^(۳) ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں^(۴) اور (حضرت) داؤد (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے^(۵) اور (پوری طرح) رجوع کیا۔ (۲۳)

پس ہم نے بھی ان کا وہ (صور) معاف کر دیا،^(۶) یقیناً وہ

فَقَالَ الْعَنْبُرِيُّ هَا وَعَزَّزَ فِي الْخُطَابِ ③

قَالَ لَكُمْ ظَلْمٌ كُمْ بِسُؤَالٍ يَعْتَدُكُمْ إِلَى يَعْلَجَهُ مَوَانِئَ كَثِيرٍ مِنَ
الْخُلُطَاءِ لَيَغْنِي بَعْضُهُمْ عَنِ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينُ أَمْنَوْا وَعَمَلُوا
الصِّلَاحَتِ وَقَدِيلٌ تَأْهِمُ وَظَلَّمٌ دَأْدُ الْمُنَافِقَةِ فَاسْتَغْفِرْ
رَبَّهُ وَخَرَّ أَكْعَماً وَأَنَابَ ④

فَقَرَرَنَا اللَّهُ ذَلِكَ مَوَانِئَ لَهُ عِنْدَنَا الرُّلُفُ ۖ

(۱) یعنی یہ ایک دنی بھی میری دنیوں میں شامل کر دے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو جاؤ۔

(۲) دوسرا ترجمہ ہے ”اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے“ یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کا بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اس تیزی و طراری کی وجہ سے لوگوں کو قابل کریتا ہے۔

(۳) یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

(۴) البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور عمل صالح کے وہ پابند ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا، ان کے مزاج میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں، یعنی والے نہیں۔ تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

(۵) ﴿ وَخَرَّ أَكْعَماً ﴾ کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔

(۶) حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ کام کیا تھا جس پر انہیں کوتاہی کا اور توبہ و ندامت کے اظہار کا احساس ہوا، اور اللہ نے اسے معاف فرمادیا۔ قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی وضاحت نہیں ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں، جو ایک نبی کی

وَحُسْنَ مَالِبِ

ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں۔ (۲۵)

اے داؤ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھکارے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھک جاتے

يَدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَبَعِ الْهَوَى فَيُفْلِكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ
الَّذِينَ يَضْلُلُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ مَّا نَصَرُوا

شان سے فروت ہیں۔ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن و حدیث اس معاملے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کریمہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مفسرین کا ایک تیراگروہ ہے جو اس واقعے کی بعض جزئیات اور تفصیلات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہو جائے۔ تاہم یہ کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فوجی کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ اس زمانے کے عرف میں معیوب بات نہیں تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا، جس کی بنا پر ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہیے نہ کہ ایک عام سی عورت۔ تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیض یاب ہو۔ یہ خواہش کتنے بھی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو، لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے۔ دوسرے بادشاہ وقت کی طرف سے اس کے اظہار میں جبراپلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک تمثیلی واقعے سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دلایا گیا اور انہیں فی الواقع اس پر تنبہ ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے یہ دو شخص فرشتے تھے جو ایک فرضی مقدمہ لے کر حاضر ہوئے، حضرت داؤد علیہ السلام سے کوتاہی یہ ہوئی کہ مدعا کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور مدعا علیہ کی بات سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لیے اس آزمائش میں انہیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی اور بارگاہِ اللہ میں جھک گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے، انسان ہی تھے اور یہ فرضی واقعہ نہیں، ایک حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لیے وہ آئے تھے اور اس طرح ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعے میں ناگواری اور اشتغال طبع کے کئی پھلو تھے، ایک تو بلا اجازت دیوار پھاند کر آنا۔ دوسرے، عبادات کے مخصوص اوقات میں آکر تحمل ہونا۔ تیرے، ان کا طرز تکلم بھی آپ کی حاکمہ شان سے فروت تھا (کہ زیادتی نہ کرنا وغیرہ) لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ مشتعل نہیں ہوئے اور کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ لیکن دل میں جو طبعی ناگواری کا ہلکا سا احساس بھی پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کوتاہی پر محمول کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی، اس لیے یہ طبعی انقباض بھی نہیں ہونا چاہئے تھا، جس پر انہوں نے توبہ و استغفار کا اہتمام کیا۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

یومِ الحساب ①

ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔ (۲۶)

اور ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ناحق پیدا نہیں کیا،^(۱) یہ گمان تو کافروں کا ہے سو کافروں کے لیے خرابی ہے آگ کی۔ (۲۷)

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پر ہیز گاروں کو بد کاروں جیسا کر دیں گے؟ (۲۸) یہ بابر کت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آئیوں پر غور و فکر کریں اور عقائد اس سے نصیحت حاصل کریں۔ (۲۹)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نامی فرزند) عطا فرمایا، جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رجوع کرنے والا تھا۔ (۳۰)

جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو خاصے گھوڑے پیش کیے گئے۔ (۳۱)

تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا۔ (۳۲) ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاو! پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ (۳۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا لَيْسُهُمَا بِأَطْلَاهٍ ذَلِكَ ظَنُّ
الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَمُنْهُمْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۚ

أَمْ يَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ
أَمْ يَجْعَلُ الشَّقِيقَيْنَ كَالْفَجَارَ ۚ

كِتَبٌ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مُبَرَّكٌ لِيَدْبُرُوا أَيْتَهُ وَلِيَتَذَكَّرُ
أُولُو الْأَلْبَابِ ۚ

وَوَهَبْنَا لَكَ وَدَسُلْطَنَنَا نَعْمَالَبَدَائِةَ أَوْثَ ۚ

إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَيْنِ الصِّفَنِتُ الْجِيَادُ ۚ

فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذُكْرِيَنِ حَتَّى
تَوَارَتْ بِالْجِيَادِ ۚ

رُدُّهَا عَلَىْ فَطْفَقِ مَسْحَابِ الشَّوْقِ وَالْعَنَاقِ ۚ

(۱) بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ میرے بندے میری عبادات کریں، جو ایسا کرے گا، میں اسے بہترین جزا سے نوازوں گا اور جو میری عبادات و اطاعت سے سرتباں کرے گا، اس کے لیے جنم کا عذاب ہے۔

(۲) صَافِنَاتُ، صَافِنٌ یا صَافِنَةٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں۔ جِيَادُ جَوَادٌ کی جمع ہے جو تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغرض جماد جو گھوڑے پالے ہوئے تھے، وہ عمدہ اصلی تیز رو گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام پر معانی کے لیے پیش کیے گئے۔ عَسِيٌّ، ظلم ریا عصر سے لے کر آخر دن تک کے وقت کو کہتے ہیں، جسے ہم شام سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) اس ترجیح کی رو سے أَخْبَيْتُ، بمعنی آثرتُ (ترجیح دینا) اور عَنْ: بمعنی عَلَىٰ ہے۔ اور تَوَارَتْ کا مرتع شمس ہے جو

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا پھر^(۱) اس نے رجوع کیا۔^(۲)

کما کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرم اجو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو،^(۳) تو بڑا ہی

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُوْسِيْهِ جَدَائِهَ

آناب^(۴)

قَالَ رَبِّيْ أَعْفُرْنِي وَهَبْ لِيْ مُلْحَاظَيْنِي لِلْعَيْنِ

بَعْدِيْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَقَابُ^(۵)

آیت میں پہلے مذکور نہیں ہے، لیکن قرینة اس پر دال ہے۔ اس تفسیر کی رو سے اگلی آیت میں - ﴿ مَسْحًا بِالشُّوْقِ وَالْأَعْتَاقِ ﴾ کا ترجمہ بھی ذبح کرنا ہو گا یعنی مسحًا بالسَّيْفِ کا مفہوم۔ مطلب ہو گا کہ گھوڑوں کے معاینہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز یا وظیفہ خاص رہ گیا جو اس وقت وہ کرتے تھے۔ جس پر انہیں سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اتنا وارفتہ اور گم ہو گیا کہ سورج پر دہ مغرب میں چھپ گیا اور اللہ کی یاد نماز یا وظیفہ سے غافل رہا۔ چنانچہ اس کی تلافی اور ازالے کے لیے انہوں نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قتل کر دالے۔ امام شوکانی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیگر بعض مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر کی ہے۔ اس کی رو سے عَنْ أَجَلٍ کے معنی میں ہے ایسی: لَا جَلِ ذَنْكِ رَبِّيْ، یعنی رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔ یعنی اس کے ذریعے سے اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے۔ پھر ان گھوڑوں کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ نظروں سے او جھل ہو گئے۔ انہیں دوبارہ طلب کیا اور پیار و محبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا خیز، قرآن میں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لیے آیا ہے۔ توارث کا مرجع گھوڑے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے اور یہی تفسیر متعدد وجوہ سے صحیح لگتی ہے۔ وَاللهُ أَعْلَمُ۔

(۱) یہ آزمائش کیا تھی، کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا حدیث میں نہیں ملتی۔ البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعہ کو اس پر چسپاں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کما کہ میں آج کی رات اپنی تمام یوں سے (جن کی تعداد ۷۰ یا ۹۰ تھی) ہمبستری کروں گا تاکہ ان سے شاہ سوار پیدا ہوں جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اور اس پر ان شاء اللہ نہیں کہا (یعنی صرف اپنی ہی تدبیر پر سارا اعتماد کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک یوں کے کوئی یوں حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ یوں نے بھی جو پچ جن، وہ ناقص یعنی آدھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الأنبياء، صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب الاستثناء، ان مفسرین کے خیال میں شاید ان شاء اللہ نہ کہنا یا صرف اپنی تدبیر پر اعتماد کرنا یہی فتنہ ہو، جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام بتلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلق تھے ہو۔ وَاللهُ أَعْلَمُ۔

(۲) یعنی شاہ سواروں کی فوج پیدا ہونے کی آرزو، تیری حکمت و مشیت کے تحت پوری نہیں ہوئی، لیکن اگر مجھے ایسی

دینے والا ہے۔ (۳۵)

پس ہم نے ہوا کوان کے ماتحت کر دیا وہ آپ کے حکم سے
جہاں آپ چاہتے نہیں سے پہنچا دیا کرتی تھی۔ (۳۶)

اور (طاقت ور) جنات کو بھی (ان کا ماتحت کر دیا) ہر
عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو۔ (۳۷)

اور دوسرے جنات کو بھی جوزنجیوں میں جکڑے
رہتے۔ (۳۸)

یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسان کریا رکھ رکھ، کچھ
حساب نہیں۔ (۳۹)

ان کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا
ٹھکانا ہے۔ (۴۰)

اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا (بھی) ذکر کر،
جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج
اور دکھ پہنچایا ہے۔ (۴۱)

فَسَخْرَنَ اللَّهُ الْبَرْهَنُ بِجَوْزِيٍّ بِأَمْرِهِ رُخَاءً حِيلَثُ أَصَابَ ۝

وَالشَّيْطَنُ كُلُّ بَشَرٍ وَعَوَاصِ ۝

وَالْأَخْرِينَ مُقْرَنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝

هَذَا عَطَاؤُنَا فَإِنْ أَمْنَى أَوْ أَسْكَنَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

وَأَنَّ لَهُ عِنْدَنَا لِزْلُفْ وَحْمَنَ فَالِّبَ ۝

وَأَذْكُرْ عِنْدَنَا إِبْرُوْبَ إِذْ نَلَدِي رَبَّهُ أَنِّي مَسَنَّ الشَّيْطَنُ

بِنُصْبِهِ وَعَدَابِ ۝

باختیار با درشاہت عطا کر دے کہ ولی بادشاہت میرے سوایا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو، تو پھر اولاد کی ضرورت ہی
نہیں رہے گی۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

(۱) یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی اور ولی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی،
یہاں ہوا کو نہیں سے چلنے والا بتایا ہے، جب کہ دوسرے مقام پر اسے تندو تیز کہا ہے، (الأنبیاء-۸۱) جس کا مطلب یہ ہے
کہ ہوا پیدائشی قوت کے لحاظ سے تند ہے۔ لیکن سلیمان علیہ السلام کے لیے اسے نہ کر دیا گیا، یا حساب ضرورت وہ بھی
تند ہوتی بھی نہیں، جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے۔ (فتح القدیر)

(۲) جنات میں سے جو سرکش یا کافر ہوتے، انہیں بیڑوں میں جکڑ دیا جاتا، تاکہ وہ اپنے کفر یا سرکشی کی وجہ سے سرتاہی نہ کر سکیں۔

(۳) یعنی تیری دعا کے مطابق ہم نے تجھے عظیم بادشاہی سے نواز دیا، اب انسانوں میں سے جس کو تو چاہے دے، جسے
چاہے نہ دے، تجھے سے ہم حساب بھی نہیں لیں گے۔

(۴) یعنی دنیوی جاہ و مرتبت عطا کرنے کے باوجود آخرت میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرب خاص اور مقام
خاص حاصل ہو گا۔

(۵) حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور اس میں ان کا صبر مشور ہے۔ جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اہل و مال کی

اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی
ہے۔^(۳۲)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اتنا ہی اور
بھی اسی کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے،^(۳۳) اور
عقلمندوں کی نصیحت کے لیے۔^(۳۴)

اور اپنے ہاتھ میں شکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے کر مار
دے اور قسم کا خلاف نہ کر،^(۳۵) چ تو یہ ہے کہ ہم نے

أَكْضِبْ بِرِّ جُلُوكَ هَذَا مُغْتَسَلٌ بِأَرْدٍ وَشَرَابٌ^(۳۶)

وَهَبَنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلُهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةٌ مَنَّا وَذَكْرٌ
لِأُولَئِكَ الْأَلْبَابِ^(۳۷)

وَخُذْ بِيَدِكَ ضَغْثًا فَأَضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْمِنْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا

تباهی اور بیماری کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی، جس میں وہ کئی سال بیٹھا رہے۔ حتیٰ کہ صرف ایک یوں ان کے ساتھ رہ گئی جو صبح و شام ان کی خدمت بھی کرتی اور ان کو کہیں کام کاچ کر کے بعد رکفاف رزق کا انتظام بھی کرتی۔ یہاں پر متعدد تفسیری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے، مگر اس میں سے کتنا کچھ صحیح ہے اور کتنا نہیں، اسے معلوم کرنے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں۔ نصب سے جسمانی تکالیف اور عذاب سے مالی ابتلاء مراد ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے دراں حالیکہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ ہی ہے، کہ ممکن ہے شیطان کے وسوے ہی کسی ایسے عمل کا سبب بنے ہوں جس پر یہ آزمائش آئی یا پھر بطور ادب کے ہے کہ خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی یا شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر پیر مارو، جس سے ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ اس کے پانی پینے سے اندر وہی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ایک ہی چشمہ تھا۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا۔ لیکن یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے زیادہ مال و اولاد سے انسیں نواز دیا جو پہلے سے دو گناہ تھا۔

(۳) یعنی ایوب علیہ السلام کو یہ سب کچھ ہم نے جو دوبارہ عطا کیا، تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلاء شدائد پر اسی طرح صبر کریں جس طرح ایوب علیہ السلام نے کیا۔

(۴) بیماری کے ایام میں خدمت گزار یوں کو کسی بات سے ناراض ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے سوکوڑے مارنے کی قسم کھالی تھی، صحیت یا ب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ سو شکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ اسے مار

اسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھتے والا۔^(۳۳)

نَعْلَمُ الْجَبَدَ إِنَّهَا أَقَابُ^(۳)

ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔^(۳۴)

وَأَذْكُرْ عَبْدَنَا بِإِنْ هِيمَ وَإِنْ حَنَّ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَكْيَانِ
وَالْأَنْصَارِ^(۴)

ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔^(۳۵)

إِنَّ الْخَلْصَةَ مِنْ بِغَالِصَةٍ ذَكَرَ اللَّادِ^(۵)

یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے۔^(۳۶)

وَأَنَّمِّ عِنْدَنَا لِيَنَ الْمُصَطَّفَينَ الْأَخْيَارِ^(۶)

اسامیل، یسح اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا بھی ذکر کر دیجئے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔^(۳۷)

وَأَذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَالِكَلْنَ وَكُلُّ مِنَ الْأَخْيَارِ^(۷)

یہ نصیحت ہے اور یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی جگہ ہے۔^(۳۹)

هَذَا ذَكْرٌ وَلَأَنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَهُنَّ نَابٌ^(۸)

وے، تیری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا دوسرا کوئی شخص بھی اس طرح سو کوڑوں کی جگہ سو سنکوں والی جھاڑو مار کر حانت ہونے سے بچ سکتا ہے؟ بعض پہلی رائے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر نیت ضرب شدید کی نہ کی ہو تو اس طرح عمل کیا جاسکتا ہے۔ (فتح القدير) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک معدور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ سو سنکوں والی جھاڑو مار کر سزا دی۔ (مسند احمد ۲۲۲، ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الكبیر والمریض یحب علیہ الحد، صحیح البخاری) جس سے مخصوص صورتوں میں اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۱) یعنی عبادت الہی اور نصرت دین میں بڑے قوی اور دینی و علمی بصیرت میں متاز تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آئندی بمعنی نعم ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان ہوا یا یہ لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔

(۲) یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا، چنانچہ آخرت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی (آخرت کا ہر وقت استحضار، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت اور زہد و تقویٰ کی بنیاد ہے) یا وہ لوگوں کو آخرت اور اللہ کی طرف بلانے میں کوشش رہتے تھے۔

(۳) یسح علیہ السلام کہتے ہیں، حضرت ایاس علیہ السلام کے جانشین تھے، ان تعریف کے لیے ہے اور عجمی نام ہے، ذوالکفل کے لیے دیکھئے سورۃ الانبیاء، آیت ۸۵ کا حاشیہ۔ اخْبَارٌ، خَبَرٌ یا خَبَرٌ کی جمع ہے جیسے میت کی جمع امنواث ہے۔

(یعنی ہیشکی والی) جنتیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ (۵۰)

جَهَنَّمْ عَدِينَ مُفَسَّحَةٌ لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝

جن میں بافراغت تیکے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں۔ (۵۱)

مُشَكِّبُينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا يَقَاوِمُهُ كَثِيرٌ وَ شَرَابٌ ۝

اور ان کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ (۵۲)

وَعِنْدَهُمْ قِصرُ الظُّرُفِ أَتْرَابٌ ۝

یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کے لیے کیا جاتا تھا۔ (۵۳)

هَذَا اَمَانُ عَدُونَ لِيَوْمِ الحِسَابِ ۝

بیشک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمه ہی نہیں۔ (۵۴)

إِنَّ هَذَا الْرِزْقُ قَنَامَالَهُ مِنْ نَفَادٍ ۝

یہ تو ہوئی جزا، (۵۵) (یاد رکھو کہ) سرکشوں کے لیے (۵۵) بڑی بڑی جگہ ہے۔

هَذَا اَوْلَى لِلظَّاغِنِينَ لَثَرَمَابٍ ۝

دوسرخ ہے جس میں وہ جائیں گے (آہ) کیا ہی برا بچھونا ہے۔ (۵۶)

جَهَنَّمْ يَصْلُوْنَهَا فِيْنَ الْمَهَادُ ۝

یہ ہے، پس اسے چکھیں، گرم پانی اور پیپ۔ (۵۷)

هَذَا فَلَيْذُ وَقْوَةٌ حَمِيمٌ وَغَسَاقٌ ۝

(۱) یعنی جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں سے متجاوز نہیں ہوں گی اتراب تربت کی جمع ہے، ہم عمریا لازوال حسن و جمال کی حامل۔ (فتح القدری)

(۲) رزق، بمعنی عطیہ ہے اور ہذا سے ہر قسم کی مذکور نعمتیں اور وہ اکرام و اعزاز مراد ہے جن سے اہل جنت بہرہ یا بہوں گے۔ نفاد کے معنی انتظام اور خاتمے کے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی غیر فانی ہوں گی اور اعزاز و اکرام بھی دائیں۔

(۳) ہذا، مبتدا مخدوف کی خبر ہے یعنی الامر ہذا یا ہذا مبتدا ہے، اس کی خبر مخدوف ہے یعنی ہذا کما ذکر یعنی مذکور اہل خیر کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد اہل شر کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

(۴) طاغین، جنوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور رسولوں کی مکنذیب کی۔ یَضْلُوْنَ کے معنی ہیں یَذْخُلُونَ، داخل ہوں گے۔

(۵) حَمِيمٌ وَغَسَاقٌ، ہذا کی خبر ہے یعنی ہذا حَمِيمٌ وَغَسَاقٌ فَلَيْذُ وَقْوَةٌ یہ ہے گرم پانی اور پیپ، اسے چکھو۔

اس کے علاوہ اور طرح طرح کے عذاب۔^(۱) (۵۸)
یہ ایک قوم ہے جو تمہارے ساتھ (آگ میں) جانے والی
ہے،^(۲) کوئی خوش آمدید ان کے لیے نہیں ہے^(۳) یہ تو
جنم میں جانے والے ہیں۔^(۴) (۵۹)

وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ہو جن کے لیے کوئی خوش آمدید
نہیں ہے تم ہی نے تو اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا
رکھا تھا،^(۵) پس رہنے کی بڑی بڑی جگہ ہے۔ (۶۰)

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جس نے (کفر کی رسم)
ہمارے لیے پہلے سے نکالی ہو^(۶) اس کے حق میں جنم کی
وگنی سزا کر دے۔^(۷) (۶۱)

اور جسمی کہیں گے کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں

وَأَخْرُونْ شَكِيلهَ أَزْوَاجٌ^(۸)

هَذَا فَوْجٌ مُفْجَحٌ مَعْلُوٌ لَامْرَجَيْهُمْ إِنَّمَا صَالُوا النَّارِ^(۹)

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَامْرَجَيْهُمْ أَنْتُمْ قَدْ مُنْهَوْهُ لَنَا قِيمٌ

الْفَرَارُ^(۱۰)

قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدْ مَلَكَنَا هَذَا فَيُرْدُهُ عَدَابًا ضَعْقَافِي النَّارِ^(۱۱)

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا تَرِي رِجَالًا كُنَّا نَعْذِهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ^(۱۲)

حَمِيمٌ، گرم کھوتا ہوا پانی، جوان کی آنٹوں کو کاٹ ڈالے گا۔ غَسَاقٌ، جنسیوں کی کھالوں سے جو پیپ اور گندالوں نکلے گا۔
یا سخت ٹھنڈا پانی، جس کا پینا نہیت مشکل ہو گا۔

(۱) شَكِيله 'اس جیسے اڑواج' انواع و اقسام یعنی حیم و غساق جیسے اور بہت سی قسم کے دوسرے عذاب ہوں گے۔

(۲) جنم کے دروازوں پر کھڑے فرشتے، ائمہ کفر اور پیشوایان مظلالت سے کہیں گے، جب پیروکار قسم کے کافر جنم میں جائیں گے۔ یا ائمہ کفر و مظلالت آپس میں یہ بات پیروکاروں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔

(۳) یہ لیذر، جنم میں داخل ہونے والے کافروں کے لیے، فرشتوں کے جواب میں یا آپس میں کہیں گے۔ رَحْبَةٌ کے معنی و سعت و فراخی کے ہیں۔ مر جایہ کلمۃ تَرْحِبٌ یعنی خیر مقدمی الفاظ ہیں جو آنے والے مسمان کے استقبال کے وقت کے جاتے ہیں۔ لَا مَرْحَبًا اس کے بر عکس ہے۔

(۴) یہ ان کا خیر مقدم نہ کرنے کی علت ہے۔ یعنی ان کے اور ہمارے مابین کوئی وجہ امتیاز نہیں ہے، یہ بھی ہماری طرح جنم میں داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح ہم عذاب کے مستحق نہ رہے ہیں، یہ بھی عذاب جنم کے مستحق قرار پائے ہیں۔

(۵) یعنی تم ہی کفر و مظلالت کے راستے کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کرتے تھے، یوں گویا اس عذاب جنم کے پیش کار تو قسم ہی ہو۔ یہ پیروکار، اپنے مقدادوں کو کہیں گے۔

(۶) یعنی جنوں نے ہمیں کفر کی دعوت دی اور اسے حق و صواب باور کرایا۔ یا جنوں نے ہمیں کفر کی طرف بلا کر ہمارے لیے یہ عذاب آگے بھیجا۔

(۷) یہ وہی بات ہے جسے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف، ۳۸، سورۃ الحزاب، ۶۸۔

دیتے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔^(۱) (۲۲)
 کیا ہم نے ہی ان کا مذاق بنا رکھا تھا^(۲) یا ہماری نگاہیں ان
 سے ہٹ گئی ہیں۔^(۳) (۲۳)
 یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہو گا۔^(۴) (۲۴)
 کہہ دیجئے! کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں^(۵) اور
 بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں۔^(۶) (۲۵)
 جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے
 درمیان ہے، وہ زبردست اور بڑا بخششے والا ہے۔^(۷) (۲۶)
 آپ کہہ دیجئے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے۔^(۸) (۲۷)
 جس سے تم بے پرواہ ہو رہے ہو۔^(۹) (۲۸)
 مجھے ان بلند قدر فرشتوں کی (بات چیت کا) کوئی علم ہی
 نہیں جبکہ وہ تکرار کر رہے تھے۔^(۱۰) (۲۹)
 میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو صاف
 صاف آگاہ کر دینے والا ہوں۔^(۱۱) (۳۰)

أَعْذُّ لَهُمْ بِعِزْرَاً أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ۚ

إِنْ ذَلِكَ لَحْقٌ مَّخَاصِمُ أَهْلَ النَّارِ ۚ
 قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِّرٌ وَّمَا مِنْ إِلَهٌ لِّلَّهُ
 إِلَّا وَاحِدٌ الْفَهَارُ ۚ

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَنَّازُ ۚ

قُلْ هُوَ بَوْاعِظِيْمٌ ۚ

أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۚ

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمُلَائِكَةِ إِذْ يَعْصِمُونَ ۚ

إِنْ يُؤْتَى إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبَيِّنٌ ۚ

(۱) اُشراز سے مراد فقراء مومنین ہیں۔ جیسے عمار، خباب، صہیب، بلاں و سلمان وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم، انہیں رو سائے مکہ از راہ خبث "برے لوگ" کہتے تھے اور اب بھی اہل باطل حق پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، دہشت گرد، انتہا پسند وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔

(۲) یعنی دنیا میں، جہاں ہم غلطی پر تھے؟

(۳) یا وہ بھی ہمارے ساتھ ہی بیسیں کہیں ہیں، ہماری نظریں انہیں نہیں دیکھ پا رہی ہیں؟

(۴) یعنی آپس میں ان کی تکرار اور ایک دوسرے کو مورود طعن بناانا، ایک ایسی حقیقت ہے، جس میں تخلف نہیں ہو گا۔

(۵) یعنی جو تم گمان کرتے ہو، میں وہ نہیں ہوں بلکہ تمہیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں۔

(۶) یعنی میں تمہیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی خبر ہے، جس سے اعراض و غفلت نہ برتو، بلکہ اس پر توجہ دینے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۷) ملائکل سے مراد فرشتے ہیں، یعنی وہ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے، اس اختصار (بحث و تکرار) سے مراد وہ گفتگو ہو جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہوئی۔ جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

(۸) یعنی میری ذمے داری یہی ہے کہ میں وہ فرائض و سنن تمہیں بتا دوں جن کے اختیار کرنے سے تم عذاب الہی سے

جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا^(۱) کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا^(۲) کرنے والا ہوں۔^(۳) اس میں سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں^(۴) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں،^(۵) تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گرپڑنا۔^(۶) (۷) چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔^(۸) (۸)

إذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالقُ بَشَرًا تَنْ طَيْنَ ۝

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ نُفُخِي فَقَوَّاهُ سَعِيدُنَ ۝

سَجَدَ الْمَلِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝

فعج جاؤ گے اور ان محمرات و معاصی کی وضاحت کر دوں جن کے اجتناب سے تم رضائے الہی کے اور بصورت دیگر اس کے غضب و عقاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہی وہ انذار ہے جس کی وجہ میری طرف کی جاتی ہے۔

(۱) یہ قصہ اس سے قبل سورہ بقرہ، سورہ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کھف میں بیان ہو چکا ہے۔ اب اسے یہاں بھی اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔

(۲) یعنی ایک جسم، جس بشر سے بنانے والا ہوں۔ انسان کو بشر، زمین سے اس کی مباشرت کی وجہ سے کہا۔ یعنی زمین سے ہی اس کی ساری وابستگی ہے اور وہ سب کچھ اسی زمین پر کرتا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ بادی البشرہ ہے۔ یعنی اس کا جسم یا چہروہ ظاہر ہے۔

(۳) یعنی اسے انسانی پیکر میں ڈھال لوں اور اس کے تمام اجزاء درست اور برابر کرلوں۔

(۴) یعنی وہ روح، جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکتے ہی یہ پیکر خاکی، زندگی، حرکت اور توانائی سے بھرہ یا بہ جائے گا۔ انسان کے شرف و عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکنی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔

(۵) یہ سجدہ تجیہ یا سجدۃ تعظیم ہے، سجدہ عبادت نہیں۔ یہ تعظیمی سجدہ پسلے جائز تھا، اسی لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو اس کا حکم دیا۔ اب اسلام میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء، بحوالہ ترمذی و قال الالبانی، و هو حديث صحيح لشواهدہ)

(۶) یہ انسان کا دوسرا شرف ہے کہ اسے مسحود ملائک بنا لیا۔ یعنی فرشتے جیسی مقدس مخلوق نے اسے تعظیماً سجدہ کیا۔ کُلُّهُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی سجدہ کرنے میں پچھے نہیں رہا۔ اس کے بعد آجْمَعُونَ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ سجدہ بھی سب نے بیک وقت ہی کیا۔ مختلف اوقات میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تأکید در تأکید تعمیم میں مبالغہ کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

مگر ابلیس نے (نه کیا)، اس نے تکبر کیا^(۱) اور وہ تھا
کافروں میں سے۔^(۲) (۷۳)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے ابلیس! تجھے اسے سجدہ کرنے
سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا
کیا۔^(۳) کیا تو کچھ گھمنڈ میں آگیا ہے؟ یا تو بڑے درجے
والوں میں سے ہے۔^(۴) (۷۵)

اس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے
آگ سے بنایا، اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔^(۵) (۷۶)

ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جاتو مردوں ہوا۔^(۶) (۷۷)
اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے۔^(۷) (۷۸)
کہنے لگا میرے رب مجھے لوگوں کے انھ کھڑے ہونے
کے دن تک مملت دے۔^(۸) (۷۹)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو مملت والوں میں سے ہے۔^(۹) (۸۰)
متین وقت کے دن تک۔^(۱۰) (۸۱)

کہنے لگا پھر تو تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً برکا

إِلَّا إِنَّهُ مُسْكِنَ الْمَلَائِكَةِ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ⑤

قَالَ لِيَأْلِيُّسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ يَسَّارِيَتِي
أَسْكَبْرَتْ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالَمِينَ ⑥

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ حَلَقْتَنِي مِنْ تَابِرَةٍ خَلَقْتَهُ
مِنْ طِينٍ ⑦

قَالَ فَأَخْرُجْهُ مِنْهَا فَلَذَكَ رَجِيمٌ ⑧
وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَقَةً إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ⑨
قَالَ رَبِّيْ فَأَنْظُرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبَعْثُوْنَ ⑩

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑪
إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ⑫
قَالَ فَبِعِزْيَتِكَ لَأُخْرُوْسُهُمْ أَجْمَيْنِ ⑬

(۱) اگر ابلیس کو صفات ملائکہ سے متصف مانا جائے تو یہ استثنہ متصل ہو گا یعنی ابلیس اس حکم سجدہ میں داخل ہو گا،
بصورت دیگر یہ استثنہ منقطع ہے یعنی وہ اس حکم میں داخل نہیں تھا لیکن آسمان پر رہنے کی وجہ سے اسے بھی حکم دیا
گیا۔ مگر اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔

(۲) یہ کان صار کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے انکشار کی وجہ سے وہ کافر ہو
گیا۔ یا اللہ کے علم میں وہ کافر تھا۔

(۳) یہ بھی انسان کے شرف و عظمت کے اظہار ہی کے لیے فرمایا، ورنہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔

(۴) یعنی شیطان نے اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھا کہ آگ کا عضر مٹی کے عضر سے بہتر ہے۔ حالانکہ یہ سب جواہر محسوس (ہم
جن یا قریب قریب ایک درجے میں) ہیں۔ ان میں سے کسی کو دوسرے پر شرف کسی عارض (خارجی سبب) ہی کی وجہ سے
حاصل ہوتا ہے اور یہ عارض، آگ کے مقابلے میں، مٹی کے حصے میں آیا گہرے اللہ نے اسی سے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں
سے بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لحاظ سے مٹی ہی کو آگ کے مقابلے میں شرف و عظمت حاصل ہے۔ علاوہ ازاں آگ
کا کام جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، جب کہ مٹی اس کے بر عکس انواع و اقسام کی پیداوار کا مأخذ ہے۔

دُول گا۔ (۸۲)

بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں۔ (۸۳)
 فرمایا تھے تو یہ ہے، اور میں تھے ہی کہا کرتا ہوں۔ (۸۴)
 کہ تجھ سے اور تیرے تمام مانے والوں سے میں (بھی)
 جنم کو بھر دوں گا۔ (۸۵)

کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا^(۱)
 اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ (۸۶)
 یہ تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت (و عبرت)
 ہے۔ (۸۷)

یقیناً تم اس کی حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح طور
 پر) جان لو گے۔ (۸۸)

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصُونَ ۝

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ۝

لَا مُلْئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِنْهُنَّ يَتَعَكَّبُ مِنْهُمُ أَجْمَعُونَ ۝

فُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ النَّذَّاكِفِينَ ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا ذُكْرُ الْعَلَمِينَ ۝

وَلَكُنُّمُنْ نَهَاةُ بَعْدَ حِيَنَ ۝

(۱) یعنی اس دعوت و تبلیغ سے میرا مقصد صرف انتقال امرالی ہے، دنیا کمانا نہیں۔

(۲) یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کی ہو یا میں تمہیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں جس کا حکم اللہ نے مجھے نہ دیا ہو۔ بلکہ کوئی کمی بیشی کیے بغیر میں اللہ کے احکام تم تک پہنچا رہا ہوں۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، جس کو کسی بات کا علم نہ ہو، اس کی بابت اسے کہ دینا چاہیے، اللہ اعلم یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو کہا، فرمادیجئے ﴿وَمَا أَنَا مِنَ النَّذَّاكِفِينَ﴾ (ابن کثیر) علاوه ازیں اس سے عام معاملات زندگی میں بھی تکلف و تقنع سے اجتناب کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نہیں عن التکلف). (صحیح بخاری، نمبر ۲۹۲) ”ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے“ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (نہیں رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَكَلَّفَ لِلضَّيْقِ)۔ (صحیح الجامع الصفیر، للألبانی، ۱۰۸) ”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوارک، رہائش اور دیگر معاملات میں تکلفات، جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے اصحاب حیثیت کا شعار اور رو طیرہ بن چکا ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔

(۳) یعنی یہ قرآن، یا وحی یا وہ دعوت، جو میں پیش کر رہا ہوں، دنیا بھر کے انسانوں اور جنات کے لیے نصیحت ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے کاقصد کرے۔

(۴) یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے، جو وعدے و عید ذکر کیے ہیں، ان کی حقیقت و صداقت بت جلد تمسارے سامنے

سورہ زمر کی ہے اور اس میں پچھتہ آئیں اور
آنٹھ رکوع ہیں۔

سُورَةُ الزُّمَرِ

شرع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نمایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَثْرِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْكَلِيمِ ①

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْمَدْهُ إِلَهَكَ مُخْلِصًا

لِهِ الَّذِينَ ②

الَّذِينَ الَّذِينَ الْحَالِصُونَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلَادَهُمْ
مَا لَعِبْدُهُمْ إِلَّا لِيَقْرَبُونَ إِلَى اللَّهِ مُنْخَلِفُو

یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ^(۱)
نازل فرمایا ہے پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اسی کے
لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔^(۲)

خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے^(۳) اور
جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں)
کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ
(بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا

آجائے گی۔ چنانچہ اس کی صداقت یوم بدر کو واضح ہوئی، فتح مکہ کے دن ہوئی یا پھر موت کے وقت تو سب پر ہی واضح ہو جاتی ہے۔
☆ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت فرماتے
تھے۔ (صححه الألبانی فی صحیح البرمذی)

(۱) یعنی اس میں توحید و رسالت، معاد و احکام و فرائض کا جوابات کیا گیا ہے، وہ سب حق ہے اور انہی کے ماننے اور
اختیار کرنے میں انسان کی نجات ہے۔

(۲) دین کے معنی یہاں عبادت اور اطاعت کے ہیں اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اللہ کی رضا کی نیت سے نیک عمل
کرنا۔ آیت نیت کے وجوہ اور اس کے اخلاص پر دلیل ہے۔ حدیث میں بھی اخلاص نیت کی اہمیت یہ کہ کرو واضح کر
دی گئی ہے کہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْإِتِّيَّاتِ "عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے" یعنی جو عمل خیر اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے
گا، (بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہو) وہ مقبول اور جس عمل میں کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی، وہ نامقبول ہو گا۔

(۳) یہ اسی اخلاص عبادت کی تائید ہے جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں ہے کہ عبادت و اطاعت صرف ایک اللہ ہی کا
حق ہے، نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز ہے۔ نہ اطاعت ہی کا اس کے علاوہ کوئی حق دار ہے۔ البتہ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو چونکہ خود اللہ نے اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت

دیں،^(۱) یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔^(۲) جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔^(۳)

اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ (لیکن) وہ تو پاک ہے، وہ^(۴) وہی اللہ تعالیٰ ہے یگانہ اور قوت والا۔^(۵)

نمایت اچھی مدیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے^(۶) اور

بَيْدَهُمْ فِي نَاهْمٍ وَنَبِيْهُ يَعْتَلِفُونَ هَذِهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذَّابٌ ۝

لَوْأَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَعَذَّذَ وَلَدَ الْأَصْطَفِي مِنَ الْيَعْلَمِ مَا يَشَاءُ ۝
سُبْحَانَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُوْنُ الْأَئِلَّا عَلَى التَّهَارِ

ہے، کسی غیر کی نہیں۔ تاہم عبادت میں یہ بات بھی نہیں۔ اس لیے عبادت اللہ کے سوا، کسی بڑے سے بڑے رسول کی بھی جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ عام افراد و اشخاص کی، جنہیں لوگوں نے اپنے طور پر خدا کی اختیارات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ ﴿مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ﴾۔ اللہ کی طرف سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۱) اس سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبر کائنات مانتے تھے۔ پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿هُوَ الَّهُ شَفِعًا لِّنَا عِنْدَهُ اللَّهُ ۝﴾ (یونس-۱۸) ”یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔“

(۲) کیوں کہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

(۳) یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان معبودوں باطلہ کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

(۴) یعنی پھر اس کی اولاد لڑکیاں ہی کیوں ہوتیں؟ جس طرح کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا، وہ اس کی اولاد ہوتی، نہ کہ جن کو وہ باور کرتے ہیں، لیکن وہ تو اس نقش سے ہی پاک ہے۔ (ابن کثیر)

(۵) تکنوبیت کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز پر لپیٹ دینا، رات کو دن پر لپیٹ دینے کا مطلب، رات کا دن کو ڈھانپنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور دن کو رات پر لپیٹ دینے کا مطلب، دن کا رات کو ڈھانپنا ہے حتیٰ کہ اس کی تاریکی ختم ہو جائے۔ یہ وہی مطلب ہے جو ﴿يَقْبَلُ الْأَيَّلَنَ التَّهَارَ﴾ (الاعراف-۵۳) کا ہے۔

اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ
مدت تک چل رہا ہے یقین مانو کہ وہی زبردست اور
گناہوں کا بخششے والا ہے۔^(۵)

اس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے،^(۱) پھر
اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا^(۲) اور تمہارے لیے چوپا یوں
میں سے (آٹھ نزو مادہ) اتارے^(۳) وہ تمہیں تمہاری
ماوں کے پیڑوں میں ایک بناوت کے بعد دوسرا بناوت پر
بناتا^(۴) ہے تین تین اندھیروں^(۵) میں، یہی اللہ تعالیٰ
تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے، اس کے سوا
کوئی معبد نہیں، پھر تم کمال بہک رہے ہو۔^(۶)

اگر تم ناشکری کرو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ تم (سب سے)
بے نیاز ہے،^(۷) اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش

وَيَكُونُ النَّهَارُ عَلَى الْأَيَّلِ وَسَخْرَةُ الْمُمْسَ وَالْقَمَرُ كُلُّ يَجْرِي
إِلَيْهِ شَسْعِيٌّ إِلَاهُ الْعَزِيزُ لِغَنَّازٌ^(۸)

خَلَقَكُمْ مِنْ تَقْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زُوْجَيْهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ
مِنَ الْأَنْعَامِ شَنِينَةً أَرْوَاحَ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَيْهَا حَلَقَاتٍ مِنْ
بَعْدِ خَلْقِيٍّ فِي ظُلْمَتِ تَلِيٍّ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْهُنْدُ لَذَلِكُمُ اللَّهُ إِلَّا
مُهَوَّفَانِي تُصْرَفُونَ^(۹)

إِنْ تَكْفُرُ وَإِنَّ اللَّهَ عَنِّيْ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضِي لِيَمَادُ وَالْكُفَرُ

(۱) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے، جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونگی تھی۔
(۲) یعنی حضرت حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا اور یہ بھی اس کا کمال قدرت ہے کیونکہ
حضرت حوا کے علاوہ کسی بھی عورت کی تخلیق، کسی آدمی کی پسلی سے نہیں ہوئی۔ یوں یہ تخلیق امر عادی کے خلاف اور
اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

(۳) یہ وہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، جو ز اور مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں، جن کا ذکر
سورہ انعام، آیت ۱۲۳، ۱۲۴ میں گزر چکا ہے۔ اُنَّزَلَ بِمَعْنَى خَلَقَ ہے یا ایک روایت کے مطابق، پسلے اللہ نے انہیں
جنت میں پیدا فرمایا اور پھر انہیں نازل کیا، پس یہ انزال حقیقی ہو گا۔ یا اُنَّزَلَ کا اطلاق مجاز ہے اس لیے کہ یہ جانور چارے
کے بغیر نہیں رہ سکتے اور چارہ کی روئیدگی کے لیے پانی ناگزیر ہے۔ جو آسمان سے ہی بارش کے ذریعے سے اترتا ہے۔ یوں
گویا یہ چوپائے آسمان سے اتارے ہوئے ہیں، (فتح القدير)

(۴) یعنی رحم مادر میں مختلف اطوار سے گزارتا ہے، پسلے نطفہ، پھر علقة، پھر مضغۃ، پھر بڈیوں کا ڈھانچہ، جس کے اوپر
گوشت کا لباس۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کامل تیار ہوتا ہے۔

(۵) ایک ماں کے پیٹ کا اندھیرا، دوسرا رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا مشہد کا اندھیرا، وہ جھلی یا پردہ جس کے اندر بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

(۶) یا کیوں تم حق سے باطل کی طرف اور بدایت سے گمراہی کی طرف پھر رہے ہو؟

(۷) اس کی تشریع کے لیے دیکھئے سورہ ابراہیم آیت ۸ کا حاشیہ۔

نہیں اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرے گا۔^(۱) اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تم سب کا لوٹا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمہیں وہ بتلادے گا جو تم کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے۔^(۷)

اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس سے پسلے جو دعا کرتا تھا اسے (بالکل) بھول جاتا ہے^(۲) اور اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اور وہ کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجئے؟ کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھالو، (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے۔^(۸)

بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادات میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا^(۳) ہو، (اور جو اس

وَلَنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَرْدُوا زَرَّاهُ وَذَرْ أَخْرَى دُهَّالَ
رَيْلُوكَمْ قَرْجُوكَمْ فَيَنْتَهُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهُ عَلِيُّوْنَدَاتِ
الصُّدُورُ^(۹)

وَإِذَا مَسَ الْأَنْسَانَ ضُرُّدَ عَارِبَةَ مُنْبِيَّا لِلَّهِ تَعَالَى إِذَا حَوَّلَهُ
نِعْمَةً مِنْهُ فَيَنِي مَا كَانَ يَنْجُو لِلَّهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ بِلَهِ
أَنَّدَادِ الْيَنْصَلَ عَنْ سَيْلِهِ قُلْ مَتَّعْ بِكُنْرَادَ قَلْيَلَهُ
إِنَّكَ مِنْ أَصْعَبِ النَّارِ^(۱۰)

آمَنْ هُوَقَانِتْ أَنَّهُمْ أَيْمَلْ سَاجِدُوا قَلْمَسَا يَعْدَرُ الْأُخْرَةَ
وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ

(۱) یعنی کفر اگرچہ انسان اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے، کیوں کہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کا راستہ تو شکر ہی کا راستہ ہے نہ کہ کفر کا۔ یعنی اس کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے، جیسا کہ پسلے بھی اس نکتے کی وضاحت بعض مقالات پر کی جا چکی ہے۔ دیکھئے صفحہ۔ ۱۰۹۔

(۲) یا اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے وہ دوسروں کو چھوڑ کر، اللہ سے دعا کرتا تھا ایسا رب کو بھول جاتا ہے، جسے وہ پکارتا تھا اور اس کے سامنے تصرع کرتا تھا، اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ ایک یہ کافر و مشرک ہے جس کا یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا اور دوسرا وہ شخص ہے جو شکنگی اور خوشی میں، رات کی گھریاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرماں برداری کا اظہار کرتے ہوئے، سہود و قیام میں گزارتا ہے۔ آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے اور رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے۔ یعنی خوف و رجادوں کیفیتوں سے وہ سرشار ہے، جو اصل ایمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ خوف و رجا کے بارے میں حدیث ہے،

کے بر عکس ہو برابر ہو سکتے ہیں) بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟^(۱) یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔ (اپنے رب کی طرف سے)^(۲) ^(۳)

کہ دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو،^(۴) جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک بدلہ ہے^(۵) اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشاہد ہے^(۶) صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر

وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

قُلْ يَعْمَلُ الَّذِينَ أَمْنَوْا لِغُواصَيْكُلُّ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَقَّعُ الصِّرْفُونَ أَجْرُهُمْ يُغَيْرُ حِسَابَ ۝

حضرت انس رض بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس گئے جب کہ اس پر سکرات الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم نے اس سے پوچھا ”تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے؟“ اس نے کہا ”میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور میرے اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرمادیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے اسے بچالیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذکر الموت والاستعدادله)

(۱) یعنی وہ جو جانتے ہیں کہ اللہ نے ثواب و عقاب کا جو وعدہ کیا ہے، وہ حق ہے اور وہ جو اس بات کو نہیں جانتے۔ یہ دونوں برابر نہیں۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل۔ جس طرح علم و جمل میں فرق ہے، اسی طرح عالم و جاہل برابر نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالم و غیر عالم کی مثال سے یہ سمجھانا مقصود ہو کہ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اللہ کا فرمان بردار اور اس کا نافرمان، دونوں برابر نہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔ کیوں کہ وہی علم سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ گویا ایسے ہی ہے کہ اسے علم نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ عامل اور غیر عامل کی مثال ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔

(۲) اور یہ اہل ایمان ہی ہیں، نہ کفار۔ گوہ اپنے آپ کو صاحب دانش و بصیرت ہی سمجھتے ہوں۔ لیکن جب وہ اپنی عقل و دانش کو استعمال کر کے غور و تدبیر ہی نہیں کرتے اور عبرت و نصیحت ہی حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی ہے گویا وہ چوپا یوں کی طرح عقل و دانش سے محروم ہیں۔

(۳) اس کی اطاعت کر کے، معاصری سے اجتناب کر کے اور عبادات و اطاعت کو اس کے لیے خالص کر کے۔

(۴) یہ تقویٰ کے فوائد ہیں۔ نیک بدلے سے مراد جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ بعض فِی هَذِهِ الدُّنْيَا کو حَسَنَةً سے متعلق مان کر ترجمہ کرتے ہیں ”جو نیکی کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا میں نیک بدلہ ہے۔“ یعنی اللہ انہیں دنیا میں صحت و عافیت، کامیابی اور غنیمت وغیرہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن پسلما مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے۔

(۵) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان و تقویٰ پر عمل مشکل ہو، تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں، بلکہ

دیا جاتا ہے۔^(۱۰)

آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرلوں۔^(۱۱)

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار بن جاؤں۔^(۱۲)

کہہ دیجئے! کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔^(۱۳)

کہہ دیجئے! کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں۔^(۱۴)

تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو کہہ دیجئے! کہ حقیقی زیادہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے، یاد رکھو کہ کھلم کھلانے نقصان یکی ہے۔^(۱۵)

انہیں نیچے اور پر سے آگ کے (شعلے مثل) سائبان (کے)

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لِّهِ الَّذِينَ^(۱)

وَأُمِرْتُ لِإِنَّ الْكُوْنَ أَقْلَى الْمُسْلِمِينَ^(۲)

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتَ رَبِّكَ عَذَابٌ يَوْمٌ عَظِيمٌ^(۳)

قُلْ اللَّهُ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لِّهِ دِينِي^(۴)

فَلَا عَبْدُ وَأَمَا شَكُونُ مِنْ دُونِهِ قُلْ إِنَّ الْغَيْرِيْنَ إِنَّهُمْ
خَيْرُ الْأَنْفُسِ هُمْ وَأَهْلِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِلَّا ذَلِكَ
هُوَ أَخْيْرُ النَّاسِينَ^(۵)

لَهُمْ مَنْ فَوْقُهُمْ طَلْلُ مَنْ النَّارِ وَمَنْ عَنْهُمْ طَلْلُ ذَلِكَ يَعْوِفُ

وہاں سے ہجرت اختیار کر کے ایسے علاقے میں چلا جانا چاہیے جہاں انسان احکام الہی کے مطابق زندگی گزار سکے اور جہاں ایمان و تقویٰ کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔

(۱) اسی طرح ایمان و تقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شوافت ولذات نفس کی قربانی بھی لابدی ہے، جس کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے، کہ ان کو ان کے صبر کے بدله میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اسے حساب کے پیانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہو گا۔ یعنی ان کا اجر غیر متناہی ہو گا۔ کیوں کہ جس چیز کا حساب ممکن ہو، اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور انتہاء ہو، وہ وہی ہوتی ہے جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ جزع فزع اور بے صبری سے نازل شدہ مصیبت میں نہیں جاتی، جس خیر اور فائدے سے محروم ہو گئی ہے، وہ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو ناگوار صورت حال پیش آچکی ہوتی ہے، اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ جب یہ بات ہے تو انسان صبر کر کے وہ اجر عظیم کیوں نہ حاصل کرے جو صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

(۲) پہلا اس معنی میں کہ آبائی دین کی مخالفت کر کے توحید کی دعوت سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کی۔

ڈھانک رہے ہوں گے۔^(۱) یہی (عذاب) ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے،^(۲) اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو۔^(۳)

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے ستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا بجھے۔^(۴) جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقائد بھی ہیں۔^(۵)

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے، تو کیا آپ اسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔^(۶) ہاں وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے

اللَّهُ بِهِ عِبَادَةٌ يَعْبَادُ فَالْأَئُونَ ^(۷)

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا النَّطَاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنْبَغُوا إِلَى اللَّهِ لَمْمُ الْبَشَرِيَّ فَبَثَرُ عِبَادَةً ^(۸)

الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَكْبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَذُنْمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْأَلْيَابُ ^(۹)

أَفَمَنْ حَسَعَ عَلَيْهِ كَلْمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ شَقِّدْنَ ^(۱۰)
فِي التَّارِ ^(۱۱)

لَكِنَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَلَمْ يَرْعَفُوا فَوْقَهَا غُرْفَ مَبْنَيَهِ بَحْرٌ

(۱) ظُلْلَ، ظُلَّہ کی جمع ہے، سایہ۔ یہاں اطباق النار مراد ہیں، یعنی ان کے اوپر نیچے آگ کے طبق ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہے ہوں گے۔ (فتح القدير)

(۲) یعنی یہی مذکور خسان میں اور عذاب نظر ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا تا ہے تاکہ وہ اطاعت الہی کا راست اختیار کر کے اس انعام بد سے نجیج جائیں۔

(۳) أَخْسَنُ سے مراد مکرم اور پختہ بات، یا مامورات میں سے سب سے اچھی بات، یا عزیمت و رخصت میں سے عزیمت یا عقوبت کے مقابلے میں غفو و درگز راختیار کرتے ہیں۔

(۴) کیوں کہ انہوں نے اپنی عقل سے فائدہ اٹھایا ہے، جب کہ دوسروں نے اپنی عقولوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

(۵) یعنی قضا و تقدیر کی رو سے اس کا استحقاق عذاب ثابت ہو چکا ہے، اس طرح کہ کفر و ظلم اور جرم وعدوان میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، جمال سے اس کی واپسی ممکن نہیں رہی۔ جیسے ابو جمل اور عاص بن واکل وغیرہ۔ اور گناہوں نے اس کو پوری طرح گھیر لیا اور وہ جنمی ہو گیا۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی قوم کے سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور آپ کو بتلایا کہ آپ کی خواہش اپنی جگہ بالکل صحیح اور بجا ہے لیکن جس پر اس کی تقدیر غالب آگئی اور اللہ کا کلمہ اس کے حق میں ثابت ہو گیا، اسے آپ جنم کی آگ سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔

(۱) بالاخانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالاخانے ہیں^(۱)
 (۲) (اور) ان کے نیچے نہرس بس رہی ہیں۔ رب کا وعدہ ہے
 اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔^(۲۰)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اترتا
 ہے اور اسے زمین کی سوتوں میں پہنچاتا^(۳) ہے، پھر اسی
 کے ذریعے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا^(۴) ہے پھر وہ
 خشک ہو جاتی ہیں اور آپ انہیں زرد رنگ دیکھتے ہیں پھر
 انہیں ریزہ ریزہ کرو دیتا^(۵) ہے، اس میں عقل مندوں کے
 لیے بست زیادہ فصیحت ہے۔^(۶)^(۲۱)

مِنْ تَحْمِلَةِ الْأَذْهَرِ وَعَدَ اللَّهُ لِمَا يَحْكِمُ اللَّهُ الْبَيْعَادَ ۝

الْخُرْقَانَ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَا شَاءَ فَلَكُمْ يَتَابِعُونَ فِي الْأَرْضِ
 لَمْ يَجْرِجْ بِهِ زَوْدٌ غَيْرُكُلَافِ الْوَانُهُمْ يَعْمَلُونَ فَوْلَهُمْ مُصْفَرٌ لَمْ يَجْعَلْهُ
 حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِأُولَئِكَ الْأَلْبَابِ ۝

(۱) اس کا مطلب ہے کہ جنت میں درجات ہوں گے، ایک کے اوپر ایک۔ جس طرح یہاں کثیر المنازل عمارتیں ہیں، جنت میں بھی درجات کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر بالاخانے ہوں گے، جن کے درمیان سے اہل جنت کی خواہش کے مطابق دودھ، شمشاد، پانی اور شراب کی نہرس چل رہی ہوں گی۔

(۲) جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے اور جو یقیناً پورا ہو گا، کہ اللہ سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

(۳) يَتَابِعُ، يَتَبَوَّعُ کی جمع ہے، سوتے، چشے، یعنی بارش کے ذریعے سے پانی آسمان سے اترتا ہے، پھر وہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر چشمیں کی صورت میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں میں جمع ہو جاتا ہے۔

(۴) یعنی اس پانی سے، جو ایک ہوتا ہے، انواع و اقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے، جن کا رنگ، ذائقہ، خوبصورت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

(۵) یعنی شادابی اور تروتازگی کے بعد وہ کھیتیاں سوکھ جاتی اور زرد ہو جاتی ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ جس طرح کڑی کی شنیاں خشک ہو کر نٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

(۶) یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے، وہ بھی بست جلد زوال و فنا سے ہم کنار ہو جائے گی۔ اس کی رونق و بہجت، اس کی شادابی و زیست اور اس کی لذتیں اور آسانیاں عارضی ہیں، جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہیے۔ بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے جس کے بعد کی زندگی دائیٰ ہے، جسے زوال نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل ایمان کے سینوں کی مثال ہے اور مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن اتارا، جسے وہ مومنوں کے دلوں میں داخل فرماتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے دین باہر نکالتا ہے جو ایک دوسرے سے بہتر ہوتا ہے، پس مومن تو ایمان و یقین میں زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، وہ اس طرح خشک ہو جاتا ہے جس طرح حقیقت خشک ہو جاتی ہے۔ (فتح القدير)

کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے پور دگار کی طرف سے ایک نور پر ہے^(۱) اور ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یادِ اللہ سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صرخ گمراہی میں (بیتلہ) ہیں۔ (۲۲)

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آتوں کی ہے،^(۲) جس سے ان لوگوں کے رو نگئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں^(۳) آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف زم ہو جاتے ہیں،^(۴) یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت جس کے ذریعہ جسے چاہے راہ راست پر لگا دیتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ بھلا دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ (۲۳)

بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذاب کی سپر (ڈھال) اپنے منہ کو بنائے گا۔ (ایسے) ظالموں سے کما

أَفَمْ شَرَحَ اللَّهُ صَدَرَةً لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ يَقِنُ بِهِ فَوِيلٌ
لِلْقَسْطَهِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ أَلِيمٌ فِي ضَلَالٍ شَيْئِينَ

۱۷

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَاءِهَا مَثَانِيٌ تَقْتَعِرُ مِنْهُ
جُلُودُ الْأَدْيَنْ يَخْتَمُونَ رَبِيعًا تُحَرَّكَلِينْ جُلُودُ هُمْ وَقُلُوبُهُمْ
إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ
يُضْلِلَ اللَّهُ نَمَّالَهُ مِنْ هَادِ

۱۸

أَفَمْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ مُؤْمِنَةُ الْعَدَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَقَلِيلٌ
لِلظَّلَمِيْنَ ذُوقُوا مَا كُنُّمُ عَلَيْبُونَ

۱۹

(۱) یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیقِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرحِ صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لئے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

(۲) أَخْسَنُ الْحَدِيثِ سے مراد قرآن مجید ہے، ملتی جلتی کا مطلب، اس کے سارے حصے حسن کلام، اعجاز و بлагت، سخت معانی وغیرہ خوبیوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یا یہ بھی سابقہ کتب آسمانی سے ملتا ہے یعنی ان کے مثابہ ہے۔ مثلاً، جس میں قصص و واقعات اور مواعظ و احکام کو بار بار دہرا یا گیا ہے۔

(۳) کیونکہ وہ ان وعدوں کو اور تحنیف و تهدید کو سمجھتے ہیں جو نافرمانوں کے لیے اس میں ہے۔

(۴) یعنی جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حضرت قیادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاءِ اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کا نپ اٹھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدھوش اور حواس باختہ ہو جائیں اور عقل و

جائے گا کہ اپنے کیے کا (و بال) چکھو۔^(۱) (۲۳)

ان سے پسلے والوں نے بھی جھٹلایا، پھر ان پر وہاں سے
عذاب آپرا جمال سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔^(۲) (۲۵)

اور اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگانی دنیا میں رسولی کا مزہ
چکھلایا^(۳) اور ابھی آخرت کا تو برا بھاری عذاب ہے کاش
کہ یہ لوگ سمجھ لیں۔^(۴) (۲۶)

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں
بیان کر دی ہیں کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں۔^(۵) (۲۷)

قرآن ہے عربی میں جس میں کوئی بھی نہیں، ہو سکتا ہے
کہ وہ پرہیزگاری اختیار کر لیں۔^(۶) (۲۸)

كَذَبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَنَّهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ^(۷)

فَإِذَا أَقْهَمْنَا الْخَرْزَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَاٰ وَكَعَدَابُ الْآخِرَةِ
أَكْبَرُ لَوْكَانُوا يَعْلَمُونَ^(۸)

وَلَقَدْ ضَرَبَنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ^(۹)

قُرَآنًا عَرِيقًا غَيْرَ ذُمِّي عَوْجَ لَعَلَّهُمْ يَتَعَقَّبُونَ^(۱۰)

ہوش باقی نہ رہے، کیونکہ یہ بدعتیوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتیوں کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں، جسے وہ ”وجود حال یا سکرو متی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں، اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجوہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سامع، قرآن کریم کی تلاوت ہے، جب کہ کفار کا سامع، بے چیامغیت کی آوازوں میں گانا بجانا، سنتا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سامع مشرکانہ غلوپر بنی قوالياں اور نعمتیں ہیں) دوسرے، یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب و خشیت سے رجاو محبت سے اور علم و فہم سے روپزتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کفار شور کرتے اور کھیل کو دیں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرا، اہل ایمان سامع قرآن کے وقت ادب و تواضع اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابہ کرام کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے رو گلنے کھڑے ہو جاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی کیا یہ شخص، اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو قیامت والے دن بالکل بے خوف اور امن میں ہو گا؟ یعنی محدود عبارت ملا کر اس کا یہ مفہوم ہو گا۔

(۲) اور انہیں ان عذابوں سے کوئی نہیں بچا سکا۔

(۳) یہ کفار مکہ کو جنیہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، تو ان کا یہ حال ہوا، اور تم اشرف الرسل اور افضل الناس کی تکذیب کر رہے ہو، تمہیں بھی اس تکذیب کے انعام سے ڈرنا چاہیے۔

(۴) یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں باتمیں بینہ جائیں اور وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۵) یعنی قرآن واضح عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی بھی، انحراف اور التباس نہیں ہے تاکہ لوگ اس میں بیان کر دو۔

اللہ تعالیٰ مثال بیان فرمارہا ہے ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم صدر کھنے والے سا جھی ہیں، اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک ہی کا (غلام) ہے، کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں،^(۱) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سب تعریف ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔^(۲) (۲۹)

یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔^(۳۰)

پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔^(۳۱)

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُسْتَأْكِنُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ^(۱)

إِنَّكَ مَيْتٌ وَإِنَّهُمْ مَيْتُونَ ^(۲)

لَمَّا إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةَ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَكُونُ مَتَّصُونَ ^(۳)

وعیدوں سے ذریں اور اس میں بیان کیے گئے وعدوں کا مصدق ابنے کے لیے عمل کریں۔

(۱) اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی گئی ہے۔ یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشرک ہے، چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے، جس کا مالک صرف ایک ہی شخص ہے، اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے۔ اور وہ مخلص مومن، جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس بات پر کہ اس نے جنت قائم کر دی۔

(۳) اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

(۴) یعنی اے پیغمبر! آپ بھی اور آپ کے مخالف بھی، سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے ہمارے پاس آخرت میں آئیں گے۔ دنیا میں تو توحید اور شرک کا فیصلہ تمہارے درمیان نہیں ہو سکا اور تم اس بارے میں جھگڑتے ہی رہے۔ لیکن یہاں میں اس کا فیصلہ کروں گا اور مخلص موحدین کو جنت میں اور مشرکین و جاحدین اور مکذبین کو جنم میں داخل کروں گا۔ اس آیت سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے، جس طرح کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۲ سے بھی ہوتا ہے اور انہی آیات سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ ﷺ کی موت کا تحقق فرمایا تھا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی، قرآن کی نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی، اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا، قبر میں آپ کو برزخی زندگی تو یقیناً حاصل ہے، جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں، لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ
بولے؟^(۱) اور سچا دین جب اس کے پاس آئے تو اسے
جھوٹا بتائے؟^(۲) کیا ایسے کفار کے لیے جنم نہ کانا نہیں
ہے؟^(۳)

اور جو سچے دین کو لائے^(۴) اور جس نے اس کی تصدیق
کی^(۵) یہ لوگ پارسا ہیں۔^(۶)

ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو یہ
چاہیں،^(۷) نیک لوگوں کا یہی بدلتا ہے۔^(۸)

تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے
اور جو نیک کام انہوں نے کیے ہیں ان کا اچھا بدلتا عطا

فَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ كَذَابٍ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالصَّدْقِ
إِذَا جَاءَهُ الْمُيْسَرُ فِي جَهَنَّمَ مَنْوَى لِلْكَافِرِينَ

وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّنْعِ وَصَدَقَ بِهِ أُولَئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُونَ

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رِبِّهِمْ ذَلِكَ
جَزَءُ الْمُحْسِنِينَ

لِيُنَكِّرُ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأُ الَّذِي عَمِلُوا وَيَنْهَا
أَجْرَهُمْ بِأَخْسَى الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ

(۱) یعنی دعویٰ کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا شریک ہے یا اس کی بیوی ہے دراں حالیکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔
(۲) جس میں توحید ہے، احکام و فرائض ہیں، عقیدہ بعث و نشور ہے، محرمات سے اجتناب ہے، مومنین کے لیے خوش خبری اور کافروں کے لیے وعدیں ہیں۔ یہ دین و شریعت جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اسے وہ جھوٹا بتلاتے۔

(۳) اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو سچا دین لے کر آئے۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا اور اللہ کی شریعت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۴) بعض اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرمادے گا، ان کے درجے بھی بلند فرمائے گا، کیونکہ ہر مسلمان کی اللہ سے یہی خواہش ہوتی ہے علاوہ ازیں جنت میں جانے کے بعد ہر مطلوب چیز بھی ملے گی۔

(۶) مُخْسِنِينَ کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو نیکیاں کرنے والے ہیں۔ دوسرا، وہ جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے حدیث میں ”احسان“ کی تعریف کی گئی ہے، أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَانَكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ”تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تصور ممکن نہ ہو تو یہ ضرور ذہن میں رہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ تیسرا، جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ چوتھا، ہر نیک عمل کو اچھے طریقے سے خشوع و خضوع سے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ کثرت کے بجائے اس میں ”حسن“ کا خیال رکھتے ہیں۔

فرمايے۔ (۳۵)

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟^(۱) یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اور وہ سے ڈرا رہے ہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔^(۲) (۳۶)

اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں^(۳) کیا، اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں ہے؟^(۴) (۳۷)

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ تعالیٰ مجھ پر میریانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی میریانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے،^(۵) توکل کرنے والے اسی

آلیس اللہ بِحَالِ عَبْدِهِ وَمُخْرِقُونَكَ بِالذِّينَ مِنْ دُونِهِ

وَمَنْ يُصْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادِ

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مُضِلٌّ الَّيْسَ اللَّهُ بِعِزْيَزٍ

ذِي الْيَقَانِ

وَلَمْ يَأْتِهِمْ مِنْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لِيَقُولُنَّ
اللَّهُ قُلْ أَفَرَءَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ
أَرَادَنِي اللَّهُ بِضِيرٍ هُنَّ لَكُشْفُ ضُرُّكُمْ أَوْ أَرَادَنِي
بِرَحْمَةٍ هُنَّ مُسِكِنُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ
عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ

(۱) اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جب آپ کا حامی و ناصر ہو تو آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔

(۲) جو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر لگادے۔

(۳) جو اس کو ہدایت سے نکال کر گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے۔ یعنی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے ہدایت سے نوازے۔

(۴) کیوں نہیں، یقیناً ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ لوگ کفر و عناد سے بازنہ آئے، تو یقیناً وہ اپنے دوستوں کی حمایت میں ان سے انتقام لے گا اور انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے گا۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ سوال ان کے سامنے پیش کیا، تو انہوں نے کہا کہ واقعی وہ اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتے، البتہ وہ سفارش کریں گے، جس پر یہ مکملًا تازل ہوا کہ مجھے تو میرے معاملات میں اللہ ہی کافی ہے۔

پر توکل کرتے ہیں۔^(۱) (۳۸)
 کہہ دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل
 کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں،^(۲) ابھی ابھی تم جان
 لو گے۔^(۳۹)

کہ کس پر رسو اکرنے والا عذاب آتا ہے^(۴) اور کس پر
 دائی مار اور ہیشگی کی سزا ہوتی ہے۔^(۵) (۴۰)

آپ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لیے
 نازل فرمائی ہے، پس جو شخص راہ راست پر آجائے اس
 کے اپنے لیے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اس کی گمراہی
 کا (وابال) اسی پر ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔^(۶) (۴۱)

فُلْ يَعْوِرُ اَعْمَلَهُ اَعْلَى مَكَانَتٍ كُلُّ اِنْ عَامِلٌ قَسْوَتْ
 تَعْلَمُونَ ۝

مَنْ يَأْتِيَهُ عَذَابٌ يُغَزِّيْهُ وَيَحْلِلُ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْدٌ ۝
 إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِتَأْتِيَ بِالْحَقِّ فَمَنْ افْتَدَى
 فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضْلُلُ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ
 بِوَكِيلٍ ۝

(۱) جب سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو پھر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لیے اہل ایمان صرف اس پر
 توکل کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر ان کا اعتماد نہیں۔

(۲) یعنی اگر تم میری اس دعوت توحید کو قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے، تو ٹھیک ہے، تم ساری
 مرضی، تم اپنی اس حالت پر قائم رہو جس پر تم ہو، میں اس حالت پر رہتا ہوں جس پر مجھے اللہ نے رکھا ہے۔

(۳) جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بد ریں
 ہوا۔ کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ و تکفیں بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا،
 جس کے بعد کافروں کے لیے سوائے زلت و رسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔

(۴) اس سے مراد عذاب جنم ہے جس میں کافر ہمیشہ بیٹلا رہیں گے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کہہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گز رتا تھا، اس میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ
 ﷺ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ ﷺ مکلف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنالیں گے تو اس میں انہی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی
 نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مکلف اور ذمے دار کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔
 اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرم رہا ہے جس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے اور
 وہ یہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے، کیوں کہ اس کے احساس و ادراک کی
 قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو روح اس میں گویا دوبارہ بھیج دی جاتی ہے، جس سے اس کے حواس
 بحال ہو جاتے ہیں۔ البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں، اس کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے

اللہی روحوں کو ان کی موت کے وقت^(۱) اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے،^(۲) پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے^(۳) اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔^(۴) غور کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بست سی نشانیاں ہیں۔^(۵)

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا (اوروں کو) سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے! کہ گو وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔^(۶) (۳۳) تمام کہہ دیجئے! کہ تمام سفارش کا اختیار اللہ ہی ہے۔^(۷) تمام آسمانوں اور زمین کا راج اسی کے لیے ہے تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔^(۸)

اللہ یتَوَقَّیُ الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا، فَهُنَّكُلُّ أَنْفُسٍ تَعْذَّبُ عَلَيْهَا الْمَوْتُ وَيُرِسْلُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمَّى إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِقَوْمٍ يَتَنَفَّرُونَ^(۹)

أَرْأَيْتُمْ دُوْنِنِ اللَّهِ شُفَعَاءَ، قُلْ أَوْلَوْ كَافُرٌ لَيْسُ الْكُفَّارُ شَيْئًا وَلَا يَعْقُلُونَ^(۱۰)

قُلْ إِنَّهُ السَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ مُدْكُلُ الشَّمَوْتِ وَالْأَرْضِ لَئِنَّهُ شُرُّجُونَ^(۱۱)

ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس کو بعض مفسرین نے وفات کبریٰ اور وفات صغیری سے بھی تعبیر کیا ہے۔

(۱) یہ وفات کبریٰ ہے کہ روح قبض کر لی جاتی ہے، واپس نہیں آتی۔

(۲) یعنی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، تو سونے کے وقت ان کی روح بھی قبض کر کے انہیں وفات صغیری سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

(۳) یہ وفات کبریٰ ہے، جس کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں روح روک لی جاتی ہے۔

(۴) یعنی جب تک ان کا وقت موعود نہیں آتا، اس وقت تک کے لیے ان کی روح میں واپس ہوتی رہتی ہیں، یہ وفات صغیری ہے، یہی مضمون سورۃ الانعام ۶۱-۶۰ میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں وفات صغیری کا ذکر پسلے اور وفات کبریٰ کا بعد میں ہے۔ جب کہ یہاں اس کے بر عکس ہے۔

(۵) یعنی یہ روح کا قبض اور اس کا ارسال اور توفی اور احیاء، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت والے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ فرمائے گا۔

(۶) یعنی شفاعت کا اختیار تو کجا، انہیں تو شفاعت کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں، کیوں کہ وہ پھر ہیں یا بے خبر۔

(۷) یعنی شفاعت کی تمام اقسام کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکے گا، پھر صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کیوں نہ کی جائے تاکہ وہ راضی ہو جائے اور شفاعت کے لیے کوئی سارا ذہنڈھنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت
کرنے لگتے ہیں ^(۱) جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور
جب اس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل
کر خوش ہو جاتے ہیں۔ ^(۲) ^(۳۵)

آپ کہہ دیجئے! کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا
کرنے والے، چھپے کھلے کے جانے والے تو ہی اپنے
بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ
رہے تھے۔^(۳۶)

اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روزے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو، تو بھی بدترین سزا کے بد لے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں،^(۳) اور ان کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ أَشْبَأْتُ قُلُوبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
يَا لَآخِرَةٍ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُولَتِهِ إِذَا هُمْ
يَسْتَبِّئُرُونَ ⑩

فِي هَذِهِ الْعَجَلَةِ ۝

وَلَوْا نَّلِذَيْنَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ
مَعَهُ لَا فَتَرَدَ وَلَبِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمةِ
وَبَدَ الْهُمْرُ مِنَ الْيَوْمِ مَا لَمْ يَكُنْ تُوا يَعْتَسِبُونَ ⑩

(۱) یا کفار اور اخبار، یا انقباض محسوس کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے جب یہ کہا جائے کہ معبدوں صرف ایک ہی ہے تو ان کے دل پر بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

(۲) ہاں جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبدوں ہیں، یا وہ بھی آخر اللہ کے نیک بندے ہیں، وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں، تو پھر مشرکین بڑے خوش ہوتے ہیں۔ مخربین کا یہی حال آج بھی ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ صرف ”یا اللہ مد“ کو، کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں ہے، تو سچ پا ہو جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لیے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن جب ”یا علی مد“ یا ”یا رسول اللہ مد“ کہا جائے، اسی طرح دیگر مردوں سے استمداد و استغاثہ کیا جائے مثلاً ”یا شیخ عبد القادر شیشاللہ“ وغیرہ تو پھر ان کے دل کی کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔

فتَشَاهَتْ فُلُوْبِهِمْ

(۳) حدیث میں آتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تجدی نماز کے آغاز میں یہ پڑھا کرتے تھے «اللَّهُمَّ ارْبَجْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، أَهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ يَإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ». (صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل و قیامہ)

(۳) لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہو گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے۔ ﴿فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدٍ هُمْ مُّلْأُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَا يَوْمَئِذٍ يَرَهُ﴾ (آل عمران: ۹۱) ”وہ زمین بھر سونا بھی بدلتے میں دے دیں“ تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ

ظاہر ہو گا جس کا گمان بھی انہیں نہ تھا۔^(۱) (۲۷)

جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کی براہیاں ان پر کھل پڑیں گی^(۲) اور جس کا وہ مذاق کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا۔^(۳) (۲۸)

انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے،^(۴) پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیں تو کہنے لگتا ہے کہ اسے تو میں محض اپنے علم کی وجہ سے دیا گیا ہوں،^(۵) بلکہ یہ آزمائش ہے^(۶) لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔^(۷) (۲۹)

ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں پس ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔^(۸) (۵۰)

پھر ان کی تمام براہیاں^(۹) ان پر آپڑیں، اور ان میں سے بھی

وَبَدَ الْهُمْ سَيِّاتُ مَا كَسَبُوا وَ حَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهِنُونَ ④

فَإِذَا مَسَ الْأَنْسَانُ ضُرًّا دَعَانَا شَفَّرَ إِذَا خَوْلَنَةٌ نَعْمَةٌ
مِنْنَا قَالَ إِنَّمَا أَوْتَنِيَتُهُ عَلَى عِلْمِ بَلْنَ هِيَ فَسَهَّلَ
وَلِكُنَّ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑤

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ نَمَّا أَغْنَى عَنْهُمْ
ثَمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑥
فَأَصَابَهُمْ سَيِّاتُ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا إِنْ

﴿وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَذَابٌ﴾ (البقرة: ۲۸) ”وہاں معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔“

(۱) یعنی عذاب کی شدت اور اس کی ہولناکیاں اور اس کی انواع و اقسام ایسی ہوں گی کہ کبھی ان کے گمان میں نہ آئی ہوں گی۔

(۲) یعنی دنیا میں جن محارم و مآثم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے، اس کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔

(۳) وہ عذاب انہیں گھیر لے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے، اس لیے اس کا استہزا اڑایا کرتے تھے۔

(۴) یہ انسان کا بہ اعتبار جنس، ذکر ہے۔ یعنی انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب ان کو بیماری، فقر و فاقہ یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے نجات پانے کے لیے اللہ سے دعا میں کرتا اور اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے۔

(۵) یعنی نعمت ملتے ہی سرکشی اور طغیان کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں اللہ کا کیا احسان؟ یہ تو میری اپنی دانائی کا نتیجہ ہے۔ یا جو علم و ہنر میرے پاس ہے، اس کی بدولت یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں یا مجھے معلوم تھا کہ دنیا میں یہ چیزیں مجھے ملیں گی کیوں کہ اللہ کے ہاں میرا بہت مقام ہے۔

(۶) یعنی بات وہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا یا میان کر رہا ہے، بلکہ یہ نعمتیں تیرے لیے امتحان اور آزمائش ہیں کہ تو شکر کرتا ہے یا کفر؟

(۷) اس بات سے کہ یہ اللہ کی طرف سے اس درجہ اور امتحان ہے۔

(۸) جس طرح قارون نے بھی کہا تھا، لیکن بالآخر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھن دیا گیا۔ فَمَا أَغْنَى میں ما استفہما میں بھی ہو سکتا ہے اور نافیہ بھی۔ دونوں طرح معنی صحیح ہے۔

(۹) براہیوں سے مراد ان کی براہیوں کی جزا ہے، ان کو مشاکل کے اعتبار سے سینمات کہا گیا ہے، ورنہ براہی کی جزا،

جو گناہ گار ہیں ان کی کی ہوئی برا یاں بھی اب ان پر آپ سیں
گی، یہ (ہمیں) ہر دینے والے نہیں۔^(۱)
کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے
روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ (بھی)، ایمان لانے
والوں کے لیے اس میں (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں۔^(۲)
(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں
نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے
نامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو
بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا
ہے۔^(۳)^(۴)

هُوَ لَهُ سَيِّدٌ هُمْ سَيِّدُونَ مَا كَسَبُوا وَلَا هُمْ يَعْلَمُونَ^(۵)

أَوْلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ^(۶)

قُلْ يَعْمَلُوا إِنَّ الَّذِينَ آسَرُ قُوَّاعِلَ أَنْتُمْ هُمْ لَا تَقْنَطُوا
مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّاجِفُ^(۷)

برائی نہیں ہے۔ جیسے «وَجَزَّا إِسْتِئْنَةً سَيِّئَةً مِثْلُهَا» میں ہے۔ (فتح القدير)

(۱) یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ بھی گزشتہ قوموں کی طرح قحط، قتل و اسارت وغیرہ سے دوچار ہوئے، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ان عذابوں کو یہ روک نہیں سکے۔

(۲) یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اسی کی تدبیر مؤثر اور کارگر ہے، اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے، رزق فرداں سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقر و تنگ وستی میں بدلنا کر دیتا ہے۔ اس کے ان فیضوں میں، جو اس کی حکمت و مشیت پر منی ہوتے ہیں، کوئی دخل انداز ہو سکتا ہے نہ ان میں ردوبدل کر سکتا ہے۔ تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیوں کہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ”اللہ کی رحمت سے نامید نہ ہو“ کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا تو بہ واستغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیوں کر معاف کرے گا؟ بلکہ پچ دل سے اگر ایمان قبول کر لے گا یا تو بہ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ کافر و مشرک تھے جنہوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کما کہ آپ ﷺ کی دعوت، صحیح ہے لیکن ہم لوگ بت زیادہ خطاکار ہیں، اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے، جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ زمر) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ، اس کے احکام و

تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔ (۵۳)

اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (۵۴)

(ایمانہ ہو کہ) کوئی شخص کے ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کی^(۲) بلکہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں ہی رہا۔ (۵۶)

یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسا لوگوں میں ہوتا۔ (۵۷)

وَأَنِيبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَآسِلُواهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
ثُمَّلَا شَرُونَ ⑤

وَإِنَّمَا أَخْسَنَ مَا أَنْتُمْ إِلَيْنِي مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ
يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ⑥

أَنْ تَعْوَلَ نَفْسٌ بِحَسْرَتِي عَلَى مَا فَرَطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ
وَإِنْ كُنْتُ لِمَنِ الشَّرِيكِينَ ⑦

أَوْ تَعْوَلَ لَوْاْنَ اللَّهَ هَدِيَنِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَقِينَ ⑧

فرائض کی مطلق پرواہ کرو اور اس کے حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غصب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نامیت نادانش مندی اور خام خیالی ہے۔ یہ حتم خنبل بو کرشمات و فواکہ کی امید رکھنے کے متراوف ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غفوٰر رَحِيمٌ ہے، وہاں وہ نافرانوں کے لیے عزیزٗ ذو انتقام بھی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً ﴿بَتَّعَ عَبْدَالَى أَنِّى أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ وَأَنَّ عَذَابَهُو الْعَذَابُ الْكَلِيمُ (الحجر: ۵۰، ۵۹) غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں آیت کا آغاز یا عبادی (میرے بندوں) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر یا پچی توہہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا، اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو وہ معاف فرمادے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور رحیم ہے۔ جیسے حدیث میں سو آدمیوں کے قاتل کے توبہ کا واقعہ ہے،

(صحیح بخاری۔ کتاب الألباء۔ مسلم۔ کتاب التوبۃ۔ باب قبول توبۃ القاتل و ان کشرقتله۔)

(۱) یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح کا اہتمام کرلو، کیوں کہ جب عذاب آئے گا تو اس کا تمہیں علم و شعور بھی نہیں ہو گا، اس سے مراد دنیوی عذاب ہے۔

(۲) فِي جَنْبِ اللَّهِ كَامِلُ الْمُطلَبِ، اللَّهُ كَيْمَنِ اطَاعَتْ يَعْنِي قرآن اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہے۔ یا جنْبَ کے معنی قرب اور جوار کے ہیں۔ یعنی اللہ کا قرب اور اس کا جوار (یعنی جنت) طلب کرنے میں کوتاہی کی۔

(۳) یعنی اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں شرک اور معاصی سے فج جاتا۔ یہ اس طرح ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر

یا عذاب کو دیکھ کر کے کاش! کہ کسی طرح میرا لوٹ جانا
ہو جاتا تو میں بھی نیکو کاروں میں ہو جاتا۔ (۵۸)

ہاں (ہاں) بیشک تیرے پاس میری آئیں پنج چکی تھیں
جنہیں تو نے جھٹالیا اور غور و تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں
میں۔ ^(۱) (۵۹)

اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں
گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں
گے (لہیا تکبر کرنے والوں کاٹھکانا جنم میں نہیں؟) ^(۲) (۶۰)

اور جن لوگوں نے پرہیز گاری کی انہیں اللہ تعالیٰ ان کی
کامیابی کے ساتھ بچا ^(۳) لے گا، انہیں کوئی دکھ چھو بھی نہ
سکے گا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔ ^(۴) (۶۱)

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگران
ہے۔ ^(۵) (۶۲)

أَوْلَئِكَ جِئْنَ تَرَى الْعَدَابَ لَوْاَنَ لِيَكْرَهَ فَاكُونَ مِنَ
الْمُخْسِنِينَ ^(۶)

بَلْ قَدْ جَاءَتُكَ الِّيَّنِي مُلَدَّبَتِهِمَا وَسَكَبَتْ وَكُنْتَ
مِنَ الْكَفَرِينَ ^(۷)

وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وَجُوْهُهُمْ
مُسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثُوَّيًّا لِلْمُنْكَرِينَ ^(۸)

وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقُوا إِيمَانَهُمْ لَا يَسْتُهْمُ الشَّوَّدُ
وَلَا هُمْ يَحْزُنُونَ ^(۹)

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ذُمُوعَلِ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ^(۱۰)

مشرکین کا قول نقل کیا گیا ہے، «لَوْشَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُنَا» (الأنعام: ۱۳۸) "اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے" ان کا یہ قول
کلمہ حق اُریندہ بھا الباطل ... کامصدقہ ہے (فتح القدیر)۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے جواب میں فرمائے گا۔

(۲) جس کی وجہ عذاب کی ہوں گیا اور اللہ کے غضب کا مشاہدہ ہو گا۔

(۳) حدیث میں ہے «الْكَبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» "حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا" کبر ہے" یہ استفهام
تقریبی ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والوں کاٹھکانا جنم ہے۔

(۴) مفازہ مصادر میکی ہے۔ یعنی فوز (کامیابی) شر سے نجات اور خیر اور سعادت سے ہم کنار ہو جانا، مطلب ہے، اللہ
تعالیٰ پرہیز گاروں کو اس فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرمادے گا، جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثبت ہے۔

(۵) وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے ہیں، اس پر انہیں کوئی غم نہیں ہو گا، وہ چونکہ قیامت کی ہوں گیوں سے محفوظ ہوں
گے، اس لیے انہیں کسی بات کا غم نہ ہو گا۔

(۶) یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے، تصرف اور تدبیر کرے۔ ہر چیز اس کے ماتحت
اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو سرتاسری یا انکار کی مجال نہیں۔ وکیل، یعنی محافظ اور مدبر۔ ہر چیز اس کے پردہ ہے اور وہ بغیر کسی
کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی سنجیوں کا مالک وہی ہے،^(۱) جن جن لوگوں نے اللہ کی آئیوں کا انکار کیا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔^(۲) (۶۳)

آپ کہ دستیعے اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کو کہتے ہو۔^(۳) (۶۳)

یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پسلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وہی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاد کاروں میں سے ہو جائے گا۔^(۴) (۶۵)

بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر^(۵) اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔^(۶) (۶۶)

اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی،^(۶) ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِإِيمَانِ اللَّهِ
أُولَئِكَ هُمُ الظَّمِيرُونَ ۝

قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ أَيْمَانًا لِجَهِلَوْنَ ۝

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لِئِنْ
أَشْرَكْتَ لِيَحْبَطَ عَمَلَكَ وَلَتَكُونَنَّكَ مِنَ الْخَيْرِينَ ۝

بِإِنَّ اللَّهَ فَاعْبُدُ وَلْكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَتَّىٰ قَدْرِهِ ۝ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا فَبَقْسَطَتُهُ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْرُولَاتٍ يَسِيرُّنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَلَّمُ

(۱) مَقَالِيدُ، مِقْلِيدُ اور مِقْلَادُ کی جمع ہے۔ (فتح القدير) بعض نے اس کا ترجمہ "چایاں" اور بعض نے "خزانے" کیا ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈورا سی کے ہاتھ میں ہے۔

(۲) یعنی کامل خسارہ۔ کیونکہ اس کفر کے نتیجے میں وہ جنم میں چلے گئے۔

(۳) یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین کو اختیار کر لیں، جس میں بتوں کی عبادت تھی۔

(۴) "اگر تو نے شرک کیا" کا مطلب ہے، اگر موت شرک پر آئی اور اس سے توبہ نہ کی۔ خطاب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی۔ کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن یہ دراصل امت کے لیے تعزیز اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔

(۵) إِيَّاكَ نَعْبُدُ کی طرح یہاں بھی مفعول (اللہ) کو مقدم کر کے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا گیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو!

(۶) کیونکہ اس کی بات بھی نہیں مانی، جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے ان تک پہنچائی تھی اور عبادت بھی اس کے لیے خالص نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہم اللہ کی بابت (کتابوں میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ (قیامت والے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور شری (تری) کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور

عَمَّا يُشِّرِّكُونَ ④

میں ہو گی اور تمام آسمان اس کے دامنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے،^(۱) وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں۔^(۲۷)

اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گرپڑیں گے^(۲۸) مگر جسے اللہ چاہے،^(۳) پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔^(۳۰)^(۲۹)^(۲۸)

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگ گا اٹھے گی،^(۵) نامہ اعمال حاضر کیے جائیں گے نبیوں اور گواہوں کو لا لایا

وَتَفَتَّحَ فِي الصُّورِ قَصْرِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى تَفَرِّقَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قَدَّامَنَا نَظَرُونَ ⑤

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَبُ وَجَاهَتِ الْبَيْنَ
وَالثَّمَدَاءُ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْعَقْدِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ⑥

فرمائے گا، میں بادشاہ ہوں۔“ آپ ﷺ نے مسکرا کر اس کی تصدیق فرمائی اور آیت و ماقدرۃ اللہ کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ زمر) محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی جن صفات کا ذکر قرآن اور احادیث صحیح میں ہے، (جس طرح اس آیت میں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا ثابت ہے) ان پر بلا کیف و تشبیہ اور بغیر تاویل و تحریف کے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے یہاں بیان کردہ حقیقت کو مجرد غلبہ و قوت کے مفہوم میں لینا صحیح نہیں ہے۔

(۱) اس کی بابت بھی حدیث میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا أَنَا الْمَلِكُ، أَنِّي مُلُوكُ الْأَرْضِ ”میں بادشاہ ہوں۔“ زمین کے بادشاہ (آج) کہاں میں؟ (حوالہ مذکورہ)

(۲) بعض کے نزدیک (نفعہ فرع کے بعد) یہ نفعہ ہانیہ یعنی نفعہ معنی ہے، جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض کے نزدیک یہ نفعہ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاد سخت گھبراہٹ طاری ہو گی اور پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض نے ان نعمات کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے۔ پسال نَفْخَةُ الْفَنَاءِ - وَسَرَا نَفْخَةُ الصَّعْقِ - تِسْرَا نَفْخَةُ الْقِيَامِ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (آلہ العالیم) التغایر بعض کے نزدیک صرف دو ہی نفعے ہیں نفعہ الموت اور نفعہ البعث اور بعض کے نزدیک تین۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

(۳) یعنی جن کو اللہ چاہے گا، ان کو موت نہیں آئے گی، جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ بعض کہتے ہیں رضوان فرشتہ، حَمَلَةُ الْعَرْشِ (عرش اٹھانے والے فرشتے) اور جنت و جنم پر مقرردار وغیرے۔ (فتح القدیر)

(۴) چار نعمتوں کے قائمین کے نزدیک یہ چوتحا، تمیں کے قائمین کے نزدیک تیسرا اور دو کے قائمین کے نزدیک یہ دوسرا نفعہ ہے۔ بہر حال اس نفعے سے سب زندہ ہو کر میدان محشر میں رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے، جہاں حساب کتاب ہو گا۔

(۵) اس نور سے بعض نے عدل اور بعض نے حکم مراد لیا ہے لیکن اسے حقیقی معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیزمانع نہیں ہے، کیونکہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (قَالَهُ الشَّوَّكَانِيُّ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ)

جائے گا^(١) اور لوگوں کے درمیان حق حق فیصلے کر دیئے جائیں گے اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے۔^(٢) (٦٩)
 اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے بھرپور دے دیا جائے گا، جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ بخوبی جانے والا ہے۔^(٣) (٧٠)
 کافروں کے غول کے غول جنم کی طرف ہنکائے جائیں گے،^(٤) جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اس کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے،^(٥) اور وہاں کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست^(٦)

وَوَقَيْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٦﴾

وَسَيِّئُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءَهُمْ فُتَحْتَ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَهَا أَلَّمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْنَا كُمْ يَتَلَوَّنَ عَلَيْكُمْ أَيْتَ رَبِّكُمْ وَيُنَذِّرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمَ مُكْثُ هُنَّا مَقَالُوا بَلْ وَلَكِنْ حَقُّكُمْ لِهُمْ الْعَذَابُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴿٧﴾

(١) نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا، اسے قبول کیا یا اس کا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی قوم یا امت کو پہنچا دیا تھا، جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعے سے ان امور پر مطلع فرمایا تھا۔

(٢) یعنی کسی کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی اور کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

(٣) یعنی اس کو کسی کاتب، حاسب اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعمال نامے اور گواہ صرف بطور جحت اور قطع معدورت کے ہوں گے۔

(٤) زُمَرَ زُمَر سے مشتق ہے بمعنی آواز، ہر گروہ یا جماعت میں شور اور آوازیں ضرور ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ جماعت اور گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہے کہ کافروں کو جنم کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے ایک گروہ۔ علاوه ازیں انہیں مار دھکیل کر جانوروں کے رویوں کی طرح ہنکایا جائے گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿يَوْمَ يُدْعُونَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَفَّا﴾ (الطور۔ ٣) یعنی انہیں جنم کی طرف سختی سے دھکیلا جائے گا۔

(٥) یعنی ان کے پیچتے ہی فوراً جنم کے ساتوں دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ سزا میں تاخیر نہ ہو۔

(٦) یعنی جس طرح دنیا میں بحث و تکرار اور جدل و مناظرہ کرتے تھے، وہاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجائے کے بعد، بحث و جدل کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی، اس لیے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔

ہے لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔^(۱)
 کما جائے گا کہ اب جنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ
 جمال ہیشہ رہیں گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بست ہی برا
 ہے۔^(۲)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کے گروہ کے
 گروہ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں^(۳) گے یہاں تک
 کہ جب اس کے پاس آجائیں گے اور دروازے کھول
 دیئے جائیں گے^(۴) اور وہاں کے نگمان ان سے کہیں
 گے تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو تم اس میں ہیشہ کے

قَيْنَىٰ اَدْخُلُوا بُوَابَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا قِيمَتُ مَتْوَى
 الْمُتَكَبِّرِينَ ^(۵)

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِهِمُ الْجَنَّةُ زُمْرًا حَتَّىٰ إِذَا
 جَاءُوهَا وَفِيهَا بَأْبُواهُمَا وَقَالَ لَهُمْ خَرَنُهَا
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَبِّنُهُمْ قَادْخُلُوهَا خَلِدِينَ ^(۶)

(۱) یعنی ہم نے پیغمبروں کی بحذیب اور مخالفت کی، اس شقاوت کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے، جب کہ ہم نے حق سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا، اس مضمون کو سورۃ الملک، ۸-۱۰ میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

(۲) اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقریبین، پھر ابرار، اس طرح درجہ بدرجہ، ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہو گا۔ مثلاً انبیاء علیم السلام، انبیاء علیم السلام کے ساتھ، صد یقین، شدہ اپنے ہم جنوں کے ساتھ، علما اپنے اقران کے ساتھ، یعنی ہر صرف اپنی ہی صفت یا اس کی مثل کے ساتھ ہو گی۔ (ابن کثیر)

(۳) حدیث میں آتا ہے، جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک ریان ہے، جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔ (صحیح بخاری، نمبر ۲۲۵-۸۰۸) اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہوں گے، جیسے باب الصلوٰۃ، باب الصدقۃ، باب الجھاد وغیرہ (صحیح بخاری، کتاب الصیام، مسلم، کتاب الزکرۃ) ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہو گی، اس کے باوجودیہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الزهد) سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے بنی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ (مسلم، کتاب الإیمان، باب ائل النّاس يشفع) جنت میں سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چکنے والے ستاروں میں سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و برآزادہ تھوک، بلغم سے پاک ہوں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی اور پیسہ کستوری ہو گا، ان کی انگلیوں میں خوبصوردار لکڑی ہو گی، ان کی یویاں الحور العین ہوں گی، ان کا ناد آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ ہو گا۔ (صحیح بخاری، اول کتاب الأنبياء، صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو دو یویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہو گا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچے سے نظر آئے گا۔ (کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنۃ، بعض نے کہایہ دو یویاں حوروں کے علاوہ، دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی۔ لیکن چونکہ ۲۷ حوروں والی روایت سنداً صحیح نہیں۔ اس لیے بظاہر یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ

(۲۷) جاؤ۔ چلے

یہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنادیا کہ جنت میں جمال چاہیں مقام کریں پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔ (۷۳)

اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے اردوگرد حلقة باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تبیح کرتے ہوئے دیکھے گا^(۱) اور ان میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔^(۲)
 (۷۵)

سورہ مومن کی ہے اور اس میں چچاں آئیں اور نور کو عن ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

حُمْ! (۱) اس کتاب کا نازل فرمانا^(۲) اس اللہ کی طرف سے
ہے جو غالب اور دامتا ہے۔^(۳)

وَقَالُوا احْمَدُ بْنُهُ الدِّيْنِ صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا
الْأَرْضَ ضَرَبَنَا مِنَ الْجَنَّةِ حِينَ شَاءَ فَلَمْ يَعْمَلْ
أَجْرًا لِعَمِلِنَا ④

وَرَى الْمُلِكَةَ حَاقِنَّ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسْتَحْوِنُ مُحَمَّدٌ
رَعَامٌ وَظَفَرٌ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑤

سورة المؤمنون

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْرٌ تَزِينُ الْكِتَابَ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيِّينَ ۝

ہر جنتی کی کم از کم حور سمیت دو بیویاں ہوں گی۔ تَاهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشْتَهُونَ۔ کے تحت زیادہ بھی ممکن ہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمْ (مزید دیکھئے فتح الباری۔ باب نذکور)

(۱) قضاۓ الٰٰ کے بعد جب اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جنم میں چلے جائیں گے، آیت میں اس کے بعد کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے عرش الٰٰ کو گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید میں مصروف ہوں گے۔

(۲) یہاں حمد کی نسبت کسی ایک مخلوق کی طرف نہیں کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز (ناطق و غیرناطق) کی زبان پر حمد الٰہی کے ترانے ہوں گے۔

☆ اس سورت کو سورۃ غافر اور سورۃ الطول بھی کہتے ہیں۔

(۳) یا تَنْزِيلُ، مَتَّزِلُ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں۔

(۳) جو غالب ہے، اس کی قوت اور غلبے کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا۔ علیم ہے، اس سے کوئی ذرہ تک پوشیدہ نہیں

غَافِرُ الذَّيْشُ وَقَابِلُ التَّوْبَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ذِي الْقَوْلِ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ②

مَا يَجِدُ الْأَوْلَى فِي أَيْتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرِبُ
نَعْلَمُهُمْ فِي الْبَلَادِ ②

كَذَبَتْ بِهِمْ قَوْمٌ نُوحٌ وَالْأَخْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ
وَهَمَتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِ لِيَاخْدُوْهُ وَجَادُوا

گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول فرمانے والا^(١) سخت
عذاب والا^(٢) انعام و قدرت والا،^(٣) جس کے سوا کوئی

معبود نہیں۔ اسی کی طرف واپس لوٹا ہے۔^(٤)
اللہ تعالیٰ کی آئیوں میں وہی لوگ جھکڑتے ہیں جو کافر
ہیں^(٥) پس ان لوگوں کا شروں میں چلنا پھرنا آپ کو
دھوکے میں نہ ڈالے۔^(٦)

قوم نوح نے اور ان کے بعد کے گروہوں نے بھی جھٹالیا
تھا۔ اور ہرامت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ

چاہے وہ کتنے بھی کثیف پردوں میں چھپا ہو۔

(۱) گزشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یا اپنے دوستوں
کے لیے غافر ہے اور کافروں مشرک اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(۲) ان کے لیے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیں اور تمرو طفیان کاراستہ اختیار کریں یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہی ہے۔
﴿إِنَّ عِبَادَيِي أَئِنَّ أَنَا لِغَفُورٌ الرَّحِيمُ * وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾ — (الحجر، ٥٠-٥١) ”میرے بندوں کو بتلا دو کہ
میں غفور و رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔“ قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ دونوں وصف ساتھ ساتھ بیان
کیے گئے ہیں تاکہ انسان خوف اور رجا کے درمیان رہے۔ کیونکہ محض خوف ہی خوف، انسان کو رحمت و مغفرت الہی سے
مایوس کر سکتا ہے اور نری امید گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔

(۳) طُولُ کے معنی فراغی اور تُنگری کے ہیں، یعنی وہی فراغی اور تُنگری عطا کرنے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے
معنی ہیں، انعام اور تغفل۔ یعنی اپنے بندوں پر انعام اور فضل کرنے والا ہے۔

(۴) اس جھکڑے سے مراد ناجائز اور باطل جھکڑا (جدال) ہے۔ جس کا مقصد حق کی بحکمیت اور اس کی تردید و تغییط ہے۔
ورنه جس جدال (بحث و مناظرہ) کا مقصد ایصال حق، ابطال باطل اور مکریں و معترضین کے شہمات کا ازالہ ہو، وہ نہ موم
نہیں نہایت محسود و محسن ہے۔ بلکہ اہل علم کو تو اس کی تائید کی گئی ہے، ﴿لَتَبَيَّنَ لَهُ لِلْمَقَائِسِ وَلَا يَكُنْ مُّؤْمِنَةٌ﴾
آل عمران، ١٨٢۔ ”تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرنا، اسے چھپانا نہیں۔“ بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے
دلائل و برائیں کو چھپانا اتنا سخت جرم ہے کہ اس پر کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے، (البقرة، ١٥٩)۔

(۵) یعنی یہ کافروں مشرک جو تجارت کرتے ہیں، اس کے لیے مختلف شروں میں آتے جاتے اور کشیر منافع حاصل کرتے
ہیں، یہ اپنے کفر کی وجہ سے جلد ہی مٹا خذہ اللہی میں آ جائیں گے، یہ مہلت ضرور دیئے جا رہے ہیں لیکن انہیں ممکن
نہیں چھوڑا جائے گا۔

کیا^(١) اور باطل کے ذریعہ کج بختیاں کیں، تاکہ ان سے حق کو بگاؤ دیں^(٢) پس میں نے ان کو پکڑ لیا، سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی۔^(٣)^(٤)^(٥)

اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔^(٦)^(٧)

عرش کے اٹھانے والے اور اس کے اس پاس کے (فرشتے) اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر کھا ہے، پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔^(٨)

اے ہمارے رب! تو انہیں ہیشکی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخْذَهُمْ فَيْكِيفْ
كَانَ عَقْلِيٌّ ⑤

وَلَذِكَ حَقَّتْ جَلَّتْ رَيْكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ
أَصْحَابُ النَّارِ ⑥

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسْتَعْوَنَ بِهِمْ
رَبِّهِمْ وَإِنْهُمْ نُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ امْتَأْدُّتُمْ
وَسَعْتَ تُلْكَ شَيْءَ رَحْمَةً وَعَلِمَّا فَاعْفَرْتَ لِلَّذِينَ تَأْلُمُوا
وَاتَّبَعْتَ عَوْاسِيْلَكَ وَقِيمَهُ عَذَابَ الْجَحِيلِ ⑦

رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّتَ عَدْنَ إِلَيْنِي وَعَدْنَهُمْ وَمَنْ صَلَّمَ
مِنْ أَبَاهُمْ وَأَرْوَاجُهُمْ وَذَرْتَهُمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ

(١) تاکہ اسے قید یا قتل کر دیں یا سزا دیں۔

(٢) یعنی اپنے رسولوں سے انہوں نے جھگڑا کیا، جس سے مقصود حق بات میں کیڑے نکالنا اور اسے کمزور کرنا تھا۔

(٣) چنانچہ میں نے ان حامیان باطل کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، پس تم دیکھ لو ان کے حق میں میرا عذاب کس طرح آیا اور کیسے انہیں حرفاً غلط کی طرح مٹا دیا گیا یا انہیں نشان عبرت بنادیا گیا۔

(٤) مقصد اس سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس طرح کچھ امتلوں پر تیرے رب کا عذاب ثابت ہوا اور وہ تباہ کر دی گئیں، اگر یہ اہل مکہ بھی تیری مکنذیب اور مخالفت سے بازنہ آئے اور جدال بالباطل کو ترک نہ کیا تو یہ بھی اسی طرح عذاب الہی کی گرفت میں آجائیں گے، پھر کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہو گا۔

(٥) اس میں ملائکہ مقرین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ہے، یہ گروہ ہے ان فرشتوں کا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے ارد گرد ہیں۔ ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، یعنی نقاصل سے اس کی تنزیہ، کملات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے عجز و تسلیم یعنی (ایمان) کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں، مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہو گی۔ (ابن کثیر)

الْحَكِيمُ ⑥

اور بیویوں اور اولاد میں سے (بھی) ان (سب) کو جو نیک عمل ہیں۔^(۱) یقیناً تو غالب و با حکمت ہے۔^(۲) انہیں برایوں سے بھی محفوظ رکھ،^(۳) حق تو یہ ہے کہ اس دن تو نے جسے برایوں سے بچالیا اس پر تو نے رحمت کر دی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے۔^(۴) بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں یہ آواز دی جائے گی کہ یقیناً اللہ کا تم پر غصہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم غصہ ہوتے تھے اپنے جی سے، جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر کفر کرنے لگتے تھے۔^(۵) وہ کیس گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دوبار مارا

وَقِهَمُ الشَّيَّاتِ وَمَنْ تَقَّى الشَّيَّاتِ يَوْمَئِنْ فَقَدْ رَجَمَهُنَّ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑦

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّا دُونَ لَمَّا قُتِلَ اللَّهُ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتَلِهِمْ أَنْسَكُمْ إِذَا تُدْعُونَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكُفُّرُونَ ⑧

فَالْوَارِثَةُ الْأَمْنَى اثْنَتَيْنِ وَأَحِيَّتَهَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفَنَا

(۱) یعنی ان سب کو جنت میں جمع فرمادے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے، ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعُوهُمْ ذُرِّيَّةُهُمْ بِإِيمَانِ الْعَقْنَابِ يُهُدَّى بِهِمْ وَمَا آتَنَاهُمْ مِنْ عَطَاءٍ هُمْ بِهِنْ ۝﴾ (الطور: ۲۰) ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی۔ ملا دیا ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا۔“ یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ دے دیا کہ ادنیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انہیں ادنیٰ مقام پر لے آئے، بلکہ ادنیٰ کو اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔

(۲) سینات سے مراد یہاں عقوبات ہیں یا پھر جزا محفوظ ہے یعنی انہیں آخرت کی سزاوں سے یا برایوں کی جزا سے بچانا۔

(۳) یعنی آخرت کے عذاب سے نجات اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس لیے کہ اس جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں۔ (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے) دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جَعَلَنَا اللَّهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحِفُهُمُ اللَّهُ بِآبَانِهِمُ الصَّالِحِينَ۔

(۴) مفت، سخت ناراضی کو کہتے ہیں۔ اہل کفر جو اپنے کو جنم کی آگ میں جھلتے دیکھیں گے، تو اپنے آپ پر سخت ناراض ہوں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر ناراض ہوتا تھا جتنا تم آج اپنے آپ پر ہو رہے ہو۔ یہ اللہ کی اس ناراضی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جنم میں ہو۔

اور دوبار ہی جلایا،^(۱) اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں،^(۲) تو کیا بکوئی راہ نکلنے کی بھی ہے؟^(۳)^(۴)

یہ (عذاب) تمہیں اس لیے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے^(۵) تھے پس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔^(۶)^(۷)

وہی ہے جو تمہیں اپنی ثانیاں دکھلاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے روزی اترتا ہے،^(۸) نصیحت تو صرف

يَدُؤُوبِنَا أَهْلُ إِلٰٰخُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيلٍ^(۹)

ذَلِكُمْ يَأْتِيَهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرَ ثُمَّ وَلَنْ يُشْرِكُ بِهِ
تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ^(۱۰)

هُوَ أَنِّي بِرِيْكُمُ الْيَهٗ وَيَنْزَلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا
وَمَا يَتَدَّوَّلُ كُوْلَامَنْ يُنْبِيْبُ^(۱۱)

(۱) جمصور مفسرین کی تفسیر کے مطابق، دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے۔ یعنی اس کے وجود (ہست) سے پہلے اس کے عدم وجود (نیست) کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری موت وہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی، یہ دنیوی زندگی ہے، جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام، وفات پر ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت والے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہوگی۔ اُپنی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ﴿وَكُنْتُمْ أَمْوَالًا فَاحْيِيَ الْأَرْضَ فَيُبَيِّنُكُمْ ثُمَّ تُحِيَنُكُمْ﴾ (البقرة ۲۸۰) میں بھی کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی جنم میں اعتراف کریں گے، جہاں اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں اور وہاں پیشان ہونگے جہاں پیشامی کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۳) یہ وہی خواہش ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ ہمیں دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے، تاکہ ہم نیکیاں کما کر لائیں۔

(۴) یہ ان کے جنم سے نہ نکالے جانے کا سبب یا ان فرمایا کہ تم دنیا میں اللہ کی توحید کے منکر تھے اور شرک تمہیں مرغوب تھا، اس لیے اب جنم کے دائیٰ عذاب کے سوا تمہارے لیے کچھ نہیں۔

(۵) اسی ایک اللہ کا حکم ہے کہ اب تمہارے لیے جنم کا عذاب ہیش کے لیے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سہیل نہیں۔ جو علیٰ، یعنی ان باتوں سے بلند ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور کبیر یعنی ان باتوں سے بہت بڑا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہو یا یوں اور اولاد ہو یا شریک ہو۔

(۶) یعنی پانی جو تمہارے لیے تمہاری روزیوں کا سبب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اطمینان آیات کو ازال رزق کے ساتھ جمع فرمادیا ہے۔ اس لیے کہ آیات قدرت کا اطمینان، ادیان کی بنیاد ہے اور روزیاں ابدان کی بنیاد ہیں۔ یوں یہاں دونوں بنیادوں کو جمع فرمادیا گیا ہے۔ (فتح القدير)

وہی حاصل کرتے ہیں جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتے ہیں۔^(۱)
^(۲)

تم اللہ کو پکارتے رہوں کے لیے دین کو خالص کر کے گو کافر بر امامیں۔^(۳)
^(۴)

بلند درجوں والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وہی نازل فرماتا ہے،^(۵) تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔^(۶)

جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے،^(۷) ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟^(۸) فقط اللہ واحد و قمار کی۔^(۹)

آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے

فَادْعُوا اللَّهَ مُحْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَنُكَرِّهُ الْكُفَّارُونَ^(۱۰)

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقَى الرُّوحُ مِنْ أَمْرِهِ
عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذَرَ يَوْمَ التَّلاقِ^(۱۱)

يَوْمَ هُمْ بَالْمَرْءَوْنَ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ إِلَيْهِنَّ
الْمُنْذَرُ الْيَوْمَ بِاللَّهِ أَوْجَدَ الْقَنَادِ^(۱۲)

أَلَيْوْمَ تَجْزِي كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ لِنَّ اللَّهَ
سَرِيفُ الْإِحْسَابِ^(۱۳)

(۱) اللہ کی اطاعت کی طرف، جس سے ان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور احکام و فرائض اللہ کی پابندی کرتے ہیں۔

(۲) یعنی جب سب کچھ اللہ ہی اکیلا کرنے والا ہے تو کافروں کو چاہے، کتنا بھی ناگوار گزرے، صرف اسی ایک اللہ کو پکارو، ایس کے لیے عبارت و اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

(۳) رُزْخُ سے مراد وہی ہے جو وہ بندوں میں سے ہی کسی کو رسالت کے لیے چن کر، اس پر نازل فرماتا ہے، وہی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقا و سلامتی کا راز مضرب ہے۔ اسی طرح وہی سے بھی ان انسانی قلوب میں زندگی کی لہڑوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل کر ہوں گے۔

(۵) یہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جب سارے انسان اس کے سامنے میدان محشر میں جمع ہوں گے، ”اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، اور کہے گا میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟“ (صحیح بخاری، سورہ زمر)

(۶) جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا، جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے۔ (فتح القدیر)

وَالاٰهُ - ^(١)
وَالاٰهُ - ^(٢)

اور انہیں بہت ہی قریب آنے والی ^(٣) (قیامت سے) آگاہ کر دیجئے، جب کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور سب خاموش ہوں گے، ^(٤) ظالمون کا نہ کوئی دلی دوست ہو گانہ سفارشی، کہ جس کی بات مانی جائے گی۔ ^(٥)

وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب (خوب) جانتا ہے۔ ^(٦)

اور اللہ تعالیٰ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اس کے سوا جنیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، ^(٧) بیشک اللہ تعالیٰ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے۔ ^(٨) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا نتیجہ کیسا کچھ ہوا؟ وہ باعتبار

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَزْفَةِ إِذَا الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ هَذِهِ
مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَيْثُواً وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ ^(٩)

يَعْلَمُ خَلِيلَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ^(١٠)

وَاللَّهُ يَعْلَمُ بِالْحَقِيقَةِ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ^(١١)

أَوْلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَابِرَهُ
الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمُ الْأَشَدُ مِنْهُمُ فَوْأَدُوا
أَوْلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَابِرَهُ
الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمُ الْأَشَدُ مِنْهُمُ فَوْأَدُوا

(١) اس لیے کہ اسے بندوں کی طرح غورو فکر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

(٢) آزِفَةٌ کے معنی ہیں قریب آنے والی۔ یہ قیامت کا نام ہے، اس لیے کہ وہ بھی قریب آنے والی ہے۔

(٣) یعنی اس دن خوف کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ کاظمینَ غم سے بھرے ہوئے، یا روتے ہوئے، یا خاموش، اس کے تینوں معنی کے گئے ہیں۔

(٤) اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے کہ اسے تمام اشیا کا علم ہے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو یا موٹی، اعلیٰ مرتبے کی ہو یا چھوٹے مرتبے کی۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اس کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے تو اس کی نافرمانی سے احتساب اور صحیح معنوں میں اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ وزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے۔ جیسے راہ چلتے کسی حسین عورت کو سنکھیوں سے دیکھنا۔ (سینوں کی باتوں میں) وہ وسو سے بھی آجائتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ جب تک وسو سے ہی رہتے ہیں یعنی ایک لمحہ گزران کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے ہیں، تب تک تو وہ قابل مٹاخذہ نہیں ہوں گے۔ لیکن جب وہ عزم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مٹاخذہ ہو سکتا ہے، چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔

(٥) اس لیے کہ انہیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت، وہ بے اختیار بھی ہیں اور بے اختیار بھی، جب کہ فیصلے کے لیے علم و اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اس لیے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، کیونکہ اسے کسی کا خوف ہو گانہ کسی سے حرص و طمع۔

وقت و طاقت کے اور باعتبار زمین میں اپنی یادگاروں کے ان سے بہت زیادہ تھے، پس اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر کپڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جوانیں اللہ کے عذاب سے بچایتا۔^(۱) (۲۱)

یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر مجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے،^(۲) پس اللہ انہیں کپڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ طاقتوں اور سخت عذاب والا ہے۔^(۲۲)

اور ہم نے موئی (علیہ السلام) کو اپنی آئیوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔^(۳) (۲۳)

فرعون ہمان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ تو) جادوگر اور جھوٹا ہے۔^(۴) (۲۴)

وَإِنَّا رَأَيْنَا فِي الْأَرْضِ قَاتِلَهُمُ الَّذِينَ يَدْعُونَا بِغَيْرِ هُنَّ مُؤْمِنُونَ
لَهُمْ قِنَّ اللَّهُ مِنْ قَاتِلِهِ^(۵)

۷۸

ذَلِكَ يَأْنَهُمْ كَانُوا تَائِيَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبُشِّرَى
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوْمٌ شَدِيدُ الْعَقَابِ^(۶)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِإِلَيْنَا وَسُلَطَانَ مُبِينِ^(۷)

إِلَى فِرْعَوْنَ وَهَامَنَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَابٌ^(۸)

(۱) گزشتہ آیات میں احوال آخرت کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کران قوموں کا انجام دیکھیں، جوان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک کی گئیں، جس کا ارتکاب یہ کر رہے ہیں۔ دراں حايكہ گزشتہ قومیں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، لیکن جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔ اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے، اور اگر یہ آیا تو پھر کوئی تمہارا پشت پناہ نہ ہو گا۔

(۲) یہ ان کی ہلاکت کی وجہ بیان کی گئی ہے، اور وہ ہے اللہ کی آئیوں کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب۔ اب سلسلہ نبوت و رسالت تو بند ہے تاہم آفاق و انس میں بے شمار آیات الٰہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوه ازیں وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے علماء اور داعیین حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لیے موجود ہیں۔ اس لیے آج بھی جو آیات الٰہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکنہیں اور مکرین رسالت سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۳) آیات سے مراد وہ نو نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، یا عصا اور ید بیضا والے دو بڑے واضح مجرمات بھی سلطانِ مُبِينِ سے مراد قوی دلیل اور جھت و افحہ، جس کا کوئی جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں تھا، بجز ڈھنائی اور بے شرمی کے۔

(۴) فرعون، مصر میں آباد قبط کا بادشاہ تھا، بڑا ظالم و جابر اور رب اعلیٰ ہونے کا دعوے دار۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنار کھا تھا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا، جیسا کہ قرآن کے متعدد مقالات پر اس کی تفصیل ہے۔ ہمان، فرعون کا وزیر اور مشیر خاص تھا۔ قارون اپنے وقت کا مال دار ترین آدمی تھا، ان سب نے پہلے لوگوں کی طرح

پس جب ان کے پاس (مویٰ علیہ السلام) ہماری طرف سے (دین) حق کو لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں ان کے لڑکوں کو تومارڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو^(۱) اور کافروں کی جو حیلہ سازی ہے وہ غلطی میں ہی ہے۔^(۲) (۲۵)

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں مویٰ (علیہ السلام) کو مارڈالوں اور^(۳) اسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے،^(۴) مجھے توڑ رہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بست بردا) فساد برپانہ کر دے۔^(۵) (۲۶)

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّا أَعْلَمُ بِآبَائِنَا^{*}
الَّذِينَ أَمْنَوْا مَعَهُ وَأَنْتَ هُمُ الْمُكَذِّبُونَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ ⑥

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرْنِي أَقْتُلُ مُوسَى وَلَيَمْعَرِّبَهُ إِلَّا أَنْ
أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظَاهِرَ فِي
الْأَرْضِ الْفَسَادَ ⑦

حضرت مویٰ علیہ السلام کی حکمیت کی اور انہیں جادوگ اور کذاب کہا جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا، ﴿كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا إِنَّا هُوَ أَنَجَنُونَ﴾ (آقا صَوَّابِهِ تَبَلُّهُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ) (سورہ الذاریات ۵۳، ۵۴) ”اسی طرح جو لوگ ان سے پسلے گزرے ہیں، ان کے پاس جو بھی نبی آیا۔ انہوں نے کہ دیا کہ یا تو یہ جادوگ ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ سب کی سب سرکش ہیں۔“

(۱) فرعون یہ کام پسلے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچ پیدا نہ ہو، جو بخوبیوں کی پیش گوئی کے مطابق، اس کی بادشاہت کے لیے خطرے کا باعث تھا۔ یہ دوبارہ حکم اس نے حضرت مویٰ علیہ السلام کی تذمیل و اہانت کے لیے دیا، نیز تاکہ بنی اسرائیل مویٰ علیہ السلام کے وجود کو اپنے لیے مصیبت اور خوست کا باعث سمجھیں، جیسا کہ فی الواقع انہوں نے کہا، ﴿فَأَوْذِنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَاجْتَنَبَنَا﴾ (الأعراف ۲۹)، ”اے مویٰ (علیہ السلام)! تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔“

(۲) یعنی اس سے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت میں اضافہ اور اس کی عزت میں کمی نہ ہو۔ یہ اسے حاصل نہیں ہوا، بلکہ اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہی غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا وارث بنادیا۔

(۳) یہ غالباً فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اسے مویٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔

(۴) یہ فرعون کی دیدہ دلیری کاظہ مار ہے کہ میں دیکھوں گا، اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے، اسے پکار کر دیکھ لے۔ یا رب ہی کا انکار ہے کہ اس کا کون سارب ہے جو بچا لے گا، کیونکہ رب تو وہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔

(۵) یعنی غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر نہ لگادے یا اس کی وجہ سے فساد نہ پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی دعوت اگر میری قوم کے کچھ لوگوں نے قبول کر لی، تو وہ نہ قبول کرنے والوں سے بحث و سکرار کریں گے جس سے ان کے درمیان لڑائی جھلکڑا ہو گا جو فساد کا ذریعہ بنے گا یوں دعوت توحید کو اس نے فساد کا سبب اور اہل توحید کو

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے اور تمارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس تکبیر کرنے والے شخص (کی برائی) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔^(۱) (۲۷)

اور ایک مومن شخص نے، جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور تمارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے،^(۲) اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ چھا ہو تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر آپڑے گا،^(۳) اللہ تعالیٰ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے اور جھوٹے ہوں۔^(۴) (۲۸)

وَقَالَ مُوسَى إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّنِي وَرَبِّكُمْ مَنْ كُلَّ
مُشْكِرٌ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ^(۵)

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ
أَتَقْتَلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ وَإِنْ يَكُنْ كَذَّابًا فَعَلَيْهِ كَذَّبُهُ
وَإِنْ يَكُنْ صَادِقًا يُصِيبُكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعْدُكُمْ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْدِمُ مَنْ هُوَ مُسِرِّفٌ كَذَابٌ^(۶)

فسادی قرار دیا۔ دراں حایکہ فسادی وہ خود تھا اور غیر اللہ کی عبادت ہی فساد کی جز ہے۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو انہوں نے اللہ سے اس کے شر سے بچنے کے لیے دعائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمن کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے «اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ (مسند احمد ۲/ ۲۵) "اے اللہ! ہم تجھے کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتیوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔"

(۲) یعنی اللہ کی ربو بیت پر وہ ایمان یوں ہی نہیں رکھتا، بلکہ اس کے پاس اپنے اس موقف کی واضح دلیلیں ہیں۔

(۳) یہ اس نے بطور تنزل کے کہا، کہ اگر اس کے دلائل سے تم مطمئن نہیں اور اس کی صداقت اور اس کی دعوت کی صحت تم پر واضح نہیں ہوئی، تب بھی عقل و دانش اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس سے تعریض نہ کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اس جھوٹ کی سزا دینا و آخرت میں دے دے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ایذا میں پہنچا کیا تو پھر یقیناً وہ تمہیں جن عذابوں سے ڈراتا ہے، تم پر ان میں سے کوئی عذاب آسکتا ہے۔

(۴) اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتا (جیسا کہ تم باور کرتے ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے دلائل و معجزات سے نہ نوازتا، جب کہ اس کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں۔ دوسرا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ذلیل اور ہلاک کر دے گا، تمہیں اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اے میری قوم کے لوگو! آج تو باشہت تمہاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب^(۱) ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آگیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟^(۲) فرعون بولا، میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔^(۳) (۲۹)

اس مومن نے کہا اے میری قوم! (کے لوگو) مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز (بد عذاب) نہ آئے جو اور امتوں پر آیا۔^(۴) (۳۰)

جیسے امت نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد والوں کا (حال ہوا)،^(۵) اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا۔^(۶) (۳۱)

اور مجھے تم پر ہاں کپار کے دن کا بھی ڈر ہے۔^(۷) (۳۲)

يَقُولُ لِكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهِيرَتُنَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَتَّصَرُّنَا
مِنْ يَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا مَقْالٌ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُ
إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيْكُمُ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ^(۸)

وَقَالَ الَّذِي أَمَنَ يَقُولُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ تِكْثِيرَ
يَوْمِ الْأَخْرَابِ^(۹)

مُثْلَدَانِ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودٍ وَالَّذِينَ
مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَبْدِ^(۱۰)

وَيَقُولُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ^(۱۱)

(۱) یعنی یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرو! اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کی ناراضی مول نہ لو۔

(۲) یہ فوجی اور لشکر تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ اللہ کے عذاب ہی کوئی سکیں گے اگر وہ آگیا۔ یہاں تک اس مومن کا کلام تھا جو ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

(۳) فرعون نے اپنے دنیوی جاہ و جلال کی بنیاد پر جھوٹ بولا اور کہا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہی تمہیں بتلا رہا ہوں اور میری بتلائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ ﴿ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ يُرَشِّيْنِ ﴾ (ہود: ۹۷۔ ۹۸)

(۴) یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب پر ہم اڑے رہے تو خطرہ ہے کہ گزشتہ قوموں کی طرح عذاب الہی کی گرفت میں آجائیں گے۔

(۵) یعنی اللہ نے جن کو بھی ہلاک کیا، ان کے گناہوں کی پاداش میں اور رسولوں کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہی ہلاک کیا، ورنہ وہ شفیق و رحیم رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ گویا قوموں کی ہلاکت، یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں ہے بلکہ قانون مکافات کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس سے کوئی قوم اور فرد مستثنی نہیں۔

از مکافات عمل غافل مشو - گندم از گندم بروید جو از جو

(۶) تنادی کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے کو پکارنا، قیامت کو «یوْمُ الشَّنَادِ» اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک دوسرے کو

جس دن تم پیچھے پھیر کر لوٹو گے،^(١) تمیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں۔^(٢) (٣٣)

اور اس سے پہلے تمارے پاس (حضرت) یوسف دلیلیں لے کر آئے،^(٣) پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک و شبہ ہی کرتے رہے^(٤) یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو کنے لگے ان کے بعد تو اللہ کی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں،^(٥) اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا شک و شبہ کرنے والا ہو۔^(٦) (٣٣)

يَوْمَ تُوْلَوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا الْكُوْنَنَ اللَّهُ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُضْلِلْ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَلَكٌ^(٧)

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلٍ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زَلَمْتُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا جَاءَكُمْ بِهِ حَقًّا إِذَا هَلَكَ قُلْمَنْ لَمْ يَنْبَغِيَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضْلِلُ اللَّهُ مِنْ هُوَ مُشْرِفٌ مُرْتَابٌ^(٨)

پکاریں گے۔ اہل جنت اہل نار کو اور اہل نار اہل جنت کو نہائیں دیں گے۔ (الأعراف- ٣٨، ٣٩) بعض کہتے ہیں کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہو گا، جس کی نیکیوں کا پڑا ہلکا ہو گا، اس کی بد بخی کا یہ فرشتہ چیخ کر اعلان کرے گا، بعض کہتے ہیں کہ علوم کے مطابق لوگوں کو پکارا جائے گا، جیسے اہل جنت کو اے جنتیو! اور اہل جنم کو اے جہنمیو! امام اہن کثیر فرماتے ہیں کہ امام بغوی کا یہ قول بہت اچھا ہے کہ ان تمام باتوں ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

(۱) یعنی موقف (میدان محشر) سے جنم کی طرف جاؤ گے، یا حساب کے بعد وہاں سے بھاگو گے۔
(۲) جو اسے بدایت کا راستہ بتائے ہے یعنی اس پر چلا سکے۔

(۳) یعنی اے اہل مصر! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تمارے اسی علاقے میں، جس میں تم آباد ہو، حضرت یوسف علیہ السلام بھی دلائل و برائین کے ساتھ آئے تھے۔ جس میں تمارے آباد اجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی یعنی جَاءَكُمْ سے مراد جَاءَ إِلَيْيَ آبَائِكُمْ ہے یعنی تمارے آباد اجداد کے پاس آئے۔

(۴) لیکن تم ان پر بھی ایمان نہیں لائے اور ان کی دعوت میں شک و شبہ ہی کرتے رہے۔

(۵) یعنی یوسف علیہ السلام پیغمبر کی وفات ہو گئی۔

(۶) یعنی تمہارا شیوه چونکہ ہر پیغمبر کی مکذبی اور خالفت ہی رہا ہے، اس لیے سمجھتے تھے کہ اب کوئی رسول ہی نہیں آئے گا، یا یہ مطلب ہے کہ رسول کا آنا یا نہ آنا، تمہارے لیے برابر ہے یا یہ مطلوب ہے کہ اب ایسا باعظمت انسان کماں پیدا ہو سکتا ہے جو رسالت سے سرفراز ہو۔ گویا بعد ازا مرگ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تھا۔ اور بہت سے لوگ ہر اہم ترین انسان کی وفات کے بعد یہی کہتے ہیں۔

(۷) یعنی اس واضح گمراہی کی طرح، جس میں تم جتنا ہو، اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بھی گمراہ کرتا ہے جو نہایت کثرت سے

جو بغیر کسی سند کے جوان کے پاس آئی ہو اللہ کی آئیوں میں
 جھگڑتے ہیں،^(۱) اللہ کے نزدیک اور مونوں کے نزدیک یہ
 تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے،^(۲) اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر
 ایک مغور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔^(۳) (۳۵)

فرعون نے کہا اے ہمان! میرے لیے ایک بالاخانہ^(۳۶) بنا
شاید کہ میں آسمان کے جو دروازے ہیں۔ (۳۷)

(ان) دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موئی کے معبدوں کو
جھانک لوں^(۵) اور بیشک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے^(۶)
اور اسی طرح فرعون کی بد کرداریاں اسے بھلی دکھائی
گئیں^(۷) اور راہ سے روک دیا گیا^(۸) اور فرعون کی (ہر)
حیله سازی بتاہی میں ہی رہی۔^(۹) (۷۳)

كَلْبٌ مُسْكِنٌ حَبَارٌ (٢)

وَقَالَ فِرْعَوْنٌ يَا مَمْنُ أَبْنِي لِي صَرْحًا عَلَىٰ أَبْلُمَ الْأَسْبَابِ ۝

أَسْبَابُ الْكَمْوَتِ فَأَطْلَمُ إِلَيْهِ الْمُؤْسِى وَإِلَيْكُلْكُلَّةِ كَذِبَاً
وَكَذِلِكَ زُبَّنْ لِفَرْعَوْنَ سُوَّهُ عَمِيلَهُ وَصُدَّعَنِ التَّبِيَّنِ وَمَا
كَيْدُ فَرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَيَّابٍ ۝

گناہوں کا ارتکاب کرتا اور اللہ کے دن، اس کی وحدانیت اور اس کے وعدوں و عیدوں میں شک کرتا ہے۔

(۱) یعنی اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ کی توحید اور اس کے احکام میں جھگڑتے ہیں، جیسا کہ ہر دور کے اہل باطل کا وظیہ رہا ہے۔

(۲) یعنی ان کی اس حرکت شیعہ سے اللہ تعالیٰ ہی ناراض نہیں ہوتا، اہل ایمان بھی اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

(۳) یعنی جس طرح ان مجاہلین کے دلوں پر مرگادی گئی ہے، اسی طرح ہر اس شخص کے دل پر مرگادی جاتی ہے، جو اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں تکبراً اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے، جس کے بعد معروف، ان کو معروف اور منکر، منکر نظر نہیں آتا بلکہ بعض دفعہ منکر، ان کے ہاں معروف اور معروف، منکر قرار ماتا ہے۔

(۲۳) یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اس نے اپنے وزیر امام کو ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کے زریعے سے وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائے۔ اسباب کے معنی دروازے، یاراستے کے ہیں۔ مزید دیکھئے القصص، آیت ۲۸۔

(۵) یعنی دیکھوں کہ آسمانوں پر کیا واقعی کوئی اللہ ہے؟

(۶) اس بات میں کہ آسمان پر اللہ ہے جو آسمان و زمین کا خالق اور ان کا مدبر ہے۔ یا اس بات میں کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

(۷) یعنی شیطان نے اس طرح اسے گراہ کیے رکھا اور اس کے برے عمل اسے اچھے نظر آتے رہے۔

(۸) یعنی حق اور صواب (درست) راستے سے اسے روک دیا گیا اور وہ گمراہوں کی بھول بھیوں میں بھکلتا رہا۔

(۹) تبّاٹ - خارہ، ہلاکت۔ یعنی فرعون نے جو تدبیر اختیار کی، اس کا نتیجہ اس کے حق میں براہی نکلا۔ اور بالآخر اپنے لشکر سمت پانی میں ڈبو دیا گیا۔

اور اس مومن شخص نے کہا کہ اے میری قوم! (کے لوگو) تم (سب) میری پیروی کرو میں نیک راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا۔^(۱) (۳۸)

اے میری قوم! یہ حیات دنیا متعاق فانی ہے،^(۲) (یقین مانو کہ قرار) اور یوں^(۳) کا گھر تو آخرت ہی ہے۔^(۴) (۳۹)

جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدله ہی ہے اور جس نے نیکی کی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو یہ لوگ^(۵) جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔^(۶) (۴۰)

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں^(۷) اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔^(۸) (۴۱)

وَقَالَ الَّذِي أَمَنَ يَقُولُ إِنَّمَا تَبِعُونَ أَهْدِكُمْ سَيِّئَ الرِّشَادَ^۹

يَقُولُ إِنَّمَا هَذِهِ الْحِجُّةُ الدُّلُّى مَتَاعٌ لِّقَاتَ الْآخِرَةَ هِيَ دَلْلُ
الْقَرَاءَ^{۱۰}

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ^{۱۱}

وَيَقُولُ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى الْجِبْرِةِ وَتَدْعُونِي إِلَى النَّارِ^{۱۲}

(۱) فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا پھر بولا۔ اور کہا کہ دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمہیں سیدھے راستے پر چلا رہا ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون بھکھا ہوا ہے، میں جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہوں، وہ سیدھا راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی طرف تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

(۲) جس کی زندگی چند روزہ ہے۔ اور وہ بھی آخرت کے مقابلے میں صحیح یا شام کی ایک گھنٹی کے برابر۔

(۳) جس کو زوال اور فانیں نہ دہاں سے انتقال اور کوچ ہو گا۔ کوئی جنت میں جائے یا جنم میں، دونوں کی زندگیاں ابدی ہوں گی۔ ایک راحت اور آرام کی زندگی۔ دوسری شفاوت اور عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جنم کو۔

(۴) یعنی برائی کی مثل ہی جزا ہو گی، زیادہ نہیں۔ اور اس کے مطابق ہی عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جنم کو۔

(۵) یعنی وہ جو ایمان دار بھی ہوں گے اور اعمال صالح کے پابند بھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالح کے بغیر محض ایمان یا ایمان کے بغیر اعمال صالح کی حیثیت اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہو گی، عند اللہ کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

(۶) یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔

(۷) اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبارت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے اس رسول کی تصدیق کرو، جو اس نے تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔

(۸) یعنی توحید کے بجائے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو جنم میں لے جانے والا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں

تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کا کوئی علم مجھے نہیں اور میں تمیں غالب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔^(۱) (۲۲)

یہ یقینی امر ہے^(۲) کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ تو نہ دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے^(۳) نہ آخرت میں^(۴) اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوثا اللہ کی طرف ہے^(۵) اور حد سے گزر جانے والے ہی (یقیناً) اہل دوزخ ہیں۔^(۶) (۲۳)

تَدْعُونَنِي لَا كُفَّارٌ بِاللَّهِ وَأَشْرَكُوْهُ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ
وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعِزَّةِ الْغَلَبَةِ^(۷)

لَأَحْرَمَ أَمْلَائِكُ عُوْنَانِي إِلَيْنَاهُ لَمْ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا
وَلَلَّافِ الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرْدَنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ
مُهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ^(۸)

وضاحت ہے۔

(۱) عَزِيزٌ (غالب) جو کافروں سے انتقام لینے اور ان کو عذاب دینے پر قادر ہے۔ غَفَّارٌ اپنے ماننے والوں کی غلطیوں کو تاہیوں کو معاف کر دینے والا اور ان کی پردہ پوشی کرنے والا۔ جب کہ تم جن کی عبادت کرنے کی طرف مجھے بلا رہے ہو، وہ بالکل حیرت اور کم ترجیس ہیں، نہ وہ سن سکتی ہیں نہ جواب دے سکتی ہیں، کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔

(۲) لَأَجْرَمَ يَہ بَاتٌ يَقِینٌ ہے، یا اس میں جھوٹ نہیں ہے۔

(۳) یعنی وہ کسی کی پکارتھے کی استعداد ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں یا الہیت کا استحقاق انسیں حاصل ہو۔ اس کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو اس آیت اور اس جیسی دیگر متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے، ﴿ وَمَنْ أَضْلَلَ مِنْ يَهْدِيْنَا مِنْ ذُوْنِ
اللَّهِ وَمَنْ لَا يَسْتَحْيِيْلَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَلَمْ يَعْلَمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفَّلُونَ ﴾ (الاحقاف۔ ۵) ﴿ لَنْ تَدْعُهُمْ لَا يَسْمَعُوْهُمْ لَكَمْ فَلَوْ سَمِعُوْمَا
اسْتَجَابُواْنَ لَكُمْ ﴾ (فاطر۔ ۲۳) ”اگر تم انسیں پکارو تو وہ تمساری پکارتھے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔ ”

(۴) یعنی آخرت میں ہی وہ پکار سن کر کسی کو عذاب سے چھڑانے پر یا شفاعت ہی کرنے پر قادر ہوں؟ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبدوں بنیں اور ان کی عبادت کی جائے؟

(۵) جہاں ہر ایک کا حساب ہو گا اور عمل کے مطابق اچھی یا بُری جزا دی جائے گی۔

(۶) یعنی کافروں مشرک، جو اللہ کی نافرمانی میں ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس طرح جو بہت زیادہ گناہ گار مسلمان ہوں گے، جن کی نافرمانیاں ”اسراف“ کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں گی، انہیں بھی کچھ عرصہ جنم کی سزا بھکتی ہوگی۔ تاہم بعد میں شفاعت رسول ملیٰ یا اللہ کی مشیت سے ان کو جنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے^(۱) میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں،^(۲) یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کا نگران ہے۔^(۳) (۳۳)

پس اسے اللہ تعالیٰ نے تمام بدوں سے محفوظ رکھ لیا جو انہوں نے سوچ رکھی تھیں^(۴) اور فرعون والوں پر بربادی طرح کا عذاب الٹ پڑا۔^(۵) (۳۵)

اگر ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں^(۶) اور جس دن قیامت قائم ہو گی (فرمان ہو گا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔^(۷) (۳۶)

فَسَتَدَ كُرُونَ مَا أَقْوَلُ لَكُمْ وَأَقْوَضُ أَمْرِيَ إِلَى اللَّهِ مَنْ
اللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادَةِ^(۸)

فَوَقَهُ اللَّهُ سَيِّدَاتٍ مَآمَكَرُوا حَقَّاً بِإِلٰلٍ فَرَعَوْنَ
سُوْءُ الْعَذَابِ^(۹)

أَشَارُ يُعْرِضُونَ عَلَيْهَا عَذْدَوًا وَعَشْيَا وَيَوْمَ تَقْوِيمٍ
السَّاعَةُ شَادٌ خَلُوًا إِلَلٍ فَرَعَوْنَ أَشَدُ الْعَذَابِ^(۱۰)

(۱) عنقریب وہ وقت آئے گا جب میری باتوں کی صداقت، اور جن باتوں سے روکتا تھا، ان کی شناخت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر تم ندامت کا ظلمار کرو گے، مگر وہ وقت ایسا ہو گا کہ ندامت بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی۔
(۲) یعنی اسی پر بھروسہ کرتا اور اسی سے ہر وقت استغانت کرتا ہوں اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں۔
(۳) وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ پس وہ مستحق ہدایت سے نوازا تا اور ضلالت کا اتحاق رکھنے والے کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔ ان امور میں جو حکمتیں ہیں، ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

(۴) یعنی اس کی قوم قبط نے اس مومن کے ظلمار حق کی وجہ سے اس کے خلاف جو تمدیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، ان سب کو ناکام بنا دیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دے دی۔ اور آخرت میں اس کا گھر جنت ہو گا۔

(۵) یعنی دنیا میں سمندر میں غرق کر دیا گیا اور آخرت میں ان کے لیے جنم کا سخت ترین عذاب ہے۔

(۶) اس آگ پر برزخ میں یعنی قبروں میں وہ لوگ روزانہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، جس سے عذاب قبر کا ثابت ہوتا ہے۔ جس کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ رض کے سوال کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر) "ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔" اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا "جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر میں) اس پر صبح و شام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جنمی ہے تو جنم اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری اصل جگہ ہے، جہاں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے بھیجے گا۔ (صحیح بخاری، باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغدا و العشی، مسلم، کتاب الجنۃ، باب عرض مقعد المیت) اس کا مطلب ہے کہ منکرین عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۷) اس سے بالکل واضح ہے کہ عرض علی النار کا معاملہ، جو صبح و شام ہوتا ہے، قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت سے پہلے

اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر والوں سے (جن کے یہ تابع تھے) کیسے گے کہ ہم تو تمہارے پیروتھے تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ (۳۷)

وہ بڑے لوگ جواب دیں گے ہم تو بھی اس آگ میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے۔ (۳۸)

اور (تمام) جسمی مل کر جنم کے داروغوں سے کیسے گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے۔ (۳۹)

وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول مجھے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کیسے گے کیوں نہیں، وہ کیسے گے کہ پھر تم ہی دعا کرو^(۱) اور کافروں کی دعا محض بے اثر اور بے راہ ہے۔ (۴۰)

وَإِذْ يَتَحَاجِجُونَ فِي النَّارِ قَيْقَوْلُ الصُّعَفَوُ الْكَذَّابُونَ
أَسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا الْكُفَّارَ تَبَعًا فَهُمْ أَنْذَمُ شَغَفُونَ
عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ ④

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنُّا فِيهَا لَمَّا لَمْ يَرْجِعُوا
بَيْنَ الْعِبَادَ ⑤

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ أَدْعُوا رَبَّكُمْ
يُحَقِّفُ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ⑥

قَالُوا أَوْلَئِكُمْ تَأْتِيُكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا
بَلْنَا قَالُوا فَآذِعُوا وَمَا ذُعُوا إِلَّا كُفَّارٌ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ ⑦

برزخ اور قبر ہی کی زندگی ہے۔ قیامت والے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت ترین عذاب یعنی جنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے، اسے اگر عذاب ہو تو اس طرح نظر نہ آئے۔ لغو ہے کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نمایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس کے باوجود عذاب قبر کا انکار، محض ہست دھرمی اور بے جا حکم ہے۔ بلکہ بیداری میں بھی انسان کو جو تکالیف ہوتی ہیں وہ خود ظاہر نہیں ہوتی بلکہ صرف انسان کا ترپنہ اور تملکاً ناظراً ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جگد وہ ترپے اور تملکاً۔

(۱) ہم ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے کیوں کر کچھ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس اللہ کے پیغمبر دلائل و مجزات لے کر آئے لیکن انہوں نے پروا نہیں کی؟

(۲) یعنی بالآخر وہ خود ہی اللہ سے فریاد کریں گے لیکن اس فریاد کی وہاں شناوائی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں ان پر جنت تمام کی جا چکی تھی۔ اب آخرت تو، ایمان، توبہ اور عمل کی جگہ نہیں، وہ تو دار الحذاہ ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہو گا، اس کا نتیجہ وہاں بھگتنا ہو گا۔

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے^(۱) اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے^(۲) کھڑے ہوں گے۔^(۳)

جس دن ظالموں کو ان کی (عذر) معدترت کچھ نفع نہ دے گی ان کے لیے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے برا گھر ہو گا۔^(۴)^(۵)

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت نامہ عطا فرمایا^(۶) اور

إِنَّ الَّذِينَ تَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آتَيْنَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْوَالَهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ^(۷)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ^(۸)

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى الْهُدُى وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

(۱) یعنی ان کے دشمن کو ذلیل اور ان کو غالب کریں گے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ بعض نبی قتل کر دیئے گئے، جیسے حضرت یحییٰ وزکریا علیہما السلام وغیرہما اور بعض بھرت پر مجبور ہو گئے، جیسے ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، وعدہ امداد کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟ دراصل یہ وعدہ غالب حالات اور اکثریت کے اعتبار سے ہے، اس لیے بعض حالتوں میں اور بعض اشخاص پر کافروں کا غلبہ اس کے منافی نہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا فرمادیا جاتا ہے۔ لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب اور سرخ رو ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت یحییٰ وزکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرمادیا، جنہوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور انہیں ذلیل و خوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت میسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مارنا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انہوں نے یہودیوں کو خوب ذلت کا عذاب پھیلایا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے رفقی یقیناً بھرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد جنگ بدر، احمد، احزاب، غزوة خیبر اور پھر فتح مکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر اہل ایمان کو جس طرح غلبہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ کی مدد کرنے میں کیا شرہ رہ جاتا ہے؟ (ابن کثیر)

(۲) آشہاد، شہیند (گواہ) کی جمع ہے۔ جیسے شریف کی جمع اشراف ہے۔ قیامت والے دن فرشتے اور انہیا علیہم السلام گواہی دیں گے۔ یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ یا اللہ پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی۔ علاوه ازیں امت محییہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ پسلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دی جائے گی اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۳) یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معدترت کافائدہ اس لیے نہیں ہو گا کہ وہ معدترت کی جگہ نہیں، اس لیے یہ معدترت، معدترت باطلہ ہوگی۔

(۴) یعنی نبوت اور تورات عطا کی۔ جیسے فرمایا، ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التُّورَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ﴾ (المائدۃ: ۳۳-۳۴)

الكتاب

مُهَمَّةٌ وَذِكْرُنِي لِأُولَئِكَ الْأَلْيَابِ

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَيْنَهُ
بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشَّى وَإِلَامْكَارِ

إِنَّ الَّذِينَ يُجَاهِدُونَ فِي أَلْيَاتِ اللَّهِ بِعَيْرِ سُلْطَنِ
أَنْهُمْ لَا إِنْ فِي صُدُورِهِمْ لِأَكْبَرٍ مَا هُمْ بِالْعِفْيَةِ
فَاسْتَعْذُ بِاللَّهِ مَا تَرَكَ هُوَ السَّمِيمُ الْبَصِيرُ

لَخَلُقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْكَبِيرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ
وَلِكُنَّ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

بنوسرايیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔^(۱) (۵۳)

کہ وہ بدایت و نصیحت تھی عقل مندوں کے لیے۔^(۲) (۵۳)

پس اے نبی! تو صبر کر اللہ کا وعدہ بلاشک (وشیہ) سچا ہی
ہے تو اپنے گناہ کی^(۳) معافی مانگتا رہ اور صبح شام^(۴) اپنے
پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتا رہ۔^(۵) (۵۵)

جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے
آیات الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں بھروسی
بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اس تک پہنچنے والے ہی
نہیں،^(۶) سو تو اللہ کی پناہ مانگتا رہ بینک وہ پورا سنتے والا
اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے۔^(۷) (۵۶)

آسمان و زمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت
بڑا کام ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) اکثر لوگ بے علم
ہیں۔^(۸) (۵۷)

(۱) یعنی تورات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی باقی رہی، جس کے نسل بعد نسل وہ وارث ہوتے رہے۔ یا کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء نبی اسرائیل پر نازل ہوئیں، ان سب کتابوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔

(۲) مُهَمَّةٌ وَذِكْرُنِي، مصدر ہیں اور حال کی جگہ واقع ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ بمعنی ہادی اور مُذَكَّر ہدایت دینے والی اور نصیحت کرنے والی۔ عقل مندوں سے مراد عقل سلیم کے مالک ہیں۔ کیونکہ وہی آسمانی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے اور بدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابوں کا بوجھ تو لدا ہوتا ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے؟

(۳) گناہ سے مراد وہ چھوٹی لغزشیں ہیں، جو بہ تقاضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں، جن کی اصلاح بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دی جاتی ہے۔ یا استغفار بھی ایک عبادت ہی ہے۔ اجر و ثواب کی زیادتی کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے، یا مقصداً ملت کی رہنمائی ہے کہ وہ استغفار سے بے نیاز نہ ہوں۔

(۴) عَشِّيَّ نے، دن کا آخری اور رات کا ابتدائی حصہ اور آنکھاً سے، رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

(۵) یعنی وہ لوگ جو بغیر آسمانی دلیل کے بحث و جت کرتے ہیں، یہ محض تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تاہم اس سے جو ان کا مقصد ہے کہ حق کمزور اور باطل مضبوط ہو، وہ ان کو حاصل نہیں ہو گا۔

(۶) یعنی پھر یہ کیوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ جب کہ یہ کام

اندھا اور بینا برابر نہیں نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کیے بد کاروں کے (برا برا ہیں)،^(۱) تم (بہت) کم فضیحت حاصل کر رہے ہو۔ (۵۸)

قیامت بالیقین اور بے شبه آنے والی ہے، لیکن (یہ اور بات ہے کہ) بست سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ (۵۹)

اور تمہارے رب کا فرمان (سر زد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا^(۲) یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذیل ہو کر جسم میں پہنچ جائیں گے۔ (۶۰)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رات بنا دی کہ تم اس میں

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُهُ وَالَّذِينَ
أَمْنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَتِ وَلَا الْمُسْتَكْبِرُونَ قَلِيلًا
مَا تَنْتَدِي كُرُونَ ^(۳)

إِنَّ السَّاعَةَ لِذَيْهِ لَازِمَّتْ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يُؤْمِنُونَ ^(۴)

وَقَالَ رَبُّكُمْ إِذْ عُزُونَ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ
يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيِّدُ الْخُلُقِ جَهَنَّمَ دُخُرُونَ ^(۵)

أَنَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَيْمَلَ لِتَشْكُلُنَا فِيهِ وَالنَّهَارَ

آسمان و زمین کی تخلیق سے بہت آسان ہے۔

(۱) مطلب ہے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں، اسی طرح مومن و کافر اور نیکو کار اور بد کار برابر نہیں۔ بلکہ قیامت کے دن ان کے درمیان جو عظیم فرق ہو گا، وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آئے گا۔

(۲) گزشتہ آیت میں جب اللہ نے وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا، تو اب اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جا رہی ہے، جسے اختیار کر کے انسان آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے عبادت مرادی ہے۔ یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ جیسا کہ حدیث میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا مفرز قرار دیا گیا ہے۔ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ اور الدُّعَاءُ مُحْمَّلُ الْعِبَادَةِ (مسند أحمد ۲/۲۱، مشکوٰۃ الدّعوٰت) علاوه ازیں اس کے بعد یَسْتَكْبِرُونَ عنْ عِبَادَتِی کے الفاظ سے بھی واضح ہے کہ مراد عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد دعا ہی ہے یعنی اللہ سے جلب نفع اور رفع ضرر کا سوال کرنا، کیونکہ دعا کے شرعی اور حقیقی معنی طلب کرنے کے ہیں، دوسرے مفہوم میں اس کا استعمال مجازی ہے۔ علاوه ازیں دعا بھی اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اور حدیث مذکور کی رو سے بھی عبادت ہی ہے، کیونکہ مافق الاسباب طریقے سے کسی سے کوئی چیز مانگنا اور اس سے سوال کرنا، یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ (فتح القدیر) مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو طلب حاجات اور مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح مافق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔

(۳) یہ اللہ کی عبادت سے انکار و اعراض یا اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے والوں کا انجام ہے۔

آرام حاصل کرو^(١) اور دن کو دیکھنے والا بنادیا،^(٢) بیشک
اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل و کرم والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر
گزاری نہیں کرتے۔^(٣) (۶۱)

یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی
معبد نہیں پھر کہاں تم پھرے جاتے ہو۔^(٤) (۶۲)

اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے رہے جو اللہ کی
آیتوں کا انکار کرتے تھے۔^(٥) (۶۳)

اللہ ہی ہے^(٦) جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی
جگہ^(٧) اور آسمان کو چھت بنادیا^(٨) اور تمہاری صورتیں
بنائیں اور بست اچھی بنائیں^(٩) اور تمہیں عمدہ عمدہ
چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں،^(١٠) یہی اللہ تمہارا پروار دگار
ہے، پس بست ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہان کا
پروردش کرنے والا۔^(۱۱) (۶۴)

مُبَهِّرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَالْكَوَافِرُ
أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ^(١)

ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ كُلُّ شَيْءٍ لِلَّهِ إِلَّا هُوَ
فَإِنَّمَا تُؤْفَكُونَ^(٢)

كَذَلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا يَأْبَى إِيمَانُهُ
يَجْحَدُونَ^(٣)

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ مِنَاءً
وَصَوَرَ لَكُمْ فَالْخَيْرَ صُورَ لَكُمْ وَرَزَقَ لَكُمْ مِنَ
الْعَلَيْبِيتِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَرُّوا إِلَهًا
رَبِّ الْعَلَمِينَ^(٤)

(١) یعنی رات کو تاریک بنایا، تاکہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں اور لوگ امن و سکون سے سو سکیں۔

(٢) یعنی روشن بنایا تاکہ معاشی محنت اور تنگ و دو میں تکلیف نہ ہو۔

(٣) اللہ کی نعمتوں کا، اور نہ ان کا اعتراف ہی کرتے ہیں۔ یا تو کفر و جہود کی وجہ سے، جیسا کہ کافروں کا شیوه ہے۔ یا منع
کے واجبات شکر سے اہمال و غفلت کی وجہ سے، جیسا کہ جاہلوں کا شعار ہے۔

(٤) یعنی پھر تم اس کی عبادت سے کیوں بد کتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں پھرتے اور انشتمتھے ہو۔

(٥) آگے نعمتوں کی کچھ فسمیں بیان کی جا رہی ہیں تاکہ اللہ کی قدرت کاملہ بھی واضح ہو جائے اور اس کا بلا شرکت
غیرے معبد ہونا بھی۔

(٦) جس میں تم رہتے، چلتے پھرتے، کاروبار کرتے اور زندگی گزارتے ہو، پھر بالآخر موت سے ہمکنار ہو کر قیامت تک
کے لیے اسی میں آسودہ خواب رہتے ہو۔

(٧) یعنی قائم اور ثابت رہنے والی چھت۔ اگر اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا تو کوئی شخص آرام کی نیزد سو سکتا تھا نہ کسی
کے لیے کاروبار حیات کرنا ممکن ہوتا۔

(٨) جتنے بھی روئے زمین پر حیوانات ہیں، ان سب میں (تم) انسانوں کو سب سے زیادہ خوش شکل اور مناسب الاعضا بنایا ہے۔

(٩) یعنی اقسام و انواع کے کھانے تمہارے لیے مہیا کیے، بولنڈیز بھی ہیں اور قوت بخش بھی۔

وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبد نہیں پس تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارو،^(۱) تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔^(۲۵)

آپ کہہ دیجئے! کہ مجھے ان کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو،^(۲) اس بنا پر کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کا تابع فرمان ہو جاؤں۔^(۳)^(۲۶)

وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے^(۴) پھر خون کے لو تھڑے سے پیدا کیا پھر تمہیں پچھے کی صورت میں نکالتا ہے، پھر (تمہیں بڑھاتا ہے کہ) تم اپنی پوری

مُوَالِيَّ لِكَلَّاهُ إِلَاهُ فَادْعُوهُ مُغْلِصِينَ
لَهُ الدِّينُ أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَلَمِينَ^(۵)

قُلْ إِنِّي نُهِيَّتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّيْنِ وَأُمْرِيَّتُ أَنْ
أَشْلَمَ لِرَبِّ الْعَلَمِينَ^(۶)

مُوَالِيَّ خَلَقُوكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ يُجْزِيُكُمْ طَفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَسْدَدَ كُوْثَنَّ لِتَعْلُوُنَا شَيْوَجَاهَ

(۱) یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا ہی ہے۔ دوسرا کوئی، بنانے میں شریک ہے نہ اختیارات میں۔ تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف ایک اللہ ہی ہے، دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ استمداد و استغاثہ بھی اسی سے کرو کہ وہی سب کی فریادیں اور التجاہیں سننے پر قادر ہے۔ دوسرا کوئی بھی مافق الأسباب طریقے سے کسی کی بات سننے پر قادر ہی نہیں ہے، جب یہ بات ہے تو دوسرے مشکل کشائی اور حاجت روائی کس طرح کر سکتے ہیں؟

(۲) چاہے وہ پتھر کی سورتیاں ہوں، انبیاء علیم السلام اور صلحاء ہوں اور قبروں میں مدفون اشخاص ہوں۔ مدد کے لیے کسی کو مت پکارو، ان کے ناموں کی نذر نیاز مت دو، ان کے وردنه کرو، ان سے خوف مت کھاؤ اور ان سے امیدیں وابستہ نہ کرو۔ کیوں کہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔

(۳) یہ وہی عقلی اور نعلیٰ دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید یعنی اللہ کے واحد إله اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے، جو قرآن میں جا بجا ذکر کیے گئے ہیں اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انتیاد کے لیے جھک جانا، سراط اعات خم کر دینا۔ یعنی اللہ کے احکام کے سامنے میں جھک جاؤں، ان سے سرتباً نہ کروں۔ آگے پھر توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

(۴) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جوان کی تمام اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے۔ پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلیل اور اس کی بقا و تحفظ کے لیے انسانی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا۔ اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے جو صلب پر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، کہ ان کی پیدائش مجرمانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی۔ جیسا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے اور جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

وقت کو پہنچ جاؤ پھر بوڑھے ہو جاؤ۔^(۱) تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں،^(۲) (وہ تمہیں چھوڑ دیتا ہے) تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ^(۳) اور تاکہ تم سوچ سمجھ لو۔^(۴) (۲۷)

وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارڈالتا ہے،^(۵) پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔^(۶) (۲۸)

کیا تو نے انہیں دیکھا جو اللہ کی آئیوں میں جھگڑتے ہیں،^(۷) وہ کمال پھیر دیے جاتے ہیں۔^(۸) (۲۹) جن لوگوں نے کتاب کو جھٹالیا اور اسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا انہیں ابھی ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔^(۹) (۲۰)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَتَوَفَّ مِنْ قَمْلٍ وَلَتَبْلُغُوا أَجَلَهُمْ فَإِلَّا
تَعْقِلُونَ ^(۱۰)

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمْسِيْ فَإِذَا أَفَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ ^(۱۱)

الْأَمْرُ تَرَالِي الَّذِينَ يُجَاهَدُونَ فِي أَبْرَاجِ اللَّهِ أَعْلَى
يُصْرَفُونَ ^(۱۲)
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَهُمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِ رُسُلًا
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ^(۱۳)

(۱) یعنی ان تمام کیفیتوں اور اطوار سے گزارنے والا وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) یعنی رحم مادر میں مختلف ادوار سے گزر کر باہر آنے سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں، بعض بچپن میں، بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے سے قبل کمولت میں فوت ہو جاتے ہیں۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ جس کی جتنی عمر اللہ نے لکھ دی ہے، وہ اس کو پہنچ جائے اور اتنی زندگی دنیا میں گزار لے۔

(۴) یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے علقة، پھر مفتة، پھر بچہ، پھر جوانی، کمولت اور بڑھاپا، تو تم جان لو گے کہ تمہارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمہارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لو گے کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت والے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔

(۵) زندہ کرنا اور مارنا، اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ ایک بے جان نطفے کو مختلف اطوار سے گزار کر ایک زندہ انسان کے روپ میں ڈھال دیتا ہے۔ اور پھر ایک وقت مقررہ کے بعد اس زندہ انسان کو مار کر موت کی وادیوں میں سلا دیتا ہے۔

(۶) اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس کے لفظ کن (ہو جا) سے وہ چیز معرض وجود میں آجائی ہے، جس کا وہ ارادہ کرے۔

(۷) انکار و مکذب کے لیے یا اس کے رد و ابطال کے لیے۔

(۸) یعنی ظہور ولا نسل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

(۹) یعنی ظہور ولا نسل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

(۱۰) یعنی ظہور ولا نسل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں
ہوں گی گھیتے جائیں گے۔^(۱) (۱۷)

کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جنم کی آگ میں جلائے
جائیں گے۔^(۲) (۷۲)

پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریک کرتے تھے
وہ کہاں ہیں؟^(۳) (۷۳)

جو اللہ کے سوا تھے^(۴) وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے
بہک گئے^(۵) بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی
پکارتے ہی نہ تھے۔^(۶) اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح
گمراہ کرتا ہے۔^(۷) (۷۳)

یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے نہ
ساتے تھے۔ اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے۔^(۸) (۷۵)

إِذَا لَعَلُّ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالشَّدِيلُ يَسْجُبُونَ ⑦

فِي الْحَيْثِيْوَةِ تُخْفَى النَّارِ يُسْجَرُونَ ⑧

لَمَّا قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا لَنْتُمْ تَنْكِبُونَ ⑨

مِنْ دُوْنِ الْأَنْوَارِ قَالُوا أَضْلَأْعَنَابِنَ لَوْنَكُنْ شَدْعُوْا إِنْ
قَبْلُ شَيْئًا لَكَذِيلَكَ يُغْلِبُ اللَّهُ الْكَفَّارُونَ ⑩

ذَلِكُوْبِهِمَا كُنْتُمْ تَقْرَبُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا
كُنْتُمْ تَرْحُونَ ⑪

(۱) یہ وہ نقشہ ہے جو جنم میں ان مکنہ میں کا ہو گا۔

(۲) مجاهد اور مقابل کا قول ہے کہ ان کے ذریعے سے جنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، یعنی یہ لوگ اس کا ایندھن بنے ہوں گے۔

(۳) کیا وہ آج تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟

(۴) یعنی پتہ نہیں، کہاں چلے گئے ہیں، وہ ہماری مدد کیا کریں گے؟

(۵) اقرار کرنے کے بعد، پھر ان کی عبارت کا ہی انکار کر دیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَاللَّهُوْرَبِتَنَانَكُنَا
مُشْرِكُكُنَّ﴾ (الأنعام: ۲۳) ”اللہ کی قسم! ہم تو کسی کو شریک نہ رہاتے ہی نہیں تھے۔“ کہتے ہیں کہ یہ بتوں کے وجود اور ان
کی عبادت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل تھی کیونکہ وہاں ان پر واضح ہو جائے گا کہ
وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے جو سن سکتی تھیں، نہ دیکھ سکتی تھیں اور نقصان پہنچا سکتی تھیں نہ نفع۔ (فتح القدير)
اور اس کا دوسرا معنی واضح ہے اور وہ یہ کہ وہ شرک کا سرے سے انکار ہی کریں گے۔

(۶) یعنی ان مکنہ میں ہی کی طرح، اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل مکنہ بیب اور کفر، یہ ایسی
چیزیں ہیں کہ جن سے انسانوں کے دل سیاہ اور زنگ آلودہ ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قبول حق کی توفیق سے
محروم ہو جاتے ہیں۔

(۷) یعنی تمہاری یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم کفر و مکنہ بیب اور فتن و فنور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان پر تم
خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جو تکبر کو مستلزم ہے۔

(اب آو) جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے (اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ کیا ہی بڑی جگہ ہے تکبر کرنے والوں کی۔^(۱) (۲۶)

پس آپ صبر کریں اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے،^(۲) انہیں ہم نے جو وعدے دے رکھے ہیں ان میں سے کچھ ہم آپ کو دکھائیں^(۳) یا (اس سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے دیں، ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے۔^(۴) (۲۷)

یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ کو بیان ہی^(۵) نہیں کیے اور کسی رسول کا یہ (مقدور) نہ تھا کہ کوئی مجھہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا کے^(۶) پھر جس

أَدْخُلُوا بَوَابَ جَهَنَّمَ خَلِيدِينَ فِيهَا قِبْلَشَ مَثُوَى
الْمُتَكَبِّرِينَ^(۷)

فَاضْرِبُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَإِذَا نُزِّلَ كَيْلَكَ بَعْضَ الْجِنِّيَّ
نَوْدُ هُمْ أَوْ نَوْقِيَّتُكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ^(۸)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ تَصَدَّعَ عَلَيْنَا
وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يَنْقُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ
بِالْيَقِينِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَهُ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْيَقِينِ وَخَرَّ
مُنَالِكَ الْمُبْطَلُونَ^(۹)

(۱) یہ جہنم پر مقرر فرشتے، اہل جہنم کو کہیں گے۔

(۲) کہ ہم کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ وعدہ جلدی بھی پورا ہو سکتا ہے یعنی دنیا میں ہی ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسب مشیت الہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی قیامت والے دن ہم انہیں سزا دیں۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ اللہ کی گرفت سے نج کر کہیں جانہیں سکتے۔

(۳) یعنی آپ کی زندگی میں ان کو بدلائے عذاب کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھٹھا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے، ۸/۱ بھری میں مکہ فتح ہو گیا اور پھر نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔

(۴) یعنی اگر کافر دنیوی مواد خذہ و عذاب سے نج بھی گئے تو آخر جائیں گے کہاں؟ آخر میرے پاس ہی آئیں گے، جہاں ان کے لیے سخت عذاب تیار ہے۔

(۵) اور یہ تعداد میں، بہ نسبت ان کے جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو صرف ۲۵، انبیا و رسول کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

(۶) آیت سے مراد یہاں مجھہ اور خرق عادت و اقعہ ہے، جو پیغمبر کی صداقت پر دلالت کرے۔ کفار، پیغمبروں سے مطالبے کرتے رہے کہ ہمیں فلاں فلاں چیز دکھاؤ، جیسے خود نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکملے کئی چیزوں کا مطالبہ کیا، جس کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل ۹۰-۹۳ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں

وقت اللہ کا حکم آئے گا^(١) حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا
جائے گا^(٢) اور اس جگہ اہل باطل خسارے میں رہ
جائیں گے۔^(٢٨)

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے^(٣)
جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم
کھاتے ہو۔^(٣)^(٢٩)

اور بھی تمہارے لیے ان میں بست سے نفع ہیں^(٤) اور
تاکہ اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو انہی پر سواری

أَنَّهُ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لِكُلِّ الْأَنْعَامِ لِتَرَكِبُوا مِنْهَا
وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ④

وَلَكُفُّرُ فِيهَا مَنْ نَافَعَهُ وَلَتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً
فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْقِلْقَلِ تُحَمَّلُونَ ⑤

کے مطالبے پر ان کو کوئی مجرزہ صادر کر کے دکھلادے۔ یہ صرف ہمارے اختیار میں تھا، بعض نبیوں کو توابتداء سے مجرمے دے دیے گئے تھے۔ بعض قوموں کو ان کے مطالبے پر مجرزہ دکھلایا گیا اور بعض کو مطالبے کے باوجود نہیں دکھلایا گیا۔ ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا، مجرزہ صادر کر کے دکھلادیتا۔ اس سے ان لوگوں کی واضح تردید ہوتی ہے، جو بعض اولیا کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ جب چاہتے اور جس طرح کا چاہتے، خرق عادت امور (کرامات) کا ظلم کر دیتے تھے۔ جیسے شیخ عبد القادر جیلانی کے لیے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت قصہ کہانیاں ہیں، جب اللہ نے پیغمبروں کو یہ اختیار نہیں دیا، جن کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے، اس کی ضرورت بھی تھی تو کسی ولی کو یہ اختیار کیوں کر مل سکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ ولی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، اس لیے مجرزہ ان کی ضرورت تھی۔ لیکن اللہ کی حکمت و مشیت اس کی مقتنی نہ تھی، اس لیے یہ قوت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ولی کی ولایت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے، اس لیے انہیں مجرمے اور کرامات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ یہ اختیار بلا ضرورت کیوں عطا کر سکتا ہے؟

(۱) یعنی دنیا یا آخرت میں جب ان کے عذاب کا وقت متعین آجائے گا۔

(۲) یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو عذاب۔

(۳) اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت نعمتوں میں سے بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمارہا ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ ہے۔ یہ زماں مل کر آئٹھ ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الانعام ۱۳۳-۱۳۴ میں ہے۔

(۴) یہ سواری کے کام میں بھی آتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، (جیسے بکری، گائے اور اونٹ کا دودھ) ان کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے اور باربرداری کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

(۵) جیسے ان سب کے اون اور بالوں سے اور ان کی کھالوں سے کئی چیزوں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے دودھ سے بھی، بکھن، پنیر وغیرہ بھی بنتی ہیں۔

کر کے تم حاصل کرلو اور ان چوپایوں پر اور کشیوں پر سوار کے جاتے ہو۔^(۱) (۸۰)

اللَّهُ تَعَالَى اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے،^(۲) پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا مکر بنتے رہو گے۔^(۳) (۸۱)

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا انجام نہیں دیکھا؟^(۴) جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے قوت میں سخت اور زمین میں بہت ساری یادگاریں چھوڑی تھیں،^(۵) ان کے کیے کاموں نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا۔^(۶) (۸۲)

پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے،^(۷) بالآخر جس چیز کو مذاق میں اڑا رہے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔ (۸۳)

وَيُرِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا يَرَىٰ إِلَّا مَا كُلِّنَّا لَهُ مَعْلُومٌ ۚ

أَفَلَمْ يَبْيَدِرُ وَاقِفُ الْأَرْضِ فَيَنْظُرُ وَإِنَّهُ كَانَ عَاقِبَةً
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ هَاجَرُوا إِلَّا كُلُّ رَمِيمٍ هُمْ وَأَشَدُّ تُوْءَةً
وَإِثْرَاءُ الْأَرْضِ فَمَا آغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْبِرُونَ ۚ

فَلَمَّا جَاءَهُمْ رُسُلُنَا مُحَمَّدٌ بِالْبُشْرَىٰ فَرَحُوا بِمَا عِنْدُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ
وَهَاجَرُوا مَمَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهِزُونَ ۚ

(۱) ان سے مراد پچے اور عورتیں ہیں جنمیں ہو درج سیست اونٹ وغیرہ پر بخادیا جاتا تھا۔

(۲) جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ نشانیاں آفاق میں ہی نہیں ہیں تمہارے نفوں کے اندر بھی ہیں۔

(۳) یعنی یہ اتنی واضح، عام اور کثیر ہیں جن کا کوئی مکرانکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔

(۴) یعنی جن قوموں نے اللہ کی تافرمانی اور اس کے رسولوں کی تحذیب کی، یہ ان کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات تو دیکھیں جو ان کے علاقوں میں ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟

(۵) یعنی عمارتوں، کارخانوں اور کشیوں کی شکل میں، ان کے کھنڈرات واضح کرتے ہیں کہ وہ کارگری کے میدان میں بھی تم سے بڑھ کرتے۔

(۶) فَمَا آغْنَىٰ مِنْ مَا اسْتَفْهَمَ بھی ہو سکتا ہے اور نافیہ بھی۔ نافیہ کا مفہوم تو ترجیح سے واضح ہے۔ استفہامیہ کی رو سے مطلب ہو گا۔ ان کو کیا فائدہ پہنچایا؟ مطلب وہی ہے کہ ان کی کمالی ان کے کچھ کام نہیں آئی۔

(۷) علم سے مراد ان کے خود ساختہ مزعومات، توهہات، شبہات اور باطل دعوے ہیں۔ انہیں علم سے بطور استزرا تعبیر فرمایا وہ چونکہ انہیں علمی دلائل سمجھتے تھے، ان کے خیال کے مطابق ایسا کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں کے مقابلے میں یہ اپنے مزعومات و توهہات پر اتراتے اور فخر کرتے رہے۔ یا علم سے مراد دنیوی باتوں کا علم ہے، یہ احکام و فرائض الہی کے مقابلے میں انہی کو ترجیح دیتے رہے۔

ہمارا عذاب دیکھتے ہی کرنے لگے کہ اللہ واحد پر ہم ایمان لائے اور جن جن کو ہم اس کا شریک بنارہے تھے ہم نے ان سب سے انکار کیا۔^(۸۳)

لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کے ایمان نے انہیں نفع نہ دیا۔ اللہ نے اپنا معمول یہی مقرر کر رکھا ہے جو اس کے بندوں میں برابر چلا آ رہا ہے^(۱) اور اس جگہ کافر خراب و خستہ ہوئے۔^(۲)^(۸۵)

سورہ حم السجدۃ کی ہے اور اس میں چون آئیں اور چھ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان نہایت رحم والا ہے۔

حمد۔^(۱) اتاری ہوئی ہے بڑے میریان بہت رحم والے کی طرف سے۔^(۲)

فَلَمَّا رَأَوْا بَاسَنَا قَالُوا مَنْ أَنْتُمْ لَكُمْ لَكُمْ وَهُنَّا بَاسَنَا وَكُفَّارٌ نَّا إِنَّا
لَكُلَّهُمْ مُّشَرِّكُينَ ②

فَلَمْ يَكُنْ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَكُمْ لَكُمْ وَهُنَّا سُنَّتُ اللَّهِ
إِلَيْكُمْ قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادَةٍ وَخَسِرَهُنَّ إِلَيْكَ الْكُفَّارُونَ ③

سُبْلُ الْحَمْدِ السُّبْحَانُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْ ۝ تَبَرُّرُ ۝ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ④

(۱) یعنی اللہ کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان مقبول نہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔

(۲) یعنی معاینہ عذاب کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں۔
☆ اس سورت کا دوسرا نام فُضْلَتْ ہے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سردار ان قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سد باب کے لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ بلیغ و فصح آدمی ”عبد بن ربيعة“ کا انتخاب کیا تاکہ وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں گیا اور آپ ﷺ پر عربوں میں انتشار و افراق پیدا کرنے کا الزم عائد کر کے پیش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ ﷺ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے، تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں، قیادت و سیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ کو ہم اپنالیڈ راور سردار مان لیتے ہیں، کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ ﷺ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ﷺ ہمارے معبدوں کو برآ کتے ہیں، تو ہم اپنے خرچ پر آپ ﷺ کا اعلان کرادیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس

(ایسی) کتاب ہے جس کی آئیوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے،^(۱) (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے اس قوم کے لیے جو جانتی ہے۔^(۲) ^(۳)

خوش خبری سنانے والا اور ذرا نے والا^(۴) ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔^(۵)
اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں^(۶) اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے^(۷) اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے، اچھا تو اب اپنا کام کیے جاہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں۔^(۸) ^(۹)

كَيْثُ فُؤْلَتْ إِنْهُ قُرَآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ③

بَشِيرًا وَنَذِيرًا قَاعِدَضَ الْكَرْهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ④

وَقَالُوا إِنَّا نُبَنِّى فِي أَنْتَوْ مَسَانِدُهُمْ وَرَقَّ أَذْنَانَا وَقُرْ ۝
وَرَمَنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ جَنَابَ فَاعْلَمْ إِنَّا نَعْلُونَ ⑤

سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی، جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سردار ان قریش کو بتلایا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کمانت ہے نہ شعرو شاعری۔ مطلب اس کا آپ ملکہ کی دعوت پر سردار ان قریش کو غورو فکر کی دعوت دینا تھا۔ لیکن وہ غورو فکر کیا کرتے؟ الناعتبہ پر الزام لگادیا کہ تو بھی اس کے سحر کا اسیر ہو گیا ہے۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیرو تفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے بھی انہیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں ”یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا، انہوں نے عقبہ کو گنگوکے لیے بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس سورت کا بتدائلی حصہ سنایا۔“

(۱) یعنی کیا احتلال ہے اور کیا حرام؟ یا طاعات کیا ہیں اور معاصی کیا؟ یا اثواب والے کام کون سے ہیں اور عقاب والے کون سے؟

(۲) یہ حال ہے یعنی اس کے الفاظ عربی ہیں، جن کے معانی مفصل اور واضح ہیں۔

(۳) یعنی جو عربی زبان، اس کے معانی و مفہوم اور اس کے اسرار و اسلوب کو جانتی ہے۔

(۴) ایمان اور اعمال صالحہ کے حاملین کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنانے والا اور مشرکین و مکذبین کو عذاب نار سے ڈرانے والا۔

(۵) یعنی غورو فکر اور تدبیر و تعلق کی نیت سے نہیں سنتے کہ جس سے انہیں فائدہ ہو۔ اسی لیے ان کی اکثریت ہدایت سے محروم ہے۔

(۶) أَكِنَّهُ، إِنَّا کی جمع ہے۔ پرده۔ یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید و ایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔

(۷) وَقُرْ کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں مراد بہراپن ہے، جو حق کے سنتے میں مانع تھا۔

(۸) یعنی ہمارے اور تیرے درمیان ایسا پرده حائل ہے کہ تو جو کہتا ہے، وہ سن نہیں سکتے اور جو کہتا ہے، اسے دیکھ

آپ کہہ دیجئے؟ کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر
وہی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبدو ایک اللہ ہی
ہے^(۱) سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے
گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لیے (بڑی
ہی) خرابی ہے۔^(۶)

جو زکوٰۃ نہیں دیتے^(۲) اور آخرت کے بھی مکر ہی رہتے
ہیں۔^(۷)

بیشک جو لوگ ایمان لا سیں اور بھلے کام کریں ان کے
لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔^(۳)^(۸)

آپ کہہ دیجئے؟ کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم
اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا
کر دی،^(۴) سارے جہانوں کا پروار دگارو ہی ہے۔^(۹)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مُّسْكُنٌ بِيُونَجِي إِنَّمَا أَمْلَأُ الْمُكْنَزَ اللَّهُمَّ إِنَّمَا
فَإِنْتَ يَقِيمُ بِاللِّيْلِ وَإِنْتَ غَفُورٌ وَّوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۝

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الرِّزْكَةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَسْتُورٍ ۝

قُلْ إِنَّكُمْ لَتَكْفِرُونَ بِاللَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَئِنَ
وَجَعَلَوْنَ لَهُ أَنْدَادًا ذَلِكَ رَبُّ الْعَلَمِينَ ۝

نہیں سکتے۔ اس لیے تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیں، تو ہمارے دین پر عمل نہیں
کرتا، ہم تیرے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

(۱) یعنی میرے اور تمہارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بجزو حی الٰہی کے۔ پھر یہ بعد و حجاب کیوں؟ علاوه ازیں میں جو
دعوت توحید پیش کر رہا ہوں، وہ بھی ایسی نہیں کہ عقل و فہم میں نہ آسکے، پھر اس سے اعراض کیوں؟

(۲) یہ سورت کی ہے۔ زکوٰۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ اس لیے اس سے مراد یا تو صدقات ہیں جس کا حکم
مسلمانوں کو کئے میں بھی دیا جاتا رہا، جس طرح پسلے صرف صبح و شام کی نماز کا حکم تھا، پھر ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل لیلۃ
الاٰسراہ کو پانچ فرض نمازوں کا حکم ہوا۔ یا پھر زکوٰۃ سے یہاں مراد کلمہ شادوت ہے، جس سے نفس انسانی شرک کی
آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۳) ﴿أَجْرٌ غَيْرُ مَسْتُورٍ﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿عَطَاءً غَيْرَ بَدْفُوفٍ﴾ (ہود: ۱۰۸) کا ہے۔ یعنی نہ ختم ہونے والا اجر۔

(۴) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ”اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا“ یہاں اس کی
کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا، زمین کو دو دن میں بنایا۔ اس سے مراد ہیں۔ یومُ الْأَحَدِ (التوار) اور یومُ الْاثْنَيْنِ
(پیر) سورہ نازعات میں کہا گیا ہے ﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحْلَهَا﴾ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا
گیا ہے جب کہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پسلے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی
وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحَّیٌ جو اصل میں دَحَّوْ ہے (بچھانا یا پھیلانا) اور چیز زمین کی

اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیئے^(۱) اور اس میں برکت رکھ دی^(۲) اور اس میں (رہنے والوں کی) غذاوں کی تجویز بھی اسی میں کر دی^(۳) (صرف) چار دن میں،^(۴) ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر۔^(۵) (۱۰)

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔^(۶) دونوں نے عرض کیا ہم بخوبی حاضر ہیں۔^(۷)

پس دو دن میں سات آسمان بنادیئے اور ہر آسمان میں

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَابِيَّ مِنْ قَوْقَأْ وَبَرَكَ فِيهَا وَقَدَرَ فِيهَا
أَفْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءٌ لِلشَّاهِدِينَ ۝

ثُمَّ أَسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرضِ
إِنِّي أَطْوَعُكُمَا فَذَرْهَا فَالَّتَّا أَتَيْنَا طَلَابَ عَيْنِ ۝

فَقَضَصْهُنَّ سَبْعَ سَمُولَتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْسَعَ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَقَ

تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی، جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے اور دھوکہ کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں پانی کے ذخیرہ رکھے گئے، اسے پیداواری ضروریات کا مخزن بنایا گیا۔ ﴿ أَخْرَجَهُمْ مِنْهَا مَاءً هَا وَمَرْغَمَهَا ۚ ۝ اس میں پہاڑ، ٹیلے اور جمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دونوں میں کیا گیا۔ یوں زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دنوں میں مکمل ہوئی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ حم السجدة)

(۱) یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو اس کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین اور ہمرا درہرنے ڈولے۔

(۲) یہ اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع و اقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیا کی طرف یہ زمین کی برکت ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔

(۳) أَقْوَاتُ، قُوتُ (غذا، خوراک) کی جمع ہے۔ یعنی زمین پر لئے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدار کر دی ہے یا بندوبست کر دیا ہے۔ اور رب کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی سیکلکویٹر اسے گن نہیں سکتا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ تاکہ ہر علاقے کی یہ مخصوص پیداوار ان ان علاقوں کی تجارت و معیشت کی بنیادیں بن جائیں۔ چنانچہ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔

(۴) یعنی تخلیق کے پہلے دونوں اور دوچی کے دون سارے دن ملائے کیے کل چار دن ہوئے، جن میں یہ سارا عمل تحریک کو پہنچا۔

(۵) سَوَاءٌ کا مطلب ہے، ٹھیک چار دن میں۔ یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دھوکہ کا یہ عمل ٹھیک چار دن میں ہوا۔ یا پورا یا برابر جواب ہے سائلین کے لیے۔

(۶) یہ آنا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا۔ بعض نے اس کا مفہوم لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں۔ چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم

اس کے مناسب احکام کی وجی بھیج دی^(۱) اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی،^(۲) یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے۔^(۳)

اب بھی یہ روگروں ہوں تو کہہ دیجئے؟ کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں جو مثل عادیوں اور شمودیوں کی کڑک کے ہوگی۔^(۴)

ان کے پاس جب ان کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجننا۔ ہم تو تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں۔^(۵)

اب عاد نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟^(۶) کیا نہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے،^(۷) وہ آخر تک ہماری آئتوں^(۸) کا

وَزَيْنَةً لِلشَّاءِ الْدُّنْيَا مِصَابِنُهُ وَجُنُفُلًا دِلْكَ تَقْدِيرُ الرَّعِيزِ
الْعَلِيلُ^(۹)

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْدَرُكُمْ صِيقَةٌ مِثْلَ صِيقَةِ
عَلَدٍ وَنَمُودٍ^(۱۰)

إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
أَلَا يَعْبُدُوا إِلَاهَهُمْ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلِكَةً
فَإِنَّا إِيمَانُ سُلْطَنٍ يَهْلِكُ الظَّرُوفَ^(۱۱)

فَأَمَّا عَادُ فَأَسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحِقْتِ وَقَالُوا
مَنْ أَشَدُّ مِنَاقِفَةً أَلَا كُمْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ
مِنْهُمْ تَوْهُةً وَكَانُوا يَأْتِنَا يَاجْهَدُونَ^(۱۲)

دیا، سورج، چاند اور ستارے نکال اور زمین کو کما، نمریں جاری کر دے اور پھل نکال دے (ابن کیشا) یا مفہوم ہے کہ تم دونوں وجود میں آجائو۔

(۱) یعنی خود آسمانوں کو یا ان میں آباد فرشتوں کو مخصوص کاموں اور اراد و طائف کا پابند کر دیا۔

(۲) یعنی شیطان سے نگہبانی، جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے، ستاروں کا ایک تیرا مقصد دوسری جگہ آہنیاء (راستہ معلوم کرنا) بھی بیان کیا گیا ہے (النحل ۱۶)۔

(۳) یعنی چونکہ تم ہماری طرح ہی کے انسان ہو، اس لیے ہم تمہیں نبی نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجننا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجننا کر انسانوں کو۔

(۴) اس فقرے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ عذاب روک لینے پر قادر ہیں، کیونکہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے۔ یہ انہوں نے اس وقت کما جب ان کے پیغمبر حضرت ہو دلیلہ السلام نے ان کو انذار و تنیبہ کے لیے عذاب اللہ سے ڈرایا۔

(۵) یعنی کیا وہ اللہ سے بھی زیادہ زور آور ہیں، جس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں قوت و طاقت سے نوازا۔ کیا ان کو بنانے کے بعد اس کی اپنی قوت و طاقت ختم ہو گئی ہے؟ یہ استفهام، استنکار اور توبخ کے لیے ہے۔

(۶) ان مجرمات کا جوانہ کیا کو ہم نے دیئے تھے، یا ان دلائل کا جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیے تھے یا ان آیات تکوینیہ کا جو

انکاری کرتے رہے۔ (۱۵)

بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و سند آندھی^(۱) منحوس دنوں میں^(۲) بھیج دی کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں، اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوانی والا ہے اور وہ مدد نہیں کیے جائیں گے۔ (۱۶)

رہے شمود، سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی^(۳) پھر بھی انہوں نے ہدایت پر انہے پن کو ترجیح دی^(۴) جس بنا پر انہیں (سرپا) ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کروتوں کے باعث پکڑ لیا۔^(۵) (۱۷)

اور (ہاں) ایمان دار اور پارساوں کو ہم نے (بال بال)
بچالیا۔ (۱۸)

فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِبْعًا صَرَرًا فِي أَيَّامِ نِحَاسٍ لِتُنْذِيْقُهُمْ
عَذَابَ الْجَنَّى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابَ الْآخِرَةِ أَخْرَى وَهُمْ
لَا يَسْتَهِدُونَ (۶)

وَأَنْتَ أَنْوَدْ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَجْبُوا لِغَنِيَّةِ الْهُدَى فَأَخَذُنَّهُمْ
صَاعِقَةً الْعَذَابِ الْهُمُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۷)

وَبَعْدِنَا الَّذِينَ امْتَوْأَوْكَانُوا يَعْقُونَ (۸)

کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔

(۱) صَرَرٌ، صُرَّةُ (آواز) سے ہے۔ یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی۔ یعنی نہایت سند اور تیز ہوا، جس میں آواز بھی ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ صرے ہے، جس کے معنی برو (ٹھنڈک) کے ہیں۔ یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں وَالْحَقُّ أَنَّهَا مَتَصِفَةٌ بِجَمِيعِ ذَلِكَ وَهُوَ إِنْ تَامٌ هِيَ بِالْأَوَّلِ سَمْفُونِیَّةٌ۔

(۲) نِحَاسَاتُ کا ترجمہ بعض نے متواتر پے درپے کا کیا ہے۔ کیونکہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ بعض نے سخت گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے کیا ہے۔ آخری ترجمہ کامطلب یہ ہو گا کہ یہ ایام جن میں ان پر سخت ہوا کاظوفان جاری رہا، ان کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقًا منحوس ہیں۔

(۳) یعنی ان کو توحید کی دعوت دی، اس کے دلائل ان کے سامنے واضح کیے اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے سے ان پر جدت تمام کی۔

(۴) یعنی انہوں نے مخالفت اور تکذیب کی، حتیٰ کہ اس او نئی تک کو ذبح کر ڈالا جو بطور مجذہ، ان کی خواہش پر چنان سے ظاہر کی گئی تھی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی۔

(۵) صَاعِقَةٌ عذاب شدید کو کہتے ہیں، ان پر یہ سخت عذاب چکھاڑ اور زلزلے کی صورت میں آیا، جس نے انہیں ذلت و رسوانی کے ساتھ تباہ و برہاد کر دیا۔

اور جس دن ^(١) اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور ان (سب) کو جمع کر دیا جائے گا۔ ^(٢)
 یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ ^(٣) ^(٤)

یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی، ^(٥) وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اسی نے تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ ^(٦) ^(٧)

وَيَوْمَ يُحْسِرُ أَعْدَاءَ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُؤْزَعُونَ ^(٨)

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءَهُ وَهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَعْهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ
 وَجَلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ^(٩)

وَقَالُوا إِلَيْهِمْ هُمْ لَمْ شِهِدُوكُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ
 الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقُكُمْ أَوَّلَ مَرَّةً وَإِلَيْهِ
 تُرْجَعُونَ ^(١٠)

(١) یہاں آذکر مذکور ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے یعنی اول سے آخر تک کے دشمنوں کا اجتماع ہو گا۔

(٢) آئی: يُخْبِسُ أَوْلُهُمْ عَلَىٰ آخِرِهِمْ لِيُلَاحِقُو (فتح القدير) یعنی ان کو روک رکاوں و آخر کو باہم جمع کیا جائے گا۔ (اس لفظ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے سورۃ النمل آیت نمبر ۷۸ اکا حاشیہ)

(٣) یعنی جب وہ اس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا، تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مرگا دے گا اور ان کے اعضاء بول کر گواہی دیں گے کہ یہ فلاں فلاں کام کرتے رہے ہیں اذًا مَا جَاءَهُوَ مَا مِنْ مَرْدٍ
 ہے تاکید کے لیے۔ انسان کے اندر پانچ حواس ہیں۔ یہاں دو کا ذکر ہے۔ تیری جلد (کھال) کا ذکر ہے جو مس یا مس کا آلہ ہے۔ یوں
 حواس کی تین قسمیں ہو گئیں۔ باقی دو حواس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذوق (چکھنا) بوجوہ لس میں داخل ہے، کیونکہ یہ
 چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس شے کو زبان کی جلد پر نہ رکھا جائے۔ اسی طرح سو گھٹنا (شم) اس وقت
 تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شے ناک کی جلد پر نہ گزرے۔ اس اعتبار سے جلوہ کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔
 (فتح القدير)

(٤) یعنی جب مشرکین اور کفار دیکھیں گے کہ خود ان کے اپنے اعضاء کے خلاف گواہی دے رہے ہیں، تو ازراہ تعجب یا بطور عتاب اور ناراضی کے، ان سے یہ کہیں گے۔

(٥) بعض کے نزدیک وَهُوَ سے اللہ کا کلام مراد ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ متناغم ہے۔ اور بعض کے نزدیک جلوہ انسانی ہی کا۔ اس اعتبار سے یہ انہی کے کلام کا تتمہ ہے۔ قیامت والے دن انسانی اعضاء کے گواہی دینے کا ذکر اس سے قبل سورۃ

اور تم (اپنی بد اعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی،^(۱) ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے۔^(۲)

تمہاری اسی بد گمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کر دیا^(۳) اور بالآخر تم زیاد کاروں میں ہو گئے۔^(۴)

اب اگر یہ صبر کریں تو بھی ان کاٹھکانا جسم ہی ہے۔ اور اگر یہ (عذر و معلقی) کے خواستگار ہوں تو بھی (معدور و)

وَمَا كُنْتُمْ سَتَّرُونَ أَنْ يَشَهَّدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ
وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُنُودُكُمْ وَلَكِنْ فَلَنَتَّمْ أَنَّ اللَّهَ
لَا يَعْلَمُ كُثُبِرًا مِّمَّا لَمْ يَمْلُوْنَ^(۵)

وَذَلِكُمُ الظُّلُمُ الَّذِي فَلَنَتَّمْ بِرَبِّكُمْ أَرْذَلُكُمْ فَأَصْبَحَّهُمْ
مِّنَ الْخَيْرِينَ^(۶)

فَإِنْ يَصِرُّوا فَإِلَّا إِذَا مَشُوا هُمْ وَإِنْ يَسْتَعْيِبُوا فَأَهْمَهُ
مِّنَ الْمُعْتَيِّنَ^(۷)

نور، آیت ۳۲، سورہ یسین، آیت ۶۵، میں بھی گزر چکا ہے اور صحیح احادیث میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً جب اللہ کے حکم سے انسانی اعضا بول کرتے تھے میں گے تو بندہ کے گا، بُعْدًا لَكُنَّ وَسُخْفًا؛ فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أَنْأَضَلُّ (صحیح مسلم، کتاب الرہد) ”تمہارے لیے ہلاکت اور دوری ہو،“ میں تو تمہاری ہی خاطر جھکڑ رہا اور مدافعت کر رہا تھا۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں اور میرے فرشتے کر اما کاتین گواہی کے لیے کافی نہیں۔ پھر اس کے منہ پر مر لگادی جائے گی اور اس کے اعضا کو بولنے کا حکم دیا جائے گا، (حوالہ مذکور)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا کوئی خوف تمہیں نہیں تھا کہ تمہارے خلاف خود تمہارے اپنے اعضا بھی گواہی دیں گے کہ جن سے چھپنے کی تم ضرورت محسوس کرتے۔ اس کی وجہ ان کا بعث و نشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا۔

(۲) اس لیے تم اللہ کی حدیں توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک تھے۔

(۳) یعنی تمہارے اس اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے کہ اللہ کو ہمارے بہت سے علموں کا علم نہیں ہوتا، تمہیں ہلاکت میں ڈال دیا، کیوں کہ اس کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔ اس کی شان نزول میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یادو ثقفی اور ایک قرشی جمع ہوئے۔ فربہ بدن، قلیل الفہم۔ ان میں سے ایک نے ایک نے کہا ”کیا تم سمجھتے ہو، ہماری باتیں اللہ سنتا ہے؟“ دوسرے نے کہا ”ہماری جھری باتیں سنتا ہے اور سری باتیں نہیں سنتا۔“ ایک اور نے کہا ”اگر وہ ہماری جھری (اوپنجی) باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی یقیناً سنتا ہے۔“ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت (وَمَا كُنْتُمْ سَتَّرُونَ) نازل فرمائی (صحیح بخاری، تفسیر سورہ حم السجدة)

معاف نہیں رکھے جائیں گے۔^(۱) (۲۴)

اور ہم نے ان کے کچھ ہم نہیں مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی اللہ کا قول ان امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنہوں انسانوں کی گزر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاد کارثات ہوئے۔^(۲۵)

اور کافروں نے کما اس قرآن کو سنو ہی مت^(۳) (اس کے پڑھے جانے کے وقت) اور یہودہ گوئی کرو^(۴) کیا عجب کہ تم غالب آجاو۔^(۵) (۲۶)

پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور انہیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے۔^(۶) (۲۷)

وَمَيَضِنَا لَهُمْ فَرَنَاءٌ فَرَنَاءُ الْهُمْ مَبْيَنٌ أَيْدِيهِمْ وَمَا
خَلَفُهُمْ وَحْقٌ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أَمْرٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
فَيْلَهُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِلَٰسِ إِنَّهُمْ كَانُوا غُرَبَيْنَ ۚ

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغُوَافِيْهِ
لَعْلَكُمْ تَغْلِيْبُونَ ۚ

فَلَنْدِيْقَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا عَدَّاً بِأَشْدِيدًا
وَلَنْجَزِيْهُمْ أَسْوَى الَّذِيْنَ كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ

(۱) ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ اگر وہ منانا چاہیں گے (عُتْبَیٰ رضا طلب کریں گے) تاکہ وہ جنت میں چلے جائیں تو یہ چیزان کو کبھی حاصل نہ ہوگی۔ (الیرالتفاسیر و فتح القدير) بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی آرزو کریں گے جو منظور نہیں ہوگی۔ (ابن جریر طبری) مطلب یہ ہے کہ ان کا ابدی ٹھہکانا جنم ہے، اس پر صبر کریں (تب بھی رحم نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ دنیا میں بعض وفعہ صبر کرنے والوں پر ترس آ جاتا ہے) یا کسی اور طریقے سے وہاں سے نکلنے کی سعی کریں، مگر اس میں بھی انہیں ناکامی ہی ہوگی۔

(۲) ان سے مراد وہ شیاطین انس و جن ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جو انہیں کفر و معاصی کو خوبصورت کر کے دکھاتے ہیں، پس وہ اس گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں، حتیٰ کہ انہیں موت آ جاتی ہے اور وہ خسارہ ابدی کے متحقّق قرار پاتے ہیں۔

(۳) یہ انسوں نے باہم ایک دوسرے کو کہا۔ بعض نے لَا تَسْمَعُوا کے معنی کیے ہیں، اس کی اطاعت نہ کرو۔

(۴) یعنی شور کرو، تالیاں، سیٹیاں، بجاو، چیخ چیخ کر باتیں کرو تاکہ حاضرین کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآن کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔

(۵) یعنی ممکن ہے اس طرح شور کرنے کی وجہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کی تلاوت ہی نہ کرے جسے سن کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

(۶) یعنی ان کے بعض اچھے عملوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، مثلاً اکرام ضیافت، صدر حمی وغیرہ۔ کیونکہ ایمان کی دولت

الله کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس میں ان کا ہیشکی کا گھر ہے (یہ) بدلہ ہے ہماری آئتوں سے انکار کرنے کا۔^(۲۸)

اور کافر لوگ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں جنوں انسانوں (کے وہ دونوں فرق) دکھا جنوں نے ہمیں گمراہ کیا^(۲۹) (تاکہ) ہم انہیں اپنے قدموں تلے ڈال دیں تاکہ وہ جنم میں سب سے نیچے (خت عذاب میں) ہو جائیں۔^(۳۰)

(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے^(۳۱) پھر اسی پر قائم رہے^(۳۲) ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے

ذلیک جَزَاءٌ أَعْدَاهُ اللَّهُ لِهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلُدُ
جَزَاءٌ إِنَّمَا كَانُوا بِالْيَتَنَاهُ مُجْهَدُونَ^(۳۳)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرْبَدَنَا الَّذِينَ أَصْلَلُنَا مِنَ الْجِنِّ
وَالَّذِينَ نَجَعَلُهُمْ نَعِيشُ أَقْدَمَ إِنَّمَا يَكُونُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ^(۳۴)

إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوكُرِبَتْنَا إِلَهُكُمْ أَسْتَقْتَمُو أَنْتَزَلْنَا عَلَيْهِمْ

سے وہ محروم رہے تھے، البتہ برے عملوں کی جزا انہیں ملے گی، جن میں قرآن کریم سے روکنے کا جرم بھی ہے۔

(۱) آئتوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے، وہ دلائل و براہین واضح ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیا پر نازل فرماتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو انہیں عطا کیے جاتے ہیں یا وہ دلائل تکوینیہ ہیں جو کائنات یعنی آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کافران سب ہی کا انکار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

(۲) اس کا مفہوم واضح ہی ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے، انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انسان سے قاتل مراد لیا ہے، جس نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی ہاتھیل کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ بھی اس کو ملتا رہے گا۔ ہمارے خیال میں پسلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۳) یعنی اپنے قدموں سے انہیں روندیں اور اس طرح ہم انہیں خوب ذلیل و رسوا کریں۔ جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہو گا، اس کی تشفی کے لیے وہ یہ کہیں گے۔ ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں ہی یکساں جنم کی سزا بھیتیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يَلْجُلُ ضُعْفُهُ تُلْكُنُ لَا تَلْقَئُونَ﴾ (الأعراف-۲۸)، جہنمیوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا تذکرہ فرماتا ہے، جیسا کہ عام طور پر قرآن کا انداز ہے تاکہ تہیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب کے ساتھ تہیب کا بھی اہتمام رہے۔ گویا انذار کے بعد اب تبییر۔

(۴) یعنی ایک اللہ وحدہ لا شریک۔ رب بھی وہی اور معبود بھی وہی۔ یہ نہیں کہ ربوبیت کا تو اقرار، لیکن الوہیت میں دوسروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔

(۵) یعنی سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان و توحید پر قائم رہے، اس سے انحراف نہیں کیا۔ بعض نے استقامت کے

ہوئے) آتے ہیں^(۱) کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو^(۲) (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔^(۳) (۳۰)

تمہاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے،^(۴) جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔^(۳۱)

غفور و رحیم (معبوود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے۔^(۳۲)

اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔^(۵) (۳۳)

تسلیک اور بدی برابر نہیں ہوتی۔^(۶) برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے

الْمُلَكَةُ الْأَعْلَمُ فَوْلَاهُ عَزَّوَأَيْمَنُ وَبِشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي لَنْنُمُ
تُؤْمَدُونَ ⑦

نَحْنُ أَوْلَيَكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا
مَا شَهِدْنَا لَنَاكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَعُونَ ⑧

نَلِمَنْ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑨

وَمَنْ أَحْسَنْ قُولًا مِنْ دَعَاءِ اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ
إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ⑩

وَلَا سُوءِي الْحَسَنَةُ وَلَا التَّسْيِئَةُ إِذْ فَعَلْ بِالْقِرْيَهِ أَحْسَنْ فَإِذَا
أَذْدِي بَيْتَكَ وَبَيْتَهُ عَدَاؤُهُ كَانَهُ وَلِيْ حَمِيمٌ ⑪

مخفی اخلاص کیے ہیں۔ یعنی صرف ایک اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی۔ جس طرح حدیث میں بھی آتا ہے، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مجھے ایسی بات بتا دیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، «فُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ أَسْتَقِيمُ» (صحیح مسلم۔ کتاب الإیمان، باب جامع اوصاف الإسلام) ”کہہ، میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کر۔“

(۱) یعنی موت کے وقت، بعض کرتے ہیں، فرشتے یہ خوش خبری تین جگہوں پر دیتے ہیں، موت کے وقت، قبر میں اور قبر سے دوبارہ اٹھنے کے وقت۔

(۲) یعنی آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اندیشہ اور دنیا میں مال و اولاد جو چھوڑ آئے ہو، ان کا غم نہ کرو۔

(۳) یعنی دنیا میں جس کا وعدہ تمہیں دیا گیا تھا۔

(۴) یہ مزید خوش خبری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے، دونوں صورتوں میں مومن کے لیے یہ عظیم خوش خبری ہے۔

(۵) یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ، دین کا پابند اور اللہ کا مطیع ہے۔

(۶) بلکہ ان میں عظیم فرق ہے۔

ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔^(۳۲)

اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں^(۳) اور
اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا
سکتا۔^(۴)

اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو
اللہ کی پناہ طلب کرو۔^(۳) یقیناً وہ بہت ہی سننے والا
جانے والے۔^(۴) (۳۶)

اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں،^(۴) تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند

وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا ذُو حَظٍ عَظِيمٌ ٢٥

وَإِمَامٍ يُرْعِنُكَ مِنَ الشَّيْطَنِ تَرْعَهُ فَاسْتَوْدِي بِالْمُهَارَةِ
فِي الْكِتَابِ الْعَلِيمِ ⑤

وَمِنْ أَيْتَهُ الْيَلَى وَالثَّهَارَ وَالشَّسْمِ وَالقَرْلَاسِبِدُ وَاللَّاسِمِ
وَلَلَّاسِقِمِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ

(۱) یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ تالو۔ یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ غفوکے ساتھ، غصب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ ہاتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا دشمن، دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور خون کا پاسا، تمہارا گروپریدہ اور چاشنر ہو جائے گا۔

(۲) یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ تالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی شر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے۔ غصے کو لی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے۔

(۳) حَظِّ عَظِيمٍ (بِرَا نصيْبِه) سے مراد جنت ہے یعنی مذکورہ خوبیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو بڑے نصیبے والا ہوتا ہے، یعنی جتنی جس کے لئے جنت میں جانا لکھ دیا گیا ہو۔

(۲) یعنی شیطان، شریعت کے کام سے پھرنا چاہے یا احسن طریقے سے برائی کے دفع کرنے میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

(۵) اور جو ایسا ہو یعنی ہر ایک کی سختے والا اور ہربات کو جانے والا، وہی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ یہ ماقبل کی تقلیل ہے۔ اس کے بعد اب پھر بعض ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اللہ کی توحید، اس کی قدرت کاملہ اور اس کی قوت تصرف پر دلالت کرتی ہیں۔

(۶) یعنی رات کو تاریک بناتا ہاکر لوگ اس میں آرام کر سکیں، دن کو روشن بناتا ہاکہ کسب معاش میں پریشانی نہ ہو۔ پھر کے بعد دیگرے ایک دوسرے کا آنا جانا اور کبھی رات کالبما اور دن کا چھوٹا ہوتا۔ اور کبھی اس کے بر عکس دن کالبما اور رات کا چھوٹا ہوتا۔ اسی طرح سورج اور چاند کا اپنے اپنے وقت پر طلوع و غروب ہوتا اور اپنے اپنے مدار پر اپنی منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں باہمی تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ان کا یقیناً کوئی خالق اور

رَبِّهَا تَعْبُدُونَ ②

کو^(۱) بلکہ بجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے،^(۲) اگر تمیں اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔^(۳۷)

پھر بھی اگر یہ کبر و غور کریں تو وہ (فرشتہ) جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تورات دن اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور (کسی وقت بھی) نہیں آتا تے۔^(۳۸)

اس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے^(۳۹) پھر جب ہم اس پر میں برساتے ہیں تو وہ ترو تازہ ہو کر ابھرنا لگتی ہے۔^(۴۰) جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے،^(۵) بیشک وہ ہر (ہر) چیز پر قادر ہے۔^(۳۹)

بیشک جو لوگ ہماری آئیوں میں کچھ روی کرتے ہیں^(۶) وہ



فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِالْأَيْمَنِ
وَالْأَمْارَدُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ④

وَمَنْ أَلْيَهُهُ أَنْكَرَ تَرَى الْأَرْضَ خَائِشَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
أَهْبَرَتْ وَرَبَّتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لِتُجِيءَ الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى هُنْكِيلٍ
شَفِيعٌ قَدِيرٌ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ يُلْجِدُونَ فِيَ إِلَيْهَا الْأَغْفَلُونَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقِي

مالک ہے۔ نیز وہ ایک اور صرف ایک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ اگر مدیر و امر کا اختیار رکھنے والے ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقے سے کبھی نہیں چل سکتا تھا۔

(۱) اس لیے کہ یہ بھی تمہاری طرح اللہ کی تخلوق ہیں، خدا کی اختیارات سے بہرہ و ریا ان میں شرک نہیں ہیں۔

(۲) خَلَقَهُنَّ میں جمع مونث کی ضمیر اس لیے آئی ہے کہ یہ یا تو خلق ہذہ الأَزْيَةَ الْمَذْكُورَةَ کے مفہوم میں ہے، کیونکہ غیر عاقل کی جمع کا حکم جمع مونث ہی کا ہے۔ یا اس کا مرجع صرف شمس و قمر ہیں اور بعض ائمہ نحاة کے نزدیک تثنیہ بھی جمع ہے یا پھر مراد الآیات ہیں، (فتح القدیر)

(۳) خَائِشَةً كامطلب، خشک اور قحط زده یعنی مردہ۔

(۴) یعنی انواع و اقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا کرتی ہے۔

(۵) مردہ زمین کو بارش کے ذریعے سے اس طرح زندہ کر دینا اور اسے روئیدگی کے قابل بنار دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ کرے گا۔

(۶) یعنی ان کو مانتے نہیں بلکہ ان سے اعراض، انحراف اور ان کی محذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الحاد کے معنی کیے ہیں وضع الكلام علی غير مواضع، جس کی رو سے اس میں وہ باطل فرقے بھی آجائتے ہیں جو اپنے غلط عقائد و نظریات کے اثبات کے لیے آیات الہی میں تحریف معنوی اور دجل و تبلیغ سے کام لیتے ہیں۔

(کچھ) ہم سے مخفی نہیں،^(۱) (بتاؤ تو) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن و امان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟^(۲) تم جو چاہو کرتے چلے جاؤ،^(۳) وہ تمara سب کیا کرایا و یکھ رہا ہے۔^(۴)

جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پنج جانے کے باوجود اس سے کفر کیا، (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں) یہ^(۵) بڑی با وقت کتاب ہے۔^(۶)

جس کے پاس باطل پٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکماء والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے۔^(۷)

آپ سے وہی کما جاتا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں

فِي النَّارِ خَيْرٌ مِّنْ يَأْتِيَ إِيمَانُكُمُ الْقِيمَةُ أَعْلَمُوا مَا شَنَعْتُ إِنَّهُ
إِنَّمَا تَعْمَلُونَ بِصَيْرٍ^(۸)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ لَكُمْ جَاءَ هُمْ وَلَنَّهُ لَكُمْ عَزِيزٌ^(۹)

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ يَنْتَهِ يَدِيهِ وَلَمْ يَمْنُ خَلِفَهُ تَبَرِّزُنَ مِنْ
حِكْمَتِهِ حَمِيدٌ^(۱۰)

مَا يَقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قَبِيلَ لِرَسُولِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ

(۱) یہ مخدین (چاہے وہ کسی قسم کے ہوں) کے لیے سخت وعید ہے۔

(۲) یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ علاوہ ازیں اس سے اشارہ کر دیا کہ مخدین آگ میں ڈالے جائیں گے اور اہل ایمان قیامت والے دن بے خوف ہوں گے۔

(۳) یہ امر کا لفظ ہے، لیکن یہاں اس سے مقصود وعید اور تهدید ہے۔ کفر و شرک اور معاصی کے لیے اذن اور اباحت نہیں ہے۔

(۴) بریکٹ کے الفاظِ اِنَّ کی خبر محفوظ کا ترجمہ ہیں بعض نے کچھ اور الفاظ محفوظ مانے ہیں۔ مثلاً يُجَازَوْنَ بِكُفْرِهِمْ (انہیں ان کے کفر کی سزا دی جائے گی) یا ها لِكُونَ (وہ ہلاک ہونے والے ہیں) یا يُعَذَّبُونَ۔

(۵) یعنی یہ کتاب، جس سے اعراض و انحراف کیا جاتا ہے معارضے اور طعن کرنے والوں کے طعن سے بست بلند اور ہر عیب سے پاک ہے۔

(۶) یعنی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے، آگ سے کامطلب ہے کی اور پیچھے سے کامطلب ہے زیادتی یعنی باطل اس کے آگ سے آگر اس میں کی اور نہ اس کے پیچھے سے آگر اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی تغیر و تحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اور حمید یعنی محمود ہے۔ یا وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن سے منع فرماتا ہے، عواقب اور غایبات کے اعتبار سے سب محمود ہیں، یعنی اچھے اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)

سے بھی کہا گیا ہے،^(۱) یقیناً آپ کا رب معافی والا^(۲) اور دردناک عذاب والا ہے۔^(۳)

اور اگر ہم اسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو کتنے ^(۴) لکھ کر اس کی آئیں صاف صاف بیان کیوں نہیں کی گئی؟^(۵) یہ کیا کہ عجمی کتاب اور آپ عربی رسول؟^(۶) آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفایہ اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں تو (بہ راپن اور) بوجھ ہے اور یہ ان پر انداھا پن ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جا رہے ہیں۔^(۷)

لَذُوْمَغْفِرَةٍ وَذُوْعَقَابٍ أَلَيْهِ ④

وَلَوْجَعَلَهُ قُرَاًدَأَجَبِيَّاً قَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ إِلَيْهِ
ءَأَعْجَبَنِي وَعَرَبَنِي قُلْ هُوَلِلَّدِينُ الْمُؤْمَنُهُدُّى وَشَفَاعَاءُ
وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِيَذَا نِهَمُ وَقَرَّهُو عَلَيْهِمْ عَجَمٌ
أُولَئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ ⑤

(۱) یعنی پچھلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کی مکذبی کے لیے جو کچھ کہا کہ یہ ساحر ہیں، مجنوں ہیں، کذاب ہیں وغیرہ وغیرہ، وہی کچھ کفار کہ نے بھی آپ ﷺ کو کہا ہے۔ یہ گویا آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی مکذبی اور آپ ﷺ کی حر، کذب اور جنون کی طرف نسبت، نی بات نہیں ہے، ہر پیغمبر کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿ مَا أَنَّ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولِ إِلَّا قَاتَلُوا أَسَاجِرَ الْجَنُونِ ۚ * أَتَوَاصُوْبِهِ بِلِهُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۚ ﴾ (الذاريات۔ ۵۲، ۵۳) دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید اور اخلاص کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ وہی باتیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسولوں کو بھی کہی گئی تھیں۔ اس لیے کہ تمام شریعتیں ان باتوں پر متفق رہی ہیں بلکہ سب کی اولین دعوت ہی توحید و اخلاص تھی۔ (فتح القدير)

(۲) یعنی ان اہل ایمان و توحید کے لیے جو مستحق مغفرت ہیں۔

(۳) ان کے لیے جو کافر اور اللہ کے پیغمبروں کے دشمن ہیں۔ یہ آیت بھی سورہ حجر کی آیت ﴿ يَتَنَزَّلُ عَبْدَهُ لِأَنَّهُ أَنَا
الْفَقُورُ الرَّجِيمُ ۗ * وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْكَلِيمُ ۚ ﴾ کی طرح ہے۔

(۴) یعنی عربی کے بجائے کسی اور زبان میں قرآن نازل کرتے۔

(۵) یعنی ہماری زبان میں اسے بیان کیوں نہیں کیا گیا، جسے ہم سمجھ سکتے، کیونکہ ہم تو عرب ہیں، عجمی زبان نہیں سمجھتے۔

(۶) یہ بھی کافروں ہی کا قول ہے کہ وہ تعجب کرتے کہ رسول تو عرب ہے اور قرآن اس پر عجمی زبان میں نازل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمائے کر اس کے اولین مخاطب عربوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا ہے۔ اگر یہ غیر عربی زبان میں ہوتا تو وہ عذر کر سکتے تھے۔

(۷) یعنی جس طرح دور کا شخص، دوری کی وجہ سے پکارنے والے کی آواز سننے سے قاصر رہتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کی عقل و فہم میں قرآن نہیں آتا۔

یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی تھی، سواس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر (وہ) بات نہ ہوتی (جو) آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے^(۱) تو انکے درمیان (بھی) کافی حلہ ہو چکا ہوتا^(۲) یہ لوگ تو اسکے بارے میں سخت بے چین کرنے والے شک میں ہیں۔^(۳) (۲۵)

جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کے لیے اور جو برا کام کرے گا اس کا وہاں بھی اسی پر ہے۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔^(۴) (۲۶)

وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَأَخْتَلَفُوا فِيهِ وَلَنُؤَلِّكَنَّهُ
سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لِقْضَى بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لِفِي شَكٍ
مِنْهُ مُرِيبٌ^(۵)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ مُمْلَكٌ وَمَنْ أَسَأَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ
بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ^(۶)

(۱) کہ ان کو عذاب دینے سے پہلے مملت دی جائے گی۔ ﴿وَلَكِنْ إِذْ خُرُّهُ إِلَى أَجَيلٍ مُّسْئَى﴾ (فاطر، ۲۵)

(۲) یعنی فوراً عذاب دے کر ان کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔

(۳) یعنی ان کا انکار عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کئے رکھتا ہے۔

(۴) اس لیے کہ وہ عذاب صرف اسی کو رتا ہے جو گناہ گار ہوتا ہے، نہ کہ جس کو چاہے، یوں ہی عذاب میں بٹلا کر دے۔

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے^(۱) اور جو جو چل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اسے ہے^(۲) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں، وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا گواہ نہیں۔^(۳) (۷۷)

اور یہ جن (جن) کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے^(۴) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لیے کوئی بچاؤ نہیں۔^(۵) (۳۸)

بھلائی کے مانگنے سے انسان تحکما نہیں^(۶) اور اگر اسے کوئی

يَنَادِيُونَ إِنَّ شَرِكَاءِنِيْ قَالُوا أَذْنَكَ مَا مِنَنَا مِنْ شَهِيدٍ^(۷)

وَضَلَّ عَنْهُمْ تَأْكُلُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلٍ وَظَاهِرًا مَا لَهُمْ مِنْ عِيشٍ^(۸)

لَا يَسْمُعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَلَمْ يَتَّمِمْ^(۹)

(۱) یعنی اللہ کے سوا اس کے وقوع کا کسی کو علم نہیں۔ اسی لیے جب حضرت جبرایل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا، مَا الْمَسْتَوُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، ”اس کی بابت مجھے بھی اتنا ہی علم ہے جتنا تجھے ہے“ میں تجھے سے زیادہ نہیں جانتا۔ وسرے مقلات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَى رَبِّكَ مُنْتَهِهَا﴾ (النَّازُعَاتِ-۳۳) ﴿لَمْ يَجِدْهَا كَوْثِيرًا لَهُو﴾ (الْأَعْرَافِ-۱۸۷)

(۲) یہ اللہ کے علم کامل و محيط کا بیان ہے اور اس کی اس صفت علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ یعنی اس طرح کا علم کامل کسی کو حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیهم السلام کو بھی نہیں۔ انہیں بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں وہی کے ذریعے سے بتلا دیتا ہے۔ اور اس علم وہی کا تعلق بھی منصب نبوت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی سے متعلق ہی ہوتا ہے نہ کہ دیگر فنون و معاملات سے متعلق۔ اس لیے کسی بھی نبی اور رسول کو، چاہے وہ کتنی ہی عظمت شان کا حامل ہو، عالم مَا کائنَ وَمَا يَكُونُ کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ صرف ایک اللہ کی شان اور اس کی صفت ہے۔ جس میں کسی اور کو شریک مانا شرک ہو گا۔

(۳) یعنی آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تمرا کوئی شریک ہے؟

(۴) یعنی وہ ادھر ادھر ہو گئے اور حسب گمان انہوں نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔

(۵) یہ گمان، یقین کے معنی میں ہے یعنی قیامت والے دن وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔ جیسے وسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿وَرَدَ الْمُعْجِزُ مُؤْمِنُ النَّارَ فَظَلَّوْا الْمُهُمَّا فَغُوْهَا وَلَمْ يَهِدُوا وَلَمْ يَعْلَمُوا مَهِرَفًا﴾ (الکھف-۵۲)

(۶) یعنی دنیا کا مال و اسباب، صحت و قوت، عزت و رفتہ اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے انسان نہیں تحکما، بلکہ

فَيُؤْسِفُهُ قُنُوتٌ ④

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ فَرَأَءَاءَ مَسْتَهْ لِيَعْلَمَنَ
هَذَا إِلَىٰ وَمَا لَهُنَّ السَّاعَةَ قَالَمَهْ ۖ وَلَئِنْ رَجَمْتُ إِلَى
رَقَّ إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۖ فَلَنْ يَبْتَغَنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
بِمَا عَمِلُوا وَلَنْ يُفْتَهُمْ مِنْ عَذَابٍ عَلَيْهِ ۚ ⑤

وَإِذَا آتَيْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَغْرِصَ وَنَأْبَاجِنِيهُ وَإِذَا مَسَهُ
الشُّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرَبِيَّض ۶

فَلْمَنْ آتَيْنَاهُنَّ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرُوا تُوْبَهُ مِنْ

ما نَگَتَاهِي رہتا ہے۔ انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے۔

(۱) یعنی تکلیف پہنچنے پر فوراً مایوسی کاشکار ہو جاتا ہے، جب کہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایک تو دنیا کے طالب نہیں ہوتے، ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے، تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے، بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارہ سینات اور رفع درجات کا باعث گردانے ہیں۔ گویا مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

(۲) یعنی اللہ کے ہاں میں محبوب ہوں، وہ مجھ سے خوش ہے، اسی لیے مجھے وہ اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے۔ حالاں کہ دنیا کی کمی اس کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ صرف آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ نعمتوں میں اس کا شکر کون کر رہا ہے اور تکلیفوں میں صابر کون ہے؟

(۳) یہ کہنے والا منافق یا کافر ہے، کوئی مومن ایسی بات نہیں کہ سکتا۔ کافر ہی یہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا خیر کے ساتھ گزر رہی ہے تو آخرت بھی میرے لیے ایسی ہی ہوگی۔

(۴) یعنی حق سے منہ پھیر لیتا اور حق کی اطاعت سے اپنا پسلو بدلتا ہے اور تکبر کا ظہار کرتا ہے۔

(۵) یعنی بارگاہ اللہ میں تضرع و زاری کرتا ہے تاکہ وہ مصیبت دور فرمادے۔ یعنی شدت میں اللہ کو یاد کرتا ہے، خوش حالی میں بھول جاتا ہے، نزول نعمت کے وقت اللہ سے فریادیں کرتا ہے، حصول نعمت کے وقت اسے وہ یاد نہیں رہتا۔

أَصْلُ مِنْ هُوَ فِي شَقَاقٍ بَعِيدٌ ①

بڑھ کر بہکا ہوا کون ہو گا^(۱) جو مخالفت میں (حق سے) دور
چلا جائے۔^(۲) (۵۲)

عنقریب ہم انسیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں
گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر
کھل جائے کہ حق یہی ہے،^(۳) کیا آپ کے رب کا ہر چیز
سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں۔^(۴) (۵۳)

یقین جانو! کہ یہ لوگ اپنے رب کے رو برو جانے سے
شک میں ہیں،^(۵) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے
ہوئے ہے۔^(۶) (۵۴)

سَتُرُّنُّهُمُ الْيَتَنَافِيُّ الْأَفَاقِ وَنِيَّتُهُمْ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُمْ
أَنَّهُ الْحَقُّ أَوْ لَمْ يَكُنْ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ②

الَا إِنَّهُمْ فِي مُرْيَاةٍ قُنْ لِقَاءُ رَبِّهِمْ الْأَرَانَةُ بِخَلِيلٍ
شَيْءٌ لَّمْ يُحِيطُ ③

(۱) یعنی ایسی حالات میں تم سے زیادہ گمراہ اور تم سے زیادہ دشمن کون ہو گا۔

(۲) شِقَاقٍ کے معنی ہیں 'ضد'، عناوہ اور مخالفت۔ بَعِينَد مل کر اس میں اور مبالغہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو بہت زیادہ مخالف اور عناد سے کام لیتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کے نازل کردہ قرآن کی بھی مکنذیب کر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر گمراہ اور بد بخت کون ہو سکتا ہے؟

(۳) جن سے قرآن کی صداقت اور اس کام من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا۔ یعنی اللہ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بعض نے اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے۔ مال سب کا ایک ہی ہے۔ آفاق، افق کی جمع ہے۔ کنارہ، مطلب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں باہر کناروں میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کے اپنے نفسوں کے اندر بھی۔ چنانچہ آسمان و زمین کے کناروں میں بھی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے، رات اور دن، ہوا اور بارش، گرج چمک، بجلی، کڑک، نباتات و جمادات، اشجار، پھاڑ، اور انسار و بخار وغیرہ۔ اور آیاتِ انفس سے انسان کا وجود، جن اخلاق و موارد اور یہیں پر مرکب ہے وہ مراد ہیں۔ جن کی تفصیلات طب و حکمت کا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض کہتے ہیں، آفاق سے مراد شرق و غرب کے وہ دور دراز کے علاقے ہیں۔ جن کی فتح کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے آسان فرمادیا اور انفس سے مراد خود عرب کی سرزمین پر مسلمانوں کی پیش قدمی ہے، جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ فتوحات میں مسلمانوں کو عزت و سرفرازی عطا کی گئی۔

(۴) استفهام اقراری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کے دیکھنے کے لیے کافی ہے، اور وہی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے پچھے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

(۵) اس لیے اسکی بابت غور و فکر نہیں کرتے، نہ اسکے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس دن کا کوئی خوف ان کے دلوں میں ہے۔

(۶) بنابریں اس کے لیے قیامت کا وقوع قطعاً مشکل امر نہیں کیوں کہ تمام مخلوقات پر اس کا غالبہ و تصرف ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کرتا ہے اور کرے گا، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔

سُورَةُ الشُّورىٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ شوریٰ کی ہے اور اس میں تپن آئیں اور پانچ رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربماں
نہایت رحم والا ہے۔

حُمَّٰ عَسْقَ ②

اللَّهُ تَعَالَى جُو زَرْ دَسْتَ ہے اور حَكْمَتْ وَالَا ہے اسی طرح
تیری طرف اور تجھ سے الگوں کی طرف وہی بھیجا رہا۔^(۳)
آسمانوں کی (تمام) چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب
اسی کا ہے وہ برتر اور عظیم الشان ہے۔^(۴)

قریب ہے آسمان اور پر سے پھٹ پڑیں^(۲) اور تمام فرشتے
اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور
زمیں والوں کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔^(۳) خوب سمجھ
رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمانے والا رحمت والا ہے۔^(۵)
اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کار ساز بنا لیا

كَذَلِكَ تُوحِّي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ
الْعَزِيزُ الْجَلِيلُ ③

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ أَعْلَمُ الْعَظِيمِ ④

نَحْكُمُ الْأَنْتَمُ ۖ يَنْقُضُونَ مِنْ فَوْقَهُنَا وَالنَّىٰذِيَّةُ يُسْتَحْوِنُ بِمُحَمَّدٍ
رَّبِّنَا وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ
الْرَّجِيلُ ⑤

وَالَّذِينَ أَخْذُنَا وَمِنْ دُونِهِ أَولَمَّا لَمْ يَحْفِظُ عَلَيْهِمْ مُّؤْمَنَةً

(۱) یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پہلے انبیا پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ وہی اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجا رہا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے سخت ہوتی ہے، جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتے انسانی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں، میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وہی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے ہوتے۔ (صحیح بخاری، باب بدء الوجی)

(۲) اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے۔

(۳) یہ مضبوط سورہ مومن کی آیت ۷ میں بھی بیان ہوا ہے۔

(۴) اپنے دوستوں اور اہل طاعت کے لیے یا تمام ہی بندوں کے لیے، کیوں کہ کفار اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہ کرنا بلکہ انہیں ایک وقت میعنی تک مملت و رنا، یہ بھی اس کی رحمت و مغفرت ہی کی قسم سے ہے۔

عَلَيْهِمْ بُوکِیں ⑥

ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران^(۱) ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔^(۲) ^(۳)

اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے^(۴) تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں^(۵) اور جمع ہونے کے دن سے جس^(۶) کے آنے میں کوئی شک نہیں ڈرا دیں۔ ایک گروہ جنت میں ہو گا اور ایک گروہ جنم میں ہو گا۔^(۷)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت کا بنا دیتا^(۸) لیکن وہ نہ چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنذِرَ أَمَّةَ الْقُرْبَى
وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرُهُمْ الْجَمْعُ لَرَبِّهِ فِيْنَقْ فيَجْنَةَ
وَقَرِينُ فِي الشَّعْبِيرِ ⑦

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أَمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يَدْخُلُ مَنْ
يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ قُلُّ وَلَا نَصِيرٌ ⑧

(۱) یعنی ان کے عملوں کو محفوظ کر رہا ہے تاکہ اس پر ان کو جزا دے۔

(۲) یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستے پر لگادیں یا ان کے گناہوں پر ان کا مٹاخذہ فرمائیں، بلکہ یہ کام ہمارے ہیں، آپ کا کام صرف ابلاغ (پسچاہی) ہے۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا، اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے، کیوں کہ آپ کی قوم یہی زبان بولتی اور سمجھتی ہے۔

(۴) اُمُّ الْقُرْبَى کے کا نام ہے۔ اسے ”بُشِّیوں کی مال“ اس لیے کہا گیا کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ گویا یہ تمام بُشِّیوں کی مال ہے جنہوں نے اسی سے جنم لیا ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا میں اس کے شرق و غرب کے تمام علاقوں شامل ہیں۔ ان سب کو ڈرائیں کہ اگر وہ کفر و شرک سے تائب نہ ہوئے تو عذاب اللہ کے مستحق قرار پا کیں گے۔

(۵) قیامت والے دن کو جمع ہونے والا دن اس لیے کہا کہ اس میں اگلے چھٹے تمام انسان جمع ہوں گے علاوہ ازیں ظالم مظلوم اور مومن و کافر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا سے ہبہ و رہوں گے۔

(۶) جو اللہ کے حکمتوں کو بجا لایا ہو گا اور اس کی منہیات و محربات سے دور رہا ہو گا وہ جنت میں اور اس کی نافرمانی اور محربات کا رتکاب کرنے والا جنم میں ہو گا۔ یہی دو گروہ ہوں گے۔ تیراً گروہ نہیں ہو گا۔

(۷) اس صورت میں قیامت والے دن صرف ایک ہی گروہ ہوتا یعنی اہل ایمان اور اہل جنت کا لیکن اللہ کی حکمت و مشیت نے اس جبراً کو پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں کو آزمائے کے لیے اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی، جس نے اس آزادی کا صحیح استعمال کیا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گیا، اور جس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے ظلم کا ارتکاب کیا کہ اللہ کی دی ہوئی آزادی اور اختیار کو اللہ ہی کی نافرمانی میں استعمال کیا۔ چنانچہ ایسے ظالموں کا قیامت والے دن کوئی مددگار نہیں ہو گا۔

اور ظالموں کا حامی اور مددگار کوئی نہیں۔^(۸)

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنایے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔^(۹)

اور جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے،^(۱۰) یہی اللہ میرارب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھلکتا ہوں۔^(۱۱)

وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنادیے ہیں^(۱۲) اور چوپاپیوں کے جوڑے بنائے ہیں^(۱۳) تمہیں وہ اس میں پھیلا رہا ہے^(۱۴) اس جیسی کوئی چیز نہیں^(۱۵) وہ سننے اور

لَمْ يَخْدُوا مِنْ دُونِهِ أَوْ لِيَاءَ، قَالَهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحِبُّ
الْمَوْتَ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَمَا اخْتَلَقُتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحَكْمَةُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّ
عَلَيْهِ تَوَكِّلُتُمْ وَإِلَيْهِ أَنْتُمْ ۝

فَاطِرُ الْكَوْثَابِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لِكُمْ مِنَ الْقِسْطَمُ أَذْوَاجًا
وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَذْوَاجًا يَدْرُؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلَهِ
شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

(۱) جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو ولی اور کارساز مانا جائے ز کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے، اور جو سننے اور جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں، نہ نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

(۲) اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں آپس میں اختلافات ہیں اور ہر نہ ہب کا پیر و کار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین سچا ہے، دراں ہائیک سارے دین بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے۔ سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا میں سچا دین اور حق کا راست پہچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے۔ لیکن دنیا میں لوگ اس کلام الہی کو اپنا حکم اور ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بالآخر پھر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور پھر کو جنت میں اور دوسروں کو جنم میں داخل فرمائے گا۔

(۳) یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمہاری جنس سے ہی اس نے تمہارے جوڑے بنائے، ورنہ اگر تمہاری بیویاں انسانوں کے بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمہیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔

(۴) یعنی یہی جوڑے بنانے (مذکروں مونث) کا سلسلہ ہم نے چوپاپیوں میں بھی رکھا ہے، چوپاپیوں سے مراد وہی نہ اور مادہ آنہجائز ہیں جن کا ذکر سورۃ الانعام میں کیا گیا ہے۔

(۵) يَذْرُؤُكُمْ کے معنی پھیلانے یا پیدا کرنے کے ہیں یعنی وہ تمہیں کثرت سے پھیلا رہا ہے۔ یا اس بعد نسل پیدا کر رہا ہے۔ انسانی نسل کو بھی اور چوپاٹے کی نسل کو بھی فِيهِ کامطلب ہے فی ذلِكَ الْخَلْقِ عَلَىٰ هَذِهِ الصِّفَةِ یعنی اس پیدائش میں اس طریقے پر وہ تمہیں ابتداء سے پیدا کرتا آ رہا ہے۔ یا "رحم میں" یا "بیٹھ میں" مراد ہے۔ یا فِيهِ بمعنی بھی ہے یعنی تمہارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمہیں پیدا کرتا یا پھیلا تا ہے کیوں کہ یہ زوجیت ہی نسل کا سبب ہے۔ (فتح القدير و ابن کثیر)

(۶) نہ ذات میں نہ صفات میں، پس وہ اپنی نظر آپ ہی ہے، واحد اور بے نیاز۔

دیکھنے والا ہے۔^(۱)

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں،^(۱) جس کی چاہے روزی کشادہ کروے اور نگ کروے، یقیناً وہ ہر چیز کو جانے والا ہے۔^(۲)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے، اور جس کا تائیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا^(۲) تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا^(۳) اور اس میں بھوث نہ^(۴) ڈالنا جس چیز کی طرف آپ

لَهُ مَقَالِيدُ التَّهْوِيْتِ وَالْأَرْضُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِنَّ
يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ يُحِلُّ شَيْءًا عَلَيْهِ^(۵)

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الَّذِيْنَ مَا وَطَىٰ بِهِ نُوحاً وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا
إِلَيْكُمْ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَىٰ وَعِنْسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا
الَّدِيْنَ وَلَا تَتَغَرَّبُوا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا
تَدْعُوْهُمُ الْيَهُوَةُ اللَّهُ يَعْلَمُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مَنْ يَشَاءُ
وَبِهِمْ دَعَى إِلَيْهِ مَنْ شَاءَ^(۶)

(۱) مَقَالِيدُ، مِقْلِيدُ اور مِفَلَادُ کی جمع ہے۔ خزانے یا چانیاں۔

(۲) شَرَعَ کے معنی ہیں، بیان کیا، واضح کیا اور مقرر کیا، لَكُمْ (تمہارے لیے) یہ امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تمہارے لیے وہی دین مقرر یا بیان کیا ہے جس کی وصیت اس سے قبل تمام انبیا کو کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں چند جلیل القدر انبیا کے نام ذکر فرمائے۔

(۳) الَّذِيْنَ سے مراد، اللہ پر ایمان، توحید، اطاعت رسول اور شریعت الیہ کو مانتا ہے۔ تمام انبیا کا یہی دین تھا جس کی وہ دعوت اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے۔ اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور منیج میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے جیسا کہ فرمایا ﴿لَكُمْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ — (المائدۃ: ۳۸)^(۷) لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترکہ تھے۔ اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ہم انبیا کی جماعت علاقی بھائی، ہیں، ہمارا دین ایک ہے۔ (صحیح بخاری وغیرہ) اور یہ ایک دین وہی توحید و اطاعت رسول ہے، یعنی ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے جن میں دلائل باہم مختلف یا متعارض ہوتے ہیں یا جن میں کبھی فہم کا بیان اور تقاضہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان میں اجتماع یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے اس لیے یہ مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید و اطاعت، فروعی نہیں، اصولی مسئلہ ہے جس پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہے۔

(۴) صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت و اثنالف کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا، افتراق و انتشار انگریزی ہے، جس سے "بھوث نہ ڈالنا" کہہ کر منع کیا گیا ہے۔

انہیں بلا رہے ہیں وہ تو (ان) مشرکین پر گران گزرتی ہے،^(۱) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے^(۲) اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔^(۳)^(۴)

ان لوگوں نے اپنے پاس علم آجائے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے^(۵) اور اگر آپ کے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کے لیے پہلے ہی سے قرار پائی ہوئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کافیصلہ ہو چکا ہوتا^(۶) اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۷)^(۸)

پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی^(۹) سے جم جائیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں^(۱۰) اور کہ دیں کہ اللہ تعالیٰ

وَمَا نَفَرُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ إِلَّا عِلْمٌ بِعْدَ مَا يَنْهَا
وَلَوْلَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمٍّ لَفِي ضَيْضَى
سَيِّئَتْهُمْ وَلَأَنَّ الَّذِينَ أُرْتُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَيْءٍ
مُّنْهَى مُرْتَبٍ^(۱۱)

فَلَذِلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتُ وَلَا تَنْهِيْعَ أَهْوَاءَهُمْ
وَقُلْ أَمْنَتْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْمَلُ

(۱) اور وہ وہی توحید اور اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔

(۲) یعنی جس کو ہدایت کا مستحق سمجھتا ہے، اسے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔

(۳) یعنی اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کر دیتا ہے جو اس کی اطاعت و عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۴) یعنی انسوں نے اختلاف اور تفرق کا راستہ علم یعنی ہدایت آجائے اور اتمام جنت کے بعد اختیار کیا، جب کہ اختلاف کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن محض بعض و عناد، ضد اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ اس سے بعض نے یہود اور بعض نے قریش کہ مراد ہے ہیں۔

(۵) یعنی اگر ان کی بابت عقوبت میں تاخیر کافیصلہ پہلے سے نہ ہو تو فوراً عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا۔

(۶) اس سے مراد یہود و نصاری ہیں جو اپنے سے ما قبل کے یہود و نصاری کے بعد کتاب یعنی تورات و انجیل کے وارث بنائے گئے۔ یا مراد عرب ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا اور انہیں قرآن کا وارث بنایا۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے ”الکتاب“ سے تورات و انجیل اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۷) یعنی اس تفرق اور شک کی وجہ سے، جس کا ذکر پہلے ہوا، آپ ان کو توحید کی دعوت دیں اور اس پر جمے رہیں۔

(۸) یعنی انسوں نے اپنی خواہش سے جو چیزیں گھٹلی ہیں، مثلاً ہتوں کی عبادت وغیرہ، اس میں انکی خواہش کے چیजیں مت چلیں۔

نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہو۔^(۱) ہمارا اور تم سب کا پروار دگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں، ہم تم میں کوئی کٹ جھتی نہیں^(۲) اللہ تعالیٰ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹا ہے۔^(۱۵)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں جھگڑا ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ (خالق) اسے مان چکی^(۳) ان کی کٹ جھتی اللہ کے زدیک باطل ہے،^(۴) اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔^(۱۶)

اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی (اتاری ہے)^(۵) اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت

بَيْنَكُمْ أَنَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ
حُجَّةٌ بِمَا نَعْلَمْ وَبَيْنَكُمْ أَنَّهُ يَعْلَمُ بِمَا يَعْلَمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ^(۶)

وَالَّذِينَ يُحَاجِجُونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا أَنْتَ هُدِيْجَيْتَ لَهُ حُجَّتُهُمْ
دَاهِيْجَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ^(۷)

اللَّهُ أَلَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ قَوْيِيْبٌ^(۸)

(۱) یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاوے گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

(۲) یعنی کوئی جھگڑا نہیں، اس لیے کہ حق ظاہر اور واضح ہو چکا ہے۔

(۳) یعنی یہ مشرکین مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات مان لی ہے، تاکہ انہیں پھر راہ ہدایت سے ہٹا دیں۔ یا مراد یہود و نصاری ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی بھی تمہارے نبی سے پسلے ہوا ہے، اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں۔

(۴) دَاهِيْجَةٌ کے معنی کمزور، باطل، جس کو ثبات نہیں۔

(۵) الْكِتَابَ سے مراد جنس ہے یعنی تمام پیغمبروں پر جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں، وہ سب حق اور بھی تھیں۔ یا بطور خاص قرآن مجید مراد ہے اور اس کی صداقت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ میزان سے مراد عدل و انصاف ہے۔ عدل کو ترازو سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ یہ برابری اور انصاف کا آل ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگوں کے درمیان برابری ممکن ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیات بھی ہیں۔ ﴿ لَقَدْ أَرَسْلَنَا لُكْلَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْفِسْطِ ﴾

(الْحَدِيدَ،^(۹) ۲۵) یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ ﴿ وَالشَّمَاءُ رَقَبَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ * الْأَنْطَغُوا فِي الْمِيزَانِ * وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُفْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴾ (سورہ الرحمن، ۲۰) ”اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تو نے میں کی بیش نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو صحیک رکھو اور توں میں کمی نہ کرو۔“

قریب^(۱) ہی ہو۔^(۷)

اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے^(۲) اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈر رہے ہیں^(۳) انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے۔ یاد کرو جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں،^(۴) وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔^(۵)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، جسے چاہتا ہے کشاورہ روزی دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت، بڑے غلبہ والا ہے۔^(۶)

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو، تم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے^(۷) اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو، تم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے،^(۸) ایسے

يَسْتَعِجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ أَمْنَوْا
مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحُقْقُ الْأَكْرَبُ الَّذِينَ
يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لِفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝

اللَّهُ لِطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزَدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ
كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نَوْرَتْهُ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ
مِنْ نَصِيبٍ ۝

(۱) قریب، مذکرا اور منسٹ دونوں کی صفت کے لیے آجاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ موصوف منسٹ غیر حیقی ہو۔ ﴿إِنَّ حَرْثَ
اللَّهِ قَرِيبٌ بَيْنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ - (فتح القدیر)

(۲) یعنی استہزا کے طور پر یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کو آنا ہی کماں ہے؟ اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت جلدی آئے۔

(۳) اس لیے کہ ایک تو ان کو اس کے وقوع کا پورا یقین ہے۔ دوسرے ان کو خوف ہے کہ اس روز بے لاگ حساب ہو گا، کہیں وہ بھی مؤاخذہ اللہ کی زدیں نہ آجائیں۔ جیسے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿فَالَّذِينَ يَتَوَّلُونَ مَا إِنَّمَا تَوَّلُهُمْ وَجْهَهُ
الْهُنْدَلِيَّ يَتَمَرَّلُهُمْ﴾ (المؤمنون، ۲۰)

(۴) یُمَارُونَ، مُمَارَةً سے ہے جس کے معنی لڑنا جھگڑنا ہیں۔ یا مزیدہ سے ہے، بمعنی ریب و شک۔

(۵) اس لیے کہ وہ ان دلائل پر غور و فکر ہی نہیں کرتے جو ایمان لانے کے موجب بن سکتے ہیں حالانکہ یہ دلائل روز و شب ان کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اور ان کی عقل و فہم میں آسکتے ہیں۔ اس لیے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

(۶) حَرْثُ کے معنی ختم ریزی کے ہیں۔ یہاں یہ بہ طریق استعارہ اعمال کے ثمرات و فوائد پر بولا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال و محنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا کہ ایک ایک نیکی کا اجر دس گناہ سے لے کر سات سو گناہ کے اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔

(۷) یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور لقدری

شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔^(۱) (۲۰)

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر کے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔^(۲) اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کروایا جاتا۔ یقیناً (ان) ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔^(۳) (۲۱)

آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے^(۴) جن کے وبال ان پر واقع ہونے والے ہیں،^(۵) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ بہترین کے باغات میں ہوں گے وہ جو خواہش کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے یہی ہے بڑا فضل۔^(۶) (۲۲)

یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور (سنن کے مطابق) نیک عمل کیے تو کہہ دیجئے؟ کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلت نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی،^(۷) جو شخص کوئی نیکی

أَمْ لَهُمْ شَرِكُوا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الْبَيْنِ مَا لَكُمْ يَأْذِنُ
بِوَاللَّهِ وَلَا كَلِمَةُ الْفَضْلِ لَغُصْنِيَّتِهِمْ
وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۸)

ثَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِنَ أَكَسْبُوا وَهُوَ أَقْعُ
بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ فِي رُوضَتِ
الْجَنَّةِ لَهُمْ مَا يَسَأُونَ إِنَّ رَبَّهُمْ ذَلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ^(۹)

ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ أَهْلَهُ عِبَادَةُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَاتِ
فَلَمَّا آتَنَاكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا لَا مُوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى وَمَنْ يَعْلَمُ
حَسَنَةً تُزِيدُهُ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا حُسْنًا لَا قَاتِلَهُ غَمْرَةٌ شَكُورٌ^(۱۰)

کے مطابق ہوتی ہے۔

(۱) یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بنی اسرائیل^{۱۸} میں بھی بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے، کیوں کہ وہ سب کی روزی کا ذمہ لئے ہوئے ہے، طالب دنیا کو بھی اور طالب آخرت کو بھی۔ تاہم جو طالب آخرت ہو گا یعنی آخرت کے لیے کسب و مخت کرے گا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے اضعاً فاً مُضَاعِفةً اجر و ثواب عطا فرمائے گا، جب کہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جنم کے عذاب کے کچھ نہیں ہو گا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لیتا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالب دنیا بننے میں ہے یا طالب آخرت بننے میں۔

(۲) یعنی شرک و معاصی؛ جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے، ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔

(۳) یعنی قیامت والے دن۔

(۴) حالانکہ ڈرنا بے فائدہ ہو گا کیوں کہ اپنے کیے کی سزا تو انہیں بہر حال بھکتی ہو گی۔

(۵) قبائل قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں

کرے ہم اس کے لیے اس کی نیکی میں اور نیکی بڑھا دیں گے۔^(۱) پیشک اللہ تعالیٰ بست بخشنے والا (اور) بست قدر دان ہے۔^(۲) (۲۳)

کیا یہ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر مر لگادے^(۳) اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے جھوٹ کو مٹا دیتا ہے^(۴) اور حج کو

أَمْرِيْقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا قَاتَنْ يَقِيْنَ اللَّهَ يَعْلَمُ عَلَى
قَلْبِكَ وَيَعْلَمُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيَعْلَمُ الْحَقَّ يَحْكُمُهُ إِنَّهُ

وعظ و نصحت اور تبلیغ و دعوت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ داری ہے، اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمہاری مرضی۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو، تم میرے دست و بازو نہیں بن سکتے تو رشتہ داری و قرابت کے ناطے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کا روٹہ تو نہ بنو کہ میں فریضہ رسالت ادا کر سکوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا نے اس کے معنی کے ہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ اصحاب البخاری 'تفسیر سورہ الشوریٰ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی اشرف ترین آل ہے اس سے محبت، اس کی تعظیم و توقیر جزو ایمان ہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث میں ان کی تکریم اور حفاظت کی تائید فرمائی ہے لیکن اس آیت کا کوئی تعلق اس موضوع سے نہیں ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی انہوں نے محدود کر دیا ہے، حضرت علی بن ابی ذئب و حضرت فاطمہ ؑ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انہیں معصوم اور الٰہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوه ازیں کفار کے سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہیں کیا جاتا ہے جو نبی ﷺ کی شان ارفع سے بہت ہی فروتنہ ہے آپ ﷺ کی تبلیغ کو قبول نہ کرنے کے باوجود عجیب بات ہے آپ ﷺ کی طلب تو صرف قرابت اور صلة رحمی کی بنیاد پر محبت برقرار رکھنے کی تھی پھر یہ آیت اور سورت کلی ہے جب کہ حضرت علی بن ابی ذئب اور حضرت فاطمہ ؑ کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا۔ یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود میں ہی نہیں آیا تھا جس کی خود ساختہ محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

(۱) یعنی اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔

(۲) اس لیے وہ پرده پوشی فرماتا اور معاف کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اجر دیتا ہے۔

(۳) یعنی اس الزام میں اگر صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مر لگادیتے، جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھر نے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو اس کی سخت ترین سزا دیتے۔

(۴) یہ قرآن بھی اگر باطل ہوتا (جیسا کہ مکذبین کا دعویٰ ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا دیتا، جیسا کہ اس کی

ثابت رکھتا ہے۔ وہ سینے کی باتوں کو جانے والا ہے۔^(۲۳)
وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے^(۱) اور
گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو
(سب) جانتا ہے۔^(۲۵)

ایمان والوں اور نیکوکار لوگوں کی سنتا ہے^(۲) اور انہیں
اپنے فضل سے اور بڑھا کر دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت
عذاب ہے۔^(۲۶)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو
وہ زمین میں فساد^(۳) برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے
ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں
سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔^(۲۷)

اور وہی ہے جو لوگوں کے نامید ہو جانے کے بعد بارش
بر ساتا ہے^(۴) اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی ہے

عَلَيْهِنَّ لِذَاتِ الصُّدُورِ^(۲)

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادَةٍ وَسَعْيٍ وَعَنِ النَّيَّابَاتِ
وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ^(۵)

وَيَسْجِبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَوْا الصِّلَاحَ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ

فَضْلِهِ وَالْكَفَرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ^(۶)

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادَةٍ لَعَوْافِ الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ

بِقَدَرِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ يَعْبُدُهُ حَيْرُ بَصِيرٌ^(۷)

وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا فَنَطَوْا وَيُنْشِرُ رَحْمَتَهُ^(۸)

عادت ہے۔

(۱) توبہ کا مطلب ہے، معصیت پر ندامت کا اظمار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا یا اس گناہ اور معصیت کے کام کو تونہ چھوڑنا اور توبہ کا اظمار کیے جانا، توبہ نہیں ہے۔ یہ استہزا اور نداق ہے۔ تاہم خالص اور کچھ توبہ اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

(۲) یعنی ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری فرماتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کے آداب و شرائط کا بھی پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ اور حدیث میں آتا ہے ”کہ اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے، صمرا، یا بان میں گم ہو جائے اور وہ نامید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جائے کہ اچانک اسے اپنی سواری مل جائے اور فرط مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب یعنی شدت فرح میں وہ غلطی کر جائے۔“ (صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب فی الحض على التوبة والفرح بها)

(۳) یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت و ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل رزق عطا فرمادیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہو تاکہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شروعہ اور بعی و عدو ان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا، جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔

(۴) جو انواع رزق کی پیداوار میں سب سے زیادہ مفید اور اہم ہے۔ یہ بارش جب نامیدی کے بعد ہوتی ہے تو اس نعمت کا صحیح احساس بھی اسی وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کرنے میں حکمت بھی یہی ہے کہ بندے اللہ کی

وَهُوَ الْوَلِيُّ الْعَيْنُ^(١)

وَمِنْ إِلَيْهِ خَلُقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَ فِيهِمَا

إِنْ دَائِبٌ وَهُوَ عَلَى جَمِيعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ^(٢)

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسِطَ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا

عَنْ كَثِيرٍ^(٣)

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِنِ الْهُوَ مِنْ

نعمتوں کی قدر کریں اور اس کا شکر بجالا میں۔

(۱) کارساز ہے، اپنے نیک بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، انیں منافع سے نوازتا اور شوروں و ملکات سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اپنے ان انعامات بے پایاں اور احسانات فراواں پر قابل حمد و شان ہے۔

(۲) دَائِبٌ (زمین پر چلنے پھرنے والا) کا الفظ عام ہے، جس میں جن و انس کے علاوہ وہ تمہارے شامل ہیں، جن کی شکلیں، رنگ، زبانیں، طبائع اور انواع و اجناس ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور وہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا۔

(۳) اس کا خطاب اگر اہل ایمان سے ہو تو مطلب ہو گا کہ تمہارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو تمہیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرمادیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مٹااغذہ نہیں فرمائے گی۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”مومن کو جو بھی تکلیف اور ہم و حزن پہنچتا ہے، حتیٰ کہ اس کے پیر میں کائنات بھی پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب المرضا، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، مسلم، کتاب البر، باب ثواب المؤمن فیما یصیبه من مرض)، اگر خطاب عام ہو تو مطلب ہو گا کہ تمہیں جو مصائب دنیا پہنچتے ہیں، یہ تمہارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگزر ہی فرمادیتا ہے یعنی یا تو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ یا ان پر فوری سزا نہیں دیتا۔ (اور عقوبات و تعریز میں تاخیر، یہ بھی ایک گونہ معافی ہی ہے) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿ وَلَوْيُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسْبُهُمْ أَمَّا رَكِّنَ عَلَى ظُهُورِهَا مِنْ دَآبَةٍ ﴾ (فاطر، ۵) ”اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مٹااغذہ شروع فرمادے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ رہے۔“ اسی مفہوم کی آیت النحل، ۶۱ بھی ہے۔

(۴) یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آسکو یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا

قُلِّيْ وَلَا تَصِيرُ^(١)

تمارے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کار ساز ہے نہ
سدگار۔^(۳۱)

اور دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اس کی
نشانیوں میں سے ہیں۔^(۳۲)

اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر
رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار
کے لیے نشانیاں ہیں۔^(۳۳)

یا انہیں ان کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے،^(۳۴) وہ تو
بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمایا کرتا ہے۔^(۳۵)

اور تاکہ جو لوگ ہماری نشانیوں میں جھگڑتے ہیں^(۳۶) وہ
معلوم کر لیں کہ ان کے لیے کوئی چھٹکارا نہیں۔^(۳۷)

تو تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا کچھ یونہی سا
اسباب ہے،^(۳۸) اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اس سے بدرجہ
بہتر^(۳۹) اور پائیدار ہے، وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے
اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔^(۴۰)

وَمِنْ أَيْتَهُ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْعَذَمِ^(۴۱)

إِنَّ يَشَائِنُكُنَ الرِّيحُ فَيَظْلَمُنَ رَوَادِدَ عَلَى ظَهِيرَةٍ فِي ذَلِكَ
كَلَيْتَ لِكُلِّ صَبَارٍ شَكُورٌ^(۴۲)

أُو يُوْبِقُهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ^(۴۳)

وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي أَيْتَنَا مَا الْهُمْ مِنْ قَيْمِنَ^(۴۴)

فَمَا أَوْتَنِيمُ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا يَعْنَدَ اللَّهُ
خَيْرٌ وَآيْنُلِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَوْمَ الْقُرْآنِ^(۴۵)

چاہیں، اس سے تم نجگجاو۔

(۱) الجِوَارِ يَا الْجَوَارِيْ جَارِيَةٌ (چلنے والی) کی جمع ہے، ‘بمعنی کشتیاں، جہاز’ یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں، ورنہ اگر وہ حکم دے تو یہ سمندروں میں ہی کھڑے رہیں۔

(۲) یعنی سمندر کو حکم دے اور اس کی موجودوں میں طغیانی آجائے اور یہ ان میں ڈوب جائیں۔

(۳) ورنہ سمندر میں سفر کرنے والا کوئی بھی سلامتی کے ساتھ واپس نہ آسکے۔

(۴) یعنی ان کا انکار کرتے ہیں۔

(۵) یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کہیں بھاگ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

(۶) یعنی معمولی اور حیرت ہے، چاہے قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس سے دھوکے میں بٹانا ہونا، اس لیے کہ یہ عارضی اور فالی ہے۔

(۷) یعنی نیکیوں کا جواز و ثواب اللہ کے ہاں ملے گا وہ متاع دنیا سے کہیں زیادہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی، کیوں کہ اس کو زوال اور فنا نہیں، مطلب ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو، ایسا کرو گے تو پچھتاوے گے۔

اور کیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں۔ (۱۷) (۳)

اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں^(۲) اور نماز کی پابندی کرتے ہیں^(۳) اور ان کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے،^(۴) اور جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے (ہمارے نام پر) دیتے ہیں۔^(۳۸)

وَالَّذِينَ يَجْتَهِيُونَ كُلَّ يَمْرُدٍ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا
عَصَمُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿١٢﴾

وَالَّذِينَ اسْجَابُوا الرَّبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى
بِنِيهِمْ وَمِتَارِزَقْنَاهُمْ يَنْقُونَ ﴿٦﴾

(۱) یعنی لوگوں سے عفو و درگز کرنا ان کے مزاج و طبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے۔ «مَا النَّفِقَ مِنْ نَفْسٍ قَطُّ إِلَّا أَنْ تُشَهِّدَ حُرُمَاتُ اللَّهِ». (البخاری، کتاب الأدب، باب يسروا لا تعسروا۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته صلی اللہ علیہ وسلم للثاتم) ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا توڑا جاتا۔ آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔“

(۲) یعنی اس کے حکم کی اطاعت، اس کے رسول کا اتباع اور اس کے زواجر سے اجتناب کرتے ہیں۔
 (۳) نماز کی یابندی اور اقامت کا بطور خاص ذکر کیا کہ عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

(۲) شُورَى، کالفظِ ذِکْرَی اور بُشْرَی کی طرح بابِ مفاضلہ سے اسمِ مصدر ہے۔ یعنی اہل ایمان ہر اہم کام باہمی مشاورت سے کرتے ہیں، اپنی ہی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے مشورہ کرو (آل عمران ۱۵۹) چنانچہ آپ جنگی معاملات اور دیگر اہم کاموں میں مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاملے کے مختلف گوشے واضح ہو جاتے۔ حضرت عمر بن عثمانؓ جب نیزے کے وار سے زخمی ہو گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امرِ خلافت میں مشاورت کے لیے چھ آدمی نامزد فرمادیے۔ عثمانؓ علیؓ طلحہؓ زبیرؓ سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ انہوں نے باہم مشورہ کیا اور دیگر لوگوں سے بھی مشاورت کی اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو خلافت کے لیے مقرر فرمادیا۔ بعض لوگ مشاورت کے اس حکم اور تائید سے ملوکیت کی تردید اور جمورویت کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ مشاورت کا اہتمام ملوکیت میں بھی ہوتا ہے۔ بادشاہ کی بھی مجلس مشاورت ہوتی ہے، جس میں ہر اہم معاملے پر سوچ بچار ہوتا ہے اس لیے اس آیت سے ملوکیت کی نفع قطعاً نہیں ہوتی۔ علاوه ازیں جمورویت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے۔ مشاورت ہر کو وہ مدد سے نہیں ہو سکتی، نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ مشاورت کا مطلب ان لوگوں سے مشورہ کرنا ہے جو اس معاملے کی نزاکتوں اور ضرورتوں کو سمجھتے ہیں جس میں مشورہ درکار ہوتا ہے۔ جیسے بلڈنگ، پل وغیرہ بنانا ہو تو، کسی تانگے بان، درزی یا رکشہ ڈرائیور سے نہیں، کسی انجینئر سے مشورہ کیا جائے گا، کسی مرض کے بارے میں مشورے کی ضرورت ہوگی تو طب و حکمت کے ماہرین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جب کہ جمورویت میں اس کے بر عکس ہر بالغ شخص کو مشورے کا اہل سمجھا جاتا ہے، چاہے وہ کورا ان

اور جب ان پر ظلم (وزیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے
ہیں۔^(۳۹)

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے،^(۴۰) اور جو معاف کر
دے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، (فی
الواقع) اللہ تعالیٰ طالموں سے محبت نہیں کرتا۔^(۴۰)

اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (براہ رکا) بدلہ
لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں۔^(۴۱)
یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود و سروں پر ظلم
کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہ لوگ
ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۴۲)

اور جو شخص صبر کر لے اور معاف کر دے یقیناً یہ بڑی
ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے۔^(۴۳)

اور جسے اللہ تعالیٰ بہ کادے اس کا اس کے بعد کوئی چارہ ساز
نہیں، اور تو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے
ہوں گے کہ کیا وہ اپس جانے کی کوئی راہ ہے۔^(۴۴)

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبُغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ④

وَحَزَرُوا سَيِّئَةً سَيِّئَةً مُّتَشَهِّدِينَ فَمَنْ عَفَأَوْ أَصْلَحَ
فَأَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَيُحِبُّ الظَّالِمِينَ ⑤

وَلَمَّا اتَّصَرَّ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ
سَيِّئَاتِهِ ⑥

إِنَّمَا الشَّيْءُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَ يَبْغُونَ فِي
الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑦

وَلَمَّا صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمَّا عَرِمَ الْأَمْوَارِ ⑧

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَآ لَهُ مِنْ قَوْلٍ إِنَّمَا يَعْدِدُ وَتَرَى الظَّالِمِينَ
إِنَّمَا أَوْعَدُ الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَى مَرْدَقٍ مِّنْ سَيِّئَاتِهِ ⑨

پڑھ، بے شعور اور امور سلطنت کی نزاکتوں سے یکسر بے خبر ہو۔ بنابریں مشاورت کے لفظ سے جمورویت کا اثبات، تحریک
اور دھاندی کے سوا کچھ نہیں، اور جس طرح سو شلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگانے سے سو شلزم مشرف بہ اسلام نہیں
ہو سکتا، اسی طرح ”جمورویت“ میں ”اسلامی“ کی پیوند کاری سے مغربی جمورویت پر خلافت کی قرار است نہیں آسکت۔
مغرب کا یہ پوذا اسلام کی سرزی میں پر نہیں پنپ سکتا۔

(۱) یعنی بدلہ لینے سے وہ عاجز نہیں ہیں، اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود وہ معافی کو ترجیح دیتے
ہیں جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کہ واے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لیے غنوماں کا اعلان فرمادیا، حدیبیہ میں
آپ نے ان ۸۰ آدمیوں کو معاف کر دیا، جنہوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے بدلہ
نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ عورت کو آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا
تھا، جس کی تکلیف آپ دم واپسیں تک محسوس فرماتے رہے، صلی اللہ علیہ وسلم (ابن کثیر)

(۲) یہ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی
کہا گیا ہے۔

اور تو انیں دیکھے گا کہ وہ (جنم کے) سامنے لاکھڑے کے جائیں گے مارے ذلت کے جھکے جا رہے ہوں گے اور کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ایمان والے صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاد کار وہ ہیں جنہوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہیں۔^(۱) (۳۵)

ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ تعالیٰ سے الگ ان کی امداد کر سکیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں۔^(۲) (۳۶)

اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پسلے کہ اللہ کی جانب سے وہ دن آجائے جس کا ہٹ جانا ناممکن^(۳) ہے، تمیں اس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چھپ کر انجان بن جانے کی۔^(۴) (۳۷)

اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنانے کر

وَتَرَاهُمْ يَعْرُضُونَ عَلَيْهَا الْخَيْرِيْنَ مِنَ الدُّلُّ يُنْظَرُونَ مِنْ طَرْفِ خَيْرٍ وَقَالَ الَّذِينَ أَمْنَوْا إِنَّ الْخَيْرِيْنَ الَّذِينَ حَسِّرُوا أَنْفُسُهُمْ وَأَهْلِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِيْنَ فِي عَدَابٍ مُّغْنِيْهِ^(۵)

وَمَا كَانَ لَكُمْ مِنْ أُولَيَاءِ يَصْرُونَ هُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَنْ يُضْلِلَ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَيِّنِي^(۶)

إِسْجِيْبُوا إِلَيْنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَنَا يَوْمُ لِمَرْدَلَهِ مِنَ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ شَلْعَاجِيْلَهِ يَوْمَيْدَهِ وَمَا لَكُمْ مِنْ بَيْكِيرَ^(۷)

فَإِنَّ أَعْظُمُوا فِي أَرْسَلَنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظَنَا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا بَلْغَهُ تَرَاهَا

(۱) یعنی دنیا میں یہ کافر ہمیں یہ تو ف اور دنیوی خسارے کا حامل بحثتے تھے، جب کہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے اور دنیا کے خاروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے۔ وہ جنہوں نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظر انداز کیے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں یا وہ جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں، جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

(۲) یعنی جس کو روکرنے اور نالئے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔

(۳) یعنی تمہارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہو گی کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پہچانے نہ جاسکو یا نظر میں نہ آسکو جیسے فرمایا ہے **يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَيْدَهِ أَيْنَ الْمَغْتَرُ * إِلَيْنِكَ يَوْمَيْدَهِ الْمُسْتَقْرَ**^(۸) (القيامة: ۲۰-۲۱) "اس دن انسان کے گا، کہیں بھاگنے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہو گی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہو گا۔" یا تکمیر بمعنی انکار ہے کہ تم اپنے گناہوں کا انکار نہ کر سکو گے کیوں کہ ایک تو وہ سب لکھے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے خود انسان کے اعضا بھی گواہی دیں گے۔ یا جو عذاب تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے دیا جائے گا تم اس عذاب کا انکار نہیں کر سکو گے، کیوں کہ اعتراف گناہ کے بغیر تمہیں چارہ نہیں ہو گا۔

نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا رینا ہے،^(٤) ہم جب کبھی انسان کو اپنی مربوی کا مزہ پکھاتے^(٥) ہیں تو وہ اس پر اترا جاتا ہے^(٦) اور اگر انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت^(٧) پکھتی ہے تو بے شک انسان بڑا ہی نا شکرا ہے۔^(٨) (٣٨)

آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے^(٩) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔^(١٠) یا انہیں جمع کر دیتا ہے^(١١) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے

إِذَا أَذَّ مِنَ الْأَنْسَانَ مِنَارَجَهُ فَرَحَ بِهَا وَإِنْ شَبَّهُمْ سَيِّدَهُ
بِمَا قَدَّمْتُ أَيْنِيهِمْ فَإِنَّ الْأَنْسَانَ كَفُورٌ

۱۷۳

يَلِهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِنَّمَّا يَعْبُدُ لِنَنْ
يَشَاءُ إِنَّا لَا نَعْبُدُ لِمَنْ يَشَاءُ إِلَّا الذُّكُورَ

۱۷۴
أَوْ بِرَزْقِهِمْ ذَكْرًا إِنَّا لَا نَرْجِعُ عَلَيْهِمْ مِمَّا أَعْمَلُوا إِنَّهُ عَلَيْهِمْ

(١) یعنی دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدًى مِّنْهُ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (البقرة: ٢٤٢) اور ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ
الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ — (الرعد: ٣٠) ﴿فَذَكِّرْ إِنَّا أَنَّتُ مُذَكَّرٌۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُضِيِّطٍ﴾ (الغاشية: ٢٢، ٢١) ان سب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذمے داری صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچادیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی، کیوں کہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

(٢) یعنی وسائل رزق کی فراوانی، صحت و عافیت، اولاد کی کثرت، جاہ و منصب وغیرہ۔

(٣) یعنی تکبیر اور غور کاظمار کرتا ہے، ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کاظمار ہونا، ناپسندیدہ امر نہیں، لیکن وہ تحدیث نعمت اور شکر کے طور پر ہونہ کہ فخر و ریا اور تکبیر کے طور پر۔

(٤) مال کی کمی، بیماری، اولاد سے محرومی وغیرہ۔

(٥) یعنی فوراً نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے اور متنعِمْ (نعمتیں دینے والے) کو بھی۔ یہ انسانوں کی غالب اکثریت کے اعتبار سے ہے جس میں ضعیف الایمان لوگ بھی شامل ہیں۔ لیکن اللہ کے نیک بندے اور کامل الایمان لوگوں کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ وہ تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ أَصَابَتَهُ سَرَّاءً شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتَهُ ضَرَّاءً صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَلَيْسَ ذَلِكَ لَا حَدَّ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ (صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب المؤمن من أمره خير كلہ)

(٦) یعنی کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا، نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

(٧) یعنی جس کو چاہتا ہے، مذکور اور منشد دونوں دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے لوگوں کی چار فتیمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ جن کو صرف بیٹے دیئے۔ دوسرے، وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرا وہ جن کو بیٹے، بیٹیاں دونوں اور چوتھے، وہ جن کو بیٹا

قَدِيرٌ ①

چاہے بانجھ کر دتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔^(۵۰)

ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی^(۱) کرے، بیشک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔^(۵۱)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے،^(۲) آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟^(۳) لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں،^(۴) بیشک آپ راہ راست

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُحَكِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَأْيٍ جَمَابٌ
أَوْ يُرِسِّلَ رَسُولًا مُّبِينًا بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٌ^②

وَكَذَلِكَ أَوْجَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَذَكَّرُ فِي نَالِكَتِبِ
وَلَا إِلَهَ مُّنَاهَٰنُ وَلِكُنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا لِّهُمْ بِهِ مَنْ شَاءَ مِنْ عَبْدَنَا
وَإِنَّكَ لَتَهْمَدُ إِلَىٰ صَرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ^③

نہ بیٹی۔ لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت اللہ کو دنیا کی کوئی طاقت بدلتے پر قادر نہیں ہے۔ یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے۔ باپوں کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا باپ ہے نہ مال۔ ۲۔ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام سے یعنی مرد سے پیدا کیا، ان کی مال نہیں ہے۔ ۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں ہے۔ ۴۔ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے۔ ان کے باپ بھی ہیں اور ماں بھی۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ الْعَلِيمِ
الْفَدِيرِ (اہن کثیر)

(۱) اس آیت میں وحی اللہ کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ذال و نیایا خواب میں بتا دیتا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری، پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا۔ تیسرا، فرشتے کے ذریعے اپنی وحی بھیجننا، جیسے جبرايل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔

(۲) رُوحُ سے مراد قرآن ہے۔ یعنی جس طرح آپ سے پہلے اور رسولوں پر ہم وحی کرتے رہے، اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کی وحی کی۔ ہے۔ قرآن کو روح سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے روح میں انسانی زندگی کا راز مضمون ہے۔

(۳) کتاب سے مراد قرآن ہے، یعنی نبوت سے پہلے قرآن کا بھی کوئی علم آپ کو نہیں تھا اور اسی طرح ایمان کی ان تفصیلات سے بھی بے خر تھے جو شریعت میں مطلوب ہیں۔

(۴) یعنی قرآن کو نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے ہم ہتے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔

کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ (۵۲)

اس اللہ کی راہ کی جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین
کی ہر چیز ہے۔ آگاہ رہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف
لوئے ہیں۔ (۵۳)

سورہ زخرف کی ہے اور اس میں نواسی آئیں ہیں اور
سات رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

حِمٌ۔ (۱) قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ (۲)
ہم نے اسکو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے (مگر تم سمجھ لو۔) (۳)
یقیناً یہ لوح حفظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ
حکمت (۴) والی ہے۔ (۵)

صَرَاطُ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ إِلَّا إِلَيْهِ
اللَّهُ تَعَالَى أَمْوَالُهُ ۝

سُورَةُ الزُّخْرُفِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حِمٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝

إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لِّعَلَّكُمْ تَعْقَلُونَ ۝

وَإِنَّهُ فِي أُمُّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا الْعِلْمُ حَكِيمٌ ۝

مطلوب یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت و رہنمائی انہی کو ملتی ہے جن میں ایمان کی طلب اور تربیت ہوتی ہے وہ اسے طلب ہدایت کی نیت سے پڑھتے، سنتے اور غورو فکر کرتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی مد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لیے ہموار کر دیتا ہے جس پر وہ چل پڑتے ہیں ورنہ جو اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیں، کانوں میں ڈاٹ لگالیں اور عقل و فہم کو ہی بروئے کارنے لائیں تو انہیں ہدایت کیوں کر نصیب ہو سکتی ہے، جیسے فرمایا۔ ﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُمَّ أَمْوَالُهُمْ وَأَيْمَانُهُمْ وَأَذْانُهُمْ وَفُرُودُهُمْ وَعَيْنُهُمْ مَعْنَىٰ أُولَئِكَ يُنَذَّلُونَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ۝﴾ (سورہ حِمٌ السجدة، ۳۲)

(۱) یہ صراط مستقیم، اسلام ہے۔ اس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے جس سے اس راستے کی عظمت و فخامت شان واضح ہوتی ہے اور اس کے واحد راہ نجات ہونے کی طرف اشارہ بھی۔

(۲) یعنی قیامت والے دن تمام معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہو گا، اس میں سخت وعدید ہے، جو مجازات (جزا و سزا) کو مستلزم ہے۔

(۳) بودنیا کی فصح ترین زبان ہے، دوسرے، اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، انہی کی زبان میں قرآن اتارا تاکہ وہ سمجھنا چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۴) اس میں قرآن کریم کی اس عظمت اور شرف کا بیان ہے جو ملائی اعلیٰ میں اسے حاصل ہے تاکہ اہل زمین بھی اس کے شرف و عظمت کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس

کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔^(۱) (۵)

اور ہم نے اگلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے۔^(۶)
جو نبی ان کے پاس آیا انہوں نے اس کامہات اڑایا۔^(۷)
پس ہم نے ان سے زیادہ زور آوروں^(۸) کوتباہ کروالا اور
اگلوں کی مثال گزر چکی ہے۔^(۹) (۸)

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو
کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہو گا کہ انہیں
غالب و دانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے۔^(۱۰) (۹)

وہی ہے جس نے تمارے لیے زمین کو فرش (بچھونا)^(۱۱)

آنضرِبْ عَنْكُمُ الَّذِي كُوْصَفُهُ أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا شَرِيفِينَ ⑥

وَكُمْ أَرْسَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَلْأَقْلَىنَ ⑦
وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ تَبِعٍ إِلَّا كَانُوا يَهُوَ يَسْتَهْزِئُونَ ⑧
فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَمَضِيَ مَثَلُ الْأَقْلَىنَ ⑨

وَلَهُنَّ سَالِمُونَ مِنْ حَلَقَ التَّمَوُتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ
خَلَقْنَاهُنَّ الْعَنِيزُ الْعَلِيمُ ⑩

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَتَعْلَمُ

کے لیے اسے دنیا میں آتا گیا ہے اُمُّ الْكِتَابِ سے مراد لوح محفوظ ہے۔

(۱) اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں مثلاً۔ ۱- تم چوں کہ گناہوں میں بہت منہک اور ان پر مصر ہو، اس لیے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمہیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے؟ ۲- یا تمہارے کفر اور اسراف پر ہم تمہیں کچھ نہ کیں گے اور تم سے در گزر کر لیں گے۔ ۳- یا ہم تمہیں ہلاک کر دیں اور کسی چیز کا تمہیں حکم دیں نہ منع کریں۔ ۴- چوں کہ تم قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہو، اس لیے ہم ازال قرآن کا سلسلہ ہی بند کر دیں۔ پہلے مفہوم کو امام طبری نے اور آخری مفہوم کو امام ابن کثیر نے زیادہ پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے خیر اور ذکر حکیم (قرآن) کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ متوقف نہیں فرمایا، اگرچہ وہ اعراض و انکار میں حد سے تجاوز کر رہے تھے، تاکہ جس کے لیے ہدایت مقرر ہے وہ اس کے ذریعے سے ہدایت اپنائے اور جن کے لیے شفاقت لکھی جا چکی ہے ان پر جنت قائم ہو جائے۔

(۲) یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا (کانُوا أَكْثَرُهُمْ هُمْ وَأَشَدُّهُمْ تُوْتَةً) (المؤمن، ۸۲) ”وہ ان سے تعداد اور قوت میں کمیں زیادہ تھے۔“

(۳) یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ یا وصف متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس میں اہل مکہ کے لیے تہذید ہے کہ بچھلی قویں رسولوں کی مکنذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اگر یہ بھی مکنذیب رسالت پر مصر رہے تو ان کی مثل یہ بھی ہلاک کر دیے جائیں گے۔

(۴) لیکن اس اعتراف کے باوجود اپنی خلوقات میں سے بہت سوں کو ان نادانوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ اس میں ان کے جرم کی شناخت و قباحت کا بھی بیان ہے اور ان کی سفاہت و جمالت کا اظہار بھی۔

(۵) ایسا بچھونا، جس میں ثبات و قرار ہے، تم اس پر چلتے ہو، کھڑے ہوتے اور سوتے ہو اور جہاں چاہتے ہو، پھرتے ہو،

نَهْمَدُونَ ①

بُنِيَا اور اس میں تمہارے لیے راستے کر دیے تاکہ تم راہ
پالیا کرو۔^(۱۰)

اسی نے آسمان سے ایک اندازے^(۲) کے مطابق پانی
نازل فرمایا، پس ہم نے اس سے مردہ شر کو زندہ کر دیا۔
اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔^(۳)^(۴)

جس نے تمام چیزوں کے جوڑے^(۵) بنائے اور تمہارے
لیے کشیاں بنائیں اور چوپائے جانور (پیدا کیے) جن پر تم
سوار ہوتے ہو۔^(۶)

تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو^(۷) پھر اپنے رب کی
نعمت کو یاد کرو جب اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کمپاک
ذات ہے اس کی جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا
حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی^(۸) طاقت نہ تھی۔^(۹)

وَالَّذِي نَرَى مِنَ السَّمَاوَاتِ مَا مُنْقَدِرٌ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتَةً
كَذِيلَكَ تَحْرِجُونَ ②

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَنْوَاعَ مُلْكُهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفَلَكِ وَالْأَنْعَامِ
نَاءِرِكُمْ ③

لِتَسْتَوْا عَلَى ظُهُورِهِ لِتَغْنِدَ لَهُ زِينَةً رَبِّكُمْ إِذَا أَسْوَيْتُمْ
عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سَبِّحْنَ الَّذِي سَقَّلَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا
لَهُ مُقْرِنِينَ ④

اس نے اس کو پہاڑوں کے ذریعے سے جادیا تاکہ اس میں حرکت و جنبش نہ ہو۔

(۱) یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے راستے بنادیے تاکہ کاروباری، تجارتی اور دیگر مقاصد کے لیے تم آ جاسکو۔

(۲) جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے، کیونکہ قدر حاجت سے کم بارش ہوتی تو وہ تمہارے لیے مفید ثابت نہ ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی، جس میں تمہارے ڈوبنے اور ہلاک ہونے کا خطرو ہوتا۔

(۳) یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین شاداب ہو جاتی ہے، اسی طرح قیامت والے دن تمہیں بھی زندہ کر کے قبروں سے نکال لیا جائے گا۔

(۴) یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑنا، نزاور مادہ، نباتات، کھیتیاں، چھل، بھول اور حیوانات سب میں نزاور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندر ہمرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع و اقسام کا خالق اللہ ہے۔

(۵) لِسَنْسُتُوْفَا بِمَعْنَى لِسَنْقِرُوْا يَا لِسَنْتَعْلُوَا جم کر بیٹھ جاؤ یا چڑھ جاؤ۔ ظُهُورِہ میں ضمیر واحد باعتبار جس کے ہے۔

(۶) یعنی اگر ان جانوروں کو ہمارے تابع اور ہمارے بس میں نہ کرتا تو ہم انہیں اپنے قابو میں رکھ کر ان کو سواری، بار برداری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے، مُفْرِنِینَ بمعنی مُطْبِقِينَ ہے۔

وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَنُنَقِّلُهُونَ ^(١)

اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے
ہیں۔ ^(٢) ^(٣)

اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جز ٹھہرا ^(٤)
دیا یقیناً انسان کھلم کھلانا شکر ہے۔ ^(٥)

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں
اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔ ^(٦) ^(٧)

(حالانکہ) ان میں سے کسی کو جب اس چیز کی خبر دی جائے
جس کی مثال اس نے (اللہ) رحمٰن کے لیے بیان کی ہے تو
اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غلکیں ہو جاتا ہے۔ ^(٨)
کیا (اللہ کی اولاد لڑکیاں ہیں) جو زیورات میں ٹپیں اور
جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں؟ ^(٩) ^(١٠)

وَجَعَلَوَاللهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزُءًا إِذَا أَنْتَ الْإِنْسَانَ لِكُفُورِ قَبْرِيْنَ ^(١)

أَمْ أَتَخَذَ مِنَّا يَعْلَمُ بَنِيَّتِيْنَ وَأَصْفِلُكُمْ بِالْبَنِيَّنَ ^(٢)

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدٌ هُمْ بِمَا فَرَبَ لِلَّاهِ مُنْهَنٌ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ
مُسْوَدًا وَهُوَ كَلِيمٌ ^(٣)

أَوْمَنْ يُنَشِّئُ فِي السَّلِيمَةِ وَهُوَ فِي النِّصَارَاءِ عَيْرُ مُبَيِّنٍ ^(٤)

(١) نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور سُبْحَنَ الرَّبِّ... سے
لِمُنْقَلِبِيْنَ تک آیت پڑھتے۔ علاوه ازیں خیر و عافیت کی دعا مانگتے، جو دعاوں کی کتابوں میں دیکھے لی جائے اصحیح
مسلم کتاب الحج، باب ما یقول اذا ركب....

(٢) عباد سے مراد فرشتے اور جزء سے مراد بیٹیاں یعنی فرشتے، جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت
کرتے تھے۔ یوں وہ مخلوق کو اللہ کا شریک اور اس کا جزء مانتے تھے، حالاں کہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بعض نے جزء
سے یہاں نذر نیاز کے طور پر نکالے جانے والے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا ایک حصہ مشرکین اللہ کے نام پر اور ایک
חصہ بتوں کے نام پر نکلا کرتے تھے جس کا ذکر سورۃ الانعام ١٣٦ میں ہے۔

(٣) اس میں ان کی جمالت اور سفاهت کا بیان ہے جو انہوں نے اللہ کے لیے اولاد بھی ٹھہرائی ہوئی ہے جسے یہ خود ناپسند
کرتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ کی اولاد ہوتی تو کیا ایسا ہی ہوتا کہ خود تو اس کی لڑکیاں ہو تیں اور تمہیں وہ لڑکوں سے نوازتا۔

(٤) يُنَشِّئُ، نُشُوْءٌ سے ہے، بمعنی تربیت اور نشوونما۔ عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص یہاں کیا گیا ہے۔ ا۔ ان
کی تربیت اور نشوونما زیورات اور زینت میں ہوتی ہے، یعنی شور کی آنکھیں کھولتے ہی ان کی توجہ حسن افزا اور جمال
افروز چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے۔ مقصد اس وضاحت سے یہ ہے کہ جن کی حالت یہ ہے، وہ تو اپنے ذاتی معاملات کے
درست کرنے کی بھی استعداد و صلاحیت نہیں رکھتیں۔ ۲۔ اگر کسی سے بحث و تکرار ہو تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقے سے
(فطری حجاب کی وجہ سے) واضح نہیں کر سکتیں نہ فرقہ مخالف کے دلائل کا توڑھی کر سکتی ہیں۔ یہ عورت کی وہ دو فطری
کمزوریاں ہیں جن کی بنابر مرد حضرات عورتوں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔ سایق سے بھی مرد کی یہ برتری واضح ہے،

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے عبادت گزار ہیں
عورتیں قرار دے لیا۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ
موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے
(اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔^(۱) ^(۱۹)

اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔
انہیں اس کی کچھ خبر نہیں،^(۲) یہ تو صرف انکل پچو
(جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔^(۲۰)

کیا ہم نے انہیں اس سے پسلے کوئی (اور) کتاب دی ہے
جسے یہ مضبوط تھا ہے ہوئے ہیں۔^(۲۱)

(نہیں نہیں) بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا
کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل کر

وَجَعَلُوا الْمَلِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبْدُ الرَّحْمَنِ إِنَّا لَمَا شَهَدُوا
خَلَقَهُمْ سَتَّةَ كَلَبٍ شَهَادَتْهُمْ وَوَسَّلُونَ ^(۴)

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَلَعْبَدُهُمْ مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ
إِنْ هُمْ إِلَّا بَغْرَصُونَ ^(۵)

أَمْ أَتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّنْ فِيلٍ فَهُمْ يَهُمْ مُسْكُونٌ ^(۶)

بَلْ قَالُوا لَنَا وَجَدْنَا أَبَاءَنَا عَلَىٰ أَمْقَوْهُ وَإِنَّا عَلَىٰ أَثْرِهِمْ
مُهْتَدُونَ ^(۷)

کیوں کہ گفتگو اسی ضمن میں یعنی مردوں عورت کے درمیان جو فطری تقاؤت ہے، جس کی بنا پر بچی کے مقابلے میں بچے کی ولادت کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا، ہو رہی ہے۔

(۱) یعنی جزا کے لیے۔ کیوں کہ فرشتوں کے بیانات اللہ ہونے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہو گی۔

(۲) یعنی اپنے طور پر اللہ کی مشیت کا سارا، یہ ان کی ایک بڑی دلیل ہے کیوں کہ ظاہرا یہ بات صحیح ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اس کی مشیت، اس کی رضاۓ مختلف چیز ہے۔ ہر کام یقیناً اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے لیکن راضی وہ انہی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا ہے نہ کہ ہر اس کام سے جو انسان اللہ کی مشیت سے کرتا ہے، انسان چوری، بد کاری، ظلم اور بڑے بڑے گناہ کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو یہ گناہ کرنے کی قدرت ہی نہ دے فوراً اس کا باٹھ پکڑ لے، اس کے قدموں کو روک دے اس کی نظر سلب کر لے۔ لیکن یہ جبر کی صورتیں ہیں جب کہ اس نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے آزمایا جائے، اسی لیے اس نے دونوں قسم کے کاموں کی وضاحت کر دی ہے، جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور جن سے ناراض ہوتا ہے، ان کی بھی۔ انسان دونوں قسم کے کاموں میں سے جو کام بھی کرے گا، اللہ اس کا باٹھ نہیں پکڑے گا، لیکن اگر وہ کام جرم و معصیت کا ہو گا تو یقیناً وہ اس سے ناراض ہو گا کہ اس نے اللہ کے دینے ہوئے اختیار کا استعمال غلط کیا۔ تاہم یہ اختیار اللہ دنیا میں اس سے واپس نہیں لے گا، البتہ اس کی سزا قیامت والے دن دے گا۔

(۳) یعنی قرآن سے پسلے کوئی کتاب، جس میں ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جسے انہوں نے مضبوطی سے تھام رکھا ہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تقلید آبا کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

راہ یافتہ ہیں۔ (۲۲)

اسی طرح آپ سے پسلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور) ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پاکی پیروی کرنے والے ہیں۔ (۲۳)

(نبی نے) کہا بھی کہ اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بست بہتر (مقصود تک پہنچانے والا) طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے مکر ہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے۔ (۲۴)

پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انعام ہوا؟ (۲۵)

اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، (۲۶)

بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔ (۲۷)

اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات (۲۸) قائم کر گئے تاکہ لوگ (شرک سے)

وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَوْمٍ مِّنْ تَذْيِيرِ الْأَقَالَ
مُتَرْفُوهَا لَا إِنْتَاجَدُ تَأْلِمَهَا نَاعَلَ أَشْهَدَهَا لَا يَعْلَمُ الظَّرِيمُ
مُفْتَدِعُونَ (۲۹)

فَلَمَّا كَوَافَدَنَا مِنْ بَاهْدَىٰ مَنَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ الْبَاءَ كُفُّرًا لَّوْلَا إِنَّا
بِمَا أَرْسَلْنَا مِنْهُ بِهِ كَفَرُوْنَ (۳۰)

فَأَنْتَمْ نَعْمَلُ مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْتَدِعِينَ (۳۱)

وَلَذِقَالْ إِنْزِهِمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنْتَنِي سَرَّأْمُ وَمَا تَبْدِعُونَ (۳۲)

إِلَّا الَّذِي قَطَرَنِي فَلَمَّا سَيَّهَمُّيْنَ (۳۳)

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَيْقِيْهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۳۴)

(۱) یعنی اپنے آبا کی تقلید میں اتنے پختہ تھے کہ پیغمبر کی وضاحت اور دلیل بھی انہیں اس سے نہیں پھیر سکی۔ یہ آیت انہی تقلید کے بطلان اور اس کی قباحت پر بہت بڑی دلیل ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے فتح القدر، اللہ کانی)

(۲) یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اپنے دین کی سمجھ بھی دے اور اس پر ثابت قدم بھی رکھے گا، میں صرف اسی کی عبادت کروں گا۔

(۳) یعنی اس کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی وصیت اپنی اولاد کو کر گئے۔ جیسے فرمایا ﴿ وَوَضَى بِعَلَى إِبْرَاهِيمَ بَنِيهِ وَيَعْقُوبَ ﴾ (البقرة: ۲۲) بعض نے جعلہا میں فاعل اللہ کو قرار دیا ہے۔ یعنی اللہ نے اس کلمے کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

باز آتے رہیں۔^(۱) (۲۸)

بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو سامان (اور اسباب)^(۲) دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف ننانے والا رسول آگیا۔^(۳) (۲۹)

اور حق کے پچھتے ہی یہ بول پڑے کہ یہ توجادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔^(۴) (۳۰)

اور کہنے لگے، یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔^(۵) (۳۱)

کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟^(۶) ہم

بَلْ مَتَعْلَمُ هُؤُلَاءِ وَآبَاءُهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ
وَرَسُولٌ مُّبِينٌ^(۷)

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سُحْرُوكَانِيَهُ كَلْفُونَ^(۸)

وَقَالُوا أَنُولَا تُنْزَلُ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْبَاتِ
عَظِيمٍ^(۹)

أَفَمُ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ مَنْ قَسَمَنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي

(۱) یعنی اولاد ابراہیم میں یہ موحدین اس لیے پیدا کیے ہاکہ ان کے توحید کے وعظ سے لوگ شرک سے باز آتے رہیں۔
لَعَلَّهُمْ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں یعنی شاید اہل مکہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا جو خالص توحید پر مبنی تھا نہ کہ شرک پر۔

(۲) یہاں سے پھر ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ نے انہیں عطا کی تھیں اور نعمتوں کے بعد عذاب میں جلدی نہیں کی بلکہ انہیں پوری صلت دی، جس سے وہ دھوکے میں بٹلا ہو گئے اور خواہشات کے بندے بن گئے۔

(۳) حق سے قرآن اور رسول سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ مُبِينٌ رسول کی صفت ہے، کھول کر بیان کرنے والا یا جن کی رسالت واضح اور ظاہر ہے، اس میں کوئی اشتباہ اور خفا نہیں۔

(۴) قرآن کو جادو و قرار دے کر اس کا انکار کر دیا، اور اگلے الفاظ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق و تنقیص کی۔

(۵) دونوں بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک کے کاولید بن مغیرہ اور طائف کا عروہ بن مسعود ثقیل ہے۔ بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب ہے جو پسلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل، کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو، یعنی قرآن اگر نازل ہوتا تو دونوں بستیوں میں سے کسی ایسی ہی شخصیت پر نازل ہوتا نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جن کا دامن دولت دنیا سے بھی خالی ہے، اور اپنی قوم میں قیادت و سیادت کے منصب پر بھی فائز نہیں ہیں۔

(۶) رحمت، نعمت کے معنی میں ہے، اور یہاں سب سے بڑی نعمت، نبوت، مراد ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے۔ یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتیں بالخصوص نعمت نبوت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں، بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیوں کہ وہی ہربات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے، وہی بتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سپر رکھنا ہے اور اپنی وحی و رسالت سے کس کو نوازا تا ہے۔

نے ہی ان کی زندگانی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے^(۱) جسے یہ لوگ سمجھتے پھرتے ہیں اس سے آپ کے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے۔^(۲) (۳۲)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں^(۳) گے تو رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے۔ اور زینوں کو (بھی) جن پر چڑھا کرتے۔ (۳۳)

اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکریہ لگالا کر بیٹھتے۔ (۳۴)

اور سونے کے بھی،^(۴) اور یہ سب کچھ یو نہی سادنیا کی زندگی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفِعَنَا بِعَهْدِهِمْ فَوْقَ بَعْضِ دَرَجَاتِ الْكَافِرِ
بَعْضُهُمْ بَعْضًا مُغْرِبًا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَعْمَلُونَ ⑥

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَكَجَعَلْنَا لَهُنَّ
يُكَفَّرُ بِالرَّحْمَنِ لِيَوْمَهُ مُسْعَدًا مِنْ فَضْلِهِ وَمَعْلَمَهُ
عَلَيْهِ أَيْظَهُرُونَ ⑦

فَلِيَوْمِهِمْ أَبْوَابُهَا وَسُرُّهَا عَلَيْهِمْ يَأْكُلُونَ ⑧

وَذُرْفُقًا وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَّعُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ

(۱) یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے یہ فرق و تفاوت اس لیے رکھا ہے تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، اونچے منصب والا چھوٹے منصب داروں سے، اور عقل و فہم میں خط و افر کھنے والا، اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے والے سے کام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ورنہ اگر سب مال میں، منصب میں، علم و فہم میں، عقل و شعور میں اور دیگر اسباب دنیا میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی طرح کم تر اور حیرت سمجھے جانے والے کام بھی کوئی نہ کرتا۔ یہ احتیاج انسانی ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرق و تفاوت کے اندر رکھ دی ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان بلکہ انسانوں کا محتاج ہے، تمام حاجات و ضروریات انسانی، کوئی ایک شخص، چاہے وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو، دیگر انسانوں کی مدد حاصل کیے بغیر خود فراہم کرہی نہیں سکتا۔

(۲) اس رحمت سے مراد آخرت کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

(۳) یعنی دنیا کے مال و اسباب میں رغبت کرنے کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں گے اور رضاۓ اللہی اور آخرت کی طلب سب فراموش کر دیں گے۔

(۴) یعنی بعض چیزوں چاندی کی اور بعض سونے کی، کیوں کہ تنوع میں حسن زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا مال ہماری نظر میں اتنا ہے و قوت ہے کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہوتا تو اللہ کے سب مذکروں کو خوب دولت دی جاتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر سب لوگ ہی دنیا کے پرستار نہ بن جائیں۔ دنیا کی حرارت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ «لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَرْزُّ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعْوَضَةٍ مَا سَقَى مِنْهَا كَافِرًا شُرْبَةً مَاءً» (ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الزهد) "اگر دنیا کی اللہ کے ہاں اتنی حیثیت بھی ہوتی جتنی ایک مجھر کے پر کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی

عَنْدَ رَبِّكَ الْمَتَّقِينَ ⑦

کافاً کہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک
(صرف) پہیزگاروں کے لیے (ہی) ہے۔^(۳۵)
اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے^(۳۶) ہم اس پر
ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا
ہے۔^(۳۷)

اور وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں
رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔^(۳۸)

یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا کہے گا کاش!
میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری
ہوتی (تو) بڑا برا ساتھی ہے۔^(۳۹)

اور جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے تو تمیں آج ہرگز تم سب کا
عذاب میں شریک ہونا کوئی نفع نہ دے گا۔^(۴۰)

کیا پس تو بھرے کو سا سکتا ہے یا اندر ہے کو راہ دکھا سکتا

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُفَيَّضُ لَهُ شَيْطَانٌ فَهُوَ كَثِيرٌ ⑧

وَلَا يُؤْمِنُونَ بِهِمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْبُّونَ أَهْمَادَهُمْ ⑨

حَتَّى إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَلْكِتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الشَّرِيقَيْنِ
فَيُسَّرَّ الْقَرِينُ ⑩

وَلَنْ يَتَفَعَّلُوا إِلَيْهِمْ إِذَا طَلَّنَاهُمُ الْكَلْمَنُ الْعَذَابُ مُشَرِّكُونَ ⑪

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَمَ أَوْ تَهْدِي الْعُمَى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ

کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔

(۱) جو شرک و معاصی سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کرتے رہے، ان کے لیے آخرت اور جنت کی نعمتیں ہیں جن کو زوال و فنا نہیں۔

(۲) عَشَا يَغْشُو کے معنی ہیں آنکھوں کی بیماری رتو نہ یا اس کی وجہ سے جواندھا پن ہوتا ہے۔ یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندر ہا ہو جائے۔

(۳) وہ شیطان، اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے کا ساتھی بن جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور نیکیوں سے روکتا ہے۔ یا انسان خود اسی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں اسی کی پیروی اور اس کے تمام وسوسوں میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔

(۴) یعنی وہ شیطان ان کے حق کے راستے کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور اس سے انہیں روکتے ہیں اور انہیں برابر بچھاتے رہتے ہیں کہ تم حق پر ہو، حتیٰ کہ وہ واقعی اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ یا کافر شیطانوں کے بارے میں بحثتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں اور ان کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ (فتح القدير)

(۵) مَشْرِقَيْنِ (تشییہ ہے) مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ فَبَشَّرَ الْقَرِينُ کا مخصوص بالذم مذوف ہے۔ اَنْتَ أَيُّهَا الشَّيْطَنُ اے شیطان تو بت بر اساتھی ہے۔ یہ کافر قیامت والے دن کے گا۔ لیکن اس دن اس اعتراف کا کیا فائدہ؟

ہے اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہو۔^(۱) (۳۰)
پس اگر ہم تجھے یہاں سے^(۲) لے بھی جائیں تو بھی ہم
ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔^(۳) (۳۱)
یا جو کچھ ان سے وعدہ کیا ہے^(۴) وہ تجھے دکھادیں، ہم ان پر
بھی قدرت رکھتے ہیں۔^(۵) (۳۲)
پس جو وہی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھا مے
ر ہیں^(۶) پیش ک آپ راہ راست پر ہیں۔^(۷) (۳۳)
اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ^(۸) کی قوم کے لیے

فَإِنَّمَا نَهَىٰكُمْ عَنِ الْمُحَنَّمِ مُتَّقِيَّمَنَ ۝
أَوْرُثِيكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّشَدِّدُونَ ۝
فَاسْتَمِنِكَ بِالَّذِي أُوحَىٰ إِلَيْكَ لِئَلَّا كَ عَلَىٰ هُدَىٰ مُّشَبِّغِي ۝
وَإِنَّهُ لَذُكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْقُ شَمَلُونَ ۝

(۱) یعنی جس کے لیے خلافات ابدی لکھ دی گئی ہے، وہ وعظ و نصحت کے اعتبار سے بہرہ اور انہیں ہے، تیری دعوت و
تبیغ سے وہ راہ راست پر نہیں آسکتا۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جس طرح بہرہ سننے سے نایبنا دیکھنے سے محروم ہے، اسی
طرح کھلی گمراہی میں بخلاف کی طرف آنے سے محروم ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے تاکہ ایسے لوگوں کے کفر
سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

(۲) یعنی تجھے موت آجائے، قبل اس کے کہ ان پر عذاب آئے، یا تجھے کمے سے نکال لے جائیں۔

(۳) دنیا میں ہی، اگر ہماری میثمت مقاضی ہوئی، بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔

(۴) یعنی تیری موت سے قبل ہی، یا کمے میں ہی تیرے رہتے ہوئے ان پر عذاب بچیج دیں۔

(۵) یعنی ہم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر سکتے ہیں، کیوں کہ ہم ان پر قادر ہیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی بدر کی
جنگ میں کافر عربت ناک شکست، اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

(۶) یعنی قرآن کریم کو، چاہے کوئی بھی اسے جھٹلاتا رہے۔

(۷) یہ فاسنمنسک کی علت ہے۔

(۸) اس تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے لیے نصیحت نہیں۔ بلکہ اولین مخاطب چوں کہ قریش تھے، اس لیے
ان کا ذکر فرمایا، ورنہ قرآن تو پورے جہان کے لیے نصیحت ہے۔ ﴿ وَمَا هُوَ لَا يَذَرُ لِلْعَلَيْمِينَ ﴾ (سورہ القلم، ۵۵) جیسے آپ
کو حکم دیا گیا کہ ﴿ وَإِنَّ رَعِيشِنَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ (الشعراء، ۲۱۲) ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایے“ اس کا مطلب یہ
نہیں کہ اللہ کا پیغام صرف رشتہ داروں کو ہی پہنچانا ہے۔ بلکہ مطلب ہے تبلیغ کی ابتدا اپنے ہی خاندان سے کریں بعض
نے یہاں ذکر بمعنی شرف لیا ہے۔ یعنی یہ قرآن تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے شرف و عزت کا باعث ہے کہ یہ ان کی
زبان میں اترا، اس کو وہ سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے سے وہ پوری دنیا پر فضل و برتری پا سکتے ہیں،
اس لیے ان کو چاہیئے کہ اس کو اپنا میں اور اس کے مقتضا پر سب سے زیادہ عمل کریں۔

نیحیت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے۔^(۳۴)
 اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم^(۱) نے آپ
 سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبوود
 مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟^(۲)^(۳۵)
 اور ہنسنے مویٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون
 اور اسکے امراء کے پاس بھیجا تو (مویٰ علیہ السلام نے جاک)
 کماک میں تمام جہانوں کے رب کار رسول ہوں۔^(۳۶)
 پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر انکے پاس آئے تو وہ
 بے ساختہ ان پر ہنٹے گے۔^(۳۷)
 اور ہم انہیں جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی
 چڑھی ہوتی تھی^(۵) اور ہم نے انہیں عذاب میں کپڑا

وَسَلَّمَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلَكَ مِنْ مُّسْلِمَاتْنَا مَمْنَونَ
 دُونَ الرَّحْمَنِ إِلَهَةٌ يُعْبُدُونَ ⑥

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِالْيَتِينَ إِلَىٰ فَرْعَوْنَ وَهَامَانَ
 فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑦

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْيَتِينَ أَذَاهُمْ مُّهْنَمًا يَضْحَكُونَ ⑧

وَمَا نُرِيدُ بِهِمْ مِنْ إِلَهٍ إِلَّا هُنَّ أَنْجَهُهَا وَأَخْذُنَهُمْ
 بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ⑨

(۱) پیغمبروں سے یہ سوال یا تو اسراد معراج کے موقعے پر، بیت المقدس یا آسمان پر کیا گیا، جہاں انبیاء علیهم السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یا اتباع کا لفظ مخدوف ہے۔ یعنی ان کے پیروکاروں (اہل کتاب، یہود و نصاری) سے پوچھو، کیوں کہ وہ ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں اور ان پر نازل شدہ کتاب میں ان کے پاس موجود ہیں۔
 (۲) جواب یقیناً نبی میں ہے۔ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس کے بر عکس ہر نبی کو دعوت و توحید ہی کا حکم دیا گیا۔
 (۳) قریش مکہ نے کہا تھا کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنا کر بھیجا ہی تو کے اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجا جو صاحب مال و جاہ ہوتا۔ جیسے فرعون نے بھی حضرت مویٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ ”میں مویٰ سے بھت ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، یہ توصاف بول بھی نہیں سکتا۔“ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ غالباً اسی مشابہت احوال کی وجہ سے یہاں حضرت مویٰ علیہ السلام و فرعون کا قصہ دہریا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے بھی تسلی کا پلو ہے کہ حضرت مویٰ علیہ السلام کو بھی بت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، انہوں نے صبر اور عزم سے کام لیا، اسی طرح آپ بھی کفار مکہ کی ایذاوں اور ناروا رویوں سے دل برداشت نہ ہوں، صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ حضرت مویٰ علیہ السلام ہی کی طرح بالآخر فتح و کامرانی آپ ہی کی ہے اور یہ اہل مکہ فرعون ہی کی طرح ناکام و نامراد ہوں گے۔

(۴) یعنی جب حضرت مویٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت و توحید دی تو انہوں نے ان کے رسول ہونے کی دلیل طلب کی، جس پر انہوں نے وہ دلائل و مجزات پیش کیے جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے تھے۔ جنہیں دیکھ کر انہوں نے استہزا اور نداق کیا اور کہا کہ یہ کون سی ایسی چیزیں ہیں۔ یہ تو جادو کے ذریعے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔

(۵) ان نشانیوں سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو طوفان مذہبی دل، جو کیس، مینڈک اور خون وغیرہ کی شکل میں کیے بعد

تَمَكَّهُ وَبَازَ آجَائِیْسِ۔^(۱)

او رانہوں نے کہاے جادوگر!^(۲) ہمارے لیے اپنے رب سے^(۳) اس کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے، یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے۔^(۴)^(۵)

پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹالیا انہوں نے اسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا۔^(۶)

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا^(۷) اے میری قوم! کیا مصر کا ملک میرا نہیں؟ اور میرے (مخلوں کے) نیچے یہ نہیں بہ رہی ہیں،^(۸) کیا تم دیکھتے نہیں؟^(۹)

وَقَالُوا يَا يَهُوَ السَّاجِدُ لَدُمْ لَنَارَتِكَ بِمَا عَاهَدَ عِنْدَكُو
إِنَّا لَمُهَمَّدُونَ^(۱۰)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ^(۱۱)

وَنَادَى فَرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقُولُ أَلَيْسِ لِي مُلْكُ مِصْرَ
وَهَذِهِ الْأَتْهَرُ بَعْدِنِي مِنْ هَقِّيْ أَنْكَلَبُتُهُونَ^(۱۲)

و مگرے انہیں دکھائی گئیں، جن کا تذکرہ سورہ اعراف، آیات ۱۳۳-۱۳۵ میں گزر چکا ہے۔ بعد میں آنے والی ہرننانی پہلی ننانی سے بڑی چیز ہوتی ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح سے واضح تر ہو جاتی۔

(۱) مقصد ان ننانیوں یا عذاب سے یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ تکذیب سے باز آجائیں۔

(۲) کہتے ہیں اس زمانے میں جادو نہ موم چیز نہیں تھی اور عالم فاضل شخص کو جادوگر کے لفظ سے ہی بطور تعظیم خطاب کیا جاتا تھا۔ علاوه ازیں مجرمات اور ننانیوں کے بارے میں بھی ان کا خیال تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے فن جادوگری کا کمال ہے۔ اس لیے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کے لفظ سے مخاطب کیا۔

(۳) ”اپنے رب سے“ کے الفاظ اپنی مشرکانہ ذاتیت کی وجہ سے کہے کیونکہ مشرکوں میں مختلف رب اور الہ ہوتے تھے، موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے یہ کام کروالو!

(۴) یعنی ہمارے ایمان لانے پر عذاب ثانیے کا وعدہ۔

(۵) اگر یہ عذاب مل گیا تو ہم تجھے اللہ کا سچا رسول مان لیں گے اور تیرے ہی رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن ہر دفعہ وہ اپنا یہ عہد توڑ دیتے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور سورہ اعراف میں بھی گزرا۔

(۶) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی ننانیاں پیش کر دیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں تو فرعون کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری قوم موسیٰ کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی ہزیمت کے داغ کو چھپا نے اور قوم کو مسلسل دھوکے اور فریب میں بٹلار کھنے کے لیے یہ نی چال چلی کہ اپنے اختیار و اقتدار کے حوالے سے موسیٰ علیہ السلام کی بے تو قیری اور کمتری کو نمایاں کیا جائے تاکہ قوم میری سلطنت و سطوت سے ہی مرعوب رہے۔

(۷) اس سے مراد ریائے نیل یا اس کی بعض شاخیں ہیں جو اس کے محل کے نیچے سے گزرتی تھیں۔

بلکہ میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے تو قیر ہے^(۱) اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔^(۲) (۵۲)

اچھا اس پر سونے کے لگن کیوں نہیں آپڑے^(۳) یا اس کے ساتھ پر ابادھ کر فرشتے ہی آجاتے۔^(۴) (۵۳)

اس نے اپنی قوم کو بھلایا پھسلایا اور انہوں نے اسی کی مان لی،^(۵) یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔ (۵۳)

پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا۔ (۵۵)

پس ہم نے انہیں گیا گزرا کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنادی۔^(۶) (۵۶)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم (خوشی سے) چیختنے لگی ہے۔ (۵۷)

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے معبدوں اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ

أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي مُؤْمِنُونَ ذَهَبُوا لِيَكُوْدُونَ^(۱)

فَلَوْلَا أَنَّهُ عَلَيْهِ أَنْسُوْرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَكُوْتُ^(۲)
مُقْتَرِنِينَ^(۳)

فَأَسْتَخَفَ قَوْمَهُ فَلَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا أَقْوَمًا فِيْقِيْنَ^(۴)

فَلَمَّا أَسْفَوْنَا أَنْتَقَنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِيْنَ^(۵)

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفاً وَمَثَلًا لِلآخِرِيْنَ^(۶)

وَلَئِنْ أَضْرَبْنَا إِبْنَ فَرِيقَ مَثَلًا إِذَا قَوْمَكَ مِنْهُ يَوْسُدُونَ^(۷)

وَقَالُوا إِنَّهُمْ نَاجِيُّهُمْ أَمْ هُوَ مَاضٌ بِوْهُوكَ إِلَّا جَدَلَابُنَ

(۱) آم اضراب کے لیے یعنی بل (بلکہ) کے معنی میں ہے، بعض کے نزدیک استفهامیہ ہی ہے۔

(۲) یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورہ طہ میں گزرا۔

(۳) اس دور میں مصر اور فارس کے بادشاہ اپنی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے سونے کے کڑے پہننے تھے، اسی طرح قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کڑے اور گلے میں سونے کے طوق اور زنجیریں ڈال دی جاتی تھیں جو ان کی سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی اعتبار سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اگر اس کی کوئی حیثیت اور امتیازی شان ہوتی تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے ہونے چاہیے تھے۔

(۴) جو اس بات کی تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے یا بادشاہوں کی طرح اس کی شان کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہوتے۔

(۵) یعنی آنسَتَخَفَ عُقُولَهُمْ (ابن کثیر) اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلاک سمجھایا کر دیا اور انہیں اپنی جہالت و ضلالت پر قائم رہنے کی تاکید کی اور قوم اس کے پیچھے لگ گئی۔

(۶) آسَفُونَا بِمَعْنَى آسَخَطُونَا يَا أَغْضَبُونَا سَلَفُ سَالِفُ کی جمع ہے جیسے خَدَمْ، خَادِمُ کی اور حَارِسَ، حَارِسُ کی ہے۔ معنی جو اپنے وجود میں دوسرے سے پہلے ہو۔ یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنادیا۔ کہ وہ اس طرح کفر و ظلم اور علوو فساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تاکہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشرے سے محفوظ رہیں۔

فِمَا قَوْمٌ حَمَوْنَ ﴿٤﴾

سے ان کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے، بلکہ یہ لوگ ہیں، ہی جھگڑا لو۔^(۱) (۵۸)

عیسیٰ (علیہ السلام) بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے نشان قدرت بنایا۔^(۲) (۵۹)

اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو زمین میں جانشینی کرتے۔^(۳) (۶۰)

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّتَذَكَّرَ إِسْرَائِيلُ ﴿۷﴾

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلِكًا فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ ﴿۸﴾

(۱) شرک کی تردید اور جھوٹے معبودوں کی بے و تعمیٰ کی وضاحت کے لیے جب مشرکین مکہ سے کما جاتا کہ تمہارے ساتھ تمہارے معبود بھی جنم میں جائیں گے تو اس سے مراد وہ پھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ، جو اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انہیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کی بابت تو قرآن کریم نے ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ جنم سے دور رہیں گے۔
﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقُتَ لَهُمْ فِتْنَةُ الْحُسْنَىٰ إِلَّا كُلُّكُمْ عَنْهَا مُبَعْدُونَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۱) کیوں کہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ ما ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے ﴿إِنَّمَا وَمَا تَبْعَدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ تَبَهُّ﴾ (الأنبياء: ۱۰۲) اس سے انبیاء علیم السلام اور وہ صالحین نکل گئے، جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہوا گا۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ دیگر مورتیوں کے ساتھ ان کی شکلوں کی بنائی ہوئی مورتیاں بھی اللہ تعالیٰ جنم میں ڈال دے لیکن یہ شخصیات تو بہرحال جنم سے دور ہی رہیں گی۔ لیکن مشرکین نبی ملائیکہ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر خیرن کریے کہ جنتی اور مجاہدہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابل مدح ہیں دراں حائیکہ عیسائیوں نے انہیں معبود بنایا ہوا ہے، تو پھر ہمارے معبود کیوں برے؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیز علیہ السلام بھی پھر جنم میں جائیں گے۔ اللہ نے یہاں فرمایا، ان کا خوشی سے چلانا، ان کا جدل محض ہے۔ جدل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑے والا جانتا ہے کہ اس کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے لیکن محض اپنی بات کی تیج میں بحث و تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

(۲) ایک اس اعتبار سے کہ بغیر باپ کے ان کی ولادت ہوئی، دوسرے، خود انہیں جو مجذرات دیے گئے، احیائے موتی وغیرہ، اس لحاظ سے بھی۔

(۳) یعنی تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے، جو تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کرتے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے یہ تو ہماری مشیت اور قضا ہے کہ فرشتوں کو آسمان پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں۔

اور یقیناً عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کی علامت ہے^(۱) پس تم (قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو، یہ سیدھی راہ ہے۔^(۲۱)

اور شیطان تمیس روک نہ دے، یقیناً وہ تمہارا صرخ دشمن ہے۔^(۲۲)

اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) مجذے لائے تو کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو، انہیں واضح کر دوں،^(۲۳) پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہماںو۔^(۲۴)

میرا اور تمہارا رب فقط اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس تم سب اس کی عبادت کرو۔ راہ راست (یہی) ہے۔^(۲۵) پھر (ہی اسرائیل کی) جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا،^(۲۶) پس ظالموں کے لیے خرابی ہے دکھ والے دن کی آفت سے۔^(۲۷)

وَإِنَّهُ لَعَلَّهُ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَنْهَرُنَّ بِهَا وَأَتَيْعُونَ هُذَا صَرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ^(۱)

وَلَا يَصُدُّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ^(۲)

وَلَئِنْجَاءَ عِيسَىٰ بِالْمُبِينِ قَالَ تَدْعُنَّمُ بِالْجِنَّةِ وَلَا يَنْتَهُنَّ لِكُوْنِ بَعْضِ الَّذِي تَخْتَفُونَ فِيهِ فَإِنَّهُ لَلَّهُ وَآتِيْعُونَ^(۳)

إِنَّ اللَّهَ هُوَ بِنِيْتِ وَرَبِّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هُذَا صَرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ^(۴)

فَأَخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوْلَيْلَتِنِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَدَابِ يَوْمِ الْيَمِينِ^(۵)

(۱) علم بمعنی علامت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہو گا، جیسا کہ، صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ یہ نزول اس بات کی علامت ہو گا کہ اب قیامت قریب ہے اسی لیے بعض نے اسے عین اور لام کے زبر کے ساتھ (علم) پڑھا ہے، جس کے معنی ہی نشانی اور علامت کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک انہیں قیامت کی نشانی قرار دیتا، ان کی مجھرانہ ولادت کی بنیاد پر ہے۔ یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باب کے پیدا کیا۔ ان کی یہ پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمادے گا، اس لیے قدرت الہی کو دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ إِنَّهُ مِنْ ضَمِيرِ كَامِرِ حَضْرَتِ عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ ہیں۔

(۲) اس کے لیے دیکھئے آل عمران، آیت ۵ کا حاشیہ۔

(۳) اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تتفییض کی اور انہیں نعوذ بالله ولد الزنا قرار دیا، جب کہ عیسائیوں نے غلو سے کام لے کر انہیں معبد بنالیا۔ یا مراد عیسائیوں ہی کے مختلف فرقے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک انہیں ابن اللہ، دوسرا اللہ اور ثالث خلاش کرتا ہے اور ایک فرقہ مسلمانوں ہی کی طرح انہیں اللہ کا باندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتا ہے۔

یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ (۶۶)

اس دن (اگرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔^(۱) (۶۷)

میرے بندو! آج تو تم پر کوئی خوف (و ہراس) ہے اور نہ تم (بدل اور) غمزہ ہو گے۔^(۲) (۶۸)

جو ہماری آئتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ (فرماں بردار) مسلمان۔ (۶۹)

تم اور تمہاری یوں ہشاش بشاش (راضی خوشی) جنت میں چلے جاؤ۔^(۳) (۷۰)

ان کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا،^(۴) ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں،

(۱) کیوں کہ کافروں کی دوستی، کفر و فسق کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے اور یہی کفر و فسق ان کے عذاب کا باعث ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھرا میں گے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے بر عکس اہل ایمان و تقویٰ کی بائیسی محبت، چوں کہ دین اور رضاۓ اللہ کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی دین و ایمان خیرو ثواب کا باعث ہے۔ ان سے ان کی دوستی میں کوئی انقطاع نہیں ہو گا۔ وہ اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح دنیا میں تھی۔

(۲) یہ قیامت والے دن ان متین کو کہا جائے گا جو دنیا میں صرف اللہ کی رضاکے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ بلکہ اللہ کے لیے بعض اور اللہ کے لیے محبت کو کمال ایمان کی بنیاد تباہیا گیا ہے۔

(۳) آزواجُكُمْ سے بعض نے مومن یوں، بعض نے مومن ساتھی اور بعض نے جنت میں ملنے والی حوریں یوں مراوی ہیں۔ یہ سارے ہی مفہوم صحیح ہیں کیوں کہ جنت میں یہ سب کچھ ہی ہو گا۔ تُخْبِرُونَ حَبْرَوْسے ماخوذ ہے یعنی وہ فرحت و سرست جوانیں جنت کی نعمت و عزت کی وجہ سے ہو گی۔

(۴) صَحَافٌ، صَخْفَةٌ کی جمع ہے۔ رکابی۔ سب سے بڑے برتن کو جَفْنَةٌ کہا جاتا ہے، اس سے چھوٹا قَصْنَةٌ (جس سے دس آدمی شکم سیر ہو جاتے ہیں) پھر صَخْفَةٌ (قصَنْعَةٌ سے نصف)، پھر مِكِيلَةٌ ہے۔ مطلب ہے کہ اہل جنت کو جو کھانے ملیں گے، وہ سونے کی رکابیوں میں ہوں گے (فتح القدر)۔

هَلْ يَنْظَرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ^(۱)

إِلَّا خَلَدُ لَيْلَةً يَوْمًا بَعْضُهُمْ لِيَعْصِي عَدُوًّا إِلَّا الْمُتَقِينَ^(۲)

يُعَمَّدُ لِلْخَوْفِ عَلَيْنَا لِلْيَوْمِ وَلَا أَنْتُمْ تَحْذِيْنَ^(۳)

الَّذِينَ أَمْوَالُهُمْ يَأْتِنَا وَكَانُوكُمْ مُشْلِمِينَ^(۴)

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَآذْوَاجُكُمْ تَعْبُرُونَ^(۵)

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِعِصَافِ مِنْ ذَهَبٍ وَأَلْوَابٍ وَفِيهَا مَا شَتَّتَهُمْ إِلَيْهِ الْأَنْفُسُ وَنَكَلَ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا

خَلِدُونَ ①

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الْيَقِيْنُ اُولُوْهَا بِمَا لَنْتُمْ تَعْمَلُونَ ②

كُلُّ فِيهَا فَارِكَمَةٌ كَثِيرٌ مِنْهَا أَلْكُلُونَ ③

إِنَّ الْمُسْجِرِيْمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَلِدُونَ ④

لَا يَقْتَرِنُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبِلِسُونَ ⑤

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِيْنَ ⑥

وَنَادَوْا إِلَيْنَا لِيَقْضِي عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مُنْكِرُونَ ⑦

لَقَدْ جَنَّلْنَا بِالْحَقِّ وَلَكِنَ الْكُفَّارُ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ⑧

أَمْ أَبْرُمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبِرُّمُونَ ⑨

سب وہاں ہو گا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔^(۱) (۱۷)

یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بد لے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔^(۲) (۱۸)

یہاں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے۔^(۳) (۱۹)

میشک گنہگار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔^(۴) (۲۰)

یہ عذاب کبھی بھی ان سے بلکہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔^(۵) (۲۱)

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی خالم تھے۔^(۶) (۲۲)

اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! ^(۷) تیرارب ہمارا کام ہی تمام کر دے،^(۸) وہ کے گا کہ تمہیں تو (ہمیشہ) رہنا ہے۔^(۹) (۲۳)

ہم تو تمہارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق^(۱۰) سے نفرت رکھنے والے تھے؟^(۱۱) (۲۴)

کیا انہوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو

(۱) یعنی جس طرح ایک وارث، میراث کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح جنت بھی ایک میراث ہے جس کے وارث وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزاری ہو گی۔

(۲) یعنی نجات سے مایوس۔

(۳) مالک، داروغہ جنم کا نام ہے۔

(۴) یعنی ہمیں موت ہی دے دے تاکہ عذاب سے جان چھوٹ جائے۔

(۵) یعنی وہاں موت کہاں؟ لیکن یہ عذاب کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو گی، تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہو گا۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا فرشتوں کا ہی قول بطور نیابت الہی ہے۔ جیسے کوئی افرنجاز ”ہم“ کا استعمال حکومت کے مفہوم میں کرتا ہے۔ اکثر سے مراد کل ہے، یعنی سارے ہی جنمی، یا پھر اکثر سے مراد روسا اور لیدر ہیں۔ باقی جنمی ان کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہوں گے۔ حق سے مراد، اللہ کا وہ دین اور پیغام ہے جو وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ارسال کرتا رہا۔ آخری حق قرآن اور دین اسلام ہے۔

کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں۔^(۱) (۷۹)

کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، (یقیناً ہم برابر سن رہے ہیں) بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔^(۲) (۸۰)

آپ کہہ دیجئے! کہ اگر بالفرض رحمن کی اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔^(۳) (۸۱)

آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اس سے (بست) پاک ہے۔^(۴) (۸۲)

اب آپ انہیں اسی بحث مباحثہ اور کھیل کو دیں چھوڑ دیجئے،^(۵) یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جن کا یہ وعدہ دیے جاتے ہیں۔^(۶) (۸۳)

أَمْ يَحْسِبُونَ أَنَّا لَا نَتَعْلَمُ يَسِيرُهُمْ وَغَوْلُهُمْ كُلِّ الْوُسْلَنَ الَّذِي يَهْمِمُ
يَكْتُبُونَ ⑦

فُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَكُنَّ فَانَّا قَلْ الْمُصْدِينَ ⑧

سُبْحَنَ رَبِّ الْتَّمَوُتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ⑨

فَذَرْهُمْ فِي هُوَ ضَوْا وَلَمْ يَعْوَدُوا حَتَّى يُلْقَوُا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ⑩

(۱) إِبْرَاهِيمُ کے معنی ہیں، اتفاق و احکام۔ پختہ اور مضبوط کرنا۔ آم اضراب کے لیے ہے بُل کے معنی میں۔ یعنی ان جہنمیوں نے حق کو ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ یہ اس کے خلاف منظم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے۔ جس کے مقابلے میں پھر ہم نے بھی اپنی تدبیر کی اور ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ اس کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ﴿أَمْ يُؤْنِدُنَ كَيْدُهُمْ فَإِنَّمَا يُؤْنِدُنَ كَيْدُهُمْ الْمَكِيدُونَ ۚ﴾۔ (الطور، ۲۲)

(۲) یعنی جو پوشیدہ باتیں وہ اپنے نفسوں میں چھپائے پھرتے ہیں یا خلوت میں آہستگی سے کرتے ہیں یا آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم وہ نہیں سنتے؟ مطلب ہے ہم سب سنتے اور جانتے ہیں۔

(۳) یعنی یقیناً سنتے ہیں۔ علاوه ازیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے الگ ان کی ساری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

(۴) کیوں کہ میں اللہ کا مطیع اور فرمائیں یہ دوار ہوں۔ اگر واقعی اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ان کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ مطلب مشرکین کے عقیدے کا بطل اور رو رہے جو اللہ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔

(۵) یہ اللہ کا کلام ہے جس میں اس نے اپنی تزییہ و تقدیس بیان کی ہے، یا رسول ﷺ کا کلام ہے اور آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے اللہ کی ان چیزوں سے تزییہ و تقدیس بیان کی جن کا انتساب مشرکین اللہ کی طرف کرتے تھے۔

(۶) یعنی اگر یہ ہدایت کا راستہ نہیں اپناتے تو اب انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں اور دنیا کے کھیل کو دیں لگا رہنے دیں۔ یہ تمدید و تعمیر ہے۔

(۷) ان کی آنکھیں اسی دن کھلیں گی جب ان کے اس روئیے کا انجمام ان کے سامنے آئے گا۔

وہی آسمانوں میں معبد ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے^(۱) اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے۔

وَهُوَ إِذْنِي فِي السَّمَاوَاتِ الْمُعَرَّفَاتِ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ
الْعَلِيمُ (٢)

اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی بادشاہت ہے،^(۲) اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے^(۳) اور اسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے۔^(۴) (۸۵)

وَتَبَرُّكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا يَنْهَا
وَعِمْدَةُ عِلْمِ السَّاعَةِ وَالْيَوْمِ يُرْجَعُونَ ﴿٤﴾

جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے،^(۵) ہاں (مستحق شفاعت وہ ہیں) جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو۔^(۶) (۸۲۱)

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشُّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ
شَهَدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ⑤

اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں

وَلِئِنْ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقُوكُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَإِنِّي يُؤْفِكُونَ ﴿٤﴾

(۱) یہ نہیں ہے کہ آسمانوں کا معبود کوئی اور ہوا اور زمین کا کوئی اور۔ بلکہ جس طرح ان دونوں کا خالق ایک ہے، 'معبود بھی ایک ہی ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ إِذَا كُوْنُوا وَجْهَ رَبِّكُمْ وَيَعْلَمُ مَا لَكُمْ بِنُوْنَ ﴾ — (سورۃ الانعام-۳) "آسمان و زمین میں وہی اللہ ہے، وہ تمہاری پوشیدہ اور جری باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ بھی اس کے علم میں ہے۔"

(۲) ایسی ذات کو، جس کے پاس سارے اختیارات اور زمین و آسمان کی بادشاہت ہو، اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟
 (۳) جس کو وہ اپنے وقت رظاہر فرمائے گا۔

(۳) جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا اور سزادے گا۔

(۵) یعنی دنیا میں جن بتوں کی یہ عبادت کرتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ ان مجبودوں کو شفاعت کا قطب کوئی اختیار نہیں ہو گا۔

(۶) حق بات سے مراد کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے اور یہ اقرار بھی علم و بصیرت کی بنیاد پر ہو، محفوظ رکی اور تقییدی نہ ہو۔ یعنی زبان سے کلڑ توحید ادا کرنے والے کو پتہ ہو کہ اس میں صرف ایک اللہ کا اثبات اور دیگر تمام معیودوں کی نفی ہے، پھر اس کے مطابق اس کا عمل ہو۔ ایسے لوگوں کے حق میں اہل شفاعت کی شفاعت مفید ہو گی۔ یا مطلب ہے کہ شفاعت کرنے کا حق صرف ایسے لوگوں کو ملے گا جو حق کا اقرار کرنے والے ہوں گے، یعنی انبیاء و صالحین اور فرشتے۔ نہ کہ معیودوں باطل کو، جنہیں مشرکین اپنا شفاعت کنندہ خیال کرتے ہیں۔

اٹے جاتے ہیں؟ (۸۷)

اور ان کا (پیغمبر کا اکثر) یہ کہنا ^(۱) کہ اے میرے رب! یقیناً
یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (۸۸)

پس آپ ان سے منہ پھر لیں اور کہ دیں۔ (اچھا بھائی)
سلام! ^(۲) انیں عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا۔ (۸۹)

سورہ دخان بھی ہے اور اس میں انسنہ آئیں اور
تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

حمر - (۱) قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی۔ (۲)
یقیناً ہم نے اسے با برکت رات ^(۳) میں اتارا ہے پیش

وَقِيلَهُ يَرَبُّ إِنَّ هُولَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَإِنَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْ ۝ وَالْكَيْثِ الْمُبِينُ ۝

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِذَا كُلُّ مُشَدِّرٍ يَنْ

(۱) وَقِيلَهُ اس کا عطف وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ پر ہے یعنی وَعِلْمُ قِيلَهُ۔ اللہ کے پاس ہی قیامت اور اپنے پیغمبر کے
شکوئے کا علم کا ہے۔

(۲) یہ سلام متارکہ ہے، جیسے — ﴿ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا يَنْبَغِي لِجَهِيلِيَّنَ ﴾ (القصص، ۵۵) ﴿ قَالُوا سَلَامًا ﴾ (الفرقان، ۲۳) میں
ہے۔ یعنی دین کے معاملے میں میری اور تمہاری راہ الگ الگ ہے، تم اگر باز نہیں آتے تو اپنا عمل کیے جاؤ، میں اپنا کام
کیے جا رہا ہوں، عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

(۳) با برکت رات (لَيْلَةُ الْمُبَارَكَةُ) سے مراد شب قدر (لَيْلَةُ الْقَدْرُ) ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحة ہے ﴿ شَهْرُ
رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ﴾ (البقرة، ۸۵) ”رمضان کے میں قرآن نازل کیا گیا۔ ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ (سورہ
القدر)، ”ہم نے یہ قرآن شب قدر میں نازل فرمایا۔“ یہ شب قدر رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں سے ہی کوئی ایک
رات ہوتی ہے۔ یہاں قدر کی اس رات کو با برکت رات قرار دیا گیا ہے۔ اس کے با برکت ہونے میں کیا شہد ہو سکتا ہے کہ ایک
تو اس میں قرآن کا نازول ہوا۔ دوسرے، اس میں فرشتوں اور روح الامین کا نازول ہوتا ہے۔ تیرے اس میں سارے سال میں
ہونے والے واقعات کا فصلہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے) چوتھے، اس رات کی عبادت ہزار میں (یعنی ۸۳ سال ۲۳ ماہ) کی
عبادت سے بہتر ہے شب قدر بالیلۃ مبارکہ میں قرآن کے نازول کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر
قرآن مجید کا نازول شروع ہوا۔ یعنی پہلے اسی رات آپ پر قرآن نازل ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے اسی رات
قرآن بیت العزت میں اتارا گیا جو آسمان دنیا پر ہے۔ پھر وہاں سے حسب ضرورت و مصلحت ۲۳ سالوں تک مختلف اوقات میں

ہم ڈرانے والے ہیں۔^(۱) (۳)

ای رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔^(۲) (۳)

ہمارے پاس سے حکم ہو کر،^(۳) ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھینے والے۔^(۵)

آپ کے رب کی مریانی سے۔^(۴) وہ ہی ہے سننے والا جانے والا۔^(۶)

جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔^(۷)

کوئی معبد نہیں اسکے سوا ہی جلتا ہے اور مرتا ہے، وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔^(۸)

فِهَا يُفَرَّقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٌ ۝

أَمْرًا قُنْ عَنْدَنَا إِنَّا لَكُلَّ مُرْسِلِينَ ۝

رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ الْتَّمِيمُ الْعَلِيمُ ۝

رَبُّ التَّمَوُتِ وَالْأَرْضِ وَمَا يَنْهَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُنْهِي وَمُبْيِثُ رَبِّلُمْ وَرَبُّ الْأَقْلَمِينَ ۝

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا ہے۔ بعض لوگوں نے لیلۃ مبارکہ سے شعبان کی پذرھویں رات مرادی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جب قرآن کی نص صریح سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے تو اس سے شب براءت مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ علاوه ازیں شب براءت (شعبان کی پذرھویں رات) کی بابت جتنی بھی روایات آتی ہیں، جن میں اس کی فضیلت کا بیان ہے یا ان میں اسے فیصلے کی رات کہا گیا ہے، تو یہ سب روایات سند ضعیف ہیں۔ یہ قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کس طرح کر سکتی ہیں؟

(۱) یعنی نزول قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع و ضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر محنت قائم ہو جائے۔

(۲) يُفَرَّقُ، يُفَصَّلُ وَيُبَيَّنُ، فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ کام کو اس سے متعلق فرشتے کے پرد کر دیا جاتا ہے۔ حَکِيمٌ بمعنی پر حکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی با حکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُخَكَّم (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر و تبدلی کا امکان نہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت و حیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے پرد کر دیے جاتے ہیں۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی سارے فیصلے ہمارے حکم و اذن اور ہماری تقدیر و مشیت سے ہوتے ہیں۔

(۴) یعنی انزال کتب کے ساتھ اِذْسَالُ رُسُلٍ (رسولوں کا بھیجا) یہ بھی ہماری رحمت ہی کا ایک حصہ ہے تاکہ وہ ہماری نازل کردہ کتابوں کو کھول کر بیان کریں اور ہمارے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس طرح مادی ضرورتوں کی فراہمی کے ساتھ ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا بھی سامان مہیا کر دیا۔

(۵) یہ آیات بھی سورہ اعراف کی آیت کی طرح ہیں۔ ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ الْكَرِيمِ جَعَلْتُمْ جَمِيعَ مَا لَيْلَنِي لَهُ مُلْكٌ

بِئْ هُنْ فِي شَكٍ يَلْعَبُونَ ①

فَارْتَقَبِ يَوْمَ تَلْقَى النَّاسُ بِذِخَانٍ مُّبِينٍ ②

يَعْنَى النَّاسُ هُنَّا عَذَابَ إِلَيْهِ ③

رَبِّنَا أَثْلَاثُ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ④

أَلِّي لَهُ الْيَكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ⑤

لَوْلَوْ اعْنَهُ وَقَالُوا مَعْلُظٌ مُّبِينٌ ⑥

إِنَّا كَاشِفُ الْعَذَابِ قَلِيلًا لِّلْكُفَّارِ عَلَيْهِنَّ ⑦

السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ لِلَّاهِ إِلَهُنِّي وَبِيُوتٍ ⑧ (سورة الأعراف ١٥٨)

(١) یعنی حق اور اس کے دلائل ان کے سامنے آگئے۔ لیکن وہ اس پر ایمان لانے کے بجائے شک میں بتلا ہیں اور اس شک کے ساتھ استہزا اور کھیل کو دیں پڑے ہیں۔

(٢) یہ ان کفار کے لیے تهدید ہے کہ اچھا آپ اس دن کا انتظار فرمائیں جب کہ آسمان پر دھوئیں کاظمور ہو گا۔ اس کے سبب نزول میں بتلایا گیا ہے کہ اہل مکہ کے معاذناہ روئیے سے نگ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قحط سالی کی بدوع فرمائی، جس کے نتیجے میں ان پر قحط کا عذاب نازل کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ بُدیاں، کھالیں، اور مردار وغیرہ نک کھانے پر مجبور ہو گئے، آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انہیں دھوائی سانظر آتا۔ بالآخر نگ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب ملنے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا، لیکن یہ کیفیت دور ہوتے ہی ان کا کفر و عناد پھر اسی طرح عود کر آیا۔ چنانچہ پھر جنگ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) بعض سمجھتے ہیں کہ قرب قیامت کی دس بڑی بڑی علامات میں سے ایک علامت دھوائی بھی ہے جس سے کافر زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن بست کم۔ آیت میں اسی دھوئیں کا ذکر ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہو گی جب کہ پہلی تفسیر کی رو سے یہ ظاہر ہو چکی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں، دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اس کی شان نزول کے اعتبار سے یہ واقعہ ظبور پذیر ہو چکا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔ تاہم علامات قیامت میں بھی اس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، اس لیے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے، اس وقت بھی اس کاظمور ہو گا۔

(٣) پہلی تفسیر کی رو سے یہ کفار مکہ نے کما اور دوسری تفسیر کی رو سے قیامت کے قریب کافر کیسیں گے۔

پر آجائے گے۔^(۱۵)
 جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے،^(۱۶) بالیقین ہم بدھے
 لینے والے ہیں۔^(۱۷)
 یقیناً ان سے پسلے ہم قوم فرعون کو (بھی) آزمائچے ہیں^(۱۸)
 جن کے پاس (اللہ کا) باعزت رسول آیا۔^(۱۹)
 کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میرے حوالے کر^(۲۰) دو، یقین
 مانو کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔^(۲۱)
 اور تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی نہ کرو،^(۲۲) میں
 تمہارے پاس کھلی دلیل لانے والا ہوں۔^(۲۳)
 اور میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس
 سے کہ تم مجھے سنگار کر دو۔^(۲۴)
 اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ
 ہی رہو۔^(۲۵)

يَوْمَ نَطْشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُسْتَعْدُونَ ⑥

وَلَقَدْ فَتَأَقْبَلُوا مُهْمَمِينَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ جَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ⑦

إِنَّ أَذْفَالَ إِلَى عِبَادَاتِنِوْرَى لَكُوْرَسُوْلُ أَيْمَنٌ ⑧

وَإِنْ لَا تَعْلَمُوا عَنِ اللَّهِ إِلَّا أَيْتَمْ بُلْطَنِ شَمِينٌ ⑨

وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُوْلَانِ تَرْجُمُونَ ⑩

وَإِنْ لَكُوْنُوْلِي فَاعْتَدَلُونَ ⑪

(۱) اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے، جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنالیے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے
 یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہو گی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوتی،
 کیوں کہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا تاہم وہ
 گرفت عام ہو گی، ہر نافرمان اس میں شامل ہو گا۔

(۲) آزمائے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں دنیوی خوشی، خوشحالی و فراغت سے نوازا اور پھر انہا جلیل القدر پیغمبر بھی
 ان کی طرف ارسال کیا لیکن انہوں نے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ پیغمبر پر ایمان لائے۔

(۳) عباد اللہ سے مراد یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہے جسے فرعون نے غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ
 علیہ السلام نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

(۴) اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہوں۔

(۵) یعنی اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اللہ کے سامنے اپنی بڑائی اور سرکشی کا اظہار نہ کرو۔

(۶) یہ ماقبل کی علت ہے کہ میں ایسی جھٹ و اخھ ساتھ لایا ہوں جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

(۷) اس دعوت و تبلیغ کے جواب میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی، جس پر انہوں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔

(۸) یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ، لیکن مجھے قتل کرنے کی یا ازیمت پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔

پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ سب گنگہار لوگ ہیں۔^(۱) (۲۲)

(ہم نے کہہ دیا) کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل، یقیناً تمہارا^(۲) پیچھا کیا جائے گا۔ (۲۳)
تودریا کو ساکن چھوڑ کر چلا جا،^(۳) بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا۔ (۲۴)

وہ بہت سے باغات^(۴) اور چشمے چھوڑ گئے۔ (۲۵)
اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے۔ (۲۶)
اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے۔ (۲۷)
اسی طرح ہو گیا^(۵) اور ہم نے ان سب کا وارث دوسرا
قوم کو بنادیا۔ (۲۸)

سو ان پر نہ تو آسمان و زمین^(۶) روئے اور نہ انہیں

فَدَعَارَتِهَا أَنَّ هُوَ لَهُ قَوْمٌ مَجْرُومُونَ ۝

فَأَنْسِرِي بِإِيمَانِ لَيْلًا إِنَّكُمْ مُبْعَثُونَ ۝

وَأَنْزَلَكَ الْبَحْرَ هُوَ لَهُ دُونُجَدٌ مُعْرَفُونَ ۝

كُمْرَرُوا مِنْ جَهَنَّمَ وَعَيْنُونَ ۝

وَزُرُرُوا وَمَعَلَّمٌ كَرِيمٌ ۝

وَنَعْمَةٌ كَانُوا فِيهَا لَكِمْنَ ۝

كَذَلِكَ وَأَوْفَنَهَا قَوْنَا لِلْخَرْنَ ۝

فَهَلْكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرُونَ ۝

(۱) یعنی جب انہوں نے دیکھا کہ دعوت کا اثر قبول کرنے کے بجائے، اس کا کفر و عناد اور بڑھ گیا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے۔

(۲) چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انہیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو! گھبرا نہیں، تمہارا پیچھا بھی ہو گا۔

(۳) رہوا۔ یعنی ساکن یا خشک۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لاٹھی مارنے سے دریا مجھرانہ طور پر ساکن یا خشک ہو جائے گا اور اس میں راستہ بن جائے گا، تم دریا پار کرنے کے بعد اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا کہ فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا کو پار کرنے کی غرض سے اس میں داخل ہو جائے اور ہم اسے وہیں غرق کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

(۴) حکم، خبر یہ ہے جو تنکشیر کا فائدہ دیتا ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی، عالی شان مکانات اور خوش حالی کے آثار تھے۔ سب کچھ یہیں دنیا میں ہی رہ گیا اور عبرت کے لیے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

(۵) یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(۶) بعض کے نزدیک اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک بنی اسرائیل کا دوبارہ مصر آنا تاریخی طور پر ثابت نہیں، اس لیے ملک مصر کی وارث کوئی اور قوم بنی۔ بنی اسرائیل نہیں۔

(۷) یعنی ان فرعونیوں کے نیک اعمال ہی نہیں تھے جو آسمان پر چڑھتے اور ان کا سلسلہ منقطع ہونے پر آسمان روئتے، نہ

مملت ملی۔ (۲۹)

اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو (سخت) رسوا
کن سزا سے نجات دی۔ (۳۰)

(جو) فرعون کی طرف سے (ہو رہی) تھی۔ فی الواقع وہ
سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا۔ (۳۱)

اور ہم نے دانتے طور پر بنی اسرائیل کو دنیا جہان والوں پر
فوقیت دی۔ (۳۲)

اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صرخ
آزمائش تھی۔ (۳۳)

یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں۔ (۳۴)

کہ (آخری چیز) یہی ہمارا پہلی بار (دنیا سے) مر جانا ہے اور
ہم (۳۵) دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔

وَلَقَدْ يَعْلَمُنَا إِنَّهُمْ لَأَنْذَلُوا مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝

مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًّا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝

وَلَقَدْ أَخْرَجْنَاهُمْ عَلَى عَلَيْهِ عَلَى الْغَلَبَيْنِ ۝

وَإِنَّهُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ مَا فِيهِ بَلُوْءٌ أَثِيرٌ ۝

إِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا مَوْتَنَا الْأَوَّلُ وَمَا نَعْنَنُ بِمُشَرِّنِينَ ۝

زمین پر ہی وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ اس سے محرومی پر زمین روئی۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں سے کوئی بھی ان کی بلا کست پر رونے والا نہیں تھا۔ (فتح القدر)

(۱) اس جہان سے مراد، بنی اسرائیل کے زمانے کا جہان ہے۔ علی الاطلاق کل جہان نہیں ہے۔ کیوں کہ قرآن میں امت محمدیہ کو کُشم خَيْرٌ أُمَّةٍ کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل اپنے زمانے میں دنیا جہان والوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان کی یہ فضیلت اس احتجاق کی وجہ سے تھی جس کا علم اللہ کو ہے۔

(۲) آیات سے مراد وہ مجرمات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، ان میں آزمائش کا پسلویہ تھا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں؟ یا پھر آیات سے مراد وہ احسانات ہیں جو اللہ نے ان پر فرمائے۔ مثلاً فرعونیوں کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لیے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ اور من و سلوی کا نزول وغیرہ۔ اس میں آزمائش یہ ہے کہ ان احسانات کے بدالے میں یہ قوم اللہ کی فرماں برداری کا راستہ اختیار کرتی ہے یا اس کی ناشکری کرتے ہوئے اس کی بغاوت اور سرکشی کا راستہ اپناتی ہے۔

(۳) یہ اشارہ کفار مک کی طرف ہے۔ اس لیے کہ سلسلہ کلام ان ہی سے متعلق ہے۔ درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تجیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بھی ان کی طرح کفر پر اصرار کیا تھا، دیکھ لو، اس کا کیا حشر ہوا۔ اگر یہ بھی اپنے کفو و شرک پر مصر رہے تو ان کا انجمام بھی فرعون اور اس کے مانے والوں سے مختلف نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب ہونا ممکن نہیں ہے۔

اگر تم پچھے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ۔^(۱) (۳۶)

کیا یہ لوگ بستری ہیں یا تعالیٰ کی قوم کے لوگ اور جوان سے بھی پسلے تھے۔ ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گنہ گار تھے۔^(۲) (۳۷)

ہم نے زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔^(۳) (۳۸)

بلکہ ہم نے انہیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔^(۴) (۳۹)

یقیناً فیصلے کا ون ان سب کا طے شدہ وقت ہے۔^(۵) (۴۰)

فَأَتُوا بِاَبَاءَنَا لَنَا مِنْ صَدِيقِنَّ

اَهْمَ حِدَّةٍ اَمْ قَوْمٌ تُبَيَّعُ وَ الَّذِينَ مِنْ مَلِئَمٍ اَهْلَكْنَاهُمْ
إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ

وَمَا خَلَقْنَا الْتَّمَوُتَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَا يَعْلَمُونَ

مَا خَلَقْنَا مَالًا بِالْحَقْقِ وَلَكِنَ الْكُثُرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ كُلُّهُمْ

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے کما جا رہا ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ واقعی صحیح ہے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھادو۔ یہ ان کا جدل اور کٹ جھتی تھی کیوں کہ دوبارہ زندہ کرنے کا عقیدہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا میں زندہ ہو جانا یا کرونا۔

(۲) یعنی یہ کفار کہ کیا تعالیٰ اور ان سے پسلے کی قویں، عاد و شمود وغیرہ سے زیادہ طاقت و رواہ بستریں، جب ہم نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں، ان سے زیادہ قوت و طاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تعالیٰ سے مراد قوم سبا ہے۔ سبا میں حمیر قبیلہ تھا، یہ اپنے بادشاہ کو تعالیٰ کرتے تھے، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، مصر کے حکمران کو فرعون اور جبše کے فرمان رواؤ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تابعہ میں سے بعض تعالیٰ کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ بعض مورخین نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سرقت تک پہنچ گیا، اس طرح اور بھی کئی عظیم بادشاہ اس قوم میں گزرے اور اپنے وقت کی یہ ایک عظیم ترین قوم تھی جو قوت و طاقت، شوکت و حشمت اور فراغت و خوشحالی میں ممتاز تھی۔ لیکن جب اس قوم نے بھی پیغمبروں کی مکنیب کی تو اسے تسلیم کر کے رکھ دیا گیا (تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ سبا کی متعلقہ آیات) حدیث میں ایک تعالیٰ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اسے سب و شتم نہ کرو (جمع الزوائد ۸/ ۸۶، صحیح الجامع للألبانی، ۱۳۱۹) تاہم ان کی اکثریت نافرانوں کی ہی رہی ہے جس کی وجہ سے ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

(۳) یہی مضمون اس سے قبل سورہ ص ۲۷، سورۃ المؤمنون ۱۱۵-۱۱۶، سورۃ الحجر ۸۵ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴) وہ مقصد یا درست تدبیری ہے کہ لوگوں کی آزمائش کی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکوں کی جزا اور بدلوں کو ان کی بدیوں کی سزا دی جائے۔

(۵) یعنی وہ اس مقصد سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اسی لیے آخرت کی تیاری سے لاپروا اور دنیا میں منہک ہیں۔

(۶) یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔

اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے
گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی۔^(۱) (۲۱)

مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے وہ زبردست اور رحم
کرنے والا ہے۔^(۲) (۲۲)

بیشکِ زقوم (تھوہر) کا درخت۔^(۳) (۲۳)
گناہ گار کا کھانا ہے۔^(۴) (۲۴)

جو مثل تلچھٹ^(۵) کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا
ہے۔^(۶) (۲۵)

مثل تیز گرم پانی کے۔^(۷) (۲۶)

اسے پکڑ لو پھر گھستنے ہوئے بیچ جنم تک پہنچاؤ۔^(۸) (۲۷)
پھر اس کے سر برخت گرم پانی کا عذاب بھاؤ۔^(۹) (۲۸)
(اس سے کما جائے گا) چھٹا جاتو تو توبہ اذی عزت اور بڑے
اکرام والا تھا۔^(۱۰) (۲۹)

یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔^(۱۱) (۵۰)
بیشک (اللہ سے) ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں
گے۔^(۱۲) (۵۱)

باغوں اور چشموں میں۔^(۱۳) (۵۲)

باریک اور دیزیریش کے لباس پنے ہوئے آمنے سامنے
بیٹھے ہوں گے۔^(۱۴) (۵۳)

يَوْمَ لَا يَعْلَمُونَ مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا فَلَا هُمْ يُنَصَّرُونَ ①

إِلَّا مَنْ رَجَعَ إِلَهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ②

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقْوَرِ ③

طَاعَامُ الْأَثْيَمِ ④

كَالْمُفْلِي يَقْشِلُ فِي الْطُّوْنِ ⑤

كَغْلُ الْعَيْمِيُّ ⑥

خُذْدُوْهُ فَأَغْتَلُوْهُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيْمِ ⑦

ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْعَيْمِيِّ ⑧

ذُنُّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ⑨

إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمَرِّدُنَ ⑩

إِنَّ الْمُتَعَنِّينَ فِي مَقَالِمِ أَمْنِينَ ⑪

فِي جَنَّتِ الْعَيْمِيِّينَ ⑫

يَلْكُسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ قَلْسَبَرِيٍّ مُنْقَبِلِيَنَ ⑬

(۱) جیسے فرمایا ﴿فَإِذَا نَسِعَ فِي الصُّورِ فَلَا أَشَابَ بَيْنَهُمْ﴾ (المؤمنون: ۱۰) ﴿وَلَا يَسْتَغْنُ حَمِيمٌ حَوَيْمًا﴾ (المعارج: ۱۰)

(۲) مُهلٌ پکھلا ہوا تابنه، آگ میں پکھلی ہوئی چیزیاں تلچھٹ تیل وغیرہ کے آخر میں جو گدلي سی مٹی کی ترہ جاتی ہے۔

(۳) وہ زقوم کی خوراک، کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گی۔

(۴) یہ جنم پر مقرر فرشتوں سے کما جائے گا، سواء، بمعنی وسط۔

(۵) یعنی دنیا میں اپنے طور پر توبہ اذی عزت اور صاحب اکرام بنا پھرتا تھا اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

(۶) اہل کفر و فتن کے مقابلے میں اہل ایمان و تقوی کا مقام بیان کیا جا رہا ہے۔ جنوں نے اپنا دامن کفر و فتن اور

معاصی سے بچائے رکھا تھا۔ امین کا مطلب ایسی جگہ جہاں ہر قسم کے خوف اور اندریشوں سے وہ محفوظ ہوں گے۔

یہ اسی طرح ہے^(۱) اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔^(۲) (۵۲)

دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میوں کی فرمائش کرتے ہوں گے۔^(۳) (۵۵)

وہاں وہ موت چکھنے کے نیں ہاں پہلی موت^(۴) (جو وہ مر چکے) انیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا۔ (۵۶)

یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے،^(۵) کی ہے بڑی

كَذَلِكَ وَزَوْجُهُنَّمْ بُحُورِ عِينٍ ۝

يَدْعُونَ فِيهَا بَحْلَلَ قَاتِلَةِ الْمُنْبَتِ ۝

لَهُنْ وَقُوَّونَ فِيهَا الْمَوْتُ إِلَّا الْمَوْتُ الْأَوَّلُ وَوَقْتُهُمْ

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

فَضْلًا مِنْ رَبِّكَ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

(۱) یعنی متفقین کے ساتھ یقیناً ایسا ہی معاملہ ہو گا۔

(۲) حُوْرُ حُوْرَاءُ کی جمع ہے۔ یہ حُوْرُ سے مشتق ہے کہ آنکھ کی سفیدی انتہائی سفیدی اور سیاہی انتہائی سیاہ ہو۔ حُوْرَاءُ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نظریں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر جیت زدہ رہ جائیں گی عین، عیناءُ کی جمع ہے، کشاہہ چشم۔ جیسے ہر کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ہم پسلے و ضاحت کر آئے ہیں کہ ہر جنتی کو کم از کم دو حوریں ضرور ملیں گی۔ جو حسن و جمال کے اعتبار سے چندے آفتاب و ماہتاب ہوں گی۔ البته ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، جسے صحیح کہا گیا ہے، کہ شہید کو خصوصی طور پر ۷۷ حوریں ملیں گی (ابواب فضائل الجناد، باب 'ما جاءاء أَنَّ النَّاسَ أَفْضَلُ')

(۳) آمینین (بے خوف کے ساتھ) کامطلب ان کے ختم ہونے کا اندیشه ہو گا نہ ان کے کھانے سے بیماری وغیرہ کا خوف یا موت، تھکاوت اور شیطان کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔

(۴) یعنی دنیا میں انیں جو موت آئی تھی، اس موت کے بعد انیں موت کامزہ نہیں چکھنا پڑے گا۔ جیسے حدیث میں آتا ہے "کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لا کر دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا، اے جنتیو! تمہارے لیے جنت کی زندگی دائی ہے، اب تمہارے لیے موت نہیں۔ اور اے جہنمیو! تمہارے لیے جہنم کا عذاب دائی ہے، موت نہیں"۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ مریم، مسلم، کتاب الجنۃ، باب النار، بدخلها الجبارون والجنۃ يدخلها الضعفاء، دوسری حدیث میں فرمایا "اے جنتیو! تمہارا مقدر اب صحت و قوت ہے، تم کبھی بیمار نہیں ہو گے۔ تمہارے لیے اب زندگی ہی زندگی ہے، موت نہیں۔ تمہارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، ان میں کسی نہیں ہو گی اور سدا جوان رہو گے، کبھی بڑھا پا طاری نہیں ہو گا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الرفقا، باب القصد والمداومة على العمل، مسلم، کتاب مذکور)

(۵) جس طرح حدیث میں بھی ہے۔ فرمایا "یہ بات جان لو! تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا، صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو بھی؟ فرمایا "ہاں مجھے بھی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں ڈھانپ لے گا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الرفقا، باب القصد والمداومة على العمل، مسلم، کتاب مذکور)

کامیابی-(۵۷)

ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ
فصیحت حاصل کریں۔ (۵۸)
اب تو منتظر ہے بھی منتظر ہیں۔ (۵۹)

سورہ جاہیہ کی ہے اور اس میں یتیس آیتیں اور
چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

حُمٌ-(۱) یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے
نازل کی ہوئی ہے۔ (۲)

آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لیے یقیناً بہت
سی نشانیاں ہیں۔ (۳)

اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان جانوروں کی پیدائش
میں جنمیں وہ پھیلاتا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لیے
بہت سی نشانیاں ہیں۔ (۴)

اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ تعالیٰ
آسمان سے نازل فرمائے جانے کو اسکی موت کے بعد زندہ کر
دیتا ہے، (۵) (اس میں) اور ہواوں کے بدلنے میں بھی ان
لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں۔ (۶)

فَإِنَّمَا يَتَرَكَّبُ إِلَيْكُمْ لَعْلَهُمْ يَذَّكَّرُونَ ⑦

فَأَنْتُمْ بِإِنْهُمْ مُّرْتَبُونَ ⑧

سُوْدَةُ الْجَاهِشَيَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمٌ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝

إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَكَيْتَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝

وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَدْعُونَ مِنْ دَائِنَةٍ إِلَيْهِ الْقَوْمُ يُوقَنُونَ ۝

وَاحْتِلَافُ الْأَيْلَمْ وَالنَّهَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الشَّمَاءِ مِنْ
رِزْقٍ فَلَهُمَا الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهِمَا وَتَصْرِيفُ الرِّيحِ مِنْ
لَقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

(۱) تو عذاب اللہ کا انتظار کر، اگر یہ ایمان نہ لائے۔ یہ منتظر ہیں اس بات کے کہ اسلام کے غلبہ و نفوذ سے قبل ہی شاید
آپ موت سے ہمکnar ہو جائیں۔

(۲) آسمان و زمین، انسانی تخلیق، جانوروں کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے اور آسمانی بارش کے ذریعے سے مردہ
زمین میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا وغیرہ، آفاق و نفس میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر دال ہیں۔

(۳) یعنی کبھی ہوا کا رخ شمال و جنوب کو، کبھی پورب پچھم (مشرق و مغرب) کو ہوتا ہے، کبھی بحری ہوا کیسیں اور کبھی بڑی
ہوا کیسیں، کبھی رات کو، کبھی دن کو، بعض ہوا کیسیں بارش خیز، بعض نتیجہ خیز، بعض ہوا کیسیں روح کی غذا اور بعض سب کچھ

یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو راستی سے نا رہے ہیں، پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لا سکیں گے۔^(۱) (۶)

”ولی“ اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنگار پر۔^(۲) (۷)

جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے پھر بھی غور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سنی ہی نہیں،^(۳) تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجئے۔^(۸) وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پا لیتا ہے تو اس کی نہی اڑاتا ہے،^(۳) یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسولی کی مار ہے۔^(۹)

ان کے پیچھے دوزخ ہے،^(۵) جو کچھ انہوں نے حاصل کیا

تَلَكَ إِيَّتِيَ اللَّهُ شَرُّهَا عَلَيْكَ بِالْحِقْقِ فَمَا يَحْبِبُشَرُّهُ بَعْدَ اللَّهِ وَالْيَتَّهُ يُؤْمِنُونَ ①

وَنِيلٌ لِكُلِّ أَفَالِكَ أَنْتُمْ ②

يَمْعَلُّ إِيَّتِيَ اللَّهُ شَرُّهَا عَلَيْكُمْ بِعُودٍ شَرُّهَا كَمَا كَرِيمَهَا أَفْيَرُهُ
يَعْنَابُ الْيَوْمَ ③

وَإِذَا عَمِّرْنَ إِيَّتِنَا شَيْئًا لِتَعْذِيْهَا هُزُّواً أُولَئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ شَعِينٌ ④

مِنْ أَذْلَمِهِمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ بِالْكِبُرُوا شَيْئًا قَلَّا مَا تَنْذِلُوا

جملداری نے والی اور محض گروغبار کا طوفان۔ ہواں کی اتنی فتمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات کا کوئی چلانے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ دو یا دو سے زائد نہیں۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ایک ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سارا اور ہر قسم کا تصرف صرف وہی کرتا ہے، کسی اور کے پاس ادنی ساتھ کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اسی مفہوم کی آیت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۲ بھی ہے۔

(۱) یعنی اللہ کا نازل کردہ قرآن، جس میں اس کی توحید کے دلائل و براہین ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی بات کے بعد کس کی بات ہے اور اس کی نشانیوں کے بعد کون سی نشانیاں ہیں، جن پر یہ ایمان لا سکیں گے؟ بعد اللہ کا مطلب ہے، بَعْدَ حَدِيْثَ اللَّهِ وَبَعْدَ آيَاتِهِ یہاں قرآن پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے ﴿اللَّهُ تَعَالَى أَخْسَنُ
الْحَدِيْثِ﴾ (الزمر، ۲۲) میں ہے۔

(۲) أَفَالِكَ بِمَعْنَى كَذَابٍ، أَثْيَمٍ بِهَتْ كَنَاهَ كَارِ۔ وَنِيلٌ بِمَعْنَى هَلَكَتْ يَا جَنْمَ كِ ایک وادی کا نام۔

(۳) یعنی کفر پر اڑا رہتا ہے اور حق کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اسی غور میں سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

(۴) یعنی اول تواریخ قرآن کو غور سے سنتا ہی نہیں ہے اور اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جاتی ہے یا کوئی بات اس کے علم میں آ جاتی ہے تو اسے استہزا اور نہادق کا موضوع بنایا جاتا ہے۔ اپنی کم عقلی اور نافہمی کی وجہ سے یا کفر و معصیت پر اصرار و اسکار کی وجہ سے۔

(۵) یعنی ایسے کردار کے لوگوں کے لیے قیامت میں جنم ہے۔

تحاود انسیں کچھ بھی نفع نہ^(۱) دے گا اور نہ وہ (کچھ کام آئیں گے) جن کو انسوں نے اللہ کے سوا کار ساز^(۲) بنا رکھا تھا، ان کے لیے تو بت برداعذاب ہے۔^(۳)

یہ (سرتاپا) ہدایت^(۴) ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آئیوں کو نہ مانا ان کے لیے بت سخت دردناک عذاب^(۵) ہے۔^(۶)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا^(۷) کو تابع بنادیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشیاں^(۸) چلیں اور تم اس کا فضل^(۹) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ۔^(۱۰)

اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف

مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفْلَىٰ وَلَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

هَذَا هُدَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يُؤْمِنُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ
رِجْزُ الْيَوْمِ ۝

اللَّهُ الَّذِي سَعَى لَكُوْنَ الْجَنَّةَ الْقُلُّ فِي وَيَوْمٍ وَلَيَتَّبَعُو
مِنْ قَضِيلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشَكَّرُونَ ۝

وَسَعَلَمَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُنَّ ۝

(۱) یعنی دنیا میں جو مال انسوں نے کمایا ہو گا، جن اولاد اور جنہے پر وہ فخر کرتے رہے ہوں گے، وہ قیامت والے دن انسیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

(۲) جن کو دنیا میں اپنا دوست، مددگار اور معبدو بنا رکھا تھا، وہ اس روز ان کو نظر ہی نہیں آئیں گے، مددتو انسوں نے کیا کرنی ہو گی؟

(۳) یعنی قرآن۔ کیوں کہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے۔ اس لیے اس کے سرتاپا ہدایت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن ہدایت ملے گی تو اسے ہی جو اس کے لیے اپنا سینہ واکرے گا۔ بصورت دیگر، نوع راہ و کھلائیں کے رہرو منزل ہی نہیں۔ والا معاملہ ہو گا۔

(۴) أَلَيْمُ، عَذَابٌ کی صفت ہے، بعض اسے رِجْزٌ کی صفت بناتے ہیں۔ رِجْزُ بمعنی عَذَابٌ شَدِيدٌ

(۵) یعنی اس کو ایسا بنا دیا کہ تم کشیوں اور جمازوں کے ذریعے سے اس پر سفر کر سکو۔

(۶) یعنی سمندروں میں کشیوں اور جمازوں کا چلتا یہ تمہارا کمال اور ہنر نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے۔ ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندروں کی موجودوں کو اتنا سرکش بنادیتا کہ کوئی کشتی اور جمازان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا۔ جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔ اگر مستقل طور پر موجودوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندر میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

(۷) یعنی تجارت کے ذریعے سے، اور اس میں غوطہ زنی کر کے موتی اور دیگر اشیاء نکال کر اور دریائی جانوروں (چھلی وغیرہ) کا شکار کر کے۔

(۸) یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو جو اس تنجیر بحر کی وجہ سے تمہیں حاصل ہوتی ہیں۔

فِي ذَلِكَ لَا يَبْتَغِ لِقَاءً مَّنْ تَغْلِبُونَ ⑯

فُلِّ الْلَّذِينَ امْتَوْأَيْعِفُ وَاللَّذِينَ لَا يَرْجِعُونَ أَيَّامَكُلُّهُ لِيَخْرُجَ
قَوْمًا لِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑰

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَنْفَضِّهِ وَمَنْ أَسَدَ فَعَلَيْهَا نُعَذَّالِ
رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ⑯

وَلَقَدْ أَيْنَابَنِي إِنْعَزَلَ الْكِتَبَ وَالْحُكْمُ وَالْبَيْوَهُ وَرَقَاهُمْ
مِنَ النَّصِيبِ وَفَصَلَنَهُمْ عَلَى الْعَلَمِينَ ⑰

سے تمارے لیے تابع کر دیا ہے۔^(۱) جو غور کریں یقیناً وہ
اس میں بہت سی نشانیاں پائیں گے۔^(۲)

آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ ان لوگوں سے درگزر
کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں^(۳) رکھتے، مگر اللہ
تعالیٰ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدله دے۔^(۴)

جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لیے اور جو برائی
کرے گا اس کا مقابل اسی پر ہے،^(۵) پھر تم سب اپنے
پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔^(۶)

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت^(۷) اور نبوت دی
تھی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں دی تھیں^(۸)

(۱) مطیع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کو تماری خدمت پر مامور کر دیا ہے، تمارے مصالح و منافع اور تماری معاش
سب انہی سے وابستہ ہے، جیسے چاند، سورج، روش، ستارے، بارش، باول اور ہوا میں وغیرہ ہیں۔ اور اپنی طرف سے کا
مطلوب، اپنی رحمت اور فضل خاص سے۔

(۲) یعنی جو اس بات کا خوف نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایکاندار بندوں کی مدد کرنے اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے
کی قدرت رکھتا ہے۔ مراد کافر ہیں۔ اور ایام اللہ سے مراد وقائع ہیں۔ جیسے ﴿وَذَكَرْهُمْ بِأَيْثُمْ أَنْتَهُ﴾ (ابراهیم، ۵) میں ہے۔
مطلوب ہے کہ ان کافروں سے غفو و گزر سے کام لو، جو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بے خوف ہیں۔ یہ ابتدائی
حکم تھا جو مسلمانوں کو پہلے دیا جاتا رہا تھا بعد میں جب مسلمان مقابلے کے قبل ہو گئے تو پھر بختی کا اور ان سے نکرا جانے
(جنما) کا حکم دے دیا گیا۔

(۳) یعنی جب تم ان کی ایذاوں پر صبر اور ان کی زیادتوں سے درگزر کرو گے، تو یہ سارے گناہ ان کے ذمے ہی رہیں
گے، جن کی سزا ہم قیامت والے دن ان کو دیں گے۔

(۴) یعنی ہر گروہ اور فرد کا عمل، اچھا یا برا، اس کا فائدہ یا نقصان خود کرنے والے کو ہی پہنچے گا، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس
میں نیکی کی ترغیب بھی ہے، اور بدی سے تہیب بھی۔

(۵) پس وہ ہر ایک کو اس کے مطابق جزاوے گا۔ نیکوں کو نیک اور بروں کو بروی۔

(۶) کتاب سے مراد تورات، حکومت و بادشاہت یا فہم و تقاضا کی وہ صلاحیت ہے جو فصل خصومات اور لوگوں کے
درمیان فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے۔

(۷) وہ روزیاں جوان کے لیے حلال تھیں اور ان ہی میں من و سلوئی کا نزول بھی تھا۔

اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی۔^(۱) (۲)

اور ہم نے انہیں دین کی صاف صاف ولیں دیں،^(۳) پھر انہوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد بحث سے ہی اختلاف برپا کر دیا،^(۴) یہ جن جن چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن ان کے درمیان (خود) تیرارب کرے گا۔^(۵) (۶)

پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا،^(۷) سو آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں۔^(۸) (۹)

(یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے۔ (سبھی لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پہیز گاروں کا کار ساز اللہ تعالیٰ ہے۔^(۱۰)

یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں^(۱۱) اور ہدایت و

وَإِنَّهُمْ مُّنَذَّلُونَ مِنَ الْأُمَّرِقَاتِ لَا هُنَّ أَعْلَمُ بِعِنْدِهِمْ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ بِيَقْرَبِهِمْ
الْعِلْمُ بِغَيْرِ إِيمَانِهِمْ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ بِيَقْرَبِهِمْ
الْقِسْطَةُ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ^(۱۲)

ثُمَّ جَعَلْنَا عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأُمُّرِ قَاتِلُهُمَا وَلَا تَنْتَهِي أَهْوَاءُ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ^(۱۳)

إِنَّمَا لَنِّي يُقْنَعُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا مَوْلَانَ الظَّلَّمِينَ بَعْضُهُمْ
أَوْلَيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِلْمُتَعْلِمِينَ^(۱۴)

هُنَّ أَبْصَارُ لِلثَّالِثِينَ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ شُوَقُونَ^(۱۵)

(۱) یعنی ان کے زمانے کے اعتبار سے۔

(۲) کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام۔ یا مجرمات مراد ہیں۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم، آپ کی نبوت کے شواہد اور آپ کی بھرتگاہ کی تعین مراد ہے۔

(۳) بَعْضُهُمْ بَيْنَهُمْ کا مطلب ہے، آپس میں ایک دوسرے سے حد اور بعض و عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا جادہ و منصب کی خاطر۔ انہوں نے اپنے دین میں، علم آجائے کے باوجود اخلاف یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کیا۔
یعنی اہل حق کو اچھی جزا اور اہل باطل کو بردی جزادے گا۔

(۴) شریعت کے لغوی معنی ہیں، راستہ ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد و منزل تک پہنچاتی ہے۔ پس شریعت سے یہاں مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں۔ آیت کا مطلب ہے۔ ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کر دیا ہے جو آپ کو حق تک پہنچاوے گا۔

(۵) جو اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے ناواقف ہیں۔ مراد کفار مکہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

(۶) یعنی ان ولاءکل کا مجموعہ ہے جو احکام دین سے متعلق ہیں اور جن سے انسانی ضروریات و حاجات وابستہ ہیں۔

رحمت ہے^(۱) اس قوم کے لیے جو لیقین رکھتی ہے۔ (۲۰)
 کیا ان لوگوں کا جو بڑے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم
 انہیں ان لوگوں جیسا کہ دیں گے جو ایمان لائے اور نیک
 کام کیے کہ ان کا مرننا جینا یکساں ہو جائے،^(۲) برا ہے وہ
 فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔^(۳)

اور آسمانوں اور زمین کو اللہ نے بہت ہی عدل کے ساتھ
 پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کام کا
 پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۴) (۲۲)
 کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش
 نفس کو اپنا معبود بنارکھا^(۵) ہے اور باوجود سمجھ بو جہ
 کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا^(۶) ہے اور اس کے کان

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا التَّيَبَّدَاتِ أَنْ تَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ أَمْتَأْنُوا
 وَعَلَمُوا الصِّلْحَاتِ سَوَاءٌ تَحْيَا هُمْ وَمَا تَمْلَأُ مَسَاجِدُهُمْ مَأْتَى يَخْلُمُونَ

وَخَلَقَ اللَّهُ الْتَّمَوُّتَ وَالْأَرْضَ بِالْعِقَادِ وَلِتَجْزِي كُلُّ نَفْسٍ بِمَا
 كَبَدَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

أَفَرَأَيْتَ مِنْ أَنْ تَخْذِلَ اللَّهُ هُوَ يُؤْمِنُ وَأَضْلَلَ اللَّهُ عَلَى عِلْمِهِ وَهُمْ عَلَى
 سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَعْضِهِ غُشْوَةً فَنَّى يَهُدِيهِ مِنْ

(۱) یعنی دنیا میں ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے اور آخرت میں رحمت الہی کا موجب ہے۔

(۲) یعنی دنیا اور آخرت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ اس طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یا مطلب ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ برابر تھے، آخرت میں بھی وہ برابر ہی رہیں گے کہ مرکریہ بھی ناپید اور وہ بھی ناپید؟ نہ بد کار کو سزا نہ ایمان و عمل صالح کرنے والے کو انعام۔ ایسا نہیں ہو گا۔ اسی لیے آگے فرمایاں کا یہ فیصلہ برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

(۳) اور یہ عدل یہی ہے کہ قیامت والے دن بے لاذ فیصلہ ہو گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بُری جزاے گا۔ یہ نہیں ہو گا کہ نیک و بد دونوں کے ساتھ وہ یکساں سلوک کرے، جیسا کہ کافروں کا زعم باطل ہے، جس کی تردید گزشتہ آیت میں کی گئی ہے۔ کیوں کہ دونوں کو برابری کی سطح پر رکھنا ظلم یعنی عدل کے خلاف بھی ہے اور مسلمات سے انحراف بھی۔ اس لیے جس طرح کائنے بو کر انگور کی فصل حاصل نہیں کی جا سکتی، اسی طرح بدی کا ارتکاب کر کے وہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رکھا ہے۔

(۴) پس وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برقرار دیتا ہے۔ یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیتا یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا ہے۔ حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر یا مفادات کی اسیر ہو کر، خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کر سکتی ہے۔ ایک معنی اس کے کیے گئے ہیں، جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت اور بہان کے بغیر اپنی مرضی کے دین کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایسا شخص مراد ہے جو پھر کو پوچھتا ہے، جب اسے زیادہ خوب صورت پھر ل جاتا تو وہ پسلے پھر کو پھینک کر دوسرے کو معبود بنالیتا۔ (فتح القدير)

(۵) یعنی بلوغ علم اور قیام جنت کے باوجود وہ گمراہی ہی کا راست اختیار کرتا ہے۔ جیسے بہت سے پندار علم میں بتلا گمراہ

بَعْدَ الْمُوْلَى أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢﴾

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاةُ الدُّنْيَا لَنَوْتَ وَمَحْيَا وَمَا يَهْلِكُ إِلَّا
الَّذِهَرُ وَمَا الْهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عَلِمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظْهَرُونَ ﴿٣﴾

وَإِذَا نَشَّلُ عَلَيْهِمْ إِلَيْنَا بَيْتِنَا مَا كَانَ حُبِّهِمْ عَلَيْهِمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا

اور دل پر مرگا دی^(١) ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پر دہال دیا^(٢) ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔^(٣) (۲۳) کیا اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے۔^(٤) انہوں نے کماکہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں^(٥) اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے،^(٦) (در اصل) انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ یہ تو صرف (قياس اور) انکل سے ہی کام لے رہے ہیں۔^(٧) (۲۳) اور جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی

اہل علم کا حال ہے۔ ہوتے وہ گمراہ ہیں، موقف ان کا بے بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن ”ہم چوما مگرے نیست“ کے گھمنڈ میں وہ اپنے ”ولائل“ کو ایسا سمجھتے ہیں گویا آسمان سے تارے توڑ لائے ہیں۔ اور یوں ”علم و فہم“ رکھنے کے باوجود وہ گمراہ ہی نہیں ہوتے، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ الْفَضَالِ وَالْفَهْمِ السَّقِيمِ وَالْعَقْلِ الزَّانِي.

(۱) جس سے اس کے کان و عظوظ و نصیحت سنتے سے اور اس کا دل ہدایت کے سختے سے محروم ہے۔

(۲) چنانچہ وہ حق کو دیکھ بھی نہیں پاتا۔

(۳) میسے فرمایا ہے مَنْ يُفْضِّلِ اللَّهَ فَلَا يَعْدَى لَهُ وَيَدْرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٦﴾ (الاعراف)

(۴) یعنی غور و فکر نہیں کرتے تاکہ حقیقت حال تم پر واضح اور آشکارا ہو جائے۔

(۵) یہ دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ، محض زمانے کی گروش کا نتیجہ ہے۔ جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیں ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ، بغیر کسی صالح اور مدرس کے، از خود یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔ یہ گروہ دوریہ کھلاتا ہے (ابن کثیر) ظاہریات ہے، یہ نظریہ، اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ زمانے کو برآ بھلا کرتا ہے (یعنی اس کی طرف افعال کی نسبت کر کے، اسے برا کرتا ہے) حالاں کہ (زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں) میں خود زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی پھیرتا ہوں“۔ (البخاری، تفسیر سورہ الجاثیۃ، مسلم، کتاب الالفاظ من الادب)

إِنَّهُوا إِلَيْنَا إِنَّكُمْ صَدِيقُونَ ④

تلاوت کی جاتی ہے، تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم پچھے ہو تو ہمارے باپ وادوں کو لاؤ۔^(۱) (۲۵)

آپ کہ دیجئے! اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مارڈا تا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔^(۲) (۲۶)
اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن الٰل باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے۔^(۲۷)

اور آپ دیکھیں گے کہ ہرامت گھننوں کے بل گری ہوئی ہو گی۔^(۲۸) ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج تمہیں اپنے کیے کابلہ دیا جائے گا۔^(۲۹)
یہ ہے ہماری کتاب جو تمہارے بارے میں صحیح بول رہی ہے،^(۳۰) ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے۔^(۳۱)
پس لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انسوں نے نیک کام^(۳۲)

قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ثُمَّ يُنَزِّلُ الْمُتَّقِينَ مِنْ جَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَدَرِبِّ رِفْيَهُ وَلِكُنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ⑤

وَلَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَوْمَ نَفُومُ السَّاعَةِ يَوْمَ يُنَزَّلُ الْمُبْطَلُونَ ⑥

وَتَرَى كُلَّ أَنْوَافَ جَاهِنَّمَ تَهْجُلُ أَنْوَافَ نَدْعَى إِلَى كِبِيْرَهُمْ أَلْيَوْمَ مُهْرَجُوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑦

هَذَا كِبَيْرُنَا يَنْطَلِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا لَكُنَا نَسْتَغْشِيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧
فَأَسْأَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِيْحَاتِ فَيَدْخُلُهُمْ رَبِّهِمْ

(۱) یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو ان کی کٹ جھٹ کا مظہر ہے۔

(۲) ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ ہی (چاہے وہ انبیا کے پیروکار ہوں یا ان کے مخالفین) خوف و دہشت کے مارے گھننوں کے بل بیٹھے ہوں گے (فتح القدر) تا انکہ سب کو حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا، جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے واضح ہے۔

(۳) اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے۔ — ﴿ وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجَاءَنِي بِالْأَيْتِينَ وَالثَّمَدَاءِ ﴾ (الزمر: ۲۹) ”اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، نبیوں اور شرمند اکو گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا۔“ یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو گی۔ انسان ان کو دیکھ کر پکارا اٹھے گا۔ ﴿ مَثَلُ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَفِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَهَا ﴾ (الکھف: ۲۹) ”یہ کیسا اعمال نامہ ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کسی کو بھی نہیں چھوڑا، سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔“

(۴) یعنی ہمارے علم کے علاوہ، فرشتے بھی ہمارے حکم سے تمہاری ہر چیز نوٹ کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔

(۵) یہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کر دی اور عمل صالح وہ اعمال خیر ہیں جو سنت

کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا،^(١) یہی صرخ کامیابی ہے۔^(٣٠)

لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو (میں ان سے کوئی گا) کیا میری آئیں تمیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟^(٢) پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گنہ گار لوگ۔^(٣)

اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی ساختاں ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں۔^(٤)

اور ان پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جس کا وہ مذاق اڑا رہے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔^(٥)

اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اس دن سے ملنے کو^(٦) بھلا دیا تھا تمہارا ٹھکانہ

فِ رَحْمَتِهِ ذَلِكُ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ⑥

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ أَفْلَقُنَّا لَيْلَتِنَا شَلَّ عَلَيْنَا
فَاسْتَكْبَرُوا وَلَنَدِمُوا فَوْمَا مَتُّجَرِّمُونَ ⑦

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَارِبَّ فِيهَا فَلَمْ
مَانَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنْ تَفَلَّنَ الْأَظْنَى وَمَا لَهُنْ
بِمُسْتَيْقِنِينَ ⑧

وَبَدَأَ الْهُرُسَاتُ مَا عَمِلُوا حَاقِبٍ بِمِعْنَى كَانُوا يَهُونُ
يَسْتَهْزِئُونَ ⑨

وَقَيْلَ الْيَوْمَ نَفْسُكُو هَمَانِي مُتَمَكِّنًا يَوْمًا كُوْكُوكُ هَذَا وَمَا ذُلْكُ
النَّازُ وَمَا الْكُمُّ مِنْ ثُغْرِينَ ⑩

کے مطابق ادا کیے جائیں نہ کہ ہر وہ عمل جسے انسان اپنے طور پر اچھا سمجھ لے اور اسے نہیں انتہام اور زوق و شوق کے ساتھ کرے جیسے بہت سی بدعتات مذہبی حلقوں میں رائج ہیں اور جو ان حلقوں میں فرانپ و اجبات سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے فرانپ و سنن کا ترک تو ان کے ہاں عام ہے لیکن بدعتات کا ایسا اتزام ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا تصور ہی نہیں ہے۔ حالاں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتات کو شرالامور (بدترین کام) قرار دیا ہے۔

(۱) رحمت سے مراد جنت ہے، یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جیسے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گاؤںت رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ ق) ”تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے سے (یعنی تجویہ میں داخل کر کے) میں جس پر چاہوں گا، رحم کروں گا۔“

(۲) یہ بطور توجیخ کے ان سے کما جائے گا، کیوں کہ رسول ان کے پاس آئے تھے، انہوں نے اللہ کے احکام انہیں سنائے تھے، لیکن انہوں نے پرواہی نہیں کی تھی۔

(۳) یعنی حق کے قبول کرنے سے تم نے تکبر کیا اور ایمان نہیں لائے، بلکہ تم تھے ہی گناہ گار۔

(۴) یعنی قیامت کا وقوع، محض ظن و تخيین ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہوگی۔

(۵) یعنی قیامت کا عذاب، جسے وہ مذاق یعنی انسونا سمجھتے تھے، اس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

(۶) جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کے گا ”کیا میں نے تجھے یہوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا

جہنم ہے اور تمہارا مدگار کوئی نہیں۔ (۳۴)

یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آسمیوں کی بھی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر و مغفرت قبول کیا جائے گا۔ (۳۵)

پس اللہ کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہان کا پانصار ہے۔ (۳۶)

تمام (بزرگی اور) بڑائی آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ (۳۷)

ذلِّكُمْ يَا أَنْذِلُوكُمْ أَعْذَنْ تُعَالِيَاتِ اللَّهِ هُنَّ الْمُرْسَلُونَ وَهُنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَزِيزُ الْكَبِيرُ

فَإِلَيْهِمْ لَا يَحْمِلُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْبَدُونَ (۲)

يَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۳)

وَلَهُ الْكِبْرَى لِأَنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۴)

اکرام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور بیل وغیرہ تیری ماتحتی میں نہیں دیے تھے؟ تو سرداری بھی کرتا اور چنگی بھی وصول کرتا رہا۔ وہ کے گاہاں یہ تو نہیک ہے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے پوچھئے گا ”کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا؟ وہ کے گا، نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ «فَالْيَوْمَ أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتُنَّ» پس آج میں بھی (تجھے جہنم میں ڈال کر) بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھولے رہا۔“ (صحیح مسلم، کتاب الزهد)

(۱) یعنی اللہ کی آیات و احکام کا استہرا اور دنیا کے فریب و غور میں ہتھا رہنا، یہ دو جرم ایسے ہیں جنہوں نے تمہیں عذاب جہنم کا مسخر بنادیا، اب اس سے نکلنے کا امکان ہے اور نہ اس بات کی ہی امید کہ کسی موقعے پر تمہیں توبہ اور رجوع کا موقعہ دے دیا جائے، اور تم توبہ و مغفرت کر کے اللہ کو منالو۔ لَا يُسْتَعْبَدُونَ أَنِّي لَا يُشَرِّضُونَ وَلَا يُظْلَمُونَ مِنْهُمُ الرُّجُوعُ إِلَى طَاعَةِ اللَّهِ، لَأَنَّهُ يَوْمٌ لَا تُقْبَلُ فِيهِ تَوْبَةٌ وَلَا تَنْفَعُ فِيهِ مَعْذِرَةٌ۔ (فتح القدير)

(۲) جیسے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «الْعَظَمَةُ إِذَا رَأَيْنَاهُ وَالْكِبْرَى يَاءُ رِدَائِي، فَمَنْ نَازَ عَنِّي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَسْكَنَتُهُ نَارِي». (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم الكبر)

سورہ احقاف کی ہے اور اس میں پنچتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

حُمٌ^(۱) اس کتاب کا اتر نا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔^(۲)

ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو بہترین تدبیر کے ساتھ ہی ایک مدت معین کے لیے پیدا کیا ہے،^(۳) اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں مذہب مولیتے ہیں۔^(۴)

آپ کہہ دیجئے! بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا مکڑا بنا�ا ہے یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے؟^(۵)
اگر تم پچھے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی علم

سُورَةُ الْأَخْفَافِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حُمٌ

تَبْرِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيِّ^(۱)
مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ
شَمَائِيلَ وَالنَّبِيِّنَ كُفَّارًا وَأَعْمَالًا أَثْنَرُوْا مُغْرِضُونَ^(۲)

فُلَّا أَرَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ أَرْوَقَنْ مَا ذَادَ أَخْفَقُوا
مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شُرُكٌ فِي السَّمَوَاتِ إِنْ يُؤْتَنُ كِتَابًا قَنْ
قَبْلِ هَذَا أَوْ أَشَرَّقَ مِنْ عَلِمَانَ لَكُلُّهُمْ صَدِيقُنَّ^(۳)

(۱) یہ فواتح سورہ ان تفاسیر میں سے ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے ان کے معانی و مطالب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ان کے دو فائدے بعض مفسرین نے بیان کیے ہیں، جنہیں ہم صفحہ ۳۲ پر بیان کر آئے ہیں۔

(۲) یعنی آسمان و زمین کی پیدائش کا ایک خاص مقصد بھی ہے اور وہ ہے انہوں کی آزمائش۔ دوسرا، اس کے لیے ایک وقت بھی مقرر ہے۔ جب وہ وقت موعود آجائے گا تو آسمان و زمین کا یہ موجودہ نظام سارا بکھر جائے گا۔ نہ آسمان، یہ آسمان ہو گا۔ نہ زمین، یہ زمین ہو گی۔ ﴿يَوْمَ تَبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ﴾ (سورہ ابراهیم ۳۸)

(۳) یعنی عدم ایمان کی صورت میں بعث، حساب اور جزا سے جوانہیں ڈرایا جاتا ہے، وہ اس کی پرواہی نہیں کرتے، اس پر ایمان لاتے ہیں، نہ عذاب اخروی سے بچنے کی تیاری کرتے ہیں۔

(۴) أَرَأَيْتُمْ بِمَعْنَى أَخْبُرُونِيْ یا أَرُونِیْ یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں یا شخصیات کی تم عبادت کرتے ہو، مجھے بتاؤ یا دکھاؤ کہ انہوں نے زمین و آسمان کی پیدائش میں کیا حصہ لیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر ان سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے تو پھر تم ان غیر حق معبودوں کو اللہ کی عبارت میں کیوں شرک کرتے ہو؟

ہی جو نقل کیا جاتا ہو، میرے پاس لاو۔^(۱) (۲۳)

اور اس سے بڑھ کر گراہ اور کون ہو گا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسکی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں۔^(۲) (۵)

اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے۔^(۳) (۶)

اور انہیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ کچی بات کو جب کہ ان کے پاس آچکی، کہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے۔^(۷)

وَمَنْ أَفْلَى مِنْ يَدِهِ مَنْ دُوْنَ الْهُوَ مَنْ لَا يَتَّعِيْبُ
لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَلَمْ يَعْنِ دُعَاءِهِمْ غَلُوْنَ ①

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لِهُمْ أَعْدَآءٌ وَكَانُوا يُبَادِرُهُمْ
كُفَّارِيْنَ ②

وَإِذَا اتَّشَلَ عَلَيْهِمْ أَيْتَنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الظَّنِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ
لَتَأْجَأَهُمْ هُمْ هُدَى بِأَخْرَمِيْنَ ③

(۱) یعنی کسی نبی پر نازل شدہ کتاب میں یا کسی منقول روایت میں یہ بات لکھی ہو تو وہ لا کرد کھاؤ تاکہ تمہاری صداقت واضح ہو سکے۔ بعض نے آثارۃِ مِنْ عِلْمٍ کے معنی واضح علمی دلیل کے کئے ہیں، اس صورت میں کتاب سے نقلی دلیل اور آثارۃِ مِنْ عِلْمٍ سے عقلی دلیل مراد ہو گی۔ یعنی کوئی عقلی اور نقلی دلیل پیش کرو۔ پہلے معنی اس کے اثر سے ماخوذ ہونے کی بنیاد پر روایت کے کیے گئے ہیں یا بَقِيَّۃِ مِنْ عِلْمٍ پسے انہیاً علیم السلام کی تعلیمات کا باقی ماندہ حصہ جو قابل اعتماد ذریعے سے نقل ہوتا آیا ہو، اس میں یہ بات ہو۔

(۲) یعنی یہی سب سے بڑے گراہ ہیں جو پھر کی مورتیوں کو یافت شدہ اشخاص کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور قاصر ہی نہیں، بلکہ بالکل بے خبر ہیں۔

(۳) یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقالات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ یونس ۲۹۰- سورہ مریم ۸۱-۸۲۔ سورہ عنکبوت ۲۵، وغیرہ مدنیں الایات۔ دنیا میں ان معبودوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو غیر ذی روح جمادات و بنیات اور مظاہر قدرت (سورج، آگ وغیرہ) ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور قوت گویاً عطا فرمائے گا، اور یہ چیزیں بول کر بتائیں گی کہ ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ہماری عبادت کرتے اور ہمیں تیری خدائی میں شریک گردانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان قال سے نہیں، زبان حال سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں گی۔ واللہ اعلم۔ معبودوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انہیاً علیم السلام، ملائکہ اور صاحبوں میں سے ہیں۔ جیسے عیسیٰ، حضرت عزیز ملیما السلام اور دیگر عباد اللہ الصالحین ہیں، یہ اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح کا جواب دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب قرآن کریم میں منقول ہے۔ علاوہ ازیں شیطان بھی انکار کریں گے۔ جیسے قرآن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ﴿ تَبَرَّنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا أَيَّاً بَعْدَ دُونَ ﴾ (الفصل ۲۳) ”ہم تیرے سامنے (اپنے عابدین سے) اظہار براءت کرتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔“

کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے تو اس نے خود گھڑلیا^(۱) ہے آپ کہ دیجئے؟ کہ اگر میں ہی اسے بنالایا ہوں تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے،^(۲) تم اس (قرآن) کے بارے میں جو کچھ کہہ سن رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے،^(۳) میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے وہی کافی ہے،^(۴) اور وہ بخشنے والا مریان ہے۔^(۵) (۸)

آپ کہ دیجئے؟ کہ میں کوئی بالکل انوکھا سبیر تو نہیں^(۶) نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔^(۷) میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی

أَمْ يَقُولُونَ أَفَرَأَيْتُمْ قُلْ إِنَّ أَفْتَرِيْتُهُ فَلَا تَهْمِلُكُونَ
لِي مِنْ أَنْهُو شَيْئًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفْصِلُونَ فِيْنَا لَكُنْ فِيْهِ
شَهِيدًا بِالْيَقِينِ وَيَتَنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّجِيمُ ⑥
قُلْ نَّا كُنْتُ بِذِيْعَاقَنَ الرُّشِيلِ وَمَا آدِرِيْ مَا يَقْعِلُ بِنِيْ وَلَا يَكُونُ
إِنْ أَقْبِلَ الْأَمَامُ يُوتَى إِلَيْهِ وَمَا أَنَّا لِلْأَنْذِيرُ مُمْبِيْنَ ⑦

(۱) اس حق سے مراد جوان کے پاس آیا، قرآن کریم ہے، اس کے اعجاز اور قوت تاثیر کو دیکھ کر وہ اسے جادو سے تعبیر کرتے، پھر اس سے بھی انحراف کر کے یا اس سے بھی بات نہ بتتی تو کہتے کہ یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔

(۲) یعنی اگر تمہاری یہ بات صحیح ہو کہ میں اللہ کا بنایا ہوا رسول نہیں ہوں اور یہ کلام بھی میرا اپنا گھڑا ہوا ہے، پھر تو یقیناً میں بڑا مجرم ہوں، اللہ تعالیٰ اتنے بڑے جھوٹ پر مجھے پکڑے بغیر تو نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر ایسی کوئی گرفت ہوئی تو پھر سمجھ لینا کہ میں جھوٹا ہوں اور میری کوئی مدد بھی مت کرنا۔ بلکہ ایسی حالت میں مجھے مٹا غذہ اللہ سے بچانے کا تمہیں کوئی اختیار ہی نہیں ہو گا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿وَلَوْ تَعْوَلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيْنِ لَأَخْذَنَا مُنْهَى يَالِيْمِيْنِ * ثُمَّ لَقَطَنَنَا مُنْهَى الْوَيْتِيْنِ * فَمَا مِنْكُمْ مَنْ أَحَدَ عَنْهُ حِيجَزِيْنِ﴾ (الحاقة، ۳۲-۳۳)

(۳) یعنی جس جس انداز سے بھی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، کبھی اسے جادو، کبھی کہانت اور کبھی گھڑا ہوا کہتے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ یعنی وہی تمہاری ان نہ موم حرکتوں کا تمہیں بدله دے گا۔

(۴) وہ اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہی تمہاری تکذیب و مخالفت کا بھی گواہ ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے سخت و عید ہے۔

(۵) اس کے لیے جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مان لے۔ مطلب ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جاؤ۔

(۶) یعنی پسلا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں، بلکہ مجھ سے پہلے بھی متعدد رسول آپکے ہیں۔

(۷) یعنی دنیا میں۔ میں کے میں ہی رہوں گایا یہاں سے نکلنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمہارے ہاتھوں میرا قتل ہو گا؟ تم جلد ہی سزا سے دوچار ہو گے یا بھی مملت تمہیں دی جائے گی؟ ان تمام ہاتوں کا علم صرف اللہ کو ہے،

الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں۔^(۹)

آپ کہہ دیجئے! اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لاچکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو،^(۱۰) تو بیشک اللہ تعالیٰ ظالمون کو راہ نہیں دکھاتا۔^(۱۱)

اور کافروں نے ایمان داروں کی نسبت کما کہ اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت کرنے نہ پاتے، اور چونکہ انہوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی پس یہ کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہے۔^(۱۲)^(۱۳)

فَلَمَّا آتَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرُوكُمْ بِهِ وَشَهَدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ إِنْ تَرَأَنُ عَلَىٰ مِثْلِهِ قَاتِلٌ وَأَنْكَبَذِئْلَهُنَّ اللَّهُ لَا يَهُدُى الْقَوْمُ الظَّلِيمُونَ^(۱۴)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّمَا أَنْتُمُ الْوَحْيَنَ حَيْرًا مَا سَبَقُوكُمْ إِنَّمَا وَادُوا لَهُ مِنْهُدَوْلَهُ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْلُكُ قَدِيرٍ^(۱۵)

مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کل کیا ہو گا؟ تاہم آخرت کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اہل ایمان جنت میں اور کافر جنم میں جائیں گے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے کہ بنی اسرائیل نے بعض صحابہ رض کی وفات پر، جب ان کے بارے میں حسن ظن کا ظہار کیا گیا، تو فرمایا «وَاللَّهِ مَا أَدْرِي - وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ - مَا يُفْعَلُ بِنِي وَلَا بِكُمْ» (صحیح بخاری، مناقب الانصار، باب مقدم النبی واصحابہ المدینۃ) ”اللہ کی قسم“ مجھے اللہ کا رسول ہونے کے باوجود علم نہیں کہ قیامت کو میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اس سے کسی ایک معین شخص کے قطعی انجام کے علم کی نفی ہے۔ الا یہ کہ ان کی بابت بھی نص موجود ہو۔ جیسے عشرہ مشہور اصحاب بدروغیرہ۔

(۱) اس شاہد بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بطور جنس کے ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ہر ایمان لانے والا اس کا مصدقہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کے میں رہنے والا کوئی بنی اسرائیلی مراد ہے، کیونکہ یہ سورت کمی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبد اللہ بن سلام ہیں اور وہ اس آیت کو مدینی قرار دیتے ہیں۔ صحیحین کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (صحیح بخاری، مناقب الانصار، باب مناقب عبد اللہ بن سلام، مسلم، فضائل الصحابة) اسی لیے امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ علیٰ مِثْلِهِ (اسی جیسی کتاب کی گواہی) کا مطلب ہے تورات کی گواہی جو قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ قرآن بھی توحید و معاد کے اثبات میں تورات ہی کی مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گواہی اور ان کے ایمان لانے کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد تمہارے انکار و اتکلار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ تمہیں اپنے اس رویے کا انجام سوچ لینا چاہیے۔

(۲) کفار مکہ، حضرت بالا، عمر، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے مسلمانوں کو، جو غریب و فلاش قسم کے لوگ تھے،

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشو اور رحمت تھی۔
اور یہ کتاب ہے تصدیق کرنے والی عربی زبان میں تاکہ
ظالموں کو ڈرائے اور نیک کاروں کو بشارت ہو۔ (۱۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر
جمے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ غمگین ہوں
گے۔ (۱۳)

یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے، ان اعمال
کے بد لے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (۱۴)

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک
کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر
پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جتا۔ (۱۵) اس

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَبٌ مُّوسَى إِنَّا مَا ذَرْنَا حَمَةً وَهَذَا كِتَبٌ مُّصَدِّقٌ
إِنَّا نَعْرِي الْكِتَابَ لِلَّذِينَ كَلَمْنَا أَتَيْتُهُ لِلْمُحْسِنِينَ (۱۶)

إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا رَبَّنَا اللَّهَ ثُمَّ أَسْعَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَخْزَنُونَ (۱۷)

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَلِدِينَ فِيهَا جَنَّاتُ نَعِيْدَا
يَعْمَلُونَ (۱۸)

وَوَصَّيْنَا إِلَيْنَا إِنْسَانَ بِوَالدِّيَّ وَاحْسَنَاهُ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْمًا
وَوَضَعَتْهُ كُرْمًا وَحَمَلَهُ وَفَصَلَهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا لَمَّا

لیکن اسلام قبول کرنے میں انہیں سابقیت کا شرف حاصل ہوا، دیکھ کر کہتے کہ اگر اس دین میں بہتری ہوتی تو ہم جیسے
ذی عزت و ذی مرتبہ لوگ سب سے پہلے اسے قبول کرتے نہ کہ یہ لوگ پہلے ایمان لاتے۔ یعنی اپنے طور پر انہوں نے
اپنی بابت یہ فرض کر لیا کہ اللہ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے، اس لیے اگر یہ دین بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ
ہمیں اس کے قبول کرنے میں پیچھے نہ چھوڑتا، اور جب ہم نے اسے نہیں اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پرانا
جھوٹ ہے۔ یعنی قرآن کو انہوں نے پرانا جھوٹ فرار دیا ہے۔ جیسے وہ اسے أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ بھی کہتے تھے، حالانکہ دنیوی
مال و دولت میں ممتاز ہونا، عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔ (جیسے ان کو مغالطہ ہوا یا شیطان نے مغالطے میں ڈالا) عند اللہ
مقبولیت کے لیے تو ایمان و اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اس دولت ایمان و اخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے، نوازتا ہے،
جیسے وہ مال و دولت آزمائش کے طور پر جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔

(۱) اس مشقت و تکلیف کا ذکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم میں مزید تاکید کے لیے ہے۔ جس سے یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ ماں، اس حکم احسان میں، باپ سے مقدم ہے، کیونکہ نوماں تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی
(وضع حمل) کی تکلیف، صرف تناہیاں ہی اٹھاتی ہے، باپ کی اس میں شرکت نہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی ماں کے
ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ ایک صحابیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے پوچھا ہیرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؓ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے پھر یہی
پوچھا، آپؓ نے یہی جواب دیا، تیری مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چو تھی مرتبہ پوچھنے پر آپؓ نے فرمایا، پھر
تمہارا باپ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب اول)

کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مینے کا ہے۔^(۱) یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا^(۲) تو کہنے لگاے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے^(۳) کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح ہنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔^(۴)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرمائیتے ہیں اور جن کے بد اعمال سے درگزر کر لیتے ہیں، (یہ) جتنی لوگوں میں ہیں۔ اس پے وعدے کے مطابق جوان سے کیا جاتا تھا۔^(۵)

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں تنگ آگیا،^(۶) تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے

آشدہ وَلَكُمْ أَعْيُنُ سَنَةٌ قَالَ رَبِّ أُوزِغَنِيَّ أَنْ أَشْكُرُ نَعْمَتَكُمْ أَتَقَ آتَيْتَ عَلَىٰ وَعْدِيٍّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَهُ وَأَصْلِحُ لِي فِي دُرْبِيٍّ إِنِّي بُنْتُ إِلَيْكُمْ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ^(۷)

أُولَئِكَ الَّذِينَ شَقَّلُ عَنْهُمْ أَخْسَنَ مَا عَلِمُوا وَتَجَاهَ زَعْنَ سَيَّامَمْ فِي آصْبَحِ الْجَنَّةَ وَعَدَ الْقَدْرَ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ^(۸)

وَالَّذِي قَالَ لِوَالَّدِيهِ أَفِي لَمَّا أَقْعَدَنِي أَنْ أُخْرِجَ وَقَدْ حَلَّتِي

(۱) فِصَالٌ کے معنی، دودھ چھڑانا ہیں۔ اس سے بعض صحابہ رض نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مینے یعنی چھ مینے کے بعد اگر کسی عورت کے ہاں پچہ پیدا ہو جائے تو وہ پچھے حلال ہی کا ہو گا، حرام کا نہیں۔ اس لیے کہ قرآن نے مدت رضاعت دو سال (۲۲ مینے) بتائی ہے (سورہ لقمان، ۱۳، سورہ بقرۃ، ۲۳۳) اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مینے ہی باقی رہ جاتی ہے۔

(۲) کمال قدرت (آشدہ) کے زمانے سے مراد جوانی ہے، بعض نے اسے ۱۸ سال سے تعبیر کیا ہے، حتیٰ کہ پھر بڑھتے بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہ عمر قوائے عقلی کے کامل بلوغ کی عمر ہے۔ اسی لیے مفسرین کی رائے ہے کہ ہر بی بی کو چالیس سال کے بعد ہی نبوت سے سرفراز کیا گیا (فتح القدير)

(۳) أَوْزِغَنِي بمعنی الْهَمْنِي ہے، مجھے توفیق دے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء کہا ہے کہ اس عمر کے بعد انسان کو یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے۔ یعنی رب أَوْزِغَنِي سے مِنَ الْمُسْلِمِينَ تک۔

(۴) مذکورہ آیت میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا، جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی۔ اب اس کے مقابلے میں بد بخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتی ہے۔ اُنِّی لَكُمَا افْسُسْ ہے تم پر، اف کا کلمہ، ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی نافرمان اولاد، باپ

بعد پھر زندہ کیا جاؤں گا مجھ سے پلے بھی امتیں گزر چکی ہیں،^(۱) وہ دونوں جانب باری میں فربادیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجھے خرابی ہو تو ایمان لے آ، پیشک اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف الگوں کے افسانے ہیں۔^(۲) ^(۳)

وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کا) وعدہ صادق آگیا،^(۴) ان جنات اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جوان سے پلے گزر چکے ہیں،^(۵) یقیناً یہ نقصان پانے والے تھے۔^(۶) اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے^(۷) تاکہ انہیں ان کے اعمال کے پورے بد لے دے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔^(۸) اور جس دن کافر جنم کے سرے پر لائے جائیں گے^(۹)

الْقَرْوَنُ مِنْ أَنْبِيلٍ وَهُوَ يَسْتَعْيِثُ إِنَّ اللَّهَ وَيَلْكَ أَمْنَانَ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا فَيَقُولُ نَاهِذَا إِلَّا سَاطِنُ الْكَوْلَينَ ^(۱۰)

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أَمْرٍ فَنَذَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا أَخْرَجُونَ ^(۱۱)

وَلِكُلِّ دَرْجَةٍ مِمَّا يَحْمِلُوا وَلِيُوْقِيمَهُمْ أَعْلَاهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ^(۱۲)

وَيَوْمَ تُعرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ إِذَا هَبَطُوا طَيْبَاتُكُمْ

کی ناصحانہ باتوں پر یادِ عوت ایمان و عمل صالح پر ناگواری اور شدت غیظ کا اظہار کرتی ہے جس کی اولاد کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ آیت عام ہے، ہر نافرمان اولاد اس کی مصدقہ ہے۔

(۱) مطلب ہے کہ وہ تو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آئے۔ حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب قیامت والے دن زندہ ہونا ہے جس کے بعد حساب ہو گا۔

(۲) ماں باپ مسلمان ہوں اور اولاد کافر، تو ہاں اولاد اور والدین کے درمیان اسی طرح تکرار اور بحث ہوتی ہے جس کا ایک نمونہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) جو پلے ہی اللہ کے علم میں تھا، یا شیطان کے جواب میں جو اللہ نے فرمایا تھا۔ ﴿لَمَنْتَقَ جَهَنَّمَ وَنَكَ وَمِنْ يَسَعَكَ وَمِنْهُمْ أَجْعِيَنَ﴾ (سورہ ص ۸۵-۸۶)

(۴) یعنی یہ بھی ان کافروں میں شامل ہو گئے جو انسانوں اور جنوں میں سے قیامت والے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

(۵) مومن اور کافر، دونوں کا، ان کے عملوں کے مطابق، اللہ کے ہاں مرتبہ ہو گا۔ مومن مراتب عالیہ سے سرفراز ہوں گے اور کافر جنم کے پست ترین درجوں میں ہوں گے۔

(۶) گناہ گار کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نیکوکار کے صلے میں کمی نہیں ہو گی۔ بلکہ ہر ایک کو خیریا شریں سے وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہو گا۔

(۷) یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کافروں کی آنکھوں سے پردے ہٹادیئے جائیں گے اور وہ جنم کی آگ دیکھ رہے یا

(کما جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے، پس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی^(۱)، اس باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے۔^(۲) (۲۰)

اور عاد کے بھائی کو یاد کرو، جبکہ اس نے اپنی قوم کو احلف میں ڈرایا^(۳) اور یقیناً اس سے پہلے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے

فِي حَيَاةِ الدُّنْيَا وَاسْتَمْعَثُ بِهَا فَإِلَيْهِمْ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ إِنَّمَا كُنْتُمْ تَسْكُنُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنَّمَا كُنْتُمْ تَفْسِدُونَ ۝

وَأَذْكُرْ أَخَا عَلِيدًا إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَخْفَافِ وَقَدْ خَلَتِ الْمُذْرُّونُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَا عَبْدُ ذَلِيلٍ

اس کے قریب ہوں گے۔ بعض نے يُعَرَضُونَ کے معنی يُعَذَّبُونَ کے کیے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کلام میں قلب ہے۔ مطلب ہے، جب آگ ان پر پیش کی جائے گی تُعَرَضُ النَّارُ عَلَيْهِمْ (فتح القدير)

(۱) طبیبات سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان ذوق و شوق سے کھاتے پیتے اور استعمال کرتے اور لذت و فرحت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن آخرت کی فکر کے ساتھ ان کا استعمال ہوتا بات اور ہے، جیسے مومن کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ احکام اللہ کی اطاعت کر کے شکر اللہ کا بھی اہتمام کرتا رہتا ہے۔ لیکن فکر آخرت سے بے نیازی کے ساتھ ان کا استعمال انسان کو سرکش اور باغی بنا دیتا ہے جیسے کافر کرتا ہے اور یوں وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے۔ چنانچہ مومن کو تو اس کے شکر و اطاعت کی وجہ سے یہ نعمتیں بلکہ ان سے بدرجما بتر نعمتیں آخرت میں پھر مل جائیں گی۔

جب کہ کافروں کو وہی کچھ کما جائے گا جو یہاں آیت میں مذکور ہے۔ ﴿أَذْهَبْنُوكُبَيْرَكُو﴾ کادو سرا ترجمہ ہے ”دنیا کی زندگی میں تم نے اپنے مزے اڑا لیے اور خوب فائدہ اٹھالیا۔“

(۲) ان کے عذاب کے دو سبب بیان فرمائے، ناحق تکبر، جس کی بنیاد پر انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے اور دوسرا فتن۔ بے خوفی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب۔ یہ دونوں باتیں تمام کافروں میں مشترکہ ہوتی ہیں۔ اہل ایمان کو ان دونوں باتوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔

ملحوظہ، بعض صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ انکے سامنے عمدہ وغیرہ آتی تو یہ آیت انہیں یاد آجائی اور وہ اسے ذر سے اسے ترک کر دیتے کہ کہیں آخرت میں ہمیں بھی یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں لوٹ لیے۔ تو یہ انکی وہ کیفیت ہے جو غایت ورع اور زہد و تقویٰ کی مظہر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی نعمتوں کا استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۳) أَخْفَافُ، حِفَفُ کی جمع ہے۔ ریت کا بلند مستطیل ٹیلہ، بعض نے اس کے معنی پہاڑ اور غار کے کیے ہیں۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم۔ عاد اولی۔ کے علاقے کا نام ہے۔ جو حضرموت (یمن) کے قریب تھا۔ کفار مکہ کی تکذیب کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء علیم السلام کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اور کی عبادت نہ کرو۔ بیشک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں۔^(۱) (۲۱)

قوم نے جواب دیا، کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پرستش) سے باز رکھیں؟^(۲) پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کرتے ہیں اسے ہم پر لاوائیں۔^(۳) (۲۲)

(حضرت ہود نے) کما (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں توجہ پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمیں پہنچا رہا ہوں^(۴) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔^(۵) (۲۳)

پھر جب انہوں نے عذاب کو بصورت بادل دیکھا اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے تو کہنے لگے، یہ ابر ہم پر بر سے والا ہے،^(۶) (نسیں) بلکہ دراصل یہ ابر وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے،^(۷) ہوا ہے جس میں دروناک عذاب ہے۔^(۸) (۲۴)

اللہ إِنَّ أَخَافُ عَذَابَكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ^(۹)

قَالُوا إِنَّا حَسِنَاتِنَا لَا تَأْفِنُنَا عَنِ الْمَهَنَةِ فَإِنَّا بِمَا أَنْعَدْنَا إِنْ كُنَّا مِنَ الصَّابِرِينَ^(۱۰)

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْ دِيْنِ اللَّهِ وَأَبَدِلْكُمْ مَا أَرْسَلْتُ بِهِ وَلَكُمْ أَرْكُمْ قَوْمًا مَجْهُولُونَ^(۱۱)

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا شَتَّقُوا إِلَيْهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُهْتَرِنٌ بَلْ هُوَ مَا السَّعْجَلُمُ بِهِ رِيمٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۱۲)

(۱) یوم عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے، جسے اس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بجا طور پر بڑا دن کہا گیا ہے۔

(۲) لِتَأْفِنَكُمْ، لِتُصْرِفُنَّا یا لِتُمْنَعَنَا یا لِتُرْثِلَنَا سب مترادب المعنی ہیں۔ تاکہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے پھیر دے، روک دے، ہٹا دے۔

(۳) یعنی عذاب کب آئے گا؟ یاد نہیں آئے گا، بلکہ آخرت میں تمیں عذاب دیا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ کو ہے، وہی اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔

(۴) کہ ایک تو کفر پر اصرار کر رہے ہو۔ دوسرے، مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔

(۵) عرصہ دراز سے ان کے ہاں بارش نہیں ہوئی تھی، امنڈتے بادل دیکھ کر خوش ہوئے کہ اب بارش ہو گی۔ بادل کو عارض اس لیے کہا ہے کہ بادل عرض آسمان پر ظاہر ہوتا ہے۔

(۶) یہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں کہا کہ یہ محض بادل نہیں ہے، جیسے تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے۔ جسے تم جلد لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

(۷) یعنی وہ ہوا، جس سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی، ان بادلوں سے ہی انھی اور نکلی اور اللہ کی مشیت سے ان کو اور ان کی ہر چیز کو تباہ کر گئی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی، پس وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا^(۱) تھا۔ گند گاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزادیتے ہیں۔^(۲۵)

تُدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِإِمْرَرِهَا فَأَصْبَحُوا لِيُرَى إِلَّا
مَلِكُهُمْ لَكَذِلِكَ نَجَزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ^(۳)

اور بالیقین ہم نے (قوم عاد) کو وہ مقدور دیئے تھے جو تمہیں تو دیئے بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے۔ لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا^(۴) جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر الٹ پڑی۔^(۵)

اور یقیناً ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر

وَلَقَدْ مَكَثُوكُمْ فِي مَا إِنْ مَلِكُكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْهَدَهُ قَمَّا كَعْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْهَدُهُمْ مَنْ شَاءَ إِذَا كَانُوا
يَجْحَدُونَ يَا لَيْلَ اللَّهِ وَحَقَّ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ
يَسْتَهْزِئُونَ^(۶)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرْبَى وَصَرَفْنَا الْأَيْتَ

لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہو گی، لیکن آپ ﷺ کے چہرے پر اس کے بر عکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عاشر اللہ تعالیٰ: اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہو گا، جب کہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کر دی گئی، اس قوم نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا "یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا"۔ (البخاری، تفسیر سورہ الْأَحْقَاف، مسلم، کتاب صلوٰۃ الاستسقاء باب التَّعْوِذُ عِنْ رُؤْبَةِ الرِّيحِ والغیمِ والفرحِ بِالْمَطَرِ، ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب باد تند چلتی تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسَلَتِ بِهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسَلَتِ بِهِ"۔ اور جب آسمان پر بادل گھرے ہو جاتے تو آپ ﷺ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خوف کی سی ایک کیفیت آپ ﷺ پر طاری ہو جاتی جس سے آپ ﷺ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر داخل ہوتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ ﷺ اطمینان کا سائز لیتے۔ (صحیح مسلم، باب مذکور)

(۱) یعنی لکین (گھروالے) سب تباہ ہو گئے اور صرف مکانات (گھر) نشان عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔

(۲) یہ اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قویں، جنہیں ہم نے ہلاک کیا، قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان اور دل) کو حق کے سنبھلے دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا، تو بالآخر ہم نے انہیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں۔

(۳) یعنی جس عذاب کو وہ انہوں نا سمجھ کر بطور استہزا کہا کرتے تھے کہ لے آپنا عذاب! جس سے تو ہمیں ذرا تارہتا ہے، وہ عذاب آیا اور اس نے انہیں ایسا گھیرا کہ پھر اس سے نکل نہ سکے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ④

دیں^(۱) اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں۔^(۲) (۲۷)

پس قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو ان سے کھو گئے، (بلکہ دراصل) یہ ان کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا۔^(۳) (۲۸)

اور یاد کرو! جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش ہو جاؤ،^(۴) پھر جب پڑھ کر ختم

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ أَتَخْذَلُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَرَبَّا
إِلَهٌ بَلْ صَلُوًا عَنْهُمْ وَذَلِكَ إِنْ كُلُّهُمْ وَمَا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ⑤

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرَ أَمْنَ الْجِنِّ يَسْمَعُونَ الْقُرْآنَ^۶
فَلَمَّا حَاضَرُوا هُنَّا كَلُّهُمْ أَنْصَطُوا فَلَمَّا قَضَى وَلَوْلَا إِلَى قَوْمِهِمْ
مُنْذَرُونَ ⑦

(۱) آس پاس سے عاد، ثمود اور لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن اور شام و فلسطین کی طرف آتے جاتے ان سے ان کا گزر ہوتا تھا۔

(۲) یعنی ہم نے مختلف انداز سے اور مختلف نوع کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے کہ شاید وہ توبہ کر لیں۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

(۳) یعنی جن معبودوں کو وہ تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، انہوں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی، بلکہ وہ اس موقع پر آئے ہی نہیں، بلکہ گم رہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتلوں کو والہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں بارگاہ الٰہی میں قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے اس دلیلے کو یہاں افک (جھوٹ) اور افتراء (بہتان) قرار دے کر واضح فرمادیا کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نخل وادی میں پیش آیا، جہاں آپ ﷺ صحابہ کرام ﷺ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو تجسس تھا کہ آسمان پر ہم پر بست زیادہ سختی کر دی گئی ہے اور اب ہمارا وہاں جانا تقریباً ناممکن ہنا یا گیا ہے، کوئی بست ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ جن کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے۔ چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنایا اور یہ بات سمجھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی قوم کو بھی بتلایا (مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، صحیح بخاری میں بھی بعض یا توں کا تذکرہ ہے۔ کتاب مناقب الانصار، باب ذکر الجن، بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انہیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا، اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد

ہو گیا^(۱) تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے واپس لوٹ گئے۔^(۲۹)

کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جوچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔^(۳۰)

اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو، اس پر ایمان لاو^(۲) تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے گا۔^(۳۱)

اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کمیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا،^(۳۲)

قَاتُلُوا إِلَهَوْمَنَا إِنَّا سَيَعْتَذِنُ كُلُّنَا أَتَرْزَلَ مِنْ بَعْدِ مُؤْسِى مُصْرِّفًا
لِمَا يَبْيَثُنَّ يَدَيْهِ يَهْدِيَ إِلَى الْحَقِّ فَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ^(۱)

يَقُولُونَ أَجِبُّوا دَاعِيَ اللَّهِ وَأَمْنُوا بِهِ يَغْفِرُ لِكُلِّ مَنْ ذُنُوبُكُو
وَيَعْجِزُكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيُّهِ^(۲)

وَمَنْ لَا يَعْبُدُ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ

آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ (فتح الباری، تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

(۱) یعنی آپ ﷺ کی طرف سے تلاوت قرآن ختم ہو گئی۔

(۲) یہ جنوں نے اپنی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس سے قبل قرآن کریم کے متعلق بتایا کہ یہ تورات کے بعد ایک اور آسمائی کتاب ہے جوچے دین اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

(۳) یہ ایمان لانے کے وہ فائدے بتائے جو آخرت میں انسیں حاصل ہوں گے۔ مِنْ ذُنُوبِكُمْ مِّنْ مِنْ تَعْبِعِكُمْ کے لیے یعنی بعض گناہ معاف فرمادے گا اور یہ وہ گناہ ہوں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو گا۔ کیوں کہ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ثواب و عقاب اور ادامر و نواہی میں جنات کے لیے بھی وہی حکم ہے جو انسانوں کے لیے ہے۔

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں جنوں میں سے رسول بھیجے یا نہیں؟ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، تمام انبیا و رسول علیهم السلام انسان ہی ہوئے ہیں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ لِلْأَرْجَاجِ لَا تُوحِي لَيْلَمِ^(۱)﴾ (النحل، ۳۳) ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ الرُّسُلِ إِلَّا أَنْهُمْ لِيَأْكُلُونَ الْكَلَامَ وَيَنْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ^(۲)﴾ (سورہ الفرقان - ۲۰) ان آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ جتنے بھی رسول ہوئے، وہ انسان تھے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کے لیے رسول تھے اور ہیں، اسی طرح جنات کے رسول بھی آپ ﷺ ہی ہیں اور آپ ﷺ کے پیغام کو بھی جنات تک پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے اس مقام سے ظاہر ہے۔

(۱) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ زمین کی وسعتوں میں اس طرح گم ہو جائے کہ اللہ کی گرفت میں نہ آسکے۔

٢٣) مِنْ دُونِهِ أَوْلَيْهِمْ وَلِلّٰهِ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

أَوْلَئِرَوْا نَ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَكُلُّ يَعْنَى
بِعَلْفَتِهِنَّ يُشَدِّرُ عَلَى أَنْ يُمْكِنَ الْمَوْتَ بِإِرَاهَةِ عَلَى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٍ ④

وَيَوْمَ يُعَرَّضُ الظَّنِينَ كُفَّارٌ وَأَعْلَى النَّارِ الَّذِينَ هُدُوا إِلَى الْحَقِّ قَاتِلُوا
بَلْ وَرَبِّنَا قَالْ فَذَوْقُكُمُ الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمٍ مِنَ الرَّسُولِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ
كَانُوا هُمْ يَوْمَ يُرَوَونَ مَا يَوْمَ عُدُونَ لَمْ يَلْبِسُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ
نَهَارٍ بِلَغَهُ قَهْلَ يَهْكُمُ إِلَّا قَوْمٌ فَسِقُونَ ۝

پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو،^(۵) یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے

(۱) جو اے اللہ کے عذاب سے بچائیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ خود اللہ کی گرفت سے نکلنے پر قادر ہے نہ کسی دوسرے کی مدد سے ایسا ممکن ہے۔

(۲) رُؤیٰ سے، رؤیت قلبی مراد ہے، یعنی کیا انہوں نے نہیں جانا۔ أَلَمْ يَعْلَمُوا يَا أَلَمْ يَتَفَكَّرُوا، کہ جو اللہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے، جن کی دسعت و بے کرانی کی انتہا نہیں ہے اور وہ ان کو بنایا کرتا ہے کبھی نہیں۔ کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ علیٰ کُلُّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کی صفت سے متصف ہے۔

(۳) وہاں اعتراف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس اعتراف پر قسم کھا کر اسے مؤکد کریں گے۔ لیکن اس وقت کا یہ اعتراف بے فائدہ ہے، کیونکہ مشاہدے کے بعد اعتراف کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اعتراف نہیں تو، کیا انکار کریں گے؟

(۳) اس لیے کہ جب مانے کا وقت تھا، اس وقت مانا نہیں، یہ عذاب اسی کفر اور انکار کا بدله ہے، جواب تمیں بھگتنا ہی بھگنا ہے۔

(۵) یہ کفار مکہ کے رویے کے مقابلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے اور صبر کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

گاکر) دن کی ایک گھری ہی (دنیا میں) ٹھہرے ^(۱) تھے، یہ
ہے پیغام پہنچا ^(۲) دینا، پس بد کاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ
کیا جائے گا۔ ^(۳) ^(۴) ^(۵)

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدنی ہے اور اس میں
اڑتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ^(۶) اللہ نے
ان کے اعمال بر باد کر دیئے۔ ^(۷) ^(۸)

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی
ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری گئی ^(۹) ہے اور
در اصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَصْدَدُوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ أَصْنَاعَهُمْ ①

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلَاحَتِ وَآمَنُوا بِإِيمَانِهِ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ
وَهُوَ أَعْلَىٰ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَرَ عَنْهُمْ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ②

(۱) قیامت کا ہولناک عذاب دیکھنے کے بعد انہیں دنیا کی زندگی ایسے ہی معلوم ہو گی جیسے دن کی صرف ایک گھری یہاں گزار کر گئے ہیں۔

(۲) یہ مبتدا محدود کی خبر ہے۔ آئی: هَذَا الَّذِي وَعَنْتُهُمْ بِهِ بَلَاغٌ يَوْهُ نَصِيحَتِيَّا پیغام ہے جس کا پہنچانا تیرا کام ہے۔

(۳) اس آیت میں بھی اہل ایمان کے لیے خوش خبری اور حوصلہ افزائی ہے کہ ہلاکت اخروی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ کے نافرمان اور اس کی حدود پامال کرنے والے ہیں۔

☆ تفسیر سورہ محمد ملنے پڑی اس کا دوسرا نام القتال بھی ہے۔

(۴) بعض نے اس سے مراد کفار قریش اور بعض نے اہل کتاب لیے ہیں۔ لیکن یہ عام ہے ان کے ساتھ سارے ہی کفار اس میں داخل ہیں۔

(۵) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو سازشیں کیں، اللہ نے انہیں ناکام بنا دیا اور انہی پر ان کو والٹ دیا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ان میں جو بعض مکار م اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً صدر حجی، قیدیوں کو آزاد کرنا، مسمان نوازی وغیرہ یا خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت۔ ان کا کوئی صلہ انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ کیونکہ ایمان کے بغیر اعمال پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہو گا۔

(۶) ایمان میں اگرچہ وحی محمدی یعنی قرآن پاک پر ایمان لانا بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور شرف کو مزید واضح اور

ہے، اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیئے^(۱) اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔^(۲)

یہ اس لیے^(۳) کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مونموں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے۔^(۴)

تو جب کافروں سے تمہاری مذکور ہو تو گرونوں پر وار مارو۔^(۵) جب ان کو اچھی طرح کچل ڈال تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو،^(۶) (پھر اختیار ہے) کہ خواہ

فِإِنَّكَ إِنَّمَا تَنْهَاكُ عَنِ الْمُجْرِمِ فَلَا يَرْجِعُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنَّمَا تَنْهَاكُ عَنِ الْمُجْرِمِ فَلَا يَرْجِعُ عَنْ ذَنْبِهِ

فَإِنَّمَا تَنْهَاكُ عَنِ الْمُجْرِمِ فَلَا يَرْجِعُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنَّمَا تَنْهَاكُ عَنِ الْمُجْرِمِ فَلَا يَرْجِعُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنَّمَا تَنْهَاكُ عَنِ الْمُجْرِمِ فَلَا يَرْجِعُ عَنْ ذَنْبِهِ

نمایاں کرنے کے لیے اس کا علیحدہ بھی ذکر فرمادیا۔

(۱) یعنی ایمان لانے سے قبل کی غلطیاں اور کوتایاں معاف فرمادیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے کہ ”اسلام ما قبل کے سارے گناہوں کو مناویتا ہے“۔ (صحیح الجامع الصفیر لابن القاسم)

(۲) بَالَّهُمَّ: کے معنی آنفرَهُمْ شَانَهُمْ، حَالَهُمْ: یہ سب متقارب المعنی ہیں۔ مطلب ہے کہ انہیں معاصی سے بچا کر رشد و خیر کی راہ پر لگاریا، ایک مومن کے لیے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت کے ذریعے سے ان کی حالت درست کر دی۔ کیونکہ ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں، علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں، بلکہ اس سے فساد احوال کا زیادہ امکان ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

(۳) ذِلِّكَ یہ مبتدا ہے، یا خبر ہے مبتدا محدود کی ائمہ: الْأَمْرُ ذِلِّكَ یہ اشارہ ہے ان وعدوں اور وعدوں کی طرف جو کافروں اور مونموں کے لیے بیان ہوئے۔

(۴) ہمکہ لوگ اس انجام سے بچیں جو کافروں کا مقدر ہے اور وہ راہ حق اپنائیں جس پر چل کر ایمان والے فوز فلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے۔

(۵) جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا تو اب کافروں اور غیر معاهد اہل کتاب سے جماودہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قتل کرنے کے بجائے۔ گرد نہیں مارنے کا حکم دیا، کہ اس تعبیر میں کفار کے ساتھ غلظت و شدت کا زیادہ اظہار ہے۔ (فتح القدير)

(۶) یعنی زور دار معرکہ آرائی اور زیادہ سے زیادہ ان کو قتل کرنے کے بعد، ان کے جو آدمی قابو میں آجائیں، انہیں قیدی بنا لو اور مضبوطی سے انہیں جکڑ کر رکھو ہمکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

احسان رکھ کر چھوڑ دیا فدیہ^(۱) لے کر تاو قتیکہ لڑائی اپنے
ہتھیار رکھ دے۔^(۲) یہی حکم ہے^(۳) اور اگر اللہ چاہتا تو
(خود) ہی ان سے بدلہ لے لیتا،^(۴) لیکن (اس کا مشایہ ہے)
کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے کے ذریعہ
سے لے لے،^(۵) جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے
جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔^(۶)

انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے
گا۔^(۷)
^(۸)

اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں
شناസا کر دیا ہے۔^(۹)

أَوْزَادَهَا شَذِيلَةً ذَلِيلَةً وَلَوْيَشَاءَ إِلَهَ لِلْأَسْتَرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ
لَبَيْلَوْا بِعَصْكُمْ بِعَصْنَ وَالَّذِينَ فَلَوْا فِي سِيَّئِ الْفَلَوْ
فَلَنْ يُعْصِلْ أَعْلَمَهُمْ^(۱۰)

سَيَمْدِيْعُهُ دِيْصِلُهُ بِالْهُمْ ۝

وَيَنْدَخِلُهُ الْجَنَّةَ عَرْقَهُ الْهُمْ ۝

(۱) مَنْ كَامْ طَلَبَ هِيَ بِغَيْرِ فَدِيَةٍ لِيَ بُطُورَ احسَانٍ چَحْوَرِيْنَا وَرِفَادَاءَ كَامْ طَلَبَ، كَجَهَ مَعاوْضَه لِيَ كَرْجَحْوَرِنَا هِيَ - قِيدِيُونَ كَبَارَے
مِنْ اخْتِيَارِ دَرَءَ دِيَأْلَيَا جَوِ صُورَتْ، حَالَاتَ كَاعْتَبَارِ سَعَيْ اسْلَامَ وَرِسْلَانُونَ كَعَنْ مِنْ زِيَادَه، بِمُتَرَهُو وَهُوَ اخْتِيَارَ كَرْلِي جَائِيَ.

(۲) يَعْنِي كَافِرُوْنَ كَسَاطَهُ جَنْگَ خَتَمْ ہُوَ جَائِيَ، يَا مَرَادَهِ ہے كَمَارِبَ دَشْنَ شَكْسَتَ كَهَا كَرِيَا صَلْحَ كَرَهِ ہے كَهِتَھِيَارَ رَکَهِ دَرَءَ یَا
اسْلَامَ غَالِبَ آجَائِيَ اورَ كَفَرَ كَا خَاتَمَهُ ہُوَ جَائِيَ - مَطْلَبَ یَهِ ہے كَجَبَ تَكَيَّيَ صَورَتَ حَالَ نَهُوَ جَائِيَ، كَافِرُوْنَ كَسَاطَهُ
تَسْمَارِيَ مَعْرَكَه آرَائِيَ جَارِيَ رَهِيَ گِيَ جِسَ مِنْ تَمَّانِيْسَ قَتْلَ بَھِيَ كَرُوَگَهِ كِيدِيُونَ مِنْ تَمَّيِسَ مَذَکُورَهِ دُونُونَ بَاتُونَ كَا اخْتِيَارَ
ہے - بَعْضَ كَتَتَهُ ہیَنَ، يَهِ آيَتَ مَنْسُوخَهُ ہے اورَ سَوَاءَتَ قَتْلَ كَوَنَيَ صَورَتَ بَاتَ نَمِيَسَ ہے - لِكِنْ سَجِحَ بَاتَ یَسِيَ ہے كَيَہِ یَهِ
آيَتَ مَنْسُوخَهُ نَمِيَسَ مَحْكَمَهُ ہے - اورَ امامَ وَقْتَ كَوَچَارُوْنَ بَاتُونَ كَا اخْتِيَارَ ہے، كَافِرُوْنَ كَوَقَتْلَ كَرَهِ یَا كِيدِيَ بَنَائِيَ - قِيدِيُونَ مِنْ
سَعَيْ جِسَ كُويَا سَبَ کَوَچَاهِيَ بُطُورَ احسَانٍ چَحْوَرِيْنَا وَيَا مَعاوْضَه لِيَ كَرْجَحْوَرِنَا - (فَتْحُ الْقَدِيرِ)

(۳) يَا تَمَ اسِي طَرَحَ كَرَهِ، أَفْعَلُوا ذَلِيلَهُ يَا ذَلِيلَهُ حُكْمُ الْكُفَّارَ

(۴) مَطْلَبَ كَافِرُوْنَ كَوَہَلَكَ کَرَهِ یَا نَمِيَسَ عَذَابَ مِنْ جَلَاكَرَهِ - يَعْنِي تَمَّيِسَ انَّ سَعَيْ لَرَنَهُ کَيِ ضَرُورَتَهِ پِيشَ نَهَ آتَيَ -

(۵) يَعْنِي تَمَّيِسَ ایک دَوَسَرَے کَهِ ذَرِيَعَهُ سَعَيْ آزَمَائَهُ تَاکَهُ وَهُجَانَ لَهُ کَهِ تَمَّ مِنْ سَعَيْ اسَ کَيِ رَاهَ مِنْ لَرَنَهُ وَالَّهُ کَوَنَ
ہیَنَ؟ تَاکَهُ انَّ کَوَاجِرَوَثَوابَ دَرَءَ اورَ انَّ کَهِ ہاتُھُوںَ سَعَيْ کَافِرُوْنَ کَوَذَلَتَ وَشَكْسَتَ سَعَيْ دَوَچَارَ کَرَهِ -

(۶) يَعْنِي انَّ کَا جِرَوَثَوابَ ضَائِعَ نَمِيَسَ فَرَمَائَهُ گَا -

(۷) يَعْنِي انَّمِيَسَ ایے کَامُونَ کَيِ تَوْفِيقَ دَرَءَ گَا جِنَ سَعَيْ انَّ کَهِ لَيَهِ جَنَتَ کَارَسَتَ آسَانَ ہُوَ جَائِيَ گَا -

(۸) يَعْنِي جَسَهُ وَهِ بِغَيْرِ هَنَمَائِيَ کَهِ پَچَانَ لَیِسَ گَهُ اورَ جَبَ وَهُ جَنَتَ مِنْ دَاخِلَ ہُوُنَ گَهُ تَوازَ خَوَهِیَ اپَنَے اپَنَے گَھُوُنَ مِنْ جَا
دَاخِلَ ہُوُنَ گَهُ - اسَ کَيِ تَائِیدَ ایک حَدِيثَ سَعَيْ بَھِيَ ہوتَیَ ہے - جِسَ مِنْ نَبِيِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَ فَرِمَيَا "قَمَ ہے اسَ

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا^(۱) اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔^(۲)^(۳)

اور جو لوگ کافر ہوئے انہیں ہلاکی ہو اللہ ان کے اعمال غارت کر دے گا۔^(۴)

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے،^(۵) پس اللہ تعالیٰ نے (بھی) ان کے اعمال ضائع کر دیے۔^(۶)

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کراس کامعاہید نہیں کیا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟^(۷) اللہ نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ شَفُورَ اللَّهِ يَنْصُرُ طَمَّ وَيُنَيِّثُ أَفْدَامَكُوْرُ ⑥

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسَلُهُمْ وَأَضَلُّ أَعْمَالَهُمْ ⑦

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ⑧

أَفَلَمْ يَبْيِرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا إِلَيْهَا كَانَ عَابِهًةُ الَّذِينَ

ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ایک جنتی کو اپنے جنت والے گھر کے راستوں کا اس سے کیس زیادہ علم ہو گا، جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب الرفق، باب الفصاص، یوم القيامت)

(۱) اللہ کی مدد کرنے سے مطلب، اللہ کے دین کی مدد ہے۔ کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعے سے ہی کرتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے یعنی انہیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اتعیین اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے، وہ دین کے ہو گئے تھے تو اللہ بھی ان کا ہو گیا تھا، انہوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ نے انہیں بھی دنیا پر غالب فرمایا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَتَّصَرُّ ﴾ (الحج، ۲۰) اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔

(۲) یہ لڑائی کے وقت تثبیث افداء یہ عبارت ہے مواطن حرب میں نصر و معونت سے۔ بعض کہتے ہیں اسلام، یا پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

(۳) یعنی قرآن اور ایمان کو انہوں نے ناپسند کیا۔

(۴) اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو صورۃ اعمال خیر ہیں لیکن عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان پر اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

(۵) جن کے بست سے آثار ان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بعض بناہ شدہ قوموں کے کھنڈرات اور آثار موجود تھے، اس لیے انہیں چل پھر کران کے عبرت ناک انجام دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شاید ان کو دیکھ کر ہی یہ ایمان لے آئیں۔

انیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزا میں ہیں۔^(۱۰)

وہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔^(۱۱)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہرس جاری ہیں اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں،^(۱۲) ان کا (اصل) ٹھکانا جنم ہے۔^(۱۳) ہم نے کتنی بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس سے تجھے نکلا ہم نے انیں ہلاک کر دیا ہے، جن کام دگار کوئی نہ اٹھا۔^(۱۴)

کیا "پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہواں شخص جیسا ہو سکتا ہے؟ جس کے لیے اس کا برا

منْ قَبِيلَهُ دَمَرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكُفَّارِ إِنَّ أَمْتَالَهُنَا

ذَلِكَ يَأْنَى اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكُفَّارَ لَمْوَلَى لَهُمْ

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّتِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَعْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَسَّعُونَ وَيَأْلَمُونَ كَمَا
تَأْلُمُ الْأَنْعَامُ وَالثَّالِمُونَ مُهْمَمُ

وَكَانُوا مِنْ قَرْيَةٍ هُنَّ أَشَدُّ تَوْهِيدًا مِنْ قَرْيَةٍ كَيْ أَخْرَجْتَكَ
أَهْمَكْنَاهُمْ فَلَا تَأْمَرْهُمْ

أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيْنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوْدَ عَمِيلَهِ

(۱) یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے تو تمہارے لیے بھی ایسی ہی سزا ہو سکتی ہے؟ اور گزشتہ کافر قوموں کی ہلاکت کی طرح، تمہیں بھی ہلاکت سے دوچار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) چنانچہ جنگ احمد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے۔ مثلاً آغلُ هُبَلْ، آغلُ هُبَلْ (بل بست کا نام بلند ہو) کے جواب میں اللہ "آغلَى وَاجْلُ" کافروں کے انہی نعروں میں سے ایک نعرے لئا العزَّی وَالا عزَّی لَکُمْ کے جواب میں مسلمانوں کا نعروہ تھا اللہ "مُولَانَا وَلَا مَوْلَیَ لَکُمْ" (اصحیح بخاری، غزوۃ اُحد) "اللہ ہمارا مد دگار ہے، تمہارا کوئی مد دگار نہیں"۔

(۳) یعنی جس طرح جانوروں کو پیٹ اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے، ان کا مقصد زندگی بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ نہیں، آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ اس سے ضمناً کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے، جس کا آج کل دعوتوں میں عام رواج ہے کیوں کہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوه بتایا گیا ہے۔ احادیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے سے نہایت سختی سے منع کیا گیا ہے، جس سے کھڑے کھڑے کھانے کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے سے اعتاب کرنا نہایت ضروری ہے۔ دیکھئے زاد المعاو۔

وَ اتَّبِعُوا هُوَاءَهُمْ

کام مزین کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیر و
ہو؟^(۱۲)

اس جنت کی صفت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا
ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہیں ہیں جو بدبو کرنے والا
نہیں،^(۲) اور دودھ کی نہیں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا،^(۳)
اور شراب کی نہیں ہیں جن میں پینے والوں کے لئے
بڑی لذت ہے^(۴) اور نہیں ہیں شد کی جو بہت صاف
ہیں^(۵) اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور

مَثُلُ الْجِنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُشْرِكُونَ فِيهَا أَنْهَرٌ مِنْ كُلِّ
إِنْ وَأَنْهَرٌ مِنْ كُلِّهِ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْنًا وَأَنْهَرٌ مِنْ خَبِيرَةٍ
لِلشَّرِيكِينَ وَأَنْهَرٌ مِنْ عَسِيلٍ مُصْفَى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ
الثِّيرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِيعِ الْمَمَّانِ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا
مَاءً حِيمًا فَنَظَعَ أَعْدَامُهُمْ ⑯

١٨ مَاءٌ حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَادَهُ

(۱) برے کام سے مراد، شرک و معصیت ہیں، مطلب وہی ہے جو پسلے بھی متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ مومن و کافر، مشرک و موحد اور نیکوکار و بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک کے لیے اللہ کے ہاں اجر و ثواب اور جنت کی نعمتیں ہیں، جب کہ دوسرے کے لیے جننم کا ہولناک عذاب۔ اگلی آیت میں دونوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ پسلے اس جنت کی خوبیاں اور محاسن، جس کا وعدہ متین ہے۔

(۲) آسِن کے معنی، متغیر۔ یعنی بدل جانے والا، غیر آسن نہ بدلنے والا۔ یعنی دنیا میں تو پانی کسی ایک جگہ کچھ دیر پڑا رہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کی بو اور ذاتیت میں تبدیلی آجاتی ہے جس سے وہ مضر صحت ہو جاتا ہے۔ جنت کے پانی کی یہ خوبی ہو گی کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہو گا۔ یعنی اس کی بو اور ذاتیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب پیو، تازہ، مفرح اور صحت افزای جب دنیا کا پانی خراب ہو سکتا ہے تو شریعت نے اسی لیے پانی کی بابت کہا ہے کہ یہ پانی اس وقت تک پاک ہے، جب تک اس کا رنگ یا بونہ بدلے، کیونکہ رنگ یا بونہ متغیر ہونے کی صورت میں یا نیا کا ہو جائے گا۔

(۳) جس طرح دنیا میں وہ دودھ بعض دفعہ خراب ہو جاتا ہے جو گائیوں، بھینسوں اور بکریوں وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے۔ جنت کا دودھ چونکہ اس طرح جانوروں کے تھنوں سے نہیں نکلے گا، بلکہ اس کی نہیں ہوں گی، اس لیے، جس طرح وہ نہایت لذیذ ہو گا، خراب ہونے سے بھی محفوظ ہو گا۔

(۳) دنیا میں جو شراب ملتی ہے، وہ عام طور پر نہایت تلخ، بد مزہ اور بد بودار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسے پی کر انسان بالعموم حواس باختہ ہو جاتا ہے، اول فوٹ بکتا ہے اور اپنے جسم تک کا ہوش اسے نہیں رہتا۔ جنت کی شراب دیکھنے میں حسین، ذاتے میں اعلیٰ اور نہایت خوبصوردار ہو گی اور اسے پی کر کوئی انسان بیکے گا، نہ کوئی گرانی محسوس کرے گا۔ بلکہ ایسی لذت و فرحت محسوس کرے گا جس کا تصور اس دنیا میں ممکن نہیں چیزے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَفِيْهَا عَوْنَ وَلَكَهُمْ عَنْهَا يَنْزَفُونَ﴾

^{۱۹} (الصافات: ۲۷) ”نہ اس سے چکر آئے گا نہ عقل جائے گی۔“ مزید دیکھئے (سورة الواقعۃ)

(۵) یعنی شد میں بالعموم جن چیزوں کی آمیزش کا امکان رہتا ہے، جس کا مشاہدہ دنیا میں عام ہے جنت میں ایسا کوئی اندیشہ

ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے، کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو مکڑے مکڑے کر دے گا۔^(۱) (۱۵)

اور ان میں بعض (ایسے بھی ہیں کہ) تیری طرف کا ن لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے (بوجہ کند ذہنی ولاپرواہی کے) پوچھتے ہیں کہ اس نے ابھی کیا کہا تھا؟^(۲) یہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مرکرداری ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔^(۱۶)

اور جو لوگ ہدایت یافتے ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بروحدا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی ہے۔^(۱۷) (۳)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْأَمُ الْيُكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكُمْ قَالُوا
إِنَّ الَّذِينَ أَذْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا أَفَعَلُوا إِنَّمَا أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ
اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَأَنْبَعَ أَهْوَاهُهُمْ^(۴)

وَالَّذِينَ اهْتَدَوا زَادَهُمْ فُرْدَى وَأَنْتُمْ تَقُولُونَ^(۵)

نہیں ہو گا۔ بالکل صاف شفاف ہو گا، کیونکہ یہ دنیا کی طرح کمبوں سے حاصل کردہ نہیں ہو گا، بلکہ اس کی بھی نہیں ہوں گی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”جب بھی تم سوال کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو اس لیے کہ وہ جنت کا درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہیں پھوٹی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاهدین فی سبیل اللہ)

(۱) یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو نہ کور ہوئے کیا وہ ایسے جنمیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال ہو گا؟ ظاہر بات ہے ایسا نہیں ہو گا۔ بلکہ ایک درجات میں ہو گا اور دو سرادر کات (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں داد طرب و عیش دے رہا ہو گا، دوسراعذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہو گا۔ ایک اللہ کا سماں ہو گا جہاں انواع و اقسام کی چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی، جہاں اس کو کھانے کے لیے ز قوم جیسا تنخ و کیلا کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ بسیں تفاوت رہ ☆ از کجا است تاہے کجا۔

(۲) یہ منافقین کا ذکر ہے، ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آکر صحابہ رض سے پوچھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟

(۳) یعنی جن کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ ان کو ہدایت کی توفیق بھی دے دیتا ہے اور ان کو اس پر ثابت قدمی بھی عطا فرماتا ہے۔

تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے یقیناً اس کی علامتیں تو آچکی ہیں،^(۱) پھر جبکہ ان کے پاس قیامت آجائے انہیں نصیحت کرنا کہاں ہو گا؟^(۲)^(۱۸)

سو (اے نبی!) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں^(۳) اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی،^(۴) اللہ تم لوگوں کی آمد و رفت کی اور رہنے سننے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔^(۵)^(۱۹)

فَهُلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةُ أَنْ تَأْتِيهِمْ بَعْثَةٌ فَقَدْ جَاءَهُمْ أَشْرَاطُهَا فَإِنَّ لَهُمْ إِذَا جَاءَهُمْ ذُنُوبُهُمْ ذُكْرٌ لَهُمْ^(۶)

فَاعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقْبَلَكُمْ وَمُمْنَكُمْ^(۷)

(۱) یعنی نبی ﷺ کی بعثت بجائے خود قرب قیامت کی ایک علامت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے بھی فرمایا بُعْثَتْ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتِينَ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ النازعات) ”میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔“ آپ ﷺ نے اشارہ کر کے واضح فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ نہیں ہے یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری انگلی سے زراساً گے ہے اسی طرح قیامت میرے زراساً بعد ہے۔ (۲) یعنی جب قیامت اچانک آجائے گی تو کافر کس طرح نصیحت حاصل کر سکیں گے؟ مطلب ہے اس وقت اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو وہ مقبول نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر توبہ کرنی ہے تو یہی وقت ہے۔ ورنہ وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ ان کی توبہ بھی غیر مفید ہوگی۔

(۳) یعنی اس عقیدے پر ثابت اور قائم رہیں، کیونکہ یہی توحید اور اطاعت اللہ مدار خیر ہے اور اس سے انحراف یعنی شرک اور محیثت مدار شر ہے۔

(۴) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اپنے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ استغفار کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ احادیث میں بھی اس پر بڑا ذور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا إِلَى رَبِّكُمْ فَإِنَّمَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرُ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی فی الیوم واللیلۃ) ”لوگو! بارگاہ اللہ میں توبہ و استغفار کیا کرو،“ میں بھی اللہ کے حضور روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

(۵) یعنی دن کو تم جہاں پھرتے اور جو کچھ کرتے ہو اور رات کو جہاں آرام کرتے اور استقرار پکڑتے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مطلب ہے شب و روز کی کوئی سرگرمی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟^(۱) پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں قال کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بیوشی طاری ہو،^(۲) پس بہت بت تھا ان کے لیے۔^(۳)

فرمان کا بجالانا اور اچھی بات کا کہنا۔^(۴) پھر جب کام مقرر ہو جائے،^(۵) تو اگر اللہ کے ساتھ چے رہیں^(۶) تو ان کے لیے بہتری ہے۔^(۷)

اور تم سے یہ بھی بعد نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے

وَيَقُولُ الَّذِينَ أَمْتَأْنُوا لَا يُرِيكُتْ سُوْرَةٌ فَإِذَا أَتِيَتْ سُوْرَةً
شَحِّكَهُ وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالَ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
يَنْظَرُونَ إِلَيْكَ نَظَرٌ مُعْجِزٌ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ
فَأُولَئِكُمْ هُمُ الظَّالِمُونَ

طَاعَةٌ وَقُوَّةٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ قَلَوْصَدٌ فِي اللَّهِ لَكَانَ
خَيْرٌ لَهُمْ

فَهَلْ عَيْتُمُونَ تَوَيَّلُكُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقْطِعُوا

(۱) جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو مومنین، جو جذبہ جہاد سے سرشار تھے جہاد کی اجازت کے خواہش مند تھے اور کہتے تھے کہ اس بارے میں کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی جاتی؟ یعنی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

(۲) یعنی ایسی سورت جو غیر منسون ہو۔

(۳) یہ ان منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نمایت گراں گزرتا تھا، ان میں بعض کمزور ایمان والے بھی بعض دفعہ شامل ہو جاتے تھے۔ سورہ نساء آیت ۷۷ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۴) یعنی حکم جہاد سے گھبرا نے کے بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت گستاخی کے بجائے اچھی بات کہتے۔ یہ اولیٰ بمعنی اُجدد (بہتر) ہے، جسے ابھی کثیر نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے اولیٰ کو تندید و عید کا کلمہ یعنی بدعا قرار دیا ہے۔ معناہ فَارِبَهُ مَا يُهْلِكُكُمْ (ان کی ہلاکت قریب ہے) مطلب ہے، ان کی بزوی اور نفاق ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس اعتبار سے طاعة و قول مَعْرُوف جملہ مستانہ ہو گا اور اس کی خبر مذوف ہو گی خَيْرٌ لَكُمْ (فتح القدیر، ایسر التفاسیر)

(۵) یعنی جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے اور وقت جہاد آجائے۔

(۶) یعنی اگر اب بھی نفاق چھوڑ کر، اپنی نیت اللہ کے لیے خالص کر لیں، یا رسول کے سامنے رسول ﷺ کے ساتھ لڑنے کا جو وعدہ کرتے ہیں، اس میں اللہ سے چے رہیں۔

(۷) یعنی نفاق اور مخالفت کے مقابلے میں توبہ و اخلاص کا مظاہرہ بہتر ہے۔

﴿أَجَانِلُمْ﴾

تو تم زمین میں فساد بپا کر دو^(۱) اور رشتے ناتے توڑ
ڈالو۔ (۲۲)

یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی
سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔^(۲) (۲۳)
کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر
ان کے تالے لگ گئے ہیں۔^(۳) (۲۴)

جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل اٹھ پھر گئے اس کے بعد کہ ان
کے لیے ہدایت واضح^(۴) ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے
لیے (ان کے فعل کو) مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل
دوئے رکھی ہے۔^(۵) (۲۵)

یہ^(۶) اس لیے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنوں نے
اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا یہ کہا^(۷) کہ ہم بھی

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَغْمَى أَبْصَارَهُمْ^(۸)

آفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلِيٌّ قُلُوبٍ أَفْنَاهَا^(۹)

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ إِنَّمَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْعُدُوُّ^(۱۰)

الشَّيْطَنُ سَوْلَهُمْ وَأَنْتَ لَهُمْ^(۱۱)

ذِلِّكَ بِإِنَّمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَهَا اللَّهُ سَنُطْعِنُهُمْ فِي بَعْضِ

(۱) ایک دوسرے کو قتل کر کے۔ یعنی اختیار و اقتدار کا غلط استعمال کرو۔ امام ابن کثیر نے تَوَلِّيْثُمْ کا ترجمہ کیا ہے ”تم جہاد سے پھر جاؤ اور اس سے اعراض کرو“ یعنی تم پھر زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ اور باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو۔ اس میں فساد فی الارض کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی تائید ہے، جس کا مطلب ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے، عمل سے اور بذل اموال کے ذریعے سے اچھا سلوک کرو۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تائید اور فضیلت آئی ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے (حق کے سخنے سے) بہرہ اور آنکھوں کو (حق کے دیکھنے سے) انداھا کر دیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے مذکورہ اعمال یہیں کا۔

(۳) جس کی وجہ سے قرآن کے معانی و مفہایم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔

(۴) اس سے مراد منافقین ہی ہیں جنوں نے جہاد سے گریز کر کے اپنے کفر و ارتاد کو ظاہر کر دیا۔

(۵) اس کا فاعل بھی شیطان ہے۔ یعنی مَدَّ لَهُمْ فِي الْأَمْلِ وَوَعَدَهُمْ طُولَ الْعُمُرِ یعنی انہیں لمبی آرزوؤں اور اس دھوکے میں بتلا کر دیا کہ ابھی تو تم ساری بڑی عمر ہے، کیوں لڑائی میں اپنی جان گنواتے ہو؟ یا فاعل اللہ ہے، اللہ نے انہیں ڈھیل دی۔ یعنی فوراً ان کا موافخذہ نہیں فرمایا۔

(۶) ”یہ“ سے مراد ان کا ارتاد ہے۔

(۷) یعنی منافقین نے مشرکین سے یا یہود سے کہا۔

عقریب بعض کاموں^(۱) میں تمہارا کہا مانیں گے، اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔^(۲۶)

پس ان کی کیسی (درجت) ہو گی جبکہ فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے ان کے چڑوں اور ان کی سرینوں پر ماریں گے۔^(۲۷)

یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔^(۲۸)

کیا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ ان کے کیوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا۔^(۲۹)

اور اگر ہم چاہتے تو ان سب کو تجھے دکھادیتے پس تو انہیں ان کے چہرے سے ہی پہچان لیتا،^(۵) اور یقیناً تو انہیں ان کی بات کے ڈھب سے پہچان لے گا،^(۴)

الْأَمْرُ وَإِنَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ④

فَكَيْفَ إِذَا تَوَمَّهُ الْمَلَائِكَةُ يَصْرُبُونَ وَجْهَهُمْ وَأَذْبَارَهُمْ ۝

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ أَتَبْعَدُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهُ وَكَيْفُوْلَضَوَاهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

أَمْ حَيَّبَ الَّذِينَ نَبَّأُتُهُمْ مَرْضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۝

وَلَوْنَشَاءَ لَا يَنْكِهُمْ فَلَعْنَقُتُهُمْ بِسِنَتِهِمْ وَلَتَعْرِمُهُمْ فِي لَخْنِ الْقَوْلِ وَإِنَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُوْ ۝

(۱) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت میں۔

(۲) یعنی دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ ﴾ (النساء: ۸۱)

(۳) یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی رو جیں قبض کرتے ہیں۔ رو جیں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چپتی اور ادھر ادھر بھاگتی ہیں تو فرشتے بختی اور زور سے انہیں پکڑتے، کھینچتے اور مارتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے قبل سورہ انعام ۱۹۳ اور سورہ انفال ۵۰ میں بھی گزر چکا ہے۔

(۴) أَضْغَانٌ، ضِغْنٌ کی جمع ہے، جس کے معنی حد، کینہ اور بعض کے ہیں۔ منافقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بعض و عناد تھا، اس کے حوالے سے کما جا رہا ہے کہ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے؟

(۵) یعنی ایک ایک شخص کی اس طرح نشان وہی کر دیتے کہ ہر منافق کو عیناً پہچان لیا جاتا۔ لیکن تمام منافقین کے لیے اللہ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے، وہ بالعموم پر وہ پوشی فرماتا ہے، پر وہ دری نہیں۔ دوسراس نے انسانوں کو ظاہر پر فیصلہ کرنے کا اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) البتہ ان کا الجہ اور انداز گفتگو ہی ایسا ہوتا ہے جو ان کے باطن کا غماز ہوتا ہے، جس سے اسے پیغمبر تو ان کو یقیناً پہچان سکتا ہے۔ یہ عام مشاہدے میں آنے والی بات ہے، انسانوں کے دل میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ اسے لاکھ چھپائے لیکن انسان کی گفتگو، حرکات و سکنات اور بعض مخصوص کیفیات، اس کے دل کے راز کو آشکارا کر دیتی ہیں۔

تمارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں۔^(۳۰)

یقیناً ہم تمara امتحان کریں گے تاکہ تم میں سے جاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور ہم تمara حالتوں کی بھی جائز کر لیں۔^(۳۱)

یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی یہ ہرگز ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہ کریں گے۔^(۳۲) عنقریب ان کے اعمال وہ غارت کر دے گا۔^(۳۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔^(۳۴)

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا پھر کفر کی حالت میں ہی مر گئے (یقین کرلو) کہ اللہ انہیں ہرگز نہ بخشدے گا۔^(۳۵)

وَلَنَبْلُوكُمْ حَتَّىٰ تَعْلَمَ الْجِهَدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ
وَنَبْلُوا أَخْبَارَكُمْ ②

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَسَاقُوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَأَنَّ يَغْرِيَ اللَّهَ شَيْئاً وَسَيُحِيطُ أَعْمَالَهُمْ ③

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ④

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَأْتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَمْ يُغْرِيَ اللَّهُ أَهْمَمْ ⑤

(۱) اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے ہی سب کچھ ہے۔ یہاں علم سے مراد اس کا وقوع اور ظہور ہے تاکہ دوسرے بھی جان لیں اور دیکھ لیں۔ اسی لیے امام ابن کثیر نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے حتیٰ نعلم وَقُوَّهُ ہم اس کے وقوع کو جان لیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس قسم کے الفاظ کا ترجیح کرتے تھے لیکن تاکہ ہم دیکھ لیں۔ (ابن کثیر) اور یہی معنی زیادہ واضح ہے۔
(۲) بلکہ اپنا ہی بڑا غرق کریں گے۔

(۳) کیونکہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ ایمان و اخلاق ہی ہر عمل خیر کو اس قابل بنتا ہے کہ اس پر اللہ کے ہاں سے اجر ملے۔

(۴) یعنی منافقین اور مرتدین کی طرح ارتدا و نفاق اختیار کر کے، اپنے عملوں کو بر باد مت کرو۔ یہ گویا اسلام پر استقامت کا حکم ہے۔ بعض نے کبائر و فواثیح کے ارتکاب کو بھی جبط اعمال کا باعث گردانا ہے۔ اسی لیے مومنین کی صفات میں ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے گناہ اور فواثیح سے بچتے ہیں۔ (البجم۔ ۳۲) اس اعتبار سے کبائر و فواثیح سے بچنے کی اس میں تائید ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور بر باد ہے۔

پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آو جکہ تم ہی بلند و غالب رہو گے^(۱) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے،^(۲) ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے۔^(۳)

واقعی زندگانی عربیا تو صرف کھلیل کو دے ہے^(۴) اور اگر تم ایمان لے آؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال نہیں مانگتا۔^(۵)

اگر وہ تم سے تمہارا مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم اس سے بخیلی کرنے لگو گے اور وہ تمہارے کینے ظاہر کر دے گا۔^(۶)

فَلَمَّا هُوَ أَوْتَ دُعَوْا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمُ الْأَعْوَنُ ۖ وَاللَّهُ مَعْلُومٌ وَلَنْ يَبْرُكْ كُلَّ عَمَالٍ لَكُمْ ۝

إِنَّمَا الْعِيَّةُ الدُّنْيَا لِعِبَتٍ وَلَهُوَ دَانٌ ۖ ثُمَّ مُؤْمِنٌ وَأَشْعَوْا يَوْمَ تَكُونُ أَجُورُكُمْ وَلَا يَنْكُلُمُ أَمْوَالُكُمْ ۝

إِنْ يَعْلَمُوهُمْ فَإِنَّهُمْ بَخْلُونَا وَيَخْرُجُونَ أَضْغَانَنُهُمْ ۝

(۱) مطلب یہ ہے کہ جب تم تعداد اور قوت و طاقت کے اعتبار سے دشمن پر غالب اور فائق تر ہو تو ایسی صورت میں کفار کے ساتھ صلح اور کمزوری کا مظاہرہ مت کرو؛ بلکہ کفر پر ایسی کاری ضرب لگاؤ کہ اللہ کا دین سر بلند ہو جائے۔ غالب و برتر ہوتے ہوئے کفر کے ساتھ مصالحت کا مطلب، کفر کے اثر و نفع کے بڑھانے میں مدد و نیا ہے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافروں کے ساتھ صلح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اجازت یقیناً ہے، لیکن ہر وقت نہیں۔ صرف اس وقت ہے جب مسلمان تعداد میں کم اور وسائل کے لحاظ سے فرو تھوں۔ ایسے حالات میں لڑائی کی بہ نسبت صلح میں زیادہ فائدہ ہے تاکہ مسلمان اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر بھرپور تیاری کر لیں، جیسے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا دس سالہ معابدہ کیا تھا۔

(۲) اس میں مسلمانوں کے لیے دشمن پر فتح و نصرت کی عظیم بشارت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ہو، اس کو کون نکلت دے سکتا ہے؟

(۳) بلکہ وہ اس پر پورا اجر دے گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

(۴) یعنی ایک فریب اور دھوکہ ہے، اس کی چیز کی بنیاد ہے نہ اس کو ثبات اور نہ اس کا اعتبار۔

(۵) یعنی وہ تمہارے مالوں سے بے نیاز ہے۔ اسی لیے اس نے تم سے زکوٰۃ میں کل مال کا مطالبه نہیں کیا بلکہ اس کے ایک نہایت قلیل حصے کا یعنی صرف ڈھائی فی صد کا اور وہ بھی ایک سال کے بعد اپنی ضرورت سے زیادہ ہونے پر، علاوہ ازیں اس کا مقصد بھی تمہارے اپنے ہی بھائی بندوں کی مدد اور خیر خواہی ہے نہ کہ اللہ اس مال سے اپنی حکومت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔

(۶) یعنی اگر ضرورت سے زائد کل مال کا مطالبه کرے اور وہ بھی اصرار کے ساتھ اور زور دے کر تو یہ انسانی فطرت ہے کہ تم

خبردار! تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو،^(۱) تو تم میں سے بعض بخیل کرنے لگتے ہیں اور جو بخیل کرتا ہے وہ تو دراصل اپنی جان سے بخیل کرتا ہے۔^(۲) اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو^(۳) اور اگر تم روگروان ہو جاؤ^(۴) تو وہ تمہارے بد لے تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے۔^(۵) (۳۸)

سورہ فتح مدنی ہے اور اس میں انتیں آئتیں ہیں اور چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

پیشک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلان فتح دی ہے۔ (۱)

هَلَّا مُهْلِكٌ لَكُمْ عَوْنَ لِتُنْفِعُوا فِي سَيِّئِ الْأَيَّامِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَعْجَلُ وَمَنْ يَبْعَدُ فَإِنَّمَا يَعْجَلُ عَنْ أَنْفُسِهِ وَإِنَّمَا الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْ إِسْتَيْدِيلُ فَوَمَا عَيْرَ كُفُولًا لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ

لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ

شُورَةُ الْفَتْحِيَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا فَخَيَّلْنَا لَكَ فَخَيَّلْنَا مِنْنَا ①

بخیل بھی کرو گے اور اسلام کے خلاف اپنے بعض و عناد کا اظہار بھی۔ یعنی اس صورت میں خود اسلام کے خلاف بھی تمہارے دلوں میں عناد پیدا ہو جائے کہ یہ اچھا دین ہے جو ہماری محنت کی ساری کمائی اپنے دامن میں سمیٹ لیتا چاہتا ہے۔!

(۱) یعنی کچھ حصہ زکوٰۃ کے طور پر اور کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔

(۲) یعنی اپنے ہی نفس کو اتفاقی فی سبیل اللہ کے اجر سے محروم رکھتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ تمہیں خرچ کرنے کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ وہ تمہارے مال کا ضرورت مند ہے۔ نہیں، وہ تو غنی ہے، بے نیاز ہے، وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لیے تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اس سے ایک تو تمہارے اپنے نفوں کا تزکیہ ہو۔ دوسرے، تمہارے ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری ہوں۔ تیرے، تم دشمن پر غالب اور برتر ہو۔ اس لیے اللہ کی رحمت اور مدد کے محتاج تم ہونہ کہ اللہ تمہارا محتاج ہے۔

(۴) یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جاؤ۔

(۵) بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے۔ قوم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر ایمان شریا (ستارے) کے ساتھ بھی لٹکا ہوا ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے"۔ (الترمذی۔ ذکرہ الالبانی فی الصحیحة ۳/۱۲)

☆۔ ۶- ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ۱۳۰ کے قریب صحابہؓ عمرؓ کی نیت سے کہ تشریف لے گئے،

تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے،^(۱) اور تجھ پر اپنا احسان پورا کر دے^(۲) اور تجھے سیدھی راہ چلائے۔^(۳)

اور آپ کو ایک زبردست مددوے۔^(۴)

لِيغْفِرَكَ اللَّهُ مَا سَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأْخُرَ وَ يُتَقْرَبُ مُسْتَغْفِلًا عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ②

ذِيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا غَزِيزًا ③

لیکن کس کے قریب حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے آپ ﷺ کو روک لیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا، آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفیت کو اپنا نمائندہ بنان کر کے بھیجا تاکہ وہ روسائے قریش سے گفتگو کرنے کے انہیں مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ کریں۔ لیکن حضرت عثمان بن عفیت کے مکہ جانے کے بعد ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، جس پر آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفیت سے حضرت عثمان بن عفیت کا بدال لینے کی بیعت لی جو بیعت رضوان کملاتی ہے۔ یہ افواہ غلط نکلی، تاہم کفار مکہ نے اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے آئندہ سال کے وعدے پر واپسی کا ارادہ کر لیا، وہیں اپنے سر بھی منڈا لیے اور قربانیاں کر لیں۔ نیز کفار سے اور بھی چند بالتوں کا معابدہ ہوا، جنہیں صحابہ ﷺ کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نگاہ رسالت نے اس کے دور رس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے، کفار کی شرارت پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ حدیبیہ سے مدینے کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سورت اتری، جس میں صلح کو فتح میں سے تعبیر فرمایا گیا چونکہ یہ صلح فتح کمہ کا پیش خیہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان کے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اسی لیے بعض صحابہ ﷺ کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شارکرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شارکرتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کی بابت فرمایا کہ آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و ما فہما سے زیادہ محظوظ ہے (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ و تفسیر سورۃ الفتح)

(۱) اس سے مراد ترک اولیٰ والے معاملات یا وہ امور ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے فہم و اجتہاد سے کیے، لیکن اللہ نے انہیں ناپسند فرمایا، جیسے عبد اللہ بن ام مکتوم بن عفیت وغیرہ کا واقعہ ہے۔ جس پر سورہ عبس کا نزول ہوا، یہ معاملات و امور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں، لیکن آپ ﷺ کی شان ارفع کے پیش نظر انہیں بھی کوتاہیاں شمار کر لیا گیا، جس پر معافی کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ لِيغْفِرَ مِنْ لَامَ تَعْلِيلَ کے لیے ہے۔ یعنی یہ فتح میں ان تین چیزوں کا سبب ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ اور یہ مغفرت ذنب کا سبب، اس اعتبار سے ہے کہ اس صلح کے بعد قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا، جس سے آپ ﷺ کے اجر عظیم میں بھی خوب اضافہ ہوا اور حسنات و بلندی درجات میں بھی۔

(۲) اس دین کو غالب کر کے جس کی تم دعوت دیتے ہو۔ یا فتح و غلبہ عطا کر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مغفرت اور ہدایت پر استقامت یہی اتمام نعمت ہے (فتح القدیر)

(۳) یعنی اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔

وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں،^(۱) اور آسمانوں اور زمین کے (کل) لشکر اللہ ہی کے ہیں۔^(۲) اور اللہ تعالیٰ دانا با حکمت ہے۔^(۳)

تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے جن^(۴) کے نیچے نہرس بہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے، اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۵)

اور تاکہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں،^(۶)

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ التَّكِبِيرَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ فَلَا يَجِدُونَ السُّوءَ
وَالْأَرْضَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا حَكِيمًا ①

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتَ بَغْرِيٍّ مِنْ تَقْوِيمِهَا
الْأَنْهَرِ خَلِدِينَ فِيهَا وَلَا يَغْرِي عَنْهُمْ سَيِّئَاتُهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ
عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ②

وَيُعَذِّبَ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالشُّرِيكَيْنَ وَالشَّرِيكَاتِ
الظَّالِمَيْنَ بِاللَّهِ كُلَّ التَّوْلِيدِ عَلَيْهِمْ دَاءِرَةُ السُّوءِ وَغَيْبَ

(۱) یعنی اس اضطراب کے بعد، جو مسلمانوں کو شرائط صلح کی وجہ سے لاحق ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرمادی، جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

(۲) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی لشکر (مثلاً فرشتوں) سے کفار کو ہلاک کروادے۔ لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسا نہیں کیا اور اس کے بجائے مومنوں کو قتال و جہاد کا حکم دیا۔ اسی لیے آگے اپنی صفت علیم و حکیم بیان فرمائی ہے۔ یا مطلب ہے کہ آسمان و زمین کے فرشتے اور اسی طرح دیگر ذی شوکت و قوت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں اور ان سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک کافر گروہ کو ہی دوسرے کافر گروہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی امداد کی صورت پیدا فرمادیتا ہے۔ مقصود یہ بیان کرتا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں ہے، وہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کی مدد کا کام کسی بھی گروہ اور لشکر سے لے سکتا ہے۔ (ابن کثیر و ایسر الفتاویں)

(۳) حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سورہ فتح کا ابتدائی حصہ سنا لیغفرنَ لَكَ اللَّهُ تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ”آپ ملکِ کو مبارک ہو، ہمارے لیے کیا ہے؟ جس پر اللہ نے آیت لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ نازل فرمادی (صحیح بخاری، باب غزوۃ الحدیبیۃ) بعض کہتے ہیں کہ یہ لیزدَادُوا یا یَنْصُرَکَ کے متعلق ہے۔

(۴) یعنی اللہ کو اس کے حکموں پر متمم کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے

(دراصل) انہیں پر برائی کا پھیرا ہے،^(۱) اللہ ان پر نار ارض ہوا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ تیار کی اور وہ (بست) بڑی لوٹنے کی جگہ ہے۔^(۲)

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔^(۳)^(۷)

یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سننے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔^(۸)

ماکہ (ایے مسلمانو)، تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاو اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح و شام۔^(۹)

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں،^(۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے،^(۱۱) تو جو شخص عمد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عمد شکنی کرتا ہے^(۱۲) اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے

اللَّهُ عَلَيْهِ وَكَفَاهُ وَأَعْذَلُهُ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَيِّرًا ①

وَلَلَّهُ جُوْدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ②

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ③

لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّزُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَيِّعُوهُ
بِكُلِّهِ وَأَوْسِلَا ④

إِنَّ الَّذِينَ يُبَاهُونَكَ إِنَّمَا يُبَاهِنُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْمَانِهِ
فَمَنْ يُكَثِّرْ قَائِمًا يُكَثِّرْ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ
اللَّهُ قَيِّضَ لَهُ أَجْرًا عَظِيمًا ⑤

بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمه ہو جائے گا۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی یہ جس گردش، عذاب یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لیے منتظر ہیں، وہ تو ان ہی کا مقدر بنے والی ہے۔

(۲) یہاں اسے منافقین اور کفار کے ضمن میں دوبارہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دشمنوں کو ہر طرح ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی حکمت و مشیت کے تحت ان کو جتنی چاہے مہلت دے دے۔

(۳) یعنی یہ بیعت دراصل اللہ ہی کی ہے، کیونکہ اسی نے جماد کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر بھی وہی عطا فرمائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ اپنے نفوں اور مالوں کا جنت کے بدالے اللہ کے ساتھ سودا ہے (التوبۃ-۱۱۱) یہ اسی طرح ہے جیسے «مَنْ يُطِيعَ الرَّسُولَ فَقَدْ أَتَىَ اللَّهَ ۝» (النساء، ۸۰)

(۴) آیت سے وہی بیعت رضوان مراد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عیاش کی خبر شادت سن کر ان کا انتقام لینے کے لیے حدیبیہ میں موجود ۱۳ یا ۱۵ اسو مسلمانوں سے لی تھی۔

(۵) نکٹ (عمر شکنی) سے مراد یہاں بیعت کا تواریخنا یعنی عمد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہ لینا ہے۔ یعنی جو شخص ایسا کرے گا تو اس کا وہاں اسی پر پڑے گا۔

اللہ کے ساتھ کیا ہے^(۱) تو اسے غنیریب اللہ بہت بڑا اجر
دے گا۔^(۱۰)

دیساٹیوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ
اب تجھ سے کیسے گے کہ ہم اپنے مال اور بال بچوں میں
لگے رہ گئے پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجئے۔^(۲)
یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں
نہیں ہے۔ آپ جواب دے دیجئے کہ تمہارے لیے
اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے اگر
وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو^(۳) یا تمہیں کوئی نفع دینا
چاہے^(۴) تو، بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب

سَيَقُولُ لِكَ الْمُخْلُصُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَفَّلَتْ أَمْوَالُنَا
وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْرِفُ لَنَا يَقُولُونَ يَا سَيِّدِنَا مَالِكِنْ فِي
ثُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ سَيِّدُنَا إِنْ أَرَادَ لَكُمْ
ضَرًا أَوْ أَرَادَ لَكُمْ نَفْعًا بِإِنْ كَانَ اللَّهُ هُمَا عَمِلُونَ حَمِيرًا^(۱)

(۱) کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرے گا، ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و غلبہ عطا فرمادے۔

(۲) اس سے مدینے کے اطراف میں آباد قبیلے، غفار، مزینہ، جہینہ، اسلام اور دل مراد ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل آگے آئے گی) عمرے کے لیے کہ جانے کی عام منادی کرادی۔ مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات تو مکہ جانے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ وہاں ابھی کافروں کا غالبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں نیز مسلمان عمرے کے لیے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جاسکتے۔ اگر ایسے میں کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو مسلمان خالی ہاتھ ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اس وقت کے جانے کا مطلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرمرا ہے کہ یہ تجھ سے مشغولیتوں کا عذر رپیش کر کے طلب مغفرت کی اتجائیں کریں گے۔

(۳) یعنی زبانوں پر تو یہ ہے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں کی اور بیوی بچوں کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے ہمیں خود ہی رکنا پڑا، لیکن حقیقت میں ان کا پیچھے رہنا، نفاق اور اندریشہ موت کی وجہ سے تھا۔

(۴) یعنی اگر اللہ تمہارے مال ضائع کرنے اور تمہارے اہل کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لے تو کیا تم میں سے کوئی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا نہ کرنے دے۔

(۵) یعنی تمہیں مدد پہنچانا اور تمہیں غنیمت سے نوازا چاہے۔ تو کوئی روک سکتا ہے؟ یہ دراصل مذکورہ مختلفین (پیچھے رہ جانے والوں) کا رد ہے جنہوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ وہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تو نقصان سے محفوظ اور منافع سے بہرہ ور ہوں گے۔ حالانکہ نفع و ضرر کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

باخبر ہے۔^(۱)

(نہیں) بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ پیغمبر اور مسلمانوں کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمہارے دلوں میں رج بس گیا تھا اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا۔^(۲) دراصل تم لوگ ہو بھی ہلاک ہونے والے۔^(۳)

اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہقی آگ تیار کر رکھی ہے۔^(۴)

اور زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے جسے چاہے بخشنے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا امریمان ہے۔^(۵)

جب تم غشیتیں لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے،^(۶) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

بِلْ ظَنَّنُتُمْ أَنْ يُنْتَهِيَ الْرَّسُولُ وَالظَّفَرُونَ إِلَى أَهْلِنِعُومٍ أَبَدًا
وَزُرْقَنَ ذَلِكِ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَّنُتُمْ ظَنَّ الشَّوَّهِ
وَكَنْتُمْ قَوْمًا مُّبْرُرًا^(۷)

وَمَنْ أَعْرَيْتُمْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّمَا أَعْتَدْنَا لِلْكُفَّارِ
سَعِيلًا^(۸)

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَعْذِيبُ
مَنْ يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا^(۹)

سَيَقُولُ الْمُخْلُقُونَ إِذَا انْطَلَقُتُمْ إِلَى مَغَانِمٍ لَا تَأْخُذُوهَا
ذَرُونَاهُنَّ يَعْلَمُونَ إِنْ يُبَدِّلُوا كَلَمَ اللَّهِ فَلَمْ يَنْ

(۱) یعنی تمہیں تمہارے عملوں کی پوری جزا دے گا۔

(۲) اور وہ یہی تھا کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی مدد نہیں کرے گا۔ یہ وہی پہلا گمان ہے، تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۳) بُوزُ، بَائِزُ کی جمع ہے، ہلاک ہونے والا، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقدمہ ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں یہ اللہ کے عذاب سے فیکے تو آخرت میں تو فیکے کرنے جاسکتے وہاں تو عذاب ہر صورت میں بھگتا ہو گا۔

(۴) اس میں مخالفین کے لیے توبہ و انبات الی اللہ کی ترغیب ہے کہ اگر وہ نفاق سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا، وہ بڑا بخشنے والا نہایت مریمان ہے۔

(۵) اس میں غزوہ نیبہ کا ذکر ہے جس کی فتح کی نویں اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں دی تھی، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں سے جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہو گا وہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کا حصہ ہے۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی مسلسل عمد شکنی کی وجہ سے نیبہ پر چڑھائی کا پروگرام بنایا تو مذکورہ مخالفین نے بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، جسے منظور نہیں کیا گیا۔ آیت میں مفہوم سے مراد مغانم نیبہ ہی ہے۔

کے کلام کو بدل دیں^(۱) آپ کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرم اچکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے،^(۲) وہ اس کا جواب دیں گے (نہیں نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو،^(۳) (اصل بات یہ ہے) کہ وہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔^(۴) (۱۵)

آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدھیوں سے کہہ دو کہ عقربِ تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے^(۵) پس اگر تم اطاعت کرو^(۶) گے تو اللہ تمیس بہت بترید لہ دے گا^(۷) اور اگر تم نے منه پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منه پھیر چکے ہو تو وہ تمیس دردناک عذاب دے گا۔^(۸) (۱۶)

تَبْيَعُونَا كَذِيلَكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَمِيلٍ قَسِيقُولُونَ
بَلْ تَحْسُدُونَ نَانَانَ كَانُوا لَا يَفْعَمُونَ إِلَّا قَلِيلًا ⑩

فُلْ لِلْمُخَنَّفِينَ مِنَ الْأَعْوَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولَئِنَّا
شَدِينِ شَقَاقَاتٍ لُؤْلَئِمُهُمْ أَوْ مُسْلِمُونَ فَإِنْ تُطِيعُوهُمْ يُنَكِّرُ اللَّهُ أَجْرًا
حَسَنَاتُهُنَّا فَإِنْ سَتُوْلَا لَهُمْ أَوْ لَيْلَمُهُمْ تِنْ قَبْلُ يُعَذِّبُنَّهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ⑪

(۱) اللہ کے کلام سے مراد، اللہ کا خیر کی غنیمت کو اہل حدیبیہ کے لیے خاص کرنے کا وعدہ ہے۔ منافقین اس میں شریک ہو کر اللہ کے کلام یعنی اس کے وعدے کو بدلنا چاہتے تھے۔

(۲) یہ نفی بمعنی نہیں ہے یعنی تمیس ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔

(۳) یعنی یہ مختلفین کیس گے کہ تم ہمیں حسد کی بنا پر ساتھ لے جانے سے گریز کر رہے ہو تاکہ مال غنیمت میں ہم تمہارے شریک نہ ہوں۔

(۴) یعنی بات یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں، بلکہ یہ پابندی ان کے پیچھے رہنے کی پاداش میں ہے۔ لیکن اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

(۵) اس جنگ جو قوم کی تعین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین اس سے عرب کے ہی بعض قبائل مراد لیتے ہیں، مثلاً ہوازن یا شیفت، جن سے ختن کے مقام پر مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ یا میلتہ الکذاب کی قوم ہو خنیفہ۔ اور بعض نے فارس اور روم کے جویں و عیسائی مراد لیے ہیں۔ ان پیچھے رہ جانے والے بدھیوں سے کما جا رہا ہے کہ عقربِ ایک جنگجو قوم سے مقابلے کے لیے تمیس بلا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری اور ان کی جنگ ہو گی۔

(۶) یعنی خلوصِ دل سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔

(۷) دنیا میں غنیمت اور آخرت میں پچھلے گناہوں کی مغفرت اور جنت۔

(۸) یعنی جس طرح حدیبیہ کے موقع پر تم نے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے سے گریز کیا تھا، اسی طرح اب بھی تم جہاد سے بھاگو گے، تو پھر اللہ کا دردناک عذاب تمہارے لیے تیار ہے۔

اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے،^(۱) جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نرس جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اسے دروناک عذاب (کی سزا) دے گا۔^(۲)

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔^(۳) ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا^(۴) اور ان پر اطمینان نازل فرمایا^(۵) اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی^(۶) اور بہت سی غنیمتیں جنیں وہ حاصل کریں گے^(۷) اور

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْوَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْبَرِيْفِينَ
حَرَجٌ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ بَغْرِيْفٍ مِنْ عَجَمَهَا
الْأَنْهَرُ وَمَنْ تَبَوَّلَ يُعَذَّبُهُ عَذَابًا أَلِيْمًا

﴿۱۰﴾

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا يَأْتُونَكَ تَهَنَّتُ الشَّجَرَةُ
فَعِلْمَ مَنْ فَلَوْبَهُ فَأَتَتِ الْكَيْنَةَ هَلَّتِمْ وَأَثَابَهُمْ
فَخَافُرِيْنَا

وَمَقَانِعَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

﴿۱۱﴾

(۱) بھارت سے محرومی اور لگڑے پن کی وجہ سے چلنے پھرنے سے محفوظی۔ یہ دونوں عذر توازی ہیں۔ ان اصحاب عذر یا ان جیسے دیگر معدود رین کو جہاد سے مستثنی کر دیا گیا۔ حرج کے معنی گناہ کے ہیں ان کے علاوہ جو بیماریاں ہیں، وہ عارضی عذر ہیں، جب تک وہ واقعی بیمار ہے، شرکت جہاد سے مستثنی ہے۔ بیماری دور ہوتے ہی وہ حکم جہاد میں دوسرا مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(۲) یہ ان اصحاب بیعت رضوان کے لیے رضاۓ الٰہی اور ان کے کچھ مومن ہونے کا سرٹیفیکٹ ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش کمہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔

(۳) یعنی ان کے دلوں میں جو صدق و صفا کے جذبات تھے، اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ اس سے ان دشمنان صحابہ

الْقُوَّتِنَّہ کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ان کا ایمان ظاہری تھا، دل سے وہ متفق تھے۔

(۴) یعنی وہ نہتے تھے، جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے جنگی تھیمار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عُثُم کا بدله لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنیٰ تامل، سب لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، یعنی ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر و سکینت ان پر نازل فرمادی جس کی بنا پر انہیں لڑنے کا حوصلہ ہوا۔

(۵) اس بے مراد وہی فتح خیر ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا، اور حدیبیہ سے واپسی پر مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔

(۶) یہ وہ غنیمتیں ہیں جو خبر سے حاصل ہوئیں۔ یہ نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اسی حساب سے یہاں سے مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں غنیمت کامال حاصل ہوا، جسے صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا۔

الله غالب حکمت والا ہے۔^(۱۶)

الله تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے^(۱)
جنہیں تم حاصل کرو گے پس یہ تو تمہیں جلدی ہی عطا فرمادی^(۲) اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے،^(۳) تاکہ مونموں کے لیے یہ ایک نشانی ہو جائے^(۴) اور (تاکہ) وہ تمہیں سیدھی راہ چلائے۔^(۵)
^(۲۰)

اور تمہیں اور (غنیمتیں) بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے^(۶)
اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۷)
اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو یقیناً پیغمبر کھا کر بھاگتے پھرنے تو کوئی کار ساز پاتے نہ مددگار۔^(۸)
^(۲۲)

وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَاةً كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ
وَكُفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلَمْ يَعْلَمُوا إِلَّا لِلْمُؤْمِنِينَ
وَيَهْدِي مَكْوَبَهُمْ إِلَى شَرِيفَةِ الْمَسْكِينِ^(۹)

وَلِغُرْبِيَ لَمْ تَعْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا^(۱۰)

وَلَوْ قَاتَلُكُمُ الظَّاهِرُونَ كَفَرُوا وَلَوْلَوْا الْأَدْبَارُ لَمْ يَعْدُوْنَ
وَلَمْ يَأْتُوا لَأَنَّهُمْ صَرِيرًا^(۱۱)

(۱) یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہیں۔

(۲) یعنی فتح خیریا صلح حدیبیہ، کیونکہ یہ دونوں تو فوری طور پر مسلمانوں کو حاصل ہو گئی۔

(۳) حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ اور خیریہ میں یہودیوں کے ہاتھ اللہ نے روک دیئے، یعنی ان کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ مسلمانوں سے مصروف پیکار نہیں ہوئے۔

(۴) یعنی لوگ اس واقعے کا تذکرہ پڑھ کر اندازہ لگائیں گے کہ اللہ تعالیٰ قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کا محافظہ اور غنیمتوں پر ان کو غالب کرنے والا ہے یا یہ روک لینا، تمام موعودہ باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نشانی ہے۔

(۵) یعنی ہدایت پر استقامت عطا فرمائے یا اس نشانی سے تمہیں ہدایت میں اور زیادہ کرے۔

(۶) یہ بعد میں ہونے والی فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح چار دیواری کر کے کسی چیز کو اپنے قبضے میں کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی بابت بے فکری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان فتوحات کو اپنے حیطہ اقتدار میں لیا ہوا ہے۔ یعنی گواہی تمہاری فتوحات کا دائرہ وہاں تک وسیع نہیں ہوا ہے۔ لیکن اللہ نے انہیں تمہارے لیے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا، تمہیں اس پر غلبہ عطا کر دے گا، جس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض نے أحاطہ کے معنی علم کے کیے ہیں، یعنی اسے معلوم ہے کہ وہ علاقے بھی تم فتح کر سکو گے۔

(۷) یہ حدیبیہ میں متوقع جنگ کے بارے میں کما جا رہا ہے کہ اگر یہ قریش مکہ صلح نہ کرتے بلکہ جنگ کا راستہ اختیار

اللہ کے اس قaudے کے مطابق جو پلے سے چلا آیا ہے،^(۱) تو
کبھی بھی اللہ کے قaudے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔ (۲۳)

وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے ہاتھوں کو تم
سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا اس کے بعد
کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ دے دیا تھا،^(۲) اور تم جو
کچھ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ (۲۴)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے
روکا اور قربانی کے لیے موقوف جانور کو اس کی قربان گاہ
میں پہنچنے سے (روکا)،^(۳) اور اگر ایسے (بست سے)

سُكَّةَ الْهُوَالِيَّيْنِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلٍ وَكُنْ تَجَدَّلُ سَنَةٌ
الْتَّوْبَدِيَّنَلَا ^②

وَهُوَالذِّي كَفَ أَيْدِيهِمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ عَنْهُمْ بِعَذَابٍ مُّكَبَّلٍ
مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ^③

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصْدُرُوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهُدْنَى
مَعْلُوْنَ فَإِنْ يَبْلُغُ عَهْلَهُ مُؤْلَدَلَرِجَالٍ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٍ

کرتے تو یہ پیشہ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، کوئی ان کا مددگار نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم وہاں تمہاری مدد کرتے اور
ہمارے مقابلے میں کس کو نہ رنے کی طاقت ہے؟

(۱) یعنی اللہ کی یہ سنت اور عادت پلے سے چلی آرہی ہے کہ جب کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی کا مرحلہ آتا
ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرمائی جتن کو سرپرینڈی عطا کرتا ہے، جیسے اس سنت اللہ کے مطابق بدر میں تمہاری مدد کی گئی۔

(۲) جب نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسالم علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے تو کافروں نے ۸۰ آدمی، جو ہتھیاروں سے
لیس تھے، اس نیت سے بھیجے کہ اگر انہیں موقع مل جائے تو وہو کے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ صلی اللہ علیہ وسالم علیہ وسلم کے
خلاف کا رواہی کریں چنانچہ یہ مسلح جنگ جبل تغییم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا، جس کا علم مسلمانوں کو بھی ہو گیا اور
انہوں نے ہمت کر کے ان تمام آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ ان کا جرم تو شدید تھا اور ان کو
جو بھی سزا دی جاتی، صحیح ہوتی۔ لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس
موقع پر جنگ کے بجائے صلح چاہتے تھے کیونکہ اسی میں مسلمانوں کا مفاد تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسالم علیہ وسلم نے ان سب کو معاف کر
کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قول اللہ تعالیٰ وہو الذی کف ایدیہم عنکم، بطن مکہ
سے مراد حدیبیہ ہے۔ یعنی حدیبیہ میں ہم نے تمہیں کفار سے اور کفار کو تم سے لڑنے سے روکا۔ یہ اللہ نے احسان کے
طور پر ذکر فرمایا ہے۔

(۳) ہدیٰ اس جانور کو کما جاتا ہے جو حاجی یا معتمر (عمرہ کرنے والا) اپنے ساتھ کے لے جاتا تھا۔ یا وہیں سے خرید کر ذبح
کرتا تھا مَحْلُ (حلال ہونے کی جگہ) سے مراد وہ قربان گاہ ہے جہاں ان کو لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے جاہلیت کے زمانے
میں۔ یہ مقام معتمر کے لیے مردوں پہاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منی تھا۔ اور اسلام میں ذبح کرنے کی جگہ مکہ منی
اور پورے حدود حرم ہیں۔ مَعْكُونُ فَا، حال ہے۔ یعنی یہ جانور اس انتظار میں رکے ہوئے تھے کہ کسے میں داخل ہوں تاک

مسلمان مرد اور (بہت سی) مسلمان عورت میں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی^(۱) یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا،^(۲) (تو تمیس لڑنے کی اجازت دے دی جاتی^(۳) لیکن ایسا نہیں کیا گیا)^(۴) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو درناک سزادیتے۔^(۵) (۲۵)

جب کہ^(۶) ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسلیم نازل فرمائی^(۷) اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقوے کی بات پر

أَنْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطْوِهُمْ فَتُؤْمِنُكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةٌ يَعْلَمُونَ
لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَكُمْ تَزْيِنُوا الْعَذَابَ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَكْبَارًا

إِذْ جَعَلَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْجَيَّةَ
الْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى
الْمُؤْمِنِينَ وَالْزَّمَهُمْ كَلْمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَعْلَىٰ

انہیں قربان کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں نے ہی تمیس بھی مسجد حرام سے روکا اور تمہارے ساتھ جو جانور تھے، انہیں بھی اپنی قربان گاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔
(۱) یعنی کسے میں اپنا ایمان چھپائے رہ رہے تھے۔

(۲) کفار کے ساتھ لڑائی کی صورت میں ممکن تھا کہ یہ بھی مارے جاتے اور تمیس ضرر پہنچتا، مععرہ کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد کفارہ اور وہ برائی اور شرمندگی ہے جو کافروں کی طرف سے تمیس اٹھانی پڑتی۔ یعنی ایک تو قتل خطا کی دیت دینی پڑتی اور دوسرے، کفار کا یہ طعنہ سننا پڑتا کہ یہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو بھی مار دلتے ہیں۔

(۳) یہ لَوْلَا کا محدود جواب ہے۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمیس کے میں داخل ہونے کی اور قریش مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔

(۴) بلکہ اہل مکہ کو مملت دے دی گئی تاکہ جس کو اللہ چاہے قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

(۵) تَرْيَلُوا بمعنی تَمْيِيزُوا ہے مطلب یہ ہے کہ کسے میں آباد مسلمان، اگر کافروں سے الگ رہائش پذیر ہوتے تو ہم تمیس اہل مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دیتے اور تمہارے ہاتھوں ان کو قتل کرواتے اور اس طرح انہیں درناک سزا دیتے۔ عذاب الیم سے مراد یہاں قتل، قیدی بنانا اور قروغلبہ ہے۔

(۶) إِذْ كَانَ طَرْفٌ يَا تَوْلَعَدْبَنَا ہے یا وَأَذْكُرُوا مَحْذُوفٌ ہے۔ یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کہ ان کافروں نے.....

(۷) کفار کی اس حمیت جاہلیہ (عار اور غور) سے مراد اہل مکہ کا مسلمانوں کو کسے میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے ہمارے بیٹوں اور باپوں کو قتل کیا ہے۔ لات و عزیزی کی قسم ہم انہیں کبھی یہاں داخل نہیں ہونے

دیں گے یعنی انہوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنالیا۔ اسی کو حمیت جاہلیہ کہا گیا ہے، کیونکہ خانہ کعبہ میں عبادت کے لیے آنے سے روکنے کا کسی حق حاصل نہیں تھا۔ قریش مکہ کے اس معاندانہ رویے کے جواب میں خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں بھی شدت آجائی اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنائے کے جانے پر اصرار کرتے، جس سے دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی، اور یہ لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک رہتی (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمادی یعنی انہیں صبر و تحمل کی توفیق دے دی اور وہ پیغمبر ﷺ کے ارشاد کے مطابق حدیبیہ میں ہی خبرے رہے جو ش اور جذبے میں اُکر کے جانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حمیت جاہلیہ سے مراد قریش مکہ کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاهدے کے وقت انہوں نے اختیار کیا۔ یہ رویہ اور معاهدہ دونوں مسلمانوں کے لیے ظاہر ناقابل برداشت تھا۔ لیکن انعام کے اعتبار سے چونکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا بہترین مفاد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نمایت ناگواری اور گرانی کے باوجود اسے قبول کرنے کا حوصلہ عطا فرمادیا۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کی یہ بات تسلیم کر لی کہ اس سال مسلمان عمرے کے لیے مکہ نہیں جائیں گے اور یہیں سے واپس ہو جائیں گے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت علی ہبیشؓ کو معاهدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے، پسمند اللہ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ لکھی۔ انہوں نے اس پر اعتراض کر دیا کہ رَحْمَنُ، رَحِيمُ کو ہم نہیں جانتے۔ ہمارے ہاں جو لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ یعنی يَا سَمِّكَ اللَّهُمَّ (اے اللہ! تیرے نام سے) لکھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی طرح لکھوایا۔ پھر آپ ﷺ نے لکھوایا "یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل مکہ سے مصالحت کی ہے" قریش کے نمائندوں نے کہا، اختلاف کی بنیاد تو آپ ﷺ کی رسالت ہی ہے، اگر ہم آپ ﷺ کو رسول اللہ مان لیں تو اس کے بعد جھگڑا ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر ہمیں آپ ﷺ سے لڑنے کی اور بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ ﷺ یہاں محمد رسول اللہ" کی جگہ "محمد بن عبد اللہ" لکھیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی ہبیشؓ کو ایسا ہی لکھنے کا حکم دیا۔ (یہ مسلمانوں کے لیے نمایت اشتعال انگیز صورت حال تھی، اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سکینت نازل نہ فرماتا تو وہ کبھی اسے برداشت نہ کرتے) حضرت علی ہبیشؓ نے اپنے ہاتھ سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹانے اور کائی سے انکار کر دیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ لفظ کہاں ہے؟ بتانے کے بعد خود آپ ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ تحریر کرنے کو فرمایا۔ اس کے بعد اس معاهدے یا صلح نامے میں تین باتیں لکھیں گئیں۔ ۱۔ اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا، اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ۲۔ جو مسلمان اہل مکہ سے جاتے گا، وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ۳۔ مسلمان آئندہ سال مکے میں آئیں گے اور یہاں تین دن قیام کر سکیں گے، تاہم انہیں ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اصحاب مسلم 'كتاب الجهاد، باب صلح الحديبية في الحديبية' اور اس کے ساتھ دو باتیں اور لکھی گئیں۔ ۱۔ اس سال لڑائی موقوف رہے گی۔ ۲۔ قبائل میں سے جو چاہے مسلمانوں کے ساتھ اور جو چاہے قریش کے ساتھ ہو جائے۔

جہاے رکھا^(۱) اور وہ اس کے اہل اور زیادہ مستحق تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔^(۲)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے سرمنڈواستے ہوئے اور سر کے بال کترواستے ہوئے (چین کے ساتھ) نذر ہو کر،^(۳) وہ ان امور کو جانتا ہے جنیں تم نہیں جانتے،^(۴) پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمہیں میرکی۔^(۵)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دن حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دن پر غالب کرے،^(۶) اور اللہ

بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِحْلٍ شَّيْءٌ عَلَيْهَا^(۷)

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولُهُ الرَّوْبَرًا بِالْحَقِّ لَمْ تَدْخُلُنَّ السَّجْدَةَ
الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمْنِينَ عَلَيْتُمْ رُوحَ سَلَامٍ وَمَقْرَبَةَ
الْأَغْافُونَ فَعَلُمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلْتُمْ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَعْلَمْتُمْ^(۸)

فَرِيمِّا^(۹)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْعِقْلِ يُظْهِرُهُ

(۱) اس سے مراد کلمہ توحید و رسالت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ ہے، جس سے حدیبیہ والے دن مشرکین نے انکار کیا (ابن کثیر) یا وہ صبر و وقار ہے جس کا مظاہرہ انسوں نے حدیبیہ میں کیا یا وہ وفاتے عمد اور اس پر ثبات ہے جو تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ (فتح القدير)

(۲) واقعہ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف و عمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ نبی کا خواب بھی بنزرا و حی ہوتا ہے۔ تاہم اس خواب میں یہ تعین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہو گا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان، اسے بشارت عظیم سمجھتے ہوئے، عمرے کے لیے فوراً ہی آمادہ ہو گئے اور اس کے لیے عام منادی کرادی گئی اور چل پڑے۔ بالآخر حدیبیہ میں وہ صلح ہوئی، جس کی تفصیل ابھی گزری، دراں حائیکہ اللہ کے علم میں اس خواب کی تعبیر آئندہ سال تھی، جیسا کہ آئندہ سال مسلمانوں نے نمایت امن کے ساتھ یہ عمرہ کیا اور اللہ نے اپنے پیغمبر کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

(۳) یعنی اگر حدیبیہ کے مقام پر صلح نہ ہوتی تو جنگ سے کمے میں مقیم کمزور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا، صلح کے ان فوائد کو اللہ ہی جانتا تھا۔

(۴) اس سے فتح خیر و فتح مکہ کے علاوہ، صلح کے نتیجے میں جو بہ کثرت مسلمان ہوئے وہ بھی مراد ہے، کیونکہ وہ بھی فتح کی ایک عظیم قسم ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس کے دو سال بعد جب مسلمان کے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

(۵) اسلام کا یہ غلبہ دیگر ادیان پر دلائل کے لحاظ سے تو ہر وقت مسلم ہے۔ تاہم دنیوی اور عسکری لحاظ سے بھی تروں اولیٰ اور اس کے مابعد عرصہ دراز تک، جب تک مسلمان اپنے دین پر عالم رہے انہیں غلبہ حاصل رہا، اور آج بھی یہ

تعالیٰ کافی ہے گواہی دینے والا۔ (۲۸)

محمد ﷺ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمہل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور بحمدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر بحدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے،^(۱) مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوں کا لالا^(۲) پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا^(۳) تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے،^(۴) ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔^(۵) (۲۹)

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَفَرَ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشَدَّ أَعْلَمَ الْعَاقِرِينَ حَمَارِينَ
ثُرُومُ رَجَاعَ سَجَدَا تَبَيَّنُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا يَاهُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثْرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُمُ فِي التَّوْرَةِ وَمِثْلُهُمْ فِي
الْإِيمَانِ شَهِيدُ كَرْزَعَ أَخْرَجَ شَطَاءً فَأَرَاهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى
عَلَى سُوقِهِ يُقْبَلُ الرُّزَاعَ لِيغَيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ
أَمْنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

ما دی غلبہ ممکن ہے بشرطیکہ مسلمان، مسلمان بن جائیں ﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنُ إِنْ كُنْتُمُ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹) یہ دین غالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔

(۱) انجیل پر وقف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی یہ خوبیاں تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور آگے کرزاں میں اس سے پلے ہم مذکور ہو گا۔ اور بعض فی التَّوْرَةِ پر وقف کرتے ہیں یعنی ان کی مذکورہ صفت تورات میں ہے اور ﴿مَثَلُمُ فِي الإِيمَانِ﴾ کو کرزاں کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یعنی انجیل میں ان کی مثال، مانند اس کھیتی کے ہے۔ (فتح القدیر)

(۲) شَطَاءً سے پودے کا وہ پلاٹ مذکور ہے جو دانہ چاڑ کر اللہ کی قدرت سے باہر نکلتا ہے۔

(۳) یہ صحابہ کرام ﷺ کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ابتداء میں وہ قلیل تھے، پھر زیادہ اور مضبوط ہو گئے، جیسے کھیتی، ابتداء میں کمزور ہوتی ہے، پھر دن بدن قوی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ مضبوط ترے پر وہ قائم ہو جاتی ہے۔

(۴) یا کافر غیظ و غصب میں مبتلا ہوں۔ یعنی صحابہ کرام ﷺ کا برداشت ہوا اثر و نفوذ اور ان کی روز افروں قوت و طاقت، کافروں کے لیے غیظ و غصب کا باعث تھی، اس لیے کہ اس سے اسلام کا دائرہ پھیل رہا اور کفر کا دائرہ سست رہا تھا۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ نے صحابہ کرام ﷺ سے بعض و عنادر کھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس فرقہ ضالہ کے دیگر عقائد بھی ان کے کفر پر ہی دال ہیں۔

(۵) اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابہ کرام ﷺ کی عظمت و فضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا

سورہ حجرات مدنی ہے اور اس میں انحراف آئیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریمان
نہایت رحم والا ہے۔

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے
نہ بڑھو^(۱) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے
والا^(۲) جانے والا ہے۔ (۱)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور
نہ ان سے اوپنی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک
دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال
اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ (۲)

شُورَةُ الْحُجَّرَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ تَرْقُمُونَ مُؤْبَدِينَ يَدِيَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَأَنْقُوا اللَّهَ أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ تَرْقُمُونَ أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرٍ بَعْضُكُمْ لَيَعْفَعُنَّ أَنْ تَعْبِطَ
أَعْمَالَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

ہے، اس کے بعد بھی صحابہؓ کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیوں کر دعوائے
مسلمانی میں چا سمجھا جا سکتا ہے؟

☆ یہ طوال مفصل میں پہلی سورت ہے۔ حجرات سے نازعات تک کی سورتیں طوآل مفصل کملاتی ہیں۔ بعض نے
سورہ ق کو پہلی سورت قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدير) ان کا فجر کی نماز میں پڑھنا منسون و مستحب ہے اور عبس سے
سورہ الشمس تک أَوْسَاطُ مُفَصِّلٍ اور سورہ ضحیٰ سے والناس تک قِصَارُ مُفَصِّلٍ ہیں۔ ظہراً و عشا میں اوساط اور
مغرب میں قصار پڑھنی مستحب ہیں (ایسرا الفاسیر)

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کروں اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو، بلکہ اللہ اور
رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعاٹ کی ایجاد، اللہ اور رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی
نیاپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ، قرآن و حدیث میں غور و فکر کے بغیر
دیا جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نص شرعی کے خلاف ہو تو واضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں دیئے گئے
حکم کے منافقی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے سامنے سرتسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے نہ کہ ان
کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

(۲) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے
مطلوب ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبی صلی اللہ علیہ

بیشک جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اثواب ہے۔^(۱) (۳)

جو لوگ آپ کو مجرموں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں۔^(۲) (۳)

اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود سے نکل کر ان کے پاس آ جاتے تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا،^(۳) اور اللہ غفور و رحیم ہے۔^(۴) (۵)

اے مسلمانو! اگر تمیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو^(۵) ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی

إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ وَلِيَكُنْ الَّذِينَ أَمْسَحَنَ أَنَّ اللَّهَ قُلْوَبَهُمْ لِلتَّشْوِيِّ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ④

إِنَّ الَّذِينَ يَنْادُونَكَ مِنْ قَرَاءِ الْحُجُّرِ الْكَرْمُ لِلْعَقْلَوْنَ ⑤

وَلَوْلَا إِنَّهُ صَبِرَ وَاحْتَىٰ تَخْرُجَ الْيَوْمَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَلَيْلَهُ غَنُورٌ رَّجِيفٌ ⑥

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْتَوْلَانَ جَاءَكُمْ فَإِذَا شِئْتُمْ بَيْتَهُمْ

وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب، جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو، اس طرح اپنی اپنی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد یا احمد نہ کو بلکہ ادب سے یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو اگر ادب و احترام کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمہارے عمل بر باد ہو سکتے ہیں اس آیت کی شان نزول کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الحجرات، تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔

(۱) اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے۔

(۲) یہ آیت قبیلہ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں (گنوار قسم کے لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیلوے کا وقت تھا، جمرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی آوازیں لگائیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آئیں۔ (منڈ احمد ۳۸۸/ ۳۹۳/ ۶-۳۸۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کی اکثریت بے عقل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا، بے عقلی ہے۔

(۳) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ادینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین و دنیا دونوں لحاظ سے بہتر ہوتا۔

(۴) اس لیے مذاخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب و تعظیم کی تائید بیان فرمادی۔

(۵) یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ بن میثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہیں رسول اللہ صلی

قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔ (۱) اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں،^(۱) اگر وہ تمہارا کہا کرتے رہے بہت امور میں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنادیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں۔ (۷) اللہ کے احسان و انعام سے^(۲) اور اللہ دانا اور با حکمت ہے۔ (۸)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑپڑیں تو ان میں میل ملاپ کر دیا کرو۔^(۳) پھر اگر ان دونوں میں سے

ثُبِيَّوْ أَقْوَمُ الْجَهَالَةِ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلُمُوا نَذِيرًا ⑥
وَاعْلَمُوا أَنَّ فِي أَنْفُسِهِمْ سُرُّ الرَّحْمَنِ لَوْلَا طَغَى عَلَيْهِمْ فِي كِتَابِ الرَّأْمُ
لَعِنْتُمْ وَلَكُنَّ اللَّهَ حَقَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَنَّيْنَاهُ قُلُومَ
وَكَرَّةَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعُصُيَّانَ أُولَئِكَ
هُمُ الظَّالِمُونَ ⑦

فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَآتَاهُ عَلِيهِ حَلِيمٌ ⑧

فَلَنْ طَأْتِقْتُنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَقْتَلْتُنَّا فَأَصْبِلْهُوَنَّهَا

اللہ علیہ وسلم نے بولا المصطلق کے صدقات و صول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے آکریوں ہی روپورٹ دے دی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرمایا، تاہم پھر پتہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی اور ولید بن عائشہ تو وہاں گئے ہی نہیں۔ لیکن سند اور امر واقعہ دونوں اعتبار سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اسے ایک صحابی رسول ﷺ پر چسپا کرنا صحیح نہیں ہے۔ تاہم شان نزول کی بحث سے قطع نظر اس میں ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبری اطلاع آئے بالخصوص بد کردار، فاسق اور منفذ قسم کے لوگوں کی طرف سے، تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔

(۱) جس کا تقاضا ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ان پر وہی اترتی ہے۔ پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو۔ اس لیے کہ اگر وہ تمہاری پسند کی باشیں ماننا شروع کر دیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے ﴿وَكَلَّا لَعْنَةَ الْفُوَادِمِ
لَفَدَّتِ التَّمَوُتُ وَالْأَرْضُ وَنَنْ فَيْتَنَ﴾ (المؤمنون، ۱۷)

(۲) یہ آیت بھی صحابہ کرام ﷺ کی فضیلت، ان کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔
وَلَنَّ كَرَّةَ الْكَافِرُونَ۔

(۳) اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں قرآن و حدیث کی طرف بلایا جائے یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔

ایک جماعت و سری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے^(۱) اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کر دو^(۲) اور عدل کرو۔ شیخ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۳) (۹)

(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملپ کر دیا کرو^(۴) اور اللہ سے ڈرتے رہو مگر تم پر رحم کیا جائے۔^(۵) (۱۰)

فَإِنْ أَبْغَثُوا حُدُودَ الْأُخْرَى فَقَاتِلُوهُ الَّتِي يَتَّهِيُّ حَتَّىٰ يَعْقِنَّ
إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَأَصْلِحُوا إِيمَانَهُمْ بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ①

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْرَوْهُ فَأَصْلِحُوا إِيمَانَهُمْ وَأَقْوِهُ اللَّهُ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ②

(۱) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو، بلکہ بغاوت کی روشن اختیار کرے تو دوسرا مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کو مانے کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) یعنی باغی گروہ، بغاوت سے باز آجائے تو پھر عدل کے ساتھ یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کر دی جائے۔

(۳) اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔ مسئلہ ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔

(۴) یہ پچھلے حکم کی ہی تائید ہے۔ یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی۔ اس لیے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدردو غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے انسیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھئے سورہ توبہ، آیت ۱۷ کا حاشیہ)۔

(۵) اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا جاؤ۔ ترجی (امید والی بات) مخاطب کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان و تقویٰ کے لیے یقینی ہے۔

اس آیت میں باغی گروہ سے قتال کا حکم ہے دراں حایکہ حدیث میں مسلمان سے قتال کو کفر کہا گیا ہے۔ تو یہ کفر اس وقت ہو گا جب بلاوجہ مسلمان سے قتال کیا جائے۔ لیکن اس قتال کی بنیاد اگر بغاوت ہے تو یہ قتال نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے جو تائید و استحباب پر دال ہے۔ اسی طرح باغی گروہ کو قرآن نے مومن ہی قرار دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بغاوت سے، جو کبیرہ گناہ ہے، وہ گروہ ایمان سے خارج نہیں ہو گا۔ جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ مرتكب کبائر ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں،^(۱) اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ^(۲) اور نہ کسی کو برے لقب دو۔^(۳) ایمان کے بعد فتنہ برانام ہے،^(۴) اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔^(۵)

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔^(۶) اور بھیم نہ مٹوا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ خَرَقُوكُمْ مِنْ قَوْمٍ عَنِّيْ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا
وَهُمْ لَكُمْ أَنْفَاسٌ مِنْ تَمَاءٍ عَنِّيْ أَنْ يَكُونُ خَيْرًا مِنْهُمْ
وَلَا تَلْمِزُوا النَّفَاسَكُمْ وَلَا تَتَابِرُوا إِلَى الْأَقْلَابِ إِنَّمَا الظُّفُورُ
بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتَبَّعْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ①

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَبِيْوَا كَثِيرًا مِنَ الظُّفُورِ إِنَّ بَعْضَ الظُّفُورِ

(۱) ایک شخص دوسرے کسی شخص کا استہرا یعنی اس سے مخراپن اسی وقت کرتا ہے، جب وہ اپنے کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقر اور کتر سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان و عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس لیے اپنے کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواہری نہیں ہے۔ بنابریں آیت میں اس سے منع فرمادیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انہیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ میں لوگوں کے حیر سمجھنے کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الْكِبْرِ) اور کبر اللہ کو نہیت، ہی ناپسند ہے۔

(۲) یعنی ایک دوسرے پر طعنہ زنی مت کرو، مثلاً تو تو فلاں کا بیٹا ہے، تیری ماں ایسی ویسی ہے، تو فلاں خاندان کا ہے ناوجیرہ۔

(۳) یعنی اپنے طور پر استہرا اور تحیر کر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انہیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ کر بولنا، یہ تابز بالا لقب ہے، جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے۔

(۴) یعنی اس طرح نام بگاڑ کریا برے نام تجویز کر کے بلا نیا قبول اسلام اور توبہ کے بعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کر کے خطاب کرنا، مثلاً اے کافر، اے زانی یا شرابی وغیرہ، یہ بہت برا کام ہے۔ الْاَسْمُ يَسَارُ الذِّكْرَ کے معنی میں ہے یعنی بِشَنَ الْاَسْمُ الذِّي يُذَكَّرُ بِالْفِسْقِ بَعْدُ دُخُولِهِمْ فِي الْإِيمَانِ (فتح القدیر) البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام بعض حضرات کے نزدیک مستثنی ہیں جو کسی کے لیے مشور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں، جیسے لنگرے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے۔ کالے رنگ کی بنابر کالیا یا کالو مشور ہو جائے۔ وغیرہ (القرطبی)

(۵) ظن کے معنی ہیں گمان کرنا۔ مطلب ہے کہ اہل خیر و اہل اصلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل ہوں اور تہمت و افتراء کے ضمن میں آتے ہوں اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو آنکھ بُدُّ الْحَدِيثِ (سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے إِنَّا كُمْ وَالظَّنُّ (البخاری، کتاب الأدب، باب يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَبِيْوَا كَثِيرًا مِنَ الظُّنُونِ، صحيح مسلم، کتاب البر، باب تحريم الظن والتجسس)

کرو^(۱) اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔^(۲) کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی،^(۳) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا میران ہے۔^(۴)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مردو عورت سے پیدا کیا ہے^(۵) اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنے اور قبیلے بنادیئے^(۶) ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب

إِنَّهُ وَلَا يَجِدُ سُوَالٍ يَقْتَبِبُ بِعَصْلَمٍ بَعْضًا أَيْجُبُ أَحْدَامُنْ يَأْكُلُ
لَحْمَ أَجْيَهُ مِنْ تَافِرْكَ هَمْتُوْهُ وَأَنْقُو الْلَّهُ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ^(۷)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذِكْرَهُ أَنْتُمْ شَعُوبٌ وَّقَبَائِيلٌ
لِتَعَاوَنُوا إِنَّ الْمُكْمَلَ عِنْدَ اللَّهِ أَكْمَلُهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ رَّحِيمٌ^(۸)

ورنه فتن و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گناہوں پر بدگمان رکھنا، یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور اس سے اعتناب کی تاکید کی گئی ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ الْفَقِيرَ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَيْرُ، لَا يَجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي الظَّنِّ الْفَقِيرَ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْفَقِيرُ (القرطبی)

(۱) یعنی اس نوہ میں رہنا کہ کوئی خائی یا عیب معلوم ہو جائے تاکہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی خائی، کوتاہی تمہارے علم میں آجائے تو اس کی پرده پوشی کرو۔ نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھر، بلکہ جبوکر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس وقت تک، جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا راتکاب نہ کرے یا جب تک دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برپا ہو گیا ہے۔

(۲) غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برایوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں۔

(۳) یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو کوئی پسند نہیں کرتا۔ لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذاء ہے۔

(۴) یعنی آدم و حوا علیہما السلام سے۔ یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جا کر ملتا ہے۔

(۵) شُعُوبُ، شَعْبٌ کی جمع ہے۔ برادری یا برا قبیلہ شب کے بعد قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فصیلہ اور پھر عشیرہ ہے (فتح القدر) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ تاکہ آپس میں

(۱) میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ذر نے والا ہے۔
لیقین مانو کہ اللہ دانا اور بابرخیر ہے۔ (۱۳)

دیساتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ در حقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کوکہ ہم اسلام لائے (مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے) حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔ (۲) تم اگر اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ پیشک اللہ بخششے والا مریان ہے۔ (۱۴)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لا ائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔ (۱۵)

کہہ دیجئے! کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری سے

قَالَ الْأَعْرَابُ إِنَّا قُلْنَا لَنَا مِنْ نُورٍ وَلَكُمْ قُلْنَا أَسْلَمْنَا وَلَكُمْ يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَلَكُمْ تُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْءًا إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ (۷)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا
وَجَاهُوا بِآمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ
هُمُ الصَّابِرُونَ (۸)

قُلْ أَعْلَمُونَ اللَّهُ يَدْبِغُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

صلوٰ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے۔ جیسا کہ بد فتنی سے حسب و نسب کو برتری کی بنیاد بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام نے آگر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔

(۱) یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ و اختیار میں ہے۔ یہی آیت ان علماء کی دلیل ہے جو نکاح میں کفاتت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں (ابن کثیر)

(۲) بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیدہ کے منافقین ہیں جنہوں نے تقط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقاد صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے (فتح القدیر) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح رائج نہیں ہوا تھا۔ لیکن دعویٰ انسوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انہیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔

(۳) نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور نہ کوہہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔

آگاہ کر رہے ہو، ^(۱) اللہ ہر اس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جانشی والا ہے۔ ^(۲)

اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جاتے ہیں۔ آپ کہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی بُدایت کی اگر تم راست گو ہو۔ (۱۷) (۲۳)

لیقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔ (۱۸)

سورہ ق کی ہے اور اس میں پینتالیس آئیں اور
تین رکوع ہیں۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ ⑯

يَئُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلُوْنَا قُلْ لَا تَمْنَوْعَنِي إِسْلَامِكُمْ بِإِلٰهِ
اللهُ يَعْلَمُ عَلَيْكُمْ مَمْنُ هَذِلِكُمُ الْإِلَهُيْنِ إِنْ كُنْتُمْ
صَدِقِيْنَ ⑯

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّعْلِمٌ
۝

شُوكَّافٌ

(۱) تعلیم، یہاں اعلام اور اخبار کے معنی میں ہے۔ یعنی آمنا کہ کرم اللہ کو اپنے دین و ایمان سے آگاہ کر رہے ہو؟ یا اینے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتلارے ہو؟

(۲) تو کیا تم سارے دلوں کی کیفیت پر پا تم سارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟

(۳) یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے اور آپ ﷺ کی مدد کی، جب کہ دوسرے عرب آپ ﷺ سے بر سر پیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا، تم اللہ پر اسلام لانے کا احسان مت جتنا وہ اس لیے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمہیں ہی ہو گا، نہ کہ اللہ کو۔ اس لیے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں قبول اسلام کی توفیق دے دی تھے کہ تمہارا احسان اللہ پر ہے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورۃ ق اور آفتابِ الساعۃ پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، باب ما یقرأ به فی صلاۃ العبدین) ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبة) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پڑے گمیوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اس میں ابتدائے غلق، بعث و نشور، معاد و قیام، حساب، جنت دوزخ، ثواب و عتاب اور ترغیب و ترہیب کا بیان ہے۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

ق! بہت بڑی شان والے اس قرآن کی قسم ہے۔^(۱)
 بلکہ انہیں تجھب معلوم ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے
ایک آگاہ کرنے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب
چیز ہے۔^(۲)

کیا جب ہم مرکر مٹی ہو جائیں گے۔ پھر یہ واپسی دور (از
عقل) ہے۔^(۳)

زمین جو کچھ ان میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے
اور ہمارے پاس سب یاد رکھنے والی کتاب ہے۔^(۴)
 بلکہ انہوں نے کچی بات کو جھوٹ کہا ہے جبکہ وہ ان کے
پاس پہنچ چکی پس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں۔^(۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَسْوَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ

بَلْ عَجِيبٌ أَنْ جَاءَهُمْ مُّسْنِدٌ لِّمَنْ هُمْ فَقَالَ الْكٰفُرُونَ
هُنَّا شَيْءٌ عَجِيبٌ

إِذَا وَمَنَّا وَكَنَّا تُرَابًاً ذَلِكَ رَجُعٌ بَعِيدٌ

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَقْصُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَتَأْجِمَهُنَّ مِنْ أَمْرٍ يُرِيدُونَ

(۱) اس کا جواب قسم محدود ہے لتبثعن (تم ضرور قیامت والے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں اس کا جواب
مابعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر)

(۲) حالانکہ اس میں کوئی تجھب والی بات نہیں ہے۔ ہر بھی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔
اسی حساب سے قریش کمہ کوڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔

(۳) حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

(۴) یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ
صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس لیے ان تمام اجزاء کو جمع کر کے انہیں دوبارہ
زنده کر دنا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

(۵) حق (کچی بات) سے مراد قرآن، اسلام یا نبوت محمدی ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے متریج کے معنی مختلط، مضطرب یا
ملتبس کے ہیں۔ یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں، کبھی اسے جادو گر کہتے
ہیں، کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔

کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے^(۱) اور زینت دی ہے^(۲) اس میں کوئی شگاف نہیں۔^(۳)^(۴)

اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پھاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنا چیزیں اگادی ہیں۔^(۵)^(۶)^(۷)

تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے میثالی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔^(۸)

اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی بر سلایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔^(۹)^(۱۰) اور کھجوروں کے بلند وبالادرخت جن کے خوشے تباہہ ہیں۔^(۱۱)

آفَلَمْ يُنْظِرُ إِلَى السَّمَاءِ فَوَقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَهَا وَمَالَهَا مِنْ فُلُوجٍ ①

وَالْأَرْضَ مَدَدَنَاهَا وَأَقْيَنَا فِيهَا رَوَابِيَّ وَأَبْنَنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ رُوْجٍ بَهِيجٍ ②

بَصَرَةَ وَذُكْرُى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنْتَبِبٍ ③

وَنَرَلَنَامَ السَّمَاءَ مَاءً مُّبَرِّكًا فَأَبْنَنَاهَا جَثِيَّ وَجَهَ الْحَسِيدِ ④

وَالنَّغْلَ بِسَعْتِ الْهَا طَلْعَ نَفِيدُ ⑤

(۱) یعنی بغیر ستون کے، جن کا اسے کوئی سارا ہو۔

(۲) یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔

(۳) اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طَبَانًا مَّا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَنْوِيرٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هُلْ تَرَى مِنْ ظُلُومٍ * ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَتَيْنِ يَنْقِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَلَسَنَا وَهُوَ حَسِيدٌ﴾ — الملک۔ (۳۰۳)

(۴) اور بعض نے زوج کے معنی جوڑا کیے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیا کو جوڑا جوڑا (نزا در ماہ) بنایا ہے۔ بھیج کے معنی، خوش منظر، شاداب اور حسین۔

(۵) یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیا کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

(۶) کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں، جن سے گندم، مکنی، جوار، باجرہ، دالیں اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

(۷) بَاسِقَاتٍ کے معنی طوala شاہِقات، بلند وبالاطلعت کھجور کا وہ گدر اگدرا پھل، جو پسلے پسل نکلتا ہے۔ نَفِيدُ کے معنی تباہہ۔ باغات میں کھجور کا پھل بھی آ جاتا ہے۔ لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کھجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔

بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبوں سے) نکنا ہے۔^(۱)
ان سے پسلے نوح کی قوم نے اور رسالوں^(۲) نے اور شمودنے۔^(۳)

اور عاد نے اور فرعون نے اور براوران لوٹنے۔^(۴)
اور ایکہ^(۵) والوں نے اور تبع کی قوم^(۶) نے بھی تحذیب کی تھی۔ سب نے پیغمبروں کو جھلایا^(۷) پس میرا وعدہ عذاب ان پر صادق آگیا۔^(۸)
کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے؟^(۹) بلکہ یہ

رَبُّهُ قَالَ لِلْعَبَادِ وَأَحِيَّنَا يَهُ بَلَدَةٌ مَيْتَانٌ كَذَلِكَ الْخَرْوَجُ ۝

كَذَبَتْ بِهِمْ قَوْمٌ وَّأَصْحَبُ الرَّئِسِ وَشَمُودٌ ۝

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَأَخْوَانُ لُوطٍ ۝
وَاصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تَبَّاعَ مُلْكٌ كَذَبَ الرَّسُولَ
فَعَنْ وَعِيدٍ ۝

أَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُوَ فِي الْبَيْنِ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝

(۱) یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن ہم قبوں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے۔

(۲) أَصْحَابُ الرَّئِسِ کی تعین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انہیں اصحاب اخدود قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر سورہ بروم میں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے ابن کثیر و فتح القدير، سورۃ الفرقان آیت ۳۸)

(۳) أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ کے لیے دیکھئے سورۃ الشراء، آیت ۷۶ کا حاشیہ۔

(۴) قَوْمُ تَبَّاعَ کے لیے دیکھئے سورۃ الدخان، آیت ۷۷ کا حاشیہ۔

(۵) یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھلایا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔ گواہ آپ ﷺ کو کما جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی طرف سے اپنی تحذیب پر غمگین نہ ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ ﷺ سے پسلے انبیاء علیم السلام کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی معاملہ کیا۔ دوسرے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ پچھلی قوموں نے انبیاء علیم السلام کی تحذیب کی تو دیکھ لوان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تحذیب کا راستہ چھوڑو اور پیغمبر ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

(۶) کہ قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَهُوَ الَّذِي يَبْدُلُ الْحَقَّ كُلَّهُ ۝ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهُونُ عَلَيْهِ ۝﴾ (الروم، ۲۷) سورۃ السین، آیت ۷۸-۷۹ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے۔“ یعنی اگر مشکل ہے تو

لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شک میں ہیں۔^(۱) (۱۵)
 ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں^(۲) اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔^(۳) (۱۶)
 جس وقت دو لینے والے جائیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔^(۴) (۱۷)
 (انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔^(۵) (۱۸)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوسِّعُ بِهِ نَفْسُهُ وَمَنْ أَنْزَلْنَا
إِلَيْهِ مِنْ حَمْلِ الْوَيْدَى^(۶)

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّينَ عَنِ الْأَيْمَنِ وَعَنِ الشَّمَاءِ قَعِيدٌ^(۷)

مَا يَكُفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَيْنِدُ^(۸)

پہلی مرتبہ پیدا کرنانہ کہ دوسری مرتبہ (البخاری تفسیر سورہ الاخلاص)
 (۱) یعنی یہ اللہ کی قدرت کے مکر نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے بارے میں ہی شک ہے۔

(۲) یعنی انسان جو کچھ چھپتا اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وہ سو سہ دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ ان وہ سو سوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے ”اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرمادیا ہے یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے۔“ (البخاری، کتاب الائمان باب إذا حنت ناسیافی الائمان مسلم، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر)

(۳) وَرِينَدُ، شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کئے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نَخْنُ سے مراد فرشتے ہیں۔ یعنی ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں۔ کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہربات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں 『 مُتَلَقِّي الْمُتَلَقِّينَ 』 کے معنی ہیں یا نُخْذَانٍ وَيَبْتَانٍ۔ امام شوکانی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال و اقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام جھٹ کے لیے مقرر کیے ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دوسرا بدی لکھنے کے لیے۔ اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ (فتح القدیر)
 (۴) رَقِيبُ، محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ عَيْنِدُ، حاضر اور تیار۔

اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آپنی^(۱) یعنی ہے جس سے تو بد کتا پھرتا تھا۔^(۲) ^(۱۹)

اور صور پھونک دیا جائے گا۔ وعدہ عذاب کا دن یہی ہے۔^(۲۰)
اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک لانے والا ہو گا اور ایک گواہی دینے والا۔^(۲۱) ^(۲)

یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پرده ہٹا دیا پس آج تیری نگاہ بست تیز ہے۔^(۲۲)
اس کا ہم نشین (فرشتہ) کے گایہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا۔^(۲۳) ^(۲)

ڈال دو جنم میں ہر کافر سرکش کو۔^(۲۴)
جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا۔^(۲۵)

جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبد بنا لیا تھا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔^(۲۶) ^(۵)

اس کا ہم نشین (شیطان) کے گاءے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔^(۲۷) ^(۶)

وَجَاءَتْ سَكُرَةُ الْمَوْتِ بِالْعِيْدِ ذَلِكَ نَالَتْ مِنْهُ تَعْيِيدُ ^(۱۴)

وَتَفْعَلَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ^(۱۵)

وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعْهَا سَبْعٌ وَشَهِيدٌ ^(۱۶)

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا فَكَثُرْتُ فَعَنْ أَعْظَمِ أَكْارَافِ ^(۱۷)

فَبَعْدُ لِلْيَوْمِ حَدِيدٌ ^(۱۸)

وَقَالَ قَرِيْبُهُ هَذَا مَا لَدَىٰ عَيْنِي ^(۱۹)

الْقَيْلَافُ جَهَنَّمُ كُلُّ لَكَارَ عَنِيْدُ ^(۲۰)

مَنْأَلُهُ لِلْخَيْرِ مُغْتَبُهُ لِلْبَرِيْبُ ^(۲۱)

الَّذِي جَعَلَ مَعَ اهْلِهِ الْأَخْرَقَ لِقِيَةً فِي الْعَنَابِ الشَّدِيدِ ^(۲۲)

قَالَ قَرِيْبُهُ رَبِّنَا آآآَطْقِيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيْدُ ^(۲۳)

(۱) دوسرے معنی اس کے ہیں، 'موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی'، یعنی موت کے وقت، 'حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیامت اور جنت و دوزخ کے بارے میں انبیاء علیم السلام کرتے رہے ہیں۔

(۲) تَعْيِيدُ، تَمِيلُ عَنْهُ وَتَفْعَلُ، تو اس موت سے بد کتا اور بھاگتا تھا۔

(۳) سَانِقُ (ہائکنے والا) اور شَهِيدُ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک انسان کو محشر تک ہائک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

(۴) یعنی فرشتہ انسان کا سارا بیکار ڈسائے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فرد عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔

(۵) اللہ تعالیٰ اس فرد عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ الْفِقَاءِ سے الشَّدِيدِ تک اللہ کا قول ہے۔

(۶) اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی، اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بہکاوے میں ہی نہ آتا یہاں قرینہ۔

حق تعالیٰ فرمائے گا بس میرے سامنے جھگڑے کی بات
مت کرو میں تو پہلے ہی تمہاری طرف وعید (وعدہ
عذاب) بحیثیت کا تھا۔^(۲۸)

میرے ہاں بات بدلتی نہیں^(۲۹) اور نہ میں اپنے بندوں پر
ذراء بھی ظلم کرنے والا ہوں۔^(۳۰)

جس دن ہم وزخ سے پوچھیں گے کیا تو بھرچکی؟ وہ
جواب دے گی کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟^(۳۱)

قَالَ لِأَخْتَهُمُوا لَدَنِي وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمُ الْوَعْدَ بِالْعَيْدِ^(۳۲)

يَبْدِئُ الْقَوْلُ لَدَنِي وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَيْدِ^(۳۳)

يَوْمَ تَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلْ أَمْتَلَتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَرْيَنِدِ^(۳۴)

(ساختی) سے مراد شیطان ہے۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے، میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

(۲) یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے، ان کے خلاف نہیں ہو گا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول کے مطابق تمہارے لیے عذاب کا نیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(۳) کہ بغیر جرم کے جوانہوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو، میں ان کو عذاب دے دوں؟ ظلام یہاں ظالم کے معنی میں ہے۔ یا محاورہ بولا گیا ہے، جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے غلاموں پر برا ظلم کرتا ہے، فلاں شخص برا ظالم ہے مقصد، مبالغے کا نہیں بلکہ صرف اس کی طرف سے ظلم کیے جانے کا ظہار ہوتا ہے۔ یا مقصود نفی میں مبالغہ ہے۔ یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ بِالْجَنَّةِ وَالثَّالِثِ الْجَمِيعِينَ﴾ (آلٰٰ السجدة: ۳۳) ”میں جنم کو انسانوں اور جنوں سے بھردوں گا۔“ اس وعدے کا جب ایسا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن و انس کو جنم میں ڈال دے گا، تو جنم سے پوچھئے گا کہ تو سے بھر گئی ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لیے میرے بھر گئی ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے گی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ تیرے دشمنوں کے لیے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جنم کا جواب دینا، اللہ کی قدرت سے قطعاً عبید نہیں ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے ”آگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جنم کہے گی: هل من مَرِيْنَدِ کیا کچھ اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جنم میں اپنا پیر رکھ دے گا، جس سے جنم پکارا ٹھے گی، قَطِّ قَطِّ“ یعنی بس، بس، (صحیح بخاری، تفسیر سورہ ق) اور جنت کے بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہوگی۔

(صحیح مسلم کتاب الجنۃ باب النار يدخلها الجبارون والجنۃ يدخلها الضعفاء)

اور جنت پر ہیزگاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے
گی ذرا بھی دور نہ ہو گی۔^(۱) (۳۱)

یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے
رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو۔^(۲) (۳۲)
جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل
لایا ہو۔^(۳) (۳۳)

تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ
رہنے کا دن ہے۔^(۴) (۳۴)

یہ وہاں جو چاہیں انھیں ملے گا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی
زیادہ ہے۔^(۵) (۳۵)

اور ان سے پلے بھی ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر کچے
ہیں جو ان سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں وہ شروں میں
ڈھونڈھتے ہیں^(۶) رہ گئے، کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا

وَأَذْلَفَتِ الْجَنَّةَ لِلْمُتَقْدِنِينَ غَيْرُ بَعْدِيْدٍ ④

هَذَا مَا تُوَعَّدُونَ لِكُلِّ أَوَابٍ حَقِيقٌ ⑤

مَنْ خَشِيَ الرَّوْحَمَنُ يَأْتِيْقِبُ وَجَاءَ يَقْلِبُ مُتَبَيْبٍ ⑥

إِذْخُلُوا فَالْيَسِّيرَهُ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ⑦

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدِيْنَ أَمْزِيدُ ⑧

وَكُلُّ أَهْلَكَنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَغَبَوْا فِي
الْبَلَادِ هُنْ مُجْهِيْسٌ ⑨

(۱) اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت، جس روز جنت قریب کر دی جائے گی، دور نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لا محالہ واقع ہو کر رہے گی اور کُلُّ مَا ہو آتٰ فہُوَ قریب اور جو بھی آنے والی چیز ہے، وہ قریب ہی ہے دور نہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر اواب اور حفیظ سے کیا گیا تھا۔ اواب، بہت رجوع کرنے والا، یعنی اللہ کی طرف۔ کثرت سے توبہ و استغفار اور تسبیح و ذکر اللہ کرنے والا۔ خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گزگزانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ حفیظ، اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا، یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے اوصرواہی کو یاد رکھنے والا (فتح القدير)

(۳) مُتَبَيْبٌ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل۔ یا بمعنی سَلِيمٌ، شرک و معصیت کی نجاستوں سے پاک دل۔

(۴) اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہو گا، جیسا کہ ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الصُّنْفَيْنِ وَرَزَدْهُمْ﴾ (یونس ۲۶) کی تفسیر میں گزرا۔

(۵) ﴿مُتَقْبِيْنَ فِي الْبَلَادِ﴾ (شروں میں چلے پھرے) کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت و کاروبار کے لیے مختلف شروں میں پھرتے تھے۔ لیکن ہمارا عذاب آیا تو انہیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔

ہے۔؟) (۳۶)

اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل^(۱) سے متوجہ ہو کر کان لگائے^(۲) اور وہ حاضر ہو۔^(۳) (۳۷)

یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھواتک نہیں۔ (۳۸)

پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی۔^(۴) (۳۹)
اور رات کے کسی وقت بھی تسبیح کریں^(۵) اور نماز کے بعد بھی۔^(۶) (۴۰)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذْكُرٌ لِّهُنَّ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى الشَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ④

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا يَنْهَا مِنْ سَيِّئَةٍ

أَيَا مِنْ قَوْمٍ قَوْمًا سَاءِمُ لُغُوبٍ ⑤

فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَيَرَعِيْهِ مُحَمَّدُ رَبِّكَ قَبْلَ طَلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْفَرُوضِ ⑥

وَمِنَ الَّيْلِ فَسْخَهُ وَأَدْبَارَ الشَّبَوْدِ ⑦

(۱) یعنی دل بیدار، جو غور و فکر کے حقائق کا ادراک کر لے۔

(۲) یعنی توجہ سے وہ وحی الٰہی نے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو۔ اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔

(۴) یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو یا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تائید ہے۔

(۵) "من" تبعیض کے لیے ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تجبد) پڑھیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَمَبْعَدَدِيهِ تَأْلِفَهُ لَكَ﴾ (سورہ بنی إسرائیل، ۲۹) "رات کو اٹھ کر نماز تجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے" بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقع پر پانچ نمازوں فرض کر دی گئیں۔ (ابن کثیر)

(۶) یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مرادی ہیں، جن کے پڑھنے کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کے بعد فرمائی ہے۔ مثلاً ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللَّهِ - ۳۳ مرتبہ الحَمْدُ لِلَّهِ اور اللَّهُ أَكْبَرُ وغیرہ (البخاری، کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلوة، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوة، مسلم، کتاب المساجد بباب استحباب الذکر بعد الصلوة وبيان صفتہ)، مگر یہ تسبیحات اس سورت کے نزول کے

اور سن رکھیں^(۱) کہ جس دن ایک پکارنے^(۲) والا قریب
ہی کی جگہ سے پکارے گا۔^(۳) (۳۱)
جس روز اس تدوینیزِ حق کو یقین کے ساتھ سن لیں گے،
یہ دن ہو گا نکلنے کا۔^(۴) (۳۲)
ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں^(۵) اور ہماری ہی
طرف لوٹ پھر کر آنا ہے۔^(۶) (۳۳)
جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے^(۷)
(نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بست ہی آسان
ہے۔^(۸) (۳۴)

وَاسْتَعِمْ يَوْمَ يُنَادَ الْمُنَادِ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٌ ③

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصِّيَحَةَ بِالْحَقِّ ذَلِكَ يَوْمُ الْغُرْوُجِ ④

إِنَّا لَنَعْنُونُ نُهْجَى وَبَيْمَتُ وَالَّيْنَا الْمُصِيرُ ⑤

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَذْنَمْ سَرَاعًا ذَلِكَ حَسْرٌ عَلَيْنَا إِسْبِرُ ⑥

بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اُبادارِ الحجود سے مرادِ مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔
(۱) یعنی قیامت کے جواہوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جارہے، انہیں توجہ سے سیں۔
(۲) یہ پکارنے والا اسرافیل فرشتہ ہو گایا جبرائیل اور یہ نداوہ ہو گی جس سے لوگ میدانِ محشر میں جمع ہو جائیں گے۔
یعنی نعمتِ ثانیہ۔
(۳) اس سے بعض نے صخرہ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح نے گا، جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آرہی ہے۔ (فتح القدير) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔
(۴) یعنی یہ صحیح یعنی نعمتِ قیامت یقیناً ہو گا جس میں یہ دنیا میں شک کرتے تھے۔ اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کا ہو گا۔
(۵) یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کر دنا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک نہیں ہے۔

(۶) وہاں ہم ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

(۷) یعنی اس آوازِ دینے والے کی طرف دوڑیں گے۔ جس نے آواز دی ہو گی۔ مُسْرِعِينَ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي نَادَاهُمْ (فتح القدير) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں گا اُنَا أَوْلُ مَنْ تَنَشَّقُ عَنْهُ الْأَرْضُ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی جمیع الخلق)

یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں،^(۱) تو آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعدید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔^(۲)^(۳)^(۴)

سورہ ذاریات کی ہے اور اس میں سانچہ آئیں اور
تمن روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

قتم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر۔^(۱)
پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو۔^(۲)
پھر چلنے والیاں نزی سے۔^(۳)
پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔^(۴)

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَعْمَلُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَنَاحِ لِسَانٍ فَذَكِّرْ
بِالْقُرْآنِ مَنْ يَعْفَفُ وَعَيْدِ^(۵)

شیوهُ اللذاریات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالَّذِي يَتَذَرَّفُ^(۶)
فَالْجَمْدُ بِرُوقْرَا^(۷)
فَالْجَرِيَّتُ يُسْرَا^(۸)
فَالْمُقْسَمُتُ أَمْرًا^(۹)

(۱) یعنی آپ ملکتیں اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ ملکتیں کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

(۲) یعنی آپ ملکتیں کی دعوت و تذکیرے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہو گا۔ اسی لیے حضرت قادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے «اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعَيْدَكَ، وَيَزْجُومُونَ عَوْذَكَ، يَا بَارَ بَرِّ يَا رَحِيمُ» اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کہ جو تیری وعدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے۔

(۳) اس سے مراد ہوا میں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

(۴) وَفْرُ، ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حاملات سے مراد وہ ہوا میں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں، یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں جیسے چوپائے، حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

(۵) جَارِيَاتُ، پانی میں چلنے والی کشتیاں، یُسْرَا آسانی سے۔

(۶) مُفَسَّمَاتُ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (یعنی نقط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواوں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوا میں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواوں کی صفت بنایا ہے، جیسے فاضل مترجم نے بھی اسی

لیقین مانو کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں (سب) پچھے ہیں۔^(۵)

اور بیشک انصاف ہونے والا ہے۔^(۶)
تم ہے راہوں والے آسمان کی۔^(۷)
لیقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔^(۸)
اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے^(۹) جو پھیر دیا گیا ہو۔
بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیئے گئے۔^(۱۰)
جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں۔^(۱۱)
پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا؟^(۱۲)
ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر پتاۓ جائیں گے۔^(۱۳)

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لِصَادِقٍ ۝

فَإِنَّ الَّذِينَ لَوَاقُوا
وَالَّذِينَ هَذَا بِهِ أَنْجَلُوا ۝
إِنَّكُمْ لَنِقَّوْلُ مُغْتَلِينَ ۝
يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أَفْلَكَ ۝
مُثْلِلُ الْعَرْضُونَ ۝
الَّذِينَ هُمْ فِي عَنْزَةٍ سَاهُونَ ۝
يَنْقُلُونَ إِلَيْهِنَّ يَوْمَ الْدِيْنِ ۝
يَوْمَ هُمْ عَلَى الْأَنْوَارِ يُفْتَنُونَ ۝

کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض وفعہ صرف تائید مقصود ہوتی ہے اور بعض وفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جواب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں لیقیناً وہ پچھے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چلنًا، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنًا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے، کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتی ہے۔

(۱) دوسرا ترجمہ ‘حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے، چاند، سورج، کواکب و سیارات، روشن ستارے’ اس کی بلندی اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔

(۲) یعنی اے اہل مکہ! تمہارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جادوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شیخ کا اظہار، علاوه ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبدوں بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے، یا حق سے یعنی بعث و توحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے۔ دوسرے میں مدح۔

(۴) مُفْتَشُونَ کے معنی ہیں مُحَرْتَقُونَ وَمُعَذَّبُونَ، جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا پر کھا جاتا ہے، اسی طرح یہ

اپنی قش پر دازی کا مزہ چکھو،^(۱) یہی ہے جس کی تم جلدی
چکار ہے تھے۔^(۲)

بیشک تقویٰ والے لوگ بہتوں اور چشموں میں ہوں
گے۔^(۳)

ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے
رہے ہوں گے وہ تو اس سے پسلے ہی نیکو کارتھے۔^(۴)

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔^(۵)

اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔^(۶)

اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے
والوں کا حق تھا۔^(۷)

اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں

دُوقُوا فَتَّأْكُمْ هُنَّا الَّذِي لَنْمُمْ يَهُنَّعَجُلُونَ ⑭

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّةٍ وَّعِيشُونَ ⑮

الْخَيْرِيْنَ مَا أَنْتُمْ رَبُّهُمْ لَنَّهُمْ كَانُوا أَقْبَلُ ذَلِكَ نُعْيِيْنَ ⑯

كَانُوا قَدْلَامَنْ أَيْقَلَ مَأْبُجَحُونَ ⑰

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَفَرُونَ ⑱

وَفِي آمْوَالِهِمْ حُقُّ لِلشَّاهِلِ وَالْمَحْرُومِ ⑲

وَفِي الْأَرْضِ إِلَيْتِ الْمُتَّقِيْنَ ⑳

آگ میں ڈالے جائیں گے۔

(۱) فِتْنَة، بمعنی عذاب یا آگ میں جانا۔

(۲) هُجُنُعُ کے معنی ہیں، رات کو سونا۔ مَا يَهْجَعُونَ میں ما تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے، مطلب ہے ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے۔ بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گزر گزاتے ہوئے گزار تے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا ”لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاو، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاو اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو، جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“ (مسند احمد، ۵/۳۵۱)

(۳) وقت سحر، قبولت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ندا دینا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کرو؟ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں، کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل والاجابة فيه)

(۴) محروم سے مراد، وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے۔ چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ یادہ شخص ہے جس کا سب کچھ آفت ارضی و سماوی میں ’تابہ ہو جائے۔

(۲۰) ہیں۔

اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں

(۲۱) ہو۔

اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔^(۱) (۲۲)آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ^(۲) بالکل برق
ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باقیں کرتے ہو۔^(۲۳)
کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر
بھی پچھی ہے؟^(۳) (۲۴)وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جواب
سلام دیا (اور کہا یہ تو) جنی لوگ ہیں۔^(۴) (۲۵)پھر (چپ چاپ جلدی جلدی) اپنے گھروالوں کی طرف
گئے اور ایک فربہ پچھڑے (کا گوشت) لائے۔^(۲۶)اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں
نہیں؟^(۵) (۲۷)پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے^(۶) انہوں نے کہا

وَفِي الْأَقْسَاطِ أَفَلَا يَتَبَعِّدُونَ ④

وَفِي التَّمَاءِ وَالرَّضْمَ وَالْمَوْعِدَوْنَ ⑤

فَوَرِتِ التَّمَاءُ وَالرَّضْمُ وَالْمَوْعِدَوْنَ ⑥

هَلْ أَتَلَكَ حَدِيثُ صَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمَكْرُمِينَ ⑦

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَّمَ إِنَّمَا قَالَ سَلَّمَ قَوْمٌ مُشْكُرُونَ ⑧

فَرَأَوْهُ الْأَهْلُهُ فَجَاءُهُ بِعِصْمَنِ سَبِيلِنِ ⑨

فَقَرَرَنَّهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَكَانَ الْأَنْهَلُونَ ⑩

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِفْنَةً قَالُوا لَا هُنْ مُنْكَرُونَ ⑪

(۱) یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمہارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت دوزخ ثواب و عتاب بھی آسمانوں میں ہے جن کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

(۲) إِنَّهُ مِنْ ضَمِيرِ كَامِرْجُونْ (یہ) وہ امور و آیات ہیں جو نہ کور ہو سکیں۔

(۳) هل استفهام کے لیے ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سعیہ ہے کہ اس قصے کا تجھے علم نہیں، بلکہ ہم تجھے وحی کے ذریعے سے مطلع کر رہے ہیں۔

(۴) یہ اپنے جی میں کہا، ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

(۵) یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھایا تو پوچھا۔

(۶) ڈر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے، یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شر کی نیت سے آئے ہیں۔

آپ خوف نہ کچھے۔^(۱) اور انہوں نے اس (حضرت ابراہیم)

کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔^(۲۸)

پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حرمت^(۲) میں آکر اپنے
منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی^(۲۹)
بانجھ۔^(۲۹)

انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا
ہے، بیشک وہ حکیم و علیم ہے۔^(۳۰)^(۳۰)

فَأَقْلَمَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ رَجْهَهَا وَقَالَتْ بَغْوَرٌ
عَقِيمٌ^(۳)

فَأَلْوَانَنَّ لِلَّهِ قَالَ رَبِّنِي إِلَهٌ هُوَ الْعَظِيمُ الْعَلِيمُ^(۴)

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

(۲) صَرَّة کے دوسرے معنی ہیں جنخ و پکار، یعنی چینتے ہوئے کہا۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع دے رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

(حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے کما کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشوتو!) تمہارا کیا مقصد ہے؟^(۳۱)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیج گئے ہیں۔^(۳۲)

تکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر بر سائیں۔^(۳۳) جوتیہرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں، ان حد سے گزر جانے والوں کے لیے۔^(۳۴)

پس جتنے ایمان والے وہاں تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔^(۳۵)

اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔^(۳۶)

قالَ قَمَّا خَطَبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ

قَالُوا إِنَّا أَنْسِنَاتٌ إِلَّا قَوْمٌ مُّغْرِبِينَ ۚ

لِرُسُلِ اللَّهِ مُّحَمَّدٍ حَمَارَةٌ مِّنْ طَيْلَنْ ۚ

مُّسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلنَّاسِ فِي نَارٍ ۚ

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهِ لِمَنِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۚ

(۱) خَطْبٌ شان، قصہ۔ یعنی اس بشارت کے علاوہ تمہارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔

(۲) اس سے مراد قوم لوٹ ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔

(۳) بر سائیں کا مطلب ہے، ان کنکریوں سے انہیں رجم کر دیں۔ یہ کنکریاں غالباً پھر کی تھیں نہ آسمانی اولے تھے، بلکہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔

(۴) مُسَوَّمَة (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انہیں پہچان لیا جاتا تھا، یا وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کرتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہوئی تھی، اس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا مُسْرِفِینَ، جو شرک و ضلالت میں بست بڑھے ہوئے اور فتن و فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

(۵) یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔

(۶) اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوٹ علیہ السلام کا گھر تھا، جس میں ان کی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے۔ کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوٹ علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے بلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ (ایسر التفاسیر) اسلام کے معنی ہیں، اطاعت و انقیاد۔ اللہ کے حکم و سراط اعات خم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا، اور پھر انہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصدقائیں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے۔ اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق ہے جو حدیث

اور وہاں ہم نے ان کے لیے جو دردناک عذاب کا ذر رکھتے ہیں ایک (کامل) علامت چھوڑی۔^(۱) (۲۷)

موئی (علیہ السلام کے قصے) میں (بھی ہماری طرف سے تنبیہ ہے) کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی دلیل دے کر بھیجا۔ (۳۸)

پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا^(۲) اور کہنے لگا یہ جادو گر ہے یادیوانہ ہے۔ (۳۹)

بالآخر، ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دیا میں ذال دیا وہ تھا ہی ملامت کے قابل۔^(۳) (۴۰)

اسی طرح عادیوں میں^(۴) بھی (ہماری طرف سے تنبیہ ہے) جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے^(۵) خالی

وَرَأَنَا فِيهَا أَيَّةً لِّلَّذِينَ يَغْافُلُونَ عَذَابَ الْكَلِيلِ ۖ

وَفِي مُؤْمِنٍ إِذَا رَسَّلْنَا إِلَيْهِ فَرْعَوْنَ إِسْلَاطِنَ مُبِينٍ ۖ

فَتَوَلَّ بِرَبِّنَهُ وَقَالَ سِيرًا وَجِهْنَوْنَ ۖ

فَلَخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَذَنْهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ۖ

وَفِي عَادٍ إِذَا رَسَّلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيمَ ۖ

جبراً سل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَيْفَ شَاءَتْ، اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، حج اور صیام رمضان۔ اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا "اللہ پر ایمان لانا، اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں اور تقدیر (خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا" یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام و فرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان اور ہر مسلمان مومن ہے (فتح القدير) اور جو مومن اور مسلم کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ نھیک ہے کہ یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن ان کے درمیان جو فرق ہے اس کی رو سے ہر مومن، مسلم بھی ہے، تاہم ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں (ابن کثیر) بحال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔

(۱) یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انہی کے لیے ہیں جو عذاب الٰہی سے ڈرنے والے ہیں، کیونکہ وعظ و نصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور و فکر بھی وہی کرتے ہیں۔

(۲) جانب اقویٰ کو رکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔

(۳) یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔

(۴) اُنیٰ: تَرَكَنَا فِي قَصَّةٍ عَادِ آبَةٌ عَادَ کے قصے میں بھی ہم نے نشانی چھوڑی۔

(۵) الرِّيْحَ الْعَقِيمَ (بانجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ ہوا درختوں کو شر آور کرنے والی تھی نہ بارش کی

آنندھی بھیجی۔ (۳۱)

وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اسے بو سیدہ ہڈی کی طرح
(چورا چورا) کر دیتی تھی۔ (۳۲)

اور شہود (کے قصے) میں بھی (عترت) ہے جب ان سے کما
گیا کہ تم کچھ دنوں تک فائدہ اٹھالو۔ (۳۳)

لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتاہی کی جس پر
انہیں ان کے دیکھتے دیکھتے (تیز و تند) کڑا کے (۳۴) نے
ہلاک کر دیا۔ (۳۴)

پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے (۳۵) اور نہ بد لے لے سکے۔ (۳۵)

اور نوح (علیہ السلام) کی قوم کا بھی اس سے پسلے (یہی
حال ہو چکا تھا) وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے۔ (۳۶)

آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے (۳۷) اور یقیناً
ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔ (۳۸) (۳۷)

مَا نَذَرْتُ لَكُمْ ثُمَّ أَتَتْ عَلَيْهَا الْأَجْمَلَتُهُ كَالْرَّئِيمُ ۖ ۳

وَفِي شَوَّدَادِ قِيلَ لَمْ تَسْعُوا حَتَّىٰ جِينَ ۗ ۴

فَعَوَّاعُنْ أَمْرِرَبِهِ فَأَخْذَهُمُ الظَّعَقَةُ وَهُمْ يَنْظَرُونَ ۵

فَمَا سَطَّاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ ۶

وَقَوْمُ نُوحَ مِنْ قَبْلِ إِنَّهُمْ كَانُوا أَقْوَمًا فِي سَيِّئَتِهِنَّ ۷

وَالسَّمَاءُ بَنَيْنَاهَا بِإِيمَانِهِنَّ ۸

پیامبر، بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

(۱) یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا، سات رات میں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی (الحاقۃ)

(۲) یعنی جب انہوں نے اپنے ہی طلب کردہ محجزے اور منی کو قتل کر دیا، تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے مزے لوٹ لو، تین دن کے بعد تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ السلام کی ابتدائی نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔

(۳) یہ صاعِقة (کڑا کا) آسمانی صح تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے رَجْفَة (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورہ اعراف ۸۷ میں ہے۔

(۴) چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔

(۵) یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچاسکے۔

(۶) قوم نوح، عاد، فرعون اور شہود غیرہ سے بہت پسلے گز ری ہے۔ اس نے بھی اطاعت اللہ کے بجائے اس کی بغاوت کا راست اختیار کیا تھا۔ بالآخر سے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔

(۷) السَّمَاءَ مَنْصُوبٌ ہے۔ بَنَيْنَا مَحْزُوفَ کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاہَا

(۸) یعنی آسمان پسلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے

اور زمین کو ہم نے فرش بنادیا ہے۔^(۱) پس ہم بست ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔^(۲۸)

اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا^(۲) ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔^(۲۹)

پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو،^(۳) یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔^(۵۰)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبدونہ ٹھہراو۔^(۴) بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلاڑ رانے والا ہوں۔^(۵۱)

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادو گر ہے یا دیوانہ ہے۔^(۵۲)

کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے

وَالْأَرْضُ قَوْشَهَا فِي عَمَّ الْمَهْدُونَ ⑥

وَمَنْ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَا ذُجَيْنَ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ⑦

فَهُنَّا وَإِلَى اللَّهِ أَنْتَ الْمُحْمَدُ لِكُوْمَتْهُ تَذَكَّرُ مُؤْمِنُونَ ⑧

وَلَا جَعْلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَيْهِ الْأَخْرَى فِي الْكُوْمَتْهُ تَذَكَّرُ مُؤْمِنُونَ ⑨

كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولِ إِلَّا
قَاتَلُوا سَلَحًا حَرَّا وَمَغْنَمُونَ ⑩

آتُوا صُوَابَهُ بِلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ⑪

بارش برسا کر روزی کشاور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا منوسع کو وسعت سے قرار دیا جائے (طاقت و قدرت رکھنے والے) تو مطلب ہو گا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت و قدرت موجود ہے۔ ہم آسمان و زمین بنانے کا تحکم نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت و طاقت کی کوئی انتہائی نہیں ہے۔
(۱) یعنی فرش کی طرح اسے بچھا دیا ہے۔

(۲) یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نہ اور مادہ یا اس کی مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے۔ جیسے روشنی اور اندر ہیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوتو اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ، حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان) اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسرا زندگی۔

(۳) یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۴) یعنی کفر و معصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہ اللہ میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔

(۵) یعنی میں تمہیں کھول کھول کر ڈر ارہا اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے بیشک کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَشْكُرُونَ

وَذَرْ قَاتَ الظُّرُورِ شَفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

وَمَا حَلَقْتُ الْجِنَّةِ وَالْأَنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ

مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أَرِيدُ أَنْ يُظْهِرُونَ

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَيِّنُ

فَإِنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبَهُمْ ذُنُوبُ آخْرِهِمْ

ہیں۔^(۱)
(۵۳)

(نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔^(۲) تو آپ ان سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں۔^(۳) اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی۔^(۴) (۵۵)

میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔^(۳) (۵۶)

نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں۔^(۵) (۵۷)

اللَّهُ تَعَالَى تُو خود ہی سب کا روزی رساب تو انلی والا اور زور آور ہے۔^(۵۸)

پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے

(۱) یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی مکنذیب کی اور انہیں جادوگر اور دیوانہ قرار دیا، جیسے کچھل قویں بعد میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی مکنذیب کا راستہ اختیار کیا۔

(۲) یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے، اس لیے ان سب کے دل بھی مشابہ ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے۔ اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو متقدیمین نے کہا اور کیا۔

(۳) اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انہیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، اس نصیحت سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی بابت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لا میں گے۔

(۴) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ شرعیہ تکلیفیہ کا اظہار ہے جو اس کو محظوظ و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعلق ارادہ تکوینی سے ہوتا، پھر تو کوئی انس و جن اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا۔ یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، جسے اگر انہوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت باز پرس ہو گی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔

(۵) یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں، جیسا کہ دوسرے آقاوں کا مقصود ہوتا ہے، بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہو گا کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہو گا۔

ساتھیوں کے حصہ کے مثل حصہ ملے گا،^(۱) لہذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔^(۲)
^(۳) (۵۹)

پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن کی جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں۔^(۴)
^(۵) (۶۰)

سورہ طور کی ہے اور اس میں انچاں آئتیں ہیں اور دو روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو برا مریان نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے طور کی۔^(۱)
اور لکھی ہوئی کتاب کی۔^(۲)
جو جعلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے۔^(۳)
اور آباد گھر کی۔^(۴)
^(۵) (۳)

شُوَّرُ الظُّرُورِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالظُّرُورِ ۠

وَكُتُبٌ مَسْتُورٌ ۠

فِي رَقٍ مَنْسُورٌ ۠

وَالْبَيْنَاتُ الْمَعْتُورٌ ۠

(۱) ذنوب کے معنی بھرے ڈول کے ہیں۔ کنوں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ ظالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا، جس طرح اس سے پہلے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔

(۲) لیکن یہ حصہ عذاب انہیں کب پہنچے گا، یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔

(۳) طُورُ، وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا، بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔

(۴) مَسْتُورٌ کے معنی ہیں۔ مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کا مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام کتب منزلہ یا وہ انسانی اعمال نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔

(۵) یہ متعلق ہے مَسْتُورٌ کے رَقٍ، وہ باریک چہڑا جس پر لکھا جاتا تھا۔ مَنْسُورٌ بمعنی مَبْسُوطٌ، پھیلا یا کھلا ہوا۔

(۶) یہ بیت معمور، ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادات کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادات کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی۔ جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں، جو عبادات کے لیے آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔

اور اونچی چھت کی۔^(۱)
اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی۔^(۲)
بیشک آپ کے رب کا عذاب ہو کرہنے والا ہے۔^(۳)
اسے کوئی روکنے والا نہیں۔^(۴)
جس دن آسمان تحریرانے لگے گا۔^(۵)
اور پہاڑ چلنے پھرنے لگیں گے۔^(۶)
اس دن جھٹلانے والوں کی (پوری) خرابی ہے۔^(۷)
جو اپنی بیووہ گوئی میں اچھل کو دکر رہے ہیں۔^(۸)
جس دن وہ دھکے دے^(۹) دے کر آتش جنم کی طرف

وَالسَّقْعَنَ الْمَرْتُوعِ ۝
وَالْبَعْرِ السَّعْدُورِ ۝
إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝
ثَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝
يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَمُورًا ۝
فَتَسْرِيرُ الْبَيْلَ سَيْرًا ۝
فَوْلِيُّ يَوْمِيُّ الْمَكَبِيْرِينَ ۝
الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝
يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَى تَارِجَمَمْ دَعَا ۝

(۱) اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے بنزال چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے ”محفوظ چھت“ کہا ہے۔ ﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَخْفُوقًا لَوْلَهُ عَنِ الْيَمَامِ عُرْضُونَ ﴾ (سورہ الأنبياء، ۲۲) بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔

(۲) مسحور کے معنی ہیں، بھڑک کے ہوئے۔ بعض کہتے ہیں، اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت والے دن پارش نازل ہو گی، اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں، ان میں قیامت والے دن آگ بھڑک اٹھے گی۔ جیسے فرمایا ﴿ وَلَذَا الْعَيْنَ سُجْرَتٌ ﴾ (التكوير، ۱۰) ”اورجب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔“ امام شوکانی نے اسی مفہوم کو اولیٰ ترار دیا ہے اور بعض نے مسنجوز کے معنی مُمْلُوَّ (بھرے ہوئے) کے لیے ہیں، یعنی فی الحال سمندروں میں آگ تو نہیں ہے، البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں، امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں (دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

(۳) یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔ یعنی یہ تمام چیزیں، جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہریں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، اسے کوئی ثالنے پر قادر نہیں ہو گا۔

(۴) سور کے معنی ہیں حرکت و اضطراب۔ قیامت والے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہو گا، اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور یہ مذکورہ عذاب کے لیے طرف ہے۔ یعنی یہ عذاب اس روز واقع ہو گا جب آسمان تحریرائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر روئی کے گالوں اور ریت کے ذروں کی طرح اڑ جائیں گے۔

(۵) یعنی اپنے کفر و باطل میں مصروف اور حق کی مکنذیب و استہرا میں لگے ہوئے ہیں۔

(۶) الدَّعْ گے معنی ہیں نہایت سختی کے ساتھ دھکیلنا۔

لائے جائیں گے۔^(۱۳)

بھی وہ آتش دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتاتے تھے۔^(۱۴)
^(۱۳) (۱۴)

(اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے؟^(۱۵) یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔^(۱۶)
^(۱۵) (۱۶)

جادو دوزخ میں اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لیے یکساں ہے۔ تمہیں فقط تمہارے کیے کا بدله دیا جائے گا۔^(۱۷)

یقیناً پر ہیز گار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں۔^(۱۸)
جو انہیں ان کے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں،^(۱۹) اور ان کے پروردگار نے انہیں جنم کے عذاب سے بھی بچایا ہے۔^(۲۰)

تم مزے سے کھاتے پیتے رہو ان اعمال کے بد لے جو تم کرتے تھے۔^(۲۱)

برا بر بچپے ہوئے شاندار تنخے پر تکیے لگائے ہوئے۔^(۲۲) اور

هُنَّا الظَّالِمُونَ الَّذِينَ لَمْ يَلِدُوا لَكَذَّابُونَ ۚ^(۲۳)

أَفَسِحْرُهُنَّ أَمْ إِنْتُمْ لَشَيْرُونَ ۚ^(۲۴)

إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا وَالْأَوَّلَاتْ صَبِرُوا ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوُنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ^(۲۵)

إِنَّ الْمُتَقْبَلِينَ فِي جَنَّتٍ وَلَا يَعْيِمُ^(۲۶)

فَكَمْنَىٰ مَا أَنَّهُمْ رَبُّوْهُ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُ عَدَابُ الْجَحِيْمِ^(۲۷)

كُلُّاً وَأَشْرُبُوا هِنَّا لِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ^(۲۸)

مُتَكَبِّلُونَ عَلَى سُرُّرِ مَصْفُوفَةٍ وَزَوْجَهُمْ مُعْوِرُ عَيْنِ^(۲۹)

(۱) یہ جنم پر مقرر فرشتے (زبانیہ) انہیں کہیں گے۔

(۲) جس طرح تم دنیا میں پیغمبروں کو جادو گرا کرتے تھے، بتاؤ! کیا یہ بھی کوئی جادو کا کرتب ہے؟

(۳) یا جس طرح تم دنیا میں حق کے دیکھنے سے اندر ہے تھے، یہ عذاب بھی تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ یہ ترقیع و توبيخ کے لیے انہیں کما جائے گا، ورنہ ہر چیزان کے مشاہدے میں آچکی ہو گی۔

(۴) اہل کفر و اہل شقاوت کے بعد اہل ایمان و اہل سعادت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(۵) یعنی جنت کے گھر، لباس، کھانے، سواریاں، حسین و جیل یو یاں (حوریین) اور دیگر نعمتیں ان سب پر وہ خوش ہوں گے، کیونکہ یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بد رجاء بڑھ کر ہوں گی اور مَا لَا عَيْنَ رَأَتَ وَلَا أُذْنَ سَمِعَتْ وَلَا حَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔ کام صدقان۔

(۶) دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُّاً وَأَشْرُبُوا هِنَّا لِمَا أَسْلَمُتُوْنِي الْأَيَّامُ الْخَالِيَّةُ﴾۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بہت ضروری ہیں۔

(۷) مَصْفُوفَةٍ، ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے۔ گویا وہ ایک صف ہیں۔ یا بعض نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے کہ

ہم نے ان کے نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی (حوروں) سے
کر دیئے ہیں۔ (۲۰)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان
میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں
گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے،^(۱) ہر
شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہے۔ (۲۱)

وَالَّذِينَ امْتَوْا وَأَتَبْعَثُمْ دُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانِ الْحَقْنَابِهِمْ
دُرِّيَّهُو وَمَا أَتَهُمْ مِنْ عَمَلٍ هُمْ قُنْ شَنِيْهُ
كُلُّ اُمْرِيٌّ إِيمَانَ كَسَبَ رَهِيْنِ ⑥

کے چرے ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جیسے میدان جنگ میں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس مفہوم کو قرآن میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ﴿عَلَى سُرِّ مُتَقْبِلِينَ﴾۔ (الصفات، ۳۳) ”ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر فروکش ہوں گے۔“

(۱) یعنی جن کے باپ اپنے اخلاق و تقویٰ اور عمل و کردار کی بیان پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ایماندار اولاد کے بھی درجے بلند کر کے، ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ان کے باپوں کے درجے کم کر کے ان کی اولاد والے کمتر درجوں میں انسیں لے آئے۔ یعنی اہل ایمان پر دو گونہ احسان فرمائے گا۔ ایک تو باپ بیٹوں کو آپس میں ملا دے گا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بشرطیکہ دونوں ایماندار ہوں۔ دوسرا، یہ کہ کم تر درجے والوں کو اٹھا کر اونچے درجوں پر فائز فرمادے گا۔ ورنہ دونوں کے ملک کا یہ طریقہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے کلاس والوں کو بی کلاس دے دے، یہ بات چونکہ اس کے فضل و احسان سے فروز رہو گی، اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ بی کلاس والوں کو اے کلاس عطا فرمائے گا۔ یہ تو اللہ کا وہ احسان ہے جو اولاد پر، آبا کے عملوں کی برکت سے ہو گا اور حدیث میں آتا ہے کہ اولاد کی دعا و استغفار سے آبا کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ایک شخص کے جب جنت میں درجے بلند ہوتے ہیں تو وہ اللہ سے اس کا سبب پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔ (مسند احمد، ۵۰۹/۲) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ البتہ تین چیزوں کا ثواب، موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے ایک صدقہ عجارتیہ۔ دوسرا، وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں اور تیری، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔“ (مسلم، کتاب

الوصیۃ، باب ما یلحقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الشَّوَّابِ بَعْدَ فَاتَّهُ)

(۲) رَهِيْنِ بمعنی مُنْهُونِ (گروی شدہ چیز) ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہو گا۔ یہ عام ہے، مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور مطلب ہے کہ جو جیسا (اچھا یا برا) عمل کرے گا، اس کے مطابق (اچھی یا بُری) جزا پائے گا۔ یا اس سے مراد صرف کافر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہوں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿كُلُّ نَفِيْنِ إِيمَانَ كَسَبَ رَهِيْنِ * إِلَّا أَمْحَبُّ الْيَوْمَِ﴾ (المدثر، ۳۸-۳۹) ”ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہو گا۔ سوائے اصحاب اليمین (اہل ایمان) کے۔“

ہم ان کے لیے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے۔^(۱) (۲۲)

(خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جام (شراب) کی چھینا جھٹی کریں گے^(۲) جس شراب کے سرور میں تو بیوودہ گوئی ہو گی نہ گناہ۔^(۳) (۲۳)

اور ان کے اروگروان کے نو عمر غلام چل پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ موتی تھے جوڑھکے رکھتے تھے۔^(۴) (۲۴)

اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔^(۵) (۲۵)

کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھروالوں کے درمیان بست ڈرا کرتے تھے۔^(۶) (۲۶)

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیزو نہ گرم ہواں کے عذاب سے بچالیا۔^(۷) (۲۷)

وَمَدْدُهُمْ بِعَلَاكَهُ وَلَحِمْ مَتَايَشَهُونَ ۝

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَاسًا لِلَّعْوَقِيَّةِ وَلَاتَائِثِيمَ ۝

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غَلَمَانٌ لَكُمْ كَانُهُمْ لُؤْلُؤُ مَنَدُونَ ۝

وَاقْبَلَ بَعْضُهُمُ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝

قَالُوا إِنَّا لَمَّا أَقْبَلْنَا فِي أَهْلِنَا مُشْغَلُونَ ۝

فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَنَا عَذَابَ الشَّمُومِ ۝

(۱) أَمَدَّنَاهُمْ بمعنی زِدَنَاهُمْ، یعنی خوب دیں گے۔

(۲) يَتَنَازَعُونَ، يَتَعَاطُونَ وَيَتَنَازَلُونَ ایک دوسرے سے لیں گے۔ یا پھر وہ معنی ہیں جو فاضل مترجم نے کیے ہیں۔ کاس، اس پیالے اور جام کو کہتے ہیں جو شراب یا کسی اور مشروب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی برتن کو کاس نہیں کہتے۔ (فتح القدیر)

(۳) اس شراب میں دنیا کی شراب کی تاثیر نہیں ہو گی، اسے پی کرنے کوئی بے کے گا کہ لغو گوئی کرے نہ اتنا مدد ہوش اور مست ہو گا کہ گناہ کا راتکاب کرے۔

(۴) یعنی جنتیوں کی خدمت کے لیے انہیں نو عمر خادم بھی دیئے جائیں گے جوان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی و رعنائی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے موتی، جسے ذکر کر رکھا گیا ہو، تاکہ ہاتھ لگنے سے اس کی چمک دک ماند پڑے۔

(۵) ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پوچھیں گے کہ دنیا میں وہ کن حالات میں زندگی گزارتے اور ایمان و عمل کے تقاضے کس طرح پورے کرتے رہے؟

(۶) یعنی اللہ کے عذاب سے۔ اس لیے اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے رہے، اس لیے کہ انسان کو جس چیز کا ذرہ ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لیے وہ تجک و دو بھی کرتا ہے۔

(۷) سَمُومٌ لَوْ، جِلْسٌ ذَالَّنَّهُ وَالِّيْ گرم ہوا کو کہتے ہیں، جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے،^(۱) پیش
وہ محسن اور مربان ہے۔^(۲۸)
تو آپ سمجھاتے رہیں کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل
سے نہ تو کہاں ہیں نہ دلوانہ۔^(۲۹)
کیا کافریوں کتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانے کے
حوادث (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں۔^(۳۰)
کہہ دیجئے؟ تم منتظر ہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار
کرنے والوں میں ہوں۔^(۳۱)
کیا ان کی عقليں انہیں یہی سکھاتی ہیں؟^(۳۲) یا یہ لوگ ہی
سرکش ہیں۔^(۳۲)
کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبی نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے،
واقعہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔^(۴)^(۳۳)

إِنَّا لَكُمْ مِنْ قَبْلٍ نَدْعُوكُمْ إِنَّهُ هُوَ الْبَزَّالِيَّعِيمُ ۝

فَذَكُّرُوْفَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِخَاهِنْ وَلَامَجْنُونْ ۶

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ تَرَبَصُ بِهِ رَبِّ النَّبُونَ ۷

قُلْ تَرَبَصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُرَبَّصِينَ ۸

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْكَامَهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۹

أَمْ يَقُولُونَ تَقْوَةٌ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۱۰

(۱) یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذاب جنم سے بچنے کے لیے دعا کرتے تھے۔

(۲) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے رہیں اور یہ آپ کی بابت جو کچھ کہتے رہتے ہیں، ان کی طرف کان نہ دھرس، اس لیے کہ آپ اللہ کے فضل سے کاہن ہیں نہ دلوانہ (جیسا کہ یہ کہتے ہیں) بلکہ آپ پر باقاعدہ ہماری طرف سے وحی آتی ہے، جو کہ کاہن پر نہیں آتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں، وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے، ایک دیوانے سے اس طرح گفتگو کیوں کر ممکن ہے؟

(۳) رَبِّنَتْ کے معنی ہیں حوادث، مَنُونْ موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مطلب ہے کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ زمانے کے حوادث سے شاید اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو موت آجائے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے، جو اس کی دعوت توحید نے ہم سے چھین لیا ہے۔

(۴) یعنی دیکھو! موت پہلے کے آتی ہے؟ اور ہلاکت کس کا مقدر بنتی ہے؟

(۵) یعنی یہ تیرے بارے میں جو اس طرح انہا پشاپ جھوٹ اور غلط سلط باہیں کرتے رہتے ہیں، کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سمجھاتی ہیں؟

(۶) نہیں بلکہ یہ سرکش اور گمراہ لوگ ہیں، اور یہی سرکشی اور گمراہی انہیں ان بالوں پر برائیختہ کرتی ہے۔

(۷) یعنی قرآن گھرنے کے الزام پر ان کو آمادہ کرنے والا بھی ان کا کفری ہے۔

اچھا اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک (ہی) بات یہ
(بھی) تو لے آئیں۔^(۱) (۳۲)

کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخوبیدا ہو گئے
ہیں؟^(۲) یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟^(۳) (۳۵)

کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ
یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں۔^(۴) (۳۶)

یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟^(۵) یا
یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں۔^(۶) (۳۷)

یا کیا ان کے پاس کوئی سیرہ ہی ہے جس پر چڑھ کر سختے
ہیں؟^(۷) (اگر ایسا ہے) تو ان کا سختے والا کوئی روشن دلیل
پیش کرے۔^(۸) (۳۸)

کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمہارے ہاں لڑکے

فَلِيَأَتُوا صَدِيقِهِ مِثْلَهِ إِنْ كَانُوا صَدِيقِينَ ﴿۷﴾

آمُلْحُكُمُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۸﴾

آمُلْخَلَقُوا السَّمُونَ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُونَ ﴿۹﴾

أَمْ عَنْدَهُمْ حَرَلَنْ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُجْبَرُونَ ﴿۱۰﴾

أَمْ لَهُمْ سُلْطَنَةٌ يَعْمَلُونَ فِيهِ فَلِيَأْتِ مُتَّمِعْهُمْ بِالظِّلِّينَ

مُبِينُونَ ﴿۱۱﴾

أَمْ لَهُ الْبَنْتُ وَلَكُمُ الْبَنْوَنَ ﴿۱۲﴾

(۱) یعنی اگر یہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا گھر ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش کر دیں جو نظم، اعجاز و بлагعت، حسن بیان، ندرت اسلوب، تعیین حقائق اور حل مسائل میں اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۲) یعنی اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انہیں کسی بات کا حکم دے یا کسی بات سے منع کرے۔ لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے، تو ظاہر ہے اس کا انہیں پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد ہے، وہ انہیں پیدا کر کے یوں ہی کس طرح چھوڑ دے گا؟

(۳) یعنی یہ خود بھی اپنے خالق نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

(۴) بلکہ اللہ کے وعدوں اور وعدوں کے بارے میں شک میں بٹلا ہیں۔

(۵) کہ یہ جس کو چاہیں روزی دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں نبوت سے نوازیں۔

(۶) مُصَبِّطِرٌ یا مُسَبِّطِرٌ سَطْرٌ سے ہے، 'لکھنے والا' جو محافظ و نگران ہو، وہ چونکہ ساری تفصیلات لکھتا ہے، اس لیے یہ محافظ اور نگران کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کیا اللہ کے خزانوں یا اس کی رحمتوں پر ان کا تسلط ہے کہ جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔

(۷) یعنی کیا یہ ان کا دعویٰ ہے کہ سیرہ ہی کے ذریعے سے یہ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح آسمانوں پر جا کر ملائکہ کی باتیں یا ان کی طرف جو وحی کی جاتی ہے، وہ سن آئے ہیں۔

ہیں؟^(۳۹)
 کیا تو ان سے کوئی اجرت طلب کرتا ہے کہ یہ اس کے
 توان سے بوجھل ہو رہے ہیں۔^(۴۰)
 کیا انکے پاس علم غیر ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟^(۴۱)
 کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟^(۴۲) تو یقین کر لیں
 کہ فریب خور دہ کافر ہی ہیں۔^(۴۳)
 کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبدو ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ
 تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔^(۴۴)
 اگر یہ لوگ آسمان کے کسی نکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں
 تب بھی کہہ دیں کہ یہ تباہ تباول ہے۔^(۴۵)
 تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ
 پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے۔^(۴۶)
 جس دن انہیں ان کا مکر کچھ کام نہ دے گا اور نہ وہ مدد
 کے جائیں گے۔^(۴۷)
 پیشک خالموں کے لیے اسکے علاوہ اور عذاب بھی ہیں^(۴۸)
 لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں۔^(۴۹)

۲۷) امْ تَعْلَمُ مَا إِجْرَا فَهُمْ مِنْ مَغْرِمٍ يُمْتَلِئُونَ

۲۸) أَمْ عِنْدَهُمْ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ
 ۲۹) أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمُكْبَدُونَ

۳۰) أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ وَسُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشَرِّكُونَ

۳۱) فَإِنْ يَرِدُوا كَسْفًا فَنَأْتِهَا سَاقِطًا يَقُولُوا سَاحَبُ مَرْكُومٍ

۳۲) فَذَرْهُمْ حَتَّى يُلْقَوْا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ

۳۳) يَوْمَ لَا يُغَيَّرُ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُغَيَّرُونَ

۳۴) وَإِنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا بِأَدُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَ الْتَّرَهُمُ لَا يَعْلَمُونَ

(۱) یعنی اس کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہو۔

(۲) کہ ضرور ان سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں گے اور ان کو موت اس کے بعد آئے گی۔

(۳) یعنی ہمارے پیغمبر کے ساتھ، جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے۔

(۴) یعنی کید و مکران ہی پر الٹ پڑے گا اور سارا نقصان انہی کو ہو گا۔ جیسے فرمایا: ﴿ وَلَا يَحِيقُ الْمُكَذِّبُونَ الْسَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ﴾ (فاطر: ۲۲) چنانچہ بدر میں یہ کافر مارے گئے اور بھی بہت سی جگہوں پر ذلت و رسائی سے دوچار ہوئے۔

(۵) مطلب ہے کہ اپنے کفر و عناد سے پھر بھی بازنہ آئیں گے، بلکہ ڈھنائی کامظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ عذاب نہیں، بلکہ ایک پر ایک بادل چڑھا آ رہا ہے، جیسا کہ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔

(۶) یعنی دنیا میں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَكُنْدِنْ يَقَهُمُ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْفَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَهُمْ يَرْجُونَ ﴾

(۷) (الْمَسْجَدَةُ)

(۸) اس بات سے کہ دنیا کے یہ عذاب اور مصائب، اس لیے ہیں تاکہ انسان اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ نکتہ چونکہ

تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے،
بیشک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صحیح کو جب تو
اٹھے^(۱) اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر۔ (۳۸)
اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ^(۲) اور ستاروں کے
ڈوبتے وقت بھی۔^(۳) (۳۹)

سورہ نجم کی ہے اور اس میں باشہ آئیں اور
تمن رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَيِّدُهُ يَحْمَدْ
رَبِّكَ جِئْنَ تَقْوَمْ ۝

وَمَنِ الْأَيْلُ فَسَيِّدُهُ وَإِذْبَارُ النَّجُومِ ۝

سُبْحَانَ رَبِّ الْجَنَانِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نہیں سمجھتے اس لیے گناہوں سے تائب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ ”منافق جب بیمار ہو کر سخت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا۔ اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا؟“ (ابوداؤد، کتاب الجنائز، نمبر ۳۰۸۹)

(۱) اس کھڑے ہونے سے کون سا کھڑا ہونا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں جب نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ جیسا کہ آغاز نماز میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَبَتَارَكَ أَسْمُكَ... پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں جب نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید منون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے۔ جو شخص کسی مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ (سنن الترمذی، أبواب الدعوات، باب ما يقول إذا قام من مجلسه)

(۲) اس سے مراد قیام اللیل۔ یعنی نماز تجدہ ہے، جو عمر بھرنی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا۔

(۳) آئی: وَقَتٌ إِذْبَارِهَا مِنْ أَخْرِ اللَّيْلِ اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، نوافل میں سب سے زیادہ اس کی نبی ﷺ نے حفاظت فرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا ”فجر کی دو سنتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے“ (صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب تعاهد رکعتی الفجر و من سماه مما طوعنا، و صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب استحباب رکعتی الفجر)

☆ یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا، تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے، سب نے سجدہ کیا، سوائے امیر بن غلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں

قُمْ ہے ستارے کی جب وہ گرے۔^(۱)
کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ
پر ہے۔^(۲)

اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔^(۳)
وہ تو صرف وحی ہے جو اتری جاتی ہے۔^(۴)
اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔^(۵)
جو زور آور ہے^(۶) پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔^(۷)

وَالنَّجْمُ إِذَا هُوَى ۝

مَاضِلَ صَاحِبُكُمْ وَمَا لَهُوا ۝

وَيَنْتَطِقُ عَنِ الْهَوَى ۝

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ۝

عَلَمَهُ شَدِيدُ الْغُوَى ۝

دُوْرَةً فَاسْتَوْى ۝

مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ چنانچہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ نجم) بعض طریق میں اس شخص کا نام عقبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے (تفسیر ابن کثیر) وَاللهُ أَعْلَمُ۔ حضرت زید بن ثابت رض کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں کیا (صحیح بخاری، باب مذکور) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

(۱) بعض مفسرین نے ستارے سے ٹریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم، ہوئی، اور پر سے نیچے گرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر مجرکے وقت وہ گرتا ہے، یا شیاطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت والے دن گریں گے۔

(۲) یہ جواب قُمْ ہے۔ صَاحِبُكُمْ (تمہارا ساتھی) کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو واضح تر کیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سواتم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت، راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جمالت اور لاعلمی سے ہو اور غوایت، وہ کبھی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تزییہ بیان فرمائی۔

(۳) یعنی وہ گمراہ یا بہک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحی الہی کے بغیر بکشائی ہی نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا (سنن الترمذی، أبواب البر، باب ماجاء فی المزاح، اسی طرح حالت غضب میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی (ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی کتاب العلم)

(۴) اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام فرشتہ ہے جو قوی اعضا کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی لانے اور اسے

اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ ^(۷) پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ ^(۸) پس وہ دو کمانوں کے بعد فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ ^(۹) پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی ^(۱۰) جو بھی پہنچائی۔ ^(۱۱)	وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعُلَى ۖ تَعْرِدُ تَافَّتَدَلِي ۖ فَكَانَ قَابَ قُوَسِينَ أَوَادِنِي ۖ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَاؤِنِي ۖ مَا كَذَبَ الْفُؤُادُ نَارَانِي ۖ أَقْمَرُونَهُ عَلَى مَيْرَى ۖ وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى ۖ عِنْدَ سُدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۖ عِنْدَ هَاجَتَةِ الْمَأْوَى ۖ
دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ ^(۱۲) کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔ ^(۱۳) اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ ^(۱۴) سدرۃ المنشی کے پاس۔ ^(۱۵) اسی کے پاس جنت الماوی ہے۔ ^(۱۶)	مَا كَذَبَ الْفُؤُادُ نَارَانِي ۖ أَقْمَرُونَهُ عَلَى مَيْرَى ۖ وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى ۖ عِنْدَ سُدْرَةِ الْمُنْتَهَى ۖ عِنْدَ هَاجَتَةِ الْمَأْوَى ۖ

سکھلانے والا یہی فرشتہ ہے۔

- (۱) یعنی جبراً میل علیہ السلام یعنی وحی سکھلانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔
- (۲) یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔
- (۳) بعض نے ترجمہ کیا ہے، دوہاتھوں کے بعد رئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کا اظہار نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ باور کرتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں صرف جبراً میل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی اصل شکل میں دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی ادوار کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا۔
- (۴) یعنی جبراً میل علیہ السلام، اللہ کے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے، وہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچایا۔
- (۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً میل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے جھٹلایا نہیں، بلکہ اللہ کی اس عظیم مدرست کو تسلیم کیا۔
- (۶) یہ لیلۃ المعراج کو جب اصل شکل میں جبراً میل علیہ السلام کو دیکھا، اس کا بیان ہے۔ یہ سدرۃ المنشی، ایک بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے، اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔ فرشتے اللہ کے احکام بھی یہیں سے وصول کرتے ہیں۔
- (۷) اسے جنت الماوی، اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماوی و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ رو حسین

جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو اس پر چھارہ ہی تھی۔^(۱۴)

إِذْ يَقْضِي السَّدْرَةَ مَا يَقْضِي

مَازَاغَ الْبَصَرَ وَمَا طَغَى

لَقَدْ رَأَى مِنْ إِلَيْهِ الْكَبْرَى

أَفَوْسِطَ اللَّهَ وَالْعَزِيزَ

وَمَنْتَهَى الْكَلَلَةَ الْأُخْرَى

نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔^(۱۷)

یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔^(۱۸)

کیا تم نے لات اور عزیزی کو دیکھا۔^(۱۹)

اور منات تیرے پچھلے کو۔^(۲۰)

یہاں آکر جمع ہوتی ہیں۔ (فتح القدير)

(۱) سدرۃ المسنی کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلارہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا، اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔ (ابن کثیر وغیرہ) اسی مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔ پہنچ وقت کی نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلوگیوں سے پاک ہو گا (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر سدرۃ المنتهی)

(۲) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کردی گئی تھی۔ (ایسر التفاسیر)

(۳) جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام اور سدرۃ المسنی کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔

(۴) یہ مشرکین کی توبخ کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی یہ تو شان ہے جو نہ کور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس کے رسول ہیں، جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے۔ لات، بعض کے نزدیک یہ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے، بعض کے نزدیک لات یلینٹ سے ہے، جس کے معنی موڑنے کے ہیں، پچاری اپنی گرد نہیں اس کی طرف موڑتے اور اس کا طوف کرتے تھے۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ لات میں تامشدا ہے۔ لَتْ يَلْتُ سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنایا، پھر اس کے مجسمے اور بت بن گئے۔ یہ طائف میں بنو تھیف کا سب سے بڑا بت تھا۔ عزیزی کہتے ہیں یہ اللہ کے صفاتی نام عزیز سے ماخوذ ہے، اور یہ آعز کی تائیث ہے، بمعنی عزیزہ بعض کہتے ہیں

کیا تمہارے لیے لڑ کے اور اللہ کے لیے لڑ کیا
ہیں؟ ^(۱) (۲۱)

اللَّهُ الَّذِي كَرُولَهُ الْأُنْثَى ^(۲)

تَلَكَ إِذَا قَسَمَهُ ضِيَّزِي ^(۳)

یہ تواب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ ^(۴) (۲۲)
در اصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ
دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل
نہیں اتنا ری۔ یہ لوگ تو صرف انکل کے اور اپنی نفسانی
خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کے رب
کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ ^(۵) (۲۳)

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْمُوهَا أَنْتُمْ وَابْنُوكُمْ مَا أَنْزَلْتُ
اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ إِنْ يَنْعِمُونَ إِلَّا لِلَّظْلَنَ وَمَا تَهْوَى
الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْمُهْدِي ^(۶)

کہ یہ غلطان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی (بھوتی) تھی جو بعض درختوں
میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنگ ایض تھا جس کو پوچھتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبد تھا۔ متنہ
متنی یعنی سے ہے جس کے معنی حسب (بمانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس
کے پاس جانور زخم کرتے اور ان کا خون بھاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا (فتح القدیر) یہ تردید کے
بال مقابل مثلاً جگہ میں تھا، بنو خزادہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانہ جالمیت میں اوس اور خزر ج یہیں سے احرام باندھتے تھے اور بت
اس بت کا طواف بھی کرتے تھے (ایسر التفاسیر و ابن کثیر) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بت سے بت اور بت
خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کہ کے بعد اور دیگر موقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمه فرمایا
دیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسماں کروادیں، ان درختوں کو کٹوادیا، جن کی تنظیم کی جاتی تھی اور وہ
تمام آثار و مظاہر مٹا دالے گئے جو بت پرستی کی یاد گارتے تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالد، حضرت علی،
حضرت عمرو بن العاص اور حضرت جریر بن عبد اللہ الجبلی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا
اور انسوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزی میں عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن کثیر) قرون اولیٰ کے بہت بعد ایک مرتبہ
پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوۃ شیخ محمد بن عبد الوہاب کو توفیق
دی، انہوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمه فرمایا اور اسی دعوت کی
تجدد ایک مرتبہ پھر سلطان عبدالعزیز والی نجد و حجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور
تمام پختہ قبروں اور قبور کو ڈھا کر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیا فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں
اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی مزار

(۱) مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔

(۲) ضیزی: حق و صواب سے ہٹی ہوئی۔

کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میرے؟^(۱) (۲۴)

اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہاں اور وہ جہاں۔^(۲) (۲۵)

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ
بھی نفع نہیں دے سکتی گریہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ
اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے
اجازت دے دے۔^(۳) (۲۶)

بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا
زنانہ نام مقرر کرتے ہیں۔^(۴) (۲۷)

حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان
کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بیشک و ہم (و گمان) حق کے
 مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا۔^(۵) (۲۸)

تو آپ اس سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے
اور جن کا راہ وہ بجز نہ کافی دنیا کے اور کچھ نہ ہو۔^(۶) (۲۹)

یہی ان کے علم کی انتہا ہے۔ آپ کا رب اس سے خوب
وقوف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب
وقوف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہے۔^(۷) (۳۰)

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین
میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے
اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ

امْلَأُنَاسَنِ مَائِسَتِي ۖ

فَلَلَوْلَا الْآخِرَةُ وَالْأُولَى ۖ

وَكُمْ مِنْ مَلِكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا يَعْلَمُ شَفَاعَتَهُمْ شَيْئًا لَا مِنْ

بَعْدِ آنِ يَاذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَرَبِّهِ فِي ۖ

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسْتَوْنَ الْمُلِّكَةَ

شَمِيمَةَ الْأَنْتَيِ ۖ

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٌ إِنْ يَعْلَمُونَ إِلَّا الظَّنُّ وَإِنَّ الظَّنَّ

لَا يَعْلَمُونَ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۖ

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَرْبِدُ إِلَّا الْمُعْبُودَةَ

الْدُّنْيَا ۖ

ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِهِنْ

ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِنْ اهْتَدَى ۖ

وَلَلَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَعْلَمَ الَّذِينَ

أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَمْ يَعْلَمُ الَّذِينَ أَحْسَأُوا بِمَا فَعَلُوا ۖ

(۱) یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبدوں نہیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

(۲) یعنی وہی ہو گا، جو وہ چاہے گا، کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

(۳) یعنی فرشتے، جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے، ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انہی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے لیے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ پھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی؟ جن سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا، جب کہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معاملی ہے؟

عنایت فرمائے۔^(۱) (۳۱)

ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی^(۲) سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔^(۳) پیش تیرا رب بہت کشاور مغفرت والا ہے، وہ تمیس بخوبی جانتا ہے جبکہ اس نے تمیس زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی

الَّذِينَ يَعْبُدُونَ كَلِيلًا إِلَّا فَالْفَوَاحِشُ إِلَّا لِمَرْءَاتِ رَبِّكَ
وَاسِعُ الْمَغْفِرَةُ هُوَ عَلَمٌ بِكُلِّ ذَلِكَ أَنَّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا ذُنُوبُهُمْ
فِي بُطُونِهِنَّ فَلَا يُرَىُ أَنْفُسُكُمْ هُوَ عَلَمُكُمْ بِهِنَّ أَنْتُمْ

(۱) یعنی ہدایت اور گمراہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے، تاکہ نیکوکار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برایوں کا بدلہ دے ۔ (وَلَهُ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ)^(۴) یہ جملہ معترض ہے اور لیجیزی کا تعلق گزشتہ گفتگو سے ہے۔ (فتح القدری)

(۲) کَبَائِرُ، کَبِيرَةُ کی جمع ہے۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جنم کی وعید ہے، یا جس کے مرتكب کی سخت نعمت قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار و دوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔ علاوه اذیں اس کے معنی اور ماہیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح، اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض علمانے انہیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے کتاب اکبیار اللہ ہی اور الزوار وغیرہ۔ فَوَاحِشُ، فَاحِشَةُ کی جمع ہے، بے حیائی پر منی کام، جیسے زنا، لواط وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو ”تنذیب“ سمجھ لیا گیا ہے، حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس ”تنذیب بے حیائی“ کو اپنالیا ہے۔ چنانچہ گھروں میں لی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردوے کو خیر باد کہہ دیا ہے، بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وظیہ بنا لیا ہے۔ مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلیسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مردو زن کا بے باکانہ احتلال اور بے محابا گفتگو روز افزوس ہے، دراں حایکہ یہ سب ”فواحش“ میں داخل ہیں۔ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہونی ہے، وہ کبار و فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں بتلا۔

(۳) لَمَمْ کے لغوی معنی ہیں، کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں أَلَمْ بِالْمَكَانِ (مکان میں تھوڑی دیر ثہرا) أَلَمْ بِالطَّعَامِ (تحوڑا سا کھایا)، اسی طرح کسی چیز کو محض چھوپ لینا، یا اس کے قریب ہونا، یا کسی کام کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا، یا محض دل میں خیال کا گزرننا، یہ سب صورتیں لَمَمْ کہلاتی ہیں، (فتح القدری) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب، لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا، یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ کرنا پھر ہیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا، یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کبار سے اجتناب کی برکت سے معاف فرمادے گا۔

ماں کے پیٹ میں بچے تھے^(۱) پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو،^(۲) وہی پر ہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔^(۳۲) کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا۔^(۳۳) اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا۔^(۳۴) کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟^(۳۵)

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے۔^(۳۶)

اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحفوں میں تھا۔^(۳۷) کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔^(۳۸) اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔^(۳۹)

اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی

أَفَرَمِيتَ الَّذِي تَوَلَّ

وَأَنْظَلَ فَيْلَلَةً أَكْدَى

أَعْنَدَةً لِعَلْمِ الْغَيْبِ فَهُوَ بَرِي

أَمْ لَخْرِيْنَبَا بِسَاقِ صَعْفِ مُؤْلِسِي

وَأَبْرِهِيمَ الَّذِي وَلَّ

أَلَا سَيْرُ وَلَزْدَةً قَرْدَأْخْرَى

وَأَنْ لَيْسَ لِلْأَنْسَانِ إِلَامَاسْغِي

وَأَنْ سَعِيَهَ سَوْفَ يُلْزِي

(۱) آجئہ، جینین کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔

(۲) یعنی جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے، جہاں تمہیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا، وہاں بھی تمہارے تمام احوال سے وہ واقف تھا، تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو۔ تاکہ ریا کاری سے تم بچو۔

(۳) یعنی تھوڑا سادے کرہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا اُنکَدَی کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھو دتے کھو دتے سخت پتھر آجائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بالآخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں اُنکَدَی یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے، کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پایہ سیکھل تک نہ پہنچائے۔

(۴) یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا؟ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محس بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت اللہ سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔

(۵) یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہیں ہو گا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا، جن میں اس کی اپنی محنت ہو گی۔ اس جزا کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں۔ جیسا کہ بعض سو شلست قسم

جائے گی۔^(۱)

پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔^(۳۱)

اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔^(۳۲)

اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔^(۳۳)

اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔^(۳۴)

اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نزوما دہ پیدا کیا ہے۔^(۳۵)

نفس سے جبکہ وہ پکایا جاتا ہے۔^(۳۶)

اور یہ کہ اسی کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے۔^(۳۷)

اور یہ کہ وہی مالدار بنتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے۔^(۳۸)

لَتَسْبِّحُوا بِالْجَنَّاءِ الْأَذْفَنِ ۚ

وَأَنَّ إِلَيْنَا يَرْتَكَ الْمُنْتَهَى ۚ

وَأَنَّهُ هُوَ أَحَدُكُمْ وَآبَلِي ۚ

وَأَنَّهُ هُوَ مُؤْمَنَاتٍ وَآخِيَّا ۚ

وَأَنَّهُ خَلَقَ الرِّزْوَجَيْنِ الْدَّكْرَ وَالْأُنْثَى ۚ

مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تَعْنَقُ ۚ

وَأَنَّ عَلَيْهِ النِّسَاءُ الْأُخْرَى ۚ

وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَآقْنَى ۚ

کے اہل علم اس بکایہ مفہوم باور کر کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں) البتہ اس آیت سے ان علماء کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس کی محنت۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص یا اشارہ النص سے اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح صحابہ کرام رض سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل، عمل خیر ہوتا تو صحابہ رض سے ضرور اختیار کرتے۔ اور عبادات و قربات کے لیے نفس کا ہونا ضروری ہے، اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا۔ البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔ اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تو وہ بھی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اولاد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انسان کی اپنی کمالی قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي 'كتاب البيوع' باب الحث على الکسب) صدقۃ جاریہ، وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ «وَتَكْبِثُ مَا قَدَّمَوا وَآثَارُهُمْ» (یعنی^(۱) اسی طرح وہ علم، جس کی اس نے لوگوں میں نشوشا نتی کی اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی، تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمداد حقیقت نبوی «مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبَعَهُ، مَنْ غَيْرِ أَنْ يَنْفَضَّ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا». (سنن أبي داود كتاب السنۃ باب لزوم السنۃ) اقتدا کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا ہے گا۔ اس لیے یہ حدیث، آیت کے متنافی نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی دنیا میں اس نے اچھا یا برا جو بھی کیا، چھپ کر کیا یا علانیہ کیا، قیامت والے دن سامنے آجائے گا اور اس پر اسے پوری جزا دی جائے گی۔

(۲) یعنی کسی کو اتنی تو گمری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا

اور یہ کہ وہی شعری (ستارے) کا رب ہے۔^(۴۹)
اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا ہے۔^(۵۰)
اور شمود کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا۔^(۵۱)
اور اس سے پلے قوم نوح کو، یقیناً وہ بڑے ظالم اور
سرکش تھے۔^(۵۲)

اور مؤتکلہ (شر یا الٹی ہوئی بستیوں کو) اسی نے
الث دیا۔^(۵۳)

پھر اس پر چھادریا جو چھایا۔^(۵۴)

پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت کے بارے
میں جھگڑے گا؟^(۵۵)

یہ (نبی) ڈرانے والے ہیں پلے ڈرانے والوں میں
سے۔^(۵۶)

آنے والی گھری قریب آگئی ہے۔^(۵۷)

اللہ کے سوا اس کا (وقت معین پر کھول) دکھانے والا اور
کوئی نہیں۔^(۵۸)

پس کیا تم اس بات سے تجب کرتے ہو؟^(۵۹)

وَإِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرِيِّ ۝
وَإِنَّهُ أَهْلُكَ عَادًا إِلَّا أُولَئِكَ ۝
وَثَمُودَ أَفْهَمَ آبَقَيِّ ۝
وَقَوْمُ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلِ إِنْهُمْ كَانُوا مُّظْلَمُونَ ۝

وَالْمُؤْتَكَلَةُ أَهْوَى ۝
فَغَشَّهَا مَا غَشَّى ۝
فَمَأْتَى الَّهُ رَبِّكَ تَمَازَى ۝
هَذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَى ۝

أَئِنْ فَتَ الْأَزْفَةُ ۝
لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللَّهِ كَاشَفَةُ ۝
أَقِمْ هَذَا الْحَدِيثَ تَعْجَبُونَ ۝

سرمایہ دے دیتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بیچ رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔

(۱) رب تو وہ ہر چیز کا ہے، یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوچھاتے تھے۔

(۲) قوم عاد کو اولی اس لیے کہا کہ یہ شمود سے پلے ہوئی یا اس لیے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پلے یہ قوم ہلاک کی گئی۔ بعض کہتے ہیں، عاد نای دو قومیں گزری ہیں، یہ پہلی ہے جسے باد تنہ سے ہلاک کیا گیا جب کہ دوسری زمانے کی گردشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھری ہوئی موجود رہی۔

(۳) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں، جن کو ان پر الث دیا گیا۔

(۴) یعنی اس کے بعد ان پر پھر وہ کی بارش ہوئی۔

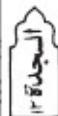
(۵) یائیک کرے گا اور ان کو جھٹلانے گا، جب کہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا اخفاہی۔

(۶) بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس سے تم تجب کرتے اور اس کا استہزا کرتے ہو، حالانکہ اس میں نہ تجب والی

وَتَصْحَّلُونَ وَلَا تَبْدُونَ ۝

وَأَنْتُمُ سَيِّدُونَ ۝

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝



اور نفس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ (۲۰)

(بلکہ) تم کھیل رہے ہو۔ (۲۱)

اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت
کرو۔ (۲۲)

سورہ قمر کی ہے اور اس میں پچھن آئیں اور
میں رکوع ہیں۔

شُوَّدَ الْقَمَرُ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قیامت قریب آگئی (۲۳) اور چاند پھٹ گیا۔ (۲۴)

إِقْرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَ القَمَرُ ۝

کوئی بات ہے نہ استہزا و حذیب والی۔

(۱) یہ مشرکین اور مکذبین کی توبخ کے لیے حکم دیا۔ یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کے بجائے، اس کا استہزا و احتفاظ کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے عظاو فیصلت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے، تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کر کے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعلیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے سجدہ کیا، حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

☆ یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔ کما مَرَّ.

(۲) ایک توبہ اعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا، کیونکہ جو باقی ہے، وہ تھوڑا ہے۔ دوسرے، ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بابت فرمایا کہ میرا وجود قیامت سے متصل ہے، یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۳) یہ مجھہ ہے جو اہل مک کے مطالبے پر دکھایا گیا، چاند کے دو نکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حراباڑ کو اس کے درمیان دیکھا۔ یعنی اس کا ایک نکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک نکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب انشقاق القمر و تفسیر سورۃ القریبت الساعۃ۔ و صحیح مسلم کتاب صفة القيامة، باب انشقاق القمر، جمیور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے (فتح القدر) امام ابن کثیر لکھتے ہیں ”علماء کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ انشقاق قمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح مجزات میں سے ہے، صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔“)

یہ اگر کوئی مجھہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پسلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے۔^(۱) (۲)

انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے۔^(۳) (۴)

یقیناً ان کے پاس وہ خبریں آچکی ہیں^(۵) جن میں ڈانٹ ڈپٹ (کی نصیحت) ہے۔^(۶) (۷)

اور کامل عقل کی بات ہے^(۸) لیکن ان ڈراویں باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا۔^(۹) (۱۰)

پس (اے نبی) تم ان سے اعراض کرو جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔^(۱۱) (۱۲)

یہ جھکی آنکھوں قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں

وَإِنْ يَرِدُوا إِلَيْهِ يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سَاحِرُّونَ ۝

وَكَذَّبُوا وَأَتَبَعُوا هُوَ آهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقْرٌ ۝

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزَاجٌ ۝

حَكْمَةٌ بِالْغَةٌ فَمَا تَعْنِي الشَّدَّادُ ۝

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ يَنْكِرُ ۝

خَشَعًا بِصَدَّرٍ هُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْجَدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَّادٌ مُّتَبَشِّرٌ ۝

(۱) یعنی قریش نے، ایمان لانے کے بجائے، اسے جادو قرار دے کر اپنے اعراض کی روشن برقرار رکھی۔

(۲) یہ کفار مکہ کی مکذیب اور اتباع اہوا کی تردید و بطلان کے لیے فرمایا کہ ہر کام کی ایک غایت اور انتہا ہے، وہ کام اچھا ہو یا برا۔ یعنی بالآخر اس کا نتیجہ نکلے گا، اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور بے کام کا برا۔ اس نتیجے کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اگر اللہ کی مشیت متفہی ہو، ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

(۳) یعنی گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی، جب انہوں نے مکذیب کی۔

(۴) یعنی ان میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں، کوئی ان سے سبق حاصل کر کے شرک و معصیت سے بچنا چاہے تو نفع سکتا ہے۔ مُزَدَّجَرًا صل میں مُزَتَّجَر ہے زَجْرٌ سے مصدر میںی۔

(۵) یعنی ایسی بات جو تباہی سے پھیر دینے والی ہے یا یہ قرآن حکمت بالغ ہے جس میں کوئی نقص یا خلل نہیں ہے۔ یا اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے اور اس کو گراہ کرے، اس میں بڑی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے۔

(۶) یعنی جس کے لیے اللہ نے شقاوت لکھ دی ہے اور اس کے دل پر مرگا دی ہے، اس کو پیغمبروں کا ذررا اکیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اس کے لیے تو ﴿ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ مَا نَذَرُهُمْ أَمْ خَسِنُوا رُهْمُ ۝ وَالی بات ہے۔ تقریباً اسی مضموم کی یہ آیت ہے۔

﴿ قُلْ فِيلِهِ الْجِنَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهُ دِلْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝﴾ (الأنعام، ۱۲۹)

(۷) یوم سے پہلے آذکر مذوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو۔ نُکْرٌ نہایت ہونا ک اور دہشت ناک مراد میدان محشر اور موقف حساب کے اہوال اور آزمائشیں ہیں۔

گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا مذہبی دل ہے۔^(۱) (۷)
پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے^(۲) اور کافر
کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے۔^(۸)
ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹایا تھا
اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا گیا تھا۔^(۳) (۹)
پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو
میری مدد کر۔^(۱۰)
پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینے سے
کھول دیا۔^(۱۱)
اور زمین سے چشمتوں کو جاری کر دیا پس اس کام کے لئے
جو مقدر کیا گیا تھا (دونوں) پانی جمع ہو گئے۔^(۱۲) (۱۲)
اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر
لیا۔^(۱۳) (۱۳)
جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدله اس کی
طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔^(۱۴) (۱۴)

ثَمَطِعَنَ إِلَى الدَّارِيْعَةِ يَقُولُ الْكُفَّارُونَ هُنَّا يَوْمَ عَزِيزٌ ۝

كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ تَوْرَهُ فَكَذَبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا
مَجْنُونٌ وَأَذْدِجَرَ ۝

فَدَعَ عَارِيَةَ آتَى مَغْلُوبَ فَاتَّصَرَ ۝

فَغَنَّمَنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَا مَهِمَرَ ۝

وَفَجَرَنَا الْأَرْضَ عَيْوَنَاتِ الْتَّقَى الْمَاءَ عَلَىٰ أَمْرِ قَدْرٍ ۝

وَحَمَلْنَا عَلَىٰ ذَبِّ الْأَوَاهِ وَدُسُرَ ۝

مَجْرُونٌ بِأَعْيُنِنَا جَرَأْتُمْنَ كَانَ كُفَّرَ ۝

- (۱) یعنی قبروں سے نکل کروہ اس طرح پھیلیں گے اور موقف حساب کی طرف اس طرح نہایت تیزی سے جائیں گے، گویا مذہبی دل ہے جو آنا فانا فضاۓ بسیط میں پھیل جاتا ہے۔
- (۲) شہطین، مُسْرِعِنَ، دوڑیں گے، پیچھے نہیں رہیں گے۔
- (۳) وَأَذْدِجَرَ وَأَزْتَجِرَ ہے، یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی مکنیب ہی نہیں کی، بلکہ انہیں جھڑکا اور ڈرایا دھمکایا بھی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ لَمَنْ كُوْتَنَّتْ بِيَوْمٍ لَكَوْتَنَّ مِنَ الْمَرْجُونَ ۝﴾۔ (الشیراء، ۱۶) ”اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سلگار کر دیا جائے گا۔“
- (۴) مُهِمَر، بمعنی کیشیا زوردار ہمنز، صَبْ (بنے) کے معنی میں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک مسلسل خوب زور سے پانی برستارہ۔
- (۵) یعنی آسمان اور زمین کے پانی نے مل کروہ کام پورا کر دیا جو قضا و قد ر میں لکھ دیا گیا تھا یعنی طوفان بن کر سب کو غرق کر دیا۔
- (۶) دُسُرُ دسار کی جمع، وہ رسیاں، جن سے کشتی کے تختے باندھے گئے، یا وہ کیلیں اور میخیں جن سے کشتی کو جوڑا گیا۔

اور بیشک ہم نے اس واقعہ کو نشانی بنا کر^(١) باقی رکھا پس
کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔^(٢) (١٥)

تباہ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کسی
رہیں؟^(٣)

اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے^(٤)
پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟^(٥) (١٧)

قوم عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری
ڈرانے والی باتیں۔^(٦) (١٨)

ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی ہوا، ایک چیم
منحوس دن میں بھیج دی۔^(٧) (١٩)

وَلَقَدْ يَرَنُّهَا أَيَّةً فَهُمْ مِنْ مُذَكَّرٍ ⑯

فَلَيْكَفْ كَانَ عَذَابٌ وَنُذُرٌ ⑰

وَلَقَدْ يَرَنُّ الْقُرْآنَ لِلَّذِيْرُ فَهُمْ مِنْ مُذَكَّرٍ ⑯

كَذَبْتَ عَادٌ فَلَيْكَفْ كَانَ عَذَابٌ وَنُذُرٌ ⑰

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ بِمُعَاصِرٍ صَرَّا فِي يَوْمٍ نَحْنُ مُسْتَمِرٌ ⑯

(١) تَرَكَنَاهَا میں ضمیر کا مرجع سفینہ ہے۔ یا فعلہ۔ یعنی تَرَكَنَا هَذِهِ الْفِعْلَةَ الَّتِي فَعَلَنَا هَا بِهِمْ عِزْرَةً وَمَوْعِظَةً (فتح القدير)

(٢) مُذَكَّرٌ اصل میں مذکور ہے۔ تا کو دال سے بدل دیا گیا اور ذال میں بدل دال بنا کر، دال کا دال میں ادعا م کر دیا گیا۔ معنی ہیں عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والا۔ (فتح القدير)

(٣) یعنی اس کے مطالب و معالم کو سمجھنا، اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم اعجاز و بلاغت کے اعتبار سے نمایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود کوئی شخص تھوڑی سی توجہ دے تو وہ عربی گرامر اور معالمی و بلاغت کی کتابیں پڑھے بغیر بھی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے، اسی طرح یہ دنیا کی واحد کتاب ہے، جو لفظ بہ لفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سی چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کر لیتا ہے اور اس نامیات مشکل ہے۔ اور انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے درست پچے وارکھ کر اسے عبرت کی آنکھوں سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے قلب و دماغ کی گمراہیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلوہ گیوں کو صاف کر دیتی ہے۔

(٤) کہتے ہیں یہ بدھ کی شام تھی، جب اس تند نیخ اور شاش شاش کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل ۷ راتیں اور 8 دن چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند انسانوں کو بھی وہاں سے اخراجی اور اس طرح زور سے انہیں زمین پر پھیتی کہ ان کے سر ان کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ دن ان کے لیے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدھ کے دن میں یا کسی اور دن میں نحوضت ہے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ مُسْتَمِرٌ کا مطلب یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پختی تھی، گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تھے ہیں۔^(۱)

پس کیسی رہی میری سزا اور میراڑانا؟^(۲)

یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟^(۳)

قوم شمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔^(۴)

اور کتنے لگے کیا ہمیں میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوالگی میں پڑے ہوئے ہوں گے۔^(۵)

کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شخچی خور ہے۔^(۶)

اب سب جان لیں گے کل کو کون جھوٹا اور شخچی خور تھا؟^(۷)

بیشک ہم ان کی آزمائش کے لیے او نہنی بھیجیں گے۔^(۸)

تَذَرَّعُ النَّاسُ كَمَا تَهُمْ أَعْجَازُنَّهُمْ مُّنْفَعِرٌ ۝

فَلَيْفَ كَمَانَ عَذَابِيْ وَنُدُرٌ ۝

وَلَقَدْ يَسَرُّنَا الْقُرْآنُ لِلذِّكْرِ فَهُنْ مِنْ شَدِّدِكُمْ ۝

كَذَبَتْ شَمُودُ بِالنُّدُرٍ ۝

فَقَاتُوا أَبْشَرًا مِنَ الْأَنْجَادِ إِنَّا لِلْأَنْفُضِيلِ وَسُعْرٍ ۝

إِلَيْقَ الْمُكَوَّنِيْهِ مِنْ أَبْيَنَاتِلِلْهُوَكَذَابُ أَيْمَرٌ ۝

سَيَعْلَمُونَ عَذَابَنَ الْكَذَابِ الْأَشْرُ ۝

إِنَّا أَمْرُ سُلُولِ النَّاقَةِ فَتَنَّهُ لَهُمْ فَإِنَّقِبَهُمْ وَاصْطَبِرُ ۝

(۱) یہ درازی قد کے ساتھ ان کی بے بی اور لاچارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے دراں حایکہ انہیں اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈتا۔ اعْجَازُ، عَجِزُ کی جمع ہے، جو کسی چیز کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں۔ مُنْفَعِرٌ، اپنی جڑ سے اکھڑ جانے اور کٹ جانے والا۔ یعنی کھجور کے ان تنوں کی طرح، جو اپنی جڑ سے اکھڑ اور کٹ چکے ہوں، ان کے لاثے زمیں پر پڑے ہوئے تھے۔

(۲) یعنی ایک بشر کو رسول مان لینا، ان کے نزدیک گراہی اور دیوالگی تھی۔ سُعْرٌ، سَعِينِي کی جمع ہے، آگ کی پٹ۔ یہاں اس کو دیوالگی یا شدت و عذاب کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۳) أَشِرُّ، بمعنی مُتَكَبِّرٌ، یا کذب میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی اس نے جھوٹ بھی بولا ہے تو بت بڑا۔ کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ بھلا ہم میں سے صرف اسی ایک پر وحی آتی تھی؟ یا اس ذریعے سے ہم پر اپنی بڑائی جتنا اس کا مقصد ہے۔

(۴) یہ خود پیغمبر پر الزام تراشی کرنے والے۔ یا حضرت صالح علیہ السلام؟ جن کو اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا۔ غَدَا یعنی کل سے مراد قیامت کاون ہے یا دنیا میں ان کے لیے عذاب کا مقررہ دن۔

(۵) کہ یہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ یہ وہی او نہنی ہے جو اللہ نے خود ان کے کہنے پر پھر کی ایک جہان سے ظاہر فرمائی تھی۔

پس (اے صالح) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر۔^(۱) (۲۷)

ہاں انہیں خبر کروئے کہ پانی ان میں تقسیم شدہ ہے،^(۲) ہر
ایک اپنی باری پر حاضر ہو گا۔^(۳) (۲۸)

انہوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی^(۴) جس نے (اوٹنی
پر) وار کیا^(۵) اور (اس کی) کوچیں کاٹ دیں۔^(۶) (۲۹)

پس کیوں کر ہوا میرا عذاب اور میرا ذرا نا۔^(۳۰)

ہم نے ان پر ایک جیخ بھیجی پس ایسے ہو گئے جیسے باڑ
بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس۔^(۳۱) (۳۱)

اور ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پس
کیا ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے۔^(۳۲) (۳۲)

قوم لوٹ نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی۔^(۳۳)

بیشک ہم نے ان پر پھر برسمانے والی ہوا بھیجی^(۷) سوائے

وَيَنْهَا أَنَّ الْمَاءَ قِنْسَهٌ بَيْنَهُمْ فَلْيَثْرِبْ لَعْنَتَهُمْ^(۸)

فَنَادَهُ صَاحِبُهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ^(۹)

فَلَيْقَتْ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ^(۱۰)

إِنَّا لَرَسَّلْنَا عَلَيْهِمْ مَيْسَحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا

كَوْشِينُ الْمُحَمَّطِرِ^(۱۱)

وَلَقَدْ يَتَرَى الْقَرْآن لِلَّذِي قَهُلْ مِنْ شَدِّيْرِ^(۱۲)

كَذَبَتْ قَوْمُ لَوْطِي الْمُنْذُرِ^(۱۳)

إِنَّا لَرَسَّلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا لِلَّآلَّا لَوْطًا بَيْنَهُمْ بَعَزَرِ^(۱۴)

(۱) یعنی دیکھ کہ یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان کا راستہ اپناتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی ایذاوں پر صبر کر۔

(۲) یعنی ایک دن اوٹنی کے پانی پینے کے لیے اور ایک دن قوم کے پانی پینے کے لیے۔

(۳) مطلب ہے ہر ایک کا حصہ اس کے ساتھ ہی خاص ہے جو اپنی اپنی باری پر حاضر ہو کر وصول کرے دوسرا اس روز
نہ آئے شُربت حصہ آب۔

(۴) یعنی جس کو انہوں نے اوٹنی کو قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا، جس کا نام قدار بن سالف بتایا جاتا ہے، اس کو پکارا
کہ وہ اپنا کام کرے۔

(۵) یا تموار یا اوٹنی کو پکڑا اور اس کی ناگلیں کاٹ دیں اور پھر اسے ذبح کر دیا۔ بعض نے فَتَعَاطَىٰ کے معنی فَجَسَرَ
کیے ہیں، پس اس نے جارت کی۔

(۶) حَظِيرَةٌ، بَعْنَى مَخْظُورَةٌ، باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔
مُخْتَرِرٌ، اسم فاعل ہے صَاحِبُ الْحَظِيرَةِ۔ هَشِيمٌ، خشک گھاس یا کٹی ہوئی خشک کھنک یعنی جس طرح ایک باڑ بنانے
والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند
ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔

(۷) یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان کو نکلریاں مارتی تھی۔ یعنی ان کی بستیوں کو ان پر النادیا گیا، اس طرح کہ ان کا اوپر والا حصہ
نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر، اس کے بعد ان پر کھنگر پھر ہوں کی بارش ہوئی جیسا کہ سورہ ہود وغیرہ میں تفصیل گزری۔

لوط (علیہ السلام) کے گھروں والوں کے، انہیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی۔^(۱) (۳۲)

اپنے احسان سے^(۲) ہر ہر شکر گزار کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔^(۳) (۳۵)

یقیناً (لوط علیہ السلام) نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا^(۴) تھا لیکن انہوں نے ڈرانے والوں کے بارے میں (شک و شبہ اور) جھگڑا کیا۔^(۵) (۳۶)

اور ان (لوط علیہ السلام) کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا^(۶) پس ہم نے ان کی آنکھیں انہی کر دیں،^(۷) (اور کہہ دیا) میرا عذاب اور میرا ذرا چھو۔ (۳۷)

اور یقینی بات ہے کہ انہیں صحیح سوریے ہی ایک جگہ

فَهَمَّ مِنْ عِنْدِنَا كَذِيلَكَ بَقِيرٌ مِنْ شَكَرٍ ۝

وَلَقَدْ أَنْذَرَ رَهْمَ بَطْشَتَنَا قَسْمَارُوا بِالنَّذْرِ ۝

وَلَقَدْ رَأَوْدُوا عَنْ ضَيْفِهِ قَطْمَسَنَا آعِنْهُمْ فَدْرُوقُوا
عَذَابًا وَنَذْرًا ۝

وَلَقَدْ صَبَّهُمْ لَبْرَةً عَذَابًا مُسْتَقْرِرٌ ۝

(۱) آل لوٹ سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں، جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں، کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں، جن کو نجات دی گئی۔ سحر سے مراد ررات کا آخری حصہ ہے۔

(۲) یعنی ان کو عذاب سے بچانا، یہ ہماری رحمت اور احسان تھا جو ان پر ہوا۔

(۳) یعنی عذاب آنے سے پہلے، ہماری سخت گرفت سے ڈرایا تھا۔

(۴) لیکن انہوں نے اس کی پرواہیں کی بلکہ شک کیا اور ڈرانے والوں سے جھگڑتے رہے۔

(۵) یا بسلایا یا مانگا لوٹ علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوٹ علیہ السلام کی قوم کو معلوم ہوا کہ چند خوب رو نوجوان لوٹ علیہ السلام کے ہاں آئے ہیں (جو دراصل فرشتے تھے اور ان کو عذاب دینے کے لیے ہی آئے تھے) تو انہوں نے حضرت لوٹ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو ہمارے پرورد کر دیں تاکہ ہم اپنے بگڑے ہوئے ذوق کی ان سے تسلیم کریں۔

(۶) کہتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرایل میکائیل اور اسرافیل علیم السلام تھے۔ جب انہوں نے بد فعلی کی نیت سے فرشتوں (مہمانوں) کو لینے پر زیادہ اصرار کیا تو جبرایل علیہ السلام نے اپنے پر کا ایک حصہ انہیں مارا، جس سے ان کی آنکھوں کے دھیلے ہی باہر نکل آئے، بعض کہتے ہیں، صرف آنکھوں کی بصارت زائل ہوئی، بہرحال عذاب عام سے پہلے یہ عذاب خاص ان لوگوں کو پہنچا جو حضرت لوٹ علیہ السلام کے پاس بدنی سے آئے تھے۔ اور آنکھوں سے یا بینائی سے محروم ہو کر گھر پہنچے۔ اور پھر صحیح اس عذاب عام میں بیاہ ہو گئے جو پوری قوم کے لیے آیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

پکڑنے والے مقررہ عذاب نے غارت کر دیا۔^(١) (٣٨)
 پس میرے عذاب اور میرے ڈراوے کامزہ چکھو۔^(٣٩)
 اور یقیناً ہم نے قرآن کو پند و ععظ کے لیے آسان کر دیا
 ہے۔^(٤) پس کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا۔^(٤٠) (٣٠)
 اور فرعونیوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے۔^(٤١) (٣١)
 انہوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلا کیں^(٤٢) پس ہم نے انہیں
 بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ دیا۔^(٤٣) (٣٢)
 (اے قریشیو!) کیا تمہارے کافران کافروں سے کچھ بہتر
 ہیں؟^(٤٤) یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھکارا لکھا ہوا
 ہے؟^(٤٥) (٣٣)
 یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔^(٤٦) (٣٣)

فَذَهَّبُوا عَذَابِي وَنُذُرٍ ④
 وَلَقَدْ يَعْرَفُ الْقُرْآنَ لِلَّذِي كُرِّرَ كَهْلٌ مِنْ مُذَكَّرٍ ⑤
 وَلَقَدْ جَاءَ إِلَى فِرْعَوْنَ النُّذُرٍ ⑥
 كَذَّبُوا يَا اسْتَنْجَلُهُمَا فَأَخْذَنَاهُمْ أَخْذَ عَذَابِي مُفْتَرٍ ⑦
 الْفَارِثُمْ خَيْرٌ مِنْ أَوْلَئِكُمْ أَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ⑧
 أَمْ يَكُوْلُونَ مَنْ جَيْمٌ تَنَعُّرٌ ⑨

- (١) یعنی صبح ان کے پاس عذاب مستقر آگیا۔ مستقر کے معنی، ان پر نازل ہونے والا، جو انہیں ہلاک کیے بغیر نہ چھوڑے۔
- (٢) تیسیر قرآن کا اس سورت میں بار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کے فہم و حفظ کو آسان کر دینا، اللہ کا احسان عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔
- (٣) نُذُرٌ، نَذِيرٌ (ڈرانے والا) کی جمع ہے یا بمعنیِ إِنْذَارٍ مصدر ہے۔ (فتح القدیر)
- (٤) وہ نشانیاں، جن کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کو ڈرایا۔ یہ نوشانیاں تھیں جن کا ذکر پسلے گزر چکا ہے۔
- (٥) یعنی ان کو ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ عذاب، ایسے غالب کی گرفت تھی جو انتقام لینے پر قادر ہے، اس کی گرفت کے بعد کوئی نفع نہیں سکتا۔
- (٦) یہ استفهام انکار یعنی نفی کے لیے ہے۔ یعنی اے اہل عرب! تمہارے کافر گزشتہ کافروں سے، بہتر نہیں ہیں، جب وہ اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، تو تم جب کہ تم ان سے بدتر ہو، عذاب سے سلامتی کی امید کیوں رکھتے ہو؟
- (٧) زُبُرٌ سے مراد گزشتہ انبیا پر نازل شدہ کتابیں ہیں۔ یعنی کیا تمہاری بابت کتب منزلہ میں صراحةً کر دی گئی ہے کہ یہ قریش یا عرب، جو مرضی کرتے رہیں، ان پر غالب نہیں آئے گا۔
- (٨) تعداد کی کثرت اور وسائل قوت کی وجہ سے، کسی اور کام پر غالب آنے کا امکان نہیں۔ یا مطلب ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے، ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

عَنْ قَرِيبٍ يَهُ جَمَاعَتْ شَكْتَ دِيْ جَائِيْ گِيْ اُور پِيْنِھِ دِيْ كِر
بِھا گِيْ گِيْ۔^(٣٥)

سَيِّهُنَّ مَجْمُوعٌ وَلَوْلَوْنَ الدُّبُرَ^(٦)

بِلَكَهُ قِيَامَتْ كِيْ گُھْرِيْ انَّ كِيْ وَعْدَهُ دِيْ وقتَهُ ہے اُور
قِيَامَتْ بِرْدِيْ سَخْتَ اُور كُثُرِيْ چِيزَهُ۔^(٣٦)

بِلَ الشَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالشَّاعَةُ أَدْهَنِيْ وَأَمْرَ^(٧)

بِشَكْ گَناهَ گَارِگَراهِيْ مِيْ اُور عَذَابَ مِيْ ہِيْں۔^(٣٧)
جِسْ دِنْ وَهُ اپِنِيْ مِنْهَ كِيْ بِلَ آگَ مِيْ گَھْيَيْنَهُ جَائِيْسَ گِيْ
(اُور انَّ سِيْ کَما جَائِيْ گَا) دَوْزَخَ كِيْ آگَ لَگْنَهُ كِيْ مِزَهَ
چَڪْھُو۔^(٣٨)

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِيْ صَلَلٍ وَسُعْيرٍ^(٨)

يَوْمَ يُسَحَّبُونَ فِي التَّارِعَلِ وَجْهَهُمْ ذُوقُوا سَقَرَ^(٩)

بِشَكْ ہِمْ نِيْ هِرَ چِيزَ كَوْ اِيكَ (مَقْرَرَه) اِنْدازَهُ پِر پِيدَا کِيَا
ہِيْ۔^(٣٩)

إِنَّا كُلَّ شَيْ خَلْقَنَهُ بِقَدَرٍ^(١٠)

اوْ هَمَارا حَكْمَ صَرْفَ اِيكَ دَفَعَ (کَا اِيكَ کِلَه) ہِيْ ہوتَاهُ
جِيْسَے آنکَھَ کا جَھِيْکَنا۔^(٥٠)

وَمَا أَمْرَنَا إِلَّا وَاحِدَةً كَلْمَحَ بِالْبَصَرِ^(١١)

(١) اللَّهُ نَّى انَّ كِيْ زَعْمَ باطلَ كِيْ تَرْدِيدَ فَرْمَى، جَمَاعَتْ سِيْ مِرَادَ كَفَارَ مِكَهُ ہِيْں۔ چَنَانِجَهُ بِدرَ مِيْ اُنسِ شَكْتَ ہوَيَ اُور يَه
پِيْنِھِ دِيْ كِر بِھا گِيْ، رَوْسَائِ شَرَكَ اُور اساطِينَ كَفَرْلَاكَ كِر دِيْيَهُ گِيْ۔ جِنْگَ بِدرَ كِيْ مَوْقَعَهُ پِر جَبَ نَبِيْ صَلَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَمَ نَمَایِتَ الْحَاجَ وَزَارِيْ سِيْ اپِنِيْ خِيمَهُ مِيْ مَصْرُوفَ دَعَاتِهِ تَوْ حَفَرَتَ ابُوكَرَ بِشَكْهِ نِيْ فَرمَيَا (حَسْبِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ)
الْحَخْتَ عَلَى رِتَكَ). ”بِسْ كَبِيْحَ! اللَّهُ كِيْ رسولُ! اَبُوكَرَ بِشَكْهِ نِيْ رَبَ كِيْ سَامِنَهُ بَتَ الْحَاجَ وَزَارِيْ كَرْلِي“۔ چَنَانِجَهُ
آپَ مُلَكِيْلَهُ خِيمَهُ سِيْ بَاهِرَ تَشْرِيفَ لَاهُ توَ آپَ مُلَكِيْلَهُ کِيْ زَيَانَ مَبارِكَ پِر بِيْ آیَتَ تَهْمِي۔ (الْبَخَارِيْ) تَفْسِيرُ سُورَةِ
اَفْتَرِبَتِ السَّاعَةِ

(٢) أَدْهَنِيْ دَهَاءُ سِيْ ہے، سَخْتَ رَسَا كَرْنَے والا، أَمْرَ مَرَازَهُ سِيْ ہے، نَمَایِتَ كَرْتُوا۔ یعنی دُنْيَا مِيْ جُويَهُ قَتْلَ كِيْ گَئَهُ، قِيدِي
بَنَاهُ گَئَهُ وَغَيْرَهُ، یہ انَّ کِيْ آخِرِيِّ سَزا نِيْسِ ہے بِلَكَهُ اَسَ سِيْ بَهْجِيِّ سَخْتَ سَزا نِيْسِ انَّ کِيْ قِيَامَتَ دَالِيِّ دِنِ جَائِيْسَ
گِيْ جِسْ کَا انَّ سِيْ وَعْدَهُ کِيَا جَاتَاهُ۔

(٣) سَقَرَ بِھِيْ جَنَّمَ کَا نَامَ ہے یعنی اَسَ کِيْ حَرَارتَ اُور شَدَّتَ عَذَابَ کَامِرَهُ چَڪْھُو۔

(٤) أَئْمَهُ سَنَتَ نِيْ اَسَ آیَتَ اُور اَسَ جِيْسِيْ دِيْگَرَ آیَاتَ سِيْ اَسْدَلَالَ كَرْتَهُ ہوَيَ تَقْدِيرِ اللَّهِ كَا اِثَابَاتَ کِيَا ہے جِسَ کَا
مَظْلَبَ ہے کِيْ اللَّهُ تَعَالَى كِوْ مَلْقُوقَاتَ کِيْ پَلَيَهُ ہِيْ سَبَ كَاعِمَ تَحَا اُور اَسَ نِيْ سَبَ کِيْ تَقْدِيرِ لَکَھَ دِيْ ہے اُور
فَرْقَةَ قَدْرِيَهِ کِيْ تَرْدِيدِ کِيْ ہے جِسَ کَا ظَبُورَ عَدَ مَحَابَهُ کِيْ آخِرِيِّ ہَوَا۔ (ابنِ كِثِيرَ)

اور ہم نے تم جیسے بہتیوں کو ہلاک کر دیا ہے،^(۱) پس کوئی
ہے نصیحت لینے والا۔^(۵۱)

جو کچھ انسوں نے (اعمال) کیے ہیں سب نامہ اعمال میں
لکھے ہوئے ہیں۔^(۲)^(۵۲)

(اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے۔^(۳)^(۵۳)
یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نرسوں میں
ہونگے۔^(۴)^(۵۳)

راستی اور عزت کی بیانک میں^(۵) قدرت والے بادشاہ
کے پاس۔^(۶)^(۵۵)

سورہ رحمٰن میں ہے اور اس میں اُخْسَر آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

وَلَقَدْ أَهْمَلْتُنَا أَشْيَا عَلَّمْنَا فَهُلْ مِنْ مُذَكَّرٍ ۝

وَكُلُّ شَيْءٍ نَعْلَمُهُ فِي الظُّرُورِ ۝

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكِبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ۝

إِنَّ الْمُتَعْقِلِينَ فِي حَجَّٰٰتٍ وَنَهَرٍ ۝

فِي مَعْدِدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ۝

شُورَةُ الرَّحْمَنِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(۱) یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں کو، جو کفر میں تمہارے ہی جیسے تھے۔ أَشْبَاهُكُمْ أَنِي: أَشْبَاهُكُمْ وَنُظْرَآءُكُمْ (فتح القدیر)

(۲) یادو سرے معنی ہیں، لوح حفظ میں درج ہیں۔

(۳) یعنی مخلوق کے تمام اعمال، اقوال و افعال لکھے ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، حقیر ہوں یا جلیل، اشقا کے ذکر
کے بعد اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۴) یعنی مختلف اور متنوع باغات میں ہوں گے۔ نَهَرٌ، بطور جن کے ہے جو جنت کی تمام نرسوں کو شامل ہے۔

(۵) مَقْعِدٌ صِدْقٌ، عزت کی بیانک یا مجلس حق، جس میں گناہ کی بات ہو گئی نہ لغویات کا ارتکاب۔ مراد جنت ہے۔

(۶) مَلِيكٌ مُقْتَدِرٌ، قدرت والا بادشاہ یعنی وہ ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور ہے جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اسے عاجز
نہیں کر سکتا۔ عِنْدَ (پاس) یہ کتابی ہے اس شرف منزلت اور عزت و احترام سے، جو اہل ایمان کو اللہ کے ہاں حاصل ہو گا۔

☆ اس کو بعض حضرات نے مدینی قرار دیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ کمی ہے (فتح القدیر) اس کی تائید اس حدیث سے
بھی ہوئی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم خاموش رہتے ہو، تم سے تو اچھے جن ہیں کہ
جب جن والی رات کو میں نے یہ سورت ان پر پڑھی تو میں جب بھی ﴿فَإِنَّ الَّذِينَ رَبَّكُمْ أَنَّكُنَّنَّا هُنَّا﴾ پڑھتا تو وہ اس کے

الرَّحْمَنُ ۖ	عَلَمَ الْقُرْآنَ ۖ
خَلَقَ الْأَنْسَانَ ۖ	عَلَمَهُ الْبَيِّنَ ۖ
الشَّمْسُ وَالْقَرْئُ مُسْبَدَانِ ۖ	وَالْجَنْمُ وَالْجِرَيْ سَجْدَانِ ۖ
وَالشَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَهُ الْمِيزَانَ ۖ	الْأَنْجَوْرَافِيُّ الْمِيزَانَ ۖ
(١)	(٢)
رَحْمَنْ نَے۔ (۱) قرآن سکھایا۔ ^(۱) (۲)	اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ ^(۲) (۳)
اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ ^(۳) (۴)	اور اسے بولنا سکھایا۔ ^(۴) (۵)
آفتاب اور ماہتاب (مقررہ) حساب سے ہیں۔ ^(۵) (۶)	اور ستارے اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں۔ ^(۶) (۷)
اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔ ^(۷) (۸)	تاکہ تم تو نے میں تجاوز نہ کرو۔ ^(۸) (۹)

جواب میں کہتے۔ (لَا يَشِينَ مِنْ يَعْمِلُكَ رَبِّنَا! نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ) - (ترمذی، تفسیر سورۃ الرحمن، ذکرہ الابانی فی صحیح الترمذی)

(۱) کہتے ہیں کہ یہ اہل کمہ کے جواب میں ہے جو کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے کہ رحمن کیا ہے؟ قرآن سکھانے کا مطلب ہے، اسے آسان کر دیا، یا اللہ نے اپنے پیغمبر کو سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا۔ اس سورت میں اللہ نے اپنی بست سی نعمتیں گنوائی ہیں۔ چونکہ تعلیم قرآن ان میں قدر و منزالت اور اہمیت و افادیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہے، اس لیے پہلے اسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتح القدير)

(۲) یعنی یہ بندروں وغیرہ جانوروں سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ڈاروں کا فلسفہ ارتقا ہے۔ بلکہ انسان کو اسی شکل و صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے۔ انسان کا لفظ بطور جنس کے ہے۔

(۳) اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو بغیر سیکھے از خود ہر شخص بول لیتا اور اس میں اپنے مانی الصیر کا اظہار کر لیتا ہے، حتیٰ کہ وہ چھوٹا پچھہ بھی بولتا ہے، جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا۔ یہ اس تعلیم الہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

(۴) یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی مزدوں پر رواں دوال رہتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۵) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا — ﴿إِنَّ رَبَّنَا اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالثَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْعِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُ﴾ الآیة (الحج-۱۸)

(۶) یعنی زمین میں انصاف رکھا، جس کا اس نے لوگوں کو حکم دیا، جیسے فرمایا ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا إِلَيْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید-۲۵)

(۷) یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

النصاف کے ساتھ وزن کو نھیک رکھو اور توں میں کم نہ دو۔^(٩)
اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھا دی۔^(١٠)
جس میں میوے ہیں اور خوشے والے کھجور کے درخت
ہیں۔^(١١)
اور بھس والا انسان ہے^(١٢) اور خوبصوردار پھول ہیں۔^(١٣)
پس اے انسانو اور جنو! تم اپنے پروردگار کی کس کس
نعمت کو جھٹلاوے گے؟^(١٤) (١٥)

اس نے انسان کو بنخنے والی مٹی سے پیدا کیا جو بھیکری کی
طرح تھی۔^(١٦)

اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔^(١٧) (١٨)
پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاوے گے؟^(١٩) (٢٠)
وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغاربوں کا۔^(٢١) (٢٢)

وَأَقِمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُغْنِرُوا الْمِيزَانَ ۝
وَالْأَرْضَ وَضَعْهَا لِلْأَنَامِ ۝
فِيهَا فَارِكَةٌ وَالنَّعْلُ ذَاتُ الْكَلَامِ ۝

وَالْعَبْدُ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝
مَائِيَ الْأَدَرِيَّكَمَائِيَكَدِّينُ ۝

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَارِ ۝

وَخَلَقَ الْجَانِبَيْنِ مِنْ مَارِجَ قَمْ عَلَارِ ۝
مَائِيَ الْأَدَرِيَّكَمَائِيَكَدِّينُ ۝
رَبُّ الشَّرِيقَيْنِ وَرَبُّ الْعَمَيْرَيْنِ ۝

(١) أَكْمَامُ، كِمٌ کی جمع ہے، وِعَاءُ التَّمَرِ، کھجور پر چڑھا ہوا غلاف۔

(٢) حَبَّ سے مراد ہروہ خوراک ہے جو انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ خلک ہو کر اس کا پودا بھس بن جاتا ہے جو جانوروں کے کام آتا ہے۔

(٣) یہ انسانوں اور جنوں دونوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گناہ کران سے پوچھ رہا ہے۔ یہ سکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہ، میں نے تیرافلان کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے؟ فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا، کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدير)

(٤) صَلْصَالٍ خلک مٹی، جس میں آواز ہو۔ فَخَارُ آگ میں پکی ہوئی مٹی، جسے بھیکری کہتے ہیں۔ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کا پسلے مٹی سے پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا کو پیدا فرمایا، اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔

(٥) اس سے مراد سب سے پہلا جن ہے جو ابو الجن ہے، یا جن بطور جنس کے ہے۔ جیسا کہ ترجمہ جنس کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ مارِج آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں۔

(٦) یعنی تمساری یہ پیدائش بھی اور پھر تم سے مزید نسلوں کی تخلیق و افزائش، یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ کیا تم اس نعمت کا انکار کرو گے؟

(٧) ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق، اسی طرح مغرب ہے۔ اس لیے دونوں کو تثنیہ ذکر کیا ہے، موسویوں کے

فَهَلْتَ إِلَّا وَرِئَمَ الْكَنْدِينَ ⑯

تو اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟ (۱۸)

اس نے دو دریا جاری کر دیے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ (۱۹)

ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے۔ (۲۰)

پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹاؤ گے؟ (۲۱)

ان دونوں میں سے موئی اور موئگے برآمد ہوتے ہیں۔ (۲۲)

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْقَيْنَ ⑭

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِينَ ⑮

فَهَلْتَ إِلَّا وَرِئَمَ الْكَنْدِينَ ⑯

يَخْرُجُ مِنْهَا الْأَوْلُوْنَ وَالْمُرْجَانُ ⑰

اعتبار سے مشرق و مغرب کا مختلف ہونا اس میں بھی انس و جن کی بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے اسے بھی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

(۱) مَرَجَ بِعْنَى أَزْسَلَ جَارِيَ كَرْدِيَے۔ اس کی تفصیل سورۃ الفرقان، آیت ۵۳ میں گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دریاؤں سے مراد بعض کے نزدیک ان کے الگ الگ وجود ہیں، جیسے میٹھے پانی کے دریا ہیں، جن سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان ان کاپانی اپنی دیگر ضروریات میں بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کاپانی ہے جو کھارا ہے، جس کے کچھ اور فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کھارے سمندروں میں ہی میٹھے پانی کی لمبیں چلتی ہیں اور یہ دونوں لمبیں آپس میں نہیں ملتیں، بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہی رہتی ہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھارے سمندروں میں ہی کئی مقامات پر میٹھے پانی کی لمبیں بھی جاری کی ہوئی ہیں اور وہ کھارے پانی سے الگ ہی رہتی ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اوپر کھارا پانی ہو اور اس کی تندیں کچھ چشمہ آب شیرس۔ جیسا کہ واقعتاً بعض مقامات پر ایسا ہے۔ تیسرا صورت یہ ہے کہ جن مقامات پر میٹھے پانی کے دریا کا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے، وہاں کئی لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ دونوں پانی میلوں دور تک اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایک طرف میٹھا دریائی پانی اور دوسری طرف وسیع و عریض سمندر کا کھارا پانی، ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں۔ لیکن یہ باہم نہیں ملتے۔ دونوں کے درمیان یہ وہ بربخ (آڑ) ہے جو اللہ نے رکھ دی ہے، دونوں اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

(۲) مَرْجَأَنْ سے چھوٹے موئی یا پھر موئگے مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو یہاں اپنے موئنه کھول

فَلَأَيِ الَّهُرِبِكُمَا نَكِنْدِينِ ۝

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُشَكَّلِ فِي الْبَخْرِ كَالْعَلَمِ ۝

فَلَأَيِ الَّهُرِبِكُمَا نَكِنْدِينِ ۝

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَلَانِ ۝

قَبِيلِي وَجْهُ رِبِكَ ذُوالْجَلَلِ وَالْأَتْوَارِ ۝

فَلَأَيِ الَّهُرِبِكُمَا نَكِنْدِينِ ۝

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاوے گے؟^(۱) (۲۳)

اور اللہ ہی کی (ملکیت میں) ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں
پہاڑ کی طرح بلند (چل پھر رہے) ہیں۔^(۲) (۲۴)

پس (اے انسانو! اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت
کو جھلاوے گے؟^(۳) (۲۵)

زمیں پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔^(۴) (۲۶)

صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے
باتی رہ جائے گی۔^(۵) (۲۷)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاوے گے؟^(۶) (۲۸)

دیتی ہیں، جو قطرہ ان کے اندر پڑ جاتا ہے، وہ موئی بن جاتا ہے۔ مشوری یہی ہے کہ موئی وغیرہ میٹھے پانی کے دریاؤں سے نہیں، بلکہ صرف آب شور یعنی سمندروں سے ہی نکلتے ہیں۔ لیکن قرآن نے تنہیہ کی ضمیر استعمال کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سے ہی موئی نکلتے ہیں۔ چونکہ موئی کثرت کے ساتھ سمندروں سے ہی نکلتے ہیں، اس لیے اس کی شہرت ہو گئی ہے۔ تاہم شیرس دریاؤں سے اس کی نفعی ممکن نہیں بلکہ موجودہ دور کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ میٹھے دریا میں بھی موئی ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے ان سے موئی نکالنا مشکل امر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد مجموعہ ہے، ان میں سے کسی ایک سے بھی موئی نکل جائیں تو ان پر تنہیہ کا اطلاق صحیح ہے۔ بعض نے کہ شیرس دریا بھی عام طور پر سمندر میں ہی گرتے ہیں اور وہیں سے موئی نکالے جاتے ہیں، اس لیے گو منع دریائے شور ہی ہوئے، لیکن دوسرے دریاؤں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے لیکن موجودہ دور کے تجربات کے بعد ان تاویلات اور تکلفات کی ضرورت نہیں۔ وَاللهُ أَعْلَمُ۔

(۱) یہ جواہر اور موئی زیب و زینت اور حسن و جمال کا مظہر ہیں اور اہل شوق و اہل ثروت انہیں اپنے ذوق جمال کی تکمیل اور حسن و رعنائی میں اضافے ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کا نعمت ہونا بھی واضح ہے۔

(۲) الْجَوَارِ جَارِيَةٌ (چلنے والی) کی جمع اور مذوف موصوف (السُّفْنُ) کی صفت ہے۔ مُنشَاتُ کے معنی مرفوعات ہیں، یعنی بلند کی ہو سکیں، مراد بادبان ہیں، جو باہمی کشیوں میں جھنڈوں کی طرح اوپر اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی مصنوعات کے لیے ہیں یعنی اللہ کی بنائی ہوئی جو سمندر میں چلتی ہیں۔

(۳) ان کے ذریعے سے بھی نقل و حمل کی جو آسانیاں ہیں، محتاج وضاحت نہیں، اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

(۴) فاتحے دنیا کے بعد، جزا و سزا یعنی عدل کا اہتمام ہو گا، لہذا یہ بھی ایک نعمت عظیمی ہے جس پر شکر الہی واجب ہے۔

سب آسمان و زمین والے اسی سے مانگتے ہیں۔^(۱) ہر روز
وہ ایک شان میں ہے۔^(۲) (۲۹)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۳) (۳۰)
(جنوں اور انسانوں کے گروہو!) غنیریب ہم تمہاری
طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں گے۔^(۴) (۳۱)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۵) (۳۲)
اے گروہ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے
کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو!^(۶)
بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے۔^(۷) (۳۳)

پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۸) (۳۴)
تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ جائے گا^(۹) پھر تم

يَتَّلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأنٍ ۝

فَمَآئِ الْأَهْرَافِ كَمَا تَكَدِّبُونَ ۝

سَنَقْرُ عَلَكُمْ أَيَّةَ الْقُتْلَنِ ۝

فَمَآئِ الْأَكَارِ كَمَا تَكَدِّبُونَ ۝

يَمْعَثِرُ الْمِنَّ وَالْإِلَيْسِ إِنْ أَسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَعْلُمُوا مِنْ أَقْتَلَارِ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَأَنْذِدُ وَالْأَنْذِدُ دُنْ الْأَسْلَمِينَ ۝

فَمَآئِ الْأَهْرَافِ كَمَا تَكَدِّبُونَ ۝

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شَوَّاظُهُنْ كَلَّارَهُ وَخَاسُ فَلَا تَنْتَصِرُنِ ۝

(۱) یعنی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے سوالی ہیں۔

(۲) ہر روز کامطلب، ہر وقت، شان کے معنی امریا معاملہ، یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے، کسی کو بیمار کر رہا ہے، کسی کو شفایا ب، کسی کو تو نگر بنا رہا ہے تو کسی تو نگر کو فقیر۔ کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا، کسی کو بلندیوں پر فائز کر رہا ہے، کسی کو پستی میں گرا رہا ہے، کسی کو ہست سے نیست اور نیست کو ہست کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر و مشیت سے ہو رہے ہیں اور شب و روز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔ هُو الْحَيُّ الْقَيُّومُ، لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ۔

(۳) اور اتنی بڑی ہستی کا ہر وقت بندوں کے امور و معاملات کی تدبیر میں لگے رہنا، کتنی بڑی نعمت ہے۔

(۴) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو فراغت نہیں ہے بلکہ یہ محاورہ تبولا گیا ہے جس کا مقصد و عید و تدبید ہے۔ نقلان (جن و انس کو) اس لیے کہا گیا ہے کہ انکو تکالیف شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے، اس پابندی یا بوجھ سے دوسرا مخلوق مستثنی ہے۔

(۵) یہ تدبید بھی نعمت ہے کہ اس سے بد کار بدوں کے ارتکاب سے باز آجائے اور محسن زیادہ نیکیاں کمائے۔

(۶) یعنی اللہ کی تقدیر اور قضاۓ تم بھاگ کر کیسی جا سکتے ہو تو چلے جاؤ، لیکن یہ طاقت کسی میں ہے؟ اور بھاگ کر آخر کہاں جائے گا؟ کون سی جگہ ایسی ہے جو اللہ کے اختیارات سے باہر ہو۔ یہ بھی تدبید ہے جو مذکورہ تدبید کی طرح نعمت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ میدان محشر میں کہا جائے گا، جب کہ فرشتے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھے ہوئے۔ دونوں ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت والے دن کیسی بھاگ کر گئے بھی، تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں تم پر چھوڑ کر

مقابلہ نہ کر سکو گے۔^(۱) (۳۵)

پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۲) (۳۶)

پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ چڑھ۔^(۳) (۳۷)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۴) (۳۸)
اس دن کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہوں کی پرش نہ کی جائے گی۔^(۵) (۳۹)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۶) (۴۰)
گناہ کا رصرف حیث سے ہی پچان لیے جائیں گے^(۷) اور انکی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے۔^(۸) (۴۱)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۹) (۴۲)
یہ ہے وہ جنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے۔^(۱۰) (۴۳)

فَيَأْتِيَ الَّهُرِبَّمَا تَكْدِبِينَ ۝

فَإِذَا انشقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرَدَةً كَالْدِهَانِ ۝

فَيَأْتِيَ الَّهُرِبَّمَا تَكْدِبِينَ ۝

فَيُوْمَئِلُ لَا يُؤْتَلُ عَنْ ذِيْتَهِ إِنْ قَلَاجَانَ ۝

فَيَأْتِيَ الَّهُرِبَّمَا تَكْدِبِينَ ۝

يُعْرَفُ الظَّمَرُونَ بِسِيمَهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالْتَّوَاصُفِ
وَالْأَقْدَامِ ۝

فَيَأْتِيَ الَّهُرِبَّمَا تَكْدِبِينَ ۝

هُنَّا جَهَنَّمُ الْقِيَّادُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝

یا پھلا ہوا تابہ تمارے سروں پر ڈال کر تمہیں واپس لے آئیں گے۔ نہ اس کے دوسرے معنی پھلے ہوئے تابے کے کئے گئے ہیں۔

(۱) یعنی اللہ کے عذاب کو نالے کی تمرة قدرت نہیں رکھو گے۔

(۲) قیامت والے دن آسمان پھٹ پڑے گا، فرشتے زمین پر اتر آئیں گے، اس دن یہ نار جنم کی شدت حرارت سے پکھل کر سرخ نزی کے چڑے کی طرح ہو جائے گا۔ دھہان، سرخ چڑھ۔

(۳) یعنی جس وقت وہ قبروں سے باہر نکلیں گے۔ ورنہ بعد میں موقف حساب میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گناہوں کی بابت نہیں پوچھا جائے گا، کیونکہ ان کا تو پورا ریکارڈ فرشتوں کے پاس بھی ہو گا اور اللہ کے علم میں بھی۔ البتہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیوں کیے؟ یا یہ مطلب ہے، ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ انسانی اعضاء خود بول کر ہربات بتائیں گے۔

(۴) یعنی جس طرح اہل ایمان کی علامت ہو گی کہ ان کے اعضائے وضو چکتے ہوں گے۔ اسی طرح گناہ کاروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگاؤں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے۔

(۵) فرشتے ان کی پیشانیاں اور ان کے قدموں کے ساتھ ملا کر پکڑیں گے اور جنم میں ڈال دیں گے، یا کبھی پیشانیوں سے اور کبھی قدموں سے انہیں پکڑیں گے۔

اس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر
کھائیں گے۔^(۱) (۳۳)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۲) (۳۵)
اور اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا
ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں۔^(۳) (۳۶)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۴) (۳۷)
(دونوں جنتیں) بہت سی ٹھینیوں اور شاخوں والی
ہیں۔^(۵) (۳۸)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۶) (۳۹)
ان دونوں (جنتوں) میں دوستے ہوئے چشمے ہیں۔^(۷) (۵۰)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۸) (۵۱)
ان دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میووں کی دو قسمیں
ہوں گی۔^(۹) (۵۲)

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاؤ گے؟^(۱۰) (۵۳)
جنتی ایسے فرشوں پر نکلیے لگائے ہوئے ہوں گے جن کے

يَطَّوِّفُونَ بَيْنَهَا وَيَئِنَّ حَمِيمٌ عَلَىٰ

فَيَأْتِيَ الَّذِي رَبِّكُمَا لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ

وَلَعَنْ خَافَ مَقْمَرٍ يَهُجُّ بَيْنَهُنَّ

فَيَأْتِيَ الَّذِي رَبِّكُمَا لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ

ذَوَاتًا أَقْنَانٍ

فَيَأْتِيَ الَّذِي رَبِّكُمَا لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ

فِيهِمَا عَيْنُنَّ مَغْوِزٌ

فَيَأْتِيَ الَّذِي رَبِّكُمَا لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَالْهَمَةِ زَوْجٌ

فَيَأْتِيَ الَّذِي رَبِّكُمَا لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ

مُشَكِّنُنَّ عَلَىٰ فُرْشٍ بَطَابَنَهُمْ إِسْتَبْرَقٌ وَجَنَّا

(۱) یعنی کبھی انہی جحیم کا عذاب دیا جائے گا اور کبھی ماء حمیم پینے کا عذاب۔ آن، گرم۔ یعنی سخت کھولتا ہو اگر م پانی، جو ان کی اننزیوں کو کاث دے گا۔ أَعَذَّنَا اللَّهُ مِنْهَا۔

(۲) یہی حدیث میں آتا ہے۔ ”دو باغ چاندی کے ہیں، جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب چاندی کے ہوں گے۔ دو باغ سونے کے ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب سونے کے ہی ہوں گے۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الرحمٰن، بعض آثار میں ہے کہ سونے کے باغ خواص مومنین مُقْرَبِينَ اور چاندی کے باغ عام مومنین أَصْحَابُ الْيَمِينِ کے لیے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس میں سایہ گنجان اور گمرا ہو گا، نیز پھلوں کی کثرت ہو گی، کیونکہ کہتے ہیں ہرشاخ اور شنی پھلوں سے لدی ہو گی۔ (ابن کثیر)

(۴) ایک کاتام تَسْنِيْم اور دوسرے کا سَلْسِيلٌ ہے۔

(۵) یعنی ذاتی اور لذت کے اعتبار سے ہر چھل دو قسم کا ہو گا، یہ مزید فضل خاص کی ایک صورت ہے۔ بعض نے کہا کہ

الْجَئْتُنَّ دَاهِنٌ ۝

استردیز ریشم کے ہوں گے،^(۱) اور ان دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے۔^(۲) (۵۳)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(۵۵) وہاں (شر میلی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں^(۳) جنہیں ان سے پہلے کسی جن و انس نے ہاتھ نہیں لگایا۔^(۴) (۵۶)

پس اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(۵۷)

وہ حوریں مثل یا قوت اور موئے کے ہوں گی۔^(۵۸)

پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(۵۹)

فَيَأْتِيَ الَّذِينَ تَكْتَبُونَ ۝

فِيهِنَّ قُوَّرُتُ الْكُرُوفُ ۗ لَا يُظْهِنُ إِنْ شَاءَ قَبْلَهُمْ وَلَا يَأْخُذُ ۝

فَيَأْتِيَ الَّذِينَ تَكْتَبُونَ ۝

كَائِنَ أَيْمَانُهُمْ وَالْمَرْجَانُ ۝

فَيَأْتِيَ الَّذِينَ تَكْتَبُونَ ۝

ایک قسم خشک میوے کی اور دوسری تازہ میوے کی ہوگی۔

(۱) ابری یعنی اپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوب صورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اپر (ابری) کا کپڑا اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہو گا۔

(۲) اتنے قریب ہوں گے کہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹئے لیٹئے بھی توڑ سکیں گے۔ ﴿قُطُوفُهَا ذَلِيقَةٌ﴾ (الحاقة: ۲۳)

(۳) جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کو اپنے خاوند ہی سب سے زیادہ حسین اور اچھے معلوم ہوں گے۔

(۴) یعنی باکرہ اور ننی نویلی ہوں گی۔ اس سے قبل وہ کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی۔ یہ آیت اور اس سے ما قبل کی بعض آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو جن مومن ہوں گے، وہ بھی مومن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور ان کے لیے بھی وہی کچھ ہو گا جو دیگر اہل ایمان کے لیے ہو گا۔

(۵) یعنی صفائی میں یا وقت اور سفیدی و سرخی میں موئے کی طرح ہوں گی۔ جس طرح صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن و جمال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: يَرَى مُنْعَ سُوقِهِنَّ مِنْ وَرَاءَ الْعَظَمِ وَاللَّخْمِ (صحیح بخاری) کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة۔ وصحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب أول زمرة تدخل الجنة.....) ”ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا گوشت اور ہڈی کے باہر سے نظر آئے گا۔“ ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ ”جنتوں کی بیویاں اتنی حسین و جیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان و زمین کے درمیان کا سارا حصہ چک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے، اور اس کے سر کا دو پہ اتنا قیمتی ہو گا کہ وہ دنیا و مافہما سے بہتر ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الجهاد بباب الحور العین)

احسان کا بدله احسان کے سوا کیا ہے۔^(١)

پس اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(٢)

اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں۔^(٣)

پس تم اپنے پورش کرنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(٤)

جو دونوں گھری بزریاہی مائل ہیں۔^(٥)

تباہ اب اپنے پور دگار کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(٦)

ان میں دو (جو شے) اپنے والے چھٹے ہیں۔^(٧)

پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(٨)

ان دونوں میں میوے اور بھجور اور انار ہوں گے۔^(٩)

کیا بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟^(١٠)

ان میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں۔^(١١)

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹاؤ گے؟^(١٢)

(گوری رنگت کی) حوریں جنتی خیموں میں رہنے والیاں

ہیں۔^(١٣)

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا إِحْسَانٌ ۝

فَمَأْيَ الَّهُ رَبِّكُمَا لَكُمْ بِنِ

وَمَنْ دُفِنَهُمَا جَئْنَ ۝

فَمَأْيَ الَّهُ رَبِّكُمَا لَكُمْ بِنِ

مُدْهَأْنَ ۝

فَمَأْيَ الَّهُ رَبِّكُمَا لَكُمْ بِنِ

فِيهِمَا عَيْلُنَ نَصَاحَنَ ۝

فَمَأْيَ الَّهُ رَبِّكُمَا لَكُمْ بِنِ

فِيهِمَا قَاتِمَةً وَقُلُّ وَرْمَانٌ ۝

فَمَأْيَ الَّهُ رَبِّكُمَا لَكُمْ بِنِ

فِيهِنَّ خَيْرُ حَسَانٌ ۝

فَمَأْيَ الَّهُ رَبِّكُمَا لَكُمْ بِنِ

خُورُّ مَقْصُورَتٍ فِي النَّيَامِ ۝

(١) پسلے احسان سے مراد نیکی اور اطاعتِ الٰہی اور دوسراے احسان سے اس کا صدر، یعنی جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

(٢) دُفِنَہمَا سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ دو باغ شان اور فضیلت میں چھپلے دو باغوں سے، جن کا ذکر آیت ٣٦ میں گزرا کم تر ہوں گے۔

(٣) کثرت سیرابی اور بزرے کی فرادافی کی وجہ سے وہ مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

(٤) یہ صفت تَجْرِيَانٍ سے ہلکی ہے الْجَزِيُّ أَقْوَى مِنَ النَّفْخِ (ابن کثیر)

(٥) جب کہ پہلی دو جنتوں (باغوں) کی صفت میں تلایا گیا ہے کہ ہر چھل دو قسم کا ہو گا۔ ظاہر ہے اس میں شرف و فضل کی جو زیادتی ہے، وہ دوسری بات میں نہیں ہے۔

(٦) خَيْرَاتٌ سے مراد اخلاق و کردار کی خوبیاں ہیں اور حِسَانٌ کا مطلب ہے حسن و جمال میں یکتا۔

(٧) حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے، ان کا عرض سائٹھ میل ہو گا، اس

فَيَأْتِيَ الَّذِينَ رَتَّلُوكُمْ مِنْ أَنْفُسِهِنَّ ۝

پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاوے گے؟ (۷۳)

اکوہا تھے نہیں لگایا کسی انسان یا جن نے اس سے قبل۔ (۷۴)
پس اپنے پور دگار کی کون کون سی نعمت کے ساتھ تم حکزیب کرتے ہو؟ (۷۵)

بزر مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ (۱) (۷۶)

پس (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھلاوے گے؟ (۲) (۷۷)

لَمْ يَظْهِرْنَ مِنْ إِنْ شَاءَ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاءُنَّ ۝

فَيَأْتِيَ الَّذِينَ رَتَّلُوكُمْ مِنْ أَنْفُسِهِنَّ ۝

مُتَّكِّبِينَ عَلَى رَفْقِي خُفْرِيَّةَ عَبْرِيَّ حَسَانٍ ۝

فَيَأْتِيَ الَّذِينَ رَتَّلُوكُمْ مِنْ أَنْفُسِهِنَّ ۝

کے ہر کونے میں جنتی کے اہل ہوں گے، جس کو دوسرا کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھوئے گا۔
(صحیح بخاری 'تفسیر سورۃ الرحلمن و کتاب بدء الخلق' باب ماجاء فی صفة الجنۃ 'صحیح مسلم'
کتاب الجنۃ باب فی صفة خیام الجنۃ)

(۱) رَفْرِيْفِيْ مَسْدَدْ غَالِبِيْ یا اس قسم کا عمدہ فرش، عَبْرِيْرِيْ، ہر نفس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن عثیمین کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا، فلمَّا أَرَ عَبْرِيْرِيَا يَفْرِنِيَ فَرَيْهَ (البخاری، کتاب المناقب، باب فضل عمر، صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ) "میں نے کوئی عبری ایسا نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔" مطلب یہ ہے کہ جنتی ایسے تختوں پر فروکش ہوں گے جس پر بزرگ کی مسندیں، غالیچے اور اعلیٰ قسم کے خوب صورت منقش فرش بپھے ہوں گے۔

(۲) یہ آیت اس سورت میں ۳۳ مرتبہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی اقسام و انواع کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت یا چند نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ استفسار فرمایا ہے، حتیٰ کہ میدان محشر کی ہولناکیوں اور جنم کے عذاب کے بعد بھی یہ استفسار فرمایا ہے، جس کا مطلب ہے کہ امور آخرت کی یادوں باñی بھی نعمت عظیمہ ہے تاکہ بچنے والے اس سے بچنے کی سی کی عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور اس کے بدالے میں ان سے صرف اس امر کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ مخلوقات میں یہی دو ہیں جو شرعی احکام و فرائض کے مکلف ہیں، اسی لیے انہیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے، تیرے نعمتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جائز و مستحب ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے خلاف ہے اور نہ تعلق مع اللہ میں مانع، جیسا کہ بعض اہل

تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے^(۱) جو عزت و جلال والا ہے۔^(۷۸)

تَبَذَّلَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَلِ وَالْإِكْرَامِ ۖ

سورہ واقعہ کی ہے اور اس میں چھیانوںے آئیں اور تین رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جب قیامت قائم ہو جائے گی۔^(۱)
جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔^(۲)
وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہو گی۔^(۳)

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۖ

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبٌ ۖ

خَافِضٌ زَافِعٌ ۖ

تصوف باور کرتے ہیں۔ چوتھے، بار بار یہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ یہ تو نہ اور تدید کے طور پر ہے، جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے، جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور سما فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ لَا يَشْيَءُ مِنْ تَعْمِكَ رَبِّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ "اے ہمارے رب ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے، پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں" (سنن الترمذی والصحیحة للألبانی) لیکن اندر وون صلاۃ اس جواب کا پڑھنا مشروع نہیں۔

(۱) تَبَارَكَ برکت سے ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں۔ مطلب ہے اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے، یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علوشان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی برکت اور عظمت و رفتعت والی ہو گی۔

☆ اس سورت کے بارے میں مشور ہے کہ یہ سُورَةُ الْغَنَى (تو نگری کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو سکھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھئے الأحادیث الضعیفة۔ لالبانی حدیث نمبر ۴۹۰۴ ج ۱/۳۰۵)

(۲) واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے، کیونکہ یہ لا محالہ واقع ہونے والی ہے، اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔

(۳) پستی اور بلندی سے مطلب ذات اور عزت ہے۔ یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو پست کرے

جکہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلاادی جائے گی۔^(۳)
 اور پہاڑ بالکل ریزہ کر دیے جائیں گے۔^(۴)
 پھر وہ مثل پر آنده غبار کے ہو جائیں گے۔^(۵)
 اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے۔^(۶)
 پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ
 والے۔^(۷)
 اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ
 والوں کا۔^(۸)
 اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں۔^(۹)
 وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں۔^(۱۰)
 نعمتوں والی جنتوں میں ہیں۔^(۱۱)
 (بہت بڑا) گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہو گا۔^(۱۲)
 اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے۔^(۱۳)

إذَا رَجَتِ الْأَرْضُ رَجَأَ ۝
 وَبَشَّرَتِ الْجِبَالُ بَشَّأَ ۝
 فَخَاتَ هَبَاءً مُّبَشِّراً ۝
 وَكَنْتُوا رَاجِحَاتِكَةً ۝
 فَأَصْحَبُ الْيَمَنَةَ مَا أَصْحَبُ الْمَيَنَةَ ۝
 وَأَصْحَبُ الْمَشْفَةَ لِمَا أَصْحَبُ الْمَشْفَةَ ۝
 وَالثَّمِيقُونَ الثَّمِيقُونَ ۝
 أُولَئِكَ الْمُغَرَّبُونَ ۝
 فِي جَنَّتِ التَّعْيِيرِ ۝
 ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَقْلَيْنَ ۝
 وَقَلِيلٌ مِّنَ الْأَخْرَيْنَ ۝

گی، چاہے دنیا میں معاملہ اس کے بر عکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معززو مکرم ہوں گے اور اہل کفر و عصیان ذمیل و خوار۔

(۱) رَجَأَ کے معنی حرکت و اضطراب (زلزلہ) اور بس کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔

(۲) آز و اجا: اصنافاً کے معنی میں ہے۔

(۳) اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

(۴) اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

(۵) ان سے مراد خواص مومنین ہیں، یہ تیری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا، یہ ترکیب ایسے ہی ہے، جیسے کہتے ہیں، تو تو ہے اور زید زید، اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔

(۶) ثُلَّةٌ، اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گننا ناممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلے امتوں میں سابقین کا ایک بڑا گروہ ہے، کیونکہ ان کا زمانہ بت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیا کے سابقین شامل ہیں ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے، اس لیے ان میں سابقین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے

یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر۔^(۱۵)
 ایک دوسرے کے سامنے نکلیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔^(۱۶)
 ان کے پاس ایسے لڑکے جو یہاں (لڑکے ہی)^(۱۷) رہیں گے
 آمد و رفت کریں گے۔^(۱۸)

ابخورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بستی
 ہوئی شراب سے پر ہو۔^(۱۹)

جس سے نہ سریں درد ہونے عقل میں فتور آئے۔^(۲۰)
 اور ایسے میوے لیے ہوئے جو ان کی پسند کے
 ہوں۔^(۲۱)

اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں۔^(۲۲)
 اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔^(۲۳)

عَلٰى سُرِّهِ مَوْضُونَةٍ ۝

شَكِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقْبِلِينَ ۝

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلِمَانِ تَعْكِدُونَ ۝

يَا كُوَّاپْ وَلَابَرْيَقْ وَكَأْبِسْ قِنْ مَعْنِ ۝

لَأُصَدَّ عُونَ عَنْهَا وَلَا يَنْزَفُونَ ۝

وَفَاكِهَةِ مَمَّا يَنْتَزِعُونَ ۝

وَلَحْوَ طَلِيفَةِ مَشَهُونَ ۝

وَحُورِعِينَ ۝

تحوڑے ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے“۔ (صحیح مسلم، نمبر ۲۰۰) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں۔ کیونکہ امت محمدیہ کے سابقین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام اموتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے محض سابقین کی کثرت (سابقة اموتوں میں) سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفع نہیں ہوگی۔ مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد ہیں۔ یعنی اس کے پسلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہوگی۔ امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ مفترض ہے، فی جَنَّتِ النَّعِيمِ اور عَلَى سُرِّهِ مَوْضُونَةٍ کے درمیان۔

(۱) مَوْضُونَةٌ بَنَے ہوئے، جڑے ہوئے۔ یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے جڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے نکلوں پر بیٹھے ہوں گے یعنی رو در رو ہوں گے نہ کہ پشت بہ پشت۔

(۲) یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خدو خال اور قدوقامت میں کوئی تغیر واقع ہو گا، بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نعمراڑ کے ہوتے ہیں۔

(۳) صُدَاعٌ، ایسے سر درد کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور خمار کی وجہ سے ہو اور إِنْزَافُ کے معنی، وہ فتور عقل جو مد ہوشی کی بنیاد پر ہو۔ دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہو گی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی۔ مَعْنِ، چشمہ جاری جو شک نہ ہو۔

جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔^(۱) (۲۳)
 یہ صدھے ان کے اعمال کا۔^(۲) (۲۴)
 نہ وہاں بکواس سینیں گے اور نہ گناہ کی بات۔^(۳) (۲۵)
 صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔^(۴) (۲۶)
 اور داہنے ہاتھ دالے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ
 دالے۔^(۵) (۲۷)
 وہ بغیر کانٹوں کی بیریوں۔^(۶) (۲۸)
 اور تہ بہت کیلووں۔^(۷) (۲۹)
 اور لمبے لمبے سایوں۔^(۸) (۳۰)
 اور بستے ہوئے پانیوں۔^(۹) (۳۱)
 اور بکثرت پھلوں میں۔^(۱۰) (۳۲)
 جونہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں۔^(۱۱) (۳۳)

كَامُشَالِ الْأَنْوَافِ الْمَكْتُونِ ۖ ۱۱
 جَزَاءً لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ ۱۲
 لَا يَسْمَعُونَ فِيمَا لَغُوا إِلَاتِنِيَّةًا ۖ ۱۳
 إِلَّا قِيلَ لَهُمَا سَلَامًا ۖ ۱۴
 وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ لَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ ۱۵
 فِي سُدُرٍ مُخْضُودٍ ۖ ۱۶
 وَظَلَمٌ مُنْضُودٌ ۖ ۱۷
 وَظَلَمٌ مَمْدُودٌ ۖ ۱۸
 وَمَا هُمْ شَكُوبٌ ۖ ۱۹
 وَفَالْجَمَادُ كَيْثِرُونَ ۖ ۲۰
 لَا مَقْطُوعَةٌ وَلَا مُمْتَوْعَةٌ ۖ ۲۱

(۱) مکنٹوں، جسے چھپا کر رکھا گیا، اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گرد و غبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔

(۲) یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھکڑے ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں، اس اختلاف و نزاع سے دلوں میں کدو رتیں اور بعض و عناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بد زبانی، سب و شتم، غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہوگی، بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں گی، فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام و تجھے تو ہو گا لیکن دل اور زبان کی وہ خرابیاں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دن دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

(۳) اب تک سابقین (مُفَرِّيْبِينَ) کا ذکر تھا، أَصْحَابُ الْيَمِينِ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔

(۴) جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ”جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑ سوار سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی، وہ سایہ ختم نہیں ہو گا۔“ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ الواقعۃ، مسلم، کتاب الجنۃ، باب ان فی الجنۃ شجرۃ.....)

(۵) یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک ناپید ہو جائیں، یہ پھل اس طرح فصل گل والہ کے پابند بھی نہیں ہوں گے، بلکہ ہر وقت دستیاب رہیں گے۔

اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے۔^(۱)
 ہم نے ان (کی یو یوں کو) خاص طور پر بنایا ہے۔^(۲)
 اور ہم نے انہیں کنواریاں بنادیا ہے۔^(۳)
 محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔^(۴)
 دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں۔^(۵)
 جم غیر ہے الگوں میں سے۔^(۶)
 اور بہت بڑی جماعت ہے چھلوں میں سے۔^(۷)
 اور باسیں ہاتھ والے کیا ہیں باسیں ہاتھ والے۔^(۸)
 گرم ہوا اور گرم پانی میں (ہوں گے)^(۹)

وَفُرِشٌ مَرْفُوعَةٌ ۝
 إِنَّا أَنْتَاهُنَّ إِنْشَاءٌ ۝
 فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْجَارًا ۝
 عَرْبًا أَتَرْبَا ۝
 لَا حَصْبٌ الْيَهُودُ ۝
 ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ۝
 وَثُلَّةٌ مِنَ الْآخِرِينَ ۝
 وَأَصْحَبُ الشَّمَالَ هُمَا أَصْحَبُ الشَّمَالِ ۝
 فِي سَمَوَاتِ رَحْمَةٍ ۝

(۱) بعض نے فرشوں سے یو یوں اور مرفوع سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔

(۲) آنسانہنَّ کا مرجع اگرچہ قریب میں نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو ملنے والی یو یا اور حور عین ہیں۔ حوریں، ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی، بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انہیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا، اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی، تو وہ بھی حوروں کے علاوہ اہل جنت کو یو یوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بد شکل، جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بد شکل، بد شکل بلکہ سب باکرہ (کنواری) کی حیثیت میں ہوں گی۔

(۳) عُرْبٌ عَرْوَيَةٌ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔ اتراب تربت کی جمع ہے۔ ہم عمر، یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی، ایک ہی عمر کی ہوں گی، جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جنتی ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے، (سنن ترمذی، باب ماجاء، فی سن اہل الجنۃ)، یا مطلب ہے کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

(۴) یعنی آدم عليه السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لوگوں میں سے یا خود امت محمدیہ کے الگوں میں سے۔

(۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے یا آپ کی امت کے چھلوں میں سے۔

(۶) اس سے مراد اہل جنم ہیں، جن کو ان کے اعمال نامے باسیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے، جو ان کی مقدار شدہ شرعاً احتراز کی علامت ہوگی۔

اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔^(۱) (۳۳)
جونہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش۔^(۲) (۳۴)
بیشک یہ لوگ اس سے پسلے بست نازوں میں پلے ہوئے
تھے۔^(۳) (۳۵)

اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔^(۴) (۳۶)
اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور
ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ اٹھا کھڑے کیے
جائیں گے۔^(۵) (۳۷)

اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟^(۶) (۳۸)
آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے۔^(۷) (۳۹)
ضرور جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت۔^(۸) (۴۰)
پھر تم اے گمراہ ہو جھلانے والو!^(۹) (۴۱)
البتہ کھانے والے ہو تو ہر کادر خست۔^(۱۰) (۴۲)

وَظِيلٌ قُنْ يَخْنُومُ ۝

لَا يَزِدُ دُلَالَ كَيْنُو ۝

إِنَّمَا كَانُوا أَنْوَابَنَ ذَلِكَ مُتَرْفِينَ ۝

وَكَانُوا يَعْرُونَ عَلَى الْجُنُثِ الْعَظِيمِ ۝

وَكَانُوا يَقُولُونَ لَا يَنْدَمُنَا وَكَانُوا أَنْرَابًا وَعَظَامًا عَلَى الْمُبَعُوثِينَ ۝

أَوْبَانُنَا الْأَكْلُونَ ۝

فُلَانَ الْأَقْلَيْنَ وَالْأَخْرَيْنَ ۝

لَجْمُوْعُونَ إِلَى مِيقَاتِ يَوْمِ مَعْلُومٍ ۝

لُؤْلُؤُنَ أَيْهَا الْعَذَالُونَ الْمَكْذَلُونَ ۝

لَكَلُونَ مِنْ شَجَرَةِ زَقْوُمٍ ۝

(۱) سموم، آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو سام بدن میں گھس جائے۔ حینبیم، کھولتا ہوا پانی، یخنموم، جمنہ سے ہے، بمعنی سیاہ، اور احم بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کما جاتا ہے، یخنموم۔ کے معنی سخت کالا دھواں مطلب یہ ہے کہ جنم کے عذاب سے نگ آکروہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے، لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ سایہ نہیں ہے، جنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حم سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل کر سیاہ ہو گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں، یہ حم سے ہے، جو کوئی کے معنی میں ہے۔ اسی لیے امام ضحاک فرماتے ہیں۔ آگ بھی سیاہ ہے، اہل نار بھی سیاہ رو ہوں گے اور جنم میں جو کچھ بھی ہو گا، سیاہ ہی ہو گا۔ اللَّهُمَّ أَجِزْنَا مِنَ النَّارِ۔

(۲) یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے، لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے، وہ سایہ ہی نہیں ہو گا، جو ٹھنڈا ہو، وہ تو جنم کا دھواں ہو گا، وَلَا كَرِينِمْ جس میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں۔ یا حلاوت نہیں۔

(۳) یعنی دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ آخرت کا انکار ہی کفرو شرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور، اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندا جاتا ہے، تو ان میں بھی فتن و فجور عام ہو جاتا ہے۔ جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔

فَمَا لَثُونَ مِنْهَا الْبَطْوَنَ ۝

فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْعَسْبِيرِ ۝

فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْعَسْبِيرِ ۝

هَذَا أَنْزَلْنَاهُ يَوْمَ الْيَمِينِ ۝

عَنْ خَلْقِنَا فَلَوْلَا نَصَّرْنَا ۝

أَفَوَيْلُهُ مَا شِئْنَا ۝

مَأْنُوكُنَّا غَلُونَةَ أَمْ عَنْ الْغَلِيلِ ۝

عَنْ قَدَرِنَا بَيْنَكُلُوتَ وَمَا حَمَنْ بِسَبِيلِقِينَ ۝

اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو۔^(٤٣) (٥٣)

پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو۔^(٤٣) (٥٣)

پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح۔^(٤٤) (٥٥)

قیامت کے دن ان کی مہمانی یہ ہے۔^(٤٥) (٥٦)

ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور نہیں کرتے؟^(٤٦) (٥٧)

اچھا پھر یہ تو بتلوا کہ جو منی تم پکاتے ہو۔^(٤٧) (٥٨)

کیا اس کا (انسان) تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟^(٤٨) (٥٩)

ہم ہی نے تم میں موت کو معین کر دیا ہے^(٤٩) اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں۔^(٤٧) (٤٠)

(١) یعنی اس کریہ المنظر اور نمایت بد ذاتیہ اور تلخ درخت کا کھانا تمہیں اگرچہ سخت ناگوار ہو گا، لیکن بھوک کی شدت سے تمہیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہو گا۔

(٢) ہینم، آہیم کی جمع ہے، ان پیاسے اونٹوں کو کما جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیتے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بھختی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پو گے جس طرح عام معمول ہوتا ہے، بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دوسرا تم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیتے جاؤ گے لیکن تمہاری پیاس دور نہیں ہو گی۔

(٣) یہ بطور استہزا اور تکم کے فرمایا، ورنہ مہمانی تو وہ ہوتی ہے جو مہمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا «فَبَشِّرُهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ» (آل عمران: ٢٤) ”ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادیجئے۔“

(٤) یعنی تم جانتے ہو کہ تمہیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو؟ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے؟

(٥) یعنی تمہارے بیویوں سے مباشرت کرنے کے نتیجے میں تمہارے جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں، ان سے انسانی شکل و صورت بنانے والے ہم ہیں یا تم؟

(٦) یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے، جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کوئی بچپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

(٧) یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں، بلکہ قادر ہیں۔

کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو۔^(۱) (۲۱)

تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟^(۲) (۲۲)

اچھا پھر یہ بھی بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو۔^(۳) (۲۳)

اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔^(۴) (۲۴)

اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کروالیں اور تم حیرت کے ساتھ باقیں بناتے ہی رہ جاؤ۔^(۵) (۲۵)

کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا۔^(۶) (۲۶)

عَلَى آنُ تُبَدِّلَ أَمْثَالَ الْكُوَافِرِ وَنَيْشَكُونَ فِي مَا لَكُمْ مِنْ

وَلَقَدْ عِلِّمْتُمُ النَّشَأَةَ الْأُولَى فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ

أَفَرَدِيمْ نَعْزِزُونَ

وَإِنَّمَا تَرْعَوْنَهُ أَمْرَعْنَ الرِّبُّوْنَ

لَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنَهُ حَطَامًا فَظَلَمْتُمْ تَقْلِمُونَ

إِنَّا لِمُعْرِمُونَ

(۱) یعنی تمہاری صورتیں مسخ کر کے تمہیں بندرا اور خزریہ بنا دیں اور تمہاری جگہ تمہاری شکل و صورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔

(۲) یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمہیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

(۳) یعنی زمین میں تم جو نجع بوتے ہو، اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو پھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیز کر اس طرح درخت اگانے والا کون ہے؟ یہ بھی منی کے قدرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمہارے کسی ہنر یا چھو منتر کا نتیجہ ہے؟

(۴) یعنی کھیت کو سربز و شاداب کرنے کے بعد، جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خٹک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے منہ ہی تکتے رہ جاؤ۔ تَفَكُّهُ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعمت و خوش حالی بھی ہیں اور حزن و یاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں، تُنُّوْعُونَ كَلَامَكُمْ، تَنَدَمُونَ، تَخَرَّنُونَ، تَعْجَبُونَ، تَلَأَوْمُونَ اور تَفَجُّعُونَ وغیرہ۔ ظَلَّثُمْ اصل میں ظَلَّثُمْ بمعنی صِرْنُتُمْ اور تَفَكَّهُونَ تَفَكَّهُونَ ہے۔

(۵) یعنی ہم نے پسلے زمین پر ہل چلا کر اسے ٹھیک کیا پھر نجع ڈالا، پھر اسے پانی دیتے رہے، لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خٹک ہو گئی، اور ہمیں کچھ بھی نہ ملایعنی یہ سارا خرج اور محنت، ایک تاوان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تاوان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے مال یا محنت کا معاوضہ نہ ملے، بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا زبردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدالے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔

بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔ (۲۷)
اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو۔ (۲۸)
اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم
برساتے ہیں؟ (۲۹)
اگر ہماری مٹشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری
شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟ (۳۰)
اچھا زارا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلاگتے ہو۔ (۳۱)
اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا
کرنے والے ہیں؟ (۳۲)
ہم نے اسے سبب نصیحت (۳۳) اور مسافروں کے فائدے
کی چیز بنایا ہے۔ (۳۴) (۳۵)
پس اپنے بست بڑے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو۔ (۳۶)

لَيْلٌ عَنْ مَحْرُومٍ

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي كُثُرُوكُونَ

إِنَّنَّهُ أَنْتَ لِشُمُودِهِ مِنَ الْمُزْنَ أَمْ عَنْ الْمُنْزَلِوْنَ

لَوْنَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَاجًا فَلَوْلَا تَشَكُّرُونَ

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الْأَقِيقَ تُوْرُونَ

إِنَّمَا أَنْشَأْتُ شَجَرَهَا أَمْ عَنْ الْمُنْشَأِوْنَ

عَنْ جَعَلْنَاهَا دُكَّرَةً وَمَتَاعًا لِلْمُغْنِيْوْنَ

فَسِيْرَةٌ بِاسْوَرِيْكَ الْعَظِيْمِ

(۱) یعنی اس احسان پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟

(۲) کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں، 'مرخ' اور 'عفار' ان دونوں سے ٹھنڈیاں لے کر، ان کو آپس میں رکڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلتے ہیں۔

(۳) کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمه کی نشانی ہے، پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے، ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے ۶۹ درجہ حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (کَبَّا فِي الْحَدِيْثِ)

(۴) مُقْوِيٍّ کی جمع ہے، قَوَّاءٌ یعنی خالی صحراء میں داخل ہونے والا، مرا در سفر ہے۔ یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُقْوِي سے وہ فقرا مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْتَعِينَ (فادہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آجائے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے، (ابوداؤد، کتاب البيوع، باب فی منع الماء، وسنن ابن ماجہ، کتاب الرهون، باب المسلمين، شرکاء فی ثلاث) امام ابن کثیر نے اس مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے۔

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی۔^(۱) (۷۵)
 اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔^(۲) (۷۶)
 کہ پیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔^(۳) (۷۷)
 جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔^(۴) (۷۸)
 جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔^(۵) (۷۹)
 یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔ (۸۰)
 پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے
 ہو؟^(۶) (۸۱)

اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھلاتے پھرو۔ (۸۲)
 پس جبکہ روح نزخرے تک پہنچ جائے۔ (۸۳)

فَلَا أُقِيمُ مَوْقِعَ النُّجُومِ ۝
 وَإِنَّهُ لَقَسْرٌ لَوْلَمْ يُؤْتَ مُؤْتَهُ ۝
 إِنَّهُ لِقْرَآنٍ كَوْنِيٌّ ۝
 فِي كِتَابٍ مَكْتُوبٍ ۝
 لَا يَسْتَدِلُ الْمُظَاهِرُونَ ۝
 شَرِيكٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
 أَفَمَهْدَى الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُذَهَّبُونَ ۝
 وَجَعْلُوكُمْ بِرَزْقَكُمُ الْأَنْتَهَى بِكُوْنِيٌّ ۝
 فَلَوْلَا أَدَلَّ بِلَغْتِ الْحَلْقُومَ ۝

(۱) فلا أقيسُ میں لازماً دہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے۔ بلکہ ما قبل کی کسی چیز کی نظر کے لیے ہے۔ یعنی یہ قرآن کہانت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کھاتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے..... مَوَاقِعُ النُّجُومِ سے مراد ستاروں کے طلوع و غروب کی جگہیں اور ان کی منزیلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے ”قسم کھاتا ہوں آئتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موقع القرآن) یعنی نجوم، قرآن کی آیات اور موقع، قلوب انبیاء۔ بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بدترنج اتنا اور بعض نے قیامت والے دن ستاروں کا جھٹانا مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یہ جواب قسم ہے۔

(۳) یعنی روح محفوظ ہیں۔

(۴) لا يَمْسِهُ میں ضمیر کا مرجع روح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد فرشتے، بعض نے اس کا مرجع، قرآن کریم کو بنایا ہے یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے۔ یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

(۵) حدیث سے مراد قرآن کریم ہے مُدَاهَنَةُ وَ زَرِي جو کفر و نفاق کے مقابلے میں اختیار کی جائے دراں حاکم کے مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے۔ یعنی اس قرآن کو اپنانے کے مقابلے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے لیے زمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو۔ حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس لائق ہے کہ اسے نہایت خوشی سے اپنایا جائے۔

وَأَنْتُمْ جِئْنِيْنَ سَنْظُرُونَ ۚ ۳

وَعَنْ أَقْرَبِ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكُنْ لَا يَجُرُونَ ۚ ۴

فَلَوْلَا كَانَ لَكُنْتُ عَيْرَ مَدِينِيْنَ ۚ ۵

تَرْجِعُونَهَا إِنْ لَكُنْتُ صَدِيقِيْنَ ۚ ۶

فَأَنَّا لَمْ كَانَ مِنَ الْمَغْرِبِيْنَ ۚ ۷

فَرَوْحٌ وَرِيحَانٌ لَذَّ وَجْهَتْ نَعِيْمَوْ ۚ ۸

وَأَنَّا لَمْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۚ ۹

فَسَلَّكَنَّا مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ۚ ۱۰

اور تم اس وقت آنکھوں سے دیکھتے رہو۔^(۱) (۸۳)

ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں^(۲) لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔^(۳) (۸۵)

پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں۔^(۴) (۸۶)

اور اس قول میں پچھے ہو تو (ذرعاً) اس روح کو تو لوٹاؤ۔^(۵) (۸۷)

پس جو کوئی بارگاہ اللہ سے قریب کیا ہوا ہو گا۔^(۶) (۸۸)

اسے تو راحت ہے اور غذا میں ہیں ہیں اور آرام والی جنت ہے۔^(۷) (۸۹)

اور جو شخص داہنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے۔^(۸) (۹۰)

تو بھی سلامتی ہے تیرے لیے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔^(۹) (۹۱)

(۱) یعنی روح نکلتے ہوئے دیکھتے ہو لیکن اسے ٹال کنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

(۲) یعنی مرنے والے کے ہم، تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم، قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یا ہم سے مراد اللہ کے کارندے یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

(۳) یعنی اپنی جہالت کی وجہ سے تمہیں اس بات کا دراک نہیں کہ اللہ تو تمہاری شہرگ سے بھی زیادہ قریب ہے یا روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔

(۴) داَنَ يَدِينِ کے معنی ہیں 'ما تخت ہونا' دوسرے معنی ہیں بدله دینا۔ یعنی اگر تم اس بات میں پچھے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ما تخت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا، تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

(۵) سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں، ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہ اللہ قرار پاتے ہیں۔

(۶) یہ دوسری قسم ہے، عام مومنین۔ یہ بھی جنم سے فتح کر جنت میں جائیں گے، تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی جھلانے والوں گمراہوں میں سے ہے۔^(۱) (۹۲)

تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے۔^(۲) (۹۳)

اور دوزخ میں جانا ہے۔^(۳) (۹۴)

یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔^(۴) (۹۵)

پس تو اپنے عظیم الشان پروار گار کی تسبیح کر۔^(۵) (۹۶)

سورہ حید مدنی ہے اور اس میں انیس آیتیں اور
چار رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے
ہیں،^(۱) وہ زبردست با حکمت ہے۔^(۲) (۱)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے،^(۳) وہی
زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز بر قادر ہے۔^(۴) (۲)
وہی پسلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی
محضی،^(۵) اور وہ ہر چیز کو بخوبی جانے والا ہے۔^(۶) (۳)

وَأَنَّا لَنَا كُلُّ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الظَّالِمِينَ ۝

فَنَرِئُ مِنْ حَمِيمٍ ۝

وَنَصِيلَةَ حَمِيمٍ ۝

إِنَّ هَذَا الْهُوَحُّ الْمُقِنِّ ۝

فَسَيِّئُهُ يَا سُورَةِ الْعَظِيمِ ۝

شُوَّالَةُ الْجَنَّاتِ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سَبَّابَ اللَّهُ مَالِ النَّمَوْتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ عَزِيزُ الْعَظِيمِ ۝

لَهُ مُلْكُ النَّمَوْتِ وَالْأَرْضِ يُبْعَثِرُ وَيُمْهِلُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

هُوَ الْأَكْلُ وَالْأَغْرِي وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

(۱) یہ تیسرا قسم ہے جنہیں آغاز سورت میں أَنْصَابُ الْمَسْتَنَمَةِ كَمَا گیا تھا، باہمیں ہاتھ والیے یا حاملین نہیں۔ یہ
اپنے کفر و بفاق کی سزا یا اس کی نہیں۔ اس کی نہیں۔ اس کی صورت میں بھگتیں گے۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ دو لکے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبان پر لکے اور وزن میں بھاری۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ
الْعَظِيمِ (صحیح بخاری "آخری حدیث" و صحیح مسلم کتاب الذکر بباب فضل التهلیل والتسبیح والدعاء)

(۳) یہ تسبیح زبان حال سے نہیں، بلکہ زبان مقال سے ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے، ﴿وَلَكِنْ لَا تَنْفَعُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی
Іسرائیل، ۲۲) "تم اکنی تسبیح نہیں سمجھ سکتے"۔ حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اسکے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔
(الأنبیاء، ۲۷) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اسکو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

(۴) اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔ یا
مطلوب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملک میں ہیں۔

(۵) وہی اول ہے یعنی اس سے پسلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہو گی، وہی ظاہر ہے یعنی وہ سب
پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظرؤں

وہی ہے جس نے آسانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی^(۱) ہو گیا۔ وہ (خوب) جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے^(۲) اور جو اس سے لٹکے^(۳) اور جو آسان سے بیچ آئے^(۴) اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے،^(۵) اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے^(۶) اور جو تم کر رہے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سَنَةٍ إِثْنَا مُتْرَفَةً سَنَوَيْ
عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزَلُ
مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرِجُ فِيهَا وَهُوَ مَعْلُومٌ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاهْدِهِمَا
تَعْمَلُونَ بِصِيرَةً^(۷)

اور عقولوں سے بخی ہے۔ (فتح القدير) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ لَهُ تَعَالٰی أَعُوذُ بِهِ کو یہ دعا پڑھنے کی تائید فرمائی تھی۔ «اَللّٰهُمَّ! رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبِّنَا وَرَبِّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنْزَلُ التُّورَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالْقَدِيرُ وَالْمُؤْمِنُ، اَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ، اَنْتَ اَخِذُ بِنَاصِيَتِي، اللّٰهُمَّ اَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اَفْضِلُ عَنَّا الَّذِينَ وَأَغْنَيْنَا مِنَ الْفَقْرِ» (صحیح مسلم) کتاب الذکر والدعاء باب ما يقول عند النوم وأخذ المضجع) اس دعا میں، جو ادائیگی قرض کے لیے منسون ہے، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرمادی گئی ہے۔

(۱) اسی مضموم کی آیات سورہ آعراف^{۱۵۳}، سورہ یونس^۳، اور الم السجدۃ^{۲۳} وغیرہ امام الایات میں گزر چکی ہیں۔ ان کے حوالی ملاحظہ فرمائیے جائیں۔

(۲) یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلے جات و میوہ جات کے جو نجع داخل ہوتے ہیں، انکی کیت و کیفت کو وہ جانتا ہے۔

(۳) جود رخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش اور خوبیوں اے پھلوں کے بوئے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَعِنْدَكُمْ مَاقَمَ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُكُمْ إِنَّهُ لِلّٰهِ عَالِيٌّ هٗيَ وَالْبَخِرُ وَمَا تَنْقُطُ مِنْ دُرْقٍ إِلَّا يَعْلَمُهُ وَلَا جَهَنَّمَ فِي طَلْمَتِ الْأَرْضِ وَلَا تَنْقُطُ وَلَا يَأْتِي إِلَيْنَا إِلَّا فِي كِتْبٍ مَبِينٍ ﴾۔ (سورہ الانعام ۵۹) اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام بخی اشیا کے خزانے، ان کو کوئی نہیں جانتا۔ بحر اللہ کے، اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے، اور کوئی دانہ کوئی زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تراورنہ کوئی خشک چیز گرتی ہے، مگر یہ سب کتاب مبنی میں ہیں۔

(۴) بارش، اولے، برف، تقدیر اور وہ احکام، جو فرشتے لے کرتے ہیں۔

(۵) فرشتے انسانوں کے جو عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ”اللہ کی طرف رات کے عمل دن

سے پلے اور دن کے عمل رات سے پلے چڑھتے ہیں“۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْام)

(۶) یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں، رات ہو یا دن، گھروں میں ہو یا صحراؤں میں، ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمہاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے۔ یہی مضمون سورہ ہود^۳، سورہ رعد^{۱۰} اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔^(۳)

آنسانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔^(۴)

وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے^(۱) اور سینوں کے بھیدوں کا وہ پورا عالم ہے۔^(۶) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں (دو رسول کا) جانشین بنایا^(۲) ہے پس تم میں سے جو ایمان لا کیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔^(۷)

تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عدم دیکھان بھی لے چکا ہے۔^(۳)

وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آئیں اتارتا ہے

لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۚ

يُولِجُهُ إِلَيْنَ فِي التَّهَارِ وَيُولِجُهُ التَّهَارِ فِي إِلَيْنَ ۖ وَهُوَ عَلَيْنَا

بِذَاتِ الصَّدْوَرِ ۚ

اِمْنُوا بِاِنَّ اللَّهَ وَرَسُولِهِ وَآنْفَقُوا اِمْتِنَانًا ۗ حَلَمُكُمْ مُسْتَخْلِفُونَ فِيهِ ۚ

فَالَّذِينَ اِمْنَوْا مُنْكَرٌ ۖ وَآنْفَقُوا لِهِمْ اَجْرٌ كَبِيرٌ ۚ

وَمَا لِكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاِنَّهُ وَرَسُولُهُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ

وَقَدْ أَخَذَ مِنْتَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ مَا يَبَدِّلُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنْ

(۱) یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی اس کے بر عکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دنوں برابر۔ اسی طرح کبھی سردی، کبھی گری، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ موسوں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔

(۲) یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا، دوسرے اسکے وارث بنتیں گے، اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اسکے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں ماخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر احادیث میں آتا ہے کہ ”انسان کرتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال، ایک تو وہ ہے جو تو نے کھالی کے ناکردا، دوسرا وہ ہے جسے پن کربو سیدہ کردا اور تیرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔

اسکے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزهد و مسنداً حمداً ۲۲/۳)

(۳) ابن کثیر نے اخذ کافاعل الرسول کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اللہ علیہ السلام سے لیتے تھے کہ خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں سمع و طاعت کرنی ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کافاعل اللہ ہے اور مراد وہ عمد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلا تھا، جو عمد است کھلاتا ہے، جس کا ذکر سورۃ الاعراف ۲۷۲ میں ہے۔

تھاکہ وہ تمہیں ان دھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔
یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔^(۶)
تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرج نہیں
کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک
(تھا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے
فی سبیل اللہ دیا ہے اور قاتل کیا ہے وہ (دو سروں کے)
برابر نہیں،^(۷) بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں
جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔^(۸) ہاں
بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے۔^(۹) جو کچھ تم
کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔^(۱۰)

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ
تعالیٰ اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے

الظُّلُمُتُ إِلَى التُّورٍ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ①

وَمَا لِكُمْ أَلَا اسْتَفْعُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَهُ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۖ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ تَقْتَلَ مِنْ قَبْلِ الْفَجْرِ وَقَاتَلَ
أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً ۗ مَنْ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا
وَكُلًا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ حَمِيرٌ ②

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِيقَهُ لَهُ وَلَهُ
أَجْزَاؤُكُمْ ۝ ③

(۱) فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح کہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح بین کام مصدق اسکھ کرائے مراد لیا ہے۔ بہر حال صلح حدیبیہ یا فتح کہے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرج کرنا اور جہاد میں حصہ لینا، دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دل گردے کا کام تھا؛ جب کہ فتح کہے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت و تعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے سے کمیں زیادہ بہتر ہو گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) کیونکہ پہلوں کا انفاق اور جہاد، دونوں کام نہایت کثیں حالات میں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل و عزم کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف و فضل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں، کیوں کہ مومن اول بھی وہی ہیں اور منافق اول اور مجاهد اول بھی وہی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا، اور اسی بنیاد پر مونوں (صحابہ کرام) نے انہیں احتجاق خلافت میں مقدم رکھا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

(۳) اس میں وضاحت فرمادی کہ صحابہ کرام ﷺ کے درمیان شرف و فضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام ﷺ ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے، جیسا کہ بعض حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں ملقاء کہہ کر انکی تنقیص و باہانت کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تمام صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں

پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے^(۱) (۱۱)

(قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور انکے آگے آگے اور انکے دائیں دوڑ رہا ہو گا^(۲) آج تمیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جنکے نیچے نرس جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔^(۳) (۱۲)

اس دن منافق مردوں عورت ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔^(۴) جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ^(۵) اور روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے اور ان کے درمیان^(۶) ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہو گا۔ اس کے اندر ورنی حصہ میں تو

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَبِأَيْمَانِهِمْ بِئْرَكُوا إِلَيْهِمْ جَمِيعُهُمْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ
فِيهَا ذِلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

يَوْمَ يَقُولُ الظَّافِقُونَ وَالظَّافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا نَظَرُوْنَا
نَقْتَسِّ مِنْ نُورٍ كُلُّ اِجْعُوْدَارٍ كُلُّ اِتِّسُوا نُورًا
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورَةٍ بَأْبَابٍ بَاطِنَهُ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرَهُ
مِنْ قَلِيلِهِ الْعَذَابُ ۝

فرمایا ہے کہ لا تسبوا أَصْحَابِي "میرے صحابہ پر سب و شتم نہ کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احمد پھاڑ جتنا سو نا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مدبلکہ نصف مد کے بھی برابر نہیں"۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

(۱) اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا۔ یہ مال، جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا، یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ وہ اس اتفاق پر اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

(۲) یہ عرصہ محشر میں پل صراط میں ہو گا، یہ نوران کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہو گا، جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہم نے وَبِأَيْمَانِهِمْ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔

(۳) یہ وہ فرشتے کہیں گے جو ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہاں ہوں گے۔

(۴) یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندر ہمرا مسلط فرماؤ گا، اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جا کر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونچی لے کر آؤ، جس طرح ہم لائے ہیں۔ یا استہزا کے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جا کر اسے تلاش کرو۔

(۶) یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔

رحمت^(١) ہو گی اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔^(٢) (١٣)
 یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے
 وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں
 پھسار کھا^(٣) تھا اور انتظار میں ہی رہے اور شک و شبہ کرتے
 رہے^(٤) اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا^(٥)
 یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپنچا^(٦) اور تمہیں اللہ کے
 بارے میں دھوکہ دینے والے نے دھوکے میں ہی رکھا۔^(٧) (١٤)
 الغرض، آج تم سے نہ فدیہ (اور نہ بدله) قبول کیا جائے
 گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کاٹھکنا دوزخ ہے۔ وہی
 تمہاری رفیق ہے^(٨) اور وہ براٹھکانا ہے۔^(٩) (١٥)
 کیا ب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ انکے
 دل ذکرِ الہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے زرم ہو

يُنَادُونَهُمُ الْمُنَّكِنُونَ تَعْكِمُهُمْ قَالُوا بَلْ وَلِكُلُّهُمْ مُتَنَعِّثُونَ إِنْ هُنَّ
 وَتَرَكَصُمُ وَأَرْتَبَثُمُ وَغَرَثُمُ الْأَمَانُ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ
 وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَا ذُرُكُ
 النَّازُّهُ مِنْ مَوْلَكُمْ وَبِئْسَ الْمُصِيرُ ۝

الْمُرْيَانُ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ هَذِهِ قُلُونُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَّلَ
 مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا يَكُونُونَ كَالَّذِينَ أَنْتُوا الْكِتَبَ مِنْ قَبْلِ فَطَالَ

(١) اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔

(٢) یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہو گی۔

(٣) یعنی دیوار حائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے، اور جماد وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے تھے؟

(٤) کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا۔

(٥) کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

(٦) دین کے معاملے میں، اسی لیے قرآن کو مانا نہ دلا کل و مجرمات کو۔

(٧) جس میں تمہیں شیطان نے بتلا کیے رکھا۔

(٨) یعنی تمہیں موت آگئی، یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمہاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

(٩) یعنی اللہ کے طlm اور اس کے قانون اعمال (مللت دینے) کی وجہ سے تمہیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

(١٠) مولیٰ اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا متوالی یعنی ذمے دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمے دار ہے کہ انہیں خت سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہیش ساتھ رہنے والے کو بھی مولیٰ کہہ لیتے ہیں، یعنی اب جہنم کی آگ ہی ان کی یہیش کی ساتھی اور رفیق ہو گی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا پس وہ کافروں کے خلاف غیظ و غصب کاظمار کرے گی۔ یعنی ان کی والی بنے گی اور انہیں عذاب الیم سے دوچار کرے گی۔

جائیں^(۱) اور اسکی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی^(۲) پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزرا تو انکے دل سخت ہو گئے^(۳) اور ان میں بستے سے فاسق ہیں۔^(۴)
لیقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تو تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں
ماکہ تم سمجھو۔^(۵)

پیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں۔ انکے لیے یہ بڑھایا جائے گا^(۶) اور ان کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے۔^(۷)

اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق^(۸) اور شہید ہیں ان کے

عَلَيْهِمُ الرَّمَدُ فَقَسَطُ قُلُوبُهُمْ وَكَثُرُ مِنْهُمْ فَقِيقُونَ^(۹)

إِنَّمَا أَنْهَانَ اللَّهَ بِغَيِّرِ الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا قَذَبَتِ الْأَلْهَامُ الْأَلْيَتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْتَقِلُونَ^(۱۰)

إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَبُوا إِلَيْهِ قَرْضًا حَسَنًا لِيَضْعَفُ
لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَيْفَ يَرَوْهُ^(۱۱)

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُصَدِّقُونَ^(۱۲)
وَالشَّهَدَاءُ أَمْعَنَّ رِزْقَهُمْ لَهُمْ أَجْرٌ هُمْ وَنُورٌ هُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

(۱) خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین کرنا ہے۔ خشوع کے معنی ہیں، لوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا، حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۲) جیسے یہود و نصاری ہیں۔ یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔

(۳) چنانچہ انسوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی، اس کے عوض دنیا کا شمن قلیل حاصل کرنے کو انہوں نے شعار بنا لیا، اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا، اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کر لی اور ان کو اپنارب بنا لیا، مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرو ورنہ تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جوان پر لعنت الہی کا سبب بنے، تمہیں اچھے لگیں گے۔

(۴) یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿فِيمَا أَنْقَضُهُمْ مِّنْ إِيمَانِهِمْ لَعَنْهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَّةً يَحْرِفُونَ الْكَلِمَاتَ عَنْ مَوَاضِعِهِنَّ وَنَسُوا حُظَّاتِهِنَّ دَرْكُ رُؤْيَايَهُ﴾ (المائدۃ - ۱۳)

(۵) یعنی ایک کے بد لے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی اخلاص نیت، حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بیاد پر ہو سکتی ہے۔ جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا، وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے، جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا۔

(۶) یعنی جنت اور اسکی نعمتیں جنکو بھی زوال اور فنا نہیں۔ آیت میں مُصَدِّقِینَ اصل میں مُتَصَدِّقِینَ ہے۔ تاکو صادمین مدغم کر دیا گیا۔

(۷) بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے۔ اور آگے والشہداء کو الگ جملہ قرار دیا ہے صدقہ میت کمال ایمان اور کمال صدقہ و

وَكَذَبُوا إِنَّا أَعْلَمُ بِالْجِبَرِ ۝

لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے، اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اور ہماری آئیتوں کو جھلاتے ہیں وہ جسمی ہیں۔^(۱)
 خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشازی نہ اور آپس میں فخر (وغور) اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرا سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں^(۲) کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے^(۳) اور آخرت میں سخت عذاب^(۴) اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے^(۵) اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور

إِعْلَمُوا أَنَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لِعِبْدٍ وَلَمْ يَوْزِنْهُ وَلَقَاءُ الْآخِرَةِ يَنْكُلُ
 وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأُولَادِ يَنْكُلُ عَيْنُهُ أَعْجَبُ النَّفَرَ
 نَبَّأَنَّهُ تُمَرِّيْهِ فَتَرَهُ مُصْفَرًا لِتَرَيْهُونُ حَطَامًا فِي الْأَرْضِ
 عَدَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ وَمَا الْحَيَاةُ
 الْدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْعَرُورٌ ۝

صفا کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”آدی یہ شیخ بولتا ہے اور پچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے (متفق علیہ مشکوٰۃ کتاب الاداب، باب حفظ اللسان) ایک اور حدیث میں صد یقین کا وہ مقام بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انسیں حاصل ہو گا۔ فرمایا ”جنتی“ اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے چکتے ہوئے مشرق یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، یعنی انکے درمیان درجات کا انداز فرق ہو گا۔ صحابہ نے پوچھا یہ انبیا کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور غیر بیرون کی تصدیق کی۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة وَأَنَهَا مخلوقة) یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا۔ (فتح الباری)

(۱) کُفَّارُ، کسانوں کو کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں چھپانے والے۔ کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور آخرت کا انکار چھپا ہوتا ہے، اس لیے انسیں کافر کہا جاتا ہے۔ اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ بھی زمین میں نج بوتے یعنی انسیں چھپا دیتے ہیں۔

(۲) یہاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی بھل لگتی ہے، کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زورو ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زیب و زینت، مال اور اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل بھاتی ہیں۔ لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی ہے، اس کو بھی ثبات و قرار نہیں۔

(۳) یعنی اہل کفر و عصيان کے لیے، جو دنیا کے کھیل کو دیں ہی مصروف رہے اور اسی کو انہوں نے حاصل زندگی سمجھا۔

(۴) یعنی اہل ایمان و طاعت کے لیے، جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا، بلکہ اسے عارضی، فانی اور دار الامتحان

کچھ بھی تو نہیں۔^(۱)

(۲۰) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف^(۲) اور اس

جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت

کے برابر ہے^(۳) یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور

اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے

جسے چاہے دے^(۴) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔^(۵)

(۲۱) نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے^(۶) نہ (خاص) تمہاری

جانوں میں،^(۷) مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ

ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے،^(۸) یہ (کام) اللہ

تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔^(۹)

تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو

سَأَبْعُدُكُمْ إِلَى مَعْفَرٍ وَمِنْ رَبِّكُمْ وَجَهَةٌ عَرَضَهَا كَعْرُضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لِأَعْدَادٍ لِلَّذِينَ أَمْنَأْتُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتَى هُوَ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ^(۱۰)

مَا أَصَابَكُمْ مُّصِيبَةٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَقْصِيَّكُمْ إِلَّا فِي كِتْبٍ مِّنْ

مَقْبُلٍ أَنْ تَبْرَأُوا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَعْلَمُ^(۱۱)

لَكُنَّا لَنَا سَوْاعِلٌ مَا فَاتَنَا لَمْ وَلَا نَفَرْخُوا إِنَّمَا أَتَنَا لَمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ

سچھتے ہوئے اللہ کی ہدایات کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔

(۱) لیکن اس کے لیے جو اس کے دھوکے میں بٹلارہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس نے اس حیات دنیا کو طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

(۲) یعنی اعمال صالحہ اور توبۃ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔

(۳) اور جس کا عرض اتنا ہو، اس کا طول کتنا ہو گا؟ کیونکہ طول عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

(۴) ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالح کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔

(۵) وہ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل فرماتا ہے، جس کو وہ کچھ دے، کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جو اد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔

(۶) مثلاً نقط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی و سماوی۔

(۷) مثلاً بیماریاں، تعجب و تکان اور تنگ وستی وغیرہ۔

(۸) یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باعیں لکھ دیں ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَدَرَ اللَّهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةً (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسی علیہما السلام)، ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں۔“

غُنَّاٹل فِنُور ۳۳

اللَّهُ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَمِيدُ ⑩

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا إِلَيْهِمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ
وَالْمُبَيِّنَاتِ لِيَقُومُ النَّاسُ بِالْقُضَطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَوْيَدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَوِيدٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ
يَنْصُرُهُ وَرَسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ⑤

یقیناً، ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا^(۲) تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہے کو اتارا^(۳) جس میں سخت ہیبت و قوت ہے^(۴) اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں^(۵) اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھئے کون کرتا

(۱) یہاں جس حزن اور فرح سے روکا گیا ہے، وہ وہ غم اور خوشی ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے، ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا، یہ ایک فطری عمل ہے۔ لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی میثت اور تقدیر ہے۔ جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور راحت پر، اتراتا نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ کہ مذہب کی بنیاد سے کافی نہ ہے۔ لیکن بخشش کا فضلا کیا ہے۔

(۲) یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے کیونکہ اصل بخل بھی ہے:-

(۳) میزان سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ ترازو کیا ہے، ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے، ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو قتل کر لوارا یورا جائز ہے۔

(۳) یہاں بھی اتارا پیدا کرنے اور اس کی صنعت کھانے کے معنی میں ہے۔ لوہ سے بے شار چیزیں بنتی ہیں، یہ سب اللہ کے اس الہام و ارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔

(۵) یعنی لوہے سے جنگلی ہتھیار بنتے ہیں۔ جیسے تکوار، نیزہ، بندوق اور اب ایٹم، تو پیس، جنگلی جہاز، آبدوزیں، گنس، راکٹ اور مینک وغیرہ بیٹھار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔

(۶) یعنی جنگلی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں، جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام میں آتی ہیں، جیسے چھڑیاں، چاتو، قینچی، ہتھوڑا، سوئی، زراعت، نجارت، (بڑھتی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی بے شمار مشینیں اور سازو سامان۔

ہے،^(۱) بیشک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔^(۲)
 بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو (پیغمبر بنارک)
 بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب
 جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان
 میں سے اکثر بست نافرمان رہے۔^(۳)

ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے
 اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور انہیں
 انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں
 شفقت اور رحم پیدا کر دیا^(۴) ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان
 لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی^(۵) ہم نے ان پر اسے واجب

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَيْهِمْ وَجَعْلَنَا فِي ذِي مَهْمَةِ الْبَيْتَةِ
 وَالْكِتَبَ فِيهِمْ مُهَمَّدٌ وَكَيْرٌ مِنْهُمْ فِيسُونَ^(۶)

ثُقُوقَقِيَّتِنَا عَلَى إِنَّا هُمْ بِرُسُلِنَا وَقَيْنَانِ عِيْنَى إِنْ مَرَّهُ وَأَتَيْنَاهُ
 الْأَنْهَى إِنَّا هُوَ جَعْلَنَا فَلَوْلَى الَّذِينَ اتَّبَعُوا رَأْفَةَ وَرَحْمَةِ
 وَرَهْبَانِيَّةَ لَمْ يَتَدْخُلُوهَا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمُ الْأَنْتِقَادَرِ ضَوَانَ
 اللَّهُو فَمَارَعَهُ حَاقِ رِعَايَتِهَا فَاتَّيْنَا الَّذِينَ امْتَوْا مِنْهُمْ

(۱) یہ لِيَقُومَ پر عطف ہے۔ یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو
 دیکھے بغیر، ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

(۲) اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں، بلکہ وہ چاہے تو اس
 کے بغیر ہی ان کو غالب فرمادے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے، تاکہ اس طرح
 وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے متحقق بن جائیں۔

(۳) رَأْفَةَ، کے معنی نزی اور رحمت کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
 حواری ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
 ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ رُحَمَاءَ بَيْتَهُمْ۔ یہود، آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم
 خوار نہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

(۴) رَهْبَانِيَّةُ رَهْبَبُ (خوف) سے ہے یا رہبانی (درویش) کی طرف منسوب ہے اس صورت میں رے پر پیش رہے گا، یا اسے
 رہبند کی طرف منسوب مانا جائے تو اس صورت میں رے پر زبر ہو گا۔ رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے یعنی دنیا اور علاقہ دنیا
 سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرائیں جا کر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسے
 بادشاہ ہوئے جنہوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی، جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے بادشاہوں کے ذر
 سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا، جسکی بنیاد اضطرار پر تھی۔ لیکن انکے بعد آنے والے بہت سے
 لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقليد میں اس شریدری کو عبادت کا ایک طریقہ بنالیا اور اپنے آپ کو گرجاؤں اور معبدوں
 میں محبوس کر لیا اور اسکے لیے علاقہ دنیا سے انتظام کو ضروری قرار دے لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداع (خود گھرنے) سے تعبیر فرمایا ہے۔

نہ کیا^(۱) تھا سوئے اللہ کی رضا جوئی کے۔^(۲) سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی،^(۳) پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا جروا^(۴) اور ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔^(۲۷)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاو اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دو ہرا حصہ دے گا^(۵) اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا، اللہ بخشنے والا امریان ہے۔^(۲۸)

یہ اس لیے کہ اہل کتاب^(۶) جان لیں کہ اللہ کے فضل کسی حصے پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ (سارا) فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے، اور اللہ ہے، ہی بڑے فضل والا۔^(۲۹)

أَجْرُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ قَبِيلُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا دَعَوُا اللَّهَ وَآمَنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتَكُمْ كَفَلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَعْلَمَ الَّذِي وُرِثَ إِيمَانُكُمْ بِهِ وَيَعْلَمُ الَّذِي وَاللَّهُ عَفْوٌ رَحِيمٌ ۝

إِنَّمَا يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابَ الَّذِي يَعْدِرُونَ عَلَىٰ سَمْعِهِ فَقْدٌ فَضْلُ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمُ ۝

(۱) یہ کچھ بات ہی کی تاکید ہے کہ یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

(۲) یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضا جوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجیح اس کا ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کی رضا حلش کرنے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ اللہ کی رضا، دین میں اپنی طرف سے بدعاں ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہو۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہو گی۔

(۳) یعنی گو انہوں نے مقصد اللہ کی رضا جوئی بتلایا، لیکن اس کی انہوں نے پوری رعایت نہیں کی، ورنہ وہ ابتداع (بدعت ایجاد کرنے) کے بجائے اتباع کا راستہ اختیار کرتے۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جو دین عیسیٰ پر قائم رہے تھے۔

(۵) یہ دگنا اجر ان اہل ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمهه و اهله و صاحب مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان بر رسالة نبینا) ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انہیں دو گنا اجر ملے گا، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے، تفسیر ابن کثیر)

(۶) لِنَلَّا مِنْ لَازِمَدْ ہے اور معنی ہیں لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ أَنْ يَتَالُوا شَيْئًا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (فتح القدير)

شُورَةُ الْمُجَادَلَةِ

سورہ مجادلہ مدنی ہے اور اس میں بائیس آیتیں اور
ٹین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجوہ سے اپنے
شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے
شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب
سن رہا تھا،^(۱) پیش کر اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔^(۲)

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظمار کرتے ہیں (یعنی
انہیں ماں کہہ دیتے ہیں) وہ دراصل ان کی ماں نہیں بن
جاتیں، ان کی ماں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا
ہوئے،^(۲) یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کرتے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِيْ بَجَادَ لَكَ فِيْ رَوْجَهَا وَ
تَشْتَكِيْ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ حَافِدَهُنَّا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

الَّذِينَ يُظْهِرُونَ مُنْكَرَهُنَّ يَسْأَلُهُمْ نَاهُنَّ أَمْلَقُهُمْ إِنَّ أَنْفُسَهُمْ
إِلَّا إِلَيْهِمْ وَلَدُهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَدُرُورًا فِي
إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ عَفُورٌ

(۱) یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن عطیہ رض کے واقعہ کی طرف، جن کے خاویں حضرت اوس بن صامت
بن شیخ نے ان سے ظمار کر لیا تھا، ظمار کا مطلب ہے، بیوی کو یہ کہ دینا آئتِ عَلَيَّ كَظَفَرٍ أُمِّيْنِ (تو تجوہ پر میری ماں کی پیشہ
کی طرح ہے) زمانہ جاہلیت میں ظمار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رض سخت پریشان ہوئیں اس وقت تک اس
کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ توقف
فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں مسئلہ ظمار اور اس کا حکم و
کفارہ بیان فرمادیا گیا۔ (ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظہار، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ
کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجادلہ کرتی اور
اپنے خاویں کی شکایت کرتی رہی، مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھیں۔ لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی،
(سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية۔ صحیح بخاری میں بھی تعلیقاً اس کا مختصر ذکر ہے۔

كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى و كان الله سميعا بصيرا

(۲) یہ ظمار کا حکم بیان فرمایا کہ تمہارے کہہ دینے سے تمہاری بیوی تمہاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر ماں کے بجائے کوئی
شخص اپنی بیٹی یا بیٹا وغیرہ کی پیشہ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظمار ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اے

ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔^(۱) جو لوگ اپنی بیویوں سے ظمار کریں پھر اپنی کوئی ہوئی بات سے رجوع کر لیں^(۲) تو ان کے ذمہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے^(۳) ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کے ذریعہ تم نصیحت کیے جاتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔^(۴)

ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمہ دو مینوں کے لگاتار روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہواں پر سانحہ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی حکم برداری کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیس ہیں اور

وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَاءِهِمْ ثُمَّ يَأْوِونَ لِمَا قَاتَلُوا
فَتَحِيرُونَ رَبَّةَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَكَبَّسَ أَذْلَكُهُ تُوعَذُونَ بِهِ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ مَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ⑦

فَمَنْ لَمْ يَعِدْ فَصَيَامُ شَهْرٍ مُّتَّابِعَيْنَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَكَبَّسَ
فَمَنْ لَمْ يَسْطِعْ فَاطَّاعَمُ بِسْتِينَ صِنْكِنَةً ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوا لِلَّهِ
وَرَسُولِهِ وَتَلَكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكُفَّارِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑧

بھی ظمار قرار دیتے ہیں، جب کہ دوسرے علماء سے ظمار تسلیم نہیں کرتے۔ (پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ پیٹھ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تمیری ماں کی طرح ہے، پیٹھ کا نام نہ لے۔ تو علمائے ہیں کہ اگر ظمار کی نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کے گاتو ظمار ہو گا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابو حیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظمار نہیں ہو گا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ ظمار صرف پیٹھ کی طرح کرنے سے ہی ہو گا۔ (فتح القدر)

(۱) اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکرا اور جھوٹ کی معانی کا ذریعہ بنادیا۔

(۲) اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے، بیوی سے ہم بستری کرنا چاہیں۔

(۳) یعنی ہم بستری سے پہلے وہ کفارہ ادا کریں۔ ۱۔ ایک غلام آزاد کرنا۔ ۲۔ اس کی طاقت نہ ہو تو پے در پے بلانگہ دو مینے کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مینے کے روزے رکھنے پڑیں گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابو حیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ ۳۔ اگر پے در پے دو مینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو سانحہ مسکین کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد (نصف صاع یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں ایک مد کافی ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقتاط میں یہ تعداد پوری کی جاسکتی ہے۔ (فتح القدر) تاہم یہ ضروری ہے جب تک یہ تعداد پوری نہ ہو جائے، اس وقت تک بیوی سے ہم بستری جائز نہیں۔

کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۴)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذیل کیے جائیں^(۱) گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذیل کیے گئے تھے،^(۲) اور بیشک ہم واضح آئیں اتار کے ہیں اور کافروں کے لیے تو زلت والاعذاب ہے۔^(۵)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو انھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا، جسے اللہ نے شمار رکھا ہے اور جسے یہ بھول گئے تھے،^(۳) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔^(۶)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے^(۷) جہاں بھی وہ ہوں،^(۸) پھر قیامت کے دن

إِنَّ الَّذِينَ يُحَاجُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِّرُوا إِمَامَيْتَ الْجَنَّةِ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْتَمَا بَيْتَنَا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ

يَوْمَ يَعْثُمُ الْأَلْهَمُ جَمِيعًا فَيَنْتَهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْسَنَهُمْ وَنَسُوكُهُمْ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

الْغَرْبَةَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يَكُونُ مِنْ تَجْوِيْهِ شَيْءٌ إِلَّا مُؤْرَثٌ لَّهُمْ وَالْخَسْنَةُ إِلَّا مُؤْسَدُهُمْ وَلَا أَذْنِي مِنْ ذَلِكَ وَلَا الْغَرْبَةُ إِلَّا مُؤْمَنُهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا نَمِيَّتْهُمْ ثُمَّ يَنْتَهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(۱) کُبِّرُوا، ماضی مجول کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین کہہ بدروالے دن ذیل کیے گئے، کچھ مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نمایت ذلت تھا۔

(۲) اس سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

(۳) یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع ہے کہ ان کا احصا بظاہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمہیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔

(۴) اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تاکید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

(۵) یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

(۶) خلوت میں ہوں یا جلوت میں، شرسوں میں ہوں یا جنگل صحراؤں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں بیابانوں

انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرنے گا^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ
ہر چیز سے واقف ہے۔^(۲)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کاناپھوسی سے
روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ
کرتے ہیں^(۳) اور آپس میں گناہ کی اور ظلم و زیادتی کی
اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں^(۴) اور جب
تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے
ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا^(۵) اور اپنے
دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں
سزا کیوں نہیں دیتا،^(۶) ان کے لیے جنم کافی (سزا) ہے

اللَّهُ تَرَأَى الَّذِينَ هُوَا عَنِ الْجَعْوَى تُؤْمِنُونَ لِمَا يَهْوَى عَنْهُ
وَيَنْهَا عَنِ الْإِثْمِ وَالْعُدُوَانِ وَمَعَصِيَتِ الرَّسُولِ وَذَادَ إِذْنَهُ
حَتَّىٰ وَهِيَ مَا فِي يَدِكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يَعْذِبُنَا
اللَّهُ بِمَا نَفَعُوا حَسْبَهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلُوْنَهَا بِمِنْسَ الْعَصِيرِ ۝

اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

(۱) یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزادے گا۔ نیک کو اس کی نیکیوں کی جزا اور بد کو اس کی بدیوں کی سزا۔

(۲) اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کاناپھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں، یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا ہے، جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زده ہو جاتے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کروار کو بیان کیا جا رہا ہے۔

(۳) یعنی ان کی سرگوشیاں یہی اور تقویٰ کی یا توں میں نہیں ہوتیں، بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی ہوتی ہیں مثلاً کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی، ایک دوسرے کو رسول ﷺ کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔

(۴) یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتایا کہ تم السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، کوئی لیکن یہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کے بجائے کہتے السلام عَلَيْكُمْ یا عَلَيْكَ (تم پر موت وارد ہو) اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے۔ وَعَلَيْكُمْ یا وَعَلَيْكَ (اور تم پر ہی ہو) اور مسلمانوں کو بھی آپ ﷺ نے تائید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمہیں سلام کرے تو تم جواب میں «عَلَيْكَ» کہا کرو یعنی عَلَيْكَ مَا قُلْتَ (تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ پر ہی وارد ہو) (اصحیح بخاری و مسلم، کتاب الأدب، باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا)۔

(۵) یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہو تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس فتح حرکت پر ہماری گرفت

جس میں یہ جائیں گے،^(۱) سو وہ براٹھ کنا ہے۔^(۸)

اے ایمان والو! تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم (زیادتی) اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں،^(۲) بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں پر سرگوشی کرو^(۳) اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔^(۹)

(بری) سرگوشیاں، پس شیطانی کام ہے جس سے ایمان داروں کو رنج پہنچے۔^(۴) لگو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہ انسیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔^(۵)

اے مسلمانو! جب تم سے کما جائے کہ مجلسوں میں ذرا

لَا يَأْتِيهَا الَّذِينَ أَمْنَوْلَاذَا أَسْبَحْتُمْ فَلَا تَنْتَاجُوا إِلَيْنَا
وَالْعُدُوَانَ وَمَعْصِيَتَ الرَّسُولِ وَتَنَاجِوْا بِالْبَرِّ وَالْتَّغْوِيَةِ
وَأَنْقُوْاللَهُ الَّذِي إِلَيْنَا تُحْثَرُونَ ۝

إِنَّمَا الْجُنُوْنُ مِنَ الشَّيْطَنِ لِيَحْرُّنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَ
بُصَّارُهُمْ سَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَسْتَوْكِلُ
الْمُؤْمِنُونَ ۝

لَا يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُواذَا قِيلَ لَكُمْ نَفَّحَوْا فِي الْمَجَlisِ

ضرور فرماتا۔

(۱) اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغ کے تحت دنیا میں ان کو فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ آخرت میں جنم کے عذاب سے بھی نجاح جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جنم ان کی منتظر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔

(۲) جس طرح یہود اور منافقین کا شیوه ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کما جا رہا ہے۔ کہ اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں پچے ہو تو تمہاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اثم وعدوں پر نہیں ہونی چاہیں۔

(۳) یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔

(۴) یعنی اثم وعدوں اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہیں، کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم و حزن میں بتلا کرے۔

(۵) لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں، مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو، اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، نہ کہ یہود اور منافقین، جو تمہیں تباہ و بریاد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سلسلے میں ہی مسلمانوں کو ایک اخلاقی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ جب تم تین آدمی اکٹھے ہو، تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں، کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال دے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب إِذَا كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةَ فَلَا يَأْتِي مَسَارَةً وَالْمُنَاجَاةَ، صحیح مسلم کتاب السلام، باب تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث بغير رضاهم، البت اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا، کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہو گا۔

کشاوگی پیدا کرو تو تم جگہ کشاوہ کر دو^(۱) اللہ تمیں کشاوگی دے گا^(۲) اور جب کما جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ^(۳) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا^(۴) اور اللہ تعالیٰ (ہر اس کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے۔^(۵)

اے مسلمانو! جب تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو^(۶) یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر

فَإِذْ هُوَ يَقْسِمُ إِلَيْهِ الْكُنْدُرَاتِ إِذَا أَتَاهُنَّهُنَّ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِنَّ إِنَّمَا أَنْوَاعُهُنَّ
الَّذِينَ أَنْوَاعُهُنَّ وَالَّذِينَ أَنْوَاعُهُنَّ أُولَئِكُمُ الظَّالِمُونَ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ^(۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقُرْآنَ مُؤْمِنَيْنَ يَدَيْ
بَعْثُوكُمْ صَدَقَةٌ مُّذَلَّكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ
فَإِنَّمَا يَنْهَا دُنْعَةٌ لَّهُمْ فَإِنَّمَا يَنْهَا دُنْعَةٌ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۸)

(۱) اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے، جو ہر اس مجلس کو شامل ہے، جس میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسیر القرطبی) ”کھل کر بیخو“ کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ و سیع رکھو ہا کہ بعد میں آئے والوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ رہے۔ دائرة نگہ مت رکھو کہ بعد میں آئے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ دونوں باتیں ناشائستہ ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ”کوئی شخص، کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھئے، اس لیے مجلس کے دائیرے کو فراخ اور وسیع کرلو۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب لا یقیم الرجل أخاه يوم الجمعة ويقعد في مكانه. وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه المباح الذي سبق إليه)

(۲) یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمیں جنت میں وسعت و فراغی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراغی کے طالب ہو گے، مثلاً مکان میں، رزق میں، قبر میں۔ ہر جگہ تمیں فراغی عطا فرمائے گا۔

(۳) یعنی جہاد کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کما جائے، تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابہ کرام رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

(۴) یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رفع درجات کا باعث ہے۔

(۵) ہر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا، جس سے نبی صلی اللہ

ہے،^(۱) ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بخششے والا صربان ہے۔^(۲) کیا تم اپنی سرگوشی سے پسلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟ پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں معاف فرمادیا^(۳) تو اب (جنوبی) نمازوں کو قائم رکھو زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو۔^(۴) تم جو کچھ کرتے ہو اس (سب) سے اللہ (خوب) خبردار ہے۔^(۵)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غلبناک ہو چکا ہے،^(۳) نہ یہ (مناقف) تمہارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں^(۴) باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر فتیمیں کھا رہے ہیں۔^(۵)

وَأَشْفَقُتُمْ أَنْ تَعْدِي مُوَابِينَ يَدَى نَجْوَبِكُمْ صَدَقَتِ فَإِذْلَمْ
تَعْلَمُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَارْقَمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزَّكُوْةَ
وَأَطْلِمُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ لِمَا تَعْمَلُونَ ١٢

الْفَرِسَارَىٰ الَّذِينَ تَوَلُوا فَوْمَا عَصَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ نَاهِمْ مُشَكَّرٌ وَلَا
مُنْتَهٌ وَيَعْلَمُونَ عَلَى الْكَبِيرِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

علیہ وسلم کو خاصی تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلا وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات میں مصروف رہتے تھے، جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے، اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا، تاکہ آپ ﷺ سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ ملکنی ہو۔

(۱) بہتر اس لیے کہ صدقے سے تمہارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہو گا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ ایک عمل صالح اور اطاعتِ الٰہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور استحباب کے تھا، واجب کے لیے نہیں۔

(۲) یہ امر گواستھا تھا، پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرمادیا۔

(۳) یعنی فرائض و احکام کی پابندی، اس صدقے کا بدل بن جائے گی، جسے اللہ نے تمہاری تکلیف کے لیے معاف فرمادیا ہے۔

(۳) جن پر اللہ کا غصب نازل ہوا، وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

(۵) یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں۔ پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔

(۶) یعنی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کرتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے اکے رابطے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے،^(۱)
تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں۔^(۱۵)

ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۲) اور
لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں^(۳) ان کے لیے رسوا
کرنے والا عذاب ہے۔^(۴)

ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں
گی۔ یہ تو جنسی ہیں ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔^(۵)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح
تمارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی
قسمیں کھانے لگیں گے^(۶) اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی
(دلیل) پر ہیں،^(۷) ایقیناً مانو کہ بیشک وہی جھوٹے ہیں۔^(۸)

ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے،^(۹) اور انہیں اللہ
کا ذکر بھلا دیا ہے^(۱۰) یہ شیطانی لشکر ہے۔ کوئی شک نہیں

أَعْذَّ اللَّهُ أَكْمَمَ عَنْلَبَا شَدِيدُ الْأَنْتُمْ سَاءُمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(۱۱)

إِنَّهُنَّ وَآتِيَّا هُنْ جُنَاحٌ فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَأَهْمَمُ عَذَابَ
مُهِمَّٰنٍ^(۱۲)

لَنْ تَعْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَذْوَافُهُمْ مِنَ الْأَنْوَشِينَ أُولَئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ قِيمًا خَلِدُونَ^(۱۳)

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَعْلَمُونَ لَهُ كُمَا يَغْلِفُونَ لَكُمْ
وَهَسْبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ لَا إِنْتَهُمْ هُمُ الظَّالِمُونَ^(۱۴)

إِسْتَخْوَذُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ

(۱) یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

(۲) آئیماں، یمین کی جمع ہے۔ بمعنی قسم۔ یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کر لیا جاتا ہے۔
اسی طرح انہوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کی تواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں؛ جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں
حقیقت و اتحیہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے غرے میں آکر قبول اسلام سے محروم رہتے ہیں۔ اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے
راتے سے روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کی بد بختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن، جمال کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے
سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوخ چشمانہ جارت کریں گے۔

(۵) یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقت طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھایتے تھے، وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی
قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔

(۶) آسٹخوڈ کے معنی ہیں گھیر لیا، اھاط کر لیا، جمع کر لیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کر لیا، کیا جاتا ہے کہ غلبے میں
یہ سارے مفہوم آجائتے ہیں۔

(۷) یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کر دیا ہے اور جن چیزوں سے اس

کہ شیطانی لشکر ہی خارے والا ہے۔^(١)
 پیش ک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ
 مخالفت کرتے ہیں^(٢) وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں
 میں ہیں۔^(٣)
^(٤)

اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے^(٥) کہ پیش میں اور میرے
 پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور
 غالب ہے۔^(٦)

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو
 آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں
 سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے^(٧) گوہ ان کے
 باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے)

الشَّيْطَنُ أَكْثَرُ حُزْبَ الشَّيْطَنِ هُمُ الظَّالِمُونَ^(٨)

إِنَّ الَّذِينَ يُحَاذِدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِينَ^(٩)

كَتَبَ اللَّهُ لِأَغْلِبِنَّ أَنَا وَرَسُولِي إِنَّ اللَّهَ تَوَيِّنُ عَزِيزٌ^(١٠)

لَا يَعْدُ تَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمَ الْآخِرِ يُؤْمِنُونَ مَنْ حَادَ اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا أَبْيَاءٍ هُمْ أَذْبَانَهُمْ أَفَلَا خَوَافِنَهُمْ أَوْ عَيْنَاهُمْ
 أُولَئِكَ كَتَبَ فِي ثُلُوبِهِمُ الْأَيْمَانَ وَأَيْمَانُهُمْ بِرُوقِهِ مِنْهُ وَيَنْخَلِفُونَ

نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کرواتا ہے، انہیں خوب صورت دکھلا کر، یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمباو اور
 آرزوں میں مبتلا کر کے۔

(۱) یعنی کامل خارہ انسی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خارے میں ہی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ
 انسوں نے جنت کا سوداگری لے کر کر لیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔

(۲) مُحَاذَةٌ ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنامایت مشکل ہو گویا دونوں دو کناروں
 (حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے
 دربان اور پہرے دار کو بھی حداد کہا جاتا ہے۔ (فتح القدير)

(۳) یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول ﷺ کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انہیں
 اہل زلت میں ہو گا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی زلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(۴) یعنی لقدری اور لوح محفوظ میں، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ مضمون سورہ مؤمن، ۵۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جب یہ بات لکھنے والا، سب پر غالب اور نہایت زور آور رہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے؟
 مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر حکم اور امر مبرم ہے۔

(۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول
 ﷺ کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ رسول ﷺ کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں
 جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً آل عمران، ۲۸۔ سورہ توبہ، ۲۳ وغیرہ۔

کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔^(۱) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا^(۲) ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی^(۳) ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نرس بسہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں^(۴) یہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو پیشک اللہ کے

جَئِتْ تَعْبُرِي مِنْ تَعْبِتِهَا الْأَنْهُرُ خَلِدِينَ فِيهَا رُضَى اللَّهِ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُمْ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ الْآلَاءُ حِزْبُ اللَّهِ هُمُ
الْمُقْلِبُونَ^(۵)

(۱) اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، ابوت، بنوت، اخوت اور خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام صلوات اللہ علیہ و آله و سلم نے عملًا ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنے چچا، ماں اور دیگر رشتہ داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و تواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قبل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ تو حضرت عمر رض نے مشورہ دیا تھا کہ ان کا فرقیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتہ دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر رض کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ آنفال، ۷۶ کا حاشیہ)

(۲) یعنی راخ اور مضبوط کر دیا ہے۔

(۳) روح سے مراد اپنی نصرت خاص، یا نور ایمان ہے جو انہیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

(۴) یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابہ کرام صلوات اللہ علیہ و آله و سلم، ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز و اقارب سے ناراض ہو گئے، حتیٰ کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بد لے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نواز دیا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز، رضی اللہ عنہم و رضوانہ۔ اگرچہ خاص صحابہ کرام صلوات اللہ علیہ و آله و سلم کے بارے میں نازل نہیں ہوا ہے، تاہم وہ اس کا مصدق اولین اور مصدق اتم ہیں۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا (دعائیہ جملے کے طور پر) اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اہل سنت نے ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر، ان کو صحابہ کرام صلوات اللہ علیہ و آله و سلم اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے بولنا، لکھنا جائز قرار نہیں دیا ہے۔ یہ گویا شعار ہیں۔ رضی اللہ عنہم، صحابہ کے لیے اور علیہم الصلوٰۃ والسلام انبیاء کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمۃ اللہ علیہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو، یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک دعا یہ کلمہ ہے جس کے

گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔^(۱) (۲۲)

سورہ حشر مدنی ہے اور اس میں چوبیں آئیں اور
تین رکوع ہیں۔

سُورَةُ الْحَشْرِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آسانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی
ہے، اور وہ غالب باحکمت ہے۔^(۱)

سَبَّحَ اللَّهُ مَا فِي الْأَهْمَالِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْحَكْمِ^(۱)

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان
کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکلا،^(۲) تمہارا گمان

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الظَّمَانِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ
لَا قَلِيلَ الْمُشْرِكُمَا ظَاهِرُهُمْ أَنْ يَكْفُرُجُوا وَظَاهِرُهُمْ تَنَاهُعُهُمْ حُصُونُهُمْ

ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں۔ لیکن ان کا استعمال مردوں کے لیے خاص ہو چکا ہے۔ اس لیے اسے زندہ کے
لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

(۱) یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہو گا، دوسرے ان کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے، جیسے وہ فلاح سے بالکل
محروم ہیں، جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔

☆۔ یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنو نصیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اسے سورۃ النصیر بھی کہتے ہیں۔

صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحشر

(۲) مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، بنو نصیر، بنو قریظ اور بنو قینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی صلی
الله علیہ وسلم نے ان سے معابدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ درپرده ساز شیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے
خلاف رابطہ رکھا، حتیٰ کہ ایک موقع پر جب کہ آپ ﷺ کو مارڈانے کی سازش تیار کی، جس سے وحی کے ذریعے سے
علیہ وسلم پر اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو مارڈانے کی سازش تیار کی، جس سے وحی کے ذریعے سے
آپ ﷺ کو بروقت اطلاع کر دی گئی، اور آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عمد تکنی کی وجہ
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لٹکر کشی کی، یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے، بالآخر انہوں نے جان
بخشی کی صورت میں جلاوطنی پر آمادگی کا اطمینان کیا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اسے اول حشر (پہلی
بار اجتماع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی جلاوطنی تھی، جو مدنی سے ہوئی، یہاں سے یہ خبر میں جا کر مقیم ہو گئے،
وہاں سے حضرت عمر بن اثر نے اپنے دور میں انہیں دوبارہ جلاوطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا، جہاں کہتے ہیں کہ تمام
انسانوں کا آخری حشر ہو گا۔

(بھی) نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود (بھی) سمجھ رہے تھے کہ ان کے (عکین) قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچائیں گے^(۱) پس ان پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے آپرا کہ انہیں گمان بھی نہ تھا^(۲) اور ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا^(۳) وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اجازہ رہے تھے^(۴) اور مسلمانوں کے ہاتھوں (بریاد کروا رہے تھے)^(۵) پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔^(۶)

اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا

فِنَّ اللَّهُوْ فَآتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَدْ فَرَقَ فَلَوْيَهُ الرُّحْبَ بِعَوْنَوْنَ بِعَوْنَهُ يَا لَيْلَهُمْ وَأَنَيْلَهُ الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَدْرُوا إِنَّا فِي الْأَبْصَارِ

۲

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَبَهُمْ فِي الدُّنْيَا

(۱) اس لیے کہ انہوں نے نہایت مضبوط قلعے تعمیر کر کے تھے جس پر انہیں گھمنڈ تھا اور مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ اتنی آسانی سے یہ قلعے فتح نہیں ہو سکیں گے۔

(۲) اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

(۳) اس رعب کی وجہ سے ہی انہوں نے جلاوطنی پر آمادگی کا اطمینان کیا، ورنہ عبد اللہ بن ابی (رئیس المناقیب) اور دیگر لوگوں نے انہیں پیغامات بھیجے تھے کہ تم مسلمانوں کے سامنے جھکنا نہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ علاوه ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ خصوصی وصف عطا فرمایا تھا کہ دشمن ایک میسینے کی مسافت پر آپ ﷺ سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اس لیے سخت دہشت اور گھبراہٹ ان پر طاری ہو گئی۔ اور تمام تر اسباب وسائل کے باوجود انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صرف یہ شرط مسلمانوں سے منوائی کہ جتنا سامان وہ لاد کر لے جاسکتے ہیں انہیں لے جانے کی اجازت ہو، چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے اور شہریہ تک اکھیڑا لے ہاکہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

(۴) یعنی جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب جلاوطنی ناگزیر ہے تو انہوں نے دوران محاصرہ اندر سے اپنے گھروں کو بریاد کرنا شروع کر دیا ہاکہ وہ مسلمانوں کے بھی کام کے نہ رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سامان لے جانے کی اجازت سے پورا فائدہ انھانے کے لیے وہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جاسکتے تھے، اپنے گھر ادھیڑ کر وہ سامان انہوں نے اونٹوں پر رکھ لیا۔

(۵) باہر سے مسلمان ان کے گھروں کو بریاد کرتے رہے ہاکہ ان پر گرفت آسان ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ادھیڑے ہوئے گھروں سے بقیہ سامان نکالنے اور حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو مزید تحریب سے کام لینا پڑا۔

(۶) کہ کس طرح اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ دراں حایکہ وہ ایک نہایت طاقت ور اور بادسائل قبیلہ تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملت عمل ختم ہو گئی اور اللہ نے اپنے مؤاذنے کے شکنے میں کئے کافی حلہ کر لیا تو پھر ان کی اپنی طاقت اوروسائل ان کے کام آئے نہ دیگر اعوان و انصار ان کی کچھ مدد کر سکے۔

تو یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب دیتا،^(۱) اور آخرت میں
(تو) ان کے لیے آگ کا عذاب ہے ہی۔^(۲)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول
کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ
تعالیٰ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے۔^(۳)

تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم
نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے
فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ
رسوا کرے۔^(۴)^(۵)

اور ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا
ہے جس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ
اوٹ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر
دیتا ہے،^(۶) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔^(۷)

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ أَلِيمٌ

ذَلِكَ يَا نَعَمُ شَأْفُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ يُشَاقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ

مَا قَطْعَنَّ مِنْ لَيْلَةٍ أَوْ رَكَّمُوا قَاهِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَإِذَا دَأَنَ اللَّهُ
فَلِيُخْزِنَ الظَّمَانِ

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ حَلَّ رَسُولُهُ وَمَنْ هُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ
وَلَأَرْكَابٍ وَلِكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مَا لِلَّهِ عَلَى
هُنَّ شَئِيْقَدِيرُو

(۱) یعنی اللہ کی تقدیر میں پسلے سے ہی اس طرح ان کی جلاوطنی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں ہی سخت عذاب سے دوچار کر دیا جاتا، جیسا کہ بعد میں ان کے بھائی یہود کے ایک دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کو ایسے ہی عذاب میں جتلایا گیا کہ ان کے جوان مردوں کو قتل کر دیا گیا، دوسروں کو قیدی بنالیا گیا اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے غیرمت بنا دیا گیا۔

(۲) لَيْلَةٍ، کھجور کی ایک قسم ہے، جیسے عجوہ، بربنی وغیرہ کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ یا عام کھجور کا درخت مراد ہے۔ دوران محاصرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگادی، کچھ کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیئے۔ جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا۔ اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں، وہ تمہارے اموال و جائیداد میں جس طرح چاہیں، تصرف کرنے پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی کی تصویب فرمائی اور اسے یہود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔

(۳) بنو نضیر کا یہ علاقہ، جو مسلمانوں کے قبیلے میں آیا، مدینے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا، یعنی مسلمانوں کو اس کے لیے لمبا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یعنی اس میں مسلمانوں کو اوٹ اور گھوڑے دوڑانے نہیں پڑے۔ اسی طرح لڑنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور صلح کے ذریعے سے یہ علاقہ فتح ہو گیا، یعنی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بغیر لڑے ان پر غالب فرمادیا۔ اس لیے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو فینے، قرار دیا گیا، جس کا حکم غیرت سے مختلف ہے۔ گویا وہ مال فینے ہے، جو دشمن بغیر لڑے چھوڑ کر بھاگ جائے یا صلح کے ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جو مال باقاعدہ لڑائی

بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قربت والوں کا اور تیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمارے دولت مندوں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمیس جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے

رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ (۷)

(فِي ء كَامَلٍ) ان مهاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے والوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔ (۸)

اور (ان کے لیے) جنوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے^(۲) اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مهاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے والوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے^(۳) بلکہ خود اپنے اوپر انہیں

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقَرْبَىٰ فَلَلَّهُ وَلَرَسُولُهُ وَلِنَزِيلِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَمِينِ وَالسَّيْكَنِ وَابْنِ السَّيْنِ لِكَيْ لَا يَكُونَ دُولَةٌ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَشْكُرُ الرَّسُولَ فَخَدَّادُهُ وَمَا نَهِمْكُمْ عَنْهُ فَإِنَّهُمْ هُوَ وَالْقَوْلُ الْمَرْءَ إِنَّ اللَّهَ شَيِيدُ الْعِقَابِ ۝

لِلْفَقَرَاءِ النَّاهِيِّينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ أَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أُولَئِكَ هُمُ الظَّيِّقُونَ ۝

وَالَّذِينَ تَبَقَّوْهُ الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَبِيُّونَ مِنْ هَاجَرُ الْيَهُمْ وَلَا يَحْدُوْنَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمْتَأْذِنُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى آنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ يَهْرُبُ خَاصَّةً وَمَنْ يُؤْقَ شَرَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَلِمُونَ ۝

اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے، وہ غیمت ہے۔

(۱) اس میں مال فی ء کا ایک صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مهاجرین کی فضیلت، ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی کی وضاحت ہے، جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا^(۴) گویا قرآن کا انکار ہے۔

(۲) ان سے انصار مدینہ مراد ہیں، جو مهاجرین کے مدینہ آنے سے قبل مدینے میں آباد تھے اور مهاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے قبل، ایمان بھی ان کے والوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مهاجرین کے معاشرین کے ایمان لانے سے پہلے، یہ انصار ایمان لا چکے تھے، کیونکہ ان کی اکثریت مهاجرین کے بعد ایمان لائی ہے۔ یعنی مِنْ قَبْلِهِمْ کامطلب مِنْ قَبْلِ هِجْرَتِهِمْ ہے۔ اور دار سے دَارُ الْهِجْرَةِ یعنی مدینہ مراد ہے۔

(۳) یعنی مهاجرین کو اللہ کا رسول ملی^(۵) جو کچھ دے، اس پر حد اور انتباخ محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فی ء کا اولین مستحق بھی ان کو قرار دیا گیا۔ لیکن انصار نے برا نہیں منیا۔

ترجح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی نخت حاجت ہو^(۱) (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بجل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراو) ہے۔^(۲) ^(۳) ^(۴)

اور (ان کے لیے) جوان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پسلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال،^(۳) اے ہمارے رب پیشک تو شفقت و مریانی کرنے

وَالَّذِينَ جَاءُونَا بَعْدَ هُرْبَةِ يَوْلُونَ رَبَّنَا أَغْفِرْ لَنَا وَإِنَّا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَمْهِلْ فِي قُلُوبِنَا غَلَّ الْمَنْدِينَ
أَمْنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(۱) یعنی اپنے مقابلے میں مهاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکارتے ہیں لیکن مهاجرین کو کھلاتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا، لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر یوں کو بتلایا تو یوں نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔ انسوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے۔ البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ بجھا دنا تاکہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھارہ ہے ہیں۔ صحیح محدث میاں یوں کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ ﴿ وَيُؤْتُونَ عَلَى أَقْرَبِهِمْ ﴾ الآية (صحیح بخاری) تفسیر سورہ الحشر ان کے اشارہ کی یہ بھی ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصاری کے پاس دو یوں تھیں تو اس نے ایک یوں کو اس لیے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مهاجر بھائی نکاح کر لے۔

(صحیح البخاری۔ کتاب النکاح)

(۲) حدیث میں ہے ”خ سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پسلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انہیں خون ریزی پر آمادہ کیا اور انسوں نے محارم کو حلال کر لیا۔“ (صحیح مسلم۔ کتاب البر۔ باب تحريم الظلم)

(۳) یہ مال فیء کے مستحقین کی تیری قسم ہے، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے۔ اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہل ایمان و تقوی آگئے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مهاجرین کو مومن مانتے اور ان کے حق میں دعاۓ مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب و شتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض و عناد رکھنے والے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی ہے إِنَّ الرَّافِضِيَ الَّذِي يَسْبُّ الصَّحَابَةَ، لَيْسَ لَهُ فِي مَالِ الْفَيَّ
نَصِيبٌ لِعَدَمٍ إِتَّصَافٍ بِمَا مَدَحَ اللَّهُ بِهِ هُؤُلَاءِ فِي قَوْلِهِمْ رَافِضٌ كَوْنَ الصَّحَابَةِ پر سب و شتم کرتے ہیں

(١٠) والابه-

کیا تو نے منافقوں کونہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلاوطن کیے گئے تو ضرور بالضور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو بخدا ہم تمہاری مدد کریں^(۱) گے، لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔^(۲)

اگر وہ جلاوطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد (بھی) نہ کریں^(۳) گے اور اگر (بالفرض) مدد پر آبھی گئے^(۴) تو پیشہ پھیر کر (بھاگ کھڑے) ہوں^(۵) گے پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔^(۶)

أَلَّا تَرَأَى الَّذِينَ نَأَفْقَدُوا إِيمَانَهُمْ أَلَّا ذِيَّنَ كَفَرُوا
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَهُنَّ أُخْرَ جُمْلَةٍ لَنَخْرُجُنَّ مَعَكُمْ وَلَا إِنْطِيلَهُمْ
فَيَنْهَا أَحَدُ الْأَبْدَاءِ إِنَّمَا قُوَّتُمْ لِتُنْصَرُ تَلْمِذُوا إِنَّمَا يَشَهَدُ إِنَّهُمْ
لَكُلِّ بُوْنَ^(٧)

لَهُنَّ أُخْرُجُوا لِيَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَهُنَّ قُوَّتُلُوا لِيَتُصْرَوْهُمْ وَلَهُنَّ
نَصْرُهُمْ لَيُؤْلَمُنَ الْأَدْبَارُ مُلْكُ لَا يُنْصَرُونَ^(٨)

مال فیء سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کی ہے اور راضی ان کی مدد کرتے ہیں۔ (۱) ابن کثیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ «أَمْرَتُمْ بِالإِسْتِغْفارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسَلَّمَ فَسَبَبْتُمُوهُمْ! سَمِعْتُ نَبِيِّكُمْ يَقُولُ: لَا تَذَهَّبُ هَذِهِ الْأَمَّةُ حَتَّى يَلْعَنَ آخِرُهُمَا أَوَّلَهُمَا». (رواه البغوي) ”تم لوگوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ مگر تم نے ان پر لعن طعن کی۔ میں نے تمہارے نبی کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہو گی جب تک کہ اس کے آخرین اولین پر لعنت نہ کریں۔“ (حوالہ مذکور) (۱) جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ منافقین نے بنو نصریہ کو یہ پیغام بھیجا تھا۔

(۲) چنانچہ ان کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آگیا کہ بنو نصریہ جلاوطن کر دیئے گئے، لیکن یہ ان کی مدد کو پہنچنے نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔

(۳) یہ منافقین کے گزشتہ جھوٹے وعدوں ہی کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنو نصریہ، جلاوطن اور بنو قریظہ قتل اور اسیر کیے گئے، لیکن منافقین کسی کی مدد کو نہیں پہنچے۔

(۴) یہ بطور فرض، بات کی جا رہی ہے، ورنہ جس چیز کی نفع اللہ تعالیٰ فرمادے، اس کا وجود کیوں کر ممکن ہے، مطلب ہے کہ اگر یہود کی مدد کرنے کا ارادہ کریں۔

(۵) یعنی شکست کھا کر۔

(۶) مراد یہود ہیں، یعنی جب ان کے مددگار منافقین ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہود کس طرح منصورو

(مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہبیت ان کے دلوں^(۱) میں
بہ نسبت اللہ کی ہبیت کے بہت زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ
یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔^(۲)^(۳)

یہ سب مل کر بھی تم سے لڑنیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے
کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں
ہوں،^(۴) ان کی لڑائی تو ان میں آپس میں ہی بہت سخت
ہے^(۵) کو آپ انہیں متعدد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے
دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔^(۶) اس لیے کہ
یہ بے عقل لوگ ہیں۔^(۷)^(۸)

ان لوگوں کی طرح جوان سے کچھ ہی پسلے گزرے ہیں
جنہوں نے اپنے کام کا وباں چکھ لیا^(۹) اور جن کے لیے

لَا نُنَمِّ أَشَدُ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ^(۱۰)

لَا يُقْاتِلُنَّمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرْبَىٰ مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ قَرَاءَهُ
جُدُرِهِمْ بِأَسْهُمْ بِيَدِهِمْ شَدِيدٌ تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ
شَفِيلَةٌ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ^(۱۱)

كَمَشِيلُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالْأَمْرِ هُمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۱۲)

کامیاب ہوں گے؟ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں کہ وہ مد نہیں کیے جائیں گے، بلکہ اللہ ان کو ذلیل کرے گا
اور ان کا نفاق ان کے لیے نافع نہیں ہو گا۔

(۱) یہود کے یا منافقین کے یا سب کے ہی دلوں میں۔

(۲) یعنی تمہارا یہ خوف ان کے دلوں میں ان کی ناجمیگی کی وجہ سے ہے، ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ
مسلمانوں کا غلبہ و تسلط اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے چاہیے نہ کہ مسلمانوں سے۔

(۳) یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ البتہ قلعوں میں محصور ہو
کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں اور تمہاری ہبیت سے
لرزائی و ترسائی ہیں۔

(۴) یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے ان میں باہم تو تکار اور تھکا فضیحتی عام ہے۔

(۵) یہ منافقین کا آپس میں دلوں کا حال ہے۔ یا یہود اور منافقین کا، یا مشرکین اور اہل کتاب کا۔ مطلب یہ ہے کہ حق
کے مقابلے میں یہ ایک نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایک نہیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ایک
دوسرے کے خلاف بعض و عناد سے بھرے ہوئے۔

(۶) یعنی یہ اختلاف اور تشتت ان کی بے عقلی کی وجہ سے ہے، اگر ان کے پاس سمجھنے والی عقل ہوتی تو یہ حق کو پہچان
لیتے اور اسے اپنایتے۔

(۷) اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں، جنہیں غزوہ بنی نفسیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک

المناك عذاب (تیار) ہے۔^(١)
 (١٥) شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بربی ہوں،^(٢) میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔^(٣)
 (١٦) پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتش (دوزخ) میں ہیشہ کے لیے گئے اور ظالموں کی سزا ہے۔^(٤)
 (١٧) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو^(٥) اور ہر شخص دیکھے (بھال) لے کہ کل (قيامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔^(٦) اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔^(٧)
 (١٨) اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنوں نے اللہ

کَهْلَلَ الشَّيْطَنِ إِذَا قَالَ لِلْإِنْسَانَ أَفَمَا فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بِرِّئٌ مَّا تَكْرِهُنِي أَخَافُ إِنَّهُ رَبَّ الْعَالَمِينَ^(٨)
 فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَكْهَلَنِي التَّارِخَ الْأَدَمِيْنَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَءُ الظَّلَمِيْنَ^(٩)
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ امْتَوْأُوا نَعْوَالَهُ وَلَنْتَظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدَةٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ حَسِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ^(١٠)
 وَلَا تَكُونُنَا كَالَّذِينَ سُوَا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَئِكَ

ٹکست ہوئی تھی۔ یعنی یہ بھی مغلوبیت اور رذالت میں مشرکین ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے۔ بعض نے یہود کے دوسرے قبلیے بنو قینقاع کو مراد لیا ہے جنہیں بنو نصیر سے قبل جلاوطن کیا جا چکا تھا، جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ (ابن کثیر)

(١) یعنی یہ دبال جوانہوں نے چکھا، یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔

(٢) یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا، جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پسلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔

(٣) شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے، مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور براءت ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔

(٤) یعنی خلوٰۃ النار، جنم کی دامگی سزا۔

(٥) اہل ایمان کو خطاب کر کے انہیں وعظ کیا جا رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انہیں بجالاؤ۔ جن سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، آیت میں یہ بطور تأکید و مرتبہ فرمایا کیونکہ یہ تقوی (الله کا خوف) ہی انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے۔

(٦) اسے کل سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ اس کا وقوع زیادہ دور نہیں، قریب ہی ہے۔

(٧) چنانچہ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی جزا۔

مُهُومُ الْفَیْقُونَ ④

(کے احکام) کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں اپنی جانوں سے
غافل کر دیا،^(۱) اور ایسے ہی لوگ نافرمان (فاسق) ہوتے
ہیں۔^(۱۹)

اہل نار اور اہل جنت (بائیم) برابر نہیں۔^(۲) جو اہل
جنت ہیں وہی کامیاب ہیں (اور جو اہل نار ہیں وہ
ناکام ہیں)^(۳)^(۲۰)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے^(۴) تو تو دیکھتا کہ
خوفِ الہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا^(۵)

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ
الْجَنَّةِ مُهُومُ الْفَیْقُونَ ④

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَلَاشِعًا
مُتَصَدِّدًا عَامِنْ خَشِيَةً اللَّهُ وَتِلْكَ الْأُمَّالُ تَضَرِّبُهَا

(۱) یعنی اللہ نے بطور جزا نہیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے عملوں سے غافل ہو گئے جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے نفسوں کو عذابِ الہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عقل، اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی، آئندہ نہیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کانِ حق کے سخنے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ بتیجا اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جس میں اس کی اپنی تباہی و بر بادی ہوتی ہے۔

(۲) جنہوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم، جن کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پاپِ بیلتے تھے، جنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے، جنہوں نے اللہ کو یاد رکھا، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انہیں داخل فرمائے گا، جہاں ان کے آرام و راحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سوتیں ہوں گی۔ یہ دونوں فریق یعنی جنتی اور جہنی برابر نہیں ہوں گے۔ بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں۔ ایک نے اپنے انعام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتا رہا۔ دوسرا، اپنے انعام سے غافل رہا اس لیے اس کے لیے تیاری میں بھی مجرمانہ غفلت بر تی۔

(۳) جس طرح امتحان کی تیاری کرنے والا کامیاب اور دوسرا ناکام ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان و تقویٰ جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے، کیونکہ اس کے لیے وہ دنیا میں نیک عمل کر کے تیاری کرتے رہے گویا دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے۔ جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اس نے انعام سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری، وہ کامیاب ہو گا اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر اور انعام سے غافل، فشق و نبور میں بٹلا رہا، وہ خاسرو ناکام ہو گا۔ اللہُمَّ
آجِعْنَا مِنَ الْفَاتِرِزِينَ

(۴) اور پہاڑ میں قُمُم و اور اک کی وہ صلاحیت پیدا کر دیتے جو ہم نے انسان کے اندر رکھی ہے۔

(۵) یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت و فصاحت، قوت و استدلال اور وعظ تذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انہیں سن کر

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔^(۱) (۲۱)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے^(۲) کھلے کا جانتے والا میریان اور رحم کرنے والا۔^(۲۲)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، 'بادشاہ' نہایت پاک، سب عیوبوں سے صاف، 'امن دینے والا'، 'نمگبان'، غالب زور آور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔^(۲۳)

وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا وجود بخشنے والا،^(۳) صورت بنانے والا، اسی کے لیے (نہایت) اچھے نام ہیں،^(۴) ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں ہو اس کی پاکی بیان کرتی ہے،^(۵) اور وہی غالب حکمت والا ہے۔^(۶) (۲۴)

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ^(۷)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ^(۸)
هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ^(۹)

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ
الْتَّوْهِيدُ الْمُهَمَّمُ الْعَزِيزُ الْجَبَارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ
عَمَّا يَشْرِكُونَ^(۱۰)

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِيُّ النَّصِيرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى
يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ^(۱۱) وَهُوَ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ^(۱۲)

پہاڑ بھی، باوجود اتنی سختی اور وسعتِ بلندی کے، خوفِ الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل و فہم کی صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ لیکن اگر قرآن سن کر تیرداری کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیر انہام اچھا نہیں ہو گا۔

(۱) تاکہ قرآن کے مواعظ سے وہ نصیحت حاصل کریں اور زواجر کو سن کر نافرمانیوں سے اجتناب کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا، لیکن یہ آپ ﷺ پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا کہ آپ ﷺ نے اس چیز کو برداشت کر لیا جس کو برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں ہے۔ (فتح القدير)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات بیان فرمائیں ہے جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہے۔

(۲) غیب، مخلوقات کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ کے لیے تو کوئی چیز غیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے چاہے وہ ہمارے سامنے ہو یا ہم سے غائب ہو۔ حتیٰ کہ وہ تاریکیوں میں چلنے والی چیزوں کو بھی جانتا ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ خلق کا مطلب ہے اپنے ارادہ و مشیت کے مطابق اندازہ کرنا اور برا کے معنی ہیں اسے پیدا کرنا، گھرنا، وجود میں لانا۔

(۴) امامے حسنی کی بحث سورہ اعراف، ۱۸۰ میں گزر چکی ہے۔

(۵) زبان حال سے بھی اور زبان مقال سے بھی، جیسا کہ پسلے بیان ہوا۔

(۶) جس چیز کا بھی فیصلہ کرتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

سُورَةُ الْمُمْتَحَنَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّمَا الَّذِينَ آمَنُوا لَتَعْجِدُوا عَدُوًّي وَعَدُوًّا كُفُّارًا فِي أَيَّادِهِ تُلْقَوْنَ
إِلَيْهِم بِالْمَوْدَةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِإِيمَانِهِمْ مِنَ الْمُغْيَرِينَ حِجَّةُ الْرَّسُولِ
وَإِنَّكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَكَثِيرٌ لَا يُؤْمِنُونَ
إِنَّمَا مُرْضِيَنِي يُؤْمِنُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوْدَةِ وَأَنَّا عَلَيْهِمْ مَا كَفَرُيْنَاهُمْ وَمَا
أَعْلَمُمُ وَمَنْ يَفْعَلُهُ مِنْكُمْ فَقَدْ دَلَّ سَوَاءُ التَّبَيْنِيلِ ①

سورہ ممتحنہ ہے اور اس میں تمہرہ آئیں اور
دور کوئی ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے
وشنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ^(۱) تم تو دوستی سے ان کی طرف
پیغام صحیح^(۲) ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس
آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس
وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے
ہو،^(۳) اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری

(۱) کفار مکہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حدیبیہ میں جو معابدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رض ایک مهاجر بدری صحابی تھے، جن کی قریش کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں تھی، لیکن ان کے یہوی بچے کے میں ہی تھے۔ انہوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری کی اطلاع کر دوں تاکہ اس احسان کے بدله وہ میرے بال بچوں کا خیال رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عورت کے ذریعے سے یہ پیغام تحریری طور پر اہل مکہ کی طرف روانہ کر دیا، جس کی اطلاع بذریعہ وحی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کردی گئی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ جاؤ روضہ خان پر ایک عورت ہو گی جو کہ جا رہی ہو گی، اس کے پاس ایک رقدہ ہے، وہ لے آؤ، چنانچہ وہ حضرات گئے اور اس سے یہ رقدہ لے آئے جو اس نے سر کے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رض سے پوچھا، یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر و ارتداد کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مهاجرین کے رشتہ دار مکے میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میرا وہاں کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تاکہ وہ میرے احسان مند رہیں اور میرے بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چالی کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہا۔ تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرمادیں، تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے۔

(صحیح بخاری 'تفسیر سورہ الممتحنة' و صحیح مسلم 'كتاب فضائل الصحابة')

(۲) مطلب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہو؟

(۳) جب ان کا تمہارے ساتھ اور حق کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو تمہارے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ تم ان سے محبت اور

رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو تو ان سے دوستیاں نہ کرو،^(۱) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بک جائے گا۔^(۲)

اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمہارے (کھلے) دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور (دل سے) چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔^(۳)

تمہاری قرابیں، 'رشتہ داریاں' اور اولاد تمہیں قیامت کے دن کام نہ آئیں گی،^(۴) اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا^(۵) اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔^(۶)

(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے

إِنَّ يَعْقُولُكُمْ بِيُكُونُوا لِكُمْ أَعْدَاءٌ وَّيَمْسُطُونَ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
وَالْأَنْتَمْ بِالشَّوَّهُ وَذُو الْوَكْفَرِ مُؤْمِنُونَ ⑦

لَنْ يَسْعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَزْلَادُكُمْ ۖ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑧

فَذَكَرْتُ لَكُمْ أَسْوَهُ حَسَنَةٍ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّتِيْنَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا

هدر دی کا رویہ اختیار کرو؟

(۱) یہ ہواب شرط بوجاذف ہے کا ترجمہ ہے۔

(۲) یعنی میرے اور اپنے دشمنوں سے محبت کا تعلق جوڑنا اور انہیں خفیہ نامہ و پیام بھیجننا یہ گمراہی کا راستہ ہے، جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

(۳) یعنی تمہارے خلاف ان کے دلوں میں تو اس طرح بعض و عناد ہے اور تم ہو کہ ان کے ساتھ محبت کی پیلگیں بڑھا رہے ہو؟

(۴) یعنی جس اولاد کے لیے تم کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہو، یہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی، پھر اس کی وجہ سے تم کافروں سے دوستی کر کے کیوں اللہ کو ناراض کرتے ہو۔ قیامت والے دن جو چیز کام آئے گی وہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے، اس کا اہتمام کرو۔

(۵) دوسرے معنی ہیں تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا یعنی اہل طاعت کو جنت میں اور اہل معصیت کو جنم میں داخل کرے گا۔ بعض کہتے ہیں آپس میں جدائی کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ جیسے فرمایا ﷺ یوْمَ يَغْزِي
الْمُرْءُ مِنْ أَخْيْرِهِ (سورہ عبس، ۳۲) یعنی شدت ہول سے بھائی، بھائی سے بھاگے گا۔

ساتھیوں میں بترین نمونہ ہے،^(١) جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برلا کرہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔^(٢) ہم تمہارے (عقائد کے) مکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاوہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہو گئی^(٣) لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی^(٤) مگر میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار بچھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے^(٥) اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی

لَقَوْمٍ هُنَّا إِنَّا بِرَبِّهِمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُوَنِ اللَّهِ تَعَالَى
يُكْفُرُ بِهِ أَبْيَنَاهَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ الْأَدَمَّ حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا
بِإِنَّهُ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْنٌ إِنْ رَهِيْمٌ لَا يُبْيِهُ لَا سَتْغَفِرَنَ لَكَ وَمَا
أَتَلَكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ
آتَنَا وَإِلَيْكَ الْمُصِيرُ ⑥

(١) کفار سے عدم موالات کے مسئلے کی توضیح کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے اُسوہ کے معنی ہوتے ہیں، ایسا نمونہ جس کی اقتدار کی جائے۔

(٢) یعنی شرک کی وجہ سے ہمارا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق؟

(٣) یعنی یہ علیحدگی اور بیزاری اس وقت تک رہے گی جب تک تم کفر و شرک چھوڑ کر توحید کو نہیں اپنا لوگے۔ ہاں جب تم ایک اللہ کو مانے والے بن جاؤ گے تو پھر یہ عداوت موالات میں اور یہ بعض محبت میں بدل جائے گا۔

(٤) یہ ایک اشتہا ہے جو فی ابراہیم میں مقدر مذوف مضاف سے ہے۔ یعنی قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْنَةٌ حَسَنَةٌ فِي
مَقَالَاتِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا قَوْلَهُ لَا يُبْيِهُ يَا أُسْنَةٌ حَسَنَةٌ سے اشتہا ہے، اس لیے کہ قول بھی منجملہ اسوہ ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے۔
(قد کانت لکمْ أُسْنَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ فِي جَمِيعِ أَفْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا قَوْلَهُ لَا يُبْيِهُ) (فتح القدير) مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک قابل تقلید نمونہ ہے، البتہ ان کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا یہ فعل اس وقت کا ہے جب ان کو اپنے باپ کی بابت علم نہیں تھا، چنانچہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا داشمن ہے تو انہوں نے اپنے باپ سے بھی اظہار براءت کر دیا، جیسا کہ سورہ براءت^{۱۱۲} میں ہے۔ (سورہ براءت سورۃ توبہ کو کہا جاتا ہے)

(٥) توکل کا مطلب ہے۔ امکانی حد تک ظاہری اسباب و سائل اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ظاہری وسائل اختیار کیے بغیر ہی اللہ پر اعتماد اور توکل کا اظہار کیا جائے، اس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اس لیے توکل کا یہ مفہوم بھی غلط ہو گا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اونٹ کو باہر کھڑا کر کے اندر

طرف لوٹا ہے۔^(۳)

اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ
ڈال^(۴) اور اے ہمارے پالنے والے ہماری خطاؤں کو
بخش دے، بیشک تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔^(۵)

یقیناً تمہارے لیے ان میں^(۶) اچھا نمونہ (اور عمدہ پیروی
ہے خاص کر) ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت
کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو،^(۷) اور اگر کوئی
روگردانی کرے^(۸) تو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے اور
سزاوار حمد و شناخت ہے۔^(۹)

کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے
دشمنوں میں محبت پیدا کر دے۔^(۱۰) اللہ کو سب قدر تیس
ہیں اور اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔^(۱۱)

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں

رَبَّ الْأَعْمَالِنَا فِيْنَهُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَأَغْفَلُوا نَارَنَا إِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْكَبِيرُ^(۱۲)

لَقَدْ كَانَ لِكُفَّارٍ فِيهِمْ أَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْأَخْرَى وَمَنْ يَسْأَلْ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْحَسِيدُ^(۱۳)

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْلَمْ بِمَا بَيْنَ لِمْبَيْنِ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادُوكُمْ وَمِنْهُمْ مُؤْمِنُونَ^(۱۴)
وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ يَرَوْكُمْ لَعْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ يَرَوْكُمْ^(۱۵)

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُعَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ

آگیا، آپ ملائیم نے پوچھا تو کہا میں اونٹ اللہ کے سپرد کر آیا ہوں، آپ ملائیم نے فرمایا۔ یہ توکل نہیں ہے۔ «آغْفِلْ وَتَوَكَّلْ» پہلے اسے کسی چیز سے باندھ، پھر اللہ پر بھروسہ کر۔^(۱۶) (ترمذی) انبات کامطلب ہے، اللہ کی طرف رجوع کرنا۔
(۱) یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ و تسلط عطا نہ فرماء اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں، اور یوں ہم ان کے لیے فتنے کا باعث بن جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے ہمیں کسی سزا سے دوچار نہ کرنا، اس طرح بھی
ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا، وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ تکلیف کیوں پہنچتی؟

(۲) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے اور ان کے ساتھی اہل ایمان میں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

(۳) کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ سے اور عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں، یہ لوگ حالات و واقعات سے عبرت پکڑتے اور
نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(۴) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوے کو اپنانے سے گریز کرے۔

(۵) یعنی ان کو مسلمان کر کے تمہارا بھائی اور ساتھی بنادے، جس سے تمہارے مابین عداوت، دوستی اور محبت میں
تبديل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد لوگ فوج در فوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور ان کے مسلمان
ہوتے ہی نفر تیس، محبت میں تبدل ہو گئیں، جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، وہ دست و بازو بن گئے۔

لڑی^(۱) اور تمیس جلا وطن نہیں کیا^(۲) ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصافانہ بھلے برداشت کرنے سے اللہ تعالیٰ تمیس نہیں روتا،^(۳) بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔^(۴)

اللہ تعالیٰ تمیس صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمیس دیں نکالے دیئے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں^(۵) وہ (قطعہ) ظالم ہیں۔^(۶)

وَلَعَلَّ يَخْرُجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبْرُدُهُمْ وَلْتُقْسِطُوا
إِنَّمَا يُمْكِنُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهِرُهُمْ أَعَلَىٰ إِحْرَاجِكُمْ أَنْ تَوْلُهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

إِنَّمَا يُمْكِنُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهِرُهُمْ أَعَلَىٰ إِحْرَاجِكُمْ أَنْ تَوْلُهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

(۱) یہ ان کافروں کے بارے میں ہدایات وی جا رہی ہیں جو مسلمانوں سے محض دین اسلام کی وجہ سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے نہیں لڑتے، یہ پہلی شرط ہے۔

(۲) یعنی تمہارے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہیں کیا کہ تم ہجرت پر مجبور ہو جاؤ۔ یہ دوسری شرط ہے۔ ایک تیسرا شرط یہ ہے جو اگلی آیت سے واضح ہوتی ہے، کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کو کسی قسم کی مدد بھی نہ پہنچائیں۔ مشورے اور رائے سے اور نہ تھیاروں وغیرہ کے ذریعے سے۔

(۳) یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا منوع نہیں ہے۔ جیسے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شرکہ ماں کی بابت صلہ رحمی یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: صِلِّنِي أَمَّكِ (صحیح مسلم، کتاب الزکوة، باب فضل النفقۃ والصدقة على الأقربین... بخاری، کتاب الأدب، باب صلۃ الوالد المشرک) ”اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔“

(۴) اس میں انصاف کرنے کی ترغیب ہے حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی۔ حدیث میں انصاف کرنے والوں کی فضیلت یوں بیان ہوئی ہے «إِنَّ الْمُفْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ، عَلَىٰ مَتَابِرٍ مِّنْ ثُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ - وَكَلَّا
يَدِيهِ يَمِينٌ - الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِهِمْ، وَمَا وَلُوا» (صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الإمام العادل) ”انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمن کے دائیں جانب ہوں گے اور رحمن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، جو اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل میں اور اپنی رعایا میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں۔“

(۵) یعنی ارشادِ الہی اور امرِ ربِّی سے اعراض کرتے ہوئے۔

(۶) کیوں کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے محبت کی ہے جو محبت کے اہل نہیں تھے، اور یوں انہوں نے اپنے نفوں پر ظلم کیا کہ انہیں اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ﴿لَا تَتَنَعَّذُ وَالْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ أُولَئِيَّةٌ بَعْضُهُمُ أَذْلَىٰ لَذَبَبِينَ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَمِنْهُمْ قَاتِلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدۃ ۵۱)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بھرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو۔^(۱) دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جانے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں^(۲) تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں،^(۳) اور جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو وہ انہیں ادا کر دو،^(۴) ان عورتوں کو ان کے مردے کران سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں^(۵)

لَا يَأْتِهَا الظِّنَّةُ الْمُؤْكَلَةُ إِذَا جَاءَهُ كُلُّ الْمُؤْمِنَاتُ مُهْرَبٍ فَإِنْ تَعْجُلْهُنَّ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَعْمَلْنَهُنَّ فَإِنْ عَلِمْتَهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تُرْجِعْهُنَّ
إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ جِيلٌ لَّهُمْ وَلَا هُنَّ عَجَزُونَ لَهُنَّ مَا أَنْوَهُمْ مَعَاهُ
أَنْفَقُوا وَلَا جُنَاحَ لَهُنَّ أَنْتَ كُحُودُهُنَّ إِذَا أَتَيْتُهُنَّ أُجُورَهُنَّ
وَلَا تُمْسِكُنَا بِعِصْمَ الْكَوَافِرِ سَلَّنَا مَا أَنْفَقْنَا وَلَا يُشَدُّنَا
أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بِمَا يَنْهَا وَاللَّهُ حَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

(۱) معاهدة حدیبیہ میں ایک شق یہ تھی کہ کے سے کوئی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا، تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن اس میں مرد و عورت کی صراحت نہیں تھی۔ بظاہر ”کوئی“ (أَهُدُ) میں دونوں ہی شامل تھے۔ چنانچہ بعد میں بعض عورتیں کے سے بھرت کر کے مسلمانوں کے پاس چلی گئیں تو کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، جس پر اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور یہ حکم دیا۔ امتحان لینے کا مطلب ہے اس امر کی تحقیق کرو کہ بھرت کر کے آنے والی عورت جو ایمان کا اظہار کر رہی ہے، اپنے کافر خاوندوں سے ناراض ہو کر یا کسی مسلمان کے عشق میں یا کسی اور غرض سے تو نہیں آئی ہے اور صرف یہاں پناہ لینے کی خاطر ایمان کا دعویٰ کر رہی ہے۔

(۲) یعنی تم اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچو اور تمہیں گمان غالب حاصل ہو جائے کہ یہ واقعی مومنہ ہیں۔

(۳) یہ انہیں ان کے کافر خاوندوں کے پاس واپس نہ کرنے کی علت ہے کہ اب کوئی مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کا نکاح ابو العاص ابن ربع کے ساتھ ہوا تھا، جب کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ لیکن اس آیت نے آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع کر دیا، اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، اس لیے انہیں کافروں کے پاس مت لوٹا۔ ہاں اگر شوہر بھی مسلمان ہو جائے تو پھر ان کا نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔ چاہے خاوند عورت کے بعد بھرت کر کے آئے۔

(۴) یعنی ان کے کافر خاوندوں نے ان کو جو مراد کیا ہے، وہ تم انہیں ادا کر دو۔

(۵) یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ عورتیں، جو ایمان کی خاطر اپنے کافر خاوندوں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آگئی ہیں، تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کا حق مردم ادا کرو۔ تاہم یہ نکاح مسنون طریقے سے ہی ہو گا۔ یعنی ایک تو انقضائے حدت (استبراء رحم) کے بعد ہو گا۔ دوسرے، اس میں ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ البتہ عورت مدخل بھانہیں ہے تو پھر بلا حدت فوری نکاح جائز ہے۔

اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو^(۱) اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو،^(۲) مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو^(۳) وہ بھی مانگ لیں یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمہارے درمیان کر رہا ہے،^(۴) اللہ تعالیٰ بڑے علم (اور) حکمت والا ہے۔^(۵)

اور اگر تمہاری کوئی یوں تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے پھر تمیں اس کے بد لے کا وقت مل جائے^(۶) تو جن کی یوں یا چلی گئی ہیں انہیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کرو،^(۷) اور اس اللہ تعالیٰ

وَلَنْ فَإِنَّكُمْ شَنِيْقُونَ أَزْوَاجُكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاهَمُتُمْ فَإِنَّهُمْ
الَّذِينَ ذَهَبُتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا آنْفَقُوكُمْ وَلَنَعُوَ اللَّهُ الَّذِي
أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ^(۸)

(۱) عِصْمٌ عِصْمَةٌ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خادم مسلمان ہو جائے اور یوں بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسے فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر بن عثمان نے اپنی دو مشرک یوں کو اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ بن عثمان نے اپنی یوں کو طلاق دے دی۔ (ابن کثیر) البتہ اگر یوں کتابیہ (یہودی یا عیسائی) ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، اس لیے اگر وہ پلے سے ہی یوں کی حیثیت سے تمہارے پاس موجود ہے تو قبول اسلام کے بعد اسے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) یعنی ان عورتوں پر جو کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔

(۳) یعنی ان عورتوں پر جو مسلمان ہو کر بھرت کر کے مدینے آگئی ہیں۔

(۴) یعنی یہ حکم مذکور کہ دونوں ایک دوسرے کو حق مراد اکریں بلکہ مانگ کر لیں، اللہ کا حکم ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دور کے ساتھ ہی خاص تھا۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (فتح القدر) اس کی وجہ وہ معاہدہ ہے جو اس وقت فریقین کے درمیان تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی صورت میں آئندہ بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہو گا۔ بصورت دیگر نہیں۔

(۵) فَعَاقِبَتُمْ (پس تم سزا دو یا بدلہ لو) کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق میں جو تمہیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے، وہ تم ان مسلمانوں کو دے دو، جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو مرادا نہیں کیا۔ (یعنی یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے) دوسرा مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جماد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو، اس میں تقسیم سے پلے ان مسلمانوں کو، جن کی یوں دارالکفر چلی گئی ہیں، ان کے خرچ کے بعد ر ادا کرو۔ گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا جبرا (ازالہ) یہ بھی سزا ہے (ایسرا الفتاویں و ابن کثیر) اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (ایسرا الفتاویں)

سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۱۱)

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار دالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی نیک کام میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیا کریں،^(۱) اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے اور معاف کرنے والا ہے۔ (۱۲)

اے مسلمانو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غصب نازل ہو چکا ہے^(۲) جو آخرت سے اس طرح مایوس

یَا أَيُّهَا الَّهُمَّ إِذَا حَاجَكَ إِذَا حَاجَكَ مُؤْمِنٌ يُبَعْدَنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكَنَ
بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَرْفَقَنَ وَلَا يَزِدْنَيْنَ وَلَا يَقْتَلْنَ أُولَادَهُنَّ
وَلَا يَأْتِنَنَ بِهُنَّا يَقْتَلُنَ بَيْنَ أَيْدِيهِنَ وَأَرْجُلِهِنَ
وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَمَا يَعْمَلُنَ وَإِنْ شَاءُنَ لَهُنَ اللَّهُ أَنْ
اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۱۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَلَّوْا أَقْوَمَ أَعْصَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
قَدْ يُبَسِّرُونَا مِنَ الظَّرْقِ كَمَا يَبْصِرُ الْكُفَّارُ مِنْ أَعْصَبِ

(۱) یہ بیعت اس وقت لیتے جب عورتیں بھرت کر کے آتیں، جیسا کہ صحیح بخاری تفسیر سورہ ممتحنة میں ہے۔ علاوه ازیں فتح مکہ والے دن بھی آپ ﷺ نے قریش کی عورتوں سے بیعت لی۔ بیعت لیتے وقت آپ ﷺ صرف زبان سے عمد لیتے۔ کسی عورت کے ہاتھ کو آپ ﷺ نہیں چھوتے تھے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں ”اللہ کی قسم بیعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپ ﷺ صرف یہ فرماتے کہ میں نے ان باتوں پر تجوہ سے بیعت لے لی۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ الممتحنة) بیعت میں آپ ﷺ یہ عمد بھی عورتوں سے لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی اگر بیان چاک نہیں کریں گی، سر کے بال نہیں نوچیں گی اور جاہلیت کی طرح ہین نہیں کریں گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما) اس بیعت میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ارکان دین اور شعائر اسلام ہونے کے اعتبار سے محتاج وضاحت نہیں۔ آپ ﷺ نے بطور خاص ان چیزوں کی بیعت لی جن کا عام ارتکاب عورتوں سے ہوتا تھا، تاکہ وہ ارکان دین کی پابندی کے ساتھ ان چیزوں سے بھی اجتناب کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماء دعاۃ اور رواۃ عطیٰ حضرات اپنا زور خطاب ارکان دین کے بیان کرنے میں ہی صرف نہ کریں جو پہلے ہی واضح ہیں، بلکہ ان خرابیوں اور رسوم کی بھی پر زور انداز میں تردید کیا کریں جو معاشرے میں عام ہیں اور نماز روزے کے پابند حضرات بھی ان سے اجتناب نہیں کرتے۔

(۲) اس سے بعض نے یہود، بعض نے منافقین اور بعض نے تمام کافر مراد لیے ہیں۔ یہ آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں یہود و منافقین بھی آجاتے ہیں، علاوه ازیں سارے کفار ہی غصب اللہ کے مستحق ہیں، اس لیے مطلب یہ ہو گا کہ کسی بھی کافر سے دوستانہ تعلق مت رکھو، جیسا کہ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

القبور

ہو چکے ہیں جیسے کہ مردہ اہل قبر سے کافر نا امید ہیں۔^(۱)

سورہ صفحہ مدنی ہے اور اس میں چودہ آیتیں اور
دور کوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربیان
نہایت رحم والا ہے۔

زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے
اور وہی غالب حکمت والا ہے۔^(۱)

اے ایمان والو! ^(۲) تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے
نہیں۔^(۲)

تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت
نہ پسند ہے۔^(۳)

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی

شُورَةُ الْقَبْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّهَ اللّٰهُ تَعَالٰی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ تَفَوَّلُونَ مَا لَا تَقْعُدُونَ

كَبُرُ مُؤْمِنًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَغُولُوا مَا لَا تَقْعُدُونَ

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ مَثْقَلًا كَانُوكُمْ

(۱) آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب، قیامت کے برباہونے سے انکار ہے۔ اصحاب القبور (قبروں میں مدفون لوگوں) سے مایوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر، ہر قسم کی خیر سے مایوس ہو گئے۔ کیونکہ مرکر انہوں نے اپنے کفر کا انعام دیکھ لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں؟ (ابن جریر طبری)

☆ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ رض آپس میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اللہ کو جو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے چاہئیں تاکہ ان پر عمل کیا جاسکے، لیکن آپ ﷺ کے پاس جا کر پوچھنے کی جرأت کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی، (مسند احمد ۵/۵۰، وسنن الترمذی تفسیر سورہ الصاف)

(۲) یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن اصل خطاب ان مومنوں سے ہے جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں أحَبُّ الْأَعْمَالِ کا علم ہو جائے تو ہم انہیں کریں، لیکن جب انہیں بعض پسندیدہ عمل بدلائے گئے تو ستر ہو گئے۔ اس لیے ایسے لوگوں کو توبع کی جا رہی ہے کہ خیر کی جو باتیں کہتے ہو، کرتے کیوں نہیں ہو، جو بات منہ سے نکلتے ہو، اسے پورا کیوں نہیں کرتے؟ جوزبان

سے کہتے ہو، اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟

(۳) یہ اسی کی مزید تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہوتا ہے۔

بُنیان مَرْضُوٌّ ⑥

راہ میں صفت جماد کرتے ہیں گویا وہ سیسے پلائی ہوئی
عمارت ہیں۔ ① ②

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم
کے لوگو! تم مجھے کیوں ستارہ ہے ہو حالانکہ تمہیں (جنوبی)
معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں ③ پس جب
وہ لوگ شیر ہے ہی رہے تو اللہ نے انکے دلوں کو (اور) شیر ہاکر
دیا، ④ اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو بہادیت نہیں دیتا۔ ⑤

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے (میری قوم)، بنی
اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے
پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں ⑥ اور
اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری

وَلَذَا قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقُولُ لَمَرْتَبْدِئِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ إِنِّي
رَسُولُ اللَّهِ إِنِّي كُفُّوكُمْ فَلَمَّا زَاغَ الْأَغْرَى أَغْرَى اللَّهُ فُلُوْبَهُمْ وَاللَّهُ لَآتَنِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑦

وَلَذَا قَالَ عَيْنَى ابْنُ مَرْتَبْدِئِي إِنِّي رَبِّهِمْ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِنِّي
مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيَ مِنَ التَّوْرِيقِ وَمُبَشِّرٌ بِرَسُولِي يَأْتِي
مِنْ بَعْدِي أَسْمَاهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا

(۱) یہ جماد کا ایک انتہائی نیک عمل بتلایا گیا جو اللہ کو بست محجوب ہے۔

(۲) یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پچے رسول ہیں، بنی اسرائیل انہیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے تھے، حتیٰ کہ بعض جسمانی عیوب ان کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی۔

(۳) یعنی علم کے باوجود حق سے اعراض کیا اور حق کے مقابلے میں باطل کو خیر کے مقابلے میں شر کو اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو مستقل طور پر بہادیت سے پھیر دیا۔ کیونکہ یہی سنت اللہ چلی آرہی ہے۔ کفر و ضلالت پر دوام واسترار ہی دلوں پر مر گئے کا باعث ہوتا ہے، پھر فرق، کفر اور ظلم اس کی طبیعت اور عادت بن جاتی ہے، جس کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا، اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو بہادیت نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی سنت کے مطابق گمراہ کیا ہوتا ہے، اب کون اسے بہادیت دے سکتا ہے جسے اس طریقے سے اللہ نے گمراہ کیا ہو؟

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی، اسی طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ یہود آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء علیم السلام کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں، وہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماغذہ ایک ہی ہے۔ اس لیے جس طرح تم موسیٰ وہارون اور داؤد و سلیمان علیم السلام پر ایمان لائے، مجھ پر

هذا سرور میں ⑤

سنے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔^(۱) پھر جب وہ انکے پاس کھلی

و لیس لائے تو یہ کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے۔^(۲) ⑥

اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ

(افڑا) باندھے^(۳) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلا یا جاتا

ہے^(۴) اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔^(۵)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھاویں^(۶)

اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے^(۷) کو کافر

برامانیں۔^(۸)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے

کر بھیجا تاکہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کر دے۔^(۹)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُنْعَى إِلَى
الإِسْلَامِ وَأَنَّهُ لَذَهَبَ إِلَيْهِ الْقَوْمُ الظَّلِمُونُ ⑦

يُرِيدُونَ لِيُظْفِنُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَأَنَّهُ مُمِّمٌ بُورَةٌ
وَلَوْلَرَةُ الْكَمَرِونَ ⑧

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْمُدْعَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الْبَلْدَنِ
كُلَّهُ وَلَوْلَرَةُ الْمُشْرِكُونَ ⑨

بھی ایمان لاو، اس لیے کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

(۱) یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خوش خبری سنائی۔ چنانچہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَنَا دَغْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِنْسَى (ایسرالتفسیر) ”میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصدق ہوں۔“ احمد، یہ فاعل سے اگر مبالغہ کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے، دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اور اگر یہ مفعول سے ہو تو معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ ﷺ کی کی گئی، اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدير)

(۲) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ مججزات کو جادو سے تعبیر کیا، جس طرح گزشتہ قویں بھی اپنے پیغمبروں کو اسی طرح کہتی رہی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد بنی صلی اللہ علیہ وسلم لیے ہیں اور فالؤا کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے۔

(۳) یعنی اللہ کی اولاد قرار دے، یا جو جانور اس نے حرام قرار نہیں دیئے، ان کو حرام باور کرائے۔

(۴) جو تمام دینوں میں اشرف اور اعلیٰ ہے، اس لیے جو شخص ایسا ہو، اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کسی پر بھی افتراء گھرے، چہ جائیکہ اللہ پر افتراء باندھے؟

(۵) نور سے مراد قرآن، یا اسلام یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا دلائل و برائین ہیں۔ ”منہ سے بجھاویں“ کا مطلب، وہ طعن و تشیع کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی تھیں۔

(۶) یعنی اس کو آفاق میں پھیلانے والا اور دوسرے تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔ دلائل کے لحاظ سے، یا مادی غلبے کے لحاظ سے یا دونوں لحاظ سے۔

(۷) یہ گزشتہ بات ہی کی تائید ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے پھر دہرا یا گیا ہے۔

اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔^(۱) (۹)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتا دوں^(۲) جو
تمہیں دروناک عذاب سے بچائے؟^(۱۰)

اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاو اور اللہ کی راہ
میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے
لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔^(۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ان
جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نرس جاری ہوں گی
اور صاف سحرے گھروں میں جو جنت عدن میں ہوں
گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔^(۱۲)

اور تمہیں ایک دوسری (نعمت) بھی دے گا جسے تم چاہتے
ہو وہ اللہ کی مد اور جلد فتح یابی ہے،^(۳) ایمان والوں کو
خوشخبری دے دو۔^(۱۳)

لَا يَأْكُلُهَا الظَّنِينَ إِنَّمَا هُنَّ أَذَلَّ كُلَّ أَذَلٍ عَلَى بِعْدِ الْمُحَاجَةِ تُجْهِيْنَكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيْفٍ

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجَاهَدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِاَمْوَالِكُمْ
وَأَقْسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لِكُلِّ اُمَّةٍ لَكُلِّ اُمَّةٍ لَكُلِّ اُمَّةٍ تَعْلَمُونَ

يَغْزِلُكُمُ الْكُوْنُوكُوْنُ وَيَدْعُوكُمُ الْجَلِيلُ جَلِيلٌ تَهْرِيْرٌ مِّنْ تَعْقِيمِ الْأَنْهَارِ
وَمَسِكِنٌ طَيْبَهٌ فِي جَهَنَّمِ عَدَيْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

وَآخَرِيْ عَيْنُوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَيْضٌ قَرِيبٌ وَبَيْرِيْ المُؤْمِنِيْنَ

(۱) تاہم یہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔

(۲) اس عمل (یعنی ایمان اور جہاد) کو تجارت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ اس میں بھی انہیں تجارت کی طرح ہی نفع ہو گا، اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہو گا، اور وہ نفع کیا ہے؟ اس بات کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ أَشَدَّ رِزْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفَسُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ يَاْنَ لَهُمُ الْجَنَّةُ﴾ (التوبہ، ۱۰۰) "اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے بدالے میں کر لیا ہے۔"

(۳) یعنی جب تم اس کی راہ میں لڑو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے، تو وہ بھی تمہیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔

﴿إِنْ شَرُورُ الْلَّهِ يَنْصُرُكُمْ وَيُبَيِّنُ أَقْدَامَكُمْ﴾ (سورہ محمد، ۲) ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ الَّهُمَّ مَنْ يَصْرُفُ إِنَّ اللَّهَ لَغَوِيْبٌ عَزِيزٌ﴾ (الحج، ۲۰) آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اسے فتح قریب، قرار دیا۔ اور اس سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض نے فارس و روم کی عظیم الشان سلطنتوں پر مسلمانوں کے غلبے کو اس کا مصدق اقرار دیا ہے۔ جو خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

(۴) جنت کی بھی، مرنے کے بعد۔ اور فتح و نصرت کی بھی، دنیا میں۔ بشرطیکہ اہل ایمان ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔
﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنُ إِنَّكُلُّهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران، ۲۹) آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے دین کی نصرت کی مزید تغییر دے رہا ہے۔

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔^(۱) جس طرح حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا تم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں،^(۲) پس بھی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا^(۳) تو ہم نے مومنوں کی انکے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی پس وہ غالب آگئے۔^(۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْأَنْصَارَ لِلَّهِ كَمَا قَالَ عَسَى إِنْ مَرِيَمَ
لِلْحَوَارِيْنَ مَنْ أَنْصَارَهُ إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيْنَ مَنْ أَنْصَارَ
اللَّهُ فَإِنَّمَّا نَعْلَمُ طَلَابَةً مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَلَابَةً
فَإِنَّمَا تَأْتِي النَّذِيْنَ آمَنُوا عَلَى عَدْدٍ هُمْ فَاصْبُرُوا ظَاهِرِيْنَ^(۵)

(۱) تمام حالتوں میں، اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے بھی اور جان و مال کے ذریعے سے بھی۔ جب بھی، جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی تمہیں اللہ اور اس کا رسول اپنے دین کے لیے پکارے تم فوراً ان کی پکار پر لبیک کو، جس طرح حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پکار پر لبیک کیا۔

(۲) یعنی ہم آپ ﷺ کے اس دین کی دعوت و تبلیغ میں مددگار ہیں جس کی نشوشاہعت کا حکم اللہ نے آپ ﷺ کو دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں فرماتے ”کون ہے جو مجھے پناہ دےتاک میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں، اس لیے کہ قریش مجھے فریضہ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے۔“ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی اس پکار پر مدینے کے اوس اور خزرخ نے لبیک کما، آپ ﷺ کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی اور آپ ﷺ کی مدد کا وعدہ کیا۔ نیز آپ ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ ﷺ بھرت کر کے مدینہ آجائیں تو آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمے داری ہم قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ بھرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وعدے کے مطابق انہوں نے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے تمام ساتھیوں کی پوری مدد کی۔ حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام ہی ”انصار“ رکھ دیا اور اب یہ ان کا علم بن گیا۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَأَزْضَاهُمْ (ابن کثیر)

(۳) یہ یہود تھے جنہوں نے نبوت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا انکار نہیں کیا بلکہ ان پر برہتان تراشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف و تفرق اس وقت ہوا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لایا گیا۔ ایک نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر ظہور فرمایا تھا، اب وہ پھر آسمان پر چلا گیا ہے، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ نسلویریہ فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے، باپ نے بیٹے کو آسمان پر بلا لایا ہے۔ تیرے فرقے نے کہا وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، یہی فرقہ صحیح تھا۔

(۴) یعنی نبی ﷺ کو معموث فرمادیں نے اسی آخری جماعت کی دوسرے باطل گروہوں کے مقابلے میں مدد کی۔ چنانچہ یہ صحیح عقیدے کی حوالہ جماعت نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئی اور یوں ہم نے ان کو دلائل کے لحاظ سے بھی سب کافروں پر غلبہ عطا فرمایا اور قوت و سلطنت کے اعتبار سے بھی۔ اس غلبے کا آخری ظہور اس وقت پھر ہو گا جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہو گا، جیسا کہ اس نزول اور غلبے کی صراحت احادیث صحیح میں تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔

سورہ جمعہ مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور
دور کوئی ہیں۔

سُورَةُ الْجُمُعَةِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ تعالیٰ کی
پاکی بیان کرتی ہیں (جو) بادشاہ نہایت پاک (ہے) غالب و
با حکمت ہے۔^(۱)

يُسَتَّرُ عَلَيْهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِلَّا كُنَّا مُعْلِمِيهِ وَيَرَكِّبُهُ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں^(۱) میں ان ہی میں سے
ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے
اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا
ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔^(۲)

وَالَّذِي بَعَثَ فِي الْأَهْمَنَ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِ يَنذِلُ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ
وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ فَلَمْ يَأْتُوا مِنْ قَبْلِ لَفْنِ صَلِيلٍ شَيْءٍ ②

اور دوسروں کے لیے بھی انہی میں سے جواب تک ان
سے نہیں^(۳) ملے۔ اور وہی غالب با حکمت ہے۔^(۴)

وَآخَرُونَ مِنْهُمْ لَمَّا لَيَلَّهُ عَوَاهُمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑤

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ اور منافقوں پر ہا کرتے تھے، صحیح مسلم 'کتاب الجمعة'، باب ما یقرأ فی صلوٰۃ الجمعة، تاہم ان کا جمعہ کی رات کو عشا کی نماز میں پڑھنا صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ البتہ ایک ضعیف روایت میں ایسا آتا ہے۔ (السان المیزان لابن حجر ترجمہ سعید بن سمال ابن حرب)

(۱) اُمیتین سے مراد عرب ہیں جن کی اکثریت ان پڑھتی تھی۔ ان کے خصوصی ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی رسالت دوسروں کے لیے نہیں تھی، بلکہ چونکہ اولین مخاطب وہ تھے، اس لیے اللہ کا ان پر یہ زیادہ احسان تھا۔

(۲) یہ اُمیتین پر عطف ہے یعنی بعثتِ فی آخرینَ مِنْهُمْ آخرینَ سے فارس اور دیگر غیر عرب لوگ ہیں جو قیامت تک آپ ﷺ پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب و غیرہ کے وہ تمام لوگ ہیں جو عمد صاحبہ اللہ عنہ کے بعد قیامت تک ہوں گے چنانچہ اس میں فارس، روم، ببر، سودان، ترک، مغول، کرد، چینی اور اہل ہند وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی نبوت سب کے لیے ہے چنانچہ یہ سب ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد یہ بھی مِنْهُمْ کا مصدق ایمان اسلام لانے والے اُمیتین میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان امت واحدہ ہیں۔ اسی ضمیر کی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ آخرین سے مراد بعد میں ہونے والے عرب ہیں کیونکہ مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع اُمیتین ہیں۔ (فتح القدير)

یہ اللہ کا فضل ہے^(۱) جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کامالک ہے۔^(۲)

جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گھرے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔^(۳) اللہ کی باتوں کو جھلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسے) ظالم قوم کو بدایت نہیں دیتا۔^(۴)

کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو تو سرے لوگوں کے سوا^(۵) تو تم موت کی تمنا کرو^(۶) اگر تم پچے ہو۔^(۷)

ذلیک فضلُ اللہِ بُوئیہ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمُ^(۸)

مَثُلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرِيدَ لَقَدْ يَعْلَمُونَا كَمَثُلِ الْحَسَارِيِّمُ
أَسْفَارًا بِنَسَقٍ مَثُلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا إِيمَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّلِيلِینَ^(۹)

فُلْ يَأْيَهَا الَّذِينَ هَادُوا لَنْ زَعَمُوا أَنَّهُمْ أَوْلَيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ
النَّاسِ فَتَمَّوا الْمَوْتَ إِنْ لَكُنُوكُ صَدِيقِينَ^(۱۰)

(۱) یہ اشارہ نبوت محمدی (علیٰ صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَوةُ) کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کی طرف بھی۔

(۲) اسنفار، سفر کی جمع ہے۔ معنی ہیں بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو انسان اس کے معنوں میں سفر کرتا ہے۔ اس لیے کتاب کو بھی سفر کہا جاتا ہے (فتح القدیر) یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گھرے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمربر جو کتابیں لدی ہوئی ہیں، ان میں کیا لکھا ہوا ہے؟ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو انھائے پھرتے ہیں، اس کو پڑھنے اور یاد کرنے کے وعدے بھی کرتے ہیں، لیکن اسے سمجھتے ہیں نہ اس کے مقضا پر عمل کرتے ہیں، بلکہ اس میں تاویل و تحریف اور تغیر و تبدل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے یہ حقیقت میں گھرے سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم و شعور سے ہی عاری ہوتا ہے، جب کہ ان کے اندر فہم و شعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿أُولَئِكَ الْأَغْنَمُونَ هُمُّ أَضَلُّ﴾ (الاعراف، ۷۹) ”یہ چوبائے کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔“ یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص علمائی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں، اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے مقضا پر عمل نہیں کرتے۔

(۳) جیسے وہ کما کرتے تھے کہ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چیتے ہیں۔“ (المائدۃ، ۱۸) اور دعویٰ کرتے تھے کہ ”جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہو گا“ (البقرۃ، ۱۱۱)

(۴) ہاکہ تمہیں وہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جو تمہارے زعم کے مطابق تمہارے لیے ہوں چاہیے۔

(۵) اس لیے کہ جس کو یہ علم ہو کہ مرنے کے بعد اس کے لیے جنت ہے، وہ تو وہاں جلد پہنچنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر

یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں^(۱) اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔^(۷)

کہہ دیجئے! کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جانے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے کیے ہوئے تمام کام بتلا دے گا۔^(۸)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑو۔^(۲) یہ تمہارے حق میں بست ہی

وَلَا يَمْنُونَ أَبْدًا إِنَّا قَدْ مَأْتَ أَيْدِيهِمْ وَإِنَّهُ عَلَيْمٌ بِالظَّالِمِينَ

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلِيقٌ كُلَّ شَرِّ دُونَ
إِلَى عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَيَنْبَغِي لَكُمْ بِمَا كُنْتمْ تَعْمَلُونَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ امْتُوا إِذَا أُنُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ
فَاسْعُوا إِلَيْهِ ذِكْرُ اللَّهِ وَذِرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرُ الْمُحْمَدِينَ
لَكُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

کیثر نے اس کی تفسیر دعوت مبارکہ سے کی ہے۔ یعنی اس میں ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اپنے دعوائے ولایت و محبوبیت میں پیچے ہو تو مسلمانوں کے ساتھ مبارکہ کرو۔ یعنی مسلمان اور یہودی دونوں مل کر بارگاہ اللہ میں دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار فرمادے۔ (دیکھئے سورہ بقرۃ، ۹۳ کا حاشیہ)

(۱) یعنی کفر و معاصی اور کتاب اللہ میں تحریف و تغیر کا جوار تکاب یہ کرتے رہے ہیں، ان کے باعث کبھی بھی یہ موت کی آرزو نہیں کریں گے۔

(۲) یہ اذان کس طرح دی جائے، اس کے الفاظ کیا ہوں؟ یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ البتہ حدیث میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن ہے نہ اس پر عمل کرنا ہی۔ جمعہ کو، جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ ہر چیز کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا، یوں گویا تمام مخلوقات کا اس دن اجتماع ہو گیا، یا نماز کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بنا پر کہتے ہیں۔ (فتح القدر) فاسعونا کا مطلب یہ نہیں کہ دوڑ کر آؤ، بلکہ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد آجائو اور کاروبار بند کر دو۔ کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا منوع ہے، وقار اور سکینت کے ساتھ آنے کی تائید کی گئی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الأذان و صحیح مسلم، کتاب المساجد) بعض حضرات نے ذرُوا الْبَيْعَ (خرید و فروخت چھوڑ دو) سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ صرف شرموں میں فرض ہے، اہل دینات پر نہیں۔ کیونکہ کاروبار اور خرید و فروخت شرموں میں ہی ہوتی ہے، دیساوں میں نہیں۔ حالانکہ اول تو دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو، اس لیے یہ دعویٰ ہی خلاف واقع ہے۔ دوسرا بیچ اور کاروبار سے مطلب، دنیا کے مشاغل ہیں، وہ جیسے بھی اور جس قسم کے بھی ہوں۔ اذان جمعہ کے

بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔^(۹)

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو^(۱۰) اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پالو۔^(۱۰)

اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آجائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔^(۱۲) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس جو ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔^(۱۳) اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی رسائی ہے۔^(۱۴)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَهُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَإِذَا رَأَيْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَنَاهِرَاتٍ فَلَا يَسْأَلُوهُنَّ

وَإِذَا رَأَيْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَنَاهِرَاتٍ فَلَا يَسْأَلُوهُنَّ قَاتِلَهُنَّ

قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ فَنَحْنُ أَنَّا لِلَّهِ وَمِنَ الْتِجَارَةِ وَاللَّهُ

خَيْرُ الرِّزْقَيْنَ^(۱۵)

بعد انسیں ترک کر دیا جائے۔ کیا اہل دیسات کے مشاغل دنیا نہیں ہوتے؟ کیا کھیتی باڑی، کاروبار اور مشاغل دنیا سے مختلف چیز ہے؟

(۱) اس سے مراد کاروبار اور تجارت ہے۔ یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے اپنے کاروبار اور دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو جاؤ۔ مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نماز کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔

(۲) ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کا خطبہ ارشاد فرمائے تھے کہ ایک قافلہ آگیا، لوگوں کو پتہ چلا تو خطبہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لیے چلے گئے کہ کہیں سامان فروخت ختم نہ ہو جائے صرف ۱۲ آدمی مسجد میں رہ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی (اصحیح بخاری، تفسیر سورۃ الجمعة و صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب وإذا رأوا تجارة أول لهموا.....)، آنفِ صاض کے معنی ہیں، مائل اور متوجہ ہونا، دوڑ کر منتشر ہو جانا۔ إِلَيْهَا میں ضمیر کا مرتعن تجارة ہے۔ یہاں صرف ضمیر تجارت پر اکتفا کیا، اس لیے کہ جب تجارت بھی، باوجود جائز اور ضروری ہونے کے، دوران خطبہ مددوم ہے تو کھیل وغیرہ کے مددوم ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازین قائماء میں معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر دینا سنت ہے۔ چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے، جن کے درمیان آپ ﷺ بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ (اصحیح مسلم، کتاب الجمعة)

(۳) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جو جزاۓ عظیم ہے۔

(۴) جس کی طرف تم دوڑ کر گئے اور مسجد سے نکل گئے اور خطبہ جمعہ کی ساعت بھی نہیں کی۔

(۵) پس اسی سے روزی طلب کرو اور اطاعت کے ذریعے سے اسی کی طرف و سیلہ پکڑو۔ اس کی اطاعت اور اس کی طرف انبات تحصیل رزق کا بہت بڑا سبب ہے۔

سورہ منافقون مدینی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو روکوں ہیں۔

شُورَةُ الْمُنَافِقُونَ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس
بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں^(۱)
اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں۔^(۲) اور
اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔^(۳)
انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۴) پس اللہ کی
راہ سے رک گئے^(۵) بیشک برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے
ہیں۔^(۶)

یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لَا کر پھر کافر ہو گئے^(۷) پس
ان کے دلوں پر مرکروہی گئی۔ اب یہ نہیں سمجھتے۔^(۸)
جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا جَاءَكُوكُلِّ الْمُنْفِقُونَ قَاتُلُوكُلِّ شَهِدَاتِكَ لَرَسُولِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللّٰهُ يَشْهُدُ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ لَكُلُّنُوْنَ ۝

إِنَّهُدُوا إِيمَانَهُمْ جُنَاحٌ فَضَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ أَنَّهُمْ
سَأَلَّهُمْ كَاذِبُوْنَ ۝

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ أَمْوَالُهُمْ كُفَرُوا فَطِيعُهُمْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَقْعُدُونَ ۝

وَإِذَا رَأَيْتُمْهُمْ تُخْبِكُ أَجْسَادُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا أَسْمَعُ لِقَوْبَهُمْ كَاذِبُهُمْ

(۱) منافقین سے مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھا کھا کر کتے کہ آپ ملکیت اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) یہ جملہ معترضہ ہے جو مضمون ماقبل کی تائید کے لیے ہے جس کا اظہار منافقین بطور منافق کے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو ویسے ہی زبان سے کہتے ہیں، ان کے دل اس لیقین سے خالی ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ ملکیت واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

(۳) اس بات میں کہ وہ دل سے آپ ملکیت کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ یعنی دل سے گواہی نہیں دیتے صرف زبان سے دھوکہ دینے کے لیے اظہار کرتے ہیں۔

(۴) یعنی وہ جو قسم کھا کر کتے ہیں کہ وہ تمہاری طرح مسلمان ہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، انہوں نے اپنی اس قسم کو ڈھال بنا رکھا ہے اس کے ذریعے سے وہ تم سے بچ رہتے ہیں اور کافروں کی طرح یہ تمہاری تکواروں کی زد میں نہیں آتے۔

(۵) دوسرا ترجمہ ہے کہ انہوں نے شک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ منافقین بھی صریح کافر ہیں۔

معلوم ہوں،^(۱) یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی
باتوں پر (اپنا) کان لگائیں،^(۲) گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار
کے سارے سے لگائی ہوئیں،^(۳) ہر (خت) آواز کو اپنے
خلاف سمجھتے ہیں۔^(۴) یہی حقیقی دشمن ہیں ان سے بچوں اللہ
انہیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔^(۵)

اور جب ان سے کما جاتا ہے کہ آؤ تم سارے لیے اللہ کے
رسول استغفار کریں تو اپنے سر منکراتے ہیں^(۶) اور آپ
دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔^(۷)
ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر
ہے۔^(۸) اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشنے گا۔^(۹) بیشک اللہ
تعالیٰ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔^(۱۰)

یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس

خُلُّبُ مُسْتَدِّةٌ يَصْبُرُونَ كُلَّ صِيَحَّةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَأَخْذُهُمْ
فَإِنَّهُمْ لِهُ أَنْتَلُونَ ⑥

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِنْتَسَعُنَّ لَكُمْ سُولُ اللَّهِ لَوْا دُوَّرُ وَسَمُونَ
وَرَأْيَتُمْ يَصْدُونَ وَهُمْ مُسْكِنُونَ ⑦

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفِرُ لَهُمْ أَمْ لَمْ يَسْتَغْفِرُ لَهُمْ يَعْلَمُ اللَّهُ أَكْمَمُ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّقِيقِينَ ⑧

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا يُنْفِعُونَا عَلَى مَنْ يَعْنِدَ رَسُولَ اللَّهِ حَتَّىٰ

(۱) یعنی ان کے حسن و جمال اور رونق و شادابی کی وجہ سے۔

(۲) یعنی زبان کی فصاحت و باغعت کی وجہ سے۔

(۳) یعنی اپنی درازی قدا اور حسن و رعنائی، عدم فهم اور قلت خیر میں ایسے ہیں گویا کہ دیوار پر لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو تو بھلی لگتی ہیں لیکن کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یا یہ مبتدا مخدوف کی خبر ہے اور مطلب ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں جو کسی بات کو سمجھتی ہیں نہ جانتی ہیں۔ (فتح القدر)

(۴) یعنی بزدل ایسے ہیں کہ کوئی زور دار آواز سن لیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نازل ہو گئی ہے۔ یا گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا ہے۔ جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔

(۵) یعنی استغفار سے اعراض کرتے ہوئے اپنے رسول کو موڑ لیتے ہیں۔

(۶) یعنی کہنے والے کی بات سے منہ موڑ لیں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کر لیں گے۔

(۷) اپنے نفاق پر اصرار اور کفر پر استرار کی وجہ سے وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں استغفار اور عدم استغفار ان کے حق میں برابر ہے۔

(۸) اگر اسی حالت نفاق میں وہ مر گئے۔ ہاں اگر وہ زندگی میں کفر و نفاق سے تائب ہو جائیں تو بات اور ہے، پھر ان کی مغفرت ممکن ہے۔

ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں^(۱) اور آسمان و زمین کے کل خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں^(۲) لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں۔^(۳) ^(۷)

یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔^(۴) سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان داروں کے لیے ہے^(۵) لیکن یہ منافق

يَقْضُوا وَلِهِ خَرَائِنُ التَّمَوُتِ وَالْأَرْضِ وَلِكُنَ الْمُنْفِقُونَ
لَا يَعْلَمُونَ ^(۶)

يَعُولُونَ لَمَنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرُجَنَ الْأَعْزَمُ مِنْهَا الْأَذْنَ
وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلِكُنَ الْمُنْفِقُونَ
لَا يَعْلَمُونَ ^(۶)

(۱) ایک غزوے میں (جسے اہل سیر غزوہ مریض یا غزوہ بنی المصطلق کہتے ہیں) ایک مهاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی حمایت کے لیے انصار اور مهاجرین کو پکارا، جس پر عبد اللہ بن ابی (منافق) نے انصار سے کہا کہ تم نے مهاجرین کی مدد کی اور ان کو اپنے ساتھ رکھا، اب دیکھ لو، اس کا نتیجہ سامنے آ رہا ہے یعنی یہ اب تمہارا کھا کر تمہیں پر غرا رہے ہیں۔ ان کا اعلان تو یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنا بند کر دو، یہ اپنے آپ تتر بڑھ رہا ہے جائیں گے۔ نیز اس نے یہ بھی کہا کہ ہم (جو عزت والے ہیں) ان ذلیلوں (مهاجروں) کو مدینے سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رض نے یہ کلمات خپیش سن لیے اور انسوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر بتلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر حضرت زید بن ارقم رض کو سخت مطالبہ کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ابی کو صداقت کے اظہار کے لیے سورہ منافقون نازل فرمادی، جس میں ابن ابی کے کردار کو پوری طرح طشت از بام کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری 'تفسیر سورہ المنافقون')

(۲) مطلب یہ ہے کہ مهاجرین کا رازق اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ رزق کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جس کو جتنا چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے۔

(۳) منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے، اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ انصار اگر مهاجرین کی طرف دست تعاون دراز نہ کریں تو وہ بھوکے مرجائیں گے۔

(۴) اس کا کہنے والا رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تھا، عزت والے سے اس کی مراد تھی، وہ خود اور اس کے رفقاء اور ذلت والے سے (نحو زبان اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان۔

(۵) یعنی عزت اور غلبہ صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور پھر وہ اپنی طرف سے جس کو چاہے عزت و غلبہ عطا فرمادے۔ چنانچہ وہ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عزت اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے نافرمان ہوں۔ یہ منافقین کے قول کی تردید فرمائی کہ عزتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معزز بھی وہی ہے جسے وہ معزز سمجھے، نہ کہ وہ جو اپنے آپ کو معزز یا اہل دنیا جس کو معزز سمجھیں اور اللہ کے ہاں معزز صرف اور صرف اہل ایمان ہوں گے،

جانتے نہیں۔^(۱)

اے مسلمانو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمیس اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔^(۲) اور جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیاد کار لوگ ہیں۔^(۳)

اور جو کچھ ہم نے تمیس دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) اس سے پسلے خرچ کرو^(۴) کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دری کی مہلت کیوں نہیں^(۵) دیتا؟ کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔^(۶)

اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بخوبی باخبر ہے۔^(۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ إِمَّا لَا يَتَكَبُّرُونَ وَإِمَّا لَا يَأْذَكُونَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعُلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

وَأَنْفَقُوا مِنْ مَا لَمْ يَكُنْ مِنْ قِيلٍ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدٌ كُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولُ رَبِّ لَوْلَا أَخْرَيْتَنِي إِلَى أَجْيَلٍ قَرِيبٌ لَا فَاصْنَعَ وَأَنْ لِنْ قَنَ الصَّابِرِينَ

وَلَنْ يُؤَخْرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَهُ أَجْلُهَا وَاللَّهُ خَيْرٌ لِمَا يَعْمَلُونَ

کافر اور اہل نفاق نہیں۔

(۱) اس لیے ایسے کام نہیں کرتے جو ان کے لیے مفید ہیں اور ان چیزوں سے نہیں بچتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔
 (۲) یعنی مال اور اولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آجائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حلال و حرام کی حدود کی پرواہ کرو۔ منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا کردار ہے جو انسان کو خسارے میں ڈالنے والا ہے۔ اہل ایمان کا کردار اس کے بر عکس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں، یعنی اس کے احکام و فرائض کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔
 (۳) خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی اور دیگر امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ میں اور اسی طرح اگرچہ کی استطاعت ہو تو اس کی ادائیگی میں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ موت کا کوئی پتہ نہیں کس وقت آجائے؟ اور یہ فرائض اس کے ذمے رہ جائیں کیونکہ موت کے وقت آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

شُورَةُ الْتَّغَابُونَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ تغابن مدنی ہے اور اس میں اخبارہ آئیں اور
دو روکوئے ہیں۔

شرع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

(تمام چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی پاکی
بیان کرتی ہیں^(۱) اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف
ہے،^(۲) اور وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے۔^(۳)

اسی نے تمیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعضے تو کافر ہیں
اور بعض ایمان والے ہیں، اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ
تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔^(۴)

اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو عدل و حکمت سے پیدا
کیا،^(۵) اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی

يَسِّيرٌ لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۱)

مُوَالِذِي خَلْقَكُمْ فَيَنْكُرُ كَافِرُوْمِنْكُمْ مُؤْمِنُوْنَ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ^(۲)

خَالِقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ وَصَوَّرُ كُلِّ فَاحِشَّ صُورَ كُلِّ
وَالْأَنْوَافِ الْمَعْصِيرٌ^(۳)

(۱) یعنی آسمان و زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص و عیب سے تنزیہ و تقدیس بیان کرتی ہے۔ زبان حال سے بھی اور
زبان مقال سے بھی۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔

(۲) یعنی یہ دونوں خوبیاں بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل ہے تو وہ اسی کا عطا کردا ہے
جو عارضی ہے، کسی کے پاس کچھ حسن و کمال ہے تو اسی مبدأ فیض کی کرم گستاخی کا نتیجہ ہے، اس لیے اصل تعریف کا
مستحق بھی صرف وہی ہے۔

(۳) یعنی انسان کے لیے خیرو شر، نیکی اور بدی اور کفر و ایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ و
اختیار کی جو آزادی دی ہے۔ اس کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے۔ اس نے کسی پر جر نہیں
کیا۔ اگر وہ جر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر و معصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر ہی نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح انسان کی
آزمائش ممکن نہیں تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزمانا تھا۔ ﴿الَّذِي خَالَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَنْبَلُوكُمْ أَيْكُلُوا أَحْسَنَ
عَمَلًا﴾ (سورہ الملک، ۲) بنا بریں جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا
عمل و کسب ہے جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح مومن اور ایمان کا خالق بھی اللہ ہے لیکن
ایمان اس مومن کا کسب و عمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب و عمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے
مطابق جزا ملے گی، کیونکہ وہ سب کے عمل دیکھ رہا ہے۔

(۴) اور وہ عدل و حکمت یہی ہے کہ محسن کو اس کے احسان کی اور بد کار کو اس کی بدی کی جزا دے، چنانچہ وہ اس عدل کا

بنا میں^(۱) اور اسی کی طرف لوٹا ہے۔^(۲) ^(۳)

وہ آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم
چھپاؤ اور جو ظاہر کرو وہ (سب کو) جانتا ہے۔ اللہ تو سینوں
کی پاتوں تک کو جانے والا ہے۔^(۳) ^(۴)

کیا تمہارے پاس اس سے پلے کے کافروں کی خبر نہیں
پہنچی؟ جنوں نے اپنے اعمال کا وباں چکھ لیا^(۴) اور جن
کے لیے دردناک عذاب ہے۔^(۵) ^(۶)

یہ اس لیے^(۷) کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح
و لائل لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان
ہماری رہنمائی کرے گا؟^(۷) پس انکار کر دیا^(۸) اور منہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تَبْشِّرُونَ
وَمَا تُعْلَمُونَ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَيْمٌ بِذَادِ الصُّدُورِ ^(۹)

الْهُرُبُ يَأْتِي لِكُلِّ نَبِيٍّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلٍ فَدَأْثُوا وَبَالَّا أَمْرُهُمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ^(۱۰)

ذَلِكَ يَأْتِيهِ كَانَتْ شَائِيْهُمْ رُسْلَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا
آبَرْتُهُمْ وَهُدَوْنَا فَلَمْ يَكُنْوا وَتَوَلَّوْا وَأَسْتَغْفِيَ اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ غَفُونْ
حَمِيدٌ ^(۱۱)

مکمل اہتمام قیامت والے دن فرمائے گا۔

(۱) تمہاری شکل و صورت، قدو قامت اور خدو خال نمایت خوب صورت بنائے، جس سے اللہ کی دوسری مخلوق محروم ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا يَعْلَمُكُمْ بِرَبِّكُمْ إِنَّمَا يَعْلَمُكُمْ مَنْ يَعْلَمُ
مَا تَعْمَلُونَ﴾ (سورۃ الانفطراء، ۸۰-۸۱) ﴿وَصَوَرَ كَوْنَاتٍ حَسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الظَّلَيْبَتِ﴾ (سورۃ مؤمن، ۶۳)

(۲) کسی اور کی طرف نہیں^(۱) کہ اللہ کے محابے اور موافقے سے بچاؤ ہو جائے۔

(۳) یعنی اس کا علم کائنات ارضی و سماوی سب پر محیط ہے بلکہ تمہارے سینوں کے رازوں تک سے وہ واقف ہے۔ اس سے قبل جو وعدے اور وعدیں بیان ہوئی ہیں، یہ ان کی تائید ہے۔

(۴) یہ اہل مکہ سے بالخصوص اور کفار عرب سے بالعموم خطاب ہے۔ اور ما قبل کافروں سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم شمود وغیرہ ہیں۔ جنہیں ان کے کفر و معصیت کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے دوچار کر کے تباہ و بر باد کر دیا گیا۔

(۵) یعنی دنیوی عذاب کے علاوہ آخرت میں۔

(۶) ذلیک یہ اشارہ ہے اس عذاب کی طرف، جو دنیا میں انہیں ملا اور آخرت میں بھی انہیں ملے گا۔

(۷) یہ ان کے کفر کی علت ہے کہ انہوں نے یہ کفر، جوان کے عذاب دارین کا باعث بنا، اس لیے اختیار کیا کہ انہوں نے ایک بشر کو اپنا ہادی ماننے سے انکار کر دیا۔ یعنی ایک انسان کا رسول بن کر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آتا، ان کے لیے ناقابل قبول تھا جیسا کہ آج بھی اہل بدعت کے لیے رسول کو بشر مانا نمایت گرا ہے۔
هَدَاهُمُ اللَّهُ تَعَالَى

(۸) چنانچہ اس بنا پر انہوں نے رسولوں کو رسول ماننے سے اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

پھیر^(۱) لیا اور اللہ نے بھی بے نیازی کی،^(۲) اور اللہ تو ہے
ہی بست بے نیاز^(۳) سب خوبیوں والا۔^(۴)^(۵)

ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں
گے۔^(۶) آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم؟ تم
ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے^(۷) پھر جو تم نے کیا ہے اس
کی خبر دیئے جاؤ گے^(۸) اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان
ہے۔^(۹)

سو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر^(۱۰) اور اس نور پر جسے

زَعَمَ الظَّالِمُونَ كَفَرُوا أَنْ كُنْ يُبَعَثُوا مُلْكَلَ وَرَقَنَ
لَكَبِعَلَنَ ثُمَّ لَتَبَوَّلَنَ بِمَا عَمِلُمْ وَذَلِكَ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ^(۱۱)

فَلَمْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالثُّوْرِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ

(۱) یعنی ان سے اعراض کیا اور جود عوت وہ پیش کرتے تھے، اس پر انسوں نے غور و تدبیری نہیں کیا۔

(۲) یعنی ان کے ایمان اور ان کی عبادت سے۔

(۳) اس کو کسی کی عبادت سے کیا فائدہ اور اس کی عبادت سے انکار کرنے سے کیا نقصان؟

(۴) یا محمود ہے (تعریف کیا گیا) تمام مخلوقات کی طرف سے۔ یعنی ہر مخلوق زبان حال و قال سے اس کی حمد و تعریف میں رطب اللسان ہے۔

(۵) یعنی یہ عقیدہ کہ قیامت والے دن دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، یہ کافروں کا محض گمان ہے، جس کی پشت پر دلیل کوئی نہیں۔ زعم کا اطلاق کذب پر بھی ہوتا ہے۔

(۶) قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی قسم کھا کر یہ اعلان کرے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک یہ مقام ہے اس سے قبل ایک مقام سورہ یونس، آیت ۵۳، اور دوسرا مقام سورہ سبا، آیت ۳ ہے۔

(۷) یہ وقوع قیامت کی حکمت ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو کیوں دوبارہ زندہ کرے گا؟ اس لیے تاکہ وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری جزا دی جائے۔ کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے کہ یہ جزا مکمل شکل میں بالعوم نہیں ملتی۔ نیک کونہ بد کو۔ اب اگر قیامت والے دن بھی مکمل جزا کا اہتمام نہ ہو تو دنیا ایک کھلنڈرے کا کھلیل اور فعل عبیث ہی قرار پائے گی، جب کہ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس کا تو کوئی فعل عبیث نہیں، چہ جائیکہ جن و انس کی تحقیق کو بے معصداً ایک کھلیل سمجھ لیا جائے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علوٰ کبیراً۔

(۸) یہ دوبارہ زندگی، انسانوں کو کتنی ہی مشکل یا مستبعد نظر آتی ہو، لیکن اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

(۹) فَأَمِنُوا مِنْ فَاصِحَّمْ ہے جو شرط مقدر پر دلالت کرتی ہے۔ ایسی: إِذَا كَانَ أَلَامُرْ هُكَذا فَصَدِّقُوا بِاللَّهِ یعنی جب معاملہ اس طرح ہے جو بیان ہوا، تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاو، اس کی تصدیق کرو۔

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ

ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاو^(۱) اور اللہ تعالیٰ تمہارے
ہر عمل پر بآخربنے۔ (۸)

جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن ^(۲) جمع کرے گا
وہی دن ہے ہار جیت کا ^(۳) اور جو شخص اللہ پر ایمان لا کر
نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے
گا اور اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہیں
بسہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت
بڑی کامیابی ہے۔ ^(۴)

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آئتوں کو جھٹلایا وہی
 (سب) جنمی ہیں (جو) جنم میں ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت
 برا ٹھکانا ہے۔ (۱۰)

کوئی مصیبت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی،^(۳)

يَوْمَ يَجْعَلُ لِلْعِبْدِ الْجَمْعَ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفَرُ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخَلُهُ جَنَّةً تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِيلِنَّ فِيهَا أَبْدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ④

وَالَّذِينَ كَفَرُوا كَذَبُوا يَا أَيُّهُنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ التَّارِيخِ لِدِينِنَ فِيهَا
وَيَقْشُبُ الْمَصْبِرُ ۝

مَا آصَابَ مِنْ مُعِيَّبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ

(۱) آپ ﷺ کے ساتھ نازل ہونے والا یہ نور قرآن مجید ہے جس سے گمراہی کی تاریکیاں چھٹی ہیں اور ایمان کی روشنی پھیلتی ہے۔

(۲) قیامت کو یومِ جمع اس لیے کہا کہ اس دن اول و آخر سب ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے۔ فرشتہ پکارے گا تو سب اس کی آواز سنیں گے، ہر ایک کی نگاہ آخر تک پہنچ جائے گی، کیونکہ درمیان میں کوئی چیز حاکل نہ ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ذلِكَ يَوْمٌ يُجْمَعُ عَلَيْهِ النَّاسُ وَذلِكَ يَوْمٌ مَسْهُودٌ﴾ (ہود: ۱۰۳) ”وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔ ﴿فَلَنَّ إِنَّ الْأَقْلَمَينَ وَالآخِرَتِينَ * لَمْ يُجْمَعُ عَوْنَادَ إِلَى مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ﴾ (الواقعة: ۵۰، ۵۹)

(۳) یعنی ایک گروہ جیت جائے گا اور ایک ہار جائے گا، اہل حق اہل باطن پر ایمان والے اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر جیت جائیں گے، سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہو گئی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی وہ مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لیے تھے۔ اگر وہ جہنم میں جانے والے کام نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کے حصے میں آئے گی جو جہنم میں داخل ہوں گے، جہنوں نے خیر کو شر سے عمدہ چیز کو روی سے اور نعمتوں کو عذاب سے بدل لیا۔ غبن کے معنی نقصان اور خسارے کے بھی ہیں، یعنی نقصان کا دن۔ اس دن کافروں کو تو خسارے کا احساس ہو گا ہی۔ اہل ایمان کو بھی اس اعتبار سے خسارے کا احساس ہو گا کہ انہوں نے اور زیادہ نیکیاں کر کے مزید درجات کیوں نہ حاصل کے۔

(۳) یعنی اس کی تقدیر اور مشیت سے ہی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کے نزول کا سبب کفار کا یہ قول ہے

جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے^(۱) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانے والا ہے۔^(۲) (لوگو) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو۔ پس اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔^(۳)^(۴)

اللہ کے سوا کوئی معبد و برج نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے۔^(۵)^(۶)

اے ایمان والو! تمہاری بعض یویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں^(۷) پس ان سے ہوشیار رہنا^(۸) اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مریان ہے۔^(۹)^(۱۰)

یَهُدِ قُلْبَةً وَاللَّهُ يُكَلِّ شَيْءٍ عَلَيْهِ^(۱۱)

وَأَطْبِعُوا اللَّهَ وَأَطْبِعُوا الرَّسُولَ وَقَاتَنَ تَوْكِيدُهُ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا
الْبَلَامُ الْمُبِينُ^(۱۲)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَلِيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ^(۱۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَذْوَاجِكُمْ وَأَذْلَدُهُمْ عَدُوُّ الَّلَّهِ
فَاقْتُلُهُمْ فَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَعْفُرُوا فَإِنَّ
اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^(۱۴)

کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو دنیا کی مصیبیں انہیں نہ پہنچتیں۔ (فتح القدير)

(۱) یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے۔ اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے ہی پہنچا ہے، پس وہ صبر اور رضا بالعقلنا مظاہرہ کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اس کے دل میں یقین راسخ کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ اس کو پہنچنے والی چیز اس سے چوک نہیں سکتی اور جو اس سے چوک جانے والی ہے، وہ اسے پہنچ نہیں سکتی۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں گزرے گا، کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں، اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔ (فتح القدير)

(۳) یعنی تمام معاملات اسی کو سونپیں، اسی پر اعتماد کریں اور صرف اسی سے دعا و انجا کریں، کیونکہ اس کے سوا کوئی حاجت رو اور مشکل کشا ہے ہی نہیں۔

(۴) یعنی جو تمہیں عمل صالح اور اطاعت اللہ سے روکیں، سمجھ لیو وہ تمہارے خیر خواہ نہیں، دشمن ہیں۔

(۵) یعنی ان کے پیچھے لگنے سے بچو۔ بلکہ انہیں اپنے پیچھے لگاؤ آکہ وہ بھی اطاعت اللہ اختیار کریں، نہ کہ تم ان کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب کرلو۔

(۶) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ کئے میں مسلمان ہونے والے بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ آنے کا ارادہ کیا، جیسا کہ اس وقت ہجرت کا حکم نمایت تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا۔ لیکن ان کے یوی بچے آڑے آگے اور انہوں نے انہیں ہجرت نہیں کرنے دی۔ پھر بعد میں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے تو دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والوں نے دین میں بست زیادہ سمجھ حاصل کر لی ہے تو انہیں اپنے یوی بچوں پر غصہ آیا، جنہوں نے انہیں ہجرت

تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہیں۔^(۱)

اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے۔^(۲) (۱۵)

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور نہ سنتے اور مانتے چلے جاؤ^(۳) اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمہارے لیے بہتر ہے^(۴) اور جو شخص اپنے نفس کی حرمت سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔^(۵) (۱۶)

اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے (یعنی اس کی راہ میں خرج کرو گے)^(۶) تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔^(۷) اللہ بڑا قادر دان بردا بربار ہے۔^(۸) (۱۷)

وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جانے والا ہے زبردست حکمت والا ہے۔^(۹) (۱۸)

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَذْكَرُكُمْ فِتْنَةٌ تُوَالِهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ^(۱)

فَانْقُوْا إِلَيْهِ مَا سَطَعَ عَمَّا وَاسْمَعُوا وَأَطْبِعُوا وَأَنْفَعُوا
خَيْرُ الْأَنْسِكُمْ وَمَنْ يُؤْتَ شَيْئًا نَقْشَهُ
فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ^(۲)

إِنْ تَقْرِضُوا اللَّهَ قُرْضًا حَسَنًا يُضْعَفُهُ الْكُوْنُ وَيَنْفَرُ لَكُونُ
وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيلٌ^(۳)

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالثَّمَادَةُ الْعَزِيزُ الْعَكِيرُ^(۴)

سے روکے رکھا تھا، چنانچہ انہوں نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس میں انہیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ (سنن الترمذی، تفسیر سورہ التغابن)

(۱) جو تمہیں کب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں، پس اس آزمائش میں تم اسی وقت سرخ رو ہو سکتے ہو، جب تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ مال و اولاد جہاں اللہ کی نعمت ہیں، وہاں یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہیں۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا اطاعت گزار کون ہے اور نافرمان کون؟ (۲) یعنی اس شخص کے لیے جو مال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی باتوں کو توجہ اور غور سے سنو اور ان پر عمل کرو۔ اس لیے کہ صرف سن لینا بے فائدہ ہے، جب تک عمل نہ ہو۔

(۴) خَيْرًا أَيْ: إِنْفَاقًا خَيْرًا، يُكْنِي إِنْفَاقًا خَيْرًا اِنْفَاقَ عَامَ هِيَ، صَدَقَاتٍ واجِبَةً اور نافِلَةً دُونُونَ كُوْنَ شَاملٌ هِيَ۔

(۵) یعنی اخلاص نیت اور طیب نفس کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرج کرو گے۔

(۶) یعنی کئی کئی گناہ بڑھانے کے ساتھ وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔

(۷) وہ اپنے اطاعت گزاروں کو أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً اجر و ثواب سے نوازتا ہے اور معصیت کاروں کا فوری مٹاخذہ نہیں فرماتا۔

سورہ طلاق مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں اور
دور کوئی ہیں۔

شرع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

اے نبی! (اپنی امت سے کو کہ) جب تم اپنی یو یوں کو
طلاق دینا چاہو،^(۱) تو ان کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں
انہیں طلاق دو،^(۲) اور عدت کا حساب رکھو،^(۳) اور اللہ
سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو، نہ تم انہیں ان
کے گھروں سے نکالو^(۴) اور نہ وہ (خود) نکلیں^(۵) ہاں یہ

سورة الطلاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا أَيُّهَا الَّٰٓيُّهُ إِذَا أَطْلَقْتُمُ النِّسَاءَ قَطْلَتُهُنَّ لِعَدَّ تَهْنَ وَاحْصُمُوا
الْعِدَّةَ وَأَنْقُو الَّهُ رَبِّكُمْ لَا يُغْرِي جُوْهُنَّ مِنْ بَيْوَتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجُنَّ
إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاجِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنَّكُمْ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ
حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمُ نَفْسَهُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَعَلَّ اللَّهُ يُحْيِي بَعْدَ
ذَلِكَ أَمْرًا ①

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب آپ کے شرف و مرتبت کی وجہ سے ہے، ورنہ حکم تو امت کو دیا جا رہا ہے۔ یا آپ ہی کو بطور خاص خطاب ہے اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے ہے اور امت کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ ہی کافی ہے۔ طَلَقْتُمُ کا مطلب ہے جب طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلو۔

(۲) اس میں طلاق دینے کا طریقہ اور وقت بتایا ہے لِعَدَّتِهِنَّ میں لام تو قیمت کے لیے ہے۔ یعنی لاَوْلِ یا لاستِقْبَالِ عِدَّتِهِنَّ (عدت کے آغاز میں) طلاق دو۔ یعنی جب عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق دو۔ حالت طhra اسکی عدت کا آغاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں یا طهر میں ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دینا غلط طریقہ ہے۔ اسکو فقم طلاق بدی سے اور پسلے (صحیح) طریقے کو طلاق سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی یو یو کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے اور انہیں اس سے رجوع کرنے کے ساتھ حکم دیا کہ حالت طهر میں طلاق دینا، اور اسکے لیے آپ ﷺ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔ (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، تاہم حیض میں دی گئی طلاق بھی باوجود بدی ہونے کے واقع ہو جائے گی۔

محمد شین اور جسوس علیہ اسی بات کے قائل ہیں۔ البته امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ طلاق بدی کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے نیل الأولاد، کتاب الطلاق، باب النہی عن الطلاق فی الحیض و فی الطهر اور دیگر شروحت حدیث)

(۳) یعنی اس کی ابتداء اور انتہا کا خیال رکھو، تاکہ عورت اس کے بعد نکاح ثالی کر سکے، یا اگر تم ہی رجوع کرنا چاہو، (پہلی اور دوسری طلاق کی صورت میں) تو عدت کے اندر رجوع کر سکو۔

(۴) یعنی طلاق دیتے ہی عورت کو اپنے گھر سے مت نکالو، بلکہ عدت تک اسے گھر میں ہی رہنے دو، اور اس وقت تک رہائش اور ننان و نفقہ تمہاری ذمے داری ہے۔

(۵) یعنی عدت کے دوران خود عورت بھی گھر سے باہر نکلنے سے احتراز کرے، یا لایہ کہ کوئی بست ہی ضروری معاملہ ہو۔

اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں،^(۱) یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا،^(۲) تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔^(۳)^(۴)

(۱) یعنی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے یا بدنیابی اور بداخلاتی کا مظاہرہ کرے جس سے گھروالوں کو تکلیف ہو۔ دونوں صورتوں میں اس کا خراج جائز ہو گا۔

(۲) یعنی احکام مذکورہ، اللہ کی حدیں ہیں، جن سے تجاوز خود اپنے آپ پر ہی ظلم کرنا ہے، کیونکہ اس کے دینی اور دنیوی نقصانات خود تجاوز کرنے والے کو ہی بھگتے پڑیں گے۔

(۳) یعنی مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کر دے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے، جیسا کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔ (فتح القدير) اسی سے امام احمد اور دیگر بعض علماء یہ استدلال بھی کیا ہے کہ رہائش اور نفقة کی جو تائید کی گئی ہے وہ ان عورتوں کے لیے ہے جن کو ان کے خاوندوں نے پہلی یا دوسری طلاق دی ہو۔ کیونکہ ان میں خاوند کے رجوع کا حق برقرار رہتا ہے۔ اور جس عورت کو مختلف اوقات میں دو طلاقیں مل چکی ہوں تو تیسرا طلاق اس کے لیے طلاق بند یا باشہ ہے، اس کا سُکنیٰ (رہائش) اور نفقة خاوند کے ذمے نہیں ہے۔ اس کو فوراً خاوند کے مکان سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا، کیونکہ خاوند اب اس سے رجوع کر کے اسے اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا حتیٰ تک حَرَجٌ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ اس لیے اب اسے خاوند کے پاس رہنے کا اور اس سے نان و نفقة وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قيس رض کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب ان کے خاوند نے ان کو تیسرا طلاق بھی دے دی اور اس کے بعد انھیں خاوند کے مکان سے نکلنے کے لیے کما گیا تو وہ آمادہ نہیں ہوئی بالآخر معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کے لیے رہائش اور نفقة نہیں ہے، انھیں فوراً کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔ بلکہ بعض روایات میں صراحت بھی ہے، إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى لِلْمَرْأَةِ؛ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجُعَةُ رِوَايَةُ أَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ البت بعض روایات میں حاملہ عورت کے لیے بھی نفقة اور رہائش کی صراحت ہے۔ (تفصیل اور حوالوں کے لیے دیکھئے، نیل الأوطار، باب ماجاء فی نفقة المبتوءة و سکناها و باب النفقة والسكنی للمعتمدة الرجعية) بعض لوگ ان روایات کو قرآن کے مذکورہ

پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے والے دوستور کے مطابق انہیں الگ کرو^(۱) اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کرلو^(۲) اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔^(۳) یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔^(۴)

اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔^(۵) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔^(۶)

تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے نامید ہو

فَإِذَا أَلْقَعْنَ أَجْلَهُنَ فَأَمْسِكُوهُنَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ قَارِفُوهُنَ
بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهُدُوا ذُرْنَ عَدْلٍ مُنْكَمٍ وَأَقْمُوا اللَّهَمَادَةَ لِلَّهِ
ذَلِكُمْ يُوَعْظَى بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمَ الْآخِرَةُ وَمَنْ يَسْتَقِي
اللَّهُ يَعْجِلُ لَهُ مَغْرِبًا ⑦

وَيَرِزُقُهُ مَنْ حَيَثُ لَرَحِيْسٌ وَمَنْ يَوْمَ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَبِيْبٌ
إِنَّ اللَّهَ بِالْعِلْمِ أَمْرٌ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ قُدْرًا ⑧

وَالَّتِي يُبَيِّنُ مِنَ الْمَعْجِزِ مِنْ يَسِّلَكُمْ إِنْ أَرْتُمُمْ قَعْدَ تُهْنَى

حکم ﷺ لَا عِرْجُونَ مِنْ بُيُونَتَنَ ﷺ کے خلاف باور کر کے ان کو رد کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کا حکم اپنے گرد پیش کے قرآن کے پیش نظر مطلقہ رجیعہ سے متعلق ہے۔ اور اگر اسے عام مان بھی لیا جائے تو یہ روایات اس کی شخص ہیں یعنی قرآن کے عموم کو ان روایات نے مطلقہ رجیعہ کے لیے خاص کر دیا اور مطلقہ باشہ کو اس عموم سے نکال دیا ہے۔

(۱) مطلقہ مدخلہ کی عدت تین حیض ہے۔ اگر رجوع کرنا مقصود ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلو۔ بصورت دیگر انہیں معروف کے مطابق اپنے سے جدا کردو۔

(۲) اس رجعت اور بعض کے نزدیک طلاق پر گواہ کرلو۔ یہ امر و جوب کے لیے نہیں، استحباب کے لیے ہے۔ یعنی گواہ بنا لینا بہتر ہے تاہم ضروری نہیں۔

(۳) یہ تاکید گواہوں کو ہے کہ وہ کسی کی رو رعایت اور لائق کے بغیر صحیح صحیح گواہی دیں۔

(۴) یعنی شدائد اور آزمائشوں سے نکلنے کی سہیل پیدا فرمادیتا ہے۔

(۵) یعنی وہ جو چاہے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

(۶) شنیقوں کے لیے بھی اور آسانیوں کے لیے بھی۔ یہ دونوں اپنے وقت پر انتباہ ذیر ہو جاتے ہیں۔ بعض نے اس سے حیض اور عدت مرادی ہے۔

گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہوتا ان کی عدت تین میں ہے اور ان کی بھی جنیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو^(۱) اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل ہے^(۲) اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کر دے گا۔^(۳)

یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹاوے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔^(۴)

تم اپنی طاقت کے مطابق جماں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو^(۵) اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ^(۶) اور اگر وہ حمل سے ہوں تو

ثُلَّةُ أَشْهَدُوا إِنَّمَا يَعْصِيُنَّ وَأُولَئِكُ الْأَخْلَلُ أَجَلُهُنَّ كُنْ يَعْصُمُنَ حَمْلُهُنَّ وَمَنْ يَعْصِي اللَّهَ يَعْلَمُ لَهُ مِنْ أَمْرٍ كُنْ يُرَا

ذِلِّكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْهِمْ وَمَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ يَنْكِفُرُ عَنْهُ سَيِّلَاهُ وَيُعَظِّلُهُ لَهَا آنْجِرًا

أَسْكُنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنُوكُمْ مِنْ وَجِدُوكُمْ وَلَا تُصَارُوْهُنَ لِتُصِيبُوْهُ عَلَيْهِنَّ وَإِنَّمَا أُولَئِكَ يَحْمِلُ فَأَنْفَعُوا عَلَيْهِنَ حَتَّى يَعْصُمُنَ حَمْلُهُنَ فَإِنْ أَرْضَعُنَ لَهُمْ فَأَنْوَهُنَ أَبْوَهُنَ وَأَتَيْرُوا بِنَكْلٍ بِعَزْوَفٍ وَلَنْ

(۱) یہ ان کی عدت ہے جن کا حیض عمر سیدہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا، یا جنیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ نادر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہونچ جاتی ہے اور اسے حیض نہیں آتا۔

(۲) مطلق اگر حاملہ ہوتا اس کی عدت وضع حمل ہے، چاہے دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت یہی ہے چاہے وہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، (دیکھئے صحیح بخاری و صحیح مسلم اور دیگر سنن، کتاب الطلاق) دیگر عورتیں جن کے خاوند فوت ہو جائیں، ان کی عدت ۳ میںیں ادن ہے۔ (سورہ بقرۃ، ۲۳۲)

(۳) یعنی مطلقہ رجیعہ کو۔ اس لیے کہ مطلقہ باشہ کے لیے تو رہائش اور نفقہ ضروری ہی نہیں ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحے میں بیان ہوا۔ اپنی طاقت کے مطابق رکھنے کا مطلب ہے کہ اگر مکان فراخ ہو اور اس میں متعدد کرے ہوں تو ایک کرو اس کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ بصورت دیگر اپنا کرہ اس کے لیے خالی کر دے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ قریب رہ کر عدت گزارے گی تو شاید خاوند کا دل چیخ جائے اور رجوع کرنے کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ خاص طور پر اگر بچے بھی ہوں تو پھر رغبت اور رجوع کا قوی امکان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اس حکم کے فوائد و حکم سے بھی وہ محروم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں طلاق کے ساتھ ہی جس طرح عورت کو فوراً اچھوت بنا کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے، یا بعض دفعہ لڑکی والے اسے اپنے گھر لے جاتے ہیں، یہ رواج قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔

(۴) یعنی ننان نفقہ میں یا رہائش میں اسے تنگ اور بے آبرو کرنا تاکہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ عدت کے دوران

تَعَلَّمَ فِي رُضْمَلَةٍ أُخْرَى ۝

جب تک بچہ پیدا ہو لے انہیں خرچ دیتے رہا کرو^(۱) پھر
اگر تمہارے کئے سے وہی دودھ پلا میں تو تم انہیں ان
کی اجرت دے دو^(۲) اور باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا
کرو^(۳) اور اگر تم آپس میں کشمکش کرو تو اس کے کئے
سے کوئی اور دودھ پلائے گی۔^(۴) (۲)

کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے^(۵) اور
جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو^(۶) اسے چاہیے کہ جو
کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (اپنی)
حساب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا اگر
اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے،^(۷) اللہ تنگی کے

لِيُنْفِقُ ذُو سَعَةً مِنْ سَعْيَهُ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقًا فَلْيُنْفِقْ مَا أَنْشَأَ اللَّهُ
اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ إِنَّمَا الْمُحْسِنُونَ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ
غُنْمَتِهِنَّ ۝

ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے قریب ہو تو پھر رجوع کر لے اور بار بار ایسا کرے، جیسا کہ زمانہ جامیت میں کیا جاتا تھا۔ جس کے سد باب کے لیے شریعت نے طلاق کے بعد رجوع کرنے کی حد مقرر فرمادی تھا کہ کوئی شخص آئندہ اس طرح عورت کو تنگ نہ کرے، اب ایک انسان دو مرتبہ تو ایسا کر سکتا ہے یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لے۔ لیکن تیری مرتبہ جب طلاق دے گا تو اس کے بعد اس کے رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔

(۱) یعنی مطلقہ خواہ باشندی کیوں نہ ہو۔ اگر حالہ ہے تو اس کا نفقہ و کمی ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی طلاق دینے کے بعد اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کی اجرت تمہارے ذمے ہے۔

(۳) یعنی باہمی مشورے سے اجرت اور دیگر معاملات طے کر لیے جائیں۔ مثلاً بچے کا باپ عرف کے مطابق اجرت دے اور ماں، باپ کی استطاعت کے مطابق اجرت طلب کرے، غیرہ۔

(۴) یعنی آپس میں اجرت وغیرہ کا معاملہ طے نہ ہو سکے تو کسی دوسری اتنا کے ساتھ معاملہ کر لے جو اسکے بچے کو دودھ پلائے۔

(۵) یعنی دودھ پلانے والی عورتوں کو اجرت اپنی طاقت کے مطابق دی جائے اگر اللہ نے مال و دولت میں فراخی عطا فرمائی ہے تو اسی فراخی کے ساتھ مرضتہ کی خدمت ضروری ہے۔

(۶) یعنی مالی لحاظ سے وہ کمزور ہو۔

(۷) اس لیے وہ غریب اور کمزور کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ دودھ پلانے والی کو زیادہ اجرت ہی دے۔ مطلب ان ہدایات کا یہ ہے کہ بچے کی ماں اور بچے کا باپ دونوں ایسا مناسب رویہ اختیار کریں کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ نہیں نہ ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا : ﴿ لَئِنْ شَاءَ اللَّهُ أَلْيَوْكِمْ هَا وَلَا مُوْلَدُكِمْ ۚ ۝

(۷) بعد آسانی و فراغت بھی کر دے گا۔^(۱)

اور بہت سی بستی والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتاسری کی^(۲) تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور انہیں عذاب دیا ان دیکھا (سخت) عذاب۔^(۳) (۸)

لپ انہوں نے اپنے کرتوت کامزہ چکھ لیا اور انجام کاران
کا خسارہ ہی ہوا۔ (۹)

ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے،
پس اللہ سے ڈروائے عقل مند ایمان والو۔ یقیناً اللہ نے
تمہاری طرف نصیحت اتار دی ہے۔ (۱۰)

(یعنی) رسول^(۳) جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ سنا تا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے،^(۴) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے^(۵) اللہ اسے

شَدِيدًا وَعَذِيزًا عَذَّابًا شَكْرُهُ ⑤

فَدَافَتْ وَبَالْ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةً أَمْرِهَا خَسْرًا ①

أَعْذَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَّابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولَئِكَ الْمُجْرِمُونَ
الَّذِينَ إِذَا مَسَّهُمْ فَاقْتُلُوكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَكُمْ ذُكْرًا

رَسُولُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمَا يَنْبَغِي لِلْجُنُوحِ إِذْنُهُ مَنْتَهٰ
وَعَلَوْهُ الظِّلْحَدُ مِنَ الظُّلْمِ إِلَى التُّورِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِإِيمَانِهِ وَيَعْمَلْ
صَالِحًا يُدْخَلْ خَلْهُ جَنَّةً تَعْجَزُ بِعِظَمَتِهِ إِذْنُهُ خَلِيلُهُنَّ فِيهَا أَبْدَانٌ
فَدَأَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ⑩

^{۲۲۲} (البقرة: ۲۲۲) ”نہ ماں کو بیٹھے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور نہ باپ کو۔“

(۴) چنانچہ جو اللہ پر اعتماد و توکل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آسمانی و کشاویگی سے بھی نواز دیتا ہے۔

(٢) عَنْتُ، أَيْنِ: تَمَرَّدَتْ وَطَغَتْ وَأَسْتَكْبَرَتْ عَنْ أَبْيَاعِ أَمْرِ اللهِ وَمَنْتَابَةِ رَسُولِهِ.

(۳) نُكْرَا، مُنْكَرًا فَظِينَعًا حساب اور عذاب، دونوں سے مراد دنیاوی مذاخذه اور سزا ہے، یا پھر بقول بعض کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ عذاباً نُكْرَا وہ عذاب ہے جو دنیا میں قحط، خفت و مسخ وغیرہ کی شکل میں انسیں پہنچا، اور حسناً شدیداً وہ ہے جو آخرت میں ہو گا۔ (فتح القدر)

(۲۳) رسول، ذکر سے بدل ہے، بطور مبالغہ رسول کو ذکر سے تعبیر فرمایا، جیسے کہتے ہیں، وہ تو مجسم عدل ہے۔ یا ذکر سے مراد قرآن سے اور رسول سے یہی آنسئلنا محفوظ ہے لیکن ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور رسول کو ارسال کیا۔

(۵) یہ رسول کا منصب اور فریضہ بیان کیا گیا کہ وہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اخلاقی پستیوں سے شرک و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل صالح کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ رسول سے یہاں مراد الرسول یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

(۶) عمل صالح میں دونوں باتیں شامل ہیں، احکام و فرائض کی ادائیگی اور معصیات و منہیات سے اجتناب۔ مطلب ہے

ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہیں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ پیشک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے۔^(۱)

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔^(۲) اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے^(۳) تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔^(۴)

اللہُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ مَعَوِّتَ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَّخِذُ
الْأَمْرَ بِيَنْهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ فَدْ
أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا^(۱)

کہ جنت میں وہی اہل ایمان داخل ہوں گے، جنہوں نے صرف زبان سے ہی ایمان کا اظمار نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے ایمان کے تقاضوں کے مطابق فرائض پر عمل اور معاصی سے اجتناب کیا تھا۔

(۱) اُنی خَلَقَ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات آسمانوں کی طرح، اللہ نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ بعض نے اس سے سات اقلیم مراد ہے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جس طرح اور نیچے سات آسمان ہیں، اسی طرح سات زمینیں ہیں، جن کے درمیان بعد و مسافت ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق آباد ہے (القرطبی) احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ أَخَذَ شِبَراً مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطْوَقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعَ أَرَضِينَ (صحیح مسلم، کتاب البيع، باب تحريم الظلم)، ”جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ہتھیا لی تو قیامت والے دن اس زمین کا اتنا حصہ ساتوں زمینوں سے طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔“ (صحیح بخاری کے الفاظ ہیں خسف بہ إلی سبیع أَرَضِینَ ”اس کو ساتوں زمینوں تک دھندا دیا جائے گا۔“ (صحیح بخاری، کتاب المظالم باب إِنَّمَا مِنْ ظُلْمٍ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ) بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر زمین میں، اسی طرح کا پیغمبر ہے، جس طرح کا پیغمبر تمہاری زمین پر آیا، مثلاً آدم، آدم کی طرح نوح، نوح کی طرح، ابراہیم، ابراہیم کی طرح، عیسیٰ، عیسیٰ کی طرح (علیم السلام)۔ لیکن یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

(۲) یعنی جس طرح ہر آسمان پر اللہ کا حکم نافذ اور غالب ہے، اسی طرح ہر زمین پر اس کا حکم چلتا ہے، آسمانوں کی طرح ساتوں زمینوں کی بھی وہ تدبیر فرماتا ہے۔

(۳) پس اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، چاہے وہ کیسی ہی ہو۔

سورہ تحریم مدنی ہے اس میں بارہ آیتیں اور
دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے
اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟^(۱) (کیا) آپ اپنی بیویوں
کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخششے والا
رحم کرنے والا ہے۔^(۲)

تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قسموں کو کھول ڈالا

شُوَّلَةُ الْبَيْتِينَ نَبِرَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَ اللَّهُ لَكَ تَبْغَى مَرْضَاتٌ
أَزْوَاجُكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ①

قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لِكُفَّارَةً أَيْمَانَكُمْ وَإِنَّهُ مَوْلَكُكُمْ

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا، وہ کیا تھی؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا انعام فرمایا۔ اس سلسلے میں ایک تو وہ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رض کے پاس کچھ دیر ثہراتے اور وہاں شد پیتے، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے وہاں معمول سے زیادہ دیر تک آپ کو ثہرنے سے روکنے کے لیے یہ اسکیم تیار کی کہ ان میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ تشریف لا سکیں تو وہ ان سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول! آپ ﷺ کے منہ سے مغافر (ایک قسم کا پھول، جس میں بساند ہوتی ہے) کی بو آرہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تو زینب رض کے گھر صرف شد پیا ہے۔ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں پیوں گا، لیکن یہ بات تم کسی کو مت بتانا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ التحریم، سنن نسائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک لوڈی تھی جس کو آپ ﷺ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے) (سنن النسائی، ۸۳/۲)

جب کہ کچھ دوسرے علماء سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرت ماریہ قبطیہ رض تھیں، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحزادے ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رض کے گھر آگئی تھیں جب کہ حضرت حفصہ رض موجود نہیں تھیں۔ اتفاق سے انہی کی موجودگی میں حضرت حفصہ رض آگئیں، انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھر میں خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محسوس فرمایا، جس پر آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رض کو راضی کرنے کے لیے قسم کھا کر ماریہ رض کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حفصہ رض کو تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتائے۔ امام ابن حجر ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طرق سے نقل ہوا ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے بیک وقت دونوں ہی واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔ (فتح الباری، تفسیر سورہ التحریم) امام شوکانی نے بھی اسی رائے کا انعام

مقرر کر دیا ہے^(۱) اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی (پورے) علم والا، حکمت والا ہے۔^(۲)

اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کی،^(۳) پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی^(۴) اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات توبتا دی اور تھوڑی سی ثال گئے،^(۵) پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی۔^(۶) کامب جانے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتایا ہے۔^(۷)

(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ^(۸)

وَإِذَا سَرَّ اللَّهُ إِلَى بَعْضِ أَذْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَتَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضِهِ فَلَمَّا نَبَتَتْ أَهْلَهُ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكُوكَ هَذَا قَالَ بَتَّنَأَ الْعَلِيمُ الْجَيْمُ^(۹)

إِنْ شَوُبَنَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَعَتْ قُلُوبُهُمَا وَإِنْ تَظَهَرَا

کیا ہے اور دونوں قصوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس بھی نہیں ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔

(۱) یعنی کفارہ ادا کر کے اس کام کو کرنے کی قسم کھائی ہو، اجازت دے دی، قسم کا یہ کفارہ سورہ مائدۃ، ۸۹ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفارہ ادا کیا۔ (فتح القدير) اس امر میں علاوہ کے مابین اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمصور علماء کے نزدیک بیوی کے علاوہ کسی چیز کو حرام کرنے سے وہ چیز حرام ہو گی نہ اس پر کفارہ ہے، اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام کرے گا تو اس سے اس کا مقصد اگر طلاق ہے۔ تو طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں ہے تو راجح قول کے مطابق یہ قسم ہے، اس کے لیے کفارہ بیین کی ادائیگی ضروری ہے۔ (ایسر التفاسیر)

(۲) وہ پوشیدہ بات شد کو یا ماریے اللہ عنہما کو حرام کرنے والی بات تھی جو آپ ﷺ نے حضرت حفصہ اللہ عنہما سے کی تھی۔

(۳) یعنی حفصہ اللہ عنہما نے وہ بات حضرت عائشہ اللہ عنہما کو جا کر بتا دی۔

(۴) یعنی حفصہ اللہ عنہما کو بتلا دیا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے۔ تاہم اپنی حکمی و عظمت کے پیش نظر ساری بات بتانے سے اعراض فرمایا۔

(۵) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ اللہ عنہما کو بتلایا کہ تم نے میرا راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران ہوئیں کیونکہ انہوں نے حضرت عائشہ اللہ عنہما کے علاوہ کسی کو یہ بات نہیں بتائی تھی اور عائشہ اللہ عنہما سے انہیں یہ موقع نہیں تھی کہ وہ آپ کو بتلا دیں گی، کیونکہ وہ شریک معاملہ تھیں۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

توبہ کر لو (تو بت بہتر ہے) ^(۱) یقیناً تم سارے دل جھک پڑے ہیں ^(۲) اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی پس یقیناً اس کا کار ساز اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک اہل ایمان اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔ ^(۳) ^(۴)

اگر وہ (پیغمبر) تمہیں طلاق دے دیں تو بت جلد انہیں ان کا رب! تم سارے بد لے تم سے بت یوں عنایت فرمائے گا، ^(۵) جو اسلام والیاں، ایمان والیاں اللہ کے حضور جھکنے والیاں توبہ کرنے والیاں، عبادت بجالانے والیاں روزے رکھنے والیاں ہوں گی یہاں اور کنواریاں۔ ^(۶) اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھروں والوں کو اس آگ سے بچاؤ ^(۷) جس کا ایندھن انسان ہیں اور پھر

عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَمُوْلَاهُ وَجِئْرُنْ وَصَاحِبُ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمَلِكَ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ^(۸)

عَنِ رَبِّهِ إِنْ طَقَنْ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَرْوَاجًا خَيْرًا مُنْتَنِي
مُسْلِمَتْ مُؤْمِنَتْ قِنْتَنْ تَبَدِّلَتْ عِدَادِتْ سَبِحَتْ
شَبَابَتْ وَأَبَكَارًا ^(۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْتَأْفِقُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَفُودُهَا
النَّاسُ وَالْجَنَّاتُ عَلَيْهَا مَلِكَةُ غَلَاظٌ شَدَادٌ لَا يَعْصُونَ

(۱) یا تم ساری توبہ قبول کر لی جائے گی، یہ شرط (إِنْ تَتَوَبَّا) کا جواب مذوف ہے۔

(۲) یعنی حق سے ہٹ گئے ہیں اور وہ ہے ان کا ایسی چیز کا پسند کرنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناگوار تھی۔ (فتح القدير)

(۳) یعنی نبی مسیح ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کے مقابلے میں تم جتنے بندی کرو گی تو نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، اس لیے کہ نبی کا مدد گار تو اللہ بھی ہے اور مومنین اور ملائکہ بھی۔

(۴) یہ تعبیر کے طور پر ازواج مطہرات کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تم سے بھی بت یوں عطا کر سکتا ہے۔

(۵) ثبیبات، ثبیب کی جمع ہے، (لوٹ آنے والی) یہاں عورت کو ثبیب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاوند سے واپس لوٹ آتی ہے اور پھر اس طرح بے خاوند رہ جاتی ہے جیسے پسلے تھی۔ ابکار، بخُرُم کی جمع ہے، کنواری عورت۔ اسے کبراں لیے کہتے ہیں کہ یہ ابھی اپنی اسی پسلی حالت پر ہوتی ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ (فتح القدير) بعض روایات میں آتا ہے کہ ثبیب سے حضرت آسیہ (فرعون کی یہوی) اور بخُرُم سے حضرت مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) مراد ہیں۔ یعنی جنت میں ان دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں بنا دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن ان روایات کی بنیاد پر ایسا خیال رکھنا یا بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ سندا یہ روایات پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

(۶) اس میں اہل ایمان کو ان کی ایک نمایت اہم ذے داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ ہے، اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام، تاکہ یہ سب جنم کا ایندھن بننے سے نفع جائیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو، اور دس

جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں۔^(۶)

اے کافرو! آج تم عذر و بہانہ مت کرو۔ تمہیں صرف تمہارے کرتوت کابلہ دیا جا رہا ہے۔^(۷)

اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے پھی خالص توبہ کرو۔^(۸)
قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہیں جاری ہیں۔ جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان داروں کو جوان کے ساتھ ہیں رسوانہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہو گا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرم۔^(۹) اور

ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔^(۱۰)
اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جماد کرو^(۱۱) اور ان پر سختی

اللَّهُ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمِنُونَ ⑤

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَّا يَأْتِيَنَا بِمَا مُحْكَمٌ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑥

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ تُبُوَّإِلَى الْلَّهِ تَوْبَةً نَصُوحاً، عَنِّي رَبِّكُمْ
أَنْ يَكْفِرُ عَنْكُمْ سِيَّارَتُكُمْ وَنَدِيَّ خَلْكُمْ جَنَاحَتِي مَهْرُبِي مِنْ تَحْمِلَهَا
الْأَفْرَدُ يَوْمَ لَا يُخْزَى اللَّهُ الْيَقِيْنِ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ
يُسْلِغُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَيَأْمَنُنَاهُمْ بِمَقْتُولَنَّ رَبِّنَا أَتَيْنَاهُمْ لَنَا
نُورَنَا وَالْغَيْرُ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑦

يَا أَيُّهَا الَّذِيْ جَاهَدَ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَأَعْلَمَ عَلَيْهِمْ

سال عمر کے بچوں میں نماز سے تسلیل دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن الترمذی، کتاب الصلوٰۃ)
فقمانے کہا ہے، اسی طرح روزے ان سے رکھوائے جائیں اور دیگر احکام کے اتباع کی تلقین انہیں کی جائے۔ تاکہ جب وہ شعور کی عمر کو پہنچیں تو اس دین حق کا شعور بھی انہیں حاصل ہو چکا ہو۔ (ابن کثیر)

(۱) خالص توبہ یہ ہے کہ:۔۔ جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے، اسے ترک کر دے۔۔ اس پر اللہ کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار کرے۔۔ آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم رکھ۔۔ اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے، اس کا زوال کرے، جس کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس سے معافی مانگے۔ محض زبان سے توبہ کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

(۲) یہ دعا اہل ایمان اس وقت کریں گے جب منافقین کا نور بچا دیا جائے گا، جیسا کہ سورہ حمد میں تفصیل گزری۔ اہل ایمان کمیں گے، جنت میں داخل ہونے تک ہمارے اس نور کو باقی رکھ اور اس کا اعتمام فرم۔

(۳) کفار کے ساتھ جماد، و قاتل کے ساتھ اور منافقین سے، ان پر حدود الہی قائم کر کے، جب وہ ایسے کام کریں جو موجب حد ہوں۔

کرو^(۱) ان کاٹھ کانا جنم ہے^(۲) اور وہ بہت بری جگہ ہے۔^(۳)
 اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح کی اور لوط کی یوں کی
 مثال بیان فرمائی^(۴) یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو
 (شائستہ اور) نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی
 انسوں نے خیانت کی^(۵) پس وہ دونوں (نیک بندے) ان
 سے اللہ کے (کسی عذاب کو) نہ روک سکے^(۶) اور حکم
 دے دیا گیا (اے عورتو) دوزخ میں جانے والوں کے
 ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ۔^(۷) ^(۸)

وَمَا لِهُمْ جَهَنَّمُ وَيُنَزَّلُ الْمَصِيرُ ①
 ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّمَا تُثْوِرُهُ وَإِنَّمَا
 لُؤْطًا كَانَتْ أَعْتَدَتْ لِعَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ
 فَخَانَتْهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا قَوْمٌ
 اُخْلَدُوا إِلَى النَّارِ مَعَ الظَّالِمِينَ ②

(۱) یعنی دعوت و تبلیغ میں سختی اور احکام شریعت میں درشتی اختیار کریں۔ کیونکہ یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے
 مانے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حکمت تبلیغ کبھی نرمی کی مقاضی ہوتی ہے اور کبھی سختی کی۔ ہر جگہ نرمی بھی
 مناسب نہیں اور ہر جگہ سختی بھی مفید نہیں رہتی۔ تبلیغ و دعوت میں حالات و ظروف اور اشخاص و افراد کے اعتبار سے
 نرمی یا سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

(۲) یعنی کافروں اور منافقوں دونوں کاٹھ کانا جنم ہے۔

(۳) مثلاً کا مطلب ہے کسی ایسی حالت کا بیان کرنا جس میں ندرت و غربت ہو، تاکہ اس کے ذریعے سے ایک دوسری
 حالت کا تعارف ہو جائے جو ندرت و غربت میں اس کے مماثل ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کافروں کے حال کے لیے اللہ
 نے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ جو نوح اور لوط علیہما السلام کی یوں کی ہے۔

(۴) یہاں خیانت سے مراد عصمت میں خیانت نہیں، کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ کسی نبی کی یوں بدکار نہیں ہوئی۔
 (فتح القدير) خیانت سے مراد ہے کہ یہ اپنے خاوندوں پر ایمان نہیں لائیں، نفاق میں مبتلا رہیں اور ان کی ہمدردیاں اپنی
 کافر قوموں کے ساتھ رہیں، چنانچہ نوح علیہ السلام کی یوں، حضرت نوح علیہ السلام کی بait لوگوں سے کہتی کہ یہ مجنون
 (دیوانہ) ہے اور لوط علیہ السلام کی یوں اپنی قوم کو گھر میں آنے والے ممکنون کی اطلاع پہنچاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ
 دونوں اپنی قوم کے لوگوں میں اپنے خاوندوں کی چھیڑاں کھاتی تھیں۔

(۵) یعنی نوح اور لوط علیہما السلام دونوں، باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے، جو اللہ کے مقرب ترین بندوں میں
 سے ہوتے ہیں، اپنی یوں یوں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے۔

(۶) یہ انہیں قیامت والے دن کما جائے گا یا موت کے وقت انہیں کما گیا کافروں کی یہ مثال بطور خاص یہاں ذکر کرنے
 سے مقصود ازواج مطہرات کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بے شک اس رسول کے حرم کی زینت ہیں، جو تمام مخلوق میں سب
 سے بہتر ہے۔ لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انسوں نے رسول کی مخالفت کی یا انہیں تکلیف پہنچائی تو وہ بھی اللہ کی

اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی^(۱) جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنانا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔^(۲)

اور (مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی^(۳) جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں جان پھونک دی اور (مریم) اس نے اپنے رب کی باتوں^(۴) اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور عبادت گزاروں میں سے تھی۔^(۵)

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ أَمْنَوا اُمَّرَاتَ فُرْعَوْنَ إِذْ قَاتَلَتْ رَبَّ ابْنَ لِيٰ عَنْدَكَ وَبَيْتِكَ الْجَنَّةَ وَتَجْنِيْرَهُ مِنْ فُرْعَوْنَ وَعَلَيْهِ وَتَجْنِيْرَهُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّلَمِيْنَ ۝

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٰ لَهُ صَنَّتْ فِيْجَهَا فَنَفَخْتَاهُ فِيهِ مِنْ رُوْجَنَا وَصَدَّقَتْ بِمَكْلِمَتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْغَنِيْمَيْنَ ۝

گرفت میں آئکتی ہیں، اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر کوئی ان کو بچانے والا نہیں ہو گا۔

(۱) یعنی ان کی ترغیب، ثبات قدیم، استقامت فی الدین اور شداد میں صبر کے لیے۔ نیز یہ بتلانے کے لیے کہ کفر کی صولت و شوکت، ایمان والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، جیسے فرعون کی بیوی ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کے تحت تھی۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو ایمان سے نہیں روک سکا۔

(۲) حضرت مریم ملیما السلام کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرتا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ ایک بیڑی ہوئی قوم کے درمیان رہتی تھیں، لیکن اللہ نے انہیں دنیا و آخرت میں شرف و کرامت سے سرفراز فرمایا اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

(۳) کلمات رب سے مراد، شرائع الٰی ہیں۔

(۴) یعنی ایسے لوگوں میں سے یا خاندان میں سے تھیں جو فرمان بردار، عبادت گزار اور صلاح و طاعت میں متاز تھا۔ حدیث میں ہے۔ جنتی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور فرعون کی بیوی آئیہ ہیں رضی اللہ عنہن، (مسند احمد ۲۹۲۰، مجمع الزوائد ۲۲۲، الصحیحة للألبانی، نمبر ۵۰۸) ایک دوسری حدیث میں فرمایا ”مردوں میں تو کامل بنت ہوئے ہیں“ مگر عورتوں میں کامل صرف فرعون کی بیوی آئیہ، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلہ (رضی اللہ عنہن) ہیں اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے شرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، باب ضرب الله مثلا..... وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل خدیجۃ)

سُورَةُ الْمُلْكِ

سورہ ملک کی ہے اس میں تمیں آئیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

بہت بارکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی
ہے^(۱) اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۱)
جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تم میں
آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے،^(۲) اور وہ
غالب (اور) بخشے والا ہے۔ (۲)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَبَرَّكَ الَّذِي بَيَّنَ لَهُ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①
إِلَّاَنَّمَنْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوكُمْ أَيْكُلُمُ أَخْسَنُ
عَمَلًا وَهُوَ الْغَنِيُّ الْغَفُورُ ②

☆ اس کی فضیلت میں متعدد روایات آتی ہیں، جن میں سے صرف چند روایات صحیح یا حسن ہیں۔ ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف ۳۰ آیات ہیں، یہ آدمی کی سفارش کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جائے گا“ (سنن الترمذی، سنن أبي داود، ابن ماجہ، مسند احمد، ۲۹۹/۲۹۹) دوسری روایت میں ہے ”قرآن مجید میں ایک سورت ہے، جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی، حتیٰ کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی“۔ (مجمع الزوائد، ۷/۲۸۲، ذکرہ الألبانی فی صحيح الجامع الصغیر، نمبر ۳۶۳۲) سنن ترمذی کی ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے قبل سورہ الْمُلْکہ اور سورہ ملک ضرور پڑھتے تھے۔ (ابواب فضائل القرآن) ایک روایت شیخ البانی نے اصحیحہ میں نقل کی ہے سُورَةُ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ النَّقْبَرِ (نمبر ۱۱۳۰، ج ۳، ص ۱۳۱) سورہ ملک عذاب قبر سے روکنے والی ہے۔ یعنی اس کا پڑھنے والا امید ہے کہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ بشرطیکہ وہ احکام و فرائض اسلام کا پابند ہو۔

(۱) تَبَارَكَ، برَكَةً سے ہے، النَّمَاءُ وَالزِّيَادَةُ، بڑھو تری اور زیادتی کے معنی میں۔ بعض نے معنی کیے ہیں، مخلوقات کی صفات سے بلند اور برتر۔ تفاصیل کا صیغہ مبالغے کے لیے ہے۔ ”اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے“ یعنی ہر طرح کی قدرت اور غلبہ اسی کو حاصل ہے، وہ کائنات میں جس طرح کا تصرف کرے، کوئی اسے روک نہیں سکتا، وہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنادے، امیر کو غریب غریب کو امیر کر دے۔ کوئی اس کی حکمت و مشیت میں دخل نہیں دے سکتا۔

(۲) روح، ایک ایسی غیر مریٰ چیز ہے کہ جس بدن سے اس کا تعلق و اتصال ہو جائے، وہ زندہ کہلاتا ہے اور جس بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے، وہ موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ عارضی زندگی کا سلسلہ، جس کے بعد موت ہے اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے؟ جو اسے ایمان و اطاعت کے لیے استعمال کرے گا، اس کے لیے بہترین جزا ہے اور دوسروں کے لیے عذاب۔

جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (تو اے دیکھنے والے) اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضالگی نہ دیکھے گا،^(۱) دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شکاف بھی نظر آ رہا ہے۔^(۲)^(۳)

پھر دوہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذیل (وعاجز) ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔^(۴)^(۵)
میشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ^(۶) بنا دیا اور شیطانوں کے لیے ہم نے (دو زخم کا جلانے والا) عذاب تیار کر دیا۔^(۷)

اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے جنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔^(۸)

جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔^(۹)^(۱۰)

قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے،^(۱۱)

الَّذِي خَلَقَ سَبَعَ سَمَاوَاتٍ طَبَاقًا مَّا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ
مِنْ تَفْوِيتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هُنَّ تَرَى مِنْ ظُلُوبِهِ ④

ثُمَّ أَرْجِعِ الْبَصَرَ كَرَتَيْنِ يَنْقُلِبُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِنًا
وَهُوَ حَمِيدٌ ⑤

وَلَقَدْ زَيَّتَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَهُ وَجَعَلْنَاهَا
رُجُومًا لِلشَّيْطَنِينَ وَأَعْنَدْنَا الْهُرُمَ عَذَابَ التَّعْبِيرِ ⑥

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابٌ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَقِيرُ ⑦

إِذَا أَنْقُوْفَهَا سَمِعُوا هَا شَهِيقًا وَهِيَ تَنْقُوْرُ ⑧

تَحْكَمَتِيَّرُونَ الْغَيْطُ الْكَلَمَا الْقَيْقَيْنِ فِيهَا وُجُوجٌ سَالَمُتُّ خَزَنَتِهَا ⑨

(۱) یعنی کوئی تناقض، کوئی کبھی، کوئی نقص اور کوئی خلل، بلکہ وہ بالکل سیدھے اور برابر ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہی ہے متعدد نہیں ہیں۔

(۲) بعض دفعہ دوبارہ غور سے دیکھنے سے کوئی نقص اور عیب نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوت دے رہا ہے کہ بار بار دیکھو کہ کیا تمہیں کوئی شکاف نظر آتا ہے؟

(۳) یہ مزید تاکید ہے جس سے مقصد اپنی عظیم قدرت اور وحدانیت کو واضح تر کرنا ہے۔

(۴) یہاں ستاروں کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں ایک آسمانوں کی زینت، کیونکہ وہ چراغوں کی طرح جلتے نظر آتے ہیں۔ دوسرے، شیطان اگر آسمانوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شرارہ بن کر ان پر گرتے ہیں۔ تیرا مقصد ان کا یہ ہے جسے دوسرے مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے بروجھ میں راستوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔

(۵) شہین، اس آواز کو کہتے ہیں جو گدھا پلی مرتبہ نکالتا ہے، یہ قیچی ترین آواز ہوتی ہے۔ جنم بھی گدھے کی طرح جیخ اور چلا رہی اور آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش مار رہی ہوگی۔

(۶) یا مارے غیظ و غصب کے اس کے حصے سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ جنم کافروں کو دیکھ کر غصب ناک

جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے جنم
کے داروں نے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا
کوئی نہیں آیا تھا؟^(۱) (۸)

وہ جواب دیں گے کہ بیشک آیا تھا لیکن ہم نے اسے
جھٹالیا اور ہم نے کماکہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں
فرمایا۔ تم بڑی گمراہی میں ہی ہو۔^(۲) (۹)
اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو
دو زخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔^(۳) (۱۰)

پس انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔^(۴) (۱۱) اب یہ دوزخی
دفع ہوں (دور ہوں)^(۵) (۱۲)

بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر
ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا
ثواب ہے۔^(۶) (۱۲)

أَنْفَرِيَأُكْلُمُ نَذِيرٌ^(۷)

قَالُوا بَلٌ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَلَذِينَا وَقْلَنَا مَا تَرَى اللَّهُ مِنْ
شَيْءٍ هُنَّ أَنْفَرُ الْأَنْفَلِ فَضَلِّلْ كَيْبِيرٌ^(۸)

وَقَالُوا إِنَّا نَنْسَمِمُ أَوْ نَعْقُلُ مَا تَنْتَفِي أَصْحَابُ التَّسْعِيرِ^(۹)

فَاعْرُفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ التَّسْعِيرِ^(۱۰)

إِنَّ الَّذِينَ يَخْتَنُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ^(۱۱)

وَأَجْرٌ كَيْبِيرٌ^(۱۲)

ہو گی، جس کا شعور اللہ تعالیٰ اس کے اندر پیدا فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جنم کے اندر یہ اور اک و شعور پیدا کر دینا
کوئی مشکل نہیں ہے۔

(۱) جس کی وجہ سے تمہیں آج جنم کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا ہے۔

(۲) یعنی ہم نے پیغمبروں کی تصدیق کرنے کے بجائے انہیں جھٹالیا، آسمانی کتابوں کا ہی سرے سے انکار کر دیا، حتیٰ کہ اللہ
کے پیغمبروں کو ہم نے کماکہ تم بڑی گمراہی میں بیٹلا ہو۔

(۳) یعنی غور اور توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں اور نصیحتوں کو آویزہ گوش بنالیتے، اسی طرح اللہ کی دی ہوئی عقل سے
بھی سوچنے سمجھنے کا کام لیتے تو آج ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔

(۴) جس کی بنا پر سختی عذاب قرار پائے، اور وہ ہے کفر اور انبیاء علیم السلام کی تحذیب۔

(۵) یعنی اب ان کے لیے اللہ سے اور اس کی رحمت سے دوری ہی دوری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ‘سخت’، جنم کی ایک
وادی کا نام ہے۔

(۶) یہ اہل کفر و تحذیب کے مقابلے میں اہل ایمان کا اور ان نعمتوں کا ذکر ہے جو انہیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں میں
گی۔ بالغینِ کا ایک مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں، لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب
سے ڈرتے رہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی نظرؤں سے غائب، یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے رہے۔

تم اپنی باتوں کو چھپاو یا ظاہر کرو^(۱) وہ تو سینوں کی پوشیدگیوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔^(۲)
کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟^(۳) پھر وہ باریک میں اور باخبر بھی ہو۔^(۴) ^(۵)

وہ ذات جس نے تمارے لیے زمین کو پست و مطیع کر دیا^(۶) تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو^(۷) اور اللہ کی روزیاں کھاؤ (پیو)^(۸) اسی کی طرف (تمیس) جی کر انھوں کھڑا ہونا ہے۔^(۹)

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمیس زمین میں دھنادے اور اچانک زمین لرزنے لگے۔^(۱۰)

وَأَيْمُرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ جَهْرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الْقُدُورِ^(۱۱)

الْأَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْجَيِّرُ^(۱۲)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَابِكُهَا

وَلَكُلُّ أَمْرٍ مِنْ رِزْقِهِ وَإِنَّهُ الشَّمُورُ^(۱۳)

وَأَمْنِثُ مِنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَغْيِرَ بِكُمُ الْأَرْضَ

فَإِذَا هِيَ شَمُورٌ^(۱۴)

(۱) یہ پھر کافروں سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چھپ کر باشیں کرو یا علاویہ، سب اللہ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔

(۲) یہ سرو جرجانے کی تعلیل ہے کہ وہ تو سینوں کے رازوں اور دلوں کے بھیوں تک سے واقف ہے، تماری باشیں کس طرح اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں؟

(۳) یعنی سینوں اور دلوں اور ان میں پیدا ہونے والے خیالات، سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو کیا وہ اپنی خلوق سے بے علم رہ سکتا ہے، استفہام، انکار کے لیے ہے، یعنی نہیں رہ سکتا۔

(۴) لطیف کے معنی ہی باریک میں کے ہیں الٰہی لطف علّمہ بِمَا فِي الْقُلُوبِ (فتح القدير)، جس کا علم اتنا لطیف ہے کہ دلوں میں پرورش پانے والی باتوں کو بھی وہ جانتا ہے۔

(۵) ذُلُولُ کے معنی، مطیع و منقاد کے ہیں جو تمارے سامنے جھک جائے، سرتباں نہ کرے۔ یعنی زمین کو تمارے لیے نرم اور آسان کر دیا ہے، اسے اس طرح سخت نہیں بنایا کہ تمara اس پر آباد ہونا اور چنان پھرنا مشکل ہو جاتا۔

(۶) مَنَابِکَ مَنِيبَتُ کی جمع ہے، جانب۔ یہاں اس سے مراد اس کے راستے اور اطراف و جوانب ہیں۔ امراباحت کے لیے ہے، یعنی اس کے راستوں میں چلو۔

(۷) یعنی زمین کی پیداوار سے کھاؤ پیو۔

(۸) یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں پر یعنی عرش پر جلوہ گر ہے، یہ کافروں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ آسمانوں والی ذات جب چاہے تمیس زمین میں دھنادے۔ یعنی وہی زمین جو تماری قرارگاہ ہے اور تماری روزی کا مخزن و منبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی

یا کیا تم اس بات سے نذر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر
پھر بر ساوے؟^(۱) پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ
میرا ذرا ناکیسا تھا۔^(۲) (۱۷)

اور ان سے پلے لوگوں نے بھی جھٹالیا تھا تو دیکھو ان پر
میرا عذاب کیا کچھ ہوا؟^(۳) (۱۸)

کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سمیٹے
ہوئے (اڑنے والے) پرندوں کو نہیں دیکھتے،^(۴) انہیں
(اللہ) رحمٰن ہی (ہوا و فضا میں) تھاے ہوئے ہے۔^(۵)

بیشک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔^(۶) (۱۹)
سوائے اللہ کے تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر
سکے^(۷) کافر تو سراسر دھوکے ہی میں ہیں۔^(۸) (۲۰)

اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر
تمہیں روزی دے گا؟^(۹) بلکہ (کافر) تو سرکشی اور بد کرنے

امْ أَمْنُتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرِسِّلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا^(۱۰)
فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ^(۱۱)

وَلَقَدْ كَذَبَ الظَّالِمُونَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَفْعَلُ كَانَ بَكْثَرٌ^(۱۲)

أَوْ لَمْ يَرَوْا إِلَى الظَّلَّمِ فَوَقَعُوهُ صَاعِدِينَ وَيَقْبَضُونَ^(۱۳)
مَا يَنْسِكُهُنَّ إِلَّا لِرَحْمَةِ إِنَّمَا يُحْلِلُ شَيْءًا بِصَيْرٍ^(۱۴)

أَمَّنْ هُنَّا الظَّالِمُونَ هُوَ جُنْدُ لَّهٗ يَنْصُرُ كُلَّ مَنْ دُونَ^(۱۵)
الرَّحْمَنُ إِنَّ الظَّالِمَاتِ إِلَّا فِي عُرُورٍ^(۱۶)

أَمَّنْ هُنَّا الظَّالِمُونَ يَرْمِيُّونَ قَلْمَرًا أَمْسَكَ بِرِزْقَهُ بَلْ لَجُوا
فِي عُتُقَوْنَ نُفُورٍ^(۱۷)

زمین کو جو نمایت پر سکون ہے، حرکت و جنمیں میں لا کر تمہاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

(۱) جیسے اس نے قوم لوط اور اصحاب الغیل (ہاتھیوں والے ابرھو اور اس کے لشکر) پر بر سائے اور پھر ان کی بارش سے ان کو ہلاک کر دیا۔

(۲) لیکن اس وقت یہ علم بے فائدہ ہو گا۔

(۳) پرندہ جب ہوا میں اڑتا ہے تو وہ پر پھیلا لیتا ہے اور کبھی دور ان پرواز پر پروں کو سمیٹ لیتا ہے۔ یہ پھیلانا، صفت اور سمیٹ لیانا قبضہ ہے۔

(۴) یعنی دور ان پرواز ان پرندوں کو تھامے رکھنے والا کون ہے، جو انہیں زمین پر گرنے نہیں دیتا؟ یہ اللہ رحمٰن ہی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

(۵) یہ استفہام تفریج و توبخ کے لیے ہے۔ جُنْدُ کے معنی ہیں لشکر، جمٹھ۔ یعنی کوئی لشکر اور جمٹھ ایسا نہیں ہے جو تمہیں اللہ کے عذاب سے بچاسکے۔

(۶) جس میں انہیں شیطان نے جلا کر رکھا ہے۔

(۷) یعنی اللہ بارش نہ بر سائے، یا زمین ہی کو پیدا اوار سے روک دے یا تیار شدہ فصلوں کو تباہ کر دے، جیسا کہ بعض بعض دفعہ وہ ایسا کرتا ہے، جس کی وجہ سے تمہاری خوراک کا سلسلہ متوقف ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو کیا کوئی

پڑا گئے ہیں۔^(۱) (۲۱)

اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل او ندھا ہو کر چلے^(۲) یا وہ جو سیدھا (پیروں کے بل) راہ راست پر چلا ہو؟^(۳) (۲۲)

کہہ دیجئے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا^(۴) اور تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے^(۵) تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔^(۶) (۲۳)

کہہ دیجئے! کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔^(۷) (۲۴)

أَقْمَنْ يَمْشِي مُحَبَّاً عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَئْنَ
يَمْشِي سَوَّيَا عَلَى صَرَاطِ مُسْتَقِيمٍ^(۸)

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ
وَالْأَفْيَدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْرُونَ^(۹)

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُخَشِّرُونَ^(۱۰)

اور ہے جو اللہ کی اس مشیت کے بر عکس تمہیں روزی مہیا کر دے؟

(۱) یعنی وعظ و نصیحت کی ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ وہ حق سے سرکشی اور اعراض و نفور میں ہی بڑھتے چلے جا رہے ہیں، عبرت پکڑتے ہیں اور نہ غور و فکر کرتے ہیں۔

(۲) منہ کے بل او ندھا چلنے والے کو دائیں، بائیں اور آگے کچھ نظر نہیں آتا، نہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیا ایسا شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں اللہ کی معصیتوں میں ڈوبا ہوا شخص آخر کی کامیابی سے محروم رہے گا۔

(۳) جس میں کوئی بھی اور انحراف نہ ہو اور اسکو آگے اور دائیں بائیں بھی نظر آ رہا ہو۔ ظاہر ہے یہ شخص اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے گا۔ یعنی اللہ کی اطاعت کا سیدھا راستہ اپنانے والا، آخرت میں سرخور ہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر دونوں کی اس کیفیت کا بیان ہے جو قیامت والے دن انکی ہوگی۔ کافر منہ کے بل جہنم میں لے جائے جائیں گے اور مومن سیدھے اپنے قدموں پر چل کر جنت میں جائیں گے، جیسے کافروں کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَنَخْرُقُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَى دُجُوهِهِمْ ﴾ (سورہ بنی إسرائیل، ۹۷) ”ہم انہیں قیامت والے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے۔“

(۴) یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

(۵) جن سے تم سن سکو، دیکھ سکو اور اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکو۔ تین قوتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے انسان مسموعات، مہصرات اور معقولات کا اور اک کر سکتا ہے، یہ ایک طرح سے اتمام جنت بھی ہے اور اللہ کی ان نعمتوں پر شکر نہ کرنے کی نہ ملت بھی۔ اسی لیے آگے فرمایا، تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔

(۶) یعنی شکر را قلیناً یا زمٹناً قلیناً یا قلت شکر سے مراد ان کی طرف سے شکر کا عدم وجود ہے۔

(۷) یعنی انسانوں کو پیدا کر کے زمین میں پھیلانے والا بھی وہی ہے اور قیامت والے دن سب جمع بھی اسی کے پاس ہوں

(کافر) پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہو گا اگر تم بچے ہو
(تو بتاؤ؟) ^(۱) (۲۵)

آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، ^(۲) میں تو
صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں۔ ^(۳) (۲۶)

جب یہ لوگ اس ^(۴) وعدے کو قریب تر پالیں گے اس
وقت ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے ^(۵) اور کہہ دیا
جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے۔ ^(۶) (۲۷)
آپ کہہ دیجئے! اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ
تعالیٰ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے (بھر صورت یہ تو
بتاؤ) کہ کافروں کو دردناک عذاب سے کون
بچائے گا؟ ^(۷) (۲۸)

آپ کہہ دیجئے! کہ وہی رحمٰن ہے ہم تو اس پر ایمان لا

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ^(۸)

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ لِّلنَّاسِ ^(۹)

فَلَمَّا تَأْرَأَ وَهُوَ زُلْفَةٌ سَيَّنَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقَبَّلَ

هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَنَذَّرُونَ ^(۱۰)

قُلْ أَرَيْتُمْ إِنْ أَهْكَلْنَا اللَّهُ وَمَنْ شَاءَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ

يُعِيدُ إِنَّكُلْفِرِينَ مِنْ عَدَابِ أَلِيْمٍ ^(۱۱)

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّا إِثْمُهُ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَّعْلَمُونَ

گے، کسی اور کے پاس نہیں۔

(۱) یہ کافر بطور استہزا اور قیامت کو مستبعد سمجھتے ہوئے کہتے تھے۔

(۲) اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ (الأعراف، ۱۸۷)

(۳) یعنی میرا کام تو اس انجام سے ڈرانا ہے جو میری تکذیب کی وجہ سے تمara ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں میرا کام انذار ہے، غیب کی خبریں بتلانا نہیں۔ الایہ کہ جس کی بابت خود اللہ مجھے بتا دے۔

(۴) رَأْوَهُ میں ضمیر کا مرتع اکثر مفسرین کے نزدیک عذاب قیامت ہے۔

(۵) یعنی ذلت، ہونا کی اور دہشت سے ان کے چروں پر ہو ایسا اڑ رہی ہوں گی۔ جس کو دوسرے مقام پر چروں کے سیاہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (آل عمران ۱۰۶)

(۶) تَذَعَّنُوْنَ اور تَذَعَّنَوْنَ کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، وہی ہے جسے تم دنیا میں جلد طلب کرتے تھے۔ جیسے سورہ ص، ۱۲ اور الأنفال، ۳۲، غیرہ میں ہے۔

(۷) مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو تو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے، چاہے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کو موت یا قتل کے ذریعے سے ہلاک کر دے یا انہیں مہلت دے دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم باوجود ایمان کے خوف اور رجا کے درمیان ہیں، پس تمہارے کفر کے باوجود عذاب سے کون بچائے گا؟

چکے^(١) اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔^(٢) تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے؟^(٣)
آپ کہہ دیجئے؟ کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے (پینے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے نہرا ہوا پانی لائے؟^(٤)^(٥)^(٦)^(٧)^(٨)

سورہ قلم کی ہے اور اس میں باون آئیں اور
دوسروں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔
ن،^(٩) قسم ہے قلم کی اور^(١٠) اس کی جو کچھ کہ وہ (فرشتہ)
لکھتے ہیں۔^(١١)
تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔^(١٢)

مَنْ هُوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٌ^(١٣)

فُلْ اَذْعَيْتُمْ اَصْبَحَمَا ذَكْرُ عَوْرَاقَمْ يَا اَيُّهَا الْمُكَفِّرُ بِمَا
مَعِينٌ^(١٤)

شُورَةُ الْقَلْمَو

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَ وَالْقَلْمَوْ وَمَا يَسْطُرُونَ^(١)

مَا أَنْتَ بِنُعْمَةِ رَبِّكَ بِمَمْجُونٍ^(٢)

(١) یعنی اس کی وحدانیت پر، اسی لیے اس کے ساتھ شریک نہیں نہ رہاتے۔

(٢) کسی اور پر نہیں۔ ہم اپنے تمام معاملات اسی کے پروردگار تھے ہیں، کسی اور کے نہیں۔ جیسے مشرک کرتے ہیں۔

(٣) تم ہو یا ہم؟ اس میں کافروں کے لیے سخت وعدہ ہے۔

(٤) غَوْزٌ کے معنی ہیں خشک ہو جانا یا اتنی گھرائی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ پانی خشک فرمادے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گھرائی میں کر دے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتاؤ! پھر کون ہے جو تمہیں جاری، صاف اور نہرا ہوا پانی میا کر دے؟ یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مریانی ہے کہ تمہاری معصیتوں کے باوجود وہ تمہیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔

(٥) اسی طرح حروف مقطعات میں سے ہے، جیسے اس سے قبل ص، ق اور دیگر فوائج سور گزر چکے ہیں۔

(٦) قلم کی قسم کھائی، جس کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے سے تبیین و توضیح ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ خاص قلم ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے ابد تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (سنن ترمذی، تفسیر سورۃ نَ وَالْقَلْمَو وَقَالَ الْأَلْبَانِی صَحِیح)

(٧) يَسْنُطُرُونَ کا مرجع اصحاب قلم ہیں، جس پر قلم کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ آنے کتابت کا ذکر کتاب کے وجود کو مستلزم ہے۔ مطلب ہے کہ اس کی بھی قسم جو لکھنے والے لکھتے ہیں، یا پھر مرجع فرشتے ہیں، جیسے ترجمہ سے واضح ہے۔

(٨) یہ جواب قسم ہے، جس میں کفار کے قول کا رد ہے، وہ آپ کو مجھوں (دیوان) کہتے تھے۔ ﴿ يَا ايُّهَا الَّذِي نُؤْلِئِنَّ عَلَيْنَـ

اور بے شک تیرے لیے بے انتہا جر ہے۔^(۱) (۳)
 اور بیشک تو بہت بڑے (عمرہ) اخلاق پر ہے۔^(۲) (۴)
 پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ
 لیں گے۔^(۳) (۵)
 کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔^(۶) (۶)
 بیشک تیرا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو خوب جانتا ہے،
 اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔^(۷) (۷)
 پس تو جھلانے والوں کی نہ مان۔^(۸) (۸)
 وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے
 پڑ جائیں۔^(۹) (۹)

وَإِنَّ لَكَ لِأَجْرٍ غَيْرَ مَمْنُونٍ ⑦
 وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ⑧
 فَسَبِّحُهُ وَبِحُمْرَوْنَ ⑨
 بِلِكُونَ الْمَفْتُونُ ⑩
 إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِّيلِهِ
 وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهَتَّمِينَ ⑪
 فَلَا يُطِيعُ الْمُكَذِّبِينَ ⑫
 وَذُو الْوُعْدَ هُنْ فَيُدْهِنُونَ ⑬

الْذِكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ﴿الحجر﴾

(۱) فریضہ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی باتیں تو نے سنی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا جر ہے۔ مَنْ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔

(۲) خُلُقٍ عَظِيمٍ سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے مطلب ہے کہ تو اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے تجھے قرآن میں یا دین اسلام میں دیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ تہذیب و شاشنگی، نرمی اور شفقت، امانت و صداقت، حلم و کرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رض سے آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلیمان کے اخلاق کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (اصحیح مسلم، کتاب المسافرین، باب جامع صلاة اللیل و من نام عنہ اور مرض) حضرت عائشہ رض کا یہ جواب خلق عظیم کے مذکورہ دونوں مفہموں پر حاوی ہے۔

(۳) یعنی جب حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور یہ قیامت کے دن ہو گا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے۔

(۴) اطاعت سے مراد یہاں وہ مدارات ہے جس کا اظہار انسان اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے۔ یعنی مشرکوں کی طرف جھکنے اور ان کی خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ان کے معبودوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرے تو وہ بھی تیرے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں لیکن باطل کے ساتھ مداہنت کا نتیجہ ہو گا کہ باطل پرست اپنی باطل پرستی کو چھوڑنے میں ڈھیلے ہو جائیں گے۔ اس لیے حق میں مداہنت حکمت تبلیغ اور کارنبوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

وَلَا يُنْهِمُ كُلَّ حَلَافٍ مَّهِينٍ ⑩

اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کمانہ ماننا جو زیادہ فتیں
کھانے والا۔^(۱۰)

بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور۔^(۱۱)
بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گنگار۔^(۱۲)
گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب ہو۔^(۱۳)
اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور
بیٹوں والا ہے۔^(۱۴) ^(۱۵)

جب اس کے سامنے ہماری آئیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ
دیتا ہے کہ یہ تو انگلوں کے قصے ہیں۔^(۱۶)

ہم بھی اس کی سونڈ (ناک) پر داغ دیں گے۔^(۱۷)
پیش کہ ہم نے انہیں اسی طرح آزمایا^(۱۸) جس طرح
ہم نے باغ والوں کو^(۱۹) آزمایا تھا جبکہ انہوں نے

هَمَّا زِمَّشَاهَ إِتَّمِيْهُ ⑪

مَنَّا عَلَى الْحَيْدِرِ مُعْتَدِلَّا ثَمِيْهُ ⑫

عَتَّلَ بَعْدَ ذَلِكَ رَنِيْهُ ⑬

أَنْ كَانَ ذَامَإِلَّ وَبَنِيْنَ ⑭

إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ إِلَيْنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَقْلَمِينَ ⑮

سَيْسِمَةُ عَلَى الْغُرْطُوْرِ ⑯

إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْبَحَ الْجَنَّةَ إِذَا قَسَمُوا

لِيَصْرِمُهُمْ هَامُصِبِّحِينَ ⑰

(۱) یہ ان کافروں کی اخلاقی پتیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر پیغمبر کو مداحنہ کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ یہ صفات ذمہ کسی ایک شخص کی بیان کی گئی ہیں یا عام کافروں کی؟ پہلی بات کا مأخذ اگرچہ بعض روایتیں ہیں، مگر وہ غیر مستند ہیں۔ اس لیے مقصود عام یعنی ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں۔ زَنِيْم، ولد الحرام یا مشور و بد نام۔

(۲) یعنی مذکورہ اخلاقی قباحتوں کا ارتکاب وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا ہے یعنی وہ شکر کے بجائے کفران نعمت کرتا ہے۔ بعض نے اسے وَلَا تُطِعَ کے متعلق قرار دیا ہے۔ یعنی جس شخص کے اندر یہ خرابیاں ہوں، اس کی بات صرف اس لیے مان لی جائے کہ وہ مال و اولاد رکھتا ہے؟

(۳) بعض کے نزدیک اس کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً کہا جاتا ہے کہ جنگ بد ریں ان کافروں کی ناکوں کو تکواروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت والے دن جہنمیوں کی علامت ہو گی کہ ان کی ناکوں کو داغ دیا جائے گا۔ یا اس کا مطلب چروں کی سیاہی ہے۔ جیسا کہ کافروں کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کا یہ حشر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ممکن ہے۔

(۴) مراد اہل کمہ ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو مال و دولت سے نوازا تاکہ وہ اللہ کا شکر کریں، نہ کہ کفر و تکبر۔ لیکن انہوں نے کفر و اشکار کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں بھوک اور قحط کی آزمائش میں ڈال دیا، جس میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کی وجہ سے کچھ عرصہ بیٹھا رہے۔

(۵) باغ والوں کا قصہ عربوں میں مشور تھا۔ یہ باغ صنعتاء (یمن) سے دو فرغ کے فاصلے پر تھا۔ اس کا مالک اس کی

فتمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل
اتار لیں گے۔^(۱) (۱۷)

اور ان شاء اللہ نہ کہا۔^(۱۸)

پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں
طرف گھوم گئی اور یہ سوہی رہے تھے۔^(۱۹)

پس وہ باغ ایسا ہو گیا جسے کئی ہوئی کھیتی۔^(۲۰)

اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں
دیں۔^(۲۱)

کہ اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سوریے
ہی سوریے چل پڑو۔^(۲۲)

پھر یہ سب چکے چکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے۔^(۲۳)

کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آئے
پائے۔^(۲۴)

وَلَا يَسْتَثِنُونَ ⑥

فَطَافَ عَلَيْهَا طَلَيفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَأْبُونَ ⑦

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرْنِيجِ ⑧

فَتَنَادُوا مُضْبِحِينَ ⑨

أَنْ أَغْدُوْ أَعْلَى حَرْثِكُمْ لَنْ كُنُوكُ صَرِيمِينَ ⑩

فَانْظَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَّوْنَ ⑪

أَنْ لَأْدِيْ خَلْقَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مُنْكِرِينَ ⑫

پیداوار میں سے غرباو مسکین پر بھی خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنتی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، ہم اس کی آمنی میں سے مسکین اور سائلین کو کس طرح دیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تھوڑے عرصے بعد ہی پیش آیا۔ (فتح القدر) یہ ساری تفصیل تفسیری روایات کی ہے۔

(۱) صَرْمُ کے معنی ہیں، پھل اور کھیتی کا کائن، مُضْبِحِينَ حال ہے۔ یعنی صبح ہوتے ہی پھل اتار لیں گے اور پیداوار کاٹ لیں گے۔

(۲) بعض کہتے ہیں، راتوں رات اسے آگ لگ گئی، بعض کہتے ہیں، جبرائیل علیہ السلام نے آکر اسے تسلیم کر دیا۔

(۳) یعنی جس طرح کھیت کٹنے کے بعد خشک ہو جاتی ہے، اس طرح سارا باغ اجد گیا۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے، سیاہ رات کی طرح ہو گیا۔ یعنی جل کر۔

(۴) یعنی باغ کی طرف جانے کے لیے ایک تو صبح صبح نکلے۔ دوسرے آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے ہاک کسی کو ان کے جانے کا علم نہ ہو۔

(۵) یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے رہے کہ آج کوئی باغ میں آگر ہم سے کچھ نہ مانگے جس طرح ہمارے باپ کے زمانے

اور لکے ہوئے صبح صبح گئے۔ (سبھ رہے تھے) کہ ہم قابو پا گئے۔^(۲۵)

جب انہوں نے باغ دیکھا^(۲۶) تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے۔^(۲۷)

نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔^(۲۸)
ان سب میں جو بستر تھا اس نے کما کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟^(۲۹)
تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ہی ظالم تھے۔^(۳۰)

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے۔^(۳۱)

کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم سر کش تھے۔^(۳۲)
کیا عجوب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بتر بدله دے

وَغَدَا وَاعَلَى حَرْزِهِ قَدِيرِينَ^(۳۳)

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَاتَ الْوَارِثَاتُونَ^(۳۴)

بَلْ نَعْنُ مَحْرُومُونَ^(۳۵)

قَالَ أَوْسَطُهُمُ الْمُأْفَلُ لَمَّا لَوَّلَ اسْتَعْنُونَ^(۳۶)

فَالْوَاسْبُحْنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَلَمِينَ^(۳۷)

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمُ عَلَى بَعْضٍ تَغْلَوْمُونَ^(۳۸)

فَالْوَابِيَّنَ إِنَّا كُنَّا طَغِيْنَ^(۳۹)

عَلَى رَبِّنَا آنَّ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَغْبُونَ^(۴۰)

میں آیا کرتے تھے اور اپنا حصہ لے جاتے تھے۔

(۱) حَرْزِ کے ایک معنی تقوت و شدت، کیے گئے ہیں، جس کو مترجم مرحوم نے "لکے ہوئے" سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے غصہ اور حسد کے ہیں، یعنی مسکین پر غیظ و غصب کا ظہار یا حسد کرتے ہوئے۔ قَادِرِینَ حال ہے یعنی اپنے معاملے کا انہوں نے اندازہ کر لیا، یا اپنے زعم میں انہوں نے اپنے باغ پر قدرت حاصل کر لی، یا مطلب ہے مسکین پر انہوں نے قابو پالیا۔

(۲) یعنی باغ والی جگہ کو راکھ کا ذہیریا اسے تباہ و بریاد دیکھا۔

(۳) یعنی پسلے پسلے پہل تو ایک دوسرے کو کہا۔

(۴) پھر جب غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جسے اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا ہے اور واقعی یہ ہماری حرمان نیبی ہے۔

(۵) بعض نے تبعیج سے مراد یہاں إِنْ شَاءَ اللَّهُ كَمَا مَرَادَ لِي ہے۔

(۶) یعنی اب انہیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم انھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معصیت کا عزم اور اس کے لیے ابتدائی اقدامات بھی، ارتکاب معصیت کی طرح جرم ہے جس پر موافذہ ہو سکتا ہے، صرف وہ ارادہ معاف ہے جو وسو سے کی حد تک رہتا ہے۔

دے ہم تو اب ^(١) اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے
ہیں۔ (٣٢)

یوں ہی آفت آتی ہے ^(٢) اور آخرت کی آفت بہت بڑی
ہے۔ کاش انہیں سمجھہ ہوتی۔ (٣) (٣٣)

پر ہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی
جنتیں ہیں۔ (٣٤) (٣٤)

کیا ہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کر دیں
گے۔ (٣) (٣٥)

تمہیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ (٣٦)
کیا تم سارے پاس کوئی کتاب ^(٥) ہے جس میں تم پڑھتے
ہو؟ (٣٧)

کہ اس میں تم ساری من مانی باتیں ہوں؟ (٣٨)
یا تم نے ہم سے کچھ قسمیں لی ہیں؟ جو قیامت تک باقی
رہیں کہ تم سارے لیے وہ سب ہے جو تم اپنی طرف سے
مقرر کر لو۔ (٤) (٣٩)

كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَكْثَرُ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ③

إِنَّ لِلنَّاسِيْنَ عِنْدَ رِبِّهِمْ حَيْثُ التَّعْيِمُ ④

أَنْجَعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ⑤

مَا لِكُمْ كَيْفَ تَعْلَمُونَ ⑥

أَمْ لَمْ يَرَوْهُنَّ فِي هَذِهِ رُسُوْنَ ⑦

إِنَّ لِكُفَّارِهِ لَمَآخِرَهُوْنَ ⑧

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِالْغَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ إِنَّ لَكُمْ
لَمَآخِلَمُونَ ⑨

(١) کہتے ہیں کہ انہوں نے آپس میں عمد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غریاد مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔ اسی لیے ندامت اور توبہ کے ساتھ رب سے امیدیں بھی وابستہ کیں۔

(٢) یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والوں کو ہم دنیا میں اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔ (اگر ہماری مشیت اس کی مقتضی ہو)

(٣) لیکن افسوس وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اس لیے پروا نہیں کرتے۔

(٤) مشرکین کہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتری ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم مسلمانوں یعنی اپنے فرمان برداروں کو مجرموں یعنی نافرانوں کی طرح کر دیں؟ مطلب ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے۔

(٥) جس میں یہ بات لکھی ہو جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو، کہ وہاں بھی تم سارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تم پسند کرتے ہو؟

(٦) یا ہم نے تم سے پا عمد کر رکھا ہے، جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تم سارے لیے وہی کچھ ہو گا جس کا تم اپنی

ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار
(اور دعویدار) ہے؟^(۲۰)

کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ اپنے اپنے
شریکوں کو لے آئیں اگر یہ پچ ہیں۔^(۲۱)

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے
بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے۔^(۲۲)

نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھارہ ہی ہو
گی،^(۲۳) حالانکہ یہ سجدے کے لیے (اس وقت بھی)
بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے۔^(۲۴)

پس مجھے اور اس کلام کو جھلانے والے کو چھوڑ دے^(۲۵)

سَلَّهُمْ أَيُّهُمْ بِذِلِكَ رَعِيْتُ^(۲۶)

أَمْ لَمْ شُرِكْنَا فَلِمَّا تُؤْمِنُوا كَآبِهِ مُنْ كَانُوا أَضَدِّيْنَ^(۲۷)

يَوْمَ يُكَشَّفُ عَنْ سَاقِيْنَ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ^(۲۸)

خَاسِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهِقُهُمْ ذَلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ
إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُوْنَ^(۲۹)

فَذَرُوْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهِذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدِرُ جُهُوْرِيْنَ^(۳۰)

بابت فیصلہ کرو گے۔

(۱) کہ وہ قیامت والے دن ان کے لیے وہی کچھ فیصلہ کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے فرمائے گا۔

(۲) یا جن کو انہوں نے شریک نہ کھرا رکھا ہے، وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلوادیں گے؟ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لا کیں تاکہ ان کی صداقت واضح ہو۔

(۳) بعض نے کشف ساق سے مراد قیامت کے شدائے اور اس کی ہولناکیاں لی ہیں لیکن ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا، (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے، البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھلاؤے اور شرت کے لیے سجدے کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریڑھ کی ہڈی کے منکے، تختے کی طرح ایک ہڈی بن جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لیے جھکنا ناممکن ہو جائے گا (صحیح بخاری، تفسیر سورہ آن والقلم) اللہ تعالیٰ کی یہ پنڈلی کس طرح کی ہو گی؟ اسے وہ کس طرح کھولے گا؟ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں۔ اس لیے جس طرح ہم بلا کیف و بلا تشیہ اس کی آنکھوں، کان، ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں ہے، اس پر بلا کیف ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔

(۴) یعنی دنیا کے بر عکس ان کا معاملہ ہو گا، دنیا میں تکبر و عناد کی وجہ سے ان کی گرد نیں اکڑی ہوتی تھیں۔

(۵) یعنی صحت مند اور تو اتا تھے، اللہ کی عبادت میں کوئی چیزان کے لیے مانع نہیں تھی۔ لیکن دنیا میں اللہ کی عبادت سے یہ دور رہے۔

(۶) یعنی میں ہی ان سے نہ لوں گا، تو ان کی فکر نہ کر۔

حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ③

وَأَمْلَى لَهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مَنْ عَرَفُوا مُتَّقُونَ ④

أَمْ سَنَّهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مَنْ عَرَفُوا مُتَّقُونَ ⑤

أَمْ عِنْدَهُمْ غَيْبٌ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ⑥

فَاصْبِرْ لِكُمْ رَبِّكُمْ وَلَا إِنْ كَصَاحِبِ الْعَوْنَى
إِذْنَانِدِي وَهُوَ مُكْظُومٌ ⑦

ہم انیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انیں
معلوم بھی نہ ہو گا۔^(۳۳)

اور میں انیں ڈھیل دوں گا، پیشک میری تدبیر بڑی
مضبوط ہے۔^(۳۴)

کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے توان سے
یہ دبے جاتے ہوں۔^(۳۵)

یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے
ہوں۔^(۳۶)

پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے (انتظار کر) ^(۳۷) اور
مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب ^(۳۸) کہ اس نے غم کی
حالت میں دعا کی۔^(۳۹)

(۱) یہ اسی استدرج (ڈھیل دینے) کا ذکر ہے جو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ نافرمانی کے باوجود دنیوی مال و اسباب کی فراوانی، اللہ کا فضل نہیں ہے، اللہ کے قانون اعمال کا نتیجہ ہے، پھر جب وہ گرفت کرنے پر آتا ہے تو کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

(۲) یہ گزشتہ مضمون ہی کی تائید ہے۔ کبند خفیہ تدبیر اور چال کو کہتے ہیں، اچھے مقصد کے لیے ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے اردو زبان کا کیدنہ سمجھا جائے جس میں ذم ہی کا مفہوم ہوتا ہے۔

(۳) یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن تو نخ ان کو کی جا رہی ہے جو آپ پر ایمان نہیں لارہے تھے۔

(۴) یعنی کیا غیب کا علم ان کے پاس ہے، 'اوح حفظ' ان کے تصرف میں ہے کہ اس میں سے جو بات چاہتے ہیں، نقل کر لیتے ہیں (وہاں سے لکھ لاتے ہیں) اس لیے یہ تیری اطاعت اختیار کرنے اور تجھ پر ایمان لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔

(۵) فَآصْبِرْ میں فاءٰ، تفریغ کے لیے ہے۔ یعنی جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو اے بغیر! تو فریضہ رسالت ادا کرتا رہ اور ان مکذیں کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر۔

(۶) جنہوں نے اپنی قوم کی روشن مکذیب کو دیکھتے ہوئے عجلت سے کام لیا اور رب کے فیصلے کے بغیر ہی از خود اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

(۷) جس کے نتیجے میں انیں مچھلی کے پیٹ میں، جب کہ وہ غم و اندوہ سے بھرے ہوئے تھے، اپنے رب کو مدد کے لیے پکارتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل پلے گزر چکی ہے۔

اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پائی تو یقیناً وہ برسے
حالوں میں چیل میدان میں ڈال ریا جاتا۔^(۱)
اسے اس کے رب نے پھر نوازا^(۲) اور اسے نیک کاروں
میں کر دیا۔^(۳) ^(۴) ^(۵)

اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا
دیں،^(۶) جب کبھی قرآن سنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ تو
ضرور دیوانہ ہے۔^(۷) ^(۸)

درحقیقت یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر

لَوْلَا أَنْ شَدَّ رَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ لَنِعْدَدُ بِالْعَرَاءِ
وَهُوَ مَدْفُورٌ^(۹)

فَاجْتَبَيْهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّابِرِينَ^(۱۰)

وَإِنْ يَجِدُ الَّذِينَ كُفَّارًا لِّيُقُولُنَّ أَنَّهُمْ بِأَصْنَارِهِمْ لَمْ يَسْمِعُوا الْذِكْرَ
وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لِمَجْنُونٌ^(۱۱)

وَمَا هُوَ إِلَّا ذُكْرٌ لِّلْعَلَمِينَ^(۱۲)

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ اگر انہیں توبہ و مناجات کی توفیق نہ دیتا اور ان کی دعا قبول نہ فرماتا تو انہیں ساحل سمندر کے بجائے، جہاں ان کے سامنے اور خوراک کے لیے بیتل دار درخت اگار دیا گیا، کسی بخربز میں میں پھینک دیا جاتا اور عند اللہ ان کی حیثیت بھی نہ موم رہتی، جب کہ قبولیت دعا کے بعد وہ محمود ہو گئے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ انہیں تو اناد تندرست کرنے کے بعد دوبارہ رسالت سے نواز کر انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ جیسا کہ سورہ صافات، ۱۳۶ سے بھی واضح ہے۔

(۳) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”کوئی شخص یہ نہ کہ کہ میں یونس بن متی سے بستر ہوں“۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب فی ذکر یونس..... مزید دیکھئے: صفحہ ۱۰۹۔ حاشیہ نمبر۔۱

(۴) یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت و حفاظت نہ ہوتی تو ان کفار کی حادثہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا۔ یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی۔ امام ابن کثیر نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے، مزید لکھتے ہیں: ”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا دوسروں پر، اللہ کے حکم سے، اثر انداز ہونا، حق ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لیے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو مشاء اللہ یا بارک اللہ“ کہا کرو۔ تاکہ اسے نظر نہ لگے، اسی طرح کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا، اسے غسل کرو کے اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر اور کتب حدیث) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ تجھے تبلیغ رسالت سے پھیر دیتے۔

(۵) یعنی حد کے طور پر بھی اور اس غرض سے بھی کہ لوگ اس قرآن سے متاثر نہ ہوں، بلکہ اس سے دور ہی رہیں۔ یعنی آنکھوں کے ذریعے سے بھی یہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور زبانوں سے بھی آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کے دل کو مجروح کرتے۔

نَفِيْحَتْ هِيْ هِيْ -^(۱) (۵۲)

سُورَةُ الْحَقَّةِ کی ہے اور اس میں باون آئیں اور
دور کوئ ہیں۔

سُورَةُ الْحَقَّةِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَاقَةُ ۱

مَا الْحَاقَةُ ۲

وَمَا أَدْرِكَ مَا الْحَاقَةُ ۳

كَذَبَتْ شَهْوَدُ وَعَادُ بِالْقَارِعَةِ ۴

فَأَمَّا شَهْوَدُ فَأَهْلِكُوا بِالظَّاغِيَّةِ ۵

وَأَمَّا عَادُ فَأَهْلِكُوا بِرِيْجَ صَرَصِّ عَاتِيَّةِ ۶

ثابت ہونے والی^(۱)

ثابت ہونے والی کیا ہے؟^(۲)

اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟^(۳)

اس کھڑکا دینے والی کو شمود اور عاد نے جھلداریا تھا۔^(۴)

(جس کے نتیجہ میں) شمود تو بے حد خوفناک (اور اوپنی)

آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔^(۵)

اور عاد بیدر تیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے۔^(۶)

(۱) جب واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن جن و انس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آیا ہے تو پھر اس کو لانے والا اور بیان کرنے والا مجھوں (دیوانہ) کس طرح ہو سکتا ہے؟

(۲) یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس میں امر الہی ثابت ہو گا اور خود یہ بھی بہ صورت و قوع پذیر ہونے والی ہے، اس لیے اسے الْحَاقَةُ سے تعبیر فرمایا۔

(۳) یہ لفظ استفهام ہے لیکن اس کا مقصد قیامت کی عظمت اور فحامت شان بیان کرنا ہے۔

(۴) یعنی کس ذریعے سے تجھے اس کی پوری حقیقت سے آگاہی حاصل ہو؟ مطلب اس کے علم کی نفی ہے۔ گویا کہ تجھے اس کا علم نہیں، کیوں کہ تو نے ابھی اسے دیکھا ہے اور نہ اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کیا ہے، گویا کہ وہ مخلوقات کے دائرہ علم سے باہر ہے (فتح القدیر) بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں جس کی بابت بھی صیغہ ماضی مَا اذْرَاكَ استعمال کیا گیا ہے، اس کو بیان کر دیا گیا ہے اور جس کو مفارع کے صیغے وَمَا يَذْرِيكَ کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے، اس کا علم لوگوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر و ایسر التفاسیر)

(۵) اس میں قیامت کو کھڑکا دینے والی کہا ہے، اس لیے کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے لوگوں کو بیدار کر دے گی۔

(۶) طَاغِيَّةٌ ایسی آواز جو حد سے تجاوز کر جانے والی ہو، یعنی نہایت خوف ناک اور اوپنی آواز سے قوم شمود کو ہلاک کیا گیا، جیسا کہ پسلے متعدد جگہ گزرا۔

(۷) صَرَصَرٌ پالے والی ہوا۔ عَاتِيَّةٌ سرکش، کسی کے قابو میں نہ آنے والی۔ یعنی نہایت تند و تیز، پالے والی اور بے قابو

جسے ان پر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک (اللہ نے) مسلط رکھا^(۱) پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تئے ہوں۔^(۲) (۷)

کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟^(۸)

فرعون اور اس سے پسلے کے لوگ اور جن کی بستیاں الٹ دی گئی،^(۹) انہوں نے بھی خطا کیں کیں۔^(۱۰)

اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی (بالآخر) اللہ نے انہیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا۔^(۱۱) (۱۰)

جب پانی میں طغیانی آگئی^(۱۲) تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھایا۔^(۱۳)

تاکہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یاد گار بنادیں،^(۱۴) اور (تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔^(۱۵)

پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی۔^(۱۶)

سَخَرُهَا عَلَيْهِمْ سَبَعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيهَ أَيَّامٌ لَحُسُومًا
فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٌ إِذَا هُمْ أَعْجَازٌ فَغْلٌ خَاوِيَةٌ^(۱)

فَهُلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَأْقِيَةٍ^(۲)
وَجَاءَ فَرْعَوْنَ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفَكُتُ بِالْعَالَمَةِ^(۳)

فَعَصَمُوا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَلَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً^(۴)

إِنَّا لَنَا طَاغٌ الْمَلَأُ حَمَنْكُمْ فِي الْجَارِيَةِ^(۵)

لِنَجْعَلَهَا الْكَوْتَدِكَرَةُ وَتَعِيَّهَا أَدْنُ وَاعِيَةً^(۶)

فَإِذَا لَقَתَنَّ فِي الصُّورَ نَفَخَهُ وَاجْدَهُ^(۷)

ہوا کے ذریعے سے حضرت ہو دعیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

(۱) حَسْنٌ کے معنی کاٹئے اور جدا جدا کر دینے کے ہیں اور بعض نے حُشُوما کے معنی پے در پے کئے ہیں۔

(۲) اس سے ان کے درازی تقدی کی طرف بھی اشارہ ہے خاؤیہ کھوکھلے۔ بے روح جسم کو کھوکھلے تئے سے تشبیہ دی ہے۔

(۳) اس سے قوم لوط مراد ہے۔

(۴) رَّابِيَةُ، رَبَا بِرْبُوْسے ہے جس کے معنی زائد کے ہیں۔ یعنی ان کی ایسی گرفت کی جو دوسرا قوموں کی گرفت سے زائد یعنی سب میں سخت تر تھی۔ گویا أَخْذَةً رَّابِيَةً کا مفہوم ہوا، نہایت سخت گرفت۔

(۵) یعنی پانی ارتقائے اور بلندی میں تجاوز کر گیا یعنی پانی خوب چڑھ گیا۔

(۶) کم سے خاطب عمر رسالت کے لوگ ہیں، مطلب ہے کہ تم جن آباکی پتوں سے ہو، ہم نے انہیں کشتی میں سوار کر کے بچرے ہوئے پانی سے بچایا تھا۔ الْجَارِيَةُ سے مراد سفینہ نوح علیہ السلام ہے۔

(۷) یعنی یہ فعل کہ کافروں کو پانی میں غرق کر دیا اور مومنوں کو کشتی میں سوار کر کے بچایا، تمہارے لیے اس کو عبرت و نصیحت بنا دیں تاکہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔

(۸) یعنی سننے والے، اسے سن کر یاد رکھیں اور وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔

(۹) مکنذین کا انجام بیان کرنے کے بعد اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ «الْحَقَّةُ»، کس طرح واقع ہوگی اسرائیل کی ایک ہی

اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں ^(۱) گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ ^(۲)

اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی۔ ^(۳)

اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن بالکل بودا ہو جائے گا۔ ^(۴)

اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے، ^(۵) اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آئھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ^(۶)

اس دن تم سب سامنے پیش کیے ^(۷) جاؤ گے، تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔ ^(۸)

سوچے اس کا نامہ اعمال اسکے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ^(۹) تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔ ^(۱۰)

وَحْمَدَتِ الرَّضُّ وَالْجَبَلُ فَدَعَا دَلَلَةً وَاحِدَةً ^(۱۱)

فَيُوَمِّدُ وَقَعَةَ الْوَاقِعَةِ ^(۱۲)

وَانْشَقَّتِ التَّمَاءُ فِيهِ يَوْمِدِيَّةَ زَاهِيَّةً ^(۱۳)

وَالْمَلَكُ عَلَى أَجْبَاهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْهُمْ يَوْمِهِنْ
ثَلَيْبَيَّةً ^(۱۴)

يَوْمِهِنْ تَعَرَضُونَ لَا تَخْفِي مِنْكُمْ خَافِيَّةً ^(۱۵)

فَأَتَاصَنْ أُولَئِي كِتَابَهُ يَسِينِيَّهُ قَيْقَوْلُ هَا مُرْأَفَرَهُ وَ
كِتَابِيَّهُ ^(۱۶)

پھونک سے یہ بپا ہو جائے گی۔

(۱) یعنی اپنی جگہوں سے اٹھا لیے جائیں گے اور قدرت الٰہی سے اپنی قرار گاہوں سے ان کو اکھیڑ لیا جائے گا۔

(۲) یعنی اس میں کوئی قوت اور استحکام نہیں رہے گا جو چیز پھٹ کر نکڑے نکڑے ہو جائے اس میں استحکام کس طرح رہ سکتا ہے۔

(۳) یعنی آسمان تو نکڑے نکڑے ہو جائیں گے پھر آسمانی مخلوق فرشتے کہاں ہوں گے؟ فرمایا، وہ آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے، اس کا ایک مطلب تو ہو سکتا ہے کہ فرشتے آسمان پھٹنے سے قبل اللہ کے حکم سے زمین پر آجائیں گے تو گویا فرشتے دنیا کے کنارے پر ہوں گے، یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آسمان ٹوٹ پھوٹ کاشکار ہو کر مختلف نکڑوں میں ہو گا تو ان نکڑوں پر جو زمین کے کناروں میں اور بجائے خود ثابت ہوں گے، ان پر ہوں گے۔ (فتح القدير)

(۴) یعنی ان مخصوص فرشتوں نے عرش الٰہی کو اپنے سروں پر اٹھایا ہوا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرش سے مراد وہ عرش ہو جو فیصلوں کے لیے زمین پر رکھا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ (ابن کثیر)

(۵) یہ پیشی اس لیے نہیں ہو گی کہ جن کو اللہ نہیں جانتا، ان کو جان لے، وہ تو سب کو ہی جانتا ہے، یہ پیشی خود انسانوں پر جنت قائم کرنے کے لیے ہو گی۔ ورنہ اللہ سے تو کسی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(۶) جو اس کی سعادت، نجات اور کامیابی کی دلیل ہو گا۔

(۷) یعنی وہ مارے خوشی کے ہر ایک کو کہے گا کہ لو پڑھ لو، میرا اعمال نامہ تو مجھے مل گیا ہے، اس لیے کہ اسے پڑھو گا کہ اس میں

مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔^(۱)

پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہو گا۔^(۲)

بلند و بالاجنت میں۔^(۳)

جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔^(۴)

(ان سے کہا جائے گا) کہ مزے سے کھاؤ، پوچھنے ان اعمال

کے بد لے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے۔^(۵)

لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے باعث میں ہاتھ

میں دی جائے گی، وہ تو کے گا کہ کاش کہ مجھے میری کتاب

دی ہی نہ جاتی۔^(۶)

اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے۔^(۷)

کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی۔^(۸)

میرے مال نے بھی مجھے کچھ لفڑ نہ دیا۔^(۹)

میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔^(۱۰)

إِنْ ظَنَنْتُ أَنِّي مُلِيقٌ حِسَابِهِ ۝

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝

فِي جَهَنَّمَةٍ عَالِيَّةٍ ۝

فُطُوفٌ هَا دَاهِنَةٌ ۝

كُلُّوا وَاشِرِبُوا هِينَىءًا مَا أَسْلَفْتُُونِي فِي الْأَيَّامِ

الخَالِيَّةِ ۝

وَآتَيْتُمْ أُوقَىٰ كِتَبَهُ بِشَمَائِلِهِ فَيَقُولُ يَلِيَّتِنِي لَكُمْ

أُوْتَكِتَبِيَّةٌ ۝

وَلَمْ أَذِرْ مَا حِسَابِهِ ۝

يَلِيَّتِهِمَا كَانَتِ الْقَاضِيَّةَ ۝

مَا آغْنَى عَنِي مَالِيَّةٌ ۝

هَلَّاكَ عَنِي سُلْطَنِيَّةٌ ۝

اس کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی، کچھ برائیاں ہوں گی تو وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہوں گی یا ان برائیوں کو بھی حنات میں تبدیل کر دیا ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ فضل و کرم کی یہ مختلف صورتیں اختیار فرمائے گا۔

(۱) یعنی آخرت کے حساب کتاب پر میرا کامل یقین تھا۔

(۲) جنت میں مختلف درجات ہوں گے، ہر درجے کے درمیان بہت فاصلہ ہو گا، جیسے مجاہدین کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہو گا۔“ - صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، صحیح بخاری، کتاب الجہاد

(۳) یعنی بالکل قریب ہوں گے یعنی کوئی لیٹھ بھی توڑنا چاہے گا تو ممکن ہو گا۔ قُطُوفُ، قَطِيفُ کی جمع ہے، پنے یا توڑے ہوئے، مراد پھل ہیں۔ مَا يَقْطَفُ مِنَ الشَّمَارِ

(۴) یعنی دنیا میں اعمال صالحہ کیے، یہ جنت ان کا صلمہ ہے۔

(۵) کیوں کہ نامہ اعمال کا باعث میں ہاتھ میں ملنا بدنیتی کی علامت ہو گا۔

(۶) یعنی مجھے بتلایا ہی نہ جاتا، کیوں کہ سارا حساب ان کے خلاف ہو گا۔

(۷) یعنی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تاکہ یہ روز بدنہ دیکھا پڑتا۔

(۸) یعنی جس طرح مال میرے کام نہ آیا، جاہ و مرتبہ اور سلطنت و حکومت بھی میرے کام نہ آئی۔ اور آج میں اکیلا ہی

(حکم ہو گا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنادو۔ (۳۰)
 پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔^(۱)
 پھر اسے ایسی زنجیر میں جس کی پیاس ستر ہاتھ کی ہے جکڑ
 دو۔^(۲) (۳۲)

بیشک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ (۳۳)
 اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دلاتا تھا۔^(۳) (۳۴)
 پس آج اس کانہ کوئی دوست ہے۔^(۴) (۳۵)
 اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے۔^(۵) (۳۶)
 جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔^(۶) (۳۷)
 پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔^(۷) (۳۸)
 اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔^(۸) (۳۹)
 کہ بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے۔^(۹) (۴۰)

خُدُودُهُ فَعُلُوٌةٌ^(۱)
 ثُرَّهُ الْحَجَّمُرَ صَلُوٌةٌ^(۲)
 شُرُفِيْ رِسْلِلَةٌ ذَرَعُهَا سَبْعُونَ ذَرَاعًا فَأَسْلَكُوٌةٌ^(۳)

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ^(۱)
 وَلَا يَخْصُّ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِنِينَ^(۲)
 فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَّا حَمِيمٌ^(۳)
 وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِشْلِينَ^(۴)
 لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَطُونُ^(۵)
 فَلَا أُقْسُمُ بِمَا تَبْصُرُونَ^(۶)
 وَمَا لَا تُبْصِرُونَ^(۷)
 إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ^(۸)

یہاں سزا بھکتنے پر مجبور ہوں۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ، ملائکہ جنم کو حکم دے گا۔

(۲) یہ ذرائع (ہاتھ)، کس کا ذرائع ہو گا؟ اور یہ کتنا ہو گا؟ اس کی وضاحت ممکن نہیں، تاہم اس سے اتنا معلوم ہوا کہ زنجیر
 کی لمبائی ستر ذرائع ہو گی۔

(۳) یہ مذکورہ سزا کی علت یا مجرم کے جرم کا بیان ہے۔

(۴) یعنی عبادات و اطاعت کے ذریعے سے اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ وہ حقوق ادا کرتا تھا، جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔
 گویا اہل ایمان میں یہ جمیعت ہوتی ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ یہ جنم میں کوئی درخت ہے، بعض کہتے ہیں کہ زقوم ہی کو یہاں غسلین کہا گیا ہے اور بعض
 کہتے ہیں کہ یہ جنمیوں کی پیپ یا ان کے جسموں سے نکلنے والا خون اور بدبو دار پانی ہو گا آغاذنا اللہ مِنْهُ۔

(۶) خاطنُونَ سے مراد اہل جنم ہیں جو کفر و شرک کی وجہ سے جنم میں داخل ہوں گے۔ اس لیے کہ یہی گناہ ایسے ہیں جو
 خلود فی النار کا سبب ہیں۔

(۷) یعنی اللہ کی پیدا کردہ وہ چیزیں، جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت و طاقت پر دلالت کرتی ہیں، جنہیں تم دیکھتے
 ہو یا نہیں دیکھتے، ان سب کی قسم ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

(۸) بزرگ رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور قول سے مراد تلاوت ہے یعنی رسول

یہ کسی شاعر کا قول نہیں^(۱) (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔^(۲۱)

اور نہ کسی کا، ہن کا قول ہے،^(۲) (افسوس) بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔^(۲۲)

(یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔^(۲۳)

اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنایتا۔^(۲۴)

تو ابتدہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔^(۲۵)

پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔^(۲۶)

وَمَا هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٌ قَلِيلًا مَانُؤْمِنُونَ ۝

وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَانُؤْمِنُونَ ۝

تَبَرَّكَ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وَلَوْنَقَوْلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝

لَا خَذَنَّا مُنْهَى بِالْيَمِينِ ۝

لَمَّا لَقَطَعْنَا مُنْهَى الْوَيْنِ ۝

کریم کی تلاوت ہے یا قول سے مراد ایسا قول ہے جو یہ رسول کریم اللہ کی طرف سے تمہیں پہنچاتا ہے۔ کیوں کہ قرآن، رسول یا جبرائیل علیہ السلام کا قول نہیں ہے، بلکہ اللہ کا قول ہے، جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے، پھر پیغمبر سے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

(۱) جیسا کہ تم سمجھتے اور کہتے ہو۔ اس لیے کہ یہ اصناف شعر سے ہے نہ اس کے مشابہ ہے، پھر یہ کسی شاعر کا کلام کس طرح ہو سکتا ہے؟

(۲) جیسا کہ بعض دفعہ تم یہ دعویٰ بھی کرتے ہو، حالاں کہ کماتت بھی ایک شے دیگر ہے۔

(۳) قلت دونوں جگہ نفی کے معنی میں ہے، یعنی تم بالکل قرآن پر ایمان لاتے ہونے اس سے نصیحت ہی حاصل کرتے ہو۔

(۴) یعنی رسول کی زبان سے ادا ہونے والا یہ قول، رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اسے تم کبھی شاعری اور کبھی کماتت کہ کراس کی تحریک کرتے ہو؟

(۵) یعنی اپنی طرف سے گھر کر ہماری طرف منسوب کر دیتا، یا اس میں کسی بیشی کر دیتا، تو ہم فوراً اس کا موافقہ کرتے اور اسے ڈھیل نہ دیتے۔ جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا۔

(۶) یاد ایسیں ہاتھ کے ساتھ اس کی گرفت کرتے، اس لیے کہ دائیں ہاتھ سے گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے اور اللہ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ (كَمَا فِي الْحَدِيدِ)

(۷) خیال رہے یہ سزا، خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں بیان کی گئی ہے جس سے مقصد آپ کی صداقت کا اظہار ہے۔ اس میں یہ اصول بیان نہیں کیا گیا ہے کہ جو بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا تو جھوٹے دعی کو ہم فوراً سزا سے دوچار کر دیں گے۔ لہذا اس سے کسی جھوٹے نبی کو اس لیے سچا باور نہیں کرایا جا سکتا کہ دنیا میں وہ موافقہ الٰہی سے بچا رہا۔ واقعات بھی شاہد ہیں کہ متعدد لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور اللہ نے انہیں ڈھیل دی اور دنیوی موافقے سے وہ باعوم محفوظ ہی رہے۔ اس لیے اگر اسے اصول مان لیا جائے تو پھر متعدد جھوٹے مدعاں نبوت کو "سچا"

پھر تم میں سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔^(۱) (۲۷)

یقیناً یہ قرآن پر ہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔^(۲) (۲۸)
ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں۔^(۳) (۲۹)

بیشک (یہ جھٹلانا) کافروں پر حسرت ہے۔^(۴) (۵۰)
اور بیشک (وشہ) یہ یقینی حق ہے۔^(۵) (۵۱)
پس تو اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کر۔^(۶) (۵۲)

سورہ معارج کی ہے اور اس میں چوالیں آتیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

ایک سوال کرنے والے^(۷) نے اس عذاب کا سوال کیا جو

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حِزْبٌ^(۸)

وَإِنَّهُ لَتَذَكُّرٌ لِلْمُتَّقِينَ^(۹)

وَإِنَّهُ لَتَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبُونَ^(۱۰)

وَإِنَّهُ لَحِزْبٌ عَلَى الظَّالِمِينَ^(۱۱)

وَإِنَّهُ لَحِقْنٌ لِلْيَقِيْنِ^(۱۲)

فَسَيَّرْهُ إِلَيْكُمْ رَبِّكُمُ الْعَظِيْمُ^(۱۳)

سُورَةُ الْمَعَاجِلِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَأَلَ سَأِلٌ بِعَدَابٍ وَاقِعٍ^(۱)

نبی "ماتنا پڑے گا۔

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچے رسول تھے، جن کو اللہ نے سزا نہیں دی، بلکہ دلائل و مجزات اور اپنی خاص تائید و نصرت سے انہیں نوازا۔

(۲) کیوں کہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ورنہ قرآن تو سارے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے آیا ہے۔

(۳) یعنی قیامت والے دن اس پر حسرت کریں گے کہ کاش ہم نے قرآن کی تکذیب نہ کی ہوتی۔ یا یہ قرآن بجائے خود ان کے لیے حسرت کا باعث ہو گا، جب وہ اہل ایمان کو قرآن کا اجر ملتے ہوئے دیکھیں گے۔

(۴) یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے ہوتا بالکل یقینی ہے، اس میں قطعاً شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یا قیامت کی بابت جو خبر دی جا رہی ہے، وہ بالکل حق اور رجح ہے۔

(۵) جس نے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی۔

(۶) کہتے ہیں یہ نظر بن حارث تھا یا ابو جبل تھا جس نے کہا تھا، ﴿اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا جَهَنَّمَ وَإِنَّ الشَّمَاءَ﴾ آیاتہ (الأنفال، ۲۲) چنانچہ یہ شخص جنگ بد مریں مارا گیا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے لیے بد دعا کی تھی اور اس کے نتیجے میں اہل مکہ پر قحط سالی مسلط کی گئی تھی۔

واضح ہونے والا ہے۔^(۱)

کافروں پر جسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔^(۲)

اس اللہ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے۔^(۳)

جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں^(۴) ایک دن

میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔^(۵)

پس تو اچھی طرح صبر کر۔^(۶)

بیشک یا اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں۔^(۷)

اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں۔^(۸)

لِلْكُفَّارِ لَمْ يَسْ لَهُ دَافِعٌ

مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ

تَعْرِيْجُ الْمَلِّيْكَةِ وَالرُّؤْمُ الْيَوْمِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ

خَمْسِينَ الْفَ سَنَةً

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَيْبِلًا

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيْدًا

وَتَرَهُ قَرِيْبًا

(۱) یاد رجات والا، بلندیوں والا ہے، جس کی طرف فرشتے چڑھتے ہیں۔

(۲) روح سے مراد حضرت جبرايل علیہ السلام ہیں، ان کی عظمت شان کے پیش نظر ان کا الگ خصوصی ذکر کیا گیا ہے، ورنہ فرشتوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ یا روح سے مراد انسانی روحیں ہیں جو مرنے کے بعد آسمان پر لے جائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

(۳) اس یوم کی تیین میں بہت اختلاف ہے، جیسا کہ الٰم السجدہ کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں امام ابن کثیر نے چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔ پہلا قول ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جو عرش عظیم سے اسفل سافلین (زمین کے ساتویں طبقے) تک ہے۔ یہ مسافت ۵۰ ہزار سال میں طے ہونے والی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ دنیا کی کل مدت ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وقوع قیامت تک، اس میں سے کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تیسرا قول ہے کہ یہ دنیا و آخرت کے درمیان کافاصلہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن کی مقدار ہے۔ یعنی کافروں پر یہ یوم حساب پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہو گا۔ لیکن مومن کے لیے دنیا میں ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی مختصر ہو گا۔ (مسند احمد، ۲۵/۲۷) امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیوں کہ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں زکوٰۃ ادانتہ کرنے والے کو قیامت والے دن جو عذاب دیا جائے گا اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، «حَتَّى يَخْكُمَ اللَّهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةً مِمَّا تَعْدُونَ» (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب إِنَّمَا مَانِع الزِّكْوَۃ)، یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا، ایسے دن میں، جس کی مدت تمہاری گفتگی کے مطابق پچاس ہزار سال ہو گی۔ اس تفسیر کی رو سے فی یوم کا تعلق عذاب سے ہو گا، یعنی وہ واقع ہونے والا عذاب قیامت والے دن ہو گا جو کافروں پر پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہو گا۔

(۴) دور سے مراد ناممکن اور قریب سے اس کا یقینی واقع ہونا ہے۔ یعنی کافر قیامت کو ناممکن سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کا

<p>جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا۔ (۸)</p> <p>اور پہاڑ مثل رنگیں اون کے ہو جائیں گے۔ (۹)</p> <p>اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ (۱۰)</p> <p>(حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں (۱۱) گے، گناہ گار اس دن کے عذاب کے بد لے فدیے میں اپنے بیٹوں کو۔ (۱۲)</p> <p>اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو۔ (۱۳)</p> <p>اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا۔ (۱۴)</p> <p>اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلاوے۔ (۱۵)</p> <p>(مگر) ہرگز یہ نہ ہو گا، یقیناً وہ شعلہ والی (آگ) ہے۔ (۱۶)</p> <p>جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔ (۱۷)</p> <p>وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہتا اور منہ موڑتا ہے۔ (۱۸)</p> <p>اور جمع کر کے سنہال رکھتا ہے۔ (۱۹)</p>	<p>یوم تکون الشَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝</p> <p>وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعَفْنِ ۝</p> <p>وَلَا يَسْقُلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝</p> <p>يُبَصِّرُونَهُمْ بِيَوْمِ الْجُرْمِ لَوْيَقْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِهِنِ ۝</p> <p>بَيْنَيْهُ ۝</p> <p>وَصَاحِبَتِهِ وَأَخْيَهُ ۝</p> <p>وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُقْرِنُهُ ۝</p> <p>وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَيْعَانًا لَمْ يُحْمِدْهُ ۝</p> <p>كَلَّا إِنَّهَا لَظَلَّ ۝</p> <p>شَرَاعَةُ لِلشَّوَّى ۝</p> <p>تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّ ۝</p> <p>وَجَمَعَ قَوْنِي ۝</p>
---	---

عقیدہ ہے کہ وہ ضرور آکر ہے گی اس لیے کہ کُلُّ مَاهُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ "ہر آنے والی چیز قریب ہے"۔

(۱) یعنی دھنی ہوئی روئی کی طرح، جیسے سورۃ القارۃ میں ہے۔ ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْتُوشِ﴾

(۲) لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی ہو گی، اس لیے تعارف اور شناخت کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے۔

(۳) یعنی اولاد، بیوی، بھائی اور خاندان یہ ساری چیزیں انسان کو نہایت عزیز ہوتی ہیں، لیکن قیامت والے دن جرم چاہے گا کہ اس سے ندیے میں یہ عزیز چیزیں قبول کر لی جائیں اور اسے چھوڑ دیا جائے۔ فَصِيلَةٌ خاندان کو کہتے ہیں، کیوں کہ وہ قبیلے سے جدا ہوتا ہے۔

(۴) یعنی وہ جنم۔ یہ اس کی شدت حرارت کا بیان ہے۔

(۵) یعنی گوشت اور کھال کو جلا کر رکھ دے گی۔ انسان صرف بڑیوں کا ذہانچہ رہ جائے گا۔

(۶) یعنی جو دنیا میں حق سے پیٹھے پھیرتا اور منہ موڑتا تھا اور مال جمع کر کے خزانوں میں سینت سینت کر رکھتا تھا، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا اس میں سے زکوٰۃ نکالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جنم کو قوت گویاً عطا فرمائے گا اور جنم بزبان قال خود

<p>بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے۔^(۱)</p> <p>جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہر بڑا اٹھتا ہے۔^(۲)</p> <p>اور جب راحت ملتی ہے تو بجل کرنے لگتا ہے۔^(۳)</p> <p>مگر وہ نمازی۔^(۴)</p> <p>جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔^(۵)</p> <p>اور جن کے والوں میں مقررہ حصہ ہے۔^(۶)</p> <p>مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔^(۷)</p> <p>اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔^(۸)</p> <p>اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔^(۹)</p>	<p>إِنَّ الْأَنْسَانَ حُلْقَ هَوْعًا^(۱)</p> <p>إِذَا مَسَّهُ الشَّرْجَزُوْعًا^(۲)</p> <p>وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرَ مُنْوَعًا^(۳)</p> <p>إِلَّا الْمُعْلِمَينَ^(۴)</p> <p>الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِسُونَ^(۵)</p> <p>وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ^(۶)</p> <p>لِشَأْلِ وَالْمَحْرُومِ^(۷)</p> <p>وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ^(۸)</p> <p>وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَدَآپِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ^(۹)</p>
---	--

ایسے لوگوں کو پکارے گی، جن پر ان کے عملوں کی پاداش میں جنم واجب ہوگی۔ بعض کہتے ہیں، پکارنے والے تو فرشتے ہی ہوں گے اسے منسوب جنم کی طرف کر دیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں پکارے گا، یہ صرف تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ مذکورہ افراد کاٹھکانا جنم ہو گا۔

(۱) سخت حریص اور بہت جزع فزع کرنے والے کو هملوں کما جاتا ہے، جس کو ترجیح میں بڑے کچے دل والا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ایسا شخص ہی بخیل و حریص اور زیادہ جزع فزع کرنے والا ہوتا ہے، آگے اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔

(۲) مراد ہیں مومن کامل اور اہل توحید، ان کے اندر نہ کورہ اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتیں، بلکہ اس کے بر عکس وہ صفات محدودہ کے پیکر ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نماز پڑھنے کا مطلب ہے، وہ نماز میں کوتاہی نہیں کرتے، ہر نماز اپنے وقت پر نمایت پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوئی مشغولیت انہیں نماز سے نہیں روکتی اور دنیا کا کوئی فائدہ انہیں نماز سے غافل نہیں کرتا۔

(۳) یعنی زکوٰۃ مفروضہ۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، صدقات واجبه اور ناقله دونوں اس میں شامل ہیں۔

(۴) محروم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو رزق سے ہی محروم ہے، وہ بھی جو کسی آفت سماوی و ارضی کی زد میں آکر اپنی پونچی سے محروم ہو گیا اور وہ بھی جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفت تعفف کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے۔

(۵) یعنی وہ اس کا انکار کرتے ہیں نہ اس میں شک و شبہ کا اظہار۔

(۶) یعنی اطاعت اور اعمال صالحہ کے باوجود اللہ کی عظمت و جلالت کے پیش نظر اس کی گرفت سے لرزائ و ترسائ۔

پیش ک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز
نہیں۔^(۱) (۲۸)

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے
ہیں۔^(۲۹)

ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ
مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں۔^(۳۰)

اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ
حد سے گزر جانے والے ہوں گے۔^(۳۱)

اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے
ہیں۔^(۳۲)

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم
رہتے ہیں۔^(۳۳)

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔^(۳۴)
یہ لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے۔^(۳۵)

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُؤْمِنُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ لَفْرٌ وَّجْهُمْ حَفْظُونَ ۝

إِلَّا عَلَى أَذْوَاجِهِمْ أَوْ مَأْلَكَتْ أَيْمَانَهُمْ فَإِنَّمَا غَيْرُ
مَلُومِيْنَ ۝

فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُدْنُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ لَامِنْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ زَرَعُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ يَشَهِدُونَ تِهْمَةً فَإِلَيْهِمْ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝
أُولَئِكَ فِي جَنَّتٍ مُّكَرَّمُونَ ۝

رہتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دامن میں نہیں ڈھانک لے گی، ہمارے یہ اعمال
نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

(۱) یہ سابقہ مضمون ہی کی تائید ہے کہ اللہ کے عذاب سے کسی کو بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اس سے
ڈرتے رہنا اور اس سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر اختیار کرتے رہنا چاہیے۔

(۲) یعنی انسان کی جنسی تسلیک کے لیے اللہ نے دو جائز ذرائع رکھے ہیں ایک بیوی اور دوسرا ملک بیویں (لونڈی)۔ آج
کل ملک بیویں کا مسئلہ تو اسلام کی بتائی ہوئی تدابیر کی رو سے تقریباً ختم ہو گیا ہے، تاہم اسے قانوناً اس لیے ختم نہیں کیا گیا
ہے کہ آئندہ کبھی اس قسم کے حالات ہوں تو ملک بیویں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ بھر حال اہل ایمان کی ایک صفت یہ
بھی ہے کہ جنسی خواہش کی تکمیل و تسلیک کے لیے ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرتے۔

(۳) یعنی ان کے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہوتی ہیں، اس میں وہ خیانت نہیں کرتے اور لوگوں سے جو عمد کرتے ہیں،
انہیں توڑتے نہیں، بلکہ ان کی پاسداری کرتے ہیں۔

(۴) یعنی اسے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، چاہے اس کی زد میں ان کے قریبی عزیز ہی آجائیں، علاوہ ازیں اسے چھپاتے بھی
نہیں، نہ اس میں تبدیلی ہی کرتے ہیں۔

پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔ (۳۶)

دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ۔ (۳۷)
کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ غمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟ (۳۸)

(ایسا) ہر گز نہ ہو گا۔ (۳۹) ہم نے انہیں اس (چیز) سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔ (۴۰)

پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں (۴۱) کے رب کی (کہ) ہم یقیناً قادر ہیں۔ (۴۲)

اس پر کہ انکے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں (۴۳) اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ (۴۴)

پس تو انہیں بھجوڑتا کھلیتا چھوڑ دے (۴۵) یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا

فَمَنِ الظَّمَانُ كَفَرُوا بِأَنَّكَ مُهَظِّعٌ

عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَاءِ عِزِيزٌ

أَيَطْمَعُ كُلُّ أَمْرٍ فِي مَنْهُمْ أُنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ

كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّ الْقَدِيرَ

عَلَىٰ أَنْ شَدِيلَ حَمَدَ رَبِّهِمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ

فَذَرْهُمْ بِمَوْصِوَا وَلَيْسُوا بِحَقِّيْلَقْتَوْا يَوْمَهُمُ الَّذِي
يُوعَدُوْنَ

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کفار کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے، لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے۔ اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی۔

(۲) یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو مانے والے اور اس کی تکذیب کرنے والے دونوں کو آخری نعمتیں ملیں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

(۳) یعنی ماءِ مَهِينَ (حقیر قطرے) سے۔ جب یہ بات ہے تو کیا تکبر اس انسان کو زیب دیتا ہے؟ جس تکبر کی وجہ سے ہی یہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب بھی کرتا ہے۔

(۴) ہر روز سورج ایک الگ جگہ سے نکلا اور الگ مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مشرق بھی بہت ہیں اور مغرب بھی اتنے ہی۔ مزید تفصیل کے لیے سورہ صافات، ۵ دیکھئے۔

(۵) یعنی ان کو ختم کر کے ایک نئی مخلوق آباد کر دینے پر ہم پوری طرح قادر ہیں۔

(۶) جب ایسا ہے تو کیا ہم قیامت والے دن ان کو دوبارہ زندہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

(۷) یعنی فضول اور لا یعنی بحثوں میں پھنسنے اور اپنی دنیا میں مگن رہیں، تاہم آپ اپنی تبلیغ کا کام جاری رکھیں، ان کا رو یہ آپ کو اپنے منصب سے غافل، یا بد دل نہ کر دے۔

(۳۲) ہے۔

جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے، گویا کہ وہ کسی جگہ کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔^(۱)
 ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی،^(۲) ان پر ذلت چھارہی ہو گی،^(۳) یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔^(۴)

سورہ نوح کی ہے اور اس میں انھائیں آئیں اور دو روکوں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان نہایت رحم والا ہے۔

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈراؤ (اور خبردار کردو) اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آجائے۔^(۵)

يَوْمَ يَعْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَّاً عَلَى كَلْمَهِ إِلَى نُصُبٍ
 يُوْفِضُونَ ۝

خَاسِعَةً أَهْسَرُهُمْ تَرْهِقُهُمْ ذَلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا
 يُوْدَدُونَ ۝

شُورَكٌ لِّنُوحٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ
 يَأْتِيهِمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

(۱) أَجَدَاثُ جمع ہے۔ جَدَاثُ کے معنی قبر ہیں۔ نُصُبُ۔ تھانے، جماں بتوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اور بتوں کے معنی میں بھی استعمال ہے۔ یہاں اسی دوسرے معنی میں ہے۔ بتوں کے پچاری، جب سورج طلوع ہوتا تو نہایت تیزی سے اپنے بتوں کی طرف دوڑتے کہ کون پہلے اسے بوس دیتا ہے۔ بعض اسے یہاں عَلَمٌ کے معنی میں لیتے ہیں کہ جس طرح میدان جنگ میں فوجی اپنے عَلَمٌ (جنہنے) کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی طرح قیامت والے دن قبروں سے نہایت بر ق رفتاری سے نکلیں گے۔ يُوْفِضُونَ يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے۔

(۲) جس طرح مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوتی ہیں کیونکہ انہیں اپنے کرتو توں کا علم ہوتا ہے۔

(۳) یعنی سخت ذلت انہیں اپنی لپیٹ میں لے رہی ہو گی اور ان کے چہرے مارے خوف کے سیاہ ہوں گے۔ اسی سے غُلامٌ مُرَاهِقٌ کی ترکیب ہے، جو قریب البلوغت ہو یعنی غَشِيْهُ الْأَخْتِلَامُ۔ (فتح القدیر)

(۴) یعنی رسولوں کی زبانی اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے۔

(۵) حضرت نوح علیہ السلام طیل القدر چیغروں میں سے ہیں، صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث شفاعت میں ہے کہ یہ پہلے رسول ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے کہ انہی کی قوم سے شرک کا آغاز ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

(۶) قیامت کے دن عذاب یادنیا میں عذاب آنے سے قبل، جیسے اس قوم پر طوفان آیا۔

(نوح عليه السلام نے) کہا اے میری قوم! میں تمیس صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔^(۱) ^(۲)

کہ تم اللہ کی عبادت کرو^(۳) اور اسی سے ڈرو^(۴) اور میرا کھانا مانو۔^(۵) ^(۶)

تو وہ تمہارے گناہ بخشن دے گا اور تمیس ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا۔^(۷) یقیناً اللہ کا وعدہ جب آجاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا^(۸) کاش کہ تمیس سمجھ ہوتی۔^(۹)

(نوح عليه السلام نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔^(۱۰) ^(۱۱)

مگر میرے بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے

قالَ لِقَوْمٍ إِذِنَ لَكُمْ نَذِيرٌ مُّهَمِّنُونَ ﴿۷﴾

أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَآتَيْتُهُمْ مَا كُنْتُ مُعْلَمُونَ ﴿۸﴾

يَغْفِرُ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤْخِزُكُمْ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمَّىٍ
إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ إِلَيْهِ يُؤْخِزُكُمْ إِذَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹﴾

قَالَ رَبِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿۱۰﴾

فَلَمَّا يَزِدُ هُمْ دُعَائِيْ إِلَافِرَارًا ﴿۱۱﴾

(۱) اللہ کے عذاب سے، اگر تم ایمان نہ لائے۔ اسی لیے عذاب سے نجات کا نسخہ تمیس بتلانے آیا ہوں۔ جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

(۲) اور شرک چھوڑو، صرف اسی ایک کی عبادت کرو۔

(۳) اللہ کی نافرمانیوں سے احتساب کرو، جن سے تم عذاب اللہ کے مستحق قرار پاسکتے ہو۔

(۴) یعنی میں تمیس جن با توں کا حکم دوں، اس میں میری اطاعت کرو، اس لیے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول اور اس کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔

(۵) اس کے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ایمان لانے کی صورت میں تمہاری موت کی جو مدت مقرر ہے، اس کو مؤخر کر کے تمیس مزید مسلت عمر عطا فرمائے گا اور وہ عذاب تم سے دور کر دے گا جو عدم ایمان کی صورت میں تمہارے لیے مقرر تھا۔ چنانچہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اطاعت، نیکی اور صلوٰحی سے عمر میں حقیقتاً اضافہ ہوتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے۔ حَصْلَةُ الرَّحْمَمِ تَزِينُ دِيْنَ الْعُمَرِ "صلوٰحی اضافہ عمر کا باعث ہے"۔ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں، تاخیر کا مطلب برکت ہے، ایمان سے عمر میں برکت ہوگی۔ ایمان نہیں لاوے گے تو اس برکت سے محروم رہو گے۔

(۶) بلکہ لا محالة واقع ہو کر رہتا ہے، اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ایمان و اطاعت کا راستہ فوراً اپنالو، تاخیر میں خطرہ ہے کہ وعدہ عذاب اللہ کی لپیٹ میں نہ آجائے۔

(۷) یعنی اگر تمیس علم ہوتا تو تم اسے اپنانے میں جلدی کرتے جس کا میں تمیس حکم دے رہا ہوں یا اگر تم یہ بات جانتے ہوئے کہ اللہ کا عذاب جب آجاتا ہے تو ملتا نہیں ہے۔

(۸) یعنی تیرے حکم کی تعیل میں، بغیر کسی کوتاہی کے رات دن میں نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچایا ہے۔

لگے۔^(۱)

میں نے جب کبھی انہیں تمی بخشش کے لیے
بلایا^(۲) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال
لیں^(۳) اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا^(۴) اور اڑ گئے^(۵) اور
بڑا سکبر کیا۔^(۶)

پھر میں نے انہیں باواز بلند بلایا۔^(۷)

اور پیشک میں نے ان سے علائیہ بھی کہا اور چکے چکے
بھی۔^(۸)

اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ^(۹)
(اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔^(۱۰)

وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔^(۱۱)

اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا

وَإِنْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِيرِ أَهْمَمْ جَعْلُ أَصَابِعَهُمْ
فِي الْأَذْانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاصْرَوْا
وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَاءً ۝

ثُمَّ إِنِّي أَعْلَمُ لَهُمْ وَاسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَارًا ۝

يُؤْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَازًا ۝

وَيُمْدِدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّاتٍ

(۱) یعنی میری پکار سے یہ ایمان سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ جب کوئی قوم گمراہی کے آخری کنارے پر پہنچ جائے تو پھر اس کا یہی حال ہوتا ہے، اسے جتنا اللہ کی طرف بلاؤ، وہ اتنا ہی دور بھاگتی ہے۔

(۲) یعنی ایمان اور اطاعت کی طرف، جو سب مفترت ہیں۔

(۳) تاکہ میری آواز نہ سن سکیں۔

(۴) تاکہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں یا اپنے سروں پر کپڑے ڈال لیے تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں۔ یہ ان کی طرف سے شدت عداوت کا اور وعظ و نصیحت سے بے نیازی کا اظہار ہے۔ بعض کہتے ہیں، اپنے کو کپڑوں سے ڈھانک لینے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبر ان کو پہچان نہ سکے اور انہیں قبولیت دعوت کے لیے مجبور نہ کرے۔

(۵) یعنی کفر پر مصروف ہے، اس سے باز نہیں آئے اور توبہ نہیں کی۔

(۶) قبول حق اور انتقال امر سے انہوں نے سخت سکبر کیا۔

(۷) یعنی مختلف انداز اور طریقوں سے انہیں دعوت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اجتماعات اور مجلسوں میں بھی انہیں دعوت دی اور گھروں میں فرد افراد بھی تمی اپیگام پہنچایا۔

(۸) یعنی ایمان اور اطاعت کا راستہ اپنالو، اور اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگ لو۔

(۹) وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا حیم و غفار ہے۔

(۱۰) بعض علماء اسی آیت کی وجہ سے نماز استقامیں سورہ نوح علیہ السلام کے پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ مردی ہے کہ

اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہیں نکال
دے گا۔^(۱۲)

وَيَجْعَلُ لَكُمْ آنَهْرًا ^(۱۲)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں
رکھتے۔^(۱۳)

مَا لِكُمْ لَا تَرْجُونَ يَلْهُ وَقَارًا ^(۱۳)

حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے^(۱۴) پیدا کیا
ہے۔^(۱۴)

وَقَدْ حَلَّكُمْ أَطْوَارًا ^(۱۴)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح
سات آسمان پیدا کر دیے ہیں۔^(۱۵)

أَلَمْ تَرَهُ أَكَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبَعَ سَمَاوَاتٍ

اور ان میں چاند کو خوب جگہ تابنا لیا ہے^(۱۶) اور سورج کو

طَبَاقًا ^(۱۵)

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ^(۱۶)

حضرت عمر بن الخطابؓ بھی ایک مرتبہ نماز استقا کے لیے منبر پر چڑھے تو صرف آیات استغفار (جن میں یہ آیت بھی تھی) پڑھ کر
منبر سے اتر آئے۔ اور فرمایا کہ میں نے بارش کو، بارش کے ان راستوں سے طلب کیا ہے جو آسمانوں میں ہیں، جن سے
بارش زمین پر اترتی ہے۔ (ابن کثیر) حضرت حسن بصری کے متعلق مروی ہے کہ ان سے اگر کسی نے قحط سالی کی شکایت
کی تو انہوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر و فاقہ کی شکایت کی، اسے بھی انہوں نے یہی نسخہ
تلایا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا، اسے بھی فرمایا، استغفار کر۔ ایک شخص نے کہا، میرے گھر
اولاد نہیں ہوتی، اسے بھی کہا اپنے رب سے استغفار کر۔ کسی نے جب ان سے کہا کہ آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں
کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب بالوں
کے لیے اللہ نے تلایا ہے۔ (ایسرا التفاسیر)

(۱) یعنی ایمان و طاعت سے تمہیں اخروی نعمتیں ہی نہیں ملیں گی، بلکہ دنیاوی مال و دولت اور بیٹوں کی کثرت سے بھی
نوازے جاؤ گے۔

(۲) وقار، تو قیر سے ہے، یعنی عظمت اور رجا غوف کے معنی میں ہے، یعنی جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے، تم اس
سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ اور اس کو ایک کیوں نہیں مانتے اور اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

(۳) پسلے نطفہ، پھر ملکہ، پھر متفہ، پھر عظام اور حجم اور پھر خلق تام، جیسا کہ سورہ انبیاء، ۵۔ المؤمنون، ۱۳، اور المؤمن،
۷۶ وغیرہ میں تفصیل گزری۔

(۴) جو اس کی قدرت اور کمال صناعت پر دلالت کرتے اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عبادت کے لاائق صرف
وہی ایک اللہ ہے۔

(۵) جو روئے زمین کو منور کرنے والا اور اس کے ماتحت کا جھومر ہے۔

<p>روشن چراغ بنیا ہے۔^(۱) (۱۶)</p> <p>اور تم کو زمین سے ایک (خاص اہتمام سے) اگایا ہے^(۲)</p> <p>(اور پیدا کیا ہے) (۱۷)</p> <p>پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور (ایک خاص طریقہ) سے پھر نکالے گا۔^(۳) (۱۸)</p> <p>اور تمہارے لیے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنا دیا ہے۔^(۴) (۱۹)</p> <p>تاکہ تم اس کی کشادہ را ہوں میں چلو پھرو۔^(۵) (۲۰)</p> <p>نوح (علیہ السلام) نے کما اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی^(۶) اور ایسوس کی فرمابندواری کی جن کے مال و اولاد نے ان کو (یقیناً) نقصان ہی میں بڑھایا ہے۔^(۷) (۲۱)</p>	<p>وَاللَّهُ أَنْجَىكُمْ مِنَ الْأَرْضِ بَنَاتِنَا ۝</p> <p>لَئِنْ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝</p> <p>وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ يَسِّرًا ۝</p> <p>لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُّلًا فَجَاءُوكُمْ ۝</p> <p>قَالَ نُوحَ رَبِّنَا إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَأَتَبْعَأُ مَنْ كُلَّ زَيْدَةً مَالَهُ ۝</p> <p>وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا ۝</p>
---	--

(۱) تاکہ اس کی روشنی میں انسان معاش کے لیے، جو انسانوں کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے، کسب و محنت کر سکے۔

(۲) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو، جنہیں مٹی سے بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح بھوکی۔ یا اگر تمام انسانوں کو مخاطب سمجھا جائے، تو مطلب ہو گا کہ تم جس نطفے سے پیدا ہوتے ہو وہ اسی خوراک سے بنتا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے سب کی پیدائش کی اصل زمین ہی قرار پاتی ہے۔

(۳) یعنی مرکر، پھر اسی مٹی میں دفن ہونا ہے اور پھر قیامت والے دن اسی زمین سے تمہیں زندہ کر کے نکلا جائے گا۔

(۴) یعنی اسے فرش کی طرح بچھا دیا ہے، تم اس پر اسی طرح چلتے پھرتے ہو، جیسے اپنے گھر میں بچھے ہوئے فرش پر چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہو۔

(۵) سُبُّل، سَبِيلٌ کی جمع اور فِجاج، فَجَاجُ (کشادہ راستہ) کی جمع ہے۔ یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کشادہ راستے بنادیے ہیں تاکہ انسان آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شر سے دوسرے شریا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاسکے۔ اس لیے یہ راستے بھی انسان کی کاروباری اور تمدنی ضرورت ہے، جس کا تنظام کر کے اللہ نے انسانوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔

(۶) یعنی میری نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں۔

(۷) یعنی ان کے اصحاب نے اپنے بڑوں اور اصحاب ثروت ہی کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے انہیں دنیا اور آخرت کے خارے میں ہی بڑھایا ہے۔

وَمَكَرُوا مُكْرَارًا ۝

وَقَالُوا لَاتَّدْرُنَ الْمَنْكُمْ وَلَا تَدْرُنَ وَدَأْوَلَاسُوَاعَةً ۝

وَلَا يَعْوَثْ وَيَعْوَقْ وَنَسْرًا ۝

وَقَدْ أَضْلَلُوا كَثِيرًا وَلَا تَزَدُ الظَّلِيمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝

مَتَّا خَطِيَّتِهِمْ أُغْرِقُوا فَإِذْخَلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا الْهُمْ

مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝

وَقَالَ نُوحٌ رَبِّي لَاتَّدْرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَارًا ۝

اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا۔^(۱) (۲۲)

اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا

اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر

کو (چھوڑنا) ^(۲) (۲۳)

اور انہوں نے بت سے لوگوں کو گمراہ کیا ^(۳) (الہی) تو ان

ظالموں کی گمراہی اور بردھا۔ (۲۴)

یہ لوگ بہ سبب ^(۴) اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور

جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار

انہوں نے نہ پایا۔ (۲۵)

اور (حضرت) نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے

(۱) یہ کہا فریب کیا تھا؟ بعض کہتے ہیں، ان کا بعض لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل کرنے پر ابھارتا تھا، بعض کہتے ہیں مال واولاد کی وجہ سے جس فریب نفس کا وہ شکار ہوئے، حتیٰ کہ بعض نے کہا، اگر یہ حق پر نہ ہوتے تو ان کو یہ نعمتیں کیوں میر آتیں؟ اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت مت چھوڑنا، بعض کے نزدیک ان کا کفر ہی، بڑا کمر تھا۔

(۲) یہ قوم نوح علیہ السلام کے وہ لوگ تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کی اتنی شرست ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا ہوتی رہی۔ چنانچہ وہ دو مذاہب میں قبیلہ کلب کا، سواع ساحل بحر کے قبیلہ حذیل کا، یغوث سما کے قریب جرف جگہ میں مراد اور بنی غلیف کا، یعوق، ہمان قبیلے کا اور نسرا، حیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا معبود رہا۔ (ابن کثیر وفتح القدیر) یہ پانچوں قوم نوح علیہ السلام کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمہارے آبا تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں،

چنانچہ انہوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ نوح)

(۳) اصلوا کافا عل (مرجع) قوم نوح کے رو سائیں۔ یعنی انہوں نے بت سے لوگوں کو گمراہ کیا اس کا مرجع یہی نہ کوہ پانچ بت ہیں، اس کا مطلب ہو گا کہ ان کے سبب بت سے لوگ گمراہی میں بٹلا ہوئے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا۔ **رَبِّ إِنَّمَنِ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ الشَّافِعِينَ** (ابراهیم ۳۶)

(۴) مَا مِنْ مَا زَانَدَهُ مِنْ خَطِيَّتِهِمْ أَيْنِ : مِنْ أَجْلِهَا وَبِسَبِبِهَا أُغْرِقُوا بِالظُّفَرَانِ (فتح القدیر)

پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سے والا نہ چھوڑ۔^(۱) (۲۶)

اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔^(۲) (۲۷)

اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے^(۳) اور کافروں کو سوائے برپادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔^(۴) (۲۸)

سورہ جن کی ہے اور اس میں اخہائیں آئیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربان نہایت رحم والا ہے۔

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت^(۵) نے (قرآن) سننا اور کہا کہ ہم

إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضْلُلُوا عَبَادَكَ وَلَا يَلِدُ وَلَا إِفَاجِرًا
كَفَارًا^(۶)

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا
وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَرِدِ الظَّلِيمِينَ إِلَّا
بَشَارًا^(۷)

سُورَةُ الْجِنَّةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَسْمَعَ نَفْرَمِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا شِعْرًا عَجِيبًا^(۸)

(۱) یہ بدعا اس وقت کی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (ہود، ۳۶) دیوار، فینوال کے وزن پر دیوار ہے۔ واو کویا سے بدل کر اوناگم کر دیا گیا، مَنْ يَسْكُنْ الدِّيَارَ مطلب ہے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

(۲) کافروں کے لیے بدعا کی تو اپنے لیے اور مومنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

(۳) یہ بدعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لیے ہے جس طرح مذکورہ دعا تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں کے لیے ہے۔

(۴) یہ واقعہ سورہ احقاف، ۲۹ کے حاشیے پر گز رچکا ہے کہ نبی ﷺ وادی نخلہ صحابہ کرام ﷺ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ کچھ جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کا قرآن سننا۔ جس سے وہ متاثر ہوئے۔ یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ اس وقت جنوں کا قرآن سننا، آپ کے علم میں نہیں آیا، بلکہ وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا گیا۔

نے عجیب قرآن سنائے۔^(١)

جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔^(٢) ہم اس پر ایمان لا پچے^(٣) (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔^(٤)

اور بیشک ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بینا۔^(٥) (۳)

اور یہ کہ ہم میں کا یوقوف اللہ کے بارے میں خلاف حق باقیں کہا کرتا تھا۔^(٦) (۴)

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور

یَهُدِیَ إِلَى الرُّشِيدِ قَاتِلَهُ وَلَئِنْ شَرِكَ بِرَبِّنَا أَهَدًا^(٧)

وَأَنَّهُ تَعْلَمُ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا^(٨)

وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِينَهَا عَلَى اللَّهِ شَطَطَا^(٩)

وَأَنَّا لَنَّا أَنْ نَعْوَلَ الْإِلَامُ وَالْجِنْ عَلَى اللَّهِ

(۱) عَجِبًا - مصدر ہے بطور مبالغہ - یا مضاف مخدوف ہے - ذَا عَجِبٌ یا مصدر، اسم فاعل کے معنی میں ہے مُعْجِبًا۔ مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قرآن سنائے جو فصاحت و بلا غلط میں بڑا عجیب ہے یا مواعظ کے اعتبار سے عجیب ہے یا برکت کے لحاظ سے نہایت تعجب انگیز ہے۔ (فتح التدریج)

(۲) یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست یعنی حق و صواب کو واضح کرتا یا اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔

(۳) یعنی ہم نے تو اس کو سن کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں، اس میں کفار کو توبخ و تنیس ہے کہ جن تو ایک مرتبہ سن کر ہی اس قرآن پر ایمان لے آئے، تھوڑی سی آیات سن کر ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا بنا یا ہوا کلام نہیں ہے لیکن انسانوں کو، خاص طور پر ان کے سرداروں کو اس قرآن سے فائدہ نہیں ہوا، دراں حایکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انسوں نے متعدد مرتبہ قرآن سنائے، علاوہ ازیں خود آپ ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے اور ان ہی کی زبان میں آپ ان کو قرآن سناتے تھے۔

(۴) نہ اس کی تخلوق میں سے، نہ کسی اور معبود کو۔ اس لیے کہ وہ اپنی ربوبیت میں متفرد ہے۔

(۵) جَدُّ کے معنی عظمت و جلال کے ہیں یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی اولاد یا بیوی ہو۔ گویا جنوں نے ان مشرکوں کی غلطی کو واضح کیا جو اللہ کی طرف یوں یا اولاد کی نسبت کرتے تھے، انہوں نے ان دونوں کمزوریوں سے رب کی تنزیہ و تقدیس کی۔

(۶) سَفِينَهَا (ہمارے یوقوف) سے بعض نے شیطان مراد لیا ہے اور بعض نے ان کے ساتھی جن اور بعض نے بطور جس۔ یعنی ہر وہ شخص جو یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ شَطَطَا کے کئی معنی کئے گئے ہیں، ظلم، جھوٹ، باطل، کفر میں مبالغہ وغیرہ۔ مقصد، راہ اعتماد سے دوری اور حد سے تجاوز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ اللہ کی اولاد ہے ان بے وقوفوں کی بات ہے جو راہ اعتماد و صواب سے دور، حد سے مجاوز اور کاذب و افتراء پر داڑ ہیں۔

جَنَّاتُ اللَّهِ پُر جَھُولٌ بَاتِسْ لَگَائِمِ۔^(۱)

بَاتٍ يَہٗ ہے کہ چند انسان بعض جَنَّاتٍ سے پناہ طلب کیا
کرتے تھے^(۲) جس سے جَنَّاتٍ اپنی سرکشی میں اور بڑھ
گئے۔^(۳)

اور (انسانوں) نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا
تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا (یا کسی کو دوبارہ زندہ نہ
کرے گا)^(۴)

اور ہم نے آسمان کو نٹول کر دیکھا تو اسے سخت
چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پرپایا۔^(۵)

اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ
بیٹھ جایا کرتے تھے۔^(۶) اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک
شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔^(۷)

گُدْ بَأْ

وَإِنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسَنِ يَعْوَذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ
فَزَادُوهُمْ رَهْقًا^(۸)

وَأَنَّهُمْ كُلُّهُمْ كَافِرُوا كَمَا أَظَنَنُنَّهُمْ أَنَّهُنْ يَبْعَثُ اللَّهُ أَحَدًا^(۹)

وَأَنَّا لَمْسُنَا الشَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْئِيَّةً حَرَسًا شَدِيدًا
وَشَهِيدًا^(۱۰)

وَأَنَّا كُلُّنَا قَعْدُ مِنْهَا مَقْعَدًا عَدَلَ لِلشَّمْعِ فَمَنْ يُسْتَهِمْ
الآن يَجِدُ لَهُ شَهَادَةً صَدِيدًا^(۱۱)

(۱) اسی لیے ہم ان کی تصدیق کرتے رہے اور اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے قرآن سناتو پھر ہم
پر اس عقیدے کا بطلان واضح ہوا۔

(۲) زمانہ جاہلیت میں ایک روانج یہ بھی تھا کہ وہ سفر پر کمیں جاتے تو جس وادی میں قیام کرتے، وہاں جَنَّاتٍ سے پناہ
طلب کرتے، جیسے علاقے کے بڑے آدمی اور رئیس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور صرف ایک
اللہ سے پناہ طلب کرنے کی تائید کی۔

(۳) یعنی جب جَنَّاتٍ نے یہ دیکھا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری پناہ طلب کرتے ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر
میں اضافہ ہو گیا۔ رَهْقًا۔ یہاں سرکشی، طغیانی اور تکبر کے مفہوم میں ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں گناہ اور محارم کو ڈھانکنا
یعنی ان کا ارتکاب کرنا۔

(۴) بَعْثَتْ کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔

(۵) حَرَسٌ، حَارِسٌ (چوکیدار، مگر ان) کی اور شَهِيدٌ، شَهَابٌ (شعلہ) کی جمع ہے۔ یعنی آسمانوں پر فرشتے چوکیداری کرتے
ہیں کہ آسمانوں کی کوئی بات کوئی اور نہ سن لے اور یہ ستارے آسمان پر جانے والے شیاطین پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

(۶) اور آسمانی باتوں کی کچھ سن گن پا کر کاہنوں کو بتلادیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔

(۷) لیکن بعثت محمدیہ کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اب جو بھی اس نیت سے اوپر جاتا ہے، شعلہ اس کی تاک میں ہوتا
ہے اور نٹ کراس پر گرتا ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی براہی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔^(۱۰)

اور یہ کہ (بیشک) بعض تو ہم میں نیکو کار ہیں اور بعض اس کے بر عکس بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں سے بٹے ہوئے ہیں۔^(۱۱)

اور ہم نے سمجھ لیا^(۱۲) کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہر سکتے ہیں۔^(۱۲)

ہم تو ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لاچکے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان کا اندریشہ ہے نہ ظلم و ستم کا۔^(۱۳)

ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں^(۱۴) پس جو فرمادار ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا۔^(۱۴)

اور جو ظالم ہیں وہ جسم کا بیندھن بن گئے۔^(۱۵)

وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشْرُرُ دِيَمَنٍ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ
بِهِمْ حَرَابٌ هُمْ رَشَدُوا^(۱)

وَأَنَّا مِنَ الظَّالِمِينَ وَمِنَ الْمُنَادِينَ ذَلِكَ مُكَفَّلًا طَرَائِقَ
قِدَدًا^(۲)

وَأَنَّا كَذَّلِكَ آنِينَ نُعْجَزُ لَهُ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجَزَةَ
هَرَبًا^(۳)

وَأَنَّا لِمَا سَمِعْنَا الْهُدَى أَمْكَابِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا
يَنْفَعُ بِخَسَأٍ وَلَا رَهْقًا^(۴)

وَأَنَّا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَمِنَ الْقَسِطْلَوْنَ فَمَنْ أَشْكَمَ فَإِلَيْكَ عَزِيزًا
رَشَدًا^(۵)

وَأَنَّا الْقَسِطْلَوْنَ فَكَانُوا لِجَاهِنَمَ حَطَبًا^(۶)

(۱) یعنی اس حرast آسمانی سے مقصد اہل زمین کے لیے کسی شر کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا یعنی ان پر عذاب نازل کرنا ہے یا بھلائی کا ارادہ یعنی رسول بھیجا ہے۔

(۲) قِدَدٌ، چیز کا مکڑا، صار القُومُ قِدَدًا اس وقت بولتے ہیں جب ان کے احوال ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ یعنی ہم متفرق جماعتوں اور مختلف انسانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ مطلب ہے کہ جنات میں بھی مسلمان، کافر، یہودی، عیسائی، مجوہی وغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کی طرح قدریہ، مرجبہ اور رافضہ وغیرہ ہیں۔ (فتح القدری)

(۳) ظَلَّ، یہاں علم اور یقین کے معنی میں ہے، جیسے اور بھی بعض مقلات پر ہے۔

(۴) یعنی نہ اس بات کا اندریشہ ہے کہ ان کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کروی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ ان کی براویوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

(۵) یعنی جو نبوت محمدیہ پر ایمان لائے وہ مسلمان اور اس کے مکر بے انصاف ہیں۔ فَاسِطُ، ظالم اور غیر منصف اور مُفْسِطُ، عادل یعنی مثلاً مجرم سے ہو تو معنی ظلم کرنے کے اور مزید فیہ سے ہو تو انصاف کرنے کے۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی دوزخ اور جنت دونوں میں جانے والے ہوں گے۔ ان میں جو کافر

اور (اے نبی یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافرپانی پلاتے۔ (۱۶) تاکہ ہم اس میں انہیں آزمائیں،^(۱) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں بٹلا کر دے گا۔^(۱۷) (۱۷)

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کوئی پکارو۔^(۱۸) (۱۸)

وَأَنْ يُوَاسِطَةُ مَا عَلَى الظَّرِيفَةِ لَا سَعَى نَهْمُ مَاءَ عَذَابًا
لِغَفْتَهُمْ فِي وَمَنْ يُعْرِضُ عَنْ ذِكْرِنِهِ يَنْلَاكُهُ عَذَابًا صَعِيدًا^(۱۹)

وَإِنَّ السَّجِدَةَ لِلَّهِ فَلَاتَدْعُوْمَةَ إِلَهًا حَدَّا^(۲۰)

ہوں گے وہ جنم میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے۔ یہاں تک جنات کی گفتگو ختم ہو گئی۔ اب آگے بھراللہ کا کلام ہے۔

(۱) أَنْ لَوْ اسْتَقَامُوا، أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ پر عطف ہے یعنی یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ الطَّرِيقَةِ سے مراد راہ راست یعنی اسلام ہے۔ غَدَقَ کے معنی کثیر۔ وافرپانی سے مطلب دنیوی خوش حالی ہے۔ یعنی دنیا کا مال و اسباب دے کر ہم ان کی آزمائش کرتے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْاَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ امْتَنَوا وَأَتَعْوَلُ فَتَحَنَّعَ عَلَيْهِمْ

بَرَكَاتِ قَنْ السَّمَاءَ وَالْأَرْضِ﴾ (الاعراف ۲۶) یہی بات اہل کتاب کے ضمن میں بھی فرمائی گئی ہے۔ سورہ مائدہ ۲۶۔

بعض کہتے ہیں اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب کفار قریش پر قحط سالی مسلط کر دی گئی تھی۔ الطَّرِيقَةِ کے دوسرے معنی گراہی کے راستے کے کئے گئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ مادی خوش حالی استدرج کے طور پر ہو گی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِرُوا بِهِ فَتَعَنَّعُوا عَلَيْهِمْ أَنْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ الآية (الأنعام ۳۲) ﴿أَيَّصَبُونَ أَكْلَانِيَّتَهُمْ بِهِ مِنْ تَالِ وَبَيْنَ * نُكَلِّعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ...﴾ (المؤمنون ۵۲) امام ابن کثیر کے نزدیک لِغَفْتَهُمْ کے پیش نظر یہ دوسرا مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے جب کہ امام شوکانی کے نزدیک پسلازیادہ صحیح ہے۔

(۲) صَعِيدًا، أَيْنِ: عَذَابًا شَدِيدًا مُؤْجَعًا مُؤْلِمًا (ابن کثیر) نہایت سخت، الْمُنَاك عذاب۔

(۳) مسجد کے معنی سجدہ گاہ کے ہیں۔ سجدہ بھی ایک رکن نماز ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ مسجدوں کا مقصد صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، اس لیے مسجدوں میں کسی اور کسی عبادت، کسی اور سے دعا و مناجات، کسی اور سے استغاثہ و استدراج جائز نہیں۔ یہ امور ویسے تو مطلقاً ہی منوع ہیں اور کہیں بھی غیراللہ کی عبادت جائز نہیں ہے لیکن مسجدوں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اگر یہاں بھی غیراللہ کو پکارنا شروع کر دیا گیا تو یہ نہایت ہی فتح اور ظالمانہ حرکت ہو گی۔ لیکن بد قسمی سے بعض نادان مسلمان اب مسجدوں میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی مد کے لیے پکارتے ہیں۔ بلکہ مسجدوں میں ایسے کہتے آؤیں اس کیسے ہوئے ہیں، جن میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ آہ! فَلَيَبْكِ عَلَى الإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَايِكَاً۔

اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو
قریب تھا کہ وہ بھیز کی بھیز بن کر اس پر پل پڑیں۔^(۱۹)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا
ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔^(۲۰)
کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نقصان نفع کا اختیار
نہیں۔^(۲۱)

کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچانیں سکتا^(۲۲) اور
میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی پا نہیں سکتا۔^(۲۳)
البتہ (میرا کام) اللہ کی بات اور اس کے پیغامات (لوگوں
کو) پہنچا دیتا ہے،^(۲۴) (اب) جو بھی اللہ اور اس کے
رسول کی نہ مانے گا اس کے لیے جنم کی آگ ہے جس
میں ایسے لوگ ہیشہ رہیں گے۔^(۲۵)

(ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس
کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے^(۲۶) پس عنقریب جان لیں گے کہ

وَإِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ
لِمَدَا^(۲۷)

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا وَارِثَيْ وَلَا أَشْرِكُ بِهِ أَحَدًا^(۲۸)

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلُكُ لِكُمْ فَضْرًا وَلَا رَشْدًا^(۲۹)

قُلْ رَأَيْتُ لَنْ يُجِزِّيَ مِنَ اللَّهِ أَحَدًا وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ
مُلْتَحَدًا^(۳۰)

إِلَّا بَلَغَ أَنَّ مِنَ اللَّهِ وَرِسْلِهِ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا^(۳۱)

حَتَّىٰ إِذَا أَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضَعَفُ
نَاصِرًا وَأَقْلَعَ عَدَمًا^(۳۲)

(۱) عبدُ الله سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بچاویں۔ اس کے اور بھی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن امام ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔

(۲) یعنی جب سب آپ کی عدالت پر متحم ہو گئے اور قتل گئے ہیں تو آپ فرمادیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

(۳) یعنی مجھے تمہاری ہدایت یا گمراہی کا یا کسی اور نفع نقصان کا اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی و رسالت کے لیے چن لیا ہے۔

(۴) اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور وہ مجھے اس پر وہ عذاب دیتا چاہے۔

(۵) یہ لَا أَمْلُكُ لَكُمْ سے مستثنی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ لَنْ يُجِزِّيَ مِنَ اللَّهِ سے مستثنی ہو، یعنی اللہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ تبلیغ رسالت کا وہ فریضہ بجالاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے مجھ پر واجب کی ہے۔ رسالاتِ اللہ پر ہے، یا بَلَاغَارِ۔ یا پھر عبارت اس طرح ہے۔ إِلَّا أَنْ أُبَلِّغَ عَنِ اللَّهِ وَأَعْمَلَ بِرِسَالَتِهِ۔ (فتح القدير)

(۶) یا مطلب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی عدالت اور اپنے کفر پر مصروف ہیں گے، یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں، جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

کس کامدگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔^(۱) (۲۲) کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے دور کی مدت مقرر کرے گا۔^(۲) (۲۵)

وہ غیب کا جانے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔^(۳) (۲۶)

سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے^(۴) لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پرے دار مقرر کر دیتا ہے۔^(۵) (۲۷)

تاکہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے^(۶) اللہ تعالیٰ نے انکے آس پاس (کی تمام چیزوں)

قُلْ إِنَّ أَدْرِيَ أَقْرِيَبَ شَانُوْعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ
لَهُ رِيقَةً أَمَدًا^(۷)

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا^(۸)

إِلَّا مَنِ اسْتَطَعَى مِنْ تَرَسُّلِ فَرَاثَةَ يَسْلُكُ
مِنْ بَيْنِ يَدِيهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا^(۹)
لِيَعْلَمَ أَنَّ قَدْ أَبْتَغُوا رِسْلَتِ رَبِّيْهِ وَأَحَاطُوا بِمَالَدِيْهِ
وَأَحْصَى مُلْ شَيْءٍ عَدَدًا^(۱۰)

(۱) یعنی اس وقت ان کو پتہ لگے گا کہ مومنوں کامدگار کمزور ہے یا مشرکوں کا؟ اور اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے پیجاریوں کی؟ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مدگار ہی نہیں ہو گا اور اللہ کے ان گنت لشکروں کے مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہو گی۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ عذاب یا قیامت کا علم، یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور؟

(۳) یعنی اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کر دیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ اس کی رسالت کی صداقت کی ولیل ہوتے ہیں۔ اور ظاہربات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ پیغمبر بھی اگر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اطمینان کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کا اطمینانی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے، جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس لیے عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

(۴) یعنی نزول وحی کے وقت پیغمبر کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو شیاطین اور جنات کو وحی کی باتیں سننے نہیں دیتے۔

(۵) لِيَعْلَمَ میں ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تاکہ آپ جان لیں کہ آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔ یا مگر ان فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام پیغمبر تک پہنچا دیا ہے اور بعض نے اس کا مرجع اللہ کو بنایا ہے۔ اس صورت میں مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی فرشتوں کے ذریعے سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ فریضہ رسالت کی ادائیگی صحیح طریقے سے کر سکیں۔ نیز وہ اس وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو پیغمبروں کو کی جاتی ہے تاکہ وہ جان لے کر انہوں نے اپنے رب کے پیغامات لوگوں تک ٹھیک

کا احاطہ کر رکھا ہے^(۱) اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے۔^(۲) (۲۸)

سورہ مزمل کی ہے اور اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان نہایت رحم والا ہے۔

اے کپڑے میں لپٹنے والے۔^(۱) (۱) رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم۔^(۲) آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے۔^(۳) یا اس پر بڑھاوے^(۴) اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر۔^(۵) (۳)

یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے۔^(۶) (۵)

شُورَةُ الْمُرْعَمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّهَا الْمُرْعَمُ ۖ ۱

فَعَالِيلٌ إِلَّا قَلِيلًا ۖ ۲

يَضْفَأَهَا وَأَنْقُضُهَا مَنْهُ قَلِيلًا ۖ ۳

أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَدَرِّيْلُ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۶

إِنَّ أَسْنَلُقُ عَيْنِكَ قَوْلًا تَتِيلًا ۵

ٹھیک پہنچا دیے ہیں یا فرشتوں نے پیغمبروں تک وہی پہنچا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ پہلے ہی سے ہر چیز کا علم ہے لیکن ایسے موقعوں پر اللہ کے جانتے کا مطلب اس کے تحقیق کا عام مشاہدہ ہے، جیسے ﴿لَئِنْتَعْلَمُ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ﴾ (البقرة: ۲۳) اور ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ امْنَوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (سورہ العنكبوت) وغیرہ آیات میں ہے۔ (ابن کثیر) فرشتوں کے پاس کی یا پیغمبروں کے پاس کی۔

(۱) کیوں کہ وہی عالم الغیب ہے، جو ہو چکا اور جو آئندہ ہو گا، سب کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔ یعنی اس کے علم میں ہے۔

(۲) جس وقت ان آیات کا نازول ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر لیتے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے خطاب فرمایا، مطلب ہے کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں یعنی نماز تجدیڑ پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بناء پر نماز تجدیڑ آپ کے لیے واجب تھی۔ (ابن کثیر)

(۳) یہ قلندر سے بدل ہے، یعنی یہ قیام نصف رات سے کچھ کم (ٹمٹ) یا کچھ زیادہ (دو ٹمٹ) ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کی قراءت ترتیل کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور آپ نے اپنی امت کو بھی ترتیل کے ساتھ، یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تلقین کی ہے۔

(۵) رات کا قیام چوں کہ نفس انسانی کے لیے بالعموم گراں ہے، اس لیے یہ جملہ معترض کے طور پر فرمایا کہ ہم اس سے

(١) بیشک رات کا اٹھنا دل جمعی کے لیے انتہائی مناسب ہے اور بات کو بست و رست کر دینے والا ہے۔ (۲)
 (۳) یقیناً تجھے دن میں بست شغل رہتا ہے۔ (۷)
 تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلاقت سے کٹ کراس کی طرف متوجہ ہو جا۔ (۸)
 مشرق و مغرب کا پروار و گار جس کے سوا کوئی معبد نہیں،
 تو اسی کو اپنا کار ساز بنالے۔ (۹)
 اور جو کچھ وہ کہیں تو سترارہ اور وعدداری کے ساتھ ان سے الگ تھلک رہ۔ (۱۰)
 اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے۔ (۱۱)

إِنَّ نَاسَةَ الْأَيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطَأَّ وَأَقْوَمُ فِي الْأَيْلِ
 إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا
 وَأَذْكُرْ أَسْمَرَتِكَ وَتَبَكَّلْ إِلَيْهِ تَبَكِّيلًا
 رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا
 وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَهْنِيلًا
 وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولَئِكَ النَّعْمَةُ وَمَهْلُكُهُمْ قَلِيلًا

بھی بھاری بات تجھ پر نازل کریں گے، یعنی قرآن، جس کے احکام و فرائض پر عمل، اس کے حدود کی پابندی اور اس کی تبلیغ و دعوت، ایک بھاری اور جاں گسل عمل ہے۔ بعض نے ثالت (بھاری پن) سے وہ بوجھ مراد لیا ہے جو وحی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتا تھا جس سے سخت سردی میں بھی آپ پیسے سے شرابوں ہو جاتے۔ (ابن کثیر)
 (۱) اس کا دوسرا مفہوم ہے کہ رات کی تھائیوں میں کان معانی قرآن کے فہم میں دل کے ساتھ زیادہ موافقت کرتے ہیں جو ایک نمازی تجدید میں پڑھتا ہے۔

(۲) دوسرا مفہوم ہے کہ دن کے مقابلے میں رات کو قرآن زیادہ واضح اور حضور قلب کے لیے زیادہ موثر ہے، اس لیے کہ اس وقت دوسری آوازیں خاموش ہوتی ہیں۔ فضایں سکون غالب ہوتا ہے اس وقت نمازی جو پڑھتا ہے وہ آوازوں کے شور اور دنیا کے ہنگاموں کی نذر نہیں ہوتا بلکہ نمازی اس سے خوب محفوظ ہوتا اور اس کی اثر آفرینی کو محسوس کرتا ہے۔

(۳) سَبْحَنْ کے معنی ہیں الْجَنْزُ وَالدَّوْرَانُ (چنان اور گھومنا پھرنا) یعنی دن کے وقت دنیاوی مصروفیتوں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ پہلی بات ہی کی تائید ہے۔ یعنی رات کو نماز اور تلاوت زیادہ مفید اور موثر ہے۔ یعنی اس پر مدد و مہمت کرنے دن ہو یا رات، اللہ کی تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہليل کرتا رہ۔

(۴) تَبَكَّلْ کے معنی آنِقطَاعُ اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور اس سے دعا و مناجات کے لیے یکسو اور ہم تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یہ رہبانیت سے مختلف چیز ہے۔ رہبانیت تو تجد و اور ترک دنیا ہے۔ جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور تَبَكَّلْ کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ عبادت میں اشتغال، خشوع، خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی۔ یہ محمود و مطلوب ہے۔

یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑاں ہیں اور سلگتی ہوئی جنم ہے۔^(۱۲)

اور حلق میں انکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے۔^(۱۳)

جس دن زمین اور پہاڑ تھر تھرا جائیں گے اور پہاڑ مثل بھر بھری ریت کے ٹیلوں کے ہو جائیں گے۔^(۱۴)
پیش کیا ہے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول پھیج دیا ہے جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔^(۱۵)

تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت (وبال کی) پکڑ میں پکڑ لیا۔^(۱۶)

تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔^(۱۷)

إِنَّ لَدَنَّا أَنْكَالًا وَجِهَمَّا^(۱۸)

وَطَعَامًا ذَا أَغْصَنَةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا^(۱۹)

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجَهَالُ وَكَانَتِ الْجَنَّالُ كَثِيرًا مَهِيلًا^(۲۰)

إِنَّا أَرَسْلَنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرَسْلَنَا إِلَى قَرْوَنَ
رَسُولًا^(۲۱)

فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخْذَنَاهُ أَخْذًا قَبِيلًا^(۲۲)

فَكَيْفَ تَتَعَوَّنُ إِنْ كَفَرُتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوَلْدَانَ
شَيْبِيَّا^(۲۳)

(۱) انکال، نکل کی جمع ہے، قود (بیڑاں) اور بعض نے آغلائ کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی طوق، جَحِينَما، بھر کتی آگ۔ ذا اَغْصَنَةٍ حلق میں انک جانے والا نہ حلق سے نیچے اترے اور نہ باہر نکلے۔ یہ زَفُومْ یا ضَرِيعَ کا کھانا ہو گا۔ ضَرِيعَ ایک کانے دار جھاڑی ہے جو سخت بد بودا ر اور زہری ہوتی ہے۔

(۲) یعنی یہ عذاب اس دن ہو گا، جس دن زمین اور پہاڑ بھونچال سے تباہ ہو جائیں گے اور بڑے بڑے پریت پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح بے حیثیت ہو جائیں گے۔ کہنیٹ ریت کا ایله، مَهِيلًا بھر بھری، پیروں کے نیچے سے نکل جانے والی ریت۔

(۳) جو قیامت والے دن تمہارے اعمال کی گواہی دے گا۔

(۴) اس میں اہل کہ کو تعبیر ہے کہ تمہارا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی حکزیب کی وجہ سے ہوا۔

(۵) شِبَّ، أَشَبَّ کی جمع ہے، قیامت والے دن، قیامت کی ہولناکی سے فی الواقع نیچے بوڑھے ہو جائیں گے یا تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ آدم علیہ السلام کو کے گا کہ اپنی اولاد میں سے جنم کے لیے نکال لے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، یا اللہ کس طرح؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہر ہزار میں سے ۹۹۹ اس وقت حمل والی عورتوں کا حمل گر جائے گا اور نیچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ یہ بات صحابہ کرام رض کو بہت شاق گزرا اور ان کے چہرے فق ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قوم یا جوں و ما جوں میں ۹۹۹ ہوں گے اور تم سے ایک، ... اللہ کی رحمت سے

جس دن آسمان پھٹ جائے گا^(۱) اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر
ہی رہنے والا ہے۔^(۲) ^(۳)

پیشک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ
اختیار کرے۔^(۴)

آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ
کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تماں رات کے اور
آدمی رات کے اور ایک تماں رات کے تجدید پڑھتی
ہے^(۵) اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہی
ہے،^(۶) وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھا
سکو گے^(۷) پس اس نے تم پر میریانی کی^(۸) لذاجتنا قرآن

إِلَّا سَمَاءً مُفَطَّرٌ بِهِ مَكَانٌ وَعَدْدٌ مَمْغُولًا ۝

إِنَّ هَذَا ۚ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَيْ رَبِّهِ
سَبِيلًا ۝

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَى مِنْ ثُلُثَيِ الْيَنِينَ
وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَلَيْعَتَهُ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۖ وَاللَّهُ
يُقَدِّرُ أَيْمَنَ ۖ وَالنَّهَارَ عَمَّا نَنْ تُحْصِنُهُ مَتَابَ
عَلَيْكُمْ قَافِرَةٌ وَامَاتِسَرَّمَ الْقُرْآنَ عَلِمَانَ
سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضٌ ۖ وَالْخَرُونَ يَصْرِيْبُونَ فِي الْأَرْضِ

مجھے امید ہے کہ تمام جنتیوں میں سے آدھا تم ہم لوگ ہو گے۔ الحدیث (البخاری تفسیر سورہ الحج)

(۱) یہ یوم کی دوسری صفت ہے۔ اس دن ہولناکی سے آسمان پھٹ جائے گا۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بعثت بعد الموت، حساب کتاب اور جنت دوزخ کا وعدہ کیا ہوا ہے، یہ یقیناً لا حالہ ہو کر رہتا ہے۔

(۳) جب سورت کے آغاز میں نصف رات یا اس سے کم یا زیادہ، قیام کا حکم دیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی، کبھی دو تماں سے کم، کبھی نصف رات اور کبھی ثلث (ایک تماں حصہ) جیسا کہ یہاں ذکر ہے۔ لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا۔ دوسرے وقت کا یہ اندازہ نصف رات یا ثلث یا دو ثلث حصہ قیام کرنا ہے، اس سے بھی زیادہ مشکل تر تھا۔ اس لیے اللہ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرمایا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے فرض کو استحباب میں بدل دیا گیا۔ اب یہ نہ امت کے لیے فرض ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لیے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا پڑھنا ضروری تھا۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ تو رات کی گھٹیاں گئیں سکتا ہے کہ کتنی گزر گئی ہیں اور کتنی باقی ہیں؟ تمہارے لیے یہ اندازہ ناممکن ہے۔

(۵) جب تمہارے لیے رات کے گزرنے کا صحیح اندازہ ممکن ہی نہیں، تو تم مقررہ اوقات تک نماز تجدید میں مشغول بھی کس طرح رہ سکتے ہو؟

(۶) یعنی اللہ نے قیام اللیل کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب صرف اس کا استحباب باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی وقت کی پابندی کے بغیر۔ نصف شب، یا ثلث شب یا دو ثلث کی پابندی بھی ضروری نہیں۔ اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کر کے دو رکعت بھی پڑھ لو گے تو عند اللہ قیام اللیل کے اجر کے متعلق قرار پاؤ گے۔ تاہم اگر کوئی شخص ۸ رکعات تجدید کا

پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اتنا ہی پڑھو،^(۱) وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے، بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی روزی بھی) تلاش کریں گے^(۲) اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جماد بھی

يَنْتَغِيْرُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَالْأَخْرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَسْرِمُونَ لَا إِنْجِيلُ الْصَّلَاةَ
وَأَنْوَاعُ الرِّزْكُوَةِ وَأَثْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا قَدِيمًا

اهتمام کرے گا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، تو یہ زیادہ بہتر ہو گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تبع قرار پائے گا۔

(۱) فَاقْرَأُوا كامطلب ہے فَصَلُوٰ، اور قرآن سے مراد الصَّلَاةَ ہے۔ قیام اللیل میں چوں کہ قیام لمبا ہوتا ہے اور قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لیے نماز تجد کوہی قرآن سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے نماز میں سورہ فاتحہ نمایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں، جو سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، سورہ فاتحہ کو نماز سے تعبیر فرمایا ہے، قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِنِي۔ الحَدِيثُ۔ اس لیے "جتنا قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لو" کامطلب ہے۔ رات کو جتنی نماز پڑھ سکتے ہو، پڑھ لو۔ اس کے لیے نہ وقت کی پابندی ہے اور نہ رکعت کی۔ اس آیت سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری نہیں ہے جتنا کسی کے لیے آسان ہو، پڑھ لے، اگر کوئی ایک آیت بھی کہیں سے پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن اول تو یہاں قراءت بمعنی نماز ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس لیے آیت کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ نماز میں کتنی قراءت ضروری ہے؟ دوسرے، اگر اس کا تعلق قراءت سے ہی مان لیا جائے، تب بھی یہ استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ مَا تَيَسَرَ کی تفسیر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے کہ وہ کم سے کم قراءت، جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی وہ سورہ فاتحہ ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ ضرور پڑھو جیسا کہ صحیح اور نمایت قوی اور واضح احادیث میں یہ حکم ہے۔ اس تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ کہنا کہ نماز میں سورہ فاتحہ ضروری نہیں، بلکہ کوئی سی بھی ایک آیت پڑھ لو، نماز ہو جائے گی۔ بڑی جسارت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بے اعتنائی کامظاہر ہے۔ نیز انہ کے آقوال کے بھی خلاف ہے جو انہوں نے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ترک فاتحہ خلف الامام پر استدلال جائز نہیں، اس لیے کہ دو آیتیں متعارض ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص جری نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو بعض احادیث کی رو سے بعض آئمہ نے اسے جائز کہا ہے اور بعض نے نہ پڑھنے ای کو ترجیح دی ہے۔ (تفصیل کے لیے فرضیت فاتحہ خلف الامام پر تحریر کردہ کتب ملاحظہ فرمائیں)

(۲) یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے سفر کرنا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا پڑے گا۔

کریں گے،^(۱) سو تم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو^(۲)
اور نماز کی پابندی رکھو^(۳) اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ
تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔^(۴) اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے
بھیجو گے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب
میں بہت زیادہ پاؤ گے^(۵) اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو۔
یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا صریان ہے۔^(۶)

سورہ مدثرہ کی ہے اور اس میں چھپن آئیں اور
دور کوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا صریان
نہایت رحم والا ہے۔

اے کپڑا اور ٹھنڈے والے۔^(۷)

سورة المدثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الْمُدَّٰرِ

(۱) اسی طرح جماد میں بھی پرمشت سفر اور مشقیں کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ تینوں چیزوں۔ یکاری، سفر اور جماد۔ نوبت بہ نوبت ہر ایک کو لاحق ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کے حکم میں تخفیف کر دی ہے۔ کیوں کہ تینوں حالتوں میں یہ نہایت مشکل اور بڑا صبراً زماکام ہے۔

(۲) اسباب تخفیف کے ساتھ تخفیف کا یہ حکم دوبارہ بطور تاکید بیان کر دیا ہے۔

(۳) یعنی پانچ نمازوں کی جو فرض ہیں۔

(۴) یعنی اللہ کی راہ میں حسب ضرورت و توفیق خرچ کرو، اسے قرض حسن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بد لے میں سات سو گناہ بلکہ اس سے زیادہ تک اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

(۵) یعنی نفلی نمازوں، صدقات و خیرات اور دیگر نیکیاں جو بھی کرو گے، اللہ کے ہاں ان کا بہترین اجر پاؤ گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت نمبر ۲۰ مدینے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اس کا نصف حصہ مکی اور نصف مدینی ہے۔ (السرالتغایر)

(۶) سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ ﴿إِنَّ رَأَيْتَ أَشْوَارَ تِلْكَ الْذِي خَلَقَ﴾ ہے اس کے بعد وحی میں وقفہ ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت مضطرب اور پریشان رہتے۔ ایک روز اچانک پھر وہی فرشتہ، جو غار حرام میں پہلی مرتبہ وہی لے کر آیا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کری پر بیٹھا ہے، جس سے آپ پر ایک خوف ساطاری ہو گیا اور

گھر جا کر گھروں سے کما کہ مجھے کوئی کپڑا اور ٹھادو، مجھے کپڑا اور ٹھادو۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے جسم پر ایک کپڑا ڈال دیا، اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری و مسلم، سورۃ المدثر و کتاب الإیمان) اس اعتبار سے

كھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے۔ ^(۱)	فُرْقَانِنْدَرُ ۝
اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر۔ ^(۲)	وَرَبَّكَ فَلَكَنْ ۝
اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر۔ ^(۳)	وَشَيَّابَكَ فَطَهَرَ ۝
نپاکی کو چھوڑ دے۔ ^(۴)	وَالرُّجُزَ فَاهْجُرْ ۝
اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔ ^(۵)	وَلَا تَمْنَنْ سَسْكُنْ ۝
اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔ ^(۶)	وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝
پس جب کہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔ ^(۷)	فَإِذَا نَهَرَ فِي النَّافُورِ ۝
تو وہ دن بڑا سخت دن ہو گا۔ ^(۸)	فَذَلِكَ يَوْمَهُنَدِيَوْمَ عَسِيرٍ ۝
(جو) کافروں پر آسان نہ ہو گا۔ ^(۹)	عَلَى الْكُفَّارِ يَوْمَ عَيْرُيْسِيرٍ ۝
مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ ^(۱۰)	ذَرْفِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝
اور اسے بہت سماں دے رکھا ہے۔ ^(۱۱)	ذَجَعْتُ لَهُ مَا لَأَتَمْدُدُدًا ۝
اور حاضریاں فرزند بھی۔ ^(۱۲)	وَبَنِينَ شُهُودًا ۝

یہ دو سری وحی اور فترت وحی کے بعد پہلی وحی ہے۔

(۱) یعنی اہل مکہ کو ذرا، اگر وہ ایمان نہ لائیں۔

(۲) یعنی قلب و نیت کے ساتھ کپڑے بھی پاک رکھ۔ یہ حکم اس لیے دیا کہ مشرکین مکہ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔

(۳) یعنی بتوں کی عبادات چھوڑ دے۔ یہ دراصل لوگوں کو آپ کے ذریعے سے حکم دیا جا رہا ہے۔

(۴) یعنی احسان کر کے یہ خواہش نہ کر کہ بد لے میں اس سے زیادہ ملے گا۔

(۵) یعنی قیامت کا دن کافروں پر بھاری ہو گا، کیوں کہ اس روز کفر کا نتیجہ انہیں بھگتا ہو گا، جس کا ارتکاب وہ دنیا میں کرتے رہے ہوں گے۔

(۶) یہ کلمہ وعید و تدبید ہے کہ اسے ‘جسے میں نے ماں کے پیٹ میں اکیلا پیدا کیا، اس کے پاس مال تھا نہ اولاد، اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ یعنی میں خود ہی اس سے نہ لوں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کفر و طغیان میں بہت بڑھا ہوا تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۷) اسے اللہ نے اولاد ذکور سے نوازا تھا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی رہتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی، اس لیے بیٹوں کو تجارت و کاروبار کے لیے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ بعض کہتے ہیں، یہ بیٹے ساتھ تھے بعض کے نزدیک ۱۲ اور بعض کے نزدیک ۱۳ تھے ان میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (فتح القدير)

اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی
ہے۔^(۱)
^(۲)
^(۳)

پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ
دول۔^(۴)
^(۵)

نہیں نہیں،^(۶) وہ ہماری آئیوں کا مخالف ہے۔^(۷)
عنقریب میں اسے ایک سخت چڑھائی چڑھاؤں گا۔^(۸)
اس نے غور کر کے تجویز کی۔^(۹)

اسے ہلاکت ہو کیسی (تجویز) سوچی؟^(۱۰)
وہ پھر عارت ہو کس طرح اندازہ کیا۔^(۱۱)
اس نے پھر دیکھا۔^(۱۲)

پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔^(۱۳)
پھر پچھے ہٹ گیا اور غور کیا۔^(۱۴)

اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا

وَمَهَدَّدُ لَهُ تَمْهِيدًا^(۱۵)

ثُرَيْطَمُ أَنْ أَزِيدَ^(۱۶)

كَلَاءَهُ كَانَ لَا يَعْتَنَا عِنْدَهُ^(۱۷)

سَارِهُهُ صَعُودًا^(۱۸)

إِنَّهُ فَكَرْ وَقَدَّارٌ^(۱۹)

فَعْتَلْ كَيْفَ قَدَّارٌ^(۲۰)

ثُرَقُلْ كَيْفَ قَدَّارٌ^(۲۱)

ثُرَّ نَظَرٌ^(۲۲)

ثُرَّ عَيْنٌ وَبَسَرٌ^(۲۳)

ثُرَّ أَذْبَرٌ وَأَسْتَكْبَرٌ^(۲۴)

فَتَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثِرُ^(۲۵)

(۱) یعنی مال و دولت میں ریاست و سرداری میں اور درازی عمر میں۔

(۲) یعنی کفر و معصیت کے باوجود اس کی خواہش ہے کہ میں اسے اور زیادہ دول۔

(۳) یعنی میں اسے زیادہ نہیں دول گا۔

(۴) یہ کلائی علت ہے۔ عینہ اس شخص کو کہتے ہیں جو جانے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کو رد کرے۔

(۵) یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا جس کا برداشت کرنا نہیت سخت ہو گا، بعض کہتے ہیں، جنم میں آگ کا پھاڑ ہو گا جس پر اس کو چڑھایا جائے گا۔ یہ حکم کے معنی ہیں۔ انسان پر بھاری چیز لاو دینا۔ (فتح القدیر)

(۶) یعنی قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر، اس نے اس امر پر غور کیا کہ میں اس کا کیا جواب دول؟ اور اپنے جی میں اس نے وہ تیار کیا۔

(۷) یہ اس کے حق میں بدعا نیت کلے ہیں کہ ہلاک ہو، مارا جائے، کیا بات اس نے سوچی ہے؟

(۸) یعنی پھر غور کیا کہ قرآن کا رد کس طرح ممکن ہے۔

(۹) یعنی جواب سوچتے وقت چرے کی سلوٹیں بد لیں، اور منہ بسوار، جیسا کہ عموماً کسی مشکل بات پر غور کرتے وقت آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

(۱۰) یعنی حق سے اعراض کیا اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

ہے۔^(۱)
(۲۳)

سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں۔^(۲۵)
میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔^(۲۶)
اور جھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟^(۲۷)
نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔^(۲۸)
کھال کو جھلسادیتی ہے۔^(۲۹)

اور اس میں انیس (فرشتے مقرر) ہیں۔^(۳۰)

ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے رکھے ہیں۔ اور
ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے
مقرر کی ہے^(۵) تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں،^(۶) اور
اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے^(۷) اور اہل کتاب
اور اہل ایمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری
ہے وہ اور کافر کمیں کہ اس بیان سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد

إِنْ هُدًى إِلَّا فَوْلُ الْجَنَّةِ ⑥

سَأَمْلِئُهُ سَقَرَ ⑦

وَمَا أَدْرِكَ مَا سَقَرُ ⑧

لَا تُبْقِي وَلَا تُدْرِكُ ⑨

لَوَاحَةُ الْبَشَرِ ⑩

عَلَيْهَا تَسْعَةُ عَشَرُ ⑪

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ الْأَمْلَكَةَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا عَدَّهُمْ
إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَيْسَيْقَنَ الَّذِينَ أُذْلُّوا إِلَيْهِ
وَيَرْدَادُ الَّذِينَ أَمْتُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْكَبُ الَّذِينَ أَفْتَرُوا
الْكِتَبَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَلِيَعْوَلُ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
وَالْكُفَّارُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهِذَا إِمْثَالًا مَكْذَلَكَ يُغْلِظُ

(۱) یعنی کسی سے یہ سیکھ آیا اور وہاں سے نقل کر لایا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

(۲) دوزخ کے ناموں یا درجات میں سے ایک کا نام ستر بھی ہے۔

(۳) ان کے جسموں پر گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی۔ یا مطلب ہے جنمیوں کو زندہ چھوڑے گی نہ مردہ، لایمُوتُ فینہا
وَلَا يَخْبِي

(۴) یعنی جسم پر بطور دربان ۱۹ فرشتے مقرر ہیں۔

(۵) یہ مشرکین قریش کا رد ہے، جب جنم کے داروغوں کا اللہ نے ذکر فرمایا تو ابو جمل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے
ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمیوں کا گروپ، ایک ایک فرشتے کے لیے کافی نہیں ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ کلدہ
نامی شخص نے جسے اپنی طاقت پر برا گھنڈہ تھا، کہا، تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لیتا، ۷۸ فرشتوں کو تو میں اکیلا ہی کافی
ہوں۔ کہتے ہیں اسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی کا بھی کئی مرتبہ چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان
نہیں لایا۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ رکانہ بن عبد یزید کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے کشتی لڑی تھی لیکن وہ شکست کھا کر
مسلمان ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزا یعنی آزمائش کا سبب بن گئی۔

(۶) یعنی جان لیں کہ یہ رسول برحق ہے اور اس نے وہی بات کی ہے جو بچھلی کتابوں میں بھی درج ہے۔

(۷) کہ اہل کتاب نے ان کے پیغمبر کی بات کی تصدیق کی ہے۔

ہے؟^(۱) اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔^(۲) تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا،^(۳) یہ تو کل بنی آدم کے لیے سراسر پند و نصیحت ہے۔^(۴)
 چ کرتا ہوں^(۵) قسم ہے چاند کی۔^(۳۲)
 اور رات کی جب وہ پیچھے ہے۔^(۳۳)
 اور صبح کی جب کہ روشن ہو جائے۔^(۳۴)
 کہ (یقیناً وہ جہنم) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔^(۳۵)
 بنی آدم کو ڈرانے والی۔^(۳۶)
 (یعنی) اسے^(۷) جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا

اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُونَ
 رَبِّكَ إِلَّا مُؤْمَنٌ مَا هُنَّ إِلَّا ذُكْرٌ لِّلْبَشَرِ^(۸)
 كَلَّا وَالْفَتَنَرِ^(۹)
 وَالْأَيْلُلِ إِذَا دَمَرَ^(۩)
 وَالْقُبْحَرِ إِذَا أَسْقَرَ^(۱۱)
 إِنَّهَا لِلْخَدَى الْكَبِيرِ^(۱۲)
 نَذِيرٌ لِّلْبَشَرِ^(۱۳)
 لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقَدِّمَ أَوْ يَتَّأَخَرَ^(۱۴)

(۱) یہاں دل والوں سے مراد منافقین ہیں یا پھر وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک تھے کیوں کہ میں منافقین نہیں تھے۔ یعنی یہ پوچھیں گے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں اللہ کی کیا حکمت ہے؟

(۲) یعنی گزشتہ گمراہی کی طرح، جسے چاہتا ہے گراہ اور جسے چاہتا ہے راہ یا ب کرتا ہے، اس میں جو حکمت بالغہ ہوتی ہے، اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

(۳) یعنی یہ کفار و مشرکین سمجھتے ہیں کہ جہنم میں ۱۹ فرشتے ہی تو ہیں نا، جن پر قابو پانا کون سامشکل کام ہے؟ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنہیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں ہیں کہ ۷۰ ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لیے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی۔ (صحیح البخاری و مسلم)

(۴) یعنی یہ جہنم اور اس پر مقرر فرشتے، انسانوں کی پند و نصیحت کے لیے ہیں کہ شاید وہ نافرمانیوں سے باز آجائیں۔

(۵) کَلَّا، یہ اہل کمہ کے خیالات کی نفی ہے یعنی جو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرشتوں کو مغلوب کر لیں گے ہرگز ایسا نہیں ہو گا۔ قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہے یعنی جانے لگے۔

(۶) یہ جواب قسم ہے۔ کُبْرَیٰ کی جمع ہے تین نہایت اہم چیزوں کی قسموں کے بعد اللہ نے جہنم کی بڑائی اور ہولناکی کو بیان کیا ہے جس سے اس کی بڑائی میں کوئی شک نہیں رہتا۔

(۷) یعنی یہ جہنم ڈرانے والی ہے یا اس نذیر سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن ہے کیوں کہ قرآن بھی اپنے بیان کردہ وعدہ و عید کے اعتبار سے انسانوں کے لیے نذیر ہے۔

چاہے۔^(۱)
(۳۷)

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلتے میں گروی ہے۔^(۲)
(۳۸)

مگر دل میں ہاتھ والے۔^(۳)
(۳۹)

کوہ بہشتوں میں (بیٹھے ہوئے) گناہ گاروں سے۔^(۴)
(۴۰)

سوال کرتے ہوں گے۔^(۵)
(۴۱)

تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔^(۶)
(۴۲)

وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے۔^(۷)
(۴۳)

نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔^(۸)
(۴۴)

اور ہم بحث کرنے والے (انکاریوں) کا ساتھ دے کر

بحث مبادثہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔^(۹)
(۴۵)

اور روز جزا کو جھلاتے تھے۔^(۱۰)
(۴۶)

یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔^(۱۱)
(۴۷)

پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے

گی۔^(۱۲)
(۴۸)

كُلُّ نَفِقَةٍ يَمْأُكَبُّهُ رَهْبَيَّةٌ^(۱)

إِلَّا أَضْحَبَ الْيَمِينَ^(۲)

فِي جَنَّتٍ يَسَّأَلُونَ^(۳)

عَنِ الْمُجْرِمِينَ^(۴)

مَأْسَلَكُمْ فِي سَقَرَ^(۵)

فَالْوَالْحَنَاكُ مِنَ الْمُصْلِينَ^(۶)

وَلَمْ تَكُنْ نُظِعُمُ الْمُسْكِينِ^(۷)

وَلَمَّا تَخَوَّضَ مَعَ الْخَابِضِينَ^(۸)

وَكُلَّا لَكَذِبُ يَوْمَ الدِّينِ^(۹)

حَتَّىٰ أَنْتُمُ الْيَقِينِ^(۱۰)

فَمَا نَفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّفِيعِينَ^(۱۱)

(۱) یعنی ایمان و اطاعت میں آگے بڑھنا چاہے یا اس سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ مطلب ہے کہ انذار ہر ایک کے لیے ہے جو ایمان لائے یا کفر کرے۔

(۲) رہن گروی رکھنے کو کہتے ہیں۔ یعنی ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے، وہ عمل اسے عذاب سے چھڑا لے گا، (اگر نیک ہو گا) یا اسے ہلاک کروادے گا۔ (اگر برا ہو گا)

(۳) یعنی وہ اپنے گناہوں کے اسی نہیں ہوں گے، بلکہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔

(۴) فین جنات، أصحاب الیمن سے حال ہے۔ اہل جنت بالاخانوں میں بیٹھے، جہنمیوں سے سوال کریں گے۔

(۵) نماز حقوق اللہ میں سے اور مساکین کو کھلانا حقوق العباد میں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ کے حقوق ادا کیے نہ بندوں کے۔

(۶) یعنی کچھ بخشی اور گمراہی کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

(۷) یقین کے معنی موت کے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے۔ ﴿وَلَعِبْدُ رَبِّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ (الحجر ۹۹)

(۸) یعنی جو صفات مذکورہ کا حامل ہو گا، اسے کسی کی شفاعت بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے محل شفاعت ہی نہیں ہو گا، شفاعت تو صرف ان کے لیے مفید ہو گی جو ایمان کی وجہ سے شفاعت کے قابل ہوں گے۔

انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے
ہیں۔^(۴۹)

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذَكُّرِ مُغَرِّضُونَ^{۳۷}

گویا کہ وہ بد کے ہوئے گدھے ہیں۔^(۵۰)
جو شیر سے بھاگے ہوں۔^(۱)^(۵۱)

كَانُهُمْ حُمُورٌ مُسْتَقِرٌ^{۳۸}

فَرَأَتْ مِنْ قَوْرَةً^{۳۹}

بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی
کتابیں دی جائیں۔^(۲)^(۵۲)

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ أَمْرٍ فِي مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَنِ صُحُفًا مُنَشَّرًا^{۴۰}

ہرگز ایسا نہیں (ہو سکتا بلکہ) یہ قیامت سے بے خوف
ہیں۔^(۳)^(۵۳)

كَلَّا لِلَّهِ أَلَا يَعَافُونَ الْآخِرَةَ^{۴۱}

کچی بات تو یہ ہے کہ یہ (قرآن) ایک نصیحت
ہے۔^(۴)^(۵۴)

كَلَّا إِنَّهُ تَذَكُّرٌ^{۴۲}

اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔^(۵۵)

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ^{۴۳}

اور وہ اس وقت نصیحت حاصل کریں گے جب اللہ تعالیٰ
چاہے،^(۵) وہ اسی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس
لائق بھی کہ وہ بخشنے۔^(۶)^(۵۶)

وَمَا يَدْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ مُوَاهِلُ التَّقْوَى

وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ^{۴۴}

اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت بھی انہی کے لیے ملے گی نہ کہ ہر ایک کے لیے۔

(۱) یعنی یہ حق سے نفرت اور اعراض کرنے میں ایسے ہیں جیسے وحشی، خوف زده گدھے، شیر سے بھاگتے ہیں جب وہ ان کا شکار کرنا چاہے۔ قسروہ، بمعنی شیر بعض نے تیر انداز معنی بھی کیے ہیں۔

(۲) یعنی ہر ایک کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے ایک ایک کتاب مفتوح نازل ہو جس میں لکھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بغیر عمل کے یہ عذاب سے براءت چاہتے ہیں، یعنی ہر ایک کو پرواہ نجات مل جائے۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی ان کے فساد کی وجہ ان کا آخرت پر عدم ایمان اور اس کی بخندیب ہے جس نے انہیں بے خوف کر دیا ہے۔

(۴) لیکن اس کے لیے جو اس قرآن کے مواعظ و نصائح سے عبرت حاصل کرنا چاہے۔

(۵) یعنی اس قرآن سے ہدایت اور نصیحت اسے ہی حاصل ہو گی جسے اللہ چاہے گا۔ ﴿ وَمَا يَأْتُونَ إِلَّا كُنْ يَشَاءُ اللَّهُ رَبُّ الْعَلَمَيْنَ ﴾ (التسویر، ۲۹)

(۶) یعنی وہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈراجائے اور وہی معاف کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔ اس لیے وہی اس بات کا مسحت ہے کہ اسکی اطاعت کی جائے اور اسکی نافرمانی سے بچا جائے تاکہ انسان اسکی مغفرت و رحمت کا سزاوار قرار پائے۔

سُورَةُ الْقِيلَمَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا أُقْسِمُ بِعِوْدِ الْقِيمَةِ

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ الْوَوَامَةِ

أَهَبَّ إِلَيْنَا إِنَّا لَنَجْمَعُ عَظَمَةَ

بَلْ تَبْرُئُنَا عَلَى أَنْ تُسْوِيَ بَنَانَةَ

بَلْ يُرِيدُ إِلَيْنَا لِيَغْبُرَ أَمَامَةَ

سُورَةُ قِيمَةٍ هُوَ هُنْدٌ أَمْتَنْ أَوْرَ دُورَ كُوعَ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میران
نہایت رحم والا ہے۔

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔^(۱)

اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے
والا ہو۔^(۲)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں
گے ہی نہیں۔^(۳)

ہاں ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک
درست کر دیں۔^(۴)

بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا
جائے۔^(۵)

(۱) لا أُقْسِمُ میں لازم ہے جو عربی زبان کا ایک اسلوب ہے، جیسے ﴿ مَأْمَنْتُكَ أَلَا تَبْجِدَ ﴾ (الأعراف، ۱۲) اور ﴿ لَنَلْأَيْعَلُّمَ أَهْلَنَ الْكِتَابَ ﴾ (الحديد، ۲۹) اور ویگر بہت سے مقامات میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم سے پہلے کفار کے کلام کار دہے، وہ کہتے تھے مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ لَا کے ذریعے سے کہا گیا، جس طرح تم کہتے ہو، معاملہ اس طرح نہیں ہے میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، قیامت کے دن کی قسم کھانے سے مقصد اس کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔

(۲) یعنی بھلائی پر بھی کرتا ہے کہ زیادہ کیوں نہیں کی۔ اور برا یوں پر بھی، کہ اس سے باز کیوں نہیں آتا؟ دنیا میں بھی جن کے ضمیر بیدار ہوتے ہیں، ان کے نفس انہیں ملامت کرتے ہیں، تاہم آخرت میں توبہ کے ہی نفس ملامت کریں گے۔

(۳) یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد یہاں کافر اور ملد انسان ہے جو قیامت کو نہیں مانتا۔ اس کا گمان غلط ہے، اللہ تعالیٰ یقیناً انسانوں کے اجزا کو جمع فرمائے گا۔ یہاں ہڈیوں کا بطور خاص ذکر ہے، اس لیے کہ ہڈیاں ہی پیدائش کا اصل ذہانچہ اور قالب ہیں۔

(۴) بنان، ہاتھوں اور پیروں کے ان اطراف (کناروں) کو کہتے ہیں جو جوزوں، ناخن، لطیف رگوں اور باریک ہڈیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جب یہ باریک اور لطیف چیزیں ہم بالکل صحیح صحیح جوڑ دیں گے تو بڑے بڑے حصوں کو جوڑ دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہو گا؟

(۵) یعنی اس امید پر نافرمانی اور حق کا انکار کرتا ہے کہ کون سی قیامت آئی ہے۔

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔^(۱)
 پس جس وقت کہ نگاہ پھرا جائے گی۔^(۲)
 اور چاند بے نور ہو جائے گا۔^(۳)
 اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے۔^(۴)
 اس دن انسان کے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں
 ہے؟^(۵)
 نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ نہیں۔^(۶)
 آج تو تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے۔^(۷)
 آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے
 چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا۔^(۸)
 بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ جھٹ ہے۔^(۹)
 اگرچہ کتنے ہی بمانے پیش کرے۔^(۱۰)

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيمَةِ^١
 فَإِذَا أَبْرَقَ الْبَصَرُ^٢
 وَخَسَفَ الْقَمَرُ^٣
 وَجْهَهُ الثُّمُسُ وَالْقَمَرُ^٤
 يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِنَ أَيْنَ الْمَغْرِبُ^٥
 كَلَّا لِلَاوَذَرُ^٦
 إِلَى رَيْكَ يَوْمَئِنَ إِلَيْهِ الْمُسْتَقَرُ^٧
 يُنْبَئُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِنَ بِمَا فَدَمَ وَأَخْرَ^٨
 بِلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ^٩
 وَلَوْ أَنَّهُ مَعَادِنِيَّةٌ^{١٠}

- (۱) یہ سوال اس لیے نہیں کرتا کہ گناہوں سے تائب ہو جائے، بلکہ قیامت کو ناممکن الواقع سمجھتے ہوئے پوچھتا ہے اسی لیے فتن و فجور سے باز نہیں آتا۔ تاہم اُنکی آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے آنے کا وقت بیان فرماتا ہے۔
- (۲) دہشت اور حیرانی سے برَقَ، تَحَيَّرَ وَاندَهَشَ جیسے موت کے وقت عام طور پر ہوتا ہے۔
- (۳) جب چاند کو گہن لگتا ہے تو اس وقت بھی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خفت قمر، جو علامات قیامت میں سے ہے، جب ہو گا تو اس کے بعد اس میں روشنی نہیں آئے گی۔
- (۴) یعنی بے نوری میں۔ مطلب ہے کہ چاند کی طرح سورج کی روشنی بھی ختم ہو جائے گی۔
- (۵) یعنی جب یہ واقعات ظمور پذیر ہوں گے تو پھر اللہ سے یا جنم کے عذاب سے راہ فرار ڈھونڈھے گا، لیکن اس وقت راہ فرار کہاں ہوگی؟
- (۶) وَرَدَّهُ پَارِيَا قَلْعَهِ کو کہتے ہیں جماں انسان پناہ حاصل کر لے۔ وہاں ایسی کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔
- (۷) جماں وہ بندوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہو گا کہ کوئی اللہ کی اس عدالت سے چھپ جائے۔
- (۸) یعنی اس کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کیا جائے گا، قدیم ہو یا جدید، اول ہو یا آخر، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ﴿وَوَجَدُوا مَا عِمِلُوا حَاضِرًا﴾ (الکھف: ۳۹)
- (۹) یعنی اسکے اپنے ہاتھ پاؤں، زبان اور دیگر اعضاؤ ای دیس گے، یا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے عیوب خود جانتا ہے۔
- (۱۰) یعنی لڑے جھگڑے، ایک سے ایک تاویل کرے، لیکن ایسا کرنے اسکے لیے مفید ہے اور نہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہے۔

(اے نبی) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت^(۱) نہ دیں۔^(۲)

اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔^(۳)^(۴)^(۵)

ہم جب اسے پڑھ^(۶) لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔^(۷)^(۸)

پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔^(۹)^(۱۰)
نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی (دینا) کی محبت رکھتے ہو۔^(۱۱)

اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔^(۱۲)

اس روز بہت سے چرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔^(۱۳)

لَا تُحِرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ

إِنَّ عَلَيْنَا جَمِيعَةً وَقُرْآنَهُ

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتِّئِعْ قُرْآنَهُ

خُزَانَ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

كَلَابِلَ شَجَبُونَ الْعَاجِلَةُ

وَتَدَرُّقُنَ الْأَخْرَةُ

وَجْهًا يَوْمَئِنَ تَأْضِرَةُ

(۱) حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ عجلت سے پڑھتے جاتے کہ کمیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اللہ نے آپ کو فرشتے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھنے سے منع فرمادیا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ القیامتہ) یہ مضمون پسلے بھی گزر چکا ہے۔ ﴿ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُفْضِيَ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ﴾ (سورۃ طہ، ۱۳) چنانچہ اس حکم کے بعد آپ خاموشی سے سنتے۔

(۲) یعنی آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان پر اس کی قراءت کو جاری کر دینا ہماری ذمے داری ہے، تاکہ اس کا کوئی حصہ آپ کی یادداشت سے نہ لٹکے اور آپ کے ذہن سے محونہ ہو۔

(۳) یعنی فرشتے (جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعے سے جب ہم اس کی قراءت آپ پر پوری کر لیں۔

(۴) یعنی اس کے شرائع و احکام لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کا اتباع بھی کریں۔

(۵) یعنی اس کے مشکل مقولات کی تشریح اور حلال و حرام کی توضیح، یہ بھی ہمارے ذمے ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مجملات کی جو تفصیل، بہمات کی توضیح اور اس کے عمومات کی جو تخصیص بیان فرمائی ہے، جسے حدیث کما جاتا ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے ہی الامام اور سمجھائی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لیے انہیں بھی قرآن کی طرح مانا ضروری ہے۔

(۶) یعنی یوم قیامت کی مکنذیب، مَا أَنْزَلَ اللَّهُ كَمِنْ خَالِفَتْ اور حق سے اعراض، اس لیے ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت تمہیں بالکل فراموش ہے۔

اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔^(۱) (۲۳)
اور کتنے چہرے اس دن (بدرونق اور) اداں ہوں
گے۔^(۲) (۲۴)

سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا
معاملہ^(۳) کیا جائے گا۔ (۲۵)
نہیں نہیں^(۴) جب روح بُشَّلی تک^(۵) پہنچ گی۔ (۲۶)
اور کما جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک^(۶) کرنے والا
ہے۔؟ (۲۷)

اور جان لیا اس نے کہ یہ وقت جداً ہے۔^(۷) (۲۸)
اور پنڈلی سے پنڈلی پٹ جائے گی۔^(۸) (۲۹)
آج تیرے پر ودگار کی طرف چلتا ہے۔ (۳۰)
اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی۔^(۹) (۳۱)

إِلَى رَبِّهَا نَاذِرَةٌ

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِنَ أَبَا سَرَّةٍ

تَظَاهَرُ أَنْ يَفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِ

فَقَنِيلَ مَنْ مَنَّرَاقِ

وَكَلَّنَ آتَهُ الْفَرَاقِ

وَالْتَّغْتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ

إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِنَ إِلَمَسَاقِ

فَلَا صَنْدَقَ وَلَا ضَلَّلٌ

(۱) یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جو اپنے حسن انجام کی وجہ سے مطہر، مسرو اور منور ہوں گے۔ مزید دیدار الٰہی سے بھی خط اندازو ہوں گے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

(۲) یہ کافروں کے چہرے ہوں گے باسِرَةُ مُتَغَيِّرٌ، زرد، غم و حزن سے سیاہ اور بے رونق۔

(۳) اور وہ یہی کہ جنم میں ان کو پھینک دیا جائے گا۔

(۴) یعنی یہ ممکن نہیں کہ کافر قیامت پر ایمان لے آئیں۔

(۵) تَرَاقِی، تَرَقُّوْۃُ کی جمع ہے۔ یہ گردن کے قریب، سینے اور کندھے کے درمیان ایک ہڈی ہے۔ یعنی جب موت کا آہنی پنجہ تمیس اپنی گرفت میں لے لے گا۔

(۶) یعنی حاضرین میں سے کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے زرعیہ سے تمیس موت کے پنج سے چھڑا لے۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ اس کی روح کون لے کر چڑھے؟ ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب؟ اس صورت میں یہ قول فرشتوں کا ہے۔

(۷) یعنی وہ شخص یقین کر لے گا جس کی روح بُشَّلی تک پہنچ گئی ہے کہ اب 'مال' اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے جداً کا مرحلہ آگیا ہے۔

(۸) اس سے یا تو موت کے وقت پنڈلی کا پنڈلی کے ساتھ مل جانا مراد ہے، یا پے در پے تکلیفیں۔ جموروں مفسرین نے دوسرے معنی کئے ہیں۔ (فتح القدير)

(۹) یعنی اس انسان نے رسول اور قرآن کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی یعنی اللہ کی عبادت نہیں کی۔

بلکہ جھلایا اور روگردانی کی۔^(۱)
 پھر اپنے گھروالوں کے پاس اتراتا ہوا گیا۔^(۲)
 افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر۔^(۳)
 وائے ہے اور خرابی ہے تیرے لیے۔^(۴)
 کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا
 جائے گا۔^(۵)

کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو پکایا گیا تھا؟^(۶)
 پھر وہ لو کا لو تمہرا ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور
 درست بنادیا۔^(۷)

پھر اس سے جوڑے یعنی زرمادہ بنائے۔^(۸)
 کیا (اللہ تعالیٰ) اس (امرا) پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ
 کر دے۔^(۹)

سورہ دہرمدنی ہے اور اس میں اکتسیں آئیں اور
 دور کوئی ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
 نہایت رحم والا ہے۔

وَلَا كُنْ كَذَبَ وَتَوَلِي ③
 شُرَذْهَبَ إِلَى آهَلِهِ يَتَمَطَّلِي ④
 أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى ⑤
 شُمَّأَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى ⑥
 أَيَخْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتَرَكَ سُدَّي ⑦

أَلَفْ يَكُنْ نُطْفَةً مِنْ مَرْيَنِ يُمْنَى ⑧
 شُرَكَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى ⑨
 فَجَعَلَ مِنْهُ الرُّوْجَيْنِ الدَّكَرَ وَالْأَثْنَى ⑩
 أَلَيْسَ ذَلِكَ يُقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنْجِيَ الْمَوْتَى ⑪

سُوْرَةُ الْإِنْسَنِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

(۱) یعنی رسول کو جھلایا اور ایمان و اطاعت سے روگردانی کی۔

(۲) یتمطی اتراتا اور اکثرتا ہوا۔

(۳) یہ کلمہ وعدید ہے کہ اس کی اصل ہے أَوْلَادَ اللَّهُ مَا تَكْرَهُهُ اللَّهُ تَجْهِيَّ ایسی چیز سے دوچار کرے جئے تو ناپسند کرے۔

(۴) یعنی اس کو کسی چیز کا حکم دیا جائے گا، نہ کسی چیز سے منع کیا جائے گا، نہ اس کا محاسبہ ہو گا نہ معاقبہ۔ یا اس کو قبر میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا، وہاں سے اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

(۵) فَسَوَى، یعنی اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور اس کی ٹھیکیل کی اور اس میں روح پھونکی۔

(۶) یعنی جو اللہ انسان کو اس طرح مختلف اطوار سے گزار کر پیدا فرماتا ہے کیا مرنے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟

☆۔ اس کے مدنی اور کمی ہونے میں اختلاف ہے۔ جسمور اسے مدنی قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آخری دس آیات

یقیناً گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں^(۱) جب کہ
یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔^(۱)

بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لیے^(۲)
پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنا لیا۔^(۳)^(۲)

ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ
ناشکرا۔^(۳)^(۳)

یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور شعلوں

هُنْ أَنْعَلَى الْإِنْسَانِ حِينُّ مِنَ الدَّهْرِ لَعِلَّكُمْ شَيْءًا تَذَكَّرُونَ^(۱)

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٌ ثَبِيلٌ يَهْبَطُ عَلَيْهِ فَجَعَلْنَاهُ
سَيِّئَعًا لِصِيرَاتِهِ^(۲)

إِنَّا هَدَيْنَاكُمْ إِلَى السَّبِيلِ إِمَّا شَاكِرُونَ وَإِمَّا كَفُورُونَ^(۳)

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكُفَّارِ مِنْ سَلِيلٍ وَأَغْلَلْنَاهُوَ سَعِيدًا^(۴)

کی ہیں، باقی سب مدنی۔ (فتح القدر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن فجر کی نماز میں الٰم تَنْزِيلُ الْسَّجْدَة اور سورہ وہر پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ما يقرأ في يوم الجمعة) اس سورت کو سورۃ الانسان بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) ہل بمعنی قد ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ الْإِنْسَانُ سے مراد، بعض کے نزدیک ابوالبشر یعنی انسان اول حضرت آدم ہیں اور حینُ (ایک وقت) سے مراد، روح پھونکے جانے سے پہلے کا زمانہ ہے، جو چالیس سال ہے۔ اور اکثر مفسرین کے نزدیک الانسان کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے اور حینُ سے مراد حمل یعنی رحم مادر کی مدت ہے۔ جس میں وہ قابل ذکر چیز نہیں ہوتا۔ اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں جب باہر آتا ہے تو رب کے سامنے اکٹتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت یاد رکھنی چاہیے کہ میں تو وہی ہوں جب میں عالم نیست میں تھا، تو مجھے کون جانتا تھا؟

(۲) ملے جلے کا مطلب، مرد اور عورت دونوں کے پانی کاملاً اور پھر ان کا مختلف اطوار سے گزرنा ہے۔ پیدا کرنے کا مقصد، انسان کی آزمائش ہے ﴿لَيَتَبَلُّوكُمْ أَيُّهُمْ أَخْسَنُ عَمَلاً﴾ (الملك)^(۵)

(۳) یعنی اسے سماعت اور بصارت کی قوتوں عطا کیں، تاکہ وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکے اور اس کے بعد اطاعت یا معصیت دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا اختیار کر سکے۔

(۴) یعنی مذکورہ وقت اور صلاحیتوں کے علاوہ ہم نے خود بھی انبیاء علیہم السلام، اپنی کتابوں اور داعیان حق کے ذریعے سے صحیح راستے کو بیان اور واضح کر دیا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اس کا ناشکر ابین جائے۔ جیسے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَآئُنُّ نَفْسَهُ فَمُؤْيِّقُهَا أَوْ مُعْنِقُهَا (صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء) ”ہر شخص اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے، پس اسے ہلاک کر دیتا ہے یا اسے آزاد کر دیتا ہے“ یعنی اپنے عمل و کسب کے ذریعے سے ہلاک یا آزاد کرتا ہے، اگر شر کمائے گا تو اپنے نفس کو ہلاک اور خیر کمائے گا تو نفس کو آزاد کر لے گا۔

والی آگ تیار کر رکھی ہے۔^(۱) ^(۲)

بیشک نیک لوگ وہ جام پیس گے جس کی آمیزش کافور کی
ہے۔^(۳) ^(۴) ^(۵)

جو ایک چشمہ ہے۔^(۶) جس سے اللہ کے بندے پیس گے اس
کی نسروں نکال لے جائیں گے^(۷) (جدھر چاہیں)۔^(۸)

جو نذر پوری کرتے ہیں^(۹) اور اس دن سے ڈرتے ہیں
جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔^(۱۰) ^(۱۱)
اور اللہ تعالیٰ کی محبت^(۱۲) میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین،
پیغمبر اور قیدیوں کو۔^(۱۳)

ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے

إِنَّ الْأَنْبَارَ يَشَرُّونَ مِنْ كَلْبٍ كَانَ مَرَاجِعًا كَانُوا زَرَاً

عَيْنَاتِ شَرْبٍ بِهَا عَبَادُ اللَّهِ يُغَيِّرُ وَنَاهَى تَقْحِيمًا ۚ ۷

يُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرْءَةً مُسْتَطِلِّرًا ۸

وَكَطِيعُونَ الطَّعَامَ عَلَى حِتْهِ مُسْكِنَاتٍ وَبَيْتَهَا أَسِيرُوا ۹

إِنَّمَا تُطْعَمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا تُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۱۰

(۱) یہ اللہ کی دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔

(۲) اشقا کے مقابلے میں یہ سعدا کا ذکر ہے، کائن اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو اور چھلک رہا ہو۔ کافور ٹھنڈی اور ایک مخصوص خوبصورتی کا حامل ہوتی ہے، اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوبصورتی مسام جان کو معطر کرنے والی ہو جائے گی۔

(۳) یعنی یہ کافور ملی شراب، دوچار صراحیوں یا منکوں میں نہیں ہوگی، بلکہ اس کا چشمہ ہو گا، یعنی یہ ختم ہونے والی نہیں ہوگی۔

(۴) یعنی اس کو جدھر چاہیں گے، موڑ لیں گے، اپنے محلات و منازل میں، اپنی محلوں اور بیٹھنکوں میں اور باہر میدانوں اور تفریح گاہوں میں۔

(۵) یعنی صرف ایک اللہ کی عبادات و اطاعت کرتے ہیں، نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے، اور بھرا سے پورا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے ”جس شخص نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا، تو وہ اسکی اطاعت کرے اور جس نے معصیت الہی کی نذر مانی ہے تو، وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے“، یعنی اسے پورانہ کرے۔ (اصحیح بخاری: کتاب الایمان، باب النذر فی الطاعة)

(۶) یعنی اس دن سے ڈرتے ہوئے محربات اور معصیات کا ارتکاب نہیں کرتے۔ برائی پھیل جانے کا مطلب ہے کہ اس روز اللہ کی گرفت سے صرف وہی بچے گا جسے اللہ اپنے دامن عفو و رحمت میں ڈھانک لے گا۔ باقی سب اس کے شرکی پیٹ میں ہوں گے۔

(۷) یا طعام کی محبت کے باوجود وہ اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ قیدی اگر غیر مسلم ہو، تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، جیسے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو

کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلے چاہتے ہیں نہ شکرگزاری۔^(۹)
بیشک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے
ہیں جو اسی اور سختی والا ہو گا۔^(۱۰)

پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچایا^(۱۱)
اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی۔^(۱۲)
اور انہیں ان کے صبر^(۱۳) کے بدلتے جنت اور ریشمی
لباس عطا فرمائے۔^(۱۴)

یہ وہاں جنتوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ نہ وہاں
آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ جاڑے کی سختی۔^(۱۵)
ان جنتوں کے سامنے ان پر بجھے ہوئے ہوں گے^(۱۶)

إِنَّ أَقْفَافَ مِنْ رَيْنَاءِ يَوْمٍ عَبُودًا فَمُطْرِزًا ۝

فَوَقْهُمُ اللَّهُ شَرِذَلِكَ الْيَوْمَ وَلَقَهُمْ نَصْرَةٌ وَسُرُورٌ ۝

وَجَزْهُمْ بِمَا صَدَرُوا جَنَّةٌ وَحَرَثُرًا ۝

شَكِينٌ فِيهَا عَلَى الْأَرْضِ لَاهِرُونَ فِيهَا شَمْسٌ أَوَّلًا
زَمْهَرِيرًا ۝

وَدَانِيَةٌ عَلَيْهِ مُظْلَلُهَا وَذَلِكَ قُطُوفُهَا لَذِلِيلًا ۝

حکم دیا کہ ان کی سکریم کرو۔ چنانچہ صحابہ پسلے ان کو کھانا کھلاتے، خود بعد میں کھاتے۔ (ابن کثیر) اسی طرح غلام اور نوکر چاکر بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کی تائید ہے۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہی تھی کہ ”نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔ ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب هل أوصى رسول الله صلى الله عليه وسلم“
(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے قمطربیز[ؑ] کے معنی طویل کے کئے ہیں، عبُوش، سخت۔ یعنی وہ دن نہایت سخت ہو گا اور سختیوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے کافروں پر بڑا المباہ ہو گا۔ (ابن کثیر)

(۲) جیسا کہ وہ اس کے شرے ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔

(۳) تازگی چہروں پر ہو گی اور خوشی دلوں میں۔ جب انسان کا دل مسرت سے لبریز ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بھی مسرت سے گلنار ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اس طرح روشن ہو تاگویا چاند کا ملکرا ہے۔ (البغاری، کتاب المغافری، باب غزوۃ تبوك، مسلم، کتاب التوبۃ، باب حدیث توبۃ کعب بن مالک)

(۴) صبر کا مطلب ہے دین کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ کی اطاعت میں نفس کی خواہشات اور لذات کو قربان کرنا اور معصیتوں سے اجتناب کرنا۔

(۵) زَمْهَرِيرَ، سخت جاڑے کو کہتے ہیں۔ مطلب ہے کہ وہاں ہمیشہ ایک ہی موسم رہے گا، اور وہ ہے موسم بہار، نہ سخت گرمی اور نہ کڑا کے کی سردی۔

(۶) گو وہاں سورج کی حرارت نہیں ہو گی، اس کے باوجود درختوں کے سامنے ان پر بجھے ہوئے ہوں گے نیا یہ مطلب ہے کہ ان کی شاخیں ان کے قریب ہوں گی۔

اور ان کے (میوے اور) پچھے نیچے لٹکائے ہوئے
ہوں گے۔^(۱) ^(۲)

اور ان پر چاندی کے برتوں اور ان جاموں کا دور کرایا
جائے گا^(۳) جو شیشے کے ہوں گے۔^(۴) ^(۵)

شیشے بھی چاندی^(۶) کے جن کو (ساتی نے) اندازے سے
نپ رکھا ہو گا۔^(۷) ^(۸)

اور انیں وہاں وہ جام پلاۓ جائیں گے جن کی آمیزش
زنجلیل کی ہوگی۔^(۹) ^(۱۰)

جنت کی ایک نرسے جس کا نام سلبیل ہے۔^(۱۱)
اور ان کے ارد گرد گھومتے پھرتے ہوں گے وہ کم سن بچے
جو ہمیشہ رہنے والے ہیں^(۱۲) جب تو انیں دیکھے تو سمجھے

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَبْيَادِهِ مِنْ فَضْلَهِ وَأَلْوَابُ كَانَتْ قَوَارِيرًا^(۱)

قَوَارِيرًا مِنْ فَضْلِهِ قَدَرُوا هَا تَعْبُدُونَا^(۲)

وَيُنَسِّقُونَ فِيهَا كَاسَا كَانَ مِرَاجُهَا زَنْجِيلًا^(۳)

عِنْتَافِهَا أَسْمَى سَلَّيْنِيلًا^(۴)

وَيُطَوْفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانُ مُخْكَدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ

حِسْنَتَهُمْ لَوْلَا مَنْتُورًا^(۵)

(۱) یعنی درختوں کے پھل گوش برآواز فرماں بردار کی طرح، انسان کا جب کھانے کو جی چاہے گا تو وہ جھک کراتے قریب
ہو جائیں گے کہ بیٹھے، یعنی بھی انیں بوڑلے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی خادم انیں لے کر جنتیوں کے درمیان پھریں گے۔
(۳) یعنی یہ برتن اور آب خورے چاندی اور شیشے سے بنے ہوں گے۔ نمایت نہیں اور نازک۔ گویا یہ صنعت ایسی ہے
کہ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔

(۴) یعنی ان میں شراب ایسے اندازے سے ڈالی گئی ہوگی کہ جس سے وہ سیراب بھی ہو جائیں، تشنگی محسوس نہ کریں۔ اور
برتوں اور جاموں میں بھی زائد نہ پچھی رہے۔ مسمان نوازی کے اس طریقے میں بھی مسمانوں کی عزت افزائی ہی کا اہتمام ہے۔
(۵) زَنْجِيلُنْ (سونٹھ، خشک اور ک) کو کہتے ہیں۔ یہ گرم ہوتی ہے۔ اس کی آمیزش سے ایک خوشنگوار تشنگی پیدا ہو جاتی
ہے۔ علاوه ازیں عربوں کی یہ مرغوب چیز ہے۔ چنانچہ ان کے قوہ میں بھی زنجیل شامل ہوتی ہے۔ مطلب ہے کہ جنت میں
ایک وہ شراب ہو گی جو مٹھنڈی ہوگی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور دوسری شراب گرم، جس میں زنجیل کی ملاوٹ
ہوگی۔

(۶) یعنی اس شراب زنجیل کی بھی نہر ہوگی جسے سلبیل کہا جاتا ہے۔

(۷) شراب کے اوصاف بیان کرنے کے بعد، ساقیوں کا وصف بیان کیا جا رہا ہے ”ہمیشہ رہیں گے“ کا ایک مطلب تو یہ
ہے جنتیوں کی طرح ان خادموں کو بھی موت نہیں آئے گی۔ دوسرا یہ کہ ان کا بچپن اور ان کی رعنائی ہمیشہ برقرار رہے
گی۔ وہ نہ بوڑھے ہوں گے نہ ان کا حسن و جمال متغیر ہو گا۔

کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں۔^(۱)
 تو وہاں جہاں کمیں بھی نظر ڈالے گا^(۲) سراسر نعمتیں اور
 عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا۔^(۳)

ان کے جسموں پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے
 ہوں گے^(۴) اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا
 جائے گا۔^(۵) اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب
 پلاۓ گا۔^(۶)

(کہا جائے گا) کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری
 کوشش کی قدر کی گئی۔^(۷)

بیشک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے۔^(۸)
 پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ^(۹) اور ان میں سے
 کسی گنجائی ناشکرے کا کہانہ مان۔^(۱۰)

وَإِذَا رَأَيْتَ نَحْرَاتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا^(۱۱)

عَلَيْهِمْ شَيْءٌ سُنْدُسٌ خُضُورٌ إِسْتَبْرَقٌ وَخُلُونَ أَسَادَرٌ
 مِنْ فَضْلِهِ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا^(۱۲)

إِنَّ هَذَا كَانَ لِكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا^(۱۳)

إِنَّا نَحْنُ نَرْزَلُنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا^(۱۴)

فَاصْبِرْ لِحِكْمَةِ رَبِّكَ وَلَا إِظْعَنْ مِنْهُمْ إِنَّمَا أُنَقُورُ مَا^(۱۵)

(۱) حسن و صفائی اور تازگی و شادابی میں وہ موتیوں کی طرح ہوں گے "بکھرے ہوئے" کامطلب، خدمت کے لیے ہر طرف پہلیے ہوئے اور نمایت تیزی سے مصروف خدمت ہوں گے۔

(۲) نہ طرف مکان ہے وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ، آئی: هُنَاكَ لِيَعنِي وہاں جنت میں جہاں کمیں بھی دیکھو گے۔

(۳) سُنْدُسٌ، باریک لباس اور إِسْتَبْرَقٌ، موٹا ریشم۔

(۴) جیسے ایک زمانے میں بادشاہ، سردار اور متاز قسم کے لوگ پہنا کرتے تھے۔

(۵) یعنی ایک ہی مرتبہ نازل کرنے کے بجائے حسب ضرورت و اتفاقاً مختلف اوقات میں نازل کیا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے، یہ تم اپنا گھرزا ہوا نہیں ہے، جیسا کہ مشرکین دعویٰ کرتے ہیں۔

(۶) یعنی اس کے فیصلے کا انتظار کر۔ وہ تیری مدد میں کچھ تاخیر کر رہا ہے تو اس میں اس کی حکمت ہے۔ اس لیے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے۔

(۷) یعنی اگر یہ تجھے اللہ کے نازل کردہ احکام سے روکیں تو ان کا کہانہ مان، بلکہ تبلیغ و دعوت کا کام جاری رکھ اور اللہ پر بھروسہ رکھ، وہ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا، فاجر، جو افعال میں اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہو اور کفور جو دل سے کفر کرنے والا ہو یا کفر میں حد سے بڑھ جانے والا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اس کام سے باز آجا، ہم تجھے تیرے کرنے کے مطابق دولت میا کر دیتے ہیں اور عرب کی جس عورت سے تو شادی کرنا چاہے، ہم تیری شادی کر دیتے ہیں۔ (فتح القدير)

اور اپنے رب کے نام کا صبح و شام ذکر کیا کر۔^(۲۵)

اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسیع کیا کر۔^(۲۶)

بیشک یہ لوگ جلدی ملنے والی (دنیا) کو چاہتے ہیں^(۲۷)
اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ہیں۔^(۲۸)

ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہم نے ہی ان کے جوڑ اور بندھن مضبوط کیے^(۲۹) اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں۔^(۳۰)

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے۔^(۳۱)

اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے^(۳۲) بیشک

وَإِذْ كُوْسَمْرَيْكَ بُكْرَةً وَأَصْبَلَأُ^(۳۳)

وَئِنَّ الَّيْلَ فَإِسْجَدْنَاهُ وَسَنَحْنَهُ لَيْلًا طَوِيلًا^(۳۴)

إِنَّ هُؤُلَاءِ يُجْهَشُونَ الْعَاجِلَةَ وَيَدَرُونَ وَرَاءَهُمْ
بُوْمَا لَيْلَيْلًا^(۳۵)

تَعْنُ خَلْقَنَمْ وَشَدَّدَنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا إِشْتَنَابَدَنَا
أَمْثَالَهُمْ حَبَّدَنِيلًا^(۳۶)

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَيْهِ سَيْنِيلًا^(۳۷)

وَمَا كَشَأْفُونَ إِلَّا أَنْ يَشَأْ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِمَا

(۱) صبح و شام سے مراد ہے، تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کر۔ یا صبح سے مراد فجر کی نماز اور شام سے عصر کی نماز ہے۔

(۲) رات کو سجدہ کر، سے مراد بعض نے مغرب و عشا کی نمازیں مرادی ہیں۔ اور تسیع کا مطلب، جو باقی اللہ کے لا تقدیم نہیں ہیں، ان سے اسکی پاکیزگی بیان کر، بعض کے نزدیک اس سے رات کی نفلی نماز، یعنی تجدہ ہے امر ندب و استحباب کے لیے ہے۔

(۳) یعنی یہ کفار مکہ اور ان جیسے دوسرے لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور ساری توجہ اسی پر ہے۔

(۴) یعنی قیامت کو، اس کی شدت اور ہولناکیوں کی وجہ سے اسے بھاری دن کہا اور چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اس کے لیے تیاری نہیں کرتے اور اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

(۵) یعنی ان کی پیدائش کو مضبوط بنایا، یا ان کے جوڑوں کو، رگوں اور پھٹوں کے ذریعے سے، ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے، بلطف دیگر: ان کا مانجھا کرڈا کیا۔

(۶) یعنی ان کو بلا کر کے ان کی جگہ کسی اور قوم کو پیدا کر دیں یا اس سے مطلب قیامت کے دن دوبارہ پیدائش ہے۔

(۷) یعنی اس قرآن سے ہدایت حاصل کرے۔

(۸) یعنی تم میں سے کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے کو ہدایت کی راہ پر لگائے، اپنے لیے کسی نفع کو جاری کر لے، ہاں اگر اللہ چاہے تو ایسا ممکن ہے، اس کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ صحیح قصد و نیت پر وہ اجر ضرور عطا فرماتا ہے، ہنگامہ اعمال بالینیاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ اغْرِیْقَ مَانَوَیٰ "اعمال کا دار و مدار" نیتوں پر ہے، ہر آدمی کے لیے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے۔

حَکِيمًا ①

يُنْدَخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعْذَلُهُمْ
عَذَابًا إِلَيْهِمَا ②

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ①

فَالْعَصِيفَتِ عَصْفًا ②

وَالثَّشَرَتِ شَرًا ③

اللَّهُ تَعَالَى عِلْمٌ وَالْأَبْحَكْتُ هُنَّ - ④ (۳۰)

جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے، اور ظالموں کے
لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ⑤ (۳۱)

سورہ مرسلات کی ہے اور اس میں بچاں آئیں اور
دور کوئی ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

دل خوش کن چلتی ہواؤں کی قسم۔ ⑥ (۱)

پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم۔ ⑦ (۲)

پھر (ابر کو) ابھار کر پر انگدہ کرنے والیوں کی قسم۔ ⑧ (۳)

(۱) چوں کہ وہ علیم و حکیم ہے اس لیے اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، بنابریں ہدایت اور گمراہی کے فیصلے بھی یوں ہی الٰل شپ نہیں ہو جاتے، بلکہ جس کو ہدایت دی جاتی ہے وہ واقعی اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس کے حصے میں گمراہی آتی ہے، وہ حقیقتاً اسی لائق ہوتا ہے۔

(۲) وَالظَّالِمِينَ اس لیے منصوب ہے کہ اس سے پہلے یعذب، محذوف ہے۔

☆۔ یہ سورت کی ہے جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منی کے ایک غار میں تھے کہ آپ ﷺ پر سورہ مرسلات کا نزول ہوا، آپ ﷺ اس کی تلاوت فرمائے تھے اور میں اسے آپ ﷺ سے حاصل کر رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ آگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے مار دو، لیکن وہ تیزی سے غائب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم اس کے شر سے اور وہ تمہارے شر سے بچ گیا۔“ (بخاری، تفسیر سورہ المرسلات۔ مسلم، کتاب قتل الحیات وغیرها، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ مغرب کی نماز میں بھی یہ سورت پڑھی

ہے۔ (بخاری، کتاب الأذان، باب القراءة في المغرب، مسلم، کتاب الصلوة، باب القراءة في الصبح)

(۳) اس مفہوم کے اعتبار سے عرف کے معنی پے درپے ہوں گے۔ بعض نے مُرْسَلَاتُ سے فرشتہ یا انبیا مراد یہی ہے۔ اس صورت میں عرف کے معنی وحی الٰہی، یا احکام شریعت ہوں گے۔ یہ مفعول لہ ہو گا لاجل العُزُفِ یا مَنْصُوبٌ بِتَزْعِ
الْخَافِضِ - بالعُزُفِ

(۴) یا فرشتے مراد ہیں، جو بعض دفعہ ہواؤں کے عذاب کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔

(۵) یا ان فرشتوں کی قسم، جو بادلوں کو منتشر کرتے ہیں یا فضائے آسمانی میں اپنے پر پھیلاتے ہیں۔ تاہم امام ابن کثیر اور امام طبری نے ان تینوں سے ہوا کیسی مراد لینے کو راجح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ترجمے میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

پھر حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والے۔ ^(۳)	فَالْعَدْلُ فِتْ فَرْقَاٰ
اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم۔ ^(۴)	فَالْمُلْكُ يَعْلَمُ بِذَكْرِهِ
جو (وحی) الزام اتارنے یا آگاہ کر دینے کے لیے ہوتی ہے۔ ^(۵)	عَذْرًا وَ نُذْرًا
جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ہو یقیناً ہونے والی ہے۔ ^(۶)	إِنَّمَا تُوعَدُونَ لِوَاقِعَةٍ
پس جب ستارے بنے نور کر دیئے جائیں گے۔ ^(۷)	فَإِذَا الْبَعْدُ مُطْسَىٰ
اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔ ^(۸)	وَإِذَا الشَّمَاءُ فُرِجَتْ
اور جب پہاڑ نکلے نکلے کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔ ^(۹)	وَلَذَا الْجَبَالُ يُبَقَّتْ
اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا۔ ^(۱۰)	وَلَذَا الرُّؤْسُ أُقْتَتْ
کس دن کے لیے (ان سب کو) مؤخر کیا گیا ہے؟ ^(۱۱)	لَا تَيَوْمٌ أَجْلَتْ

(۱) یعنی ان فرشتوں کی قسم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے احکام لے کرتے ہیں۔ یا مراد آیات قرآنیہ ہیں، جن سے حق و باطل اور حلال و حرام کی تیزی ہوتی ہے۔ یا رسول مراد ہیں جو وحی الٰہی کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں۔ جو اللہ کا کلام پیغمبروں کو پہنچاتے ہیں یا رسول مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔

(۲) دونوں مفعول لہ ہیں لا جُلِ الْأَعْذَارِ وَالْإِنْذَارِ یعنی فرشتے وحی لے کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر جنت قائم ہو جائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس تو کوئی اللہ کا بیعام ہی لے کر نہیں آیا یا مقصد ڈرانا ہے، ان کو جوانکاریا کفر کرنے والے ہوں گے۔ یا معنی ہیں مومنوں کے لیے خوشخبری، اور کافروں کے لیے ڈراوا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مُزَّسَّلَاتُ عَاصِفَاتُ اور نَاثِرَاتُ سے مراد ہوا ہیں اور فَارِقَاتُ وَمُلْفِقَاتُ سے فرشتے ہیں۔ یہ بات راجح ہے۔

(۳) قسموں سے مراد، مقصود علیہ کی اہمیت سامنیں پر واضح کرنا اور اس کی صداقت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مقصود علیہ (یا جواب قسم) یہ ہے کہ تم سے قیامت کا جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے، یعنی اس میں شک کرنے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قیامت کب واقع ہوگی؟ اگلی آیات میں اسے واضح کیا جا رہا ہے۔

(۴) طَمْسُ کے معنی مٹ جانے اور بے نشان ہونے کے ہیں، یعنی جب ستاروں کی روشنی ختم بلکہ ان کا نشان تک مٹ جائے گا۔

(۵) یعنی انسین سے اکھیز کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔

(۶) یعنی فصل و قضا کے لیے، ان کے بیانات سن کر ان کی قوموں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

(۷) یہ استفهام تعظیم اور تجہب کے لیے ہے یعنی کیسے عظیم دن کے لیے، جس کی شدت اور ہولناکی، لوگوں کے لیے سخت تجہب انگیز ہو گی، ان پیغمبروں کو جمع ہونے کا وقت دیا گیا ہے۔

فیصلے کے دن کے لیے۔^(۱) (۱۳) اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟^(۲) (۱۴) اس دن جھلانے والوں کی خرابی ہے۔^(۳) (۱۵) کیا ہم نے الگوں کوہلاک نہیں کیا؟^(۴) (۱۶) پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لاۓ۔^(۵) (۱۷) ہم گنگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں۔^(۶) (۱۸) اس دن جھلانے والوں کے لیے دل (افسوس) ہے۔^(۷) (۱۹) کیا ہم نے تمیں حقیر پانی سے (منی سے) پیدا نہیں کیا۔^(۸) (۲۰) پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا۔^(۹) (۲۱) ایک مقررہ وقت تک۔^(۱۰) (۲۲) پھر ہم نے اندازہ کیا^(۱۱) اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں۔^(۱۲) (۲۳) اس دن مکذب کرنے والوں کی خرابی ہے۔^(۱۳) (۲۴) کیا ہم نے زمین کو سمیئنے والی نہیں بنایا؟^(۱۵) (۲۵)

لِيَوْمَ الْفَصْلِ^(۱۶)
وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ^(۱۷)
وَيَوْمٌ يُوَمِّدُ الْمُكَذِّبِينَ^(۱۸)
أَلَّهُ نُهْلِكُ الظَّالِمِينَ^(۱۹)
ثُمَّ نُعِيمُهُمُ الْآخِرِينَ^(۲۰)
كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ^(۲۱)
وَيَوْمٌ يُوَمِّدُ الْمُكَذِّبِينَ^(۲۲)
أَلَّهُ نَخْلُقُكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينَ^(۲۳)
فَجَعَلْنَا فِي قَرَابَةٍ^(۲۴)
إِلَى قَدْرِ مَعْلُومٍ^(۲۵)
فَقَدَرْنَا أَنْ قَعْدَمَ الْقَدِيرُونَ^(۲۶)
وَيَوْمٌ يُوَمِّدُ الْمُكَذِّبِينَ^(۲۷)
أَلَّهُ نَجْعَلُ الْأَرْضَ كِفَائِيًّا^(۲۸)

(۱) یعنی جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، کوئی جنت میں اور کوئی دوزخ میں جائے گا۔

(۲) یعنی ہلاکت ہے، بعض کہتے ہیں، وَيْلٌ جنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہ آیت اس سورت میں بار بار دھرائی گئی ہے۔ اس لیے کہ ہر مکذب کا جرم ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کا ہو گا اور اسی حساب سے عذاب کی نوعیتیں بھی مختلف ہوں گی، بنا بریں اسی دلیل کی مختلف فتمیں ہیں جسے مختلف مکذبین کے لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدير)

(۳) یعنی کفار مکہ اور ان کے ہم مشرب، جنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکذبیت کی۔

(۴) یعنی سزادیت ہیں دنیا میں یا آخرت میں۔

(۵) یعنی رحم مادر میں۔

(۶) یعنی مدت حمل تک، چھ یا نو میسیں۔

(۷) یعنی رحم مادر میں جسمی ساخت و ترکیب کا صحیح اندازہ کیا کہ دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں اور دونوں کانوں کے درمیان اور دیگر اعضا کا ایک دوسرے کے درمیان کتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔

زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی۔^(۱) (۲۶)

اور ہم نے اس میں بلند و بھاری پہاڑ بنادیئے^(۲) اور تمہیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا۔ (۲۷)

اس دن جھوٹ جانے والوں کے لیے وائے اور افسوس ہے۔^(۲۸)

اس دوزخ کی طرف جاؤ گے تم جھلاتے رہے تھے۔^(۲۹) (۲۹)

چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف۔^(۳۰) (۳۰)
جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے۔^(۳۱) (۳۱)

یقیناً دوزخ چنگاریاں پھیلتی ہے جو مثل محل کے ہیں۔^(۳۲) (۳۲)

گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔^(۳۳) (۳۳)
آج ان جھوٹ جانے والوں کی درگت ہے۔^(۳۴) (۳۴)
آج (کا دن) وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں

أَحْيَاهُ وَأَمْوَاتًا^(۳۵)

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَمِيخَةٍ ۚ أَنْسَقْنَا لَهُمْ مَاءً فُرَاتَةً^(۳۶)

وَنِلٌ ۖ يَوْمَئِدِ لَهُمْ كَذِيرَينَ^(۳۷)

إِنْطَلَقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ^(۳۸)

إِنْطَلَقُوا إِلَى ظِلِّ ذَقْنِيَّ ثَلَاثَ شَعَبٍ^(۳۹)

لَا فَلِيلٌ وَلَا يُعْنِي مِنَ الْأَهْمَمِ^(۴۰)

إِنَّهَا تَرْهِي بِشَرِيكَ الْقَصْرِ^(۴۱)

كَانَهُ جَهَنَّمُ صُفْرٌ^(۴۲)

وَنِلٌ ۖ يَوْمَئِدِ لَهُمْ كَذِيرَينَ^(۴۳)

هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطَقُونَ^(۴۴)

(۱) یعنی زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مردوں کو اپنے اندر سمیت لیتی جمع کر لیتی ہے۔

(۲) رَوَاسِيَ رَأْسِيَّہ کی جمع۔ ثَوَابُ ہے ہوئے پہاڑ، شامِ خات، بلند۔

(۳) یہ فرشتے جہنمیوں کو کہیں گے۔

(۴) جہنم سے جود ہواں آئے گا، وہ بلند ہو کر تین جتوں میں پھیل جائے گا یعنی جس طرح دیوار یا درخت کا سایہ ہوتا ہے جس میں

آدمی راحت اور عافیت محسوس کرتا ہے، یہ دھواں حقیقت میں اس طرح کا سایہ نہیں ہو گا، جس میں جنمی کچھ سکون حاصل کر لیں۔

(۵) یعنی جہنم کی حرارت سے پچاہی ممکن نہیں ہو گا۔

(۶) اس کا ایک اور ترجمہ ہے: جو لکڑی کے بوٹے یعنی بھاری نکڑے کے مثل ہیں۔ (بوٹے بمعنی شہیر کے نکڑے، جسے گلی بھی کہتے ہیں)

(۷) صُفْرٌ، أَصْفَرٌ (زرد) کی جمع ہے لیکن عرب میں اس کا استعمال اسود کے معنی میں بھی ہے۔ اس معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس کی ایک ایک چنگاری اتنی بڑی ہو گی جیسے محل یا قلعہ۔ پھر ہر چنگاری کے مزید اتنے بڑے بڑے نکڑے ہو جائیں گے جیسے اونٹ ہوتے ہیں۔

<p>۱) مشریع میں کافروں کی مختلف حالتیں ہوں گی، ایک وقت وہ ہو گا کہ وہ وہاں بھی جھوٹ بولیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مر لگادے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ پھر جس وقت ان کو جسم میں لے جایا جارہا ہو گا، اس وقت عالم اضطراب و پریشانی میں ان کی زبانیں پھر گنگ ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں بولیں گے تو سی، لیکن ان کے پاس جنت کوئی نہیں ہو گی۔ گویا ان کو بات کرنی ہی نہیں آئے گی۔ جیسے ہم دنیا میں ایسے شخص کی بابت کہتے ہیں جس کے پاس کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی، وہ تو ہمارے سامنے بول ہی نہیں سکا۔</p> <p>۲) مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی معقول عذر ہی نہیں ہو گا جسے وہ پیش کر کے چھکارا پاسکیں۔</p> <p>۳) یہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ ہم نے تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے فیصلہ کرنے کے لیے ایک ہی میدان میں جمع کر لیا ہے۔</p> <p>۴) یہ سخت و عیید اور تهدید ہے کہ اگر تم میری گرفت سے بچ سکتے ہو اور میرے حکم سے نکل سکتے ہو تو نفع اور نکل کے دکھاؤ۔ لیکن وہاں کس میں یہ طاقت ہو گی؟ یہ آیت بھی ایسے ہی ہے، جیسے یہ آیت ہے ﴿يَعْتَزِزُ الْبَيْنُ وَالْأَدْيَنُ إِنْ أَسْتَطَعْتُهُمْ أَنْ تَفْدُوا مِنْ أَقْطَالِ الْكَفُورِ وَالْأَرْضَ فَإِنْفَدُوا هُنَّ﴾ (الرحمن، ۳۳)</p> <p>۵) یعنی درختوں اور محلات کے سامنے، آگ کے دھویں کا سایہ نہیں ہو گا جیسے مشرکین کے لیے ہو گا۔</p> <p>۶) ہر قسم کے پھل، جب بھی خواہش کریں گے، آموجود ہوں گے۔</p> <p>۷) یہ بطور احسان انسیں کما جائے گا۔ بِمَا كُنْثَمْ میں باسب کے لیے ہے یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان اعمال صالحہ کی وجہ</p>	<p>۱) ﴿وَلَا يُؤْذِنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ﴾ (۳۶)</p> <p>۲) ﴿وَنِيلٌ يَوْمٌ مَيْدِنٌ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ (۳۷)</p> <p>۳) ﴿هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمِيعُكُمْ وَالْأَقْلَمِ﴾ (۳۸)</p> <p>۴) ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكَيْدُهُونَ﴾ (۳۹)</p> <p>۵) ﴿وَنِيلٌ يَوْمٌ مَيْدِنٌ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ (۴۰)</p> <p>۶) ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظَلَلٍ وَغَيْوَنِ﴾ (۴۱)</p> <p>۷) ﴿وَقَوْا كَهَمَّا يَشَهُونَ﴾ (۴۲)</p> <p>۸) ﴿كُلُّوَا شَرَبُوا هَنِيَّةً إِيمَانَكُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۴۳)</p>
--	---

- (۱) مشریع میں کافروں کی مختلف حالتیں ہوں گی، ایک وقت وہ ہو گا کہ وہ وہاں بھی جھوٹ بولیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مر لگادے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ پھر جس وقت ان کو جسم میں لے جایا جارہا ہو گا، اس وقت عالم اضطراب و پریشانی میں ان کی زبانیں پھر گنگ ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں بولیں گے تو سی، لیکن ان کے پاس جنت کوئی نہیں ہو گی۔ گویا ان کو بات کرنی ہی نہیں آئے گی۔ جیسے ہم دنیا میں ایسے شخص کی بابت کہتے ہیں جس کے پاس کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی، وہ تو ہمارے سامنے بول ہی نہیں سکا۔
- (۲) مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی معقول عذر ہی نہیں ہو گا جسے وہ پیش کر کے چھکارا پاسکیں۔
- (۳) یہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ ہم نے تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے فیصلہ کرنے کے لیے ایک ہی میدان میں جمع کر لیا ہے۔
- (۴) یہ سخت و عیید اور تهدید ہے کہ اگر تم میری گرفت سے بچ سکتے ہو اور میرے حکم سے نکل سکتے ہو تو نفع اور نکل کے دکھاؤ۔ لیکن وہاں کس میں یہ طاقت ہو گی؟ یہ آیت بھی ایسے ہی ہے، جیسے یہ آیت ہے ﴿يَعْتَزِزُ الْبَيْنُ وَالْأَدْيَنُ إِنْ أَسْتَطَعْتُهُمْ أَنْ تَفْدُوا مِنْ أَقْطَالِ الْكَفُورِ وَالْأَرْضَ فَإِنْفَدُوا هُنَّ﴾ (الرحمن، ۳۳)
- (۵) یعنی درختوں اور محلات کے سامنے، آگ کے دھویں کا سایہ نہیں ہو گا جیسے مشرکین کے لیے ہو گا۔
- (۶) ہر قسم کے پھل، جب بھی خواہش کریں گے، آموجود ہوں گے۔
- (۷) یہ بطور احسان انسیں کما جائے گا۔ بِمَا كُنْثَمْ میں باسب کے لیے ہے یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان اعمال صالحہ کی وجہ

يقیناً، هم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔^(۱) (۳۳)

اس دن سچا نہ جانے والوں کے لیے دل (افسوس) ہے۔^(۲) (۳۵)

(اے جھٹلانے والو) تم دنیا میں (توہڑا سا کھالو اور فائدہ اٹھا لو بیشک تم گنگار ہو۔^(۳) (۳۶)

اس دن جھٹلانے والوں کے لیے سخت ہلاکت ہے۔^(۴) (۳۷)
ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو نہیں کرتے۔^(۵) (۳۸)

اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔^(۶) (۳۹)
اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لا سکے؟^(۷) (۵۰)

إِنَّا لَكَذَلِكَ تَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ⑥

وَيَنْهَا يُؤْمِنُ الْمُنَذَّرِينَ ⑦

كُلُّوا وَتَمَّسُّوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُنْجِرُونَ ⑧

وَيَنْهَا يُؤْمِنُ الْمُنَذَّرِينَ ⑨

وَرَأْدًا قَنْتَلَ لَهُمْ أَرْكَعُوا لَدُرُكَعُونَ ⑩

وَيَنْهَا يُؤْمِنُ الْمُنَذَّرِينَ ⑪

فَإِنَّ حَدِيثًا بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ⑫

سے تمیس ملی ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ، جس کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہو گا، اعمال صالح ہیں۔ جو لوگ عمل صالح کے بغیر ہی اللہ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار بن جاتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے کوئی زمین میں ہل چلائے اور بچ بوئے بغیر، فصل کا امیدوار بن جائے یا تخم خنڈل بوکر خوش ذاتیہ پھلوں کی امید رکھے۔

(۱) اس میں بھی اسی امر کی ترغیب و تلقین ہے کہ اگر آخرت میں حسن انجام کے طالب ہو تو دنیا میں نیکی اور بھلائی کا راستہ اپناو۔

(۲) کہ اہل تقویٰ کے حصے میں توجنت کی نعمتیں آئیں اور ان کے حصے میں بڑی بد بختی۔

(۳) یہ مکذبین قیامت کو خطاب ہے اور یہ امر، تهدید و عید کے لیے ہے، یعنی اچھا چند روز خوب عیش کرو، تم جیسے مجرمین کے لیے شکنجه عذاب تیار ہے۔

(۴) یعنی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو نماز نہیں پڑھتے۔

(۵) یعنی ان کے لیے جو اللہ کے اوصرواہی کو نہیں مانتے۔

(۶) یعنی جب اس قرآن پر ایمان نہیں لا سکیں گے تو اس کے بعد اور کون سا کلام ہے جس پر یہ ایمان لا سکیں گے؟ یہاں بھی حدیث کا اطلاق قرآن پر ہوا ہے، جیسا کہ اور بھی بعض مقلات پر کیا گیا ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو سورہ تین کی آخری آیت اُلَيْسَ اللَّهُ الْآيَةَ پڑھے تو وہ جواب میں کہے بلیٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ اور سورہ قیامت کے آخر کے جواب میں بلیٰ اور فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ کے جواب میں آمَنَّا بِاللَّهِ۔ کہ۔ (ابوداؤد، باب مقدار الرکوع والسجود وضعیف ابی داود، البانی) بعض علماء نزدیک سامع کو بھی جواب دینا چاہیئے۔

سُورَةُ النَّبِيٍّ

سورہ نبی کی ہے اور اس میں چالیس آیتیں اور
دور کوئی ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گئے کر رہے ہیں۔^(۱)
اس بڑی خبر کے متعلق۔^(۲)

جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔^(۳)
یقیناً یہ ابھی جان لیں گے۔^(۴)

پھر یا لیقین انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔^(۵)
کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟^(۶)
اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟)^(۷)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَقَرَ يَسَاءَ لَوْنَ ①

عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ ②

الَّذِي هُنَّ فِيهِ عَنِتِلُونَ ③

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ④

ثُلَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ⑤

أَلَّمْ يَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا ⑥

وَالْجَبَالَ أَوْتَادًا ⑦

(۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلطت نبوت سے نوازا گیا اور آپ نے توحید، قیامت وغیرہ کا بیان فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی تو کفار و مشرکین باہم ایک دوسرے سے پوچھتے کہ یہ قیامت کیا واقعی ممکن ہے؟ جیسا کہ یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یا یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے۔ استفہام کے ذریعے سے اللہ نے پسلے ان چیزوں کی وہ حیثیت نمایاں کی جوان کی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ.....

(۲) یعنی جس بڑی خبر کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کے متعلق استفسار ہے۔ اس بڑی خبر سے بعض نے قرآن مجید مراد لیا ہے کافر اس کے بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے، کوئی اسے جادو، کوئی کہانت، کوئی شعراً و رکوئی پہلوں کی کہانیاں بتلاتا تھا۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا بیان ہوتا اور دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس میں بھی ان کے درمیان کچھ اختلاف تھا۔ کوئی بالکل انکار کرتا تھا کوئی صرف شک کا اظہار۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے مومن و کافر دونوں ہی تھے، مومنین کا سوال تو اضافہ لیقین اور ازادیا بصیرت کے لیے تھا اور کافروں کا استہز اور تمثیر کے طور پر۔

(۳) یہ ڈانٹ اور زجر ہے کہ عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی کارگیری اور عظیم قدرت کا تذکرہ فرمارہا ہے تاکہ توحید کی حقیقت ان کے سامنے واضح ہو اور اللہ کا رسول انہیں جس چیز کی دعوت دے رہا تھا، اس پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

(۴) یعنی فرش کی طرح تم زمین پر چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سارے کام کا ج کرتے ہو۔ زمین کو ڈولتا ہوا نہیں رہنے دیا۔

(۵) آؤتاد، وَتَاد کی جمع ہے میخیں۔ یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا تاکہ زمین ساکن رہے، حرکت نہ کرے،

اور ہم نے تمیس جوڑا جوڑا پیدا کیا۔^(۸)
 اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا۔^(۹)
 اور رات کو ہم نے پرده بنایا ہے۔^(۱۰)
 اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا۔^(۱۱)
 اور تمہارے اوپر ہم نے سات مضبوط آسمان بنائے۔^(۱۲)
 اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ (سورج) پیدا کیا۔^(۱۳)
 اور بدیلوں سے ہم نے بکثرت بتا ہوا پانی بر سلایا۔^(۱۴)
 تاکہ اس سے اناج اور سبزہ اگائیں۔^(۱۵)
 اور گھنے باغ (بھی اگائیں)۔^(۱۶)
 بیشک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے۔^(۱۷) (۱۸)

وَخَلَقْنَاكُمْ أَذْوَاجًا ۝
 وَجَعَلْنَا لَنَّوْمَكُمْ سِبَابًا ۝
 وَجَعَلْنَا الْيَلَى لِيَاسًا ۝
 وَجَعَلْنَا الْهَمَارَ مَعَاشًا ۝
 وَبَنَيْنَا قَوْقَمْ سَبْعَادَادًا ۝
 وَجَعَلْنَا سِرَاجًا ذَهَابًا ۝
 وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْوَرِتَ مَاءً ثَجَاجًا ۝
 لِتَغْوِيَهِ جَنَّا وَنَبَائًا ۝
 وَجَدَثَ الْفَاقَانًا ۝
 إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝

کیوں کہ حرکت و اضطراب کی صورت میں زمین رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔

(۱) یعنی مذکور اور موئٹ۔ نہ اور مادہ یا ازواج بمعنی اصناف والوان ہے۔ یعنی مختلف شکلوں اور رنگوں میں پیدا کیا، خوب صورت بصورت، دراز قد، کوتاه قد، سفید اور سیاہ وغیرہ۔

(۲) سباث کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی انسان و حیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تاکہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی نیند سولیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمہارے اعمال کاٹ دیتی ہے یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب آرام ہے۔

(۳) یعنی رات کا اندر ہمراہ اور سیاہی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا لتی ہے، جس طرح لباس انسان کے جسم کو چھپا لیتا ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔

(۴) ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت جتنا ہے، جو اس کے استحکام اور مضبوطی کی دلیل ہے۔

(۵) اس سے مراد سورج ہے اور جَعَل بمعنی خلق ہے۔

(۶) مغصرات وہ بدیلوں جو پانی سے بھری ہوئی ہوں لیکن ابھی بری نہ ہوں۔ جیسے الْمَرْأَةُ الْمُعْتَصِرَةُ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری قریب ہو، تَجَاجَا کثرت سے بننے والا پانی۔

(۷) حَبَّ (دانا) وہ انانج جسے خوراک کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، جیسے گندم، چاول، جو، مکی وغیرہ اور نبات، سبزیاں اور چارہ وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔

(۸) الْفَافَا شاخوں کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت یعنی گھنے باغ۔

(۹) یعنی اولین اور آخرین سب کے جمع ہونے اور وعدے کا دن۔ اسے فیصلے کا دن اس لیے کہا کہ اس دن جمع ہونے کا

جس دن کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پھر تم فوج در فوج
چلے آؤ گے۔^(۱۸)

اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے
دروازے ہو جائیں گے۔^(۱۹)

اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب ہو جائیں
گے۔^(۲۰)

بیشک دوزخ گھات میں ہے۔^(۲۱)

سرکشوں کاٹھکانا وہی ہے۔^(۲۲)

اس میں وہ مدتوں تک پڑے رہیں گے۔^(۲۳)

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الظُّورِ فَتَأْتُونَ أَقْوَاجًا^{۱۶}

وَفُتَحَتِ السَّمَاوَاتُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا^{۱۷}

وَسَيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا^{۱۸}

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مَرْصَادًا^{۱۹}

لِلطَّاغِيْنَ مَا بَأْنَا^{۲۰}

لِتُشَيَّئُنَ فِيهَا أَحْقَابًا^{۲۱}

مقصد ہی تمام انسانوں کا ان کے اعمال کی روشنی میں فصلہ کرتا ہے۔

(۱) بعض نے اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہرامت اپنے رسول کے ساتھ میدان محشر میں آئے گی۔ یہ دوسرا نفحہ ہو گا، جس میں سب لوگ قبروں سے زندہ اٹھ کر نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا، جس سے انسان کھیتی کی طرح اگ آئے گا۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری سرے کے۔ اسی سے قیامت والے دن تمام مخلوقات کی دوبارہ ترکیب ہو گی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ عمر)

(۲) یعنی فرشتوں کے نزول کے لیے راستے بن جائیں گے اور وہ زمین پر اتر آئیں گے۔

(۳) سراب، وہ ریت جو دور سے پانی محسوس ہوتی ہو۔ پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن کر رہ جائیں گے۔ اور اس کے بعد بالکل ہی معدوم ہو جائیں گے، ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں پہاڑوں کی مختلف حالیں بیان کی گئی ہیں، جن میں جمع و تطہیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا ﴿فَذَعَنَا دَلَّةً وَّأَلَّةً﴾ (الحاقة: ۲-۳)۔ وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے ﴿كَالْعُهْنِ الْمُنْتَوِشِ﴾ (القارعة: ۵)۔ وہ گرد و غبار ہو جائیں گے۔ ﴿مَكَانَتْ هَبَاءً مُّتَبَشِّلاً﴾ (الواقعة: ۲-۳)۔ ان کو اڑا دیا جائے گا ﴿يَنْسِهَارِيْنَ نَفَّا﴾ (طہ: ۱۰۵) اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہو جائیں گے۔ یعنی لا شیء جیسا کہ اس مقام پر ہے۔ (فتح القدير)

(۴) گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں، جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے گزرے تو فوراً اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جنم کے داروغے بھی جنیموں کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے ہیں یا خود جنم اللہ کے حکم سے کفار کے لیے گھات لگائے بیٹھی ہے۔

(۵) أَحْقَابُ، حُفْبَتُ کی جمع ہے، بمعنی زمانہ۔ مراد ابد اور ہیئتگی ہے۔ ابد الابد تک وہ جنم میں ہی رہیں گے۔ یہ سزا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔

نہ کبھی اس میں خنکی کامزہ چکھیں گے، نہ پانی کا۔^(۲۳)
 سوائے گرم پانی اور (بستی) پیپ کے۔^(۲۴)
 (ان کو) پورا پورا بدلہ ملے گا۔^(۲۵)
 انیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی۔^(۲۶)
 اور بے باکی سے ہماری آئیوں کی تکفیر کرتے
 تھے۔^(۲۷)

ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر تمہار کر رکھا ہے۔^(۲۸)
 اب تم (اپنے کیے کا) مزہ چکھو ہم تمہارا عذاب ہی
 بڑھاتے رہیں گے۔^(۲۹)

یقیناً پر ہیز گار لوگوں کے لیے کامیابی ہے۔^(۳۰)
 باغات ہیں اور انگور ہیں۔^(۳۱)
 اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں۔^(۳۲)

لَا يَدْرُوْنَ فِيهَا بِرْدًا وَ لَا شَرَابًا^(۳۳)
 إِلَّا هِمْ مَا عَنَّا فَاقَاءُ^(۳۴)
 جَزَاءً وَ قَاءًا^(۳۵)
 إِنَّمَّا كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا^(۳۶)
 وَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَذَّابًا^(۳۷)
 وَ كُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا^(۳۸)
 فَذَوْقُوا فَلَنْ تُرْبَدُكُمُ الْأَعْذَابًا^(۳۹)
 إِنَّ لِلنَّجَّافِينَ مَفَازًا^(۴۰)
 حَدَّ آبَقَ وَ أَعْنَابًا^(۴۱)
 وَ كَوَاعِبَ أَشْرَابًا^(۴۲)

- (۱) جو جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی۔
- (۲) یعنی یہ سزا ان کے ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔
- (۳) یہ پہلے جملے کی تعلیل ہے۔ یعنی وہ مذکورہ سزا کے اس لیے مستحق قرار پائے کہ عقیدہ بعثت بعد الموت کے وہ قائل ہی نہیں تھے کہ حساب کتاب کی وہ امید رکھتے۔
- (۴) یعنی لوح محفوظ میں۔ یا وہ ریکارڈ مراد ہے جو فرشتے لکھتے رہے۔ پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے (وَ كُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامَةِ مُهْبِتِينَ) (یلس ۱۲)
- (۵) عذاب بڑھانے کا مطلب ہے کہ اب یہ عذاب دائی ہے۔ جب ان کے چجزے گل جائیں گے تو دوسرے بدل دیئے جائیں گے۔ (النساء' ۵۶) جب آگ بھجنے لگے گی، تو پھر بھڑکادی جائے گی۔ (بنی اسرائیل' ۹۷)
- (۶) اہل شقاوتوں کے تذکرے کے بعد، یہ اہل سعادت کا تذکرہ اور ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے حیات اخروی میں وہ بہرہ ور ہوں گے۔ یہ کامیابی اور نعمتیں انیں تقویٰ کی بدولت حاصل ہوں گی۔ تقویٰ، ایمان و اطاعت کے تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ، جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ اور عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللَّهُ مِنْهُمْ۔
- (۷) یہ مفازاً سے بدلتا ہے۔
- (۸) کَوَاعِبَ كَأَبِيَّةَ کی جمع ہے، یہ کَعْبَ (کَعْبَ) سے ہے، جس طرح نُخْزَ ابھرا ہوا ہوتا ہے، ان کی چھاتیوں میں بھی

وَكَانُوا هَامِقًا ۝

لَا سَمْعُونَ فِيهَا لَغُوا وَلَا كَذَبُوا ۝

جَزَاءُ مَنْ رَتَكَ عَطَاءً حَسَابًا ۝

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَلِيْنُهُمَا الرَّحْمَنُ

لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خَطَابًا ۝

يَوْمَ تُقُومُ الرُّؤْسُ وَالْمَلِكَةُ صَفَّا لَا يَتَكَلَّمُونَ

إِلَامَنْ أَذْنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ حَسَابًا ۝

ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ مَابَا ۝

ایسا ہی ابھار ہو گا، جوان کے صن و جمال کا ایک مظہر ہے۔ اُتراب ہم عمر۔

(۱) دِهَافَا، بھرے ہوئے، یا گاتار، ایک کے بعد ایک۔ یا صاف شفاف۔ کائش، ایسے جام کو کہتے ہیں جو باب بھرا ہوا ہو۔

(۲) یعنی کوئی بے فائدہ اور بے ہودہ بات وہاں نہیں ہو گی، نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں گے۔

(۳) عَطَاءً کے ساتھ حِسَاب مبالغے کے لیے آتا ہے، یعنی اللہ کی داد و دہش کی وہاں فراوانی ہو گی۔

(۴) یعنی اس کی عظمت، بیت اور جلالت اتنی ہو گی کہ ابتداءً اس سے کسی کوبات کرنے کی ہمت نہ ہو گی، اسی لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کے لیے بھی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔

(۵) یہاں جبراً میل علیہ السلام سیست رُوح کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں، امام ابن کثیر نے بنی آدم (انسان) کو اُنہے (قرین قیاس) قرار دیا ہے۔

(۶) یہ اجازت اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اور اپنے پیغمبروں کو عطا فرمائے گا اور وہ جوبات کریں گے حق و صواب ہی ہو گی، یا یہ مفہوم ہے کہ اجازت صرف اسی کے بارے میں دی جائے گی جس نے درست بات کی ہو۔ یعنی کلمہ توحید کا قراری رہا ہو۔

(۷) یعنی لامحال آنے والا ہے۔

(۸) یعنی اس آنے والے دن کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے تاکہ اس روز وہاں اس کو اچھا

اور چھلکتے ہوئے جام شراب ہیں۔^(۱) (۳۳)

وہاں نہ تو وہ بیسودہ باشیں سنیں گے اور نہ جھوٹی باشیں سنیں گے۔^(۲) (۳۵)

(ان کو) تیرے رب کی طرف سے (ان کے نیک اعمال کا) یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہو گا۔^(۳) (۳۶)

(اس رب کی طرف سے ملے گا جو کہ) آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا پروار دگار ہے اور بڑی بخشش کرنے والا ہے۔ کسی کو اس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔^(۴) (۳۷)

جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے^(۵) تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے۔^(۶) (۳۸)

یہ دن حق ہے^(۷) اب جو چاہے اپنے رب کے پاس نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنالے۔^(۸) (۳۹)

ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا
(اور چوکنا کرو دیا) ہے۔^(۱) جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی
کمالی کو دیکھ لے گا^(۲) اور کافر کے گا کہ کاش! میں مٹی
ہو جاتا۔^(۳)^(۴)^(۵)

سورہ نازعات کی ہے اور اس میں چھایا ہیں آئین اور
دور کوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربیان
نہایت رحم والا ہے۔

ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم!^(۶)
^(۷) بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم!^(۸)
اور تیرنے پھرنے والوں کی قسم!^(۹)

إِنَّمَا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمُرْءَ مَا فَدَّمْتُ
يَدَهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُوْلَيْتَنِي كُلْتُ شُرَابًا

شُورَابُ النَّارِ عَذَابٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْبِلْزِغَةِ عَرْقًا①
وَالْتِسْلِطَةِ نَشْطًا②
وَالثِّمْحَةِ سَبْعًا③

ٹھکانہ مل جائے۔

(۱) یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے۔ کیوں کہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے، کیوں کہ بہ صورت اسے آکرہی رہنا ہے۔

(۲) یعنی اچھا یا برا، جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے ہاں پہنچ گیا ہے، قیامت والے دن وہ اس کے سامنے آجائے گا اور اس کا مشاہدہ کر لے گا ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا﴾ (الکھف: ۲۹) ﴿يَنْبُوْإِلَّا إِنْسَانٌ يَوْمَئِنَ يُمْضِيَ بِمَا فَدَّمْ
وَآخَرَ﴾ (القيامة: ۲۳)

(۳) یعنی جب وہ اپنے لیے ہوں اک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی
عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا، حتیٰ کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی، تو اس کا
بھی بدله دلائے گا اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس
وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفیر ابن کثیر)

(۴) نَزْعٌ کے معنی، سختی سے کھینچنا، غَرْقًا ڈوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان،
نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔

(۵) نَشْطٌ کے معنی گرہ کھول دینا۔ یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سوت نکالتے ہیں، جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

(۶) سَبْعٌ کے معنی، تیرنا، فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص
سمندر سے موٹی نکالنے کے لیے سمندر کی گمراہیوں میں تیرتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر

پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم!^(۱) (۳)
 پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم!^(۲) (۵)
 جس دن کانپنے والی کانپنے گی۔^(۳) (۶)
 اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی (پیچھے پیچھے) آئے
 گی۔^(۴) (۷)
 (بست سے) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔^(۵) (۸)
 جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی۔^(۶) (۹)
 کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے
 جائیں گے؟^(۷) (۱۰)
 کیا اس وقت جب کہ ہم بو سیدہ ہڈیاں ہو جائیں

فَالثِّقَةُ سَبَقَاهُ^(۱)
 فَالْمُدَبِّرُ أَمْرَاهُ^(۲)
 يَوْمَ سَرْجُفُ الرَّاجِهَةُ^(۳)
 تَبَعُّهَا الرَّادِفَةُ^(۴)
 قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِهَةُ^(۵)
 أَبْصَارٌ هَاخَاشَعَةُ^(۶)
 يَقُولُونَ إِنَّا لَمَوْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ^(۷)
 عَرَادَ الْمَنَاعَ عَظَمَاتِ خَرَةُ^(۸)

آسمان سے اترتے ہیں۔ کیوں کہ تیز رو گھوڑے کو بھی سانح کرتے ہیں۔

(۱) یہ فرشتہ اللہ کی وحی، انبیا تک، دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مونوں کی رو جیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے پردازتے ہے، وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں اصل مدبر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انہیں بھی مدبر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محدود ہے یعنی ﴿لَتَبْعَثُنَّا
 لَشَّبَّوْرَتِ يَمَّا عِلْمُهُ﴾ "تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے اور تمہیں تمہارے عملوں کی بابت خبر دی جائے گی۔" قرآن نے اس بعث و جزاء کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے جیسے سورہ تباہن، میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر مذکورہ الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزا کب ہوگی؟ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

(۳) یہ نفحہ اولیٰ ہے جسے نفحہ فاکتے ہیں، جس سے ساری کائنات کا نپ اور لرزائٹے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

(۴) یہ دوسرا نفحہ ہو گا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفحہ پہلے نفحہ سے چالیس سال بعد ہو گا۔ اسے رادِفہ اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفحہ کے بعد ہی ہو گا۔ یعنی نفحہ ثانیہ، نفحہ اولیٰ کا ردیف ہے۔

(۵) قیامت کے احوال اور شدائد سے۔

(۶) یعنی ابصار اصحابہا۔ ایسے دہشت زده لوگوں کی نظریں بھی (مجرموں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔

(۷) حَافِرَةٌ، پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیش رکھتے؟

گے؟^(۱)

کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹا نقصان دہ ہے۔^(۲)

(معلوم ہونا چاہئے) وہ تو صرف ایک (خوفاک)
ڈانٹ ہے۔^(۳)

کہ (جس کے ظاہر ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع
ہو جائیں گے۔^(۴)

کیاموسی (علیہ السلام) کی خبر تمہیں پہنچی ہے؟^(۵)
جب کہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طوی میں
پکارا۔^(۶)

(کہ) تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی
ہے۔^(۷)

اس سے کوکہ کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے۔^(۸)
اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو (اس

قَاتُوا إِنَّكُمْ إِذَا أَكْرَهْتُمُ الْمُشْرِكِينَ خَاسِرُونَ^(۱)

فَإِنَّمَا هُنَّ رَجُرَّةٌ وَلِحَدَّةٌ^(۲)

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاحِرَةِ^(۳)

هَلْ أَتَكُمْ حَدِيثُ مُوسَى^(۴)

إِذْ نَادَهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوَّيَ^(۵)

إِذْ هَبَ إِلَى فَرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى^(۶)

فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَى أَنْ تَرَكِّلْ^(۷)

وَأَهْدِيَكَ إِلَى رَبِّكَ فَتَنْعَثِّي^(۸)

(۱) یہ انکار قیامت کی مزید تائید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے جب کہ ہماری بذریعہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

(۲) یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کرتا ہے، پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

(۳) ساہِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو ساہِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا، اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چیل میدانوں اور صحراوں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے ساہِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح التدریر) بحال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفع سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، جیسا کہ اس کی تفصیل سورہ ط کے آغاز میں گزری طوی اسی جگہ کا نام ہے، ہم کلامی کا مطلب نبوت و رسالت سے نوازنہ ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت عطا فرمادی۔

(۵) یعنی کفر و معصیت اور تکبیر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

(۶) یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطبع ہو جا۔

سے ڈرنے لگے۔ ^(۱۹)	فَارْلَهُ الْأَيَّةُ الْكَبْرِيُّ ^{۲۰}
پس اسے بڑی نشانی دکھائی۔ ^(۲۰)	فَلَذْبَ وَعَضْيٌ ^{۲۱}
تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ ^(۲۱)	ثَرَادِيرَسْغٌ ^{۲۲}
پھر پلنا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے۔ ^(۲۲)	فَحَشَرَهُ فَنَادِي ^{۲۳}
پھر سب کو جمع کر کے پکارا۔ ^(۲۳)	فَقَالَ آنَارَبِلُ الْأَعْلَى ^{۲۴}
تم سب کا رب میں ہی ہوں۔ ^(۲۴)	فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْإِغْرِيَّةِ وَالْأُوْلَى ^{۲۵}
تو (سب سے بلند و بالا) اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔ ^(۲۵)	إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعْبَرَةٌ لِمَنْ يَتَّمَّنِي ^{۲۶}
بیشک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔ ^(۲۶)	مَا كُنْتُ أَشَدُ خُلُقًا أَمِ الرَّمَاءُ بَنَهَا ^{۲۷}
کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ ^(۸) اللہ	

(۱) یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ، تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے۔ اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔

(۲) یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کئے جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا کئے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ محبوبات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔ مثلاً یہ پیشا اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسعہ۔

(۳) لیکن ان دلائل و محبوبات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور مکذب و نافرمانی کے راستے پر وہ گامزن رہا۔

(۴) یعنی اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا، چنانچہ جادوگروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا، تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جاسکے۔

(۵) اپنی قوم کو، یا قاتل و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو، یا جادوگروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربویت اعلیٰ کا اعلان کیا۔

(۶) یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آنکھہ آنے والے متبردین کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے، جو اسے وہاں ملے گا۔

(۷) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تعبیر ہے کہ اگر انہوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی تو ان کا انجمام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔

(۸) یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے، اس

تعالیٰ نے اسے بنایا۔ (۲۷)

اسکی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ (۲۸)

اسکی رات کوتاریک بنایا اور اسکے دن کو نکلا۔ (۲۹)

اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔ (۳۰)

اس میں سے پانی اور چارہ نکلا۔ (۳۱)

اور پہاڑوں کو (مضبوط) گاڑ دیا۔ (۳۲)

یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہیں (۳۳)

پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آجائے گی۔ (۳۴)

جس دن کہ انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا۔ (۳۵)

اور (ہر) دیکھنے والے کے سامنے جنم ظاہر کی جائے گی۔ (۳۶)

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوْلَهَا ۚ

وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ صُبْحَهَا ۚ

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحْهَهَا ۚ

أَخْرَجَهُمْ هَا مَاءً هَا وَمَرْغَهُمْ هَا ۚ

وَأَبْجَبَ الْأَسْهَهَا ۚ

مَتَاعَ الْكُفَّارِ لَا كَفَاعَكُمْ ۚ

فَإِذَا جَاءَتِ الظَّاهِمَةُ الْكُبْرَى ۚ

يَوْمَ يَيْدُكُمْ إِلَيْكُمْ إِنَّمَا مَا سَعَىٰ ۚ

وَبُرْزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَىٰ ۚ

کے لیے تمہارا دوبارہ یہدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

(۱) بعض نے سُمْكَ کے معنی چھت بھی کیے ہیں، 'ٹھیک ٹھاک' کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھانا ہے کہ جس میں کوئی تفاوت، بھی، شگاف اور خلل باقی نہ رہے۔

(۲) أَغْطَشَ أَظْلَمَ أَخْرَجَ کا مطلب اُبَرَزَ اور نَهَارَهَا کی جگہ صُبْحَهَا اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

(۳) یہ حم السجدۃ، ۹ میں گزر چکا ہے کہ خلق (پیدائش) اور چیز ہے اور دَحَیٰ (ہموار کرنا) اور چیز ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلی ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی پیدائش کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً زمین سے پانی نکلا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو یہیں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے۔ جیسا کہ یہاں بھی آگے یہی بیان ہے۔

(۴) یعنی کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دامنی ٹھکانا جنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے ایمان اور اعمال صالحہ کی بدولت انہیں اس سے بچالیا، اور کافر، جو پسلے ہی خوف و دہشت میں بٹلا ہوں گے، اسے دیکھ کر انکے غم و حرست میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہو گی)۔^(۱) (۳۷)
 اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہو گی)۔^(۲) (۳۸)
 (اس کا) ٹھکانا جنم ہی ہے۔^(۳) (۳۹)
 ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے^(۴)
 سے ڈرتا رہا ہو گا اور اپنے نفس کو خواہش سے
 روکا ہو گا۔^(۵) (۴۰)

تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔^(۶) (۴۱)
 لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت
 کرتے ہیں۔^(۷) (۴۲)

آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟^(۸) (۴۳)
 اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔^(۹) (۴۴)
 آپ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے
 والے ہیں۔^(۱۰) (۴۵)

فَلَمَّا مَنْ طَغَىٰ^(۱)
 وَأَنْزَلَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا^(۲)
 فَإِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ^(۳)
 وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى التَّفْسِيرَ عَنِ الْفُوْىٰ^(۴)
 فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ^(۵)
 يَنْتَلِكُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ إِذَا نَأَيْتَ مُرْسَهَنَا^(۶)
 فِيمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ يَقْتَلُهُنَا^(۷)
 إِلَى رَتِّكَ مُنْتَهَهُنَا^(۸)
 إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ يَقْتَلُهُنَا^(۹)

- (۱) یعنی کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہو گا۔
- (۲) یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہو گا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہو گی۔
- (۳) اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہو گا، جماں وہ اس سے فتح کر پناہ لے لے۔
- (۴) کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔
- (۵) یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا ہو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔
- (۶) جماں وہ قیام پذیر یہ بلکہ اللہ کا مہمان ہو گا۔
- (۷) یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہو گی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟
- (۸) یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے، اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقین علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔
- (۹) یعنی آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے، نہ کہ غیب کی خبری دینا، جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو

جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں) رہے ہیں۔^(۱) (۲۶)

سورہ عبس کی ہے اور اس میں بیالیں آئیں اور ایک روکوں ہے۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربیان
نہایت رحم والا ہے۔

وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔^(۱)

(صرف اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔^(۲)

تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔^(۳)

یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔^(۴)

كَانُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا الْغَيْلَبُونَ الْأَعْشِيَةَ أَوْ فُحْلَهَا^⑥

شُورَةُ عَبَّسٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَبَّسٌ وَتَوَلَّٰٰ^①

أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى^②

وَمَا يَدُرُّ بِكَ لَعْلَةٌ يَوْمَ^③

أَوْ يَدُكُ فَتَنَعَّهُ الذِّكْرُ^④

بھی نہیں دیا ہے۔ مَنْ يَخْشَاهَا اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

(۱) عَشِيَّةً، ظلمروں سے لے کر غروب شمس تک اور ضحیٰ، طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی جب کافر جنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انہیں ایسا محسوس ہو گا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں یعنی دنیا کی زندگی، انہیں اتنی قلیل معلوم ہوگی۔

☆۔ اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجیہی سی بر قتی۔ چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (ترمذی، تفسیر سورہ عبس۔ صحیح البخاری)

(۲) ابن ام مکتوم کی آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے عَبَّسَ سے اور بے توجیہی کو تَوَلَّٰٰ سے تعبیر فرمایا۔

(۳) یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا، اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔

جو بے پرواںی کرتا ہے۔^(۱) (۵)
 اس کی طرف تو توپوری توجہ کرتا ہے۔^(۲) (۶)
 حالانکہ اس کے نہ سورنے سے تجھ پر کوئی الزام
 نہیں۔^(۳) (۷)
 اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے۔^(۴) (۸)
 اور وہ ڈر (بھی) رہا ہے۔^(۵) (۹)
 تو اس سے تو بے رخی برتا ہے۔^(۶) (۱۰)
 یہ ٹھیک نہیں^(۷) قرآن تو نصیحت (کی چیز) ہے۔^(۸) (۱۱)
 جو چاہے اس سے نصیحت لے۔^(۹) (۱۲)
 (یہ تو) پر عظمت صحفوں میں (ہے)۔^(۱۰) (۱۳)

أَمَانٌ إِسْتَغْنَى ⑤
 فَأَنْتَ لَهُ تَصْدِي ⑥
 وَمَا عَلَيْكَ الْأَيْمَانُ ⑦
 وَآمَانُ جَاءَكُو يَسْتَغْنِي ⑧
 وَهُوَ يَعْلَمُ ⑨
 فَأَنْتَ عَنْهُ شَفِي ⑩
 كَلَّا إِنَّهَا تَذَكَّرَةٌ ⑪
 فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ⑫
 فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬

(۱) ایمان سے اور اس علم سے جو تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ یادو سرا ترجمہ ہے جو صاحب ثروت و غنا ہے۔
 (۲) اس میں آپ ﷺ کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ تخلصین کو چھوڑ کر معرضین کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔
 (۳) کیوں کہ تیرا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔
 (۴) اس بات کا طالب بن کر کہ تو خیر کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے وعظ و نصیحت سے نوازے۔
 (۵) یعنی اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے، جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ تیری باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔

(۶) یعنی ایسے لوگوں کی تو قدر افرادی کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا و غلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو یہاں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت، ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

(۷) یعنی غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ، یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ، آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔

(۸) یعنی جو اس میں رغبت کرے، وہ اس سے نصیحت حاصل کرے، اسے یاد کرے اور اس کے موجبات پر عمل کرے۔ اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے، جیسے اشراف قریش نے کیا، تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۹) یعنی لوح محفوظ میں، کیوں کہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیوں کہ وہ علم و حکمت سے پڑیں۔

جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں۔ ^(۱)	مَرْفُوعَةٌ مُطَهَّرَةٌ ^(۱)
ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ^(۲)	نَيْدِي سَفَرَةٌ ^(۲)
جو بزرگ اور پاک باز ہیں۔ ^(۳)	كَرَامٌ بَرَّةٌ ^(۳)
اللہ کی مار انسان پر کیسا ناشکرا ہے۔ ^(۴)	مُتَلَّ إِلَاسَانٌ مَا أَكْفَرَهُ ^(۴)
اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا۔ ^(۵)	مِنْ آئِي شَيْءٍ خَلَقَهُ ^(۵)
(اسے) ایک نطفہ سے، پھر اندازہ پر رکھا اس کو۔ ^(۶)	مِنْ نُطْفَةٍ دُخْلَقَهُ فَقَدَرَهُ ^(۶)
پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔ ^(۷)	ثُمَّ التَّسْمِيلَ يَسَرَّهُ ^(۷)
پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا۔ ^(۸)	ثُمَّ آمَانَةً فَأَقْبَرَهُ ^(۸)

(۱) مَرْفُوعَةٌ اللہ کے ہاں رفع القدر ہیں، یا شبہات اور تناقض سے بلند ہیں۔ مُطَهَّرَةٌ وہ بالکل پاک ہیں کیونکہ انہیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھوٹا ہی نہیں ہے۔ یا کمی بیشی سے پاک ہے۔

(۲) سَفَرَةٌ سَافِرُ کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔

(۳) یعنی خلق کے اعتبار سے وہ کریم یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکوکار اور پاک باز ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حامل قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق و کردار اور افعال و اطوار میں کرام بَرَّۃ کا مصدق ہونا چاہئے۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی سَفَرَةٌ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماحرہ ہے، وہ السَّفَرَةُ الْكِرَامُ الْبَرَّةُ (فرشتوں) کے ساتھ ہو گا اور جو قرآن پڑھتا ہے، لیکن مشقت کے ساتھ۔ (یعنی ماہرین کی طرح سولت اور روائی سے نہیں پڑھتا) اس کے لیے دو گناہ جر ہے۔

(صحیح بخاری، تفسیر سورہ عبس مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل الماهر بالقرآن.....)

(۴) اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی مکذب کرتا ہے، قُتْلَ بِمَعْنَى لِعْنَ اور مَا أَكْفَرَهُ! فعل تعجب ہے، کس قدر ناشکرا ہے۔ آگے اس انسان کفور کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آجائے۔

(۵) یعنی جس کی پیدائش ایسے حیر قطراً آب سے ہوئی ہے، کیا سے تکبر زیب دیتا ہے؟

(۶) اس کا مطلب ہے کہ اسکے مصالح نفس اسے میا کیے، اسکو دو ہاتھ دو پیرا اور دو آنکھیں اور دیگر آلات و خواص عطا کیے۔

(۷) یعنی خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلتے کا راستہ ہے۔ لیکن پسلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۸) یعنی موت کے بعد، اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی

پھر جب چاہیے گا اسے زندہ کر دے گا۔ (۲۲)
ہرگز نہیں،^(۱) اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری
نہیں کی۔ (۲۳)

انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے۔^(۲) (۲۴)
کہ ہم نے خوب پانی بر سایا۔ (۲۵)
پھر چاڑا زمین کو اچھی طرح۔ (۲۶)
پھر اس میں سے اناج اگائے۔ (۲۷)
اور انگور اور ترکاری۔ (۲۸)
اور زیتون اور کھجور۔ (۲۹)
اور گنجان باغات۔ (۳۰)
اور میوه اور گھاس) چارہ (بھی اگایا۔^(۳) (۳۱)
تمہارے استعمال و فائدہ کے لیے اور تمہارے چوپاں
کے لیے۔ (۳۲)

پس جب کہ کان بھرے کر دینے والی (قیامت) آجائے
گی۔^(۴) (۳۳)

اس دن آدمی اپنے بھائی سے۔ (۳۴)
اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ (۳۵)
اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ (۳۶)
ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر (دامن گیر) ہو گی
جو اس کے لیے کافی ہو گی۔^(۵) (۳۷)

لَئِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا أَنْشَأَهُ رَحْمَةً ۝
كَلَّا لِتَنَأْفِضَ مَا أَمْرَاهُ ۝

فَلَمْ يَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامَةٍ ۝

أَنَّا صَبَبْنَا لِلَّاءَ صَبَبًا ۝

لَئِنْ شَقَقَنَا الْأَرْضَ شَقَقًا ۝

فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبَّا ۝

وَعَنْبَأْنَا قَضْبًا ۝

وَزَيْتُونًا وَخَلَالًا ۝

وَحَدَّابَقَ عَلِيًّا ۝

فَنَاهِمَهُ وَأَبَانًا ۝

مَتَاعًا لِكُلِّ رَوَابِطٍ لَا نَعَامِكُرُ ۝

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحِةُ ۝

يَوْمَ يَقِيرُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝

وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝

وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝

لِكُلِّ أَمْرِيٍّ يَنْهُمُ يَوْمَ يُنْذَلُنَّ يُقْسِنِيْهُ ۝

لاش کو نوج نوج کر کھاتے جس سے اس کی بے حرمتی ہوتی۔

(۱) یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ کافر کھاتا ہے۔

(۲) کہ اسے اللہ نے کس طرح پیدا کیا، جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور کس طرح اس کے لیے اس باب معاش میا کئے ہاکہ وہ ان کے ذریعے سعادت اخروی حاصل کر سکے۔

(۳) آئیا، وہ گھاس چارہ جو خود رو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔

(۴) قیامت کو صاحبة (بھرا کر دینے والی) اس لیے کماکہ وہ ایک نہایت سخت چیز کے ساتھ واقع ہو گی جو کانوں کو بھرا کر دے گی۔

(۵) یا اپنے اقربا اور احباب سے بے نیاز اور بے پرواکردے گا۔ حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان

اس دن بست سے چرے روشن ہوں گے۔^(۳۸)
 (جو) ہنسنے اور ہشاش بشاش ہوں گے۔^(۳۹)
 اور بست سے چرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔^(۴۰)
 جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہو گی۔^(۴۱)
 وہ کسی کافر بد کردار لوگ ہوں گے۔^(۴۲)

وَجُوْهَةُ يَوْمِيْدِ مُسْفِرَةٍ ⑥
 ضَاحِكَهُ مُسْبِتَرَةٍ ⑦
 وَجُوْهَةُ يَوْمِيْدِ عَلَيْهَا غَبَرَةٍ ⑧
 تَرْهَقُهَا قَرَبَةٍ ⑨
 أُولَئِكَ مُمُّ الْكُفَّرَةُ الْفَجَرَةُ ⑩

سورہ تکویر کی ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
 نہایت رحم والا ہے۔
 جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔^(۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوَرَتْ ⑪

محشر میں نگے بدن، نگے بیر، بیدل اور غیر مختون ہوں گے۔ حضرت عائشہ رض نے پوچھا، اس طرح شرم گا ہوں پر نظر نہیں پڑے گی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یعنی ﴿لِلَّٰهِ اُمُّرٰی وَنَّهُم﴾ (الترمذی تفسیر سورہ عبس، النسائی، کتاب الجنائز، باببعث) اس کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے گھروالوں سے اس لیے بھاگے گا تاکہ وہ اس کی وہ تکلیف اور شدت نہ دیکھیں جس میں وہ بتلا ہو گا۔ بعض کہتے ہیں، اس لیے کہ انہیں علم ہو گا کہ وہ کسی کوفائدہ نہیں پہنچ سکتے اور ان کے کچھ کام نہیں آسکتے۔ (فتح القدير)

(۱) یہ اہل ایمان کے چرے ہوں گے، جنہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انہیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا لیقین ہو جائے گا، جس سے ان کے چرے خوشی سے تمتمار ہے ہوں گے۔
 (۲) یعنی ذلت اور معانیہ عذاب سے ان کے چرے غبار آلود، کدو رت زده اور سیاہ ہوں گے، جیسے محروم اور نہایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔

(۳) یعنی اللہ کا رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بد کردار و بد اطوار بھی۔ اللَّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ
 ☆ اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو اس طرح دیکھے، جیسے آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوَرَتْ، إِذَا الشَّمَاءُ لَفَظَرَتْ أَوْ إِذَا الشَّمَاءُ أَنْشَقَتْ﴾ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔ (الترمذی، تفسیر سورہ التکویر،

مسند احمد ۲/۲۹۲۸، ۱۰۰۔ ذکرہ الآلبانی فی الصحیحة، نمبر ۱۰۸۱ ج ۲)

(۴) یعنی جس طرح سر بر عمامہ لپیٹا جاتا ہے، اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی

او رجب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ ^(۱)	وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۚ
او رجب پھاڑ چلائے جائیں گے۔ ^(۲)	وَإِذَا الْجَنَّالُ سُرِّيَتْ ۚ
او رجب دس ماہ کی حاملہ اونٹیاں چھوڑ دی جائیں۔ ^(۳)	وَإِذَا الْعِشَارُ عُقِّلَتْ ۚ
او رجب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے۔ ^(۴)	وَإِذَا الْوُحُوشُ جُحْرَتْ ۚ
او رجب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ ^(۵)	وَإِذَا الْبَحَارُ سُجَرَتْ ۚ
او رجب جانیں (جسموں سے) ملادی جائیں گی۔ ^(۶)	وَإِذَا الْفُؤُسُ زُوْجَتْ ۚ
او رجب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ ^(۷)	وَإِذَا الْمَوْدَةَ سُهِّلَتْ ۚ
کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟ ^(۸)	يَا تَيْ دَنِيْتْ قُتِلَتْ ۚ
او رجب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں گے۔ ^(۹)	وَإِذَا الْشُّحْنُ تُثِرَتْ ۚ

روشنی از خود ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے الشمس والقمر مکوران یوم القيامۃ (صحیح بخاری، بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر بحسبان) ”قیامت والے دن چاند اور سورج پیش دیئے جائیں گے۔“ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش کر ان دونوں کو جنم میں پھینک دیا جائے گا تاکہ مشرکین مزید ذلیل و خوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔ (فتح الباری، باب نذکور)

(۱) دوسرا ترجمہ ہے جھر کر گر جائیں گے یعنی آسمان پر ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔

(۲) یعنی انہیں زمین سے اکھیر کر ہواں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔

(۳) عِشَارٌ، عُشَرَاءُ کی جمع ہے، حمل والیاں یعنی گاہ بن اونٹیاں، گاہ بن اونٹیاں، جب ان کا حمل دس مہینوں کا ہو جاتا تو عربوں میں یہ بہت نفیس اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ایسا ہولناک منظر ہو گا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی قیمتی اونٹی بھی ہوں گی تو وہ ان کی بھی پرواہیں کرے گا۔

(۴) یعنی انہیں بھی قیامت والے دن جمع کیا جائے گا۔

(۵) یعنی ان میں اللہ کے حکم سے آگ بھڑک اٹھے گی۔

(۶) اس کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اس کے ہم مذهب و ہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مومن کو مومنوں کے ساتھ اور بد کو بدؤوں کے ساتھ، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ۔ وَعَلَى هَذَا الْفِيَاضِ۔

(۷) اس طرح دراصل قاتل کو سرزنش کی جائے گی کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہو گا نہ کہ موعدہ، جس سے بظاہر سوال ہو گا۔

(۸) موت کے وقت یہ صحیح پیش دیئے جاتے ہیں، پھر قیامت والے دن حساب کے لیے کھول دیئے جائیں گے، جنہیں

اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی۔ ^(۱)	وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝
اور جب جنم بھڑکائی جائے گی۔ ^(۲)	وَإِذَا الْجَنَمُ سُقِرَتْ ۝
اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی۔ ^(۳)	وَإِذَا الْجَنَّةُ أُرْلَفَتْ ۝
تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہو گا۔ ^(۴)	عِلْمَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرَتْ ۝
میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے۔ ^(۵)	فَلَا أَقْبِمُ بِالْغَنَىٰ ۝
چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی۔ ^(۶)	الْجَوَارِ الْكَنْسِ ۝
اور رات کی جب جانے لگے۔ ^(۷)	وَالَّيْلِ إِذَا عَصَصَ ۝
اور صبح کی جب چمکنے لگے۔ ^(۸)	وَالصُّبْحِ إِذَا نَفَسَ ۝
یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے۔ ^(۹)	إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
جو وقت والا ہے، ^(۱۰) عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ ^(۱۱)	ذُنْ قُوَّةٍ عَنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٌ ۝

ہر شخص دیکھ لے گا بلکہ ہاتھوں میں کپڑا دیئے جائیں گے۔

(۱) یعنی وہ اس طرح اوہیزدیے جائیں گے جس طرح چھت اوہیزدی جاتی ہے۔

(۲) یہ جواب ہے یعنی جب مذکورہ امور ظہور پذیر ہوں گے، جن میں سے پہلے چھ امور کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرا نے چھ امور کا آخرت سے۔ اس وقت ہر ایک کے سامنے اس کی حقیقت آجائے گی۔

(۳) اس سے مراد ستارے ہیں خُنَسٌ، خَنَسٌ سے ہے جس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ یہ ستارے دن کے وقت اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ اور یہ زحل، مشتری، مریخ، زهرہ، عطارد ہیں، یہ خاص طور پر سورج کے رخ پر ہوتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ سارے ہی ستارے مراد ہیں، کیوں کہ سب ہی اپنے غائب ہونے کی جگہ پر غائب ہو جاتے ہیں یا دن کوچھے رہتے ہیں الْجَوَارِ چلنے والے، الْكَنْسِ چھپ جانے والے، جیسے ہر ان اپنے مکان اور مسکن میں چھپ جاتا ہے۔

(۴) عَسْعَسَ 'اضداد میں سے ہے'، یعنی آنے اور جانے دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، تاہم یہاں جانے کے معنی میں ہے۔

(۵) یعنی جب اس کا ظہور و طوع ہو جائے، یا وہ پھٹ اور نکل آئے۔

(۶) اس لیے کہ وہ اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

(۷) یعنی جو کام اس کے پردا کیا جائے، اسے پوری قوت سے کرتا ہے۔

مُطَاعَهُ شَرَّ أَمِينٍ ①

جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے امین^(۱)
ہے۔ (۲۱)

اور تم سارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔ (۲۲)
اس نے اس (فرشتہ) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا
بھی ہے۔ (۲۳)

اور یہ غیب کی باتوں کو بتلانے میں بخیل بھی نہیں۔ (۲۴)
اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ (۲۵)

پھر تم کہاں جا رہے ہو۔ (۲۶)
یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے۔ (۲۷)
(باخصوص) اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا
چاہے۔ (۲۸)

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ②
وَلَقَدْ رَأَهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ③

وَمَا هُوَ عَلَى الْقَيْبِ بِضَيْئِنِ ④
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَنٍ تَحْيِي ⑤
فَإِنَّمَا تَذَهَّبُونَ ⑥

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرُ لِلْعَلَمِينَ ⑦
لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ⑧

(۱) یعنی فرشتوں کے درمیان اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ فرشتوں کا مرکز اور مطاع ہے نیزوہی کے سلسلے میں امین ہے۔
(۲) یہ خطاب اہل مکہ سے ہے اور صاحب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی تم جو گمان رکھتے ہو کہ تمہارا ہم نسب اور ہم وطن ساتھی، (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسا نہیں ہے، زرا قرآن پڑھ کر تو دیکھو کہ کیا کوئی دیوانہ ایسے معارف و حقائق بیان کر سکتا ہے اور گزشتہ قوموں کے صحیح صحیح حالات بتلا سکتا ہے جو اس قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرايل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی حالت میں دیکھا ہے، جن میں سے ایک کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت جبرايل علیہ السلام کے چھ سو پر تھے، جنہوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقعے پر دیکھا۔ جیسا کہ سورہ بحیرہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۴) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت وضاحت کی جا رہی ہے کہ آپ کو جن باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے، جو احکام و فرائض آپ کو بتائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ فریضہ رسالت کی ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہربات اور ہر حکم لوگوں تک پہنچاویتے ہیں۔

(۵) جس طرح نجومیوں کے پاس شیطان آتے ہیں اور آسمانوں کی بعض چوری چھپی باتیں ادھوری شکل میں انہیں بتلا دیتے ہیں۔ قرآن ایسا نہیں ہے۔

(۶) یعنی کیوں اس سے اعراض کرتے ہو؟ اور اس کی اطاعت نہیں کرتے؟

اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔^(۱) (۲۹)

سورہ انفطار کی ہے اور اس میں ائمہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میران
نہایت رحم والا ہے۔

جب آسمان پھٹ جائے گا۔^(۱) (۲)

اور جب ستارے بھڑ جائیں گے۔^(۲) (۳)

اور جب سمندر بہہ نکلیں گے۔^(۳) (۴)

اور جب قبریں (شق کر کے) اکھاڑوی جائیں گی۔^(۴) (۵)

(اس وقت) ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے
چھوڑے ہوئے (یعنی اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم کر لے
گا۔^(۵) (۵)

اے انسان! تجھے اپنے رب کرم سے کس چیز نے بركا کیا؟^(۶) (۶)

وَمَا نَشَاءُ فَنَلْأَنْ يَشَاءُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

سُورَةُ الْإِنْفَطَارِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ اسْتَرَتْ ۝

وَإِذَا الْبَحَارُ فُتِرَتْ ۝

وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثَرَتْ ۝

عِلْمَتْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ وَآخَرَتْ ۝

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَوْنُونُ ۝

(۱) یعنی تم ساری چاہت، اللہ کی توفیق پر محصر ہے، جب تک تم ساری چاہت کے ساتھ اللہ کی مشیت اور اس کی توفیق بھی شامل نہیں ہو گی، اس وقت تک تم سیدھا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَجْبَدْتَ﴾ (القصص: ۵۶) وغیرہ آیات میں بیان ہوا ہے۔

(۲) یعنی اللہ کے حکم اور اس کی بیت سے پھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اتر آئیں گے۔

(۳) اور سب کاپانی ایک ہی سمندر میں جمع ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ پھیپھی ہوا بھیجے گا۔ جو اس میں آگ بھڑکا دے گی جس سے فلک شکاف شعلے بلند ہوں گے۔

(۴) یعنی قبروں سے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ بُغْثَرَتْ، اکھیزدی جائیں گی، یا ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی۔

(۵) یعنی جب مذکورہ امور واقع ہوں گے تو انسان کو اپنے تمام کیے دھرے کا علم ہو جائے گا، جو بھی اچھا یا برا عمل اس نے کیا ہو گا، وہ سامنے آجائے گا۔ پیچھے چھوڑے ہوئے عمل سے مراد اپنے پیچھے اپنے کردار و عمل کے اچھے یا براء نمونے ہیں جو دنیا میں وہ چھوڑ آیا اور لوگ ان نمونوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نمونے اگر اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد ان نمونوں پر جو لوگ بھی عمل کریں گے، اس کا ثواب اسے بھی پہنچتا ہے گا اور اگر براء نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جو بھی اسے اپناۓ گا، ان کا گناہ بھی اس شخص کو پہنچتا ہے گا، جس کی مسامی سے وہ برا طریقہ یا کام راجح ہوا۔

(۶) یعنی کس چیز نے تجھے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا کہ تو نے اس رب کے ساتھ کفر کیا، جس نے تجھے پر احسان کیا

جس (رب نے) تجھے پیدا کیا،^(١) پھر نھیک ٹھاک کیا،^(٢) پھر
(درست اور) برابر بنایا۔^(٣) ^(٧)

جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔^(٤) ^(٨)
ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزا و سزا کے دن کو جھلاتے
ہو۔^(٩) ^(٥)

یقیناً تم پر نگہبانِ عزت و اے۔^(١٠)
لکھنے والے مقرر ہیں۔^(١١)
جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔^(١٢)
یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں میں

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوْلَكَ نَعْدَلَكَ ۝

فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَبُّكَ ۝
كَلَّا لِلْكَلَّابِ شَكَّدَ بُونَ يَا الَّذِينَ ۝

وَإِنَّ عَلَيْكُمُ الْحِفْظَنِ ۝
كَوَافِرَ الْمُتَبَرِّئِينَ ۝
يَعْلَمُونَ مَا تَعْلَمُونَ ۝
إِنَّ الْأَكْبَارَ لَفِي نَعْيَمٍ ۝

اور تجھے وجود بخشنا، تجھے عقل و فہم عطا کی اور اساباب حیات تیرے لیے میا کے۔

(١) یعنی حقیر نطفے سے، جب کہ اس سے پسلے تیرا وجود نہیں تھا۔

(٢) یعنی تجھے ایک کامل انسان بنادیا، تو سنتا ہے، دیکھتا ہے اور عقل و فہم رکھتا ہے۔

(٣) تجھے معقول، کھڑا اور حسن صورت والا بنایا، یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں چیزوں کو برابر برابر بنایا۔ اگر تیرے اعضا میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کے بجائے بے ذہب پن ہو جاتا۔ اسی تحقیق کو دوسرے مقام پر أَخْسَنَ تَفْوِيمٍ سے تعبیر فرمایا، ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا إِلَهَانَ فِي أَخْسَنِ تَفْوِيمٍ﴾

(٤) اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ بچے کو جس کے چاہے مشابہ بنادے۔ باپ کے، ماں کے یا ماموں اور چچا کے۔ دوسرا مطلب ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے، ذہال دے، حتیٰ کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ اس کا لطف و کرم اور مریانی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل میں ہی پیدا فرماتا ہے۔

(٥) کَلَّا، حَقَّا کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور کافروں کے اس طرز عمل کی نفی بھی جو اللہ کریم کی رافت و رحمت سے دھوکے میں بھلا ہونے پر مبنی ہے یعنی اس فریب نفس میں بھلا ہونے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ قیامت ہوگی اور وہاں جزا و سزا ہوگی۔

(٦) یعنی تم تو جزا و سزا کے مکر ہو، لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا ہر قول اور ہر فعل نوث ہو رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے فرشتے تم پر بطور نگران مقرر ہیں جو تمہاری ہر اس بات کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ گویا انسانوں کو تعبیر ہے کہ ہر عمل اور بات سے پسلے سوچ لو کہ وہ غلط تو نہیں۔ یہ وہی بات ہے جو پسلے گزر چکی ہے۔ مثلاً ﴿عَنِ الْيَوْمِينِ وَعَنِ الشَّجَالِ قَعِيدُّ * مَا يَلْفَظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَيْدُ﴾ (سورہ ق، ۷۱ - ۷۸) یعنی ”ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا

ہوں گے۔^(۱۳)

اور یقیناً بد کار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔^(۱۴)

بد لے والے دن اس میں جائیں گے۔^(۱۵)

وہ اس سے کبھی غائب نہ ہونے پائیں گے۔^(۱۶)

تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بد لے کا دن کیا ہے۔^(۱۷)

میں پھر (کہتا ہوں کہ) تجھے کیا معلوم کہ جزا (اور سزا) کا

دن کیا ہے۔^(۱۸)

(وہ ہے) جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا

مختار نہ ہو گا، اور (تمام تر) احکام اس روز اللہ کے ہی

ہوں گے۔^(۱۹)

وَلَئِنْ أَفْجَارَ لَفْقَ حَيْنِي ۝

يَصْلُونَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَافِلِينَ ۝

وَمَا أَدْرِكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝

لَئِنْ مَا أَدْرِكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ

يَوْمَئِذٍ تَلَوَ ۝

اس کے باعیں جانب بیٹھا ہوا ہے، انسان جو بوتا ہے، اس کے پاس گمراں، تیار اور حاضر ہے۔ یعنی لکھنے کے لیے۔ کہتے ہیں ایک فرشتے یکی اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔ اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے دو فرشتے الگ اور رات کے دو فرشتے الگ ہیں۔ آگے یکوں اور بدلوں، دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿فَيُنْقُضُ فِي الْجَنَّةِ وَفَيُنْقُضُ فِي الشَّعْبَرِ﴾ (الشوریٰ: ۷)

(۲) یعنی جس جزا و سزا کے دن کا وہ انکار کرتے تھے اسی دن جسم میں اپنے اعمال کی پاداش میں داخل ہوں گے۔

(۳) یعنی کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گے اور اس سے غائب نہیں ہوں گے۔ بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

(۴) حکمراء، اس کی عظمت و ضخامت اور اس دن کی ہولناکیوں کی وضاحت کے لیے ہے۔

(۵) یعنی دنیا میں تو اللہ نے عارضی طور پر، آزمائے کے لیے، انسانوں کو کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ لیکن قیامت والے دن تمام اختیارات کلیتاً صرف اور صرف اللہ کے پاس ہوں گے۔ جیسے فرمایا ﴿لِئِنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ يَلْكُو الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ — (سورہ مؤمن، ۱۶) چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ

الْمُلْكُ الْيَوْمَ يَلْكُو الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿لَا أَنْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ (صحیح مسلم، کتاب الصیانت، اور اپنی صاحزادی حضرت فاطمہ لَهُ شَفَاعَةٌ کو فرمادیا تھا، «لَا أَنْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا» (صحیح مسلم، کتاب الإيمان) اور بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کو بھی منتبہ فرمادیا، «أَنْقَذُنَا أَنفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَاللَّهُ أَلَا أَنْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا» (مسلم، کتاب مذکور، بخاری، سورۃ الشعراء)

سورة مطففين کی ہے اور اس میں چھتیں آئیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔^(۱)
کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔^(۲)
اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم
دیتے ہیں۔^(۳)

کیا انہیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں۔^(۴)
اس عظیم دن کے لیے۔^(۵)

جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے
ہوں گے۔^(۶)

سُورَةُ الْمُطَفَّفِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيَلِّيْلُ الْمُطَفَّفِينَ ①
الَّذِينَ إِذَا كَانُوا عَلَى النَّاسِ يَتَوَفَّوْنَ ②
وَإِذَا كَانُوا هُنُّ أَوْذَنُ هُنُّ يُخْسِرُونَ ③

أَكَابِنْ أُولَئِكَ أَئُمَّةُ مَبْعَوْتُونَ ④
لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ⑤

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ⑥

☆۔ بعض اسے کمی اور بعض ملنی قرار دیتے ہیں، بعض کے نزدیک کمی اور ملنے کے درمیان نازل ہوئی۔ اس کی شان
نزول میں یہ روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول کے لحاظ سے خبیث
ترین لوگ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، جس کے بعد انہوں نے اپنی ناپ تول صحیح کر لی۔ (ابن ماجہ،
كتاب التجارات بباب التوفى فى الكيل والوزن)

(۱) یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ڈنڈی مار کر ناپ تول میں کمی کرنا، بہت بڑی اخلاقی بیماری
ہے جس کا نتیجہ دین و آخرت میں تباہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے، جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، تو اس پر قحط سالی،
خت مخت اور حکرانوں کا ظلم مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ، نمبر ۳۰۹، ذکرہ الالبانی فی الصحیحة نمبر ۱۰۱)
من عدة طرق قوله شواهد

(۲) یہ ڈنڈی مارنے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ایک بڑا ہولناک دن آنے والا ہے جس میں سب لوگ رب
العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے جو تمام پوشیدہ بالوں کو جانتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن
کے دلوں میں اللہ کا خوف اور قیامت کا ذرہ نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے، کہ جس وقت رب العالمین کے لیے کھڑے
ہوں گے تو پہنچہ انہوں کے آدمیے آدمیے کاونوں تک پہنچا ہو گا۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ المطففين، ایک
اور روایت میں ہے کہ قیامت والے دن سورج مخلوق کے اتنا قریب ہو گا کہ ایک میل کی مقدار کے قریب فاصلہ ہو گا۔
حدیث کے راوی حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت والا میل

يقیناً بد کاروں کا نامہ اعمالِ جہن میں ہے۔^(۱) (۷)
 تجھے کیا معلومِ جہن کیا ہے؟^(۸)
 (یہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے۔^(۹)
 اس دن جھلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔^(۱۰)
 جو جزا اسرا کے دن کو جھلاتے رہے۔^(۱۱)
 اسے صرف وہی جھلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے
 والا (اور) گناہ گار ہوتا ہے۔^(۱۲)
 جب اس کے سامنے ہماری آئیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ
 دیتا ہے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں۔^(۱۳) (۱۳)
 یوں نہیں^(۱۴) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ
 سے زنگ (چڑھ گیا) ہے۔^(۱۵) (۱۵)

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لِنَفِي سِجِّينَ ۝
 وَمَا أَذْرَكَ مَا سِجِّينَ ۝
 كِتَابٌ مُّرْفُومٌ ۝
 وَلِلْيَوْمِ يُهْدَى لِلْمُكَذِّبِينَ ۝
 الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ يَوْمَ الْحِسْبَرِ ۝
 وَمَا يَلِدُ بُرٌّ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدِلٍ أَثِيمٌ ۝

إِذَا شُتُّلَ عَلَيْهِ إِلَيْنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَقْلَمِينَ ۝

كَلَّا لَمْ يَعْزَزْنَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

مراد یا ہے یا وہ سلائی جس سے سرمد آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے) پس لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسندے میں ہوں گے، یہ پسندہ کسی کے ٹھنڈوں تک، کسی کی کھرتک ہو گا اور کسی کے لیے یہ لگام بنا ہوا ہو گا، یعنی اس کے منہ تک پسندہ ہو گا۔ (صحیح مسلم، صفة القيامة والجنة، باب فی صفة يوم القيمة)

(۱) سِجِّينُ، بعض کہتے ہیں سِجِّنُ (قید خانہ) سے ہے، مطلب ہے کہ قید خانے کی طرح ایک نمایت ٹنگ مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین کے سب سے نعلے ہے میں ایک جگہ ہے، جہاں کافروں، ظالموں اور مشرکوں کی رو میں اور ان کے اعمال نامے جمع اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی لیے آگے اسے ”لکھی ہوئی کتاب“ قرار دیا ہے۔

(۲) یعنی اس کا گناہوں میں انہاک اور حد سے تجاوز اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ان پر غور و فکر کرنے کے بجائے، انہیں اگلوں کی کہانیاں بتلاتا ہے۔

(۳) یعنی یہ قرآن کہانیاں نہیں، جیسا کہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس کے رسول پر جراحتیل علیہ السلام امین کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے۔

(۴) یعنی ان کے دل اس قرآن اور وحی اللہ پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پر دے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلوہ ہو گئے ہیں رَبِّنَ، گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکاب گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ حدیث میں ہے ”بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے، اور اگر توبہ کے بجائے گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ رَبِّنَ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (ترمذی، باب تفسیر سورۃ

ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔^(۱۵)

پھر یہ لوگ بالیقین جنم میں جھوکے جائیں گے۔^(۱۶)
پھر کہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھلاتے رہے۔^(۱۷)

یقیناً نیکی کا روں کا نامہ اعمال علیمین میں ہے۔^(۱۸)

تجھے کیا پتا کہ علیم کیا ہے؟^(۱۹)

(وہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے۔^(۲۰)

مقرب (فرشتے) اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔^(۲۱)

یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہوں گے۔^(۲۲)

مسروں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔^(۲۳)

تو ان کے چروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان لے گا۔^(۲۴)

یہ لوگ سربہر خالص شراب پلائے جائیں گے۔^(۲۵)
جس پر مشک کی مر ہوگی، سبقت لے جانے والوں کو اسی

كَلَا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ①

شَرَّاهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمَ ②
ثُمَّ يُقَالُ هُذَا الَّذِي لَنْتُمْ بِهِ تُنَكِّدُونَ ③

كَلَا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيَّتِنَ ④

وَمَا أَدْرَاكُ مَا عِلِّيَّتُونَ ⑤

كِتَابٌ مَرْفُومٌ ⑥

يَشْهَدُهُ الْمَقَرَّبُونَ ⑦

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ⑧

عَلَى الْأَرَأِيكِ يَنْتَظِرُونَ ⑨

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَصْرَةَ التَّعْيِيْمِ ⑩

يُسَقَّوْنَ مِنْ رَجِيقٍ مَغْتُومٍ ⑪
خَمْمَةٌ مِسْكٌ تُوفِّيْ ذَلِكَ فَلَيْسَنَا فِي

المطففين، ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذکر الذنوب، مسنداً حمداً / ۲۹۷

(۱) ان کے بر عکس اہل ایمان رویت باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔

(۲) عِلِّيَّتین، عُلُوٌ (بلندی) سے ہے۔ یہ سِجِّین کے بر عکس، آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرۃ المنتهى یا عرش کے پاس جگہ ہے جہاں نیک لوگوں کی روحلیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں، جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(۳) جس طرح دنیا میں خوش حال لوگوں کے چروں پر بالعوم تازگی اور شادابی ہوتی ہے جوان آسائشوں، سولتوں اور دنیوی نعمتوں کی مظہر ہوتی ہے جو انہیں فراوانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اہل جنت پر اعزاز و تحکیم اور نعمتوں کی جوار زانی ہوگی، اس کے اثرات ان کے چروں پر بھی ظاہر ہوں گے، وہ اپنے حسن و جمال اور رونق و بہجت سے پہچان لیے جائیں گے کہ یہ جنتی ہیں۔

(۴) رَحِيقٌ صاف، شفاف اور خالص شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ مَخْتُومٌ (سرہ مرا) اس کے خالص پن کی مزید وضاحت کے لیے ہے، بعض کے نزدیک یہ مخلوط کے معنی میں ہے، یعنی شراب میں کستوری کی آمیزش ہو گی جس سے اس کا ذائقہ دوپلا اور خوبی مزید خوش کن اور راحت افزا ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں، یہ ختم سے ہے۔

الْمُتَنَفِّسُونَ ۖ

وَمَرَاجِهُ مِنْ تَسْبِيْهٖ

عَيْنًا يَشَرِّبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۖ

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الظَّالِمِينَ امْتَوَاهُصَحَّلُونَ ۖ

وَإِذَا أَمْرُوا بِهِمْ يَتَغَامِزُونَ ۖ

وَإِذَا أُنْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ أُنْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۖ

وَإِذَا أَرَأُوهُمْ قَاتِلَوْا إِنَّ هُؤُلَاءِ لَفَدَائُونَ ۖ

میں سبقت کرنی چاہیے۔^(١)

(٢٦) اور اس کی آمیزش تسمیم کی ہوگی۔^(٢)

(٢٧) (یعنی) وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پیس گے۔^(٣)

گنگہار لوگ ایمان والوں کی نہی اڑایا کرتے تھے۔^(٤)

اور ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے۔^(٥)

اور جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے تو دل گلیاں کرتے تھے۔^(٦)

اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ (بے راہ)

(یعنی اس کا آخری گھونٹ کستوری کا ہو گا۔ بعض خاتم کے معنی خوبی کرتے ہیں، ایسی شراب جس کی خوبی کستوری کی طرح ہوگی۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی یہی لفظ آیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”جس مومن نے کسی پیاسے مومن کو ایک گھونٹ پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن الرَّحِيقُ الْمَخْتُومُ پلائے گا“، جس نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھائے گا، جس نے کسی ننگے مومن کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کا بزرگ لباس پہنائے گا۔“ (مسند احمد، ۳/ ۱۲-۱۳)

(۱) یعنی عمل کرنے والوں کو ایسے گھونٹ میں سبقت کرنی چاہیے جس کے مطے میں جنت اور اس کی یہ نعمتی حاصل ہوں۔ جیسے فرمایا، ﴿لَوْيَشِلْ هَذَا فَلِيَعْمَلُ الْعَبْدُونَ﴾ (الصفات، ۱۱)

(۲) تسمیم کے معنی بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہاں، جو اس کے جسم سے بلند ہوتی ہے، اسے سِنَام کہتے ہیں۔ قبر کے اوپر کرنے کو بھی تسمیم الْقُبُورِ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تسمیم شراب کی آمیزش ہوگی جو جنت کے بالائی علاقوں سے ایک چشمے کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ جنت کی بہترین اور اعلیٰ شراب ہوگی۔

(۳) یعنی انہیں حیر جانتے ہوئے ان کا استہرا کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

(۴) غمَّزُ کے معنی ہوتے ہیں، پلکوں اور ابروں سے اشارہ کرنا۔ یعنی ایک دوسرے کو اپنی پلکوں اور ابروں سے اشارہ کر کے ان کی تحریر اور ان کے مذہب پر طعن کرتے۔

(۵) یعنی اہل ایمان کا ذکر کر کے خوش ہوتے اور دل گلیاں کرتے۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اپنے گھروں میں لوٹتے تو ہاں خوشحالی اور فراغت ان کا استقبال کرتی اور جو چاہتے وہ انہیں مل جاتا۔ اس کے باوجود انہوں نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کی تحریر اور ان پر حسد کرنے میں ہی مشغول رہے۔ (ابن کثیر)

ہیں۔^(١)
 (٣٢)

یہ ان پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔^(٢)
 (٣٣)

پس آج ایمان والے ان کافروں پر نہیں گے۔^(٣)
 (٣٣)

تحتوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔^(٤)
 (٣٥)

کہ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے پورا پورا بدله

پالیا۔^(٥)
 (٣٦)

سورہ اشتقاق کی ہے اور اس میں پچھیں آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
 نہایت رحم والا ہے۔

جب آسمان پھٹ جائے گا۔^(٦)
 (٤)

اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا^(٧) اور اسی کے
 لاائق وہ ہے۔^(٨)
 (٢)

وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِيْنَ ۝

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ امْتُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝

عَلَى الْأَرْضِ يَنْظَرُونَ ۝

مَنْ ثُبَّتَ الْكَارِمُ كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

شُوَّدَةُ الْإِنْشَقَاقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَتْ ۝

وَأَذِنْتُ لِرَبِّهَا وَحْقَتْ ۝

(١) یعنی اہل توحید، اہل شرک کی نظر میں اور اہل ایمان اہل کفر کے نزدیک گمراہ ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال آج بھی ہے۔ گمراہ اپنے کو اہل حق اور اہل حق کو گمراہ باور کراتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک سراسر باطل فرقہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ هَدَاهَا اللَّهُ تَعَالَى۔

(٢) یعنی یہ کافر مسلمانوں پر گمراہ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ہیں کہ یہ ہر وقت مسلمانوں کے اعمال و احوال ہی دیکھتے اور ان پر تبصرے کرتے رہیں، یعنی جب یہ ان کے مکلف ہی نہیں ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہیں۔

(٣) یعنی جس طرح دنیا میں کافر اہل ایمان پر ہنسنے تھے، قیامت والے دن یہ کافر اللہ کی گرفت میں ہوں گے اور اہل ایمان ان پر نہیں گے۔ ان کو نہیں اسی بات پر آئے گی کہ یہ گمراہ ہونے کے باوجود ہمیں گمراہ کرنے اور ہم پر ہنسنے تھے۔ آج ان کو پہنچ چل گیا کہ گمراہ کون تھا؟ اور کون اس قابل تھا کہ اس کا استہزا کیا جائے۔

(٤) ثُوبَ بِمَعْنَى أُثْبَتَ بدلہ دے دینے گئے، یعنی کیا کافروں کو جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کا بدلہ دے دیا گیا ہے۔

(٥) یعنی جب قیامت برپا ہوگی۔

(٦) یعنی اللہ اس کو پھٹنے کا جو حکم دے گا، اسے نے گا اور اطاعت کرے گا۔

(٧) یعنی اس کے بیچیں لائق ہے کہ سنے اور اطاعت کرے، اس لیے کہ وہ سب پر غالب ہے اور سب اس کے ماتحت ہیں۔ اس کے حکم سے سرتاسری کرنے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے؟

اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی۔ ^(۱) اور اس میں جو ہے اسے وہ اگلے دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ ^(۲) اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی ^(۳) اور اسی کے لائق وہ ہے۔ ^(۴)	وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَثُّ ^٦ وَأَقْتُلَتْ مَا فِيهَا وَعَنْهَا ^٧ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحْقَتْ ^٨
اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ ^(۵)	يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِذَا كَلَّ حِلْمُكَ لِرَبِّكَ كَذَّ حَمَلْتِ ^٩ فَاتَّمْ أُوقَتَ كِتْبَةِ ^{١٠}
تو (اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ ^(۶)	فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ^{١١}
اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔ ^(۷)	

(۱) یعنی اس کے طول و عرض میں مزید وسعت کر دی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس پر جو پہاڑ وغیرہ ہیں، سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر کے بچھا دیا جائے گا۔ اس میں کوئی اونچ پنج نہیں رہے گی۔

(۲) یعنی اس میں جو مردے دفن ہیں، سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے جو خزانے اس کے بطن میں موجود ہیں، وہ انہیں ظاہر کر دے گی، اور خود بالکل خالی ہو جائے گی۔

(۳) یعنی القا اور تخلی کا جو حکم اسے دیا جائے گا، وہ اس کے مطابق عمل کرے گی۔

(۴) یہاں انسان بطور جنس کے ہے جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ کدح، سخت محنت کو کہتے ہیں، وہ محنت خیر کے کاموں کے لیے ہو یا شر کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ چیزیں ظہور پذیر ہوں گی یعنی قیامت آجائے گی تو اے انسان تو نے جو بھی، اچھا یا برا عمل کیا ہو گا، وہ تو اپنے سامنے پالے گا اور اسی کے مطابق تجھے اچھی یا بڑی جزا بھی ملے گی۔ آگے اس کی مزید تفصیل ووضاحت ہے۔

(۵) آسان حساب یہ ہے کہ مومن کا اعمال نامہ پیش ہو گا، اس کی غلطیاں بھی اس کے سامنے لا لی جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے انہیں معاف فرمادے گا۔ حضرت عائشہ اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس کا حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا، جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا، اس کا حساب آسان ہو گا۔“ (مطلوب حضرت عائشہ اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اس آیت کی رو سے حساب تو مومن کا بھی ہو گا لیکن وہ ہلاکت سے دوچار نہیں ہو گا) آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی ”یہ تو پیشی ہے۔ (یعنی مومن کے ساتھ معاملہ حساب کا نہیں ہو گا، ایک سرسری سی پیشی ہو گی) مومن رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، جس کا مناقش

اور وہ اپنے اہل کی طرف نہی خوشی لوٹ آئے گا۔^(٩)

ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔^(١٠)

- تو وہ موت کو بلانے لگے گا۔^(١١)

اور بھڑکتی ہوئی جنم میں داخل ہو گا۔^(١٢)
یہ شخص اپنے متعلقین میں (دنیا میں) خوش تھا۔^(١٣)
اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ
جائے گا۔^(١٤)

کیوں نہیں،^(٥) حالانکہ اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا
تھا۔^(١٥)

مجھے شفقت کی قسم!^(٦) اور رات کی!

وَيَنْقُلِبُ إِلَى أَهْلِهِ مَسْرُورًا ①
وَأَمَا مَنْ أُفْتَنَ كَيْلَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ②

فَسَوْفَ يَدْعُوا بِجُورًا ③

وَيَقْصِلُ سَعِيدًا ④

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ⑤

إِنَّهُ ظَلَّ أَنْ لَنْ يَحْوَرُ ⑥

بِلَّا إِلَّا رَبَّهُ كَانَ يَهْبِطُهُ بِصِيرًا ⑦

فَلَا أَقْبِلُ بِالشَّفَقِ ⑧

ہو ایعنی پوچھ چکھ ہوئی وہ مارا گیا۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورۃ الانشقاق) ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رض نے فرماتی ہے۔ نبی ﷺ اپنی بعض نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ «اللَّهُمَّ حَاسِبِنِي حِسَابًا يَسِيرًا» (اے اللہ میرا حساب آسان فرمانا) نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا، حِسَابًا يَسِيرًا (آسان حساب) کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرمادے گا..... (مسند احمد ٤/٣٨)

(۱) یعنی جو اس کے گھروالوں میں سے جنتی ہوں گے۔ یا اس سے مراد وہ حور میں اور ولدان ہیں جو جنتیوں کو ملیں گے۔

(۲) ثُبُورًا هلاكَتْ، خاره۔ یعنی وہ جنتے گا، پکارے گا، واویلا کرے گا کہ میں تو مارا گیا، ہلاک ہو گیا۔

(۳) یعنی دنیا میں اپنی خواہشات میں مگن اور اپنے گھروالوں کے درمیان بڑا خوش تھا۔

(۴) یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے۔ یعنی آخرت پر اس کا عقیدہ ہی نہیں تھا۔ حود کے معنی ہیں، لوثا۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ (صحیح مسلم، الحج، باب ما یقول إِذَا رَكِبَ إِلَى سَفَرِ الْحَجَّ وَغَيْرِهِ، ترمذی، ابن ماجہ) مسلم میں بعد الکون ہے۔ مطلب ہے، ”اس بات سے میں پناہ مانگتا ہوں کہ ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت یا خیر کے بعد شر کی طرف لوٹوں۔“

(۵) ایک ترجمہ اس کا یہ بھی ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ نہ لوٹے اور دوبارہ زندہ نہ ہو، یا بدلی، کیوں نہیں، یہ ضرور اپنے رب کی طرف لوٹے گا۔

(۶) یعنی اس سے اس کا کوئی عمل مخفی نہیں تھا۔

(۷) شَفَقٌ: اس سرفی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے اور عشا کا وقت شروع ہونے

اور اس کی جمع کردہ ^(١) چیزوں کی قسم۔ ^(٢)
 اور چاند کی جب کہ وہ کامل ہو جاتا ہے۔ ^(٣)
 یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے۔ ^(٤)
 نہیں کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے۔ ^(٥)
 اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں
 کرتے۔ ^(٦)
 بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ جھٹلار ہے ہیں۔ ^(٧)
 اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے
 ہیں۔ ^(٨)
 انہیں المناک عذابوں کی خوشخبری سنادو۔ ^(٩)
 ہاں ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو بے شمار اور نہ
 ختم ہونے والا اجر ہے۔ ^(١٠)

سورہ البروج کی ہے اور اس میں باعثیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
 نہایت رحم والا ہے۔

وَالْيَلِ وَمَا وَسَقَ^(١)
 وَالْقَمَرِ إِذَا أَتَسَقَ^(٢)
 لَتَرْكَبُنَ طَبَّاغَنْ طَبَّيَ^(٣)
 فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ^(٤)
 وَإِذَا شَرِيَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ لَا يَجِدُونَ^(٥)

بَلِ الظُّرُوفِ كَفَرُوا يَكْذِبُونَ^(٦)
 وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوْمِنُونَ^(٧)
 بَشِّرُهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ^(٨)
 إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَ لَهُمْ
 أَجْرٌ غَيْرُ مَمُوتُونَ^(٩)

سُورَةُ الْبَرْجِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ^(١)

تک رہتی ہے۔

(۱) اندر ہیرا ہوتے ہی ہر چیز اپنے ماوی اور مسکن کی طرف جمع اور سمٹ آتی ہے یعنی رات کا اندر ہیرا جن چیزوں کو اپنے
 دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

(۲) إِذَا اتَّسَقَ کے معنی ہیں، جب وہ مکمل ہو جائے جیسے وہ تیرھویں کی زات سے سولھویں تاریخ کی رات تک رہتا ہے۔

(۳) طَبَقَ کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شدائد ہیں جو قیامت والے دن واقع ہوں گے۔ یعنی اس روز
 ایک سے بڑھ کر ایک حالت طاری ہو گی۔ (فتح الباری، تفسیر سورہ انشقاق) یہ جواب قسم ہے۔

(۴) احادیث سے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔
 یعنی ایمان لانے کے بجائے جھٹلاتے ہیں۔

(۵) یعنی ایمان لانے کے بجائے جھٹپتے ہیں۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظراور عصر میں سورہ والطارق اور سورہ البروج پڑھتے تھے۔ (ترمذی)

بر جوں والے آسمان کی قسم! ^(١)
 وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم! ^(٢)
حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی قسم! ^(٣)
(کہ) خندقوں والے ہلاک کیے گئے۔ ^(٤)
وہ ایک آگ تھی ایندھن والی۔ ^(٥)
جبکہ وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھتے تھے۔ ^(٦)
اور مسلمانوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے
سامنے دیکھ رہے تھے۔ ^(٧)
یہ لوگ ان مسلمانوں (کے کسی اور گناہ کا) بدله نہیں لے
رہے تھے، سوائے اس کے کہ وہ اللہ غالب لائق حمد کی
ذات پر ایمان لائے تھے۔ ^(٨)

وَالسَّمَاءُ ذَاتُ الْبُرُوجِ ۝
وَالْيَوْمُ الْمَوْعِدُ ۝
وَشَاهِدٌ وَّشَهُودٌ ۝
فُلَّ أَصْبُرُ الْأَخْدُودُ ۝
النَّارُ ذَاتُ الْوَقْدُ ۝
إِذْ هُمْ عَلَيْهَا فَاعْوُدُ ۝
وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ يَا الْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ۝

وَمَنْقُومُوا مِنْهُمْ إِلَآنٌ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝

(١) بُرُوج بُرُوج محل کی جمع ہے۔ بُرُوج کے اصل معنی ہیں ظہور۔ یہ کواکب کی منزلیں ہیں جنہیں ان کے محل اور قصور کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انہیں بروج کہا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے، الفرقان، ٦١ کا حاشیہ۔ بعض نے بروج سے مراد ستارے لیے ہیں۔ یعنی ستارے والے آسمان کی قسم۔ بعض کے نزدیک اس سے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد ہیں۔ (فتح القدير)

(٢) اس سے مراد بالاتفاق قیامت کا دن ہے۔

(٣) شاہید اور مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ امام شوكانی نے احادیث و آثار کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے، اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہو گا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا۔ اور مشہود سے عرف (زوالجہ) کا دن ہے جہاں لوگ حج کے لیے جمع اور حاضر ہوتے ہیں۔

(٤) یعنی جن لوگوں نے خندقیں کھود کر اس میں رب کے مانے والوں کو ہلاک کیا، ان کے لیے ہلاکت اور بر بادی ہے، فُلَّ بِمَعْنَى لِعِنَّ

(٥) النَّارِ، الْأَخْدُودِ سے بدلت اشتغال ہے ذاتُ الْوَقْدِ، النَّارُ کی صفت ہے۔ یعنی یہ خندقیں کیا تھیں؟ ایندھن والی آگ تھیں، جو اہل ایمان کو اس میں جھوکنے کے لیے دہکائی گئی تھی۔

(٦) کافر بادشاہ یا اسکے کارندے، آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

(٧) یعنی ان لوگوں کا جرم، جنہیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ غالب پر ایمان لے آئے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، مختصر اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جس کے لیے آسمان و زمین کا ملک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے
سامنے ہے ہر چیز۔ (۹)

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ⑩

واقعہ اصحاب الاخدود:

گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا جادوگر اور کاہن تھا، جب وہ کاہن بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ذہین لڑکا دو، جسے میں یہ علم سکھا دوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر کے اس کے پرد کر دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک راہب کا بھی مکان تھا، یہ لڑکا آتے جاتے اس کے پاس بھی بیٹھتا اور اس کی باتیں سنتا، جو اسے اچھی لگتیں۔ اسی طرح سلسہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا جارہا تھا کہ راستے میں ایک بستے جانور (شیر یا سانپ وغیرہ) نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ لڑکے نے سوچا، آج میں پتہ کرتا ہوں کہ جادوگر صحیح ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا "اے اللہ، اگر راہب کا معاملہ، تیرے نزدیک جادوگر کے معاملے سے بہتر اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو مار دے، تاکہ لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو جائے"۔ یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور وہ جانور مر گیا۔ لڑکے نے جا کر یہ واقعہ راہب کو بتالیا۔ راہب نے کہا، بیٹھ! اب تم فضل و کمال کو پہنچ گئے ہو اور تمہاری آزمائش شروع ہونے والی ہے۔ لیکن اس دور احتلام میں میرا نام ظاہرنہ کرنا۔ یہ لڑکا مادرزاد انہیے، برص اور دیگر بعض بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ لیکن ایمان باللہ کی شرط پر، اسی شرط پر اس نے بادشاہ کے ایک نایبنا مصاحب کی آنکھیں بھی، اللہ سے دعا کر کے صحیح کر دیں۔ یہ لڑکا یہی کہتا تھا کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا، وہ شفاعة فرمادے گا، چنانچہ اس کی دعا سے اللہ شفایا ب فرمادیتا۔ یہ خبر بادشاہ تک بھی پہنچی تو وہ بست پریشان ہوا، بعض اہل ایمان کو تو اس نے قتل کروادیا۔ اس لڑکے کے بارے میں اس نے چند آدمیوں کو کہا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر نیچے پھینک دو، اس نے اللہ سے دعا کی، پہاڑ میں لرزش پیدا ہوئی، جس سے وہ سب گر کر مر گئے اور اللہ نے اسے بچا لیا۔ بادشاہ نے اسے دوسرے آدمیوں کے پرد کر کے کہا کہ ایک کشتی میں بٹھا کر سمندر کے نیچے میں لے جا کر اسے پھینک دو، وہاں بھی اس کی دعا سے کشتی الٹ گئی، جس سے وہ سب غرق ہو گئے اور یہ نیچ گیا۔ اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا، اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کرو اور «بِسْمِ اللَّهِ رَبِّ الْفَلَام» کہہ کر مجھے تیر مار۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جس سے وہ لڑکا مر گیا لیکن سارے لوگ پکار اٹھئے، کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ چنانچہ اس نے خندقیں کھدوائیں اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے انحراف نہ کرے، اس کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح ایمان دار آتے رہے اور آگ کے حوالے ہوتے رہے، حتیٰ کہ ایک عورت آئی، جس کے ساتھ ایک بچہ تھا، وہ ذرا ٹھُٹھکی، تو بچہ بول پڑا، اماں، صبر کر، تو حق پر ہے۔ (صحیح مسلم، ملخصاً، کتاب الزهد والرفاق، باب قصہ اصحاب الاخدود) امام ابن کثیر نے اور بھی بعض واقعات نقل کیے ہیں جو اس سے مختلف ہیں اور کہا ہے، ممکن ہے اس قسم کے متعدد واقعات مختلف جگہوں پر ہوئے ہوں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

بیشک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توہہ (بھی) نہ کی تو ان کے لیے جنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔^(۱۰)

بیشک ایمان قبول کرنے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہیں بہ رہی ہیں۔ کسی بڑی کامیابی ہے۔^(۱۱)

یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔^(۱۲)

وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔^(۱۳)

وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔^(۱۴)

عرش کا مالک عظمت والا ہے۔^(۱۵)

جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔^(۱۶)

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا
فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلْحَقِيقٌ^٦

إِنَّ الَّذِينَ امْسَأُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّةٌ تَجْرِي مِنْ
نَعْمَانَ الْأَنْهَرُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ^٧

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ^٨

إِنَّهُ هُوَيْبِدُ وَيُعِيدُ^٩

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ^{١٠}

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ^{١١}

فَعَالٌ لِمَا يُرِيدُ^{١٢}

(۱) یعنی جب وہ اپنے ان دشمنوں کی گرفت پر آئے جو اس کے رسولوں کی مکنیب کرتے اور اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو پھر اس کی گرفت سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

(۲) یعنی وہی اپنی قوت اور قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت والے دن دوبارہ انہیں اسی طرح پیدا فرمائے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

(۳) یعنی تمام مخلوقات سے معظم اور بلند ہے اور عرش، جو سب سے اوپر ہے، وہ اس کا مستقر ہے۔ جیسا کہ صحابہ و تابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ المَجِيدُ صاحب فضل و کرم۔ یہ مرفوع اس لیے ہے کہ یہ ذُو۔ یعنی رب کی صفت ہے، عرش کی صفت نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اسے عرش کی صفت تسلیم کر کے اسے مجرور پڑھتے ہیں۔ معنوں دنوں صحیح ہیں۔ (ابن کثیر)

(۴) یعنی وہ جو چاہے، کر گزرتا ہے، اس کے حکم اور مشیت کو نالئے والا کوئی نہیں ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض الموت میں کسی نے پوچھا،

کیا کسی طبیب نے آپ کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔ پوچھا، اس نے کیا کہا؟ فرمایا، اس نے کہا ہے، إِنِّي فَعَالٌ لِمَا أُرِيدُ میں جو چاہوں کروں، میرے معاملے میں کوئی دخل دینے والا نہیں۔ (ابن کثیر) مطلب یہ تھا کہ معاملہ اب طبیبوں کے ہاتھوں میں نہیں رہا، میرا آخری وقت آگیا ہے اور اللہ ہی اب میرا طبیب ہے، جس کی مشیت کو نالئے کی کسی کے اندر طاقت نہیں ہے۔

تجھے لشکروں کی خبر بھی ملی ہے؟^(١) (٢٧)

(یعنی) فرعون اور شمود کی۔^(٢) (٢٨)

(کچھ نہیں) بلکہ کافر تو جھلانے میں پڑے ہوئے ہیں۔^(٣) (٢٩)
اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ہر طرف سے گھیرے
ہوئے ہے۔^(٤) (٢٠)

بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان والا۔^(٥) (٢١)

لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)۔^(٦) (٢٢)

هَلْ آتَكَ حِدَيْثُ الْجَنُودِ^(٧)

فِرْعَوْنَ وَشُمُودَ^(٨)

بِلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَنَزِيلِنِّيْبِ^(٩)

وَاللَّهُ مِنْ وَرَاءِهِمْ بَعِيْطٌ^(١٠)

بِلْ هُوَ قُرْآنٌ يَحْمِدُ^(١١)

فِي الْوَرْجِ مَعْفُوظٌ^(١٢)

سورہ طارق کی ہے اور اس میں سترہ آیتیں ہیں۔

سُورَةُ الظَّارِقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ^(١)

وَالسَّمَاءُ وَالظَّارِقِ^(٢)

وَمَا أَذْرَكَ مَا الظَّارِقُ^(٣)

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

قتم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے
کی۔^(١)

تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا
ہے؟^(٢)

(١) یعنی ان پر جب میرا عذاب آیا اور میں نے انہیں اپنی گرفت میں لیا، جسے کوئی نال نہیں سکا۔

(٢) یہ ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ ہی کا اثبات اور اس کی تائید ہے۔

(٣) یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جماں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ حسب ضرورت و اقتضاء
نازل فرماتا ہے۔

☆ حضرت خالد عدوانی بن بشیر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار تمیٹ میں کمان یا لامبھی کے سارے پر
کھڑے دیکھا، آپ میرے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ سے سورہ الطارق سنی، میں نے اسے یاد کر
لیا دراں حائیک میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ پھر مجھے اللہ نے اسلام سے نواز دیا اور اسلام کی حالت میں میں نے اسے
پڑھا۔ (مسند احمد، ۲۳۵/۲۳۶ - مجمع الزوائد، ۷/۱۳۶) حضرت معاذ بن بشیر نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں سورہ بقرۃ اور
نساء پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو فرمایا، تو لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے؟ تجھے یہی کافی تھا کہ وَالسَّمَاءُ
وَالظَّارِقِ "والشَّفَمِ" اور اس جیسی سورتیں پڑھتا۔ (نسائی، کتاب الافتتاح، باب القراءة فی المغرب)

وہ روشن ستارہ ہے۔^(۱) (۳)
کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو۔^(۲) (۴)
انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔^(۵)
وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔^(۶) (۶)
جو پیٹھے اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔^(۷) (۷)
پیش کوہ اسے پھیر لانے پر یقیناً قدر تر رکھنے والا ہے۔^(۸) (۸)
جس دن پوشیدہ بھیوں کی جانچ پڑتاں ہو گی۔^(۹) (۹)
تو نہ ہو گا اس کے پاس کچھ زور نہ مددگار۔^(۱۰) (۱۰)

التَّجْمُعُ الْثَّاقِبُ ③
إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَا تَأْتِيهَا حَانِظٌ ④
نَدْيِنُظِيرُ الْأَشْنَانُ مَرْحُلَقُ ⑤
خُلُقُ مِنْ شَاهِدَ دَافِقٌ ⑥
يَغْرِبُ مِنْ بَيْنِ الصُّلُبِ وَالثَّرَابِ ⑦
إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ⑧
يَوْمَ تُبْلَى الشَّرَائِبُ ⑨
فَمَالَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِيَةٍ ⑩

(۱) طارق سے کیا مراد ہے؟ خود قرآن نے واضح کر دیا۔ روشن ستارہ۔ طارق، طُرُوق سے ہے جس کے لغوی معنی کھنکھٹانے کے ہیں، لیکن طارق رات کو آنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ستاروں کو بھی طارق اسی لیے کہا ہے کہ یہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

(۲) یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اچھے یا بے سارے عمل لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، یہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں، جیسا کہ سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے بھی انسان کے آگے بیچھے فرشتے ہوتے ہیں، جس طرح قول و فعل لکھنے والے ہوتے ہیں۔

(۳) یعنی منی سے، جو قضائے شہوت کے بعد زور سے نکلتی ہے۔ یہی قطرہ آب (منی) رحم عورت میں جا کر، اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے تو، حمل کا باعث بتتا ہے۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ پیٹھ، مرد کی اور سینہ عورت کا، ان دونوں کے پانی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسے ایک ہی پانی اس لیے کہا کر یہ دونوں مل کر ایک ہی بن جاتا ہے۔ تَرَاثِبُ، تَرَينَةُ کی جمع ہے، سینے کا وہ حصہ جو ہمار پستانے کی جگہ ہے۔

(۵) یعنی انسان کے مرنے کے بعد، اسے دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قطرہ آب کو دوبارہ شرمگاہ کے اندر لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ پسلے مفہوم کو امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

(۶) یعنی ظاہر ہو جائیں گے، کیوں کہ ان پر جزا اوسرا ہو گی۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے ”ہر غدر (بد عمدی) کرنے والے کے سرین کے پاس جہنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ، باب إِنَّمَا الْغَادِرُ لِلْجَنَاحِ وَالْفَاجِرِ، مسلم، کتاب الجہاد، باب تحريم الغدر، مطلب یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا۔

(۷) یعنی خود انسان کے پاس اتنی قوت ہو گی کہ وہ اللہ کے عذاب سے نجی جائے، نہ کسی اور طرف سے اس کو کوئی ایسا

<p>بارش والے آسمان کی قسم!^(١)</p> <p>اور پھٹنے والی زمین کی قسم!^(٢)</p> <p>بیشک یہ (قرآن) البتہ دو ٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔^(٣)</p> <p>یہ نہی کی (اور بے فائدہ) بات نہیں۔^(٤)</p> <p>البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں۔^(٥)</p> <p>اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔^(٦)</p> <p>تو کافروں کو ملت دے۔^(٧) انہیں تھوڑے دنوں چھوڑ دے۔^(٨)</p>	<p>وَالشَّمَاءُ ذَاتُ الرَّجْعٍ ۝</p> <p>وَالْأَرْضُ ذَاتُ الْقَدْعَ ۝</p> <p>إِئَّهُ لِقَوْلٍ فَصْلٌ ۝</p> <p>وَمَا هُوَ بِالْهَذْلِ ۝</p> <p>إِنَّمَا يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝</p> <p>وَأَكْيَدُ كَيْدًا ۝</p> <p>فَمَهِلْ الْكُفَّارِ إِنَّ أَمْهَلَهُمْ رُؤْنَدًا ۝</p>
--	---

مد گارمل سکے گا جو اے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

(۱) رَجْعٌ کے لغوی معنی ہیں، لوٹنا پہننا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پالی لیتا ہے اور پھر وہی پالی زمین پر لوٹا دیتا ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔ (فتح القدير)

(۲) یعنی زمین پھٹتی ہے تو اس سے پودا باہر نکلتا ہے، زمین پھٹتی ہے تو چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک دن آئے گا کہ زمین پھٹے گی، سارے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ اس لیے زمین کو پھٹنے والی اور شگاف والی کہا۔

(۳) یہ جواب قسم ہے، یعنی کھول کر بیان کرنے والا ہے جس سے حق اور باطل دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔

(۴) یعنی کھیل کو دا اور مذاق والی چیز نہیں ہے، هَذْلٌ، جِدٌ (قصد و ارادہ) کی ضد ہے۔ یعنی ایک واضح مقصد کی حامل کتاب ہے، ابوععب کی طرح بے مقصد نہیں ہے۔

(۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دین حق لے کر آئے ہیں، اس کو ناکام کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں اور منہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دل میں اس کے بر عکس ہوتا ہے۔

(۶) یعنی میں ان کی چالوں اور سازشوں سے غافل نہیں ہوں، میں بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہوں یا ان کی چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔ کَيْدٌ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، جو بے مقصد کے لیے ہو تو بری ہے اور مقصد نیک ہو تو بری نہیں۔

(۷) یعنی ان کے لیے تعجیل عذاب کا سوال نہ کر، بلکہ انہیں کچھ مملت دے دے۔ رُؤْنَدًا: قَلِيلًا یا قَرِينًا یہ اعمال و استدرج بھی کافروں کے حق میں اللہ کی طرف سے ایک کید کی صورت ہے جیسے فرمایا ﴿سَنَسَدَ رُجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾

سورة اعلیٰ کی ہے اور اس میں انیں آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔^(۱)

جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا۔^(۲)

اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ
دکھائی۔^(۳)

اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی۔^(۴)

پھر اس نے اس کو (سکھا کر) سیاہ کوڑا کر دیا۔^(۵)

ہم مجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔^(۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّه اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ①

الَّذِي خَلَقَ فَنَوَّى ②

وَالَّذِي قَدَرَ فَهَدَى ③

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمُرْعَى ④

فَجَعَلَهُ عَثَاءً أَحْوَى ⑤

سَقَرَ ثُكَّ فَلَاتَّسَى ⑥

☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت اور سورۃ الغاشیہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح و تر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسرا میں سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔

حضرت معاذ بن ایشہؓ کو جن سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی تھی، انمیں ایک یہ بھی تھی (صحابہ میں یہ ساری تفصیل موجود ہے)
(۱) یعنی ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکیزگی جو اس کے لائق نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں پڑھا کرتے تھے، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى (مسند احمد، ۲۲۲-ابوداود، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء فی الصلوٰۃ و قال الألبانی صحيح)

(۲) دیکھئے سورۃ الانفطار کا حاشیہ نمبر۔۷

(۳) یعنی نیکی اور بدی کی۔ اسی طرح ضروریات زندگی کی۔ یہ ہدایت حیوانات کو بھی عطا فرمائی۔ قدر کا مفہوم ہے، اشیا کی جنسوں، ان کی انواع و صفات اور خصوصیات کا اندازہ فرمائے انسان کی بھی ان کی طرف رہنمائی فرمادی تاکہ انسان ان سے استفادہ کر سکے۔

(۴) تھے جانور چرتے ہیں۔

(۵) گھاس خشک ہو جائے تو اسے غُناہ کہتے ہیں، آخوی سیاہ کرو دیا۔ یعنی تازہ اور شاداب گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

(۶) حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی جلدی پڑھتے تاکہ بھول نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس طرح جلدی نہ کریں۔ نازل شدہ وحی ہم آپ کو پڑھوائیں گے یعنی آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے، پس آپ اسے بھولیں گے نہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے گا، لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس لیے آپ کو سب کچھ یاد ہی رہا۔ بعض نے کہا

<p>مگر جو کچھ اللہ چاہے۔ وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔^(۱)</p> <p>ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کر دیں گے۔^(۲)</p> <p>تو آپ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت کچھ فائدہ دے۔^(۳)</p> <p>ڈرنے والا تو نصیحت لے گا۔^(۴)</p> <p>(ہاں) بد بخت اس سے گریز کرے گا۔^(۵)</p> <p>جو بڑی آگ میں جائے گا۔^(۶)</p> <p>جہاں پھر نہ وہ مرے گانہ جیسے گا،^(۷) (بلکہ حالت نزع میں</p>	<p>إِلَامَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهَرَ وَمَا يَخْفِي ۝</p> <p>وَنَبِيَّرُكَ لِلْيُنْبَرِي ۝</p> <p>فَذِكْرُ إِنْ تَفَعَّلَ الذِّكْرُ ۝</p> <p>سَيِّدُ الْكُلُّ مَنْ يَتَعَظَّمُ ۝</p> <p>وَتَبَعِّدُهَا الْأَشْقَى ۝</p> <p>الَّذِي يَصْلِي النَّازَ الْكَبْرَى ۝</p> <p>ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَعُي ۝</p>
--	---

کہ اس کا مفہوم ہے کہ جن کو اللہ منسون کرنا چاہے گا وہ آپ کو بھلوادے گا۔ (فتح القدیر)

(۱) یہ عام ہے، جو قرآن کا وہ حصہ بھی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کر لیں، اور جو آپ کے سینے سے محکر دیا جائے، وہ مخفی ہے۔ اس طرح جراوچی آواز سے پڑھے، خفی پست آواز سے پڑھے۔ خفی، چھپ کر عمل کرے اور جو جر طاہر، ان سب کو اللہ جانتا ہے۔

(۲) یہ بھی عام ہے، مثلاً ہم آپ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ہم آپ کی اس طریقے کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہو گا۔ ہم جنت والا عمل آپ کے لیے آسان کر دیں گے، ہم آپ کے لیے ایسے افعال و اقوال، آسان کر دیں گے جن میں خیر ہو اور ہم آپکے لیے ایسی شریعت مقرر کریں گے، جو سل، مستقیم اور معتدل ہوگی، جس میں کوئی کجی، عسرا اور تنگی نہیں ہوگی۔

(۳) یعنی وعظ و نصیحت وہاں کریں جہاں محسوس ہو کہ فائدہ مند ہوگی۔ یہ وعظ و نصیحت اور تعلیم کے لیے ایک اصول اور ادب بیان فرمادیا۔ (ابن کثیر) امام شوکانی کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، چاہے فائدہ دے یا نہ دے۔ کیونکہ انذار و تبلیغ دونوں صورتوں میں آپ کے لیے ضروری تھی۔ یعنی أَوْلَمْ تَنْفَعَ يَمَّا مَحْذُوفٌ ہے۔

(۴) یعنی آپ کی نصیحت سے وہ یقیناً عبرت حاصل کریں گے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو گا، ان میں خشیت الہی اور اپنی اصلاح کا جذبہ مزید قوی ہو جائے گا۔

(۵) یعنی اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے کیوں کہ ان کا کفر پر اصرار اور اللہ کی معصیتوں میں اٹھاک جاری رہتا ہے۔

(۶) ان کے بر عکس جو لوگ صرف اپنے گناہوں کی سزا بھگتے کے لیے عارضی طور پر جنم میں رہ گئے ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی موت دے دے گا۔ حتیٰ کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انہیاً وغیرہ کی سفارش سے ان کو گروہوں کی شکل میں نکالے گا، ان کو جنت کی نہر میں ڈالا جائے گا، جنتی بھی ان پر پانی ڈالیں گے، جس سے وہ

پڑا رہے گا)۔ (۱۳)

بیشک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا۔ (۱۴)
اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز
پڑھتا رہا۔ (۱۵)

لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ (۱۶)
اور آخرت بست بستر اور بست بقاوی ہے۔ (۱۷)
یہ باقیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں۔ (۱۸)
(یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں۔ (۱۹)

سورہ غاشیہ کی ہے اور اس میں چھبیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

کیا تجھے بھی چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے۔ (۲۰)
اس دن بست سے چھرے ذلیل ہوں گے۔ (۲۱)
(اور) محنت کرنے والے تحکمے ہوئے ہوں گے۔ (۲۲)

اس طرح جی انھیں گے جیسے سیلاں کے کوڑے پر دانہ اگ آتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب
إثبات الشفاعة وإخراج الموحدین من النار)

(۱) جنہوں نے اپنے نفس کو اخلاقی رزلیہ سے اور دلوں کو شرک و معصیت کی آلوگیوں سے پاک کر لیا۔
(۲) کیوں کہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے، جب کہ آخرت کی زندگی دامنی اور ابدی ہے، اس لیے عاقل فانی چیز کو باقی
رہنے والی پر ترجیح نہیں دیتا۔

☆۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورہ جمعہ کے ساتھ سورہ غاشیہ بھی پڑھتے
تھے۔ (موطأ امام مالک، باب القراءة في صلاة الجمعة)

(۳) هل بمعنى قد ذہب - غاشیة سے مراد قیامت ہے۔ اس لیے کہ اس کی ہونا کیاں تمام مخلوق کو ڈھانک لیں گی۔
(۴) یعنی کافروں کے چھرے۔ خاشعة بھکے ہوئے، پست اور ذلیل۔ جیسے، نمازی، نماز کی حالت میں اللہ کے سامنے
عاجزی اور تذلل سے جھکا ہوتا ہے۔
(۵) ناصیبة کے معنی ہیں، تحکم کر چور ہو جانا۔ یعنی انہیں اتنا پر مشقت عذاب ہو گا کہ اس سے ان کا سخت براحال ہو

قَدْ آتَكُمْ مِنْ تَرْكِيَّتِنَا ۝
وَذَكَرَ اسَمَّ رَبِّهِ فَقُلْ ۝
بَلْ مُؤْمِنُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝
وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ أَبْقَى ۝
إِنَّ هَذَا إِلَيْنَا الصُّرُفُ الْأَوَّلُ ۝
صَرُوفٌ إِبْرَاهِيمٌ وَمُوسَى ۝

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ أَشَكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝
وَجُوهٌ يُوَمِّدُ خَائِشَةٌ ۝
عَالِمَةٌ نَاصِبَةٌ ۝

وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔^(۲)
اور نہایت گرم چشمے کاپانی ان کو پلایا جائے گا۔^(۵)
ان کے لیے سوائے کائنے دار درختوں کے اور کچھ کھانا
نہ ہو گا۔^(۶)

جونہ موٹا کرے گانہ بھوک مٹائے گا۔^(۷)
بہت سے چرے اس دن ترو تازہ اور (آسودہ حال) ہوں
گے۔^(۸)

اپنی کوشش پر خوش ہوں گے۔^(۹)
بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے۔^(۱۰)
جمال کوئی بیسودہ بات نہیں سنیں گے۔^(۱۱)
جمال بستا ہوا چشمہ ہو گا۔^(۱۲)

(اور) اس میں اوپنے اوپنے تخت ہوں گے۔^(۱۳)
اور آنکھوں کے رکھے ہوئے ہوں گے۔^(۱۴)
اور ایک قطار میں لگئے ہوئے ہوں گے۔^(۱۵)
اور مخلی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی۔^(۱۶)

کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گے

تَصْلِيْنَ نَارًا حَامِيَةً ①
شُتُّقِيْنَ عَيْنَ اِنْيَةً ②
لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ لِّا لَمْنَ صَرِيْعَهُ ③

لَا يَسْمِنُ وَلَا يَعْنِيْنَ مِنْ جُوْعَهُ ④
وَجُوْهَهُ لَوْمَيْنَ ثَاعِمَةً ⑤

لِسَعِيْهَا زَاضِيَةً ⑥
فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑦
لَاتَسْمَعُ فِي هَا لَغْيَةً ⑧
فِي هَا عَيْنٍ جَارِيَةً ⑨
فِي هَا سُرٍّ مَرْبُوْعَةً ⑩
وَأَكْوَابٌ مَوْضُوْعَةً ⑪
وَتَسَمَّا يَرْقُ مَصْفُوْفَةً ⑫
وَزَرَادٌ مَبْثُوْثَةً ⑬
أَفَلَا يَنْظَرُونَ إِلَى الْأَلْبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑭

گا۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں عمل کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے یعنی بہت عمل کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن وہ عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعتات پر منی ہوں گے، اس لیے ”عبادات“ اور ”اعمال شادہ“ کے باوجود جنم میں جائیں گے۔ چنانچہ اسی مفہوم کی رو سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا نے ﷺ سے نصاری مراد لیے ہیں (صحیح البخاری، تفسیر سورہ غاشیۃ)

(۱) یہاں وہ سخت کھوتا ہوا پانی مراد ہے جس کی گرمی انتہا کو پچھی ہوئی ہو۔ (فتح القدير)
(۲) یہ ایک کائنے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔ بہر حال یہ بھی زقوم کی طرح ایک نہایت تسلیخ بدمزہ اور ناپاک ترین کھانا ہو گا، جو جزو بدن بننے کا نہ اس سے بھوک ہی مٹے گی۔

(۳) یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے، جو جہنمیوں کے بر عکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ عین بطور جنس کے ہے یعنی متعدد چشمے ہوں گے۔ نَمَارِقُ بَعْنَى وَسَائِنَدَ (تکیے) ہے زَرَادِيُّ مسندیں، قلین اور گدے بسز مبٹوٹہ پھیلی ہوئی۔ یعنی یہ مسندیں جگہ جگہ پچھی ہوں گی۔ اہل جنت جمال آرام کرنا چاہیں گے، کر سکیں گے۔

وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعْتُ ۝

وَإِلَى الْجَهَنَّمِ كَيْفَ نُصِبْتُ ۝

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحْتُ ۝

فَذَكْرُ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ ۝

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصِيرٍ ۝

إِلَّا مَنْ تَوَلَّ وَكَفَرَ ۝

ہیں۔ (۱۷)

اور آسمان کو کہ کس طرح اونچا کیا گیا ہے۔ (۱۸)

اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے

ہیں۔ (۱۹)

اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ (۲۰)

پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت

کرنے والے ہیں۔ (۲۱)

آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔ (۲۲)

ہاں! جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے۔ (۲۳)

(۱) اونٹ عرب میں عام تھے اور ان عربوں کی غالب سواری یہی تھی، اس لیے اللہ نے اسی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کی خلقت پر غور کرو، اللہ نے اسے کتاب بردا وجود عطا کیا ہے اور کتنی قوت و طاقت اس کے اندر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمہارے لیے نرم اور تابع ہے، تم اس پر جتنا چاہو بوجھ لا دو وہ انکار نہیں کرے گا، تمہارا ماتحت ہو کر رہے گا۔ علاوه ازیں اس کا گوشت تمہارے کھانے کے، اس کا دودھ تمہارے پینے کے اور اس کی اون گرمی حاصل کرنے کے کام آتی ہے۔

(۲) یعنی آسمان کتنی بلندی پر ہے، پانچ سو سال کی مسافت پر، پھر بھی بغیر ستون کے وہ کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شگاف اور کبھی بھی نہیں ہے۔ نیز ہم نے اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے۔

(۳) یعنی کس طرح انسیں زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا ہے تاکہ زمین حرکت نہ کرے۔ نیزان میں جو معدنیات اور دیگر منافع ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

(۴) یعنی کس طرح اسے ہموار کر کے انسان کے رہنے کے قابل بنایا ہے، وہ اس پر چلتا پھرتا، کاروبار کرتا اور ٹلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔

(۵) یعنی آپ کا کام صرف تذکیرہ اور تبلیغ و دعوت ہے، اس کے علاوہ یا اس سے بڑھ کر نہیں۔

(۶) کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل کا حکم ہے جو آیت سیف سے منسوب ہو گیا، کیوں کہ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّىٰ يَقُولُوا : (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) فَإِذَا قَالُوهَا، عَصَمُوا مِنِي دِمَاءُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا؛ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ»۔ (صحیح بخاری)

باب وجوب الزکوٰۃ مسلم کتاب الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا..... ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جب وہ یہ اقرار کر لیں گے تو انہوں نے مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیا۔ سوائے حق اسلام کے، (جو اگر ہمارے علم میں نہ آیا تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“

اے اللہ تعالیٰ بہت بڑا عذاب دے گا۔^(۱)
 پیشک ہماری طرف ان کا لوٹا ہے۔^(۲)
 پھر پیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔^(۳)

سورہ فجر کی ہے اور اس میں تمیں آئیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
 نہیت رحم و لا بے۔
 قسم ہے فجر کی!^(۱)
 اور دس راتوں کی!^(۲)
 اور جفت اور طاق کی!^(۳)
 اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔^(۴)
 کیا ان میں عقلمند کے واسطے کافی قسم ہے؟^(۵)

فَيَعْذِبُهُ اللَّهُ الْعَذَابُ الْأَكْبَرُ^۱
 إِنَّا لِلَّهِ مَا إِيمَانُهُ^۲
 ثُمَّإِنَّ عَلَيْنَا حِسَابُهُمْ^۳

سُورَةُ الْفَجْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ^۱
 وَلَيَالٍ عَشْرِ^۲
 وَالشَّعْمِ وَالوَثْرِ^۳
 وَالآئِنَّ إِذَا يَشْرِ^۴.
 هَلْ فِي ذَلِكَ قَسْرٌ لِّذِنِ حِجْرِ^۵

(۱) یعنی جہنم کا داعمی عذاب۔

(۲) مشور ہے کہ اس کے جواب میں اللہُمَّ إِحْسِنْ إِلَيْنَا^۱ ۔ پڑھا جائے۔ یہ دعا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں پڑھتے تھے، جیسا کہ سورہ اشتقاق میں گزرا۔ لیکن اس کے جواب میں پڑھنا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

(۳) اس سے مراد مطلق فجر ہے، کسی خاص دن کی فجر نہیں۔

(۴) اس سے اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ جن کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عشرہ ذوالحجہ میں کیے گئے عمل صالح اللہ کو سے زیادہ محبوب ہیں۔ حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی اتنا پسندیدہ نہیں، سوائے اس جہاد کے جس میں انسان شہید ہی ہو جائے۔“ (البخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی أیام الشّریق)

(۵) اس سے مراد جفت اور طاق عدد ہیں یا وہ معدودات جو جفت اور طاق ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل خلق کی قسم ہے، اس لیے کہ مخلوق جفت (جوڑا) یا طاق (فرد) ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (ایسر الفاسیر)

(۶) یعنی جب آئے اور جب جائے، کیوں کہ سیز (چلنا) آتے، جاتے دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔

(۷) ذلک سے مذکورہ مقصہ بہ اشیا کی طرف اشارہ ہے یعنی کیا ان کی قسم اہل عقل و دانش کے واسطے کافی نہیں ہے؟ حجر کے معنی ہوتے ہیں، روکنا، منع کرنا۔ انسانی عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی حجر کہا

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں
کے ساتھ کیا کیا۔^(۱) ^(۲)

الْفَتَرِكَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ^۷

إِنَّمَا دَأْتَ الْعِمَادِ^۸

الَّتِي لَمْ يُغْلِقْ مَثْلُهَا فِي الْمِلَادِ^۹

وَشَوَّدَ الَّذِينَ جَاءُوا الصَّحْرَى لِلْوَادِ^{۱۰}

وَفَرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ^{۱۱}

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْمِلَادِ^{۱۲}

ستونوں والے ارم کے ساتھ۔^(۳) ^(۷)

جس کی مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔^(۴) ^(۸)

اور شمودیوں کے ساتھ جنوں نے وادی میں بڑے بڑے
پھر تراشے تھے۔^(۵) ^(۹)

اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔^(۶) ^(۱۰)

ان سبھوں نے شروں میں سر اٹھا کر کھاتھا۔^(۷) ^(۱۱)

جاتا ہے، جس طرح اسی مفہوم کے اعتبار سے اسے ثبیہ بھی کہتے ہیں۔ جواب قسم یا مقصوم علیہ لَتَبْعَثَنَّ ہے کیوں کہ کمی سورتوں میں عقیدے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم آگے آنے والے الفاظ ﴿إِنَّ رَبَّكَ لِيَأْمُرُ صَادِقَةً﴾ ہے۔ آگے بے طریق استشهاد اللہ تعالیٰ بعض ان قوموں کا ذکر فرمارہا ہے جو مکذب و عناد کی بنا پر ہلاک کی گئی تھیں۔ مقصد اہل مکہ کو ثبیہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول ﷺ کی مکذب سے بازنہ آئے تو تمہارا بھی اسی طرح موافذہ ہو سکتا ہے، جیسے گزشتہ قوموں کا اللہ نے کیا۔

(۱) ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے انہوں نے مکذب کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کاعذاب ان پر نازل کیا جو متواترات سات راتیں اور آٹھوں چلتی رہی (الحاقة، ۷-۱۰) اور انہیں تسلیم کر کے رکھ دیا۔

(۲) إِذْمَ، عَادِ یہ عطف بیان یا بدل ہے۔ یہ قوم عاد کے وادا کا نام ہے۔ ان کا مسلمہ نب ہے، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ (فتح القدیر) اس کا مقصد یہ وضاحت ہے کہ یہ عاد اولی ہے۔ ذات العمار (ستونوں والے) سے اشارہ ہے ان کی قوت و طاقت اور دراز قامتی کی طرف۔

علاوه ازیں وہ فن تعمیر میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور نمایت مضبوط بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ ذات العمار میں دونوں ہی مفہوم شامل ہو سکتے ہیں۔

(۳) یعنی ان جیسی دراز قامت اور قوت و طاقت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی۔ یہ قوم کہا کرتی تھی ﴿مَنْ أَشْدُدُ مِنَّا فَوْهَةُ أَحْمَمِ السَّجْدَةِ﴾ (احم السجدة، ۵) ”ہم سے زیادہ کوئی طاقت ورہے؟“

(۴) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، اللہ نے اسے پھر تراشنے کی خاص صلاحیت و قوت عطا کی تھی، حتیٰ کہ یہ لوگ پھاڑوں کو تراش کر ان میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر لیتے تھے، جیسا کہ قرآن نے کہا ہے ﴿وَتَنْعِيَتُونَ مِنَ الْجَبَلِ بُيُوتًا

فِيهِنَ﴾ (الشعراء، ۱۳۹)

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لشکروں والا تھا جس کے پاس نیحوں کی کثرت تھی جنہیں میخیں گاڑ کر کھڑا کیا جاتا تھا۔

فَأَكْثُرُهُ فِيهَا الْفَسَادُ ⑭

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ⑮

إِنَّ رَبَّكَ لِيَأْمُرُ صَادِقَ ⑯

فَأَتَتَ الْإِنْسَانُ إِذَا نَأَى بِنَفْلِهِ رَبِّهِ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ ⑰

فَيَقُولُ رَبِّيَ الْكَرِمُونَ ⑱

وَأَمَّا إِذَا مَا بَتَلَهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ لَا يَقُولُ رَبِّيَ

أَهَانَنَ ⑲

كَلَّا بَلْ لَا يَكْرُمُ مَوْنَ الْيَتَيمَ ⑳

وَلَا يَحْصُونَ عَلَى طَعَامِ الْيَتَيْمِينَ ㉑

یا اس سے اس کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ ہے کہ بخوبیوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کو سزا کیں دیتا تھا۔ (فتح القدر)

(۱) یعنی ان پر آسمان سے اپنا عذاب نازل فرمائیں کوتاہ و بر بادیا انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔

(۲) یعنی تمام مخلوقات کے اعمال دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں جزا دیتا ہے۔

(۳) یعنی جب اللہ کسی کو رزق و دولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ اپنی بابت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر بہت میریان ہے، حلال کہ یہ فراوانی امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔

(۴) یعنی وہ تنگی میں بٹلا کر کے آزماتا ہے تو اللہ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے۔

(۵) یعنی بات اس طرح نہیں ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال اپنے محبوب بندوں کو بھی دیتا ہے اور ناپسندیدہ افراد کو بھی، تنگی میں بھی وہ اپنوں اور بیگانوں دونوں کو بٹلا کرتا ہے۔ اصل مدادر دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت پر ہے۔ جب اللہ مال دے تو اللہ کا شکر کرے، تنگی آئے تو صبر کرے۔

(۶) یعنی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک نہیں کرتے جس کے وہ مستحق ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”وَهُوَ أَنْهَى“ سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ گھر بیدریں ہے جس میں اس کے ساتھ بد سلوکی کی جائے۔ پھر اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ (ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی ضم الیتیم)

اور (مردوں کی) میراث سمیت کر کھاتے
ہو۔^(۱۹)

اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔^(۲۰)
یقیناً جس^(۲۱) وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے
گی۔^(۲۱)

اور تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے صفين باندھ کر
(آجائیں گے)۔^(۲۲)

اور جس دن جنم بھی لائی جائے گی^(۵) اس دن انسان کو سمجھ
آئے گی مگر آج اسکے سمجھنے کافایت نہ کہاں؟^(۲۳)
وہ کے گا کہ کاش کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ
پیشگوئی سامان کیا ہوتا۔^(۲۴)

پس آج اللہ کے عذاب جیسا عذاب کسی کا نہ ہو گا۔^(۲۵)
نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہو گی۔^(۸)

وَتَأْكُلُونَ التِّرَاثَ أَكْلًا لَهُنَا^(۶)

وَتَبْحَبُونَ الْمَالَ حُبَّاً جَمِيعًا^(۷)
كَلَّا إِذَا دَعَتِ الْأَرْضُ دَعَّا دُعَاء^(۸)

وَجَاءَ رَبِّكَ وَالْمَلَكُ صَفَّا مَصَفَّا^(۹)

وَجَاءَ يَوْمَيْنِ بِجَهَنَّمَةَ يَوْمَيْنِ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ
وَأَنْتَ لَهُ التِّكْرِي^(۱۰)

يَقُولُ يَلِيَّتِينِي قَدَّمْتُ لِحَيَاةِنِ^(۱۱)

فَيُؤْمِنُ لَا يُعَذَّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ^(۱۲)
وَلَا يُؤْثِرُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ^(۱۳)

(۱) یعنی جس طریقے سے بھی حاصل ہو، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے لئا۔ بمعنی جمیعاً

(۲) جمیعاً بمعنی کثیراً

(۳) یا تمہارا عمل ایسا نہیں ہو ناچاہئے جو مذکور ہوا، کیوں کہ ایک وقت آنے والا ہے جب.....

(۴) کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے، قیامت والے دن آسمان سے نیچے اتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صاف ہو گی، اس طرح سات صفین ہوں گی جو زمین کو گھیر لیں گی۔

(۵) ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جنم جکڑی ہوئی ہو گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب فی شدۃ حرنا راجہن姆 وبعد قعرها، ترمذی، أبواب صفة جہنم، باب ماجاء فی صفة الناد، اسے عرش کے باسیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا، پس اسے دیکھ کر تمام مقرب اور انبیاء علیهم السلام گھنٹوں کے بل گر پڑیں گے اور «یا رَبِّ ا نَفْسِي نَفْسِي» پکاریں گے۔ (فتح القدير)

(۶) یعنی یہ ہونا کہ منظر دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنے کفر و معاصی پر نادم ہو گا، لیکن اس روز اس ندامت اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

(۷) یہ افسوس اور حسرت کا اظہار، اسی ندامت کا حصہ ہے جو اس روز فائدہ مند نہیں ہو گی۔

(۸) اس لیے کہ اس روز تمام اختیارات صرف ایک اللہ کے پاس ہوں گے۔ دوسرے، کسی کو اسکے سامنے رائے یاد مرنی

اے اطمینان والی روح۔ (۲۷)
 تو اپنے رب کی طرف^(۱) لوٹ چل اس طرح کہ تو اس
 سے راضی وہ تجھ سے خوش۔ (۲۸)
 پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔ (۲۹)
 اور میری جنت میں چلی جا۔ (۳۰)

سورہ بلد کی ہے اور اس میں بیس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
 نہایت رحم والا ہے۔
 میں اس شرکی قسم کھاتا ہوں۔ (۱)
 اور آپ اس شر میں مقیم ہیں۔ (۲)

يَا إِيَّاكَ نَفْسُ الْمُطَهَّرَةُ^(۱)
 اسْرَاجُ عَلَى رَيْبِكَ رَاهِيَّةً مَرْفَعَتَهُ^(۲)
 فَادْخُلْنِي فِي عَبْدِكَ^(۳)
 وَادْخُلْنِي جَلَّتِي^(۴)

سُورَةُ الْبَلَدِ

لِلّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ^(۱)
 وَأَنْتَ حَلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ^(۲)

نہیں ہو گا حتیٰ کہ اسکی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش تک نہیں کر سکے گا۔ ایسے حالات میں کافروں کو جو عذاب ہو گا اور جس طرح وہ اللہ کی قید و بند میں جکڑے ہوں گے، اس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ اس کا کچھ اندازہ ممکن ہو۔ یہ تو مجرموں اور ظالموں کا حال ہو گا لیکن اہل ایمان و طاعت کا حال اس سے بالکل مختلف ہو گا، جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔
 (۱) یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں قیامت والے دن کما جائے گا بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوشخبری دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن بھی اسے یہ کما جائے گا جو یہاں مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا، «اللَّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا، بِكَ مُطْمَئِنَةً، تُؤْمِنُ بِإِلَيْكَ، وَتَرْضَى بِقَضَايَاكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَايَاكَ»۔ (ابن کثیر)

(۲) اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں اس وقت، جب اس سوت کا نزول ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا، آپ ﷺ کا مولد بھی یہی شرحتا۔ یعنی اللہ نے آپ ﷺ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی، جس سے اس کی عظمت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

(۳) یہ اشارہ ہے اس وقت کی طرف جب مکہ فتح ہوا، اس وقت اللہ نے نبی ﷺ کے لیے اس بدر حرام میں قتال کو حلال فرمادیا تھا جب کہ اس میں لڑائی کی اجازت نہیں ہے چنانچہ حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا "اس شر کو اللہ نے اس وقت سے حرمت والا بنایا ہے، جب سے اس نے آسمان و زمین پیدا کیے۔ پس یہ اللہ کی نصرتی ہوئی حرمت سے قیامت تک حرام ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے نہ اس کے کانٹے اکھیزے جائیں" میرے لیے اسے صرف دن کی ایک ساعت

وَالِّيْدُونَا وَلَدٌ ③

لَقَدْ خَلَقْنَا إِلَّا نَسَانَ فِي كَبِدٍ ④

آيَهُسْبُ أَنْ تُنْتَيْرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ⑤

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالَ أَبْدًا ⑥

آيَهُسْبُ أَنْ تُحْمِرَةَ أَحَدٌ ⑦

أَلَّغَنْجَعْلُ لَهُ عَيْنَيْنِ ⑧

وَلَسَانًا وَشَفَتَيْنِ ⑨

اور (قِيمَهُ انسانی باپ اور اولاد کی)-^(١) ^(٣)

یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی) مشقت میں پیدا کیا ہے۔^(٢) ^(٣)

کیا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟^(٣) ^(٥)

کہتا (پھرتا) ہے کہ میں نے تو بست کچھ مال خرچ کر

ڈالا۔^(٦) ^(٣)

کیا (یوں) سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا (ہی) نہیں؟^(٧) ^(٥)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں۔^(٨) ^(٤)

اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے)^(٩) ^(٧)

کے لیے حلال کیا گیا تھا اور آج اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی ہے، جیسے کل تھی..... اگر کوئی یہاں قاتل کے لیے دلیل میں میری لڑائی کو پیش کرے تو اس سے کہو کہ اللہ کے رسول کو تو اس کی اجازت اللہ نے دی تھی جب کہ تمہیں یہ اجازت اس نے نہیں دی۔“ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب لیبلغ الشاهد منکم الغائب مسلم، کتاب الحج، باب تحريم مکہ.....) اس اعتبار سے معنی ہوں گے وَأَنَّتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ یہ جملہ معتبر ہے۔

(۱) بعض نے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولادی ہے، اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے، ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

(۲) یعنی اس کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے معمور ہے۔ امام طبری نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے، یہ جواب قِيمَہ ہے۔

(۳) یعنی کوئی اس کی گرفت کرنے پر قادر نہیں؟

(۴) الْبَدَا، كِثِيرٌ، ذِهِرٌ۔ یعنی دنیا کے معاملات اور فضولیات میں خوب پیسہ اڑاتا ہے، پھر فخر کے طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے۔

(۵) اس طرح اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے؟ حالانکہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جس پر وہ اسے جزا دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمرا رہا ہے تاکہ ایسے لوگ عبرت پکڑیں۔

(۶) جن سے یہ دیکھتا ہے۔

(۷) زبان سے وہ بولتا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس کے چہرے اور مند کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔

ہم نے دکھادیئے اس کو دونوں راستے۔^(۱۰)
 سواں سے نہ ہو سکا کہ گھٹائی میں داخل ہوتا۔^(۱۱)
 اور کیا سمجھا کہ گھٹائی ہے کیا؟^(۱۲)
 کسی گردن (غلام لوئڈی) کو آزاد کرنا۔^(۱۳)
 یا بھوک والے دن کھانا کھلانا۔^(۱۴)
 کسی رشتہ دار میم کو۔^(۱۵)
 یا خاکسار مسکین کو۔^(۱۶)
 پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لاتے^(۱۷) اور ایک
 دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے

وَهَدَيْنَاهُ التَّجْدِيدَينَ ۝
 فَلَا أَفْتَحَ الْعَقَبَةَ ۝
 وَآمَدْرِيلَكَ مَالِعَقَبَةِ ۝
 فَلُكُّ رَقَبَةِ ۝
 أَوْ أَطْعَمَ فِي يَوْمِ ذِي مَسْغَبَةِ ۝
 يَتَبَيَّنَاذَا مَغْرَبَةِ ۝
 أَوْ مَسْكِينَاذَا مَغْرَبَةِ ۝
 ثُلُوكَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبِرَةِ وَتَوَاصَوْا
 بِالْمَرْحَمَةِ ۝

(۱) یعنی خیر کی بھی اور شر کی بھی، سعادت کی بھی اور شقاوت کی بھی۔ جیسے فرمایا، ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ التَّجْدِيدَينَ﴾ (۱۰) نَجْدٌ کے معنی ہیں، اونچی جگہ۔ اس لیے بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے ”ہم نے انسان کی (ماں کے) دو پستانوں کی طرف رہنمائی کر دی“ یعنی وہ عالم شیر خوارگی میں ان سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

(۲) عَقَبَةُ گھٹائی کو کہتے ہیں یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو۔ یہ عام طور پر نمایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ یہ جملہ یہاں استفهام بمعنی انکار کے مفہوم میں ہے۔ یعنی أَفَلَا أَفْتَحَ الْعَقَبَةَ کیا وہ گھٹائی میں داخل نہیں ہوا؟ مطلب ہے نہیں ہوا۔ یہ ایک مثال ہے اس محنت و مشقت کی وضاحت کے لیے جو نیکی کے کاموں کے لیے ایک انسان کو شیطان کے وسوسوں اور نفس کے شوافی تقاضوں کے خلاف کرنی پڑتی ہے، جیسے گھٹائی پر چڑھنے کے لیے سخت جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ (فتح القدير)

(۳) مَسْغَبَةُ، مَجَاعَةُ (بھوک) یَوْمُ ذِي مَسْغَبَةٍ، بھوک والے دن۔ ذَا مَغْرَبَةُ (مٹی والا) یعنی جو نقر و غربت کی وجہ سے مٹی (زمین) پر پڑا ہو۔ اس کا گھر بار بھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی گردن کو آزاد کر دیا، کسی بھوکے کو رشتہ دار میم کو یا مسکین کو کھانا کھلادیا، یہ دشوار گزار گھٹائی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعے سے انسان جنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا۔ میم کی کفالت دیے ہی بڑے اجر کا کام ہے، لیکن اگر وہ رشتہ دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے۔ ایک صدقے کا، دوسرا صدہ رحمی کا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ آج کل اس کی ایک صورت کسی مفروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلائیا ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک گونہ فَلُكُّ رَقَبَةِ ہے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال خیر، اسی وقت نافع اور اخروی سعادت کا باعث ہوں گے جب ان کا کرنے والا صاحب ایمان ہو گا۔

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْيَمَنَةِ ۖ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِالْيَتَامَهُمْ أَصْحَابُ الشَّنَاءِ ۚ

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ۝

بی بی لوگ ہیں دا میں بازو والے (خوش بختی والے) (۱۸)
اور جن لوگوں نے ہماری آئیوں کے ساتھ کفر کیا یہ کم
بختی والے ہیں۔ (۱۹)
انہی پر آگ ہو گی جو چاروں طرف سے گھیری (۲۰) ہوئی ہو
گی۔ (۲۰)

سورہ شمس کی ہے اور اس میں پندرہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نمایت رحم و الاء ہے۔

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ (۱)
قسم ہے چاند کی جب اس کے پیچے آئے۔ (۲)
قسم ہے دن کی جب سورج کو نمایاں کرے۔ (۳)
قسم ہے رات کی جب اسے ڈھانپ لے۔ (۴)
قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی۔ (۵)
قسم ہے زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی۔ (۶)
قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی۔ (۷)

سُورَةُ الشَّمْسِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالشَّمْسِ وَصَلَّهَا ۝
وَالقَمَرِ إِذَا تَلَهَا ۝
وَالنَّهَارِ إِذَا جَذَهَا ۝
وَالْأَيَّلِ إِذَا يَقْشَمَهَا ۝
وَالسَّمَاءَ وَمَا بَثَنَهَا ۝
وَالْأَرْضَ وَمَا أَطْخَمَهَا ۝
وَنَفَّيْنِ وَمَا سَوَّنَهَا ۝

(۱) اہل ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کی تلقین کرتے ہیں۔

(۲) مؤصدۃ کے معنی مغلقة (بند) یعنی ان کو آگ میں ڈال کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا، تاکہ ایک تو آگ کی پوری شدت و حرارت ان کو پہنچے۔ دوسرے، وہ بھاگ کر کمیں نہ جاسکیں۔

(۳) یا اس کی روشنی کی، یا مطلب ضمیں سے دن ہے۔ یعنی سورج کی اور دن کی قسم۔

(۴) یعنی جب سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو، جیسا کہ پہلے نصف میںی میں ایسا ہوتا ہے۔

(۵) یا تاریکی کو دور کرے، ظلمت کا پہلے ذکر تو نمیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ (فتح القدير)

(۶) یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور ہر سمت انہیں را چھاجائے۔

(۷) یا اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ پہلے معنی کی رو سے ما معنی مَنْ ہو گا۔

(۸) یا جس نے اسے ہموار کیا۔

(۹) یا جس نے اسے درست کیا۔ درست کرنے کا مطلب ہے، اسے مناسب الاعضاء بنایا، بے ڈھبا اور بے ڈھنگا نہیں بنایا۔

پھر سمجھ دی اس کو بد کاری کی اور بچ کر جلنے کی۔^(۸)
 جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔^(۹)
 اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔^(۱۰)
 (قوم) شمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا۔^(۱۱)
 جب ان میں کا بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا۔^(۱۲)
 انہیں اللہ کے رسول نے فرمادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی او نمنی
 اور اس کے پیغام کی باری کی (حافظت کرو)۔^(۱۳)
 ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس او نمنی کی
 کوچیں کاٹ دیں،^(۱۴) پس ان کے رب نے ان کے

فَأَلْهَمَهُمْ أَفْجُورُهُمْ وَتَعَوَّلُهُمْ^(۱۵)
 قَدْ أَفْلَهَهُمْ مَنْ زَكَّهُمْ^(۱۶)
 وَقَدْخَابَ مَنْ دَشَّهُمْ^(۱۷)
 كَذَبَتْ شِمُودُ طَغْوِيَّهُمْ^(۱۸)
 إِذَا نَعَثَتْ أَشْقَهُمْ^(۱۹)
 فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ الْهُوَنَّاقَةَ إِلَهُهُمْ وَسَيِّدُهُمْ^(۲۰)
 قَلْدَبُوهُ فَعَمَرُوهُمْ قَدْمَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ يَدِيَّهُمْ^(۲۱)
 فَسَلِّبُهُمْ^(۲۲)

(۱) الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انہیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انہیں انبیاء علیم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے خیر و شر کی پہچان کروادی۔ یا مطلب ہے کہ ان کی عقل اور فطرت میں خیر اور شر، نیکی اور بدی کا شعور و دیعت کر دیا۔ تاکہ وہ نیکی کو اپنا میں اور بدی سے اجتناب کریں۔

(۲) شرک سے، معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کیا، وہ اخروی فوز و فلاح سے ہمکnar ہو گا۔

(۳) یعنی جس نے اسے گراہ کر لیا، وہ خارے میں رہا۔ دش، تذسینیں سے ہے، جس کے معنی ہیں۔ ایک چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ دسائما کے معنی ہوں گے جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا اور اسے بے کار چھوڑ دیا اور اسے اللہ کی اطاعت اور عمل صالح کے ساتھ مشور نہیں کیا۔

(۴) طُغْيَانٌ، وہ سرکشی جو حد سے تجاوز کر جائے اسی طغیان نے انہیں مکذب پر آمادہ کیا۔

(۵) جس کا نام مفسرین قدار بن سالف بتلاتے ہیں۔ اس نے ایسا کام کیا کہ یہ رئیس الاشقاء بن گیا سب سے بڑا شقی (بد بخت)۔

(۶) یعنی اس او نمنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، اسی طرح اس کے لیے پانی پینے کا جو دن ہو، اس میں بھی گزرنہ کی جائے۔ او نمنی اور قوم شمود دونوں کے لیے پانی کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کی تائید کی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے پروا نہیں کی۔

(۷) یہ کام ایک ہی شخص قدار نے کیا تھا۔ لیکن چوں کہ اس شرارت میں قوم بھی اس کے ساتھ تھی اس لیے اس میں سب کو برابر کا مجرم قرار دیا گیا۔ اور مکذب اور او نمنی کی کوچیں کامنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی۔ جس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایک براہی کا ارتکاب کرنے والے اگر چند ایک افراد ہوں لیکن پوری قوم اس براہی پر نکیر کرنے کے بجائے اسے پسند کرتی ہو تو اللہ کے ہاں پوری قوم اس براہی کی مرتكب قرار پائے گی اور اس جرم یا براہی میں برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔

گناہوں کے باعث ان پر ہلاکت ڈالی^(۱) اور پھر ہلاکت کو
عام کر دیا اور اس بستی کو برابر کر دیا۔^(۲)
وہ نہیں ڈرتا اس کے تباہ کن انجمام سے۔^(۳)^(۴)^(۵)

وَلَا يَغْافِلُ عَنْهُمَا^(۶)

سورہ لیل کی ہے اور اس میں ایکس آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے رات کی جب چھا جائے۔^(۶)^(۷)
اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو۔^(۸)

اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نرمادہ کو پیدا
کیا۔^(۹)

یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے۔^(۱۰)

جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب
سے)^(۱۱)^(۱۲)

شُورَةُ اللَّيْلِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشِي^(۱۳)

وَالنَّهَارِ إِذَا أَجْعَلَ^(۱۴)

وَمَا خَلَقَ الدُّكَرَ وَالْأَنْثَى^(۱۵)

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَفَّٰٰ^(۱۶)

فَآتَاهُمْ أَعْظَلَ وَأَنْقَى^(۱۷)

(۱) دَمْدَمَ عَلَيْهِمْ، ان کو بلاؤ کر دیا اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔

(۲) عام کر دیا، یعنی اس عذاب میں سب کو برابر کر دیا، کسی کو نہیں چھوڑا، چھوٹا بڑا، سب کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ یا زمین کو ان پر برابر کر دیا یعنی سب کو تھا خاک کر دیا۔

(۳) یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ڈرنیں ہے کہ اس نے انہیں سزاوی ہے کہ کوئی بڑی طاقت اس کا اس سے بدل لے گی۔ وہ انجمام سے بے خوف ہے کیوں کہ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس سے بڑھ کریا اس کے برابر ہی ہو، جو اس سے انتقام لینے کی قدرت رکھتی ہو۔

(۴) یعنی افت پر چھا جائے جس سے دن کی روشنی ختم اور اندھیرا ہو جائے۔

(۵) یعنی رات کا اندھیرا ختم اور دن کا اجالا پھیل جائے۔

(۶) یہ اللہ نے اپنی قسم کھائی، کیوں کہ مرد عورت دونوں کا خالق اللہ ہی ہے ماموصولہ ہے۔ معنی الْذِنِي۔

(۷) یعنی کوئی اچھے عمل کرتا ہے، جس کا صدقہ جنت ہے اور کوئی بُرے عمل کرتا ہے جس کا بدلہ جنم ہے۔ یہ جواب قسم ہے شَئِی، شَتِّیتُ کی جمع ہے، جیسے مَرِیضُ کی جمع مَرَضَی۔

(۸) یعنی خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا اور محارم سے بچے گا۔

او رنیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا۔^(۱) (۶) وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝
 تو ہم بھی اسکو آسان راستے کی سوت دیں گے۔^(۲) (۷) فَسَيِّرْتُهُ لِلْيُسْرَى ۝
 لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی بر تی۔^(۳) (۸) وَأَسَانَهُ بَخْلًا وَاسْتَغْنَى ۝
 او رنیک بات کی حکمذیب کی۔^(۴) (۹) وَكَذَبَ بِالْحُسْنَى ۝
 تو ہم بھی اس کی تنگی و مشکل کے سامان میر کر دیں
گے۔^(۵) (۱۰) فَسَيِّرْتُهُ لِلْعُسْرَى ۝
 اس کا مال اسے (اوندھا) گرنے کے وقت کچھ کام نہ
آئے گا۔^(۶) (۱۱) وَمَا يُعْلَمُ عَنْهُ مَا لَهُ إِذَا سَرَّدَى ۝
 بیشک راہ دکھار دینا ہمارے ذمہ ہے۔^(۷) (۱۲) إِنَّ عَلَيْنَا لِلْمُهْدَى ۝

(۱) یا اچھے صلے کی تصدیق کرے گا، یعنی اس بات پر یقین رکھے گا کہ اتفاق اور توفی کا اللہ کی طرف سے عمرہ صلے ملے گا۔
 (۲) یُسْرَى کا مطلب نیکی اور الْخَضْلَةُ الْحُسْنَى ہے۔ یعنی ہم اس کو نیکی و اطاعت کی توفیق دیتے اور ان کو اس کے
لیے آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے
چھ غلام آزاد کیے، جنہیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت اذیت دیتے تھے۔ (فتح القدير)
 (۳) یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا اور اللہ کے حکم سے بے پرواہی کرے گا۔
 (۴) یا آخرت کی جزا اور حساب کتاب کا انکار کرے گا۔

(۵) عُسْرَى (تنگی) سے مراد کفر و معصیت اور طریق شر ہے۔ یعنی ہم اس کے لیے نافرمانی کا راست آسان کر دیں گے،
 جس سے اس کے لیے خیر و سعادت کے راستے مشکل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ
جو خیر و رشد کا راستہ اپناتا ہے، اس کے صلے میں اللہ اسے خیر کی توفیق سے نوازتا ہے اور جو شر و معصیت کو اختیار کرتا
ہے، اللہ اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ اس تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے علم سے لکھ رکھی
ہے۔ (ابن کثیر) یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم عمل کرو، ہر شخص جس کام
کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے، جو اہل سعادت سے ہوتا ہے، اسے اہل سعادت والے عمل
کی توفیق دے دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے، اس کے لیے اہل شقاوت والے عمل آسان کر دیتے جاتے
ہیں۔“ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ اللیل)

(۶) یعنی جب جنم میں گرے گا تو یہ مال، جسے وہ خرچ نہیں کرتا تھا، کچھ کام نہ آئے گا۔
 (۷) یعنی حلال اور حرام، خیر اور شر، ہدایت اور ضلالت کو واضح اور بیان کرنا ہمارے ذمے ہے۔ (جو کہ ہم نے کر دیا ہے)

اور ہمارے ہی ہاتھ آخرت اور دنیا ہے۔^(۱۳)
میں نے تو تمہیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا
ہے۔^(۱۴)

جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہو گا۔^(۱۵)
جس نے جھٹلایا اور (اس کی پیروی سے) منہ پھیر
لیا۔^(۱۶)

اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پر ہیز گار ہو
گا۔^(۱۷)

جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔^(۱۸)
کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا
ہو۔^(۱۹)

بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا چانے کے
لیے۔^(۲۰)

وَإِنَّ لَنَا لِلآخرَةَ وَالْأُولَى^(۱۶)
فَإِنَّدُرُتُكُمْ نَارًا تَكْفُلُ^(۱۷)

لَا يَصْلَهُمَا إِلَّا الْأَشْفَقُ^(۱۸)
الَّذِي كَذَبَ وَتَوَلَّ^(۱۹)

وَسَيَجْعَلُهُمَا الْأَثْقَلَ^(۲۰)

الَّذِي يُؤْتَ مَالَهُ يَتَرَكَّبُ^(۲۱)
وَمَا لِلْأَحْدِي عِنْدَهُ مِنْ ظُعْنَةٍ تُجْزَى^(۲۲)

إِلَالِتِغَاةِ وَجْهَ رَبِّهِ الْأَغْلَى^(۲۳)

(۱) یعنی دونوں کے مالک ہم ہی ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں اس لیے ان دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے طالب ہم سے ہی مانگیں کیوں کہ ہر طالب کو ہم ہی اپنی مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔

(۲) اس آیت سے مرشد فرقہ نے (جو ایک باطل فرقہ گزرا ہے) استدلال کیا ہے کہ جنم میں صرف کافر ہی جائیں گے۔ کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گناہ گار ہو، وہ جنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ ان نصوص صریحہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بت سے مسلمان بھی، جن کو اللہ تعالیٰ کچھ سزا زنا چاہے گا، کچھ عرصے کے لیے جنم میں جائیں گے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ملائکہ اور دیگر صالحین کی شفاعت سے نکال لیے جائیں گے، یہاں حصر کے انداز میں جو کہا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ کچھ کافر اور نمایت بد بخت ہیں، جنم دراصل ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے، جس میں وہ لازمی اور حقی طور پر اور ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔ اگر کچھ نافرمان قسم کے مسلمان جنم میں جائیں گے تو وہ لازمی اور حقی طور پر اور ہمیشہ کے لیے نہیں جائیں گے، بلکہ بطور سزا ان کا یہ دخول عارضی ہو گا۔ (فتح القدر)

(۳) یعنی جنم سے دور رہے گا اور جنت میں داخل ہو گا۔

(۴) یعنی جو اپنا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا نفس بھی اور اس کا مال بھی پاک ہو جائے۔

(۵) یعنی بدلہ اتارنے کے لیے خرچ نہ کرتا ہو۔

(۶) بلکہ اخلاص سے اللہ کی رضا اور جنت میں اس کے دیدار کے لیے خرچ کرتا ہے۔

^(۱) یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب رضامند ہو جائے گا۔

وَلَوْفَ يَرْضِي

سورہ ضحیٰ مکی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

شُورَةُ الصَّحْفَى

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالصَّحْيٌ

وَالْيَلِ إِذَا سَجَنَ

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى

تم ہے چاشت کے وقت کی۔^(۲)
 اور تم ہے رات کی جب چھا جائے۔^(۳)

نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہو گیا
 ہے۔^(۴)

وَلِلْأَخْرَىٰ خَمْسَةُ أَكْثَرِ مِنْ الْأَعْمَالِ

وَلَمْ يَرَهُ فِي مَعْطَسِكَ رَثَقَ فَتَهَضَّعَ،

(۱) یا وہ راضی ہو جائے گا، یعنی جو شخص ان صفات کا حامل ہو گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتیں اور عزت و شرف عطا فرمائے گا، جس سے وہ راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے بلکہ بعض نے اجماع تک نقل کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رض کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ تاہم معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہیں، جو بھی ان صفات عالیہ سے متصف ہو گا، وہ بارگاہ اللہ علیٰ میر، ان کا مصداق قرار جائے گا۔

☆۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے دو تین راتیں آپ نے قیام نہیں فرمایا، ایک عورت آپ ملٹھی کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تیرے قریب نہیں آیا۔ جس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ الضحیٰ) یہ عورت ابوالعب کی بیوی ام جیل تھی۔ (فتح الباری)

(۲) چاشت (ضخی) اس وقت کو کہتے ہیں، جب سورج بلند ہوتا ہے۔ یہاں مراد پورا دن ہے۔

(۳) سمجھی کے معنی ہیں سکن، جب ساکن ہو جائے، یعنی جب اندر مکمل چھا جائے، کیونکہ اس وقت ہر چیز ساکن ہو جاتی ہے۔

(۳) جیسا کہ کافر سمجھ رہے ہیں۔

(۵) یا آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ دونوں مفہوم معانی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

(۶) اس سے دنیا کی فتوحات اور آخرت کا جرو ثواب مراد ہے۔ اس میں وہ حق شفاعت بھی داخل ہے جو آپ ﷺ کو

کیا اس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟^(۱) (۶)
 اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں^(۲) دی۔^(۷)
 اور تجھے نادار پا کر تو نگر نہیں بنادیا؟^(۳) (۸)
 پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر۔^(۴) (۹)
 اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ۔^(۵) (۱۰)
 اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔^(۶) (۱۱)

أَنْتَ يَحْذِفُكَ يَتِيمًا فَإِذَا دِيَ ①
 وَوَجَدَكَ مَذَلًا فَهَدَى ②
 وَوَجَدَكَ عَابِلًا فَأَغْفَنَى ③
 فَأَنَا الْيَتِيمُ فَلَا لَعْنَزْ ④
 وَأَنَا السَّابِلُ فَلَا تَنْهَرْ ⑤
 وَأَنَا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَعَدِّثْ ⑥

سورہ الْم نشرح مکی ہے اور اس میں آئندہ آیتیں ہیں۔

شُورَةُ الشَّرْح

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
 نہایت رحم والا ہے۔
 کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔^(۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

الْمَنْشَرُخُ لَكَ صَدَرَكَ ⑦

اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے ملے گا۔

(۱) یعنی باپ کے سارے سے بھی تو محروم تھا، ہم نے تیری دست گیری اور چارہ سازی کی۔

(۲) یعنی تجھے دین شریعت اور ایمان کا پتہ نہیں تھا، ہم نے تجھے راہ یا ب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب نازل کی، ورنہ اس سے قبل تو ہدایت کے لیے سرگردان تھا۔

(۳) تو نگر کا مطلب ہے، اپنے سوا تجھ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا، پس تو فقر میں صابر اور غنائم شاکر رہا۔ جیسے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان ہے کہ ”تو نگری“ ساز و سالمان کی کثرت کا نام نہیں ہے، اصل تو نگری دل کی تو نگری ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب لیس الغنی عن کشرۃ العرض)

(۴) بلکہ اس کے ساتھ نرمی و احسان کا معاملہ کر۔

(۵) یعنی اس سے سختی اور تکبر نہ کر، نہ درشت اور تلخ الجہ اختیار کر۔ بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دو۔

(۶) یعنی اللہ نے تجھ پر جو احسانات کیے ہیں، مثلاً ہدایت اور رسالت و نبوت سے نوازا، یتیمی کے باوجود تیری کفالت و سرپرستی کا انتظام کیا، تجھے قناعت و تو نگری عطا کی وغیرہ۔ انہیں جذبات تشكرو ممنونیت کے ساتھ بیان کرتا رہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ کو پسند ہے لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے زیر بار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت و طاقت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کر دے۔

(۷) گزشتہ سورت میں تین انعامات کا ذکر تھا، اس سورت میں مزید تین احسانات جملائے جا رہے ہیں۔ سینہ کھول دینا،

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝	اوڑ تجھ پر سے تیرا بوجھ ہم نے اتار دیا۔ ^(۱)
الَّذِي أَنْفَقَ طَهْرَكَ ۝	جس نے تیری پیٹھے توڑ دی تھی۔ ^(۲)
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝	اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔ ^(۳)
فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝	پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ ^(۴)
إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝	بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ ^(۵)

ان میں پہلا ہے۔ اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا، تاکہ حق واضح بھی ہو جائے اور دل میں سما بھی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے ﴿فَمَنْ يُرِدُ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَ إِلَيْهِ سَرِحَ صَدَرَكَ لِلْإِسْلَامِ﴾ (سورۃ الانعام' ۱۲۵) "جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز نے کا ارادہ کرے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔" یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔ اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آجاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں، جب کہ آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کا دل چیرا اور اس سے وہ حصہ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے دھو کر بند کر دیا، (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء)، دوسری مرتبہ معراج کے موقعے پر۔ اس موقعے پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ (صحیحین، أبواب المعرفة وكتاب الصلة)

(۱) یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دور زندگی سے متعلق ہے۔ اس دور میں اگرچہ اللہ نے آپ ﷺ کو گناہوں سے محفوظ رکھا، کسی بت کے سامنے آپ ﷺ سجدہ ریز نہیں ہوئے، کبھی شراب نوشی نہیں کی اور بھی دیگر برا یوں سے دامن کش رہے، تاہم معروف معنوں میں اللہ کی عبادت و اطاعت کا نہ آپ ﷺ کو علم تھا نہ آپ ﷺ نے کی۔ اس لیے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت و عدم اطاعت کا بوجھ تھا، جو حقیقت میں تو نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ کے احساس و شعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا۔ اللہ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرمایا کہ آپ ﷺ پر احسان فرمایا۔ یہ گویا وہی مفہوم ہے جو ﴿لَيَغْفِرُ لَكَ اللَّهُ مَا تَعْدُ مِنْ ذَنَبٍ وَّ مَا تَأْتِي بِهِ﴾ (سورۃ الفتح) کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ نبوت کا بوجھ تھا، جسے اللہ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ و دعوت میں آسانیاں پیدا فرمادیں۔

(۲) یعنی جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں آپ ﷺ کا نام بھی آتا ہے۔ مثلاً اذان، نماز اور دیگر بت سے مقامات پر، گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر خیر ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا، وغیرہ۔

(۳) یہ آپ ﷺ کے لیے اور صحابہؓ کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تمہیں فراغت و آسانی سے نوازے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جسے

پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر۔^(١)
اور اپنے پرو رگارہی کی طرف دل لگا۔^(٢)

سورہ تمیں کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شرع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔^(١)

اور طور سینین کی۔^(٢)

اور اس امن والے شرکی۔^(٣)

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔^(٤)

فَإِذَا فَرَغْتَ فَأَنْصَبْ ۝

وَإِلَى رَتِيكَ فَارْعَبْ ۝

سُورَةُ التَّيْنِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْقَيْمَنِ وَالْأَرْبَيْنِ ۝

وَطُورِسِينِ ۝

وَهَذَا الْبَلْدَ الْأَمِينِ ۝

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

ساری دنیا جانتی ہے۔

(١) یعنی نماز سے، یا تبلیغ سے یا جہاد سے، تو دعا میں محنت کر، یا اتنی عبادت کر کہ تو تحک جائے۔

(٢) یعنی اسی سے جنت کی امید رکھ، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ رکھ۔

(٣) یہ وہی کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔

(٤) اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جس میں قبائل کی اجازت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے، اسے بھی امن حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تمیں مقامات کی قسم ہے، جن میں سے ہر ایک جگہ میں جلیل القدر، صاحب شریعت پیغمبر میوصوف ہوا۔ انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار ہے اور وہ ہے بیت المقدس، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ طور سینا یا سینین پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور شرکمہ میں سید ارسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (ابن کثیر)

(٥) یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنا یا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے۔ پھر اس کے اعضا کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، ان میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل و تدبیر، فہم و حکمت اور سمع و بصر کی قوتیں دویعت کیں، جو دراصل یہ انسان اللہ کی قدرت کا مظہر اور اس کا پرتو ہے۔ بعض علمانے اس حدیث کو بھی اسی معنی و مفہوم پر محول کیا ہے، جس میں ہے کہ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ (مسلم، کتاب البر والصلة والآداب) "اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا" انسان کی پیدائش میں ان تمام چیزوں کا اہتمام ہی احسن تقویم ہے، جس کا ذکر اللہ نے تمیں قسموں کے بعد فرمایا۔ (فتح القدیر)

پھر اسے بچوں سے بچا کر دیا۔^(۱) (۵)
 لیکن جو لوگ ایمان لائے اور (پھر) نیک عمل کیے تو ان
 کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔^(۲) (۶)
 پس تجھے اب روز جزا کے جھلانے پر کون سی چیز آمادہ
 کرتی ہے۔^(۳) (۷)
 کیا اللہ تعالیٰ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے۔^(۴) (۸)

سورہ علق کی ہے اور اس میں انس آیتیں ہیں۔
 شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
 نہایت رحم والا ہے۔
 پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔^(۵) (۹)

ثُمَّرَدَدْنَاهُ أَسْقَلَ سَفِلِينَ ۝
 إِلَّا الَّذِينَ أَمْوَأْوْأَعْلَوْالصَّلَبَيْتَ فَلَمْ يَجْعَلْهُمْ مُمْتَنِينَ ۝

فَمَا يَكْدِبُكَ بَعْدُ بِالظَّرِينَ ۝
 أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمُ الْعِكْرِمَنَ ۝

سُورَةُ الْجَلَقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِقْرَأْ إِبْرَاهِيمَ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝

(۱) یہ اشارہ ہے انسان کے ارزل عمر (بہت زیادہ عمر) کی طرف۔ جس میں جوانی اور قوت کے بعد بڑھا پا اور ضعف آ جاتا ہے اور انسان کی عقل اور ذہن بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ بعض نے اس سے کروار کا وہ سفلہ پن لیا ہے جس میں بتلا ہو کر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور بعض نے اس سے ذلت و رسالت کا وہ عذاب مراد لیا ہے جو جنم میں کافروں کے لیے ہے۔ گویا انسان اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے کو احسن تقویم کے بلند رتبہ و اعزاز سے گرا کر جنم کے اسفل سافلین میں ڈال لیتا ہے۔

(۲) آیت ما قبل کے پہلے مفہوم کے اعتبار سے یہ جملہ مبنیہ ہے، 'مومنوں کی کیفیت بیان کر رہا ہے اور دوسرا تیرے مفہوم کے اعتبار سے، ما قبل کی تائید ہے کہ اس انجام سے اس نے مومنوں کا احتشان کر دیا۔ (فتح القدير)

(۳) یہ انسان سے خطاب ہے، 'ز جرو تونخ کے لیے۔ کہ اللہ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے بر عکس قدر ملت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کے بعد بھی تو قیامت اور جزا کا انکار کرتا ہے؟

(۴) جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت بربا کرے اور ان کی دادرسی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا منقول ہے۔ بلی، وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (الترمذی)

(۵) یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت آئی جب آپ ﷺ غار حراء میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آکر کہا، 'پڑھ، آپ ﷺ نے فرمایا، میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں،' فرشتے نے آپ ﷺ کو پکڑ کر زور سے

جس نے انسان کو خون کے لوٹھرے سے پیدا کیا۔^(۱) (۲)

تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔^(۳) (۴)

جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔^(۵) (۶)

جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔^(۷) (۸)

جس نے انسان تو آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔^(۹) (۱۰)

اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تو نگر) سمجھتا ہے۔^(۱۱) (۱۲)

یقیناً لوٹا تیرے رب کی طرف ہے۔^(۱۳) (۱۴)

(بھلا) اسے بھی تو نے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے۔^(۱۵) (۱۶)

جبکہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے۔^(۱۷) (۱۸)

بھلا بتا تو اگر وہ ہدایت پر ہو۔^(۱۸) (۱۹)

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلْقٍ ⑥

إِفْرَأُوا وَرَبِّكَ الْأَكْرَمُ ⑦

الَّذِي عَلَمَ بِالْفَلَامِ ⑧

عَلَمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑨

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَظْفَنِي ⑩

أَنْ زَاهَاءُ أَسْعَنِي ⑪

إِنَّ إِلَيْكَ الرُّجُوعُ ⑫

أَرْبَيْتَ الَّذِي يَهْدِي ⑬

عَبْدًا إِذَا صَلَّى ⑭

أَرْبَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَى ⑮

بھینچا، اور کما پڑھ، آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ ﷺ کو بھینچا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، بدء الوجی، مسلم، الایمان، باب بدء الوجی) اُفراؤ جو تیری طرف وہی کی جاتی ہے وہ پڑھ۔ خلق، جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

(۱) مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔

(۲) یہ بطور تکید فرمایا اور اس میں بڑے بلغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ فرمادیا، جو آپ ﷺ نے میش کیا کہ میں تو قاری ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا، اللہ بست کرم والا ہے پڑھ، یعنی انسانوں کی کوتا ہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔

(۳) قَلْمَ کے معنی ہیں قطع کرنا، تراشنا، قلم بھی پسلے زمانے میں تراش کرہی بنائے جاتے تھے، اس لیے آزاد کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کاظمار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے۔ ذہن و حافظہ میں جو ہوتا ہے، وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کاظمار کرتا ہے، وہ بھی محفوظ نہیں رہتا۔

البته قلم سے لکھا ہوا، اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو یہ شہ محفوظ رہتا ہے، اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پسلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔

(۴) مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابو جمل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ عبداً سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۵) یعنی جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، وہ ہدایت پر ہو۔

یا پر تہیز گاری کا حکم دیتا ہو۔^(۱۲)

بھلا دیکھو تو اگر یہ جھلنا تاہو اور منہ پھیرنا ہو تو۔^(۱۳)

کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا
ہے۔^(۱۴)^(۱۵)

یقیناً اگر یہ بازنہ رہا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر
گھسیں گے۔^(۱۶)^(۱۷)

ایسی پیشانی جو جھوٹی خطا کار ہے۔^(۱۸)

یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔^(۱۹)

ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے۔^(۲۰)

أَوْ أَمْرًا بِالْتَّقْوَىٰ^(۲۱)

أَرْهَبَتْ إِنْ كَذَبَ وَتَوَلَّ^(۲۲)

الْمُعْلَمُ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى^(۲۳)

كَلَّا لَيْنَ لَمْ يَنْتَهِ لَنْفَاعُ الظَّالِمَةِ^(۲۴)

نَاصِيَةٌ كَذِبَةٌ خَاطِئَةٌ^(۲۵)

فَلَيَدْعُ عَنْ دِيَرَه^(۲۶)

سَندَدُ الرَّبَّانِيَّةَ^(۲۷)

(۱) یعنی اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم، جس سے جنم کی آگ سے انسان بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اور اس پر اس کو دھکیلیاں دیں جائیں؟

(۲) یعنی یہ ابو جمل اللہ کے پیغمبر کو جھلنا تاہو اور ایمان سے اعراض کرتا ہو اُر آئیت بمعنی "خبرنی (مجھے بتلاو)" ہے۔

(۳) مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جونہ کو رہ حرکتیں کر رہا ہے کیا نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ اس کی وجہ دے گا۔ یعنی یہ "آلمَ تَعْلَمَ نَمَكُورَه شَرطُونَ هُلْكَانَ عَلَى الْهُدَىٰ * أَوْ أَمْرًا بِالْتَّقْوَىٰ هُلْكَانَ كَذَبَ وَتَوَلَّ هُلْكَانَ كَذِبَةٌ خَاطِئَةٌ" کی جزا ہے۔

(۴) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے بازنہ آیا لَنَسْفَعَنَّ کے معنی ہیں لَنَاخْذَنَّ تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیں گے۔ حدیث میں آتا ہے ابو جمل نے کہا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کعبے کے پاس نماز پڑھنے سے بازنہ آیا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ (یعنی اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ العلق)

(۵) پیشانی کی یہ صفات بطور مجاز ہیں، جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

(۶) حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جمل گزر اتوکماے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ اور آپ ﷺ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں، آپ ﷺ نے کڑا جواب دیا تو کہنے لگاے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے؟ اللہ کی قسم، اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلا تا تو اسی وقت ملائکہ عذاب اسے پکڑ لیتے۔ (ترمذی، تفسیر سورہ اقراء مسند احمد ۳۲۹، تفسیر ابن جریر) اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا رادہ کیا کہ ایک دم

خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب
ہو جا۔ (۱۹)

كَلَمَ الْأَنْطُعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْرَبْ ۝

سورہ قدر کی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا۔ (۱)
تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ (۲)

شُوَّهُ الْفَيْلَدَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝
وَمَا أَدْرِكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝

اٹھے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا، اس سے کہا گیا، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ ”میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوئی بوئی نوج لیتے۔ اکتاب صفة القيامة، باب إن الإنسان ليطفىء الزانية، داروغة اور پولیس۔ یعنی طاقتوں لشکر، جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

☆ اس سورت کے کمی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ تسلیمہ میں بھی اختلاف ہے۔ قدر کے معنی قدر و منزلت بھی ہیں، اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں، اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں، اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی لیے اسے لَيْلَةُ الْحُكْمِ بھی کہتے ہیں، اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔ اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ شب قدر یعنی تنگی کی رات، یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے، اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ اس کی تعین میں بھی شدید اختلاف ہے۔ (فتح القدیر) تاہم احادیث و آثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اس کو مسم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں، اللہ کی خوب عبادت کریں۔

(۱) یعنی اتارنے کا آغاز کیا، یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں، جو آسمان دنیا پر ہے، ایک ہی مرتبہ اتار دیا، اور وہاں سے حسب وقار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا تا آنکہ ۲۳ سال میں پورا ہو گیا۔ اور لیلۃ القدر رمضان میں ہی ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ه﴾ (البقرة: ۱۸۵) سے واضح ہے۔

(۲) اس استفہام سے اس رات کی عظمت و اہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

شُبْ قَدْرًا يَكْ هَزَار مُبِينُوں سے بُتر ہے۔^(١)
 اس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم
 سے فرشتے اور روح (جبراًیل) اترتے ہیں۔^(٢)
 یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے^(٣) اور فجر کے طلوع
 ہونے تک (رہتی ہے)۔^(٤)

سورہ بینہ مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
 نہایت رحم والا ہے۔
 اہل کتاب کے کافر^(٥) اور مشرک لوگ^(٦) جب تک کہ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ مِنْ أَفْئَهِ شَهْرٍ ⑤

تَرَوَّلَ السَّلَكُ وَالرُّؤْمُ فِيهَا يَأْذِنُ رَبِّهِ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ⑥

سَلَوْنَى حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑦

سُورَةُ الْبَيْتَنَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَخَيْكُنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْكَرُونَ

(۱) یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مبینوں کی عبادت سے بُتر ہے اور ہزار میں سال ۸۳ میں بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ کا کتنا حسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سولت عطا فرمادی۔

(۲) مراد حضرت جبراًیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبراًیل علیہ السلام سمیت، اس رات میں زمین پر اترتے ہیں، ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۳) یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں، یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ شُبْ قَدْر کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص یہ دعا بتائی ہے «اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاغْفِرْ عَنِّي» (ترمذی أبواب الدعوات، ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو والغافية)

☆ اس کا دوسرا نام سورہ لَمْ یَكُنْ بھی ہے۔ حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سورہ لَخَيْكُنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ہے تجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت ابی ہبیش نے پوچھا، کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا، "ہاں" جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی ہبیش کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ (صحیح البخاری، تفسیر سورہ لَمْ یَكُنْ)

(۴) اس سے مراد یہود و نصاری ہیں۔

(۵) مشرک سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پچاری تھے۔ مُنْكَرُونَ باز آنے والے، پَيْتَهُ (دلیل) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہود و نصاری اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن لے کر آجائیں اور وہ ان کی ضلالت و جمالت بیان کریں اور انہیں ایمان کی دعوت دیں۔

حَتَّىٰ تَأْتِيهِمُ الْبَيْنَةُ ①

رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَنذِلُوا مُحْكَمًا لَّطِفَرَةً ②

فِيهَا كُتُبٌ قِيمَةٌ ③

وَمَا قَرَرْتَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَامٌ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ

البَيْنَةُ ④

وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ هُنْ عُلَمَاءٌ لَّهُ الدِّينُ لَا حُفَّاظٌ

وَيُقْرِئُونَ الْقَصْلَةَ وَلَيُؤْتُوا الزِّكْرَةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيمَةِ ⑤

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالشَّرِيكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

(١) يعني حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم.

(٢) يعني قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔

(٣) یہاں کُتُبٌ سے مراد احکام دینیہ اور قِيمَةٌ 'معتدل اور سیدھے'۔

(٤) یعنی اہل کتاب، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل مجمع تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت ہو گئی، اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے، ان میں سے کچھ مومن ہو گئے، لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کو دلیل سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ آپ ﷺ کی صداقت واضح تھی جس میں مجال انکار نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں نے آپ ﷺ کی مخدیب محض حد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ، یہاں تفرق کا ارتکاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام لیا ہے، حالانکہ دوسروں نے بھی اس کا ارتکاب کیا تھا، کیوں کہ یہ بہر حال علم والے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔

(٥) یعنی ان کی کتابوں میں انسیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ.....

(٦) حَيْنِفٌ کے معنی ہیں، مائل ہونا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ حُنَفَاءُ، جمع ہے۔ یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

(٧) الْقِيمَةُ مخذوف موصوف کی صفت ہے۔ دِينُ النِّمَلَةِ الْقِيمَةُ اُنی: الْمُسْتَقِيمَةُ یا الْأَمَةُ الْمُسْتَقِيمَةُ الْمُعْتَدِلَةُ یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے۔ اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

(وہ دلیل یہ تھی کہ) (۱)

اللَّهُ تَعَالَى كَأَيْكَ رَسُولٍ (۱) جُوْپاک صحیفے پڑھے۔ (۲)

جن میں صحیح اور درست احکام ہوں۔ (۳)

اہل کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل آجائے کے بعد ہی اختلاف میں پڑ کر متفرق ہو گئے۔ (۳)

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا (۴) کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم ضیف (۴) کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔ (۵)

بیشک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین

خَلِدُونَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمُ شَرُّ الْبَرِّيَّةِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ امْتُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَاتِ لَأُولَئِكَ هُوَ خَيْرُ الْبَرِّيَّةِ ۝

جَزَاءُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَاحُ عَدِينَ تَبَرُّ مِنْ تَعْتِيمَهَا إِنَّهُمْ خَلِدُونَ
فِيهَا أَبَدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝

سب دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جماں وہ ہمیشہ
(ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلاقت ہیں۔^(١)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ
بہترین خلاقت ہیں۔^(٢)

ان کا بدله اُنکے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جنکے نیچے
نہریں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ
ان سے راضی ہوا^(٣) اور یہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ
ہے اس کے لیے جو اپنے پور دگار سے ڈرے۔^(٤)

سورہ زلزال مدنی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نمایت رحم والا ہے۔

سُوْدَةُ الزَّلَالِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

(١) یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا نجام ہے۔ نیزاً نہیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔

(٢) یعنی جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنوں نے اعضا کے ساتھ عمل کیے، وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔ جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف و فضل میں بہترین ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ البرِّیَّةُ بَرَّاً (خلق) سے ہے۔ اسی سے اللہ کی صفت الباریٰ ہے۔ اس لیے بریٰۃُ اصل میں برینۃُ ہے، ہمہ کویا سے بدل کریا کایا میں ادغام کر دیا گیا۔

(٣) ان کے ایمان و طاعت اور اعمال صالحہ کے سبب۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَرَضْوَانُهُ نَبِيَّنَ اللَّهُ أَكْبَرُ﴾ (التوبہ: ٢٧)

(٤) اس لیے کہ اللہ نے انہیں ایسی نعمتوں سے نواز دیا، جن میں ان کی روح اور بدن و دنوں کی سعادتیں ہیں۔

(٥) یعنی یہ جزا اور رضامندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت بے تقاضائے بشریت نافرمانی ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لی، حتیٰ کہ ان کی موت اسی اطاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا، معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے، حقیقت میں اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔

☆۔ اس کے مدنی اور کمی ہونے میں اختلاف ہے، اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

جَبْ زَمِينَ پُوری طرح جھنوجھوڑوی جائے گی۔^(۱)
 اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکئے گی۔^(۲)
 انسان کنے لگے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟^(۳)
 اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔^(۴)
 اس لیے کہ تمیرے رب نے اسے حکم دیا ہو گا۔^(۵)
 اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (والپس) لوٹیں^(۶)
 گے تاکہ انہیں ان کے اعمال و کھادیے جائیں۔^(۷)
 پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھے

إِذَا زُلْزَلَتُ الْأَرْضُ زُلْزَلَهَا ①
 وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَخْرَاجَهَا ②
 وَقَالَ إِلَيْهَا مَا لَهَا ③
 يَوْمَئِذٍ تُحَدَّثُ أَخْبَارُهَا ④
 يَأْنَ رَبَّكَ أَوْنَحَ لَهَا ⑤
 يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَأْنَاهُ لَيْرُوا أَعْمَالَهُمْ ⑥
 فَمَنْ يَعْمَلُ مُثْقَلٌ ذَرَّةٌ خَيْرًا يَرَهُ ⑦

(۱) اس کا مطلب ہے سخت بھونچال سے ساری زمین لرزائی گی اور ہر چیز نوٹ پھوٹ جائے گی، یہ اس وقت ہو گا، جب پلانفخہ پھونکا جائے گا۔

(۲) یعنی زمین میں جتنے انسان و فن ہیں، وہ زمین کا بوجھ ہیں، جنہیں زمین قیامت والے دن باہر نکال پھینکئے گی۔ یعنی اللہ کے حکم سے سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ یہ دسرے نفع میں ہو گا، اسی طرح زمین کے خزانے بھی باہر نکل آئیں گے۔

(۳) یعنی دہشت زدہ ہو کر کے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، یہ کیوں اس طرح جل رہی ہے اور اپنے خزانے اگل رہی ہے۔

(۴) یہ جواب شرط ہے۔ حدیث میں ہے، ”بَنِي مَلَكٍ“ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا، جانتے ہو، زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ رض نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم نے فرمایا، اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے یا بندی نے زمین کی پشت پر جو کچھ کیا ہو گا، اس کی گواہی دے گی۔ کہیں گی فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں عمل، فلاں فلاں دن میں کیا تھا۔“ (ترمذی، ابواب صفة القيامة و تفسير سورۃ اذالزلزلت۔ مسنداً حمداً ۲/۲۴۳)

(۵) یعنی زمین کو یہ قوت گویا تھی اللہ عطا فرمائے گا، اس لیے اس میں تعجب والی بات نہیں ہے، جس طرح انسانی اعضا میں اللہ تعالیٰ یہ قوت پیدا فرمادے گا، زمین کو بھی اللہ تعالیٰ تکلم بنادے گا اور وہ اللہ کے حکم سے بولے گی۔

(۶) یَصْدُرُ، یَرْجِعُ (لوٹیں گے) یہ درود کی ضد ہے۔ یعنی قبروں سے نکل کر موقف حساب کی طرف، یا حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ اشتاناً، متفرق، یعنی ٹولیاں ٹولیاں۔ بعض بے خوف ہوں گے، بعض خوف زدہ، بعض کے رنگ سفید ہوں گے جیسے جنتیوں کے ہوں گے اور بعض کے رنگ سیاہ، جوان کے جنمی ہونے کی علامت ہو گی۔ بعض کا رخ دائیں جانب ہو گا تو بعض کا بائیں جانب۔ یا یہ مختلف گروہ ادیان و مذاہب اور اعمال و افعال کی بنیاد پر ہوں گے۔

(۷) یہ متعلق ہے یَصْدُرُ کے یا اس کا تعلق اُوحیٰ لہا سے ہے۔ یعنی زمین اپنی خبریں اس لیے بیان کرے گی تاکہ انسانوں کو ان کے اعمال و کھادیے جائیں۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مُتَّقًا ذَرَةٌ شَرِّاً بَرَّاً ۝

سُورَةُ الْعَدِيلَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعَدِيلَاتِ ضَيْعَا ۝

فَالْعُورَيْتِ قَدْحَا ۝

فَالْمُغْيَرَتِ مُصْبِعَا ۝

لے گا۔^(١)

اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ
لے گا۔^(٢)

سورہ عادیات کی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم!^(٣)

پھر تاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی قسم!^(٤)

پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی
قسم^(٥)

(١) پس وہ اس سے خوش ہو گا۔

(٢) وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہو گا۔ ذرۃ بعض کے نزدیک چیزوں سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں، انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے، اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے، وہ ذرہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد و غبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں، وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے معنی کو اولی کہا ہے۔ امام مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک شخص، سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تامل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ (فتح القدير)

(٣) عادیات، عادیۃ کی جمع ہے۔ یہ عدُوں سے ہے جیسے غزوہ ہے۔ غازیات کی طرح اس کے واڈ کو بھی یا سے بدل دیا گیا ہے۔ تیز رو گھوڑے۔ ضَبْخُ کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنسنا ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنسنے تھے جو اس کی طرف دوڑتے ہیں۔

(٤) مُؤْرِيَاتُ، إِنْزَاءُ سے ہے۔ آگ نکالنے والے۔ قذح کے معنی ہیں۔ صَكُّ چلنے میں گھننوں یا ایڑیوں کا نکرانا، یا تاپ مارنا۔ اسی سے قذح بالزناد ہے۔ چھماق سے آگ نکالنا۔ یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی تاپوں کی رگڑ سے پھروں سے آگ نکلتی ہے، جیسے چھماق سے نکلتی ہے۔

(٥) مُغْيَرَاتُ، أَغَارَ يُغَيِّرُ سے ہے، شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ صُبْخَا صبح کے وقت، عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا، شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی

پس اس وقت گردو غبار اڑاتے ہیں۔^(١) ^(٢)
 پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے
 ہیں۔^(٣) ^(٤) ^(٥)

یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔^(٦) ^(٧)
 اور یقیناً وہ خود بھی اس پر گواہ ہے۔^(٨)
 یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے۔^(٩) ^(١٠)

کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں میں جو (کچھ)
 ہے نکال لیا جائے گا۔^(١١)

اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔^(١٢)
 پیشک ان کا رب اس دن ان کے حال سے پورا باخبر
 ہو گا۔^(١٣) ^(١٤)

فَأَثْرَنَ بِهِ نَفْعًا ③
 فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ④

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ⑤
 وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌ ⑥
 وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْعِيْرِ لَشَهِيدٌ ⑦
 أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثَرَ مَافِ الْقُبُورِ ⑧

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ⑨
 إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِنْ خَبِيرٌ ⑩

طرف اس لیے کی ہے کہ دھاوا بولنے میں فوجیوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔
 (۱) اٹار، اڑانا، نفع، گردو غبار۔ یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا دھاوا بولنے ہیں تو اس جگہ پر گردو غبار
 چھا جاتا ہے۔

(۲) فَوَسَطْنَ، درمیان میں گھس جاتے ہیں۔ اس وقت یا حالت گردو غبار میں۔ جَمْعَا وَشَمْنَ کے لشکر۔ مطلب ہے کہ
 اس وقت یا جب کہ فضا گردو غبار سے اُنی ہوئی ہے، یہ گھوڑے و شمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور گھسان کی
 جنگ کرتے ہیں۔

(۳) یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ کَنُودٌ بمعنی کَفُورٌ، ناشکرا۔
 (۴) یعنی انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض لَشَهِيدٌ کافاعل اللہ کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی نے
 پہلے مفہوم کو راجح قرار دیا ہے، کیوں کہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے۔ اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا
 زیادہ صحیح ہے۔

(۵) خَبِيرٌ سے مراد مال ہے، جیسے ﴿إِنَّ تَرْكَلَ خَبِيرٌ لِّوَصِيفَةٍ﴾ (البقرة: ۱۸۰) میں ہے معنی واضح ہیں۔ ایک دوسرے مفہوم یہ
 ہے کہ نہایت حریص اور بخیل ہے جو مال کی شدید محبت کا لازمی تیجہ ہے۔

(۶) بُغْثَرَ، نُبِرَ وَبَعِيثَ یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کر دیا جائے گا۔

(۷) حُصِّلَ، مُبِيزَ وَبَيْنَ یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔

(۸) یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے متعلق ہر شخص

شُوَرَةُ الْقَارِعَةِ

سورة قارعہ مکی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا صربان
نہایت رحم والا ہے۔

کھڑکھڑا دینے والی۔^(۱)

کیا^(۱) ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی۔^(۲)

تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے۔^(۳)
جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں
گے۔^(۴) ^(۵)

اور پھاڑ دھنے ہوئے رنگیں اون کی طرح ہو جائیں
گے۔^(۶) ^(۷)

پھر جس کے پڑھے بھاری ہوں گے۔^(۸)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْفَارِعَةُ ۱

مَا الْفَارِعَةُ ۲

وَمَا أَدْرِكَكَ مَا الْفَارِعَةُ ۳

يَوْمَ يَلْقَوْنَ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْوُثِ ۴

وَتَلَوْنُ إِعْجَالُ كَالْعَهْنِ الْمَنْفُوشِ ۵

فَأَتَامَنْ شَقَّلَتْ مَوَازِينَهُ ۶

جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے؟ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے مطابق
اچھی یا بُری جزادے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں، لیکن اس کا شکر ادا کرنے
کے بجائے، اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کرمال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے
اس میں دوسرا لوگوں کے رکھے ہیں۔

(۱) یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام گزر چکے ہیں، مثلاً، الْحَافَةُ
الْطَّائِمَةُ، الصَّاحَةُ، الْغَاشِيَةُ، السَّاعَةُ، الْوَاقِعَةُ وغیرہ۔ الْفَارِعَةُ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں
سے دلوں کو بیدار اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کر دے گی، جیسے دروازہ ٹھنکھٹانے والا کرتا ہے۔

(۲) فِرَاشُ، پھر اور شمع کے گرد منڈلانے والے پرندے وغیرہ۔ مبئوث، منتشر اور بکھرے ہوئے۔ یعنی قیامت والے
دن انسان بھی پروانوں کی طرح پر آنکہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

(۳) عِنْهُنْ اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، مُنْفُوشٌ دھنی ہوئی۔ یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت ہیان
کی گئی ہے جو قیامت والے دن انکی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں ہیان کی گئی ہے، جسکی تفصیل
پسلے گزر چکی ہے۔ اب آگے ان دو فریقوں کا جمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت والے دن اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔

(۴) مَوَازِينُ، مِيزَانُ کی جمع ہے۔ ترازو، جس میں صحائف اعمال تو لے جائیں گے۔ جیسا کہ اس کا ذکر سورہ اعراف۔ آیت ۸

وہ تولد پسند آرام کی زندگی میں ہو گا۔^(۱)
 اور جس کے پلڑے ملکے ہوں گے۔^(۲)
 اس کا شکانا ہاویہ ہے۔^(۳)
 تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے۔^(۴)
 وہ تند و تیز آگ ہے۔^(۵)

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝
 وَأَنَامَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝
 فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝
 وَمَا آدُرْكَ مَاهِيَةٌ ۝
 نَارُ حَامِيَةٌ ۝

سورہ تکاثر کی ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مرباں
 نہایت رحم والا ہے۔

شُورَةُ التَّكَاثُرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ کف (۱۰۵) اور سورہ انبياء (۲۷) میں بھی گزرائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں، موزون کی جمع ہے یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہو گا۔ (فتح القدير) لیکن پہلا مفہوم ہی راجح اور صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزن اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔
 (۱) یعنی ایسی زندگی، جس کو وہ صاحب زندگی پسند کرے گا۔

(۲) یعنی جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی، اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہو گا۔

(۳) ہاویۃ جنم کا نام ہے، اس کو ہاویہ اس لیے کہتے ہیں کہ جنمی اس کی گمراہی میں گرے گا۔ اور اس کو اُم (ماں) سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں، جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح جنمیوں کا شکانا جنم ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ ام کے معنی دماغ کے ہیں۔ جنمی، جنم میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ (ابن کثیر)

(۴) یہ استفہام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے وہم و تصور سے بالا ہے، انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کہ نہیں جان سکتے۔

(۵) جس طرح حدیث میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے، یہ جنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، جنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۲۹ درجہ زیادہ ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها محلقة۔ مسلم، کتاب الجنۃ، باب فی شدة حرنا رجهنم)، ایک اور حدیث میں ہے کہ ”آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دوسانس لینے کی اجازت فرمادی۔ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں پس جو سخت سردی ہوتی ہے یہ اس کا شہنشاہ سانس ہے، اور نہایت سخت گرمی جو پڑتی ہے، وہ جنم کا گرم سانس ہے۔“ (بخاری، کتاب وباب مذکور) ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔ (حوالہ

زيادتی کی چاہت نے تمیں غافل کر دیا۔^(١)
یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے۔^(٢)
ہرگز نہیں^(٣) تم عنقریب معلوم کر لو گے۔^(٤)
ہرگز نہیں پھر تمیں جلد علم ہو جائے گا۔^(٥)
ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو۔^(٦)
تو بیشک تم جنم دیکھ لو گے۔^(٧)
اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔^(٨)
پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال
ہو گا۔^(٩)

الْهُكْمُ لِلَّهِ أَكْثَرُ ۝
حَتَّىٰ رَبُّكُمُ الْمَقَابِرُ ۝
كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝
لَا كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝
كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝
لَرَوْنَ الْجَحِيدُ ۝
لَا لَرَوْنَ هَا عِينَ الْيَقِينِ ۝
لَا لَرَوْنَ يَوْمَ يُبَيِّنُ عَنِ التَّعْدِيدِ ۝

مذکور، مسلم، کتاب المساجد

(۱) اللہی یلہی کے معنی ہیں، غافل کر دنا۔ تکاثر، زیادتی کی خواہش۔ یہ عام ہے، مال، اولاد، اعوان و انصار اور خاندان و قبیلہ وغیرہ، سب کو شامل ہے۔ ہر وہ چیز، جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش و خواہش اسے اللہ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے، جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں بیٹھا رہی ہے۔

(۲) اس کا مطلب ہے کہ حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے، تمیں موت آگئی، اور تم قبروں میں جا پہنچے۔

(۳) یعنی تم جس تکاثر و تفاخر میں ہو، یہ صحیح نہیں۔

(۴) اس کا انعام عنقریب تم جان لو گے، یہ بطور تاکید و مرتبہ فرمایا۔

(۵) اس کا جواب مذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انعام اس طرح یقینی طور پر جان لو، جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر و تفاخر میں بیٹلانہ ہو۔

(۶) یہ قسم مذوف کا جواب ہے یعنی اللہ کی قسم تم جنم ضرور دیکھو گے یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔

(۷) پسلا دیکھنا دور سے ہو گا، یہ دیکھنا قریب سے ہو گا، اسی لیے اسے عَيْنُ الْيَقِينِ (جس کا یقین مشاہدہ یعنی سے حاصل ہو) کہا گیا۔

(۸) یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہو گا، جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی۔ جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن و صحت، مال و دولت اور اولاد وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، یہ سوال صرف کافروں سے ہو گا۔ بعض کہتے ہیں، ہر ایک سے ہی ہو گا کیوں کہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں۔ جنہوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق کیا ہو گا، وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے، اور جنہوں نے کفران نعمت کا ارتکاب کیا ہو گا، وہ دھر لیے جائیں گے۔

سورة عصر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شِوَّالُ الْعَصْرِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم و الا ہے۔

زمانے کی قسم۔^(١)

بیشک (باليقین) انسان سرتاسر نقصان میں ہے۔^(٢)
سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل^(٣)
کیے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی^(٤) اور
ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔^(٥)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ^٦

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خُبُرٍ^٧
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصِّدْقَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ^٨
وَتَوَاصَوْا بِالصَّابَرِ^٩

(۱) زمانے سے مراد، شب و روز کی یہ گردش اور ان کا ادل بدل کر آتا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات بھی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یہی مرو را یام، زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھالی ہے۔ یہ پسلے بتالیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ جنم کا ایندھن بناتا ہے۔

(۳) ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں، کیوں کہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزرنی ہو، موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پر آسانش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہل ایمان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے۔

(۴) یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محربات و معاصی سے اجتناب کی تلقین۔

(۵) یعنی مصالح و آلام پر صبر، احکام و فرائض شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب پر صبر، لذات و خواہشات کی قربانی پر صبر، صبر بھی اگرچہ تواصی بالحق میں شامل ہے، تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا، جس سے اس کا شرف و فضل اور خصال حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

سورة همزة کی ہے اور اس میں نو آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نہایت رحم والا ہے۔

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ثولنے والا
غیبت کرنے والا ہو۔^(۱)

جو مال کو جمع کرتا جائے اور گناہ کرے۔^(۲)
وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے
گا۔^(۳)

ہر گز نہیں^(۴) یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں
پھینک دیا جائے گا۔^(۵)

اور تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہو گی؟^(۶)
وہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہو گی۔^(۷)

سورة همزة

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيَأْتِيَ الْكُلُّ هُمَزَةً لَمَرَّةً ۝

إِلَيْنَا جَمَعًا مَا لَا يَعْدُدُهُ ۝
يَعْسُبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝

كَلَّا لَيَنْهَا نَفِيَ الْحَطَمَةُ ۝

وَمَا أَدْرِيكَ مَا الْحَطَمَةُ ۝

نَارُ اللَّهِ الْمُؤَقَّدُهُ ۝

(۱) هُمَزَةُ اور لُمَزَةُ، بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ هُمَزَةُ وہ شخص ہے جو رو در رو برائی کرے اور لُمَزَةُ وہ جو پیغیجے پیچے غیبت کرے۔ بعض اس کے بر عکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں هُمَزُ، آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لُمَزُ زبان سے۔

(۲) اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا یعنی سینت سینت کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔ ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا موم نہیں ہے۔ یہ نہ موم اسی وقت ہے جب زکوٰۃ و صدقات اور اتفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام نہ ہو۔

(۳) أَخْلَدَهُ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اے ہیئت زندہ رکھے گا“ یعنی یہ مال جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔

(۴) یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا اس کا زعم اور گمان ہے۔

(۵) ایسا بخیل شخص حلمہ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھی جنم کا ایک نام ہے، توڑ پھوڑ دینے والی۔

(۶) یہ استفہام اس کی ہونا کی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہو لناک آگ ہو گی کہ تمہاری عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور تمہارا فہم و شعور اس کی تھہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی۔^(١)
وہ ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہو گی۔^(٢)
بڑے بڑے ستونوں میں۔^(٣)

سورہ فیل کی ہے اور اس میں پانچ آیات ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے
ساتھ کیا کیا؟^(٤)

الَّتِي تَكْلِمُ عَلَى الْأَفْهَمَةِ^١
إِنَّهَا عَلَيْهِ مُؤْمَدَةٌ^٢
فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ^٣

شِعْرُ الْفَيْلِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْمُتَرْكِيفُ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفَيْلِ^١

(۱) یعنی اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا دالتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دل تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جنم میں ایسا نہیں ہو گا، وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی، لیکن موت نہیں آئے گی، بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔

(۲) مُؤْمَدَةٌ بَدْ، یعنی جنم کے دروازے اور راستے بند کر دیئے جائیں گے، تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے، اور انہیں لوہے کی میخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا، جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی، بعض کے نزدیک عَمَدَ سے مراد یہ یاں یا طوق ہیں اور بعض کے نزدیک ستون ہیں جن میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (فتح القدر)

(۳) جو یمن سے خانہ کعبہ کی تحریک کے لیے آئے تھے الْمَتَرَ کے معنی ہیں الْمَتَلَمَ کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفمام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی۔ اس لیے عربوں میں اس کی خبری مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصرًا حسب ذیل ہے۔

وَاقِعَةُ اصحابِ الْفَيْلِ:

جیش کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابہة الشرم گورنر تھا، اس نے صناعے میں ایک بہت بڑا گرجا (عبادت گھر) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کے بجائے عبادت اور حج و عمرہ کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا، جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے، جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر کے پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں لشکر یاں تھیں جو پہنچنے یا مسون

کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟^(۱) (۲)

اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بچ دیئے۔^(۳) (۴)

جو نہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔^(۴) (۵)

پس انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔^(۵) (۶)

سورہ قریش کی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

قریش کے مانوس کرنے کے لیے^(۱)

(یعنی) انہیں جائز اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے
کے لیے۔^(۵) (اس کے شکریہ میں)۔^(۲)

الْمُبَيِّنُ كَيْدَهُمْ فِي تَضَيِّنٍ ۝

ذَارِسَل عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَايِنَ ۝

تَرْمِيْهُمْ بِعِجَارَةٍ مِنْ سِجِّنٍ ۝

فَجَعَلَهُمْ كَصَفِّ ثَانِيًّا ۝

سُبُورًا فِي قَرِيْشٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

إِنَّا لِفِي قَرِيْشٍ ۝

الْفَهْمُ بِرْحَلَةِ الشَّتَاءِ وَالْقَيْنِ ۝

کے برابر تھیں، جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پکھل جاتا اور اس کا گوشت جھپڑ جاتا اور بالآخر مر جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی صنعت پختہ پختہ یہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ کے کے قریب پنج کرا برہہ کے لشکرنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے، جو کے کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا، جس پر عبد المطلب نے آگرا برہہ سے کما کہ تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کاملہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا ہے تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا حافظ ہے، تو جانے اور بیت اللہ کا مالک اللہ جانے۔
(السرالتفاسیر)

(۱) یعنی وہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کا راہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفسام تقریری ہے۔

(۲) ابایل، پرندے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی ہیں غول در غول۔

(۳) سِجِّنِل مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں سے زیادہ مسلک کام کیا۔

(۴) یعنی ان کے اجزاء جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

☆۔ اسے سورہ ایلاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت سے ہے۔

(۵) اینلاف کے معنی ہیں، مانوس اور عادی بنانا، یعنی اس کام سے کلفت اور نفترت کا دور ہو جانا۔ قریش کی گزران کا ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لاتا۔ سردیوں میں یہن، جو گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان

فَلِيَعْبُدُوا رَبَّهُنَا الَّذِينَ يَرْجُونَ^۲

پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے
رہیں۔^(۳)

جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا^(۱) اور ڈر (اور خوف)
میں امن (و امان) دیا۔^(۲)

سورہ ماعون کی ہے اور اس میں سات آیتیں ہیں:-

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

کیا تو نے (اسے بھی) دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا
ہے؟^(۳)^(۱)

یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔^(۳)^(۲)

الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ وَّأَمْنَمَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ^۲

سُورَةُ الْمَاعُونَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَرْبَعَتِ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْدِينِ^۲

فَذِلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتَمَ

کی عزت کرتے تھے، اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے، اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتلا رہا ہے کہ تم جو گرمی، سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمہیں کے میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمہارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمہاری عزت بھی برقرار رہے اور تمہارے سفروں کا سلسلہ بھی، جس کے تم خوگر ہو، قائم رہے، اگر ابرہہ اپنے نہ موم مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمہاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلہ سفر بھی منقطع ہو جاتا۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو۔

(۱) مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے۔

(۲) عرب میں قتل و غارت گری عام تھی لیکن قریش مکہ کو حرم مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ خوف و خطر سے محفوظ تھے۔

☆ اس سورت کو سُورَةُ الدِّينِ سُورَةُ أَرَأَيَتَ اور سُورَةُ الْيَتَمَ بھی کہتے ہیں۔ (فتح القدير)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور استفهام سے مقصد اظہار تعجب ہے۔ روایت معرفت کے مفہوم میں ہے اور دین سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت ہے ”کیا تو نے اس شخص کو پہچانا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟“

(۴) اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا، قیامت کا منکر ہے، بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیوں کر حسن سلوک کر سکتا ہے؟ یتیم کے ساتھ تو وہی شخص اچھا برداشت کرے گا۔ جس کے دل میں مال کے بجائے انسانی قدریوں اور اخلاقی ضابطوں کی

اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔^(۱)
ان نمازوں کے لیے افسوس (اور ویل نامی جنم کی جگہ)
ہے۔^(۲)

جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔^(۳)
جوریا کاری کرتے ہیں۔^(۴)
اور برتنے کی چیز روکتے ہیں۔^(۵)

سورہ کوثر کی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربیان
نہایت رحم والا ہے۔
یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر (اور بہت کچھ) دیا

وَلَا يَحْصُلُ عَلَى طَعَامِ الْمُتَكَبِّرِينَ ③
فَوَيْلٌ لِلْمُكْبِرِينَ ④

الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ⑤
الَّذِينَ هُمْ لَهُمْ أَعْوَنَ ⑥
وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ⑦

سُورَةُ الْكُوَثْرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَعْلَمُ بِكُلِّ شَيْءٍ ⑧

اہمیت و محبت ہو گی۔ دوسرے اسے اس امر کا لیقین ہو کہ اس کے بدلتے میں مجھے قیامت والے دن اچھی جزا ملے گی۔

(۱) یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دھکائی دے گا۔

(۲) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز یا تو پڑھتے ہی نہیں۔ یا پسلے پڑھتے رہے ہیں، پھرست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنون وقت میں نہیں پڑھتے، جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کو معمول بنالیتے ہیں یا خشوع خضوع کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آجاتے ہیں، اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتایوں سے بچنا چاہیے۔ یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتایوں کے مرٹکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزا اور حساب کتاب پر لیقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ ﴿وَإِذَا قَاتَمُوا إِلَى الظَّلْوَةِ

قَاتَمُوا كُلَّا لَهُ بِرَأْؤُنَ النَّاسِ وَلَا يَدْرُوْنَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (النساء' ۲۲)

(۳) یعنی ایسے لوگوں کا شیوه یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی، بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، یعنی صرف نمود و نمائش اور ریا کاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

(۴) معنی: شَيْءٌ قَلِيلٌ کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد زکوٰۃ لیتے ہیں، کیوں کہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے، (ڈھائی فی صد) اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑو سی ایک دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ گھر میلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے بر عکس بخل اور کنجوںی بردا، یہ منکرین قیامت ہی کا شیوه ہے۔

☆۔ اس کا دوسرا نام سُورَةُ النُّخْرِ بھی ہے۔

ہے۔^(١)

پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔^(٢)
یقیناً تیرا دشمن ہی لاوارث اور بے نام و نشان
ہے۔^(٣)

سورہ کافرون کی ہے اور اس میں چھ آیات ہیں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَلَا تَخُرُّ^(١)
إِنَّ شَانِكَ هُوَ الْبَرُّ^(٢)

سُورَةُ الْكَافُورِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مریان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) کَوْثَرٌ کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے "خر کثیر" کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نمر مراد ہے جو جنت میں آپ ﷺ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصدق حوض بتلایا گیا ہے، جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پانی پیسیں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نمر سے آرہا ہو گا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں "خر کثیر" میں آجاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دوسروں کو شریک نہ کر۔ نَخْرٌ کے اصل معنی ہیں اونٹ کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے زنخ کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لانا کران کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے زنخ کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نخر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوه ازیں اس میں بطور صدقہ و خیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقعے پر منی میں اور عید الاضحی کے موقعے پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

(۳) ابترہ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مقطوع الذکر ہو، یعنی اس کی ذات پر ہی اس کی نسل کا غائبہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوانہ رہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابترہ کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تعلیٰ دی کہ ابترہ تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نسل کو بھی باقی رکھا گواں کا سلسلہ لڑکی کی طرف سے ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی اولاد معنوی ہی ہے؛ جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت والے دن فخر کریں گے، علاوه ازیں آپ ﷺ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت و احترام سے کیا جاتا ہے، جبکہ آپ ﷺ سے بعض و عناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔

☆۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دور کعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! ^(۱) نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ ^(۲)	قُلْ يَا أَيُّهَا الْكُفَّارُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝
نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ ^(۳)	وَلَا أَنْتُ عَبْدُهُنَّ مَا عَبَدُ ۝
اور نہ میں عبادت کروں گا جسکی تم عبادت کرتے ہو۔ ^(۴) اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ ^(۵)	وَلَا إِنَّا عَابِدُ مَا عَبَدُ ۝ وَلَا إِنَّمُ عَبْدُهُنَّ مَا عَبَدُ ۝
تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ ^(۶)	لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكُفَّارُونَ﴾ اور سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ ﷺ کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت، یہ سورت پڑھ کر سووً گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔ (مسند احمد، ۳۵۶ / ۵، ترمذی، نمبر ۳۲۰۳)

ابوداؤد، نمبر ۵۰۵۵، مجمع الزوائد، ۱۰ / ۱۲۱) بعض روایات میں خود آپ ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)
 (۱) الْكُفَّارُونَ میں الف لام جن کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہو گا۔ کیوں کہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انہوں نے اللہ کی عبادت کی۔ (فتح القدیر)

(۲) بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے، لیکن امام شوکانی نے کہا ہے کہ ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تحریر، عربی زبان کا عام اسلوب ہے، جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے سورہ رحمن، سورہ مرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرا�ا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کر لوں، جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمہاری قسم میں ہدایت نہیں لکھی ہے، تو تم بھی اس توحید اور عبادت اللہ سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی، جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ ﷺ کے معبود کی اور ایک سال آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔

(۳) یعنی اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو، تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے کیوں چھوڑوں؟ ﴿لَئِنْ أَنْهَمْنَا لَنَا وَلَكُمْ أَنْهَمَ اللَّهُ﴾ (القصص، ۵۵)

سُورَةُ النَّصْرِ

سورہ نصر مدنی ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔^(۱)
اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جو ق در جو ق آتا دیکھے
لے۔^(۲)

تو اپنے رب کی تبعیج کرنے لگے حمد کے ساتھ اور اس سے
مغفرت کی دعا مانگ، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا
ہے۔^(۳)

سورہ تبہت مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میریان
نہایت رحم والا ہے۔

سُورَةُ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا جَاءَهُنَّا نَصْرًا إِنَّمَا وَالْفَتْحُ

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا

فَسَيَّئَتْ بِهِمْ دِرَبِكَ وَأَسْعَفْتَهُمْ إِنَّمَا كَانَ تَوَابًا

سُورَةُ الْأَنْتَفَاجَةِ

سُورَةُ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

☆ نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب التفسیر) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رض سمجھ گئے کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت آگیا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبعیج و تحمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے (تفسیر سورہ النصر)

(۱) اللہ کی مدد کا مطلب، اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے، اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن تھا، لیکن کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام رض کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب ۸ ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے، جب کہ اس سے قبل ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے، جس کے بغیر اب نجات اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ایسا ہو تو۔

(۲) یعنی یہ سمجھ لے کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض، جو تیرے ذمے تھا، پورا ہو گیا اور اب تیرا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آگیا ہے، اس لیے حمد و تسبیح الہی اور استغفار کا خوب اہتمام کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیے۔

☆۔ اسے سورۃ المسد بھی کہتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اپنے

ابولب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو
گیا۔^(۱)

نہ تو اس کمال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمالی۔^(۲)
وہ غیر قریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا۔^(۳)
اور اس کی بیوی بھی (جائے گی)، جو لکڑیاں ڈھونے والی
ہے۔^(۴)

بَتَّ يَدَاهُ إِلَيْهِ وَتَبَّ

مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ

سَيَقْصِلُ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ

وَأَمْرَأً لَهُ حَيَّالَةُ الْحَطَبِ

رشتہ داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یا صبا حادہ؟ کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ذرا بتلاؤ، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھر سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ ہم نے کبھی آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں۔ (اگر تم کفر و شرک میں بتلارہے) یہ سن کر ابولب نے کہا بتلاؤ! تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمادی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ تبت)

ابولب کا اصل نام عبد العزیز تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرفی کی وجہ سے اسے ابولب (شعلہ فروزان) کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجمام کے اعتبار سے بھی اسے جنم کی آگ کا ایندھن بننا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی پچھا تھا، لیکن آپ ﷺ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔

(۱) یَدَا، یَدُ (ہاتھ) کا تثنیہ ہے، مراد اس سے اس کا نفس ہے، جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے یعنی ہلاک و بر باد ہو جائے۔ یہ بد دعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ وَتَبَّ (اور وہ ہلاک ہو گیا) یہ خبر ہے یعنی بد دعا کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی ہلاکت اور بر بادی کی خبر بھی دے دی۔ چنانچہ جنگ بد ر کے چند روز بعد یہ عدیہ بیماری میں بتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی، حتیٰ کہ سخت بد بودار ہو گئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے، اس کے جسم پر دور سے ہی پھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنادیا۔ (ایسر التفاسیر)

(۲) کمالی میں اس کی رئیسانہ حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے۔ یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔

(۳) یعنی جنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لا لانا کر ڈالے گی، تاکہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہو گا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں، مددگار تھی، آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہو گی۔ (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ وہ کائنے دار جھاڑیاں ڈھونڈھو کر لاتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں لا کر بچھا

اسکی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رہی ہوگی۔^(۱) (۵)

فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِنْ مَسَدٍ^۶

سورہ اخلاص کمی ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں۔

شُورَةُ الْإِخْلَاصِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربان
نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔^(۱)
اللَّهُ تَعَالَى بَعْنَى يَنْزَهُ^(۲)

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ^۷

نہ اس سے کوئی پیدا ہوانہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔^(۳)
أَوْنَهُ كَوَافِرُ أَسْ كَاهِرَهُ^(۴)

أَللَّهُ الصَّمَدُ^۸

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ^۹
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًّا أَحَدٌ^{۱۰}

دیتی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔ چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت کرتی اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر اکساتی تھی۔ (فتح الباری)

(۱) جِيدُ گردن۔ مَسَدُ۔ مضبوط بٹی ہوئی رہی۔ وہ منج کی یا کھجور کی پوست کی ہو یا آہنی تاروں کی۔ جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہو گا، وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہو گا۔ مَسَدُ سے تشبیہ، اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

☆۔ یہ مختصری سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت (ایک تماں ۱/۳) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (البخاری، کتاب التوحید، وفضائل القرآن، باب فضل قل هو اللہ أحد) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ”تمہاری اس کے ساتھ محبت تمہیں جنت میں داخل کر دے گی“۔ (البخاری، کتاب التوحید، کتاب الأذان، باب الجمع بین السورتين فی الرکعة۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ (منہ احمد، ۵/۱۳۲-۱۳۳)

(۲) یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

(۳) یعنی نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔

(۴) اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ (لَيْسَ كَمُثْلِهِ شَيْءٌ) (الشوری، ۱۱) حدیث

سُورَةُ الْفَاتِقٍ

سورة فلتکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا میراث
نمایت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے! کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَّا أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَاتِقِ ۝

قدی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”انسان مجھے گالی دیتا ہے یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں، میں نے کسی کو جتنا ہے نہ کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔“ (صحیح البخاری) تفسیر سورۃ قل هو اللہ أحد، اس سورت میں ان کا بھی رو ہو گیا جو متعدد خداوں کے قائل ہیں اور جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں اور جو اس کو دوسروں کا شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔

☆۔ اس کے بعد سورۃ الناس ہے، ان دونوں کی مشترک فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں، جن کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی“ یہ فرمائے آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ المعوذتين، والترمذی)، ابو حais جنی ہیئت سے آپ ﷺ نے فرمایا ”اے ابو حابس! کیا میں تمہیں سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں، انہوں نے عرض کیا، ہاں ضرور بتائیے! آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا یہ دونوں معوذتائیں ہیں۔“ (صحیح النسائی، للأبانی، نمبر ٥٠٢٠) نبی صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنا لیا اور باقی دوسری چیزیں چھوڑ دیں۔ (صحیح الترمذی، للأبانی، نمبر ٣٥٠) حضرت عائشہ اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو معوذتائیں ﴿فَلَّا أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَاتِقِ﴾ اور ﴿فَلَّا أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ ﷺ کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے، آپ ﷺ کے جسم پر پھیرتی۔ (بخاری، فضائل القرآن، باب المعدودات، مسلم، کتاب السلام، باب رقیۃ المریض بالمعزدات) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، تو جرایل علیہ السلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے، اور یہ جادو فلاں کوئی میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی ہیئت کو بھیج کر اسے منگوایا، (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گریہیں پڑی ہوئی تھیں اور مووم کا ایک پٹلا تھا جس میں سویاں چبھوئی ہوئی تھیں) جبرایل علیہ السلام کے حکم کے مطابق آپ ﷺ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی

ہوں۔ ^(۱) ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ ^(۲) اور اندر ہیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندر ہیرا پھیل جائے۔ ^(۳) اور گرہ (لگا کر ان) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی) ^(۴) اور حمد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حمد	مِنْ شَرِّ إِلَخَّ ^(۱) وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ^(۲) وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْأَرْضِ ^(۳) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ^(۴)
---	---

جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتمه تک پہنچتے پہنچتے ساری گریہیں بھی کھل گئیں اور سویاں بھی نکل گئیں اور آپ ﷺ اس طرح صحیح ہو گئے جیسے کوئی شخص جذبہ بندی سے آزاد ہو جائے۔ (صحیح بخاری، مع فتح الباری، کتاب الطب، باب السحر، مسلم، کتاب السلام، باب السحر، والسنن) آپ ﷺ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورہ اخلاص اور موزع تین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انہیں پورے جسم پر ملتے، پلے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جماں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ﷺ ایسا کرتے۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل المعدودات)

(۱) فَلَقْ کے راجح معنی صحیح کے ہیں۔ صحیح کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندر ہیرا ختم کر کے دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صحیح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صحیح کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔ (فتح القدر)

(۲) یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

(۳) رات کے اندر ہیرے میں ہی خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرام پیشہ افراد اپنے تموم ارادوں کو عملی جامد پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ غَاسِقٌ رات، وَقَبَ داخل ہو جائے، چھا جائے۔

(۴) نَفَّاثَاتٌ، موئث کا صیغہ ہے، جو النُّفُوسُ (موصوف مذوق) کی صفت ہے مِنْ شَرِّ النُّفُوسِ النَّفَاثَاتِ یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفوں کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں۔ یعنی اس میں جادو گروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادو گر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔

کرے۔^(١)
(٥)

سُبُورُكُ النَّاسِ

دِشْرِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ^(١)

مَلِكِ النَّاسِ^(٢)

إِلَهِ النَّاسِ^(٣)

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِينَ^(٤)

سُورَةُ النَّاسِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مربان
نہایت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجئے! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں
آتا ہوں۔^(٢)
(١)

لوگوں کے مالک کی^(٣) (اور)^(٤)

لوگوں کے معبود کی (پناہ میں)^(٣) (٤)

وسو سے ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر
سے۔^(٥)
(٣)

(١) حدیہ ہے کہ حاسد، محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔ کیوں کہ حد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے، جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

☆۔ اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بچھوڑا گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكُفَّارُونَ، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَّ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد: ٥ / ٣٠۔ وقال الهیثمی اسنادہ حسن)

(٢) رَبُّ (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتداء سے ہی، جب کہ انسان ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ بالغ عاقل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ اپنی تمام خلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و نفضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام خلوقات پر اس کو حاصل ہے۔

(٣) جو ذات، تمام انسانوں کی پرورش اور نگهداری کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اس کے پاس ہو۔

(٤) اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو۔ چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

(٥) آنُوْسُوَاشُ: بعض کے نزدیک اسم فاعل الْمُوْسُوْسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذینِ الْوَسْوَاسِ ہے۔

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔^(۵)
 (خواہ) وہ جن میں سے ہو یا انسان میں سے۔^(۶)

الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝
 مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بڑی باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ الخَنَّاسُ، کھسک جانے والا یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت بر تی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔

(۱) یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین الجن کو تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گراہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گراہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابہ رض نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے، اور وہ میرا مطیع ہو گیا ہے۔ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم، کتاب صفة القيامة، باب تحريش الشيطان وبعثه سرایا لفتنه الناس.....) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رض آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔ راتے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر فرمایا کہ یہ میری اہلیہ، صفیہ بنت جیبی، ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے، لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری، کتاب الأحكام، الشهادة تكون عند الحاكم في ولایة القضاء)

دوسرے شیطان، انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو ناصح، مشفقت کے روپ میں انسانوں کو گراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان جن کو گراہ کرتا ہے یہ ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تغییب کے طور پر ہے، ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں ”رجال“ کا لفظ بولا گیا ہے۔ (سورۃ الجن، ۲) اس لیے وہ بھی ناس کا مصدقہ ہیں۔

رموز اوقاف قرآن مجید

ہر زبان کے اہل زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کمیں ٹھر جاتے ہیں، کمیں نہیں ٹھرتے۔ کمیں کم ٹھرتے ہیں، کمیں زیادہ اور اس ٹھرنے اور نہ ٹھرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہل علم نے اس کے ٹھرنے نہ ٹھرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں، جن کو رموز اوقاف قرآن مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ان رموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں :

○ جماں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سا دائرہ لگادیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول (ت) جو بصورت (ة) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھرنا چاہیئے، اب (ة) تو نہیں لکھی جاتی۔ چھوٹا سا دائرہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں۔ دائیرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رک جائیں ورنہ علامت کے مطابق عمل کریں۔

5 یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس موقع پر غیر کوفین کے نزدیک آیت ہے۔ وقف کریں تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائیرہ کا ہے۔

مر یہ علامت وقف لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھرنا چاہیئے۔ اگر نہ ٹھرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہیئے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ ”اٹھو۔ مت بیٹھو“ جس میں اٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہیں ہے۔ تو اٹھو پر ٹھرنا لازم ہے، اگر ٹھرنا نہ جائے تو ”اٹھومت۔ بیٹھو“ ہو جائے گا۔ جس میں اٹھنے کی نہیں اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقف مطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھرنا چاہیئے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کرنے والا بھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھرنا بہتر اور نہ ٹھرنا جائز ہے۔

ز علامت وقف مجوز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص علامت وقف مرخص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑنا چاہئے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ (ص) پر ملا کر پڑھنا (ز) کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔

صل قَدْ يُوصَلُ کا مخفف ہے۔ یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف یہ لفظِ قف ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ۔ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے، جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو۔

سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ لمبے سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہئے لیکن سانس نہ توڑیں۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے، وقفہ میں زیادہ۔

لا لام کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہئے بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہئے لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

ک کذلک کا مخفف ہے، اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے، اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

یہ تین نقاط والے دو وقف قریب آتے ہیں۔ ان کو معالقه کہتے ہیں۔ کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں وقف گویا معالقه کر رہے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہئے دوسرے پر نہیں۔ ہاں وقف کرنے میں رموز کی قوت اور ضعف کو ملاحظہ رکھنا چاہئے۔

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۱	سورة الفاتحة	۱	۱
۲	سورة البقرة	۷	۳ - ۲ - ۱
۳	سورة آل عمران	۱۲۹	۳ - ۳
۴	سورة النساء	۲۰۱	۶ - ۵ - ۳
۵	سورة المائدۃ	۲۸۱	۷ - ۶
۶	سورة الأنعام	۳۳۰	۸ - ۷
۷	سورة الأعراف	۳۰۶	۹ - ۸
۸	سورة الأنفال	۳۷۷	۱۰ - ۹
۹	سورة التوبۃ	۵۰۳	۱۱ - ۱۰
۱۰	سورة یونس	۵۵۹	۱۱
۱۱	سورة هود	۵۹۷	۱۲ - ۱۱
۱۲	سورة یوسف	۶۳۷	۱۳ - ۱۲
۱۳	سورة الرعد	۶۷۶	۱۳
۱۴	سورة إبراهیم	۶۹۳	۱۳
۱۵	سورة الحجر	۷۱۰	۱۳ - ۱۳
۱۶	سورة النحل	۷۲۶	۱۳
۱۷	سورة بنی إسرائیل	۷۶۵	۱۵
۱۸	سورة الکھف	۷۹۸	۱۴ - ۱۵
۱۹	سورة مریم	۸۳۲	۱۶
۲۰	سورة طہ	۸۵۳	۱۶
۲۱	سورة الأنبياء	۸۸۳	۱۷
۲۲	سورة الحج	۹۱۰	۱۷
۲۳	سورة المؤمنون	۹۳۹	۱۸
۲۴	سورة النور	۹۶۲	۱۸
۲۵	سورة الفرقان	۹۹۳	۱۹ - ۱۸
۲۶	سورة الشعراء	۱۰۱۳	۱۹
۲۷	سورة النمل	۱۰۳۳	۲۰ - ۱۹

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شمار پاره
٢٨	سورة القصص	١٠٦٨	٢٠
٢٩	سورة العنكبوت	١٠٩٩	٢١ - ٢٠
٣٠	سورة الروم	١١٢٣	٢١
٣١	سورة لقمان	١١٣٢	٢١
٣٢	سورة السجدة	١١٥٥	٢١
٣٣	سورة الأحزاب	١١٦٣	٢٢ - ٢١
٣٤	سورة سبأ	١١٩٧	٢٢
٣٥	سورة فاطر	١٢١٦	٢٢
٣٦	سورة يس	١٢٣٢	٢٣ - ٢٢
٣٧	سورة الصافات	١٢٣٩	٢٣
٣٨	سورة حَمَ	١٢٧٢	٢٣
٣٩	سورة الزمر	١٢٩٠	٢٣ - ٢٣
٤٠	سورة المؤمن	١٣١٣	٢٣
٤١	سورة حَمَ السجدة	١٣٣١	٢٥ - ٢٣
٤٢	سورة الشورى	١٣٦٠	٢٥
٤٣	سورة الزخرف	١٣٧٧	٢٥
٤٤	سورة الدخان	١٣٩٦	٢٥
٤٥	سورة الجاثية	١٣٠٥	٢٥
٤٦	سورة الأحقاف	١٣١٥	٢٦
٤٧	سورة محمد	١٣٢٨	٢٦
٤٨	سورة الفتح	١٣٣١	٢٦
٤٩	سورة الحجرات	١٣٥٥	٢٦
٥٠	سورة قَ	١٣٦٣	٢٦
٥١	سورة الذاريات	١٣٧٢	٢٧ - ٢٦
٥٢	سورة الطور	١٣٨٢	٢٧
٥٣	سورة النجم	١٣٩١	٢٧
٥٤	سورة القمر	١٤٠٠	٢٧
٥٥	سورة الرحمن	١٤١٠	٢٧
٥٦	سورة الواقعة	١٤٢٠	٢٧

نمبر شمار	نام سورت	صفحه نمبر	شار پاره
٥٧	سورة الحديد	١٥٣١	٢٧
٥٨	سورة المجادلة	١٥٣٣	٢٨
٥٩	سورة الحشر	١٥٥٣	٢٨
٦٠	سورة الممتحنة	١٥٦٣	٢٨
٦١	سورة الصاف	١٥٧١	٢٨
٦٢	سورة الجمعة	١٥٧٦	٢٨
٦٣	سورة المنافقون	١٥٨٠	٢٨
٦٤	سورة التغابن	١٥٨٣	٢٨
٦٥	سورة الطلاق	١٥٩٠	٢٨
٦٦	سورة التحرير	١٥٩٧	٢٨
٦٧	سورة الملك	١٦٠٣	٢٩
٦٨	سورة القلم	١٦١٠	٢٩
٦٩	سورة الحاقة	١٦١٩	٢٩
٧٠	سورة المعارج	١٦٢٥	٢٩
٧١	سورة نوح	١٦٣١	٢٩
٧٢	سورة الجن	١٦٣٧	٢٩
٧٣	سورة المزمل	١٦٣٣	٢٩
٧٤	سورة المدثر	١٦٣٩	٢٩
٧٥	سورة القيامة	١٦٥٦	٢٩
٧٦	سورة الدهر	١٦٦١	٢٩
٧٧	سورة المرسلات	١٦٦٧	٢٩
٧٨	سورة النبأ	١٦٧٣	٣٠
٧٩	سورة النازعات	١٦٧٨	٣٠
٨٠	سورة عبس	١٦٨٣	٣٠
٨١	سورة التكوير	١٦٨٨	٣٠
٨٢	سورة الانفطار	١٦٩٢	٣٠
٨٣	سورة المطففين	١٦٩٥	٣٠
٨٣	سورة الانشقاق	١٦٩٩	٣٠
٨٥	سورة البروج	١٧٠٣	٣٠

نمبر شمار	سورة	نام سورت	صفحة نمبر	شمار پاره
٨٦	سورة الطارق		١٧٠٦	٣٠
٨٧	سورة الأعلى		١٧٠٩	٣٠
٨٨	سورة الغاشية		١٧١١	٣٠
٨٩	سورة الفجر		١٧١٣	٣٠
٩٠	سورة البلد		١٧١٨	٣٠
٩١	سورة الشمس		١٧٢١	٣٠
٩٢	سورة الليل		١٧٢٣	٣٠
٩٣	سورة الضحى		١٧٢٦	٣٠
٩٣	سورة الشرح		١٧٢٧	٣٠
٩٥	سورة التين		١٧٢٩	٣٠
٩٦	سورة العلق		١٧٣٠	٣٠
٩٧	سورة القدر		١٧٣٣	٣٠
٩٨	سورة البينة		١٧٣٣	٣٠
٩٩	سورة الزلزال		١٧٣٧	٣٠
١٠٠	سورة العاديات		١٧٣٨	٣٠
١٠١	سورة القارعة		١٧٣٠	٣٠
١٠٢	سورة التكاثر		١٧٣٢	٣٠
١٠٣	سورة العصر		١٧٣٣	٣٠
١٠٣	سورة الهمزة		١٧٣٣	٣٠
١٠٥	سورة الفيل		١٧٣٥	٣٠
١٠٦	سورة قريش		١٧٣٦	٣٠
١٠٧	سورة الماعون		١٧٣٧	٣٠
١٠٨	سورة الكوثر		١٧٣٨	٣٠
١٠٩	سورة الكافرون		١٧٤٠	٣٠
١١٠	سورة النصر		١٧٤١	٣٠
١١١	سورة بت		١٧٤٢	٣٠
١١٢	سورة الإخلاص		١٧٤٣	٣٠
١١٣	سورة الفلق		١٧٤٣	٣٠
١١٣	سورة الناس		١٧٤٦	٣٠

إِنَّ وَلَاهُ الشُّعُونُ إِلَّا إِسْلَامِيَّةً وَالْأَوْقَافَ وَالدَّعْوَةُ وَالإِرْشَادُ
فِي الْمَلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُودِيَّةِ
الْمُشْرِفَةُ عَلَى مَجَمِعِ الْمَلَكِ فَهَذِهِ
لِطَبَاعَةِ الْمُصَحَّفِ الشَّرِيفِ فِي الْمَدِينَةِ الْمُسَوَّرَةِ
إِذَا سُرِّهَا أَنْ يُصَدِّرَ الْمَجَمُوعُ هَذِهِ الْطَّبِيعَةَ مِنَ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ
وَتُرَجَّمَةٌ مَعَانِيهِ إِلَى الْلُّغَةِ الْأَرْدِيَّةِ
سَأَلَ اللَّهَ أَنْ يُنْفَعَ بِهِ النَّاسُ
وَأَنْ يَجْزِيَ
خَادِمَ الْجَمِيعِ الشَّرِيفِينَ الْمُلَكَابْدَلَ الدَّيْنَ بْنَ سَعْدَ الْعَزِيزَ الْسُّعُودَ
أَخْسَنَ الْجَرَاءِ عَلَى جُهُودِهِ الْعَظِيمَةِ فِي نَسْرِ كِتَابِ اللَّهِ الْكَرِيمِ
وَاللَّهُ وَلِيُ التَّوْفِيقِ

وزارت اسلامی امور، اوقاف، دعوت و ارشاد

مملکت سعودی عرب

نگران ”شah فہد قرآن کریم پر ننگ کمپلیکس مدینہ منورہ“
کے لیے باعث مرت ہے کہ کمپلیکس یہ قرآن کریم
مع اردو ترجمہ و تفسیر شائع کرے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں اس کا نفع عام کرے
اور خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود
کو اشاعت قرآن کریم کے سلسلہ میں عظیم
کوششوں پر جزا عطا فرمائے۔
اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔



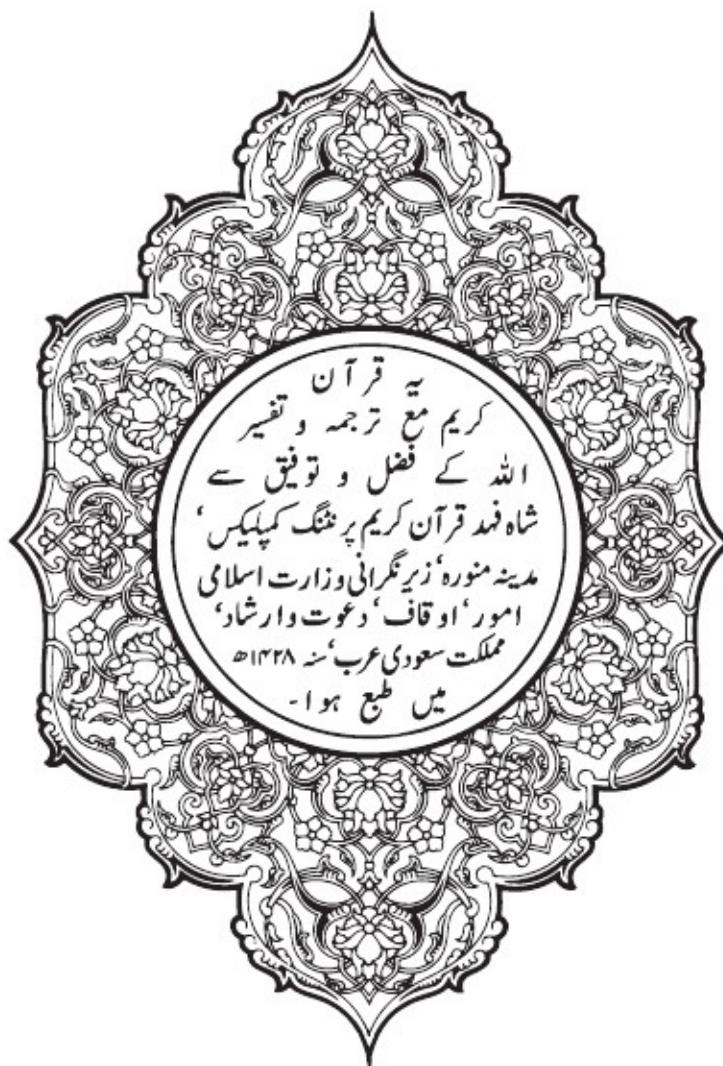
حُكْمُ الظَّبِيعِ حَجَفُوَّةٌ

لِجَمِيعِ الْمَلَكِ وَهَذِهِ نُطْبَاعَةُ الْمُصْنَعِ لِلشَّرِيفِ

ص. ب ٦٢٦٢ - المدينة المنورة

موقع الانترنت : www.qurancomplex.org

البريد الإلكتروني : kfcphq@qurancomplex.org



حقوق طبع بحق ناشر محفوظ ہیں

شاہ فضل قرآن شریف پرنگ کپلیکس

پوسٹ بکس نمبر ۶۳۴۲ مدینہ منورہ

Website: www.qurancomplex.org
E-mail: kfcphq@qurancomplex.org

ح) مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ، ١٤١٧ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

القرآن الكريم وترجمة معانيه إلى اللغة الأردية / ترجمة مجمع
المملكة فهد لطباعة المصحف الشريف - المدينة المنورة .

٢١٠١٤ ص ٢١٧٧٦

ردمك ٩٩٦٠-٧٧٠-١٤-١

١- القرآن - ترجمة - اللغة الأردية ٢- القرآن - تفسير

أ- مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف (مترجم)

ديوي ٢٢١،٤٩١٤٣٩ ١٧/١٠٥٦

رقم الإيداع : ١٧/١٠٥٦

ردمك : ٩٩٦٠-٧٧٠-١٤-١

(٤٠٠٠) (٧) (٤-٤) (٥٠٢)

ردمك : ١٤-٧٧٠-٩٩٦٠